اردو ترجمہ

درمختار

الموسوم بہ

غایۃ الاوطار

جلد اول

ایچ ایم سعید کمپنی
ادب منزل پاکستان چوک کراچی

باسمہٖ تعالیٰ

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

اہلِ علم و دانش سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں

الحمد للہ والمنۃ مسلک امام اعظم ابوحنیفہ اور فتاویٰ حنفیہ پر مشتمل

اُردو ترجمہ

دُرُّ المُختار

المَوسُوم بہ

غایۃ الاوطار

جلدِ اوّل

مترجمہ مولانا خرّم علی و مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی رحمہما اللہ تعالےٰ

دُرّالمختار اور اس کی مبسوط شرح فتاویٰ شامی یعنی ردّالمحتار کا مکمل اردو ترجمہ علماء کی ضروری تشریحات و توضیحات پر مشتمل خزینہ اور علماءِ کرام، مفتیانِ عظام اور خواص و عوام کیلئے ایک قیمتی سرمایہ

☆

ناشر

سعید ایچ ایم کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی

نام کتاب ــــــــــ غایۃ الاوطار

جلد ــــــــــ اول

مترجم ــــــــــ مولانا خرم علی و مولانا احسن صدیقی

طابع ــــــــــ حاجی محمد زکی عفی عنہ

مطبع ــــــــــ ایجوکیشنل پریس کراچی

ضخامت ــــــــــ ۶۸۸ صفحات

تعداد ــــــــــ چھ سو

سنہ طباعت ــــــــــ ۱۳۹۹ھ

قیمت ــــــــــ ۱۰/- روپے

ــــــــــ ناشر ــــــــــ

ایچ ۔ ایم ۔ سعید کمپنی

ادب منزل ۔ پاکستان چوک

کراچی

عرضِ ناشر

حمد بے پایاں اور شکر بیکراں اس ہادیٔ مطلق اور عالمِ جز و کل کے لئے سزاوار ہے جس نے ابتدائے آفرینش سے اپنے بندوں کی رہنمائی و رہبری اور نظمِ کائنات کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے اور خود اپنی ذات کی صلاح و فلاح کے فرض سے سبکدوش ہوتے اور عبد و معبود کے لازوال تعلق کو استوار کرنے کی تعلیم دینے کی غرض سے صحف و کتب منزلہ کے ساتھ انبیاء و رسل کی بعثت کا ایک سلسلہ جاری فرمایا جس کے خاتم و آخر ہادیٔ کل، دانائے سبل حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں ہزاروں درود و سلام ہوں تمام انبیاء و رسل اور بالخصوص سید الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے جملہ آل و اصحاب، اولیائے امت اور علمائے ملت پر جنھوں نے اپنے مقامات و مراتب کے اعتبار سے مذکورہ ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی کامیاب کوششیں فرمائیں۔

مذہب و دینِ اسلام دینِ فطرت ہے جو از مہد تا لحد انسانی زندگی کے اجتماعی و انفرادی اور معاشی و معاشرتی ہر شعبہ پر محیط و حاوی ہے اور ہر کام میں ہر گام پر انسان کی رہنمائی کرتا ہے جس کے دو بنیادی مصدر و ماخذ کتاب و سنت اور قرآن و حدیث ہیں جن کی حیثیت آئین و دستور اور بنیادی قواعد و ضوابط کی سی ہے، ان دو ماخذ اساسیہ کے علاوہ دو مزید مصادر و ماخذ اجماع و قیاس کو بروئے کار لاتے ہوئے صدق و اخلاص اور خلوصِ نیت و دیانت سے اجتہادِ فکر و اصابت رائے کے ذریعہ سے استخراجِ احکام استنباطِ مسائل، وضعِ قوانین، تشکیلِ ضوابط، ترتیبِ دفعات اور تحقیقِ جزئیات کے کامل فہم اور اس فہم کے بالکل صحیح استعمال کا نام تفقہ اور فقہ ہے لیکن عرف و اصطلاح میں اس کے نتیجہ اور علمی مساعی کے ثمرات و نتائج کے مجموعہ کو فقہ کہا جاتا ہے۔

عرب تو عرب ہی ہیں جن کی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا اور جن میں سے ہادیٔ کل خاتم رسل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مبعوث ہوئے، لیکن دوسری صدی ہجری سے پانچویں صدی ہجری کے خاتمہ تک جتنے صاحب الرائے علمائے دین مبین جلیل القدر فقیہانِ شرعِ متین اور بلند پایہ مجتہدین پیدا ہوئے ان کی اکثریت عجمی تھی جن کے سرخیل و سردار حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں کہ وہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے تعلق سے حضور کے فرمان "دین ثریا تک پہنچ جائے تب بھی یہ اسے پالیں گے" کے حقیقی مصداق ہیں۔

حضورؐ کے ارشادؐ اگر مجتہد و مستنبط سے اجتہاد میں خطا ہو جائے تو اکہرے اجر کا مستحق ہے اور خطا نہ ہو بلکہ اجتہاد مبنی بر صحت و صواب ہو تو دوہرے اجر کا" ایک اجتہاد کے اور دوسرے صحت و صواب کے، اس لئے بھی اور دین کی فروع و جزئیات کو مرتب اور منظم شکل میں امتِ مسلمہ تک پہنچا کر اس کے لئے سہولت پیدا کرنے کی خاطر ذی رائے، صاحب علم و فضل، ماہر و باکمال، اہلِ صدق و دیانت

علمائے صالحین کی اکثریت نے اجتہاد کے ذریعہ استنباط و استخراجِ مسائل و احکام کے سلسلہ کا آغاز کیا، کتابیں لکھیں، رسائل تحریر کئے، مصنفات و مؤلفات مرتب کئے جن میں سے چار جلیل القدر مجتہدین اور عالی مرتبت علماء امام و پیشوا قرار پائے جن کے مقلدین و متبعین آج تک دنیا کے ہر خطہ میں موجود ہیں ان میں امام اعظم ابو حنیفہ رح کو ایک امتیازی مقام اور نمایاں حیثیت حاصل ہے کہ دنیا میں آج تک ان کے پیرووں، تابعین اور مقلدین کی تعداد گنتی اور شمار سے باہر ہے اور ان کتب میں جو فقہ امام اعظم یا فقہ حنفی کی ترجمانی کرتی ہیں بلکہ فقہ حنفی کا بیش بہا سرمایہ اور گرانقدر مجموعہ بھی جاتی ہیں کتاب "ردالمختار" مرکزی حیثیت اور بڑی اہمیت رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب عرصۂ دراز سے طلباء و اساتذہ، متعلمین و معلمین اور مستفتیوں اور مفتیوں کے لئے مرکز و مرجع کی حیثیت کی حامل ہے۔

چونکہ ہم عجمیوں اور ہندوستانیوں کے لئے خواہ وہ کسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں عربی زبان کی اس کتاب سے کماحقہٗ استفادہ اور بعد ازاں افادہ نہ صرف مشکل بلکہ دشوار تھا اس لئے مولانا خرم علیؒ نے اردو زبان میں اس کے ترجمہ کا آغاز فرمایا جس کی تکمیل مولانا محمد احسن صدیقی نانوتویؒ نے فرمائی اور اس ترجمہ کا نام "غایۃ الاوطار" رکھا جس کی چار جلدوں میں طباعت و اشاعت کا سہرا نول کشور پریس لکھنؤ کے سر بندھا اور یہ کتاب اپنی گوناگوں افادیت اور ہمہ گیر مقبولیت کی بناء پر کئی مرتبہ شائع ہوتی رہی اور عوام و خواص، طلباء و اساتذہ، اہلِ قانون و افتاء اور صاحبان معاملہ و استفتاء اپنی ضرورت و حاجت اور اہلیت و صلاحیت کے لحاظ سے اس کتاب سے مستفید و مستفیض ہوتے رہے۔

تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں فقہ حنفی کے اس بیش بہا ذخیرہ اور گراں قدر سرمایہ کی کمیابی بلکہ نایابی کا ہر طبقہ میں شدید احساس ظاہر ہوا اور اس کی طلب بھی ایک محروم از آب تشنہ کام کی طرح روز افزوں ہوتی رہی مزید براں یہ کہ اس دور میں جو پاکستان میں تعزیراتِ ہند اور برطانوی قوانین کی جگہ اسلامی قواعد و قانون کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنے اور ان کی قلبِ ماہیت کرنے کی فکری و نظری، علمی و عملی دیانتدارانہ اور مخلصانہ کوشش و کاوش کا دور ہے اس اردو ترجمہ کی شدید ترین ضرورت محسوس کی گئی اور مختلف علماء و اہلِ قانون کی جانب سے اس کا اظہار بھی ہوتا رہا اور واقعہ بھی یہی ہے اس لئے ادارہ ہذا نے اسی شدید ترین ضرورت کے پیشِ نظر اس گراں بہا ذخیرۂ مسلکِ امام اعظم رح المسمیٰ بہ "ردالمختار" کے اردو ترجمہ الموسوم بہ غایۃ الاوطار کو نہایت عمدہ کتابت کامل صحت کے ساتھ طبع و شائع کرنے کا ارادہ کیا اور بحمد اللہ کہ چار جلدوں پر مشتمل یہ ترجمہ بصرف زر کثیر آفسٹ کی طباعت، عمدہ گلیز کاغذ اور دلکش پلاسٹک کور سے مزین ہدیۂ ناظرین و قارئین ہے۔ بفضلِ خدا امید ہے کہ نہ صرف یہ حقیر کوشش عنداللہ مقبول ہوگی بلکہ ناظرین کے ہر طبقہ کے لئے نہایت مفید و کارآمد بھی ہوگی۔

آخر میں دست بدعا ہوں کہ خداوند قدوس اس ناچیز خدمت کو شرفِ قبول عطا فرماتے ہوئے کاتبین و مصححین و معاونین اور ناشر و طابع کو دینِ حق کی خدمت کی مزید توفیق عطا فرمائے اور عوام و خواص کو اس سے کامل استفادہ کی سعادت بخشے آمین ثم آمین

بندۂ عاصی پر معاصی
حاجی محمد زکی
عفا عنہ الولی

فہرست مضامین دُرالمختار اُردو جلد اوّل

دیباچہ

از

طرف مترجم ثانی

الحمد للہ رب العالمین اکمل الحمد علی کل حالٍ والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا و مولٰنا محمد فی الغدو والاٰصال وعلی آلہ واصحابہ ذوی الشرف والکمال وعلی من تبعہم باحسان الیٰ یوم الزحف والزلزال بعد حمد و صلوٰۃ کے احقر العباد محمد احسن صدیقی نانوتوی عرض کرتا ہے کہ کتاب درالمختار شرح تنویر الابصار فقہ امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ کی جن کا مذہب ہندوستان میں مروّج ہے، اس فن میں نہایت معتبر ہے۔ اس زمانہ کے سب علماء اس بات پر متفق ہیں کہ جس طرح کی تنقیح مسائل اور تصحیح دلائل اس کتاب کے مؤلف محمد علاء الدین حصکفی علیہ الرحمۃ نے کی ہے۔ دوسری کتابوں میں نہیں پائی جاتی حتیٰ کہ یہ کتاب باوجود فتاویٰ ہونے کے مدار مذہب ٹھہر گئی اور سب علماء نے اس کی روایات کو مستند جانا اور اسی وجہ سے بڑے بڑے عالم مثل علامہ حلبی اور علامہ طحطاوی اور شیخ رحمتی اور محمد عابد سندی مدنی اور ابن عابدین شامی وغیرہم نے اس کتاب پر حواشی لکھے، فتاوٰں میں سے اور کوئی اس طرح کا نہیں جس پر حاشیے اوّل سے آخر تک ہوں، یا اس کے مسائل مثل متون کے متصور ہوں۔

اس کتاب جلیل الشان کو مولوی خرم علی صاحب مرحوم بلہوری نے حسب فرمائش نواب صاحب، بہادر مبرور والی باندہ ۱۲۵۸ھ ہجری میں کتاب النکاح سے اُردو میں ترجمہ کرنا شروع کیا، متواتر تیرہ ۱۳ برس ترجمہ کر کے رجب ۱۲۷۰ھ ہجری میں آخر کتاب تک پہنچا دیا، پھر محرم ۱۲۷۱ھ تک کتاب الحج کا ترجمہ پورا کر کے شروع کتاب سے باب الاذان تک لکھنے پائے تھے کہ یکایک رہگرائے عالم بقا ہوئے اس عاجز نے بنظر رفاہ عام ترجمۂ مذکورہ کو مترجم مرحوم کے ورثہ سے لے کر جس قدر باقی رہ گیا تھا، اس کی تکمیل اسی طرح پر کر کے قصد چھپوانے کا کیا اور ازانجا کہ خود اس قدر مایہ نہ رکھتا تھا کہ تنہا اس کا متکفل ہوتا لہٰذا چند احباب کو اس میں شریک کیا، ایک جلد بھی اس کی چھپنے نہ پائی تھی کہ شرکا حوادثِ آسمانی کے باعث شرکت سے دست بردار ہو گئے، اس وقت جو کیفیت میرے دل میں گزری تھی اس کو خدا ہی جانتا ہے رات دن بجز التجا اور تضرع کے جناب باری میں دوسرا کار نہ تھا، اسی عرصہ میں ایک اشتہار اس کے طبع کا مشتہر کیا کہ شاید اُس سے طبع میں کچھ مدد ملے۔

قدرت قادر مطلق کو دیکھیے کہ جب اشتہار مذکور جناب مستطاب معلی القاب اعظم الامراء امیر العظماء منطقہ ذروۂ شہامت و جلالت نقطۂ دائرہ امارت و ایالت مؤید مراسم سیاست و عدالت مقوی ارکان ابہت و بسالت حامی دین متین ناصر اہل یقین ملجاء العلماء الفضلاء ممہد قواعد خیر و سخا مؤسس قوانین علم و ہدیٰ بیت قطرۂ از لطف او سرمایہ دریا و کان پرتوے از رای او پیرایہ خورشید و ماہ یعنی جناب نواب محمد کلب علی خاں صاحب بہادر والی رام پور دامت دولتہ بمزید النعم وطالت مدتہ فی نشر آثار الکرم کے لمس انامل فیض شمائل

سے مشرف ہوا تو احقر کے حاضر ہونے کا حکم دیا کمترین اس کو تائید غیبی جان کر بہ تعمیل ارشاد شرف ملازمت سے مشرف ہوا بکمال قدردانی حال اس کتاب کے طبع کا استفسار فرمایا، عاجز نے سب کیفیت مفصل عرض کی، اُسی وقت ارشاد ہوا کہ تم خاطر جمع رکھو کہ اس کے تکمیل کی صورت مابدولت فرمائیں گے چنانچہ دوسرے روز جس قدر کی کمی کہ عاجز نے عرض کی تھی اُس کی دہانید کا ارشاد فرمایا غرضکہ صرف ادنی توجہ جناب ممدوح سے یہ کتاب انجام کو پہنچی اس کتاب کا فخر اتنا ہی بس ہے کہ اس کا دیباچہ ایسے امیر کبیر کے نام سے مزین ہوا کریم کارسانہ حقیقی نے یہ محمدت جاودانی جناب مفخم الیہم کے واسطے مقرر فرمائی **بیت** ایں سعادت بزور بازو نیست ٭ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ ٭ یہ کمترین اس کے شکریہ میں بجز اس کے کہ صدق دل سے دعا کرے اور کیا کر سکتا ہے **بیت** از دست فقیر بے نوا ناید ہیچ ٭ جز آنکہ بصدق دل دعائے بکند ٭ اَللّٰهُمَّ وَفِّقْهُ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى وَاَعْطِهٖ سُؤْلَهٗ فِي الدُّنْيَا وَاجْعَلْ سَدَّتَهٗ مُلْتَزَمَ اَهْلِ الْمُنٰى وَاٰخِرَتَهٗ خَيْرًا مِنَ الْاُوْلٰى بِحُرْمَةِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰى وَاٰلِهِ الْمُجْتَبٰى۔

اب چند باتیں متعلق اس ترجمہ کے عرض کرتا ہوں **اوّل**[1] یہ کہ چونکہ مترجم اوّل کو مہلت سب کتاب کے پورا کرنے کی بھی نہ ملی اس لیے اس ترجمہ کا نہ کوئی دیباچہ لکھنے پائے اور نہ نام رکھنے پائے اور از انجا کہ مترجم مرحوم نے ترجمہ کا شروع ۱۲۵۸ سنہ ہجری میں کیا اور ۱۲۷۱ سنہ ہجری تک سلسلہ ترجمہ کا جاری رہا اس لحاظ سے میں نے اس کا نام تاریخی غایۃ الاوطار رکھا جس میں ۱۲۶۴ سنہ نکلتے[لہ] ہیں جو سنہ ۵۸ اور سنہ ۷۱ کا درمیانی سال ہے عجب نہیں کہ مترجم کی رُوح کو اس نام سے تازگی ہو **دوم**[2] یہ کہ عبارت درمختار اور تنویر الابصار کی بخط نسخ[سے] لکھوائی گئی اور متن پر خط سیاہی کا کھینچ دیا گیا **سوم**[3] یہ کہ عبارت نسخ عنوانوں کی جو قلم جلی سے لکھی گئی ہے وہ متن کی عبارت ہے ہاں شارح نے جو فروع ہر باب کے آخر میں لکھے ہیں تو لفظ فروع کو بھی جلی قلم سے لکھا گیا ہے اور اس کے بعد ترجمہ میں لکھ دیا گیا ہے کہ یہ مسائل جزئیہ شارح رح نے اضافہ کیے ہیں اسی طرح لفظ فائدہ جو کلام شارح میں کہیں آیا ہے اس کو بھی جلی لکھا گیا ہے اور اگر عبارت عنوان کی قلم جلی سے نہیں لکھی گئی تو مقدار متن پر لکیر کر دی گئی ہے **چہارم** یہ کہ مترجم اوّل نے جہاں کہیں اقوال محشیوں کے نقل کیے تھے تو اُن کے شروع میں یہ جملہ لکھا تھا۔ مترجم کہتا ہے میں نے اس جملہ کی جگہ صرف میم جلی قلم سے لکھ دیا ہے البتہ ہر جلد کے شروع میں ایک دو جگہ وہ جملہ بھی لکھ دیا ہے تاکہ ناظرین جان جائیں کہ میم جلی مختصر جملہ مذکور کا ہے **پنجم**[5] یہ کہ ترجمہ میں مترجم مرحوم نے اکثر جگہ فروگذاشت کر دی تھیں اور حاشیہ لکھ دیا تھا۔ کہ اس عبارت کا ترجمہ بعد تامل لکھ دیا جاوے گا ان کو اس عاجز نے پورا کر دیا اور جس وجہ سے اُن میں تامل تھا کتب متداولہ کے دیکھنے سے اس کو صاف کر دیا **ششم**[6] یہ کہ بعض جگہ عبارت درمختار کی بالکل فروگذاشت ہو گئی تھی یا تو سہو سے رہ گئی ہو یا جس نسخہ سے مترجم نے ترجمہ لکھا تھا اُس میں نہ ہو بہرحال میں نے مقابلے کے وقت ایسی عبارتوں کو داخل ترجمہ کر دیا ہے **ہفتم**[7] یہ کہ نظر ثانی قرار واقعی مترجم سے نہ ہونے پائی اس وجہ سے بعض جا خود ترجمہ غلط ہو گیا تھا ایسے مقامات کو اکثر میں نے بدل دیا ہے اور جہاں نہیں بدلا وہاں حاشیہ پر اشارہ کر دیا ہے کہ مترجم اوّل سے اس جگہ تسامح ہوا **ہشتم**[8] یہ کہ مترجم موصوف نے اکثر جا محاورۂ اُردو کے لحاظ سے تذکیر و تانیث میں غلطی کی تھی اور کہیں الفاظ غیر مانوس داخل ترجمہ کر دیے تھے اُن سب کو میں نے حال کے بول چال کے موافق صحیح کر دیا ہے **نہم**[9] یہ کہ اثنائے ترجمہ میں جو عبارت عربی کی یا الفاظ مشکل نظر آئے اُن کے معانی حاشیہ پر یا لفظوں کے نیچے لکھ دیے ہیں **دہم**[10] یہ کہ اثنائے ترجمہ میں کوئی آیت قرآنی یا کوئی دعا بخط نسخ آ گئی ہے تو اُس کے دونوں طرف مقوس کھینچ دیا ہے اس طرح ( ) تاکہ

سے واضح ہو کہ پہلے یہ کتاب ویسے ہی چھپی جیسی مترجم نے تعریف کی مگر اب کی مرتبہ یہ طرز پسند آیا کہ عبارت متن جلی لکھائی گئی اور شرح پہ لکیر یعنی خط دیا گیا فافہم ۱۲

لہ یہ عدد جب نکلتا ہے کہ غایہ پہ وقف کر کے اور پڑھی جائے اور الاوطار الگ تلفظ کیا جائے فتنبہ ۱۲ م

یازدہم[۱۱] یہ کہ ہم دونوں مترجموں نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ عبارت اُردو کا محاورہ کوئی اُس کو عبارت درمختار کی نہ سمجھے
بھی ہاتھ سے نہ جانے پائے اور حتی الوسع الفاظ عربی کی رعایت بھی ملحوظ رہے اسی جہت سے بیشتر تقدیم و تاخیر کرنی پڑی ہے مثلاً شارح نے
مبتدا اور خبر یا فعل اور فاعل کے درمیان میں کوئی قید بڑھادی تو ہم نے ترجمہ میں اوّل پورے جملہ کا ترجمہ کیا اُس کے بعد شارح کی تحقیق کو بیان
کیا ہے اور جس مقام پر ایک مبتدا کی کئی خبریں یا ایک شرط کی کئی جزائیں واقع ہوئی ہیں تو اُن مقاموں میں ترجمہ کے اندر لفظ مبتدا یا شرط کو فہم
مطلب کے لیے مکرر لکھا ہے اسی طرح مقدرات اور محذوفات کو اکثر ترجمہ میں ظاہر کر دیا ہے حتی کہ ضمیروں کی جگہوں کے مرجع لکھ دیے ہیں
تاکہ عبارت کا مطلب بخوبی سمجھ میں آوے اور کسی طرح کی گنجلک مسئلہ میں باقی نہ رہنے پاوے **دوازدہم**[۱۲] یہ کہ حواشی کی پوری عبارت
کا ترجمہ ہم نے نہیں کیا بلکہ اتنی باتوں کا لحاظ رکھا ہے **۱**۔ توضیح مطالب مسئلہ **۲**۔ ترکیب نحوی اور اشتقاق کلمات اگر مشکل ہو **۳**۔ شارح
کا تسامح جس جگہ واقع ہوا ہو **۴**۔ کسی بیان کی تفصیل جس کو شارح نے مجمل بیان کیا ہے **۵**۔ جن مسائل کا حوالہ شارح نے دوسری
کتابوں پر کیا ہے اُن کا نقل کرنا بشرطیکہ کوئی خاص فائدہ اُن سے متعلق تصور کیا ہے **۶**۔ اگر شارح نے کسی مسئلہ میں قول ضعیف لکھ دیا
ہے تو اس میں روایت قوی کتب مروجہ سے **۷**۔ جس جگہ شارح نے لکھ دیا ہے کہ اس مسئلہ کا حکم میں نے نہیں دیکھا اُس کی تصریح کتابوں سے
۸۔ تطبیق شارح کے اقوال میں اگر بظاہر مختلف معلوم ہوتے **۹**۔ عنوان باب کے مناسب کوئی مسئلہ ضروری جو حواشی میں نظر پڑا
۱۰۔ دلیل مسائل کی کتاب اور سنت اور اصول سے خواہ دلیل عقلی **۱۱**۔ اختلاف نسخوں کا ذکر **۱۲**۔ جس مسئلہ کو شارح نے اصح اور
راجح لکھا ہے اُس کا مقابل نقل کیا ہے اور اس کی صحت یا مرجوح ہونے میں فقہا کے قول نقل کیے ہیں **سیزدہم**[۱۳] یہ کہ کہیں کہیں
ایسا بھی ہوا ہے کہ حواشی میں ایک عبارت دوسرے مقام کے نیچے لکھی ہوئی تھی اور ہم نے اُس کو اور مقام پر ترجمہ کرنا مناسب جانا اس لیے ہم
نے یہ التزام نہیں کیا کہ ہر قول کا حاشیہ اُسی کے ذیل میں رہے دوسری جگہ نہ ہو **چہاردہم**[۱۴] یہ کہ اثنائے ترجمہ میں اگر کوئی قید
ہم نے زیادہ کی ہے تو جس کتاب میں وہ قید نظر پڑی ہے اس کا حوالہ اثنائے ترجمہ میں کر دیا ہے مثلاً اگر بحرالرائق سے نقل کیا تو اُس قید
کے بعد کذا فی البحر لکھ کر باقی عبارت کا ترجمہ کیا ہے **پانزدہم**[۱۵] یہ کہ جس حاشیہ سے ہم نے نقل کیا ہے آخر کو اُس کا نام اور حوالہ کر دیا
ہے مثلاً کذا فی الشامی یا قالہ الشامی او کذا فی الطحطاوی اور ان محشیوں نے جن کتابوں سے نقل کیا ہے بعض جگہ اُن کا بھی حوالہ کر دیا ہے مثلاً
کذا فی الشامی عن الحلبی اور کہیں صرف ان کتابوں کے نام پر اکتفا کیا ہے مثلاً کذا فی العینی اور کذا فی الہدایہ **شانزدہم**[۱۶] یہ کہ عبارت
حاشیہ کی اگر ہم نے طویل دیکھی ہے تو اس میں سے بقدر اپنے التزام کے لکھ کر حوالے کے بعد مختصراً لکھ دیا ہے اور کسی جگہ اور قسم کا تصرف بھی
کرنا پڑا ہے تو وہاں حوالے کے بعد بتصرف یا ملتقطاً بڑھا دیا ہے اور بعض جا ایسا بھی ہوا ہے کہ صورت مسئلہ یا تحقیق کو سوائے حواشی
کے اور کتابوں میں پایا ہے تو وہاں ان کتابوں کا نام لکھ دیا ہے **ہفتدہم**[۱۷] یہ کہ بعض مواضع میں جن کتابوں سے محشیوں نے
کوئی مضمون لیا ہے ہم نے بدون رجوع اصل کتاب کے بہ تبعیت محشیوں کے حوالہ لکھا ہے **ہیجدہم**[۱۸] یہ کہ جس عبارت میں شارح
کا کوئی سقم محشیوں نے بیان کیا ہے اُس کا ترجمہ ہم نے اُن لفظوں کے لحاظ سے کیا ہے جن کو محشیوں نے صحیح قرار دیا ہے اور جا بجا
اس کی تصریح بھی کر دی ہے کہ لفظ غلط کو چھوڑ کر ہم نے صحیح لفظ کا ترجمہ کیا ہے **نوزدہم**[۱۹] یہ کہ مترجم اوّل نے اکثر اقوال حاشیہ
طحطاوی اور مدنی سے لیے ہیں اگر کسی جگہ سہو کاتب سے حوالہ رہ گیا ہو تو ناظرین جان لیں کہ یہ مسئلہ انھیں دو حاشیوں میں سے کسی میں ہوگا
اور مترجم ثانی ترجمہ کے وقت اکثر پیش نظر حاشیہ شامی رکھتا تھا تو میرے ترجمہ میں جس جا حوالہ متروک ہو اُس کو قول شامی کا تصور فرمائیں

کمتر جگہ ایسی ہیں جہاں ہم نے اپنی طرف سے کچھ لکھا ہو اور جس جگہ لکھا ہے سیاق عبارت باواز بلند کہہ رہا ہے کہ یہ ہماری بحث ہے نہ محشیوں کا قول **بستم**[۲۰] یہ کہ بعض جا ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک تقریر کو شامی نے اور طرح لکھا ہے اور طحطاوی نے دوسری طرح تو میں نے اس تقریر کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ دونوں حاشیوں کی تحریر کو شامل ہو اور ایسی جگہ حوالہ میں دونوں کتابوں کا نام لکھ دیا ہے اور اسی طرح جو مسئلہ دونوں میں یکساں نظر آیا ہے اس کے حوالہ میں بھی دونوں کا نام مندرج کر دیا ہے **بست و یکم**[۲۱] یہ کہ جو مسائل مفید اور فوائد عجیب کتاب میں نظر پڑے ہیں اُن کا اشارہ حاشیہ پر **ف** لکھ کر کر دیا ہے اور نیز ایسے مسائل کو فہرست میں بھی لکھ دیا ہے تاکہ ناظرین کو اُن کی تلاش میں دقت نہ ہو **بست و دوم**[۲۲] یہ کہ اس کتاب کی تکمیل میں مجھ کو میرے بڑے بھائی جناب مستطاب معلّی القاب مولانا مولوی **محمد مظہر صاحب** نے بہت سی مدد دی اللہ تعالیٰ اُن کی اور میری سعی کو مشکور فرماوے **بست و سوم**[۲۳] یہ کہ حتی الوسع تصحیح کتاب اور تنقیح مسائل میں میں نے بہت جانفشانی کی ہے اور باایں ہمہ اپنی قلت بضاعت کا معترف ہوں اگر کسی جگہ غلطی ہوئی ہو تو ناظرین عالی ہمم سے راجی کرم ہوں **بیت** نازم بسرمایۂ فضل خویش ۔ بدریوزہ آوردہ ام دست پیش ۔ اللہ تعالیٰ سے توقع رکھتا ہوں کہ جیسے اُس نے اصل کتاب کو عرب و عجم کے باشندوں میں مقبول اور مختار فرمایا ایسے ہی اُس ترجمہ کو پسند ارباب دین اور اصحاب یقین فرمائے اور ہمارے لیے اس کو باقیات صالحات میں کرے ۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَشْيَاعِهٖ وَمُحِبِّيْهِ اَجْمَعِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اٰمِيْن ۔

خطبۂ مؤلّف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کے نام پاک سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

مترجم کہتا ہے شارحؒ نے دُرالمختار کو شروع بہ تسمیہ کیا باتباع کلام[1] مجید و بفحوائے حدیث[2] مشہور کہ جو امر ذیشان شروع بہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ ہووے ابتر اور بے برکت ہے حَمْدًا لَکَ یَا مَنْ شَرَحْتَ صُدُوْرَنَا بِاَنْوَاعِ الْہِدَایَۃِ سَابِقًا ہم تیری ستائش کرتے ہیں اے وہ ذات مقدس کہ تُو نے ہمارے سینوں کو اول کشادہ کر دیا طرح طرح کی ہدایت سے وَنَوَّرْتَ بَصَائِرَنَا بِتَنْوِیْرِ الْاَبْصَارِ لَاحِقًا اور بعد اُس کے ہمارے باطن کی بینائیوں کو تو نے نورانی کر دیا ظاہر کی آنکھیں روشن کر کے وَاَفَضْتَ عَلَیْنَا مِنْ اَشِعَّۃِ شَرِیْعَتِکَ الْمُطَہَّرَۃِ بَحْرًا رَائِقًا اور تُو نے اپنی پاک شریعت کی شعاعوں سے ہم پر صاف غیر مکدر دریا بہا دیا وَاَنْدَفَقْتَ لَدَیْنَا مِنْ بِحَارِ مِنَحِکَ الْمُوَفَّرَۃِ نَہْرًا فَائِقًا اور تو نے اپنی بخشش کے بہت بھرے دریاؤں سے ہمارے نزدیک نہر عالی قدر کو بکثرت رواں کر دیا[3] شارحؒ نے حمدِ الٰہی میں بطور براعت استہلال کے کتب فقہ کو ذکر کیا یعنی ہدایہ اور تنویر الابصار جو متن ہے دُرالمختار کا اور بحرالرائق اور نہرالفائق جو کنزالدقائق کی شرحیں ہیں اور منح الغفار شرح تنویر الابصار متن کی شرح بالجملہ اگر اُن کے معانی لغویہ پر نظر کیجئے تو بھی مطلب صحیح ہے چنانچہ ترجمہ میں مذکور ہو چکا اور اگر کتابیں مراد لیجئے تو بھی مدعا درست ہے کہ ان سے خلق اللہ کو بڑا فیض حاصل ہوا تو اس نعمت کا شکر واجب ہو گیا وَاَتْمَمْتَ نِعْمَتَکَ عَلَیْنَا حَیْثُ یَسَّرْتَ اِبْتِدَاءَ تَبْیِیْضِ ہٰذَا الشَّرْحِ الْمُخْتَصَرِ تُجَاہَ وَجْہِ مَنْبَعِ الشَّرِیْعَۃِ وَالدُّرَرِ اور تو نے اپنا احسان پورا کیا ہم پر اس واسطے کہ اس شرح مختصر کی ابتدا تبییض[4] تو نے آسان کر دی ذات مقدس منبع شریعت اور دُرر کے سامنے یعنی مدینہ طیبہ میں روضہ مطہرہ کے سامنے شارح نے درالمختار کو مسودے سے صاف کرنا شروع کیا اور عرف مؤلفین میں تبییض اس سے عبارت ہے کہ کتاب محرر مرقوم ہو غیر محرر لکھنے کے بعد غالباً اور دُرر یعنی موتیوں سے مراد احکام فقہیہ ہیں اور اس میں اشارہ ہے اُس کتاب کا جس کا نام درر ہے کذا فی الطحطاوی وَضَجِیْعَیْہِ الْجَلِیْلَیْنِ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ اور رسول کریم کے دو ساتھ لیٹنے والے جلیل القدر کے سامنے یعنی ابی بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما بَعْدَ الْاِذْنِ مِنْہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ درالمختار کی تبییض شروع ہوئی رسول کریم کے اذن کے بعد حق تعالیٰ اُس ذات مقدس پر رحمت خاص نازل کرے اور سلام ہم دُرالمختار کی منقبت[5] میں اس قدر کافی ہے کہ باذن نبویؐ مؤلف[6] ہوئی اور یہ

---

[1] یعنی قرآن مجید بھی شروع میں بسم اللہ ہے ۱۲ [2] حدیث مشہور اس باب میں بلفظ الحمد للہ ہے چنانچہ ابوداؤد اور نسائی میں ہے کل کلام لایبدأ فیہ بالحمد للہ فہو اجذم اور ابن ماجہ میں کل امر ذی بال لم یبدأ فیہ بالحمد للہ فہو اقطع اور ابوعوانہ اور ابن حبان نے اپنی صحیحین میں اسی طرح روایت کیا ہے اور عبدالقادر رہاوی نے اپنی اربعین میں روایت کیا ہے کہ کل امر ذی بال لایبدأ فیہ بذکر اللہ و بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فہو اقطع تو مشہور سے مشہور اصطلاحی مراد نہیں بلکہ مشہور عرفی زمانہ حال مراد ہے ۱۲ مترجم ثانی [3] حرف میم اختصاراً مترجم کا ہے لکھا ہے ۱۲ [4] قولہ تبییض الخ یعنی صاف کرنا ۱۲ [5] منقبت الخ یعنی تعریف ۱۲ [6] یعنی خواب میں یا الہام میں شارح کو اذن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا مرحمت ہوا ۱۲

کتاب لائق ہے مدح کے اس واسطے کہ اہل مذہب سے اس طرح کی کتاب نہیں ہوئی بعضے مصنفین نقل خلاف اور اقوال پر حریص ہیں اور قول ضعیف کو قول قوی سے ممتاز نہیں کرتے اور بعضے اقوال اہل مذہب اور اُن کے مخالفین کے استدلال پر مائل ہیں اور بعضوں نے عبارت میں کمال بسط کر دیا ہے کہ افراط تک نوبت پہنچی اور اس کتاب میں شارح علامہ نے اختصار غیر مخل کا ارتکاب کیا اور اقوال معتمدہ کا التزام کیا یا تو ایک ہی قول پر اختصار کیا یا ایسے دو قول پر جو دونوں صحیح ہیں اور کثرت استدلال سے اس میں تعرض نہیں کیا کیونکہ مقلد پر دلیل کا مطالبہ نہیں اس واسطے کہ دلیل قائم کرنا مجتہد کا کام ہے اور اسی طرح اس شرح کے متن کے واسطے بڑی فضیلت ثابت ہو چکی ہے یعنی ماتن نے خواب میں دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم میرے گھر میں تشریف لائے اور زبان مبارک کو میرے منہ میں داخل کیا بعد اس خواب کے ماتن نے تالیف اس متن کی شروع کی سو یہ مزیت ماتن اور شارح کے کمال اخلاص کا ثمرہ ہے کذا فی الطحطاوی مختصراً عَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہِ الَّذِیْنَ حَازُوْا مِنْ مَنْحِ فَتْحِ کَشْفِ فَیْضِ فَضْلِکَ الْوَافِیْ حَقَائِقًا اور رحمت خاص نازل ہو اُن کے آل اور اصحاب پر جنھوں نے تیرے فضل وافی کے فیض کے عطایا ے نصرت کاشفہ مظہرہ سے امور متحققہ کو جمع کیا اور گھیر لیا شارح نے اس میں ان فقہ کی کتابوں کی طرف اشارہ کیا جن سے شارح وغیرہ نے روایات کو نقل کیا یعنی منح الغفار[1] اور فتح القدیر اور کشف اور فیض اور وافی اور حقائق، وَبَعْدُ فَیَقُوْلُ فَقِیْرُ رَحْمَۃِ ذِی اللُّطْفِ الْخَفِیِّ مُحَمَّدُ عَلَاءُ الدِّیْنِ الْحَصْکَفِیُّ اور حمد وصلاۃ کے بعد کہتا ہے صاحب لطف خفی کی رحمت کا محتاج محمد علاؤ الدین حصکفی یا حصن کیفی کا رہنے والا امام طحطاوی نے لب لباب سے نقل کیا کہ حصکف ایک شہر ہے دیار بکر میں انتہٰی اور بعضوں نے کہا کہ یہ نسبت ہے حصن کیفی کی طرف جو واقع ہے آمد اور جزیرۂ ابن عمر کے مابین میں شارح کا نام محمد ہے اور علاؤ الدین لقب ہے رحمۃ اللہ علیہ ابْنِ الشَّیْخِ عَلِیِّ الْاِمَامِ بِجَامِعِ بَنِیْ اُمَیَّۃَ ثُمَّ الْمُفْتِیْ بِدِمَشْقَ الْمَحْمِیَّۃِ الْحَنَفِیِّ محمد علاؤ الدین بیٹا شیخ علی کا جو بنی امیہ کی جامع مسجد کا امام پھر مفتی محروسۂ دمشق کا حنفی مذہب ہم شارح کا نسب یوں ہے محمد علاؤ الدین ابن الشیخ علی بن الشیخ محمد بن الشیخ علی بن الشیخ عبد الرحمن بن الشیخ محمد بن الشیخ جمال الدین بن الشیخ حسن ابن الشیخ زین العابدین الحصنی ثم الدمشقی والخطیب الحنفی کذا فی الطحطاوی لَمَّا بَیَّضْتُ الْجُزْءَ الْاَوَّلَ مِنْ خَزَائِنِ الْاَسْرَارِ وَبَدَائِعِ الْاَفْکَارِ فِیْ شَرْحِ تَنْوِیْرِ الْاَبْصَارِ وَجَامِعِ الْبِحَارِ قَدَّرْتُہٗ فِیْ عَشْرِ مُجَلَّدَاتٍ کِبَارٍ جب کہ پہلا جزء خزائن الاسرار الی آخرہ کا مسودے سے کاغذ سادہ میں میں نے صاف کیا تو میں نے اس شرح کا بڑے بڑے دس مجلدیں اندازہ کیا ہم شارح نے اس متن کی پہلے ایک شرح لکھی جس کا نام خزائن الاسرار وبدائع الافکار فی شرح تنویر الابصار وجامع البحار رکھا پھر جب مسودہ صاف کیا تو اول ہی جزء کے صاف کرنے سے تمام کتاب کا اندازہ کیا تو معلوم ہوا کہ بڑی بڑی دس جلدیں ہوں گی فَصَرَفْتُ عِنَانَ الْعِنَایَۃِ نَحْوَ الْاِخْتِصَارِ وَسَمَّیْتُہٗ بِالدُّرِّ الْمُخْتَارِ فِیْ شَرْحِ تَنْوِیْرِ الْاَبْصَارِ سو پھیری میں نے اجتہاد اور کوشش کی باگ اختصار کی طرف اور اس شرح مختصر کا نام **در المختار فی شرح تنویر الابصار** میں نے رکھا یعنی خوف تطویل سے شرح کو مختصر کیا اور دس جلد کا مطلب ایک جلد میں کر دیا لہٰذا در المختار نہایت دقیق ہوا شرح نہیں بلکہ متن متین ہو گیا اختصار عبارت ہے تقلیل لفظ اور تکثیر معنی سے الَّذِیْ فَاقَ کُتُبَ ہٰذَا الْفَنِّ فِی الضَّبْطِ وَالتَّصْحِیْحِ وَالْاِخْتِصَارِ وہ تنویر الابصار جو فائق اور عالی قدر ہے اس فن میں یعنی فن فقہ کی کتابوں سے ضبط اور تصحیح اور اختصار عبارت میں ہم ضبط عبارت سے تحریر اور محافظت فروع سے یعنی تمام مسائل محتاج الیہا کا جمع کر دینا اور تصحیح عبارت ہے اقوال صحیحہ کے ذکر کرنے سے یا تصحیح تراکیب سے کذا فی الطحطاوی وَلَعَمْرِیْ لَقَدْ اَضْحَتْ رَوْضَۃُ ہٰذَا الْعِلْمِ بِہٖ مُفَتَّحَۃَ الْاَزْہَارِ مُسَلْسَلَۃَ الْاَنْہَارِ اور قسم اپنی زندگی کی کہ مقرر اس علم فقہ کا باغ اس متن کے ہونے سے کھلی کلیوں والا روان انہار ہو گیا یعنی مسائل فقہیہ جو کلیوں کی مانند مغلق اور سر بستہ تھے وہ پھولوں کی مانند شگفتہ ہو گئے ماتن کے بیان واضح سے مِنْ عَجَائِبِہٖ ثَمَرَاتُ التَّحْقِیْقِ تُجْتَنٰی وَمِنْ غَرَائِبِہٖ ذَخَائِرُ تَدْقِیْقٍ تَحَیَّرُ الْاَفْکَارُ اس متن کے عجائب سے تحقیق کے پھل پسند کیے جاتے ہیں اور اس کے غرائب سے تدقیق کے وہ ذخیرے ہیں جن سے عقول حیرت ناک ہیں بِشَرْحِ شَیْخِنَا شَیْخِ الْاِسْلَامِ

[1] منح الغفار شرح ہے مصنف کی اور فتح القدیر شرح ہدایہ کی ابن ہمام کی اور کشف شرح منار نسفی کی اور فیض کرکی کی اور وافی متن کافی نسفی کی اور حقائق شرح منظومہ ہے نسفی کی ۱۲

مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ التمرتاشی الحنفی الغزی عُمْدَۃَ المُتَأَخِّرِیْنَ الْأَخْیَارِ وہ متن موصوف بصفات مذکورہ تصنیف ہے ہمارے اُستاد کے اُستاد کا یعنی شیخ الاسلام محمد بن عبداللہ تمرتاشی حنفی مذہب غزی کا جو عمدہ ہے علماء متاخرین صالحین میں تمرتاش بضم تا و میم و سکون رای مہملہ و تا و شین معجمہ خوارزم کا قریہ ہے کذا فی الطحطاوی اور غزہ ایک شہر ہے شام میں اس کو غزہ ہاشم کہتے ہیں قاموس میں ہے کہ غزہ شہر ہے فلسطین میں وہاں امام شافعیؒ پیدا ہوئے اور ہاشم بن مناف وہاں مرگئے انتہیٰ نسب ماتن کا یوں ہے محمد بن عبد اللہ بن احمد خطیب بن محمد خطیب بن ابراہیم خطیب کذا فی المنح شرح الماتن معلوم کرنا چاہیے کہ ماتن رحمۃ اللہ علیہ کثیر التصانیف ہے ازانجملہ یہ متن اور اُس کی شرح ہے مسمی بمنح الغفار اور منظومہ فقہ میں مسمیٰ بہ تحفۃ الاقران اور حاشیہ درر غرر کا اور شرح کنز اور شرح زاد الفقیر اور شرح وقایہ اور فتاویٰ دو مجلد اور شرح منار کے اصول میں اور شرح منظومہ ابن وہبان اور معین المفتی علی جواب المستفتی وغیر ذلک من المصنفات المعتمدۃ علم فقہ کا حاصل کیا شیخ زین ابن نجیم صاحب بحر الرائق اور امین الدین ابن العال سے اور بہت علماء نامدار نے ماتن سے علم حاصل کیا ازانجملہ شیخ صالح محشی اشباہ و نظائر خلف الرشید ماتن انتقال کیا ماتن نے ایک ہزار اور چھ سال ہجری میں غزہ ہاشم میں اور وہیں مدفون ہوئے غفر اللہ لہ کذا فی الطحطاوی ملخصا فانی اروِیہ عن شیخنا الشیخ عبد النبی الخلیلی عن المصنف الغزی عن ابن نجیم المصری بسندہ الی صاحب المذہب ابی حنیفۃ بسندہ الی النبی المصطفیٰ المختار عن جبریل عن اللہ الواحد القہار کما ہو مبسوط فی اجازتنا بطرق عدیدۃ عن المشائخ المتبحرین الکبار سو میں روایت کرتا ہوں اس فن کو یعنی علم فقہ کو اپنے استاد شیخ عبد النبی خلیلی سے وہ روایت کرتے ہیں مصنف یعنی عبداللہ غزی سے وہ زین ابن نجیم مصری سے وہ روایت کرتے ہیں اپنی اُس سند سے جو متصل ہے امام ابو حنیفہؒ صاحب مذہب تک وہ روایت کرتے ہیں اپنی اُس سند سے جو متصل ہے نبی برگزیدہ پسندیدہ تک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روایت کرتے ہیں جبرئیل علیہ السلام سے وہ روایت کرتے ہیں اللہ واحد القہار سے جل جلالہٗ چنانچہ سند مذکور مشرح و مفصل مذکور ہے ہماری اجازت میں بہت طریقوں سے اساتذہ کثیر العلم عظیم الشان سے ہم شعرانی نے میزان میں ائمہ اربعہ کی یوں سند مذکور کی ہے امام ابو حنیفہ رح عن عطاء عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن جبریل عن اللہ عزوجل۔ امام مالک عن نافع عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن جبریل عن اللہ عزوجل۔ امام شافعی عن مالک الی آخر السند۔ امام احمد بن حنبل عن الشافعی رح عن مالکؒ الی آخر السند کذا فی الطحطاوی وَکَمَا فِی الدُّرَرِ الْغُرَرِ لَمْ اَعْزُ اِلَّا مَا زِدْتُ مَا زَادَ وَ نقلہ عزوتہ لقائلہ رومًا للاختصار اور جو قول کہ درر غرر سے نقل کیا اس کو درر غرر کی طرف منسوب نہیں کیا لقصد اختصار مگر بضرورت کبھی بیان بھی کر دیا اور جو زائد ہے درر غرر سے وہ اس کے قائل کی طرف منسوب کر دیا ہے ہم یعنی در المختار منقول ہے مذہب حنفی کی کتب معتمدہ سے مگر بعض کتب سے نقل زیادہ ہے چنانچہ ملا خسرو کی درر غرر سے تو اختصار کے واسطے اُس کے ہر قول میں شارح نے یہ نہیں کہا کہ یہ درر غرر سے منقول ہے اُس کے سوائے اور کتابوں سے اس قدر بکثرت نقل نہیں تو وہاں نسبت کر دیا کہ یہ قول فلاں کتاب سے ہے اور یہ شارح کی مزید دیانت پر دلیل ہے اور عدم ادعای ریاست علمی پر رحمۃ اللہ علیہ وَمَامُوْلِیْ مِنَ النَّاظِرِ فِیْہِ اَنْ یَّنْظُرَ بِعَیْنِ الرِّضَا وَالْاِسْتِبْصَارِ وَ اَنْ یَّتَلَافٰی تَلَافُہٗ[۵] بقدر الامکان او یصفح لیصفح عنہ عالم الاسرار والاضمار اور میری امید اس کتاب کے ناظر سے یہ ہے کہ اس کو بچشم رضا اور تامل کے دیکھے اور یہ کہ اس کے عیب اور نقصان کا تدارک کرے بقدر اپنی استطاعت اور قدرت کے یا درگذر کرے عیب گوئی سے تاکہ اس کے عیوب سے درگذر کرے بھید اور چھپی چیز کا جاننے والا ہم چشم رضا کی قید اس واسطے لگائی کہ جو غضب اور بدگمانی کی آنکھ سے دیکھتا ہے اُس کو حق بھی باطل معلوم ہوتا ہے ۵ چشم بداندیش کہ برکندہ باد ؞ عیب نماید ہنرش در نظر ؞ ولعمری ان السلامۃ من ہذہ الخطر لامر لیعز علی البشر اور قسم ہے اپنی حیات کی کہ سلامت رہنا سہو اور

[۵] کتب لغت میں تلف بمعنی ہلاک و نقصان پایا جاتا ہے مگر تلاف کو کسی نے ذکر نہیں کیا اور شارح کے سوا اور شارحوں نے بھی اس کو اشعار میں داخل کیا ہے کذا فی الشامی غرض کہ اس کے مستعمل ہونے میں کچھ شک نہیں ۱۲

بیان تصنیفات ماتن

غفلت کے امر عظیم سے البتہ وہ امر ہے جو آدمی پر نادر اور عسیر ہے ولا غروفان النسیان من خصائص الانسانیۃ والخطاء والزلل من شعائر الآدمیۃ اور عدم سلامت کچھ عیب نہیں اس واسطے کہ بھولنا انسانیت کے مخصوصات سے ہے اور چوکنا اور لغزش قدم آدمیت کی نشانیوں سے ہے واستغفر اللہ مستعیذا بہ من حسد یسد باب الانصاف ویرد عن جمیل الاوصاف اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتا ہوں اس خطاء سے جو اس کتاب میں واقع ہوئی پناہ ڈھونڈتا ہوں اُس حسد سے جو منصفی کے دروازے کو بند کردے اور حاسد کو اوصاف جمیلہ سے پھیر دے ؎ حسد اُس کو کہتے ہیں کہ آدمی غیر کی نعمت کا زوال چاہے اور تمنا کرے کہ وہ مجھ کو ملے یا مطلق زوال چاہے خواہ اس کو ملے یا نہ ملے اور وہ سخت مرض ہے کہ نیکیوں کو کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھاتی ہے چنانچہ یہ مضمون حدیث میں وارد ہے اور گاہے حسد آدمی کو کفر تک پہنچا دیتا ہے اس واسطے کہ حسد کا انجام کار اعتراض ہے خدا پر کہ کیوں اس کو یہ نعمت دی اعوذ باللہ من الحسد ومن کل القبائح الا وان الحسد خسک من تعلق بہ ہلک آگاہ رہنا بیشک حسد وہ کانٹا ہے کہ جس کو لگا وہ ہلاک ہو گیا وکفی للحاسد ذما فی آخر سورۃ الفلق فی اضطرابہ بالقلق حاسد کی مذمت میں پچھلی آیت سورہ قل اعوذ برب الفلق کی کفایت کرتی ہے اس کے جل بھن جانے میں قلق کے سبب سے ؎ سورہ فلق کی پچھلی آیت میں حق تعالیٰ نے حاسد کی طرف شر کو نسبت کیا اور اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو امر کیا کہ اس سے پناہ مانگے تو حسد کی کونسی مذمت اس سے زیادہ ہوگی للہ در الحسد ما اعدلہ بدا بصاحبہ فقتلہ خدا بھلا کرے حسد کا کیا خوب منصف ہے اول اپنے صاحب یعنی حاسد کو قلق دیا پھر اس کو مار رکھا ؎ وَاَنَا اٰمِنٌ مِنْ کَیْدِ الْحَسُوْدِ بِاٰمِنٍ : وَلَا جَاہِلٍ یُوْذِی وَلَا یَتَدَبَّرُ ؛ اور میں حسد کرنے والے کے مکر اور فریب سے نڈر نہیں اور اس جاہل کے مکر سے جو عیب جوئی کرے (یعنی میری کتاب میں) اور تامل نہ کرے ؎ یہ بیت ہے قصیدۂ ابن وہبان کی ابن شحنہ اُس کے شارح نے کہا سبب اس کا یہ ہے کہ صاحب قصیدہ حاسدوں کے حسد اور معاندوں کے مکر میں مبتلا ہوا بعضے کہتے تھے کہ وہبانیہ بدکتاب ہے اور بعض کہتے تھے کہ یہ کتاب قدیم ہے ابن وہبان نے اپنی طرف نسبت کر لی انتہیٰ اسی طرح شارح مغفور بھی سہام طعن حاسدین کا نشانہ ہوا کذا فی الطحطاوی وللہ در القائل ؎ ہُمْ یَحْسُدُوْنِیْ وَشَرُّ النَّاسِ کُلُّہُمْ : مَنْ عَاشَ فِی النَّاسِ یَوْمًا غَیْرَ مَحْسُوْدٍ ؛ اور خدا بھلا کرے اس بیت کے قائل کا حاسد میرا حسد کرتے ہیں اور سب آدمیوں میں بدتر وہ شخص ہے جو ایک دن بھی غیر محسود رہا یعنی جس پر کسی نے حسد نہ کیا ؎ غیر محسود اس واسطے بدتر ہوا کہ حسد اُسی کا ہوتا ہے جس میں اوصاف حمیدہ ہوتے ہیں تو جس پر حسد لوگوں نے نہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس میں کچھ خوبی نہیں چنانچہ شارح اس کے آگے اشارہ کرتا ہے اذ لا یسود سید بدون ودود یمدح وحسود یقدح اس واسطے کہ کوئی سردار سرداری نہیں پاتا بدون اس دوست کے جو اس کی خوبی بیان کرے اور بدون اس حاسد کے جو بدگوئی کرے ؎ جب آدمی نے اپنی بدگوئی سنی اور اس پر تحمل کیا اور چشم پوشی کی تو اُس کی عالی ظرفی اور سرداری ثابت ہوگئی لان من زرع الاحن حصد المحن اس واسطے کہ جس نے کینوں کا کھیت بویا رنجوں کو خرمن کیا فاللئیم یفضح والکریم یصلح سو کمینہ اور کم ظرف فضیحت کرتا ہے اور شریف صاحب کرم اصلاح دیتا ہے اور درست کر دیتا ہے ؎ جب کلام سابق سے معلوم ہوا کہ آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں لئیم اور کریم سو لئیم تو عیب جوئی میں رہتا ہے اور کریم اصلاح کرتا ہے اگر کچھ خلل پاتا ہے بشرط قدرت یا چشم پوشی کرتا ہے لکن یا اخی بعد الوقوف علی حقیقۃ الحال والاطلاع علی ما حررہ المتاخرون کصاحب البحر والنہر والفیض والمصنف وجدنا المرحوم وعزمی زادہ واخی زادہ وسعدی افندی والزیلعی والاکمل والکمال وابن الکمال اے بھائی خطا اس کتاب کی تلافی کرنا چاہیے بعد واقف ہونے کے حقیقت حال پر اور بعد مطلع ہونے کے علماء متاخرین کی تحریر اور تنقیح پر مانند صاحب بحر اور نہر اور فیض اور مصنف اور ہمارے جد مرحوم اور عزمی زادہ اور اخی زادہ اور سعدی آفندی اور زیلعی اور اکمل اور کمال اور ابن الکمال کے۔

؎[1] میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کی حسد سے اور تمام برائیوں سے ۱۲

م یعنی تدارک خلل بعد مطلع ہونے کے کتب مذکورہ پر چاہیے اور بمجرد خطور قلب کے اس پر جرأت مناسب نہیں صاحب بحر الرائق زین ابن نجیم مصری ہے اور صاحب نہر الفائق شیخ عمر بن نجیم بھائی صاحب بحر کا اور شاگرد نہر الفائق کو تصنیف کیا بھائی کی موت کے بعد اور بھائی پر اکثر مسائل میں مواخذہ کیا یوں عذر بیان کر کے کہ بھول چوک سے محفوظ رہنا آدمی پر دشوار ہے اور عزمی زادہ محشی ہے درر کا اور اکمل عنایہ شرح ہدایہ کا مصنف ہے اور کمال الدین ابن الہمام صاحب فتح القدیر محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید اسکندری ہے ہمام لقب ہے عبد الواحد کا مع تحقیقات سنح بہا بال و تلقیتہا عن فحول الرجال ساتھ ملاحظہ اُن تحقیقات کے کہ بعض کو میرے دل نے پیدا اور ظاہر کیا اور بعض کو میں نے کامل مردوں سے حاصل کیا۔

م اگر کوئی کہے کہ شارح جیسے عالموں کی تحقیقات کا مسائل فقہ میں کچھ دخل نہیں اس واسطے کہ وہ مجتہد مذہب اور صاحب فتویٰ نہیں اور قیاس کرنے کا بھی اہل نہیں اس واسطے کہ قیاس کرنا ہجری چار سو کے بعد مفقود ہو گیا پھر شارح کی تحقیقات سے کیا حاصل جواب اس کا یہ ہے کہ تحقیقات سے مراد نظائر کو جمع کرنا ہے اور معتمد　قول کو لانا اور اشکالات کو عبارات لطیفہ سے دفع کرنا یا اس کا جواب دیا جاوے بموجب اس قول کے کہ قوت مدرک کا اعتبار ہے اور[1] اس کے اہل پیدا ہو اکرتے ہیں قدرت کاملہ سے واللّٰہ اعلم کذا فی الطحطاوی و یابی اللّٰہ العصمۃ لکتاب غیر کتابہ اور حق تعالیٰ ہر کتاب کی عصمت کو مکروہ رکھتا ہے سوائے اپنی کتاب کے یعنی کلام اللّٰہ کے سوا آدمی کی کتاب ایسی لازم العصمۃ نہیں کہ اس میں خطا کا احتمال نہ ہو یہ شارح نے اپنی بھول چوک کا عذر بیان کیا وَالْمُنْصِفُ مَنِ اغْتَفَرَ قَلِیْلَ خَطَاءِ الْمَرْءِ فِیْ کَثِیْرِ صَوَابِہٖ اور منصف وہ ہے جو آدمی کی تھوڑی خطا کو اس کی بہتیری درست گوئی میں چھپا ڈالے یعنی جب آدمی کا اکثر کلام حق اور صواب ہوا تو اس کی خطاء قلیل پر نظر نہ کرنا منصفوں کا کام ہے اور فقط خطا کو پکڑ لینا اور اس کی صواب گوئی سے چشم پوشی کرنا ظلم صریح اور خباثت ہے وَمَعَ ہٰذَا مَنْ اَتْقَنَ کِتَابِیْ ہٰذَا فَھُوَ الْفَقِیْہُ الْمَاھِرُ، اور ساتھ اس کے یعنی باوجود عدم عصمت کے سو جو شخص کہ خوب سمجھ لے گا میری اس کتاب کو تو وہ فقیہ ماہر ہے یعنی مسائل فقہ کا خوب واقف ہوگا ومن ظفر بما فیہ فسیقول بملء فیہ کم ترک الاول للآخر اور جو فتح یاب ہوگا اس کتاب کے مطلب پر وہ اپنا منہ بھر کے کہے گا کہ بہت مطالب کو اگلا پچھلے کے واسطے چھوڑ گیا م یعنی متقدمین نے اکثر اشیاء کی تصریح نہیں کی اور متاخرین نے اس پر آگاہ کر دیا اس واسطے کہ حوادث متجدد ہوتے جاتے ہیں زمانوں کے تجدد سے سو فی الواقع کتاب در المختار ضبط ربط مسائل اور حسن اختصار میں عدیم المثال ہے و لہٰذا عرب و عجم میں مطرح انظار رجال ہے وَمَنْ حَصَّلَہٗ فَقَدْ حَصَلَ لَہُ الْحَظُّ الْوَافِرُ لِاَنَّہُ الْبَحْرُ لٰکِنْ بِلَا سَاحِلٍ وَوَابِلُ الْقَطْرِ غَیْرَ اَنَّہُ مُتَوَاصِلٌ اور جس نے اس کتاب کو حاصل کیا سو مقرر اس کو بہت حصہ ملا اس واسطے کہ وہ سمندر ہے لیکن بے کنارہ اور بڑی بوندوں کا مینہ ہے پر وہ لگاتار ہے م اس صنع عبارت کو تاکید المدح بما یشبہ الذم کہتے ہیں بحسن عبارات وَرَمْزِ اِشَارَاتٍ وَتَنْقِیْحِ مَعَانٍ وَتَحْرِیْرِ مَبَانٍ حالانکہ کتاب میری یا اس کی تحقیقات خوبی عبارات اور پوشیدہ اشارات اور منقح کرنے معانی اور آراستہ کر دینے الفاظ سے مل گئی ہے یعنی اس کی عبارت الجھی نہیں تعقیدات لفظیہ اور معنویہ اور تطویل لاطائل سے معرا ہے وَلَیْسَ الْخَبَرُ کَالْعِیَانِ فَیَسْتَقِرُّ بِہٖ بَعْدَ التَّاَمُّلِ الْعَیْنَانِ اور خبر دیکھنے کی برابر نہیں اور تامل کرنے کے بعد دونوں آنکھیں اس کتاب سے ٹھنڈی ہوں گی م یعنی دیباچہ کتاب میں میرا توصیف کرنا اس کتاب کا خبر ہے اور خبر محتمل ہوتی ہے صدق اور کذب کی مگر جبکہ تو مطلع ہوگا اس کتاب پر تو تیرے نزدیک اس کا خود مشاہدہ ہو جاوے گا ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ تو یہ تعلیل ہے مدعای محذوف کی　فَخُذْ مَا نَظَرْتَ مِنْ حُسْنِ رَوْضَۃِ الْاَسْمٰی　وَدَعْ مَا سَمِعْتَ عَنِ الْحُسْنِ وَسَلْمٰی سو لے اس کو جو تو دیکھ چکا ہے اس کتاب عالی قدر کے باغ کی خوبصورتی کو اور اس کو چھوڑ جو تو نے خوبصورتی سلمیٰ کی حکایت سنی ہے م سلمہ معشوقہ

[1] یہاں مترجم اول سے ترجمہ میں تسامح ہوا طحطاوی میں یہ عبارت ہے العبرۃ بقوۃ المدرک و یکون اللّٰہ تعالیٰ اہلا لذلک تو اس کا ترجمہ یوں چاہیے تھا کہ اللّٰہ تعالیٰ نے شارح کو اہل اس قوت کا پیدا کیا تھا ۱۲ [2] یعنی تاکید کی تعریف ایسی چیز سے جو مذمت کی صورت میں ہو ۱۲ ؂

کا نام ہے یعنی حسن صوری کی طرف التفات نہ کر حسن معنوی اس کتاب پر نظر کر ؎ خُذْ مَا نَظَرْتَ وَدَعْ شَیْئًا سَمِعْتَ بِہٖ ؛ فِیْ طَلْعَتِ الشَّمْسِ مَا یُغْنِیْکَ عَنْ زُحَلٍ ٭ لے اس کو جو تو نے دیکھا اور چھوڑ اس کو جو تو نے سنا آفتاب کے طلوع ہونے میں وہ روشنی ہے جو تجھ کو بے پرواکرتی ہے زحل کی روشنی سے م زحل کم روشن ایک ستارہ[۱] ہے جس کو فارسی میں کیوان اور ہندی میں سنیچر کہتے ہیں ہٰذا وَقَدْ صَحَّتْ اَغْرَاضُ الْمُصَنِّفِیْنَ اَغْرَاضَ سِہَامِ اَلْسِنَۃِ الْحُسَّادِ بِوَجْہٍ لے اس کو اور مقرر اہل تصانیف کی ابروئیں اہل حسد کی زبانوں کے تیروں کی نشانہ ہوگئیں ہیں وَنَفَائِسُ تَصَانِیْفِہِمْ مُعَرَّضَۃً بِاَیْدِیْہِمْ تَنْتَہِبُ فَوَائِدَہَا ثُمَّ تَرْمِیْہَا بِالْکَسَادِ اور اہل تصانیف کے عمدہ مصنفات اہل حسد کے ہاتھوں میں پڑے ہیں اُن کے فوائد کو لوٹتے ہیں پھر اُن کو کھوٹا کر کے پھینکتے ہیں ؎ اَخَا الْعِلْمِ لَا تَعْجَلْ بِعَیْبِ مُصَنِّفٍ ؛ وَلَمْ تَتَیَقَّنْ زَلَّتَہٗ مِنْہُ تَعْرِفُ ٭ ای صاحب علم شتابی نہ کر مصنف کی عیب جوئی میں حالانکہ تجھ کو اس کی خطا کا یقین نہیں ہوا جان بوجھ کر ؎ فَکَمْ اَفْسَدَ الرَّاوِیْ کَلَامًا بِعَقْلِہٖ ؛ وَکَمْ حَرَّفَ الْاَقْوَالَ قَوْمٌ وَصَحَّفُوْا ٭ سو بہت بگاڑا ہے روایت کرنے والے نے کلام کو اپنی عقل ناقص سے اور بہتیرے قولوں کی تحریف کی ہے ایک قوم نے اور تصحیف کی ہے[۲] م تحریف عبارت ہے تغیر اور تبدیل سے خواہ تبدیل ایک لفظ کی دوسری لفظ سے ہو یا ایک حرف کی دوسرے حرف سے اور گاہے تحریف معنی تاویل آتا ہے یعنی غیر مراد کا ارادہ کرنا اور تصحیف عبارت ہے خطاء فی الصحیفہ سے یعنی لکھنے میں چوکنا کذا فی الطحطاوی یعنی جب افساد راوی اور خطاء کاتب کا دخل ہوا تو مصنف کی خطا پر یقین نہیں ہو سکتا الا بوجہ دیگر تو عیب گوئی میں عالم کو عجلت مناسب نہیں ؎ وَکَمْ نَاسِخٍ اَضْحٰی لِمَعْنًی مُغَیِّرًا ؛ وَجَاءَ بِشَیْءٍ لَمْ یُرِدْہُ الْمُصَنِّفُ ٭ اور بہت کاتبوں نے معنی کو بدل ڈالا اور وہ چیز لائے جس کا مصنف نے ارادہ نہیں کیا وما کان قصدی من ہذا ان یدرج ذکری بین المحررین من المصنفین والمؤلفین بل القصد ریاض القریحۃ وحفظ الفروع الصحیحۃ مع رجاء الغفران ودعاء الاخوان اور اس تصنیف سے میرا یہ قصد نہ تھا کہ میرا ذکر داخل ہو اہل تحریر کہ مصنفین اور مولفین ہیں بلکہ مقصود ذہن کی مشق ہے اور محفوظ رکھنا صحیح مسائل کا بتوقع بخشش رہائی اور دعای برادران دین وما علی من اعراض الحاسدین عنہ حال حیاتی فسیتلقونہ بالقبول ان شاء اللہ تعالیٰ بعد وفاتی اور مجھ کو کچھ رنج نہیں حاسدوں کی روگردانی کا اس کتاب سے بیچ زندگی میں کیونکہ وہ عنقریب اس کو قبول کرلیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ میری موت کے بعد کما قیل ؎ تری الفتی ینکر فضل الفتی ؛ لوما وخبثا فاذا ما ذہب ٭ لج بہ الحرص علی نکتۃ ؛ یکتبہا عنہ بماء الذہب ٭ چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے: دیکھتا ہے تو ایک جوان کو کہ دوسرے جوان کے کمال کا انکار کرتا ہے کم ظرفی اور خباثت کی راہ سے پھر جب کہ وہ جاتا رہا یعنی مرگیا بے قرار کرتی ہے اس کو حرص مسئلہ باریک پر کہ لکھتا ہے اُس کامل محسود کے کلام کو سونے کے پانی سے فہاک مؤلفا مہذبا بالمہمات ہذا الفن مظہر الدقائق استعملت الفکر فیہا اذا ما اللیل جن متحریا ارجح الاقوال واوجز العبارۃ معتمدا فی دفع الایراد الطف الاشارۃ سوائے مخاطب لے اس فن کے آراستہ مجموعہ کو جو ظاہر کرنے والا ہے ان باریکیوں کو جن میں میں نے اپنی فکر کو استعمال کیا جب کہ رات چھائی تھی راجح تر اقوال اور مختصر عبارت کو تلاش کرنا دفع کرنے اعتراض میں لطیف تر اشارہ کو قصد کرتا ربما خالفت فی حکم او دلیل فحسب من لا اطلاع لہ ولا فہم عدولا عن السبیل پھر کبھی تو میں نے مسئلہ متن میں مخالفت کی یا دلیل میں سو جس کو اطلاع نہیں اور نہ فہم اُس نے گمان کیا راہ سے بہکنا یعنی ناواقفی سے میرے خلاف کو گمراہی سمجھا وربما غیرت تبعا لما شرح علیہ المصنف کلمۃ او حرفا وما دری ان ذلک لنکتۃ تدق عن نظرہ وتخفی اور گاہے یعنی مصنف کی شرح کی پیروی سے کسی لفظ یا حرف کو بدل ڈالا اور حالانکہ اس معترض کو معلوم

---

[۱] حکماء کہتے ہیں کہ وہ سب ستاروں سے دور تر ہے اس لیے کہ ساتویں آسمان پر ہے [۲] مترجم اول نے تعریف کو صیغہ مخاطب معروف جان کر یہ ترجمہ کیا اور حاشیہ شامی میں اس کو صیغہ مجہول مؤنث قرار دے کر صفت ذلۃ کی لکھا ہے۔ ۱۲

نہیں کہ یہ بدلنا اس سخن باریک کے سبب سے ہے جو اس کی نظر سے تاریک اور پوشیدہ ہے۔ وقد انشدنی شیخی الحبر الساميؒ والبحر الطامیؒ واحد زمانہ وحسنۃ اوانہ شیخ الاسلام الشیخ خیر الدین الرملی اطال اللہ تعالی بقارہ۔ اور البتہ اشعار آیندہ سنائے مجھ کو میرے استاد علامہ عالی قدر دریائے لبالب اپنے زمانے کے یکتا اور اپنے وقت کے خوب فاضل نے یعنی شیخ الاسلام شیخ خیر الدین ساکن رملہ نے اللہ تعالی ان کی عمر کو دراز کرے۔ م رملہ شہر ہے فلسطین میں، وہیں اُن کا انتقال ہُوا۔ ان کی تصانیف عمدہ بہت ہیں، از انجملہ فتاویٰ خیریہ ہے ؎

قل لمن لم یرا لمعاصر شیئًا
و یری للاوائل التقدیمًا
انّ ذلك القدیم کان حدیثًا
و سیبقی هذا الحدیث قدیمًا

کہہ اس شخص سے جو ہمعصر کو کچھ نہیں سمجھتا اور اگلے لوگوں کو پچھلوں پر تقدیم سمجھتا ہے۔ مقرر وہ پرانا بھی اپنے وقت میں نیا تھا اور آگے یہ نیا بھی پُرانا ٹھہرے گا۔ م فی الواقع معاصر کتنا ہی کامل الوجود ہو، لوگوں کی نظروں میں نہیں آتا۔ اور بعد مدت کے وہی معتمد اور مقتدا ٹھہرتا ہے، چنانچہ صاحب در المختار اپنے معاصرین حاسدین سے کس قدر تنگ ہے اور اس زمانے میں عرب و عجم میں در المختار اعجوبۂ روزگار متداول علماء کیا رہے۔ علی ان المقصود والمراد ما انشدنی شیخی و برکتی و ولی[ف] نعمتی راس المحققین والنقاد محمد آفندی المحاسنی وقد اجاد۔ علاوہ بریں اس شرح کے لکھنے سے مقصود و مراد وہ مضمون ہے جو شعر میں نے پڑھ کر سنایا ہے۔ میرے اُستاد اور میرے برکت اور میرے ولی نعمت محققین اور پرکھنے والوں کے سردار یعنی محمد آفندی محاسنی نے اور البتہ بہت خوب کہا ہے۔ م۔ محاسنی نسبت ہے محاسن کی طرف یعنی خوبیوں والا اور آفندی کا لفظ بمعنی بزرگوار مستعمل ہے کذا فی الطحطاوی ؎

لکل بنی الدنیا مراد و مقصد
و ان مرادی صحّۃ و فراغ
لا بلغ فی علم الشریعۃ مبلغًا
یکون به لی فی الجنان بلاغ

ہر ایک اہل دنیا کا کچھ مراد اور مقصد ہوتا ہے اور البتہ میرا مقصد صحت اور فارغ البالی ہے تا کہ میں علم شریعت میں

ف و برکتی و ولی نعمتی یہ الفاظ صرف اسی نسخہ میں ہیں جو مترجم اول کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے دوسرے نسخوں میں مجھ کو نہیں ملے ۱۲

اس درجے کو پہنچوں جس کے سبب سے بہشتوں میں میرا پہنچنا ہو ؎

فقی مثل ھذا فلینافس اولو النہی

وحسبی من الدنیا الغرور بلاغ

تو ایسے مقصد عظیم الشان میں چاہیئے کہ حرص کریں صاحبان عقول اور کافی ہے مجھ کو دغا باز دنیا سے بلاغ یعنی قدر کفایت یعنی خطام (مال اندک ۱۲) دنیا سے قلیل کافی ہے تو کوشش کرنا چاہیئے اس میں جس سے نعیم موبد (آسایش ہمیشہ ۱۲) اور سرور دائمی حاصل ہو کذا فی الطحطاوی ؎

فما الفوز الا فی نعیم مؤید

بہ العیش رغد والشراب یساغ

سو نہیں ہے فتحیابی مراد کی مگر دائمی نعمت میں جس کے سبب سے معاش کی کشایش ہے اور حلق میں شربت خوشگوار ہے۔

مقدمۃ الکتاب
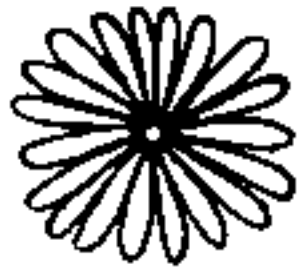
اہل تصانیف کی عادت ہے کہ قبل از شروع مقصود ان امور کو ذکر کرتے ہیں جن سے ناظر کتاب کو بصیرت حاصل ہو اس کو مقدمہ کہتے ہیں
حق اَوَّل مَنْ حَاوَلَ عِلْمًا اَنْ یَّتَصَوَّرَہٗ بِحَدِّہٖ اَوْ رَسْمِہٖ وَیَعْرِفَ مَوْضُوْعَہٗ وَغَایَتَہٗ وَاسْتِمْدَادَہٗ جو شخص کہ کسی علم کے شروع کرنے کا قصد کرے اس پر یہ حق اور لازم ہے کہ اس علم کی حد یا رسم کو تصور کرے اور اس کے موضوع اور غایت اور استمداد کو پہچانے ہم حد اس تعریف کو کہتے ہیں جس میں ذاتیات مذکور ہوں چنانچہ انسان کی تعریف میں کہنا کہ جاندار گویا اور رسم وہ ہے جس میں تعریف لعرض[1] لازم ہو چنانچہ انسان کو ضاحک یا کاتب بولنا مقدمہ میں دس چیزیں مذکور ہوتی ہیں ان میں سے شارح نے چار کو مذکور کیا تعریف علم اور موضوع اور غرض اور استمداد سو باقی چھ امور یہ ہیں واضع علم اور نام علم کا اور حکم شارع کا اور تعداد مسائل اور فضیلت اور نسبت سو چار چیزوں کو خود شارح نے بیان کیا بلکہ فضیلت کو بھی باقی کا بیان یوں ہے کہ واضع علم فقہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہیں اور نام علم کا فقہ ہے اور شارع کا حکم یہ ہے کہ فقہ کا حاصل کرنا بقدر ضرورت کے واجب ہے اور مسائل اس علم کے ہر ایک وہ جملہ ہے جس کا مبتدا مکلف کا فعل ہے اور احکام خمسہ[2] اس کی خبر ہے چونکہ یہ فعل واجب ہے یا حرام مثلاً اور فضیلت علم فقہ کی یہ ہے کہ سوائے علم عقائد اور تفسیر اور حدیث اور اصول فقہ کے باقی علموں سے فقہ کا علم افضل ہے اور نسبت یہ ہے کہ علم فقہ ظاہر کی اصلاح کرتا ہے جیسے عقائد اور تصوف باطن کی اصلاح کرتے ہیں کذا فی الحلبی۔ تعرف فَالْفِقْہُ لُغَۃً اَلْعِلْمُ بِالشَّیْءِ ثُمَّ خُصَّ بِعِلْمِ الشَّرِیْعَۃِ تو فقہ لغت عرب میں دریافت کرنا ہے شئے کا پھر عرف میں فقہ مخصوص بعلم شریعت ہے وفقہ بالکسر فقہا علم اور فقہ بکسرہ قاف صیغہ ماضی کا بمعنی علم ہے یعنی دریافت کیا اور جانا اور فقہ بکسر اول و سکون ثانی اس کا مصدر ہے بمعنی علم وفہم وفقہ بالضم فقاہۃ صار فقیہا اور فقہ بضم قاف جس کا مصدر فقاہت ہے اس وقت بولتے ہیں جب آدمی فقیہ ہو جائے ہم خلاصہ یہ ہے کہ فقہ لغوی کا ماضی مکسور القاف ہے اور اصطلاحی کا مضموم القاف ہے کذا ذکرہ صاحب بحر الرائق عن الکرمانی اور صاحب قاموس نے فقیہ کے ماضی میں کسر بھی نقل کیا ہے وَاصْطِلَاحًا عِنْدَ الْاُصُوْلِیِّیْنَ اَلْعِلْمُ بِالْاَحْکَامِ الشَّرْعِیَّۃِ الْفَرْعِیَّۃِ الْمُکْتَسَبِ مِنْ اَدِلَّتِہَا التَّفْصِیْلِیَّۃِ اور علماء اصول فقہ کی اصطلاح میں فقہ عبارت ہے احکام شرعی فرعی کے اس علم سے جو حاصل ہوا ہو احکام کے دلائل مفصلہ سے ہم احکام فرعی وہ ہیں جو عمل کرنے سے متعلق ہیں اور جو اعتقاد سے متعلق ہیں ان کو احکام اصلی کہتے ہیں شارح نے احکام شرعی کی قید اس لیے لگائی کہ اس قید سے احکام عقلی اور حسی اور اصطلاحی فقہ کی تعریف سے نکل گئے چنانچہ اس کا علم کہ عالم حادث ہے اور آگ جلانے والی ہے اور فاعل مرفوع ہے معلوم کرنا چاہیے کہ قرآن اور حدیث اور اجماع اور قیاس فقہ کے دلائل تفصیلی ہیں اس تعریف سے معلوم ہوا کہ اصولیوں کے نزدیک فقیہ حقیقی فقط مجتہد ہے یا مانند اس کے اس واسطے کہ مقلد پر دلائل سے استدلال کرنا ضرور نہیں وعند الفقہاء حفظ الفروع واقلہ ثلث اور فقیہوں کے نزدیک فقہ نام ہے مسائل کے یاد رکھنے کا اور کمتر مرتبہ حفظ مسائل کا یہ ہے کہ تین مسئلے یاد ہوں ہم ماتن اور شارح نے کتاب الوصیۃ میں کہا کہ اگر ثلث مال کی

[1] عرض وہ چیز ہے جو داخل ماہیت نہ ہو اور لازم وہ ہے جو ماہیت کے ساتھ رہے اور اسی کو خاصہ بھی کہتے ہیں ۱۲

[2] یعنی فرض و واجب و حرام و مکروہ و مباح ۱۲

وصیت کی فقیہوں کے واسطے تو اس میں وہ داخل ہوگا جو مسائل شرعی میں نظر دقیق رکھتا ہو اگرچہ تین ہی مسئلوں کو ان کے دلائل کے ساتھ جانتا ہو انتہی تو معلوم ہوا کہ جس کو ہزاروں مسئلے بدون دلائل کے یاد ہوں وہ فقیہ نہیں وعند اہل الحقیقۃ الجمع بین العلم والعمل اور اہل حقیقت یعنی صوفیہ کرام کے نزدیک فقہ عبارت ہے علم اور عمل کی جامعیت سے [1] حقیقت مغز ہے شریعت کا اور حقیقت شریعت سے باہر نہیں اور نہ شریعت حقیقت سے جدا ہے اور جو حقیقت کو شریعت سے جدا جانتا ہو اس پر کفر کا خوف ہے کذا فی الطحطاوی حضرت امیر خسرو دہلوی نے مطلع الانوار مثنوی میں فرمایا ہے ؎ عین حقیقت بشریعت درست ؛ شرع اگر عین نباشد شرست ؛ ہر کہ تنگ از شرع فراتر زدہ ؛ اللہ و یارب ہمہ زد عربدہ ؛ اور خواجہ عبید اللہ احرار نے فرمایا کہ حقیقت دریاست و شریعت کشتی از دریا بچہ تواں گذشت بکشتی حسب مجملہ صوفیہ صافیہ کے شاہدین عاولین کے کلام سے شریعت اور حقیقت میں اتحاد یا تلازم ثابت ہوا تو صاف معلوم ہوگیا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ شریعت اور ہے اور حقیقت اور ہے وہ صوفیہ کرام کے طریقے سے گمراہ ہیں لقول الحسن البصری انما الفقیہ المعرض عن الدنیا الزاہد فی الآخرۃ البصیر بعیوب نفسہ بدلیل قول خواجہ حسن بصری کے کہ فقیہ نہیں ہے مگر روگردان دنیا سے رغبت کرنے والا آخرت میں اپنے عیوب ذاتی کا دانا [2] یعنی عارف فقیہ کی عبادت فقط خدا ہی کے واسطے ہوتی ہے نہ دوزخ کے خوف سے اور نہ بہشت کی طمع سے یہ لوگ جو بہشت کو مانگتے ہیں تو تلذذ کے واسطے نہیں بلکہ پروردگار کے دیدار کے لیے چنانچہ کسی عارف نے کہا ہے ؎ لیس قصدی من الجنان نعیما ؛ غیر انی ارید ہا لاراک ؛ کذا فی الطحطاوی وموضوعہ فعل المکلف ثبوتا اوسلبا اور فقہ کا موضوع عاقل بالغ کا فعل ہے ثبوت کی راہ سے یا سلب کی راہ سے [3] موضوع اس کو کہتے ہیں جس کے عوارض ذاتی کی اس علم میں بحث اور گفتگو ہے چنانچہ کلمہ اور کلام موضوع ہے علم نحو کا یعنی اول سے آخر تک اسی کے حالات کی گفتگو ہے اسی طرح فقہ کا موضوع مکلف کا فعل ہے ثبوت کی راہ سے چنانچہ فعل کا صحیح ہونا اور فرض ہونا اور واجب ہونا اور مستحب اور مباح ہونا اور سلب کی راہ سے چنانچہ صحیح نہ ہونا فعل کا اور عدم فرضیت اور حرام ہونا اور مکروہ ہونا تو غیر مکلف یعنی صغیر اور مجنون کا فعل علم فقہ کا موضوع نہیں اور ضمان متلفات اور نفقہ زوجات کے ادا کرنے میں ولی مخاطب ہے نہ صغیر اور مجنون واستمدادہ من الکتاب والسنۃ والاجماع والقیاس اور فقہ کی استمداد اور مددگاری کتاب یعنی قرآن مجید اور سنت نبوی اور اجماع اور قیاس سے ہے [4] یعنی امور اربعہ مذکورہ فقہ کے ماخذ اور اصول میں دریافت کرنا چاہیے کہ قبل از اسلام کے شریعت غیر منسوخہ قرآن مجید کے تابع ہے اور سنت سے قول اور فعل اور تقریر رسول کریم ﷺ کی مراد ہے تقریر اس سے عبارت ہے کہ کوئی امر حضرت کے سامنے ہوا اور حضرت نے اس کو جائز رکھا اس پر انکار نہ کیا اور صحابہ کرام کے اقوال تو سنت میں داخل ہیں اور اجماع سے مراد ان لوگوں کا اجماع ہے جن کا اجماع شمار کے لائق ہے چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تمام مجتہدین عصر کا اتفاق اور تعامل ناس یعنی لوگوں کا عمل رائج تو اجماع کا تابع ہے اور قیاس سے مراد وہ قیاس ہے جو کتاب اور سنت اور اجماع سے مستنبط ہو اور تحری [5] اور استصحاب حال تو قیاس کا تابع ہے قیاس مستنبط من الکتاب کی مثال حرمت لواطت کا قیاس وطی فی الحیض [6] کی حرمت پر جو ثابت ہے لقولہ تعالیٰ (قل ہو اذی فاعتزلوا النساء فی المحیض) اور علت مشترکہ مقیس اور مقیس علیہ میں اذا ہے اور قیاس مستنبط من السنۃ کی مثال حرام ہونا چنے کے ایک پیمانہ کا چنے کے دو پیمانوں سے بقیاس حرمت گیہوں کے ایک پیمانہ کے گیہوں کے دو پیمانوں سے جو ثابت ہے اس حدیث سے کہ الحنطۃ بالحنطۃ [7] مثلاً بمثل یداً بید والفضل ربوا اور علت مشترکہ یہاں اتحاد جنس اور مقدر ہے اور قیاس مستنبط من الاجماع کی مثال قیاس کرنا ہے وطی حرام کا وطی حلال پر چنانچہ مادر مزنیہ [8] کے وطی کی حرمت کو

[1] نہیں ہے مقصود میرا جنت سے آسائش لیکن میں اس کو چاہتا ہوں اس وجہ سے کہ تجھ کو دیکھوں ۱۲ [2] یعنی اٹکل اور تخمین اور استصحاب حال سے یہ مراد ہے کہ حالت سابق دیکھ کر حالت موجودہ پر وہی حکم قائم رکھنا ۱۲ [3] وطی فی الحیض الخ یعنی صحبت در ایام حیض ۱۲ [4] یعنی گیہوں کا بدلنا گیہوں سے یکساں وزن اور دست بدست ہونا چاہیے اور زیادتی سود ہوگی ۱۲ [5] یعنی جس عورت سے زنا کیا ہو اس عورت کی ماں سے صحبت حرام ہے ۱۲

قیاس کیا ہے اور کنیز موطوءہ کی حرمت پر جو اجماع سے ثابت ہے یعنی جب اپنی لونڈی سے وطی کی تو اس لونڈی کی ماں کا حرام ہونا اجماع سے ثابت ہے اس میں کوئی نص نہیں ہے کتاب اور سنت سے بلکہ امہات النساء یعنی خوشدامنوں میں بلا اشتراط وطی کے نص وارد ہے کذا فی الطحطاوی تبصرف وغایتہ الفوز بسعادۃ الدارین اور فقہ کی غرض اور علت غائی سعادت دارین کی ظفریابی ہے واما فضلہ فکثیر شہیر اور فقہ کی بزرگی اور فضیلت تو بہت مشہور ہے ہم جامع ترمذی میں ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فضیلت عالم کی عابد پر جیسے میری فضیلت تمہارے ادنیٰ شخص پر مقرر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور اہل سموات اور اہل ارض یہاں تک کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور مچھلیاں دریا میں بھلائی چاہتے ہیں ان کی جو لوگوں کو خیر کی تعلیم کرتے ہیں اور ترمذی میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک فقیہ شیطان پر سخت ترہے ہزار عابد سے کذا فی تیسیر الوصول الی جامع الاصول ومنہ ما فی الخلاصۃ وغیرہا النظر فی کتب اصحابنا من غیر سماع افضل من قیام اللیل اور منجملہ فضائل کے وہ قول ہے جو خلاصہ وغیرہا میں ہے کہ نظر کرنا ہمارے اصحاب کی کتابوں میں بدون سماع یعنی فقہ کی کتابوں کو مطالعہ کرنا بدون اس بات کے کہ استاد سے سنا ہو تہجد کی نماز سے بہتر ہے وتعلم الفقہ افضل من تعلم باقی القرآن[۵] اور فقہ کا سیکھنا افضل ہے باقی قرآن کے سیکھنے سے ہم یعنی زائد از حاجت فقہ کا سیکھنا غیر کے نفع کے واسطے باقی قرآن کے سیکھنے سے افضل ہے اس واسطے کہ فقہ کا تعلم بقدر حاجت کے فرض عین ہے وجہ افضلیت کی یہ ہے کہ اس وقت میں تعلم فقہ کا فرض کفایہ ہے اور قرآن کا تعلم سنت ہے اور فرض افضل ہے سنت سے مگر یہ وجہ مسلم نہیں اس واسطے کہ تمام قرآن کا سیکھنا بھی فرض کفایہ ہے یا افضلیت کی یہ وجہ ہے کہ جمیع فقہ محتاج الیہ ہے اس واسطے کہ وقائع کا حدوث ہوتا ہے فقہ کے ہر باب میں بخلاف قرآن کے اس واسطے کہ قرآن میں ایک آیت کا سیکھنا تو فرض ہے اور سورۂ فاتحہ اور تین آیتوں کا سیکھنا واجب ہے کذا فی الطحطاوی وجمیع الفقہ لا بد منہ اور تمام فقہ سے چارہ نہیں یعنی ضرور ہے اگرچہ بطریق فرض کفایہ کے ہو الحاصل فقہ بجمیع انواع خود آدمیوں کو ضرور ہے سو طہارت اور نماز اور روزہ کا دریافت کرنا تو علی العموم سب کو فرض ہے اور زکوٰۃ اور حج اور نکاح اور طلاق اور عتاق وغیر ذلک کا معلوم کرنا اس پر فرض ہے جو ان کا حاجت مند ہو یعنی اگر مالدار ہے تو زکوٰۃ اور حج کے مسائل کا معلوم کرنا اس پر فرض ہے وعلی ہذا القیاس نکاح کرنے والا اور طلاق دینے والا وفی الملتقط وغیرہ عن محمد لا ینبغی للرجل ان یعرف بالشعر والنحو لان آخر امرہ الی المسئلۃ وتعلیم الصبیان ولا بالحساب لان آخر امرہ مساحۃ الارضین ولا بالتفسیر لان آخر امرہ الی التذکیر والقصص بل یکون علمہ فی الحلال والحرام وما لا بد منہ اور ملتقط وغیرہ میں محمد بن حسن سے منقول ہے کہ مرد کو لائق نہیں کہ شعر گوئی اور نحو دانی میں مشہور رہو اس لیے کہ اس کا انجام گداگری ہے اور لڑکوں کا پڑھانا اور نہ حساب دانی میں مشہور رہو کہ اس کا انجام کار پیمائش ہے اراضی کی اور نہ تفسیر دانی میں مشہور ہو اس واسطے کہ اس کا انجام کار وعظ گوئی اور قصہ خوانی ہے بلکہ لائق یہ ہے کہ اس کا علم ثابت ہو حلال اور حرام میں اور اس میں جس میں چارہ نہیں ہم گداگری کو شعر گوئی کا انجام اس واسطے کہا کہ اکثر شاعر دنیائے فانی کے طلب کرنے کے واسطے جو مدح کے لائق نہیں ان کی مدح کرتے ہیں اور گاہے ہجو کرتے ہیں اس کی جو مستحق مذمت کا نہیں اور ان کے اکثر اوقات مضامین تازہ کاذبہ کی تلاش میں سرگردانی سے برباد ہوتے ہیں کما قیل ؎ اذا ما اعتز ذو علم بعلم ٭ فعلم الفقہ اولی باعتزاز ٭ فکم طیب تفوح ولا کمسک ٭ وکم طیر الطیر ولا کباز ٭ چنانچہ نظم میں کسی نے کہا ہے کہ جب فخر کرے صاحب علم کسی علم کے سبب سے تو فقہ کا علم مقدم تر اور اولیٰ با فتخار ہے سو بہت سی خوشبوئیں مہکتی ہیں اور نہیں مہکتی مشک کے مانند اور بہت سی چڑیاں اڑتی ہیں اور نہیں اڑتی باز کے مانند یعنی فقہ اور علوم سے ایسا افضل ہے جیسے مشک اور خوشبوؤں سے اور باز اور پرندوں سے وقد مدحہ اللہ تعالیٰ بتسمیتہ خیر بقولہ ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً وقد فسر الحکمۃ زمرۃ ارباب التفسیر بعلم الفروع الذی ہو علم الفقہ اور البتہ حق تعالیٰ نے فقہ کی

---

[۵] باقی قرآن سے یہ مراد ہے کہ زائد از حاجت ہو ۱۲ ۔

مدح کی ہے اس کو مسمّی بخیر کرکے اپنے اس قول میں ومن یؤت الحکمۃ الخ یعنی جس کو حکمت دی گئی اس کو بہت خیر دی گئی اور منفرد مفسرین کے ایک گروہ نے حکمت کو تفسیر بعلم فروع کیا ہے جو فقہ کا علم ہے ومن ہنا قیل ۵ وخیر علوم علم فقہ لانہ ؛ یکون الی کل المعانی توسلا ؛ فان فقیہا واحدا متورعا ؛ علی الف ذی زہد تفضل واعتلی ؛ اور اسی جگہ سے کسی نے کہا ہے نظم میں اور علموں سے بہتر فقہ کا علم ہے اس واسطے کہ وہ سب مراتب عالیہ کی طرف وسیلہ ہوتا ہے کیوں کہ ایک فقیہ متقی ہزار زاہدوں پر بزرگ اور عالی قدر ہوتا ہے مراد یہ ہے کہ فقیہ ان زاہدوں سے افضل ہے جو فقہ کو نہیں جانتے وہما ماخوذان مما قیل للامام محمد ۵ تفقہ فان الفقہ افضل قائد ؛ الی البر والتقوی واعدل قاصد ؛ وکن مستفیدا کل یوم زیادۃ ؛ من الفقہ واسبح فی بحور الفوائد ؛ فان فقیہا واحدا متورعا ؛ اشد علی الشیطان من الف عابد ؛ اور وہ دونوں شعریں جو گذر گئیں ماخوذ ہیں اس نظم آئندہ سے جو امام محمد کی طرف منسوب ہے وہ یہ ہے کہ فقہ کو سیکھ اس واسطے کہ فقہ افضل کھینچنے والا ہے نیکی اور پرہیزگاری کی طرف اور معتدل تر قریب مقصد ہے یعنی عدل طریق مقرب مقصود ہے اور ہو تو ہر روز حاصل کرنے والا زیادتی کا فقہ سے اور تیر اک فوائد کے دریاؤں میں اس واسطے کہ ایک فقیہ متقی سخت تر ہے شیطان پر ہزار عابد سے ھم نظم سابق اور یہ نظم امام محمد کا اس حدیث مرفوع سے ماخوذ ہے عن ابن عباس قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد اخرجہ الترمذی چنانچہ اس کا ترجمہ عنقریب مذکور ہو چکا ومن کلام علی رضی اللّٰہ عنہ ۵ ما الفضل الا لاہل العلم انہم ؛ علی الہدیٰ لمن استہدیٰ ادلاء ؛ اور علی مرتضی رضی اللّٰہ عنہ کے کلام سے یہ نظم ہے کہ بزرگی نہیں مگر اہل علم کے واسطے کیوں کہ وہ ہدایت پر ہیں اور طالب ہدایت کے راہنما ہیں ۵ وزن کل امراء ما کان یحسنہ ؛ والجاہلون لاہل العلم اعداء ؛ اور وزن یعنی قدر اور خوبی ہر مرد کی موافق اس کی خوب کرداری کے ہے اور جاہل لوگ اہل علم کے دشمن ہیں ھم تو صانع کی قدر اس کے حسن صنعت کی مقدار پر ہے اور جس نے علوم آداب کے خوب سیکھے تو اس کی قدر انھیں کی مقدار پر ہوگی اور جس نے علم فقہ کا خوب حاصل کیا تو اس کی قدر عظیم ہوگی بسبب عظمت فقہ کے الی حاصل جو شخص کسی چیز کو خوب حاصل کرے گا تو اس کا مرتبہ اسی کی مقدار پر ہوگا کذا فی الطحطاوی ۵ فخض بعلم ولا تجہل بہ ابدا ؛ الناس موتی واہل العلم احیاء ؛ سو رستگار اور ظفریاب ہو علم کے سبب سے اور علم سے جاہل نہ رہیو ہمیشہ یعنی اسباب جہل سے اجتناب رکھیو سب آدمی مُردے ہیں اور علم والے زندہ ہیں ھم یعنی جاہل مردوں کے مانند ہیں لائق شمار کے نہیں اور ان سے کچھ فائدہ نہیں اور اہل علم زندہ ہیں یعنی ان کی زندگی سے ان کو اور لوگوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے تو علماء دین کا وجود رحمت اور نور ہے کیوں نہ ہو کہ وہ وارث ہیں انبیاء علیہم السلام کے ؛

اسباب جہل ونسیان

منجملہ جہالت کے اسباب جہل اور نسیان کے کثرت اکل کا ارتکاب ہے چنانچہ جہالت کا بڑا سبب کاہلی ہے اور کاہلی پیدا ہوتی ہے کثرت بلغم سے اور کثرت بلغم کی ہوتی ہے بہت پانی پینے سے اور پانی بہت پینا ہوتا ہے بہت کھانے سے تو مبداء فساد کثرت اکل ٹھہرا اور تقلیل اکل کا طریقہ یہ ہے کہ قلت اکل کے منافع کو آدمی غور کرے ازانجملہ ایک فائدہ یہ ہے کہ آدمی تندرست رہتا ہے اور زیادہ کھانے والا گراں تن اور اکثر بیمار ہو جاتا ہے اور بہت کھانے والا حق تعالیٰ کو ناپسند ہے اور دوسرا فائدہ قلت اکل کا ایثار ہے یعنی کھانے میں غیر کو مقدم رکھنا اور بہت کھانے والے کو دوسرے کو کھلانا دشوار ہوتا ہے اور منجملہ اسباب نسیان کے معاصی اور کثرت ذنوب ہے اور امور دنیا کی تشویشات اور کثرت اشتغال اور زیادتی علائق کی اور ہرا دھنیا کھانا اور مصلوب[۵۸] کو دیکھنا اور الواح قبور کو پڑھنا اور اونٹوں کی قطار میں چلنا اور زندہ جوں زمین پر ڈالنا اور گدی پر پچھنے لگانا اور منجملہ اسباب مورثہ حفظ وحافظہ کوشش کرنا ہے اور ہمیشہ تذکرہ رکھنا اور کم کھانا اور تہجد کی نماز پڑھنا اور قرآن کو دیکھ کر پڑھنا اور بہت درود پڑھنا اور شہد کا پینا اور کندر کو شکر کے ساتھ کھانا اور اکیس دانے کشمش ہر روز منقے کا نہار

[۵۸] مصلوب یعنی سولی دیا ہوا ۱۲ ؛ ف بیان اسباب جہل ونسیان ؛

منہ کھانا ایسی چیز بلغم اور رطوبات کو کم کر دے وہ حفظ کو زیادہ کرے گی ۔

اسبابِ حصولِ علم

معلوم کرنا چاہیے کہ طالب علم کو علم نہیں آتا اور نہ اس سے فائدہ حاصل ہوتا ہے جب تک کہ علم کی اور اہل علم کی اور استاد کی تعظیم اور توقیر نہ کرے اس واسطے کہ کوئی کمال کو نہیں پہنچا مگر حرمت کرنے سے اور کوئی بے نصیب نہیں رہا مگر ترک حرمت سے علی مرتضیٰؓ نے فرمایا کہ میں اس کا غلام ہوں جس نے مجھے ایک حرف بتایا چاہے بیچ لے مجھ کو چاہے آزاد کرے ہارون رشید بادشاہ نے اپنے فرزند کو اصمعیؒ کے پاس بھیجا تاکہ وہ علم اور ادب سیکھے تو بادشاہ نے ایک دن دیکھا کہ اصمعی وضو کرتے ہیں اور شہزادہ پانی ڈالتا ہے تو بادشاہ نے اس پر عتاب کیا اس امر میں اور کہا کہ میں نے اس کو اس واسطے بھیجا ہے کہ آپ اس کو علم اور ادب سکھائیے آپ نے اس سے یوں کیوں نہ فرمایا کہ ایک ہاتھ سے پانی ڈالے اور دوسرے ہاتھ سے آپ کا پاؤں دھوئے اور منجملہ تعظیم علم کے کتاب کی تعظیم ہے تو طالب علم کو لائق ہے کہ کتاب کو ہاتھ نہ لگاوے بدون طہارت کے شمس الائمہ سرخسیؒ کو ایک رات اسہال عارض ہوا اور وہ اپنے سبق کی تکرار کرتے تھے تو اس رات کو سترہ بار وضو کیا اس واسطے کہ وہ سبق کی تکرار بدون وضو کے نہ کرتے تھے وجہ اس کی یہ ہے کہ علم نور ہے اور وضو بھی نور ہے تو علم کا نور وضو سے دوچند ہو جاتا ہے اور منجملہ تعظیم واجب کے یہ ہے کہ کتاب کی طرف پاؤں نہ پھیلائے اور کتاب کی تعظیم ایک یہ ہے کہ خوش خط واضح لکھے اور بہت باریک نہ لکھے امام اعظم نے ایک کاتب کو دیکھا کہ باریک لکھتا تھا تو فرمایا کہ باریک مت لکھ کہ شاید تو زندہ رہا تو پچھتائے گا اور اگر مر گیا تو تجھ کو لوگ برا کہیں گے یعنی اگر تو پیر ہو گیا اور تیری بصارت ضعیف ہو گئی تو اس باریک تحریر پر تجھ کو ندامت ہو گی اور منجملہ تعظیم علم کے ہم سبق بھائیوں کی تعظیم ہے اور چاپلوسی معیوب چیز ہے مگر طلب علم میں مذموم نہیں اس واسطے کہ استاد اور ہم سبقوں کی چاپلوسی کرنا لائق ہے تاکہ ان سے فائدہ حاصل ہو کذا فی الطحطاوی مختصرا وقد قیل العلم وسیلۃ الی کل فضیلۃ اور کہا گیا ہے یعنی علماء مجربین نے فرمایا ہے کہ علم وسیلہ ہے ہر بزرگی اور کمال کا یعنی ترقیات دارین کا سبب ہے العلم یرفع المملوک الی مجالس الملوک علم بلند مرتبہ کرتا ہے غلام کو بادشاہوں کی مجالس تک یعنی نہایت حقیر شخص علم کی جلالت شان سے بادشاہوں کا ہم صحبت اور جلیس ہو جاتا ہے لولا العلماء لہلک الامراء اگر عالم نہ ہوتے تو امیر ہلاک اور تباہ ہو جاتے ہم وجہ اس کی یہ ہے کہ امیر خلق اللہ کے حاکم ہیں تو اگر فصل خصومات میں علمائے دین کی طرف رجوع نہ کرتے تو گمراہ ہوتے اور عذاب آخرت میں گرفتار ہوتے باوجود اس کے علمائے دین کو لائق نہیں امیروں کے پاس جانا آکا دنیائے فانی کے حاصل کرنے کے واسطے عالم کو چاہیے کہ اپنے نفس کو ذلیل نہ کرے بلکہ مقسوم پر راضی رہے ہمت کو عالی رکھے لوگوں کے مال میں طمع نہ کرے زمانہ سابق میں دستور تھا کہ اول لوگ پیشہ سیکھتے پھر علم حاصل کرتے تھے تا خلق اللہ کے مال میں طمع کی مجال باقی نہ رہے اور جب کہ عالم طامع ہوا تو اس کے علوم کی حرمت باقی نہیں رہتی اور وہ حق گوئی سے بھی کنیاتا ہے ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں انسؓ سے حدیث روایت کی کہ میری امت کی خرابی ہے علماء بدکردار سے اس علم کو تجارت قرار دیں گے اس کو بیچیں گے اپنے زمانہ کے امیروں سے اپنی منفعت کے واسطے خدا ان کی تجارت میں نفع نہ بخشے اور مروی ہے کہ بدتر علماء وہ ہیں جو امیروں کے پاس جاتے ہیں اور بہتر امیر وہ ہیں جو عالموں کے دروازوں پر آتے ہیں اور مروی ہے کہ دو قسم آدمیوں میں سے جب آراستہ ہوئے تو سب لوگ آراستہ ہو جاتے ہیں اور جب وہ بگڑے تو سب لوگ بگڑ جاتے ہیں علماء اور امراء کذا فی الطحطاوی ملتقطا وانما العلماء اربابہ ولایۃ لیس لہا عزل اور سوائے اس بات کے نہیں ہے کہ علم صاحبان علم کے واسطے وہ منصب دائمی ہے جس کی معزولی نہیں یعنی بادشاہ اس منصب کو نہیں چھین سکتا ان الامیر ہو الذی یضحی امیرا عند عزلہ ان زال سلطان الولایۃ کان فی سلطان فضلہ البتہ اصل امیر وہ ہے جو امیر بنا رہے اپنے معزول ہونے کے وقت اگر قوت منصب کی زائل ہو گئی تو وہ اپنے کمال کی قوت میں ثابت ہے ۔

تحصیل علم کے احکام

واعلم ان تعلم العلم یکون فرض عین وھو بقدر مایحتاج لدینہٖ اور معلوم کرائے مخاطب کہ علم کا سیکھنا فرض عین ہوتا ہے یعنی ہر شخص پر اور فرض عین اس قدر علم ہے جس کی طرف آدمی حاجت مند ہو اپنے دین کے واسطے اور تعلیم متعلم میں ہے کہ مسلمان پر ہر علم کا حاصل کرنا فرض نہیں بلکہ علم حال کی طلب فرض ہے یعنی آدمی جس حال میں واقع ہو اس حال کا علم سیکھنا فرض ہے مثلاً جس پر نماز اور روزہ فرض ہوا اس پر صوم وصلوٰۃ کے مسائل کا دریافت کرنا فرض ہے اور اگر مال حاصل ہوا تو زکوٰۃ اور حج کے مسائل کا سیکھنا فرض عین ہے اور سوداگر پر علم بیوع فرض ہے بالجملہ جو جس چیز کا شغل رکھتا ہو اس پر اس کا علم فرض ہے تاکہ اس میں ارتکاب حرام سے محفوظ رہے اور علم واجب وہ ہے جس قدر سے امر واجب ادا ہو کذا فی الطحطاوی ملخصا وفرض کفایۃ اور علم کا سیکھنا فرض کفایہ ہوتا ہے فرض کفایہ وہ ہے کہ ہر شخص پر فرض نہیں بلکہ بعض کا سیکھنا ایک شہر میں سب کی طرف سے کفایت کرتا ہے وھو مازاد علیہ لنفع غیرہ اور فرض کفایہ وہ علم ہے جو اپنی حاجت سے زیادہ ہو غیر کے نفع کے واسطے یعنی ناواقفوں کے بتلانے کو تاکہ وہ لوگ مہالک اور محرمات سے بچیں تو ایک عالم ہر نواحی میں ضرور ہے کہ عوام مسلمین کو ضروریات دین کے سکھا دے نہیں تو عوام ضائع ہوں گے ومندوبا وھو التبحر فی الفقہ وعلم القلب اور علم سیکھنا مستحب ہوتا ہے اور مستحب علم تبحر اور رہتابیت کا حاصل کرنا ہے فقہ میں اور دل کے علم میں ھم علم قلب سے علم اخلاق مراد ہے یعنی جس علم سے انواع فضائل اور ان کے حاصل کرنے کی کیفیت معلوم ہو اور اقسام رذائل اور ان سے بچنے کی کیفیت دریافت ہو تعلیم متعلم میں ہے اسی طرح فرض ہے علم احوال قلوب چنانچہ توکل اور انابت[51] اور خوف الٰہی اور رضا[52] بالقضا اس واسطے کہ یہ سب احوال میں واقع ہے اور بزرگی اس علم کی کسی پر مخفی نہیں اور اسی طرح اخلاق میں معرفت جود اور بخل اور تکبر اور تواضع اور عفت اور اسراف[53] اور تقتیر وغیرہا کی فرض ہے اس واسطے کہ بخل اور نامردی اور تکبر حرام ہے اور اس سے بچنا بدون اس کے علم اور اس کی ضد کے ممکن نہیں انتہی تو علم قلب فقہ پر عطف ہے نہ تبحر پر تو مطلب یہ ہوا کہ اصل علم اخلاق فرض ہے اور اس میں تبحر پیدا کرنا مستحب ہے اور اگر تبحر پر عطف کیجیے تو تعلیم متعلم کے مخالف ہوگا یعنی علم اخلاق مستحب ٹھہرے گا نہ فرض وحراما وھو علم الفلسفۃ والشعبذۃ والتنجیم والرمل وعلوم الطبائعیین والسحر والکھانۃ اور علم سیکھنا حرام ہوتا ہے اور حرام علم یونانیوں کی حکمت ہے اور شعبدہ یعنی دست چالاکی بازیگری میں بھان متی کے مانند اور نجوم اور رمل اور اہل جاہلیہ کے علوم یعنی علم طبعی اور جادو اور کہانت ھم یونانی حکمت اس واسطے حرام ہوئی کہ اس میں عالم کا قدیم ہونا وغیرہ ذلک[54] من المکفرات والمحرمات داخل ہیں اور علم نجوم میں اوضاع فلکیہ سے حوادث سفلیہ پر استدلال کرتے ہیں تعلیم متعلم میں ہے کہ نجوم کا علم بمنزلہ مرض کے ہے تو اس کا سیکھنا حرام ہے کیوں کہ وہ مضر ہے نافع نہیں اس لیے کہ قضا وقدر سے بچنا غیر ممکن ہے تو مسلم کو چاہیے کہ ذکر اللہ اور دعا اور تضرع میں مشغول رہے اور حق تعالیٰ سے عافیت مانگا کرے اس واسطے کہ داعی[55] محروم الاجابت نہیں ہوتا پھر اگر بلا مقدر ہے تو ضرور پہنچے گی لیکن داعی کو حق تعالیٰ صبر عطا کرے گا دعا کی برکت سے لیکن تعلیم نجوم کا بقدر قبلہ شناسی اور اوقات نماز کے جائز ہے انتہی اور کہانت یہ ہے کہ شیاطین سے راہ پیدا کرے تاکہ وہ اخبار آئندہ بتائیں اور یہ جو لوگ علم جفر کو علی کرم اللہ وجہہ کی طرف نسبت کرتے ہیں سو غلط ہے اس کی کچھ اصل نہیں شارح نے علم طب کو بیان نہیں کیا لیکن تعلیم متعلم میں یوں مذکور ہے کہ طب کا سیکھنا جائز ہے اس واسطے کہ اسباب میں سے ایک یہ بھی سبب ہے تو اس کا سیکھنا جائز ہے اور علم باقی اسباب کی طرح اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بھی علاج کیا ہے اور امام شافعی سے منقول ہے کہ العلم علمان[56]

---

[51] انابت یعنے رجوع اللہ تعالےٰ کی طرف کرنا ۱۲ ؛ [52] رضا یعنی راضی ہونا حکم الٰہی پہ ۱۲ ؛ [53] اسراف فضول خرچی کو اور تقتیر گھر والوں کو نفقہ قلیل دینے کو کہتے ہیں ۱۲ ؛ [54] سوائے اس کے کافر کر دینے والی اور حرام باتیں ۱۲ ؛ [55] یعنی دعا کرنے والا اس کے قبول ہونے سے محروم نہیں رہتا ۱۲ [56] علم دو ہیں ایک بدنوں کا علم یعنی طب اور دوسرا دین کا علم ۱۲ ؛

علم الابدان وعلم الادیان علم فقہ دین کے واسطے ہے اور علم طب بدن کے واسطے کذا فی الطحطاوی ملتقطا وَدَخَلَ فِی الْفَلْسَفَۃِ الْمَنْطِقُ اور حکمت یونانی
میں منطق کا علم داخل ہے یعنی حرام ہے ہم موی محشی اشباہ نے کہا بعض فاضلوں نے کہا کہ میں نے اپنے مذہب کے علما کی کتابوں میں تحریم
منطق کا قول نہیں دیکھا اگر صاحب اشباہ نے دیکھا تھا تو اس کا نقل کرنا مناسب تھا ہاں شافعیؒ مذہب کی کتابوں میں اس کی بہت تصریح
ہے اور تضییع عمر کو اگر وجہ حرمت قرار دیجیے تو بعید نہیں اور یہ بھی ہے جو منطق سے اشتغال رکھتا ہے وہ غالبًا فلسفہ کی طرف مائل رہتا ہے تو منع کرنا
از قبیل سد ذرائع کے ٹھہرا والا منطق میں وہ نہیں جو شرع مبین کے مخالف ہو اور بعضے فاضلوں نے کہا کہ شاید منطق سے مراد فلاسفہ کی منطق ہے
نہ اہل اسلام کی منطق اس واسطے کہ اس میں قواعد اسلام کے مخالف کوئی چیز نہیں اور امام غزالیؒ نے منطق کو معیار العلوم کہا ہے اور فرمایا کہ جس کو
منطق کی معرفت نہیں اس کے علم پر اعتماد نہیں اور ابو علی سینا نے منطق کو خادم العلوم کہا ہے انتہی طحطاوی نے کہا کہ ظاہر منطق سے وہ منطق مراد ہے
جو شبہات اہل اعتزال سے مملو ہے تو وہ داخل فلسفہ ہے وَمِنْ ہٰذَا الْقِسْمِ عِلْمُ الْحَرْفِ والموسیقی اور حرام کی قسم سے حرف اور راگ کا علم ہے ہم شاید کہ
علم حرف سے کاف کا حرف مراد ہے جیسے کیمیا کی طرف اشارہ ہے اور اس کی حرمت میں کچھ کلام نہیں کہ اس میں عمر اور مال دونوں برباد ہو جاتے
ہیں یا مراد حرف کا جمع کرنا ہے جس سے حرکات پر دلالت خارج ہو اور احتمال ہے کہ علم اسرار حروف مراد[1] ہو اوفاق اور استخدام وغیرہ ذلک سے کذا
فی الطحطاوی میں کہتا ہوں کہ ظاہرا علم حرف سے جفر کا علم مراد ہے کہ اس سے وقائع آئندہ کا استخراج کرتے ہیں نجوم کے مانند اور حالانکہ علم غیب
مخصوص بعلام الغیوب ہے واللہ اعلم وَذُکِرَ وَہُوَ اَشْعَارُ الْمُوَلَّدِیْنَ مِنَ الْغَزَلِ وَالْبَطَالَۃِ اور ہوتا ہے مکروہ اور وہ غزل اور بیہودہ گوئی ان شاعروں کی جو
عرب میں بعد اسلام کے پیدا ہوئے ہم مولدہ وہ لوگ ہیں جو عرب میں پیدا ہوئے اور حالانکہ وہ عرب کی قوم سے نہیں چنانچہ ابو نواس وغیرہ قاموس
میں ہے کہ مغازلہ نساء عبارت ہے عورتوں کے ساتھ بات چیت کرنے سے وَمُباحا کاشعارہم التی لا سخف فیہا کذا فی فوائد شتی من الاشباہ
والنظائر اور ہوتا ہے علم مباح یعنی اس کا فعل اور ترک برابر ہے چنانچہ مولدین کے وہ اشعار جن میں نامعقول مضمون نہیں اسی طرح مذکور ہے
اشباہ اور نظائر کے فوائد شتی میں ہم مولدین کی قید اس واسطے لگائی کہ ان کے اشعار میں اکثر مضامین سخیفہ واہیہ مملو ہیں برخلاف عرب خالص کے ابن
عباسؓ اکثر اشعار عرب کی طرف التفات رکھتے تھے قرآن اور حدیث کے الفاظ پر استدلال کرنے کو کذا فی الطحطاوی ثم نقل فی مسئلۃ الرباعیات
محصلہا ان الفقہ ہو ثمرۃ الحدیث پھر صاحب اشباہ نے مسئلہ رباعیات میں کلام طویل نقل کیا اور اس کا خلاصہ مقصود یہ ہے کہ مقرر فقہ حدیث کا
ثمرہ ہے یعنی حدیث سے مستخرج ہے ولیس ثواب الفقیہ اقل من ثواب المحدث اور نہیں ہے فقیہ کا ثواب محدث کے ثواب سے کمتر وفیہا کل انسان
غیر الانبیاء لا یعلم ما اراد اللہ تعالٰی لہ وبہ لان ارادتہ تعالٰی غیب الا الفقہاء فانہم علموا ارادتہ تعالٰی بہم بحدیث الصادق المصدوق من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ
فی الدین اور اشباہ میں ہے کہ ہر آدمی سوائے انبیاء علیہم السلام کے جانتا نہیں ہے کہ اللہ تعالٰی کا کیا ارادہ ہے اس کے ساتھ اور بن بس اس
واسطے کہ حق تعالٰی کا ارادہ غیب ہے مگر فقیہ اس کو جانتے ہیں اس واسطے کہ وہ جان گئے ہیں حق تعالٰی کے ارادے کو جو ان کے ساتھ ہے رسول
صادق مصدوق کی اس حدیث کی دلیل سے کہ جس کے ساتھ اللہ تعالٰی خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین میں فقیہ کرتا ہے یعنی امر دین میں فہم سلیم عطا
کرتا ہے ہم غور کرنا چاہیے کہ فقیہ سے مراد وہ ہے جو مصطلح فقہا ہے یہاں تک کہ جو تین مسئلے یاد رکھے وہ بھی فقیہ ٹھہرے یا اصطلاح اصولیوں کا فقیہ یعنی
مجتہد مراد ہے اور ظاہر امراد وہ ہے جو فقہ میں مشتغل ہو نہ وہ جو فروع قلیلہ کو یاد رکھتا ہو میں کہتا ہوں یہ استدلال اس وقت تمام ہو جب کہ
لسان شرع میں فقیہ کا اطلاق فقط اسی پر متعین ہو سو یہ کیوں کر ہو اس واسطے کہ فقیہ کی تعریف میں اختلاف کثیر واقع ہے یہانتک کہ غزالی نے اس کو

[1] یعنی نقش ببر ناد وغیرہ اور ممکن ہے کہ مراد طلسمات ہو ۱۲ منہ

علم تصوف پر محول کیا ہے کذا فی الطحطاوی وفیہا کل شیئ یسال عنہ العبد یوم القیمۃ الا العلم لانہ طلب من نبیہ ان یطلب الزیادۃ منہ وقل رب زدنی علما فکیف یسال عنہ اور اشباہ کے فوائد میں ہے کہ ہر چیز سے بندہ پوچھا جائے گا قیامت کے دن مگر علم سے اس واسطے کہ حق تعالیٰ نے اپنے کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ طلب کیا کہ علم کی زیادت طلب کرے بدلیل اس آیت کریمہ کے (وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا) یعنی اور کہہ اے میرے پروردگار مجھ کو زیادہ علم دے سو کیوں کر سوال ہوگا علم سے یعنی بعد طلب کے ھم یہ دلیل مدعا کی مفید نہیں اس واسطے کہ ہر امر خیر علم ہو یا سوائے اس کے شرع میں مطلوب الزیادۃ ہے علامہ ابوسعود نے کہا اس استدلال میں اعتراض ہے اس واسطے کہ حدیث میں وارد ہے کہ بندے کے دونوں قدم قیامت میں نہ ہٹیں گے یہاں تک کہ اس سے چار چیزوں کا سوال ہوگا اس کی عمر سے سوال ہوگا کہ کس امر میں اس کو فنا کیا اور اس کی جوانی سے سوال ہوگا کہ کس میں اس نے کھپائی اور اس کے مال سے سوال ہوگا کہ کون سی چیز سے اس کو حاصل کیا یعنی بوجہ حلال یا حرام اور اس کے علم سے سوال ہوگا کہ اس نے اس میں کیا کیا یعنی علم کے موافق عمل کیا یا نہیں وتمام البیان فی الطحطاوی وفیہا اذ سئلنا عن مذہبنا ومذہب مخالفنا قلنا وجوبا مذہبنا صواب یحتمل الخطاء ومذہب مخالفنا خطاء یحتمل الصواب اور اشباہ کے فوائد میں ہے مصفی سے منقول کہ جب ہم سے سوال کیا جائے ہمارے مذہب سے یعنی حنفی مذہب سے اور ہمارے مخالف کے مذہب سے یعنی شافعی یا مالکی یا حنبلی مذہب سے کہ کون مذہب حق ہے فروع میں تو ہم سوال کے جواب میں کہیں گے وجوبا یعنی ہم پر واجب ہے یوں کہنا کہ ہمارا مذہب صواب ہے یعنی حق ہے مطابق واقع کے احتمال رکھتا ہے خطا کا یعنی چوکنے کا اور ہمارے مخالف کا مذہب خطا ہے محتمل ہے صواب کا ھم یہ جواب اس واسطے متعین ہوا کہ یہ مقلد ہے اور تقلید کسی شخص کی نہیں چاہیے اس کو خاطی جان کر اور معاً کا یقین قطعاً اس واسطے نہ کیا کہ اگر قطعی یقین کیا جائے تو مجتہدین کا یہ قول صحیح نہ کرے کہ المجتہد یخطی ویصیب یعنی مجتہد استنباط احکام میں خطا بھی کرتا ہے اور صواب بھی ولہذا مخالف کے مذہب کی خطا پر یقین کر لینا جائز نہ ہوا خلاصہ مقام یہ ہے کہ یہ کلام نظر بمجتہد ہے یعنی جس طرف ہمارے امام اعظمؒ گئے ہیں وہ ان کے نزدیک صواب ہے مع احتمال الخطاء اس واسطے کہ یہ مجتہد مصیب ہے اور گاہے نفس الامر میں خطا بھی کرتا ہے اور رہا اعتبار ہم مقلدوں کے چاروں امام حق پر ہیں اپنے اجتہاد میں مصیب ہیں تو ہر امام کا مقلد یہی عبارت جواب میں کہیگا جب کہ اس کے مذہب سے سوال ہوگا اپنے امام کی طرف سے جس کا وہ مقلد ہے اور یہ مراد نہیں ہے کہ ہر مقلد اس کا مکلف ہے کہ دوسرے امام کی خطا کا معتقد ہو اس واسطے کہ ایک امام کی تقلید جائز نہیں ہوتی مگر بقدر ضروری ہونے تقلید کے اور تقلید کی ضرورت یہ ہے کہ مقلد اجتہاد کی لیاقت نہیں رکھتا کہ احکام ظنیہ کا استنباط دلائل شرعیہ سے کر سکے تو ایک امام کی تقلید فقط عمل میں کرتا ہے اگر کوئی کہے کہ وہ عمل کے ساتھ اعتقاد کرنے کا بھی مکلف ہے نہیں تو ادائے تکالیف مع اعتقاد عدم صحت لازم آتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لازم نہیں آتا ہے مگر جب کہ مسائل تقلید یہ کے عدم صحت کا معتقد ہو اور ہم یہ نہیں کہتے ہیں بلکہ مقلد ظاہر اصواب پر ہے کہ اس نے وہ کیا جو اس پر واجب تھا بدلیل قولہ تعالیٰ (فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون)[1] یعنی اخذ بقول مجتہد جو بموجب اس آیہ کریمہ کے اس پر واجب تھا سو اس نے کیا اور مقلد اس کا مکلف نہیں ہے کہ اپنے خلاف مذہب کا تخطیہ کرے یعنی اس کی خطا کا معتقد ہو ایسا خلاصہ کیا ہے ہمارے استاد نے ابن ملا فروخ مکی حنفی کے قول سدید کا کذا فی الطحطاوی عن مفتی الروم ابی سعود واذا سئلنا عن معتقدنا ومعتقد خصومنا قلنا وجوبا الحق ما نحن علیہ والباطل ما علیہ خصومنا اور جب کوئی ہم سے سوال کرے ہمارے عقائد سے یعنی اہل سنت کے عقائد سے اور ہمارے مخالفین کے عقائد سے یعنی معتزلہ اور خارجی اور رافضی کے عقائد سے کہ کون ان میں سے حق پر ہے تو ہم جواب میں وجوبا کہیں گے کہ مطابق واقع کے حق وہی عقائد ہیں جن پر ہم ہیں اور باطل مخالف نفس الامر وہ عقائد ہیں جن پر ہمارے مخالفین ہیں وفیہا العلوم ثلثۃ علم نضج وما احترق

[1] پس سوال کرو علم والوں سے اگر تم نہیں جانتے ۱۲

وَ مِنْہُ علم النحو وَالاصول اور اشباہ کے فوائد میں ہے کہ علوم تین قسم ہیں ایک وہ علم ہے کہ پختہ ہو گیا اور محترق نہیں ہوا یعنی کمال کو نہیں پہنچا اور وہ نحو اور اصول کا علم ہے ھم نضج علم سے مراد یہ ہے کہ قواعد اس کے مقرر ہو گئے اور قواعد پر جزئیات متفرع ہو چکے اور دفع اعتراضات اور تفصیل اقاویل اور توضیح مشکلات ہو گئی اور احتراق سے مراد غایت اور نہایت کا پہنچنا اور یہ تفسیر ہے مراد کی نہیں تو احتراق مقصد اشباہ ہے کذا فی الطحطاوی تو علم نحو اور علم اصول کے اگرچہ قواعد مدوّن ہو گئے لیکن ان کے فروع مستنبط ہنوز کمال کو نہیں پہنچے بلکہ ان کے امام ان میں مختلف ہیں اور یہ امر ظاہر ہے اس شخص پر جو اصول اور نحو کی کتابوں میں تامل کرتا ہے کذا فی الحموی وعلم لانضج ولا احترق وہو علم البیان والتفسیر اور ایک علم وہ ہے جو نہ پختہ ہے اور نہ محترق اور وہ بیان اور تفسیر کا علم ہے ھم بیان سے مراد بلاغت کے تینوں علم یعنی علم معانی اور بیان اور بدیع حموی نے بعض فضلا سے نقل کیا کہ علم بیان تو ذوق کی طرف راجع ہے تو اس کی کچھ نہایت نہیں کیوں کہ آدمی اس میں مختلف ہیں اور علم تفسیر کے عدم کمال کی وجہ یہ ہے کہ موضوع علم تفسیر کا فہم مراد ربانی ہے باعتبار معانی اور وجوہ اعجاز اور موقع مناسبات وغیر ذلک کے جن کا کوئی محیط نہیں ہو سکتا سوائے علام الغیوب کے سو اس کی نہایت کس طرح ہو سکے انتہی ملخصاً وعلم نضج واحترق وہو علم الحدیث والفقہ اور ایک علم وہ ہے جو پختہ ہوا اور کمال کو بھی پہنچ گیا اور وہ علم حدیث اور علم فقہ کا ہے ھم علم حدیث نہایت رتبہ کمال کو پہنچا اس واسطے کہ محدثین نے جزاہم اللہ خیراً اسماء رجال اور ان کے نسب اور طبقات میں کتابیں تصنیف کیں اور قوی الحفظ اور ضعیف الحفظ اور فاسد الروایۃ اور صحیح الروایۃ کو بیان کر دیا اور بعضے ایک لاکھ اور بعضے تین لاکھ حدیثوں کے حافظ ہوئے اور صحابہ کرام میں جو راوی تھے ان کو حصر کر دیا اور مراد اور احکام احادیث کو ہر مجتہد کی فہم کے موافق بیان کیا اور فنون احادیث میں طرح طرح کی کتابیں لکھیں کوئی حالت منکرہ باقی نہیں رکھی اور فقہ کی تکمیل تو ظاہر ہے کہ مجتہدین نے قرآن اور حدیث میں امعان نظر کر کے بال کی کھال اتاری قواعد مقرر کیے اور ان پر جزئیات متفرع کیے اور طلاق کے حوادث باوجود ان کے اختلاف مواقع کے بعینہا لکھ دیے تا جو ان حوادث پر دلالت کرے بلکہ فقہا نے ان امور میں تکلم کیا جو کبھی واقع نہیں ہوتے اس تصور سے کہ مبادا اگر ایسا واقع ہو تو مسلمان حیران نہ ہوں اور جو جزئی منصوص نہیں وہ نادر ہے کم یاب اور گاہے منصوص بھی ہوتا ہے لیکن ناظر اس کے محل سے قاصر ہے فہم کا قصور ہے ہر امر فقہ میں مذکور ہے خواہ بمفہوم خواہ بمنطوق کذا فی الطحطاوی ملخصاً اگر اہل اسلام انصاف کریں تو حضرات مجتہدین اور فقہائے احسان کے شکر گذاری سے آپ کو عاجز جانیں اللھم[1] فارحم المجتہدین وفقہاء الدین واجزہم عنا خیر الجزاء یا ارحم الرحمین ٭

فضائل امام اعظمؒ

وَقَدْ قَالُوا الْفِقْہُ زَرَعَہٗ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَسَقَاہُ عَلْقَمَۃُ وَحَصَدَہٗ اِبْرَاہِیْمُ النَّخْعِیُّ وَدَاسَہٗ حَمَّادٌ وَطَحَنَہٗ اَبُوْحَنِیْفَۃَ وَعَجَنَہٗ اَبُوْیُوْسُفَ وَخَبَزَہٗ مُحَمَّدٌ وَسَائِرُ النَّاسِ یَاْکُلُوْنَ اور البتہ فقیہوں نے کہا کہ فقہ کا کھیت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بویا[2] اور علقمہؒ نے اس کو سینچا اور ابراہیم نخعی نے اس کو کاٹا اور حمادؒ نے اس کو مانڈا یعنی اناج جدا کیا بھوسی کیا اور ابوحنیفہؒ نے اس کو پیسا اور ابو یوسفؒ نے اس کو گوندھا اور محمد بن حسنؒ نے اس کی روٹیاں پکائیں اور باقی لوگ اس کے کھانے والے ہیں ھم ابو یوسفؒ اور محمدؒ شاگرد ہیں ابوحنیفہؒ کے اور ابوحنیفہ شاگرد ہیں حماد کے اور حماد ابراہیم نخعی کے اور ابراہیم نخعی علقمہؒ کے اور علقمہؒ عبداللہ بن مسعودؓ صحابی کے تو خلاصہ یہ ہے کہ اجتہاد اور استنباط احکام کا طریقہ ابن مسعودؓ سے شروع ہوا اور فقہ کی ترقی ہوتی گئی یہاں تک کہ امام اعظمؒ نے کمال کو پہنچایا اور محمد بن حسنؒ نے امام کی روایات کو جمع کر کے فروع کو منقح کیا اور جس قول سے امام نے رجوع کیا اس کو بیان کر دیا اور حوادث ان کے وقت میں بکثرت ہوئے تو انھوں نے فقہ کو مدوّن کیا اور کتابیں تصنیف کیں کہ

[1] الٰہی رحم کر تو مجتہدین اور فقہائے دین پر ہماری طرف سے ان کو بہتر بدلا عنایت فرما اے سب رحیموں سے زیادہ رحم کرنے والے ۱۲

[2] یعنی استنباط فروع اول آپ نے کیا اور سینچنے سے مراد یہ ہے کہ اس کی تائید کی اور کاٹنے سے مطلب یہ ہے کہ فوائد متفرقہ کو جمع کیا اور پیسنے سے مقصد یہ ہے کہ اصل اور فروع کو زیادہ کیا اور گوندھنے سے یہ حاصل ہے کہ اصول میں نظر دقیق کی اور پکانے سے یہ مآل ہے کہ تہذیب اور تنقیح اتنی کی کہ دوسری چیز کی حاجت نہ رہی ۱۲ ٭

ایک عالم کو فائدہ حاصل ہوا معلوم کرنا چاہیے کہ فقہ مذکور سے وہ فقہ مراد ہے جو ابوحنیفہؒ کے طریق سے مروی ہے اس واسطے کہ امام مالک کی فقہ مروی
ہے نافع سے عن ابن عمرؓ اور شافعی کی فقہ مروی ہے امام مالک سے اور احمد بن حنبل کا طریق مروی ہے شافعی سے اور یہ مطلب نہیں کہ فقہ میں تکلم نہیں
کیا مگر ابن مسعودؓ اور ابوحنیفہؒ نے وقد نظم بعضھم فقال ؎ الفقہ زرع ابن مسعود وعلقمۃ :: حصادہ ثم ابراہیم دوّاس :: نعمان طاحنہ یعقوب عاجنہ :: محمد خابز
والآکل الناس :: اور البتہ بعضے علماء نے اس کو نظم کیا ہے کچھ بدل کر سو یوں کہا ہے کہ فقہ کو ابن مسعودؓ نے بویا اور علقمہؓ اس کا کاٹنے والا ہے پھر ابراہیم
مانڈنے والا ہے نعمان یعنی ابوحنیفہؒ اس کا پیسنے والا ہے اور یعقوب یعنی ابویوسفؒ اس کا گوندھنے والا ہے اور محمد بن حسنؒ روٹی پکانے والا اور لوگ کھانے
والے ہیں وقد ظہر علمہ بتصانیفہ کالجامعین والمبسوط والزیادات والنوادر حتی قیل انہ صنف فی العلوم الدینیۃ تسعماً وتسعین کتاباً اور بے شک محمد بن حسن کا
علم ظاہر ہو گیا ان کی تصنیفات سے چنانچہ جامع صغیر اور جامع کبیر اور مبسوط اور زیادات اور نوادر یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ البتہ انھوں نے دین کے
علوم میں نو سو ننانوے کتابیں تصنیف کی ہیں ھ جامع صغیر میں محمدؒ روایت کرتے ہیں ابویوسفؒ سے اور وہ امام اعظمؒ سے اور جامع کبیر میں محمد روایت
کرتے ہیں امامؒ سے بلا واسطہ ومن تلامذتہ الشافعی رضی اللہ عنہ وتزوّج بام الشافعی وفوّض الیہ کتبہ ومالہ فبسببہ صار الشافعی فقیہا اور شافعی رح محمد بن حسنؒ
کے شاگردوں میں سے ہیں اور نکاح کیا تھا شافعیؒ کی ماں سے اور اپنی کتابیں اور اپنا مال ان کو سپرد کیا تھا سو اسی سبب سے شافعیؒ فقیہ ہو گئے
ھ یہ قول ظاہر اماول ہے چلپی نے کہا ہاں یوں کہنا صحیح ہے کہ محمدؒ کی کتابوں سے شافعیؒ کو ان کے مسائل پر اطلاع ہوئی جن سے ان کو قبل اس کے آگاہی
نہ تھی اس واسطے کہ محمدؒ سے کثرت سے استخراج مسائل کی ابتدا ہوئی ورنہ شافعیؒ تو بغداد کے داخل ہونے اور محمدؒ کے ملنے سے پہلے فقیہ مجتہد تھے اور
اجتہاد مطلق کیوں کر مستفاد ہوا اس شخص سے جس کو اجتہاد مطلق حاصل نہیں انتہی مجتہد مطلق وہ ہے جو اصول و فروع میں دوسرے کا تابع نہ ہو
چنانچہ چاروں امام اور مجتہد مقید وہ ہے جو اصول میں دوسرے کا تابع ہو نہ فروع میں چنانچہ ابویوسف اور محمد اور زفر رحمۃ اللہ علیہم ولقد انصف
الشافعی حیث قال من اراد الفقہ فلیلزم اصحاب ابی حنیفۃ فان المعانی قد تیسرت لہم واللہ ما صرت فقیہا الا بکتب محمد بن الحسن اور بے شک انصاف کیا
ہے شافعی نے جہاں یوں کہا ہے کہ جو شخص فقہ حاصل کرنے کا ارادہ کرے سو اس کو چاہیے کہ ابوحنیفہؒ کے دوستوں کا ساتھ نہ چھوڑے اس واسطے
کہ معانی دقیقہ تو ان کو آسان اور سہل ہو گئے ہیں اور خدا کی قسم ہے کہ میں فقیہ نہیں ہو گیا مگر محمد بن حسین شیبانی کی کتابوں سے ھ یعنی مزید بصیرت
فروع فقہیہ میں مجھ کو حاصل نہیں ہوئی مگر ان کی کتابوں سے کذا فی الحلبی المحشی للدر المختار وقال اسمٰعیل بن ابی رجاء رأیت محمداً فی المنام فقلت لہ
ما فعل اللہ بک قال غفر لی ثم قال لو اردت ان اعذبک ما جعلت ہذا العلم فیک فقلت لہ فاین ابو یوسف قال فوقنا بدرجتین قلت فابو حنیفۃ قال ہیہات ذلک
فی اعلیٰ علیین اور اسمٰعیل بن ابی رجاء نے کہا کہ میں نے محمد بن حسن کو خواب میں دیکھا سو اس نے کہا کہ خدا نے تمہارے ساتھ کیا کیا انھوں نے
کہا کہ مجھ کو بخش دیا پھر حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر میں تیرے عذاب کرنے کا ارادہ کرتا تو یہ علم تجھ کو نہ دیتا پھر میں نے کہا تو ابویوسف کہاں ہیں کہا کہ ہم
سے دو درجے اوپر ہیں میں نے کہا تو ابوحنیفہ رح کہاں ہیں کہا دور ہیں وہ تو علیین کے اوپر ہیں ھ علیین جنت میں بالاتر مکان ہے سو یہ بلندی
رتبہ اضافی ہے یعنی بہ نسبت صاحبین کے نہ مطلقاً اس واسطے کہ انبیاءؑ اور صحابہؓ امام سے قطعاً درجہ میں بلند تر ہیں کیف وقد صلّی الفجر بوضوء العشاء
اربعین سنۃ امام کا بلند مرتبہ اس قدر کیوں کر نہ ہو حالانکہ امام نے فجر کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھی چالیس برس ھ مسعر بن کدام نے کہا کہ میں
امام ابوحنیفہ کی مسجد میں گیا تو میں نے دیکھا کہ فجر کی نماز پڑھ کے لوگوں کو تعلیم علم کیا کیے یہاں تک کہ ظہر کی نماز پڑھی پھر عصر تک تعلیم میں مشغول رہے
پھر مغرب تک درس فرماتے رہے پھر اسی طرح عشاء تک تعلیم میں مشغول رہے پھر بعد نماز عشاء گھر میں گئے سو میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس مرد کی

؎ مناسب تھا کہ مترجم اس چیز کو یوں کہتا کہ کھیتی ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ۱۲ ::

مشغول تو یہ ہے مطالعہ کب ہوتا ہوگا میں اس کا تجسس کروں گا جب لوگوں کی آمد و رفت بند ہوئی تو امام مسجد میں آئے سو نماز میں قائم رہے طلوع
فجر تک جب صبح ہوئی گھر میں گئے پھر کپڑے پہن کر مسجد میں آئے اور فجر کی نماز پڑھی اور اسی طرح عشاء تک تعلیم میں مشغول رہے پھر گھر میں گئے سو میں نے
اپنے جی میں کہا کہ آج رات تو آرام کریں گے آج بھی اس کا تجسس کروں گا جب آمد و رفت بند ہوئی تو مسجد میں آئے اور شب گذشتہ کی طرح
نماز میں صبح کے طلوع ہونے تک مشغول رہے پھر گھر میں جاکر کپڑے پہن کر نماز کے واسطے مسجد میں آئے اور نماز پڑھ کر اسی طرح تا عشاء تعلیم اور ارشاد
میں رہے پھر گھر میں گئے تو میں نے کہا کہ آج البتہ آرام کریں گے آج بھی تجسس کروں گا سو اس رات میں بھی ویسا ہی کیا صبح تک تو میں نے اپنے
جی میں کہا کہ میں ان کا ساتھ نہ چھوڑوں گا یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو دنیا سے یا میرا سو میں نے ان کی ملازمت کی ان کی مسجد میں ابن معاذ نے
کہا کہ مسعر بن کدام ابو حنیفہ کی مسجد میں مر گئے سجود کے اندر حفص بن غیاث نے امام ابو حنیفہ سے پوچھا کہ طاعت پر تم کو کس چیز نے قوی کر دیا کہا کہ میں
نے حق تعالیٰ سے دعا کی بواسطے اس کے اسماء مطہرہ کے تہجی کے حروف پر اور وہ دعا مقدمہ غزنوی میں مذکور ہے جلال الدین سیوطی تبییض الصحیفہ
میں کہا کہ خطیب بغدادی محدث نے حفص بن عبدالرحمٰن سے روایت کی کہ میں نے مسعر بن کدام سے سنا کہتے تھے کہ ایک رات میں مسجد میں گیا ایک مرد
کو نماز پڑھتے دیکھا مجھکو اس کی قراءت پسند آئی سو اس نے قرآن کا ساتواں حصہ پڑھا میں نے کہا کہ اب رکوع کرے گا پھر اس نے تہائی قرآن پڑھا میں
نے کہا کہ اب رکوع کرے گا پھر اس نے آدھا قرآن پڑھا سو اسی طرح پڑھتا رہا یہاں تک کہ تمام قرآن ختم کیا ایک رکعت میں پھر میں نے جوان کو دیکھا
تو وہ ابو حنیفہ رح تھے اور روایت کی خطیب نے خارجہ بن مصعب سے کہ قرآن کو ایک رکعت میں ختم کیا چار بزرگوں نے ان میں ایک امام ابو حنیفہ ہیں اور
خطیب نے یحییٰ بن نصر سے روایت کی کہ ابو حنیفہ رض قرآن کو رمضان میں ساٹھ بار اکثر ختم کیا کرتے تھے اور خطیب نے عماد بن ابو یوسف سے روایت کی کہ
میں نے اسد بن عمر سے سنا تھا کہتے تھے کہ ابو حنیفہ رح نے فجر کی نماز عشاء کے وضو سے چالیس برس پڑھی اور اکثر شب تمام قرآن کو ایک رکعت میں پڑھتے
تھے اور جس مکان میں ان کی وفات ہوئی بستر پر ہزار بار قرآن کو ختم کیا اور خطیب نے حماد بن ابی حنیفہ رح سے روایت کی کہ جب ہمارے والد کا انتقال ہوا
تو میں نے حسن بن عمارہ سے کہا کہ تم ان کو غسل دو جب انھوں نے نہلایا تو کہا اللہ تجھ پر رحم کرے اور تیری مغفرت کرے تو نے افطار نہیں کیا تیس برس
سے اور تیری آنکھیں نہیں جھپکیں چالیس سے مقرر تو نے اپنے بعد مشقت میں ڈالا اور قاریوں کو فضیحت کیا اور خطیب نے ابو یوسف سے روایت
کی کہ میں چلا جاتا تھا ابو حنیفہ کے ساتھ میں نے سنا ایک مرد دوسرے سے کہتا تھا کہ یہ ابو حنیفہ ہیں کہ رات کو نہیں سوتے ہیں تو امام نے کہا
واللہ لوگ میرا حال وہ نہ کہیں جو میں نہیں کرتا ہوں اور رات کو ان کی عادت تھی نماز اور دعا اور تضرع کی کذا فی الطحطاوی وحج خمسا وخمسین حجۃ
اور امام نے پچپن حج کیے وَرَاٰى رَبَّهٗ فِي الْمَنَامِ مِائَةَ مَرَّةٍ وَلَهَا قِصَّةٌ مَشْهُوْرَةٌ اور اپنے پروردگار جل شانہ کو خواب میں سو بار دیکھا اور دیکھنے کا ایک
قصہ مشہور ہے ہم حافظ نجم الدین غیطی نے وہ تصریح یوں مذکور کیا ہے کہ امام رح نے رب العزت کو خواب میں ننانوے بار دیکھا سو کہا اپنے جی میں کہ اگر اب
سویں بار دیکھوں گا تو سوال کروں گا کہ خلائق اس کے عذاب سے قیامت کے دن کس چیز سے نجات پائے گی کہا امام نے پھر میں نے حق سبحانہ تعالیٰ کو
خواب میں دیکھا تو عرض کیا اے پروردگار عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ[1] وَتَقَدَّسَتْ اَسْمَاؤُكَ کس چیز سے نجات پائے گی خلائق تیرے عذاب سے قیامت کے
دن تو فرمایا کہ جو صبح شام یوں کہا کرے گا سبحان الابدی الابد[2] سبحان الواحد الاحد سبحان الفرد الصمد سبحان رافع السماء بغیر عمد سبحان من بسط الارض

[1] عزت والا ہمسایہ تیرا اور بزرگ ہے تعریف تیری اور پاک ہیں نام تیرے ۱۲ [2] پاک ہے ہمیشگی والا ہمیشہ کا پاک ہے واحد یکتا پاک ہے فرد نرالا پاک ہے بلند کرنے والا
آسمان کا بدون ستون کے پاک ہے جس نے پھیلایا زمین کو پانی بستہ پر پاک ہے جس نے پیدا کیا خلق کو اور گھیرے ان کے شمار پاک ہے جس نے بانٹی روزی اور نہ بھولا کسی کو پاک
ہے وہ جس نے نہیں کی جورو اور نہ بچے پاک ہے وہ جس نے نہ خود جنا نہ اور سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کا شریک اور ہم سر ہے ۱۲ ❖

عَلٰی مَا جَرٰی سُبْحَانَ مَنْ خَلَقَ الْخَلْقَ فَاَحْصَاھُمْ عَدَدًا سُبْحَانَ مَنْ قَسَمَ الرِّزْقَ وَلَمْ یَنْسَ اَحَدًا سُبْحَانَ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ صَاحِبَۃً وَّلَا وَلَدًا سُبْحَانَ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ وہ شخص میرے عذاب سے نجات پاوے گا کذا فی الطحطاوی وَفِیْ حَجَّۃِ الْاٰخِرَۃِ اسْتَاْذَنَ حَجَبَۃَ الْکَعْبَۃِ بِالدُّخُوْلِ لَیْلًا فَقَامَ بَیْنَ الْعَمُوْدَیْنِ عَلٰی رِجْلِہِ الْیُمْنٰی وَوَضَعَ الْیُسْرٰی عَلٰی ظَہْرِھَا حَتّٰی خَتَمَ نِصْفَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ رَکَعَ وَسَجَدَ ثُمَّ قَامَ عَلٰی رِجْلِہِ الْیُسْرٰی وَوَضَعَ الْیُمْنٰی عَلٰی ظَہْرِھَا حَتّٰی خَتَمَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا سَلَّمَ بَکٰی وَنَاجٰی رَبَّہٗ وَقَالَ اِلٰہِیْ مَا عَبَدَکَ ہٰذَا الْعَبْدُ الضَّعِیْفُ حَقَّ عِبَادَتِکَ لٰکِنْ عَرَفَکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ فَہَبْ نُقْصَانَ خِدْمَتِہٖ لِکَمَالِ مَعْرِفَتِہٖ فَہَتَفَ ہَاتِفٌ مِّنْ جَانِبِ الْبَیْتِ یَا اَبَا حَنِیْفَۃَ قَدْ عَرَفْتَنَا حَقَّ الْمَعْرِفَۃِ وَقَدْ خَدَمْتَنَا فَاَحْسَنْتَ الْخِدْمَۃَ وَقَدْ غَفَرْنَا لَکَ وَلِمَنْ تَبِعَکَ مِمَّنْ کَانَ عَلٰی مَذْہَبِکَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اور امام نے اپنے اخیر حج میں کعبہ شریفہ کے خادموں سے ایک رات داخل ہونے کی اجازت لی تو کھڑے ہوئے نماز میں بیت اللہ کے دونوں ستونوں کے درمیان داہنے پاؤں پر اور بایاں پاؤں داہنے کی پشت پر رکھا یہاں تک کہ آدھا قرآن ختم کیا پھر رکوع اور سجدہ کیا پھر کھڑے ہوئے بائیں پاؤں پر اور داہنا پاؤں اس کی پشت پر رکھا یہاں تک کہ قرآن کو ختم کیا پھر جب سلام پھیرا تو روئے اور مناجات کی اپنے رب سے اور کہا الٰہی تیرے اس بندہ ضعیف نے تیری عبادت نہیں کی جیسی کہ تجھ کو لائق ہے لیکن تجھ کو جانا جیسے کہ تیرے جاننے کا حق ہے تو اس کی خدمت کے نقصان کو اس کے کمال معرفت کے سبب سے بخش دے یعنی کمال عرفان کو نقصان خدمت کا کفارہ کر تو بیت اللہ کے ایک جانب سے آواز غیبی آئی کہ اے ابوحنیفہ رح تو نے ہم کو جانا جیسا کہ حق معرفت تھا اور البتہ تو نے ہماری خدمت کی تو خوب ہی خدمت کی اور مقرر ہم نے تجھ کو بخشا اور اس کو بخشا جو تیرا تابع ہوا ان لوگوں میں سے جو تیرے مذہب پر ہیں قیامت تک ہم شرنبلالی نے ذکر کیا کہ تراوح[51] افضل ہے نصب[52] قدمین سے تراوح کی حقیقت یہ ہے کہ ایک بار ایک پاؤں پر اعتماد کرے اور دوسری بار دوسرے پاؤں پر اور یہی محمل ہے امام کے فعل مذکور کا انتہی لیکن یہ احتمال بعید ہے اس واسطے کہ ایک پاؤں کا دوسرے پاؤں کی پشت پر رکھنا منقول ہے اور ضیاء معنوی میں مذکور ہے کہ ایک پاؤں پر فرائض میں کھڑا ہونا بدون عذر کے مکروہ ہے اور نوافل میں جائز ہے اور حق معرفت کا عرفان جو مذکور ہوا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ امام حق تعالیٰ کی ان صفات کے بالیقین عارف تھے جو اس کے کبریا اور جلال پر دلالت کرتے ہیں اور یہ مراد نہیں کہ کنہ ذات اور صفات ربانی کے عارف تھے اس واسطے کہ وہ تو محال ہے بدلیل مَا عَرَفْنٰکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ[53] اور تابعین امام کی مغفرت کی جو بشارت ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو امام کے مذہب پر چلے یعنی اس کے حلال اور حرام اور فرض اور واجب اور سنت اور مستحب پر موافقت سنت و کتاب عمل کرے اور تعصب باطل اور گمراہی سے بچے اور یہ مراد نہیں ہے کہ جو کہے کہ میں حنفی مذہب ہوں اس کی مغفرت ہو جائے کذا فی الطحطاوی مختصرًا وَقِیْلَ لِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ بِمَ بَلَغْتَ مَا بَلَغْتَ قَالَ مَا بَخِلْتُ بِالْاِفَادَۃِ وَمَا اسْتَنْکَفْتُ عَنِ الْاِسْتِفَادَۃِ اور امام ابوحنیفہ سے کہا گیا کہ کس چیز سے تم اس مرتبہ کو پہنچے کہا کہ میں نے بخل نہیں کیا غیر کے بتانے سے اور نہ عار کی سیکھنے سے ہم امام سے کسی نے ایک بار پوچھا کہ یہ علم آپ کو کیونکر حاصل ہوا جواب دیا کہ منت اور شکر گذاری سے حاصل ہوا جب میں نے کسی حکمت اور رفعۃ کو سیکھا تو میں نے کہا الحمد للہ یعنی اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اس فہم کی توفیق کی تو میرا علم اس منت اور شکر گذاری سے بڑھتا گیا یعنی اس واسطے کہ شکر مزید نعمت کا باعث ہے وَقَالَ مِسْعَرُ بْنُ کِدَامٍ مَنْ جَعَلَ اَبَا حَنِیْفَۃَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ اللّٰہِ رَجَوْتُ اَنْ لَّا یَخَافَ اور مسعر بن کدام[54] نے کہا کہ جو امام ابوحنیفہ کو درمیان اپنے اور درمیان حق تعالیٰ کے کرے یعنی ان کو وسیلہ کرے اور ان کے مذہب پر چلے میں امید رکھتا ہوں کہ اس کو کچھ خوف نہ ہو وقال فیہ ؎ حَسْبِیْ مِنَ الْخَیْرَاتِ مَا اَعْدَدْتُہٗ ۔ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فِیْ رِضَی الرَّحْمٰنِ ۔ دِیْنُ النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ خَیْرِ الْوَرٰی ۔ ثُمَّ اعْتِقَادِیْ مَذْہَبُ النُّعْمَانِ ۔ اور مسعر بن کدام نے

[51] جواب ہے سوال مقدر کا یعنی فعل امام کا مخالف حدیث صحیح ہے کہ حدیث میں ایک پاؤں کو دوسرے پر رکھنے سے منع وارد ہے ۱۲ ۔ [52] نصب قدمین یعنی دونوں پاؤں کھڑے رکھنے ۱۲ ۔ [53] نہیں پہچانا ہم نے تجھ کو حق تیرے پہچاننے کا ۱۲ ۔ [54] ایک نسخہ میں مساؤر بن کدام ہے مگر شامی نے کہا اکثر نسخ میں مسعر بن کدام بکسرہ میم وارد ہے ۱۲ ۔

امام کی مدح میں کہا کفایت کرتی ہے مجھ کو قیامت کے دن نیکیوں سے وہ چیز جو میں نے تیار رکھی ہے رحمٰن کی رضامندی میں سو وہ چیز دین ہے نبی محمدؐ کا جو تمام مخلوق سے بہتر ہیں پھر بعد اس کے میرا اعتقاد نعمان کے مذہب کا یعنی ابو حنیفہؒ کم مقدمہ غزنوی میں یہ دونوں بیتیں ابو یوسفؒ کی طرف منسوب ہیں تو مسعر نے یہ کہا بطور حکایت عن الغیر کذا فی الطحطاوی مسعر بن کدام استاد ہیں سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ کے کذا فی القاموس اور یہ دونوں بزرگ اور مجتہد استاد المحدثین ہیں رحمۃ اللہ علیہم وَعَنْہُ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اِنَّ اٰدَمَ اِفْتَخَرَ بِیْ وَاَنَا اَفْتَخِرُ بِرَجُلٍ مِّنْ اُمَّتِیْ اِسْمُہٗ نُعْمَانُ وَکُنْیَتُہٗ اَبُوْحَنِیْفَۃَ ھُوَ سِرَاجُ اُمَّتِیْ اور روایت ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہ مقرر آدم نے میرے سبب سے فخر کیا اور میں فخر کرتا ہوں ایک مرد کے سبب سے جو میری امت میں ہے نام اس کا نعمان ہے اور کنیت اس کی ابو حنیفہ رہ ہے وہ میری امت کا چراغ ہے وَعَنْہُ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اِنَّ سَائِرَ الْاَنْبِیَاءِ یَفْتَخِرُوْنَ بِیْ وَاَنَا اَفْتَخِرُ بِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ مَنْ اَحَبَّہٗ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَبْغَضَہٗ فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ کَذَا فِی التَّقْدِمَۃِ شَرْحِ مُقَدَّمَۃِ اَبِی اللَّیْثِ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت ہے کہ تمام انبیاء میرے سبب سے فخر کرتے ہیں اور میں ابو حنیفہ رہ کے سبب سے فخر کرتا ہوں جو اس کے ساتھ محبت رکھے سو مقرر اس نے میرے ساتھ محبت رکھی اور جو اس کے ساتھ دشمنی رکھے سو البتہ اس نے میرے ساتھ دشمنی رکھی اسی طرح یہ دونوں حدیثیں تقدمہ میں مذکور ہیں جو شرح ہے مقدمہ ابو اللیث کی ہم طحطاوی نے کہا اگر کوئی کہے کہ صحابہ کرام یقیناً افضل ہیں ابو حنیفہ سے تو وہ حضرات احق بالافتخار ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ابو حنیفہ اس زمانے میں موجود ہوئے کہ صحابہ کا زمانہ منقطع ہو گیا تھا اور سنت میں کچھ ضعف طاری تھا تو ان کا وجود خلق کے واسطے رحمت ہو گیا اور احکام دینی کے فہم میں نفع عظیم حاصل ہوا قَالَ فِی الضِّیَاءِ الْمَعْنَوِیِّ وَقَوْلُ ابْنِ الْجَوْزِیِّ اِنَّہٗ مَوْضُوْعٌ تَعَصُّبٌ لِاَنَّہٗ رُوِیَ بِطُرُقٍ مُخْتَلِفَۃٍ ضیاء معنوی میں کہا اور ابن جوزی کا یہ قول کہ حدیث مذکور موضوع ہے یعنی دروغ بستہ ہے تعصب اور ناانصافی ہے اس واسطے کہ روایت اس کی اسناد مختلفہ سے ثابت ہے ہم ضیاء معنوی مقدمہ غزنوی کی شرح ہے یعنی جب کہ روایت حدیث کی اسانید متعددہ سے ہوئی تو اس کا موضوع کہنا ناانصافی ہے زیادہ بریں نیست کہ ضعیف سہی نہ کہ موضوع علاوہ یہ ہے کہ جب ضعیف حدیث کے طرق متعدد ہوئے تو وہ مرتبہ حسن کے قریب ہو جاتی ہے کذا فی الطحطاوی وَرَوَی الْجُرْجَانِیُّ فِیْ مَنَاقِبِہٖ بِسَنَدِہٖ لِسَہْلِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ التُّسْتَرِیِّ اِنَّہٗ لَوْ کَانَ فِیْ اُمَّۃِ مُوْسٰی وَعِیْسٰی مِثْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ لَمَا تَہَوَّدُوْا وَلَمَا تَنَصَّرُوْا اور جرجانی نے مناقب نعمانیہ میں اپنی سند کے ساتھ سہل بن عبد اللہ تستری سے روایت کی کہ اگر امت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ میں ابو حنیفہ رہ کے مانند عقل و دانش میں کوئی عالم ہوتا تو وہ لوگ یہودی اور نصرانی نہ ہوتے یعنی دین کی تحریف اور تبدیل نہ کرتے ومناقبہ اکثر من ان تحصی اور امام اعظم کے مناقب اور فضائل حصر کرنے سے زیادہ تر ہیں یعنی حصر نہیں ہو سکتے ہم جلال الدین سیوطی شافعیؒ نے تبییض الصحیفہ میں کہا کہ علماء نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امام مالکؒ کی بشارت دی اس حدیث میں جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ عنقریب لوگ سفر طویل اختیار کریں گے علم کے حاصل کرنے کے واسطے تو مدینہ کے عالم سے کسی کو عالم تر نہ پاویں گے اور امام شافعیؒ کی بشارت دی اس حدیث میں جس کا حاصل مقصد یہ ہے کہ قریش کو برا نہ کہو اس واسطے کہ قریش کا عالم طبقۂ زمین کو علم سے بھر دے گا میں کہتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امام ابو حنیفہ کی بشارت دی اس حدیث میں جس کو ابو نعیم نے حلیہ میں ابو ہریرہ سے روایت کی قال قال رسول اللہ صلعم لو کان العلم بالثریا لتناولہ رجال من ابناء فارس یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر علم ثریا پہ ہوتا تو البتہ چند مرد ابناء فارس کے اس کو پا جاتے اور حدیث ابو ہریرہ کی صحیح بخاری اور مسلم میں ان الفاظ سے ہے لو کان العلم[1] عند الثریا لنالہ رجال من فارس اور صحیح مسلم میں یوں ہے لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ[2] عِنْدَ الثُّرَیَّا لَذَہَبَ بِہٖ رَجُلٌ مِّنْ اَبْنَاءِ فَارِسَ حَتّٰی یَتَنَاوَلَہٗ اور اسی مضمون کی حدیث شیرازی نے القاب میں اور معجم طبرانی نے کبیر میں روایت کی ہے تو یہ اصل صحیح متفق علیہ ہے بشارت اور فضیلت میں اس کے

---

[1] اگر ہوتا علم ثریا یعنی کچپیا ستاروں کے پاس تو کچھ لوگ فارس کے اس کو حاصل کرتے ۱۲ [2] اگر ایمان ثریا کے پاس ہوتا تو ایک شخص اہل فارس میں سے جاتا تاکہ اس کو حاصل کرے ۱۲

ہوتے خبر موضوع کی کچھ حاجت نہیں انتہٰی ما قال السیوطی اور منجملہ مناقب امام وہ روایت ہے جو خطیب بغدادی شافعی نے روایت کی ابو یحیٰی حمانی سے کہ میں نے ابو حنیفہ سے سنا کہتے تھے کہ میں نے ایک خواب دیکھا سو اس نے مجھ کو بہت پریشان کیا میں دیکھا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو کھودتا ہوں سو میں بصرہ میں گیا میں نے ایک شخص سے کہا کہ محمد بن سیرین سے اس خواب کی تعبیر دریافت کیجیے کرے تو انھوں نے کہا کہ یہ مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی احادیث کو نشر اور مشہور کرے گا اور خطیب نے ابی وہب بن مزاحم سے روایت کی کہ میں نے عبداللہ بن مبارک سے سنا کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ میری فریادرسی نہ کرتا ابوحنیفہ رح اور ابو سفیان رح کے سبب سے تو میں بھی اور آدمیوں کے مانند ہوتا اور خطیب نے حجر بن عبدالجبار سے روایت کی کہ قاسم بن معین بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ تم ابوحنیفہ رح کے شاگردوں میں داخل ہونے سے راضی ہوا انھوں نے کہا کسی کی مجلس لوگوں کو ابوحنیفہ کی مجالس سے زیادہ تر نافع نہیں اور روح بن عبادہ سے روایت ہے کہ میں ابن جریج کے پاس تھا ۱۵۰ھ ہجری میں کہ ابوحنیفہ کی موت کی خبر آئی تو استرجاع[1] کیا اور کہا ای علم ذہب یعنی بہت بڑا علم جاتا رہا اس شخص کے مرنے سے اور خطیب نے ابن الوزیر مروزی سے روایت کی کہ عبداللہ بن مبارک نے کہا کہ جب سفیان اور ابوحنیفہ یک جا ہوں تو ان کے آگے کون شخص فتویٰ دے سکتا ہے اور کہتے تھے کہ جب یہ دونوں بزرگ ایک شے پر اتفاق کریں تو وہی حق ہے اور عبداللہ بن داؤد نے کہا کہ جب تو آثار یا حدیث کا قصد کرے تو سفیان ہے اور جب کہ تو ان دقائق اور موشگافیوں کا ارادہ کرے تو ابوحنیفہ رح ہے اور خطیب نے محمد بن سعید کا تب سے روایت کی کہ میں نے عبداللہ بن داؤد سے سنا کہتے تھے کہ اہل اسلام پر اپنی نماز میں ابوحنیفہ رح کے واسطے دعا کرنا واجب ہے کہ انھوں نے لوگوں کے واسطے سنن اور فقہ کو محفوظ کر دیا اور خطیب نے احمد بن محمد بلخی سے روایت کی کہ میں نے شداد بن حکیم سے سنا کہتے تھے کہ میں نے ابوحنیفہ رح سے زیادہ تر عالم نہیں دیکھا اور اسمٰعیل بن محمد فارسی سے روایت کی کہ میں نے مکی بن ابراہیم سے سنا کہتے تھے کہ ابوحنیفہ رح اپنے اہل زمانہ میں سب سے زیادہ تر عالم تھے اور خطیب نے یحییٰ بن معین سے روایت کی کہ میں نے یحییٰ بن سعید قطان سے سنا کہتے تھے کہ ہم دروغ نہیں کہتے ہیں ہم نے ابوحنیفہ رح کی رائے سے بہتر نہیں سنا اور ان کے اکثر اقوال کو ہم نے لیا ہے اور خطیب نے سلیمان بن ربیع سے روایت کی کہ میں نے مکی بن ابراہیم سے سنا کہتے تھے کہ میں علماء کوفہ کی مجلس میں بیٹھا سو ان میں سے کسی کو ورع یعنی متقی تر ابوحنیفہ رح سے نہیں دیکھا اور خطیب نے علی بن حفص بزاز سے روایت کی کہ حفص بن عبدالرحمٰن تجارت میں امام کے شریک تھے سو انھوں نے حفص بن عبدالرحمٰن کے پاس کپڑے میں متاع کو بھیجا یعنی تھانوں کی گٹھری بھیجی اور اطلاع کی کہ فلانے فلانے کپڑے میں نقصان ہے جب بیچنا تو مشتری کو اس کا عیب بتا دینا سو حفص نے اس کو بیچا اور مشتری سے اس کا عیب بتانا بھول گئے جب ابوحنیفہ کو یہ حال معلوم ہوا تو تمام مال کی قیمت خیرات کر دی کذا فی الطحاوی عن السیوطی ہم عبداللہ بن مبارک اور ابن جریج اور عبداللہ بن داؤد اور شداد بن حکیم اور یحییٰ بن سعید اور مکی بن ابراہیم وغیرہم اہل اجتہاد اور اہل حدیث اور محدثین کے استاد ہیں ان کے اقوال مسندہ مذکورہ سے زیادہ عالم اور زیادہ پرہیزگار ہونا اپنے وقت میں امام ابوحنیفہ رح کا ثابت ہوتا تو بالیقین معلوم ہو گیا کہ صحیحین کی حدیث مذکورہ لَوْ كَانَ الْعِلْمُ بِالثُّرَيَّا لَنَالَهُ رِجَالٌ مِنْ فَارِسَ کا محمل صحیح امام اعظم اور ان کے اصحاب ہیں کیوں کہ اہل فارس میں ان سے زیادہ تر کوئی عالم عالی فہم دقیقہ رس نہیں ہوا تو امام کے واسطے یہ بشارت اور فضیلت عظیم الشان ہے وَصَنَّفَ فِيهَا سِبْطُ ابْنِ الْجَوْزِيِّ مُجَلَّدَيْنِ كَبِيرَيْنِ وَسَمَّاهُ الِانْتِصَارَ لِإِمَامِ أَئِمَّةِ الْأَمْصَارِ اور ابن جوزی محدث کے پوتے نے مناقب امام اعظم میں دو مجلد بڑے بڑے تصنیف کیے اور اس کا نام رکھا الانتصار لامام ائمۃ الامصار یعنی پیشوایان بلاد کے پیشوا کے لیے انتقام لینا ہم امام کو امام الائمہ اس واسطے کہا کہ ان کا اجتہاد سب مجتہدین مشہورین

---

[1] یعنی انا للہ وانا الیہ راجعون ۱۲ منہ

سے مقدم ہے اور اجتہاد کا دروازہ انہیں نے کھول دیا کما لا یخفی علی العلماء وصنف غیرہ اکثر من ذلک اور اس کے سوا اور علماء نے ان کے فضائل اور مناقب میں اس سے زیادہ بہت کچھ تصنیف کیا بعض مختصر ہیں اور بعض مبسوط والحاصل ان اباحنیفۃ النعمان من اعظم معجزات المصطفٰی بعد القرآن اور حاصل کلام یہ ہے کہ بے شک امام ابوحنیفہ رح نعمان معجزات مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے قرآن کے بعد بڑا معجزہ ہے ھم معجزہ کہا امام کو اس واسطے کہ ان کی خبر کر دی قبل ان کے وجود کے ان احادیث میں جو مذکور ہو چکیں عنقریب اس واسطے کہ احادیث علم ثریا امام اعظم پر قطعاً محمول ہیں بخلاف عالم قریش کی حدیث کے کہ اس کو بعضوں نے ابن عباس پر محمول کیا ہے اور عالم مدینہ کی حدیث کو اور علماء مدینہ پر محمول کیا ہے بخلاف حدیث مذکور کے کہ اس کا کوئی محمل واقعی صحیح نہیں سوائے ابوحنیفہ رح اور ان کے اصحاب کے اور یہاں معجزات سے مراد معجزات حقیقیہ نہیں ہیں اس واسطے کہ معجزہ وہ ہے جو مقترن بتحدی[۵۱] ہو بلکہ معجزات سے مراد کرامات ہیں کذا فی الطحطاوی وَحَسْبُکَ مِنْ مَنَاقِبِہٖ اِشْتِہَارُ مَذْہَبِہٖ مَا قَالَ قَوْلًا اِلَّا اَخَذَ بِہٖ اِمَامٌ مِنَ الْاَئِمَّۃِ الْاَعْلَامِ اور امام کے مناقب سے تجھ کو کفایت کرتا ہے ان کے مذہب کا مشہور ہونا امام نے کوئی قول ایسا نہیں کہا جس کو کسی امام نے ائمہ اعلام سے نہ لیا ہو ھم اخذ سے مراد موافقت ہے اجتہاد میں نہ تقلید اس واسطے کہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد کی تقلید نہیں کرتا وَقَدْ جَعَلَ اللّٰہُ الْحُکْمَ لِاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ مِنْ زَمَنِہٖ اِلٰی ہٰذِہِ الْاَیَّامِ اِلٰی اَنْ یَّحْکُمَ بِمَذْہَبِہٖ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ اور البتہ حق تعالٰی نے ٹھہرایا ہے حکم شریعت اور سیاست کا تصرف ہیں امام کے اصحاب اور اتباع کے امام کے زمانہ سے ان دنوں تک تا اینکہ امام کے مذہب کے موافق عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام حکم کریں گے ھم یعنی احکام مذہب حنفی کے روم اور ایران کی سلطنت میں تا زمان شارح بلکہ اب تک جاری ہیں اور یہ جو کہا کہ حضرت عیسٰی بھی اسی مذہب کے موافق عمل کریں گے سو حلبی محشی نے اس کا مطلب یوں بیان کیا ہے کہ حضرت مسیح اجتہاد کریں گے اور ان کا اجتہاد ابوحنیفہ کے اجتہاد کے موافق پڑے گا لیکن شافعیہ توافق اجتہاد شافعی کے مدعی ہوں گے انتہی اور سید احمد طحطاوی حنفی نے بعد نقل کلام حلبی کے کہا میں کہتا ہوں کہ جماعت حنفیہ کو ایسے الفاظ موہمہ[۵۲] بولنا ہرگز لائق نہیں کہ ایسے امور سے منقصت نہیں مذمت قائل کی ثابت ہوتی ہے ذخائر مہمات کے مصنف نے صاحب اشاعت سے نقل کیا کہ بعضے جہّال حنفیوں نے دعوٰی کیا کہ عیسٰی اور مہدی دونوں بزرگ مذہب حنفی کے مقلد ہوں گے اور ملا علی قاری حنفی نے اپنی کتاب المشرب الوردی فی مذہب المہدی میں اس کو خوب رد کیا ہے اور امام مہدی کو مجتہد مطلق کہا ہے لیکن صاحب فتوحات ان کے اجتہاد کے منکر ہیں کیوں کہ ان کو احکام شریعت کے خدا کی طرف سے تعلیم ہوں گے بواسطہ ملک اور منجملہ دلائل استحالہ تقلید ان حضرات کے یہ ہے کہ عیسٰی علیہ السلام نبی معصوم ہیں مطلقاً اور امام مہدی معصوم ہیں احکام میں اور ابوحنیفہ رح مجتہد ہیں اور مجتہد قد یخطی ویصیب[۵۳] ولہذا ان کے صاحبین نے اکثر میں ثلث احکام سے ان کا خلاف کیا ہے تو کیوں کر تقلید کرے وہ شخص جو معصوم ہے کبھی خطا نہیں کرتا اس شخص کی جس کی صفت یخطی ویصیب ہے مطمح نظر جاہلوں کا فرط تعصب اور عناد سے کچھ نہیں مگر ابوحنیفہ رح کی تفضیل اگرچہ بے اصل چیز سے ہو گو وہ کلام مؤدی الی الکفر ہو اور ان جاہلوں کو علم نہیں امام اعظم رح کے ان خصائل جمیلہ حقہ کا جن میں علماء محققین نے کتابیں تصنیف کی ہیں ولہذا انھوں نے اس کذب اور افترا کو پسند کیا ہے جس سے اللہ اور اس کا رسول راضی نہیں بلکہ خود ابوحنیفہ راضی نہیں اور اگر ابوحنیفہ رح ایسے افترا کو سنتے تو قائل کفر کے قائل ہوتے امام کے دوستوں کو ان کے فضائل واقعیہ کافی ہیں اثبات تفضیل کے واسطے ایسے اقاویل کاذبہ کی حاجت نہیں جن سے تنقیص انبیاء علیہم السلام کی لازم آوے فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ[۵۴] تو اے مخاطب تو اپنے اوپر اتباع سنت کو لازم کر کہ وہ پناہ ہے ہوا پرستی سے اور سپر ہے سہام شیطانی سے اور چھوڑ تعصب اور ناحق جانب داری کو کہ وہ باب عظیم ہے ابواب شیطانیہ سے کذا

[۵۱] یعنی جس کے ساتھ دعوٰی نبوت ہو یا معارضہ یا مقابلہ کفار کا مطلوب ہو ۱۲ ۔ [۵۲] وہم میں ڈالنے والے ۱۲ ۔ [۵۳] یعنی کبھی خطا کرتا ہے اور کبھی صواب کو پہنچتا ہے ۱۲ ۔ [۵۴] ہم خدا ہی کے ہیں اور ہم کو اسی طرف پھر جانا ہے ۱۲ ۔

فی الطحطاوی ملتقطاً ھ حاشیہ طحطاوی میں ملحدین کی جوڑی ایک حکایت طویل منقول ہے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ احکام شرعی کو حضرت خضر علیہ السلام نے ابوحنیفہ سے تیس برس میں حاصل کیا پھر تین سال میں ابوالقاسم قشیری کو تعلیم کیا انھوں نے مذہب حنفی میں ہزار کتابیں تصنیف کی ہیں اور صندوق میں بند کرکے نہر جیحون میں امانت رکھیں جب عیسیٰ علیہ السلام قریب قیامت کے نزول کریں گے تو ان کی کتابوں کو نکال کر ان کے موافق عمل کریں گے ملا علی قاری کی اور صاحب اشاعت نے اس دروغ بے فروغ کو بتفصیل تمام رد کیا ہے خوف تطویل سے لتنے پر اختصار کیا جو اس کی تفصیل کا طالب ہو وہ طحطاوی طرف رجوع کرے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْاِفْرَاطِ وَالتَّفْرِیْطِ ع دوستی بے خرد خود دشمنی ست ۞ وَہٰذَا یَدُلُّ عَلٰی اَمْرٍ عَظِیْمٍ اُخْتُصَّ بِہٖ مِنْ بَیْنِ سَائِرِ الْعُلَمَاءِ الْعِظَامِ اور یہ یعنی وفور مناقب مذکورہ اس امر عظیم پر دلالت کرتا ہے جو مخصوص با امام ہے باقی علماء عظام کے مابین سے کَیْفَ لَا وَہُوَ کَالصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ لَہٗ اَجْرُہٗ وَاَجْرُ مَنْ دَوَّنَ الْفِقْہَ وَاَلَّفَہٗ وَفَرَّعَ اَحْکَامَہٗ عَلٰی اُصُوْلِہِ الْعِظَامِ اِلٰی یَوْمِ الْحَشْرِ وَالْقِیَامِ امام بین العلماء کیوں کر مخصوص بامر عظیم نہ ہو حالانکہ امام تو صدیق کے مانند ہے اس کو اپنی ذات کے عمل کا ثواب ہے اور اس شخص کے برابر ثواب ہے جس نے فقہ کو مدون اور جمع کیا اور فقہ کے احکام کو فقہ کے اصول عظام پر متفرع کیا قیامت تک ہم مردوں میں اول سب سے صدیق اکبرؓ ایمان لائے اور نبوت کی تصدیق کی تو ان کو اپنے ایمان لانے کا ثواب ملا پھر ان کے بعد جو ایمان لاتا گیا اس کے ثواب کے برابر صدیق کو ثواب ملے گا اس واسطے کہ حدیث میں وارد ہے کہ جس نے نیک طریقہ نکالا تو اس کو اس کا ثواب ملے گا اور اس شخص کے برابر ثواب ملے گا جو اس نیک طریق پر چلے گا قیامت تک اسی طرح امام ابوحنیفہ نے اول تدوین فقہ اور استخراج فروع کی راہ نکالی تو ان کو اس کا ثواب ملے گا اور باقی مجتہدوں کے برابر ثواب حاصل ہوگا خوارزمی نے مجموعہ مسانید امام میں کہا کہ امام نے سب سے پہلے علم شریعت کو مدون کیا اور ابواب پر مرتب کیا اور پھر ان کے بعد امام مالکؒ نے موطا میں وہی طریقہ اختیار کیا اس باب میں ابوحنیفہ رح سے کسی نے سبقت نہیں کی اس واسطے کہ صحابہ اور تابعین نے علم شریعت میں ابواب کرکے کوئی تصنیف نہیں کی ان کو اپنی یاد پر اعتماد تھا سو امام نے جب علم کو منتشر دیکھا اور متاخرین کے سوء حفظ سے ڈرے کہ مبادا علم ضائع ہو جائے تو تدوین مستحسن جانی پھر تدوین میں طہارت سے ابتداء کی پھر صلوٰۃ سے پھر صوم سے پھر باقی عبادات سے پھر معاملات سے پھر خاتمہ کی مواریث پر کذا فی الطحطاوی وَقَدْ اتَّبَعَہٗ عَلٰی مَذْہَبِہٖ کَثِیْرٌ مِنَ الْاَوْلِیَاءِ الْکِرَامِ مِمَّنِ اتَّصَفَ بِثَبَاتِ الْمُجَاہَدَۃِ وَرَکَضَ فِیْ مَیْدَانِ الْمُشَاہَدَۃِ کَاِبْرَاہِیْمَ بْنِ اَدْہَمَ وَشَقِیْقٍ الْبَلْخِیِّ وَمَعْرُوْفٍ الْکَرْخِیِّ وَاَبِیْ یَزِیْدَ الْبُسْطَامِیِّ وَفُضَیْلِ بْنِ عِیَاضٍ وَدَاوٗدَ الطَّائِیِّ وَاَبِیْ حَامِدٍ اللَّفَّافِ وَخَلَفِ بْنِ اَیُّوْبَ وَعَبْدِ اللّٰہِ بْنِ الْمُبَارَکِ وَوَکِیْعِ بْنِ الْجَرَّاحِ وَاَبِیْ بَکْرٍ الْوَرَّاقِ وَغَیْرِہِمْ مِمَّنْ لَا یُحْصٰی لَہٗ عَدَدٌ اَنْ یَسْتَقْصٰی کس طرح ممتاز نہ ہو اور علماء سے حالانکہ امام کے مذہب کے تابع اور مقلد ہوتے آئے ہیں اکثر اولیائے کرام ان حضرات میں سے جو متصف بصفات مجاہدہ ہیں اور موصوف بہ تیز روی میدان مشاہدہ چنانچہ ابراہیم ادہم اور شقیق بلخی اور معروف کرخی اور ابویزید بسطامی اور فضیل بن عیاض اور داؤد طائی اور ابوحامد لفاف اور خلف بن ایوب اور عبداللہ بن مبارک اور وکیع بن جراح رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کے سوا[سلہ] جن کا شمار نہایت پذیر نہیں فَلَوْ وَجَدُوْا فِیْہِ شُبْہَۃً مَا اتَّبَعُوْہُ وَلَا اقْتَدَوْا وَلَا وَافَقُوْہُ سنو اگر یہ اولیاء کاملین امام میں کچھ شبہہ پاتے تو ان کے تابع اور مقتدی نہ ہوتے اور نہ ان کی موافقت کرتے یعنی حقیقت مذہب امام کی ایک یہ بھی دلیل ہے کہ ارباب کشف اور شہود کے ان کے تابع اور مقتدی ہیں وَقَدْ قَالَ الْاُسْتَاذُ اَبُو الْقَاسِمِ الْقُشَیْرِیُّ فِیْ رِسَالَتِہٖ مَعَ صَلَابَتِہٖ فِیْ مَذْہَبِہٖ وَتَقَدُّمِہٖ فِیْ ہٰذِہِ الطَّرِیْقَۃِ سَمِعْتُ الْاُسْتَاذَ اَبَا عَلِیٍّ الدَّقَّاقَ یَقُوْلُ اَنَا اَخَذْتُ ہٰذِہِ الطَّرِیْقَۃَ مِنْ اَبِی الْقَاسِمِ النَّصْرَاٰبَادِیِّ قَالَ اَبُو الْقَاسِمِ اَنَا اَخَذْتُہَا مِنَ الشِّبْلِیِّ وَہُوَ اَخَذَہَا مِنَ السَّرِیِّ السَّقَطِیِّ وَہُوَ مِنْ مَعْرُوْفٍ الْکَرْخِیِّ وَہُوَ مِنْ دَاوٗدَ الطَّائِیِّ وَہُوَ اَخَذَ الْعِلْمَ وَالطَّرِیْقَۃَ مِنْ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ اور مقرر کہا ہے استاد ابوالقاسم قشیری نے اپنے رسالہ قشیریہ میں باوجود ان کی صلابت کے اپنے مذہب میں

سلہ جیسے حاتم اصم اور سیدی محمد شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۲ ۞

یعنی مذہب شافعی میں اور باوجود ان کے مقدم ہونے کے اس طریقہ تصوف میں کہ میں نے سنا استاد ابو علی دقاق سے وہ کہتے تھے کہ میں نے یہ طریقہ لیا ابو القاسم نصر آبادی سے اور ابو القاسم نے کہا کہ میں نے اس کو لیا شبلی سے اور شبلی نے لیا سری سقطی سے اور سری سقطی نے لیا معروف کرخی سے اور معروف کرخی نے لیا داؤد طائی سے اور داؤد طائی نے علم اور طریقہ تصوف کا لیا ابو حنیفہ رح سے ہم زرقانی نے شرح مواہب میں کہا کہ عبدالکریم ابو القاسم قشیری مفسر اور فقیہ نحوی اور لغوی اور ادیب اور کاتب اور شجاع جامع تھے انواع محاسن کے ایسا کامل شخص دیکھنے والوں نے نہیں دیکھا شافعی مذہب تھے ۳۷۶ھ ہجری میں پیدا ہوئے حدیث کی سماعت کی حاکم وغیرہ سے اور خطیب وغیرہ نے ان سے روایت کی اور بہت تصانیف ان سے مشہور ہیں اور ۴۶۵ھ ہجری میں وفات پائی کذا فی الطحطاوی وَكُلٌّ مِنْهُمْ اَثْنٰى عَلَيْهِ وَاَقَرَّ بِفَضْلِهٖ فَعَجَبًا لَكَ يَا اَخِيْ اَلَمْ تَكُنْ لَكَ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ هٰؤُلَاءِ السَّادَةِ الْكِبَارِ اَكَانُوْا مُتَّهَمِيْنَ فِيْ هٰذَا الْاِقْرَارِ وَالْاِفْتِخَارِ وَهُمْ اَئِمَّةُ هٰذِهِ الطَّرِيْقَةِ وَاَرْبَابُ الشَّرِيْعَةِ وَالْحَقِيْقَةِ اور ہر ایک نے ان اکابر سے ثنا کی ہے امام پر اور ان کی فضیلت کا اقرار کیا ہے سو تعجب کرتا ہوں تجھ سے اے بھائی کیا تجھ کو نیک پیروی نہ تھی ان بزرگوں میں کیا ان پر جھوٹ بولنے کا گمان تھا اس اقرار اور افتخار میں اور حالانکہ وہ حضرات امام اور پیشوا ہیں اس طریقہ تصوف اور درویشی کے اور وہ شریعت اور حقیقت والے لوگ ہیں ہم شارح کا یہ خطاب ان لوگوں سے ہے جو امام کے امر میں منکر یا متردد ہیں وَمَنْ بَعْدَهُمْ فِيْ هٰذَا الْاَمْرِ فَلَهُمْ تَبَعٌ وَكُلُّ مَا خَالَفَ مَا اعْتَمَدُوْهُ مَرْدُوْدٌ وَمُبْتَدَعٌ اور جو اہل کمال کہ ان حضرات کے بعد ہیں وہ شریعت اور طریقت اور حقیقت میں ان کے تابع ہیں اور جو باتیں کہ ان بزرگوں کی سمجھ بوجھ کی مخالف ہے وہ مردود اور ایجاد ناپسند ہے وَبِالْجُمْلَةِ فَلَيْسَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ فِيْ زُهْدِهٖ وَوَرَعِهٖ وَعِبَادَتِهٖ وَعِلْمِهٖ وَفَهْمِهٖ بِمُشَارَكٍ۔ اور حاصل کلام اور قول مجمل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رح کے زہد اور تقویٰ اور عبادت اور علم اور فہم میں دوسرا کوئی شریک نہیں یعنی بے نظیر ہیں وَمِمَّا قَالَ فِيْهِ ابْنُ الْمُبَارَكِ ؎ لَقَدْ زَانَ الْبِلَادَ وَمَنْ عَلَيْهَا ٭ اِمَامُ الْمُسْلِمِيْنَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ ٭ اور منجملہ ان مدائح کے جو عبداللہ بن مبارک رح نے امام کی مدح میں کہا ہے یہ ابیات ہیں البتہ زینت دی شہروں کو اور شہر والوں کو مسلمانوں کے امام ابو حنیفہ نے ؎ بِاَحْكَامٍ وَّاٰثَارٍ وَّفِقْهٍ ٭ كَاٰيَاتِ الزَّبُوْرِ عَلَى الصَّحِيْفَةِ ٭ زینت دی بسبب احکام شرعی اور احادیث وفقہ کے جیسے زبور کی آیات ورق پر مرقوم ہیں ؎ فَمَا فِي الْمَشْرِقَيْنِ لَهٗ نَظِيْرٌ ٭ وَلَا فِي الْمَغْرِبَيْنِ وَلَا بِكُوْفَةَ ٭ سو نہیں ہے دونوں مشرق میں اس کا نظیر اور نہ دونوں مغرب میں اور نہ کوفہ میں ہم دونوں مشرق یعنی ایک جاڑے کی مشرق اور دوسری گرمی کی مشرق اسی طرح دو مغرب کو دریافت کرنا چاہیے مراد اس سے تمام دنیا ہے ؎ يَبِيْتُ مُشَمِّرًا سَهَرَ اللَّيَالِ ٭ وَصَامَ نَهَارَهٗ لِلّٰهِ خِيْفَةً ٭ رات کاٹتا ہے امام دامن چڑھائے یعنی مستعد عبادت راتوں میں جاگتا اور دن میں روزہ رکھتا ہے اللہ کے خوف سے ہم چالیس برس تمام رات کی بیداری کی اور اس سے پہلے نصف شب کی اور تیس برس برابر روزہ رکھا کذا فی الطحطاوی ؎ فَمَنْ كَاَبِيْ حَنِيْفَةَ فِيْ عُلَاهُ ٭ اِمَامٌ لِلْخَلِيْقَةِ وَالْخَلِيْفَةِ ٭ سو کون ہے ابو حنیفہ رح کے مانند بلند رتبگی میں امام خلق کا اور بادشاہ کا ؎ رَاَيْتُ الْعَائِبِيْنَ لَهٗ سِفَاهًا ٭ خِلَافَ الْحَقِّ مَعَ حُجَجٍ ضَعِيْفَةٍ ٭ دیکھا میں نے اس ... عیب کرنے والوں کو بیوقوف امر حق کے مخالف دلائل ضعیفہ کے ساتھ ؎ وَكَيْفَ يَحِلُّ اَنْ يُّؤْذٰى فَقِيْهٌ ٭ لَهٗ فِي الْاَرْضِ اٰثَارٌ شَرِيْفَةٌ ٭ اور کیوں کر حلال ہو اس فقیہ کا ایذا دینا جس کے آثار شریفہ زمین میں ثابت ہیں ؎ فَقَدْ قَالَ ابْنُ اِدْرِيْسَ مَقَالًا ٭ صَحِيْحَ النَّقْلِ فِيْ حِكَمٍ لَّطِيْفَةٍ ٭ سو البتہ محمد بن ادریس رح شافعی نے ایک قول صحیح النقل کہا ہے لطیف حکمتوں میں ؎ بِاَنَّ النَّاسَ فِيْ فِقْهٍ عِيَالٌ ٭ عَلٰى فِقْهِ الْاِمَامِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ ٭ امام شافعی رح کا وہ قول یہ ہے کہ تمام لوگ فقہ میں عیال ہیں یعنی بال بچے ہیں امام ابو حنیفہ رح کی فقہ کے ہم خطیب نے ربیع سے روایت کی کہ میں نے سنا شافعی سے کہتے تھے اَلنَّاسُ عِيَالٌ عَلٰى اَبِيْ حَنِيْفَةَ فِي الْفِقْهِ یعنی لوگ ابو حنیفہ رح کے عیال ہیں فقہ میں اور خطیب نے حرملہ بن یحییٰ سے روایت کی کہ میں نے محمد بن ادریس شافعی رح سے سنا کہتے تھے کہ لوگ ابو حنیفہ رح کے عیال ہیں فقہ میں ابو حنیفہ ان میں ہے جس کو

فقہ کی توفیق دی گئی کذا فی الطحطاوی عن تبییض الصحیفۃ للسیوطی الشافعی سے ۵ فَلَعْنَۃُ رَبِّنَا اَعْدَادَ رَمْلٍ ۔ عَلٰی مَنْ رَدَّ قَوْلَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ ۔ سو لعنت ہمارے رب کی بقدر شمار ریت کے اس پر جو ابوحنیفہ رح کے قول کو رد کرے ہم حلبی نے کہا مراد یہ ہے کہ جو ابوحنیفہ رح کے قول کو رد کرے ان کو حقیر جان کر ان کے اجتہاد کا منکر ہو اس واسطے کہ ائمہ اجتہاد بعضوں کے قول کو ہمیشہ رد کرتے رہے ہیں اور وہ اس پر مستحق ثواب ہیں اس وجہ سے کہ انہوں نے نصرت حق کی اپنے گمان کے موافق تو ناظم کو یوں کہنا افضل تھا عَلٰی مَنْ حَطَّ قَدْرَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ انتہی طحطاوی نے کہا جو امام کے قول کو رد کرے بصفت متقدمہ تو اس کا غایت رتبہ یہ ہے کہ وہ حرام کا مرتکب ہوا حالانکہ مرتکب حرام پر لعنت نہیں بلکہ کافر مخصوص پر بھی لعنت جائز نہیں کہ شاید اس کا خاتمہ بخیر ہو ہاں منجملہ کفار پر لعنت جائز ہے انتہی میں کہتا ہوں یواقیت ملتمعہ میں زکریا قزوینی کی کتاب آثار البلاد سے ابیات عبداللہ بن مبارک نے نقل کی ہیں لیکن لعنت کے بیت اس میں نہیں تو اغلب کہ یہ بعض متعصبین کے ملحقات سے ہے اس واسطے کہ علم اور ورع ابن مبارک سے اس قدر بے باکی نہایت مستبعد ہے واللہ اعلم وَقَدْ ثَبَتَ اَنَّ ثَابِتًا وَالِدَ الْاِمَامِ اَدْرَکَ الْاِمَامَ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ فَدَعَا لَہٗ وَلِذُرِّیَّتِہٖ بِالْبَرَکَۃِ اور مقرر یہ بات ثابت ہے کہ امام اعظم رح کے والد ماجد یعنی ثابت نے امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو پایا یعنی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے سو آپ نے ثابت اور ان کی اولاد کے واسطے برکت کی دعا کی ہم حافظ جمال الدین نے کتاب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال میں احمد بن عبداللہ بن شاذان مروزی سے روایت کی کہ میرے والد نے اپنے والد سے روایت کی کہ میں نے اسمٰعیل بن حماد بن ابی حنیفہ سے سنا کہتے تھے کہ میں اسمٰعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں مرزبان اہل فارس احرار کے فرزندوں سے قسم خدا کی ہم میں رقیق یعنی کسی کا مملوک ہونا واقع نہیں ہوا میرا جد یعنی امام اعظم رح پیدا ہوا ہجری اسی برس میں اور اس کا باپ اس کو لے گیا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے پاس اور وہ صغیر تھا سو آپ نے دعا کی برکت کی اس کے واسطے اور اس کی اولاد کے واسطے اور ہم اس دعا کی قبولیت کی امید رکھتے ہیں کذا فی الیواقیت الملتمعۃ فی مناقب الائمۃ الاربعۃ طحطاوی نے اس قول کو خطیب کی روایت سے تمام سند کے ساتھ نقل کیا اور اس میں خلل یہ ہے کہ ولادت امام کی سنہ ۸۰ ہجری میں ثابت ہے اور وفات علی مرتضیٰ کی سنہ ۴۰ ہجری میں ہوئی انتہی میں کہتا ہوں تو امام کا لے جانا حضور مرتضوی میں وہم ہے کسی راوی کا ثابت کا جانا اور ان کی اولاد کے واسطے دعا کرنا البتہ ثابت ہے وَصَحَّ اَنَّ اَبَا حَنِیْفَۃَ سَمِعَ الْحَدِیْثَ مِنْ سَبْعَۃٍ مِنَ الصَّحَابَۃِ کَمَا بُسِطَ فِیْ اٰخِرِ مُنْیَۃِ الْمُفْتِیْ وَاَدْرَکَ بِالسِّنِّ نَحْوَ عِشْرِیْنَ صَحَابِیًّا کَمَا بُسِطَ فِیْ اَوَائِلِ الضِّیَاءِ اور یہ قول صحیح ہے کہ ابوحنیفہ رح نے سات صحابیوں رض سے حدیث سنی چنانچہ اواخر منیۃ المفتی میں مشرح ہے اور بیس صحابیوں کا زمانہ پایا عمر کے حساب سے چنانچہ ضیاء معنوی کے اوائل میں مذکور ہے ہم سیوطی نے تبییض الصحیفۃ میں کہا امام ابومعشر عبدالکریم بن عبدالصمد طبری مقری شافعی نے ایک جز تالیف کیا امام ابوحنیفہ رح کی روایت میں چار صحابیوں سے انتہی ابن حجر نے کہا اس واسطے کہ ابوحنیفہ رح پیدا ہوئے کوفہ میں سنہ ۸۰ ہجری میں اور وہاں اس وقت عبداللہ بن ابی اوفی صحابی رض موجود تھے بالاتفاق اور بصرہ میں انس رض صحابی تھے اس واسطے کہ وہ سنہ ۹۰ ہجری میں یا بعد اس کے مرے اور ابن سعد رح نے بسند قابل اعتبار روایت کی کہ ابوحنیفہ نے انس رض کو دیکھا اور ان دونوں صحابیوں کے سوا اور اصحاب شہروں میں زندہ تھے تو ابوحنیفہ اس اعتبار سے طبقہ تابعین میں داخل ہیں اور ائمہ امصار معاصرین ابوحنیفہ رح کو یہ امر ثابت نہیں چنانچہ اوزاعی کو شام میں اور حمادین کو بصرہ میں اور ثوری کو کوفہ میں اور مالک کو مدینہ میں اور مسلم بن خالد زنگی کو مکہ میں اور لیث بن سعد کو مصر میں انتہی ما قال السیوطی الشافعی اور خوارزمی حنفی نے مسند امام میں کہا کہ علماء متفق ہیں کہ امام نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی لیکن ان کے عدد میں اختلاف ہے بعضوں نے کہا چھ مرد اور ایک عورت سے روایت کی اور بعضوں

۵۱ یعنی اس پر جو قدر امام اعظم کی ناقص کرے ۱۲

نے کہا پانچ مرد اور ایک عورت سے اور بعضوں نے کہا سات مرد اور ایک عورت سے سو پہلے قول پر انس بن مالک اور عبداللہ بن انیس اور عبداللہ بن حارث بن جزء زبیدی اور جابر بن عبداللہ اور عبداللہ بن ابی اوفی اور واثلہ بن اسقع اور عائشہ بنت عجرد رضوان اللہ علیہم ہیں اور قول ثالث پر معقل بن یسار زائد ہیں اور ثانی قول پر جابر اور معقل داخل نہیں اور ہر قول میں ابوالطفیل مذکور نہیں کذا فی الطحطاوی شیخ عبدالحق دہلوی نے شرح سفر السعادت اور اس کے حاشیہ منہیہ میں کہا کہ عبداللہ بن ابی اوفی نے کوفہ میں ۸۶ھ یا ۸۸ھ ہجری میں انتقال کیا اور انس بن مالک نے بصرہ میں ۹۱ھ یا ۹۲ھ یا ۹۳ھ ہجری میں وفات پائی اور سہل بن ساعدی نے مدینہ میں ۹۱ھ یا ۹۸ھ میں انتقال کیا اور ابوالطفیل نے ۱۰۲ھ ہجری میں وفات پائی چنانچہ جامع الاصول میں ہے صاحب جامع الاصول نے کہا کہ ابوحنیفہ رح کی ملاقات اصحاب سے اور حدیث کی روایت ان سے ارباب نقل کے نزدیک ثابت نہیں اور ابوحنیفہ کے اصحاب کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ نے چند اصحاب کو پایا اور ان سے روایت کی انتہی میں کہتا ہوں واقع میں عقل کے حساب سے یہ بات بہت دور ہے کہ رسول کریم کے اصحاب امام کے زمانہ میں موجود ہوں اور ان کی ملاقات کا قصد نہ کریں باوجودیکہ ہونا امام کا اور رہنا امام کا ان شہروں میں جہاں اصحاب تھے ثابت ہے اور بیس برس کی مدت امام کی زندگی سے زمانہ اصحاب میں گذری اس واسطے کہ سو برس کے آخر تک وجود صحابہؓ کا ثابت ہے تو اصحاب ابوحنیفہ کا قول حق ہے جو کہتے ہیں کہ امام نے جماعہ صحابہ کو پایا انتہی ما قال الدہلوی ھم حق بجانب حنفیہ ہے روایت اور درایت کی راہ سے اس واسطے کہ حنفیہ ملاقات اور روایت کے مثبت ہیں اور ایک جماعت نافی حالانکہ یہ قاعدہ اہل علم میں مسلم ہے کہ مثبت کا قول نافی پر مقدم ہے اور اثبات بھی فقط حنفیہ میں منحصر نہیں بلکہ طبری شافعی اور ابن حجر شافعی بشہادت جلال الدین سیوطی شافعی کے بجانب اثبات یا تجویز کے ہیں نہ بجانب انکار واللہ اعلم تو امام کا تابعی ہونا باعتبار زمانے کے بالاتفاق ثابت ہوا اور باعتبار ملاقات اور روایت کے عند التحقیق وَقَدْ ذَکَرَ الْعَلَّامَۃُ شَمْسُ الدِّیْنِ مُحَمَّدٌ اَبُو النَّصْرِ بْنُ عَرَب شَاہ الْاَنْصَارِیُّ الْحَنَفِیُّ فِی مَنْظُوْمَتِہِ الْاَلْفِیَّۃِ الْمُسَمَّاۃِ بِجَوَاہِرِ الْعَقَائِدِ وَدُرَرِ الْقَلَائِدِ ثَمَانِیَۃً مِنَ الصَّحَابَۃِ مِمَّنْ یَرْوِیْ عَنْہُمُ الْاِمَامُ الْاَعْظَمُ اَبُوْ حَنِیْفَۃَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَعَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ اور تحقیق ذکر کیا علامہ شمس الدین محمد ابوالنصر بن عرب شاہ انصاری حنفی نے اپنے منظومہ الفیہ میں جس کا نام جواہر عقائد اور درر قلائد ہے آٹھ صحابیوں کو جن سے روایت کی امام اعظمؒ ابوحنیفہ نے خدا کی رحمت اس پر اور ان سب پر حیث قال ؎ مُعْتَقِدًا مَذْہَبَ عَظِیْمِ الشَّانِ ؞ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ الْفَتَی النُّعْمَانِ ؞ اَلتَّابِعِیْ سَابِقِ الْاَئِمَّۃِ ؞ بِالْعِلْمِ وَالدِّیْنِ سِرَاجِ الْاُمَّۃِ ؞ جَمْعًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ اَدْرَکَا ؞ اِثْرَہُمْ قَدِ اقْتَفٰی وَسَلَکَا ؞ طَرِیْقَۃً وَاضِحَۃَ الْمِنْہَاجِ سَالِمَۃً مِنْ اَضْلَالِ الدَّجَا ؞ علامہ مذکور نے جس مقام میں یہ کہا ہے کہ میں کہتا ہوں معتقد ہو کر عظیم الشان کے مذہب کا یعنی ابوحنیفہ رح جواں مرد نعمان کا جو تابعی ہے مقدم سب اماموں سے علم اور دین میں امت محمدی کا چراغ ایک جماعت کو نبی کے اصحاب سے اس نے پایا بے شک ان کا پیرو ہوگیا اور چلا وہ طریقہ جس کی راہ کھلی ہے سالم ہے تاریک گمراہی سے ؎ رَوٰی عَنْ اَنَسٍ وَجَابِرٍ ؞ وَابْنِ اَبِیْ اَوْفٰی کَذَا عَنْ عَامِرٍ ؞ اور تحقیق روایت کی امام نے انس اور جابر اور عبداللہ بن ابی اوفی سے اور اسی طرح عامر سے ھم تبییض الصحیفۃ میں عامر کے بدلے معقل بن یسار مذکور ہے خوارزمی نے کہا کہ عامر سے روایت کرنے میں کلام ہے اس واسطے کہ عامر کا انتقال ہوا معاویہ کی ریاست میں اور معاویہ کا انتقال ہوا سنہ ۶۰ھ ہجری میں پھر کیونکر ان کی روایت متصور ہو کذا فی الطحطاوی ؎ اعنی ابا الطفیل ذا ابن واثلۃ ؞ وَابْنِ اُنَیْسٍ الْفَتٰی وَوَاثِلَۃَ ؞ مراد عامر سے وہ ابوالطفیل ہے جو واثلہ کا بیٹا ہے اور روایت کی عبداللہ بن انیس جواں مرد سے اور واثلہ بن اسقع سے ؎ عَنِ ابْنِ جَزْءٍ قَدْ رَوَی الْاِمَامُ ؞ وَبِنْتِ عَجْرَدٍ وَہِیَ التَّمَامُ ؞ روایت کی امام نے عبداللہ بن حارث بن جزء زبیدی سے اور عائشہ بنت عجرد سے اسی پر آٹھ کا شمار تمام ہوا ھ ابن جزء بفتح جیم وسکون زا معجمہ اور ہمزہ وہ عبداللہ بن حارث بن جزء زبیدی ہے امام اعظمؒ سے

؎ ایک نسخہ میں اور نسخہ شامی میں ان اشعار کے بعد یہ شعر مذکور ہے شعر رضی اللہ الکریم دائما ؞ عنہم وکل اصحاب النظما ؞ یعنی اللہ تعالیٰ راضی ہوان سے ہمیشہ اور سب اصحاب کبار سے ۱۲ منہ

مروی ہے کہ میں نے اپنے والد کے ساتھ ۹۶ھ ہجری میں حج کیا تو میں نے قریب کعبہ حلقہ دیکھا میں نے والد سے کہا کہ یہ کیا ہے جواب دیا کہ اس میں ایک صحابی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حدیث بیان کرتا ہے تو میں نے جا کر سنا کہتا تھا قال [۵۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِعَانَۃُ الْمُسْلِمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ یعنی وہ صحابی ابن جزء زبیدی تھے اور امام کے مسند میں خوارزمی نے ابن جزء سے اس حدیث کی روایت کی ہے مَنْ [۵۲] تَفَقَّہَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ کَفَاہُ اللّٰہُ ہَمَّہٗ وَرَزَقَہٗ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ابن شاہین نے کہا سماعت امام کی جابر بن عبداللہ سے صریح وہم ہے کیوں کہ جابر بالتفاق روایات ستر اور چند سال میں مر گئے اور اسّی تک زندہ نہیں رہے جس میں امام پیدا ہوئے انتہی اس کا جواب یوں ممکن ہے کہ بعضے اہل تاریخ کے نزدیک امام کی ولادت ۷۰ھ ہجری میں ہے تو بموجب اس قول کے سات یا نو برس کی عمر میں سماع حدیث ممکن ہے کذا فی الطحطاوی ملخصًا وتوفی ببغداد وقیل فی السجن لیلی القضا ولہ سبعون سنۃ بتاریخ خمسین ومائۃ اور امام نے وفات پائی بغداد میں ایک سو پچاسویں سال ہجری میں اور ان کی عمر ستر برس کی تھی بعضوں نے کہا بندی خانہ میں انتقال کیا اس واسطے محبوس ہوئے تھے کہ عہدہ قضا کو قبول کریں امام ابن خلکان وغیرہ مورخین نے کہا کہ ابوحنیفہؒ ۸۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ستر برس زندہ رہے اور ۱۵۰ھ ہجری میں وفات پائی اور بعضوں نے ۷۰ھ میں اور بعضوں نے کہا ۶۱ھ میں پیدائش ہے لیکن پہلا قول صحیح تر ہے پیدا ہوئے صحابہ کرام کے زمانہ میں اور فقیہ ہوئے تابعین کے زمانہ میں رجب یا شعبان میں انتقال ہوا قید خانہ میں اور قضاء کا منصب قبول نہ کیا اور مقبرہ خیزران میں دفن ہوئے کذا فی الیواقیت شہرستانی کے ملل اور نحل میں مذکور ہے کہ منصور دوانقی نے امام کو اس واسطے قید کیا تھا کہ انھوں نے محمد بن عبداللہ بن حسن بن علی سے بیعت کی تھی یعنی حسن بن علی بن ابی طالبؓ کے پوتے سے بیعت کی تھی طحطاوی نے کہا ممکن ہے کہ عدم قبول قضا اور بیعت اہل بیت دونوں سبب ہوئے ہوں محبوس کرنے کے قیل ویوم توفی ولد الامام الشافعی رضی اللہ عنہ فعد من مناقبہ بعضوں نے کہا کہ جس دن امام ابوحنیفہؒ نے وفات پائی اسی دن امام شافعیؒ پیدا ہوئے تو یہ ابوحنیفہؒ یا شافعیؒ کے مناقب میں شمار کیا گیا امام اعظمؒ کی منقبت اس واسطے ہوئی کہ حق تعالیٰ نے اس جہان کو ایسے امام کے مانند سے خالی نہ رکھا کذا فی الطحطاوی اور شافعی کی منقبت یہ ہوئی کہ ایسے کامل کے خلیفہ ٹھہرے وقد قیل الحکمۃ فی مخالفۃ تلامیذہ انہ رای صبیا یلعب فی الطین فحذرہ عن السقوط فاجابہ بان احذر انت من السقوط فان فی سقوط العالم سقوط العالم فحینئذ قال لاصحابہ ان توجہ لکم دلیل فقولوا بہ فکان کل یاخذ بروایۃ عنہ ویرجحہا وہذا من احتیاطہ وورعہ وعلم بان الاختلاف من آثار الرحمۃ فمہما کان اکثر کانت الرحمۃ اوفر کما قالوا اور البتہ کہا گیا ہے کہ شاگردان امام کے مخالفت میں حکمت یہ ہے کہ امام اعظمؒ نے ایک لڑکا کھیلتے دیکھا کیچڑ میں سو اس کو ڈرایا رپٹ پڑنے سے سو لڑکے امام کو جواب دیا کہ تم رپٹ پڑنے سے بچو اس واسطے کہ عالم کے رپٹنے سے تمام جہان کا رپٹنا ہے تو اس وقت سے امام نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ اگر تمہارے سامنے دلیل آوے یعنی اگر دلیل شرعی کتاب اور سنت سے تم پر ظاہر ہو تو اس پر عمل کرو تو ہر شاگرد امام کی ایک روایت کو لیتا تھا اور اس کو ترجیح دیتا تھا یعنی اس کو قوی کرتا تھا اور دلیل سے اور یہ اجازت خلاف کرنے کی امام کی نہایت احتیاط اور تقویٰ سے ہے اور اس اجازت سے معلوم ہوا کہ اختلاف یعنی مجتہدین کا اختلاف من جہۃ الدلیل رحمت الٰہی کی نشانیوں سے ہے تو جس قدر اختلاف برہانی ہو گا زیادہ تر ہو گی رحمت ربانی وافر تر بدلیل قول علماء امام نے لڑکے کے کلام سے پند لی یہی شان ہے عارفوں کی کہ اشارات لطیفہ عبارات بعیدہ سے سمجھ لیتے ہیں مسند خوارزمی میں سبقت الائمہ سابل سے منقول ہے کہ یہ بات مشہور ہے کہ امام نے چار ہزار استادوں کی علما تابعین کی شاگردی کی اور علم فقہ کا حاصل کیا لیکن اپنے علم پر اپنی زبان سے فتویٰ نہ دیا یہاں تک کہ انھوں نے اجازت دی تو کوفہ کی جامع مسجد

---

[۵۱] فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے مدد کرنا مسلمانوں کا فرض ہے ہر مسلمان پر ۱۲ منہ [۵۲] جو شخص سمجھ پیدا کرتا ہے اللہ کے دین میں تو اللہ تعالیٰ اس کو ہر درد سے چھڑاتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے کہ اس کو معلوم نہ ہو ۱۲ منہ

میں مجلس کے اندر بیٹھے اور ہزار شاگرد امام کے جمع ہوئے ان میں سے بزرگ تر اور فاضل تر چالیس شاگرد تھے جو رتبہ اجتہاد کو پہنچے تھے سو ان کو اپنا مقرب کیا اور کہا کہ تم میرے رازدان اور غم گسار ہو میں نے اس فقہ کے گھوڑے کو تمہارے واسطے تیار کر دیا ہے لگام دے کر اور زین کس کر سو تم میری مدد کرو اس واسطے کہ لوگوں نے مجھ کو جہنم کا پل بنایا ہے غیر لوگ پار ہوتے ہیں اور بوجھ میری پیٹھ پر ہے یعنی لوگ تقلید سے نجات پاویں گے مواخذہ مجھ سے ہوگا اگر عرق ریزی اجتہاد میں کچھ تساہل ہوگا۔

فقہ حنفی کا طریقہ تدوین

امام رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ جب کوئی واقعہ پیش آتا تو مجتہد شاگردوں سے مشورہ اور مناظرہ اور گفتگو کرتے اور ان سے پوچھتے اور جو احادیث اور آثار شاگردوں کے پاس تھے ان کو سنتے اور جو آپ کو معلوم تھے اس کو فرماتے اور مجتہد شاگرد امام کے ساتھ مہینہ مہینہ بھر بلکہ زیادہ رد و بدل اور مناظرہ کرتے یہاں تک کہ آخر کو ایک بات ٹھہر جاتی تو اس قول محقق کو ابو یوسف رح ثابت کرتے یعنی لکھتے یہاں تک کہ تمام اصول فقہ کو اسی طرح شوریٰ کر کے ثابت کیا امام اعظم اور اماموں کی طرح بذات خود متفرد نہیں ہوئے انتہی روایۃ الخوارزمی اختلاف کو آثار رحمت کہنا ثابت ہے اس حدیث سے کہ اختلاف[۵۱] امتی رحمۃ اور بحرالرائق میں تتارخانیہ سے یوں منقول ہے کہ اختلاف[۵۲] ائمۃ الہدی توسعۃ للناس کذا فی الطحطاوی رسم المفتی یہ نشانی ہے مفتی کے واسطے یعنی اب وہ علامات مذکور ہوتے ہیں جو مفتی کو فتوی دینے پر دلالت کریں اصولیوں کے نزدیک مفتی مجتہد ہے بحرالرائق میں تتارخانیہ سے منقول ہے کہ ابو یوسف رح نے کہا کہ فتوی دینا حلال نہیں مگر مجتہد کو اور محمد رح نے فتوی دینا جائز رکھا ہے اگر مرد کا صواب اس کی خطا سے زیادہ ہو اور اسبیجانی سے منقول ہے کہ شہر کے بڑے عالم کو ترک فتوی جائز نہیں فتح القدیر میں کہا کہ اہل اصول کی رائے اس پر مستقر ہو گئی ہے کہ مفتی وہی مجتہد ہے اور غیر مجتہد جو مجتہد کے اقوال یاد رکھتا ہو وہ مفتی نہیں ہے تو غیر مجتہد پر واجب ہے کہ جب اس سے کوئی مسئلہ پوچھے تو وہ مجتہد کے قول کو بطریق حکایت نقل کرے تو معلوم ہوا کہ جو ہمارے زمانہ میں فتوی دیتے ہیں وہ درحقیقت فتوی نہیں ہے بلکہ وہ نقل ہے مفتی کے کلام کی تاکہ مستفتی اس پر عمل کرے اور نقل فتوی کی دو صورتیں ہیں یا ناقل کے پاس سند ہو اس امر میں یا ناقل نے وہ مسئلہ لیا ہو اس کتاب معروف سے جو متداول ہے محمد بن حسن کی کتابوں سے اور مانند ان کے اور تصنیفات مشہورہ سے اس واسطے کہ کتاب معروف بمنزلہ خبر متواتر یا مشہور کے ہے انتہی کذا فی الطحطاوی اعلم ان ما اتفق علیہ اصحابنا فی الروایۃ الظاہرۃ عنہم یفتی بہ قطعا یہ معلوم کر کہ جس پر ہمارے اصحاب یعنی امام اعظم اور ان کے اصحاب متفق ہو گئے اس روایت میں جو ظاہر ہے ان سے تو مفتی اس کا فتوی دے یقیناً ہم ظاہر الروایۃ کی قید لگائی اس واسطے کہ ظاہر الروایۃ کے سوائے اور روایات مرجوع عنہا ہیں یعنی مطروح ہیں یا غیر مشہور نامعتبر ہیں اور ظاہر الروایۃ کی کتابیں زیادات اور سیر اور مبسوط اور جامع صغیر اور جامع کبیر ہیں محمد بن حسن کی تصنیفات سے اور ظاہر الروایۃ کے معنی یہ کہ اس کی روایت امام اعظم اور ان کے اصحاب سے ظاہر ہے ثقات اور معتمدین کے نقل کرنے سے نقل خواہ متواتر ہو یا بالشہرت کذا فی الطحطاوی متون مختلفہ یعنی وقایہ اور قدوری وغیرہما بھی ظاہر الروایۃ ہیں اس واسطے کہ امام محمد کی کتب مذکورہ سے مستخرج ہیں واختلف فیما اختلفوا فیہ والاصح کما فی السراجیۃ وغیرہا انہ یفتی بقول الامام علی الاطلاق[۵۳] اور اس میں اختلاف کیا گیا ہے جس میں ہمارے اصحاب مختلف ہیں اور صحیح تر قول چنانچہ سراجیہ وغیرہا میں ہے یہ ہے کہ فتوی دیا جائے امام اعظم کے قول پر یعنی ہر طرح اگرچہ دوسرے کی دلیل قوی ہے ثم بقول الثانی ثم بقول الثالث ثم بقول زفر والحسن بن زیاد پھر اگر امام اعظم کا قول نہ ہو تو ابو یوسف رح کے قول پر فتوی دیا جائے پھر محمد کے قول پر فتوی دیا جائے پھر زفر اور حسن بن زیاد

[۵۱] میری امت کا اختلاف باعث رحمت الہی ہے ۱۲ [۵۲] ائمہ راہ نما کا اختلاف لوگوں کے حق میں گنجائش کا باعث ہے ۱۲ [۵۳] شامی میں ہے کہ عبادات میں مطلق فتوی امام کے قول پر ہے اور ذوی الارحام کے باب میں فتوی امام محمد کے قول پر ہے اور قضا اور شہادات میں ابو یوسف کے قول پر ہے ۱۲

کے قول پر فتوی دیا جائے طحطاوی نے کہا یہ صورت باقی رہی کہ اگر صاحبین متفق ہوں اور امام اعظم منفرد ہوں سو بعضوں نے کہا ہے کہ مفتی مختار ہے چاہے صاحبین کے قول پر فتوی دے چاہے امام کے قول پر انتہی قاضی خان کے فتاوی میں ہے کہ درصورت اختلاف اگر امام کے ساتھ ابو یوسفؒ اور محمدؒ ہیں تو دونوں کے متفق قول پر فتوی دیا جائے کیونکہ دونوں میں وفور شرائط اور اولی ثواب کا استجماع ہے اور اگر صاحبین کا قول امام کے مخالف ہو تو اگر ان کا اختلاف بوجہ اختلاف عصر اور زمان کے ہو جیسا کہ قضا بظاہر عدالت تو صاحبین کا قول مفتی لے اور مزارعت اور معاملت میں اور ان کے مانند میں بھی صاحبین کے قول کو اختیار کرے کیونکہ متاخرین کا اس پر اجماع ہے اور اس کے سوائے میں بعضوں نے کہا کہ مفتی مجتہد مختار ہے اور عبداللہ بن مبارک نے کہا کہ فقط امام کا قول لے اور مجتہد یعنی مجتہد مقید کی تعریف میں اختلاف ہے بعضوں نے کہا کہ جو دس سوالات کے جواب میں آٹھ سوال کا جواب ٹھیک دے اور دو جوابوں میں چوک جائے وہ مجتہد ہے اور بعضوں نے کہا کہ اجتہاد کے واسطے حفظ مبسوط اور معرفت ناسخ اور منسوخ اور محکم اور ماوّل کی اور لوگوں کے عادات اور عرف کا علم ضرور ہے انتہی مافی الثانیہ وصحح فی الحاوی القدسی قوۃ المدرک اور حاوی قدسی میں قوت دلیل کی تصحیح کی ہے ھم مدرک بصیغہ اسم مفعول بمعنی دلیل ہے اور یہ قول ترتیب سراجیہ کے مخالف ہے طحطاوی نے کہا یعنی جس قول کی دلیل قوی تر ہو یعنی امام کا قول ہو یا ابو یوسفؒ یا محمدؒ کا وہی قول مقدم ہے اور وجہ توفیق ان دونوں مختلف قولوں میں یہ ہے کہ جس شخص کو قوت دلیل کی ادراک کی طاقت ہو وہ قول قوی المدرک پر فتوی دے اور نہیں تو سراجیہ کی ترتیب مقدم پر فتوی دے وفی وقف البحر وغیرہ متی کان فی المسئلۃ قولان مصححان جاز القضاء والافتاء باحدہما اور کتاب الوقف بحر الرائق وغیرہ میں ہے کہ جب ایک مسئلہ میں دو قولوں کی تصحیح واقع ہوئی تو ان دونوں قولوں میں سے ایک قول پر قاضی کو حکم دینا اور مفتی کو فتوی دینا جائز ہے ھم طحطاوی نے کہا ظاہر عبارت اس پر دلالت کرتا ہے کہ جب دو قول کی تصحیح ہوئی خواہ تصحیح بلفظ اصح کی ہو دونوں میں یا بلفظ صحیح کی یا ایک میں اصح کا لفظ ہو اور دوسری میں صحیح کا بہرصورت ایک قول پر قضا اور افتاد جائز ہے وَفِی اَوَّلِ الْمُضْمَرَاتِ اَمَّا الْعَلَامَاتُ لِلْاِفْتَاءِ فَقَوْلُہٗ وَعَلَیْہِ الْفَتْوٰی وَبِہٖ یُفْتٰی اَوْبِہٖ نَاْخُذُ وَعَلَیْہِ الْاِعْتِمَادُ وَعَلَیْہِ عَمَلُ الْاُمَّۃِ وَہُوَ الصَّحِیْحُ اَوِالْاَصَحُّ اَوِالْاَظْہَرُ اَوِالْاَشْبَہُ اَوِالْاَوْجَہُ اَوِالْمُخْتَارُ وَنَحْوُہَا مِمَّا ذُکِرَ فِیْ حَاشِیَۃِ الْبَزْدَوِیْ انتہی اور مضمرات کے اول میں ہے کہ فتوی دینے کے علامات الفاظ بارہ ہیں علیہ الفتوی سے مختار تک اور مانند ان الفاظ کے جو حاشیہ بزدوی میں مذکور ہیں انتہی مافی المضمرات ھم الفاظ مذکورہ کا ترجمہ یوں ہے وعلیہ الفتوی[۱] اور اسی قول پر فتوی ہے وبہ یفتی[۲] اور اسی قول پر فتوی دیا گیا وبہ ناخذ[۳] اور اسی کو ہم لیتے ہیں وعلیہ الاعتماد[۴] اور اسی قول پر اعتماد ہے وعلیہ عمل الیوم[۵] اور اسی پر عمل ہے آج کے دن کا وعلیہ عمل الامۃ[۶] اور اسی پر امت کا عمل ہے وہو الصحیح[۷] اور یہی قول صحیح ہے او الاصح[۸] یا صحیح تر ہے او الاظہر[۹] یا ظاہر تر ہے او الاشبہ[۱۰] یا بحق مشابہ تر ہے او الاوجہ[۱۱] یا موجہ تر ہے او المختار[۱۲] یا پسندیدہ تر ہے اور ان الفاظ کے مانند وعلیہ العمل الیوم[۵] وبہ جری العرف وہو المتعارف وبہ اخذ علمائنا قال شیخنا الرملی فی فتاواہ وبعض الالفاظ اکد من بعض فلفظ الفتوی اکد من لفظ الصحیح والاصح والاشبہ وغیرہا ہمارے استاد خیر الدین رملی نے اپنے فتاوی میں کہا اور بعض الفاظ فتوی کے موکد تر ہیں بعض سے تو فتوی کا لفظ موکد تر ہے صحیح اور اصح اور اشبہ وغیرہا کے الفاظ سے چنانچہ احوط اور اظہر سے ھم وجہ تاکید یہ ہے کہ فتوی جاری نہیں ہوتا مگر اس امر کے سبب سے جو مقتضی ہے فتوی کا چنانچہ اسانی یا اکدیت اور لفظ فتوی سے اس کے حروف اصلیہ مراد ہیں کسی صیغہ میں پائے جائیں کذا فی الطحطاوی ولفظ بہ یفتی اکد من الفتوی علیہ او بہ یفتی کا لفظ موکد تر ہے الفتوی علیہ کی لفظ سے اس واسطے کہ تقدیم مفعول سے حصر ثابت ہوتا ہے اور اسی طرح لفظ علیہ الفتوی کا الفتوی علیہ سے موکد تر ہے والاصح اکد من الصحیح والاحوط اکد من الاحتیاط انتہی اور اصح کا لفظ موکد تر ہے صحیح کے لفظ سے اور احوط کا لفظ موکد تر ہے احتیاط کے لفظ سے انتہی قول الرملی ظاہر اسم تفضیل کے سبب صیغوں کا یہی حکم ہے قلت لکن فی شرح البینۃ للبلبی عند قولہ لا یجوز من المصحف الا بنقلہ

ف۵ اور اسی پر عمل ہے اور اسی کا عرف ہوتا ہے اور وہی مشہور اور مروج ہے اور اسی کو ہمارے علماء نے لیا ہے ۱۲ ۔

اِذَا تَعَارَضَ اِمَامَانِ مُعْتَبَرَانِ وَعَبَّرَ اَحَدُهُمَا بِالصَّحِيْحِ وَالْآخَرُ بِالْاَصَحِّ فَالْاَخْذُ بِالصَّحِيْحِ اَوْلٰى لِاَنَّهُمَا اِتَّفَقَا عَلٰى اَنَّهُ صَحِيْحٌ وَالْاَخْذُ بِالْمُتَّفَقِ اَوْفَقُ فَلْيُحْفَظْ شارح نے کہا میں کہتا ہوں لیکن حلبی کی شرح منیہ میں ماتن کے اس قول کے پاس کہ جائز نہیں مصحف کا چھونا مگر اس کے غلاف کے ساتھ یہ قول ہے کہ جب مقابل اور مختلف ہوں ترجیح اقوال میں دو امام معتبر اس طرح کہ ایک امام کہے کہ یہ قول صحیح ہے اور دوسرا امام کہے کہ یہ قول اصح ہے تو صحیح پر عمل کرنا اولیٰ ہے اس واسطے کہ دونوں امام نے اس قول کے صحیح ہونے پر اتفاق کیا یعنی اور اصحیت میں اتفاق نہیں بلکہ ایک امام کا تفرد ہے اور حالانکہ قول متفق علیہ پر عمل کرنا موافق تر باحتیاط ہے تو اس استدراک کو یاد رکھنا ثم رایت فی رسالۃ آداب المفتی اذا ذیلت روایۃ فی کتاب معتمد بالاصح او الاولی او الاوفق ونحوہا فلہ ان یفتی بہا وبمخالفہا ایضًا ای شاء پھر میں نے دیکھا رسالہ آداب المفتی میں کہ جب کسی معتمد میں روایت مذیل بالاصح ہو یعنی روایت کے بعد لکھا ہو کہ یہ اصح ہے یا اولیٰ یا اوفق ہے اور مانند اس کے چنانچہ اوجہ اور احوط تو مفتی کو اختیار ہے کہ اس روایت کا فتویٰ دے اور اس کے مخالف دوسری روایت کا بھی فتویٰ دے جس کا چاہے دونوں میں سے ہم اس واسطے کہ اسم تفضیل اس پر دلالت کرتا ہے کہ مقابل اسم تفضیل کا بھی مرجح ہے کذا فی الطحطاوی واذا ذیلت بالصحیح او الماخوذ بہ او بہ یفتی وعلیہ الفتویٰ لم یفت بمخالفہ اور جب کہ روایت کے بعد صحیح یا ماخوذ بہ یا بہ یفتی یا علیہ الفتویٰ لکھا ہو تو اس کے مخالف روایت کا فتویٰ نہ دے ہم اس واسطے کہ صحیح کا مقابل ضعیف اور ماخوذ بہ کا مقابل غیر ماخوذ بہ اور بہ یفتی اور علیہ الفتویٰ کا مقابل غیر مفتی بہ ہے اِلَّا اِذَا کَانَ فِی الْهِدَايَةِ مَثَلًا هُوَ الصَّحِيْحُ وَفِی الْکَافِی بِمُخَالِفِهِ هُوَ الصَّحِيْحُ فَيُخَيَّرُ وَيَخْتَارُ الْاَقْوٰی عِنْدَهُ وَالْاَلْيَقَ وَالْاَصْلَحَ انتہی فلیحفظ مگر جب کہ ہدایہ میں روایت کے ذیل میں ہو الصحیح ہو اور کافی میں اس کے مخالف روایت کی ذیل میں ہو الصحیح ہو تو مفتی مخیر ہے اور وہ اس روایت کو اختیار کرے جو اس کے نزدیک قوی تر اور لائق تر اور صالح تر ہو انتہی ما فی الرسالۃ تو اس کو یاد رکھنا چاہیے ہم قوی تر کا اختیار کرنا حاوی قدسی کی عبارت سابقہ پر مبنی ہے یعنی در صورت اختلاف قوت دلیل کا اعتبار ہے کذا فی الطحطاوی ہم حاصل ما ذکرہ الشیخ قاسم فی تصحیحہ انہ لا فرق بین المفتی والقاضی الا ان المفتی مخبر عن الحکم والقاضی ملزم بہ اور جو شیخ قاسم نے اپنی تصحیح میں ذکر کیا ہے اس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ کچھ فرق نہیں درمیان مفتی اور قاضی کے یعنی بموجب تفصیل مذکور کے قاضی بھی انہی علامات افتاء پر عمل کرے مفتی کے مانند مگر اتنا فرق ہے کہ مفتی حکم شرعی کا بتا دینے والا ہے اور قاضی حکم مذکور کا لازم کرنے والا ہے بحکومت حبس اور تعزیر کے اگر کوئی عمل نہ کرے اور اس کو اختیار ہے اقامت حدود اور قصاص کا کذا فی الطحطاوی وَاَنَّ الْحُکْمَ وَالْفُتْيَا بِالْقَوْلِ الْمَرْجُوْحِ جَهْلٌ وَخَرْقٌ لِلْاِجْمَاعِ اور یہ کہ قاضی کا حکم کرنا اور مفتی کا فتویٰ دینا مرجوح قول پر جہالت اور اجماع کا پھاڑنا ہے یعنی حرام اور باطل ہے ہم قول مرجوح چنانچہ صاحبین رح کے قول پر عمل کرنا حالانکہ اس قول کی تصحیح نہیں ہوئی یا اس کی وجہ کی تقویت نہیں ہوئی اور اولیٰ بالبطلان ہے ظاہر الروایۃ کے مخالف پر فتویٰ دینا بلا ثبوت تصحیح اور اسی طرح قول مرجوع عنہ پر فتویٰ دینا کذا فی الحلبی وَاَنَّ الْحُکْمَ الْمُلَفَّقَ بَاطِلٌ بِالْاِجْمَاعِ اور یہ کہ حکم ملفق یعنی ملا جلا چند مذاہب سے ایک حکم مرکب کرنا بالاجماع باطل ہے چنانچہ وضو میں سر کے ایک بال کا مسح کیا بمذہب شافعی پھر مقتدی ہو کر نماز پڑھی فاتحہ چھوڑ کے بموجب مذہب امام اعظم رح کے کذا فی الطحطاوی شافعی مذہب پر نماز اس واسطے نہ ہوئی کہ فاتحہ پڑھنا واجب تھا سو اس نے ترک کیا اور حنفی مذہب پر اس واسطے نہ ہوئی کہ وضو کا فرض ترک ہوا یعنی چوتھائی سر کا مسح تو کسی مذہب پر نماز درست نہ ہوئی وَاَنَّ الرُّجُوْعَ عَنِ التَّقْلِيْدِ بَعْدَ الْعَمَلِ بَاطِلٌ اِتِّفَاقًا وَهُوَ الْمُخْتَارُ فِی الْمَذْهَبِ اور یہ کہ پھرنا تقلید سے عمل کر چکنے کے بعد بالاتفاق باطل ہے اور یہی قول مختار ہے مذہب میں ہم مثلاً قاضی حنفی نے ثبوت نکاح بغیر شہود میں امام مالک رح کی تقلید کی پھر اس تقلید سے رجوع کرنے کا قصد کیا یعنی چاہا کہ اپنے مذہب کے موافق زوج پر عدم لزوم مہر کا حکم کرے تو یہ اس کو جائز نہیں معلوم کرنا چاہیے کہ یہ مطلب نہیں ہے کہ یہاں جواز تقلید کی مطلقاً نفی ہے بلکہ اسی صورت مذکورہ میں اس واسطے کہ یہاں تقلید مذکور کے پھرنے سے غیر کا ضرر لازم آتا ہے اور اس کو دریافت کرنا چاہیے کہ حنفی کو مثلاً شافعی کی تقلید کرنا ایک مسئلہ میں عبارت ہے شافعی رح کے قول پر عمل کرنے سے باوجود باقی رہنے کے اپنے مذہب پر اسی مسئلہ

۵۱ جس سے رجوع کیا گیا ۱۲

میں یہاں تک کہ اگر اسی مسئلہ خاص میں جس میں حنفی نے شافعی کی تقلید کی ہے کوئی سوال کرے بطریق استفتاء کے تو جواب نہ دے مگر اپنے امام کے مذہب کے موافق اور بقاءعلی مذہبہ[۵۱] کا مطلب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں عمل کے وقت بمذہب شافعی اپنے امام کی متابعت کے اعتقاد پر باقی ہے یعنی اگر زمان مستقبل میں ویسی ہی صورت جس پر عمل کرچکا ہے بمذہب شافعی پیش آوے گی تو اپنے امام کے مذہب پر عمل کرے گا اگر کوئی کہے کہ اپنے مذہب پر باقی رہنا اور جواب مستفتی کو نہ دینا اگر اپنے امام کے قول پر پھر جانا ہے شافعی کی تقلید سے مسئلہ مقلد فیہا[۵۲] میں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی واقعہ مخصوصہ منقضہ سے رجوع کرنا ممنوع ہے نہ اس واقعہ سے جو بعد اس کے اسی جنس کا حادث ہو اور تقلید مذکور کے جواب میں دو قول ہیں قول مختار یہ ہے کہ تقلید جائز ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اتنا کفایت کرتا ہے کہ جس مجتہد کے قول کی تقلید کی وہ اس کے نزدیک صواب اور راجح ہے باحتمال خطا اور یہی بعینہ جواب ہوسکتا ہے اس سوال کا کہ حنفی کو تقلید شافعی میں عمل بالخطا لازم آتا ہے اس واسطے کہ حنفی شافعی کے مذہب کو خطا محتمل الصواب جانتا ہے یہ خلاصہ ہے یحییٰ بن سیف الدین سیرامی حنفی کے جواب کا اور مفتیان مصر نے بھی اس پر اتفاق کیا ہے اور اس تقریر سے نکلتا ہے کہ تقلید واجب ہے ایک امام کی بلا تعیین اور دو امام کی تقلید ساتھ ہی جائز نہیں اس طرح کہ حنفی اور حنبلی ایک آن میں ہو اور اس کو یاد رکھنا چاہیے کہ جب حنفی مثلاً شافعی کی تقلید کرے مسئلہ مخصوصہ میں تو اس پر واجب ہے کہ اس مسئلہ کی جمیع متعلقات میں مذہب شافعی کی رعایت کرے تاکہ تلفیق باطل لازم نہ آوے کذا فی الطحطاوی عن شیخ الاسلام ابی سعود مختصراً وَاَنَّ الخِلَافَ خَاصٌّ بِالْقَاضِیْ المجتہد اور یہ کہ خلاف مخصوص بقاضی مجتہد ہے یعنی امام اور صاحبین کا خلاف اس میں کہ جب قاضی اپنے مذہب کے سوا اور مذہب پر حکم کرے گا تو اس کا حکم نافذ ہوگا یا نہیں تو صاحبین نے کہا کہ اس کا حکم نافذ نہ ہوگا اور امام نے کہا کہ اگر مذہب کے مخالف بھول کر حکم کرے گا تو نافذ ہوگا اور عمد میں امام سے دو روایتیں ہیں اور بزازی نے کہا کہ صاحبین نفاذ حکم میں امام کے موافق ہیں اور قاضی خان نے کہا کہ مخالف ہیں کذا فی الطحطاوی وَاَمَّا المُقَلَّدُ فلا ینفذ قضاءہ بخلاف مذہبہ اصلاً کما فی القنیۃ اور مقلد قاضی کا حکم تو برخلاف اپنے مذہب کے اصلاً نافذ نہیں ہوتا چنانچہ قنیہ میں ہے ھم شرح طحطاوی وغیرہ کی عبارت قنیہ کے صریحاً مخالف ہیں کما فی الطحطاوی قلت ولاسیما فی زماننا فان السلطان ینص فی منشورہ علی نہیہ عن القضاء بالاقوال الضعیفۃ فکیف بخلاف مذہبہ فیکون معزولا بالنسبۃ لغیر المعتمد من مذہبہ فلا ینفذ قضاءہ فیہ وینقض کما بسط فی قضاء الفتح والبحر والنہر میں کہتا ہوں اور خصوصاً ہمارے زمانہ میں حکم مخالف مذہب نافذ نہ ہوگا اس لیے کہ بادشاہ اپنے فرمان میں تصریح کردیتا ہے قاضی کے روک دینے پر اقوال ضعیفہ کے ساتھ حکم کرنے سے پھر خلاف مذہب پر حکم کرنا کیونکر درست ہوگا تو قاضی بہ نسبت قول غیر معتمد اپنے مذہب کے معزول ٹھہرے گا تو اس کا حکم کرنا اپنے مذہب کے غیر معتمد میں نافذ نہ ہوگا اور وہ حکم توڑا جائے گا چنانچہ فتح القدیر اور بحر الرائق اور نہر الفائق کی کتاب القضاء میں یہ قول مشرح مذکور ہے قال فی البرہان وہذا صریح الحق الذی یعض علیہ بالنواجذ علامہ طرابلسی نے برہان شرح مواہب الرحمٰن میں کہا اور یہ قول مذکور وہ حق صریح ہے جس کو دانتوں سے پکڑنا چاہیے ثم اَمْرُالاَمِیْرِ مَتٰی صَادَفَ فَصْلاً مُجْتَہَداً فِیْہِ نَفَذَ اَمْرُہٗ ہاں حاکم کا حکم جب فصل مجتہد فیہ کو پا دے یعنی مختلف فیہ صورت پر جس میں اجتہاد مجتہدین کو گنجائش ہے حاکم کا حکم صادر ہو تو وہ حکم نافذ ہوجائے گا کما فی سیر التاتارخانیہ وشرح السیر الکبیر فلیحفظ اسی طرح مذکور ہے تاتارخانیہ کی کتاب السیر اور سیر کبیر کی شرح میں تو اس کو یاد رکھنا چاہیے وقد ذکروا ان المجتہد المطلق قد فقد اور البتہ علماء نے ذکر کیا ہے کہ مجتہد مطلق یعنی جو اصول اور قواعد میں دوسرے مجتہد کا پیرو نہ ہو وہ مفقود ہوگیا یعنی اب ایسا کوئی مجتہد نہیں ہے ھم طحطاوی نے کہا مجتہد مطلق جائز الوجود ہے یعنی ہوسکتا ہے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل کسی زمانہ میں مقید اور منحصر نہیں انتہیٰ حافظ شیراز نے فرمایا ہے ؎ فیض روح القدس ار باز مدد فرماید ؛ دیگران ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد ؛

[۵۱] باقی رہنا اپنے مذہب پر ۱۲ [۵۲] اس میں تقلید کی گئی ۱۲

مجتہدین کے سات طبقے

وانا المتیقد نقل سبع مراتب مشہورة اور مجتہد مقید کے تو سات مرتبے مشہور ہیں ہم مراتب سبعہ کا یوں بیان ہے کہ پہلا طبقہ مجتہدین شرع کا ہے چنانچہ چاروں امام اور ان کے مانند جنہوں نے اصول اور قواعد کو مؤسس اور مقرر کیا اور احکام فروع کو دلائل اربعہ یعنی کتاب اور سنت اور اجماع اور قیاس سے مستنبط کیا اور وہ اس میں کسی کے مقلد نہیں ہیں دوسرا طبقہ مجتہدین فی المذہب کا چنانچہ ابو یوسف رح اور محمد رح وغیرہما من اصحاب ابی حنیفہ رح جنہوں نے احکام کو نکالا ادلہ اربعہ سے بموجب ان قواعد کے جو امام اعظم نے ٹھہرائے اگرچہ صاحبین وغیرہما نے بعض احکام فروع میں امام کا خلاف کیا لیکن قواعد اور اصول میں ان کے تابع ہیں اور اسی وجہ سے امام شافعیؒ وغیرہ سے ممتاز ہیں تیسرا طبقہ مجتہدین فی المسائل کا چنانچہ خصاف رح اور طحطاوی اور ابو الحسن رح کرخی اور شمس الائمہ سرخسی اور شمس الائمہ حلوائی اور فخر الاسلام بزدوی اور فخر الدین قاضی خان اور مانند ان کے اور علما جو امام کی مخالفت پر قادر نہیں نہ اصول میں نہ فروع میں لیکن وہ ان احکام اور مسائل کا استنباط کرتے ہیں امام کے قواعد سے جن میں امام سے روایت نہیں چوتھا طبقہ اصحاب تخریج مقلدین سے چنانچہ رازی وغیرہ یہ لوگ اجتہاد پر اصلاً قادر نہیں لیکن احاطہ اصول اور ضبط ماخذ سے امام یا اصحاب امام کے قول مجمل ذی الوجہین اور حکم مبہم محتمل الامرین یعنی پہلو دار قول کی تفصیل پر قادر ہیں اس کے امثال اور نظائر پر قیاس کر کے ہدایہ میں جو بعض مواقع میں تخریج رازی کا ذکر آیا ہے سو اس کا یہی مطلب ہے پانچواں طبقہ اصحاب ترجیح کا مقلدین سے ہے چنانچہ ابو الحسن قدوری اور صاحب ہدایہ اور مانند ان کے ان کا رتبہ یہ ہے کہ ایک روایت کو دوسری روایت پر تفضیل دیتے ہیں اس طرح کہ یہ قول اولیٰ ہے یا اصح ہے درایت کی راہ سے یا اوضح ہے روایت کی راہ سے وَہٰذَا اَوْفَقُ لِلْقِیَاسِ وَہٰذَا اَرْفَقُ لِلنَّاسِ چھٹا طبقہ ان مقلدوں کا ہے جو مابین اقویٰ اور قوی اور ضعیف اور ظاہر مذہب اور ظاہر الروایۃ اور روایت نادرہ کی امتیاز کرنے پر قادر ہیں چنانچہ متون اربعہ کے مصنف یعنی صاحب کنز اور صاحب مختار اور صاحب وقایہ اور صاحب مجمع ان کا رتبہ یہ ہے کہ اپنی کتابوں میں اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کو نقل نہیں کرتے ساتواں طبقہ ان مقلدوں کا جو تمیز روایات پر قادر نہیں لاغر اور فربہ میں فرق نہیں کرتے شمال کو یمین سے ممتاز نہیں کرتے بلکہ جمع کرتے ہیں روایات کو جو پاتے ہیں حاطب اللیل کے مانند افسوس ہے ان پر اور ان کے مقلدوں پر یہ کہا ہے شیخ الاسلام علامہ کمال پاشا نے کذا فی طبقات محمود بن سلیمان الکفوی المسماۃ بکتاب اعلام الاخیار میں فقہاء مذہب النعمان المختار اور اسی طرح مراتب سبعہ کو طحطاوی نے ابن کمال پاشا کے رسالہ وقف بنات سے مختصر نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ مجتہد مطلق بھی ان طبقات میں داخل ہے اور صریح کلام شارح اس کے مخالف ہے اور سب کو مجتہد مقید کہتے ہیں یہ خلل ہے کہ طبقہ سابعہ بلکہ سادسہ بھی مقلد محض ہیں کچھ بھی اجتہاد پر قادر نہیں واما نحن فعلینا اتباع ما رجحوہ وما صححوہ کما لوافتوا فی حیٰوتہم اور ہم لوگوں پر تو پیروی اس قول کی لازم ہے جس کو علماء مرجحین اور مصححین نے ترجیح دی ہے اور تصحیح کی ہے جیسے اس صورت میں ہم پر پیروی ان کی لازم تھی کہ اگر وہ ہمارے زمانہ میں زندہ ہوتے اور فتوی دیتے ہم ترجیح اور تصحیح سے افتاء کی تمام علامات مذکورہ مراد ہیں نہ فقط لفظ ترجیح یا تصحیح کا فَاِنْ قُلْتَ قَدْ یَحْکُوْنَ اَقْوَالًا بِلَا تَرْجِیْحٍ وَقَدْ یَخْتَلِفُوْنَ فِی التَّصْحِیْحِ پھر اگر تو اے سائل یوں کہے کہ کا ہے اقوال کو بدون ترجیح کے نقل کرتے ہیں اور کبھی تصحیح میں اختلاف کرتے ہیں ہم حاصل سوال کا یہ ہے کہ اتباع مرجح کا نہیں ہو سکتا جب تک کہ ایک قول کی ترجیح نہ ہو اور جب کہ اصلاً ترجیح نہ ہوئی یا ترجیح میں اختلاف ہوا تو اب اتباع کیونکر ہوگا قُلْتُ یُعْمَلُ بِمِثْلِ مَا عَمِلُوْا مِنِ اعْتِبَارِ تَغَیُّرِ الْعُرْفِ وَاَحْوَالِ النَّاسِ وَمَا ہُوَ الْاَرْفَقُ وَمَا ظَہَرَ عَلَیْہِ التَّعَامُلُ وَمَا قَوِیَ وَجْہُہٗ وَلَا یَخْلُو الْوُجُوْدُ مِمَّنْ یُمَیِّزُ ہٰذَا حَقِیْقَۃً لَا ظَنًّا وَعَلٰی مَنْ لَّمْ یُمَیِّزْ اَنْ یَّرْجِعَ لِمَنْ یُمَیِّزُ لِبَرَاءَۃِ ذِمَّتِہٖ میں سوال مذکور کا جواب دیتا ہوں کہ صورت مذکورہ میں عمل کیا جائے جس طرح علماء سابقین نے عمل کیا یعنی اعتبار کرنا عرف کے بدل جانے کا اور لوگوں کے احوال کا اور اعتبار کرنا اس قول کا جو لوگوں پر آسان تر ہو اور جس پر لوگوں کا عمل جاری

ط۱ اور یہ موافق ہے قیاس سے اور یہ سہل زیادہ ہے عوام کے لیے ط۲ یعنی رات کی لکڑیاں جمع کرنے والے کی طرح کہ وہ بھی تمیز نہیں کرتا کہ کون سی لکڑی کس طرح کی ہے ۱۲ منہ

ہوگیا ہو اور جس قول کی دلیل مضبوط ہو اور وجود خالی نہ ہو گا حقیقت میں نہ فقط گمان میں لیسے شخص سے جو تمیز کرے اس کو یعنی تمیز عرف اور ارفق اور تعامل کو جس کو اس کی تمیز نہ ہو اس پر لازم ہے کہ اہل تمیز کی طرف رجوع کرے اپنے بری الذمہ ہونے کے واسطے ھم تعامل یعنی رواج کا مرجع عرف کی طرف ہے تو یہ تکرار ہے اور قوت دلیل کا اعتبار کرنا حاوی قدسی کے قول پر مبنی ہے اور مشہور ترتیب سابق ہے اور شخص ممیز کی طرف رجوع کرنا گا ہے دشوار تر ہوتا ہے کیوں کہ وہ شہر بعید میں ہے تو اضبط اور محکم تر وہی ترتیب ہے جو سراجیہ سے منقول ہو چکی یعنے امام کے قول پر فتوے علے الاطلاق پھر ابو یوسف رح کے الخ کذا فے الطحطاوے فنسال اللہ تعالے التوفیق والقبول بجاہ الرسول سواب ہم سوال کرتے ہیں اللہ تعالے سے امر خیر کی مددگاری اور مقبولیت اس کتاب کی بوسیلہ مرتبہ رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کیف لا وقد یسر اللہ تعالے ابتدا تبییضہ فے الروضۃ المحروسۃ والبقعۃ المانوسۃ تجاہ وجہ صاحب الرسالۃ وحائز الکمال والبسالۃ وضجیعیہ الجلیلین الضرغامین الکاملین رضی اللہ عنہما وعن سائر الصحابۃ اجمعین ووالدینا ومقلدیہم باحسان الی یوم الدین اور کیوں کہ یہ کتاب مقبول نہ ہو حال آنکہ حق تعالے نے ابتدا صاف کرنے اس کتاب کے مسودہ سے مبیضہ کی طرف میسر کردی روضۂ محفوظ اور مکان مانوس میں سامنے چہرہ مبارک صاحب رسالت اور جامع کمال اور شجاعت کے اور سامنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اور ہم خوابوں کے جو جلیل القدر اور دو شیر کامل الوجود ہیں یعنے ابو بکر صدیق رض اور عمر فاروق راضی ہو اللہ تعالے ان دونوں سے اور باقی تمام اصحاب رض سے اور ہمارے باپ دادوں سے اور اصحاب کے نیک پیروؤں سے قیامت کے دن تک ثم تجاہ الکعبۃ الشریفۃ تحت المیزاب وفی الحطیم والمقام واللہ تعالے المیسر للتمام پھر ابتدا صاف کرنے کی ہوئی کعبہ شریفہ کے سامنے میزاب رحمت کے نیچے اور حطیم اور مقام ابراہیم میں اور اللہ تعالے تمامی کتاب کا آسان کرنے والا ہے ھم تو ابتدا حقیقی تبییض اس کتاب متبرک کی مدینہ منورہ میں روضۂ مقدسہ کے اندر مواجہہ شریف نبوی میں ہوئی اور ابتدا اضافی بیت اللہ میں ہوئی وہذا[۵۱] من اول علامات القبول اگر کریم علی الاطلاق مترجم دور افتادہ ہند کے ترجمہ کو بجاہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم مقبول کرلے تو اس کی رحمت بے علت سے کچھ دور نہیں[۵۲] ع بدان را بہ نیکان بہ بخشد ٭ (بعد فراغ خطبہ و مقدمہ اب شارح رحمۃ اللہ علیہ متن کی شرح میں شروع کرتا ہے اور مترجم اس کے ترجمہ کرتے ہیں) ٭

٭ ٭ ٭
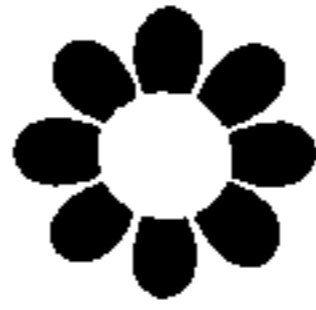
[۵۱] یعنے یہ امر قبول کی علامتوں میں سے زیادہ تر دلیل قبول معلوم ہوتا ہے ۱۲٭

[۵۲] مترجم ثانی کہتا ہے کہ طبع ہونا اس کتاب کا اور منتشر ہونا علامت قبول ہونے دعا مترجم اول کی ہے اس جا میں بھی بالتجا جناب الہی میں دعا کرتا ہوں کہ اس کو قبول فرما کر میرے باقیات الصالحات میں سے کرے بمنہ وکمال کرمہ آمین ۱۲ ٭

کتاب الطہارۃ

یہ کتاب ہے طہارت کی یعنی پاک صاف ہونے کے مسائل قُدِّمَتِ العبادات عَلٰی غیرہا اہتماماً بشانہا عبادات مقدم کی گئی غیر عبادات پر شان عبادات کی رعایت کرنے سے ہم دین کا مدار اعتقادات اور عبادات اور معاملات اور مزاجر اور آداب پر ہے لیکن اعتقادات اور آداب کی بحث فقہ میں داخل نہیں اور عبادات پانچ قسم ہیں نماز زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد اور معاملات بھی پانچ قسم ہیں معاوضات مالیہ مناکحات مخاصمات امانات شرکات اور مزاجر بھی۔ پانچ قسم ہیں قتل نفس کا مزجرہ اور اخذ مال کا اور ہتک ستر کا اور ہتک عزت کا اور قطع طریق وغیرہ کا سوا اہل تصانیف نے فقہ کی کتابوں میں اکثر عبادات کو معاملات وغیرہا پر مقدم ذکر کیا ہے اس واسطے کہ اُن کو شان عبادات کا اہتمام منظور ہوا نہر الفائق میں ہے کہ کثرت احتیاج باعث ہے اس اہتمام کی یعنی مکلف کو عبادات کی بہت حاجت ہے نسبت بمعاملات وغیرہا اب آگے شارح اور عبادات پر تقدیم نماز کی وجہ بیان کرتا ہے والصلوٰۃ تالیۃ للایمان اور نماز ایمان کے پیچھے لگی ہوئی ہے یعنی قرآن اور حدیث میں ایمان کے بعد نماز کا ذکر ہے قال اللہ تعالیٰ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ یعنی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ متقی وہ ہیں کہ ایمان بالغیب لاتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اب آگے شارح نماز پر تقدیم طہارت کی وجہ بیان کرتا ہے والطہارۃ مفتاحہا بالنص اور طہارت نماز کی مفتاح یعنی کنجی ہے کہ افتتاح نماز کا بدون طہارت کے نہیں ہوتا حدیث شریف کی دلیل سے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مفتاح الصلوٰۃ الطہور وتحریمہا التکبیر وتحلیلہا التسلیم کذا فی الطحطاوی عن القرمانی وشرط بہا مختص لازم لہا فی کل الارکان اور طہارت شرط ہے مخصوص بنماز لازم ہے نماز کو اس کے تمام ارکان میں یعنی طہارت کا بیان جو نماز پر مقدم کیا تو دو وجہ سے ایک یہ کہ طہارت نماز کی مفتاح ہے دوسرے یہ کہ طہارت ایسی شرط ہے نماز کی کہ نماز ہی کو خاص ہے اور اس کے تمام ارکان کو لازم ہے اور شرط ہر شے کی مقدم ہوتی ہے اس کے مشروط پر بالطبع تو اس کو بالوضع بھی مقدم کیا برخلاف باقی شروط صلوٰۃ کے اس واسطے وقت اور نیت کا لازم ہونا اوّل نماز سے آخر تک ضرور نہیں ہے۔ اور طہارت کا ہونا ضرور ہے الا لعذر وقت کا ہونا تحریمہ کے وقت کافی ہے اور اسی طرح نیت کا مدار ہے کہ نیت مخصوص بنماز نہیں بلکہ جمیع عبادات کے خصائص سے ہے اور استقبال قبلہ جانور پر نماز پڑھنے سے ساقط ہوجاتا ہے تو ہر نماز کو لازم نہ ٹھہرا اگر کوئی کہے کہ طہارت مخصوص بنماز نہیں ہے اس واسطے کہ مس مصحف اور طواف میں بھی طہارت شرط ہے طحطاوی نے کہا کہ اس کا جواب یوں ہوسکتا ہے کہ طہارت نماز کے واسطے فرض ہے اور مس مصحف اور طواف کے واسطے واجب ہے تو اختصاص باعتراض کی جہت سے ہے وما قیل قُدِّمَتْ لکونہا شرطاً لا یسقط اصلاً ولذا فاقد الطہورین یؤخر الصلوٰۃ وما اوردو من ان

سا۱ یعنی عقوبتیں پانچ طور پر ہیں قتل نفس کی عقوبت قصاص اور چوری کی ہاتھ کاٹنا اور ہتک ستر سے مراد زنا ہے جس کی عقوبت رجم ہے محصن کے لیے اور ہتک عزت سے غرض گالی ہے جس کی سزا کوڑے ہیں اور قطع طریق یعنی رہزنی کی تعزیر یا ردّ مال ہے ۱۲ سا۲ کنجی نماز کی طہارت ہے اور اس کی تحریم اللہ اکبر کہنا یعنی نیت کے بعد اور افعال حرام ہوجاتے ہیں مثل کلام وغیرہ کے اور اُس کی تحلیل یعنی حلال کرنے والی سلام پھیرنا ہے ۱۲۔

النیۃ کذلک مردودٌ کل ذلک اور وہ جو کہا گیا ہے کہ طہارت مقدم ہوئی بسبب ہوتے طہارت کے ایسی شرط جو اصلاً ساقط نہیں ہوتی یعنی عذر کے ہونے سے بھی اور اسی واسطے فاقد الطہورین یعنی پانی اور مٹی کا نہ پانے والا نماز کو تاخیر کرتا ہے اور وہ اعتراض جو اس توجیہ پر وارد کیا گیا ہے کہ نیت بھی ایسی ہے کہ ہرگز ساقط نہیں ہوتی سو یہ تینوں دعوی مردود ہیں م پہلا دعوی یہ ہے کہ طہارت ایسی شرط ہے کہ اصلاً ساقط نہیں ہوتی اس واسطے کہ مقدم ہوئی نماز پر دوسرا دعویٰ اسی قول پر متفرع ہے کہ فاقد الطہورین[51] نماز کو تاخیر کرتا ہے بوجہ عدم سقوط طہارت تیسرا دعوی یہ ہے کہ نیت بھی طہارت کی طرح اصلاً ساقط نہیں ہوتی پھر تقدیم طہارت کی کیا وجہ ہے شارح نے ان تینوں دعووں کو غیر مرتب رد کیا فاقد الطہورین کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص ایسے مکان میں محبوس ہوا جہاں پانی نہیں اور اس کی زمین اور دیواریں نجس ہیں اما النیۃ ففی القنیۃ وغیرہا من توالت علیہ الہموم تکفیہ النیۃ بلسانہ نیت کا جواب یہ ہے کہ قنیہ وغیرہا میں ہے کہ جس شخص پر ہجوم تشویشات کا برابر ہو اُس کو زبان سے نیت کرنا کفایت کرتا ہے م ارادۂ دل کا نام نیت ہے نہ زبان سے بولنے کا تو دیکھو کہ یہاں پریشان دل سے نیت کرنا ساقط ہو گیا تو نیت عدم سقوط میں طہارت کے برابر نہ ٹھہری یہ رد ہے تیسرے دعوی کا ابوسعود نے کہا کہ قنیہ کی روایت میں کلام ہے اس واسطے کہ اس میں الفاظ زبانی کو نیت کا بدلا ٹھہرانا مفہوم ہوتا ہے اور حالانکہ یہ ممنوع ہے حموی نے اس کا جواب دیا کہ یہاں بدل کا ٹھہرانا مفہوم نہیں ہوتا بلکہ جب کہ پریشان دل نیت دلی پر قادر نہ ہو تو ذکر لسانی اصل ہو گیا نہ بدل کذا فی الطحطاوی اور بعضوں نے کہا کہ صاحب ہموم کو جس قدر نماز کا ارادہ دل میں آیا اسی قدر حصول نیت میں کافی ہے جیسے خیالات کا نماز کے اندر آنا نیت کو باطل نہیں کرتا اور ذکر لسانی کا کافی ہونا قطع وسواس کے واسطے ہے اور یہ نہیں کہ فقط الفاظ زبانی کافی ہیں۔ واما الطہارۃ ففی الظہیریۃ وغیرہا من قطعت یداہ ورجلاہ وبوجہہ جراحۃ یصلی بلا وضوء ولا تیمم ولا یعید فی الاصح اور طہارت کا حال تو یہ ہے کہ ظہیریہ وغیرہ میں ہے کہ جس شخص کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کٹے ہوں اور اس کے چہرہ پر زخم ہو تو وہ شخص بدون وضو و تیمم کے نماز پڑھے اور نماز کا اعادہ نہ کرے صحیح تر قول میں یعنی چہرہ درست ہونے کے بعد اس پر اعادہ نماز کا نہیں م یہ رد ہے پہلے دعوی کا یعنی اس صورت میں طہارت ساقط ہو گئی ظہیریہ میں سر کا ذکر کرنے سے سکوت کیا اس واسطے کہ اکثر اعضا مجروح ہیں تو ایسی صورت میں تیمم کا حکم ہے لیکن تیمم بھی ساقط ہو گیا ہاتھوں کے نہ ہونے سے وَاَمَّا فاقد الطہورین ففی الفیض وغیرہ انہ یتشبہ عندہما والیہ صح رجوع الامام وعلیہ الفتوی اور فاقد الطہورین کا تو حال یہ ہے کہ فیض وغیرہ میں ہے کہ فاقد الطہورین نمازیوں کے مانند نماز کے افعال قیام قعود رکوع و سجدے صاحبین کے نزدیک یعنی بوجہ حرمت[52] وقت اور اسی قول کی طرف امام اعظم کا رجوع کرنا صحیح ہے اور اسی قول پر فتوی ہے م یہ جواب دعوی ثانیہ کا ہے ان افعال کو نماز نہ کہا مشابہ نماز کے کہا اس واسطے کہ جب پانی ملے گا تو اعادہ نماز کا واجب ہوگا تو حقیقت میں یہ جواب نہیں ہو سکتا اس واسطے کہ یہ نماز کی صورت ہے نہ حقیقت نماز کی اگر حقیقت میں نماز ہوتی تو اعادہ واجب نہ ہوتا قلت وبہ ظہر اَنّ تعمد الصلوۃ بلا طہر غیر مکفر کصلوۃ لغیر القبلۃ او مع ثوب نجس وہو ظاہر المذہب کما فی الخانیۃ میں کہتا ہوں اور ظہیریہ کے مضمون گذشتہ سے یہ ظاہر ہوا کہ بدون طہارت کے قصداً نماز پڑھنا آدمی کو کافر نہیں کر دیتا جیسے غیر قبلہ کی طرف یا ناپاک کپڑے کے ساتھ نماز پڑھنا کافر نہیں کرتا اور یہی یعنی عدم تکفیر ظاہر مذہب ہے چنانچہ خانیہ یعنی فتاوی قاضی خاں میں ہے م تینوں صورتوں میں عدم تکفیر مشروط بعدم استحلال[53] وعدم استخفاف ہے اور مسئلہ ظہیریہ پر تعمد صلوۃ بلا طہارت کو قیاس کرنا صحیح نہیں اس واسطے کہ ظہیریہ کا مسئلہ ضرورت میں مفروض ہے تو حالت اختیار کو اُس پر قیاس کرنا کیوں کر صحیح، وکذا فی السراج و بہامشہ وفی کفر من صلی لغیر طہارۃ مع العمد خلف فی الروایات یسطر اور وہبانیہ کی کتاب السیر میں ہے اور اس شخص کے کفر میں جو بدون طہارت کے قصداً نماز پڑھے اختلاف ہے روایات میں کہ کتابوں میں مرقوم ہے م یعنی علماء مذہب کا اس میں اختلاف ہے اور عدم تکفیر کا قول معتمد ہے چنانچہ یہی ظاہر مذہب ہے بلکہ فقہا نے فرمایا ہے

[51] نہ پانے والا پاک چیزوں کا ۱۲۔ [52] یعنی وقت نماز کے تعظیم کے لیے نمازیوں کے سے افعال کرے ۱۲۔ [53] حلال نہ سمجھنا اور نہ دین کو خفیف جاننا ۱۲۔

کہ اگر ستر روایتیں متفق پائی جاویں ایک مومن کے کفر پر اور ایک روایت عدم تکفیر کی ہو اگرچہ وہ ضعیف روایت ہو تو مفتی اور قاضی اُسی ضعیف روایت پر عمل کرے ۔ اور قوی روایتوں پر کذا فی الطحطاوی تم ہو مرکبٌ اضافیٌ پھر ہم کہتے ہیں کہ کتاب الطہارۃ کا لفظ مرکب اضافی ہے یعنی دو نوں لفظوں سے مرکب ہے پہلی لفظ کو مضاف کہتے ہیں دوسری کو مضاف الیہ عربی زبان میں مضاف مقدم ہوتا ہے مضاف الیہ پر اور ہندی میں مضاف الیہ مقدم ہوتا ہے مضاف پر اور کا یا کی کا لفظ دونوں کے بیچ میں آتا ہے چنانچہ کتاب الطہارۃ یعنی طہارت کی کتاب اور غلام زید یعنی زید کا غلام مبتدأ او خبرٌ او مفعولٌ لفعل محذوفٍ کتاب الطہارت مبتدا ہے یا خبر یا فعل محذوف کا مفعول ہم جملہ اور کلام دو قسم ہے جملہ اسمیہ اور فعلیہ اگر پہلا جز اسم ہے تو وہ اسمیہ ہے اور اگر فعل ہے تو فعلیہ ہے ہم اسمیہ کے پہلے جز کو مبتدا کہتے ہیں اور دوسرے جز کو خبر چنانچہ زید قائم زید مبتدا ہے اور قائم اُس کی خبر اور جملہ فعلیہ کے پہلے جز کو فعل کہتے ہیں اور دوسرے کو فاعل اور جس پر فاعل کا فعل واقع ہو وہ مفعول ہے تو اگر کتاب الطہارۃ کو مبتدا قرار دیجیے تو خبر اُس کی محذوف ہے یعنی کتاب الطہارۃ[1] ہذا اور اگر اُس کو خبر کہیے تو مبتدا محذوف ہے یعنی ہذا کتاب الطہارۃ اور اگر اس کو مفعول فرض کیجیے تو فعل اور فاعل اس کا محذوف ٹھہرے گا چنانچہ خذ کتاب الطہارۃ یا اقرأ کتاب الطہارۃ یعنی لے کتاب الطہارۃ کو یا پڑھ اس کو مبتدا اور خبر ہونے کی صورت میں آخر کتاب پر رفع یعنی پیش ہوگا اور مفعول ہونے میں نصب یعنی زبر ہوگا یہ سب اس تقدیر پر ہے جب کتاب الطہارت کو پورا کلام قرار دیجیے فَاِنْ اُرِیدَ بِہِ التعداد مبنی علی السکون پھر اگر کتاب الطہارۃ کی لفظ سے شمار کا ارادہ کیا جائے تو آخر کتاب کا حرف یعنی ب پر سکون اور جزم ہوگا یعنی جو کتابیں متن میں مذکور ہیں اُن کو کوئی شخص بطور اعداد گنے تو حرف اخیر کتاب کا مبنی علی السکون ہوگا کیوں کہ وہ حرف کا مشابہ ٹھہرا عدم اعراب میں وکسر تخلصًا من الساکنین اور اسی حرف اخیر کو شمار کی صورت میں کسرہ یعنی زیر دیا جاتا ہے تاکہ التقاء ساکنین سے مخلصی حاصل ہو پہلا ساکن بائے موحدہ ہے اور دوسرا ساکن طاء اولی مشددہ اضافتہ لامیۃ اور کتاب الطہارۃ کی اضافت لام والی ہے نہ من والی ہم اضافت تین قسم ہے اس واسطے کہ مضاف الیہ مضاف کا مباین ہے یا عین ہے یا ظرف ہے اگر مباین ہے تو وہاں اضافت بمعنی لام ہے جو اختصاص پر دلالت کرتا ہے چنانچہ غلام زید یعنی وہ غلام جو زید کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہے اور اگر عین ہے مضاف کا تو وہاں اضافت بمعنی من بیانیہ جارہ کے ہوتی ہے چنانچہ خاتم فضۃ یعنی چاندی کی انگوٹھی اور اگر ظرف ہے تو وہاں اضافت بمعنی فی ظرفیہ کے ہوتی ہے چنانچہ صوم الیوم یعنی روزہ جو دن کے اندر واقع ہے تو جب کہ اضافت کتاب الطہارۃ کی لامی ہوئی تو تقدیر یوں ٹھہری کہ کتابٌ وُضِعَ لبیان مسائل الطہارۃ یعنی وہ کتاب جو بیان مسائل طہارت کے واسطے موضوع ہے اور چونکہ طہارت میں کتاب نہیں لہٰذا شارح نے اُس کی نفی کی اس طرح کہ یہ اضافت من والی نہیں ہے اور ماتن کی شرح میں جس کا منح الغفار نام ہے کہا ہے کہ یہاں اضافت بمعنی فی موجّہ تر ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ کتاب ہے طہارۃ کے بیان میں وَہَلْ یَتَوَقَّفُ حدہ لقبًا علی معرفۃ مفردیہ اور کتاب الطہارۃ کی تعریف جب کہ وہ نام اور لقب ہوا ان مسائل کا اس کے دونوں مفرد یعنی کتاب اور طہارت کی شناخت پر موقوف ہے یا نہیں ہم یہ سوال ہے شارح اس کا جواب آگے دیتا ہے الاوجہ نعم قول راجح یہ ہے کہ ہاں موقوف ہے ہم مرکب جب کہ نام ہو کسی چیز کا تو اس میں دو قول ہیں قول ضعیف مرجوح یہ ہے کہ اُس کی تعریف اُس کے اجزا کے معلوم ہونے پر موقوف نہیں اس واسطے کہ نام رکھنے سے اس کے معنی افرادی مسلوب ہو گئے چنانچہ عبداللہ کسی کا نام رکھا اور قول راجح قوی یہ ہے کہ البتہ اجزا کے علم پر مرکب کا علم موقوف ہے مزید توضیح کی وجہ سے علی الخصوص جب کہ نام میں معنی وصفی کا لحاظ ہو چنانچہ عمدہ باغ کا کوئی بہشت دنیا نام رکھے اب آگے شارح قول راجح پر تفریع کر کے دونوں مفرد یعنی مضاف اور مضاف الیہ کا بیان شروع کرتا ہے فالکتابُ مصدرٌ بمعنی الجمع لغۃً تو کتاب کا لفظ لغت عربی میں مصدر ہے بمعنی جمع یعنی ملانا ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ اور صاحب بحر وغیرہ نے جو کتاب کے معنی جمع حروف کہے ہیں تو خصوصیت مقام کا لحاظ کیا ہے نہ لغوی معنی کا اور جیسے کتاب مصدر ہے کتب کا ویسی ہی کتابت اور کتب بھی اس کا مصدر ہے کذا فی الطحطاوی مصدر وہ ہے جس سے ماضی مضارع امر نہی وغیرہ مشتقات نکلیں اور اُس کے ہندی معنی میں نا کا لفظ آتا ہے چنانچہ جلوس بیٹھنا قیام کھڑا ہونا تجعل شرعًا عنوانًا لمسائل مستقلۃ بمعنی المکتوب او اصطلاح

---

[1] کتاب الطہارۃ یہ ہے ۱۲ [2] یہ کتاب طہارت ہے ۱۲

اہل شرع میں کتاب کو مسائل مستقلہ کا سرنامہ اور لقب قرار دیا ہے بمعنی مجموع م یعنی جمع کرنا اُن الفاظ کا جو مسائل مجموعہ پر دلالت کریں یہی مراد ہے کتاب سے اور استقلال مسائل کا مطلب یہ ہے کہ اُن مسائل کا تصور کرنا موقوف نہیں اُس شے پر جو اس سے پہلے اور پیچھے ہے سو کتاب الطہارۃ بایں معنی مستقل ہے یعنی کتاب الصلوۃ پر اُس کے مسائل کا فہم موقوف نہیں اور استقلال کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اصل ہے کسی کا تابع نہیں کیونکہ یہ مطلب صحیح نہیں اس واسطے کہ طہارت تابع ہے صلوۃ کی مسائل کی قید سے اُن حروف اور کلمات کا جمع کرنا خارج ہوگیا جو مسائل نہیں ہیں اور استقلال کی قید سے کتاب کی حقیقت سے باب اور فصل نکل گئی کیونکہ دونوں مستقل نہیں ہر کتاب. تحت میں داخل ہیں تو فصل وہ صنف ہے جو داخل ہے اس صنف کے تحت میں جس کا باب نام ہے اور باب اس صنف کے تحت میں ہے جس کا نام کتاب ہے اور کتاب اس صنف کے تحت میں ہے جو مسمّی بعلم ہے تو علم مدون صنف عالی ہے اور کتاب اور باب اور فصل اُس کے اصناف سافلہ ہیں درجہ بدرجہ اور تعریف کتاب کی شامل ہے اس کو جس کے مسائل کی ایک ہی نوع ہے چنانچہ کتاب اللقطہ اور اُس کو جس کی بہت انواع ہیں چنانچہ کتاب البیوع اور کتاب کو جو شارح نے بمعنی مکتوب کہا تو اس وجہ سے کہ مصدر بمعنی مفعول ہے یا کہ فعال کا صیغہ ہے بمعنی مفعول آتا ہے جیسے لباس بمعنی ملبوس کذا فی نہر الفائق والطحطاوی ملتقطا منہا والطہارۃ مصدر طہر بالفتح والضم بمعنی النظافۃ لغۃً اور لغت میں طہارت بمعنی پاکیزگی مصدر ہے طہر کا جو فعل ماضی مفتوح العین ہے اور مضموم العین بھی آیا ہے یعنی نقلت م صاحب قاموس نے عین ماضی کا فتحہ اور ضمہ برابر مذکور کیا ہے اور طہارت کو ضد نجاست کہا ہے ولذا افردہا اور ماتن نے اسی واسطے طہارت کو مفرد ذکر کیا ہے یعنی چونکہ طہارت کا لفظ مصدر ہے اور اصل مصدر میں افراد ہے لہذا مصنف رح اس کو مفرد لایا نہ جمع اگرچہ طہارت کے انواع بہت ہیں چنانچہ وضو اور غسل اور تیمم اس واسطے کہ مصدر قلیل اور کثیر سب پر مستعمل ہوتا ہے وشرعًا النظافۃ عن حدث او خبث اور شرع میں طہارت پاک صاف ہونا ہے نجاست حکمی یا نجاست حقیقی سے ومن جمع نظر لانواعہا اور جو طہارت کو بصیغہ جمع لایا یعنی جس مصنف رح نے کتاب الطہارات کہا اُسنے طہارت کے اقسام پر نظر کی وہی کثیرۃ اور اقسام طہارت کے بہت ہیں چنانچہ وضو اور غسل پانی سے یا مٹی سے اور کپڑے یا مکان کی طہارت وحکمہا شہیرۃ اور طہارت کی حکمتیں مشہور ہیں یعنی جن امور کے واسطے طہارت مشروع ہوئی وہ اہل دین میں مشہور ہیں از انجملہ گناہوں کا جھڑنا اور شیطان سے محفوظ رہنا وحکمہا استباحۃ ما لا یحل بدونہا اور حکم طہارت کا یعنی وہ اثر اور ثمرہ جو طہارت پر مترتب ہوتا ہے مباح کرلینا ہے اس عمل کا جو حلال نہیں بدون طہارت چنانچہ نماز کا پڑھنا اور مصحف کا چھونا م ثواب کو طہارت کا حکم نہ کہا اس واسطے کہ طہارت میں ثواب لازم نہیں کیونکہ ثواب موقوف ہے نیت پر اور نیت طہارت میں شرط نہیں وسببہا الی سبب وجوبہا ما لا یحل فعلہ فرضا کان او غیرہ کالصلوۃ ومس المصحف الا بہا ای بالطہارۃ اور طہارت واجب ہونے کا سبب وہ فعل ہے جو حلال نہیں ہوتا بدون طہارت کے خواہ وہ فعل فرض ہو جیسے نماز یا فرض نہ ہو جیسے مصحف کا چھونا صاحب البحر قال بعد سرد الاقوال ونقل کلام الکمال الظاہر ان السبب ہو الارادۃ فی الفرض والنفل بحر الرائق کے مصنف یعنی زین الدین بن نجیم مصری نے بعد ذکر کرنے اقوال علماء کے سبب طہارت میں اور نقل کرنے کلام کمال الدین بن ہمام صاحب فتح القدیر محشی ہدایہ کے کہا کہ قول ظاہر یہ ہے کہ طہارت کا سبب ارادہ کرنا ہے نماز فرض اور نفل کا م طہارت کے سبب میں چار قول ہیں پہلا قول سرخسی کا کذا فی المنح یہ ہے کہ نجاست حکمی یا حقیقی سبب ہے طہارت کا دوسرا یہ کہ اقامت صلوۃ سبب ہے تیسرا یہ ہے کہ ارادہ نماز کا سبب ہے چوتھا یہ کہ وجوب صلوۃ سبب ہے نہ وجود صلوۃ صاحب فتح القدیر نے تیسرے قول پر یہ شبہہ کیا کہ اگر ارادہ نماز کا سبب ہو طہارت کا تو اُس کا مقتضی یہ ہے کہ جب نفل نماز کا ارادہ کرے اور وضو نہ کرے تو گنہگار ہوگا اگرچہ نماز نہ پڑھے حالانکہ ایسا نہیں ہے یعنی اگرچہ نماز کا ارادہ موقوف کرے تو بھی چاہیے کہ وضو نہ کرنے سے گنہگار ہو اس کا جواب شارح نے آگے بطریق استدراک کے دیا لکن بترک ارادۃ النفل یسقط الوجوب ذکرہ الزیلعی فی الطہارۃ سبب طہارت کا ارادہ نماز ہے لیکن نفل کا ارادہ ترک کرنے سے وجوب طہارت کا ساقط ہوجاتا ہے ایسا ذکر کیا ہے زیلعی شارح کنز نے باب الطہارۃ میں م زیلعی نے کہا کہ جب نفل نماز کا ارادہ کیا

تو طہارت اُس پر واجب ہوئی پھر جب کہ نفل پڑھنے سے دل ہٹا تو طہارت بھی ساقط ہو گئی اس واسطے کہ طہارت کا وجوب تو نماز ہی کے واسطے تھا کذا فی الطحطاوی وقال العلامۃ قاسم فی تکملتہ الصحیح ان سبب وجوب الطہارۃ وجوب الصلوۃ او ارادۃ ما لایحل الا بہا اور علامہ قاسم نے اپنے تکملہ میں کہا کہ اقوال مذکورہ میں سے صحیح قول یہ ہے کہ وجوب طہارت کا سبب واجب ہونا ہے نماز کا یا ارادہ کرنا اُس فعل کا جو حلال نہیں بدون طہارت کے م طحطاوی نے کہا کہ یہ قول یعنی وجوب نماز کو سبب کہنا طہارت کا نماز نفل کی طہارت کو شامل نہیں اس واسطے کہ یہاں وجوب نہیں جو سبب ٹھہرے طہارت کا مگر یہ کہ اُس کو ارادہ ما لایحل کے تحت میں مع ملاحظہ استدراک داخل کیجیے وقیل سببہا الحدث فی الحکمیۃ اور بعضوں نے کہا کہ طہارت کا سبب حدث ہے نجاست حکمیہ میں م نجاست حکمی وہ جو شرع کے حکم سے اس کی نجاست ثابت ہوئی ظاہر میں کوئی نجاست بدن پر محسوس نہیں وہو وصف شرعی یحل فی الاعضاء یزیل الطہارۃ اور وہ یعنی حدث شرعی صفت ہے کہ اعضا میں ساری اور طاری ہو جاتی ہے طہارت کو دور کر دیتی ہے م وصف اور صفت لغت میں مترادف مصدر ہیں لیکن اصطلاح میں صفت عبارت ہے اُس معنی سے جو موصوف میں قائم ہے اور وصف ذکر کرنا ہے موصوف کی صفت کا مگر اطلاق وصف کا صفت پر جائز ہے کذا فی الفتح وما قیل انہ مانعیۃ شرعیۃ قائمۃ بالاعضاء الی غایۃ استعمال المزیل فتعریف بالحکم اور یہ جو کسی نے حدث کی تعریف اس طرح کی ہے کہ حدث مانعیت شرعی ہے یعنی بحکم شرع مانع ہے نماز وغیرہ کو وہ مانعیت قائم ہے اعضا میں تا حد استعمال مزیل یعنی جب تک پانی یا خاک کا استعمال نہ ہو وہ قائم ہے تو یہ تعریف ثمرہ حدث ہے یعنی مانع نماز وغیرہ ہونا حدث کا اثر اور ثمرہ ہے اور حقیقت حدث کی وہی ہے جو مذکور ہو چکی ہے یعنی وصف شرعی مزیل طہارت والخبث فی الحقیقیۃ اور طہارت کا سبب نجاست جسم کی ہے نجاست حقیقی میں وہو عین مستقذرۃ شرعًا اور وہ یعنی خبث جرم ناپاک گھن والی ہے شرع کے حکم سے چنانچہ بول وبراز اور شراب شرع کی قید سے ظاہر منفر طبیعی[1] خارج ہو گیا چنانچہ بلغم اور رینٹ وقیل سببہا القیام الی الصلوۃ اور بعضوں نے کہا کہ طہارت کا سبب قائم ہونا ہے نماز کے واسطے یہ تیسرا قول ہے اقوال مذکورہ سے اور شارح کے بیان میں چوتھا ونسبا الی اہل الظاہر وفساد ہما ظاہر اور وہ دونوں قول یعنی حدث اور خبث کا سبب ہونا اور قیام صلوۃ کا سبب ہونا اہل ظاہر کی طرف نسبت کیا گیا ہے اور دونوں قولوں کا ناکارہ اور بے حقیقت ہونا ظاہر ہے م اہل ظاہر وہ علما ہیں جو قرآن اور حدیث کے ظاہر مطلب پر عمل کرتے ہیں اجتہاد کے منکر ہیں از انجملہ داؤد ظاہری ہے وجہ فساد قول اوّل کی یہ ہے کہ حدث اور خبث طہارت زائل کرتے ہیں پھر کس طرح اُس کے وجود کے خواہاں ہوں گے اس واسطے کہ ایک چیز وجود اور عدم کا سبب نہیں ہو سکتی اس کا جواب یوں دیا ہے کہ حدث اور خبث طہارت سابقہ کے ناقض ہیں اور طہارت لاحقہ کے موجب ہیں تو کچھ منافات نہ رہی اور رد قول ثانی کی وجہ فساد یہ ہے کہ ایک وضو چند نماز دن کے واسطے کافی ہے اور اگر قیام کو سبب طہارت کا قرار دیجیے تو لازم آتا ہے کہ ہر نماز کے واسطے تازہ وضو واجب ہو وقولہ تعالیٰ اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا الآیۃ کا مطلب یہ ہے کہ جب تم ارادہ کرو نماز کا اور با وضو نہ ہو تو وضو کر و ومن شاء مزید التوضیح فلیرجع الی المطولات[2] واعلم ان اثر الخلاف انما یظہر فی نحو التعالیق اور اس کو دریافت کر کہ طہارت کے سبب میں اختلاف کا اثر ظاہر نہیں ہوتا ہے مگر تعلیقات کی مانند میں م تعلیق یہ کہ ایک چیز کا ہونا دوسری چیز پر معلق ہو چنانچہ مثال آیندہ سے معلوم ہو گا نحو ان وجبت علیک طہارۃ فانت طالق چنانچہ اس تعلیق میں کہ زوج نے زوجہ سے کہا اگر تجھ پر طہارت واجب ہو گی تو تجھ پر طلاق ہے م تو ہر قائل کے نزدیک جب سبب طہارت کا متحقق ہو گا تو طلاق واقع ہو گی چنانچہ صاحب بحر کے نزدیک ارادہ نماز سے اور حدث اور خبث سے سرخسی کے نزدیک اور قیام الی الصلوۃ سے ظاہریوں کے نزدیک اور وجوب نماز سے علامہ قاسم کے نزدیک طلاق واقع ہو گی دون الاثم للاجماع علی عدمہ بالتاخیر عن الحدث ذکرہ فی التوشیح اس اختلاف کا ثمرہ گناہ میں ظاہر نہ ہو گا کیونکہ سب کا اتفاق ہے گناہ کے نہ ہونے میں بسبب تاخیر ہونے وضو اور غسل کے حدث سے ایسا ذکر کیا ہے توشیح میں وبہ اندفع ما فی السراج من اثبات الثمرۃ من جہۃ الاثم بل وجوبہا موسع بدخول الوقت کالصلوۃ فاذا ضاق الوقت صار الوجوب فیہما مضیقا اور توشیح کے کلام مذکور سے دفع ہو گیا وہ جو سراج وہاج میں ہے ثمرہ اختلاف کا ثابت

[1] یعنی پاک چیز جس سے طبیعت کو گھن ہو ۱۲۔ [2] جو زیادہ توضیح کا خواہاں ہو وہ بڑی کتابوں کی طرف رجوع کرے ۱۲۔

کرنا گناہ ہیں بلکہ وجوب طہارت وسعت کے ساتھ ہے وقت کے آنے سے جیسے نماز کے ادا کرنے میں وسعت ہے پھر جب کہ وقت تنگ ہوا تو طہارت اور نماز میں وجوب تنگی کے ساتھ ہوگا یعنی جب وقت تنگ ہوگا تو تاخیر طہارت اور نماز کی گنجائش نہ رہے گی وشرائطہا ثلث عشرة علی ما فی الاشباہ اور طہارت کی شرطیں تیرہ[۱۳] ہیں بنا بر اس بیان کے جو اشباہ میں ہے م شرائط جمع ہے شریطہ کی اور شریطہ بمعنی شرط ہے اور شرط وہ ہے جس کے عدم سے عدم مشروط کا لازم آوے اور اس کے وجود سے مشروط کا نہ وجود لازم ہو نہ عدم کذا فی الطحطاوی شرائط وجوبہا تسع ازانجملہ وجوب طہارت کی نو شرطیں ہیں م شرائط وجوب کی اُن کو کہتے ہیں کہ جب وہ شرطیں مجتمع ہوں تو آدمی پر طہارت کرنا واجب اور لازم ہو وشرائط صحتہا اربع اور صحت طہارت کی شرطیں چار ہیں م شرائط صحت اُن کو کہتے ہیں کہ طہارت بدون اُن شرطوں کے صحیح نہ ہو اور یہ لازم نہیں کہ جب وجوب کی شرط موجود نہ ہو تو صحت کی بھی شرط موجود نہ ہو دیکھو لڑکا جب کہ طہارت کرے تو اس کی طہارت صحیح ہو گی حالانکہ طہارت کرنا صغیر پر واجب نہیں ونظمہا شیخ مشائخنا العلامة علیؒ المقدسی شارح نظم الکنز فقال ~~س~~ شرط الوجوب العقل والاسلام ؎ وقدرة ماء والاحتلام ؎ اور ان شرائط کو نظم کیا ہمارے استادوں کے استاد علامہ علی مقدسی کنز منظوم کے شارح نے سو یوں کہا کہ وجوب طہارت کی شرط عقل ہے اور اسلام اور قادر ہونا مطہر کے استعمال پر اور پانی کا ہونا اور احتلام یعنی بالغ ہونا م تو مجنون پر اور کافر پر اور مقطوع الیدین والرجلین پر اور فاقد الطہورین پر یعنی جس کو پانی اور خاک پاک نہ ملے اور صغیر پر طہارت واجب نہیں ~~س~~ وحدث ونفی حیض وعدم ؎ نفاسہا وضیق وقت قد ہجم ؎ اور وجود حدث کا اصغر ہو یا اکبر اور عدم حیض اور عدم نفاس اور تنگی وقت کی جب کہ ہجوم کر آئے یہ نو شرطیں ہیں وجوب طہارت کی م تو متوضی غیر جنب پر اور حیض اور نفاس والی عورت پر اور وقت صلوٰة کے وسعت میں طہارت واجب نہیں ~~س~~ وشرط صحتہ عموم البشرة ؎ بمائہ الطہور ثم فی المرة[۱] فقدہ لنفاسہا وحیضہا وان ؎ یزول کل مانع عن البدن ؎ اور صحت طہارت کی شرط تمام ظاہر جلد پر مطہر پانی کا گذرنا پھر دوسری اور تیسری شرط عورت کے حق میں منقطع ہونا اُس کے نفاس اور حیض کا اور چوتھی شرط صحت کی دور ہونا مانع طہارت کا بدن سے چنانچہ آنکھ کا کیچڑ یا موم بدن پر چپکا ہو م طحطاوی نے کہا کہ عدم حیض ونفاس وجوب طہارت کی بھی شرطیں ہیں اور صحت طہارت کی بھی لیکن جہت مختلف ہے تو وجوب کے خطاب کی وجہ سے اور صحت کے ادائے واجب کی وجہ سے وجعلہا بعضہم اربعة اور بعضے عالموں نے طہارت کی شرطوں کو چار قسم ٹھہرایا ہے شرط وجودہا الحسی ایک قسم طہارت کی وجود محسوس کی شرط ہے یعنی وہ شرط کہ طہارت بدون اُس کے خارج میں محسوس اور مشاہد نہ ہو سو اس میں تین شرطیں ہیں وجود المزیل والمزال عنہ والقدرة علی الازالة ایک تو پایا جانا اُس چیز کا جو نجاست کو زائل کردے چنانچہ پانی مثلاً دوسرے ہونا اس چیز کا جس سے نجاست دور کی جائے چنانچہ بدن اور کپڑا تیسرے قادر ہونا ازالہ پر یعنی مزیل نجاست کو استعمال کرسکنا وشرط وجودہا الشرعی دوسری قسم طہارت کی وجود شرعی کی شرط ہے یعنی وہ شرط کہ طہارت کا وجود شریعت میں معتبر نہ ہو بدون اس کے کذا فی الطحطاوی کون المزیل مشروع الاستعمال فی مثلہ شرط مذکور ہونا ہے مزیل کا مشروع الاستعمال اسی طرح کی مشروع میں چنانچہ طاہر مطہر پانی کا استعمال کرنا وضو اور غسل میں مشروع ہے خلاصہ یہ ہے کہ جس مزیل کو جس مزال عنہ[۲] کے واسطے شریعت میں مقرر کیا ہے اسی سے وہاں طہارت حاصل ہوگی نہ اور چیز سے مثلاً خشک ہونے سے زمین اور عمارت اور درخت پاک ہوگا نہ کپڑا اور بدن اور برتن وشرط وجوبہا التکلیف والحدث تیسری قسم وجوب طہارت کی شرط مکلف ہونا یعنی عاقل بالغ مسلم ہونا اور محدث ہونا م یہ چار شرطیں ہیں عقل بلوغ اسلام حدث وشرط صحتہا صدور المطہر من اہلہ فی محلہ مع فقد مانعہ چوتھی قسم صحت طہارت کی شرط صادر ہونا ہے طاہر کرنے والی چیز کا اہل تطہیر سے اُس کے محل میں مانع تطہیر کے نہ ہونے کے ساتھ م اہل تطہیر سے مراد یہ ہے کہ حائض اور نفسا نہ ہو اور محل طہارت سے مراد عموم[۳] بشرہ ہے اور عدم مانع سے مراد یہ ہے کہ اثنا طہارت میں ناقض نہ ہو کذا فی الطحطاوی ونظمہا فقال ~~س~~ تعلم شروطا للوضوء مہمة ؎ مقسمة فی اربع وثمان ؎ اور بعض مذکورنے شرائط طہارت کو نظم کیا اور کہا اے مخاطب سیکھ لے وضو کی ضروری شرطوں کو جو

---

[۱] مرة دوسرا لغت ہے مرأة میں یعنی عورت کو امرأة وہمزہ سے مرأة ایک ہمزہ سے اور مرة بدون ہمزہ کے کہتے ہیں کذا فی القاموس ۱۲ [۲] جس سے نجاست دور کی جائے ۱۲ [۳] جلد ظاہر کا پورا ہونا ۱۲

مقسوم میں چار اور آٹھ یعنی بارہ شرطیں ہیں ۵ فشرط وجود الحس منہا ثلثۃ: سلامۃ اعضاء وقدرۃ امکان: لمستعمل الماء القراح وہو معلاآن میں سے وجود حسی کی تین شرطیں ہیں ایک تو اعضاء کا سلامت ہونا جس کو سابق نثر میں وجود المزال عنہ کہا تھا اور دوسری شرط قدرت ممکنہ خالص پانی کے استعمال کرنے کے واسطے اور وہ پانی تیسری شرط ہے شرطیں مذکورین کے ساتھ جس کو نثر میں مزیل تعبیر کیا تھا ۵ وشرط وجود الشرع خذہا بامعان اطلاق ماء مع طہارتہ ومع طہوریتہ ایضاً فخذ بیان ؛ اور وجود شرعی کی شرط کو لے غور اور تامل سے سو وہ مطلق پانی ہے اُس کے پاک ہونے کے ساتھ اور اُس کے پاک کر دینے بھی ساتھ سو ظفریاب ہو اس بیان سے م حاصل مطلب یہ ہے وجود شرعی طہارت کی تین شرطیں ہیں ایک تو پانی کا مطلق ہونا دوسرا اُس کا پاک ہونا تیسرے اُس کا مطہر ہونا یعنی پاک کرنے والا ان شرطوں کو نثر میں کون المزیل مشروع الاستعمال فی مثلہ کے ضمن میں تعبیر کیا پانی مطلق وہ ہے جو بدون اضافت کے بولا جائے اُس کے مقابل پانی مقید ہے جو اضافت کے ساتھ بولا جاتا ہے چنانچہ ماء الورد یعنی گلاب کا پانی یا ماء البطیخ یعنی تربوز کا پانی سو پانی مقید سے وضو اور غسل درست نہیں چنانچہ آگے معلوم ہوگا ۵ وشرط وجوب وہو اسلام بالغ: مع الحدث التمییز بالعقل یا عانی: اور وجوب طہارت کی شرط اسلام ہے جوان کا حدث کے ساتھ اور تمیز کرنا عقل سے اے مخاطب فوائد کے قصد کرنے والے م یعنی وجوب طہارت کی چار شرطیں ہیں اسلام ، بلوغ ، عقل ، حدث دریافت کرنا چاہیے کہ بعض نسخے دُرالمختار میں بجائے یا عانی کے یا یمان مکتوب ہے سو ظاہرا صحیح نہیں وزن کے برہم ہونے سے اور طحطاوی اور حلبی درالمختار کے محشیوں نے یا عانی کی تصریح کی ہے اور اُس کی تفسیر یا قاصد الفوائد کی ہے طحطاوی نے کہا تو عانی اسم فاعل ہوا عنی یعنی عنایۃ کا اور حلبی نے اس کو بمعنی الاسیر کہا ہے ۵ وشرط تسعیرالوضو زوال مانع: یبعد ایصال المیاہ من ادران: کشمع رمص ثم تخلل ال: وضو منافی یا عظیم ذوی الشان: پہلی شرط زائل ہونا اس میل کچیل کا کہ پانی کو بدن پر نہ پہنچنے دے چنانچہ موم اور آنکھ کا کیچڑ پھر دوسری شرط یہ ہے

کہ وضو کے اندر کوئی ناقض نہ آوے اے مخاطب بڑوں کے بڑے ۵ وزید علی ہذین ایضاً لتقاطر: مع الغسلات لیس ہذا الذی الثانی: اور ان دونوں شرطوں پر دھونے کے ساتھ پانی کا ٹپکنا بھی زیادہ کیا گیا ہے یہ شرط امام ثانی یعنی ابویوسف کے نزدیک نہیں ہے مگر تقاطر کا قول معتمد ہے م مذہب حنفی کی کتابوں میں امام بولتے ہیں امام اعظم نعمان بن ثابت ابوحنیفہ کو اور ثانی کہتے ہیں قاضی ابویوسف یعقوب کو جو بڑے شاگرد ہیں امام کے اور ثالث کہتے ہیں محمد بن حسن شیبانی کو جو دوسرے درجے کے شاگرد ہیں امام کے اور شیخین بولتے ہیں امام اور ابویوسف کو اور طرفین کہتے ہیں امام اور محمد کو اور صاحبین کہتے ہیں ابویوسف اور محمد کو اس اصطلاح کو یاد رکھنا چاہیے صفتہا فرض للصلوۃ اور صفت طہارت کی یہ ہے کہ وضو فرض ہے نماز کے لیے خواہ نماز فرض ہو خواہ نفل وواجب للطواف اور واجب ہے کعبہ معظمہ کے طواف کے واسطے قیل ومس المصحف للقول بان المطہرین الملائکۃ اور بعضوں نے کہا اور وضو واجب ہے مصحف کے چھونے کے واسطے اس قول کی وجہ سے کہ مطہرین سے ملائکہ مراد ہیں م یعنی اس آیت میں کہ (لا یمسہ الا المطہرون) ہاتھ نہیں لگاتے کتاب کو مگر پاک لوگ دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ مطہرین سے ملائکہ مقربین مراد ہیں اور کتاب سے لوح محفوظ مراد ہے اور دوسرا قول یہ ہے اور اسی قول پر اکثر مفسرین ہیں کہ کتاب سے مراد قرآن ہے جو الفاظ سے مرکب ہے جس پر نقوش دلالت کرتے ہیں اور مطہرین سے مراد پاک آدمی ہیں دو قول ہونے سے ظاہر ہوا کہ آیت کی دلالت قطعی نہیں ہے یعنی ظنی ہے جس سے فرض ثابت نہیں ہوتا واجب ثابت ہوتا ہے تو جو شخص کہتا ہے کہ مس مصحف کے واسطے طہارت فرض ہے تو مراد اس کی یہ ہے کہ فرض عملی ہے کذا فی الطحطاوی بایضاح وسنۃ للنوم اور وضو سنت ہے سو رہنے کے وقت م فتاوی قاضی خاں میں ہے کہ جب سونے کا ارادہ کرے تو وضو کرنا مستحب ہے اور شارح نے اس کو سنت کہا ہے و مندوب فی نیف وثلثین موضعاً ذکرتہا فی الخزائن منہا بعد کذب وغیبۃ وقہقہۃ وشعر واکل جزور وبعد کل خطیئۃ وللخروج من خلاف العلماء اور وضو مستحب ہے تینتیس اور کئی مقام میں جن کو میں نے خزائن میں مذکور کیا ہے از انجملہ بعد کذب اور غیبت اور قہقہہ مار کے ہنسنے اور شعر خوانی اور اونٹ کے گوشت کھانے کے بعد اور ہر گناہ کے بعد

۵۱ تو اس تقدیر پر اسیر کہنے سے تحصیل مراد ہوگا ۱۲۔ ف وضو کچھ اوپر تینتیس مقام میں مستحب ہے ۱۲۔

صغیرہ ہو یا کبیرہ اور عالموں کے اختلاف سے بچنے کے واسطے م وہ شعر خوانی مراد ہے جو حکمتوں اور مدح نبوی سے خالی ہے اور بعضوں کے نزدیک اونٹ کے گوشت کھانے سے وضو کرنا واجب ہے ظاہر حدیث کی دلالت سے اختلاف علما کی مثال چنانچہ مس ذکر اور مس عورت امام شافعی رح کے نزدیک وضو کا ناقض ہے لیکن ہمارے نزدیک ناقض نہیں تو اگر ہاتھ وہاں لگ جائے تو مستحب یہ ہے کہ پھر وضو کرلے تاکہ بالاتفاق نماز ادا ہو کذا فی الطحطاوی صاحب دلائل الاثر نے کہا میں نے خزائن کی طرف رجوع کیا تو فقط وضو کی مداومت اور وضو پر وضو کرنا مذکور ہے لیکن شرنبلالی نے مستحبات مذکورہ کو یوں نقل کیا ہے کہ مستحب ہے سونے کے بعد بیدار ہو کر اور وضو پر مداومت اور وضو پر وضو کرنا جب کہ مجلس بدلے اور میت کے غسل دینے کو اور اُس کے اٹھانے کو اور نماز کے ہر وقت میں وضو کرنا اور جنابت کے غسل سے پہلے وضو کرنا اور کھاتے اور پیتے اور سونے اور جماع کے وقت اور غصہ کرنے کے سبب اور قرآن اور حدیث کے پڑھنے کے واسطے اور حدیث کی روایت اور علم کے درس کے لیے اور اذان اور اقامت اور خطبہ پڑھنے کے واسطے اگرچہ نکاح کا خطبہ ہو اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی زیارت کے واسطے اور وقوف عرفات اور سعی کے واسطے اور کتب شرعیہ کے چھونے کے لیے اُن کی تعظیم کی جہت سے انتہی اور نہر الفائق میں ہے اور عورت کے محاسن دیکھ کر اور مطلق ذکر کے واسطے اور ہر نماز کے واسطے اگرچہ وضو موجود ہو کہ شاید غیبت اور کذب صادر ہوا ہو سو اگر وضو نہ ہو سکے تو تیمم ہی کرلے اور گناہ دور ہونے کی نیت کرے ایسا ہے فتاوی صیرفیہ میں تو یہ شارح کی مذکورات کے ساتھ تیئس[۲] اور کئی مقام ہیں جن میں وضو مستحب ہے انتہی ما فی دلائل الاثر

درکنہا غسل و مسح و زوال نجس اور طہارت کا رکن دھونا ہے اور مسح کرنا اور نجاست کا دور ہوجانا بحر الرائق میں ہے کہ طہارت کے ارکان حدث اصغر میں تین عضو کا دھونا اور چوتھائی سر کا مسح کرنا اور حدث اکبر میں سارے بدن کو دھونا اور نجاست میں سارے بدن کا دھونا اور نجاست حقیقی میں جو نظر آتی ہے تو اُس کے جسم کو دور کرنا اور جو نظر نہ آتی ہو تو اُس کی جگہ کو تین بار دھوتا اور ہر بار نچوڑتا اور اگر اُس کا نچوڑنا ممکن نہ ہو تو ہر بار دھو کر خشک کرنا انتہی سو شارح کے بیان میں یہ سب آگیا اور نچوڑنے اور خشک کرنے کو شارح نے اس واسطے بیان نہ کیا کہ وہ دونوں رکن طہارت کے نہیں ہیں بلکہ طہارت کی شرطیں ہیں کذا فی الطحطاوی وآلتہا

ماء وتراب ونحوہما اور طہارت کا ہتھیار یعنی جس سے طہارت حاصل ہو وہ پانی اور مٹی ہے اور مانند اُن کے چنانچہ زمین کا خشک ہونا اور موزہ رگڑنا چنانچہ آگے اس کا ذکر آوے گا ودلیلہا آیۃ اذا قمتم الی الصلوۃ اور وجوب طہارت کی دلیل اذا قمتم الی الصلوۃ کی آیہ ہے م پوری آیت یوں ہے یا ایہا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوہکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین وان کنتم جنبا فاطہروا وان کنتم مرضیٰ او علی سفر او جاء احد منکم من الغائط او لامستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا فامسحوا بوجوہکم وایدیکم منہ ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطہرکم ولیتم نعمتہ علیکم لعلکم تشکرون یعنی اے ایمان والو جب تم اُٹھو نماز کو تو دھولو اپنے چہرے اور ہاتھ کہنیوں تک اور مل لو اپنے سروں کو اور پاؤں کو ٹخنوں تک اور اگر تم کو جنابت ہو یعنی غسل کی حاجت ہو تو خوب طرح پاک صاف ہو اور اگر تم بیمار ہو یا مسافر یا کوئی شخص تم میں سے آیا ہے جائے ضرور سے یا ہاتھ لگایا تم نے عورتوں کو یعنی اُن سے صحبت کی پھر نہ پاؤ پانی تو قصد کرو زمین پاک کا اور مل لو اپنے چہرے اور ہاتھ وہاں سے اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ مشکل رکھے لیکن چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور اپنا احسان پورا کیا چاہتا ہے تم پر شاید کہ تم احسان مانو تو یہ آیت مقدسہ طہارت ہے صغریٰ اور کبریٰ یعنی وضو اور غسل کو اور طہارت آبی اور خاکی سب کو شامل ہے وہی مدنیۃ اجماعا اور وہ آیت مدنی ہے یعنی مدینہ منورہ میں نازل ہوئی باتفاق مفسرین م یہ آیت سورۂ مائدہ میں ہے اور وہ سورت قرآن میں پیچھے نازل ہوئی ہے سیوطی نے اتقان میں کہا کہ مدنی وہ ہے جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی اگرچہ غیر مدینہ میں اُس کا نزول ہوا ہو اور مکی وہ ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اگرچہ غیر مکہ میں اُس کا نزول ہوا ہو یہی قول صحیح تر ہے کذا فی الطحطاوی واجمع اہل السیر ان الوضوء والغسل فرضا بمکۃ مع فرض الصلوۃ بتعلیم جبرئیل علیہ السلام اور اہل سیر یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور احوال کے بیان کرنے والوں نے اتفاق کیا ہے اس پر کہ وضو اور غسل مکہ معظمہ میں فرض ہوئے نماز کے فرض ہونے کے ساتھ جبرئیل علیہ السلام کی تعلیم سے وانہ علیہ الصلوۃ والسلام لم یصل قط الا بوضوء اور اس پر اتفاق کیا ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے کبھی نماز بدون وضو کے نہیں پڑھی م

یہ جواب ہے اُس سوال کا کہ شاید آنحضرتؐ نے بدون وضو کے نماز پڑھی ہو بوجہ عدم فرضیت وضو بل ہو شریعۃ من قبلنا بدلیل ہذا وضوئی ووضوء الانبیاء من قبلی بلکہ وضو کرنا شریعت ہے ہم سے پہلے لوگوں کی اس حدیث کی دلیل سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے وضو کر کے فرمایا کہ یہ میرا وضو ہے اور اُن پیغمبروں کا جو مجھ سے پہلے تھے وقد تقرر فی الاصول ان شرع من قبلنا شرع لنا اذا قصہ اللہ تعالیٰ ورسولہ من غیر انکار ولم یظہر نسخہ اور البتہ اصول فقہ کے علم میں یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ اگلوں کی شریعت ہماری بھی شریعت ہے یعنی اہل اسلام کو بھی اُس پر عمل کرنا چاہیے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور اُس کے رسولؐ نے حدیث میں اُس کا بیان کر دیا ہو بدون انکار کے یعنی ناپسند نہ کیا ہو اُس کو اور اُس کا منسوخ ہونا ظاہر نہ ہوا ہو شریعت سابقہ کا بیان قرآن میں کقولہ تعالیٰ وکتبنا علیہم ان النفس بالنفس اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان فرمانا احادیث میں چنانچہ صوم عاشورہ بیان کرنا چاہیے کہ یہاں ایک سوال وارد ہوتا ہے تقریر اُس کی یہ ہے کہ جب فرض ہو چکا مکہ معظمہ میں نماز کے ساتھ جبرئیل علیہ السلام کی تعلیم سے اور یہ شریعت سابقہ غیر منسوخہ بھی ہے تو مدت کے بعد مدینہ منورہ میں آیت وضو کے نازل کرنے کا کیا فائدہ ہے اِس کا جواب شارح نے اگلے قول میں دیا ففائدۃ نزول الآیۃ تقریر الحکم الثابت وثانی اختلاف العلماء الذی ہو رحمۃ تو فائدہ نزول آیت وضو کا جو ثابت کر دینا ہے اُس حکم کا جو قبل نزول کے ثابت تھا اور دوسرا فائدہ حاصل ہونا عالموں کے اختلاف کا جو رحمت ہے[1] امت کے واسطے م چونکہ وضو جزو عبادت مستقل نہیں بلکہ تابع نماز ہے تو احتمال تھا کہ امت کے لوگ اُس کی شان کا اہتمام نہ کریں اور اُس کی شرائط اور ارکان کی مراعات میں تساہل کریں طول عہد اور انقراض ناقلین کی وجہ سے برخلاف اُس کے جب کہ اثبات وضو کا اُس نص متواتر سے ہوا جو ہر زمانے میں اور ہر زبان میں باقی ہے تو احتمالات مذکورہ کی گنجائش نہ ہوگی اور علماء کا اختلاف آیت مذکورہ کے عدد فرائض میں سو بعضے عالم کہتے ہیں کہ فرض چار ہیں اور بعضے زیادہ کہتے ہیں اور بعضے لامستم کو جماع پر حمل کرتے ہیں اور بعضے فقط ہاتھ لگانے پر اور جس عضو کے مسح کرنے کا حکم ہے اُس میں اختلاف ہے کہ کل عضو کا مسح مراد ہے یا چوتھائی کا یا اُس سے بھی کم کذا فی الطحطاوی اور اختلاف علما کا رحمت ہونا دیباچہ کتاب میں مذکور ہو چکا کیف وقد اشتملت علی نیف وسبعین حکما مبسوطۃ فی تیمم الضیاء عن فوائد الہدایۃ کیونکر فائدہ نہ ہو آیت طہارت کے نزول میں حالانکہ وہ آیت شامل ہے ستر اور کئی حکموں پر جو ضیا کے باب التیمم میں فوائد ہدایہ سے مشروحاً مذکور ہیں وعلی ثمانیۃ امور کلہا مثنی اور حالانکہ آیت مذکورہ شامل ہے آٹھ چیزوں پر کہ ہر ایک اُن سے دو دو ہیں یعنی ہر واحد میں دو شے ہیں تو سب سولہ ہوتے طہارتین الوضوء والغسل شامل ہے دو طہارت پر کہ وضو اور غسل ہے ومطہرین الماء والصعید اور دو پاک کرنے والیوں پر کہ پانی اور خاک ہے وحکمین الغسل والمسح اور دو حکموں پر کہ دھونا اور مسح کرنا ہے وموجبین الحدث والجنابۃ اور طہارت کے دو موجب پر کہ حدث اور جنابت ہے ومبیحین المرض والسفر اور تیمم کے دو مباح کر دینے والوں پر کہ بیماری ہے اور مسافری ودلیلین التفصیلی فی الوضوء والاجمالی فی الغسل اور دو دلیلوں پر دلیل تفصیلی وضو میں اور دلیل اجمالی غسل میں م وضو میں دھونے اور مسح کرنے کے اعضا میں مفصل بتایا اور غسل میں اسی قدر مجمل فرمایا کہ فاطہروا یعنی طہارت کرو اعضا کی تفصیل نہ فرمائی وکنایتین الغائط والملامسۃ اور دو کنایہ پر کہ غائط اور ملامستہ ہے م کنایہ وہ لفظ ہے کہ معنی مراد پر صریحاً دلالت نہ کرے سو غائط لغت میں پست مکان کو کہتے ہیں یہاں قضاء حاجت بشری مراد ہے اس لیے کہ عرب جب قضاء حاجت کا ارادہ کرتے تو پست مکان کی طرف جاتے اور ملامست لغت میں ہاتھ لگانے کو بولتے ہیں یہاں مراد جماع سے ہے اس لیے کہ جو جماع کا ارادہ کرتا ہے تو وہ بوس وکنار سے شروع کرتا ہے کذا فی الطحطاوی وکرامتین تطہیر الذنوب واتمام النعمۃ ای بموتہ شہیدا لحدیث من داوم علی الوضوء مات شہیدا ذکرہ فی الجوہرۃ اور دو بزرگیوں پر یعنی حق تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو طہارت میں دو طرح کی بزرگی عطا کی ایک تو گناہوں سے پاک کر دینا فی قولہ تعالیٰ لیطہرکم ہ اور نعمت کو پورا کر دینا فی قولہ تعالیٰ لیتم نعمتہ علیکم تمام نعمت ہے اُس کے شہید ہو کر مرنے سے اس حدیث کی دلیل سے کہ جو وضو کرنے پر ہمیشگی کرے گا وہ شہید مرے گا ایسا ذکر کیا جوہرہ نیرہ جو قدوری کی شرح ہے وانما قال امنوا بالغیبۃ دون آمنتم لیعم کل من آمن الی یوم القیمۃ قالہ فی الضیاء وکانہ مبنی علی ان فی الآیۃ التفاتا والتحقیق خلافہ اور نہیں فرمایا آمنوا غائب

[1] اور ہم نے لکھ دیا آیت پر کہ نفس عوض ہے نفس کا ۱۲

کے صیغہ سے نہ آمنتم مخاطب کے صیغہ سے مگر اس واسطے کہ خطاب شامل رہے ہر ایک اُس شخص کو جو ایمان لاتا جائے قیامت تک یوں کہا ہے ضیا میں اور شاید کہ یہ قول اس پر مبنی ہے کہ آیت وضو میں التفات ہے حاضر سے غائب کی طرف اور قول محقق اس کے مخالف ہے م التفات اُس کو کہتے ہیں کہ غائب بولنے کے مقام پر حاضر بولا جائے اور حاضر کے موقع پر غائب سو بعضے عالم یاایہا الذین آمنوا کو التفات کے قبیل سے سمجھتے ہیں اس واسطے کہ آمنوا غائب کا صیغہ ہے اور آمنتم حاضر کا صیغہ ہے اور حق منادی کا مخاطب ہونے کی وجہ سے یہ ہے کہ اس کی تعبیر حاضر کی ضمیر سے ہو اور قول صحیح یہ ہے کہ یہاں التفات نہیں ہے اس لیے کہ آمنوا صلہ ہے الذین کا اور موصولات بمنزلہ غائب کے ہیں اور جو ضمیر کہ صلہ سے راجع ہوتی ہے موصول کی طرف وہ نہیں ہوتی ہے مگر غائب کذا فی العینی شرح الہدایہ خلاصہ یہ ہے کہ صنعت التفات اُس وقت ہوتی کہ حاضر کے محل میں غائب کا صیغہ ہوتا سو یہاں غائب کا صیغہ اپنے محل میں ہے واتی فی الوضوء باذا التحقیقیۃ وفی الجنابۃ بان التشکیکیۃ للاشارۃ الی ان الصلوۃ من الامور اللازمۃ والجنابۃ من الامور العارضۃ اور حق تعالیٰ نے وضو کے بیان میں اذا کا لفظ لایا جو محقق اور ثابت ہونے پر دلالت کرتا ہے اور جنابت میں ان کا لفظ لایا جو مشکوک اور متردد ہونے پر دلالت کرتا ہے تاکہ اس کی طرف اشارہ ہو کہ قیام الی الصلوۃ امور لازمہ سے ہے اور جنابت امور عارضہ سے م اِذَا اور اِنْ شرط جزا پر آتے ہیں تو اگر وقوع شرط کا یقین ہو یا امید قوی ہو تو وہاں اذا کا لفظ بولتے ہیں اور اگر وقوع شرط کا یقین نہ ہو یعنی تردد ہو ہونے اور نہ ہونے میں تو وہاں اِنْ کا لفظ بولتے ہیں جب یہ معلوم ہوا تو دریافت کرنا چاہیے کہ وضو میں حق تعالیٰ نے اذا قمتم الی الصلوۃ فرمایا اس واسطے کہ نماز کے واسطے اٹھنا امور لازمہ سے ہے اور بنظر دیانت مسلم غالب الوجود ہے کہ رات دن میں پانچ بار نماز فرض ہے اس واسطے کہ اذا کا لفظ جو امر ثابت پر دلالت کرتا ہے مذکور کیا اور جنابت میں اِنْ کنتم جنباً فرمایا کہ وہ بہ نسبت نماز کے قلیل الوجود ہے اور امور عارضہ متردد سے ہے کہ ہو یا نہ ہو اس وجہ سے کہ اِنْ کا لفظ جو شک اور تردد پر دلالت کرتا ہے ارشاد کیا کذا فی العینی وصرح بذکر الحدث فی الغسل والتیمم دون الوضوء لیعلم ان الوضوء سنۃ وفرض والحدث شرط للثانی لا للاول فیکون الغسل علی الغسل والتیمم علی التیمم عبثا والوضوء علی الوضوء نور علی نور اور حق تعالیٰ نے حدث کو صریحاً ذکر کیا غسل اور تیمم میں نہ وضو میں تا معلوم ہو کہ البتہ وضو سنت ہے بدون حدث کے اور فرض ہے حدث کے ساتھ اور حدث ثانی کی شرط ہے نہ اول کی یعنی فرض وضو کی شرط ہے نہ سنت وضو کی تو ایک غسل پر دوسرا غسل کرنا اور ایک تیمم پر دوسرا تیمم کرنا عبث اور بے فائدہ ہوگا ایک وضو پر دوسرا وضو کرنا نورٌ علی نور ہے م طحطاوی نے کہا شارح کے کلام سے نکلتا ہے کہ تیمم اور غسل نہیں ہوتے ہیں مگر فرض اس میں خلل یہ ہے کہ غسل چند مواضع میں مستحب ہوتا ہے اور چند مواضع میں سنت اور اسی طرح تیمم کہ وضو کے قائم مقام ہوتا ہے یعنی عدم فرضیت میں چنانچہ سونے کے وقت اور مسجد میں جانے کے واسطے تو غسل اور تیمم کا فقط فرض ہونا ثابت نہ ہوا ارکان الوضوء اربعۃ وضو کے رکن چار ہیں م لغت میں رکن کہتے ہیں ہر چیز کی جانب قوی کو اور وضوء ماخوذ ہے وضاءت سے جو بمعنی لطافت اور حسن کے ہے اور وضو بالضم مصدر ہے اور بالفتح وہ پانی ہے جس سے وضو کرتے ہیں اور اصطلاح شرع میں وضو عبارت ہے اعضاء ثلثہ کے دھونے اور سر کے مسح کرنے سے عبّر بالارکان لانہ افید مصنف نے ارکان کہا فرض نہ کہا اور مصنفوں کے مانند اس واسطے کہ رکن کہنا مفید تر ہے م اس لیے کہ رکن اخص ہے فرض سے اور تاکہ معلوم ہو کہ جن کتابوں میں فرض الوضوء مذکور ہے وہاں فروض سے ارکان مراد ہیں کذا فی شرح المصنف رکن فرض ہے اس لیے خاص ہوا کہ رکن اُس فرض کو کہتے ہیں جو ماہیت یعنی شے کی حقیقت میں داخل ہو برخلاف فرض کے کہ داخل اور خارج ماہیت کو یعنی رکن اور شرط دونوں کو فرض بولتے ہیں مع سلامتہ عما یقال ان ارید بالفرض القطعی یرد تقدیر المسوح بالربع وان ارید العملی یرد المغسول اور باوجود سلامت رہنے اُس تعبیر کے اُس اعتراض سے جس کا بیان دوں ہے کہ جن کتابوں میں تعبیر بفرض وضو ہے اگر فرض سے فرض قطعی مراد ہے تو اعتراض وارد ہوتا ہے چوتھائی مقدار معین کرنے کا عضو ممسوح[1] میں کیونکہ یہ قطعی نہیں ولہذا اس میں اختلاف ہے اہل اجتہاد کا اور اگر فرض سے فرض عملی مراد ہے تو عضو مغسول کا

[1] مسح کیا ہوا ۱۲۔

اعتراض وارد ہوتا ہے اس واسطے کہ اعضا مغسولہ کا دھونا قطعی ہے نہ عملی وان اجیب عنہ بما لخصناہ فی شرح الملتقی اگرچہ اس اعتراض کا وہ جواب دیا گیا ہے جس کو ہم نے خلاصہ کر کے ملتقی البحر کی شرح میں ذکر کیا ہے م منجملہ اجوبہ شرح الملتقی کے ایک یہ جواب ہے کہ قطعی فرض مراد ہے اور اعتراض مسوح کا یہ جواب ہے کہ اصل مسح فرض قطعی ہے کہ قرآن مجید سے ثابت ہے اگرچہ اس کی مقدار میں اختلاف ہے کذا فی الطحطاوی ثم الرکن مایکون فرضًا داخل الماہیۃ واما الشرط فایکون خارجہا فالفرض اعم منہما پھر اس کو معلوم کرنا چاہیے کہ رکن وہ فرض ہے جو ماہیت میں داخل ہو اور شرط تو وہ فرض ہے جو ماہیت و حقیقت سے خارج ہو تو فرض رکن اور شرط دونوں سے عام ہے یعنی دونوں کو شامل ہے م لفظ ثم کا بیان ترتیب اخباری میں مستعمل ہے اور فرض لغت میں بیس[1] اور کئی معنی کے واسطے آتا ہے کذا فی الطحطاوی عن نہایۃ النہایۃ اور منجملہ معانی فرض کے قطع اور تقدیر اور تفصیل اور تحدید اور تحریر ہے وہو ما قطع بلزومہ حتی یکفر جاحدہ کاصل مسح الراس اور فرض قطعی وہ عمل ہے جس کا لازم ہونا قطعی اور یقینی ہو اس درجہ تک کہ اُس کا منکر کافر ہو جاتا ہے یا اُسکا منسوب بہ کفر ہو جاتا ہے چنانچہ نفس مسح سر بلا تعیین مقدار م فرض قطعی کو فرض اعتقادی بھی کہتے ہیں اس واسطے کہ عمل کے ساتھ اُس کا اعتقاد بھی فرض ہے علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں کہا کہ فرض اصطلاح شرع میں وہ ہے جو ایسی دلیل قطعی سے ثابت ہو جس میں کچھ شبہ نہیں چنانچہ قرآن مجید اور حدیث متواتر بشرطیکہ قرآن اور حدیث میں خصوص لاحق نہ ہو گیا ہو اور چنانچہ اجماع بشرطیکہ بطریق آحاد منقول نہ ہو اور چنانچہ قیاس منصوص علیہ انتہی اور نہر الفائق میں ہے کہ دلائل سمعی چار قسم پر ہیں ایک تو وہ ہے جس کا ثبوت بھی قطعی اور دلالت مراد بھی اُس کی قطعی چنانچہ نصوص متواترہ دوسری یہ کہ ثبوت تو اُس کا قطعی ہے مگر دلالت مراد ظنی ہے چنانچہ آیات ماوّلہ یعنی جن میں تاویل کو دخل ہے تیسری وہ ہے کہ جس کا ثبوت ظنی ہے اور اُس کی دلالت قطعی چنانچہ وہ اخبار آحاد جن کا مفہوم قطعی ہے چوتھی وہ ہے جس کا ثبوت اور دلالت دونوں ظنی ہیں تو فقیہوں نے اوّل قسم سے فرض ثابت کیا ہے اور قسم ثانی اور ثالث سے واجب کو قسم رابع سے سنت اور استحباب کو ثابت کیا ہے اور واجب سے اُس کا ارادہ کیا جو فرض عملی کو بھی شامل ہے اسی وجہ سے بعضے متاخرین نے کہا کہ فرض عملی واجب کی دونوں قسموں سے قوی تر ہے اور فرض کی دو قسموں سے ضعیف تر ہے انتہی وقد یطلق علی العملی وہو ما تفوت الصحۃ بفواتہ کالمقدار الاجتہادی فی المفروض فلا یکفر جاحدہ اور کبھی فرض بولتے ہیں فرض عملی کو اور فرض عملی وہ ہے کہ جس کے فوت ہو جانے سے عمل کی صحت فوت ہو جائے چنانچہ فرضوں کی وہ مقدار جو اجتہاد سے ثابت ہے تو فرض عملی کا منکر کافر نہ ہوگا یا اس کو منسوب بکفر نہ کریں گے م شارح نے لپنے بیان سے ارشاد کیا کہ فرض کا اطلاق فرض قطعی پر حقیقی ہے اور فرض عملی پر مجازی اس واسطے کہ عند الاطلاق وہی متبادر ہے اور تبادر معنی حقیقی کا علاقہ ہے فرض عملی اس واسطے کہا کہ عمل کرنا اُس پر فرض ہے اعتقاد فرض نہیں اس لیے کہ آدمی کا اعتقاد کرنا چہارم سر کے مسح کے افتراض کا فرض نہیں اور فرض کی مقدار اجتہادی چنانچہ مسح چہارم سر کا اور دھونے میں داخل ہونا کہنیوں اور ٹخنوں کا کذا فی الطحطاوی غسل الوجہ ای اسالۃ الماء مع التقاطر ولو قطرۃ وفی الفیض اقلہ قطرتان فی الاصح پہلا فرض وضو کا چہرہ کا دھونا ہے یعنی پانی کا بہانا ٹپکنے کے ساتھ اگرچہ ایک ہی قطرہ ٹپکے اور فیض میں ہے ٹپکنے کا کمتر رتبہ یہ ہے کہ دو بوندیں ٹپکیں صحیح تر قول میں م غسل بفتح غین لغت میں میل کے دور کرنے کو کہتے ہیں جس چیز سے ہو اُس پر پانی بہا کر اور غسل بضم غین تمام بدن کے دھونے کو بولتے ہیں اور اُس پانی کو بھی کہتے ہیں جس سے نہاتے ہیں اور غسل بکسر غین خطمی وغیرہ کو کہتے ہیں جس سے سر دھویا جاتا ہے جب پانی بہانا دھونے کی حقیقت میں داخل ہوا تو اگر پانی نہ بہا اس طرح کہ تیل کے مانند چپڑ لیا تو ظاہر الروایۃ میں جائز نہ ہوگا اور اگر برف سے وضو کیا اور تقاطر نہ ہوا تو جائز نہیں اور فیض کا مصنف شیخ برہان الدین کرکی ہے کذا فی الطحطاوی مرۃ لان الامر لایقتضی التکرار ایک بار دھونا فرض ہے اس واسطے کہ فاغسلوا کا امر مکرر کرنے کا مقتضی نہیں م یعنی امتثال امر ایک بار کرنے سے ادا ہو گیا بار بار کرنا ضرور نہیں ولہذا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گاہے ایک بار اعضاء وضو کو دھویا ہے اور گاہے دو دو بار اور گاہے تین تین بار چنانچہ کتب احادیث میں مذکور ہے اور یہ نہایت رتبہ ہے تطہیر کا تین بار سے زیادہ کرنا اسراف ہے وہو مشتق من المواجہۃ واشتقاق الثلاثی من المزید اذا کان انسب بالمعنی شائع کاشتقاق الرعدمن الارتعاد

[1] یہ معنی اس صورت میں ہیں کہ لفظ یکفر کو تشدید پڑھیں باب تفعیل سے ۱۲ [2] جس پر نص ہو ۱۲

الیم من التیمم اور وہ یعنی وجہ کا لفظ مشتق یعنی نکلا ہے مواجہہ سے اور اشتقاق ثلاثی مجرد کا ثلاثی مزید سے جب کہ مزید مشہور تر ہو مجرد سے رائج اور مشہور ہے جیسے اشتقاق رعد کا ارتعاد سے اور یم کا تیمم سے ؎ ارتعاد بمعنی اضطراب مشہور ہے اس واسطے کہا کہ رعد ارتعاد سے نکلا ہے کیونکہ رعد بھی ابر میں مضطرب رہتا ہے اور تیمم بمعنی قصد کے مشہور ہے لہذا یم بمعنی دریا کہا کہ تیمم سے مشتق ہے اس واسطے کہ دریا مقصود خلائق ہے کذا فی الحلبی علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں کہا اگر کوئی کہے کہ وجہ ثلاثی مجرد ہے اور مواجہۃ ثلاثی مزید ہے اور مجرد مزید سے مشتق نہیں ہوتا تو اُس کا جواب یہ ہے کہ یہ اشتقاق صغیر کی شرط ہے اور اشتقاق کبیر کی اور اشتقاق اکبر[1] کی یہ شرط نہیں بلکہ فقط تناسب ہونا لفظ اور معنی میں کافی ہے برخلاف اشتقاق صغیر کے کہ وہاں تناسب حروف اور ترتیب کا اور مناسبت لفظی اور معنوی مع تغیر وصفی شرط ہے اور اشتقاق کبیر میں ثلاثی مجرد کا مشتق ہونا مزید سے جائز ہے جیسے جن بمعنی دیو کا اشتقاق اجتنان بمعنی استتار سے اس واسطے کہ اہل لغت کی غرض اس اشتقاق سے اس لفظ کے معنی کی حقیقت کا بیان کرنا ہے تو جائز ہے کہ مزید اشہر ہو کثرت استعمال سے اور اشتقاق اکبر میں مخرج حروف کی مناسبت کا ہونا کافی ہے چنانچہ نعق کو کہتے ہیں کہ نہق سے مشتق ہے انتہیٰ ملخصاً **من مبدأ سطح جبهته اي المتوضي بقرينة المقام الى اسفل ذقنه اي منبت اسنانه السفلي طولاً** کان شعر اولا چہرے کا دھونا فرض ہے پیشانی متوضی کی سطح کے سرے سے اُس کی ٹھوڑی تک یعنی جہاں نیچے کے دانت جمتے ہیں یہ حد ہے باعتبار طول چہرہ کے خواہ پیشانی پر بال ہوں یا نہ ہوں وہاں کا دھونا فرض ہے شارح نے ضمیر پیشانی کا مرجع متوضی کو قرار دیا مقام وضو کے قرینہ سے عدل عن قولہم من قصاص شعرہ الجاری علی الغالب الی المطرد لیعم الاغم والاصلع والانزع مصنف نے اور مصنفوں کے من قصاص شعرہ کے قول سے جو جاری تھا بنا بر غالب حال کے عدول کیا اُس قول مذکور کی طرف جو شامل ہے سب آدمیوں کو تا کہ اغم اور اصلع اور انزع کو بھی شامل رہے ؎ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہدایہ اور کنز وغیرہما میں وجہ کی حد میں من قصاص شعرہ کا لفظ واقع ہے یعنی سر کے بال جمنے تک نہایت سے اسفل ذقن تک چہرہ کی طولانی حد ہے سو اُس پر اغم اور اصلع اور انزع کا اعتراض وارد ہوتا ہے اغم وہ ہے جس کے بال سر سے اُتر کے پیشانی پر جمے ہوں اور اصلع وہ ہے جس کے مقدم سر پر بال نہ ہوں اور انزع وہ ہے جس کی پیشانی کے دونوں جانبین بال سے خالی ہوں تو ہدایہ وغیرہ کی حد سے موافق لازم آتا ہے اصلع اور انزع کو سر کا دھونا اور اغم کی پیشانی کا دھونے سے ساقط ہونا لہذا مصنف نے اس قول کو چھوڑا اور ابتداء سطح پیشانی کو اختیار کیا تا کہ اغم اور اصلع اور انزع کو یہ حد شامل رہے یعنی اغم پر پیشانی کے بال دھونا فرض ہوگا اور اصلع اور انزع کو پیشانی کے اوپر لازم نہ آوے گا **وما بين شحمتي الاذنين عرضاً** اور دونوں کانوں کے دونوں لو کے مابین میں بنا بر عرض کے یعنی اس نرمہ گوش سے اُس نرمہ گوش تک عرض میں چہرہ کی حد ہے **وحينئذ فيجب غسل المياقي وما يظهر من الشفة عند انضمامها** اور جب کہ چہرہ کی طول اور عرض کی حد معلوم ہوئی تو واجب ہوگا یعنی فرض ہوگا کویوں کا دھونا اور اُس قدر لب کا کہ جتنا کھلا رہتا ہے منہ بند ہونے کے وقت ؎ اکثر نسخوں میں میاقی مذکور ہے جو جمع ہے ماق اور موق کی بمعنی گوشہ چشم جس کو ہندی میں کویا کہتے ہیں اور یہی نسخہ مناسب مقام ہے اور بعضے نسخہ میں ملاقی کا لفظ ہے اور حلبی اور طحطاوی محشیوں نے ملاقی کا لفظ لیا ہے اور اُس سے ڈاڑھی مراد لی جو ملاقی وجہ ہے میں کہتا ہوں میاقی کا نسخہ ملاقی سے اولیٰ ہے اس واسطے کہ ڈاڑھی تو بالاستقلال آگے متن میں مذکور ہوگی واللہ اعلم **وما بين العذار والاذن لدخوله في الحد وبه يفتي** اور واجب ہے دھونا اُس سفیدی کا جو ڈاڑھی اور کان کے بیچ میں ہے بسبب داخل ہونے اس جگہ کے چہرہ کی حد مذکور میں اور یہی قول مفتی بہ ہے ؎ عذار عبارت ہے ڈاڑھی کے خط سے یعنی اُس کا کنارہ قاموس میں تصریح ہے کہ عذار نام ہے ڈاڑھی کے دونوں جانبوں کا مترجم نے سہولیت فہم کے واسطے حاصل مطلب کا ترجمہ کیا امام اور محمد کا یہی مذہب ہے کہ اُس جگہ کا دھونا وضو میں فرض ہے اور ابو یوسفؒ کے نزدیک ڈاڑھی والے کو اُس کا دھونا فرض نہیں لیکن عورت اور امرد اور کوسے کو اُس کا دھونا بالاتفاق فرض ہے کذا فی الطحطاوی **لا غسل باطن العينين والانف والفم واصول**

---

[1] مترجم اول نے تینوں اشتقاق کی تصریح ذکر نہیں کی اس لیے میں اس کو لکھتا ہوں کہ اشتقاق صغیر اس کو کہتے ہیں کہ مشتق اور مشتق منہ میں حروف اور ترتیب میں مناسبت باقی رہے جیسے مصدر سے مشتقات نکلتے ہیں اور اشتقاق کبیر یہ ہے کہ دونوں میں لفظ و معنی کی مناسبت ہو مگر ترتیب نہ ہو جیسے جبذ مشتق ہے جذب سے اور اشتقاق اکبر یہ ہے کہ معنی میں مناسبت ہو اور لفظوں کے مخارج ایک سے ہوں جیسے نعق و نہق ۱۲ ؎ یعنی صفحہ کا چھا جانا ۱۲ ؎ جس کی داڑھی نہ ہو ۱۲

شعر الحاجبین واللحیۃ والشارب ونیم ذباب للحرج اور فرض نہیں آنکھوں اور ناک اور منہ کے اندر کا دھونا اور بھووں اور داڑھی اور مونچھ کے بالوں کی جڑوں کا اور مکھی کے گوہ کا دھونا فرض نہیں حرج اور مشقت کے سبب سے م بالوں کی جڑوں کا دھونا اس وقت فرض نہیں جب کہ بال نہایت گھنے ہوں کہ جلد نظر نہ آوے اور اگر جلد نظر آوے گی تو جڑوں کا بھی دھونا فرض ہوگا چنانچہ برہان سے مذکور ہوگا و غسل الیدین اسقط لفظ فرادی لعدم تقیید الفرض بالانفراد والرجلین الیادیتین السلیمتین فان المجروحتین والمستورتین بالخف وظیفتہما المسح اور دوسرا فرض وضو کا دھونا ہے اُن ہاتھوں کا اور تیسرا فرض وضو کا دھونا ہے اُن دونوں پاؤں کا جو ظاہر ہیں صحیح سالم ہیں اس واسطے کہ زخمی پاؤں اور جو موزے کے اندر چھپے ہیں تو ان کے واسطے مسح کرنا معین اور مقرر ہے مصنف نے ہاتھ پاؤں میں فرادی کا لفظ ساقط کیا اس واسطے کہ فرض ہونے میں جدا جدا کر دھونے کی قید نہیں ہے یعنی اگر دونوں ہاتھوں یا دونوں پاؤں کو پانی کے اندر ساتھ ہی ڈالے گا تو فرضیت ادا ہوگی یہ تعریض ہے صاحب درر کی طرف اُس نے کہا ہے غسل الیدین فرادی یعنی اُس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے علیحدہ ہونا چاہیے کذا فی الطحطاوی مرۃ لما مر ہاتھ پاؤں کا ایک بار دھونا فرض ہے بدلیل گذشتہ یعنی امر مقتضی تکرار کا نہیں مع المرفقین والکعبین علی المذہب ہاتھوں کا دھونا فرض ہے دونوں کہنیوں کے ساتھ اور پاؤں دونوں ٹخنوں کے ساتھ بنا بر ظاہر مذہب کے مما ذکر وامن ان الثابت بعبارۃ النص غسل ید ورجل والاخری بدلالتہ ومن البحث فی الی و فی القرائتین فی ارجلکم قال فی البحر الاطائل تحتہ بعد انعقاد الاجماع علی ذلک اور یہ جو فقہ کی کتابوں میں عالموں نے ذکر کیا ہے کہ قرآن کی عبارۃ النص سے ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کا دھونا ثابت ہے اور دوسرے ہاتھ اور پاؤں کا دھونا دلالۃ النص سے ثابت ہے اور وہ بحث کہ لفظ الیٰ میں اور ارجلکم کے دونوں قرائتوں میں مذکور ہے بحر الرائق میں کہا کہ اس ذکر میں کچھ فائدہ نہیں بعد منعقد ہو جانے اجماع کے دونوں ہاتھوں کے دھونے پر کہنیوں سمیت اور دونوں پاؤں کے دھونے پر ٹخنوں سمیت م عبارۃ النص اُس مفہوم صریح کو کہتے ہیں جس کے واسطے کلام صادر ہوا اور دلالۃ النص اُس کو بولتے ہیں جو نص سے مفہوم ہوتا ہے بطریق مساوات کے ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کا دھونا بطریق عبارۃ النص کے اس وجہ سے ثابت ہے کہ مقابلہ صیغہ جمع کا دوسری جمع سے قسمت علی الآحاد کا مقتضی ہے یعنی مقابلہ یہ چاہتا کہ ایک ایک فرد کو ایک ایک پہنچے اور لفظ الیٰ میں یہ بحث ہے کہ غایت مغیا میں یعنی مابعد الیٰ کا اُس کے ماقبل کے حکم میں داخل ہے یا نہیں یا دونوں برابر ہیں اور ترجیح قرائن سے ہوتی ہے وغیر ذلک اور ارجلکم میں دو قرائتیں ہیں یعنی لام کا زیر اور زبر بلاشبہہ متواتر ہیں اور جمع بین القرائتین یا تو تخیر بین الغسل والمسح کا مقتضی ہے چنانچہ بعض کا مذہب ہے یا زبر کی قرأت یعنی دھونا اُس حالت پر محمول ہے جب کہ پاؤں میں موزہ نہ ہو اور زیر کی قرأت یعنی مسح کرنا موزہ پوشی پر محمول ہے چنانچہ بعض اہل سنت کا مذہب ہے اور تحقیق اس میں یہ ہے کہ زیر کی قرأت کا ظاہر بالاجماع متروک ہے کیونکہ جو مسح کرنے کا قائل ہے وہ دونوں ٹخنوں کو مسح کی غایت قرار نہیں دیتا صاحب بحر نے کہا کہ یہ سب گفتگو اجماع کے مقابلے میں ساقط الاعتبار ہے اگر کوئی کہے کہ یہ احکام وضو کے تو زمانہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ثابت تھے اور حضرتؐ کے ہوتے اجماع کا کیا اعتبار ہے اُس کا جواب یہ ہے کہ حضرتؐ کا فعل اُن لوگوں کو یقین کا موجب تھا جنھوں نے حضرتؐ کو دیکھا اور ہم کو تو ثابت نہیں ہو سکتا علی وجہ الیقین بدون متواتر ہونے کے اور جب کہ تواتر پایا گیا تو اب ہمارے حق میں اجماع معتبر ہوگا یا دلالۃ النص کذا فی الطحطاوی مختصراً ومسح ربع الراس مرۃ فوق الاذنین ولو باصابۃ مطر او بلل باق بعد غسل علی المشہور لا بعد مسح الا ان یتقاطر اور چوتھا فرض وضو کا چوتھائی سر کا مسح کرنا ہے دونوں کانوں کے اوپر اگرچہ حمام سر تر ہو گیا ہو بارش کے پانی لگ جانے سے یا اُس تراوت سے جو ہاتھ میں باقی رہے کسی عضو کے دھونے کے بعد بنا بر قول مشہور کے نہ اُس تراوت سے جو مسح کرنے کے بعد باقی رہے مگر یہ کہ پانی ٹپکتا ہو یعنی اگر ایک مسح کر چکنے کے بعد اتنی تراوت بکثرت ہے کہ تقاطر ہنوز موجود ہے تو اب دوسرے عضو کا بھی مسح کرنا جائز ہے م مسح لغت میں ہاتھ پھیرنا ہے کسی چیز پر اور عرف شرع میں عضو کا تر ہونا پانی سے خواہ تر ہاتھ پھیر لے سے یا بارش کے پانی سے اور فرض مسح کی تعداد میں

سلہ یعنی ایدیکم اور ارجلکم میں ایدی اور ارجل صیغہ جمع مضاف ہیں کم ضمیر جمع کی طرف تو ہر شخص کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں مراد ہوگا ۱۲ سلہ یعنی وضو کنندہ کو اختیار ہے کہ پاؤں کو دھووے یا مسح کرے ۱۲۔

تین روایتیں ہیں ایک یہ کہ چوتھائی سر کا مسح فرض ہے اور یہی روایت مشہور ہے یعنی ولہذا فقہ کے متون معتبرہ میں یہی روایت ماخوذ ہے دوسری روایت ہے مقدار ناصیہ کی جو قدوری کی مختار ہے اور ہدایہ میں مقدار ناصیہ کو چہارم سر کہا ہے اور تحقیق یہ ہے کہ ناصیہ کم ہے چہارم سے تیسری روایت میں انگلیوں کی مقدار ہے بدائع میں کہا کہ یہ اصول کی روایت ہے ظہیریہ میں کہا اسی پر فتوی ہے لیکن خلاصہ میں ہے کہ یہ محمدؒ سے روایت ہے لہذا متاخرین نے کہا کہ محمدؒ سے ظاہر الروایۃ ہے امام رحؒ سے ظاہر الروایۃ نہیں کذا فی النہر الفائق مختصراً ولو مدّ اصبعا او اصبعین لم یجز الا ان یکون مع الکف او بالابہام والسبابۃ مع ما بینہما اور اگر ایک یا دو انگلیوں کو سر پر کھینچا تو مسح جائز نہ ہوگا مگر یہ کہ انگلیوں کے ساتھ ہتھیلی بھی لگائے تو مسح درست ہوگا یا کھینچا انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کو اُن کے مابین کے ساتھ تو بھی مسح درست ہوگا م طحطاوی نے کہا شاید کہ یہ قول ثلث اصابع کی روایت پر متفرع ہے والا اس قدر سے چہارم سر ثابت نہیں ہوتا مگر یہ کہ مدّ اور وضع میں تفرقہ کیا جائے یعنی کھینچنے سے چہارم سر ہو سکتا ہے نہ رکھ دینے سے او بمیاہ یا چند بار جدید پانیوں سے مسح کرے تو درست ہے م یہ مسئلہ دونوں روایتوں پر متفرع ہو سکتا ہے یعنی اگر ایک انگلی سے تین بار نیا پانی لے کر مسح کیا محل کو بدل کر تو ثلث اصابع پر متفرع ہے اور اگر زیادہ کیا بقدر چہارم سر کے تو ربع کی روایت پر متفرع ہے ولو ادخل راسہ الانا او خفہ او جبیرتہ وہو محدث اجزاہ ولم یصر الماء مستعملاً وان نوی اتفاقاً علی الصحیح کما فی البحر عن البدائع اور اگر سر کو پانی بھرے برتن میں داخل کیا یا اپنے دونوں موزوں کو یا مسح کی پٹی کو حالانکہ اُس کو وضو نہیں ہے تو اس طرح کا مسح کفایت کرتا ہے اور اس فعل سے برتن کا پانی مستعمل نہ ہو جائے گا بالاتفاق اگرچہ اُس نے نیت مسح کرنے کی کی ہو قول صحیح پر چنانچہ بحر الرائق میں بدائع سے منقول ہے م یعنی محمدؒ کے نزدیک اگرچہ نیت سے پانی مستعمل ہو جاتا ہے مگر یہ پانی مستعمل نہ ہوا اس لیے کہ مستعمل ہونے میں پانی کا بہنا شرط ہے نہ پانی کا لگ جانا سو یہاں پانی کا لگ جانا صادق آیا نہ بہنا کذا فی الطحطاوی عن البحر وغسل جمیع اللحیۃ فرضٌ یعنی عملیاً ایضاً علی المذہب الصحیح المفتی بہ المرجوع الیہ وما عدا ہذہ الروایۃ مرجوعٌ عنہ کما فی البدائع اور تمام ڈاڑھی کا یعنی بقدر محاذات ذقن دھونا بھی فرض ہے بنا بر اُس مذہب کے جس کو محقق عالموں نے صحیح کہا ہے اور جس کا فتوی دیا ہے اور اسی قول پر امام اعظمؒ نے آخر کار رجوع کیا ہے اور اس روایت کے سوا اور روایتیں سب متروک ہیں چنانچہ بدائع میں مذکور ہے شارح نے کہا یہاں فرض سے مراد فرض عملی ہے نہ فرض اعتقادی م ماتن نے اپنی شرح میں کہا چونکہ دھونا ڈاڑھی کا مذہب صحیح معتمد تھا لہذا میں نے اسی پر اعتماد کیا اس مختصر متن میں اور تعجب ہے اصحاب متون سے مذہب مرجوع عنہ کے ذکر کرنے میں اور مذہب مرجوع الیہ صحیح مفتی بہ کے چھوڑ دینے میں باوجودیکہ ڈاڑھی کا دھونا داخل ہے وجہ کی اس حد میں جو انھوں نے اپنی کتابوں میں بیان کی ہے انتہی طحطاوی نے کہا کہ ڈاڑھی میں روایات متروکہ غیر معتمدہ چھ ہیں ایک روایت تمام ڈاڑھی کا مسح ۲۔ چوتھائی کا مسح ۳۔ تہائی کا مسح ۴۔ چوتھائی کا دھونا ۵۔ تہائی کا دھونا ۶۔ نہ دھونا نہ مسح کرنا انتہی نہر الفائق میں کہا منجملہ روایات غیر صحیحہ ایک روایت یہ ہے کہ جس قدر ڈاڑھی ملاقی بشرہ ہے یعنی جتنی کھال سے ملی ہے اُس کا مسح فرض ہے قاضی خاں نے اسی کو ترجیح دی ہے جامع صغیر کی شرح میں ثم لاخلاف ان المسترسل لایجب غسلہ ولا مسحہ بل یسن پھر اس میں اختلاف نہیں کہ ٹھوڑی سے لٹکی ڈاڑھی کا نہ دھونا واجب ہے نہ اُس کا مسح کرنا بلکہ اُس کا مسح کرنا مسنون ہے م منتقی میں ہے کہ مسترسل سے مراد یہ کہ دائرہ وجہ چھوٹی ہوئی اور منیہ میں صریحاً مذکور ہے کہ لحیہ مسترسلہ کا مسح مسنون ہے کذا فی الطحطاوی وان الخفیفۃ التی تری بشرتہا یلزم غسل ما تحتہا کذا فی النہر اور اس میں اختلاف نہیں کہ جو ایسی ہلکی ڈاڑھی ہو جس کے نیچے کی کھال نظر آتی ہو تو اُس کے ماتحت کا دھونا لازم ہے نہر الفائق میں م تو خلاف سابق کا محل لحیہ کثیفہ ہے وفی البرہان یجب غسل بشرۃ لم یسترہا الشعر کحاجب وشارب وعنفقۃ فی المختار اور برہان میں ہے کہ اس کھال کا دھونا واجب ہے جس کو بالوں نے نہیں چھپایا مانند بھووں اور مونچھ اور عنفقہ کے قول مختار میں م جو بال لب اور ڈاڑھی کے درمیان ہیں اُن کو عنفقہ کہتے ہیں اور بعضے اہل ہند اُس کو بچی بولتے ہیں ولا یعاد الوضوء ولا ابل المحل لحلق راسہ ولحیتہ اور وضو دوسری بار نہ کیا جاوے سر اور ڈاڑھی کے مونڈنے سے بلکہ اُس کی جگہ کا تر کرنا بھی ضرور نہیں اگرچہ

ف ۱ یہ مترجم اول کا وہم ہے ربع راس پر اس کی تفریع ظاہر نہیں اور نہ عبارت سابقہ اس کی مؤید ہے اور خود مترجم کا بیان اس تفریع میں بلا وجہ ہے ۱۲ ف ۲ ٹھوڑی کے مقابل ۱۲

ف ۳ یعنی جس کی طرف رجوع کیا گیا اور جس کی تصحیح ہوئی اور جس پر فتوی ہے ۱۲

وہ خشک نکلے کما لا یعاد الغسل للمحل ولا الوضو بحلق شارب وحاجب وقلم ظفرہ وکشط جلدہ جیسے موچھ اور بھوؤں کے مونڈنے سے اور ناخن تراشنے اور کھال
اکھاڑنے سے اس جگہ کا دھونا دوسری بار لازم نہیں اور نہ وضو کرنا ولو کذا لو کان علی اعضاء وضوئہ قرحۃ کالدملۃ، علیہا جلدۃ رقیقۃ فتوضأ وامر الماء علیہا
ثم نزعہا لا یلزمہ اعادۃ الغسل علی ماتحتہا ان تالم بالنزع علی الاشبہ لعدم البدلیۃ بخلاف نزع الخف اور اسی طرح اگر وضو کے اعضاء پر زخم ہو جیسا پھوڑا
اور اس پر باریک کھال ہو پھر اس نے وضو کیا اور اس کھال پر پانی بہایا اور کھال کو نوچ ڈالا تو اس شخص پر لازم نہ ہوگا دھونا کھال کے ماتحت کا بشرطیکہ درد ہوا ہو
نوچنے سے بنا بر اس قول کے جو اشبہ بحق ہے عدم بدلیت سے یعنی دوسری بار دھونا اس واسطے لازم نہ ہوا کہ نوچی کھال اپنے ماتحت کی بدلا نہ تھی برخلاف موزہ اتارنے
کے کہ پاؤں کا دھونا لازم ہوگا اس واسطے کہ موزہ کا مسح بدلا ہے پاؤں دھونے کا م فتاوی ہندیہ میں ہے کہ بعضوں کے نزدیک اگر کھال نوچنے سے درد نہ ہو تو وہاں
کا دھونا لازم ہے اور اگر درد ہوا اور کوئی چیز وہاں سے نکل کر بہے تو وضو گیا اور اگر کچھ نہیں نکلا تو وہاں کا دھونا لازم نہیں اور اشبہ یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں دھونا
لازم نہیں انتہی تو شارح کو یوں کہنا اولیٰ تھا وان لم یتالم بالنزع علی الاشبہ یعنی دھونا لازم نہیں اگرچہ درد نہ ہو نوچنے سے قول اشبہ پر اس واسطے کہ درد ہونے میں تو
اختلاف نہیں عدم لزوم میں کذا فی الطحطاوی مختصراً فصار کما لو مسح خفہ ثم حتہ او قشرہ تو زخم کی کھال کا نوچنا ایسا ہوگا جیسے کہ موزہ پر مسح ہوگیا پھر موزہ کو کھرونچا یا چھیلا
یعنی باوجود اس کے مسح قائم ہے دوسری بار مسح کرنا لازم نہیں **فروع** یہ چند مسائل ہیں جن کو شارح نے بڑھایا ہے شارح رحمۃ اللہ کی عادت ہے اس کتاب میں
کہ متن کی شرح کرنے کے بعد مناسب مقام پر چند مسائل کو ملحق کرتا ہے تا کہ لوگوں کو فائدہ حاصل ہو فی اعضائہ شقاق غسلہ ان قدر والا مسحہ والا ترکہ متوضی کے
اعضاء میں انشقاق ہے یعنی بوائی ہے تو اس کو دھووے اگر دھو سکے اور اگر نہ دھو سکے تو اس عضو پر مسح کرے اور اگر مسح بھی نہ کر سکے تو اس کا مسح کرنا بھی چھوڑ دے
اور اس کے آس پاس دھو دے کذا فی العالمگیری ولو بیدہ ولا یقدر علی الماء تیمم اور اگر اس کے ہاتھ میں انشقاق ہو اور وہ پانی پر قادر نہ ہو تو تیمم کرے م یعنی
اگر دونوں ہاتھ پھٹے ہوں اور پانی کا استعمال نہ کر سکتا ہو تو تیمم کرے اس واسطے کہ اگر ایک ہاتھ صحیح سالم ہوگا تو اس ہاتھ سے دھونا لازم ہوگا ہر چند شارح نے ظاہر
ایک ہاتھ کو ذکر کیا مگر مراد دونوں ہاتھ ہیں اس واسطے کہ مفرد مضاف عام ہو جاتا ہے تو دونوں ہاتھوں کو شامل ہوگا کذا فی الطحطاوی ولو قطع من المرفق غسل محل
القطع اور اگر ہاتھ کاٹا گیا کہنی سے تو قطع کی جگہ کو دھووے یعنی اگر کچھ کہنی باقی ہو اور اگر تمام کہنی کٹ گئی یا تمام ٹخنہ کٹ گیا تو اس ہاتھ اور پاؤں سے دھونا ساقط ہو
گیا ولو خلق لہ یدان ورجلان فلو یبطش بہما غسلہما ولو باحدہما فہی الاصلیۃ فیغسلہا اور اگر ایک شخص کے دو ہاتھ اور دو پاؤں مخلوق ہوئے یعنی ایک کہنی کے اوپر سے
دو ہاتھ اور ٹخنہ کے اوپر سے دو پاؤں پھوٹ نکلے تو اگر دونوں ہاتھوں سے کام کرتا ہو تو دونوں کو دھووے اور اگر ایک ہاتھ سے کرتا ہو تو وہی اصلی ہاتھ ہے تو
اسی کو دھووے یعنی دوسرا زائد اور بیکار ہے اس کا دھونا لازم نہیں اور اسی طرح اگر دونوں پاؤں سے چلتا ہو تو دونوں کو دھووے والا بیکار زائد کا دھونا لازم
نہیں وکذا الزائدۃ ان نبتت فی محل الفرض اور اسی طرح اس زائد ہاتھ پاؤں کو دھووے جو جما ہے فرض کے مقام میں یعنی کہنی کے نیچے سے ہاتھ اور ٹخنے کے نیچے سے
پاؤں پیدا ہوا تو اس کا دھونا بھی لازم ہوگا کاصبع وکف زائدتین جیسے زائد انگلی اور زائد ہتھیلی کا دھونا لازم ہے والا فما حاذی منہا محل الفرض غسلہ وما لا فلا
لکن یندب مجتبیٰ اور اگر زائد ہاتھ پاؤں محل فرض میں نہیں جما بلکہ اوپر سے جما ہے تو جتنا اس میں سے محل فرض کے سامنے ہو اس کو دھووے اور جو فرض کے مقابل نہ ہو
تو اس کا دھونا فرض نہیں ہے لیکن مستحب ہے یہ مذکور ہے مجتبیٰ میں جو شرح قدوری کی ہے وسننہ اور وضو کی سنتیں افادانہ لا واجب للوضوء ولا للغسل الا لقدمہ
مصنف نے وضو اور غسل میں فرض کے بعد سنتوں کے ذکر کرنے سے یہ فائدہ ظاہر کیا کہ وضو اور غسل میں کوئی واجب نہیں اور اگر کوئی واجب ہوتا تو اس کو
سنتوں سے پہلے فرض کے پیچھے بیان کرتا یعنی اس واسطے کہ واجب سنت سے قوی تر ہے تو صناعت تصنیف اس کے تقدیم کی مقتضی ہے وجمعہا لان کل سنۃ
مستقلۃ بدلیل وحکم اور مصنف سنت کو بہ صیغہ جمع لایا اس لیے کہ ہر سنت جداگانہ ہے دلیل کی راہ سے اور حکم کی راہ سے م یعنی ارکان وضو کی ایک ہی دلیل ہے
یعنی وضو کی آیت اور سنتوں کے دلائل احادیث جداگانہ ہیں اور ہر سنت کا حکم بھی یعنی ثمرہ اور ثواب جداگانہ ہے بایں معنی کہ اگر ایک سنت ادا کی اور دوسری ترک کی تو جسکو

ادا کیا اُس کا ثواب ملے گا بخلاف فرض کے یعنی اگر وضو کے فروض سے ایک فرض کو بھی ترک کرے گا تو کچھ ثواب نہ ہوگا وحکمہا الیوجر علی فعلہ ویلام علی ترکہ اور سنت کا حکم یعنی اثر مترتب اور اُس کا ثمرہ یہ ہے کہ ثواب دیا جائیگا اُس کے کرنے پر اور ملامت کی جائے گی اُس کے چھوڑنے پر یعنی ترک سنت پر عتاب ہوگا عذاب نہ ہوگا کذا فی البحر وکثیرا ما یعرفون بہ لانہ محط مواقع انظارہم اور فقہا اکثر حقیقت سنت کی ثمرۂ سنت بیان کرتے ہیں یعنی سنت کی ماہیت یوں بیان کرتے ہیں کہ سنت وہ ہے جس کے کرنے میں ثواب ہے اور نہ کرنے میں عتاب ہے اس لیے کہ اُن کے افکار کا یہی جائے انداز ہے یعنی منظور نظر فقہا بیان کرنا ہے ثمرہ اعمال کا لہذا اکثر وہ تعریف شے میں اُس کا حکم اور ثمرہ بیان کرتے ہیں ہر چند کہ حکم شے کا اُس شے کی حقیقت میں داخل نہیں دعرفہا الشمنی بما ثبت بقولہ علیہ السلام او بفعلہ ولیس بواجب ولا مستحب لکنہ تعریف لمطلقہا اور شمنی نے اُس کی تعریف کی یعنی سنت کی حقیقت یوں بیان کی کہ سنت وہ ہے جو رسول کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے قول یا فعل سے ثابت ہو اور نہ وہ واجب ہو نہ مستحب لیکن یہ مطلق سنت کی تعریف ہے یعنی سنت موکدہ اور غیر موکدہ کو جس کو مستحب کہتے ہیں شامل ہے شارح کا استدراک میں صاحب نہر کا تابع ہے حالانکہ سنت غیر موکدہ کو شمنی نے خارج کر دیا ہے بقولہ ولا مستحب کذا فی الطحطاوی والشرط فی المؤکدۃ مواظبۃ مع ترک ولو حکما اور سنت موکدہ کی تعریف میں شرط ہے آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام کا ہمیشہ کرنا چھوڑ دینے کے ساتھ یعنی گاہے ترک بھی کیا ہو اگرچہ ترک حکمی ہو یا اگرچہ مداومت حکمی ہو۔ ترک حکمی سے مراد عدم انکار ہے تارک پر تو عدم انکار بمنزلہ ترک حقیقی کے ہوا تو عشرہ اخیر رمضان کا اعتکاف سنت میں داخل رہا اگرچہ آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام نے ہمیشہ اعتکاف کیا اور گاہے ترک نہیں کیا اور یہ اُسکا مقتضی ہے کہ اعتکاف واجب ٹھہرے لیکن ہرگاہ کہ اعتکاف نہ کرنے والوں پر انکار نہ فرمایا تو یہ عدم انکار بمنزلہ ترک ٹھہر گیا اور اگر مداومت حکمی مراد لیجیے تو تراویح سنت میں داخل ہوگی اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عدم شمول تراویح کا عذر بیان فرمایا یعنی کہیں امت پر تراویح فرض نہ ہو جائے کذا فی الطحطاوی عن ابی السعود لکن شان الشروط ان لا تذکر فی التعاریف لیکن شروط کا حال یہ ہے کہ اُن کا مذکور تعریفات میں نہ ہو اس واسطے کہ تعریف ہوتی ہے ماہیت اور حقیقت کے بیان کے واسطے اور شروط ماہیت سے خارج ہوتے ہیں تو شمنی کی تعریف مذکور صحیح ٹھہری اور عدم ذکر مواظبت قادح نہ ہوا تعریف سنت کا اس واسطے کہ مواظبت سنت موکدہ کی شرط ہے اور شروط کا ذکر تعریف میں مناسب نہیں واورد علیہ فی البحر المباح بناء علی ما ہو المنصور من ان الاصل فی الاشیاء التوقف اور شمنی کی تعریف مذکور پر بحر الرائق میں مباح کا اعتراض وارد کیا ہے بنا بر اس قول کے جو منصور اور مؤید ہے دلائل سے وہ قول یہ ہے کہ اصل اشیاء میں توقف کرنا ہے یعنی بدون حکم شرع کے نہ کوئی چیز حلال ہے اور نہ حرام ہے م اس میں اختلاف ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے یا حرمت یا توقف اوّل قول ہے شافعیہ اور بعض حنفیہ کا اور ثانی قول کو شافعیہ امام ابو حنیفہ کی طرف نسبت کرتے ہیں اور ثالث یعنی توقف کا قول یہی مذہب منصور ہے اکثر حنفیوں کا تو اعتراض کی بنا اسی قول پر ہے یعنی جب اصل توقف ٹھہرا تو مباح کی اباحت ثابت نہ ہوگی بدون شارع کے تو سنت کی تعریف جو شمنی نے کی ہے وہ مباح پر صادق آئی الا ان الفقہاء کثیرا ما یلہجون بان الاصل الاباحۃ فالتعریف بناء علیہ مگر یہ کہ فقہاء حنفیہ بکثرت بولتے ہیں کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے تو تعریف مذکور کی اسی پر بنا ہے یعنی تو مباح کی اباحت اصل سے ثابت ہے نہ شارع سے م بحر الرائق میں سنت کی دو تعریفیں پسند کی ہیں اوّل تعریف یہ ہے السنۃ ہی الطریقۃ المسلوکۃ فی الدین من غیر لزوم علی سبیل المواظبۃ یعنی سنت وہ طریقہ ہے جو دین میں جاری ہے بطریق مداومت کے بدون اس بات کے کہ وہ لازم اور واجب ہو اور ماتن نے اپنی شرح میں اسی پر اقتصار کیا ہے دوسری تعریف خود صاحب بحر الرائق کی ہے وہ یہ ہے کہ سنت وہ ہے جس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت کی لیکن اگر مواظبت لا مع الترک ہے تو یہ دلیل ہے سنت موکدہ کی اور اگر ترک ہے احیاناً تو یہ دلیل ہے سنت غیر موکدہ کی اور اگر مواظبت کے ساتھ تارک پر انکار ہے تو یہ دلیل ہے وجوب کی کذا فی الطحطاوی مختصراً شیخ الاسلام عینی نے شرح ہدایہ میں سنت کی چند تعریفات کو مذکور کر کے ان کا نقصان بیان کیا پھر کہا کہ خواہر زادہ کی تعریف احسن التعریفات ہے وہ یہ ہے السنۃ ما فعل علیہ السلام علی سبیل المواظبۃ ولم یجز بالتیانہا ویلام علی ترکہا یعنی سنت وہ کام ہے جس کو رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے کیا بطریق مداومت کے اور اس کے کرنے میں ثواب دیا جائے گا اور نہ کرنے میں ملامت ہوگی البدایۃ بالنیۃ ای نیۃ

عبادۃ لاتصح الا بالطہارۃ کو ضوء اور رفع حدث ادا امتثال امر سنت ہے وضو کا شروع کرنا نیت کے ساتھ یعنی اُس عبادت کا ارادہ کرنا جو بدون طہارت کے صحیح نہیں چنانچہ وضو کی نیت کرنا یا حدث دور کرنے کی نیت کرنا یا بجا آوری حکم شارع کا قصد کرنا لغت میں نیت عبارت ہے عزم قلب سے کسی شے پر اور اصطلاح شرع میں نیت عبارت ہے ایجاد فعل میں طاعت اور تقرب الی اللہ کے قصد کرنے سے اور ایجاد فعل میں منہیات بھی داخل ہیں اس واسطے کہ منہیات سے جی کا روکنا یہ بھی فعل ہے نفس کا فتح القدیر میں ہے کہ رفع حدث کی نیت سے وضو کی نیت کرنا بہتر ہے اس لیے کہ حدث چند قسم ہے تو طہارت مخصوصہ کی نیت نہ ٹھہری کذا فی الطحطاوی فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ وضو کی یوں نیت کرے نویت ان اتوضا للصلوٰۃ تقربا الی اللہ تعالیٰ یعنی میں نے وضو کا ارادہ کیا نماز کے لیے اللہ تعالیٰ سے نزدیکی حاصل کرنے کو ۔ ہم جوابانہ بدونہا لیس لعبادۃ اور فقیہوں نے اس کی تصریح کر دی ہے کہ وضو بدون نیت کے عبادت ہی نہیں ہم جب وضو بدون نیت کے عبادت نہ ٹھہرا تو اس پر ثواب نہ ملے گا اس واسطے کہ ثواب تو نیت پر موقوف ہے بدلیل حدیث صحیح انما الاعمال بالنیات[1] طحطاوی نے مبسوط شیخ الاسلام سے نقل کیا اس میں کلام نہیں کہ جب وضو کا شرع میں امر ہے وہ بدون نیت کے حاصل نہیں ہوتا لیکن نماز کا صحیح ہو جانا اس پر موقوف نہیں اس واسطے کہ وضو شرعی غیر مقصود ہے بلکہ مقصود تو طہارت ہے اور طہارت نیت اور بدون نیت دونوں طرح حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ پانی مطہر بالطبع[2] ہے انتہیٰ خلاصہ یہ ہے کہ وضو بلا نیت سے نماز ادا ہو گی مگر وضو کا ثواب بدون نیت کے نہ ہوگا ویاثم بترکہا اور وضو کرنے والا نیت کے نہ کرنے سے گنہگار ہوگا م اس میں اختلاف ہے کہ سنت موکدہ کا تارک گنہگار ہے یا نہیں اور نہر الفائق میں اس اختلاف کو یوں رفع کیا ہے کہ اگر سنت موکدہ کے ترک کرنے پر عادت ہو گئی تو گنہگار ہے اور اگر عادت نہیں تو گنہگار نہیں کذا فی الطحطاوی میں کہتا ہوں عدم اعتیاد میں اگرچہ گناہ نہیں لیکن بلاشبہ ملامت اور عتاب ہے چنانچہ سنت کی تعریف اس پر دلیل ہے وبانہا فرض فی الوضوء الماموربہ وفی التوضی بسؤر حمار ونبیذ تمر کالتیمم اور اس پر تصریح ہے کہ نیت کرنا اُس وضو میں جس کا شرع میں حکم ہے اور گدھے کے جھوٹے پانی سے اور شربت خرما سے وضو کرنے میں فرض ہے جیسے تیمم میں نیت فرض ہے م کھجور کے شربت سے وضو کا جائز ہونا ضعیف قول ہے اور معتمد قول یہ ہے کہ اُس سے وضو جائز نہیں کذا فی الطحطاوی وبانّ وقتہا عند غسل الوجہ اور اس پر تصریح ہے کہ نیت کرنے کا وقت وضو میں چہرہ دھونے کے ساتھ ہے وفی الاشباہ ینبغی ان تکون عند غسل الیدین الی الرسغین لینال ثواب السنن اور اشباہ میں ہے لائق یوں ہے یعنی مستحب کذا فی الطحطاوی کہ نیت ہو دونوں ہاتھوں کے دھونے کے وقت پہنچوں تک تاکہ سب سنتوں کا ثواب پاوے قلت لکن فی القہستانی ومحلہا قبل سائر السنن کما فی التحفۃ ۔ فلا تسن عندنا قبیل غسل الوجہ کما تفرض عند الشافعی انتہیٰ میں کہتا ہوں لیکن قہستانی شرح نقایہ میں ہے اور نیت کا محل نیت کے سواہے سب سنتوں سے پہلے چنانچہ تحفہ میں مصرح ہے تو مسنون نہیں نیت کرنا ہمارے نزدیک منہ دھونے سے پہلے جس طرح شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے انتہیٰ مافی القہستانی م حاصل استدراک یہ ہے کہ اشباہ میں اپنی تجویز مذکور ہے روایت نہیں اور قہستانی میں روایت ہے تحفہ سے دوسری بات یہ ہے کہ قہستانی کے کلام سے تقدیم نیت کی تسمیہ پر بھی ثابت ہوتی ہے اور اشباہ میں یہ بات نہیں وفیہا سبع سوالات مشہورۃ نظمہا العراقی فقال ٭ سبع سوالات لذی الفہم اتت ٭ تحکی لکل عالم فی النیۃ ٭ حقیقۃ حکم محل وزمن ٭ وشرطہا والقصد والکیفیۃ ٭ اور نیت میں سات سوال مشہور ہیں جن کو عراقی نے نظم کیا ہے سو یوں کہا کہ سات سوال صاحب فہم کے لیے آئے ہیں مذکور ہوتے ہیں نیت کے باب میں ہر عالم کے واسطے ایک سوال ہے نیت کی حقیقت میں ۲ ۔ نیت کے حکم میں ۳ ۔ اُس کے محل میں ۴ ۔ اُس کے زمانے میں ۵ ۔ اُس کی شرط میں ۶ ۔ اُس کے قصد میں ۷ ۔ اُس کی کیفیت میں م پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ نیت کی حقیقت میں قصد طاعت اور تقرب الی اللہ ہے فعل کرنے کے ساتھ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ نیت کا حکم یہ ہے کہ وضو غیر مامور بہ میں نیت کرنا مسنون ہے اور وضو مامور بہ میں اور گدھے کے جھوٹے پانی سے وضو کرنے میں اور تمام عبادات مقصودہ میں نیت کرنا فرض ہے تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ نیت کا محل دل ہے اور زبان سے نیت کرنا بدعت ہے سب عبادات میں مگر پریشان دل جو عزیمت پر قادر نہ ہو اُس کو زبان سے کہنا مستحسن ہے کذا نقل الحلبی عن حج البحر چوتھے سوال کا جواب یہ ہے کہ نیت کا زمانہ وضو اور غسل میں سب سنتوں سے پہلے ہے اور نماز میں تکبیر تحریمہ کے نزدیک یا اُس سے پہلے ۔

---

[1] بات یہی ہے کہ ثواب اعمال کا موقوف ہے نیتوں پر ۱۲ [2] پاک کرنے والا باعتبار اپنی سرشت کے ۱۲ ۔

بشرطیکہ کوئی فاصل مانع بنا نہ ہو پانچویں سوال کا جواب یہ ہے کہ نیت کی شرط اسلام اور عقل ہے چھٹے سوال کا جواب یہ ہے کیفیت سے قصد یعنی مقصود اور غایت نیت کی امتیاز کرنا ہے عادات کا عبادات سے یا ایک عبادت کا دوسری عبادت سے جدا کرنا ساتویں سوال کا جواب یہ کہ کیفیت نیت کی یہ کہ عبادت کا قصد کرے اُس کو جان کر کہ یہ کونسی عبادت ہے یعنی مطلق طاعت اور تقرب کی نیت کفایت نہیں کرتی بدون تخصیص کے کذا فی الطحطاوی اور اس کی تفصیل کل حقہ عبادات کے مسائل میں اپنے اپنے موقع پر انشاء اللہ تعالیٰ مذکور ہوگی والبداءۃ بالتسمیۃ قولاً اور سنت ہے وضو کو بسم اللہ کہنے سے شروع کرنا شارح نے بیان اور غسل یدین میں بدایت کا لفظ مقدر کیا تاکہ معلوم ہو کہ نیت اور تسمیہ اور غسل تینوں میں بدایت اور ابتدا مطلوب ہے اور ان میں کچھ منافات اور تناقض نہیں اس واسطے کہ نیت کا محل دل ہے اور تسمیہ کا محل زبان ہے اور دھونا متعلق ہاتھوں سے ہے اور اسی دفع تنافی کی طرف شارح نے قولاً کے لفظ سے اشارہ کر دیا کذا فی الطحطاوی وتحصل بکل ذکر اور تسمیہ مذکور یعنی خدا کا نام حاصل ہوتا ہے ہر ذکر سے یعنی لا الٰہ الا اللہ اور سبحان اور الحمد للہ یا تشہد وغیر ذلک سے لکن الوارد عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بسم اللہ العظیم والحمد للہ علی دین الاسلام لیکن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یوں روایت ہے کہ بسم اللہ العظیم والحمد للہ علی دین الاسلام کہے م طحاوی نے کہا کہ وضو کے تسمیہ میں سلف سے منقول ہے بسم اللہ العظیم والحمد للہ علی دین الاسلام اور اکمل نے کہا کہ یہ حدیث مرفوع ہے میں کہتا ہوں یہ اکمل کا عجز ہے یہ بیان نہ کیا کہ کس امام نے ائمہ معتبرین سے اس کو مرفوع کیا سو میں کہتا ہوں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بسم اللہ والحمد للہ مروی ہے طبرانی نے اور اوسط میں ذکر کیا ہے بطریق علی بن ثابت عن محمد بن سیرین عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم یا ابا ہریرۃ اذا توضات فقل بسم اللہ والحمد للہ فان حفظتک لا تزال تکتب لک الحسنات حتی تحدث من ذلک الوضوء یعنی حضرت نے فرمایا کہ اے ابوہریرہؓ جب تو وضو کرے تو یوں کہہ بسم اللہ والحمد للہ اس واسطے کہ تیرے فرشتے نگہبان تیری نیکیاں لکھا کریں گے اس وضو کے ٹوٹنے تک اور اس حدیث کی اسناد حسن ہے دلوسی نے کہا افضل یہ ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہے اور تعوذ کرے ابتداء وضو میں اور بسم اللہ کہے اور مجتبیٰ میں ہے کہ یوں کہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بسم اللہ العظیم والحمد للہ علی دین الاسلام اس میں آثار وارد ہیں میں کہتا ہوں ان علماء کبار کو دیکھو کہ حدیث یا اثر کو ذکر کرتے ہیں اور اس کے مخرج کو نہیں بیان کرتے ہیں اور نہ اس کی صحت اور ضعف مذکور کرتے ہیں اور یہ آفت بڑی ہے تقلید سے کذا فی العینی شرح الہدایۃ تقلید سے مراد یہاں یہ ہے کہ ایک مصنف دوسرے مصنف کی پیروی کرتا ہے نقل احادیث میں بلا بیان مخرج و بلا ذکر صحت و ضعف اور یہ مطلب نہیں کہ مطلق تقلید معیوب ہے اس لئے کہ علامہ عینی خود مقلد ہے امام اعظمؒ کا قبل الاستنجاء وبعدہ خدا کا نام لینا سنت ہے استنجا کرنے سے پہلے اور بعد اس کے م اس واسطے کہ قبل از استنجا ملحق بوضو ہے طہارت ہونے کی وجہ سے اور بعد از استنجا تو ابتدا ہے طہارت کی کذا فی نہایۃ البیان اور صحیح روایت ثابت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء کے جانے کے وقت فرماتے تھے اللّٰھم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث الا حال انکشاف وفی محل نجاسۃ فیسمی بقلبہ مگر برہنہ ہونے کے وقت اور نجاست کے مکان میں خدا کا نام زبان سے نہ لے تو اپنے دل میں نام لے ولو نسیھا فسمی فی خلالہ لاتحصل السنۃ بل المندوب اور اگر ابتدا طہارت میں خدا کا نام لینا بھول گیا پھر اس نے درمیان وضو کے نام لیا تو سنت موکدہ حاصل نہ ہوگی بلکہ مستحب حاصل ہوگا م سنت اس واسطے حاصل نہ ہوئی کہ اس کا محل تھا ابتدا میں سو فوت ہوا اور وجہ استحباب یہ ہے تاکہ وضو خالی نہ رہے نام خدا سے واما الاکل فتحصل السنۃ فی باقیہ لانہا فات ولیقل بسم اللہ اولہ وآخرہ اور کھانے کے درمیان میں خدا کا نام لینے سے تو سنت حاصل ہوگی باقی طعام میں نہ اس میں جو گذر گیا اور بھولنے والے کو چاہیے کہ یوں کہے بسم اللہ اولہ وآخرہ م شمائل ترمذی میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب

---

۵۱ شروع کرتا ہوں اللہ کے نام بزرگ سے اور شکر ہے اللہ کا طرق اسلام پر ہونے کی وجہ سے ۱۲ ۵۲ شروع کرتا ہوں نام خدا سے اور شکر ہے اللہ کا ۱۲ ۵۳ یعنی اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہے ۱۲ ۵۴ الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں جنوں اور پریوں یعنی شیطانوں نر اور مادہ سے یہ اس صورت میں ہے کہ خبث بضمتین ہو اور ایک روایت میں بسکون موحدہ ہے یعنی فعل ناکارہ اور خباثت سے مراد عادات مذمومہ ہیں ۱۲ ۵۵ یعنی نام خدا لیتا ہوں میں اول اور آخر میں ۱۲

کوئی کھانا کھاوے اور ذکر اللہ بھول جاوے کھانے پر تو یوں کہے بسم اللہ اولہ وآخرہ ظاہر حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اول طعام میں سنت حاصل ہو گئی اول طعام کے ذکر فرمانے سے اور یہ مخالف ہے شارح کے کلام سے جو اُس نے فتح القدیر سے نقل کیا ہے کذا فی الطحطاوی والبداءۃ بغسل الیدین الطاہرتین ثلٰثا قبل الاستنجا وبعدہٗ اور سنت ہے پاک دونوں ہاتھوں کے تین بار دھونے سے ابتدا کرنا استنجا کرنے سے پہلے اور بعد اُس کے ہم پاک کی قید اس واسطے لگائی کہ نجس ہاتھوں کا دھونا فرض ہے بعضوں کے نزدیک قبل از استنجا ہاتھ دھونا سنت ہے اور بعضوں کے نزدیک بعد استنجا کرنے کے سنت ہے مجتبیٰ میں کہا کہ اکثر کا قول یہ ہے کہ قبل اور بعد دونوں حالت میں سنت ہے اور قاضی خان نے اس کی تصحیح کی ہے تو قبل استنجا کے بدایت حقیقی ہے اور بعد اُس کے بدایت اضافی ہے کذا فی الطحطاوی وقید الاستیقاظ اتفاقی اور جاگنے کی قید اتفاقی ہے نہ احترازی ہم یعنی ہدایہ یا حدیث میں جو ہاتھوں کا دھونا جاگنے کے ساتھ مذکور ہے سو اتفاقی قید ہے احتراز مقصود نہیں اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو میں غسل یدین کی تقدیم مذکور ہے بلا تقیید نوم کذا فی الطحطاوی بخاری میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اذا استیقظ احدکم من منامہ فلیغسل یدیہ قبل ان یدخلہما الاناء فی وضوئہٖ فان احدکم لایدری این باتت یدہٗ یعنی جب تم سے کوئی جاگے اپنی نیند سے تو چاہیے کہ اپنے دونوں ہاتھ دھوئے برتن میں ڈالنے سے پہلے وضو کے پانی میں اس واسطے کہ کوئی نہیں جانتا کہ اُس کا ہاتھ رات کو کہاں رہا یعنی نجاست پر پڑا یا پاک چیز پر ولذا لم یقل قبل ادخالہما الاناء لئلا یتوہم اختصاص السنۃ بوقت الحاجۃ اور چونکہ جاگنے کی قید اتفاقی تھی اس واسطے مصنف نے یوں نہ کہا کہ ہاتھ دھونا سنت ہے، برتن میں ڈالنے سے پہلے تاکہ یہ وہم پیدا نہ ہو کہ ہاتھ دھونے کی سنیت حاجت کے وقت کے ساتھ مخصوص ہے یعنی اگر یوں کہتا تو گمان ہوتا کہ بدون حاجت کے ہاتھوں کا دھونا سنت نہیں حاجت سے مراد توہم نجاست ہے درصورت تحقق طہارت ہاتھ دھونا مطلوب نہیں حالانکہ ایسا نہیں حلبی نے کہا وہ قول اصح جس پر اکثر فقہا ہیں یہ ہے کہ ہاتھ دھونا سنت ہے مطلقاً لیکن اگر نجاست کا توہم ہو اس طرح کہ بدون استنجا سو گیا ہو یا بدن پر نجاست ہو تو دھونا سنت موکدہ ہے اور عدم توہم نجاست میں یعنی طاہر ہو کر سونے میں یا نہ سونے میں سنت غیر موکدہ ہے اور نجاست کی حالت میں تو دھونا فرض ہوگا تو مصنفؒ کا قول یعنی غسل یدین کا مسنون ہونا مخصوص بغیر نجاست ہے اور سنت سے مراد وہ ہے جو موکدہ اور غیر موکدہ دونوں کو شامل ہے کذا فی الطحطاوی لان مفاہیم الکتب حجۃ یا قبل ادخال کی قید اس واسطے نہ لگائی کہ کتابوں کے مفہوم مخالف حجت ہوتے ہیں ہم مفاہیم جمع ہے مفہوم کی طحطاوی نے کہا المفہوم مایفہم من اللفظ لا فی محل النطق انتہی یعنی جو لفظ سے بوجھا جاوے بدون تصریح کے یعنی مفہوم مخالف وہ ہے کہ مذکور کے حکم سے غیر مذکور کا حکم مفہوم ہو صفت یا شرط کے بیان سے چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا جس کو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی استطاعت نہ ہو وہ مسلمان لونڈیوں سے نکاح کرلے امام شافعی اس سے سمجھے کہ استطاعت والے کو لونڈی سے نکاح کرنا جائز نہیں امام اعظمؒ کہتے ہیں کہ غیر مذکور کا حکم اس کلام سے معلوم نہیں ہو سکتا بخلاف اکثر مفاہیم النصوص کذا فی النہر برخلاف اکثر مفہومات نصوص کے کذا فی النہر یعنی کتاب اور سنت کے اکثر مفہوم مخالف حنفیوں کے نزدیک حجت اور دلیل نہیں ہیں اس واسطے کہ نصوص سے وہ احکام لینا مقصود ہے جس پر صریحاً نصوص دلالت کرتے ہوں اور اکثر کی قید اس واسطے لگائی کہ عقوبت کا مفہوم نصوص میں معتبر ہے چنانچہ قہستانی سے آگے مذکور ہوگا وفیہ من الحج المفہوم معتبر فی الروایات اتفاقاً اور نہر الفائق کی کتاب الحج میں ہے کہ مفہوم مخالف معتبر ہے روایات میں بالاتفاق یعنی امام اعظمؒ اور اُن کے اصحاب سے جو روایات کتابوں میں منقول ہیں اُن کے اکثر مفہومات معتبر ہیں خواہ مفہوم مخالف ہو یا موافق ومنہ اقوال الصحابۃ قال وینبغی تقییدہ بما یدرک بالرای لا ما لایدرک بہ انتہی اور اسی قسم سے صحابہ کرامؓ کے اقوال ہیں کہ اُن کا بھی مفہوم بالاتفاق معتبر ہے نہر الفائق کے مصنفؒ نے کہا لائق یہ ہے کہ اقوال صحابہؓ میں قید لگائی جائے ادراک قیاس کی نہ وہ قول جو قیاس سے نہ بوجھا جائے انتہی ما فی النہر یعنی اگر صحابیؓ کا قول ایسا ہے کہ اُس میں عقل کی مجال ہو سکتی ہے تو اُس کا مفہوم بھی حجت ہے اور اگر ایسا قول ہے کہ عقل اور قیاس کا اُس میں دخل نہیں تو اُس کا مفہوم بھی معتبر نہیں اس واسطے کہ وہ بمنزلہ نص مرفوع کے ہو گیا اور نص کا مفہوم معتبر نہیں کذا فی الطحطاوی وفی القہستانی عن حدود النہایۃ المفہوم معتبر فی نص العقوبۃ کما فی قولہ تعالٰی کلا انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون اور قہستانی میں نہایہ کی کتاب الحدود سے منقول ہے کہ مفہوم معتبر ہے عقوبت اور عذاب کے نص

میں چنانچہ حق تعالیٰ کے اس قول میں کہ البتہ کفار اپنے پروردگار سے اُس دن یعنی قیامت کے دن محجوب اور مستور ہوں گے یعنی دیدار خدا سے محروم رہیں گے اس سے
معلوم ہوا کہ اہل ایمان اپنے پروردگار کی دیدار سے مشرف ہوں گے بلا حجاب واما اعتبارہ فی الروایۃ فاکثری لاکلی اور روایت فقہ میں تو مفہوم کا معتبر ہونا اکثری ہے
ہر مقام میں نہیں الی الرسغین بالضم مفصل الکف بین الکوع والکرسوع واما البوع ففی الرجل قال ؎ وعظم یلی الابہام کوع وما یلی ؛ لخنصرہ الکرسوع والرسغ
ما وسط ؛؛ وعظم یلی ابہام رجل ملقب ؛؛ ببوع فخذ بالعلم واحذر من الغلط ؛؛ ابتداءً غسل یدین دونوں پہنچوں تک سنت ہے رُسغ بضم راء مہملہ و سکون سین
مہملہ جوڑ ہے ہتھیلی کا درمیان کوع اور کرسوع کے اور جس ہڈی کا نام بوع ہے وہ تو پاؤں میں ہے چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے اور وہ ہڈی جو انگوٹھے
سے ملی ہے اُس کا نام کوع ہے اور جو ہڈی چھنگلی سے ملی ہے وہ کرسوع اور جو کہ ان دونوں ہڈیوں کے درمیان جوڑ ہے اُس کا نام رُسغ ہے اور جو ہڈی
کہ پاؤں کے انگوٹھے سے ملی ہے اُس کا لقب بوع ہے سوائے مخاطب لے علم کو اور پرہیز کر غلط فہمی سے ثم ان لم یمکن رفع الاناء ادخل اصابع الیسراہ مضمومۃ و
صب علی الیمنی لاجل الیتامن پھر معلوم کر کہ اگر برتن کا اٹھانا ممکن نہ ہو تو اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیاں ملا کر برتن میں ڈالے اور پانی لے کر داہنے ہاتھ پر ڈالے تاکہ
داہنی طرف سے طہارت شروع ہو یعنی پھر داہنے ہاتھ سے پانی لے کر بایاں ہاتھ دھووے م بحر الرائق میں پورا بیان یوں ہے کہ ہاتھوں کے دھونے کا طریقہ یہ ہے
کہ اگر چھوٹا برتن ایسا ہو کہ اٹھانا اُس کا ممکن ہو تو اُس میں ہاتھ نہ ڈالے بلکہ بائیں ہاتھ سے اُس کو اٹھا دے اور داہنے ہاتھ پر پانی ڈالے اور تین بار اُس کو دھووے
پھر برتن کو داہنے ہاتھ میں لے اور بائیں ہاتھ پر پانی ڈالے اور تین بار اُس کو دھووے پھر اگر برتن کا اٹھانا ممکن نہ ہو تو ویسا کرے جیسا کہ شارح نے کہا اور
بڑے برتن میں انگلیاں ملا کر اُس وقت ڈالے جب کہ وہاں چھوٹا برتن نہ ہو اور اگر ہو تو ویسا کرے جیسا اول مذکور ہو چکا اگر کوئی کہے کہ ہاتھ کا ڈالنا برتن میں
نیند سے جاگنے والے کو حدیث میں منع ہے اُس کا جواب یہ ہے کہ منع اُس صورت میں ہے جب کہ چھوٹا برتن ہو یا بڑا برتن ہو اور اُس کے ساتھ چھوٹا برتن بھی ہو اور
اگر بڑے برتن کے ساتھ چھوٹا برتن نہ ہو تو ادخال کف ممنوع نہیں کذا فی الطحطاوی عن البحر ولو ادخل الکف ان اراد الغسل صار الماء مستعملا وان اراد الاغتراف لا
اور اگر ہتھیلی کو پانی میں ڈالا اگر دھونے کا ارادہ کیا تو پانی مستعمل ہو جائے گا اور اگر چلو بھرنے کا ارادہ کیا تو پانی مستعمل نہ ہوگا یعنی ضرورت کی وجہ سے اگرچہ
مطلب استعمال یعنی قربت اور رفع حدث متحقق ہو کذا فی الحلبی م دھونے کے قصد سے وہ پانی مستعمل ہوگا جو ملاقی ہے کف سے جب کہ جدا ہوا اور باقی تمام پانی مستعمل
نہ ہوگا اور قصداً اغتراف سے پانی مستعمل نہ ہوگا اگرچہ صاحب جنابت ہو اور اسی طرح اگر کوزہ گر گیا بڑے گھڑے برتن میں سو اُس کے لینے کو ہاتھ ڈالا کہنی تک
تو پانی مستعمل نہ ہوگا کذا فی البحر ولو لم یمکنہ الاغتراف بشیء ویداہ نجستان تیمم وصلی ولم یعد اور اگر پانی لینا بڑے برتن سے ممکن نہ ہو کسی چیز سے اور اُس کے دونوں
ہاتھ ناپاک ہیں تو تیمم کرے اور نماز پڑھے اور نماز کا اعادہ نہ کرے م توضیح اس کی مضمرات میں اس طرح ہے کہ جب پانی نہ لے سکے اور ہاتھ ناپاک ہوں تو دوسرے
شخص سے کہے کہ وہ پانی لے کر اُس کے ہاتھ دھلا دے اور اگر کوئی وہاں نہ ہو تو کپڑے کا ایک سرا پانی میں ڈالے اور دوسرا اُس کا سرا ہاتھ میں پکڑے رہے
پھر پانی سے نکال کر اُس کے قطرات سے داہنا ہاتھ دھووے پھر بایاں ہاتھ دھووے یا دانتوں سے کپڑا پکڑ کے دونوں ہاتھ ساتھ ہی دھووے تین بار اور اگر
کپڑا نہ ہو تو منہ سے پانی لے کر دونوں ہاتھ دھووے اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو تیمم کرے اور نماز پڑھے اور اس نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب نہیں وہو سنۃ کما ان
الفاتحۃ واجبۃ تنوب عن الفرض اور وہ یعنی بند دست تک ہاتھوں کا دھونا ایسی سنت ہے کہ قائم مقام ہوتا ہے فرض کے جیسے الحمد للہ پڑھنا ایسا واجب ہے کہ قائم
مقام ہو جاتا ہے فرض کے یعنی اُس محل کا دھونا کہ فرض تھا اس مسنون دھونے سے ادا ہو گیا جیسے قرآن کا پڑھنا کہ نماز میں فرض ہے الحمد پڑھنے سے کہ واجب ہے
ادا ہو جاتا ہے ویسن غسلہما ایضا مع الذراعین اور ذراعین کے ساتھ ان کا بھی دھونا مسنون ہے یعنی اگرچہ بند دست تک دھونے سے سنت اور فرض دونوں
ادا ہو گئے لیکن کہنیوں تک ہاتھ دھونے کے ساتھ اُن کا بھی دھونا دوسری بار سنت ہے بحر الرائق میں مذکور ہے کہ غسل یدین میں تین قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ
وہ فرض ہے اور تقدیم اس کی سنت ہے اور فتح القدیر اور معراج اور خبازیہ میں اسی کو پسند کیا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ وہ سنت ہے قائم مقام فرض کے ہوتا

ہے الحمد کے مانند اور اس کو کامی میں پسند کیا ہے اور تیسرا قول سرخسی کا ہے کہ وہ سنت ہے قائم مقام فرض کے نہیں ہوتا تو ان کے ظاہر و باطن کو دوبارہ دھونا
بچاہیے سرخسی نے کہا یہی اصح ہے میرے نزدیک اور مشائخ کے ظاہر کلام سے قول اول مذہب معلوم ہوتا ہے انتہی مختصراً طحطاوی نے کہا کہ شارح کے کلام
میں غلط ہے دو قول کا اس واسطے کہ جو کہتا ہے کہ غسل یدین سنت ہے اور قائم مقام ہے فرض کے وہ نہیں کہتا کہ غسل یدین دوسری بار سنت ہے بلکہ دوبارہ
دھونا سرخسی کا قول ہے اور شارح کے موافق نہر الفائق میں ذخائر اشرفیہ سے منقول ہے والسّواک سنۃ موکدۃ کما فی الجوہرۃ عند المضمضۃ وقیل قبلہا اور مسواک
کرنا سنت موکدہ ہے چنانچہ جوہرہ میں مذکور ہے کلی کرنے کے وقت سنت ہے اور قول ضعیف یہ ہے کہ کلی سے پہلے سنت ہے م مسواک کرنے کی تاکیدات اور
اُس کے فضائل احادیث میں بکثرت ہیں ازانجملہ وہ حدیث صحیح ہے جو امام مالک کے موطا میں ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ اگر میری امت پر شاق نہ ہوتا تو میں اُن کو مسواک کرنے کا حکم کرتا ہر وضو کے ساتھ اور صحاح ستہ میں ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ اگر میری امت پر شاق نہ ہوتا تو میں اُن کو مسواک کرنے کا حکم کرتا ہر نماز کے ساتھ اور احمد اور ابن خزیمہ اور حاکم اور دارقطنی اور بیہقی اور ابو نعیم
نے عائشہ صدیقہ سے روایت کی کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اُس نماز کی فضیلت جس کے واسطے مسواک کی گئی اُس نماز پر جس کے واسطے مسواک نہیں کی گئی ہفتاد
چند ہے یعنی ستر درجے زائد ہے ثواب میں کذا فی العینی وہو للوضوء عندنا اور مسواک وضو کی سنت ہے حنفیوں کے نزدیک م اور امام شافعیؒ کے نزدیک مسواک
نماز کی سنت ہے اور ثمرۂ اختلاف ظاہر ہوتا ہے اُس شخص کے حق میں جس نے مسواک والے ایک وضو سے چند نمازیں پڑھیں تو ہمارے نزدیک اس کو ہر نماز کا
ثواب ستر نماز بے مسواک کے برابر ہوگا اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس قدر ہر نماز میں ثواب نہ ہوگا جب تک ہر نماز کے واسطے جدا جدا مسواک نہ کرے گا کذا
فی البحر الا اذا نسیہ فیندب للصلوۃ مسواک وضو کی سنت ہے مگر جب کہ وضو میں مسواک کرنا بھول گیا تو اب نماز کے واسطے مسواک کرنا مستحب ہوگا م یعنی مثلاً ظہر
کے واسطے مسواک کرنا بھول گیا پھر عصر کے وقت یاد آیا تو اب مسواک کر لینا مستحب ہے تاکہ مسواک کی فضیلت بالاتفاق حاصل ہو کذا فی النہر طحطاوی نے کہا
کہ یہ صاحب نہر کی تجویز ہے روایت مذہب نہیں ہے تو شارح کو مناسب تھا کہ اس پر آگاہ کر دیتا کما یندب لاصفرار سن وتغییر رائحۃ وقراۃ قرآن جیسے مستحب
ہے مسواک کرنا دانتوں کی زردی اور بدبوے دہن کے سبب اور قرآن شریف کے پڑھنے کے لیے م استحباب مسواک کا متاکد ہوتا ہے ارادہ نماز اور وضو اور
قرآت قرآن اور نیند سے جاگنے کے وقت اور سونے سے پہلے اس واسطے کہ امام اعظمؒ سے منقول ہے کہ مسواک کرنا دین کی سنت ہے تو سب احوال اس میں برابر ہیں
چنانچہ احمد اور ترمذی نے ابوایوب رضی اللہ عنہ سے حدیث مرفوع روایت کی ہے کہ چار چیزیں انبیا مرسلین کی سنت میں ختنہ کرنا اور مسواک کرنا اور عطر
لگانا اور نکاح کرنا کذا فی العینی واقلہ ثلث فی الاعالی وثلث فی الاسافل اور ادنیٰ درجہ مسواک کا تین بار پھیرنا ہے اوپر کے دانتوں میں اور تین بار نیچے
کے دانتوں میں م اوپر کے دانتوں میں ابتدا داہنی طرف سے کرے پھر بائیں طرف اور اسی طرح نیچے کے دانتوں میں کرنا چاہیے کذا فی البحر عینی میں ہے کہ
مسواک کرنے کی کچھ حد نہیں یہاں تک مسواک کرے کہ زردی دانت اور گندہ دہنی کے زوال کا دل کو اطمینان حاصل ہو بمیاہ ثلثۃ تین پانی سے م یہ
پانی مضمضہ کے پانی کے سوا ہیں اس طرح کہ مسواک کو تین بار دھولے اس واسطے کہ مضمضہ کا بیان آگے آوے گا کذا فی الطحطاوی وندب امساکہ
بیمناہ اور مستحب ہے پکڑنا مسواک کا داہنے ہاتھ میں م مسواک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کی چھنگلی کو مسواک کے نیچے رکھے اور انگوٹھے کو مسواک
کے سرے کے نیچے کرے اور باقی تین انگلیاں مسواک کے اوپر رہیں اسی طرح مروی ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کذا فی الطحطاوی عن النہر وکونہ لینا
مستویا بلا عقد فی غلظ خنصر وطول شبر اور مستحب ہے ہونا مسواک کا نرم سیدھی برابر بے گرہ بقدر چھنگلی کے موٹی اور بالشت بھر لمبی م انار اور بانس کے سوا ہر
لکڑی کی مسواک درست ہے کذا فی الطحطاوی اور افضل پیلو اور زیتون کی ہے عینی نے طبرانی اوسط سے حدیث مرفوع روایت کی کہ بہتر مسواک زیتون کی ہے مبارک

ف چار چیزیں انبیاء کی سنت ہیں ۱۲

درخت سے منہ کو خوشبودار کرتی ہے اور بدبو دفع کرتی ہے اور وہ میری مسواک ہے اور مجھ سے اگلے انبیاء کی وبیتاک عرضاً لاطولاً اور مسواک کرے دانتوں کے عرض میں نہ طول میں ھم اس واسطے کہ طول میں مسواک کرنے سے مسوڑے زخمی ہوجاتے ہیں کذا فی الطحطاوی عینی نے کہا ابو نعیم نے حدیث مرفوع نقل کی کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام مسواک عرض میں کرتے تھے نہ طول میں اور ابو داؤد کی سنن میں حدیث ہے کہ جب تم مسواک کرو تو عرض میں مسواک کیا کرو انتہی ولامضطجعا فانہ یورث کبر الطحال اور مسواک نہ کرے لیٹ کر کروٹ سے کیونکہ اس سے تلی بڑھ جاتی ہے ولا یقبضہ فانہ یورث الباسور اور اُس کو مٹھی بھر نہ پکڑے اس واسطے کہ اس سے بواسیر پیدا ہوتی ہے ولا یمصہ فانہ یورث العمی اور نہ چوسے مسواک کو کہ اس سے آدمی اندھا ہوجاتا ہے ثم یغسلہ والا فیستاک الشیطان بہ اور مسواک کرکے پھر مسواک کو دھو ڈالا کرے نہیں تو شیطان اُس سے مسواک کرے گا ولا یزاد علی الشبر والا فالشیطان یرکب علیہ اور ایک بالشت سے مسواک زیادہ نہ کیجیے نہیں تو شیطان اُس پر سوار ہوگا ولا یضع بل ینصبہ والا فخطر الجنون قہستانی اور مسواک کو پڑی نہ رکھے بلکہ کھڑی کرے نہیں تو جنون کا خوف ہے یہ سب[1] کہا ہے قہستانی نے وکرہ بمؤذ ویحرم بذی سم اور مکروہ ہے مسواک کرنا ایذا دینے والی لکڑی سے چنانچہ قصب فارسی اور حرام ہے زہردار لکڑی سے ومن منافعہ انہ شفاء لما دون الموت ومذکر للشہادۃ عندہ اور منجملہ منافع مسواک کے یہ ہے کہ وہ شفا ہے ہر مرض کی سوائے موت کے اور وہ کلمہ شہادت کی یاد دلانے والی ہے موت کے نزدیک ھم نہر الفائق میں ہے کہ مسواک کے منافع ۳۶ ہیں ادنی اماطت اذی ہے یعنی دور ہونا گندہ دہنی کا اور اعلیٰ تذکیر ہے شہادت کے مرنے کے وقت اور ابو سعود میں ہے کہ مسواک مسوڑھوں کو مضبوط کرتی ہے اور بصارت کو تیز اور پیری میں دیر[تاخیر ۱۲] نگی ہوتی ہے اور پل صراط کے چلنے میں سرعت بخشی ہے کذا فی الطحطاوی وعند فقدہ او فقد اسنانہ تقوم الخرقۃ الخشنۃ او الاصبع مقامہ اور جس وقت مسواک موجود نہ ہو یا دانت باقی نہ رہے ہوں تو کھُردرا کپڑا یا انگلی قائم مقام مسواک کے ہوجاتی ہے یعنی تحصیل ثواب میں کذا فی النہر وغیرہ ھم سنن احمد میں مروی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے پانی کا کوزہ مانگا پھر چہرہ اپنا دھویا اور دونوں ہتھیلیوں کو تین بار اور کلی کی پھر بعضی انگلی اپنے منہ میں ڈالی الی آخر الحدیث اور آخر کو فرمایا کہ یہ وضو ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کذا فی العینی کما یقوم العلک مقامہ للمرأۃ مع القدرۃ علیہ جیسے صنوبر اور بطم[2] کا گوند چبانا عورت کے حق میں قائم مقام ہے مسواک کے باوجود قادر ہونے کے مسواک پر ھم وجہ اس کی یہ ہے کہ عورت کو مواظبت کرنا مسواک پر مضعف ہے اس کے دانتوں کا تو اُس کو اُس کا فعل مستحب ہے کذا فی الطحطاوی عن البحر وغسل الفم ای استیعابہ ولذا عبر بالغسل وللاختصار اور منہ کے اندر[کمزور کرنے والا ہے ۱۲] کا دھونا سنت ہے یعنی تمام داخل منہ کا دھونا اور اسی واسطے یعنی تمام مراد ہونے کے لیے مصنف غسل کا لفظ بولا یعنی غسل کا لفظ باقی اعضاء مغسولہ کے قرینہ سے استیعاب پر دلالت کرتا ہے یا اختصار کے واسطے یہ عبارت اختیار کی ہے ھم اکثر کتب فقہ میں والمضمضۃ[3] والاستنشاق مذکور ہے لیکن مصنف نے موافق کنز اور درر کے بجائے[اوپر ذکر ہو ناواجب ۱۲] اُس عبارت کے غسل الفم والانف کو اختیار کیا صراحت استیعاب کے واسطے یا اختصار کے لیے ہر چند مضمضہ اصطلاحی بھی استیعاب پر دلالت کرتا ہے مگر غسل کا لفظ استیعاب پر زیادہ تر دلالت کرتا ہے کذا فی النہر اور عبارت مذکورہ سے مصنف کی عبارت میں چار حروف کی کمی ہے تو اختصار ثابت ہوا بمیاہ ثلثۃ کلی کرنا سنت ہے تین پانیوں سے جدا جدا والانف ببلوغ الماء المارن بمیاہ اور ناک کے اندر کا دھونا سنت ہے نرم ناک تک تین بار پانی پہنچا کر ھم امام شافعیؒ کے نزدیک تین بار مضمضہ اور استنشاق[ناک میں پانی دینا ہے ۱۲] سنت ہے اس طرح کہ ایک چلو پانی سے مضمضہ بھی کرے اور استنشاق بھی اور دلیل اُن کی چند احادیث صحیح ہیں امام اعظمؒ کے نزدیک احادیث مذکورہ سے جواز نکلتا ہے لیکن[کلی ۱۲] سنت یہ ہے کہ ہر واحد مضمضہ اور استنشاق کے واسطے تین بار جدا جدا پانی لیا جائے چنانچہ ابو داؤد اور طبرانی میں طلحہ بن مصرف کی حدیث سے اس کی تصریح موجود ہے اور جو لوگ کہ اس حدیث کی صحت میں گفتگو کرتے ہیں اس کا جواب فتح القدیر اور عینی شرح ہدایہ میں مشروحاً مذکور ہے خوف طوالت سے مترجم بیان مذکور نہ کرسکا وہما سنتان موکدتان اور مضمضہ اور استنشاق دونوں سنت موکدہ ہیں ھم تو ان کا ترک کرنا گناہ ہے مذہب صحیح پر اس لیے کہ سنت موکدہ بمنزلہ واجب کے ہے اور جن لوگوں نے آنحضرت

---

[1] جن امور کا حال ان میں سے حدیث شریف میں آگیا ہے البتہ قابل لحاظ ہے کہ شارح کو اُس کی علت معلوم ہے اور بدون اُس کے قہستانی کی باتیں بعید از قیاس اور دور از عقل دقیقہ شناس معلوم ہوتی ہیں ۱۲۔ [2] بضم موحدہ وسکون مہملہ ایک درخت کا نام ہے ۱۲۔ [3] کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا ۱۲۔

علیہ الصلوۃ والسلام کے وضو کی حکایت کی ہے وہ سبھی صحابہ کرام ہیں مضمضہ اور استنشاق کو سب نے ذکر کیا ہے کذا فی الطحطاوی عن البحر عن الفتح اور علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں ۲۲ صحابیوں سے نام بنام مع تصریح مخرجین حدیث مذکور کو بیان کیا ہے شکر اللہ مساعیہ مشتملان علی سنن خمس الترتیب والتثلیث وتجدید الماء وفعلہما بالیمنی مضمضہ اور استنشاق پانچ سنتوں پر شامل ہیں ایک تو ترتیب یعنی پہلے کلی کرنا پھر ناک دھونا دوسرے ہر ایک کو تین تین بار کرنا تیسرے ہر بار نیا پانی لینا چوتھے دونوں کو داہنے ہاتھ سے کرنا لیکن ناک کا جھاڑنا بائیں ہاتھ سے چاہیے کذا فی الطحطاوی عن المبسوط والمبالغۃ فیہما بالغرغرۃ ومجاوزۃ المارن پانچویں مبالغہ کرنا مضمضہ میں غرغرہ کرکے اور استنشاق بانسے تک پانی پہنچا کے لغیر الصائم لاحتمال الفساد مبالغہ کرنا مسنون ہے اُس کو جو روزہ دار نہیں اس لیے کہ صائم کو مبالغہ کرنے سے فساد صوم کا احتمال ہے م اصحاب سنن نے لقیط بن صبرہؓ سے روایت کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضو کامل اور پورا کر اور انگلیوں کے اندر خلال کر اور مبالغہ کر استنشاق میں مگر یہ کہ تو روزہ دار ہو کذا فی تیسیر الوصول الی جامع الاصول وسر تقدیمہما اعتبار اوصاف الماء لان لونہ یدرک بالبصر وطعمہ بالفم وریحہ بالانف اور مضمضہ اور استنشاق کے مقدم کرنے کی حکمت پانی کے اوصاف کا دریافت ہونا ہے اس واسطے کہ پانی کا رنگ آنکھ سے اور مزہ اُس کا منہ سے اور بو اُس کی ناک سے معلوم ہو جاتی ہے م وضو کے واسطے پاک اور پاک کرنے والا پانی ضرور ہے اور ناپاک پانی وہ ہے جس کے اوصاف ثلثہ یعنی رنگ یا مزہ یا بو نجاست سے بدل جائے ولو عندہ ما یکفی للغسل مرۃ معہما ثلثا بدونہما غسل مرۃ اور اگر وضو کرنے والے کے پاس اتنا پانی ہو کہ اگر مضمضہ اور استنشاق کرے تو ایک بار اعضا کو دھو سکے اور جو اُن کو نہ کرے تو تین بار دھو سکے تو ایک بار اعضا کو دھوے اور مضمضہ اور استنشاق کرے یعنی تین بار دھونے سے مضمضہ اور استنشاق زیادہ تر موکدہ ہیں م اس واسطے کہ مع الامکان ترک تکرار مکروہ نہیں اور سب ناقلین صحابہ کرام نے آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام کے وضو میں مضمضہ اور استنشاق کو ذکر کیا ہے اور ایک بار دھونا وضو میں آپ کے فعل سے ثابت ہے اور فرمایا کہ یہ وہ وضو ہے کہ بدون اُس کے حق تعالیٰ نماز کو قبول نہیں فرماتا کذا فی الطحطاوی عن الحلبی ولو اخذ ماء فمضمض ببعضہ واستنشق بباقیہ اجزأہ وعکسہ لا اور اگر پانی لیا چلو بھر سو تھوڑے سے پانی سے کلی کی اور باقی سے استنشاق کیا تو اُس کو کفایت کرتا ہے اور اُس کے برعکس یعنی پہلے ناک میں ڈالا پھر باقی پانی سے کلی کی تو کافی نہیں ہے یعنی اس واسطے کہ پانی اس صورت میں مستعمل ہو گیا اس واسطے کہ پانی ناک میں نہیں تھم سکتا اور منہ میں تھم رہتا ہے تو اول کلی کرنے سے باقی پانی مستعمل نہیں ہو جاتا اور ناک سے پانی ہٹ آتا ہے لہذا باقی مستعمل ہو جاتا ہے کذا فی الطحطاوی وہل یدخل اصبعہ فی فمہ وانفہ الاولی نعم قہستانی اور متوضی کیا اپنی انگلی اپنے منہ یا ناک میں ڈالے یا نہ ڈالے جواب بہتر یہ ہے کہ ہاں ڈالے کذا فی القہستانی و تخلیل اللحیۃ لغیر المحرم بعد التثلیث ویجعل ظہر کفہ الی عنقہ اور سنت ہے ڈاڑھی کا خلال کرنا غیر محرم کو تین بار منہ دھونے کے بعد اور خلال کرنے کے وقت اپنی ہتھیلی کی پشت اپنی گردن کی طرف کرے سنن ابو داؤد میں انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو کرتے تھے کف مبارک میں پانی لیتے تھے اور تحت الحنک داخل کرتے اور اس سے ریش مبارک کو خلال کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اسی طرح میرے رب نے فرمایا پھر معلوم کر کہ تخلیل ریش میں چار قول ہیں پہلا قول یہ ہے کہ واجب ہے یہ قول ہے سعید بن جبیر کا دوسرا قول یہ ہے کہ سنت ہے یہ مذہب ہے ابو یوسف اور شافعی کا اور روایت ہے محمدؒ سے خیر مطلوب میں کہا کہ سنت کا قول ہی صحیح ہے تیسرا قول یہ ہے کہ مستحب ہے اور چوتھا قول یہ ہے کہ جائز ہے ابو حنیفہ اور محمدؒ کے نزدیک اور یہی قول ہے مالک کا جائز کا مطلب یہ ہے کہ اس کا کرنے والا منسوب بہ بدعت نہیں اور مبسوط میں ہے کہ تخلیل ریش ابو حنیفہؒ کے نزدیک مستحب ہے صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے کذا فی العینی منح الغفار میں ہے کہ کیفیت تخلیل بطور سنت کے یہ ہے کہ ہاتھ کی انگلیاں ڈاڑھی کے بالوں میں نیچے سے ڈالے اور اوپر کی طرف لاوے اس طرح کہ پشت ہاتھ کی متوضی کی طرف ہو وتخلیل الاصابع الیدین بالتشبیک والرجلین بخنصر یدہ الیسری بادئا بخنصر رجلہ الیمنی اور سنت ہے انگلیوں کا خلال کرنا دونوں ہاتھوں کا خلال بطریق تشبیک ہے یعنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کرنا جس طرح پنجہ کرتے ہیں اور دونوں پاؤں کا خلال بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے ابتدا کرے داہنے پاؤں کی چھنگلی سے اور ختم کرے بائیں پاؤں کی چھنگلی پر م بحر الرائق میں ہے کہ تخلیل پاؤں کی اسفل اصابع نیچے کی جانب

سے شروع کرے پشت قدم کی طرف لا دے انتہیٰ عینی نے کہا اس کیفیت کی کچھ اصل نہیں ابوداؤد اور ترمذی نے مستورد سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب وضو کرتے تو اصابع یدین[۱] کو دلک کرتے چھنگلی سے تو حدیث بدایت[۲] خنصر کی مقتضی ہے انتہیٰ ترمذی نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو وضو کرے تو خلال کر اپنے دونوں ہاتھوں کو اور دونوں پاؤں کو ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے نہر الفائق میں ہے ابن ماجہ کی روایت میں تخلیل بالخنصر آئی ہے لیکن بائیں چھنگلی یا اسفل سے فاللہ اعلم[۳] یہ انتہیٰ وہذا بعد دخول الماء خلالہا فلو منضمۃ فرض اور یہ یعنی تخلیل اصابع کا سنت ہونا پانی داخل ہونے کے بعد ہے اُنگلیوں کے اندر تو اگر انگلیاں ملی ہوں تو اُن کے مابین کا دھونا فرض ہے م فتح القدیر میں ہے کہ جب وہاں پانی نہ پہنچا تو دھونا وہاں کا فرض ہوگا کیونکہ تخلیل اور چیز ہے اور غسل اور چیز ہے کما لا یخفی کذا فی الطحطاوی عن البحر **وتثلیث الغسل المستوعب** ولا عبرۃ للغرفات اور تین بار دھونا ہر عضو مغسول کا سنت ہے اور چلوؤں کا اعتبار نہیں بدون استیعاب کے م یعنی تین بار دھونا سنت ہے پہلا دھونا فرض ہے اور دوسرا اور تیسرا سنت موکدہ ہے قول صحیح پر چنانچہ بحر الرائق میں منقول ہے سراج سے ہر بار کے غسل میں استیعاب یعنی پورا دھونا سنت ہے تین چلو کا اعتبار نہیں تو اگر اول بار چلو ڈالے اور کچھ خشک باقی رہا پھر دوسری بار تھوڑا دھویا پھر تیسری بار تمام عضو پورا ہو گیا تو یہ تین بار کا دھونا نہ ہوگا کذا فی الطحطاوی ولو اکتفی بمرۃ اذا اعتادہ اثم اور اگر ایک بار دھونے پر اکتفا کیا جب کہ اس کی عادت کرے گا تو گنہگار ہوگا م گناہ کی وجہ یہ ہے کہ اُس نے سنت مشہورہ کے ترک پر عادت کی صاحب بحر نے کہا گنہگار اُس وقت ہوگا جب کہ تثلیث غسل کے ہونے کا معتقد نہ ہو ولو زاد لطمانینۃ القلب اولقصد الوضوء علی الوضوء لا باس بہ اور اگر تین بار سے زیادہ دھویا دل کی تسکین کے واسطے یا ایک وضو پر دوسرا وضو کرنے کو تو کچھ مضائقہ نہیں زیادتی میں م درصورت شک خاطر جمع کے واسطے تین بار سے زیادہ دھونا اور اسی طرح پانی کی قلت سے یا سردی کی شدت سے یا اور حاجت سے تین بار سے کم کرنا مکروہ نہیں کذا فی العالمگیریہ شیخ الاسلام عینی نے کہا کہ تسکین خاطر کے واسطے زیادہ کرنا شک کے نزدیک یا دوسرے وضو کی نیت کرنا لا باس بہ ہے بدلیل حدیث ابن عمرؓ کہ آنحضرت علیہ السلام فرماتے تھے کہ جس نے وضو کیا وضو پر اُس کے واسطے حق تعالیٰ دس نیکیاں لکھے گا روایت کیا اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ اور بیہقی اور ترمذی نے ہر چند بعضوں نے اس کو ضعیف کہا لیکن دفع ضعف کا جواب شافی بھی موجود ہے شرح عینی میں وحدیث فقد تعدی محمول علی الاعتقاد اور وہ حدیث جس میں فقد تعدی فرمایا ہے وہ اعتقاد پر محمول ہے م بحر الرائق میں حدیث مذکور یوں مذکور ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک بار وضو کیا اور فرمایا کہ یہ وہ وضو ہے کہ اللہ تعالیٰ نماز کو بدون اس کے قبول نہیں کرتا اور دو دو بار وضو کیا اور فرمایا کہ یہ وضو ہے اُس شخص کا جس کو دونا ثواب عطا ہوتا ہے اور تین تین بار وضو کیا اور فرمایا کہ یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے کے انبیاء کا وضو ہے سو جو شخص کہ اس پر زیادہ کرے یا کم کرے فقد تعدی وظلم یعنی اُس نے حد سے تجاوز کیا درصورت زیادت اور ظلم کیا درصورت کمی بدائع میں ہے کہ صحیح تر قول یہی ہے کہ زیادت سے گنہگار نہ ہوگا مگر جب کہ یہ اعتقاد کرے کہ وضو جائز نہیں مگر تین بار سے زیادہ کرنے میں میں کہتا ہوں کہ زیادت سے گنہگار ہوگا اسراف کی جہت سے اگرچہ فقط تین بار دھونے کے مسنون ہونے کا معتقد ہو کذا فی الطحطاوی مختصراً ولعل کراہتہم تکرارہ فی مجلس تنزیہیۃ بل فی القہستانی معزیاً للجواہر الاسراف فی الماء الجاری جائز لانہ غیر مضیع فتامل اور شاید کہ فقہا کا مکروہ کہنا تکرار وضو کا ایک مجلس میں مکروہ بکراہت تنزیہی ہے یعنی ترک اولیٰ ہے گناہ نہیں بلکہ قہستانی میں جواہر سے منقول ہے کہ اسراف جاری پانی میں جائز ہے اس واسطے کہ یہ شخص پانی کا ضائع کرنے والا نہیں ہے سو اس میں تامل کر م یہ جواب ہے اس سوال مقدر کا کہ اگر تین بار سے زیادت تسکین دل اور وضو پر وضو کرنے میں جائز ہے اور وعید حدیث مذکور کا معتقد کے حق میں ہے تو فقہا نے تکرار وضو کو مجلس واحد میں کیوں مکروہ کہا ہے جواب دیا کہ کراہت تنزیہی ہے جس کو لا باس بہ کہتے ہیں بلکہ قہستانی نے اس پر بھی ترقی کی کہ آب جاری میں مطلقاً زیادت کو جائز رکھا طحطاوی نے کہا خلاصہ میں ہے کہ تکرار وضو ایک مجلس میں جائز ہے اور سراج میں ہے کہ مکروہ ہے نہر الفائق میں ہے کہ دونوں روایتوں میں اختلاف نہیں اس واسطے کہ خلاصہ کا جواز اعادہ واحدہ پر محمول ہے اور سراج کی کراہت چند بار کرنے پر محمول ہے چنانچہ سراج میں چند بار کا لفظ صریحاً اس پر دلالت کرتا ہے انتہیٰ تو اگر شارح کے کلام

---

[۱] یہ سہو ہے مترجم اول کا یدین کی جگہ رجلین چاہیے ۱۲ [۲] یعنی چھنگلی سے شروع کرنا پایا جاتا ہے ۱۲ [۳] یعنی امر یقینی نہیں کہ خلال بائیں چھنگلی خواہ نیچے کی جانب سے کیا ۱۲

چند بار تکرار پر محمول کیجیے چنانچہ حلبی محشی نے کہا ہے تو بلاشبہ اسراف ہے اور اسراف مکروہ تحریمی ہے نہ تنزیہی اور قہستانی کا کلام آب جاری پر قاصر ہے اور شارح کا کلام سابق
عام ہے اور قہستانی نے جو کہا کہ آب جاری میں اسراف جائز ہے سو ضعیف قول ہے بلکہ وہ مکروہ ہے مطلقاً بلا حاجت اور شارح نے بلفظ تامل اس کی توہین اور
اور تضعیف کی طرف اشارہ کر دیا انتہی ما فی الطحطاوی ملخصاً پس قہستانی کا کلام اعتماد کے قابل نہیں کہ صریح حدیث کے مخالف ہے اس واسطے کہ احمد اور ابن ماجہ میں
مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن ابی وقاص پر گذرے اور وہ وضو کرتے تھے تو فرمایا کہ پانی میں اسراف مت کر سعد نے کہا کیا پانی میں بھی اسراف ہے
فرمایا نعم وان کنت علی نہر جار یعنی پانی میں بھی اسراف ہے اگرچہ تو جاری نہر پر ہو کذا فی شرح سفر السعادۃ للدہلوی و مسح کل رأسہ مرۃ مستوعبۃ اور سنت ہے
اپنے تمام سر کا مسح کرنا ایک بار اس طرح کہ بالکل سر پر دونوں ہاتھ پھر جاویں اندک بھی باقی نہ رہے م صحیحین میں عبداللہ بن زید سے روایت ہے کہ رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک کو مسح کیا دونوں ہاتھوں سے سو دونوں ہاتھ آگے سے پیچھے کو لے گئے اور پیچھے سے آگے کو لائے ایک بار اور محمد بن حسن
کی موطا میں عبداللہ بن زید بن عاصم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی حکایت میں مروی ہے کہ مسح کیا مقدم سر سے تا اینکہ دونوں ہاتھوں کو قفا تک لے
گئے پھر دونوں ہاتھوں کو پھیر لائے اُس مکان تک جہاں سے مسح کرنا شروع کیا تھا اور جو کیفیت مسح کی اس حدیث میں مذکور ہے یہی مشہور ہے اور اُس کے سوا جو شارحین [گدی ۱۲]
ہدایہ نے کیفیات مسح کی بیان کی ہیں وہ کسی حدیث سے ثابت نہیں کذا فی العینی طحطاوی نے کہا کہ ظاہر تر کیفیت مسح کی یہ ہے کہ دونوں ہتھیلیاں اور انگلیاں مقدم سر
پر رکھے اور ان کو قفا تک کھینچ لے جائے اس طرح کہ تمام سر پر استیعاب ہو جائے پھر دو انگلیوں سے دونوں کانوں کا مسح کرے اور اس طرح سے پانی مستعمل نہیں ہو جاتا
کذا فی البحر عن الزیلعی اور یہ جو بعضوں نے کہا کہ دونوں کف کو اور سبابہ اور ابہام کو علیحدہ رکھے اُس کی تضعیف کی ہے بحر الرائق میں فلو ترکہ وداوم علیہ اثم اور اگر
تمام سر کا مسح ترک کیا اور ترک استیعاب پر ہمیشگی کی تو گنہگار ہو گیا یعنی اس واسطے کہ سنت موکدہ بمنزلہ واجب کے ہے واذنیہ معا ولو بمائہ اور سنت ہے دونوں
کانوں کا ساتھ ہی مسح کرنا یعنی یہاں تقدیم یمین مستحب نہیں اگرچہ کانوں کا مسح سر کے مسح کے پانی سے ہو م شارح نے اس کلام سے خلاف شافعی کی طرف اشارہ کیا یعنی
امام شافعی کے نزدیک کانوں کے مسح کے واسطے نیا پانی ضرور ہے ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ الاذنان من الراس یعنی دونوں کان سر میں داخل ہیں تو سر کے ساتھ ان
کا بھی مسح چاہیے علامہ عینی نے اس حدیث کو شرح ہدایہ میں آٹھ صحابیوں سے نقل کیا اگرچہ اکثر طرق اس حدیث کے ضعیف ہیں لیکن ابن عباسؓ کی حدیث جو دارقطنی
میں ہے ابن قطان نے اس کو صحیح اور بزار نے اُس کو جید کہا ہے انتہی لکن لو مس عمامتہ فلابد من ماء جدید لیکن اگر مسح سر کے بعد پگڑی کو ہاتھ لگایا تو اب نیا پانی کانوں
کے مسح کے واسطے لینا ضرور ہے والترتیب المذکور فی النص اور سنت ہے وہ ترتیب جو نص قرآنی میں مذکور ہے یعنی اول چہرہ دھونا پھر دونوں ہاتھ کہنیوں تک
پھر مسح سر کا کرنا پھر پاؤں دھونا ٹخنوں تک وعند الشافعی رضی اللہ عنہ فرض وہو مطالب بالدلیل اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک ترتیب فرض ہے اور اُن
سے دلیل فرضیت کا مطالبہ ہے م بحر الرائق میں بعد دلائل اور بحث کے کہا خلاصہ یہ ہے کہ عدم افتراض پر اقامت دلیل کی حاجت نہیں کیونکہ وہ یعنی عدم افتراض اصل ہے اور
اس کے مدعی سے دلیل کا مطالبہ ہے والولاء بکسر الواو غسل المتاخر او مسحہ قبل جفاف الاول بلا عذر حتی لو فنی ماؤہ فمضی لطلبہ لا باس بہ اور سنت ہے ولاء بکسرۂ واو
یعنی پے درپے وضو کرنا عبارت ہے عضو متاخر کے دھونے سے یا مسح کرنے سے عضو اول کے خشک ہو جانے سے پہلے بدون عذر کے یعنی اگر عذر سے خشک ہو چنانچہ ہوائے گرم
اور تیز سے تو کچھ مضائقہ نہیں یہاں تک کہ اگر درمیان وضو کے پانی چک گیا سو وہ اُس کے لینے کو گیا اور عضو خشک ہو گیا تو پے درپے کی سنت فوت نہ ہوگی اس عذر سے م
موالاۃ میں حدادی نے اعتدال ہوا اور اعتدال بدن اور عدم عذر کی قید لگائی ہے کذا فی الطحطاوی تو اگر ہوا کی گرمی یا سردی یا بدن کی گرمی اور سردی سے خشکی طاری
ہو گی اثنائے وضو میں تو یہ مانع نہیں پے درپے کی سنت ادا ہونے کو ومثلہ الغسل والتیمم اور وضو کے مانند غسل اور تیمم ہے کہ اُن کے افعال بھی پے درپے مسنون ہیں اور اگر
کسی عذر سے تتابع فوت ہو جائے تو کچھ ڈر نہیں طحطاوی نے کہا تیمم میں بحث ہے کیونکہ اس میں خشکی کو مانع موالاۃ قرار دینا متصور نہیں وعند مالک فرض اور امام مالک کے
نزدیک موالاۃ یعنی وضو کو پے درپے کرنا فرض ہے ومن السنن الدلک وترک الاسراف وترک لطم الوجہ بالماء وغسل فرجہا الخارج اور منجملہ سنتوں کے عضو مغسول کا ملنا اور

پانی کا اسراف چھوڑنا یعنی زیادہ خرچ نہ کرنا اور منہ پر پانی سخت نہ مارنا اور عورت کو باہر کی شرمگاہ کا دھونا مسنون ہے م حلبی نے کہا کہ عورت کی شرم گاہ دہن کے مانند ہے تو جیسے دہن یعنی منہ کا دھونا وضو میں مسنون ہے اور غسل میں واجب ہے اُسی طرح شرمگاہ کا دھونا انتہی اور ظاہر اً شرمگاہ کا دھونا فقط حالت استنجا میں مسنون ہے نہ وضو کرنے کے وقت لیکن ظاہر بیان شارح اس کے مخالف ہے کذا فی الطحطاوی **تتمہ** مصنف نے تیرہ سنتیں مذکور کیں اور شارح نے چار زیادہ کیں کتب فقہ میں کم و بیش مذکور کرتے ہیں بعضے استحباب کو سنن میں اور بعضے سنن کو مستحبات میں شمار کرتے ہیں تحفہ میں اکیس سنتیں وضو کی مذکور ہیں اس طرح کہ استنجا کرنا ڈھیلوں سے اور نیت اور تسمیہ اور غسل یدین الی الرسغین اور استنجا کرنا پانی سے اور وہ زمانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں آداب سے تھا اور آپ کے زمانہ کے بعد سنت ہو گیا باجماع صحابہ تراویح کے مانند اور مضمضہ اور استنشاق اور دونوں میں ترتیب اور ہر ایک کے واسطے جدا پانی لینا اور مضمضہ اور استنشاق میں مبالغہ کرنا مگر صوم کی حالت میں اور مسواک کرنا مضمضہ کے وقت اور ترتیب اور موالات اور تثلیث غسل اعضا مغسولہ اور داہنے سے غسل شروع کرنا اور انگلیوں کے سرے سے غسل شروع کرنا ہاتھ پاؤں میں اور تخلیل اصابع اور استیعاب تمام سر کا اور شروع کرنا مقدم سر سے اور ایک بار مسح کرنا اور تثلیث مسح کو ترک کرنا اور کانوں کے ظاہر و باطن کو مسح کرنا سر کے پانی سے آب جدید سے اور تخلیل ریش ابو یوسفؒ کے نزدیک اور مسح گردن میں اختلاف ہے بعضوں کے نزدیک سنت ہے اور بعضوں کے نزدیک ادب کذا فی العینی **ومستحبہ ویسمی مندوبا و ادبا و فضیلۃ وہو ما فعلہ علیہ الصلوۃ والسلام مرۃ وترکہ اخری وما احبہ السلف** اور وضو کے مستحب تیامن اور مسح رقبہ ہیں اور مستحب کو مندوب اور ادب اور فضیلت بھی کہتے ہیں اور مستحب وہ عمل ہے جس کو رسول علیہ الصلوۃ والسلام نے کبھی کیا کبھی نہ کیا اور وہ عمل جس کو سلف صالحین نے دوست رکھا اور پسند کیا م اصولیوں کے نزدیک مستحب اور مندوب ایک چیز ہیں اور فقہا کے نزدیک مستحب وہ ہے جس کو رسول علیہ الصلوۃ والسلام نے گاہے کیا گاہے ترک کیا اور مندوب وہ ہے جس کو ایک دو بار کیا جواز کی تعلیم کے واسطے ایسا ہے شرح نقایہ میں لیکن اس تعریف میں قصور ہے اس واسطے کہ جس فعل میں شارع نے ترغیب دی اور خود نہ کیا وہ اس سے خارج ہو جاتا ہے اور محیط میں مندوب کی وہ تعریف کی ہے جو یہاں مستحب کی تعریف ہے کذا فی البحر نہر الفائق میں کہا صاحب کنز اکثر مندوب کہتا ہے اور اس سے مستحب کا ارادہ کرتا ہے اور یہی قول ہے اصولیوں کا اسی وجہ سے تحریر میں کہا ہے کہ جس پر مواظبت نہیں ہے وہ مندوب اور مستحب ہے اگرچہ اُس کو نہ کیا ہو ترغیب کے بعد انتہی **التیامن فی الیدین والرجلین** مستحب ہے داہنی طرف سے شروع کرنا ہاتھ پاؤں کے دھونے میں م صحاح ستہ میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیامن کو یعنی داہنی طرف سے شروع کرنے کو دوست رکھتے تھے ہر چیز میں یہاں تک کہ طہارت کرنے میں اور جوتے پہننے میں اور بالوں کی کنگھی کرتے میں اور سب کاموں میں اور بخاری اور مسلم میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص جوتی پہنے تو چاہیے کہ داہنے پاؤں سے شروع کرے اور جب اتارے تو بائیں پاؤں سے شروع کرے تاکہ داہنا پاؤں جوتے پہننے میں اول ہو اور اُتارنے میں آخر ہو اور انسؓ سے روایت ہے کہ جب تو مسجد میں داخل ہو تو داہنے پاؤں سے ابتدا کر اور جب تو نکلے تو بائیں پاؤں سے ابتدا کر حاکم نے کہا کہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے ولہذا باتفاق علما داہنے کی تقدیم مستحب ہے ہر ایک اس امر میں جو از قسم تکریم کی ہے چنانچہ وضو میں اور غسل میں اور کپڑا اور جوتی اور موزہ اور پاجامہ کے پہننے میں اور مسجد کے داخل ہونے میں اور مسواک کرنے اور سرمہ لگانے اور ناخن تراشنے اور مونچھ کترنے اور بغل کے بال اکھاڑنے اور سر کے مونڈنے میں اور نماز کے بعد سلام پھیرنے میں اور بیت الخلا سے نکلنے میں اور کھانے اور پینے اور مصافحہ کرنے میں اور حجر اسود کے بوسہ لینے میں اور چیز کے دینے اور لینے میں اور سوائے ان کے جو اس قسم کے افعال ہیں اور بائیں کی تقدیم ہے امور مذکورہ کے مخالف کاموں میں چنانچہ ناک صاف کرنا اور استنجا اور بیت الخلا میں جانا اور مسجد سے نکلنا اور جوتی اور موزہ اور پاجامہ اور کپڑا اُتارنا اور مانند ان کے اور افعال کذا فی العینی شرح الہدایہ **ولو مسحا** داہنے کی تقدیم اگرچہ مسح کرنے میں ہو یعنی درصورت موزہ پوشی یا جراحت کے مسح کرنے میں تیامن مستحب ہے **لا الاذنین والخدین فیلغز ای عضوین لا یستحب التیامن فیہما** تیامن مستحب نہیں دونوں کانوں کے مسح میں اور دونوں رخساروں کے دھونے میں تو اسی وجہ سے پہیلی کی طرح پوچھتے ہیں کہ وہ دو عضو کون سے ہیں جن میں داہنے عضو کی تقدیم مستحب نہیں م عنقریب شارح مذکور کر گیا ہے کہ دونوں کانوں کا مسح ساتھ ہی سنت ہے اور اگر

ایک ہی ہاتھ ہے یا ایک ہاتھ میں زخم ہے کہ ساتھ ہی دونوں کانوں کا مسح نہیں کر سکتا تو اب البتہ داہنے کان کو تقدیم ہے کذا فی العالمگیریۃ **ومسح الرقبۃ** بظہر یدیہ اور مستحب ہے گردن کا مسح کرنا اپنے دونوں ہاتھوں کی پیٹھ سے یعنی اس واسطے کہ پشت دست کا پانی مستعمل نہیں **لا الحلقوم** لانہ بدعۃ حلقوم یعنی گلے کا مسح کرنا مستحب نہیں کیونکہ وہ بدعت ہے ؎ بدعت جب مطلق مذکور ہو تو بدعت سیئہ مراد ہوتی ہے نہ بدعت حسنہ کذا فی الطحطاوی **ومن آدابہ** عبر بمن لان لہ آدابا اخرا وصلہا فی الفتح الی نیف وعشرین واوصلتہا فی الخزائن الی نیف وستین **استقبال القبلۃ** اور وضو کے آداب یعنی مستحبات سے وضو کے وقت قبلہ رو بیٹھنا ہے شارح نے کہا مصنف من کا لفظ جو بعض پر دلالت کرتا ہے بولا اس واسطے کہ آداب وضو سوائے متن کے اور بھی ہیں فتح القدیر میں آداب وضو کو بیس اور کئی تک پہنچایا ہے اور میں نے خزائن الاسرار میں (جو پہلے شرح لکھی تھی اس متن کی) ساٹھ اور کئی آداب تک نوبت پہنچائی ؎ ماتن نے پندرہ مستحبات ذکر کیے اور شارح نے آٹھ زیادہ کیے اور طحطاوی محشی نے سوائے ان کے چودہ بڑھائے تو سب ۳۷ مستحب ہیں مذکورہ طحطاوی یہ ہیں حالت استنجا میں اس انگوٹھی کا اتار رکھنا جس پر اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول کریم کا نام پاک ہے اور مٹی کے برتن سے وضو کرنا اور دستگاہ آفتابہ کو تین بار دھونا اور آفتابہ وضو کو بائیں طرف رکھنا اور اگر بڑا برتن طشت وغیرہ کے مانند ہو اس کو داہنی طرف رکھنا اور غسل کرنے میں آفتابہ کی دستگی پر ہاتھ رکھنا نہ اس کے سر پر اور وضو کے جمیع افعال میں نیت کو ساتھ رکھنا اور وضو میں جلدی اور شتابی نہ کرنا ایسا مذکور ہے فتاوی عالمگیری میں اور وضو کا برتن حاجت سے پہلے بھر رکھنا اور استنشاق کے وقت بائیں ہاتھ سے ناک جھاڑنا اور بھوؤں اور مونچھ کے نیچے پانی پہنچانا اور چہرہ دھونے کی ابتدا اوپر سے کرنا اور سر کا مسح مقدم سے شروع کرنا اور ہاتھ پاؤں کا دھونا انگلیوں کے سروں پر شروع کرنا ایسا مذکور ہے معراج الدرایہ میں کذا فی الطحطاوی **ودلک اعضائہ فی المرۃ الاولیٰ** اور مستحب ہے اپنے اعضاء کو ملنا اول بار کے دھونے میں ؎ مصنف نے دلک اعضاء کو مستحبات میں شمار کیا اور خلاصہ میں کہا ہے کہ دلک اعضاء ہمارے مذہب میں سنت ہے خصوصاً موسم سرما میں چنانچہ فتح القدیر نے کہا ہے لہذا شارح نے دلک اعضاء کو سنتوں میں شمار کیا کذا فی الطحطاوی **وادخال خنصرہ المبلولۃ صماخ اذنیہ عند مسحہما** اور مستحب ہے اپنی بھیگی چھنگلی کا داخل کرنا دونوں کانوں کے سوراخ میں ان کے مسح کرنے کے وقت **وتقدیمہ علی الوقت لغیر المعذور** اور نماز کے وقت سے پہلے وضو کرنا غیر معذور کو یعنی وہ معذور جس کا پیشاب اور ریح ہر وقت جاری ہے اس کے حق میں تقدیم وضو کی مستحب نہیں وہذہ احدی المسائل الثلث المستثناۃ من قاعدۃ الفرض افضل من النفل لان الوضوء قبل الوقت مندوب وبعدہ فرض اور یہ یعنی تقدیم وضو کا مسئلہ ایک ہے ان تینوں مسئلوں سے جو مستثنیٰ ہیں اس قاعدہ سے کہ فرض افضل ہے نفل سے اس واسطے کہ وضو وقت سے پہلے مستحب ہے اور وقت آنے کے بعد فرض ہے ؎ قاعدہ مذکورہ سے تین مسئلے خارج ہیں اس واسطے کہ ان میں نفل یعنی مستحب افضل ہے فرض سے الثانیۃ ابراء المعسر مندوب افضل من انظارہ الواجب دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مفلس کو دین چھوڑ دینا مستحب ہے وہ افضل ہے مفلس کی مہلت دینے سے کہ وہ واجب ہے ؎ مفلس مدیون کو مہلت دینا واجب ہے بموجب اس آیت کے (وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ) یعنی اگر مدیون تنگ دست ہو تو اس کو مہلت دینا چاہیے کشادگی تک تو دیکھو یہاں چھوڑنا جو مستحب تھا افضل ٹھہرا مہلت دینے سے جو واجب ہے الثالثۃ الابتداء بالسلام سنۃ افضل من ردہ وہو فرض تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ سلام کرنا سنت ہے سو افضل ہے سلام کے جواب دینے سے اور حالانکہ جواب دینا فرض کفایہ ہے **ونظمہ من قال** ؎ الفرض افضل من تطوع عابد ﴿﴾ حتی ولو قد جاء منہ باکثر ﴿﴾ الا التطہر قبل وقت وابتداء ﴿﴾ للسلام کذاک ابراء معسر ؎ اور مسائل ثلثہ کو نظم میں بیان کیا ہے جس شاعر نے یوں کہا ہے کہ فرض افضل ہے عابد کے نفل سے اگرچہ نفل کو اس نے زیادہ تر کیا ہو فرض سے مگر طہارت کرنا وقت سے پہلے اور ابتداء سلام اسی طرح مفلس کا دین چھوڑ دینا افضل ہے جواب دینے اور مہلت دینے سے **وتحریک خاتمۃ الواسع** اور مستحب ہے کشادہ انگوٹھی کا گھمانا اور پھیرنا وضو کے وقت ومثلہ القرط اور یہی حال کان کی بالی کا یعنی غسل کے وقت اس کا بھی پھیرنا مستحب ہے تاکہ پانی سوراخ کے اندر پہنچ جائے وکذا الضیق ان علم وصول الماء والا فرض اور اسی طرح تنگ انگوٹھی کی تحریک مستحب ہے اگر اس کے نیچے پانی کا پہنچنا معلوم ہو گیا ہو اور اگر پانی کا پہنچنا معلوم نہ ہو تو اب تحریک اس کی فرض ہے نہ مستحب **وعدم الاستعانۃ بغیرہ الا لعذر** اور غیر سے مدد نہ چاہنا وضو میں مستحب ہے مگر معذور کو استعانت مخالف استحباب نہیں ہے عذر یہ کہ برتن بھاری ہے اٹھا نہیں سکتا یا کہ وضو کرنے والا بیمار

اور ضعیف ہے کذا فی الطحطاوی اما استعانتہ علیہ الصلوۃ والسلام بالمغیرۃ فلتعلیم الجواز اور رسول کریم علیہ الصلوۃ والسلام کا مدد چاہنا وضو میں مغیرہ بن شعبہ صحابی سے جواز استعانت کی تعلیم تھی م یہ جواب ہے اُس سوال مقدر کا کہ اگر استعانت غیر سے خلاف استحباب ہوتی تو حضرت سے واقع نہ ہوتی جواب دیا کہ یہ امر تعلیم جواز کیواسطے تھا اور شارع کو تعلیم افضل ہے مستحب سے کذا فی الطحطاوی مغیرہ بن شعبہ کی حدیث میں ہے کہ میں حضرت کے ساتھ سفر میں تھا اور آپ شامی جبہ تنگ آستین کا پہنے تھے تنگی آستین کی وجہ سے ہاتھ نہ نکل سکا آپ نے اسفل آستین سے ہاتھ نکالا سو میں نے پانی ڈالا آپ نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا مسلم اور بخاری نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے امام غزالی نے کہا کہ تنگی آستین کی وجہ سے استعانت تھی اور بعضوں نے کہا سفر کی جہت سے کذا فی العینی **وعدم التکلم بکلام الناس الا لحاجۃ تفوتہ** اور مستحب ہے وضو میں نہ بولنا آدمیوں کی سی بات کا مگر اُس حاجت کے واسطے بولنا خلاف استحباب نہیں جو بدون بولنے فوت ہوتی ہو **والجلوس فی مکان مرتفع تحرزا عن الماء المستعمل** اور مستحب ہے وضو کرنے کو اونچے مکان پر بیٹھنا مستعمل پانی سے بچنے کو اگرچہ اصح قول میں مستعمل پانی طاہر ہے لیکن اختلاف سے بچنے میں احتیاط ہے۔

وعبارۃ الکمال وحفظ ثیابہ عن التقاطر وہی اشمل اور شیخ کمال الدین صاحب فتح القدیر کی عبارت یوں ہے کہ بچانا کپڑوں کا تقاطر سے مستحب ہے اور یہ عبارت بہ نسبت عبارت ماتن زیادہ تر صورتوں کو شامل ہے اس واسطے کہ کبھی وضو کرنے والا اونچے مکان پر ہوتا ہے اور چھینٹوں سے نہیں بچتا کذا فی الطحطاوی **والجمع بین نیۃ القلب و فعل اللسان** اور مستحب ہے جمع کرنا دل کی نیت میں اور زبان کے لفظ میں یعنی دل کی نیت کے ساتھ زبان سے بھی کہے کہ وضو کرتا ہوں رفع حدث[51] یا استباحۃ صلوۃ یا امتثال امر کے واسطے ہذہ رتبۃ وسطی بین من سن التلفظ بالنیۃ ومن کرہہ لعدم نقلہ عن السلف اور یہ یعنی زبانی قول کو مستحب کہنا میانہ روی ہے دو قول میں ایک قول اس شخص کا جو سنت کہتا ہے زبانی نیت کرنے کو چنانچہ امام شافعی اور دوسرا قول اُس کا جو زبانی نیت کو مکروہ کہتا ہے کیونکہ نیت کو زبان سے کہنا سلف سے یعنی صحابہ اور تابعین سے منقول نہیں م یعنی استحباب رتبہ ہے سنت کہنے اور مکروہ کہنے کے درمیان تو جمع کرنا نیت دلی اور تلفظ زبانی کا متوسط رتبہ ٹھہرا وخیر الامور اوسطہا[52] **والتسمیۃ کما مر عند غسل کل عضو وکذا الممسوح** اور بسم اللہ کہنا چنانچہ مذکور ہو چکا ہر عضو کے دھونے کے وقت مستحب ہے اور اسی طرح مسح کرنے کے وقت م ابتداء وضو میں بسم اللہ کہنا سنت ہے اور ہر عضو کے دھونے اور مسح کرنے کے ساتھ مستحب ہے **والدعاء بالوارد عندہ** ای عند کل عضو اور وہ دعا کرنا جو اخبار اور آثار میں وارد ہے ہر عضو کے دھونے اور مسح کرنے میں م شرح الطحطاوی میں ہے کہ مضمضہ کرنے کے وقت کہے اللہم اعنی[53] علی تلاوۃ القرآن وذکرک وشکرک وحسن عبادتک اور استنشاق کے وقت کہے اللہم ارحنی[54] رائحۃ الجنۃ اور چہرہ دھونے کے وقت کہے (اللہم بیض[55] وجہی یوم تبیض وجوہ اولیاءک) اور داہنے ہاتھ دھونے کے وقت کہے اللہم[56] اعطنی کتابی بیمینی وحاسبنی حسابا یسیرا) اور بایاں ہاتھ دھونے کے وقت کہے (اللہم[57] لا تعطنی کتابی بشمالی ولا من وراء ظہری) اور سر کا مسح کرنے کے وقت کہے اللہم[58] اظلنی تحت ظل عرشک یوم لا ظل الا ظل عرشک) اور کانوں کے مسح کرنے کے وقت کہے (اللہم اجعلنی من الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ) اور گردن کے مسح کرنے کے وقت کہے (اللہم اعتق رقبتی من النار) اور دونوں پاؤں دھونے کے وقت کہے (اللہم[60] ثبت قدمی علی الصراط یوم تزل الاقدام) رافعی شافعی نے کہا کہ یہ خبر صالحین سے مروی ہے اور محی الدین نووی نے روضہ میں کہا کہ اس دعا کی کچھ اصل نہیں ابن صلاح نے کہا کہ اس میں کوئی حدیث صحیح نہیں میں کہتا ہوں مستغفری نے

---

[51] رفع حدث یعنی دور کرنے کو بے وضو ہونے کے اور استباحۃ صلوۃ یعنی نماز کے مباح ہو جانے کے لیے اور امتثال امر یعنی حکم ماننے کے واسطے [52] اور بہتر کام درمیانی ہوتے ہیں ۱۲

[53] الٰہی تو میری مدد کر قرآن کی تلاوت اور اپنے ذکر اور شکر اور خوبی عبادت پر ۱۲ [54] الٰہی روشن کر منہ میرا جس دن تیرے دوستوں کے منہ روشن ہوں گے ۱۲۔ [55] الٰہی دے مجھ کو میرا اعمال نامہ میرے دست راست میں اور مجھ سے حساب لے تھوڑا سا ۱۲ [56] الٰہی مت دے میرا نامہ اعمال میرے بائیں ہاتھ میں اور نہ پشت کی طرف ۱۲ [57] الٰہی سایہ کر مجھ کو اپنے عرش کے سایہ کے تلے جس روز کہ کوئی سایہ نہ ہوگا سوا تیرے عرش کے سایہ کے ۱۲ [58] الٰہی کر دے مجھ کو اُن میں سے جو سنتے ہیں بات اور اُس میں سے بہتر کی پیروی کرتے ہیں ۱۲ [59] الٰہی آزاد کر میری گردن دوزخ سے ۱۲ [60] الٰہی ثابت رکھ میرا قدم پل صراط پر جس روز کہ پاؤں لغزش کریں گے ۱۲۔

[54] الٰہی سونگھا مجھ کو بو جنت کی ۱۲

دعوات میں اور صاحب فردوس نے اور ابن عساکر نے اس میں بطریق ضعیف علی مرتضیٰؓ سے روایت کی ہے اور ابن حبان نے ضعفاء میں انسؓ سے اور مستغفری نے براء بن عازب کی حدیث سے اسی طرح کی روایت کی اور اسناد اُس کی واہی اور ضعیف ہے کذا فی العینی وقد رواہ ابن حبان وغیرہ عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من طرق قال المحقق الشافعی الرملی فیعمل بہ فی فضائل الاعمال وان انکرہ النووی اور البتہ ادعیہ مذکورہ کی حدیث کو ابن حبان وغیرہ نے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کی ہے چند طریقوں سے محقق شافعی مذہبوں کے یعنی شمس الدین محمد رملی نے کہا تو ایسی حدیث پر عمل کرنا چاہیے اعمال کے فضائل میں اگرچہ محی الدین نووی شافعی نے اس کا انکار کیا ہے م جب حدیث ضعیف کے چند طریقے اسناد کے ہوئے تو ایک دوسرے کی تقویت کرتا ہے تو وہ حدیث صرف ضعیف نہیں رہتی بلکہ وہ مرتبہ حسن کو پہنچ جاتی ہے اہل حدیث اس کو حسن لغیرہ کہتے ہیں ابن حجر نے شرح اربعین میں کہا کہ فضائل اعمال میں عمل بحدیث ضعیف اس واسطے جائز ہوا کہ اگر وہ حدیث نفس الامر میں صحیح ہے تو عمل کرنے سے اُس کا حق ادا ہوا اور اگر صحیح نہیں ہے تو عمل کرنے سے تحلیل اور تحریم کا کچھ فساد مترتب نہ ہوا اور نہ غیر کی حق تلفی ہوئی ایک حدیث میں وارد ہے کہ جس کو میری طرف سے ثواب عمل کرنے کا پہنچا سو اُس نے اُس پر عمل کیا تو اُس کو اجر ملے گا اگرچہ میں نے اُس کو نہ کہا ہو کذا فی الطحطاوی شارح نے رملی کو موصوف بصفت محقق شافعیہ کہا تاکہ خیر الدین رملی حنفی کا لوگوں کو دھوکا نہ ہو شیخ عابد سندھی مدنی نے طوالع الانوار حاشیہ دُرالمختار میں تصریح کی ہے کہ محقق شافعیہ سے مراد شمس الدین محمد رملی ہے **فائدہ** یہ فائدہ شارح نے مناسب مقام کے بیان کیا شرط العمل بالحدیث الضعیف عدم شدۃ ضعفہ حدیث ضعیف پر عمل کرنے کی شرط ہے کہ نہایت ضعیف نہ ہو م شدید الضعیف وہ حدیث ہے جس کا کوئی طریقہ کذاب یا متہم بالکذب سے خالی نہ ہو قال الطحطاوی کذا قال ابن حجر وان یدخل تحت اصل عام اور یہ شرط ہے کہ قاعدہ کلیہ شرعی کے تحت میں ہو م وہ قاعدہ بیان دعا کی مطلوبیت ہے کیونکہ دعا کرنا عام ہے ہر وقت میں کذا فی الطحطاوی وان لا یعتقد سنیۃ ذلک الحدیث اور یہ شرط ہے کہ اس حدیث ضعیف کے مسنون ہونے کا اعتقاد نہ ہو یعنی یہ یقین نہ کرے کہ یہ قولاً یا فعلاً حضرتؐ سے ثابت ہے لیکن علی سبیل الاحتمال کوئی مانع نہیں کذا فی الطحطاوی واما الموضوع فلا یجوز العمل بہ بحال ولا روایتہ الا اذا قرن بیان وضعہ اور موضوع حدیث پر عمل کرنا تو کسی حال میں جائز نہیں اور اُس کا نقل کرنا جائز ہے مگر جب کہ نقل کے ساتھ اس کے موضوع ہونے کو بیان کردے تو اس شرط سے البتہ روایت درست ہے چنانچہ اسی طرح بیان موضوعات میں محدثین نے کتابیں تالیف کی ہیں م موضوع جھوٹی حدیث کو کہتے ہیں اور افترا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بالاتفاق حرام ہے اور بعضوں نے اس کو کفر کہا ہے حدیث صحیح میں وارد ہے جس نے مجھ پر جوڑ کے وہ کہا جو میں نے نہیں کہا تو وہ شخص اپنا نشست گاہ دوزخ میں سے ٹھہرا دے کذا فی الطحطاوی والصلوٰۃ والسلام علی النبی بعدہٗ ای بعد الوضوء لکن فی الزیلعی ای بعد کل عضو اور مستحب ہے صلوٰۃ اور سلام کا کہنا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بعد وضو کے لیکن زیلعی میں وضو کے ہر عضو کے بعد درود پڑھنے کو مستحب کہا ہے وان یقول بعدہ ای الوضوء اللّٰھم اجعلنی من المتطھرین اور مستحب ہے کہ وضو کے بعد یہ دعا پڑھے (اللّٰھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین) م مسلم میں عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو وضو کامل کرے پھر کہے (اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ) اُس کے واسطے آٹھوں دروازے بہشت کے کھولے جاویں جس دروازہ سے چاہے بہشت میں داخل ہو ترمذی کی روایت میں اتنا اور زیادہ ہے (اللّٰھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین) لیکن اس کی اسناد میں اضطراب ہے اور مستدرک حاکم میں ابو سعید خدریؓ سے یوں روایت ہے کہ جو وضو کرے پھر کہے (سبحانک اللّٰھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک) تو لکھا جاوے گا ورق میں پھر اُس پر مہر ہوگی اور نہ ٹوٹے گی قیامت کے دن تک اس روایت کے رفع اور وقف میں اختلاف ہے لیکن نسائی اور طبرانی نے اس کے موقوف ہونے کی تصحیح کی ہے اور نووی نے جواذکار اور شرح مہذب میں مرفوع اور موقوف ہونے کی تضعیف کی سو غلط ہے اس لیے کہ موقوف کے صحیح ہونے میں شک نہیں کذا فی العینی شیخ عبدالحق دہلوی نے شرح سفر السعادۃ میں نسائی اور ابن السنی سے

۱؎ الٰہی کر تو مجھ کو توبہ کرنے والوں میں اور کردے تو مجھ کو پاکی چاہنے والوں میں ۱۲ ۲؎ گواہی دیتا ہوں میں کہ کوئی معبود سوا خدا تعالیٰ کے نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں ۱۲ ۳؎ پاکی بیان کرتا ہوں تیری اے اللہ اور تیری حمد کے ساتھ میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں سوا تیرے تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں ۱۲ ۔ ؎ لعل الصحیح (خطاب) مصحح ۱۲

ابوموسیٰ اشعری کی روایت کی کہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے وضو کا پانی لایا آپ نے وضو کیا پھر میں نے سنا کہ آپ فرماتے تھے اللّٰھم اغفرلی ذنبی ووسع لی فی داری و بارک لی فی رزقی[۱] وان یشرب بعدہ من فضل وضوئہ کماء زمزم مستقبل القبلۃ قائما اوقاعدا اور مستحب ہے وضو کے بعد کچھ وضو کا بچا پانی پینا زمزم پانی کے مانند قبلہ رو کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر وفیما عداھما یکرہ قائما تنزیہا اور وضو اور زمزم کے پانی کے سوا اور پانی کھڑے ہو کر پینا مکروہ تنزیہی ہے یعنی اس واسطے کہ اس میں طب کی راہ سے مضرت ہے نہ دین کی راہ سے کذا فی الطحطاوی وعن ابن عمر کنا ناکل علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونحن نمشی ونشرب ونحن قیام اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں کھاتے تھے چلنے کی حالت میں اور پیتے تھے کھڑے ہوئے م شارح نے اس روایت سے ثابت کیا کہ کھانا چلتے ہوئے اور پینا کھڑے ہوئے جائز ہے ورخص للمسافر شربہ ماشیا اور اجازت ہے مسافر کو پانی پینے کی چلتے ہوئے ومن الاداب تعاہد موقیہ وکعبیہ وعرقوبیہ واخمصیہ اور مستحبات سے ہے خبرگیری اپنی دونوں آنکھوں کے کویوں کی اور دونوں ٹخنوں کی اور دونوں ایڑیوں کی اور دونوں تلوؤں کے اندر کی یعنی وضو کے اندر ان مقاموں میں پانی پہنچانا اور ان سے غافل نہ رہنا مستحب ہے اس واسطے کہ اونچے نیچے ہونے کے سبب سے ان مقامات میں کبھی تھوڑی خشکی باقی رہ جاتی ولہذا حدیث صحیح بخاری ومسلم میں وارد ہے کہ ویل للاعقاب من النار یعنی خرابی ہے ایڑیوں کے واسطے دوزخ کی آگ سے یعنی جن ایڑیوں میں خشکی رہ گئی وضو کرنے میں غفلت سے واطالۃ غرتہ وتحجیلہ اور مستحب ہے دراز کرنا چہرہ اور ہاتھ پاؤں کے دھونے کا یعنی اعضاء مغسولہ کے حدود معینہ سے زیادہ دھونا مستحب ہے م صحیحین اور نسائی میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ میری امت غراً محجلین آویں گے وضو کے آثار سے سو جس سے ہو سکے اپنا غرہ بڑھایا کرے اور دوسری روایت میں ہے کہ ابوہریرہؓ نے وضو کیا سو اپنا چہرہ دھویا اور دونوں ہاتھوں کو دھویا یہاں تک کہ قریب تھا کہ دونوں مونڈھوں تک پہنچا پھر دونوں پاؤں دھوئے پنڈلیوں تک پھر حدیث مذکور پڑھی غرہ کہتے ہیں گھوڑے کے چہرہ کی سفیدی کو اور تحجیل بولتے ہیں اس کے ہاتھ پاؤں کی سفیدی کو اور یہ زینت ہے گھوڑے کے حق میں حدیث میں غرہ اور تحجیل استعارہ ہے انسان کے واسطے وضو کے آثار میں کذا فی التیسیر یعنی متوضی کا چہرہ اور ہاتھ پاؤں روشن ہوں گے وضو کے آثار سے تو حدود معینہ سے زیادہ کرنا مستحب ہے طحطاوی نے علی زادہ کی شرح شرعہ سے نقل کیا کہ دونوں ہاتھوں کا دھونا نصف بازو تک اور پاؤں کا دھونا نصف ساق تک مستحب ہے وغسل رجلیہ بیسارہ اور مستحب ہے دونوں پاؤں کا دھونا بائیں ہاتھ سے وبلھما عند ابتداء الوضوء فی الشتاء اور مستحب ہے دونوں پاؤں کا پانی سے چپڑنا ابتداء وضو میں جاڑے کے موسم میں م فتاوی عالمگیری میں بدائع سے تعمیم اعضاء مذکور ہے اس طرح کہ خلف بن ایوب نے کہا کہ لائق یوں ہے کہ سرما میں اعضاء کو پانی سے چپڑ لے تیل ملنے کی طرح پھر اس پر پانی رواں کرے اس واسطے کہ سرما میں پانی عضو پر خوب نہیں پھیلتا ہے کذا فی الطحطاوی والتمسح بمندیل اور مستحب ہے اعضاء کو پونچھنا رومال سے م یعنی موضع استنجا کو کپڑے سے پونچھنا مستحب ہے ایسا ہے فتح القدیر میں اور عالمگیری میں ہے کہ باقی اعضاء وضو کو نہ پونچھے اس کپڑے سے جس سے موضع استنجا کو پونچھا تو اور کپڑے سے پونچھنا درست ہے اور معراج میں ہے کہ لائق یہ ہے کہ مبالغہ نہ پونچھے کذا فی الطحطاوی عینی نے کہا کہ بعد وضو کے رومال وغیرہ سے پونچھنے میں علما کا اختلاف ہے سو ہمارا مذہب یہ ہے کہ لاباس بہ یعنی کچھ مضائقہ نہیں اور ترک افضل ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ مکروہ نہیں لیکن اس کا نہ کرنا مستحب ہے اور بعضوں نے کہا کہ موسم گرما میں مکروہ ہے اور سرما میں سردی کے عذر سے مکروہ نہیں اور ابن شاہین نے جو ناسخ اور منسوخ میں عدم تمسح کی حدیث روایت کی ہے اور ترمذی نے جو حدیث آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام کے پونچھنے کی روایت کی ہے سو دونوں حدیثیں ضعیف ہیں انتھی مافی العینی مختصرا وعدم نفض یدہ اور مستحب ہے ہاتھ کا نہ جھاڑنا اس واسطے کہ جھاڑنا طہارت کی کراہت اور بیزاری پر دلالت کرتا ہے کذا فی الطحطاوی وقراءۃ سورۃ القدر اور مستحب ہے سورہ انا انزلنا کا پڑھنا وضو کے بعد شارح منیہ نے اس پر بہت ثواب ذکر کیا ہے کذا فی الطحطاوی وصلوۃ رکعتین فی غیر وقت کراہۃ اور مستحب ہے بعد وضو کے دو رکعت کا پڑھنا سوائے وقت کراہت کے م اس نماز کو تحیۃ الوضو کہتے ہیں صحیح مسلم وغیرہ میں عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں کوئی ایسا مسلمان جو وضو کرے اچھی طرح سے پھر کھڑا ہو اور دو رکعت نماز پڑھے دونوں رکعتوں پر متوجہ ہو کر اپنے دل اور چہرہ سے مگر اس کے

[۱] الٰہی بخش دے میرے لیے میرے گناہ اور وسعت کر دے میرے واسطے میرے مکان میں اور برکت دے میرے رزق میں ۱۲۔

واسطے جنت واجب ہوگئی کذا فی تیسیر الوصول الی جامع الاصول یعنی حضور ظاہری اور باطنی پر جنت کا وعدہ ہے ومکروہہ لطم الوجہ او بغیرہ بالماء تنزیہا اور مکروہ تنزیہی ہے چہرہ وغیرہ پر پانی کو زور سے مارنا والتقتیر والاسراف اور حاجت سے کم وبیش کرنا کمی کی صورت یہ ہے کہ غسل اعضا میں تیل کے مانند پانی چپڑے بلکہ اچھی طرح اعضا پر تین بار پانی کو رواں کرے ومنہ الزیادۃ علی الثلث اور من جملہ اسراف کے ہے تین بار سے زیادہ دھونا لیکن تسکین دل یا وضو پر دوسرے وضو کے قصد سے زیادت درست ہے چنانچہ مذکور ہوچکا مام بخاری اور مسلم اور ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی میں حدیث صحیح ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مُد سے وضو کرتے اور ایک صاع سے غسل فرماتے تھے اور بعضے روایات میں کم وبیش بھی آیا ہے اور صاع چار مد کا ہوتا ہے اور مُد دو رطل کا اور رطل بیس استار کا ہر استار ساڑھے چار مثقال کا اور مد اور من شرعی ایک ہی چیز ہے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام خود پانی وضو کا کم صرف کرتے اور بہت پانی بہانے سے منع فرماتے اور فرماتے کہ میری امت میں وہ لوگ پیدا ہوں گے جو وضو میں تعدی اور تجاوز حد سے کریں اور فرماتے تھے کہ وضو کا ایک شیطان ہے اور نام اُس کا ولہان ہے تو پانی کے وسواس سے پرہیز کرو کذا فی سفر السعادۃ وشرحہ اب چونکہ ہر مثقال ساڑھے چار ماشے کا ہوتا ہے تو مُد اور من شرعی لکھنؤ کے سیر کے حساب سے تخمیناً تین پاؤ پختہ کا ہوا اس واسطے کہ لکھنؤ کا پختہ سیر ۹۶ روپے کا ہے اور ہر روپیہ گیارہ ماشہ کا اور صاع جس سے غسل سنت ہے تین سیر قدرے زائد کا ہوا عادت ہوگئی ہے پانی کے اسراف کی لہٰذا اکثر لوگ اس قدر پانی میں متحیر ہوتے ہیں اگر تنگ ٹونٹی کے لوٹے سے باحتیاط وضو کریں اس طرح سے کہ بدن پر پانی گرے زمین پر بے فائدہ نہ گرے تو تین پاؤ پانی سے بخوبی وضو ہوسکتا ہے اس کا ضرور اہتمام کرنا چاہیے تاکہ سنت پر عمل کرنے کا ثواب حاصل ہو اور اسراف مکروہ سے اجتناب فیہ تحریماً لو بماء النہر والمملوک لہ پانی میں اسراف مکروہ تحریمی ہے اگر نہر کے پانی سے یا اپنے مملوک پانی سے وضو ہو م مکروہ تحریمی شیخین کے نزدیک حرام نہیں حرام سے قریب ہے اور محمدؒ کے نزدیک مکروہ تحریمی حرام ہے بعینہ اما الموقوف علی من یتطہر ومنہ ماء المدارس فحرام اور وہ پانی جو طہارت کرنے والوں پر وقف کیا گیا اور وقف کی قسم سے ہے مدرسوں کا پانی سو اس میں تو اسراف کرنا حرام ہے بالاتفاق وتثلیث المسح بماء جدید اور تین بار مسح کرنا نئے پانی سے مکروہ ہے اما بماء واحد فمندوب او مسنون اور ایک ہی پانی سے تین بار مسح کرنا تو مستحب ہے یا مسنون چنانچہ منح الغفار میں زیلعی سے منقول ہے م ہدایہ میں اس کو مشروع کہا ہے اور عینی نے کہا کہ مسنون ہونے کی بھی امام سے روایت ہے اور صحیح قول امام سے ترک تثلیث کا ہے انتہیٰ ومن منہیاتہ التوضی بفضل ماء المرأۃ اور وضو کی ممنوعات سے عورت کے وضو یا غسل کے باقی رہے پانی سے وضو کرنا ہے اس واسطے کہ شاید اس سے مرد کو کچھ تلذذ حاصل ہو یا یہ وجہ ہے کہ اکثر عورتوں کو نجاست سے محافظت کمتر ہوتی ہے اور یہ کراہت تنزیہی پر دلالت کرتا ہے کذا فی الطحطاوی او فی موضع نجس لان لماء الوضوء حرمۃ یا مکروہ ہے وضو کرنا ناپاک مکان میں اس لیے کہ وضو کے پانی کی کچھ حرمت ہے م طحطاوی نے کہا اور یہ بھی وجہ ہے کہ وہاں نجاست کی چھینٹوں کے پڑنے کا خوف ہے او فی المسجد الا فی اناء یا مکروہ ہے وضو کرنا مسجد کے اندر مگر مسجد میں برتن کے اندر وضو جائز ہے او فی موضع اعد لذلک یا وضو جائز ہے مسجد کے اس مکان میں جو وضو کرنے کو بنایا گیا چنانچہ اس ملک میں مسجد کے لب فرش وضو کے واسطے بناتے ہیں والقاء النخامۃ والامتخاط فی الماء اور مکروہ ہے تھوکنا اور سنکنا پانی میں یعنی اگرچہ آب جاری ہو طحطاوی نے کہا یہ کراہت تنزیہی ہے اس واسطے کہ ان کے ترک کرنے کو مستحبات میں شمار کیا ہے ف وینقضہ خروج کل خارج نجس بالفتح ویکسر منہ ای من المتوضی الحی اور وضو کو توڑتا ہے نکلنا ہر ناپاک چیز نکلنے والی کا زندہ وضو کرنے والے سے شارح نے کہا نجس بفتح جیم ہے اور کبھی جیم کو کسرہ یعنی زیر بھی دیا جاتا ہے م نجس بفتح جیم عین نجاست کا نام ہے اور بکسر جیم اُس کا نام ہے جو پاک نہ ہو تو یہ عام تر ہے تو متن میں دونوں طرح ہوسکتا ہے مگر فتحہ جیم کا الیق ہے کہ تکلف سے دور ہے اور لغت کی راہ سے دونوں میں کچھ فرق نہیں چنانچہ نہر الفائق میں ہے زندہ کی قید مردہ نکل گیا اس واسطے کہ خروج نجاست کا مردہ سے ناقض اُس کے وضو کا نہیں بلکہ موضع نجاست کا دھونا چاہیے کذا فی الطحطاوی معتاداً اولا نجس خارج عادت کی چیز ہو جیسا کہ بول اور براز یا عادت کی چیز نہ ہو جیسا کہ خون کا نکلنا من السبیلین او لا بول وبراز کی راہ سے نجاست نکلے یا نہیں الی ما یطہر بالبناء للمفعول ای مالحقہ حکم التطہیر ناقض وضو ہے نکلنا نجاست کا اس مقام تک بدن سے جو طاہر کیا جاتا ہے یعنی جس کے پاک کرنے کا حکم لاحق ہوتا ہے وضو یا غسل میں ثم المراد بالخروج من

ف مقدار صاع ومد بحساب وزن۔ ف نواقض وضو۔

السبیلین مجرد الظہور پھر اس کو معلوم کر کر خروج سبیلین سے مراد فقط ظاہر ہوتا ہے بدون سیلان کے یعنی جب نجاست بول اور براز کی راہ سے ظاہر ہوئی خروج متحقق ہوا اور وضو ٹوٹ گیا اگرچہ سیلان نہ ہو م محیط میں ہے کہ حد خروج کی انتقال ہے باطن سے ظاہر کی طرف اور یہ معلوم نہیں ہوتا ہے مگر بسبب سیلان کرنے کے موضع نجاست سے اس لیے خروج کی تعبیر سیلان سے کی برخلاف اُس کے اگر نجاست ظاہر ہوئی سبیلین کے سرے پر کہ وہ وضو کی ناقض ہے اگرچہ سائل نہ ہوئی اس واسطے کہ راس سبیلین نجاست کا مکان نہیں ہے وہاں تو نجاست آتی ہے اپنے مکان اصلی سے منتقل ہو کر تو انتقال نجاست کا ظہور سے معلوم ہوا تو ظہور کو خروج کے قائم مقام کر دیا کذا فی الدرر لملا خسرو وفی غیرہما عین السیلان اور سبیلین کے سوائے میں خروج بعینہ سیلان ہے یعنی بہنا ہی نکلنا ہے م سیلان یعنی بہنے کی حد یہ ہے کہ نجاست زخم کے اوپر آوے پھر وہاں سے ڈھل جائے ایسا بیان کیا ہے ابو یوسفؒ نے اس واسطے کہ جب تک انحدار یعنی سر زخم سے ڈھلنا پایا نہ جائے گا تو اپنے مکان سے نجاست کا انتقال نہ ہو گا کیونکہ جب تک خون سر زخم کے موازی اور سامنے ہے وہی اُس کا مکان اصلی ہے اور اسی تقریر سے معلوم ہو گیا کہ غیر سبیلین میں خروج عین سیلان ہے کذا فی الدرر الحاصل سبیلین میں خروج نجاست کا تحقق فقط ظاہر ہو جانے سے ہوتا ہے اگرچہ سیلان نہ ہو اور غیر سبیلین میں یعنی زخم وغیرہ میں خروج ثابت نہ ہو گا بدون سیلان کے ولو بالقوۃ لما قالوا لو مسح الدم کلما خرج ولو ترکہ لسال نقض والا لا اگرچہ سیلان بالفعل نہ ہو بلکہ بالقوۃ ہو یعنی بہنے کی لیاقت اور قابلیت رکھتا ہو تو ناقض ہو گا اس لیے کہ فقیہوں نے کہا ہے کہ اگر خون نکلنے کو پونچھتا رہا اور بہنے نہ دیا لیکن اگر نہ پونچھتا تو بہتا تو ایسا خون وضو کو توڑتا ہے اور جو ایسا نہیں وہ ناقض نہیں یعنی اگر بہنے کے لائق نہیں وہ وضو کو نہیں توڑتا کما لو سال فی باطن عین او جرح او ذکر ولم یخرج جیسے وضو کو نہیں توڑتا وہ خون جو بہا آنکھ کے اندر یا زخم کے اندر یا نر کے اندر اور باہر نہ نکلا اس واسطے کہ ان مواضع کا دھونا نہ وضو میں لازم ہے نہ غسل میں یہ محترز ہے قولہ یلحقہ حکم التطہیر کا[1] وکدمع وعرق الا عرق مدمن الخمر فناقض علی ما سیذکرہ المصنف ولنا فیہ کلام اور جیسے آنسو اور پسینا وضو کو نہیں توڑتا اس لیے کہ نجس نہیں مگر دائم الخمر[شراب] کا پسینا تو وضو کا ناقض ہے بنا بر اُس قول کے جس کو مصنف ذکر کرے گا آخر کتاب نواقض میں اور ہم کو اس میں گفتگو ہے م حاصل کلام شارح یہ ہے کہ وہ قول ضعیف اور تخریج غریب ہے تو اعتماد کے لائق نہیں کذا فی الطحطاوی وخروج غیر نجس مثل ریح[فرج] او دودۃ او حصاۃ من دبر اور وضو کو توڑتا ہے نکلنا پاک چیز کا مقعد سے چنانچہ ہوا یا کیڑا یا پتھری م ریح اگرچہ ناپاک نہیں قول صحیح میں چنانچہ زاہدی وغیرہ میں ہے مگر وضو کی ناقض ہے نجس کی مجاورت کے سبب سے اور کیڑے اور پتھری وغیرہ پر[مقام پاخانہ] اگرچہ نجاست قلیل ہے لیکن اُن کا نکلنا سبیلین سے ناقض وضو ہے چنانچہ درر میں مصرح ہے کذا فی المنح لا خروج ذلک من جرح ناقض وضو نہیں نکلنا ریح اور کیڑے اور پتھری کا زخم سے ولا خروج ریح من قبل غیر مفضاۃ اور ناقض وضو نہیں نکلنا ریح کا اس عورت کی فرج سے جو مفضاۃ نہیں ہے اما ہی فیندب لہا الوضوء وقیل یجب وقیل لو منتنۃ لیکن مفضاۃ کو تو وضو کرنا مستحب ہے فرج کے ریح نکلنے سے اور بعضوں نے کہا واجب ہے اور بعضوں نے کہا کہ اگر بدبو ہے ریح میں تو واجب ہے وضو اور نہیں تو نہیں م مفضاۃ وہ عورت ہے جس کی دونوں راہیں ایک ہو گئیں یعنی بیان کا پردہ پھٹ کر وذکر لانہ اختلاج اور ناقض وضو نہیں نا نرے کی ریح اس واسطے کہ یہ اختلاج ہے یعنی عضو کا پھڑکنا ہے درحقیقت خروج ریح نہیں م مصنف نے اپنی شرح منح الغفار میں کہا کہ فرج اور ذکر کی ریح اس واسطے وضو کی ناقض نہیں کہ وہ نجاست کے مقام سے نہیں اٹھی اور ریح ناقض نہیں ہوتی مگر اسی وجہ سے اور یہ وجہ نہیں کہ ریح خود نجس ہے حتی لو خرج ریح من الدبر وہو یعلم انہ لم یکن من الاعلی فہو اختلاج فلا ینقض یہاں تک کہ اگر خارج ہوئی ریح مقعد سے اور وہ جانتا ہے کہ اوپر سے نہیں اتری تو وہ بھی اختلاج ہے درحقیقت خروج نہیں تو ناقض وضو نہ ہو گا کذا فی المنح عن الخلاصۃ وانما قید بالریح لان خروج الدودۃ والحصاۃ منہما ناقض اجماعا کما فی الجوہرۃ اور مصنف نے ریح کی قید نہیں لگائی مگر اس واسطے کہ کیڑے اور پتھری کا نکلنا فرج اور ذکر سے وضو کا توڑنے والا ہے بالاتفاق چنانچہ جوہرہ میں مذکور ہے م اسی طرح خانیہ میں مصرح ہے اور سراج وہاج میں اس پر اجماع نقل کیا ہے لیکن زیلعی نے اس کیڑے میں جو فرج سے نکلا ہے خلاف نقل کیا ہے اور اسی طرح شارح وقایہ نے کذا فی المنح ولا خروج دودۃ من جرح او اذن او انف او فم وکذا لحم سقط منہ لطہارتہما وعدم السیلان فیما علیہما وہو مناط النقض اور وضو

[1] یعنی شارح نے جو کہا تھا کہ اس مقام کو کہیں جس کو پاک کرنے کا حکم لاحق ہے تو ان صورتوں سے احتراز کے لیے تھا ۱۲

نہیں توڑتا نکلنا کیڑے کا زخم سے یا کان سے یا ناک سے یا منہ سے اور اسی طرح ناقض وضو نہیں وہ گوشت جو گر پڑا زخم سے بسبب پاک ہونے کیڑے اور گوشت کے اور نہ بہنے اس رطوبت کے جو اُن دونوں پر ہے اور سیلان ہی مدار ہے وضو توڑنے کا یعنی غیر سبیلین میں م زخم کا کیڑا پیدا ہوا ہے گوشت سے اور گوشت پاک ہے برخلاف اس کیڑے کے جو مقعد سے نکلا کہ وہ نجاست سے پیدا ہوا ہے اور گوشت کی طہارت اُس شخص کے حق میں اس واسطے کہ فقہانے کہا کہ جو چیز زندہ سے جدا ہوئی وہ مردار کے مانند ہے مگر اُسی زندہ کے حق میں یہاں تک کہ اگر اُس کو وہ لیے رہے گا تو نماز اُس کی فاسد نہ ہو گی تو حلبی کا یہ اشکال ساقط ہو گیا کہ گوشت یعنی ساقط گوشت نجس ہے نہ طاہر کذا فی الطحطاوی والمخرج بعصر والخارج بنفسہ سیّان فی حکم النقض علی المختار کما فی البزازیۃ قال لان فی الاخراج خروجًا فصار کالفصد وفی الفتح عن الکافی انہ الاصح واعتمدہ القہستانی وفی القنیۃ وجامع الفتاوی انہ الاشبہ ومعناہ انہ الاشبہ بالمنصوص روایۃ والراجح درایۃ فیکون الفتوی علیہ اور جو خون وغیرہ زخم اور پھوڑے سے نکالا گیا دابنے اور نچوڑنے سے اور جو آپ سے نکلا دونوں برابر ہیں وضو توڑنے کے حکم میں بنا بر قول مختار کے چنانچہ بزازیہ میں ہے اُس کے مصنف یعنی بزازی نے کہا اس واسطے کہ نکالنے میں نکلنا بھی ثابت ہے یعنی خروج اخراج کو لازم ہے تو نکالنا فصد کے مانند ہو گیا یعنی فصد بالاتفاق ناقض ہے باوجود اخراج کے اور فتح القدیر میں کافی سے منقول ہے کہ مخرج کا ناقض ہونا صحیح تر قول ہے اور اس پر قہستانی شارح نقایہ نے اعتماد کیا ہے اور قنیہ اور جامع الفتاوی میں ہے کہ یہی قول اشبہ ہے اور اشبہ کا مطلب یہ ہے کہ قول مذکور زیادہ تر مشابہت رکھتا ہے اس قول سے جو منصوص ہے روایات کی راہ سے اور اس قول سے جو راجح ہے اور اک عقلی کی راہ سے تو بموجب قول مذکورہ کے اسی پر فتوی ہو گا م مخرج کا ناقض ہونا عالمگیری میں وجیز کردری اور قنیہ اور شرح منیہ سے منقول ہے اور حسن حلبی کے حاشیہ شرح وقایہ میں بھی قول تمہ اور خلاصہ اور کافی اور شمس الائمہ سرخسی سے مذکور ہے حجامت اور فصد اور مص علق پر قیاس کرنے سے اگرچہ محشی مذکور نے قیاس مذکور کو غیر مستقیم کہا ہے اور خارج بنفسہ اور مخرج بالعصر میں تفرقہ ثابت کیا ہے لیکن بقول علامہ عینی کے باب عبادت میں مخرج کے ناقض ٹھہرانے میں احتیاط ہے اگرچہ صاحب ہدایہ اور شارح وقایہ اور ظہیریہ کے مصنف اس کو ناقض نہیں کہتے ونقیضہ قیُ ملأفاہ بان یضبط بتکلف اور ناقض وضو قے ہے منہ بھر کے اس طرح پر کہ بہت تکلف سے منہ کے اندر تھم سکے م اور ینابیع میں کہا کہ قول صحیح یہ ہے کہ منہ بھر کے قے وہ ہے جس کے روکنے پر قدرت نہ ہو کذا فی الطحطاوی من مرّۃ بالکسر ای صفراء او علقٍ ای سوداءٍ قے مذکور ناقض ہے صفراء سے ہو یا سوداء سے مرہ بکسر میم وتشدید راء عبارت ہے صفراء سے یعنی زرد کڑوا پانی اور علق بفتح عین ولام عبارت ہے سوداء سے م قاموس میں ہے کہ علق بالتحریک خون ہے مطلق یا نہایت سرخ یا غلیظ یا بستہ خون طحطاوی نے کہا یہاں خون بستہ مراد ہے خون بستہ کی قید اس لیے لگائی کہ اگر خون سائل ہو تو ناقض ہے اگرچہ منہ بھر کے قے نہ ہوا انتہی قول شارح نے علق کو سوداء کہا حالانکہ یہاں علق سے خون بستہ مراد ہے اس واسطے کہ خون بستہ نہیں ہوتا مگر احتراق سے اور احتراق سے ہر خلط سوداء ہو جاتا ہے تو علق نہ حقیقی نرا سوداء ہو گیا کذا فی العینی واما العلق النازل من الراس فغیر ناقض اور جو خون بستہ کہ سر سے اُترا وہ تو وضو کو نہیں توڑتا او طعامٍ او ماءٍ اذا وصل الی معدتہ ان لم یستقر یا قے ہو کھانے یا پانی کی جب کہ کھانا یا پانی پیٹ تک پہنچ گیا اگرچہ اُس میں نہ ٹھہرا فوراً اگر پڑا ناقض ہے وضو کا م اور حسن کا قول یہ ہے کہ اگر طعام اور پانی فوراً اگر پڑا تو ناقض نہیں مجتبی میں اس کو مختار کہا ہے اور معراج الدرایہ میں اس کی سرخ کی ہے تصحیح کی ہے تو یہاں دونوں قول مختلف کی تصحیح واقع ہوئی ہے کذا فی الطحطاوی وھو نجسٌ مغلظ ولو من صبی ساعۃ ارتضاعہ ھو الصحیح لمخالطۃ النجاسۃ ذکرہ الحلبی اور وہ قے مذکور نجس مغلظ ہے اگرچہ شیر خوار لڑکے نے قے کی ہو دودھ پی کر فوراً یہی قول صحیح ہے بسبب مل جانے نجاست معدہ کے ایسا ذکر کیا ہے حلبی نے یعنی کھانا اور پانی اور دودھ جو قے ہو گیا وہ ناپاک ہو گیا ہے پیٹ کی نجاست سے مختلط ہو کر ولو ھو فی المری فلا نقض اتفاقًا کقیئ حیّۃ او دود کثیر لطھارتہ فی نفسہ اور کھانا یا پانی یا دودھ مری میں یعنی طعام اور شراب کے مجری میں تھا پیٹ تک نہیں پہنچا اور قے ہو گیا تو وضو کا توڑنا بالاتفاق ثابت نہیں جیسے کیچوے یا بہت سے کیڑوں کی قے ناقض نہیں بسبب پاک ہونے ہر واحد کے اپنی ذات میں یعنی اور جس قدر کہ اُن پر ہے وہ قلیل ہے منہ بھر کے نہیں کذا فی الطحطاوی کما لم النائم فانہ طاہرٌ مطلقًا بہ یفتی جیسے سوتے آدمی کی رال ناقض نہیں اس واسطے کہ وہ پاک ہے ہر طرح اسی کا فتوی ہے م رال مطلقًا پاک ہے خواہ سر سے اُترے یا پیٹ سے چڑھے خواہ زرد رنگ بدبودار ہو یا نہ ہو اور اس اطلاق کے مقابل وہ قول ہے ابو نصر کا مختار کہ

جو رال پیٹ سے زرد رنگ بودار ہے وہ قے کی مانند ہے اور جو سر سے اُترے وہ پاک ہے تجنیس میں ہے کہ رال پاک ہے کسی طرح کی ہو اور اسی قول پر فتویٰ ہے کذا فی الطحطاوی بخلاف ماء فم المیت فانہ نجس کقئ عین خمر او بول وان لم ینقض لقلتہ لنجاستہ بالاصالۃ لا بالمجاورۃ برخلاف میت کی رال کے اس واسطے کہ وہ نجس ہے جیسے نفس شراب یا پیشاب کی قے اگرچہ وہ ناقض نہ ہو قلت کی وجہ سے بسبب ناپاک ہونے شراب یا پیشاب کے اپنی اصل میں نہ پیٹ کی نجاست مل جانے سے برخلاف اور چیزوں کے کہ وہ اختلاط نجاست سے ناپاک ہو جاتی ہیں ذات اُن کی ناپاک نہیں لا ینقضہ قئ من بلغم علی المعتمد اصلا نہیں توڑتی وضو کو بلغم کی قے مطلقاً بنا بر قول معتمد کے م بلغم خواہ سر سے اُترا خواہ پیٹ سے چڑھا منہ بھر کے ہو یا کم مختلط بالطعام ہو یا نہ ہو مگر جب کہ طعام سے منہ بھر ہوا ایسا ہے بحر او منح ہیں اور شارح کا قول علی المعتمد اس بلغم کی طرف راجع ہے جو پیٹ سے چڑھا اس لیے کہ جو بلغم سر سے اُترا اس میں اتفاق ہے علی الصحیح کذا فی الطحطاوی الا المخلوط بطعام فیعتبر الغالب مگر وہ بلغم جو طعام کے ساتھ مخلوط نکلا تو غالب کا اعتبار ہوگا یعنی اگر بلغم غالب ہے تو ناقض وضو نہیں اور اگر طعام غالب ہو تو ناقض ہے م بہتر یہ تھا کہ شارح طعام کی پری دہن کا اعتبار کرتا جیسا صاحب بحر الرائق نے کیا تاکہ اُس صورت کو شامل ہوتا جبکہ طعام مغلوب ہو اور باوجود اس کے منہ کو بھر دے لہٰذا صاحب بحر نے غلبہ طعام کو اس طرح بیان کیا کہ حالت انفراد میں منہ کو بھر دے سو اُس کو یاد رکھنا چاہیے کذا فی الطحطاوی ولو استویا فکل علحدۃ اور اگر بلغم اور طعام دونوں برابر ہیں تو ہر ایک کا اعتبار جدا جدا ہے یعنی اگر طعام بقدر پری دہن کے ہے تو ناقض ہے اور نہیں تو ناقض نہیں وینقضہ دم مائع من جوف او فم غلب علی بزاق حکما للغالب اور وضو کو توڑتا ہے وہ پتلا خون پیٹ یا منہ کا جو غالب ہو گیا تھوک پر اس واسطے کہ غالب پر حکم ہوتا ہے او ساواہ احتیاطا یا خون برابر ہے تھوک کے تو بھی ناقض ہوگا احتیاط کی راہ سے م خون کے غالب ہونے یا برابر ہونے کی یہ علامت ہے کہ تھوک سرخ ہوگا اور مغلوب ہونے کی نشانی یہ ہے کہ تھوک زرد ہوگا کذا فی شرح الوقایہ والبحر ولا ینقضہ المغلوب بالبزاق اور وہ خون وضو کو نہیں توڑتا جو تھوک سے کم ہے والقیح کالدم اور پیپ خون کے مانند ہے وضو توڑنے کے حکم میں یعنی اگر پیپ تھوک سے غالب ہے یا برابر ہے تو ناقض ہے اور اگر کم ہے تو ناقض نہیں والاختلاط بالمخاط کالبزاق اور خون اور پیپ کا رینٹ سے ملنا تھوک کے ملنے کے برابر ہے حکم مذکور میں یعنی غالب اور مساوی ناقض ہے اور مغلوب ناقض نہیں وکذا ینقضہ علقۃ مصت عضوا وامتلأت من الدم ومثلہا القراد ان کان کبیرا لانہ حینئذ یخرج منہ دم مسفوح سائل اور اسی طرح وضو کو توڑتا ہے وہ کیڑا اور جونک جس نے عضو کو چوسا اور خون سے پُر ہو گیا اور چیچڑی جونک کے برابر ہے وضو توڑنے میں بشرطیکہ بڑی چیچڑی ہو کیونکہ اس وقت اُس سے دم مسفوح یعنی رواں خون نکلتا ہے جونک کے مانند کذا فی الخانیۃ والا لا کالعلقۃ والقراد کذلک لا ینقض کبعوض وذباب کما فی الخانیۃ لعدم الدم المسفوح اور اگر جونک اور چیچڑی ایسی نہ ہو کہ اُس سے خون جاری نکلے تو وہ ناقض وضو نہیں مچھر اور مکھی کے کاٹنے کے مانند چنانچہ خانیہ یعنی فتاویٰ قاضی خاں میں مذکور ہے کہ وضو نہیں ٹوٹتا خون سائل کے نہ ہونے سے وفی القہستانی لا ینقض مالم یتجاوز الورم اور قہستانی میں ہے کہ خون ناقض نہیں جب تک ورم سے تجاوز نہ کرے م بحر الرائق میں شیخ الاسلام کے مبسوط سے منقول ہے کہ سر زخم ورم کر گیا پھر اُس سے پیپ وغیرہ کچھ ظاہر ہوا تو ناقض نہ ہوگا جب تک ورم سے تجاوز نہ کرے اس واسطے کہ موضع ورم کا دھونا واجب نہیں تو تجاوز نہ ہوا اُس موضع کی طرف جس کو تطہیر کا حکم لاحق ہے طحطاوی نے کہا یہ حکم اس صورت کو مخصوص ہے جہاں دھونا ورم کو ضرر کرتا ہے اور اگر ضرر نہیں کرتا تو دھونا ورم کا واجب ہوگا انتہیٰ قولہ تو اس صورت میں تجاوز ورم سے بھی وضو ٹوٹے گا کما لا یخفی ولو شد بالرباط ان نفذ البلل للخارج نقض اور اگر زخم کو پٹی سے باندھا اگر تراوت باہر کی طرف توڑ آئی تو وضو کی ناقض ہے م فتح القدیر میں ہے اس کا مطلب یوں سمجھنا واجب ہے کہ وہ زخم ایسا ہے کہ اگر پٹی نہ ہوتی تو بہتا اس واسطے کہ اگر قمیص زخم پر پھرے سو تر ہو جائے ناپاک نہیں ہوتا جب تک ویسا نہ ہو کیونکہ وہ حدث نہیں کذا فی الطحطاوی ویجمع متفرق القئ ویجعل کقئ واحد لاتحاد السبب وہو الغثیان عند محمد وہو الاصح لان الاصل اضافۃ الاحکام لاسبابہا الا لمانع کما بسط فی الکافی اور متفرق قے کو جو منہ بھر کے نہیں اٹکل سے جمع کیجیو اور ایک قے اُس کو ٹھہرائے سبب کے متحد ہونے سے اور سبب قے کا متلی ہے محمد کے نزدیک یعنی اگر ایک ہی متلی سے چند بار تھوڑی تھوڑی قے آئی اور مجموع کرنے سے پری دہن کو پہنچی ہے تو وضو کی ناقض ہے محمد کے نزدیک اور یہی قول صحیح تر ہے اس واسطے کہ نسبت کرنا احکام کا اُن کے اسباب کی طرف اصل ہے مگر یہ کہ اسبا

کی طرف نسبت کرنے سے کوئی چیز مانع ہو تو اب سبب کی طرف نسبت نہ ہوگی چنانچہ اس کی تشریح کافی میں ہے م مانع کی مثال چنانچہ سجدۂ تلاوت ہے جبکہ اس کا سبب مکرر ہو مجلس واحد میں کیونکہ اگر یہاں سبب معتبر ہو تو تداخل فوت ہوتا ہے اس واسطے کہ ہر بار کی تلاوت سبب ہے سجدہ کا اور یہ غیر اصح قول ہے ابو یوسف کا یعنی جمع متفرق کے واسطے اُن کے نزدیک اتحاد مجلس معتبر ہے **وکل مالیس بحدث** اصلاً لقرینۃ زیادۃ الباء کقئ قلیل ودم لو ترک لم یسل لیس بنجس عند الثانی اور جو چیز حدث نہیں یعنی ناقض وضو کی نہیں کسی طرح سے چنانچہ تھوڑی قے اور خون جو اُس کو چھوڑیے تو سائل نہ ہو تو وہ ناپاک نہیں ابو یوسفؒ کے نزدیک شارح نے کہا حدث میں اصلاً کی قید ہم نے لگائی بار جارہ کے زائد ہونے کے قرینہ سے م اس واسطے کہ بار جارہ کی زیادت خبر کے عموم نفی پر دلالت کرتی ہے علم نحو کے قاعدہ سے تو اصلا کی قید لگانے سے اُس حدث سے احتراز ہوا جو معذور سے خارج ہوتا ہے وقت نماز کے خارج ہونے سے پہلے اس واسطے کہ مثلاً معذور کے پیشاب کا جاری ہونا معذور کے حق میں حدث نہیں لیکن وہ ناپاک ہے اس واسطے کہ پیشاب غیر معذور کے حق میں حدث ہے تو اصلا کی قید لگانے سے وہ داخل نہ رہا اس کلیہ کے تحت میں بالجملہ کلیہ مذکور صحیح ہے کہ جو کسی وجہ سے ناقض وضو نہیں وہ ناپاک نہیں اور اس کا عکس درست نہیں یعنی جو نجس نہیں وہ حدث نہیں اس واسطے کہ نوم اور اغما اور ریح نجس نہیں مگر حدث ہیں یعنی ناقض وضو ہیں کذا فی الطحطاوی درد میں ہے کہ قے قلیل اس واسطے نجس نہیں کہ اعلائے معدہ سے خارج ہوتی ہے اور وہ نجاست کا مکان نہیں ہے اور قلیل خون غیر مسفوح ہے یعنی سائل نہیں تو بفحوائے آیۂ کریمہ (او دماً مسفوحاً) حرام نہ ہوا تو نجس بھی نہ ہوگا اور آدمی کا غیر مسفوح خون جو حرام ہے تو وہ مبنی ہے اس کے گوشت کی حرمت پر تو نجاست کا موجب نہ ہوگا اس واسطے کہ حرمت بزرگی کے سبب سے ہے نہ نجاست کی وجہ سے تو آدمی کا خون غیر مسفوح اپنی اصلی طہارت پر ہے اگرچہ وہ حرام ہے [یا خون بہتا ہوا ۱۲] وھو الصحیح رفقاً باصحاب القروح خلافاً لمحمد اور قلیل قے اور خون کا نجس نہ ہونا یہی قول صحیح ہے زخمیوں کی آسانی کے واسطے برخلاف محمدؒ کے یعنی اُن کے نزدیک قے قلیل اور خون قلیل ناپاک ہے وفی الجوھرۃ یفتیٰ بقول محمدؒ لو المصاب مائعاً اور جوہرہ نیرہ قدوری کی شرح میں ہے کہ محمدؒ کے قول پر فتویٰ دیا جائے اگر سائل چیز میں قلیل قے یا خون مل گیا یعنی اگر پانی وغیرہ میں تھوڑا خون مل گیا تو اُس کو ناپاک جانیے اور اگر کپڑے وغیرہ خشک چیز میں لگے تو اُس کو پاک سمجھیے وینقضہ حکماً نومٌ اور نیند وضو کو توڑتی ہے حکم شرع کی راہ سے م شارح نے حکماً کے لفظ کو زیادہ کرکے اشارہ کردیا کہ مصنف نے نواقض حقیقیہ کے بیان کے بعد اب نواقض حکمیہ کو شروع کیا یزیل مسکتہ ای قوتہ الماسکۃ بحیث تزول مقعدتہ من الارض وہ نیند ناقض وضو ہے جو آدمی کی قوت ماسکہ کو یعنی جس قوت سے آدمی ریح کو روکتا ہے زائل کردے اس طرح پر کہ اُس کی مقعد زمین سے ہل جائے م صحیح قول یہ ہے کہ نوم فی نفسہٖ ناقض نہیں بلکہ احتمال خروج ریح وغیرہ کا ناقض ہے اس لیے کہ جب زمین سے مقعد کا زوال ہوا تو باعتبار عادت کے خروج شے سے خالی نہیں اور جو ثابت ہے عادت سے وہ متیقن کے مانند ہے وھو النوم علی احد جنبیہ او ورکیہ او قفاہ او وجہہ اور نوم ناقض ہوتا ہے ایک کروٹ پر یا ایک سرین پر ٹیک دے کر یا چت یا پٹ یعنی یہ چار طرح کی نیند ناقض وضو ہے قوت ماسکہ کے زائل ہوجانے سے والا ای وان لم یزل مسکتہ لا ینقض وان تعمدہ فی الصلوۃ او غیرہا علی المختار اور اگر ویسی نیند نہیں یعنی اُس کی قوت ماسکہ کو زائل نہیں کیا تو وہ نیند ناقض وضو کی نہیں اگرچہ آدمی قصداً سو گیا ہو نماز میں یا غیر نماز میں بنا بر قول مختار کے م علی المختار صلوۃ کی طرف راجع ہے اور غیر مختار ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ جب نماز میں عمداً سووے گا تو وضو نہ رہے گا کذا فی الطحطاوی کالنوم قاعداً ولو مستنداً الی ما لو ازیل لسقط علی المذہب نوم غیر ناقض جیسے دونوں سرین پر بیٹھ کر سونا اگرچہ ایسی چیز کے سہارے سے سو گیا ہو کہ اگر اس کو ہٹا لیجیے تو سونے والا گر پڑے بنا بر درست مذہب کے م شارح نے نیند کی ان اقسام کی اب تفصیل شروع کی جن سے وضو نہیں ٹوٹتا ہدایہ میں سہارے کی نیند مذکور کو نواقض میں شمار کیا ہے اور اس کے شارحوں نے کہا کہ طحطاوی نے اس کو اختیار کیا ہے مبسوط کی اصل روایت میں نہیں ہے اور محیط میں ہے کہ اگر زمین پر مستقر نہ ہو تو ناقض ہے اور اگر مستقر ہو تو ناقض نہیں یہی قول اصح ہے کذا فی الدرر وساجداً علی الھیئۃ المسنونۃ ولو فی غیر الصلوۃ علی المعتمد ذکرہ الحلبی یا سونا سجدہ کرنے میں سنت کے طور پر اگرچہ نماز کے سوا میں اس طرح سو گیا ہو وضو نہیں جاتا قول معتمد پر ایسا ذکر کیا ہے حلبی نے م سجدہ مسنون کی صفت یہ ہے کہ پیٹ اونچا رکھے رانوں سے اور بازو علیحدہ ہوں پہلو سے اس واسطے کہ اس طرح میں استمساک باقی ہے اور استطلاق منعدم ہے اور بعضوں نے کہا کہ نماز میں ہر طرح کا سجدہ ناقض نہیں اور غیر نماز میں [بندھنا ۱۲] [پیٹ کا ۱۲]

سجدۂ مسنونہ ناقض نہیں کذا فی الطحطاوی در زمیں ہے اور اسی طرح قیام اور رکوع کی حالت میں سونا وضو کا ناقض نہیں او متورکا یا سرین پر سونا اس طرح کہ دونوں پاؤں ایک جانب کو پھیلائے اور دونوں سرین زمین پر جمائے او محتبیا ورا سہ علی رکبتیہ یا سونا اوکڑوں بیٹھ کر اس طرح کہ دونوں پنڈلیاں چھاتی سے مل جاویں کپڑا لپیٹ کر یا دونوں ہاتھوں سے تھام کر اور سر گھٹنوں پر ہو طحطاوی نے کہا اگر سر گھٹنوں پر نہ ہو تو بطریق اولی ناقض نہیں او شبہ المنکب یا سونا اوندھے کے مانند اس طرح کہ دونوں سرین رکھے ایڑیوں پر اور پیٹ رانوں پر اور ہو گیا اوندھے کے مشابہ ایسا ذکر کیا بحر الرائق میں اور اس میں گفتگو ہے[1] کذا فی الطحطاوی او فی محمل او سرج او اکاف یا سونا عماری میں یا زین یا پالان پر م طحطاوی نے خلاصہ سے نقل کیا کہ محمل میں کھڑے یا بیٹھے سونا ناقض نہیں انتہی خانیہ میں ہے کہ اگر جانور کی پیٹھ پر زین یا پالان میں سو گیا وضو نہیں ٹوٹا کیونکہ مفاصل ڈھیلے نہیں ہو گئے اور اگر دونوں سرین کو ایڑیوں پر رکھ کر سو گیا جس طرح کتا کرتا ہے تو اس پر وضو نہیں ابو یوسفؒ کے نزدیک اور بعضوں نے کہا کہ امام محمدؒ کے نزدیک بھی ولو الدابۃ عریانا فان حال الہبوط نقض والا لا اور جو سوا ہے اس حال میں کہ جانور کی پیٹھ برہنہ ہے تو اگر اوتار پر ہے یعنی بلندی سے نشیب کو آتا ہے تو ناقض وضو ہے ورنہ ناقض نہیں م اس لیے کہ نیچے اترنے پر سوار آگے جھکتا ہے تو سرین اٹھ جاتے ہیں تو استمساک جو مانع خروج ریح تھا باقی نہ رہا اور برابر زمین پر یا بلندی پر چڑھنے میں یہ بات نہیں تو وضو قائم رہے گا ولو نام قاعدا یتمایل فسقط ان انتبہ حین سقط فلا نقض بہ یفتی کنا عس لفہیم اکثر ما قیل عندہ اور جو بیٹھے سو رہا تھا جھوم جھوم کر پھر گر پڑا اگر گرتے ہی جاگ پڑا تو ناقض وضو نہیں اسی قول پر فتوی ہے جیسے وضو نہیں ٹوٹتا اس اونگھنے کا جو سمجھتا جاتا ہے اکثر ان باتوں کو جو اس کے پاس ہو رہی ہیں کذا فی الخانیۃ م خانیہ میں ہے کہ اگر چار زانو سو یا کسی چیز پر بیٹھ کر ٹیک کر شمس الائمہ حلوانی نے کہا کہ ناقض نہ ہوگا انتہی ما فی الخانیۃ حاصل مقام یہ ہے کہ اگر استرخاء مفاصل نہیں ہوا اور عدم زوال قوت ماسکہ کی دلیل قائم ہے چنانچہ قیام اور قعود اور رکوع اور سجدۂ مسنونہ وغیر ذلک من المذکورات میں تو وضو قائم ہے ورنہ قائم نہیں والعتہ لا ینقض اور اختلال عقل اور اختلاط کلامی ناقض وضو نہیں م عتہ بفتح اول و سکون ثانی آفت ہے موجب اختلال عقل اس طرح پر شخص مختلط الکلام فاسد التدبیر ہو جاتا ہے مگر وہ کسی کو نہیں مارتا ہے اور نہ گالی دیتا ہے ایسا مذکور ہے بحر الرائق میں او معتوہ کا وضو اس واسطے صحیح ہوا کہ فقہا نے اس کی صحت عبادت پر حکم کیا ہے اگرچہ وہ عبادت کا مکلف نہیں جیسے طفل عاقل کی عبادت صحیح ہے گو وہ مکلف نہیں کذا فی الطحطاوی ملخصا کنوم الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام جیسے انبیا علیہم الصلوۃ والسلام کی نیند وضو کو نہیں توڑتی م قنیہ میں مصرح ہے کہ ناقض وضو نہ ہونا نوم کا حضرات انبیاء کی خصوصیات سے ہے ولہذا صحیحین میں وارد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوئے یہاں تک کہ سونے کی آواز معلوم ہوئی پھر اٹھے اور نماز پڑھی بدون وضو کے اس واسطے کہ دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا اور اس پر اعتراض نہیں لگتا اس حدیث کا کہ لیلۃ التعریس[2] میں حضرت سو گئے تھے یہاں تک کہ آفتاب نکل آیا تھا اس واسطے کہ دل مبارک جاگتا تھا احداث بدنی سے آگاہ تھا اور طلوع آفتاب کا ادراک دل سے متعلق نہیں آنکھ کا یہ کام ہے سو آنکھ تو سوتی تھی ایسا مشہور ہے محدثین اور فقہا کی کتابوں میں علامہ ابو السعود نے کہا علاوہ یہ کہ نوم کی کچھ خصوصیت نہیں بلکہ نوم کے سوا اور نواقض کا بھی یہی حکم ہے تو اس وقت میں حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا وضو کرنا امتوں کی تشریع کے واسطے تھا کہ منجملہ نواقض کے اغما اور غشی مستثنی ہیں کذا فی الطحطاوی وہل ینقض اغماؤہم وغشیہم ظاہر کلام المبسوط نعم اور انبیا علیہم الصلوۃ والسلام کا اغما اور غشی ناقض وضو ہے یا نہیں جواب اس کا ظاہر کلام مبسوط سے یہ ہے کہ ہاں ناقض ہے م اغما یعنی بیہوشی بیماری کی ایک قسم ہے جس سے قوت ضعیف ہو جاتی ہے اور عقل زائل نہیں ہوتی بلکہ عقل کو چھپا لیتی ہے برخلاف جنون کے کہ وہ عقل کو زائل کر دیتا ہے اور غشی یہ ہے کہ قوت محرکہ اور حساسہ معطل ہو جاتے بسبب قلب ضعیف ہو جانے کے گرسنگی وغیرہ سے چنانچہ قہستانی میں ہے تو غشی نوم کے برابر ہے زوال اختیار اور فوت قدرت میں بلکہ نوم سے زائد ہے اس واسطے کہ نائم جگانے سے ہوشیار ہو جاتا ہے اور غشی جو اغما کی ایک قسم ہے اس کا صاحب ہوشیار کرنے سے بھی ہوشیار نہیں ہوتا کذا فی الطحطاوی ونقضہ اغماء ومنہ الغشی اور وضو کو توڑتا ہے

---

[1] گفتگو یہ ہے کہ چار زانو سونے سے وضو نہیں رہتا تو اس طرح سونے سے بطریق اولی نہ رہنا چاہیے چنانچہ مبسوطین سے کفایہ میں منقول ہے کہ اس طرح سونے سے وضو نہیں رہتا۔ [2] تعریس آخر شب میں مقام کرنے کو کہتے ہیں ایک سفر میں سرور کائنات صلعم نے حضرت بلال کو منزل پر پہرہ کے لیے فرمایا اور آپ استراحت کو لیٹے بلال پہرہ پر سو گئے یہاں تک کہ نماز صبح قضا ہو گئی اس شب کو لیلۃ التعریس کہتے ہیں ۱۲

اغما اور اُس کی قسم سے ہے غشی یعنی اغما اور غشی دونوں ناقض ہیں وجنونٌ اور جنون یعنی دیوانگی ناقض وضو ہے جنون عبارت ہے زوال عقل سے اور اس کا ناقض ہونا ظاہر ہے باعتبار عدم مبالات کے اور عدم تمیز حدث کی غیر حدث سے کیونکہ مجنون مسلوب العقل ہو جاتا ہے لہذا انبیا علیہم الصلوۃ والسلام پر جنون کا ہونا صحیح نہیں اور اغما صحیح ہے اس واسطے کہ عقل اس میں مغلوب ہے نہ مسلوب کذا فی العینی وسُکرٌ لایعقل فی مشیہ تمایل ولو باکل الحشیشۃ اور ناقض وضو ہے وہ نشا کہ مست اپنی چال میں اِدھر اُدھر جھکتا جاتا ہو اگرچہ بھنگ کے کھانے سے نشا حاصل ہوا ہو نشا اور مستی عبارت ہے اُس سرور سے جو عقل پر غالب ہو جائے بعض مسکرات کے استعمال سے تو آدمی عقل کے موافق عمل نہیں کرسکتا مگر اُس کی عقل زائل نہیں ہو جاتی اسی واسطے وہ خطاب شرع کے لائق باقی رہتا ہے یہی قول تحقیق ہے اور بعضوں نے کہا کہ مستی کا سرور عقل کو زائل کر دیتا ہے اور باوجود زوال عقل کے اُس کا مکلّف ہونا بطریق زجر اور توبیخ کے ہے کذا فی الطحطاوی وقہقہۃٌ اور قہقہہ یعنی ٹھٹھا مار کے ہنسنا ناقض ہے لیشرط آیندہ ہم قیاس اس کو چاہتا ہے کہ قہقہہ ناقض نہ ہو اس واسطے کہ وہ خارج نجس نہیں اور یہی مذہب ہے شافعیؒ اور مالکؒ اور احمدؒ وغیرہم کا اور ہمارے مذہب کی دلیل وہ حدیث ہے جو چھ صحابیوں سے مرفوع مروی ہے ازاں جملہ ایک طریق یہ ہے جو معجم طبرانی میں ابوالعالیہ ابوموسیٰ اشعری سے راوی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھاتے تھے کہ ایک کم نظر آدمی آیا اور اُس گڑھے میں گر پڑا جو مسجد میں تھا پس بہت لوگ جو نماز میں تھے ہنس پڑے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہنسنے والوں کو فرمایا کہ وضو اور نماز کا اعادہ کریں اور بیہقی نے خلافیات میں مانند اس کے روایت کی پھر اس حدیث کو معلول کہا اس طرح پر کہ ثقات کی جماعت نے اس حدیث کو عن ابی العالیۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرسل روایت کیا یعنی تابعی نے صحابی کا نام نہیں لیا میں کہتا ہوں بیہقی اس حدیث کے رد کرنے پر قادر نہ ہوا سوائے مرسل کہنے کے اور حدیث مرسل ہمارے نزدیک حجت ہے اور مرسل ابوالعالیہ کا صحیح ہے اور عجیب ہے احمد بن حنبل سے اس واسطے کہ اُن کا مذہب یہ ہے کہ حدیث مرسل اور حدیث ضعیف کو تقدیم دیتے ہیں قیاس پر سو یہاں انھوں نے قیاس کو حدیث مرسل پر مقدم کیا کذا فی العینی مختصراً وتمام البیان فیہ ہی مایسمع جیرانہ قہقہہ وہ ہنسی ہے جس کو پاس کے لوگ سنیں اور ضحک وہ ہنسی ہے جس کو آپ آدمی سُنے اور کوئی نہ سنے اور ضحک کا حکم یہ ہے کہ وہ وضو کا ناقض نہیں نماز کا مبطل ہے اور تبسم وہ ہنسی ہے جس میں مطلق آواز نہ ہو بلکہ فقط دانت کھل جاویں اُس کا حکم یہ ہے کہ نہ وضو اس سے جاتا ہے نہ نماز بالغ ولو امرأۃ سہواً الیقظان قہقہہ جاگتے جوان کا ناقض ہے اگرچہ عورت ہو گو بھول کر قہقہہ کیا ہو فلا یبطل وضوء صبی ونائم بل صلوتہما بہ یفتیٰ تو لڑکے اور سوتے کا قہقہہ وضو کو باطل نہ کرے گا بلکہ دونوں کی نماز کو باطل کرے گا اسی قول کا فتویٰ ہے لیصلّی ولو حکما کالبانی ناقض وضو ہے قہقہہ اس جاگتے جوان کا جو نماز پڑھتا ہے خواہ افعال نماز کے بالفعل ادا کرتا ہے یا نمازی کا حکم رکھتا ہے بانی کے مانند بانی وہ شخص ہے جس کا وضو نماز میں ٹوٹا پھر وضو کرنے کو گیا اس قصد سے کہ وضو کے بعد نماز مذکور کو تمام کروں گا سو وضو کرنے کے بعد قہقہہ مارکہ ہنسا وضو ٹوٹ گیا کما فی فتاوی قاضی خان لطہارۃ صغری ولو تیمماً صلوۃ مستقلۃ نماز پڑھتا ہو اُس طہارت صغری کے ساتھ جو بالاستقلال کی ہے نہ در ضمن غسل اگرچہ تیمم ہو طہارت صغری عبارت ہے وضو اور تیمم سے اور طہارت کبریٰ عبارت ہے غسل سے فلا یبطل وضوء فی ضمن الغسل تو باطل نہ ہوگا وہ وضو قہقہہ سے جو تمام بدن کے دھونے کے ضمن میں حاصل ہو اور اگر اول وضو کرکے غسل کرے گا تو ظاہر اوضو مستقل ہے کذا فی الطحطاوی لکن رجح فی الخانیۃ والفتح والنہر النقض عقوبۃ لہ وعلیہ الجمہور کما فی ذخائر الاشرفیۃ لیکن خانیہ اور فتح اور نہرالفائق میں وضو ضمنی کے نقض کو راجح کہا ہے ہنسنے والے کو سزا دینے کے واسطے ذخائر اشرفیہ میں کہا کہ جمہور اسی قول پر ہیں ... نہیں رہا صلوۃ کاملۃ بالغ مذکور پوری نماز پڑھتا ہو وے ہم نماز کامل سے مراد رکوع سجود والی نماز ہے یا جو رکوع سجود کے قائم مقام ہے چنانچہ ... معذور کا یا سوار کا تو نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت میں قہقہہ سے وضو نہ ٹوٹے گا لیکن وہ نماز اور سجدہ باطل ہوگا ولو عند السلام عمداً فانہا تبطل الوضوء لا الصلوۃ ... لزکا حررہ فی الشرنبلالیۃ اگرچہ سلام کے وقت عمداً قہقہہ کیا اس واسطے کہ یہ قہقہہ وضو کو باطل کرتا ہے نہ نماز کو برخلاف زفر کے چنانچہ شرنبلالیہ شرح وہبانیہ ... اس کو لکھا ہے ہم عمداً کی قید اس واسطے لگائی تا کہ خروج بصنعہٖ[1] متحقق ہو تو اس سے نماز باطل نہ ہوئی اور وضو ٹوٹ گیا اس واسطے کہ نماز کے جزو اخیر میں قہقہہ پایا گیا ولو قہقہ

[1] یعنی نماز سے باہر آنا اپنے فعل سے ۱۲

امامہ او احدث عمداً ثم قہقہہ المؤتم ولو مسبوقاً فلا نقض اور اگر مقتدی کے امام نے قہقہہ کیا یا عمداً حدث کیا پھر مقتدی نے قہقہہ کیا اگرچہ مقتدی مسبوق[1] ہو تو مقتدی کا وضو نہیں ٹوٹا اس واسطے کہ امام کے قہقہہ یا حدث قصداً سے نماز باطل ہوگئی تو مقتدی کا قہقہہ خارج نماز کے واقع ہوا اور خارج نماز کے قہقہہ ناقض نہیں بخلاف ما بعد کلامہ عمداً فی الاصح برخلاف اس قہقہہ مقتدی کے جو واقع ہوا امام کے عمداً کلام کرنے کے بعد قول اصح میں ھم یعنی اگر امام نے قصداً کلام کیا پھر مقتدی نے قہقہہ مارا تو صحیح تر قول میں مقتدی کا وضو ٹوٹ جاوے گا وجہ فرق قہقہہ اور کلام میں یہ ہے کہ کلام قاطع ہے نماز کا نہ مفسد اس واسطے کلام سے نماز کی شرط یعنی طہارت فوت نہیں ہوگئی تو اس سے مقتدی کی نماز فاسد نہ ہوئی تو قہقہہ مقتدی کا نماز کے اندر واقع ہوا لہذا وضو نہ رہا برخلاف قہقہہ امام یا عمداً حدث کے کہ اُس نے طہارت کو فاسد کر دیا تو مقتدی کی بھی نماز فاسد ہوئی تو قہقہہ مقتدی کا بعد نماز کے واقع ہوا تو وضو نہ ٹوٹا کذا فی الطحطاوی ومن مسائل الامتحان لو نسی الباقی المسح فقہقہہ قبل قیامہ للصلوٰۃ انتقض لا بعدہ لبطلانہا بالقیام الیہا اور آزمائش کے مسئلوں سے ایک یہ مسئلہ ہے کہ اگر باقی مثلاً مسح کرنا سر یا موزے کا بھول گیا پھر اُس نے قہقہہ مارا نماز میں شروع کرنے سے پہلے تو اُس کا وضو ٹوٹ گیا یعنی اس واسطے کہ نماز کے اندر قہقہہ واقع ہوا اور اس واسطے کہ باقی کا وضو کے واسطے آنا جانا نماز میں داخل ہے اور جو بعد شروع کرنے نماز کے ہنسا تو وضو نہیں ٹوٹا بسبب باطل ہو جانے نماز کے نماز کے شروع کرنے سے کیونکہ نسیان مسح سے طہارت نہ ہوئی تو بے طہارت نماز پڑھنے سے نماز باطل ہو گئی تو قہقہہ خارج نماز کے ٹھہرا ھم یعنی اگر سائل چاہے کہ مسئول کو آزماوے کہ اُس کو علم اس مسئلہ کا ہے یا نہیں تو یوں پوچھے کہ وہ قہقہہ کونسا ہے کہ جب نماز کے اندر واقع ہو تو ناقض نہ ہوا اور جب خارج نماز کے صادر ہو تو ناقض ہو حالانکہ امر بالعکس ہے کذا فی الطحطاوی ومباشرۃ فاحشۃ بتماس الفرجین ولو بین المرأتین والرجلین مع الانتشار للجانبین المباشر والمباشر ولو بلا بلل علی المعتمد اور ناقض وضو ہے کھلی مباشرت دونوں شرمگاہوں کے بھڑ جانے سے اگرچہ یہ امر دو عورتوں میں واقع ہو یا دو مردوں میں استادگی کے ساتھ جانبین یعنی لگانے والا اور جس کے لگایا دونوں کے وضو کی ناقض ہے اگرچہ مباشرت مذکورہ میں مذی کی تراوت نہ ہو بنا بر معتمد قول کے ھم یہ قول شیخین کا ہے اور محمدؒ نے کہا کہ مباشرت فاحشہ ناقض نہیں جب تک کچھ نہ نکلے اور صاحب حقائق نے اس کو صحیح کہا ہے لیکن یہ تصحیح معتمد نہیں اس لیے کہ تحفہ میں تصریح کی چنانچہ اُس کو شارح عینی نے نقل کیا کہ شیخین کا قول صحیح ہے اور یہی قول متون فقہ میں مذکور ہے کذا فی الطحطاوی عن البحر میں کہتا ہوں فتاوی عالمگیری میں جو ینابیع سے محمدؒ کے قول پر فتوی اور نصاب سے تصحیح اُس کی نقل کی ہے وہ بھی بقول صاحب بحر متون کے مخالف ہونے سے لائق اعتماد کے نہیں قنیہ میں ہے کہ عورت کے وضو ٹوٹنے میں انتشار آلہ مرد معتبر نہیں کذا فی العالمگیریہ لا ینقضہ مس ذکر لکن یغسل یدہ ندباً نہیں توڑتا وضو کو نائرہ کا چھونا لیکن مستحب ہے کہ ہاتھ دھو ڈالے ھم بسرہ بنت صفوان کی حدیث میں مس ذکر سے نقض وضو[2] مذکور ہے اور طلق بن علی عن ابیہ کی حدیث میں جس کو سوائے ابن ماجہ کے اصحاب سنن نے روایت کیا ہے نقض وضو مذکور نہیں ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث اصح اور احسن ہے اور یحیی بن معین وغیرہ نے بسرہ بنت صفوان کی حدیث کو ضعیف کہا ہے کذا فی الطحطاوی مختصراً وامرأۃ وامرد اور ناقض وضو نہیں عورت کا چھونا اور لڑکے بے ریش کا ھم امام شافعیؒ کے نزدیک عورت کا چھونا ناقض وضو ہے بدلیل قولہ تعالیٰ (او لامستم النساء) ہماری دلیل یہ ہے کہ لمس جب مقارن ہو عورتوں سے تو جماع مراد ہوتا ہے اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ کا چھونا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کا نماز کے اندر ثابت ہے اور صحیحین میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہٹانا عائشہ صدیقہؓ کے پاؤں کا نماز میں ثابت ہے لکن یندب للخروج من الخلاف لاسیما للامام لیکن وضو کر لینا مس ذکر اور مس عورت سے مستحب ہے تاکہ باتفاق مجتہدین کے طہارت حاصل ہو خصوصاً امام کے حق میں یعنی اس واسطے کہ امام کے پیچھے موافق اور مخالف سب نماز پڑھتے ہیں تو مقتدیوں کی رعایت کرنا خوب بات ہے لکن بشرط عدم لزوم ارتکاب مکروہ فی مذہبہ لیکن بشرطیکہ ارتکاب مکروہ کا اپنے مذہب میں لازم نہ آوے ھم شارح نے استدراک کیا اُس مفہوم سے جو اس کلام سے سمجھا گیا کہ امام کو مراعات مقتدیوں کے مذہب کی مستحب ہے خواہ اس مسئلے میں یا اس کے غیر میں والا اس مسئلے میں تو اپنے مذہب کے مکروہ کا کچھ بھی ارتکاب نہیں کذا فی الطحطاوی عن الحلبی کما لا ینقض لو خرج من اذنہ ونحوہا کعینہ وثدیہ قیح ونحوہ کصدید وماء سرۃ وعین

---

[1] یعنی ایک یا دو رکعت کے بعد آکر ملا ہو ۱۲ [2] الفاظ حدیث کے یہ ہیں من مس ذکرہ فلیتوضا یعنی جو اپنا نائرہ چھووے وہ وضو کرے اس حدیث میں وضو سے مراد ہاتھ دھونا ہے کہ مطابقت حدیث طلق بن علی کے ۱۲

لا لوجع جیسے وضو نہیں ٹوٹتا اگر متوضی کے کان سے اور مانند اُس کے چنانچہ اُس کی آنکھ یا پستان سے بدون درد کے پیپ نکلا اور اُس کے مانند چنانچہ زرد آب اور ناف کا پانی وغیرہ یعنی ناف کا پیپ اور زرد آب نکلا ناقض نہ ہوگا بدون درد کے وان خرج بہ ای لوجع نقض لانہ دلیل الجرح اور اگر پیپ وغیرہ درد کے ساتھ نکلا تو وضو کا ناقض ہوگا اس واسطے کہ درد کے ساتھ نکلنا وجود زخم کی دلیل ہے ھ بحر الرائق میں کہا کہ پانی میں یہ تفصیل البتہ خوب ہے اور پیپ اور زرد آب تو بدون زخم کے نہیں ہوتا نہر الفائق میں اس کا جواب دیا کہ ممکن ہے کہ زخم چنگا ہو کر پیپ نکلا ہو اور درد کا نہ ہونا ہی صحت کی علامت ہے فتاوی عالمگیری میں ماتن کی تفصیل کے موافق محیط سے شمس الائمہ حلوانی کا فتوی نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس طرح ذخیرہ اور زیلعی اور سراج وہاج میں مذکور ہے تو صاحب بحر کا شبہ لائق التفات کے نہیں رہا فدمع من بعینہ رمد او عمش ناقض فان استمر صار ذا عذر مجتبی والناس عنہ غافلون جب معلوم ہوا کہ جو درد کے ساتھ خارج ہو وہ ناقض ہے تو آنسو اُس شخص کا جس کی آنکھ اٹھنے آئی اور دکھتی ہے یا ایسی چوندھی اور چیپڑی کہ اکثر پانی بہا کرتا ہے ناقض وضو ہے اور اگر آنسو بہنا دائمی ہوگیا تو یہ شخص معذور ہوگیا اور معذور کا حکم باب الحیض میں معلوم ہوگا ایسا مذکور ہے مجتبی میں اور لوگ اس مسئلے کے حکم سے غافل یعنی اس آنسو کو ناقض وضو نہیں جانتے ہیں ھ فقہا نے کہا ہے جس کی آنکھ سے رمد یا عمش سے آنسو جاری ہو اُس کو ہر وقت نماز کے وضو کرنے کا امر کیا جاوے صاحب بحر نے کہا یہ تعلیل اس کی مقتضی ہے کہ یہ استحباب کا امر ہے صاحب نہر نے کہا بلکہ وجوب کا امر ہے بقرینہ مرض اسی طرح فتح القدیر میں ہے اور مجتبی میں اس کی وجہ یوں بیان کی ہے کہ شاید پلکوں کے زخم سے آنسو آتا ہو کذا فی الطحطاوی کما ینقض لو حشا احلیلہ بقطنۃ وابتل الطرف الظاہر ہذا لو القطنۃ عالیۃ او محاذیۃ لرأس الاحلیل وان متسفلۃ عنہ لا ینقض جیسے ناقض وضو ہے اگر مرد نے پیشاب کے سوراخ میں روئی بھردی ہو اور روئی کی ظاہر طرف تر ہوگئی یہ نقض وضو کا حکم اُس صورت میں ہے کہ اگر روئی سوراخ کے سرے سے اونچی ہو یا برابر ہو اور اگر سوراخ کے سرے سے نیچی ہے اور طرف ظاہر تر ہو جائے تو تر ہونا ناقض نہ ہوگا اس واسطے کہ خروج متحقق نہ ہوا وکذا الحکم فی الدبر والفرج الداخل اور اسی طرح کا حکم ہے مقعد اور فرج داخل کی روئی کا یعنی اگر وہاں کی روئی وغیرہ اونچی یا برابر ہے تو طرف ظاہر کے تر ہونے سے وضو ٹوٹے گا ورنہ وضو قائم ہے ھ منیۃ المصلی میں ہے کہ اگر روئی یا کپڑا فرج خارج میں ہے اور تر ہوگیا تو وضو ٹوٹا نافذ ہو یا نہ ہو کذا فی الطحطاوی وان ابتل الطرف الداخل لا ینقض اور اگر روئی وغیرہ کی اندر کی طرف تر ہوگئی تو ناقض وضو نہیں ولو سقطت فان رطبۃ انتقض والا لا اگر روئی وغیرہ ساقط ہوئی یعنی گر پڑی تو اگر تر ہے تو وضو ٹوٹا اور اگر تر نہیں تو نہیں ٹوٹا وکذا لو ادخل اصبعہ فی دبرہ ولم یغیبہا اور اسی طرح کا حکم ہے اگر انگلی مقعد میں داخل کی اور ساری انگلی غائب نہیں کی یعنی اگر تر نکلی تو وضو ٹوٹا اور اگر خشک نکلی تو نہیں ٹوٹا فان غیبہا او ادخلہ عند الاستنجاء بطل وضوءہ وصومہ پھر اگر انگلی تمام غائب کردی یا پانی سے استنجا کرتے داخل کی تو وضو اور روزہ اُس کا باطل ہوگیا ھ شارح کے کلام میں لف ونشر مرتب ہے تو بطلان وضوء کا انگلی غائب کرنے سے متعلق ہے اور بطلان صوم ادخال حالت استنجا سے متعلق ہے اس واسطے کہ جب انگلی غائب ہوئی تو ملوث نجاست سے نکلے گی تو وضو باطل ہوگا اور جب کہ استنجا کرتے میں انگلی داخل کی تو پانی کا داخل ہونا پیٹ میں لازم آیا صوم باطل ہوگیا کذا فی الطحطاوی بعضوں نے لف ونشر کا دھیان نہیں کیا تو شارح پر اعتراض کیا کہ انگلی کے داخل کرنے سے اگر تر نہ ہو تو صوم باطل نہیں ہوتا شارح نے یہ کیا کہا حالانکہ شارح کا مطلب یہ ہے کہ انگلی غائب کرنے سے وضو باطل ہوتا ہے نہ صوم اور ادخال حالت استنجا سے صوم باطل ہوتا ہے **فروع** مسائل ملحقہ شارح کے ھ فروع جمع ہے فرع کی اور فرع کہتے ہیں ہر شے کے اعلی کو اور قوم کے شریف کو تو فروع سے مسائل عالیہ اور شریفہ مراد ہیں بطریق استعارہ کے شارحین کی غالب عادت یہ ہے کہ بلفظ فروع اُن مسائل کو جو ماتن سے فوت ہوئے یا مستغرب ہیں ذکر کرتے ہیں مناسب ہر مقام کے کذا فی الطحطاوی شارح رحمۃ اللہ علیہ آخر بحث میں فروع ضروریہ اور عجیبہ اکثر بیان کرتا ہے اور کہا ہے تضاعیف کلام میں مناسب مقام یستحب للرجل ان یحتشی ان رابہ الشیطان ویجب ان کان لا ینقطع الا بہ قدر ما یصلی مرد کو مستحب ہے احلیل میں روئی وغیرہ رکھنا اگر شیطان اس کو شک میں ڈالتا ہو قطرہ آنے کے وسوسے اور واجب ہے بقدر نماز پڑھنے کے اگر عذر منقطع نہ ہوتا ہو بدون روئی رکھنے کے تاکہ نماز حق المعذور طہارت سے حاصل ہو ھ طحطاوی نے کہا جب محدث نے وضو کیا اور جنبی نے نہایا پیشاب کے بعد پھر اُس نے اپنے ذکر پر نمی اور تراوت دیکھی اور اُس

کو معلوم نہیں کہ وہ پانی ہے یا پیشاب ہے تو وہ وضو کا اعادہ کرے اور اگر نماز کے اندر یہی بات حاصل ہوئی اور شیطان اس کا بہت وسوسہ ڈالے اور اُس کو نجاست کا یقین نہیں ہے تو وہ نماز پڑھتا رہے اور اس کا دھیان نہ کرے جب تک اُس کے پیشاب ہونے کا یقین حاصل نہ ہو اور جو مبتلا ہو ایسے وسواس کا اُس کو چاہیے کہ وہ اپنی شرمگاہ پر پانی چھڑک لے تاکہ اگر تراوت نظر آوے تو اُس کو پانی جانے نہ پیشاب کذا فی الخانیہ باسوریٌ خرج دُبُرہ ان ادخلہ بیدہ انتقض وضوءہ وان دخل بنفسہ لا بواسیر والے کی مقعد باہر نکلی اگر اُس کو اپنے ہاتھ سے اندر کر دیا تو اُس کا وضو ٹوٹا اور اگر خود بخود داخل ہو گئی تو وضو نہیں ٹوٹا لیکن اگر کچھ نجاست ظاہر ہو گی تو ناقض وضو ہے کذا فی الطحطاوی وکذا لو خرج بعض الدودۃ فدخلت او اسی طرح اگر کیڑا تھوڑا سا نکلا پھر گھس گیا تو ناقض نہیں من لذکرہ راسان فالذی لا یخرج منہ البول المعتاد بمنزلۃ الجرح جس شخص کے ذکر کے دو سر ہوں تو جس سر سے عادت والا پیشاب نہیں نکلتا وہ بمنزلہ زخم کے ہے یعنی اُس سے اگر کوئی چیز نکلے گی تو وضو نہ ٹوٹے گا جب تک وہ شے سائل نہ ہو گی جیسے زخم سے نکلنا بدون سیلان ناقض نہیں الخنثیٰ غیر المشکل فرجہ الآخر کالجرح جو خنثیٰ کہ مشکل نہیں اُس کی دوسری فرج بمنزلہ زخم کے ہے تو وضو نہ ٹوٹے گا بدون بہنے کے ایسا ہے فتح القدیر وغیرہ میں اور اکثر فقہا کہتے ہیں کہ وضو ٹوٹے گا دونوں فرج کے پیشاب نکلنے سے سائل ہو یا نہ ہو اُس کا حال ظاہر ہو گیا ہو یا نہ ہو نہر الفائق میں زیلعی سے نقل کیا کہ اول قول پر اعتماد کرنا لائق ہے کذا فی الطحطاوی والمشکل ینقض وضوءہ بکل اور خنثیٰ مشکل کا وضو ٹوٹتا ہے ہر فرج کے نکلنے سے بدون سیلان کے بنظر احتیاط کے کذا فی التوضیح م خنثیٰ مشکل اُسکو کہتے ہیں کہ مرد اور عورت ہونا کسی علامت سے ثابت نہ ہو نہ قبل از بلوغ نہ بعد از بلوغ منکر الوضوء ہل یکفر ان انکرہ الوضوء للصلوٰۃ نعم ولغیرہا لا سوال وضو کا منکر کافر ہے یا نہیں جواب اگر اُس نے وضو کا انکار کیا نماز کے واسطے تو ہاں وہ کافر ہوا اور غیر نماز کے واسطے منکر وضو ہونے سے کافر نہیں ہو گا م نماز کے وضو کا منکر اس واسطے کافر ہوا کہ اُس نے قرآن کی تکذیب کی قال اللہ تعالیٰ (یاَیُّہا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اِذا قُمتُم اِلَی الصَّلوٰۃ الخ) اور غیر نماز اگرچہ مس مصحف کے وضو کا انکار کرے کافر نہ ہو گا اس واسطے کہ اُس کی آیت میں اختلاف ہے چنانچہ مذکور ہو چکا یعنی تو قطعی کا منکر نہ ٹھہرا شک فی بعض وضوءہ اعاد ما شکّ فیہ لو فی خلالہ ولم یکن الشکُّ عادۃً لہ والا لا شک پڑا وضو کے بعض افعال میں یعنی کسی عضو کے غسل میں یا مسح میں تو جس فعل میں شک پڑا کہ کیا یا نہیں کیا اُس کو پھر کرے اگر اثناء وضو کرنے میں شک ہوا ہو اور شک کا ہونا اُس کی عادت نہ ہو ورنہ اعادہ نہیں یعنی اگر اثناء وضو میں شک نہیں پڑا بلکہ بعد وضو کر چکنے کے شک پڑا خواہ اُس کو شک کی عادت ہو یا نہ ہو یا اُس کو شک کی عادت خواہ اثناء وضو میں ہو یا بعد وضو ان صورتوں میں اعادہ نہ کرے اور شک کی طرف التفات نہ کرے اور آپ کو باوضو سمجھے کذا فی الطحطاوی ملخصًا ولو علم انّہ لم یغسل عضوًا وشکَّ فی تعیینہ غسل رجلہ الیسری لانہ آخر العمل اور اگر اُس کو بالیقین معلوم ہو کہ اُس نے ایک عضو کو نہیں دھویا اور شک پڑا اُس کو عضو کے معین کرنے میں کہ ہاتھ ہے یا پاؤں تو بائیں پاؤں کو دھولے اس واسطے کہ وہ پچھلا عمل ہے وضو میں تو نسیان کی طرف وہی اقرب ہے باقی رہی یہ بات کہ اگر پچھلے پاؤں کے دھونے کا یقین ہو صورت مذکورہ میں تو ظاہرا اُس کے ماقبل عضو کا اعتبار ہو گا وہکذا کما فی الطحطاوی ولو ایقن بالطہارۃ وشکَّ بالحدث او بالعکس اخذ بالیقین اور اگر طہارت کر چکنے کا یقین ہو اور وضو کے ٹوٹنے میں شک پڑے یا اُس کے بالعکس یعنی وضو ٹوٹنے کا یقین ہے اور طہارت کرنے میں شک پڑے تو یقین کو لے اور شک کو چھوڑے یعنی پہلی صورت میں طہارت کو اعتبار کرے اور دوسری صورت میں زوال طہارت کو معتبر جانے اس واسطے کہ یقین شک سے نہیں ٹل سکتا کیونکہ یقین قوی چیز ہے اور شک ضعیف قوی ضعیف سے کیونکر ٹل سکے ولو تیقّنہما وشکَّ فی السابق فہو متطہر اور اگر طہارت اور حدث دونوں کا یقین ہو اور سابق میں شک پڑے یعنی یہ یاد نہیں رہا کہ اول طہارت تھی یا حدث تو وہ شخص شرعًا باطہارت ہے اس واسطے کہ غالبًا طہارت بعد حدث کے ہوتی ہے کذا فی الطحطاوی ومثلہ المتیمم اور متوضی کے حکم میں تیمم کرنے والا ہے یعنی اگر تیمم کا یقین حاصل ہے اور بے وضو ہونے میں شک واقع ہوا ہے یا حدث کا یقین ہے اور تیمم میں شک ہے یقین پر عمل کرے اور جو دونوں کا یقین ہے اور تقدم اور تاخر میں شک ہے تو یہ شخص باتیمم ہے ولو شکّ فی نجاسۃ ماءٍ او ثوب

ف۱ وجہ فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں ہاتھ یا کپڑے کو کچھ نہ کچھ نجاست لگ جائے گی تو خروج نجاست ثابت ہو گا جو ناقض ہے اور خود داخل ہونے میں یہ بات مفقود ہے۔ ۱۲

او طلاق او عتق لم یعتبر وتمامہ فی الاشباہ اور جو شک پڑے پانی یا کپڑے کی نجاست میں یا زوجہ کی طلاق میں شک پڑے کہ طلاق دی یا نہیں دی یا لونڈی غلام کے
آزاد کرنے میں شک واقع ہوا تو اس شک کا کچھ اعتبار نہیں پانی اور کپڑے کو پاک جانے اور عورت کو اپنی زوجہ اور لونڈی غلام کو مملوک سمجھے اور مسائل شک کا پورا
بیان اشباہ و نظائر میں ہے الیقین[1] لا یزول بالشک کے قاعدہ میں م مجتبیٰ میں ہے کہ خون اور پیپ اور زرداب اور زخم کا پانی اور آبلہ اور پھنسی اور آنکھ اور کان
کا پانی بیماری کی جہت سے سب برابر ہیں بنا بر قول اصح کے جو ناقض وضو نہیں چنانچہ قلیل قے یا خون وہ طاہر ہے مگر خون استحاضہ اگر خون غیر سائل سے کپڑا ملوث
ہو گیا تو جواز نماز کا مانع نہیں جیسے اصحاب القروح کے کپڑے بار بار خون بلا سیلان اور بلا تجاوز کے نکلنے سے بھر جاتے ہیں مانع نماز نہیں عذر کے سبب اگرچہ خون
بکثرت ہو اسی پر فتویٰ ہے بنا بیع میں ہے کہ تیل ڈالا احلیل میں پھر وہ نکل آیا وضو نہیں ٹوٹا امام کے نزدیک خلافاً للصاحبین محیط میں ہے کہ وضو کیا پھر ذکر سے تراوت
سائل دیکھی تو پھر وضو کرے اور اگر معلوم نہ ہو کہ وہ کیا ہے تو وہ التفات نہ کرے نماز پڑھے کہ وہ شیطانی وسوسہ ہے اور شرمگاہ کو پانی سے چھڑک دے دفع وسوسہ کے
واسطے اور اگر رقیق چیز دماغ تک پہنچی ناک کے سڑکنے سے یا اس کے اندر ٹپکانے سے پھر وہ ناک سے اتر آئی تو ناقض وضو نہیں اس واسطے کہ وہ پاک مکان سے خارج ہوئی اور
اگر سوئی چبھائی ہاتھ میں اور خون ظاہر ہوا سوئی کے سرے سے زیادہ تو ناقض نہیں اور محمد بن عبد اللہ اس کو سائل جان کر نقض وضو کی طرف مائل ہے جس نے روٹی یا
پھل کھایا اور اس میں خون کا اثر دیکھا مسوڑوں سے تو چاہیے کہ وہاں انگلی رکھے اگر انگلی میں خون کا اثر پاوے تو وضو ٹوٹا اور اگر اثر خون کا مسوڑھے پر ہاتھ رکھنے سے
نہ پایا تو وضو قائم ہے الکل من العینی شرح الہدایۃ **وفرض الغسل** ارادبہ ما یعم العملی کہا ماتن نے کہا اور فرض غسل مضمضہ اور استنشاق اور باقی بدن کا دھونا ہے
شارح نے کہا ماتن نے فرض سے اس کا ارادہ کیا جو فرض عملی کو بھی شامل ہے چنانچہ وضو میں گذر گیا م یعنی فرض سے یہاں وہ معنی مراد ہے جو فرض اعتقادی اور
فرض عملی دونوں کو شامل ہے فرض عملی وہ ہے جس کے فوت ہو جانے سے جواز فوت ہو جائے وجہ ارادہ یہ ہے کہ مضمضہ اور استنشاق قطعی نہیں ہیں کیونکہ امام شافعیؒ ان
دونوں کو غسل میں مسنون کہتے ہیں کذا فی الحلبی وبالغسل المفروض کما فی الجوہرۃ اور غسل سے مراد مفروض غسل ہے چنانچہ جوہرہ میں مذکور ہے یعنی جنابت اور حیض اور نفاس کا
غسل کذا فی المنح وظاہرہ عدم شرطیۃ غسل فمہ وانفہ فی المسنون کذا فی البحر یعنی عدم فرضیتہما فیہ والا فہما شرطان فی تحصیل السنۃ اور جوہرہ کا ظاہر کلام اس پر دلالت کرتا
ہے کہ منہ اور ناک کا دھونا غسل مسنون میں شرط نہیں ایسا مذکور ہے بحر الرائق میں مراد صاحب بحر کی یہ ہے کہ غسل مسنون میں مضمضہ اور استنشاق فرض نہیں ہیں اور اگر یہ
مراد نہ لیجیے تو صحیح نہیں اس واسطے کہ سنت کے حاصل کرنے میں مضمضہ اور استنشاق دونوں شرط ہیں **غسل کل فمہ** غسل میں فرض ہے سارے منہ کے اندر دھونا م شارح
نے تقدیر لفظ کل اشارہ کیا کہ اضافت عموم کے واسطے ہے اور مراد کل فم اور کل انف کے دھونے سے مضمضہ اور استنشاق ہے ویکفی الشرب عبا لان المج لیس بشرط فی الاصح
اور اس فرض کے ادا ہونے میں پانی پینا منہ بھر کے کفایت کرتا ہے اس واسطے کہ فرضیت مضمضہ میں کلی کا باہر پھینکنا شرط نہیں صحیح تر قول میں م یعنی جب کہ خوب منہ
بھر کے پانی پیا سارا منہ اندر دھو گیا مضمضہ مفروضہ ادا ہوا تو اگر چوس کر پانی پیا فرض ادا نہ ہوا چنانچہ بحر الرائق میں ہے اس لیے کہ چوسنے میں سارے منہ کے اندر
پانی نہیں پہنچتا ہر چند کلی کا باہر پھینکنا شرط نہیں قول اصح میں لیکن احوط ہے کما فی الخلاصۃ اس واسطے کہ وہ عہدہ فرضیت سے بالاتفاق خارج ہوگا اور یہی
مطلب ہے احتیاط کا کذا فی الطحاوی عن النہر وانفہ حتی[2] ما تحت الدرن اور تمام ناک کا دھونا فرض ہے یہاں تک کہ ناک کی خشک پپڑی کے نیچے بھی پانی پہنچانا ضرور
ہے م بحر الرائق میں ہے کہ درن یابس یعنی خشک میل ناک میں چبائی روٹی اور خمیر کے مانند تمام اغتسال کا مانع ہے کذا فی الطحاوی **و باقی بدنہ** اور مضمضہ اور استنشاق
کے بعد تمام بدن کا دھونا فرض ہے م بدن ظاہر اور باطن سب کو شامل ہے چنانچہ داخل عین کو بھی لیکن بسبب حرج ظاہر کے آنکھ کے اندر کا دھونا ساقط ہو گیا اس
واسطے کہ آنکھ چربی کی ہے پانی کی متحمل نہیں اور جو بعضے اصحاب مثل ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کے اندر آنکھ کے دھویا کرتے تھے ان کی بصارت زائل ہو گئی تھی ولہذا
آنکھ کا دھونا نہ چاہیے اگرچہ اس کے اندر ناپاک سرمہ لگا ہو کذا فی منح الغفار لکن فی المغرب وغیرہ البدن من المنکب الی الالیۃ وحینئذ فالرأس والعنق والید والرجل

[1] یقین شک سے نہیں دور ہوتا ۱۲۔ [2] جس کو ہندی میں ناک کا چوا کہتے ہیں ۱۲۔ ف مسائل غسل۔

خارجۃ لغۃً داخلۃ تبعاً شرعاً لیکن کتب لغت مثل مغرب وغیرہ میں ہے کہ بدن لغت عرب میں مونڈھے سے سرین تک ہے اور جب کہ یہ حال ہوا تو سر اور گردن اور ہاتھ اور پاؤں بدن سے خارج ہیں لغت کی راہ سے داخل ہیں کل کی تبعیت سے شرع کی اصطلاح میں م خلاصہ یہ ہے کہ مصنف نے بدن کا اطلاق جسد پر کیا اس واسطے کہ یہاں بدن سے مایعم الاطراف مراد ہے لا دلکہ لانہ متمم فیکون مستحباً لا شرطاً خلافاً لمالک غسل میں بدن کا ملنا فرض نہیں اس واسطے کہ ملنا کامل کرنے والا ہے دھونے کا پس ملنا مستحب ہوگا نہ شرط اس واسطے کہ مکمل اور متمم شے کا اس شے کے وجود کے بعد ہوتا ہے برخلاف امام مالکؒ کے م امام مالکؒ اور ابو یوسفؒ کی ایک روایت میں ملنا غسل میں فرض ہے دلک عبارت ہے اعضاء مغسولہ پر ہاتھ پھیرنے سے تو اگر پانی بہایا اور سارے بدن پر پہنچ گیا بدون ہاتھ لگانے کے تو فرض ادا ہو گیا مگر امام مالک کے نزدیک ادا نہیں ہوا **ویجب** ای یفرض **غسل کل ما یمکن من البدن بلا حرج مرۃ کاذن وسرۃ وشارب وحاجب واثناء لحیۃ** وشعر راس ولو متلبداً لما فی فاطھروا من المبالغۃ اور واجب ہے یعنی فرض ہے دھونا ایک بار ہر اس محل کا بدن سے جس کا دھونا بدون مشقت کے ہو سکتا ہے چنانچہ کان اور ناف اور مونچھ اور بھوں اور داڑھی اور سر کے بالوں کے اندر کا دھونا اگرچہ سر کے بال گوندھے یا باہم چپکے ہوں اس واسطے کہ فاطھروا کے لفظ میں مبالغہ نکلتا ہے م یعنی حق تعالیٰ نے فرمایا (ان کنتم جنباً فاطھروا) یعنی اگر تم کو جنابت ہو جماع یا احتلام سے تو خوب طرح سے پاک صاف ہو یعنی سارے بدن کا دھونا جہاں تک ہو سکے بلا حرج اس کو دھوؤ ولہذا المضمضۃ اور استنشاق غسل میں فرض ہوا نہ وضو میں اس لیے کہ فم ایک وجہ سے داخل بدن ہے اور ایک وجہ سے خارج بدن ہے باعتبار حس کے انطباق اور انفتاح کے وقت اور باعتبار حکم شرع کے صائم کی رال گھوٹنے اور داخل ہونے کسی چیز کے اس کے منہ میں تو وضو میں فم یعنی منہ داخل بدن قرار دیا اور غسل میں خارج بدن اس واسطے کہ غسل میں مبالغہ کا صیغہ یعنی فاطھروا وارد ہے اور وضو میں غسل وجہ کا حکم ہے اور وجہ عبارت ہے مواجہہ سے **وفرج خارج** لانہ کالفم لا داخل لانہ باطن اور فرض ہے عورت کو فرج خارج کا دھونا اس واسطے کہ عورت کے باہر کی شرمگاہ منہ کے مانند ہے کہ من وجہ داخل ہے اور من وجہ خارج فرض نہیں فرج داخل کا دھونا اس واسطے ہے کہ وہ اندر بدن کے داخل ہے اور اندر کا دھونا ساقط ہے ولا تدخل اصبعہا فی قبلہا بہ یفتی اور عورت انگلی کو اپنی شرمگاہ میں داخل نہ کرے اسی کا فتویٰ ہے یعنی غسل میں یہ کام نہ کرے مزید طہارت کے خیال سے کیونکہ اندر کا دھونا واجب نہیں **لا یجب غسل ما فیہ حرج کعین** وان اکتحل بکحل نجس واجب نہیں غسل میں دھونا وہاں کا جس میں مشقت اور تکلیف ہے چنانچہ آنکھ کا دھونا اگرچہ اس میں ناپاک سرمہ لگایا ہو **وثقب انضم وداخل قلفۃ** اور بند سوراخ اور داخل حلقہ کا دھونا واجب نہیں م جو سوراخ ناک یا کان کا بند ہو گیا وہاں پانی پہنچانا واجب نہیں حرج کی جہت سے قلفہ بضم قاف وسکون لام وہ کھال ہے جو ختنہ کرنے میں کاٹی جاتی ہے بل یندب ہو الاصح قالہ الکمال وعللہ بالحرج فسقط الاشکال بلکہ قلفہ کے اندر کا دھونا مستحب ہے یہی قول صحیح تر ہے ایسا کہا ہے کمال الدین صاحب فتح القدیر نے اور حرج کو عدم وجوب غسل کی علت بیان کی ہے تو اشکال ساقط ہو گیا م یعنی جب حرج کو علت قرار دیا تو زیلعی کا اعتراض ساقط ہو گیا حاصل اعتراض کا یہ ہے کہ اگر داخل قلفہ کا غسل میں دھونا واجب نہیں باوجود صیغہ مبالغہ فاطھروا کے تو اس کو داخل بدن کا حکم دیا تو اس میں پیشاب کے قطرے آنے سے کیوں وضو ٹوٹتا ہے قول صحیح پر سقوط اعتراض کی وجہ یہ ہے کہ عدم وجوب غسل دفع حرج کی وجہ سے ہے نہ اس واسطے کہ یہ ظاہر بدن نہیں ہے وفی المسعودی ان امکن فسخ القلفۃ بلا مشقۃ یجب والا لا اور مسعودی میں ہے کہ اگر کھولنا قلفہ کا بدون مشقت کے ہو سکے تو اندر کا دھونا واجب ہے ورنہ واجب نہیں م اسی قول کو شرنبلالی نے پسند کیا ہے اور اسی کی طرف فتح القدیر کا کلام مشیر ہے اس واسطے کہ سقوط کو مقید بحرج کیا ہے تو جہاں حرج نہیں وہاں دھونا بھی ساقط نہیں کذا فی الطحطاوی **وکفی بل اصل ضفیرتہا** ای شعر المراۃ المضفور للحرج اور کفایت کرتا ہے تر کرنا اور بھگونا عورت کی گوندھی چوٹی کی جڑ کا یعنی گوندھے بالوں کا دھونا عورت پر فرض نہیں جڑوں کا تر کر دینا کفایت کرتا ہے تکلیف اور مشقت کی وجہ سے ضفیرہ سے مراد عورت کے گوندھے بال ہیں م صحیح مسلم میں حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ میں

سلہ یعنی جو کہ ہاتھ پاؤں کو شامل ہے ۱۲۔ سلہ یعنی دیکھنے میں بند منہ داخل بدن ہے کہ نظر نہیں آتا اور کھلنے میں خارج اور محسوس ہے اور شریعت میں روزہ دار اگر اپنا تھوک پی جائے تو روزہ نہیں جاتا اس لیے داخل کا حکم ہوا اور باہر کی چیز نگل جانے سے روزہ جاتا رہتا ہے اس لیے خارج کا حکم ہوا ۱۲۔

نے کہا یا رسول اللہ میں وہ عورت ہوں کہ اپنے سر کی گوندھی چوٹی خوب مضبوط کر کے باندھتی ہوں کیا حیض اور جنابت کے غسل کے واسطے اس کو کھولا کروں فرمایا نہیں
تجھ کو تو تین بار دونوں ہاتھوں میں پانی لے کر سر پر ڈالنا کفایت کرتا ہے پھر اپنے اوپر پانی بہانا اور پاک ہونا اور ابو داؤد میں ثوبان سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم سے غسل جنابت کا سوال ہوا تو فرمایا کہ مرد تو اپنے بال کھول ڈالے اور بالوں کو دھووے یہاں تک کہ بالوں کی جڑ تک پہنچے اور عورت پر تو بالوں کا کھولنا
ضرور نہیں اس کو تو تین چلو بھر کے پانی سر پر ڈالنا کفایت کرتا ہے کذا فی التیسیر اما المنقوض فیفرض غسل کلہ اتفاقاً اور عورت کو کھلے بالوں کا تو بالکل دھونا فرض ہے
بالاتفاق یعنی یہاں فقط جڑوں کا ترکرنا کافی نہ ہوگا ولو لم یبتل اصلہا یجب نقضہا مطلقاً ہو الصحیح اور اگر گوندھی چوٹی کی جڑ نہ بھیگے تو چوٹی کا کھولنا واجب ہے ہر طرح
ہے یہی قول صحیح ہے م ہر طرح کھولنا واجب ہے خواہ کچھ تکلیف ہو یا نہ ہو اور غیر صحیح وہ قول ہے کہ بالوں کا نچوڑنا دھونے کے بعد ضرور ہے خواہ بال گوندھے ہوں یا کھلے
کذا فی الطحطاوی ولو ضرہا غسل راسہا ترکتہ اور اگر سر کا دھونا عورت کو ضرر کرتا ہو تو سر کا دھونا چھوڑ دے یعنی درصورت ضرر سر کا دھونا اور مسح کرنا بھی غسل جنابت وغیرہ
میں ساقط ہے سر کو چھوڑ کے باقی بدن دھووے پاک ہو جاوے گی وقیل تمسحہ اور بعضوں نے کہا کہ سر کا مسح کرے اگر دھونا ضرر کرتا ہو ولا تمنع زوجہا وسیجیٔ فی التیمم اور نہ منع کرے اپنے
زوج کو جماع سے اور اس کا ذکر آگے آوے گا تیمم کے مسائل میں م یعنی اگر عورت کو سر کا دھونا ضرر کرتا ہو اس عذر سے اس کو اپنے شوہر کا روکنا جماع سے نہیں پہنچتا ہے اس واسطے
کہ وہ شوہر کا حق ہے اور اس کے دفع ضرر کا علاج یہ ہے کہ بقول اول غسل اور مسح دونوں کو ترک کرے یا بقول ثانی سر کو مسح کرے کذا فی الطحطاوی لا یکفی بل ضفیرتہ
فینقضہا وجوبا ولو علویا او ترکیا لامکان حلقہ کفایت نہیں کرتا ہے مرد کی گوندھی چوٹی کا بھگونا تو واجب یعنی فرض ہے اس کا کھولنا اگرچہ مرد علوی یا ترکی ہو اس واسطے کہ
مرد کو سر کا مونڈنا یعنی بدون قباحت اور بدنمائی کے ممکن ہے برخلاف عورت کے م علوی یعنی سادات مرتضوی[1] اور ترکیوں کی عادت ہے بال رکھنے اور چوٹی گوندھنے کی
اس واسطے ان کو بالخصوص ذکر کیا ولا یمنع الطہارۃ ونیم ای خرء ذباب وبرغوث لم یصل الماء تحتہ اور طہارت کا مانع نہیں مکھی اور مچھر کا وہ گوہ جس کے نیچے
پانی نہیں پہنچا اس واسطے کہ اس سے بچنا ممکن نہیں کذا فی الطحطاوی وحناء ولو جرمہ بہ یفتی اور نہ مہندی طہارت کی مانع ہے اگرچہ مہندی کا جرم لگا ہو اسی کا فتوی ہے
م لیکن اگر مہندی کا جرم ہوگا تو اس کے نیچے پانی کا پہنچنا ضرور ہے اور اگر نہ پہنچے گا تو طہارت حاصل نہ ہوگی ولہذا بحر الرائق میں کہا ہے کہ اگر عورت نے اپنے سر میں خوشبو
چکنائی ہو اس طرح کہ پانی بالوں کی جڑوں میں نہ پہنچتا ہو تو اس پر واجب ہے اس کا دور کرنا کذا فی الطحطاوی ودرن ووسخ عطف تفسیر وکذا دہن ودسومۃ
اور نہ میل بدن کا مانع طہارت ہے اور اسی طرح تیل اور چکنائی مانع طہارت کی نہیں شارح نے کہا وسخ کا عطف تفسیری ہے یعنی درن اور وسخ دونوں ایک معنی ہیں و
تراب وطین ولو فی ظفر مطلقاً ای قرویا او مدنیا فی الاصح اور خشک مٹی اور گیلی مٹی مانع طہارت کی نہیں اگرچہ ناخن کے اندر ہو خواہ وہ شخص گنوار ہو یا شہر کا رہنے
والا دونوں برابر ہیں قول اصح میں م اور غیر صحیح قول یہ ہے کہ شہری کے حق میں ناخن کی مٹی مانع طہارت ہے نہ گنوار کے حق میں اس واسطے کہ شہری کا بدن چکنا ہوتا ہے
تو پانی نفوذ نہیں کرتا طحطاوی نے کہا قول اصح کی وجہ یہ ہے کہ ہر صورت پانی نفوذ کر جاتا ہے بخلاف نحو عجین برخلاف گوندھے آٹے کے مانند کے وہ طہارت کا مانع ہے عدم
نفوذ کی وجہ سے م گوندھے آٹے کے مانند وہ چیزیں ہیں جن میں پانی سرایت نہیں کرتا چنانچہ چبلائی ہوئی روٹی اور میل کی پپڑی ناک میں اور کھال مچھلی کی کذا فی البحر ولا یمنع
ما علی ظفر صباغ اور مانع طہارت کی نہیں وہ چیز جو رنگریز کے ناخن پر جم گئی ضرورت کی وجہ سے اور بعضوں کے نزدیک مانع ہے مضمرات میں کہا کہ اول قول پر فتوی
ہے کذا فی النہر م عورتیں ہندوستان کی جو مسی لگاتی ہیں اگر فقط رنگ ہے بدون جرم کے تو ظاہر مہندی کے مانند مانع طہارت نہیں اور اگر جرم ہے جس کو دھڑی
کہتے ہیں تو ظاہر اعجین کے مانند مانع طہارت ہے واللہ اعلم ولا طعام بین اسنانہ او فی سنہ المجوف بہ یفتی وقیل ان صلبا منع وہو الاصح اور مانع طہارت کا نہیں
وہ کھانا جو دانتوں کے اندر رہ جاتا ہے یا پولے دانت کے اندر گھس جاتا ہے اسی قول کا فتوی ہے اور بعضوں نے کہا کہ اگر وہ سخت اور خشک ہے تو طہارت کا مانع
ہے یہی قول صحیح تر ہے م رسم مفتی میں مذکور ہو گیا کہ فتوی مقدم ہے اصح وغیرہ سے طعام ما بین الاسنان اس واسطے مانع طہارت نہیں کہ پانی لطیف چیز ہے ہر جگہ

[1] سادات مرتضوی وہ کہلاتے ہیں جو حضرت علی رضؓ کی اولاد ہیں سوائے حضرت فاطمہ رضہ سے ۱۲

غالباً سرایت کر جاتا ہے ایسا مذکور ہے تجنیس میں بحر الرائق میں فقیہ ابو اللیث اور فتاوی فضلی سے نقل کیا کہ احتیاط یہ ہے کہ اُس کو نکال کے پانی اُس پر بہادے کذا فی الطحطاوی **ولو کان خاتمہ ضیقاً نزعہ او حرکہ وجوباً کقرط** اور اگر غسل کرنے والے کی انگوٹھی تنگ ہو تو واجب ہے کہ اُس کو نکال ڈالے یا ہلادے جیسے کان کی بالی کا نکالنا یا گھمانا واجب ہے یعنی انگوٹھی اور بالی کا اتنا ہلانا اور گھمانا چاہیے کہ وہاں پانی پہنچ جانے کا گمان حاصل ہو **ولو لم یکن بثقب اذنہ قرط فدخل الماء فیہ** ای النقب عند مرورہ علی اُذنہ اجزاء اور اگر اُس کے کان کے سوراخ میں بالی نہ ہو سو پانی پہنچ گیا سوراخ میں کان پر پانی بہنے کے وقت تو غاسل کو کفایت کرتا ہے کسرۃ واذن دخلہا الماء جیسے ناف اور کان میں پانی داخل ہو گیا اُن پر سائل ہونے سے تو کفایت کرتا ہے یعنی انگلی وغیرہ داخل کرنا ضرور نہیں **والا یدخل ادخلہ ولو** باصبعہ ولا یتکلف بخشب ونحوہ والمعتبر غلبۃ ظنہ بالوصول اور اگر سوراخ میں پانی نہ گیا تو قصداً داخل کرے اگرچہ اپنی انگلی سے اور لکڑی اور مانند اُس کے سینگ وغیرہ پانی داخل ہونے کے لیے تکلف نہ کرے اور پانی پہنچنے میں اپنے گمان کا غلبہ معتبر ہے یعنی جب اپنی اٹکل میں آگیا کہ پانی وہاں پہنچ گیا ہوگا تو زیادہ تکلف اور وسواس نہ کرے **فروع** مسائل ملحقہ شارح کے نسی المضمضۃ او جزءً من بدنہ فصلی ثم تذکر فلو نفلا لم یعد لعدم صحۃ شروعہ نہانے والا کلی کرنا یا کچھ بدن کا دھونا بھول گیا پھر اُس نے نماز پڑھی پھر اُس کو یاد آیا تو اگر وہ نماز نفل تھی تو اُس کا اعادہ نہ کرے شروع نماز کے صحیح نہ ہونے سے یعنی بسبب ناپاکی کے نماز کا شروع کرنا صحیح نہ ٹھہرا تو نماز اُس پر لازم نہ ہوئی تو اُس کا اعادہ بھی لازم نہ ہوگا علیہ غسل وثمہ رجال لا یدعہ وان راٰہ مرد پر غسل کرنا واجب ہے اور وہاں لوگ ہیں تو نہانے کو نہ چھوڑے اگرچہ لوگ اُس کو دیکھیں ھ یہ اُس صورت میں ہے کہ پردہ وہاں نہیں ہو سکتا اور نماز کے فوت ہو جانے کا ڈر ہے جو عمداً اُس کو دیکھے گا وہ گنہگار ہوگا نہانے والا معذور ہے **والمرأۃ بین** رجال او رجال ونساء تؤخرہ لا بین نساء فقط اور عورت درمیان مردوں کے یا درمیان مردوں اور عورتوں کے نہانے میں تاخیر کرے اور تاخیر نہ کرے فقط عورتوں میں ھ اس واسطے کہ نظر کرنا جنس کا ہم جنس کی طرف خفیف تر ہے برخلاف غیر جنس کے واختلف فی الرجل بین رجال ونساء او نساء فقط کما بسطہ ابن الشحنۃ اور اختلاف ہے اُس مرد کے غسل کرنے میں جو درمیان مردوں اور عورتوں کے یا فقط درمیان عورتوں کے واقع ہے چنانچہ ابن شحنہ شارح وہبانیہ نے اس کو مشروحاً بیان کیا ہے ھ ظاہر کلام اس کا مقتضی ہے کہ یہ مسئلہ مذہب میں منصوص ہے اور اس میں اختلاف واقع ہے حالانکہ ایسا نہیں اس لیے کہ شارح وہبانیہ نے تصریح کی ہے کہ میں اس مسئلہ کی نقل پر واقف نہیں ہوا مگر قیاس یہ چاہتا ہے کہ مرد عورتوں میں یا مردوں اور عورتوں میں غسل کو تاخیر کرے اور خنثیٰ کو کسی صورت میں کشف عورت جائز نہیں کذا فی الطحطاوی مختصراً وینبغی لہا ان تتیمم وتصلی لعجزہا شرعاً عن الماء اور عورت کو چاہیے کہ تیمم کرے اور نماز پڑھے اس واسطے کہ عورت مردوں میں شرعاً پانی کے استعمال سے عاجز ہے واما الاستنجاء فیترک مطلقاً والفرق لا یخفی اور پانی سے استنجاء کرنا تو ہر طرح چھوڑا جائے خواہ مرد یا عورت مردوں یا عورتوں میں یا دونوں میں ہو اور فرق غسل اور استنجا میں چھپا نہیں ھ وجہ فرق یہ ہے کہ نجاست حقیقی کے ساتھ نماز صحیح ہوتی ہے اور نجاست حکمی کے ساتھ اصلاً صحیح نہیں ملیہ اور اُس کی شرح میں ہے کہ کشف عورت کرے کسی کے سامنے اس واسطے کہ حرام ہے اور پانی سے استنجاء کرنا افضل ہے اگر بلا کشف ممکن ہو اور اگر ممکن نہ ہو تو ڈھیلوں پر کفایت کرنا واجب ہے کذا فی الطحطاوی مختصراً **وسننہ کسنن الوضوء سوی الترتیب** اور غسل کی سنتیں وضو کی سنتوں کے مانند ہیں چنانچہ نیت کرنا اور بسم اللہ کہنا سوائے ترتیب کے یعنی اس واسطے کہ وضو کی ترتیب اور غسل کی ترتیب یکساں نہیں **وآدابہ کآدابہ سوی استقبال القبلۃ لانہ یکون غالباً مع کشف العورۃ** اور غسل کے مستحبات وضو کے مستحبات کے مانند ہیں سوائے استقبال قبلہ کے اس واسطے کہ غسل اکثر برہنہ ہوتا ہے ھ منجملہ مستحبات غسل اعضاء کا ملنا اور چھنگلی کان کے سوراخ میں ڈالنا پانی پہنچانے کے بعد اور تحریک خاتم واسع اور نیت زبان سے کرنا اور اونچے مکان میں بیٹھ کر نہانا تا کہ چھینٹیں بدن پر نہ پڑیں اور عدم استعانت اور تکلم بکلام ناس نہ کرنا اور غسل کے مکروہات وضو کے مکروہات کے مانند ہیں یعنی منہ پر پانی زور سے مارنا اور قدر ضرورت سے پانی کم کرنا یا حاجت سے زیادہ پانی بہانا کذا فی الطحطاوی ملتقطاً وقالوا لو مکث فی ماء جار او حوض کبیر او مطر قدر الوضوء والغسل فقد اکمل السنۃ اور فقہانے کہا ہے کہ اگر جاری پانی یا بڑے حوض یا مینہ میں بقدر مدت وضو اور غسل کرنے کے ٹھہرا تو البتہ اُس نے پوری سنت ادا کی یعنی وہ سنت جو اُس کے لائق ہے کامل ہو گی چنانچہ تثلیث اور دلک وغیرہ کی سنت ادا ہو گئی مگر تلفظ بنیت کا

فقط ٹھہرنے سے ادا نہ ہوگا **البداءة بغسل یدیہ وفرجہ** وان لم یکن بہ خبث اتباعاً للحدیث اور سنت ہے غسل میں دونوں ہاتھوں اور شرمگاہ کے دھونے سے شروع کرنا اگرچہ پیشاب کی جگہ پر کچھ نجاست نہ ہو حدیث کی پیروی سے **وخبث بدنہ ان کان علیہ خبث** لئلا یشیع اور شروع کرنا بدن کی نجاست دھونے سے اگر اُس کے بدن پر نجاست ہو تاکہ باقی بدن پر نجاست نہ پھیلے **ثم یتوضأ** اطلقہ فانصرف الی الکامل فلا یؤخر قدمیہ ولو فی مجمع الماء لان المعتمد طہارۃ الماء المستعمل پھر وضو کرے مصنف نے وضو کو مطلق بلا قید کہا اور مطلق جب بولتے ہیں تو اُس کا فرد کامل مراد ہوتا ہے تو یہاں پورا وضو مراد ٹھہرا تو دونوں قدموں کے دھونے کو تاخیر نہ کرے اگرچہ نہایا ہے پانی جمع ہونے کے مقام میں اس واسطے کہ مذہب معتمد ہے کہ مستعمل پانی پاک ہے ہم جب وضو کامل مراد ہوا تو اس میں اشارہ ہے کہ سر کا مسح کرے اور یہی قول صحیح ہے اور یہ بھی اشارہ ہے کہ جمیع سنن اور مستحبات وضو کے بجالاوے ایسا کہا ہے صاحب بحر نے اور عدم تاخیر غسل قدمین بعض مشائخ کا قول ہے اور یہی صحیح تر ہے مذہب شافعیؒ میں اور بعضوں نے کہا تاخیر کرے مطلقاً اور بعضوں نے کہا اگر وہاں پانی جمع ہو تو تاخیر کرے یہی قول مذکور ہے مبسوط اور ہدایہ میں کذا فی الطحطاوی علی انہ لا یوصف بالاستعمال الا بعد انفصالہ عن کل البدن لانہ فی الغسل کعضو واحد علاوہ یہ ہے کہ پانی مستعمل نہیں ہوتا مگر بعد جدا ہونے کے تمام بدن سے اس واسطے کہ غسل میں تمام بدن ایک عضو کے مانند ہے ہم تجزی حدث میں دو روایتیں ہیں ایک روایت یہ ہے کہ حدث متجزی ہے یعنی جو عضو مغسول ہوگا وہ پاک ہوگا باقی ناپاک اور دوسری روایت یہ ہے کہ حدث متجزی نہیں یعنی بعضے اعضاء مغسولہ پاک نہ ہوں گے جب تک سارا بدن نہ دھویا جاوے گا تو یہ قول شارح کا مبنی ہے عدم تجزی حدث پر منح الغفار میں کہا کہ عدم تجزی کی روایت پر یہ پانی مستعمل نہ ہوگا مگر بعد جدا ہونے پانی کے تمام بدن سے جو پانی کہ دونوں قدموں کو لگا ہے وہ مستعمل نہیں ہے اس واسطے کہ تمام بدن غسل میں ایک عضو کے مانند ہے یہاں تک کہ غسل میں تراوت کا نقل کرنا ایک عضو سے دوسرے عضو کی طرف جائز ہے انتہیٰ فحینئذ لا حاجۃ الی غسلہما ثانیاً تو اس وقت میں جب کہ معلوم ہوا کہ یہ پانی مستعمل نہیں ہے تو دونوں قدم کے دھونے کی دوسری بار حاجت نہیں ہم مگر بطریق پاکیزگی اور افضلیت کے دھونا بہتر ہے نہ بطریق لزوم کے تو جو تفصیل ہدایہ میں ہے اور اُس کو مجتبیٰ میں اصح کہا ہے وہ محمول ہے ماء مستعمل کی نجاست پر اور ہمارے مذہب کے علماء کے بہت فروع اسی قول پر مبنی ہیں لیکن ہم نے بعض مشائخ کے قول کو اختیار کیا اس واسطے کہ طہارت ماء مستعمل کی معتمد فی المذہب ہے کذا فی المنح ملتقطاً الا اذا کان ببدنہ خبث مگر جب کہ اُس کے بدن پر نجاست حقیقی ہو تو قدموں کو دوسری بار دھو ڈالے ازالۂ نجاست کے واسطے نہ ازالۂ حدث کے واسطے کہ وہ تو زائل ہو گیا کذا فی الطحطاوی ولعل القائلین بتاخیر غسلہما انما استحبوہ لیکون البدء والختم باعضاء الوضوء شاید کہ وہ فقہا جو پاؤں دھونے کی تاخیر کے قائل ہیں فقط اسی واسطے تاخیر کو مستحب جانتے ہیں تاکہ غسل کی ابتدا اور اختتام وضو کے اعضاء پر ہو کذا فی البحر وقالوا لو توضأ اولاً لا یأتی بہ ثانیاً لانہ لا یستحب وضوءان للغسل اتفاقاً اور فقہا نے کہا ہے کہ اگر غسل سے پہلے وضو کیا تو بعد غسل کے دوسری بار وضو نہ کرے اس واسطے کہ ایک غسل کے واسطے دو وضو بالاتفاق مستحب نہیں اما لو توضأ بعد الغسل واختلف المجلس علی مذہبنا او فصل بینہما بصلوٰۃ کقول الشافعیۃ فیستحب اور اگر بعد غسل کے وضو کیا اور مجلس بدل گئی ہم حنفیوں کے مذہب پر یا دونوں وضو میں نماز کو فاصل واقع کیا شافعیوں کے قول کے مانند تو یہ دوبارہ وضو کرنا مستحب ہے ہم یہ بحث ہے صاحب بحر کی اور سابق مذکور ہو گیا کہ وضو پر وضو نور علی نور ہے اگرچہ مجلس نہ بدلی ہو اور بحر وضو کا اسراف میں داخل ہے وہ تیسری بار وضو کرنا ہے چنانچہ اس کی تحقیق صاحب نہر کے کلام سے وضو کے مسائل میں مذکور ہو چکی کذا فی الطحطاوی **ثم یفیض الماء علی کل بدنہ ثلثاً** مستوعباً من الماء المعہود فی الشرع للوضوء والغسل وہو ثمانیۃ ارطال پھر وضو کے بعد پانی بہاوے اپنے تمام بدن پر تین بار ہر بار تمام اعضاء پر پانی پہنچا کر اس قدر پانی سے وضو اور غسل کرے جس قدر مقرر اور معین ہے شرع میں وضو اور غسل کے واسطے اور وہ آٹھ رطل پانی ہے ہم غسل کے واسطے ایک صاع پانی معین ہے اور وضو کے واسطے ایک مد اور صاع چار مد کا ہوتا ہے اور ہر مد دو رطل کا اور رطل سے مراد بغدادی رطل ہے جو ۱۳۰ درم کا ہوتا ہے اس واسطے کہ فقہا نے صاع کا اندازہ کیا ہے کہ اُس میں ۱۰۴۰ درم بھر مونگ یا مسور سماوے کذا فی الطحطاوی مکروہات وضو کے ترجمہ میں مذکور

سلہ یعنی حدیث ام المومنین میمونہؓ کی کہ میں نے آنحضرت صلعم کے لیے نہانے کو پانی رکھا تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں پر ڈال کر انکو دو یا تین بار دھویا پھر داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالکر شرمگاہ کو دھویا۔ الحدیث جو آیندہ صفحہ میں مذکور ہے ۱۲

ہو چکا کہ لکھنؤ کے حساب سے تخمیناً تین پاؤ کا ہوتا ہے اور صاع تین سیر سختہ کا صحیحین اور نسائی میں امام محمد باقرؓ سے مروی ہے کہ ہم جابرؓ کے پاس تھے سو لوگوں نے غسل سے سوال کیا تو جابر نے کہا کہ ایک صاع تجھ کو کفایت کرتا ہے ایک مرد نے کہا کہ مجھ کو اس قدر کافی نہیں تو جابر نے کہا اس شخص کو صاع کفایت کرتا تھا جس کے بال تجھ سے زیادہ تر تھے اور وہ تجھ سے بہتر تھا یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کذا فی التیسیر وقیل المقصود عدم الاسراف اور بعضوں نے کہا آٹھ رطل سے مقصود عدم اسراف ہے م شارح نے بصیغہ تمریض تضعیف قول کی طرف اشارہ کیا اور شرنبلالی نے اپنے متن میں اسی قول پر اعتماد کیا ہے بحرالرائق میں کہا کہ تقدیر مذکور لازم نہیں یہاں تک کہ اگر پورا غسل کرے صاع سے کم پانی میں تو کافی ہے اور اگر کفایت نہ کرے تو صاع سے زیادہ کرے اس واسطے کہ آدمیوں کے طبائع اور احوال مختلف ہوتے ہیں ایسا مذکور ہے بدائع میں اور نووی شافعی نے عدم لزوم تقدیر پر اجماع نقل کیا ہے کذا فی الطحاوی وفی الجواہر لا اسراف فی الماء الجاری لانہ غیر مضیع وقد قدمناہ عن القہستانی اور جواہر میں ہے کہ جاری پانی میں اسراف نہیں ہے اس واسطے کہ وہ پانی تلف نہیں ہوتا ہے اور ہم نے اس مسئلے کو مقدم ذکر کیا ہے قہستانی سے نقل کر کے م یہ قول ضعیف ہے چنانچہ اس کی تضعیف مسائل وضو میں شرح مذکور ہو چکی یاد دیا بمنکبہ الایمن ثم براسہ ثم علی بقیۃ بدنہ مع دلکہ ندباً وقیل یثنی بالراس وقیل یبداء بالراس وہو الاصح وظاہر الروایۃ والاحادیث قال فی البحر وبہ یضعف تصحیح الدرر غسل میں پانی بہادے شروع کرتا ہوا اپنے داہنے مونڈھے سے پھر اس کے بعد بائیں مونڈھے سے پھر اپنے سر سے پھر باقی بدن پر ملنے کے ساتھ استحباب کی رو سے اور بعضوں نے کہا کہ اول داہنے مونڈھے پر پانی بہادے پھر دوسری بار سر پر اور بعضوں نے کہا کہ سر سے پانی بہانا شروع کرے اور یہی قول صحیح تر ہے اور ظاہر الروایۃ اور ظاہر الاحادیث ہے بحرالرائق کے مصنف نے کہا اور اسی وجہ سے یعنی چونکہ سر سے شروع کرنا ظاہر الروایۃ اور ظاہر الاحادیث ہے لہٰذا درر کی تصحیح کی تضعیف کی گئی ہے یعنی درر میں جو ملا خسرو نے تاخیر سر کی تصحیح کی ہے سو وہ ضعیف قول ہے م ظاہر الروایۃ وہ مسئلہ ہے جو امام محمد کے کتب خمسہ میں مروی ہے یعنی مبسوط جس کو اصل بھی کہتے ہیں اور جامع کبیر اور جامع صغیر اور زیادات اور سیر اور حاکم شہید کی دو کتابیں یعنی منتقی اور کافی جو مستخرج ہیں کتب خمسہ سے مذکور ہے وہ بھی ظاہر الروایۃ ہیں اما احادیث پس حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے صحاح ستہ میں مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل جنابت کے واسطے پانی لائی سو حضرتؐ نے دونوں ہاتھ دو یا تین بار دھوئے پھر آپ نے دونوں ہاتھ ڈالے برتن میں پھر پانی ڈالا شرمگاہ پر اور بائیں ہاتھ سے اس کو دھویا پھر بایاں ہاتھ زمین پر خوب رگڑا پھر وضو کیا نماز کا سا وضو پھر تین بار سر پر پانی ڈالا پھر باقی بدن دھویا پھر اس مقام سے علیحدہ ہوئے پھر دونوں پاؤں دھوئے کذا فی العینی شرح الہدایہ اور تیسیر الوصول الی جامع الاصول میں صحاح ستہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث یوں منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت کرتے تھے تو پہلے دونوں ہاتھ دھوتے پھر نماز کے مانند وضو کرتے پھر انگلیاں پانی میں ڈالتے اور ان سے بالوں کی جڑوں میں خلال کرتے یہاں تک کہ ساری جلد پر پانی پہنچ جانے کا ظن حاصل ہوتا تب اس پر تین بار پانی بہاتے پھر باقی بدن کو دھوتے پھر دونوں پاؤں دھوتے اور صحیحین کی ایک روایت حضرت عائشہؓ سے یہ ہے کہ جب غسل جنابت فرماتے تو پانی کا برتن ہاتھ میں لیتے اور سر کے داہنی طرف سے شروع کرتے پھر سر کے بائیں طرف سے انتہی پس ان احادیث صحیحہ سے بعد وضو کے نہانے کی ابتدا سر سے ثابت ہوئی اور اختتام غسل کا پاؤں پر اور یہی مذکور ہے ہدایہ میں تو اسی کو قوی اور مسنون سمجھنا چاہیے واللہ اعلم وصح نقل بلۃ عضو الی عضو آخر فیہ بشرط التقاطر اور غسل میں صحیح ہے ایک عضو کا پانی دوسرے عضو پر لے جانا بشرط ٹپکنے کے م یعنی نقل میں یہ شرط ہے کہ دوسرے عضو پر جا کر ٹپکے تاکہ دھونا اس کا ثابت ہو نہ پوچھنا مصنف نے اپنی شرح میں یہ مسئلہ تقاطر کی شرط کے ساتھ فوائد تاجیہ سے نقل کیا ہے لا فی الوضوء لما مران البدن کلہ کعضو واحد نقل کرنا ایک عضو کا پانی دوسرے عضو کے واسطے وضو میں صحیح نہیں اس واسطے کہ یہ مذکور ہو گیا ہے کہ غسل میں تمام بدن ایک عضو کے مانند ہے یعنی برخلاف وضو کے کہ اس میں چار عضو جدا جدا ہیں وفرض الغسل عند خروج منی من العضو اور غسل فرض کیا گیا ہے نزدیک نکلنے منی کے عضو سے یعنی ذکر اور فرج سے والا فلا یفرض اتفاقا لانہ فی حکم الباطن اور اگر منی عضو سے باہر نہ نکلی تو بالاتفاق غسل مفروض نہیں اس واسطے کہ وہ باطن اور داخل کے حکم میں ہے یعنی شرع میں اس کا اعتبار نہیں جیسے بدن کے اندر کی نجاست کا اعتبار نہیں جنابت ثابت ہوتی ہے دو سبب سے ایک منفصل ہونے منی کے شہوت سے دوسرے

اوخال سے آدمی کی شرمگاہ میں کذا فی الخانیہ منفصل عن مقرہ ہو صلب الرجل وترائب المراۃ وہ منی جو جدا ہوئی اپنے ٹھکانے سے وہ یعنی منی کی قرارگاہ مرد کی پیٹھ ہے اور عورت کی چھاتی کی ہڈیاں ومنیہ ابیض اور مرد کی منی سفید ہے یعنی اور گاڑھی جس کے نکلنے سے آلہ سست ہو جاتا ہے ومنیہا اصفر اور عورت کی منی زرد ہے یعنی اور پتلی فلو اغتسلت فخرج منہا منی ان کان منیہا اعادت الغسل لا الصلوٰۃ والا لا تو اگر عورت نے مرد کی صحبت کے بعد غسل کیا پھر اُس کی شرمگاہ سے منی نکلی تو اگر عورت کی منی ہے یعنی زرد اور رقیق ہے تو غسل کا اعادہ کرے نہ اُس نماز کا جو غسل کے بعد اس منی کے نکلنے سے پہلے پڑھی اور اگر عورت کی منی نہیں بلکہ مرد کی منی سفید اور گاڑھی ہے عورت کی شرمگاہ سے نکلی تو عورت دوسری بار غسل نہ کرے م اعادہ غسل کا امام محمدؒ کے معتمد قول پر ہے کیونکہ پہلا غسل ٹوٹ گیا اور اعادہ نماز کا اس واسطے نہیں کہ نماز اُس وقت ادا ہوئی جب کہ منی در حکم باطن کے تھی تو نماز باطل نہ ہوگی نزول منی سے بعد اُس کے کذا فی الطحطاوی بشہوۃ ای لذۃ ولو حکما کمحتلم غسل فرض ہوتا ہے اُس منی سے جو شہوت یعنی لذت کے ساتھ نکلے اگرچہ لذت حقیقی نہ ہو بلکہ لذت حکمی ہو جیسے خواب دیکھنے والے کی لذت م احتلام والے کو حقیقی لذت نہیں ہوتی کیونکہ اُس کا ادراک مفقود ہے دُرر میں ہے کہ شہوت کی قید اس واسطے لگائی کہ اگر منی بھاری چیز کے اٹھانے سے اور مانند اُس کے بلا شہوت نکلی تو غسل فرض نہیں خلافا للشافعی ولم یذکر الدفق لیشمل منی المراۃ لان الدفق فیہ غیر ظاہر اور مصنف نے منی کی صفت میں دفق کا لفظ جو بمعنی اچھلنے اور کودنے کے ہے ذکر نہ کیا تاکہ منی عورت کو بھی شامل رہے اس واسطے کہ اچھل کر منی نکلنا عورت کی منی میں ظاہر نہیں م ہدایہ اور کنز میں دفق مذکور ہے لیکن چونکہ امامؒ اور محمدؒ کے نزدیک احلیل سے منی نکلنے میں دفق شرط نہیں اور عورت کی منی میں دفق ظاہر نہیں لہذا مصنف نے عبارت کتب مذکورہ سے عدول کیا ملتقط نے اپنی شرح میں ولوالجی سے نقل کیا کہ منی عورت کی دافق نہیں یعنی کود کر نہیں نکلتی اُس کی چھاتی سے شرمگاہ میں اُتر آتی ہے طحطاوی نے کہا کہ اتساع محل وسعت کے سبب سے اُس میں دفق نہیں ہوتا اور اس میں خارج کی طرف دفع کرنے کی قوت نہیں برخلاف مرد کے کہ تنگی محل سے اُس کی منی خارج کی طرف مندفع ہو جاتی ہے د

اما اسنادہ الیہا فی قولہ تعالیٰ خلق من ماء دافق الآیۃ فیحتمل التغلیب اور عورت کی منی کی طرف بھی دفق کی نسبت کرنا حق تعالیٰ کے اس قول میں کہ خلق من ماء دافق الخ سو اُس میں تو صنعت تغلیب کا احتمال ہے م یہ جواب ہے سوال مقدر کا تقریر سوال کی یہ ہے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا کہ آدمی بنایا گیا کودنے والے پانی سے جو نکلتا ہے پیٹھ اور چھاتی کے درمیان سے تو معلوم ہوا کہ عورت کی منی میں بھی جہندگی ہوتی ہے شارح نے اس کا جواب دیا کہ یہاں تغلیب کا احتمال ہے یعنی مرد کی منی کو عورت کی منی پر غالب ٹھہرایا جو صفت تھی مرد کی منی کی وہ عورت کی منی پر بھی ثابت کی اور پانی سے مراد مرد اور عورت کی ملی جلی منی ہے اور چلپی محشی نے دوسرا جواب یوں دیا کہ دفق سے مراد اُترنا ہے منی کا اپنے مکان سے اور نزول بلاشک دونوں کی منی میں ثابت ہے فالمستدل بہا کالقہستانی تبعا لاخی چلپی غیر مصیب تامل جب آیت میں تغلیب کا احتمال ہوا تو دلیل لانے والا عورت کی منی کے دافق ہونے پر اس آیت سے چنانچہ قہستانی شارح نقایہ نے استدلال کیا اخی چلپی کی پیروی کر کے ٹھیک بات پر نہیں اس کو غور کر لے م اس واسطے کہ جب دلیل میں داخل ہوا احتمال تو ساقط ہوا استدلال تامل کی وجہ شاید[1] یہ ہے کہ استدلال ہوتا ہے امر ظاہر پر اور تغلیب خلاف ظاہر ہے ولانہ لیس بشرط عندہما خلافا للثانی ولذا قال وان لم یخرج من راس الذکر بہا اور مصنف نے اس واسطے دفق کا لفظ مذکور نہ کیا کہ دفق امامؒ اور محمدؒ کے نزدیک شرط نہیں برخلاف ابو یوسفؒ کے اور اسی واسطے مصنف نے کہا اگرچہ منی سر ذکر سے شہوت کے ساتھ نہ نکلی یعنی اپنی قرارگاہ سے منفصل ہوتے شہوت شرط ہے گو احلیل سے نکلنے کے وقت شہوت نہ رہی ہو م دریافت کرنا چاہیے کہ دفق مصدر ہے متعدی اور کا ہے لازم بھی آتا ہے کذا فی المنح تو متعدی بمعنی دفع بشدت ہے اور یہاں معنی طرفین کے نزدیک سر ذکر سے نکلنے کے وقت دفق شرط نہیں اور دفق لازم بمعنی دفوق یعنی خروج اپنے محل سے یعنی سر ذکر سے تو یہ طرفین اور ابو یوسفؒ سب کے نزدیک شرط ہے یعنی غسل واجب نہ ہوگا جب تک منی سر ذکر سے خارج نہ ہو تو کلام شارح میں دفق متعدی کی نفی ہے نہ دفق لازم کی کذا فی الطحطاوی وشرطہ ابو یوسف اور سر ذکر سے نکلنے کے وقت دفق اور شہوت کو ابو یوسفؒ نے شرط کہا ہے م اور ثمرہ اختلاف کا

[1] شامی میں ہے کہ عبدالرزاق نے وجہ تامل یہ بیان کی کہ عورت کی منی کو دفق کو عرف ظاہر کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ کود نا کسی قدر اس میں بھی ہے گو مرد کے برابر نہیں ۱۲

ظاہر ہوتا ہے چند مواضع میں چنانچہ ایک شخص کو احتلام ہوا اور اُس نے ذکر کو دابا یہاں تک کہ شہوت ٹھہر گئی پھر بدون شہوت کے منی نکلی تو طرفین کے نزدیک غسل واجب ہے نہ ابو یوسفؒ کے نزدیک یا شہوت سے نظر کی اور منی اپنے محل سے منفصل ہوئی پھر اُس نے ذکر کو دابا کہ شہوت جاتی رہی پھر بدون شہوت کے منی نکلی یا غسل کیا پیشاب کرنے یا سونے سے پہلے پھر باقی منی بدون شہوت کے نکلی تو طرفین کے نزدیک دوسرا غسل واجب ہے نہ ابو یوسفؒ کے نزدیک **وبقولہ یفتی فی ضیف خاف ریبۃ او استحیٰ کما فی المستصفیٰ** اور ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے اُس مہمان کے حق میں کہ ڈرا تہمت اور بدگمانی سے یا شرمایا چنانچہ مستصفیٰ میں ہے م یعنی مہمان کو احتلام ہوا اور اُس نے سر ذکر کو دابا اور شہوت زائل ہونے کے بعد منی خارج ہوئی یہ حرکت بدگمانی کے ڈر سے کی کہ میزبان کو شبہ نہ پڑے تو بموجب فتویٰ غسل اُس پر واجب نہیں اور مہمان کی قید سے معلوم ہوا کہ اس کے سوائے میں طرفین کے قول پر فتویٰ ہے چنانچہ بحر الرائق میں سراج سے مصرح ہے **وفی القہستانی و التاتارخانیۃ معزیا للنوازل وبقول ابی یوسف ناخذ لانہ الیسر علی المسلمین قلت ولا سیما فی الشتاء والسفر** اور قہستانی اور فتاویٰ تاتارخانیہ میں نوازل سے منقول ہے کہ ابو یوسفؒ کے قول کو ہم لیتے ہیں اس واسطے کہ وہ مسلمانوں پر آسان تر ہے میں کہتا ہوں خصوصاً موسم سرما اور سفر میں م یعنی ابو یوسفؒ کا قول مطلقاً ماخوذ ہے گذشتہ نمازوں میں اور آیندہ میں اور منصوری شرح مسعودی میں یوں ہے کہ ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ ہے گذشتہ نمازوں میں جو بدگمانی کے خوف سے پڑھیں اور طرفین کے قول پر فتویٰ ہے صلوات مستقبلہ میں کیونکہ اُن میں تہمت کا خوف نہیں الحاصل دونوں قول کی تصحیح واقع ہوئی ہے **کذا فی الطحطاوی وفی الخانیۃ خروج منی بعد البول وذکرہ منتشر لزمہ الغسل قال فی البحر محملہ ان وجد الشہوۃ وہو تقیید قولہم بعدم الغسل بخروجہ بعد البول** اور خانیہ میں ہے کہ منی نکلی پیشاب کرنے کے بعد اور حالانکہ اُس کا ذکر استادہ ہے تو غسل کرنا اُس پر لازم ہوا بحر الرائق میں کہا کہ یہ مسئلہ اُس صورت پر محمول ہے جو استادگی کے ساتھ شہوت بھی پائی جاوے اور وہ یعنی استادگی شہوت کے ساتھ مقید کرنا ہے فقہا کے اس مطلق قول کو کہ پیشاب کے بعد منی کے نکلنے سے غسل لازم نہیں م کتب فقہ میں مصرح ہے کہ بول یا نوم یا مستی کثیر کے بعد اگر منی نکلی تو غسل واجب نہیں تو عدم غسل کا اطلاق مقید عدم انتشار اور شہوت کے ساتھ ہے صاحب بحر نے کہا اور اس پر دلیل تجنیس کی یہ تعلیل ہے کہ حالت استادگی میں خروج اور انفصال دونوں پائے گئے بطریق دفق اور شہوت کے **کذا فی الطحطاوی و عند ایلاج حشفۃ ہی ما فوق ختان آدمی احتراز عن الجنی یعنی اذا لم تنزل واذا لم یظہر لہا فی صورۃ الآدمی کما فی البحر** اور غسل مفروض ہے آدمی کے تمام حشفہ[بفتحتین] داخل کرنے کے وقت آلہ تناسل میں حشفہ اُس کا نام ہے جو ختنہ کرنے کے مقام سے اوپر ہے جسکو سپاری کہتے ہیں آدمی کا حشفہ کہنا احتراز ہے جن کے حشفہ سے یعنی اگر جن عورت سے جماع کرے اور اُس کے سامنے آدمی کی صورت پر ظاہر نہ ہوا ور جب کہ عورت کو انزال نہ ہو چنانچہ بحر الرائق میں ہے تو عورت پر غسل نہیں م جب عورت نے کہا کہ میرے ساتھ ایک جن ہے خواب میں آتا ہے بارہا اور مجھ کو وہ لذت حاصل ہوتی ہے جو میرے زوج کے جماع سے حاصل ہوتی ہے تو اُس پر غسل نہیں بدون انزال کے اور اگر انزال ہوا تو غسل واجب ہے گویا وہ احتلام ہے اور اگر جن آدمی کی صورت پر ظاہر ہوا تو فقط ادخال حشفہ سے غسل واجب ہوگا انزال ہو یا نہ ہو اس واسطے کہ مدار احکام کا ظاہر پر ہے **کذا فی البحر او ایلاج قدرہا من مقطوعہا** یا وقت داخل کرنے بقدر حشفہ کے اُس شخص سے جس کا حشفہ کٹا ہے **ولو لم یبق منہ قدرہا قال فی الاشباہ لم یتعلق بہ حکم ولم ارہ** اور جو بقدر حشفہ کے ذکر سے باقی نہ رہا اشباہ میں کہا کہ کوئی حکم اس کے ساتھ متعلق نہ رہا اور میں نے اُس کو کسی کتاب میں نہیں دیکھا م یعنی جو احکام کہ حشفہ داخل کرنے سے تعلق رکھتے ہیں چنانچہ وجوب غسل اور حلال ہونا مطلقہ کا اور جماع کی قسم میں حانث ہونا یا نہ ہونا اس صورت میں باقی نہ رہے سید علی مقدسی نے کہا کہ قدر حشفہ کی تقیید کے مفہوم سے یہ نکلتا ہے کہ اُس کے ساتھ کچھ حکم متعلق نہ رہا اور عند السوال اسی کا فتویٰ دیا جائے **کذا فی الطحطاوی فی احد سبیلی آدمی حی یجامع مثلہ** یعنی محترزہ غسل فرض ہوتا ہے حشفہ داخل کرنے سے ایک راہ میں دو راہوں سے کہ قبل اور دبر ہے اُس زندہ آدمی کی کہ دیسی کا جماع ہو سکتا ہے اور قیود ثلثہ میں سے ہر قید کا محترز آگے آوے گا یعنی آدمی کی قید سے جانور سے احتراز ہوا اور زندہ کی قید سے مردہ[مقتدہ] نکل گیا اور قابل جماع کی قید سے صغیر غیر قابل جماع خارج ہوا م اور مجرد غائب ہونے حشفہ بدون انزال کے غسل کے واجب ہونے پر بہت احادیث دلیل ہیں از آنجملہ ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے صحیح بخاری اور مسلم میں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مرد بیٹھا عورت کی چار شاخوں میں اور چھوا ایک ختان یعنی ختنہ گاہ نے دوسرے ختان کو

تو البتہ غسل واجب ہوگیا مسلم کی روایت میں اتنا زیادہ ہے اگرچہ اُس کو انزال نہ ہوا ہو اور یہ جو مسلم کی حدیث ہے کہ انما الماء من الماء سو احتلام پر محمول ہے چنانچہ جامع ترمذی میں عبداللہ بن عباسؓ سے تصریح مروی ہے کذا فی العینی علیہما ای الفاعل والمفعول لو کانا مکلفین دونوں پر غسل فرض ہے یعنی فاعل اور مفعول پر بشرطیکہ فاعل اور مفعول دونوں مکلف ہوں یعنی عاقل بالغ مسلمان ہوں ولو احدہما مکلفاً فعلیہ فقط اور اگر دونوں میں سے ایک مکلف ہو یعنی دوسرا صغیر یا مجنون ہو تو صرف مکلف پر غسل واجب ہے دون المراہق لکن یمنع من الصلوٰۃ حتی یغتسل غسل فرض نہیں مراہق پر لیکن وہ نماز پڑھنے سے روکا جائے گا یہاں تک کہ نہا ڈالے م مراہق وہ صغیر ہے کہ ہنوز بالغ نہیں قریب احتلام ہے ویؤمر بہ ابن عشر تادیبا اور دس برس کے لڑکے کو غسل کرنے کا امر کیا جائے ادب سکھانے کو تا طہارت کی اُس کو عادت ہو جیسے نماز کا اُس کو امر کیا جاتا ہے م دس برس کے صغیر نے جماع کیا عورت بالغہ کا تو عورت پر غسل ہے صغیر پر نہیں لیکن عادت پڑنے کے واسطے اُس کو غسل کرنے کا امر ہوگا کذا فی العالمگیریہ عن المحیط وان دملیتہ لم ینزل منیاً بالاجماع ادخال حشفہ سے مکلف پر غسل فرض ہے بالاجماع اگرچہ اُس نے منی نہیں ٹپکائی م عالمگیری میں محیط سے منقول ہے کہ یہی مذہب ہے ہمارے علماء کا اور یہی صحیح ہے چنانچہ فتاوی قاضی خاں میں ہے یعنی لوثی دبر غیرہ اما فی دبر نفسہ فرجح فی النہر عدم الوجوب الا بالانزال یعنی دبر میں حشفہ داخل کرنے سے اُس وقت غسل فرض ہوتا ہے کہ غیر شخص کی دبر میں داخل کرے اور اگر اپنی دبر میں حشفہ داخل کیا سو نہر الفائق میں عدم وجوب غسل کو ترجیح دی ہے بدون انزال کے م نہر الفائق میں کہا کہ اعتماد کے لائق عدم وجوب ہے مگر بانزال اس واسطے کہ وہ اولیٰ ہے صغیرہ اور میتہ سے تصور لذت میں ولا یرد الخنثیٰ المشکل فانہ لا غسل علیہ بایلاجہ فی قبل او دبر ولا علی من جامعہ الا بالانزال لان الکلام فی حشفۃ وسبیلین محققین اور مصنف پر خنثیٰ مشکل کا اعتراض وارد نہیں ہوتا اس واسطے کہ اُس پر غسل واجب نہیں حشفہ داخل کرنے سے قبل یا دبر میں اور نہ اُس شخص پر جو خنثیٰ مشکل سے جماع کرے مگر انزال سے البتہ غسل ہے اس واسطے کہ مصنف کا کلام حشفہ واقعی اور اُس قبل اور دبر میں ہے جو بلا شبہہ محقق اور ثابت ہیں م یعنی مصنف کے اس قول پر کہ حشفہ داخل کرنے سے احد السبیلین میں مکلف پر غسل واجب ہوتا ہے خنثیٰ مشکل کے فاعل اور مفعول ہونے سے عدم وجوب غسل کا اعتراض وارد نہ ہوگا اس واسطے کہ خنثیٰ مشکل کا حشفہ اور فرج مشکوک الوجود ہے اور مصنف کا کلام متحقق الوجود میں ہے اس کے فاعل ہونے میں غسل اس واسطے واجب نہیں کہ شاید وہ عورت ہو اور اُس کا ذکر عضو زائد ہو تو اُس کا داخل کرنا بمنزلہ اُنگلی داخل کرنے کے ہوا اور اسی طرح دوسرے خنثیٰ کی فرج میں اگر اُس نے داخل کیا تو غسل دونوں پر نہیں کہ شاید دونوں مرد ہوں اور دونوں فرجین زائد ہوں اور خنثیٰ مشکل کے مفعول ہونے میں غسل نہیں کہ شاید وہ مرد ہو اور اُس کی فرج بمنزلہ زخم کے ہو اور فرج کی تقیید سے معلوم ہوگیا کہ خنثیٰ مشکل کی دبر میں اگر ذکر واقعی کا ادخال ہوگا تو فاعل اور مفعول دونوں پر غسل واجب ہوگا اور سبیلین سے مراد ذکر اور فرج ہے اس واسطے کہ دبر خنثیٰ مشکل کی ثابت الوجود ہے بلا شک تو اگر شارح یوں کہتا لان الکلام فی[1] حشفہ وفرج محققین تو بہتر ہوتا کذا فی الطحطاوی وعند رؤیۃ مستیقظ خرج رؤیۃ السکران والمغمی علیہ المذی منیاً او مذیا وان لم یتذکر الاحتلام اور غسل فرض ہے نزدیک دیکھنے مستیقظ یعنی سو کر جاگنے والے کے منی کو یا مذی کو بدن پر یا کپڑے پر اگرچہ احتلام ہونا اُس کو یاد نہ ہو شارح نے کہا مستیقظ کی قید سے متوالے اور غشی والے کی مذی کا دیکھنا نکل گیا م یعنی اگر بعد ہوشیار ہونے کے متوالا یا صاحب غشی مذی دیکھیگا تو دونوں پر غسل نہیں برخلاف مستیقظ کے وجہ فرق یہ ہے کہ نیند مظنہ ہے احتلام کا راحت پانے کے سبب سے تو مذی کا دیکھنا منی پر محمول ہوگا احتیاط کی راہ سے کہ شاید ہوا کی گرمی یا غذا کے سبب سے منی پتلی ہوگئی اور متوالے اور صاحب غشی میں یہ سبب متحقق نہیں یعنی مستی اور غشی راحت کا سبب نہیں مذی کی قید اس واسطے لگائی کہ اگر مست یا بیہوش بعد افاقہ منی دیکھیں گے تو بالاتفاق غسل واجب ہوگا معلوم کرنا چاہیے کہ مستیقظ کا مسئلہ بارہ[2] صورتوں

---

[1] یعنی یا فی یا فی... سے ہے یہ غرض کہ غسل انزال سے ہوتا ہے [2] اس لیے کہ کلام سر ذکر اور فرج ثابت الوجود میں ہے وجہ اولویت یہ ہے کہ اس میں دبر داخل نہ رہے ۱۲ [3] مترجم اوّل نے دس صورتوں کا حکم بیان کیا یعنی چھ صورتوں میں غسل بالاتفاق واجب ہے اور چار میں بالاتفاق واجب نہیں اور دو صورتوں کو چھوڑ دیا وہ یہ ہیں کہ شک ہو منی اور مذی میں یا منی اور ودی میں اور احتلام یاد نہ ہو تو ان دو صورتوں کا حکم یہ ہے کہ طرفین کے نزدیک غسل واجب ہے اور ابو یوسفؒ کے نزدیک واجب نہیں اور حاشیہ شامی میں دو صورتیں اور زیادہ کی ہیں یعنی شک ہو تینوں چیزوں میں اور احتلام یاد ہو یا نہ ہو تو یاد ہونے کی صورت میں غسل واجب ہے بالاتفاق اور یاد نہ ہونے کی صورت میں طرفین کے نزدیک واجب ہے ابو یوسف رح کے نزدیک نہیں ۱۲

کا محتمل ہے اس واسطے کہ یا اُس کو یقین ہے کہ وہ منی یا مذی یا ودی ہے یا اُس کو شک ہے منی اور مذی میں یا منی اور ودی میں یا مذی اور ودی میں اور ان چھ صورتوں میں سے ہر صورت کے ساتھ احتلام یاد ہے یا نہیں تو غسل واجب ہے بالاتفاق جب منی کا یقین ہوا احتلام یاد ہو یا نہ ہو یا مذی کا یقین ہو احتلام کے یاد ہونے کے ساتھ یا شک ہے منی یا مذی میں یا منی یا ودی میں اور احتلام یاد ہے ان تینوں صورتوں میں بھی غسل واجب ہے اور جب کہ ودی کا یقین ہو تو غسل واجب نہیں احتلام یاد ہو یا نہ ہو یا شک ہے مذی یا ودی میں اور احتلام یاد نہیں یقین ہے مذی کا اور احتلام یاد نہیں اور مصنف نے ان صورتوں میں سے چار صورتوں کو ذکر کیا اس لیے کہ جمیع جزئیات کا بیان کرنا لازم نہیں علی الخصوص نادرۃ الوجود کا کذا فی الطحطاوی مختصراً مذی سفید پتلا پانی ہے جو حالت انتشار میں عورت کی ملاعبت کے ساتھ نکلتا ہے اور ودی گاڑھا پانی سفید ہے جو پیشاب کے بعد اور غسل جماعی کے بعد خارج ہوتا ہے احتلام لغت میں خواب دیکھنے کو کہتے ہیں اور استعمال میں خواب جماعی کو بولتے ہیں جس کے ساتھ اکثر انزال منی کا ہوتا ہے الا اذا علم انہ مذیّ او شکّ انہ مذیّ او ودیّ او کان ذکرہ منتشراً قبیلَ النوم فلا غسل علیہ اتفاقاً مگر جب کہ مستیقظ کو بالیقین معلوم ہو کہ وہ مذی ہے بشرطیکہ احتلام یاد نہ ہو کذا فی الطحطاوی یا اُس کو شک ہے کہ وہ رطوبت مذی یا ودی ہے یا اُس کا ذکر استادہ تھا سونے سے پہلے تو اُس پر غسل نہیں باتفاق طرفین اور ابو یوسف رحمہ اللہ کے اس واسطے کہ اگر ذکر منتشر تھا سونے سے پہلے تو جو رطوبت پائی گئی جاگنے کے بعد تو وہ اسی استادگی کے آثار سے ہوگی تو اس پر غسل لازم نہ آوے گا لیکن اگر اُس کو منی ہونے کا گمان غالب ہوگا تو غسل لازم آوے گا اور اگر سونے کے وقت اُس کا ذکر ساکن یعنی استادہ نہ ہوگا تو اس رطوبت کو منی قرار دیں گے اور اُس کو غسل کرنا لازم ہوگا شمس الائمہ حلوائی نے کہا یہ مسئلہ اکثر واقع ہوتا ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں تو اس کا یاد رکھنا ضرور ہوا کذا فی الخانیۃ کالودیّ جیسے ودی کے دیکھنے میں غسل نہیں باتفاق احتلام یاد ہو یا نہ ہو لکن فی الجواہر الا اذا نام مضطجعاً او تیقن انہ منیّ او تذکّر حلماً فعلیہ الغسل والناس عنہ غافلون لیکن جواہر زواہر حاشیہ اشباہ و نظائر میں یہ ہے کہ انتشار قبل النوم میں غسل نہیں مگر جب کہ وہ شخص کروٹ پر سویا یا اُس کو منی ہونے کا یقین ہو گیا یا اس کو احتلام یاد پڑا اور حالانکہ اُس کو منی یا مذی کے ہونے میں شک واقع ہے کذا فی الطحطاوی تو ان تینوں صورتوں میں اُس پر غسل واجب ہے اور لوگ اس مسئلہ سے غافل ہیں لا یفرض ان تذکّر ولو مع اللذّۃ والانزال ولم یر علی رأس الذکر بللاً اجماعاً غسل فرض نہیں بالاتفاق اگر احتلام یاد ہے اگرچہ لذت اور انزال کے ساتھ خواب یاد ہو اور حالانکہ اُس نے سر ذکر پر رطوبت کو نہیں دیکھا مراد اتفاق سے مراد یہاں شیخین اور محمد رحمہ اللہ کا اتفاق ہے اور خلاف نہیں مگر عورت میں کذا فی الطحطاوی سر ذکر کی قید اتفاقی ہے تو یہی حکم ہے اگر کپڑے وغیرہ پر رطوبت کو نہ دیکھے گا وکذا المرأۃ مثل الرجل علی المذہب اور اسی طرح عورت کا حکم ہے مرد کے مانند بنا بر معتمد مذہب کے یعنی بدون دیکھنے رطوبت کے احتلام یاد ہوتے سے عورت پر غسل نہیں جیسے مرد پر غسل نہیں طحطاوی نے کہا یہی مذہب معتمد ہے سب کے نزدیک اور وہ جو محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے عورت کے وجوب غسل کی وہ اعتماد کے لائق نہیں شمس الائمہ حلوائی نے کہا کہ ہم اس روایت کو نہیں لیتے ہیں انتہی مصنف نے اپنی شرح میں کہا اور اس مسئلہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری اور مسلم میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ام سلیم ابو طلحہ کی عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا کہ مجھ کو احتلام ہوا یا رسول اللہ حق تعالی شرم نہیں کرتا حق سے کیا عورت پر غسل ہے جب کہ اُس کو احتلام ہو فرمایا کہ جب کہ وہ پانی کو دیکھے یعنی جب منی نظر آوے نووی نے شرح مہذب میں اس پر اجماع نقل کیا ہے اگر کوئی کہے کہ تمہارے مذہب میں مفہوم شرط کا معتبر نہیں ہم جواب دیں گے کہ حکم غسل کا معلق بشرط ہے تو غسل کا حکم منعدم ہوا عدم اصلی سے اور یہ نہیں کہ عدم شرط کو عدم حکم میں اثر ہے انتہی ما فی النہر ملخصاً ولو وجد بین الزوجین ماءٌ ولا ممیز ولا تذکّر ولا نام قبلہما غیرہما اغتسلا اور اگر درمیان زوجہ اور زوج کے پانی یعنی منی یا مذی پائی گئی یعنی بستر پر ننگے سوتے تھے جب بیدار ہوئے تو بستر پر منی یا مذی پائی اور تمیز کی کوئی وجہ نہیں جس سے مرد یا عورت کی منی ممتاز ہو اور نہ دونوں کو احتلام یاد ہے اور نہ اُن دونوں سے پہلے کوئی اور شخص اُس بستر پر سویا تھا تو دونوں پر نہانا واجب ہے احتیاطاً کذا فی الخانیۃ وجہ تمیز کی یہ ہے کہ مرد کی منی سفید اور گاڑھی ہوتی ہے اور عورت کی منی پتلی اور زرد اور مرد کی منی طول میں واقع ہوتی ہے اور عورت کی عرض میں تو جس کی علامت پائی جاوے اُس پر غسل لازم ہوگا

Marfat.com

اور جس کو احتلام یاد ہوگا اُس پر غسل لازم ہوگا اور جو اس بستر پر اوّل کوئی سویا ہوگا اور منی خشک ہوگی تو ظاہر اً کسی پر زوجین سے غسل واجب نہ ہوگا کذا فی البحر
بحثا او لج حشفة او قدرها ملفوفة بخرقة ان وجد لذة الجماع وجب الغسل والا لاعلى الاصح والاحوط الوجوب حشفہ کپڑے میں لپیٹا ہوا
قبل یا دُبر میں داخل کیا یا بقدر حشفہ مقطوع الحشفہ نے اسی طرح داخل کیا اگر لذت جماع کی پائی تو نہانا واجب ہوا کذا فی المنح اور اگر لذت اور گرمی نہیں پائی
تو غسل واجب نہیں بنا بر اصح قول کے اور زیادہ تر احتیاط ہے غسل کے واجب ہونے میں دونوں صورتوں میں لذت حاصل ہو یا نہ ہو کذا فی البحر و عند انقطاع
حیض و نفاس ہذا وما قبلہ من اضافة الحکم الی الشرط ای یجب عنده لا به بل بوجوب الصلوٰة او ارادة ما لا یحل کما مرّ اور غسل فرض ہے حیض و نفاس
کے منقطع ہونے کے وقت شارح نے کہا یہ یعنی انقطاع حیض و نفاس اور جو اس سے پہلے مذکور ہو چکا یعنی خروج منی اور ادخال حشفہ اور رویت مستیقظ
وہ من قبیل نسبت کرنے حکم کے ہے طرف شرط کے یعنی غسل واجب ہے خروج منی اور ادخال حشفہ اور رویت مستیقظ اور انقطاع حیض اور نفاس کے اوقات
میں نہ ان اشیاء کے سبب سے بلکہ غسل واجب ہے بسبب واجب ہونے نماز کے یا بسبب ارادہ کرنے اُس فعل کے جو بدون غسل کے حلال نہیں چنانچہ تلاوت
قرآن مثلاً جیسا کہ مسائل وضو میں گذر گیا م یعنی فقہ کی جن کتابوں میں خروج منی وغیرہ کو غسل کا سبب کہا ہے تو وہاں حکم کو شرط کی طرف نسبت کیا ہے کیونکہ
امور مذکورہ سبب غسل کے نہیں ہیں بلکہ غسل کی شرط ہیں اور غسل کا سبب تو فی الحقیقة وجوب صلوٰة ہے یا ارادہ تلاوت قرآن مثلاً لا عند مذی و ودی
غسل فرض نہیں مذی اور ودی کے نکلنے کے وقت اور مستیقظ کو جو مذی کے دیکھنے سے غسل لازم ہوتا ہے تو اس احتمال سے کہ بدن کی یا ہوا کی گرمی سے منی
رقیق ہو گئی بل الوضوء منه ومن البول جمیعاً علی الظاهر بلکہ وضو لازم ہے ودی اور بول دونوں سے بنا بر ظاہر الروایة کے م اور اس کا نظیر رعاف بعد البول
ہے یا بول بعد الرعاف تو اگر قسم کھائی وضو نہ کرے گا رعاف سے پھر اُس کو رعاف ہوئی پھر پیشاب کیا یا اس کے بالعکس تو وضو دونوں سے ثابت ہوگا اور وہ شخص
حانث ہوگا اگر کوئی کہے کہ کیا فائدہ ہے ودی سے وضو کے واجب کہنے میں اور حالانکہ بول سابق سے تو وضو واجب ہو گیا اس کے پانچ جواب بحر الرائق میں مذکور
ہیں از انجملہ ایک جواب یہ ہے کہ جس کو سلس البول کی بیماری ہو تو اُس کا وضو ودی سے ٹوٹے گا نہ پیشاب سے اور از انجملہ یہ ہے کہ جس نے وضو کیا بعد بول
کے ودی نکلنے سے پہلے تو اب ودی سے وضو واجب ہوگا [پیشاب جاری رہنا ۱۲] اور از آں جملہ وہ جواب ہے جو شارح نے ذکر کیا کذا فی الطحطاوی مختصراً [له] ولا عند ادخال اصبع
ونحوه کذکر غیر آدمی وذکر خنثی او میت وصبی لا یشتهی وما یصنع من نحو خشب فی الدبر او القبل علی المختار اور فرض نہیں نہانا وقت داخل کرنے انگلی اور اُس
کے مانند کے چنانچہ آدمی کے سوا کسی جانور کا ذکر اور خنثیٰ اور میت اور اُس صغیر کا ذکر جس کو شہوت نہیں ہوتی اور جو چیز آلت کے مانند بنائی جاتی ہے
لکڑی وغیرہ سے یعنی بدکار عورتیں شہوت رانی کے واسطے بناتی ہیں جس کو اہل ہند سبورا کہتے ہیں تو ان اشیاء کے قبل یا دُبر میں داخل کرنے سے غسل لازم
نہیں بنا بر قول مختار کے م دُبر میں تو ترجیح متفق ہے مگر قبل میں ترجیح مختلف ہے اس واسطے کہ شیخ الاسلام ابو السعود نے نوح افندی کے کلام سے نقل کیا
ہے کہ ادخال قبل میں وجوب غسل کا مختار ہے جب کہ عورت شہوت رانی کا قصد کرے یعنی بدون انزال کے بھی غسل واجب ہے اس واسطے کہ عورتوں میں
شہوت غالب ہوتی ہے تو سبب کو مقام مسبب کے قائم کیا کذا فی الطحطاوی ملخصاً ولا عند وطی بهیمة او میتة او صغیرة غیر مشتهاة اور فرض نہیں نہانا
زندہ یا مردہ جانور کے جماع سے اور نہ اُس صغیرہ کے جماع سے جو شہوت کے لائق نہیں م یہ محترز ہے اُس قول سابق کا کہ زندہ آدمی قابل شہوت کے
احد السبیلین میں ادخال حشفہ سے نہانا فرض ہوتا ہے زندہ آدمی کی قید سے جانور زندہ اور مردہ نکل گیا اور قابل کے قید سے صغیرہ غیر مشتہاة خارج ہو
گئی بان تصیر مفضاة بالوطی صغیرہ غیر مشتہاة یعنی قابل شہوت نہ ہونا اس طرح پر ہے کہ جماع کرنے سے درمیان کا پردہ پھٹ کر دونوں راہیں یعنی قبل اور
دُبر ایک ہو جاویں وان غابت الحشفة بجانور وغیرہ کے جماع سے غسل نہیں اگرچہ حشفہ اندر چھپ جاوے ولا ینتقض الوضوء فلا یلزم الا الغسل الدکر قہستانی عن النظم

له اور از انجملہ یہ ہے کہ یہ اعتراض اس صورت میں ہے کہ ودی کی تعریف یہی ہو کہ بعد پیشاب کے نکلے اور اگر یہ ہو کہ ودی وہ ہے جو بعد پیشاب کے نکلے یا غسل جماع کے بعد تو یہ اعتراض ہی نہیں رہتا ۱۲

اور ایسے جماع سے وضو نہیں ٹوٹتا تو سوائے آلت دھو ڈالنے کے کوئی چیز لازم نہیں آتی ایسا نقل کیا ہے قہستانی نے نظم سے وسیجئی ان رطوبۃ الفرج طاھرۃ عندہ فتنبہ اور آگے آوے گا کہ رطوبت فرج کی پاک ہے امام کے نزدیک تو ہوشیار ہو جا کہ جماع صغیرہ غیر مشتہاۃ کے جماع سے آلت کا دھونا صاحبین کے قول پر ہے نہ امام کے قول پر اور یہ اختلاف فرج داخل میں ہے اس واسطے کہ فرج خارج کی رطوبت بالاتفاق طاہر ہے اس دلیل سے کہ امام اور صاحبین کے نزدیک اس کا دھونا وضو میں سنت ہے اور اگر نجس ہوتی صاحبین کے نزدیک تو دھونا فرض ہوتا کذا فی الحلبی بلا انزال لقصور الشہوۃ اشیاء مذکورہ میں بدون انزال کے غسل لازم نہیں لذت کے ناقص ہونے کی وجہ سے م یہ علت ہے اشیاء ماتقدم کی عدم وجوب غسل کی یعنی لذت کامل ہوتی ہے مرغوب بالطبع کے جماع سے یا انزال سے پھر جب محل مرغوب نہ ہوا تو بدون انزال کے کمال لذت نہیں اما یہ فیحال علیہ اور انزال ہونے کے ساتھ تو غسل کا واجب ہونا انزال ہی پر حوالہ کیا جائے گا یعنی اس وقت میں انزال ہی منظور الیہ اور مقصود فی الوجوب ہوگا جیسے محال علیہ[۱] مقصود بالمطالبہ ہوتا ہے کذا فی الطحطاوی کما لا غسل لو اتی عذراء ولم یزل عذرتہا بضم فسکون البکارۃ فانہا تمنع التقاء الختانین الا اذا حبلت لانزالہا وتعید ما صلت قبل الغسل کذا قالوا چنانچہ غسل لازم نہیں جو باکرہ سے جماع کیا اور اُس کی بکارت قائم رہی اس واسطے کہ بکارت مرد اور عورت کے ختنہ گاہوں کے ملنے سے یعنی فرج میں دخول حشفہ سے مانع ہے مگر جب کہ باکرہ اس وطی سے حاملہ ہو گئی تو غسل لازم ہوگا عورت کے انزال ہونے کی وجہ سے یعنی اس واسطے کہ بدون انزال جانبین کے حمل متحقق نہیں ہوتا اور باکرہ بعد حمل کے ان نمازوں کو پھر پڑھے جو غسل کرنے سے پہلے پڑھ چکی ایسا کہا ہے علماء مذہب نے شارح نے کہا عذرہ بضم عین وسکون ذال معجمہ عبارت ہے بکارت سے م اعادہ نماز کی یہ وجہ ہے کہ حمل کے بعد ظاہر ہو گیا کہ اُس نے بدون طہارت کے نماز پڑھی وفیہ نظر لان خروج منیہا من فرجہا الداخل شرط لوجوب الغسل علی المفتی بہ ولم یوجد قالہ الحلبی اور قول مذکورہ کے وجوب غسل میں اعتراض ہے اس واسطے کہ عورت کی منی کا نکلنا فرج داخل سے وجوب غسل کی شرط ہے بنابر قول مفتی بہ کے اور وہ یہاں پایا نہیں گیا ایسا کہا حلبی نے م یعنی جب کہ خروج منی کا نہ ہوا تو اُس پر غسل واجب نہیں اگرچہ حمل رہ گیا ہو الحاصل باکرہ پر غسل واجب نہیں ہوتا مطلقاً اگرچہ وہ حاملہ ہو جائے اس واسطے کہ قول اصح یہ ہے کہ اُس پر وجوب غسل کا انزال سے اُس وقت ہوتا ہے جب کہ منی فرج داخل سے فرج خارج کی طرف پہنچے اور مرد پر تو غسل لازم ہوگا اس لیے کہ ظہور حمل کا علامت ہے مرد کے انزال کی اگرچہ اُس کو معلوم نہ ہو میں کہتا ہوں اور اعتراض مذکور تمام نہ ہوگا مگر جب کہ بکارت خروج منی کی مانع ہو اور حالانکہ برخلاف اس کے ثابت ہے اس واسطے کہ حیض اسی محل سے خارج ہوتا ہے وتمامہ فی الطحطاوی ویجب ای یفرض علی الاحیاء المسلمین کفایۃ اجماعا ان یغسلوا بالتخفیف المیت المسلم الا الخنثی المشکل فیتیمم اور واجب ہے یعنی فرض ہے زندہ مسلمانوں پر بطور فرض کفایہ اجماع کی دلیل سے یہ کہ نہلا دیں مردہ مسلمان کو سوائے اُس مردہ کے جو خنثی مشکل ہو تو اس کو غسل نہ دیجیے بلکہ اُس کو غسل کے عوض تیمم کرا دے م شارح نے وجوب کی تفسیر فرض کی تا معلوم ہو کہ یہاں وجوب اصطلاحی مراد نہیں جیسے اگلے مسئلے میں بھی وجوب سے فرض مراد ہے مصنف نے اپنی شرح میں فتح القدیر سے نقل کیا کہ یہ فرضیت اجماع سے ثابت ہے اور غسل میت کی صحت میں نیت شرط نہیں ہاں ذمہ مکلفین سے اسقاط فرض کا نہ ہوگا بدون نیت کے تو غریق کو بھی تین بار غسل دینا زندوں پر لازم ہوگا خانیہ میں زندوں پر بھی نیت کو لازم نہیں کہا انتہی شارح نے یغسلوا میں تخفیف کی قید لگائی حالانکہ تخفیف وتشدید دونوں متعدی ہیں کذا فی القاموس تو مترجم کے ذہن ناقص میں آتا ہے کہ بالتخفیف کا لفظ بعد لفظ میت[۲] کے ہوگا شاید کہ کاتب سے تقدیم واقع ہو گئی اس لیے کہ طحطاوی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ میت بالتخفیف وہ ہے جو مر گیا اور میت بالتشدید وہ ہے جو زندہ ہے آگے مرے گا کما یجب علی من اسلم جنبا او حائضا او نفساء ولو بعد الانقطاع علی الاصح کما فی الشرنبلالیہ من البرہان وعللہ ابن الکمال ببقاء الحدث الحکمی جیسے واجب یعنی فرض ہے

---

[۱] مدیون اگر اپنے ذمہ کے دین کو کسی شخص پر حوالہ کر دے تو وہ شخص محال علیہ کہلاتا ہے ۱۲ [۲] مترجم اول کا وہم ہے اس لیے کہ ہر چند غسل بہ تخفیف و تشدید دونوں متعدی آتے ہیں مگر بہ تشدید نہلانے کے معنی میں نہیں آتا بلکہ جماع کثیر کے معنی میں آتا ہے چنانچہ قاموس میں ہے غسل ضرب فاوجع والمراۃ جامعہا کثیر الغسل اس لیے شارح نے تخفیف سین کی قید لگائی تاکہ اُس معنی سے احتراز ہو ۱۲ ب

نہانا اس شخص پر جو مسلمان ہو حالت جنابت یا حیض یا نفاس میں اگرچہ حیض اور نفاس کے موقوف ہو جانے کے بعد اسلام قبول کیا بنا بر صحیح تر قول کے چنانچہ شرنبلالیہ میں برہان سے منقول ہے اور ابن کمال نے وجوب غسل بعد الانقطاع کی دلیل بیان کی ہے حدث حکمی کے باقی رہنے سے یعنی جب کہ حدث باقی رہا تو وہ زائل نہ ہو گا بدون غسل کے **او بلغ لا بالسن بل بانزال او حیض او ولدت ولم تردما او اصابت کل بدنہ نجاسۃ او بعضہ وخفی مکانہا** یا جوان ہوا آدمی عمر کے حساب سے نہیں بلکہ انزال یا حیض کے آنے سے یا کہ عورت جنی اور اُس نے خون کو نہ دیکھا یا آدمی کے تمام بدن پر نجاست لگی یا تھوڑے بدن پر نجاست لگی اور نجاست کا مکان مخفی رہا تو ان پانچوں صورتوں میں غسل کرنا لازم ہوگا م اور اگر بلوغ عمر کے حساب سے ہوگا تو غسل واجب نہیں مستحب ہے چنانچہ عنقریب آتا ہے اور بلوغ کی عمر لڑکا ہو یا لڑکی پندرہ برس ہیں اسی قول پر فتویٰ ہے فی الاصح راجع للجمیع غسل لازم ہے صحیح تر قول میں شارح نے کہا اصح ہونا سب پانچوں صورتوں کی طرف راجع ہے وفی التاتارخانیہ معزیا للعتابیۃ والمختار وجوبہ علی مجنون افاق قلت وہو یخالف ما یاتی متنا الا ان یحمل انہ رای منیا اور تاتارخانیہ میں عتابیہ کی طرف منسوب ہے کہ قول مختار وجوب غسل کا ہے اس مجنون پر جو ہوش میں آگیا میں کہتا ہوں یہ قول مخالف ہے اس قول کے جو متن میں آوے گا یعنی استحباب غسل کا مگر یہ کہ وجوب غسل کو اس پر محمول کیجیے کہ مجنون نے بعد افاقہ اپنے بدن یا کپڑے پر منی دیکھی اور استحباب کے قول کو عدم رویت پر محمول کیجیے تو اب خلاف باقی نہ رہا وہل السکران والمغمی علیہ کذلک یراجع اور کیا مست اور صاحب غشی کا حکم اسی طرح مجنون کے مانند ہے ہوشیار ہونے کے بعد کتابوں میں اس کا حکم دیکھنا چاہیے یعنی ہم نے اس کا حکم نہیں دیکھا تو تلاش کرنا چاہیے م بحر الرائق میں مذکور ہے کہ مست جب ہوش میں آیا اور اُس نے مذی کو دیکھا تو اُس پر بالاتفاق غسل نہیں تو اگر مذی نہ دیکھے گا تو بطریق اولیٰ اُس پر غسل لازم نہ ہوگا اور صاحب غشی کو تو خود شارح نے مستحبات میں غرر الاذکار سے نقل کیا ہے کذا فی الطحطاوی والا بان اسلم طاہرا او بلغ بالسن فمندوب اور اگر ویسا نہیں یعنی جنابت یا حیض یا نفاس سے پاک صاف مسلمان ہوا یا عمر کے حساب سے جوان ہوا تو غسل کرنا مستحب ہے فرض نہیں **وسن لصلوۃ جمعۃ ولصلوۃ عید ہو الصحیح** کما فی غرر الاذکار وغیرہ اور غسل کرنا سنت ہے جمعہ کی نماز کے واسطے اور عید کی نماز کے واسطے یہی قول صحیح ہے چنانچہ غرر الاذکار وغیرہ میں ہے م ابو یوسفؒ کے نزدیک جمعہ کا غسل نماز کے واسطے ہے اور حسن بن زیاد کے نزدیک جمعہ کے دن کے واسطے ہے اور ثمرہ اختلاف کا ظاہر ہوتا ہے اُس شخص میں جس نے جمعہ کے دن غسل کیا پھر اُس کا وضو ٹوٹا اور اُس نے وضو کیا اور جمعہ کی نماز پڑھی تو ابو یوسفؒ کے نزدیک سنت ادا نہ ہوئی اور حسن کے نزدیک ادا ہوئی کذا فی المنح وفی الخانیۃ لو اغتسل بعد صلوۃ الجمعۃ لا یعتبر اجماعا اور خانیہ میں ہے کہ اگر بعد نماز جمعہ کے غسل کیا تو وہ غسل معتبر نہیں بالاتفاق ابو یوسفؒ اور حسن کے م حسن کے نزدیک عدم اعتبار غسل کی یہ وجہ بحر الرائق میں بیان کی کہ غسل اس واسطے مشروع ہوا تا کہ آدمی کے بدن کا میل دور ہو جس سے اجتماع میں تکلیف ہوتی ہے اور یہ بات حاصل نہیں نماز جمعہ کے بعد نہانے سے اور حسن کے نزدیک گو غسل دن کے سبب سے ہے نہ نماز کے سبب سے لیکن یہ شرط ہے کہ غسل نماز سے پہلے ہو اور بعضوں کے نزدیک اتفاق مذکور کی حکایت صحیح نہیں اس واسطے کہ عینی نے تصریح کی ہے کہ غسل کرنے سے بعد نماز جمعہ کے حسن کے نزدیک سنت ادا ہو گی کذا فی الطحطاوی **ویکفی غسل واحد لعید وجمعۃ اجتمعا مع جنابۃ** اور کفایت کرتا ہے ایک بار غسل کرنا اُس عید اور جمعہ کے واسطے جو جنابت کے ساتھ جمع ہوئے م یعنی جمعہ کے دن عید واقع ہوئی اور ایک شخص کو جنابت بھی ہے تو ایک بار نہانا غسل سنت اور غسل فرض سب کو کفایت کرتا ہے کذا فی المنح عن معراج الدرایۃ کما فی الفرضین جنابۃ وحیض جیسے جنابت اور حیض دونوں فرضوں کے واسطے ایک غسل کفایت کرتا ہے اجتماع حیض اور جنابت کی صورت یہ ہے کہ انقطاع حیض کے بعد جماع یا احتلام واقع ہوا **ولاجل احرام** اور غسل سنت ہے احرام حج یا عمرہ کے واسطے **وفی جبل عرفۃ بعد الزوال** اور غسل سنت ہے عرفات کے پہاڑ میں دوپہر ڈھلنے کے بعد م شارح نے پہاڑ کا لفظ زیادہ کر کے اشارہ کیا غسل عرفہ اُس وقت سنت ہے جب کہ داخل عرفات ہو ابن امیر حاج نے کہا کہ یہ غسل فقط دن کے واسطے نہیں بلکہ ظاہر توقف عرفات کے واسطے ہے کذا فی الطحطاوی **وندب لمجنون افاق** اور غسل کرنا مستحب ہے اُس دیوانہ کے واسطے جو ہوش میں آ گیا م غسل تین قسم پر ہے فرض سنت مستحب فرض غسل چھ قسم ہے انزال منی سے بشہوت دوسرے ادخال حشفہ سے تیسرے انقطاع حیض سے چوتھے انقطاع نفاس سے پانچویں غسل میت چھٹے سارے بدن

نجاستِ عینی

میں نجاست لگنے سے یا بعض بدن میں اور نجاست کا مکان مخفی ہو اور غسل سنت ہے چار ہیں نماز جمعہ کے واسطے اور عید کی نماز کے لیے اور احرام کے واسطے اور وقوف عرفات کے لیے اور مستحب غسل کا بیان اب شروع ہوا وکذا المعمیٰ علیہ کما فی عزرالاذکار اور اسی طرح صاحب غشی کا غسل مستحب ہے افاقہ ہونے کے بعد چنانچہ عزرالاذکار میں مذکور ہے وہل السکران کذلک لم ارہ اور کیا مست کا بھی اسی طرح کا حکم ہے میں نے اس کو کسی کتاب میں نہیں دیکھا م شارح سے یہ کلام مکرر واقع ہوا اور اس کی گفتگو بحر الرائق سے مذکور ہو گئی وعند حجامۃ اور غسل مستحب ہے پچھنے لگانے کے وقت یعنی پچھنے لگانے کے بعد وفی لیلۃ براۃ اور غسل مستحب ہے برات میں یعنی شعبان کی پندرھویں رات میں اس رات کی تعظیم کے واسطے اور شب بیداری کے لیے اس واسطے کہ اس میں ارزاق اور آجال کی تقسیم ہوتی ہے اور ہر مومن کے واسطے براءۃ[1] من النار اور براءۃ من الذنوب حاصل ہوتی ہے کذا فی الطحطاوی وعرفۃ اور غسل مستحب ہے شب عرفہ یعنی[2] نویں رات[3] ذالحجہ میں وقدر اذا راٰہا اور غسل مستحب ہے شب قدر میں جب کہ اس کو دیکھے یعنی جب کہ اس کو جانتا ہو بظن غالب اور شرنبلالی کی امداد الفتاح میں ہے کہ غسل مستحب ہے جب کہ شب قدر کو یقیناً دیکھے یا ان احادیث پر عمل کرے جو بیان اوقات شب قدر میں وارد ہیں کذا فی الطحطاوی م اکثر احادیث صحاح میں عشرۃ اخیرۃ رمضان المبارک کی طاق راتوں میں طلب کرنا شب قدر کا وارد ہے علی الخصوص اکیسویں اور تیئیسویں اور ستائیسویں[4] واللہ اعلم وعند الوقوف بمزدلفۃ غداۃ یوم النحر للوقوف اور غسل مستحب ہے نزدیک ٹھہرنے مزدلفہ کے روز قربانی کے صبح کو وہاں ٹھہرنے کے واسطے م مزدلفہ ایک مکان ہے عرفات اور منیٰ کے درمیان وعند دخول منی یوم النحر لرمی الجمرۃ وکذا البقیۃ الرمی اور غسل مستحب ہے نزدیک داخل ہونے منیٰ کے قربانی کے دن جمرہ کو پتھریاں مارنے کے واسطے اور اسی طرح باقی سنگساری کے واسطے یعنی یوم النحر کے بعد تین دن جمرات ثلثہ کی سنگساری جو ہوتی ہے تو ہر روز کا نہانا سنگساری کے واسطے مستحب ہے وعند دخول مکۃ لطواف الزیارۃ اور غسل مستحب ہے نزدیک داخل ہونے مکہ معظمہ کے طواف الزیارۃ کے واسطے تاکہ فرض ادا ہو اکمل طہارتین کے ساتھ اور اسی طرح ہر بار اس مکان مقدس کے دخول میں بلاشک غسل مستحب ہے حرمت مکان کی تعظیم کے واسطے کذا فی امداد الفتاح ولصلوۃ کسوف وخسوف اور غسل مستحب ہے سورج گہن اور چاند گہن کی نماز کے واسطے م کسوف اور خسوف نشانیاں ہیں بندوں کے ڈرانے کے واسطے تو اقرب حالات تضرع طہارت کاملہ ہے نماز کے واسطے کذا فی امداد الفتاح واستسقاء وفزع ظلمۃ وریح شدید اور واسطے طلب بارش کے اور خوف اور تاریکی روز اور سخت آندھی میں غسل کرنا مستحب ہے تاکہ باکمل طہارتین التجا الی اللہ تعالیٰ دفع مصیبت کے واسطے حاصل ہو کذا فی امداد الفتاح وکذا لدخول المدینۃ ولحضور مجمع الناس ولمن لبس ثوبا جدیدا وغسل میتا اور اسی طرح غسل مستحب ہے مدینہ منورہ کے داخل ہونے میں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور تکریم کے واسطے اور آدمیوں کے مجمع میں جانے کے واسطے غسل مستحب ہے تاکہ لوگوں کو میل اور پسینہ کی بدبو سے تکلیف نہ ہو اور اس کو غسل مستحب ہے جو نیا کپڑا پہنے یا مردہ نہلاوے م ظاہر کلام شارح دلالت کرتا ہے کہ مجمع کا غسل مذہب حنفی میں منصوص ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ صاحب بحر نے کہا کہ یہ نووی شافعی کا قول ہے ہم نے اپنے علماء کے قول میں نہیں دیکھا کذا فی الطحطاوی اوبراد قتلہ یا اس شخص کو غسل کرنا مستحب ہے جس کے قتل کا ارادہ کیا جاتا ہے یعنی قتل اس کا خواہ بحد یا قصاص یا بظلم ہو ہر صورت غسل مستحب ہے تاکہ موت طہارت کے ساتھ ہو اور وہ شہید ہو کر مرے کذا فی الطحطاوی ولتائب من ذنب اور گناہ سے توبہ کرنے والے کو غسل مستحب ہے تاکہ توافق حاصل ہو طہارت ظاہری کو طہارت باطنی کے ساتھ اس واسطے کہ طہارت ظاہری نافع نہیں بدون طہارت باطنی کے ولقادم من سفر اور غسل مستحب ہے سفر سے آنے والے کو ولمستحاضۃ انقطع دمہا اور اس عورت مستحاضہ کو غسل کرنا مستحب ہے جس کا خون بند ہو گیا کہ شاید استحاضہ کے اندر حیض واقع ہوا ہو کذا فی الطحطاوی وثمن ماء اغتسالہا ووضوءہا علیہ ای الزوج ولو غنیۃ کما فی الفتح لانہ لا بد لہا منہ فصار کالشرب فاجرۃ الحمام علیہ اور زوجہ کے غسل اور وضو کے پانی کی قیمت زوج پر لازم ہے اگرچہ زوجہ مالدار ہو چنانچہ فتح القدیر میں ہے اس واسطے کہ عورت کو غسل اور وضو کا پانی ضرور ہے پینے کے پانی کے برابر تو حمام کی اجرت بھی زوج پر ہے م حمام کی اجرت قیاس ہے صاحب بحر کا مذہب کی روایت نہیں اور یہ جو خلاصہ میں تفصیل مذکور ہے کہ محتاج زوجہ کے غسل اور وضو کا

[1] دوزخ سے بری ہونا اور گناہوں سے بری ہونا ۱۲ [2] اور اہل تفاسیر نے ستائیسویں کو زیادہ تر ملحوظ رکھ شب قدر بیان کی ہے ۱۲ [3] یعنی جو دسویں تاریخ کو یا اس کے بعد کرتے ہیں حج میں ۱۲

پانی زوج پر ہے اور بالدار کا نہیں سو ضعیف قول ہے کذا فی الطحطاوی ولو کان الاغتسال لا من جنابۃ وحیض بل لازالۃ الشعث والتفث قال شیخنا الظاہر انہ لا یلزمہ
اور اگر زوجہ کا نہانا جنابت اور حیض سے نہ ہو بلکہ سر کی گرد آلودگی اور میل کے دور کرنے کے واسطے ہو تو ہمارے استاذ خیر الدین رملی نے کہا کہ ظاہرًا ایسے نہانے کے
پانی کی قیمت زوج پر لازم نہیں م اس واسطے کہ یہ ضروریات سے نہیں ہے بلکہ از قسم پاکیزگی بدن کے ہے اور اس کلام سے نکلتا ہے کہ سر کا تیل اور مشاطہ کی اجرت واجب
نہیں زوج پر کذا فی الطحطاوی ویحرم بالحدث الاکبر دخول مسجد لا مصلی عید وجنازۃ ورباط ومدرسۃ ذکرہ المصنف وغیرہ فی الحیض وقبیل الوتر لکن فی وقف
القنیۃ المدرسۃ اذا لم یمنع اہلہا الناس من الصلوۃ فیہا فہی مسجد اور حدث اکبر یعنی جنابت اور حیض اور نفاس سے حرام ہے جانا مسجد کا اور حرام نہیں داخل ہونا عید
گاہ اور جنازہ گاہ کا اور صوفیوں کی خانقاہ اور مدرسہ کا ایسا ذکر کیا ہے مصنف وغیرہ نے حیض میں اور مسائل وتر کے پہلے لیکن قنیہ کی کتاب الوقف میں ہے کہ جب
اہل مدرسہ لوگوں کو اُس کے اندر نماز پڑھنے سے مانع نہ ہوں تو وہ مدرسہ مسجد ہے م تو مدرسہ مذکورہ میں مسجد کے احکام مرعی ہوں گے اور فنا مسجد در حکم مسجد ہے
جواز اقتدا میں اگرچہ صفوف متصل نہ ہوں نہ دخول کے حرام ہونے میں کذا فی الطحطاوی عن النہر ولو للعبور خلافا للشافعی الا لضرورۃ بحیث لا یمکنہ غیرہ جنب وغیرہ
پر دخول مسجد کا حرام ہے اگرچہ دخول گذران[1] ہو خلافًا للامام الشافعی مگر عبور کرنا مسجد میں جائز ہے ضرورت سے اس طرح پر کہ سوائے مسجد کے اور طرف سے نکلنا اُس کو
ممکن نہیں م ضرورت کی یہ صورت ہے کہ اُس کے گھر کا دروازہ مسجد میں ہو اور غیر ضرورت کی قید ملا خسرو نے درر میں لگائی ہے اور خوب قید ہے اگرچہ اطلاق مشائخ
کے مخالف ہے صاحب بحر نے کہا اس میں یہ قید لگانا بھی لائق ہے کہ دوسری طرف دروازہ نہیں کرسکتا اور اُس گھر کے سوائے اور مکان کے رہنے پر قادر نہیں کذا فی المنح
ولو احتلم فیہ ان خرج مسرعا تیمم ندبا وان مکث لخوف فوجوبا ولا یصلی ولا یقرأ اور اگر کسی شخص کو مسجد میں احتلام ہوا تو اگر مسجد سے جلد نکلا تو اُس کو تیمم کرنا مستحب
ہے اور اگر مسجد میں ٹھہرا یا خوف کے سبب سے بدن کا خوف ہو یا مال کا تو تیمم کرلینا واجب ہے اور اس تیمم سے نہ نماز پڑھے نہ قرآن م اس تیمم سے نماز اس واسطے
صحیح نہیں کہ مسجد کا ٹھہرنا عبادت مقصودہ نہیں اور اباحت نماز کے واسطے وہ تیمم شرط ہے کہ عبادت مقصودہ کے واسطے کیا ہو کذا فی الطحطاوی ویحرم بہ تلاوۃ قرآن
ولو دون آیۃ علی المختار اور حدث اکبر سے حرام ہے تلاوت قرآن کی اگرچہ آیت سے کم پڑھے بنا بر قول مختار کے م حرمت کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ترمذی
اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور منذری نے اُس کو حسن اور صحیح کہا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقرأ الحائض ولا الجنب شیئا من القرآن یعنی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ پڑھے حائض اور نہ جنب کچھ قرآن کو تو یہ اطلاق آیت اور کم آیت دونوں کو شامل ہے اور یہی قول ہے کرخی کا اور صاحب ہدایہ نے اس
کو تجنیس میں اور قاضی خان نے شرح جامع صغیر میں اور ولوالجی نے اپنے فتاوی میں صحیح کہا ہے اور اسی طرح محیط اور کافی میں ہے اور صاحب بدائع نے
اس کو عامۂ مشائخ کی طرف منسوب کیا ہے تصحیح کے ساتھ اس دلیل سے کہ احادیث میں قلیل اور کثیر کی تفصیل نہیں اور طحاوی کی روایت میں آیت سے کم قرآن
کا پڑھنا مباح ہے اور صاحب خلاصہ نے اس کو صحیح کہا اور فخر الاسلام نے شرح جامع صغیر میں اور زاہدی نے اکثر مشائخ کی طرف نسبت کیا صاحب بحر
نے بعد حکایت مذکورہ کے کہا الحاصل کمتر از آیت میں تصحیح مختلف ہے لیکن منع تلاوت کا قول راجح ہے اس واسطے کہ احادیث میں تفصیل نہیں اور تعلیل نص کے
مقابلہ میں مردود ہے اس واسطے کہ لفظ شیئا کا چنانچہ کافی میں ہے نکرہ ہے سیاق نفی میں تو اس نے عموم کا فائدہ دیا اور کمتر از آیت بھی قرآن ہے تو اُس کی بھی
قرأت ممنوع ٹھہری پوری آیت کے مانند کذا فی منح الغفار بقصدہ فلو قصد الدعاء او الثناء او افتتاح امر او التعلیم ولقن کلمۃ کلمۃ حل فی الاصح قرآن کا ارادہ
کر کے جنب وغیرہ کو تلاوت کرنا حرام ہے تو اگر آیت قرآنی سے دعا کرنے کا قصد کیا یا ستائش کا یا شروع کرنا کسی کام کا یا تعلیم کا اور ایک ایک کلمہ جدا جدا تعلیم
کیا تو اسی طرح حلال ہے صحیح تر قول میں م عیون میں ہے کہ اگر سورۃ فاتحہ کو پڑھا بطریق دعا کے یا اور آیات کو جن میں دعا کے معنی ہیں اور تلاوت کا قصد نہ
کیا تو لا باس بہ انتہی اور اسی کو حلوائی نے مختار کہا ہے اور صاحب غایۃ البیان نے اور ہندوانی نے کہا کہ میں اس کا فتویٰ نہیں دیتا اگرچہ امام سے مروی ہے۔

[1] یعنی ایک طرف سے دوسری طرف گذرنے کے لیے۔

كذا فی الطحطاوی حتی لو قصد بالفاتحۃ الثناء فی الجنازۃ لم یکرہ یہاں تک کہ فاتحہ سے ستائش کا قصد کرے نماز جنازہ میں تو مکروہ نہیں یعنی قرآن کا پڑھنا اگرچہ نماز جنازہ میں جائز نہیں لیکن اگر بعد سبحانک اللھم کے سورہ فاتحہ بقصد ثنا پڑھے گا تو جائز ہے یہ تفریع ہے لو قصد الثناء پر الا اذا اقرء المصلی قاصدا الثناء فانہا تجزیہ لانہا فی محلہا فلا تتغیر حکمہا بالقصد مگر جب کہ نمازگذار اپنی نماز میں سورہ فاتحہ پڑھے ثنا کی نیت کرکے تو وہ قرأت اُس کو کافی ہے اس واسطے کہ قرأت فاتحہ اپنے مناسب مقام میں ہے تو اُس کا حکم نہ بدلے گا اُس کے قصد کرنے ثنا سے م یہ استثنا کلام محذوف سے مرتبط ہے تقدیر کلام یوں ہے کہ نماز جنازہ میں فاتحہ مکروہ نہیں اس واسطے کہ قصد ثنا سے فاتحہ قرآنیت سے خارج ہوئی مگر اس صورت میں خارج نہیں اور یہ جواب ہے اس سوال مقدر کا کہ اگر سورہ فاتحہ کا اخراج قرآنیت سے بقصد ثنا صحیح ہو تو چاہیے فاتحہ پڑھنا ثنا کے قصد سے نماز کامل میں کفایت نہ کرے حالانکہ وہ کافی ہے۔ شارح نے اس کا جواب دیا کہ نماز کامل میں سورہ فاتحہ اپنے محل پر ہے تو اب ثنا کا قصد کرنا اس کے حکم کو بدل نہیں سکتا کذا فی الطحطاوی عن النہر لیعنی اور نماز جنازہ میں فاتحہ خوانی بے محل تھی تو وہاں قصد ثنا نے حکم کو بدل دیا **و مس مصحف** استدرک بما بعدہ وہو وما قبلہ ساقط من نسخ الشرح وکانہ سقط لانہ ذکرہ فی الحیض اور حدث اکبر سے حرام ہے چھونا مصحف مجید کا شارح نے کہا کہ مس مصحف کا مسئلہ زائد بے حاجت ہے اس واسطے کہ بعد اس کے یہی مسئلہ مذکور ہے اور وہ اور ماقبل اُس کا یعنی مس مصحف اور تلاوت قرآن مصنف کی شرح کے نسخوں سے ساقط ہے اور شاید کہ مصنف کا ساقط کرنا شرح سے اس واسطے ہے کہ اُس کو حیض کے مسائل میں مصنف نے ذکر کیا ہے **و یحرم بہ طواف** لوجوب الطہارۃ فیہ اور حدث اکبر سے بیت اللہ کا طواف کرنا حرام ہے بسبب واجب ہونے طہارت کے طواف میں م صحیحین میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حالت حیض میں طواف بیت اللہ سے منع کیا اور باقی افعال حج کی اجازت دی اور صاحب ہدایہ نے دخول مسجد کو علت قرار دیا ہے طواف کی حرمت کا فتح القدیر میں کہا کہ اس تعلیل پر اقتصار اولیٰ نہیں بلکہ طواف میں طہارت واجب ہے تو اگر وہاں مسجد نہ ہوتی تو بھی طواف جنب پر حرام ہوتا کذا فی المنح **و یحرم بہ** ای بالاکبر **و بالاصغر مس مصحف** ای ما فیہ آیۃ کدرہم وجدار اور حرام ہوتا ہے حدث اکبر اور حدث اصغر سے چھونا مصحف کا مصحف سے یہاں مراد وہ چیز ہے جس میں قرآن شریف کی آیت مرقوم ہو چنانچہ روپیہ اور دیوار م جنب اور محدث (ناپاک) (بے وضو) کو مصحف مجید کا چھونا حرام ہے اگرچہ خط فارسی میں لکھا ہو یہی صحیح ہے باتفاق امام اور صاحبین کے چنانچہ نہر میں ہے تجنیس سے اور حرمت میں موضع کتابت اور غیر موضع کتابت دونوں برابر ہیں اور بعضوں نے کہا غیر مرقوم کا چھونا درست ہے اور محل خلاف مصحف مجید میں اور غیر مصحف میں اگر آیت لکھی ہو تو اُس میں حرام نہیں مگر مرقوم کا چھونا کذا فی باب الحیض من البحر و ہل مس التوراۃ کذلک ظاہر کلامہم لا اور توریت اور مانند اُس کے چنانچہ انجیل اور زبور کا چھونا بھی مصحف کے مانند حرام ہے یا نہیں فقہا کا ظاہر کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ اُن کا چھونا حرام نہیں م اسی طرح نہر الفائق میں مذکور ہے اور قہستانی میں ذخیرہ سے منقول ہے کہ توریت وغیرہ میں جہاں تحریف اور تبدیل واقع نہیں ہوئی اُس کا چھونا بدون طہارت کے مکروہ ہے کذا فی الطحطاوی **الا بغلاف متجاف** غیر مشرز او بصرۃ بہ یفتی مگر جداگانہ غلاف کے ساتھ کہ مصحف پر چپکا نہیں مس مصحف حرام نہیں یا درم کی تھیلی کے ساتھ اُس درم کا چھونا جس پر آیت لکھی حرام نہیں اسی کا فتویٰ ہے م غلاف جداگانہ چنانچہ مصحف کا جزدان اور غلاف ملصق اور چپکا چنانچہ مصحف کی چول تو جزدان کے ساتھ چھونا جائز ہے اور چولی کے ساتھ جائز نہیں اس پر فتویٰ ہے سراج میں اور کافی میں چولی کے ساتھ بھی چھونے کو اصح کہا ہے تو یہاں دونوں قولوں کی تصحیح واقع ہوئی اور آستین کے ساتھ چھونے میں اختلاف ہے تو بموجب کافی کے جائز ہے اور بموجب سراج کے جائز نہیں ہدایہ میں اسی کو اصح کہا ہے اور خلاصہ میں ہے کہ اسی پر اکثر مشائخ ہیں اور کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے کذا فی الطحطاوی عن النہر و حل قلبہ بعود اور پلٹنا مصحف کے ورق کا لکڑی سے حلال ہے واختلفوا فی مسہ بغیر اعضاء الطہارۃ وبما غسل منہا وفی القراءۃ بعد المضمضۃ والمنع اصح اور علمانے اختلاف کیا مصحف کے چھونے میں غیر اعضاء طہارت سے اور اُن میں سے جس کو دھولیا اور جنب کے قرآن پڑھنے میں کلی کرنے کے بعد اور جائز نہ کہنا صحیح تر قول ہے م اعضاء طہارت سے اعضاء

وضوء مراد ہیں اس واسطے کہ حدث اکبر میں تمام اعضاء طہارت کے ہیں **ولا یکرہ النظر الیہ ای القرآن لجنب وحائض ونفساء لان الجنابۃ لاتحل العین** اور قرآن کا دیکھنا جنب اور حیض اور نفاس والی عورت کو مکروہ نہیں اس واسطے کہ ناپاکی آنکھ میں نہیں گھس جاتی **کما لاتکرہ ادعیۃ ای تحریما** جیسے دعاؤں کا پڑھنا بے طہارت مکروہ نہیں یعنی مکروہ بکراہت تحریمی نہیں **والا فالوضوء لمطلق الذکر مندوب وترکہ خلاف الاولی وہو مرجع کراہۃ التنزیہ** اور اگر تحریمی کراہت مراد نہ لیجیے تو صحیح نہیں اس واسطے کہ مطلق ذکر کے واسطے دعا ہو یا غیر دعا وضو مستحب کا ترک کرنا خلاف اولیٰ ہے اور خلاف اولیٰ مآل کار ہے کراہت تنزیہی کا م اور بعضوں کے نزدیک کراہت تنزیہی تو سنت موکدہ کے مقابلہ میں ہے اور خلاف اولیٰ میں تو اصلا کراہت نہیں **کذا فی الطحطاوی ولا یکرہ مس صبی لمصحف ولوح** اور مکروہ نہیں چھونا لڑکے بے وضو کا مصحف اور اس تختی کو جس پر قرآن لکھا ہے **ولا باس بدفعہ الیہ وطلبہ منہ للضرورۃ اذ الحفظ فی الصغر کالنقش فی الحجر** اور کچھ ڈر نہیں بالغ باوضو کو مصحف کے دینے میں بے وضو لڑکے کو اور مصحف کے منگانے میں اس سے چنانچہ بحرالرائق میں ہے مصحف کا دینا لینا جائز ہوا بسبب ضرورت کے اس واسطے کہ یاد کرنا لڑکپن میں جیسے نقش پتھر میں م چونکہ لڑکوں سے وضو کروانا ہر وقت مشقت ہے ان پر اور تابلوغ تاخیر کرنے میں حفظ قرآن کی تقلیل ہے تو اس ضرورت سے ان کو مس مصحف اور اس کا دینا لینا جائز ہوا **ولا تکرہ کتابۃ قرآن والصحیفۃ او اللوح علی الارض عند الثانی خلافا لمحمد وینبغی ان یقال ان وضع علی الصحیفۃ مایحول بینہا وبین یدہ یوخذ بقول الثانی والا فبقول الثالث قالہ الحلبی** اور مکروہ نہیں بے وضو کو لکھنا قرآن کا اس طرح کہ کاغذ یا تختی جس پر لکھتا ہے زمین پر ہو ابو یوسف رح کے نزدیک برخلاف قول محمد رح کے اور یوں کہنا مناسب ہے کہ اگر کاغذ پر وہ چیز رکھی جائے جو درمیان کاغذ اور ہاتھ کے حائل ہو تو ابو یوسف رح کا قول لیا جائے اور اگر یہ نہیں ہے تو محمد رح کا قول لیا جائے ایسا کہا ہے حلبی نے م اور دوسری وجہ توفیق یہ ہے کہ ابو یوسف رح کا قول کراہت تحریمی کی نفی پر محمول ہے اور محمد رح کا قول تنزیہی پر بدلیل قول محمد رح (احب الی ان لایکتب) یعنی میرے نزدیک پسندیدہ تر عدم کتابت ہے **کذا فی الطحطاوی ویکرہ لہ قراءۃ توراۃ وانجیل وزبور لان الکل کلام اللہ وما بدل منہا غیر معین** اور جنب وغیرہ کو مکروہ ہے پڑھنا توریت اور انجیل اور زبور کا اس واسطے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور جن الفاظ میں تبدیل اور تحریف واقع ہوئی یہود اور نصاریٰ سے وہ معلوم نہیں بالخصوص م فتح القدیر میں فتاویٰ ظہیریہ سے اسی قول پر فتوی منقول ہے **کذا فی المنح وجزم العینی فی شرح المجمع بالحرمۃ** اور عینی نے شرح مجمع میں حرمت قرأت پر یقین کیا ہے **وخصہا فی النہر بما لم یبدل** اور نہرالفائق میں حرمت قرأت کو خاص کیا اس کے ساتھ جس میں تبدیل اور تحریف نہیں ہوئی **لا قراءۃ قنوت** مکروہ نہیں جنب وغیرہ کو پڑھنا قنوت کا اسی پر فتوی ہے کذا فی المنح اور مراد کراہت منفی سے کراہت تحریمی ہے نہ تنزیہی **ولا اکلہ وشربہ بعد غسل ید وفم** اور مکروہ نہیں جنب وغیرہ کو کھانا اور پینا ہاتھ اور منہ دھو ڈالنے کے بعد **ولا معاودۃ اہلہ قبل اغتسالہ الا اذا احتلم لم یات اہلہ** اور مکروہ نہیں جنب کو پھر صحبت کرنا اپنی اہلیہ کا نہانے سے پہلے مگر جب کہ جنابت احتلام کے ہونے سے ہوئی ہو تو بدون نہانے کے اپنی اہلیہ سے صحبت[1] نہ کرے م یہ روایت فتح القدیر میں منتقی سے منقول ہے **قال الحلبی ظاہر الاحادیث انما تفید الندب لا نفی الجواز المفاد من کلامہ** حلبی نے کہا کہ ظاہر احادیث تو دلالت نہیں کرتا مگر استحباب ترک جماع پر قبل غسل کے نہ عدم جواز جماع پر جو حاصل ہوتا ہے فتح القدیر کے کلام سے طحطاوی نے کہا کہ یہ طرز شارح کا مناسب نہیں اس واسطے کہ ضمیر کا مرجع پہلے مذکور نہیں کر دیا **والتفسیر کمصحف لا الکتب الشرعیۃ فانہ رخص مسہا بالید لا التفسیر کما فی الدرر عن مجمع الفتاوی** اور تفسیر مصحف کے مانند ہے نہ شرعی کتابیں اس واسطے کہ بدون طہارت کے شرعی کتابوں میں ہاتھ لگانے کی رخصت دی گئی ہے۔

[1] شامی نے بستان فقیہ سے علامہ یہ نقل کیا ہے کہ اس سے لڑکا بخیل اور مجنون ہوتا ہے پھر کہا کہ حلبی کے قول کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس باب میں کوئی حدیث ہوگی لیکن احتلام کے بعد صحبت کرنے میں کوئی روایت وارد نہیں ہوئی پس احتلام کے بعد صحبت کو ایسا جاننا چاہیے جیسا جماع کے بعد یعنی درمیان میں غسل کرنا مستحب ہے نہ یہ کہ صحبت جائز نہ ہو علاوہ اس کے کوئی دلیل حرمت کی پائی نہیں جاتی اور احادیث سے ازواج کے ساتھ صحبت ایک غسل میں ثابت ہے تو پھر عدم جواز کی کیا وجہ ہے ۱۲

نہ تفسیر میں ہاتھ لگانے کی چنانچہ درر میں مجمع الفتاویٰ سے منقول ہے ہم شرعی کتابوں سے مراد چنانچہ حدیث اور فقہ کی کتابیں وفی السراج المستحب ان لا یاخذ الکتب الشرعیۃ بالکم ایضا تعظیما اور سراج میں کہا کہ مستحب یہ ہے کہ شرعی کتابوں کو آستین سے بھی نہ پکڑے تعظیم کی وجہ سے ہم یہ قول مخالف نہیں ہے قول سابق کے اس واسطے کہ استحباب نفی وجوب کے مخالف نہیں لکن فی الاشباہ من قاعدۃ اذا اجتمع الحلال والحرام رجح الحرام وقد جوز اصحابنا مس کتب التفسیر للمحدث ولم یفصلوا بین کون الاکثر تفسیرا او قرآنا وقیل بہ اعتبارا للغالب لکان حسنا قلت لکنہ یخالف مامر فتدبر لیکن اشباہ میں منجملہ مسائل اس قاعدہ کے کہ جب حلال اور حرام یکجا ہو تو حرام ہی غالب ہو جاتا ہے اور البتہ ہمارے عالموں نے تفسیر کی کتاب کا چھونا محدث کے واسطے جائز رکھا اور تفصیل نہیں کی تفسیر کے زیادہ ہونے میں یا قرآن میں یعنی یہ نہیں کہا کہ اگر تفسیر کی عبارت زیادہ ہو قرآن سے تو جائز ہے اور اگر قرآن کے الفاظ زیادہ ہوں تفسیر سے تو جائز نہیں اور اگر اس تفصیل کے قائل ہو جیسے غالب چیز کا اعتبار کر کے تو البتہ خوب بات ہے میں کہتا ہوں کہ اشباہ کا قول مخالف ہے متن کے جو گذر گیا تو اے مخاطب اس میں تامل کر ہم خلاصہ یہ ہے کہ اہل مذہب کی دو عبارتیں مطلق ہیں منع اور جواز میں اور ظاہر اشباہ کا اس پر دلالت کرتا ہے کہ جواز مس تفسیر سب علما کا قول ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ماتن نے جو درر کے قول پر اعتماد کیا ہے قابل اعتماد کے نہیں بسبب مخالف اجماع کے اور علامہ نوح نے جوہرہ اور سراج سے نقل کیا کہ کتب تفسیر میں موضع قرآن کا چھونا جائز نہیں اور اس کے سوائے کا چھونا درست ہے برخلاف مصحف کے کہ اس کا بالکل چھونا بے طہارت درست نہیں اور فتح القدیر میں ہے کہ مکروہ ہے چھونا کتب تفسیر اور فقہ اور سنن کا اس واسطے کہ یہ کتابیں آیات قرآنی سے خالی نہیں اور منیۃ المصلی میں ہے کہ مکروہ ہے یعنی محدث وغیرہ کو چھونا تفسیر اور فقہ کی کتابوں کا بھی انتہیٰ تو ان روایات سے معلوم ہوا کہ عالموں کا کلام تفسیر میں کراہت کی وجہ سے ہے نہ منع اور حرمت کے سبب سے تو صاحب درر کا یہ کلام لا التفسیر اس پر محمول ہے کہ تفسیر کا چھونا مرخص نہیں بلکہ مکروہ ہے اور یہ مطلب نہیں کہ اُن کا چھونا حرام ہے جیسا کہ ماتن سمجھا ہے اس واسطے کہ اس میں حرمت کی تصریح نہیں میں کہتا ہوں سب عبارتوں سے بہتر وہ عبارت ہے جو کہ جوہرہ اور سراج میں ہے اس واسطے کہ وہی قواعد فقہی سے موافق تر ہے کذا فی الطحطاوی مختصراً فروع مسائل ملحقہ شارح کے المصحف[ف۱] اذا صار بحال لا یقرأ فیہ یدفن کالمسلم مصحف جبکہ ایسا بوسیدہ ہو جائے یا نہایت باریک خط ہو کہ اُس میں پڑھا نہ جائے تو دفن کیا جائے مسلمان میت کی طرح یعنی بطور لحد یا شق کے ویمنع الکافر من مسہ اور کافر کو منع کیا جائے مصحف کے چھونے سے وجوزہ محمد اذا اغتسل اور کافر کو اُس کا چھونا محمد بن حسن نے جائز کہا ہے جبکہ کافر نے غسل کیا ہو ہم ظاہراً یہ قول معتمد نہیں کہ شیخین کے مخالف ہے کذا فی الطحطاوی ولا باس بتعلیم القرآن والفقہ عسی ان یہتدی اور مضائقہ نہیں کافر کو قرآن اور فقہ کے سکھانے میں شاید کہ راہ راست پر آجائے یعنی مسلمان ہو ہم معلوم ہوا کہ تعلیم قرآن کا فر کو بتوقع ہدایت جائز ہے تو اس زمانہ میں جو بعضے نام کے مسلمان نصاریٰ کو قرآن پڑھاتے ہیں نوکری کی طمع سے سو جائز نہیں بلکہ بالیقین حرام ہے اس واسطے کہ نصاریٰ مسلمانوں کے الزام دینے کے واسطے سیکھتے ہیں اور قرآن مجید کے رد کرنے میں اپنے گمان فاسد میں کتابیں تصنیف کرتے ہیں ۔ حق تعالیٰ اہل اسلام کو عبرت دے کہ مزید طمع اور حرص سے ایسی بے غیرتی اور بے دینی اختیار نہ کریں ویکرہ وضع المصحف تحت رأسہ الا للحفظ والقلمۃ علی الکتاب الا للکتابۃ اور مکروہ ہے مصحف کا رکھنا اپنے سر کے نیچے مگر حفاظت کی نیت سے درست ہے اور قلمدان کا رکھنا کتاب پر مکروہ ہے مگر لکھنے کے واسطے جائز ہے یعنی کتابت کی حالت میں و[ف۲]یوضع النحو ثم فوقہ التعبیر ثم الکلام ثم الفقہ ثم الاخبار والمواعظ ثم التفسیر اور صندوق وغیرہ میں اول رکھی جاویں علم نحو کی کتابیں پھر اُن کے اوپر علم تعبیر کی کتابیں پھر اُن کے اوپر علم کلام یعنی عقائد کی کتابیں پھر اُن کے اوپر فقہ کی کتابیں پھر احادیث اور پند کی کتابیں پھر تفسیر کی کتابیں ہم لغت کی کتابیں نحو کے مانند ہیں چنانچہ قنیہ میں ہے اور مصحف کا ذکر نہیں کیا اس واسطے کہ وہ فوق الکل ہے تحرہ اذا بہ درہم علیہ آیۃ الا اذا کسرہ مکروہ ہے پگھلانا اور

ف۱ جس مصحف میں پڑھا نہ جاسکے اُس کو دفن کیا جائے۔ ف۲ ترتیب وضع کتب۔

گلانا اس درم کا جس پر آیت قرآنی کا سکہ ہے مگر جب کہ درم توڑا جائے تو اب درست ہے م توڑنے سے حروف متفرق ہوگئے تو اب گلانے میں اہانت نہیں اور اگر آیت سے کم تر ہے تو بدون توڑنے کے بھی گلانا درست ہے کذا فی الطحطاوی رقیۃ فی غلاف متجاف لم یکرہ دخول الخلاء بہ والاحتراز افضل جو تعویذ جداگانہ غلاف میں ہو یعنی تعویذ پر مڑھا نہ ہو تو اس کا لے جانا پاخانہ میں مکروہ تحریمی نہیں اور پرہیز کرنا یعنی باہر رکھ جانا بہتر ہے م علامہ عزیزی کی شرح جامع صغیر میں ہے کہ عالموں کا اجماع ہے اس پر کہ تعویذ اور افسون تین شرطوں کے ساتھ جائز ہے ف۱ ایک یہ کہ تعویذ اور افسون کلام اللہ اور اس کے صفات سے ہو اور دوسری یہ کہ عربی زبان میں ہو یا اس زبان میں جس کے معنے معلوم ہوں تیسری یہ کہ یہ اعتقاد ہو کہ افسون بالذات موثر نہیں بلکہ بتقدیر الٰہی اثر کرتا ہے اور قرطبی نے کہا کہ رقیہ یعنی افسون تین قسم ہیں ایک قسم وہ جس کا مطلب اور معنی معلوم نہیں تو اس سے پرہیز کرنا واجب ہے کہ مبادا اس میں شرک ہو دوسری قسم یہ ہے کہ بکلام الٰہی اور بصفات ربانی ہو تو جائز ہے پھر اگر احادیث میں منقول ہے تو وہ مستحب ہے تیسری قسم یہ کہ اسماء ربانی کے سوا فرشتہ یا ولی یا جلیل القدر مخلوقات چنانچہ عرش کے نام سے ہو تو اس سے پرہیز واجب نہیں اور نہ اس کا شرع میں حکم ہے تو اس کا ترک کرنا بہتر ہے مگر یہ کہ متضمن تعظیم ہو چنانچہ حلف لغیر اللہ تو اب پرہیز کرنا لائق ہے کذا فی الطحطاوی ملخصاً یجوز رمی برایۃ القلم الجدید ولا ترمی برایۃ القلم المستعمل لاحترامہ کحشیش المسجد وکناستہ لا تلقی فی موضع یخل بالتعظیم اور جائز ہے نئے قلم کا تراشا پھینکنا اور نہ پھینکا جائے مستعمل قلم کا تراشا اس کی حرمت اور تعظیم کی وجہ سے جیسے مسجد کی گھاس اور کوڑہ نہ ڈالا جائے ایسے مقام میں کہ مخل ہو اس کی تعظیم کا م لکھنے والے قلم کی تراشے کی تعظیم اس جہت سے کہ قلم سے اسماء ربانی اور انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام کے اسماء مبارک لکھے جاتے ہیں علاوہ یہ ہے کہ حروف کو بذات خود احترام ہے اور قلم جدید کے تراشے میں یہ بات نہیں کذا فی الطحطاوی ولا یجوز لف شی فی کاغذ فیہ فقہ وفی کتاب الطب یجوز ولو فیہ اسم اللہ تعالیٰ والرسول فیجوز محوہ لیلف فیہ شی اور جائز نہیں لپیٹنا کسی چیز کا اس کاغذ میں جس میں فقہ کے مسائل لکھے ہوں اور طب کی کتابوں میں لپیٹنا جائز ہے اور اگر اس میں اللہ تعالیٰ اور رسول کریم کا نام ہو تو اس کا مٹانا کسی چیز کے لپیٹنے کے واسطے جائز ہے ومحو بعض الکتابۃ بالریق یجوز اور بعضے لکھے حرفوں کا مٹانا لعاب دہن سے جائز ہے م بعض کی قید سے اللہ تعالیٰ کا نام پاک اور قرآن خارج ہو گیا چنانچہ اس کی تصریح مذکور ہوتی ہے وقد ورد النہی فی محو اسم اللہ بالبزاق اور البتہ نہی وارد ہے اللہ تعالیٰ کے نام مٹانے میں تھوک سے وعنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام القرآن احب الی اللہ تعالیٰ من السموات والارض ومن فیھن اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ قرآن محبوب تر ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک آسمانوں اور زمین سے اور ان اشخاص سے جو ان کے درمیان میں ہیں م شاید کہ اس حدیث سے اس کا اشارہ کیا کہ قرآن بھی اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ملحق ہے مٹانے کی نہی میں کذا فی الطحطاوی یجوز قربان المرأۃ فی بیت فیہ مصحف مستور عورت سے قربت کرنا اس کوٹھری میں جائز ہے جس میں مصحف زیر پردہ ہے بساط او غیرہ کتب علیہ الملک للہ یکرہ بسطہ واستعمالہ لا تعلیقہ للزینۃ فرش یا سوائے اس کے تکیہ وغیرہ ہے جس پر الملک للہ لکھا ہے اس کا بچھانا اور اس کا استعمال کرنا مکروہ ہے اور لٹکانا اس کا آرائش کے واسطے مکروہ نہیں وینبغی ان لا یکرہ کلام الناس مطلقاً وقیل یکرہ مجرد الحروف والاول اوسع وتمامہ فی البحر وکراہۃ القنیۃ اور لائق یہ ہے کہ مکروہ نہ ہو وسے آدمیوں کا کلام لکھا ہوا ہر طرح کے استعمال میں اور بعضوں نے کہا کہ فقط حروف کا ابتذال مکروہ ہے اور قول اول میں زیادہ تر وسعت ہے اور اس کا پورا بیان بحر الرائق اور قنیہ کی کتاب الکراہۃ میں ہے قلت وظاہرہ انتفاء الکراہۃ بمجرد تعظیمہ وحفظہ علق اولا زین بہ اولا اور ظاہر کلام بحر الرائق نہ ہونا ہے کراہت کا صرف اس کی تعظیم اور حفاظت کرنے سے جس پر الملک للہ لکھا ہے خواہ اس کو لٹکائے یا نہیں اس سے آرائش کیجیے یا نہیں وہل ما یکتب علی المراوح وجدر الجوامع کذلک یحرر اور جو کہ پنکھوں اور جامع مسجد کی دیواروں پر لکھا جاتا ہے وہ بھی فرش کی نوشت کے مانند ہے یا نہیں جواب اس کا لکھا جاوے گا م باب الوتر والنوافل سے پہلے شارح نے فروع میں لکھا ہے کہ مسجد کی دیواروں پر لکھنا لائق نہیں اور نہایہ میں ہے کہ قرآن کا لکھنا محراب اور دیواروں پر خوب نہیں سقوط کتابت اور پاؤں پڑنے کے خوف سے کذا فی الطحطاوی قبیل الوتر

ف۱ تعویذ کرنا درست ہے۔ ف۲ مسجد کا کوڑا پھینکنا بے تعظیم جگہ میں درست نہیں۔

باب المیاہ

یہ باب ہے پانیوں کے مسائل میں ہم اب اُس کا بیان شروع کیا جس سے طہارت حاصل ہوتی ہے اصطلاح میں باب عبارت ہے اُن مسائل فقہ سے جس کے احکام ماقبل اور مابعد سے جداگانہ ہیں اور وہ مترجم[1] بکتاب اور فصل نہیں کذا فی المنح جمع ماء بالمدّ ویقصر اصلہ موہٌ قلبت الواو الفا والہاء ہمزۃ میاہ جمع ہے ماء کی ساتھ مدّ کے یعنی جس میں الف کے بعد ہمزہ ہے اور گاہے اُس کو بے ہمزہ بھی بولتے ہیں اصل ماء کی مَوَہٌ ہے واو کو الف سے بدلا اور ہاء ہوز کو ہمزہ سے وہو جسمٌ لطیف سیّال بہ حیاۃ کل نامٍ اور پانی جسم لطیف ہے یعنی غائب بصارت کا حاجب نہیں اور بہنے والا ہے جس سے ہر بڑھتی چیز کی زندگی ہے یعنی حیوان اور نبات کی یرفع الحدث مطلقاً بماءٍ مطلق وہو ما یتبادر عند الاطلاق مطلق حدث یعنی حدث اکبر اور اصغر دور کیا جاتا ہے مطلق پانی سے اور مطلق پانی وہ ہے جو شتابی ذہن میں آجائے جب کہ پانی کا لفظ بولا جائے بدون اضافت کے ہم منح الغفار میں ہے کہ مطلق پانی وہ ہے جو باقی ہے اپنے پیدائشی اوصاف پر اور اُس میں نجاست نہیں ملی اور نہ کوئی اور چیز اُس پر غالب ہو گئی انتہی اس کا اور شارح کی تعریف کا ایک ہی مطلب ہے کماء سماءٍ واودیۃٍ وعیونٍ وآبارٍ وبحارٍ وثلجٍ مذابٍ بحیث یتقاطر وبردٍ وجمد وندا مطلق پانی جیسے آسمان کا پانی اور رودوں کا اور چشموں کا اور کنوؤں کا اور دریاؤں کا پانی اور پگھلا برف ٹپکتا اور اولے اور یخ یعنی پالا اور اوس ہم آسمان کے پانی میں اگرچہ اضافت ہے مگر یہ اضافت تشریفی ہے برخلاف مقید پانی کے اس واسطے کہ اُس میں قید لازم ہے یعنی بدون قید وہ نہیں بولا جاتا چنانچہ ماء الورد یعنی گلاب کا پانی کذا فی البحر اور اسی طرح تربوز کا پانی اودیہ جمع ہے وادی کی اور وادی لغت میں اُس کشادگی کا نام ہے جو پہاڑوں اور ٹیلوں کے درمیان ہو اور یہاں مراد جنگل کا پانی ہے جو بارش کے پانی سے سائل ہو کر جمع ہو جائے جیسے ندی اور نالہ اور جھیل کا پانی فارسی میں اُس کو رود کہتے ہیں ہذا تقسیمٌ باعتبار ما یشاہَد والا فالکل من السماء لقولہ تعالیٰ الم تر ان اللہ انزل من السماء ماءً الآیۃ والنکرۃ ولو مثبتۃ فی مقام الامتنان تعمّ اور یہ تقسیم پانیوں کی ظاہر نظر کے اعتبار کرنے سے ہے اور اگر ظاہر نظر کا اعتبار نہ کیجیے تو سب پانی حقیقت میں آسمان سے اُترے ہیں حق تعالیٰ کے اس قول کی دلیل سے کہ تو نے کیا نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا الی آخر الآیۃ اور نکرہ اگرچہ مثبت ہو احسان جتانے کے مقام میں عام ہو جاتا ہے ہم اسم نکرہ اُس کو کہتے ہیں جو معین چیز کے واسطے موضوع نہ ہو چنانچہ مرد اور عورت اور پانی سو عرب کا قاعدہ یہ ہے کہ نکرہ نفی کے بعد عام ہوتا ہے یعنی اپنے سب افراد کو شامل ہو جاتا ہے لیکن اثبات میں نکرہ ہر جگہ عام نہیں ہوتا بلکہ مقام امتنان میں عام ہوتا ہے سو اس آیت شریف میں کہ احسان جتانے کا مقام ہے لفظ ماء کا کہ نکرہ مثبت ہے سب پانیوں کے اقسام کو شامل ہو گیا کیونکہ اگر عموم پر دلالت نہ کرے تو مطلب فوت ہوتا ہے وماء زمزم ہم بلا کراہۃ وعن احمد یکرہ اور چاہ زمزم کے پانی سے حدث اکبر اور اصغر دور کیا جاتا ہے بدون کراہت کے اور امام احمد بن حنبل سے کراہت منقول ہے ہم ہرچند زمزم کنوؤں میں داخل تھا لیکن ماتن نے اُس کو بالخصوص ذکر کیا اُس کی شرافت کی وجہ سے اور اختلاف کے سبب سے وبماءٍ قصد تشمیسہ بلا کراہۃ اور اُس پانی سے طہارت درست ہے جو قصداً دھوپ میں رکھا گیا بدون کراہت کے وکراہۃ عند الشافعیۃ طبیّۃ اور دھوپ کے گرم پانی کی کراہت شافعیوں کے نزدیک طب کی راہ سے ہے اس واسطے کہ مورث برص ہے وکرہ احمد المسخّن بالنجاسۃ اور مکروہ سمجھا ہے احمد بن حنبل نے اُس پانی کو جو نجاست سے گرم کیا گیا ویرفع بماءٍ ینعقد بہ ملح لا بماءٍ حاصل بذوبان ملحٍ لبقاء الاول علی طبیعتہ الاصلیۃ وانقلاب الثانی الی طبیعۃ الملحیۃ اور حدث دور ہوتا ہے اس پانی سے کہ جمتا ہے اُس سے نمک یعنی اُس میں جم کر نمک ہو جانے کی استعداد ہے نہ اس پانی سے جو نمک پگھل کر پانی ہو جاتا ہے بسبب باقی رہنے پہلے پانی کے اپنی اصلی پیدائشی طبیعت پر اور بسبب بدل جانے دوسرے پانی کے نمک بن جانے کی طبیعت کی طرف ہم تو نمک پگھلنے کے بعد وہ پانی ایسا ہو گیا جیسے سونے اور چاندی[2] محلول کا پانی نمک کا پانی گرمی میں جمتا ہے اور سردی میں پگھلتا ہے برخلاف اور پانی کے ولا بعصیر نباتٍ ای معتصرٍ من شجرٍ او ثمرٍ لانہ مقیدٌ ورنہ

---

[1] یعنی اُس کے عنوان پر کتاب اور فصل نہیں ہے ۱۲
[2] یعنی چاندی اور سونا بھی پگھل کر پانی ہو جاتا ہے حالانکہ وہ پانی نہیں ہے اسی طرح نمک پگھلا ہوا ۱۲

روئیدگی کے پانی سے یعنی جو پانی کہ درخت اور پھل سے نچوڑا گیا چنانچہ کیلے کے درخت سے اور ترلوز سے اس واسطے کہ وہ مقید پانی ہے یعنی ازالۂ حدث کے واسطے مطلق پانی شرط ہے نہ مقید اور اگر مطلق پانی نہ ہو اور کیلے یا ترلوز کا پانی ہو تو اس سے جائز نہیں تیمم کرنا چاہیے کذا فی البحر بخلاف مایقطر من الکرم او الفواکہ بنفسہ فانہ یرفع الحدث وقیل لا وہو الاظہر کما فی الشرنبلالیۃ عن البرہان برخلاف اُس پانی کے جو انگور کے درخت یا پھلوں سے خود بخود ٹپکتا ہے بہار کے موسم میں اس واسطے کہ وہ دور کرتا ہے حدث کو اور بعضوں نے کہا وہ رافع حدث نہیں اور یہی عدم جواز کا قول ظاہر تر ہے چنانچہ شرنبلالیہ میں برہان سے منقول ہے ہم جو پانی کہ درخت اور پھل سے لوگوں نے نچوڑا اور ٹپکایا وہ بالاتفاق رافع حدث نہیں اور جو کہ درخت یا پھل سے خود بخود ٹپکا اُس میں اختلاف ہے ماتن نے باتباع صاحب ہدایہ جواز رفع حدث کو اختیار کیا طحطاوی نے بحرالرائق سے نقل کیا عدم جواز بہت کتابوں میں مصرح ہے اور قاضی خاں اور صاحب محیط اور کافی نے اسی قول پر اقتصار کیا ہے اور شرح منیہ میں ہے کہ عدم جواز شبہ ہے تو یہی قول اولیٰ ٹھہرا کمال امتزاج کی وجہ سے واعتمدہ القہستانی فقال والاعتصار یعم الحقیقی والحکمی کما ر الکرم وکذا ماء الدالوعۃ والبطیخ بلا استخراج وکذا نبیذ التمر اور عدم جواز پر اعتماد کیا ہے قہستانی شارح نقایہ نے یوں کہا کہ اعتصار یعنی نچوٹنا شامل ہے اعتصار حقیقی کو چنانچہ کوٹ کر یا داب کر پانی نکالنا اور اعتصار حکمی جیسے انگور کے درخت کا پانی کہ خود بخود ٹپکتا ہے اور انگور کے پانی کے مانند ہے دالوعہ اور خربزے کا پانی جو خود بخود نکلا بدون نکالنے کے اور اسی طرح ہے شربت خرما کا م حلبی محشی نے کہا کہ میں نے تفسیر دالوعہ اپنے پاس کے کتب لغت میں نہیں پائی طحطاوی نے کہا کہ ایک شخص ساکن بلدۂ خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے کہا کہ وہاں کے لوگ زمین سے جڑیں نکالتے ہیں اور پانی میں رکھتے ہیں وہ پانی سرخ ہو جاتا ہے اسی سے کھال کی دباغت کرتے ہیں اُس کو دالوعہ بولتے ہیں انتہی میں کہتا ہوں مخزن الادویہ کی فرہنگ میں دلوقہ کو بطیخ ہندی یعنی ترلوز لکھا ہے ظاہراً یہی مناسب مقام ہے شاید کہ دالوعہ معرب[1] ہو دلوقہ کا واللہ اعلم ولا بماء مغلوب بشئ طاہر اور طہارت جائز نہیں اُس پانی سے جو مغلوب ہو گیا پاک چیز کے مل جانے سے ہم مغلوب ہو گیا یعنی اپنی طبیعت اور اصل خلقت سے خارج ہو گیا چنانچہ شربت اور سرکہ اور گلاب اور باقلا کا مطبوخ پانی اور شوربا اس واسطے کہ ان چیزوں سے پانی کا نام زائل ہو گیا مغلوب کی قید اس واسطے لگائی کہ اگر پانی مغلوب نہ ہو بلکہ غالب ہو تو طہارت جائز ہے چنانچہ آگے آوے گا دریافت کر کہ اس مقام میں کتب فقہ کی عبارتیں مختلف ہیں تو قاعدہ کلیہ چاہیے جس سے حقیقت حال معلوم ہو وہ قاعدہ یہ ہے کہ مطہر یعنی ماء مطلق کا زوال اطلاق یا کمال امتزاج سے ہے یا غلبۂ ممتزج سے الخ منح الغفار شرح المصنف چنانچہ شارح اُس قاعدہ کو بیان کرتا ہے علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں کہا کہ پانی مطلق کی طبیعت اصلی یہ ہے کہ سیراب کرے اور پیاس کو مار دے اور بعضوں نے کہا قوت نفوذ اُس کی طبیعت ہے اور بعضوں نے کہا بے رنگ ہونا الغلبۃ اما بکمال الامتزاج فتشرب نبات غالب ہونا پاک چیز کا پانی پر دو طرح پر ہے یا نہایت اختلاط کے سبب سے ہے کہ حاصل ہوا ہے درخت اور گھاس کے چوسنے سے ہم نہایت اختلاط کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اشجار اور نباتات نے واسطے اپنے اصول دقیقہ کے زمین کے پانی یعنی تراوت کو پیا اس طرح کہ اب وہ پانی نکل نہیں سکتا بدون نکالنے کے او بطبخ بما لا یقصد بہ التنظیف یا کمال اختلاط حاصل ہوتا ہے پانی کے پکانے میں اس چیز کے ساتھ جس کی پخت سے صاف کرنا اور میل چھانٹنا منظور نہ ہو ہم چیز میں پانی ڈال کر پکانا دو قسم ہے ایک یہ کہ میل صاف کرنے کے واسطے ہو چنانچہ اشنان اور صابون اور بیر کی پتیاں اور خطمی کہ غسل میت کے واسطے پکاتے ہیں ایسا پکانا طہارت کا مانع نہیں مگر جب کہ رقت اور سیلان اُس کا باقی نہ رہے تو اب اُس پانی سے وضو اور غسل کرنا جائز نہیں دوسری قسم پکانے کی یہ کہ میل صاف کرنے کے واسطے نہیں چنانچہ شوربا یہ اختلاط مانع طہارت ہے اگرچہ وہ سائل اور رقیق ہو یہ دوسری صورت ہے اختلاط کی واما بغلبۃ المخالط فلو جامدا فبثخانۃ ما لم یزل الاسم کنبیذ التمر یا مغلوب ہونا پانی کا کسی چیز مل جانے والی کے سبب سے ہے اور اگر وہ چیز مل جانے والی بستہ

[1] شامی نے بعض محشیوں سے نقل کیا ہے کہ ترلوز کو دالوعہ اور دلوقہ تعنیوں دقات دونوں کہتے ہیں پس اب معرب کہنے کی بھی حاجت نہ رہی اور را بمہملہ بعد الف اُس میں نہیں ۱۲

اور گاڑھی ہے تو اُس کا غالب ہونا پانی پر پانی کے گاڑھے ہو جانے سے ہے تاوقتیکہ پانی کا نام زائل نہ ہو گیا ہو چنانچہ شربت خرما کا م یہ دوسری طرح ہے پاک چیز کے غالب ہونے کے پانی پر نبیذ تمر یعنی شربت خرما یہ ہے کہ خرما پانی میں تر کرتے ہیں پانی میٹھا ہو جاتا ہے اس کو خرما کا شربت کہتے ہیں پانی نہیں بولتے تو گاڑھا ہونے سے پہلے پانی مغلوب ہو گیا نام کے جاتے رہنے سے تو اب غلبہ گاڑھے ہونے پر موقوف نہ رہا اس سے وضو کرنا جائز نہیں خانیہ میں ہے کہ عدم جواز وضو شربت خرما سے امام اعظمؒ کا پچھلا قول ہے ولو مائعا فلو مباینا لا وصافہ فبتغیر اکثرہا اور اگر مل جانے والی چیز پانی میں سائل اور پتلی ہے تو اگر پانی کے سب اوصاف کی مخالف ہے تو غلبہ اُس کا ثابت ہوتا ہے پانی کے اکثر اوصاف بدل جانے سے م پانی کے مخالطہ یعنی مل جانے والی چیز دو قسم ہے بستہ اور سائل بستہ کا بیان ہو گیا اب سائل کا بیان شروع ہوا سائل کی تین صورتیں ہیں یا وہ سائل پانی کی سب صفات سے مخالف ہے یا بعض سے یا سب صفات کے موافق اور مماثل ہے پانی کی تین صفتیں ہیں ایک رنگ دوسرے مزہ تیسرے بو سو سرکہ پانی کی تینوں صفت کے مخالف ہے تو اگر سرکہ پانی میں ملا اور اُس کی دو صفت میں تغیر ہوا یعنی رنگ اور مزہ میں یا مزہ اور بو میں یا رنگ اور بو میں تو غلبہ اُس کا پانی پر ثابت ہو گیا او موافقا کلبن فباحدہا یا سائل چیز پانی کی بعض صفت سے موافق ہے اور بعضے سے مخالف ہے جیسے کہ دودھ بو نہ ہونے میں پانی کے موافق ہے اور مزے اور رنگ میں مخالف ہے تو غلبہ اُس کا پانی پر ایک مخالف صفت کے متغیر ہو جانے سے ہے تو اگر دودھ کا رنگ یا مزہ پانی پر غالب ہو گیا تو وضو جائز نہیں ورنہ جائز ہے اور اسی طرح تربوز کا پانی مزے میں پانی کے مخالف ہے تو اس میں غلبہ مزے کی وجہ سے معتبر ہو گا طحطاوی نے کہا اگر شارح او مباینا لبعض الاوصاف کہتا تو بہتر ہوتا اور بعض نسخہ میں فباحدہما بصیغہ تثنیہ ہے تو ضمیر کا مرجع مذکور نہیں او مماثلا کمستعمل فبالاجزاء فان المطلق اکثر من النصف جاز التطہیر بالکل والا لا یا سائل پاک چیز پانی کے برابر اور مانند ہے سب تینوں صفات میں چنانچہ مستعمل پانی تو غلبہ اُس کا پانی پر اجزاء کے حساب سے ہے تو اگر مطلق پانی وزن میں نصف سے زیادہ ہے تو طہارت کرنا اُس مخلوط پانی سے جائز ہے اور اگر مطلق پانی وزن میں کم ہے مستعمل پانی سے یا برابر تو جائز نہیں م آب مستعمل کی طہارت بنا بر قول مفتی بہ معتمد کے ہے اور یہی حکم ہے عرق گاؤزبان اور عرق گلاب کا جس کی بو باقی نہ رہی ہو اور اگر آب مستعمل مطلق پانی کے برابر ہو نہ زائد نہ کم تو یہ ظاہر الروایۃ میں مذکور نہیں بدائع میں ہے کہ فقہا نے کہا ہے کہ اُس کا حکم مغلوب پانی کے برابر ہے احتیاط کی راہ سے کذا فی الطحطاوی عن البحر وہذا یعم الملقی والملاقی اور یہ یعنی جو حکم کہ مذکور ہوا آب مستعمل میں وہ عام ہے اُس پانی مستعمل کو جو ڈالا گیا مطلق مطہر پانی میں اور اس کے ساتھ مل گیا اور اس مطلق مطہر پانی کو جس میں کوئی شخص بیٹھا یا اُس نے غوطہ مارا کذا فی الطحطاوی عن البحر یعنی ان دونوں صورتوں میں اگر آب مطلق نصف سے زائد ہے تو طہارت جائز ہے ورنہ جائز نہیں ففی الفساقی یجوز التوضی مالم یعلم تساوی المستعمل علی ماحققہ فی البحر والنہر والمنح تو وضو کرنا صغیر حوضوں میں جائز ہے جب تک مستعمل کا برابر ہونا آب طہور کے ساتھ معلوم نہ ہو یہ قاعدہ ہے بنا بر اُس تحقیق کے جو بحر الرائق اور نہر الفائق اور منح الغفار میں مذکور ہے م یہ تفریع ہے اس قول متقدم پر کہ وضو جائز ہے اگر مطلق پانی اکثر ہو ورنہ جائز نہیں بحر الرائق میں کہا اور اس پر دلیل وہ ہے جو شیخ سراج الدین قاری ہدایہ نے اپنے فتاوی میں جس کو ان کے شاگرد صاحب فتح القدیر نے جمع کیا ہے کہ کسی نے اُن سے سوال کیا فسقیہ صغیرہ سے جس میں لوگ وضو کرتے ہیں اور اُس میں مستعمل پانی گرتا ہے اور ہر روز اُس میں نیا پانی نازل ہوتا ہے اُس میں وضو کرنا جائز ہے یا نہیں تو جواب دیا کہ جب اُس حوض میں سوائے پانی مذکور کے اور کوئی چیز واقع نہیں ہوئی تو کچھ ضرر نہیں انتہی یعنی اگر اس میں نجاست پڑے گی تو وہ ناپاک ہو جائے گا صغیر ہونے کے سبب سے کذا فی الطحطاوی قلت لکن الشرنبلالی فی شرح الوہبانیۃ فرق بینہما فراجعہ متاملا لیکن شرنبلالی نے وہبانیہ کی شرح میں ملقی اور ملاقی میں تفرقہ کیا ہے تو اُس کی طرف رجوع کر غور و تامل کے ساتھ م خلاصہ کلام شرح وہبانیہ یہ ہے کہ قلیل مستعمل کے ملنے سے کثیر مطلق مستعمل نہیں ہو جاتا اور بدن کی ملاقات سے تمام پانی حکماً مستعمل ہو جاتا ہے انتہی لیکن اس توہم کو صاحب بحر

۱؎ یعنی یا مخالف ہو بعض اوصاف میں ۱۲ ۲؎ لفظی ترجمہ ملاقی کا ملنے والا یعنی وہ پانی قلیل جو عضو سے ملے اس طرح کہ کوئی بے وضو اُس میں گھس جاوے یا ہاتھ ڈال دے ۱۲

نے ذکر کیا اور اُس کی طرف التفات نہیں کیا سو یوں کہا کہ جب تجھ کو یہ معلوم ہوا تو ظاہر ہو گیا اُس شخص کے قول کا ضعیف ہونا جو ہمارے زمانہ میں کہتا ہے کہ
آب مستعمل جب ڈالا جائے آب مطلق میں اور حالانکہ مطلق غالب ہے تو وضو سارے پانی سے جائز ہے اور جب کہ وضو کیا فسقیہ یعنی صغیر حوض میں تو سب مستعمل ہو
گیا اس لیے کہ دونوں مسئلوں میں کچھ فرق نہیں اور یوں فرق کرنا کہ وضو میں استعمال سارے پانی میں شائع ہو جاتا ہے برخلاف ڈالنے کے مدفوع ہے اس طرح پر کہ
شیوع اور اختلاط دونوں صورتوں میں برابر ہے تو من جہۃ الحکم دونوں صورتوں میں کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا الحاصل فساقی صغار یعنی چھوٹے حوضوں سے وضو
کرنا جائز ہے جب تک اس کا گمان غالب نہ ہو کہ آب مستعمل اکثر یا مساوی ہے اور وقوع نجاست کا گمان غالب نہ ہو انتہیٰ ازلبسکہ ملخصاً اور رملاتی میں کچھ فرق
ظاہر نہیں اسی واسطے شارح نے اس کی طرف بلفظ تامل اشارہ کر دیا کذا فی الطحطاوی **ویجوز رفع الحدث بما ذکر وان مات فیہ ای الماء ولو قلیلا غیر
دموی کزنبور وعقرب وبق** ای بعوض وقیل بق الخشب اور جائز ہے دور کرنا حدث کا مطلق پانی کے اُن اقسام سے جن کا بیان گذر گیا اگرچہ وہ پانی
قلیل ہو کہ اُس میں مرگیا ہو وہ جانور جس میں خون سائل نہیں چنانچہ بھڑ اور بچھو اور بق یعنی مچھر اور بعضوں نے کہا بق سے مراد لکڑی کا کیڑا ہے[1] وفی المجتبیٰ
الاصح فی علق مص الدم انہ یفسد ومنہ یعلم حکم بق وقراد وحلم اور مجتبیٰ میں صحیح تر حکم اس جونک کا جس نے خون کو چوسا اور قلیل پانی میں مرگئی یہ ہے کہ وہ پانی فاسد
ہوتا ہے یعنی ناپاک ہو جاتا ہے اور اسی ترجیح سے معلوم ہوتا ہے حکم مچھر اور چھوٹی چیچڑی اور بڑی چیچڑی کا یعنی اگر مچھر اور چیچڑی خون پی کر قلیل پانی میں مرجائے
تو پانی ناپاک ہوگا جیسے خون کی چوسی ہوئی جونک کے مرنے سے ناپاک ہوتا ہے قول اصح میں اس لیے کہ جونک اور مچھر میں خون ذاتی نہیں مستعار ہے کذا فی
النہر وفی الوہبانیۃ دود القز ومادہ وبزرہ وخرءہ طاہر کدودۃ متولدۃ من نجاسۃ اور وہبانیہ میں ہے کہ ریشم کا کیڑا اور اس کا جوشیدہ پانی اور اُس کے انڈے
اور پنجال پاک ہے جیسے نجاست کا پیدا ہوا کیڑا پاک ہے م پانی سے وہ پانی مراد ہے جس میں ریشم کے کیڑے اوٹائے جاتے ہیں ریشم کے نکالنے کے واسطے کذا فی
الحلبی **ومائی مولد ولو کلب الماء وخنزیرہ کسمک وسرطان وضفدع** اور اگرچہ آب مطلق قلیل میں وہ جانور مرگیا ہو جس کی پیدائش کا مکان پانی
ہے چنانچہ مچھلی اور کیکڑا اور مینڈک اگرچہ پانی کا کتا اور سور ہو م مصنف نے صاحب ہدایہ کی پیروی کر کے دو مسئلے بیان ٹھہرائے ایک اُس جانور کا
جس میں خون سائل نہیں دوسرے وہ جانور جو پانی میں پیدا ہوتا ہے اور کنز کی طرح یوں نہ کہا کہ موت مالا دم لہ الخ اس واسطے کہ کنز پر اعتراض لگتا ہے
اُس جانور کا جو پانی میں پیدا ہوتا ہے اور وہیں رہتا ہے اور اس میں خون سائل ہے اس واسطے کہ ظاہر الروایۃ میں اُس کی موت میں پانی نجس نہیں ہوتا لہذا
مصنف نے دونوں صورتوں کو جمع کر دیا بحر الرائق میں کہا کہ پانی کے کتے میں مشائخ کا اختلاف ہے بلا ترجیح چنانچہ معراج الدرایہ میں ہے لیکن خلاصہ میں
ہے کہ پانی کا کتا اور پانی کا سور جب پانی میں مرجاویں تو اس پر فقہا کا اجماع ہے کہ پانی فاسد نہیں ہو جاتا تو شاید کہ قول ضعیف کا اعتبار نہیں کیا کذا
فی الطحطاوی **الا بری بالدم سائل وہو ما لا سترۃ لہ بین اصابعہ فیفسد فی الاصح کحیۃ بریۃ ان لہا دم الا لا** مگر جنگلی مینڈک میں خون سائل ہوتا ہے اور جنگلی وہ
ہے جس کی انگلیوں کے درمیان میں پردہ نہیں ہوتا بط کے مانند تو اُس کی موت سے پانی فاسد یعنی نجس ہو جاتا ہے صحیح تر قول میں جیسے خشکی کے سانپ کی
موت سے پانی نجس ہو جاتا ہے اگر اُس میں خون سائل ہو اور اگر خون نہ ہو یا خون سائل نہ ہو تو ناپاک نہیں ہوتا **وکذا الحکم لو مات ماذکر خارجہ والقی
فیہ فی الاصح فلو تفتت فیہ نحو ضفدع جاز الوضوء بہ لا شربہ لحرمۃ لحمہ** اور اسی طرح کا حکم ہے یعنی پانی ناپاک نہیں ہوتا اگر مرگیا وہ جانور جو مذکور ہوا پانی سے باہر
اور پانی میں ڈالا گیا صحیح تر قول میں تو اگر پانی میں مینڈک کے مانند جانور ریزہ ریزہ ہو گیا تو وضو اُس سے جائز ہے پینا اُس کا جائز نہیں اُس کے گوشت کے
حرام ہونے سے م مینڈک کے مانند وہ جانور ہے جو ناپاک نہیں مگر اُس کا کھانا حرام ہے **ویتنجس الماء القلیل بموت مائی معاش بری مولد فی الاصح کبط
واوز** اور ناپاک ہوتا ہے تھوڑا پانی صحیح تر قول میں اُس جانور کے مرنے سے جو پانی میں رہتا ہے خشکی میں پیدا ہوتا ہے چنانچہ بط اور چینی بط م پانی کی

[1] شامی نے قاموس سے نقل کیا کہ بق مچھر اور کھٹمل کو کہتے ہیں اور بق الخشب سے مراد کھٹمل ہے ۱۲

چڑیوں میں تصحیح مختلف ہے لیکن شرح جامع صغیر قاضی خان کی تصحیح موجہ ہے لہذا ماتن نے اسی پر اعتماد کیا کذا فی المنح وحکم سائر المائعات کالماء فی الاصح اور پانی کے سوا باقی سائل اور رواں چیزوں کا حکم پانی کے مانند ہے صحیح تر قول میں یعنی وقوع نجاست سے قلیل فاسد ہوتا ہے نہ کثیر حتی لو وقع بول فی عصیر عشر فی عشر لم یفسد یہاں تک کہ اگر آدمی کا پیشاب پڑا اس حوض میں جس میں دہ در دہ رس ہے کسی چیز کا تو وہ فاسد یعنی ناپاک نہ ہوگا جیسے اتنا پانی ناپاک نہیں ہوتا ولو سال دم رجلہ مع العصیر لا ینجس خلافاً لمحمد ذکرہ الشمنی اور اگر پاؤں کا خون بہا رس کے ساتھ یعنی جاری رس کے ساتھ کذا فی الطحطاوی تو وہ ناپاک نہ ہوگا برخلاف محمدؒ کے ایسا ذکر کیا ہے شمنی وغیرہ نے م انگور وغیرہ کا پاؤں سے داب کر رس نچوڑتے ہیں تو اگر پاؤں کا خون جاری رس کے ساتھ بہیگا ناپاک نہ ہوگا جیسے آب رواں کے ساتھ خون کا بہنا ناپاک نہیں کرتا وتبغیر احد اوصافہ من لون او طعم او ریح ینجس الکثیر اور ایک وصف کے بدلنے سے پانی کے تین اوصاف میں سے کہ رنگ اور مزہ اور بو ہے ناپاک ہو جاتا ہے بہت پانی اور اسی طرح رس م شارحؒ نے کثیر کا لفظ ذکر کرکے اشارہ کیا کہ ینجس کا لفظ فعل مضارع ہے اور کثیر اس کا فاعل ہے سو یہ بات ٹھیک نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ قولہ وتبغیر عطف ہے بموت مائی پر تو وہ متعلق ہے بموت مائی کا جس کو شارح مضارع سمجھتا ہے وہ جار مجرور ہے یعنی باے جارہ ہے نہ یائے تحتانیہ اور یہ جار مجرور متعلق ہے تبغیر کا تو مطلب یہ ہے کہ ناپاک ہو جاتا ہے پانی ایک وصف کے متغیر ہونے سے بسبب واقع ہونے نجاست کے اور شارح کے بیان میں یہ خلل ہے کہ فاعل کا حذف کرنا بدون قرینہ جائز نہیں اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ پانی کا تغیر کس چیز سے ہوا پاک چیز سے یا ناپاک سے کذا فی الطحطاوی مختصراً ولو جاریا اجماعاً ایک صفت کا بدلنا نجاست سے پانی کو نجس کرتا ہے اگرچہ جاری اور بہتا ہوا پانی ہو بالاتفاق م علما کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ جب پانی کا ایک وصف بھی نجاست سے بدل گیا اس سے طہارت جائز نہیں خواہ پانی قلیل ہو یا کثیر جاری ہو یا غیر جاری اسی طرح منقول ہے ہم حنفیوں کی کتابوں میں اور امام نووی شافعی نے بھی شرح مہذب میں اسی طرح نقل کیا ہے اور اگر نجاست سے تغیر نہیں ہوا تو اتفاق ہے عامہ علما کا اس پر کہ قلیل ناپاک ہو جاتا ہے نہ کثیر لیکن حد قلیل اور کثیر میں اختلاف ہے چنانچہ آگے معلوم ہوگا کذا فی البحر والمنح واما القلیل فینجس وان لم یتغیر خلافاً لمالک اور قلیل پانی تو ناپاک ہو جاتا ہے نجاست کے واقع ہونے سے اگرچہ پانی کا رنگ یا مزہ یا بو نہ بدلے برخلاف امام مالک کے مذہب کے م امام مالک کا یہ مذہب ہے کہ وقوع نجاست سے قلیل پانی بھی نجس نہیں ہوتا جبتک کہ رنگ یا مزہ یا بو اس کی متغیر نہ ہو لیکن اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جو پانی متغیر نہ ہو وہ کثیر ہے امام مالک کے نزدیک نہ قلیل کذا فی البحر لا لو تغیر بطول مکث ناپاک نہیں ہوتا پانی اگر اس کا مزہ وغیرہ بدل گیا زیادہ ٹھہرنے سے فلو علم نتنہ بنجاسۃ لم یجز تو اگر اس کی گندگی معلوم ہوئی نجاست کے سبب سے تو طہارت جائز نہیں ولو شک فالاصل الطہارۃ اور اگر گندگی میں شک پڑے معلوم نہیں کہ زیادہ ٹھہرنے کے سبب سے ہے یا نجاست کے سبب سے تو اصل طہارت ہے تو اصل ہی کا اعتبار کرنا چاہیے لوگوں سے اس کی تحقیق اور تفتیش ضرور نہیں کذا فی المنح والتوضی من الحوض افضل من النہر رغما للمعتزلۃ اور وضو کرنا حوض سے بہتر ہے نہر سے معتزلہ کے توڑ پر م معتزلہ ایک فرقہ ہے اسلام میں اہل سنت کے مخالف ہیں اصول اور فروع حنفی ہیں مگر اس مسئلہ میں مخالف ہیں یعنی اُن کے نزدیک حوض کبیر وقوع نجاست سے نجس ہوتا ہے اگرچہ نجاست قلیل ہو بحر الرائق میں فتح القدیر سے نقل کیا کہ اُن کے مخالف اس صورت میں ہے جب کہ معتزلہ موجود ہوں اور جہاں وہ لوگ نہیں تو وہاں وضو کرنا نہر سے بہتر ہے حوض سے وکذا یجوز بماءٍ خالطہ طاہرٌ جامدٌ مطلقاً کاشنان وزعفران اور اسی طرح طہارت جائز ہے اس پانی سے جس کے ساتھ مخلوط ہو گئی پاک چیز بستہ غیر سائل ہر طرح کی چنانچہ اشنان اور زعفران م طاہر غیر سائل کا ملنا ہر طرح مانع طہارت نہیں خواہ وہ چیز زمین کی جنس سے ہو چنانچہ مٹی اور چونہ یا بقصد تنظیف تخلیط ہوئی چنانچہ اشنان اور صابون یا کوئی اور چیز ہے چنانچہ زعفران امام کے نزدیک کذا فی المنح لکن فی البحر عن القنیۃ ان امکن الصبغ بہ لم یجز کنبیذ تمر بحر الرائق میں قنیہ سے منقول ہے کہ اگر زعفران کے پانی سے رنگنا کپڑے وغیرہ کا ممکن ہو تو طہارت اُس سے جائز نہیں جیسے شربت خرمے جائز نہیں وفاکہۃ وورق شجر وان غیر کل اوصافہ فی الاصح اور جیسے پھل اور درخت

ف[1] مترجم کا اعتراض بحوالہ طحطاوی۔ شارح پر غلط ہے جواب شامی میں بالتفصیل مذکور ہے ۱۲ مصحح

کے پتوں کے پانی میں مل جانے سے طہارت جائز ہے اگرچہ پتی سے پانی کے تمام اوصاف بدل گئے ہوں صحیح تر قول میں م نہایہ میں ہے استادوں سے منقول ہے کہ وہ وضو کیا کرتے تھے اُن حوضوں سے جن میں درختوں کی پتی واقع ہوتی تھی باوجود متغیر ہو جانے تمام اوصاف کے اور کوئی کسی کو منع نہیں کرتا تھا اور مقابل اصح کے محمد بن ابراہیم میدانی کا قول ہے کہ اُس پانی کی رنگت ہتھیلی میں اٹھانے سے معلوم ہو تو اُس سے وضو درست نہیں اُس کا پینا درست ہے ان بقیت رقتہ ای دائمتہ کا مر بشرطیکہ اُس پانی کا پتلاپن اور نام اس کا باقی رہا چنانچہ گذر گیا آب مغلوب کے بیان میں م اور جب کہ پانی کا نام زائل ہو چنانچہ زعفران کا پانی اُس صورت میں کہ کپڑے وغیرہ رنگتا ہو تو اس سے وضو جائز نہیں کیونکہ عربی زبان میں اُس کا نام صبغ ہو گیا چنانچہ نبیذ تمر کذا فی الطحطاوی ویجوز بجار وقعت فیہ نجاستہ اور طہارت جائز ہے اُس بہتے پانی سے جس میں نجاست پڑی م خواہ نجاست نظر آتی ہو پانی میں یا نظر نہ آتی ہو آب جاری میں سے ناپاک نہیں ہوتا خود محل وقوع نجاست سے وضو درست ہے ابو یوسفؒ کے نزدیک اور یہی مختار ہے مشائخ بخارا کا نصاب میں کہا کہ اسی قول پر فتویٰ ہے کذا فی الطحطاوی والجاری ہو ما یعد جاریا عرفاً اور جاری پانی وہ ہے جس کو رواں اور بہتا عرف میں شمار کرتے ہیں وقیل ما یذہب تبنۃ والاول اظہر والثانی اشہر اور بعضوں نے کہا جاری پانی وہ ہے جو تنکے کو بہلے جائے اور پہلا قول ظاہر تر ہے اور دوسرا قول مشہور تر ہے کذا فی البحر وان وصلیۃ لم یکن جریانہ بمدد فی الاصح آب رواں ناپاک نہیں ہوتا اگرچہ اُس کا بہنا اوپر کے پانی کے مدد سے نہ ہو صحیح تر قول میں یعنی اگرچہ مبدا اور منشا اس کا چشمہ اور جھیل یا مینہ نہ ہو م عدم اشتراط مدد کی تصحیح صاحب سراج اور صاحب تجنیس نے کی ہے اور مقابل اس کے فتح القدیر کا قول ہے کہ جاری ہونے میں پانی کی مدد ضرور ہے چنانچہ چشمہ اور کنواں اور یہی قول مختار ہے تو یہاں دونوں قولوں کی تصحیح واقع ہے کذا فی الطحطاوی فلو سد النہر من فوق فتوضأ رجل بما یجری بلا مدد جاز لانہ جار تو اگر نہر بند کی گئی اوپر سے اس طرح کہ بند سے مطلقاً پانی نہیں رستا ہے پھر کسی مرد نے وضو کیا اُس پانی سے جو بہتا ہے بدون مدد کے تو جائز ہے اس واسطے کہ وہ جاری پانی ہے وکذا لو حفر نہراً من حوض صغیر او صب رفیقہ الماء فی طرف میزاب وتوضأ فیہ وعند طرفہ الآخر اناء یجتمع فیہ جاز توضیہ بہ ثانیاً وثم وتمامہ فی البحر اور اسی طرح اگر نہر کھودی چھوٹے حوض سے اور اُس میں پانی بہا حوض کا یا ایک شخص کے رفیق نے پانی ڈالا پرنالے کے ایک کنارے پر اور اُس شخص نے وضو کیا نہر یا پرنالے کے رواں پانی میں اور پرنالے کے دوسری طرف کوئی برتن ہے جس میں وہ رواں پانی جمع ہوتا جاتا ہے تو دوسری بار اسی پانی سے وضو کرنا جائز ہے اور پھر تیسری بار اسی طرح اور پھر چوتھی بار اسی طرح پانی بہا کر وضو جائز ہے اور اس کا پورا بیان بحر الرائق میں ہے م یعنی حوض صغیر سے پانی بہایا نہر میں اور بہنے کی حالت میں وضو کیا پھر وہ پانی جمع ہوا ایک مکان میں سو دوسرے آدمی نے اُس مکان سے نہر کھودی اور اُس میں پانی بہایا اور وضو کیا جاری ہونے کی حالت میں پھر وہ پانی جمع ہو گیا اور مکان میں پھر اور آدمی نے اسی طرح کیا تو سب شخصوں کا وضو درست ہے اس واسطے کہ ہر ایک نے پانی بہنے کی حالت میں وضو کیا اور جاری پانی نجس نہیں ہوتا جب تک متغیر نہ ہو جاوے چنانچہ بحر الرائق میں ہے اور جو پانی کہ جمع ہوا وہ طاہر اور طہور ہے یعنی پاک کرنے والا ہے اس واسطے کہ اُس کا استعمال جاری ہونے کی حالت میں ہوا ہے اور جاری پانی مستعمل نہیں ہوتا استعمال کرنے سے اسی طرح منقول ہے شیخ زاہد ابو الحسن رستغفنی سے علامہ نوح نے کہا کہ یہ فرع مبنی ہے آب مستعمل کے نجس ہونے پر اور فتویٰ ہے آب مستعمل کے طاہر ہونے پر کذا فی الطحطاوی وان لم یر ای یعلم اثرہا فلو فیہ جیفۃ او بال فیہ رجل فتوضأ آخر من اسفلہ جاز ما لم یر فی اسفلہ اثرہ آب جاری وقوع نجاست سے نجس نہیں ہوتا جب تک نجاست کا اثر نہ معلوم ہو تو اگر آب جاری میں مردار جانور پڑا ہو یا اُس میں کسی مرد نے پیشاب کیا سو دوسرے مرد نے اُس کی جانب نشیب میں وضو کیا تو جائز ہے جب تک کہ جانب نشیب میں اُس کا اثر معلوم نہ ہو م شارح نے مردار اور پیشاب کی مثال دے کر اشارہ کیا کہ نجاست[۱] مرئی اور غیر مرئی میں کچھ فرق نہیں وہو طعم او لون او ریح اور وہ یعنی نجاست کا اثر یا مزہ ہے یا رنگ یا بو ظاہرہ یعم الجیفۃ وغیرہا وہو ما رجحہ الکمال وقال تلمیذہ قاسم انہ المختار وقواہ فی النہر واقرہ المصنف وفی القہستانی عن المضمرات عن النصاب وعلیہ الفتویٰ اور ظاہر کلام

[۱] یعنی جو آنکھ سے نظر آوے ۱۲

مصنف کا مردار اُس کے غیر دونوں کو شامل ہے یعنی آب جاری میں بدون ظہور اثر کے نجاست نہیں ہوتی نجس چیز مردار ہو یا غیر اُس کے اور اسی قول کی ترجیح دی ہے محقق کمال نے اور اُن کے شاگرد قاسم نے کہا کہ یہی قول مختار ہے اور اسی کو قوی کہا ہے نہر الفائق میں اور اسی کو ثابت رکھا ہے مصنف نے اپنی شرح منح الغفار میں اور قہستانی میں مضمرات سے اور اُس میں نصاب سے منقول ہے کہ اسی قول پر فتوی ہے وقیل ان جری علیھا نصفہ فاکثر لم یجز وھو احوط اور قول دوسرا یہ ہے کہ اگر پانی جاری ہو امردار کے نصف بدن پر یا زیادہ پر تو اس سے طہارت جائز نہیں اور یہ قول زیادہ تر احتیاط والا ہے اور اکثر فتاووں میں یہی مذکور ہے والحقوا بالجاری حوض الحمام لو الماء نازلا والغرف متدارک اور فقہاء نے آب جاری کے ساتھ ملایا ہے حمام کے حوض کو نجس نہ ہونے میں بدون اثر کے بشرطیکہ حوض میں اوپر سے پانی نازل ہو اور حوض سے پانی لینا پے درپے ہو اس طرح پر کہ مابین الغرفتین سطح پانی کا ساکن نہ ہو گیا ہو تو اگر ناپاک برتن یا ناپاک ہاتھ اس حوض میں ڈالا جاوے گا تو وہ ناپاک نہ ہوگا بدون ظہور اثر کے کذا فی البحر کحوض صغیر یدخلہ الماء من جانب ویخرج من آخر یجوز التوضی من کل الجوانب مطلقا بہ یفتی اُس چھوٹے حوض کے مانند جس میں پانی داخل ہوتا ہے ایک طرف سے اور خارج ہوتا ہے دوسری طرف سے تو وضو کرنا جائز ہے اُس کی ہر طرف سے ہر طرح اسی کا فتوی ہے م ہر طرح یعنی وہ حوض چار در چار ہو یا کم یا زیادہ اس سے اور قول ضعیف یہ ہے کہ اگر چار در چار سے زیادہ ہے تو وقوع نجاست سے ناپاک نہ ہوگا[۵۱] کذا فی البحر پھر معلوم کرنا چاہیے کہ حوض مذکور کا مسئلہ مبنی ہے آب مستعمل کی نجاست پر اور مفتی بہ قول پر چونکہ آب مستعمل پاک ہے تو وضو مطلقًا درست ہے کیونکہ مستعمل مغلوب ہے اور مطہر غالب وکعین فی خمس ینبع الماء منہ بہ یفتی قہستانی معزیا للتتمۃ اور مانند اُس چشمہ کے کہ وہ پنج در پنج ہے اس میں سے پانی جوش مار کے نکلتا ہے اُس کے ہر طرف سے وضو جائز ہے اسی کا فتوی دیا گیا ہے چنانچہ قہستانی نے اس کو تتمہ کی طرف منسوب کیا ہے م پانچ کی قید اس واسطے لگائی کہ یہی تو محل نزاع ہے اور اگر پانچ ہاتھ سے حوض یا چشمہ کم ہے تو بالاتفاق وضو جائز ہے وجہ اختلاف یہ ہے کہ چھوٹے حوض یا چشمہ میں آب مستعمل جلد نکل جاتا ہے اور بڑے حوض میں گوشوں میں ٹھہر جاتا ہے اور یہ مسئلہ بھی آب مستعمل کی نجاست پر متفرع ہے اور فتوی اس کے برخلاف ہے وکذا یجوز براکد کثیر کذلک ای وقع فیہ نجس لم یر اثرہ ولو فی موضع وقوع المرئیۃ بہ یفتی بحر اور اسی طرح وضو جائز ہے اس بستہ ٹھہرے کثیر پانی سے جو اسی طرح کا ہے یعنی جس میں ایسی نجاست پڑی جس کا کچھ اثر نمودار نہیں اگرچہ نجاست مرئیہ کے مکان وقوع میں وضو کیا اسی قول کا فتوی ہے بحر الرائق میں م اور بعضوں نے یہ اختیار کیا کہ اٹکل کرے سو اگر اٹکل میں یہ آوے کہ نجاست خالص نہیں ہوئی تو وضو کرے یعنی موقع نجاست میں ورنہ وضو نہ کرے ابن امیر حاج نے کہا یہی صحیح تر ہے اور کرخی وغیرہ نے تجنیس کی ترجیح دی ہے بدائع میں کہا کہ یہی ظاہر الروایۃ ہے اور مطلب اُس کا یہ ہے کہ موضع نجاست کو چار در چار گز چھوڑ کر وضو کرے اور مشائخ بخارا اور ماوراء النہر نے کہا کہ غیر مرئی نجاست میں موضع وقوع نجاست سے وضو کرے وھو الاصح تو معلوم ہوا کہ سب اقوال کی تصحیح واقع ہوئی ہے مگر فتوی اسی پر ہے جو شارح نے ذکر کیا یعنی اگر نجاست مرئی کا اثر معلوم نہ ہو تو موضع وقوع سے وضو جائز ہے فتح القدیر میں ہے کہ اسی قول کی تصحیح لائق ہے ایسا مذکور ہے نہر الفائق میں کذا فی الطحطاوی والمعتبر فی مقدار الراکد اکبر رای المبتلی بہ فان غلب علی ظنہ عدم خلوص ای وصول النجاسۃ الی الجانب الآخر جاز والا لا ھذا ظاہر الروایۃ عن الامام والیہ رجع محمد وھو الاصح کما فی الغایۃ وغیرہا وحقق فی البحر انہ المذہب وبہ یعمل اور اس آب بستہ غیر جاری کی مقدار میں جو ناپاک نہیں ہو جاتا بلا ظہور اثر نجاست کے تجویز غالب معتبر ہے مبتلی بہ کی یعنی اُس شخص کی جس کو طہارت کے واسطے پانی کی حاجت پڑی تو اگر اس کے گمان میں عدم خلوص یعنی نہ پہنچنا نجاست کا دوسری طرف غالب ٹھہر گیا تو وہ آب کثیر ہے اس آب بستہ سے وضو اور غسل جائز ہے اگر یہ گمان غالب نہیں ہوتا تو وہ قلیل پانی ہے طہارت اُس سے جائز نہیں یہی ظاہر الروایۃ ہے امام اعظم سے اور اسی قول کی طرف محمد نے جن سے وہ در دہ کا قول منقول ہے رجوع کیا ہے اور یہی قول صحیح تر ہے چنانچہ غایۃ البیان وغیرہ میں ہے اور بحر الرائق میں ثابت کیا ہے کہ یہی قوی مذہب ہے اور اسی پر عمل کرنا چاہیے م بحر الرائق میں دس روایات سے اس کو مذہب ثابت کیا ہے

[۵۱] وجہ ناپاکی کی یہ ہے کہ اگر حوض چار در چار سے زیادہ ہوگا تو نجاست یا پانی مستعمل اُسی جگہ ٹھہرا رہے گا ہاں اگر پانی کی آمد و خروج کی جگہ وضو کرے گا یا اُس جگہ نجاست گرے گی تو ناپاک نہ ہوگا کذا فی الشامی ۱۲

پھر یوں کہا کہ یہ جو ہمارے اکثر بلکہ تمام علماء متاخرین نے دہ در دہ کو آب کثیر قرار دیا ہے وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں اور محمدؒ نے اگرچہ اس کی تقدیر کی
ہے مگر اس سے رجوع کیا ہے اور اگر رجوع بھی ثابت نہ ہوتا تو یہ تقدیر لازم نہیں مگر انھیں کے حق میں اس واسطے کہ جب کہ ہر حاجتمند کے استکثار کا اعتبار ہوا
تو ایک شخص کا کثیر سمجھنا دوسرے پر لازم نہیں بلکہ یہ امر مختلف ہے جو جس کے دل میں پڑے اُس پر وہ عمل کرے اور یہ امر اُن امور سے نہیں ہے جس میں عامی پر
مجتہد کی تقلید واجب ہو چنانچہ فتح القدیر میں ہے کذا فی الطحطاوی مصنف نے اپنی شرح میں کہا چونکہ حد آب کثیر میں ظن غالب ظاہر الروایۃ تھا اور اس کی تصحیح اکثر
کتب معتمد میں واقع تھی لہٰذا ہم نے اس متن میں اسی پر اعتماد کیا اور متاخرین نے جو دہ در دہ کو اختیار کیا وہ ظاہر الروایۃ نہیں اور نہ ہمارے علمائے متقدمین کا
مذہب ہے اگرچہ صاحب کنز نے اس پر یقین کیا ہے اور صاحب ہدایہ نے اُس پر فتویٰ ٹھہرایا ہے تو جو مذہب میں صحیح قول ہے اس پر عمل کرنا متعین ہے انتہیٰ وانّ
التقدیر بعشر فی عشر لا یرجع الی اصل یعتمد علیہ وردّھا اجاب بہ صدر الشریعۃ اور بحر الرائق میں یہ ثابت کیا کہ آب کثیر میں اندازہ ٹھہرانا دہ در دہ کا اصل معتمد علیہ کی
طرف راجع نہیں ہوتا اور جو ثبوت اصل کا جواب دیا ہے صدر الشریعۃ نے شرح وقایہ میں اُس کو رد کیا م صدر الشریعۃ نے دہ در دہ کی یہ حدیث اصل ٹھہرائی کہ جو کنواں
کھودے تو اُس کا حق کنوئیں کے گرداگرد ۴۰ گز ہے تو اُس کے گرد چاروں طرف سے ۱۰ گز ہوئے تو اگر دوسرا شخص دس گز کے اندر بیر بالوعہ یعنی نجاست ڈالنے کا
کھتا کھودے گا تو روکا جائے گا اس واسطے کہ پہلے کنوئیں کی طرف نجاست سرایت کرے گی اور اگر دس گز کے بعد کھودے گا تو روکا نہ جائے گا تو معلوم ہوا کہ شرع
نے دہ در دہ کو عدم سرایت میں اعتبار کیا ہے صاحب بحر نے اس کو تین وجہ سے رد کیا ہے از آں جملہ ایک وجہ یہ ہے کہ حریم چاہ کا دس گز ہونا بعض کا قول ہے
اور صحیح قول تو یہ ہے کہ اُس کا حریم ہر طرف سے ۴۰ گز ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ زمین بمراتب سخت ہے پانی سے تو پانی کو زمین پر قیاس کرنا عدم سرایت میں
صحیح نہیں کذا فی الطحطاوی مختصراً علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں فرمایا کہ حدیث بیر بضاعہ دہ در دہ کی سند ہو سکتی ہے بیان اُس کا یہ ہے کہ محمد بن حسن سے جب
آب کثیر کا سوال ہوا تو کہا کہ اگر میری مسجد کے برابر ہو تو وہ کثیر ہے جب اس کو ناپا تو مسجد اندر سے ہشت در ہشت تھی اور باہر سے دہ در دہ تھی اور قول ضعیف
یہ ہے کہ دوازدہ در دوازدہ تھی اور بیر بضاعہ کی مسافت ہشت در ہشت تھی اور دلیل اُس پر ابو داؤد سجستانی صاحب سنن کا قول ہے کہ میں نے بیر بضاعہ کو ناپا
اپنی چادر سے تو عرض اس کا چھ گز تھا اور میں نے وہاں پوچھا کہ زمان سابق سے اس میں کچھ تغیر ہوا ہے جواب دیا کہ نہیں پھر جب اس کا عرض چھ گز کا ہوا
تو طول اس کا زیادہ ہوگا اس واسطے کہ اکثر طول زیادہ ہوتا ہے عرض سے اور اگر وہ کنواں مدور ہوتا تو کہتے کہ اس کا دور چھ گز کا تھا تو جب کہ طول کی زیادت
عرض کے ساتھ ملائی جاوے تو مقدار اُس کی ہشت در ہشت یا زیادہ ٹھہرے گی تو محمدؒ نے اس تقدیر کو لیا لیکن باب عبادات میں احتیاط لازم ہے لہٰذا
ان کی مسجد اصلی کے خارج کو یعنی دہ در دہ کو اعتبار کیا انتہی لکن فی النھر وانت خبیر بان اعتبار العشر اضبط ولا سیما فی حق من لا رای لہ من العوام فلذا افتی
بہ المتاخرون الاعلام لیکن نہر الفائق میں ہے کہ اے مخاطب تو جانتا ہے کہ مقرر اعتبار کرنا دہ در دہ کا ضبط اور بند و بست کی بات ہے خصوصاً عوام لوگوں
کے حق میں جن کو ظن غالب اور تجویز حاصل نہیں تو اسی واسطے علماء کبار متاخرین نے دہ در دہ کا فتویٰ دیا م قوت دلیل صاحب بحر الرائق کے کلام میں ہے اور
جب کہ تو صاحب بحر اور صاحب نہر دونوں کے کلام پر بخوبی آگاہ ہو تو تجھ کو اس کا یقین حاصل ہو جائے اور جو کہ صاحب نہر نے مذکور کیا اُس کو صاحب بحر نے
بھی ذکر کیا اور اُس کو قابل التفات کے نہ جانا کذا فی الطحطاوی ای فی المربع باربعین وفی المدور بستۃ وثلثین وفی المثلث من کل جانب خمسۃ عشر ربعاً وخمسا
بذراع الکرباس یعنی متاخرین کا فتویٰ ہے حوض مربع میں ۴۰ گز پر اور حوض مدور میں ۳۶ گز پر اور حوض مثلث میں ہر طرف سے پندرہ ۱۵ گز اور چوتھائی اور پانچواں
حصہ گز پر تینوں صورتوں میں کپڑے ناپنے کا گز مراد ہے م یعنی حوض کبیر جو آب جاری کے مانند نجاست کے پڑنے سے بدون ظہور اثر کے ناپاک نہیں ہو سکتا
اُس کی مقدار بموجب فتویٰ متاخرین کے اگر وہ مربع ہے تو دہ در دہ ہے یعنی ہر طرف سے دس گز اور پانی کے چاروں طرف سے ۴۰ گز اور سطح پانی کا

ف پانی میں دہ در دہ کی مقدار کسی اصل سے ماخوذ نہیں ۱۲ ۔

طول اور عرض میں سو گز اور حوض مدور میں ۴۶ گز کی ترجیح مذکور ہے ظہیریہ میں اور غیر ظہیریہ میں ۴۷ گز محیط میں کہا کہ ۴۸ گز اعتبار میں زیادہ تر احتیاط ہے
کما فی النہر اور اگر حوض مثلث ہے یعنی جس کے تینوں کونے معتدل ہیں تو ہر طرف سے پندرہ گز اور چہارم گز اور شارح نے جو پنجم گز زیادہ کیا ہے اُس کی کچھ حاجت
نہیں اس لئے کہ اس قدر سے مساحت پانی کی سو گز ہو جاتی ہے وتمامہ فی الطحطاوی نہر الفائق میں ہے کہ معتبر ذراع کرباس ہے یا ذراع مساحت یا ہر زمان
اور مکان کا گز جس سے پیمائش کرتے ہیں تینوں قولوں کی ترجیح واقع ہے اور پچھلا قول مناسب تر ہے انتہیٰ ہدایہ اور تجنیس میں ذراع کرباس کو اختیار کیا ہے علامہ عینی
نے کہا مساحت کا گز سات مشت یعنی سات مٹھی کا اور ہر مٹھی پر ایک کھڑی انگلی اور ذراع کرباس یعنی کپڑے ناپنے کا گز فقط سات مٹھی کا ہے اور ہر مٹھی پر انگلی قائم
نہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ ۲۴ انگل کا گز لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے حروف کے شمار کے موافق ولو لہ طول لا عرض لکنہ یبلغ عشرا فی عشر جاز تیسیرا اور اگر حوض
یا خندق کا طول ہے اور بہت عرض نہیں لیکن اگر اُس کو مکسر کر کے حساب کیجیے تو دہ در دہ یعنی سو گز تک پہنچتا ہے تو وضو کرنا اُس سے جائز ہے خلق اللہ کی آسانی کے واسطے
کذا فی النہر ولو اعلاہ عشرا واسفلہ اقل جاز حتی یبلغ الاقل اور اگر ایک حوض اوپر سے دہ در دہ ہوا اور نیچے سے کم دہ در دہ سے تو وضو اس سے باوجود وقوع
نجاست جائز ہے تا وقتیکہ پانی کمتر کو پہنچے یعنی جب کمتر تک پانی پہنچ جائے گا تو وقوع نجاست سے ناپاک ہوگا وضو جائز نہ ہوگا ولو بعکسہ فوقع فیہ نجس لم یجز حتی
یبلغ العشر اور جو اس کے بالعکس ہو یعنی حوض اوپر سے تنگ ہو دہ در دہ سے کم اور نیچے سے کشادہ بقدر دہ در دہ کے سو اُس میں نجاست پڑی تو وضو جائز نہیں
جب تک کہ اوپر کا پانی فنا ہو کر دہ در دہ کو پہنچے یعنی جب وہاں پہنچے گا تو اب وضو کرنا اُس سے جائز ہوگا کذا فی النہر عن السراج الہندی ولو جمد ماؤہ فثقب ان الماء
منفصلا عن الجمد جاز لانہ کالمسقف وان متصلا لا لانہ کالقصعۃ اور اگر حوض کبیر کا پانی برف کی سردی سے جم کر تختہ کی مانند ہو گیا پھر اُس میں سوراخ کیا گیا اگر پانی
جدا ہے آب بستہ سے تو وضو جائز ہے اسواسطے کہ وہ پانی اس کے مانند ہے جس پر چھت ہو یعنی اگرچہ سوراخ دہ در دہ سے کم ہو اور اگر پانی حوض کا آب بستہ سے
ملا ہوا ہے تو وضو اُس سوراخ سے جائز نہیں اس واسطے کہ وہ طاس اور طغاری کے مانند ہے یعنی وہ پانی قلیل ہے جیسے طاس کا پانی کہ وقوع نجاست سے ناپاک
ہوگا کذا فی الطحطاوی فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ وضو اُس سے جائز نہیں مگر اُس وقت جائز ہے جب کہ نقب دہ در دہ ہو حتی لو ولغ فیہ کلب تنجس یہاں تک
کہ اگر کتے نے اُس میں پانی پیا یعنی اس نقب سے جس سے حوض کا پانی متصل ہے پانی پیا تو وہ ناپاک ہوگا لا لو وقع فیہ فمات لتسفلہ ناپاک نہ ہوگا وہ حوض اگر کتا
اُس میں گر پڑا اور مر گیا اس کے تہ نشین ہونے کی وجہ سے یعنی اسفل میں تو پانی کثیر ہے کتے کی تہ نشین ہونے سے ناپاک نہ ہوگا مگر جب کہ اوصاف ثلثہ سے
کوئی وصف متغیر ہو کذا فی الطحطاوی ثم المختار طہارۃ المتنجس بمجرد جریانہ پھر معلوم کرنا چاہیے کہ مختار اور پسندیدہ مذہب میں پاک ہو جانا ہے ناپاک پانی کا اُس کے
جاری ہونے کے ساتھ ہی یعنی اگر ناپاک حوض یا تالاب میں پاک پانی داخل ہوا اور حوض یا تالاب جاری ہوا تو بمجرد جاری ہونے کے وہ پاک ہو گیا اور قول
ضعیف یہ ہے کہ جب سب پانی ناپاک حوض کا نکلے گا تب پاک ہوگا اور بعضوں نے کہا جب کہ سہ چند پانی نکلے گا تب پاک ہوگا اور یہ مطلب شارح کا نہیں کہ
بدون داخل ہونے پاک پانی کے اگر نالی بنا کر اُس کو جاری کیجیے تو وہ پاک ہو بحر الرائق میں کہا طہارت کا حکم اُس وقت ہوگا جب کہ نکلنا پانی کا پاک پانی کے داخل
ہونے کے وقت ہو کذا فی الطحطاوی وکذا البیر وحوض الحمام ہذا اور یہی حکم ہے کنوئیں اور حمام کا یاد رکھو اس کو یعنی اگر کنواں نجاست کے گرنے سے ناپاک ہوا
اور جاری ہوا پاک ہو گیا اُس کے جاری ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ پاک پانی اوپر سے داخل ہوا اور کنواں لبالب ہو کر جاری ہو گیا دوسری صورت یہ ہے
کہ چشمہ چاہ نے جوش مارا اور اندر سے بطریق کاریز کے بہا وفی القہستانی والمختار ذراع الکرباس وہو سبع قبضات فقط فیکون ثمانیا فی ثمان بذراع زماننا ثمان
قبضات وثلث اصابع علی القول المفتی بہ بالعشر ای ولو حکما لیعم ما الطول بلا عرض فی الاصح وکذا بیر عمقہا عشر فی الاصح اور قہستانی میں ہے اور مختار اور پسندیدہ
مذہب میں کپڑے ناپنے کا گز ہے اور وہ فقط سات مٹھی کا ہے تو وہ دہ در دہ کا حوض ہشت در ہشت کا ہوتا ہے ہمارے زمانہ کے گز سے جو آٹھ مٹھی اور تین
انگلیوں کا ہے یہ قول ہے بنا بر فتویٰ متاخرین کے دہ در دہ کے کثیر ہونے میں یعنی اگرچہ دہ در دہ حقیقۃً نہ ہو بلکہ حکماً ہو یہ اسواسطے ہم نے کہا تا کہ دہ در دہ شامل ہو

جائے اُس حوض طویل کو جس میں طول ہے بدون عرض کے صحیح تر قول میں اور اسی طرح شامل رہے اُس کنوئیں کو جس کا عمق یعنی گہراؤ دس گز کا ہے صحیح تر قول
میں ہم طول بلا عرض میں اختلاف ہے ایک قول ہے کہ اگر اُس کا پانی بقدر دہ در دہ کے ہے تو وہ وقوع نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا چنانچہ سابق میں گذرا اور
عیون مذہب اور محیط اور اختیار وغیرہا میں اس کی تصحیح کی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ نجس ہو جاتا ہے قاضی خاں نے اس کو عامہ مشائخ کی طرف نسبت
کیا ہے اور فتح القدیر میں اسی کو اختیار کیا ہے اور قاسم نے اس کو اصح کہا ہے تو دونوں قول مصحح ہیں کذا فی الطحطاوی وحینئذ فلو ماؤہا بالقدر الشرعی نجس کما فی
الملتقی اور اس وقت میں یعنی جب کہ عمق کا اعتبار ہوا تو اگر اُس کا پانی دہ در دہ کے برابر ہے تو نجاست کے پڑنے سے وہ کنواں ناپاک نہ ہوگا چنانچہ منیۃ المصلی میں
ہے ہم یہ قول ضعیف ہے چنانچہ شارح عنقریب اس پر آگاہ کرے گا وحینئذ فعمق خمس اصابع تقریباً ثلثۃ الاف وثلث مارتیۃ واثنا عشر منا من الماء الصافی و
لیسعہ غدیر کل ضلع منہ طولاً وعرضاً وعمقاً ذراعان وثلثۃ ارباع ذراع ونصف اصبع تقریباً کل ذراع ربع وعشرون اصبعاً انتہیٰ اور اس وقت میں یعنی جب کہ
عمیق کنواں حوض کبیر کے مانند ہوا تو پانچ انگلیوں کا عمق دہ در دہ کے حوض میں ۳۳۱۲ سیر صاف پانی کا ہے اور گنجائش کرتا ہے اس قدر پانی کو وہ حوض جس کی
ہر جانب طول اور عرض اور عمق میں دو گز اور پون گز اور آدھی انگلی ہے تخمیناً ہر گز ۲۴ انگل کا اب تمام ہو گیا کلام قہستانی کا قلت وفیہ کلام اذا المعتمد عدم اعتبار
العمق وحدہ فتدبر میں کہتا ہوں اور قہستانی کے اس کلام میں کلام ہے یعنی مسلم نہیں اس واسطے کہ فقط عمق کا اعتبار کرنا بدون طول اور عرض کے معتمد قول نہیں تو
اے مخاطب ہوشیار ہو سیوم بحر الرائق میں فتح القدیر سے منقول ہے کہ عمیق تنگ جوانب کو آب کثیر قرار دینا موجہ نہیں اس واسطے کہ مدار کثرت اس پر ہے کہ دوسری
جانب کو نجاست نہ پہنچے اور تقارب جوانب میں بلاشک وصول غالب ہے اور پانی کا استعمال تو اوپر کی سطح سے ہوتا ہے نہ عمق کے کذا فی الطحطاوی ملخصاً فائدہ
جو تالاب ہے کہ ایام گرما میں خشک ہو جاتا ہے اور چوپائے اُس میں لید کرتے ہیں پھر اُس میں پانی آیا اور بھر گیا تو نظر کرنا چاہیے اگر نجاست ہو پانی کے داخل
ہونے کے مکان میں تو سب پانی نجس ہے اور اگر وہ پانی بستہ ہو گیا وہ بھی ناپاک ہوگا اس واسطے کہ جو پانی اس راہ سے آیا وہ ناپاک ہو گیا تو اب وہ ناپاک نہ ہوگا
اور اگر نجاست موضع دخول آب میں نہیں پھر وہ پاک پانی جمع ہوا پاک مکان میں جو دہ در دہ ہے پھر وہاں سے بڑھا موضع نجاست تک تو سب پانی پاک ہے اور جو
اس سے جمے وہ بھی طاہر ہے جب تک کہ اُس میں نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو اور اسی طرح جس تالاب کا پانی کم ہو کر چار در چار ہو گیا اور اُس میں نجاست پڑی پھر نیا
پانی آیا اگر نیا پانی دہ در دہ ہو گیا نجس پانی کے ملنے سے پہلے تو سب پانی پاک ہے کذا فی الحمادیہ یعنی فتاویٰ قاضی خان ولا یجوز بماء بالمد زال طبعہ وہو السیلان
والارواء والانبات بسبب طبخ کمرق وماء باقلاء الا بما قصد بہ التنظیف کاشنان وصابون فیجوز ان بقی رقتہ اور جائز نہیں طہارت وضو اور غسل کی اُس پانی
سے جس کی طبیعت یعنی اُس کی پیدائشی صفت کہ بہنا اور پیاس کا کھونا اور نباتات کا اُگانا ہے زائل ہو گیا پکانے کے سبب سے چنانچہ شوربا اور آب باقلا یعنی طبخ
کردہ پانی جو پکایا گیا اُس چیز کے ساتھ جس سے مَیل کا صاف کرنا مقصود ہے چنانچہ اشنان اور صابون تو اُس سے طہارت جائز ہے اگر اس کی رقت باقی ہو یعنی گاڑھا
نہ ہوا ہو چنانچہ سابق مذکور ہو گیا ودباء استعمل لاجل قربۃ ای ثواب ولو مع رفع حدث یا جائز نہیں طہارت اُس پانی سے جس کو استعمال کیا قربت یعنی ثواب
حاصل کرنے کو اگرچہ ہو قربت رفع حدث کے ساتھ معلوم کرنا چاہیے کہ مستعمل پانی میں کلام واقع ہوتا ہے چار مقام میں اوّل استعمال کے سبب سو مصنف نے اس
کو بیان کیا بقولہ لقربۃ اور رفع حدث مقام ثانی ثبوت استعمال کے وقت میں سو مصنف نے اُس کا اشارہ کیا بقولہ اذا انفصل مقام ثالث مستعمل کی صفت میں سو
اس کو بیان کیا بقولہ طاہر مقام رابع مستعمل کے حکم میں سو اُس کو ذکر کیا بقولہ غیر مطہر قربت کے واسطے وضو کرنے سے بہ اتفاق شیخین و محمدؒ کے استعمال ثابت ہے
فقط قربت ہو یا قربت رفع حدث کے ساتھ ہو کذا فی الطحطاوی فقط قربت بلا ازالہ حدث کی یہ صورت ہے کہ غیر محدث یعنی باوضو آدمی دوسرا وضو نیت
ثواب کرے یا طاہر غسل کرے اور فقط ازالہ حدث بلا قربت کی یہ صورت ہے کہ محدث یعنی بے وضو آدمی وضو کرے بدون نیت کے تو یہاں ازالہ حدث تو ہوا مگر
قربت یعنی ثواب نہیں اس واسطے کہ بدون نیت کے ثواب نہیں ہوتا محمد کے نزدیک سبب استعمال کا فقط قربت ہے اور امام اعظم اور ابو یوسف کے نزدیک

قربت بھی سبب ہے اور ازالہ حدث بھی بلکہ اسقاط فرض بھی او من ممیز او حائض لعادۃ عبادۃ یا ہو استعمال پانی کا نابالغ صاحب تمیز یا حائض سے عبادت کی عادت باقی رہنے کے واسطے یعنی نابالغ جو وضو کرے ثواب کی نیت سے یا حیض والی عورت وضو کرے چنانچہ اُس کو مستحب ہے کہ نماز کے وقت وضو کر کے جائے نماز پر بیٹھ کر تسبیح اور تہلیل کرے تاکہ نماز کی عادت نہ چھوٹے وہ پانی بھی مستعمل ہے تقرب کے سبب سے اس مستعمل سے بھی وضو جائز نہیں او غسل میت یا ہو استعمال پانی کا میت کے نہلانے سے یعنی میت طاہر ہے اگر اُس کے بدن پر نجاست نہ ہو وہو الاصح اور دوسرا قول یہ ہے کہ نجس ہے نجاست جب تو اُس کا غسالہ نجس ہوگا اور اس قول کی بھی تصحیح واقع ہے اور محمد نے جو غسالہ میت کو مطلقاً نجس کہا ہے تو اس وجہ سے کہ غالباً نجاست سے خالی نہیں ہوتا کذا فی البحر او ید لاکل او منہ بنیۃ السنۃ یا استعمال ہو ہاتھ کے دھونے سے کھانے کے واسطے یا کھانے سے فراغت کر کے ادائے سنت کے قصد سے م حدیث میں وارد ہے کہ کھانے کی برکت ہے پہلے اور بعد کھانے کے ہاتھ دھونا تو اگر اس نیت سے ہاتھ دھوئے ثواب حاصل ہوا پانی مستعمل ہو گیا اور اگر یہ نیت نہیں چنانچہ میل صاف کرنے کے واسطے دھونے سے پانی مستعمل نہ ہوگا کیونکہ نہ ازالہ حدث ہے نہ اقامت قربت کذا فی الطحطاوی او لاجل رفع حدث ولو مع قربۃ کوضو محدث و لو للتبرد یا مستعمل ہو پانی ازالہ حدث کے سبب سے اگرچہ ازالہ حدث قربت کے ساتھ مجتمع ہو چنانچہ بے وضو شخص کا وضو کرنا اگرچہ اُس نے سر دھونے کے واسطے وضو کیا ہو م جب کہ بے وضو نے وضو کیا قربت کی نیت سے تو یہاں دو سبب استعمال کے جمع ہو گئے یعنی ازالہ حدث بھی اور قربت بھی اور اگر فقط گرمی کے رفع کرنے کو وضو کیا تو فقط ازالہ حدث ثابت ہوا نہ قربت بہر صورت پانی مستعمل ٹھہرا فلو توضأ متوضئ لتبرد او تعلیم او لطین بیدہ لم یصر مستعملا اتفاقا اور اگر باوضو شخص نے وضو کیا سر دھونے کو یا تعلیم وضو کے واسطے یا مٹی دھونے کے واسطے اپنے ہاتھ سے تو وہ پانی باتفاق شیخین اور محمد کے مستعمل نہ ہوگا م یہ تفریع ہے اُس تقیید پر کہ استعمال ثابت ہوتا ہے قربت سے یا ازالہ حدث سے سو ان صورتوں میں کوئی سبب استعمال کا نہیں قربت تو اس واسطے نہیں کہ نیت نہیں کیونکہ ثواب بدون نیت کے نہیں ہوتا اور ازالہ حدث بھی نہیں اس واسطے کہ وہ شخص باوضو ہے اگر کوئی کہے کہ تعلیم مقصود میں بلا شبہہ ثواب ہے پھر کیا وجہ ہے کہ تعلیم قربت نہ ہو اس کا جواب یہ ہے کہ قربت تو فقط تعلیم میں ہے نہ پانی کے استعمال میں ولہذا اگر تعلیم قولی کرے تو اس تعلیم فعلی کی کچھ حاجت نہیں رہی کزیادۃ علی الثلث بلانیۃ قربۃ چنانچہ پانی مستعمل نہیں ہوتا تین بار دھونے پر زیادہ کرنے سے بدون قصد کرنے ثواب کے یعنی بلا ارادہ وضو تین بار سے زیادہ دھونے سے مستعمل نہیں ہوتا وکغسل نحو فخذ او ثوب طاہر او دابۃ تو کل اور جیسے پانی مستعمل نہیں ہوتا مثل ران کے یا پاک کپڑے یا حلال چوپائے کے دھونے سے م مثل ران سے مراد اعضا غیر وضو ہیں یعنی اگر غیر جنب اپنی ران دھوئے تو وہ پانی مستعمل نہ ہوگا بنا بر قول اصح کے کما فی البحر اس واسطے کہ اس میں نہ قربت ہے نہ رفع حدث نہ اسقاط فرض اور کپڑے کے مانند پاک برتن ہے او لاجل اسقاط فرض یا مستعمل ہو پانی اسقاط فرض کے سبب سے م خلاصہ کلام بحر الرائق میں ہے کہ پانی مستعمل ہو جاتا ہے تین چیزوں میں سے ایک سبب سے یا ازالہ حدث سے خواہ اُس کے ساتھ تقرب ہو یا نہ ہو یا اقامت قربت سے خواہ اُس کے ساتھ ازالہ حدث ہو یا نہ ہو یا اسقاط فرض کے سبب سے بدلیل قول فقہا کہ جو اپنے ہاتھ کہنیوں تک یا ایک پاؤں تغاری میں ڈالے تو پانی مستعمل ہوگا اور اس صورت میں نہ ازالہ حدث ہوا اور نہ قربت کی نیت پائی گئی فقط فرض ساقط ہو گیا عضو مغسول[ف] سے صاحب نہر نے کہا کہ اسقاط فرض کو زیادہ کرنا یعنی برخلاف اور کتابوں کے اسقاط فرض کو استعمال کا سبب ثالث قرار دینا اس تقدیر میں تمام ہوگا جب کہ اسقاط میں ثواب نہ ہو ورنہ قربت ثابت ہوگی انتہی اس کا جواب یہ ہے کہ فرض ساقط ہو جاتا ہے مکلف کے فعل سے اگرچہ نیت نہ ہو اور جب کہ نیت نہیں تو ثواب نہیں تو اب اسقاط فرض کیونکر قربت ہوگا کذا فی الطحطاوی وہو الاصل فی الاستعمال الکمال یہی یعنی فرض کا ساقط کرنا اصل سبب ہے پانی کے مستعمل ہونے کا چنانچہ اس پر آگاہ کر دیا ہے کمال الدین محقق نے م یعنی رفع حدث میں حقیقۃً اور قربت میں حکماً اسقاط فرض موجود ہے اس واسطے کہ قربت بمنزلہ اسقاط کے ہے دوسری بار کذا فی الطحطاوی بان یغسل بعض اعضائہ او یدخل یدہ او رجلہ فی حب لغیر اغتراف

[ف] یعنی حب کا رکھنا چاہیے تھا ۱۲

کوز فانہ یصیر مستعملا لسقوط الفرض اتفاقاً اسقاط فرض کا اس طرح ہے کہ دھووے محدث اپنے بعض اعضا کو یا اپنا ہاتھ پاؤں ڈالے مشکے میں بغیر پانی لینے کے قصد اس کے چنانچہ کوزہ نکالنے کو جو مشکے میں گر گیا ہے تو البتہ اس صورت میں پانی مستعمل ہو جائے گا فرض کے ساقط ہو جانے کی وجہ سے بالاتفاق یعنی غسل میں اس عضو کو نہ دھووے گا تو کافی ہے م یہ صورت حدث اصغر اور اکبر دونوں کو شامل ہے لیکن محیط میں ابو یوسفؒ سے مشہور روایت یہ ہے کہ پانی میں ڈالنا مستعمل ہو جانے میں مشروط ہے اور ایک دو انگلی کے ڈالنے سے مستعمل نہ ہوگا اور ادخال کف سے مستعمل ہوگا چنانچہ عالمگیری میں ہے بغیر پانی لینے کی ضرورت ہے کہ مٹی یا خمیر ہاتھ میں بھرا تھا اس کے دھونے کے واسطے ہاتھ مشکے میں ڈالا تو معلوم ہوا کہ اگر پانی لینے کے قصد سے ہاتھ مشکے میں ڈالے گا تو پانی مستعمل ضرورت کے سبب سے اور اسی طرح سے ہاتھ ڈالنا کوزہ نکالنے کو یا کنوے میں اترنا ڈول نکالنے کو اس سے بھی پانی مستعمل نہیں ہوتا اور اتفاق سے یہاں مراد اتفاق ہے جو تجزی حدث کے قائل اور جو کہ قائل نہیں کذا فی الطحطاوی وان لم یزل حدث عضوہ او جنابتہ مالم یتم لعدم تجزیھما زوالاً وثبوتاً علی المعتمد اگرچہ اس کے عضو کا حدث یا اس کی جنابت زائل نہ ہوگی جب تک کہ اسقاط فرض کا پورا نہ ہوگا بسبب نہ متجزی ہونے حدث اور جنابت کے زائل ہونے اور ثابت ہونے کی راہ سے قول معتمد پر م یعنی زوال حدث و جنابت کا اور ان کا ثابت ہونا متجزی یعنی پارہ پارہ نہیں تو جب کہ دونوں زائل ہوں گے تو بالکل زائل ہوں گے اور ثابت ہوں گے تو بالکل ثابت ہوں گے تو سقوط فرض کا مثلاً ہاتھ سے اس کا مقتضی ہے کہ ہاتھ کا دھونا دوسری بار باقی اعضا کے ساتھ واجب نہ ہو اور حدث کا زائل ہونا باقی اعضا کے دھونے پر موقوف ہے ایسا ہے بحرالرائق میں شیخ قاسم نے حواشی مجمع میں کہا ہے کہ حدث کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے اول معنی مانعیت شرعا ممنوع ہونا اس فعل کا جو حلال نہیں بدون طہارت کے اور یہ متجزی نہیں باتفاق امام اور صاحبین کے اور ثانی معنی نجاست حکمیہ اور یہ متجزی ہے اور ارتفاع میں بلا خلاف اور پانی کا مستعمل ہو جانا نجاست حکمیہ کے ازالے سے ہے قاسم نے کہا کہ یہ تحقیق یاد رکھنے کے لائق ہے کذا فی الطحطاوی وینبغی ان یقول او سنۃ لیعم المضمضۃ والاستنشاق فتامل اور چاہیے کہ زیادہ کیا جائے لفظ او سنۃ کا بعد اسقاط فرض کے تاکہ مضمضہ اور استنشاق کو بھی شامل ہو تو اس میں یعنی یوں کہنا چاہیے او لاسقاط فرض او سنۃ تو مطلب یہ ٹھہرے گا کہ یا مستعمل ہونا پانی کا فرض یا سنت کے اسقاط سے تو اب کلی اور ناک کا پانی بھی مستعمل ہے محشی نے کہا سنت کے زیادہ کرنے کی کچھ حاجت نہیں کہ وہ تو قربت میں داخل ہے اس واسطے کہ سنت ادا نہیں ہوتی بدون نیت کے بموجب سنت ہوئی تو قربت ٹھہری انتہی یہی وجہ ہے تامل کی جس کی طرف شارح نے اشارہ کیا اذا انفصل عن عضو وان لم یستقر فی شیٔ علی المذہب ان سب صورتوں میں مستعمل ہو جاتا ہے اس وقت جب کہ جدا ہوا عضو سے اگرچہ کسی چیز میں نہیں ٹھہرا بنا بر مذہب درست کے وقیل اذا استقر ورجح للحرج اور قول ضعیف یہ ہے کہ عضو سے جدا ہو کر کسی مکان میں یعنی زمین یا کف یا کپڑے میں ٹھہر جاوے اور حرکت سے باز رہے تب مستعمل ہوگا اور اس قول کی ترجیح دی گئی ہے حرج کے سبب سے م یعنی اگر مجرد انفصال کے عضو سے استعمال ثابت ہے تو اس میں مشقت ہے اس لیے کہ کپڑے پر گرنے سے نجس ہوگا نجاست مستعمل کے قول پر اور اختلاف ظاہر ہوتا ہے اس صورت میں کہ جب پانی عضو سے جدا ہوا اور ہنوز کہیں نہیں ٹھہرا بلکہ وہ ہوا میں ہے پھر وہ گرا کسی آدمی کے عضو پر اور اس پر بہا یہاں تک کہ اس نے اپنی ہتھیلی میں لیا ہو تو اول قول پر اس کا وضو صحیح نہیں اور قول ثانی پر صحیح ہے کذا فی الطحطاوی عن البحر ورد بان ما یصیب منديل المتوضی و ثیابہ عفی اتفاقا وان کثر اور وہ ترجیح مردود ہے اس طرح سے کہ جو مستعمل پانی وضو کرنے والے کے رومال اور کپڑوں کو لگ جاتا ہے وہ معاف ہے باتفاق امام محمدؒ کے اگرچہ مقدار درم سے زیادہ ہو یعنی جب معاف ہوا تو حرج ثابت نہ ہوا امام محمد کے نزدیک مستعمل پانی پاک ہے تو ان کے قول پر معاف کہنا ظاہر ہے اور شیخین کے نزدیک اگرچہ بعض روایت میں وہ نجس ہے مگر یہاں ضرورت کی وجہ سے نجاست ساقط الاعتبار رہے وھو طاھر ولو من جنب علی الظاہر اور وہ پاک ہے اگرچہ وہ جنابت والے کا ہو ظاہر مذہب پر م مشائخ عراق نے کہا کہ مستعمل پانی بالاتفاق طاہر ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ طہارت محمدؒ کا

قول ہے اور ایسی صورت میں نجس ہو سکتے ہیں ۱۲

قول ہے اور امام سے بھی مروی ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ وہ نجس مغلظ ہے اس کو حسن نے روایت کیا اور چوتھا قول یہ ہے کہ نجس مخفف ہے اور اس کو ابو یوسفؒ
امام سے روایت کیا اور اسی پر ان کا عمل ہے لیکن علمائے طہارت کی روایت کو صحیح کہا ہے یہاں تک کہ مجتبیٰ میں ہے کہ متقرر امام اور صاحبین سے صحیح روایات یہی
ہیں کہ وہ طاہر غیر طہور ہے مگر حسن کی روایت فخر الاسلام نے کہا کہ طاہر ہونا مختار ہے ہمارے نزدیک اور یہی مذکور ہے محمدؒ کی تمام کتابوں میں جو مروی ہیں ہمارے
علمائے سے اور اسی کو محققین ماوراء النہر نے اختیار کیا ہے اور محیط میں ہے کہ یہی قول مشہور ہے امام سے اور اکثر کتابوں میں طاہر ہونے پر فتوی مذکور ہے بلا تفصیل
المحدث والجنب کذا فی الطحطاوی عینی نے کہا یہی قول ہے احمد بن حنبلؒ کا اور مذہب شافعیؒ میں یہی قول صحیح ہے اور روایت ہے امام مالکؒ سے نووی شافعیؒ
کہا یہی قول طہارت کا جمہور سلف اور خلف کا قول ہے لکن یکرہ شربہ والعجن بہ تنزیہا للاستقذار وعلی روایۃ نجس تحریما لیکن مستعمل پانی کو پینا اور اس سے گوندھ
مکروہ تنزیہی ہے گھنانے کی وجہ سے اور اس کی نجاست کی روایت پر مکروہ تحریمی ہے وحکمہ انہ لیس بطہور لحدث بل لخبث الراجح المعتمد اور مستعمل پانی کا حکم یعنی ا
مترتب یہ ہے کہ وہ حدث اصغر اور اکبر کا پاک کرنے والا نہیں یعنی وضو اور غسل کے لائق نہیں بلکہ بنا بر قول راجح معتمد کے نجاست حقیقی کا پاک کرنے والا ہے ام
اور شرح ارشاد میں ہے کہ ازالہ نجاست کا مستعمل پانی سے جائز ہے بنا بر روایات ظاہرہ کے کذا فی المنح فروع اختلف فی محدث انغمس فی بیر لدلو ولتبرد مستنجیا
بالماء لا نجس علیہ ولم ینو ولم یتدلک والاصح انہ طاہر والماء مستعمل لاشتراط الانفصال للاستعمال اختلاف واقع ہے اس محدث کے حکم میں جس نے غوطہ مارا کنو
میں ڈول نکالنے کو یا ٹھنڈک حاصل کرنے کو غوطہ مارا یا پانی سے استنجا کر کے اور اس کے بدن پر نجاست نہیں اور نہ اس نے وضو یا غسل کی نیت کی اور نہ بدن کو ملا
اور صحیح تر قول یہ ہے کہ وہ شخص پاک ہے اور کنوئیں کا پانی مستعمل ہے اس واسطے کہ مستعمل ہونے کے واسطے جدا ہونا پانی کا مشروط ہے یعنی جب شخص کنوئیں سے نکلا تو
انفصال پایا گیا ام محدث حدث اکبر کو بھی شامل ہے خواہ جنابت سے ہو خواہ حیض یا نفاس سے یعنی جب کہ عورت بعد انقطاع حیض یا نفاس کے کنوئیں میں
گھسے اور اگر قبل انقطاع جاوے گی بشرطیکہ اس کے اعضا پر نجاست نہ ہو تو عورت اور پانی دونوں طاہر کے مانند ہیں اس واسطے کہ وہ خارج نہیں ہوئی حیض اور نفاس
سے تو پانی مستعمل نہ ہوگا چنانچہ خانیہ اور خلاصہ میں ہے اور کنوئیں سے وہ مراد ہے جو دہ در دہ سے کم ہے ڈول نکالنے اور سرد ہونے کی قید اس واسطے لگائی کہ اگر
غوطہ مارے گا نہانے کے قصد سے تو پانی بالاتفاق مستعمل ہوگا اس واسطے کہ ازالۂ حدث اور نیت قربت کی پائی گئی اور اگر ڈھیلوں سے استنجا کیا ہوگا تو پانی بالاتفاق
ناپاک ہوگا اور اسی طرح اگر اس کے بدن پر نجاست ہوگی یا ازالۂ حدث کی نیت کرے گا اور عدم دلک کی قید محیط اور خلاصہ میں مذکور ہے بحر الرائق میں کہا اس
واسطے کہ ملنا نیت انغسال کے قائم مقام ہے تو ملنے سے بالاتفاق پانی مستعمل ٹھہرے گا اور اصح کے مقابل غیر اصح ایک یہ کہ مرد اور پانی دونوں ناپاک ہیں
اور یہ امام سے روایت ہے اور دوسرا قول یہ کہ مرد کا حدث بحال سابق قائم ہے اور پانی طاہر اور مطہر ہے یہ روایت ہے ابو یوسفؒ سے اور یہ جو شارح نے کہا
کہ پانی مستعمل ہے سو بعض کا قول ہے اس واسطے کہ ڈول نکالنے کی ضرورت سے اصلا استعمال نہیں چنانچہ محدث اگر پانی ہاتھ سے لے تو پانی مستعمل نہ ہوگا بلا خلاف
کذا فی الطحطاوی ملخصا والمراد ان ما اتصل باعضائہ وانفصل عنہا مستعمل لا کل الماء علی ما مر اور مراد یہ ہے کہ جو پانی کہ منغمس کے اعضا سے ملا اور پھر جدا ہوا
سے وہ مستعمل ہے نہ تمام پانی کنوئیں کا مستعمل ہے بنا بر اس قول کے جو گذر گیا ام یعنی ایسی صورت میں اجزا کا اعتبار ہے یعنی جو پانی کہ ساقط ہوا اعضا سے وہ مغلوب
اور نہایت کم ہے کنوئیں کے باقی پانی سے وکل اھاب ومثلہ المثانۃ والکرش قال القہستانی فالاولی وما دبغ ولو بشمس وھو یحتملہا طھر فیصلی بہ ویتوضا منہ
اور ہر کچا چمڑا دباغت کیا جائے یعنی پکایا جائے اگرچہ دھوپ میں ڈال کر اور وہ دباغت کے لائق ہو تو وہ پکانے سے پاک ہوگا تو آدمی پوستین پہن کر نماز پڑھے
اور چمڑے کی ڈولچی وغیرہ بنا کر اس سے وضو کرے شارح نے کہا کہ اور چمڑے کے مانند دباغت قبول کرنے میں پھکنا اور اوجھڑی ہے قہستانی نے کہا تو بجائے
کل اھاب دبغ کے وما دبغ کہنا بہتر تھا یعنی جس چیز کی دباغت ہو وہ پاک ہو گی تاکہ چمڑے اور پھکنے اور اوجھڑی سب کو شامل ہو ام چمڑے کی دباغت سے
تین مطالب متعلق ہیں اس کا پاک ہونا یہ متعلق بہ کتاب الصید ہے اور اس میں نماز کا جائز ہونا یہ متعلق کتاب الصلوۃ سے ہے اور اس سے وضو کا جائز ہونا یہ متعلق ہے

...لہٰذا مصنف نے پانی کی بحث میں اس کو ذکر کیا دباغت دو قسم ہے حقیقی اور حکمی حقیقی وہ جو چھکڑی یا ببول کے پتہ وغیرہ سے ہو وہ پانی پہنچنے سے ناپاک نہیں ہوتی یہ روایات اور حکمی دباغت وہ ہے جو دھوپ سے خشک ہو اس میں پانی پہنچنے سے دو روایتیں ہیں ایک روایت یہ ہے کہ وہ ناپاک ہو جاوے گی دوسری روایت یہ ہے کہ ناپاک نہ ہوگی وما لا یحتملہا فلا وعلیہ الفتوی اور جو چمڑا وغیرہ دباغت پذیر نہیں وہ پاک نہ ہوگا اور اسی قول پر فتوی ہے فلا یطہر جلد حیۃ صغیرۃ ذکرہ الزیلعی اما قمیصہا فطاہر تو پاک نہ ہوگی دباغت سے چھوٹے سانپ کی کھال ایسا ذکر کیا ہے زیلعی نے لیکن سانپ کی کینچلی تو پاک ہے وفارۃ اور پاک نہیں ہوتی چوہے کی کھال یعنی عدم دباغت سے کما انہ لا یطہر بذکاۃ لتقیید ہا بما یحتملہ جیسے کہ سانپ اور چوہے کی کھال پاک نہیں ہوتی ذبح کرنے سے اس واسطے کہ دباغت اور ذبح میں احتمال اور لیاقت کی قید ہے یعنی دباغت سے پاک ہو جاتی ہے وہ کھال جو دباغت کی لیاقت رکھتی ہے اور ذبح کرنے سے اس جانور کی کھال طاہر ہو جاتی ہے جو ذبح کرنے کے لائق ہے خلا جلد خنزیر فلا یطہر وقدم لان المقام للاہانۃ ہر چمڑا دباغت سے پاک ہوتا ہے سور کی کھال کے سوا سو وہ پکانے سے پاک نہیں ہوتی اور سور کو پہلے ذکر کیا آدمی سے اس واسطے کہ یہ ذلت اور خواری کا مقام ہے یعنی نجاست کا تو بیان ذلیل اور خوار چیز کو بیان کرنا مقتضائے بلاغت ہے وآدمی فلا یدبغ لکرامتہ اور آدمی کے سوا تو آدمی کی کھال کو دباغت نہیں دی جاتی اس کی تعظیم و توقیر کے سبب سے م بعضوں کے نزدیک سور اور آدمی کی کھال پاک نہیں ہوتی اس واسطے کہ پرت پرت ہونے سے دباغت پذیر نہیں اور بعضوں نے کہا کہ آدمی کی کھال پاک ہو جاتی ہے دباغت سے لیکن اس کا استعمال جائز نہیں اور یہی منقول ہے مذہب میں شارح کا کلام قول ثانی پر مبنی ہے ولو دبغ طہر وان حرم استعمالہ حتی لو طحن عظمہ فی دقیق لم یوکل فی الاصح احتراما اور اگر آدمی کی کھال دباغت کی جائے تو پاک ہوگی اگرچہ اس کا استعمال کرنا حرام ہے یہاں تک کہ اگر آدمی کی ہڈی پیسی گئی آٹے میں تو اس آٹے کو نہ کھائے صحیح تر قول میں اس کی تعظیم کی وجہ سے وافاد کلامہ طہارۃ جلد کلب وفیل وہو المعتمد اور مصنف کے کلام سے معلوم ہوا کہ کتا اور ہاتھی کی کھال کے پاک ہونے کا یعنی دباغت سے اور یہی قول معتمد ہے م جب کہ سب کھالوں کی طہارت سے سور اور آدمی کو استثنا کر لیا تو معلوم ہوگیا کہ ان کے سوا سب چمڑے دباغت سے پاک ہو جاتے ہیں وما ای اہاب طہر بہ بدباغ طہر بذکاۃ علی المذہب لا یطہر لحمہ علی قول الاکثر ان کان غیر ماکول ہذا اصح ما یفتی بہ وان قال فی الفیض الفتوی علی طہارتہ اور جو کھال کہ پاک ہوتی ہے دباغت کرنے سے وہ پاک ہو جاتی ہے جانور کے ذبح کرنے سے مذہب صحیح پر پاک نہیں ہوتا اس کا گوشت اکثر علماء کے نزدیک اگر وہ جانور جس کو ذبح کیا غیر ماکول اللحم ہے اقوال مفتی بہ میں یہی قول عدم طہارت صحیح تر قول ہے اگرچہ فیض میں کہا ہے کہ گوشت کی طہارت پر فتوی ہے م معراج الدرایہ میں کہا کہ عدم طہارت کا قول محققین کا قول ہے افعل التفضیل کے صیغہ سے طہارت کی قول کی بھی تصحیح معلوم ہوتی ہے مگر عدم طہارت زیادہ ترجیح ہے کذا فی الطحطاوی وہل یشترط لطہارۃ جلدہ کون الذکوۃ شرعیۃ بان تکون من الاہل فی المحل بالتسمیۃ قیل نعم وقیل لا والاول اظہر لان ذبح المجوسی وتارک التسمیۃ عمدا کلا ذبح وان صحح الثانی صاحب الزاہدی فی القنیۃ والمجتبی واقرہ فی البحر سوال کیا شرط ہے اس کے کھال کے پاک ہونے میں بطور حکم شرع کے ذبح کرنا اس طرح کہ ذبح کرنا صادر ہو اہل سے یعنی مسلم عاقل یا کتابی سے ذبح کرنے کا م میں بسم اللہ کے ساتھ جواب ایک قول یہ ہے کہ ہاں ذبح شرعی شرط ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ شرط نہیں اور پہلا قول ظاہر تر ہے اس واسطے کہ ذبح مجوسی کا اور اس مسلمان اور کتابی کا جس نے بسم اللہ کہنا عمداً ترک کیا عدم ذبح کے مانند ہے اگرچہ قول ثانی کی زاہدی نے قنیہ اور مجتبی میں تصحیح کی ہے اور بحر الرائق میں اس تصحیح کو ثابت رکھا ہے م اشتراط ذبح شرعی اکثر کتب معتمدہ مذہب میں مسطور ہے کذا فی النہر زاہدی امام مشہور ہے قنیہ اور مجتبی کا مصنف ہے قنیہ اور مجتبی شرح ہے قدوری کا زاہدی عقائد میں معتزلی مذہب ہے اور فروع میں حنفی ہے فرع مسئلہ ملحقہ شارح کا ما یخرج من دار الحرب کسنجاب

...کہ قہستانی نے مضمرات سے اصح اسی کو بیان کیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اختلاف کی صورت اس وقت ہے کہ کھال کو پانی سے دھو کر دباغت نہ ہوئی ہو اور اگر اول پانی سے دھو لیا ہو پھر دباغت دی تو اب پانی میں تر ہونے سے ناپاک نہ ہوگی ۱۲ ۔ سلہ یعنی جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا ۱۲ ۔

ان علم دبغہ بطاہر فطاہر او بنجس فنجس وان شک فغسلہ افضل جو چمڑا کہ کفار کے ملک سے نکلتا ہے اور دارالاسلام میں آتا ہے چنانچہ سنجاب اگر اُس کی دباغت
پاک چیز سے معلوم ہو جاوے تو وہ چمڑا پاک ہے یعنی اس کو پہن کر نماز درست ہے اور اگر اُس کی دباغت ناپاک چیز سے مثلاً مردار کی چربی سے معلوم ہو تو
ناپاک ہے اور اگر شک واقع ہو یعنی معلوم نہ ہو کہ پاک چیز سے دباغت ہوئی یا ناپاک سے تو اس کا دھونا بہتر ہے یعنی واجب نہیں وشعر المیتۃ غیر الخنزیر علی
المذہب اور بال مردار جانور کے پاک ہیں سوائے سور کے مذہب درست پر م بال وغیرہ کی طہارت پانی کی بحث میں اس واسطے بیان کی تا کہ معلوم ہو کہ
کے پانی میں واقع ہونے سے پانی ناپاک نہیں ہو جاتا پھر جب مردہ جانور کے بال وغیرہ پاک ٹھہرے تو زندہ کے بطریق اولیٰ پاک ہیں اور خوک کے تو بال
ہڈی اور تمام اجزا اُس کے ناپاک ہیں ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر قلیل پانی میں واقع ہوں ناپاک ہو گا کذا فی الطحطاوی وعظمہا وعصبہا علی المشہور اور مردار کی
ہڈی اور پٹھا پاک ہے مذہب کے مشہور قول پر م عصب یعنی پٹھے میں دو روایتیں ہیں سراج وہاج میں کہا کہ اس کی نجاست صحیح ہے مگر صاحب فتح القدیر
کا تابع ہوا ہے اس کی طہارت میں اور یہی قول مشہور ہے اور وقایہ اور درر میں اسی پر یقین کیا ہے کذا فی المنح وحافرہا وقرنہا خالیۃ عن الدسومۃ اور مردار
سم اور سینگ خالی چکنائی سے پاک ہے م یعنی بال اور ہڈی اور پٹھے اور سم اور سینگ اس وقت پاک ہیں جب کہ اُن پر چکنائی نہ لگی ہو اور اگر چکنائی ہو گی تو
ناپاک ہیں یہ ناپاکی ذاتی نہیں بلکہ چکنائی کے لگنے سے ہے وکذا کل ما لا تحلہ الحیوۃ حتی الانفحۃ واللبن علی الراجح اور اسی طرح پاک ہے مردار کی ہر ایک وہ چیز
میں زندگی نہیں سماتی یعنی جاندار کے بدن میں وہ چیزیں بے جان ہیں چنانچہ بال اور پر اور چونچ یہاں تک کہ پنیر مایہ یعنی چیتا اور مردار کا دودھ بر قول راجح
کے م انفحہ بکسر ہمزہ و فتح فا وہ دودھ ہے جو شیر خوار بچے کے پیٹ میں ہوتا ہے یعنی پنیر مایہ جس کے ڈالنے سے دودھ جمتا ہے وہ امام کے نزدیک پاک
ہے جب کہ مردار سے نکلے خواہ بستہ خواہ سائل اور صاحبین کے نزدیک سائل نجس ہے اور بستہ دھونے سے پاک ہو جاتا ہے اور اگر مذبوح جانور سے خارج ہو
بالاتفاق پاک ہے کذا فی الطحطاوی وشعر الانسان غیر المنتوف اور انسان کا بال جو اکھاڑا نہیں پاک ہے یعنی اکھاڑے بال ناپاک ہیں اور اس کی بیع کا
نہ ہونا تعظیم کے سبب سے نہ نجاست کی وجہ سے وعظمہ وسنہ مطلقاً علی المذہب اور آدمی کی ہڈی اور دانت مطلقاً پاک ہیں مذہب درست پر م مطلقاً
اپنا دانت ہو یا غیر کا واختلف فی اذنہ ففی البدائع نجسۃ وفی الخانیۃ لا اور اختلاف ہے آدمی کے کان میں سو بدائع میں ہے کہ وہ ناپاک ہے اور خانیہ
ہے کہ ناپاک نہیں وفی الاشباہ المنفصل من الحی کمیتۃ الا فی حق صاحبہ فطاہر وان کثر اور اشباہ میں ہے کہ جو چیز کہ زندہ شخص سے جدا ہو گئی وہ مردار کے
مانند ہے مگر اسی شخص کے حق میں جس کا وہ جزو ہے پاک ہے اگرچہ قدر درہم سے زیادہ ہو م منفصل سے مراد وہ عضو ہے جس میں جان ہے تو ناخن اور
بال منفصل ہونے سے پاک نہ ٹھہریں گے اور یہ جو کہا کہ منفصل اسی کے حق میں پاک ہے یعنی بالخصوص نماز میں اس کا حمل درست ہے نہ پانی وغیرہ میں
اس واسطے کہ پانی فاسد ہو گا اس کو بقدر ناخن کے پڑنے سے کذا فی الطحطاوی عن ابی السعود ولیفسد الماء بوقوع قدر الظفر من جلدہ لا بالظفر
ناپاک ہو جاتا ہے قلیل پانی بقدر ناخن کے آدمی کی کھال کے گرنے سے نہ ناخن کے گرنے سے م یعنی آدمی کی کھال یا اس کا چھلکا پانی میں گرا اور زیادہ
میں آیا پانی ناپاک ہو گا اس واسطے کہ کھال اور چھلکا آدمی کے منجملہ گوشت کے ہے اور ناخن کے گرنے سے ناپاک نہ ہو گا اس واسطے کہ ناخن عصب یعنی
ہے کذا فی البحر ودم سمک طاہر اور خون مچھلی کا پاک ہے م اس واسطے کہ مچھلی کا خون حقیقت میں خون نہیں ہے اس واسطے کہ جب وہ خشک ہو
تو سفید ہو جاتا ہے کذا فی المنح واعلم انہ لیس الکلب بنجس العین عند الامام وعلیہ الفتوی وان رجح بعضہم النجاسۃ کما بسطہ ابن الشحنۃ اور اس کو
رکھ کہ کتا نجس العین نہیں یعنی اس کی نجاست ذاتی نہیں خوک کے مانند امام اعظم کے نزدیک اور اسی قول پر فتویٰ ہے اگرچہ بعضے علما نے چنانچہ زاہد
فقیہ ابو اللیث نے نجس العین ہونے کو ترجیح دی ہے چنانچہ ابن شحنہ شارح وہبانیہ نے اس کو مشرح بیان کیا ہے م کہتے ہیں حفاظت اور شکار کو
درست ہے اگر وہ نجس العین ہوتا تو اس سے نفع حاصل کرنا درست نہ ہوتا خوک کے مانند بحر الرائق میں ہے کہ کتے کی ہڈی اور بال اور عصب اور جو چیز کہ

نہیں وہ پاک ہے اور گوشت اس کا ناپاک ہے فیباع ولو جرو یعقین وتیخذ جلدہ مصلی ودلوًا جب کہ کتا نجس العین نہ ہوا تو اس کا بیچنا اور اجارہ دینا
اور اس کے تلف کرنے والے پر تاوان لازم ہونا اور اُس کی کھال کا جانماز اور ڈول بنانا جائز ہے ولو اخرج حیا ولم یصب فمہ الماء لا یفسد ماء البئر
ولا الثوب بانتفاضہ ولا بعضہ مالم یر ادر اگر کتا کنوئیں میں سے زندہ نکالا گیا اور اس کا منہ پانی میں نہ لگا تو کنوئیں کا پانی ناپاک نہ ہوگا اور نہ کپڑا ناپاک
ہوگا بھیگے کتے کی چھینٹوں سے اور نہ اس کے کاٹنے سے جب تک اس کی رال کا لگنا بدن پر معلوم نہ ہو یعنی اگر کنوئیں میں کتا منہ ڈالے گا یا کاٹنے میں اس کی رال
بدن پر لگے گی تو پانی اور بدن ناپاک ہوگا اس واسطے کہ رال پیدا ہوتی ہے گوشت سے اور گوشت اس کا ناپاک ہے ولا صلوٰۃ حاملہ ولو کبیرًا اور نہ فاسد ہو
گی نماز اُس کی جو نماز پڑھنے میں کتے کو لیئے رہا اگرچہ بڑا کتا ہو یعنی اس واسطے کہ ظاہر اُس کا ناپاک نہیں اور باطن کی نجاست نماز کی مانع نہیں شارح نے بقولہ
ولو کبیرًا اشارہ کیا کہ یہ جو بعضی روایت میں کلب صغیر کی قید ہے سو اتفاقی قید ہے نہ احترازی وشرط الحلوانی شد فمہ اور شمس الائمہ حلوانی نے کتے کا منہ بند کر لینا
شرط کیا ہے یعنی حامل سگ کی نماز اس شرط سے فاسد نہیں کہ اس کا منہ بند ہوتا کہ اُس کا لعاب مصلی کے بدن پر اور کپڑے کو نہ لگے اس واسطے کہ ظاہر بدن
ہر جانور کا پاک ہے نجس نہیں ہوتا بدون موت کے اور اس کے باطن کی نجاست اپنے معدن میں قائم ہے تو اُس کا حکم ظاہر نہیں ہوتا جیسے باطن مصلی کی نجاست
کا کذا فی البحر ولا خلاف فی نجاسۃ لحمہ وطہارۃ شعرہ اور امام اور صاحبین کا اختلاف نہیں کتے کے گوشت کے ناپاک ہونے میں اور اس کے بال کے پاک ہونے
میں ہم بعضوں نے وہم کیا کہ جب کتا نجس العین نہ ہوا تو اُس کا پس خوردہ کیونکر ناپاک ہوگا حالانکہ وہ بالاتفاق حرام ہے اس کا جواب یہ ہے کہ طہارت عین
اُس کی مستلزم نہیں کہ اُس کا ہر جزو پاک ہو پس خوردہ اس کا اس وجہ سے ناپاک ہے کہ اس کے ساتھ لعاب اُس کا مختلط ہے اور لعاب پیدا ہوتا ہے گوشت
سے اور گوشت ناپاک ہے وہ مسفوح کے اختلاط سے والمسک طاہر حلال فیؤکل بکل حال اور مشک پاک حلال ہے ماکول ہے ہر حالت میں یعنی خواہ
غذا میں خواہ دوا میں خواہ ضرورت ہو یا نہ ہو وہم طاہر کے بعد حلال کا لفظ اس واسطے زیادہ کیا کہ طہارت کو حلت اکل لازم نہیں اس واسطے کہ مٹی پاک ہے
مگر اس کا کھانا حلال نہیں وکذا نافجتہ طاہرۃ مطلقًا علی الاصح فتح وکذا الزباد اشباہ لاستحالتہ الی الطیبیۃ اور اسی طرح مشک کا نافہ پاک ہے۔
مطلقًا یعنی خواہ پانی کے لگنے سے فاسد ہو یا نہ ہو بنا بر قول اصح کے کذا فی الفتح اور اسی طرح زباد پاک ہے کذا فی الاشباہ بسبب خوشبو ہو جانے کے
ہر ایک مشک اور زباد کے ہم یعنی ہر چند مشک اصل میں خون تھا اور زباد غیر ماکول کا پسینہ ہے لیکن اب مستحیل بخوشبو ہو گیا حقیقت اس کی بدل گئی دونوں
پاک ہیں اور غیر اصح زیلعی کا قول ہے کہ اگر نافہ مشک پانی لگنے سے فاسد نہ ہو تو پاک ہے اور یہ اختلاف مردار جانور کے نافہ میں ہے اور غزال کا نافہ بالاتفاق
پاک ہے زباد بزا معجمہ وبا موحدہ بروزن سحاب خوشبودار چیز ہے یعنی ایک قسم کی بلی کا پسینہ اور تیل ہے کہ اس کے دُم کے نیچے مخرج کے پاس مجتمع ہو جاتا
ہے اُس کو پکڑ کے کھرچ لیتے ہیں قاموس میں ہے کہ جس نے زباد کی تفسیر جانور کی اُس نے غلط کہا کذا فی الطحطاوی وبول ماکول اللحم نجس نجاسۃ مخففۃ وطہرہ
محمدؒ اور ماکول اللحم یعنی جس جانور کا گوشت کھانا حلال ہے جیسا نچہ بکری اور اونٹ اُس کا پیشاب نجس ہے بنجاست خفیفہ اور محمد بن حسن نے اُس کو پاک کہا ہے
ولا یشرب بولہ اصلًا لا للتداوی ولا لغیرہ عند ابی حنیفہ اور ماکول اللحم کا پیشاب نہ پیا جاوے ہرگز نہ دوا کے واسطے اور نہ سوائے دوا کے امام
ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہم اور محمدؒ کے نزدیک مطلقًا جائز ہے اور ابو یوسفؒ کے نزدیک دوا کے واسطے جائز ہے فرع مسئلہ ملحقہ شارح کا اختلف فی
التداوی بالمحرم وظاہر المذہب المنع کذا فی رضاع البحر لکن نقل المصنف ثمہ وہنا عن الحاوی وقیل یرخص اذا علم فیہ الشفاء ولم یعلم دواء آخر کما رخص الخمر للعطشان وعلیہ
الفتوی حرام چیز سے دوا کرنے میں علماء کا اختلاف ہے اور ظاہر مذہب یہ ہے کہ درست نہیں ہے چنانچہ بحر الرائق کی کتاب الرضاع میں ہے لیکن مصنف
نے اپنی شرح میں وہاں یعنی اپنی کتاب الرضاع میں اور یہاں حاوی قدسی سے نقل کیا ہے یہ مسئلہ اس طرح اور بعضوں نے کہا کہ حرام سے دوا کرنے

له شامی نے کہا کہ یہی حال عنبر کا ہے کہ وہ بھی پاک اور حلال ہے گو اس کو بعض ناواقف گاؤ دریائی کا گوبر بتلاتے ہیں مگر تحقیق یہ ہے کہ وہ از قسم نباتات دریائی ہے ۱۲ ؎

کی رخصت دی جاتی ہے جب کہ معلوم ہو کہ حرام میں شفا ہے اور کوئی دوسری دوا معلوم نہ ہو جیسے نہایت پیاسے کو شراب پینے کی رخصت دی گئی ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے ھم خانیہ میں ہے (قال علیہ الصلوۃ والسلام ان اللہ لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے تمہارے واسطے شفا نہیں ٹھہرائی اُس چیز میں جو تم پر حرام کی یہ حضرتؐ نے ان چیزوں کے حق میں فرمایا جن میں شفا ہے ان کے دوا کرنے کا کچھ مضائقہ نہیں کیا تو نہیں جانتا کہ پیاسے کو شراب پینا حلال ہے ضرورت کے سبب سے انتہی اور اسی قول کو اختیار کیا ہے صاحب ہدایہ نے تجنیس میں اس واسطے کہ حرمت ساقط ہے شفا حاصل ہونے کے وقت اور حاوی قدسی میں ہے کہ جب خون آدمی کے ناک سے رواں ہو اور بند نہ ہو یہاں تک کہ اس کے مرجانے کا خوف ہو اور امتحان سے یہ بات معلوم ہو کہ فاتحۃ الکتاب یا سورۃ اخلاص اس خون سے اس کے ماتھے پر لکھنے سے خون بند ہوگا تو ایک قول میں رخصت نہیں ہے اور دوسرے قول میں رخصت ہے جیسے شرب خمر کی رخصت ہے پیاسے کو اور مردار کھانے کی نہایت گرسنگی میں اور یہی فتویٰ ہے کذا فی منح المصنف مختصراً **فصل فی البیر** یہ فصل ہے کنوئیں کے مسائل میں اذا وقعت نجاسۃ لیست بحیوان ولو مخففۃ او قطرۃ بول او دم او ذنب فارۃ لم یشمع فلو شمع ففیہ ما فی الفارۃ جب گری وہ نجاست جو جاندار نہیں اگرچہ نجاست مخففہ ہو یا ایک قطرہ پیشاب یا خون کا یا چوہے کی ایسی دم کٹی کہ محل قطع موم سے بند نہیں سو اگر محل قطع موم سے بند ہوگا تو اس کے گرنے سے اتنے ڈول نکالے جائیں گے جتنے چوہے کے گرنے سے نکالے جاتے ہیں یعنی ۲۰ ڈول م عدم حیوانیت کی قید اس واسطے لگائی کہ جاندار کے احکام آگے مذکور ہوں گے اور نجاست مخففہ کو اس واسطے ذکر کیا کہ پانی میں نجاست مغلظہ اور مخففہ یکساں ہے کچھ فرق نہیں فی بیر دون القدر الکثیر علی ما مر نجاست مذکورہ گری اس کنوئیں میں جو کم ہے مقدار کثیر سے بنا بر کلام گذشتہ م سابق میں یہ مذکور ہو چکا کہ آب کثیر میں مبتلا بہ کا ظن غالب معتبر ہے اور متاخرین کے فتویٰ پر دہ در دہ کثیر ہے تو اگر کنواں دہ در دہ ہوگا تو نجاست مذکورہ کے گرنے سے ناپاک نہ ہوگا تا وقتیکہ اس کا رنگ یا مزہ یا بو متغیر نہ ہو ولا عبرۃ بالعمق علی المعتمد اور کچھ اعتبار نہیں کنوئیں کے عمق کا بنا بر قول معتمد کے یعنی کثرت میں طول اور عرض کا اعتبار ہے نہ عمق کا تو عمق اگرچہ دس گز کا ہو وقوع نجاست سے ناپاک ہوگا کذا فی البحر او مات فیہا او خارجہا والقی فیہا ولو فارۃ یابسۃ علی المعتمد الا الشہید النظیف او المسلم المغسول ما الکافر فینجسہا مطلقاً کسقط یا مر اکنوئیں میں یا مرا کنوئیں سے باہر اور ڈالا گیا اگرچہ مردہ خشک چوہا ہو معتمد قول پر مگر وہ شہید کہ پاک صاف ہے خون وغیرہ سے اور وہ مرد مسلمان جو نہلایا گیا کہ ان دونوں کے کنوئیں میں گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے لیکن کافر مردہ تو کنوئیں کو ناپاک کرتا ہے ہر طرح یعنی معسول ہو یا غیر مغسول جیسے اسقاط حمل کا بچہ ناپاک کر دیتا ہے حیوانٌ دمویٌ غیر مائی لما مر جاندار رواں خون والا جو کہ آبی نہیں بدلیل گذشتہ م مذکور ہو چکا کہ غیر دموی کی موت سے پانی نجس نہیں ہوتا اگرچہ پھول یا پھٹ گیا ہو اور پانی کا جانور اگرچہ خون والا ہو اس کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا کذا فی الطحاوی وانتفخ او تمعط او تفسخ ولو تفسخ خارجا فیہا ذکرہ الوالی جانور دموی مر کے پھول گیا یا اس کے بال جھڑ گئے یا پارہ پارہ ہو گیا اگرچہ کنوئیں کے باہر پھٹ گیا پھر اس میں گرا ایسا ذکر کیا ہے علامہ والی محشی درر نے ینزح کل مائہا الذی کان فیہا وقت الوقوع ذکرہ ابن الکمال نکالا جائے کنوئیں کا وہ سب پانی جو اس میں تھا نجاست اور جانور مذکور کے گرنے کے وقت ایسا ذکر کیا ہے ابن کمال نے یعنی تو اگر پانی نکالنے سے پہلے کچھ پانی زیادہ ہوگا تو اس قدر کا نکالنا لازم نہ ہوگا بعد اخراجہ الا اذا تعذر کخشبۃ او خرقۃ متنجسۃ فینزح الماء الی حد لا یملأ نصف الدلو یطہر الکل تبعاً پانی نکالا جائے نجاست اور جانور کے نکال ڈالنے کے بعد مگر جب کہ اُس کا نکالنا نہ ہو سکے چنانچہ لکڑی کا ٹکڑا یا ناپاک کپڑا کہ غائب ہو گیا تو اس قدر پانی نکالنے سے کہ آدھا ڈول نہ بھرے یہ سب چیزیں پاک ہو جاویں گی کنوئیں پاک ہونے کے ساتھ م یعنی ڈول اور رسّی اور گھرنی اور کنوئیں کے گرد پیش اور پانی نکالنے والے کا ہاتھ اس واسطے کہ ان چیزوں کی نجاست کنوئیں کے ناپاک ہو جانے کے سبب سے تھی تو اس کے پاک

ہو جانے سے یہ بھی پاک ہوں گی جیسے شراب کا مٹکا پاک ہو جاتا ہے جب کہ شراب سرکہ بن جائے اور استنجا کرنے والے کا ہاتھ طاہر ہو جاتا ہے محل
کی طہارت سے کذافی البحر ولو نزح ثم زاد فی الغد نزح قدر الباقی فی الاصح خلاصۃ اور جو تھوڑا پانی آج نکالا گیا پھر اگلے دن زیادہ ہو گیا تو اسی قدر نکالا جاوے
جتنا باقی رہا تھا قول صحیح میں کذافی الخلاصہ م یعنی اس واسطے کہ علی الاتصال پانی نکالنا شرط نہیں تو دوسرے دن سارا پانی نکالنا ضرور نہیں قید بالموت
لانہ لو اخرج حیا ولیس بنجس العین ولا بہ حدث او خبث لم ینزح شئی الا ان یدخل فمہ الماء فیعتبر بسورہ فان نجسا نزح الکل والا لا ہو الصحیح مصنف نے کنوئیں
کے پانی نکالنے میں موت حیوان کی قید لگائی اس واسطے کہ اگر جاندار زندہ نکالا گیا اور حالانکہ وہ نجس العین نہیں مانند سور کے اور اس پر نجاست
حکمی یا نجاست حقیقی ہے تو کچھ پانی نکالا نہ جاوے گا مگر اس وقت جب کہ اس کا منہ پانی میں داخل ہو تو اس وقت اس کے جھوٹے کا اعتبار ہو گا سو اگر
اس حیوان کا جھوٹا ناپاک ہے تو سارا پانی نکالا جائے گا اور اگر پاک ہے یا مکروہ یا مشکوک تو کچھ بھی نکالنا واجب نہیں یہی قول صحیح ہے م نجس العین
کے ساقط ہونے سے تمام پانی نجس ہو گا خواہ مرے یا نہ مرے منہ اس کا پانی میں داخل ہو یا نہ ہو اور شارح نے نجاست حکمی کو جو بیان کیا تو شاید کہ یہ قول
آب مستعمل کی نجاست پر متفرع ہے کذافی الطحطاوی ثم یندب عشرۃ فی المشکوک لاجل الطہوریۃ کما فی الخانیۃ اس مستحب ہے دس ڈول نکال ڈالنا مشکوک
میں طاہر ہونے کے واسطے چنانچہ خانیہ میں ہے م اور بعضوں نے مزید احتیاط کے واسطے سارے پانی کا نکالنا مستحب کہا ہے چنانچہ عالمگیری وغیرہ میں ہے
زاد فی التاتارخانیۃ وعشرین فی الفارۃ واربعین فی سنور ودجاجۃ مخلاۃ کآدمی محدث تاتارخانیہ میں اتنا زیادہ کہا ہے کہ مستحب ہے ۲۰ ڈول نکالنا چوہے
میں اور ۴۰ بلی اور کوچہ گرد مرغی میں جیسے بے وضو اور بے غسل آدمی کے کنوئیں میں گرنے اور زندہ نکلنے میں ۴۰ ڈول کا نکالنا مستحب ہے
ثم ہذا اذا لم تکن الفارۃ ہاربۃ من ہرۃ والہرۃ من کلب والشاۃ من سبع فان کان نزح کلہ مطلقا کما فی الجوہرۃ پھر یہ حکم یعنی سارا پانی نہ نکالنا جب کہ حیوان
زندہ نکلے اور وہ نجس العین نہ ہو اس صورت میں ہے جب کہ چوہا بھاگا نہ ہو بلی سے اور نہ بلی کتے سے اور نہ بکری درندے سے سو اگر ایک بھاگ کر
کنوئیں میں گرا ہے تو سارا پانی نکالا جاوے گا مطلقا یعنی پانی میں اس کا منہ داخل ہوا ہو یا نہ داخل ہوا ہو چنانچہ جوہرہ میں ہے م جانور گریختہ خوف سے
پیشاب کر دیتا ہے یہ وجہ ہے تمام پانی نکالنے کی لکن فی النہر عن المجتبیٰ الفتویٰ علی خلافہ لان فی بولہا شکا لیکن نہرالفائق میں مجتبیٰ سے منقول ہے کہ
فتویٰ اس کے خلاف پر ہے یعنی پانی نکالنا واجب نہیں اس واسطے کہ پیشاب کے وجود میں شک ہے یعنی اور شک سے کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی
فان تعذر نزح کلہا لکونہا معینا فبقدر ما فیہا وقت ابتداء النزح قالہ الحلبی پھر اگر متعذر ہو تمام پانی کا نکالنا بسبب ہونے کنوئیں کے چشمہ دار
تو اس قدر پانی نکالا جائے جتنا اس میں تھا ابتدا اخراج کے وقت ایسا کہا ہے حلبی نے م یعنی زائد کا نکالنا لازم نہیں اور شارح نے ابن کمال سے
پہلے وقت وقوع کا اعتبار کرنا نقل کیا ہے یوخذ فی ذلک بقول رجلین عدلین لہما بصارۃ بالماء وقیل یفتی بمائتین الی ثلثمائۃ وہذا ایسر وذاک احوط عمل
کرنا چاہیے اس میں یعنی پانی کی مقدار میں ان متقی دو مردوں کے قول پر جن کو پانی کی خوب معرفت ہو اسی قول پر فتویٰ ہے یعنی جب ان کے اندازے
کے موافق پانی نکل چکا کنواں پاک ہو گیا اور دوسرا ضعیف قول یہ ہے کہ چشمہ دار کنوئیں میں دو سو ڈول کا تین سو ڈول تک فتویٰ ہے اور دوسرا قول
آسان تر ہے اور وہ پہلا قول بہت احتیاط والا ہے م دوسرا قول محمدؒ سے مروی ہے اور جب انھوں نے دیکھا کہ بغداد کے کنوئیں ۳۰۰ ڈول سے
زیادہ نہ تھے تب یہ فتویٰ دیا لیکن یہ قول ضعیف ہے اس لیے کہ نجاست کے سبب سے حکم شرع یہ ہے کہ سارا پانی نکالا جاوے تو عدد مخصوص پر
اقتصار کرنا ظاہر ہو جانے میں بلا دلیل سمعی کیونکر مقبول ہو بلکہ ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ سے مخالف اس کے منقول ہے کذافی الطحطاوی عن البحر فی ان
اخرج الحیوان غیر منتفخ ولا متفسخ ولا متمعط فان کان کآدمی وکذا سقط ہکذا وجدی وادز کبیر نزح کلہ پھر جب کہ کنوئیں سے مردہ جانور نکالا گیا حالانکہ
وہ پھولا نہیں اور نہ پھٹا اور نہ اس کے بال جھڑے ہیں تو اگر جانور آدمی کے برابر ہے جسامت میں اور اس کے مانند ہے ساقط حمل اور بکری اور بھیڑ

کا بچہ اور بڑی بلا تو تمام پانی نکالا جائے وان کان کحمامۃ ونحوہا کزرح ارلعون من الدلاء وجوبا الی ستین ندباً اور اگر جانور کبوتر اور بلی کے مانند ہو تو ۴۰ ڈول نکالے جائیں وجوب کی راہ سے ساٹھ ڈول تک نکالنا ہے استحباب کی راہ سے وان کعصفور وفارۃ فعشرون الی ثلثین کذلک اور اگر جانور ہے کنجشک اور چوہے کے مانند تو ۲۰، ڈول نکالے جائیں ۳۰، ڈول تک جس طرح مذکور ہو چکا یعنی ۲۰، کا نکالنا واجب ہے اور ۳۰ کا مستحب وبذا یعم المعین وغیرہا بخلاف نحو صہریج وحب حیث یہراق الماء کلہ لتخصیص الآبار بالآثار بحر ونہر اور یہ حکم شماری ڈول نکالنے کا شامل ہے چشمہ دار کنوئیں اور غیر چشمہ دار کو بخلاف حوض اور مٹھورے کے اس واسطے کہ اس کا تمام پانی بہا دیا جاوے گا اگر اس میں جانور گر کے مرجائے اس واسطے کہ کنوؤں کا ناپاک ہونا پھر ان کا چند ڈول کے نکالنے سے پاک ہو جانا بالخصوص ثابت ہوا ہے صحابہ کرام کے اقوال اور افعال سے کذا فی البحر والنہر یعنی کنوؤں کا حکم برخلاف قیاس آثار سے ثابت ہے تو حوض اور مٹھورے کو غیر چشمہ دار کنوئیں کے ساتھ ملحق نہیں کر سکتے قال المصنف فی حواشیہ علی الکنز وبخوفی التف معنف نے کنز الدقائق کے حواشی میں کہا اور بحر الرائق اور نہر الفائق کے مانند ہے تنف میں ونقل عن القنیۃ ان حکم الرکیۃ کالبئر اور مصنف نے نقل کیا قنیہ سے کہ رکیہ کا حکم کنوئیں کے مانند ہے مصنف رکیہ بروزن عطیہ کنوئیں کو کہتے ہیں تو تشبیہ نہیں ہو سکتی مگر یہ کہ رکیہ سے مراد حفرہ یعنی گڑھا ہو چنانچہ قاموس میں رکی بمعنی حفر مذکور ہے کذا فی الطحطاوی ظاہر رکیہ سے مراد چاہ کثیر العمق ہے جس کو اہل ہند چہ بچہ کہتے ہیں واللہ اعلم وعن الفوائد ان الحب المطمور اکثرہ فی الارض کالبئر وعلیہ فالصہریج والزیر الکبیر ینزح منہ کالبیر فاغتنم ہذا التحریر انتہی اور مصنف نے فوائد سے نقل کیا کہ جو مٹھورا پانی کی آدھی سے زیادہ زمین میں گڑی ہو وہ کنوئیں کے مانند ہے اور بنا بر قول فوائد کے تو حوض مجمع الماء اور بہت بڑی مٹھورے کنوئیں کے مانند قدر واجب ڈول نکالنا چاہیے سوائے مخاطب غنیمت جان اس تحریر کو یہاں تمام ہوا کلام مصنف کا جو کنز کے حواشی میں ہے بدلو وسط ہو وہو دلو تلک البئر بیس یا چالیس ڈول نکالے جاویں متوسط ڈول سے اور متوسط یعنی میانہ ڈول سے وہ ڈول مراد ہے جو اس کنوئیں کا ڈول ہے یعنی جس ڈول سے اس کا پانی بھرا جاتا ہے فان لم یکن فما یسع صاعا پھر اگر اس کنوئیں کا کوئی ڈول مقرر نہ ہو تو اس ڈول کا اعتبار ہے جس میں ایک صاع پانی سمائے ہم صاع آٹھ رطل ہے اور لکھنؤ کے سیر سے تخمیناً تین سیر صاع ہوتا ہے وغیرہ یحتسب بہ اور اس کے سوائے یعنی جو ڈول کہ صاع سے کم زیادہ ہو اس کا حساب کر لیا جائے صاع والے ڈول سے یعنی اگر بہت بڑا ڈول ۲۰ یا ۴۰، ڈول کے برابر ہو تو ایک ہی کا نکالنا کفایت کرتا ہے طاہر ہونے کو ظاہر مذہب میں اس واسطے کہ قدر واجب کا اخراج حاصل ہو گیا اور اگر نہایت چھوٹا ڈول ہو تو قدر واجب سے زیادہ حساب کے موافق نکالنا چاہیے ویکفی ملأ اکثر الدلو اور کفایت کرتا ہے ڈول کے شمار میں بھرنا آدھے سے زیادہ ڈول کا یعنی اس واسطے کہ للاکثر حکم الکل ونزح ماوجد ان قل اور کفایت کرتا ہے نکالنا اس قدر پانی کا جو کنوئیں میں موجود ہے اگرچہ ڈولوں کے شمار سے کم ہو یعنی ۴۰ ڈول مثلاً نکالنا واجب ہوا اور کنوئیں میں فقط ۲۰، ڈول پانی تھا تو اسی قدر کے نکالنے سے پاک ہو گیا نہر الفائق میں کہا کہ اگر بعد اس کے پانی زیادہ ہو گیا تو کچھ نکالنا واجب نہیں وجریان بعضہ اور کفایت کرتا ہے کنوئیں کے تھوڑے پانی کا بہنا کنوئیں کے جاری ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس میں دو چشمہ ہیں ایک سے پانی نکلتا ہے اور دوسرے سے بہتا ہے اور دوسری صورت یہ کہ اس میں سوراخ کیا بطور سرنگ کے اور اس کا پانی بہا اگرچہ قلیل ہی جاری ہوا وہ پاک ہو جاوے گا اس لیے کہ طہارت کا سبب یعنی جاری ہونا پایا گیا جیسے ناپاک حوض جاری ہو جانے سے پاک ہو جاتا ہے وغور ان قدر الواجب اور کفایت کرتا ہے طہارت میں کنوئیں کے اس قدر پانی کا زمین کے اندر سما جانا جس قدر کا نکالنا واجب تھا مگر اسفل خشک ہو گیا تو پھر پانی کے آنے سے ناپاک نہ ہوگا اور اگر خشک نہیں ہوا تو صحیح تر یہ ہے کہ پانی آنے سے پھر ناپاک ہو جاوے گا کذا فی الطحطاوی عن البحر عن السراج وما بین حمامۃ وفارۃ فی الجثۃ کفارۃ فی الحکم اور جو جانور کہ جثے میں کبوتر اور چوہے کے درمیان کا ہے وہ چوہے کے مانند ہے حکم میں یعنی اس میں ۲۰ ڈول کا نکالنا واجب ہے کما انہ

[1] مترجم اول نے صہریج کا ترجمہ حوض کیا ہے مگر شامی نے کہا کہ صہریج زمین کا وہ گڑھا ہے جس کے پانی تک ہاتھ نہ پہنچے وہ گڑھا جس میں مینہ کا پانی جمع ہوتا [2] یعنی جا بجا ہے۔ تم کلاں ۱۲

مابین دجاجۃ وشاۃ کدجاجۃ فالحق بطریق الدلالۃ بالاصغر چنانچہ وہ جانور کہ مرغی اور بکری کے درمیان کا ہے وہ مرغی کے برابر ہے حکم میں تو جو جانور کہ چھوٹے اور بڑے کے مابین ہے اس کو چھوٹے جانور کے ساتھ ملا دیا بطریق دلالت النص کے ہم دلالت النص اس کو کہتے ہیں کہ مرغی مذکور نہیں مگر بطریق اولیٰ اس کو بھی لیتے ہیں یعنی جب مرغی میں ۴۰ ڈول واجب ہوئے تو جو جانور مرغی سے بڑا ہے اس میں بطریق اولیٰ ۴۰ واجب ہوں گے اس واسطے کہ اس کو بڑے جانور کے مانند کہنا دلیل سے ثابت نہیں کما ادخل الاقل فی الاکثر کفارۃ مع ہرۃ جیسے اقل داخل کیا گیا اکثر میں جیسے چوہا بلی کے ساتھ ہم سراج وہاج میں ہے کہ اگر بلی نے چوہا پکڑا اور دونوں کنوئیں میں گر پڑے تو اگر وہ دونوں زندہ نکلے تو کچھ نکالنا واجب نہیں یا دونوں مردہ نکلے تو ۴۰ ڈول نکالنا واجب ہے یا فقط چوہا مردہ نکلا تو ۲۰ ڈول واجب ہیں اور اگر چوہا زخمی ہے یا اس نے پیشاب کر دیا تو تمام پانی کا نکالنا واجب ہے کذا فی الطحاوی عن النہر ونحو الہرتین کشاۃ اتفاقا اور دو بلیوں کے مانند بکری کے برابر ہے حکم میں بالاتفاق یعنی تمام پانی نکالنا چاہیے ونحو الفارتین کفارۃ اور دو چوہوں کے مانند ایک چوہے کے مانند ہے حکم میں یعنی ۲۰ ڈول نکالنا چاہیے والثلث الی الخمس کہرۃ اور تین چوہے پانچ چوہے تک بلی کے مانند ہیں ۴۰ ڈول نکالنے میں والست کشاۃ علی الظاہر اور چھ چوہے بکری کے مانند ہیں تمام پانی نکالنے میں بنا بر ظاہر الروایۃ کے چنانچہ مبسوط میں ہے اور اسی کو محمدؒ نے لیا ہے کذا فی البحر ویحکم بنجاستہا مغلظۃ من وقت الوقوع ان علم اور کنوئیں کی نجاست مغلظہ کا حکم کیا جاتا ہے جانور کے گرنے کے وقت سے اگر وقت معلوم ہو والا فمذ یوم ولیلۃ ان لم ینتفخ اور اگر جانور کے گرنے کا وقت معلوم ہو تو ایک رات اور ایک دن پہلے سے ناپاکی کا حکم ہوگا بشرطیکہ پھول نہ گیا ہو یعنی اور نہ پھٹا اور نہ بال جھڑا ہو کذا فی الطحاوی وہذا فی حق الوضوء والغسل وما عجن بہ فیطعم للکلاب وقیل یباع من شافعی اور یہ حکم یعنی کنوئیں کا ناپاک ہونا ایک رات اور دن سے وضو اور غسل کے حق میں ہے اور اس آٹے کے حق میں جو گوندھا گیا اس پانی سے تو وہ کھلایا جائے کتوں کو اور بعضوں نے کہا کہ شافعی مذہب کے ہاتھ بیچا جائے یعنی اس واسطے کہ شافعی کے مذہب میں یہ پانی ناپاک نہیں واما فی حق غیرہ کغسل ثوب فیحکم بنجاستہ فی الحال اور وضو اور غسل کے ماسوا کے حق میں چنانچہ کپڑا دھونے کے حق میں تو پانی کی نجاست کا حکم کیا جاوے گا فی الحال یعنی یہاں ایک رات دن کا اعتبار نہ ہوگا الحاصل وضو اور غسل میں حکم نجاست کا بطریق استناد[1] کے ہے اور ان کے ماسوا میں بطریق انقصار کے وہذا لو تطہر من حدث او غسل من جنبۃ والا لم یلزم شئ اجماعا جوہرہ اور یہ حکم یعنی وضو اور غسل میں ناپاک ہونا بطریق استناد اور کپڑے میں بطریق انقصار کے اس وقت ہے کہ وضو اور غسل کیا ہو حدث اصغر اور اکبر سے یا کوئی چیز دھوئی ہو نجاست حقیقی کے دور کرنے کو اور اگر ایسا نہ ہو یعنی وضو یا غسل کیا بدون حدث کے یا کپڑا دھویا بدون نجاست کے تو کوئی چیز لازم نہیں باتفاق امام اور صاحبین کے کذا فی الجوہرہ یعنی نماز کا اعادہ اور دھونا کپڑے کا لازم نہیں اس واسطے کہ مقتضی صحت نماز کا پایا گیا یعنی طہارت سابقہ اور مانع میں شک ہے اس واسطے کہ پانی کی طہارت اور نجاست مشکوک ہے اور نماز شک سے باطل نہیں ہوتی برخلاف پہلی صورت کے اس واسطے کہ اس میں مانع بالیقین ثابت ہے یعنی حدث اصغر یا اکبر اور کپڑے کی نجاست اور مزیل[2] میں شک ہے کذا فی الطحاوی ومذ ثلثۃ ایام بلیا لیہا ان انتفخ او تفسخ استحسانا اور تین رات دن سے نجاست کا حکم کیا جاوے اگر جانور پھولا یا پھٹ ہو استحسان کی رو سے ہم استحسان عبارت ہے احسن امر کے طلب کرنے سے اور بعضوں نے کہا عبارت ہے قیاس کے ترک کرنے اور اس امر کے لینے سے جو لوگوں کو آسان تر ہے اور بعضوں نے کہا عبارت ہے احکام میں آسانی طلب کرنے سے اور خلاصہ ان عبارتوں کا یہ ہے کہ استحسان سختی کا چھوڑنا ہے اور آسانی کا لینا قال اللہ تعالیٰ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر کذا فی الطحاوی اور بعضوں نے کہا کہ استحسان اس قیاس کو کہتے ہیں جس کی وجہ

[1] استناد اور انقصار کی تفصیل جلد چہارم میں مذکور ہے یہاں اس قدر معلوم کر لینا چاہیے کہ استناد اس کو کہتے ہیں کہ ثبوت حکم زمانہ پیشتر سے منسوب اور انقصار یہ کہ حال کے زمانہ سے وابستہ ہو ۱۲ [2] یعنی نجاست کی دور کرنے والی چیز ۱۲

مخفی ہے لیکن قیاس جلی سے قوی تر ہے نہر الفائق میں ہے وجہ استحسان یہ ہے کہ پانی میں حیوان دموی کا واقع ہونا اس کی موت کا سبب ظاہر ہے تو اسی
پر موت کا حوالہ ہوگا نہ موہوم سبب پر اور بلاشک وجود پر زمانہ وقوع کا سابق ہے تو انتفاخ میں تین دن کی تقدیر ہوئی اور اس کے غیر میں ایک دن
رات کی بنا بر اکثر عادت کے وقالا من وقت العلم فلا یلزمہم شئ قبلہ قیل وبہ یفتی اور صاحبین نے کہا کہ پانی کی نجاست کا حکم ہوگا حیوان کے معلوم ہونے
کے وقت سے تو لوگوں کو معلوم ہونے سے پہلے کوئی چیز لازم نہ ہوگی بعضوں نے اسی قول کو مفتی بہ کہا ہے م صاحبین کا قول ہی قیاس ہے اس واسطے
کہ یقین یعنی طہارت کا متیقن ہونا زمانہ گذشتہ میں زائل نہیں ہوتا شک سے یعنی نجاست سے اس واسطے کہ احتمال ہے کہ حیوان کنوئیں سے باہر مرا ہو پھر
اس کو سخت ہوا نے یا کسی نادان نے یا چڑیا نے کنوئیں میں ڈال دیا ہو نہر الفائق میں ہے کہ غایۃ البیان میں کہا کہ امام کا قول احوط ہے اور صاحبین کا
قول لوگوں کو آسان تر ہے فتاوی عتابی میں ہے کہ صاحبین کا قول مختار ہے اور شیخ قاسم نے اس کو رد کیا ہے کیونکہ اکثر کتب کے مخالف ہے اس واسطے
کہ امام کی دلیل کی اکثر کتب میں ترجیح واقع ہے اور وہ احوط بھی ہے انتہی طحطاوی نے کہا شارح کو یوں کہنا بہتر تھا فتأمل وہو المختار اس واسطے کہ اختیار کو خلاف لازم نہیں
فرع مسئلہ ملحقہ شارح کا وجد فی ثوبہ منیا او بولا او دما اعاد من آخر احتلام و بول و رعاف اپنے کپڑے میں منی یا پیشاب یا خون کو پایا تو نماز کا اعادہ کرے پچھلے
احتلام یا پیشاب یا نکسیر پھوٹنے سے م نوادر ابن رستم میں امام سے منقول ہے کہ خون میں نماز کا اعادہ نہیں اور اسی کو محیط میں اختیار کیا ہے کذا فی النہر
ظاہر عدم اعادہ کی وجہ یہ ہے کہ غیر شخص کا خون شاید لگ گیا ولو وجد فی جبۃ فارۃ میتۃ فان لم تکن فیہا ثقب اعاد مذ وضع القطن والا فثلثۃ ایام لو منتفخۃ او
ناسفۃ والا فیوم ولیلۃ اور اگر اپنے جبہ میں مردہ چوہا پایا تو اگر جبہ میں سوراخ نہ ہو تو نماز کا اعادہ کرے روئی بھرنے کے وقت سے اور اگر جبہ میں سوراخ ہو تو
تین دن کی نماز پھیرے اگر چوہا پھولا یا خشک ہوا اور اگر چوہا پھولا یا خشک نہ ہو تو ایک دن کی نماز پھیرے م روئی بھرنے کے وقت سے اس وقت
اعادہ ہوگا جب کہ ہمیشہ اس کو پہنے رہا ہو کذا فی الطحطاوی ولا نزح فی بول فارۃ فی الاصح فیض اور کنوئیں سے پانی نکالنا لازم نہیں چوہے کے پیشاب
میں صحیح تر قول میں کذا فی الفیض ولا بخرء حمامۃ وعصفورۃ وکذا سباع طیر فی الاصح لتعذر صونہا عنہ اور پانی نکالنا لازم نہیں کبوتر اور گنجشک کی بیٹ پڑنے
سے کنوئیں میں اور اسی طرح کا حکم ہے پرندہ درندہ مثل باز کی بیٹ کا صحیح تر قول میں اس واسطے کہ حفاظت کنوؤں کی ان سے نہیں ہو سکتی ولا بتقاطر
بول کرؤس ابر و غبار نجس للعفو عنہما اور نہ اس پیشاب کے ٹپکنے سے جس کی چھینٹیں نہایت صغیر ہیں چنانچہ سر سوزن اور نہ ناپاک غبار کے پڑنے
سے اس واسطے کہ یہ دونوں معاف ہیں ولبعرتی ابل وغنم اور نہ اونٹ اور بھیڑ بکری کے دو مینگنیوں کے پڑنے سے کنوئیں کا پانی کا نکالنا لازم ہے
کما یعفی لو وقعتا فی محلب وقت حلب فرمیتا فورا قبل تفتت وتلون جس طرح معاف ہے اگر مینگنیاں پڑ گئیں دودھ کے برتن میں دوہنے کے وقت
پھر پھوٹنے اور دودھ کے رنگین ہونے سے پہلے نکال کر پھینکی گئیں م یہ معافی ہے ضرورت کے سبب سے اس واسطے کہ دوہنے کے وقت مینگنی گرنے
کی عادت ہے تو سوائے اس وقت کے عفو نہیں کذا فی النہر والتعبیر بالبعرتین اتفاقی لان ما فوق ذلک کذلک ذکرہ فی الفیض وغیرہ اور دو مینگنیوں کا ذکر کرنا
مصنف کا اتفاقی ہے نہ احترازی اس واسطے کہ دو مینگنیوں سے زیادہ کا بھی یہی حکم ہے عفو کا کذا فی الفیض وغیرہ ولذا قال وقیل القلیل المعفو عنہ
ما یستقلہ الناظر والکثیر بعکسہ وعلیہ الاعتماد وکذا فی الہدایۃ وغیرہا لان ابا حنیفۃ لا یقدر شیئا بالرأی اور اسی واسطے یعنی اس لیے کہ دو سے زیادہ مینگنیاں
بھی عفو میں مصنف نے بیان کیا کہا گیا ہے کہ تھوڑی مینگنی وہ ہیں جن کو دیکھنے والا تھوڑی سمجھے اور کثیر اس کے بالعکس ہے یعنی جن کو ناظر بہت
سمجھے اور اسی قول پر اعتماد ہے چنانچہ ہدایہ وغیرہ میں مذکور ہے اس واسطے کہ امام ابو حنیفہ رح کسی چیز کا اندازہ اپنی تجویز سے نہیں ٹھہرایا کرتے تھے م معراج الدرایۃ
میں کہا کہ یہی قول مختار ہے کذا فی الطحطاوی اور غیر معتمد و غیر مختار تین قول ہیں ایک یہ کہ جو ہر ڈول میں مینگنی آوے تو کثیر ہے والا قلیل دوسرے یہ کہ اگر چوتھائی
پانی پر مینگنیاں ہوں تو کثیر ہے والا قلیل اور تیسرے یہ کہ تہائی پانی پر ہو تو کثیر ہے والا قلیل فرع مسئلہ ملحقہ شارح کا البعد بین البیر والبالوعۃ بقدر مالا یظہر للنجس اثر

پانی کے کنوئیں اور نجاست کے کنوئیں اور گڑھے میں اس قدر دوری ہونا معتبر ہے کہ نجاست کا اثر پانی کے کنوئیں میں ظاہر نہ ہو جب پانی کا اثر یعنی رنگ
اور بو اور مزہ ظاہر نہ ہو تو کنواں پاک ہے اگرچہ دونوں میں ایک گز کا فرق ہو اور اگر نجاست کا اثر ظاہر ہو تو ناپاک ہے اگرچہ دونوں میں دس گز کا فرق ہو کذا
فی الطحاوی ولعتبر سور بضم السین ای اسم فاعل من اسار ای ابقی لاختلاطہ بلعابہ اور جوٹھے کی طہارت اور نجاست میں جوٹھا کرنے والے جاندار کا اعتبار کیا جاتا
ہے اس لیے کہ جوٹھی چیز میں اس جاندار کا لعاب مل جاتا ہے شارح نے کہا کہ سور اسم فاعل کا صیغہ مشتق ہے اسار فعل ماضی سے جو بمعنی ابقی ہے جب
جب مصنف نے پانی کے فساد اور عدم فساد کے بیان سے نسبت واقع ہونے حیوانات کے فراغت پائی تو اب اس کا بیان شروع کیا جو حیوانات سے پیدا
ہوتا ہے یعنی ان کا جوٹھا اور پسینہ سور بھتوالعین یعنی جوٹھا اس کو کہتے ہیں جو پینے والے سے برتن یا حوض میں پانی باقی رہے پھر بقیہ طعام کو بھی سور کہتے
ہیں بطریق استعارہ کے اور چونکہ لعاب متولد ہوتا ہے جاندار کے گوشت سے تو اسی کو معتبر رکھا طہارت اور نجاست اور کراہت اور شک میں کذا فی الطحاوی
فسور آدمی مطلقاً ولو جنباً او کافراً او امرأۃ تو جوٹھا آدمی کا مطلقاً اگرچہ وہ جنب یا کافر یا عورت ہو پاک ہے ہم کافر کی نجاست اعتقادی ہے نہ حسی اس واسطے کہ
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کو مسجد شریف میں ٹھہرایا کذا فی البحر نعم یکرہ سور المرأۃ للرجل وعکسہ للاستلذاذ واستعمال ریق الغیر وہو لا یجوز مجتبیٰ ہاں مکروہ
ہے جوٹھا عورت کا مرد کو اور مرد کا جوٹھا عورت کو یعنی اجنبی مرد اور عورت کے حق میں لذت گیری کے سبب سے اور غیر کی رال کا استعمال کرنا جائز نہیں
کذا فی المجتبیٰ ام یعنی یہ کراہت استلذاذ کی وجہ سے ہے نہ نجاست کے سبب سے طحاوی نے کہا اس سے نکلتا ہے کہ اگر حلاق امرد ہو اور محلوق اپنے سر میں
اس کے لعاب لگانے سے لذت پاوے تو مکروہ ہے تو حمامی امرد کی مشت مال بطریق اولیٰ مکروہ ہوگی اور اسی طرح ہاتھ پاؤں کا دبوانا امرد سے وما کول لحم
ومنہ الفرس فی الاصح ومثلہ ما لا دم لہ اور اس جانور کا جوٹھا پاک ہے جس کا گوشت کھانا حلال ہے اور اسی قسم کا ہے گھوڑا صحیح تر قول میں اور اسی کے مانند ہے
وہ جانور جس میں دم مسفوح نہیں ہم گھوڑے کے گوشت کی کراہت امام کے نزدیک احترام کی وجہ سے ہے کہ جہاد کا آلہ ہے نہ نجاست کی وجہ سے تو اس کا
جوٹھا مکروہ نہیں طاہر الفم قید للکل طاہر طہور بلا کراہتہ طاہر الفم سب کی قید ہے یعنی آدمی اور ماکول اللحم اور گھوڑا اور جس میں خون سائل نہیں جب کہ ان
کے منہ پاک ہوں نجاست سے تو ان کا جوٹھا بذات خود پاک ہے اور غیر کا پاک کرنے والا ہے احداث اور انجاث سے بلا کراہت مطلقاً یعنی مکروہ تنزیہی
بھی نہیں ہے وسور خنزیر وکلب وسباع بہائم ومنہ الہرۃ البریۃ وشارب خمر فور شربہا اور جوٹھا سور اور کتے اور چوپائے درندوں کا ناپاک
ہے اور درندوں میں جنگلی بلی داخل ہے اور شراب پینے والے کا جوٹھا شراب پینے کے وقت فوراً ناپاک ہے ہم چوپائے
درندے جیسے شیر اور چیتا اور بھیڑیا شراب خوار میں فوراً کی قید اس واسطے لگائی کہ اگر شراب پی کر اتنا توقف کیا کہ رال سے منہ اس کا دھو گیا پھر اس نے
پانی پیا تو اب اس کا جوٹھا ناپاک نہیں ولو شاربہ طویلاً لا یستوعبہ اللسان فنجس ولو بعد زمان اور اگر شراب خوار کی مونچھ اس قدر بڑی ہے کہ اس پر زبان نہیں پہنچتی
تو اس کا جوٹھا ہر صورت ناپاک ہے اگرچہ بعد مدت کے اس نے پانی پیا ہو وہرۃ فور اکل فارۃ نجس مغلظ اور بلی کا جوٹھا چوہے کھانے کے
وقت فوراً نجس مغلظ ہے ہم اور اگر بلی نے چوہا کھانے کے بعد زبان سے اپنے منہ کو چاٹا یہاں تک کہ اس کا پاک ہو جانا مظنون ہوا تو اب اس کا جوٹھا
پاک ہے کذا فی الطحاوی وسور ہرۃ ودجاجۃ مخلاۃ وابل وبقر جلالۃ فالاحسن ترک دجاجۃ لیعم الابل والبقر قہستانی وسباع طیر لم یعلم ربہا طہارۃ منقارہا و
سواکن البیوت طاہر للضرورۃ مکروہ تنزیہا فی الاصح ان وجد غیرہ والا لم یکرہ اصلا کاکلہ لفقیر اور جوٹھا بلی کو چہ گرد کا اور اونٹ اور گائے بیل نجاست خور کا
اور ان درندوں پرندوں کا جن کے پالنے والوں کو ان کی چونچ کی طہارت معلوم نہیں اور جوٹھا گھروں کے رہنے والے جانوروں کا پاک ہے ضرورت کی

ـــــــــــــــــــــــــــــ

لہ احداث یعنی حکمی نجاستیں اور انجاث یعنی حقیقی نجاستیں ۱۲ لہ وجہ ناپاکی کی یہ ہے کہ مونچھ درازی کے سبب سے بلا شبہ اول پانی میں پڑے گی اور
ناپاک کرے گی ۱۲ لہ مشت یا شی کنانہ وجد مسجد ۱۲

وجہ سے مکروہ تنزیہی ہے صحیح تر قول میں اگر سوائے اس کے اور پانی ملے اور اگر ان کے جھوٹے پانی کے سوا اور پانی نہ ملے تو اب مکروہ تنزیہی بھی نہیں اصلا جیسے ان کے طعام کا کھانا محتاج کو مکروہ نہیں قہستانی نے کہا تو بہتر یہ تھا کہ مصنف مرغی کا لفظ نہ کہتا تو کوچہ گرد کا لفظ اونٹ اور گائے اور بیل کو شامل ہو جاتا یعنی اس واسطے کہ کوچہ گرد سے مراد نجاست خور ہے تو اس میں مرغی اور اونٹ اور بیل سب داخل رہتے ہیں م سباع طیر سے مراد چنانچہ باز اور شکرہ اور شاہین ہے چونکہ ان کا گوشت حرام ہے تو قیاس یہ تھا کہ ان کا جھوٹا بھی نجس ہو تا وجہ استحسان یہ ہے کہ یہ پرند چونچ سے پانی پیتے ہیں اور وہ خشک ہڈی ہے پاک لیکن غالباً مردار خور ہیں تو کوچہ گرد مرغی کے مانند ہوئے تو کراہت کا شبہہ پیدا ہوا پھر اگر یہ شکاری جانور محبوس ہوں اور ان کے پالنے والے کو ان کی چونچ کی طہارت معلوم ہو تو ان کے جھوٹے پانی سے وضو کرنا مکروہ نہیں یہ روایت ہے ابو یوسفؒ سے اس کو پسند کیا ہے متاخرین نے اور اس پر فتویٰ دیا ہے ضرورت مذکورہ کا بیان یہ ہے کہ قیاس چاہتا تھا کہ ان کا جھوٹا نجس ہو ان کے گوشت کے نجس ہونے سے لیکن نجاست ان کی ساقط ہو گئی طواف کی علت سے جو حدیث میں بلی کے حق میں وارد ہے اور کراہت ثابت ہے نجاست کے توہم سے کذا فی الطحطاوی مختصراً و سؤر حمار اہلی ولو ذکرا فی الاصح و بغل امہ حمارۃ اور جھوٹا پالو گدھے کا اگرچہ نر ہو صحیح تر قول میں اور اس خچر کا جس کی ماں گدھی ہے مشکوک ہے م مقابل اصح بعضوں کا قول ہے کہ نر گدھے کا جھوٹا نجس ہے اس واسطے کہ نر گدھا مادہ کا پیشاب سونگھتا ہے اصح کی وجہ یہ ہے کہ سونگھنا امر موہوم غالب الوجود نہیں تو اس کا اعتبار نہیں فلو فرسا او بقرۃ فطاہر کمتولد من حمار وحشی و بقرۃ ولا عبرۃ بغلبۃ الشبہ بتقریحہم بحل اکل ذئب ولدتہ شاۃ اعتبار اللام و جواز الاکل یستلزم طہارۃ السؤر کما لایخفی تو اگر خچر کی ماں گھوڑی یا گائے ہو تو اس کا جھوٹا پاک ہے جیسے اس جانور کا جھوٹا پاک ہے جو پیدا ہوا گورخر اور گائے سے اور غلبہ مشابہت کا کچھ اعتبار نہیں بسبب تصریح کرنے فقہاء کے اس بھیڑیے کے حلال ہونے میں جس کو بھیڑ یا بکری نے جنا ماں کے اعتبار کرنے کی وجہ سے اور کھانا حلال ہونا مستلزم ہے جھوٹے کی طہارت کو چنانچہ یہ امر پوشیدہ نہیں م یہ رد ہے ملا مسکین شارح کنز پر کہ اس نے مشابہت کا اعتبار کیا ہے وما نقلہ المصنف عن الاشباہ من تصحیح عدم الحل قال شیخنا غریب جو مصنف نے اپنی شرح میں اشباہ سے عدم حلت کی تصحیح نقل کی ہے ہمارے استاذ خیر الدین رملی نے کہا کہ وہ روایت نادر ہے مشہور کے مخالف ہے یعنی معتمد نہیں م ٹھیک بات یہ ہے کہ مصنف نے فوائد تاجیہ سے نہ اشباہ سے یوں نقل کیا ہے کہ جس حیوان کا احد الابوین ماکول ہو اور دوسرا غیر ماکول تو وہ حلال نہیں اصح قول ہیں عدم اعتماد اس قول کی وجہ یہ ہے کہ ماں کا اعتبار کرنا محققین میں مشہور قول ہے کذا فی الطحطاوی مشکوک فی طہوریتہ لا فی طہارتہ حتی لو وقع فی ماء قلیل اعتبر بالاجزاء گدھے اور خچر کے جھوٹے کے مطہر ہونے میں شک ہے اور اس کے پاک ہونے میں شک نہیں یہاں تک کہ اگر اس کا جھوٹا پانی قلیل پانی میں پڑ جائے تو اجزا کا اعتبار ہوگا یعنی اگر نصف سے کم ہے تو وضو اس سے جائز ہے چنانچہ آب مستعمل میں اجزا کا اعتبار ہے م دلیل شک یہ ہے کہ ثبوت ضرورت میں تردد ہے اس واسطے کہ گدھا مکانات میں باندھا جاتا ہے تو ظروف سے پانی پیتا ہے اور ضرورت کو اسقاط نجاست میں اثر ہے چنانچہ بلی اور چوہے میں مگر گدھے کی ضرورت بلی اور چوہے سے کمتر ہے کیونکہ وہ دونوں ہر جگہ گھر میں آمد و رفت رکھتے ہیں برخلاف گدھے کے اور اگر مطلق ضرورت ثابت نہ ہوتی چنانچہ کلب اور سباع تو نجاست کا حکم ہوتا بلا اشکال تو جب کہ ضرورت ایک وجہ سے ثابت ہوئی اور دوسری وجہ سے ثابت نہ ہوئی تو طہارت اور نجاست دونوں ساقط ہو گئیں تعارض کی وجہ سے کذا فی البحر و ہل یطہر النجس قولان اور گدھے کا جھوٹا پانی ناپاک چیز کو پاک کرتا ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں ایک قول یہ کہ ہاں پاک کر دیتا ہے اور دوسرا قول یہ کہ پاک نہیں کرتا **فیتوضأ به او یغتسل ویتیمم** ای یجمع بینہما احتیاطاً فی صلوۃ

واحدۃ لا فی حالۃ واحدۃ ان فقد ماء مطلقا جب گدھے اور خچر کا جھوٹا مشکوک ہوا تو اس سے وضو کرے یا نہا دے اور تیمم بھی کرے یعنی دونوں کو احتیاط کی راہ سے جمع کرے ایک نماز میں نہ ایک حالت میں بشرطیکہ آب مطلق غیر مشکوک کو نہ پادے م نماز واحد میں جمع بین الوضوء والتیمم احتیاط ہے نہ ادائے واحد میں تو اگر گدھے کے جھوٹے پانی سے وضو کیا اور نماز پڑھی پھر وضو ٹوٹا اور اس نے تیمم کیا اور وہی نماز پھر پڑھی تو جائز ہے یہی قول صحیح ہے اگرچہ ادائے واحد میں جمع نہ کیا کذا فی الحلبی وصح تقدیم ایہما شاء فی الاصح اور وضو اور تیمم میں جس کو چاہے مقدم کرے صحیح تر قول میں ولو تیمم وصلی ثم اراقہ لزمہ اعادۃ التیمم والصلوۃ لاحتمال طہوریتہ اور اگر تیمم کیا اور نماز پڑھی پھر گدھے کا جھوٹا پانی گرا دیا تو اس پر تیمم کرنا اور وہی نماز کا پڑھنا لازم ہوگا اس پانی کے مطہر ہونے کے احتمال سے یعنی تیمم کا اعتبار اس وقت ہے جب کہ پانی مطہر نہ ہو لہذا یہاں گرانے کے بعد نماز اور تیمم کا اعادہ لازم ہوا کیونکہ اس کا مطہر ہونا محتمل ہے ویقدم التیمم علی نبیذ التمر علی المذہب المصحح المفتی بہ لان المجتہد اذا رجع عن قول لا یجوز الاخذ بہ اور تیمم کو مقدم کرنا چاہیے شربت خرما کی طہارت پر یعنی فقط تیمم متعین ہے وضو اس سے جائز نہیں بنابر قول صحیح ٹھہرائے گئے مفتی بہ مذہب پر اس واسطے کہ مجتہد نے جب کہ رجوع کیا ایک قول سے تو اس پر عمل کرنا مقلد کو جائز نہیں م نبیذ خرما اس سے عبارت ہے کہ خرمے پانی میں ڈالے جائیں اور وہ پانی میٹھا اور سائل رہے تو امام کا اول قول یہ تھا کہ نبیذ سے وضو متعین ہے یعنی تیمم کرنا نہ چاہیے اور ابو یوسفؒ نے کہا کہ فقط تیمم کرنا چاہیے اور محمد کے نزدیک جمع بین الوضوء والتیمم ہے اور نبیذ خرما جب کہ گاڑھا اور مسکر ہو جائے تو بالاتفاق وضو جائز نہیں شرح مجمع اور بحر الرائق میں ہے کہ امام کے نزدیک تیمم متعین ہے اسی قول کی طرف امام نے رجوع کیا کہ تیمم کرے اس سے وضو نہ کرے یہی مذہب صحیح مختار ہے کذا فی الدر المنتقی وحکم عرق کسور اور پسینہ جھوٹے کے مانند ہے حکم میں م اس واسطے کہ جھوٹا مخلوط ہوتا ہے لعاب سے اور لعاب اور پسینہ دونوں پیدا ہوتے ہیں گوشت سے تو ہر حیوان کا پسینہ اس کے جھوٹے کے ساتھ معتبر ہے طہارت اور نجاست اور کراہت میں کذا فی النہر فعرق الحمار اذا وقع فی الماء صار مشکوکا علی المذہب کما فی المستصفی تو گدھے کا پسینہ جب کہ پانی میں ٹپکا تو پانی مشکوک ہو گیا صحیح مذہب پر چنانچہ مستصفی میں مذکور ہے وفی المحیط عرق الجلالۃ عفو فی الثوب والبدن اور محیط میں ہے کہ اونٹ وغیرہ ماکول اللحم نجاست خور کا پسینہ معاف ہے کپڑے اور بدن میں یعنی ہر چند نجس ہے مگر معفو ہے اور ظاہر تقیید اس پر دال ہے کہ پانی میں معاف نہیں وفی الخانیۃ انہ طاہر علی الظاہر اور فتاوی قاضی خان میں ہے کہ اس کا پسینہ پاک ہے ظاہر مذہب پر یعنی نجس معفو نہیں اور ظاہر اس کے پڑنے سے پانی بھی پاک رہے گا واللہ اعلم

باب التیمم

یہ باب تیمم کے احکام میں ثلث بہ ثلثیا بالکتاب مصنف نے تیمم کو بعد وضو اور غسل کے تحریر کیا ہے میں مذکور کیا قرآن مجید کی پیروی سے ہم قرآن مجید میں تیمم دو مقام میں مذکور ہے سورہ نساء اور سورہ مائدہ میں کہ حق تعالیٰ نے پہلے وضو کو بیان کیا پھر تیمم کو سو مصنف نے بھی قرآن مجید کی اقتدا کی وہو من خصائص ہذہ الامۃ بلا ارتیاب اور تیمم اس محمدی امت کی خصوصیات سے ہے بلاشبہ یعنی اگلی امتوں کو اس کا حکم نہ تھا حق تعالیٰ نے مزید رحمت سے ہم خاکساروں کے حق میں خاک کو مطہر قرار دیا والحمد للہ علی ذلک وہو لغۃ القصد وشرعا قصد صعید شرط القصد لانہ النیۃ مطہر تیمم لغت عرب میں بمعنی مطلق قصد کے ہے اور شرع کی اصطلاح میں تیمم قصد کرنا ہے پاک کرنے والی مٹی کا مصنف نے قصد کو شرط کیا اس واسطے کہ قصد عبارت ہے نیت سے اور نیت تیمم میں فرض ہے مترجم یہ تعریف تیمم کی مقبول نہیں اس لیے کہ قصد تیمم میں شرط ہے نہ رکن فتح القدیر میں تعریف تیمم کی یوں مذکور ہے کہ تیمم نام ہے چہرہ اور دونوں ہاتھوں کے مسح کرنے کا پاک مٹی پر مار کے بشرط نیت کذا فی النہر بحر الرائق میں کہا کہ یہی تعریف حق ہے اور قصد شرط ہے کیونکہ قصد کو نیت کہتے ہیں فخرج الارض المتنجسۃ اذا جفت فانہا کالماء المستعمل مطہر کی قید سے ناپاک مٹی جب کہ وہ خشک ہو جاوے تیمم کی تعریف سے خارج ہو گئی اس واسطے کہ وہ تو مستعمل پانی کے مانند پاک ہے مگر پاک کرنے والی نہیں ہے کہ تیمم اس پر درست ہو لیکن نماز اس پر درست ہے واستعمالہ حقیقۃ او حکما لیعم التیمم بالحجر الاملس اور استعمال اس کا خواہ حقیقۃ ہو خواہ حکما تاکہ صاف پتھر پر تیمم کرنے کو شامل ہو مترجم یہ جواب ہے سوال مقدر کا تقریر اس کی یہ ہے کہ صاف چکنے پتھر پر تیمم جائز ہے اور حالانکہ اس میں استعمال نہیں جواب دیا کہ اس پر دونوں ہاتھ کے رکھنے سے استعمال حکمی پایا گیا بصفۃ مخصوصۃ قصد کرنا مطہر مٹی کا اور اس کا استعمال ایک خاص طور پر مترجم طور خاص سے تیمم کی کیفیت مراد ہے وہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ مٹی پر مارے پھر ان کو جھاڑے پھر ان سے چہرے کو مٹے اس طرح پر کہ کچھ باقی نہ رہے پھر دونوں ہاتھ مٹی پر مارے پھر ان کو جھاڑے پھر ان سے دونوں ہاتھ کہنیوں تک ملے کذا فی المنح ہذا لیفید ان الضربتین رکن وہو الاصح الاحوط یعنی طور خاص نے اس کا فائدہ دیا کہ دو بار مٹی پر ہاتھ کا مارنا تیمم کا رکن ہے اور یہی قول صحیح تر اور زیادہ تر احتیاط والا ہے مترجم بعضوں نے ضربتین کو شرط کہا ہے اور صحیح یہ ہے کہ رکن ہے اس واسطے کہ حدیث میں وارد ہے التیمم ضربتان تو ضربتین تیمم کی ماہیت میں داخل ہیں ولہذا ابو شجاع نے کہا کہ اگر بعد ضرب حدث کیا قبل مسح کے تو اعادہ کرے اور اس مٹی سے مسح کرنا جائز نہیں اور اسی قول کو خلاصہ میں صحیح کہا ہے اور یہی مختار ہے شمس الائمہ کا اگرچہ اسبیجابی کا قول اس کے مخالف ہے کذا فی المنح لاجل اقامۃ القربۃ خرج التیمم للتعلیم فانہ لا یصلی بہ تیمم کرنا بصفت خاص چاہیے عبادت کے ادا کرنے کے واسطے اس کہنے سے تعلیم قرآن کا تیمم خارج ہو گیا اس لئے کہ اس تیمم سے نماز جائز نہیں مترجم اس واسطے کہ جواز نماز کے حق میں شرط ہے اس عبادت مقصودہ کی نیت کرنا کہ وہ بدون طہارت کے صحیح نہیں اور تعلیم تو بدون طہارت کے بھی صحیح ہے کذا فی الطحطاوی ورکنہ شیئان الضربتان والاستیعاب اور تیمم کی رکن دو چیزیں ہیں ضربتین یعنی دو بار مٹی پر ہاتھ مارنا اور تمام اعضاء تیمم پر ہاتھ پھیرنا وشرطہ ستۃ النیۃ والمسح وکونہ بثلاث اصابع فاکثر والصعید وکونہ مطہرا وفقد الماء اور تیمم کی چھ شرطیں ہیں ایک نیت ۲ مسح ۳ تین یا زیادہ انگلیوں سے مسح کرنا ۴ مٹی ۵ مٹی کا مطہر ہونا ۶ پانی کا نہ پانا مترجم فقدان آب عام ہے حقیقی ہو جیسا کہ اس وقت پانی کا اصلا نہ ہونا یا فقدان حکمی ہو جیسا کہ بیماری سے پانی کا استعمال نہ کر سکنا وسننہ ثمانیۃ الضرب بباطن کفیہ واقبالہما وادبارہما ونفضہما وتفریج اصابعہ والتسمیۃ والترتیب والولاء اور تیمم کی سنتیں آٹھ ہیں اول باطن کفین یعنی دونوں ہتھیلیوں کو اندر کی طرف سے مٹی پر مارنا ۲ ہتھیلیوں کو مٹی پر رکھ کر آگے کھینچنا ۳ ان کو مٹی پر رکھے ہوئے پیچھے ہٹانا کذا فی النہر الفائق ۴ ان کو جھاڑنا ۵ مٹی پر رکھنے کے وقت انگلیوں کو کشادہ رکھنا تاکہ غبار ان کے مابین آجائے ۶ بسم اللہ کہنا ۷ بطور وضو کے ترتیب یعنی اول منہ کو مسح کرنا پھر داہنے ہاتھ پھر بائیں ہاتھ کو ۸ پے در پے بلا توقف مسح کرنا اس طرح کہ اگر پانی کا استعمال ہوتا تو عضو متقدم خشک نہ ہوتا کذا فی الطحطاوی وزاد ابن وہبان فی الشرط الاسلام فزدتہ وضممت سنۃ الثامنۃ فی بیت آخر وغیرت شطر بیتہ الاول فقلت ... والاسلام شرط مذہ وضرب ونیۃ ... ومسح وتیمم صعید مطہر ... وسنتہ ... وبطن ... وترتیب ... واقبل ... وابن وہبان نے وہبانیہ منظومہ

لـه نسخہ اس محمدیت میں ہے کہ شرط کہ صیغہ معروف پڑھیں مگر شامی نے تصریح کی ہے کہ صیغہ مجہول ہے تو ترجمہ یوں چاہیے تھا کہ قصد شرط کیا گیا ۱۲ ـ ٹـه تیمم دو ہاتھ مارنا ہے ۱۲

میں تیمم کی شرطوں میں اسلام کو زیادہ کہا سو میں نے بھی اس کو زیادہ کیا اور تیمم کی آٹھ سنتوں کو دوسری بیت میں ملا دیا اور اس کی بیت کے نصف اول کو بدل ڈالا
سو میں نے یوں کہا ہے اور اسلام شرط ہے تیمم کے وقت اور عذر شرط ہے تیمم کی یعنی پانی کا نہ ہونا یا بیماری اور ضرب کفین اور نیت اور مسح کرنا اور سارے
اعضاء تیمم پر ہاتھ پھیرنا اور مٹی کا ہونا اور اس کا طاہر ہونا شرط ہے اور سنتیں تیمم کی یہ ہیں کہ اپنے تیمم کرنے والے بسم اللہ کہے اور باطن کفین سے ضرب کرے اور انگلیوں
کو کشادہ رکھے اور ہتھیلیوں کو جھاڑے اور ترتیب کے ساتھ تیمم کرے اور پے در پے بلا توقف تیمم کرے اور مٹی پر ہاتھ رکھ کر آگے کھینچے اور پیچھے ہٹائے اور منجملہ شروط
تیمم کے من سے اہل تصانیف نے غفلت کی انقطاع حیض اور نفاس ہے اور زائل کرنا مانع مسح کا چنانچہ موم اور چربی کا اعضاء تیمم پر ہونا کذا فی الطحطاوی من
عجز مبتدا و خبرہ تیمم عن استعمال الماء المطلق الکافی لطہارتہ لصلوٰۃ تفوت الی خلف لبعدہ ولو مقیما فی المصر میلا جو شخص کہ عاجز ہو اس آب مطلق کے
استعمال سے جو کافی ہے اس کی طہارت کو اس نماز کے واسطے جو فوت ہوتی ہے اپنا خلیفہ چھوڑ کر اس کا عاجز ہونا پانی کے بعید ہونے سے ہے ایک میل اگرچہ
وہ شخص شہر کا مقیم ہو شارح نے کہا من عجز مبتدا ہے اور تیمم اس کی خبر ہے جو آگے آوے گا چند سطر کے بعد آب مطلق اور کافی کی قید اس واسطے لگائی کہ آب
مقید اور غیر کافی بمنزلہ معدوم کے ہے اگر اتنا پانی ہو کہ فقط وضو یا فقط ازالہ نجاست کو جو کپڑے میں نماز کی مانع ہے کفایت کرتا ہے تو اس سے کپڑا دھووے اور وضو
کے عوض تیمم کرے سب کے نزدیک اور اگر وضو کر کے نجس کپڑے سے نماز پڑھے گا تو نماز ادا ہوگی مگر گناہ گار ہوگا چنانچہ بحر الرائق میں ہے خانیہ سے اور جو نماز
کہ خلیفہ چھوڑ کر فوت ہوتی ہے وہ پنجگانہ نماز ہے جس کا خلیفہ قضا ہے اور نماز جمعہ ہے جس کا خلیفہ ظہر ہے اور جس نماز کا خلیفہ کوئی نہیں وہ نماز جنازہ اور عیدین
ہے تو نماز جنازہ اور عیدین کے واسطے تیمم کرنا درست ہے اگرچہ پانی موجود ہو شارح نے مقیم شہر کو اس واسطے شامل کر لیا کہ تیمم کی شرط عدم آب ہے پھر جہاں یہ
شرط متحقق ہو وہیں تیمم جائز ہے سفر ہو یا اقامت چنانچہ یہ مسئلہ اسرار میں مصرح ہے خانیہ میں ہے کہ قلیل سفر اور کثیر تیمم میں برابر ہے وتمامہ فی الطحطاوی اربعۃ
آلاف ذراع وہو اربع وعشرون اصبعا وہی ست شعرات ظہر لبطن ولذا ست شعرات بغل میل چار ہزار گز ہے اور گز ۲۴۔ انگل کا ہے اور انگل چھ جو کی ہے اس طرح
کہ ایک جو کی پیٹھ دوسرے جو کے پیٹ سے ملی ہو اور جو خچر کے چھ بالوں کا ہو او لمرض یشتد او یمتد لغلبۃ ظن او قول حاذق مسلم ولو بتحرک یا عاجز ہو پانی کے استعمال
سے اس بیماری کے سبب سے جو سخت ہوتی ہے یا دراز ہو جاتی ہے بظن غالب یا طبیب کامل مسلمان کے کہنے سے اگرچہ شدت مرض اور امتداد حاصل ہوتا ہو
حرکت کرنے سے م یعنی جب بیمار کو ظن غالب ہو کہ اگر میں وضو یا غسل کر دوں گا تو بیماری تیز ہوگی یا طول کھینچے گی یا طبیب حاذق مسلم یہی بتا دے تو تیمم کرنا جائز
ہے اسی طرح اگر بیمار کے پاس پانی نہیں ہے اور اس کے پاؤں میں سخت پھوڑا یا نہروا ہے اور وہ بظن غالب جانتا ہے کہ میں اٹھ کر پانی لاؤں گا تو بیماری
دراز ہوگی تو اب بھی تیمم اس کو جائز ہے او لم یجد من یوضئہ یا بیمار نے نہ پایا اس کو جو اس کو وضو کرا دے اور وہ خود وضو کرنے کی طاقت نہیں رکھتا فان وجد
ولو بأجر المثل ولہ ذلک لا یتیمم فی ظاہر المذہب کما فی البحر پھر اگر بیمار وضو کرانے والے کو پا دے اگر دستور کے موافق مزدوری دے کر ملتا ہو اور اس کو مزدوری دینے
کی طاقت ہے تو ایسا بیمار تیمم نہ کرے ظاہر مذہب میں چنانچہ بحر الرائق میں ہے وفیہ لا یجب علی احد الزوجین توضئۃ صاحبہ وتعہدہ وفی مملوکہ یجب اور بحر الرائق میں
ہے کہ زوجین میں سے ایک پر وضو کرا دینا دوسرے کا یا خبرگیری اس کی واجب نہیں اور لونڈی غلام میں واجب ہے یعنی مالک مملوک کی خبرگیری کرے اور مملوک
مالک کی او برد یہلک الجنب او یمرضہ ولو فی المصر اذا لم یکن لہ اجرۃ الحمام ولا ما یدفئہ یا عاجز ہو اس سردی سے جو جنابت والے کو ہلاک کرتی ہے یا بیمار کرتی ہے
اگرچہ جنب شہر میں ہو جب کہ اس کے پاس حمام میں نہانے کی مزدوری نہ ہو اور نہ وہ چیز جو غسل کرنے والے کو گرم کر دے یعنی پانی گرم کرنے کا سامان نہ
ہو اور نہ مکان محفوظ اور نہ ایسا لباس م شارح نے جنب کی قید اس واسطے لگائی کہ سردی کے خوف سے وضو کو چھوڑ کر تیمم کرنا جائز نہیں صحیح قول میں معنی
نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اس واسطے کہ یہ تو فقط وہم ہے کیونکہ وضو میں ہلاکی یا تندرست کی بیماری نہیں ہوتی عادت میں کذا فی البحر وما قیل انہ فی زماننا یتحیل
فی الشعور الحاسہ وحنک شرط وعندنا دینہ ۔ و و الاسلام والسعید الطہرہ اس سے معلوم ہوا کہ شارح نے دونوں مصرعوں کو بدل ڈالا ہے کذا فی الشامی ۱۲

بالعدۃ فہما لم یاذن بہ الشرع اور وہ قول جو کسی نے کہا کہ جو جنب ہلاک سے ڈرے وہ ہمارے زمانے میں حمام کے نہانے کے واسطے حیلہ کرے مزدوری دینے کا وعدہ کرے سو یہ بات اس قسم سے ہے جس کی شرع شریف نے اجازت نہیں دی یعنی جو مفلس ہو وہ معذور ہے تیمم کرے اس حیلہ گری کی کچھ حاجت نہیں نعم ان کان لہ مال غائب یلزمہ الشراء نسیۃ والالا ہاں اگر اس شخص کا مال اس وقت موجود نہ ہو تو اس کو لازم ہے خرید کرنا وعدہ پر اس چیز کا جو سردی کو دفع کرے اور اگر مطلق مال نہ ہو تو خرید لازم نہیں وہ معذور ہے تیمم کر لے وخوف عدو حیۃ او نار علی نفسہ ولو من فاسق او حبس غریم او مالہ ولو امانۃ یا عاجز ہو پانی کے استعمال سے دشمن کے خوف سے اپنی جان پر خواہ دشمن آدمی ہو یا غیر آدمی چنانچہ سانپ یا آگ کا ہونا پانی کے پاس اگرچہ ہو خوف عورت کو مرد فاسق سے کہ پانی کے پاس ہے یا خوف ہو قرض خواہ کے گرفتار کر لینے سے یا خوف ہو اپنے مال پر اگرچہ اس کے پاس کا مال بطریق امانت کے ہو م اگر مدیون مفلس ہے تو خوف حبس کا البتہ عذر ہے اور اگر مقدور والا ہے تو عذر نہیں اس واسطے کہ وہ ظالم ہے ادائے قرض میں دیر لگانے سے ثم ان نشاء الخوف بسبب وعید عبد اعاد الصلوۃ والالا لانہ سماوی پھر اگر خوف ہوا ہے بندے کے ڈرانے سے تو تیمم بعد زوال کے نماز کو پھر پڑھے اور اگر بندہ کی طرف سے نہیں ہے تو اعادہ نہ کرے اس واسطے کہ وہ خوف آسمانی ہے یعنی خدا کی طرف سے ہے کذا فی البحر بحثا م خلاصہ اور خانیہ میں ہے کہ اگر اسیر مسلم کو کافر نے وضو اور نماز سے منع کیا تو تیمم کرے اور اشارہ سے نماز پڑھے پھر نماز کا اعادہ کرے جب چھوٹے اور اسی طرح جب کہ مالک نے کہا اپنے غلام سے کہ جب تو وضو کرے گا تو تجھ کو قید کر دوں گا یا قتل کر دوں گا تو وہ تیمم سے نماز پڑھے پھر اعادہ کرے محبوس کے مانند اس واسطے کہ تیمم کی طہارت منع وجوب اعادہ میں ظاہر نہیں کذا فی الطحطاوی او عطش ولو لکلبہ او رفیق القافلۃ حالًا او مآلًا یا عاجز ہو بالفعل یا بالقوہ کی تشنگی کے خوف سے اگرچہ اپنے کتے یا رفیق قافلہ کی تشنگی کا خوف ہو م جس پانی کی دفع عطش کے واسطے حاجت ہے وہ بمنزلہ معدوم کے ہے خواہ اپنی پیاس ہو یا اپنے جانور کی یا اہل قافلہ کی آشنا ہو یا اجنبی تو ان صورتوں میں باوجود پانی کے تیمم جائز ہے وکذا العجین او ازالۃ نجس کذا بحث اور تشنگی کے مانند ہے آٹا گوندھنا یا بدن اور کپڑے سے نجاست کا دور کرنا چنانچہ اس کا بیان عنقریب آوے گا وقید ابن الکمال عطش دوابہ بتعذر حفظ الغسالۃ لعدم الاناء اور ابن کمال نے چوپایوں کی تشنگی کے خوف کو مقید کیا ہے تعذر حفظ غسالہ کے ساتھ برتن کے نہ ہونے سے یعنی وضو اور غسل کا غسالہ برتن کے ہوتے سے رہ سکتا ہو تو تیمم جائز نہیں اس واسطے کہ ان کی دفع تشنگی بغسالہ مذکورہ سے ممکن ہے اور اگر برتن نہ ہو تو جانور کے واسطے پانی رکھے اور آپ تیمم کرے وفی السراج للمضطر اخذہ قہرًا وقتالہ اور سراج میں ہے کہ مضطر کو یعنی جو شخص کہ پیاس کے مارے مرتا ہو تو اس کو دوسرے شخص کا پانی زبردستی لینا اور اگر وہ نہ دے تو اس سے لڑنا جائز ہے بشرطیکہ پانی کا مالک بوجہ تشنگی پانی کی طرف حاجت مند نہ ہو ورنہ وہی مقدم ہے غیرے کذا فی البحر فان قتل رب الماء فہدر پھر اگر لڑائی میں پانی کا مالک مارا گیا تو اس کا خون رائیگاں ہے یعنی نہ اس میں قصاص ہے نہ خون بہا نہ کفارہ کذا فی البحر وان المضطر ضمن بقود او دیۃ اور اگر مضطر مارا گیا تو پانی کا مالک ضامن ہوگا قصاص یا دیت کا یعنی اگر قتل عمد ہے تو قصاص ہے اور اگر شبہ عمد یا خطا یا جاری مجرای خطا ہے تو عاقلہ پر دیت ہے اور قاتل پر کفارہ کذا فی البحر او عدم الۃ طاہرۃ یستخرج بہا الماء او یا عاجز ہو پانی کے استعمال سے بسبب نہ ہونے اس پاک سامان کے جس سے پانی نکالا جائے م یعنی جب کنوئیں میں پانی ہو اور رسی اور ڈول نہ ہو تو عاجزی ثابت ہوئی کنوئیں کا وجود و عدم برابر ہے اور اگر ڈول ناپاک ہو تو بھی اس کا وجود اور عدم برابر ہے تیمم جائز ہے لم یجد ولو شاشا[1] لم یجز التیمم نہیں اگرچہ تھوڑا تھوڑا پانی نکل سکتا ہو م اور اسی کے مانند رومال اور کپڑا ہے یعنی اگر کپڑا لٹکا کر کچھ پانی نکلنا ممکن ہو تو اس کو نچوڑ کر وضو کرنا لازم ہے اگرچہ پورا وضو چند مرتبہ لٹکانے سے متصور ہو ایسی صورت میں تیمم جائز نہیں ولن نقص بادلائہ او شقہ لنصفین قدر قیمۃ الا لم یتیمم جائز نہیں اگرچہ کپڑا وغیرہ کنوئیں میں لٹکانے یا اس کے دو ٹکڑے

[1] مترجم اول نے لفظ شاشا کو شیئا شیئا سمجھا ہے حالانکہ سب نسخوں درمختار اور حواشی میں شاشا موجود ہے لیکن کسی نے تعرض اس کے معنی کا نہیں کیا بلکہ یہ لکھا ہے کہ گو شاش ہو یا اس کے مثل اور چیز رومال و کپڑا وغیرہ اور قاموس اور صراح وغیرہ کتب متداولہ لغت میں کوئی معنی مناسب مقام میری نظر سے نہیں گذرے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ معرب ہے چارپا کا جو فارسی میں بمعنی دستی یعنی لپلاک کے مستعمل ہے تو معنی یہ ہے کہ اگرچہ پانی نکالنے کی چیز کا اس قدر لپلا ہو کر اس کو ڈال کر باہر نکالنے سے تھوڑا سا پانی نکلنا ممکن ہو۔ واللہ اعلم مترجم ثانی

کرنے سے بقدر قیمت پانی کے ناقص اور خراب ہو جائے م صورت اس کی یہ ہے کہ مثلاً کچے رنگ کی پگڑی ہے کہ پانی میں ڈالنے سے بدرنگ ہو کر کم قیمت ہو جاتی ہے یا عمدہ کپڑا وغیرہ ہے کہ نصفا نصف پھاڑنے سے پانی تک پہنچتا ہے تو اگر پگڑی یا دوپٹہ کا نقصان اس قدر ہے جس قدر سے پانی خرید ہو سکتا ہے تو تیمم جائز نہیں پانی نکال کر طہارت کرے اور اگر پانی کی قیمت سے زیادہ تر نقصان لازم آتا ہے تو تیمم جائز ہے طحطاوی نے کہا کہ یہ مسئلہ ہمارے مذہب میں منصوص نہیں ہے بلکہ شافعی مذہب میں مذکور ہے توشیح میں کہا ہے کہ یہ سب ہمارے مذہب کے قواعد کے موافق ہے کالوجد من ینزل الیہ باجر چنانچہ اگر پاوے اس شخص کو جو کنوئیں میں اترے اور پانی لادے مزدوری کے بدلے یعنی اگر اجرت مثل سے تو اجرت دینا لازم ہے اور تیمم جائز نہیں اور اگر زیادہ مانگے دستور سے تو تیمم بلا اعادہ جائز ہے کذا فی البحر یتیمم لہذہ الاعذار کلہا ماجز مذکور تیمم کرے ان سب عذروں سے یعنی میل بھر کا پانی دور ہونا یا بیماری یا سردی یا خوف دشمن یا خوف تشنگی یا عدم آلۂ آب کشی ہر واحد ملت مستقلۃ ہے جواز تیمم کی حتی لو تیمم لعدم الماء ثم مرض مرضاً یبیح التیمم لم یصل بذلک التیمم لان اختلاف اسباب الرخصۃ یمنع الاحتساب بالرخصۃ الاولی فتصیر الاولی کان لم یکن جامع الفصولین فلیحفظ تو اگر ایک شخص نے تیمم کیا پانی کے نہ ہونے سے پھر اس کو ایسی بیماری ہو گئی جس کے سبب سے تیمم کرنا اس کو مباح ہو گیا تو اس تیمم سے نماز نہ پڑھے اس واسطے کہ رخصت کے اسباب کا متغیر ہونا اور بدلنا پہلے رخصت کی شمار کرنے اور کفایت کرنے کو مانع ہوتا ہے اور پہلے رخصت اس طرح ہو جاتی ہے گویا کہ وہ موجود ہی نہ تھی ایسا مذکور ہے جامع الفصولین میں تو اس کو یاد رکھنا چاہیے م رخصت سے مراد یہاں تیمم ہے اور اسباب سے مراد بعد اور مرض اور خوف عدو اور عطش اور فقدان آلہ ہے جامع الفصولین سے مراد وہ کتاب ہے جو فصول عمادی اور فصول استروشنی کی جامع ہے مستوعبا وجہہ حتی لو ترک شعرۃ او وترۃ المنخر لم یجز تیمم کرے اپنے چہرے کو پورا مسح کرکے یہاں تک کہ اگر ایک بال کو یا اپنے نتھنے کے کنارے کو یا حجاب بین المنخرین کو مسح کرنے سے چھوڑے گا تو تیمم جائز نہ ہوگا کذا فی الطحطاوی ویدیہ فینزع الخاتم والسوار او یحرک بہ یعنی مع مرفقیہ فیمسح الاقطع اور پورا مسح کرے اپنے دونوں ہاتھوں کا تو انگوٹھی اور کنگن کو نکال ڈالے مسح کے وقت تاکہ مسح سے وہ مقام باقی نہ رہے یا اس کو حرکت دے یعنی اپنے مقام سے ہٹا دے اسی کا معنی ہے یعنی وضو کی طرح یہاں فقط تحریک کافی نہیں بدون مسح کرنے ماتحت کے ہاتھوں کا مسح کرے دو کہنیوں کے ساتھ تو جس کا ہاتھ کٹا ہے اور کچھ کہنی باقی ہے تو اس کا بھی مسح کرے بضربتین ولو من غیرہ تیمم کرے دو بار مٹی پر ہاتھ مار کے اگرچہ ضربتین تیمم کی غیر سے صادر ہوں یعنی اگر کوئی دوسرے کو تیمم کرا دیوے اس کو بھی ضربتین کافی ہیں اس طرح کہ ایک بار سے اس کے چہرے کو مسح کرے اور دوسری بار ایک ہاتھ سے ایک ہاتھ کو مسح کرے اور دوسری بار دوسرے ہاتھ کو م حاکم اور طبرانی اور دارقطنی نے بایں سند روایت کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا التیمم ضربتان ضربۃ للوجہ وضربۃ للذراعین الی المرفقین یعنی اہل حدیث اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں لیکن حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے اور دارقطنی نے کہا کہ اس کے راوی سب ثقات ہیں معلوم کرنا چاہیے کہ تیمم میں احادیث مختلف اور متعارض ہیں بعض حدیث میں ضربتین ہے اور بعض میں ضرب واحد وارد ہے اور بعضی میں مطلق ضرب اور بعضی میں کفین اور بعضی میں یدین الی المرفقین اور بعضی میں یدین مطلق اور لینا احادیث یدین اور مرفقین کو چنانچہ امام اعظم کا مذہب ہے اقرب باحتیاط اور عمل باحادیث فریقین ہے اس واسطے کہ ضربتین میں ضربہ داخل ہے اور مسح ذراعین تا مرفقین میں مسح تا کفین داخل ہے نہ دون العکس کذا فی شرح سفر السعادۃ للدہلوی والقوم مقامہما کما فی الخلاصۃ وغیرہا لو حرک رأسہ او ادخلہ فی موضع الغبار بنیۃ التیمم جاز فالشرط وجود الفعل منہ یا تیمم کرے اس فعل سے جو قائم مقام ہے ضربتین کے یہ تعمیم ہم نے اس واسطے کی کہ خلاصہ وغیرہا میں ہے کہ اگر تیمم کرنے والے نے اپنے سر کو ہلایا یعنی سر کو چہرے کے ساتھ گرد و غبار کے اندر کھڑے ہوئے ہلایا یا اپنا سر غبار کے مقام میں داخل کر دیا تیمم کی نیت سے تو جائز ہے اور جواز کی شرط وجود فعل کا ہے تیمم کرنے والے سے خواہ وہ فعل مسح ہو یا ضرب یا غیر ضرب کذا فی البحر تو اس تقریر سے معلوم ہوا کہ ضرب تیمم کا رکن نہیں معلوم کرنا چاہیے اکثر کتابوں میں ذکر ضرب کا واقع ہے اور اصل یعنی مبسوط میں وضع مذکور ہے نہ ضرب تو ابن شجاع نے کہا کہ ضرب رکن ہے تو اگر بعد ضرب کے حدث واقع ہوا

[1] تیمم دو بار ہاتھ مارنا ایک بار کا ہاتھ مارنا منہ کے لیے اور ایک بار کا دونوں ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک ۔

یا بعد ضرب کے نیت کی تو کافی نہیں اور اسبیجابی نے کہا کہ ضرب رکن نہیں تو اگر بعد ضرب کے حدث واقع ہوا یا بعد اس کے نیت کی تو کافی ہے فتح القدیر میں ہے
کہ بنظر دلیل کے ضرب کا اعتبار نہیں اس واسطے کہ قرآن مجید میں فقط مسح مامور بہ ہے لہٰذا یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ التیمم ضربتان تو یا اثم من المستحبین مراد ہے یا بنظر غالب
عادت کے ہے تو شارح نے اس مقام میں فتح القدیر کی تحقیق کو اختیار کیا کذا فی الطحطاوی ولو جنبا او حائضا طہرت لعادتہا او لنفساء تیمم کرے اگرچہ تیمم کرنے
والا جنب ہو یا وہ حائض جو پاک ہو گئی اپنی عادت کے موافق یا زچا ہو تو جنب کو تیمم جائز ہے عمار یاسر کی حدیث کی دلیل سے جو صحاح ستہ میں مروی ہے کہ رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تیمم کرنے کا حکم کیا حالانکہ وہ جنب تھے اور حائض اور زچا ملحق بہ جنب ہیں جواز تیمم میں کذا فی النہر بمطہر من جنس الارض وان لم یکن علیہ
نقع ای غبار تیمم کرے اس پاک کرنے والی چیز سے جو زمین کی جنس سے ہے اگرچہ اس پر گرد اور غبار نہ ہو مراد زمین کی جنس سے مراد وہ چیز ہے جو آگ سے پگھلے اور نہ
راکھ ہو جائے جل کر چنانچہ پتھر اور گچ اور چونہ اور سرمہ اور گیرو اور ہڑتال اور گندھک اور یاقوت اور زبرجد اور فیروزہ اور عقیق اور ریو اور پختہ اینٹ اور پہاڑ کے
نمک میں یعنی سیندھا لون میں دو روائتیں ہیں مگر جواز تیمم پر فتویٰ ہے چنانچہ مجتبیٰ میں ہے تو درخت اور شیشہ جو ریت اور ریگ سے بنتا ہے جنس ارض سے
خارج ہو گیا الحاصل جو منطبع اور مترمد[1] نہ ہو وہ جنس ارض سے ہے اس پر تیمم کرنا جائز ہے ورنہ جائز نہیں کذا فی الطحطاوی ولو لم یدخل بین اصابعہ احتاج الی الضربۃ الثالثۃ
للتخلل تو اگر غبار داخل نہ ہوا انگلیوں کے اندر تو تیسری بار ہاتھ مارنے کے خلال کرنے کے واسطے حاجت نہیں بلکہ خلال کرے بدون ضرب کے اور یہ مراد نہیں کہ
اصلا خلال نہ کرے اس لیے کہ استیعاب مسح پوری حقیقت ہے تیمم کی چنانچہ منیہ اور اسکی شرح میں ہے اور یہی ظاہر الروایۃ ہے اور عالمگیری میں ہے کہ اگر غبار انگلیوں
میں داخل نہ ہو تو تخلیل اصابع واجب یعنی فرض ہے اور صحیح یہ ہے کہ کف کا مسح کرنا فرض نہیں ضرب کف کافی ہے کذا فی الطحطاوی وعن محمد یحتاج الیہا اور محمد سے روایت
یہ ہے کہ اگر غبار داخل نہ ہو تو تیسری ضرب کی حاجت ہے ولو تیمم غیرہ یضرب ثلثا للوجہ والیمنی والیسری قہستانی ہاں اگر دوسرے کو تیمم کرادے تو تین بار ہاتھ زمین
پر مارے ایک چہرے کے واسطے اور دوسری بار داہنے ہاتھ کے واسطے اور تیسری بار بائیں ہاتھ کے لیے ایسا کہا ہے قہستانی شارح نقایہ نے وبہ مطلقا عجز عن التراب
اولا لانہ تراب رقیق اور غبار سے ہر طرح تیمم جائز ہے مٹی ملے یا نہ ملے اس واسطے کہ غبار تو باریک مٹی ہے فلا یجوز بلؤلؤ ولو مسحوقا لتولدہ من حیوان البحر ولا بمرجان
لشبہہ بالنبات لکونہ اشجارا نابتۃ فی قعر البحر علی ما حررہ المصنف جب تیمم کے واسطے جنس زمین کا ہونا شرط ہوا تو تیمم جائز نہیں موتی سے اگرچہ وہ پیسا ہوا اس واسطے کہ
اس کی پیدائش ہے سمندر کے جانور سے اور مونگے سے بھی تیمم جائز نہیں کہ وہ روئیدگی کے مشابہ ہے اس واسطے کہ مونگا ان درختوں میں ہے جو سمندر کی تہ میں
جمتے ہیں ایسی تحریر اور تنقیح کی ہے مصنف نے اپنی شرح میں اور یہ رد ہے صاحب بحر پر اس واسطے کہ اس نے فتح القدیر سے عدم جواز تیمم کا مونگے سے نقل کیا پھر اس
کے سہو پر حکم کیا اس واسطے کہ غایۃ البیان اور توشیح اور عنایہ اور محیط اور معراج الدرایۃ اور تبیین میں جواز ثابت ہے مصنف نے اپنی شرح میں کہا ظاہر یہ سہو نہیں
اس واسطے کہ عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ مونگا منعقد ہوتا ہے پانی سے موتی کے مانند بدلیل شہادت اہل تجربہ اور جو جواز کے قائل ہیں وہ اس کو اجزاء ارض سے
سمجھتے ہیں کذا فی الطحطاوی مختصرا ولا بمنطبع کفضۃ وزجاج اور تیمم جائز نہیں اس چیز سے جو آگ سے گداختہ ہو یعنی پگھل جائے جیسے چاندی اور کانچ ومترمد بالاحتراق
اور نہ راکھ ہو جانے والی چیز سے جو آگ سے جل کر راکھ ہو جائے چنانچہ درخت الا رماد الحجر فیجوز کحجر مدقوق او مغسول وحائط مطین او مجصص واوان من طین غیر مدہونۃ
وطین غیر مغلوب بماء مگر پتھر کی راکھ سے تو تیمم جائز ہے جیسے جائز ہے کٹے پتھر یا دھوئے صاف پتھر سے یعنی اگرچہ اس پر غبار نہ ہو جائز ہے کہگل کی پوتی یا گچ لگائی ہوئی
دیوار سے اور مٹی کے برتنوں سے جو روغنی نہیں اور گیلی مٹی سے جو پانی سے مغلوب نہیں ہو تو ظرف چینی سے تیمم جائز نہیں اس واسطے کہ اس پر کانچ کا روغن ہوتا
ہے ہاں اگر جنس ارض سے ان پر روغن ہو چنانچہ گیرو کا تو جائز ہے چنانچہ بحر الرائق سے مستفاد ہوتا ہے اور گیلی مٹی جس کو گارا اور کچشا بولتے ہیں اگر اس میں پانی غالب
ہے مٹی پر یا برابر ہے تو اس سے تیمم جائز نہیں چنانچہ متن میں مذکور رہے کہ غالب چیز کا حکم ہے لکن لا ینبغی التیمم بہ قبل خوف فوت وقت لئلا یصیر مثلۃ بلا ضرورۃ

[1] آگ سے پگھلنے والی چیز اور مترمد یعنی راکھ ہو جانے والی بعد جلنے کے ۱۲

گیلی مٹی سے تیمم کرنا فوت ہو جانے کے ڈر سے پہلے نہ چاہیے تاکہ بدشکل نہ ہو جائے بصورت مل کر بدون ضرورت کے م یعنی گیلی مٹی سے تیمم خلاف اولیٰ ہے اور
اگر کرے گا تو جائز ہے ولوالجیہ میں ہے کہ اگر مسافر گارے کی جگہ میں ہو اور صعید یعنی خشک مٹی نہ پاوے تو اپنا کپڑا جھاڑ کر تیمم کرے اگر اس پر غبار ہو اور اگر غبار نہ ہو تو
اپنے کپڑے میں گیلی مٹی لگا دے جب وہ خشک ہو تو تیمم کرے کذا فی النہر ومعادن فی محالہا فیجوز بتراب علیہا جیسے جائز ہے تیمم کانی چیزوں سے جو اپنے اصلی مکانوں
میں ہیں یعنی جب تک ان کو خاک سے جدا نہیں کیا چنانچہ خاک آمیختہ سونا اور چاندی اور لوہا کھان کا تو تیمم ان پر جائز ہے بسبب اس مٹی کے جو اس پر لپٹی ہے
کذا فی النہر وقیدہ الاسبیجابی بان یستبین اثر التراب بمدیدہ علیہ وان لم یستبن لم یجز اور معدن میں جواز تیمم کے واسطے اسبیجابی نے یہ قید لگائی کہ مٹی کا اثر ظاہر
ہو اس پر دونوں ہاتھ پھیلا[1] کر اور اگر مٹی اثر ظاہر نہ ہو تو معادن سے تیمم کرنا جائز نہیں وکذا کل مالا یجوز التیمم علیہ کحنطۃ وجوخۃ فلیحفظ اور مثل معادن کے ہر ایک
وہ چیز ہے جس پر تیمم جائز نہیں مانند گیہوں اور بانات کے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ خوب بات ہے کذا فی النہر م فتاوی عالمگیری میں محیط سے منقول ہے کہ
غبار سے تیمم کرنے کی یہ صورت ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ مارے کپڑے یا نمدیا تکیہ میں اور مانند اس کے اعیان طاہرہ[2] میں جن پر غبار ہے پھر جب کہ غبار اس کے
ہاتھوں پر پڑے تو تیمم کرے یا اپنا کپڑا جھاڑے تاکہ غبار نکلے پھر اپنا ہاتھ اٹھاوے غبار میں ہوا کے اندر سو جب کہ غبار ہاتھوں پر پڑے تو تیمم کرے والحکم
للغالب لو اختلط تراب بغیرہ کذہب وفضۃ ولو مسبوکین اور حکم ہے غالب چیز کا یعنی غالب چیز کا اعتبار ہے اگر مٹی مل ہو دوسری چیز سے جس پر تیمم جائز نہیں جیسے
سونا اور چاندی اگرچہ دونوں گداختہ ہوں اور مٹی سے صاف ہو گئے ہوں م شارح اس تعمیم میں شرح مصنف کا تابع ہوا اور مصنف نے اس کو بحر الرائق عن المحیط
نقل کیا لیکن میں نے جو بحر الرائق کو دیکھا تو اس میں محیط سے یہ تفصیل مذکور ہے کہ اگر تیمم کیا سونے یا چاندی سے اگر وہ مسبوک یعنی گداختہ ہوں تو جائز نہیں
اور اگر گداختہ نہیں اور مختلط ہیں مٹی سے اور غلبہ مٹی کو ہے تو جائز ہے اور یہ اس میں مذکور نہیں کہ جب گداختہ ہوں اور مٹی کے ساتھ ہوں اور زیلعی میں ہے
کہ تیمم جائز ہے سونے اور چاندی اور لوہے اور تانبے سے اور مانند ان کے جب تک کہ وہ زمین پر ہیں اور ان سے کوئی چیز نہیں بنائی گئی اور بعد گداختگی
تیمم جائز نہیں کذا فی الطحطاوی وارض محترقۃ فلو الغلبۃ لتراب جاز والا لا خانیہ اور جلی مٹی راکھ سے ملے تو اگر مٹی غالب ہے راکھ سے تو تیمم جائز ہے اور اگر غالب
نہیں یعنی مغلوب یا برابر ہے تو تیمم جائز نہیں کذا فی الخانیہ م یعنی زمین پر کا جھاڑ بوٹا جل گیا اور اس کی مٹی سے مل گیا تو غالب کا اعتبار ہے اور اگر مٹی جلی بدون
اختلاط کسی چیز کے یہاں تک کہ سیاہ ہو گئی تو اس سے تیمم جائز ہے اس واسطے کہ احتراق سے مٹی کا رنگ بدل گیا نہ اس کی ذات کذا فی الطحطاوی ومنہ علم حکم التساوی
اور خانیہ کی تقیید بغلبۃ تراب سے معلوم ہو گیا برابر کا حکم یعنی اگر مٹی برابر ہے دوسری چیز سے تو تیمم جائز نہیں اس واسطے کہ مٹی غالب نہیں وجاز قبل الوقت
ولاکثر من فرض وجاز لغیرہ کالنفل لانہ بدل مطلق عندنا لا ضروری اور تیمم جائز ہے نماز کے وقت سے پہلے اور ایک تیمم چند فرضوں کے واسطے اور تیمم جائز ہے غیر
فرض کے لیے چنانچہ نفل کے واسطے اس واسطے کہ تیمم مطلق بدلا ہے وضو اور غسل کا ہمارے نزدیک نہ ضروری بدلا م یعنی جب کہ پانی نہ ہو تو تیمم بدل مطلق ہے
اور اس سے حدث مرتفع ہو جاتا ہے باوجود آب اور یہ نہیں کہ وہ نماز کو مباح کر دیتا ہے باوجود قائم ہونے حدث کے اور شافعی کے نزدیک تیمم بدل ضروری
ہے اور مبیح نماز ہے حالانکہ حدث حقیقۃ موجود ہے تو ان کے نزدیک قبل وقت کے جائز نہیں اور اس ایک فرض سے زیادہ نماز جائز نہیں اور ہمارے
نزدیک فرض اور نفل جو چاہے پڑھے کذا فی النہر وجاز لخوف فوت صلوۃ جنازۃ ای کل تکبیراتہا ولو جنبا او حائضا اور تیمم جائز ہے نماز جنازہ کی فوت ہو جانے
کے خوف سے یعنی تمام تکبیروں کے فوت ہونے کے ڈر سے اگرچہ تیمم کرنے والا جنب یا حائض ہو م اور اگر فوت ہونے کا خوف نہ ہو اس طرح پر کہ ایک ہی شخص
[illegible] کا واقف ہو اور جب کہ وضو کرنے جائے گا تو اس کا انتظار ہوگا تو اس کو تیمم جائز نہیں اور اگر معلوم کرے کہ وضو کرنے میں بعض تکبیرات میں شریک
ہو سکا تو بھی اس کو تیمم جائز نہیں اس واسطے کہ باقی ادا کرنا تنہا اس کو ممکن ہے کذا فی البحر عن البدائع ولو جیٔ باخریٰ ان امکنہ التوضی بینہما ثم زال تمکنہ اعاد التیمم

[1] یہ ترجمہ ہے مترجم اصل کا ترجمہ مناسب یوں تھا کہ مٹی کا اثر ظاہر ہو اپنا ہاتھ اس پر رکھ کر کھینچنے سے [2] پاک چیزوں میں ۱۲

والالا بہ یفتی اور جو ایک جنازہ کی نماز کے بعد دوسرا جنازہ لوگ لائے تو اگر اس متیمم کو ابین ان دونوں کے وضو کرنا ممکن ہوا پانی ملنے اور فرصت پانے سے پھر یہ قدرت زائل ہوگئی تو پھر تیمم کرے دوسرے جنازے کے واسطے بالاتفاق اور جو ابین میں وضو پر قدرت نہ ہوئی تو تیمم کا اعادہ نہیں شیخین کے نزدیک اسی قول اخیر پر فتویٰ ہے کذا فی البحر عن المصفی ولفوت عید بفراغ امام او زوال شمس اور جائز ہے تیمم نماز عید کی فوت ہو جانے کے ڈر سے بسبب فراغت کرنے امام کے یا ڈھلنے آفتاب کے ہم یہ حکم ہے کل نماز عید کے فوت ہونے کا اور اگر مقتدی وضو کرکے شریک ہو بعض نماز میں تو تیمم جائز نہیں کذا فی الطحطاوی عن البحر ولو کان یبنی بناء بعد شروعہ متوضیا وسبق حدثہ اگرچہ خائف فوت نماز جنازہ یا عید تیمم کرکے بنا کرتا ہو بعد شروع کرنے نماز کے وضو سے اور غالب ہونے حدث کے یعنی وضو کرکے نماز جنازہ یا عید شروع کی پھر وضو ٹوٹ گیا اور خوف ہے کہ اگر وضو پھر کرے گا تو نماز فوت ہو جاوے گی تو امام کے نزدیک تیمم کرکے بنا کرنا جائز ہے خلافاً للصاحبین کذا فی البحر بلا فرق بین کونہ اماما او لا فی الاصح بدون فرق کے درمیان ہونے اس بانی کے امام یا غیر امام صحیح تر قول میں یعنی جب فوت نماز عید یا جنازہ کا خوف ہو تو امام اور غیر امام دونوں کو تیمم جائز ہے لان المناط خوف الفوت لا الی بدل اس واسطے کہ جواز تیمم کا مدار اس صورت میں خوف ہے فوت ہونے کا بلا عوض یعنی جو نماز فوت ہوتی ہو اور اس کا بدلا نہ ہو سکتا ہو قضا کرنے سے تو اس کے فوت ہو جانے کے ڈر سے تیمم جائز ہے فجاز لکسوف وسنن رواتب ولو سنۃ فجر خاف فوتہا وحدہا جب جواز تیمم کا خوف فوت پر مدار ہوا تو تیمم جائز ہے سورج گہن اور اسی طرح چاند گہن کی نماز کے واسطے اور موکدہ سنتوں کے واسطے اگرچہ ہو فجر کی سنت کہ ڈر ہو فقط اس کے فوت ہونے سے بدون فرض کے ہم یہ بحث ہے حلبی شارح منیۃ المصلی کی کذا فی الطحطاوی یعنی اگر خوف ہو کہ پانی کے پاس جانے تک سورج گہن ہو چکے گا یا ظہر اور مغرب کا فرض ادا کر چکا اور وضو ٹوٹ گیا اور پانی تک جانے میں وقت فوت ہوتا ہے تو تیمم کرکے سنتیں پڑھ لے اور فقط سنت فجر کی فوت ہونے کے بدون فرض کی صورت یہ ہے کہ پانی میل بھر سے کم ہے خادم پانی لینے گیا ہے لیکن اس کے آنے تک فقط وضو کرنے اور فرض پڑھنے کا وقت باقی رہے گا تو تیمم کر فجر کی سنتیں پڑھے پھر جب پانی آوے تو وضو کرکے فرض ادا کرے طحطاوی نے کہا فقط فوت سنت فجر کی قید اس واسطے لگائی کہ اگر سنت کا فرض کے ساتھ فوت ہونے کا خوف ہو تو تیمم نہ کرے اس واسطے کہ سنت کو فرض کے ساتھ قضا کرے گا ولنوم وسلام ورده وان لم تجز الصلوۃ بہ اور جائز ہے تیمم سونے اور سلام کرنے اور سلام کے جواب دینے کے واسطے یعنی باوجود پانی کے ہونے کے اگرچہ اس تیمم سے نماز پڑھنا جائز نہیں ہم اس تیمم سے نماز اس واسطے جائز نہیں کہ نماز کے تیمم کے واسطے فقدان آب حقیقۃً یا حکماً ضرور ہے اور یہ کہ اس عبادت مقصودہ کی نیت کرے جو حلال نہیں بدون طہارت کے قال فی البحر وکذا لکل ما لا یشترط لہ الطہارۃ لما فی المبتغی وجاز لدخول مسجد مع وجود الماء وللنوم فیہ واقرہ المصنف بحر الرائق میں کہا اور اسی طرح تیمم جائز ہے یعنی باوجود پانی کے ہر ایک اس عمل کے واسطے جس کے لیے طہارت شرط نہیں بدلیل اس قول کے جو مبتغی میں یوں ہے اور جائز ہے تیمم مسجد میں جانے کے واسطے باوجود پانی ہونے کے اور مسجد میں سونے کے واسطے اور مصنف نے اپنی شرح میں اس کو ثابت رکھا ہے یعنی اس پر رد نہیں کیا لکن فی النہر الظاہر ان مراد المبتغی الجنب فسقط الدلیل لیکن نہر الفائق میں ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ مبتغی کی مراد جنب ہے تو بحر الرائق کی دلیل ساقط ہو گئی ہم یعنی جب مبتغی کے کلام سے جنب مراد ہوا تو صاحب بحر کا کلیہ ثابت نہ ہوا کیونکہ جنب کو طہارت شرط ہے لیکن حلبی محشی نے کہا کہ کلام مبتغی سے ارادہ کرنا جنب کا مسلم نہیں اس واسطے کہ دو حال سے خالی نہیں کہ پانی مسجد کے باہر ہے یا اندر اگر باہر ہے تو وہ باطل ہے کیونکہ جنب کا داخل ہونا مسجد میں باوجود ہونے پانی کے خارج میں بہ اتفاق ہمارے علما کے جائز نہیں اور اگر مسجد کے اندر ہے اور یہی احتمال صحیح ہے مگر یہ احتمال مبتغی کی عبارت سے بعید ہے بدلیل قولہ والنوم فیہ کذا فی الطحطاوی قلت وفی المنیۃ وشرحہا تیممہ لدخول مسجد ومس مصحف مع وجود الماء لیس بشئ بل ہو عدم لانہ لیس بعبادۃ یخاف فوتہا میں کہتا ہوں اور منیۃ المصلی اور اس کی شرح میں ہے کہ شخص کا تیمم کرنا مسجد کے داخل ہونے اور مصحف کے چھونے کے واسطے باوجود پانی کے کوئی چیز نہیں بلکہ وہ معدوم یعنی کرنا نہ کرنے کے برابر ہے اس واسطے کہ دخول مسجد اور مصحف کا مس وہ عبادت نہیں جس کے فوت ہو جانے کا ڈر ہو ہم یہ تائید ہے صاحب نہر کی اور اگر دخول مسجد کو جنب پر محمول کیجیے تو کلام مبتغی کے مخالف نہیں ہے لکن فی القنیۃ

عن المختار الخنار جوازہ مع الماء لسجدۃ التلاوۃ لیکن قہستانی میں مختار سے منقول ہے کہ پسندیدہ قول جواز تیمم کا ہے پانی ہونے کے ساتھ سجدہ تلاوت کے واسطے ہم یہ استدراک ہے منیۃ المصلی کی دلیل پر کہ جس عبادت کے فوت ہونے کا کچھ خوف نہ ہو اس کے واسطے تیمم جائز نہیں یعنی سجدۂ تلاوت میں طہارت شرط ہے اور اس کے فوت ہونے کا خوف نہیں باوجود اس کے تیمم جائز ظہراحلبی نے کہا کہ یہ نقل ضعیف معادم ہے قاعدہ کے کیونکہ سجدۂ تلاوت میں طہارت شرط ہے اور فوت ہوتی ہے خلیفہ اپنا چھوڑ کر لیکن یہی تقیید بالسفر لاالحضر لیکن عنقریب فروع میں آوے گا مفید کرنا جواز تیمم کا سجدۂ تلاوت کے واسطے سفر کے ساتھ یعنی یہ سفر میں درست ہے نہ حضر میں ہم اس مسئلہ کی گفتگو فروع میں مذکور ہوگی ثم رأیت فی الشرنبلالیۃ شرحھا الیوید کلام البحر پھر علامہ ابو بکر بخاری کی شرنبلالیۃ الاسلام اور اس کی شروح میں میں نے وہ دیکھا جو بحرالرائق کے کلام کی تائید کرتا ہے کہ جس میں طہارت مشروط نہیں اس میں تیمم جائز ہے باوجود پانی کے قال وظاہر الروایۃ جوازہ لتسع مع وجود الماء وان لم تجز الصلوۃ بہ صاحب شرح یا صاحب بحر نے کہا کہ ظاہر الروایۃ جائز ہونا تیمم کا ہے نو چیز کے واسطے باوجود ہونے پانی کے اگرچہ اس تیمم سے نماز جائز نہیں ہم اکثر نسخوں میں ظاہر الروایۃ ہے اور ایک نسخہ مطبوعہ مصر میں ظاہر البزازیۃ ہے قلت بل لعشر بل الاکثر لما من الضابط انہ یجوز لکل مالا تشترط الطہارۃ لہ ولو مع وجود الماء میں کہتا ہوں بلکہ دس چیز بلکہ اکثر کے واسطے تیمم مذکور جائز ہے اس واسطے کہ یہ قاعدہ گذر گیا کہ تیمم جائز ہے ہر ایک اس عمل کے واسطے جس میں طہارت مشروط نہیں اگرچہ پانی موجود ہو واما ماتشترط لہ فیشترط فقد الماء کتیمم لمس مصحف فلا یجوز لواجد الماء واما للقراءۃ فان محدثا فکالاول او جنبا فکالثانی اور جس فعل کے واسطے طہارت شرط ہے سو وہاں تو پانی کا نہ ہونا تیمم کے واسطے مشروط ہے چنانچہ مصحف کے چھونے کے واسطے تیمم کرنا موجود جائز نہیں پانی کے پانے والے کو اور اگر قرآن پڑھنے کے واسطے ہے سو اگر بے وضو ہے تو وہ اول کے مانند ہے یعنی باوجود پانی کے اس کو تیمم جائز ہے یا اگر وہ شخص جنب ہے تو پانی کے مانند ہے یعنی پانی ملنے ہوتے اس کو تیمم درست نہیں وقالوا لو تیمم لدخول مسجد او لقراءۃ ولو من مصحف او مسہ او کتابتہ او تعلیمہ او لزیارۃ قبور او عیادۃ مریض او دفن میت او اذان او اقامۃ او اسلام او سلام او ردہ لم تجز الصلوۃ بہ عند العامۃ بخلاف صلوۃ جنازۃ او سجدۃ تلاوۃ فتاوی شیخنا خیر الدین الرملی اور فقہاء نے کہا ہے کہ اگر تیمم کیا دخول مسجد کے واسطے یا قرآن پڑھنے کے واسطے اگرچہ مصحف دیکھ کر پڑھے یا مصحف کے چھونے کو یا اس کے لکھنے کو یا اس کی تعلیم کو یا زیارت قبور کے لیے یا بیمار پرسی کے واسطے یا مردہ دفن کرنے کو یا اذان یا اقامت کے واسطے یا مسلمان ہونے کو یا سلام کرنے کو یا سلام کے جواب دینے کو تو ایسے تیمم سے نماز پڑھنا جائز نہیں اکثر علما کے نزدیک برخلاف نماز جنازہ یا سجدۂ تلاوت کے یعنی اگر نماز جنازہ یا سجدۂ تلاوت کے واسطے تیمم کیا تو اس تیمم سے نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ پانی موجود نہ ہو یہ ہمارے استاذ خیر الدین رملی کے فتاوی میں مذکور ہے قلت وظاہرہ انہ یجوز لفعل ذلک فتامل میں کہتا ہوں فتاوی مذکورہ کا ظاہر کلام یہ ہے کہ اس کو اس کا کرنا جائز ہے یعنی تیمم کرنا سجدہ تلاوت کے واسطے درست ہے سوائے مخاطب تامل کرم حلبی محشی نے کہا کہ ہم نے تامل کیا سو اس کو صحیح پایا طحطاوی نے کہا میں کہتا ہوں کہ اگر شارح کی یہ مراد ہے کہ سجدۂ تلاوت کے واسطے تیمم باوجود پانی کے جائز ہے تو یہ بالاتفاق جائز نہیں اور اگر یہ مراد ہے کہ پانی نہ ہونے کے وقت جائز ہے تو اس کا جواز بالاتفاق ہے تو شارح کے اس کلام کی حاجت نہیں انتہی کلامہ لا تیمم لفوت جمعۃ و وقت ولو وتر لفواتہا الی بدل تیمم نہ کرے نماز جمعہ اور نماز وقتی کے فوت ہونے سے اگرچہ وتر کا وقت ہو بسبب فوت ہونے ان نمازوں کے اپنا بدلا چھوڑ کر یعنی جمعہ کا بدلا ظہر اور پنجگانہ نماز اور وتر کا بدلا قضا ہے برخلاف جنازہ اور عید کے اس واسطے ان کی قضا نہیں وقیل یتیمم لفوت الوقت اور قول ضعیف یہ ہے کہ تیمم کرے وقت کے فوت ہو جانے کے ڈر سے ہم قنیہ میں کہا کہ یہ روایت ہے ہمارے مشائخ سے اور اس پر چند فروع کو متفرع کیا از انجملہ یہ ہے کہ اگر چھت پر ہو رات کو اور کوٹھری کے اندر پانی ہے اور اندھیرے میں اس کے اندر جانے سے ڈرتا ہے تو تیمم کرے اگر فوت وقت کا خوف ہو کذا فی البحر قال الحلبی فالاحوط ان یتیمم ویصلی ثم یعید حلبی شارح منیۃ المصلی نے کہا تو ایسی صورت میں احوط یہ ہے کہ تیمم کرے

ملہ شامی نے اس نسخہ کو اختیار کر کے عبارت بزازیہ کی نقل کی ہے اور مختار پر قدح کیا ہے کہ بزازیہ سے یہ حکم ظاہر نہیں معلوم ہوتا ۱۲

اور نماز پڑھے پھر وضو کرکے اس نماز کا اعادہ کرے یعنی قضا پڑھے ویجب ای یفترض طلبہ ولو برسولہ قدر غلوۃ ثلثمائۃ ذراع من کل جانب ذکرہ الحلبی اور واجب ہے یعنی فرض ہے تلاش کرنا پانی کا اگرچہ اپنا آدمی بھیج کر تلاش کرے بقدر ایک تیر کے جانے کے یعنی ۳۰۰ گز ہر جانب سے ایسا ذکر کیا ہے حلبی نے ہم تیر پرتاب ..۳ گز ہیں یہم گز تک کذا فی النہر شرنبلالیہ میں برہان سے منقول ہے کہ جس طرف پانی کا گمان ہو فقط اسی طرف اس قدر تلاش کرنا چاہیے نہ ہر جانب سے تو شارح کا مطلب یہ ہے کہ ہر جانب سے جدھر گمان ہو ادھر تلاش کرنا چاہیے کذا فی الطحطاوی وفی البدائع الاصح طلبہ قدر مالا یضر بنفسہ ورفقتہ بالانتظار اور بدائع میں ہے کہ صحیح تر قول یہ ہے کہ پانی کا تلاش کرنا اس قدر ہو کہ ضرر نہ پہنچے تلاش میں اس کی ذات کو اور اس کے سفر کے ساتھیوں کو انتظار کرنے سے یعنی اگر ایک کو بھی ان میں سے ہو تو عدم طلب مباح ہے ان ظن ظنا قویا قربہ دون میل بامارۃ او اخبار عدل تلاش فرض ہے اگر گمان قوی ہو پانی کے پاس ہونے کا ایک میل سے کم کسی علامت سے یا ایک متقی آدمی کے خبر دینے سے ہم ظن میں اور ظن غالب میں یہ فرق ہے کہ اگر احد الطرفین قوی اور راجح ہو دوسرے سے اور دل نہ جمے راجح پر اور نہ چھوڑے دوسرے کو تو اس کا نام ظن و گمان ہے اور جب کہ احد الطرفین دل میں جم جاوے اور دوسری جانب کو چھوڑ دے اس کا نام اکبر ظن اور غالب الرائے ہے میل کی قید اس واسطے لگائی کہ میل اور مافوق میل بعید ہے اس کی طلب واجب نہیں قرب پانی کی علامت یہ ہے کہ سبزہ نظر آوے اور چڑیاں گھومتی ہوں کذا فی الطحطاوی والا یغلب علی ظنہ قربہ لا یجب بل یندب ان رجا والا لا اور اگر پانی کے نزدیک ہونے کا اس کو ظن غالب نہ ہو یعنی شک ہو یا غیر قوی ظن ہو تو تلاش واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اگر امید ہو نزدیکی کی اور اگر امید نہ ہو تو تلاش مستحب بھی نہیں ولو صلی بتیمم وثمہ من یسئلہ ثم اخبرہ بالماء اعاد والا لا اور اگر نماز پڑھی تیمم سے بدون پوچھنے کے اور حالانکہ وہاں وہ شخص تھا جس سے پوچھتا پھر نماز کے بعد اس شخص نے پانی کے نزدیک ہونے کی خبر دی تو نماز کو پھر پڑھے ورنہ اعادہ نہ کرے کذا فی الزیلعی ہم بحر الرائق میں سراج سے منقول ہے کہ تیمم کیا بدون طلب کے اور طلب واجب تھی اور نماز پڑھی پھر تلاش کی سو پانی نہ پایا تو اعادہ واجب ہے طرفین کے نزدیک مطلقاً خواہ بعد اس کے پانی کی کوئی خبر دے یا نہ دے خلافاً لابی یوسف کذا فی الطحطاوی وشرطہ ای للتیمم فی حق جواز الصلوۃ بہ نیۃ عبادۃ اور مشروط ہے تیمم کے واسطے نماز جائز ہونے کے حق میں عبادت کی نیت کرنا جواز نماز کی قید اس واسطے لگائی کہ نماز کے سوائے چنانچہ سلام یا جواب سلام کے واسطے فقط تیمم کی نیت کفایت کرتی ہے اور عبادت کی نیت مانند طہارت یا استباحت نماز یا رفع حدث یا رفع جنابت کی نیت ہے کذا فی البحر ولو صلوۃ جنازۃ او سجدۃ تلاوۃ لا شکر فی الاصح اگرچہ عبادت نماز جنازہ ہو یا سجدہ تلاوت کا نہ سجدہ شکر کا امام کے صحیح تر قول میں یعنی اگر نماز جنازہ یا سجدہ تلاوت کی نیت سے تیمم کیا تو اس تیمم سے مطلق نماز جائز ہے اور اگر سجدہ شکر کے واسطے تیمم کیا تو اس سے نماز پڑھنا درست نہیں کیونکہ وہ عبادت نہیں امام کے نزدیک حلبی نے کہا کہ صاحبین کے نزدیک سجدہ شکر مستحب ہے اور اسی پر فتوی ہے چنانچہ سجدہ تلاوت کے باب میں مذکور ہوگا تو جب عبادت ہوا تو اس تیمم سے نماز صحیح ہوگی مقصودۃ تیمم کے واسطے اس عبادت کی نیت مشروط ہے جو مقصود بالذات ہو یعنی دوسری عبادت کا وسیلہ نہ ہو خرج دخول مسجد ومس مصحف عبادت مقصودہ کی قید سے مسجد کا داخل ہونا اور مصحف کا چھونا نکل گیا یعنی دخول مسجد اور مس مصحف خود عبادت مقصودہ نہیں بلکہ نماز اور قرآن پڑھنے کے وسیلے ہیں اگر کوئی کہے کہ دخول مسجد قطع نظر نماز کے اعتکاف کے واسطے ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ عبادت تو اعتکاف ہے اور دخول مسجد اس کا تابع ہے تو عبادت مقصودہ نہ ٹھہرا اور قرأت کی نیت سے تیمم کرنے میں تفصیل حق ہے چنانچہ بدائع میں ہے کہ اگر جنب نے قرات کے واسطے تیمم کیا تو اس کو اور نمازیں پڑھنا جائز ہیں کذا فی الطحطاوی لا تحل ای لا تحل بعدم قراۃ القرآن للجنب بدون طہارۃ تیمم کے واسطے وہ عبادت مقصودہ مشروط ہے جو بغیر صحیح نہیں یعنی حلال نہیں بدون طہارت کے لا تحل کی تفسیر لا تحل اس واسطے کی تاکہ عبادت مقصودہ جنب کی قرآن خوانی کو بھی شامل ہو جاوے ہم زیلعی اور سراج وہاج وغیرہما میں مطلق مذکور ہے کہ صحیح تر یہ ہے کہ قرآن خوانی کے تیمم سے نماز پڑھنا درست نہیں لیکن بدائع اور غایۃ البیان اور مجتبی میں کہا کہ اطلاق صحیح نہیں تفصیل حق یہ ہے یعنی اگر جنب قرآن خوانی کے واسطے تیمم کرے تو اور نمازیں پڑھنا درست ہیں چنانچہ بحر الرائق میں ہے کہ شرط یہ ہے کہ منوی عبادت مقصودہ ہو یا عبادت مقصودہ

سلہ نیت کی بھولی چیز ہے

کا جزو ہو اور وہ حلال نہ ہو بدون طہارت کے تو قرآن خوانی عبادت مقصودہ یعنی نماز کا جزو ہے لیکن اگر قرآن خوان جنب ہو تو شرط اخیر یعنی عدم حلہ[1] فعل الا بالطہارۃ
پائی گئی تو تیمم کی شرط پوری ہو گئی تو نماز اس سے درست ہوئی اور اگر قرآن خوان جنب نہیں بلکہ بے وضو ہے تو شرط اخیر نہ پائی گئی تو اس تیمم سے نماز جائز نہ ہوئی کذا
فی النہر شارح نے لا تصح کی تعبیر لاتحل کی جگہ کی تاکہ اشارہ ہو اس تفصیل تحقیقی کی طرف خرج السلام وردہ شرط اخیر سے سلام کرنے اور سلام کے جواب دینے کا تیمم خارج
ہو گیا یعنی سلام اور جواب اگرچہ عبادت مقصودہ ہیں لیکن بدون طہارت کے بھی صحیح ہیں تو ان کے تیمم سے نماز پڑھنا جائز نہیں فلغا تیمم کافر لا وضوءہ
لانہ لیس باہل للنیۃ فما یفتقر الیہا لا یصح منہ جب تیمم میں نیت مخصوصہ شرط ہوئی تو کافر کا تیمم کرنا لغو یعنی باطل ہے نہ وضو کرنا اس کا اس لیے کہ کافر نیت کرنے
کی اہلیت نہیں رکھتا تو جو عمل کہ اپنی صحت میں نیت کی طرف حاجت رکھتا ہے وہ کافر سے صحیح نہ ہوگا مگر اس واسطے کہ نیت سے فعل ثواب آخرت کا سبب مراد ہوتا
ہے اور کافر سے حالت کفر میں ایسا فعل واقع نہیں ہوتا ولہذا کافر کا وضو صحیح ہے کیونکہ اس میں نیت کی حاجت نہیں تو کافر بعد اسلام کے وضوء سابق سے نماز پڑھ
سکتا ہے نہ تیمم سابق سے وصح تیمم جنب بنیۃ الوضوء یفتی اور صحیح ہے جنب کا تیمم کرنا وضو کی نیت سے اسی قول کا فتویٰ ہے یعنی وضو کی نیت سے جنابت سے بھی
پاک ہو جاتا ہے وندب لراجیہ رجاءً قویا آخر الوقت المستحب اور جس کو پانی ملنے کی امید قوی ہو تو اس کو وقت مستحب کے آخر وقت میں نماز پڑھنا
مندوب اور مستحب ہے کذا فی النہر عن المواقف ولو لم یوخر و تیمم وصلی جاز لو کان بینہ و بین الماء میل والا لا اور اگر تاخیر نہ کی اور تیمم کیا اور نماز پڑھ لی تو جائز ہے اگر
ہو درمیان اس شخص کے اور پانی کے میل بھر کی مسافت اور اگر اس قدر سے مسافت کم ہو تو نماز جائز نہیں صلی من لیس فی العمران بالتیمم ونسی الماء فی رحلہ
وہو مما ینسی عادۃ لا اعادۃ علیہ نماز پڑھی اس شخص نے جو آبادی میں نہیں اور بھول گیا اس پانی کو جو اونٹ کے کجاوے میں ہے اور کجاوہ اس قسم سے ہے کہ
اس کی چیز کے بھول جانے کی عادت ہے تو اس پر نماز کا اعادہ نہیں ہم آبادی میں نہ ہونا عام ہے خواہ وہ مسافر ہو یا مقیم اور اگر آبادی میں ہو اور اس طرح نماز
پڑھے تو اعادہ واجب ہے اور جس نے مسافر کی قید لگائی ہے تو بنظر غالب عادت کے کذا فی النہر اور نسیان وغیرہ باقی قیود کے احترازات کو شارح ذکر
کرے گا ولو ظن فناء الماء اعاد اتفاقا اور اگر پانی چک جانے کا گمان کیا اور تیمم سے نماز پڑھی تو پانی دیکھ کر نماز کا اعادہ کرے بالاتفاق کما لو نسیہ فی عنقہ او ظہرہ او فی
مقدمہ راکبا او موخرہ سائقا او نسی ثوبہ وصلی عریانا او فی ثوب نجس او مع نجس و معہ ما یزیلہ او توضا بماء نجس او صلی محدثا ثم ذکر اعاد اجماعا چنانچہ اگر اس پانی کو بھولا
جو اونٹ کی گردن[2] یا اس کی پیٹھ یا اس کے سامنے تھا سواری کی حالت میں یا اونٹ کے پیچھے جب کہ وہ اس کا ہانکنے والا تھا یا شخص اپنا کپڑا بھولا اور برہنہ نماز
پڑھی یا ناپاک کپڑے میں یا نجاست کے ساتھ نماز پڑھی اور حالانکہ اس کے پاس وہ چیز ہے جس سے ازالۂ نجاست ہو سکتا تھا یا وضو کیا نجس پانی سے یا بے
وضو نماز پڑھی پھر اس کو پانی یا کپڑا یا نجاست یا بے وضو ہونا یاد پڑا تو نماز کو پھر پڑھے بالاتفاق ہم بعض صورتوں میں حکایت اجماع میں کلام ہے کہ بحر الرائق اور
منح الغفار کی مراجعت سے معلوم[3] ہوتا ہے ویطلبہ وجوبا علی الظاہر من رفیقہ ممن ہو معہ فان منعہ ولو دلالۃ بان استہلکہ تیمم لتحقق عجزہ اور بنابر ظاہر الروایۃ کے
واجب ہے کہ پانی مانگے اپنے رفیق سے جو اس کے ساتھ ہے پھر اگر وہ پانی نہ دے اگرچہ نہ دینا دلالت حال کی راہ سے ہو اس طرح کہ کچھ پانی کو تلف کرے
اور باقی طہارت کو کافی نہ رہے تو تیمم کرے بسبب ثابت ہو جانے اس کی عاجزی کے ہم رفیق کی قید باعتبار عادت کے ہے اس لیے کہ جو نماز کے وقت موجود
ہو اس سے مانگنا چاہیے رفیق ہو یا غیر رفیق فان لم یعطہ الا بثمن مثلہ او بغبن یسیر ولہ ذلک فاضلا عن حاجتہ لا یتیمم اور اگر وہ شخص پانی نہ دے مگر بعوض
اس ثمن کے جو اس مقدار پانی کا معمول ہے یا تھوڑے سے غبن کے ساتھ اور اس کے پاس وہ ثمن موجود ہے اس کی حاجت سے زیادہ تو تیمم نہ کرے بلکہ پانی خرید
کرکے وضو کے ساتھ نماز پڑھے ہم غبن یسیر وہ ہے جو وہ چند قیمت سے کم ہو یہ معلوم ہوتا ہے غبن فاحش کی تعریف سے جو عنقریب مذکور ہوگی ولو اعطاہ باکثر

[2] شامی نے ضمیر عنقہ اور ظہرہ کی مصلی کی طرف پھیری ہے اور طحطاوی نے بھی کہا ہے کہ ضمیر ان الناسی یعنی دونوں ضمیریں بھولنے والے کی طرف راجع ہیں تو مترجم اول نے سہو کیا کہ ضمیر کو اونٹ کی طرف پھیرا ۱۲ [3] شامی نے زیلعی سے نقل کیا کہ نجس کپڑے سے نماز پڑھنے میں اختلاف ہے باقی میں اجماع اعادہ پر ہے ۱۲

[1] حلال نہ ہونا فعل کا بجز طہارت کے ۱۲

یعنی بغبن فاحش وہو ضعف قیمتہ فی ذلک المکان اولیس لہ ثمن ذلک تیمم اور اگر پانی کا مالک پانی دے اکثر ثمن سے یعنی غبن فاحش کے ساتھ اور غبن فاحش دو چند ہے پانی کی قیمت کا اس مکان میں یا اس شخص کے پاس اس قدر ثمن نہیں ہے تو تیمم کرے م غبن فاحش سے خریدکرنا اس واسطے واجب نہ ہوا کہ حرمت مال مسلم اس کے جان کی حرمت کے مانند ہے اور جان میں ضرر مسقط[۱] ہے اسی طرح مال میں کذافی البحر واما للعطش فیجب علی القادر شراؤہ باضعاف قیمتہ احیاء لنفسہ اور پیاس کے واسطے تو واجب ہے خرید کرنا مقدور والے پر اضعاف بیشمار کے بدلے اپنی جان کو زندہ رکھنے کی وجہ سے یعنی اس لیے کہ حفظ جان کا مقدم ہے مال کے حفظ پر وانما اعتبر المثل فی تسعۃ عشر موضعا مذکورۃ فی الاشباہ اور ثمن مثل معتبر نہیں مگر ۱۹ مکانوں میں جو اشباہ میں مذکور ہیں م مواضع مذکورہ کی تفصیل بیان ضرور نہ تھی لہذا بخوف تطویل ان کو مذکور نہ کیا وقبل طلبہ الماء لا یتیمم علی الظاہر ای ظاہر الروایۃ عن اصحابنا لانہ مبذول عادۃ کما فی البحر عن المبسوط اور پانی مانگنے سے پہلے تیمم نہ کرے بنابر ظاہر الروایۃ کے ہمارے اصحاب یعنی ابوحنیفہ اور ابویوسف اور محمد رحمہم اللہ سے اس واسطے کہ پانی میں بخل نہیں ہوتا وہ دینے اور خرچ کرنے کی چیز ہے عادت میں چنانچہ بحرالرائق میں مبسوط سے منقول ہے م اور جو چیز محتاج الیہ ہو اور اس کے دینے میں بخل کی عادت نہ ہو تو اس کے مانگنے میں کچھ ذلت اور خواری نہیں اس واسطے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض حوائج کو غیروں سے سوال کیا ہے کذافی الطحطاوی عن البحر وعلیہ فیجب طلب الدلو والرشاء اور بنابر اس کے چونکہ پانی کا طلب کرنا واجب ہے مبذول ہونے کے سبب سے تو ڈول اور رسی کا مانگنا واجب ہے یعنی اس میں بھی بخل کی عادت نہیں وکذا الانتظار لو قال حتی استقی وان خرج الوقت اور اسی طرح انتظار کرنا واجب ہے اگر طالب سے کہا ڈول اور رسی کے مالک نے ٹھہر جا یہاں تک کہ پانی بھر لوں اگرچہ انتظار میں نماز کا وقت نکل جائے م اور دوسرا قول یہ ہے کہ انتظار کرنا واجب نہیں مستحب ہے کذافی الطحطاوی ولو کان فی الصلوۃ ان ظن الاعطاء قطع والالا اور اگر تیمم نماز میں کسی دوسرے شخص کے پاس پانی دیکھے اگر اس کو پانی دینے کا گمان ہو تو نماز کو قطع کرے اور اگر دینے کا گمان نہ ہو تو نماز نہ توڑے نہرالفائق میں ہے کہ تیمم کرنے والا نماز میں ہو اور اس کو دینے کا گمان غالب ہو تو قطع کرے اور طلب کرے پھر اگر وہ نہ دے تو تیمم اس کا باقی ہے پھر اگر اس نے بلا سوال نماز تمام کی پھر سوال کیا تو اگر اس نے پانی دیا تو نماز پھر پڑھے ورنہ نماز تمام ہو گئی کذافی الطحطاوی لکن فی القہستانی عن المحیط ان ظن اعطاء الماء والالۃ وجب الطلب والالا لیکن قہستانی میں محیط سے منقول ہے کہ اگر پانی یا ڈول یا رسی دینے کا گمان ہو تو طلب کرنا واجب ہے ورنہ واجب نہیں م یہ روایت مخالف ہے ظاہر الروایۃ کی جو متن میں مذکور ہو چکی اور محیط کے مانند وافی میں بھی تفصیل مذکور ہے کذافی الطحطاوی والمحصور فاقد الماء والتراب الطہورین بان حبس فی مکان نجس ولا یمکنہ اخراج مطہر وکذا العاجز عنہما لمرض یؤخرہا عندہ اور بندیوان نہ پانے والا پانی اور مٹی پاک کرنے والوں کا اس طرح پر کہ وہ شخص بند کیا گیا ناپاک مکان میں اور اس کو ممکن نہیں پاک مٹی کا نکالنا زمین یا دیوار کھود کر اور اسی طرح بندیوان کے مانند وہ شخص ہے جو پانی اور مٹی مطہر سے عاجز ہے بیماری کے سبب سے نماز کو تاخیر کرے امام کے نزدیک م تاخیر کرے یعنی اس پر نماز حرام ہے ایسا نقل کیا ہے نووی شافعی نے امام کا مذہب کذافی المنح اور اگر پاک کرنے والی مٹی کے نکالنے پر قادر ہو تو مٹی نکال کے نماز پڑھے بالاتفاق[۲] امام اور صاحبین کے چنانچہ خلاصہ میں ہے وقالا یتشبہ بالمصلین وجوبا فیرکع ویسجد ان وجد مکانا یابسا والا یومی قائما ثم یعید کالصوم اور صاحبین نے کہا کہ فاقد الطہورین نمازیوں کے مشابہ بن جائے وجوبا تو رکوع اور سجدہ کرے اگر خشک مکان پاوے اور اگر خشک مکان نہ ملے تو نماز کا اشارہ کرے کھڑے ہو کر پھر جب پانی یا مٹی پاوے تو نماز کا اعادہ کرے صوم کے مانند م یعنی اگر مسافر موضع اقامت میں داخل ہوا کھانے کے بعد رمضان شریف میں یا اس وقت پہنچا کہ نیت صوم کا وقت باقی نہ رہا تو باقی دن میں اس پر امساک واجب ہے روزہ داروں کے مشابہ بن کر پھر اس روزہ کا اعادہ واجب ہے کذافی الطحطاوی به یفتی والیہ صح رجوعہ ای الامام کما فی الفیض اور انہی صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے اور اسی قول کی طرف امام کا رجوع کرنا صحیح ہے چنانچہ فیض میں ہے وفیہ ایضا

[۱] یعنی جان کا ضرر وضو کو ساقط کر دیتا ہے ۱۲ [۲] یعنی نہ پانے والا پانی اور مٹی کا ۱۲

مقطوع الیدین والرجلین اذا کان بوجہہ جراحۃ یصلی بغیر طہارۃ ولا یتیمم ولا یعید علی الاصح اور یہ مسئلہ بھی فیض میں ہے کہ جس کے دونوں ہاتھ اور دونوں
پاؤں کٹے ہوئے ہیں جب کہ اس کے چہرے پر زخم ہو تو بدون طہارت کے نماز پڑھے اور تیمم نہ کرے اور نماز کا اعادہ نہ کرے یہی قول صحیح تر ہے اور اگر چہرہ صحیح اور
سالم ہو تو مٹی پر مل لے اور جس کے ہاتھ شل یعنی خشک ہو گئے وہ اپنا چہرہ اور ہاتھ مٹی سے مل لے اور نماز کو نہ چھوڑے اور اقطع یعنی جس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوں
وہ باقی کا مسح کرے اگر غسل مفروض کا کچھ محل باقی ہو والا لا کذا فی الطحطاوی وبہذا ظہر ان تعمد الصلوٰۃ بلا طہر غیر مکفر فلیحفظ وقد مر ویأتی فی صلوٰۃ المریض اور مسئلہ سابقہ سے
ظاہر ہو گیا کہ قصداً نماز پڑھنا بدون طہارت کے نماز پڑھنے والے کو کافر نہیں کر دیتا تو اس کو یاد رکھنا چاہیے اور البتہ یہ مسئلہ مذکور ہو گیا اول کتاب الطہارۃ میں
اور آگے بھی آوے گا صلوٰۃ المریض کے باب میں فروع مسائل ملحقہ شارح کے یصلی المحبوس بالتیمم ان فی المصر اعاد والا لا محبوس نے تیمم کے ساتھ نماز پڑھی اگر وہ قید کی
شہر میں ہے تو خلاص ہونے کے بعد نماز کو پھیرے اور اگر شہر میں نہیں ہے تو نہ پھیرے مم یعنی متیمم محبوس پر اعادہ ہے نہ مسافر پر اس واسطے کہ سفر کا عذر عجز حقیقی
کے ساتھ مل گیا اور سفر میں غالب بے آبی ہے تو عدم متحقق ہو گیا ہر وجہ سے اور متیمم کو اعادہ اس واسطے ہوا کہ عجز متحقق ہوا عباد کے فعل سے اور فعل عباد مؤثر نہیں
حق اللہ کے اسقاط میں کذا فی العالمگیریۃ ہل یتیمم للسجدۃ التلاوۃ ان فی السفر نعم والا لا سوال سجدہ تلاوت کے واسطے تیمم کرے یا نہ کرے جواب اگر وہ شخص سفر میں
ہے تو ہاں تیمم کرے اور اگر سفر میں نہیں تو نہ کرے مم اگر یہ صورت پانی موجود ہونے میں مفروض ہے تو حق یہ ہے کہ مطلقاً درست نہیں نہ سفر میں نہ اقامت
میں اور اگر پانی موجود نہیں تو مطلقاً درست ہے کذا فی الحلبی الماء المسبل فی الفلاۃ لا یمنع التیمم مالم یکن کثیراً فیعلم انہ للوضوء ایضاً جو پانی کہ بطریق سبیل کے رکھا ہے
جنگل میں وہ تیمم کرنے کا مانع نہیں جب کہ وہ بہت نہ ہو یعنی اگر بکثرت ہو گا تو معلوم ہو گا قرینہ سے کہ وہ وضو کے واسطے بھی ہے مم پینے کے واسطے جو پانی
راہوں میں وقف ہوتا ہے تو وہ تیمم کا مانع نہیں اس واسطے کہ وضو کا پانی شرعاً معدوم ہے اور کثیر پانی سے اس وقت وضو درست ہو گا جب کہ فقط شرب
کا یقین نہ ہو اور جب کہ یقین ہو کہ فقط پینے کے واسطے ہے تو وضو حرام ہے اس واسطے کہ وقف کی شرط شارع کے نص کے مانند ہے کذا فی الطحطاوی ویشرب
ماء للوضوء اور وہ پانی جو وضو کے واسطے وقف اور سبیل ہے اس کا پینا درست ہے الجنب اولی بمباح من حائض ومحدث ومیت جنابت والا مقدم
اور لائق تر ہے مباح پانی کے استعمال کرنے میں حائض اور بے وضو اور غسل میت سے یعنی اس واسطے کہ جنابت اشد ہے تو اس کا ازالہ اہم ہے ولاحدہم
فہو اولی اور اگر وہ پانی ان میں سے کسی ایک شخص کا مملوک ہے تو وہ شخص مقدم ہے کیونکہ وہ مالک ہے ولو مشترکا ینبغی صرفہ للمیت اور اگر وہ پانی تینوں
میں مشترک ہے تو اس کا صرف کرنا غسل میت کے واسطے لائق ہے جاز تیمم جماعۃ من محل واحد تیمم کرنا جماعت کا ایک مکان سے جائز ہے یعنی اس واسطے
کہ مٹی مستعمل نہیں ہوتی یہاں تک کہ اگر تیمم کرنے والوں کے ہاتھوں کی مٹی ایک جگہ جمع ہو تو اس پر بھی تیمم درست ہے کذا فی الطحطاوی حیلۃ جواز تیمم من معہ
ماء زمزم ولا یخاف العطش ان یخلطہ بما یغلبہ او یہبہ علی وجہ یمنع الرجوع تدبیر جائز ہونے تیمم کی اس شخص کو جس کے ساتھ زمزم کا پانی ہے اور اس کو پیاس کا
کھٹکا نہیں یہ ہے کہ زمزم کے ساتھ اس چیز کو ملا دے جو اس سے غالب ہو جائے یا برابر جیسے گلاب وغیرہ کو مخلوط کر دے یا اس کو ہبہ کر دے اس طرح
پر کہ مانع ہو رجوع فی الہبہ کے مم عدم خوف تشنگی کی اس واسطے قید لگائی کہ تشنگی کے خوف سے تیمم جائز ہے بدون مخلوط کرنے کے اس واسطے کہ وہ پانی
حاجت اصلی میں مشغول ہے اور ظاہراً یہ مذکورہ کا حیلہ خوب نہیں کہ اس میں اپنا کچھ فائدہ نہ رہا واللہ اعلم وناقضہ ناقض الاصل ولو غسلاً اور تیمم کو توڑنے
والا وہ ہے جو تیمم کی اصل کا ناقض ہے یعنی تیمم جس کا خلیفہ اور بدل ہے اگرچہ وہ اصل غسل ہو یعنی جو چیز کہ وضو کی ناقض ہے وہ اس تیمم کی ناقض ہے جو خلیفہ
ہے وضو کا اور جو چیز غسل کی ناقض ہے وہ اس تیمم کی بھی ناقض ہے جو بدل ہے غسل کا مصنف نے اپنی شرح میں کہا کہ کنز اور وقایہ میں یوں کہا ہے
کہ تیمم کا ناقض وہ ہے جو وضو کا ناقض ہے اور شرح نقایہ میں کہا کہ ناقضہ ناقض الاصل وضوءاً کان او غسلاً اور یہی کہنا بہتر ہے اس واسطے کہ جو ناقض ہے
غسل کا وہ ناقض ہے وضو کا لیکن ہر ناقض وضو کا غسل کا ناقض نہیں کیونکہ حدث ناقض وضو ہے پر وہ غسل کا ناقض نہیں تو یہ کلیہ نہ ٹھہرا کہ ناقض وضو کا

ہر تیمم کا ناقض ہے انتہی فلو تیمم للجنابۃ ثم احدث صار محدثا لا جنبا تو اگر جنابت کے واسطے تیمم کیا پھر حدث اصغر واقع ہوا تو وہ محدث ہو گیا نہ جنب یعنی اس کا وضو ٹوٹا نہ غسل م دریافت کر کہ متن مذکور تین صورت میں شامل ہے ایک یہ کہ اگر تیمم حدث اصغر سے ہے تو اس کا ناقض وہ ہے جو اس کی اصل یعنی وضو کا ناقض ہے دوسری صورت یہ کہ اگر تیمم جنابت سے ہے تو اس کا ناقض وہ ہے جو غسل کا ناقض ہے تیسری صورت یہ ہے کہ حدث اصغر اور حدث اکبر یعنی جنابت کے واسطے ساتھ ہی تیمم کیا پھر حدث اصغر واقع ہوا تو یہاں تیمم ٹوٹا ایک اصل کے اعتبار سے یعنی باعتبار حدث اصغر کے نہ باعتبار جنابت کے تو شارح کا متفرع کرنا صحیح ٹھہرا تو حلبی کا اعتراض جو شارح پر تھا کہ اس نے مسکوت عنہ[1] پر تفریع کی دفع ہو گیا کذا فی الطحطاوی بتصرف فیتوضأ و یمسح خفیہ جب کہ وہ محدث ہو گیا نہ جنب تو اب وہ وضو کرے اگر پانی بقدر وضو کے پاوے اور اپنے دونوں موزے آتار کر پاؤں دھووے م یعنی جو موزے کہ جنابت سے پہلے طہارت کاملہ پر پہنے تھے ان کو اتارے چنانچہ زیلعی میں ہے موزہ اس واسطے اتارے کہ موزہ جنابت کا مانع نہیں چنانچہ باب المسح علی الخفین میں مذکور ہوگا کذا فی الحلبی ثم یمسح علیہ مالم یمر بالماء پھر وضو کے بعد ہر موزے پر مسح کرتا ہے جب تک اس قدر پانی پر نہ گذرے جو غسل کے واسطے کفایت کرتا ہے کیونکہ اگر اس قدر پانی پر گذر ہوگا تو جنابت کا بھی تیمم ٹوٹ جاوے گا پھر تجاوز کے بعد جنابت کے واسطے دوسرا تیمم کرے تو پہلا ٹوٹ گیا پانی کے دیکھنے سے پھر اس کے بعد اگر حدث اصغر واقع ہوا اور پانی بقدر وضو کے پاوے تو موزوں پر مسح نہ کرے بلکہ ان کو اتارے اور پاؤں کو دھووے کیونکہ جنابت پاؤں میں سرایت کر گئی پھر موزے پہنے اور مسح کرتا رہے بعد حدث کے کذا فی الطحطاوی فمع فی عبارۃ صدر الشریعۃ بمعنی بعد کما فی ان مع العسر یسرا افافہم تو مع کا لفظ صدر الشریعۃ کی عبارت میں بمعنی بعد کے ہے جس طرح ان مع العسر یسرًا میں مع بمعنی بعد ہے یعنی دشواری کے بعد آسانی ہے سو اس کو سمجھ لے اے مخاطب م شرح وقایہ میں اول باب تیمم میں صدر الشریعۃ کی عبارت اس طرح ہے اما اذا کان مع الجنابۃ حدث یوجب الوضوء یجب علیہ الوضوء) یعنی جب کہ مع الجنابۃ حدث موجب وضو ہو تو اس پر وضو واجب ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب جنابت کے تیمم کے بعد حدث پایا جاوے تب وضو واجب ہے اس واسطے کہ جنابت کے ساتھ وضو کرنے کی حاجت نہیں چنانچہ قہستانی میں یوں مصرح ہے کہ اگر جنب کے پاس اتنا پانی ہو کہ اس کے کچھ اعضا یا وضو کو کفایت کرتا ہو تو وہ تیمم کرے اور اس پر واجب نہیں پانی کا صرف کرنا اعضا یا وضو کی طرف مگر جب کہ جنابت کا تیمم کیا پھر حدث واقع ہوا وضو کا موجب تو اب اس وقت اس پر وضو کرنا واجب ہے کیونکہ وہ پانی بقدر کفایت پر قادر ہوا کذا فی الطحطاوی اور اسی طرح حسن چلپی محشی شرح وقایہ نے عبارت مذکورہ کے وضو کو بعد تیمم جنابت کے محمول کیا ہے وقدرۃ ماء ولو اباحۃ فی الصلوۃ اور ناقض تیمم ہے قادر ہونا پانی پر اگرچہ قدرت بطریق اباحت کے ہو نماز میں م یعنی اگر ایک شخص نے پانی کے نہ ہونے سے تیمم کر کے نماز شروع کی اور عین نماز میں کسی شخص نے اس پر پانی مباح کر دیا تو قدرت حاصل ہوئی نماز چھوڑ کر وضو کرے اور نماز پڑھے مصنف نے شرح میں کہا کہ رویت سے قدرت کو تعبیر کرنا بہتر ہے اس واسطے کہ مریض پانی کو دیکھتا ہے اور پھر بھی تیمم کرتا ہے اور بعد زوال مرض تیمم باطل ہوگا بسبب قدرت کے اگرچہ پانی نظر نہ آوے کاف لطہرہ ولو مرۃ مرۃ قدرت اس قدر پانی کی ناقض ہے جو کافی ہو اس کی طہارت کو یعنی وضو یا غسل کو اگرچہ ایک ایک بار اعضاء کا دھونا ممکن ہو فضل عن حاجتہ کعطش وعجن وغسل نجس مانع ولمعۃ جنابۃ لان المشغول بالحاجۃ وغیر الکافی کالمعدوم قدرت اس پانی کی ناقض ہے جو اس کی حاجت سے زائد ہے چنانچہ تشنگی سے اور آٹا گوندھنے اور نجاست　مانع نماز کے دھونے سے اور اس عضو کے دھونے سے کہ غسل جنابت سے خشک رہا تھا اس واسطے کہ جو پانی کہ حاجت کے ساتھ مشغول ہے اور وضو یا غسل کو کفایت نہیں کرتا ہے وہ نہ ہونے کے برابر ہے لاردۃ لا ارتداد یعنی تیمم کا ناقض نہیں مرتد ہو جانا یعنی اگر مسلمان نے تیمم کیا پھر معاذ اللہ وہ مرتد ہو گیا پھر توبہ کی تو وہ تیمم باقی ہے نماز اس سے جائز ہے وکذا ینقضہ کل مایمنع وجودہ التیمم اذا وجد بعدہ لان ماجاز لعذر بطل بزوالہ اور اسی طرح توڑتی ہے تیمم کو ہر ایک وہ چیز جس کا ہونا تیمم کا مانع ہے جب کہ وہ چیز تیمم کے

[1] یعنی اس امر سے جس سے سکوت کیا گیا اور عبارت میں مذکور نہ ہوا ۱۲

لعد پائی جائے اس واسطے کہ جو چیز جائز ہوئی کسی عذر کے ہونے سے باطل ہو جاتی ہے اس کے زائل ہو جانے سے فلو تیمم لمرض بطل ببرئہ او لبرد بطل بزوالہ تو اگر تیمم کیا بیماری کے سبب سے تو تیمم باطل ہو جاتا ہے بیماری کے جاتے رہنے سے یا تیمم کیا سردی کے سبب سے تو باطل ہو جاتا ہے سردی کے زوال سے والحاصل ان کل ما یمنع وجودہ التیمم نقض وجودہ التیمم اور خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جس چیز کا وجود مانع ہے تیمم کا اس کا موجود ہونا تیمم کا ناقض ہے م طحطاوی نے کہا شارح کا یہ کلام بعینہ متن کا کلام ہے تو اس کا کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا اور توضیح اس کی یوں ہے کہ تیمم جائز نہیں ابتدا میں پانی کے ہوتے اور بعد اس کے اگر پانی میل سے کم ہے سو اگر وہ متیمم تھا پھر پانی حاضر ہوا یا متیمم چلا یہاں تک کہ میل سے کم ہو گیا تو تیمم ٹوٹ گیا اور اگر مریض نے تیمم کیا مرض کے سبب سے پانی کے نہ ہوتے پھر پانی حاضر ہوا تو تیمم نہیں ٹوٹتا انتہی و ما لا یمنع وجودہ فی الابتداء فلا ینقض وجودہ بعد ذلک التیمم اور جس چیز کا وجود تیمم کا مانع نہیں ابتدا میں تو اس کا موجود ہونا بعد اس کے تیمم کو نہیں توڑتا ہے م چنانچہ مریض مذکور کی مثال سے یہ امر واضح ہوتا ہے ولو قال وکذا زوال ما اباحہ ای التیمم لکان اظہر واخصر اور اگر مصنف یوں کہتا اور اسی طرح ناقض تیمم کا ہے زائل ہونا اس چیز کا جس نے تیمم کو مباح کر دیا تو ظاہر تر اور مختصر تر ہوتا مصنف کی عبارت سابقہ سے کما لا یخفی لظہورہ واختصارہ وعلیہ لو تیمم لبعد میل فسار فانتقص انتقض فلیحفظ اور بنابر قاعدہ مذکورہ کے اگر تیمم کیا ایک میل پانی کے دور ہونے سے پھر تیمم پانی کی طرف چلا سو میل سے کم ہو گیا تو وضو ٹوٹ گیا اس کو یاد رکھنا چاہیے م تیمم اس واسطے ٹوٹ گیا کہ تیمم کی اباحت ہوئی تھی بقدر میل کے دور ہونے سے پھر جب میل بھر نہ رہا تیمم ٹوٹ گیا اور بموجب متن کے یہ وجہ ہے نقض تیمم کی کہ اقل میل کا وجود تیمم کا مانع ہے پھر جب کہ اقل میل پایا گیا اس کے چلنے سے تو تیمم ٹوٹ گیا ومرور ناعس متیمم عن حدث او نائم غیر متمکن متیمم عن جنابۃ علی ماء کاف کمستیقظ فینتقض اور گذرنا اس اونگھنے کا جس نے تیمم کیا حدث سے یا گذرنا نائم غیر متمکن کا جو متیمم ہے جنابت سے پانی پر کہ طہارت کو کافی ہے جاگتے شخص کے مانند ہے تو تیمم ٹوٹے گا اس گذرنے سے وابقیاہ تیممہ وہو الروایۃ المصححۃ عنہ المختارۃ للفتوی اور صاحبین نے نائم اور ناعس مذکور کے تیمم کو باقی کہا ہے اور یہی روایت صحیح ٹھہرائی گئی ہے امام سے پسندیدہ ہے فتوی دینے کے واسطے م تو اب یہ مسئلہ اختلافی نہ رہا اتفاقی ہو گیا کما تیمم ولقربہ ماء ولا یعلم بہ کما فی البحر وغیرہ واقرہ المصنف جیسے تیمم صحیح اور قائم ہے اگر ایک شخص نے تیمم کیا اور اس کے نزدیک ہے اور وہ اس کو نہیں جانتا ہے ایسا مذکور ہے بحر الرائق وغیرہ میں اور اس کو مصنف نے اپنی شرح میں ثابت رکھا ہے تیمم لو کان اکثرہ ای اکثر الاعضاء الوضوء عددا وفی الغسل مساحۃ مجروحا او بہ جدری اعتبارا للاکثر تیمم کرے جو اکثر یعنی آدھے سے زیادہ وضو کے اعضا شمار کی راہ سے اور غسل میں پیمائش کی راہ سے زخمی ہوں یا بدن میں چیچک نکلی ہو تیمم کا حکم ہوا اکثر کے اعتبار کرنے سے اس واسطے کہ للاکثر حکم الکل م تو اگر سر اور چہرہ اور دونوں ہاتھوں میں زخم ہو اور پاؤں میں زخم نہ ہو تو تیمم کرے خواہ اعضاء زخمی اکثر مجروح ہوں یا صحیح اور یہی قول مختار ہے کذا فی البحر اور غسل میں پیمائش کا اعتبار کرنا یہ صاحب بحر کی تجویز ہے اور صاحب نہر نے بھی اس کو مسلم رکھا ہے کذا فی الطحطاوی وبعکسہ یغسل الصحیح ویمسح الجریح اور اس کے عکس میں یعنی اگر اعضاء صحیح ہوں اور اقل مجروح تو دھووے صحیح کو اور مسح کرے مجروح کو م یعنی محل جراحت پر مسح کرے اور اگر تاب نہ ہو تو کپڑے پر مسح کرے حلبی شارح منیہ کے کلام سے نکلتا ہے کہ کپڑا باندھنا واجب ہے کذا فی الطحطاوی وکذا ان استویا غسل الصحیح من اعضاء الوضوء لا روایۃ فی الغسل اور اسی طرح اگر اعضاء صحیح اور برابر ہوں تو اعضاء صحیح وضو کو دھووے اور مجروح کو مسح کرے اور غسل میں درصورت مساوات کوئی روایت نہیں م اور اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور دھونا اور مسح کرنا احوط قول ہے چنانچہ متن میں ہے کذا فی الحلبی ومسح الباقی مفادہ ہو الاصح لانہ احوط فکان اولی درصورت مساوات صحیح کو دھووے اور باقی اعضاء مجروح کو مسح کرے اور یہی قول صحیح تر ہے اس واسطے کہ اس میں زیادہ تر احتیاط ہے تو یہی قول بہتر ٹھہرا وصحح فی الفیض وغیرہ التیمم اور فیض وغیرہ میں تیمم کرنے کو درصورت مساوات کے صحیح کہا ہے کما تیمم لو الجرح بیدیہ وان وجد من یوضیہ خلافا لہما جیسے تیمم کرے اگر اس کے دونوں ہاتھوں میں زخم ہو اگرچہ پاوے اس شخص کو جو اس کو وضو کرا دے برخلاف صاحبین م امام کے نزدیک غیر شخص سے اعانت مستحب ہے اور صاحبین کے نزدیک فرض ہے منیہ کی شرح ابن امیر حاج

میں مذکور ہے کہ جب کہ یہ حال ہو کہ صحیح عضو کے دھونے سے مجروح عضو کو پانی پہنچتا ہو تو تیمم کرے کذا فی الطحطاوی ولا یجمع بینہما ای تیمم وغسل اور جمع نہ
کیا جاوے دونوں میں یعنی تیمم اور دھونے میں م یہاں غسل بالضم مراد نہیں بلکہ بالفتح مراد ہے تاکہ غسل اور وضو دونوں کو شامل رہے تیمم اور وضو میں
یا تیمم اور غسل میں اس واسطے جمع کرنا جائز نہیں کہ بدل اور مبدل میں جمع کرنا شرع سے ثابت نہیں کما لا یجمع بین حیض وحبل او استحاضۃ او نفاس چنانچہ
اجتماع نہیں درمیان حیض اور حمل یا حیض اور استحاضہ یا حیض اور نفاس کے ولا بین نفاس واستحاضۃ وحبل اور نہ درمیان نفاس اور استحاضہ یا نفاس
اور حمل کے ولا زکوۃ وعشر او خراج او فطرۃ اور نہ اجتماع ہے زکوۃ اور عشر میں یا زکوۃ اور خراج میں یا زکوۃ اور فطرہ میں م اجتماع زکوۃ اور عشر یا خراج کی صورت
یہ ہے کہ عشر خارج کا یا خراج زمین کا ادا کیا اور غلہ باقیہ میں تجارت کی نیت کی اور ایک سال اس پر گذر گیا تو اس میں زکوۃ نہیں اور چلپی محشی نے اس کی
یہ صورت پر جبکہ ایک شخص کی تجارت کے غلام ہیں ان پر سال گذر گیا تو ان میں مولیٰ پر زکوۃ فطرہ نہیں ہے کذا فی الطحطاوی ولا عشر مع خراج اور عشر نہیں خراج کے
ساتھ اس واسطے کہ زمین یا عشری ہے یا خراجی عشری پر خراج نہیں اور خراجی پر عشر نہیں ولا فدیۃ وصوم اور اجتماع نہیں فدیہ اور صوم میں اس واسطے کہ جس
پر روزہ رکھنا لازم ہے اس پر فدیہ دینا لازم نہیں اور جس کو فدیہ دینا چاہیے چنانچہ شیخ فانی اس پر روزہ نہیں قصاص م طحطاوی نے کہا یہاں سہو کاتب
سے کفارہ ساقط ہو گیا تو بحر الرائق کے موافق عبارت اس طرح مناسب تھی ولا بین القصاص والکفارۃ یعنی اجتماع نہیں درمیان قصاص اور کفارہ کے
اس واسطے کہ قصاص ہوتا ہے قتل عمد میں اور اس میں کفارہ نہیں اور کفارہ ہوتا ہے شبہ عمد اور خطا اور اس کے جاری مجرا میں اور اس میں قصاص
نہیں انتہی ما فی الطحطاوی اور بعضے نسخوں میں یوں عبارت ہے او قصاص او دیۃ یعنی جمع نہیں درمیان قصاص اور دیت کے واللہ اعلم ولا ضمان وقطع
او اجر اور اجتماع نہیں تاوان اور قطع میں یا تاوان اور اجرت میں یعنی جب سارق کا ہاتھ کاٹا گیا تو اس پر مال مسروقہ کا تاوان نہیں اور جس مزدور پر مال
کے تلف کرنے سے تاوان ہے اس کے واسطے مزدوری نہیں اور جس کی مزدوری لازم ہے اس پر تاوان نہیں ولا جلد مع رجم او نفی اور نہ درہ مارنا سنگساری
اور تغریب کے ساتھ یعنی اخراج از وطن م اس واسطے کہ کنوارے کی حد درے ہیں اور بیاہے کی حد سنگساری اور درہ مارنا تغریب[1] کے ساتھ مجتمع
نہیں ہوتا مگر تجویز حاکم لیکن درہ مارنا قید کرنے کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے کذا فی الطحطاوی ولا مہر ومتعۃ او حد او ضمان افضائہا او موتہا من جماعہ اور
اجتماع نہیں مہر اور متعہ میں یا مہر میں اور حد میں اور عورت کی ضمان افضا یا اس کی موت میں زوج کے جماع سے م مہر اور متعہ میں اس واسطے اجتماع نہیں
کہ مطلقہ قبل از دخول کا اگر مہر مسمی ہے تو نصف مہر واجب ہے اور اگر مہر مسمی نہیں تو متعہ واجب ہے یہاں متعہ سے کرتی اوڑھنی اور چادر مراد ہے اور مہر
اور حد میں عدم اجتماع کی وجہ یہ ہے کہ اگر وطی صحیح یا شبہ سے ہے تو مہر واجب ہے اور حد نہیں اور اگر وطی زنا کی ہے تو حد ہے اور مہر نہیں اور افضا
کی حقیقت یہ ہے کہ زوج کے جماع سے عورت کے بول اور براز کی دونوں راہیں پھٹ کر ایک ہو گئیں تو یہاں زوج پر ضمان ہے نہ مہر اور اسی طرح
اگر اس کے جماع سے زوجہ مر گئی تو تاوان ہے نہ مہر ولا مہر مثل وتسمیۃ اور اجتماع نہیں مہر مثل اور مہر معین میں اس واسطے کہ اگر مہر جائز کا تعین ہو گیا تو وہی
واجب ہے اور اگر مہر کا ذکر نہ ہوا یا غیر جائز کو معین کیا چنانچہ شراب یا سور تو مہر مثل واجب ہو گا ولا وصیۃ ومیراث اور اجتماع نہیں وصیت اور میراث
میں یعنی وارث کے واسطے وصیت کرنا صحیح نہیں الا باجازت باقی ورثہ کذا فی الطحطاوی وغیرہا مما سیجئ فی محلہ ان شاء اللہ اور ان اشیاء مذکورہ کے سوا
اور چیزیں عدیم الاجتماع ہیں جن کا ذکر آگے آوے گا اپنے موقع پر اگر حق تعالیٰ نے چاہا من بہ وجع راس لا یستطیع مسحہ محدثا ولا غسلہ جنبا ففی الفیض
عن غریب الروایۃ یتیمم وافتی قاری الہدایۃ انہ یسقط عنہ فرض مسحہ جس کے سر میں ایسا درد ہے کہ اس کے ساتھ مسح نہیں کر سکتا ہے وضو ہونے میں
اور نہ اس کو دھو سکتا ہے نہانے کی حاجت میں تو فیض میں ظاہر الروایۃ کے خلاف غریب الروایۃ سے مذکور ہے کہ وہ شخص تیمم کرے یعنی وضو اور غسل
کے عوض اور قاری ہدایہ نے اس کا فتوی دیا ہے کہ اس شخص سے مسح سر کی فرضیت وضو میں ساقط ہے ولو علیہ جبیرۃ ففی مسحہا قولان اور اگر سر پر پھاہا چون
کا پٹی ہے تو اس کے مسح میں دو قول ہیں۔ مسح کرنا اور نہ کرنا م اور وجوب مسح کا قول اظہر ہے کذا فی الطحاوی وکذا یسقط غسلہ فیمسحہ ولو علی الجبیرۃ ان لم یضرہ

یہ صورت مذکور کی ہے کہ زمین کا خراج ادا کیا پھر اس کی پیداوار میں تجارت کی نیت کی اور سال اس پر گذر گیا تو اس میں زکوۃ نہیں اور اجتماع زکوۃ اور فطرہ کی

[1] تغریب جلاوطن کرنا ۱۲

والا سقط اصلاً وجعل عادماً لذلک العضو حکماً کما فی المعدوم حقیقۃ اور اسی طرح غسل میں دھونا سر کا ساقط ہوتا ہے تو سر کو مسح کرے اگر پٹی پر مسح ہو بشرطیکہ مسح اس کو ضرر نہ کرتا ہو اور اگر ضرر کرتا ہو تو دھونا اور مسح کرنا دونوں بالکل ساقط ہیں اور یہ شخص حکم شرع میں بدون اس عضو کے ٹھہرایا گیا گویا اس کے سری نہیں جس طرح فی الحقیقۃ معدوم العضو سے دھونا اور مسح کرنا ساقط ہوتا ہے

باب المسح علی الخفین

یہ باب ہے دونوں موزوں پر مسح کرنے کا اخرہ لثبوتہ بالسنۃ مصنف نے موزوں پر مسح کرنا تیمم کے بعد ذکر کیا بسبب ثابت ہونے مسح کے حدیث سے اور تیمم ثابت ہے قرآن مجید سے وہو لغۃ امرار الید علی الشئی مسح لغت عرب میں ہاتھ کا پھیرنا ہے کسی چیز پر خواہ وہ چیز موزہ ہو یا عضو یا دیوار وشرعاً اصابۃ البلۃ لخف مخصوص فی زمن مخصوص اور شرع کی اصطلاح میں مسح عبارت ہے تراوت کے پہنچانے سے خاص موزے کو زمانۂ خاص میں ہم خاص موزہ جس میں شروط آیندہ موجود ہوں اور زمانۂ خاص سے مراد ایک دن اور ایک رات ہے مقیم کے واسطے اور تین رات اور دو دن مسافر کو والخف شرعاً الساتر للکعبین فاکثر من جلد ونحوہ اور شرع میں موزہ اس کا نام ہے جو ڈھک لے دونوں ٹخنوں کو پھر زیادہ تر کو بنا ہو چمڑے اور اس کے مانند اور چیز سے شرط مسحہ ثلثۃ امور الاول کونہ ساتر محل فرض غسل القدم مع الکعب او یکون نقصانہ اقل من الخرق المانع مسح موزے کی تین چیزیں مشروط ہیں پہلے شرط ہونا موزے کا ڈھکنے والا اس مقام کو جس کا دھونا وضو میں فرض ہے یا قدم کا ٹخنے کے ساتھ یا ہو کمی اس کی کم تر اس سوراخ سے جو مانع ہے مسح کا یعنی اگر پاؤں کی چھوٹی تین انگلیوں سے موزہ کم نہ پھٹا ہے تو مسح جائز ہے انما نقصان مانع مسح کا نہیں فیجوز علی الزربول لو مشدوداً الا ان یظہر قدر ثلثۃ اصابع تو جائز ہے مسح زربول پر اگر وہ تاگے یا گھنڈی سے باندھا ہو مگر یہ کہ بقدر تین انگلیوں کے پاؤں کھلا ہو تو اب مسح جائز نہیں ہم زربول[1] معرکی زبان میں وہ جراب ہے چمڑے کی جو اڑی ہی قائم ہے اور دونوں ٹخنوں کی طرف مکشوف ہے دوختہ نہیں جس طرح اس ملک میں بعضے چمڑے کے موزے ٹخنوں سے نیچے دوختہ نہیں ہوتے اور گھنڈیوں سے ان کو کس لیتے ہیں وجوز مشائخ سمرقند سترہ باللفافۃ اور سمرقند کے عالموں نے ڈھک لینا زربول مشقوق کا کپڑے سے جائز کہا ہے یعنی اگر موضع مشقوق کو کپڑے سے باندھے تو مسح کرنے کو کافی ہے ہم یہ قول ضعیف ہے اور معتمد اہل بخارا کا قول ہے کہ جائز نہیں مگر جب کہ تخین یعنی گف اور سخت چیز سے ہو جس میں پانی سرایت نہ کرے اس کو سی نے چنانچہ بانات وغیرہ کذا فی الطحطاوی عن الحلبی والثانی کونہ مشغولاً بالرجل لیمنع سرایۃ الحدث اور دوسری شرط مشغول ہونا موزے کا پاؤں کے ساتھ یعنی تمام موزے میں پاؤں بھرا ہو موزہ خالی نہ رہا ہو تاکہ سرایت کرنے حدث کو مانع رہے فلو واسعاً فمسح علی الزائد ولم تقدم قدمہ الیہ لم یجز تو اگر موزہ کشادہ ہو لمبا ہو پھر اس نے مسح کیا زائد پر حالانکہ اس زائد کی طرف پاؤں نہیں پہنچا تو مسح جائز نہ ہوا ہم فتاوی عالمگیری میں سراج سے منقول ہے کہ معتبر نہیں مسح کرنا اس موضع کا جو خالی ہے قدم سے تو اگر اس نے پاؤں کو خالی مقام میں کر دیا اور مسح کیا تو جائز ہے اور اگر وہاں سے پاؤں ہٹائے تو مسح کو اعادہ کرے انتہی اور حلبی نے اپنے استاذ سے نقل کیا کہ اعادہ مسح کا ضرور نہیں کذا فی الطحطاوی مختصراً ولا یضر رؤیۃ رجلہ من اعلاہ اور مسح میں ضرر نہیں کرتا نظر پڑنا اپنے پاؤں کا اوپر سے یعنی اگر ایسا موزہ کشادہ ہو کہ اوپر سے نظر آتا ہو تو کچھ مضائقہ نہیں والثالث کونہ مما یمکن متابعۃ المشی المعتاد فیہ فرسخاً فاکثر اور تیسری شرط ہونا موزے کا ہے اس چیز سے کہ ممکن ہو پیادہ پا چلنا اس میں عادت کے موافق تین کوس یا زیادہ اس قدر سے ہم فرسخ کی قید حاشیہ ہدایہ میں ہے اور محیط میں المکان سفر مذکور ہے فلم یجز من زجاج او خشب او حدید تو جائز نہیں مسح اس موزے پر جو بنا ہے کانچ یا لکڑی یا لوہے سے یعنی اس واسطے کہ اس کو پہن کر کوئی بے تکلف عادت کے موافق چل نہیں سکتا وہو جائز فالغسل افضل الا لتہمۃ فہو افضل اور وہ یعنی موزے کا مسح جائز ہے نہ فرض او واجب تو پاؤں کا دھونا افضل ہے مسح کرنے سے مگر رفض اور خروج کی تہمت کے وجہ سے تو مسح کرنا ہی افضل ہے

[1] شامی نے کہا کہ زربول بفتح معجمہ و سکون ملہ شام کے عرف میں وہ جراب ہے جس کو اہل معر مرکوب کہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ معرکی زبان میں زربول نہیں کہتے جیسا مترجم اول نے سمجھا ہے ۱۲

م روافض اور خوارج کے نزدیک مسح موزے کا جائز نہیں بل ینبغی وجوبہ علی من لیس معہ الا ما یکفیہ او خاف فوت وقت او وقوف عرفۃ بحر بلکہ مسح کا واجب ہونا چاہیے اس شخص پر جس کے پاس پانی نہیں مگر اتنا کہ مسح کو کفایت کرتا ہے یا ڈر او وقت کے فوت ہونے سے اگر پاؤں دھووے یا ڈرا وقوف عرفات کے فوت ہونے سے کذا فی البحر م یہ تجویز ہے صاحب بحر کی کتب شافعیہ کے موافق اس واسطے کہ قواعد حنفیہ کے مخالف نہیں وفی القہستانی انہ رخصۃ مسقطۃ للعزیمۃ ولہذا لو صب الماء فی خفیہ بنیۃ الغسل ینبغی ان یصیر آثما اور قہستانی کی شرح نقایہ میں ہے کہ البتہ مسح رخصت ہے عزیت کی ساقط کرنے والی اور اسی واسطے کہ اگر پانی ڈالے اپنے موزوں میں دھونے کی نیت سے تو چاہیے کہ گنہگار ہو م رخصت وہ ہے جو عذرات عباد پر مبنی ہو اور عزیمت عبارت ہے حکم اصلی سے جس کی بنا عذرات عباد پر نہیں ہو الاصح فی التعریف تو مسح ایسی رخصت ہے کہ مشروعیت عزیت[اجازت] کی مسقط ہے یعنی اس کے ساتھ عزیت کا مشروع ہونا باقی نہ رہا برخلاف رخصت ترفیہ[آرام دینا] کے کہ اس کے ساتھ عزیت کی مشروعیت باقی رہتی ہے چنانچہ روزہ رکھنا سفر میں کذا فی البحر بسنۃ مشہورۃ مسح موزے کا جائز ہے سنت مشہورہ سے م حدیث مشہور وہ ہے جس کے راوی دو سے زیادہ ہوں ہر طبقہ میں طبقات رواۃ سے اور تواتر کی حد کو نہ پہنچیں امام اعظمؒ نے فرمایا میں مسح کا قائل نہ ہوا یہاں تک کہ مسح کا ثبوت مجھ پر دن کے مانند روشن ہو گیا یعنی کثرت احادیث سے کذا فی الطحطاوی فمنکرہ مبتدع تو منکر مسح کا بدعتی ہے م امام اعظمؒ سے مذہب اہل سنت سوال ہوا فرمایا کہ تفضیل الشیخین وحب الختنین واعتقاد المسح علی الخفین وعلی رای الثانی کافر اور ابو یوسفؒ کے نزدیک منکر کافر ہے م اس واسطے کہ ان کے نزدیک حدیث مشہور حدیث متواتر کے حکم میں ہے کذا فی الطحطاوی عن القہستانی وفی التحفۃ ثبوتہ بالاجماع بل بالتواتر رواتہ اکثر من ثمانین منہم العشرۃ القہستانی اور تحفہ میں ہے کہ ثبوت مسح کا اجماع سے بلکہ تواتر سے ہے راوی اس کے صحابیوں سے زیادہ تر ہیں اسی سے از انجملہ عشرہ مبشرہ ہیں کذا فی القہستانی م علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں مذکور کیا کہ ہم نے معانی الآثار کی شرح میں ٦٦ صحابیوں کی روایت احادیث کی مذکور کی ہے مع المخرجین وقیل بالکتاب ورد بانہ غیر مغیا بالکعبین اجماعا فالجر للجوار اور قول ضعیف یہ ہے کہ ثبوت مسح موزے کا قرآن مجید سے ہے اور یہ قول رد کیا گیا ہے اس طرح کہ مسح موزے کی غایت دونوں ٹخنے نہیں بالاجماع تو ارجلکم کا زیر قرب مجرور کے وجہ سے ہے م ارجلکم کے لام میں دو قرائتین نصب اور جر کی ہیں بعضوں نے کہا چونکہ دونوں قرأت میں تعارض واقع ہوا تو جر کی قرأت کو موزہ پہنے پر محمول کیا اور نصب کی قرأت کو جب کہ موزہ پاؤں میں نہ ہو اس قول کا رد یوں ہے کہ اگر جر کی قرأت سے مسح موزے کا مراد ہوتا تو کعبین مسح کی غایت ٹھہرتی یعنی ٹخنوں تک مسح کرنا واجب ہوتا اس واسطے کہ ارجلکم کے بعد الی الکعبین مذکور ہے حالانکہ بالاتفاق یہ ثابت نہیں اور ارجلکم کے جر کا جواب یہ ہے کہ وہ عضو مغسول پر عطف ہے تو نصب لازم تھا چونکہ وہ مجرور کے پاس پڑا یعنی برؤسکم کے پاس تو اس کو بھی مجرور کر دیا چنانچہ عرب کا یہ قول مشہور ہے[2] جحر ضب خرب للمحدث ظاہرہ عدم جوازہ لمجدد الوضوء الا ان یقال لا یحصل لہ القربۃ بذلک صار کانہ محدث مسح جائز ہے بے وضو شخص کو مفہوم ظاہر اس کلام کا عدم جواز مسح کا ہے تازہ وضو کرنے والے کے حق میں مگر اس کا یوں جواب دیا جائے کہ ہر گاہ تازہ وضو کرنے والے کو ثواب حاصل ہوا اس وضو پر وضو کرنے سے تو وہ بے وضو کے مانند ہو گیا لا الجنب والحائض جائز نہیں مسح کرنا موزے کا جنب اور حائض کو یعنی جس پر غسل واجب ہے جنابت یا حیض یا نفاس سے اس کو مسح جائز نہیں اس واسطے کہ اس کو تمام بدن کا دھونا لازم ہے اور مسح میں یہ بات حاصل نہیں نسائی اور ابن ماجہ اور ترمذی میں صفوان بن عسال سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو حکم کرتے تھے جب کہ ہم سفر میں ہوتے تھے کہ ہم اپنے موزے نہ اتاریں تین دن اور تین رات مگر جنابت سے ولیکن بول اور براز[پاخانہ] اور نوم سے کذا فی بدایۃ العینی طحطاوی نے بحر الرائق سے نقل کیا کہ حائض کا مسئلہ ابو یوسف کے قول پر مبنی ہے اس واسطے کہ اقل حیض ان کے نزدیک دو دن اور اکثر ثالث[3] کا ہے تو سفر میں اس کی تصویر ہو سکتی ہے برخلاف طرفین کے انتہی

[1] یعنی بزرگ تر سمجھنا حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو اور محبت رکھنے حضرت عثمان غنی اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما سے اور اعتقاد کرنا موزوں پر مسح کے جائز ہونے کا

[2] یعنی سوراخ سوسمار خراب ہے تو یہاں خرب کو پیش چاہیے کہ وہ خبر ہے مبتدا کی مگر ضب کی جہت سے زیر کر دیا [3] یعنی تیسری دن کا زیادہ حصہ ۱۲

تصوراً والنفی لا یلزم تصویرہ اور جس کی نفی ہو گئی اس کی تصویر لازم نہیں یعنی حکم ممنوعات کے وجود کی صورت بیان کرنا ضرور نہیں کیونکہ اس کی طرف کچھ حاجت نہیں اور عدم لزوم تصویر اس کے امکان کا منافی نہیں کذا فی الطحطاوی چونکہ جنابت کی حالت میں وضو کرنا ضرور نہیں تاکہ مسح موزے کا جائز نہ ہو لہٰذا اس کے فرض صورت میں تردد تھا شارح نے اس کا دفع دخل کر دیا کہ حکم ممنوع کا وجود بیان کرنا لازم نہیں و فیہ ان النفی الشرعی یفتقر الی اثبات عقلی اور دفع دخل مذکور میں یہ خلل ہے کہ شرعی نفی وجود عقلی یعنی تصور عقلی کی محتاج ہے ہم یہ بحث ہے قہستانی کی نفی یعنی شرعی کی قید اس واسطے لگائی تاکہ نفی عقلی سے احتراز ہو چنانچہ شریک باری کہ اس کی نفی میں اثبات عقل کی حاجت نہیں اور اثبات عقل سے تصور بوجہ مراد ہے مگر اس میں یہ خلل ہے کہ اس میں بھی تصور بوجہ ہی کی تصریح واقع ہے تاکہ نفی کرنا حاصل ہو سکے کیونکہ نفی شے کی فرع ہے اس کے تصور کی تو شرعی کی قید لگانا بہتر نہیں اور مسح جنب کی صورت کفایہ میں یوں مذکور ہے کہ وضو کیا اور مجلد جراب کو پہنا پھر جنب ہو گیا تو اس کو جائز نہیں کہ جرابوں کو باندھ کر تمام بدن کو دھوئے لیٹ کر اور جرابوں پر مسح کرے کذا فی الطحطاوی اور بنایۃ العینی میں اس کی تصویر منتقی سے یوں مذکور ہے کہ ایک مرد نے وضو کیا اور موزہ پہنا پھر جنب ہوا پھر اتنا پانی پایا کہ وضو کو کفایت کرتا ہے نہ غسل کو تو وہ شخص وضو کرے اور پاؤں دھووے اور مسح نہ کرے اور جنابت کے واسطے تیمم کرے انتہی ما فی العینی ثم ظاہرہ جواز مسح مغتسل جمعۃ و نحوہ پھر ظاہر کلام ماتن جائز ہونا مسح کا ہے جمعہ کے اور اس کے مانند کے نہانے والے کو یعنی ماتن نے جنب کے مسح کی نفی کی تو اس کلام سے مفہوم ہوا کہ جمعہ یا عید کے نہانے والے کو مسح کرنا جائز ہو کیونکہ یہ غسل واجب نہیں ولیس کذلک علی ما فی المبسوط اور حالانکہ ایسا نہیں بنا پر اس مضمون کے جو مبسوط میں ہے ولا یبعد ان یجعل فی حکمہ اور مغتسل جمعہ وغیرہ کو جنب کے حکم میں ٹھہرانا کچھ بعید نہیں فالاحسن لمتوضئ لا لمغتسل تو بہتر عبارت لمتوضئ لا لمغتسل ہے یعنی بجائے لمحدث لا لجنب کے لمتوضئ لا لمغتسل کہنا بہتر ہے یعنی مسح موزے کا وضو کرنے والے کو جائز ہے نہ نہانے والے کو م طحطاوی نے کہا یہ بحث اور احسنیت قہستانی کی ہے والسنۃ ان یخط خطوطا باصابع ید مفرجۃ قلیلا اور سنت یہ ہے کہ مسح کرنے میں ہاتھ کی انگلیوں سے خط بنا دے تھوڑا سا انگلیوں کو کھول کر یبدأ من قبل اصابع رجلہ متوجہا الی اصل الساق مسح شروع کرے پاؤں کی انگلیوں کی طرف سے پنڈلی کی جڑ کی طرف رخ کرتا ہوا م کیفیت مسح کی قاضی خاں کی شرح جامع صغیر میں اس طرح ہے کہ داہنے ہاتھ کی انگلیاں رکھے داہنے موزے کے سرے پر اور بائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں موزے کے سرے پر انگلیوں کی طرف سے پھر جب کہ انگلیاں وہاں ٹھہریں تو ان کو کھینچے پنڈلی کی جڑ تک دونوں ٹخنوں کے اوپر اس واسطے کہ ٹخنوں کا دھونا فرض ہے اور ان کا مسح کرنا سنت ہے اور اگر انگلیوں کے ساتھ ہتھیلی بھی رکھے تو بہتر ہے اس طرح مروی ہے محمد بن حسن سے اور مسح فرض ہے ہاتھ کی تین انگلیوں کے برابر اصح قول پر اور یہ فرض عملی ہے اور تین انگلیوں کے برابر ہر قدم پر فرض ہے اور ہاتھ کے اندر سے مسح کرنا مستحب ہے اور اگر موضع مسح پر پانی لگ جائے تو کافی ہے اور اسی طرح اگر گھاس پر چلے اگرچہ گھاس شبنم سے تر ہو یہی قول معتمد ہے کذا فی الطحطاوی و محلہ علی ظاہر خفیہ من رؤس اصابعہ الی معقد الشراک اور مسح کرنے کا مقام دونوں موزوں کا ظاہر ہے انگلیوں کے سروں سے معقد شراک تک یعنی جہاں تسمہ بند صار ہتا ہے چپلی میں طحطاوی نے کہا معقد شراک سے وسط قدم مراد ہے اور یہ قول قاضی خان کے قول مذکور کے مخالف ہے ظاہر موزے کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر باطن یا جراب یا ایڑی یا ٹخنے پر مسح کرے گا تو جائز نہ ہوگا چنانچہ زیلعی میں ہے انتہی ما فی الطحطاوی ویستحب الجمع بین ظاہر و باطن ظاہر اور مسح میں مستحب ہے جمع کرنا درمیان ظاہر موزہ کے اور باطن کے جو ظاہر ہے باطن سے موزے کا تلوہ مراد ہے نہ داخل موزے کا لہٰذا باطن کو موصوف بظاہر کیا م شارح اس مقام میں صاحب نہر کا تابع ہوا ہے بحر الرائق میں محیط سے منقول ہے کہ مسح باطن موزے کا ظاہر کے ساتھ مسنون نہیں اور محیط کے سوا اور کتابوں میں استحباب کی نفی ہے اور اعلیٰ اور اسفل موزے کے مسح کی حدیث کو ابو داؤد اور ترمذی نے ضعیف کہا ہے انتہی ما فی الطحطاوی علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں اس تضعیف کا جواب مشروحاً ذکر کیا ہے اور صاحب بدائع سے نقل کیا ہے کہ ہمارے نزدیک جمع بین الظاہر والباطن مستحب ہے

آ؎ یہ ترجمہ غلط فہمی پر مبنی ہے باطن کا لفظ ظاہر سے مقید نہیں بلکہ ظاہر کے ساتھ مقید ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ مستحبا ہے جمع کی صورت جبکہ ہے کہ باطن خف بخس ہو

انتہی لیکن ہمارے جمہور اصحاب نے علی مرتضیٰؓ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اگر دین رائے سے ہوتا تو البتہ اسفل موزے کا مسح کرنے میں ظاہر سے
مقدم تھا حالانکہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ مسح کرتے تھے موزوں کے ظاہر پر اس کو ابوداؤد اور احمد اور ترمذی نے روایت کیا اور کہا ہے کہ یہ
حدیث حسن صحیح ہے اور یہ جو صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ باطن موزے پر مسح جائز نہیں اگر یہ مراد ہے کہ باطن پر اقتصار جائز نہیں تو مسلم ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ باطن
کو ظاہر کے ساتھ مسح کرنا جائز نہیں تو مسلم نہیں کما ذکرنا انتہی مافی العینی مختصراً من شاء مزید التوضیح فلیرجع الیہ او جرموقیہ ولو فوق خف او لفافۃ یا جائز ہے مسح ظاہر
جرموقین پر اگرچہ ہوں موزہ کے اوپر یا پاؤں کے لپٹے کپڑے پر جرموق بضم جیم چمڑا ہے جس کو موزے پر پہنتے ہیں کیچڑ وغیرہ کی حفاظت کے واسطے اور نہر الفائق
میں ہے کہ موق اور جرموق فارسی ہے معرب اس کو موزے پر پہنتے ہیں اس کی ساق موزے سے کم تر ہوتی ہے کذا فی الطحطاوی منح الغفار میں ہے کہ جرموق جو کہ
پر پہنا جاتا ہے اس کی حفاظت کے واسطے سو اگر جرموق چمڑے اور اس کے مانند کا ہے تو اس پر مسح جائز ہے خواہ اس کو تنہا پہنا ہو یا موزے پر اور اگر جرموق کپڑے
کا ہے تو اگر تنہا اس کو پہنا ہے تو مسح اس پر جائز نہیں اور اسی طرح اگر اس کو موزے پر پہنا تو بھی جائز نہیں ہاں مگر جب کہ تراوٹ اندر کے موزے پر پہنچے تو جائز ہے
انتہی مختصراً ولا اعتبار بمافی فتاوی الشاذی لانہ رجل مجہول لایقلد فیما خالف المنقول اور کچھ اعتبار نہیں اس قول کا جو فتاوی شاذی میں ہے اس واسطے کہ شاذی
مرد مجہول غیر مشہور ہے تو اس کی پیروی نہ کی جاوے اس مسئلے میں جو منقولات مذہب کے مخالف ہے مع فتاوی شاذی میں ہے کہ جو کرباس[1] مجرد تحت الخف
پہنا جاتا ہے وہ موزے پر مسح کرنے کا مانع ہے کیونکہ وہ فاصل[2] یعنی پاؤں کو اس نے موزے سے جدا کر دیا ہے انتہی لیکن اس کے مخالف کافی میں یوں ہے
کہ اگر موزے پارہ پارہ ہونے کے سبب سے مسح کے لائق نہ ہوں تو جرموق پر بالاتفاق مسح جائز ہے انتہی تو جب کہ خف غیر صالح فاصل نہ ٹھہرا تو کرباس یعنی کپڑا بطریق اولیٰ
فاصل نہ ہوگا چنانچہ شرح مجمع میں ہے اور مانند اس کے غایۃ البیان میں صاحب بحر نے کہا یہی حق ہے کذا فی المنح مختصراً او جوربیہ ولو من غزل او شعر الثخینین بحیث
یمشی فرسخا ویثبت علی الساق بنفسہ ولا یری ماتحتہ ولا یشف الماء الا ان ینفذ الی الخف قدر الغرض یا مسح کرے جرابوں پر اگرچہ وہ ہوں سوت سے یا بال سے اس
طرح کے گاڑھی جرابوں پر مسح جائز ہے کہ ان کو پہن کے تین کوس آدمی چلے اور وہ پنڈلی پر آپ سے ٹھہری رہیں بدون باندھنے کے اور اس کے اندر کی چیز نظر نہ
آوے اور پانی اس میں نہ چھنے مگر اس وقت مسح جائز ہے کہ پانی نفوذ کر کے اس کے نیچے کے موزے تک پہنچ جائے بقدر فرض کے مع ہر چند شف لغت میں
رقت ثوب ہے لیکن یہاں مراد پانی کا نفوذ ہے بدلیل استثنیٰ اور تاکہ تکرار لازم نہ آوے کذا فی الطحطاوی مختصراً ولو نزع جرموقیہ اعاد مسح خفیہ اور اگر اتارے دونوں
جرموق موزوں پر سے تو مسح کرے دوسری بار اپنے موزوں پر ولو نزع احدہما مسح الخف والجرموق الباقی اور اگر ایک جرموق اتارے تو مسح کرے موزے کا
باقی جرموق کو یعنی اس واسطے کہ ایک کے نکالنے سے دونوں کا مسح جاتا رہا ولو ادخل یدہ تحتہما و مسح خفیہ لم یجز اور اگر اپنا ہاتھ دونوں جرموق کے اندر داخل کر کے
اور اندر کے موزوں کو مسح کیا تو جائز نہیں یعنی اس واسطے کہ حدث کا محل جرموق خارج ہے نہ خف داخل والمنعلین بسکون النون ما جعل علی اسفلہ جلدۃ او
منعل جرابوں پر مسح جائز ہے منعل بسکون نون وہ جراب ہے جس کے نیچے چمڑا لگایا گیا یعنی اس کے تلوے پر فقط چمڑا ہے نہ ٹخنوں پر والمجلدین او
چمڑا منڈھی جرابوں پر مسح جائز ہے نہر الفائق میں ہے جراب مجلد وہ ہے جس کے اوپر اور نیچے چمڑا منڈھا ہو مرۃ مسح کرنا ہے ایک بار یعنی وہ تین بار مسح کرنا
خلاف مسنون ہے کذا فی المنح لو امراۃ او خنثیٰ مسح جائز ہے اگرچہ ہو محدث عورت یا خنثیٰ ملبوسین علی طہر مسح جائز ہے اس حالت میں کہ موزے یا جرموق
یا جرابیں پہنی گئی ہیں طہارت پر فلو احدث و مسح بخفیہ اولم یمسح فلبس جرموقیہ لایمسح علیہ تو اگر لابس[3] خف کا وضو ٹوٹا اور اس نے اپنے موزوں پر مسح کیا یا نہ
کیا پھر اس نے جرموق کو پہنا تو جرموق پر مسح نہ کرے یعنی اس واسطے کہ جرموق کو اس نے طہارت پر نہیں پہنا بلکہ موزوں پر مسح کرنا متعین ہوگا کیونکہ ان
کو طہارت پر پہنا ہے کذا فی الطحطاوی تام خرج الناقص حقیقۃ کلمعۃ او معنی کتیمم و معذور یہ موزے ملبوس ہوں طہر تام یعنی پوری طہارت پر تام کی قید سے

[1] یعنی جو شخص زیادہ توضیح اس مسئلہ کی چاہے وہ عینی کے اس مقام کو دیکھے ۱۲ [2] یعنی تنہا کپڑا موزے کے نیچے ۱۲ [3] موزہ پہننے والا ۱۲

ناقض حقیقی یا ناقض معنوی طہارت خارج ہو گئی ناقض حقیقی چنانچہ اعضاء وضو میں سے قدرے خشک رہ گیا اور ناقض معنوی چنانچہ[ل] تیمم کرنے والے
اور معذور کی طہارت میں صورت تیمم کی یہ ہے کہ پانی کے نہ ہونے سے تیمم کیا اور موزہ پہنا تو اس کو اب مسح کرنا پانی ملنے کے وقت جائز نہیں اور اگر وضو
کیا اور موزہ پہنا پھر وضو ٹوٹا اور پانی نہ پانے سے تیمم کیا پھر بعد اس کے پانی پایا تو اس کو مدت کے اندر مسح کرنا درست ہے کذا فی الطحطاوی فانہ یمسح
فی الوقت فقط اس واسطے کہ معذور تو فقط وقت میں مسح کرتا ہے یعنی معذور نے عذر کے موجود ہونے سے مثلاً ظہر کو وضو کیا اور موزہ پہنا پھر وضو کسی
اور سبب سے ٹوٹا جب تک ظہر کا وقت باقی ہے مسح جائز ہے بعد ظہر کے عصر کے وقت مسح جائز نہیں الا اذا توضأ ولبس علی الانقطاع
فکالصحیح مگر جب کہ معذور نے وضو کیا اور موزہ پہنا انقطاع عذر پر تو وہ صحیح سالم کے مانند ہے جواز میں یعنی اگر وضو اور موزہ پہننے کے وقت عذر منقطع ہے تو باقی
مدت مسح اس کو تندرست کے مانند جائز ہے عند الحدث طہر تام چاہیے وضو ٹوٹنے کے وقت یعنی مسح کے واسطے موزہ پہننے کے وقت طہارت کامل
ہونا ضرور نہیں بلکہ حدث کے وقت ضرور ہے فلو تخفف المحدث ثم خاض الماء فابتل قدماہ ثم تمم وضوءہ ثم احدث جاز ان یمسح تو اگر بے وضو شخص نے موزہ پہنا پھر
وہ پانی کے اندر گھس گیا سو دونوں پاؤں اس کے تر ہو گئے پھر اس نے باقی اعضاء وضو کو پورا کیا پھر اس کا وضو ٹوٹا تو اس کو مسح کرنا جائز ہے یعنی اس واسطے کہ
حدث کے وقت طہارت شرط ہے اگرچہ موزہ پہننے کے وقت نہ ہو م اسی طرح اگر اس نے دونوں پاؤں کو دھویا پھر موزوں کو پہنا پھر وضو کو پورا کیا تاکہ وضو کیا
اور پاؤں دو دھوئے پھر ایک پاؤں دھویا اور موزہ پہنا پھر دوسرا پاؤں دھویا اور دوسرا موزہ پہنا ان صورتوں میں بھی مسح جائز ہے بدلیل مذکور یوماً ولیلۃ للمقیم
وثلثۃ ایام ولیالیھا للمسافر مسح کرنا جائز ہے مقیم کو ایک رات دن اور مسافر کو تین رات دن وابتداء المدۃ من وقت الحدث اور اس مدت کی ابتدا وضو
کے ٹوٹنے سے ہے یعنی رات دن یا تین رات دن شروع وضو کے ٹوٹنے سے ہے نہ موزہ کے پہننے سے اور نہ وضو کرنے سے فقد یمسح المقیم ستا جب یہ معلوم ہوا
تو مقیم گاہے مسح کرتا ہے چھ نمازیں میں صورت اس کی یہ ہے کہ مثلاً ظہر کی تاخیر کی آخر وقت تک باوضو موزہ پہنے ہوئے پھر وضو ٹوٹا اور مسح کر کے آخر وقت میں نماز
ظہر کی پڑھی پھر ظہر کی نماز دوسرے دن پڑھی اول وقت میں کذا فی القہستانی وقد لا یتمکن الا من اربع اور کبھی آدمی قادر نہیں ہوتا مگر چار نماز سے کمن توضأ وتخفف
قبل الفجر فلما طلع صلی فلما تشہد احدث چنانچہ ایک شخص نے وضو کیا اور موزہ پہنا صبح ہونے سے پہلے پھر بعد طلوع فجر کے نماز پڑھی پھر جب التحیات پڑھ چکا وضو
ٹوٹ گیا م اس شخص کو اگلی فجر کی نماز پڑھنا مسح کے ساتھ ممکن نہیں اس واسطے کہ حدث واقع ہوا اس کے آخر نماز میں کذا فی القہستانی یعنی ظہر عصر مغرب عشاء
چار نماز کے واسطے یہ شخص مسح کرے گا اور دوسرے دن کی فجر کے واسطے اگر مسح کرے تو نماز سے خارج ہوگا مدت گذرنے کے ساتھ اور یہ مفسد نماز ہے
لا یجوز علی عمامۃ وقلنسوۃ وبرقع وقفازین لعدم الحرج جائز نہیں مسح کرنا پگڑی اور ٹوپی اور برقع اور دستانوں پر بسبب نہ ہونے مشقت اور تکلیف
کے م اور دوسری وجہ عدم جواز کی یہ ہے کہ مسح موزے کا ثابت ہوا حدیث سے برخلاف قیاس تو اور چیز کا قیاس موزے پر نہیں ہو سکتا وفرضہ عملاً قدر ثلث
اصابع الید اصغرہا طولاً وعرضاً من کل رجل لا من الخف اور مسح کا فرض عمل ہاتھ کی تین چھوٹی انگلیوں کے برابر ہے طول اور عرض میں ہر پاؤں سے نہ موزہ
سے یعنی فرض مسح اسی قدر ہے خواہ ابتدا مسح کی پاؤں کی انگلیوں سے ہو خواہ پنڈلی سے خواہ دہنے بائیں سے اور مسنون مسح پہلے مذکور ہو چکا کہ انگلیوں سے ہے
پنڈلی تک ہر پاؤں کی قید اس واسطے لگائی کہ اگر ایک پاؤں پر بقدر چار انگلی کے مسح کیا اور دوسری پر بقدر دو انگلی کے تو فرض ادا نہ ہوگا اور اسی طرح اگر
موزہ زیادہ ہو پاؤں سے اور اس پر وہاں مسح کیا جو پاؤں کے محاذی نہیں تو بھی فرض ادا نہ ہوگا فمنعوا فیہ مد الاصبع جب فرض بقدر تین انگلی کے مسح ہوا تو فقہاء
نے مسح میں ایک انگلی کا کھینچنا منع کیا ہے یعنی اگر ایک انگلی کو ایک بار تر کر کے بقدر تین انگلی کے مسح کیا تو جائز نہیں اور اگر ایک انگلی سے تین بار مسح کیا
اور ہر بار نیا پانی لیا اور جدے جدے مقام پر مسح کیا تو جائز ہے کذا فی البحر فلو مسح برؤس اصابعہ وجافی اصولہا لم یجز سو اگر انگلیوں کے سروں پر مسح کیا
اور انگلیوں کی جڑوں کو موزے سے جدا رکھا تو مسح جائز نہ ہوا یعنی اس واسطے کہ مستعمل پانی سے مسح ہوا الا ان یبتل من الخف عند الوضع قدر الفرض قالہ المصنف

[ل] صحیح ترجمہ یوں ہے "چنانچہ طہارۃ تیمم اور معذور کی طہارۃ" ۱۲ مصحح

مگر یہ کہ انگلیوں کے رکھنے کے وقت بقدر فرض کے موزہ تر ہو گیا تو مسح اب جائز ہے ایسا کہا ہے مصنف نے اپنی شرح میں ہم اس واسطے کہ فرض حاصل ہو گیا بدون مستعمل پانی کے کذافی الطحطاوی ثم قال فی الذخیرۃ ان الماء متقاطر اجازۃ والا لا پھر مصنف نے شرح میں کہا اور ذخیرہ میں ہے کہ اگر انگلیوں کے سروں سے پانی ٹپکتا ہے تو مسح جائز ہے یعنی اس واسطے کہ فرض حاصل ہوا بغیر مستعمل پانی سے اور اگر ٹپکتا نہیں ہے تو مسح جائز نہیں ہے ولو قطع قدمہ ان بقی من ظہرہ قدر الفرض مسح والا غسل کمن قطع من کعبیہ اور اگر ایک آدمی کا پاؤں کاٹا گیا تو اگر پشت قدم بقدر فرض کے یعنی بقدر تین انگشت باقی ہے تو موزوں پر مسح کرے اور اگر بقدر فرض باقی نہیں تو دونوں پاؤں کو دھووے مانند اس شخص کے جس کا پاؤں ٹخنوں سے کاٹا گیا یعنی ٹخنوں کے نیچے سے سو اس کو بھی مسح کرنا جائز نہیں کیونکہ مسح کا محل باقی نہیں رہا مگر غسل کا محل باقی ہے ولو لرجل واحدۃ مسحہا اور اگر ایک آدمی کے ایک ہی پاؤں ہے پیدائشی یا ایک پاؤں ٹخنے سے اوپر کاٹا گیا تو اسی ایک پاؤں کو یعنی اس کے موزے کو مسح کرے وجاز مسح خف مغصوب خلافا للحنابلۃ اور جائز ہے مسح کرنا چھینے موزے پر برخلاف حنبلی مذہبوں کے ہم ہرچند غصب کرنا گناہ کبیرہ ہے لیکن ماسح کی نماز ادا ہوگی کما جاز غسل رجل مغصوبۃ اجماعا جس طرح جائز ہے دھونا مغصوب پاؤں کا بالاتفاق ہم اطلاق غصب کا اس پر مسامحت ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کا پاؤں بسبب سرقہ یا قصاص کے مستحق قطع ہوا پھر وہ بھاگ گیا اور وضو کر کے اس کے پاؤں دھویا کذافی والخرق الکبیر بموحدۃ او مثلثۃ وہو قدر ثلث اصابع القدم الاصاغر بکمالہا ومقطوعہا یعتبر باصابع مماثلہ بمنعہ اور موزے کا بڑا یا بہت سوراخ یعنی قدم کی چھوٹی پوری تین انگلیوں کی برابر مانع ہے مسح کرنے کا اور جس شخص کی سب انگلیاں کٹی ہیں تو اس کے مماثل دوسرے شخص کی انگلیوں کا اعتبار کیا جاوے گا شارح نے کہا لفظ کبیر کا با موحدہ یا ثا مثلثہ دونوں سے ہو سکتا ہے طحطاوی نے شرح منیۃ المصلی سے نقل کیا کہ با موحدہ کی روایت صحیح ہے اگرچہ ثا مثلثہ بھی بتاویل متصور ہے الا ان یکون فوقہ خف آخر او جرموق فیمسح علیہ مگر یہ کہ پھٹے موزے پر دوسرا درست موزہ یا جرموق ہو تو اس پر مسح کرے اس واسطے اعلی کا اعتبار ہے نہ اسفل کا وہذا لو الخرق علی غیر اصابعہ وعقبہ ویری ما تحتہ اور یہ یعنی اصابع بیں صغیر کا اعتبار کرنا اس وقت ہے کہ سوراخ اور دریدگی اس کی انگلیوں اور ایڑی پر نہ ہو اور سوراخ کے نیچے پاؤں نظر آتا ہو فلو علیہا اعتبر الثلث ولو کبارا اور اگر دریدگی انگلیوں پر ہو تو عدم جواز مسح میں تین انگلیوں کا اعتبار ہو گا اگرچہ بڑی انگلیاں ہوں یعنی تو اس صورت میں صغیر کا اعتبار نہیں تو اگر ابہام اور کلمہ شہادت کی انگلی منکشف ہو جائے اور وہ بقدر تین چھوٹی انگلیوں کے ہو تو مسح اس پر جائز ہے اور اگر ان دونوں کے بیچ کی انگلی بھی کھل جائے تو مسح جائز نہ ہو گا علی الاصح کذافی الطحطاوی عن تتمۃ الفتاوی ولو علیہ اعتبر بدو اکثرہ اور اگر دریدگی ایڑی پر ہے تو اکثر ایڑی کا کھل جانا معتبر ہے یعنی آدھی ایڑی سے اگر زیادہ مکشوف ہے تو مسح جائز نہیں ہم قاضی خاں نے شرح جامع صغیر میں اسی قول پر اقتصار کیا ہے اور ظاہر متنوں میں ہر مقام میں تین انگلیوں کا اعتبار ہے اور اسی قول کو کمال الدین صاحب فتح القدیر اور سرخسی نے پسند کیا ہے کذافی الطحطاوی ولو لم یر القدر المانع عند المشی لصلابتہ لم یمنع وان کثر اور اگر نظر نہ پڑے قدم اس قدر جو مسح کا مانع ہے پیادہ پا چلنے کے وقت موزے کی سختی کے سبب سے تو مسح کا مانع نہیں اگرچہ بہت پھٹا ہو ہم حلبی نے کہا کہ زمین سے پاؤں اٹھانے کے وقت اگر نظر نہ آوے تو مسح مانع نہیں کما لو انشقت البطانۃ دون الظہارۃ یا الظہارۃ دون البطانۃ چنانچہ اگر موزے کا ابرہ پھٹ گیا نہ اس کا استر تو مسح کا مانع نہیں خواہ استر چمڑے کا ہو یا کپڑے کا سیا ہوا موزے میں کذافی الطحطاوی ویجمع الخرق فی خف واحد لا فیہما اور متفرق سوراخ جمع کیے ہوتے ہیں ایک موزے میں نہ دونوں موزوں میں یعنی اگر ایک موزے میں کئی جگہ تھوڑا تھوڑا پھٹا ہے تو اس کو جمع کر کے دیکھیں گے اگر بقدر تین انگشت کے ہے تو مسح جائز نہیں والا جائز ہے اور اگر ایک موزے میں بقدر دو انگشت کے پھٹا ہے اور دوسرے موزے میں بقدر ایک انگشت کے تو دونوں پر مسح جائز ہے بشرطیکہ ان یقع فرضہ علی الخف نفسہ لا علی ما ظہر من خرق یسیر مسح جائز ہے دونوں موزوں پر اس شرط سے کہ فرض مسح کا واقع ہو نفس موزے پر نہ اس مقام پر جو تھوڑا پھٹا ہے[1] واقل خرق یجمع لیمنع المسح الحالی والاستقبالی کما یستفاد الاعضری قہستانی اور کمتر سوراخ جو جمع کیا جاتا ہے واسطے منع کرنے مسح حالی اور استقبالی کے جس طرح

[1] یہ لفظ مبتدا ہے اگلی خبر ما قبل ہے جو چند سطر بعد آوے گی ۱۲

گذشتہ مسح کو توڑتا ہے کذا فی القہستانی م مسح حالی وہ جس کے فی الحال کرنے کا ارادہ ہے اور استقبالی مسح وہ ہے جو آگے ہوگا اور مسح ماضی کی یہ صورت ہے
کہ درست موزے پر مسح کیا پھر وہ اس قدر پھٹ گیا کہ مانع ہوا مسح کا تو مسح سابق ٹوٹ گیا کذا فی الطحطاوی قلت وزان ما ینقض التیمم یمنع وترفع کنجاستہ وانکشاف
حتی انعقادہ کذا یمنع تطہیر فظ ہے میں کہتا ہوں اور یہ مذکور ہو چکا باب تیمم میں کہ جو چیز تیمم کی ناقض ہے چنانچہ پانی کا موجود ہونا اور اس کے استعمال پر قادر ہونا
وہ ابتداءً تیمم کا مانع ہے اور موجود کو رفع کرنے والا ہے تیمم موجود کا مانند نجاست اور انکشاف عورت کے کہ وہ ابتداء صلوٰۃ کی مانع ہے اور صلوٰۃ موجود کی رافع
ہے یہاں تک کہ انعقاد صلوٰۃ یعنی تحریمہ کا مانع ہے چنانچہ آگے آوے گا تو اس کو یاد رکھنا چاہیے م خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح ناقض تیمم اور نجاست اور انکشاف
عورت مانع اور رافع ہے اسی طرح خرق موزہ بھی مانع اور رافع ہے ما تدخل فیہ المسلۃ لا مادونہا الحاقاً لہ بمواضع الخرز م کم تر سوراخ جو منع مسح کے واسطے جمع کیا
جاتا ہے وہ ہے جس میں ٹاٹ وغیرہ کے سینے کے سوا داخل ہو نہ وہ سوراخ جو اس سے کم تر ہے بوجہ الحاق بمواضع دوخت یعنی جیسے دوخت موزے کے سوراخ
بالاتفاق عفو میں لاحق شمار کے نہیں اسی طرح یہ سوراخ بھی لاحق شمار کے نہیں بخلاف نجاستہ متفرقۃ وانکشاف عورۃ وطیب محرم واعلام ثوب
من حریر فانہا تجمع مطلقاً برخلاف متفرق نجاست اور انکشاف عورت کے اور خوشبوئے محرم کے اور کپڑے پر ریشم کی بوٹیاں اس واسطے کہ یہ سب جمع کیے جاتے
ہیں مطلقاً یعنی ایک مقام میں ہوں یا چند مقامات میں م نجاست متفرقہ موزوں میں ہو یا کپڑے یا بدن یا مکان میں یا مجموع میں اور انکشاف متفرق چنانچہ
عورت کی کچھ شرمگاہ اور اس کی پیٹھ اور کچھ ران میں تو یہ جمع کیا جاوے گا نجاست کے مانند اور نماز کا مانع ہوگا اور محرم کی خوشبوئی متفرق اکثر اعضاء میں جمع
ہوگی اگر بقدر ایک عضو کے پہنچے گی تو جانور کا ذبح کرنا لازم ہوگا اور ریشمی بوٹیاں بھی جمع کی جاویں گی اگر چار انگشت سے زیادہ ہوں گی تو مرد کو اس کا پہننا جائز
نہ ہوگا یہی قول معتمد ہے کذا فی الطحطاوی واختلف فی جمع خرق اذنی الضحیۃ وینبغی ترجیح الجمع احتیاطاً اور قربانی کے دونوں کانوں کے سوراخوں کے جمع
کرنے میں اختلاف واقع ہے یعنی ایک قول یہ ہے کہ جمع کریں گے سو اگر ایک کان کی تہائی سے زیادہ ہوں گے تو قربانی جائز نہیں اور دوسرا قول یہ ہے
کہ جمع نہ کریں گے مگر ایک کان کے سوراخوں میں موزے کے مانند اور جمع کرنے کو ترجیح دینا لائق ہے احتیاط کی راہ سے باب عبادت میں کذا فی البحر وناقضہ
ناقض وضوء لانہ بعضہ اور مسح کا توڑنے والا وہ ہے جو وضو کا توڑنے والا ہے اس واسطے کہ مسح بعض ہے وضو کا یعنی جو کل کا ناقض ہے وہ بعض کا بھی ناقض
ہوگا ونزع خف ولو واحداً اور مسح کا ناقض ہے موزہ اتارنا اگرچہ ایک ہی موزہ اتارا ہو ومضی المدۃ وان لم یمسح اور مدت کا گذر جانا مسح کا ناقض ہے
اگرچہ اس نے مدت میں مسح نہ کیا ہو ان لم یخش لغلبۃ الظن ذہاب رجلہ من برد للضرورۃ گذرنا مدت کا ناقض ہے بشرطیکہ اس کو ظن غالب خوف نہ ہو اپنے
پاؤں کے جاتے رہنے کا سردی سے یہ شرط کوئی ضرورت کے سبب سے م ظاہر اس کلام کا اس پر دلالت کرتا ہے کہ مسح نہیں ٹوٹتا ہے مدت کے گذرنے
سے خوف مذکور کے وقت پر اس میں خلل یہ ہے کہ سردی کے خوف کو سرایت حدث کے منع میں کچھ اثر نہیں غایۃ الامر یہ ہے کہ موزہ نہ اتارے لیکن مسح نہ
کرے بلکہ تیمم کرے کذا فی ابی السعود مگر اس میں یہ خلل ہے کہ فقہاء نے وضو کا تیمم منع کیا ہے سردی کے خوف میں لہذا فتح القدیر میں ہے کہ لائق یہ ہے کہ
حکم دیا جائے مسح کے ٹوٹنے کا مدت گذرنے سے اور دوبارہ مسح کے استیناف کا پٹی کے مانند شارح نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہی قول اعتماد
کے لائق ہے کذا فی الطحطاوی فیصیر کالجبیرۃ فیستوعبہ بالمسح ولا توقت تو خوف مذکور میں موزہ ہو جائے گا پٹی کے مانند تو سارے موزے کو پورا مسح کرے
اور اس مسح کی مدت نہیں جیسے پٹی کے مسح کی مدت نہیں یعنی جب تک خوف باقی ہے مسح کرتا رہے م پورا مسح کرنا افضل ہے اور اگر اکثر موزے کا
مسح کرے گا تو بھی کافی ہے اور یہ جو صاحب نہر نے معراج سے وجوب استیعاب کا بیان کیا ہے ابو السعود نے اس کو رد کیا ہے اس طرح کہ عبارت معراج
افضلیت کا احتمال رکھتی ہے کذا فی الطحطاوی ولذا قالوا لو تمت المدۃ وہو فی صلوۃ ولا ماء مضی فی الاصح اور اسی واسطے یعنی ضرورت میں مدت کے گذر
نے سے مسح نہیں ٹوٹتا فقہاء نے کہا ہے کہ اگر مسح کی مدت تمام ہو گئی اور مسح کرنے والا نماز میں ہے اور پانی موجود نہیں تو نماز پڑھتا رہے صحیح تر قول میں

ہ مسلہ بکسر میم وفتح سین مہملہ وتشدید لام سوزن کلاں ۱۲

اس واسطے کہ موزہ اتارنے میں کچھ فائدہ نہیں کیونکہ پانی نہیں جو پاؤں کو دھو دے وقیل تفسد وتیمم وہولاشبہ اور بعضوں نے کہا کہ شخص مذکور کی نماز فاسد ہو جاتی ہے اور وہ تیمم کرے اور یہی قول مناسب تر ہے روایت کی راہ سے اور راجح تر ہے فہم کی راہ سے م وجہ اس کی یہ ہے کہ مدت کے گذر جانے سے حدث نے پاؤں میں سرایت کی اس واسطے کہ پانی کا نہ ہونا مانع سرایت کا نہیں تو تیمم کرے اور نماز پڑھے جس طرح وہ شخص کہ اس کے اعضاء وضو میں کچھ شک باقی رہا اور پانی نہیں ہے جو اس کو دھو دے تو اس کو تیمم کرنا چاہیے کذافی الطحطاوی وبعدہما ای النزع والمضی غسل المتوضی رجلیہ لاغیر لحلول الحدث السابق قدمیہ اور موزہ اتارنے اور مدت کے گذر جانے کے بعد باوضو شخص دھو دے اپنے دونوں پاؤں کو نہ اور اعضاء وضو کو بسبب سرایت کرنے اگلے حدث کے اس کے دونوں پاؤں کو یعنی حدث سابق کے بعد باقی اعضاء وضو دھوئے گئے فقط قدم باقی رہے تو اس پر کچھ واجب نہیں قدم دھونے کے سوا کذافی البحر الالمانع کبرد فیتیمم حینئذ مگر کسی مانع کے ہونے سے قدموں کو نہ دھو دے چنانچہ نہایت سردی سے تو اب تیمم کرے م حلبی محشی نے کہا کہ اس وقت میں تیمم صحیح نہیں اس واسطے کہ ضرر کے خوف سے مسح کرنا چاہیے موزے پر پٹی کے مانند اور تیمم تو اس وقت ہے جب کہ ضرر کا خوف ہو اور پانی نہ ہو کذافی الطحطاوی وخروج اکثر قدمہ من الخف الشرعی وکذا اخراجہ نزع فی الاصح اعتبارا للاکثر اور نکلنا اور نکالنا آدھے قدم سے زیادہ شرعی موزے سے نکال ڈالنا ہے موزے کا صحیح تر قول میں اکثر کے اعتبار کرنے سے یعنی اس واسطے کہ للاکثر حکم الکل م قدم عبارت ہے رسغین سے تا سر اصابع اور شرعی موزہ ہوتا ہے ٹخنے سے سر اصابع تک ولاعبرۃ بخروج عقبہ ودخولہ اور کچھ اعتبار نہیں ایڑی کے خروج اور دخول کا یعنی اگر بلاقصد موزے کی کشادگی سے خروج اور دخول عقب کا ہو تو معتبر نہیں وما روی من النقض لزوال عقبہ فمقید بما اذا کان بنیۃ نزع الخف اور یہ جو فقہ میں ایڑی کے ٹل جانے سے مسح کا ٹوٹ جانا مروی ہے سو مقید ہے اس صورت کے ساتھ جب کہ اس کا ٹلنا ہو موزہ اتارنے کی نیت سے اما اذا لم یکن ای زوال عقبہ بنیتہ بل لسعۃ او غیرہا فلا ینتقض بالاجماع لما یعلم من البرجندی معزیا للنہایۃ وکذا القہستانی لکن باختصار حتی زعم بعضہم انہ خرق الاجماع قنیہ لیکن جب کہ ایڑی کا ٹل جانا اپنے محل سے قصد سے نہ ہو بلکہ موزے کی کشادگی یا اس کے سوا اور وجہ سے ہو تو مسح نہیں ٹوٹتا ہے بالاتفاق روایات چنانچہ برجندی سے معلوم ہوتا ہے یہ قول نہایہ کی طرف منسوب ہوتا ہے اور اسی طرح قہستانی شارح نقایہ نے بیان کیا مگر اختصار عبارت کے ساتھ یہاں تک کہ بعضے لوگوں نے گمان کیا ہے کہ قہستانی نے اجماع کو پھاڑا یعنی مخالف اجماع کے بیان کیا سو خبردار ہو کہ اس کا قول اجماع کے مخالف نہیں ہے وینتقض ایضا بغسل اکثر الرجل فیہ لو دخل الماء خفیہ صحح غیر واحد اور موزے میں اکثر پاؤں کے دھو جانے سے بھی مسح ٹوٹتا ہے اگر اس نے اپنے موزوں میں پانی کو داخل کیا اور اس قول کو بہت فقیہوں نے صحیح کیا ہے م حلبی نے کہا اور اسی طرح کا حکم ہے اگر پانی خود موزے میں داخل ہو گیا وقیل لا ینتقض وان بلغ الماء الرکبۃ وہو الاظہر کما فی البحر عن السراج لان استتار القدم بالخف یمنع سرایۃ الحدث الی الرجل فلا یقع ہذا غسلا معتبرا فلا یوجب بطلان المسح نہر فیغسلہما ثانیا لبعد المدۃ او النزع کا مراد اور بعضوں نے کہا کہ موزے میں پانی کے داخل ہونے سے مسح نہیں ٹوٹتا ہے اگرچہ پانی زانو تک پہنچا ہو اور یہی قول ظاہر تر ہے چنانچہ بحرالرائق میں سراج سے منقول ہے اس واسطے کہ چھپنا قدم کا موزے سے منع کرتا ہے حدث کے پہنچنے کو پاؤں تک تو اس طرح کا دھو جانا معتبر دھونا نہ ٹھہرے گا تو بطلان مسح کا موجب نہ ہوگا چنانچہ نہرالفائق میں ہے کہ دونوں قدموں کو مدت اور اتارنے کے بعد دوسری بار دھو دے گا چنانچہ مذکور ہو چکا وبقی من نواقضہ الخرق وخروج الوقت للمعذور اور مسح کے نواقض میں سے باقی رہا موزے کا پھٹنا اور معذور کے حق میں نماز کے وقت کا نکل جانا مسح مقیم بعد مدتہ فسافر قبل تمام یوم ولیلۃ فلو بعدہ نزع مسح ثلثا مقیم نے مسح کیا وضو ٹوٹنے کے بعد پھر اس نے سفر کیا ایک رات اور دن کے تمام ہو جانے سے پہلے تو وہ تین رات اور دن مسح کرے تو اگر مدت کے تمام ہو جانے کے بعد سفر کرے تو موزہ اتارے م تین دن مسح کرے یعنی مسح کی مدت کو پورا کرے اس طرح پر کہ مجموع تین دن ہو جاویں اور یہ مراد نہیں کہ سر نو سے تین دن تک مسح کرتا رہے کذافی الطحطاوی ولو اتم مسافر بعد مضی مدۃ مقیم نزع والا تمہا لانہ صار مقیما اور اگر مسافر

سلہ یعنی چیز کے بہت سے حصے کو کل چیز کا حکم ہوتا ہے ۱۲

مقیم ہو گیا مدت مقیم یعنی ایک رات دن کے بعد تو موزہ اتارے اور پاؤں دھوئے اور اگر ایک رات دن نہیں گذرا تو مقیم کی مدت کو پورا کرے اس واسطے کہ اب مقیم ہو گیا وحکم مسح جبیرۃ ہی عیدان یجبر بہا الکسر وخرقۃ قرحۃ وموضع فصد وکی ونحو ذلک کعصابۃ جراحۃ ولو برأسہ کغسل لما تحتہا اور مسح جبیرہ کا حکم اور زخم کے پھائے کا حکم فصد اور داغ کے مکان کا اور مانند اس کے چنانچہ زخم کی پٹی اگرچہ زخم سر میں ہو اس کے ماتحت کے دھونے کے مانند ہے یعنی بدل نہیں ہیں جاننا چاہئے کہ جبیرہ وہ لکڑیاں ہیں جن سے ٹوٹی ہڈی باندھی جاتی ہے فیکون فرضا یعنی عملیا لثبوتہ بظنی وہذا قولہما والیہ رجع الامام. خلاصۃ وعلیہ الفتوی شرح مجمع جب کہ مسح جبیرہ وغیرہ کا ماتحت کے دھونے کے مانند ہوا تو مسح کرنا فرض ہو گا یعنی فرض عملی نہ فرض اعتقادی بسبب ثابت ہونے مسح کے دلیل ظنی سے اور یہ یعنی مسح مذکور کو فرض کہنا صاحبین کا قول ہے اور اسی کی طرف امام نے آخر کو رجوع کیا چنانچہ خلاصہ میں ہے اور اسی فرض پر فتوی ہے چنانچہ مجمع کی شرح میں ہے اور جواز مسح جبیرہ کی دلیل یہ ہے کہ علی مرتضیٰؓ کے ہاتھ کی ہڈی جنگ احد یا خیبر میں ٹوٹ گئی تھی سو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسح علی الجبائر کا امر فرمایا پھر یہ حدیث ضعیف ہے لیکن تعدد طرق سے قوی ہو گئی ہے امام اول مسح جبیرہ کو واجب کہتے تھے پھر فرض ہونے کے قائل ہوئے قدمنا ان لفظ الفتوی آکد فی التصحیح من المختار والاصح والصحیح اور ہم نے دیباچہ کتاب میں پہلے ذکر کر دیا ہے کہ فتوی کا لفظ تصحیح میں موکد تر ہے مختار اور اصح اور صحیح کے الفاظ سے یعنی ہر چند بعضوں نے وجوب مسح کی تصحیح کی ہے لیکن فرضیت میں فتوی کا لفظ واقع ہوا ہے تو فرضیت موکد تر ٹھہری ثم انہ یخالف مسح الخف من وجوہ ذکر منہا ثلثۃ عشر پھر معلوم کرنا چاہیے کہ مسح جبیرہ کا مخالف ہے مسح موزے کی کئی وجہوں سے ان میں سے مصنف نے تیرہ وجہوں کو یہاں ذکر کیا ہے فقال فلا وقت لانہ کالغسل یوم الاصحاء سو مصنف نے کہا تو مسح کا وقت یعنی مدت معین نہیں اس واسطے کہ وہ دھونے کے مانند ہے تا اینکہ مسح کرنے والا تندرستوں کی امامت کرتا ہے یعنی اس واسطے کہ وہ صاحب عذر نہیں کذا فی الطحاوی ولو بدلہا باخری او سقطت العلیا لم یجب اعادۃ المسح بل یندب اور اگر ایک جبیرہ کو بدل کر دوسرے جبیرہ کو باندھا یا اوپر کی جبیرہ ساقط ہو گئی تو دوسری بار مسح کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے ویجمع مسح جبیرۃ رجل معہ ای مع غسل الاخری اور جمع کیا جاتا ہے ایک پاؤں کی پٹی کا مسح دوسرے پاؤں کے دھونے کے ساتھ یعنی اگر مسح جبیرہ کا مسح ہوتا حکما تو غسل کے ساتھ جمع نہ ہوتا جیسے ایک قدم کا دھونا اور دوسرے قدم کے موزے پر مسح کرنا جائز نہیں کذا فی الدرر لا مسح خفہا جمع نہیں کیا جاتا موزے دوسرے قدم کی جبیرہ کے مسح کے ساتھ یعنی اگر دونوں قدم پر جبیرہ ہے سو اس نے ایک قدم کے جبیرہ پر مسح کیا اور دوسرے قدم کے موزے پر مسح کیا تو جائز نہیں طحطاوی نے کہا اس واسطے کہ اصل اور بدل میں جمع کرنا لازم آیا بل غیرہ بلکہ دونوں موزوں کا مسح جمع کیا جاتا ہے اور صورت اس کی یہ ہے کہ اگر ایک پاؤں پر جبیرہ ہے سو اس کا مسح کیا اور دوسرے پاؤں کو دھویا پھر دونوں قدم پر موزے پہنے پھر وضو ٹوٹا تو دونوں پر مسح کرنا ہے اس واسطے کہ جمع متقدم یہاں نہیں ہے یعنی اصل اور بدل میں یہاں اجتماع نہیں کذا فی الطحطاوی ویجوز ای یصح مسحہا ولو شدت بلا وضوء وغسل دفعا للحرج اور جائز ہے یعنی مسح جبیرہ کا صحیح ہے اگرچہ جبیرہ بدون وضو اور دھونے کے باندھی گئی ہو دفع مشقت کے واسطے ویترک المسح کالغسل ان ضر والا لا یترک اور ترک کیا جاتا ہے جبیرہ کا مسح جیسے دھونا وہاں کا ترک ہے اگر ضرر کرتا ہو اور اگر ضرر نہ ہو تو ترک نہ کیا جاوے اور مراد وہ ضرر ہے جو اعتبار کے لائق ہے نہ مطلق ضرر اس واسطے کہ عمل ادنی ضرر سے خالی نہیں اور یہ ترک کو مباح نہیں کرتا کذا فی الطحاوی وہو ای مسحہا مشروط بالعجز عن مسح نفس الموضع اور وہ یعنی جبیرہ کا مسح کرنا مشروط ہے ساتھ عاجز ہونے کے مسح کرنے نفس موضع سے یعنی عضو پر مسح نہ کر سکے تب جبیرہ کا مسح صحیح ہے اور عاجزی کی صورت یہ ہے کہ موضع جبیرہ کو پانی ضرر کرتا ہو یا پٹی بندھی ہو جس کو کھولنا ضرر کرتا ہو کذا فی الدرر فان قدر علیہ فلا مسح علیہا سو اگر عضو کے مسح پر قادر ہو تو پٹی پر مسح کرنا صحیح نہیں اور محیط میں ہے کہ اس کو یاد رکھنا چاہیے کہ لوگ اس شرط سے غافل ہیں کذا فی الدرر والحاصل لزوم غسل المحل ولو بماء حار فان ضر مسحہ فان ضر مسحہا فان ضر سقط اصلا حاصل کلام یہ ہے کہ دھونا محل مکسورہ کا لازم ہے اگرچہ

گرم پانی سے ہو یعنی اگر سرد پانی سے دھونا ضرر کرتا ہو تو گرم پانی سے دھونا چاہیے اور گرم پانی سے دھونا وہاں کا ضرر کرتا ہو تو عضو کو مسح کرے اور اگر نفس عضو کا مسح ضرر کرتا ہو تو اس کی پٹی پر مسح کرے اور اگر پٹی پر مسح کرنا بھی ضرر کرتا ہو تو بالکل ساقط ہو گیا یعنی نہ دھونا لازم ہے نہ مسح کرنا **ومسح نحو مفتصد وجریح علی کل عصابۃ مع فرجتہا فی الاصح ان ضرہ الماء او حلہا** اور مسح کرے فصد لینے والا اور زخمی اور جو کہ ان کی مانند ہے ساری پٹی پر اس مکان سمیت جو پٹی کی گرہ کے دونوں طرف کشادہ ہے صحیح تر قول میں اگر اس کو پانی ضرر کرتا ہو یا پٹی کا کھولنا مضر ہو م مصنف استیعاب مسح میں صاحب کنز کا تابع ہوا اور قول اصح جس پر فتوی ہے یہ ہے کہ اکثر عصابہ کا مسح کافی ہے اور گرہ کے پاس کشادگی کا مسح کرنا کافی ہے ذخیرہ میں کہا کہ یہی قول اصح ہے یعنی خلاصہ میں جو وہاں کے دھونے کو فرض کہا ہے سو صحیح نہیں کذا فی الطحطاوی **ومنہ ان لایمکنہ ربطہا بنفسہ ولا یجد من یربطہا** اور منجملہ ضرر کے یہ ہے کہ اس شخص کو خود پٹی کا باندھنا ممکن نہیں اور نہ اس شخص کو پاتا ہے جو پٹی کو باندھ دے **انکسر ظفرہ فجعل علیہ دواء او وضعہ علی شقوق رجلہ اجری الماء علیہ ان قدر والا مسحہ والا ترکہ** ایک شخص کا ناخن ٹوٹا سو اس نے اس پر دوا رکھی یا پاؤں کی بوائی پر دوا لگائی تو وضو میں اس پر پانی کو بہادے اگر ہو سکے اور اگر قادر نہ ہو تو اس کو مسح کرے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو چھوڑ دے یعنی تو دھونا اور مسح کرنا دونوں ساقط ہو گیا عذر سے **والمسح یبطلہ سقوطہا عن برء والا لا** اور مسح کو باطل کرتا ہے گر پڑنا پٹی کا زخم کے چنگے ہو جانے سے اور اگر بدون صحت کے پٹی ساقط ہو گئی تو مسح باطل نہیں ہوتا برخلاف مسح موزہ کے **فان سقطت فی الصلوۃ استانفہا** پھر اگر پٹی صحت کے بعد نماز میں ساقط ہو گئی تو نماز کو پھر شروع کرے **وکذا الحکم لو سقط الدواء او برء موضعہا ولم یسقط مجتبی** اور اسی طرح حکم تفصیل ہے اگر دوا ساقط ہو گئی یا پٹی کا مکان اچھا ہو گیا اور ہنوز پٹی نہیں گری کذا فی المجتبی م یعنی اگر دوا صحت کے بعد نماز میں ساقط ہوئی یا پٹی کا محل اچھا ہو گیا تو نماز کو پھر شروع کرے **وینبغی تقییدہ بما اذا لم یضرہ التہا فان ضرہ فلا بحر** اور حکم مذکور کو مقید کرنا چاہیے اس صورت کے ساتھ جب کہ پٹی کا اتارنا ضرر نہ کرے تو اگر مضر ہو تو مسح باطل نہیں کذا فی البحر یعنی پٹی کے ساقط ہونے سے بعد صحت کے اس وقت مسح باطل ہوتا ہے جب کہ پٹی کا کھول ڈالنا ضرر نہ کرتا ہو اور اگر مضر ہو اس طرح کہ پٹی نہایت چپکی ہے گوشت سے اور اس کے جدا کرنے میں تازگی زخم کا احتمال ہے تو اس صورت میں مسح باطل نہ ہو گا **والرجل والمرأۃ والمحدث والجنب فی المسح علیہا وعلی توابعہا سواء اتفاقا** اور مرد اور عورت اور محدث اور جنب جبیرہ کے مسح میں اور اس کے توابع میں برابر ہیں بالاتفاق م توابع جبیرہ پھایا اور فصد کی پٹی اور داغ کا لوشنے اور وہ تندرست مقام جو ضرورت کے سبب سے پٹی کے نیچے آگیا ہے **ولا یشترط فی مسحہا استیعاب وتکرار فی الاصح فیکفی مسح اکثرہا مرۃ بہ یفتی** اور پٹی کے مسح میں پوری پٹی پر مسح کرنا اور مسح کو مکرر کرنا شرط نہیں صحیح تر قول میں تو پٹی کا ایک بار آدھے سے زیادہ مسح کرنا کفایت کرتا ہے اسی قول پر فتوی ہے م یہ قول مخالف ہے قول سابق کے کہ وہاں پوری پٹی کا مسح مذکور ہے اور اگر اسی قول اخیر پر اقتصار ہوتا تو بہتر تھا اس واسطے کہ فتوی اسی قول پر ہے کذا فی الطحطاوی **وکذا لا یشترط فیہا نیۃ اتفاقا بخلاف الخف فی قول** اور اسی طرح پٹی کے مسح میں نیت شرط نہیں برخلاف مسح موزہ کے کہ اس میں ایک قول میں نیت شرط ہے اور اصح قول یہ ہے کہ موزے کے مسح میں نیت شرط نہیں **وما فی نسخ المتن رجع عنہ المصنف فی شرحہ** اور جو عبارت کہ متن کے نسخوں میں ہے مصنف نے اس کو ترک کیا ہے اپنی شرح میں م یعنی شرح منح الغفار میں ومسح نحو مفتصد وجریح سے آخر تک ساقط ہے طحطاوی نے کہا تو اس کا ذکر نہ کرنا بہتر تھا تاکہ تناقض کا مصنف پر اعتراض نہیں لگتا

باب الحیض

یہ باب ہے حیض کے احکام اور مسائل میں **عنون بہ لکثرتہ واصالتہ والا فہی ثلثۃ حیض ونفاس واستحاضۃ** مصنف نے حیض کو عنوان قرار دیا اس باب کا حیض کی کثرت اور اصالت کے سبب سے ورنہ عورت کے خون تو تین قسم کے ہیں حیض اور نفاس اور استحاضہ یعنی ہر چند اس باب میں حیض اور نفاس اور استحاضہ تینوں خونوں کے احکام مذکور ہیں مگر مصنف نے اس باب کو فقط باب الحیض کر کے آغاز کیا تو اس کی وجہ یہی ہے کہ حیض کثیر الوقوع اور اصل ہے برخلاف نفاس کے کہ ہمیشہ نہیں ہوتا بچہ پیدا ہونے کے بعد ہوتا ہے اور استحاضہ بھی بیمار عورت کو ہوتا ہے نہ ہر عورت کو **ہو لغۃ السیلان وشرعا علی القول بانہ من الاحداث مانعیۃ شرعیۃ بسبب الدم المذکور** وہ یعنی حیض لغت عرب میں روانگی اور بہنے کو کہتے ہیں

اور اصطلاح شرع میں بنا بر اس قول کے کہ حیض حدث ہے منجملہ حدث اور احداث کے شرعی روکنا ہے خون مذکور کے سبب سے یعنی جن عبادات میں طہارت شرط ہے چنانچہ نماز اور مس مصحف اور دخول مسجد ان میں شارح نے حیض کو مانع طہارت اعتبار کیا ہے اگرچہ مانعیت حیض نہ ہو وعلی القول بانہ من الانجاس دم من رحم اور بنا بر اس قول کے کہ حیض ناپاک چیز ہے منجملہ اور نجاسات کے تو وہ خون ہے کہ عورت کے رحم یعنی بچہ دان سے جاری ہوتا ہے فخرج الاستحاضۃ رحم کی قید سے استحاضہ حیض کی تعریف سے نکل گیا اس واسطے کہ استحاضہ رحم کا خون نہیں بلکہ رگ کے پھٹ جانے سے نکلتا ہے اور اسی طرح نکسیر اور زخموں کا خون اور جو کہ مقعد سے خارج ہو وہ رحم کی قید سے خارج ہو گیا ومنہ ماتراہ صغیرۃ وآئسۃ ومشکل اور منجملہ استحاضہ ہی وہ خون ہے جس کو نو برس سے کم عمر کی چھوٹی لڑکی دیکھتی ہے اور وہ بڈھی عورت جس کو حیض کی امید نہ رہی اور جو خون کہ خنثیٰ مشکل دیکھے قول مختار یہ ہے کہ ۵۵ برس کی عورت آئسہ ہے کذافی اکثر المعتبرات لالولادۃ فخرج النفاس نہ ولادت کے سبب سے اس قید سے نفاس خارج ہو گیا حیض کی تعریف سے اس واسطے کہ نفاس خارج ہوتا ہے رحم کی ولادت کے سبب سے برخلاف حیض کے وسببہ ابتداء ابتلاء اللّٰہ لحوا لاکل الشجرۃ اور حیض کے ہونے کا پہلا سبب خدا کا مبتلا کرنا تھا حوا علیہا السلام کو درخت منہی عنہ کے کھا لینے سے وہ درخت گیہوں تھا یا انجیر یا انگور ورکنہ بروز الدم من الرحم اور حیض کا رکن خون کا باہر نکل آنا ہے رحم سے یعنی فرج داخل کے کنارے کے برابر ہو جائے یہی قول معتمد ہے اور محمدؒ کے نزدیک احساس رکن ہے حیض کا اور ثمرۂ اختلاف اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ عورت نے وضو کیا پھر گدی رکھی پھر نزول خون کا احساس ہوا قبل غروب کے پھر گدی جدا کی اس کے بعد تو محمدؒ کے نزدیک روزہ ٹوٹتا ہے برخلاف شیخین کے یعنی جب کہ خون کنارۂ فرج کے محاذی نہ ہو اور اگر محاذی ہو گا تو بالاتفاق حیض یا نفاس ثابت ہوگا کذافی الطحطاوی عن النہر وشرطہ تقدم نصاب الطہر ولو حکما اور حیض کی شرط مقدم ہونا ہے نصاب طہر یعنی اقل مدت طہر کا کہ پندرہ دن ہیں اگرچہ طہر حکمی ہے اور طہر حکمی کی دو صورتیں ہیں ایک تو عورت مستحاضہ کہ بعد ایام حیض کے وہ طاہر ہے حکما اگر خون بہا کرے دوسری وہ عورت جس کو اول بار حیض شروع ہوا تو یہاں بھی نصاب طہر کا مقدم ہونا حکما ہے وعدم نقصہ عن اقلہ اور شرط حیض کی کم نہ ہونا ہے کمتر مدت حیض سے یعنی تین دن سے والاوانہ بعد التسع اور حیض کا زمانہ نو برس کے بعد ہے ووقت ثبوتہ بالبروز فیترک الصلوۃ ولو مبتداۃ فی الاصح لان الاصل الصحۃ والحیض دم صحۃ شمنی اور حیض کے ثابت ہونے کا وقت اس کے خارج ہونے سے ہے اس وقت میں عورت نماز چھوڑ دے اگرچہ اس کو پہلے پہل حیض آیا ہو صحیح تر قول میں اس واسطے کہ رحم سالم ہونا اصلی ہے اور حیض صحت کا خون ہے کذافی الشمنی م یہ راجح یہ قول ہے کہ جس نے اول بار خون دیکھا وہ تین دن کے بعد نماز چھوڑ دے کہ شاید وہ خون استحاضہ کا ہو نہ حیض اور راجح قول اکثر مشائخ بخارا کا ہے کہ جب اس نے حالت بلوغ میں خون دیکھا تو مجرد دیکھنے کے نماز ترک کرے اس واسطے کہ صحت اجسام اصلی ہے اور مرض مقتضی استحاضہ عارض ہے تو مقتضاء اصالت اس خون کو حیض قرار دینا چاہیے نہ استحاضہ واقلہ ثلثۃ ایام بلیالیہا الثلث اور کمتر مدت حیض کی تین دن ہیں تین راتوں کے ساتھ خواہ انھیں دنوں کی راتیں ہوں یا نہ ہوں فالاضافۃ لبیان العدد والمقدر بالساعات الفلکیۃ لا للاختصاص تو اضافت اور نسبت لیال کی ایام ضمیر کی طرف اس زمانہ کے شمار کے واسطے ہے جس کا اندازہ ساعات فلکیہ یعنی نجومی گھڑیوں سے کیا گیا ہے نہ خصوصیت کے بیان کے واسطے یعنی یہ مراد نہیں کہ انھیں ایام مخصوصہ کی تین راتیں ہوں م ساعت دو قسم ہے ساعت فلکی اور ساعت زمانی ساعت فلکی پندرہ درجہ کی ہوتی ہے اس کو ساعت معتدلہ بھی کہتے ہیں ایک رات اور دن کی ۲۴ گھڑیاں ہوتی ہیں تو اقل مدت حیض کی ۷۲ گھڑیاں ہوئیں اور ساعت زمانی رات یا دن کے بارھویں حصے کا نام ہے اس کو ساعت معوجہ بھی کہتے ہیں تو ساعت فلکی کی قید سے ساعت زمانی سے احتراز ہوا اور اسی طرح ساعت لغوی اور ساعت شرعی سے کہ عبارت ہے زمانہ کے ہر ایک جزء سے اگرچہ وہ قلیل ہو تو اگر عورت کو اول بار خون آیا جب کہ نصف قرص آفتاب کا طالع تھا اور چوتھے دن منقطع ہوا جب کہ چہارم قرص طالع تھا اور وہ استحاضہ ہے حیض نہیں کیونکہ اقل مدت اس کی پائی نہیں گئی اور اگر نصف قرص کے طلوع ہونے کے بعد خون منقطع ہوا تو البتہ حیض ثابت ہوگا کذافی الطحطاوی عن القہستانی فتعرف فلا یلزم کونہا لیالی تلک الایام

۱؎ مترجم علامہ نے ذکر ہو جانے کے بعد وہ سے بہ نیز ہو کہ یہ ترجمہ سہو ہے کیا ترجمہ یوں چاہیے تھا کہ تو اس خارج ہونے سے حدث ہے الخ ۱۲

جب کہ اضافت مذکورہ بیان عدد کے واسطے ٹھہری نہ اختصاص کے واسطے تو راتوں کو انھیں دنوں کی راتیں ہونا لازم نہیں ہم رات مقدم ہوتی ہے دن پر تو اگر جمعہ کے دن سے حیض شروع ہوا تو یہ لازم نہیں کہ جمعہ کی رات میں بھی ہو بلکہ مطلقاً تین راتیں لازم ہیں جس طرح یہ لازم نہیں کہ تین دن پورے ہوں آفتاب کے طلوع سے بلکہ مقدار تین دن کے زمانہ گذرنا چاہیے وکذا قولہ واکثرہ عشرۃ بعشر لیال بکذا رواہ الدارقطنی وغیرہ اور اسی طرح مصنف کا یہ قول ہے کہ اکثر مدت حیض کی دس دن ہیں دس راتوں کے ساتھ مطلقاً خواہ انھیں دنوں کی راتیں ہوں یا نہ ہوں ایسا روایت کیا ہے اقل اور اکثر مدت کو دارقطنی وغیرہ نے ہم یہ حدیث طرق متعددہ سے مروی ہے تو مرتبہ حسن کو پہنچ کر لائق احتجاج کے ہو گئی کذا فی النہر والناقص عن اقلہ والزائد علی اکثرہ او اکثر النفاس او علی العادۃ وجاوز اکثرہما وما تراہ صغیرۃ دون تسع علی المعتمد وآئسۃ علی ظاہر المذہب وحامل ولو قبل خروج اکثر الولد استحاضۃ اور جو خون کہ حیض کی اقل مدت یعنی تین رات اور تین دن سے کم ہے اور جو کہ اکثر مدت حیض سے یا اکثر مدت نفاس سے زائد ہے یا زائد ہے حیض اور نفاس کی عادت سے جو مقرر تھی اور بڑھ گیا اکثر مدت حیض اور نفاس سے اور جو خون کہ نو برس سے کم عمر کی لڑکی دیکھے بنا بر قول معتمد کے اور جو خون کہ وہ بڈھی عورت دیکھے جس کو حیض سے ناامیدی ہو گئی بنا بر ظاہر مذہب کے اور جو خون کہ حاملہ عورت دیکھے اگرچہ وہ اکثر ولد کے نکلنے سے پہلے ہو یہ سب استحاضہ ہے ہم اقل اور اکثر مدت سے ناقص اور زائد ہونا استحاضہ ہے اگرچہ کمی اور زیادتی نہایت کم ہو تو اگر عورت کو پانچ دن کی مثلاً عادت ہو اور اس کا خون جاری ہوا پہلی تاریخ جب کہ نصف قرص آفتاب کا طالع ہوا اور گیارھویں تاریخ منقطع ہوا جب کہ دو ثلث قرص طالع ہوا تھا تو پانچ دن سے زیادہ ہے وہ استحاضہ ہے اس واسطے کہ دس دن سے بقدر سدس کے زائد ہو گیا کذا فی الطحطاوی عن القہستانی واقل الطہر بین الحیضتین او النفاس والحیض خمسۃ عشر یوما ولیالیہا اجماعا اور کم تر مدت طہر کی یعنی پاک رہنے کی دو حیض کے درمیان یا نفاس اور حیض کے درمیان پندرہ دن اور ان کی راتیں باتفاق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہم نفاس اور حیض کے درمیان کا طہر اس صورت میں پندرہ دن ہوتا ہے جب کہ نفاس کی اکثر مدت پوری ہو گئی ہو کذا فی الطحطاوی ولا حد لاکثرہ وان استغرق العمر اور حد مقرر نہیں اکثر مدت طہر کی اگرچہ تمام عمر کو احاطہ کر جائے ہم استغراق طہر کی تین صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ عورت بالغہ ہو جائے عمر کی وجہ سے اور تمام عمر اس کو خون نہ آوے تو وہ روزہ رکھا کرے اور نماز پڑھا کرے اور ہمیشہ شوہر سے قربت کیا کرے اور اس کی مدت مہینوں سے منقضی ہو گی دوسری یہ کہ بلوغ کے نزدیک یا بعد اس کے تین دن سے کم خون کو دیکھے پھر ہمیشہ کو خون منقطع ہو جائے اس کا حکم پہلی صورت کا سا حکم ہے تیسری یہ کہ ایسا خون دیکھے جو حیض ہو سکتا ہے پھر دائمی انقطاع ہو جائے اس کا حکم بھی پہلی صورت کے مانند ہے مگر یہ کہ اس کی مدت منقضی نہ ہو گی مگر حیض سے اگر حیض طاری ہو قبل از سن ایاس اور اگر طاری نہ ہو تو مہینوں سے اس کی مدت منقضی ہو گی ابتداء سن ایاس سے چنانچہ باب العدۃ میں مذکور ہو گا الا عند الاحتیاج الی نصب عادۃ لہا اذا استمر بہا الدم اکثر طہر کی حد نہیں مگر عورت کی عادت مقرر کرنے کی احتیاج کے وقت جب کہ اس کا خون برابر بلا انقطاع جاری ہو جائے یعنی سیلان دائمی میں البتہ اکثر طہر کے محدود کرنے کی حاجت ہو گی فیحد لاجل العدۃ بشہرین بہ یفتی تو طلاق کی مدت کے واسطے طہر کی اکثر مدت دو مہینے ٹھہرائے جائیں گے یہی قول مفتی بہ ہے ہم نہایہ میں کہا کہ حاکم شہید کے اس قول پر اس واسطے فتویٰ ہوا کہ یہ آسان تر ہے اور یہ دو مہینوں کی حد معتادہ[1] اور متحیرہ کے حق میں ہے نہ مبتداۃ میں یعنی جس عورت کو جوان ہوتے ابتداء جوانی سے برابر خون جاری ہو گیا اس واسطے کہ مبتداۃ کا حیض ہر مہینے سے دس دن ہیں ابتداء رویت سے خواہ عشرہ اولیٰ ہو یا عشرہ ثانیہ ہو یا ثالثہ اور باقی ایام طہر کے ہیں سو اگر مبتداۃ کو اس کے زوج نے طلاق دی آخر طہر میں تو اس کی عدت اسّی دن میں منقضی ہو گی تین حیض تیس دن کے اور دو طہر ایک طہر ۲۰ دن کا اور دوسرا انیس دن کا اور اگر اول طہر میں طلاق دی تو عدت آخر ہو گی ۸۸ یا ۸۹ دن میں تین حیض تو تیس دن کی اور تین طہر ایک طہر ۲۰ دن کا اور دو طہر انیس انیس دن کے یا ایک طہر انیس دن کا اور دو طہر بیس بیس دن کے اور اگر طلاق دی اول حیض میں عدت منقضی ہو گی ۹۸ یا ۹۹ دن میں چار حیض چالیس دن کے اور تین طہر بطور سابق کے کذا فی الطحطاوی وتم کلامہ المبتداۃ والمعتادۃ

[1] ان الفاظ کی تفسیر آگے آتی ہے۔

ومن نسیت عادتہا اور مصنف کا کلام نصب عادت میں شامل ہے مبتداہ اور معتادہ یعنی وہ عورت کہ اپنی عادت نہیں بھولی اور اس عورت کو جو اپنے حیض کی عادت بھول گئی م یہ کلام الفصیح ہے اگرچہ اکثر طہر کی حد مختلف ہے اس واسطے کہ معتادہ اور ناسیہ کی اکثر طہر کی حد چھ مہینے ہیں اور مبتداۃ ۲۰ دن ہیں حالت استحاضہ میں طحاوی نے کہا مصنف کا یہ کلام الاعند نصب عادۃ لہا اذا استمر بہا الدم مبتداہ کے ۲۰ دن پر بھی صادق آتا ہے وتسمی المحیرۃ والمضلۃ اور جو کہ حیض کی عادت بھول گئی اس کو محیرہ اور مضلہ کہتے ہیں م محیرہ اور مضلہ بصیغہ مفعول اور فاعل دونوں جائز ہے یعنی وہ عورت اپنے حیض اور طہر میں حیران اور گمراہ ہے یا یہ کہ اس نے فقہا کو حیران کر رکھا ہے اور اس کو ناسیہ اور ضالہ اور متحیرہ بھی بولتے ہیں واضلالہا بالعدد او بمکان او بہما کما بسط فی البحر والحاوی اور اس کا گم کرنا اور بھول جانا یا تو شمار ایام حیض کا بھولنا ہے کہ کے دن حیض آتا تھا یا مکان کا بھولنا ہے یعنی شمار ایام کا تو یاد ہے مگر تاریخ یاد نہیں کہ عشرہ اولی میں ہوتا تھا یا ثانیہ یا ثالثہ میں یا دونوں کا بھولنا ہے یعنی نہ شمار یاد ہے نہ تاریخ چنانچہ بحر الرائق اور حاوی میں شرح مذکور ہے وحاصلہ انہا تتحری اور حاصل اس بیان شرح کا یہ ہے کہ بھولنے والی اٹکل دوڑا دے اور خوب سوچے یعنی ظن غالب پر عمل کرے یعنی جن دنوں کو طہر گمان کرے تو وہ پاک ہے ہر وقت وضو کر کے نماز پڑھا کرے اور جن دنوں کو حیض سمجھے ان میں نماز روزہ ترک کرے خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب اس کو حیض کا یقین ہو وقت مخصوص میں تو عبادت ترک کرے اور اگر یقین نہ ہو تو گمان غالب پر عمل کرے اور اگر کسی طرح دل نہ ٹھہرے اور تردد واقع ہو اس کا حکم شارح بیان کرتا ہے ومتی ترددت بین حیض ودخول فیہ وطہر توضأ لکل صلوۃ اور جب کہ عورت مذکورہ کو تردد واقع ہو حیض میں اور حیض کے آنے میں اور طاہر ہونے میں تو ہر نماز کے واسطے وضو کرے یعنی جس دن یہ تردد ہو کہ شاید یہ دن حیض کا ہے یا حیض شروع ہوا یا شاید پاکی کا دن ہے تو ہر نماز میں وضو کیا کرے یہی قول صحیح ہے اور واجبات اور سنن مؤکدہ ادا کرے اور قرآن بقدر مفروض اور واجب کے پڑھے اور مسجد میں نہ جاوے اور قرآن کا مس نہ کرے وتمامہ فی الطحاوی وان بینہا والدخول فیہ تغتسل لکل صلوۃ اور اگر تردد ہو حیض اور طہر میں اور طہر کے داخل ہونے یعنی حیض سے خارج ہونے میں تو ہر نماز کے واسطے غسل کرے اس واسطے کہ شاید حیض سے خارج ہوئی اور طہر میں داخل ہوئی وتترک غیر مؤکدۃ ومسجدا وجماعا اور چھوڑے نماز غیر مؤکدہ کو اور مسجد کے جانے کو اور جماع کو یعنی زوج کو اپنے اوپر قادر نہ ہونے دے کہ شاید حیض میں جماع واقع ہو م حلبی محشی نے کہا کہ یہ دوسری صورت سے متعلق ہے وتصوم رمضان ثم تقضی عشرین لیسان علت بدایتہ لیلا اور سارے رمضان میں روزہ رکھے پھر ۲۰ دن قضا کرے اگر جانتی ہو شروع ہونا حیض کا ابن بیماری سے پہلی رات کو م اس واسطے کہ اگر حیض رات سے شروع ہوا تو رات پر ختم ہوگا تو اس کا روزہ رمضان میں سوا دس دن کے فاسد نہ ہوا اور دس دن قضا کے فاسد ہوئے کذافی الحلبی قضا کے دن فاسد ہوئے حیض کے احتمال سے تو ۲۰ دن کے قضا کرنے میں دس روزے بالیقین طہر میں واقع ہوں گے والا فاثنین وعشرین ورنہ بائیس دن قضا کرے یعنی اگر ابتدا حیض دن سے جانتی ہو تو ۲۲ دن قضا کرے اس واسطے کہ اگر حیض دن سے شروع ہوا تو دن میں ختم ہوگا گیارھویں دن تو گیارہ روزے اس کے فاسد ہوگئے اور اسی قدر قضا میں کذافی الحلبی تو ۲۲ دن کی قضا میں گیارہ روزے بالیقین طہر میں واقع ہوں گے وتطوف لرکن ثم یعید بعد عشرۃ اور طواف کرے فرض جس کو طواف الزیارۃ کہتے ہیں پھر اس کا اعادہ کرے دس دن کے بعد یعنی اس واسطے کہ طواف الزیارۃ میں طہارۃ واجب ہے اور شاید کہ وہ طواف حیض میں واقع ہوا ہو وتعید الاتعیدہ اور طواف الصدر کرے یعنی کعبہ سے رخصت ہونے کا طواف اور اس کا اعادہ نہ کرے اس واسطے کہ حائض پر طواف الصدر ساقط ہے وتعتد بطلاق سبعۃ اشہر علی المفتی بہ اور عدت کرے طلاق کی وجہ سے سات مہینے مفتی بہ قول پر یعنی مضلہ اور اسی طرح معتادہ مستمرۃ الدم بقول حاکم شہید سات مہینے کی عدت کرے کذافی الحلبی اس لیے کہ تین حیض کے تیس دن اور چھ مہینے کے تین طہر چنانچہ سابق میں گذرا کہ اکثر طہر اس کا دو مہینے کا ہے وماتراہ من لون ککدرۃ وتربیۃ فی مدۃ المعتادۃ اور حیض کی مدت معتادہ میں جو رنگ کہ دیکھے چنانچہ تیرگی اور خاکستری وہ حیض ہے م جب کہ تیرہ اور خاکستر خون حیض ٹھہرا تو سرخ اور سیاہ اور زرد اور سبز بطریق

ترمذی سلہ دائی تورہ ملا ۲

اول حیض ہو کا سا ہے بیاض خالص قبل ہوشئی یشبہ الخیط الابیض یعنی سفیدی خالص کے سوا کہ وہ حیض نہیں ہے بعضوں نے کہا کہ بیاض خالص ایک چیز ہے سفید دھاگے کی مانند یعنی بعد اختتام حیض کے وہ گدی پر ظاہر ہوتی ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ بیاض خالص سے انقطاع حیض مراد ہے کذافی نہر الفائق ولو الطہر متخللا بین الدمین فیہما حیض اگرچہ مدت کے اندر دو خونوں کے درمیان طہر معلوم ہو وہ بھی حیض ہے یعنی حیض کے دس دن کی مدت میں اول خون نظر آیا اور آخر میں بھی نمود ہوا اور مابین میں خشکی معلوم ہوئی تو یہ طہر متخلل بین الدمین بھی حیض میں داخل ہے لان العبرۃ لاولہ وآخرہ وعلیہ المتون فلیحفظ طہر متخلل اس واسطے حیض ٹھہرا کہ اس کے اول اور آخر کا اعتبار ہے اور اسی قول پر متون فقہ کا اتفاق ہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے م یعنی جیسے وجوب زکوۃ میں ابتدا اور انتہا سال میں نصاب کا ہونا کافی ہے اگرچہ سال کے اندر پوری نصاب باقی نہ رہی ہو اسی طرح حیض میں مدت کے اول اور آخر کا اعتبار ہے درمیان کی خشکی ساقط الاعتبار ہے شارح نے اس قول سے صاحب بحر کے اس کلام کے رد ہونے پر اشارہ کیا اگرچہ اس روایت کو اصحاب متون نے اختیار کیا ہے لیکن اصحاب شروح نے اس کی تصحیح نہیں کی اس واسطے کہ نصاب پر قیاس صحیح نہیں کیونکہ یہاں خون اثناء مدت میں منقطع ہے اور زکوۃ میں بقاء جزو نصاب اثناء سال میں مشروط ہے صاحب نہر الفائق نے اس کو یوں رد کیا ہے کہ یہ قیاس نہیں ہے نصاب پر بلکہ اس کا نظیر بیان کیا ہے ثم ذکر احکامہ بقولہ یمنع صلوۃ مطلقا ولو سجدۃ شکر پھر مصنف نے احکام حیض کے بیان کیے اپنے اس قول سے کہ حیض منع کرتا ہے نماز کو مطلقاً یعنی خواہ رکوع سجود والی نماز ہو خواہ جنازہ کی اگرچہ سجدہ شکر کا ہو وصوماً وجماعا اور حیض مانع ہے روزہ اور جماع کو وتقضیہ لزوماً دونہا للحرج اور عورت روزہ کو قضا کرے بضرورت نہ نماز کو بسبب حرج اور مشقت کے م نماز ہر سال ہر روز فرض ہے اور روزہ سال بھر میں ایک مہینہ تو قضاء صوم میں حرج نہیں اور نماز کی قضا میں دقت ہے ولو شرعت تطوعا فیہما فحاضت قضتہما خلافا لما زعمہ صدر الشریعۃ بحر اور اگر عورت نے نفل نماز روزہ شروع کیا پھر وہ حائض ہو گئی تو نماز روزہ دونوں قضا کرے برخلاف اس قول کے جو صدر الشریعۃ نے گمان کیا ہے کذافی البحر یعنی شارح وقایہ نے کہا ہے کہ روزہ قضا کرے نہ نماز وفی الفیض لو نامت طاہرۃ وقامت حائضۃ حکم بحیضہا منذ قامت اور فیض میں ہے کہ اگر عورت سوئی پاک اور اٹھی حیض کی حالت میں تو اس کے ثبوت حیض کا حکم ہو گا جب سے کہ وہ اٹھی م یہ حکم نظر باحتیاط ہے تو اگر عشا کے وقت بدون نماز پڑھے سو گئی اور صبح کو اٹھی تو عشا کو قضا کرے اس واسطے کہ اضافت حوادث کی اقرب اوقات کی طرف ہوتی ہے وبعکسہ منذ نامت احتیاطا اس کے بالعکس میں یعنی سوئی حائض اور اٹھی طاہر تو اس کی طہارت کا حکم ہو گا سونے کے وقت سے احتیاط کی راہ سے م بعضوں نے کہا قولہ احتیاطاً عکس کی علت ہے میں کہتا ہوں کہ وہ دونوں صورتوں کی علت ہے چنانچہ عنقریب مذکور ہو گیا اور اس پر دلیل بحر الرائق کا کلام ہے کہ اگر عورت نے گدی رکھی رات کو اور فجر کو پاک اٹھی تو عشا کی نماز قضا کرے پھر اگر وہ طاہر تھی سو اس نے تراوٹ دیکھی صبح کو تو بھی عشا کو قضا کرے اگر نماز نہ پڑھی ہو گدی رکھنے سے پہلے اس کو پاک قرار دینے کی وجہ سے پہلی صورت میں گدی رکھنے کے وقت سے اور حائض قرار دینے کی علت سے دوسری صورت میں گدی کے جدا کرنے کے وقت سے نظر باحتیاط دونوں صورتوں میں کذافی الطحطاوی ویمنع حل دخول مسجد اور منع کرتا ہے حیض دخول مسجد کے حلال ہونے کو م اس سے معلوم ہوا کہ جس کے بدن پر نجاست لگی ہو وہ مسجد میں نہ جائے مسجد کی قید سے عیدگاہ خارج ہے اور اسی طرح خانقاہ اور مدرسہ اور جس کے پیٹ میں ریح گھومی وہ اس کے خارج کرنے کو باہر مسجد کے نکل جائے یہی قول اصح ہے اور اگر مسجد میں کسی کو احتلام ہو وہ تیمم کر کے باہر نکلے اگر خوف نہ ہو دشمن یا جانور کا اور اگر خوف ہو تو تیمم کر کے وہیں ٹھہرا رہے اگر مسجد سے جلد نکلے تو تیمم کرنا جائز ہے اور اگر خوف سے وہیں ٹھہرے تو واجب ہے کذافی الطحطاوی مختصراً وحل الطواف ولو بعد دخولہا المسجد وشروعہا فیہ اور حیض حلت طواف کا مانع ہے اگرچہ حیض بعد داخل ہونے مسجد الحرام کے اور طواف میں شروع کرنے کے بعد عارض ہوا ہو وقربان ماتحت الازار یعنی مابین سرۃ ورکبۃ ولو بلا شہوۃ اور منع کرتا ہے حیض تہ بند کے نیچے کی نزدیکی سے یعنی اس بدن کی قربت سے جو ناف اور گھٹنے کے درمیان ہے اگرچہ قربت بدون شہوت کے ہو یعنی جماع کرنا اور ران وہاں لگانا

اور بدون شہوت کے ہاتھ لگانا یا سب حرام ہے م یہ حرمت استمتاع[1] ماتحت الازار کی در صورت عدم حیلولت کے ہے اور اگر بدون جماع کے استمتاع
ماتحت الازار ہو حیلولت کے ساتھ یعنی کپڑا درمیان میں حائل ہو تو جائز ہے اگرچہ خون سے آلودگی ہو اور حائض کا کھانا پکانا اور اس کے آٹے اور پانی چھونے
کو استعمال کرنا مکروہ نہیں اور حائض کے بچھونے سے علیحدہ رہنا لائق نہیں کہ یہ یہودیوں کا فعل ہے کذا فی الطحطاوی عن البحر وحل ماعداہ مطلقا اور قربت
مذکورہ کے سوا ہر فعل حلال ہے مطلقا م ماسوائے قربت مذکورہ نظر ماتحت الازار اور استمتاع بقیہ بدن پر صادق ہے خواہ نظر کرنا اور استمتاع شہوت کے ساتھ
ہو یا بدون شہوت اور یہی مطلب ہے اطلاق کا کذا فی الحلبی وہل یحل النظر ومباشرتہا لہ فیہ تردد اور کیا نظر کرنا عورت کی ماتحت الازار کو اور بدن سے بدن لگانا
عورت کا مرد کو حلال ہے یا نہیں جواب اس کا یہ ہے کہ اس میں تردد ہے م شارح کو یہ تردد پیدا ہوا ہے صاحب بحر کے متردد ہونے سے لیکن تحقیق یہ ہے کہ نظر
کے حلال ہونے میں کچھ تردد نہیں اس کی تحریم پر کوئی معتمد دلیل نہیں وہ داخل ہے اس قول کے تحت میں وحل ماعداہ مطلقا کذا فی الطحطاوی وقراءۃ قرآن بقصدہ
اور حیض منع کرتا ہے قرآن پڑھنے کو قرآن کی نیت سے م حائض کو قرآن پڑھنا ممنوع ہے خواہ پوری آیت ہو یا کم یہی قول ہے کرخی کا اور اکثر کتب میں اسی کی تصحیح ہے
کذا فی البحر لیکن اگر قرآن پڑھا بہ قصد ثنا یا افتتاح امر یا بقصد دعا تو امام سے روایت میں ممنوع نہیں اور بسم اللہ پڑھنا بالاتفاق ممنوع نہیں اور اذکار کا پڑھنا
مباح ہے مطلقا اور ذکر کے واسطے حائض کو وضو کرنا مستحب ہے اور ترک اس کا خلاف اولی ہے کذا فی الطحطاوی ملخصا ومسّہ ولو مکتوبا بالفارسیۃ فی الاصح
اور حیض منع کرتا ہے قرآن کے چھونے کو اگرچہ قرآن فارسی خط میں لکھا ہو صحیح تر قول میں م مس قرآن جنب اور حائض کو جائز نہیں خواہ لوح پر لکھا ہو خواہ درم
یا دیوار پر مصحف کا مس کسی طرح جائز نہیں نہ موضع کتابت نہ حاشیہ کا یہی قول معتمد ہے برخلاف غیر مصحف کہ اس میں مکتوب کا مس جائز نہیں اور غیر مکتوب کا مس
جائز ہے کذا فی البحر الا بغلافہ المنفصل کا مر مگر قرآن کا چھونا جدے غلاف سے جائز ہے چنانچہ گذرا یعنی جزدان کے ساتھ چھونا درست ہے چولی کے ساتھ درست
نہیں م قرآن کے مانند توریت اور انجیل اور زبور ہیں جن میں تبدیل اور تحریف واقع نہیں ہوئی فقہا نے کہا ہے کہ تفسیر اور فقہ اور احادیث کی کتابوں کا چھونا
حائض کو مکروہ ہے کیونکہ آیات قرآنی سے خالی نہیں اس تعلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ جمیع شروح نحو کا بھی یہی حال ہے کذا فی النہر وکذا یمنع حملہ کلوح وورق فیہ
آیۃ اور حیض اسی طرح منع کرتا ہے قرآن کے اٹھانے کو جیسے اس تختے اور ورق کا اٹھانا ممنوع ہے جس میں آیت قرآنی مکتوب ہے م اور اگر آیت سے کم مکتوب
ہے تو اس کا چھونا مکروہ نہیں کذا فی الطحطاوی عن القہستانی ولا باس لحائض وجنب بقراءۃ ادعیۃ ومسہا وحملہا وذکر اللہ تعالیٰ وتسبیح وزیارۃ قبور
ودخول مصلی عید اور کچھ مضائقہ نہیں حائض اور جنب کو دعاؤں کے پڑھنے اور چھونے اور اٹھانے میں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں اور سبحان اللہ کہنے اور
قبروں کی زیارت اور عیدگاہ کے داخل ہونے میں م لاباس کے لفظ میں اشارہ ہے کہ جنب اور حائض کو ان چیزوں میں وضو کر لینا مستحب ہے واکل
وشرب بعد مضمضۃ وغسل ید اور کھانے پینے میں کلی کرنے اور ہاتھ دھونے کے بعد م تو کلی اور ہاتھ دھونے کے بعد کھانا پینا اصلا مکروہ نہیں
حائض کے حق میں لفظ لاباس کا خلاف اولی پر جو مرجح ہے کراہت تنزیہی کا دلالت نہیں کرتا بدلیل قول شارح واما قبلہما فیکرہ کذا فی الطحطاوی واما قبلہا فیکرہ لجنب
لا حائض مالم تخاطب بغسل کذا فی الحلبی اور کلی اور ہاتھ دھونے سے پہلے تو کھانا پینا جنب کو مکروہ ہے نہ حائض کو جب تک کہ حائض کو نہانے کا حکم نہ ہو یعنی
طاہر ہونے کے بعد ایسا ذکر کیا ہے حلبی نے م جنب اور حائض میں فرق یہ ہے کہ جنب کا منہ دھونا کلی سے ساقط ہو جاتا ہے تو پانی مستعمل ہوگا اور
مستعمل پانی پینا مکروہ ہے ہرچند یہ تعلیل طعام میں جاری نہیں برخلاف حائض کے اس کا حدث مرتفع نہیں ہوتا قبل از انقطاع حیض ولا یکرہ تحریما
مس قرآن بکم عند الجمہور تیسیر اور کذا فی الہدایۃ الکراہۃ وہو الاوجہ اور مکروہ تحریمی نہیں چھونا قرآن کا آستین سے اکثر عالموں کے نزدیک آسانی کے واسطے اور ہدایہ
میں اس کے مکروہ ہونے کو ترجیح کیا ہے اس میں زیادہ تر احتیاط ہے م آستین سے مراد وہ کپڑا جو چھونے والے کے بدن سے متصل ہے ویحل وطیہا اذا
انقطع حیضہا لاکثرہ بلا غسل وجوبا بل ندبا اور حلال ہے عورت سے جماع کرنا جب کہ اس کا حیض منقطع ہو گیا حیض کی اکثر مدت کے بعد بدون غسل واجب

[1] تمتع حاصل کرنا تہبند سے نیچے ۱۲

کے بلکہ قبل جماع کے نہانا مستحب ہے یعنی جب کہ دس رات دن کے بعد حیض بند ہوا تو بدون نہانے کے اس عورت کا جماع درست ہے اور قبل جماع کے غسل کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے تو جماع بلا غسل مکروہ تنزیہی ہے وان انقطع لدون اقلہ توضأ وتصلی آخر الوقت اور اگر منقطع ہوا خون حیض کی اقل مدت سے کم تر میں یعنی تین رات دن سے کم مدت میں بند ہوا تو عورت وضو کرے اور نماز پڑھے نماز کے آخر وقت میں ہم یہاں غسل نہ ثابت ہوا کیونکہ یہ خون حیض کا نہیں ہے طحطاوی نے کہا شارح نے اس صورت میں جماع کا حکم بیان نہیں کیا لیکن اس کا حلال نہ ہونا اگلے مسئلے سے ظاہر ہوتا ہے یعنی جب کہ عادت سے کم اقل مدت کے بعد منقطع ہونے سے حلت نہیں تو یہاں بطریق اولیٰ حلت نہ ہوگی وان لاقلہ فان لدون عادتہا لم یحل اور اگر حیض منقطع ہوا اپنی اقل مدت کے بعد پھر اگر عادت سے کم مدت میں بند ہو گیا تو جماع حلال نہیں اگرچہ وہ غسل کر چکی ہو کذا فی البحر وتغتسل وتصلی وتصوم احتیاطاً اور عورت مذکورہ غسل کرے اور نماز پڑھے اور روزہ رکھے احتیاط کی راہ سے ہم تاخیر کرنا غسل کا آخر وقت تک مستحب ہے جب کہ پوری عادت کے بعد حیض منقطع ہوا ہو اور اگر عادت سے کم منقطع ہوا ہو تو تاخیر واجب ہے کذا فی النہر وان لعادتہا فان کتابیۃ حل فی الحال اور اگر اقل مدت کے بعد عورت کی عادت پر حیض منقطع ہوا تو اگر وہ عورت اہل کتاب سے ہے تو اس کا جماع کرنا فی الحال حلال ہو گیا یعنی اس واسطے کہ اس پر غسل کرنا واجب نہیں کیونکہ کفار احکام شرعیہ کے مخاطب نہیں کذا فی البحر والا لا یحل حتی تغتسل او تتیمم بشرطہ اور اگر عورت مذکورہ مسلمان ہے تو جماع حلال نہیں یہاں تک کہ غسل کرے یا تیمم کرے بدلے غسل کے تیمم کی شرط کے موافق یعنی اگر آب مطلق کافی کے استعمال سے عاجز ہے تب اس کو تیمم درست ہوگا نہر الفائق میں ہے کہ تیمم کے بعد بدون نماز پڑھے جماع اس کا حلال نہیں بالاجماع بنا بر قول اصح کے او یمضی علیہا زمن یسع الغسل ولبس الثیاب والتحریمۃ یعنی من آخر وقت الصلوۃ لتعلیلہم بوجوبہا فی ذمتہا حتی لو طہرت فی وقت العید لا بد ان یمضی وقت الظہر کما فی السراج یا انقطاع حیض کے بعد اس قدر زمانہ گذر جائے جو گنجائش رکھتا ہو نہانے اور کپڑے پہننے اور تحریمہ باندھنے کی یعنی نماز کے آخر وقت سے اس قدر زمانہ چاہیے بسبب وجہ بیان کرنے فقہا کے واجب ہونے نماز کے عورت کے ذمہ پر یعنی وجوب نماز کا ثابت نہیں بدون خروج وقت کے تو اگر عورت طاہر ہوئی عید کے وقت تو ضرور ہے کہ ظہر کا وقت گذر جائے چنانچہ سراج وہاج میں مذکور ہے ہم تو مراد یہ ہے کہ ایسے وقت میں پاک ہو کہ خروج وقت تک اس قدر باقی ہو کہ نہانا اور کپڑے پہننا اور تحریمہ باندھنا ہو سکتا ہو اور یہ مراد نہیں کہ نماز کے اول وقت میں پاک ہو اور اس قدر زمانہ گذر جائے جیسا کہ بعضے غلط سمجھے ہیں ہر چند مصنف کی عبارت عام ہے لیکن مراد یہی ہے جو مذکور ہو گیا اور جماع کو اس واسطے مخصوص کر کے ذکر کیا تا معلوم ہو کہ حیض اور نفاس کی طہارت وقت مذکورہ کے گذر جانے سے جماع کے حق میں ہے نہ قرآن پڑھنے کے حق میں کذا فی الطحطاوی عن الحموی عن البرجندی درر میں ہے کہ اگر حیض بند ہوا دس کے بعد تو وہ پاک ہو گئی اور غسل واجب ہوا اور اگر تین دن سے کم میں خون بند ہوا یا تین دن سے زیادہ عادت سے کم یا عادت کے موافق بند ہوا اور پھر جاری ہوا دس دن کی مدت میں تو اس کی طہارت کا حکم باطل ہو گیا خواہ وہ مبتدأہ ہو خواہ معتادہ انتہی وہل تعتبر التحریمۃ فی الصوم الاصح لا اور کیا صوم میں بھی تحریمہ معتبر ہے یا نہیں جواب یہ ہے کہ صحیح تر قول میں معتبر نہیں یعنی اگر قبل فجر کے طاہر ہوئی تو وجوب صوم کے واسطے اس قدر زمانہ شرط ہے رات کا جس میں نہانا اور کپڑے پہننا ممکن ہو تو نماز اور صوم میں کچھ فرق نہیں سوائے تحریمہ کے تو نماز میں تحریمہ معتبر ہے اور صوم میں معتبر نہیں وہی من الطہر مطلقاً اور وہ یعنی تحریمہ طہر اور پاکی میں داخل ہے نہ حیض میں ہر صورت سے خواہ انقطاع اکثر مدت سے ہوا ہو خواہ اقل سے کذا فی الحلبی وکذا الغسل لو لاکثرہ والا فمن الحیض فتقضی مطلقا ان بقی قدر الغسل والتحریمۃ ولو لعشرۃ فقدر التحریمۃ فقط لئلا تزید ایامہا علی عشر فلیحفظ اور اسی طرح غسل بھی طہر میں داخل ہے اگر حیض منقطع ہوا ہو اکثر مدت پر اور اگر ایسا نہیں تو وہ حیض میں داخل ہے تو عورت نماز قضا کرے مطلقاً اگر زمانہ بقدر غسل اور تحریمہ کے باقی ہو تا کہ حیض کے ایام دس سے زیادہ نہ ہو جاویں سو اس کو یاد رکھنا چاہیے یعنی اگر اکثر مدت میں انقطاع ہوا ہو تو غسل کا زمانہ حیض میں شمار نہ ہوگا ورنہ ایام حیض کو دس سے زیادہ ٹھہرنے گے اور یہ شرع سے ثابت نہیں وطیہا یکفر مستحلہ کما جزم بہ غیر واحد اور جماع کرنا حیض سے کافر ٹھہرتا ہے[1] اس کے حلال

[1] معتبر یہ تھا کہ ترجمہ اول یوں کرتا کہ کافر ہو جاتا ہے اس کا حلال سمجھنے والا۱۲

سمجھنے والے کو چنانچہ اس تکفیر پر ایک نے نہیں بہت فقہاء نے یقین کیا ہے ازانجملہ صاحب مبسوط اور صاحب اختیار اور صاحب فتح القدیر ہے کذا فی الطحطاوی
وکذا استحل وطی الدبر عند الجمہور مجتبیٰ اور اسی طرح وطی دبر کا حلال سمجھنے والا کافر ہے اکثر علماء کے نزدیک کذا فی المجتبیٰ م حلال عورت کی دبر مراد ہے اور غلام وغیرہ
کی دبر میں ظاہر ہے تکفیر کا خلاف جاری نہیں کذا فی الطحطاوی وقیل لا یکفر فی المسئلتین وہو الصحیح خلاصہ وعلیہ المعول لانہ حرام لغیرہ ولما یجیٔ فی المرتد انہ لا یفتی بتکفیر مسلم
کان فی کفرہ خلاف ولو روایۃ ضعیفۃ اور بعضوں نے کہا کہ حلال سمجھنے والے کو کافر کہنا نہ چاہیے دونوں مسئلوں میں اور یہی قول صحیح ہے کذا فی الخلاصۃ اور اسی قول
پر اعتماد ہے اس واسطے کہ وہ اپنے غیر کے سبب سے حرام ہے یعنی حیض اور براز کی نجاست کے وجہ سے اور اس لیے کہ باب المرتد میں آوے گا کہ فتوی نہیں دیا
جاتا اس مسلمان کی تکفیر کا جس کے کفر میں عالموں کا خلاف واقع ہے اگرچہ ضعیف ہی روایت ہو م حرام لغیرہ کے مستحل کی تکفیر پر فتوی نہیں بلکہ حرام لعینہ کے مستحل پر فتوی
ہے جب کہ اس کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو سو اگر حرام لغیرہ دلیل قطعی سے ثابت ہے یا حرام لعینہ آحاد سے تو اس کی حلت کا معتقد کافر نہیں کذا فی الطحطاوی
عن البحر ثم ہو کبیرۃ لو عامدًا مختارًا عالمًا بالحرمۃ پھر معلوم کرنا چاہیے کہ جماع کرنا حیض میں گناہ کبیرہ ہے اگر دانستہ ہوا پنے اختیار سے حرمت کو جان بوجھ کر لا جاہلا او
مکرہا او ناسیا گناہ کبیرہ نہیں اگر اس کی حرمت کو نہ جانتا ہو یا بے اختیار ہو کسی کے جبر کرنے سے یا حیض کو بھول کر جماع کیا ہو فتلزمہ التوبۃ جب گناہ کبیرہ ہوا تو
اس کے فاعل کو توبہ اور استغفار لازم ہے ویندب تصدقہ بدینار او نصفہ اور مستحب ہے اس کو صدقہ دینا ایک دینار یا نصف دینار کا م دینار ساڑھے
چار ماشہ سونے کا ہوتا ہے اصحاب سنن کی ابن عباسؓ سے ایک روایت یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مرد نے حائض سے جماع کیا اول خون میں
اور حالانکہ خون سرخ ہے تو ایک دینار صدقہ کرے اور اگر انقطاع خون میں جماع کیا اور حالانکہ خون زرد ہے تو نصف دینار خیرات کرے کذا فی تیسیر
جامع الاصول ومصرفہ کزکوٰۃ اور مصرف اس دینار اور نصف دینار کا زکوٰۃ کی مانند ہے وہل علی المرأۃ تصدق قال فی الضیاء الظاہر لا اور کیا عورت پر بھی خیرات
کرنا مستحب ہے ضیاء میں کہا کہ ظاہرا عورت پر یہ حکم نہیں ہے ودم استحاضۃ حکمہ کرعاف دائم وقتا کاملا اور استحاضہ کے خون کا حکم نکسیر دائمی کے مانند ہے
کہ نماز کے پورے وقت میں جاری ہے م خون استحاضہ چھ قسم ہے ایک وہ ہے جو اقل حیض سے کم ہو ۲۔ یہ کہ اکثر حیض سے زیادہ ہو ۳۔ یہ کہ حیض عادت سے
زیادہ ہو اور اس کا حیض دس روز کا ہے ہر مہینہ میں ۴۔ یہ کہ نفاس عادت سے زیادہ ہو اور اس کا نفاس ۴۰ دن کا ہے ۵۔ یہ کہ حیض اور نفاس کی عادت
سے زیادہ اور دونوں کی اکثر مدت سے تجاوز کر جائے ۶۔ حاملہ کا خون کذا فی الحموی اور آئسہ اور صغیرہ اور مریضۃ الرحم کا خون اسی قسم کا ہے کذا ذکرہ ابو السعود اور
خون استحاضہ کی علامت یہ ہے کہ اس میں بو نہیں ہوتی اور حیض کے خون میں بدبو ہوتی ہے کذا فی الطحطاوی عن البحر لا یمنع صومًا وصلوٰۃ ولو نفلا وجماعًا لحدیث
توضئی وصلی وان قطر الدم علی الحصیر خون استحاضہ مانع نہیں صوم اور صلوٰۃ کا اگرچہ نفل کی نماز ہو اور جماع کا مانع نہیں بدلیل اس حدیث کے کہ فاطمہ بنت ابی حبیش
سے فرمایا کہ وضو کیا کر اور نماز پڑھا کر اگرچہ خون چٹائی پر ٹپکے م حکم نماز کا حدیث کی عبارۃ النص سے ثابت ہے اور صوم اور جماع کا دلالۃ النص سے کذا فی الفتح
والنفاس لغۃ ولادۃ المرأۃ وشرعًا دم فلو لم تره ہل تکون نفساء المعتمد نعم یخرج من رحم اور نفاس لغت عرب میں عورت کا جننا ہے اور اصطلاح شرع میں نفاس
وہ خون ہے جو رحم سے نکلے لڑکا کا پیدا ہونے کے بعد پھر اگر عورت ولادت کے بعد خون نہ دیکھے کیا وہ نفسا یعنی زچا ٹھہرے گی یا نہیں جواب یہ ہے کہ ہاں معتمد
قول یہی ہے کہ وہ زچا ہے م تو اس پر غسل واجب ہے احتیاط کی راہ سے اس واسطے کہ ولادت قلیل خون سے خالی نہیں کذا فی البحر فلو ولدتہ من سرتہا ان سال الدم
من الرحم فنفساء والا فذات جرح وان ثبت لہ احکام الولد پھر اگر عورت لڑکا جنی اپنی ناف سے اس طرح کہ ناف میں زخم تھا اور پھٹ گیا اور بچہ نکل آیا تو اگر خون
بچہ دان سے جاری ہوا تو وہ زچا ہے اور اگر خون وہاں سے جاری نہیں ہوا تو وہ عورت زچا نہ ہوگی زخم والی ٹھہرے گی اگرچہ اس مولود کو احکام ولد کے ثابت
ہوں گے م احکام مولود کے یہ ہیں کہ اس کی ماں کی عدت منقضی ہوگی اور وہ ام ولد ٹھہرے گی اور اس کی طلاق اگر ولادت پر معلق ہوگی تو اس کے پیدا
ہونے سے واقع ہوگی کذا فی الطحطاوی عن الظہیریۃ عقب ولد او اکثرہ ولو متقطعًا عضوًا عضوًا النفاس ثابت ہوتا ہے پورا لڑکا پیدا ہونے یا اکثر یعنی نصف سے

زیادہ نکلنے کے بعد اگرچہ تمام یا اکثر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نکلا ہو لا اقل فتتوضأ ان قدرت او تتیمم وتومی للصلوٰۃ ولا تؤخر فما عذر الصحیح القادر نفاس ثابت نہیں
کم تر مولود کے نکلنے سے یعنی اگر نصف بدن سے کم خارج ہوا تو وہ عورت زچا نہیں تو اب وہ اس حالت میں وضو کرے اگر وضو پر قادر ہو یا تیمم کرے اور اشارہ
سے نماز پڑھے اور نماز کو تاخیر نہ کرے تو اب کون عذر باقی ہے تاخیر یا ترک نماز کا چنگے بھلے قادر شخص کو یعنی جب ایسی سخت حالت میں عورت کو تاخیر نماز کا حکم
نہیں تو تندرست توانا مرد کو کہاں عذر باقی ہے مم عورت مذکورہ کو یوں نماز پڑھنا چاہیے کہ اپنے نیچے ٹھیکرے رکھے یا گڑھا کھود دے اور بیٹھ کر نماز پڑھے تا کہ بچے
کو تکلیف نہ ہو کذا فی الطحطاوی وحکمہ کالحیض فی کل شیء الا فی سبعۃ ذکرتہا فی الخزائن وشرحی للملتقی اور نفاس کا حکم حیض کے مانند ہے ہر چیز میں مگر سات چیزوں
میں جن کو میں نے خزائن الاسرار اور ملتقی الابحر کی اپنی شرح میں ذکر کیا ہے مم وہ سات چیزیں یہ ہیں بلوغ[ل] اور استبرا اور عدت اور یہ کہ اقل نفاس کی کچھ حد نہیں
اور اکثر نفاس ۴۰ دن کا ہوتا ہے اور نفاس صوم کفارہ کے تتابع کا قاطع ہے اور نفاس سے طلاق سنت اور طلاق بدعت میں فصل واقع نہیں ہوتا کذا فی الحلبی
منہا انہ لا حد لاقلہ منجملہ ان سات چیزوں کے ایک چیز یہ ہے کہ اقل نفاس کی کچھ حد مقرر نہیں الا اذا احتیج الیہ لعدۃ کقولہ اذا ولدت فانت طالق فقالت مضت عدتی
فقدرہ الامام بخمسۃ وعشرین یوما مع ثلث حیض والثانی باحد عشر والثالث بساعۃ اقل نفاس کی حد نہیں مگر جب کہ عدت کے واسطے اس کی طرف حاجت پڑے جیسے
مرد کے اس قول میں کہ اس نے اپنی عورت سے کہا کہ جب تو جنے تو تجھ کو طلاق ہے سو اس عورت نے کہا کہ میری عدت طلاق کی گذر گئی تو امام اعظمؒ نے اقل مدت نفاس
کی اس صورت میں ۲۵ دن کی ٹھہرائی ہے تین حیضوں کے ساتھ اور ابو یوسفؒ نے گیارہ دن کی اور محمدؒ نے ایک ساعت کی مدت ٹھہرائی ہے مم یہاں امام کے قول
پر فتوی ہے کذا فی النہر تو اگر عورت نے ولادت سے ۸۵ دن کے بعد کہا کہ میری عدت گذر گئی تو امام کے نزدیک اس کی تصدیق ہو گی کیونکہ ۲۵ دن نفاس کے
اور ۱۵ دن کا طہر نفاس اور حیض کے مابین ہیں اور تین حیضوں کے پندرہ دن ہر حیض پانچ دن کا اور مابین تین حیضوں کے دو طہر ۳۰ دن کے اور ابو یوسفؒ
کے نزدیک ادنی مدت تصدیق کی ۶۵ دن ہیں گیارہ دن نفاس کے اور پندرہ دن طہر کے اور تین حیض ۹ دن کے اور ان کے مابین دو طہر ۳۰ دن کے اور محمدؒ
کے نزدیک ادنی مدت تصدیق کی ۵۴ دن اور ایک ساعت نفاس کی اور ۱۵ دن طہر کے اور تین حیض ۹ دن کے اور مابین کے طہر کے ۳۰ دن کذا فی الطحطاوی
واکثرہ اربعون یوما کذا رواہ الترمذی وغیرہ ولان اکثرہ اربعۃ امثال اکثر الحیض اور اکثر مدت نفاس کی ۴۰ دن ہیں اسی طرح ترمذی وغیرہ محدثین نے روایت
کی ہے اور اس واسطے کہ اکثر نفاس اکثر حیض کا چہار چند ہے مم اکثر حیض دس دن کا ہے تو اس کا چوگنا ۴۰ دن ہوئے چہار چند ہونے کی وجہ یہ ہے کہ چار
مہینے کے بعد بچے میں جان پڑتی ہے تو اس وقت سے حیض کا خون اس کی غذا ہوتا ہے اور پہلے جو چار مہینے خون بند رہا وہ نفاس ہو کر نکلتا ہے واللہ اعلم
والزائد علی اکثرہ استحاضۃ لو مبتدأۃ اور جو خون کہ زیادہ ہوا اکثر نفاس یعنی ۴۰ دن سے وہ استحاضہ ہے اگر وہ عورت مبتدأہ ہے یعنی پہلے پہل جنی ہے اس کی
عادت مقرر نہیں ہوئی اما المعتادۃ فترد لعادتہا اور عادت والی زچا تو اپنی عادت کی طرف پھیری جاوے گی یعنی اگر اس کی عادت ۳۰ دن کے نفاس کی ہے
اور خون ۵۰ دن جاری رہا تو ۳۰ دن نفاس کے ہیں اور باقی استحاضہ ہے وکذا الحیض اور اسی طرح حائضہ کا حکم ہے یعنی اگر مبتدأہ ہیں دس دن سے
زیادہ خون جاری ہوا تو زائد استحاضہ ہے اور عادت والی تو اپنی عادت کی طرف پھیری جاوے گی کذا فی الطحطاوی فان انقطع علی اکثرہما او قبلہ فالکل نفاس
وکذا الحیض ان ولیہ طہر تام پھر اگر خون بند ہو گیا نفاس اور حیض کی اکثر مدت پر یا پہلے اس کے تو سارا خون نفاس میں نفاس ہے اور حیض میں تمام حیض ہے

[ل] یعنی نفاس سے بلوغ ثابت نہیں ہوتا بلکہ حمل سے ثابت ہو چکا اور حیض سے ثابت ہو جاتا ہے اور استبرا کی یہ صورت ہے کہ لونڈی حاملہ ہووے اور اس کے بچہ ہوا اور ایک
بچہ اس کے پیٹ میں ہے تو خون دونوں بچوں کے درمیان کا نفاس ہے مگر اس سے استبرا نہ ہو گا بلکہ دوسرے بچہ کے پیدا ہونے کے بعد ہو گا اور عدت کی صورت یہ ہے
کہ اپنی زوجہ سے کہا کہ اگر تو بچہ جنے تو طلاق ہے پھر وہ جنی اور کہا کہ میری عدت منقضی ہو گئی تو سوائے نفاس کے تین حیض کی محتاج ہو گی اور اگر حیض پر طلاق کی تعلیق
ہوتی تو وہ داخل مدت ہوتا ۱۲

اگر ہر ایک نفاس اور حیض کے بعد پورے طہر یعنی پندرہ دن کا اتصال ہوا والا فعادتہا اور اگر ایسا نہیں ہے یعنی اگر اس خون کے بعد ۱۵ دن کا طہر نہ ہوا تو عادت
کے موافق نفاس اور حیض ہے اور عادت سے زیادہ استحاضہ ہے م حیض کی صورت یہ ہے کہ عورت کی عادت تھی ہر مہینہ میں مثلاً پانچ دن کی سو اس کو چھ دن خون
آیا تو چھٹا دن حیض کا ہے پھر اگر اس کے بعد ۱۴ دن طاہر رہی پھر خون آیا تو اپنی عادت کی طرف پھیری جاوے گی اور زائد استحاضہ ہوگا اور اگر ۱۵ دن طہر رہا تو اب
۶ دن کی اس کی عادت ٹھہرے گی اور نفاس کی یہ صورت ہے کہ اس کی عادت تھی ۳۰ دن کی پھر اس کو ایک بار (ایک دفعہ) ۴۰ دن خون آیا پھر ۱۴ دن طہر ہوا پھر خون
آیا تو اپنی عادت کی طرف پھیری جاوے گی اور یہ ۱۰ زائدہ ۱۵ دن کے طہر میں شمار ہوگا کذا فی الطحطاوی وبہ تثبت وتنتقل بمرۃ بہ یفتی وتمامہ فیما علقناہ علی الملتقی اور
عادت ثابت ہوتی ہے اور بدل جاتی ہے ایک بار سے اسی قول پر فتوی ہے اور اس کا پورا بیان ملتقی الابحر کی ہماری شرح میں ہے م مثلاً ابتداءً کو چار دن خون
آیا یہ اس کی عادت ٹھہری پھر جب کہ پانچ دن مثلاً خون آیا تو اب یہی عادت ٹھہری پہلی عادت بدل گئی دو بار ایک طرح پر آنا اثبات اور انتقال عادت میں ابو یوسف
کے نزدیک شرط نہیں اسی قول پر فتوی ہے اور طرفین کے نزدیک عادت ثابت نہیں ہوتی بدون دو بار کے والنفاس لام توأمین من الاول ہما ولدان
بینہما دون نصف حول اور دو جوڑواں بچوں کی ماں کا نفاس پہلے بچے کے پیدا ہونے سے ثابت ہوتا ہے توأمین وہ دو بچے ہیں جن کے مابین میں آدھے برس
سے کم زمانہ ہے یعنی اس واسطے کہ ولد اول سے انفتاح رحم ظاہر ہوا تو اس کے بعد کا خون نفاس ٹھہرے گا وکذا انقضیۃ ولو بین الاول والثالث اکثر منہ فی الاصح اور اسی
طرح کا حکم تین بچوں کا ہے اگرچہ مابین ولد اول اور ولد ثالث کے نصف سال سے زیادہ زمانہ ہو گیا ہو صحیح تر قول میں یعنی اول اور ثانی میں اور ثانی اور ثالث
میں نصف سال سے کم ہو تو اول اور ثالث کے زیادہ ہونے کا اصح قول میں کچھ اعتبار نہیں مصنف نے اپنی شرح میں بحر الرائق سے نقل کیا کہ جو خون کہ ولد ثانی کے
بعد آیا اگر ۴۰ دن سے پہلے ہے تو وہ ولد اول کا نفاس ہے پورے ۴۰ دن تک اور ۴۰ دن کے بعد استحاضہ ہے تو عورت غسل کرے اور نماز پڑھے بمجرد وضع
ثانی کے وہو الصحیح انتہی والقضاء العدۃ من الاخیر وفاقا لتعلقہ بالفراغ اور عدت کا منقضی ہونا پچھلے بچے سے ہے بالاتفاق بسبب متعلق ہونے انقضا اور
اختتام کے رحم کے خالی ہو جانے سے وسقط مثلث السین ای مسقوط ظہر بعض خلقہ کید او رجل او اصبع او ظفر او شعر ولا یستبین خلقہ الا بعد مائۃ وعشرین یوما
ولد حکما اور سقط یعنی جو پیٹ سے ایسا بچہ ناتمام گر پڑا جس کی بعض خلقت ظاہر ہو گئی چنانچہ ہاتھ یا پاؤں یا انگلی یا ناخن یا بال تو وہ بچہ ہے حکم شرع میں شارح نے
کہا کہ سقط کی سین میں تینوں حرکات زبر زیر پیش لغت میں جائز ہیں اور وہ بمعنی مسقوط کے ہے اور ظہور اعضا نہیں ہوتا مگر ایک سو بیس دن کے بعد م
بحر الرائق میں ہے کہ سقط کی تعبیر ساقط کے ساتھ حق ہے لفظاً و معنیً اس واسطے کہ سقط لازم ہے اس کا مفعول نہیں آتا اور مقصود تو سقوط ولد ہے خواہ آپ
گر جائے یا اس کو کوئی گرا دے فتصیر المرأۃ بہ نفساء والامۃ ام ولد ویحنث بہ فی تعلیقہ وتنقضی بہ العدۃ جب کہ ساقط ولد ٹھہرا تو عورت اس کے سبب سے
نفاس والی اور لونڈی ام ولد ہو جاوے گی اور مرد اس کے سبب سے اپنی تعلیق میں قسم توڑنے والا ٹھہرے گا اور اس سے عدت منقضی ہو جاوے گی م لونڈی
اس وقت ام ولد ٹھہرے گی جب کہ اس کا مولی دعوی کرے کہ یہ میرے نطفہ سے ہے اور تعلیق کی یہ صورت ہے کہ طلاق یا عتاق وغیرہما کو عورت کی ولادت پر معلق
کیا تو طلاق اور عتاق واقع ہوگی ساقط کے پیدا ہونے سے اور حاملہ کی عدت آخر ہوگی خواہ وہ بی بی ہو یا لونڈی یا اس کا شوہر مر گیا ہو کذا فی الطحطاوی فان لم یظہر لہ
شئی فلیس بشئی پھر اگر حمل ساقط میں کچھ اعضا سے ظاہر نہ ہو تو وہ کوئی چیز نہیں یعنی نفاس وغیرہ کا حکم اس سے متعلق نہیں والمرئی حیض ان دام ثلاثا وتقدمہ طہر تام
اور جو خون کہ اس کے بعد دیکھا جائے وہ حیض ہے اگر جاری رہا تین دن اور اس کے پہلے پورا طہر گذرا یعنی پندرہ دن کا والا استحاضۃ اور اگر ایسا نہیں
کہ تین دن جاری نہ رہا اور پورا طہر مقدم ہوا یا تین دن جاری رہا اور پورا طہر مقدم نہیں ہوا تو وہ خون استحاضہ ہے ولو لم یدر حالہ ولا عدد ایام حملہا ودام الدم
تدع الصلوۃ ایام حیضہا بیقین ثم تغتسل ثم تصلی کمعذور اور اگر حمل ساقط کا حال معلوم نہ ہوا کہ اس کی بعض خلقت ظاہر ہوئی یا نہیں مثلاً اندھیرے میں گرا اور
پھینک دیا گیا اور نہ حمل کے دنوں کا شمار دریافت رہا اور خون ہمیشہ جاری ہو گیا تو نماز کو چھوڑے اپنے حیض کے یقینی دنوں میں پھر نہا دے پھر نماز پڑھا کرے

معذور کے مانند ولا یحد ایاس بمدۃ بل ہو ان تبلغ من السن مالا تحیض مثلها فیہ فاذا بلغت وانقطع دمها حکم بایاسها اور محدود نہیں ناامیدی حیض کی
پیری کی وجہ سے کسی مدت معین کے ساتھ بلکہ ایاس یعنی ناامیدی یہ ہے کہ عورت اتنی عمر کو پہنچے کہ ویسی عورت کو اتنی عمر میں حیض نہ آتا ہو پھر عورت جب کہ اس عمر کو پہنچی
اور خون اس کا بند ہو گیا تو اس کے ایاس کا حکم ہو گا ملا حلبی محشی نے کہا کہ یہ امام سے روایت ہے اور حکم ایاس کا قاعدہ یہ ہے کہ اس کی عدت مہینوں سے ٹھہرے
گی اگر اثنا عدت میں خون نمودہ ہوا فما رأتہ بعد الانقطاع حیض فیبطل الاعتداد بالاشہر وتفسد الانکحۃ پھر جو خون کو دیکھا اس نے انقطاع کے بعد وہ حیض ہے
تو باطل ہو گا عدت کا شمار مہینوں سے اور نکاح فاسد ہو جاویں گے م طلاق کی عدت تین حیض سے منقضی ہوتی ہے اور ایاس میں تین مہینوں سے پھر جب
بعد انقطاع کے حیض آیا تو مہینوں کی عدت باطل ہو گئی اب حیض سے عدت کرنا چاہیے اور نکاح اس واسطے فاسد ہوا کہ عدت کے اندر نکاح واقع ہوا وہ جائز
نہیں وقیل یحد بخمسین سنۃ وعلیہ المعول والفتوی فی زماننا مجتبی وغیرہ تیسیرا اور بعضوں نے کہا کہ ایاس کی مدت ۵۰ برس کے ساتھ محدود ہے اور اسی قول
پر اعتماد ہے اور اسی پر فتوی کی ہے ہمارے زمانہ میں چنانچہ مجتبی وغیرہ میں ہے آسانی کے واسطے وحدہ فی العدۃ بخمس وخمسین قال فی الضیاء وعلیہ الاعتماد
اور مصنف نے باب العدۃ میں ۵۵ برس کی حد ایاس بیان کی ہے ضیا میں کہا اور اسی پر اعتماد ہے وما رأتہ بعدہا ای بعد المدۃ المذکورۃ فلیس بحیض فی ظاہر المذہب
الا اذا کان دما خالصا فحیض حتی یبطل بہ الاعتداد بالاشہر لکن قبل تمامها لا بعدہ حتی لا تفسد الانکحۃ وہو المختار للفتوی جوہرہ وغیرہا وستحققہ فی العدۃ اور جو خون کہ عورت دیکھے
گی مدت مذکورہ کے بعد یعنی ۵۰ یا ۵۵ برس کے بعد وہ حیض نہیں ہے ظاہر مذہب میں مگر جب کہ خون خالص ہو تو وہ حیض ہے تو باطل ہو جاوے گا خون خالص
کے نکلنے سے عدت کا شمار کرنا مہینوں سے لیکن قبل تمام ہونے عدت کے بطلان ہے نہ بعد تمام ہونے کے تو نکاح فاسد نہ ہوں گے بعد عدت کے خون
خالص کے نکلنے سے اور یہی قول فتوی کے واسطے مختار ہے چنانچہ جوہرہ وغیرہ میں ہے اور ہم آگے اس کی تحقیق مذکور کریں گے باب العدۃ میں وصاحب
عذر من بہ سلسل بول لا یمکنہ امساکہ او استطلاق بطن وانفلات ریح او استحاضۃ او بعینہ رمد او عمش او غرب وکذا کل ما یخرج بوجع ولو من اذن وثدی وسرۃ
اور صاحب عذر یعنی معذور وہ شخص ہے جس کو سلسل بول کی بیماری ہے یعنی جس کا پیشاب ہر وقت جاری ہے اس طرح کہ اس کو روک نہیں سکتا یا کہ اس کا پیٹ
چلتا ہے یعنی دست آتے ہیں یا ریح نہیں تھمتی یا استحاضہ ہے یا اس کی آنکھ میں جوش ہے یعنی درد کے ساتھ یا آنکھ چوندھی ہے کیچڑ بہتا ہے یا گوشۂ چشم میں ناسور
ہے اور اسی طرح جو پیپ یا پانی بدن سے نکلے درد کے ساتھ اگرچہ کان اور پستان اور ناف سے نکلے وہ معذور ہے م جوش چشم اور ناسور وغیرہ میں آنسو اور پانی
کا نکلنا درد کے ساتھ شرط ہے عذر کی ان استوعب عذرہ تمام وقت صلوۃ مفروضۃ بان لا یجد فی جمیع وقتها زمنا یتوضأ ویصلی فیہ خالیا عن الحدث بشرطیکہ
گھیرے عذر اس کا نماز فرض کے تمام وقت کو اس طرح پر کہ نماز کے سارے وقت میں ایسا زمانہ پایا نہ جائے جس میں وضو کرے اور نماز پڑھے حدث سے
خالی ہو کر ولو حکما لان الانقطاع الیسیر ملحق بالعدم اگرچہ استیعاب اور احاطہ عذر کا حکمی ہو نہ حقیقی اس واسطے کہ تھوڑا سا منقطع ہو جانا عذر کا عدم انقطاع کے ساتھ
ملحق ہے م استیعاب حکمی کی یہ صورت ہے کہ اس قدر انقطاع قلیل ہو کہ اس میں ادائے نماز اس سے خالی ہو کر نہ ہو سکے کذا فی الطحطاوی وہذا شرط العذر فی
الابتداء اور یہ یعنی استیعاب عذر کا نماز کے تمام وقت میں شرط ہے عذر کے شروع ہونے کے حق میں یعنی ثبوت عذر اولاً اسی طرح ہوتا ہے وفی حق البقاء
کفی وجودہ فی جزء من الوقت ولو مرۃ اور عذر باقی رہنے کے حق میں عذر کا پایا جانا وقت نماز کے کسی جز میں کفایت کرتا ہے اگرچہ ایک ہی بار ہو یعنی ایک بار
کا وجود کافی ہے نہ استیعاب وفی حق الزوال یشترط استیعاب الانقطاع تمام الوقت حقیقۃ لانہ الانقطاع الکامل اور عذر کے جاتے رہنے کے حق میں استیعاب
انقطاع عذر کا تمام وقت میں حقیقتاً شرط ہے اس واسطے کہ انقطاع کامل یہی ہے م انقطاع حقیقی کہ تمام وقت میں اصلا عذر کا اثر معلوم نہ ہو پھر اگر انقطاع
کامل کے بعد دوسرے وقت میں موجود رہا تو وہ پھر صاحب عذر ٹھہرے گا اور نہیں تو نہیں کذا فی الطحطاوی وحکمہ الوضوء لا غسل ثوبہ ونحوہ لکل فرض اور
حکم معذور کا وضو کرنا ہے ہر نماز فرض کے وقت نہ دھونا کپڑے کا اور مانند اس کے یعنی بدن اور مکان کا م وضو سے مراد طہارت ہے خواہ وضو ہو خواہ تیمم

اور فتویٰ اس پر ہے کہ اگر یہ حالت ہے کہ جو کپڑا دھو یا جائے تو نماز کے فراغت ہونے سے پہلے وہ ناپاک ہو جائے تو اب کپڑا دھونا لازم نہیں اور اسی طرح بدن اور مکان کا کذافی الطحطاوی اللام للوقت کما فی دلوک الشمس حرف لام کا لکل فرض میں وقت کے واسطے ہے چنانچہ قرآن مجید میں لدلوک الشمس کا لام وقت کے واسطے ہے یعنی نماز کو قائم کر سورج کے ڈھلنے کے وقت چونکہ لکل فرض سے وضو کرنا ہر نماز فرض کے لیے نکلتا تھا اگرچہ ایک وقت میں چند فرض ہوں لہذا شارح نے جواب دیا کہ حرف لام کا یہاں وقت کے واسطے ہے ثم یصلی بہ فیہ فرضا و نفلا فدخل الواجب بالاولی پھر نماز پڑھے اس وضو سے وقت کے اندر فرض اور نفل تو واجب نماز بطریق اولی داخل ہے یعنی جب کہ نفل باوجودیکہ ضرور نہیں جائز ہے تو واجب بطریق اولی جائز ہے فان خرج الوقت بطل ای ظہر حدثہ السابق حتی لو توضا علی الانقطاع ودام الی خروجہ لم یبطل بالخروج مالم یطرأ حدث آخر او یسیل پھر جب کہ وقت گیا تو وضو باطل ہو گیا یعنی اگلا حدث ظاہر ہو گیا یعنی ظہور حدث سابق بطلان کا سبب ہے خروج وقت سبب نہیں تو اگر معذور نے وضو کیا عذر کے منقطع ہو جانے کے وقت پھر وہ انقطاع دائم بنا رہا وقت نماز کے نکل جانے تک تو وضو باطل نہ ہوگا وقت کے خارج ہونے سے جب تک کہ دوسرا حدث اس وضو پر طاری نہ ہو یا عذر سابق جاری نہ ہو اس صورت میں خروج وقت سے اس واسطے وضو باطل نہ ہوا کہ سیلان کے وقت وضو نہیں کیا اور نہ سیلان اس کے بعد پایا گیا کمسئلۃ مسح خفہ یہ مسئلہ مانند مسئلہ مسح کرنے موزہ معذور کے ہے یعنی اگر عذر کے وقت وضو کر کے موزہ پہنا تو وقت کے اندر مسح کرنا جائز ہے اور خروج وقت سے بدون نزع خف مسح روا نہیں اور اگر انقطاع عذر میں وضو کیا اور موزہ پہنا تو غیر معذور کے مانند ایک رات دن مقیم کو اور تین دن رات مسافر کو مسح جائز ہے وافاد انہ لو توضأ بعد الطلوع ولو لعید او ضحی لم یبطل الا بخروج وقت الظہر اور وقت کے قید نے اس کا فائدہ دیا کہ اگر بعد طلوع کے وضو کیا اگرچہ عید یا چاشت یا عید الاضحیٰ کا وضو ہو تو وضو باطل نہ ہوگا مگر ظہر کے وقت کے خارج ہو جانے سے یعنی یہ جو مصنف نے کہا کہ خروج وقت مبطل ہے سو وقت سے مراد نماز پنجگانہ کا وقت ہے اور طلوع کے بعد تا نصف النہار کوئی نماز فرض کا وقت نہیں تو بدون خروج وقت ظہر بطلان وضو ثابت نہ ہوگا وان سال علی ثوبہ فوق درہم جاز لہ ان لا یغسلہ ان کان لو غسلہ تنجس قبل الفراغ منہا ای الصلوۃ والا یتنجس قبل فراغہ فلا یجوز ترک غسلہ ہو المختار للفتوی اور اگر معذور کے کپڑے پر درم سے زیادہ نجاست رواں ہوئی تو اس کو اس کا نہ دھونا جائز ہے جو اس طرح ہو کہ اگر اس کو دھو دے تو کپڑا نجس ہو جائے نماز کے فراغت ہونے سے پہلے اور اگر ناپاک نہ ہو فارغ ہونے سے پہلے تو دھونا ترک کرنا جائز نہیں یہی قول پسندیدہ ہے فتویٰ دینے کے واسطے وکذا مریض لا یبسط ثوبا الا تنجس فورا لہ ترکہ اور اسی طرح مریض ہے کہ نہیں بچھاتا ہے کپڑے کو مگر فورا ناپاک ہو جاتا ہے تو اس کو ترک فرش جائز ہے صورت اس کی یہ ہے کہ زمین پر پاک مکان نہیں پاتا ہے نماز کے واسطے اور اگر اپنا پاک کپڑا بچھاتا ہے تو اس کے زخموں کی نجاست مانع سے قبل از نماز ناپاک ہو جاتا ہے تو اب اس کو ترک بسط ثوب جائز ہے فورا اس سے مراد ظاہرا قبل اتمام نماز ہے کذافی الطحطاوی والمعذور انما تبقی طہارتہ فی الوقت بشرطین اذا توضأ لعذرہ ولم یطرأ علیہ حدث آخر اور معذور کی طہارت باقی نہیں رہتی وقت میں مگر دو شرطوں سے ایک یہ کہ جب وضو کیا اپنے عذر کے سبب سے اور دوسرے یہ کہ اس پر اور حدث طاری نہ ہوا اما اذا توضأ لحدث آخر وعذرہ منقطع ثم سال او توضأ لعذرہ ثم طرأ علیہ حدث آخر بان سال احد منخریہ او جرحیہ او قرحتیہ ولو من جدری ثم سال الآخر فلا تبقی طہارتہ لیکن جب کہ وضو کیا معذور نے کسی اور حدث کے سبب سے اور اس کا عذر سابق بند ہے پھر اس کا عذر رواں ہوا یا وضو کیا اپنے عذر معلوم کے سبب سے پھر اس وضو پر کوئی اور حدث طاری ہوا اس طرح پر کہ اس کا ایک نتھنا یا ایک زخم یا ایک قرحہ جاری ہوا اگرچہ وہ چیچک کا ہو پھر دوسرا نتھنا یا دوسرا زخم یا دوسرا قرحہ جاری ہو گیا تو طہارت اس کی باقی نہ رہی ہم پہلی صورت میں نقض وضو عذر سے اس واسطے ہوا کہ وضو عذر کی وجہ سے نہ ہوا تھا اور وجہ سے واقع ہوا تھا چنانچہ منیہ اور اس کی شرح میں ہے اور اگر دونوں نتھنے یا دونوں زخم ساتھ ہی جاری ہوئے پھر ایک بند ہو گیا تو اس کا وضو باقی ہے جب تک کہ وقت نماز باقی ہے کذافی البحر فروع مسائل ملحقہ شارح کے یجب رد عذرہ او تقلیلہ بقدر قدرتہ ولو بصلوتہ مومیا واجب ہے ہٹانا اور روکنا

اپنے عذر کا یا اس کا کم کر دینا بقدر اپنی طاقت کے اگرچہ اشارہ کر کے نماز پڑھنے سے عذر موقوف ہو سکے م یعنی اگر عذر ہٹ سکتا ہو تو اس کو ہٹا دے نہیں تو کم کر دے بحرالرائق میں ہے کہ جب معذور قادر ہو رد سیلان پر پٹی باندھنے یا روئی اندر کرنے سے یا اگر بیٹھ کر پڑھے تو سیلان بند ہو تو روکنا واجب ہے یعنی فرض ہے تو بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے اگر سیلان سے سیلان ہوتا ہے اس واسطے کہ ترک سجدہ آسان تر ہے حدث کے ساتھ نماز پڑھنے سے و برد ہ لایبقی صاحب عذر اور عذر کے روک دینے سے وہ شخص معذور باقی نہ رہے گا یعنی تندرست کا حکم پیدا کرے گا بخلاف الحائض برخلاف حیض والی عورت کے یعنی اگر حائض حیض کا سیلان روک دے کسی تدبیر سے تو وہ حائض ہی باقی رہے گی اور مستحاضہ میں اختلاف ہے بعضوں نے کہا کہ وہ معذور کے مانند ہے اور بعضوں نے کہا کہ حائض کے مانند طحطاوی نے کہا کہ استحاضہ عذرات میں داخل ہے تو قول ثانی ضعیف ہے ولا یصلی من بہ انفلات ریح خلف من بہ سلس بول لان معہ حدث و نجس اور نماز نہ پڑھے وہ شخص جس کی ریح جاری ہے پیچھے اس شخص کے جس کا پیشاب نہیں تھمتا اس واسطے کہ امام میں دو عذر ہیں ایک حدث اور دوسرا نجاست یعنی مقتدی کو ایک ہی عذر ہے حدث نکلنا کا[1]

باب الانجاس

یہ باب ہے نجاستوں اور ناپاکیوں کے احکام میں م جب کہ نجاست حکمیہ کے بیان سے فراغت ہوئی تو نجاست حقیقیہ اور اس کے پاک کرنے کا بیان شروع ہوا اور حکمیہ کو اس واسطے مقدم کیا کہ وہ قوی تر ہے کیونکہ نجاست حکمیہ قلیل بھی نماز کی مانع ہے بالاتفاق اور اس کا وجوب ازالہ کسی عذر سے ساقط نہیں برخلاف نجاست حقیقیہ کے جمع نجس بفتحتین و ہو لغۃً یعم الحقیقی والحکمی و عرفا یختص بالاول انجاس جمع ہے نجس کی بفتح نون و جیم اور وہ لغت عرب میں شامل ہے ناپاک حقیقی اور حکمی کو اور عرف میں اول یعنی حقیقی کو خاص ہے م نجس بفتح جیم مخصوص نجاست ذاتیہ ہے اور نجس بکسر جیم ذاتیہ اور عرضیہ دونوں میں مستعمل ہیں تو وہ عام ہے مطلقاً تو گوہ اور پیشاب کو نجس بالفتح اور بالکسر دونوں کہیں گے اور جس کپڑے میں نجاست [مثل بول یا براز] لگ گئی اس کو نجس بفتح جیم نہ کہیں گے بلکہ اس کو نجس بکسر جیم بولیں گے اور خبث کا لفظ نجاست حقیقی کے ساتھ اور حدث نجاست حکمی کے ساتھ مخصوص ہے اور ازالہ حقیقی کا بدن اور کپڑے اور مکان سے فرض ہے اگر بمقدار مانع صلوٰۃ ہو اور اس کا ازالہ بلا ارتکاب امر اشد ممکن ہو تو اگر ازالہ بلا کشف عورت ممکن نہ ہو تو نجاست کے ساتھ نماز پڑھے کیونکہ کشف عورت شدید تر ہے تو اگر کشف عورت لوگوں میں کرے گا تو فاسق ہو گا اس واسطے کہ جو شخص دو امر قبیح میں مبتلا ہو وہ آسان تر کو اختیار کرے کذا فی الطحطاوی مختصراً یجوز رفع نجاستہ حقیقیۃ عن محلھا ولو اناء او ماکولا علم محلھا اولا بماء ولو مستعملا بہ یفتی جائز ہے دور کرنا نجاست حقیقی کا اس کے مقام سے یعنی جہاں وہ لگی ہے اگرچہ محل نجاست برتن یا کھانے کی چیز ہو چنانچہ روٹی یا ککڑی خواہ محل اس کا معلوم ہو یا نہ ہو پانی سے دھو کر اگرچہ مستعمل پانی ہو اسی کا فتویٰ دیا گیا ہے م طحطاوی میں خلاصہ سے منقول ہے کہ کپڑے کا ایک کنارہ نجس ہو گیا سو یاد نہ رہا کہ کون سا ہے سو اس نے کوئی کنارہ دھو ڈالا بدون اٹکل کے تو کپڑا پاک ہو گیا یہی قول مختار ہے و بکل مائع طاہر قالع للنجاستہ ینعصر بالعصر کخل و ماء ورد حتی الریق فتطہر اصبع و ثدی تنجس بلحس ثلثا جائز ہے رفع نجاست ہر ایک بہنے والی پاک نجاست اکھاڑنے والی چیز سے کہ نچڑ جائے نچوڑنے سے چنانچہ سرکہ اور گلاب یہاں تک کہ منہ کی رال بھی تو جو انگلی اور پستان کہ ناپاک ہوئی پاک ہو جاتی ہے تین بار کے چاٹنے سے م گلاب اور سرکہ کے مانند آب باقلا اور آب زعفران اور اشجار اور اثمار اور تربوزہ کا پانی بھی نجاست کو دور کرتا ہے اور پستان نجس ہو جاتی ہے شیر خوار کی قے سے پھر اس کے تین بار چاٹنے اور ازالہ اثر سے پاک ہو جاتی ہے بخلاف نحو لبن کزیت لانہ غیر قالع برخلاف مثل دودھ کے چنانچہ تیل اس واسطے کہ وہ نجاست کو نہیں دور کرتا یعنی اپنی چکنائی کے سبب سے وما قیل ان اللبن و بول مایوکل مزیل فخلاف المختار اور یہ جو بعضوں نے کہا ہے کہ دودھ اور حلال جانور کا پیشاب نجاست کا دور کرنے والا ہے سو قول مختار کے مخالف ہے م یہ قول غیر مختار ابو یوسفؒ کا قول ہے ویطہر خف و نحوہ کنعل تنجس بذی جرم ہو کل مایری بعد الجفاف ولو من غیرھا کخمر و بول اصابہ تراب بہ یفتی بدلک یزول بہ اثرھا اور موزہ اور اس کے مانند چنانچہ جوتا جو ناپاک ہو گیا جسم والی نجاست سے پاک ہو جاتا ہے لیے رگڑنے سے کہ اثر اس کا اس سے دور ہو جائے جسم دار وہ نجاست ہے جو نظر آوے خشکی کے بعد اگرچہ اور چیز سے مل کر خشک

[1] ازالہ یعنی دور کرنا بدون کسی دشوار کام کے کیے ہو سکتا ہو۔

ہونے کے بعد نظر پڑے چنانچہ شراب اور پیشاب جس کو مٹی لگ گئی اسی کا فتویٰ دیا جاتا ہے م موزہ کی قید اس واسطے لگائی کہ بدن اور کپڑا رگڑنے سے پاک نہیں ہوتا مگر منی کے رگڑ ڈالنے سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے شراب اور پیشاب اگرچہ بعد خشکی کے نظر نہیں آتا اگر مٹی سے مل کر جرم دار ٹھہرے گا تو وہ بھی رگڑنے سے پاک ہو جائے گا اثر سے مراد اوصاف ثلثہ ہیں یعنی رنگ اور مزا اور بو تو اگر کوئی بھی باقی رہے گا تو پاک نہ ہوگا رگڑنا خواہ زمین پر ہو خواہ ناخن اور لکڑی اور پتھر سے کذا فی الطحطاوی والا جرم لہا کبول فیغسل اور اگر نجاست کا جرم نہ ہو تو موزہ اور مانند اس کے دھویا جائے یعنی تین بار خشک کرنے کے ساتھ ایسا ہے بحر الرائق میں لیکن حلبی میں قہستانی سے منقول ہے کہ قول مختار یہ ہے کہ تین بار اس پر پانی ڈالے اور چھوڑ دے یہاں تک کہ ٹپکنا بند ہو جائے ویطہر صقیل لا مسام لہ کمرآۃ وظفر وعظم وزجاج وآنیۃ مدھونۃ وخراطی وصفائح فضۃ غیر منقوشۃ بمسح یزول بہ اثرہا مطلقا بہ یفتی اور پاک ہوتا ہے صیقل دار یعنی گھونٹ والا جس میں مسام نہیں چنانچہ آئینہ اور ناخن اور ہڈی اور شیشہ اور روغنی برتن چنانچہ رکابی اور پیالہ چینی اور خرادی سخت لکڑی چکنی اور بے نقش چاندی کے پترے پونچھنے سے اس طرح کہ اثر نجاست باقی نہ رہے خواہ نجاست تر ہو یا خشک اسی کا فتویٰ دیا جاتا ہے م پونچھنا صیقلی چیز کا قول معتمد میں مطہر ہے خواہ مٹی سے پونچھے خواہ کپڑے اور صوف سے خواہ نجاست تر ہو یا خشک کذا فی الطحطاوی وتطہر ارض بخلاف نحو بساط بیبسہا ای جفافہا ولو بریح اور پاک ہو جاتی ہے زمین اس کے خشک ہو جانے سے اگرچہ حرارت ہوا سے خشکی حاصل ہو برخلاف فرش اور اس کے مانند کے کہ وہ پاک نہیں ہوتا بدون پانی جاری کرنے کے م اگر زمین تر ہو تو بدون دھونے کے پاک نہ ہوگی پھر اگر ایسی نرم زمین ہو کہ پانی کو سوکھتی ہو تو اتنا پانی اس پر ڈالے کہ اس کے پاک ہو جانے کا ظن غالب حاصل ہو اور اگر سخت ہو اور ڈھالو ہو تو اس کے اسفل میں گڑھا کھود دے اور زمین پر پانی ڈالے جب گڑھے میں پانی جمع ہو تو اس کو مٹی سے توپ دے اور اگر سخت زمین برابر ہے تو اس کا دھونا ممکن نہیں بلکہ اس کو کھود نیچے کی مٹی اوپر اور اوپر نیچے کر دے اور گچ کی زمین ہو تو اس پر پانی ڈالے پھر اس کو رگڑے اور کپڑے یا صوف سے پانی اس کا خشک کرے تین بار اس طرح کرے اور اگر بہت سا پانی اس پر ڈالے کہ نجاست کا بالکل اثر باقی نہ رہے پھر اس کو چھوڑ دے کہ خشک ہو جائے تو پاک ہو جاوے گی کذا فی الطحطاوی عن السراج الوہاج والمحیط وذہاب اثرہا کلون وریح لاجل صلوۃ علیہا لا لتیمم بہا اور نجاست کا اثر جانا زمین پر نماز پڑھنے کے واسطے ہے نہ اس سے تیمم کرنے کے لیے م نجاست کا اثر چنانچہ رنگ اور بو اور اسی طرح مزہ لان المشروط لہا الطہارۃ وللتیمم الطہوریۃ اس واسطے کہ نماز کے لیے زمین کا پاک ہونا شرط ہے نہ مطہر ہونا اور تیمم کے واسطے مطہر ہونا شرط ہے نہ فقط پاک ہونا وحکم آجر ونحوہ کلبن مفروش وخص بالخاء تحجیرۃ سطح وشجر وکلا قائمین فی ارض کذلک ای کارض فیطہر بجفاف اور حکم کچی اینٹ مفروش اور اس کے مانند کا چنانچہ کچی اینٹ فرش کی اور بانس اور نرکل یا لکڑی کی ٹٹی کا حکم اور اس درخت اور گھاس کا جو زمین پر جما ہوا ہے اسی طرح کا ہے یعنی زمین کے مانند ہے کہ پاک ہو جاتی ہیں یہ سب چیزیں نجاست کے خشک ہو جانے سے شارح نے کہا کہ خص بخا معجمہ چھت کی اوٹ ہے م خص بفتح خا معجمہ وصاد مہملہ گھر ہے بانس یا نرکل کا اور یہاں مراد وہ ستر یعنی اوٹ ہے جو چھتوں پر ہوتی ہے یعنی ٹٹیاں کھڑی کر کے کذا فی الطحطاوی عن البحر وکذا کل ما کان ثابتا فیہا لاخذہ حکمہا باتصالہ بہا اور اسی طرح خشک ہونے سے طاہر ہو جاتی ہے وہ چیز جو زمین پر ثابت اور قائم ہے چنانچہ دہلیز اس واسطے کہ اس کے متصل ہونے سے زمین کے ساتھ اس نے زمین کا حکم پیدا کیا فالمنفصل یغسل لا غیر الا حجرا خشنا کرحی فکارض تو جو چیز کہ زمین سے جدا ہے چنانچہ غیر مفروش اینٹ یا پتھر ہو تو وہ دھونے سے پاک ہوتی ہے نہ اس کے غیر سے مگر کھردرا پتھر چنانچہ چکی وہ زمین کے مانند خشک ہونے سے پاک ہوتی ہے م بحر الرائق میں ہے کہ چکنا پتھر تو بدون دھونے کے پاک نہیں ہوتا ویطہر منی ای محلہ یابس بفرک ولا یضر بقاء اثرہ ان طہر راس حشفۃ کان کان مستنجیا بماء اور خشک منی کا مکان پاک ہو جاتا ہے مل ڈالنے سے اور اس کے اثر کا باقی رہنا کچھ ضرر نہیں کرتا بشرطیکہ سر ذکر پاک ہو اس طرح پر کہ پانی سے استنجا کیا ہو م ملنا اس صورت میں کافی ہے جب کہ سر ذکر طاہر ہو اس طرح کہ پیشاب کیا اور مخرج سے تجاوز نہ ہوا یا تجاوز کیا اور پانی سے استنجا کر لیا کذا فی الطحطاوی وفی المجتبیٰ اذا فرغ فانزل لم یطہر الا بالغسل لتلوثہ بالنجس انتہی ای برطوبۃ الفرج فیکون متفرعا علی قولہما بنجاستہا اما عندہ فہی طاہرۃ کسائر رطوبات البدن جوہرہ ومجتبیٰ

میں ہے کہ ذکر فرج میں داخل ہوا پھر خارج کیا پھر انزال ہوا تو یہ خشک منی طاہر نہ ہوگی بدون دھونے کے بسبب بھر جانے ذکر کے نجاست سے انتہی کلام المجتبیٰ یعنی ناپاکی ہوئی فرج کی رطوبت سے تو یہ مجتبیٰ کا قول متفرع ہے صاحبین کے قول پر کہ اس کی رطوبت ناپاک ہے لیکن امام اعظم کے نزدیک تو وہ پاک ہے جیسے بدن کی باقی رطوبات چنانچہ تھوک اور رینٹ اور پسینا پاک ہیں ولا یکن یابسا اولا اسما طاہر فیغسل کسائر النجاسات ولودما عبیطا علی المشہور اور اگر منی خشک نہ ہو یا سر حشفہ پاک نہ ہو تو دھوئی جائے جیسے باقی ناپاک چیزیں دھوئی جاتی ہیں خشک ہو یا تر اگرچہ تازہ خون ہو بموجب قول مشہور کے م غیر مشہور مجتبیٰ کا یہ قول ہے کہ اگر تازہ خون کپڑے میں لگا اور خشک ہو گیا پھر اس کو چھیلا اور ملا تو کپڑا پاک ہو گیا جیسے منی سے پاک ہوتا ہے کذا فی الطحطاوی بلا فرق بین منیہ ولو رقیقا لمرض بہ ومنیہا ولا بین منی آدمی وغیرہ کا بحثہ الباقانی بدون فرق کے درمیان منی مرد کے اگرچہ وہ بیماری سے پتلی ہوگئی ہو اور درمیان منی عورت کے اور بدون فرق کے درمیان منی آدمی کے اور غیر آدمی کے چنانچہ باقانی نے اس کو بحث کی راہ سے بیان کیا ہے نہ روایت کی راہ سے م اور اسی طرح قہستانی میں بحث کی راہ سے آدمی اور غیر آدمی کی منی کو برابر کہا ہے اور فیض میں اس کو مصرح بیان کیا ہے حلبی نے کہا کہ آدمی کی منی میں خلاف قیاس رخصت وارد ہے تو اس پر غیر آدمی کا قیاس نہیں کذا فی الطحطاوی ولا بین ثوب ولو جدیداً ومبطنا فی الاصح وبدن علی الظاہر من المذہب اور بدون فرق کے درمیان کپڑے کے اگرچہ کپڑا نیا یا دوہرا ہو صحیح تر قول میں اور درمیان بدن کے بنا بر ظاہر مذہب کے م یعنی در صورت طہارت مخرج خشک منی ملنے اور تر منی دھونے سے پاک ہوتی ہے خواہ مرد کی منی ہو یا عورت کی خواہ کپڑے پر ہو یا بدن پر ثم ہل یعود نجسا ببلہ بعد ذکرہ المعتمد لا پھر دریافت کرنا چاہیے کہ کپڑا وغیرہ خشک منی کے ملنے کے بعد تر ہونے سے پھر ناپاک ہوتا ہے یا نہیں جواب وہ ناپاک نہیں ہوتا معتمد قول میں وکذا کل ما حکم بطہارتہ بغیر مائع اور اسی طرح جس چیز کی طہارت کا حکم ہو گیا بدون سائل چیز کے وہ تر ہونے سے پھر ناپاک نہیں ہو جاتی ہے م مطہر غیر سائل چنانچہ پونچھنا اور خشک ہونا اور جلنا وغیر ذلک بحر الرائق میں ہے الحاصل تعمیم اور اختیار طہارت کے ہر مسئلہ میں مختلف ہے مگر طہارت کا اعتبار ہر صورت میں اولیٰ ہے جیسا کہ اصحاب متون نے اس کی تصریح کی ہے ہر مسئلہ میں وقد انہیت فی الخزائن المطہرات الی نیف وثلثین وغیرت نظم ابن وہبان فقلت اور البتہ میں نے پہنچایا ہے خزائن الاسرار میں مطہرات کو کچھ اوپر تیس تک اور بدل ڈالا میں نے ابن وہبان کی نظم کو سو میں نے یوں کہا ہے وغسل ومسح والجفاف مطہر ونحت وقلب العین والحفر یذکر اور دھونا اور پونچھنا اور خشک کرنا پاک کرنے والا ہے اور چھیلنا اور ذات کا بدل جانا اور کھودنا مذکور ہے مطہرات میں م دھونا جیسے مثلاً کپڑے میں اور پونچھنا صیقل دار چیزوں میں اور خشکی زمین میں اور چھیلنا لکڑی میں اور ذات کا بدل جانا گدھے اور سور کے نمک ہو جانے میں اور کھودنا زمین میں طاہر کرتا ہے ودبغ وتحلیل زکوۃ تخلل وفرک ودلک والدخول التغور اور دباغت کرنا چمڑے کا اور سرکہ بنانا شراب کا نمک وغیرہ ڈال کر اور ذبح کرنا جانور کا اور شراب کا خود بخود سرکہ بن جانا اور خشک منی کا مل ڈالنا اور موزے کا رگڑنا اور حوض جس میں پاک پانی کا اس قدر داخل ہونا کہ وہ کچھ رواں ہو جائے اور کنوئیں کے پانی ناپاک کا زمین کے اندر گھسنا اور دھس جانا طاہر کرتا ہے تصرف فی البعض ندف ونزح جہا ونار وغلی غسل بعض تقور اور تصرف کرنا بعض میں اور روئی کا دھنا اور کنوئیں کے پانی کا نکال ڈالنا اور ناپاک چیز کا آگ میں جل جانا اور ابالنا اور بعض کا دھونا اور سخت چیز میں نجاست نکال کر گڑھا کر دینا م تصرف بعض کا اس طرح مطہر ہے کہ اناج جب بھوسے سے جدا ہوتا ہے بیلوں کے روندنے سے تو ان کے پیشاب اور گوبر سے ناپاک ہو جاتا ہے تو جب اس میں سے کچھ خرچ کیا تو سب پاک ہو گیا خرچ کرنا عام ہے خواہ کھانے کے واسطے ہو خواہ بیع خواہ ہبہ خواہ خیرات کے واسطے فتاوی عالمگیری میں ہے کہ اگر نصف سے کم تر روئی ناپاک ہوئی تو دھنے سے پاک ہو جاوے گی اور قہستانی میں ہے کہ تیل اور اس کے مانند چنانچہ گھی یا شہد ناپاک ہوا پھر اس میں پانچواں حصہ پانی ڈال کر ابالا کہ پانی جل گیا تو وہ پاک ہوا اور کپڑا ناپاک ہوا معلوم نہیں کہ ناپاکی کہاں ہے تو ایک طرف کے دھونے سے پاک ہو جاتا ہے اور گھی یا شیرہ یا راب گاڑھی ہے اور اس میں چوہا گر کے مر گیا تو چوہے کو اور اس کے گرد پیش کے گھی کو نکال ڈالے کہ گڑھا بن جائے تو باقی چیز پاک ہو گئی ولیطہر زیت تنجس بجعلہ صابونا بہ یفتی للبلوی کتنور رش بماء نجس لا باس بالخبز

اور پاک ہوجاتا ہے ناپاک تیل اس کو صابون بنا ڈالنے سے اسی قول پر فتویٰ ہے بوجہ بلوی کے اس سے بچاؤ دشوار ہے جیسے وہ تنور جو ناپاک پانی سے چھڑکا گیا اس میں روٹی پکانے کا کچھ ڈر نہیں کطین نجس فجعل منہ کوز بعد جعلہ فی النار یطہر ان لم یظہر فیہ اثر النجس بعد الطبخ ذکرہ الحلبی چنانچہ وہ مٹی کہ ناپاک ہوگئی سو اس کا کوزہ بنایا گیا آگ میں ڈالنے کے بعد پاک ہوجاتا ہے اگر اس میں نجاست کا اثر پکانے کے بعد ظاہر نہیں ہوا ایسا ذکر کیا ہے حلبی نے مع یہ حلبی شارح ہے منیۃ المصلی کا اور دوسرا حلبی ابراہیم ہے درمختار کا محشی وعفا الشارع عن قدر درہم وان کرہ تحریما فیجب غسلہ اور صاحب شرع نے نجاست بقدر درہم کے معاف کر دی ہے اگرچہ اس کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے تو بقدر درم کے نجاست کا دھونا واجب ہے مع عفو سے مراد یہ ہے کہ قدر درم کی نجاست کے ساتھ نماز صحیح ہے بدون اس کے دھونے کے اور یہ مراد نہیں کہ وہ مکروہ بھی نہیں کیونکہ اس کی کراہت ثابت ہے اور اگر نماز شروع کر چکا تو اس کے دھونے کے واسطے نماز کا توڑنا جائز ہے کذا فی الطحاوی وما دونہ تنزیہا فیسن اور مکروہ تنزیہی ہے درم سے کم نجاست تو اس کا دھونا مسنون ہے نہ واجب اور فرض مع یہی قول معتمد ہے پھر اگر درم سے کم نجاست کے ساتھ نماز شروع کر چکا تو تامل کرے اگر وقت میں وسعت ہو تو دھونا افضل ہے پھر نماز پڑھنا اور اگر جماعت فوت ہوتی ہو تو اگر پانی مل سکتا ہو اور دوسری جماعت پا سکتا ہو دوسرے مقام میں تو بھی دھونا افضل ہے ورنہ نماز قطع نہ کرے وفوقہ مبطل فیفرض اور درم سے زیادہ نجاست نماز کو باطل کرتی ہے تو اس کا دھونا فرض ہے والعبرۃ لوقت الصلوۃ لا الاصابۃ علی الاکثر نہر اور اعتبار نجاست کی مقدار میں نماز پڑھنے کے وقت کا ہے نہ نجاست لگ جانے کے وقت کا اکثر علما کے نزدیک چنانچہ نہر الفائق میں ہے وہو مثقال وزنہ عشرون قیراطا فی نجس کثیف لہ جرم وعرض مقعر الکف وہو داخل مفاصل الاصابع فی رقیقۃ من مغلظۃ کعذرۃ آدمی اور وہ یعنی درم بوزن ایک مثقال کے ہے یعنی ۲۰ قیراط کی گاڑھی نجاست جرم دار میں اور بقدر چوڑائی قعر کف دست کے ہے پتلی نجاست میں اور قعر کف دست اندر ہے انگلیوں کے جوڑوں کا غلیظ نجاست سے جیسے آدمی کا گوہ مع نجاست غلیظ ایک درم معاف ہے بعضوں نے درم کے وزن کا اعتبار کیا مطلقًا اور بعضوں نے مساحت کا ہندوانی نے دونوں قولوں میں توفیق دی اس طرح کہ اگر نجاست گاڑھی ہے تو درم کے وزن کا اعتبار ہے اور اگر پتلی ہے تو مساحت درم کا اعتبار ہے بدائع میں کہا یہی قول مشائخ ماوراءالنہر کے نزدیک مختار ہے اور زاہدی اور زیلعی نے اس کو صحیح کہا ہے امام اعظم کے نزدیک نجاست غلیظہ جس میں دو نص متعارض نہ ہوں صاحبین نے کہا اور اس کے ساتھ مجتہدین معاصرین اور ان کے سابقین کا اس میں اختلاف نہ ہو اور نجاست خفیفہ امام کے نزدیک یہ ہے جس میں دو نص متعارض ہوں صاحبین نے کہا اور اس کے ساتھ مجتہدین کا اختلاف بھی ہو اور غلیظہ کی تعریف میں آتا زائد اور ہے کہ اس کے اجتناب میں بلوی یعنی حرج واقع نہ ہو کذا فی الطحاوی مختصرًا وکذا کل ما خرج منہ موجبا لوضوء او غسل مغلظ اور اسی طرح جو چیز کہ آدمی کے بدن سے نکلے وضو یا غسل کی موجب ہو کر وہ نجاست غلیظہ ہے چنانچہ پیشاب اور منی اور مذی اور ودی اور پیپ اور قے منہ بھر کے اور خون حیض کا یہ سب نجس نجاست غلیظہ ہیں لیکن اس کلیہ پر ریح کا اعتراض وارد ہوتا ہے کہ باوجودیکہ ناقض وضو ہے پر طاہر ہے وبول غیر ماکول ولو من صغیر لم یطعم الا بول الخفاش وخرءہ فطاہر اور چنانچہ جاندار غیر ماکول کا پیشاب آدمی ہو یا غیر آدمی اگرچہ بچے کا پیشاب ہو مگر چمگادڑ کا پیشاب اور اس کی بیٹ پاک ہے وکذا بول الفارۃ لتعذر التحرز عنہ وعلیہ الفتوی کما فی التاتارخانیۃ اور اسی طرح چوہے کا پیشاب پاک ہے یعنی معاف ہے بسبب نہ ہو سکنے بچاؤ کے اس سے اور اسی پر فتویٰ ہے چنانچہ تاتارخانیہ میں ہے مع حلبی نے کہا یہ معافی کپڑوں اور طعام میں ہے نہ پانی میں بزازیہ اور فتاوی قاضی خان میں صحیح کہ پیشاب کی نجاست کو اظہر الروایا کہا ہے لیکن ظاہر الروایہ پر فتویٰ مقدم ہے کذا فی الطحاوی وبعرہ فی الخبز ان لم یظہر اثرہ اور آخر کتاب میں آوے گا کہ چوہے کی مینگنی ناپاک نہیں کرتی جب تک کہ اس کا اثر ظاہر نہ ہو یعنی رنگ یا طعم روٹی کے اندر چوہے کی مینگنی نکلی اگر وہ سخت ہو تو اس کو نکال ڈالے اور روٹی کو کھائے کہ وہ پاک ہے کذا فی البحر وفی الاشباہ بول السنور فی غیر اوانی الماء عفو وعلیہ الفتوی اور اشباہ میں ہے کہ بلی کا پیشاب پانی کے برتنوں کے سوا معاف ہے اور اسی پر فتویٰ ہے ودم مسفوح سائر الحیوانات الا دم شہید ما دام علیہ وما بقی فی اللحم المہزول والعروق وکبد وطحال وقلب وما لم یسل ودم سمک وقمل وبرغوث وبق اور نجاست غلیظہ ہے خون بہنے والا تمام حیوانات کا مگر شہید کا خون پاک ہے جب تک اس کے جسم پر ہے اور جو خون کہ دبلے گوشت اور رگوں اور کلیجی اور تلی اور

دل میں باقی رہا یعنی ذبح کے بعد اور جو خون کہ جاری نہیں اور مچھلی اور خون اور پسو اور مچھر کا خون کہ یہ سب پاک ہیں م جو خون کہ کلیجی وغیرہ میں باقی رہتا ہے
وہ جاری نہیں تو وہ دم مسفوح کی قید سے خارج ہو گیا تو استثنا کی کچھ حاجت نہیں زاد فی السراج وکتان وہی کما فی القاموس کرمان دویبۃ حمراء لساعۃ اور سراج
وہاج میں ہے اور خون کتان بر وزن رمان کا چنانچہ قاموس میں ہے چھوٹا سا کیڑا ہے سرخ رنگ بسیار گزندہ م شاید کہ کتان مذکور کھٹمل ہے واللہ اعلم فالمستثنیٰ
اثنا عشر تو حیوانات سے بارہ خون مذکور مستثنیٰ ہیں کہ وہ ناپاک نہیں وخمر فی باقی الاشربۃ روایات التغلیظ والتخفیف والطہارۃ رجح فی البحر الاول وفی النہر الاوسط اور
جیسے خمر یعنی شراب انگوری کہ وہ نجس مغلظ ہے اور باقی مسکر شرابوں میں تغلیظ اور تخفیف اور طہارت کی روایات مختلف ہیں بحر الرائق میں اول یعنی تغلیظ کی
روایت کی ترجیح ہے اور نہر الفائق میں درمیان یعنی تخفیف کی ترجیح ہے م صاحب نہر نے منیہ کے اس مسئلہ سے استدلال کیا ہے کہ اگر نماز پڑھے اور اس کے
کپڑے میں شراب مسکر سے کثیر فاحش نہیں تو قول اصح میں وہ کافی ہے حلبی نے کہا یہ نص ہے تخفیف نجاست میں تو صاحب نہر ہی کا قول ہے اس واسطے کہ فرع منقولا
کی طرف رجوع ہے اور صاحب بحر کی ترجیح تو فقط بحث کی راہ سے ہے وخرء کل طیر لا یذرق فی الہواء کبط اہلی ودجاج اور نجاست غلیظہ جیسے بیخال ہر ایک اس پرندہ
کی جو ہوا میں نہیں اڑتا چنانچہ خانگی بالو بط اور مرغی واما یذرق فیہ فان ماکولا فطاہر والا فمخفف لیکن جو پرندہ کہ ہوا میں اڑا کرتا ہے تو اگر وہ حلال ہے جیسے کبوتر
گنجشک تو اس کی بیٹ پاک ہے اور اگر حرام ہے تو اس کی بیخال ناپاک نجاست خفیفہ ہے چنانچہ باز اور شکرا اور چیل لیکن ان کی بیٹ سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا
عموم بلوی کی جہت سے یعنی اس سے بچنا مشکل ہے کذا فی الطحاوی وروث وخثی اور نجاست غلیظہ جیسے لید اور گوبر م بحر الرائق میں ہے کہ فضلہ فرس اور
حمار کو عرب میں روث یعنی لید کہتے ہیں اور گائے بیل بھینس کو خثی یعنی گوبر کہتے ہیں اور فضلہ اونٹ کو بعر یعنی مینگنی اور فضلہ انسان کو غائط یعنی گو بولتے ہیں
افاد بہما نجاسۃ خرء کل حیوان غیر الطیور مصنف نے لید اور گوبر کے لفظ سے ہر حیوان کے فضلے کی نجاست کو جتا دیا سوائے چڑیوں کے م بہتر یہ تھا کہ شارح
کہتا کہ تغلیظ نجاست پر آگاہ کر دیا وجہ افادہ یہ ہے کہ تغلیظ نجاست حلال جانور کے فضلے میں ثابت ہوئی تو حرام جانور میں بھی ثابت ہو گی بلکہ بطریق اولی کذا فی الطحاوی
وقالا مخففۃ اور صاحبین نے کہا کہ لید اور گوبر نجس نجاست خفیفہ ہیں م صاحب بحر نے کافی سے نقل کیا ہے کتے اور درندے جانوروں کے گوہ کی نجاست غلیظہ
ہونے میں امام اور صاحبین کا اتفاق ہے تو اختلاف نہیں مگر لید اور گوبر میں کذا فی الطحاوی وفی الشرنبلالیۃ قولہما اظہر اور شرنبلالیہ میں ہے کہ صاحبین کا قول ظاہر
تر ہے اس واسطے کہ علما کا اختلاف ہے نجاست اور طہارت میں تو یہ اختلاف خفت کا مورث ہے اور عموم بلوی کے سبب سے بھی کہ راہیں اس سے پر رہتی
ہیں برخلاف حمار وغیرہ غیر ماکول اللحم کے پیشاب کے کہ زمین اس کو سوکھ جاتی ہے کذا فی الزیلعی وطہرہما محمد آخرا للبلوی وبہ قال مالک اور محمد بن حسن نے لید اور
گوبر کو آخر حال میں پاک کہا عموم بلوی اور مزید مشقت کی وجہ سے اور یہی قول ہے امام مالک کا م جب کہ امام محمد خلیفہ کے ساتھ رے میں داخل ہوئے اور
تکلیف اور مشقت لوگوں کی دیکھی کہ راہیں اور سرائیں اس سے پر ہیں تو مجبور ہو کر تخفیف کا پہلا قول ترک کر کے طہارت کے قائل ہوئے ولو اصابہ من نجاسۃ
غلیظۃ ونجاسۃ خفیفۃ جعلت الخفیفۃ تبعا للغلیظۃ احتیاطا کما فی الظہیریۃ اور اگر بدن یا کپڑے کو نجاست غلیظ اور نجاست خفیفہ لگ گئی تو خفیفہ تابع غلیظہ
کے ٹھہرائی جاوے گی احتیاط کی راہ سے چنانچہ ظہیریہ میں ہے یعنی خفیفہ اس صورت میں بمنزلہ غلیظہ کے ہو گی تو اگر دونوں مل کر قدر درم سے زائد ہوں تو نماز
جائز نہ ہو گی ثم متی اطلقوا النجاسۃ فظاہرہ التغلیظ پھر جاننا چاہیے کہ جب فقہا نجاست کو مطلق بلا قید بولیں تو ظاہر اطلاق کا تغلیظ نجاست پر دلالت کرتا ہے وعفی دون
ربع جمیع بدن وثوب ولو کبیرا ہو المختار ذکرہ الحلبی ورجحہ فی النہر علی التقدیر بربع المصاب کذیل وکم وان قال فی الحقائق وعلیہ الفتوی اور نجاست خفیفہ معاف ہے
تمام بدن اور کپڑے کی چوتھائی سے کم اگرچہ کپڑا بڑا ہو چنانچہ جامہ اور پگڑی ایسا ذکر کیا ہے حلبی نے اور اس قول کو نہر الفائق میں راجح کہا ہے اس چیز کی چوتھائی
تقدیر پر جس کو نجاست لگ گئی ہے چنانچہ دامن اور آستین اگرچہ حقائق میں کہا ہے وعلیہ الفتوی یعنی بدن یا کپڑے کے جس ٹکڑے کو نجاست لگی اسی کی چوتھائی

ف کوے اور چیل کی بیٹ سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا ۱۲

سے کم ہونے کی معافی پر فتویٰ ہے حقائق میں نہ تمام بدن اور جمیع ثوب کی چوتھائی پر فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ اسی قول کو صاحب تحفہ اور محیط اور بدائع اور مجتبیٰ
اور سراج وہاج نے صحیح کہا ہے حلبی محشی در المختار نے کہا کہ فتویٰ کا لفظ مقدم ہے مختار اور راجح کے لفظ پر من نجاستہ مخففۃ کبول ماکول و منہ الفرس وطہرہ محمد کم از
چہارم کی معافی ہے نجاست خفیفہ سے جیسے جانور ماکول اللحم کا پیشاب اور اسی قسم سے ہے گھوڑے کا پیشاب اور ماکول اللحم کے پیشاب کو محمد نے پاک کہا ہے مع شیخین رح
کے نزدیک گھوڑے کے پیشاب کی نجاست خفیفہ ہے اور امام نے اس کے گوشت کو مکروہ جو کہا ہے تو اس واسطے کہ وہ جہاد کا سامان ہے نہ اس واسطے کہ اس کا گوشت
ناپاک ہے وخرء طیر من السباع اوغیرہا غیر ماکول اور چنانچہ چیل وغیرہ ماکول اللحم چڑیوں کی خفیف نجس ہے خواہ وہ چڑیاں درندہ ہوں مثل باز جرہ یا درندہ نہ ہوں ذلیل طائر
ھا اور بعضوں نے اس کو پاک کہا ہے اور اس کی تصحیح بھی بعضوں نے کی ہے ثم الخفۃ انما تظہر فی غیر الماء فلیحفظ پھر جاننا چاہیے کہ نجاست کی خفت پانی کے غیر میں
ظاہر ہوتی ہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے یعنی نجاست خفیفہ کے پڑنے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے حلبی نے کہا کہ طیر غیر ماکول کی بیٹ سے کنواں نجس نہیں ہوتا تو یہ مستثنیٰ ہے
چنانچہ سابق مذکور ہو چکا وعفی دم سمک ولعاب بغل وحمار والمذہب طہارتہا اور معاف ہے خون مچھلی کا اور رال خچر اور گدھے کی اور صحیح مذہب ان کے طاہر ہونے کا
ہے دلیل الشیخ کرد بول انتضح کرؤس الابر اور معاف ہے پیشاب چھینٹیں ہو کر لگا سوئیوں کے سروں کے مانند یعنی ہر چھینٹ سوئی کی نوک کے برابر ہو اگرچہ سینکڑوں ہوں وکذا
جانبہا الآخر اور اسی طرح ہر سوئی کے مانند سوئی کی دوسری طرف ہے جدھر سوئی کا ناکا ہوتا ہے وان کثر باصابۃ الماء للضرورۃ اگر پیشاب کی چھینٹیں بہت ہو جاویں
پانی لگ جانے سے یہ معافی ہے ضرورت کے سبب سے یعنی اس سے بچنا دشوار ہے لکن لو وقع فی ماء قلیل نجسہ فی الاصح لان طہارۃ الماء اکد جوہرہ لیکن اگر پیشاب
کی چھینٹ تھوڑے پانی میں پڑے گی تو اس کو ناپاک کرے گی صحیح تر قول میں اس واسطے کہ پانی کی طہارت میں زیادہ تر تاکید ہے کذا فی الجوہرۃ ہم پانی اس صورت
سے نجس ہو گا جب کہ چھینٹ کا اثر پانی پر ظاہر ہو اس طرح کہ گرنے کے وقت پانی میں فرجہ ہو جائے یا پانی ہل جائے ورنہ اس کا کچھ اعتبار نہیں چنانچہ قہستانی نے تر تاشی
سے نقل کیا باوجود اس کے اگر کنوئیں میں پیشاب کی چھینٹ گرے گی تو ناپاک نہ ہو گا کذا فی الحلبی وفی القنیۃ لو انتضح وانبسط وزاد علی قدر الدرہم ینبغی ان یکون کالدہن
النجس اذا انبسط اور قنیہ میں ہے کہ اگر پیشاب کی چھینٹیں باہم مل گئیں اور پھیل گئیں اور درم کی مقدار سے زائد ہو گئیں تو چاہیے کہ ناپاک تیل کے مانند مانع نماز ہوں
جب کہ وہ تیل پھیل جائے ہم یہ اس صورت میں ہے جب گرنے کے وقت کپڑے پر نمودار ہو چنانچہ قہستانی میں ہے کلانی سے کذا فی الطحطاوی عن الحلبی وطین شارع
وبخار نجس وغبار سرقین ومحل کلاب وانتضاح غسالۃ لاتظہر مواقع قطرہا فی الاناء عفو اور کیچڑ شارع عام یعنی بڑے راستہ کی اور ناپاک چیز کی بھاپ اور گوبر کا غبار اور
کتوں کے مقام اور چھینٹیں وضو یا غسل کے پانی کی کہ ان کے قطرات کے مقامات نمودار نہیں برتن میں یہ سب معاف ہیں یعنی ضرورت کی وجہ سے ہم اصح قول
یہ ہے کہ اگر میت کے بدن پر نجاست نہ ہو تو اس کا غسالہ ناپاک نہیں ہے مگر محمد نے جو نجس کہا ہے تو اس وجہ سے کہ غالباً میت کا بدن نجاست سے خالی نہیں
ہوتا اگر پانی سے استنجا کیا اور اس کو نہ پونچھا اور ریح کا اخراج ہوا تو اس کی نجاست میں اختلاف ہے لیکن اکثر علما کے نزدیک وہ ناپاک نہیں ہوتا اور نجاست
کا دھواں اگر کپڑے میں لگا یا بدن میں اس میں بھی اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ وہ ناپاک نہیں کرتا کذا فی الطحطاوی عن البحر وماء بالمد ورد ای جری علی نجس
نجس اذا ورد کلا او اکثرہ ولو اقلہ لا وحینئذ فی نہر اونجاستہ علی سطح لکن قدمنا ان العبرۃ للاثر اور جو پانی کہ وارد ہوا یعنی جاری ہوا ناپاک پر وہ ناپاک ہے بشرطیکہ سارا
پانی یا اکثر نجاست پر گذرا ہو اور اگر تھوڑا پانی نجاست کو لگا اور بہت علیحدہ اس سے گذر گیا تو وہ ناپاک نہیں چنانچہ مردار جانور نہر میں پڑا ہے یا نجاست
چھت پر ہے اور پانی بہتا جاتا ہے تو یہاں تھوڑا پانی نجاست کا ملاقی ہو گا تو ناپاک نہ ہو گا لیکن ہم نے باب المیاہ میں مقدم ذکر کیا ہے کہ اثر نجاست کا
اعتبار ہے یعنی جب کہ تھوڑا پانی نجاست پر گذرے ہم ورود عام ہے جریان اور ریختگی سے اور یہاں حکم بھی عام ہے تو بہتر یہ تھا کہ شارح ورود کی تفسیر جریان
سے کرتا من کو عام رہنے دیتا پانی کا گذرنا نجاست پر اس طرح ہے کہ ساری زمین ناپاک ہو یا پرنالہ کے پاس نجاست پڑی ہو بحر الرائق میں ہے کہ آب باران جب
نجاسات پر گذرا ناپاک نہیں ہوتا جب تک کہ نجاست پاک زمین سے زیادہ تر نہ ہو یا پرنالے کے پاس ہو کذا فی الطحطاوی کعکسہ ای اذا وردت النجاستہ

علی الالو تخس الالواجا عا لکن لا الحکم بنجاستہ اذا لاقی المتنجس مالم ینفصل فلیحفظ جیسے اس کے عکس میں ناپاک ہوتا ہے یعنی جب کہ نجاست پانی پر پڑے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے باجماع حنفی و شافعی لیکن اس کے نجاست کا حکم نہیں کیا جاتا جب کہ ناپاک چیز اس کو ملے تاوقتیکہ نجاست سے جدا نہیں ہوا تو اس کو یاد رکھنا چاہیے م بحرالرائق میں ہے کہ قیاس اس کا مقتضی ہے کہ پانی ناپاک پانی ہو جائے نجاست کی اول ملاقات سے لیکن یہ قیاس ضرورت کے سبب سے ساقط الاعتبار ہے خواہ نجس کپڑا تغارے میں ہو اور پانی اس پر ڈالا جائے یا پانی تغارے میں ہو اور ناپاک کپڑا اس میں ڈالا جائے ہم حنفیوں کے نزدیک تو وہ اپنے محل میں طاہر ہے اور نجس ہے جب کہ وہاں سے جدا ہو اور ناپاک کپڑے دھونے میں بہتر یہ ہے کہ کپڑے تغارے میں رکھے بدون پانی کے پھر پانی اس پر ڈالے نہ یوں کہ پانی تغارے میں اول رکھے پھر ناپاک کپڑا اس میں ڈالے تاکہ امام شافعی کے مخالف نہ ہو اس واسطے کہ ان کے نزدیک پانی میں ناپاک کپڑا ڈالنے سے ناپاک ہو جاتا ہے انتہی مختصراً الا بکون نجس رماد قذر والا لزم نجاستہ الخبز فی سائر الامصار ناپاک نہیں ہوتی نجاست کی راکھ چنانچہ گوبر اور لید اور گندگی آدمی کی ورنہ لازم آوے ناپاک ہونا روٹی کا اکثر شہروں میں یعنی جہاں لکڑی میسر نہیں یا کمیاب گراں قیمت ہے و الملح کان حماراً او خنزیراً اور نہ وہ نمک ناپاک ہے جو اول گدھا یا سور تھا سو نمکسار میں پڑ کر نمک بن گیا و لا قذر وقع فی بئر فصار حماۃ لانقلاب العین بہ یفتیٰ اور نہ وہ گندگی ناپاک ہے جو کنوئیں میں گری پھر کالی مٹی ہو کر کیچڑ بن گئی بسبب بدل جانے اس کی ذات کے اسی کا فتویٰ دیا جاتا ہے م انقلاب ذات تینوں مسئلوں کی دلیل ہے یعنی گندگی کی راکھ کا اور گدھے اور سور کے نمک کا اور گندگی کی کیچڑ کا ناپاک نہ ہونا اس واسطے ہے کہ ان کی حقیقت بدل کر اور چیز بن گئی و غسل طرف ثوب او بدن اصابت نجاستہ محلاً منہ ونسی المحل مطہر لہ وان وقع الغسل بغیر تحر المختار اور اس کپڑے یا بدن کا دھونا جس کے ایک مکان پر نجاست لگ گئی اور وہ مکان بھول گیا ہو اس کپڑے کا پاک کرنے والا ہے اگرچہ بدون ظن غالب کے دھویا ہو یہی قول مختار ہے م یہ رد ہے بدائع اور اسبیجابی کے قول کا بدائع میں سارے کپڑے کے دھونے کو واجب کہا ہے اور اسبیجابی نے اٹکل کر کے دھونا شرط کیا ہے کذا فی الطحطاوی ثم لو ظہرانہا فی طرف آخر لم یعید فی الخلاصۃ نعم وفی الظہیریۃ المختار انہ لا یعید الا الصلوۃ التی ہو فیہا پھر اگر دھونے کے بعد ظاہر ہوا کہ نجاست دوسری طرف ہے جدھر نہیں دھویا تو دھونے کا اعادہ کرے یا نہ کرے خلاصہ میں ہے کہ ہاں دھوے اور ظہیریہ میں قول مختار یہ ہے کہ اعادہ نہ کرے مگر اس نماز کا جس میں اس نے نجاست کو دیکھا م یہ غفلت ہے شارح سے صاحب نہرالفائق کے اتباع سے اس واسطے کہ ظہیریہ کا یہ مسئلہ مغایر ہے مسئلہ خلاصہ کے چنانچہ بحرالرائق کی عبارت اس میں صریح ہے ظہیریہ میں یوں ہے کہ نماز پڑھنے والے نے اپنے کپڑے پر نجاست دیکھی اور معلوم نہیں کہ کب سے لگی ہے تو امام کی روایات مختلف سے قول مختار یہ ہے کہ اعادہ نہ کرے مگر اس نماز کا جس میں وہ مشغول ہے کذا فی الحلبی کما لو بال حمر فیہا تغلیظ لو بہا اتفاقاً علی حنطۃ تدوسہا فقسم او غسل بعضہ او ذہب بہبۃ او اکل او بیع کما مر چنانچہ اگر گدھوں نے پیشاب کیا مثلاً اس گیہوں پر جس کو وہ مانڈتے ہیں یعنی روند کر بھوسے جدا کرتے ہیں پھر گیہوں بانٹے گئے یا تھوڑے سے دھوئے گئے یا کچھ جانے رہے بخشش یا کھانے یا بیع کی وجہ سے چنانچہ ابیات سابقہ میں اس کا بیان گذرا مصنف نے گدھوں کو خاص کر کے اس واسطے بیان کیا کہ ان کے پیشاب کی نجاست بالاتفاق ہے حیث طہرالباقی وکذا الذاہب لاحتمال وقوع النجس فی کل طرف کمسئلۃ الثوب اس واسطے کہ باقی گیہوں پاک ہو جاتے ہیں اور اسی طرح وہ گیہوں بھی پاک ہو جاتے ہیں جو صرف ہو گئے بسبب احتمال واقع ہونے ناپاک کے ہر طرف میں یعنی ہو سکتا ہے کہ جس قدر گیہوں بعد تصرف کے باقی رہے ناپاک گیہوں انھیں میں ہوں تو اس صورت میں جدا ہوئے پاک ٹھہریں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ناپاک گیہوں ان میں جاتے رہے ہوں جو صرف ہو گئے ہیں تو اس صورت میں باقی پاک ٹھہریں گے جیسے کپڑے کا مسئلہ کہ ایک طرف کے دھونے سے پاک ٹھہرا نجاست دھو جانے کے احتمال سے وکذا الطہر محل نجاستہ اما عینہا فلا تقبل الطہارۃ مرئیۃ بعد جفاف کدم بقلعہا ای بزوال عینہا واثرہا ولو بمرۃ او بما فوق الثلث فی الاصح اور اسی طرح خشکی کے بعد نمودار نجاست چنانچہ خون پاک ہو جاتی ہے اس کے کھاڑنے اور بالکل دور کر ڈالنے سے یعنی عین نجاست اور اس کے اثر کے زائل ہو جانے سے اگرچہ زوال ایک بار کے ازالہ سے ہو یا تین بار سے زیادہ صحیح تر قول میں مصنف نے طہارت کے محل کو اس واسطے ذکر کیا کہ عین نجاست تو طہارت کو قبول نہیں کرتی م غایۃ البیان میں کہا مورد نجاست سے مراد وہ نجاست ہے جو خشک ہو جانے سے نظر آئے

چنانچہ خون اور گوہ اور ریزش کے بعد نظر نہ آوے وہ نمودار نہیں اور صحیح یہی ہے کہ ایک بار کے دھونے سے بھی بشرط ازالہ کل طہارت حاصل ہوتی ہے خواہ گرم پانی سے ہو خواہ آب کثیر بہتے سے خواہ آب ریختہ سے خواہ تغاری میں تین بار سے زیادہ دھونا اس وقت ہے جب کہ اقل کافی نہ ہو اور یہ عزیز محمد یہ قول ہے کہ بعد زوال عین دو بار دھونا واجب ہے یا تین بار یا ایک بار اسی طرح کذا فی الطحطاوی لم یقل یغسلہا یعم نحو دلک وفرک اور مصنف نے قلع نجاست کہا نہ اس کے دھونے کو تا کہ رگڑنے اور ملنے وغیرہ کو بھی شامل رہے یعنی تطہیر فقط دھونے پر منحصر نہیں بلکہ رگڑنے سے چنانچہ موزے ہیں اور ملنے سے چنانچہ منی میں بھی طہارت حاصل ہوتی ہے ولا یضر بقاء اثر کلون و ریح لازم فلا یکلف فی ازالتہ الی ماء حار او صابون ونحوہ اور طہارت میں ضرر نہیں کرتا باقی رہنا نجاست کے اثر لازم کا یعنی جس کا زوال دشوار ہے اثر نجاست چنانچہ رنگ اور بو تو مسلمان مکلف نہیں اثر لازم کے دور کرنے میں گرم پانی یا صابون اور اس کے مانند اور چیز کی طرف م مانند اس کے وہ برتن ہے جس میں شراب تھی خواہ برتن نیا ہو یا پرانا تو بو کا باقی رہنا مضر طہارت نہیں یعنی دھونے کے بعد کذا فی الطحطاوی عن البحر عن الفتح بل یطہر ما صبغ او خضب بنجس بغسلہ ثلثا بلکہ پاک ہو جاتا ہے وہ جو رنگا گیا یا خضاب کیا گیا ناپاک چیز سے چنانچہ مہندی اور کسم ناپاک ہے اس کے تین بار دھو ڈالنے سے م نجس سے مراد یہاں متنجس ہے نہ نجس العین بدلیل مسئلہ چربی مردار تو اگر رنگ یا خضاب کیا گیا نجس العین سے چنانچہ خون سے تو اس کی عین اور مزہ اور بو کا ازالہ واجب ہے رنگ کا باقی رہنا مضر نہیں والاولی غسلہ الی ان یصفو الماء اور بہتر ہے اس کا دھونا یہاں تک کہ دھونے کا پانی صاف بے رنگ نکلے ولا یضر اثر دھن الا دہن ودک میتۃ لانہ عین النجاسۃ حتی لا یدبغ بہ جلد بل یستصبح بہ فی غیر مسجد اور ضرر نہیں کرتا طاہر ہونے میں ناپاک تیل کی چکنائی کا رہنا مگر مردار جانور کی چربی کی چکنائی مضر طہارت ہے کیونکہ عین نجاست ہے یہاں تک کہ اس سے چمڑے کو دباغت نہ دیجیے بلکہ مسجد کے سوا اور جگہ اس کا چراغ میں جلانا چاہیے ویطہر محل غیرہا ای غیر مرئیۃ بغلبۃ ظن غاسل لو مکلفا والا فمستعمل طہارۃ محلہا بلا عدد بہ یفتی اور جو نجاست نمودار نہیں اس کا محل پاک ہوتا ہے دھونے والے کے گمان غالب سے اس کے محل کے پاک ہو جانے کو بلا تعیین عدد اسی کا فتویٰ ہے یعنی جب کہ غاسل کو طہارت محل کا ظن غالب حاصل ہوا تو محل نجاست پاک ہے بشرطیکہ دھونے والا مکلف یعنی عاقل بالغ مسلم ہو اور جو وہ مکلف نہیں یعنی صغیر یا مجنون ہو تو اس کے استعمال کرنے والے کے ظن غالب کا اعتبار ہے م دھونے کی حالت میں جب کہ طہارت محل کا گمان غالب حاصل ہوا اگرچہ ایک ہی بار دھونے سے یہ بات حاصل ہو تو کفایت کرتا ہے چنانچہ کرخی نے اس کی تصریح کی ہے اور اسبیجابی نے اس کو اختیار کیا ہے کذا فی الطحطاوی وقدر ذلک لموسوس بغسل وعصر ثلثا او سبعا فیما ینعصر مبالغا بحیث لا یقطر اور یہ دھونا وسواس والے کے حق میں اندازہ کیا گیا ہے ساتھ دھونے اور نچوڑنے کے تین بار یا سات بار اس چیز میں جو نچڑ سکتی ہے بحالت مبالغہ اس طرح پر کہ پھر نچوڑنے سے بوند نہ ٹپکے م از بسکہ موسوس کو ظن غالب کثرت اوہام سے حاصل نہیں لہذا اس کے حق میں یہ اندازہ شرع میں مقرر ہوا فقہاء عراق کا قول ظن غالب کا اعتبار تھا اور فقہاء بخارا کا تین بار دھونے کا صاحب سراج نے دونوں قولوں میں توفیق دی کہ اگر شخص وسواسی نہیں تو ظن غالب معتبر ہے اور اگر وسواسی ہے تو تین بار کا دھونا کافی ہے سات بار کا دھونا واجب نہیں مستحب ہے تا خلاف شافعی کا نہ ہو اور اشتراط یصیر علی العموم نہیں کہ بعض برتنوں میں نہیں ہوتا بحر الرائق میں حاوی قدسی سے منقول ہے کہ برتن تین طرح کے ہیں مٹی کے اور لکڑی کے اور لوہے وغیرہ کے اور ان کی تطہیر چار طرح پر ہے جلانا اور چھیلنا اور پونچھنا اور دھونا تو اگر برتن مٹی یا پتھر کا ہے اور نجاست اس کے اجزا میں گھس گئی تو جلایا جائے اور اگر پرانا ہو تو دھویا جائے اور اگر نئی لکڑی کا برتن ہے تو چھیل ڈالا جائے اور اگر پرانی کا ہے تو دھویا جائے اور اگر لوہے یا پیتل یا رانگ یا کانچ کا ہے اور چکنا صیقلدار ہے تو پونچھ ڈالا جائے اور اگر چکنا نہیں کھردرا ہے تو دھویا جائے اور ذخیرہ میں ہے کہ اگر بدن میں نجاست لگی تو تین بار پے در پے دھویا جائے اس لیے کہ نچوڑنا متعذر ہے تو پے در پے دھونا قائم مقام نچوڑنے کے ہے کذا فی الطحطاوی ولو کان لو عصرہ غیرہ قطر طہر بالنسبۃ الیہ دون ذلک الغیر اور اگر یہ حال ہو کہ اگر دھونے والے کے سوا غیر شخص اس کو نچوڑے تو وہ ٹپکے تو وہ پاک ہو گیا دھونے والے کی نسبت نہ غیر شخص کی نسبت م وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر شخص مخاطب ہے بقدر اپنی طاقت کے تو دوسرے کی قدرت سے یہ شخص قادر نہ ٹھہرے گا ولو لم یبالغ لرقتہ ہل

ف طریق ہر طرح کے برتن دھونے کا ۱۲

یطہر الاظہر نعم للضرورۃ اور اگر نچوڑنے میں مبالغہ نہ کیا کپڑے کے باریک ہونے کی وجہ سے تو پاک ہوگا یا نہیں ظاہر تر جواب یہ ہے کہ ہاں پاک ہوگا ضرورت کے سبب سے م فتاوی قاضی خان میں عدم طہارت کو پسند کیا ہے وقدر بتثلیث جفاف ای انقطاع التقاطر فی غیرہ ای غیر منعصر مما یتشرب النجاسۃ والا فبقلعہا کا مراد ٹھہرایا گیا ہے دھونے میں تین بار کا خشک ہو جانا یعنی تقاطر کا بند ہونا اس کے غیر میں یعنی جو چیز نچڑ نہیں سکتی اس قسم سے کہ نجاست کو سوکتی ہے اور اگر سوکتی نہیں تو ازالہ نجاست سے پاک ہو جاتی ہے یعنی اس میں خشک کرنا شرط نہیں کذا فی الطحطاوی وہذا کلہ اذا غسل فی اجانۃ اما لو غسل فی غدیر او صب علیہ ماء کثیر او جری علیہ الماء طہر مطلقا بلا شرط عصر وتجفیف وتکرار غمس ہو المختار اور یہ سب یعنی تین بار دھونا اور نچوڑنا نچڑنے والی چیز میں اور دھونا تین بار خشکی کے ساتھ اس کے غیر میں اس وقت ہے جب کہ دھویا جائے طاش اور طغاری میں لیکن اگر جھیل اور تالاب میں دھویا جائے یا اس پر پانی بہت ڈالا جائے یا اس پر پانی جاری ہو تو وہ پاک ہو جاتا ہے مطلقاً بلا شرط نچوڑنے اور سکھانے اور چند بار غوطہ دینے کے یہی قول مختار اور پسندیدہ ہے م فرش ناپاک پر جب پانی جاری ہو اس قدر کہ زوال نجاست کا گمان آیا تو وہ پاک ہو گیا کیونکہ پانی کا جاری کرنا قائم مقام نچوڑنے کے ہے کذا فی الطحطاوی عن المحیط ویطہر لبن وعسل ودبس ودہن یغلی ثلثا اور پاک ہوتا ہے دودھ اور شہد اور شیرہ خرما اور تیل تین بار کے جوش دینے سے م ان چیزوں کے پاک کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ مثلاً شہد کا نجم حصہ پانی اس میں ڈال کر جوش دے کہ پانی جل جائے اسی طرح تین بار کرے کذا فی الطحطاوی عن البحر والقہستانی ولحم طبخ بخمر یغلی ویبرد ثلثا اور جو گوشت کہ پکایا گیا شراب میں وہ پاک ہوتا ہے تین بار جوش دینے اور سرد کرنے سے اور سرد کرنے سے مراد خشک کرنا ہے یہ قول ہے ابویوسف کا اور امام کا قول مفتی بہ عدم طہارت ہے دائماً کذا فی الطحطاوی عن البحر وکذا دجاجۃ ملقاۃ حالۃ غلی الماء للنتف قبل شقہا فتح اور اسی طرح پاک ہوتی ہے تین بار دھونے اور خشک کرنے سے وہ مرغی جو پانی کے جوش میں ڈالی گئی پر اکھاڑنے کے واسطے پیٹ پھاڑنے سے پہلے کذا فی الفتح م یہ مرغی امام کے قول پر کبھی پاک نہ ہوگی ابویوسف کے نزدیک پاک ہے چنانچہ فتح القدیر میں ہے تو بہتر یہ ہے کہ پہلے گرم پانی میں ڈالنے سے اس کے پیٹ کی آلائش نکال ڈالے اور محل ذبح میں جو خون کہ جما ہو دھو ڈالے کذا فی الطحطاوی وفی التجنیس حنطۃ طبخت فی خمر لا تطہر ابدا بہ یفتی اور تجنیس میں ہے کہ جو گیہوں کہ پکایا گیا شراب میں وہ کبھی پاک نہیں ہوتا اسی کا فتوی ہے م یہ امام کا قول ہے اور ابویوسف کے نزدیک کئی بار جوش دینے اور خشک کرنے سے پاک ہوتا ہے ولو انتفخت من بول نقعت وجففت ثلثا اور جو گیہوں پیشاب میں پھولا وہ پانی میں تین بار بھگویا جائے اور سکھایا جائے ولو عجن خبز بخمر صب فیہ خل حتی یذہب اثرہا فیطہر اور جو گوندا گیا آٹا شراب میں اور روٹی پکی تو اس میں سرکہ ڈالا جائے یہاں تک کہ شراب کا اثر جاتا رہے تو پاک ہو جائے م یہ روٹی دھونے سے پاک نہیں ہوتی بدون سرکہ کے اس طرح کہ ٹکڑے ٹکڑے کرکے اس میں ڈالی جائے فروع چھری بجھائی گئی ناپاک پانی میں وہ تین بار پاک چیز میں بجھائی جائے گوشت کے شوربے میں نجاست گری جوش کی حالت میں وہ تین بار ابالا جائے تو پاک ہو اور اگر جوش کی حالت میں نہیں گری تو تین بار گوشت دھویا جائے کذا فی الطحطاوی فصل یہ فصل ہے استنجا کے احکام میں م ایک نسخہ میں فصل ہے تنوین کے ساتھ اور دوسرے نسخہ میں فصل فی الاستنجاء ہے الاستنجاء ازالۃ نجس عن سبیل فلا یسن من ریح وحصاۃ ونوم وفصد استنجا دور کرتا ہے نجاست کا نجاست کی راہ سے یعنی قبل اور دبر سے تو استنجا کرنا مسنون نہیں ریح اور پتھری اور نیند سے اور فصد کے خون سے م اس واسطے کہ ریح اور پتھری اور نیند نجاست نہیں اور خون فصد قبل اور دبر سے نہیں جو اس کا ازالہ مسنون ہو وہو سنۃ مؤکدۃ مطلقا اور استنجا سنت مؤکدہ ہے ہر حال میں خواہ نجاست حسب عادت ہو یا نہ ہو تر ہو یا خشک خواہ استنجا پانی سے ہو یا ڈھیلوں سے خواہ بے وضو کرے یا جنب یا حائض ما قیل من افتراضہ لنحو حیض ومجاوزۃ مخرج فتسامح اور وہ جو کسی نے استنجا کا فرض ہونا کہا ہے مانند حیض اور مخرج سے بڑھ جانے میں سو قول تحقیقی نہیں م حیض کے مانند چنانچہ جنابت اور نفاس واركانہ اربعۃ شخص مستنج وشیء مستنجی بہ کماء وحجر ونجس خارج من احد السبیلین وکذا لو اصابہ من خارج وان قام من موضعہ علی المعتمد ومخرج دبر او قبل اور ارکان استنجا کے چار ہیں ایک تو شخص استنجا کرنے والا دوسرے وہ چیز جس سے استنجا کیا جاتا ہے چنانچہ پانی اور پتھر تیسرے نجاست نکلنے والی بول یا براز کی راہ سے اور اسی طرح مسنون ہے استنجا اگر احد السبیلین کو باہر سے نجاست لگ جائے اگر وہ شخص قضائے حاجت کے مکان سے اٹھ کھڑا ہو تو قول

مقعد پر پھوٹ ہتا رکن ہے نجاست نکلنے کا مقام دبر یا قبل بنحو حجر ما ہو عین طاہرۃ قالعۃ لا قیمۃ لہا کمدر منق استنجا سنت ہے پتھر الیسی چیز سے اس قسم سے کہ وہ چیز پاک نجاست کی دور کرنے والی ہے جس کی کچھ قیمت نہیں چنانچہ صاف کرنے والا ڈھیلا مثل ڈھیلے کے مانند خاک اور لکڑی اور کپڑا اور روئی اور پرانی کھال ہے اور دیوار اور زمین سے رگڑنا لیکن خانہ غیر مملوک سے بدون کراہیہ استنجا جائز نہیں بہتر طریقہ استنجا کا یہ ہے کہ بدن کو نہایت ڈھیلا کر کے بیٹھے مگر جب کہ روزہ دار ہو اور استنجا پانی سے کرتا ہو اور مناسب ہے کہ بعد استنجا کے اٹھنے سے کپڑے سے موضع استنجا کو پونچھ ڈالے اور کپڑوں کو آب مستعمل سے بچا دے اور قبل از استنجا اور بعد از استنجا دونوں ہاتھوں کو دھوئے کذا فی الطحطاوی لانہ ہو المقصود فیختار الابلغ والاسلم عن التلویث اس واسطے کہ یہی پاک صاف کرنا استنجا کرنے سے مقصود ہے تو استنجا کرنے کو وہ چیز اختیار کرے جو بہت پاک صاف کرنے والی اور نہایت سلامت رکھنے والی ہو آلودہ کرنے سے بلا تقیید باقبال وادبار شتاء وصیفا اور استنجا مقید نہیں اقبال اور ادبار کے ساتھ جاڑے اور گرمی میں مع اقبال یہ کہ پیچھے کی طرف سے آگے ڈھیلا لاوے اور ادبار یہ کہ آگے سے پیچھے لے جاوے یعنی استنجا سے مقصود ازالۂ نجاست ہے یہ مسنون نہیں کہ مرد جاڑوں میں پہلا ڈھیلا پیچھے سے آگے لاوے اور دوسرا آگے سے پیچھے اور تیسرا اول کے مانند اور گرمی میں اس کے بالعکس کرے اور عورت ہر موسم میں اول اقبال کرے یہ اقبال اور ادبار کا قول قاضی خان کا ہے اور زیلعی اور شمنی نے اس کو اختیار کیا ہے ولیس العدد ثلثا بمسنون فیہ بل مستحب اور تین ڈھیلوں کا شمار استنجا میں مسنون نہیں بلکہ مستحب ہے مع استنجا کرنے سے مقصود پاک صاف کرنا ہے خواہ ایک ڈھیلے سے ہو یا تین یا پانچ یا زیادہ سے اور تین ڈھیلوں کا ذکر جو بعضی احادیث میں ہے بنا بر غالب عادت کے ہے یعنی غالباً اسی قدر سے پاک حاصل ہوتی ہے وغسل بالماء الی ان یقع فی قلبہ انہ طہر مالم یکن موسوسا فیقدر بثلث کا مراد پانی سے دھونا یہاں تک کہ استنجا کرنے والے کے دل میں یہ گمان حاصل ہو کہ موضع استنجا کا پاک صاف ہو گیا یہ حد اس کے حق میں ہے جو شخص وسواسی نہیں تو وسواسی کے حق میں تین بار کا دھونا ٹھہرایا جائے جیسا کہ نجاست غیر مرئیہ میں کذا لبعدہ ای الحجر بلا کشف عورۃ عند احد پانی سے دھونا ڈھیلوں کے بعد بدون شرمگاہ کھولنے کے کسی کے روبرو یعنی اس شخص کے روبرو جس سے جماع مستنجی کو حرام ہے مع عمدہ مرتبہ یہ ہے کہ ڈھیلوں کے بعد پانی سے دھونا پھر اس کے بعد فقط پانی پر اکتفا کرنا پھر اس کے بعد فقط ڈھیلوں پر کفایت کرنا کذا فی الطحطاوی امامعہ فیترکہ کالمراد کشف عورت کے ساتھ تو دھونے کو ترک کرے چنانچہ غسل کی سنتوں سے پہلے مذکور ہو چکا فلو کشف لہ صار فاسقا تو اگر دھونے کے واسطے اس نے بدن کھولا تو گنہگار ہو جاوے گا مع بحر الرائق میں ہے کہ ایسی صورت میں ڈھیلوں پر کفایت کرے پانی سے استنجا کرے نہیں تو گنہگار ہو گا اور عوام نمازی اکثر ایسا کرتے ہیں لا لو کشف لاغتسال او تغوط کما بحثہ ابن الشحنۃ گنہگار نہ ہو گا اگر غسل واجب یا ہگنے کے واسطے شرمگاہ کھولی چنانچہ ابن شحنہ شارح وہبانیہ نے اس کو بحث کی راہ سے نہ روایت کی راہ سے بیان کیا ہے سنۃ مطلقا بہ یفتی سراج ڈھیلوں کے بعد پانی سے دھونا سنت ہے ہر زمانے میں اسی کا فتوی ہے کذا فی السراج مع یعنی ہمارے زمانے اور صحابہ کرام کے زمانے میں یکساں سنت ہے اور قول ضعیف یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں سنت ہے صحابہ کرام کے وقت میں مستحب تھا ویجب ای یفترض غسلہ ان جاوز المخرج نجس مانع اور واجب یعنی فرض ہے محل استنجا کا دھونا اگر مخرج سے تجاوز کر گئی ہو وہ نجاست جو نماز کی مانع ہے یعنی اگر قدر درہم سے زائد ہے مخرج عام ہے قبل ہو یا دبر ویعتبر القدر المانع لصلوۃ فیما وراء موضع الاستنجاء لان ما علی المخرج ساقط شرعا وان کثر ولہذا لا تکرہ الصلوۃ معہ اور مانع نماز کی مقدار نجاست ماوراء موضع استنجا میں معتبر ہے اس واسطے کہ جو نجاست کہ مخرج پر ہے وہ شرعا ساقط الاعتبار ہے اگرچہ وہاں بکثرت ہو یعنی درم سے زیادہ ہو لہذا اس نجاست کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ نہیں مع قدر درہم سے زیادہ نجاست کا ہونا مخرج پر اس واسطے ممکن ہے کہ ایک شخص کی مقعد بڑی ہو اور عدم کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے نہیں تو ترک استنجا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ استنجا سنت ہے کذا فی الطحطاوی وکرہ تحریما بعظم وطعام وروث یابس کعذرۃ یابسۃ وحجر استنجی بہ الا بحرف آخر اور مکروہ تحریمی ہے استنجا کرنا ہڈی اور کھانے کی چیز اور خشک لید سے جیسے مکروہ ہے آدمی کے خشک گوہ سے اور اس ڈھیلے سے جس سے ایک بار استنجا کیا گیا مگر اس کی دوسری نوک سے کہ آلودہ

سلہ اس سے معلوم ہوا کہ اگر منکوحہ یا لونڈی کے سامنے کشف عورت ہوتا ہو تو پانی لینا مضائقہ نہیں ۱۲

نجاست سے نہیں استنجا کرنا مکروہ نہیں وآجر وخزف وزجاج وشیٔ محترم کخرقۃ دیباج ویمین ولا عذر بیسراہ اور مکروہ تحریمی ہے پکی اینٹ اور ٹھیکری اور
کانچ اور حرمت والی چیز جیسے ریشمی کپڑے سے اور داہنے ہاتھ سے اس حالت میں کہ اس کے بائیں ہاتھ میں کچھ عذر نہیں ہے اینٹ وغیرہ سے استنجا کرنے میں جراحت
موضع کا ضرر ہے اور محترم چیز سے اس کی تضییع بے محل ہے اور داہنے ہاتھ سے استنجا اور مس ذکر حدیث میں منع ہے تو چاہیے کہ پیشاب کے بعد ذکر کو بائیں ہاتھ
سے پکڑے اور دیوار یا زمین سے رگڑے اور اگر نہ ہوسکے تو داہنے ہاتھ میں ڈھیلا لے اور اس کو حرکت نہ دے بلکہ ذکر کو اس پر رگڑے بائیں ہاتھ سے کذا فی البحر
فلو مشلولۃ ولم یجد ماء جاریا ولا صابا ترک الماء پھر اگر بایاں ہاتھ لنجا ہو اور وہ شخص جاری پانی نہ پاوے اور نہ اس شخص کو جو اس پر پانی ڈالے تو پانی سے استنجا کرنا
ترک کرے ہے اور اگر جاری پانی ہو یا پانی ڈالنے والا جس سے شرعا پردہ نہیں تو داہنے ہاتھ سے استنجا کرے ولو شلتا سقط اصلا کمریض ومریضۃ لم یجدا من یحل
جماعہ اور اگر دونوں ہاتھ لنجے ہوں تو استنجا بالکل ساقط ہو گیا یعنی ڈھیلوں سے بھی اور پانی سے بھی اس بیمار مرد اور عورت کے مانند جنھوں نے اس شخص کو نہ
پایا جس کا جماع کرنا حلال ہے کہ ان سے بھی استنجا مطلقاً ساقط ہے یعنی اگر بیمار مرد کو نہ زوجہ یا حلال لونڈی اور بیمار عورت کو زوج میسر ہو تو ان سے استنجا کروا
لے وفحم وعلف حیوان وحق غیر وکل ما ینتفع بہ اور مکروہ تحریمی ہے استنجا کرنا کوئلے سے اور جانور کے چارے سے اور غیر شخص کے حق سے چنانچہ غیر کی دیوار
بدون کرایہ اور جو چیز قابل انتفاع ہو اس سے چنانچہ غذا اور پتا اور نرکل اور بانس اور روئی اور کپڑا ان سب سے استنجا مکروہ ہے کذا فی الطحاوی عن البحر
فلو فعل اجزاہ مع الکراہۃ لحصول الانقاء پھر اگر ہڈی وغیرہ سے استنجا کیا تو کفایت کرتا ہے کراہت تحریمی کے ساتھ بسبب حاصل ہو جانے صفائی کے ہے
قہستانی میں نظم سے منقول ہے یوں کرنا چاہیے کہ تین ڈھیلوں سے استنجا کرے پھر اگر نہ پاوے تو پتھر سے کرے پھر اگر اس کو بھی نہ پاوے تو مٹھی بھر خاک
سے ان تین چیزوں کے سوا استنجا نہ کرے کہ موجب حدیث کے مورث فقیری ہے اور کیفیت استنجا کرنے کی یوں ہے کہ انگشت وسطی کو تھوڑا سا اونچا
کرے اور اس کا موضع دھووے پھر بنصر کو اونچا کرے اور دھووے پھر خنصر کو پھر سبابہ کو اونچا کر کے دھووے یہاں تک کہ اطمینان حاصل ہو ہے قول
میں اور بعضوں نے کہا یہاں تک دھووے کہ وہاں سے چکنائی دور ہو کر کھردرا ہو جائے اور عورت اول بنصر اور وسطی کو اونچا کر کے دھووے
پھر مرد کی طرح دھووے اور موسم سرما میں زیادہ تر مبالغہ کرے اگر ٹھنڈا پانی ہو اور اگر گرم پانی ہو تو موسم گرما کے مانند مبالغہ کی حاجت نہیں لیکن آب
سرد کا ثواب زیادہ تر ہے آب گرم سے کذا فی الطحاوی وفیہ نظر لما انہ سنۃ لا غیر فینبغی ان لا یکون مقیما لہا بالمنہی عنہ اور مصنف کے اس قول میں کہ
ہڈی وغیرہ سے استنجا کرنا کافی ہے خلل ہے اس واسطے کہ مذکور ہو چکا کہ استنجا سنت ہے نہ کچھ اور تو لائق یہ ہے کہ نہ ہو آدمی قائم کرنے والا سنت کا منع
چیز سے ہے صاحب نہر الفائق نے اس کا یوں جواب دیا کہ مسنون تو ازالہ ہے نجاست کا اور ڈھیلا وغیرہ مقصود بالذات نہیں بلکہ اس جہت سے کہ وہ مزیل ہے
غایۃ الامر یہ ہے کہ اس شے مخصوص سے ازالہ ممنوع ہے اس سے نفی ازالہ نہیں ہوتی چنانچہ مغصوب کے مکان میں سنت پڑھنے سے سنت ادا ہو گی لیکن ارتکاب
منہی عنہ لازم آوے گا کما کرہ تحریما استقبال قبلۃ واستدبارہا لاجل بول او غائط جیسے مکروہ تحریمی ہے قبلہ کا سامنا اور اس کو پیٹھ دینا پیشاب کرنے ہگنے
کے واسطے ہم قبلہ کسی جہت میں ہو اس کا استقبال اور استدبار ممنوع ہے اور یہ جو حدیث میں وارد ہے کہ مشرق مغرب کی طرف بول براز کے واسطے بیٹھا کرو تو ان کے
حق میں ہے جن کا قبلہ مشرق اور مغرب کی طرف نہیں چنانچہ اہل مدینہ کا قبلہ جنوب کی طرف ہے فلو للاستنجاء لم یکرہ پھر اگر استنجا کرنے کے وقت استقبال اور استدبار
قبلہ ہو تو مکروہ نہیں یعنی مکروہ تحریمی نہیں یعنی کراہت تنزیہی ثابت ہے کیونکہ ترک ادب ہے کذا فی الطحاوی ولو فی بنیان لاطلاق النہی اور استقبال و استدبار قبلہ
مکروہ ہے اگرچہ عمارت کے اندر ہو جیسے میدان میں مکروہ ہے بسبب مطلق ہونے نہی کے یعنی حدیث شریف میں عمارت اور میدان کی قید نہیں ہر مقام میں کراہت
ثابت ہے فلو جلس مستقبلا لہا غافلا ثم ذکرہ انحرف ندبا لحدیث الطبری من جلس یبول تجاہ القبلۃ فذکر فانحرف عنہا اجلالا لہا لم یقم من مجلسہ حتی یغفر لہ سو اگر قبلہ کے
سامنے بیٹھا غفلت سے پھر اس کو یاد آیا تو پھر جائے اس کی طرف سے استحباب کی راہ سے بدلیل حدیث طبرانی کہ جو بیٹھا پیشاب کرنے کو قبلہ کے سامنے پھر اس کو یاد پڑا

سو پھر گیا اس کی طرف سے قبلہ کی تعظیم اور تکریم کی وجہ سے تو کفارہ ہوگا اپنی نشست گاہ سے یہاں تک کہ بخشا جاوے گا ان امکنہ ولا فلا باس یہ اگر ممکن ہو قبلہ کی طرف سے پھرنا اور اگر ممکن نہ ہو تو کچھ ڈر نہیں عدم انحراف سے وکذا یکرہ ہذہ تعم التحریمیۃ والتنزیہیۃ للمرأۃ امساک صغیر لبول او غائط نحو القبلۃ اور اسی طرح عورت کو مکروہ ہے تھامنا صغیر کا پیشاب یا ہگنے کے واسطے قبلہ کی طرف شارح نے کہا کہ یہ کراہت کے اقسام شامل ہیں کراہت تحریمی اور تنزیہی دونوں کو وکذا مد رجلیہ الیہا اور اسی طرح پاؤں پھیلانا قبلہ کی طرف مکروہ ہے م طحاوی نے کہا کہ یہ کراہت تنزیہی ہے واستقبال شمس وقمر لہما ای لاجل بول او غائط اور مکروہ ہے سامنا سورج اور چاند کا پیشاب یا ہگنے کے واسطے ولبول وغائط فی ماء ولو جاریا فی الاصح وفی البحر انہا فی الراکد تحریمیۃ وفی الجاری تنزیہیۃ اور مکروہ ہے بول اور براز پانی میں اگرچہ جاری پانی ہو م تر قول میں اور بحر الرائق میں ہے کہ آب بستہ میں کراہت تحریمی ہے اور آب رواں میں کراہت تنزیہی ہے م طحاوی نے کہا مگر عذر سے مکروہ نہیں چنانچہ کشتی اور جہاز سے اترنا ممکن نہ ہو وعلی طرف نہر او بئر او حوض او عین او تحت شجرۃ مثمرۃ او فی زرع او فی ظل ینتفع بالجلوس فیہ اور مکروہ ہے بول یا براز نہر یا کنوئیں یا حوض یا چشمہ کے کنارے پر یا پھلے درخت کے نیچے یا کھیت میں یا اس سایہ میں جس سے لوگ فائدہ پاتے ہیں اس میں بیٹھ کر م یہ سب کراہت تحریمی ہے کیونکہ اس کی نہی احادیث میں وارد ہے کذا فی الطحاوی انتفاع جلوس کی قید سے معلوم ہوا کہ جو سایہ آبادی سے دور ہو اس کے نیچے بول اور براز مکروہ نہیں وبجنب مسجد ومصلی عید وفی مقابر وبین دواب وفی طریق الناس اور مکروہ ہے مسجد اور عیدگاہ کے پاس پاس اور قبرستان میں اور چوپایوں کے درمیان اور لوگوں کی راہ میں م قبرستان میں وجہ کراہت یہ ہے کہ میت کو تکلیف ہوتی ہے اور ظاہرا یہ کراہت تحریمی ہے اس واسطے کہ فقہا نے تصریح کی ہے کہ جو قبرستان میں جدید راہ حادث ہوئی ہو اس میں چلنا حرام ہے تو بول و براز بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا کذا فی الطحاوی وفی مہب ریح وجحر فارۃ او حیۃ او نملۃ وثقب ولو ہوا چلنے کے مکان میں اور چوہے یا سانپ یا چیونٹی کے بل میں اور ہر سوراخ میں زاد العینی وفی موضع یعبر احد او یقعد علیہ وبجنب طریق او قافلۃ او خیمۃ وفی اسفل الارض الی اعلاہا عینی میں اتنا زیادہ کہا ہے اور مکروہ ہے اس مکان میں جہاں کوئی رستا یا بیٹھتا ہو اور راہ یا قافلہ یا خیمہ کے برابر اور پست زمین پر بیٹھ کر بلند زمین کی طرف پیشاب کرنا مکروہ ہے یعنی عود نجاست کی وجہ سے والتکلم علیہما اور مکروہ ہے بولنا بول براز کرتے م اس واسطے کہ حق تعالیٰ اس پر ناخوش ہوتا ہے اور بول و براز کرتے خدا کا ذکر نہ کرے اور چھینک پر الحمد للہ نہ کہے اور چھینکنے والے کو دعا نہ کرے اور سلام کا جواب نہ دے اور نہ اذان کا جواب دے اور بلا ضرورت شرمگاہ اور بول و براز کو نہ دیکھے نہ وہاں تھوکے نہ ناک کو جھاڑے اور نہ کھکھارے اور چپ و راست نہ دیکھے اور اپنے بدن سے عبث فعل نہ کرے اور آسمان کی طرف سر نہ اٹھاوے اور وہاں بہت نہ بیٹھے کہ بواسیر پیدا ہوتی ہے اور درد جگر حادث ہوتا ہے چنانچہ لقمان علیہ السلام سے مروی ہے اور مستحب ہے کہ نمازی کپڑوں کو وہاں نہ لے جائے اگر مقدور ہو نہیں تو خوب حفاظت کرے نجاست کے لگ جانے سے اور آب مستعمل سے اور سر برہنہ نہ جائے اور وہاں داخل ہوتے کہے اللہم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث واعوذ بک من الرجس النجس الخبیث المخبث الشیطان الرجیم[1] اور مکروہ ہے وہاں وہ انگوٹھی لے جانا جس پر خدا کا نام یا قرآن لکھا ہو اور وہاں داخل ہوتے بایاں پاؤں اول بڑھاوے اور کھڑے ہو کر شرمگاہ کو نہ کھولے اور دونوں پاؤں کو کشادہ کر کے بیٹھے اور بائیں پاؤں پر جھکا رہے پھر جب فراغت پاوے تو کہے الحمد للہ الذی دفع عنی الاذی وعافانی[2] کذا فی الطحاوی وان یبول قائما او مضطجعا او متجردا من ثوبہ بلا عذر اور مکروہ ہے پیشاب کرنا کھڑے ہو کر یا لیٹے یا کپڑوں سے برہنہ ہو کر بدون عذر کے م بلا عذر کی قید سب سے تعلق ہے اس واسطے کہ عذر سے کھڑے وغیرہ پیشاب کرنا جائز ہے اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے پیشاب کیا پیٹھ کے درد کی وجہ سے کذا فی البحر او یبول فی موضع یتوضا ہو او یغتسل فیہ لحدیث لا یبولن احدکم فی مستحمہ فان عامۃ الوسواس منہ اور مکروہ ہے پیشاب کرنا اس مکان میں جہاں وہ شخص وضو کرتا ہے یا اس میں غسل کرتا ہے اس حدیث کی دلیل سے کہ ہرگز

[1] الٰہی میں پناہ مانگتا ہوں نر شیطانوں اور ان کی مادوں سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں ناپاک شریر پلید شیطان مردود سے ۱۲ [2] حمد ہے اس اللہ کو جس نے مجھ سے تکلیف دور کی اور مجھ کو سلامتی عنایت کی ۱۲

پیشاب نہ کرے کوئی شخص تم لوگوں میں سے اپنے غسل خانہ میں اس واسطے کہ اکثر وسواس اسی سے پیدا ہوتا ہے فروع مسائل ملحقہ شارح کے یجب الاستبراء بمشی وتنحنح ونوم
علی شقہ الایسر واجب یعنی فرض ہے استبراء یعنی پیشاب کے بعد خوب پاکیزگی اور صفائی حاصل کرنا پیادہ پاچل کر اور کھکھار کر اور بائیں پہلو پر لیٹ کر ہم حدیث میں وارد
ہے کہ خوب پاکیزگی حاصل کرو پیشاب سے کہ اکثر عذاب قبر اسی سے یعنی عدم پاکیزگی سے ہوتا ہے هو استبراء عبارت ہے ازالۂ خارج سے تاآنکہ منقطع ہوجائے کذا فی الطحطاوی
ویختلف بطباع الناس اور استبراء مختلف ہوتا ہے لوگوں کے اختلاف طبائع کے سبب سے یعنی کسی کو جلد پاکیزگی حاصل ہوتی ہے کسی کو دیر سے کسی کو چلنے سے کسی کو کھکھارنے
وغیرہ سے ویطہر طہارۃ المغسول تطہر الید اور مغسول کی طہارت کے ساتھ ہاتھ بھی پاک ہوجاتا ہے یعنی جب دھونے کا محل پاک ہوا ہاتھ بھی اس کے ساتھ پاک ہوگیا اس کے
علیحدہ دھونے کی حاجت نہیں خواہ محل دھونے کا استنجا ہو یا سوائے اس کے ویشترط ازالۃ الرائحۃ عنہا عن المخرج الا اذا عجز والناس عنہا غافلون اور طہارت میں شرط ہے
دور کرنا بدبو کا ہاتھ سے اور مخرج نجاست سے مگر جب کہ عاجز ہو آدمی بو کے دفع کرنے سے یعنی ہرچند دھوتا ہے بدبو دفع نہیں ہوتی تو اب معاف ہے اور لوگ اس شرط
سے غافل اور بے خبر ہیں هو ہاتھ سے بدبو کا دفع ہونا سونگھنے سے معلوم ہوتا ہے اور مخرج سے معلوم ہونا ظن غالب کے حاصل ہونے سے کذا فی الطحطاوی استنجی المتوضی ان
علی وجہ السنۃ بان ارخی انتقض والا باوضو شخص نے استنجا کیا اگر استنجا مسنون وجہ سے کیا اس طرح کہ مخرج کو ڈھیلا کرکے استنجا کیا تو وضو ٹوٹ گیا اور اگر بطریق سنت
کے استنجا نہ کیا تو وضو نہ ٹوٹا نام او مشی علی نجاسۃ ان ظہر عینہا تنجس والا سو یا یا چلا نجاست پر اگر نجاست کی ذات ظاہر ہوئی بدن یا کپڑے یا پاؤں یا موزہ یا جوتی پر
تو ناپاک ہوا ورنہ ناپاک نہ ہوا هو نور الایضاح میں لفظ عین کے عوض میں اثر کا لفظ وارد ہے اور یہی بہتر ہے کہ بو وغیرہ کو بھی شامل ہے کذا فی الطحطاوی ولو وقعت
فی نہر فاصاب ثوبہ ان ظہر اثرہا تنجس والا اور اگر نجاست گری نہر میں پھر آدمی کے کپڑے پر وہ پانی پڑا اگر نجاست کا اثر رنگ یا بو ظاہر ہوا تو کپڑا ناپاک ہوا اور اگر ایسا
نہیں تو ناپاک نہیں لف طاہر فی نجس مبتل بماء ان بحیث لو عصر قطر تنجس والا پاک کپڑا لپیٹا گیا اس ناپاک کپڑے میں جو تر ہوگیا ہے پانی سے اگر پاک کپڑا اس قدر تر ہے
کہ جو اس کو نچوڑے تو ٹپکے تو وہ ناپاک ہوگیا اور اگر ایسا نہیں تو ناپاک نہیں اگرچہ نم ہوگیا ہو ولو لف فی مبتل بنحو بول ان ظہر نداوتہ او اثرہ تنجس والا اور اگر پاک کپڑا لپیٹا
گیا اس ناپاک کپڑے میں جو تر ہوگیا ہے پیشاب کے مانند نجس العین سے تو اگر اس کی تراوت یا اثر اس کا ظاہر ہوا تو پاک کپڑا ناپاک ہوگیا اور اگر تراوت یا اثر ظاہر نہیں
تو ناپاک نہیں فارۃ وجدت فی خمر فی بیت فتخلل ان تفسخت تنجس والا چوہا نکلا شراب میں سو پھینکا گیا پھر شراب سرکہ بن گئی اگر چوہا پھٹا پھوٹا تھا تو سرکہ ناپاک ہے اور اگر ایسا نہیں
تو ناپاک نہیں هو تفسخ سے اجزا چوہے کے شراب میں مل گئے تو شراب کے منقلب ہوجانے سے چوہے کے اجزاء بجنسہ منقلب بطہارت نہیں ہوسکتے وقع خمر فی خل ان
قطرۃ لم یحل الا بعد ساعۃ وان کوزا حل فی الحال شراب گری سرکہ میں اگر ایک قطرہ گرا تو سرکہ کھانا حلال نہیں مگر ایک ساعت کے بعد اور اگر شراب کوزہ بھر ہے تو وہ سرکہ فی
الحال حلال ہے هو وجہ اس کی یہ ہے کہ ایک قطرہ میں نہ مزہ ہے نہ بو جس سے انقلاب عین پر استدلال کیجے تو کچھ توقف کرنا چاہیے اور اگر کوزہ بھر شراب سرکہ میں گری اور اس
کا مزہ اور بو باقی نہ رہا تو صاف معلوم ہوگیا کہ وہ منقلب بسرکہ ہوگئی کذا فی الحلبی فارۃ وجدت فی قمقمۃ ولم یدر بل ماتت فیہا ام فی جرۃ ام فی بئر یحکم علی القمقمۃ مردہ چوہا پایا
گیا لوٹے میں اور معلوم نہیں کہ وہ لوٹے ہی میں مرا یا گھڑے میں یا کنوئیں میں تو اس کا مرنا لوٹے میں محمول ہوگا یعنی اس واسطے کہ حادث کی اضافت اس کی اقرب
اوقات کی طرف ہوتی ہے کذا فی الحلبی ثلث قرب من سمن وعسل ودبس اخذ من کل حصۃ وخلط فوجد فیہ فارۃ فضعہا فی الشمس فان خرج منہا الدہن فسمن والا فان بقی
بحال الجمد فالعسل او متلبدا فالدبس تین مشکیں ہیں گھی اور شہد اور شیرہ خرما کی ہر ایک سے حصہ لیا گیا اور ان باہم مخلوط کیا گیا سو اس میں مردہ چوہا نکلا تو اے مخاطب
تو اس چوہے کو آفتاب میں رکھ پھر اگر اس چوہے سے چکنائی نکلے تو گھی ناپاک ہے اور اگر چکنائی نہیں نکلی تو اگر بحال آب بستہ جما ہوا باقی رہا تو شہد ناپاک ہے یا تھرا
چپ چپاتا رہا تو شیرہ خرما ناپاک ہے یعنی اس لیے کہ دھوپ سے گھی پگھل جاتا ہے اور شہد سمٹتا ہے اور شیرہ خرما نرم ہوجاتا ہے یعمل بخبر الحرمۃ فی الذبیحۃ وبخبر الحل فی
ماء وطعام عمل کیا جائے حرمت کی خبر پر ذبیحہ میں اور حلت کی خبر پر پانی اور کھانے میں هو یعنی ذبیحہ اور پانی اور طعام کی حرمت اور حلت میں دو خبریں متعارض سمجھا
ہوئیں یعنی ایک مستفتی کہتا ہے کہ یہ حلال ہے دوسرا کہتا ہے کہ حرام ہے تو ذبیحہ میں اس کو حرام سمجھنا چاہیے اس واسطے کہ ذبیحہ میں اصل حرمت ہے کیونکہ ذبح حیوان کی

تہذیب ہے اور پانی اور طعام میں اصل حلت ہے تو دونوں نجس ہوں۔ کو ساقط الاعتبار کر کے اصل پر عمل کرنا چاہیے تحری فی ثیاب اکثرہا طاہر تحری کرے یعنی سوچے اور اٹکل دوڑاوے پاک کے دریافت کرنے میں ان کپڑوں میں جو آدھے سے کم پاک ہیں اور اکثر ناپاک ہیں ہم جب سوچنے سے ایک کپڑا پاک ٹھہرا تو اسی میں نماز پڑھا کرے لنقض تحری جائز نہیں مگر قبلہ میں ہاں اگر اس میں نجاست ظاہر ہو تو دوسرا کپڑا اسوچ کر اختیار کرے کذا فی الطحاوی وفی اوان اکثرہا طاہر لا اقلہا بل یحکم بالاغلب الا لضرورۃ شرب اور سوچ کرے پانی کے ان برتنوں میں جن میں اکثر یعنی آدھے سے زیادہ پاک ہیں نہ ان برتنوں میں جو آدھے سے کم پاک ہیں بلکہ غالب پر حکم کرنا چاہیے یعنی سب کو ناپاک جانے مگر پینے کی ضرورت سے اقل میں بھی سوچ پر عمل کرے یحرم اکل لحم انتن لا لحم سمن ولبن حرام ہے کھانا اس گوشت کا جو سڑ گیا ہو گھی اور دودھ ایسی سڑی چیز کا مطلوب کھانا اس واسطے کہ سڑا گھی مضر نہیں کرتا یعنی برخلاف سڑے گوشت کے شعیر فی بعر او روث صلب لو کل بعد غسلہ وفی خثی لا جو نکلے سو کھی مینگنی یا لید میں تو دھونے کے بعد کھائے جاویں اور اگر گوبر میں نکلے تو نہ کھائے جاویں مرارۃ کل حیوان کبولہ وجرۃ کزبلہ پتا ہر جانور کا اس کے پیشاب کے مانند ہے اور جگالی ہر جانور کی اس کے سرگین کے مانند ہے یعنی جو بول ماکول اللحم کی طہارت کا قائل ہے وہ اس کے پتے کو بھی طاہر کہتا ہے حکم العصیر حکم الماء پھل اور گھاس کے رس کا حکم پانی کے مانند ہے یعنی جیسے نجاست حقیقی پانی سے دور ہوتی ہے ویسے ہی رس سے اور جیسا آب کثیر وقوع نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا ویسا ہی وہ بھی اگر دہ در دہ ہو تو ناپاک نہ ہوگا رطوبۃ الفرج طاہرۃ خلافا لہما عورت کی شرمگاہ کی رطوبت پاک ہے امام کے نزدیک ناپاک ہے صاحبین کے نزدیک العبرۃ للطاہر من تراب او ماء اختلطا بہ یفتی اعتبار پاک کا ہے مٹی یا پانی سے کہ باہم مخلوط ہو گئی اسی کا فتویٰ ہے یعنی پانی اور مٹی سے ہو گارا بنا اگر ان میں سے ایک بھی پاک ہے تو گارا پاک ہے م یہ قول ضعیف ہے بحر الرائق میں ہے کہ جب گارا بنا ناپاک پانی سے یا ناپاک مٹی سے تو صحیح قول یہ ہے کہ گارا ناپاک ہے دونوں میں کوئی ناپاک ہو یہی قول مختار ہے قاضی خان اور دفتر ابو اللیث کا اور خلاصہ میں جو طہارت کی یہ توجیہ کی ہے کہ ترکیب سے وہ دوسری چیز بن گئی وہ ظاہر الفہم نہیں اس واسطے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ جن کھانوں کا پانی یا گھی نجس ہو وہ پاک ہوں کیونکہ ترکیب سے اور شے ہو گئی وعلیٰ ہذا سب مرکبات جب کہ ان کے بعض مفردات ناپاک ہوں حالانکہ وہ ظاہر الفساد ہے کذا فی الحلبی مشی فی حمام ونحوہ لا ینجس مالم یعلم ان غسالۃ نجس پیادہ پا چلا حمام اور اس کے مانند مکان میں چنانچہ غسل خانہ میں تو ناپاک نہ ہوگا جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ جو پانی پاؤں میں لگا وہ نجاست کا دھوون ہے م مراد یہ کہ برہنہ پاؤں چلا تو بدون پاؤں دھوئے نماز جائز ہے اور احتیاط یہ ہے کہ نماز کا اعادہ کرے کذا فی البحر لا ینبغی اخذ الماء من الانبوبۃ لاحتمال تنجس الماء ورکدا پانی لینا اس نالی سے جس کا پانی حوض میں گرتا ہے نہ چاہیے اس واسطے کہ حوض کا پانی بستہ غیر جاری ہو جائے گا م شاید کے ہاتھ میں نجاست ہو تو پانی لینے سے حوض میں نجاست واقع ہو گی یا مستعمل اس میں گرے گا تو ناپاک ہو گا آب مستعمل کی نجاست کے قول پر طحاوی نے کہا یہ قول ظاہر اعلیٰ سبیل الاولویۃ کے ہے یا آب مستعمل کی نجاست پر مبنی ہے الکشف الی الحمام لیس من المروۃ لان فیہ اظہار مقلوب الکنایۃ علی الصباح حمام میں غسل کے واسطے جانا مروت کے افعال سے نہیں ہے یعنی بے شرمی ہے ابن واسطے کہ اس میں مقلوب کنایہ کا اظہار ہے م مقلوب کنایہ نیک ہے یعنی جماع یعنی لوگوں کے سامنے حمام میں جانا صبح کے وقت ظاہر کرنا ہے رات کے جماع کا اور یہ بے شرمی ہے طحاوی نے کہا بہتر یوں تھا کہ شارح بجائے مقلوب کنایہ مقلوب کان کہتا اور وہ مقلوب ناک ہے یعنی جماع ثیاب الفسقۃ واہل الذمۃ طاہرۃ فاسقوں اور ذمیوں کے کپڑے پاک ہیں م یعنی ان کے مستعمل کپڑوں میں نماز درست ہے تاوقتیکہ نجاست کا یقین نہ ہو اور مجتبیٰ میں ہے کہ ذمیوں کے پاجاموں میں نماز مکروہ ہے حلبی نے کہا شاید اس وجہ سے کہ وہ استبراء اور استنجا نہیں کرتے دیباج اہل فارس نجس لجعلہم فیہ البول لبریقہ اہل فارس کا دیبا یعنی ریشمی کپڑا ناپاک ہے اس میں پیشاب ڈالنے کی وجہ سے چمک کے واسطے م فارسیوں کا پیشاب ڈالنا بالیقین معلوم ہے لہٰذا اس کو ناپاک کہا اسی طرح جس انگریزی کپڑے میں نجاست کا پڑنا بالیقین معلوم ہو اس کو ترک کرنا چاہیے اور فقط احتمال سے ترک کرنا ضرور نہیں اس واسطے کہ کپڑوں میں اصل حلت ہے رای فی ثوب غیرہ نجسا مانعا ان غلب علی ظنہ انہ لو اخبرہ ازالہا وجب والا لا فالامر بالمعروف علی ہذا ایک شخص نے دوسرے کے کپڑے میں نجاست دیکھی کہ وہ نماز کی مانع ہے یعنی درم سے زیادہ ہے اگر اس کو اس کا ظن غالب حاصل ہو کہ اگر اس کو خبر کرے گا تو وہ نجاست کو دور کرے گا تو خبر دینا واجب ہے یعنی فرض ہے اور اگر اس کا

ظن غالب نہ ہو تو بتانا فرض نہیں تو امر بالمعروف کا فرض ہونا بھی اسی تفصیل پر ہے م یعنی اگر ظن غالب ہو اس کا کہ وہ شخص عمل کرے گا تو امر بالمعروف فرض ہے ورنہ فرض نہیں اور یہ بھی امر بالمعروف میں شرط ہے کہ اپنی ذات پر ضرر کا خوف نہ ہو ورنہ وہ شخص مختار ہے چاہے کرے چاہے نہ کرے اور نہی عن المنکر میں یہ بھی ہے کہ خود مرتکب نہ ہوتا ہو اس فعل کا جو منہی عنہ ہے اعظم ہے اور وجوب فاسق پر بھی ثابت ہے اگرچہ اس کا امر اور نہی فائدہ بخش نہیں کذا فی الطحاوی حمل السجادۃ فی زماننا اولی احتیاطا لما ورد اول ما یسال عنہ فی القبر الطہارۃ و فی الموقف الصلوۃ جانماز کا لیے رہنا ہمارے زمانے میں بہتر ہے احتیاط کی راہ سے اس واسطے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ قبر میں پہلے طہارت کا سوال ہوگا اور قیامت میں نماز کی اول پرسش ہوگی م شارح رحمۃ اللہ علیہ کے حسن بیان کو غور کرنا چاہیے کہ اختتام کتاب الطہارۃ اور آغاز کتاب الصلوۃ میں اس حدیث کو لایا غفر اللہ لہ ولنا بجاہ صاحب ہذا الحدیث صلی اللہ علیہ وسلم ◆
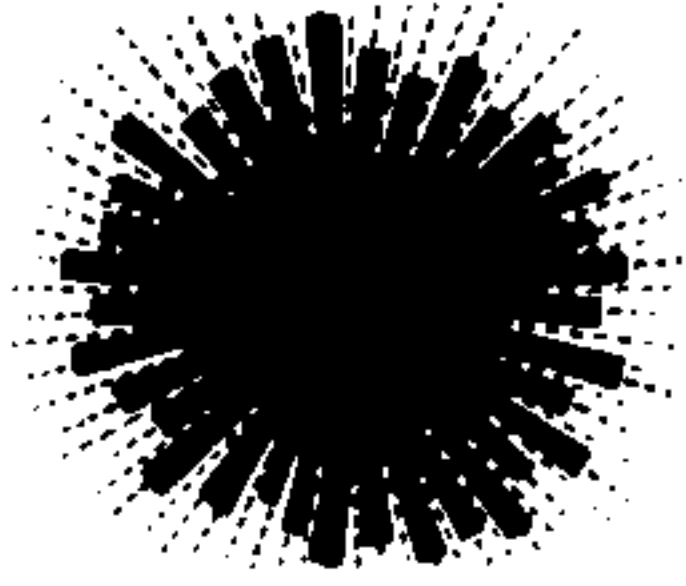
کتاب الصلوٰۃ

یہ کتاب ہے نماز کے احکام اور مسائل کے بیان میں شروع فی المقصود بعد بیان الوسیلۃ یہ شروع ہے اصل مقصد میں کہ نماز ہے بعد بیان کرنے وسیلہ کے کہ طہارت ہے ولم تخل عنہا شریعۃ مرسل نماز سے خالی نہیں رہی کسی رسول کی شریعت یعنی یہ عبادت دائمی قدیمی ہے کبھی منسوخ نہیں ہوئی ولما صارت قربۃ بواسطۃ الکعبۃ کانت دون الایمان لانہ بل من فروعہ اور جب کہ شریعت محمدی میں نماز عبادت ٹھہری بواسطہ کعبہ معظمہ کے تو کمتر ہوئی ایمان سے نہ ایمان کے اجزا سے بلکہ وہ ایمان کے فروع سے ہے م چونکہ ایمان بلا واسطہ عبادت ہے اور نماز بواسطہ استقبال قبلہ عبادت ہے بلا واسطہ عبادت نہیں لہذا نماز ایمان میں داخل نہیں بلکہ اس کی شاخ ہے باعتبار فعل کے اور باعتبار اس کے حکم کے یعنی اس کے فرض ہونے کی راہ سے تو وہ ایمان میں داخل ہے اس واسطے کہ ایمان عبارت ہے جمیع ارشادات قطعیہ نبویہ کی تصدیق سے کذا فی الطحطاوی وہی لغۃ الدعاء فنقلت شرعا الی الافعال المعلومۃ وہو الظاہر لوجودہا بدون الدعاء فی الامی والاخرس اور نماز لغت عرب میں بمعنی دعا ہے پھر شرع میں منقول ہوئے افعال معلومہ یعنی رکوع اور سجود وغیرہا کی طرف اور یہی منقول ہونا ظاہر الفہم ہے بسبب موجود ہونے نماز کے بدون دعا کے جاہل اور گونگے کی نماز میں م شارح نے اشارہ کیا کہ صلوۃ منقول شرعی ہے منقول شرعی وہ ہے جس میں معنی وضعی باقی نہ ہوا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ صلوۃ دعا میں حقیقت ہے افعال مخصوصہ کو صلوۃ اس واسطے کہا کہ ان میں دعا بھی داخل ہے کذا فی الطحطاوی ہی فَرْضٌ عَیْنٍ عَلٰی کُلِّ مُکَلَّفٍ بالاجماع نماز یعنے پنجگانہ نماز فرض عین ہے ہر مسلمان عاقل بالغ پر باجماع اہل اسلام م اجتماع نماز پنجگانہ اسی امت کو مخصوص ہے کسی امت کو یہ اجتماع حاصل نہ ہوا اور عشا کی نماز بھی اسی امت کو خاص ہے کسی نے نہیں پڑھی اور اذان اور اقامت اور شروع نماز میں اللہ اکبر کہنا اور آمین اور رکوع کرنا بھی امت محمدی کو مخصوص ہے چنانچہ ایک جماعت مفسرین نے اس کو ذکر کیا ہے اور نماز میں اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لک الحمد[1] کہنا اور نماز میں گفتگو کا حرام ہونا بھی اس امت کو خاص ہے چنانچہ جلال الدین سیوطی نے انموذج میں بیان کیا ہے اور بعضوں نے کہا کہ عشا کی نماز اول حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پڑھی جب کہ مدین سے نکلے اور راہ بھول گئے تھے کذا فی الطحطاوی عینی شرح ہدایہ میں ہے کہ فجر کی نماز حضرت آدم علیہ السلام نے پڑھی جب کہ بہشت سے نکلے اور اندھیرا ہو کر صبح ہوئی اور ظہر کی نماز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پڑھی جب کہ ان کو ذبح فرزند کا حکم ہوا زوال آفتاب کے بعد اور عصر کی نماز حضرت یونس علیہ السلام نے پڑھی جب کہ ان کو مچھلی کے پیٹ سے نجات حاصل ہوئی اور مغرب کی نماز حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اور عشا کی نماز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پڑھی ان حضرات نے شکرانہ نماز نفل پڑھی اور ہم پر فرض ہے انتہی مختصراً اور فرضیت اجماعی نماز کی سند یہ آیت ہے قرآن مجید کی کہ (اقیموا الصلوۃ) یعنے اے مسلمانو! قائم کرو نماز کو وغیر ذلک من الآیات والاحادیث المشہورۃ فرضت فی الاسراء لیلۃ السبت سابع عشر رمضان قبل الہجرۃ لسنۃ ونصف وکانت قبلہ صلواتین قبل طلوع الشمس وقبل غروبہا شمنی نماز فرض ہوئی معراج میں شب شنبہ رمضان شریف کی سترھویں تاریخ ڈیڑھ برس ہجرت سے پہلے اور معراج سے پہلے دو نمازیں تھیں ایک تو آفتاب کے نکلنے سے پہلے اور دوسری اس کے ڈوبنے سے پہلے کذا فی الشمنی م اور جو شارح نے معراج کا ہونا رمضان شریف میں ذکر کیا سو ایک قول ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ معراج رجب میں ہوئی تھی اور یہی لوگوں میں مشہور ہے اور امام نووی نے سیر روضہ میں اسی کو ذکر کیا ہے وَاِنْ وَجَبَ ضَرْبُ ابْنِ عَشْرٍ عَلَیْہَا بِیَدٍ لَا بِخَشَبَۃٍ لحدیث مروا اولادکم بالصلوۃ وہم ابناء سبع واضربوہم وہم ابناء عشر نماز فرض ہے عاقل بالغ مسلمان پر اگرچہ واجب ہے دس برس والے لڑکے کو ترک نماز پر مارنا ہاتھ سے نہ لکڑی سے اس حدیث کی دلیل سے کہ اپنی اولاد کو نماز کا حکم کرو جس حال میں کہ وہ سات برس کے ہوں اور ان کو مارو جب کہ وہ دس برس کے ہوں م ہر چند حدیث میں مطلق ضرب مذکور ہے لیکن چونکہ لکڑی کی مار مکلف کی جنایت میں وارد ہے اور صغیر محل جنایت نہیں لہذا اس کی ضرب ہاتھ پر محمول ہوئی

[1] اے اللہ پروردگار ہمارے اور تیرے ہی لیے ہے ستائش ۱۲

نہ لکڑی پر اور صغیر کی ضرب باوجود عدم فرضیت نماز کے اس واسطے مشروع ہوئی تاکہ اس کو نماز کی اسی عمر سے عادت پڑجائے طحطاوی نے کہا کہ صغیر کو تین بار ضرب متوسط سلیم مارنا چاہیے قلت والصوم کالصلوٰۃ علی الصحیح کما فی صوم القہستانی معزیا للزاہدی وفی حظر الاختیار انہ یؤمر بالصوم والصلوٰۃ وینہی عن شرب الخمر لیالف الخیر ویترک الشر میں کہتا ہوں اور روزہ نماز کے مانند ہے حکم کرنے اور مارنے میں بنا بر صحیح قول کے چنانچہ قہستانی کی کتاب الصوم میں زاہدی سے منقول ہے اور اختیار شرح مختار کی کتاب الحظر میں ہے کہ صغیر کو امر کرنا چاہیے روزہ اور نماز کا اور روکنا چاہیے شراب پینے سے تاکہ اس کو نیکی کی عادت پڑے اور بدی کو چھوڑ دے م مراد یہ ہے کہ صغیر کو تمام مامورات کا امر کرنا چاہیے اور جمیع منہیات سے روکنا چاہیے تو صوم اور صلوٰۃ اور شراب کی کچھ خصوصیت نہیں ویکفر جاحدہا لثبوتہا بدلیل قطعی اور نماز کا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے بسبب ثابت ہونے نماز کے دلیل قطعی سے یعنی قرآن واحادیث اور اجماع کی یقینی دلیل سے نماز ثابت ہے جس میں کچھ احتمال نہیں منح الغفار میں ہے کہ منکر نماز کا حکم مرتد کا حکم ہے **وتارکہا عمدا مجانۃ** اے تکاسلا فاسق یحبس حتی یصلی لانہ یحبس لحق العبد فحق الحق احق وقیل یضرب حتی یسیل منہ الدم وعند الشافعی یقتل بصلوٰۃ واحدۃ حدا وقیل کفرا اور نماز کا قصداً چھوڑنے[ف] والا سستی اور کاہلی کی راہ سے گنہگار ہے قید کیا جائے یہاں تک کہ نماز پڑھے اس واسطے کہ مکلف محبوس ہوتا ہے حق العبد کے سبب سے تو خدا کے حق میں حبس کرنا زیادہ تر سزاوار ہے اور بعض یعنی امام محبوبی نے کہا کہ تارک الصلوٰۃ مارا جائے یہاں تک کہ اس کا خون جاری ہو اور امام شافعیؒ کے نزدیک تارک الصلوٰۃ قتل کیا جاتا ہے ایک نماز کے چھوڑنے سے یہ قتل ہے حد کی راہ سے اور دوسرا قول یہ ہے کہ قتل ہے کفر کی راہ سے م اسی طرح رمضان کا تارک الصوم واجب الحبس ہے اور شافعی کے مانند مالک اور احمد کے نزدیک بھی مقر تارک الصلوٰۃ متکاسل لازم القتل ہے مگر کسی کے نزدیک وہ کافر نہیں سوائے امام احمد کے کذا فی الطحطاوی ویحکم باسلام فاعلہا بشروط اربعۃ ان یصلی فی الوقت مع جماعۃ موتما متما اور حکم کیا جاتا ہے نماز پڑھنے والے کے مسلمان ہونے کا چار شرطوں کے ساتھ یہ کہ نماز پڑھے عین وقت میں جماعت کے ساتھ امام کے پیچھے نماز کو پورا کرے م اس طرح نماز پڑھنا امت محمدی میں مخصوص ہے لہٰذا اس کے فاعل پر اسلام کا حکم ہوا وقت کی قید اس واسطے لگائی کہ دلیل ہے فرضیت نماز کی اعتقاد کے برخلاف قضا کہ اس میں نفل کا احتمال ہے یا اعتقاد و فرضیت وقت قضا کا اور چونکہ جماعت مقتدی اور امام دونوں کو شامل تھی لہٰذا شارح نے اقتدا کی قید زیادہ کی اس واسطے کہ اقتدا اتباع سبیل مومنین پر دلالت کرتا ہے برخلاف امام ہونے کے کہ اس میں نیت انفراد کا بھی احتمال ہے تو جماعت ثابت نہ ہوگی اور اتمام صلوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ اس کو فاسد نہ کرے کذا فی الطحطاوی وکذا لو اذن فی الوقت او سجد للتلاوۃ وزکی السائمۃ صار مسلماً اور اسی طرح اگر اس نے وقت نماز میں اذان دی یا تلاوت قرآن کا سجدہ کیا یا چرندے جانوروں کی زکوٰۃ ادا کی تو وہ مسلمان ٹھہرے گا م اس واسطے کہ یہ امور خصوصیات اہل اسلام سے ہیں لا لو صلی فی غیر الوقت او منفرداً او اماما او افسدہا او فعل بقیۃ العبادات لانہا لا تختص بشریعتنا مسلمان نہ ٹھہرے گا اگر ایک شخص نے غیر وقت میں نماز پڑھی یا تنہا یا امام ہو کر نماز پڑھی یا نماز کو فاسد کر ڈالا یا ان مذکورات کے سوا باقی عبادات اس نے کیے اس واسطے کہ امور مذکورہ ہماری شریعت محمدی کے ساتھ مخصوص نہیں م باقی عبادات چنانچہ زکوٰۃ اموال غیر سوائم اور روزہ اور حج غیر کامل اور صدقات امت محمدی میں مخصوص نہیں لیکن ہیئت کاملہ پر حج کرنا اور قرآن کا پڑھنا بھی اس امت کی خصوصیات سے ہے تو ان کو بھی مستثنیٰ کرنا چاہیے کذا فی المنح ونظمہا صاحب النہر فقال ؎ وکافر فی الوقت صلی باقتداء ✤ متما صلوٰتہ لا مفسدا ✤ واذن ایضا معلنا او زکی ✤ سوائما کان سجد تزکی ✤ فمسلم لا بالصلوٰۃ منفرد ✤ ولا الزکوٰۃ والصیام الحج زد ✤ اور خصوصیات مذکورہ اسلام کو صاحب نہر الفائق نے نظم میں یوں کہا ہے کافر نے عین وقت میں نماز پڑھی امام کے پیچھے اپنی نماز کو پورا کر کے نہ فاسد کر کے یا اذان بھی دی آشکارا یا چرندے جانوروں کی زکوٰۃ ادا کی مانند سجدہ تلاوت کرنے کے پاک ہو کر تو وہ کافر ان افعال سے مسلمان ٹھہرے گا نہ تنہا نماز پڑھنے سے اور نہ اور اموال کی زکوٰۃ دینے سے اور نہ روزہ رکھنے سے اور نہ حج غیر کامل کرنے سے وہی عبادۃ بدنیۃ محضۃ فلا نیابۃ فیہا اصلاً اے بالنفس کما

ف؎ یعنی نماز کو سستی سے چھوڑنے والا اور اس چھوڑنے کا اقرار کرنے والا ۱۲

صحت فی الحج ولا بالمال کما صحت فی الصوم بالفدیۃ للفانی لانہا انما تجوز باذن الشارع ولم یوجد اور وہ یعنی نماز صرف بدن کی عبادت ہے تو اس میں نیابت نہیں کسی طرح یعنی نہ جان کی نیابت جیسے حج میں صحیح ہے نہ مال کی نیابت جیسے کہ روزے میں درست ہے فدیہ دے کر شیخ فانی کو اس واسطے کہ نیابت یا فدیہ تو فقط شارع کے اذن سے جائز ہوتا ہے سو وہ اذن نماز میں نہیں پایا گیا م نماز محض عبادت بدنی ہے یعنی مرکب نہیں مال اور بدن سے جیسے کہ حج مرکب ہے اور حج نفل میں دوسرے شخص کو نائب کرنا ہر طرح درست ہے اور حج فرض میں بشرط عجز دائمی صحیح ہے اور صوم کے فدیہ میں بھی عجز دائمی تا موت شرط ہے منح الغفار میں ہے کہ نماز میں نیابت اس واسطے بھی درست نہیں کہ تکالیف شرعیہ سے مقصود ابتلا اور مشقت ہے سو وہ عبادات بدنیہ میں جان اور اعضاء کی محنت کشی میں افعال مخصوصہ کے کرنے سے حاصل ہے اور نائب کے کرنے سے منیب کے نفس پر مشقت متحقق نہیں ہوتی تو نیابت مطلقاً جائز نہیں نہ عجز میں نہ قدرت میں تنبیہ سببہا ترادف النعم ثم الخطاب ثم الوقت نماز کا سبب پے در پے ہونا ہے احسانات ربانی کا پھر حکم قرآنی پھر وقت نماز کا انام سبب عبارت ہے مفضی الی الحکم سے بدون تاثیر کے کذا فی البحر تو نماز کا سبب حقیقی اوقات پنجگانہ میں تواتر نعمات ہے پھر حکم قرآن مجید کا چنانچہ (اقیموا الصلوٰۃ وان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتاً) پھر سبب ظاہری وقت ہے اس واسطے کہ وجوب متجدد ہوتا ہے اوقات کے تجدد سے یہی علامت ہے سبب ہونے کی کذا فی الطحطاوی ای الجزء الاول منہ ان اتصل بہ الاداء والا فما ای جزء من الوقت تیصل بہ الاداء والا یتصل الاداء بجزء فالسبب ہو الجزء الاخیر وقت سبب ہے یعنی اس کا پہلا جز سبب ہے اگر اس کے ساتھ ادائے نماز متصل ہو اور اگر جز اول میں نماز نہ پڑھے تو وقت کے جس جز سے ادائے نماز کا اتصال ہوگا وہی جز سبب ٹھہریگا اگر وقت کے کسی جز سے ادا متصل نہ ہوئی تو وقت کا پچھلا جز سبب ہوگا م خلاصہ مقام یہ ہے کہ وجوب نماز میں وسعت ہے تو جز اول اور ثانی اور ثالث کی تاخیر سے مثلاً گنہگار نہ ہوگا حلبی نے کہا کہ مختصر بیان یہ ہے کہ نماز کا سبب وقت کا وہ جز ہے جس سے ادا متصل ہو ورنہ جملہ وقت سبب ہے کذا فی الطحطاوی ولو ناقصاً حتی تجب علی مجنون ومغمی علیہ افاقا وحائض ونفساء طہرتا وصبی بلغ ومرتد اسلم وان صلیا فی اول الوقت کا پچھلا سبب ہے اگرچہ ناقص ہو چنانچہ عصر میں دھوپ کا زرد ہو جانا تو واجب ہوگی نماز مجنون اور غشی والے پر کہ دونوں ہوش میں آگئے پچھلے جز میں اور حیض والی اور نفاس والی عورت پر کہ دونوں پاک ہوگئیں اور صغیر پر کہ وہ بالغ ہوگیا اور مرتد پر کہ جز اخیر میں مسلمان ہوا اگرچہ صغیر اور مرتد نے اول وقت میں نماز پڑھی ہو م جز اخیر سے مراد وہ جز ہے جو تکبیر تحریمہ کی گنجائش رکھتا ہو نہ وہ آن اور لحظہ جس میں اللہ اکبر کہنا نہ ہو سکے تو اگر بعد افاقہ اور طہارت اور بلوغ اور اسلام کے بقدر تحریمہ وقت باقی ہے تو اس وقت کی نماز ان پر واجب ہوگی اور نہیں تو نہیں اور کافر اصلی کا حکم مرتد کا حکم ہے اور نماز مرتد کی صورت یہ ہے کہ وہ مسلمان تھا اول وقت ظہر میں مثلاً اس نے فرض نماز ادا کی پھر وہ معاذ اللہ مرتد ہوگیا پھر ظہر کے آخر وقت میں اسلام لایا تو وہ ظہر کی نماز کا اعادہ کرے کیونکہ پہلی نماز ارتداد سے باطل ہوگئی کذا فی الطحطاوی مختصراً وبعد خروجہ یضاف السبب الی جملتہ لیثبت الواجب بصفۃ الکمال وانہ الاصل حتی یلزمہم القضاء فی کامل ہو الصحیح اور بعد نکل جانے وقت کے مضاف ہوتا ہے سبب جمیع وقت کی طرف تاکہ واجب ثابت ہو کمال کی صفت پر اور حالانکہ ثبوت وجوب علی صفۃ الکمال بھی اصل ہے تو مجنون وغیرہ کو قضا کرنا لازم ہوگا کامل وقت میں نہ ناقص میں یہی قول صحیح ہے م تو اگر آج کی عصر فوت ہوئی اور کل یاد پڑی آخر وقت عصر میں غروب سے پہلے تو اس وقت قضا نہ کرے اس واسطے کہ وہ ناقص وقت ہے وقت صلوٰۃ الفجر قدمہ لانہ لا خلاف فی طرفیہ نماز فجر کا وقت شارح نے کہا مصنف نے فجر کے وقت کو مقدم کیا اس واسطے کہ اس کے دونوں طرفوں میں یعنی اس کا اول اور آخر میں خلاف نہیں اتفاق ہے امت کا بر خلاف ظہر وغیرہ کے م اور یہ جو بعضوں نے اول فجر میں اختلاف کیا ہے کہ اول صبح ہے یا انتشار اس کا اور آخر وقت قدسے آفتاب کی کرن کے طلوع تک ہے یا تیر انداز کو تیر گرنے کے مقام کے نظر آنے تک سو بسبب ضعیف ہونے اس قول کے لائق اعتماد کے نہیں کذا فی الطحطاوی ہو اول من صلاہ آدم واول الخمس وجوبا اور اس واسطے فجر کو مقدم کیا کہ اول اس کو حضرت آدم علیہ السلام نے ادا کیا اور وہ پنجگانہ نماز کے پہلے ہے واجب ہونے کے اعتبار سے یعنی پنجگانہ نماز شب معراج میں فرض ہوئی تو اس رات کے بعد پہلے نماز فجر کی ٹھہری انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر شب معراج میں ۵۰

نمازیں فرض ہوئیں پھر کم ہوئیں یہاں تک کہ پانچ ٹھہر گئیں پھر ندا ہوئی یا محمد ہمارے نزدیک بات نہیں بدلتی تم کو پانچ وقت کی نمازیں ۵۰ وقت کا ثواب ملے گا اس حدیث کو نسائی اور احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے کذا فی العینی شرح الہدایہ وقدم محمد الظہر لانہ اولہا ظہوراً او بیاناً اور امام محمد بن حسن شیبانی نے جامع صغیر میں ظہر کو اول مذکور کیا ہے اس واسطے کہ وہ نماز پنجگانہ کے پہلے ہے باعتبار ظاہر ہونے اور بیان کہنے جبرائیل علیہ السلام کے ہم یہ قول مبنی ہے اس پر کہ جبرائیل علیہ السلام کی امامت اول ظہر کے وقت ہوئی تھی شب معراج کے بعد اور صبح کی امامت دوسرے دن ہوئی تھی اس میں دو روایتیں ہیں مشہور یہی روایت ہے کہ ابتدا امامت ظہر سے ہوئی کذا فی الطحطاوی ولا یخفی توقف وجوب الاداء علی العلم بالکیفیۃ فلذا لم یقض نبینا صلی اللہ علیہ وسلم الفجر صبیحۃ لیلۃ الاسراء اور پوشیدہ نہیں موقوف ہونا وجوب ادا کا کیفیت نماز کی دانست پر تو اسی واسطے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز کی قضا نہ کی شب معراج کی صبح کو ہم یہ جواب ہے سوال مقدر کا حاصل سوال یہ ہے کہ جب فجر کی نماز پنجگانہ نماز کے اول ٹھہری تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیونکر ترک کی شب معراج کی صبح کو باوجودیکہ وہ واجب ہو گئی تھی رات کو خلاصہ جواب یہ ہے کہ طریقہ ادا نماز کا معلوم نہ تھا اور بدوں اس کے ادا کرنا واجب نہیں اور یہ سوال وارد ہوتا ہے مشہور روایت پر نہ غیر مشہور پر اگر کہے کہ وجوب کیونکر ثابت ہوگا وجوب ادا کے ہم جواب دیں گے کہ اس میں کچھ استبعاد نہیں اس واسطے کہ جو شخص دار الحرب میں اسلام لایا اور شرائع اس نے مجملاً معلوم کیا تو اس پر وجوب ثابت ہوگا اور ادا کرنا بلا علم کیفیت واجب نہ ہوگا کذا فی الطحطاوی ثم ہل کان قبل البعثۃ متعبداً بالشرع احد المختار عندنا لا بل کان یعمل بما ظہر لہ من الکشف الصادق من شریعۃ ابراہیم وغیرہ پھر اس کو دریافت کرنا چاہیے کہ ہمارے حضرت نبوت سے پہلے کسی نبی کی شریعت پر عبادت کرتے تھے یا نہیں جواب پسندیدہ ہم حنفیوں کے نزدیک یہ ہے کہ کسی شریعت خاص پر عمل نہ کرتے تھے بلکہ اس پر عمل کرتے تھے جو کشف صادق سے آپ کو ظاہر ہوتا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ کی شریعت سے وصح تعبدہ فی حراء بحر اور صحیح ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عبادت کرنا غار میں جس کا حرا نام ہے کذا فی البحر ابن اسحٰق وغیرہ نے مذکور کیا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر سال ایک مہینہ حرا میں تشریف لے جاتے تھے عبادت کرنے کو بعضوں نے کہا کہ عبادت آپ کی ذکر تھی اور بعضوں نے کہا کہ فکر تھی واللہ اعلم کذا فی الطحطاوی من اول طلوع الفجر الثانی وہو البیاض المنتشر المستطیر لا المستطیل نماز فجر کا وقت ہے ابتدا طلوع کرنے فجر ثانی سے اور وہ یعنی فجر ثانی سفیدی ہے پھیلی کنارۂ آسمان میں عریض اور چوڑی نہ لمبی ہم فجر دو قسم ہے اول اور ثانی فجر اول طویل ہوتی ہے جس کو حدیث میں فرمایا جیسے بھیڑیے کی دم وہ سفیدی مٹ کر سیاہی وہاں ہو جاتی ہے لہذا اس کو صبح کاذب کہتے ہیں اس وقت تک عشا کی نماز کا وقت ہے اور صائم کو سحر کھانا درست ہے صبح کی نماز اس وقت جائز نہیں اور فجر ثانی افق میں معترض اور منتشر یعنی داہنے اور بائیں پھیلی اور چوڑی ہوتی ہے دم بدم اس کی روشنی زیادہ ہوتی جاتی ہے اس کو صبح صادق بولتے ہیں وہی وقت ہے ابتدا نماز فجر کا اس وقت صائم کو سحر کھانا درست نہیں الی قبیل طلوع ذکاء بالضم غیر منصرف اسم الشمس نماز فجر کا وقت شروع فجر ثانی سے ہے آفتاب کے نکلنے تک تھوڑا سا پہلے شارح نے کہا ذکاء بضم ذال معجمہ غیر منصرف آفتاب کا نام ہے ہم چونکہ حدیث امامت جبرائیل مواقیت نماز میں اصل ہے اور مشہور لہذا اس کا ذکر کرنا عینی شرح ہدایہ سے مناسب مقام ہے اور موجب برکت معلوم کرنا چاہیے کہ اس حدیث کو بہت صحابیوں نے روایت کیا ہے ازاں جملہ ابن عباسؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور ابوہریرہؓ اور عمرو بن حزم اور ابو سعید خدری اور انس بن مالک اور ابن عمر اور بریدہ اور ابو موسیٰ اشعری اور براء بن عازب اور جابر ہیں رضی اللہ عنہم سو ابن عباس کی حدیث کو ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ان سے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امامت کی جبرائیل علیہ السلام نے بیت اللہ کے نزدیک دو بار تو ظہر ادا کی پہلی بار جس وقت کہ سایۂ اصلی مثل شراک یعنی بند نعلین کے مانند تھا پھر عصر پڑھی جب کہ سایہ ہر چیز کا اس کے برابر تھا پھر مغرب پڑھی جب کہ آفتاب ڈوبا اور روزہ کھولنے کا وقت آیا پھر عشاء پڑھی جب کہ شفق ڈوبا پھر فجر کی نماز پڑھی جب کہ فجر چمکی اور صائم پر کھانا حرام ہوا اور دوسری بار ظہر جب کہ سایہ ہر چیز کا اسی چیز کے برابر ہو گیا کل عصر کے وقت پھر عصر پڑھی

ــــــــــــــــــــ

لہ صادق اس لیے کہتے ہیں کہ یہ دلیل ہے قرب طلوع آفتاب کی اور سفید ہونا افق کا دلیل ہے اس کی تو گویا اس صبح کے ساتھ گواہ بھی موجود ہے کہ آفتاب قریب ہے

جب کہ سایہ ہر شے کا اس کے دوچند تھا پھر مغرب پڑھی پہلے دن کے وقت پر پھر عشا پڑھی جب کہ تہائی رات گئی پھر صبح پڑھی جب کہ زمین روشن ہو گئی پھر جبرائیل علیہ السلام میری طرف ملتفت ہوئے اور کہا اے محمدؐ یہ وقت ہے تجھ سے پہلے انبیاء کا اور وقت ہے مابین ان دونوں وقتوں کے ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے اور اس کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے اپنی مستدرک میں اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کذا فی البدایۃ شرح الہدایۃ للعینی وقت الظہر من زوالہ ای میل ذکاء عن کبد السماء الی بلوغ الظل مثلیہ اور ظہر کا وقت آفتاب کے زوال سے یعنی آفتاب کے ڈھلنے سے وسط آسمان سے ہر شے کے سایہ کے دوچند پہنچنے تک م ظہر کے اول وقت میں خلاف نہیں آخر وقت میں اختلاف ہے امام اعظم کے نزدیک مثلین تک ہے یعنی دونا سایہ ہونے تک محمد کی روایت میں بدائع میں کہا کہ یہی قول صحیح اور ظاہر الروایۃ ہے اور محیط میں ہے کہ امام ہی کا قول صحیح ہے اور محبوبی نے اسی کو مختار کہا اور نسفی نے اسی پر اعتماد کیا اور صدر الشریعۃ نے اسی کو ترجیح دی اور غیاثیہ میں کہا وہو المختار اور شرح مجمع میں کہا کہ اصحاب متون نے اسی کو پسند کیا اور شارحین اسی پر راضی ہوئے کذا فی الطحطاوی عن البحر وعنہ مثلہ وہو قولہما وزفر والائمۃ الثلثۃ قال الامام الطحاوی وبہ ناخذ وفی غرر الاذکار وہو المأخوذ بہ وفی البرہان وہو الاظہر لبیان جبریل وہو نص فی الباب وفی الفیض وعلیہ عمل الناس الیوم وبہ یفتی اور امام سے ایک مثل کی روایت ہے یعنی حسن نے امام سے روایت کی کہ جب سایہ ہر چیز کا برابر اس چیز کے ہو گیا ظہر کا وقت آخر ہو گیا اور یہی صاحبین کا قول ہے اور زفر اور تینوں اماموں کا یعنی امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد کا طحاوی نے کہا اور اسی قول کو ہم لیتے ہیں اور غرر الاذکار میں ہے کہ یہی قول لیا گیا ہے یعنی اسی پر عمل ہے اور برہان میں ہے کہ یہی قول ظاہر تر ہے جبرائیل علیہ السلام کے بیان کر دینے سے اور قول جبرائیل باب مواقیت میں نص صریح ہے اور فیض میں ہے کہ اسی پر لوگوں کا آج عمل ہے اور اسی کا فتویٰ ہے م بحر الرائق میں ہے کہ طحاوی کا قول اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہی مذہب صحیح ہے تصحیحات متعددہ کے مذکور ہونے کے بعد[1] اور سراج وہاج میں ہے کہ شیخ الاسلام نے کہا کہ احتیاط اس میں ہے کہ ظہر کی نماز مثل تک تاخیر نہ کرے اور عصر کی نماز نہ پڑھے جب تک مثلین تک سایہ نہ پہنچے تاکہ دونوں نمازیں اپنے وقتوں پر بالاتفاق ادا ہوں کذا فی الطحطاوی سوی فیٔ یکون للاشیاء قبیل الزوال سوا اس سایہ کے جو سب چیزوں کا ہوتا ہے زوال آفتاب سے پہلے تھوڑا سا م یعنی ٹھیک دوپہر میں آفتاب ڈھلنے سے پہلے جو ہر چیز کا سایہ باقی رہتا ہے وہ ظہر اور عصر کے وقت سے خارج ہے مثل اور مثلین کے حساب میں داخل نہیں اسی سایہ کو فیٔ بروزن شے اور سایہ اصلی کہتے ہیں طحطاوی نے کہا فیٔ الزوال کو اس واسطے استثنا کیا کہ گاہے سایہ اصلی برابر ہوتا ہے ہر چیز کے بعضے مواضع میں ایام سرما میں گاہے دونا ہوتا ہے تو اگر مثل کو اعتبار کیجے فیٔ الظل کے پاس سے تو ظہر کا وقت نہ صاحبین کے نزدیک پایا جائے نہ امام کے نزدیک یہ حال ہے وہاں کے لوگوں کا جن کے سروں پر آفتاب سامنے نہیں آتا لیکن جن لوگوں کے سروں پر آفتاب آجاتا ہے وہاں مثل کا اعتبار ذی الظل کے پاس سے ہوتا ہے یعنی اس واسطے کہ وہاں سایہ اصلی منعدم ہوتا ہے ویختلف باختلاف الزمان والمکان اور فیٔ الزوال اور سایہ اصلی مختلف ہوتا ہے زمان اور مکان کے اختلاف سے م یعنی سرما میں سایہ اصلی بڑا ہوتا ہے اور گرما میں چھوٹا اور جو ملک معدل النہار اور خط استوا سے قریب ہیں وہاں سایہ چھوٹا ہوتا ہے اور جو بعید ہیں وہاں بڑا ہوتا ہے اور جن بلاد کا عرض بلد میل کلی[2] کے مانند ہے وہاں سایہ اصلی ایک دن بالکل منعدم ہوتا ہے یعنی جب کہ آفتاب نقطۂ سرطان میں داخل ہو اور سال بھر میں یہی دن بہت بڑا ہوتا ہے اور جن بلاد کا عرض بلد میل کلی سے کم ہوتا ہے وہاں کا سایہ اصلی سال میں دو بار بالکل نابود ہو جاتا ہے چنانچہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کذا فی الحلبی ولو لم یجد ما یغرز اعتبر بقامتہ وہی ستۃ اقدام ونصف بقدمہ من طرف ابہامہ اور اگر نمازی سایہ شناسی کے واسطے وہ چیز نہ پاوے جس کو زمین پر گاڑ کر سایہ دریافت کرے تو اپنے قد کا اعتبار کرے اور قد ہر

---

[1] مگر تجربہ عاقل پر پوشیدہ نہیں کہ تصحیحات متعددہ کا کوئی اخذ صحیح نہیں پس بحر الرائق کے کلام میں کلام ہے ۱۲ [2] خط استوا سے آفتاب کا ادہر ادہر ہٹنا میل کہلاتا ہے اور زیادہ سے زیادہ فاصلہ اس ہٹنے کا استوا سے میل کلی کہلاتا ہے جیسے ہندوستان میں نقطۂ سرطان کہ ۲۲ جون ماہ انگریزی کو آفتاب اس نقطے پر پہنچتا ہے اور وہی دن سب سے بڑا ہے ۱۲

آدمی کا ساڑھے چھ قدم کا ہوتا ہے اسی شخص کے قدم سے انگوٹھے کی طرف سے م یہ کلام محذوف پر مرتب ہے اور معلوم ہوتا ہے بحر الرائق وغیرہ کی عبارت سے اس میں یوں ہے کہ زوال کی شناخت میں چند روایات ہیں ان میں صحیح تر یہ ہے یعنی ابوشجاع کی روایت کہ سیدھی لکڑی برابر زمین میں چاشت کے وقت گاڑے اور سایہ کے سرے پر نشان کرے پھر اگر سایہ کم ہوجاتا ہو نشان مذکور سے تو آفتاب نہیں ڈھلا پھر اگر سایہ ٹھہر گیا زیادت اور نقصان سے تو یہ وقت ہے ٹھیک دوپہر کا اور جس قدر سایہ اس وقت باقی رہا وہ فی الزوال اور سایہ اصلی ہے اور جب کہ سایہ فی الزوال کے خط سے بڑھا اور لمبا ہوا تو معلوم ہوا کہ آفتاب ڈھل گیا چنانچہ ظہیریہ میں ہے اور مجتبیٰ میں ہے کہ اگر کوئی لکڑی گاڑنے کو نہ ملے فی الزوال اور امثال کی شناخت کو تو اپنے قد سے قیاس کرے ساڑھے چھ قدم طحاوی نے کہا جمہور مشائخ سات قدم کہتے ہیں اور جمع بین القولین یوں ہوسکتا ہے کہ آدمی کا قد سات قدم ساق کی سمت سے ہوتا ہے اور ساڑھے چھ قدم انگوٹھے کی طرف سے انتہیٰ اور محمد سے وہ قول منقول ہے جو اس سے بھی زیادہ تر آسان ہے وہ یہ ہے کہ آدمی قبلہ کے سامنے کھڑا ہو پھر جب کہ آفتاب ابروئے راست پر آیا ڈھل گیا کذا فی الطحطاوی بتصرف علیٰ میں یوں ہے کہ جب آفتاب بائیں طرف سے ڈھلا تو بھی زوال کا وقت ہے انتہیٰ م یمین اور یسار کا اختلاف باعتبار اختلاف بلاد کے ہوتا ہے کما فی حاشیۃ العینی عن السراج الوہاج ووقت العصر منہ الیٰ قبیل الغروب اور عصر کا وقت سایہ مثلین سے ہے آفتاب کے ڈوبنے تک لحظہ بھر پہلے طحطاوی نے کہا یہی قول معتمد ہے اور قول ضعیف یہ ہے کہ آفتاب کے زرد ہونے تک ہے فلو غربت ثم عادت ہل یعود الوقت الظاہر نعم سو اگر آفتاب ڈوبا پھر نکل آیا تو عصر کا وقت دوسری بار عود کرے گا یا نہیں جواب ظاہر یہ ہے کہ ہاں وقت پھر آوے گا م یہ بحث ہے صاحب نہر کی بدلیل حدیث رد شمس یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ مرتضیٰ کی گود میں سوگئے جب آپ جاگے تو معلوم ہوا کہ علی مرتضیٰ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تو فرمایا کہ الٰہی علی تیری اور تیرے رسول کی طاعت میں تھا تو آفتاب کو پھیر دے سو آفتاب پھر نکل آیا یہاں تک کہ انھوں نے عصر کی نماز پڑھ لی اور یہ واقعہ خیبر میں ہوا تھا اس حدیث کو طحاوی اور قاضی عیاض نے صحیح کہا ہے اور چند محدثین نے اس کو روایت کیا ہے ازاں جملہ طبرانی نے سند حسن سے اس کو روایت کیا ہے اور جس نے اس کو موضوع کہا چنانچہ ابن جوزی نے اس نے خطا کی اور ہمارے قواعد بھی اس کے مخالف نہیں کذا فی الطحطاوی وہی الوسطیٰ علی المذہب اور یہی عصر کی نماز وسطیٰ ہے بنا بر مذہب صحیح کے م قرآن مجید میں فرمایا (حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطیٰ) یعنی محافظت کرو نمازوں پر اور نماز وسطیٰ پر یعنی درمیان کی افضل نماز پر سو نماز وسطیٰ کی تعیین پر تیئیس قول ہیں جو وہبانیہ اور اس کی شرح میں مذکور ہیں ازاں جملہ ایک قول یہ ہے جو شارح نے ذکر کیا واللہ اعلم ووقت المغرب منہ الیٰ غروب الشفق وہو الحمرۃ عندہما وبہ قالت الثلثۃ والیہ رجع الامام کما فی شروح المجمع وغیرہما فکان ہو المذہب اور مغرب کا وقت آفتاب کے غروب ہونے سے ہے شفق کے ڈوبنے تک اور شفق سے وہ سرخی مراد ہے جو غروب آفتاب کے بعد مغرب کی طرف رہتی ہے صاحبین کے نزدیک اور یہی کہا تینوں اماموں نے اور اس قول کی طرف امام اعظم نے رجوع کیا ہے چنانچہ مجمع وغیرہ کی شرحوں میں مذکور ہے تو یہی صاحبین کا قول صحیح مذہب ٹھہرے گا م امام اعظم کے نزدیک وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد افق میں ہوتی ہے اور یہی قول ہے صدیق اکبرؓ اور انسؓ اور معاذؓ اور عائشہ صدیقہؓ کا ایک اور روایت ہے ابن عباسؓ اور ابوہریرہؓ سے اور یہی مذہب ہے عمر بن عبدالعزیز اور اوزاعی اور زفر اور مزنی ابن منذر اور خطابی کا اور یہی مختار ہے مبرد اور ثعلب اماماں لغت کا ابوداؤد میں حدیث ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے نزول کیا اور فرمایا کہ نماز عشا کا وقت ہے جب کہ افق سیاہ ہوجاوے ابن حبان نے اس کو اپنے صحیح میں روایت کیا ہے اور ابوداؤد اور نسائی اور احمد نے نعمان بن بشیر سے روایت کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب کہ تیسری تاریخ کا چاند ساقط ہوتا تھا کذا فی العینی اور محقق نے فتح القدیر میں امام کے قول کو ترجیح دی ہے اور کہا کہ شفق کو حمرت کہنا نہ امام کی روایت سے ثابت ہے نہ درایت سے اول تو اس واسطے کہ امام کی ظاہر الروایۃ کے مخالف ہے اور ثانی تو بدلیل حدیث ابن فضیل کے کہ آخر وقت مغرب کا یہاں تک ہے کہ افق غائب ہوجائے اور غائب ہونا افق یعنی کنارہ سے آسمان کا اس سفیدی کے ساقط ہونے سے ہوتا ہے جو سرخی کے

بعد ہوتی ہے اور محقق کے شاگرد شیخ قاسم نے تصحیح قدوری میں کہا تو ثابت ہوا کہ امام ہی کا قول صحیح تر ہے انتہیٰ تو اس سے ظاہر ہوا کہ فتویٰ اور عمل نہیں مگر امام اعظمؒ کے قول پر اور اس کو چھوڑ کر صاحبین کے قول کو یا کسی اور کے قول کو لینا نہ چاہیے الا بضرورت ضعف دلیل یا تعامل کے اگرچہ مشائخ نے صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا ہو چنانچہ اسی مسئلہ میں اور سراج میں ہے کہ صاحبین کا قول اوسع ہے اور امام کا قول احوط کما فی البحر اور یہ جو درر میں ہے کہ یہاں صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے نوح افندی نے اس کو یوں رد کیا ہے کہ اس پر اعتماد جائز نہیں اور امام کے قول پر صاحبین کے قول کو ترجیح دینا درست نہیں مگر بموجب ضعیف دلیل کے بالضرورت یا بسبب تعامل یا اختلاف زمان کے حالانکہ ان چاروں امور سے کوئی متحقق نہیں تو امام ہی کے قول پر عمل کرنا علی الخصوص جب کہ احتیاط بھی امام ہی کے مذہب پر ہو چنانچہ اس مسئلہ میں لازم ٹھہرا انتہیٰ وفیہ[1] ان التعامل علے خلافہ اگر کوئی کہے کہ جب امام ایک جانب ہوں اور صاحبین دوسری جانب تو مفتی مختار ہے جس پر چاہے عمل کرے اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حکم مفتی مجتہد پر محمول ہے اور جو مجتہد نہیں تو اصح یہ ہے کہ امام ہی کے قول پر فتویٰ دے چنانچہ سراجیہ میں مصرح ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ بعض مشائخ کا قول ہے اور بعضوں کے نزدیک تو امام کے قول کے ہوتے صاحبین کے قول پر عمل نہ چاہیے ازاں جملہ صاحب ہدایہ ہے اس نے تجنیس میں کہا کہ میرے نزدیک واجب یہ ہے کہ امام کے قول پر ہر حال میں فتویٰ دیا جائے کذا فی الطحطاوی ملخصا و وقت العشاء والوتر منہ الی الصبح اور نماز عشا اور وتر کا وقت غروب شفق سے ہے صبح تک ولکن لایصح ان یقدم علیہا الوتر الا ناسیا لوجوب الترتیب لانہما فرضان عند الامام ولیکن صحیح نہیں عشا پر وتر کا مقدم کرنا مگر بھول کر بسبب واجب ہونے ترتیب کے اس واسطے کہ عشا اور وتر دونوں فرض ہیں امام کے نزدیک م لیکن عشا فرض قطعی ہے اور وتر فرض عملی ہے اور صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وتر سنت ہے والدلائل فی المبسوطات وفاقد وقتہما کبلغار فان فیہا یطلع الفجر قبل غروب الشفق فی اربعینیۃ الشتاء اور نہ پانے والا عشا اور وتر کے وقت کا جیسے بلغار کے ساکن اس واسطے کہ بلغار میں فجر طلوع کرتی ہے شفق کے غروب ہونے سے پہلے چلہ سرما میں م قاموس میں ہے کہ بلغار ایک شہر ہے ملک صقالبہ کا نہایت میں جانب شمال کے شدید البرد اور یہ جو شارح نے چلہ سرما کو ذکر کیا سو سہو ہے اور ٹھیک یہ ہے کہ اقصر لیالی سال میں وہاں عشاء کا وقت نہیں ہوتا چنانچہ بحر الرائق اور امداد الفتاح میں مذکور ہے یعنی اول صیف میں جب کہ آفتاب حلول کرتا ہے راس سرطان میں تو اس وقت آفتاب زمین پر ۲۳ گھنٹے ٹھہرتا ہے اور ایک ساعت یعنی گھنٹہ بھر غروب ہوتا ہے عرض بلد کے حساب پر چنانچہ علم ہیئت میں اس کی تفصیل مذکور ہے کذا فی الطحطاوی عن الحلبی مکلف بہما فیقدر لہما نہ پانے والا عشا اور وتر کا مکلف ان دونوں کا یعنی اس پر عشا اور وتر کا پڑھنا فرض ہے تو اندازہ کرے ان دونوں نمازوں کے واسطے یعنی جس قدر مدت کے بعد غروب ہونے سے پیچھے عشا اور وتر ہوتی تھی اسی قدر مدت کے بعد دونوں کو پڑھے یا بلاد قریبہ پر قیاس کرے ولا ینوی القضاء لفقد وقت الاداء بہ افتی البرہان الکبیر اور عشا اور وتر کے قضا کی نیت نہ کرے وقت ادا نہ ہونے کے سبب سے اسی کا فتویٰ دیا ہے برہان الدین کبیر نے م قضا کی نیت اس واسطے نہ کرے کہ قضا اس کو کہتے ہیں جس کا وقت ہو اور فوت ہو جائے اور یہاں وقت ہی نہیں تو قضا بھی نہیں واختارہ الکمال وتبعہ ابن الشحنۃ فی الغازہ وصححہ فزعم المصنف انہ المذہب اور فرضیت عشا اور وتر کو اختیار کیا ہے کمال الدین صاحب فتح القدیر نے اور ابن شحنہ شارح وہبانیہ نے اس کی پیروی کی ہے اپنے الغاز میں سو اسی کی تصحیح کی ہے تو مصنف اس متن نے اسی قول کو مذہب صحیح گمان کیا یعنی ولہذا اس کو متن میں داخل کیا برخلاف کنز کے اور کنز کے قول کی تضعیف کی چنانچہ اس کو اس کے بعد بصیغہ تمریض ذکر کرے گا م شارح نے اس میں تضعیف قول مصنف پر اشارہ کیا اور شرنبلالی نے امداد الفتاح میں اس کے ضعیف ہونے کی تصریح کی ہے کذا فی الطحطاوی وقیل لا یکلف بہما لعدم سببہما اور بعضوں نے کہا کہ عشا اور وتر کے وقت کا نہ پانے والا مکلف ان دونوں نمازوں کا نہیں ان کے سبب کے نہ ہونے کی وجہ سے یعنی وجوب نماز کا سبب وقت ہے اور انتفاء سبب مستلزم انتفاء

---

[1] اور اس میں یہ مذکور ہے کہ برتاؤ اس کے خلاف پر ہے ۱۲

مسبب ہے و بہ جزم فی الکنز والدرر والملتقے اور اسی عدم وجوب کا یقین کیا ہے متون ثلثہ یعنے کنز الدقائق اور درر اور ملتقی الابحر میں وبہ افتی البقالی ووافقہ الحلوانی والمرغینانی اور اسی کا فتویٰ دیا علامہ بقالی نے اور ان کی موافقت کی بعد مخالفت کے حلوانی اور مرغینانی نے م مجتبیٰ میں ہے کہ برہان الائمہ کے وقت میں استفتا وارد ہوا کہ ہم لوگ اپنے شہر میں عشا کا وقت نہیں پاتے تو ہم پر عشا کی نماز واجب ہے یا نہیں تو جواب یہ لکھا کہ تم پر واجب نہیں اور اسی کا ظہیر الدین مرغینانی نے فتویٰ دیا اور اسی کا استفتا بلغار سے وارد ہوا شمس الائمہ حلوانی پر توقضا کرنے عشا کا فتویٰ دیا پھر خوارزم میں سیف السنۃ بقالی سے بھی استفتا ہوا تو انھوں نے عدم وجوب کا فتویٰ دیا سو ان کا جواب حلوانی کو پہنچا تو ایک شخص کو بھیجا ان کے پاس خوارزم میں کہ مجمع میں ان سے سوال کرے کہ کیا کہتے ہو اس شخص کے حق میں جو پانچ فرضوں میں سے ایک فرض کا انکار کرتا ہے وہ کافر ہے یا نہیں تو شیخ بقالی مطلب سوال کا سمجھ گئے تو جواب دیا کہ تم کیا کہتے ہو اس شخص کی نسبت جس کے دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت یا دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت کاٹے گئے اس کے وضو میں کتنے فرض ہیں سائل نے جواب دیا کہ تین فرض ہیں بسبب نہ ہونے محل چوتھے فرض کے بقالی نے کہا کہ اسی طرح پانچویں نماز بھی فرض نہیں اس کے وقت کے نہ ہونے سے پھر جب کہ یہ جواب حلوانی کو پہنچا تو پسند کیا اور اس مسئلہ میں ان کے موافق ہو گئے کذا فی المنح ورجحہ الشرنبلالی والحلبی واوسعا المقال ومنعا ماذکرہ الکمال اور عدم وجوب عشا کی ترجیح دی شرنبلالی اور ابراہیم حلبی شارح منیہ نے اور اس میں بہت گفتگو کی ہے اور نہیں مانا اس قول کو جو کمال الدین محقق نے فتح القدیر میں ذکر کیا ہے م خلاصہ کلام محقق یہ ہے کہ قیاس عدم وجوب عشا سقوط غسل یدین مقطوعین پر قیاس مع الفارق ہے کیونکہ عدم محل فرض میں اور عدم سبب جعلی میں جو وجوب خفی نفس الامری کی علامت ہے فرق صریح ہے علاوہ اس کے اخبار متواترہ شب معراج سے فرضیت صلوات خمسہ جمیع آفاق پر بلا تفصیل شریعت عام ہے اور اسی طرح حدیث صحیح مسلم دلیل مدعا ہے کہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کیا صحابہ نے کہا کہ وہ زمین میں کتنا ٹھہرے گا فرمایا ۴۰ دن ایک دن سال کے برابر اور ایک دن مہینے کے برابر اور ایک دن ہفتے کے برابر اور باقی دن تمہارے دنوں کے مانند صحابہ نے کہا یا رسول اللہ سو جو دن سال کے برابر ہے اس میں ہم کو ایک دن کی نماز کفایت کرے گی فرمایا نہیں اس کے واسطے اندازہ کر لیا کرنا انتہیٰ تو اس دن میں ۳۰۰ سے زیادہ عصر کی نماز واجب ہوئی مثل یا مثلین کے سایہ ہو جانے سے پہلے انتہی کلام الکمال خلاصہ جواب حلبی یہ ہے کہ جیسے صلوات خمسہ ٹھہر چکی ہیں اسی طرح وجوب کے واسطے اسباب اور شروط ٹھہر گئے ہیں کہ بدوں ان کے وجوب نہیں پایا جاتا ہے تو اگر صلوات خمسہ کا حکم عام اسباب اور شروط کے ساتھ مراد ہے تو مسلم ہے اور تم کو مفید نہیں اور اگر ہر فرد مکلف کا عموم مطلقا مراد ہے تو باطل ہے اس لیے کہ حائض اگر بعد طلوع آفتاب کے طاہر ہو مثلاً تو اس پر اس دن فقط چار نمازیں واجب ہیں نہ پانچ اور حدیث دجال کی مخالف قیاس ہے تو اس پر غیر کو قیاس نہیں کر سکتے وتمامہ فی الطحاوی وغیرہ من المبسوطات قلت ولا یساعدہ حدیث الدجال لانہ وان وجب اکثر من ثلثمائۃ ظہر مثلاً قبل الزوال لیس کمسئلتنا لان المفقود فیہ العلامۃ لا الزمان واما فیہا فقد فقد الامران میں کہتا ہوں اور کمال الدین کو مساعدت نہیں کرتی دجال کی حدیث اس واسطے کہ اگر چہ وہاں تین سو ظہر سے مثلاً واجب ہوئے زوال آفتاب سے پہلے ہمارے اس مسئلہ کی مانند وہ دن نہیں اس واسطے کہ یوم دجال میں فقط علامت اوقات مفقود ہے زمانہ مفقود نہیں اور بلغار کی عشا اور وتر میں علامت اوقات اور زمانہ دونوں امر مفقود ہیں یعنی نہ علامت عشا کی موجود ہے اور نہ اس قدر زمانہ ممتد ہے کہ مغرب اور عشا اور صبح کے اوقات برابر ہوں بلکہ مابین غروب اور طلوع آفتاب کے فقط بقدر مغرب اور صبح کے زمانہ ہوتا ہے م شارح کا یہ کلام مسلم نہیں اس واسطے کہ یوم دجال سال بھر کا ہے تو چوبیس چوبیس ساعت یعنی ۲۴ گھنٹے میں پانچ نمازیں ادا ہوں گی اور بلغار کا دن بھی اپنی رات کے ساتھ ۲۴ گھنٹے کا ہوتا ہے تو اس میں بھی پانچ نمازیں واجب ہوں گی تو زمانہ پایا گیا اور بمنزلہ یوم دجال کے ہو گیا میں کہتا ہوں الحاصل وجوب اور عدم وجوب عشا میں دونوں قولوں کی تصحیح ثابت ہے مگر یہ کہ دلیل تقدیر کی مرجح ہے اور مجھ کو بلغار کے رہنے والے نے خبر دی کہ چلہ ایام گرما میں شفق سرخ کے غائب ہونے سے پہلے فجر طلوع کرتی ہے اور وہاں کے لوگ صوم میں رات کی مدت میں ایک بار یا دو بار کھاتے ہیں قبل ظاہر ہونے فجر کے اور وہاں سے بھی دور کے رہنے

والے شخص نے مجھ سے حکایت کی کہ وہاں مطلق اندھیرا نہیں ہوتا اور بعضے بلاد میں ہمیشہ اندھیرا رہتا ہے وہاں روشنی نہیں مگر چراغ کی فسبحان العلیم بحقائق الاحوال کذا
فی الطحطاوی والمستحب للرجل الابتداء فی الفجر باسفار والختم بہ ہو المختار بحیث یرتل اربعین آیۃ ثم یعیدہ بطہارۃ لو فسد اور مرد کو مستحب ہے شروع کرنا
نماز فجر کا روشنی میں اور ختم کرنا روشنی میں یہی قول مختار ہے اس طرح پر کہ چالیس آیت کو ادائے حروف کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کے دونوں رکعتوں میں پڑھے پھر نماز کو اعادہ
کرے طہارت کے ساتھ اگر فساد نماز کا ظاہر ہو مع فساد کی صورت یہ ہے کہ بدون طہارت کے سہو سے نماز پڑھے یا نماز میں کوئی فساد واقع ہوا وقیل یؤخر جدا لان
الفساد موہوم اور قول ضعیف یہ ہے کہ فجر کی نماز کو بہت تاخیر کرے اس واسطے کہ فاسد ہو جانا نماز کا امر موہوم ہے م بحر الرائق میں ہے لیکن اس قدر تاخیر نہ کرے کہ طلوع
آفتاب میں شک واقع ہو الا لحاج بمزدلفۃ فالتغلیس افضل کمرأۃ مطلقاً مگر حاجی کو مزدلفہ میں روز روشن میں نماز پڑھنا مستحب نہیں تو وہاں اندھیرے میں نماز پڑھنا
افضل ہے جیسے عورت کو مطلقاً خواہ حج میں یا غیر حج میں اندھیرے میں نماز بہتر ہے اس واسطے کہ بنا احوال النسوان پردہ داری پر ہے سو وہ اندھیرے میں حاصل
ہے وفی غیر الفجر الافضل لہا انتظار فراغ الجماعۃ اور فجر کے سوا اور نمازوں میں عورت کو فراغت جماعت کا انتظار کرنا افضل ہے یعنی جب مردوں کی جماعت ہو چکے تب عورت
مسجد میں نماز پڑھے وتاخیر ظہر الصیف بحیث یمشی فی الظل مطلقاً کذا فی المجمع وغیرہ اے بلا اشتراط شدۃ حر وحرارۃ بلد وقصد جماعۃ اور مستحب ہے دیر کرنا گرمی
کی ظہر کا اس طرح کہ دیواروں کے سایہ میں چلے مسجد جانے کے وقت مطلقاً ایسا ہے مجمع وغیرہ میں مطلقاً کی تفسیر یہ ہے کہ تاخیر مذکور میں شرط نہیں شدت موسم
گرما کی اور نہ گرمی شہر کی اور نہ قصد جماعت کا م صیف کی قید میں اشارہ ہے کہ ربیع اور خریف کے موسم میں تعجیل ظہر کی مستحب ہے اور تاخیر کی حد یہ ہے کہ قبل از مثل
نماز ہو اس واسطے کہ خزانہ میں ہے کہ وقت مکروہ وہ ہے جو اختلاف کی حد میں داخل ہوا اور جب کہ سایہ ہر شے کا اس کے برابر ہو تو اختلاف میں داخل ہوا اور
یہ قول شارح کے کلام سے بہتر ہے اس واسطے کہ مصر کی دیواروں کا سایہ ان کی بلندی کے سبب سے جلد حاصل ہوتا ہے کذا فی الطحطاوی عن الحلبی وما فی
الجوہرۃ وغیرہا من اشتراط ذلک منظور فیہ اور جو کہ جوہرہ وغیرہ میں ہے مشروط ہونا تاخیر کے واسطے امور مذکورہ کا یعنی شدت حرارت وغیرہ کا تو مسلم نہیں
اس میں خلل ہے وجمعۃ کظہر اصلا واستحباباً فی الزمانین لانہا خلفہ اور جمعہ ظہر کے مانند ہے اصل اور استحباب کی راہ سے دونوں موسم گرمی اور جاڑے میں اس واسطے
کہ جمعہ خلیفہ ہے ظہر کا م یعنی اصل وقت جو ظہر کا ہے وہی جمعہ کا ہے اور جیسے صیف میں ظہر کی تاخیر مستحب ہے اور تعجیل اور ایام میں ویسا ہی جمعہ میں اور اشباہ میں ہے
کہ جمعہ کو سرد وقت میں پڑھنا مسنون نہیں سو شاید اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں اور جو یہ کہا کہ جمعہ خلیفہ ہے ظہر کا سو احد القولین ہے اور دوسرا قول مشہور یہ ہے
کہ جمعہ فرض مستقل ہے ظہر سے زیادہ تر موکد ہے کذا فی الطحطاوی وتاخیر عصر صیفا وشتاء توسعۃ للنوافل اور مستحب ہے تاخیر کرنا عصر کا گرمی اور جاڑے میں نوافل
کی گنجائش کے واسطے م ابوداود میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر کو تاخیر کرتے تھے جب تک کہ آفتاب سفید اور صاف رہتا تھا کذا فی البحر
مالم یتغیر ذکاء بان لا تحار العین فیہا فی الاصح تاخیر عصر کی مستحب ہے جب تک کہ آفتاب متغیر نہ ہو اس طرح پر کہ آنکھ قرص آفتاب میں حیران نہ ہو صحیح تر قول میں
م مراد یہ ہے کہ آفتاب کی روشنی کی چمک جاتی رہے تو بصارت کو اس سے حیرت حاصل نہ ہو اور تغیر روشنی کا اعتبار نہیں اس لیے کہ وہ تو زوال کے بعد حاصل ہوتا ہے
اور قول ضعیف یہ ہے کہ شعاع دیواروں پر بدل جائے اور بعضوں نے کہا قرص آفتاب متغیر ہو جائے کذا فی الطحطاوی عن السراج وتاخیر عشاء الی ثلث اللیل
قیدہ فی الخانیۃ وغیرہا بالشتاء اما الصیف فیندب تعجیلہا اور مستحب ہے دیر کر کر پڑھنا عشا کا تہائی رات تک خانیہ وغیرہ میں اس تاخیر کو مقید کیا ہے جاڑوں
کے ساتھ اور گرمیوں میں تو جلد پڑھنا عشا کا مستحب ہے یعنی اس خوف سے کہ عشا کا وقت خارج نہ ہو جائے غلبہ خواب سے کیوں کہ رات بہت کم ہوتی ہے
فان اخرہا الی مازاد علی النصف کرہ لتقلیل الجماعۃ اما الیہ فمباح پھر اگر عشا کی تاخیر کی یہاں تک کہ آدھی رات سے زیادہ ہو گئی تو یہ تاخیر مکروہ ہے تقلیل جماعت
کی وجہ سے اور آدھی رات تک تو تاخیر مباح ہے م نصف شب سے زیادہ تر تاخیر مکروہ تحریمی ہے کذا فی الطحطاوی عن المنح والبحر تتمہ عشا کی تاخیر اس واسطے مستحب
ہے تا قصہ خوانی مکروہ قطع ہو اور نامۂ اعمال نماز پر ختم ہو جیسے شروع ہوا تھا صبح کی نماز سے تاکہ درمیان کی خطائیں مٹ جاویں حق تعالیٰ نے فرمایا ان

الحسنات یذھبن السیئات)نیکیاں برائیوں کو دفع کرتی ہیں اور عشا سے پہلے سونا مکروہ ہے فوت جماعت کے خوف سے اور بعد نماز کے بے حاجت گفتگو
مکروہ ہے ورنہ مکروہ نہیں چنانچہ قرآن مجید پڑھنا اور ذکر کرنا اور حکایات صالحہ، اور مذاکرہ فقہ اور گفتگو کرنا مہمان اور اپنی جورو سے اور مکروہ ہے کلام بعد فجر ہونے
کے پھر جب نماز پڑھ چکے تو مکروہ نہیں کذا فی الطحطاوی واخر العصر الی اصفرار ذکاء اور عصر کی تاخیر آفتاب کے زرد ہو جانے تک تو مکروہ ہے
فلو شرع فیہ قبل التغیر فمدہ الیہ لایکرہ پھر اگر عصر شروع کی آفتاب کے متغیر ہونے سے پہلے پھر نماز کو بڑھایا زردی آفتاب تک تو مکروہ نہیں واخر المغرب
الی اشتباک النجوم ای کثرتہا کرہ ای التاخیر لا الفعل لانہ مامور بہ اور اگر مغرب کی تاخیر کی تاروں کے چھٹک جانے تک یعنی ان کے بکثرت نمود ہونے تک
تو یہ تاخیر کرنا مکروہ ہے نہ نماز پڑھنا اس وقت کا اس واسطے کہ نماز خوانی کا تو حکم ہے وہ کیونکر مکروہ ہو سکے تحریما الا بعذر کسفر وکونہ علی اکل تاخیر عشا زائد از نصف
شب اور تاخیر عصر تا زردی آفتاب اور تاخیر مغرب تا ظہور نجوم مکروہ تحریمی ہے مگر سفر اور کھانا کھانے کے عذر سے تاخیر مکروہ نہیں م کراہت تحریمی تینوں مسئلوں
سے متعلق ہے کذا فی الطحطاوی لہٰذا ترجمہ میں اس کی تصریح کردی وتاخیر الوتر الی آخر اللیل لواثق بالانتباہ اور تاخیر کرنا وتر کا آخر شب تک مستحب ہے
اس کو جو اس وقت کے جاگنے پر بھروسا رکھتا ہے والا فقبل النوم اور اگر جاگنے پر اعتماد نہ ہو تو سونے سے پہلے وتر کا پڑھنا افضل ہے فان افاق فاتہ الافضل
پھر اگر اول وقت وتر پڑھ کر سونے کے بعد جاگا تو امر مستحب فوت ہو گیا م ظاہرا غیر واثق کے جاگنے سے استحباب فوت نہیں ہوتا بدلیل قول قاضی خان کہ جس کو
وثوق نہ ہو تو اس کو مطلقاً تعجیل فضل ہے کذا فی الطحطاوی والمستحب تعجیل ظہر شتاء اور مستحب ہے جلد پڑھنا ظہر کی نماز کا جاڑے میں م شتا وہ زمانہ ہے
جس میں سردی شدید ہو اور صیف وہ ہے جس میں گرمی سخت ہو اور بعضوں نے کہا کہ شتا وہ ہے جس میں دو چیز کی حاجت ہو تاپنے کی اور روئی بھرے کپڑے کی
اور صیف وہ ہے جس میں دونوں چیزوں کی حاجت نہ ہو اور ربیع اور خریف وہ ہے جس میں ایک چیز کی حاجت ہو نہ دونوں چیزوں کی کذا فی الطحطاوی عن
الخلاصۃ یلحق بہ الربیع وبالصیف الخریف موسم سرما کے ساتھ ربیع ملحق ہے اور موسم گرما کے ساتھ خریف ملحق ہے م یہ بحث ہے صاحب بحر کی اور منقول مذہب
کے مخالف ہے اس واسطے کہ شرنبلالی نے مجمع الروایات سے نقل کیا کہ ربیع اور خریف میں تعجیل ظہر کی مستحب ہے حالانکہ نقل کے ہوتے بحث کا کچھ اعتبار
نہیں کذا فی الطحطاوی وتعجیل عصر وعشاء یوم غیم اور مستحب ہے تعجیل عصر اور عشا کی ابر کے دن میں یعنی اس واسطے کہ تاخیر عصر میں احتمال ہے مکروہ
وقت کے آجانے کا اور عشا کی تاخیر میں تقلیل جماعت کا احتمال ہے پانی برسنے اور کیچڑ کے خوف سے وتعجیل مغرب مطلقاً اور جلد پڑھنا مغرب کا ہر موسم
شتا اور صیف میں مستحب ہے م اور اطلاق سے یہ مراد نہیں کہ ابر ہو یا نہ ہو تعجیل مغرب کی مستحب ہے اس واسطے کہ ابر کے دن تاخیر مغرب کی مصرح ہے وتاخیرہ قدر
رکعتین یکرہ تنزیہًا اور مغرب کی تاخیر کرنا بقدر دو رکعت کے مکروہ تنزیہی ہے وتاخیر غیرہما فیہ اور عصر اور عشا کے سوائے اور نمازوں میں ابر کے دن
تاخیر کرنا مستحب ہے یعنی فجر اور ظہر اور مغرب میں تاخیر ابر کے دن میں افضل ہے اس واسطے کہ فجر اور ظہر کے وقت میں کراہت نہیں تو تاخیر مضر نہیں اور مغرب
کی تعجیل میں یہ خوف ہے کہ قبل از غروب مبادا واقع ہو وہذا فی دیار یکثر شتاؤہا وتقل رعایۃ اوقاتہا یہ حکم تعجیل عصر اور عشا کا اور تاخیر ان کے سوا کا ابر کے
دن ان ملکوں میں ہے جن میں جاڑا بکثرت ہوتا ہے اور رعایت اوقات نماز ابر کے سبب سے کم ہوتی ہے چنانچہ بخارا وغیرہ ماوراء النہر کے ملک ہیں
اما فی دیارنا فیراعی الحکم الاول اور ہمارے ملک میں یعنی مصر اور شام میں تو پہلا حکم مرعی ہے یعنی تاخیر عصر کی مطلقاً اور عشا کی تا ثلث لیل اور تعجیل ظہر سرما اور ابر
او ظہر صیف الی آخر ما تقدم یہ بحث ہے عینی کی اور صاحب نہر نے اس کو پسند کیا ہے کذا فی الطحطاوی وحکم الاذان کالصلوۃ تعجیلاً وتاخیراً اور اذان کا حکم
نماز کے مانند ہے تعجیل اور تاخیر میں تفصیل سابق کے موافق وکرہ تحریما وکل مالا یجوز مکروہ صلوۃ مطلقا ولو قضاء او واجبۃ او نافلۃ او علی جنازۃ وسجدۃ
تلاوۃ وسہو لاشکر قنیۃ مع شروق اور طلوع آفتاب کے ساتھ مکروہ تحریمی ہے مطلق نماز اگرچہ قضا ہو یا واجب یا نفل یا جنازہ پر کی نماز اور سجدہ تلاوت
اور سجدہ سہو کا شارح نے کہا شکر کا سجدہ اس وقت مکروہ نہیں کذا فی القنیۃ اور جو چیز جائز نہیں وہ مکروہ ہے م یہ جواب ہے سوال مقدر کا وہ یہ ہے کہ

مصنف نے مکروہ میں مطلق نماز کو جو غیر منعقد کو بھی شامل ہے ذکر کیا اور غیر منعقد باطل ہے نہ مکروہ خلاصہ جواب یہ ہے کہ مصنف نے کراہت کا لغوی ارادہ کیا
اور شارع غیر جائز کو مکروہ رکھتا ہے خواہ غیر جائز حرام ہو یا باطل یا مکروہ باصطلاح فقہ پھر معلوم کرنا چاہیے کہ اصل میں مذکور ہے کہ جب تک آفتاب بقدر نیزہ
بلند نہ ہو تو وہ در حکم طلوع ہے اور امام فضیل کا یہ قول مختار ہے کہ جب تک آدمی آفتاب کے دیکھنے پر قدرت رکھتا ہے وہ طلوع میں داخل ہے اس میں نماز
حلال نہیں پھر جب عاجز ہو اس کے نظر کرنے سے تو نماز حلال ہو گئی یہی تفسیر تعبیر مصنف کی مناسب ہے چنانچہ سابق میں گذر گیا کذا فی الطحطاوی الا العوام
فلا یمنعون من فعلھا لانھم یترکونھا والاداء الجائز عند البعض اولی من الترک اصلا کما فی القنیۃ وغیرھا مگر عوام لوگ روکے نہ جاویں اس وقت کی نماز سے
اس واسطے کہ وہ نماز چھوڑ دیں گے اور جو ادا کہ بعضوں کے نزدیک جائز ہے وہ بالکل چھوڑ دینے سے اولیٰ ہے چنانچہ قنیہ وغیرہا میں ہے مم بعض سے
یہاں امام شافعیؒ مراد ہیں کذا فی الطحطاوی واستواء الا النفل یوم الجمعۃ علی قول الثانی المصحح المعتمد کذا فی الاشباہ ونقل الحلبی عن الحاوی ان علیہ
الفتوی اور نماز مطلق مکروہ تحریمی ہے آفتاب کے متوسط ہونے کے وقت آسمان میں یعنے ٹھیک دوپہر کو مگر روز جمعہ کے نفل مکروہ نہیں ابو یوسف
کے قول صحیح معتمد پر چنانچہ اشباہ میں ہے اور حلبی شارح منیہ نے حاوی سے نقل کیا کہ ابو یوسفؒ کے قول پر فتوی ہے وغروب الا عصر یومہ فلا یکرہ
فعلہ لادائہ کما وجب بخلاف الفجر والاحادیث تعارضت فتساقطت کما بسطہ صدر الشریعۃ اور نماز مکروہ تحریمی ہے آفتاب کے غروب ہونے
کے وقت مگر روز غروب کی عصر تو اس کا پڑھنا اس وقت مکروہ نہیں بسبب اس کے ادا ہو جانے کے جس طرح کہ وہ ناقص واجب ہوئی تھی برخلاف فجر
کے اور احادیث اس میں متعارض ہیں تو ساقط الادا ہو گئی چنانچہ شرح وقایہ میں صدر الشریعۃ نے اس کو مشرح بیان کیا ہے مم اسی دن کی عصر جائز ہے
یعنی کل کی عصر غروب کے وقت جائز نہیں وجوب ناقص کی وجہ یہ ہے کہ وجوب عصر کا سبب آخر وقت ہے یعنی تغیر آفتاب کا وقت اور وہ ناقص ہے
یعنی عبادت کفار کا وقت ہے برخلاف فجر کے کہ اس کا تمام وقت کامل ہے تو وجوب بھی کامل ہے تو طلوع ہونے سے وہ باطل ہو جاوے گی
وقت ادا کے ناقص ہونے سے تعارض احادیث کا یہ بیان ہے کہ جماعۂ محدثین نے حدیث مرفوع ابو ہریرہؓ سے روایت کی کہ جس شخص نے عصر کی ایک
رکعت قبل غروب کے پائی اس نے پوری نماز پائی اور جس نے ایک رکعت صبح کی پائی قبل طلوع آفتاب کے تو اس نے پوری صبح کی نماز پائی چونکہ اس حدیث
میں اور اس حدیث میں جس میں اوقات ثلثہ میں نماز ممنوع ہے تعارض واقع ہوا تو ہم نے قیاس کی طرف رجوع کیا دفع تعارض کے واسطے چنانچہ
تعارض کا یہی حکم ہے تو ہم نے اس حدیث کے حکم کو ترجیح دی عصر کی نماز میں کذا فی الطحطاوی عن البحر وینعقد نفل بشروع فیھا بکراھۃ التحریم کراہت
تحریمی کے ساتھ منعقد ہوتی ہے نفل اوقات ثلثہ میں شروع کرنے سے یعنی تو اس کا قطع کرنا اور اس کو کامل وقت میں قضا کرنا واجب ہے مم جس کا نماز
نام ہے اگرچہ مجازاً اس کو نماز بولتے ہیں وہ تین قسم ہے فرضؑ واجبؒ نفلؔ اول قسم عملی ہے اور قطعی تو فرض عملی وتر ہے اور فرض قطعی کفایہ ہے اور عین ہو فرض
کفایہ نماز جنازہ ہے اور فرض عین نماز پنجگانہ ہے اور جمعہ اور سجدہ صُلبیہ ہے اور قسم ثانی یا واجب لعینہ ہے یعنی جو خدا کے واجب کر دینے سے ہو یا واجب
لغیرہ ہے یعنی جو بندہ نے اپنے اوپر اپنے فعل سے واجب کر لیا ہو سو واجب لعینہ وتر اور نماز عیدین اور سجدہ تلاوت ہے اور واجب لغیرہ سجدۂ سہو اور
دو رکعتیں طواف کی اور اس نفل کی قضا جس کو اس نے فاسد کر دیا اور نذر کی نماز اور قسم ثالث یعنی نفل یا سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ اور اس کو دریافت کر کہ
اوقات مکروہہ دو نوع ہیں نوع اول طلوع اور استوا اور غروب ہے اور نوع ثانی مابین فجر اور آفتاب کے زرد ہونے تک تو اوقات کے نوع اول میں جمیع اقسام
مذکورہ نماز کی منعقد نہیں ہوتی مگر نفل اور نذر مقید باوقات مذکورہ اور قضا اس نفل کی جس کو انھیں اوقات میں فاسد کیا اور نماز اس جنازہ کی جو انھیں وقتوں
میں آیا اور سجدۂ تلاوت اس آیت کا جو انھیں میں پڑھی گئی اور عصر اسی دن کی منعقد ہوتی ہیں یہ چھ نمازیں کراہت کے ساتھ تو ان کو قطع کرنا اور کامل وقت میں
قضا کرنا واجب ہے مگر اسی دن کی عصر کو قطع کرنا جائز نہیں اور نوع ثانی میں تمام اقسام مذکورہ نماز کی منعقد ہو جاتی ہیں سوائے نفل اور واجب لغیرہ

کے کہ اس کا انعقاد کراہت کے ساتھ ہوتا ہے تو اس کا قطع اور قضا کامل وقت میں واجب ہے کذا فی الحلبی لاینعقد الفرض وما ھو ملحق بہ کواجب لعینہ کوتر وسجدۃ تلاوۃ وصلوٰۃ جنازۃ تلیت الآیۃ فی کامل وحضرت الجنازۃ قبل لوجوبہ کاملا فلا یتادی ناقصا اوقات ثلثہ میں منعقد نہیں ہوتا ہے فرض کے ساتھ ملحق ہے چنانچہ واجب لعینہ مانند وتر کے اور سجدہ اس آیت کا جو کامل وقت میں پڑھی گئی اور نماز اس جنازہ کی جو حاضر ہوا ان وقتوں سے پہلے لسبب اس کے واجب ہونے کے کامل ہوکر تو ادا نہ ہوگا ناقص ہوکر فلو وجبتا فیھا لم یکرہ فعلھما لے تحریما اور اگر سجدۂ تلاوت اور نماز جنازہ انھیں اوقات میں واجب ہوئی تو ان کا فعل مکروہ نہیں یعنی مکروہ بکراہت تحریمی نہیں م تحریمی کی قید سے معلوم ہوا کہ کراہت تنزیہی ثابت ہے وفی التحفۃ الافضل ان لاتوخر الجنازۃ اور تحفہ میں ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اوقات ثلثہ میں جنازہ کی تاخیر نہ کرے م صاحب بحر اور نہر نے بھی اسی قول کو ثابت رکھا ہے کذا فی الطحطاوی وصح مع الکراہۃ تطوع بدأ بہ فیھا ونذر اداہ فیھا وقد نذرہ فیھا وقضاء تطوع بدأ بہ فیھا فافسدہ لوجوبہ ناقصا اور صحیح ہے کراہت کے ساتھ وہ نفل جس کو شروع کیا انھیں اوقات میں اور وہ نذر کی نماز جس کو ادا کیا انھیں وقتوں میں اور حالانکہ نذر بھی انھیں میں کی اور اس فعل کی قضا جس کو انھیں اوقات میں شروع کیا پھر اس کو فاسد کردیا وجہ صحت نقصان وجوب ہے ثم ظاہر الروایۃ وجوب القطع والقضاء فی کامل کما فی البحر پھر معلوم کر کہ ظاہر الروایۃ وجوب قطع اور وجوب قضا ہے کامل وقت میں چنانچہ بحر الرائق میں ہے وفیہ عن البغیۃ الصلوٰۃ فیھا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم افضل من قرأۃ القرآن وکانہ لانھا من ارکان الصلوٰۃ فالاولی ترک ما کان رکنا لھا اور بحر الرائق میں بغیہ سے منقول ہے کہ اوقات مذکورہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا افضل ہے قرآن کے پڑھنے سے اور شاید کہ وہ اس واسطے ہے کہ قرآن خوانی نماز کے ارکان سے ہے تو جو نماز کا رکن ہے اس کا ترک کرنا اولیٰ ہے م بغیہ بالضم وبالکسر معنی مطلوب ہے اور یہاں کتاب کا نام ہے جو قنیہ کا مختصر ہے کذا فی الحلبی عن البحر وکرہ نفل قصدا ولو تحیۃ مسجد وکل ما کان واجبا لا لعینہ بل لغیرہ وھو ما یتوقف وجوبہ علی فعلہ کمنذور ورکعتی طواف وسجدتی سھو والذی شرع فیہ فی وقت مستحب او مکروہ ثم افسدہ ولو سنۃ الفجر بعد صلوٰۃ الفجر وصلوٰۃ عصر اور بعد فجر اور عصر کی نماز کے قصداً نفل مکروہ ہے اگرچہ تحیۃ المسجد ہو اور جو نماز کہ واجب لعینہ نہیں بلکہ واجب لغیرہ ہے واجب لغیرہ وہ ہے جس کا وجوب عبد کے فعل پر موقوف ہو چنانچہ نذر کی نماز اور طواف کی دو رکعتیں اور دو سجدہ سہو کے اور جس نماز کو شروع کیا مستحب یا مکروہ وقت میں پھر اس کو فاسد کر دیا اگرچہ فجر کی سنت ہو م یہ رد ہے اس قول کا کہ جب فجر کی اقامت ہو اور فوت ہونے فرض کا خوف ہو تو سنت کو شروع کر کے قطع کرے پھر اس کو قضا کرے طلوع سے پہلے وجہ رد یہ ہے کہ جس نفل کو فاسد کیا اس کی قضا اس وقت میں مکروہ ہے علاوہ یہ ہے کہ قطع کے واسطے شروع کرنا شرعاً قبیح ہے نفل میں قصد کی قید اس واسطے لگائی کہ اگر تہجد کی نماز پڑھتا ہو اور ایک رکعت کے بعد فجر طالع ہو تو افضل یہ ہے کہ دوسری پڑھ لے کیونکہ نفل بعد فجر کے بدون قصد کے واقع ہوئے اور یہ نماز سنت فجر کے قائم مقام نہیں ہو سکتی صحیح ترقول میں کذا فی الطحطاوی ولو المجموعۃ بعرفۃ نفل وغیرہ عصر کے بعد مکروہ ہے اگرچہ عصر ظہر کے ساتھ ملائی گئی ہو عرفات میں کذا فی النہر عن المعراج والقنیہ لا یکرہ قضاء فائتۃ ولو وترا ولا سجدۃ تلاوۃ وصلوٰۃ جنازۃ مکروہ نہیں قضا فوت ہوگئی نماز کی اگرچہ فائتہ وتر ہو اور نہ سجدہ تلاوت کا اور نہ نماز جنازہ بعد نماز فجر اور عصر کے وکذا الحکم من کراہۃ نفل وواجب لغیرہ لا فرض وواجب لعینہ بعد طلوع فجر سوی سنتہ لشغل الوقت بہ تقدیرا اور اسی طرح حکم ہے مکروہ ہونے نفل اور واجب لغیرہ کا نہ فرض اور واجب لعینہ کا بعد طلوع ہونے فجر کے سوائے سنت فجر کے بسبب مشغول ہونے اس وقت یعنی فجر کی نماز فجر کے ساتھ تقدیراً یعنی شارع نے اس وقت میں نوافل اور واجب کی گنجائش نہیں رکھی سوائے سنت فجر کے م کراہت نفل کی دلیل صحیح مسلم کی وہ حدیث ہے جو ام المومنین حفصہؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ دونوں رکعتوں میں (قل یا ایھا الکافرون) اور (قل ھو اللہ) پڑھتے تھے کذا فی العینی حتی لو نوی تطوعا کان سنۃ الفجر بلا تعیین

یہاں تک کہ اگر بعد طلوع فجر کے کسی نفل کی نیت کی تو وہ سنت فجر کی ہو جاوے گی بدون تعیین کرنے کے م یہ مبنی ہے اس قول راجح پر کہ تعیین نیت شرط نہیں سنت اور مستحب میں بلکہ اس کو مطلق نیت نماز کی کافی ہے کذا فی الطحطاوی وقبل صلوٰۃ مغرب لکراہۃ تاخیرہ الا یسیرا اور مکروہ ہے نفل اور واجب لغیرہ نماز مغرب سے پہلے بسبب مکروہ ہونے تاخیر مغرب کے مگر تھوڑی تاخیر مکروہ نہیں م قضا فائتہ اور نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت اس وقت بلا کراہت جائز ہے اور پہلے مغرب کی نماز پڑھے پھر جنازہ کی پھر سنت مغرب کی اور شاید کہ یہ افضلیت کا بیان ہے اور شرح منیہ میں ہے کہ فتوی اس پر ہے کہ جمعہ کی سنت کے بعد نماز جنازہ کی پڑھے تو بموجب اس کے مغرب کی سنت سے بھی تاخیر جنازہ چاہیے اس واسطے کہ موکد تر ہے کذا فی الطحطاوی عن البحر وعند خروج امام من الحجرۃ او قیامہ للصعود ان لم یکن لہ حجرۃ لخطبۃ ما و سیجیٔ انہا عشر ای تمام صلوٰۃ اور مکروہ ہے نفل اور واجب لغیرہ وقت نکلنے امام کے حجرہ سے کوئی خطبہ پڑھنے کے واسطے یا امام کے کھڑے ہونے کے وقت منبر پر چڑھنے کے لیے اگر امام کا حجرہ نہ ہو آخر نماز امام تک اور آگے باب العیدین میں آوے گا کہ سب خطبے دس ہیں یعنی خطبۂ جمعہ اور خطبۂ عید الفطر اور خطبۂ عید اضحی اور تین خطبۂ حج کے اور خطبۂ ختم قرآن اور خطبۂ نکاح اور خطبۂ استسقا اور خطبۂ کسوف بخلاف فائتۃ فانہا لا تکرہ برخلاف نماز فائتہ کہ اس کی قضا وقت خطبہ مکروہ نہیں وقیدہ المصنف فی الجمعۃ بلازم الترتیب والا فیکرہ و بہ یحصل التوفیق بین کلامی النہایۃ والصدر اور مصنف نے فائتہ میں باب الجمعہ میں لازم الترتیب کی قید لگائی اور اگر وہ نماز فائتہ لازم الترتیب نہیں تو اس کی قضا خطبہ کے وقت مکروہ ہے اور اس قید سے موافقت حاصل ہوتی ہے نہایہ اور صدر الشریعہ کے دونوں کلام میں م صاحب نہایہ کہتا ہے کہ وقت خطبہ فائتہ مکروہ نہیں اور شرح وقایہ میں صدر الشریعہ کا یہ قول ہے کہ مکروہ ہے تو صاحب نہایہ کا قول لازم الترتیب پر محمول ہے اور صدر الشریعہ کا کلام غیر لازم الترتیب پر و کذا یکرہ تطوع عند اقامۃ صلوٰۃ مکتوبۃ ای اقامۃ امام مذہبہ لحدیث اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ اور اسی طرح نفل مکروہ ہے نماز فرض کی اقامت کے وقت بدلیل اس حدیث کے کہ جب اقامت ہو نماز کی تو سوائے فرض کے کوئی نماز نہیں شارح نے کہا اقامت سے مراد اپنے ہم مذہب امام کی اقامت ہے عموم کلام شارح یہ ہے کہ مخالف مذہب کے اقامت میں نفل مکروہ نہیں خواہ معلوم ہو کہ امام مقتدی کے مذہب کی رعایت کرتا ہے یا معلوم نہ ہو اور بحر الرائق میں یوں ہے کہ جب مراعات معلوم ہو تو اقتدا مکروہ نہیں اور یہ مستلزم کراہت نفل ہے کذا فی الطحطاوی الا سنۃ فجر ان لم یخف فوت الجماعۃ ولو بادراک تشہدہا فان خاف ترکہا اصلاً اقامت فرض میں نفل مکروہ ہے مگر سنت فجر کی مکروہ نہیں اگر جماعت کے فوت ہو جانے کا خوف نہ ہو اگرچہ حصول اس کے التحیات کے پا جانے سے ہو پھر اگر ڈرے فوت جماعت سے تو سنتوں کو ترک کرے اصل سے یعنی ان کو قضا بھی نہ کرے قبل طلوع کے اور نہ بعد طلوع کے بلکہ اسی دن قبل از زوال قضا کرے اور یہ جو شارح نے ادراک تشہد کو ذکر کیا سو مصنف اور شرنبلالی اور صاحب بحر کے کلام پر اعتبار کیا ہے لیکن صاحب نہر الفائق نے اس کی تضعیف کی اور ظاہر مذہب کو اختیار کیا یعنے بعد اقامت کے سنت فجر نہ پڑھے جب کہ یہ جانے کہ ایک رکعت جماعت کے ساتھ پاویگا کذا فی الطحطاوی و ما ذکرہ من الحیل مردود اور جو حیلے کہ قضا سنت کے واسطے مذکور کیے ہیں سو مردود ہیں مقبول نہیں م ازاں جملہ یہ حیلہ ہے کہ سنت کو شروع کرے پھر قطع کرے تو اب سنت واجب ہو گئی تو اس کو قضا کرے قبل طلوع آفتاب کے یا سنت شروع کرے بدون قطع کے پھر اس کو قضا کرے قبل طلوع کے وجہ رد یہ ہے کہ شروع کسی امر کا کرنا قطع کے واسطے شرعاً قبیح ہے اور دونوں حیلوں میں قطع ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں واجب لغیرہ کو فجر کے وقت میں ادا کیا اور حالانکہ وہ مکروہ ہے چنانچہ مذکور ہو چکا و کذا یکرہ غیر المکتوبۃ عند ضیق الوقت اور اسی طرح مکروہ ہے نفل وغیرہ سوائے وقتی فرض کے وقت کی تنگی کے وقت م مکتوبہ سے فرض وقتی مراد ہے تو نفل اور سنت اور واجب اور فائتہ سب مکروہ ٹھہریں اور ضیق وقت سے وقت مستحب مراد ہے کیونکہ ترتیب ساقط ہو جاتی ہے وقت مستحب کی تنگی سے تو اگر

شارح یوں کہتا وکذا یکرہ غیر الوقتیۃ عند ضیق الوقت المستحب تو بہتر ہوتا کذا فی الحلبی یعنی غیر وقتیہ مکروہ ہے وقت مستحب کے تنگ ہونے کے وقت وقبل صلوٰۃ العیدین مطلقاً اور مکروہ ہے نفل عیدین کی نماز سے پہلے ہر طرح یعنی مسجد میں بھی اور گھر میں بھی وبعدہا بمسجد لا ببیت فی الاصح اور بعد نماز عیدین کے مسجد میں نفل مکروہ ہے نہ گھر میں صحیح تر قول میں م یہ رد ہے اس قول کا کہ گھر میں نفل مکروہ نہیں نہ قبل عید کے نہ بعد عید کے اور اس قول کا کہ عید کے بعد نفل مکروہ نہیں نہ گھر میں نہ مسجد میں کذا فی الحلبی وبین صلوتی الجمع بعرفۃ ومزدلفۃ اور مکروہ ہے نفل مابین دو نمازوں کے جو ملائی جاتی ہیں عرفہ اور مزدلفہ میں م یعنی عرفات میں ظہر کے وقت ظہر اور عصر ملا کر پڑھتے ہیں اور مزدلفہ میں مغرب اور عشا پڑھتے ہیں عشاء کے وقت سوا ان دو دو نمازوں کے درمیان نفل پڑھنا مکروہ ہے وکذا البعد بہما کما مرّ اور اسی طرح نفل مکروہ ہے عرفات کی دو نمازوں کے بعد چنانچہ مذکور ہو چکا عند قولہ ولو المجموعۃ بعرفۃ م ضمیر تثنیہ کی عرفات کی دو نمازوں کی طرف راجع ہے فقط نہ مزدلفہ کی نمازوں کی طرف بھی اگرچہ کلام شارح اس کا بھی موہم ہے اس واسطے کہ مزدلفہ کی نمازوں کے بعد نفل مکروہ نہیں کذا فی الحلبی وعند مدافعۃ الاخبثین او احدہما او الریح اور مکروہ ہے نماز بول اور براز یا فقط بول یا فقط براز یا ریح کے دبانے کے وقت ووقت حضور طعام تاقت نفسہ الیہ اور نماز مکروہ ہے اس کھانے کے حاضر ہونے کے وقت جس کی طرف آدمی کا دل مشتاق ہے م بطریق مفہوم معلوم ہوتا ہے کہ اگر طعام کی طرف طبیعت حریص نہ ہو تو نماز مکروہ نہیں کذا فی الطحطاوی وکذا کل ما یشغل بالہ عن افعالہا ویخل بخشوعہا کائنا ما کان اور طعام کے مانند ہر ایک وہ چیز ہے جو نمازی آدمی کے دل کو نماز کے افعال سے باز رکھے اور نماز کے خشوع وخضوع میں خلل ڈالے کوئی چیز ہو یعنی ایسی چیز کے ہونے کے وقت جو حضور دل کی مانع ہے نماز مکروہ ہے اور حضور دل اہل دل کے نزدیک فرض ہے حدیث میں وارد ہے کہ انسان کو نماز سے فائدہ نہیں مگر بقدر حضور دل تو کا ہے نماز کا دسواں حصہ اس کو ملتا ہے یا کم یا زیادہ کذا فی الطحطاوی فہذہ نیف وثلثون وقتا تو یہ چند اور تیس وقت ہیں جن میں نماز مکروہ ہے یعنی طلوع آفتاب اور استوا اور غروب اور بعد نماز فجر اور بعد نماز عصر اور قبل نماز فجر اور قبل نماز مغرب اور دس خطبوں کے وقت اور اقامت فرض کے وقت اور ضیق وقت میں اور عید الفطر کی نماز سے پہلے اور اس کے بعد مسجد میں اور عید الضحیٰ کی نماز سے پہلے اور اس کے بعد مسجد میں اور مابین جمع تقدیم کے عرفات میں اور مابین جمع تاخیر کے مزدلفہ میں اور مدافعت بول کے وقت اور مدافعت براز کے وقت اور دونوں کی مدافعت کے وقت اور مدافعت ریح کے وقت اور اس طعام کے حضور کے وقت جس کی طرف طبیعت مشتاق ہے اور اس چیز کے حضور کے وقت جو مانع حضور قلب ہے اور عشا پڑھنا آدھی رات کے بعد اور تاخیر مغرب کی تاروں کے چھٹکنے تک اور اگر عرفہ کی نمازوں کے بعد کا اور اوقات مستحبہ کے مقابل کا اعتبار کیجیے چنانچہ مقابل اسفار[1] کا صبح میں اور مقابل ابراد کا ظہر صیف میں تو ان پر زیادہ ہو جاویں **فائدہ** طلوع اور استوا اور غروب کی کراہت ان اوقات کے نقصان کے سبب سے ہے یعنی عبادت کفار کے وقت میں اور ان کے سوا اور اوقات میں وجہ کراہت نقصان وقت نہیں بلکہ اور وجوہ ہیں کذا فی الطحطاوی وکذا تکرہ فی اماکن کفوق کعبۃ وفی طریق ومزبلۃ ومجزرۃ ومقبرۃ ومغتسل وحمام وبطن واد ومعاطن ابل وغنم وبقر اور اسی طرح اوقات مذکورہ کے مانند نماز مکروہ ہے چند مکانوں میں چنانچہ کعبۂ معظمہ پر اور راہ میں اور سرگین گاہ اور جہاں جانور ذبح ہوتے ہیں اور قبرستان میں اور غسل خانہ میں اور حمام میں اور نالے کے اندر اور اونٹ اور بھیڑ بکری اور گائے بیل کے گھاٹ پر یعنی جہاں پانی پی کر اس کے پاس چوپائے بیٹھتے ہیں زاد فی الکافی ومرابط دواب واصطبل وطاحون وکنیف وسطوحہا ومسیل واد وارض مغصوبۃ او للغیر لو مزروعۃ او مکروبۃ وصحراء بلاسترۃ نماز کافی میں اتنا زیادہ کہا اور نماز مکروہ ہے چوپایوں کے بندھنے کے مقاموں میں اور گھوڑوں کے اصطبل میں اور اس

[1] اسفار روشنی میں پڑھنا اس کا مقابل تاریکی میں پڑھنا ہے اسی طرح ابراد ظہر بمعنی ٹھنڈا کرنے گرمی کے ظہر کے اس کا مقابل یہ ہے کہ شدت گرمی میں ظہر کو ادا کرنا ۱۲

ف جن مکانات میں نماز مکروہ ہے۔

چکی کے پاس جس کو بیل یا گدھے گھماتے ہیں اور پاخانہ میں ان کی چھتوں پر اور نالہ بہنے کے مقام میں یا چھینی ہوئی زمین میں یا بیگانی زمین میں بشرطیکہ بوئی یا جوتی ہو اور جنگل میں بدون سترہ یعنی جب کہ چلنے والے کے واسطے کوئی چیز اوٹ نہ ہو ویکرہ النوم قبل العشاء اور مکروہ ہے سونا نماز عشاء سے پہلے م یہ اس کے حق میں محمول ہے جس کو نماز کے واسطے جاگنے کا اعتماد نہ ہو کذا فی البحر والکلام المباح بعدہا اور مکروہ ہے مباح کلام کرنا عشاء کے بعد م مباح کلام سے مراد وہ کلام ہے جس کی حاجت نہ ہو اور حاجت والے کلام سے کراہت لازم نہیں آتی چنانچہ قرآن پڑھنا اور ذکر کرنا اور حکایات صالحین اور مذاکرہ فقہ اور حدیث کا اور گفتگو کرنا مہمان کے ساتھ کذا فی البحر وبعد طلوع الفجر الی ادائہ ثم لا باس بمشیہ لحاجتہ وقیل یکرہ الی طلوع ذکاء وقیل الی ارتفاعہا فیض اور مکروہ ہے بات چیت کرنا بعد طلوع ہونے فجر کے نماز فجر کے ادا کرنے تک پھر نماز کے بعد کچھ ڈر نہیں چلنے پھرنے میں اپنی حاجت کے لیے اور بعضوں نے کہا آفتاب کے بلند ہونے تک کلام مکروہ ہے کذا فی الفیض م اور سنت فجر کے بعد کلام کرنے سے سنت باطل نہیں ہو جاتی بقول معتمد لیکن ثواب کم ہو جاتا ہے چنانچہ آگے معلوم ہوگا ولا جمع بین فرضین فی وقت بعذر سفر ومطر خلافاً للشافعی اور جمع کرنا دو فرض نمازوں کا ایک فرض کے وقت میں جائز نہیں سفر اور بارش کے عذر سے برخلاف امام شافعیؒ کے کہ ان کے نزدیک سفر اور مطر کے عذر سے جمع کرنا درست ہے م بخاری اور مسلم میں ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ اس کی قسم جس کے سوائے کوئی معبود برحق نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز کبھی نہیں پڑھی مگر اس کے وقت میں لیکن دو نمازوں کو جمع کیا ظہر اور عصر کو عرفات میں اور مغرب اور عشا کو مزدلفہ میں کذا فی النہر وما رواہ محمول علی الجمع فعلا لا وقتاً اور جو کہ امام شافعی نے جمع بین الصلوتین کی احادیث کی روایت کی ہے وہ جمع فعلی پر محمول ہے نہ جمع وقتی پر م جمع فعلی کی صورت یہ ہے کہ پہلی نماز مثلاً ظہر کی تاخیر کی اور دوسری نماز مثلاً عصر کی تعجیل کی تو درحقیقت یہ جمع حقیقی نہیں بلکہ صوری اور ظاہری ہے اور جو صریح خروج وقت کی روایت ہے وہ قرب خروج پر محمول ہے چنانچہ فی قولہ تعالیٰ (فاذا بلغن اجلہن فامسکوھن)[1] ای قاربن بلوغ الاجل چنانچہ زیلعی میں ہے اور اس حمل سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مغرب کو سفر میں آخر وقت تک تاخیر کرے تو اس میں کراہت نہیں کذا فی الطحطاوی فان جمع فسد لو قدم الفرض علی وقتہ پھر اگر دو فرضوں کو جمع کیا ایک وقت میں تو وہ فرض فاسد ہے جس کو اس کے وقت پر مقدم کیا یعنی اگر ظہر کے وقت عصر پڑھی تو عصر کی نماز فاسد ہو گئی وحرم لو عکس ای اخرہ عنہ وان صح بطریق القضاء اور حرام ہے تاخیر اگر اس کے برعکس کیا یعنی فرض کی تاخیر کی وقت سے چنانچہ مغرب عشا کے ساتھ ملا کر پڑھے اگرچہ تاخیر سے فرض صحیح ہے بطریق قضا الا لحاج بعرفۃ ومزدلفۃ کما سیجیٔ مگر جمع کرنا حاجی کو ظہر اور عصر کا عرفات میں اور مغرب اور عشا کا مزدلفہ میں ثابت ہے چنانچہ کتاب الحج میں آوے گا ولا باس بالتقلید عند الضرورۃ اور کچھ مضائقہ نہیں اپنے امام کے سوا دوسرے امام کی تقلید کرنے میں ضرورت کے وقت یعنی اگر امام شافعی کی سفر کی ضرورت سے جمع بین الصلوتین میں مثلاً تقلید کرے تو جائز ہے علی الخلوص سفر حجاز میں کہ وہاں اہل قافلہ نہیں ٹھہرتے اور تنہا رہنے میں جان و مال کا خوف ہے طحطاوی نے کہا کہ ظاہراً ضرورت کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ بدون ضرورت کے تقلید غیر امام جائز نہیں اور یہ ایک قول ہے مذہب میں اور دوسرا قول مختار یہ ہے کہ تقلید دوسرے امام کی جائز ہے اگرچہ بدون ضرورت کے ہو گو کہ بعد وقوع اور نزول کے ہو چنانچہ خطبہ اس کتاب میں ہم مذکور کر چکے ہیں اور البتہ مسئلہ تقلید میں چند رسائل جداگانہ تصنیف ہوئے ہیں دونوں قولوں پر انتہی ما فی الطحاوی لکن بشرط ان یلتزم جمیع ما یوجبہ ذلک الامام لما قدمنا ان الحکم الملفق باطل بالاجماع لیکن دوسرے امام کی تقلید میں شرط ہے کہ لازم پکڑ لے سب ان احکام کو جو کہ اس عمل کے واسطے اس امام نے واجب ٹھہرایا ہے اس واسطے کہ ہم پہلے مذکور کر چکے ہیں کہ جو حکم دو مذہب سے مخلوط ہے وہ بالاجماع باطل ہے

[1] تو جب وہ پہنچیں اپنی مدت کو تو ان کو روکو یعنی جب قریب ہوں مدت کے پورے ہونے کے ۱۲

م جمع بین الصلوتین میں امام شافعیؒ کے احکام یہ ہیں کہ اگر جمع تقدیم ہے تو اس میں شرط ہے پہلے نماز کی تقدیم اور جمع کی نیت کر لینا پہلی نماز کے فارغ ہوتے سے پہلے اور دونوں نمازوں میں اس قدر جدائی نہ کرے جس کو عرف میں جدائی جانتے ہوں اور جمع تاخیر میں اس کے سوائے کوئی شرط نہیں کہ نیت کرے جمع بین الصلوتین پہلی نماز کے خارج ہونے سے پہلے اور جمع تقدیم افضل ہے مسافر کو منزل پر اور جمع تاخیر بہتر ہے چلنے کی حالت میں اور مسافر اکثر مبتلا ہوتا ہے ایسے فعل کا خصوصاً حاجی اور تقلید میں کچھ ڈر نہیں کذا فی النہر الفائق ۔

باب الاذان

ف یہ باب ہے اذان کے بیان میں م اذان بروزن زمان مصدر ہے اور بعضوں نے کہا اسم مصدر ہے اس لیے کہ ماضی اس کی اَذَّنَ بالتشدید ہے اور مصدر تاذین آتا ہے ہو لغۃ الاعلام اذان لغت میں بمعنی اعلام ہے یعنی آگاہ و خبردار کرنا و شرعا اعلامٌ مخصوصٌ لم یقل بدخول الوقت لیعم الفائتۃ و بین یدی الخطیب علیٰ وجہٍ مخصوص بالفاظ کذلک ای مخصوصۃ اور شریعت میں اذان ایک مخصوص خبردار کرنا ہے یعنی نماز کے لیے بطریق مخصوص چند الفاظ معینہ مرتبہ سے مصنف نے اذان کو اعلام مخصوص بدخول وقت نہ کہا تاکہ اذان کی تعریف قضا کی اذان اور خطیب کے سامنے کی اذان کو بھی شامل رہے یعنی قضا کی اذان میں وقت نہیں ہوتا اور خطیب والی اذان میں اگرچہ وقت ہے مگر اس کی آگاہی تو اذان سے پہلے ہو چکی ہے م جن لوگوں نے دخول وقت کی قید لگائی ہے تو انھوں نے اصل مشروعیت اذان کا لحاظ کیا ہے اور اس صورت میں اذان فائتہ اور خطیب کے سامنے بھی داخل رہے گی اور الفاظ مخصوصہ کی قید سے یہ اشارہ ہوا کہ فارسی میں اذان درست نہیں گو لوگ جان لیں کہ اذان رہی ہے کذا فی الشامی ناقلا عن السراج سببہ ابتداء اذان جبرائیل لیلۃ الاسراء و اقامتہ حین امامتہ علیہ السلام ثم رؤیا عبداللہ بن زید اذان الملک النازل من السماء فی السنۃ الاولیٰ من الہجرۃ شروع میں اذان کا سبب جبرائیل علیہ السلام کی اذان ہے اور اقامت ان کی شب معراج میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے امام ہونے کے وقت یعنی جب بیت المقدس میں آپ امام ہوئے تھے حضرات انبیاء علیہم السلام کے دو رکعت نفل میں پھر اس کے بعد خواب میں دیکھنا عبداللہ بن زید انصاری کا اول سال ہجری میں اس فرشتے کی اذان جو آسمان سے اترا تھا م یہاں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ غیر انبیاء کے خواب پر بنا احکام شرعی نہیں ہوتی پھر عبداللہ وغیرہ کے خواب سے اذان کیسے مشروع ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ ثبوت اذان کا فقط عبداللہ وغیرہ کے خواب سے نہیں ہوا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوا بعد وحی کے اس واسطے کہ عبدالرزاق اور ابوداؤد نے مراسیل میں روایت کی کہ عمرؓ نے جب اذان خواب میں دیکھی اور حضرتؐ کو خبر دینے کو آئے تو معلوم ہوا کہ وحی میں اس کا حکم ہو چکا اور بلالؓ کی اذان کان میں پہنچی پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذان میں وحی تجھ سے سبقت کر گئی ابن حجر مکی نے شرح بخاری میں ذکر کیا ہے کہ کچھ حدیثیں اس بات پر دال ہیں کہ اذان مکہ معظمہ میں قبل ہجرت مشروع ہوئی چنانچہ طبرانی اور دارقطنی اور بزار نے اس مضمون کی حدیثیں روایت کی ہیں مگر حق یہ ہے کہ ان احادیث میں سے کوئی صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ شروع اذان کا مدینہ پاک میں ہوا جیسا کہ مسلم میں مذکور ہے کذا فی الشامی و ہل ہو جبرائیل قیل و قیل سوال اذان کا فرشتہ جبرائیلؑ تھے یا کوئی اور جواب بعضوں نے کہا کہ جبرائیلؑ تھے اور بعضوں نے کہا کہ غیر جبرائیل علیہ السلام سَبَبُہٗ بقاءُ دخول الوقت اور اذان کا سبب بقا کی راہ سے نماز کے وقت کا داخل ہونا ہے م شامی نے کہا کہ بقا تمیز ہے جس کو مضاف ہونے سے پھیر دیا گیا ہے یعنی سبب ان کے باقی رہنے کا اس سے یہ مراد ہے کہ جس سبب سے حادث ہونے سے اذان از سرنو کہنی پڑے وہ دخول وقت ہے وہو سنۃٌ للرجال فی مکانٍ عالٍ موکدۃ ہی کالواجب فی لحوق الاثم للفرائض الخمس اور اذان مردوں کے واسطے اونچے مکان میں سنت مؤکدہ ہے فرائض پنجگانہ کے لیے سنت موکدہ واجب کے مانند ہے گنہگار ہونے میں اس کے چھوڑ دینے سے م محمدؒ نے کہا کہ اگر اہل شہر ترک اذان پر اتفاق کریں تو ان کا

ف بیان ابتدائے مشروعیت اذان کے نزول

قتال حلال ہے اور ابویوسفؒ نے کہا کہ وہ مارنے اور قید کرنے کے لائق ہیں اور وہ سنت کفایہ ہے یعنی شہر میں ایک شخص کی اذان کفایت کرتی ہے کذا فی الطحطاوی فی وقتہا ولو قضاء لانہ سنۃ للصلوۃ حتی یبرد بہ لا للوقت اذان سنت ہے فرائض کے وقت میں اگرچہ فرض قضا ہو اس واسطے کہ اذان نماز کی سنت ہے نہ وقت کی یہاں تک کہ گرمیوں کے ظہر کی ٹھنڈے وقت اذان دی جاتی ہے یعنی تقدیم و تاخیر میں اذان نماز کی تابع ہے کذا فی الطحطاوی لا لسنن لغیرہا کعید اذان مسنون نہیں سوائے فرض نمازوں کے لیے مانند عید کے م عید کے مانند نماز جنازہ اور نماز کسوف اور نماز استسقا اور تراویح اور سنن رواتب ہیں اور وتر ہرچند امام اعظمؒ کے نزدیک واجب ہے مگر چونکہ وقت عشا میں ادا کیا جاتا ہے تو عشا ہی کی اذان پر اکتفا کیا گیا کذا فی الشامی فیعاد اذان وقع بعضہ قبلہ کالاقامۃ خلافا للثانی فی الفجر تو دوسری بار اذان کہی جائے اگر بعضے کلمات اذان کے فرض کے وقت سے پہلے واقع ہوئے ہیں اقامت کے مانند برخلاف ابویوسفؒ کے فجر میں یعنی ان کے نزدیک آدھی رات کے بعد فجر کی اذان درست ہے م اقامت اگر قبل وقت ہو تو اس کا اعادہ بالاتفاق ہے اور اگر امام حاضر ہوا اقامت کے بعد ساعت بھر پیچھے اور اس نے فجر کی سنت پڑھی تو اقامت کو دوسری بار کہنا واجب نہیں تو صریحا معلوم ہو گیا کہ اگر اقامت کے بعد فی الفور نماز نہ پڑھے تو اقامت باطل نہیں ہوتی کذا فی الطحطاوی عن المنح ثم تربیع تکبیر فی ابتدائہ وعن الثانی تثنیتہ اذان سنت ہے چار بار تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنے کے ساتھ شروع اذان میں اور ابویوسف سے ایک روایت میں ہے کہ دو بار تکبیر ہے م پہلے اذان میں چار بار اللہ اکبر کہے اس طرح کہ ایک آواز میں دوبار اور دوسری آواز میں بھی دوبار اللہ اکبر کہے یعنی چار آوازوں سے چاروں تکبیر کو علیحدہ علیحدہ نہ کہے کذا فی الطحطاوی ویفتح راء اکبر والعوام یضمونہا ومنہ اکبر کی رے کو زبر کے ساتھ کہے اور عوام لوگ اس کو پیش دیتے ہیں کذا فی رد منہ م مضمرات میں ہے کہ موذن کو اختیار ہے چاہے اللہ اکبر کی رے کو ضمہ یعنی پیش دے چاہے جزم اور اگر آتش زدگی میں اللہ اکبر چند بار کہے تو اسم ذات مرفوع ہے ہر بار اور راء اکبر کا لفظ پچھلی بار کے سوا چاہے پیش کے ساتھ کہے چاہے جزم کے ساتھ کذا فی الطحطاوی وعن ابی مسعود لکن فی الطلبۃ[1] معنی قولہ علیہ السلام الاذان جزم ای مقطوع المد فلا یقول آللہ اکبر لانہ استفہام وانہ لحن شرعی لیکن طلبہ میں ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے قول الاذان جزم کا یہ مطلب ہے کہ اذان مقطوع المد ہے یعنی اللہ کے لفظ میں الف کو کشش نہیں تو اس کے الف کو بڑھا کر نہ بولے کہ وہ پوچھنا ہے کہ کیا اللہ بڑا ہے اور یوں کہنا شرعا غلط ہے م جب کہ یہ شرعا غلط ہوا تو اس طرح اذان مکروہ ہے اور اگر استفہام کا ارادہ کریگا تو کافر ہو گا کذا فی الطحطاوی اور شامی میں ہے کہ سیوطی سے اس حدیث کا حال پوچھا گیا تو کہا کہ یہ حدیث ثابت نہیں بلکہ ابراہیم نخعی کا قول ہے او مقطوع حرکۃ الآخر للوقف فلا یقف بالرفع فانہ لحن لغوی فتاوی الصیرفیہ من الباب السادس والعشرین یا حدیث مذکور کا یہ مطلب کہ آخر کی حرکت مقطوع ہے تو وقف نہ کرے پیش پر کہ وہ لغت عرب میں غلط ہے چنانچہ فتاوی صیرفیہ کے چھبیسویں باب میں ہے یعنی اذان میں جتنے جملے ہیں سب کے آخر پر وقف کرے حرکت نہ دے لیکن جو اللہ اکبر جو اذان میں ہیں ان میں سے اول اور تیسرے اور پانچویں میں .... اکبر کی رے کو چاہے ساکن ادا کرے چاہے فتحہ کے ساتھ آگے ملا دے اور اگر پیش سے ملا دے گا تو خلاف سنت ہو گا کذا فی الطحطاوی والشامی ملخصا ولا ترجیع فانہ مکروہ ملتقی اور اذان میں ترجیع نہیں اس لیے کہ ترجیع مکروہ ہے کذا فی الملتقی م ترجیع یہ ہے کہ شہادتین یعنی اشہد ان لا الہ الا اللہ[2] اشہد ان لا الہ الا اللہ اشہد ان محمد رسول اللہ[3] اشہد ان محمد رسول اللہ کو پہلے آہستہ کہے پھر چاروں کلمات کو زور سے کہے یہ شافعی مذہب میں سنت ہے اور ہمارے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے کذا فی الحلبی اور ابی محذورہ کی اذان میں جو ترجیع حدیث میں مذکور ہے وہ اس بات پر محمول ہے کہ بطریق تعلیم کے تھی کیونکہ جمیع روایات متفق ہیں اس پر کہ بلال

[1] بفتح اول وکسر لام نام کتاب کا ہے کذا فی الطحطاوی [2] گواہی دیتا ہوں میں کہ کوئی معبود نہیں سوا خدا کے [3] گواہی دیتا ہوں میں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں ۱۲

اذان میں ترجیع نہ کرتے تھے اس کے سوا طبرانی میں ابی محذورہ کی اذان میں بھی ترجیع نہیں تو عدم ترجیع ہی ثابت ہوا اور وجہ کراہت یہ ہے کہ اذان اعلام کے لیے مشروع ہے اور آہستہ کہنے سے اعلام نہیں ہوتا کذا فی الشامی **ولا لحن فیہ** ای تغنی بغیر کلماتہ فانہ لایحل فعلہ وسماعہ کالتغنی بالقرآن اور اذان میں تغنی وہ راگنی جو اذان کے کلمات متغیر کرے کہ اس کا کرنا اور سننا حلال نہیں جیسے قرآن کے تغنی کا فعل اور سماع حلال نہیں ہم لحن یہ ہے کہ حروف کے ادا میں اور ان کی حرکات اور سکنات میں کمی وبیشی واقع ہو چنانچہ گانے میں ایسا ہوتا ہے اور خطاء اعرابی کو بھی لحن بولتے ہیں **وبلا تغییر حسن** اور خوش آوازی بغیر متغیر کرنے کلمات اور حرکات اور سکنات کے خوب ہے اذان اور قرآن میں ہم تغنی بلا تغیر خوب ہے اس واسطے کہ تحسین صوت مطلوب ہے اور تحسین صوت کو تغیر لازم نہیں کذا فی البحر وقیل لاباس بہ فی الحیعلتین اور قول ضعیف یہ ہے کہ کچھ ڈر نہیں حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کی لحن میں ہم قائل اس قول کا حلوانی ہے اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ دونوں کلمات ذکر نہیں اور لفظ لاباس بہ سے اشارہ ہے اس طرف کہ اولیٰ یہ ہے کہ ان میں بھی لحن نہ کرے کذا فی الشامی **ویترسل فیہ** بسکتۃ بین کل کلمتین ویکرہ ترکہ ویندب اعادتہ اور موذن اذان کو ٹھہر ٹھہر کہے اندک سکوت کرکے دو دو کلمے کے درمیان میں اور ترسل یعنے سکتہ کا ترک کرنا مکروہ ہے اور اس کے ترک سے اذان کو پھر کہنا مستحب ہے کذا فی الطحطاوی عن الظہیریہ **ویلتفت فیہ** وکذا فیہا مطلقا وقیل ان المحل متسعا **یمینا وشمالا فقط** لئلا یستدبر القبلۃ **بصلوٰۃ وفلاح** اور اذان میں منہ پھیرے داہنے اور بائیں حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہنے کے ساتھ اور اسی طرح اقامت میں التفات کرے ہر حال میں یعنی جگہ میں وسعت ہو یا نہ ہو اور بعضوں نے کہا کہ اگر جماعت کا مکان کشادہ ہو تو التفات کرے التفات فقط داہنے اور بائیں ہے تاکہ پشت واقع نہ ہو قبلہ کی طرف **ولو وحدہ اولمولود** لانہ سنۃ الاذان مطلقا التفات مذکور ترک نہ کرے اگرچہ موذن تنہا ہو یا بچہ ہونے کے وقت اذان کہتا ہو اس واسطے کہ التفات اذان کی سنت ہے ہر طرح **ویستدیر فی المنارۃ** لو متسعۃ ویخرج رأسہ منہا اور موذن گردش کرے اذان کے منارے میں اگر وہ کشادہ ہو اور اپنا سر اس کے طاقچے سے نکالے لوگوں کے خبردار کرنے کو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت منارہ اذان کے لیے نہ تھا حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسجد کی چھت پر اذان کہا کرتے تھے بعد کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے منارہ بنایا گیا **ویقول** ندبا **بعد فلاح اذان الفجر الصلوٰۃ خیر من النوم** مرتین لانہ وقت نوم اور استحباب کے طریق سے دو بار کہے اذان فجر کی حی علی الفلاح کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم یعنی نماز بہتر ہے نیند سے اس واسطے کہ یہ نیند کا وقت ہے **ویجعل** ندبا **اصبعیہ فی صماخ اذنیہ** فاذانہ بدونہ حسن وبہ احسن اور بطریق استحباب کے کرے اپنی دونوں انگلیاں اپنے دونوں کانوں کے سوراخ میں کہ اذان بغیر انگلی رکھنے کے خوب ہے ہم کان میں انگلی رکھنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس فعل سے آواز بلند ہوتی ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو فرمایا کہ دونوں کانوں میں انگلیاں کرلو کہ اس سے تمہاری آواز زیادہ بلند ہوگی اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ بہرا اور دور کا آدمی آواز نہیں سنتا اس فعل کو دیکھ کر آگاہ ہو جاتا ہے کہ اذان ہے **والاقامۃ کالاذان فیما مر** اور اقامت جس کو عوام تکبیر بولتے ہیں اذان کے مانند ہے احکام مذکورہ میں ہم اذان کے احکام جو متن میں مذکور کیے دس ہیں یعنی مسنون ہونا فرائض کے واسطے اور اعادہ کرنا اس کا اگر وقت سے پہلے ہوئی اور شروع کرنا چار تکبیر سے اور ترجیع نہ کرنا اور لحن نہ کرنا اور ٹھہر ٹھہر کے کہنا اور التفات اور گردش اور فجر میں الصلوٰۃ خیر من النوم کا زیادہ کرنا اور کانوں میں انگلیاں رکھنا لیکن مصنف نے تین احکام کو ان احکام عشرہ سے نکال ڈالا تو ٹھہر ٹھہر کہنے کے بدلے جلد جلد کہنا اور الصلوٰۃ خیر من النوم کے عوض قد قامت الصلوٰۃ کہنا اور کان میں انگلی نہ رکھنا مذکور کیا تو سات حکم مشترک باقی رہے حلبی نے کہا تو مصنف کو گردش کا نفی کرنا بھی لازم تھا لکن ہی ای الاقامۃ وکذا الامامۃ **افضل منہ** فتح لیکن اقامت اور اسی طرح امامت افضل ہے اذان سے کذا فی الفتح **ولا یضع المقیم اصبعیہ فی اذنیہ** لانہا اخفض

۱؎ یعنے آؤ نماز کو اور آؤ بہتری کو ۱۲

اوراقامت کہنے والا اپنی دونوں انگلیاں کانوں میں نہ رکھے اس واسطے کہ اقامت کی آواز پست تر ہوتی ہے اذان کی آواز سے ویحدر بضم الدال
ای یسرع فیہا اوراقامت کہنے میں جلدی کرے یعنی بین الکلمتین سکتہ نہ کرے شارح نے کہا کہ یحدر بضم الدال بمعنی یسرع یعنی سرعت کرے فلو ترسّل
لم یعدھا فی الاصح تو اگر اقامت ٹھہر ٹھہر کہے اذان کے مانند تو اس کا اعادہ نہ کرے صحیح تر قول میں م لیکن اگر اذان کو جلد جلد تکبیر کی طرح کہے گا تو اس کا
دوبارہ کہنا مستحب ہے کیونکہ اذان میں تکرار مشروع ہے چنانچہ جمعہ کے روز تکبیر میں تکرار شریعت میں ثابت نہیں ویزید قد قامت الصلوۃ بعد
فلاحہا مرتین اوراقامت کے حی علی الفلاح کے بعد دوبار کہے قد قامت الصلوۃ وعند الثلثۃ ہی فرادی اورامام شافعی اورامام مالک اورا[مام] احمد
تینوں کے نزدیک اقامت ایک ایک کلمہ ہے ویستقبل غیر الراکب القبلۃ بہما اورسوار کے سوا اور شخص اذان اوراقامت میں قبلہ رخ ہو جائے
م جماعت کے واسطے سوار ہوکر اذان کہے سفر کے حال میں سوار کو اپنے واسطے اذان اوراقامت درست ہے اور استقبال قبلہ شرط نہیں ویکرہ ترکہ
تنزیہا اورترک استقبال قبلہ مکروہ تنزیہی ہے م صاحب محیط نے استقبال قبلہ کو احسن کہا پس صاحب بحر نے اس سے نکالا کہ اس کا ترک مکروہ
تنزیہی ہے کذا فی الطحطاوی ولو قدم فیہما مؤخرًا اعاد ما قدم فقط اور اگر اذان اوراقامت میں مؤخر لفظ کو مقدم کیا تو فقط مقدم لفظ کو پھر کہے
یعنی اسی لفظ کا اسی کے محل میں اعادہ کرے مثلاً حی علی الفلاح کو حی علی الصلوۃ سے پہلے کہہ دیا تو اعادہ صرف انھیں دونوں کلموں کا صحیح طور پر کر
دے تمام اذان کا اعادہ ضرور نہیں ولا یتکلم فیہما اصلا ولو رد سلام اور اذان اوراقامت میں اصلا کلام نہ کرے اگرچہ وہ کلام جواب سلام کا
نہ دے نہ اپنے دل میں اور نہ اذان یا اقامت کے بعد یہی قول صحیح ہے اور کھکھارنا بھی کلام میں داخل ہے مگر تحسین صوت کے واسطے جائز ہے
کذا فی البحر فان تکلم استانفہ سو اگر اذان اوراقامت میں بولا تو پھر سرے سے شروع کرے ویثوب بین الاذان والاقامۃ فی الکل للکل بما تعارفوہ
اور موذن اذان اوراقامت میں بلادے سب نمازیوں کو بدون تخصیص امیر وغیرہ کے سب نمازوں میں جس طرح کہ ان کے بلانے کی عادت ہو م
تثویب یعنی اعلام بعد الاذان کا طریقہ یہ ہے کہ بعد اذان بقدر بیس آیت پڑھنے کے ٹھہر جائے پھر بلادے اس طرح کہ الصلوۃ الصلوۃ یا کہے کہ چلو نماز تیار
ہے یا جس طرح کا رواج ہو پھر اس کے بعد بقدر بیس آیت کے توقف کرے پھر اقامت کہے کذا فی البحر مگر مغرب میں تثویب نہیں چنانچہ نقایہ
کی شرح میں مصرح ہے اور ماتن کے اگلے کلام سے بھی نکلتا ہے ویجلس بینہما بقدر ما یحضر الملازمون مراعیًا لوقت الندب اور موذن بیٹھ جائے
اذان اوراقامت میں بقدر آنے ہمیشہ آنے والوں کے وقت مستحب کی رعایت کرکے م جیسے صبح میں اسفار کا اور ظہر [صیف] میں ابراد کا ملاحظہ موذن کو لازم
ہے الا فی المغرب فیسکت قائمًا قدر ثلث آیات قصار مگر مغرب میں تثویب اور جلوس نہ چاہیے تو موذن [اذان ختم ہونا] چکا کھڑا رہے چھوٹی تین آیتوں کی
مقدار ویکرہ الوصل اجماعًا اور بلا توقف ملا دینا اذان اوراقامت کا بالاتفاق مکروہ ہے م بدلیل اس حدیث کے کہ تو اپنی اذان اوراقامت میں
توقف کر اس قدر کہ کھانے والا اپنے کھانے سے فراغت حاصل کرے فائدہ فائدہ ملحقہ شارح کا التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الآخر سنۃ سبعمأۃ
واحدی وثمانین فی عشاء لیلۃ الاثنین ثم یوم الجمعۃ ثم بعد عشر سنین احدث فی الکل الا المغرب ثم فیہا مرتین وہو بدعۃ حسنۃ: رسول اللہ صلی علیہ وسلم
پر سلام کہنا نیا پیدا ہوا ربیع الآخر ۷۸۱ سال ہجری میں عشا کی نماز میں دوشنبہ کی رات پھر جمعہ کے [دن] پھر دس برس کے بعد پیدا ہوا سب نمازوں میں
سوائے مغرب کے پھر مغرب میں بھی دوبار سلام کہنا رائج ہوگیا اور یہ امر بدعت حسنہ ہے م یہ فائدہ شارح [نے] جلال الدین سیوطی شافعیؒ کے حسن
المحاضرہ سے نقل کیا اور سخاوی کے قول بدیع میں ہے کہ اس کی ابتدا صدرت سلطان صلاح الدین بن المظفر بن ایوب کے حکم سے ہوئی ۷۹۱ھ ہجری طحطاوی
[نے] لکھا کہ مغرب کا سلام ہمارے وقت میں رائج نہیں اور نہ سیوطی کی اس عبارت میں ہے جو نہر الفائق میں منقول ہے انتہی بدعت حسنہ وہ ہے
[جو] قواعد شریعت کے مخالف نہ ہو ویسن ان یوذن ویقیم لفائتۃ رافعًا صوتہ لو بجماعۃ او صحراء لا ببیتہ منفردًا اور مسنون ہے اذان دینا اوراقامت [کہنا]

قضا کی نماز کے واسطے آواز بلند کر کے اگر جماعت سے قضا کرتا ہو یا جنگل میں یا اپنے گھر میں اکیلے اگر گھر میں بھی جماعت کے ساتھ قضا کرے تو بلند آواز سے اذان کہے **وکذا لیسنان لاولی فوائتہ لا الفاسدۃ** اور اسی طرح اذان اور اقامت مسنون ہے چند قضا نمازوں میں سے پہلی نماز کے واسطے یعنی جس کا اعادہ کیا وقت میں **ویخیر فیہ للباقی لو فی مجلس وفعلہ اولیٰ ویقیم للکل** اور آدمی اذان اور اقامت میں مختار ہے قضا کی باقی نمازوں کے واسطے اگر ایک مجلس میں ہو اور اگر چند مجالس میں قضاؤں کو ادا کرے تو ہر مجلس میں اذان و اقامت کہے کذا فی الشامی اور باقی میں اذان کہنا بہتر ہے اور اقامت کہے سب نمازوں قضا میں اس واسطے کہ جنگ خندق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار نمازوں کی قضا میں اذان اور اقامت کا حکم کیا کذا فی الطحطاوی **ولا یسن ذلک فیما تصلیہ النساء اداءً وقضاءً ولو جماعۃ کجماعۃ صبیان وعبید** اور یہ یعنی اذان اور اقامت مسنون نہیں اس نماز میں جس کو عورتیں پڑھتی ہیں ادا اور قضا اگرچہ جماعت سے پڑھتی ہوں جیسے لڑکے اور غلاموں کی جماعت میں اذان اور اقامت مسنون نہیں م اگر شارح بجائے ولو جماعۃ کے ولو منفردۃً کہتا تو بہتر تھا اس لیے کہ عورتوں کی جماعت مشروع نہیں رہی کذا فی الشامی **ولا لیسنان ایضاً لظہر یوم الجمعۃ فی مصر** اور یہی اذان اور اقامت سنت نہیں جمعہ کے دن ظہر کی نماز کے واسطے شہر میں م اس واسطے کہ اس میں شبہہ پڑتا ہے مخالفت جمعہ کا اور شہر کی قید سے معلوم ہوا کہ گاؤں میں اذان جمعہ کے روز مکروہ نہیں **ولا فیما یقضے من الفوائت فی مسجد لان فیہ تشویشا وتغلیطا** اور نہیں مسنون اذان اور اقامت اس نماز میں فوایت سے جس کو قضا کرتے ہوں مسجد میں اس واسطے کہ اس میں لوگوں کی پریشان خاطری اور غلط اندازی ہے یعنی وہ وقت کی اذان سمجھیں گے **ویکرہ قضاؤہا فیہ لان التاخیر معصیۃ فلا یظہرہا بزازیہ** اور نماز فائتہ کا قضا کرنا مسجد میں مکروہ ہے اس واسطے کہ وقت سے نماز کا تاخیر کرنا گناہ ہے تو اس گناہ کو ظاہر نہ کرے کذا ابزازیہ م بوجہ جماعت میں ظاہر ہے نہ منفرد میں اس لیے کہ منفرد اذان آہستہ کہتا ہے مگر تعلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ قضا کو جتا کر ادا کرنا مکروہ ہے خواہ جماعت میں ہو خواہ اکیلے **ویجوز بلا کراہۃ اذان صبی مراہق وعبد** اور بلا کراہت جائز ہے اذان صغیر مراہق یعنی عاقل اور غلام کی م کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے ورنہ کراہت تنزیہی تو ثابت ہے جیسا کہ بحر الرائق میں خلاصہ سے منقول ہے کہ سوا ان کے اور شخص اولیٰ ہے تو ان کی اذان میں ترک اولیٰ ہوا کذا فی الشامی ولا یحل الا باذن کاجیر خاص اور غلام کو اذان جماعت کی حلال نہیں مگر مولیٰ کے اذن سے خاص مزدور کے مانند کہ اس کو بھی اذان حلال نہیں بلا اذن مستاجر کیونکہ مراعات اوقات سے نقصان مولیٰ اور مستاجر کا لازم آوے گا اور اسی وجہ سے مزدور خاص کو نوافل کا پڑھنا درست نہیں **واعمی وولد زنا واعرابی** اور جائز ہے اذان اندھے اور ولد الزنا اور دیہقانی کی **وانما یستحق ثواب المؤذنین اذا کان عالماً بالسنۃ والاوقات ولو غیر محتسب بحر** اور اذان کہنے والا موذنوں کے ثواب کا مستحق نہیں ہوتا مگر جب کہ وہ اذان کے طریقہ مسنونہ کو جانتا ہو اور نماز کے اوقات کو پہچانتا ہو اگرچہ غیر محتسب ہو کذا فی البحر یعنی اگرچہ صرف بہ نیت ثواب نہ کہتا ہو بلکہ اجرت لے کر اذان کہتا ہو طحطاوی نے کہا ولو غیر محتسب یقین کرنے کے لائق نہیں اس واسطے کہ صاحب بحر نے اس کو بطریق احتمال کے بیان کیا ہے **ویکرہ اذان جنب واقامتہ واقامۃ محدث لا اذانہ علی المذہب** اھ مکروہ ہے اذان نہانے کی حاجت والے کی اور اس کی اقامت اور بے وضو آدمی کی اقامت نہ اذان محدث کی مذہب درست پر م مکروہ سے مراد ظاہراً مکروہ تحریمی ہے اور وجہ کراہت جنب کی اذان کی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو نماز کے لیے بلاتا ہے اور خود اس کی اجابت نہیں کرتا کذا فی الشامی **واذان امرأۃ وخنثی وفاسق ولو عالما لکنہ اولیٰ بامامۃ واذان من جاہل تقی** اور مکروہ ہے اذان عورت اور خنثی اور فاسق کی اگرچہ فاسق عالم ہو لیکن امامت اور اذان میں فاسق عالم اولیٰ ہے جاہل پرہیزگار سے یعنی جہاں سوائے اس فاسق کے دوسرا عالم نہ ہو کذا فی حاشیۃ الحلبی **وسکران ولو بمباح** اور اذان مکروہ ہے متوالے کی اگرچہ مباح چیز سے مست ہو گیا ہو چنانچہ خراسانی اجوائن سے **کمعتوہ وصبی لا یعقل** جیسے مدہوش اور صغیر غیر عاقل کی اذان مکروہ ہے **وقاعد الا اذا اذن لنفسہ** اور مرد نشستہ کی

ل اور اسی میں مجنون بھی داخل ہے ۱۲

اذان مکروہ ہے مگر جب کہ وہ اپنے واسطے اذان کہے تو مکروہ نہیں و راکب الا مسافر اور سوار کی اذان مکروہ ہے مگر مسافر سوار کی اذان مکروہ نہیں و
یعاد اذان جنب ندبًا وقیل وجوبًا اور پھر کہی جائے اذان جنب کی استحباب کی راہ سے اور بعضوں نے کہا کہ وجوب کی راہ سے لا اقامۃ لمشروعیۃ
تکرارہ فی الجمعۃ دون تکرارہا دوبارہ نہ کہی جائے اقامت جنب کی بسبب مشروع ہونے تکرار اذان کے جمعہ میں اور نہ مشروع ہونے اقامت کی تکرار کے
یعنی جمعہ کی اذان مکرر ہونے سے معلوم ہوا کہ عذر سے تکرار اذان درست ہے وکذا یعاد اذان امراۃ ومجنون ومعتوہ وسکران وصبی لا یعقل
لا اقامتہم کما مر اور اسی طرح اعادہ کیا جائے عورت اور دیوانہ اور مدہوش اور مست اور صغیر غیر عاقل کی اذان کا نہ ان کی اقامت کا بدلیل گذشتہ یعنی تکرار
اذان شرعًا ثابت ہے نہ تکرار اقامت ویجب استقبالہما لموت مؤذن وغشیہ وخرسہ وحصرہ ولا ملقن وذہابہ للوضوء لسبق حدث خلاصہ اور واجب
ہے شروع سے کہنا اذان اور اقامت کا بسبب مرجانے موذن کے اذان کہنے میں اور مرجانے مقیم کے اقامت کہنے میں اور بسبب اس کے
غش میں آجانے اور بند ہونے کے اور حالانکہ وہاں کوئی بتانے والا نہیں اور بسبب اس کے جانے کے وضو کے واسطے وضو کے ٹوٹ
جانے سے کذا فی الخلاصہ موذن اور مقیم کا پانچوں صورتوں میں یکساں حکم ہے شارح نے فقط موذن پر اس واسطے اکتفا کیا کہ اقامت کہنا موذن
ہی کا حق ہے شامی میں کہا کہ پچھلی صورت میں یعنی اثنا اذان واقامت میں بے وضو ہو جانے میں موذن اور مقیم کو چاہیے کہ بعد اذان اور اقامت
کے وضو کو جائے کیونکہ جب ابتدا بے وضو پوری اذان کہہ سکتا ہے تو ناقص کو بطریق اولیٰ تمام کرسکتا ہے لکن عبر فی السراج بیندب لیکن سراج
وہاج میں بلفظ یندب بیان کیا ہے یعنی کہا کہ پانچوں صورتوں میں شروع سے اذان اور اقامت کو کہنا مستحب اور مندوب ہے واجب نہیں
وجزم المصنف بعدم صحۃ اذان مجنون ومعتوہ وصبی لا یعقل اور یقین کیا ہے مصنف نے نہ صحیح ہونے اذان مجنون اور مدہوش اور صغیر
غیر عاقل کا قلت وکافر وفاسق لعدم قبول قولہ فی الدیانات میں کہتا ہوں اور کافر اور فاسق کی بھی اذان صحیح نہیں بسبب مقبول نہ ہونے
ان کے قول کے دین کے کاموں میں شامی میں لکھا کہ اوپر گذر چکا کہ فاسق کی اذان مکروہ ہے اور یہاں شارح نے عدم صحت کو بیان کیا تو یہ
برابری فاسق کی کافر کے ساتھ شارح کی طرف سے مناسب نہ ہوئی وکرہ ترکہما معا لمسافر ولو منفردًا اور مکروہ ہے مسافر کو اذان اور اقامت
کا یکبارگی چھوڑ دینا اگرچہ مسافر اکیلا ہو م یہاں چار صورتیں ہیں سو دو صورتیں مکروہ ہیں ایک یہ کہ اذان اور اقامت دونوں کو چھوڑنا دوسرے یہ کہ فقط
اقامت کو چھوڑنا اور دو صورتیں مکروہ نہیں ایک یہ کہ اذان اور اقامت دونوں کہنا دوسری یہ کہ فقط اقامت کہنا مسافر کو اذان اور اقامت میں دو فائدے
ہیں ایک تو ثواب دوسرے حاضر ہونا نماز میں ان بندگان خدا کا جو نظر نہیں آتے وکذا ترکہا لا ترکہ لحضور الرفقۃ اور اسی طرح مسافر کو مکروہ ہے چھوڑنا
اقامت کا نہ اذان کا بسبب موجود ہونے سب رفیقوں کے یعنی اذان تو اعلام کے واسطے مشروع ہے پھر جب سفر کے رفیق ساتھ ہوئے تو اعلام
کی چنداں ضرورت نہیں بخلاف مصل ولو بجماعۃ فی بیتہ بمصر او قریۃ لہا مسجد فلا یکرہ ترکہما اذ اذان الحی یکفیہ برخلاف اس نمازی کے جو
اپنے گھر میں شہر کے اندر نماز پڑھتا ہے اگرچہ بجماعت نماز ہو یا اس گاؤں میں نماز پڑھتا ہے جس میں مسجد ہے تو وہاں اذان یا اقامت کا ترک کرنا
مکروہ نہیں اس واسطے کہ اذان محلہ اس کو کفایت کرتی ہے م اور اگر گاؤں میں مسجد نہ ہو یا ہو مگر اس میں اذان واقامت نہ ہوتی ہو تو وہاں کا
نمازی اذان اور اقامت ترک نہ کرے بلکہ اس کا حکم مسافر کا سا ہے او مصل فی مسجد بعد صلوٰۃ جماعۃ فیہ بل یکرہ فعلہما وتکرار الجماعۃ الا فی
مسجد علی طریق فلا باس بذلک جوہرہ یا برخلاف اس نمازی کے جو مسجد میں نماز پڑھتا ہے اس میں جماعت ہو جانے کے بعد بلکہ مسجد مذکور میں اذان
اور اقامت کہنا اور دوسری جماعت کرنا مکروہ ہے مگر راہ کی مسجد میں اس کا کچھ مضائقہ نہیں کذا فی الجوہرۃ یعنی راہ کی مسجد میں تکرار جماعت اذان
اور اقامت کے ساتھ درست ہے لا باس کے لفظ سے یہ نکلا کہ اس کا نہ کرنا اولیٰ ہے کذا فی الطحطاوی اقام غیر من اذن لغیبتہ

ای المؤذن لایکرہ مطلقا اقامت کہی اور شخص نے سوائے اذان کہنے والے کے کہ موذن کی غیبت میں تو مطلقاً مکروہ نہیں یعنی خواہ موذن خوش ہو یا ناخوش وان بحضورہ کرہ ان لحقہ وحشۃ اور اگر غیر شخص نے اقامت کہی موذن کے سامنے تو مکروہ ہے اگر اس کو وحشت اور ناخوشی ہو م اقامت کہنا موذن کا حق ہے بدلیل حدیث (من اذن فھو یقیم) یعنی جو اذان کہے وہی اقامت کہے کما کرہ مشیہ فی اقامتہ جیسے مکروہ ہے اقامت کہنے میں چلنا ویجیب وجوبا وقال الحلوانی ندبا والواجب الاجابۃ بالقدم من سمع الاذان ولو جنبا اور واجب ہے جواب دینا زبان سے اس کو جس نے اذان کو سنا اگرچہ وہ جنب ہو اور حلوانی نے کہا کہ زبان سے جواب دینا مستحب ہے اور قدم سے اجابت واجب ہے یعنی اذان سنتے ہی مسجد میں جماعت کے لیے حاضر ہونا چاہیے لاحائضا ونفساء وسامع خطبۃ وفی صلوۃ وجنازۃ وجماع ومستراح واکل وتعلیم علم وتعلمہ بخلاف قرآن نہ جواب دے اذان کا اگر سامع ہو حائض اور زچا اور سامع کسی خطبہ کا اور نہ جواب دے نماز میں اور جنازہ میں اور صحبت کرنے میں اور پاخانہ میں اور نہ کھانے اور علم سکھانے اور علم کے سیکھنے میں برخلاف قرآن کے یعنی اگر قرآن پڑھتا ہو تو موقوف کرکے اذان کا جواب دے بان یقول بلسانہ کمقالتہ ان سمع المسنون منہ وھو ما کان عربیا لالحن فیہ جواب دے اس طرح کہ کہے اپنی زبان سے موذن کے کلام کے مانند بشرطیکہ موذن سے مسنون اذان سنے مسنون اذان وہ ہے جو بطور عرب کے ہو اس میں لحن نہ ہو یعنی تغیر کلمات نہ ہو م اذان عربی ہو یعنی مفسر الالفاظ ہو حروف کے حق ادا ہو گئے ہوں سو اب جو اذان بعض لوگ کہتے ہیں حروف اور حرکات کو بڑھا گھٹا کر وہ حرام ہے اس اذان کا جواب دینا نہ چاہیے کذا فی الطحطاوی ملخصا ولو تکرر اجاب الاول اور اگر اذان مکرر ہو تو پہلی اذان کا جواب دے خواہ وہ مسجد کی اذان ہو یا مقام کی کذا فی الحلبی الا فی الحیعلتین فیحوقل جو موذن کہے وہی جواب دینے والا کہے مگر حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح میں کہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہے وفی الصلوۃ خیر من النوم فیقول صدقت وبررت اور الصلوۃ خیر من النوم میں یوں کہے صدقت و بررت یعنی تو صادق اور نیکوکار ہے اس کہنے میں کہ نماز نیند سے بہتر ہے ویندب القیام عند سماع الاذان بزازیہ اور مستحب ہے کھڑا ہو جانا اذان کے سننے کے وقت کذا فی البزازیہ ولم یذکر ہل یستمر الی فراغہ او یجلس اور بزازی نے یہ ذکر نہیں کیا کہ کھڑا رہے اذان کی فراغت ہونے تک یا بیٹھ جائے ولو لم یجبہ حتی فرغ لم ارہ وینبغی تدارکہ ان قصر الفصل اور اگر سامع نے موذن کا جواب نہ دیا یہاں تک کہ وہ اذان سے فارغ ہوا اس کا حکم میں نے نہیں دیکھا کتاب میں اور مناسب یہ ہے کہ اس کا تدارک کرلے اگر فصل تھوڑا ہو یعنی اگر بہت عرصہ گذر نہ گیا ہو م یہ بحث صاحب بحر کی ہے اور اس سے یہ نکلتا ہے کہ جواب دینے والا موذن سے پیشتر کلمات جواب کے نہ کہے بلکہ ہر کلمے کے تمام ہونے پر اس کا جواب کہے کہ حدیث عمر بن ابی امامہ میں اس کی تصریح موجود ہے اور اس سے ظاہراً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ساتھ ساتھ جواب دینا بھی کافی نہیں کذا فی الشامی ویدعو عند فراغہ بالوسیلۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اذان کی فراغت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے وسیلہ مانگے م دعا وسیلہ مستحب ہے اس واسطے کہ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب تم موذن کو سنو تو کہو مثل اس قول کے جو وہ کہتا ہے پھر مجھ پر درود پڑھو اس واسطے کہ جو مجھ پر درود پڑھیگا حق تعالیٰ اس کے بدلے اس پر دس بار رحمت کرے گا پھر اللہ سے میرے لیے وسیلہ مانگو اس واسطے کہ وسیلہ ایک مرتبہ ہے بہشت میں کہ وہ لائق نہیں مگر ایک بندے کے واسطے خدا کے بندوں سے اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہوں سو جو شخص میرے لیے وسیلہ مانگے گا تو میری شفاعت اس کے لیے ضرور ہو گی انتہی یعنی اس کی شفاعت واجب ہوگی امت سے زیادہ تر بسبب اس مناسبت کے کذا فی الطحطاوی من المواہب وشرحہا اور دعا وسیلہ کا طریقہ صحیح مسلم وغیرہ میں جابرؓ سے یوں مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کہے اذان کو سن کر اللھم رب ہذہ الدعوۃ التامۃ

الصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِیْ وَعَدْتَہٗ") تو اس کے واسطے میری شفاعت حلول کرے گی یعنی واجب ہوگی کذا فی تیسیر الوصول الی جامع الاصول اور بیہقی نے وعدتہ کے بعد انک لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ اس دعا میں زیادہ روایت کیا ہے ابن حجر نے شرح منہاج میں کہا کہ الفضیلۃ کے بعد جو والدرجۃ الرفیعۃ کہتے ہیں اور تمامی پر یا ارحم الراحمین تو ان دونوں کی کچھ اصل نہیں اور اسی طرح وعدتہ کے بعد وارزقنا شفاعتہ کی زیادتی کا حال ہے کذا فی الشامی **ولو کان فی المسجد حین سمعہ لیس علیہ الاجابۃ ولو کان خارجہ اجاب بالمشی الیہ بالقدم** اور اگر اذان کا سننے والا مسجد میں ہو جب کہ اس نے اذان سنی تو اس پر جواب دینا لازم نہیں اور اگر مسجد کے باہر ہو تو جواب دے اس کی طرف قدم سے چل کر **ولو اجاب باللسان لا بہ لا یکون مجیبا** وہذا بناء علی الاجابۃ المطلوبۃ بقدمہ لا بلسانہ کما ہو قول الحلوانی اور اگر اذان کا جواب دیا زبان سے نہ قدم سے چل کر تو وہ شخص مجیب نہ ہوگا اور اس قول کی بنا اس پر ہے کہ اجابت مطلوبہ شرع میں قدم سے ہے نہ زبان سے چنانچہ یہی قول حلوانی کا ہے **فیقطع قراءۃ القرآن لو کان یقرأ بمنزلہ ویجیب لو اذان مسجدہ کما یاتی ولو بمسجد لا لانہ اجاب بالحضور** اور بموجب اسی قول کے قطع کرے قرآن کا پڑھنا اگر پڑھتا ہو اپنے گھر میں اور جواب دے قدم سے چل کر اگر اس کی مسجد محلہ کی اذان ہو چنانچہ آگے مذکور ہوگا تتارخانیہ سے اور اگر مسجد میں قرآن پڑھتا ہو تو پڑھنا قطع نہ کرے اس واسطے کہ وہ مجیب ہوگا مسجد کے حاضر ہونے سے وہذا متفرع علی قول الحلوانی والظاہر وجوبہا باللسان لظاہر الامر فی حدیث اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا یَقُوْلُ کما بسط فی البحر واقرہ المصنف وقواہ فی النہر ناقلا عن المحیط وغیرہ بانہ علی الاول لا یرد السلام ولا یسلم ولا یقرأ بل یقطعہا ویجیب ولا یشتغل بغیر الاجابۃ اور یہ جو ماتن نے اجابت بالقدم کو ذکر کیا متفرع اور مستخرج ہے حلوانی کے قول پر اور ظاہر قول پر واجب ہونا ہے اجابت کرنا زبان سے بدلیل ظاہر امر کے جو اس حدیث میں ہے کہ جب تم موذن کی اذان سنو تو کہو مثل اس کے جو موذن کہتا ہے چنانچہ اس کو مشرح بیان کیا ہے بحر الرائق میں اور ثابت رکھا اس کو مصنف نے اپنی شرح میں اور زبان سے جواب دینے کو قوی کہا ہے نہر الفائق میں محیط وغیرہ سے نقل کر کے اس طرح کہا کہ اول قول پر یعنی وجوب اجابت زبانی پر اذان کا سامع سلام کا جواب نہ دے اور نہ کسی کو سلام کرے اور نہ قرآن پڑھے بلکہ قرأت کو قطع کرے اور اذان کا جواب دے اور مشغول نہ ہو کسی فعل میں بجز اجابت کے قال وینبغی ان لا یجیب بلسانہ اتفاقا فی الاذان بین یدی الخطیب وان یجیب بقدمہ اتفاقا فی الاذان الاول یوم الجمعۃ لوجوب السعی بالنص صاحب نہر نے کہا اور یہ چاہیے کہ زبان سے جواب نہ دے باتفاق قولین خطیب کے سامنے کی اذان میں جمعہ کے دن اور یہ کہ اجابت بالقدم کرے باتفاق قولین روز جمعہ کی پہلی اذان میں بسبب واقع ہونے سعی کے نص قرآنی سے مم عدم اجابت لسانی کی یہ وجہ ہے کہ جب خطیب منبر پر چڑھے تو امام کے نزدیک مطلقا کلام مکروہ ہے لیکن باب الجمعہ میں آوے گا کہ صحیح تر قول یہ ہے کہ امام کے نزدیک اذکار جائز ہیں خطبہ شروع ہونے سے پہلے تو اب کون مانع ہے اجابت کا کذا فی الطحطاوی وفی التتارخانیۃ انما یجیب اذان مسجدہ اور تاتارخانیہ میں ہے کہ جواب نہ دے مگر اپنی مسجد کی اذان کا م یعنی جواب قدم سے چل کر اپنی مسجد کو مخصوص ہے یہ متفرع ہے حلوانی کے قول پر چنانچہ شارح نے اس پر پہلے اشارہ کر دیا کما یاتی کہہ کر کذا فی الطحطاوی وسئل ظہیر الدین عمن سمعہ فی ان من جہات ماذا یجب علیہ قال اجابۃ اذان مسجدہ بالفعل اور ظہیر الدین سے سوال ہوا کہ جس شخص نے ایک آن میں اذان سنی کئی طرف سے اس پر کیا واجب ہے کہا کہ اس پر اپنی مسجد کی اذان کی اجابت فعلی یعنی قدم سے چل کر واجب ہے ویجیب للاقامۃ ندبا اجماعا کالاذان ویقول عند قد قامت الصلوۃ اقامہا اللہ وادامہا اور جواب لسانی دے اقامت کا استحباب کی راہ سے بالاتفاق اذان کے مانند اور کہے قد قامت الصلوۃ کے وقت اقامہا اللہ وادامہا م ان الفاظ کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اس قدر

ملہ اے اللہ مالک اس دعا کامل اور نماز قائم کے عنایت کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور بزرگی اور اٹھا ان کو مقام محمود پر جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے ۱۲

زیادتی کے ساتھ مادامت السموات والارض واجعلنی من صالحی اہلہا یعنی اللہ تعالیٰ نماز کو قائم و دائم رکھے جب تک آسمان و زمین ہیں اور مجھ کو زمین کے نیک بخت باشندوں میں کرے وقیل لایجیبہا وبہ جزم الشمنی اور بعضوں نے کہا کہ اقامت کا جواب نہ کہے اور اسی قول کا یقین کیا ہے شمنی شارح نقایہ نے م یہ نفی اجماع سابق کی محل نہیں کیونکہ یہ نفی وجوب پر محمول ہے اور انعقاد اجماع استحباب پر ہے فروع مسائل ملحقہ شارح صلی السنۃ بعد الاقامۃ او حضر الامام بعدہا لایعیدہا بزازیۃ مقیم نے سنت نماز پڑھی اقامت کے بعد یا امام آیا اقامت کے بعد تو اقامت کا اعادہ نہ کرے کذا فی البزازیۃ وینبغی ان طال الفصل او وجد مایعد قاطعا کاکل ان تعاد اور لائق یعنے مستحب ہے کہ اگر اقامت اور نماز میں مدت زیادہ ہو جائے یا پایا جائے وہ عمل جو قاطع اور فاصل گنا جائے درمیان اقامت اور نماز کے چنانچہ کھانا تو اقامت پھر سے کہی جائے دخل المسجد والموذن یقیم قعد الیٰ قیام الامام فی مصلاہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اس حال میں کہ موذن اقامت کہتا ہے تو بیٹھ جائے امام کے کھڑے ہونے تک اپنی جائے نماز پر رئیس المحلۃ لاینتظر مالم یکن شریرا والوقت متسع رئیس محلہ کا انتظار نہ کیا جائے جب تک کہ وہ شریر نہ ہو اور نماز کا وقت فراخ ہے یعنی اگر وقت وسیع اور رئیس شریر ہے تو اس کی انتظاری جائز ہے اور اگر وقت تنگ ہے تو انتظار نہ چاہیے اگرچہ رئیس بد ذات ہو یکرہ لہ ان یوذن فی مسجدین موذن کو مکروہ ہے اذان کہنا دو مسجدوں میں م یہ کراہت اس وقت ہے جب کہ موذن پہلے مسجد میں نماز پڑھ چکا ہو کذا فی البحر ولایۃ الاذان والاقامۃ لبانی المسجد مطلقا اذان اور اقامت کا اختیار مسجد کے بنانے والے کے واسطے ہے ہر طرح یعنی خواہ عادل ہو یا غیر عادل اگرچہ لوگوں کو پسند نہ ہو کذا فی البحر وکذا الامامۃ لو عدلا اور اسی طرح مسجد کے بنانے والے کو امامت کا اختیار ہے اگر عادل ہو یعنی فاسق نہ ہو الافضل کون الامام ہو الموذن امام ہی کا موذن ہونا بہتر ہے م امام ابوحنیفہ یہی کیا کرتے تھے کذا فی الطحطاوی وفی الضیاء انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اذن فی سفر بنفسہ فاقام وصلی الظہر وحققناہ فی الخزائن اور ضیاء مقدسی میں ہے کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سفر میں بذات مقدس اذان اور اقامت کہی اور ظہر کی نماز پڑھی اور البتہ ہم نے اس کو محقق بیان کیا ہے خزائن الاسرار میں م سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کہی جب کہ آپ سوار تھے کذا فی الطحطاوی عن فتاوی الرملی اور آپ کا اذان کہنا سفر میں ترمذی کی حدیث میں مروی ہے اور نووی نے اس پر یقین کیا ہے مگر مسند احمد میں اسی طریق سے جو حدیث کی تخریج کی ہے اس میں یوں ہے کہ بلال کو حکم اذان کا دیا تو معلوم ہوا کہ اذان کہنا آپ کا صرف حکم دینا تھا ہاں عطا وغیرہ تابعین نے ایسا کیا ہے کذا فی الشامی۔

باب شروط الصلوٰۃ

یہ باب ہے نماز کی شرطوں کے بیان میں م شرط تین قسم ہے شرط عقلی جیسے بسولا بڑھئی کے واسطے اور شرط شرعی جیسے طہارت نماز کے واسطے اور شرط جعلی جیسے گھر میں جانا زوجہ کا جس کے ساتھ طلاق مشروط ہو کذا فی العینی تو یہاں شروط شرعیہ مراد ہیں نہ عقلیہ اور جعلیہ اور شروط شرعیہ سے وہ شروط مقصود ہیں جو صحت نماز کی شرطیں ہیں نہ نماز کے واجب ہونے کی منجملہ شرائط وجوب ایک تکلیف ہے یعنی مسلمان ہونا اور عاقل و بالغ ہونا وازاں جملہ عاجز نہ ہونا نماز سے وازاں جملہ وقت ہے ہی ثلثۃ انواع شرطیں تین قسم ہیں شرط انعقاد ایک قسم شرط ہے انعقاد نماز کی م شرط انعقاد وہ ہے جس کا وجود ضرور ہے ابتداء نماز میں پیشتر سے موجود ہو کر نماز تک موجود رہے بانہ رسب کذا فی الحلبی کنیۃ وتحریمۃ ووقت وخطبۃ جیسے نیت اور تکبیر تحریمہ اور وقت نماز کا اور خطبہ جمعہ کے واسطے تو جب تک امور مذکورہ اول نہ ہوں گے نماز کا وجود نہ ہو گا ان میں نیت تو آخر نماز تک موجود رہ سکتی ہے اور تحریمہ اور خطبہ ایسا نہیں وشرط دوام کطہارۃ وستر عورۃ واستقبال قبلہ اور دوسری قسم شرط ہے دوام نماز کی جیسے طہارت اور ستر عورت اور استقبال قبلہ م شرط دوام وہ ہے جس کا وجود مشروط ہے اول نماز سے آخر تک وشرط بقاء فلا یشترط فیہ تقدم ولا مقارنۃ بابتداء وہو القراءۃ اور تیسری قسم شرط ہے باقی رہنے نماز کی بعد موجود ہو جانے نماز

ہے تو اس میں آگے ہونا اس شرط کا مشروط نہیں اور نہ ابتدا ر نماز سے اس کا متصل رہنا اور وہ یعنی بقا نماز کی شرط قرأت ہے م شرط بقا نماز وہ ہے جو اثنا نماز میں پائی جائے بطریق استمرار کے اور قرأت اسی طرح کی ہے کہ اثناء نماز میں اس کا وجود ہوتا ہے استمرار کے طور پر اور یہ تینوں شرطیں ایک دوسری میں متداخل کیونکہ ان میں عموم و خصوص مطلق ہے شرط دوام خاص ہے اور شرط انعقاد اور بقا عام مثلاً طہارت جو شرط دوام ہے اگر ابتدا نماز میں اس کے وجود کا لحاظ کریں تو شرط انعقاد ہو جائے گی اور اگر حالت بقا میں اس کے وجود کو مشروط سمجھیں تو شرط بقا ہو گی اور سوائے وقت صبح کے اور وقت نماز کے لیے صرف شرط انعقاد ہے کہ نہ اس کا دوام شرط ہے اور نہ بقا اور صرف شرط بقا کی مثال قرأت ہے کہ اثناء نماز میں حادث ہو کر انتہا تک رہتی ہے گو وجود حکمی ہو جیسے مقتدی کی قرأت کہ امام کی قرأت گویا اسی کی قرأت ہے کذافی الشامی تبصرف فانہ رکن فی نفسہ شرط فی غیرہ لوجودہ فی کل الارکان تقدیراً اس واسطے کہ قرأت بذات خود تو رکن ہے اور اپنے غیر کے حق میں شرط ہے بسبب پائے جانے قرأت کے تمام ارکان میں قرأت حقیقی موجود نہیں لیکن گویا کہ موجود ہے م رکن اس کو کہتے ہیں جو ماہیت میں داخل ہو اور شرط وہ ہے جو ماہیت سے خارج ہو اور یہ دونوں ایک دوسرے کے مخالف ہیں مگر چونکہ رکن دو طرح کا ہوتا ہے ایک اصلی جو کبھی ساقط نہیں ہوتا دوسرا زائد جو کبھی ساقط ہو جاتا ہے جیسے قرأت کہ مقتدی سے ساقط ہو جاتی ہے تو اس لحاظ سے ایک حالت میں اس کو رکن کہا اور دوسری میں شرط سے تعبیر کیا کذا فی الشامی تبصرف ولذالم یجز استخلاف الامی اور اس واسطے کہ وجود قرأت کا سب ارکان میں ضروری ہے امی شخص کا خلیفہ کرنا نماز میں اگرچہ تشہد اخیر ہو جائز نہیں م الشرط لغۃ العلامۃ اللازمۃ پھر معلوم کرنا چاہیے کہ شرط بفتح اول و سکون ثانی لغت میں علامت لازمہ کو کہتے ہیں یعنی جو نشانی کہ ایک ہی چیز میں پائی جائے دوسری چیز میں نہ ہو و شرعا ما یتوقف علیہ الشی ولا یدخل فیہ اور اصطلاح شرع میں شرط وہ ہے جس پر کوئی چیز موقوف ہو اور وہ اس چیز میں داخل نہ ہو یعنی اس کا جز نہ ہو خارج ہو اس سے م کسی چیز کا متعلق اگر اس کی ماہیت میں داخل ہوتا ہے تو رکن کہلاتا ہے جیسے کوئی رکوع نماز کے اندر اور اگر خارج ہو دو حال سے خالی نہیں یا چیز میں موثر ہوگا یا نہ ہوگا اگر موثر ہے تو اس کو علت کہتے ہیں جیسے عقد نکاح حلت کے لیے اور اگر موثر نہیں تو پھر چیز کی طرف فی الجملہ موصل ہے یا نہیں اگر ہے تو اس کو سبب کہتے ہیں جیسے وقت ہے اور اگر موصل نہیں تو چیز اس پر موقوف ہوگی یا نہ ہوگی اگر موقوف ہوگی تو اس کو شرط کہتے ہیں جیسے وضو ہے نماز کے حق میں اور اگر چیز اس پر موقوف بھی نہیں تو اس کو علامت بولتے ہیں تو شارح کی تعریف سے رکن اور علامت نکل گئی مگر سبب اور علت شرط میں داخل رہی اس لیے چاہیے تھا کہ شرط کی تعریف اتنا اور زیادہ کہتا ولا یوثر فیہ ولا یوصل الیہ فی الجملۃ یعنی نہ چیز میں موثر ہو اور نہ اس کی طرف کسی قدر موصل ہو کذا فی الشامی حلبی نے کہا اور بعضوں نے شرط کی یوں تعریف کی ہے کہ شرط وہ ہے جس کے نہ ہونے سے مشروط کا نہ ہونا لازم ہوئے اور شرط کے وجود سے مشروط کا وجود لازم نہ ہو یہی ستۃ طہارۃ بدنہ ای جسدہ لدخول الاطراف فی الجسد دون البدن فلیحفظ شرطیں نماز کی چھ ہیں پہلی شرط پاک ہونا ہے نمازی کے بدن کا بدن سے مراد جسد ہے بسبب داخل ہونے ہاتھ پاؤں کے جسد میں نہ بدن میں تو اس کو یاد رکھنا چاہیے م چونکہ لغت عرب کی راہ سے ہاتھ پاؤں بدن میں داخل نہ تھے لہذا شارح نے بدن کی تفسیر جسد کی تاکہ ہاتھ پاؤں کی بھی طہارت ثابت ہو اگرچہ اردو زبان میں بدن سارے جسم کو کہتے ہیں من حدث بنوعیہ طہارت بدن کی شرط ہے دونوں قسم کے حدث یعنی حکمی ناپاکی سے م دونوں قسم سے مراد حدث اصغر اور حدث اکبر ہیں اول مقتضی وضو کا ہے اور دوم موجب غسل کا وقدمہ لانہ اغلظ اور مصنف نے مقدم کیا حدث یعنی نجاست حکمی کو نجاست حقیقی پر اس واسطے کہ وہ غلیظ تر اور سخت تر ہے نجاست حقیقی سے م یعنی اس واسطے کہ نجاست حکمی تھوڑی بھی معاف نہیں برخلاف نجاست حقیقی کے کہ وہ قلیل معاف ہے وخبث مانع کذلک اور طہارت شرط ہے اسی طرح دونوں قسم کی نجاست حقیقی

سے جو نمازکی مانع ہے م دونوں قسم کی نجاست یعنی مغلظہ اور مخففہ سو مغلظہ زائد از درم مانع نماز ہے اور مخففہ زائد از ربع ثوب وثوبہ وکذا ما یتحرک بحرکتہ
دوسری شرط نمازکی پاک ہونا نمازی کے کپڑے کا ہے اور اسی طرح پاک ہونا اس چیز کا جو ہلنے نمازی کے ہلنے سے م یعنی ایسی چیز جو نمازی کے بدن سے منفصل
ہو مثلاً ایک چادر کا آنچل اس کے بدن پر ہے اور دوسرے آنچل پر ایسی نجاست ہے جو مانع نماز ہے تو اگر نمازی کی حرکت سے ناپاک آنچل بھی حرکت کرے تو
نماز کا مانع ہے اور نہیں تو نہیں اور اگر وہ چیز اس کے بدن سے منفصل نہیں مثلاً چٹائی کا ایک کنارہ ناپاک ہے اور دوسرے کنارے پر نماز پڑھتا ہے تو یہ نجاست
نمازکی مانع نہیں خواہ چٹائی بڑی ہو یا چھوٹی کذا فی الشامی اولعدحاملا لصبی علیہ نجاسۃ ان لم یستمسک بنفسہ منع والا لا یا نمازی اس چیز کا اٹھانے
والا گنا جائے جیسے وہ لڑکا جس پر نجاست ہے بشرطیکہ وہ آپ تھم سکے بدوں تھامنے نمازی کے تو نماز کا مانع ہے اور اگر لڑکا نمازی کے تھامنے کا محتاج
نہ ہو خود اس کو چمٹا ہو تو نمازی اس کا حامل نہ ٹھہرے گا تو نماز کا بھی مانع نہ ہوگا م اور یہی حکم ناپاک چھت اور چھپر اور خیمہ نجس کا ہے جب کہ نمازی کا رکھڑے
ہونے سے ان چیزوں میں لگتا ہو کذا فی الطحطاوی کجنب وکلب ان سد فمہ فی الاصح جس طرح مانع نماز نہیں اگر نمازی پر جنب آدمی اور کتا ہو اگر اس کا منہ بندھا
ہو صحیح تر قول میں م اگر شارح یوں کہتا کہ کتا بشرطیکہ اس سے لعاب وغیرہ مانع نماز نہ بہے تو بہتر ہوتا کذا فی الشامی بحر الرائق میں ہے کہ اگر نمازی کے پاس وہ انڈا
ہے جو اندر سے خون ہو گیا تو نماز جائز ہے کیونکہ وہ اپنے معدن میں ہے برخلاف اس شیشے کے جس میں پیشاب ہے یعنی وہ مانع نماز ہے ومکانہ ای
موضع قدمیہ او احدھما ان رفع الاخری وموضع سجودہ اتفاقا فی الاصح اور تیسری شرط پاک ہونا مصلی کے مکان کا ہے یعنی اس کے دونوں قدموں کی جگہ
کا یا ایک قدم کی جگہ کا اگر نمازی نے دوسرا قدم اٹھا لیا اور سجدہ کی جگہ کا بالاتفاق صحیح تر قول میں م موضع قدمین کی طہارت امام اور صاحبین کے نزدیک
شرط ہے بالاتفاق بلانقل خلاف اور موضع سجود میں خلاف ہے مگر صحیح تر یہی قول ہے کہ امام کے نزدیک اس کی طہارت بھی شرط ہے اگر نمازی کے
کپڑوں کی اطراف پر نجاست پر پڑی اور نماز پڑھی تو کچھ ضرر نہیں کذا فی الطحطاوی لا موضع یدیہ ورکبتیہ علی الظاہر الا اذا سجد علی کفہ کما سیجیٔ شرط نہیں
پاک ہونا دونوں ہاتھوں اور دونوں گھٹنوں کے مکان کا ظاہر الروایہ میں مگر جبکہ سجدہ کیا مصلی نے اپنی ہتھیلی پر چنانچہ آگے آوے گا یعنی اس وقت
ہاتھ کے مکان کی طہارت شرط ہوگی کیونکہ یہ سجود کا مکان ٹھہرا م فقیہ ابو اللیث کے نزدیک ہاتھوں کے مکان کی عدم طہارت سے نماز فاسد ہوتی
ہے اور اسی کی تصحیح کی ہے عیون میں اور اطلاق متون بھی اسی پر دلالت کرتا ہے اور شیخ الاسلام ابو سعود مفتی روم نے کہا کہ جس عضو کا رکھنا واجب ہے
اگرچہ دونوں ہاتھ ہوں تو اس کے مکان کی طہارت شرط ہے کذا فی الطحطاوی من الثانی ای الخبث لقولہ تعالیٰ وثیابک فطہر فبدنہ ومکانہ
بالاولیٰ لانہا الزم کپڑے اور مکان کی طہارت شرط ہے ثانی یعنی نجاست حقیقی سے بدلیل قول حق تعالیٰ وَثِیَابَکَ فَطَہِّرْ اور اپنے کپڑوں کو پاک کر
تو جب کپڑے پاک کرنے لازم ہوئے تو مصلی کے بدن اور مکان کا پاک ہونا بطریق اولیٰ لازم ہوا اس واسطے کہ بدن اور مکان بہ نسبت کپڑوں کے
زیادہ لازم ہیں یعنی اس واسطے کہ کپڑوں کا جدا ہونا متصور ہے برخلاف بدن اور مکان کے م اظہر یہ ہے کہ آیت کریمہ میں نماز کے ثیاب ملبوسہ مراد ہیں اور
نجاست سے ان کا پاک کرنا قول ہے جمیع فقہاء کا اور ارجح تفاسیر کذا فی الطحطاوی والرابع ستر عورتہ ووجوبہ عام ولو فی الخلوۃ علی الصحیح
الا لغرض صحیح اور نمازکی چوتھی شرط ڈھکنا اور اوڑھنا ہے اپنی عورت یعنی شرمگاہ کا اور ستر عورت کا واجب ہونا علی العموم ہے اگرچہ آدمی خالی
مکان میں ہو بنا بر قول صحیح کے مگر غرض صحیح کے واسطے شرمگاہ کھولنا جائز ہے چنانچہ دفع بول و براز یا ختنہ یا علاج یا جماع حلال م ستر عورت غیر سے
واجب ہے نہ اپنی ذات سے جمہور کے نزدیک یہی قول صحیح ہے کذا فی الزیلعی لیکن ادب نہیں تو تصحیح میں اختلاف واقع ہوا اور ڈھکنا برہنگی کا
چار طرف سے نہ اسفل سے تو اگر کوئی انسان نیچے سے برہنگی دوسرے کی دیکھ لے تو نماز فاسد نہ ہوگی کذا فی الطحطاوی ولہ لبس ثوب نجس فی غیر صلوٰتہ
اور مسلمان کو ناپاک کپڑا پہننا جائز ہے اور حال میں سوائے نماز کے وہی للرجل ماتحت سرتہ الی ماتحت رکبتیہ اور عورت یعنی مرد کی شرمگاہ

ف کے نیچے سے ہے دونوں گھٹنوں کے نیچے تک م عورت کا لفظ نکلا ہے عور سے جو بمعنی نقصان اور عیب کے ہے تو شرمگاہ کو عورت کہا
اس واسطے کہ اس کا کھولنا اور ظاہر کرنا عار اور قبیح اور عیب اور بیحیائی ہے کذا فی الطحطاوی اردو میں عورت مرد کے مقابل کو کہتے ہیں فارسی میں
ن اور ہندی میں لگائی اور جورو بولتے ہیں و شرط احمد ستر احد منکبیہ ایضاً اور امام احمد بن حنبل نے ڈھکنا ایک کندھے کا بھی نماز میں شرط کیا ہے
عن مالک ہی القبل والدبر فقط اور امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ عورت یعنی شرمگاہ فقط فرج اور مقعد ہے م امام اعظم کے مذہب میں شرمگاہ
کا جو یہ حد ہے کہ زیر ناف سے زیر زانو تک یہ جوان کے حق میں ہے نہ صغیر کے حق میں کہ اس کا چھونا اور دیکھنا جائز ہے اور جوان میں حکم زانو کا
خفیف تر ہے ران سے تو جو شخص اپنا زانو کھولے ہو اس پر انکار نرمی سے کرنا چاہیے اور اگر اصرار کرتا ہو تو اس سے نزاع کرنا لائق نہیں اور جو اپنی ران
کھولے ہو اس پر انکار درشتی اور سختی کے ساتھ کرنا چاہیے بدون ضرب کے اگر اصرار کرتا ہو کذا فی الطحطاوی وما ہو عورۃ منہ عورۃ من الامۃ
ولو خنثی او مدبرۃ او مکاتبۃ او ام ولد مع ظہرہا وبطنہا اور جس قدر کہ مرد کا بدن شرمگاہ ہے اتنا لونڈی کا بھی شرمگاہ ہے اس کی پیٹھ اور پیٹ کے
ساتھ اگرچہ لونڈی خنثی یا مدبرہ یا مکاتبہ یا ام ولد ہو م مدبرہ وہ لونڈی جس کو آقا نے کہہ دیا ہو کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے اور مکاتبہ وہ جس کو یہ کہا
ہو کہ اگر تو اتنا مال دے تو تو آزاد ہے اور ام ولد وہ لونڈی ہے جس کے آقا سے اولاد ہوئی ہو واما جنبہا فتبع لہما اور لونڈی کا پہلو اس کی پیٹھ اور
اور پیٹ کا تابع ہے یعنی جس قدر پہلو پیٹ سے متصل ہے وہ پیٹ کا تابع ہے اور جس قدر پیٹھ سے ملا ہے وہ پیٹھ کا تابع ہے یعنی اس کے پہلو بھی شرمگاہ
ہیں ولو اعتقہا مصلیۃ ان استترت کما قدرت صحت والا لا علمت بعتقہ اولا علی المذہب اور اگر مولی نے لونڈی کو آزاد کیا نماز کی حالت میں اگر اس نے
اپنا بدن ڈھک لیا فوراً جب کہ وہ قادر ہوئی تو نماز صحیح ہے اور اگر فوراً باوجود قدرت بدن نہ چھپایا تو نماز درست نہ ہوئی مولی کے آزاد کرنے کو اس نے
جانا ہو یا نہ جانا ہو بنا بر مذہب درست کے م پردہ سازی سے اس قدر مراد ہے جس قدر حرہ یعنی بی بی کو پردہ چاہیے اور استتار میں یہ شرط ہے کہ
عمل قلیل ہو اور قبل از ادائے رکن ہو اور اگر استتار سے عاجز ہو گی تو نماز باطل نہ ہو گی قال ان صلیت صلوۃ صحیحۃ فانت حرۃ فصلت بلا قناع ینبغی
الغاء القبلیۃ ووقوع العتق کما رجحوہ بالطلاق الدوری مولی نے کہا اپنی لونڈی سے کہ اگر تو صحیح نماز پڑھے گی تو تو آزاد ہے نماز سے پہلے پس اس نے
بدون اوڑھنی کے نماز پڑھی تو قبلیت کا لغو کر دینا اور طلاق کا واقع ہونا لائق ہے چنانچہ فقہا نے قبلیت کے لغو کرنے کو طلاق دوری میں ترجیح
دی ہے م یہ مسئلہ روایت مذہب نہیں بلکہ صاحب بحر الرائق کی تجویز ہے طلاق دوری پر قیاس کر کے طلاق دوری کی یہ صورت ہے کہ زوج نے زوجہ سے
کہا کہ میں تجھ کو طلاق دوں تو تجھ کو تین طلاق ہیں قبل از طلاق پھر اس نے بلا شرط طلاق دی تو شرط پائی گئی تو تین طلاقیں اس طلاق سے پہلے واقع
ہوں گی اور ان کا واقع ہونا یہ چاہتا ہے کہ پچھلی طلاق واقع نہ ہو کیونکہ تین طلاق کے بعد عورت محل طلاق نہیں رہتی تو جب ہم نے قبلیت کو
لغو کر دیا تو ایسا ہو گیا کہ گویا اس نے یوں کہا کہ میں تجھ کو طلاق دوں تو تجھ کو تین بار طلاق ہے تو ایک طلاق اس کے واقع کرنے سے واقع ہو گی اور
دو طلاقیں تعلیق سے واقع ہوں گی اور تیسری طلاق باطل ہو جاوے گی عدم محل کے سبب سے وللحرۃ ولو خنثی جمیع بدنہا حتی شعرہا النازل
فی الاصح اور حرہ یعنی بی بی کا تمام بدن شرمگاہ ہے جس کا چھپانا واجب ہے یہاں تک کہ اس کے لٹکے بال بھی عورت ہیں صحیح تر قول میں اگرچہ
وہ حرہ خنثی ہو م لٹکے بالوں کی قید اس واسطے لگائی کہ جو بال سر پر ہیں وہ بالاتفاق عورت ہیں خلا الوجہ والکفین فظہر الکف عورۃ علی المذہب
والقدمین علی المعتمد بی بی کا تمام بدن عورت ہے مگر اس کا چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں اور دونوں قدم عورت نہیں قول معتمد پر تو پشت کف دست
کا چھپانا واجب ہے مذہب درست پر م اور اقوال نا معتمد یہ ہیں کہ پشت کف دست نماز میں عورت نہیں اور بعضوں نے کہا کہ وہ مطلقاً عورت
نہیں اور بعضوں نے کہا کہ دونوں قدم عورت ہیں اور کسی نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کذا فی الطحطاوی وصوتہا علی الراجح اور حرہ کی آواز عورت

نہیں راجح قول پر م اور آواز کا بلند کرنا جو حرام ہے تو بخوف فتنہ حرام ہے اور بعضوں نے کہا کہ اس کو آواز کا بھی پوشیدہ کرنا واجب ہے
کذا فی الطحطاوی وذراعیہا علی المرجوح اور حرہ کی دونوں کلائیاں عورت نہیں مرجوح یعنی ضعیف قول پر م یہ ابو یوسف کا قول ہے اور اختیار
شرح مختار میں اسی کو راجح کہا ہے لیکن مذہب راجح اور قوی یہ ہے کہ کلائیاں عورت ہیں کذا فی الطحطاوی وتمنع المرأۃ الشابۃ من کشف
الوجہ بین رجال لا لانہ عورۃ بل لخوف الفتنۃ اور جوان عورت منع کی جاوے چہرہ کھولنے سے درمیان مردوں کے نہ اس وجہ سے کہ چہرہ اس کا
عورت ہے بلکہ بخوف فتنہ منع کا حکم ہے کمسہ وان امن الشہوۃ لانہ اغلظ ولذا ثبت بہ حرمۃ المصاہرۃ کما یاتی فی باب الحظر جیسے مرد کو عورت کا
چہرہ چھونا ممنوع ہے اگرچہ شہوت کا خوف نہ ہو اس واسطے کہ چھونا سخت تر ہے نظر کرنے سے اور اسی واسطے شہوت کے چھونے سے حرمت
مصاہرت کی ثابت ہوتی ہے چنانچہ باب الحظر میں آوے گا ولا یجوز النظر الیہ بشہوۃ کوجہ امرد فانہ یحرم النظر الی وجہہا ووجہ الامرد اذا شک فی
الشہوۃ اما بدونہا فیباح ولو جمیلا کما اعتمدہ الکمال اور جائز نہیں نظر کرنا عورت کے چہرہ کی طرف شہوت سے مانند چہرہ امرد کے یعنی بے ریش
لڑکے کے اس واسطے کہ حرام ہے نظر کرنا عورت کے چہرہ کا اور امرد کے چہرہ کا جب کہ شہوت کا شک اور تردد ہو اور بدون شہوت کے تو نظر
کرنا مباح ہے اگرچہ امرد خوبصورت ہو چنانچہ اسی قول پر کمال الدین صاحب فتح القدیر نے اعتماد کیا ہے قال محل النظر منوط بعدم خشیۃ الشہوۃ مع عدم العورۃ
کہا کمال الدین نے تو حلت نظر وابستہ بعدم خوف شہوت ہے ساتھ اس امر کے کہ وہ محل واجب الاستتار نہ ہو یعنی جب کہ محل نظر وہ مقام نہ ہو جس
کا چھپانا چاہیے اور شہوت کا خوف نہ ہو تو نظر کرنا حلال ہے والا حلال نہیں وفی السراج لا عورۃ للصغیر جدا ثم مالم یشتہ فقبل ودبر ثم تغلظ الی عشر سنین
ثم کبالغ اور سراج وہاج میں ہے کہ نہایت صغیر کا بدن عورت نہیں یعنی ڈھکنے کے لائق نہیں پھر جب تک کہ وہ قابل خواہش کے نہیں تو
بول وبراز چھپانے کے لائق ہے پھر عورت غلیظہ ہوتی ہے دس برس تک یعنی بول براز کا مقام مع گرد ونواح کے قابل چھپانے کے ہو جاتا
ہے پھر دس برس کے بعد جوان کے مانند ہے برہنگی کے چھپانے میں م نہایت صغیر سے مراد چار برس کا بچہ ہے لڑکا ہو یا لڑکی کذا فی الطحطاوی
عن الحلبی عن شیخہ وفی الاشباہ یدخل علی النساء الی خمسۃ عشر سنۃ حسب اور اشباہ میں ہے کہ اندر جاوے لڑکا عورتوں میں فقط پندرہ
برس کی عمر تک م یہ اس صورت میں ہے کہ اس کا بلوغ بجز عمر کے ثابت نہ ہو اور اگر احتلام وغیرہ سے اس کا بلوغ ثابت ہوا ہو تو پندرہ برس
سے پہلے بھی اس کا عورتوں میں جانا منع ہے اور جو عضو کہ عورت ہے بدن میں ملا ہوا اس کا دیکھنا بدن سے جدا ہونے کے بعد بھی درست
نہیں کذا فی الطحطاوی شامی نے کہا کہ شارح کو خمس عشرۃ کہنا مناسب تھا اس لیے کہ لفظ سنۃ مؤنث ہے ویمنع حتی انعقادہا کشف ربع
عضو قدر اداء رکن بلا صنعہ من عورۃ غلیظۃ او خفیفۃ علی المعتمد اور منع کرتا ہے نماز کو یہاں تک کہ انعقاد نماز کو کھل جانا چوتھائی عضو
کا بقدر ادا کرنے رکن کے بدون فعل مصلی کے عورت غلیظہ اور خفیفہ سے معتمد قول پر م کشف ربع عورت مانع انعقاد نماز اس وقت ہو گا جب
تکبیر تحریمہ کی حالت میں ہو اگرچہ ادائے رکن سے کم مدت ہو اور ادائے رکن کی مقدار تین بار سبحان اللہ کہنا ہے اور اگر کشف عورت بفعل
مصلی ہو گا تو فی الحال نماز فاسد ہو جائے گی اگرچہ کمتر ہو ادائے رکن کی مقدار سے والغلیظۃ قبل ودبر وما حولہما والخفیفۃ ما عداہما
من الرجل والمرأۃ اور عورت غلیظہ مرد اور عورت میں بول وبراز کا محل ہے اور جو مکان کہ ان دونوں کے آس پاس ہے اور عورت خفیفہ
وہ ہے جو اس کے سوا ہے وتجمع بالاجزاء لو فی عضو واحد اور چند جگہ سے کھلی ہوئی برہنگی جمع کی جائے گی اجزاء سے اگر ایک عضو میں
ہو م اجزاء سے مراد کسور حسابیہ ہیں مثلاً پانچواں اور چھٹا اور آٹھواں حصہ اور اگر مثلاً ران ایک جگہ سے آٹھواں حصہ اور دوسری جگہ
سے بھی اسی قدر کھلی ہے تو دونوں کو جمع کریں گے تو چہارم حصہ ٹھہرے گا اور نماز کا مانع ہو گا اور اگر جمع کرنے سے اس عضو کا چہارم

نہ ہوگا تو مانع نماز کا نہ ہوگا والا فبالقدر اور اگر عورت مکشوفہ متفرق ایک عضو میں نہیں بلکہ چند اعضاء میں ہے تو وہ پیمائش میں جمع کی جائے گی
بنا اجزاسے فان بلغ ربع ادناہا کاذن منع سو اگر کھلے اعضاء میں سے کمتر عضو کی چہارم کو پیمائش پہنچ جائے گی چنانچہ کان تو یہ کھلنا نماز کا مانع
ہو گا مثلاً سولھواں حصہ ران کا اور کچھ کان عورت کا کھل گیا تو اس کی نماز جائز نہ ہو گی اس واسطے کہ دونوں کا مجموعہ کان کی چہارم سے
زیادہ تر ہے اور یہی قول برحق ہے برخلاف بحرالرائق کے کہ اس میں مجموع اعضاء منکشفہ کے چہارم کو معتبر رکھا ہے کذا فی الطحطاوی والشرط
سترہا عن غیرہ ولو حکما کمکان مظلم اور شرط ہے ڈھکنا برہنگی کا غیر شخص سے اگرچہ ستر حکمی ہو چنانچہ نمازی ہو اندھیرے مکان میں یعنے
اگرچہ وہ مستور ہے باعتبار حس کے بایں معنی کہ وہ نظر نہیں آتا لیکن وہ حکم شرع میں مستور نہیں تو اس پر چھپانا کپڑے وغیرہ سے واجب ہے
کذا فی الحلبی لاسترہا عن نفسہ وبہ یفتی شرط نہیں چھپانا برہنگی کا اپنی ذات سے اسی کا فتوی دیا ہے فلو راٰہا من زیقہ لم تفسد وان کرہ
پھر اگر نمازی نے شرمگاہ کو دیکھا اپنے گریبان کی راہ سے تو نماز فاسد نہ ہو گی اگرچہ یہ نظر کرنا مکروہ تحریمی ہے کذا فی الطحطاوی وعادم ساتر
لا یصف ماتحتہ اور نہ پانے والا اس چھپانے والی چیز کا جو اپنے اندر کی چیز کو ظاہر نہ کر دے یعنی جس میں بدن نظر نہ آوے م عادم مبتدا
ہے اس کی خبر آگے آتی ہے یعنی یصلی قاعداً ساتر میں یہ قید اس واسطے لگائی کہ اگر ایسا کپڑا ہے جس سے نیچے کا بدن معلوم ہوتا ہے چنانچہ باریک
ململ یا جالی تو وہ بمنزلہ معدوم کے ہے ولا یضر التصاقہ وتشکلہ اور ضرر نہیں کرتا ساتر کے بدن میں چپٹنا اور عضو کی شکل پکڑنا یعنی نماز ایسے
کپڑے سے درست ہو جائے گی ولو حریراً او طیناً یبقی الی تمام صلوتہ او ماء کدراً اگرچہ ساتر شرم گاہ کا ریشمی کپڑا یا گیلی مٹی ہو جو پوری نماز تک
بدن پر باقی رہے یا گدلا پانی ہو م اگرچہ ریشمی کپڑا مرد کو حرام ہے اور اس کے ساتھ نماز مکروہ لیکن اگر کوئی چیز ساتر نہ پائے تو ریشمی سے بدن
چھپا کر نماز پڑھے اس کے ہوتے نماز برہنہ جائز نہیں لا صافیا ان وجد غیرہ نہ صاف پانی اگر اس کے سوا کوئی چیز ساتر پا دے یعنی صاف
پانی میں بیٹھ کر برہنہ آدمی نماز نہ پڑھے اگر دوسری چیز مل سکتی ہو اور اگر نہ ملی تو اس میں نماز واجب ہے بوجہ تھوڑا کھلنے کے کذا فی
الطحطاوی وہل تکفیہ الظلمۃ فی مجمع الانہر بحثاً نعم فی الاضطرار لا الاختیار سوال اور کیا برہنہ شخص کو اندھیرے میں نماز کفایت کرتی ہے مجمع الانہر
شرح ملتقی الابحر میں بحث کر کے یوں جواب دیا کہ ہاں اضطرار میں کافی ہے نہ اختیار میں م اس کلام کا ثمرہ کچھ معلوم نہیں ہوتی اس واسطے
کہ جب ساتر مفقود ہوا تو ہر حال میں نماز پڑھے خواہ اندھیرا ہو یا روشنی اور شاید کہ اس میں اشارہ ہے بعضے مشائخ کے اس قول کا
کہ برہنہ دن کو بیٹھ کر نماز پڑھے اور رات کو کھڑے نماز پڑھے اس واسطے کہ رات کا اندھیرا اس کی شرمگاہ کا ساتر ہے کذا فی الطحطاوی
یصلی قاعداً کما فی الصلوٰۃ نہ پانے والا کسی چیز ساتر کا نماز پڑھے بیٹھ کر جیسے نماز میں بیٹھتے ہیں یعنی مرد بائیں پاؤں پر بیٹھے وا ہنا پاؤں
کھڑا کر کے اور عورت سرین پر بیٹھے وقیل ماداً رجلیہ اور بعضوں نے کہا کہ دونوں پاؤں پھیلا کر بیٹھے م اور عورت غلیظہ پہ ہاتھ رکھ
لے اور راجح پہلا قول ہے کہ اس میں کثرت استتار ہے باوجود خالی ہونے کے قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانے سے جو بہتر نہیں کذا فی
البحر مومیا برکوع وسجود بیٹھ کے نماز پڑھے رکوع اور سجود کا اشارہ کر کے تاکہ برہنگی نہ کھلے وہو افضل من صلوتہ قاعداً
برکوع وسجود وقائماً بایماء او برکوع وسجود لان الستر اہم من اداء الارکان اور وہ یعنی برہنہ شخص کو بیٹھ کر رکوع سجود کا اشارہ کر کے
نماز پڑھنا افضل ہے اس کی نماز سے بیٹھ کر اور رکوع اور سجود کر کے اور کھڑے ہو کر اشارہ سے یا رکوع سجود کر کے اس واسطے کہ
شرمگاہ کا چھپانا زیادہ تر مقصود ہے ارکان کے ادا کرنے سے م اس واسطے کہ ستر عورت مطلقاً فرض ہے نماز اور غیر نماز میں اور ارکان
یعنی قیام اور رکوع اور سجود نماز میں فرض ہیں ولو ابیح لہ ثوب ولو باعارۃ ثبتت قدرتہ ہو الاصح اور اگر برہنہ کو مباح کیا جائے

کپڑا اگرچہ اباحت بطور عاریت کے ہو تو اس کا قادر ہونا ساتر پر ثابت ہوگا یہی قول صحیح تر ہے یعنی اگر اس صورت میں برہنہ نماز پڑھے گا
تو نماز جائز نہ ہوگی ولو وعد به ينتظر مالم يخف فوت الوقت هو الاظهر كراجي ماء وثوب وطهارة مكان اور اگر اباحت یا عاریت کا کوئی شخص اس
سے وعدہ کرے تو اس کا انتظار کرے جب تک فوت وقت کا خوف نہ ہو یہی قول ظاہر تر ہے جیسے انتظار کرے پانی اور کپڑے اور طہارت
مکان کا امیدوار ہو یعنی اگر مکان نجس میں مثلاً قید ہو اور توقع قوی وہاں سے نکلنے کی ہو تو نماز میں تاخیر کرے جب تک کہ فوت وقت کا
خوف ہو وهل يلزمه الشراء بثمن مثله ينبغي ذلك سوال اور کیا برہنہ شخص کو لازم اور ضرور ہے خرید کرنا کپڑے کا اس کی برابر قیمت سے جواب لائق یہ
ہے کہ خریدنا ضرور ہو مگر یہ بحث ہے صاحب بحر الرائق کی مذہب کی روایت نہیں ولو وجد ما اى ساترا كله نجس ليس باصل كجلد ميتة لم يدبغ فان
لا يستتر به فيها اتفاقا بل خارجها ذكره الوانى او اقل من ربعه طاهر ندب صلوته فيه وجاز الايماء كما مر اور جو پایا برہنہ نے وہ ساتر کہ اس کا
کل نجاست کے لگنے سے ناپاک ہے اصلی ناپاک نہیں اصلی ناپاک جیسے مردار کی کھال جس کی دباغت نہیں ہوئی تو یہ شخص ستر عورت نہ کرے
اس اصلی ناپاک سے نماز میں بالاتفاق بلکہ خارج نماز کے اس سے شرمگاہ چھپاوے ایسا ذکر کیا ہے علامہ دانی محشی درر نے یا ایسا ساتر
پایا جو چوتھائی سے کمتر پاک ہو تو اس کو اس میں نماز پڑھنا مستحب ہے اور جائز ہے برہنہ نماز پڑھنا اشارہ سے چنانچہ نماز پڑھنا اشارے
سے گذر گیا وحتم محمد لبسه واستحسنه فى الاسرار وبه قالت الثلثة اور محمد بن حسن نے اس ساتر کا جو تمام ناپاک ہے یا چہارم سے کمتر طاہر ہے
پہننا لازم کیا ہے نہ مستحب اور اسرار میں اس قول کو اچھا سمجھا ہے اور یہی قول ہے ائمہ ثلثہ کا ولو كان ربعه طاهرا صلى فيه حتما
اذ الربع كالكل اور اگر ساتر کا چوتھائی حصہ پاک ہو تو اسی ساتر میں بالضرور نماز پڑھے اس واسطے کہ چہارم کل کے برابر ہے م
یعنی چوتھائی کا حکم کل کا سا ہے مثلاً محرم کو چوتھائی سر کا منڈانا کل کے برابر ہے اور چوتھائی برہنگی کا کھلنا نماز کا مانع ہے کذا
فی الشامی وهذا اذا لم يجد ما يزيل به النجاسة او يقللها اور یہ حکم مذکور اس وقت ہے جب کہ نہ پاوے اس چیز کو جو نجاست کو
دور کردے یا اس کو کم کر ڈالے یعنی اگر مزیل نجاست پاوے تو ازالہ واجب ہے کذا فی البحر فيتحتم لبس اقل ثوبيه نجاسة جب تقلیل نجاست
کا حکم ہوا تو لازم ہے نماز میں پہننا اپنے دونوں ناپاک کپڑوں سے اس کپڑے کا جس کی نجاست کمتر ہے دوسرے سے والضابط
ان من ابتلى ببليتين فان تساويا خير وان اختلفا اختار الاخف اور قاعدہ کلیہ اس مسئلہ کا یہ ہے کہ جو شخص مبتلا ہو دو بلاؤں میں مثلاً
دو ناپاک کپڑوں میں سو اگر دونوں برابر ہوں منع نماز میں تو اس کو اختیار ہے چاہے اُس کو لے چاہے اِس کو اور اگر دونوں مختلف
ہیں یعنی ایک بلا کم ہے اور دوسری زیادہ تو وہ ہلکی کو اختیار کرے م مثلاً زخمی اگر سجدہ کرتا ہے تو زخم سیلان کرتا ہے اور نہیں تو نہیں
وہ بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے اس واسطے کہ ترک سجدہ ہلکا ہے بے وضو ہونے کے ساتھ نماز سے اور ترک سجدہ حالت اختیار میں بھی
کرسکتا ہے مثلاً سواری پر نماز نفل اشارہ سے درست ہے تو حالت عذر میں ترک سجدہ کا مضائقہ نہیں کذا فی البحر ولو وجدت المرأة
البالغة ساترا الستر بدنها مع ربع راسها يجب سترهما فلو تركت ستر رأسها اعادت بخلاف المراهقة لانه لما سقط بعذر الرق فبعذر الصبى اولى
اور اگر آزاد جوان عورت نے پایا ایسا ساتر جو ڈھکتا ہے اس کے بدن کو اس کے چوتھائی سر کے ساتھ تو بدن اور چہارم سر کا ڈھکنا
واجب ہے یعنی فرض ہے دونوں کا ڈھکنا تو اگر اپنے سر کا ڈھکنا چھوڑے گی تو نماز کا اعادہ کرے برخلاف قریب البلوغ عورت
کے یعنی اگر وہ بدون سر ڈھکنے کے نماز پڑھے گی تو اعادہ نماز ضرور نہیں اس واسطے کہ سر کا ڈھکنا جب کہ ساقط ہوگیا لونڈی
ہونے کے عذر سے تو لڑکپن کے عذر سے ساقط ہونا اولیٰ ہے م شارح کو علت بیان کرنا اس حدیث سے مناسب تھا کہ کوئی

بالغ عورت بدون سر ڈھانکنے کے نماز نہ پڑھے کیوں کہ شارح کے قول سے مفہوم ہوتا ہے کہ جن اعضاء کا ڈھکنا لونڈی ہونے کی جہت سے ساقط ہے ان کا ڈھکنا لڑکپن سے ساقط ہو حالانکہ یہ کلیہ نہیں کذا فی الشامی ولو کان یستر اقل من ربع الراس لایجب بل یندب اور اگر ساتر کو ڈھکنا بھر بکتر چوتھائی سر سے تو اس کو ڈھکنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے لکن قولہ ولو وجد المکلف مالیستر بہ بعض العورۃ وجب استعمالہ ذکرہ الکمال زاد الحلبی وان قل لیقتضی وجوبہ مطلقاً فتامل لیکن مصنف کا یہ قول اور اگر پاوے مکلف وہ چیز جس سے بعض برہنگی کو چھپاوے تو اس کا استعمال واجب ہے ذکر کیا ہے اس کو کمال الدین نے فتح القدیر میں حلبی شارح منیہ نے اتنا زیادہ کیا ہے وان قل یعنی اگرچہ وہ ساتر قلیل ہو چاہتا ہے ساتر کے استعمال کو مطلقاً خواہ چوتھائی کا ساتر ہو یا کم تر کا سو تامل کر اے مخاطب ہم یعنی مصنف کے دونوں قولوں میں تناقض ہے پہلا قول یہ ہے کہ چہارم سر سے کم تر ڈھکنا واجب نہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ بعض عورت کا ڈھکنا واجب ہے خواہ چہارم ہو یا کم تر حلبی محشی در المختار نے کہا کہ اگر کمال الدین کے کلام کو سر کے سوا محمول کیجیے اس واسطے کہ سر کا ہونا عورت خفیف تر ہے باقی عورت سے اس دلیل سے کہ صلوٰۃ مراہقہ ننگی کی صحیح ہے تو اب تناقض باقی نہ رہے گا ولیستر القبل والدبر اولا اور ڈھکے پیشاب کی راہ کو اور پاخانہ کی راہ کو پہلے فان وجد مالیستر احدھما قیل یستر الدبر لانہ افحش فی الرکوع والسجود وقیل القبل حکاھما فی البحر بلا ترجیح پھر اگر پاوے وہ چیز جو ایک شرمگاہ کو چھپاوے بعضوں نے کہا دبر کو چھپاوے اس واسطے کہ اس کا کھلنا رکوع اور سجدہ میں فاحش تر اور قبیح تر ہے اور بعضوں نے کہا قبل کو چھپاوے یعنی اس لیے کہ وہ قبلہ رخ ہے اور کوئی عضو اس کی آڑ نہیں جیسے سرین منفذ کا حجاب ہیں کذا فی الشامی نقل کیا ہے دونوں قولوں کو بحر الرائق میں بدون ترجیح کے وفی النھر الظاہر ان الخلاف فی الاولویۃ والتعلیل یفید انہ لو صلی بالایماء تعین ستر القبل ثم فخذہ ثم بطن امرأۃ وظہرھا ثم الرکبۃ ثم الباقی علی السواء اور نہر الفائق میں ہے کہ ظاہرا دونوں قولوں کا خلاف اولی ہونے میں ہے اور تعلیل یعنی کشف دبر کا قبیح ہونا رکوع اور سجود میں اس کا مفید ہے کہ اگر بدون رکوع اور سجود کے اشارہ سے نماز پڑھے تو قبل کا چھپانا متعین ہوگا پھر اس کے بعد ران کا پھر عورت کے پیٹ اور پیٹھ کا پھر زانو کا پھر باقی بدن برابر ہے ہم ران وغیرہ کا ذکر حلبی کے کلام سے ہے نہ نہر الفائق سے یعنی اگر زیادہ ہو وے کپڑا تو قبل کے بعد ران کو پھر عورت پیٹ اور پیٹھ کو پھر زانو کو چھپاوے کذا فی الطحطاوی واذا لم یجد المکلف المسافر مایزیل بہ نجاستہ او یقللھا لبعدہ میلا او لعطش صلی معھا او عاریا ولا اعادۃ علیہ اور اگر عاقل بالغ مسافر نہ پاوے اس چیز کو جس سے نجاست کو دور کرے یا اس کو کم کر ڈالے بسبب دور ہونے منزل کے کوس بھر یا پیاس کے سبب سے تو نماز پڑھے نجاست کے ساتھ یا برہنہ ہو کر اور اس پر اعادہ نماز کا نہیں وینبغی لزومھا لو العجز عن مزیل وساتر بفعل العباد کما مر فی التیمم اور لزوم اعادہ نماز لائق ہے اگر عاجز ہونا مزیل نجاست اور ساتر سے بندوں کے فعل سے ہو چنانچہ تیمم میں گذر گیا ہم یہ بحث ہے صاحب بحر الرائق کی اور مصنف نے اپنی شرح میں اس کو ثابت رکھا ہے ثم ہذا للمسافر لان للمقیم یشترط طہارۃ الساتر وان لم یملکہ قہستانی پھر معلوم کر کہ یہ نماز کا برہنہ جائز ہونا مسافر کے حق میں ہے اس لیے کہ مقیم کے واسطے طہارت ساتر کی شرط ہے اگرچہ ساتر کا وہ مالک نہ ہو چنانچہ قہستانی میں ہے ہم طحطاوی نے کہا کہ اس حکم کی تخصیص مقیم کے ساتھ بلا وجہ ہے والخامس النیۃ بالاجماع اور پانچویں شرط نماز کی نیت یعنی پختہ ارادہ ہے بدلیل اجماع واتفاق ہم یعنی اشتراط نیت کی دلیل اجماع ہے نہ یہ آیت (وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ)[سلہ] اس واسطے کہ عبادت سے یہاں توحید مراد ہے تو یہ اخلاص یعنی خلوص ارادہ و نیت اس آیت سے توحید میں پایا گیا نہ عبادت میں اور یہ حدیث بھی دلیل نہیں ہے کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ اس واسطے کہ اس میں تو نیت کا ثواب مراد ہے اور صحت سے تعرض نہیں کذا فی الطحطاوی وہی الارادۃ المرجحۃ لاحد المتساویین اور نیت ارادہ ہے ترجیح دینے

[سلہ] ان کو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی عبادت کریں اخلاص کے ساتھ ۱۲

والا ایک چیز کا دو برابر چیزوں سے ہم دو چیزیں برابر چنانچہ کرنا اور نہ کرنا افعال اختیاریہ کا مثلاً نماز پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں برابر ہیں کہ بذات خود نہ فعل اس کا لازم اور محال ہے نہ ترک اس کا پھر جب کہ ارادہ متعلق ہوا فعل سے تو نماز واقع ہوئی تو ترجیح فعل کی ترک پر طرف ارادہ سے ہوئی اسی ارادہ مرجحہ کو نیت کہتے ہیں طحطاوی نے کہا کہ نیت مطلق ارادہ کا نام نہیں بلکہ عبارت ہے اس ارادہ فعل سے جو فعل کے ساتھ ہو اور علم میں اس سے پہلے ہو ای ارادۃ الصلوٰۃ للہ تعالیٰ علی الخلوص یعنی نماز کا ارادہ خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے ہم شارح نے اشارہ کیا کہ الارادۃ کا الف لام عہد کا ہے یعنی نیت ہر ارادہ کا نام نہیں بلکہ یہاں ارادہ نماز کا مراد ہے خلوص کے ساتھ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے عبادت میں نہ شرک جلی مشرکوں کے مانند نہ شرک خفی ریاکاروں کے طور پر لا مطلق العلم فی الاصح الا تری ان من علم الکفر لا یکفر ولو نواہ یکفر نیت عبارت ہے ارادہ مذکور سے نہ مطلق دانست سے صحیح تر قول میں کیا تو نہیں دیکھتا کہ جس نے کفر کو جانا وہ کافر نہیں ہوتا اور اگر کفر کی نیت کی تو کافر ہو جاتا ہے ہم عیز اصح عبدالواحد کا یہ قول ہے کہ نیت دانست کا نام ہے حالانکہ دونوں کے مفہوم متباین ہیں ارادہ کو علم یعنی دانست لازم ہے اور دانست کو ارادہ لازم نہیں کذا فی الطحطاوی والمعتبر فیہا عمل القلب اللازم للارادۃ فلا عبرۃ للذکر باللسان وان خالف القلب لانہ کلام لا نیۃ اور نیت میں معتبر دل کا عمل ہے جس کو ارادہ لازم ہے تو کچھ اعتبار نہیں زبان کے ذکر کا اگرچہ وہ دل کے مخالف ہو اس واسطے کہ زبانی ذکر کلام ہے نیت نہیں ہے ہم جب عمل دل معتبر ہوا نہ عمل زبان تو اگر زبان نے خطا کی تو کچھ ضرر نہیں مثلاً دل میں ارادہ ہو ظہر کا اور زبان سے عصر نکلا تو نیت صحیح ہے اور عدد رکعات میں خطا قلبی بھی مضرت نہیں کرتی اس واسطے کہ تعیین عدد شرط نہیں تو اس کی خطا بھی مضر نہیں کذا فی الاشباہ الا اذا عجز عن احضارہ لہموم اصابتہ فیکفیہ اللسان مجتبی مگر جب کہ آدمی عاجز ہو دل کے حاضر کرنے سے افکار اور تشویشات کے لاحق ہونے سے تو اب اس کو زبان کا عمل بجائے عمل دل کے کفایت کرتا ہے کذا فی المجتبی وہو ای عمل القلب اَنْ یَّعْلَمَ عندالارادۃ بداہۃ بلا تامل ای صلوٰۃ یصلی فلو لم یعلم الا بتامل لم یجز اور وہ یعنی دل کا عمل یہ ہے کہ جانے آدمی نماز کے وقت فوراً بدون غور اور تامل کے کہ کون سی نماز پڑھتا ہے سو اگر بجانے مگر تامل کرنے سے تو نماز جائز نہیں ہم یہ استحضار فقط نیت کے وقت شرط ہے تمام نماز میں شرط نہیں یعنی اگر اثناء نماز میں نہ ہوگا تو کچھ حرج نہیں اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں کذا فی الطحطاوی مختصراً والتلفظ عندالارادۃ بہا مستحب ہو المختار اور ارادہ نماز کے وقت زبان سے نیت کرنا مستحب ہے یہی قول مختار ہے وتکون بلفظ الماضی ولو فارسیا لانہ الاغلب فی الانشاءات وتصح بالحال قہستانی اور ہووے زبان سے کہنا ماضی کے لفظ کے ساتھ جو زمانہ گذشتہ پر دلالت کرتا ہے اگرچہ فارسی بولی میں ہو اس واسطے کہ ماضی کا لفظ اکثر مستعمل ہے انشاءات میں یعنی الفاظ میں جو ایجاد اشیا میں بولے جاتے ہیں چنانچہ معاملات میں اور صحیح ہے نیت کرنا حال کے لفظ کے ساتھ جو زمانہ موجود پر دلالت کرتا ہے کذا فی القہستانی شرح النقایہ لفظ حال سے صیغہ مضارع کا مراد ہے جس سے فقط حال مقصود ہو نہ استقبال اس واسطے کہ ارادہ استقبال سے وعدہ ٹھہرے گا نہ وقوع تو عربی میں نیت بہ لفظ ماضی اس طرح ہے کہ نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ الْفَجْرَ اور فارسی میں یوں کہ نیت کردم کہ نماز فجر گذارم اور ہندی میں یوں کہ نماز فجر کی میں نے نیت کی اور بلفظ حال اس طرح کہ اُرِیْدُ اَنْ اُصَلِّیَ الْفَجْرَ اور فارسی میں یوں کہ نماز فجر را نیت میکنم اور ہندی میں یوں کہ نماز فجر کی نیت کرتا ہوں وقیل سنۃ رایتۃ یعنی احبہ او سنۃ علماءنا اذ لم ینقل عن المصطفیٰ او الصحابۃ ولا التابعین بل قیل بدعۃ اور بعضوں نے کہا کہ زبان سے نیت کرنا سنت مؤکدہ دائم العمل ہے یعنی یہاں سنت سے مراد یہ ہے کہ پسند کیا ہے اس کو یا اس کو طریقہ قرار دیا ہے ہمارے عالموں نے سنت شرعی یہاں مراد نہیں اس لیے کہ زبان سے نیت کرنا جناب مصطفیٰ

علیہ الصلوۃ والسلام سے اور اصحاب اور تابعین رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں بلکہ بعض عالموں نے اس کو بدعت کہا ہے ہم بدعت
سے یہاں بدعت حسنہ مراد بقول معتمد ہے نہ بدعت سیئہ بحر الرائق میں کہا کہ زبان سے نیت کرنا مستحسن ہے اطمینان کے سبب سے
نہ اور وجہ سے یعنی انسان کبھی پریشان خاطر ہوتا ہے اور زبان کے کہنے سے ارادہ دل کو جمعیت ہو جاتی ہے اس لیے زبان سے کہنا مستحسن ہوا
کذا فی الطحطاوی وفی المحیط انہ یقول اللہم انی ارید ان اصلے صلوۃ کذا فیسرہا لی وتقبلہا منی ویجی فی الحج اور محیط میں ہے کہ نماز کا پڑھنے والا یوں
کہے کہ اے اللہ میں ارادہ کرتا ہوں فلانی نماز کے پڑھنے کا سو اس کو میرے لیے آسان کر دے اور میری طرف سے اس کو قبول کر اور عنقریب
اس کا بیان کتاب الحج میں آوے گا ہم یہ مثال نیت کی بلفظ حال نہر الفائق میں کہا کہ اکثر علماء نے کہا ہے کہ نیت حج کے واسطے مخصوص
ہے اس واسطے کہ حج زمانہ دراز میں پورا ہوتا ہے اور اس میں مشقتیں بہت ہوتی ہیں برخلاف نماز کے کذا فی الطحطاوی وجاز تقدیمہا
علے التکبیرۃ ولو قبل الوقت اور جائز ہے مقدم کرنا نیت کا تکبیر تحریمہ پر اگرچہ تقدم نیت کی نماز کے وقت سے پہلے ہو ہم اور نماز کے
مانند جمیع عبادات پر تقدیم نیت کی جائز ہے صحیح قول میں وفی البدائع خرج من منزلہ یرید الجماعۃ فلما انتہی الی الامام کبر ولم تحضرہ النیۃ جاز
ومفادہ جواز تقدیم نیۃ الاقتداء ایضاً فلیحفظ اور بدائع میں ہے کہ ایک شخص نکلا اپنے گھر سے جماعت کی نماز کے قصد سے پھر جب امام تک
پہنچا تو اس نے تکبیر تحریمہ کہی اور نیت اقتداء کی اس کو اس وقت حاضر نہ ہوئی تو جائز ہے اور بدائع کے اس کلام سے مستفاد ہوتا ہے
کہ نیت اقتداء کی بھی تقدیم جائز ہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے لیکن قہستانی میں ہے کہ نیت اقتداء کی تقدیم امام کی تحریمہ پر صحیح نہیں مالم
یوجد بینہما قاطعہا من عمل غیر لائق بالصلوۃ تقدیم نیت کی جائز ہے جب تک کہ نماز اور نیت کے درمیان کوئی عمل قطع کرنے والا
نیت کا جو نماز کے مناسب نہیں ہے پایا جائے ہم عمل قاطع نیت چنانچہ کھانا اور پینا اور لکڑی خرید کرنا کذا فی البحر وہو کل ما یمنع البناء اور
وہ یعنی عمل غیر مناسب نماز وہ عمل ہے جو بناء نماز کا مانع ہے ہم اگر اثناء نماز میں نمازی کا وضو جاتا رہا تو وہ چپ چاپ جائے اور
دوسرا وضو کر کے بقیہ نماز پڑھے اس بقیہ کے پڑھنے کو بنا کہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ چلنا اور وضو کرنا قاطع نیت نہ ہو گا کیوں کہ
یہ دونوں کام نماز کے اندر قاطع نیت نہیں ہوتے تو نماز کے خارج بطریق اولی قاطع نہ ہونگے وشرط الشافعی قرانہا فیندب عندنا اور
امام شافعیؒ نے نیت کا متصل کرنا تحریمہ کے ساتھ شرط کیا ہے تو نیت کا ملانا تحریمہ کے ہمارے نزدیک مستحب ہو گا ہم اس واسطے کہ
محل اختلاف سے بچنا مستحب ہے اگرچہ ہمارے نزدیک قران شرط نہیں ولا عبرۃ بنیۃ متاخرۃ عنہا علی المذہب وجوزہ الکرخی والی الرکوع اور
اس نیت کا اعتبار نہیں جو تحریمہ کے بعد ہو بنابر صحیح مذہب کے اور کرخی نے رکوع تک تاخیر نیت کو جائز کہا ہے ہم شامی نے کہا کہ
رکوع وغیرہ کی تصریح کرخی نے نہیں کی بلکہ علماء نے ان کے مذہب کے بموجب تاخیر کا جواز نکالا ہے کسی نے ثنا تک کسی نے رکوع
تک کسی نے قعدہ تک ویکفی مطلق نیۃ الصلوۃ وان لم یقل للہ تعالی لنفل وسنۃ راتبۃ وتراویح علی المعتمد اذ تعیینہا بوقوعہا وقت
الشروع اور کفایت کرتی ہے مطلق نیت نماز کی نفل اور سنت مؤکدہ اور تراویح کے واسطے معتمد قول پر اگرچہ اس نے نہ کہا ہو کہ اللہ تعالی
کے واسطے نیت کرتا ہوں اس لیے کہ نفل اور سنت اور تراویح کا متعین ہونا ثابت ہو جاتا ہے ان کے واقع ہونے سے شروع کرنے
کے وقت ہم یعنی یوں کہنا یا ارادہ کرنا کہ نیت کرتا ہوں نفل کی یا سنت فجر کی مثلاً یا تراویح کی ضرورت نہیں بلکہ بلا قید نیت کرنا
کافی ہے پھر جب کہ فجر کے وقت مطلق نیت سے نماز پڑھے گا تو سنت کا تعین حاصل ہو گا وقولہ وان لم یقل للہ بیان ہے اطلاق
نیت کا والتعیین احوط اور نفل یا سنت کا متعین کر لینا احوط ہے یعنی تعیین میں زیادہ تر احتیاط ہے اس واسطے کہ اطلاق اور

تعیین کی تصحیح میں اختلاف ہے کذا فی البحر ولا بد من التعیین عند النیۃ فلو جہل الفرضیۃ لم یجز اور فرض نماز میں متعین کر لینا نیت کے وقت ضرور ہے تو اگر نماز کے فرض ہونے سے ناواقف ہوگا تو نماز اس کی جائز نہ ہوگی ھ ایک شخص پانچ وقت کی فرض نماز پڑھتا ہے لیکن ان کا فرض ہونا نہیں جانتا ہے تو اس کی نماز جائز نہیں اس پر قضا کرنا واجب ہے کیوں کہ اس نے فرض معین کی نیت نہیں کی کذا فی الطحطاوی ولو علم ولم یمیز الفرض من غیرہ ان نوی الفرض فی الکل جاز اور اگر اس نے بعضی نمازوں کو فرض اور بعض کو نفل جانا اور جدا نہ کیا فرض کو غیر فرض سے تو اگر سب نمازوں میں فرض کی نیت کی تو جائز ہے یعنی بقدر فرض کے فرض ہوگی اور باقی نفل وکذا الوام غیرہ فیما لا سنۃ قبلہا اور اسی طرح نماز جائز ہے اگر غیر ممیز نے غیر شخص کی امامت کی فرض کی نیت سے اس نماز میں جس کے پہلے سنت نہیں ہے ھ یعنی جو شخص فرض اور نفل ممتاز نہیں کرتا وہ غیر کی امامت کرے فرض کی نیت سے مغرب اور عصر اور عشا میں جن کے پہلے سنت مؤکدہ نہیں تو مقتدیوں اور امام کی نماز صحیح ہے اشباہ میں قنیہ سے منقول ہے کہ نمازی چھ قسم ہیں پہلی قسم وہ نمازی ہے جو فرض اور نفل نماز کو جانتا ہے یعنی جانتا ہے کہ فرض وہ ہے جس کے کرنے میں ثواب اور نہ کرنے میں عذاب ہے اور سنت وہ ہے جس کے کرنے میں ثواب اور نہ کرنے میں عذاب نہیں سو اس نے فجر یا ظہر کی نیت کی تو کافی ہے ۲ وہ نمازی ہے جو فرض اور نفل کو جانتا ہے اور فرض کی نیت سے نماز پڑھتا ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ فرض کس قدر ہے اور سنت کتنی اس کی بھی نماز درست ہے ۳ وہ نمازی ہے جو فرض کی نیت سے نماز پڑھتا ہے مگر فرض کے معنی نہیں جانتا تو اس کی نماز کفایت نہیں کرتی ۴ وہ نمازی ہے جو یہ جانتا ہے کہ آدمی جو نماز پڑھتے ہیں ان میں بعض نماز فرض ہے اور بعض نفل اور امتیاز نہیں کرتا فرض اور نفل میں تو اس کی نماز جائز نہیں اس واسطے کہ فرض میں نیت کا معین کرنا شرط ہے اور بعضوں نے کہا کہ اس نے جو نماز کہ جماعت سے پڑھی اور امام کی نماز کی نیت کی تو درست ہے ۵ وہ نمازی ہے جس نے یہ اعتقاد کیا کہ ہر نماز فرض ہے تو اس کی نماز جائز ہے ۶ وہ نمازی ہے جو نہیں جانتا ہے کہ خدا کی نماز بندوں پر فرض ہے ولیکن وہ پنجگانہ نماز پڑھتا ہے اس کی نماز جائز نہیں ہے انتہی ملخصاً لفرض انہ ظہر او عصر قرنہ بالیوم والوقت اولا ہو الاصح یعنی ضرور ہے نیت کی تعیین فرض کے واسطے اس طرح پر کہ وہ نماز ظہر کی ہے یا عصر کی خواہ ظہر یا عصر کے ساتھ دن اور وقت کو ملاوے یا نہ ملاوے یہی قول صحیح تر ہے ھ یعنی یوں کہنا یا نیت کرنا کہ اصلی ظہر الیوم یا ظہر الوقت یعنی آج کی ظہر یا اس وقت کی ظہر ادا کرتا ہوں کچھ ضرور نہیں فقط ظہر یا عصر کی نیت کرنا بلا اضافت کافی ہے اصح قول میں اس واسطے کہ وہ وقت تو اسی کے واسطے متعین ہو گیا ہے ولو الفرض قضاءً بنیت فرض کے تعیین کی ضرور ہے اگرچہ فرض قضا ہو لکنہ یعین ظہر یوم کذا علی المعتمد لیکن قضا کا پڑھنے والا معین کرے فلانے دن کی ظہر یا عصر کو بنا بر قول معتمد کے ھ یعنی قضا میں فقط ظہر یا عصر کا کہنا کفایت نہیں کرتا بلکہ معتمد قول یہ ہے کہ فلانے دن کی ظہر پڑھتا ہوں خواہ کثرت فوائت سے ترتیب ساقط ہو گئی ہو یا نہ ہوئی ہو اور غیر معتمد قول یہ ہے کہ نیت تعیین کی کثرت فوائت سے ساقط ہے کذا فی الطحطاوی والاسہل نیۃ اول ظہر علیہ او آخر ظہر اور تعیین نیت میں درصورت بہت سی قضاء نمازوں کے آسان تر طریقہ یہ ہے کہ کہے کہ میں نیت کرتا ہوں پہلی ظہر کی جو مجھ پر واجب ہے یا پچھلی ظہر کی جو مجھ پر واجب ہے ھ آسانی کی وجہ اس نیت میں یہ ہے کہ شاید تاریخ اور دن قضا کے یاد نہ ہوں وفی القہستانی عن المنیۃ لا یشترط ذلک فی الاصح وسیجیٔ فی آخر الکتاب اور قہستانی میں منیۃ المصلی سے منقول ہے کہ قضا میں معین کرنا نیت کا شرط نہیں صحیح تر قول میں اور اس مسئلہ کا ذکر آخر کتاب میں یعنی مسائل شتّٰی میں آوے گا وواجب انہ وتر او نذر او سجود تلاوۃ اور ضرور ہے نیت کا معین کرنا واجب نماز کے واسطے اس طرح کہ وہ وتر کی نماز ہے

یا نذر کی یا سجدہ ہے تلاوت کا ہم وتر کی تعیین ضرور ہے لیکن اس کو واجب یا سنت کہنا لازم نہیں کیوں کہ اس میں اختلاف ہے
اور نذر نماز میں یوں کہے کہ وہ نماز پڑھتا ہوں جو شفا کے واسطے یا فلانی حاجت کے واسطے میں نے نذر مانی تھی اس واسطے کہ تعیین
نذر کی نہیں بدون ذکر کرنے اس کے اسباب کے کذا فی الطحطاوی وکذا شکر بخلاف سہوٍ اور اسی طرح ضرور ہے معین کرنا سجدہ شکر کی
نیت کا بخلاف سجدہ سہو کے کہ اس میں تعیین ضرور نہیں ھم سجدہ شکر اور سجدہ سہو میں شارح سے سہو واقع ہوا یوں کہنا ٹھیک تھا
وکذا سہوٌ بخلاف شکر یعنی اسی طرح ضرور ہے معین کرنا سجدہ سہو کا نہ سجدہ شکر کا اس واسطے کہ سجدہ سہو کا واجب ہے اور سجدہ
شکر نفل ہے حالانکہ نفل میں تعیین نیت ضرور نہیں یہ بحث ہے صاحب نہر الفائق کی کہ تعیین نیت سہو میں واجب ہے نہ شکر میں کذا
فی الطحطاوی مختصراً دون تعیین عدد رکعاتہ لحصولہا ضمنا فلا یضر الخطاء فی عددہا ضرور نہیں معین کرنا شمار رکعات کا فرض اور واجب میں
کیوں کہ رکعات تو ضمنا حاصل ہیں یعنی تعیین رکعات تو حقتعالیٰ کی طرف سے حاصل ہو چکی اس میں تو احتمال کمی بیشی کا نہیں تو عدد رکعات
میں چوکنا کچھ مضر نہیں کرتا یعنی جس کی تعیین ضرور نہیں تو اس میں خطا واقع ہونے سے کچھ ضرر نہیں تو اگر ظہر میں مثلاً تین رکعت کی اور فجر میں
چار رکعت کی نیت کی تو نماز جائز ہے وینوی المقتدی المتابعۃ اور نیت کرے امام کے پیچھے پڑھنے والا امام کے پیچھے ہونے کی یعنی یوں ارادہ
کرے کہ امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہوں لم یقل ایضا لانہ لونوی الاقتداء بالامام او الشروع فی صلوۃ الامام ولم یعین الصلوۃ صح فی الاصح وان لم یعلم بہا
لجعلہ نفسہ تبعا لصلوۃ الامام مصنف نے لفظ ایضاً نہ کہا یعنی کنز وغیرہ کی طرح یوں نہ کہا کہ علاوہ نیت سابقہ کے مقتدی نیت متابعت
کی بھی کرے اس لیے کہ اگر نمازی امام کی اقتدا کی نیت کرے یا امام کی نماز شروع کرنے کی نیت کرے اور نماز کو معین نہ کرے تو صحیح تر
قول میں اقتدا درست ہو جائے گا گو مقتدی امام کی نماز کو نہ جانتا ہو کیوں کہ اس نے تو اپنے آپ کو امام کے تابع کر دیا ہے تو اس کے
لیے نماز کے معین کرنے وغیرہ کی حاجت نہیں ھم شامی نے کہا کہ تبعا لصلوۃ الامام کی جگہ اگر شارح تبعًا للامام کہتا تو بہتر تھا جیسے زیلعی
نے کہا ہے اسی لیے مترجم نے دوسرے لفظ کا ترجمہ کیا بخلاف ما لو نوی صلوۃ الامام وان انتظر تکبیرہ فی الاصح لعدم نیۃ الاقتداء بخلاف اس
صورت کے کہ نیت کرے امام کی نماز کی اگرچہ اس کے اللہ اکبر کہنے کا منتظر رہے صحیح تر قول میں اور یہ صورت حکم سابق کے خلاف ہے
بسبب نہ ہونے اقتداء کی نیت کے ھم یعنی اس صورت میں اقتداء درست نہ ہو گا کیوں کہ نیت اقتداء مفقود ہے اس لیے کہ جب امام کی
نیت کی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اقتداء کی نیت بھی کی ہو اسی طرح جب امام کی تکبیر کا انتظار کیا تو انتظار بھی کبھی اقتداء کے لیے
ہوتا ہے اور کبھی عادت کی وجہ سے تو دونوں صورتوں میں شک کی وجہ سے مقتدی نہ ہو گا کذا فی الشامی الا فی جمعۃ وجنازۃٍ وعیدٍ علی المختار
لاختصاصہا بالجماعۃ مگر جمعہ اور جنازہ اور عید کی نمازمیں مذہب مختار پر نیت اقتدا ضرور نہیں اس لیے کہ یہ نمازیں جماعت کے ساتھ
مخصوص ہیں ھم یعنی تنہا نہیں پڑھی جاتیں تو جس وقت آدمی ان کی نیت کرے گا تو نیت اقتداء ضمنا ثابت ہو گی ولو نوی فرض
الوقت مع بقائہ جاز اور اگر نمازی نے فرض وقت کی نیت کی وقت کے باقی ہوتے ہوئے تو یہ نیت کرنا جائز ہے یعنی اگر نماز میں صرف یہ
نیت کرے کہ فرض وقت پڑھتا ہوں تو اس نیت سے نماز درست ہو گی الا فی الجمعۃ فانہا بدل مگر جمعہ کی نماز میں فرض وقت سے جائز نہیں
اس لیے کہ جمعہ کی نماز عوض ہے اس روز کے ظہر کا یعنی فرض وقت ظہر ہے نہ جمعہ الا ان یکون عندہ فی اعتقادہ انہا فرض الوقت
کما ہو رای البعض فتصح مگر یہ کہ نمازی کے عندیہ اور اعتقاد میں ہو کہ جمعہ فرض وقت ہے ظہر کا بدل نہیں چنانچہ بعض فقہا کی تجویز یہی
ہے تو اس صورت میں جمعہ فرض وقت کی نیت سے درست ہو گا ولو نوی ظہر الوقت فلو مع بقائہ ای الوقت جاز ولو فی الجمعۃ

اور اگر وقت ظہر کی مثلاً نیت کی تو اگر وقت کے باقی رہنے کے ساتھ ہو گی تو جائز ہے اگرچہ جمعہ میں ہو ھم فیض الغفار شرح المختار میں ہے کہ اگر نیت ظہر کے وقت کی جمعہ کے سوا میں کرے گا تو اگر وقت کے اندر ہو گی تو درست ہے اسی لیے شارح تنویر نے شرنبلالیہ کی تبعیت سے ولو فی الجمعہ کی قید لگائی تاکہ معلوم ہو کہ اس حکم میں جمعہ اور غیر جمعہ برابر ہیں کذا فی الشامی ملتقطا ولو مع عدمہ بان کان قد خرج وہو لا یعلمہ لا یصح فی الاصح اور اگر ظہر الوقت کی نیت وقت کے نہ ہونے کے ساتھ ہو اس طرح کہ وقت نکل چکا ہو اور نمازی اس کے نکلنے کو نہ جانتا ہو تو صحیح تر قول میں درست نہ ہو گی ھم وقت کے نکلنے کو نہ جاننے کی قید اس لیے لگائی کہ اگر وقت کے نکلنے کو جان کر ایسی نیت کرے گا تو درست ہو گی کذا فی الشامی ومثلہ فرض الوقت اور ظہر الوقت کا مثل ہے حکم فرض الوقت کا یعنی اگر وقت کے نکلنے پر نیت وقت کے فرض کی کرے گا اور وقت کے گذر جانے کو نہ جانتا ہو گا تو یہ بھی اول مسئلہ کی طرح صحیح تر قول میں درست نہ ہو گی اور اشباہ میں جو درستی کا قول منقول ہے وہ اصح کے خلاف ہے کذا فی الشامی فالاولی بنیۃ ظہر الیوم لجوازہ مطلقاً لصحۃ القضاء بنیۃ الاداء وعکسہ ہو المختار پس بہتر یہ ہے کہ نیت آج ظہر کی کرے واسطے اس کے جائز ہونے کے ہر طرح سے یعنی اگرچہ عین وقت میں پڑھے یا وقت نکل گیا ہو بسبب درست ہونے قضا کے ادا کی نیت سے مثل اس کے عکس کے یعنی صحیح ہونے ادا کے قضا کی نیت سے یہی قول مختار ہے ھم یعنی اگر آج کے ظہر کی نیت ہو گی تو ہر چند وقت گذر بھی گیا ہو گا تب بھی وہ نماز اس روز کے ظہر کی ہو گی اور وقت کے ظہر کی نیت سے وقت نکلنے پر اس وقت کا ظہر نہ ٹھہرے گا اور شارح نے جو یہ کہا کہ بہ سبب درست ہونے قضا بہ نیت ادا اس کا مطلب یہ ہے کہ وقت کے گذرنے پر اگر بے علمی میں ظہر الیوم کی نیت کرے گا تو گویا قضاء کو بہ نیت ادا پڑھیگا حالانکہ یہ جائز ہے جیسے کوئی قیدی اٹکل سے رمضان کے روزے رکھے اور بعد کو معلوم ہو کہ رمضان ہو چکا تھا تو اس کے روزے درست ہونگے مگر اس تعلیل میں یہ خلل ہے کہ یہ اسی وقت مبنی ہے کہ نمازی ادا کی نیت سے پڑھے اور اگر اس کی نیت کچھ نہ ہو نہ ادا کی نہ قضا کی تو اس وقت یہ تعلیل نہ بنے گی کذا فی الطحطاوی وتمامہ فی الشامی ومصلی الجنازۃ ینوی الصلوٰۃ للہ تعالیٰ وینوی ایضاً الدعاء للمیت اور جنازہ کی نماز پڑھنے والا نیت کرے نماز کی خاص اللہ تعالیٰ کے لیے اور نیز دعا کی نیت کرے مردہ کے لیے لانہ الواجب علیہ اس لیے کہ نماز کی نیت اور دعا نمازی پر واجب ہے ھم طحطاوی نے کہا کہ اگر ضمیر لانہ کا نماز و دعا دونوں کی طرف ہو تو یہ خلل رہے گا کہ دعا جنازہ مسنون ہے نہ واجب اسی لیے حلبی نے مرجع ضمیر صرف نیت صلوٰۃ قرار دیا ہے جو ینوی الصلوٰۃ سے سمجھا جاتا ہے اور شامی نے کہا کہ مرجع ضمیر نیت دعا اس اعتبار سے ہے کہ نماز جنازہ خود دعا ہے کیوں کہ اس میں قرأت اور رکوع اور سجدہ اور تشہد نہیں اور اس کا مؤید وہ قول ہے جو متن میں مذکور ہے کہ نماز جنازہ امام اعظم اور ان کے اصحاب کے قول میں درحقیقت دعا ہے نہ نماز فیقول اصلی للہ داعیاً للمیت تو جنازہ کی نماز پڑھنے والا یوں کہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں اللہ تعالیٰ کے لیے دعا مانگنے والا مردہ کے واسطے وان اشتبہ علیہ المیت ذکر ام انثیٰ یقول نویت ان اصلی مع الامام علی من یصلی علیہ الامام اور اگر میت نمازی پر مشتبہ ہو جاوے معلوم نہ ہو کہ مرد ہے یا عورت تو وہ یوں کہے کہ میں نیت کرتا ہوں کہ نماز پڑھوں امام کے ساتھ جس شخص پر کہ امام نماز پڑھتا ہے وافاد فی الاشباہ بحثاً انہ لو نوی المیت الذکر فبان انہ انثیٰ او عکسہ لم یجز اور اشباہ میں بحث کرکے یہ افادہ کیا ہے کہ اگر نیت کی مذکر مردہ کی پھر معلوم ہوا کہ وہ عورت ہے یا اس کا عکس کیا مردہ عورت کی نیت کی پھر ظاہر ہوا کہ وہ مرد ہے تو نماز درست نہ ہو گی ھم وجہ عدم جواز کی یہ ہے کہ میت مثل امام کے ہے اس کے تعیین میں چوک جانا ایسا ہے جیسا امام کی تعیین میں چوکنا تو جیسے امام کی تعیین میں چوکنے سے نماز درست نہیں ہوتی ویسے ہی نیت کی تعیین میں خطا ہونے سے درست نہ ہو گی مثلاً اگر نیت کی کہ زید پر نماز پڑھتا ہوں

پھر معلوم ہوا کہ وہ عمرو ہے تو نماز درست نہ ہوگی ہاں اگر اشارہ کر کے کہے کہ اس مرد پر پڑھتا ہوں جو زید ہے پھر ظاہر ہوا کہ وہ عمرو ہے تو
نماز درست ہوگی کیوں کہ اشارہ کرنے سے نام میں خطا کرنا خود ہو جاتا ہے کذا فی الشامی وانہ لا یضر تعیین عدد الموتی الا اذا بان انہم اکثر لعدم
نیۃ الزائد اور اشباہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ مردوں کے عددوں کا معین کرنا مضر نہیں مگر جس صورت میں کہ ظاہر ہو کہ شمار ان کا نمازی کی
کی تعیین سے زیادہ ہے بسبب نہ پائے جانے نیت زائد از شمار کے یعنی اگر نمازی نے دس جنازوں کی نیت کی اور وہ درحقیقت دس ہیں یا
کم تر تو نماز درست ہوگی اور اگر گیارہ یا زیادہ ہوں گے تو درست نہ ہوگی کیوں کہ جس قدر زیادہ ہیں ان کی نیت نہیں پائی گئی طحطاوی نے کہا
کہ اس صورت میں دس کی جو نیت کی ہے ان کی بھی درست نہ ہووے گی کیوں کہ دس غیر معین کی نیت کی ہے تو ہر جنازہ زائد ہو سکتا ہے اور زائد
نیت میں داخل نہیں اسی لیے اس کی نماز باطل ہوگی والامام ینوی صلوٰتہ فقط اور امام صرف اپنی نماز کی نیت کرے م یعنی کسی کے
امام ہونے کی نیت نہ کرے اس لیے کہ وہ خاص اپنے حق میں تنہا پڑھنے والے کی طرح ہے اب یہاں ایک وہم ہوتا ہے کہ امام کا حال مثل
مقتدی کے ہونا چاہیے یعنی جیسے مقتدی کو نیت اقتداء شرط ہے ویسے ہی امام کو امامت کی نیت شرط ہونی چاہیے اس وہم کو مصنف اور شارح
نے آیندہ قول میں دفع کیا ولا یشترط لصحۃ الاقتداء نیۃ امامۃ المقتدی بل لنیل الثواب عند اقتداء احد بہ لا قبلہ کما بحثہ فی الاشباہ لو ام رجالا
اور مشروط نہیں اقتداء کی درستی کے لیے امام کو مقتدی کی امامت کی نیت کرنی جس صورت میں کہ امام مردوں کا ہو بلکہ ثواب جماعت کا حاصل
کرنے کے لیے امامت مقتدی کی نیت شرط ہے جب کہ کوئی امام کا اقتداء کرے نہ پیشتر اقتداء کے چنانچہ اس کو اشباہ میں بیان کیا ہے م یعنی
اقتداء کے صحیح ہونے کے لیے یہ ضرور نہیں کہ امام نیت امامت کی کرے بلکہ جماعت کا ثواب حاصل کرنے کو امامت کی نیت چاہیے اور
یہ نیت اس وقت ہو جب کوئی امام کا اقتدا کرے پہلے سے یہ بھی ضرور نہیں اگرچہ پہلے سے نیت کر لینی بھی جائز ہے فلا یحنث فی لا یوم احدا
مالم ینو الامامۃ تو آدمی قسم میں جھوٹا نہ ہوگا اس قسم میں کہ کسی کا امام نہ ہوں گا جب تک کہ امامت کی نیت نہ کرے گا م شارح نے یہ مسئلہ
اپنے اس قول پر متفرع کیا کہ صحت اقتداء کے لیے امام کو نیت امامت کی ضرور نہیں اور صورت مسئلہ کی یہ ہے کہ ایک شخص نے قسم کھائی
کہ میں کسی کی امامت نہ کروں گا پھر جب وہ نماز کو بدون نیت امامت کے کھڑا ہوا تو لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھنے لگے پس اس صورت میں
اس کی قسم نہ ٹوٹے گی اس لیے کہ قسم ٹوٹنے کی شرط یہ تھی کہ امامت کا قصد کرتا اور یہ شرط بدون نیت امامت کے موجود نہیں ہوئی اس لیے
قسم نہ ٹوٹی کذا فی الشامی تبصرت وان ام نساء فان اقتدت بہ امراۃ محاذیۃ لرجل فی غیر صلوٰۃ جنازۃ فلا بد لصحۃ صلوتہا
من نیۃ امامتہا لئلا یلزم الفساد بالمحاذاۃ بلا التزام اور اگر نمازی عورتوں کا امام ہو تو اگر کوئی عورت اس کا اقتداء کسی مرد کے برابر
کھڑے ہو کر جنازہ کی نماز کے سوا میں کرے گی تو اس عورت کی نماز درست ہونے کے لیے اس کی امامت کی نیت ضرور ہوگی تاکہ عورت
کی برابری سے نماز کی خرابی بدون لازم پکڑنے کے لازم نہ آوے م صلوۃ جنازہ کو اس لیے استثنا کیا کہ اس کے اندر نیت عورت کی
امامت کی بالاتفاق شرط نہیں اور محاذاۃ سے وہ برابری مراد ہے جو ان شروط کے ساتھ ہو جو آگے باب الامامۃ میں مذکور ہوں گی
اور التزام سے غرض نیت امامت ہے اور حاصل شارح کی تعلیل کا یہ ہے کہ اگر عورت کا اقتداء بدون نیت کے درست ہو جاوے تو امام پر
خراب کرنا مرد کی نماز کا بدون لازم پکڑنے کے لازم آوے گا یعنی اگر بالفرض عورت مرد کے برابر کھڑی ہوگئی اور بدون نیت امامت کے
اس کا اقتداء صحیح ہو گیا تو چاہیے کہ امام کی جہت سے اس مرد کی نماز فاسد ہو جائے حالانکہ لازم آنا کسی چیز کا امام پر بدون اس کے
لازم پکڑنے کے جائز نہیں اس لیے عورت کی اقتداء کے لیے نیت اس کی امامت کی شرط ہوئی وان لم تقتد محاذیۃ اختلف فیہ

فقیل یشترط وقیل لا کجنازۃ اجماعًا وکجمعۃ وعید علی الاصح خلاصہ واشباہ اور اگر عورت نے محاذی مرد کے ہوکر اقتداء نہ کیا تو اس میں اختلاف
ہے بعض نے کہا کہ صحت اقتداء کے لیے نیت امامت کی شرط ہے اور بعضوں نے کہا کہ شرط نہیں جیسے جنازہ میں بالاتفاق شرط نہیں اور جیسے
جمعہ اور عید میں اصح قول پر شرط نہیں م جمعہ اور عید میں اصح کی قید اس لیے لگائی کہ جمہور کے نزدیک ان دونوں میں نیت امامت عورت کی
شرط ہے کذا فی الطحطاوی وعلیہ ان لم تحاذ احداً تمت صلوتہا والا لا اور اس قول پر کہ عورت کی اقتداء کے لیے اس کی امامت کی نیت شرط نہیں
یہ ہے کہ عورت کسی کی محاذی یعنی برابر یا آگے بڑھی ہوئی نہ ہوگی تب تو اس کی نماز پوری ہوگی اور آگے بڑھ جائے گی یا برابر ہوگی تو اس کا
اقتداء باقی نہ رہے گا اور نماز تمام نہ ہوگی **ونیۃ استقبال القبلۃ لیست بشرط مطلقا** علی الراجح اور نیت قبلہ کی طرف منہ کرنے کی شرط نہیں
ہر حال میں یعنی خواہ نمازی کعبہ کے قریب ہو یا دور جنگل میں ہو یا مسجد میں بنا بر قول قوی کے م مقابل قول قوی کا یہ قول ضعیف ہے کہ چونکہ
قریب شخص کے لیے کعبہ کا سامنے ہونا فرض ہے بالاتفاق اور دور والے کو یہ امر ممکن نہیں بجز اس کے کہ دل میں نیت کرے اس لیے دور والے
کو نیت قبلہ کی طرف منہ کرنے کی شرط کی گئی فما قیل لو نوی بناء الکعبۃ او المقام او محراب مسجدہ لم یجز متفرع علی المرجوح تو یہ جو کسی نے کہا ہے کہ
اگر نمازی عمارت کعبہ کی نیت کرے گا یا مقام ابراہیم کی یا اپنی مسجد کی محراب کی تو درست نہ ہوگی یہ مسئلہ قول ضعیف پر متفرع ہے م یعنی
جو لوگ نیت قبلہ رخ ہونے کی شرط کہتے ہیں ان کے نزدیک اگر کعبہ کے سوا اور طرف منہ کرنے کی نیت ہوگی تو درست نہ ہوگی مثلاً نیت
کعبہ کی عمارت جائز نہ ہوگی اس لیے کہ کعبہ میدان خاص و ہوا کا نام ہے نہ عمارت کا اور مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ
السلام خانہ کعبہ بنانے کے وقت کھڑے ہوتے تھے اور محراب مسجد علامت سمت کعبہ کی ہے غرضیکہ ان صورتوں میں عین کعبہ کی طرف منہ
کرنے کی نیت نہیں پائی جاتی اس لیے ان کے نزدیک نماز بھی درست نہ ہوگی اور یہ قول ضعیف ہے اور قول قوی کے بموجب نماز درست
ہوگی اس لیے کہ جب نیت کعبہ شرط نہیں تو غیر کعبہ کی نیت سے کچھ نقصان نہ ہوگا کذا فی الشامی ملتقطاً **کنیۃ تعیین الامام فی صحۃ الاقتداء**
فانہا لیست بشرط جیسے نیت امام کی تعیین کی اقتداء کی درستی میں کہ وہ بھی شرط نہیں فلو ائتم بہ یظنہ زید انا ذا ہو بکر صح مثلاً اگر امام کا اقتداء
کیا اس کو زید سمجھ کر پس وہ بکر نکلا تو اقتداء درست ہوگا اس لیے کہ اس نے امام موجود کے اقتدا کی نیت کی تھی تو اب اگر اس کا نام کچھ
اور سمجھ لیا تو کیا نقصان ہے کیونکہ اعتبار نیت کا ہے نہ سمجھ کا کذا فی الحلبیہ الا اذا عینہ باسمہ فبان غیرہ مگر اس صورت میں اقتداء
درست نہیں کہ امام کو اس کے نام سے معین کیا پھر کوئی غیر نکلا یعنی اقتداء میں امام موجود کی نیت نہ کی بلکہ اقتداء زید کی نیت کی خواہ اس کا
نام زبان سے کہا یا نہ کہا تو اب اگر وہ عمرو ہوگا تو اقتدا درست نہ ہوگا کیونکہ نیت کا اعتبار ہے اور اس نے امام حاضر کے غیر کے اقتداء
کی نیت کی اس لیے صحیح نہ ہوئی الا اذا عرفہ بمکان کالقائم فی المحراب او اشارۃ کہذا الامام الذی ہو زید مگر نام کے ساتھ تعیین میں اس وقت
اقتدا درست ہوگا کہ امام کا پتہ درست بتاوے مثلاً یوں کہے کہ زید جو محراب میں کھڑا ہے یا اشارہ سے اس کو بتادے کہ یہ امام جو زید ہے
تو اب اگر کوئی اور امام نکلے گا تو کچھ مضائقہ نہیں اس لیے کہ اشارہ کر دینے سے نام کا اعتبار جاتا رہا کذا فی الشامی الا اذا اشار بصفۃ منہ
کہذا الشاب فاذا ہو شیخ فلا یصح ہاں اگر کسی صفت خاص سے اشارہ کرے گا اور وہ صفت امام میں نہ پائی جاوے گی تو اقتداء صحیح نہ
ہوگا مثلاً یوں کہا کہ اس جوان کے پیچھے اور وہ بوڑھا ہے تو اقتداء صحیح نہیں وعکسہ یصح لان الشاب یدعی شیخا بعلمہ اور اس کے عکس میں اقتداء
درست ہے یعنی اگر نیت کی کہ اس بوڑھے کے پیچھے اور وہ جوان نکلا تو اقتداء صحیح ہے کیونکہ جوان کو اس کے علم کی جہت سے بوڑھا کہا
کرتے ہیں وفی المجتبی نوی ان لا یصلی الا خلف من ہو علی مذہبہ فاذا ہو غیرہ لم یجز اور مجتبیٰ میں ہے کہ مقتدی نے نیت کی کہ اس کے پیچھے
نماز پڑھتا ہوں جو میرے طریق پر ہے اور پھر وہ اس طریق کا نہ تھا تو اقتدا درست نہ ہوگی م وجہ عدم جواز کی یہ ہے کہ جب اس نے اپنے مذہب کے امام کی نیت کی اور امام غیر مذہب کا

نکلا تو گویا اس نے امام معدوم کی اقتداء کی نیت کی کذا فی الشامی عن المنیۃ فائدہ یہ ایک کام کی بات ہے لما کان الاعتبار بالتسمیۃ عندنا مالم یختص ثواب الصلوٰۃ فی مسجدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بما کان فی زمنہ فلیحفظ چونکہ ہم حنفیوں کے نزدیک اعتبار نام لینے کا ہے (یعنی اس صورت میں کہ اشارہ نہ ہو) اس لیے ثواب نماز کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں مخصوص اس مقدار پر نہ ہوگا جو آپ کے عہد مبارک میں تھی تو اس کو یاد رکھنا چاہیے ہم یعنی یہ جو بخاری اور مسلم نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک نماز میری اس مسجد میں بہتر ہے ہزار نمازوں سے اس کے سوا دوسری مسجد میں سوائے مسجد حرام کے تو یہ ہزار گن ہونا نماز کا صرف اس قدر مسجد پر مخصوص نہیں جو حضرت کے وقت مبارک میں تھی بلکہ مسجد شریف میں جو حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان اور ولید اور مہدی نے اضافہ کیا ہے اس زیادہ کی ہوئی میں بھی ایک نماز ہزار کے برابر ہوگی اس لیے کہ حدیث میں میری مسجد ارشاد فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ جو مسجد اب موجود ہے وہ سب مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کہلاتی ہے تو بڑھی ہو مقدار میں بھی ثواب ہزار گن ہوگا اور امام نوویؒ نے اس ثواب کو خاص اسی مقدار کے ساتھ کیا ہے جو آپ کے عہد مبارک میں تھی وہ یہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں سوائے نام لینے کے اشارہ بھی ہے کہ فی مسجدی ہذا فرمایا ہے یعنی میری اس مسجد میں جس سے جگہ خاص جو اس روز موجود تھی مراد ہے پس بڑھی ہوئی مقدار اس میں داخل نہ ہوگی اس کے داخل ہونے کی کوئی دلیل چاہیے اور حنفیہ جواب دیتے ہیں کہ یہ اشارہ جگہ کے خاص کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ مسجد مدینہ مطہرہ کے سوا اور مساجد جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں وہ اس فضیلت میں داخل نہ رہیں کذا فی الشامی بتصرف والسادس استقبال القبلۃ حقیقۃ او حکما لعاجز اور چھٹی شرط نماز کی کعبہ کی طرف منہ کرنا ہے خواہ حقیقت میں ہو یا حکما ہو جیسے عاجز یعنی وہ شخص کہ مرض یا دشمن کے ڈر سے یا قبلہ کے نہ معلوم ہونے کی جہت سے قبلہ رخ نہیں ہو سکتا تو جس طرف کہ مریض و خائف اپنا منہ کر سکتے ہیں یا قبلہ کا نہ جاننے والا اٹکل سے کسی طرف کو قبلہ ٹھہراتا ہے وہ ان کا قبلہ حکمی ہے والشرط حصولہ لاطلبہ اور شرط قبلہ رخ ہونا ہے نہ اس کا طلب کرنا ہم یعنی شرط صرف اس قدر ہے کہ مقابلہ کعبہ کا پایا جائے اس مقابلہ کا طلب کرنا شرط نہیں یعنی سین اور تا استقبال میں بمعنی طلب نہیں ہاں جس صورت میں کہ حصول قبلہ طلب پر موقوف ہو تو اس وقت طلب شرط ہوگی کذا فی الشامی عن الحلیۃ وھو شرط زائد للابتلاء یسقط للعجز اور کعبہ کی طرف منہ کا ہونا ایک زائد شرط ہے بندوں کے امتحان کے لیے ساقط ہو جاتی ہے عاجزی کے سبب سے ہم زائد شرط ہے یعنی عبادت میں مقصود نہیں اور امتحان سے یہ مراد ہے کہ عاقل بالغ شخص جو خدا تعالیٰ پر جہت کو محال جانتا ہے اس کی اصل پیدائش اس کی مقتضی ہے کہ نماز میں کسی خاص طرف کو منہ نہ کرے اس لیے اللہ تعالیٰ نے مکلف بندوں کو ایسی بات کا حکم کیا جو ان کی مقتضائے اصل پیدائش کے خلاف ہو تا کہ امتحان کرے کہ کہنا مانتے ہیں یا نہیں کذا فی الحلبی حتی لو سجد للکعبۃ نفسہا کفر یہاں تک کہ اگر خود کعبہ کو سجدہ کرے گا تو کافر ہو جائے گا ہم یعنی جب کعبہ کی طرف منہ کرنا شرط زائد ٹھہرا اور مقصود سجدہ کا اللہ تعالیٰ ہے تو عین کعبہ کو سجدہ کرنا کفر ہوگا کذا فی الشامی فللمکی وکذا المدنی لثبوت قبلتہا بالوحی اصابۃ عینہا یعم المعائن وغیرہ لکن فی البحر انہ ضعیف والاصح ان من بینہ وبینہا حائل کالغائب واقرہ المصنف قائلا فالمراد بقولی فللمکی مکی یعاین الکعبۃ تو مکہ کے رہنے والے کا قبلہ اور اسی طرح مدینہ کے باشندہ کا کیوں کہ مدینہ کا قبلہ وحی سے ثابت ہوا ہے عین کعبہ کی سیدھ ہے یہ قول ماتن کا عام ہے کعبہ کے دیکھنے والے کو یعنی سب اہل مکہ کو اور مدینہ کو نماز میں عین کعبہ کی سیدھ پہ نماز پڑھنی چاہیے شامی نے کہا کلام للمکی کا بمعنی علی ہے یعنی مکی پر واجب ہے سیدھ باندھنی کعبہ کی مگر بحر الرائق میں ہے کہ یہ قول ضعیف ہے اور صحیح تر قول یہ ہے کہ جس شخص کے اور کعبہ کے درمیان میں آڑ ہو مثل دیوار یا پہاڑ کے تو اس کا حال مثل غائب کے ہے یعنی اس کا قبلہ جہت کعبہ ہے نہ

عین کعبہ اور ثابت رکھا ہے اس قول کو مصنف نے یہ کہہ کر کہ مراد میرے قول فللمکی سے وہ مکہ کا رہنے والا ہے جو کعبہ کو دیکھتا ہو ولغیرہ ای غیر معاین اصابۃ جہتہا اور مکی کے سوا کا قبلہ یعنی اس شخص کا جو کعبہ کو دیکھتا نہ ہو سیدھے کعبہ کی جہت کی بان یبقی شیء من سطح الواجہ مسامتا للکعبۃ او لہوائہا بان یفرض من تلقاء وجہ مستقبلہا حقیقۃ فی بعض البلاد خط علی زاویۃ قائمۃ الی الافق مارا علی الکعبۃ وخط آخر یقطعہ علی زاویتین قائمتین یمنۃ ویسرۃ منح یعنی کچھ چہرہ کا سطح مقابل کعبہ کے یا ہوائے کعبہ کے باقی رہے اس طرح کہ جو شخص بعض شہروں میں حقیقت میں کعبہ کی طرف کو منہ کیے ہیں اس کے چہرہ کی سیدھ سے ایک خط زاویہ قائمہ پر افق تک کعبہ پر گذرتا ہوا فرض کیا جائے اور ایک دوسرا خط اس خط کو دو زاویہ قائمہ پر اس شخص کے داہنے بائیں قطع کرے تو یہ خط دوسرا جو کعبہ کے مقابل ہوگا جہت کعبہ کی ہوگی کذا فی المنح م جہت کے معنوں میں شارح نے اختصار کو کام فرمایا جس سے مراد کا سمجھنا دشوار ہو گیا اس لیے تعریف جہت کی ایسی طرح پر کرنی جس سے مقصود معلوم ہو جائے ضروری ہے معراج میں جہت کی تعریف یہ لکھی ہے کہ جہت کعبہ وہ طرف ہے کہ جب آدمی اس کی طرف منہ کرے تو کعبہ کا یا اس کی ہوا کا مقابل تحقیقاً ہو جائے یا تقریباً اور مقابلہ تحقیقی سے یہ غرض ہے کہ اگر ایک خط اس کے چہرہ کی سیدھ سے افق پر عمود کھینچا جائے تو وہ کعبہ پر یا اس کی ہوا پر گذرے اور تقریبی مقابلہ یہ ہے کہ خط مذکور کعبہ یا اس کی ہوا سے منحرف ہو مگر نہ اس قدر کہ اس سے بالکل مقابلہ جاتا رہے بلکہ کسی قدر چہرہ کی سطح کعبہ کے یا اس کی ہوا کے مقابل باقی رہے اب جہت کے معلوم کرنے کے دو طریق ہیں ایک وہ کہ شارح نے مختصر طور پر ذکر کیا جس کو ہم تشریح سے لکھتے ہیں فرض کرو کہ نقطہ د پر ایک نمازی ہے جس کی پیشانی سے ایک عمود افق پر نکالا جاتا ہے تو وہ کعبہ کی دیوار خواہ اس کی ہوا پر نقطہ ج میں ملاقی ہوا اس خط د ج پر اگر ایک عمود نمازی کے داہنے بائیں نکالو مثلاً اب تو خط اب جہت کعبہ کی ہوگی یعنی جو شخص اس خط پر سوائے نقطہ د کے کسی جگہ داہنے یا بائیں ہو جائے گا تو وہ تقریباً مقابل کعبہ کا یا اس کی ہوا کا ہوگا اس لیے کہ تھوڑے فاصلہ میں تو ذرا سا داہنے بائیں سرکنے سے مقابلہ جاتا رہتا ہے اور جب فاصلہ زیادہ ہوتا ہے تو اسی کے مناسب سرکنے سے مقابلہ جاتا ہے تھوڑا سا داہنے بائیں ہونے سے نہیں جاتا مثلاً چاند جو لوگوں سے بہت دور ہے تمام شہروں کے آدمیوں کو یکساں معلوم ہوتا ہے یعنی اگر ایک کے سر پر ایک جگہ ہوگا تو اس وقت سب شہر کے لوگوں کو ہر جگہ سر پہ ہی معلوم ہوگا اسی طرح کعبہ کا فاصلہ جب بہت دور ہوتا ہے تو مقابلہ تحقیقی کے مقابل سے ادھر ادھر ٹل جانے سے مقابلہ زائل نہیں ہوتا اور یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے اکثر شہروں کی مسجدیں ایک سمت کو ہیں ؛

I

کعبہ

ج

ا ب

مقام نمازی

دوسرا طریق جہت معلوم کرنے کا یہ ہے کہ نمازی کی آنکھوں کے بیچ سے دو خط ایسے کھینچے جائیں کہ وہ ایک دوسرے سے مل کر زاویہ قائمہ سے کم بنائیں تو اگر کعبہ ان دونوں خطوں کے درمیان میں واقع ہوگا تو مقابل زائل نہ ہوگا ورنہ زائل ہوگا اس کی صورت یہ ہے کذا فی الشامی بتصرف ؛ قلت فہذا معنی التیامن والتیاسر فی عبارۃ الدر فتبصر میں کہتا ہوں کہ یہی معنی ہیں داہنے بائیں ہٹنے کے درر کی عبارت میں تو اس کو خوب دیکھ بھال لے کہ مطلب دقیق ہے م یعنی درر کا یہ مطلب نہیں کہ کعبہ کو داہنی طرف کر لے یا بائیں طرف کہ اس صورت میں قطعاً مقابلہ جاتا رہے گا بلکہ مراد یہ ہے کہ خط جہت پہ داہنے بائیں ہونے سے مقابلہ بنا رہتا ہے جیسا ہم نے اوپر بیان کیا جہت کے طریق اول میں وتعرف بالدلیل اور قبلہ پہچانا جاتا ہے اس علامت سے جو قبلہ کو بتائے وہو فی القری والامصار محاریب الصحابۃ والتابعین وفی المفاوز والبحار النجوم کالقطب اور علامت قبلہ شہروں اور گاؤں میں مسجدیں صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کی ہیں

II

کعبہ
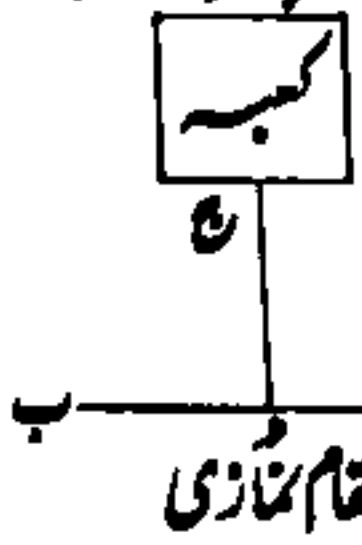
نمازی

اور جنگلوں اور سمندروں میں ستارے ہیں جیسے قطب یعنی جس جگہ مسجدیں قدیم موجود ہوں وہاں سمت قبلہ کی ان سے معلوم ہوسکتی ہے ورنہ قطب وغیرہ ستاروں سے مثلاً ہندوستان کے اکثر شہروں میں قطب نمازی کے داہنے شانہ پر رہتا ہے تو رات کو ہر جگہ اس سے سمت قبلہ معلوم ہوسکتی ہے والا فمن الاہل العالم بہا ممن لو صاح بہ سمعہ اور نہیں تو اس جگہ کے باشندہ قبلہ کے جاننے والے سے پوچھا جائے اور باشندہ ان میں سے ہو کہ اگر نمازی اس کو زور سے پکارے تو وہ اس کی پکار سن لے ہم یعنی اگر نہ مسجدیں ہوں نہ قطب سے حال کھلے نہ کوئی آلہ مثل قبلہ نما کے پاس ہو تو سمت قبلہ کو اس جگہ کے باشندے سے پوچھنا چاہیے اس سے پوچھنے میں دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ قبلہ کا جاننے والا ہو نہر الفائق میں کہا کہ اس کے ساتھ یہ بھی چاہیے کہ مقبول الشہادۃ ہو تو اس سے معلوم ہوا کہ ذمی اور جاہل کا کہنا اس باب میں مفید نہیں دوسرے یہ کہ نمازی کی پکار سنے طحطاوی نے کہا کہ ممن لو صاح بدل پڑا ہے اہل سے والمعتبر فی القبلۃ العرصۃ لا البناء فہی من الارض السابعۃ الی العرش اور قبلہ کے باب میں معتبر کشادگی اور میدان کعبہ ہے نہ اس کی عمارت تو وہ کشادگی ساتویں زمین سے لیکر عرش تک ہے طحطاوی نے کہا کہ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص زمین کے اندر گہرے کنویں میں یا اونچے پہاڑوں پر نماز پڑھے گا تو اس کی نماز درست ہوگی جیسے کعبہ کی چھت پر نماز جائز ہے پس اگر قبلہ عمارت ہوتی تو نماز صحیح نہ ہوتی وقبلۃ العاجز عنہا لمرض وان وجد موجہا عند الامام او خوف مال وکذا کل من سقط عنہ الارکان جہۃ قدرتہ ولو مضطجعا بایماء لخوف رؤیۃ عدو اور قبلہ اس شخص کا جو کسی مرض کے سبب سے قبلہ رخ ہونے سے عاجز ہو گو کسی قبلہ رخ کر دینے والے کو پا دے امام کے نزدیک یا مال کے چوری ہوجانے وغیرہ کے خوف سے قبلہ کی طرف ہونے سے عاجز ہو اسی طرح ہر شخص جس سے ارکان نماز ساقط ہوگئے ہوں ہر ایک کا قبلہ اس کی قدرت کی جہت ہے یعنی جدھر کو پڑھ سکتا ہو پڑھے قبلہ رخ ہونا لازم نہیں اس لیے کہ خود کعبہ تو مقصود ہی نہیں اور امتحان ایسی صورت میں بھی حاصل ہے اگرچہ دشمن کے دیکھنے کے خوف سے نماز لیٹ کر اشارہ سے پڑھے ہم امام کے نزدیک اس لیے کہا کہ صاحبینؒ کے نزدیک اگر دوسرے کی مدد سے قبلہ رخ ہوسکتا ہو اور دوسرا اس کے پاس موجود ہو تو اس کو جہت قدرت کی طرف نماز درست نہ ہوگی اور جس سے ارکان نماز کے ساقط ہوگئے ہوں اس کی مثال بوڑھا آدمی ہے جو پیری کے ضعف سے قیام وقعود نہیں کرسکتا تو اس سے قبلہ رخ ہونا بھی ساقط ہے اور ایک مثال شارح نے سقوط ارکان کی دشمن کے دیکھ پانے کے خوف سے بیان کی ہے یعنی اگر آدمی کو خوف ہو کہ کھڑا ہونے یا بیٹھنے سے دشمن دیکھ لے گا تو اس پر سے ارکان ساقط ہوجائیں گے لیٹ کر اشارہ سے نماز درست ہوگی تو ایسے شخص سے استقبال قبلہ بھی ایسی صورت میں ساقط ہے کذا فی البحر ولم یعد لان الطاعۃ بحسب الطاقۃ اور اس نماز کا اعادہ نہ کرے اس لیے کہ طاعت موافق طاقت کے ہوتی ہے یعنی یہ عذر آسمانی ہیں کسی مخلوق کی جہت سے نہیں یعنی مرض اور پیری وغیرہ کسی کے کرنے سے نہیں ہوتی یہاں تک کہ خوف بھی کسی کے کرنے سے پیدا نہیں ہوتا اس لیے ان عذروں میں نماز کا دوبارہ پڑھنا نہیں کذا فی الشامی ویتحری ہو بذل المجہود لنیل المقصود عاجز عن معرفۃ القبلۃ بما مر اور تحری کرے وہ شخص جو عاجز ہو قبلہ معلوم کرنے سے بذریعہ ان امور کے جو پیشتر گذرے یعنی نہ مسجد ہو نہ ستارہ نہ کوئی بتانے والا شارح نے کہا کہ تحری کے معنی ہیں کوشش کا کرنا مقصود حاصل کرنے کے لیے اور مراد تحری سے یہاں اٹکل کرنا اور قیاس دوڑانا ہے یعنی اگر مسجد وغیرہ سے قبلہ کا پتا نہ معلوم ہو تو نمازی اٹکل سے کوئی سمت قبلہ ٹھہرا لے فان ظہر خطاؤہ لم یعد لما مر پس اگر نماز کے بعد اٹکل میں خطا ظاہر ہو تو نماز کو دوبارہ نہ پڑھے اس وجہ سے کہ پیشتر گذری یعنی طاعت حسب طاقت ہوتی ہے اس نے نماز پڑھنے میں وہ امر کر لیا تھا جو اس کی طاقت میں تھا وان علم بہ

فی صلوتہ او تحول رأیہ ولو فی سجود السہو استدار وبنی اور اگر اپنی خطا کو نماز کے اندر جانا یا اس کی رائے بدل گئی اگرچہ سہو کے سجدوں میں بدلی ہو تو اسی وقت پھر جاوے اور بنا کرے یعنی اگر نماز کے اندر رائے بدل گئی کہ قبلہ اس طرف نہیں دوسری طرف ہے تو دوسری طرف فوراً پھر جاوے اگر ایک رکن کے موافق توقف کرے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی کذا فی الشامی اور بنا کرے اس کا مطلب یہ ہے کہ بقیہ رکعات کو پورا کرے ازسرنو نماز نہ پڑھے یعنی رائے کی غلطی سے پہلے کی نماز جاتی نہیں رہی وہ بھی قائم ہے باقی کو اسی پر بنا کرلے حتی لو صلی کل رکعۃ لجہۃ جاز ولو بمکۃ او مسجد مظلم حتیٰ کہ اگر ہر رکعت کو جداگانہ جہت کو پڑھے گا تو نماز درست ہوگی اگرچہ نمازی مکہ میں ہو یا کسی مسجد تاریک میں صورت مسئلہ کی یہ ہے کہ ایک شخص کو قبلہ معلوم نہ تھا اس نے ایک طرف اٹکل سے ایک رکعت پڑھی دوسری رکعت میں اس کی اٹکل دوسری طرف ہوگئی تو دوسری رکعت اس طرف کو ادا کی اسی طرح نماز کے آخر تک تو یہ نماز جائز ہے اور مکہ میں ہونے کی یہ صورت ہے کہ مکہ میں مقید ہو اور ایسا شخص پاس نہ ہو جس سے قبلہ دریافت کرے پھر اٹکل سے نماز پڑھے اور اس میں خطا ظاہر ہو کذا فی الشامی ولا یلزمہ قرع الابواب ومس الجدران اور لازم نہیں نمازی کو لوگوں کے دروازوں کا ٹھونکنا کہ کوئی قبلہ بتادے اور دیواروں کو ٹٹولنا کہ محراب قبلہ معلوم ہو جاوے یعنی اندھیری رات میں اگر مسجد میں جاوے اور قبلہ نہ سوجھے تو اٹکل کرلے لوگوں کے پاس قبلہ پوچھتا نہ پھرے اور نہ دیواروں کو ٹٹولے صاحب مفتاح نے کہا کہ یہ حکم بعض مسجدوں میں ہو سکتا ہے مگر اکثر میں تو محراب قبلہ اندھیری میں بھی معلوم ہو جاتی ہے تو ایسی مسجدوں میں اٹکل نہ کرے کذا فی الشامی ولو اعمی فسواہ رجل بنی ولم یقتد الرجل بہ اور اگر نمازی اندھا ہے اور اس کو کسی شخص نے سیدھا قبلہ کی طرف کردیا تو وہ اندھا نماز کو پہلی ہی نماز پر بنا کرے اور سیدھا کرنے والا شخص اندھے کا اقتدا نہ کرے اس لیے کہ اس کو معلوم ہوگیا کہ شروع کی نماز اندھے کی قبلہ رخ نہیں تھی ولا بمتحر تحول اور نہ اس اٹکل کرنے والا کا اقتدا کرے جو ایک طرف کو ترک کرکے نماز کے اندر ہی دوسری طرف پھر گیا ہو شامی نے کہا کہ اس میں یہ قید ہے کہ مقتدی امام کا پہلا حال جانتا ہو اور اگر پہلا حال اس کو معلوم نہ ہو تو اقتداء میں کچھ خرابی نہیں ولو ائتم متحر بلا تحر لم یجز ان اخطأ الامام اور اگر کسی تحری کرنے والے کا اقتداء کیا بدون تحری کے تو اگر امام نے تحری میں غلطی کی ہوگی تو اقتداء درست نہ ہوگا اس لیے کہ اشتباہ کی صورت میں بدون تحری کی نماز جب ہی درست ہوتی ہے کہ ٹھیک قبلہ کی طرف ہو مگر امام کی نماز درست ہے کہ اس نے تحری کے بعد پڑھی ولو سلم فتحول رأی مسبوق ولاحق استدار المسبوق واستانف اللاحق اور اگر امام نے سلام پھیرا پھر رائے مسبوق اور لاحق کی بدل گئی یعنی ان کی رائے میں قبلہ اور طرف ٹھہرا تو مسبوق اپنی رائے کی سمت کی طرف پھرے اور نماز پوری کرے اور لاحق نماز ازسرنو پڑھے مسبوق وہ مقتدی ہے کہ ایک یا زیادہ رکعت اس کو نہ ملی ہو اس کو پھرنے کا حکم اس لیے ہوا کہ وہ باقی نماز کے پڑھنے میں مثل منفرد کے ہے تو جیسے منفرد کو نماز کے اندر رائے بدل جانے سے پھرنا پڑتا ہے ویسے ہی مسبوق کو پھرنا ہوگا اور لاحق وہ ہے جو شروع نماز سے امام کا شریک تھا بیچ میں مثلاً وضو کے جانے یا اور کسی عذر سے کچھ نماز امام کے ساتھ نہ ملی آخر میں پھر شریک ہوگیا تو اس کا حکم یہ ہے کہ نماز ازسرنو پڑھے اس لیے کہ باقی نماز میں یہ حکماً امام کے پیچھے ہے تو جیسے مقتدی امام کے پیچھے ہوا اور اس کو معلوم ہو کہ قبلہ امام کے منہ کی طرف نہیں دوسری طرف کو ہے تو وہ اپنی نماز کی اصلاح نہیں کرسکتا اس لیے کہ اگر دوسری طرف کو منہ پھیرتا ہے تو امام کی مخالفت لازم آتی ہے جو نماز کی مفسد ہے اور اگر نہیں پھیرتا تو جان بوجھ کر قبلہ کے سوا اور طرف کو نماز پڑھتا ہے یہ بھی مفسد نماز ہے تو یہی حال لاحق کا بھی ہے جب نماز کی اصلاح گھومنے سے نہیں ہو سکتی اس لیے ازسرنو پڑھے کذا فی الشامی ملخصاً ومن لم یقع تحریہ علی شئی صلی لکل جہۃ مرۃ احتیاطاً اور جس کی اٹکل کسی طرف کو نہ ہو بلکہ سب طرفیں قبلہ ہونے میں اس کے نزدیک برابر ہوں تو وہ ہر

طرف کو ایک نماز پڑھے بلحاظ احتیاط کے ہم جب نمازی قبلہ کے لیے چاروں طرف اٹکل دوڑائے اور کسی طرف نہ جمے تو اس میں تین قول ہیں ایک یہ کہ نماز میں تاخیر کرے جب تک کہ ایک طرف قبلہ اس کے عندیہ میں ظاہر ہو دوسرے یہ کہ چاروں طرف ایک ایک نماز پڑھ لے تیسرے یہ کہ اس کو اختیار ہے چاہے تاخیر کرے چاہے چار نمازیں پڑھے مگر فتاوی عالمگیری میں مضمرات سے نقل کیا ہے کہ زیادہ درست دوسرا قول ہے اس لیے شارح نے اس کو اختیار کیا اور شرح منیہ میں بھی اسی کو احوط کہا ہے کذا فی الشامی ملخصاً ومن تحول رایہ لجہۃ الاولی استدار اور جس شخص کی رائے پہلی طرف کو پھر جائے وہ اسی طرف کو پھر جائے یعنی کچھ نماز ایک طرف کو تحری کے بعد پڑھی پھر نماز میں دوسری طرف قبلہ کی معلوم ہوئی اور اس طرف کو پھر گیا اس کے بعد پھر اول جانب پر رائے آ گئی تو اسی طرف کو ہو جاوے اور خلاصہ میں ایک قول یہ ہے کہ از سر نو پڑھے مگر تاتارخانیہ اور قہستانی نے اول قول کو مقدم کہا ہے اور طحطاوی اور شامی نے بھی اس کو اوجہ ذکر کیا ہے ومن تذکر ترک سجدۃ من الاولی استانف اور جس شخص کو پہلی رکعت کا سجدہ چھوٹ جانا یاد آیا وہ از سر نو نماز پڑھے ہم صورت اس کی یہ ہے کہ ایک شخص نے تحری کے بعد ایک رکعت ایک جانب کو پڑھی پھر رائے بدل گئی دوسری رکعت دوسری طرف کو پڑھنے لگا اسوقت یاد آیا کہ پہلی رکعت کا سجدہ نہیں کیا تو نماز کو پھر سے پڑھے اس لیے کہ اگر سجدہ مذکور اس جانب کو کرتا ہے جدھر دوسری رکعت پڑھتا ہے تو سجدہ قبلہ کی طرف نہ ہوگا اس لیے کہ پہلی رکعت کا قبلہ یہ طرف نہ تھی اور یہ سجدہ رکعت مذکور کا جز ہے اور اگر پہلی رکعت کے قبلہ کی طرف کو کرتا ہے تو جو طرف اب اس کے نزدیک قبلہ ہے اس سے پھرنا لازم آتا ہے اس لیے نماز از سر نو پڑھے کذا فی الشامی وان شرع بلا تحر لم یجز وان اصاب لترکہ فرض التحری اور جو شخص کہ قبلہ معلوم کرنے سے عاجز ہے اگر وہ نماز کو بدون تحری کے شروع کرے گا تو شروع درست نہ ہوگا اگرچہ ٹھیک کی طرف کو پڑھتا ہو اس لیے کہ اس نے فرض تحری کو چھوڑ دیا یعنی درصورت اشتباہ قبلہ کے تحری فرض تھی اس کو اس نے چھوڑ دیا الا اذا علم اصابتہ بعد فراغہ فلا یعید اتفاقاً مگر جب اپنے فارغ ہونے کے بعد ٹھیک قبلہ کو ہو جانے تو دوبارہ نماز نہ پڑھے بالاتفاق بخلاف مخالف جہۃ تحریہ فانہ یستانف مطلقاً بخلاف جہت تحری کے سوا اور طرف پڑھنے والے کے کہ وہ از سر نو پڑھے ہر حال میں یعنی اگر تحری ایک طرف پر ہوئی اور اس نے دوسری طرف نماز پڑھی تو نماز کو پھر سے پڑھے ہر حال میں یعنی خواہ نماز میں جانے کہ ٹھیک قبلہ کی طرف پڑھی یا خطا کی یا بعد نماز کے جانے یا کچھ بھی معلوم نہ ہوا اور امام اعظم سے مروی ہے کہ اس شخص پر خوف کفر ہے کذا فی الشامی کمصل علی انہ محدث او ثوبہ نجس او الوقت لم یدخل فبان بخلافہ لم یجز جیسے نماز پڑھنے والا اس گمان سے کہ وہ بے وضو ہے یا اس کا کپڑا ناپاک ہے یا وقت نہیں آیا پھر اس کا خلاف معلوم ہوا تو اس کی نماز درست نہ ہوگی وہ بھی نماز از سر نو پڑھے وجہ ناجائز ہونے کی یہ ہے کہ اس کے عندیہ میں نماز فاسد ہو چکی ہے تو اب خلاف ظاہر ہونے سے جائز نہ ہوگی کذا فی الطحطاوی صلی جماعۃ عند اشتباہ القبلۃ فلو لم تشتبہ ان اصاب جاز بالتحری مع امام وتبین انہم صلوا الی جہات مختلفۃ ومن تیقن منہم مخالفۃ امام فی الجہۃ او تقدمہ علیہ حالۃ الاداء لا بعد فلا یضر لم تجز صلواتہ ایک جماعت نے نماز پڑھی قبلہ کے مشتبہ ہونے کے وقت تحری سے ایک امام کے ساتھ اور ظاہر ہوا کہ انہوں نے مختلف سمتوں کی طرف نماز پڑھی تو جس شخص کو ان میں سے یقین ہوا حالت ادا میں یعنی غلبہ ظن ہوا کذا فی العینی کہ اس نے امام کے مخالف جانب نماز پڑھی یا امام سے آگے بڑھنے کا یقین ہوا تو اس کی نماز درست نہ ہوگی اور بعد ادا کے مخالفت کا حال معلوم ہونا اس کو مضر نہیں شارح نے کہا کہ اگر قبلہ مشتبہ نہ تھا تو اگر نمازی ٹھیک طرف کو پڑھے گا تو درست ہوگی یعنی اگر کوئی ایسا شخص موجود تھا جس سے قبلہ پوچھ لینا ممکن تھا مگر بدون دریافت کے تحری سے نماز پڑھی تو اگر ٹھیک قبلہ کی طرف کو پڑھی ہوگی تو درست ہوگی ورنہ درست

نہ ہوگی شامی نے کہا کہ حالۃ الاداء ظرف ہے تیقن مخالفت کا اور تقدم کو اس سے کچھ علاقہ نہیں اس لیے کہ آگے بڑھنے سے تو نماز ہر صورت سے درست نہیں خواہ حالت ادا میں آگے بڑھنا معلوم ہو خواہ ادا کے بعد لاعتقادہ خطاء امامہ ولذا کہ فرض المقام حالت ادا میں امام کی مخالفت معلوم کرنے والے کی نماز اس لیے نہ ہوگی کہ اس کو اپنے امام کے چوکنے کا اعتقاد ہے یعنی اپنے عندیہ میں امام کو خطا پر سمجھتا ہے پھر اس کا اقتدا کیسے ہوگا اور آگے بڑھنے کو معلوم کرنے والے کی نماز اس وجہ سے نہ ہوئی کہ اس نے مقام کے فرض کو ترک کیا یعنی اس کو امام کے پیچھے کھڑا ہونا فرض تھا آگے بڑھنے سے یہ فرض چھوٹ گیا شامی اور طحطاوی نے کہا کہ لاعتقادہ الخ نشر مرتب ہے ومن لم یعلم ذلک فصلوتہ صحیحۃ اور جس شخص کو حال مخالفت امام اور آگے بڑھنے کا معلوم نہ ہوا تو اس کی نماز درست ہے کما لولم تیعین الامام بان رای رجلین یصلیان فائتم بواحدٍ لابعینہ جیسے امام کو متعین نہ کرنے سے نماز درست نہیں اس طرح کہ دو شخصوں کو نماز پڑھتے دیکھا اور ایک غیر معین کا اقتداء کرلیا تو صحیح نہ ہوگا ہم ظاہر عبارت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تشبیہ صحت نماز کی ہو حالانکہ تشبیہ عدم جواز کی ہے تو شارح کو مناسب تھا اس کو بحث صلوٰۃ کے بعد ذکر کرتا کذا فی الطحطاوی فروع مسائل ملحقہ شارح کے شامی نے کہا کہ اگر شارح ان مسائل کو متصل نیت کے بیان کرتا یعنی پیشتر استقبال قبلہ سے تو بہتر ہوتا النیۃ عندنا شرط مطلقاً نیت ہمارے نزدیک شرط ہے سب عبادتوں میں یعنی کسی عبادت میں رکن نہیں بلکہ سب میں شرط ہے البتہ تکبیر تحریمہ میں اختلاف ہے کہ اس کو بعض نے رکن بھی کہا ہے مگر معتمد یہی ہے کہ وہ شرط ہے ولو عقبہا بمشیئۃ فلو مما یتعلق باقوال کطلاق وعتاق بطل ای الا لا اور اگر الفاظ نیت کہہ کر انشاء اللہ کہا تو اگر نیت کی ہوئی چیز ان کاموں سے ہوگی جو زبانی قولوں سے متعلق ہیں چنانچہ طلاق اور آزادی تو انشاء اللہ کہنے سے وہ باطل ہوجائیں گے لیس لنا من ینوی خلاف ما یؤدی الا علی قول محمد فی الجمعۃ وہو ضعیف ہم حنفیوں کے نزدیک ایسا کوئی نہیں جو نیت کچھ کرے اور ادا کچھ کرے مگر امام محمد کے قول پر جمعہ میں ایسی صورت ممکن ہے اور وہ قول ضعیف ہے ہم صورت جمعہ کے مسئلہ کی اس طرح ہے کہ ان کے نزدیک جمعہ نہیں ہوتا جب تک کہ نمازی کو ایک رکعت نہ ملے تو اگر کسی شخص نے دوسری رکعت کے رکوع کے بعد جمعہ میں امام کا اقتدا کیا تو وہ یہ فرماتے ہیں کہ مقتدی جمعہ کی نیت کرے اور بعد امام کے فارغ ہونے کے ظہر کی نماز پوری کرے پس اس صورت میں نیت تو کچھ اور ہمنی یعنی جمعہ کی اور ادا دوسری چیز کی یعنی نماز ظہر اس صورت کے سوا دوسری ایسی نہیں کہ نیت اور کچھ ہو اور ادا اور کچھ کذا فی الشامی المعتمد ان العبادۃ ذات الافعال تنسحب نیتہا علی کلہا قول معتمد یہ ہے کہ عبادت بہت سے فعلوں والی کی نیت ان سب افعال پر کھنچ جاتی ہے یعنی اس کے ہر فعل ورکن کے لیے جدا جدا نیت ضرور نہیں ایک نیت شروع میں کافی ہے جیسے اس عبادت میں کہ ایک ہی فعل ہو چنانچہ روزہ بخلاف اس کے اول میں نیت کرلینا کافی ہے افتتح خالصاً ثم خالطہ الریاء اعتبر السابق شروع کیا عمل کو اخلاص کے ساتھ پھر اس عمل میں ریا کا یعنی نمود کا خلط ہوگیا تو اعتبار سابق کا ہوگا یعنی عمل اخلاص کے ساتھ ہی رہے گا ہم شامی نے کہا کہ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ نماز قابل قسمت نہیں تو ایسا نہیں ہوسکتا کہ بعض خالص خدا تعالیٰ کے لیے ہو اور بعض غیر کے لیے ہاں اگر بعض کو دکھانے کے لیے بنا سنوار کر پڑھے گا تو اس بنانے اور سنوارنے کا کچھ ثواب نہ پاوے گا والریاء انہ لو خلا عن الناس لایصلی اور ریاء کامل یہ ہے کہ اگر نمازی لوگوں سے علیحدہ ہوتا تو نماز نہ پڑھتا فلو معہم یحسنہا ووحدہ لا فلہ ثواب اصل الصلوۃ پس اگر لوگوں کے ساتھ ہو کر نماز کو اچھی طرح پڑھے اور تنہا اچھی طرح نہ ادا کرے تو اس کو اصل نماز کا ثواب ملے گا اچھی طرح پڑھنے کا ثواب نہ ملے گا بظاہر یہ حکم فرض اور نفل دونوں کو شامل ہے کذا فی الطحطاوی ولا یترک لخوف دخول الریاء لانہ امر موہوم اور نماز یا دوسرے کام کو نہ چھوڑے ریا کے داخل ہونے کے خوف سے کیونکہ ریا کا داخل ہونا ایک وہمی بات ہے تو وہمی بات کے لیے نیک کام کیوں چھوڑا جائے

ولا ریاء فی الفرائض فی حق سقوط الواجب اور نمود نہیں ہے فرضوں میں واجب کے ساقط ہونے کے باب میں یعنی ریا فرض کو باطل نہیں کرتا اور فقیہ ابو اللیث نے نوازل میں اپنے بعض اساتذہ کا قول نقل کیا ہے کہ مذہب مستقیم یہ ہے کہ ریا اصل ثواب کو کھوتا نہیں بلکہ زیادتی ثواب کو فوت کرتا ہے تو اگر کوئی شخص ریا کے ساتھ نماز پڑھ لے گا تو اس کے ذمہ سے واجب ساقط ہو جائے گا بسبب پائے جانے شرائط اور ارکان نماز کے کذا فی الشامی قیل لشخص صل الظہر ولک دینار فصلی بھذہ النیۃ ینبغی ان تجزیہ ولا یستحق الدینار ایک شخص سے کہا گیا کہ ظہر کی نماز پڑھ لے تجھ کو ایک دینار ملے گا سو اس نے اسی ارادہ سے نماز پڑھی تو چاہیے کہ یہ نماز اس کو کافی ہو اور وہ مستحق دینار کا نہ ہو ھم نماز کا کافی ہونا تو اس وجہ سے ہے کہ فرض میں ریا کو دخل نہیں اور دینار کا استحقاق اس وجہ سے نہ رہا کہ نماز اس کے ذمہ واجب تھی واجب چیز پر اجرت کا استحقاق نہیں ہوتا مثلاً باپ اپنے بیٹے کو اپنی خدمت کے لیے نوکر رکھے تو بیٹا کچھ نوکری کا مستحق نہ ہو گا اس لیے کہ باپ کی خدمت اس پر واجب ہے کذا فی الشامی الصلوٰۃ لارضاء الخصوم لا یفید بل یصلی للہ تعالیٰ فان لم یعف خصمہ اخذ من حسناتہ نماز کا پڑھنا دشمنوں کے راضی کرنے کے لیے مفید نہیں بلکہ نماز اللہ تعالیٰ کے واسطے پڑھے پھر اگر اس کا دشمن اپنا حق معاف نہ کرے گا تو آخرت میں اس کی نیکیوں میں سے لے کر حق دار کو حوالہ کیا جائے گا ھم شارح نے اس نماز کے جواز اور عدم جواز کو ذکر نہ کیا بلکہ یہ کہا کہ مفید نہیں لیکن مختارات النوازل میں کہا کہ ایسی نماز درست نہیں یعنی اگر نماز اس نیت سے پڑھے کہ خدا کے واسطے پڑھتا ہوں تاکہ وہ حق داروں کو مجھ سے راضی کر دے تو درست نہ ہو گی اس لیے کہ بدعت ہے کذا فی الشامی جاء انہ یوخذ لدانق ثواب سبعمائۃ صلوٰۃ بالجماعۃ بعض کتب آسمانی میں آیا ہے کہ ایک دانگ کے لیے ثواب سات سو نماز با جماعت کا لیا جائے گا ھم دانگ درہم کے چھٹے حصے کو کہتے ہیں اور نماز با جماعت سے غرض فرائض ہیں کہ جماعت انہیں میں ہوتی ہے یعنی اگر کسی کا حق ایک دانگ دوسرے کے ذمہ ہو گا جو حال کے سکہ کے اعتبار سے پون آنے کے قریب ہوتا ہے تو اس کے عوض آخرت میں سات سو فرضوں کا ثواب ظالم سے حق دار کو دلایا جائے گا ولو ادرک القوم فی الصلوٰۃ ولم یدر افرض ام تراویح ینوی الفرض فان ہم فیہ صح والا تقع نفلاً اور اگر نمازی نے لوگوں کو نماز میں پایا اور یہ نہ جانا کہ فرض پڑھتے ہیں یا تراویح تو یہ شخص فرض کی نیت سے ان کا شریک ہو جائے پھر اگر وہ فرض ہی میں ہوں گے تو اس کا فرض بھی درست ہو گا ورنہ نماز نفل ہو جائے گی یعنی تراویح نہ ہو گی کیوں کہ تراویح بعد فرض عشاء کے ہوتی ہے کذا فی الشامی ولو نوی فرضین کمکتوبۃ وجنازۃ فللمکتوبۃ اور اگر نمازی نے نیت کی دو فرضوں یعنی فرض عین اور فرض کفایہ کی ایک ساتھ نیت کی چنانچہ فرض وقت اور جنازہ کی نیت تو یہ نیت صرف فرض وقت کی ہو گی اس لیے کہ فرض وقت قوی ہے اور حقیقت میں نماز اسی کا نام ہے کہ اس میں رکوع اور سجدہ سب ارکان ہیں بخلاف جنازہ کے ھم قاعدہ کلیہ اس طرح کی نیت کا یہ ہے کہ جب دو عبادتوں کو ایک نیت کے ساتھ جمع کرے گا تو اگر ان دونوں میں سے ایک قوی ہو گی تو نیت اسی کی ہو جائے گی اور اگر دونوں برابر ہوں گی تو نیت لغو ہو گی اور کسی میں شروع کرنے والا نہ ہو گا کذا فی الطحطاوی ولو مکتوبتین فللوقتیۃ اور اگر دو فرض کی نیت کی یعنی ایک جس کا وقت موجود ہے اور ایک جس کا وقت ابھی نہیں ہوا مثلاً ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر کے ساتھ نیت کی تو اس کی نیت ہو گی جس کا وقت ہے اس لیے کہ عصر کی نیت ظہر کے وقت میں درست نہیں اگرچہ نمازی عرفات میں ہو کیوں کہ ظہر کا مقدم کرنا عصر پر واجب ہے بسبب ترتیب کے کذا فی الطحطاوی عن الحلبی ولو فائتتین فللاولی لو من اہل الترتیب اور اگر دو قضا نمازوں کی نیت کی تو اس میں سے پہلی کی نیت ہو گی بشرطیکہ نمازی اہل ترتیب سے ہو ھم اہل ترتیب اس کو کہتے ہیں جس کے ذمہ شروع فرضیت نماز سے پانچ نمازیں متصل باقی نہ ہوں تو ایسا شخص اگر دو قضا نمازوں کی ایک ساتھ نیت کرے گا تو یہ نیت پہلی کی ہو گی اس لیے کہ ترتیب والے کی دوسری نماز نہیں ہوتی جب تک

پہلی کو ادا نہ کرے کذا فی الشامی والالغا فلیحفظ اور اگر صاحب ترتیب نہ ہو اور دو قضا نمازوں کی ایک ساتھ نیت کرے تو یہ نیت لغو ہو گی کوئی سی نماز صحیح نہ ہو گی تو اس کو یاد رکھنا چاہیے م وجہ لغو ہونے کی یہ ہے کہ ایک ساتھ تو دونوں کا ادا ممکن نہیں کیوں کہ ہر ایک کو ایک فعل علیحدہ چاہیے اور خاص ایک کا ادا ہونا ترجیح بلا مرجح ہے اور صاحب ترتیب نہ ہونے سے اولویت ترتیب معتبر نہیں رہی کہ اول کی نیت ہو جاتی ہے اس لیے نیت لغو ہو گئی کذا فی الطحطاوی عن الحلبی ولو فائتۃ ووقتیۃ فللفائتۃ لو الوقت متسعًا اور اگر ایک قضا نماز اور ایک وقت کی نماز کی نیت اکٹھی کی تو نیت قضا کی ہو گی بشرطیکہ وقت میں گنجائش ہو یعنی بعد قضا پڑھنے کے وقتی کو ادا کر سکے طحطاوی نے کہا کہ وقت میں گنجائش ہونے کے سوا یہ بھی شرط ہے کہ نمازی صاحب ترتیب ہو اگر صاحب ترتیب نہ ہو گا تو نیت لغو ہو جائے گی اور اگر وقت تنگ ہو گا تو نیت وقتی ہی کے لیے ہو گی خواہ صاحب ترتیب ہو یا نہ ہو ولو فرضًا ونفلاً فللفرض اور اگر فرض اور نفل کی ایک ساتھ نیت کرے گا تو نیت فرض کی ہو گی بسبب قوی ہونے فرض کے ولو نافلتین کسنۃ فجر وتحیۃ مسجد فعنہما اور اگر دو نفل نمازوں کی نیت کرے گا جیسے سنت فجر اور تحیۃ المسجد کی تو نیت دونوں کی طرف سے کافی ہو گی یعنی دونوں کا ثواب پاوے گا ولو نافلۃ وجنازۃ فنافلۃ اور اگر نفل اور جنازہ کی نیت کرے گا تو نفل ہو گی اس لیے کہ نفل حقیقت میں نماز ہے اور نماز جنازہ دعا ہے ولا تبطل بنیۃ القطع مالم یکبر بنیۃ مغایرۃ اور نماز باطل نہیں ہوتی قطع کی نیت سے جب تک دوسری نیت سے تکبیر نہ کہے م یعنی ایک شخص نے فرض شروع کیا پھر یہ نیت کی کہ فرض کو قطع کرتا ہوں نفل پڑھتا ہوں تو جب تک نیت نفل کے بعد اللہ اکبر نہ کہے گا تب تک اس کا فرض باطل نہ ہو گا اور نیت میں جو غیر ہونے کی قید لگائی اس سے یہ نکلا کہ اگر پہلی نیت کے موافق نیت کرے گا مثلاً ظہر کی ایک رکعت پڑھ کر پھر اس نے ظہر کی نیت بدون زبان سے کچھ کہنے کے کر لی تو پہلی رکعت باطل نہ ہو گی کذا فی الطحطاوی ولو نوی فی صلوٰتہ الصوم صح اور اگر اپنی نماز میں روزہ کی نیت کی تو درست ہے طحطاوی نے کہا کہ یہ بہتر ہے کہ جس فعل میں مشغول ہو اس کے اندر دوسری چیز میں مصروف نہ ہو۔

باب صفۃ الصلوٰۃ

یہ باب ہے نماز کی کیفیت میں شروع فی المشروط بعد بیان الشرط شروع ہی مشروط کے بیان میں بعد شرط کے یعنی اول نماز کی شرط کا بیان ہوا اب خود نماز کا بیان شروع ہوتا ہے ہی لغۃ مصدر وعرفًا کیفیۃ مشتملۃ علی فرض وواجب وسنۃ ومندوب صفت نعت میں مصدر ہے یعنی جس کے معنی ہیں بیان کرنا اس چیز کا جو موصوف میں ہے اور عرف میں صفت وہ کیفیت ہے جو شامل ہو فرض اور واجب اور سنت اور مستحب پر م یہ تعریف عرفی مطلق صفت کی نہیں بلکہ خاص صفت نماز کی ہے اور نیز اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ صفت نماز سے مراد صفت اجزاء نماز ہے کہ بعض اجزاء فرض ہیں اور بعض واجب اور بعض مسنون اور بعض مستحب من فرائضہا التی لا تصح بدونہا التحریمۃ قائمًا نماز کے ان فرضوں میں جن کے بدون نماز درست نہیں ہوتی ایک تکبیر تحریمہ ہے حالت قیام میں م تحریمہ سے مراد ذکر خالص ہے مثلاً اللہ اکبر تحریم کے معنی ہیں کسی چیز کا حرام کرنا اور چونکہ تحریمہ کے بعد نمازی پر کلام وغیرہ مباح چیزیں حرام ہو جاتی ہیں اس لیے اس کا نام تحریمہ ہوا اور فرائض میں یہ قید جو شارح نے لگائی کہ جن کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی یہ ظاہر کرنے والی صفت ہے کیوں کہ فرضوں میں ایسا نہیں جس کے بدون نماز صحیح ہوتی ہے اور تحریمہ حالت قیام میں چاہیے اس سے معلوم ہوا کہ اگر امام کو رکوع میں پایا اور اللہ اکبر کہا تو اگر کھڑے ہونے کے قریب تھا تب تو نماز صحیح ہو گی اور جھکے ہوئے کے قریب ہو گا تو درست نہ ہو گی اور اس کو پہلی شرطوں کے ساتھ اس لیے ذکر نہ کیا کہ تحریمہ نماز کے ساتھ ایسی ملی ہے جیسے دروازہ گھر سے کذا فی الشامی والطحطاوی

وہی شرط فی غیر جنازۃ علی القادر بہ یفتی اور تکبیر تحریمہ شرط ہے جنازے کے سوا اور نمازوں میں اور فرض ہے قدرت والے پر یعنی گونگے

اور امی پر اللہ اکبر کہنا فرض نہیں بلکہ جو کہہ سکتا ہے اس پر فرض ہے اسی پر یعنی تحریمہ کی شرط ہونے پر فتوی ہے نہ رکن ہونے پر جو قول ہے امام محمدؒ کا اور جنازے کو اس لیے استثنا کیا کہ اس میں یہ تکبیر رکن ہے مثل اور تکبیروں کے کذا فی الشامی فیجوز بناء النفل علی النفل وعلی الفرض وان کرہ جب تحریمہ شرط ہے تو درست ہے ایک نفل کی بنا دوسری پر اور نفل کی بنا فرض پر اگرچہ مکروہ تحریمی ہے م یعنی چونکہ تکبیر تحریمہ رکن نہیں تو اگر ایک دوگانہ نفل کے بعد دوسرے کے لیے کھڑا ہوگیا تو دونوں صحیح ہوں گے اگر تکبیر تحریمہ رکن ہوتی تو دوسری نفل بسبب فوت ہونے رکن کے جائز نہ ہوتی اور فرض پر بنا نفل اس لیے جائز ہوئی کہ فرض قوی ہے قوی پر بنا ضعیف کی ہوسکتی ہے اس کا عکس صحیح نہیں اور وجہ مکروہ ہونے ان دونوں صورتوں کی یہ ہے کہ اول تو سلام میں تاخیر ہوتی ہے دوسرے ابتداء دوسرے نفل کی تحریمہ سے نہیں ہوتی کذا فی الشامی والطحطاوی لا فرض علی فرض او نفل علی الظاہر نہیں جائز ہے بنا فرض کی دوسری فرض پر یا نفل پر موجب ظاہر مذہب کے م اس میں یہ بحث ہے کہ جب تکبیر تحریمہ شرط ہے تو چاہیے یوں تھا کہ ہر نماز کی بنا دوسرے پر جائز ہوتی جیسے کسی نماز کی طہارت سے مثلاً دوسری نماز درست ہے اسی طرح اور شرطوں کا حال ہے کہ ان میں خصوصیت خاص نماز کی نہیں پھر تحریمہ ایک فرض کی دوسری کے لیے کافی کس لیے نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ فرضوں میں معین اور جدا ہونا مطلوب ہے تاکہ عبادت علیحدہ ہو تو اگر ایک کی بنا دوسرے پر ہو تو دونوں مل کر ایک عبادت ہو جائیں جو خلاف مقصود ہے ولاتصالہا بالارکان روعی لہا الشروط اور بسبب متصل ہونے تکبیر تحریمہ کے ارکان نماز کے ساتھ مراعات کی گئی ہیں اس کے لیے شرطیں م یہ جواب ہے ایک سوال مقدر کا اس کی تقریر یہ ہے کہ اگر تکبیر تحریمہ شرط ہے تو اس کے لیے شرطوں کی رعایت کیوں کی گئی ہے شرطیں تو ارکان میں ہوتی ہیں شارح نے جواب دیا کہ تکبیر میں طہارت اور استقبال قبلہ وغیرہ شرطوں کی رعایت اس لیے ہے کہ تکبیر متصل ہے قیام سے جو رکن ہے نماز کا یعنی جو شرطیں رکن میں ملحوظ ہیں وہ بوجہ اتصال تکبیر میں ملحوظ ہوئیں یہ نہیں کہ خود تکبیر کے رکن ہونے کی جہت سے ملحوظ ہوئی ہوں وقد منعہ الزیلعی اور زیلعی نے تکبیر تحریمہ کے لیے شرائط کی مراعات کا انکار کیا ہے یعنی امام شافعی جو اس کے رکن ہونے کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ جو شرطیں نماز کی ہیں وہی تکبیر کے لیے ہیں ان کے جواب میں زیلعی نے کہا ہے کہ یہ کہاں ہے کہ جو شرطیں نماز کے لیے ضرور ہیں وہی تکبیر کے لیے ہوں مثلاً ایک شخص نے نجاست کو اٹھائے تکبیر تحریمہ کی اور تحریمہ سے فارغ ہوکر نجاست ڈال دی یا شرم گاہ کھولے تحریمہ کی اور تحریمہ کے بعد تھوڑی سی حرکت سے شرمگاہ چھپالی تو نماز درست ہوگی حالانکہ نماز میں یہ امور مفسد نماز ہیں تو شرائط نماز کی رعایت تحریمہ میں نہیں ثم رجع الیہ بقولہ ولئن سلم پھر زیلعی نے مراعات شروط کی طرف رجوع کیا اپنے اس قول میں کہ اگر مراعات شروط نماز تحریمہ میں مان لیے جائیں تو ہم یہ کہیں گے کہ یہ مراعات اس لیے نہیں کہ تحریمہ رکن نماز ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ ادا نماز تحریمہ سے متصل ہے طحطاوی نے کہا کہ شارح نے جو زیلعی کا رجوع قرار دیا تو اس میں کلام ہے اس لیے کہ یہ قول بر سبیل فرض و تنزل ہے نہ بطور یقین اور جزم اور رجوع دوسرا کہلاتا ہے نہ پہلا نعم فی التلویح تقدیم المنع علی التسلیم اولیٰ ہاں تلویح میں ہے کہ مراعات شروط کے نہ کرنے کو رعایت شرائط کے مان لینے پر ترجیح دینا بہتر ہے یعنی یہی اچھا ہے کہ تحریمہ میں مراعات شروط نماز کا انکار کیا جائے ورنہ جو صورتیں زیلعی نے لکھی ہیں وہ بن نہ سکیں گی طحطاوی نے کہا کہ جب شارح نے زیلعی کے قول کو بلفظ رجوع بیان کیا تو اس سے یہ نکتہ تھا کہ شاید وہی قول معتمد ہوگا اس لیے تلویح کے اس جملے سے اس وہم کو دور کر دیا لکن نقول الاحتیاط خلافہ مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ احتیاط اس کے خلاف ہے یعنی ہر چند تلویح کے قول سے ترجیح عدم مراعات کی معلوم ہوتی ہے مگر احتیاط کی صورت یہ ہے کہ مراعات شروط کو مان لیا جائے طحطاوی نے کہا کہ ظاہر عبارت بحر الرائق اور نہر الفائق اور منح الغفار سے یہ ہے کہ عدم

مراعات پر اعتماد ہو وعبارۃ البرہان وانما اشترط لہا ما اشترط للصلوٰۃ لا باعتبار رکنیتہا بل باعتبار اتصالہا بالقیام الذی ہو رکنہا اور عبارت برہان کی یہ ہے کہ تحریمہ کے لیے جو وہ چیز شرط ہوئی جو نماز کے لیے ہے تو وہ باعتبار تحریمہ کے رکن ہونے کی نہیں بلکہ اس لحاظ سے ہے کہ تحریمہ قیام سے متصل ہے جو نماز کا رکن ہے ومنہا القیام بحیث لو مدیدیہ لا ینال رکبتیہ اور ایک فرض نماز کا جس کے بدون نماز نہیں ہوتی کھڑا ہونا ہے اس طرح کہ اگر کھڑا ہو اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دے تو اس کے دو گھٹنوں کو نہ پہنچیں یعنی اگر نماز میں خوب سیدھا نہ ہو گا کسی قدر جھکا ہو گا تو فرض ادا ہو جائے گا لیکن جب اتنا جھکے گا کہ ہاتھ گھٹنوں کو لگجائیں تو فرض ادا نہ ہو گا ومفروضہ وواجبہ ومسنونہ ومندوبہ بقدر القراۃ فیہ اور مقدار قیام کے فرض اور واجب اور مسنون اور مستحب ہونے کی منحصر ہے اس کے اندر قرأت کی مقدار پر یعنی قیام مقدار ایک آیت کی فرض ہے اور بقدر سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت یا تین چھوٹی آیتوں کے واجب ہے اور وتر میں اتنا قیام جس میں سورۂ اعلیٰ اور کافرون اور اخلاص پڑھی جائے مسنون ہے اور صبح میں طوال مفصل کے پڑھنے کی قدر مستحب ہے غرضیکہ نماز میں جسقدر قرأت فرض یا واجب وغیرہ ہے قدر قیام بھی فرض و واجب وغیرہ ہے فلو کبر قائما فرکع ولم یقف صح لان ما اتے بہ من القیام الی ان یبلغ الرکوع یکفیہ قنیۃ پس اگر کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہا اور رکوع کیا اور رکوع کے درمیان میں وقفہ نہیں کیا تو قیام صحیح ہو گیا اس لیے کہ جتنا قیام اس نے رکوع میں پہنچنے تک کیا اسی قدر کافی ہے کذا فی القنیۃ م یعنی رکوع میں جھکنے کے وقت بھی جب تک گھٹنوں تک ہاتھ نہ پہنچیں گے قیام ہی میں داخل ہے طحطاوی نے کہا کہ یہ صورت اس شخص کے حق میں ممکن ہے جس پر قرأت نہ ہو جیسے امی یا مقتدی جو امام کو رکوع میں پاوے یا کہ وہ اوفی قرأت پر انتقار کرے ثم نظرتہ لے فی فرض وملحق بہ کنذر وسنۃ فجر فی الاصح قیام فرض ہے فرض نماز میں اور جو فرض سے ملحق ہے چنانچہ نماز نذر و سنت فجر صحیح تر قول میں یعنی فجر کی سنتیں بعضوں کے نزدیک واجب ہیں تو ان کے وجوب کی رعایت سے جو ان کو مسنون کہتے ہیں وہ بھی قیام کو ان میں فرض کہتے ہیں خلاصہ میں ہے کہ فجر کی سنتیں بدون عذر کے بیٹھ کر جائز نہیں بالاجماع چنانچہ یہی روایت ہے حسن کی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے لقادر علیہ وعلی السجود قیام فرض ہے اس شخص پر جو قادر ہو قیام پر اور سجدہ پر فلو قدر علیہ دون السجود ندب ایماءہ قاعدا پھر اگر صرف قیام پر قادر ہو نہ سجدہ پر تو مستحب ہے اشارہ سے پڑھنا بیٹھ کر اس لیے کہ قیام ذریعہ[1] ہے سجدہ کا جب اصل پر قدرت نہیں تو ذریعہ کو بھی ترک کرے طحطاوی نے کہا کہ اس مسئلہ میں اشارہ سے کھڑے ہو کر پڑھنا بھی جائز ہے وکذا من یسیل جرحہ لو سجد اور اسی طرح اشارہ سے بیٹھ کر پڑھنا مستحب ہے اس شخص کو کہ اگر سجدہ کرے تو اس کا زخم بہنے لگے کیوں کہ یہ شخص بھی گویا سجدہ سے عاجز ہے اس لیے کہ سجدہ کرنے سے وضو ٹوٹتا ہے تو جب سجدہ ساقط ہوا کذا فی الحلبی وقد یتحتم القعود کمن یسیل جرحہ اذا قام او یسلسل بولہ او یبدو ربع عورتہ او یضعف عن القراۃ اصلا او عن صوم رمضان اور کبھی لازم ہوتا ہے بیٹھ کر پڑھنا مثلاً کھڑے ہونے سے کسی شخص کا زخم بہنے لگے یا پیشاب جاری ہو جائے یا چوتھائی ستر کھل جائے یا قرأت سے بالکل عاجز ہو جائے یعنی قدر فرض بھی نہ پڑھ سکے یا قیام کی جہت سے رمضان کے روزہ سے عاجز ہو تو ان صورتوں میں بیٹھ کر پڑھے کیوں کہ کھڑے ہونے سے یا طہارت جاتی رہے گی یا ستر یا قرأت یا روزہ اور ان کا کوئی بدل نہ ہو گا اور قیام کو ترک کرنے سے بیٹھنا اس کا خلیفہ ہو جائے گا ولو اضعفہ عن القیام الخروج الی جماعۃ صلی فی بیتہ قائما بہ یفتی خلافا للاشباہ اور اگر جماعت کے لیے نکلنا نمازی کو قیام سے عاجز کر دے یعنی جماعت میں جا کے اتنی طاقت نہیں رہتی کہ پھر کھڑا ہو کر جماعت کا شریک ہو

[1] یعنی اصل عبادت سجدہ ہے اور قیام اس کا وسیلہ ہے اور سجدہ کے اصل ہونے کی یہ وجہ ہے کہ وہ تنہا بدون قیام عبادت ہو سکتا ہے جیسے سجدہ تلاوت اور تنہا قیام عبادت نہیں اور یہی وجہ اگر غیر اللہ کے لیے سجدہ کرے گا تو کافر ہو جائے گا بخلاف قیام کے کذا فی الطحطاوی ۱۲

تو اپنے گھر میں کھڑا ہو کر نماز پڑھ لے جماعت میں نہ جاوے اس کا فتویٰ ہے اس لیے کہ قیام فرض ہے اور جماعت سنت مؤکدہ تو اس کے لیے فرض کو نہ چھوڑنا چاہیے بخلاف قول اشباہ کے ہم اشباہ میں مجتبیٰ سے اس کی تصحیح کی ہے کہ جماعت کے لیے جاوے اور بیٹھ کر شریک ہو ومنہا القرأۃ لقادر علیہا کما سیجیٔ اور ایک فرض نماز کا قرأت ہے اس شخص کے لیے جو قرأت پر قادر ہو چنانچہ فصل آیندہ میں مذکور ہوگا وہی رکن زائد عند الاکثر اور قرأت رکن زائد ہے اکثر فقہا کے نزدیک ہم رکن کی دو قسمیں ہیں ایک اصلی اور ایک زائد رکن اصلی وہ ہے کہ بدون ضرورت اور بدون عوض کے ساقط نہیں ہوتا مثل قیام کے اور زائد وہ ہے کہ بدون موجود ہونے ضرورت کے بھی بعض صورتوں میں ساقط ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی قائم مقام بھی نہیں ہوتا جیسے قرأت لسقوطہ بالاقتداء بلا خلف بسبب ساقط ہونے اس رکن کے مقتدی ہونے سے بدون نائب کے یعنی مقتدی سے قرأت ساقط ہو جاتی ہے اور اس کا خلیفہ کچھ نہیں ہوتا بخلاف اور ارکان کے کہ اگر وہ ساقط ہوتے ہیں تو دوسری چیز ان کا عوض ہوتی ہے مثلاً جس شخص پر سے رکوع اور سجدہ ساقط ہوتا ہے تو اشارہ ان دونوں کا قائم مقام ہوتا ہے ہم یہاں یہ اعتراض ہے کہ رکن وہ ہے جو داخل ماہیت ہو تو وہ زائد کیسے ہو سکتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ رکن ہونا اور حالت میں ہے اور زائد ہونا دوسری حالت میں یعنی جب ایسی حالت ہو کہ قرأت ہونے سے نماز ہوتی ہو اور نہ ہونے سے نہ ہوتی ہو تب تو اس کو رکن کہیں گے جیسے تنہا نماز پڑھنا اور جب ایسی حالت ہو کہ قرأت کے نہ ہونے سے نماز ہو جاتی ہے تو اس وقت اس کو زائد کہیں گے کذا فی الطحطاوی والشامی ومنہا الرکوع بحیث لو مد یدیہ نال رکبتیہ اور ایک فرض نماز کا رکوع ہے یعنی اس طرح جھکنا کہ اگر اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دے تو دونوں زانو کو پکڑ لے اس سے معلوم ہوا کہ صرف سر کا جھکانا رکوع میں کافی نہیں اور یہ صورت کھڑے ہو کر رکوع کرنے کی ہے اور اگر بیٹھ کر رکوع ہو تو پیشانی مقابل زانو کے آجانی چاہیے کذا ذکرہ ابو السعود ومنہا السجود بجبہتہ وقدمیہ ووضع اصبع واحدۃ منہا شرط اور ایک فرض نماز کا سجدہ کرنا ہے اپنی پیشانی اور دونوں قدموں سے اور ایک انگلی کا ٹکانا دونوں پاؤں سے شرط ہے سجدہ کے درست ہونے کے لیے یعنی اگر دونوں پاؤں زمین سے بالکل اٹھے رہیں گے تو سجدہ درست نہ ہوگا وتکرارہ تعبد ثابت بالسنۃ کعدد الرکعات اور مکرر کرنا سجدہ کا متعلق عبادت ہے حدیث سے ثابت ہے مثل رکوع کے شمار کے یعنی سجدہ کے دوبارہ کرنے کی کوئی وجہ عقلی نہیں صرف متعلق بعبادت ہے اور بعضوں نے کہا کہ دوبارہ سجدہ شیطان کی مخالفت کرنے کے لیے ہوا کہ اس نے ایک بار نہ کیا ہم دو بار کرتے ہیں بحر الرائق میں کہا کہ آیت قرآنی سے سجدہ کا تکرار نہیں مفہوم ہوتا مگر حدیث اور اجماع سے ثابت ہوا جیسے شمار رکعات کا انہیں دونوں سے ثابت ہے ومنہا القعود الاخیر اور ایک فرض نماز کا قعدہ اخیرہ ہے والذی یظہر انہ شرط لانہ شرع للخروج کالتحریمۃ للشروع اور جو بات ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ قعدہ اخیرہ شرط ہے اس لیے کہ وہ مشروع ہوا ہے نماز سے خارج ہونے کو جیسے تکبیر تحریمہ مشروع ہوئی ہے نماز کے شروع کرنے کو یعنی قعدہ آخیرہ مقصود بالذات نہیں ذریعہ خروج ہے طحطاوی نے کہا کہ یہ علت شرط ہونے کے لیے کافی نہیں کیوں کہ قیام بھی ذریعہ سجدہ کا ہے حالانکہ وہ رکن ہے نہ شرط ہم قعدہ اخیرہ میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک رکن اصلی ہے اور بعض کے نزدیک شرط اور بعض کے نزدیک رکن زائد ہے پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ فرض ہے یا واجب مگر اصح یہی ہے کہ فرض ہے اور رکن ہے ورجح فی البدائع انہ رکن زائد بحنث من حلف لا یصلی بالرفع من السجود اور بدائع میں تصحیح کی ہے اس بات کی کہ قعدہ اخیرہ رکن زائد ہے اس وجہ سے کہ اگر کوئی قسم کھائے کہ نماز نہ پڑھوں گا تو اس کی قسم سجدہ سے سر اٹھانے پر ٹوٹ جاتی ہے اگر قعدہ اخیرہ رکن اصلی ہوتا تو جب تک وہ نہ ہو چکتا قسم نہ ٹوٹتی وفی السراجیۃ لا یکفر منکرہ اور سراجیہ میں ہے کہ قعدہ اخیرہ کا

منکر کافر نہیں شامی نے کہا کہ مراد منکر سے اس کی فرضیت کا منکر ہے اس لیے کہ بعض کے نزدیک قعدہ اخیرہ واجب ہے اور اگر اس کی ۔۔۔۔ اصل مشروع ہونے کا منکر ہوگا تو کافر ہو جانا چاہیے کیوں کہ اس کا ثبوت حق ہے بالاجماع قدر ادنی قراءۃ التشہد الی عبدہ ورسولہ بلا شرط موالاۃ وعدم فاصل قعدہ اخیرہ فرض ہے مقدار کم سے کم تشہد پڑھنے کی عبدہ ورسولہ تک بدون شرط پیہم بیٹھنے اور فاصلہ نہ کرنے کے ہم یعنی قعدہ آخیرہ اتنی دیر کا صحیح ہوگا جس میں جلد جلد صحت الفاظ کے ساتھ التحیات پوری عبدہ ورسولہ تک پڑھ سکے اور اس قدر بیٹھنے میں پیہم ہونا اور فاصلہ نہ کرنا شرط نہیں لما فی الولوالجیۃ صلے اربعا وجلس لحظۃ فظنہا ثلثا فقام ثم تذکر فجلس ثم تکلم فان کان الجلستین قدر التشہد صحت والا لا موالات کی شرط اس لیے نہیں کہ ولوالجیہ میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر ایک شخص چار رکعتیں پڑھ کر ایک لحظہ بیٹھا پھر ان کو تین رکعتیں سمجھ کر اٹھا پھر یاد کر کے بیٹھ گیا پھر بول پڑا تو اگر دونوں بار کا بیٹھنا مقدار التحیات کے ہوگا تو اس کی نماز صحیح ہوگی اور اگر اس قدر نہ ہوگا تو صحیح نہ ہوگی تو دیکھو اس صورت میں بیٹھنا پیہم نہیں بیچ میں اٹھنا بھی موجود ہے ومنہا الخروج بصنعہ کفعل المنافی لہا بعد تمامہا وان کرہ تحریما اور ایک فرض نماز کا باہر ہونا نمازی کا ہے اپنے کام سے چنانچہ اس کا کرنا وہ کام جو مخالف ہے نماز کے بعد پورا ہونے ارکان نماز کے اگرچہ ایسا کام کرنا مکروہ تحریمی ہے ہم مراد خروج سے بذریعہ اپنے فعل کے سلام پھیرنا ہے کہ لفظ السلام کہنا واجب ہے اور اس کی جگہ دوسرا فعل قصداً مخالف نماز کرنا مثل کھانے اور پینے اور باتیں کرنے کے مکروہ تحریمی ہے بسبب ترک کرنے واجب یعنی لفظ سلام کے اگرچہ نماز فاسد نہیں ہوتی اور نماز کی تمامی کی قید اس لیے لگائی کہ اگر ایسا فعل قبل تمامی کے ہوگا مثلاً قعدہ سے پیشتر تو وہ بالاتفاق نماز کا مفسد ہوگا کذا فی الطحطاوی والشامی والصحیح انہ لیس بفرض اتفاقاً قالہ الزیلعی وغیرہ واقرہ المصنف وفی المجتبیٰ وعلیہ المحققون اور صحیح یہ ہے کہ خروج بصنعہ فرض نہیں باتفاق امام اور صاحبین کے کہا ہے اس کو زیلعی وغیرہ نے اور ثابت رکھا ہے اس کو مصنف نے اور مجتبیٰ میں ہے کہ اسی پر ہیں تحقیق والے ہم اپنے فعل کے ساتھ نماز سے باہر آنا امام اعظمؒ سے صراحۃً ثابت نہیں ہے کہ فرض ہے بلکہ احمد بن حسین بردعی نے ان بارہ مسئلوں سے جو مفسدات نماز کے پیشتر مذکور ہیں اور جن میں بعد تمامی ارکان نماز کے امام اعظم کے نزدیک نماز باطل ہوتی ہے اور صاحبین کے نزدیک نہیں ہوتی یہ نکالا کہ خروج بصنعہ امام کے نزدیک فرض ہے حالانکہ بردعی کی رائے غلط ہے کیوں کہ ان مسائل میں نماز کا باطل ہونا اس وجہ سے نہیں کہ خروج بصنعہ نہ پایا گیا تو ایک فرض چھوٹ گیا بلکہ اس وجہ سے بطلان ہے کہ نماز کے اندر ایسے عوارض پیش ہوتے ہیں جن سے فرض اور کا اور ہو جاتا ہے چنانچہ معلوم ہوگا کذا فی الشامی وبقی من الفروض تمییز المفروض اور ماتن نے جو فرض مذکور کیے ان میں اتنے فرض اور باقی رہے اول جدا کرنا مفروض کا ہم حلبی نے کہا کہ تمییز مفروض سے یہ غرض ہے کہ جتنی نمازیں اس پر فرض ہیں ان کو تمیز کرے ان سے جو فرض نہیں یہاں تک کہ اگر کوئی شخص پانچ نمازوں کے فرض ہونے کو نہ جانتا ہو مگر ان کے اوقات میں ان کو پڑھ لیا کرتا ہو تو یہ پڑھنا اس کو کافی نہ ہوگا اور طحطاوی نے تمیز مفروض کے یہ معنی کہے ہیں کہ سجدہ ثانیہ کو پہلے سجدہ سے جدا کرے یعنی سجدہ اول فرض ہے تو دوسرے کو اس سے جدا کرنا چاہیے اس طرح کہ دونوں کے بیچ میں سر اٹھا دے اگر بدون سر اٹھانے کے سجدہ ثانیہ ادا کرے گا تو نماز نہ ہوگی وترتیب القیام علی الرکوع والرکوع علی السجود والقعود الاخیر علی ما قبلہ دوسرا فرض جو ماتن نے بیان نہ کیا ترتیب ہے نماز کے ارکان میں یعنی مقدم کرنا قیام کا رکوع پر اور رکوع کا سجدہ پر اور مؤخر کرنا قعدہ اخیرہ کا اس کے پیشتر کے ارکان سے حلبی نے کہا کہ اگر شارح سب کو ایک طرح پر بیان کرتا تو اچھا ہوتا یعنی یوں کہتا کہ تقدیم قیام کی رکوع پر اور رکوع کی سجدہ پر اور سجدہ کی قعدہ اخیرہ پر پس اگر اس ترتیب کے خلاف کرے گا تو نماز کا فاسد ہو جائے گی کذا فی الطحطاوی واتمام الصلوٰۃ تیسرا فرض جو ماتن کے بیان

سے رہ گیا نماز کا پورا کرنا ہے یعنی ایسی طرح ادا کرنا کہ اس کا کوئی فرض نہ چھوٹے ہم طحطاوی نے ابوالسعود سے نقل کیا کہ شارح کے اس قول کے بعد کہ قعدہ اخیرہ کو ماقبل کے ارکان سے مؤخر کرنا اس کی حاجت نہیں کہ نماز کے اتمام کو جدا فرض کہا جائے کیوں کہ اس سے اتمام نماز کا خود لازم آتا ہے والانتقال من رکن الی آخر چوتھا فرض ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف جانا ہے ومتابعتہ لامامہ فی الفروض پانچواں فرض اپنے امام کی پیروی ہے فرضوں کے اندر یعنی ہر رکن میں امام کے ساتھ یا اس کے بعد شریک ہو اس سے پیشتر ادا نہ کرے ورنہ نماز نہ ہوگی اور فرضوں کی قید اس لیے لگائی کہ اگر واجب اور سنت نمازوں میں متابعت کرے گا تو نماز فاسد نہ ہوگی کذا فی الشامی وصحۃ صلوۃ امامہ فی رایہ چھٹا فرض یہ ہے کہ اپنے عقیدہ میں اپنے امام کی نماز کو صحیح جانتا ہو مثلاً شافعی مذہب امام نے اپنی نائژہ یا عورت کو چھولیا اور اس کے پیچھے کسی حنفی نے اقتداء کیا تو حنفی کی نماز درست ہوگی کیوں کہ اس کے نزدیک یہ دونوں باتیں ناقض وضو نہیں وعدم تقدمہ علیہ ساتواں فرض مقتدی کا آگے نہ بڑھنا ہے امام پر یعنی ایڑیاں امام سے آگے قبلہ کی جانب نہ بڑھیں وعدم مخالفتہ فی الجہۃ آٹھواں فرض جہت میں امام کی مخالفت نہ ہونا یعنی اقتدا اور ادا کے وقت یہ نہ جانتا ہو کہ امام کا منہ اور طرف ہے ورنہ نماز نہ ہوگی چنانچہ پہلے گذر چکا وعدم تذکر فائتۃ وعدم محاذاۃ امرأۃ بشرطہما نواں فرض نہ یاد ہونا قضا نماز کا ہے اور دسواں فرض نہ برابر ہونا کسی عورت کا بموجب شرط ان دونوں کے یعنی قضا کے یاد نہ ہونے کی فرضیت میں یہ شرط ہے کہ نمازی صاحب ترتیب ہو اور وقت میں گنجائش ہو اور عورت کے برابر نہ ہونے میں وہ شرط ہے جو امامت کے بیان میں مذکور ہوگی وتعدیل الارکان عند الشافی والائمۃ الثلاثۃ گیارہواں فرض ارکان نماز میں تعدیل ہے امام ابو یوسف اور باقی تین اماموں شافعی اور مالک اور احمد کے نزدیک ہم تعدیل لغت میں برابر کرنے کو کہتے ہیں اور شرعاً اعضاء کا ساکن کرنا رکوع اور سجدہ اور قومہ اور جلسہ میں یعنی ان ارکان کو اطمینان کے ساتھ ادا کرنا چنانچہ اس کا بیان آگے آوے گا قال العینی وہو المختار واقرہ المصنف وبسطناہ فی الخزائن عینی نے کہا اور تعدیل ارکان کا فرض ہونا ہی مختار ہے اور اس کو مصنف نے ثابت رکھا ہے اور ہم نے خزائن الاسرار میں مفصل لکھا ہے وشرط فی ادائہا اے ہذہ الفرائض اور مشروط ہے ان فرائض یعنی ارکان کے ادا کے لیے اختیار یعنی بیداری ہم شرط بصیغہ مجہول ماضی ہے اس کا نائب فاعل لفظ الاختیار بعد نظم کے مذکور ہے قلت وبہ بلغت نیفا وعشرین وقد نظم الشرنبلانی فی شرحہ للوہبانیۃ للتحریمۃ عشرین شرطاً ولغیرہا ثلاثۃ عشر فقال میں کہتا ہوں کہ اس شرط اختیار کے ساتھ شرطیں کچھ اور بیس یعنی اکیس ہوگئیں اور شرنبلالی نے اپنی شرح وہبانیہ میں تحریمہ کے لیے بیس شرطیں اور اس کے سوا باقی نماز کیلیے تیرہ شرطیں نظم کی ہیں چنانچہ کہا ہے ؎ شروط لتحریم خطیت بجمعہا ٭ مہذبۃ حسناً مدی الدہر تزہر ٭ کچھ شرطیں ہیں تکبیر تحریمہ کی بہرہ ور ہوا میں ان کے اکٹھا کر دینے سے حالانکہ وہ شرطیں آراستہ ہیں خوبی سے اور زمانہ بھر چمکتی ہیں ؎ دخول لوقت واعتقاد دخولہ ٭ وستر وطہر والقیام المحرر ٭ وہ شرطیں یہ ہیں داخل ہونا وقت فرض کا اور اعتقاد یا غلبہ ظن وقت کے داخل ہونے کا کیوں کہ دخول وقت میں شک کر کے شروع کرے گا تو کافی نہ ہوگا اور ستر عورت اور طہارت حدث سے اور بدن اور کپڑے اور مکان کی نجاست سے اور قیام تنقیح کیا ہوا یعنی قدرت والے کے لیے اس طرح کھڑا ہونا کہ ہاتھوں سے گھٹنے نہ پکڑ سکے ؎ ونیۃ اتباع الامام ونطقہا ٭ وتعیین فرض او وجوب فیذکر ٭ اور نیت امام کی متابعت کی مقتدی کے حق میں اور بولنا تکبیر کا ایسی طرح کہ اپنے آپ اچھی طرح سن لے اور معین کرنا فرض یا واجب کا نیت میں کہ ظہر ہے یا عصر ادا ہے یا قضا پھر نمازی ذکر کرے یعنی اگلے شعر میں جو ذکر خالص مذکور ہے اس کو منہ سے ادا کرے ؎ بجملۃ ذکر خالص عن مرادہ ٭ وبسملۃ عربیاً ان ہو یقدر ٭ بولنا ایک جملہ ذکر کا جو خالص ہو اس کی حاجت

سے جیسے اللہ اکبر ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر اللھم اغفرلی کہے گا تو تحریمہ درست نہ ہوگی کیوں کہ جملہ خالی حاجت سے نہیں اور خالص ہو وہ جملہ بسم اللہ سے کہ بسم اللہ سے بھی تحریمہ صحیح نہیں چنانچہ عنایہ میں ہے اور وہ جملہ عربی ہو اگر نمازی عربی پر قادر ہو اور اگر عاجز ہوگا تو فارسی جملہ سے بھی تحریمہ صحیح ہے شامی نے کہا کہ آگے آوے گا کہ شروع کرنا نماز کا سوائے عربی زبان کے بھی درست ہے بالاتفاق اگرچہ نمازی عربی پر قادر ہو ہاں فارسی میں قرأت صحیح نہیں ۔ وعن ترک ہاولها جلالۃ ؛ وعن مد ہمزات دباء باکبر ؛ اور خالی ہو لفظ اللہ اکبر چھوڑنے سے ہا دی یعنی الف دوم لفظ اللہ کے اور[14] خالی ہو چھوڑنے ہا لفظ اللہ سے اور خالی ہو دونوں ہمزوں کے مد سے یعنی نہ اللہ کے ہمزہ پر مد ہو نہ اکبر کے اور[15] خالی ہو اکبر کی ب کے مد سے کہ ان باتوں سے معنی بگڑ جاتے ہیں ۔ وعن فاصل فعل کلام مباین ؛ وعن سبق تکبیر ومثلک یعذر اور[16] خالی ہو وہ جملہ بیچ میں آنے والے فعل نماز کے مخالف سے جیسے اگر نیت کے بعد کپڑے یا بدن سے کھیل کیا پھر تحریمہ کی تو درست نہ ہوگا اور خالی ہو کلام فاصل نماز کے مخالف سے مثلاً نیت کر کے کچھ کلام دنیاوی کیا پھر اللہ اکبر کہا تو درست نہ ہوگا اور خالی ہو اللہ اکبر کے پیشتر کہنے سے یعنی ایسا نہ ہو کہ اول اللہ اکبر کہے پھر نیت کرے ورنہ نیت صحیح نہ ہوگی اور مثل تیرا اے مخاطب معذور رکھتا ہے یہ جملہ ناظم نے اپنے انکسار سے کہا کہ مخاطب اگر کوئی خلل الفاظ میں دیکھے تو ناظم کا عذر قبول کرے کہ نظم میں تنگی الفاظ کی بمجبوری ہو جاتی ہے ۔ فدونک ہذی مستقیما لقبلۃ ؛ لعلک تحظی بالقبول وتشکر ؛ پس ان باتوں کو لے سیدھا[17] باندھنے والا قبلہ کی طرف یعنی شرط اخیر قبلہ رخ ہونا ہے بعذر والے کے حق میں تاکہ تو بہرہ پاوے ان اشعار کے قبول کا اور شکر گذار ہو اللہ تعالیٰ کا کہ اس نے ایسی نعمت دی یا شکر گذار ہو ناظم کا کہ شروط متفرق کو نظم سے ایک جا کر دیا ۔ فجملتها العشرون بل زید غیرہا ؛ وناظمها یرجوا لجواد فیغفر ؛ تو مجموعہ ان شرطوں کا بیس ہوا بلکہ ان کے سوا زیادہ بھی کی گئیں ہیں مثلاً مطلق نماز کی نیت اور اعتقاد طہارت کا اور تمیز مفروض اور نظم کرنے والا ان شرطوں کا توقع رکھتا ہے اللہ تعالیٰ بہت جود کرنے والے سے کہ وہی اس کی مغفرت فرمائے گا ۔ واذکی صلوٰۃ مع سلام لمصطفی ؛ ذخیرۃ خلق اللہ للذین ینصر ؛ اور عمدہ درود وسلام کے ساتھ مخصوص ہے سرور کائنات حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو ذخیرہ ہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے اور دین کے مددگار ہیں ۔ والحقتها من بعد ذاک لغیرہا ؛ ثلثۃ عشر للمصلین تظہر ؛ اور اضافہ کیا میں نے بعد بیان ان شرطوں کے تحریمہ کے سوا اور نماز کے لیے تیرہ شرطوں کو جو نمازیوں کے لیے ظاہر ہوتی ہیں ۔ قیامک فی الفروض مقدار آیۃ وتقرء فی ثنتین منہ تخیر اور وہ شرطیں یہ ہیں کھڑا[1] ہونا تیرا بقدر ایک آیت کے فرض نماز میں اور جو فرض سے ملحق ہو یعنی واجب اور سنت فجر میں اور[2] فرض کی دو رکعتوں میں تیری قرأت لیکن تجھ کو اختیار دیا جاتا ہے کہ چاہے اول کی دو میں پڑھ چاہے پچھلی ۔ وفی رکعات النفل والوتر فرضها ومن کان موتما فعن تلک یحظر ؛ اور نفل اور وتر کی سب رکعتوں میں قرأت فرض ہے اور جو مقتدی ہو وہ اس قرأت سے منع کیا جاتا ہے یعنی اس کے حق میں قرأت مکروہ تحریمی ہے کیونکہ امام کی قرأت اس کی قرأت ہے بموجب حدیث کے اور نفل کی سب رکعتوں میں قرأت اس لیے فرض ہوئی کہ ہر ایک دوگانہ اسکا نماز علیحدہ ہے اور وتر بھی مشابہ سنتوں کے ہے اس اعتبار سے کہ اس کے لیے اذان و تکبیر نہیں ہوتی کذا فی الشامی ۔ وشرط سجود فالقرار لجبهۃ ؛ وقرب قعود حد فصل محرر ؛ اور سجدہ کی شرط پیشانی[3] کا ٹھہر جانا ہے یعنی ایسی طرح کہ اگر نمازی مبالغہ کرے تو اس کا سر نیچے نہ ہو جاوے جیسا کہ رکھا تھا اسی حالت پر رہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر چاول یا مسور وغیرہ کے ڈھیر پر سجدہ کرے گا تو جائز نہ ہوگا ہاں اگر غلہ گون میں بھرا ہوگا تو درست ہوگا کیوں کہ اس صورت میں قرار ممکن ہے اسیطرح رانا

---

[1] طحطاوی نے کہا اکسکون شین لغت ہے عشر بفتحتین میں اور تنوین ضرورت کے لیے ہے ۱۲

اور گھیلے پر درست نہ ہوگا لیکن اگر سر رکھنے سے زمین کی سختی محسوس ہوگی تو درست ہوگا اور بیٹھنے کے قریب ہوجانا حد فاصل دونوں سجدوں کی منقح ہوئی ہے یعنی ایک سجدہ کے بعد دوسرے کے لیے اتنا اٹھے کہ بیٹھنے کے قریب ہوجاوے تب نماز درست ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ بعض فقہاء نے جو ادنیٰ سر اٹھانے کو حد ٹھہرایا ہے وہ قول منقح نہیں ہے ؎ وبعد قیام فالرکوع فسجدۃ ؛ وثانیۃ قد صح عنہا توخر بعد قیام کے فرض رکوع ہے پھر سجدہ اور ساتواں فرض ترتیب ہے جو ناظم کے قول بعد اور حرف ف سے سمجھی جاتی ہے اور دوسرا سجدہ پہلے سجدہ سے مؤخر کرنا صحیح ہے یعنی دونوں سجدوں میں ترتیب فرض نہیں بلکہ واجب ہے اور دوسرے سجدہ کی تاخیر آخر نماز تک صحیح ہے ؎ علی ظہر کف او علی فضل ثوبہ ؛ اذا تطہر الارض الجواز مقرر ؛ جب کہ زمین پاک ہو تو اپنی ہتھیلی پر یا اپنے کپڑے کی زیادتی پر مثلاً آستین یا دامن وغیرہ پر سجدہ کرنے کا جواز ثابت ہے ہم خلاصہ اس شعر کا آٹھویں فرض کا بیان کرنا ہے یعنی آٹھواں فرض سجدہ کی جگہ کا پاک ہونا ہے گو سجدہ ہتھیلی یا زائد کپڑے پر ہو ؎ سجودک فی عال فظہر مشارک ؛ یسجد بہا عند ازدحام یغفر ؛ سجدہ کرنا تیرا اونچی جگہ میں اور اس شخص کی پشت پر جو نماز کے سجدہ میں تیرا شریک ہو وقت انبوہ اور بھیڑ کے معاف ہے ہم یہ بیان ہے نویں فرض کا یعنی سجدہ با پشت بھر زمین سے اونچی جگہ پر نہ ہو اور اگر بھیڑ کی جہت سے یا اور کسی عذر سے ہو تو معاف ہے اسی طرح اگر کثرت آدمیوں کی جہت سے نمازی کسی شخص کی پشت پر سجدہ کرے بشرطیکہ وہ شخص بھی وہی نماز پڑھتا ہو جو نمازی پڑھتا ہے تو یہ بھی معاف ہے کذا فی الشامی ؎ اداؤک افعال الصلوٰۃ بیقظۃ ؛ وتمییز مفروض علیک مقرر ؛ ادا کرنا تیرا نماز کے افعال کو بیداری میں اور تمیز مفروض کی تجھ پر مقرر ہے ؎ وختم افعال الصلوٰۃ قعودہ ؛ وفی صنعہ عنہا الخروج محرر ؛ اور ختم کرنا ہے نماز کے افعال کو قعدہ کرنا نمازی کا اور باہر آنا نماز سے بسبب اپنے فعل کے منقح ہے شامی نے کہا کہ فی بمعنی ب ہے اور عنہا متعلق خروج ہے اور ضمیر صلوٰۃ کی طرف راجع ہے الاختیار الاستیقاظ اداء فرائض کے لیے اختیار شرط ہے یعنی ہوش میں ہونا اور جاگنا ہم ایک نسخہ میں (وشرط فی اداۂا الاختیار) ہے چونکہ ماتن کے قول میں (وشرط فی اداۂا) گزر چکا ہے تو شارح کا مکرر لانا فضول ہے لیکن البتہ بسبب دور پڑ جانے قول ماتن کے اعادہ اس کا خالی فائدہ سے نہیں امالو رکع او سجد ذاہلا کل الذہول اجزاہ تو اگر رکوع کیا یا سجدہ کیا بالکل غفلت کی حالت میں تو اس کو کافی ہوگا یعنی غفلت اور بھول مخالف اختیار کے نہیں بلکہ سونا اس کے مخالف ہے چنانچہ ماتن کہتا ہے فان اتی بہا او باحدہا بان قام او قرأ او رکع او سجد او قعد الاخیر نائماً لایعتد بما اتی بہ بل یعیدہ ولو القراءۃ او القعدۃ علی الاصح پس اگر ادا کیا سب فرائض کو یا ان میں سے ایک کو سونے کی حالت میں اس طرح کہ سونے میں قیام کیا یا قرأت کی یا رکوع یا سجدہ یا قعدہ اخیرہ کیا تو جو رکن سونے میں ادا کیا وہ معتبر نہ ہوگا بلکہ اس کو دوبارہ ادا کرے اگرچہ قرأت یا قعدہ ہو صحیح تر قول کے بموجب ہم قول غیر اصح قرأت اور قعدہ کے باب میں فقیہ ابو اللیث کا قول ہے کہ ان کے نزدیک یہ دونوں رکن سونے کی حالت میں بھی معتبر ہوتے ہیں کذا فی الشامی وان لم یعدہ تفسد لصدورہ لاعن اختیارہ فکان وجودہ کعدمہ والناس عنہ غافلون اور اگر جس رکن کو سوتے ہوئے ادا کیا اس کو نہ دہراوے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی بہ سبب سرزد ہونے اس رکن کے بے اختیاری سے تو اس کا وجود اور عدم برابر ہوگیا اور لوگ اس سے غافل ہیں یعنی ایسے ارکان کو دوبارہ نہیں پڑھتے جن کو سونے کی حالت میں ادا کیا ہو فلو اتی النائم برکعۃ تامۃ تفسد صلوتہ لانہ زاد رکعۃ وہی لاتقبل الرفض پھر اگر سونے والے نے ایک رکعت پوری ادا کی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اس لیے کہ اس نے ایک رکعت زیادہ کر دی حالانکہ وہ رکعت ترک کو قبول نہیں کرتی یعنی سوتے میں جو رکعت ادا کی وہ غیر معتبر ہوئی اس

کے عوض دوسری رکعت ادا کی تو اب پوری نماز میں ایک رکعت بڑھ گئی اور ایسا ہو نہیں سکتا کہ قدر غیر معتبر کو ترک کرکے باقی کو صحیح کہا جائے جیسے چار رکعتوں کی بجائے کوئی پانچ پڑھ دے تو نماز درست نہیں ہو سکتی اسی طرح یہ نماز بھی درست نہیں ولو رکع او سجد فنام فیہ اجزاہ لحصول الرفع والوضع بالاختیار اور اگر نمازی نے رکوع کیا یا سجدہ کیا اور رکوع یا سجدہ میں سو گیا تو اس کو کافی ہوگا واسطے پائے جانے سر اٹھانے اور رکھنے کے اختیار کے ساتھ یعنی رکوع کے لیے جھکنا اور سر اٹھانا اور سجدہ کے لیے زمین پر سر رکھنا اور اٹھانا افعال اختیاری ہیں ان کے بیچ میں سو جانا مضر نہیں ولھا واجبات لا تفسد بترکہا اور نماز کے کچھ واجب ہیں جن کے ترک سے نماز فاسد یعنی باطل نہیں ہوتی قم شارح نے لاتفسد سے قہستانی کے قول کو رد کیا کہ اس نے ذکر کیا ہے کہ واجب کے ترک سے نماز فاسد ہوتی ہے مگر باطل نہیں ہوتی وجہ رد یہ ہے کہ ائمہ فقہا عبادات میں فاسد اور باطل کو ایک ہی معنی میں بولتے ہیں تو پھر اس کے کیا معنی کہ فاسد ہوتی ہے باطل نہیں ہوتی البتہ معاملات میں فاسد اور باطل جدا جدا معنی میں مستعمل ہیں فاسد اس کو کہتے ہیں جس سے کوئی وصف مرغوب جاتا رہے اور باطل وہ ہے جس سے کوئی رکن مفقود ہو جائے وتعاد وجوبا فی العمد والسہو ان لم یسجد لہ اور جس نماز میں واجب ترک ہوا ہو وہ دوبارہ پڑھی جائے بطور وجوب کے دانستگی میں اور بھول میں بشرطیکہ بھول کا سجدہ نہ کیا ہو یعنی اگر دانستہ واجب ترک کیا ہو یا سہو سے کیا مگر سجدہ سہو نہیں کیا تو دونوں صورتوں میں اس نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے وان لم یعدہا یکون فاسقا آثما اور اگر اس نماز کو نہ دھرادے گا تو فاسق اور گناہگار ہوگا اس لیے کہ ترک واجب مکروہ تحریمی ہے اور مکروہ تحریمی کے ارتکاب سے فاسق اور گناہگار ہوتا ہے وکذا کل صلوۃ ادیت مع کراہۃ التحریم تجب اعادتہا اور اسی طرح جو نماز کہ کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے مثلاً بول یا براز کو بدقت روک کر یا جس کپڑے میں تصویر ہو اس کو پہن کر نماز ادا کی تو ایسی نماز کا دوہرانا واجب ہے والمختار انہ جابر للاول لان الفرض لایتکرر اور مختار یہ ہے کہ دوبارہ پڑھنا اس نماز کا پہلی نماز کے نقصان کا پورا کرنے والا ہے اس لیے کہ فرض مکرر نہیں ہوتا م قول مختار کا مقابل قول ابی الیسر کا ہے کہ دوبارہ کی نماز کو فرض کہتا ہے نہ اول کو شارح کہتا ہے کہ نماز دوم اول کے نقصان کو زائل کرتی ہے جیسے سجدہ سہو سے نقصان دور ہوتا ہے تو وہ نماز فرض نہیں ہے کیونکہ اگر اس کو فرض قرار دیں تو اول نماز بھی فرض ہی تھی اس لیے کہ اس کے سب ارکان وفرائض ادا ہوئے تو کیا وجہ کہ فرض نہ ہو علاوہ اس کے فرض وقت اس کے سبب سے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ نماز اول فرض ہے تو ایک وقت میں دو فرض جمع ہو جائیں گے حالانکہ ایک ہی فرض دوبار ایک وقت میں نہیں ہو سکتا کذا فی الشامی بتصرف اس سے معلوم ہوا کہ اگر امام ترک واجب کی جہت سے نماز کو دہرا دے تو اگر کوئی نیا مقتدی دوسری بار میں جماعت کا شریک ہوگا تو اس کی نماز نہ ہوگی کیونکہ جب امام کی نماز فرض نہیں تو اقتداء فرض والے کا اس کے پیچھے درست نہ ہوگا وہی علی ما ذکرہ اربعۃ عشر اور نماز کے واجبات بموجب اس بیان کے جو مصنف نے بیان کیے ہیں چودہ ہیں یعنی واقع کے اعتبار سے یہ شمار نہیں بلکہ اس سے بہت زائد ہیں قراۃ فاتحۃ الکتاب فیسجد للسہو بترک اکثرہا لا اقلہا اول واجب الحمد کا پڑھنا ہے تو نمازی اس کے اکثر کے چھوڑنے سے سجدہ سہو کرے نہ اس کے کمتر کے چھوڑنے سے م قہستانی میں ہے کہ امام اعظم کے نزدیک بالکل الحمد واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک نصف سے زائد واجب ہے اس لیے باقی کو بھولنے سے سجدہ سہو واجب نہیں تو شارح کا قول صاحبین کے مذہب پر ہے کذا فی الطحطاوی لکن فی المجتبی یسجد بترک آیۃ منہا وہو اولی لیکن مجتبیٰ میں ہے کہ سجدہ سہو کرے الحمد کی ایک آیت چھوڑنے سے اور یہ بہتر ہے طحطاوی نے کہا کہ وجہ اولویت کی شاید الحمد کی مواظبت ہے اور مواظبت مفید ہے واجب

ہونے کو تلت وعلیہ فکل آیۃ واجبۃ ککل تکبیرۃ عید وتعدیل رکن واتیان کل میں کہتا ہوں اور مجتبیٰ کے قول پر تو ہر آیت واجب ہے مثل ہر ایک تکبیر
کے عید کی چھ تکبیروں سے اور مثل اطمینان سے ادا کرنے رکن کے اور مثل بجا لانے ہر واجب کے ہم طحطاوی نے کہا کہ تعدیل رکن کی برابر ہے تعدیل
قومہ اور جلسہ کے کذا فی الحلبی اور اتیان کل کے یا یہ معنی ہیں کہ واجبات میں سے ہر ایک واجب کا ادا کرنا واجب ہے یا یہ کہ ہر واجب کو اپنی جگہ پر ادا کرنا
واجب ہے وترک تکریر کل کما یاتی فلیحفظ اور مثل ترک کرنے ہر واجب کے مکرر کرنے کے چنانچہ آگے آوے گا تو اس کو یاد رکھنا چاہیے طحطاوی
نے کہا کہ مکرر نہ کرنا واجب کا واجب ہے مگر الحمد اس سے مستثنیٰ ہے یعنی اگر سورہ کے بعد پھر الحمد کو مکرر پڑھے گا تو سجدہ سہو لازم نہ ہو گا وضم
اقصر سورۃ کالکوثر او ما قام مقامہا وہو ثلاث آیات قصار نحو ثم نظر ثم عبس وبسر ثم ادبر واستکبر وکذا لو کانت الآیۃ او الآیتان تعدل ثلاثا قصارا ذکرہ
الحلبی اور واجب ہے ملانا الحمد کے ساتھ بہت چھوٹی سورۃ کا مثل سورہ کوثر کے یا جو قائم مقام ہو چھوٹی سورۃ کے اور اس کا قائم مقام تین
چھوٹی آیتیں ہیں جیسے یہ تین آیتیں سورہ مدثر کی (ثم نظر ثم عبس وبسر ثم ادبر واستکبر) اور اسی طرح قائم مقام چھوٹی سورۃ کے ہے اگر ایک آیت
یا دو آیتیں تین چھوٹی آیتوں کے برابر ہوں ذکر کیا ہے اس کو حلبی نے ہم چھوٹی تین آیتوں سے کم ملانا مکروہ تحریمی ہے کذا فی الشامی فی الاولیین
من الفرض وہل یکرہ فی الاخریین المختار لا ملانا سورہ کا واجب ہے فرض کی دو پہلی رکعتوں میں اور کیا ملانا سورہ کا پچھلی دو رکعتوں میں مکروہ
ہے مذہب مختار یہ ہے کہ مکروہ نہیں یعنی مکروہ تحریمی نہیں بلکہ خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ تنزیہی ہے وفی جمیع رکعات النفل
لان کل شفع منہ صلوٰۃ اور ملانا سورہ کا واجب ہے نفل کی سب رکعتوں میں اس لیے کہ ہر ایک دوگانہ اس کا نماز جداگانہ ہے ہم تو اگر نمازی
نے چار رکعت کی نیت کی تو اس تحریمہ سے صرف دو رکعت اس پر واجب ہوں گی اور جب تیسری کو اٹھے گا تو گویا نئی تحریمہ ہوگی اور اگر ان
دوگانوں میں کسی میں فساد ہو گا تو صرف وہی فاسد ہو گا نہ دوسرا وکل الوتر احتیاطاً اور ملانا سورہ کا واجب ہے وتر کی ہر رکعت میں براہ
احتیاط ہم یعنی جب وتر میں آثار سنت ہونے کے ظاہر ہوئے کہ نہ اس کے لیے اذان دی جاتی ہے نہ تکبیر کہی جاتی ہے تو احتیاط اسی کی
مقتضی ہے کہ قراءت کے باب میں اس پر سنت کا حکم جاری کیا جائے کذا فی الشامی وتعیین القراءۃ فی الاولیین من الفرض علی المذہب
اور واجب ہے معین کرنا قراءت کا فرض کی پہلی دو رکعتوں میں مذہب مشہور کے بموجب ہم فرض سے مراد یہاں وہ ہے جو تین رکعتوں یا
چار کا ہو اور تعیین اور چیز ہے اور سورہ ملانا دوسری چیز تو یہ قول شارح کا مکرر نہیں اب معلوم کرنا چاہیے کہ فرض قراءت کے باب میں
تین قول ہیں اول یہ ہے کہ قراءت کی جگہ خاص پہلی دو رکعتیں ہیں بدائع میں اس کی تصحیح کی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ محل قراءت فرض
کی دو رکعتیں ہیں بلا تعیین تو اس صورت میں تعیین پہلی دو رکعتوں میں واجب ہے اور مشہور مذہب یہی ہے تیسرا قول یہ ہے کہ پہلی دو
رکعتوں کو قراءت کے لیے معین کرنا افضل ہے نہ واجب اور یہ قول ضعیف ہے وتقدیم الفاتحۃ علی کل السورۃ اور واجب ہے مقدم
کرنا الحمد کا تمام سورہ پر یعنی اگر دوسرے سورہ کا حرف بھی الحمد سے پہلے پڑھے تو سجدہ سہو کرے کذا فی الطحطاوی شامی نے کہا کہ حرف
سے مراد اتنی دیر پڑھنا ہے جس میں ایک رکن ادا ہو تو اگر ادائے رکن سے کم دیر لگے گی تو سجدہ سہو لازم نہ آوے گا وکذا ترک
تکریرہا قبل سورۃ الاولیین اور اسی طرح واجب ہے مکرر نہ پڑھنا الحمد کا پہلی دو رکعتوں میں سورہ سے پیشتر الحمد مکرر پڑھے گا تو سجدہ
سہو واجب ہو گا بسبب تاخیر سورہ ملانے کے اور پہلی رکعتوں کی اس لیے قید لگائی کہ اگر پچھلی رکعتوں میں سورہ سے پیشتر مکرر پڑھے
گا تو سجدہ سہو نہ کرنا پڑے گا کذا فی الطحطاوی ورعایۃ الترتیب بین القراءۃ والرکوع اما فیما لا یتکرر فرض کما مر فی کل رکعۃ کالسجدۃ

ف۱ پھر نگاہ کی پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑا پھر پیٹھ دی اور غرور کیا ہم +

وفی کل الصلوٰۃ کعدد رکعاتہا اور واجب ہے لحاظ رکھنا ترتیب کا درمیان قرات اور رکوع کے اور درمیان ان افعال کے جو ہر رکعت میں مکرر ہوتے ہیں جیسے سجدہ ہے اور جو افعال ہر رکعت میں مکرر نہیں ہوتے تو ان میں ترتیب فرض ہے چنانچہ ان کی ترتیب کا بیان گذر چکا۔ یا ترتیب واجب ہے ان افعال میں جو کل نماز میں مکرر ہوتے ہیں مثل عدد نماز کی رکعتوں کے ہم ترتیب رکعات کی صورت مسبوق میں ظاہر ہوتی ہے مثلاً چار رکعتوں میں اگر اس کو ایک رکعت آخر کی ملی تو اب وہ کھڑا ہو کر اول قرأت والی دوگانہ کو ادا کریگا پھر بلا قرأت والی کو طحطاوی نے کہا کہ سجدہ کی مثال استقصائی ہے یعنی بجز اس کے اور کوئی فعل ہر رکعت میں مکرر نہیں ہوتا حتی لونسی سجدۃ من الاولی قضاہا ولو بعد السلام قبل الکلام لکنہ یتشہد ثم یسجد للسہو ثم یتشہد یہاں تک کہ اگر ایک سجدہ پہلی رکعت کا بھول گیا تو اس کو قضا کرے اگرچہ بعد سلام پھیرنے کے قضاء ہو لیکن کلام سے پیشتر قضا کرے یعنی اس وقت تک کوئی مفسد نماز کا نہ کیا ہو لیکن اس سجدہ کی قضا کے بعد فقط التحیات پڑھے پھر سجدہ سہو کرے پھر التحیات اور درود اور دعا پڑھ کر سلام پھیرے لانہ یبطل بالعود الی الصلبیۃ والتلاویۃ تشہد اس لیے پڑھے کہ التحیات مع قعدہ باطل ہو جاتی ہے سجدہ صلبی اور سجدہ تلاوت کی طرف عود کرنے سے ہم سجدہ صلبی خود نماز کے سجدہ کو کہتے ہیں جو اس کا جزء ہے اور وجہ باطل ہونے قعدہ کی یہ ہے کہ قعدہ اخیرہ اور ارکان نماز میں ترتیب شرط ہے یعنی جب کل ارکان ہو چکیں اس وقت قعدہ اخیرہ ہونا چاہیے تو جب سجدہ صلبی چھوٹ گیا اور قعدہ کے بعد اس کو ادا کیا تو قعدہ مذکور اخیرہ نہ ہوا تو وہ اور اس کا تشہد باطل ٹھہرے اس لیے دوسرا تشہد واجب ہوا اور سجدہ تلاوت سے قعدہ کے باطل ہونے کی یہ وجہ ہے کہ جب سجدہ تلاوت نماز کے اندر واقع ہوا تو اس کو حکم سجدہ صلبی کا دیا گیا کذا فی الشامی اما السہویۃ فترفع التشہد لا القعدۃ حتی لو سلم بمجرد رفعہ منہا لم تفسد بخلاف تلک السجدتین لیکن سجدہ سہو التحیات کو باطل کرتا ہے نہ قعدہ کو یہاں تک کہ اگر بمجرد سر اٹھانے کے سجدہ سہو سے سلام پھیرے گا تو نماز فاسد نہ ہوگی بخلاف ان دو سجدوں کے کہ ان کے بعد سلام پھیرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی بسبب نہ پائے جانے قعدہ اخیرہ کے جو فرض ہے طحطاوی نے کہا کہ بہتر یہ تھا کہ شارح تلک کی جگہ تینک کہتا بصیغہ تثنیہ وتعدیل الارکان ای تسکین الجوارح قدر تسبیحۃ فی الرکوع والسجود وکذا فی الرفع منہما علی ما اختارہ الکمال اور واجب ہے تعدیل ارکان کی یعنی ساکن کرنا اعضاء کا مقدار سبحان اللہ کہنے کے رکوع میں اور سجدہ میں اور اسی طرح واجب ہے تعدیل سر اٹھانے میں رکوع اور سجدہ سے یعنی قومہ اور جلسہ میں بنا بر اس قول کے کہ پسند کیا ہے اس کو کمال الدین محقق نے ہم بحر الرائق میں کہا کہ علت تعدیل کی مواظبت ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر تو وہ چاروں چیزوں یعنی رکوع اور سجدہ اور قومہ اور جلسہ میں یکساں ہے کذا فی الشامی لکن المشہور ان مکمل الفرض واجبٌ ومکمل الواجب سنۃٌ لیکن مشہور یہ قاعدہ ہے کہ فرض کی تکمیل کرنے والی چیز واجب ہے اور واجب کی تکمیل کرنے والی سنت ہے یعنی چونکہ تعدیل سے تکمیل ہوتی ہے تو رکوع اور سجدہ جو فرض ہیں ان میں تعدیل واجب ہونی چاہیے اور قومہ اور جلسہ جو واجب ہیں ان میں تعدیل مسنون ہونی چاہیے ہم یہ شارح کا اعتراض ہے کمال الدین پر حلبی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ جب دلیل کی اقتضاء کے موافق تعدیل واجب ہوئی تو قاعدہ کی مخالفت کچھ مضر نہیں کذا فی الشامی وعند الثانی الاربعۃ فرض اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چاروں فرض ہیں یعنی فرض عملی ہیں کہ ان کے نہ ہونے سے نماز درست نہیں رہتی والقعود الاول ولو فی نفل فی الاصح اور واجب ہے اول قعدہ گو نفل میں ہو صحیح تر قول میں ہم امام محمد نفل میں ہر دوگانہ کے بعد قعدہ فرض کہتے ہیں اس وجہ سے کہ ہر دوگانہ نماز علیحدہ ہے تو اس کا قعدہ بھی اخیرہ ہوا اور صحیح تر قول یہ ہے کہ نفلوں میں بھی قعدہ اول واجب ہے کیوں کہ جب قعدہ کے تیسری رکعت کو اٹھا تو معلوم ہو گیا کہ وہ قعدہ

اخیرہ نہیں اس لیے فرض نہ رہا کذا فی الشامی وکذا ترک الزیادۃ فیہ علی التشہد اور اسی طرح واجب ہے قعدہ اول میں التحیات سے زیادہ نہ پڑھنا
شامی نے کہا کہ اگر قعدہ اول میں التحیات تمام کر کے مقدار اللھم صل علی محمد کے کوئی چیز پڑھے گا تو واجب فوت ہو جائے گا والاول بالاول غیر الاخیر اور
مصنف نے قعدہ اول سے وہ مراد لیا جو اخیر نہ ہو ھم یہ شارح نے اس لیے کہا کہ اگر آٹھ یا دس یا زائد نفل رکعتوں کو ایک تحریمہ سے پڑھے گا تو سوائے
قعدہ اخیرہ کے سب پیشتر کے قعدوں کا یہی حکم ہے یعنی واجب ہوں گے لکن یرد علیہ لو استخلف مسافر سبقہ الحدث مقیما فان القعود الاول فرض
علیہ وقد یجاب بانہ عارض لیکن اول سے غیر اخیرہ مراد لینے پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر کوئی مسافر امام بے وضو ہو کر مقیم کو اپنا خلیفہ کر دے تو اس
صورت میں اس مقیم پر پہلا قاعدہ امام کی نیابت کی وجہ سے فرض ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فرضیت عارضی ہے اسی طرح اگر کوئی مسبوق
مغرب کی تیسری یا دوسری رکعت میں ملا تو بوجہ متابعت امام کے اس پر دو قعدہ فرض ہوگا جو اس کے حق میں اخیر نہیں والتشہدان یسجد
للسھو ترک بعضہ ککلہ وکذا فی کل قعدۃ فی الاصح اور واجب ہیں دونوں تشہد یعنی دونوں قعدوں میں التحیات کا پڑھنا اور سجدہ کرے سہو کا بعض
تشہد چھوڑنے سے یعنی اگرچہ نصف سے کم چھوڑا ہو کذا فی الطحطاوی مثل کل تشہد کے چھوڑنے کے اور اسی طرح واجب ہے تشہد ہر قعدہ میں
صحیح تر قول میں ھم اور قول ضعیف یہ ہے کہ سوائے اخیر قعدہ کے اوروں میں تشہد سنت ہے اس قول سے شارح نے تعریض کی کہ مصنف
اگر تشہد کو بصیغہ تثنیہ نہ کہتا تو اچھا تھا کیوں کہ اگر مفرد لاتا تو اسم جنس ہوتا اور ہر تشہد کو شامل ہوتا چنانچہ بحر الرائق میں اس کی طرف اشارہ
کیا ہے کذا فی الحلبی اذ قد یتکرر عشرا کمن ادرک الامام فی تشہدی المغرب وعلیہ سھو فسجد معہ وتشہد ثم تذکر سجود تلاوۃ فسجد معہ وتشہد ثم سجد للسھو وتشہد
معہ ثم قضی الرکعتین بتشہدین ووقع لہ کذلک وجوب تشہد کی قید ہر قعدہ میں اس لیے لگائی کہ بعض اوقات تشہد دس بار مکرر ہوتا ہے مثلاً
ایک شخص نے مغرب کی دو تشہدوں میں امام کا اقتداء کیا یعنی پہلے قعدہ میں اس کا شریک ہوا حالانکہ امام پر سہو تھا تو اس نے امام کے ساتھ
سجدہ سہو کیا اور تیسرا تشہد پڑھا پھر امام کو سجدہ تلاوت یاد پڑا اور سجدہ کیا تو مقتدی نے بھی اس کے ساتھ سجدہ کر کے تشہد چہارم پڑھا
اب چوں کہ سجدہ تلاوت سے پیشتر کے قعدے اور تشہد باطل ہو گئے تو امام نے پھر سجدہ سہو کو دہرایا اور مقتدی نے اس کے ساتھ تشہد پنجم
پڑھا پھر مقتدی نے اپنی باقی دو رکعتوں کو دو تشہدوں سے پڑھا تو سات تشہد ہوئے اب جو امر امام کو پیش ہوا تھا وہی مقتدی کو پیش
آیا یعنی ان دو رکعتوں میں اس کو سہو ہوا تو سجدہ سہو کر کے آٹھواں تشہد پڑھا پھر معلوم ہوا کہ سجدہ تلاوت بھی اس کے ذمہ ہو گیا تھا تو
اس کو ادا کر کے نواں تشہد پڑھا اور چوں کہ اس سجدہ سے پہلے کے قعدے اور تشہد بیکار ہو گئے اور سجدہ سہو بعد قعدہ اخیرہ کے چاہیے
اس لیے سجدہ سہو کر کے دسواں تشہد پڑھا تو یہ سب تشہد واجب ہیں خصوصیت دو تشہد کی نہیں قلت ومثل التلاویۃ تذکر الصلبیۃ فلو فرضنا
تذکرھا ایضا لھما زید اربع آخر لما مر میں کہتا ہوں اور سجدہ تلاوت کی مثل ہے یاد ہونا سجدہ صلبی کا تو اگر ہم فرض کریں اس کا بھی یاد پڑنا
امام و مقتدی دونوں کو تو چار تشہد اور بڑھ جاویں گے اسی وجہ سے جو گذر چکی کہ صلبی سجدہ کے بعد پھر سجدہ سہو کرنا پڑھیگا ھم صورت اس کی
یہ ہے کہ امام نے صورت مذکورہ بالا میں پانچویں تشہد کے بعد سجدہ صلبی کو یاد کیا اور اس کو ادا کر کے چھٹا تشہد پڑھا پھر سجدہ سہو کر کے
ساتواں تشہد پڑھا تو امام کے سات تشہد ہوئے اور چوں کہ مقتدی کو اپنی باقی نماز میں بھی اسی طرح سات تشہد پڑھنے پڑے اور سات
امام کے ساتھ پڑھ چکا ہے تو اس کے چودہ تشہد ہوئے اس لیے شارح نے کہا کہ چار اور بڑھ جاوینگے یعنی پہلے دس تھے اور اس صورت
میں چودہ ہوں گے ولو فرضنا تعدد التلاویۃ والصلبیۃ لھما ایضا زید ستۃ ایضا اور اگر فرض کریں تعدد سجدہ تلاوت اور صلبی کا بھی امام اور مقتدی
کے لیے تو چھ تشہد اور بھی بڑھ جاویں گے ھم صورت اس کی یہ ہے کہ صورت مفروضہ بالا میں امام کو ساتویں تشہد کے بعد ایک سجدہ

ن متن

صلبی اور یاد پڑا تو اس نے اس کو ادا کر کے آٹھواں تشہد پڑھا پھر قبل سجدہ سہو کے ایک سجدہ تلاوت دوسرا یاد کیا تو اس کو بھی ادا کیا اور نواں تشہد پڑھا اب سب کے بعد سجدہ سہو کیا اور دسواں تشہد پڑھا تو اس صورت میں جیسے دس تشہد امام کے ہوئے اسی طرح مقتدی کے ہوں گے تو مقتدی کو ۲۰ تشہد ہو جاویں گے حلبی نے کہا کہ اگر اس صورت میں امام دوسرے سجدہ صلبی کے بعد تشہد پڑھ کر سجدہ سہو بھی کر لے اور تشہد نواں پڑھ کر پھر دوسرا سجدہ تلاوت کرے اور دسواں تشہد پڑھے پھر سجدہ سہو کرے اور گیارہواں تشہد پڑھے تو کل تشہد مقتدی کے بائیس ہوں گے یعنی پہلے کی نسبت آٹھ تشہد زیادہ ہوں گے شامی نے کہا کہ درمختار کے اکثر نسخوں میں ست کی جگہ ستون ہے یعنی ساٹھ تشہد زیادہ ہو جائیں گے ساٹھ کے ہونے کی صورت یہ ہے کہ امام نے ساتویں تشہد کے بعد ایک سجدہ صلبی یاد کیا اس کو ادا کر کے ایک تشہد پڑھا پھر سجدہ سہو کر کے دوسرا تشہد پڑھا پھر اور سجدہ صلبی یاد کر کے اسی طرح دو تشہد پڑھے تو چار تشہد ہووے اب سجدہ تلاوت تمام قرآن کے ایک ایک یاد کرتا گیا اور ہر ایک میں سجدہ سہو و دو و تشہد پڑھتا گیا تو چونکہ ایک سجدہ تلاوت اول ادا کر چکا تھا باقی رہے تیرہ تو تیرہ سجدوں میں اس حساب سے ۲۶ تشہد ہوں گے اور چار پہلے ہو چکے تھے تو امام کے کل تشہد ۳۰ ہوئے اور اسی طرح مقتدی کے ۳۰ ہوں گے تو مقتدی کے کل ساٹھ تشہد ہو جائیں گے اور جب ان ساٹھ پر چودہ وہ بڑھاؤ جو پیشتر ہو چکے تھے تو شارح کے پہلے قول میں تو کل ۷۴ ہوں گے اور ان پر چار اور بڑھاؤ جن کو شارح اگلے قول میں ذکر کرتا ہے تو کل تشہد ۷۸ ہوں گے اور انھیں ۷۸ کا حوالہ شارح نے واجبات کی تمامی پر کیا ہے جہاں کہا ہے کہ ۵ کو ضرب دو ۸ میں جیسا ان کا بیان گذر چکا تو معلوم ہوا کہ جن نسخوں میں ستون ہے وہی صحیح ہے ولو فرضنا ادراکہ للامام ساجدا ولم یسجد ہما معہ فمقتضی القواعد انہ یقضیہما فیزاد اربع آخر فتدبر اور اگر ہم فرض کریں اقتداء کرنا مقتدی کا امام سے سجدہ کی حالت میں اور مقتدی نے ان دونوں سجدوں کو امام کے ساتھ نہ ادا کیا تو مقتضائے قواعد یہ ہے کہ مقتدی ان کو ادا کرے تو اس صورت میں چار تشہد اور ہو جائیں گے سو اس کو سمجھ لے ہم طحطاوی نے کہا صورت اس کی یہ ہے کہ امام مغرب کی دوسری رکعت کے اوّل سجدہ میں تھا کہ مقتدی نے اقتداء کیا مگر دونوں سجدہ میں شریک نہ ہوا بلکہ بیٹھ کر تشہد میں شریک ہوا اور مراد شارح کے قواعد سے صرف ایک قاعدہ ہے وہ یہ ہے کہ جس شخص کو بعد اقتداء کے نماز میں کچھ فوت ہو تو وہ فوت ہوئے ارکان کا اعادہ کرے جیسے لاحق کہ وہ بھی جتنی نماز رہ جاتی ہے اس کو دوہراتا ہے لیکن شامی نے کہا کہ یہ صورت اس طرح سے کہ طحطاوی نے فرض کی نہیں یعنی اس لیے کہ مقتدی پر ہر چند متابعت امام کی دونوں سجدوں میں واجب تھی مگر اب جو اس نے دو سجدہ نہ کیے اور بعد فراغت امام کے دوسری رکعت کو مع اس کے دونوں سجدوں کے پڑھ لیا تو اس کی نماز میں کسی طرح کا نقصان نہیں رہا چنانچہ تجنیس میں یہ تصریح موجود ہے کہ امام کو سجدہ میں پایا اور اقتدا کر کے سجدہ میں شریک نہ ہوا بلکہ باقی نماز میں شریک رہا اور بعد فراغت امام کے وہ رکعت پڑھ لی تو نماز درست ہے پھر ان دونوں سجدوں کو مکرر ادا کرنے کے کیا معنی کسی نے یہ ذکر نہیں کیا کہ ایسی صورت میں مقتدی اس رکعت میں تین یا چار سجدے کرے تو بدون نقل فقہائے معتبر کے کیسے کہا جاوے کہ ان دونوں سجدوں کا ادا کرنا علاوہ رکعت کے لازم ہے ہاں اگر امام کی اقتدا سجدہ سہو میں کیا اور امام کا شریک ان میں نہ ہوا تو اپنی نماز پڑھنے کے بعد ان کو استحسان کی رو سے ادا کر لے انتہی تبصرف ولم ار من نبہ علی ذلک واللہ اعلم اور میں نے کسی کو نہ دیکھا کہ اس تفصیل پر آگاہ کیا ہو واللہ اعلم اگر کثرت تشہد کے بیان شارح اتنا بکھیڑا نہ کرتا اور صرف اس قدر کہہ دیتا کہ تشہد زیادہ بھی ہو سکتے ہیں چنانچہ کوئی ہزار رکعت نفل ادا کرے ایک سلام سے تو اس میں پانچ سو تشہد ہو سکتے ہیں تو نہایت آسان اور مبالغہ سے خالی ہوتا ولفظ السلام مرتین فالثانی واجب علی الاصح برہان دون علیکم وتنقضی قدوۃ بالاول قبل علیکم علی المشہور عندنا وعلیہ الشافعیۃ خلافا للتکملۃ اور واجب ہے لفظ السلام دو بار یعنی دوسرا واجب ہے صحیح تر

قول ہیں کذا فی البرہان نہیں واجب ہے لفظ علیکم اور ہو چکتا ہے اقتداء پہلے سلام پر پیشتر علیکم سے مذہب مشہور پر ہمارے نزدیک اور اسی پر ہیں شافعی مذہب والے بخلاف شارح تکملہ کے کہ اس نے دوسرے سلام پر اقتداء کا تمام ہونا صحیح کہا ہے ھ ماتن نے جو لفظ السلام کہا اس میں اشارہ ہے کہ اور کوئی لفظ اس کے قائم مقام نہیں ہوتا بشرطیکہ نمازی اس کے بولنے پر قادر ہو اور دوسرے سلام کو بعضوں نے مسنون کہا ہے اس لیے شارح نے اصح کی قید لگائی کذا فی الشامی فلو ائتم بہ بعدہ قبل قولہ علیکم لم یجز دخل تنقطع التحریمۃ بالاول ام بالثانی جزم فی الجوہرۃ والبرہان وغیرہما بالاول وصحح شارح التکملۃ الثانی وعلیہ فیصح الاقتداء قبلہ المعتمد عند الشافعیۃ انہ لو اقتدی بہ بعد شروعہ فی السلام وقبل علیکم لم یصح القدوۃ ذکرہ الرملی الشافعی فی باب سجود السہو پس اگر اقتداء کیا امام کا بعد لفظ سلام کے اور پیشتر علیکم کہنے کے تو جائز نہ ہوگا اور نماز کی تحریمہ سلام اول پہ منقطع ہو جاتی ہے یا دوسرے پر جوہرہ اور برہان اور ان دونوں کے سوا اور کتابوں میں تو اول پر یقین کیا ہے یعنی سلام اول پر تحریمہ تمام ہو جاتی ہے اور شارح تکملہ نے دوسرے کی تصحیح کی ہے کہ دوسرے پر تحریمہ کا انقطاع ہوتا ہے اور اس قول پر اقتداء دوسرے سلام سے پیشتر درست ہوگا اور شافعی مذہب والوں کے نزدیک معتمد یہ ہے کہ اگر اقتدا کیا امام کا بعد شروع کرنے امام کے سلام کو اور پیشتر علیکم کہنے سے تو اقتدا صحیح نہ ہوگا ذکر کیا ہے اس کا رملی شافعی نے سجدہ سہو کے باب میں ھ شامی نے کہا کہ یہ عبارت فلو ائتم سے آخر تک ردالمحتار کے بعض نسخوں میں ہے **وقرأۃ قنوت الوتر** وہو مطلق الدعاء وکذا تکبیرۃ قنوتہ اور واجب ہے پڑھنا قنوت وتر کا اور قنوت مطلق دعا ہے یعنی ہر ایک دعا سے حاصل ہوتا ہے خصوصیت اللہم انا نستعینک الخ کی نہیں کہ اس خاص دعا کا پڑھنا سنت ہے اور اسی طرح واجب ہے قنوت وتر کے لیے اللہ اکبر کہنا ھ بعضوں نے اس اللہ اکبر کہنے کو سنت کہا ہے کذا فی الحلبی اور زیلعی نے کہا ہے کہ اس کے ترک کرنے سے سجدہ سہو واجب ہے کذا فی الشامی وتکبیرۃ رکوع الثالثۃ زیلعی اور واجب ہے اللہ اکبر کہنا تیسری رکعت وتر کے رکوع کا کذا فی الزیلعی ھ زیلعی میں اس مسئلہ کا وجود نہ اس جگہ ہے نہ سجود سہو کے بیان میں اس سے معلوم ہوا کہ شارح کا بیان صحیح نہیں یعنی یہ تکبیر رکوع کی واجب نہیں بلکہ سنت ہے **وتکبیرات العیدین** وکذا احدہا اور واجب ہیں تکبیریں دونوں عیدوں کی جو چھ بار اللہ اکبر کہتا ہے ہر رکعت میں تین بار اور اسی طرح واجب ہے ان میں سے ایک یعنی ہر تکبیر واجب جداگانہ ہے یہ نہیں کہ چھوؤں مل کر واجب ہوں طحطاوی نے کہا کہ اسی طرح واجب ہیں تکبیریں ایام تشریق کی چنانچہ ان کا بیان آگے آوے گا وتکبیر رکوع رکعۃ الثانیۃ کلفظ التکبیر فی افتتاحہا اور واجب ہے تکبیر عید کی دوسری رکعت کے رکوع کی جیسے واجب ہے اللہ اکبر کہنا عید کی نماز کے شروع میں یعنی اگر سوائے اللہ اکبر کے اور کسی لفظ سے شروع کرے گا تو مکروہ تحریمی ہوگا کذا فی الشامی لکن الاشبہ وجوبہ فی کل صلوۃ بحر فلیحفظ لیکن مشابہ تر تحقیق یہ ہے کہ اللہ اکبر کہنا ہر نماز کے شروع میں واجب ہو کذا فی البحر تو اس کو یاد رکھنا چاہیے **والجہر** للامام **والاسرار للکل فیما یجہر فیہ ویسر** اور واجب ہے پکار کر پڑھنا امام کو ان نمازوں کو کہ پکار کر پڑھا جاتا ہے یعنی صبح اور مغرب اور عشاء اور جمعہ وغیرہ میں اور واجب ہے آہستہ پڑھنا سب کو یعنی امام کو بالاتفاق اور تنہا کو صحیح تر قول میں ان نمازوں میں کہ آہستہ پڑھی جاتی ہیں چنانچہ ظہر اور عصر اور پچھلی رکعت مغرب کی وغیرہ وبقی من الواجبات اتیان کل واجب او فرض فی محلہ اور باقی رہے واجبات میں سے واجبات آئندہ یعنی ایک واجب ادا کرنا ہے ہر واجب یا فرض کا اس کے محل میں فلو اتم القرأۃ فمکث متفکرًا سہوًا ثم رکع او تذکر السورۃ راکعا فضمہا قائمًا اعاد الرکوع وسجد للسہو تو اگر نمازی قرأت کو تمام کر کے بھولے سے چار گیارہ گیا پھر رکوع کیا تو سجدہ سہو کرے یا یہ صورت ہوئی کہ سورہ کو ملانا بھول گیا اور رکوع کرنے میں اس کو یاد ہوا سو اس نے سورہ کو کھڑے ہو کر ملایا تو رکوع دوبارہ کرے اور سجدہ سہو کرے ھ پہلی صورت مثال ہے فرض کی تاخیر کی اس کی موقع سے یعنی بعد قرأت کے رکوع فورًا فرض تھا تو اس نے

رکوع کو اس کے محل سے ٹلا دیا اور دوسری مثال ہے واجب کو اس کی جگہ سے ٹالنے کی یعنی ضم سورہ واجب تھا بعد الحمد کے اس میں ایک رکوع زائد حائل ہو گیا شامی نے کہا کہ شارح کی عبارت میں ضعف ہے واعاد الرکوع سجد للسہو کہتا تو خوب تھا یعنی اس عبارت سے وہم یہ ہوتا ہے کہ اعادہ رکوع یا سجدہ سہو دونوں مسئلوں سے متعلق ہے حالانکہ اعادہ رکوع صرف مسئلہ دوم سے متعلق ہے اور سجدہ سہو دونوں سے وترک تکریر رکوع وتثلیث سجود اور واجب ہے ترک کرنا رکوع کے مکرر کرنے کو اور سجدہ کے سہ بارہ کرنے کو یعنی اگر ایک بار رکوع کر کے پھر اعادہ اس کا کرے گا یا دو سجدوں کی جگہ تین کرے گا تو سجدہ سہو لازم ہوگا وترک قعود قبل ثانیۃ اورابعۃ اور واجب ہے ترک کرنا قعدہ کا دوسری یا چوتھی رکعت سے پہلے تو اگر پہلی رکعت میں قعدہ کرے گا یا چار رکعت والی نماز میں تیسری رکعت پر قعدہ کریگا تو سجدہ سہو لازم ہوگا وکل زیادۃ تخلل بین فرضین اور واجب ہے ترک کرنا ہر زیادتی کا جو دو فرضوں کے بیچ میں پڑے شامی نے کہا کہ دو فرضوں کی کچھ قید نہیں فرض اور واجب کے بیچ میں بھی زیادتی کا یہی حکم ہے مثلاً قعدہ اول کے تشہد میں زیادتی کی اور تیسری رکعت کو نہ اٹھا تب بھی سجدہ سہو لازم ہوگا اور زیادتی میں چپ رہنا بھی داخل ہے وانصات المقتدی اور واجب ہے چپ رہنا مقتدی کا تو اگر مقتدی امام کے پیچھے قرأت پڑھے گا تو قرأت مکروہ تحریمی ہوگی مگر اصح قول میں نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر بھول کر پڑھے گا تو سجدہ سہو لازم نہ ہوگا کیوں کہ مقتدی پر سہو نہیں ہوتا ومتابعۃ الامام یعنی فی المجتہد فیہ اور واجب ہے امام کی پیروی ان افعال میں جن میں اختلاف مجتہدین ہے مجتہد فیہ سے یہ مراد ہے کہ جس کی بنا دلیل معتبر شرعی پر ہو جس کی رو سے مجتہد کو غیر کی مخالفت جائز ہو مثلاً امام نے عید کی تکبیریں تین سے زیادہ کہیں جیسے شافعی پانچ کہتے ہیں یا دو سجدے سہو کے سلام سے پیش تر کیے یا وتر میں قنوت بعد رکوع کے پڑھا تو ایسے امور میں پیروی امام کی واجب ہے اسی طرح جن امور میں اتفاق ہے ان میں متابعت بطریق اولی واجب ہے لا فی المقطوع بنسخہ نہیں واجب ہے متابعت اس فعل میں جس کا منسوخ ہونا قطعی ہے جیسے نماز جنازہ میں امام نے پانچ تکبیریں کہیں تو پانچویں میں اتباع نہ کرے اس لیے کہ ہر چند آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ اور سات اور نو اور زیادہ تکبیریں مروی ہیں مگر آخر فعل آپ کا چار تکبیریں تھیں تو فعل پیش تر کے افعال کا ناسخ ہوا کذا فی الشامی عن الامداد او بعدم سنیۃ کقنوت فجر یا یقین ہوا اس فعل کے نہ مسنون ہونے کا تو اس میں بھی متابعت امام کی واجب نہیں جیسے فجر کا قنوت یعنی اس صورت میں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم پر بد دعا ایک مہینے تک کی تھی پھر اس کا متلو ہونا منسوخ ہو گیا تو اس میں بھی متابعت امام کی نہ کرے طحطاوی نے کہا کہ اس تقدیر پر کہ قنوت فجر پہلے سنت تھا اب منسوخ ہو گیا یہی مثال مقطوع النسخ کی بھی ہو سکتی ہے وانما تفسد بمخالفتہ فی الفروض کما بسطناہ فی الخزائن اور نماز صرف فرض میں امام کی مخالفت کرنے سے فاسد ہوتی ہے چنانچہ ہم نے اس کو خزائن الاسرار میں مشرح بیان کیا ہے شامی نے کہا کہ فساد نماز میں واقعہ فرض کے ترک سے ہوتا ہے نہ متابعت کے ترک سے مگر چوں کہ ترک متابعت سے ترک فرض لازم آتا ہے اس لیے نماز کے فساد کو مخالفت کی طرف منسوب کیا ہے اور فرض کی قید سے معلوم ہوا کہ واجب یا سنت کے ترک سے نماز فاسد نہیں ہوتی قلت فبلغت اصولہا نیفا واربعین میں کہتا ہوں کہ اصول واجبات کے کچھ اوپر ۴۰ ہو گئے ہم یعنی چودہ[۱۴] واجب مصنف نے بیان کیے تھے اور ۲۸ شارح نے زائد کیے تو کل ۴۲ ہو گئے اور ان کی تفصیل شامی نے یوں بیان کی ہے کہ الحمد کو ماتن نے ایک واجب کہا شارح نے چھوٹوں آیتوں کو جدا جدا واجب بیان کیا ہے تو پانچ واجب اس میں بڑھے اسی طرح عیدین کی چھوڈں تکبیروں کو ماتن نے کہا اور شارح نے ہر ایک کو علیحدہ کہا تو پانچ ان میں زیادہ ہوئے اور تعدیل ارکان کو ایک واجب ماتن نے شمار کیا اور شارح نے رکوع اور سجدہ اور قومہ اور جلسہ میں چاروں جگہ تعدیل کو واجب کہا تو تین واجب اس میں زیادہ ہوئے تو کل تیرہ[۱۳] ہوئے چودھواں[۱۴] نہ مکرر پڑھنا فاتحہ کا پہلے سورہ کے پندرھواں[۱۵] ترتیب قرأت اور رکوع میں سولھواں[۱۶] ترتیب عدد رکعات میں سترھواں[۱۷] بیچ کی التحیات

پر زیادتی نہ کرنی اٹھارہواں[18] تکبیر قنوت انیسواں[19] تکبیر قنوت کے رکوع کی بیسواں[20] تکبیر رکوع دوم دوگانہ عید کی اکیسواں[21] عید کے دوگانہ کے شروع میں اللہ اکبر کہنا بائیسواں[22] ہر فرض و واجب کو اپنے محل پر ادا کرنا تئیسواں[23] ترک کرنا تکریر رکوع چوبیسواں[24] ترک کرنا تثلیث سجدہ کا پچیسواں[25] ترک کرنا قعدہ کا دوسری یا چوتھی رکعت سے پیشتر چھبیسواں[26] ترک کرنا زیادتی کا بیچ میں دو فرضوں کے ستائیسواں[27] چپ رہنا مقتدی کا اٹھائیسواں[28] پیروی امام کی اور چوں کہ ان واجبات میں حاجت ضرب اور تفصیل کی نہیں اس لیے شارح نے ان کو اصول واجبات کہا انتہی وبالبسط اکثر من مائۃ الف اذا اخذ ما ینتج ۲۹۰ من ضرب خمسۃ قعدۃ المغرب بتشہدھا وترک نقص منہ وزیادۃ فیہ او علیہ فی ۸۰ کما مر اور پھیلانے سے تعداد واجبات کی ایک لاکھ سے زیادہ ہو جائے گی اس لیے کہ ایک واجب یعنی تشہد ۲۹۰ واجب پیدا کرتا ہے یعنی پانچ واجب مفصلہ ذیل کے ضرب کرنے سے ۸۰ تشہدوں میں جن کا بیان اوپر گذرا یعنی جہاں شارح نے کہا ہے کہ تشہد کبھی دس بار مکرر ہوتا ہے الخ اور وہ پانچ واجب یہ ہیں اول قعدہ مغرب دوم[2] اس کی التحیات سوم[3] التحیات کو ناقص نہ پڑھنا چہارم[4] اس کے کلمات کے اثنا میں زیادتی نہ کرنی پنجم[5] اس کے تمام کرنے پر کچھ زیادہ نہ کرنا تو چوں کہ ہر تشہد میں ۸۰ تشہدوں سے یہ پانچوں واجب ضرور ہونے چاہییں اس لیے ۵ کو ۸۰ میں ضرب کیا ۲۹۰ ہوئے ھم شامی نے کہا کہ ان واجبات مذکورہ بالا میں سو سے زیادہ سجدہ ہیں اور ہر سجدہ میں تین واجب ہیں تعدیل اور دونوں ہاتھوں کا زمین پر رکھنا اور دونوں زانو کا رکھنا ان تین کو سو میں ضرب کرنے سے تین سو ہوتے ہیں اور پہلے واجبات میں ملانے سے ۷۰۰ کے قریب ہو جاتے ہیں اور جب اس رقم کو بقیہ ۲۴ واجبات میں ضرب کروگے تو ۲۵ ہزار سے زائد ہوں گے اور چوں کہ مقتدی کی متابعت کچھ اوپر بیس فرض ہیں اور کچھ اوپر ۴۰ واجبات میں واجب ہے یعنی کچھ اوپر ۶۰ جگہ واجب ہے تو اب اگر اوپر کے مجموعہ کو ۶۰ میں ضرب کرو تو ۱۵ لاکھ سے زائد واجب ہو سکتے ہیں حالانکہ ابھی اور واجب باقی ہیں مثلاً ناک پر سجدہ کرنا اور رکوع میں قرأت نہ پڑھنا اور التحیات اور سلام سے پیشتر کھڑا نہ ہونا وغیرہ پس ان میں ضرب دینے سے تعداد اور بھی بڑھ جائے گی اس لیے شارح نے کہا والتتبع ینفی الحصر فتبصر اور تلاش واجبات کی نفی کرتی ہے حصر کو یعنی تلاش سے معلوم ہوتا ہے کہ لا تعد ولا تحصی ہیں تو اس کو خوب دیکھ بھال لو ھم شامی نے کہا کہ ان واجبات میں اکثر صورتیں فرضی اور عقلی ہیں کہ کبھی خارج میں نہیں پائی جاتی اور ان کی تلاش سے بجز تضییع اوقات اور کچھ فائدہ نہیں اور اگر ضرورت شارح کے کلام کے بیان کی نہ ہوتی تو بہتر تھا کہ اس سے پہلو تہی کی جاتی انتہی مترجم نے بھی اس لیے مختصر ترجمہ پر کفایت کی اور شامی کی عبارت میں بہت کچھ تصرف کیا تاکہ صرف مطلب عبارت شارح کا ظاہر ہو جائے جو کوئی تفصیل اس مقام کو چاہے وہ شامی کو دیکھے فیلغز ای واجب یستوجب ۲۹۰ واجبا تو چیستان پوچھی جاتی ہے کہ وہ کون سا واجب ہے جو ۲۹۰ واجبوں کا مستوجب ہوتا ہے یعنی جس سے ۲۹۰ واجب لازم آتے ہیں ھم جواب اس چیستان کا وہی قاعدہ اول مغرب کا ہے مقتدی کے حق میں بتفصیل مذکورہ بالا وسننہا اور نماز کی سنتیں یہ ہیں جو آگے مذکور ہوئی ہیں ترک السنۃ لا یوجب فسادا ولا سہوا بل اساءۃ لو عامدا غیر مستخف ترک کرنا سنت کا نہ تو نماز کے فساد کا موجب ہوتا ہے نہ سجدہ سہو کا بلکہ اساءت یعنی برا کرنے کا موجب ہے اگر نمازی نے دانستہ ترک کیا ہو اور سنت کو ہلکا نہ سمجھا ہو ھم یعنی اگر ترک سنت نادانستگی میں ہوا تو کچھ برائی بھی نہ ہوگی اور اگر سنت کو حقیر جانے گا تو کافر ہوگا چنانچہ نہر الفائق میں بزازیہ سے منقول ہے کہ اگر سنت کو حق نہ جانے گا تو کافر ہوگا اس لیے کہ حق نہ جاننا حقیر سمجھنا ہے وقالوا الاساءۃ ادون من الکراہۃ اور فقہاء نے کہا کہ اساءت کم ہے بہ نسبت کراہت کے ھم شامی نے کہا کہ مراد کراہت سے تحریمی کراہت ہے یعنی اساءت میں ملامت بہ نسبت مکروہ تحریمی فعل کے کمتر ہے اور مکروہ تنزیہی سے زیادہ ہے اس لیے کہ تلویح میں ہے کہ سنت مؤکدہ کا چھوڑنا حرام سے قریب ہے اور نہر الفائق میں ہے کہ حکم سنت کا یہ ہے کہ اس کے ترک پر ملامت کی جائے اور کسی قدر گناہ بھی

لاحق ہوا اور طحطاوی نے کہا کہ اساءت کے معنی ترک اولیٰ ہیں تو وہ اور کراہت تنزیہی ایک ہوئی ثم ہی علی ماذکرہ ثلاثۃ وعشرون پھر یہ سنتیں بموجب مصنف کے بیان کے ۲۳ ہیں اور واقع میں زیادہ ہیں چنانچہ شارح بیان کرے گا رفع الیدین للتحریمۃ فی الخلاصۃ ان اعتاد ترکہ اثم سنت ہے اٹھانا دونوں ہاتھوں کا تحریمہ کے لیے یعنی تکبیر سے پیشتر اور بعضوں نے کہا کہ تکبیر کے ساتھ اٹھاوے خلاصہ میں ہے کہ اگر ہاتھ نہ اٹھانے کا عادی ہوگا تو گنہ گار ہوگا اور اگر کبھی ایسا ہو جاوے تو گناہ گار نہ ہوگا ونشر الاصابع ای ترکہا بحالہا اور سنت ہے تکبیر کے وقت پھیلا رکھنا انگلیوں کا یعنی ان کو بحال خود چھوڑنا کہ نہ بہت ملی ہوں نہ بہت پھیلی وان لایطاطئ راسہ عند التکبیر فانہ بدعۃ اور سنت ہے تکبیر کے وقت اپنے سر کو نہ جھکانا کیوں کہ سر جھکانا اس وقت بدعت ہے طحطاوی نے کہا کہ ظاہرا تمام قیام میں سر جھکانا ایسا ہی ہے وجہر الامام بالتکبیر بقدر حاجۃ للاعلام بالدخول والانتقال وکذا بالتسمیع والسلام اور سنت ہے پکار کر کہنا امام کا اللہ اکبر کو بقدر اس کی حاجت کے خبردار کرنے کے لیے دخول اور انتقال پر یعنی اس قدر پکار کر کہے کہ مقتدیوں کو نماز میں داخل ہونے اور ایک رکن سے دوسرے کی طرف جانے کی خبر ہو جاوے اور اسی طرح سنت ہے پکار کر کہنا سمع اللہ لمن حمدہ اور سلام کا طحطاوی نے کہا کہ اگر امام حاجت سے زیادہ پکار کر کہیگا تو مکروہ ہوگا شامی نے کہا کہ مکروہ اس صورت میں ہے کہ حاجت زیادتی نہایت درجہ کو ہو مثلاً اس کے پیچھے ایک صف ہے اور وہ اتنا چیختا ہے کہ دس صفوں میں آواز جاوے تو مکروہ ہوگا پھر یہ معلوم کرنا چاہیے کہ جب امام شروع میں اللہ اکبر کہے تو اس کی نیت اگر صرف لوگوں کو خبردار کرنے کی ہوگی تو اس کی نماز نہ ہوگی اور نہ کسی مقتدی کی ہوگی بلکہ خبردار کرنے کے ساتھ نیت اپنی نماز کی تحریمہ کی بھی کرے اسی طرح مکبر جو امام کی آواز دوسرے لوگوں کو پہنچاتا ہے وہ بھی اگر فقط خبردار کرنے کی نیت سے اللہ اکبر کہے گا تو نماز نہ اس کی ہوگی اور نہ اس شخص کی جو اس کی آواز پر اقتداء کرے گا بلکہ پکار کر کہنے کے ساتھ تکبیر تحریمہ کا قصد کرے گا تو نماز ہوگی اور بدون حاجت کے مکبر کا اللہ اکبر پکار کر کہنا مکروہ ہے واما المؤتم والمنفرد فیسمع نفسہ اور مقتدی اور تنہا پڑھنے والا اللہ اکبر اتنی آواز سے کہے کہ اپنی آپ سن لے والثناء والتعوذ والتسمیۃ والتامین وکونہن سرا اور مسنون ہے سبحانک اللہم پڑھنا اور اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم کہنا اور بسم اللہ کہنا اور الحمد کے بعد آمین کہنا اور ان سب کا آہستہ ہونا یعنی آہستہ کہنا سنت علیحدہ ہے اور ہر ایک کا پڑھنا سنت جداگانہ ووضع یمینہ علی یسارہ وکونہ تحت السرۃ للرجال لقول علی رضی اللہ عنہ من السنۃ وضعہما تحت السرۃ ولخوف اجتماع الدم فی رؤس الاصابع اور مسنون ہے رکھنا اپنے داہنے ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر اور مسنون ہے مردوں کو رکھنا ان کا ناف کے نیچے بسبب فرمانے علی مرتضیٰ کے کہ سنت ہے رکھنا دونوں ہاتھوں کا ناف کے نیچے اور بسبب خوف خون جمع ہو جانے کے انگلیوں کی پوروں میں یعنی حکمت ہاتھوں کے کھلے نہ رکھنے میں یہ ہے کہ زیادہ کھڑے رہنے میں انگلیوں میں خون نہ اتر آوے وتکبیر الرکوع وکذا الرفع منہ بحیث یستوی قائما والتسبیح فیہ ثلاثا والصاق کعبیہ واخذ رکبتیہ بیدیہ فی الرکوع وتفریج اصابعہ للرجل ولا یندب التفریج الا ہنا ولا الضم الا فی السجود اور مسنون ہے رکوع کے لیے اللہ اکبر کہنا اور اسی طرح مسنون ہے رکوع سے سر اٹھانا اس طرح پر کہ برابر کھڑا ہو جائے اور مسنون ہے رکوع میں تین بار سبحان ربی العظیم کہنا یعنی تین بار سے کم کہنا مکروہ تنزیہی ہے اور مسنون ہے دونوں ٹخنوں کا ملانا یعنی اگر بلا عذر ہو سکے اور مسنون ہے پکڑنا اپنے دونوں زانو کا اپنے دونوں ہاتھوں سے رکوع کے اندر اور مسنون ہے پھیلانا اپنی انگلیوں کا مرد کو اور نہیں مستحب ہے کشادہ رکھنا انگلیوں کا مگر رکوع کے اندر اور نہ ملا ہوا رکھنا مگر سجدہ کے اندر وتکبیر السجود وکذا نفس الرفع منہ بحیث یستوی جالسا وکذا تکبیرہ والتسبیح فیہ ثلاثا ووضع یدیہ ورکبتیہ فی السجود اور مسنون ہے سجدہ کے لیے اللہ اکبر کہنا اور اسی طرح مسنون ہے سجدہ سے اٹھنا اس طرح کہ برابر بیٹھ جائے اور ایسے ہی مسنون ہے سجدہ سے اٹھنے کو اللہ اکبر کہنا اور مسنون ہے سجدہ میں

تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنا اور مسنون ہے دونوں ہاتھوں اور زانوؤں کا رکھنا سجدہ میں ھ اکثر فقہاء نے ہاتھوں اور زانوؤں کا زمین پر رکھنا مسنون کہا ہے اور فقیہ ابو اللیث نے فرض کہا ہے اور فتوی عدم فرضیت پر ہے اور فتح القدیر میں اس کو واجب کہا ہے اس وجہ سے کہ مطابق حدیث کے ہے اور اس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی ہے بحرالرائق میں کہا کہ انشاء اللہ وجوب کا قول سب اقوال سے بہتر اور متوسط ہے بسبب اس کے موافق ہونے کے اصول سے کذا فی الشامی فلا تلزم طہارۃ مکانہما عندنا مجمع پس لازم نہیں پاک ہونا ہاتھ اور زانو کی جگہ کا ہم حنفیوں کے نزدیک کذا فی المجمع یعنی جب ان کا رکھنا سجدہ میں فرض نہیں تو اگر ناپاک جگہ پر رکھے جائیں تو نماز فاسد نہ ہوگی ھ شامی نے کہا کہ ان دونوں اعضاء کے مکان کی طہارت کا شرط نہ ہونا روایت ضعیف ہے صحیح یہ ہے کہ اگر ان کی جگہ بھی ناپاک ہوگی تو نماز فاسد ہوگی کیونکہ اعضاء کا نجاست سے لگنا ایسا ہے جیسے نجاست کا اٹھانا الا اذا سجد علی کفہ کما مر مگر جس صورت میں کہ سجدہ اپنی ہتھیلی پر کرے گا اس وقت پاک ہونا اس کی جگہ کا شرط ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا وافتراش رجلہ الیسریٰ فی تشہد الرجل اور مسنون ہے بچھانا اپنے بائیں پاؤں کو مرد کے تشہد میں یعنی التحیات پڑھنے میں مرد بائیں پاؤں کو بچھاوے والجلسۃ بین السجدتین اور مسنون ہے بیٹھنا دونوں سجدوں کے درمیان میں طحطاوی نے کہا کہ ماتن نے اول سر اٹھانا سجدہ سے مسنون کہا تھا شارح نے اس میں یہ قید لگائی کہ اس طرح سر اٹھاوے کہ برابر بیٹھ جاوے تو اس قید سے بیٹھنا مکرر ٹھہرتا ہے لیکن اگر شارح کی قید کا لحاظ نہ کرو تو سر اٹھانا جدا سنت ہے اور جلسہ جدا ووضع یدیہ فیہا علی فخذیہ کالتشہد للتوارث اور مسنون ہے رکھنا اپنے دونوں ہاتھوں کا جلسہ میں اپنے دونوں زانوؤں پر جیسے التحیات میں ہاتھوں کا رکھنا زانوؤں پر مستحب ہے بسبب توارث کے یعنی اکابر سے اسی طرح پہنچا ہے طحطاوی نے کہا کہ ہاتھ ایسی طرح رکھے کہ انگلیوں کی پوریں گھٹنوں کے پاس ہوں وہذا مما اغفلہ اہل المتون والشروح کما فی امداد الفتاح للشرنبلالی اور یہ یعنی جلسہ کا مثل التحیات کے بیٹھنے کے ہونا اس قسم سے ہے کہ متن اور شرح والوں نے اس کا ذکر نہیں کیا چنانچہ شرنبلالی کی امداد الفتاح میں ہے قلت یاتی معزیا للحلیۃ فافہم میں کہتا ہوں اور یہ ذکر منسوب حلیہ کی طرف آوے گا تو اس کو سمجھ لے ھ شاید فافہم سے یہ اشارہ ہے کہ کلام فقہاء سے اس جلسہ کا حال مثل تشہد کے جلسہ کے نکل سکتا ہے اس طرح کہ اگر ان دونوں میں کچھ مخالفت ہوتی تو اس کو بیان کر دیتے جیسے جلسہ اخیرہ میں دونوں پاؤں کے ایک طرف نکالنے کو بیان کرتے ہیں تو جب مطلق بیان کیا تو معلوم ہوا کہ جلسہ مثل جلسہ تشہد کے ہے کذا فی الشامی والصلوۃ علی النبی فی القعدۃ الاخیرۃ وفرض الشافعی قول اللہم صل علی محمد اور مسنون ہے درود پڑھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قعدہ اخیرہ میں اور فرض کہا ہے امام شافعی نے کہنا اللہم صل علی محمد کا یعنی ان کے نزدیک قعدہ اخیرہ میں درود اس قدر فرض ہے ونسبوہ الی الشذوذ ومخالفۃ الاجماع اور محدثین نے اس قول کو شاذ اور مخالف اجماع کے کہا ہے ھ طحاوی اور ابوبکر رازی اور خطابی اور بغوی اور ابن منذر اور ابن جریر طبری نے اس کو شاذ کہا ہے لیکن بحرالرائق میں منقول ہے کہ بعض صحابہ اور تابعین سے روایت موافق امام شافعی کے پائی جاتی ہے تو اس صورت میں شاذ کہنا بلا وجہ ہے کذا فی الشامی والدعاء بما یستحیل سوالہ من العباد اور مسنون ہے درود کے بعد اور قبل سلام کے ایسی چیز کی دعا جس کا مانگنا بندوں سے محال ہو جو دعا کہ اس باب میں مسنون ہے اس کا ذکر فصل آئندہ میں آوے گا وبقی بقیۃ تکبیرات الانتقالات حتی تکبیرۃ القنوت علی قول اور سنتوں میں سے باقی رہی تکبیریں ایک رکن سے دوسرے رکن میں جانے کی یعنی رکن کے بدلنے کے لیے اللہ اکبر کہنا مسنون ہے یہاں تک کہ قنوت کے لیے اللہ اکبر کہنا ایک قول کے بموجب طحطاوی نے کہا کہ اس تکبیر کے مسنون ہونے کا قول ضعیف ہے بلکہ وہ واجب ہے جیسا پہلے بیان ہوا والتسمیع للامام والتحمید لغیرہ اور مسنون ہے سمع اللہ لمن حمدہ کہنا امام کو اور ربنا ولک الحمد کہنا امام کے غیر کو یعنی مقتدی اور تنہا پڑھنے والے کو وتحویل الوجہ یمنۃ ویسرۃ للسلام

اور پھیرنا منہ کا داہنے اور بائیں سلام کے وقت **م** اور مسنون ہے سلام میں ابتدا کرنا داہنے سے اور امام کو نیت مردوں اور فرشتوں کی کرنی اور پست کہنا دوسرے سلام کا بہ نسبت اول کے کذا فی الشامی **ولها اداب** اور نماز کے کچھ آداب ہیں ترکہ لا یوجب اساءة ولا عتابا کترک سنة الزوائد لکن فعله افضل آداب کا ترک کرنا نہ مکروہ تنزیہی ہونے کا موجب ہے اور نہ عتاب کا باعث جیسے چھوڑنا سنت زوائد کا عتاب وکراہت کا موجب نہیں لیکن کرنا ادب کا افضل ہے **م** نماز میں ادب اس کو کہتے ہیں جس کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یا دو بار کیا ہو اور اس پر مداومت نہ فرمائی ہو جیسے رکوع اور سجدہ میں تین بار سے زیادہ تسبیح کہنا اور حلیہ میں کئی تعریفیں ادب کی کر کے آخر کو کہا کہ ظاہراً ادب اور مستحب ایک ہی چیز ہیں اور سنت زائدہ اس کو کہتے ہیں جو موکد نہ ہو اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بطور عادت کے کیا ہو جیسے آپ کی سیرت لباس اور نشست و برخاست میں یا نماز چاشت اور اس کا مقابل سنت ہدی ہے یعنی سنت مؤکدہ جیسے اذان اور جماعت ہے کذا فی الشامی **نظره الى موضع سجوده حال قيامه والى ظهر قدميه حال ركوعه والى ارنبة انفه حال سجوده والى حجره حال قعوده والى منكبيه الايمن والايسر عند التسليمة الاولى والثانية** لتحصيل الخشوع مستحب ہے دیکھنا نمازی کا کھڑے ہونے کے وقت اپنے سجدہ گاہ کی طرف اور رکوع کے وقت اپنے دونوں پاؤں کی پشت کی طرف اور سجدہ کرنے میں اپنی ناک کی نوک کی طرف اور قعود کی حالت میں اپنی گود کی طرف اور پہلے سلام پھیرنے کے وقت اپنے داہنے شانے کی طرف اور دوسرے سلام کے وقت اپنے بائیں شانہ کی طرف یہ سب آداب ہیں واسطے حاصل کرنے خشوع اور انکسار کے طحطاوی نے کہا کہ ظاہرا اگر ان جگہوں میں کوئی ایسی چیز ہو گی جس سے دل بٹے تو ان کی طرف دیکھنا مستحب نہ رہے گا کیوں کہ ان سے انکسار جاتا رہے گا جو مستحب سے بھی بڑھ کر ہے **وامساك فمه عند التثاؤب** ولو باخذ شفتيه بسنه **فان لم يقدر غطاه بظهر يده اليسرى** وقيل باليمنى لو قائما والا فيسراه مجتبى اور مستحب ہے اپنا منہ بند کرنا جماہی لینے کے وقت اگرچہ ہونٹ کو دانت کے پکڑنے سے بند کیا ہو پھر اگر منہ بند نہ ہو سکے تو اس کو اپنے بائیں ہاتھ کی پیٹھ سے چھپاوے اور بعضوں نے کہا کہ اگر کھڑا ہو تو داہنے ہاتھ کی پیٹھ سے چھپاوے اور نہیں تو بائیں کی پیٹھ سے کذا فی المجتبی **م** وجہ منہ کے بند کرنے کی یہ ہے کہ جماہی لینا نماز میں اور خارج نماز کے مکروہ ہے اور کھڑے ہونے میں داہنا ہاتھ اس لیے کہا تا کہ حرکت ایک ہی ہاتھ کی ہو ورنہ بائیں ہاتھ کو داہنے کے نیچے سے نکالنے میں دونوں ہاتھوں کو حرکت ہو گی اور بعض نسخوں میں لفظ شفتيه بصیغہ تثنیہ ہے مگر چوں کہ دونوں ہونٹ کا دبانا جماہی کے دفع کے لیے دانت سے دشوار ہے اس لیے صیغہ مفرد درست ہے کذا فی الشامی **او كمه** یا منہ کو چھپاوے اپنی آستین سے لان التغطية بلا ضرورة مكروهة ہاتھ یا آستین سے منہ اس وقت چھپاوے کہ جب بلا مدد ہاتھ اور آستین کے منہ نہ بند ہو اس لیے کہ منہ کا چھپانا بدون ضرورت کے مکروہ ہے اگر ہونٹ کو دانت سے دبا کر جماہی روک سکتا تھا مگر اس طرح نہ روکا بلکہ ہاتھ یا آستین سے منہ کو چھپایا تو مکروہ ہو گا کذا فی الخلاصہ **فائدہ** ترکیب جماہی کے دور کرنے کی یہ بہت عمدہ ہے کہ اپنے دل میں سوچے کہ انبیاء علیہم السلام نے جماہی نہیں لی قدوری اور شامی نے ذکر کیا کہ ہم نے اس کا بارہا امتحان کیا فوراً جماہی دور ہو گئی **واخراج كفيه من كميه عند التكبير** للرجل الا لضرورة كبرد اور مستحب ہے اپنی دونوں آستینوں میں سے دونوں ہاتھوں کا باہر کرنا مرد کو اللہ اکبر کہنے کے وقت یعنی شروع نماز میں مگر کسی ضرورت سے مثل سردی کے باہر نکالنا ہاتھوں کا مستحب نہیں رہتا **ودفع السعال ما استطاع** لانه بلا عذر مفسد فيجتنبه اور مستحب ہے رفع کرنا کھانسی کا اپنے مقدور بھر اس لیے کہ کھانسنا بلا عذر مفسد نماز ہے یعنی جب کہ اس سے حروف پیدا ہوں کذا فی العینی تو اس سے اجتناب کرے **والقيام** لامام ومؤتم **حين قيل حي على الفلاح** خلافا لزفر فعنده عند حي على الصلوٰة ابن كمال اور مستحب ہے کھڑا ہونا امام اور مقتدی کو جب کہ تکبیر میں حی علی الفلاح کہا جائے بخلاف قول زفر کے کہ ان کے نزدیک حی علی الصلوٰة

ے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے کذا ذکرہ ابن کمال شامی نے کہا کہ یہ نقل قول زفر کی درست نہیں بلکہ حسن بن زیاد اور زفر کا قول یہ ہے کہ قامت الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھڑا ہو ان کان الامام بقرب المحراب والا فیقوم کل صفٍ ینتھی الیہ الامام علی الاظھر ے علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا اس وقت مستحب ہے کہ امام محراب کے پاس ہو اور اگر محراب سے دور ہو یعنی صفوں کے پیچھے سے اپنی جگہ جانا چاہے تو جس صف میں امام پہنچے وہی کھڑی ہو جائے ظاہر قول میں وان دخل من قدام قاموا حین یقع بصرھم علیہ اور اگر امام آگے کی جانب سے داخل ہو تو لوگ اس وقت کھڑے ہوں جب ان کی نظر امام پر پڑے الا اذا اقام الامام بنفسہ فی مسجد فلا یقفوا حتی یتم اقامتہ ظھیریۃ جب کہ امام خود مسجد میں تکبیر کہے تو مقتدی کھڑے نہ ہوں یہاں تک کہ امام اقامت پوری کرے کذا فی الظھیریۃ شامی نے کہا کہ شارح کو فی المسجد الف امام کے ساتھ اور فلا یقفون کہنا مناسب تھا بصیغہ نفی وان خارجہ قام کل صف ینتھی الیہ بحر اور اگر امام مسجد کے باہر ہو تو جس صف تک پہنچے وہ کھڑی ہو کذا فی البحر شامی نے کہا کہ اس قول کو میں نے بحر الرائق میں نہ پایا بلکہ نہر الفائق میں مذکور ہے وشروع الامام فی الصلوٰۃ مذ قیل قد قامت الصلوٰۃ ولو اخر حتی اتمھا لا باس بہ اجماعًا وھو قول الثانی والثلاثۃ وھو اعدل المذاھب کما فی شرح المجمع لمصنفہ وفی القہستانی معزیًا للخلاصۃ انہ الاصح اور مستحب ہے نماز شروع کرنا امام کا جب کہ قد قامت الصلوٰۃ کہا جائے اور اگر نماز کے شروع کرنے میں تاخیر کی یہاں تک کہ مؤذن نے اقامت تمام کر لی تو اس کا کچھ مضائقہ نہیں بالاتفاق اور وہ یعنی تاخیر کرنا امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثا کا قول ہے اور وہی درست تر مذہب کا ہے جیسا کہ شرح مجمع میں اس کے مصنف نے ذکر کیا ہے اور قہستانی میں منسوب بخلاصہ یوں ہے کہ تاخیر کرنا ہی صحیح تر قول ہے اس لیے کہ اس سے نمازیوں پر اشتباہ نہ رہے گا اور مؤذن بھی امام کے ساتھ نماز شروع کر سکے گا فرع مسئلہ ملحقہ شارح کا لو لم یعلم ما فی الصلوٰۃ من الفرض وسنن اجزاہ قنیہ اور اگر نمازی نے یہ نہ جانا کہ جو فرض مثلاً ادا کرتا ہے اس میں فرض کیا افعال ہیں اور سنت کیا تو یہ نماز اس کو کافی ہو گی کذا فی القنیہ

فصل اس فصل میں نماز کے ادا کرنے کا بیان شروع سے آخر تک اس طریق پر ہے جو سلف سے منقول چلا آیا ہے واذا اراد الشروع فی الصلوٰۃ کبر لو قادرا للافتتاح ای قال وجوبًا اللّٰہ اکبر اور جب نمازی نماز شروع کرنا چاہے تو شروع نماز کے لیے تکبیر کہے اگر کہنے پر قادر ہو یعنی براہ وجوب لفظ اللّٰہ اکبر کہے طحطاوی نے کہا کہ قادر کی قید سے عاجز نکل گیا اور اللّٰہ اکبر کہنے کے وجوب سے یہ نکلا کہ اگر اللّٰہ کبیر یا اللّٰہ الاکبر یا اللّٰہ الکبیر کہے گا تو واجب ادا نہ ہو گا ولا یصیر شارعًا بالمبتداء فقط کاللّٰہ ولا باکبر فقط ھو المختار اور نماز کا شروع کرنے والا نہ ہو گا صرف مبتدا کہنے سے جیسے فقط اللّٰہ کہے اور خبر کچھ نہ کہے اور نہ صرف اکبر کہنے سے شروع کرنے والا ہو گا یہی قول مختار ہے شامی نے کہا کہ یہی قول امام محمد کا ہے اور یہی ظاہر الروایۃ ہے امام اعظم سے اور وجہ شروع کرنے والا نہ ہونے کی یہ ہے کہ شروع نماز کی شرط پورا جملہ ہے تو صرف مبتدا یا خبر کہنے سے شرط نہ پائی جائے گی فلو قال اللّٰہ مع الامام واکبر قبلہ او ادرک الامام راکعًا فقال اللّٰہ قائمًا واکبر راکعًا لم یصح فی الاصح پس اگر مقتدی نے لفظ اللّٰہ امام کے ساتھ کہا اور لفظ اکبر امام کے فارغ ہونے سے پیشتر کہہ لیا یعنی ہنوز امام نے اکبر کو پورا نہیں کیا تھا کہ مقتدی کہہ چکا یا مقتدی نے امام کو رکوع میں پایا تو لفظ اللّٰہ تو کھڑے ہوئے کہا اور اکبر رکوع میں تو دونوں صورتوں میں اس کا اقتداء درست نہ ہو گا صحیح تر قول میں ہر پہلی صورت میں اقتداء اس لیے صحیح نہ ہوا کہ امام بوجہ ناتمام ہونے اللّٰہ اکبر کے ابھی نماز کا شروع کرنے والا نہیں ہوا تھا کہ مقتدی نے اس کا اقتدا کیا تو خارج نماز کا اقتدا ہوا اور دوسری صورت میں شرط تحریمہ مفقود ہے یعنی حالت قیام پورا جملہ چاہیے تھا وہ نہ ہوا اس لیے اقتدا بھی صحیح نہ ہوا شامی نے کہا کہ جیسے اقتداء صحیح نہیں ویسے ہی مقتدی خود اپنی نماز کا شروع کرنے والا بھی نہ ہو گا کیونکہ اس نے

قصد شریک ہو کر پڑھنے کا کیا تھا یعنی تنہا پڑھنے کی نیت پہلے ہی نہ تھی کما لو فرغ من اللہ قبل الامام جیسے اقتدا صحیح نہیں جب کہ فارغ ہوا مقتدی لفظ اللہ کے کہنے سے پہلے شروع کرنے امام کے یعنی امام نے تکبیر تحریمہ ابھی شروع نہیں کی کہ مقتدی اللہ کہہ چکا تو اقتدا صحیح نہ ہوگا ولو ذکر الاسم بلا صفۃ صح عند الامام خلافاً لمحمد اور اگر صرف اسم ذات کو یعنی لفظ اللہ کو ذکر کیا بدون صفت یعنی اکبر کے تو صحیح ہے امام کے نزدیک برخلاف محمد کے طحطاوی نے کہا کہ یہ مسئلہ مکرر ہو گیا اور باوجود مکرر ہونے کے ضعیف ہے کیوں کہ ظاہر الروایت پر مبنی نہیں کذا ذکرہ الحلبی ھم اگر پہلی صورت کو یعنی صرف مبتداء کے ذکر کرنے سے شروع کرنے والا نہ ہونے کو منفرد یا امام کے لیے محمول کریں اور اس صورت کو حالت اقتداء پر تو مکرر نہیں ہوتا بالحذف اذ مداحدی ہمزتین مفسد وتعمدہ کفر وکذا الباء فی الاصح اللہ اکبر وجوباً کہے ہمزوں کے حذف کرنے کیساتھ یعنی اللہ اور اکبر کے ہمزوں کو بڑھا کر نہ کہے اس لیے کہ کھینچ کر پڑھنا ان دو ہمزوں میں سے ایک کا مفسد ہے شروع نماز کا اگر ناواقفی میں بڑھا کر پڑھا ہو اور جان کر ان کو مد کرنا کفر ہے اور اسی طرح ب کا بڑھانا لفظ اکبر سے صحیح تر قول میں مفسد ہے ھم مقابل اس کا وہ ہے جو حلبی نے شرح منیہ میں ذکر کیا ہے کہ ب کا بڑھانا مفسد نہیں کذا فی الطحطاوی ویشترط کونہ قائماً فلو وجد الامام راکعاً فکبر منحنیاً ان الی القیام اقرب صح ولغت نیۃ تکبیرۃ الرکوع اور شرط ہے کہنا اللہ اکبر کھڑے ہو کر یعنی فرض نماز میں باوجود قدرت کھڑے ہو کر تحریمہ کرنا چاہیے پس اگر امام کو رکوع میں پایا اور جھکے ہوئے اللہ اکبر کہا تو اگر یہ قیام جھکنے سے قریب ہوگا یعنی اس قدر جھکا ہوگا کہ ہاتھوں سے گھٹنوں کو نہ پکڑ سکے تو شروع صحیح ہوگا اور تکبیر رکوع کی نیت لغو ہوگی ھم صورت اس کی یہ ہے کہ مقتدی نے جو اللہ اکبر کہا اس سے رکوع کی نیت کی نہ نماز کے شروع کی تو یہ تکبیر تحریمہ کی ہو جائے گی اور رکوع کی نیت لغو ہوگی اس لیے کہ تکبیر تحریمہ فرض اور شرط ہے اور رکوع کی تکبیر نفل ہے اور چوں کہ یہ نفل فرض کے محل میں واقع ہوئی اس لیے فرض کی طرف پھیری گئی کذا فی الشامی مختصراً فروع مسائل ملحقہ شارح کے کبر غیر عالم بتکبیر امامہ ان اکبر رائہ انہ کبر قبلہ لم یجز والا جاز محیط مقتدی نے اللہ اکبر کہا اور یہ نہیں جانتا کہ امام اللہ اکبر کہہ چکا ہے یا نہیں تو اگر اس کی رائے غالب یہ ہے کہ میں نے امام سے پہلے اللہ اکبر کہا ہے تب تو اقتداء درست نہ ہوگا ورنہ جائز ہوگا کذا فی المحیط یعنی اگر گمان غالب یہ ہوگا کہ امام کے ساتھ یا اس کے بعد اللہ اکبر کہا ہے یا کچھ گمان ہی نہ ہو کہ پہلے کہا یا پیچھے تو اقتدا درست ہوگا کذا فی الشامی ولو اراد بتکبیرہ التعجب او متابعۃ المؤذن لم یصر شارعا اور اگر نمازی نے اللہ اکبر کہنے سے قصد تعجب کا کیا یا مؤذن کے جواب دینے کا ارادہ کیا تو شروع کرنے والا نماز کا نہ ہوگا کیوں کہ تعجب کرنا اور جواب اذان کا دینا اجنبی باتیں ہیں اور نماز کی مفسد ہیں تو ان سے شروع درست نہ ہوگا ویجزم الراء لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم الاذان جزم والاقامۃ جزم والتکبیر جزم منح ومر فی الاذان اور اللہ اکبر کی ر کو جزم کرے بسبب فرمانے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ اذان جزم ہے اور اقامت جزم ہے اور اللہ اکبر کہنا جزم ہے کذا فی المنح اور یہ حدیث باب الاذان میں گذری ھم اذان جزم ہے یعنی اس کے کلمات کے آخر پر کچھ حرکت نہیں یہ حدیث ابراہیم نخعی سے موقوفاً اور مرفوعاً مروی ہے وانما یصیر شارعاً بالنیۃ عند التکبیر لا بہ وحدہ ولا بھا وحدھا بل بھما اور بات یوں ہے کہ شروع کرنے والا نیت سے ہوتا ہے اللہ اکبر کہنے کے وقت نہ صرف اللہ اکبر کہنے سے اور نہ صرف نیت سے بلکہ دونوں چیزوں سے ھم یعنی چوں کہ نیت بھی صحت نماز کی شرط ہے اور تحریمہ بھی اور نیت تحریمہ سے پیشتر بھی جائز ہے بشرطیکہ کوئی اجنبی فعل مثل کھانے پینے کے بیچ میں واقع نہ ہو تو اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ شاید صرف نیت کافی ہو اس لیے ماتن نے تصریح کر دی کہ نیت تحریمہ کے وقت ہونی چاہیے کذا فی الشامی ولا یلزم العاجز عن النطق کاخرس وامی تحریک لسانہ وکذا فی حق القراءۃ ہو الصحیح لتعذر الواجب فلا یلزم غیرہ الا بدلیل فتکفی النیۃ اور جو شخص کہ بولنے سے عاجز ہو جیسے گونگا اور امی اس کو اللہ اکبر کہنے کے لیے اپنی زبان کا ہلانا ضرور نہیں اور اسی طرح قراءت کے حق میں زبان کا ہلانا ضرور نہیں ہے

صحیح ہے زبان کا ہلانا لازم نہیں بسبب دشوار ہونے واجب کے تو نہیں لازم ہوگا واجب کا غیر بدون دلیل کے اس لیے نیت کافی ہوگی ھ یعنی
اللہ اکبر کہنا اور قرأت واجب ہے اور یہ واجب عاجز سے ادا نہیں ہو سکتا تو دوسری چیز یعنی زبان ہلانے کو اس پر لازم کرنا بدون دلیل کے کیسے
درست ہو اس لیے عاجز کی نیت ہی نماز میں کافی ہے لکن ینبغی ان یشترط فیہا القیام وعدم تقدیمہا القیامہا مقام التحریمۃ ولم ارہ لیکن سزاوار یہ ہے
کہ عاجز کی نیت میں قیام شرط ہو اور نماز سے پیش تر نہ ہو کیوں کہ نیت اس صورت میں قائم مقام تحریمہ کی ہے اور میں نے اس کو دیکھا نہیں ھ
یعنی چوں کہ عاجز کے حق میں نیت کافی ہے تحریمہ کی کچھ ضرورت نہیں اس سے یہ نکلا کہ نیت قائم مقام تحریمہ کے ہوگئی تو شارح بہ تبعیت مصنف
نہر الفائق کے کہتا ہے کہ تحریمہ کی شرطیں یعنی قیام اور مقدم نہ ہونا عاجز کی نیت میں ملحوظ ہونا چاہیے مگر میں نے اس کی تصریح نہیں دیکھی شامی
نے کہا کہ عاجز کی نیت کا قائم مقام تحریمہ کے ہونا بدون دلیل کیسے مانا جائے کیوں کہ نیت اور تحریمہ دونوں شرطیں علیحدہ ہیں توجب ایک شرط کسی
عذر سے ساقط ہوگئی اور دوسری پر اکتفا کی گئی تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ دوسری شرط ساقط کے قائم مقام ہوگئی ثم فی الاشباہ
فی قاعدۃ التابع تابع فالمفتی بہ لزومہ فی تکبیرۃ وتلبیۃ لاقراۃ پھر اشباہ میں اس قاعدہ کے بیان میں کہ تابع تابع رہتا ہے یہ ہے کہ فتوی اس
پر ہے کہ زبان ہلانا عاجز پر لازم ہے اللہ اکبر کہنے اور لبیک کہنے میں اور لازم نہیں قرأت میں ھ شامی میں محیط سے منقول ہے کہ قرأت فرض قطعی
ہے اور تلبیہ فرض ظنی تو چاہیے کہ تلبیہ میں بطریق اولی لازم نہیں ورفع یدیہ قبل التکبیر وقیل معہ ماسا بابہامیہ شحمتی اذنیہ اور اٹھاوے اپنے دونوں
ہاتھوں کو اللہ اکبر کہنے سے پہلے اور بعضوں نے کہا کہ اللہ اکبر کے ساتھ ہی اٹھاوے لگانے والا دونوں انگوٹھوں کو دونوں کانوں کی لو سے ھ اللہ
اکبر سے پہلے ہاتھوں کا اٹھانا منسوب ہے طرفین کی طرف اور صاحب ہدایہ نے اس کی تصحیح کی ہے اور خلاصہ اور محیط وغیرہ میں ہے کہ جب اللہ
اکبر کہنا شروع کرے اسی وقت ہاتھوں کا اٹھانا شروع کرے اور جب اس کو تمام کرے اسی وقت اس کو تمام کرے اور تیسرا قول یہ ہے
کہ بعد اللہ اکبر کے اٹھاوے اور یہ سب اقوال حدیث شریف میں مروی ہیں کذا فی الشامی ہو المراد بالمحاذاۃ لانہا لاتیقن الا بذلک کانوں
تک ہاتھوں کا اٹھانا ہی مراد ہے محاذات سے جو ظاہر الروایۃ اور بعض احادیث میں وارد ہے اس لیے کہ محاذات بدون اس طرح اٹھانے
کے یقینی نہ ہوگی ھ یعنی بعض احادیث میں جو حذو اذنیہ آیا ہے یعنی دونوں کانوں کے برابر ہاتھ اٹھاوے اس سے مراد یہی ہے کہ انگوٹھے
کانوں کی لو کو لگیں اور شانوں تک اٹھانے میں برابری کانوں کی ثابت نہیں اور جن حدیثوں میں شانوں تک اٹھانا مروی ہے تو وہ اس
حالت میں محمول ہے کہ ہاتھ سردی کے سبب کپڑوں کے اندر ہوں اور ابن ہمام نے دونوں حدیثوں میں توفیق اس طرح کی ہے کہ کلائیوں کو
مونڈھوں کے برابر کرنے سے کانوں کی محاذات انگوٹھوں سے ہو جاتی ہے کذا فی الشامی بتصرف ویستقبل بکفیہ القبلۃ وقیل خدیہ اور اپنی دونوں
ہتھیلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ کرے اور قول ضعیف یہ ہے کہ ہتھیلیوں کا رخ دونوں رخساروں کی طرف کو رکھے والمراۃ ولو امۃ کما فی البحر لکن فی
النہر عن السراج انہا ہنا کالرجل وفی غیرہ کالحرۃ اور عورت اگر لونڈی ہو چنانچہ بحر الرائق میں ہے لیکن نہر الفائق میں سراج سے منقول ہے کہ لونڈی
اس مقام میں یعنی رفع یدین میں مرد کے برابر ہے اور دوسرے افعال مثلاً رکوع اور سجدہ میں مثل آزاد بی بی کے ہے ترفع بحیث
یکون رؤس اصابعہا حذاء منکبیہا وقیل کالرجل عورت اپنے ہاتھ اس طرح اٹھاوے کہ اس کی انگلیوں کے سر برابر اس کے دونوں شانوں
کے ہو جائیں اور حسن نے امام اعظم سے روایت کی کہ عورت مثل مرد کے ہے ہاتھ اٹھانے میں مگر اول قول کو ہدایہ میں صحیح کہا ہے
وصح شروعہ ایضا مع کراہۃ التحریم بتسبیح وتہلیل وتحمید وسائر کلم التعظیم الخالصۃ لہ تعالی ولو مشترکۃ کرحیم وکریم فی الاصح اور نیز صحیح ہے شروع
کرنا نمازی کا نماز کو کراہت تحریمی کے ساتھ سبحان اللہ کہنے اور لا الہ الا اللہ کہنے اور الحمد للہ کہنے سے اور سب اللہ تعالی کے خالص تعظیم

سے کلمات سے اگرچہ مشترک ہوں مثل رحیم اور کریم کے یہ صحیح تر قول ہیں ہم تعظیم میں خالص کی قید اس لیے لگائی کہ جو کلمات شامل ہوں دعا اور حاجت پر وہ نکل جائیں شامی نے کہا کہ لہ تعالیٰ متعلق تعظیم سے ہے نہ خالص سے ورنہ اس کے بعد دلو مشترکۃ نہ بنے گا اور اصح قول کا مخالف ذخیرہ اور خانیہ میں ہے کہ شروع نماز کو خالص لفظ اللہ اکبر سے مخصوص کیا ہے وخصہ الثانی باکبر وکبیر منکراً ومعرفاً زاد فی الخلاصۃ والکبار مخففاً و مثقلاً اور مخصوص کیا ہے شروع کو امام ابو یوسف نے لفظ اکبر اور کبیر سے خواہ ان کو نکرہ بے الف لام کے بولے یا الف لام کے ساتھ خلاصہ میں کبار کو بھی تخفیف اور تشدید کے ساتھ زیادہ کیا ہے ہم کبار بضم اول وتخفیف موحدہ خواہ تشدید آن بمعنی کبیر ہے یعنی ابو یوسف کے نزدیک اللہ اکبر یا اللہ الاکبر یا اللہ کبیر یا اللہ الکبیر یا اللہ کبار یا اللہ الکبار کہنے سے شروع نماز صحیح ہو جائے گا اور الفاظ سے صحیح نہ ہو گا شامی نے کہا کہ اس باب میں صحیح طرفین کا قول ہے چنانچہ کنز الدقائق میں کہا ہے کما صح لو شرع بغیر عربیۃ ای لسان کان جیسے کہ صحیح ہے اگر نماز کو شروع کیا عربی کے سوا دوسری زبان میں کوئی سی زبان ہو وخصہ البرعی بالفارسیۃ لمزیتھا بحدیث لسان اہل الجنۃ العربیۃ والفارسیۃ الدریۃ بتشدید الراء قہستانی اور خاص کیا ہے دوسری زبان کو احمد بن حسین بردعی نے فارسی کے ساتھ بسبب اس کے فائق ہونے کے اس حدیث سے کہ زبان جنت والوں کی عربی ہے اور دری فارسی اور لفظ دری راء مہملہ کی تشدید سے ہے کذا فی القہستانی ہم محشی اس حدیث کی تخریج کے درپے نہیں ہوئے اور دری منسوب ہے در کی طرف بمعنی دروازہ اور یہ زبان ان لوگوں کی ہے جو بادشاہی دروازوں پر رہتے ہیں اور فارس نام ایک قلعہ کا ہے جس کی طرف ایک قوم منسوب ہے ان لوگوں کی زبان عربی کے بعد اشرف اور مشہور تر ہے کذا فی الطحطاوی عن ابی السعود وشرطا عجزہ اور صاحبین نے دوسری زبان میں شروع نماز کے صحیح ہونے کے لیے عاجز ہونا نمازی کا عربی میں تکبیر کہنے سے شرط کیا ہے وعلی ہذا الخلاف الخطبۃ وجمیع اذکار الصلوۃ اور اسی خلاف پر ہیں خطبہ اور سب ذکر نماز کے یعنی امام اعظمؒ کے نزدیک اور زبانوں میں خطبہ اور ثنا اور دوسری دعائیں درست ہیں اور صاحبین کے نزدیک عربی سے عاجز ہونے کی صورت میں درست ہیں طحطاوی نے کہا کہ معتمد امام کا قول ہے واما ماذکرہ بقولہ او آمن او لبی او سلم او سمی عند ذبح او شہد عند حاکم او رد سلاما ولم ار لو شمت عاطسا وقرأ بہا عاجزاً فجائز اجماعاً اور جو امور کہ نماز کے ذکر میں داخل نہیں اور ان کو مصنف نے اپنے قول میں ذکر کیا ہے یعنی خواہ ایمان لایا یا لبیک کہا یا سلام کہا یا ذبح کے وقت خدا تعالیٰ کا نام لیا یا کسی حاکم کے سامنے گواہی دی یا جواب سلام کا دیا یا قرأت پڑھی عربی سے عاجز ہو کر تو یہ سب باتیں بالتفاق امام اور صاحبین کے غیر زبان میں جائز ہیں شارح نے کہا کہ اگر چھینک کا جواب غیر زبان میں دیا تو اس کا حکم میں نے نہیں دیکھا شامی نے حلبی سے نقل کیا کہ سلام کے جواب اور چھینک کے جواب میں کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا قید القرأۃ بالعجز لان الاصح رجوعہ الی قولہما وعلیہ الفتویٰ مصنف نے قرأت میں عربی سے عاجز ہونے کی قید لگائی اس لیے کہ صحیح تر ہے رجوع کرنا امام کا صاحبین کے قول کی طرف اور اسی پر فتویٰ ہے قلت وجعل العینی الشروع کالقراءۃ لا سلف لہ فیہ ولا سند یقویہ بل جعلہ فی التاتارخانیۃ کالتلبیۃ یجوز اتفاقا فظاہرہ کالمتن رجوعہما الیہ لا ہو الیہما فاحفظہ فقد اشتبہ علی کثیر من القاصرین حتی الشرنبلالی فی کل کتبہ قلت اور عینی نے شروع نماز کی تکبیر کو قرأت کے مانند کیا ہے یعنی غیر زبان میں اس کے صحیح ہونے کے لیے بھی قید عربی سے عاجز ہونے کی لگائی ہے نہ تو اس باب میں عینی کا کوئی سلف ہے جس نے پیشتر ایسا کہا ہو اور نہ کوئی سند اس کے دعوے کو قوت دیتی ہے بلکہ شروع کو تاتارخانیہ میں تلبیہ کے مانند ٹھہرایا ہے کہ غیر زبان میں باتفاق جائز ہے پس ظاہر تجویز تاتارخانیہ کا مثل متن تنویر الابصار کے یہ ہے کہ صاحبین نے امام کے قول کی طرف رجوع کیا ہے نہ یہ کہ امام نے صاحبین کی طرف رجوع کیا ہے تو اس کو یاد کر لے

کہ بہت سی کم توجہ کرنے والوں پر یہ امر مشتبہ ہوگیا ہے یہاں تک کہ شرنبلالی پر بھی اس کی سب کتابوں میں مشتبہ ہوگیا ہے سو خبردار ہو جا م صاحبین کے نزدیک نماز کے سب ذکر اور تکبیر تحریمہ دوسری زبان میں اس وقت درست ہوتے ہیں کہ عربی سے نمازی عاجز ہو اور امام کے نزدیک سوا قرأت کے سب اذکار و تحریمہ باوجود قدرت عربی کے غیر زبان میں جائز ہیں تو فقط امام صاحب نے قرأت کے باب میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع کیا ہے اس وجہ سے کہ قرآن ایک خاص عربی منظوم کا نام ہے جو بنقل متواتر ہم تک پہنچا ہے تو فارسی وغیرہ میں وہ منقول خاص باقی نہ رہے گا باقی رہا شروع کا حال تو اس میں امام صاحب کی دلیل قوی ہے یعنی وہ یہ فرماتے ہیں کہ شروع میں مطلوب ذکر اور تعظیم ہے یہ ہر زبان میں حاصل ہوسکتا ہے خصوصیت عربی کی نہیں پس عینی نے جو شروع کو قرأت کے مانند ٹھہرایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام نے صاحبین کا قول شروع نماز میں اختیار کیا حالانکہ ایسا نہیں کیوں کہ تاتارخانیہ میں شروع نماز کو تلبیہ کے موافق کہا ہے جو بالاتفاق دوسری زبان میں درست ہے اور اس متن میں بھی شروع نماز میں قید عاجزی کی نہیں لگائی جیسی قرأت میں لگائی ہے تو تاتارخانیہ کی ظاہر عبارت اور اس متن کی عدم تقیید اس بات کی دلیل ہیں کہ صاحبین نے شروع نماز میں امام کا قول اختیار کیا ہے نہ یہ کہ امام نے صاحبین کا قول لیا ہو جیسا عینی نے سمجھا کذا فی الشامی بتصرف **لا یصح ان اذن بھا علی الاصح** وان علم انہ اذان ذکرہ الحدادی واعتبر الزیلعی التعارف نہیں صحیح ہے اگر اذان دی غیر عربی میں صحیح تر قول کے بموجب اگرچہ لوگ یہ جانیں کہ وہ اذان ہے ذکر کیا ہے اس کو حدادی نے اور زیلعی نے تعارف کا اعتبار کیا ہے یعنی اگر اذان فارسی میں ہو اور لوگ جان جاویں کہ اذان ہوتی ہے تو درست ہوگی ورنہ جائز نہ ہوگی کیوں کہ اذان سے مقصود خبر کرنا نماز کا ہے وہ حاصل نہیں ہوا **فروع** مسائل ملحقہ شارح کے قرء بالفارسیۃ او التوریۃ او الانجیل ان قصۃ تفسد وان ذکرا لا قرأت پڑھے فارسی میں یا قرآن کی جگہ توریت یا انجیل پڑھے اگر کوئی قصہ پڑھا تو نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر ذکر پڑھا تو فاسد نہ ہوگی م ہدایہ میں کہا کہ فارسی میں قرأت سے نماز فاسد نہیں بلاخلاف بشرطیکہ جس قدر قرأت سے نماز درست ہوجائے اس قدر عربی میں پڑھ لی ہو اور قاضیخان نے کہا کہ صاحبین کے نزدیک نماز فاسد ہوجاتی ہے فتح القدیر میں ان دونوں قول میں یوں توفیق کی ہے کہ اگر فارسی میں قصوں کی جگہ یا امر و نہی کی جگہ سے پڑھیگا تو فاسد ہوجائے گی اور اگر ذکر اور تنزیہ کے مقام کو پڑھے گا اور اسی پر اکتفا کرے گا تب بھی فاسد ہوگی کہ نماز قرأت سے خالی رہ جائے گی اور کسی قدر قرآن اس کے ساتھ ملائے گا تو فاسد نہ ہوگی کذا فی الشامی والحق بہ فی البحر الشاذ اور بحرالرائق میں فارسی میں قرأت پڑھنے کے ساتھ قرآن کی روایت شاذ کو ملحق کیا ہے یعنی روایت شاذ کا حکم بھی اسی تفصیل سے ہے جیسا فارسی قرأت میں مذکور ہوا لکن فی النہر الاوجہ انہ لا یفسد ولا یجزی کا لتہجی لیکن نہرالفائق میں ہے کہ موجہ تر یہ ہے کہ روایت شاذ نماز کو فاسد نہیں کرتی اور نہ قرات واجب سے کافی ہوتی ہے چنانچہ ہجے کرکے پڑھنا قرآن کا مثلاً یوں کہنا آل ح م د لِ لٰ ا ہِ کہ وہ بھی مفسد نہیں اور نہ مقدار واجب کو کافی ہے م قرآن مجید کی روایات مشہور سات ہیں اور ائمہ قرأت دس ہیں تو متواتر روایتیں دس تک ہوسکتی ہیں پس جو روایت کہ ان دسوں روایتوں سے خالی ہوگی وہ شاذ ہے نہرالفائق میں کہا کہ وجہ اس کے مفسد نہ ہونے کی یہ ہے کہ روایت شاذ کے قرآن ہونے میں شک ہے تو شک سے نماز فاسد نہیں ہوتی بخلاف فارسی کے کہ وہ ہرگز قرآن نہیں کیوں کہ عرف میں قرآن عربی زبان ہی کو کہتے ہیں وتجوز کتابۃ آیۃ او آیتین بالفارسیۃ لا اکثر اور درست ہے لکھنا ایک آیت یا دو آیتوں کا فارسی میں نہ زیادہ کا طحطاوی سے حلبی نے نقل کیا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک یا دو آیت قلیل ہے اور قلیل معاف ہے نہ کثیر تو بدون ضرورت کے کثیر معاف نہ ہوگا اور ضرورت کی صورت میں زیادہ کے لکھنے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں ویکرہ وکتب تفسیرہ تحتہ بھا اور مکروہ ہے لکھنا قرآن کی تفسیر کا قرآن کے نیچے فارسی میں طحطاوی نے کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت میں حکم

ہے قرآن کے خالی رکھنے کا غیر قرآن سے اور فتح القدیر میں کافی سے منقول ہے کہ لکھنا قرآن کا اور تفسیر ہر حرف کی اور ترجمہ اس کے نیچے لکھنا جائز ہے اس سے معلوم ہوا کہ کراہت سے تنزیہی کراہت مراد ہے اور فارسی کی کچھ قید نہیں ہر زبان کا یہی حکم ہے تو مترجم کے نزدیک بہتر طریق یہ ہے کہ قرآن مجید متن میں اور ترجمہ حاشیہ پر لکھے تاکہ اس کراہت سے بچے **ولو شرع بمشوب حاجۃ کتعوذ وبسملۃ وحوقلۃ واللھم اغفرلی او ذکرھا عند الذبح لم یجز** اور اگر نماز کو شروع کیا ان لفظوں سے جو مخلوط ہیں نمازی کی حاجت کے ساتھ تو شروع درست نہ ہوگا جیسے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہنا کہ یہ قائم مقام دعا کے ہے گویا کہ یہ کہا کہ الٰہی مجھ کو پناہ دے شیطان سے اور جیسے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کرنا کہ یہ بھی برکت کے واسطے ہے تو گویا یوں کہا کہ الٰہی تو میرے واسطے برکت کر اور جیسے لاحول ولا قوۃ الا باللہ سے شروع کرنا کہ واقع میں یہ بھی دعا ہے تو گویا کہے گا کہ الٰہی مجھ کو اپنی معصیت سے پھیر دے اور اپنی طاعت پر قوت دے کہ سوا تیرے اور کسی کو یہ طاقت نہیں اور جیسے اللھم اغفرلی کہنا کہ صریح دعا ہے مغفرت کی پس ان سب سے شروع نماز کا جائز نہیں یا ذکر کیا اللھم اغفرلی کو ذبح کے وقت تو ذبح درست نہ ہوگا **بخلاف اللھم فقط فانہ یجوز فیھما فی الاصح** کیا اللہ بخلاف صرف لفظ اللھم کے کہ شروع اور ذبح دونوں میں جائز ہے صحیح تر قول میں مثل یا اللہ کے کہ وہ بھی شروع اور ذبح میں درست ہے باتفاق شامی اور طحطاوی نے کہا کہ اصح کی قید سے ان لوگوں کا قول نکل گیا جو عدم صحت شروع اور ذبح کے قائل ہیں چنانچہ جوہرہ میں اس قول کی تصحیح کی ہے اور اللھم بمعنی یا اللہ ہے **ووضع الرجل یمینہ علی یسارہ تحت سرتہ آخذا رسغھا بخنصرہ وابھامہ ھو المختار** اور رکھے مرد یعنی بعد تحریمہ کے اپنا داہنا ہاتھ بائیں پر نیچے ناف کے پکڑنے والا بائیں ہاتھ کی کلائی کو داہنی چھنگلی اور انگوٹھے سے یہی مختار ہے یعنی چھنگلی اور انگوٹھے کا حلقہ کر کے بائیں ہاتھ کی کلائی کو پکڑ لے اور باقی تین انگلیاں اس پر پھیلا دے اور بعضوں نے کہا کہ خنصر اور بنصر اور ابہام سے حلقہ کرے دو کو پہنچے پر رکھے مگر مختار اول طور ہے اور وجہ مختار ہونے کی یہ ہے کہ بعض احادیث میں ہاتھ کا رکھنا دوسرے ہاتھ پر مروی ہے اور بعض میں پکڑنا تو اس طرح رکھنے میں دونوں باتیں حاصل ہیں کذا فی الشامی بتصرف **وتضع المرأۃ والخنثی الکف علی الکف تحت ثدیھا** اور رکھے عورت اور خنثیٰ مشکل داہنی ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی پر اپنی دونوں پستانوں کے نیچے شامی نے کہا کہ نہر کے بعض نسخوں میں تحت ہے اور بعضوں میں علیٰ یعنی پستان کے اوپر رکھے مگر بہتر تھا کہ یوں کہتا کہ سینہ پر رکھے کہ اکثر فقہا نے سینہ پر رکھنا لکھا ہے نہ پستان پر **م** خنثیٰ اس کو کہتے ہیں جس میں مرد اور عورت دونوں کی علامت ہو پس اگر مرد کی علامت کو قوت ہوگی تو اس کو حکم مردوں کا ہوگا اور اگر عورت کی علامت کو غلبہ ہوگا تو اس کا حکم عورتوں کا سا ہے اگر کسی علامت کو غلبہ اور قوت نہ ہو تو وہ خنثیٰ مشکل ہے **کما فرغ من التکبیر بلا ارسال فی الاصح** ہاتھ رکھنے بمجرد فارغ ہونے کے اللہ اکبر کہنے سے بدون ہاتھ لٹکانے کے صحیح تر قول میں شامی نے کہا کہ ظاہر الروایت یہی ہے اور اس کا مقابل نوادر میں امام محمد سے مروی ہے کہ ثنا پڑھنے کے وقت دونوں ہاتھوں کو لٹکا رکھے جب سبحانک اللھم الخ سے فارغ ہو جائے تو ہاتھ باندھ لے **م** کاف کما فرغ کی طرح مبادرت کا کاف کہلاتا ہے **وھو سنۃ قیام** اور ہاتھوں کا باندھنا سنت ہے قیام کی یعنی شیخین کے نزدیک اور امام محمد کے نزدیک قرأت کی سنت ہے اس لیے ثنا میں ان کے نزدیک ہاتھوں کا لٹکانا اور ان کو نہ باندھنا اس وقت تک درست ہے کہ قرأت شروع کرے ظاہرہ ان القاعد لایضع ولم ارہ اور ہاتھوں کے باندھنے کو سنت قیام ٹھہرانے سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ بیٹھنے والا اپنے ہاتھ نہ باندھے اور میں نے اس کو مصرح نہیں دیکھا ثم رایت فی مجمع الانھر المراد من القیام ما ھو الاعم لان القاعد یفعل کذلک پھر میں نے مجمع الانہر میں دیکھا کہ مراد قیام سے وہ ہے جو عام ہے حقیقی اور حکمی سے اس لیے کہ بیٹھنے والا بھی ایسا ہی کرتا ہے یعنی ہاتھ وہ بھی باندھتا ہے

تو معلوم ہوا کہ قیام خواہ حقیقی ہو یا حکمی ہاتھوں کا باندھنا سب کی سنت ہے حکمی قیام جیسے نفل میں بیٹھنا اور فرضوں میں عذر کی جہت سے بیٹھنا کہ یہ نشست قائم مقام قیام کی ہے **لہ قرارٌ فیہ ذکرٌ مسنونٌ فیضع حالۃ الثناء وفی القنوت وتکبیرات الجنازۃ** ہاتھوں کا باندھنا اس قیام کی سنت ہے جس میں طول ہو اور اس میں کوئی ذکر مشروع ہو یعنی جس کے پڑھنے کا حکم ہو خواہ وہ ذکر فرض ہو یا واجب یا سنت اس سے یہ نکلا کہ ہاتھ باندھے ثنا پڑھنے کے وقت اور قنوت کے اندر اور جنازہ کی تکبیروں میں کیوں کہ ان قیاموں میں ذکر مشروع پایا جاتا ہے **ہم** اسی طرح خطبہ پڑھنے کے وقت ہاتھ باندھنے چاہییں کہ وہ بھی ذکر مشروع سے خالی نہیں **لا لیس فی قیام متخلل بین رکوع وسجود لعدم القرار ولا بین تکبیرات العیدین** لعدم الذکر مالم یطل القیام فیضع سراج نہیں مسنون ہے ہاتھ باندھنا رکوع اور سجدہ کے درمیان کے قیام میں بسبب نہ زیادہ ہونے قیام کے یعنی اگرچہ قومہ میں ذکر مسنون موجود ہے کہ سمع اللّٰہ لمن حمدہ یا ربنا ولک الحمد کہنا پڑتا ہے مگر چوں کہ اس قیام میں طول نہیں تو ہاتھ باندھنا مسنون نہیں اور نہیں مسنون عیدین کی تکبیروں میں ہاتھوں کا باندھنا بسبب نہ ہونے ذکر کے جب تک کہ قیام کو طول نہ دے اور اگر طول دے تو ہاتھ باندھ لے کذا فی السراج طحطاوی نے کہا تو ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ التسبیح کے قومہ میں ہاتھوں کا باندھنا مسنون ہو اس وجہ سے کہ اس میں طول اور ذکر مسنون دونوں ہیں **وقرأ کما کبر سبحانک اللّٰہم تارکا وجل ثناءک الا فی الجنازۃ مقتصراً علیہ فلا یضم** وجہت وجہی الا فی النافلۃ ولا تفسد بقولہ وانا اول المسلمین فی الاصح اور پڑھے بمجرد تکبیر کہنے کے (سبحانک۱؎ اللّٰہم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الٰہ غیرک) کلمہ وجل ثناءک چھوڑ کر یعنی بعد تعالیٰ جدک کے وجل ثناءک نہ کہے سوائے نماز جنازہ کے کہ اس میں اس لفظ کا زیادہ کرنا مسنون ہے درحالیکہ اکتفا کرنے والا ہو اسی ثنا پر یعنی اس میں وجہت وجہی الخ نہ ملا دے بجز نماز نفل کے کہ اس میں اس کا ملانا ثنا کے ساتھ جائز ہے اور نماز فاسد نہیں ہوتی صحیح تر قول میں نمازی کے اس کہنے سے وانا اول المسلمین یعنی میں پہلا ہوں سب مسلمانوں کا م منیہ میں کہا کہ اگر جل ثناءک بھی کہے گا تو نماز میں کچھ حرج نہ ہوگا اور وجہت وجہی پوری اس طرح ہے (وجہت۲؎ وجہی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفاً وما انا من المشرکین ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العالمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین) اس کو نفل نماز میں ثنا کے ساتھ ملانے اور متاخرین نے اس کو اختیار کیا ہے کہ تحربہ سے بیشتر اس کو کہہ لے اور اصح قول کا مقابل وہ ضعیف قول ہے کہ نماز فاسد ہو جاتی ہے اس لیے کہ انا اول المسلمین اس کی طرف سے جھوٹ ہوتا ہے بحر الرائق میں کہا کہ احادیث صحیحہ میں اس کا پڑھا جانا ثابت ہے تو مفسد نماز نہیں ہو سکتا علاوہ اس کے جھوٹ اس وقت ہو کہ نمازی اپنے حال کی خبر دیتا ہو اس کی غرض تو صرف قصد تلاوت ہے تو جھوٹ کیسے ہوگا کذا فی الشامی **ملتقطً الا اذا شرع الامام فی القراءۃ سواء کان مسبوقاً او مدرکاً** وسواء کان امامہ یجہر بالقراءۃ اولا فانہ لا یاتی بہ لما فی النہر عن الصغری ادرک الامام فی القیام یثنی مالم یبدء بالقراءۃ تکبیر تحریمہ کہتے ہی ثنا پڑھے مگر جب امام قرأت پڑھنے لگا ہو تو اس وقت مقتدی ثنا نہ پڑھے خواہ مقتدی کچھ نماز ہو جانے کے بعد ملا ہو یا شروع سے امام کا شریک ہوا اور برابر ہے کہ اس کا امام قرأت پکار کر پڑھتا ہو یا نہیں اس لیے کہ نہر الفائق میں صغریٰ سے منقول ہے کہ امام کو مقتدی نے قیام میں پایا تو ثنا پڑھے جب تک کہ امام نے قرأت شروع نہ کی ہو طحطاوی نے حلبی سے نقل کیا کہ عبارت متن سے معلوم ہوتا تھا کہ

۱؎ میں پاکی بیان کرتا ہوں تیری اے اللّٰہ اور تعریف کرتا ہوں تیری حمد سے اور بہت خیر والے ہیں تیرے نام اور بڑی ہے عظمت تیری اور کوئی نہیں معبود سوا تیرے ۱۲.....

۲؎ میں نے اپنا منہ پھیرا اس کی طرف جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو ایک رخا ہو کر اور نہیں ہوں میں شرک کرنے والوں سے بے شک نماز میری اور عبادت اور جینا اور مرنا اللّٰہ کے لیے ہے جو پروردگار ہے عالموں کا کوئی اس کا ساجھی نہیں اور اسی کا حکم مجھ کو ہوا اور میں اول ہوں مسلمانوں کا ۱۲

امام آہستہ پڑھنے کی صورت میں قراءت شروع کر دے تب بھی ثناء کا پڑھنا جائز ہے اس لیے شارح نے متن کی عبارت کو قول صحیح کی طرف پھیر دیا وقیل فی المخافتة یثنی اور بعضوں نے کہا کہ امام کے آہستہ پڑھنے کی صورت میں ثنا پڑھ لے ہم حلبی نے اس قول کے ضعف کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جب مقتدی سے امام کے پیچھے قراءت ساقط ہو گئی جو فرض تھی تو ثنا جو نفل ہے بطریق اولیٰ ساقط ہونی چاہیے ولو ادرکہ راکعًا او ساجدًا ان اکبر رایہ انہ یدرکہ اتی بہ اور اگر امام کو رکوع یا سجدہ کرتے پایا تو اگر مقتدی کا گمان غالب ہو کہ ثنا پڑھ کر امام سے مل جائے گا تو ثنا پڑھ لے طحطاوی نے شرنبلالی سے نقل کیا کہ اگر امام کو رکوع میں پایا تو تحریمہ کہہ کر رکوع کرے اور ثنا کو ترک کرے اور اگر سجدہ میں پا دے تو بعد تحریمہ کے ثنا پڑھے اور سجدہ میں شریک ہو اور یہی حال قعدہ کا ہے **وکما استفتح تعوّذ** بلفظ اعوذ علی المذہب اور جب ہی کہ دعا شروع یعنی ثناء کی پڑھ چکے شیطان سے پناہ مانگے اعوذ کی لفظ سے بنا بر مذہب قوی کے یعنی اعوذ پڑھے بدون اس بات کے کہ ثنا میں اور اس میں تاخیر کرے یا کوئی اور چیز پڑھے اور اعوذ باللہ کہے استعیذ باللہ نہ کہے اگرچہ ہدایہ میں استعیذ لکھا ہے سرًا قید للاستفتاح ایضًا فھو کالتنازع اعوذ پڑھے آہستہ شارح نے کہا کہ سرًا ثناء پڑھنے کی بھی قید ہے یعنی دونوں کو آہستہ پڑھے تو یہ لفظ مثل تنازع کے ہوا یعنی جیسے دو فعل ایک اسم میں تنازع کرتے ہیں فاعل اور مفعول ہونے میں ویسے لفظ سرًا دو فعلوں تعوذ اور قراءۃ کے بعد دونوں کی قید واقع ہوا ہے تو تنازع کے مشابہ ہوا اور خود تنازع اس لیے نہ کہا کہ تنازع مفعول لہ اور تمیز اور حال میں نہیں ہوتا اور سرًا یہاں حال ہے یا مفعول مطلق فعل محذوف کا **لقراءۃ** فلو تذکرہ بعد الفاتحة ترکہ ولو قبل اکمالہا تعوّذ وینبغی ان یستانفہا ذکرہ الحلبی اعوذ پڑھے قراءت کے لیے اس سے یہ نکلا کہ اگر بعد الحمد کے اعوذ کا نہ پڑھنا یاد پڑا تو اس کو ترک کرے اور اگر الحمد کے پورا کرنے کے پیشتر یاد ہوا تو اعوذ پڑھ لے اور چاہیے یوں کہ الحمد کو از سر نو پڑھے ذکر کیا ہے اس کو حلبی نے ہم شامی نے کہا کہ اصل مسئلہ خلاصہ میں مذکور ہے حلبی نے اس کو بے موقع سمجھ لیا اس لیے ایسا لکھا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ قراءت کو جو فرض ہے چھوڑ کر اعوذ پڑھے جو سنت ہے پس تحقیق اس باب میں وہ ہے جو فقیہ ابوجعفر نے نوادر میں بیان کی ہے کہ اگر تکبیر کے بعد قراءت شروع کر دی اور ثناء اور تعوذ کو بھول گیا تو ان کو ترک کرے اس لیے کہ ان کے پڑھنے کا موقع جاتا رہا ولا یتعوذ التلمیذ اذا قرء علی استاذہ ذخیرہ ای لایسن فلیحفظ اور اعوذ نہ پڑھے شاگرد جب اپنے استاد کے پاس سبق پڑھے کذا فی الذخیرۃ یعنی اعوذ پڑھنا اس کو مسنون نہیں تو اس کو یاد رکھنا چاہیے یعنی چوں کہ اعوذ پڑھنا قراءت قرآن کے لیے مسنون ہے اس لیے اور عبارت کے پہلے پڑھنا مسنون نہ ہوگا **فیاتی بہ المسبوق عند قیامہ لقضاء ما فاتہ لقراءۃ لا المقتدی** لعدمہا پس اعوذ پڑھے مسبوق جس وقت کھڑا ہو اپنی باقی نماز پوری کرنے کو اعوذ پڑھنا اس لیے کہ اس کو باقی نماز میں قراءت پڑھنی ہوگی نہ اعوذ پڑھے مقتدی بسبب نہ پڑھنے قراءت کے **ویوخر** الامام التعوذ **عن تکبیرات العید** لقراءتہ بعدہا اور امام اعوذ کو عید کی تکبیروں سے پیچھے پڑھے بوجہ قراءت پڑھنے کے بعد تکبیروں کے ہم طرفین کے نزدیک اعوذ قراءت کا تابع ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک ثنا کا تابع تو ان کے نزدیک ثناء کے بعد پڑھنا چاہیے اس صورت میں تکبیروں سے پہلے اعوذ پڑھنا ہوگا اور خلاصہ میں اسی کو اصح کہا ہے مگر قاضی خان اور ہدایہ و کافی وغیرہا میں مختار طرفین کا قول ہے اور شرح منیہ میں کہا کہ اسی کو ہم لیتے ہیں کذا فی الشامی **وکما تعوّذ سمی** غیر المؤتم بلفظ البسملة لا مطلق الذکر کما فی ذبیحة و وضوء سرًا **فی اوّل کل رکعة** ولو جہریة اور بعد اعوذ پڑھنے کے غیر مقتدی یعنی امام اور تنہا پڑھنے والا اللہ کا نام لے بلفظ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ مطلق ذکر جیسے ذبیحہ اور وضو میں مطلق ذکر کافی ہے خصوصیت بسم اللہ کی نہیں بسم اللہ کہے ہر رکعت کے شروع میں آہستہ سے اگرچہ رکعت جہری ہو ہم غیر مقتدی کی قید اس لیے لگائی کہ مقتدی قراءت نہیں پڑھتا اور ہر رکعت کے شروع میں اسلیے

بسم اللہ پڑھے کہ ہر رکعت نماز مستقل کی جگہ ہے اور جہری کی قید منیہ کے قول کے رد کرنے کے لیے ہے کہ بسم اللہ سری نماز میں پڑھے نہ جہری میں حالانکہ یہ قول غلط ہے کذا فی الطحطاوی **لا تسن بین الفاتحۃ والسورۃ مطلقًا ولو سریۃ ولا تکرہ اتفاقًا** نہیں مسنون ہے بسم اللہ کہنا الحمد اور سورہ کے درمیان میں مطلق خواہ پہلی رکعت ہو یا اور کوئی اگرچہ نماز سری ہو اور نہیں مکروہ ہے بسم اللہ کہنا سورۃ پر بالاتفاق ھ شامی نے کہا کہ وجہ نہ مکروہ ہونے کی یہ ہے کہ بعض کے نزدیک بسم اللہ ہر سورہ کی آیت ہے تو بسم اللہ کہہ لینے سے شبہ اختلاف جاتا رہے گا بلکہ ذخیرہ اور مجتبیٰ میں تصریح کی کہ سورہ سے پیشتر اس کا کہہ لینا اچھا ہے وما صححہ الزاہدی من وجوبھا ضعفہ فی البحر اور زاہدی نے جو بسم اللہ کے واجب ہونے کی یعنی الحمد کے شروع میں تصحیح کی ہے اس کو بحر الرائق میں ضعیف کہا ہے اس وجہ سے کہ مخالف ظاہر مذہب کے ہے جو متون اور شروح اور فتاویٰ میں مذکور ہے اور نہر الفائق میں کہا کہ حق یہ ہے کہ دونوں قول مرجح ہیں **وہی آیۃ واحدۃ من القرآن کلہ انزلت للفصل بین السور** اور بسم اللہ ایک آیت ہے تمام قرآن میں سے اتری ہے سورتوں میں جدائی کرنے کو شامی نے کہا کہ تو الحمد کے شروع میں تبرک کے لیے مذکور ہے فما فی النمل بعض آیۃ اجماعًا تو جو سورہ نمل میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے وہ آیت کا ٹکڑا ہے بالاتفاق یعنی شروع آیت انہ من سلیمان سے ہے اور انتہا وا تونی مسلمین پر **ولیست من الفاتحۃ ولا من کل سورۃ** فی الاصح اور بسم اللہ الحمد کا جز نہیں اور نہ ہر سورہ کا صحیح تر قول میں ھ شارح کو مناسب تھا کہ من الفاتحہ کے بعد فی الاصح کو ذکر کرتا تاکہ حلوانی کے قول کا رد ہوتا کہ اس نے لکھا ہے کہ اکثر مشائخ کے نزدیک بسم اللہ فاتحہ کا جز ہے اور ہر سورۃ کا جز ہے سوا سورہ توبہ کے تو امام شافعی فرماتے ہیں تو ان کے خلاف و رفع کرنے کو فی الاصح کہنا فقہاء کا دستور نہیں **فتحرم علی الجنب ولم تجز الصلوۃ بھا احتیاطًا** پس بسم اللہ کہنا حرام جنب کو اور اسی طرح حائض اور نفسا کو اور نہیں جائز ہے صرف بسم اللہ سے نماز احتیاط کی راہ سے ھ شامی نے کہا کہ احتیاطًا دونوں مسئلوں کی علت ہے یعنی چونکہ بسم اللہ بوجہ متواتر لکھے جانے کے قرآن میں اس کا جز معلوم ہوتی ہے اس لیے احتیاطًا اس کا پڑھنا جنب کو حرام ہوا اور اس وجہ سے کہ امام مالک اس کو قرآن نہیں کہتے تو قرآن ہونا اس کا مشکوک ٹھہرا اس لیے احتیاط اس میں ہوئی کہ اس سے نماز جائز نہ ہو کیونکہ فرضیت قراءت یقینی ہے وہ مشکوک چیز کے پڑھنے سے ادا نہ ہوگی **ولم یکفر جاحدھا للشبھۃ** اختلاف مالک فیھا اور بسم اللہ کا منکر کافر نہیں اسی سے کہ اس میں امام مالک کے اختلاف کا شبہ ہے یعنی اس شبہ سے قطعی قرآن نہ رہا کہ اس کا منکر کافر ہوتا **وکما سمی قرأ المصلی لو امامًا او منفردًا الفاتحۃ** اور بسم اللہ پڑھتے ہی نمازی اگر امام یا اکیلا ہو تو فاتحہ پڑھے یعنی مقتدی ہو تو نہ پڑھے **وقرأ بعدھا وجوبًا سورۃ او ثلث آیات ولو کانت الآیۃ او الآیتان تعدل ثلث آیات قصار انتفت کراھۃ التحریم ذکرہ الحلبی ولا ینتفی التنزیھیۃ الا بالمسنون** اور پڑھے بعد الحمد کے واجب ہونے کی راہ سے کوئی سورہ قرآن کی یا تین آیتیں اور اگر ایک آیت یا دو آیتیں برابر ہوں تین چھوٹی آیتوں کے تو کراہت تحریمی زائل ہو جائے گی ذکر کیا ہے اس کو حلبی نے اور کراہت تنزیہی دور نہ ہوگی مگر مسنون قرأت سے ھ سورۃ کہنے سے اشارہ ہوا کہ الحمد کے بعد فرضوں میں افضل ایک ہی سورہ کا پڑھنا ہے اور اگر دو یا زیادہ پڑھے گا تب بھی کراہت نہیں اور قرأت مسنون یہ ہے کہ فجر اور ظہر میں طوال[51] مفصل پڑھے اور عصر اور عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل کذا فی الشامی **وامّن بمد وقصر وامالۃ** اور آمین کہے الف کی مد کے ساتھ اور قصر کے ساتھ اور امالہ کے ساتھ ھ آمین مد کے ساتھ بروزن یاسین ہے اور قصر کے ساتھ امین بروزن قرین ہے اور امالہ[52] کے ساتھ ایمین بروزن بے کین ہے ان تینوں طرح

[51] ان کا بیان آگے آوے گا ۱۲ [52] الف کے پہلے زبر کو اتنا جھکا کر پڑھنا کہ الف تحتانی کی طرف مائل ہو جاوے امالہ کہلاتا ہے یعنی الف کو یائے مجہول کر دینا اور اس کے پہلے کے فتحہ کو کسرہ سے بدل لینا ۱۲

سے کہنا جائز ہے ولا تفسد بمد مع تشدید او حذف یاء بل بقصر مع احدہما او بمد معہما وہذا مما تفردت بتحریرہ اور نماز فاسد نہیں ہوتی مد الف سے
تشدید میم کے ساتھ یا حذف ی کے ساتھ بلکہ فاسد ہوتی ہے قصر سے تشدید یا حذف کے ساتھ اور مد سے دونوں کے ساتھ اور یہ وہ تنقیح
ہے کہ اس میں مَیں ہی تنہا ہوں اور کسی نے نہیں بیان کی ھ حاصل یہ ہے کہ آمین کی آٹھ صورتیں شارح نے بیان کی پانچ سے نماز نہیں ہوتی اور تین سے فاسد
ہو جاتی ہے جن سے نہیں ہوتی ان میں سے تین تو اوپر بیان کر دیں مع ان کے وزن کے چوتھی صورت الف کو مد کے ساتھ اور میم کو مشدد پڑھنا
یعنی آمّین بروزن ضالین پانچویں صورت الف کو ممدود پڑھنا اور ی کو دور کر دینا جیسے آمن بروزن ضامن تو ان پانچوں صورتوں میں
نماز فاسد نہ ہوگی اس لیے کہ قرآن میں یہ الفاظ یعنی امین اور آمین اور آمن موجود ہیں اور امالہ بھی جائز ہے اور تین صورتیں نماز کی مفسد ہیں
اوّل الف مقصور پڑھنا مع تشدید میم یعنی امّین دوسرے الف کو مقصور پڑھنا مع حذف ی یعنی امن تیسرے الف کو مد پڑھنا تشدید اور حذف
دونوں کے ساتھ یعنی آمّن یہ الفاظ قرآن میں نہیں ہیں اس لیے مفسد ہیں حلبی نے کہا کہ ایک صورت مفسد نماز اور رہ گئی یعنی الف کو مقصور پڑھنا
مع تشدید اور حذف دونوں کے یعنی امّن تو اگر شارح یوں کہتا او بمد او بقصر معہما تو سب آجاتے الامام سرًا کما موم ومنفرد ولو فی السریۃ
اذا سمعہ ولو من مثلہ فی نحو جمعۃ وعید آمین کہے امام آہستہ مثل مقتدی اور تنہا پڑھنے والے کے اگرچہ مقتدی نماز سری میں ہو بشرطیکہ مقتدی امام
کی آمین سنے گو خود جیسے مقتدی سے یا بواسطہ سنے مثل جمعہ اور عیدین یعنی انبوہ کثیر کی جماعت میں امام کی آمین بلا واسطہ نہ سنے بلکہ دوسرے
مقتدی سے سنے ھ امام مالک کے نزدیک آمین صرف مقتدی کہے نہ امام اور امام شافعی کے نزدیک امام اور مقتدی دونوں پکار کر کہیں اس
لیے مصنف نے کہا کہ سب آمین آہستہ کہیں اور بعضوں نے کہا مقتدی نماز سری میں آمین نہ کہے اگرچہ امام کی آمین سنے کذا فی الشامی

واما حدیث اذا امن الامام فامنوا فمن التعلیق بمعلوم الوجود فلا یتوقف علی سماعہ منہ بل یحصل تمام الفاتحۃ بدلیل اذا قال الامام ولا الضالین فقولوا آمین
اور یہ جو صحیحین کی حدیث میں آیا ہے کہ جب امام آمین کہے تو آمین کہو کہ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے سے موافق پڑے گا اس کے
پیشتر کے گناہ بخشے جائیں گے تو اس میں مقتدیوں کا آمین کہنا شرط معلوم الوجود پر معلق ہے اس لیے امام سے سننے پر موقوف نہ رہے
گا بلکہ فاتحہ کے تمام ہونے پر حاصل ہوگا دوسری حدیث کی دلیل سے کہ جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو کہ فرشتے آمین کہتے ہیں
سو جس کی آمین موافق ہوگی فرشتوں کی آمین کے اس کے پیشتر کے گناہ بخشے جائیں گے اس حدیث کو عبدالرزاق اور نسائی اور ابن
حبان نے روایت کیا ہے ھ یعنی صحیحین کی حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی امام سے سن کر آمین کہیں اور شارح کے بیان
سے پایا جاتا ہے کہ مقتدی دوسرے سے سن کر آمین کہیں حالانکہ یہ حدیث کے مخالف ہے تو شارح اس کا جواب دیتا ہے
کہ حدیث میں آمین کہنے کو ایک شرط معلوم الوجود پر مشروط کیا ہے یعنی جگہ آمین کہنے کی مقرر کر دی ہے بدلیل دوسری حدیث کے کہ
جب امام ولا الضالین کہے تو آمین کہو اس سے یہ غرض ہے کہ جب الحمد کا تمام ہونا معلوم کر لو تو آمین کہو پس آمین کہنا امام سے سننے پر
موقوف نہیں بلکہ الحمد کی تمامی معلوم کرنے پر ہے خواہ امام سے سن کر تمامی کا علم ہو یا مقتدی سے سن کر کذا فی الطحطاوی ملتقطًا ثم
کما فرغ یکبر مع الانحطاط للرکوع پھر قراءت سے فارغ ہو کر رکوع کے لیے اللہ اکبر کہے جھکنے کے ساتھ ہی یعنی مسنون یہ ہے کہ جھکنا
اور اللہ اکبر کہنا ایک ساتھ شروع ہوں ولا یکرہ وصل القراءۃ بتکبیرۃ اور مکروہ نہیں قراءت کا ملا دینا رکوع کے اللہ اکبر میں یعنی آخر
حرف قراءت کو لام اللہ اکبر میں ملانا مکروہ نہیں مثلاً سورہ الم نشرح کا خاتمہ فارغب پر ہے تو اگر اس کی ب کو اللہ اکبر میں زیر سے ملا کر پڑھے
گا تو مکروہ نہ ہوگا ھ شامی نے تاتارخانیہ سے اس باب میں یہ تفصیل ذکر کی ہے کہ آخر سورہ میں ثنا ہو مثلاً کبرہ تکبیرًا تو ایسی صورت میں

ف الانحطاط

ملانا بہتر ہے ورنہ جدا کرنا بہتر ہے جیسے سورہ کوثر کا آخر کہ اس کو ملانا بہتر نہیں ولو بقی حرف او کلمۃ فاتمہ حالۃ الانحناء لا باس بہ عند البعض
منیۃ المصلی اور اگر قراءت میں سے کوئی حرف یا کلمہ باقی رہا اور اس کو جھکنے کی حالت میں پورا کیا تو بعض کے نزدیک کچھ مضائقہ نہیں کذا فی منیۃ
المصلی شامی نے کہا کہ یہ قول ضعیف ہے معتمد یہی ہے کہ سب قرأت کو پوری کر کے رکوع کرے **ویضع یدیہ معتمدا بہما علی رکبتیہ** ویفرج
اصابعہ للتمکن اور اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں زانو پر سہارا دے کر رکھے اور ہاتھوں کی انگلیوں کو پھیلا دے تمکن کے لیے یعنی تا کہ گھٹنوں
کو اچھی طرح پکڑ سکے طحطاوی نے کہا کہ ہاتھوں کا رکھنا اور ران سے گھٹنوں کا پکڑنا اور انگلیوں کا کشادہ رکھنا سنت ہے ویسن ان یلصق کعبیہ
وینصب ساقیہ **ویبسط ظہرہ** ویسوی ظہرہ بعجزہ **غیر رافع ولا منکس راسہ** اور مسنون ہے رکوع میں اپنے دونوں ٹخنوں کا ملانا اور دونوں پنڈلیوں
کا سیدھا کھڑا رکھنا اور اپنی پشت کا پھیلانا اور پشت کو سرین کے برابر رکھنا بدون سر کے ابھارنے یا نیچے ڈالنے کے یعنی سر بھی کمر کے برابر
رہے نہ اونچا ہو نہ نیچا شامی نے کہا کہ پنڈلیوں کو کمان کی طرح کرنا جیسے اکثر عوام کرتے ہیں مکروہ ہے اور شارح کو مناسب تھا کہ لفظ
یسن کو یضع کے پیش لاتا تا کہ وضع اور زانو کے پکڑنے وغیرہ سنتوں کو شامل ہوتا اور یہ سب سنتیں مردوں کے حق میں ہیں اور عورتیں رکوع
میں تھوڑا جھکیں اور انگلیاں نہ پھیلا دیں بلکہ ملی رکھیں اور ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لیں یعنی پکڑنا ان کو مسنون نہیں اور اپنے گھٹنوں کو جھکا لیں اور
بازوؤں کو علیحدہ نہ کریں **ویسبح فیہ واقلہ** ثلثا فلو ترکہ او نقصہ کرہ تنزیہا اور رکوع میں تسبیح کہے اور کمتر تسبیح تین بار ہے پس اگر تسبیح کو ترک کریگا
یا کم کرے گا تو مکروہ تنزیہی ہوگا امام احمد کے نزدیک ایک بار تسبیح واجب ہے اور حلبی بھی وجوب کی طرف مائل ہے تو تسبیح ضرور کہنی
چاہیے تا کہ اختلاف سے بچاؤ رہے وکرہ تحریما اطالۃ رکوع او قراءۃ لادراک الجائی ای ان عرفہ والا فلا باس بہ اور مکروہ تحریمی ہے رکوع یا قرأت
کا دراز کرنا اس غرض سے کہ آنے والا نماز میں ملجائے یعنی اگر امام اس کو پہچان کر طول دے تو مکروہ ہوگا ورنہ کچھ مضائقہ نہیں شامی نے کہا
کہ اس صورت میں طول اس قدر ہے کہ دوسرے مقتدیوں پر بار نہ ہو اور لفظ لا باس سے معلوم ہوا کہ طول نہ دینا افضل ہے ولو اراد التقرب
الی اللہ تعالی لم یکرہ اتفاقا لکنہ نادر وتسمی مسئلۃ الریا فینبغی التحرز عنہا اور اگر امام نے طول قراءت یا رکوع سے صرف اللہ تعالے کا
تقرب ارادہ کیا نہ آنے والے کا ملجانا تو مکروہ نہ ہوگا بالاتفاق مگر خاص تقرب الٰہی کی نیت ہونی کم یاب ہے اور یہ مسئلہ مسمی بہ مسئلہ
نمود ہے تو اس سے احتراز چاہیے واعلم ان مما یبتنی علی لزوم المتابعۃ فی الارکان انہ **لو رفع الامام راسہ** من الرکوع والسجود **قبل ان یتم
الماموم التسبیحات** الثلاث **وجب متابعتہ** وکذا عکسہ فیعود ولا یصیر ذلک رکوعین اور جان کہ ارکان میں امام کی پیروی لازم
ہونے پر یہ مسئلہ مبنی ہے کہ اگر امام نے اپنا سر رکوع یا سجدہ سے اٹھایا پیشتر اس سے کہ مقتدی تین بار تسبیح پوری کرے تو مقتدی کو
امام کی متابعت واجب ہے یعنی جس قدر تسبیح رہ گئی اس کو ترک کر کے امام کے ساتھ ہی سر اٹھالے اور اسی طرح حکم ہے اس کے عکس
کا یعنی اگر مقتدی نے امام کی تسبیحیں پوری ہونے سے پیشتر سر اٹھالیا مثلاً رکوع سے تو متابعت امام کی واجب ہے یعنی پھر سے رکوع
میں چلا جائے اگر نہ جائے گا تو مکروہ تحریمی کا مرتکب ہوگا اور یہ دو رکوع نہ ہوں گے کیونکہ دوبارہ رکوع پہلے کی تکمیل کے لیے ہے نہ بطور
مستقل کذا فی الحلبی **بخلاف سلامہ** او قیامہ لثالثۃ **قبل اتمام الموتم التشہد** فانہ لا یتابعہ بل یتمہ لوجوبہ ولو لم یتم جاز بخلاف امام کے
سلام پھیرنے اور تیسری رکعت کے لیے اٹھنے کے پیشتر مقتدی کی التحیات پوری کرنے کے کہ مقتدی متابعت امام کی نہ کرے بلکہ التحیات
کو تمام کرے بسبب واجب ہونے التحیات کے اور اگر التحیات پوری نہ کرے گا اور امام کے ساتھ سلام پھیر دے گا یا تیسری رکعت کے
لیے کھڑا ہوگا تو جائز ہوگا اس وجہ سے کہ جیسے التحیات واجب ہے متابعت بھی واجب ہے تو ایک واجب کو ترک کر کے دوسرے کا کرنا

بلاکراہت درست ہوگا کذا فی الطحطاوی مگر حلبی نے کہا کہ نماز درست ہوگی کراہت تحریمی کے ساتھ کیوں کہ التحیات کے پورا کرنے سے متابعت بالکل نہ جائے گی بلکہ اس میں تاخیر واقع ہوگی اور متابعت کرنے سے التحیات کا بقیہ فوت ہوجائے گا اور پوری تقریر شامی میں ہے ولو سلم والمؤتم فی ادعیۃ التشہد تابعہ لانہا سنۃ والناس عنہ غافلون اور اگر امام سلام پھیرے اور مقتدی تشہد کی دعائیں پڑھتا ہو تو امام کی متابعت کرے کیوں کہ وہ مسنون ہیں واجب نہیں کہ ان کا پورا کرنا ضرور رہو اور لوگ اس امر سے غافل ہیں یعنی دعائیں پڑھتے رہ جاتے ہیں امام کے ساتھ سلام نہیں پھیرتے سنت کے لیے واجب میں تاخیر کرتے ہیں شامی نے کہا کہ دعامیں درود داخل ہے **ثم یرفع راسہ من رکوعہ مسمعًا** پھر رکوع سے اپنا سر اُٹھاوے سمع اللہ لمن حمدہ[۱] کہتا ہوا یعنی سر اٹھانے کے ساتھ ہی یہ الفاظ شروع کرے نہ جھکے ہوئے نہ سیدھا ہو کر فی الولوالجیۃ لو ابدل النون لا ماتفسد ولوالجیۃ میں ہے کہ اگر نون کو لام سے بدلا کرے گا یعنی لمن حمدہ کی جگہ لمل حمدہ کہے گا تو نماز فاسد ہوگی اس لیے کہ بے معنی لفظ ہوگیا شامی نے کہا کہ منیۃ المصلی میں ہے کہ غالبًا فاسد نہ ہوگی حلبی شارح منیہ نے کہا کہ اس کا حکم توتلے آدمی کا سا ہے یعنی اگر قادر نہ ہوگا صحیح کہنے پر تو فاسد نہ ہوگی وہل یقف بجزم او تحریک قولان اور کیا وقف کرے حمدہ کی ہ پر جزم یا حرکت سے اس میں دو قول ہیں یعنی جو لوگ اس ہ کو سکوت کے لیے کہتے ہیں وہ جزم پر وقف کرتے ہیں اور جو ضمیر کہتے ہیں وہ مع اشباع کے ساتھ کہتے ہیں کذا فی الشامی **ویکتفی بہ الامام** وقالا یضم التحمید سرًا **ویکتفی بالتحمید المؤتم** اور کفایت کرے سمع اللہ لمن حمدہ پر امام اور صاحبین نے کہا کہ اس میں ربنا[۲] ولک الحمد آہستہ سے ملادے اور کفایت کرے ربنا ولک الحمد پر مقتدی طحطاوی نے کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا ولک الحمد کہو وافضلہ اللہم ربنا ولک الحمد ثم حذف الواو ثم حذف اللہم فقط اور تحمید کے کلمات میں سے افضل اللہم ربنا ولک الحمد ہے پھر حذف کرنا واو کا یعنی اللہم ربنا لک الحمد پھر حذف کرنا صرف اللہم کا بدون حذف واو کے یعنی ربنا ولک الحمد شامی نے کہا کہ اس کے بعد چوتھی صورت یہ ہے کہ اللہم اور واو دونوں محذوف ہوں یعنی ربنا لک الحمد اور واو میں اختلاف ہے بعض زائد کہتے ہیں اور بعض عاطفہ **ویجمع بینہما لو منفردًا** علی المعتمد یسمع رافعًا ویحمد مستویًا اور ان دونوں کو جمع کرے اگر تنہا پڑھتا ہو مذہب معتمد پر یعنی سمع اللہ لمن حمدہ کہے سر اٹھاتے وقت اور تحمید کہے سیدھا ہو کر **ویقوم مستویًا** لما من انہ سنۃ او واجب او فرض اور کھڑا ہو سیدھا برابر اس وجہ سے کہ پیشتر گذری کہ یہ قیام سنت ہے یا واجب یا فرض یعنی سنت ہے بقول طرفین اور واجب ہے بموجب اختیار کمال الدین صاحب فتح القدیر کے اور فرض ہے بقول امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے کذا فی الطحطاوی **ثم یکبر** مع الخرور **ویسجد واضعًا رکبتیہ** اولا لقربہما من الارض **ثم یدیہ** الا لعذر **ثم وجہہ** مقدما انفہ لما مر بین کفیہ اعتبار الآخر الرکعۃ باولہا ضامًا اصابع یدیہ لتتوجہ للقبلۃ پھر اللہ اکبر جھکنے کے ساتھ ہی کہے اور سجدہ کرے اس طرح کہ اپنے دونوں گھٹنے زمین پر اول رکھے کیونکہ زمین سے قریب وہی ہیں پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو رکھے مگر کسی عذر سے اگر ہاتھ پہلے رکھے گھٹنوں سے تو مضائقہ نہیں پھر اپنا منہ یعنی پیشانی رکھے اس طرح کہ پہلے ناک رکھے اسی دلیل سے کہ گذری یعنی ناک بہ نسبت پیشانی کے زمین سے قریب ہے پیشانی کو رکھے دونوں ہتھیلیوں کے بیچ میں ایسے طور پر کہ انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہوجائیں واسطے اعتبار کرنے رکعت کے آخر کے اس کے اول پر یعنی جیسے شروع رکعت اول میں تحریمہ کے وقت سر دونوں ہتھیلیوں کے بیچ میں تھا آخر میں بھی ویسا ہی ہوجائے اور دوسری تیسری وغیرہ رکعتوں کو اول پر قیاس کرلیا جس میں تحریمہ ہے اور اپنے ہاتھوں کو ملی رکھے تاکہ سب قبلہ کی طرف متوجہ رہیں ولیکس بنومنہ

[۱] سنتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی جو اس کو سراہتا ہے ۱۲ [۲] اے رب ہمارے اور تیرے ہی لیے ہے تعریف ۱۲ ف الاختصاص

اور عکس کرے سجدہ سے اٹھنے میں یعنی سجدہ سے سر اٹھانے میں اول پیشانی اٹھائے پھر ناک پھر ہاتھ پھر گھٹنے **وسجد بانفہ** ای علی ما صلب منہ
وجبہتہ وحدہا طولا من الصدغ الی الصدغ وعرضا من اسفل الحاجبین الی القحف اور سجدہ کرے اپنی ناک سے یعنی ناک کے اس مقام
سے کہ سخت ہے طحطاوی نے بحرالرائق سے نقل کیا کہ اگر ناک کے نرم مقام پر سجدہ میں اکتفا کرے گا تو جائز نہ ہوگا بالاتفاق اور سجدہ
کرے اپنی پیشانی سے پیشانی کی حد طول میں ایک کنپٹی سے دوسری تک اور عرض میں دونوں بھوؤں سے لے کر کھوپڑی تک اور بعضوں نے
حد پیشانی کی یہ لکھی ہے کہ بھوؤں کے اوپر سے سر کے بال جمنے تک ہے اور یہ حد واضح تر ہے کذا فی الشامی ووضع اکثرہا واجب وقیل
فرض کبعضہا وان قل اور رکھنا اکثر پیشانی کا سجدہ میں واجب ہے اور بعضوں نے کہا فرض ہے جیسے بعض پیشانی کا رکھنا فرض ہے اگرچہ
قلیل ہو حم اس میں اختلاف ہے کہ سجدہ میں اکثر پیشانی کا رکھنا فرض ہے یا کسی قدر کا اور راجح دوسرا قول ہے مگر اکثر پیشانی کا رکھنا
واجب ہے مواظبت کی وجہ سے کذا فی البحر اور معراج میں ہے کہ پیشانی کی سب اطراف کا رکھنا شرط نہیں ہاں جامع تو اگر بعض اطراف پہ
اکتفا کرے گا گو قلیل ہو تو سجدہ جائز ہوگا کذا فی الشامی **وکرہ اقتصارہ فی السجود علی احدہما** ومنعا الاکتفاء بالانف بلا عذر والیہ
صح رجوعہ وعلیہ الفتوی کما حررناہ فی شرح الملتقی اور مکروہ تحریمی ہے اکتفا کرنا سجدہ میں پیشانی اور ناک میں سے ایک پر اور صاحبین نے منع
کیا ہے ناک پر اکتفا کرنے کو بدون عذر کے اور صاحبین کے قول کی طرف صحیح ہوا ہے رجوع کرنا امام کا اور اسی پر فتوی ہے کہ صرف
ناک پر سجدہ کرنے سے سجدہ ادا نہ ہوگا چنانچہ ہم نے شرح ملتقی میں اس کی تنقیح کی ہے وفیہ یفترض وضع اصابع القدم ولو واحدۃ نحو القبلۃ والا لم
تجز والناس عنہ غافلون اور شرح ملتقی میں ہے کہ فرض ہے پاؤں کی انگلیوں کا رکھنا اگرچہ ایک ہی ہو قبلہ کی طرف ورنہ سجدہ درست نہ
ہوگا اور لوگ اس سے غافل ہیں حم شامی نے سراج سے نقل کیا کہ اگر سجدہ میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھ جائیں گے تو سجدہ درست
نہ ہوگا اور اگر ایک اٹھ جائے گا تو درست ہو جائے گا اور اسی پر فتوی ہے اور برجندی اور قہستانی میں ہے کہ قبلہ رخ رکھنا پاؤں کی
انگلیوں کا سنت ہے اور اس سنت کا ترک مکروہ ہے **کما یکرہ** تنزیہا **بکور عمامتہ** الا لعذر **وان صح** عندنا بشرط کونہ علی جبہتہ کلہا او بعضہا
کما مر جیسے مکروہ تنزیہی ہے سجدہ کرنا اپنی پگڑی کے پیچ پر بدون کسی عذر کے اگرچہ ہمارے نزدیک درست ہے بشرطیکہ پیچ ساری پیشانی
پر ہو یا تھوڑی پر چنانچہ گذر گیا کہ سجدہ بعض پیشانی پہ فرض ہے یعنی اگر پیچ ڈھلک کر ماتھے پر آ گیا ہوگا تو اس پر سجدہ کرنا مکروہ تنزیہی
ہے نہ یہ کہ سر کے پیچ پر ہو اس لیے کہ اس پر تو سجدہ درست نہیں چنانچہ مصنف بیان کرتا ہے **اما اذا کان الکور علی راسہ فقط**
وسجد علیہ مقتصرا ای ولم تصب الارض جبہتہ ولا انفہ علی القول بہ لا یصح لعدم السجود علی محلہ اور جس صورت میں کہ پیچ صرف نمازی کے
سر پر ہو اور سجدہ کرے اس پر اکتفا کر کے یعنی زمین کو نہ اس کی پیشانی لگے اور نہ ناک اس قول کے بموجب کہ ناک پر اکتفا درست ہے
سجدہ درست نہ ہوگا بہ سبب نہ ہونے سجدہ کے اپنے مقام پر یعنی محل سجدہ ناک اور ماتھا ہے تو جب یہ دونوں یا ایک زمین پر نہ لگے
تو سجدہ جائز نہ ہوا وبشرط طہارۃ المکان وان یجد حجم الارض والناس عنہ غافلون اور پیچ پر سجدہ کرنے میں یہ شرط ہے کہ سجدہ کی جگہ
پاک ہو اور یہ کہ پیچ کے نیچے سے زمین کی سختی نمازی کو معلوم ہوتی ہے اور لوگ اس شرط سے غافل ہیں حم شامی نے کہا کہ زمین کے حجم معلوم
ہونے سے یہ مراد ہے کہ اگر نمازی سجدہ میں زور کرے تو سر زیادہ نیچے کو نہ ہو **ولو سجد علی** کمہ او فاضل ثوبہ **صح لو المکان** المبسوط
علیہ ذلک **طاہرا والا** لا مالم یعد سجودہ علی طاہر فیصح اتفاقا اور اگر سجدہ کرے اپنی آستین پر یا بچھے ہوئے کپڑے پر تو درست ہوگا بشرطیکہ
جس جگہ آستین یا بچھا ہوا کپڑا بچھا ہے وہ پاک ہو اور اگر وہ جگہ پاک نہ ہوگی تو سجدہ درست نہ ہوگا جب تک کہ وہ دوبارہ پاک جگہ

ن لمکان

پر سجدہ نہ کرے اور پاک جگہ پر سجدہ دوبارہ کرنے سے بالاتفاق درست ہو جائے گا طحطاوی نے کہا کہ شارح مفسدات نماز میں ذکر کرے گا کہ ناپاک جگہ میں سجدہ کرنا نماز کا مفسد ہے گو دوبارہ پاک جگہ پر کرلے تو یہ بیان اس کے خلاف ہے اور یہ جو فرق کیا گیا ہے کہ یہاں سجدہ کی جگہ میں آڑ ہے اور وہاں بدون حائل کے سجدہ ہے تو یہ وجہ بعید ہے **کذا حکم کل متصل ولو بعضہ ککفہ فی الاصح وفخذہ لو لعذر لا رکبتہ لکن صحح الحلبی انہا کفخذہ** اور اسی طرح حکم ہے ہر چیز کا جو نمازی سے ملی ہو یعنی اس پر سجدہ صحیح ہے بشرطیکہ اس کے نیچے کی جگہ پاک ہو اگرچہ متصل چیز نمازی کا جز ہو مثل اس کی ہتھیلی صحیح تر قول میں اور اس کی ران اگر کسی عذر سے ران پر سجدہ کرے مثلاً پشت کے درد کی وجہ سے نہیں صحیح ہے سجدہ زانو پر لیکن حلبی نے تصحیح کی ہے کہ گھٹنا بھی مثل ران کے ہے یعنی عذر سے ران پر سجدہ کرے اور بلا عذر دونوں پر درست نہیں **کذا فی الطحطاوی وکرہ بسط ذلک ان لم یکن ثمہ تراب او حصاۃ او حر او برد لانہ ترفع** اور مکروہ ہے بچھانا آستین وغیرہ متصل چیز کا سجدہ کے لیے اگر سجدہ کی جگہ مٹی یا کنکر یا گرمی یا سردی نہ ہو اس لیے کہ یہ فعل تکبر ہے شامی نے کہا کہ اگر بقصد تکبر بچھائے گا تو مکروہ تحریمی ہوگا **والا یکن ترفعا فاذا لم یخف اذی لا بأس بہ فیکرہ تنزیہا وان خافہ کان مباحا** اور اگر بچھانا بقصد تکبر نہ ہو تو اگر مٹی یا کنکر وغیرہ کی ایذا سے نہ ڈرے تو کچھ مضائقہ نہیں اور اس صورت میں بچھانا مکروہ تنزیہی ہوگا اور اگر ایذا سے خوف کرے تو مباح ہوگا **وفی الزیلعی ان لدفع تراب عن وجہہ کرہ وعن عمامتہ لا** اور زیلعی میں ہے کہ اگر بچھانا واسطے دور کرنے مٹی کے ہے اپنے چہرہ سے تو مکروہ ہے اس لیے کہ علامت تکبر کی ہے اور اگر اپنے عمامہ سے خاک دور کرنے کو ہے تو مکروہ نہیں کہ مال کی حفاظت ہے **وصحح الحلبی عدم کراہۃ بسط الخرقۃ** اور حلبی نے تصحیح کی ہے نہ مکروہ ہونے کپڑا بچھانے کی سجدہ کے لیے ہم یعنی اس دلیل سے کہ حدیث صحیح میں آچکا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک چھوٹا بوریا خرما کا ساتھ رہتا تھا جس پر آپ سجدہ کرتے تھے اور امام اعظمؒ سے مروی ہے کہ جب وہ مسجد حرام میں آئے تو کپڑے پر سجدہ کیا ایک شخص نے ان کو منع کیا امام نے پوچھا کہ تو کہاں کا ہے اس نے کہا خوارزم کا آپ نے فرمایا کہ کیا خوب مجھی سے سیکھتے ہو اور مجھی کو سکھاتے ہو کیا تم چٹائیوں پر نماز نہیں پڑھتے ہو اس نے کہا کہ پڑھتے ہیں آپ نے فرمایا گھاس پر سجدہ جائز بتلاتے ہو اور خرقہ پر ناجائز غرضیکہ زمین پر ایسی بچھی ہوئی چیز پر سجدہ میں بالاجماع کراہت نہیں جو نمازی کے ہلنے سے نہ ہلے **ولو بسط القباء جعل کتفہ تحت قدمیہ وسجد علی ذیلہ لانہ اقرب للتواضع** اور اگر نماز کے لیے قبا کو بچھاوے تو اس کے شانوں کو اپنے پاؤں کے نیچے کرے اور سجدہ اس کے دامن پر کرے اس لیے کہ یہ فعل تواضع سے زیادہ قریب ہے اور نیز شیطان کا خلاف بھی ہے کہ وہ اکثر دامن کی نجاست کا وسوسہ ڈالا کرتا ہے **کذا فی الطحطاوی وان سجد للزحام علی ظہر** ہل ہو قید احترازی لم ار **مصل صلوتہ التی ہو فیہا جاز للضرورۃ** اور اگر بھیڑ کے سبب سے سجدہ کرے پشت پر پڑھنے والے اس کی نماز کے یعنی جس نماز کو وہ خود پڑھ رہا ہے اسی کے پڑھنے والے کی پشت پر سجدہ کرے تو درست ہوگا ضرورت کی وجہ سے شارح نے کہا کہ پشت کی قید احترازی ہے یا نہیں اس کا حکم میں نے نہیں دیکھا طحطاوی نے کہا قہستانی سے منقول آگے آتا ہے کہ سجدہ عذر ازدحام کے باعث رانوں پر درست ہے یعنی تو قید مذکور اتفاقی ہے **وان لم یصلہا بل صلی غیرہا او لم یصل اصلا او کان فرجۃ لا یصح** اور اگر دوسرا شخص وہی نماز نہ پڑھتا ہو بلکہ اس کے سوا دوسری پڑھتا ہو یا سرے سے نماز ہی نہ پڑھتا ہو یا فرجہ ہو یعنی ازدحام بہت ہے مگر نمازی کے سامنے کشادگی سجدہ کے لیے موجود ہے تو ان صورتوں میں دوسرے شخص کی پشت پر سجدہ صحیح نہ ہوگا **وشرط فی الکفایۃ کون رکبتی الساجد علی الارض وشرط فی المجتبیٰ سجود المسجود علیہ علی الارض فالشروط خمسۃ** اور شرط کیا ہے کفایہ میں سجدہ کرنے والے کے دونوں گھٹنوں کا ہونا زمین پر اور

ہجے میں شرط کیا ہے سجدہ کرنا اس شخص کا زمین پر جس پر سجدہ کیا جائے تو کل شرطیں جواز سجدہ کی پانچ ہوئیں یعنی اوّل انبوہ کثیر ہونا کہ فرجہ سجدہ کے لیے نہ ہو دوئم سجدہ دوسرے نمازی کی پشت پر ہونا سوئم سجدہ کرنے والے اور سجدہ کیے گئے کا ایک نماز میں شریک ہونا چوتھے سجدہ کرنے والے کے گھٹنے کا زمین پر ہونا پانچویں مسجود علیہ کا سجدہ زمین پر ہونا لکن نقل القہستانی الجواز ولو الثانی علی ظہر الثالث وعلی ظہر غیر المصلی بل علی ظہر کل ماکول بل علی غیر الظہر کالفخذین للعذر لیکن قہستانی نے جواز سجدہ کا نقل کیا ہے گو دوسرا شخص تیسرے کی پشت پر سجدہ کرے اور اگرچہ نماز نہ پڑھنے والے کی پشت پر کرے بلکہ ہر ماکول کی پشت پر سجدہ کا جواز بلکہ پشت کے سوا اور چیز پر مثلاً اپنی دونوں رانوں پر عذر انبوہ کی جہت سے جواز نقل کیا ہے غرضیکہ قہستانی کے نزدیک سجدہ اونچی جگہ پر کرنے والے کے لیے صرف کثرت ازدحام شرط ہے اور قہستانی نے جلابی سے نقل کیا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ نماز میں تاخیر کرے یہاں تک کہ ازدحام کم ہو مگر یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ نماز جماعت نہ ہو **ولو کان موضع سجودہ ارفع من موضع القدمین بمقدار لبنتین منصوبتین جاز سجودہ وان اکثر لا** الا لزحمۃ کما مر اور اگر نمازی کے سجدہ کی جگہ قدموں کی جگہ کی نسبت دو کھڑی اینٹوں کی برابر اونچی ہو تو اس کا سجدہ درست ہوگا اور اگر اس قدر سے سجدہ کی جگہ زیادہ بلند ہوگی تو سجدہ درست نہ ہوگا مگر انبوہ کے باعث سے چنانچہ مذکور ہوا کہ انبوہ کی حالت میں پشت پر سجدہ درست ہے حالانکہ پشت دو اینٹوں کی بلندی سے زیادہ اونچی ہوتی ہے المراد لبنۃ بخاری وہی ربع ذراع عرض ستۃ اصابع فمقدار ارتفاعہما نصف ذراع ثنتا عشرۃ اصبعا ذکرہ الحلبی اینٹ سے مراد بخارا کی اینٹ ہے یعنی چوتھائی ایک ہاتھ کی کہ چھ انگشت ہوتی ہے تو مقدار دونوں کی اونچائی کی نصف ہاتھ ہو یعنی بارہ انگشت ذکر کیا ہے اس کو حلبی نے ہم یہ بلندی ایک بالشت کی ہوتی ہے متوسط ہاتھ سے **ویظہر عضدیہ** فی غیر زحمۃ **ویباعد بطنہ عن فخذیہ** لیظہر کل عضو بنفسہ بخلاف الصفوف فان المقصود اتحادہم حتی کانہم جسد واحد اور ظاہر کرے اپنے دونوں بازوؤں کو بدون ازدحام ہونے کی صورت میں اور دور رکھے اپنے پیٹ کو دونوں زانوں سے تاکہ ہر عضو خود بخود ظاہر ہو جاوے یعنی ایک کو دوسرے پر سہارا نہ رہے بخلاف صفوں کے کہ ان کے اندر اپنے بازو چپٹائے رکھے علیحدہ نہ کرے اس لیے کہ مقصود صفوں سے سب لوگوں کا ایک ہو جانا ہے یہاں تک کہ گویا ایک ہی جسم ہیں اور یہ مقصود بازوؤں کے ملے رہنے سے خوب حاصل ہوتا ہے **ویستقبل باطراف اصابع رجلیہ القبلۃ ویکرہ ان لم یفعل ذلک** اور متوجہ کرے اپنے پاؤں کی انگلیوں کے سروں کو قبلہ کی طرف اور مکروہ تنزیہی ہے اگر قبلہ رخ نہ کرے گا اس لیے کہ قبلہ رخ کرنا سنت ہے کذا فی الشامی کما یکرہ لو وضع قدما ورفع اخری بلا عذر جیسے مکروہ ہے اگر ایک پاؤں کو رکھا اور دوسرے کو بدون عذر اٹھا لیا ہم طحطاوی نے کہا کہ ظاہر یہ کراہت تحریمی ہے اس لیے کہ یہ فعل عبث اور لغو ہے تو اس کا کرنا مکروہ تحریمی ہوگا **ویسبح فیہ ثلاثا کما مر** اور تسبیح پڑھے یعنی سبحان ربی الاعلٰی[۱] کہے سجدہ میں تین بار چنانچہ اوپر گزرا رکوع کے بیان میں کہ اگر بالکل تسبیح کو ترک کرے گا یا تین بار سے کم کہے گا تو مکروہ تنزیہی ہوگا **والمرأۃ تخفض** فلا تبدی عضدیہا **وتلصق بطنہا بفخذیہا** لانہ استر وحررنا فی الخزائن انہا تخالف الرجل فی خمسۃ وعشرین اور عورت سجدہ میں پست ہو یعنی اپنے بازوؤں کو ظاہر نہ کرے اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے ملا کر رکھے اس لیے کہ یہ عمل اس کے لیے زیادہ پردہ کا ہے اور ہم نے خزائن الاسرار میں لکھا ہے کہ عورت مرد کے مخالف ہے پچیس باتوں میں ہم شامی میں ان مواضع کو خزائن سے مع اپنی تحقیق کے اس طرح ضبط کیا ہے ۱ عورت تحریمہ میں ہاتھ اٹھاوے اپنے شانوں کے برابر ۲ ہاتھ آستینوں سے باہر نہ نکالے ۳ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی دوسری ہتھیلی پر رکھے ۴ ہاتھ پستان کے نیچے باندھے ۵ رکوع میں تھوڑا جھکے ۶ رکوع میں ہاتھوں پر سہارا نہ دے ۷ رکوع میں ہاتھوں کی انگلیوں کو نہ پھیلا وے بلکہ ملی رکھے ۸ رکوع میں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لے ان کو پکڑے نہیں۔

[۱] پاک ہے میرا رب برتر ۱۲

۹۔ اپنے گھٹنوں کو رکوع میں جھکالے ۱۰۔ رکوع میں سمٹی رہے ۱۱۔ سجدہ میں اپنی بغلیں نہ کھولے یعنی اس میں بھی سمٹی رہے ۱۲۔ سجدہ میں اپنے دونوں ہاتھ بچھاوے ۱۳۔ التحیات میں دونوں پاؤں داہنی طرف کو نکال کر سرین پر بیٹھے ۱۴۔ التحیات میں ہاتھوں کی انگلیاں ملی رکھے ۱۵۔ جب کوئی امر نماز میں پیش آوے تو تالی بجاوے یعنی مردوں کی طرح سبحان اللہ نہ کہے ۱۶۔ مرد کی امامت نہ کرے ۱۷۔ عورتوں کی جماعت مکروہ ہے ۱۸۔ عورتوں کی جماعت میں امام عورت بیچ میں کھڑی ہو نہ آگے بڑھ کر ۱۹۔ مکروہ ہے اس کا حاضر ہونا جماعت میں ۲۰۔ مردوں کے ساتھ میں عورت پیچھے کھڑی ہو ۲۱۔ عورت پر جمعہ فرض نہیں لیکن اگر پڑھ لے گی تو صحیح ہو جائے گا ۲۲۔ عورت پر عید کی نماز واجب نہیں ۲۳۔ عورت پر ایام تشریق میں نمازوں کے بعد تکبیر واجب نہیں ۲۴۔ عورت کو مستحب نہیں کہ نماز فجر خوب اجالا ہونے کے بعد پڑھے ۲۵۔ نماز جہری میں پکار کر نہ پڑھے بلکہ جن لوگوں کے نزدیک عورت کی آواز داخل ستر ہے ان کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اور بحر الرائق میں ذکر کیا ہے کہ عورت پاؤں کی انگلیوں کو سجدہ میں کھڑی نہ رکھے طحطاوی نے دو باتیں اور زیادہ کی ہیں کہ عورت اذان نہ دے نہ مسجد میں اعتکاف کرے اور یہ مخالفت عورتوں کی مردوں سے صرف نماز میں ہے ورنہ عورت بہت سے مسائل میں مردوں سے علیحدہ ہے جنکا بیان اشباہ کے احکامات میں ہے **ثم یرفع راسه مکبرًا ویکفی فیه** مع الکراهة **ادنی ما یطلق علیه اسم الرفع** کما صححه فی المحیط لتعلق الرکنیة بالادنی کسائر الارکان پھر نمازی سجدہ سے اپنا سر اٹھا دے اللہ اکبر کہتا ہوا اور کافی ہے سر اٹھانے میں کراہت تحریمی کے ساتھ نہایت کم سر اٹھانا جس پر نام اٹھانے کا بولا جائے چنانچہ اس کی تصحیح کی ہے محیط میں اتنا اٹھانا کافی ہے بسبب متعلق ہونے رکنیت کے ادنیٰ کے ساتھ مثل تمام ارکان کے یعنی ادنیٰ بھی آخر رکن ہی کہلائے گا تو جن لوگوں کے نزدیک اٹھانا رکن ہے ان کے نزدیک بھی سب رکن پائے جائیں گے بل لو سجد علی لوح فنزع فسجد بلا رفع اصلا صح بلکہ اگر سجدہ کیا تختی پر پھر وہ نکال لی گئی سر کے نیچے سے پھر سجدہ کیا بدون کچھ بھی سر اٹھانے کے تو صحیح ہے یعنی کراہت تحریمی کے ساتھ وصحح فی الهدایة انه ان کان الی القعود اقرب صح والا لا ورجح فی النهر والشرنبلالیة اور ہدایہ میں اس کی تصحیح کی ہے کہ سر اٹھانے میں اگر نمازی بیٹھنے کے قریب ہو جائے گا تب تو سر اٹھانا صحیح ہوگا ورنہ درست نہ ہوگا اور نہر الفائق اور شرنبلالیہ میں اسی قول کو ترجیح دی ہے ثم السجدة الصلوتية تتم بالرفع عند محمد وعليه الفتوى پھر نماز کا سجدہ پورا ہوتا ہے سر اٹھانے سے امام محمد کے نزدیک اور اسی پر فتویٰ ہے اور امام ابو یوسف رح کے نزدیک سجدہ پورا ہو جاتا ہے فقط سر رکھنے سے تو اگر سجدہ میں کوئی بے وضو ہو جائے تو بعد وضو کے امام محمد کے نزدیک اس سجدہ کا اعادہ اس پر چاہیے اور امام ابو یوسف رح کے نزدیک وہ رکن پورا ہو گیا اس کا اعادہ نہیں چاہیے کذا فی الطحطاوی کالتلاوية اتفاقًا مجمع جیسے سجدہ تلاوت سر اٹھانے سے پورا ہوتا ہے بالاتفاق امام اور صاحبین کے کذا فی المجمع طحطاوی نے کہا کہ تو فرق تلاش کرنا چاہیے کہ ابو یوسف کے نزدیک سجدہ تلاوت صرف سر رکھنے سے کیوں نہیں ہوتا اور نماز کا سجدہ کیوں ہو جاتا ہے **ویجلس بین السجدتین مطمئنا** لما مر ویضع یدیه علی فخذیه کالتشهد منیة المصلی اور بیٹھے دونوں سجدوں کے درمیان اطمینان سے یعنی بقدر ایک بار سبحان اللہ کہنے کے اس دلیل کے باعث کہ مذکور ہو چکی یعنی یہ جلسہ یا سنت ہے یا واجب یا فرض اور رکھے اپنے دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر جیسے التحیات میں رکھتے ہیں کذا فی منیة المصلی **ولیس بینهما ذکر مسنون وکذا لیس بعد رفع من الرکوع دعاء** وکذا لا یاتی فی رکوعه وسجوده بغیر التسبیح **علی المذهب** وما ورد محمول علی النفل اور دونوں سجدوں کے درمیان میں کوئی ذکر مسنون نہیں اور اسی طرح رکوع سے سر اٹھانے کے بعد کوئی دعا مسنون نہیں اور ایسا ہی اپنے رکوع اور سجدہ میں تسبیح کے سوا اور کچھ نہ کہے بموجب معتمد مذہب کے

اور جو ذکر یا دعائیں کہ ان مواضع میں وارد ہیں وہ نفل نماز پر محمول ہیں ہم دعا دونوں سجدوں کے درمیان ابوداؤد کی حدیث میں یہ وارد ہے اَللّٰھُمَّ[۹۱] اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَعَافِنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد یہ دعا وارد ہے اَللّٰھُمَّ[۹۲] رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْأَ الْاَرْضِ وَمِلْأَ مَا بَیْنَھُمَا وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ اَھْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَکُلُّنَا لَکَ عَبْدٌ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ روایت کیا ہے اس کو مسلم اور ابوداؤد وغیرہ نے اور عین رکوع کی دعا کو مسلم نے روایت کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع کرتے تھے تو یہ فرماتے تھے اَللّٰھُمَّ[۹۳] لَکَ رَکَعْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَلَکَ اَسْلَمْتُ خَشَعَ لَکَ سَمْعِیْ وَبَصَرِیْ وَمُخِّیْ وَعَظْمِیْ وَعَصَبِیْ اور اسی حدیث میں دعاء سجدہ کو روایت کیا ہے کہ جب آپ سجدہ کرتے تھے تو یہ فرماتے تھے اَللّٰھُمَّ[۹۴] لَکَ سَجَدْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَلَکَ اَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ خَلَقَہٗ وَصَوَّرَہٗ وَشَقَّ سَمْعَہٗ وَبَصَرَہٗ تَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ تو شارح کہتا ہے کہ یہ دعائیں نفل پر محمول ہیں یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نماز تہجد یا دوسری نفلوں میں پڑھا کرتے تھے تو نفل نمازیں یہ دعائیں مستحب ہیں نہ فرض میں شامی نے حلیہ سے نقل کیا کہ ان دعاؤں کے التزام سے کچھ ضرر بھی نہیں گو شارح نے اس کی تصریح نہیں کی اس لیے کہ قواعد شرعیہ التزام مذکور کے مخالف نہیں اور قرأت اور تسبیح اور تکبیر اور فرضوں اور نفلوں میں یکساں ہی ہیں تو یہ دعائیں اگر یکساں ہوں تو کیا حرج ہے **ویکبر ویسجد ثانیۃ مطمئنا** اور جلسہ کے بعد اللہ اکبر کہے اور دوسرا سجدہ اطمینان سے کرے **ویکبر للنہوض علی صدور قدمیہ بلا اعتماد وقعود استراحۃ ولو فعل لا باس بہ** اور دوسرے سجدہ کے بعد اللہ اکبر کہے اٹھنے کے لیے اپنے دونوں پاؤں کی چھاتی کے بل بدون زمین پر سہارا دینے اور آرام کے لیے بیٹھنے کے اور اگر سہارا دے گا تو کچھ مضائقہ نہیں شامی نے کہا کہ لو فعل سے سہارا دینا مراد ہے چنانچہ بحرالرائق میں ہے مگر شارح کی عبارت سے استراحت کا بیٹھنا بھی ہو سکتا ہے لیکن اس میں یہ خلل ہے کہ جلسہ استراحت سے تاخیر فرض کی یعنی قیام کی لازم آتی ہے ویکرہ تقدیم احدی رجلیہ عند النہوض اور مکروہ ہے اٹھنے کے وقت اپنا ایک پاؤں آگے بڑھانا **والرکعۃ الثانیۃ کالاولی** فیما مر غیر انہ لا یاتی بثناء ولا تعوذ فیھا اذ لم یشرعا الا مرۃ اور دوسری رکعت مثل اول کے ہے ان باتوں میں جو گذر گئیں یعنی ارکان اور واجبات اور سنن میں دونوں یکساں ہیں بجز اس کے کہ دوسری رکعت میں ثنا اور اعوذ نہ پڑھے اس لیے کہ ثنا اور اعوذ صرف ایک بار مشروع ہوئے ہیں **ولا یسن مؤکدا رفع** یدیہ الا فی سبع مواطن کما ورد بناء علی ان الصفا والمروۃ واحد نظرا للسعی اور مسنون نہیں تاکید کے ساتھ اٹھانا اپنے دونوں ہاتھوں کا مگر سات جگہ میں جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے اس بنا پر کہ صفا اور مروہ بلحاظ سعی کے ایک ہیں ہم رفع یدین حدیث میں سات جگہ مذکور ہے اور کلام مصنف اور نظم آئندہ میں آٹھ شمار کیے ہیں اس لیے شارح نے دونوں میں مطابقت کے لیے کہا کہ صفا اور مروہ کو بلحاظ سعی کے حدیث میں ایک فرمایا ہے اس لیے سات جگہ ہوئیں اور مصنف اور ناظم نے ان کو دو شمار کرکے آٹھ کیا ہے اور سنت میں مؤکدہ کی قید اس واسطے لگائی تاکہ معلوم ہو کہ دعا وغیرہ میں رفع یدین مستحب ہے نہ سنت مؤکدہ **ثلثۃ فی الصلوۃ تکبیرۃ افتتاح**

---

[۹۱] الٰہی بخش دے مجھ کو اور رحم کر مجھ پر اور چین دے مجھ کو ہدایت کر مجھ کو اور رزق دے مجھ کو [۹۲] اے اللہ ہمارے پروردگار تیرے ہی لیے تعریف ہے بقدر گنجائش آسمانوں اور زمین کے اور بقدر بھرنے درمیان ان دونوں کے اور بقدر پری اس چیز کے جس کو تو چاہے ان کے بعد اے تعریف اور بزرگی والے تو لائق ہے اس کے جس کو بندہ کہے اور ہم سب تیرے بندہ ہیں نہیں کوئی روکنے والا جس چیز کو عطا تو کرے اور نہ کوئی دینے والا جس چیز کو تو روکے اور نہیں نفع کرتی دولت والے کو تجھ سے دولت ۱۲ [۹۳] الٰہی بیشک تیرے ہی لیے رکوع کیا اور تجھ پر ایمان لایا اور تیرے ہی لیے مسلمان ہوا عاجزی کی تیری لیے میرے کان اور آنکھ اور گودے اور ہڈی اور پٹھے نے ۱۲ [۹۴] الٰہی تیرے ہی لیے میں نے سجدہ کیا اور تجھ پر ایمان لایا اور تیرے ہی لیے مسلمان ہوا سجدہ کیا میری ذات نے اس ذات کے لیے جس نے اس کو پیدا کیا اور اس کی صورت بنائی اور کھولے اس کے کان اور آنکھ بہت برکت ہے اللہ سب میں بہتر پیدا کرنے والا ۱۲ ....

وقنوت وعید وخمسۃ فی الحج استلام الحجر والصفا والمروۃ وعرفات والجمرات تین تو نماز میں ہیں یعنی رفع یدین تکبیر تحریمہ کے لیے اور قنوت کے لیے اور عید کی تکبیروں کے لیے اور پانچ حج میں ہیں یعنی حجر اسود کے بوسہ دینے کے وقت اور صفا پر اور مروہ پر اور عرفات ومزدلفہ پر اور اولی اور وسطی جمروں پر کنکر مارنے کے وقت ویجمعھا علی ہذا الترتیب بالنثر فقعس صمعج وبالنظم لابن الفصیح ؎ فتح قنوت عید استلم الصفا مع مروۃ عرفات والجمرات ۞ اور جمع کرتا ہے ان مواضع کو اس ترتیب مذکور پر نثر میں یہ کلمہ فقعس صمعج یعنی آٹھ حرف ہیں جن میں سے ہر حرف ہر جگہ کے شروع کا حرف ہے مثلاً ف فتح کا اور ق قنوت کا آخر تک اور نظم میں ان جگہوں کو ابن فصیح کا شعر جامع ہے فتح یعنی شروع نماز اور قنوت اور تکبیر عید اور استلام حجر اسود اور صفا مروہ کے ساتھ اور عرفات اور جمرات والرفع بحذاء اذنیہ کالتحریمۃ فی الثلثۃ الاول واما فی الاستلام والرمی عند الجمرتین الاولی والوسطی فانہ یرفع حذاء منکبیہ ویجعل باطنہما نحو الحجر والکعبۃ اور ہاتھوں کا اٹھانا اول کے تین مقاموں میں یعنی تحریمہ اور قنوت اور عید کی تکبیروں میں اپنے دونوں کانوں کے برابر ہو مثل تحریمہ کے اور حجر اسود کے بوسہ دینے اور اول اور درمیانی جمروں کے کنکر مارنے میں ہاتھوں کو اپنے دونوں شانوں کے برابر اٹھاوے اور ہاتھوں کے اندر کی طرف یعنی ہتھیلیاں بوسہ میں حجر اسود کی طرف اور کنکر مارنے میں کعبہ کی طرف کرے شارح نے مثل تحریمہ اس واسطے کہا کہ اس کی کیفیت مشہور ہے گو تین مقاموں میں وہ بھی داخل ہے اور جمرہ اولی اور وسطی کو اس لیے مخصوص کیا کہ جمرہ اخیرہ کے پاس دعا نہیں اس لیے کہ دعا اسی کنکر مارنے کے بعد ہے جس کے بعد کنکر مارنا ہے کذا فی الطحطاوی واما عند الصفا والمروۃ وعرفات فیرفعہما کالدعاء والرفع فیہ وفی الاستسقاء مستحب اور صفا اور مروہ پر اور عرفات میں ہاتھوں کو اٹھاوے مانند دعا مانگنے کے اور دعا میں ہاتھوں کا اٹھانا اور مینہ کی طلب میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے فیبسط یدیہ حذاء صدرہ نحو السماء لانہا قبلۃ الدعاء ویکون بینہما فرجۃ تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے سینے کے برابر آسمان کی طرف پھیلا دے اس لیے کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے یعنی جیسے کعبہ نماز کا قبلہ ہے ویسے ہی آسمان دعا کا قبلہ ہے تو کوئی یہ وہم نہ کرے کہ کریم متعال جس سے دعا مانگتے ہیں وہ اوپر کی جانب ہے کذا فی الطحطاوی اور دونوں ہاتھوں میں دعا کے وقت کسی قدر فرجہ رہے گو تھوڑا ہی ہو۔ والاشارۃ بمسبحۃ لعذر یکبرد یکفی اور انگشت شہادت سے اشارہ کرنا دعا کے وقت کسی عذر مثل سردی کی جہت سے کافی ہے یعنی ایک طریق دعا کا دعائے تضرع میں جو آگے آتا ہے اس میں خنصر اور بنصر کا بند نہ کرنا اور بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ نہ کرنا اور صرف انگشت شہادت سے اشارہ کرنا کافی ہے اگر سردی وغیرہ کا عذر ہو والمسح بعدہ علی وجہہ سنۃ فی الاصح شرنبلالیۃ اور بعد دعا کے ہاتھوں کا اپنے منہ پر پھیر لینا سنت ہے صحیح تر قول میں کذا فی الشرنبلالیہ وفی وتر البحر الدعاء اربعۃ دعاء رغبۃ یفعل کما مر ودعاء رہبۃ یجعل کفیہ لوجہہ کالمستغیث من الشیٔ ودعاء تضرع یعقد الخنصر والبنصر ویحلق ویشیر بمسبحۃ ودعاء الخفیۃ ما یفعلہ فی نفسہ اور بحر الرائق کے باب الوتر میں ہے کہ دعا چار طرح کی ہے اول دعاء رغبت یعنی کسی چیز کی طلب جیسے جنت کی طلب مثلاً تو دعائے رغبت میں کرے چنانچہ گذرا یعنی ہاتھوں کو آسمان کی طرف پھیلا دے دوسری دعائے رہبت یعنی خوف جیسے دوزخ سے بچنے کی دعا اس میں ہتھیلیوں کی پشت اپنے منہ کی طرف کرے جیسے کسی چیز سے فریاد چاہنے والا کرتا ہے شامی نے کہا کہ بحر الرائق میں ظہر کفیہ ہے اور یہی صواب ہے شاید شارح کے قلم سے ظہر کا لفظ رہ گیا انتہی اس لیے مترجم نے ترجمہ میں لفظ مذکور کا لحاظ رکھا تیسری دعائے تضرع ہے کہ اس میں نہ کسی چیز کی خواہش ہو نہ کسی چیز کا خوف بلکہ صرف اظہار اپنی عاجزی اور ذلت کا سامنے خدائے تعالیٰ کے ہو جیسے یہ کہنا کہ الٰہی میں تیرا بندہ عاجز و مسکین ذلیل و حقیر ہوں تو ایسی دعا میں اپنی خنصر اور بنصر کو بند کرے اور بیچ کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ کرے اور اپنی انگشت شہادت سے اشارہ کرے

چونکہ دعا پوشیدہ ہے جو اپنے دل میں دعا مانگے یعنے اس دعا میں ہاتھ اٹھانا نہیں اس لیے کہ ہاتھ اٹھانا علامت اعلان کی ہے تو دعا خفیہ نہ رہے گی کذا فی الشامی **وبعد فراغہ من سجدتی الرکعۃ الثانیۃ یفترش الرجل رجلہ الیسری فیجعلہا بین الیتیہ ویجلس علیہا وینصب رجلہ الیمنی ویوجہ اصابعہ فی المنصوبۃ نحو القبلۃ** ہو السنۃ فی الفرض والنفل اور بعد اپنے فراغت ہونے کے دوسری رکعت کے دونوں سجدوں سے مرد اپنا بایاں پاؤں بچھاوے اور اس کو اپنے دونوں سرین کے تلے کرے اور اس پر بیٹھ جاوے اور داہنے پاؤں کو کھڑا کرے اور اپنی انگلیوں کو کھڑے پاؤں میں قبلہ کی طرف کرے یہی سنت ہے فرض اور نفل میں م حلبی میں قہستانی سے منقول ہے کہ نیچے پاؤں کی انگلیوں کو بھی حتی الوسع قبلہ رخ رکھے جس قدر ہو سکیں اور نفل میں مسنون ہونے کی قید اس لیے لگائی کہ اس میں ضعیف قول یہ ہے کہ جیسے چاہے اس طرح بیٹھے کذا فی الطحطاوی **ولیضع یمناہ علی فخذہ الیمنی ولیسراہ علی الیسری ویبسط اصابعہ مفرجۃ قلیلا جاعلا اطرافہا عند رکبتیہ** ولا یاخذ الرکبۃ ہو الاصح لتتوجہ القبلۃ اور رکھے اپنا داہنا ہاتھ داہنی ران پر اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر اور پھیلا دے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں تھوڑی سی فرجہ رکھ کر اور کرے انگلیوں کے سرے دونوں گھٹنوں کے پاس اور نہ پکڑے زانو کو یہی صحیح تر ہے اس لیے نہ پکڑے تاکہ انگلیاں سب قبلہ رخ رہیں کیوں کہ پکڑنے کی صورت میں زمین کی طرف متوجہ ہو جائیں گی اور ہر چند زانو کا پکڑنا بھی جائز ہے مگر افضل نہ پکڑنا ہے کذا فی الشامی عن البحر **ولا یشیر بسبابتہ عند الشہادۃ وعلیہ الفتوی** کما فی الولوالجیۃ والتجنیس وعمدۃ المفتی وعامۃ الفتاوی لکن المعتمد ما صححہ الشراح ولا سیما المتاخرون کالکمال والحلبی والبہنسی والباقانی وشیخ الاسلام الجد وغیرہم انہ یشیر لفعلہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ونسبوہ لمحمد والامام بل فی متن درر البحار وشرحہ غرر الاذکار المفتی بہ عندنا انہ یشیر باسطا اصابعہ کلہا اور اشارہ نہ کرے اپنی سبابہ انگلی سے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہنے کے وقت اور اسی پر فتوی ہے چنانچہ ولوالجیہ و تجنیس اور عمدۃ المفتی اور اکثر فتاووں میں ہے مگر قول معتمد وہ ہے جس کی تصحیح کی ہے شارحین نے خصوصاً متاخرین مثل کمال اور حلبی اور بہنسی اور باقانی اور شیخ الاسلام جد اور ان کے سوا اوروں نے کہ اشارہ کرے بسبب اشارہ کرنے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور نسبت کیا ہے ان لوگوں نے اس قول کو امام محمد اور امام اعظم کی طرف بلکہ درر بحار کے متن اور اس کی شرح غرر الاذکار میں ہے کہ مفتی بہ ہم حنفیوں کے نزدیک یہ ہے کہ اشارہ کرے اپنی سبابہ سے سب انگلیوں کو کھلا رکھ کر م شامی نے کہا کہ درر بحار اور اس کی شرح سے یہ نہیں پایا جاتا کہ اشارہ کرنے میں انگلیاں سب کھلی ہوں بلکہ غرر الاذکار میں تصریح ہے کہ مفتی بہ اشارہ کرنا ہے سبابہ سے ترپن کے عقد کی صورت پر جیسے امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں سبابہ کو لا الٰہ کہنے کے وقت اٹھا دے اور الا اللہ کہنے کے وقت رکھ دے اور یہی قول ہے امام اعظم و محمد کا اور بہت آثار و احادیث اس کیفیت پر دال ہیں انتہی تو شارح کا باسطاً اصابعہ شرح سے نقل کرنا غلط ہے خلاصہ یہ کہ اس مقام پر حنفیوں میں دو ہی قول ہیں ایک یہ کہ تمام التحیات میں اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کے بیش تر تک انگلیاں کھلی رکھے اور جب اس کلمے کو کہے تو ترپن کا عقد کرکے اشارہ کرے یعنی حرف لا پر سبابہ اٹھا دے اور الا اللہ پر رکھ دے یہ دوسرا قول متاخرین کے نزدیک معتمد ہے اس وجہ سے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث صحیحہ میں ثابت ہوا ہے اور ہمارے تینوں اماموں سے اس کا منقول ہونا صحیح ہے اور یہ جو شارح نے لکھا ہے کہ کھلی انگلیاں رکھ کر اشارہ کرے اور اس زمانہ کے عوام میں یہی مروج ہو رہا ہے تو میں نے کسی کو نہیں سنا کہ اس قول کا قائل ہو بجز شارح کے بہ تبعیت شرنبلالی عن البرہان پس جب شارح کا کلام جمہور شارحین اگلوں اور پچھلوں کے مخالف ٹھہرا تو جس پر جمہور علماء ہیں عمل اسی پہ کرنا چاہیے یعنی ترپن کا عقد کرکے اشارہ کرے یا انگلیوں کو

کھل رکھ کر و فی الشرنبلالیۃ عن البرہان الصحیح انہ یشیر بمسبحتہ وحدہا یرفعہا عند النفی ویضعہا عند الاثبات واحترزنا بالصحیح عما قیل لا یشیر لانہ خلاف الدرایۃ والروایۃ وبقولنا بالمسبحۃ عما قیل یعقد عند الاشارۃ انتہی اور شرنبلالیہ میں برہان سے منقول ہے کہ صحیح یہ ہے کہ تنہا انگشت شہادت سے اشارہ کرے یعنی دونوں سبابہ سے اشارہ نہ کرے اور اشارہ کرنے میں شہادت کی انگلی کو نفی یعنی حرف لا کہنے کے وقت اٹھاوے اور اثبات یعنے الا اللہ کہنے کے وقت رکھ دے اور ہم نے جو اس قول میں صحیح کی قید لگائی تو اس سے ہم نے اس قول غیر صحیح سے احتراز کیا کہ اشارہ نہ کرے اس کے صحیح نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اشارہ نہ کرنا خلاف ہے عقل اور نقل کے اور تنہا انگشت شہادت ہم نے اس لیے کہا کہ اس قول سے احتراز ہو کہ اشارہ کے وقت ترپن کا عقد کرے تمام ہوا قول شرنبلالی کا ہم اوپر معلوم ہو چکا کہ اشارہ کرنا بدون عقد کے کتب مذہب کے خلاف ہے بلکہ ایسی طرح اشارہ کرنے کا کوئی قائل نہیں اور اشارہ کا نہ کرنا خلاف عقل ہے یعنی اس لیے کہ اشارہ کرنے سے نفی اور اثبات جو زبان سے نکلتا ہے اس نفی اور اثبات کے موافق ہو جاتا ہے جو انگلی کے اشارہ سے کیا جاتا ہے اور یہ امر یعنی مطابقت قولی اور فعلی عقلاً عمدہ ہے اور اشارہ کا نہ کرنا اس کے خلاف پڑتا ہے اور مخالف نقل ہونا اس طرح ہے کہ امام محمد نے موطا اور کتاب مشیخت میں روایت کیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ کرتے تھے پھر کہا کہ ہم کرتے ہیں جو کچھ کیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہؒ کا اور کتاب الامالی میں منقول ہے کہ امام ابویوسفؒ بھی اشارہ کرتے تھے جب تینوں امام اشارہ پر متفق ہو گئے اور احادیث صحیحہ سے اس کا ثبوت قرار واقعی ہو گیا تو اب اگر کوئی جاہل اپنے نفس کی شامت سے کسی روایت ضعیف پر عمل کرکے اشارہ نہ کرے تو قطعاً وہ تارک سنت ہو گا وفی العینی عن التحفۃ الاصح انہا مستحبۃ وفی المحیط انہا سنۃ اور عینی میں تحفہ سے منقول ہے کہ صحیح تر قول یہ ہے کہ اشارہ کرنا مستحب ہے اور محیط میں ہے کہ وہ سنت ہے ہم علامہ نجم الدین زاہدی نے نقل کیا ہے کہ متفق ہیں روایتیں ہمارے تینوں اماموں کی کہ اشارہ کرنا سنت ہے اور اسی طرح معدن شرح کنز میں ہے **ولیقرء تشہد ابن مسعودؓ** وجوبا کما بحثہ فی البحر لکن کلام غیرہ یفید ندبہ وجزم شیخ الاسلام الجد بان الخلاف فی الافضلیۃ ونحوہ فی مجمع الانہر اور پڑھے وہ التحیات جو مروی ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بطور وجوب چنانچہ بحث کیا ہے اس کو بحر الرائق میں لیکن کلام اوروں کا سوائے صاحب بحر فائدہ دیتا ہے اس تشہد کے مستحب ہونے کا اور شیخ الاسلام جد نے یقین کیا ہے کہ خلاف افضل ہونے میں ہے اور اسی کے مثل ہے مجمع الانہر میں ہم التحیات کو تشہد اس لیے کہا کہ مشتمل ہے دو شہادتوں پر اور عبداللہ بن مسعودؓ کا تشہد یہ ہے (التحیات[1] للہ والصلوات والطیبات السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ) بحر الرائق کی بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی تشہد کا پڑھنا واجب ہے مگر اس کے حواشی میں خیر الدین رملی نے کہا کہ تشہد نماز میں واجب ہے لیکن غیر معین واجب ہے نہ خاص اور نہر الفائق میں ہے کہ اس خاص تشہد کا پڑھنا بہتر ہے جیسے وتروں میں دعاء قنوت واجب ہے اور الفاظ مخصوصہ اللہم انا نستعینک الخ سنت ہیں اور امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ اگر التحیات میں کچھ کمی یا زیادتی کرے گا تو مکروہ ہو گا اس لیے کہ نماز کے ذکر محصور اور محدود ہیں ان سے تجاوز نہ چاہیے انتہی کذا فی الشامی والطحطاوی ملتقطاً **ولیقصد بالفاظ التشہد** معانیہا مرادۃ لہ علی وجہ الانشاء کانہ یحیی اللہ تعالی ویسلم علی نبیہ وعلی نفسہ واولیائہ لا الاخبار عن ذلک ذکرہ فی المجتبی اور قصد کرے تشہد کے الفاظ سے ان کے معنی جو بطور انشا کے نمازی کو مقصود ہوں یعنی ان کا ایجاد

[1] سب عبادتیں زبان کی اور بدن کی اور مال کی اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں سلام ہو تم پر اے نبیؐ اور رحمت خدا کی اور اس کی برکتیں سلام ہے ہم حاضرین پر اور خدائے تعالیٰ کے نیک بندوں پر میں گواہی دیتا ہوں کوئی معبود نہیں سوائے خدا کے اور گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمدؐ نبی ہیں اللہ کے اور اس کے رسول ہیں ۱۲

اسی وقت تصور کرے اس طرح کہ گویا نمازی اللہ تعالیٰ کو تحیت پہنچاتا ہے اور اپنے نبی اور اپنے نفس اور احباب پر سلام بھیجتا ہے نہ قصد کرے تشہد کے الفاظ سے خبر دینا اور حکایت کرنا اس حال کا ذکر کیا ہے اس کو مجتبیٰ میں ہم یعنی جو قصہ معراج میں واقع ہوا تھا اس کی حکایت کا قصد نہ کرے اور وہ قصہ یہ ہے کہ شب معراج میں جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقام قرب پر فائز ہوئے تو آپ کو بیٹھنے کا ارشاد ہوا آپ نے فرمایا (التحیات للہ والصلوات والطیبات) یعنی جیسے کوئی بادشاہوں کے پاس جا کر اول ثنا کرتا ہے پھر خدمت پھر مال نذر کرتا ہے ویسے ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادتیں زبانی اور بدنی اور مالی پیش کش کیں جناب احدیت سے بطور خلعت شاہی ارشاد ہوا (السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ) یعنی یہ ہمارا سلام خاص تم پر ہو اے نبی اور رحمتیں اور برکتیں اللہ کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس تکریم خاص الخاص کو ملاحظہ فرمایا بمقتضائے جود کریمانہ چاہا کہ ضعفاء امت بھی اس سے بے بہرہ نہ رہیں عرض کیا (السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین) یعنی سلام خاص ہم سب پر اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر ہو علینا میں سب گنہگاران امت کو بھی شامل کر دیا کہ کوئی اس سلام خصوصیت التیام محروم نہ رہے ونعم ما قیل ؎ چہ غم دیوار امت راکہ دارد چون تو پشتیبان ٭ چہ باک از موج بحر آنرا کہ باشد نوح کشتیبان ٭ جب ملائکہ مقربین نے یہ جود و کرم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھا تو بولے (اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ) تو غرض مصنف کی یہ ہے کہ التحیات پڑھنے میں اس قصہ کی حکایت مدنظر نہ کرے بلکہ یہ ارادہ کرے کہ میں خود اللہ تعالیٰ کے حضور میں تحیت پیش کر رہا ہوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے اوپر اور دوستوں پر سلام بھیجتا ہوں وظاہرہ ان ضمیر علینا للحاضرین لا حکایۃ سلام اللہ ثم اور ظاہر کلام مصنف کا یہ ہے کہ ضمیر علینا موجود شخصوں یعنی امام اور مقتدی اور ملائکہ کی طرف ہے نہ نقل سلام اللہ تعالیٰ کی طحطاوی نے کہا کہ صواب یہ ہے کہ شارح نقل سلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتا چنانچہ مترجم نے جو قصہ مذکور کیا اس سے ظاہر ہے کہ السلام علینا مقولہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا وکان علیہ الصلوٰۃ والسلام یقول فیہ انی رسول اللہ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشہد میں یوں فرمایا کرتے تھے انی رسول اللہ یعنی بجائے ان محمداً عبدہ ورسولہ کے انی رسول اللہ کہتے تھے ہم نقل کیا ہے اس کو رافعی نے شافعی لوگوں سے مگر حافظ ابن حجر نے اس کو رد کیا ہے کہ اس کی کچھ اصل نہیں بلکہ تشہد کے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر اسی طرح مروی ہیں کہ آپ اشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ فرمایا کرتے تھے ہاں اگر تشہد سے اذان کی شہادتیں مراد ہیں تو یہ قول صحیح ہے اس لیے کہ ثابت ہوا ہے کہ آپ نے سفر میں ایک بار اذان کہی تو ایسا فرمایا اور بخاری میں سلمۃ بن الاکوع کی حدیث میں بھی مذکور ہے کہ آپ نے (اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد انی رسول اللہ) فرمایا مگر یہ نماز کے باہر کا ذکر ہے نہ التحیات میں کذا فی الشامی **ولا یزید فی الفرض علی التشہد فی القعدۃ الاولی** اجماعاً اور زیادہ نہ کرے فرض میں التحیات پر کوئی چیز پہلے قعدہ میں سب کے نزدیک ہم طحطاوی نے کہا کہ یہ قول حنفیوں اور امام مالک اور احمد کا ہے اور امام شافعی تو قعدہ اولیٰ میں درود کو لازم فرماتے ہیں۔ پس شارح کو مناسب تھا کہ اجماعاً کی جگہ بالاتفاق کہتا **فان زاد عامداً کرہ** فتجب الاعادۃ پس اگر التحیات میں کچھ جان کر بڑھا دے گا تو تشہد مکروہ ہوگا اور از سر نو پڑھنا واجب ہوگا **او ساہیاً وجب علیہ سجود السہو اذا قال اللہم صل علی محمد فقط علی المذہب** المفتی بہ لا لخصوص الصلوٰۃ بل لتاخیر القیام یا بھول کر التحیات میں زیادہ پڑھ دیا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا جب کہ صرف اللہم صل علی محمد کہا ہو مذہب مفتی بہ پر کچھ درود کی خصوصیت سے واجب نہیں ہوا بلکہ قیام کے لیے دیر کرنے سے ہم صرف اللہم صل علی محمد اس لیے کہا کہ بعضوں نے یوں کہا ہے کہ جب تک وعلی آل محمد نہ کہے گا سجدہ سہو واجب نہ ہوگا اور اسی کو اختیار کیا ہے قاضی امام

نے اور حلبی نے کہا کہ اسی پر اکثر ہیں اور یہی اصح ہے اور بعضوں نے کہا کہ جب تک تاخیر بقدر ادا کرنے ایک رکن کے نہ ہوگی سجدہ سہو واجب نہ ہوگا اور یہ مذہب ہے امام اعظمؒ کا اور تاتارخانیہ میں ہے کہ صاحبین کے قول پر سجدہ سہو واجب نہیں جب تک کہ حمید مجید تک نہ پہنچے کذا فی الشامی ولو فرغ المؤتم قبل امامہ سکت اتفاقا واما المسبوق فیترسل لیفرغ عند سلام امامہ وقیل یتم وقیل یکرر کلمۃ الشہادۃ اور اگر مقتدی اپنے امام سے پیشتر التحیات پڑھ چکے تو چپکا ہو رہے بالاتفاق اور مسبوق قعدہ اخیرہ میں اتنا ٹھہر کے پڑھے کہ امام کے سلام پھیرنے کے وقت پڑھنے سے فراغت پاوے اور بعض نے کہا ہے کہ التحیات کو پورا کرے اور چپ ہو رہے اور بعضوں نے کہا کہ چپ نہ رہے کلمہ شہادت کو مکرر پڑھتا رہے شامی نے کہا کہ ان سب اقوال کی تصحیح ہوئی ہے اور قعدہ اگر آخر کا نہ ہو تو اس میں مسبوق اور مقتدی برابر ہیں واکتفی المفترض فیما بعد الاولیین بالفاتحۃ فانہا سنۃ علی الظاہر ولو زاد لا باس بہ اور فرض پڑھنے والا اکتفا کرے الحمد پر دو پہلی رکعتوں کے بعد کی نماز میں یعنی تیسری اور چوتھی رکعت میں اس لیے کہ الحمد کا پڑھنا ان رکعتوں میں سنت ہے ظاہر روایت پر اور اگر الحمد سے زیادہ ان میں پڑھے گا یعنی سورہ ملائے گا تو کچھ مضائقہ نہیں شامی نے کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ پچھلی رکعتوں میں قرات بدون کسی اندازہ کے مشروع ہے اور الحمد پر اکتفا کرنا مسنون ہے واجب نہیں تو اس پر زیادہ ملانا سورہ کا خلاف اولیٰ ہوگا وہو مخیر بین قراءۃ الفاتحۃ وصحح العینی وجوبہا وتسبیح ثلثا وسکوت قدرہا وفی النہایۃ قدر تسبیحۃ فلا یکون مسیئا بالسکوت علی المذہب لثبوت عن علیؓ وابن مسعود اور نمازی مختار ہے چاہے الحمد پڑھے اور الحمد کے وجوب کی تصحیح کی ہے عینی نے اور چاہے تین بار سبحان اللہ کہے اور چاہے بقدر تین بار سبحان اللہ کہنے کے چپ رہے اور نہایہ میں چپ رہنا بقدر ایک بار سبحان اللہ کہنے کے ہے اس سے یہ نکلا کہ چپ رہنے سے ظاہر روایت کے موجب برا کرنے والا نہ ہوگا مختار اس لیے ہے کہ اختیار دینا حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ثابت ہے م عینی نے وجوب فاتحہ کی تصحیح کی ہے اس کا مقابل ظاہر الروایۃ ہے یعنی اختیار مذکور کہ وہ اصح ہے وہو الصارف للمواظبۃ عن الوجوب اور یہی تخییر پھیرنے والی ہے مواظبت کو واجب ہونے سے م یہ جواب ہے اس سوال کا کہ صحیحین میں ابوقتادہؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی نماز میں پہلی رکعتوں میں تو الحمد اور دو سورتیں پڑھا کرتے تھے اور پچھلی دو میں صرف الحمد تو اس حدیث سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت الحمد پر پائی جاتی ہے اور مواظبت بدون ترک کے دلیل ہے واجب ہونے کی اس سے معلوم ہوا کہ الحمد پڑھنا پچھلی دو میں واجب ہے شارح جواب دیتا ہے کہ حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ نمازی کو پچھلی دو رکعتوں میں اختیار ہے چاہے قرآن پڑھے چاہے چپ رہے چاہے سبحان اللہ کہے اور یہ اختیار قیاس سے معلوم ہو نہیں سکتا تو ان حضرتوں سے اس کا مروی ہونا ایسا ہی ہوا جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً ہو پس تخییر مذکور سے صاف ظاہر ہے کہ حدیث مذکور الصدر میں مواظبت مفید وجوب نہیں اگر مفید وجوب ہوتی تو اختیار نہ دیا جاتا اور اس جواب سے رد ہوا قول عینی کا کذا فی الشامی ویفعل فی القعود الثانی الافتراش کالاول وتشہد ایضا وصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے قعدہ میں پاؤں بچھا دے مثل اول قعدہ کے اور التحیات بھی پڑھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے م طحطاوی نے کہا بہتر یہ تھا کہ شارح افتراش کی قید نہ لگاتا تاکہ سب احکام سابقہ میں دونوں قعدے یکساں رہتے اور کیفیت درود کی شرح منیہ میں اس طرح مذکور ہے کہ امام محمدؒ سے کسی نے پوچھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کس طرح پڑھیں انھوں نے فرمایا کہ یوں کہے اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراہیم

ف ۱ الٰہی درود بھیج محمدؐ اور آل محمدؐ پر جیسا تو نے درود بھیجا ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر بے شک تو ہے تعریف کیا گیا بزرگی والا اور برکت اتار محمدؐ اور ان کے تابعین پر جیسے برکت اتاری تو نے ابراہیمؑ پر اور ان کے تابعین پر تحقیق تو ہے تعریف کیا گیا بزرگ ۱۲

وعلی آل ابراہیم انک حمید مجید وبارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم انک حمید مجید) اور یہی طریق درود کا موافق ہے بخاری ومسلم وغیرہما کے کذا فی الشامی وصح زیادۃ فی العالمین وتکرار انک حمید مجید اور درست ہے زیادہ کرنا فی العالمین کا یعنی بعد کما بارکت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم کے ایک بار جیسے کہ مالک اور مسلم اور ابوداؤد کی روایت میں ہے اور پہلے جملہ میں یعنی کما صلیت کے بعد یہ لفظ احادیث صحیحہ میں ثابت نہیں ہوا کذا فی الشامی اور درست ہے مکرر کرنا انک حمید مجید کا یعنی ایک بار کما صلیت کے بعد اور ایک بار کما بارکت کے بعد جیسا کہ اوپر مترجم نے دونوں جگہ لکھا ہے وعدم کراہۃ الترحم ولو ابتداء اور صحیح ہے نہ مکروہ ہونا ترحم کا اگرچہ ابتدا ہی میں ہو یعنی اگر بدون اللہم صل الخ کے شروع سے اللہم ارحم محمداً و آل محمد کما رحمت علی ابراہیم الخ کہا تو مکروہ نہ ہوگا اسی طرح اگر دونوں جملہ درود مذکور الصدر پر وارحم محمداً و آل محمد زیادہ کیا تو جائز ہوگا فیض نے کہا کہ اس جملہ کا ترک کرنا بہتر ہے احتیاطاً اور نووی نے اذکار میں کہا کہ اس کا بڑھانا بدعت ہے اور اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ دعا رحمت کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تشہد میں کسی معتبر طریق سے ثابت نہیں ہوئی کذا فی الشامی مختصراً وندب السیادۃ لان زیادۃ الاخبار بالواقع عین سلوک الادب فہو افضل من ترکہ ذکرہ الرملی الشافعی وغیرہ اور مستحب ہے سیدنا کہنا یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسم شریف پر اس لیے کہ خبر دینا حقیقت حال کا عین طریق ادب چلنا ہے پس سیدنا کہنا بہ نسبت اس کے چھوڑنے کے افضل ہے ذکر کیا ہے اس کو رملی شافعی وغیرہ نے ہم طحطاوی نے کہا کہ لفظ زیادت کو حذف کرنا بہتر ہے اس لیے مترجم نے اس کو ترجمہ میں شامل نہیں کیا اور یہ جو کہا کہ خبر دینا واقع کا ادب کی راہ چلنا ہے اس سے یہ غرض ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سید الاولین والآخرین ہیں تو آپ کے لیے سیدنا بڑھانا مطابق نفس الامر کے اور مقتضائے ادب ہے اس سے معلوم ہوا کہ درود جو اوپر گذرا اس میں آٹھ جا سیدنا بڑھائے کیوں کہ چار جا آپ کا نام مبارک ہے اور چار جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وما نقل لا تسودونی فی الصلوۃ فکذب وقولہم لا تسیدونی بالیاء لحن ایضا والصواب بالواو اور یہ جو منقول ہے کہ نماز میں مجھ کو سید مت کہو تو یہ حدیث جھوٹ ہے اور بعض نے جو لا تسیدونی یاء تحتانیہ سے نقل کیا ہے وہ جھوٹ ہونے کے سوا غلط بھی ہے اور صحیح واو سے ہے کیوں کہ اس کا مصدر واوی ہے وخص ابراہیم لسلامہ علینا او لانہ سمانا المسلمین اولان المطلوب صلوۃ یتخذہ بہا خلیلاً اور مخصوص ہوئے حضرت ابراہیم علیہ وسلم تشبیہ میں بسبب ان کے سلام کرنے کے ہم اہل اسلام پر یا اس لیے کہ حضرت ابراہیم نے ہمارا نام مسلمان رکھا یا اس وجہ سے کہ مطلوب وہ رحمت ہے جس سے خدا تعالیٰ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خلیل کر لے ہم یہ جواب ہے سوال مقدر کا تقریر سوال کی یہ ہے کہ صلوۃ وبرکت میں تشبیہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کیوں دی اور انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم کے ساتھ کس وجہ سے نہ دی شارح نے اس سوال کے تین جواب دیے اول یہ کہ آپ کے ساتھ تشبیہ کا سبب یہ ہے کہ آپ نے معراج کی شب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تھا کہ اپنی امت کو میرا سلام پہنچانا دوم یہ کہ حضرت ابراہیم نے ہمارا نام مسلمان رکھا چنانچہ خدا تعالیٰ خبر دیتا ہے (ہو سماکم المسلمین)[ا۵] تو اس کے عوض میں ہماری طرف سے یہ تشبیہ ہوئی سوم یہ کہ مطلوب اس صلوۃ سے یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا خلیل کر لے جیسے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل کیا ہے اور بعض لوگوں نے اور جواب بھی دیے ہیں منجملہ ان کے یہ ہے کہ تشبیہ آپ کے ساتھ اس وجہ سے ہے کہ آپ جد امجد ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور فضائل میں تشبیہ باپ دادوں کے ساتھ مرغوب ہوتی ہے اور ایک یہ آپ باقی رسولوں سے افضل ہیں اس جہت سے تشبیہ دی گئی اور ایک یہ کہ اہل

ا۵ یعنے اس نے نام رکھا تمہارا مسلمان ۱۲

اسلام کی ملت آپ کی ملت سے ملتی جلتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (مِلَّةَ اَبِيكُمْ اِبْرٰهِيمَ[1]) اور ایک یہ کہ آں حضرت صلعم کو آپکی اقتداء کا حکم ہوا جیسے ارشاد ہے (اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا[2]) کذا فی الشامی وعلی الاخیر فالتشبیہ ظاہر او راجع لآل محمد او المشبہ بہ قد یکون ادنی مثل مثل نورہ کمشکوٰۃ اور وجہ اخیر پر یعنی جب صلوۃ سے مطلوب صلوۃ خاصہ ہو تو تشبیہ ظاہر ہے یعنی وجہ شبہ خلت ہے یا تشبیہ رجوع کرنے والی ہے آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یا مشبہ بہ کبھی کمتر ہوتا ہے جیسے قرآن مجید میں ہے کہ کہاوت نور خدا کی جیسے قندیل میں چراغ م یہ بھی جواب ہے سوال مشہور کا جو علماء قدیم وجدید کرتے ہیں اس کی تقریر یہ ہے کہ قاعدہ اکثر یہ ہے کہ مشبہ بہ مشبہ سے وجہ شبہ میں اعلیٰ ہوتا ہے اور یہاں یہ بات نہیں اس لیے کہ جو رحمت و برکت کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل کو حاصل ہے وہ حضرت ابراہیم اور ان کی آل کی رحمت اور برکت سے اعلیٰ ہے اس لیے کہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ جو کوئی مجھ پر ایک بار درود بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت بھیجتا ہے اور اس کی دس برائیاں دور کرتا ہے اور دس درجہ بلند کرتا ہے اور یہ بات حضرت ابراہیم یا دوسرے پیغمبر کے حق میں وارد نہیں تو شارح نے اس کا جواب یہ دیا کہ یا تو وجہ شبہ صلوۃ خاصہ ہے جو موجب خلت ہے یا یہ کہ تشبیہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم شریک نہیں مشبہ صرف آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے یا یہ کہ مشبہ بہ کبھی کمتر ہوا کرتا ہے جیسے قرآن مجید میں مشابہت نور الٰہی کی چراغ سے واقع ہوئی ہے حالانکہ نور چراغ کو اس چراغ سے کوئی نسبت نہیں مگر چونکہ نور چراغ محسوس اور واضح تر وجہ شبہ میں ہے اس لیے اس کو مشبہ بہ کر دیا ہے اسی طرح یہاں از بسکہ ابراہیم و آل ابراہیم علیہ السلام پر رحمت و برکت کا ہونا جملہ ملتوں میں واضح اور مشہور تھا اس وجہ سے مشبہ بہ کر دیا گیا کذا فی الشامی **وَهِيَ فَرْضٌ عملاً بالامر فی شعبان ثانی الهجرة مرةً واحدةً اتفاقاً فی العمر** اور درود فرض ہے عمر بھر میں ایک بار بالاتفاق واسطے عمل کرنے کے امر پر جو شعبان سنہ ۲ دو ہجری میں ہوا طحطاوی نے کہا کہ عملاً مفعول لہ ہے یعنی فرضیت درود کی اس وجہ سے ہے کہ امر قطعی الثبوت پر عمل ہو اور اس سے یہ نکلا کہ اس کی فرضیت قطعی ہے صرف عملی نہیں تو اس کا منکر کافر ہو گا امر سے مراد یہ آیت ہے (يٰۤاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا[3]) جو دوسرے سال ہجری میں نازل ہوئی اور بعضوں نے کہا کہ شب معراج میں **فلو بلغ فی صلوۃ نابت عن الفرض نہر بحثاً** پھر اگر نمازی اپنی نماز میں بالغ ہوا اور قعدہ اخیرہ میں درود پڑھا تو یہ درود قائم مقام فرض کا ہو گا یعنی اس کے بعد درود فرض نہ رہے گا کذا فی النهر بحثاً **وفی المجتبی لا یجب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یصلی علی نفسہ** اور مجتبیٰ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب نہیں کہ خود اپنے اوپر صلوۃ بھیجیں ہم نہر الفائق میں ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یا ایہا الذین آمنو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شامل نہیں بخلاف یا ایہا الناس اور یا عبادی کے کہ اس میں سب شامل ہوتے ہیں چنانچہ اصول میں معلوم ہو چکا ہے اور حکمت آپ پر واجب نہ ہونے کی یہ ہے کہ درود دعا ہے اور دعا اپنے نفس کے لیے ہر شخص بالطبع چاہتا ہے اور اپنی خیر مانتا ہے تو اس میں کچھ تکلف اور مشقت نہیں اور خطاب شرعی کا وجوب اسی امر میں ہوتا ہے جس میں کچھ مشقت اور طبیعت کو کلفت ہو کذا فی الشامی **واختلف الطحاوی والکرخی فی وجوبها علی السامع والذاکر کلما ذکر صلی اللہ علیہ وسلم والمختار عند الطحاوی تکرارہ** ای الوجوب کلما ذکر **ولو اتحد المجلس فی الاصح** اور اختلاف کیا ہے طحاوی اور کرخی نے درود کے واجب ہونے میں سننے والے اور ذکر کرنے والے پر جتنے بار کہ مذکور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک ہو اور طحاوی کے نزدیک مختار مکرر ہونا وجوب صلوۃ کا ہے جتنے بار کہ ذکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو اگرچہ ایک ہی مجلس میں ہو صحیح تر قول میں ہم شامی نے کہا کہ وجوب صلوۃ میں اختلاف ذکر کیا سلام کا ذکر نہ کیا حالانکہ آیت میں صلوۃ اور سلام دونوں ہیں اس لیے کہ مراد

[1] یعنی دین تمہارے باپ ابراہیم کا ۱۲ [2] پیروی کر ملت ابراہیم کی ایک رخا ہو کر ۱۲ [3] اے ایمان والو درود بھیجو تم اس پر اور سلام پڑھو سلام کا حق ۱۲

تسلیم سے آیت میں حکم مانا ہے اور اصح کی قید اس لیے لگائی کہ کافی میں تصحیح اس کی ہے کہ اتحادِ مجلس کی صورت میں ایک بار صلوٰۃ کافی ہے اور شرح مقدمہ ابی اللیث میں وجوب کے مکرر ہونے کو طحاوی کے نزدیک بطور کفایہ کہا ہے نہ بطور عین یعنی اگر بعض صلوٰۃ پڑھ لیں گے تو کل پر سے وجوب ساقط ہو گا لا ان الامر یقتضی التکرار بل لانہ تعلق وجوبہا بسبب متکرر وہو الذکر فیتکرر بتکررہ وتصیر دینا بالترک فتقضی لانہا حق عبد کالتشمیت یہ وجوب کا مکرر ہونا اس لیے نہیں کہ صیغہ امر تکرار کا مقتضی ہے بلکہ اس لیے ہے کہ وجوب صلوٰۃ ایک سبب مکرر سے متعلق ہے یعنی ذکر[۱] سے تو جب سبب مکرر ہو گا وجوب بھی مکرر ہو گا اور درود کے ترک کرنے سے ذمہ پر فرض ہو جائے گا تو اس کی قضا ہو گی اس لیے کہ صلوٰۃ حق عبد ہے جیسے جواب چھینک کا دینا کا بندہ کا حق ہے اور اس کی قضا ہوتی ہے ہم یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ وجوب صلوٰۃ امر کے سبب سے ہے حالانکہ اصول میں ثابت ہو چکا ہے کہ امر کا صیغہ مقتضی تکرار وجوب کا نہیں تو مکرر صلوٰۃ کا پڑھنا کس طرح واجب ہوا شارح نے جواب دیا کہ یہ تکرار امر کے اقتضا سے نہیں بلکہ سبب کے مکرر ہونے سے اور سبب صلوٰۃ ذکر ہے اسم شریف کا تو جب اسم شریف مکرر ہو گا وجوب صلوٰۃ بھی مکرر ہو گا اور چھینک کے جواب کی تشبیہ صرف قضا میں ہے نہ باقی احکام میں کذا فی الشامی والطحطاوی بخلاف ذکرہ تعالٰی بخلاف ذکر اللہ تعالٰی کے کہ وہ حق پروردگار ہے اس کی قضا نہ ہو گی طحطاوی نے کہا کہ یہ کیا ضرور ہے کہ جو حق تعالٰی کا حق ہو اس کی قضا نہ ہو مثلاً نماز و روزہ حق اللہ ہیں اور ان کی قضا ہوتی ہے تو مراد شارح کی یہ ہے کہ خداوند جل شانہ کا نام سن کر ثنا کرنا واجب ہے اور ایک مجلس میں نام کے مکرر ذکر ہونے سے ایک بار ثنا کافی ہے چنانچہ بحر الرائق میں ہے انتہی ملخصاً والمذہب استحبابہ ای التکرار وعلیہ الفتوی اور مذہب مشہور مستحب ہونا ہے تکرار کا یعنی ایک بار صلوٰۃ واجب ہے اور دوبارہ ذکر شریف ہونے سے صلوٰۃ مستحب ہے اور اسی پر فتوی ہے والمعتمد من المذہب قول الطحاوی کذا ذکرہ الباقانی تبعا لما صححہ الحلبی وغیرہ اور مذہب معتمد قول طحاوی کا ہے کہ ہر بار صلوٰۃ واجب ہے ایسا ذکر کیا ہے اس کو باقانی نے بہ تبعیت تصحیح حلبی وغیرہ کے ورجحہ فی البحر باحادیث الوعید کرغم والبعاد والشقاء وبخل وجفاء اور ترجیح دی ہے قول طحاوی کو بحر الرائق میں وعید کی حدیثوں سے جیسے وعید ذلیل ہونے اور دور ہونے اور بدبخت ہونے اور بخل اور ستم کی ہم یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پر صلوٰۃ نہ پڑھنے والے پر ان الفاظ سے وعید احادیث میں آئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ ہر بار اسم مبارک کے مذکور ہونے پر واجب ہے وعید رغم کی حدیث اس طرح ہے (رغم[۲] انف رجل ذکرت عندہ فلم یصل علی) اور ابعاد کی یہ ہے (بعد[۳] من ذکرت عندہ فلم یصل علیک) اور شقا کی یوں ہے (من[۴] ذکرت عندہ فلم یصل علی فقد شقی) اور بخل کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں البخیل[۵] من ذکرت عندہ فلم یصل علی) اور جفا کے الفاظ یوں وارد ہیں (من[۶] الجفاء ان اذکر عند الرجل فلم یصل علی) کذا فی الطحطاوی عن الحلبی ثم قال فتکون فرضا فی العمر وواجبا کلما ذکر علی الصحیح پھر صاحب بحر نے اس ترجیح کے بعد کہا کہ درود پڑھنا فرض ہے عمر بھر میں اور واجب ہے جتنے بار کہ ذکر نام مبارک کا ہو مذہب صحیح پر وحراما عند فتح التاجر متاعہ ونحوہ اور حرام ہے وقت کھولنے تاجر کے اپنے اسباب کو اور اس جیسے دوسرے وقتوں میں یعنی مکروہ تحریمی ہے شامی نے کہا کہ یہ اس صورت میں ہے کہ تاجر کو اس درود کے پڑھنے سے خریدار کا جتانا یا اپنے اسباب کی ترویج منظور ہو اور اگر اس کا مقصود صرف درود ہو گا تو مکروہ نہ ہو گا اور اس میں ملحق ہے ذکر اللہ تعالٰی کا جس سے تعظیم مقصود نہ ہو بلکہ

[۱] اشارہ ہے حدیث من ذکرت عندہ فلم یصل وغیرہ کی طرف ۱۲ [۲] ذلیل ہو وہ شخص جس کے پاس میرا ذکر ہو سو وہ مجھ پر صلوٰۃ نہ بھیجے ۱۲ [۳] یہ ٹکڑا ہے ایک حدیث طویل کا جو شامی میں مذکور ہے معنی اس کے یہ ہیں کہ دور ہو رحمت خدا سے وہ جس کے پاس تیرا ذکر ہوا اور وہ تجھ پر درود نہ بھیجے خطاب ہے خدا تعالٰی کی طرف سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ۱۲ [۴] جس کے پاس میں مذکور ہوں اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے تو بدبخت ہے ۱۲ [۵] بخیل وہ ہے جس کے پاس میرا ذکر ہوا اور اس نے مجھ پر درود نہ بھیجا [۶] یہ ستم کی بات ہے کہ میں آدمی کے پاس مذکور ہوں سو وہ مجھ پر درود نہ پڑھے ۱۲

دوسرے کو جتانا یا اپنے اسباب کا مروج کرنا مدنظر ہو تو وہ بھی مکروہ تحریمی ہے کذا فی الطحطاوی وسنۃ فی الصلوٰۃ اور مسنون ہے درود پڑھنا نماز میں یعنی قعدہ اخیرہ کے تشہد کے بعد ومستحبۃ فی کل اوقات الامکان اور درود پڑھنا مستحب ہے سب امکان کے وقتوں میں یعنی جس وقت کہ کوئی مانع شرعی نہ ہو اس میں درود پڑھنا مستحب ہے ہم علماء نے اوقات درود کی تصریح اس طرح کی ہے روز جمعہ شب جمعہ روز شنبہ روز یکشنبہ روز پنجشنبہ وقت صبح وقت شام مسجد میں گھسنے کے وقت مسجد سے نکلنے کے وقت قبر شریف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے وقت صفا کے اوپر مروہ پر جمعہ وغیرہ کے خطبہ میں بعد جواب اذان کے تکبیر کے وقت دعا مانگنے کے شروع اور درمیان اور آخر میں دعا قنوت کے بعد تلبیہ سے فارغ ہونے کے وقت اجتماع کے وقت جدا ہونے کے وقت وضو کرنے کے وقت کان بولنے کے وقت چیز کے بھول جانے کے وقت وعظ کہنے کے وقت حدیث کے پڑھنے کی ابتدا میں اس کے انتہا کے وقت مسئلہ یا فتویٰ یا لکھنے کے وقت تصنیف کے وقت ہر درس دینے والے کو ہر پڑھنے والے کو ہر منگنی کرنے والے کو ہر نکاح پڑھنے والے کو ہر نکاح پڑھوانے والے کو سب ضروری کاموں کے پیش تر آں حضرت صلعم کے نام لکھنے کے وقت کذا فی شرح دلائل الخیرات للفاسی شامی نے کہا کہ ان مواضع میں سے اکثر کی تصریح کتب حنفیہ میں موجود ہے ومکروہۃ فی صلوٰۃ غیر تشہد اخیر اور درود پڑھنا مکروہ نماز میں بجز اخیر تشہد کے کہ اس میں مسنون ہے شامی نے کہا کہ استثنا کرنا قنوت وتر کا بھی چاہیے کہ اس کے آخر میں درود مشروع ہے چنانچہ بحرالرائق میں ہے اور ایسے ہی نماز جنازہ کو استثنا کرنا چاہیے کہ اس میں درود مسنون ہے تنبیہ درود پڑھنا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سات جگہ مکروہ ہے حالت جماع حالت بول و براز ترویج طبع میں لغزش قدم کے وقت تعجب کے وقت ذبح کے وقت چھینکنے کے وقت کذا فی الشرعۃ فلذا استثنی فی النہر من قول الطحاوی مافی التشہد الاول اور چونکہ سوا تشہد اخیر کے نماز میں درود مکروہ ہے تو اس لیے نہر الفائق میں طحاوی کے قول سے استثنا کیا ہے اس نام مبارک کو جو تشہد اول میں ہے یعنی بموجب قول طحاوی کے جس جگہ نام مبارک آوے درود واجب ہے مگر قعدہ اول میں باوجود نام پاک آنے کے درود واجب نہیں بلکہ تحریمی ہے کذا فی الشامی وضمن صلوٰۃ علیہ لئلا یتسلسل اور مستثنیٰ کیا ہے اس نام کو جو ضمن میں درود شریف کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو تا کہ تسلسل نہ ہو یعنی درود پڑھنا خالی نام مبارک سے نہیں تو اگر ہر نام پر درود واجب ہو تو سلسلہ درود کا ختم نہ ہو شامی نے کہا کہ اس صورت کا بھی استثنا کرنا چاہیے کہ نام مبارک قرأت یا خطبہ میں سنے اس لیے کہ سننا قرأت اور خطبہ کا واجب ہے اور اگر خود قرآن پڑھتا ہو اور نام مبارک آوے تو افضل یہ ہے کہ قرأت نہ چھوڑے بعد فراغت قرأت کے اختیار ہے چاہے درود پڑھے چاہے نہ پڑھے بل خصہ فی درر البحار بغیر الذاکر لحدیث من ذکرت عندہ فلیحفظ بلکہ درر بحار میں درود کے واجب ہونے کو خاص کیا ہے نام لینے والے کے سوا پر بسبب حدیث من ذکرت عندہ کے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے ہم بعض علماء نے طحاوی کے قول پر اعتراض کیا کہ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے سے درود واجب ہو تو سلسلہ درود کا تمام نہ ہوگا اس لیے کہ درود خالی نام پاک سے نہیں ہوتا درر البحار میں طحاوی کی طرف سے یہ جواب دیا کہ وجوب اس پر ہے جو نام مبارک کو سنے نہ نام لینے والے پر اس لیے کہ حدیث شریف میں جو وعید وارد ہے وہ نام کو سن کر درود نہ پڑھنے والے پر ہے مثلاً البخیل من ذکرت عندہ فلم یصل علی یعنی بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور مجھ پر درود نہ پڑھے اس حدیث میں مَن موصولہ سے سننے والا مراد ہے جس کے روبرو نام لیا گیا تو چاہیے کہ نام لینے والا اور کوئی ہو اور وجہ وجوب کی یہی وعیدیں ہیں جو احادیث میں مذکور ہیں تو معلوم ہوا کہ وجوب سننے والے ہی پر ہے وارعاج الاعضاء برفع الصوت جہل و انما ہی دعاء لہ والدعاء یکون بین الجہر والمخافتۃ کذا اعتمدہ الباجی فی کنز العفاۃ اور اعضاء کا ہلانا آواز کی بلندی کے ساتھ جہالت ہے بلکہ درود تو آدمی کے حق میں دعا ہے اور دعا مانگنا درمیان میں جہر اور اسرار کے ہوتا ہے یعنی نہ چیخ کر نہ بہت آہستہ

اسی طرح اعتماد کیا ہے اس پر باجی نے کنز العفاۃ میں ھم یعنی درود پڑھنے میں چیخنا اور ہاتھ پاؤں یا گردن کا ہلانا جہالت ہے فتاوی عالمگیری میں کہا کہ قرآن سننے اور وعظ کے وقت میں آواز بلند کرنی مکروہ ہے وحررانہا قدتردوکلمۃ التوحید مع انہا اعظم منہا وافضل لحدیث الاصبہانی وغیرہ عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی مرۃ واحدۃ فتقبلت منہ محا اللہ عنہ ذنوب ثمانین سنۃ فقید المامول بالقبول اور باجی نے تنقیح کی ہے کہ درود شریف بعض اوقات مقبول نہیں ہوتا جیسے کلمہ توحید لا الہ الا اللہ بدون اخلاص کے مقبول نہیں ہوتا باوجودیکہ کلمہ توحید درود شریف سے بزرگ اور افضل ہے کیوں کہ جزو ایمان ہے درود شریف کے مقبول نہ ہونے کی وجہ یہ حدیث اصفہانی وغیرہ کی ہے انس رضی اللہ تعالی عنہ سے کہ انھوں نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے مجھ پر ایک بار درود پڑھا اور وہ اس سے مقبول ہوا تو اللہ اس کے اسی برس کے گناہ مٹا دے گا اس حدیث میں ثواب متوقع کو قبول کے ساتھ مقید کیا یعنی اس سے نکلتا ہے کہ کوئی درود نامقبول بھی ہوتا ہے ھم درود پڑھنا بھی ایک عمل ہے تو جیسے اور اعمال مقبول اور نامقبول ہوتے ہیں اسی طرح درود شریف کا بھی حال ہے مگر بعض محققین نے فرمایا کہ درود شریف دو تعلق رکھتا ہے ایک ثواب کا ہونا پڑھنے والے کو تو اس سے تعلق میں درود کا حکم اور اعمال کا سا ہے کہ جب موانع اور عوارض سے خالی ہو گا تو موجب ثواب ہو گا اور ایک تعلق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے آپ کے درجات زیادہ کرنے کے حق میں تو اس سے درود شریف نامقبول نہیں ہوا کرتا کذا فی الطحطاوی تبصرف ودعا بالعربیۃ وحرم بغیرہا نہر لنفسہ والویہ واستاذہ والمومنین اور قعدہ اخیرہ میں درود کے بعد دعا پڑھے عربی میں اور حرام ہے دعا پڑھنا عربی کے سوا دوسری زبان میں دعا کرے اپنے لیے اور اپنے ماں باپ اور استاد کے لیے جو مسلمان ہوں ھم دعا اور درود کے پیچھے اس لیے ہوئی کہ جو کوئی دربار شاہی میں جاتا ہے تو بادشاہ کے خواص کو ضرور سلام کرتا ہے اور شاہنشاہ علی الاطلاق کا خاص الخاص اس کا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور آپ پر درود پڑھنا مقبول ہے تو اس سے توقع ہے کہ اس کے بعد دعا بھی مقبول ہو اور دوسری زبان میں دعا کی حرمت نہر الفائق میں مذکور ہے اس تعلیل سے کہ دوسری زبان میں ایسے الفاظ ہوتے ہیں جو منافی تعظیم ہوں مفتی ابو السعود نے کہا کہ جب نماز کا شروع کرنا غیر زبان میں جائز ہے تو دعا کیسے حرام ہو گی کذا فی الطحطاوی شامی نے بعد تحقیق کہا کہ غیر زبان میں دعا مکروہ ہے نہ حرام ویحرم سوال العافیۃ مدی الدہر او خیر الدارین ودفع شرہما او المستحیلات العادیۃ کنزول المائدۃ قیل والشرعیۃ اور حرام ہے مانگنا تندرستی کا عمر کے سب وقتوں میں یعنی سب مرضوں سے یا بہتری دونوں جہان کی اور دور ہونا دونوں جہان کی برائیوں کا یا ان چیزوں کا جو عادتاً محال ہیں جیسے اترنا دسترخوان کا آسمان سے اور بعضوں نے کہا کہ محال چیزیں شرعی بھی مانگنی حرام ہیں جیسے دیکھنا پروردگار کا دنیا میں ھم سب مرضوں سے عافیت کا مانگنا اس لیے حرام ہوا کہ خدا تعالی نے کسی حکمت کے سبب سے آدمی میں امراض کو پیدا کیا ہے جس کا فائدہ اسی کی طرف عائد ہوتا ہے تو دعا سے آدمی اس حکمت کو باطل کیا چاہتا ہے اور خیر دارین کی طلب اس لیے حرام ہوئی کہ بدون شر کے آدمی زندگی کو حاصل ہونی محال ہے بعض شر اس پر ضرور آ دے گی مثلاً جان کندنی کی سختی ہاں اگر خیر سے یہ ارادہ کرے گا کہ جو امر اللہ تعالی کے نزدیک اپنے حق میں خیر ہو تو مضائقہ نہیں جناں چہ اس قسم کی دعا حدیث میں وارد ہے (اللّٰہم[1] انی اسئلک من الخیر کلہ ما علمت منہ ومالم اعلم واعوذبک من الشر کلہ ما علمت منہ ومالم اعلم) کذا فی الطحطاوی تبصرف (والحق حرمۃ الدعاء بالمغفرۃ للکافر لا لکل المومنین کل ذنوبہم بحر) اور حق یہ ہے کہ دعا مانگنی کافر کی مغفرت کے لیے حرام ہے نہ سب مومنین کے واسطے ان کے سب گناہوں کے بخشے جانے کی کذا فی البحر یہ رد ہے امام قرافی وغیرہ

[1] الٰہی میں سوال کرتا ہوں تجھ سے سب بہتری کو جس کو میں نے جانا اور جس کو نہیں جانا اور تیری پناہ مانگتا ہوں سب برائیوں سے جن کو میں نے جانا اور جن کو نہیں جانا ۔

کا جو یہ کہتے ہیں کہ کافر کی مغفرت کی دعا کرنے سے کافر ہو جاتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو ان کی عدم مغفرت کی خبر دیتا ہے[۱] پھر دعائے مغفرت سے اللہ تعالیٰ کا اس خبر میں جھوٹا کرنا ہوا اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ سب ایمانداروں کے سب گناہوں کی مغفرت کی دعا حرام ہے اس لیے کہ اس دعا سے تکذیب ان صحیح حدیثوں کی لازم آتی ہے جن میں تصریح ہے کہ کچھ مومنین دوزخ میں اپنے گناہوں کے سبب سے بالضرور عذاب پاویں گے تو شارح اس قول کو رد کرتا ہے کہ دعائے مغفرت کافر سے کافر نہیں ہوتا بلکہ گنہگار ہوتا ہے کہ دشمنان خدا اور رسول کے لیے بہتری چاہتا ہے اس لیے دعا مذکور حرام ہے نہ کفر اور مومنین کے کل گناہوں کی مغفرت عقلاً جائز ہے بموجب آیت (ویغفر مادون ذلک لمن یشاء[۲] اور ان اللہ یغفر الذنوب جمیعًا) کے تو جائز ہے کہ فرط شفقت برادران دینی کی جہت سے ان کے لیے ایسی دعا مانگے جو جائز الوقوع ہو گو نفس الامر میں واقع نہ ہو کذا الیستفاد من الشامی والطحطاوی **بالادعیۃ المذکورۃ فی القرآن والسنۃ لا بما یشبہ کلام الناس** دعا پڑھا ان دعاؤں سے جو مذکور ہیں قرآن اور حدیث میں نہ ان سے کہ لوگوں کے کلام کے مشابہ ہوں طحطاوی نے کہا کہ قرآن کی دعا اگر پڑھے تو نیت قرآن ہونے کی اس سے نہ کرے اس لیے کہ قراءت قرآن سوائے قیام کے دوسرے رکن میں مکروہ ہے م دعا مسنون نماز کے آخر میں پڑھنا بہت اچھا ہے مشکوٰۃ میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ کو ایک دعا تعلیم فرمائیے کہ نماز میں اس کو پڑھوں آپ نے یہ دعا تعلیم فرمائی (اللہم[۳] انی ظلمت نفسی ظلمًا کثیرًا ولا یغفر الذنوب الا انت فاغفر لی مغفرۃ من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم) تو امت والوں کو چاہیے کہ خاص اسی دعا کو پڑھا کریں اضطرب فیہ کلامہم ولا سیما المصنف والمختار کما قال الحلبی ان ما ہو فی القرآن او فی الحدیث لا یفسد وما لیس فی احدہما ان استحال طلبہ من الخلق لا یفسد و لا یفسد لو قبل قدر التشہد دعا کے باب میں فقہا کا کلام پریشان ہے خصوص مصنف کا کہیں کچھ ہے اور کہیں کچھ اور مختار بموجب قول حلبی کے یہ ہے کہ جو دعا قرآن یا حدیث میں ہے مفسد نماز نہیں اور جو دعا کہ قرآن یا حدیث میں سے کسی میں نہیں تو اگر اس کا مانگنا خلق سے محال ہے مثلاً اغفر لعمی یعنی میرے چچا کی مغفرت کر تو مفسد نماز نہ ہوگی اور اگر اس کا مانگنا خلق سے محال نہ ہوگا جیسے یوں کہنا کہ الٰہی مجھ کو نمک دے یا تیل دے وغیرہ تو نماز مفسد ہوگی بشرطیکہ دعا مذکورہ مقدار التحیات سے پیشتر ہو وان تم بہ مالم یتذکر سجدۃ فلا تفسد بسوال المغفرۃ مطلقاً ولو لعمی او لعمرو وکذا الرزق مالم یقیدہ بمال ونحوہ لاستحالہ فی العباد مجازًا اور اگر مقدار التحیات سے پیشتر نہ پڑھے بلکہ اس قدر کے بعد پڑھے تو نماز اس سے پوری ہو جائے گی یعنی کراہت تحریمی کے ساتھ کذا فی الطحطاوی نماز پوری ہوگی جب تک کہ سجدہ نماز یا تلاوت یاد نہ پڑے تو فاسد نہ ہوگی دعائے مغفرت سے مطلقاً یعنی خواہ وہ دعا قرآن میں ہو یا نہ ہو اگرچہ دعا یوں کرے کہ الٰہی بخش دے میرے چچا یا عمرو کو اور اسی طرح فاسد نہ ہوگی نماز طلب رزق سے اگر اس کو مقید مال وغیرہ سے نہ کرے گا واسطے مستعمل ہونے رزق کے بندوں میں بطور مجاز کے م سجدہ تلاوت اور سجدہ نماز کے یاد نہ پڑنے کی قید اس لیے لگائی کہ ان کے یاد ہونے سے قعدہ اخیرہ باطل ہو جاتا ہے تو دعا نماز کے بیچ میں واقع ہوگی اس لیے مفسد ہوگی اور طلب رزق میں مال کی قید اس لیے لگائی کہ رزق تو خاص خدا تعالیٰ کا کام ہے بندہ صرف اس کا سبب یعنی مال پہنچا سکتا ہے اس لیے رزق مقید بمال سے نماز فاسد ہوگی مثلاً یوں کہنے سے کہ الٰہی مجھ کو مال روزی کر اور چوں کہ بندے کے اختیار میں سبب رزق کا ہے نہ رزق اس لیے شارح نے بتلا دیا کہ رزق دینے کا استعمال بندوں کے حق میں مجازًا ہوا کرتا ہے نہ حقیقۃً **ثم یسلم عن یمینہ ویسارہ**

[۱] یعنی اس آیت میں ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ یعنی اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اپنے ساتھ شرک کیے جانے کو ۱۲ [۲] اور بخشتا ہے اس کے سوا جس کو چاہے ۱۲ [۳] بے شک اللہ بخشتا ہے سب گناہوں کو ۱۲ [۴] الٰہی میں نے ظلم کیا اپنی جان پر بہت ظلم اور کوئی نہیں بخشتا گناہوں کو سوا تیرے سو تو مغفرت کر میری اپنے پاس سے اور رحم کر مجھ پر تو ہی بے شک بخشنے والا مہربان ۱۲

حتی یری بیاض خدہ پھر سلام پھیرے منہ پھیر کر داہنے اور بائیں کو اس قدر کہ سفیدی اس کے رخسار کی پیچھے کے نماز پڑھنے والے کو دکھائی دے یعنی داہنے رخسار کی داہنی طرف کو منہ پھیرنے میں اور بائیں کی بائیں طرف کو پھیرنے میں ہم کامل تر سلام پھیرنے میں یہ کہنا ہے داہنے اور بائیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ تو اگر صرف السلام علیکم یا سلام علیکم کہے گا تو کافی ہوگا مگر تارک سنت ہوگا اور داہنے بائیں کو منہ پھیرنا بھی سنت ہے کذا فی الطحاوی ولو عکس سلم عن یمینہ فقط ولو تلقاء وجہہ سلم عن یسارہ اخری اور اگر الٹا کیا یعنی بائیں طرف اول سلام پھیرا اور داہنی طرف پیچھے تو سلام پھیرے صرف اپنے داہنی طرف اور اگر سلام پھیرا اپنے سامنے کی طرف تو دوسرا سلام بائیں طرف کو پھیر دے یعنی سامنے کا سلام قائم مقام داہنی طرف کے ہو جائے گا ولو نسی الیسار اتی بہ مالم یستدبر القبلۃ فی الاصح اور اگر بائیں کو سلام پھیرنا بھول گیا تو اس کو ادا کرلے جب تک کہ قبلہ کو پشت نہ پھیری ہو صحیح تر قول میں اور نہ کلام کیا ہو شامی نے کہا کہ بحرالرائق میں ہے کہ سلام کو ادا کرلے جب تک کہ مسجد سے نہ نکلا ہو گو قبلہ کو پشت کر لی ہو اس لیے شارح نے اصح کی قید لگادی کہ بحرالرائق کا قول نکل جاوے وتنقطع التحریمۃ بتسلیمۃ واحدۃ برہان وقد مر اور منقطع ہو جاتی ہے تحریمہ ایک طرف کے سلام پھیرنے سے کذا فی البرہان اور یہ مسئلہ پیشتر گذرا یعنی واجبات نماز میں بیان ہو چکا ہے کہ اقتداء تمام ہو جاتا ہے سلام اول پر پیشتر لفظ علیکم کے وفی التاتارخانیۃ ماشرع فی الصلوۃ مثنی فللواحد حکم المثنی فیحصل التحلیل بسلام واحد کما یحصل بالمثنی وتتقید الرکعۃ بسجدۃ واحدۃ کما تتقید بسجدتین اور تاتارخانیہ میں ہے کہ جو چیز نماز میں دو مشروع ہوئی ہے تو اس میں سے ایک کے لیے حکم دو کا ہے اس سے یہ نکلا کہ نماز سے حلال ہونا ایک سلام سے حاصل ہو جاتا ہے جیسے دو سے حاصل ہوتا ہے اور رکعت ایک سجدہ سے مقید ہو جاتی ہے جیسے دو سے ہوتی ہے یعنی اگر قعدہ اخیرہ بھول کر مثلاً کھڑا ہو گیا اور ایک رکعت زائد پڑھی تو جبھی رکعت مذکور کو ایک سجدہ سے مقید کرے گا فرض باطل ہو جائیں گے اما الامام ان اتم التشہد کما مر اور مقتدی سلام پھیرے امام کے ساتھ ہی اگر التحیات پڑھ چکا ہو چناں چہ گذر گیا یعنی التحیات پوری نہ کی ہو تو اسکو پوری کرکے سلام پھیرے اسلیے کہ التحیات بھی واجب ہے اور متابعت امام بھی واجب ہے حالانکہ دوسری کو ترجیح اول پر نہیں کذا فی الحلبی ولا یخرج المؤتم بخروج سلام الامام بل بقہقہتہ وحدثہ عمداً لانتفاء حرمتہا فلا یسلم اور نہیں نکلتا ہے مقتدی نماز سے امام کے سلام جیسی چیز سے بلکہ اس کے کھلکھلا کر ہنسنے اور قصداً بے وضو ہو جانے سے مقتدی نماز سے باہر ہو جائے گا بسبب نہ رہنے حرمت نماز کے تو اس صورت میں مقتدی سلام نہ پھیرے ہم پہلی صورت اس طرح ہے کہ قعدہ اخیرہ کے بعد امام نے سلام پھیرا یا کلام کیا یا اور کوئی بات کی جس سے نماز پوری ہو گئی فاسد نہ ہوئی تو ایسی صورت میں مقتدی نماز سے باہر نہ ہوگا بلکہ اس پر سلام پھیرنا واجب ہے اور قہقہہ اور حدث نماز کے مفسد ہیں تو چوں کہ بعد تمامی ارکان کے پائے گئے اس لیے کچھ ضرر نہ کریں گے اور سلام کا پھیرنا بھی واجب نہ ہوگا نہ امام پر نہ مقتدی پر کذا فی الشامی ولو اتمہ قبل امامہ فتکلم جاز وکرہ فلو عرض مناف تفسد صلوۃ الامام فقط اور اگر مقتدی نے تشہد کو اپنے امام سے پہلے پورا کرلیا پھر بول پڑا تو نماز درست ہوگی اور یہ فعل مکروہ ہوگا کیوں کہ متابعت امام کی بدون عذر کے ترک کی اب اگر مقتدی کے کلام کرنے کے بعد کوئی نماز کا منافی امام کو درپیش ہوگا تو صرف امام کی نماز فاسد ہو جائے گی مقتدی کی نہ ہوگی کیوں کہ وہ تو منافی کے پیش ہونے سے پہلے ہی نماز سے علیحدہ ہو گیا ہے کالتحریمۃ مع الامام وقالا الافضل فیہما بعدہ وسلام پھیرے مثل تکبیر تحریمہ کے امام کے ساتھ ہی نہ پیچھے اور صاحبین نے کہا کہ افضل تحریمہ اور سلام میں یہی ہے کہ بعد امام کے ہو قائلاً السلام علیکم ورحمۃ اللہ ہو السنۃ سلام پھیرے یہ کہتا ہوا السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہ ان الفاظ کا کہنا سنت ہے وصرح الحدادی بکراہتہ علیکم السلام وانہ لا یقول ہنا وبرکاتہ اور حدادی نے تصریح کی ہے علیکم السلام کے مکروہ ہونیکی اور اس بات کی کہ وبرکاتہ بعد رحمۃ اللہ کے نہ کہے یہاں سلام پھیرنے میں بلکہ یہ لفظ التحیات میں کہے وجعلہ النووی بدعۃ وردہ الحلبی اور وبرکاتہ کہنے کو نووی نے بدعت قرار دیا ہے اور حلبی شارح منیہ نے نووی کے قول کو رد کیا ہے یہ کہہ کر کہ سنن ابو داؤد میں بروایت وائل بن حجر باسناد صحیح یہ لفظ وارد ہے

پھر بدعت کیسے ہوسکتا ہے وفی الحاوی انہ حسنٌ اور حاوی قدسی میں ہے کہ یہ لفظ کہنا بہتر ہے **وسنّ جعل الثانی اخفض من الاوّل** خصہ فی المنیۃ بالامام واقرہ المصنف اور دوسرے سلام کو بہ نسبت اول کے پست کہنا مسنون ہے منیہ میں اس بات کو امام کے لیے خاص کیا ہے یعنی مقتدی اور منفرد دونوں طرف یکساں آواز سے سلام پھیرے اور ثابت رکھا ہے منیہ کے قول کو مصنف نے **وینوی الامام بخطابہ السلام علی من فی یمینہ و یسارہ** ممن معہ فی صلوٰۃ ولو جنا او نساء اما سلام التشہد فیعم لعدم الخطاب والحفظۃ فیہما بلا نیۃ عدد کالایمان بالانبیاء اور نیت کرے امام اپنے خطاب السلام علیکم سے سلام ان لوگوں پر جو اس کے داہنے اور بائیں طرف اس کے نماز میں شریک ہیں گو جن یا عورتیں ہوں اور سلام تشہد کا یعنی السلام علینا عام ہے سب مسلمانوں[١] پر بسبب نہ ہونے خطاب کے اور نیت کرے فرشتوں محافظ کے دونوں سلاموں میں بدون نیت شمار کے جیسا ایمان لانا انبیاء علیہم السلام پر بدون شمار کے ہم محافظ فرشتوں کی تعداد میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ ہر مومن کے ساتھ دو ہیں اور بعضوں کے نزدیک چار اور کسی کے نزدیک پانچ اور کسی کے دس اور کسی کے ایک سو ساٹھ اور اس کا پورا بیان منیہ کی شرحوں میں ہے کذا فی الشامی وقدم القوم لان المختار ان خواص بنی آدم وہم الانبیاء افضل من کل الملئکۃ وعوام بنی آدم وہم الاتقیاء افضل من عوام الملئکۃ والمراد بالاتقیاء من اتقی الشرک فقط کالفسقۃ کما فی البحر عن الروضۃ واقرہ المصنف اور مصنف نے اول قوم کو یعنی آدمیوں کو مقدم کیا فرشتوں سے اس لیے کہ مختار یہ ہے کہ بنی آدم کے خواص جو انبیاء ہیں وہ سب فرشتوں سے افضل ہیں اور بنی آدم میں کے پرہیزگار عوام فرشتوں سے افضل ہیں اور مراد پرہیزگاروں سے وہ لوگ ہیں جو صرف شرک سے پرہیز کرتے ہیں جیسے فاسق چناں چہ بحر میں روضہ سے منقول ہے اور مصنف نے اس کو ثابت رکھا ہے ہم کتاب روضۃ العلماء امام ابی الحسن بخاری کی تالیف ہے اسمیں لکھا ہے کہ امت کا اجماع ہے اس پر کہ انبیاء سب مخلوق سے افضل ہیں اور ان میں سے افضل سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور بعد انبیاء کے سب خلق سے افضل خواص ملائکہ ہیں یعنی جبرائیل اور اسرافیل اور میکائیل اور عزرائیل اور حاملین عرش اور روحانی اور رضوان اور مالک علیہم السلام اور صحابہ اور تابعین اور شہدا اور صالحین باقی فرشتوں سے افضل ہیں اب اس کے بعد اختلاف ہے امام صاحب تو فرماتے ہیں کہ سب اہل اسلام باقی فرشتوں سے افضل ہیں اور صاحبین کہتے ہیں کہ باقی فرشتے عوام مسلمانوں سے افضل ہیں غرضیکہ بشر تین قسم ہیں خواص مثل انبیاء اور اوساط مثل صحابہ وصلحا اور عوام مثل باقی لوگوں کے اور فرشتے دو قسم ہیں خواص جو اوپر مذکور ہوئے اور عوام جو ان کے سوا ہیں تو افضلیت بالاتفاق تین درجہ تک ہے یعنی سب سے افضل خواص بشر ہیں پھر خواص ملائک پھر اوساط بشر اور اس کے بعد اختلاف ہے امام کے نزدیک باقی لوگ افضل ہیں عوام ملائک سے اور صاحبین کے نزدیک عوام ملائک افضل ہیں کذا فی الشامی تبصرف قلت وفی مجمع الانہر تبعا للقہستانی خواص البشر واوساطہ افضل من خواص الملئکۃ واوساطہ عند اکثر المشائخ میں کہتا ہوں اور مجمع الانہر میں بہ تبعیت قہستانی مذکور ہے کہ خواص بشر افضل ہیں خواص ملائک سے اور اوساط بشر افضل ہیں اوساط ملائکہ سے اکثر مشائخ کے نزدیک ہم شامی نے کہا کہ اس عبارت میں لف ونشر مرتب ہے تو اس میں اور روضہ کی عبارت میں کچھ منافات نہیں اتنا فرق ہے کہ اس میں ادنی بشر کا ذکر نہیں کیا اس وجہ سے کہ اس میں اختلاف ہے چناں چہ اوپر بیان ہوا وہل تتغیر الحفظۃ قولان اور کیا محافظ فرشتے بدلتے رہتے ہیں یا نہیں اس میں دو قول ہیں ہم بعض علماء فرماتے ہیں کہ بدلتے رہتے ہیں کیوں کہ حدیث صحیح میں بخاری ومسلم کی وارد ہے کہ تم پر رات کو اور دن کو فرشتے پیاپے آتے ہیں اور نماز صبح اور عصر میں جمع ہو جاتے ہیں پھر جو تم میں رہے ہوتے ہیں وہ اوپر چڑھ جاتے ہیں الحدیث اس حدیث میں قاضی عیاض وغیرہ نے جمہور علماء سے نقل کیا ہے کہ مراد ان فرشتوں سے محافظ یعنی کراماً کاتبین ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ دونوں فرشتے

---

[١] اسی وجہ سے حدیث میں وارد ہے کہ جب آدمی السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین کہتا ہے تو ہر بندہ نیک بخت کو آسمان وزمین میں یہ سلام پہنچتا ہے ۱۲ ن ۱ النساء

آدمی کی زندگی تک نہیں بدلتے اس لیے کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایمان دار بندہ پر دو فرشتے معین کیے ہیں کہ وہ اس کا عمل لکھا کرتے ہیں جب وہ مرجاتا ہے تو وہ جناب الٰہی سے عرض کرتے ہیں کہ فلاں شخص مرگیا ہم کو تو اجازت دے کہ ہم آسمان پر چڑھ آویں اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ میرا آسمان فرشتوں سے پر ہے جو میری تسبیح پڑھتے ہیں پھر وہ عرض کرتے ہیں کہ تو ہم زمین میں ٹھہریں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری زمین میرے مخلوق سے پر ہے جو مجھ کو پاکی سے یاد کرتے ہیں پھر وہ دونوں عرض کرتے ہیں کہ اب ہم کہاں رہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کی قبر پر ٹھہرو اور میری تکبیر او تہلیل اور میرا ذکر کرو اور ان سب کو میرے بندہ کیلئے قیامت تک لکھتے رہو کذا فی الشامی ویفارقہ کاتب السیئات عند جماع وخلاء وصلوٰۃ اور علیحدہ ہوجاتا ہے آدمی سے لکھنے والا برائیوں کا وقت صحبت کرنے اور پاخانہ پھرنے اور نماز پڑھنے کے ہم طحاوی نے کہا کہ شارح اس عبارت میں بحرالرائق کا تابع ہوا حالانکہ مفارقت جماع اور بیت الخلاء میں دونوں فرشتے کرتے ہیں چناں چہ شرح جوہرہ میں ہے تو پھر تخصیص کاتب سیئات کی کیا ہے ہاں نماز میں چونکہ کاتب سیئات اپنے لکھنے کی چیز نہیں پاتا تو علیحدہ ہونا خاص اس کا گنجائش رکھتا ہے والمختار ان کیفیۃ الکتابۃ والمکتوب فیہ مما استاثر اللہ بعلمہ اور مختار یہ ہے کہ کیفیت فرشتوں کے لکھنے کی اور جس چیز میں وہ لکھتے ہیں اس کا حال ان اشیاء میں ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ کو مخصوص ہے نعم فی حاشیۃ الاشباہ تکتب فی رق بلا حرف کثبوتہا فی العقل وہو احد ما قیل فی قولہ تعالیٰ والطور وکتاب مسطور فی رق منشور ہاں حاشیہ اشباہ میں ہے کہ کاتب اعمال ورق میں بدون حرفوں کے لکھتے ہیں جیسے معلومات عقل میں بدون حرفوں کے رہتے ہیں اور یہ قول ایک ہے ان اقوال میں سے جو اس آیت کی تفسیر میں کہے گئے ہیں (والطور وکتاب مسطور فی رق منشور) یعنی قسم ہے طور کی اور قسم ہے کتاب لکھی ہوئی کی کشادہ ورق میں یعنی لوح محفوظ کی ہم شامی نے کہا کہ جب قول مختار شارح لکھ چکا تھا تو اس کے مقابل کے لکھنے کی ضرورت نہ تھی وصحح النیسابوری فی تفسیرہ انہما یکتبان کل شیٔ حتی انینہ اور نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں اس امر کی تصحیح کی ہے کہ وہ دونوں فرشتے ہر چیز کو لکھتے ہیں یہاں تک کہ آدمی کے کراہنے اور آہ کرنے کو بھی لکھتے ہیں شامی نے کہا کہ اس سے یہ نکلتا ہے کہ ضروری چیزوں کو مثل سانس لینے اور نبض وغیرہ کی حرکت کو بھی لکھتے ہیں قلت وفی تفسیر الدمیاطی یکتب المباح کاتب السیئات یمحی یوم القیامۃ میں کہتا ہوں اور تفسیر دمیاطی میں ہے کہ مباح چیز کو بدیوں کا کاتب لکھتا ہے اور قیامت کے دن مٹادے گا ہم اوپر جو بیان کیا تھا کہ دونوں کاتب ہر چیز کو لکھتے ہیں اب اس کی تفصیل کا خلاصہ یہ کہ اعمال تین قسم ہیں ایک وہ جن میں ثواب ہے دوم وہ جن میں عذاب ہو سوم مباح جن میں نہ ثواب ہو نہ عذاب تو ثواب کے اعمال کو کاتب حسنات کا لکھتا ہے اور باقی کو کاتب سیئات کذا فی الشامی وفی تفسیر الکازرونی المعروف بالخوین الاصح ان الکافر ایضا تکتب اعمالہ الا ان کاتب الیمین کالشاہد لکاتب الیسار اور کازرونی محشی بیضاوی میں جا خوین کے نام سے مشہور ہے لکھا ہے کہ صحیح تر قول یہ ہے کہ کافر کے اعمال بد بھی لکھے جاتے ہیں مگر داہنا کاتب مثل گواہ کے رہتا ہے بائیں پر ہم یعنی جب کافر کے اعمال بد ہی لکھے جاتے ہیں تو ضرورت داہنے فرشتے کی کیا ہے اس لیے شارح نے جواب دیا کہ وہ گویا بائیں کا گواہ ہے طحاوی نے کہا کہ شارح نے یہ قول نہر الفائق سے نقل کیا ہے اور اس میں کازرونی کی جگہ حاذمی بحاء مہملہ وزاء معجمہ ومیم در آخر ہے اور یہی صحیح ہے وفی البرہان ان ملئکۃ اللیل غیر ملئکۃ النہار وان ابلیس مع ابن آدم بالنہار وولدہ باللیل اور برہان میں ہے کہ رات کے فرشتے غیر ہیں دن کے فرشتوں سے کے سبب حدیث صحیحین کے جو اوپر گذری اور یہ کہ ابلیس ہر ابن آدم کے ساتھ رہتا ہے دن کو اور اس کی اولاد ساتھ رہتی ہے رات کو طحاوی نے کہا کہ ابلیس کی اولاد میں کئی قول ہیں بعضوں کے نزدیک اس کی جورو سے ہوتی ہے اور بعضوں کے نزدیک وہ انڈے دیتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی ایک ران میں علامت نر ہے اور دوسری میں علامت مادہ وہ

خود اپنا ذات سے صحبت رکھتا ہے وفی صحیح مسلم مامنکم من احد الا وقد وکل اللہ بہ قرینہ من الجن وقرینہ من الملئکۃ قالوا وایاک یارسول اللہ قال وایای ولکن اللہ اعاننی علیہ فاسلم روی بفتح المیم وضمہا اور صحیح مسلم میں ہے کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس پر خدا تعالیٰ نے مقرر کیا ہو اس کا ساتھی شیطانوں سے یعنی برائی پر دلالت کرتا ہے اور اس کا ساتھی فرشتوں سے جو خیر پر دلالت کرتا ہے لوگوں نے عرض کیا اور آپ پر یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا کہ مجھ پر بھی میرا قرین مقرر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس پر غالب کر دیا ہے تو وہ مسلمان ہو گیا ہے یعنی سوائے خیر کے اور بات مجھ سے نہیں کہتا شارح نے کہا کہ اسلم میم کے فتحہ اور ضمہ دونوں سے مروی ہے میم کے زبر سے صیغہ ماضی باب افعال سے اور ضمیر مستتر قرین کے طرف ہوگی جس کا ترجمہ اوپر لکھا گیا اور میم کے ضمہ سے صیغہ واحد متکلم مصدر سلامت سے ہوگا تب یہ معنی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے میری اعانت فرمائی تو میں اس سے بچا رہتا ہوں وینوی المؤتم السلام علی امامہ فی التسلیمۃ الاولیٰ ان کان الامام فیہا والافی الثانیۃ ونواہ فیہما لو محاذیا اور مقتدی قوم اور فرشتوں کی نیت پر زیادہ کرے سلام اپنے امام پر داہنی طرف کے سلام میں اگر امام اس طرف ہو ورنہ بائیں طرف کے سلام میں نیت امام کی کرے اور اگر امام اس کے سامنے ہو تو دونوں سلاموں میں امام کی نیت کرے وینوی المنفرد الحفظۃ فقط لم یقل الکتبۃ لیعم الممیز اذ لاکتبۃ معہ اور منفرد صرف محافظ فرشتوں کی نیت کرے شارح کہتا ہے کہ مصنف نے کتبہ کہا حفظہ کہا تاکہ عام ہو وے تمیز دار لڑکے کو اس لیے کہ اس کے ساتھ کاتب اعمال نہیں شامی نے کہا کہ اس صورت میں مراد محافظوں سے محافظین ذات ہیں نہ محافظین اعمال لیکن صحیح یہ ہے کہ لڑکے کے حسنات لکھے جاتے ہیں اور ان کا ثواب اسی کو ملے گا اور ماں باپ کو ثواب تعلیم کا ہوگا کما فی اللقانی تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکے کیلیے کاتب حسنات ہوتا ہے ولعمری لقد صار ہذا کالشریعۃ المنسوخۃ لایکاد ینوی احد شیئا الا الفقہاء وفیہم نظر اور قسم ہے اپنی جان کی کہ یہ یعنی سلام میں نیت قوم اور محافظین کی کرنی منسوخ شریعت کی طرح ہو گئی ہے گویا کوئی کچھ نیت ہی نہیں کرتا بجز علماء کے اور ان میں بھی کلام ہے یعنی احتمال ہے کہ وہ نیت کرتے ہیں یقینی نہیں م واقع میں شارح کا قول درست ہے اگر لاکھ آدمیوں سے پوچھو کہ تم نے اپنے سلام میں کیا نیت کی تو کوئی جواب شافی نہ دے گا ویکرہ تاخیر السنۃ الا بقدر اللہم انت السلام الخ اور مکروہ ہے فرضوں کے بعد سنتوں کی تاخیر کرنی مگر بقدر پڑھنے اللہم انت السلام الخ کے م پوری دعا اس طرح ہے (اللہم[ف] انت السلام ومنک السلام تبارکت یاذا الجلال والاکرام) یعنی فرض پڑھنے کے بعد صرف اس قدر دیر کرے جس میں یہ دعا یا اس کے برابر کوئی اور پڑھ لے زیادہ دیر کرنی مکروہ ہے اس وجہ سے کہ مسلم اور ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد سلام کے اتنا ہی بیٹھتے تھے کہ یہ کلمات فرمالیں شامی نے کہا کہ احادیث میں جو وظائف بعد نمازوں کے آئے ہیں ان حدیثوں میں یہ ذکر نہیں کہ سنتوں سے پہلے ان کو پڑھنا چاہیے بلکہ اسی پر محمول ہیں کہ بعد سنتوں کے پڑھی جائیں کیوں کہ سنتیں فرضوں کی تابع ہیں ان سے اجنبی نہیں تو جو ذکر سنتوں کے بعد ہوگا وہ فرضوں کے بعد کہلائیگا وقال الحلوانی لاباس بالفصل بالاوراد واختارہ الکمال قال الحلبی ان ارید بالکراہۃ التنزیہیۃ ارتفع الخلاف اور حلوانی نے کہا کہ کچھ مضائقہ نہیں فرضوں اور سنتوں بیں وظیفوں کے فاصلہ کرنے کا اور پسند کیا ہے اس قول کو کمال الدین محقق نے حلبی نے کہا کہ اگر کراہت سے تنزیہی کراہت مراد لی جائے تو خلاف دور ہو جائے یعنی جو لوگ فصل کو مکروہ کہتے ہیں ان کے قول اور حلوانی کے قول میں اختلاف جاتا رہے تو دونوں قائلوں کے نزدیک مقدار (اللہم انت السلام الخ) سے زیادہ بیٹھنا مکروہ تنزیہی ہوگا قلت وفی حفظی حملہ علی القلیلۃ میں کہتا ہوں اور میری یاد میں حلوانی کے قول کا محمول کرنا ہے تھوڑے وظائف پر یعنی حلوانی نے جو فاصلہ اوراد کو لاباس کہا ہے تو ان اوراد سے مراد تھوڑے وظائف ہیں بقدر اللہم انت السلام الخ کے تو اس تقریر سے بھی خلاف جاتا رہا ویستحب ان یستغفر ثلثا ویقرا آیۃ الکرسی والمعوذات ویسبح ویحمد ویکبر ثلثا وثلثین ویہلل تمام المائۃ ویدعو ویختم بسبحان ربک اور مستحب ہے کہ تین بار استغفار پڑھے اور آیت الکرسی اور

[ف] الٰہی تو سلامت ہے اور تجھی سے سلامتی ہے تو برکت والا ہے اے بزرگی اور تعظیم والے ۱۲

اور معوذات یعنی سورہ ناس اور سورہ فلق اور سورہ اخلاص پڑھے اور سبحان اللہ ۳۳ بار اور الحمدللہ ۳۳ بار اور ۳۴ بار اللہ اکبر کہے یہ تینوں کلمہ مل کر ۹۹ ہوئے تو سو پورا کرنے کو ایک بار لا الہ الا اللہ کہے اور دعا مانگے اور دعا کو سبحان ربک الآیہ پر تمام کرے ھم کیفیت استغفار کی امداد الفتاح میں یوں ہے (استغفر اللہ العظیم الذی لا الہ الا ہو الحی القیوم واتوب الیہ)[51] اور سو پورا کرنے کے لیے بعض احادیث میں یوں وارد ہے (لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیٔ قدیر)[52] اور ان چاروں کلمات کو سو بار پڑھنا تسبیح فاطمی کہلاتا ہے وفی الجوہرۃ یکرہ للامام التنفل فی مکانہ لا للموتم اور جوہرہ میں ہے کہ مکروہ ہے امام کو نفل پڑھنا اپنی جگہ میں نہ مقتدی کو یعنی مکروہ تنزیہی ہے چناں چہ خانیہ کی عبارت اس پر دال ہے کذا فی الشامی وقیل یستحب کسر الصفوف اور بعضوں نے کہا کہ مستحب ہے امام کو نفل پڑھنے کے لیے صفوں کا چیرنا شامی نے کہا کہ بدائع اور ذخیرہ میں اس قول کو امام محمد سے نقل کیا ہے اور محیط میں تصریح کی ہے کہ صفوں کا چیرنا سنت ہے اور حلیہ میں کہا کہ ان سب سے بہتر یہ ہے کہ نفلیں اپنے گھر میں پڑھے اگر کسی مانع کا خوف نہ ہو وفی الخانیۃ یستحب للامام التحول لیمین القبلۃ یعنی یسار المصلی لتنفل اوورد اور خانیہ میں ہے کہ مستحب ہے امام کو پھرنا قبلہ کے داہنی طرف یعنی نمازی کے بائیں طرف نفل پڑھنے یا وظیفہ پڑھنے کو وخیرہ فی المنیۃ بین تحویلہ یمینا وشمالا واماما وخلفا وذہابہ لبیتہ واستقبالہ الناس بوجہہ ولو دون عشرۃ مالم یکن بحذائہ مصل ولو بعیدا علی المذہب اور منیہ میں امام کو اختیار دیا ہے چاہے داہنے کو پھرے یا چاہے بائیں کو چاہے آگے اور پیچھے کو چاہے گھر کو جاوے چاہے لوگوں کی طرف اپنا منہ کرے اگرچہ جماعت دس سے کم ہووے بشرطیکہ امام کے سامنے کوئی نمازی نہ ہو گو دور نماز پڑھتا ہو ظاہر مذہب کے بموجب ھم منیہ میں اختیار دینے کی صورت ہے جس میں فرضوں کے بعد سنتیں ہوں اور لوگوں کی طرف منہ کرنے کی وہ صورت ہے کہ فرضوں کے بعد سنتیں نہ ہوں اور دس مرد سے کم کی قید اس لیے لگائی کہ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ دس مردوں کی جماعت ہو تو منہ کرے نہیں تو نہ کرے ان لوگوں کا قول بے اصل ہے اور یہ جو کہا کہ امام کے سامنے کوئی نمازی نہ ہو اگرچہ دور ہی پڑھتا ہو تو یہ ذخیرہ میں مذکور ہے مگر حلیہ میں یوں کہا ہے کہ جب امام اور نمازی کے بیچ میں کوئی تیسرا شخص ہو جس کی پشت نمازی کی طرف ہو تو امام کے منہ پھیرنے میں کوئی کراہت نہیں تیسرا شخص بجائے سترہ کے ہو جائے گا چنانچہ فقہا نے تصریح کی ہے کہ اگر ایک شخص کے منہ کی طرف نماز پڑھے اور دونوں کے درمیان تیسرا شخص ہو جس کی پشت نمازی کی طرف ہو تو مکروہ نہ ہوگا اور شاید ظاہر مذہب میں امام محمد نے تیسرے شخص کے حائل ہونے کی اس لیے قید نہیں لگائی کہ اس کا حال تو معلوم ہی ہے انتہی کذا فی الشامی

فصل یہ فصل ہے قرأت کے احکام میں چوں کہ اور ارکان سے نسبت کر قرأت سے زیادہ احکام متعلق تھے اس لیے ان کو جداگانہ بیان کیا ویجہر الامام وجوبا بحسب الجماعۃ فان زاد علیہ اساء اور پکار کر پڑھے امام بطور واجب موافق جماعت کے یعنی جس قدر جماعت ہو اسی قدر آواز بلند کرے پھر اگر حاجت سے زیادہ پکار کر پڑھے گا تو برا کرے گا ھم وجہ جہر کی مواظبت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جہر پر کذا فی الطحطاوی ولو ائتم بہ بعد الفاتحۃ او بعضہا سرا اعادہا جہرا بحر لکن فی آخر شرح المنیۃ ائتم بہ بعد الفاتحۃ یجہر بالسورۃ ان قصد الامامۃ والا فلا یلزمہ الجہر اور اگر اقتدا کیا نمازی کا کسی نے بعد کل فاتحہ یا تھوڑی سی فاتحہ آہستہ پڑھنے کے تو فاتحہ کو جہر سے اعادہ کرے کذا فی البحر لیکن آخر شرح منیہ میں ہے کہ اقتدا کیا نمازی کا بعد فاتحہ کے تو وہ سورہ کو پکار کر پڑھے اگر امام ہونے کا قصد کرے ورنہ پکار کر پڑھنا اس کو ضرور نہیں ھم بحر الرائق میں وجہ اعادہ کرنے کی یہ ہے کہ دوسرے کے اقتدا کی سبب سے جہر اس کا واجب ہو گیا اب اگر صرف باقی قرأت کو پکار کر پڑھتا ہے تو ایک ہی

[51] مغفرت چاہتا ہوں اللہ تعالے عظمت والے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ و قائم ہے اور اسکی طرف رجوع کرتا ہوں ۱۲ [52] نہیں کوئی معبود سوا اللہ کے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی سلطنت ہے اور اسی کو تعریف اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ۱۲

رکعت میں آہستہ پڑھنا اور پکار کر پڑھنا جمع ہوا جاتا ہے حالانکہ یہ امر برا ہے اور اگر آہستہ پڑھتا ہے تو جہر کے واجب ہونے کے بعد آہستہ پڑھنا واجب کا ترک ہے اس لیے اعادہ جہر سے ضرور ہو اور اس قول کو خلاصہ سے نقل کیا ہے اور خلاصہ میں اصل سے منقول ہے پس قول شارح منیہ کا جو شارح نے لکھا ضعیف ہے اور یہ جو کہا کہ اگر امامت کا قصد کرے یہ بھی ضعیف ہے کیوں کہ نیت امامت کا اعتبار بجز عورتوں کے امام ہونے کے اور کسی جا نہیں کذا فی الطحطاوی **فی الفجر واولی العشائین اداءً وقضاءً وجمعۃ وعیدین وتراویح ووتر بعدھا** ای فی رمضان فقط للتوارث امام جہر کرے نماز فجر میں اور مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں ادا پڑھے یا قضا اور جمعہ اور دونوں عید کی نمازیں اور تراویح میں اور وتروں میں یعنی صرف رمضان کے وتر میں پکار کر پڑھے بسبب توارث کے یعنی سلف سے ایسا ہی منقول چلا آتا ہے قلت فی تقیید بعدھا نظر لجہرہ فیہ وان لم یصل التراویح علی الصحیح کما فی مجمع الانہر میں کہتا ہوں کہ مصنف نے جو وتر میں بعدھا کی قید لگائی تو اس میں کلام ہے اس لیے کہ امام وتر میں جہر کرے گا اگرچہ اس نے تراویح نہ پڑھی ہو مذہب صحیح پر چنانچہ مجمع الانہر میں ہے یعنی مصنف کے قول سے ایسا وہم ہوتا ہے کہ جہر اس صورت میں ہے کہ وتر بعد تراویح پڑھنے کے پڑھے حالانکہ قبل تراویح اگر وتر جماعت سے پڑھے تو اس میں جہر واجب ہے شامی نے شارح کا جواب یہ دیا کہ تراویح رمضان میں ہوتی ہے اور اس کے بعد کے وتر بھی رمضان میں ہوں گے تو بعدھا سے یہ مطلب ہوا کہ رمضان کے وتر میں جہر کرے نہ اور وتروں میں ثم فی القہستانی تبعا للقاعدی لاسہو بالمخافتۃ فی غیر الفرائض کعید ووتر ثم الجہر افضل ہاں قہستانی میں بہ تبعیت قاعدی مذکور ہے کہ سوائے فرضوں کے اور جہری نمازوں میں آہستہ پڑھنے سے سجدہ سہو نہیں ہے مثل عید اور وتر کے ہاں جہر افضل ہے ہم شامی اور طحطاوی نے کہا کہ قہستانی نے بعد اس عبارت کے یہ کہا ہے کہ اصح یہ ہے کہ عید اور وتر میں بھی جہر کرے یعنی وجوباً چنانچہ اکثر کتب مروجہ میں ہے **ویسر فی غیرھا** وکان علیہ السلام یجہر فی الکل ثم ترکہ فی الظہر والعصر لدفع اذی الکفار کافی اور آہستہ پڑھے نمازوں اور رکعتوں مذکورہ بالا کے سوا میں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب نمازوں میں جہر کرتے تھے پھر جہر کو ظہر اور عصر کی نماز میں ترک کیا بسبب دور کرنے ایذاء کفار کے کذا فی الکافی ہم آپ شروع میں سب نمازوں میں جہر فرماتے تھے اور مشرک آپ کو ایذاء دیتے یعنی اللہ جل شانہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (ولا تجہر بصلوتک ولا تخافت بہا وابتغ بین ذلک سبیلاً) یعنی نہ کل نمازوں میں جہر کرو نہ کل میں آہستہ پڑھو بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک راہ تلاش کرو کہ رات کی نمازوں میں جہر کرو اور دن کی نمازوں میں آہستہ پڑھو بعد اس کے آپ ظہر اور عصر میں آہستہ پڑھا کرتے کیوں کہ کفار ان دونوں وقتوں میں ایذا دینے کو مستعد رہتے تھے اور مغرب میں چوں کہ کفار کھانے میں مشغول رہتے اور عشاء اور فجر میں سوئے ہوتے اس لیے ان تینوں وقتوں میں آپ پکار کر پڑھتے اور جمعہ اور عیدین آپ نے مدینہ منورہ میں قائم کی ہیں وہاں کفار کا زور نہ تھا اس لیے پکار کر پڑھی کذا فی الطحطاوی عن الحلبی **کمتنفل بالنہار فانہ یسر** جیسے نفل پڑھنے والا دن کو کہ وہ بھی آہستہ پڑھے **ویخیر المنفرد فی الجہر** وہو افضل ویکتفی بادناہ **ان ادی** اور مختار ہے تنہا پڑھنے والا جہر میں اور جہر کرنا اس کے لیے افضل ہے اس لیے کہ نماز جماعت کی صورت پر ہو جائے گی اور کفایت کرے ادنی جہر پر یعنی زیادہ آواز سے نہ پڑھے یہ اختیار اس صورت میں ہے کہ منفرد ادا نماز پڑھے وفی السریۃ یخافت حتما علی المذہب اور نماز سری میں آہستہ پڑھے بطور وجوب کے ظاہر مذہب پر یعنی اگر پکار کر پڑھے گا تو سجدہ سہو لازم ہوگا **کمتنفل باللیل** منفرداً فلو ام جہر لتبعیۃ النفل للفرض زیلعی جیسے مختار ہے آہستہ اور پکار کر پڑھنے میں رات کا نفل پڑھنے والا تنہا پس اگر امام ہو یعنی نوافل کو جماعت سے پڑھے تو جہر کرے بسبب تابع ہونے نفل کے واسطے فرض کے یعنی جہر میں نفل فرضوں کی تابع ہے کذا فی الزیلعی **ویخافت المنفرد حتماً** ای وجوبا **ان قضی الجہریۃ** فی وقت المخافتۃ کان صلی العشاء بعد طلوع الشمس کذا ذکرہ المصنف بعد عد

واجبات قلت وبہٰذا ذکرہ ابن الملک فی شرح المنار من بحث القضاء **علی الاصح** کما فی الہدایۃ اور آہستہ پڑھے منفرد بطور وجوب کے اگر قضا
سے جہری نماز کو آہستہ پڑھنے کے وقت میں مثلاً عشاء کی نماز سورج نکلنے کے بعد پڑھے ایسا ذکر کیا ہے اس کو مصنف نے بعد واجبات کے
شمار کرنے کے میں کہتا ہوں اور اسی طرح ذکر کیا ہے اس کو ابن ملک نے شرح منار میں قضاء کی بحث کے ذیل میں آہستہ پڑھے صحیح تر قول
کے بموجب چناں چہ ہدایہ میں ہے ھم وقت مخافتہ کی قید اس لیے لگائی کہ اگر جہری نماز کو جہر کے وقت میں قضا کرے تو مختار ہے چاہے آہستہ
پڑھے چاہے پکار کر کذا فی الحلبی لکن تعقبہ غیر واحد ورجحوا تخییرہ کمن سبق برکعۃ من الجمعۃ فقام یقضیھا یتخیر لیکن اس قول پر اعتراض کیا ہے بہتوں
نے اور ترجیح دی ہے منفرد کے اختیار دینے کو آہستہ اور پکار کر پڑھنے میں جیسے وہ شخص کہ جمعہ کی ایک رکعت نہ پاوے اور کھڑا ہو کر اس کو پڑھنے
لگے کہ اس کو بھی اختیار ہے چاہے آہستہ پڑھے چاہے پکار کر طحطاوی نے کہا کہ مغرب اور عشاء اور فجر کے مسبوق کا بھی یہی حال ہے اس لیے
کہ مسبوق مثل منفرد کے ہے فقہاء کے اقوال میں **وادنی الجہر اسماع غیرہ** وادنی المخافتۃ اسماع نفسہ ومن یقربہ اور ادنی درجہ جہر کا سنانا غیر کا ہے
یعنی جو اس کے قریب نہ ہو کذا فی الشامی اور ادنٰی درجہ آہستگی کا سنانا ہے اپنے آپ کو اور اپنے قریب کے شخص کو فلو سمع رجل اور جلان
فلیس بجہر والجہران یسمع الکل خلاصۃ پھر اگر ایک یا دو آدمیوں نے قرأت کو سنا تو جہر نہ ہوگا جہر یہ ہے کہ سب سنیں کذا فی الخلاصۃ ھم قہستانی
نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر جماعت بہت ہو اور سب کو آواز نہ پہنچے تو چاہیے کہ جہر نہ ہو شامی نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ کل سے مراد
کل آدمی صف اول کے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ جواب ناتمام ہے کیوں کہ صف اول بھی بعض اوقات اتنی طویل ہوتی ہے کہ کل صف میں آواز نہیں
پہنچتی تو بہتر یہ ہے کہ کل سے مراد گرد وپیش کے سب آدمی لیے جائیں جو نہ بہت دور رہوں نہ نزدیک یا یہ کہ کل سے مراد جمع ہو یعنی بہت سے لوگ
سنیں نہ صرف ایک یا دو **ویجری ذلک المذکور فی کل ما یتعلق بنطق کتسمیۃ علی ذبیحۃ ووجوب سجدۃ تلاوۃ وعتاق وطلاق**
واستثناء وغیرہا فلو طلق او استثنی ولم یسمع نفسہ لم یصح فی الاصح اور جاری ہے یہ مذکور یعنی ادنی درجہ آہستہ کہنے کا یہ ہے کہ آپ سنے
اور پاس والا سنے ہر ایک بات میں جو بولنے سے علاقہ رکھتی ہے مثلاً بسم اللہ کہنا ذبیحہ پر اور واجب ہونا سجدہ تلاوت کا اور آزاد کرنا اور
طلاق دینا اور ان شاء اللہ کہنا اور سوا اس کے پھر اگر طلاق دی یا ان شاء اللہ طلاق دینے یا آزاد کرنے کے بعد کہا اور اپنے آپ نہ سنا
تو طلاق اور استثناء درست نہ ہوگا صحیح تر قول میں ھم استثناء کی صورت یہ ہے کہ اپنی زوجہ کو کہا (انت طالق انشاء اللہ) یعنی تو طالق
ہے اگر خدا چاہے یا غلام کو کہا (انت حر انشاء اللہ) یعنی تو آزاد ہے اگر خدا چاہے اور ان شاء اللہ ایسی طرح کہا کہ اپنے آپ نہ سنا تو استثنا
صحیح نہ ہوگا اور زوجہ مطلقہ ہو جائے گی اور غلام آزاد ہوگا اور اصح کی قید اس لیے لگائی کہ کرخی نے ادنی درجہ کلام کا حروف صحیح کا نکلنا
ٹھہرایا ہے گو اپنے آپ سنے یا نہیں تو کرخی کے قول کے بموجب استثناء مذکور صحیح ہوگا کذا فی الشامی وقیل فی نحو البیع یشترط سماع المشتری
اور بعضوں نے کہا ہے کہ بیع جیسے تصرفات میں سننا مشتری کا شرط ہے طحطاوی نے کہا کہ اس قول کی بھی تصحیح ہوئی ہے اور مثل بیع سے مراد
وہ معاملات ہیں جن میں مبادلہ ہو یا قبول غیر پر موقوف ہوں **ولو ترک سورۃ اولیی ولی العشاء** مثلاً ولو عمدا **قرأہا وجوبا** وقیل ندبا مع الفاتحۃ
جہرا فی الاخریین لان الجمع بین جہر ومخافتۃ فی رکعۃ شنیع اور اگر عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں مثلاً سورہ کو چھوڑا اگرچہ دانستہ ترک کیا ہو
تو واجب اور بقول بعض مستحب ہے کہ سورہ کو مع الحمد کے پچھلی دو رکعتوں میں جہر سے پڑھے اس لیے کہ اگر صرف سورہ کو پکار کر پڑھے گا اور
الحمد کو آہستہ تو ایک رکعت میں جہر اور آہستہ پڑھنا جمع ہوگا اور جمع کرنا ان دونوں کا ایک رکعت میں برا ہے ھم شارح نے استحباب
کو قیل کرکے بیان کیا تاکہ معلوم ہو کہ اصح قول وجوب ہے کیوں کہ وجوب کی طرف جامع صغیر میں امام محمد نے اشارہ کیا ہے کذا فی الشامی

ولو تذکرہا فی رکوعہ قرأہا واعاد الرکوع اور اگر سورہ کو یاد کیا رکوع کے اندر تو کھڑا ہو کر سورہ کو پڑھے اور رکوع دوبارہ کرے اس لیے کہ ترتیب درمیان ان ارکان کے جو مکرر نہیں فرض ہے تو اگر دوبارہ رکوع نہ کرے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی کذا فی الشامی **ولو ترک الفاتحۃ** فی الاولیین لا یقضیہا فی الاخریین للزوم تکرارہا اور اگر پہلی دو رکعتوں میں الحمد کو ترک کیا تو اس کو پچھلی دو رکعتوں میں قضا نہ کرے بسبب لازم آنے تکرار فاتحہ کے یعنی پچھلی رکعتوں میں فاتحہ دو بار ہو جائے گی حالانکہ مکرر نہ پڑھنا فاتحہ کا واجب ہے ولو تذکرہا قبل الرکوع قرأہا واعاد السورۃ اور اگر فاتحہ کو رکوع سے پیشتر یاد کیا تو فاتحہ پڑھ لے اور سورہ کو دوبار پڑھے بطور وجوب اس لیے کہ ترتیب فاتحہ اور سورہ میں واجب ہے کذا فی الطحطاوی شامی نے کہا کہ قبل رکوع قید نہیں اس لیے کہ اگر رکوع کے اندر یاد کرے تب بھی اس کو وہی کرنا چاہیے جو سورہ کے یاد پڑنے میں کیا تھا کیونکہ جب سورہ کو کھڑے ہو کر پڑھنا واجب ہے تو فاتحہ تو سورہ کی نسبت کر زیادہ موکد ہے **وفرض القراءۃ آیۃ علی المذہب** ہی لغۃ العلامۃ وعرفا طائفۃ من القرآن مترجمۃ اقلہا ستۃ احرف ولو تقدیرا کلم یلد اور فرض قراءت کا جس کے پڑھنے سے نماز صحیح ہو جائے ایک آیت ہے ظاہر مذہب پر یعنی بقول امام اعظم اور صاحبین کے نزدیک تین آیتیں چھوٹی یا ان کے برابر بڑی آیت فرض ہے کذا فی الطحطاوی آیت لغت میں بمعنی علامت ہے اور عرف فقہا میں ایک جملہ ہے قرآن سے بیان کرنے والا یعنی جس کی ابتداء اور انتہا کا اعتبار کیا گیا ہو کذا فی الحلیہ عن حاشیۃ الکشاف اس جملہ میں کم سے کم چھ حرف ہوں اگرچہ تقدیراً ہوں مثل لم یلد کے کہ بالفعل پانچ حرف ہیں مگر چونکہ اصل میں لم یولد تھا اس لیے تقدیراً چھ حرف ہوئے الا اذا کانت کلمۃ فالاصح عدم الصحۃ وان کررہا مرارا مگر جس صورت میں کہ آیت ایک کلمہ ہو تو صحیح تر درست نہ ہونا نماز کا ہے گو اس آیت کو نمازی چند بار کہے مثلاً صٓ یا قٓ یا نٓ وغیرہ کہ ان کو چند بار کہنے سے بھی نماز صحیح نہ ہوگی الا اذا حکم حاکم فیجوز ذکرہ القہستانی لیکن اگر کوئی حاکم حکم کر دے تو ایک کلمہ کی آیت سے بھی نماز جائز ہوگی ذکر کیا اس کو قہستانی نے ھ صورت مسئلہ کی یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام سے کہا کہ اگر تو نماز صحیح پڑھے گا تو آزاد ہے پھر اس نے نماز پڑھی جس میں قراءت ایک کلمہ کی آیت پڑھی خواہ اس کو مکرر پڑھا ہو یا نہیں بعد اس کے اس مقدمہ کی نالش ایسے حاکم کے یہاں ہوئی جو اس طرح کی قراءت سے صحت نماز کا قائل ہے تو اس نے اس غلام کی آزادی کا حکم کیا پس اب نماز کی صحت کا حکم آزادی کے ضمن میں ہو جائے گا کذا فی الشامی ولو قرأ آیۃ طویلۃ فی الرکعتین فالاصح الصحۃ اتفاقا لانہ یزید علی ثلث آیات قصار قالہ الحلبی اور اگر ایک آیت طویل دو رکعتوں میں پڑھی تو اصح صحیح ہونا ہے نماز کا باتفاق امام اور صاحبین کے اس لیے کہ اس قدر پڑھنا زیادہ ہے تین چھوٹی آیتوں سے کہا ہے اس کو حلبی نے ھ یعنی نصف آیت طویل جس صورت میں تین آیتوں سے زائد ہو گی تو صاحبین کے قول پر بھی نماز درست ہوگی کذا فی الطحطاوی **وحفظہا فرض عین متعین علی کل مکلف** اور یاد کرنا ایک آیت کا فرض عین ہے یعنی ہر شخص عاقل بالغ مسلمان پر فرض متعین ہے **وحفظ جمیع القرآن فرض کفایۃ** وسنۃ عین افضل من التنفل اور یاد کرنا سب قرآن کا فرض کفایہ ہے یعنی کچھ مسلمانوں کے یاد کرنے سے اوروں کے ذمے یاد کرنا فرض نہ رہے گا اور سب قرآن کا یاد کرنا سنت ہے ہر شخص مکلف کے لیے افضل ہے نفل پڑھنے سے ھ شامی نے کہا کہ اس میں اشارہ ہے کہ سنت بھی کبھی عین ہوتی ہے اور کبھی کفایہ مثلاً تراویح کا پڑھنا سنت عین ہے اور اس کی جماعت ہر محلہ میں سنت کفایہ ہے **تنبیہ** قرآن کو بھول جانا حرام نہیں مگر جب کہ ایسا بھول جاوے کہ قرآن سے دیکھ کر بھی نہ پڑھا جاوے کذا فی شرح المنیہ وتعلم الفقہ افضل منہما اور سیکھنا فقہ کا افضل ہے ان دونوں سے یعنی نفل پڑھنے اور باقی قرآن کے یاد کرنے سے ھ فقہ سے مراد وہ مسائل دینی ہیں جو زائد اس شخص کی حاجت سے ہوں ورنہ بقدر حاجت کا سیکھنا تو فرض ہے اور باقی قرآن سے یہ غرض ہے کہ جس قدر قرآن کا یاد کرنا فرض یا واجب ہے اس کے سوا باقی کو یاد کرنے سے فقہ کا سیکھنا افضل ہے اور اس میں یہ شرط

ہے کہ کچھ لوگ سب قرآن کو یاد کرتے ہیں اگر کوئی یاد نہ کرتا ہو گا تو اس صورت میں فقہ کا سیکھنا افضل نہ ہو گا **وحفظ فاتحۃ الکتاب وسورۃ**
واجب علی کل مسلم ویکرہ نقص شیٔ من الواجب اور یاد کرنا الحمد کا اور ایک چھوٹی سورہ کا واجب ہے ہر مسلمان پر اور مکروہ تحریمی ہے کم کرنا
کسی چیز کا واجب میں سے جیسے مکروہ تنزیہی ہے سنت میں سے کسی چیز کا کم کرنا کذا فی الطحطاوی **ویسن فی السفر مطلقا** ای حالۃ قرار او فرار
کذا اطلق فی الجامع الصغیر ورجحہ فی البحر ورد ما فی الہدایۃ وغیرہا من التفصیل ورده فی النہر وحرر ان ما فی الہدایۃ ہو المحرر **الفاتحۃ** وجوبا **و ای سورۃ شاء**
اور مسنون ہے سفر میں ہر حال لیعنی خواہ حالت اطمینان ہو یا جلدی کی پڑھنا الحمد کا بطور وجوب اور جس سورہ کو کہ مسافر چاہے شارح نے کہا کہ
سفر کو اسی طرح مطلق کہا ہے جامع صغیر میں اور اطلاق کو ترجیح دی ہے بحر الرائق میں اور ہدایہ وغیرہ کی تفصیل کو صاحب بحر الرائق نے رد کیا ہے
اور صاحب بحر کے قول کو نہر الفائق میں رد کیا اور قول منقح بیان کیا کہ جو کچھ ہدایہ میں تفصیل ہے وہی منقح ہے م ہدایہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر مسافر
جلدی میں ہو تو الحمد اور جس سورت کو چاہے پڑھے اور اگر اطمینان سے ہو تو وہ فجر میں مثل سورہ بروج کے پڑھے اور ظہر کو مثل فجر کے ہے اور عصر اور عشاء
میں بروج سے چھوٹی سورتیں پڑھے اور مغرب میں بہت چھوٹی صاحب بحر نے اس کو رد کیا کہ اس تفصیل کی کچھ اصل نہیں جامع صغیر میں اطلاق مثل
متون کے مذکور ہے علاوہ اس کے مثل سورہ بروج کے مسافر کے لیے معین کرنے کو کوئی دلیل چاہیے حالانکہ کوئی دلیل منقول نہیں تو ظاہر ہے
کہ حالت قرار و جلدی دونوں میں حکم یکساں ہو صاحب نہر الفائق نے کہا کہ مراد صاحب ہدایہ مثل سورہ بروج سے طوال مفصل ہیں نہ تعیین کسی حد
خاص کی لیس جب مراعاۃ سنت کی مسافر سے ممکن ہے تو کیا وجہ کہ اس کی رعایت نہ کرے انتہی اور وجوبا کی قید جو شارح نے لگائی تو اس وہم
کے دفع کے لیے ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ سفر میں الحمد کا پڑھنا سنت ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ بعد الحمد کے قرأت واجبہ کی جو نسی سورت کو مسافر چاہے
اس کا پڑھنا مسنون ہے کذا فی الطحطاوی والشامی **وفی الضرورۃ بقدر الحال** اور مسنون ہے کہ پڑھے ضرورت میں بقدر گنجائش حال کے م مثلاً
اگر وقت کم ہو کہ قراءت مسنون پڑھنے سے نماز قضا ہوتی ہے تو اتنی قراءت پڑھے جس سے نماز کامل ہو جائے اور یہی حال ہے اگر خوف جان یا
مال کا ہو کذا فی الطحطاوی **ویسن فی الحضر لامام ومنفرد** ذکرہ الحلبی والناس عنہ غافلون **طوال المفصل** من الحجرات الی البروج **فی الفجر والظہر** اور
مسنون ہے حضر میں لیعنی مقام کرنے کی صورت میں امام اور منفرد کو پڑھنا طوال مفصل کا جو سورہ حجرات سے سورہ بروج تک ہیں فجر اور ظہر کی نماز
میں امام اور منفرد دونوں کے لیے مسنون ہونے کو حلبی نے ذکر کیا ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں لیعنی ان کو خبر نہیں کہ منفرد کے حق میں قرأت
مسنون امام کے مثل ہے م طوال بکسر طا جمع ہے طویل کی اور مفصل کے معنی تفصیل کیے ہوئے قرآن کے آخر کے ساتویں حصہ کی سورتیں مفصل کہلاتی
ہیں اس وجہ سے کہ ان میں بسم اللہ فصل کے لیے بہت جگہ ہے یا اس وجہ سے کہ اس میں منسوخ آیتیں بہت کم ہیں پھر مفصل کی تین قسمیں
ہیں طوال لیعنی لمبی اور اوساط لیعنی درمیانی اور قصار لیعنی چھوٹی سورہ حجرات سے سورہ بروج تک طوال مفصل ہیں اور وہاں سے آخر لم یکن تک
اوساط مفصل اور وہاں سے آخر قرآن تک قصار مفصل **ومنہا الی آخر لم یکن اوساطہ فی العصر والعشاء** وباقیہ قصارہ **فی المغرب** اور سورہ
بروج سے آخر لم یکن تک اوساط مفصل نماز عصر اور عشاء میں پڑھنا مسنون ہے اور باقی مفصل سورتیں لیعنی لم یکن سے آخر قرآن تک قصار
مفصل مغرب میں پڑھنا مسنون ہے م اس طرح کی قراءت کا مسنون ہونا اثر سے ثابت ہے لیعنی حضرت عمرؓ نے ابو موسی اشعری کو نامہ
لکھا کہ فجر اور ظہر میں طوال مفصل پڑھا کرو اور عصر اور عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل کذا فی الشامی ای فی کل رکعۃ سورۃ مما
ذکر ذکرہ الحلبی لیعنی ہر رکعت میں ایک سورہ ان سورتوں میں سے کہ مذکور ہوئیں پڑھے ذکر کیا ہے اس کو حلبی نے واختار فی البدائع عدم
التقدیر وانہ یختلف بالوقت والقوم والامام اور بدائع میں نہ اندازہ کرنے کو پسند کیا ہے اور یہ کہ حال قراءت کا مختلف ہوتا ہے وقت اور

قوم اور امام کے باعث سے ہم یعنی صاحب بدائع نے کہا ہے کہ قراءت میں کوئی حد مقرر نہ ہوئی مختار ہے تو فجر میں کبھی چھوٹی سورہ پڑھے کبھی بڑی اسی طرح اور نمازوں میں اور یہ اختلاف وقت پر منحصر ہے یعنی اگر وقت میں گنجائش ہے تو زیادہ پڑھے ورنہ کم اور قوم پر منحصر ہے کہ اگر مقتدی ملول نہ ہوں تو زیادہ پڑھے ورنہ کم اور امام پر منحصر ہے خوش آواز ہو تو لوگوں کو زیادہ پڑھنا ناگوار نہیں ہوتا ورنہ گھبراتے ہیں وفی الحجة یقرأ فی الفرض بالترسل حرفا حرفا وفی التراویح بین بین وفی النفل لیلا له ان یسرع بعد ان یقرأ کما یفهم اور فتاوی حجت میں ہے کہ فرض نماز میں قراءت ٹھہر ٹھہر کر ہر حرف کو جدا پڑھے اور تراویح میں نہ ٹھہر کر پڑھے نہ جلد بلکہ متوسط طور پر پڑھے اور رات کی نفلوں یعنی تہجد میں نمازی کو جائز ہے کہ جلد پڑھے لیکن اتنا کہ سمجھ میں آوے شامی نے کہا کہ رات کی قید غالباً اس لیے لگائی کہ تہجد والوں کی عادت زیادہ قرآن پڑھنے کی ہوتی ہے تو جلد پڑھنے سے ان کا ورد پورا ہو سکتا ہے مگر جلدی کے یہ معنی کہ مد زیادہ نہ کھینچے نہ یہ کہ سمجھ میں نہ آوے ورنہ حرام ہوگا بسبب ترک کرنے ترتیل کے ویجوز بالروایات السبع لکن الاولی ان لا یقرأ بالغریبة عند العوام صیانة لدینهم اور جائز ہے پڑھنا قرآن کا ساتوں روایتوں میں مگر بہتر یہ ہے کہ روایت غریب عوام کے سامنے نہ پڑھے واسطے حفاظت ان کے دین کے ہم یعنی ہر چند ساتوں روایتیں صحیح اور فصیح ہیں مگر غریب روایت عوام کے سامنے نہ پڑھنی چاہیے جیسے روایت ابی جعفر اور ابن عامر اور حمزہ اور کسائی کی کہ اس کو سن کر عوام ہنستے ہیں اور ہنسنا قرآن پر بے دینی ہے اس لیے ان کے دین کے بچانے کے لیے روایت غریب نہ پڑھے وتطال اولی الفجر علی ثانیتها بقدر الثلث وقیل النصف ندبا فلو فحش لا بأس به فقط اور زیادہ کی جائے پہلی رکعت صرف فجر کی دوسری رکعت پر بقدر سوم حصہ کے اور بعض نے کہا بقدر نصف کے از راہ استحباب کے پس اگر پہلی رکعت میں زیادتی بہت کر دے گا مثلاً پہلی میں دس گنی رکعت پڑھی بہ نسبت دوسری کے تو کچھ مضائقہ نہیں ہم یعنی پہلی رکعت میں اتنی قرأت پڑھے کہ اس کی زیادتی دوسری رکعت کی قراءت سے بقدر سوم حصہ دونوں قراءت کے ہو جائے مثلاً پہلی رکعت میں ۴۰ آیتیں پڑھے اور دوسری میں ۲۰ تو دونوں میں ۶۰ آیتیں ہوئیں اور اول میں ۲۰ زائد ہیں دوسری کے اور وہ تہائی ہیں ۶۰ کی اور اگر اول میں ۴۵ پڑھیں اور دوسری میں ۱۵ تو پہلی میں ۳۰ زائد ہوں گی بہ نسبت دوسری کے اور وہ نصف ہیں کل قراءت کی اور فقط سے یہ مراد ہے کہ یہ حکم صرف فجر کی نماز میں ہے نہ دوسری نمازوں میں وقال محمد اولی الکل حتی التراویح قیل وعلیه الفتوی اور امام محمد نے فرمایا ہے کہ سب نمازوں کی اول رکعت دوسری سے بڑی کرنا مستحب ہے یہاں تک کہ تراویح کی بھی کہتے ہیں کہ فتوی اسی قول پر ہے ہم طحطاوی نے کہا کہ یہ اختلاف جمعہ اور عیدین کے سوا دوسری نمازوں میں ہے اور ان دونوں میں بالاتفاق دونوں رکعتیں برابر پڑھنی چاہییں اور حلیہ میں امام محمد اور شیخین کی دلیلیں نقل کر کے کہا کہ فتوی شیخین کے قول پر ہونا چاہیے واطالة الثانیة علی الاولی یکره تنزیها اجماعا ان بثلاث آیات ان تقاربت طولا وقصرا والا اعتبر الحروف واعتبر الحلبی فحش الطول لا عدد الآیات اور دوسری رکعت کا زیادہ کرنا اول پر بقدر تین آیتوں کے مکروہ ہے بالاتفاق اگر آیتیں دونوں رکعتوں کی بڑی اور چھوٹی ہونے میں قریب قریب ہوں اور اگر ایک سی آیتیں نہ ہوں تو اعتبار حروف اور کلمات کا ہوگا یعنی اس صورت میں دوسری رکعت کے کلمات اور حروف اول سے زیادہ نہ ہوں اور حلبی نے بہت سی زیادتی کا اعتبار کیا ہے نہ شمار آیتوں کا یعنی دوسری رکعت اول سے بہت نہ بڑھنے پاوے واستثنی فی البحر ما وردت به السنة واستظهر فی النفل عدم الکراهة مطلقا اور بحر الرائق میں استثنا کیا ہے ان سورتوں کو جو حدیث میں وارد ہیں یعنی ان کے پڑھنے میں کراہت نہیں جیسے جمعہ اور عیدین کی اول رکعت میں سبح اسم اور دوسری میں ہل اتٰک پڑھنا حالانکہ پہلی میں انیس آیتیں ہیں اور دوسری میں چھبیس ۲۶ اور ترجیح دی ہے نفل میں عدم کراہت کی مطلقاً یعنی حدیث میں وارد ہو یا نہ ہو وان باقل لا یکره لانه علیه الصلوۃ والسلام صلی بالمعوذتین اور اگر زیادتی دوسری رکعت کی تین آیتوں سے کم ہو تو مکروہ نہیں اس لیے

کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے معوذتین سے یعنی فجر کی اول رکعت میں سورہ فلق دوسری میں سورہ ناس پڑھی حالاں کہ دوسری میں چھ آیتیں ہیں اور پہلی میں پانچ **ولا یتعین شئی من القرآن لصلوۃ علی طریق الفرض بل تعین الفاتحۃ** علی وجہ الوجوب اور نہیں متعین ہے قرآن میں سے کچھ کسی نماز کے لیے بطور فرض کے کہ اس کے بدون نماز درست نہ ہو بلکہ متعین ہے فاتحہ ہر نماز میں بطور واجب ہونے کے ویکرہ التعیین کالسجدۃ وہل اتی لفجر کل جمعۃ بل ندب قرأتہما احیاناً اور مکروہ ہے معین کرنا کسی سورت کا جیسے جمعہ کی فجر میں پہلی رکعت میں الم سجدہ اور دوسری میں سورہ دہر پڑھنا بلکہ کبھی کبھی ان دونوں کا پڑھنا مستحب ہے ہم طحاوی اور اسبیجابی نے اس میں قید لگائی ہے کہ اگر معین سورۃ کے پڑھنے کو واجب جانے اور دوسری کو جائز نہ سمجھے تو اس طرح کی تعیین مکروہ ہے اور اگر باتباع آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معین کو پڑھے اور بعض اوقات دوسری سورتوں کو بھی پڑھے یا سوا معین سورتوں کے دوسری اس کو یاد نہ ہوں یا ان کا پڑھنا اس کو سہل پڑتا ہو تو مکروہ نہیں اور ہدایہ میں وجہ کراہت کی یہ لکھی ہے کہ معین کرنے سے چھوڑنا باقی قرآن کا اور وہم معین سورہ کے افضل ہونیکا لازم آتا ہے کذا فی الشامی مختصراً **والمؤتم لا یقرأ مطلقاً** ولا الفاتحۃ فی السریۃ اتفاقاً وما نسب لمحمد ضعیف کما بسطہ الکمال اور مقتدی قراءت نہ پڑھے نہ جہری نماز میں نہ سری میں اور نہ الحمد پڑھے سری نماز میں باتفاق امام اور صاحبین کے اور جو قول کہ امام محمد کی طرف منسوب ہے کہ سری نماز میں مقتدی کو احتیاطاً الحمد کا پڑھنا مستحب ہے وہ ضعیف ہے چنانچہ اس کو کمال نے مشرح بیان کیا ہے ہم کمال الدین نے فتح القدیر میں کہا کہ امام محمد نے اپنی کتاب آثار میں فرمایا ہے کہ امام کے پیچھے پڑھنا ہمارے نزدیک کچھ نہیں خواہ نماز جہری ہو یا سری **فان قرأ کرہ تحریماً** وتصح فی الاصح پس اگر مقتدی قراءت پڑھے گا تو مکروہ تحریمی ہوگا اور نماز صحیح ہوگی صحیح تر قول میں وفی درر البحار عن مبسوط خواہر زادہ انہا تفسد ویکون فاسقاً وہو مروی عن عدۃ من الصحابۃ فالمنع احوط اور درر بحار میں مبسوط خواہر زادہ سے منقول ہے کہ امام کے پیچھے قراءت پڑھنے سے نماز فاسد ہوتی ہے اور پڑھنے والا فاسق ہوتا ہے اور قراءت کا ممنوع ہونا چند صحابہ سے مروی ہے اس لیے منع کرنے میں زیادہ احتیاط ہے ہم خزائن اور کافی میں ہے کہ مقتدی کو قراءت سے منع کرنا اسّی صحابہ سے ماثور ہے جن میں حضرات علی مرتضےٰ اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں اور فساد نماز کا قول مقابل ہے اصح قول کا کہ اصح میں نماز صحیح رہتی ہے **بل یستمع** اذا جہر **وینصت** اذا اسر لقول ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ کنا نقرأ خلف الامام فنزل واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا بلکہ مقتدی قراءت امام کی سنے جب وہ پکار کر پڑھے اور چپ رہے جب آہستہ پڑھے بسبب قول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے کہ ہم امام کے پیچھے پڑھا کرتے تھے پس حکم نازل ہوا کہ جب قرآن پڑھا جاوے تو اس کو سنو اور چپ رہو ہم اس قول سے وجہ استدلال کی یہ ہے کہ آیت میں دو باتیں مطلوب ہیں ایک قرآن کا سننا دوم سکوت کرنا تو سننا تو جہری نماز کے لیے مخصوص ہے مگر سکوت خاص نہیں اس لیے وہ دونوں نمازوں میں مطلقاً واجب رہے گا کذا فی الشامی وان وصلیۃ **قرأ الامام آیۃ ترغیب او ترہیب وکذا** الامام لا یشتغل بغیر القرآن وما ورد حمل علی النفل منفرداً الکامر مقتدی کچھ نہ پڑھے اگرچہ امام آیت پڑھے یعنی جس میں ذکر رحمت اور جنت اور ثواب کا ہو یا آیت ترہیب پڑھے یعنی جس میں ذکر دوزخ اور عذاب کا ہو یعنی نہ سوال ثواب کا کرے نہ عذاب سے پناہ مانگے بلکہ سکوت کرے اور اسی طرح امام بھی سوائے قرآن کی آیت ترغیب و ترہیب کے پڑھنے کے دوسری دعا میں مشغول نہ ہو اور جو کچھ اس باب میں حدیث میں وارد ہوا ہے وہ حالت انفراد میں نفل پڑھنے پر محمول ہے جیسے کہ پیشتر اس کی نظیر واجبات کے بیان میں گذری نہ یہ مسئلہ خاص شارح نے کہا کہ ان وصلیہ ہے نہ شرطیہ ہم یعنی ابوداؤد میں بروایت حذیفہ رضی اللہ عنہ ثابت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات نماز پڑھی تو جس آیت رحمت پر گذرے وہاں

توقف فرماکر اپنے لیے سوال کیا اور جس آیت عذاب پر گذرے وہاں وقفہ کرکے پناہ مانگی تو یہ نماز نفل پر محمول ہے کذا فی الشامی **وکذا الخطبۃ** فلا یاتی بما یفوت الاستماع ولو کتابۃ او رد سلام **وان صلی الخطیب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا اذا قرأ** آیۃ **صلوا علیہ فیصلی المستمع سرًّا** فی نفسہ وینصت بلسانہ عملاً بامری صلوا وانصتوا اور اسی طرح حکم ہے خطبہ کا یعنی امام کے خطبہ پڑھنے کے وقت وہ بات نہ کرے جس سے سننا جاتا رہے اگرچہ لکھنا یا سلام کا جواب دینا ہی ہو اور اگرچہ خطبہ پڑھنے والا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے یعنی اس وقت بھی سکوت کرے مگر جب کہ خطیب یہ آیت پڑھے (صلوا علیہ) تو سننے والا خطبہ کا پوشیدہ اپنے دل میں درود پڑھے اور زبان سے سکوت کرے تاکہ دونوں امروں پر عمل ہو یعنی ایک حکم صلوا علیہ کا اور دوسرا انصتو کا تو دل میں درود کہنے سے دونوں کی تعمیل ہو جائے گی شامی نے کہا کہ جو امر نماز میں حرام ہے وہ خطبہ میں بھی حرام ہے اور خطبہ جمعہ کا ہو یا نکاح کا یا عید کا سب میں سکوت واجب ہے اور ظالم حاکموں کے نام اور تعریف خطبہ میں داخل نہیں **والبعید عن الخطیب والقریب** سیان فی افتراض الانصات اور خطیب سے دور کا شخص اور نزدیک کا برابر ہیں سکوت کرنے کے فرض ہونے میں ہم شارح نے سکوت کو فرض کیا بہ تبعیت ہدایہ کے اور نہر الفائق میں اس کو واجب کہا ہے طحطاوی نے کہا کہ وجوب ہی بہتر ہے اس لیے کہ ترک سکوت مکروہ تحریمی ہے **فروع** مسائل ملحقہ شارح کے یجب الاستماع للقراءۃ مطلقا لان العبرۃ لعموم اللفظ واجب ہے سننا قرأت کے قرآن کا ہر حال میں یعنی نماز میں اور خارج نماز سے اس لیے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہے ہم یعنی آیت فاستمعوا ہر چند نماز کے باب میں نازل ہوئی ہے چنانچہ پیش تر بیان ہوا مگر احکام میں اعتبار الفاظ کے عام ہونے کا ہے نہ کے خاص ہونے کا پھر یہ حکم وجوب استماع کا بے عذری میں ہے اور عذر کی صورت میں سننا واجب نہیں مثلاً گھر میں لڑکا تلاوت کرتا ہے اور آدمی اپنے کاروبار میں پہلے سے مصروف ہیں تو ان پر سننا واجب نہ ہوگا اسی طرح جو شخص بازار میں تلاوت کرنے لگے تو بازاری اور کاروبار کرنے والوں پر سننا واجب نہ ہوگا کذا فی الشامی ملتقطاً لا باس ان یقرأ سورۃ ویعیدہا فی الثانیۃ کچھ مضائقہ نہیں اس بات کا کہ پڑھے ایک سورت ایک رکعت میں اور پھر دوبارہ وہی پڑھے دوسری میں ہم لا باس کے لفظ سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا ترک اولی یعنی مکروہ تنزیہی ہے اور اضطرار کی صورت میں بلا کراہت جائز ہے مثلاً پہلی رکعت میں سورہ ناس سہو سے پڑھ گیا تو دوسری میں پھر اسی کو پڑھے ورنہ الٹا پڑھنا لازم آوے گا کذا فی الشامی وان یقرأ فی الاولی من محل وفی الثانیۃ من آخر ولو من سورۃ ان کان بینہما آیتان فاکثر اور اس کا بھی مضائقہ نہیں کہ پہلی رکعت میں ایک جگہ سے پڑھے اور دوسری میں دوسرے مقام سے اگرچہ دونوں مقام ایک ہی سورۃ میں سے ہوں بشرطیکہ دونوں مقاموں میں دو آیتوں یا زیادہ کا فاصلہ ہو تو اگر ایک آیت کا فاصلہ ہوگا تو مکروہ ہوگا ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ اور مکروہ ہے دونوں رکعتوں کی قرأت میں چھوٹے سورہ کا فاصلہ کرنا مثلاً پہلی رکعت میں سورہ کافرون اور دوسری میں تبت پڑھے اور سورہ نصر کا فاصلہ رہا تو مکروہ ہوگا ہاں اگر بیچ میں بڑے سورہ کا فاصلہ رہا تو مکروہ نہیں وان یقرأ منکوسًا اور مکروہ ہے یہ کہ قرآن کو الٹا پڑھے مثلاً پہلی رکعت میں سورہ اخلاص اور دوسری میں تبت پڑھے ہم وجہ کراہت یہ ہے کہ ترتیب سورتوں سے تلاوت کی واجبات میں سے ہے اور لڑکوں کے لیے جو ترتیب بدل کر پڑھاتے ہیں تو تعلیم کی ضرورت کے سبب سے ہے کذا فی الشامی الا اذا ختم فیقرء من البقرۃ الٰم پڑھنا مکروہ ہے مگر جب کہ قرآن کو ختم کرے تو سورہ بقرہ میں سے پڑھے اس لیے کہ حدیث میں اس طرح کے ختم کی خوبی وارد ہے وفی القنیۃ قرأ فی الاولی الکافرون وفی الثانیۃ الم تر او تبت ثم ذکر تیم وقیل یقطع ویبدأ اور قنیہ میں ہے کہ اول رکعت میں سورہ کافرون پڑھ اور دوسری میں سورہ فیل یعنی خلاف ترتیب یا سورہ تبت یعنی چھوٹی سورت کا فاصلہ چھوڑ کر شروع کی پھر یاد کیا کہ ترتیب بدل گئی یا چھوٹی سورۃ رہ گئی تو انھیں سورتوں کو تمام کرے اور

ف درود دیکھو اس پہ

قول ضعیف یہ ہے کہ ان کو چھوڑ دے اور دوسری سورت پڑھے جس میں بے ترتیبی وغیرہ لازم آوے شامی نے کہا کہ اس سے معلوم ہوا کہ اگر سہواً ترتیب بدل جاوے یا چھوٹی سورۃ کا فاصلہ رہ جائے تو مکروہ نہیں ولا یکرہ فی النفل شئی من ذلک اور نفل میں ان باتوں میں سے کوئی مکروہ نہیں ہم یعنی بے ترتیب پڑھنا اور چھوٹی سورۃ کا فاصلہ چھوڑنا نفل میں درست ہے حلبی نے اس پر اعتراض کیا کہ ترتیب سورہ کی واجبات تلاوت سے ہے تو جب نماز کے باہر بے ترتیبی مکروہ ہے تو نماز کے اندر کیوں نہ ہوگی طحطاوی نے جواب دیا کہ نفل میں چوں کہ گنجائش زیادہ ہے اس لیے اس کی ہر رکعت ایک فعل مستقل ہے تو بے ترتیبی پڑھنا ایسا ہوا کہ ایک شخص نے کوئی آیت قرآن کی پڑھی اور چپ ہو گیا تھوڑی دیر کے بعد دوسری آیت اس کے اوپر کی پڑھی تو جیسے اس طرح کا پڑھنا مکروہ نہیں ایسے ہی نماز نفل میں مکروہ نہیں وثلث تبلغ قدر اقصر سورۃ افضل من آیۃ طویلۃ اور تین آیتیں کہ بمقدار چھوٹی سورت کے ہو جائیں بڑی ایک آیت سے افضل ہیں ہم شامی نے کہا کہ افضلیت سے مراد کثرت ثواب ہے اور ثلاث مبتدا ہے بتقدیر مضاف یعنی قراءۃ ثلاث اور بعض نسخوں میں بثلاث ہے تو اس صورت میں تقدیر الصلوٰۃ بثلاث ہوگی وفی سورۃ وبعض سورۃ العبرۃ للاکثر وبسطناہ فی الخزائن اور پوری سورت اور تھوڑی سورت پڑھنے میں اعتبار اکثر کا ہے باعتبار آیات کے یعنی اگر اکثر آیتیں پڑھی ہوں گی تو سورہ کامل شمار ہوگی ورنہ ناقص اور ہم نے اس ذکر فروع کو خزائن الاسرار میں مشرح بیان کیا ہے ؛

باب الامامۃ

یہ باب ہے امامت کے بیان میں ہی صغریٰ وکبریٰ فالکبریٰ استحقاق تصرف عام علی الانام وتحقیقہ فی علم الکلام امامت دو قسم ہے ایک چھوٹی ایک بڑی بڑی امامت مستحق ہونا تصرف عام کا ہے خلق پر اور اس کی تحقیق علم کلام میں مذکور ہے ہم طحطاوی نے کہا کہ اس تعریف میں یہ خلل ہے کہ استحقاق تصرف امامت کا اثر ہے نہ اس کی حقیقت بلکہ حقیقت اس کی وہ ہے جو مقاصد میں مذکور ہے کہ امامت ریاست عامہ ہے لوگوں کے دین و دنیا کے مصالح کی حفاظت کے لیے بطور نیابت کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور ریاست عام کی قید سے قاضی اور امراء نکل گئے کہ ان کی ریاست اہل اسلام پر عام نہیں ہوتی بلکہ خاص مسلمانوں پر ہوتی ہے اور خلق سے مراد مسلمان ہیں اور جو ان کے حکم میں ہوں مثل ذمی وغیرہ کے ونصبہ اہم الواجبات اور قائم کرنا امام کا مسلمانوں پر زیادہ ضروری واجبات میں سے ہے اس لیے کہ بہت سے واجبات شرعی امامت پر موقوف ہیں اور بہمین وجہ عقائد نسفیہ میں کہا ہے کہ مسلمانوں کے لیے ایک امام ضرور چاہیے کہ ان میں احکام جاری کرے اور ان کو سزائیں اعمال بد کی دے اور دشمنوں کو ان پر سے روکے اور ان کے لشکروں کو سامان دے اور ان سے صدقات وصول کرے اور گردن کشوں کے سر دبائے اور چوروں اور رہزنوں کو زیر کرے اور جمعہ اور عید قائم کرے اور حقوق کے ثابت کرنے کی گواہیاں سنے اور جن بچوں کے ولی نہیں ان کے نکاح کر دے اور مسلمانوں میں غنیمتوں کے مال کو تقسیم کر دے انتہی فلذا قدموہ علی دفن صاحب المعجزات صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی وجہ سے امام کا مقرر کرنا اہم واجبات سے ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے خلیفہ مقرر کرنے کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن پر مقدم کیا ہم یعنی وفات شریف دوشنبہ کے روز ہوئی اور سہ شنبہ کے دن یا بدھ کی رات خواہ دن میں دفن ہوئے کذا فی الحلبی طحطاوی نے کہا کہ یہ سنت ابھی تک باقی ہے کہ کوئی خلیفہ دفن نہیں ہوا جب تک کہ دوسرا اس کی جگہ مقرر نہیں ہو چکا ویشترط کونہ مسلماً حراً ذکراً عاقلاً بالغاً قادراً قرشیاً اور شرط ہے ہونا امام یعنی خلیفہ کا مسلمان آزاد مذکر صاحب عقل بالغ قدرت والا قریش کے نسب سے ہم مسلمان اس وجہ سے کہ کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں اور آزاد بایں وجہ کہ غلام کو خود اپنے نفس پر ولایت نہیں تو دوسرے پر کیسے ہوگی اور مرد اس لیے کہ عورتوں کو گھر میں بیٹھنے کا حکم ہے اور عقل کی ناقص ہیں تو ان سے واجبات شرعی کی تعمیل نہ ہو سکے گی اور عاقل و بالغ اس لیے کہ مجنوں اور لڑکے کو اپنے اوپر ولایت نہیں اور قادر

سے یہ غرض کہ احکام کے جاری کرنے اور مصالح اہل اسلام کے قائم کرنے پر قدرت رکھتا ہو ورنہ امام کے مقرر کرنے کی غرض فوت ہو جائے گی اور قریشی ہونا اس وجہ سے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ امام قریش میں سے ہیں کذا فی الشامی اور جمہور نے امامت کے لیے شجاعت کو بھی شرط کیا ہے اور بعض نے عالم ہونا امام کا شرط قرار دیا ہے لا ہاشمیا علویا معصوما نہیں شرط ہے امام کا ہاشمی ہونا یا اولاد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ہونا یا گناہوں سے معصوم ہونا مع یہ قیدیں شیعوں نے لگائی ہیں کہ امام کا ہاشمی ہونا ضرور ہے اس سے یہ مطلب کہ خلافت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی باطل ٹھہرے اور علوی کہنے سے یہ مدعا کہ خلافت عباسیوں کی باطل ہو اور معصوم اثنا عشری شیعوں اور اسماعیلیوں کا قول ہے حلبی نے کہا کہ شارح کو مناسب تھا کہ لفظ لا تینوں جگہ لاتا یعنی یوں کہتا لا ہاشمیا ولا علویا ولا معصوما اس لیے کہ یہ تین قیدیں شیعوں کے تین فرقوں کے قول جدا جدا ہیں نہ یہ ایک ہی قول ہے ویکرہ تقلید الفاسق اور مکروہ ہے حاکم بنانا بدکار کا ھم مکروہ کہنے سے اشارہ کیا کہ عادل ہونا امام کا شرط نہیں ویعزل بہ الا لفتنۃ اور امام قابل معزولی ہو جاتا ہے فسق سے یعنی اگر اثناء حکومت میں اس پر فسق طاری ہوگیا تو اس سے معزول نہ ہو جائے گا بلکہ مستحق عزل ہوگا مگر بجہت خوف فساد کے اس کو معزول نہ کیا جائے ویجب ان یدعی لہ بالصلاح اور واجب ہے کہ ایسے امام کے حق میں دعا نیک بخت ہونے کی کی جاوے وتصح سلطنۃ متغلب للضرورۃ اور صحیح ہے سلطنت زبردستی حاکم بننے والے کی بسبب ضرورت کے ھم عقد امامت دو طرح سے منعقد ہوتا ہے اول یہ کہ خلیفہ خود اپنی جگہ دوسرے امام کو کردے جیسے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو خلیفہ کیا تھا دوسرے یہ کہ زمرہ علماء اور صاحبین رائے وتدبر کسی کے ہاتھ پر بیعت کریں تو اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں اور کوئی شخص زبردستی والی ہو جاوے تو اس کی سلطنت صحیح ہوگی ضرورت کی وجہ سے یعنی تاکہ اہل اسلام میں فتنہ نہ ہو وکذا صبی وینبغی ان یفوض امور التقلید علی وال تابع لہ والسلطان فی الرسم ہو الولد وفی الحقیقۃ ہو الوالی لعدم صحۃ اذنہ بقضاء وجمعۃ کما فی الاشباہ عن البزازیۃ اور اسی طرح درست ہے سلطنت لڑکے کی ضرورت کی وجہ سے اور چاہیے کہ کاروبار حکومت کے ایک حاکم کے سپرد کیے جاویں جو تابع سلطان کا ہو اور بادشاہ ظاہر میں تو وہ لڑکا ہے اور حقیقت میں والی مذکور کیوں کہ اس کی اجازت قضا اور جمعہ میں درست نہیں چناں چہ اشباہ میں ہے بزازیہ سے ھم یعنی اگر والی مذکور کو حقیقت میں بادشاہ نہ کہیں تو اس کا حکم دینا قضا اور جمعہ کے لیے درست نہ ہوگا کیوں کہ ان دونوں میں ایسے شخص کا اذن صحیح نہیں جس کو ولایت نہ ہو لیکن یوں کہنا چاہیے کہ یہ شخص ایک خاص وقت تک حقیقت میں سلطان ہے یعنی لڑکے کے بالغ ہونے تک اس مدت کی قید سے یہ فائدہ ہوگا کہ جب وہ لڑکا بالغ ہونے کے بعد حاکم مستقل ہوگا تو اس والی کے معزول کرنے کی حاجت نہ ہوگی کذا فی الشامی وفیہا لو بلغ السلطان او الوالی یحتاج الی تقلید جدید اور بزازیہ میں ہے کہ اگر سلطان یا والی بالغ ہووے تو حاجت پڑے گی نئے سر سے اس کو حاکم بنانے کی والصغری ربط صلوۃ المؤتم بالامام بشروط عشرۃ اور امامت صغری وابستہ ہونا مقتدی کی نماز کا ہے امام کی نماز سے دس شرطوں کے ساتھ ھم شارح نے جو دس شرطیں مذکور کی ہیں سو اقتداء کی ہیں نہ امامت کی البتہ نور الایضاح میں چھ شرطیں امامت کی علیحدہ لکھی ہیں تندرست مردوں کے لیے اول مسلمان ہونا دوم بالغ ہونا سوم عاقل ہونا چہارم مرد ہونا پنجم عذروں سے سلامت ہونا جیسے نکسیر اور پیشاب کے جاری رہنے اور توتلا ہونے وغیرہ سے ششم موجود ہونا شروط نماز کا مثل طہارت اور ستر عورت وغیرہ کے مگر چوں کہ امامت بغیر اقتداء کے ہو نہیں سکتی اس لیے جو شرطیں شارح نے اقتداء کی لکھی ہیں وہ امامت کی بھی ہو سکتی ہیں بلحاظ موقوف ہونے امامت کے اقتداء پر اسی طرح یہ چھ شرطیں اقتداء کی بھی ہو سکتی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کل شرطیں امامت اور اقتداء کی سولہ ہیں مگر چوں کہ دس مقتدی کے ساتھ قائم ہیں اور چھ امام کی تو بہتر ہے کہ دس کو شرطیں اقتداء کی

ٹھہرایا جائے اور جو کہ امامت کی کذا فی الشامی نیۃ المؤتم الاقتداء شرط اول نیت اقتداء کی کرنی مقتدی کو واتحاد مکانہما اور دوسری شرط متحد ہونا امام و مقتدی کے مکان کا تو اگر سوار پیادہ کا اقتداء کرے گا یا بالعکس تو جائز نہ ہوگا اور اگر امام و مقتدی کے بیچ میں آڑ ہو تو کچھ حرج نہیں اگر مقتدی پر حال امام مشتبہ نہ ہو **وصلوتہما** اور تیسری شرط متحد ہونا دونوں کی نماز کا بحر الرائق میں کہا کہ اس سے یہ غرض ہے کہ اگر مقتدی امام کی نماز کی نیت سے اقتداء کرے تو درست ہو جائے یہ تعبیر اس لیے کی کہ اقتداء متنفل کا فرض پڑھنے والے کے پیچھے اس عبارت میں داخل ہو جائے اس شرط کو نور الایضاح میں خوب لکھا ہے کہ مقتدی سوائے اقتداء امام کے فرض کے اور کوئی فرض نہ پڑھتا ہو کذا فی الشامی عن الحلبی وصحۃ صلوٰۃ امامہ اور چوتھی شرط صحیح ہونا امام کی نماز کا مقتدی کے گمان میں تو اگر مقتدی کی دانست میں امام کی نماز فاسد ہوگی تو اس کا اقتداء صحیح نہ ہوگا وعدم محاذاۃ امرأۃ اور پانچویں شرط ہے نہ برابر ہونا عورت کا کیوں کہ عورت کا برابر ہونا ان شرطوں کے ساتھ جو آگے مذکور ہوں گی مفسد نماز ہے وعدم تقدمہ بعقبہ اور چھٹی شرط ہے نہ آگے بڑھنا مقتدی کا اپنے امام سے بلحاظ ایڑیوں کے تو اگر ایڑیاں برابر بھی ہوں گی تو اقتداء درست ہوگا اگرچہ پاؤں بڑا ہونے کی جہت سے مقتدی کی انگلیاں آگے بڑھی ہوئی ہوں وعلمہ بانتقالاتہ اور ساتویں شرط ہے جاننا مقتدی کا امام کے ایک رکن سے دوسرے میں جانے کو خواہ دیکھنے سے یا سن کر یا دوسرے مقتدیوں کو دیکھ کر یہ علم حاصل ہو وبحالہ من اقامۃ وسفر اور آٹھویں شرط ہے جاننا مقتدی کا امام کے حال کو یعنی اس کے مسافر یا مقیم ہونے کو یہ جاننا نماز سے پہلے ہو یا پیچھے تو اگر ایسی صورت ہو کہ امام نے چار رکعت والی نماز میں دو پر سلام پھیر دیا اور لوگوں کو معلوم نہ ہوا کہ اس نے بھول کر دو پڑھیں یا سفر کی جہت سے تو نماز نہ ہوگی ومشارکتہ فی الارکان اور نویں شرط ہے شریک ہونا مقتدی کا امام کے ساتھ ارکان نماز میں یعنی ہر رکن کو اس کے ساتھ ادا کرنا تو اگر کسی رکن کو چھوڑ دیگا تو نماز باطل ہوگی پس اقتداء بھی نہ رہے گا وکونہ مثلہ او دونہ فیہا وفی الشرائط کما بسطہ فی البحر اور دسویں شرط ہے ہونا مقتدی کا امام کے مانند یا اس سے کم تر ارکان میں اور نماز کی شرطوں میں چنانچہ مشرح مذکور ہے بحر الرائق میں ہم ارکان میں برابری ہونے سے یہ غرض کہ ان کی بجا آوری میں برابر ہو مثلاً اگر امام اشارہ سے ارکان ادا کرتا ہو اور مقتدی بھی اشارہ سے ہی کرتا ہے تو اقتداء درست ہے کیوں کہ دونوں ارکان کے ادا کرنے میں یکساں ہیں اور کمتر کی مثال یہ کہ اشارہ سے نماز پڑھنے والا رکوع اور سجود کرنے والے کا اقتداء کرے اور شرائط میں یکساں ہونے کی یہ صورت ہے کہ ننگا آدمی دوسرے ننگے کا اقتداء کرے یا سب شرطوں کا جامع شخص کسی اپنے جیسے کا اقتداء کرے اور شرطوں میں کم ہونے کی یہ مثال ہے کہ امام میں سب شرطیں ہوں اور مقتدی مثلاً ننگا ہو شامی نے کہا کہ دسوں شرطیں اصل نسخہ بحر الرائق میں نہیں بلکہ بعض نسخوں کے حاشیہ پر بخط مؤلف پائی جاتی ہیں قیل وثبوتہا بارکعوا مع الراکعین کہتے ہیں کہ امامت وجماعت کا ثبوت اس آیت سے ہے (وارکعوا مع الراکعین) یعنی رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ یعنی شریک جماعت ہو اس صورت میں جماعت سنت مؤکدہ نہ رہے گی بلکہ واجب یا فرض ہوگی اور بعضوں نے مثل قاضی بیضاوی کے اس کے معنی یہ کہے ہیں کہ خضوع کرو عاجزی کرنے والوں کے ساتھ تو اس صورت میں ثبوت امامت کا اس آیت سے نہ ہوگا ومن حکمہا نظام الالفۃ وتعلم الجاہل من العالم اور جماعت کی حکمتوں میں سے ہے الفت کا منتظم رہنا اور جاہل کا عالم سے سیکھنا امام یعنی جماعت کے مشروع ہونے میں یہ حکمت ہے کہ پانچ وقت محلہ والوں اور ہمسایوں سے ملاقات ہوگی تو باہم الفت مستحکم ہوگی اور جو شخص افعال نماز کو نہ جانتا ہوگا وہ دوسرے واقف کار سے سیکھ لے گا اور ایک حکمت یہ بھی ہے کہ تنہا پڑھنا نفس پر شاق ہوتا ہے جماعت میں دل نہیں گھبراتا کذا فی الطحطاوی **وہی افضل من الاذان** عندنا خلافا للشافعی قالہ العینی امامت ہم حنفیوں کے نزدیک اذان سے افضل ہے یعنی امامت میں زیادہ ثواب ہے بخلاف امام شافعیؒ کے کہ ان کے

نزدیک اذان کہنے میں زیادہ ثواب ہے کہا ہے اس کو عینی نے اور بعض علماء دونوں کو برابر کہتے ہیں کذا فی الحلبی وقول عمر لولا الخلافۃ لاذنت ای مع الامامۃ اذالجمع افضل اور فرمانا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کہ اگر خلافت نہ ہوتی تو میں اذان کہا کرتا اس کے معنی ہیں کہ امامت کے ساتھ کیونکہ جمع کرنا امامت اور اذان کا افضل ہے ھم یعنی حضرت عمرؓ کے قول سے افضلیت اذان کی نہیں پائی جاتی کیونکہ اس کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ امامت بھی کرتا اور اذان بھی کہتا کہ دونوں باتوں کے جمع ہونے میں بلاشبہ فضیلت ہے خلافت کو مانع اس لیے فرمایا کہ کاروبار خلافت میں مشغول ہونے سے انتظار اوقات نماز کا نہیں ہو سکتا اس لیے صرف امامت پر اکتفا کیا کذا فی الشامی وقال بعضهم اخاف ان ترکت الفاتحۃ ان یعاتبنی الشافعی او قرأتہا یعاتبنی ابوحنیفۃ فاخترت الامامۃ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ مجھ کو خوف ہے کہ اگر میں فاتحہ کو حالت اقتداء میں چھوڑ دوں تو امام شافعی مجھ پر عتاب نہ کریں اور اگر اس کو پڑھوں تو امام اعظم غصہ نہ فرمائیں اس لیے میں نے امامت کو اختیار کیا ھم یہ گویا دوسری دلیل ہے امامت کے افضل ہونے کی کہ امامت کی وجہ سے نماز بلاخلاف درست ہو جاتی ہے **والجماعۃ سنۃ موکدۃ للرجال** قال الزاہدی ارادوا بالتاکید الوجوب الا فی جمعۃ وعید فشرط اور جماعت مردوں کے لیے سنت مؤکدہ ہے زاہدی نے کہا کہ فقہا نے تاکید سے وجوب مراد لیا ہے یعنی جو لوگ سنت موکدہ کہتے ہیں ان کے قول میں اور جو لوگ واجب کہتے ہیں ان کے قول میں کچھ فرق نہیں دونوں کا مآل ایک ہے کیونکہ تاکید سے غرض واجب ہونا ہے مگر جمعہ اور عید میں جماعت شرط ہے ان دونوں کے صحیح ہونے کی وفی التراویح سنۃ کفایۃ وفی وتر رمضان مستحبۃ علی قول اور تراویح میں جماعت سنت کفایہ ہے کہ محلہ میں کچھ لوگوں کے ادا کرنے سے سب کے ذمہ سے ادا ہو جاتی ہے اور رمضان کے وتروں میں جماعت مستحب ہے ایک قول پر اور دوسرے قول کے موجب نہیں بلکہ وتروں میں جماعت مستحب ہے ایک قول پر اور دوسرے قول کے موجب نہیں بلکہ وتروں کو مکان پر ادا کرنا چاہیے کذا فی الشامی وفی وتر غیرہ وتطوع علی سبیل التداعی مکروہۃ وسنحققہ اور رمضان کے سوا کے وتروں میں اور نماز نفل میں جماعت مکروہ ہے بطور تداعی کے اور عنقریب ہم اس کی تحقیق بیان کریں گے ھم تداعی سے یہ غرض کہ چار یا زیادہ مقتدی ایک امام کے پیچھے نماز پڑھیں کذا فی الطحطاوی اور قہستانی میں ہے کہ اگر چار مقتدیوں سے کم ہوں اور مسجد کے کسی گوشہ میں جماعت کر لیں تو مکروہ نہیں ویکرہ تکرار الجماعۃ باذان واقامۃ فی مسجد محلۃ لا فی مسجد طریق اور مکروہ ہے مکرر کرنا جماعت کا اذان اور اقامت کے ساتھ محلہ کی مسجد میں نہ شارع عام کی مسجد میں یا ایسی مسجد میں جس کا امام ہے نہ مؤذن ھم مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے اسی لیے کافی نے کہا کہ جماعت دوبارہ جائز نہیں اور مجمع میں ہے کہ جماعت مکرر مباح نہیں اور شرح جامع صغیر میں ہے کہ بدعت ہے اور مسجد محلہ سے یہ مراد ہے کہ جس کا امام اور جماعت مقرر ہو درر میں کہا کہ اگر اہل محلہ بدون اذان واقامت کے جماعت دوبارہ کریں یا مسجد شارع پر ہو تو دوسری جماعت جائز نہ ہوگی بالاتفاق جیسے اس مسجد میں جس کا امام اور مؤذن نہیں اور آدمی گروہ گروہ آکر نماز پڑھتے ہوں تو افضل یہ ہے کہ ہر گروہ اذان اور اقامت جداگانہ سے نماز پڑھے بنع میں کہا کہ دوسری اذان کی قید سے احتراز ہوا اس صورت سے کہ محلہ کی مسجد میں دوبارہ جماعت بدون اذان پڑھی جائے کہ اسی طرح پڑھنا مباح ہے بالاتفاق اور جماعت دوم کے مکروہ ہونے کی یہ دلیل ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم میں صلح کرا دینے کو نکلے تھے تو نماز کے وقت مسجد میں تشریف لے گئے جس میں جماعت ہو چکی تھی آپ اپنے مقام پر واپس تشریف لائے اور گھر والوں کو جمع کر کے نماز پڑھی پس اگر جماعت دوم مسجد میں درست ہوتی تو مسجد کی جماعت چھوڑ کر آپ گھر میں کیوں نماز پڑھتے علاوہ اس کے جماعت ثانی کے جائز رکھنے میں جماعت کی کمی بھی متصور ہے کیونکہ جب لوگوں کو معلوم ہوگا کہ دیر کر کے جانے میں بھی جماعت فوت نہ ہوگی اگر اول نہ ملے گی دوسری مل جائے گی تو اول جماعت میں

اکٹھے نہ ہوں گے تو اس تعلیل سے یہ نکلتا ہے کہ مسجد محلہ میں تکرار جماعت گو بدون اذان کے ہو مکروہ ہے اور اسی کا موید ظہیریہ میں ہے کہ اگر کچھ لوگ ایک مسجد میں آئے جس میں جماعت ہو چکی ہے تو وہ تنہا نماز پڑھیں اور یہی ظاہر الروایت میں ہے اور اسی وجہ سے شیخ سندی تلمیذ ابن الہمام نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے کہ یہ جو اہل حرمین جدا جدا امام کے پیچھے جماعتیں ایک ہی وقت میں پڑھتے ہیں یہ بالاتفاق مکروہ ہے اور شریف غزنوی جو سنہ ۱۵۵ھ میں حج کو گئے تھے تو ان جماعتوں کے باب میں انکار صریح کیا تھا اور بعض مالکیوں نے فتوی دیا ہے کہ تکرار جماعت مسجدین چاروں مذہب کے علماء کے قول پر ناجائز ہے مگر اس میں مشکل یہ ہے کہ مسجد مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے لیے نمازی مقرر نہیں تو ان کو مسجد محلہ کیسے کہہ سکتے ہیں بلکہ ان کا حال مثل مسجد شارع عام کے ہے اور پیشتر گذر چکا کہ شارع عام کی مسجد میں تکرار جماعت بالاتفاق مکروہ نہیں اور شرح منیہ میں امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ جب دوسری جماعت پہلی جماعت کی صورت پر نہ ہو تو مکروہ نہ ہوگی ورنہ مکروہ ہوگی اور یہی قول صحیح ہے اور تاتارخانیہ میں ولوالجیہ سے منقول ہے کہ اسی قول کو ہم لیتے ہیں اور بزازیہ میں ہے کہ محراب سے ہٹ کر کھڑے ہونے میں پہلی جماعت کی صورت بدل جاتی ہے کذا فی الشامی مختصراً چوں کہ اس زمانہ میں جماعت دوم کے باب میں بہت بحث رہتی ہے اس لیے مترجم نے استیعاب روایات کو مناسب سمجھا اور مجھ کو کراہت وعدم کراہت جماعت دوم میں تردد تھا کہ ایک روز خود بخود صلوٰۃ خوف کا خیال دل میں گذرا کہ نصف فوج مقابل دشمن کے رہتی ہے اور نصف امام کے ساتھ پڑھتی ہے تو اگر مرضی شارع کی دوسری جماعت کے لیے ہوتی تو نصف کو ایک امام کے ساتھ پڑھنے کا اور نصف کو دوسرے امام کے ساتھ پڑھنے کا حکم ہوتا اتنے تکلف کی اجازت نہ ہوتی اس روز سے مجھ کو وہ تردد رفع ہو گیا اور معلوم ہوا کہ جماعت دوم کا مکروہ ہونا ہی ارجح ہے **واقلہا اثنان** واحد مع الامام ولو ممیزاً او ملکاً او جنیاً فی مسجد او غیرہ اور کمتر جماعت دو شخص ہیں یعنی ایک مقتدی امام کے ساتھ اگرچہ مقتدی لڑکا تمیز دار ہو یا فرشتہ ہو یا جن ہو نماز مسجد میں ہو یا غیر مسجد میں کمتر جماعت دو آدمیوں سے ہونے کی وجہ وہ حدیث ہے جس کو سیوطی نے جامع صغیر میں روایت کیا ہے کہ دو اور اس سے زیادہ جماعت ہیں اور بحر الرائق میں وجہ عقلی بیان کی ہے کہ جماعت اجتماع سے ماخوذ ہے چوں کہ دو میں بھی اجتماع ثابت ہے اس لیے جماعت بھی پائی جاوے گی اور یہ حکم اور فرضوں میں ہے سوائے جمعہ کے کیوں کہ جمعہ میں امام کے سوا تین آدمی لائق امام ہونے کے مقتدی ہونے چاہییں کذا فی الشامی وتصح امامۃ الجنی اشباہ اور صحیح ہے امام ہونا جن کا کذا فی الاشباہ اس لیے کہ جن بھی مکلف ہے اور فرشتہ کی امامت درست نہیں کیوں کہ فرشتہ امام مکلف نہ ہونے کی جہت سے نفل پڑھے گا اور فرض پڑھنے والے کا اقتدا النفل پڑھنے والے کے پیچھے درست نہیں اور حضرت جبریل علیہ السلام کا امام ہونا اوقات کی تعلیم کے لیے مخصوص تھا اور یہ بھی احتمال ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز کا اعادہ فرمایا ہو کذا فی الطحطاوی **وقیل واجبۃ وعلیہ العامۃ** ای عامۃ مشائخنا وبہ جزم فی التحفۃ وغیرہا قال فی البحر وہو الراجح عند اہل المذہب اور بعضوں نے کہا کہ جماعت واجب ہے اور اسی قول پر ہیں اکثر ہمارے علماء اور اسی کا یقین کیا ہے تحفہ وغیرہا میں بحر الرائق میں کہا کہ یہی روایت وجوب کی قوی ہے اہل مذہب کے نزدیک طحطاوی نے نہر الفائق سے نقل کیا کہ یہی قول سب میں ٹھیک اور قوی تر ہے اور اسی لیے اجناس میں کہا ہے کہ جو کوئی جماعت حقارت کے باعث چھوڑ دے تو اس کی گواہی مقبول نہیں اور بعضوں کے نزدیک جماعت فرض کفایہ یا فرض عین ہے **فتسن او تجب** ثمرتہ تظہر فی الاثم بترکہا مرۃ **علی الرجال العقلاء البالغین الاحرار القادرین علی الصلوٰۃ بالجماعۃ من غیر حرج** پھر جماعت مسنون ہے یا واجب ہے مردوں عاقل اور بالغ اور آزاد اور جماعت کی نماز پر بدون کسی دقت کے قدرت رکھنے والوں پر شارح نے کہا کہ واجب اور مسنون ہونے کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ اگر جماعت کو ایک بار چھوڑے گا تو وجوب کے

لہ جماعت ثانیہ کی کراہت پر مترجم کا یہ استدلال درست نہیں اس لیے کہ صلوٰۃ الخوف میں دو الگ الگ جماعتوں میں تقسیم ہو کر نماز ادا کرنا افضل ہے اور قرآن و حدیث ہی کی صورت مذکور رہے وہ اس وقت ہے کہ لوگ ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنے پر بضد ہوں تو معلوم ہوا کہ صلوٰۃ الخوف میں دو جماعت مکروہ نہیں بلکہ افضل ہے

قول پر گناہ گار ہوگا اور مسنون ہونے کے قول پر گناہ گار نہ ہوگا ھم حرج سے مراد عذر شرعی ہے جو مانع حضور جماعت ہو جیسے مرض یا بہت بوڑھا ہونا وغیرہ اور نور الایضاح میں ہے کہ اگر کوئی شخص عذر سے جماعت میں حاضر نہ ہوا مگر اس کی نیت میں یہ تھا کہ عذر نہ ہوتا تو حاضر ہوتا تو اس کو جماعت کا ثواب ملے گا کذا فی الشامی ولو فاتتہ ندب طلبہا فی مسجد آخر الا المسجد الحرام ونحوہ اور اگر نمازی کو مسجد محلہ میں جماعت نہ ملے تو مستحب ہے کہ جماعت کی تلاش دوسری مسجد میں کرے مگر مسجد حرام اور اس جیسی دوسری مسجدوں میں اگر جماعت نہ ملے تو تلاش جماعت کی مستحب نہیں اس لیے کہ اور مسجدوں میں جماعت کی نماز سے ان مسجدوں میں نماز پڑھنی زیادہ ثواب رکھتی ہے بسبب حدیث ابن ماجہ کے جو انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کا گھر میں نماز پڑھنا ایک نماز کا ثواب ہے اور مسجد محلہ میں پڑھنا پچیس نماز کا ثواب ہے اور مسجد جامع میں پانسو کا اور بیت المقدس میں پانچ ہزار کا اور میری اس مسجد مدینہ میں پچاس ہزار کا اور مسجد حرام میں لاکھ کا ثواب ہے کذا فی الحلبی **فلا تجب علی مریض ومقعد وزمن ومقطوع ید ورجل من خلاف** اور رجل فقط ذکرہ الحدادی **ومفلوج وشیخ کبیر عاجز واعمی** وان وجد قائدًا جماعت واجب ہے بدون حرج کے اس سے یہ نکلا کہ واجب نہیں بیمار اور اپاہج اور مدت کے بیمار پر اور اس پر جس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں مخالف جانب سے کٹا ہو یا فقط ایک ہی پاؤں کٹا ہو ذکر کیا ہے اس کو حدادی نے اور واجب نہیں فالج زدہ اور بہت بوڑھے چلنے پھرنے سے عاجز پر اور واجب نہیں اندھے پر اگرچہ کوئی ہاتھ پکڑ کر لے جانے والا موجود ہو ھم اور یہی حال عاجز کا ہے اگر اس کے پاس سواری موجود ہو تو اس پر بھی جماعت واجب نہیں فتح القدیر میں کہا کہ جماعت بالاتفاق ایسے اندھے اور عاجز پر واجب نہیں جن کا پہنچانے والا میسر ہو اور جمعہ امام کے نزدیک واجب نہیں اور صاحبین کے نزدیک واجب ہے کذا فی الشامی **ولا علی من حال بینہ وبینہا مطر وطین وبرد شدید وظلمۃ کذلک** اور نہ واجب ہے جماعت اس شخص پر جس میں اور جماعت میں مینہ اور کیچڑ اور شدت کا جاڑا اور سخت اندھیرا حائل ہوا ہو یعنی مانع ہو ھم مراد یہ کہ مینہ اور کیچڑ کثرت سے ہو تو جماعت واجب نہ رہے گی اسی طرح جاڑا اگر بہت سخت ہو تو مانع ہوگا اور اندھیرے کا سخت ہونا اس طرح کہ رستہ نہ سوجھے وریح لیلًا لا نہارًا او خوف علی مالہ او من غریم او ظالم او مدافعۃ احد الاخبثین اور آندھی رات کے وقت مانع ہے نہ دن میں یا حائل ہو خوف اپنے مال پر چور وغیرہ سے یا خوف ہو قرض دار سے یا کسی ظالم سے یا مانع ہو وبانا دو پلید چیزوں کا یعنی بول و براز کا اسی طرح ہے بند رکھنا گوز کا کذا فی الشامی وارادۃ سفر وقیامہ بمریض وحضور طعام تشوقہ نفسہ ذکرہ الحدادی اور مانع حضور جماعت ہے ارادہ سفر کا یعنی خوف قافلہ کے چلے جانے کا بشرط شرکت جماعت کے اور مریض کی خبر لینے یعنی جس صورت میں کہ مریض کو اس کے چلے جانے سے ایذا ہو اور سامنے آنا کھانے کا کہ جس کی طرف نمازی کا نفس مشتاق ہو ذکر کیا ہے اس کو حدادی نے وکذا اشتغالہ بالفقہ لا بغیرہ کذا جزم بہ الباقانی تبعًا للبہنسی ای الا اذا واظب تکاسلا فلا یعذر ویعزر ولو باخذ المال یعنی یحبسہ مدۃ اور اسی طرح مانع وجوب جماعت ہے مشغول ہونا نمازی کا فقہ میں نہ غیر فقہ میں ایسا ہی یقین کیا ہے اس کو باقانی نے بہ تبعیت بہنسی کے یعنی بجز اس صورت کے کہ اگر فقہ کی مشغولی میں ترک جماعت پر مواظبت کرے گا کسل کی راہ سے تو معذور نہ متصور ہوگا اور تعزیر دیا جائے گا اگرچہ سزا مال کے لینے سے ہو یعنی اس کے مال کو چند روز اس سے روک دیا جاوے ھم فقہ سے مراد مسائل ضروریہ دین کے ہیں اور مشغول ہونا عام ہے کہ سیکھنے سے ہو یا سکھانے سے یا تصنیف کرنے سے طحطاوی نے کہا کہ مال کے ضبط کرنے کی سزا قول ضعیف ہے چنانچہ باب التعزیر میں مذکور ہوگا ولا تقبل شہادتہ الا بتاویل بدعۃ الامام او عدم مراعاتہ اور قبول نہ کی جائے گواہی جماعت کے ترک کرنے والے کی مگر بسبب تاویل بدعت امام کے یا نہ رعایت کرنے امام کے ھم یعنی اگر ترک جماعت کا عذر بیان کرے کہ امام بدعتی ہے اس لیے جماعت میں

حاضر نہیں ہوتا یا امام رعایت مذہب مقتدی کی نہیں کرتا ان امور میں جو موجب نماز کے باطل ہونے کے ہیں تو ان عذروں سے گواہی مقبول ہوگی **والاحق بالامامۃ** تقدیما بل نصبا مجمع الانہر **الاعلم باحکام الصلوۃ** فقط صحۃ وفسادا بشرط اجتنابہ للفواحش الظاہرۃ وحفظہ قدر فرض وقیل واجب وقیل سنۃ اور زیادہ مستحق امامت کا آگے بڑھنے میں بلکہ ہمیشہ کو امام مقرر کرنے میں کذا فی مجمع الانہر وہ شخص ہے جو احکام فقط نماز کی صحت اور فساد کے زیادہ جانتا ہو یعنی اور علموں میں فاضل ہو یا نہیں نماز کے احکام زیادہ جانتا ہو بشرط اس کے بچنے کے ظاہری گناہوں سے اور بشرط یاد کرنے مقدار فرائض نماز کے اور بعضوں نے بقدر واجب اور بعض نے بقدر سنت یاد کرنے کو کہا ہے ھم طحطاوی نے کہا کہ ظاہری گناہوں سے بچنے کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ امام کے دین پر کوئی طعنہ نہ کرتا ہو اور مقدار فرض کا یاد کرنا قول کافی کا ہے اور مقدار واجب کا یاد کرنا بحر الرائق میں بطور بحث مذکور ہے اور زیلعی نے بقدر سنت کو لکھا ہے اور یہی مبسوط اور فتح القدیر میں ہے اور یہی ظاہر ہے اس لیے کہ بیان امام کے اولی ہونے کا ہے تو امام کو لحاظ رکھنا سنت کا مناسب تر ہے **ثم الاحسن تلاوۃ** وتجویدا للقراءۃ **ثم الاورع** ای الاکثر اتقاء للشبہات والتقوی اتقاء المحرمات اگر علم میں برابر ہوں تو پھر مستحق امامت کا وہ ہے جو تلاوت اور قراءت کی تجوید میں زیادہ اچھا ہو پھر زیادہ احتیاط والا یعنی جو شبہوں سے بہت بچے اور تقوی حرام چیزوں سے بچنا ہے ھم تلاوت اور تجوید سے یہ غرض ہے کہ حروف اور مخارج اور مد اور شد وغیرہ کو خوب جانتا ہو اور قاری کو دوسرے مرتبہ میں اس لیے رکھا کہ قراءت کی احتیاج صرف ایک رکن میں ہوتی ہے اور علم کی احتیاج سب رکنوں میں ہے پھر شارح نے ورع اور تقوی میں فرق بتایا کہ ورع شبہوں سے بچنے کو کہتے ہیں اور تقوی حرام چیزوں سے بچنے کو اور شبہ اس کو کہتے ہیں جس کی حلت اور حرمت میں شک ہو **ثم الاسن** ای الاقدم اسلاما فیقدم شاب علی شیخ اسلم پھر مستحق امامت زیادہ عمر والا ہے یعنی جو اسلام میں پیش تر ہو پس مقدم کیا جائے جوان اس بوڑھے پر کہ چند روز سے مسلمان ہوا ہو قالوا یقدم الاقدم ورعا فی النہر عن الزاد وعلیہ یقاس سائر الخصال فیقال یقدم اقدمہم علما ونحوہ وحینئذ فلما یحتاج للقرعۃ اور فقہاء نے کہا ہے کہ مقدم کیا جائے وہ شخص جو پیشتر ہو ورع میں یعنی جس کا ورع بہت دنوں کا ہو وہ اس پر مقدم ہے جس کا ورع کم مدت کا ہے اور نہر الفائق میں زاد الفقیر[1] سے منقول ہے کہ ورع کے اوپر سب خصلتوں کا قیاس ہوگا یعنی یوں کہا جائے گا کہ مقدم کیا جائے وہ جس کا علم سب سے پیشتر ہے اور مثل اس کے یعنی مثلاً جس کو فن قراءت مدت سے آتا ہو وہ اس سے مقدم ہے جس کو چند روز سے آتا ہے اور اس وقت میں یعنی جب کہ ہر خصلت کے پیشتر ہونے کا لحاظ کیا جائے تو قرعہ ڈالنے کی احتیاج کمتر ہوگی ھم ماتن نے آگے بیان کیا ہے کہ اگر چند مستحق امامت سب خصلتوں میں برابر ہوں تو ان میں قرعہ ڈالا جائے شارح کہتا ہے کہ جب خصال میں لحاظ پیشتر ہونے کا کیا جائے تو اب ضرورت قرعہ ڈالنے کی کم ہوگی کیوں کہ ایسا بہت کم ہوگا کہ چند آدمیوں میں ورع اور علم اور قراءت ایک ہی مدت سے ہوئے ہوں **ثم الاحسن خلقا** بالضم الفۃ بالناس پھر مستحق امامت وہ ہے جو خوش خلق زیادہ ہو شارح نے کہا کہ خلق بالضم خا معجمہ لوگوں سے ملن ساری کو کہتے ہیں **ثم الاحسن وجہا** ای اکثرہم تہجدا پھر زیادہ خوب صورت یعنی لوگوں میں زیادہ تہجد گزار ھم یہ تفسیر شارح نے ملزوم کے ساتھ کی اس لیے کہ کثرت تہجد کو خوبصورتی لازم ہے کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ جو شب کو زیادہ نماز پڑھے گا دن کو اس کا چہرہ حسین ہوگا صاحب بدائع نے کہا کہ اس تکلف کی کچھ حاجت نہیں خوبصورتی ظاہر کی مراد لینی چاہیے کہ خوب صورت کی امامت سبب ہے جماعت کی کثرت کا کذا فی الشامی زاد فی الزاد ثم اصبحہم ای اسمحہم وجہا زاد الفقیر میں اتنا زیادہ کیا ہے کہ پھر سب میں کا زیادہ صبیح یعنی چہرہ زیادہ بشاش مستحق ہے ھم اسمح مشتق ہے سماحت سے سماحت کے معنی یہ ہیں کہ جس

---

[1] نام ایک کتاب کا ہے جو تالیف ابن ہمام کی ہے ۱۲

سے ملے بکشادہ پیشانی اور ہنس مکھ ملے تو یہ بات حسن ظاہری سے علاوہ ہے مگر خوش خلقی میں اور اس میں ظاہرا کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا ثم اکثرہم حسبًا پھر مستحق وہ ہے جو سب میں زیادہ ہو حسب کی رو سے ھم بعض نسخوں میں حسنا نون کے ساتھ ہے مگر چوں کہ اس کا ذکر پیشتر ہو چکا اس لیے باء موحدہ کا نسخہ صحیح معلوم ہوتا ہے قاموس میں ہے کہ حسب وہ بزرگی ہے جس کو آدمی اپنے آبا یا مال یا دین یا کرم وغیرہ کے سبب سے شمار کرے ثم الاشرف نسبًا پھر وہ مستحق ہے جو خاندان میں زیادہ شریف ہو مثلاً سید مقدم ہے اور لوگوں پر زاد فی البرہان ثم الاحسن صوتًا برہان میں یہ زیادہ ہے کہ پھر جس کی آواز زیادہ اچھی ہو یعنی اگر صفات گزشتہ میں برابری ہو تو خوش آواز مقدم کیا جائے گا و فی الاشباہ قبیل ثمن المثل ثم الاحسن زوجۃ اور اشباہ میں تھوڑا سا پہلے ثمن مثل کے بیان کیا ہے کہ پھر مستحق وہ ہے جس کی بی بی زیادہ اچھی ہو اس لیے کہ بی بی کے اچھے ہونے سے اسمیں مضمون محبت اور عفت کا زیادہ ہوگا اور یہ اس صورت میں ہے کہ لوگوں یا ہمسایوں میں اس امر کی شہرت ہو ورنہ یہ مطلب نہیں کہ بقیہ صفات میں برابری کے وقت ہر شخص اپنی بی بی کے اوصاف بیان کرے کذا فی الشامی ثم الاکثر مالا ثم الاکثر جاہا پھر وہ مستحق ہے جو زیادہ ہو مال میں یعنی مال حلال جس کے پاس زیادہ ہو اور اگر مال حرام ہوگا تو وہ شخص فاسق ہوگا کذا فی الطحطاوی پھر وہ زیادہ ہے جو جاہ میں یعنی لوگوں کے دلوں میں اس کی جگہ زیادہ ہو ثم الانظف ثوبا پھر وہ جس کے کپڑے زیادہ ستھرے ہوں اس لیے کہ یہ امر بھی موجب کثرت جماعت ہے ثم الاکبر راسًا والاصغر عضوًا پھر جس کا سر بڑا ہو اور دوسرے عضو چھوٹے ہوں کیوں کہ سر کا بڑا ہونا اور دوسرے اعضاء کا متناسب ہونا دلیل ہے زیادتی عقل کی مگر کلانی سر کی موقع سے ہو بے موقع نہ ہو کذا فی الطحطاوی ثم المقیم علی المسافر پھر مقدم کیا جائے مقیم مسافر پر طحطاوی نے کہا کہ شاید یہ اس صورت میں ہے کہ مقتدی سب مقیم ہوں یا مقیم اور مسافر ملے جلے ہوں اور جس صورت میں کہ سب مسافر ہوں صرف ایک مقیم ہو تو وجہ اولی ہونے مقیم کی ظاہر نہیں اور شامی نے بحر الرائق سے نقل کیا کہ مقیم اور مسافر دونوں برابر ہیں کسی کو اولیت نہیں ثم الحر الاصلی علی المعتق پھر مقدم کیا جائے آزاد اصلی اس شخص پر جو غلام ہو کر آزاد ہوا ہو یعنی اگر اور صفات میں دو شخص مساوی ہیں مگر ایک اصل سے آزاد ہے اور دوسرا غلام تھا اب آزاد ہو گیا ہے تو حر اصلی مقدم ہوگا اس لیے کہ غلام کو بسبب خدمت آقا کے اتنی مہلت نہیں ملتی کہ تحصیل علم کرے ثم المتیمم عن حدث علی المتیمم عن جنابۃ پھر مقدم کیا جائے وہ جس نے حدث سے تیمم کیا ہے اس شخص پر جس نے جنابت سے تیمم کیا ہے اس لیے کہ بے وضو ہونا خفیف ہے بہ نسبت جنابت کے فائدہ ایک کام کی بات ہے لایقدم احد فی التزاحم الا بمرجح جب چند شخص کسی امر شرعی یا عادی میں ایک دوسرے سے مزاحم ہوں تو کسی کو بدون مرجح مقدم نہ کیا جائے ومنہ السبق الی الدرس والافتاء والدعوی اور اسباب ترجیح میں سے ہے پیشتر آنا پڑھنے کے لیے یا فتوی لینے کو یا قاضی کے سامنے دعوی بیان کرنے کو ھم یعنی دو طالب علم ایک استاد سے پڑھتے ہیں تو اول اس کو پڑھا دے جو پیشتر آیا ہو اسی طرح مفتی کے یہاں فتوی پوچھنے والوں میں تقدیم اس کی ہو جو پہلے آوے شامی نے کہا کہ بہتر یہ تھا کہ افتاء کی جگہ استفتاء ہوتا چنانچہ مترجم نے ترجمہ میں معنی استفتا ہی کے لکھے ہیں فان استووا فی المجیء اقرع بینہم انتہی کلام الاشباہ پھر آنے میں برابر ہوں یعنی سب ایک ساتھ آئے ہوں تو ان میں قرعہ ڈالا جائے جس کا نام پیشتر نکلے اسی کو مقدم کیا جائے تمام ہوا کلام اشباہ کا وفی الفصل الثانی والثلثین من حظرات تارخانیہ وفی طلبۃ العلم یقدم السابق فان اختلفوا و ثمہ بینۃ فبہا والا اقرع کمہیم معا کما فی الحرقی والغرقی اذا لم یعرف الاول وجعل کانہم ماتوا معا انتہی اور بتیسویں فصل کتاب الحظر تاتارخانیہ میں مذکور ہے کہ طالب علموں کے سبق میں مقدم کیا جائے پیشتر آنے والا یعنی اگر وہ سب ایک دوسرے کے بعد آئے ہوں اور وہاں کچھ دلیل پیشتر آنے کی ہو تو اسی پر عمل ہوگا ورنہ قرعہ ڈال لیا جائے گا جیسے سب کے ایک ساتھ آنے میں قرعہ ڈالا جاتا ہے چنانچہ ایک ساتھ جلنے والوں اور ڈوبنے والوں میں جب اول نہیں معلوم ہوتا اور یہ ٹھہرا لیا جاتا ہے کہ گویا وہ سب ساتھ ہی مرے ہیں تمام ہوا قول تاتارخانیہ کا ھم تشبیہ جلنے والوں اور ڈوبنے

والوں کی صرف میں ہے کہ درصورت نہ معلوم ہونے ترتیب کے ایسا کیا جاتا ہے کہ سب ایک ساتھ ہیں اور قرعہ ڈالنے میں تشبیہ نہیں اس لیے کہ جلنے اور ڈوبنے والوں میں قرعہ نہیں ہوتا کذا فی الشامی وفی المحاسن القراء لابن وہبان وقیل ان لم یکن للشیخ معلوما جاز ان یقدم من شاء واکثر مشائخنا علی تقدیم الاسبق واول من سنہ ابن کثیر اور ابن وہبان کی محاسن القراء میں ہے کہ بعض علماء کا قول یہ ہے کہ اگر استاذ کو طالب علموں کے آنے کا حال معلوم نہ ہو تو جائز ہے کہ جس کو چاہے مقدم کرے اور ہمارے اکثر مشائخ پیشتر آنے والے کی تقدیم پر ہیں اور اول جس نے یہ طریقہ مقرر کیا ابن کثیر ہے ہم سمہودی نے جوہر العقد میں یہ روایت کی ہے کہ ایک انصاری آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ پوچھنے آیا اور ایک آدمی ثقیف کی قوم کا اس کے بعد آیا آپ نے فرمایا کہ ایک انصاری تجھ سے پہلے سوال کر رہا ہے اتنا بیٹھ جا کہ اس کی حاجت روا ہو اس سے معلوم ہوا کہ یہ طریقہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا اور ابن کثیر نے اس میں متابعت آپ کی اختیار کی کذا فی الشامی **فان استووا یقرع بین المستویین او الخیار الی القوم فان اختلفوا اعتبر اکثرہم** پس اگر مستحقین امامت برابر ہوں یعنی کسی میں وجہ زیادتی اور ترجیح کی موجود نہ ہو تو برابر صفات والوں میں قرعہ ڈالا جاوے یا مقتدیوں کو اختیار ہے کہ جس کو چاہیں امام بنائیں پھر اگر اختیار میں مقتدی مختلف ہوں کچھ کسی کو چاہیں کچھ دوسرے کو تو اعتبار ان کے اکثر کا ہے یعنی جس امام کو بہت مقتدی پسند کریں وہی امامت کرے **ولو قدموا غیر الاولی اساؤا بلا اثم** اور اگر مقتدی اولی کے سوا دوسرے کو پیش امام کر دیں گے تو برا کریں گے بدون گناہ کے یعنی ترک سنت کی وجہ سے برا کریں گے اور گنہگار نہ ہوں گے **واعلم ان صاحب البیت ومثلہ امام المسجد الراتب اولی بالامامۃ من غیرہ مطلقا الا ان یکون معہ سلطان او قاض فیقدم علیہ لعموم ولایتہما صرح الحدادی بتقدیم الوالی علی الراتب** اور جان کہ گھر کا مالک امامت کے واسطے بہتر ہے دوسرے لوگوں سے ہر حال میں یعنی گو دوسرا اس سے عالم اور قاری ہو تب بھی مالک مکان افضل ہے اور مالک کے مانند ہے امام معین مسجد کا یعنی وہ بھی اپنے غیر سے بہتر ہے اگرچہ غیر اس سے صفات گذشتہ میں فائق ہو مگر اس صورت میں کہ ہووے مالک یا امام معین کے ساتھ بادشاہ یا قاضی کہ بادشاہ یا قاضی مالک وغیرہ پر مقدم ہوگا بہ سبب عام ہونے ولایت وتصرف بادشاہ اور قاضی کی تصریح کی ہے حدادی نے والی کے مقدم کرنے کی امام معین پر **والمستعیر والمستاجر احق من المالک لما مر** اور مکان کا عاریت لینے والا اور کرایہ دار زیادہ حق دار ہیں بہ نسبت مالک کے اس وجہ سے کہ پیشتر گذری ہم شامی نے کہا کہ شارح کو لما مر کہنا مناسب نہ تھا کیوں کہ اوپر عموم ولایت کا ذکر ہے حالاں کہ مستعیر اور کرایہ دار کی ولایت عام نہیں تو یوں کہنا چاہیے تھا لان الولایۃ لہما فی ہذہ الحالۃ دون المالک یعنی اس وقت ان دونوں کا تصرف ہے نہ مالک کا **ولو ام قوما وہم لہ کارہون ان الکراہۃ لفساد فیہ او لانہم احق بالامامۃ منہ کرہ لہ ذلک تحریما لحدیث ابی داؤد لا یقبل اللہ صلوۃ من تقدم قوما وہم لہ کارہون وان ہو احق لا والکراہۃ علیہم** اور اگر کوئی شخص ایک قوم کا امام ہو اور وہ لوگ اس کو برا جانتے ہوں تو اگر ان کی نفرت امام کے اندر کسی خرابی کے لیے ہے یا اس وجہ سے کہ وہ لوگ بہ نسبت امام مذکور کے زیادہ مستحق امامت کے ہیں تو اس شخص کو امام ہونا مکروہ تحریمی ہے بسبب حدیث ابی داؤد کے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز نہیں قبول کرتا جو ایک قوم کی امامت کرے اور وہ لوگ اس سے نفرت رکھیں اور اگر امام مذکور زیادہ حقدار امام ہونے کا ہو تو اس کے حق میں امام ہونا مکروہ نہیں اور مقتدیوں کو اس سے نفرت کرنا مکروہ ہے **ویکرہ تنزیہا امامۃ عبد ولو معتقا قہستانی عن الخلاصۃ ولعلہ لما قدمناہ من تقدم الحر الاصلی اذ الکراہۃ تنزیہیۃ فتنبہ** اور مکروہ تنزیہی ہے امام ہونا غلام کا اگرچہ آزاد ہو گیا ہو کذا فی القہستانی عن الخلاصۃ اور شاید کہ اس کی وجہ وہی ہے جو ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں یعنی حر اصلی کا مقدم ہونا آزاد شدہ پر اولی ہے کیوں کہ کراہت اس مسئلہ میں تنزیہی ہے اور وہ ترک اولی سے ہوا کرتی ہے پس خبردار ہو جا ہم ایک نسخہ میں لعلہ لما قدمناہ کی جگہ والعلۃ ما قدمناہ ہے یعنی وجہ اس کی یہ ہے جو ہم پہلے

لکھ چکے ہیں **واعرابیٍ** ومثلہ ترکمان واکراد وعامی اور مکروہ ہے امامت بدوی کی اور مثل بدوی کے قوم ترکمان اور کرد اور جاہل آدمی ہیں یعنی امامت
مکروہ ہے اور علت کراہت غلبہ جہالت ہے اور لوگوں کا تنفران کی امامت سے **وفاسق واعمی** ونحوہ الاعشی نہر اور مکروہ ہے امامت فاسق اور
اندھے کی اور مثل اندھے کے ہے وہ شخص جس کو رات اور دن میں کم سوجھتا ہو کذا فی النہر اندھے کی امامت کی کراہت بوجہ نہ بچنے نجاست سے
ہے صاحب نہر الفائق نے بحث کی راہ سے کہا کہ اس امر میں کم سوجھ آدمی بھی ایسا ہی ہے **الا ان یکون** ای غیر الفاسق **اعلم القوم** فہو اولی مگر یہ کہ
ہووے ہر واحد سابق کے شخصوں سے سواء فاسق کے زیادہ عالم قوم کا تو اس صورت میں اس کا امام ہونا اولی ہے م فاسق کا استثنا اس لیے
کیا کہ باوجود عالم ہونے کے بھی اس کی امامت خالی کراہت سے نہیں کیوں کہ امامت میں اس کی تعظیم ہے حالاں کہ شرعاً مقتدیوں پر اس کی اہانت
واجب ہے مفتی ابو السعود نے کہا کہ اس تعلیل کا مفاد یہ ہے کہ امامت فاسق کی مکروہ تحریمی ہے اور اندھے کی امامت میں ہر چند عالم ہونے سے علت
کراہت یعنی نہ بچنا نجاست سے موجود رہتی ہے مگر اس میں نص صریح کے ہونے سے کراہت جاتی رہی یعنی ابن ام مکتوم او رعتبانؓ باوجودیکہ
اندھے تھے مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب کیا تھا نماز پڑھانے کو کیوں کہ مردوں میں ان سے زیادہ لائق
موجود نہ تھا کذا فی الطحطاوی والشامی **ومبتدع** ای صاحب بدعۃ وہی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندۃ بل بنوع شبھۃ اور مکروہ ہے
امامت مبتدع یعنی بدعت والے کی اور بدعت اعتقاد کرنا ہے خلاف اس بات کے جو مشہور ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ بروجہ
عناداً اعتقاد مخالف کا کرنا کفر ہے قطعاً بلکہ اعتقاد ہو کسی قسم کے شبہ سے م شمنی نے تعریف بدعت کی یہ کی ہے کہ جو چیز کسی قسم کے شبہ استحسان
سے پیدا ہو مخالف اس حق کے جس کی تعلیم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے خواہ وہ حق بات علم ہو یا عمل یا حال اور اس چیز کو دین متین
اور صراط مستقیم ٹھہرا لیا ہو اس تعریف میں بدعت صرف اعتقاد کا نام نہیں جیسا شارح کی تعریف سے مفہوم ہوتا ہے **وکل من کان من قبلتنا لا یکفر**
بہا حتی الخوارج الذین یستحلون دمائنا واموالنا وسب اصحاب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم وینکرون صفاتہ تعالٰی وجواز رؤیتہ لکونہ عن تاویل وشبھۃ
اور جتنے لوگ کہ ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں وہ بدعت سے کافر نہیں ہوتے یہاں تک کہ فرقہ خارجیوں کا بھی کافر نہیں جو ہماری جان اور
مال حلال جانتے ہیں اور گالی دینا اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو روا سمجھتے ہیں اور اللہ تعالٰی کی صفات کے اور اس کی دیدار کے جواز کے منکر
ہیں یہ لوگ کافر نہیں بسبب ہونے اس اعتقاد کے تاویل اور شبہہ سے م تاویل عبارت ہے معنی بنا لینے سے یعنی ان کا اعتقاد اس جہت سے
بگڑا کہ معنی نص کو اپنے مطلب کے موافق بنا لیا جو معنی سلف صالحین سے مروی تھے ان کے پابند نہ ہوئے طحطاوی نے کہا کہ انکار صفات
الٰہی مذہب معتزلہ کا ہے نہ خارجیوں کا ہاں اگر خارجی سے وہ مراد ہو جو طریقہ اہلسنت سے خارج ہو تو شارح کا قول ان کے انکار صفات الٰہی کا
درست ہوگا بدلیل قبول شہادتہم الا الخطابیۃ خارجی کافر نہیں بدلیل مقبول ہونے ان کی گواہی کے یعنی اگر کافر ہوتے تو کافر کی گواہی مسلمان پر مقبول
نہیں ان کی بھی نہ ہوتی حالانکہ ان کی گواہی مقبول ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ مسلمان ہیں لیکن بدعتی ہیں بجز فرقہ خطابیہ کے کہ ان کی گواہی مقبول
نہیں طحطاوی نے کہا کہ وجہ ان کی گواہی مقبول نہ ہونے کی یہ نہیں کہ وہ کافر ہیں بلکہ یہ وجہ ہے کہ وہ اپنے ساتھ والوں کے لیے جھوٹی گواہی
دینے کو دین سمجھتے ہیں ومنا من کفرہم اور ہم حنفیوں میں بعض ایسے ہیں جو خارجیوں یعنی بدعتیوں کو کافر کہتے ہیں م شامی نے کہا کہ معتمد اس کے
خلاف ہے چنانچہ بحر الرائق میں خلاصہ سے بعض فروع ایسے ذکر کیے ہیں جن سے بدعتیوں کا کفر پایا جاتا ہے مگر ان کے بعد کہا کہ مذہب
معتمد یہ ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہ کہا جاوے **وان انکر بعض ما علم من الدین ضرورۃ کفر بہا کقولہ ان اللہ تعالٰی جسم کالاجسام وانکارہ**
صحبۃ الصدیق فلا یصح الاقتداء بہ اصلاً فلیحفظ اور اگر بدعتی منکر ہو کسی ایک بات کا جو دین میں ضروری جانی گئی ہو تو وہ اس بدعت سے کافر

لف الاعشٰی

ہوجائے گا مثلاً اس کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے مانند اور جسموں کے اور انکار کرنا صحبت حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یعنی جس کی خبر قرآن مجید میں ہے اذ یقول لصاحبہ لاتحزن کذافی الحلبی تو ایسے بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنی ہرگز درست نہیں تو اس کو یاد رکھنا چاہیے وولد الزنا اور مکروہ ہے امامت ولد الزنا کی کیوں کہ لوگوں کو اس سے نفرت ہوتی ہے ہذا ان وجد غیرہم والا فلا کراہۃ بحر بحثا مکروہ ان کی امامت اس وقت ہے کہ ان کے سوا دوسرے امام ان سے بہتر موجود ہیں اور اگر ان سے بہتر کوئی اور وہاں نہیں تو کراہت بھی نہیں ایسا مذکور ہے بحر الرائق میں بحث کی راہ سے وفی النہر عن المحیط صلی خلف فاسق او مبتدع نال فضل الجماعۃ اور نہر الفائق میں محیط سے منقول ہے کہ اگر نماز پڑھے پیچھے فاسق یا بدعتی کے تو جماعت کا ثواب پاوے گا م اس سے معلوم ہوا کہ تنہا پڑھنے سے ان کے پیچھے پڑھنا بہتر ہے کذا فی الشامی وکذا تکرہ خلف امرد وسفیہ اور اسی طرح مکروہ تنزیہی ہے نماز پیچھے بے ریش کے اور پیچھے کم عقل کے م شیخ رحمتی محشی نے کہا کہ امرد سے مراد خوب صورت ہے کہ محل فتنہ ہوتا ہے اور جب سب میں زیادہ عالم وہی ہے اور خوف شہوت یا لوگوں کی نفرت کا نہ ہو تو نماز بلا کراہت صحیح ہے اور سفیہ اس کو کہتے ہیں جو تصرف مقتضائے شرع یا عقل کے موافق خوب نہ کر سکتا ہو ومفلوج وابرص شاع برصہ اور مکروہ ہے نماز پیچھے فالج زدہ اور برص والے کے جس کا برص پھیل گیا ہو م برص ایک مرض ہے کہ بدن پر اس کے مخالف رنگ کے داغ سفید یا سیاہ ہو جاتے ہیں اور وجہ کراہت وہی تنفر ہے وشارب الخمر واکل الربو ونمام ومراء ومتصنع اور مکروہ ہے نماز پیچھے شراب خور اور سود کھانے والے اور چغل خور اور ریاکار کے اور تکلف والے کے م شامی نے حلبی سے نقل کیا کہ یہ پانچوں فاسق میں آ گئے ان کو علیحدہ لکھنا تکرار بے فائدہ ہے اور فرق ریاکار اور متکلف میں یہ ہے کہ ریاکار وہ ہے جس کا مقصود لوگوں کی نمائش ہو خواہ طاعت کو اچھی طرح ادا کرے یا نہیں اور متکلف وہ ہے کہ بناوٹ اور تکلف سے طاعت کو اچھی طرح ادا کرے تو متکلف خاص ہے بہ نسبت ریاکار کے ومن ام باجرۃ قہستانی اور مکروہ ہے نماز اس کے پیچھے جو امامت کرے مزدوری لے کر کذافی القہستانی م یہ مسئلہ متقدمین کے مذہب پر مبنی ہے کہ طاعتوں پر اجرت لینا باطل ہے اور مفتی بہ متاخرین کے نزدیک یہ ہے کہ تعلیم اذان اور قرآن اور امامت پر اجرت لینا درست ہے ضرورت کی وجہ سے کیوں کہ مفت یہ امور کوئی نہیں کرتا تو اگر ان پر اجرت لینے کو ناجائز کہا جاوے تو یہ باتیں یک قلم موقوف ہو جائیں زاد ابن ملک ومخالف کشافعی لکن فی وتر البحران تیقن المراعاۃ لم یکرہ او عدمہا لم یصح وان شک کرہ ابن ملک نے اتنا زیادہ کہا ہے کہ مکروہ ہے نماز پیچھے مخالف مذہب مثلاً شافعی کے لیکن بحر الرائق کے وتر کی بحث میں یہ تفصیل ہے کہ اگر مقتدی یقین کرے مراعات امام کا یعنی یہ جانے کہ فروض میں جو شرطیں اور رکن مقتدی کے اعتقاد میں ہیں امام ان کی رعایت کرے گا تو اقتدا مکروہ نہ ہوگا یا عدم مراعات کا یقین کرے تو اقتداء صحیح نہ ہوگا اور اگر شک کرے گا مراعات اور عدم مراعات میں تو اس صورت میں اقتدا مکروہ ہوگا م ملا علی قاری نے اپنے رسالہ الاہتداء فی الاقتداء میں کہا کہ ہمارے اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ اقتدا حنفی کا مثلاً شافعی کے پیچھے جائز ہے بشرطیکہ شافعی خلاف کی جگہوں میں احتیاط کرے یعنی فصد اور نکسیر کے بعد مثلاً وضو کرے اور اگر احتیاط نہ کرے تو اقتدا درست نہ ہوگا حاصل یہ کہ رعایت کرنے والے کے پیچھے بلا کراہت درست ہے ورنہ مکروہ ہے شامی نے کہا کہ تفصیل بحر الرائق کی معتمد ہے کہ محققین کا میلان اسی طرف ہے اور قواعد مذہب بھی اسی کے شاہد ہیں ویکرہ تحریما تطویل الصلوۃ علی القوم زائدا علی قدر السنۃ فی قراءۃ واذکار رضی القوم اولا لاطلاق الامر بالتخفیف نہر اور مکروہ تحریمی ہے طول دینا نماز کا قوم پر قراءت اور ذکروں میں مقدار سنت سے زیادتی کر کے قوم راضی ہو یا نہیں یہ پڑھانا مکروہ ہے بسبب مطلق ہونا امر کے واسطے خفیف پڑھنے نماز کے کذا فی النہر م صحیحین میں ہے کہ جب کوئی تم میں سے لوگوں کو نماز پڑھاوے تو چاہیے کہ تخفیف کرے کیوں کہ لوگوں میں کم زور اور بیمار اور بوڑھے بھی ہیں الحدیث صاحب بحر الرائق نے اس سے یہ نکالا کہ تخفیف کے ساتھ پڑھنا واجب ہے اس لیے شارح نے ترک تخفیف یعنی تطویل کو

مکروہ تحریمی کما فی الشرنبلالیۃ بظاہر حدیث معاذ انہ لایزید علی صلوۃ اضعفہم مطلقاً ولذا قال الکمال الا للضرورۃ اور شرنبلالیہ میں ہے کہ ظاہر حدیث معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ ہے کہ امام نہ زیادہ کرے قراءت کو ضعیف ترین مقتدی کی نماز سے مطلقاً یعنی اگرچہ قراءت مسنون سے کم ہو اور اسی وجہ سے کمال الدین نے فتح القدیر میں کہا ہے کہ قدر مسنون سے کم نہ کرے مگر ضرورت کی جہت سے ہم مراد حدیث معاذ سے حدیث مسلم کی ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے سورہ بقرہ عشاء کی نماز میں شروع کی تو ایک مقتدی نے سلام پھیر کر تنہا نماز پڑھی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت حضرت معاذؓ کی بیان کی تو آپ نے ان کو فرمایا کہ تم کیا لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے ہو جب امامت کرو تو والشمس وضحٰها اور سبح اسم اور اقرأ اور واللیل پڑھا کرو شامی نے کہا کہ شرنبلالی نے جو اس حدیث سے یہ نکالا کہ ضعیف تر مقتدی کی نماز سے زائد نہ کرے گو قدر مسنون سے کم ہو جائے یہ بات اس سے نہیں نکلتی بلکہ یہ نکلتا ہے کہ مقدار مسنون سے زائد نہ پڑھے چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو فرمایا کہ سورہ شمس اور واللیل وغیرہا پڑھا کریں جو عشاء میں مسنون ہیں باوجودیکہ قوم معاذؓ کا عذر ثابت تھا اور یہی مطلب کمال کی عبارت کا ہے کہ مقدار مسنون سے کم نہ کرے مگر ضرورت کی وجہ سے یہ نہیں کہ ضعیف کی رعایت کرے اگرچہ قدر مسنون سے کم ہو جائے جیسا کہ شرنبلالی نے سمجھا ہے وصح انہ علیہ الصلوۃ والسلام قرأ بالمعوذتین فی الفجر حین سمع بکاء صبی اور صحیح ہوا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز میں معوذتین پڑھیں جب کہ رونا ایک بچہ کا سنا ہم نماز فجر میں طوال مفصل کا پڑھنا مسنون ہے مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار معوذتین پڑھا سلام کے بعد لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے اختصار فرمایا آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے ایک بچہ کا رونا سنا تو ڈرا کہ کہیں اس کی ماں نہ گھبرا وے اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت مقدار مسنون سے کم کرنا امام کو شایان ہے ویکرہ تحریماً جماعۃ النساء ولو فی التراویح فی غیر صلوۃ جنازۃ لانہا لم یشرع مکررۃ فلو انفردن تفوتہن بفراغ احدٰہن اور مکروہ تحریمی ہے جماعت صرف عورتوں کی اگرچہ نماز تراویح کی جماعت ہو سوائے نماز جنازہ کے کہ نماز جنازہ میں ان کی جماعت مکروہ نہیں اس لیے کہ نماز جنازہ دوبارہ تو مشروع نہیں تو اگر تنہا سب نماز پڑھیں گے تو ایک عورت کے فارغ ہونے سے باقی عورتوں کی نماز فوت ہو جائے گی کہ دوبارہ پڑھنا نماز جنازہ کا مکروہ ہے اس لیے ان کو جماعت کرنی جنازہ کی نماز میں مکروہ نہ ہوئی ہم نماز جنازہ فرض ایک ہی بار ہے دوسری بار پڑھنا نفل مکروہ ہے تو جب ایک عورت تنہا نماز پڑھے گی تو فرض ادا ہو جائے گا باقی عورتیں اس سے محروم رہ جائیں گی اس لیے جماعت میں پڑھنے سے سب کو فضیلت فرض کی فوت نہ ہوگی اور یہ مسئلہ اس صورت میں ہے کہ جنازہ پر صرف عورتیں ہوں ولو امت فیہا رجالا فلا تعاد لسقوط الفرض بصلوتہا الا اذا استخلفہا الامام وخلفہ رجال ونساء فتفسد صلوۃ الکل اور اگر نماز جنازہ میں مردوں کی امام ہوئی تو نماز دوبارہ نہ پڑھی جاوے بہ سبب ساقط ہونے فرض کے عورت کی نماز سے یعنی مردوں کی نماز تو سرے سے منعقد نہیں ہوئی تھی تو تنہا امام کی نماز ہوئی اسی سے فرض ساقط ہو گیا کذا فی الحلبی مگر اس صورت میں اعادہ نماز کا چاہیے جب کہ عورت کو امام خلیفہ کر دے اور امام کے پیچھے مرد اور عورتیں ہوں کیوں کہ خلیفہ کرنے سے نماز سب کی فاسد ہو جائے گی ہم شیخ رحمتی نے وجہ سب کے نماز فاسد ہونے کی یہ بیان کی کہ جب امام نے ایسے شخص کو خلیفہ کیا جو لائق امامت نہیں تو خود اس کا مقتدی ٹھہرا اس لیے اس کی نماز فاسد ہوئی اور اس کی نماز کے فساد سے سب مقتدیوں کی نماز فاسد ہو گئی فان فعلن تقف الامام وسطہن فلو تقدمت اثمت الا الخنثی فتتقدمہن پھر اگر عورتیں باوجود کراہت کے جماعت کریں تو امام عورت ان کے بیچ میں کھڑی ہو تو اگر آگے بڑھ کر کھڑی ہوگی تو گناہ گار ہوگی بجز خنثی کے کہ وہ عورتوں سے آگے بڑھ کر کھڑا ہو نہ بیچ میں ہم لفظ امام میں مذکر و مؤنث برابر ہیں اور بیچ میں کھڑے ہونے سے یہ مراد ہے کہ صف کے برابر ایسی طرح کھڑی ہو کہ اس کی ایڑیاں صف کی ایڑیوں سے آگے نکل رہیں اور خنثی کے آگے بڑھنے کی یہ وجہ ہے کہ اگر اس کو مرد فرض کریں تو عورتوں کی برابری سے اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اسی وجہ سے کسی کی نماز

نہ ہوگی کذا فی الطحطاوی کالعراۃ فیتوسطہم الامام وتکرہ جماعتہم تحریما فتح جیسے ننگے آدمی کہ امام ان کے بیچ میں کھڑا ہوا اور ان کی جماعت مکروہ تحریمی ہوگی کذا فی الفتح ثم بیچ میں کھڑے ہونے کی قید سے افادہ کیا کہ تشبیہ ننگوں اور عورتوں کی جماعت میں صرف بیچ میں کھڑے ہونے سے ہے ہر وجہ سے نہیں کیوں کہ ننگوں کو بیٹھ کر نماز پڑھنا افضل ہے بخلاف عورتوں کے کذا فی البحر اور وجہ کراہت جماعت کی غالبًا دیکھنا دوسرے کی برہنگی کا ہے ویکرہ حضورہن الجماعۃ ولو لجمعۃ وعید ووعظ مطلقا ولو عجوزا لیلا علی المذہب المفتی بہ لفساد الزمان واستثنی الکمال بحثا العجائز المتفانیۃ اور مکروہ ہے حاضر ہونا عورتوں کا جماعت میں اگرچہ حاضر ہونا جمعہ میں اور عید میں اور وعظ میں ہو مطلقا یعنی اگرچہ بوڑھی عورت ہو یا جوان رات کو مجمع میں حاضر ہو یا دن کو مکروہ ہے مذہب مفتی بہ پر بسبب خرابی زمانہ کے اور استثنا کیا ہے اس حکم سے کمال نے براہ بحث بوڑھی عورتوں فانی کو م آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں عورتیں جماعت میں حاضر ہوتی تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے منع فرمایا عورتوں نے ان کی شکایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کی آپ نے جواب دیا کہ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ حال معلوم ہوتا جو عمرؓ کو معلوم ہوا تو تم کو اجازت مسجد میں جانے کی نہ دیتے اس سے متاخرین نے فتویٰ دیا کہ عورتوں کا نکلنا جماعتوں میں مکروہ ہے کذا فی الطحطاوی کما تکرہ امامۃ الرجل لہن فی بیت لیس معہن رجل غیرہ ولا محرم منہ کاختہ او زوجتہ او امتہ اما اذا کان معہن واحد ممن ذکر او امہن فی المسجد لا یکرہ بحر جیسے مکروہ ہے امام ہونا مرد کا عورتوں کو ایسے گھر میں کہ امام کے سوا کوئی مرد عورتوں کے پاس نہ ہو اور نہ کوئی محرم امام کی عورتوں میں ہو مثلاً امام کی بہن یا زوجہ یا لونڈی تو اگر عورتوں کے ساتھ ان میں سے جن کا ذکر ہوا کوئی ہو یا مرد ان کی امامت مسجد میں کرے تو مکروہ نہ ہوگا کذا فی البحر م یعنی مرد اگر عورتوں کا امام ہو تو خلوت کے مکان میں نہ ہو یہاں تک کہ مسجد میں ہو تو دروازہ مسجد کا کھلا ہونا چاہیے اور جماعت گوشہ میں نہ ہو اور اگر خلوت میں جماعت ہو تو دوسرے مرد یا محرم عورت کا ہونا ضروری ہے کذا فی القہستانی ویقف الواحد ولو صبیا اما الواحدۃ فتتاخر محاذیا ای مساویا لیمین امامہ علی المذہب اور کھڑا ہو ایک مقتدی اگرچہ لڑکا ہو محاذی یعنی امام کے برابر اس کے داہنی طرف مذہب قوی پر یعنی بخلاف اس قول کے کہ امام محمد سے منقول ہے کہ مقتدی اتنا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو کہ اس کی انگلیاں امام کی ایڑی کے پاس ہوں شارح نے کہا کہ اگر مقتدی صرف ایک عورت ہو تو وہ پیچھے امام کے کھڑی ہو شامی نے کہا کہ امام کو چاہیے کہ مقتدی کو داہنی طرف کھڑا ہونے کے لیے کہہ دے ولا عبرۃ بالراس بل بالقدم فلو صغیرا فالاصح مالم یتقدم اکثر قدم المؤتم لا تفسد اور اعتبار نہیں سر کا یعنی سجدہ کی حالت میں اگر مقتدی کا سر بوجہ دراز قد ہونے کے امام سے آگے نکل جاتا ہو تو اس کا اعتبار نہیں بلکہ قدم کا اعتبار ہے کہ قدم امام سے آگے نہ نکلے پھر اگر قدم امام کا چھوٹا ہو تو صحیح تر قول یہ ہے کہ جب تک اکثر قدم مقتدی کا آگے نہ بڑھے گا تو نماز فاسد نہ ہوگی یعنی پنجوں کا بڑھنا ضرر نہیں کرتا فلو وقف عن یسارہ کرہ اتفاقا وکذا یکرہ خلفہ علی الاصح لمخالفۃ السنۃ پھر اگر ایک مقتدی اس کے بائیں طرف کھڑا ہو تو مکروہ تنزیہی ہے بالاتفاق اور اسی طرح مکروہ تنزیہی ہے کھڑا ہونا امام کے پیچھے صحیح تر قول میں بسبب مخالفت کرنے طریقہ سنت کے والزائد یقف خلفہ فلو توسط اثنین کرہ تنزیہا وتحریما لو اکثر اور ایک سے زائد مقتدی کھڑے ہوں امام کے پیچھے پس اگر امام دو کے بیچ میں کھڑا ہوگا تو مکروہ تنزیہی ہوگا اور اگر دو سے زائد کے بیچ میں کھڑا ہوگا تو مکروہ تحریمی ہوگا شامی نے کہا کہ اس سے مستفاد ہوا کہ صف سے آگے بڑھ کر کھڑا ہونا امام کو واجب ہے چنانچہ ہدایہ اور فتح القدیر سے ظاہر ہوتا ہے ولو قام واحد بجنب الامام وخلفہ صف کرہ اجماعا اور اگر ایک شخص امام کے برابر کھڑا ہو اور پیچھے امام کے جماعت ہے تو مکروہ ہے بالاتفاق ھم اگر ایک مقتدی امام کے برابر کھڑا ہو پھر دوسرا آیا تو بعضوں نے کہا کہ امام آگے بڑھ جاوے ایک ڈگ میں اور بعضوں نے کہا کہ مقتدی اول پیچھے کو ہٹے اور بعضوں نے کہ دوسرا مقتدی نیت باندھ کر پہلے کو ہٹالے اور بے نیت اگر ہٹا دے گا تب بھی مضائقہ نہیں اور

اگر دوسرا مقتدی امام کے بائیں جانب کھڑا ہو جائے تو امام دونوں کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کر دے اور یہ امر بہتر ہے اس لیے کہ امام متبوع ہے نہ تابع اور صف کرنا پیچھے امام کے مقتدیوں کا کام ہے نہ امام کا اس لحاظ سے امام کا اسی جگہ رہنا بہتر ہے اور اسی کی موید ہے حدیث مسلم کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہ ایک غزوہ میں میں ہمراہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گیا آپ نماز کو کھڑے ہوئے میں آپ کے بائیں طرف آ کر کھڑا ہوا آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر داہنی طرف کو گھمایا اس کے بعد ابن عمر آئے اور آپ کے بائیں جانب کھڑے ہوئے آپ نے ان کے دونوں ہاتھ پکڑے اور ہم دونوں کو پیچھے دھکیلا یہاں تک کہ ہم کو اپنے پیچھے کھڑا کیا کذا فی الشامی ویصف اویصفھم الامام بان یامرہم بذلک قال الشمنی وینبغی ان یامرہم بان یتراصوا ویسدوا الخلل ویسووا مناکبھم اور صف باندھیں یعنی مقتدیوں کی صف کرا دے امام اس طرح کہ ان کو حکم کرے صف باندھنے کا شمنی نے کہا کہ امام کو چاہیے کہ مقتدیوں کو امر کرے کہ ایک دوسرے سے ملے رہیں اور دو شخصوں کے بیچ میں کی جگہ کو بند کریں اور اپنے شانوں کو برابر رکھیں ویقف وسطاً اور امام درمیان میں کھڑا ہو یعنی ایسی طرح کھڑا ہو کہ داہنے اور بائیں دونوں طرف صف مساوی ہو شامی نے مبسوط سے نقل کیا کہ سنت ہے امام کا کھڑا ہونا محراب میں تاکہ دونوں طرفین برابر ہو جاویں اور اگر امام ایک طرف صف کے کھڑا ہو گا تو مکروہ ہو گا اور جب امام کے دونوں طرف برابر ہوں تو اب جو مقتدی آوے وہ داہنے طرف ملے اور اگر صف کے بیچ میں جگہ چھوٹی ہو تو اس میں کھڑا ہو جائے اور اگر صف بھر چکی ہو تو دوسرے مقتدی کا انتظار کرے کہ اس کے ساتھ مل کر پیچھے کھڑا ہو اور اگر اس اثنا میں امام رکوع کر دے تو کسی مسئلہ جاننے والے کو صف میں سے کھینچ کر اپنے برابر کر دے اور اگر ایسا شخص اس کو نہ ملے تو امام کے پیچھے اس کی سیدھ میں اکیلا کھڑا ہو جائے ضرورت کے لیے وخیر صفوف الرجال اولھا فی غیر جنازۃ ثم وثم اور بہتر صف مردوں کی سب سے پہلی ہے سوائے جنازہ کے پھر دوسری تیسری سے بہتر ہے پھر تیسری چوتھی سے اور علی ہذا القیاس ھم بحر الرائق میں وجہ اولویت صف اول کی یہ لکھی ہے کہ اخبار میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ جب رحمت جماعت پر نازل فرماتا ہے تو اول امام پر نازل کرتا ہے پھر وہ رحمت امام کے بعد اس شخص پر ہوتی ہے جو صف اول میں امام کی سیدھ پر ہو پھر داہنی طرف والوں پر پھر بائیں طرف والوں پر پھر صف دوم پر اسی طرح اور غیر جنازہ کی قید اس لیے لگائی کہ جنازہ میں سب سے پچھلی صف بہتر ہے اس لیے کہ منظور جنازہ میں زیادہ ہونا صفوں کا ہے تو اگر پہلی بہتر ہو تو آدمیوں کی قلت کی صورت میں کوئی پیچھے کھڑا ہونا پسند نہ کرے کذا فی الشامی ولو صلی علی رفوف المسجد ان وجد فی صحنہ مکانا کرہ کقیامہ فی صف خلف صف فیہ فرجۃ اور اگر نماز پڑھے مسجد کی طاق پر تو اگر صحن مسجد پر جگہ تھی تو مکروہ ہو گی جیسے مکروہ ہے کھڑا ہونا نمازی کا اس صف کے پیچھے کی صف میں جس میں جگہ چھوٹی ہوئی ہو م رفوف طاق عمارت کو کہتے ہیں تو اگر کوئی بلا عذر نمازی باوجود صف میں جگہ ہونے کے کسی طاق پر چڑھ کر نماز پڑھے گا تو نماز مکروہ ہو گی اس لیے کہ اس طرح پڑھنے سے صف کے پورا ہونے میں خلل پڑتا ہے اور اگر کسی عذر سے کھڑا ہوا مثلاً وہ شخص مکبر ہے اور طاق پر چڑھنے سے آواز سب صفوں میں پہنچے گی تو اس صورت میں مکروہ نہیں اور نمازی نے بعد نیت کے اگر اپنے سامنے کی صف میں جگہ چھوٹی دیکھی اور اپنی جگہ سے چل کر اگلی صف میں کھڑا ہو گیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہو گی پھر فرجہ والی صف کے پیچھے کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی اس کی تنقیح چاہیے مگر حدیث شریف میں جو وعید آیا ہے کہ جو شخص صف کو قطع کرے اس کو خدا قطع کرے اس کا موید ہے کہ مکروہ تحریمی ہے کذا فی الشامی قلت وبالکراھۃ ایضاً صرح الشافعیۃ میں کہتا ہوں کہ فرجہ والی صف کے پیچھے کھڑے ہونے کی کراہت کو شافعیوں نے بھی مصرح کر دیا ہے قال السیوطی فی بسط الکف فی اتمام الصف وہذا الفعل مفوت لفضیلۃ الجماعۃ الذی ہو التضعیف لا لاصل برکۃ الجماعۃ فتضعیفھا غیر برکتھا ہی عود برکۃ الکامل منھم علی الناقص انتہی سیوطی شافعی نے اپنی کتاب بسط الکف فی اتمام الصف میں بیان کیا ہے کہ صف میں جگہ چھوڑنا جماعت کے ثواب کو فوت کرتا ہے ثواب سے مراد کئی گنا ہوتا ہے نماز کا اصل برکت جماعت کو فوت نہیں کرتا کیونکہ

تضعیف دوسری چیز ہے برکت کے سوا اور جماعت کی برکت یہ ہے کہ نمازیوں میں سے کامل شخص پر کی رحمت ناقص پر چلی آوے انتہی ھ یعنی
یہ جو وارد ہے کہ جماعت کی نماز تنہا پڑھنے سے پچیس یا ستائیس گنی زیادہ ہے فرجہ چھوڑنے سے یہ ثواب نہیں ملتا بلکہ اصل برکت جماعت کی ملتی
ہے یعنی جو کامل شخصوں کے اخلاص کے سبب سے رحمت نازل ہوتی ہے اس میں حاضرین شریک ہوجاتے ہیں کذا فی الطحطاوی شامی نے کہا
کہ حنفیوں کے نزدیک تضعیف بھی ملتی ہے مگر کراہت کے ساتھ ولو وجد فرجۃ فی الاول لا الثانی لہ خرق لتقصیرھم اور اگر نمازی اول صف میں فرجہ
پاوے نہ دوسری میں تو اس کو جائز ہے چیرنا دوسری صف کا بسبب قصور کرنے دوسری صف والوں کے ھ یعنی جب کوئی شخص نماز میں داخل ہونا
چاہے اور اگلی صفوں میں جگہ دیکھے تو پچھلی صف والوں کے سامنے کو یا ان کو چیر کر اس جگہ میں جا کھڑا ہو کیوں کہ پچھلی صف والوں کا قصور ہے کہ انھوں
نے جگہ کو نہ بھرا اس لیے ان کو چیرنا یا ان کی نماز کے آگے کو گذرنا کچھ مضائقہ نہیں کس لیے کہ حدیث میں وارد ہے کہ جب کوئی شخص فرجہ دیکھے تو اس
کو خود بند کر دے اور اگر بند نہ کرے تو دوسرا شخص اس کی گردن پر ہو کر چلا جاوے کہ اس کی کچھ تعظیم نہیں رہی اخرجہ فی الفردوس عن ابن عباس وفی الحدیث
من سدّ فرجۃً غفرلہ اور حدیث میں ہے کہ جو شخص فرجہ بند کرے اس کی مغفرت ہوگی وصح خیارکم الینکم مناکب فی الصلوٰۃ اور صحیح ہوا ہے یعنی حدیث
صحیح میں آیا ہے کہ تم میں بہتر وہ ہیں جو نماز میں زیادہ نرم شانہ ہوں یعنی اگر کوئی صف میں داخل ہونے کے لیے ان کے شانہ پر ہاتھ رکھے تو وہ شانہ
کو نرم کر دیں اور اس کو جگہ دے دیں وبہذا یعلم جہل من یستمسک عند دخول داخل بجنبہ فی الصف ویظن انہ ریاءٌ کما بسط فی البحر اور اس حدیث کے مضمون
سے معلوم ہوتی ہے جہالت اس شخص کی جو رک رہے جب کوئی صف میں داخل ہونے والا اس کے برابر آنا چاہے اور گمان کرتا ہے کہ دوسرے کو
جگہ دینی ریا کی بات ہے جیسا مشرح بیان کیا ہے بحر الرائق میں ھ بحر الرائق میں فتح القدیر سے نقل کیا ہے کہ ریا کا گمان اس لیے ہے کہ نمازی
دوسرے کے لیے حرکت کرتا ہے حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ دوسرے کو جماعت کی فضیلت ملنے پر مدد دیتا ہے اور فرجہ کے بند کرنے کے حکم کی تعمیل
کرتا ہے لکن نقل المصنف وغیرہ عن القنیۃ وغیرہا ما یخالفہ لیکن مصنف اور دوسرے لوگوں نے قنیہ اور اور کتابوں سے وہ مضمون نقل کیا ہے جو
مخالف نقل بحر الرائق کے ہے ھ یعنی مصنف وغیرہ نے بہ تبعیت صاحب قنیہ لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے صف کے آدمیوں کو ہٹایا اور وہ اس
کے لیے جگہ دینے کو ہٹ گیا تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی اس لیے کہ اس نے نماز میں خارج شخص کا کہنا مانا طحطاوی نے کہا کہ شارح کو اس
استدراک کا مذکور نہ کرنا بہتر تھا اس لیے کہ مخالف حدیث کے ہے یعنی جب حدیث سے ثابت ہوگیا کہ دوسرے کو جگہ دینے کے لیے ہٹنا افضل
ہے تو پھر فساد نماز کے کیا معنی ثم نقل تصحیح عدم الفساد فی مسئلۃ من جذب من الصف فتاخر فہل ثم فرق فلیحرر پھر مصنف نے نہ فاسد ہونے نماز
کی تصحیح کی نقل کی اس مسئلہ میں کہ ایک شخص صف میں سے کھینچا گیا اور وہ پیچھے ہٹ آیا تو کیا اس میں اور پہلے مسئلہ میں کچھ فرق ہے اس کی تنقیح
چاہیے ھ مسئلہ قنیہ کی یہ صورت ہے کہ ایک نمازی سے دوسرے نے کہا کہ آگے بڑھ وہ آگے بڑھ گیا یا دوسرے نے صف میں ملنے کے لیے
اول کو ہٹایا اور اس نے جگہ دے دی تو بقول صاحب قنیہ نماز فاسد ہوگی کہ مخلوق کے امر کا ماننا پایا گیا اور اگر بدون اس کے امر کے نمازی نے
جگہ دے دی تو اس مسئلہ میں اور اس میں کچھ فرق نہیں طحطاوی نے کہا کہ اس مسئلہ کا تفصیل وار بیان کیا جائے تو خوب ہو یعنی دونوں مسئلوں میں
اگر ہٹنے والا یہ سمجھے کہ میں اطاعت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کرتا ہوں تو نماز دونوں جگہ فاسد نہ ہوگی اور اگر خیال امر شرعی کا نہ کرے صرف
نماز میں شریک ہونے والے کی خاطر سے ہٹے تو نماز فاسد ہوگی الرجال ظاہرہ یعم العبید صف باندھیں امام کے پیچھے مرد شارح نے کہا کہ ظاہر
قول مصنف کا یعنی الرجال عام ہے غلاموں کو کہ مرد آزاد ہوں یا غلام یہ قید اس لیے لگائی تاکہ معلوم ہو کہ حلیہ میں جو لڑکوں کو بالغ غلاموں پر
مقدم بیان کیا ہے سو درست نہیں اس لیے کہ حدیث میں وارد ہے کہ مجھ سے قریب بالغ رہیں اس سے معلوم ہوا کہ بالغ ہونا آزادی پر مقدم

ہے ثم الصبیان ظاہرہ تعددھم فلو واحدا دخل فی الصف مردوں کے پیچھے لڑکے صف باندھیں جمع کے صیغے کا ظاہر یہ ہے کہ لڑکے کئی ہوں
تو پیچھے صف کریں پس اگر ایک لڑکا ہو تو صف میں داخل کیا جائے ؁م حلبی نے کہا کہ یہ حکم ہر پیچھے والے کے لیے ہے کہ اگر اکیلا ہو تو اگلی صف
میں مل جائے مثلاً خنثیٰ اکیلا ہو تو لڑکوں کی صف میں مل جاوے ہاں جس صورت میں کہ اس کے ملنے سے برابر والے کی نماز جاتی ہو تو پیچھے
رہے جیسے اکیلی عورت مردوں کی صف کے پیچھے ہو تو وہ پیچھے ہی رہے کیوں کہ اگر صف میں کھڑی ہو گی تو اس کے برابر والے مرد کی نماز
درست نہ ہو گی کذا فی الشامی ثم الخناثی ثم النساء پھر لڑکوں کے پیچھے صف کریں خنثیٰ پھر صف کریں عورتیں قالوا الصفوف الممکنۃ اثنا عشر
لکن لا یلزم صحۃ کلہا لمحاذاۃ الخناثی بالا ضر فقہا نے کہا کہ صفیں جو ہو سکتی ہیں بارہ ہیں لیکن لازم نہیں درست ہونا ان سب کا بسبب معاملہ
خنثوں کے ساتھ مضر تربات کے ؁م بارہ صفیں اس طرح ہو سکتی ہیں کہ مقتدی یا مذکر ہو گا یا مؤنث یا خنثیٰ پھر ہر ایک یا بالغ ہو گا یا نابالغ
تو چھ قسموں کے مقتدی ہوئے پھر ان میں سے ہر ایک یا آزاد ہو گا یا غلام پس بارہ ہوئے ان کی تفصیل ترتیب حلیہ میں یوں مذکور ہے کہ اول
صف آزاد بالغ کریں دوم آزاد لڑکے سوم غلام بالغ چہارم غلام لڑکے پنجم آزاد بالغ خنثیٰ ششم آزاد لڑکے خنثیٰ ہفتم غلام بالغ خنثیٰ ہشتم غلام لڑکے خنثیٰ
نہم آزاد عورتیں بالغ دہم آزاد عورتیں نابالغ یازدہم لونڈیاں بالغ دوازدہم لونڈیاں نابالغ شارح نے کہا ہے کہ ان سب صفوں کا درست ہونا ضرور نہیں
کیوں کہ خنثیٰ صحت صف کو ضرر کرتے ہیں اس لیے کہ خنثیٰ کا برابر ہونا دوسرے خنثیٰ کے یا اس کے پیچھے کھڑا ہونا صحیح نہیں کہ شاید اگلا عورت ہو اور پچھلا مرد
یا برابر والوں میں ایک خنثیٰ مرد ہو اور دوسرا عورت شامی نے امداد الفتاح سے نقل کیا کہ بالغ خنثوں کو ایک صف میں اس طرح کھڑا کریں کہ دو شخصوں کے بیچ
میں کوئی چیز آڑ ہو یا فاصلہ ایک شخص کا چھوٹا رہے کیوں کہ ان کا برابر کھڑا ہونا ایک دوسرے کی نماز کو مضر ہے اور ایک ہی صف میں آزاد اور غلاموں کو جمع
کر دیں کہ ایک دوسرے کے پیچھے ہونے میں بھی ضرر ہے واذا حاذتہ ولو بعضو واحد وخصہ الزیلعی بالساق والکعب امرأۃ ولو امۃ مشتہاۃ حالا کبنت
تسع مطلقا وثمان وسبع لو ضخمۃ او ماضیا کعجوزۃ اور جب کہ محاذی ہو کوئی عورت مرد کے اگرچہ مقابلہ ایک ہی عضو سے ہو اور زیلعی نے خاص کیا ہے
محاذات کو ساتھ پنڈلی اور ٹخنے کے گو عورت لونڈی ہو طحطاوی نے کہا کہ یہ شارح نے اس لیے کہا تا کہ معلوم ہو کہ لونڈی کا حکم اس باب میں مختلف
نہیں اور شاید ولو امۃ بتشدید میم ہو یعنی اگرچہ عورت مذکورہ مرد محاذی کی ماں یا کوئی اور محرم ہو تو اس محاذات سے مرد کی نماز فاسد ہو گی دس شرطوں
کے پائے جانے سے اول شرط عورت کا مشتہاۃ یعنی قابل جماع ہونا ہے خواہ اس وقت ہو جیسے نو برس کی لڑکی مطلق یعنی دبلی ہو یا پتلی اور آٹھ اور
سات برس کی لڑکی بشرطیکہ موٹی تازی ہو خواہ بزمانہ ماضی مشتہاۃ ہو مثلاً بوڑھیا ؁م ظاہر کلام شارح اس پر دلالت کرتا ہے کہ محاذات یعنی برابری
اور سیدھ عورت کے کسی عضو کی مرد کے کسی عضو کے ساتھ مفسد نماز ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ قاضیخان نے تصریح کی ہے کہ عورت کے عضو
سے مراد اس کا قدم ہے یعنی عورت کا قدم اگر مرد کے کسی عضو کی سیدھ یا برابری میں ہو گا تو نماز مرد کی فاسد ہو جائے گی خواہ عورت اور مرد برابر کھڑے ہوں
خواہ عورت آگے ہو اور مرد اس کے پیچھے اور یہ جو شارح نے مشتہاۃ ہونے کے لیے برسوں کی تعداد مذکور کی ہے تو طحطاوی نے کہا کہ قول معتمد نہیں
کیوں کہ اس زمانہ کی عورتیں ہرگز نو برس تک کی عمر میں قابل صحبت نہیں ہوتی چنانچہ زیلعی وغیرہ نے تصحیح اس امر کی کی ہے کہ مشتہاۃ میں اعتبار
عمر کا نہیں جس عمر میں لیاقت وطی کی ہو جائے اسی کا اعتبار ہے کذا فی الشامی والطحطاوی ملتقطا ولا حائل بینہما اقلہ قدر ذراع فی غلظ اصبع او فرجۃ
تسع رجلا دوسری شرط محاذات کی یہ ہے کہ عورت میں اور مرد میں کوئی آڑ نہ ہو کمتر آڑ بلندی میں ایک ہاتھ اور موٹائی میں انگشت ہے یا یہ کہ دونوں
میں فاصلہ اتنا نہ چھوٹا ہو کہ ایک آدمی کی گنجائش رکھتا ہو کہ آڑ یا فاصلہ ہونے کی صورت میں نماز فاسد نہ ہو گی اور یہ اس صورتیں ہے کہ دونوں برابر
ہوں اور اگر عورت برابر ہو گی تو فاصلہ مذکورہ مانع فساد نہ ہو گا البتہ آڑ مانع ہو گی فی صلوٰۃ وان لم تتحد کنیتہا ظہرا بمصل عصر علی الصحیح سراج فانٌ

یصح نفلا علی المذہب بحر وسیجی مطلقۃ خرج الجنازۃ تیسری شرط محاذات کی ہونا مرد اور عورت کا ہے نماز مطلق یعنی رکوع سجدہ والی میں خواہ
نماز عید ہو یا وتر یا نفل اگرچہ صورت میں دونوں کی نماز ایک نہ ہو جیسے عورت کا نیت کرنا ظہر کے لیے پیچھے عصر پڑھنے والے کے کہ بشرط محاذات
دونوں کی نماز فاسد ہوگی صحیح قول پر کذا فی السراج اس لیے کہ یہ نماز عورت کی نفل ہو کر صحیح ہے مذہب قوی کے بموجب کذا فی البحر اور عنقریب یہ
مسئلہ مذکور ہوگا شارح نے کہا کہ مطلق کی قید سے نماز جنازہ نکل گئی اس میں محاذات مفسد نہیں کیوں کہ وہ حقیقت میں دعا ہے نہ نماز م حلبی نے کہا
کہ علی الصحیح متعلق محذوف کے ہے یعنی فسدت صلوتہما کے اور مذہب قوی سے مراد شیخین کا قول ہے کہ جب عورت کا ظہر صحیح نہ ہوا تو وہ نفل ہوگیا
کیوں کہ وصف باطل ہونے سے اصل باطل نہیں ہوتی تو جب فرضیت باطل ہوئی تو نفل ہونا باقی رہ گیا اور امام محمد کے نزدیک جب عورت کی نماز
کا ظہر ہونا باطل ہوا تو اصل نماز باطل ہوگئی کیوں کہ وصف کے باطل ہونے سے ان کے نزدیک اصل باطل ہو جاتی ہے تو ان کے قول کے بموجب مرد
کی نماز فاسد نہ ہوگی کیوں کہ عورت حقیقت میں نماز نہیں پڑھتی بحر الرائق میں اس قول کو خلاف مذہب کہا ہے کذا فی الشامی تبصرف مشترکۃ فہماو
المصلیہ بلصل لیس فی صلوۃ مکروہۃ لا مفسد لفتح تحرمیۃ وان سبقت ببعضہا واداء ولو حکما کلاحقین بعد فراغ الامام بخلاف المسبوقین والمحاذاۃ فی الطریق
چوتھی شرط محاذات کی ہونا نماز کا مشترک مرد اور عورت میں تحریمہ کی راہ سے اور ادا کی راہ سے تحریمہ میں مشترک ہونے سے یہ غرض ہے کہ عورت نے
اپنے محاذی مرد کی تحریمہ پر اپنی تحریمہ کی بنا کی ہو یا محاذی کے امام کی تحریمہ پر اگرچہ بعض نماز عورت سے پیشتر ہو چکی ہو یعنی یہ شرط نہیں کہ عورت
شروع نماز میں ملے بلکہ اگر مرد ایک یا دو رکعت پڑھ چکا ہو اور اس وقت عورت آکر شریک ہو تو بقیہ نماز میں اگر محاذات ہوگی تب بھی مفسد ہوگی اور
ادا میں شرکت سے مراد یہ کہ جس نماز کو دونوں پڑھتے ہیں اس میں ایک دوسرے کا امام ہو یا دونوں تیسرے شخص کے مقتدی ہوں گو شرکت ادا کی
حکما ہو جیسے دو لاحق بعد امام کے فارغ ہونے کے یعنی اگر عورت اور مرد کی محاذات امام کے سلام پھیرنے کے بعد لاحق ہونے کی صورت میں ہو
جائے گی تو مرد کی نماز فاسد ہوگی اس لیے کہ حکما دونوں ایک امام کے پیچھے ہیں بخلاف دو مسبوقوں کے محاذات کے امام کے بعد کہ وہ مفسد
نہیں کیوں کہ مسبوق باقی نماز کے پڑھنے میں منفرد ہوتا ہے تو اس وقت کی محاذات میں شرکت فی الاداء نہ پائی گئی اور بخلاف محاذات راستہ
کے کہ وہ بھی مفسد نہیں یعنی اگر مرد اور عورت بے وضو ہو کر وضو کرنے گئے اور راہ میں محاذات ہوئی تو راہ میں محاذات ہوئی شارح نے کہا تو
اس اشتراک کی قید سے معلوم ہوا کہ محاذات نماز پڑھنے والی عورت کی اس مرد نمازی سے جو عورت کی نماز نہیں پڑھتا مثلاً دونوں علیحدہ علیحدہ
پڑھتے ہیں یا ایک مقتدی امام کا ہے اور دوسرا منفرد تو اس صورت میں محاذات مکروہ ہے نہ نماز کی مفسد کذا فی الفتح طحطاوی نے کہا کہ مراد مکروہ
سے بظاہر مکروہ تحریمی ہے بسبب مظنہ شہوت کے واتحدت الجہۃ فلو اختلفت کما فی جوف کعبۃ ولیلۃ مظلمۃ فلا فسادو پانچویں شرط محاذات کی یہ
ہے کہ جہت دونوں کے قبلہ کی ایک ہو تو اگر جہت مختلف ہو جیسے کعبہ کے اندر مثلاً کہ ایک کا منہ ایک دیوار کی طرف ہوا اور ایک کا دوسری دیوار کی طرف
اور جیسے اندھیری رات میں دونوں نے نماز قبلہ کی اٹکل کر کے پڑھی اور مختلف سمت کو پڑھی تو اس صورت میں محاذات سے نماز فاسد نہ ہوگی بلکہ
مکروہ ہوگی فسدت صلوتہ لو مکلفا والا لا فاسد ہوگی نماز مرد کی اگر وہ عاقل بالغ ہوگا اور نہیں تو فاسد نہ ہوگی یعنی چھٹی شرط فساد نماز کی عاقل اور
بالغ ہونا ہے م فسدت صلوتہ جزا ہے اذا حاذتہ کی اور تکلیف کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر محاذات لڑکے کے ساتھ ہوگی تو اس کی نماز فاسد
نہ ہوگی اور مرد کی نماز فاسد ہوگی اس سے یہ نکلا کہ عورت کی نماز فاسد نہ ہوگی بشرطیکہ مرد محاذی امام نہ ہو ورنہ دونوں کی فاسد ہوگی کذا فی
الشامی ان نوی الامام وقت شروعہ لا بعدہ امامتہا وان لم تکن حاضرۃ علی الظاہر ولو نوی امراۃ معینۃ او النساء الا ہذہ عملت نیتہ ولا نیوہا
فسدت صلوتہا کما لو اشار الیہا بالتاخر فلم تتاخر لترکہا فرض المقام فتح ساتویں شرط محاذات سے نماز فاسد ہونے کی یہ ہے کہ نماز مرد کی

اس وقت فاسد ہوگی جب امام اپنے شروع کے وقت عورت کی امامت کی نیت کرے نہ نماز شروع کرنے کے بعد یعنی نیت امامت عورت کی اگر بعد نماز شروع . . . کرے گا تو اقتدا عورت کا صحیح نہ ہوگا تو مرد محاذی کی نماز بھی فاسد نہ ہوگی نیت امامت عورت کی امام نے کی ہو اگرچہ عورت اس وقت موجود نہ ہو قول ظاہر پر اور اگر امام نے نیت کی معین عورت کی امامت کی یا اور عورتوں کی نیت کے سوائے اس عورت کے تو عمل کرے گی اس کی نیت یعنی معین عورت کے سوا دوسرے کی محاذات پہلی صورت میں اور جس کا استثنا کیا اس کی محاذات دوسری صورت میں مفسد نہ ہوگی اور اگر امام نے اس عورت کی نیت نہ کی ہو گی تو عورت کی نماز فاسد ہوگی جیسے اگر امام نے اس کو اشارہ کیا پیچھے ہٹنے کا اور پیچھے نہ ہٹی تو اس صورت میں بھی اس کی نماز فاسد ہوگی اس لیے کہ عورت نے فرض مقام کو ترک کیا کذا فی الفتح ھم شامی نے کہا کہ اکثر فقہا اس پر ہیں کہ جمعہ اور عیدین میں عورت کی اقتدا کی صحت کے لیے نیت امام شرط نہیں اور یہی قول اصح ہے جیسا کہ خلاصہ میں ہے اور جنازہ میں تو بالاتفاق شرط نہیں مگر قہستانی میں عدم اشتراط کو عدم محاذات پر منحصر کیا ہے یعنی جمعہ اور عیدین میں اگر عورت نے اقتدا کیا اور کسی مرد کی محاذات نہیں تو اس کا اقتدا صحیح ہوگا گو امام نے اس کی نیت نہ کی ہو اور نہایہ میں ہے کہ عدم اشتراط امام اعظم کا اول قول ہے تو اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ شرط ہونا نیت کا پچھلا قول ہے اور عمل اور فتویٰ پچھلے قول پر ہوتا ہے وشرطوا کونہا عاقلۃ اور فقہا نے شرط کیا ہے یعنی آٹھویں شرط بیان کی ہے ہونا عورت کا عاقل اس سے معلوم ہوا کہ اگر مجنون عورت کی محاذات ہوگی تو مفسد نماز نہ ہوگی کیونکہ اس کی نماز منعقد ہی نہیں ہوتی شامی نے کہا کہ ماتن کے قول فی صلوۃ سے اس شرط کے ذکر کی حاجت نہ تھی وکونہما فی مکان واحد اور نویں شرط ہے ہونا مرد اور عورت کا ایک مکان میں یعنی اگر مرد مثلاً قد آدم بھر اونچی دکان میں ہو اور عورت نیچے ہو تو فساد نماز نہ ہوگا نہر الفائق میں کہا کہ یہ شرط ہر چند محاذات کی لفظ سے معلوم تھی مگر مشائخ نے توضیح کے لیے اس کو ذکر کر دیا فی رکن کامل دسویں شرط یہ ہے کہ محاذات ایک رکن کامل کے ادا کرنے میں ہو شامی نے کہا کہ خانیہ میں یہ ہے کہ محاذات مفسد ہے کم ہو یا زیادہ یعنی رکن کامل کی شرط کا اعتبار نہیں فالشروط عشرۃ پس محاذات سے مرد کی نماز فاسد ہونے کی شرطیں دس ہیں چنانچہ مترجم نے ان کو شمار کے ساتھ لکھا ہے اور اگر اشتراک در تحریمہ اور اشتراک در ادا کو دو قرار دو تو گیارہ ہو جاتی ہیں اور پیچھے ہٹنے کے لیے امام کے اشارہ نہ کرنے کو جدا ٹھہراؤ تو بارہ ہوتی ہیں اب معلوم کرنا چاہیے کہ ایک عورت کی محاذات سے تین مردوں کی نماز فاسد ہو سکتی ہے ایک اس کی جو عورت کی داہنے طرف ہو ایک بائیں طرف والے کی ایک پیچھے کھڑے ہونے والے کی اس سے زیادہ کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ جن کی نماز فاسد ہوئی وہ حائل ہوں گے درمیان عورت اور دوسرے نمازیوں کے ومحاذاۃ الامرد الصبیح المشتہی لا یفسد ما علی المذہب تضعیف لما فی جامع المحبوبی ودرر البحار من الفساد لانہ فی المرأۃ غیر معلول بالشہوۃ بل بترک فرض المقام کما حققہ ابن الہمام اور محاذی ہونا بے ریش لڑکے خوب صورت لائق شہوت کا نماز کو فاسد نہیں کرتا قوی مذہب پر شارح نے کہا کہ ماتن کا یہ کہنا ضعیف بنانا ہے اس قول کا جو جامع محبوبی اور درر البحار میں مذکور ہے یعنی نماز کا فاسد ہونا اور وجہ ضعف کی یہ ہے کہ نماز کے فاسد ہونے کی علت عورت میں شہوت نہیں تاکہ اسی علت سے امرد کی محاذات کو مفسد ٹھہرایا جائے بلکہ وجہ فساد چھوڑنا فرض مقام کا ہے جیسا کہ اس کو ابن ہمام نے ثابت کیا ہے ھم یعنی اگر وجہ فساد کی عورت کی محاذات میں شہوت ہوتی تو چاہیے تھا کہ بڑھیا اور ماں بہن اور دوسرے محرم کی محاذات سے فساد نہ ہوتا حالانکہ ان سے بھی ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ علت فساد یہی ہے کہ جہاں عورت کو کھڑا کرنا فرض تھا اس جگہ نہ کھڑا کیا ولا یصح اقتداء رجل بامرأۃ وخنثی وصبی مطلقاً ولو فی جنازۃ ونفل علی الاصح اور نہیں صحیح ہے اقتدا مرد کا پیچھے عورت اور خنثیٰ اور لڑکے کے کسی نماز میں اگرچہ نماز جنازہ اور نماز نفل میں ہو صحیح تر قول کے بموجب ھم طحطاوی نے کہا کہ ماتن کی اس عبارت میں خلل ہے اس لیے کہ مراد رجل سے اگر بالغ ہو تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نابالغ کا اقتدا پیچھے عورت اور خنثیٰ کے درست ہے اور اگر رجل سے

مراد مرد ہو خواہ بالغ ہو یا نابالغ تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اقتدا نابالغ کا پیچھے نابالغ کے صحیح نہیں حالاں کہ دونوں باتیں غیر واقع ہیں تو بہتر یہ تھا کہ عبارت اس طرح ہوتی کہ درست نہیں اقتدا مذکر کا عورت اور خنثیٰ کے پیچھے اور بالغ کا لڑکے کے پیچھے کذا فی الحلبی اور علی الاصح راجح ہے طرف مرد بالغ کی اقتدا کرنے کو نفل نماز میں ہدایہ میں کہا کہ تراویح اور سنتوں میں مشائخ بلخ نے لڑکے کے پیچھے اقتدا کو جائز کہا ہے اور مختار یہ ہے کہ کسی نماز میں لڑکے کے پیچھے اقتدا بالغ کا درست نہیں خواہ تراویح ہو یا عید یا وتر یا کسوف یا خسوف وغیرہ اس لیے کہ لڑکے کے ذمہ کوئی نماز نہیں اس کو حکم نماز کا صرف عادت پڑنے کے لیے کیا جاتا ہے اور لڑکے کی نماز بالفرض نفل ہو تو اقتدا فرض پڑھنے والے کا نفل پڑھنے والے کے پیچھے لازم آوے گا اور یہ بھی درست نہیں اور نفلوں میں اس لیے اقتدا جائز نہ ہوا کہ بالغ کی نفل قوی تر ہے کہ شروع کرنے سے واجب ہو جاتی ہے کذا فی النہر و کذا لا یصح الاقتداء بمجنونٍ مطبق او منقطع فی غیر حالۃ افاقۃ و سکران او معتوہ ذکرہ الحلبی اور اسی طرح درست نہیں اقتدا پیچھے مجنون دائمی یا مجنون منقطع کے سوا حالت افاقہ کے یا پیچھے متوالے کے یا پیچھے مدہوش کے ذکر کیا ہے اس کو حلبی نے ہم مطبق بالضم میم و کسر موحدہ وہ جنون جس میں کبھی ہوش نہ ہوتا ہو اور منقطع وہ کہ کبھی افاقہ ہوتا ہو اور کبھی جنون اور وجہ عدم جواز اقتدا کی یہ ہے کہ مجنون مکلف نہیں اور متوالے اور مدہوش میں ثبوت نیت کا نہیں ولا طاہر بمعذور ہذا ان قارن الوضوء الحدث او طرء علیہ بعدہ وصح لو توضأ علی الانقطاع و صلی کذلک اور نہیں صحیح ہے اقتدا طاہر کا پیچھے معذور کے یہ اس صورت میں ہے کہ جب وضو کے ساتھ ہی حدث ہوا ہو یا بعد وضو کرنے کے یعنی نماز سے پیشتر حدث اس پر طاری ہوا ہو اور اقتدا درست ہے بشرطیکہ عذر نہ ہونے پر وضو کیا ہو اور نماز اسی طرح پڑھی ہو یعنی تمام نماز میں عذر نہ ہوا ہو تو اب طاہر کا اقتدا معذور کے پیچھے درست ہو جائے گا ھم طحطاوی نے کہا کہ ماتن کو مناسب تھا کہ بجائے طاہر کے صحیح کہتا اس لیے کہ معذور کو طاہر کے مقابل ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ معذور طاہر نہیں ہوتا حالانکہ شرعاً طاہر ہے کالاقتداء بمفصد امن خروج الدم و کاقتداء امرأۃ بمثلہا وصبی بمثلہ و معذور بمثلہ و ذی عذرین بذی عذر لا عکسہ کذی انفلات ریح بذی سلس لان مع الامام حدثا و نجاستہ جیسے درست ہے اقتدا صحیح آدمی کا پیچھے فصد کھلوانے والے کے کہ خون کے نکلنے سے مامون ہوا اور جیسے صحیح ہے اقتدا عورت کا پیچھے اپنی مثل یعنی دوسری عورت کے اور اقتدا لڑکے کا دوسرے لڑکے کے پیچھے اور اقتدا عذر والے کا اپنی مثل کے پیچھے اور اقتدا دو عذر والے کا ایک عذر والے کے پیچھے نہیں صحیح ہے اس کا عکس یعنی اقتدا کرنا ایک عذر والے کا دو عذر والے کے پیچھے مثلاً اقتدا کرنا بادی والے کا اس شخص کے پیچھے جس کو سلسل البول ہو درست نہیں اس لیے کہ امام یعنی سلس البول والے کے ساتھ دو عذر ہیں ایک بے وضو ہونا دوسرے نجاست کا ہونا اور مقتدی میں صرف ایک عذر ہے یعنی بادی سے بے وضو ہونا ھم نہر الفائق میں کہا کہ اقتدا معذور کا اپنے مثل کے پیچھے اس وقت صحیح ہے جب کہ دونوں کا عذر متحد ہو تو اس صورت میں یہ جو شارح نے کہا کہ دو عذر والے کا اقتدا ایک عذر والے کے پیچھے صحیح ہے درست نہیں کذا فی الحلبی وما فی المجتبی الاقتداء بالمماثل صحیح الا الثلثۃ الخنثی المشکل والضالۃ والمستحاضۃ ای لاحتمال الحیض فلو انتفی صح اور جو کہ مجتبی میں مذکور ہے کہ اقتدا کرنا پیچھے اپنے مثل کے درست ہے مگر تین شخصوں کا اقتدا اپنے مثل کے پیچھے درست نہیں اول خنثیٰ مشکل کا اقتدا دوسرے خنثیٰ مشکل کے پیچھے درست نہیں اس احتمال سے کہ شاید مقتدی مرد ہو اور امام عورت دوم اقتدا ضالہ عورت کا اپنے مثل کے پیچھے سوم اقتدا مستحاضہ کا مستحاضہ کے پیچھے یہ دونوں ناجائز ہیں بسبب احتمال حیض کے یعنی شاید امام کا وہ دن حیض کا ہو پس اگر یہ احتمال دور ہو جائے اس طرح کہ یقین ہو استحاضہ کا تو اقتدا درست ہو گا ھم ضالہ اور متحیرہ اس عورت کو کہتے ہیں جس کو خون دائم ہو گیا ہو اور وہ اپنی عادت حیض کو بھول گئی ہو تو ایسی عورت کے امام ہونے میں شبہ رہے گا کہ جس روز وہ امام ہے وہ کہیں حیض کا نہ ہو مگر مستحاضہ میں یہ صورت مشکل ہے اس لیے کہ خون استحاضہ پر احتمال حیض نہیں ہو سکتا ہاں یوں ہو سکتا ہے کہ ایک

عورت کی عادت چھ روز کے حیض کی تھی پھر مثلاً ایک بار بڑھ گئی تو چھ سے دس تک کے دنوں میں دونوں احتمال ہو سکتے ہیں یعنی اگر خون دس تک
منقطع ہو گا تو یہ دن حیض کا ہو گا اور اگر دس سے بڑھ جائے گا تو استحاضہ کا ہو گا تو ایسی مستحاضہ کی امامت درست نہ ہو گی شیخ رحمتی محشی نے کہا کہ میں
نے مجتبیٰ کی عبارت میں یہ قول پایا کہ اقتدا مستحاضہ کا مستحاضہ کے پیچھے جائز ہے اور ضالہ کا اقتدا ضالہ کے پیچھے جائز نہیں اور اس نسخہ میں کسی
طرح کا اشکال نہیں اور ما فی المجتبیٰ مبتدا ہے اور اس کی خبر قول شارح ای لا احتمال ہے یعنی مفسر کذا یعنی مجتبیٰ کے قول کی تفسیر اس طرح ہے کذا فی
الشامی ولا حافظ آیۃ من القرآن بغیر حافظ لہا و ہو الامی اور نہیں درست ہے اقتدا اس شخص کا جس کو ایک آیت قرآن کی یاد ہو پیچھے اُس کے
جس کو ایک آیت بھی یاد نہ ہو اور وہی امی کہلاتا ہے ولا امی باخرس لقدرۃ الامی علی التحریمۃ فصح عکسہ اور نہیں جائز ہے اقتدا اُمی کا پیچھے گونگے کے بسبب
قادر ہونے امی کے تحریمہ پر تو صحیح ہو گا اس کا عکس یعنی اقتدا گونگے کا پیچھے امی کے درست ہے شامی نے کہا کہ اس تحلیل سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر امی
تحریمہ پر قادر نہ ہو تو اس کا اقتدا گونگے کے پیچھے درست ہو گا کیوں کہ اب کوئی وجہ ترجیح امی کی گونگے پر باقی نہ رہی ولا مستور عورۃ بعار فلو ام العاری
عریانا ولابسین فصلوۃ الامام ومماثلہ جائزۃ اتفاقا وکذا ذو جرح بمثلہ وبصحیح اور نہیں صحیح ہے اقتدا برہنگی کے چھپے ہوئے شخص کا پیچھے ننگے کے تو اگر امام ہوا
برہنہ شخص برہنوں اور کپڑے پہنے ہوؤں کا تو امام کی نماز اور اس کے مثل کی یعنی برہنہ مقتدیوں کی جائز ہے بالاتفاق اور اسی طرح درست ہے نماز زخم
والے کی ساتھ دوسرے زخمی اور تندرست کے یعنی اگر زخمی امام ہوا ایک زخمی اور تندرست کا تو نماز دونوں زخمیوں کی جائز ہے ہم بالاتفاق کی قید
اس لیے لگائی کہ اگر امی امام ہو چند امی اور قاریوں کا تو امام کے نزدیک سب کی نماز فاسد ہوتی ہے تو ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص برہنہ کی امامت کو امی کی
امامت پر قیاس کر کے سب کی نماز کو فاسد کہے اور وجہ فرق کی دونوں مسئلوں میں بحر الرائق میں یوں بیان کی ہے کہ امی کو ممکن تھا کہ اپنی نماز کو قرأت
کے ساتھ کر لیتا قاری کو امام کر کے کیوں کہ امام کی قرأت ہے مقتدی کی قرأت ہے حدیث کی رو سے تو جب اُس نے ایسا نہ کیا تو نماز اس کی فاسد ہوئی
اس لیے سب کی نماز فاسد ہو گی اور ستر عورت اور طہارت کا یہ حال نہیں کہ امام کا ستر اور طہارت مقتدی کے لیے کافی ہو اسی واسطے کپڑے پہنے
والوں کی نماز برہنہ کے پیچھے اور تندرست کی نماز زخمی کے پیچھے نہ ہو گی کذا فی الشامی بتصرف ولا قادر علی رکوع وسجود بعاجز عنہما لبناء القوی
علی الضعیف اور نہیں درست ہے اقتدا رکوع اور سجدہ پر قدرت رکھنے والے کا پیچھے اس شخص کے جو رکوع اور سجدہ سے عاجز ہو یعنی نماز اشارہ سے
پڑھتا ہو بسبب بنا ہونے قوی کے ضعیف پر یعنی قادر رکوع اور سجود پر قوی حال ہے اور اشارہ سے پڑھنے والا ضعیف تو قوی کی بنا ضعیف
پر نہیں ہو سکتی ولا مفترض بمتنفل وبمفترض فرضا آخر لان اتحاد الصلوتین شرط عندنا اور نہیں صحیح ہوا اقتدا فرض پڑھنے والے کا پیچھے نفل پڑھنے والے کے اور پیچھے دوسرے
فرض پڑھنے والے کے اس لیے کہ دونوں نمازوں کا ایک ہونا شرط ہے ہمارے نزدیک ہم پیشتر اس باب کے شروع میں گذر چکا کہ اتحاد امام و
مقتدی کی نماز سے یہ غرض ہے کہ مقتدی امام کی نماز کی نیت سے نماز میں داخل ہو سکے یعنی اگر یہ نیت کرے کہ میں امام کی نماز پڑھتا ہوں تو
اس نیت سے شریک ہو سکے تو اس سے معلوم ہوا کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہونی چاہیے وصح ان معاذا کان یصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم نفلا
وبقومہ فرضا اور صحیح ہوا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نفل پڑھا کرتے تھے اور اپنی قوم کے ساتھ فرض
پڑھا کرتے تھے ہم یہ جواب ہے امام شافعی کے استدلال کا یعنی صحیحین میں جو وارد ہے کہ حضرت معاذ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ
نماز عشاء پڑھتے تھے پھر اپنی قوم میں آکر ان کو عشاء پڑھایا کرتے تھے تو اس سے امام شافعی نے استدلال کیا کہ فرض والے کا اقتدا پیچھے نفل والے
کے درست ہے کیوں کہ حضرت معاذ فرض اول پڑھ جاتے تھے تو اپنی قوم میں جو نماز پڑھتے تھے وہ نفل ہوتی تھی اور مقتدی ان کے پیچھے فرض
پڑھتے تھے شارح جواب دیتا ہے کہ ثابت ہوا ہے کہ حضرت معاذ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نفل پڑھتے تھے اور امام ہو کر فرض پڑھتے

تھے اس لیے کہ جب معاذ کی قوم نے ان کی شکایت بحضور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تو آپ نے ان کو یہ ارشاد فرمایا کہ اے معاذ یا تو تم میرے ساتھ نماز پڑھو یا اپنی قوم پر تخفیف کرو۔ رواہ احمد اس سے یہ نکلا کہ جب وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فرض نماز پڑھ لیں تو امامت قوم کی نہیں کر سکتے لیکن اگر آپ کے ساتھ نفل پڑھیں تو بالاجماع امامت کر سکتے ہیں تو معلوم ہوا کہ حضرت معاذؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نفل پڑھا کرتے تھے نہ فرض ولا ناذر بمتنفل ولا بمفترض ولا بناذر لان کلا منہما کمفترض فرضا آخر اور نہیں درست ہے اقتدا نذر کرنے والے کا نفل پڑھنے والے کے پیچھے اس لیے کہ نذر واجب ہے تو قوی کی بنا ضعیف پر نہیں ہو سکتی اور نہ نذر کرنے والے کی اقتدا فرض پڑھنے والے اور دوسرے نذر کرنے والے کے پیچھے درست ہے اس لیے کہ ہر ایک ان دونوں امام اور مقتدی سے ایسا ہے جیسا دوسرا فرض پڑھتا ہو یعنی اتحاد نماز کا جو شرط ہے اقتدا کی ان دونوں مسئلوں میں نہیں پایا جاتا الا اذا نذر احدہما عین منذور الآخر للاتحاد اقتدا نذر کی نماز پڑھنے والی کا دوسرے نذر کی نماز پڑھنے والے کے پیچھے جائز نہیں مگر اس صورت میں کہ ایک نے وہی نذر کی ہو جو دوسرے نے کی تو اب اقتدا درست ہو گا بسبب اتحاد کے ہم صورت اس کی یہ ہے کہ زید نے اگر کوئی نذر کی اور عمرو نے کہا کہ جو نذر زید نے کی ہے وہی میں کرتا ہوں تو جب دونوں کی نذر ایک ہوئی تو گویا دونوں نے نماز معین کی نذر کی اسی وجہ سے اتحاد پایا گیا بخلاف اس صورت کے کہ دونوں نے نذر نماز کی جداگانہ کی کہ اُس میں دونوں کے ذمہ کے واجب علیحدہ ہیں اور کوئی ایک دوسرے سے قوی نہیں کذا فی الشامی ولا ناذر بحالف لان المنذورۃ اقوی وصح عکسہ وبحالف وبمتنفل اور نہیں درست ہے اقتدا نذر کی نماز پڑھنے والے کا پیچھے قسم کے نماز پڑھنے والے کے اس لیے کہ نذر کی نماز قوی تر ہے قسم کی نماز سے تو صحیح ہے اس کا عکس وبحالف وبمتنفل یعنی قسم کی نماز والے کا اقتدا نذر کی نماز والے کے پیچھے درست ہے اور قسم کی نماز والے کے پیچھے اور نفل پڑھنے والے کے پیچھے درست ہے ہم صورت قسم کی یہ ہے کہ ایک شخص نے مثلاً ایک قسم کھائی کہ میں دو رکعت نماز پڑھوں گا تو یہ نفل دوگانہ ہو گا اس لیے قسم کی نماز والے کو اختیار رہتا ہے چاہے دوگانہ پڑھ کر قسم سچی کرے خواہ ترک کرے اور کفارہ دے بخلاف نذر کی نماز کے کہ وہ واجب ہوئی ہے۔ اور ہمیں جہت نذر والا قسم والے کے پیچھے نہیں پڑھ سکتا اور قسم والا نذر والے اور قسم والے اور نفل والے کے پیچھے اقتدا کر سکتا ہے حلبی نے کہا کہ شارح کا قول وبحالف عطف ہے بناذر محذوف پر جو کہ عکسہ میں سمجھا جاتا ہے کذا فی الشامی ومصلیا رکعتی طواف کناذرین اور دو شخص پڑھنے والے دوگانہ طواف کے مثل دو نذر کے نماز پڑھنے والوں کے ہیں یعنی ایک کا اقتدا دوسرے کے پیچھے جائز نہیں بسبب اختلاف سبب کے یعنی ایک کا طواف دوسرے کے طواف کا غیر ہے اور اگر دوگانہ طواف کو مسنون کہیں جیسا بعض فقہا کا قول ہے تو اس قول کے بموجب اقتدا درست ہو گا کذا فی الشامی ولو اشترکا فی نافلۃ فافسدہا صح الاقتداء لا ان افسداہا منفردین اور اگر دو شخص شریک ہوئے نماز نفل میں پھر دونوں نے اس کو فاسد کر دیا تو اقتدا صحیح ہے مثلاً دونوں دوگانہ تراویح امام کے پیچھے پڑھتے تھے پھر اس دوگانہ کو فاسد کر دیا تو اسے ایک دوسرے کے پیچھے پڑھ سکتے ہیں کیوں کہ نماز متحد ہے نہ اس صورت میں جب کہ اس کو فاسد کیا دونوں نے تنہا کہ اس صورت میں اقتدا جائز نہیں بسبب اختلاف سبب کے ولو صلیا الظہر ونوی کل امامۃ الآخر صحت لا ان نویا الاقتداء والفرق لا یخفی اور اگر دو شخصوں نے نماز ظہر پڑھی اور ہر ایک نے دوسرے کی امامت کی نیت کی تو نماز درست ہو گی نہ صحیح ہو گی اگر دونوں نے اقتدا کی نیت کی اور فرق پوشیدہ نہیں ہم فرق یہ ہے کہ امام اپنے حق میں منفرد ہوتا ہے اور بدون غیر کی اقتدا کے امام نہیں ہوتا تو جب دونوں نے امامت کی نیت کی اور مقتدی کوئی نہ ہوا تو دونوں منفرد رہ گئے اور نماز درست ہوئی اور اقتدا کی نیت میں عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ مقتدی کی نماز بدون نیت اقتدا کے صحیح نہیں ہوتی اور اقتدا ایسے شخص کے پیچھے صحیح نہیں جس نے اپنی نماز غیر کی نماز پر مبنی کی ہو اور یہاں دونوں نے اپنی نماز کو دوسرے کی نماز پر مبنی کیا ہے اس لیے اقتدا ایک کا دوسرے کے پیچھے

صحیح نہ ہوا تو نماز بھی درست نہ ہوئی کذا فی الحلبی ولا لاحق ولا مسبوقٍ بمثلھما لما تقرر ان الاقتداء فی موضع الانفراد مفسد کعکسہ اور نہیں درست ہے
اقتدا لاحق اور مسبوق کا پیچھے مثل ان دونوں کے اس وجہ سے کہ ثابت ہوچکا ہے کہ اقتدا کرنا انفراد کی جگہ میں مفسد ہے جیسے کہ اس کا عکس مفسد
ہے یعنی منفرد ہونا اقتدا کی جگہ میں ھم لاحق وہ ہے جس کو امام کے ساتھ شریک ہونے کے بعد کسی عذر سے درمیان کی نماز یا آخر کی فوت ہوگئی ہو
تو یہ شخص امام کے فارغ ہونے کے بعد اس فوت شدہ نماز کے پڑھنے میں حکم مقتدی کا رکھتا ہے یعنی اسی طرح نماز پڑھے جیسے امام کے پیچھے پڑھتا ہو اور
مسبوق وہ ہے جو بعد کسی قدر نماز ہو جانے کے شریک ہو شروع سے شریک نہ ہو وہ اپنی باقی نماز پڑھنے میں حکم منفرد کا رکھتا ہے تو اب اگر لاحق پیچھے
لاحق کے اقتدا کرے تو درست نہ ہوگا اس لیے کہ دونوں مقتدی ہیں اگر ایک امام ہوگا تو وہ منفرد ہوگا کیوں کہ امام کا حال منفرد کا سا ہے اسی طرح
مسبوق پیچھے مسبوق کے اقتدا نہیں کرسکتا کیوں کہ دونوں منفرد ہیں تو اقتدا حالت انفراد میں کیسے کرسکتے ہیں اور یہی حال ہے اگر لاحق مسبوق
کے پیچھے اقتدا کرے اور مسبوق لاحق کے پیچھے کذا فی الحلبی ولا مسافر بمقیم بعد الوقت فیما یتغیر بالسفر کالظہر سواء احرم المقیم بعد الوقت او فیہ
فخرج فاقتدی المسافر اور نہیں صحیح ہے اقتدا مسافر کا پیچھے مقیم کے بعد وقت کے ان نمازوں میں جو سفر کے باعث سے بدلتی ہیں جیسے ظہر اور عصر اور
عشاء برابر ہے کہ مقیم نے تحریمہ وقت کے بعد کی ہو یا وقت کے اندر تحریمہ کی پھر وقت نکل گیا تو اس وقت مسافر نے اقتدا کیا ھم مسافر کی نماز وقت
کے اندر تمام ہوسکتی ہے خواہ نیت اقامت کرنے سے خواہ مقیم کے پیچھے پڑھنے سے اس کی متابعت کی جہت سے مگر جب وقت نکل گیا تو اس کے
ذمہ دو رکعتیں ثابت ہوگئیں اب ان میں قابلیت تمام ہونے کی کسی طرح نہ رہی اسی لیے وقت کے بعد اقتدا صحیح نہیں ٹھہرا اور متغیر نمازوں کی قید
اس لیے لگائی کہ جن میں تغیر نہیں مثلاً فجر اور مغرب تو ان میں اقتدا درست ہے کذا فی المنح بل ان احرم فی الوقت فخرج صح واتم تبعا لامامہ اما بعد الوقت
فلا یتغیر فرضہ فیکون اقتداء متنفل فی حق قعدۃ او قراءۃ باقتدائہ فی شفع اول او ثانٍ بلکہ اگر مسافر اقتدا کی تحریمہ کے وقت کے اندر کرے پھر وقت نکل جائے
تو اقتدا صحیح ہوگا اور مسافر چار رکعتیں پڑھے امام کی تبعیت سے لیکن وقت کے بعد اس کے فرض نہیں بدلے گا دو ہی رکعتیں اس کے ذمہ ہونگی تو اگر وہ مقیم
کا اقتدا پہلے دوگانہ میں کرے گا تو قعدہ کے حق میں اور دوسرے دوگانہ میں کرے گا تو قراءت کے حق میں اقتدا نفل پڑھنے والے کے پیچھے ہوجائے گا
حالانکہ فرض والے کا اقتدا نفل والے کے پیچھے جائز نہیں ھم نفل سے مراد غیر فرض ہے خواہ سنت ہو یا واجب تو قعدہ اولی امام کے ذمے واجب
ہے اور مقتدی مسافر پر اخیرہ ہونے کی جہت سے فرض ہے تو اقتدا فرض والے کا واجب والے کے پیچھے ہوگا اور پچھلے دوگانہ میں قراءت امام
مقیم کے حق میں مسنون ہے اس میں اگر مسافر اقتدا کرے گا تب بھی صحیح نہ ہوگا کیوں کہ قراءت اس کے حق میں فرض ہے تو اقتدا فرض والے کا سنت
والے کے پیچھے لازم آوے گا کذا فی الشامی ولا نازل براکب ولا راکب براکب دابۃ اخری فلو معہ صح اور صحیح نہیں اقتدا سواری سے اترنے والے کا
پیچھے سوار کے اور نہ اقتدا سوار کا پیچھے سوار کے جو دوسرے جانور پر سوار ہو تو اگر مقتدی امام کے ساتھ ایک جانور پر ہو تو اقتدا درست ہوگا ھم وجہ
عدم جواز اقتدا کی ان صورتوں میں اختلاف مکان ہے اور شرائط اقتدا سے مکان کا متحد ہونا اوپر مذکور ہوچکا اس سے معلوم ہوا کہ اگر سوار اترے
ہوئے شخص کا اقتدا کرے گا تب بھی جائز نہ ہوگا کذا فی الشامی ولا غیر الالثغ بہ ای بالالثغ علی الاصح کما فی البحر عن المجتبی اور نہیں درست ہے
اقتدا غیر توتلے کا توتلے کے پیچھے اصح قول کے بموجب جیسا کہ بحرالرائق میں مجتبی سے منقول ہے ھم الثغ بروزن افضل اس شخص کو کہتے ہیں جس کی
زبان سے ایک حرف کی جگہ دوسرا نکلے مثلاً ر کی جگہ غین یا لام بولے ہندی میں اس کو توتلا کہتے ہیں اور اصح کی قید اس لیے لگائی کہ خلاصہ اور تاتارخانیہ
اور ظہیریہ میں توتلے کی امامت کو صحیح لکھا ہے کذا فی الشامی وحرر الحلبی وابن الشحنۃ انہ بعد بذل جہدہ دائما حتما کالامی فلا یؤم الا مثلہ ولا تصح صلوتہ اذا
امکنہ الاقتداء بمن یحسنہ او ترک جہدہ او وجد قدر الفرض مما لا لثغ فیہ ہذا ہو الصحیح المختار فی حکم الالثغ اور حلبی اور ابن شحنہ نے تنقیح کی ہے کہ توتلا ہمیشہ

کی وجہ یا کوشش کرنے کے بعد امی کے مانند ہے یعنی اپنے جیسے توتلے کے سوا دوسرے کی امامت نہ کرے اور نہ صحیح ہوگی اس کی نماز جبکہ اس کو اقتدا ایسے شخص کا جو قرآن اچھا پڑھے ممکن ہو یا وہ کوشش کرنا چھوڑ دے یا بقدر فرض قرات وہ آیتیں حاصل کرے جن میں تتلانا نہ ہو یہی تصحیح صحیح اور مختار ہے توتلے کے حکم میں ہم حاصل تنقیح یہ ہے کہ توتلے کو ہمیشہ واجب ہے کہ تصحیح الفاظ میں کوشش کرے اگر بعد کوشش کے صحیح الفاظ نہ نکال سکے تو نماز اس کی جائز ہوگی اور اگر کوشش کے بدون پڑھے گا تو نماز فاسد ہوگی چنانچہ محیط وغیرہ میں ہے مگر یہ اس صورت میں ہے کہ بقدر فرض ایسی آیتیں نہ پڑھ سکے جن میں نہ تتلاوے اور اگر پڑھ سکتا ہے تو اس پر کوشش کرنا ضرور نہیں نہ دوسرے صحیح پڑھنے والے کا اقتدا لازم ہے کذا فی الشامی وکذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف او لا یقدر علی اخراج الفاء الا بتکرار اور اسی طرح حکم ہے اس شخص کا جو کوئی حرف حروف تہجی سے نہ بول سکے یا ف کو بدون مکرر کرنے کے نہ نکال سکے ہم یعنی ایسے شخص کو بھی ہمیشہ کوشش کرنا چاہیے ورنہ اس کی نماز صحیح نہ ہوگی مثلاً بعض لوگوں سے ح اور ع اور ض اور ط نہیں ادا ہوتے تو ان کو کوشش کرنا ان کی تصحیح میں واجب ہے اور چونکہ الثغ کو مغرب وغیرہ میں خاص کیا ہے اس شخص کے لیے جو سین اور ر نہ بول سکے اس لیے شارح نے ہر حرف کے نہ بول سکنے کو اس قول میں عام کر دیا اور ف کی تکرار سے بتایا کہ ہکلانا بھی تتلانے میں داخل ہے کذا فی الشامی تصرف واعلم انہ اذا فسد الاقتداء بای وجہ کان لا یصح شروعہ فی صلوۃ نفسہ لانہ قصد المشارکۃ وہی غیر صلوۃ الانفراد علی الاصح محیط وادعی فی البحر انہ المذہب اور جان لے کہ جب اقتدار فاسد ہوا کسی طرح پر فاسد ہو یعنی خواہ عورت اور لڑکے کی امامت سے ہو یا دوسری باتوں سے جو اوپر مذکور ہوئیں تو نہیں صحیح ہے شروع کرنا مقتدی کا خود اپنی نماز میں اگرچہ نفل ہی ہو اس لیے کہ مقتدی نے دوسرے کی شرکت کا قصد کیا تھا اور شرکت میں پڑھنا غیر ہے تنہائی کی نماز کا نہیں صحیح ہے شروع قول صحیح پر کذا فی المحیط اور بحر الرائق میں دعوی کیا کہ عدم صحت شروع مذہب ہے ہم وجہ عدم صحت شروع یہ ہے کہ جب اس نماز میں جس کا مقتدی نے ارادہ کیا اس کا شروع صحیح نہ ہوا تو غیر میں کیسے صحیح ہوگا کذا فی الشامی قال المصنف لکن کلام الخلاصۃ یفید ان ہذا قول محمد خاصۃ مصنف نے کہا لیکن خلاصہ کا کلام اس بات کا مفید ہے کہ عدم صحت شروع قول ہے خاص امام محمد کا ہم خلاصہ میں یہ مضمون ہے کہ جس جگہ میں اقتدا صحیح نہیں تو کیا مقتدی خود اپنی نماز کا شروع کرنے والا ہو جاتا ہے یا نہیں امام محمد کے نزدیک نہیں ہوتا اور شیخین کے نزدیک ہو جاتا ہے کذا فی الشامی قلت وقد ادعی فیما مر بعد تصحیح السراج خلافہ ان المذہب النقلا بہا نفلا فتامل میں کہتا ہوں کہ صاحب بحر نے بیان گذشتہ میں یعنی عورت کے محاذات کے مسئلہ میں دعوی کیا ہے کہ مذہب بدل جاتا ہے نماز کا نفل سے بعد تصحیح سراج کے خلاف عدم صحت کو سو تامل کر لے اس تناقض کو ہم صاحب بحر نے محاذات میں سراج سے نقل کیا ہے کہ اگر مرد عصر پڑھتا ہے اور عورت نے ظہر کی نیت سے اس کا اقتدا کیا اور محاذی ہوئی تو مرد کی نماز باطل ہوگی کیوں کہ اقتدا ہرچند فرض میں صحیح نہ ہو اگرچہ نفل میں بموجب مذہب کے درست ہوا تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ جب اقتدا فرض میں فاسد ہوا تو شروع بالکل فاسد نہ ہوا بلکہ نفل میں اقتدار باقی رہا اور صحت شروع مذہب ٹھہرا ورنہ نماز مرد کی کیوں فاسد ہوتی اور یہاں دعوی عدم صحت شروع کا کرتا ہے تو دونوں کلاموں میں صریح تناقض ہوا کذا فی الشامی وحینئذ فالاشبہ ما فی الزیلعی انہ متی فسد لفقد شرط کطاہر بمعذور لم ینعقد اصلا وان لاختلاف الصلوتین ینعقد نفلا غیر مضمون وثمرتہ الانتقاض بالقہقہۃ اس وقت میں یعنی جب کلام صاحب بحر کا نقل مذہب میں مختلف ہوا تو مشابہ تر قواعد فقہیہ سے وہ قول ہے جو زیلعی میں ہے کہ جس صورت میں اقتدا فاسد ہو بسبب نہ پائے جانے کسی شرط کے چنانچہ اقتدا طاہر کا پیچھے معذور کے تو اس صورت میں نماز اصل سے منعقد نہ ہوگی اور اگر دو نمازوں کے مختلف ہونے کی جہت سے اقتدا فاسد ہو تو نماز مقتدی کی نفل غیر مضمون منعقد ہوگی یعنی اس کو فاسد کرنے سے قضا اس کے ذمہ لازم نہ ہوگی اور ثمرہ خلاف کا وضو کا ٹوٹنا ہے قہقہہ سے یعنی صحت شروع کے قول پر وضو

ٹوٹ جائے گا کیوں کہ قہقہہ اثنائے نماز میں پایا جائے گا اور عدم صحت کے قول پر وضو نہ جائے گا ھ زیلعی کی تفصیل سے دونوں قولوں میں توفیق ہو گی یعنی عدم صحت کی تصحیح اس صورت پر محمول ہے کہ فساد اقتدا کسی شرط کے معدوم ہونے سے ہو اور صحت کی تصحیح اس پر محمول ہے کہ اقتدا فرضیت میں نہ رہی نفل میں باقی رہی **ویمنع من الاقتداء صف من النساء بلا حائل قدر ذراع او ارتفاعھن قدر قامۃ الرجل مفتاح السعادۃ** اور منع کرتی ہے اقتدا سے عورتوں کی صف بدون ایسے حائل کے جو مقدار ایک ہاتھ کے ہو یا بدون ان کے مرتفع ہونے کے آدمی کے قد کے برابر کذا فی مفتاح السعادۃ ھ عورتوں کی صف اگر پوری ہو تو جتنی صفیں مردوں کی ان کے پیچھے ہوں گی سب کی نماز فاسد ہو گی اور اگر تین عورتیں ہوں گی تو مردوں کی پچھلی صفوں میں سے تین تین محاذیوں کی نماز آخر صف تک فاسد ہو گی اور اگر دو عورتیں ہوں گی تو صرف اول صف کے دو مردوں کی نماز جائے گی جو ان کے پیچھے سیدھ میں ہوں گے اسی طرح ایک عورت سے بھی پیچھے ایک ہی مرد کی نماز فاسد ہوتی ہے نہ آخر صفوف تک اور قیاس اس کا مقتضی ہے کہ عورتیں اگر تین یا پوری صف ہوں تب بھی ان کے محاذی مردوں کی ایک ہی صف میں نماز فاسد ہو پچھلی صفوں میں فساد نہ پھیلے اس لیے کہ اس ایک صف کے مرد اپنے پیچھے کے مردوں کے لیے حائل ہو جاتے ہیں جیسے ایک یا دو مردوں میں ہوتے ہیں مگر اس قیاس کو استحسان کی وجہ سے ترک کیا کیوں کہ حضرت عمر سے موقوفاً اور مرفوعاً ثابت ہے کہ جس شخص کے درمیان اور اس کے امام کے بیچ میں نہر یا رستہ یا عورتوں کی صف ہو تو اس کی نماز نہیں ہوتی تو معلوم ہوا کہ شارح نے جو حائل اور ارتفاع کا اعتبار کیا ہے یہ ایک یا دو عورتوں کے لیے ہے صف میں بسبب حدیث مذکور کے حائل کا اعتبار نہیں کذا فی الشامی **او طریق تمر فیہ العجلۃ** آلۃ یجرھا الثور یا رستہ عام نافذ جس میں گاڑی گذر سکے مانع اقتدا ہے شارح نے کہا کہ عجلہ بفتحتین وہ آلہ ہے جس کو بیل کھینچتے ہیں **او نھر تجری فیہ السفن** **ولو زورقا ولو فی المسجد** یا مانع اقتدا ہے نہر جس میں کشتیاں چل سکیں اگرچہ چھوٹی کشتی یعنی ڈونگی ہو اور اگرچہ نہر مسجد میں ہو **او خلاء ای فضاء فی الصحراء او فی مسجد کبیر جدا کمسجد القدس یسع صفین فاکثر الا اذا اتصلت الصفوف فیصح مطلقا کان قام فی الطریق ثلثۃ وکذا اثنان عند الثانی لا واحد اتفاقا** لانہ لکراھۃ صلوتہ صار وجودہ کعدمہ فی حق من خلفہ یا مانع اقتدا ہے خلا یعنی اثنا میدان جنگل میں یا بہت بڑی مسجد میں مثل مسجد قدس کے کہ اس میں گنجائش دو صفوں یا زیادہ کی ہو مگر اس صورت میں مانع نہیں جب کہ صفیں ملی ہوئی ہوں تو صحیح ہے اقتدا مطلقاً یعنی اگرچہ بیچ میں نہر یا راہ نافذ ہو مثلاً راہ میں تین شخص کھڑے ہو جائیں تو صفیں متصل ہو جائیں گی اور اسی طرح اگر دو کھڑے ہوں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نہ ایک شخص بالاتفاق اس لیے کہ بسبب مکروہ ہونے نماز اکیلے شخص کے اس کا وجود مثل عدم کے ہو گیا ان لوگوں کے حق میں جو اس کے پیچھے ہیں یعنی ایک شخص کے رستہ میں کھڑے ہونے سے صفوں کا اتصال ثابت نہ ہو گا جیسا دو کا کھڑا ہونا طرفین کے نزدیک اور یہی قول صحیح تر ہے ھ اور نہر میں صورت اتصال یہ ہے کہ پل پر صفیں ہوں یا کشتیاں باندھ کر ان پر لوگ کھڑے ہو جائیں اور صحرا کی قید اس لیے لگائی کہ گھر اور مسجد میں جگہ کا چھوٹنا مانع اقتدا نہیں اور گھر صحیح تر قول میں مثل مسجد کے ہے یعنی اس میں بھی بدون اتصال صفوں کے اقتدا صحیح ہے اور بڑا مکان مثل جنگل کے ہے اور حد بڑے کی یہ ہے کہ جس کا صحن چالیس ہاتھ یا زیادہ کا ہو اور بعضوں نے ساٹھ ہاتھ کہا ہے مگر قول اول مختار ہے کذا فی الشامی **والحائل لا یمنع الاقتداء ان لم یشتبہ حال امامہ بسماع او رویۃ ولو من باب مشبک یمنع الوصول فی الاصح** اور حائل یعنی آڑ کا ہونا درمیان امام اور مقتدی کے مانع اقتدا نہیں بشرطیکہ مقتدی پر حال اس کے امام کا اس کی آواز سننے یا اس کو دیکھنے کے سبب سے مشتبہ نہ ہو اگرچہ دیکھنا جھنجری دار دروازہ سے ہو جو مانع امام تک پہنچنے کا ہو صحیح تر قول میں ھ طحطاوی نے ابوالسعود سے نقل کیا کہ سننا امام کی آواز کا یا مکبر کی آواز کا یکساں ہے اور دیکھنا عام ہے اس سے کہ امام کو دیکھے یا دوسرے مقتدی کو دیکھے **ولم یختلف المکان حقیقۃ کمسجد وبیت فی الاصح قنیۃ ولا حکما عند اتصال الصفوف** اور حائل مانع اقتدا نہیں بشرطیکہ مکان مختلف نہ ہو حقیقت میں جیسے مسجد اور گھر ہے صحیح تر قول میں کذا فی القنیہ

اور نہ حکماً مکان جدا ہو صفوں کے ملنے کے وقت یعنی اگر درمیان میں راستہ یا نہر ہو تو ہر چند دونوں کنارے راستہ یا نہر کے مکان مختلف ہیں مگر صفوں کے اتصال کی صورت میں حکماً ایک ہی مکان ہیں اس لیے مانع اقتدا نہیں ولو اقتدی من سطح دارہ المتصلۃ بالمسجد لم یجز لاختلاف المکان درر وبحر واقرہ المصنف لکن تعقبہ فی الشرنبلالیۃ ونقل عن البرہان وغیرہ ان الصحیح اعتبار الاشتباہ فقط قلت وفی الاشباہ وزواہر الجواہر ومفتاح السعادۃ ومجمع الفتاوی والنصاب والخانیۃ انہ الاصح وفی النہر عن الزاد انہ اختیار جماعۃ من المتاخرین اور اگر اقتدا کیا اپنے اس مکان کی چھت سے جو مسجد کے ساتھ ملا ہوا ہے تو جائز نہ ہوگا بسبب اختلاف مکان کے کذا فی الدرر والبحر وغیرہما اور ثابت رکھا ہے اس کو مصنف نے مگر اعتراض کیا ہے اس قول پر شرنبلالیہ میں اور برہان وغیرہ سے نقل کیا کہ صحیح قول اعتبار کرنا صرف مشتبہ ہونے امام کے حال کا ہے نہ اختلاف مکان کا میں کہتا ہوں اور اشباہ اور زواہر الجواہر اور مفتاح السعادۃ اور مجمع الفتاوی اور نصاب اور فتاوی قاضیخان میں ہے کہ یہی قول صحیح تر ہے اور نہر الفائق میں زاد سے منقول ہے کہ یہی قول اختیار ہے ایک جماعت متاخرین کا م فتاوی عالمگیری میں ہے کہ مسجد کا ہمسایہ اگر امام مسجد کے پیچھے اپنے گھر میں اقتدا کرے تو درست ہے بشرطیکہ اس کے اور مسجد کے درمیان شارع عام نہ ہو یا ہو مگر صفوں سے بھر گیا ہو وصح اقتداء متوضئ لا ماء معہ بمتیمم ولو مع متوضئ بسؤر حمار مجتبی وبحر اور صحیح ہے اقتدا کرنا وضو والے کا جس کے ساتھ پانی نہیں پیچھے تیمم والے کے اگرچہ ساتھ وضو کرنے والے کے گدھے کے جھوٹے پانی سے ہو کذا فی المجتبی والبحر مقتدی کے ساتھ پانی نہ ہونے کی قید اس لیے لگائی کہ اگر پانی اس کے ساتھ ہوگا تو امام کو پانی بتلا سکے گا اس صورت میں اقتدا صحیح نہ ہوگا کیوں کہ تیمم امام کا اس کے عندیہ میں باطل ہے اور یہ اس وقت ہے کہ امام نے تیمم پانی کے نہ ہونے کی جہت سے کیا ہو اور اگر اور عذر سے کیا ہوگا تو اقتدا درست ہوگا گدھے کے جھوٹے پانی سے وضو کرنے کے ساتھ تیمم کرنے کے یہ معنی کہ اول وضو کیا پھر تیمم کیا اور اگر وضو کر کے فرض بھی ادا کر لیا پھر تیمم کیا اور دوبارہ فرض پڑھی تو اقتدا درست نہ ہوگا اس لیے کہ ادائے فرض میں شک ہوگا کذا فی الطحطاوی وغاسل بماسح ولو علی جبیرۃ اور درست ہے اقتدا دھونے والے کا پیچھے مسح کرنے والے کے اگرچہ مسح شکستہ عضو کی بندش پر ہو یعنی جو شخص پاؤں کو دھوتا ہو وہ موزہ پر مسح کرنے والے کا اقتدا کر سکتا ہے اور جو شخص غسل یا وضو میں تمام اعضا کو دھوتا ہے وہ ایسے شخص کا اقتدا کر سکتا ہے جس کے ایک عضو پر کھپاچیں بندھی ہیں وقائم بقاعد یرکع ویسجد لانہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی آخر صلوۃ قاعدا وہم قیام وابوبکر یبلغہم تکبیرہ وبہ علم جواز رفع المؤذنین اصواتہم فی جمعۃ وغیرہا یعنی اصل الرفع اما ما تعارفوہ فی زماننا فلا یبعد انہ مفسد اذ الصیاح ملحق بالکلام الفتح اور درست ہے اقتدا کھڑے شخص کا پیچھے بیٹھنے والے کے جو رکوع اور سجدہ کرتا ہے یعنی اشارہ سے نہ پڑھتا ہو اس لیے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری نماز بیٹھ کر پڑھائی اور مقتدی کھڑے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق لوگوں کو آواز آپ کے اللہ اکبر کی پہنچاتے تھے اور اس تکبیر کے پہنچانے سے معلوم ہوا جائز ہونا مؤذنوں کی آوازوں کے بلند کرنے کا جمعہ وغیرہ میں یعنی اصل بلند کرنا جائز ہے اور یہ جو ہمارے زمانہ میں مؤذنوں نے رائج کر لیا ہے سو بعید نہیں کہ مفسد ان کی نماز کا ہو کیونکہ چیخنا کلام کے ساتھ ملحق ہے کذا فی فتح القدیر م آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری نماز اس طرح پڑھائی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آپ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تحریمہ کر لی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ افاقہ مرض سے پایا تو آپ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے سہارے سے اٹھ کر جماعت میں تشریف لائے اور حضرت صدیق کے بائیں طرف بیٹھے حضرت صدیق قرأت سے رک گئے اور پیچھے کو ہٹے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے اور لوگوں کو بیٹھے ہوئے نماز پڑھائی اور صدیق اکبر آپ کے اللہ اکبر کی آواز لوگوں کو سناتے رہے اور یہ نماز ظہر کی تھی اور مکبر کا آواز بلند کرنا بالاتفاق درست ہے جب کہ جماعت میں امام کی آواز نہ پہنچتی ہو اور اگر حاجت مکبر کی نہ ہو تو مکبر کا بولنا چاروں مذہب میں مکروہ ہے کذا فی الدر والحلیۃ وقائم باحدب وان بلغ حدبہ الرکوع علی المعتمد وکذا باعرج وغیرہ اولی اور درست ہے

اقتدا کھڑے ہونے والے کا پیچھے کوبہ نکلے ہوئے کے اگرچہ اس کا کوبہ رکوع کو پہنچ گیا ہو قول معتمد پر یعنی شیخین کے قول پر برخلاف محمد کے اور اسی طرح قائم کا اقتدا پیچھے لنگڑے کے درست ہے کیوں کہ لنگڑا اور کبڑا بیٹھے ہوئے شخص سے کم نہیں اور غیر لنگڑے کا بہتر ہے یعنی لنگڑے کے سوا دوسرے کا امام ہونا بہتر ہے شامی نے کہا کہ اس میں خصوصیت لنگڑے کی نہیں بلکہ متیمم اور قاعد اور کبڑے کا غیر ان کی نسبت کراہت میں اولیٰ ہیں **وموم بمثلہ الا ان لیومی الامام مضطجعًا والموتم قاعدا اوقائمًا** ہو المختار اور صحیح ہے اقتدا اشارہ سے پڑھنے والے کا پیچھے اپنے مثل کے مگر یہ کہ امام لیٹ کر اشارہ کرتا ہو اور مقتدی بیٹھ کر یا کھڑا ہو کر اشارہ کرتا ہو کہ اس صورت میں اقتدا صحیح نہیں اس وجہ سے کہ مقتدی امام کی نسبت کر قوی الحال ہے کذا فی البحر یہی قول مختار ہے **ومتنفل بمفترض فی غیر التراویح فی الصحیح** خانیۃ وکانہ لانہا سنۃ مخصوصۃ فیراعی وضعہا الخاص للخروج عن العہدۃ اور درست ہے اقتدا نفل پڑھنے والے کا پیچھے فرض پڑھنے والے کے سوائے تراویح کے صحیح قول میں کذا فی الخانیہ یعنی تراویح میں اقتدا فرض پڑھنے والے کے پیچھے صحیح نہیں اور غالباً عدم صحت کی وجہ یہ ہے کہ تراویح سنت مخصوص ہے تو اس کے عہدہ سے باہر آنے کے لیے اس کی وضع خاص کا لحاظ کیا جائے گا مگر اس میں یہ اعتراض ہے کہ نفل کی ہر رکعت میں قراءت فرض ہے اور فرض کے دوگانہ اخیر میں سنت تو اخیر دوگانہ میں اقتدا فرض والے کا پیچھے سنت والے کے لازم آوے گا حالاں کہ یہ درست نہیں اس کا یہ جواب ہے کہ مقتدی اقتدا کی جہت سے امام کا تابع ہے قراءت کے باب میں اسی جہت سے قراءت اس کے حق میں ان دونوں رکعتوں میں سنت ہو گی کذا فی الطحطاوی فروع مسائل ملحقہ شارح کے صح اقتداء متنفل بمتنفل صحیح ہے اقتدا نفل پڑھنے والے کا پیچھے نفل پڑھنے والے کے ومن یری الوتر واجبا بمن یراہ سنۃ اور صحیح ہے اقتدا اس شخص کا جو وتر کو واجب سمجھتا ہے پیچھے اس شخص کے جو وتر کو سنت سمجھتا ہے یعنی اس شرط سے کہ امام وتر کو ایک سلام سے پڑھے کذا فی الطحطاوی ومن اقتدی فی العصر وہو مقیم بعد الغروب بمن احرم قبلہ للاتحاد اور درست ہے اقتدا اس شخص کا کہ وہ مقیم ہے اور عصر کی نماز میں غروب کے بعد ایسے شخص کا اقتدا کرے جس نے نیت عصر کی غروب کے پیشتر کی ہو بسبب متحد ہونے دونوں کی نماز کے مقیم کی قید اس لیے لگائی کہ اگر مسافر بعد وقت نکلنے کے اقتدا کرے گا تو جائز نہ ہو گا چنانچہ پیشتر گذرا طحطاوی نے کہا کہ للاتحاد تینوں مسئلوں کی علت ہے نفل میں تو اتحاد ظاہر ہے اور وتر میں اس لیے کہ . . . . اعتقاد میں ہے نہ اصل وتر ہونے میں اور تیسرے مسئلہ میں دونوں کی نماز عصر ہے اس دن کی **واذا ظہر حدث امامہ وکذا کل مفسد فی رای مقتد بطلت فیلزم اعادتہا لتضمنہا صلوۃ الموتم صحۃ وفسادًا** اور جب کہ ظاہر ہو جائے مقتدی کو بے وضو ہونا اس کے امام کا تو اس کی نماز باطل ہو گی یعنی سرے سے منعقد نہ ہو گی تو لازم ہو گا اس کا اعادہ کیوں کہ نماز امام کی مقتدی کی نماز کو متضمن ہے صحت اور فساد میں شارح نے کہا اور ایسا ہی حکم ہے ظاہر ہونے ہر مفسد کا مقتدی کے اعتقاد میں ہم یعنی اگر گواہوں سے یا امام کے اقرار سے معلوم ہوا کہ امام نے بے وضو نماز پڑھی یا کوئی اور مفسد نماز اس سے سرزد ہوا تو مقتدی کو فرض پھر پڑھنی چاہیے اس لیے کہ امام کی نماز کے فاسد ہونے سے مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی اور لفظ باطل اور اعادہ کا ماتن کے کلام میں بے محل ہے اس لیے کہ باطل اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں جو منعقد ہو کر فاسد ہوا اور اعادہ اس مقام پر بولتے ہیں کہ جبر نقصان کے لیے دوبارہ پڑھے اور یہاں یہ صورت متحقق نہیں ہاں اگر یہ کہا جائے کہ مجازاً ایسا کہہ دیا ہے تو ہو سکتا ہے کذا فی الطحطاوی **کما یلزم الامام اخبار القوم اذا امہم وہو محدث او جنب او فاقد شرط او رکن** هل علیهم اعادتها ان عدلا نعم . . . . والا ندبت وقیل لا بفسقہ باعترافہ ولو زعم انہ کافر لم یقبل منہ لان الصلوۃ دلیل الاسلام واجبر علیہ جیسے لازم ہے امام کو خبر دینا قوم کو جب کہ وہ امام ہوا ہو ان کا وہ بے وضو تھا یا ناپاک یا نہ پانے والا کسی شرط کا یا رکن کا اور کیا واجب ہے مقتدیوں پر دوبارہ پڑھنا نماز کا امام کے خبر دینے سے جواب یہ ہے کہ اگر امام سچا ہے تو ہاں واجب ہے اور اگر عادل نہیں تو اعادہ مستحب ہے اور بعضوں نے کہا کہ اعادہ نہیں ہے بسبب فاسق ہونے امام کے اپنے اقرار

سے یعنی اگر دانستہ امام نے حالت بے وضو یا ناپاکی وغیرہ میں امامت کی اور پھر لوگوں کو آگاہ کر دیا تو خود اپنی زبان سے فاسق ہو گیا اور دین کے باب میں فاسق کا قول معتبر نہیں اس لیے اس کے خبر دینے میں اعادہ نماز کا نہیں اور اگر یہ احتمال ہو کہ امام نے براہ ورع اس کا اقرار کیا تو اعادہ کریں کذا فی الشامی اور اگر امام نے نماز پڑھانے کے بعد کہا کہ وہ شخص کافر ہے تو یہ قول اس کا نہ مانا جائے گا کیوں کہ نماز پڑھنا مسلمان ہونے کی دلیل ہے اور امام پر جبر کیا جائے گا مسلمان ہونے کے لیے کیوں کہ اس کلام سے وہ مرتد ہو گیا ہے بالقدر الممکن بلسانہ او بکتاب او رسول علی الاصح لو متعینین والا لا یلزمہ بحر عن المعراج وصحح فی مجمع الفتاوی عدمہ مطلقا لکونہ عن خطاء معفو عنہ لکن الشروح مرجحۃ علی الفتاوی امام کے ذمہ خبر دینا جس طرح کہ ہو سکے یعنی زبان سے کہہ کر یا خط لکھ کر یا قاصد بھیج کر لازم ہے یہ صحیح تر قول کے بموجب اگر مقتدی معین یعنی معلوم ہوں اور اگر معلوم نہ ہوں تو خبر دینا اس پر لازم نہیں کذا فی البحر عن المعراج حلبی نے کہا کہ اگر تھوڑے معلوم ہوں اور تھوڑے نامعلوم تو معلوم کو خبر دینا لازم ہے اور تصحیح کی ہے مجمع الفتاوی میں نہ خبر دینے کی مطلقاً یعنی خواہ نماز کا فاسد ہونا بالاتفاق ہو یا مختلف فیہ بسبب ہونے اس فعل امام کے خطا کے طور پر جس سے درگذر کی گئی ہے لیکن شرحیں ترجیح دی گئی ہے فتاووں پر یعنی خبر دینا معراج الدرایہ شرح ہدایہ اور بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں مذکور ہے تو مجمع الفتاوی کا قول ان کے سامنے قابل التفات نہیں شامی نے کہا کہ بالقدر متعلق اخبار سے ہے اور علی الاصح متعلق ہے یلزم سے واذا اقتدی امی وقاری بامی تفسد صلوۃ الکل للقدرۃ علی القراءۃ بالاقتداء بالقاری سواء علم بہ اولا نواہ اولا علی المذہب او استخلف الامام امیا فی الاخریین ولو فی التشہد اما بعدہ فتتم لخروجہ بصنعہ تفسد صلوتہم لان کل رکعۃ صلوۃ فلا تخلو عن القراءۃ ولو تقدیرا اور جب اقتدا کیا ایک امی اور ایک قاری نے پیچھے امی کے تو نماز سب کی فاسد ہو گی بسبب قادر ہونے امیوں کے قرارت پر قاری کے پیچھے پڑھنے سے برابر ہے کہ امام کو علم قاری کا ہو یا نہ ہو اور نیت قاری کی کی ہو یا نہ کی ہو بنا بر مذہب قوی کے شامی نے زیلعی سے نقل کیا کہ وجہ اس کی یہ ہے کہ فرائض کا حال علم اور جہالت سے بدلتا نہیں تو علم جب شرط نہ ہوا تو نیت بھی بطریق اولی شرط نہ ہو گی انتہی یا خلیفہ کر دے امام کسی امی کو پچھلی دو رکعتوں میں اگرچہ تشہد میں خلیفہ کرے فاسد ہو گی نماز سب کی اس لیے کہ ہر رکعت نماز علیحدہ ہے تو خالی نہ ہو گی کوئی رکعت قرارت سے اگرچہ قرارت تقدیری ہو اور امی میں قرارت تقدیری بھی نہیں کیوں کہ وہ اہل ہی نہیں تو امام نے ایسے کو خلیفہ کیا جس میں صلاحیت امامت کی نہیں اس لیے نماز مقتدیوں کی فاسد ہوئی اور امام کی نماز عمل کثیر کی جہت سے فاسد ہوئی اور مقتدیوں کی نماز امام کی نماز پر مبنی تھی کذا فی البحر شارح نے کہا اور بعد تشہد کے خلیفہ کرنے سے تو نماز درست ہو گی بسبب خارج ہونے امام کے اپنے فعل یعنی استخلاف سے وصحت لو صلی کل من الامی والقاری وحدہ فی الصحیح اور صحیح ہے نماز اگر پڑھی ہر ایک امی اور قاری نے تنہا قول صحیح میں ہم قول صحیح کا مقابل قول ابو حازم کا ہے کہ نماز امی کی اس صورت میں بھی جائز نہیں بقیاس مسئلہ گذشتہ اور ہدایہ میں قول اول کو صحیح کہا ہے کذا فی الشامی بخلاف حضور الامی بعد افتتاح القاری اذا لم یقتد بہ وصلی منفرداً فانہا تفسد فی الاصح لما بخلاف آنے امی کے بعد شروع کرنے قاری کے جب کہ قاری کا اقتدا نہ کرے اور تنہا نماز پڑھے کہ نماز امی کی فاسد ہو گی صحیح تر قول میں۔ اس وجہ کے سبب سے کہ گذر گئی یعنی امی نے باوجود قدرت علی القراءۃ کے قرارت کو ترک کیا اگر قاری کے پیچھے پڑھتا تو اس کی قرارت اس کی بھی قرارت ہو جاتی واعلم ان المدرک من صلاہا کاملۃ مع الامام واللاحق من فاتتہ الرکعات کلہا او بعضہا لکن بعد اقتدائہ اور جان کہ مدرک وہ مقتدی ہے جس نے نماز کی پوری رکعتیں امام کے ساتھ پڑھی ہوں اور لاحق وہ مقتدی ہے جس نے کل رکعات یا تھوڑی سی رکعتیں امام کے ساتھ نہ پڑھی ہوں مگر اقتدا کر چکنے کے بعد یہ رکعتیں فوت ہوئی ہوں بعذر کغفلۃ وزحمۃ وسبق حدث وصلوۃ خوف ومقیم ائتم بمسافر فوت ہونا کل یا بعض رکعات کا کسی عذر سے ہو مثلاً غفلت سے یا بھیڑ سے یا وضو جاتے رہنے سے یا خوف کی نماز سے یا مقیم کا اقتدا کرے مسافر کے پیچھے ہم غفلت کی صورت یہ ہے کہ مقتدی اقتدا کے بعد غافل ہو گیا یہاں تک کہ امام نے سب نماز یا بعض پڑھ لی اور انبوہ کی صورت یہ ہے کہ مثلاً جمعہ میں اقتدا کیا اور لوگوں کی

کثرت کے باعث ایک رکعت امام کے ساتھ نہ پڑھ سکا اور بے وضو ہوجانے سے مقتدی اور امام دونوں لاحق ہوسکتے ہیں امام کے لاحق ہونے کی یہ صورت ہے کہ جب امام وضو کو گیا تو جس کو خلیفہ کر گیا تھا اس نے اس اثناء میں کل یا بعض رکعات پڑھ لیں اور خوف کی نماز اس طرح ہوتی ہے کہ امام فوج کے دو حصہ کرکے ایک کو نماز پڑھاوے اور دوسرے کو مقابل دشمن کے کھڑا کرے جب پہلا حصہ نصف نماز امام کے ساتھ پڑھ لے تو وہ دشمن کے سامنے جاوے اور دوسرا امام کے پیچھے اقتدا کرے چنانچہ صلوٰۃ خوف میں بیان ہوگا تو پہلا حصہ لاحق ہوگا جو شارح نے مراد لیا ہے اور دوسرا حصہ مسبوق ہے وہ مراد نہیں اور مقیم جو مسافر کے پیچھے پڑھے یعنی چار رکعتوں والی نماز میں مقیم کو امام کے فارغ ہونے کے بعد دو رکعتیں اور پڑھنی پڑیں گی ان دونوں میں مقیم کا حکم لاحق کا ہے وکذا بلا عذر بان سبق امامہ فی رکوع وسجود فانہ یقضی رکعۃ اور اسی طرح بے فوت ہونا رکعات کا بلا عذر اس طرح کہ مقتدی اپنے امام سے پیشتر ایک رکوع اور سجدہ کرلے تو وہ ایک رکعت قضا کرے گا اور اس رکعت کے پڑھنے میں لاحق ہوگا وحکمہ کمؤتم فلا یاتی بقراءۃ ولا سہو ولا یتغیر فرضہ بنیۃ اقامۃ ویبدأ بقضاء مافاتہ اور حکم لاحق کا مقتدی کی طرح ہے یعنی فوت شدہ رکعت میں قرارت نہ پڑھے اور اگر اس کے پڑھنے میں کچھ سہو ہوجائے تو سجدہ سہو نہ کرے اور اس کا فرض نہ بدلے گا اقامت کی نیت سے یعنی اگر مسافر لاحق ہوگیا اور فوت شدہ نماز کو پڑھنے میں نیت اقامت کی کرلے تو دو ہی رکعت اس کے ذمہ رہیں گی چار نہ ہوجائیں گی اور شروع کرے ادا کرنا فوت شدہ کا یعنی لاحق اول وہ رکعت پڑھے جو فوت ہوگئی پھر امام کی متابعت کرے عکس المسبوق مسبوق کے برعکس یعنی چاروں باتوں مذکورہ بالا میں لاحق مسبوق کے برعکس ہے تو مسبوق اپنی باقی نماز میں قرارت پڑھے گا اور اگر اس میں سہو کرے گا تو سجدہ سہو کرنا پڑے گا اور نیت اقامت سے اس کا فرض بدل جائے گا دو کی جگہ چار رکعتیں پڑھنی ہوں گی اور اول امام کی متابعت کرے گا بعد اس کے فارغ ہونے کے باقی نماز پڑھے گا ثم یتابع امامہ ان امکنہ ادراکہ والا تابعہ ثم صلی ما نام فیہ بلا قراءۃ ثم ما سبق بہ بہا ان کان مسبوقا ایضا[۱] پھر لاحق بعد ادا کرنے فوت شدہ نماز کے اپنے امام کی متابعت کرے اگر امام کا پالینا اس کو ممکن ہو ورنہ متابعت امام نہ کرے پھر اگر لاحق مسبوق بھی ہو تو اول وہ نماز بے قرارت پڑھے جس میں مثلاً سوگیا ہو اس کے بعد وہ پڑھے قرارت کے ساتھ جس میں مسبوق ہوا ہو صورت لاحق اور مسبوق ہونے کی یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً ظہر کی دوسری رکعت میں شریک ہوکر لاحق ہوگیا یعنی تیسری اور چوتھی رکعت اس کو نہ ملی تو اب وہ تیسری اور چوتھی کو بلا قرارت پڑھے پھر اول رکعت کو قرارت کے ساتھ پڑھے شامی نے کہا کہ شارح کی عبارت فہم مطلب سے قاصر ہے بہتر تعبیر یوں تھی کہ شارح یوں کہتا ویبدأ بقضاء مافاتہ بلا قراءۃ عکس المسبوق ثم یتابع امامہ ان ادرکہ ثم ما سبق بہ یعنی شروع کرے قضائے مافات کو بدون قرارت کے برعکس مسبوق کے پھر متابعت امام کی کرے اور اگر اس کو نماز میں پاوے پھر وہ نماز پڑھے جس میں مسبوق ہوگیا ہے تاکہ عبارت مختصر اور تفہیم غرض کے لیے واضح تر ہوتی غرضیکہ شارح کا قول والا تابعہ الخ بے موقع ہے اس لیے مترجم نے اس کا ترجمہ اور طور پر کیا ولو عکس صح واثم لترک الترتیب اور اگر لاحق اس کا عکس کرے یعنی اول وہ رکعت پڑھے جس میں مسبوق ہوا پھر وہ جس میں لاحق ہوا تو نماز صحیح ہوگی اور گنہگار ہوگا بسبب ترک ترتیب رکعات کے جو واجب ہے اور امام زفر کے نزدیک اس کی نماز صحیح نہ ہوگی کیوں کہ ترتیب رکعات ان کے نزدیک فرض ہے کذا فی الشامی والمسبوق من سبقہ الامام بہا او ببعضہا اور مسبوق وہ مقتدی ہے جس سے پیشتر امام سب رکعتیں یا بعض رکعتیں پڑھ چکا ہو یعنی مثلاً اگر آخیر رکعت کے رکوع کے بعد ملا ہو تو سب رکعتوں میں مسبوق ہوگا ورنہ بعض میں غرضیکہ مقتدی چار طرح کے ہوئے اوّل مدرک دوم لاحق سوم مسبوق چہارم وہ جو لاحق بھی ہو اور مسبوق بھی وہو منفرد حتی یثنی ویتعوذ ویقرأ وان قرأ مع الامام لعدم الاعتداد بہا لکراہتہا مفتاح السعادۃ اور مسبوق منفرد ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ سبحانک اللہم الخ اور اعوذ اور قرارت پڑھے اگرچہ امام کے ساتھ اس نے قرارت پڑھی ہو کیوں کہ امام کے پیچھے قرارت مکروہ ہونے کی جہت سے اس کا شمار نہیں وجود و عدم برابر ہے کذا فی مفتاح السعادۃ فیما

[۱] ای برکعات سبق الامام ۱۲

فیقضیہ ای بعد متابعتہ لامامہ فلو قبلہا فالاظہر الفساد اور مسبوق منفرد ہے اس نماز میں کہ قضا کرے یعنی وہ نماز جو امام کے ساتھ نہیں ملی اس کے پڑھنے میں منفرد ہے شارح نے کہا کہ فوت شدہ کو ادا کرے بعد متابعت اپنے امام کے یعنی امام کے فارغ ہونے کے بعد پڑھے پس اگر قبل متابعت کے یعنی اثنائے متابعت میں پڑھے گا تو ظاہر تر نماز کا فاسد ہونا ہے اس لیے کہ منفرد ہونا اقتدا کے محل میں درست نہیں ویقضی اول صلوتہ فی حق قراءۃ وآخرہا فی حق تشہد فمدرک رکعۃ من غیر فجر یاتی برکعتین بفاتحۃ وسورۃ وتشہد بینہما وبرابعۃ الرباعی بفاتحۃ فقط ولا یقعد قبلہا اور مسبوق قرات کے باب میں اول اپنی نماز کا اور تشہد کے باب میں آخر اپنی نماز کا پڑھے یعنی فوت شدہ نماز کو قرارت کے حق میں شروع نماز سمجھے اور تشہد کے حق میں امام کے ساتھ پڑھی ہوئی کو بھی ملا لیوے اب شارح اس پر تفریع کرتا ہے کہ پانے والا ایک رکعت کا فجر کے سوا دوسری نمازوں میں سے بقیہ نماز اس طرح پڑھے کہ دو رکعتیں اول فاتحہ اور سورہ کے ساتھ اور ان کے درمیان میں تشہد کے ساتھ ادا کرے یعنی ایک رکعت مع الحمد وسورہ پڑھ کر بیٹھے کیوں کہ تشہد دو رکعتوں کے بعد ہوتا ہے اور اس نے ایک امام کے ساتھ پڑھ لی ہے پھر تیسری رکعت مع الحمد وسورہ پڑھے اور چوتھی رکعت چار رکعت والی نماز کی صرف الحمد کے ساتھ ادا کرے اور اس سے پیشتر یعنی تیسری کے آخر میں نہ بیٹھے ہم فیض میں مستصفی سے ہے کہ امام اعظم کے نزدیک مسبوق اس طرح پڑھے کہ پہلی دو رکعتیں مع قراءت پڑھ کر تشہد کرے اور تیسری کو صرف فاتحہ سے پڑھے اور شامی نے کہا کہ ظاہرا اعتماد قول پر صاحبین کے ہے جس کو شارح نے بیان کیا ہے الا فی اربع فکمقتد احدہا لا یجوز الاقتداء بہ وان صح استخلافہ فی حد ذاتہ لاحالۃ القضاء فلا استثناء اصلًا کما زعم فی الاشباہ مسبوق منفرد ہے مگر چار مسئلوں میں کہ وہ مثل مقتدی کے ہے اول مسئلہ یہ ہے کہ اقتدا اس کے پیچھے جائز نہیں اور منفرد کے پیچھے جائز ہے اگرچہ صحیح ہے خلیفہ کرنا مسبوق کا حالت مسبوق ہونے میں نہ حالت قضائے مافات میں تو استثنا نہیں ہرگز جیسا کہ اشباہ میں کہا ہے ہم اشباہ میں کہا ہے کہ مسبوق کے پیچھے اقتدا جائز نہیں اس سے استخلاف کا مسئلہ مستثنیٰ ہے یعنی اگر امام کو حدث ہوا اور وہ مسبوق کو خلیفہ کر دے تو درست ہے شارح کہتا ہے کہ استثنا نہیں اس لیے کہ استخلاف مسبوق کا امام کے سلام سے پیشتر ہے اور عدم جواز اقتداء بعد سلام امام کے ہے جب مسبوق اپنی نماز پڑھے کذا فی الحلبی ثم لو نسی احد المسبوقین فقضی ملاحظا للآخر بلا اقتداء صح ہاں اگر دو مسبوق جو ایک ساتھ آکر شریک جماعت ہوئے ان میں سے ایک بھول گیا کہ کتنی رکعتیں باقی ہیں اور اس نے باقی کو ادا کیا دوسرے کو دیکھ دیکھ کر بدون اقتدا کے تو درست ہوگا طحطاوی نے کہا کہ اس مثال کے لکھنے کی ضرورت نہ تھی کیوں کہ اس میں اقتدا ہی نہیں وثانیہا یاتی بتکبیر التشریق اجماعًا اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مسبوق تکبیرات تشریق کو کہے بالاتفاق یعنی عرفہ کی صبح سے تیرہویں کی عصر تک ہر فرض باجماعت کے بعد جو تکبیر واجب ہے مسبوق بھی اس کو کہے حالاں کہ منفرد امام اعظم کے نزدیک تکبیر کہے وثالثہا لو کبر ینوی استیناف صلوتہ وقطعہا یصیر مستانفا وقاطعًا للاولی بخلاف المنفرد کما سیجئ اور تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر مسبوق بقیہ نماز تھوڑی سی پڑھ کر اللّٰہ اکبر کہے نیت کرکے از سر نو پڑھنے اپنی نماز کی اور اس کے قطع کرنے کی تو از سر نو پڑھنے والا اور پہلی نماز کو توڑنے والا ہو جائے گا بخلاف منفرد کے کہ وہ مستانف نہیں ہوتا چنانچہ عنقریب آوے گا ورابعہا لو قام الی قضاء ما سبق بہ وعلی الامام سجدتا سہو ولو قبل اقتدائہ فعلیہ ان یعود ویتبغی ان یصبر حتی یفہم انہ لا سہو علی الامام اور چوتھا مسئلہ جس میں مقتدی کے مانند ہے یہ ہے کہ اگر مسبوق کھڑا ہوا اس نماز کو پڑھنے جو اس سے پیشتر ہو چکی ہے حالانکہ امام پر دو سجدہ سہو کے ہیں اگرچہ سہو مسبوق کے مقتدی ہونے سے پہلے ہوا ہو تو مسبوق پر واجب ہے کہ عود کرے یعنی امام کے ساتھ سجدہ سہو میں شریک ہو جائے اور مسبوق کو چاہیے کہ امام کے سلام کے بعد صبر کرے یہاں تک کہ سمجھے کہ امام کے ذمے سہو نہیں یعنی قضاء مافات کے لیے اٹھنے میں جلدی نہ کرے جب امام دوسری طرف سلام پھیرے اس وقت اٹھے ولو قام قبل السلام بل بعد بادائہ ان قبل قعود الامام قدر التشہد لا وان بعدہ نعم اور اگر مسبوق امام کے سلام سے پیشتر کھڑا ہو گیا تو کیا معتبر ہوگا اس کا ادا کرنا یعنی قیام ورکوع وغیرہ کرنا اسکا

جواب یہ ہے کہ اگر بقدر تشہد امام کے بیٹھنے سے پیشتر کھڑا ہو کر پڑھنے لگے گا تو اس کا ادا کرنا معتبر نہیں اور اگر بعد بیٹھنے امام کے بقدر تشہد کھڑا ہوا ہوگا تو معتبر ہوگا وکرہ تحریما الا لعذر کخوف حدث وخروج وقت فجر وجمعۃ وعید ومعذور وتمام مدۃ المسح ومرور مار بین یدیہ اور مکروہ تحریمی ہے کھڑا ہو جانا مسبوق کا بعد بقدر مقدار تشہد بیٹھنے امام کے مگر کسی عذر کی جہت سے مکروہ تحریمی نہیں جیسے خوف بے وضو ہو جانے کا در صورت توقف اور خوف جاتے رہنے وقت فجر اور جمعہ اور عید اور معذور کا امام کے ساتھ سلام تک ٹھہرنے اور پھر اپنی باقی نماز پڑھنے میں آفتاب نکل آوے گا یا جمعہ کا وقت خواہ عید کا نہ رہے گا یا عذر والے شخص کو وقت باقی نہ رہے گا اور خوف پورا ہو جانے مدت مسح موزوں کا اور خوف گذرنے کسی گذرنے والے کا اس کے سامنے کہ ان صورتوں میں اگر مسبوق کھڑا ہو جائے گا تو کھڑا ہونا مکروہ تحریمی نہ ہوگا مگر بدون عذر کھڑا ہونا مکروہ تحریمی اس لیے ہوا کہ امام کی متابعت سلام میں واجب ہے کھڑا ہو جانے سے وہ چھوٹ جائے گی کذا فی الشامی حلبی نے کہا کہ خروج اور تمام اور مرور کا عطف حدث پر ہے اور جمعہ اور عید اور معذور کا فجر پر فان فرغ قبل سلام امامہ ثم تابعہ فیہ صحت پھر اگر مسبوق اپنی بقیہ نماز سے فارغ ہوا امام کے سلام سے پیشتر پھر سلام میں اس کی متابعت کی تو نماز صحیح ہوگی مگر بعض فقہا نے کہا ہے کہ اس صورت میں نماز فاسد ہوگی کیوں کہ مسبوق جب کھڑا ہو گیا تو بقیہ کے پڑھنے میں منفرد ہو گیا اب پھر اقتدا کیسے کرے گا مگر فتویٰ اس پر ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی اس لیے کہ اقتدا کیا ہے بعد فراغت پانے کے ارکان سے تو ایسا ہو گیا جان بوجھ کر اس وقت میں حدث کیا کذا فی البحر والفتح ولو لم یعد کان علیہ ان یسجد للسھو فی آخر صلوتہ استحسانا اور اگر مسبوق عود نہ کرے اور امام کے ساتھ سجدہ سہو میں شریک نہ ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنی نماز کے آخر میں سجدہ سہو کرے براہ استحسان قید بالسھو لان الامام لو تذکر سجدۃ صلبیۃ او تلاویۃ فرضت المتابعۃ مصنف نے قید لگائی سہو کی یعنی اوپر کے قول میں کہ امام پر سہو کے سجدے میں اس لیے کہ اگر امام کو سجدہ خود نماز کے اندر کا یا سجدہ تلاوت کا ہوگا تو اس سجدہ میں مسبوق کو متابعت امام کی فرض ہے ورنہ نماز فاسد ہو جائے گی اس لیے کہ سجدہ صلبی فرض ہے اور سجدہ تلاوت گو واجب ہے مگر چوں کہ یہ سجدہ قعدہ اخیرہ کو معدوم کر دیتا ہے اس لیے اس کے بعد کا قعدہ فرض ہوتا ہے تو متابعت امام کی فرض میں فرض ہے اس کے نہ کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی کذا فی الحلبی وھذا کلہ قبل تقییدہ ما قام الیہ بسجدۃ اما بعدہ فتفسد فی صلبیۃ مطلقا وکذا تلاویۃ وسھوان تابع والا لا اور یہ سب یعنی مسبوق کا عود کرنا اور سجدہ سہو اور صلبی اور تلاوت میں امام کی متابعت کرنی اس وقت تک ہے کہ جس رکعت کو مسبوق کھڑا ہوا ہے اس کو سجدہ کے ساتھ مقید نہ کیا ہو اور سجدہ سے مقید کرنے کے بعد تو صلبی سجدہ میں نماز مطلقاً فاسد ہوگی خواہ متابعت کرے یا نہ کرے کیوں کہ وہ منفرد ہو گیا حالانکہ اس سے دو رکن سجدہ اور قعدہ رہ گئے اور بعد رکعت پورا کرنے کے متابعت سے عاجز ہے لہذا نماز فاسد ہوگی کذا فی الحلبی اور اسی طرح نماز فاسد ہوگی سجدہ تلاوت اور سجدہ سہو میں اگر مسبوق متابعت کرے گا اس لیے کہ ایک رکعت کو پورا کرنے سے حالت انفراد مستحکم ہو چکی اب وہ متروک نہیں ہو سکتی اور متابعت سے اس کا ترک لازم آتا ہے کذا فی الشامی اور اگر متابعت نہ کرے گا تو نماز فاسد نہ ہوگی کیوں کہ سجدہ سہو تو واجب ہے اور سجدہ تلاوت سے جو قعدہ اخیرہ جاتا رہا تو ایسے وقت گیا کہ مسبوق پکا منفرد ہو چکا تھا وہ مسبوق پر لازم نہ ہوگا اور یہی وجہ نماز فاسد نہ ہوگی کذا فی الحلبی ولو سلم ساھیا ان بعد امامہ لزمہ السھو والا لا اور اگر مسبوق نے بھول کر سلام پھیرا تو اگر بعد امام کے پھیرا تب تو اس پر سجدہ لازم ہے کیوں کہ وہ اس حالت میں منفرد ہے اور اگر ایسا نہیں یعنی امام سے پیشتر پھیرا یا اس کے ساتھ ہی پھیرا تو سجدہ سہو لازم نہیں کیوں کہ وہ دونوں صورتوں میں مقتدی ہے اور مقتدی کے سہو سے مقتدی پر کچھ لازم نہیں ولو قام امامہ لخامسۃ فتابعہ ان بعد القعود تفسد والا لا حتی یقید الخامسۃ بسجدۃ اور اگر مسبوق کا امام پانچویں رکعت کو کھڑا ہو گیا اور مسبوق نے اس کی متابعت کی تو اگر امام بعد قعدہ اخیرہ کے کھڑا ہوا ہے تو مسبوق کی نماز فاسد ہوگی کیوں کہ انفراد کی جگہ میں اقتدا کرے گا اور اگر امام نے قعدہ اخیرہ نہیں کیا اور کھڑا ہو گیا تو نماز مسبوق کی فاسد نہ ہوگی اس لیے کہ امام کی نماز بھی پوری نہیں ہوئی تو متابعت سے کچھ ضرر نہیں جب تک کہ امام پانچویں رکعت کو سجدہ سے مقید کرے کیوں کہ پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے امام کی نماز نفل ہو جائے گی اس لیے مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی ولو ظن الامام السھو فسجد لہ فتابعہ فبان ان لا سھو فالاشبہ الفساد لاقتدائہ فی موضع الانفراد اور اگر امام نے اپنے ذمہ سہو کا گمان کر کے سجدہ سہو کے لیے کیا اور مسبوق

نے اس کی متابعت کی پھر ظاہر ہوا کہ امام پر سہو نہ تھا تو مشابہ تر قواعد فقہ سے فاسد ہونا نماز مسبوق کا ہے بسبب اقتدا کرنے مسبوق کے انفراد کی جگہ میں م شامی نے فیض سے نقل کیا کہ عدم فساد پر فتوی ہے اور فقیہ ابو اللیث نے عدم فساد کی وجہ بیان کی کہ اس زمانہ میں قاریوں پر جہالت غالب ہے ؛

باب الاستخلاف

یہ باب ہے خلیفہ کرنے کے احکام میں یعنی اگر امام کو اثنائے صلوۃ میں مانع صلوۃ پیش آوے اور دوسرے شخص کو اپنا نائب کر دے اس کے احکام اس باب میں مذکور ہیں طحطاوی نے کہا کہ سین اور تے استخلاف میں زائد ہیں کیوں کہ مقصود بیان خلیفہ کا ہے نہ طلب کرنا خلیفہ کا اور چوں کہ استخلاف اس حدث کے ہونے پر مشروط ہے جو بنا کا مانع ہوا اس لیے شارح نے عنوان میں بنا ہی کو ذکر کیا اور کہا اعلم ان لجواز البناء ثلثۃ عشر شرطا جان لے کہ بنا کے جائز ہونے کے لیے تیرہ شرطیں ہیں کون الحدث سماویا پہلی شرط ہے ہونا حدث کا آسمانی یعنی حدث میں اور اس کے سبب میں بندہ کو اختیار نہ ہو اگر حدث اختیاری ہوگا تو بنا درست نہ ہوگی نماز نئے سر سے پڑھنی پڑے گی من بدنہ دوسری شرط ہے ہونا حدث کا نمازی کے بدن سے یعنی خارج سے نجاست مانع نماز نہ لگے غیر موجب لغسل تیسری شرط یہ ہے کہ وہ حدث موجب غسل کا نہ ہو مثلاً سوچنے سے انزال نہ ہو گیا ہو ولا نادر وجود اور چوتھی شرط ہے حدث کا نادر الوجود نہ ہونا اس سے کھکھلا کر ہنسنا اور بے ہوشی نکل گئی ولم یؤد رکنا مع حدث اور پانچویں شرط یہ ہے کہ نمازی نے کوئی رکن حدث کے ساتھ نہ ادا کیا ہو مثلاً سجدہ میں حدث ہوا اور اپنا سر بقصد ادا اٹھایا تو نماز از سر نو پڑھے او مشی اور چھٹی شرط یہ ہے کہ کوئی رکن چلنے کے ساتھ نہ ادا کیا ہو مثلاً جب نماز میں سے وضو کرنے گیا اور ہٹ کر آنے میں قرات پڑھتا آیا تو بنا نہ ہو سکے گی ولم یفعل منافیا اور ساتویں شرط یہ ہے کہ کوئی فعل مخالف نماز نہ کیا ہو مثلاً کھانا نہ کھایا ہو یا پانی نہ پیا ہو ورنہ از سر نو نماز پڑھے او فعلا لہ منہ بد اور آٹھویں شرط یہ ہے کہ کوئی کام ایسا بھی نہ کیا ہو جس سے نمازی کو چارہ ہو مثلاً پانی پاس تھا اور بلا ضرورت دور چلا گیا ولم یتراخ بلا عذر کزحمۃ اور نویں شرط یہ ہے کہ بدون عذر کے دیر نہ کی ہو عذر جیسے انبوہ کا ہونا تو اگر بدون انبوہ کے مقدار ادا کرنے رکن کے توقف کرے گا مثلاً تو نماز فاسد ہو جائے گی اور بنا جائز نہ ہوگی ولم یظہر حدثہ السابق کمضی مدۃ مسحہ اور دسویں شرط یہ ہے کہ اس حدث سے پیشتر کا کوئی حدث ظاہر نہ ہوا ہو جیسے گذر جانا مدت نمازی کے موزہ کی مسح کی کہ اس صورت میں بھی نماز فاسد ہو جائے گی ولم یتذکر فائتۃ وہو ذو ترتیب اور گیارہویں شرط یہ ہے کہ اس نے کوئی نماز قضا یاد نہ کی ہو اس صورت میں کہ وہ ترتیب والا ہو کیوں کہ ترتیب والے کو فائتہ کا یاد آنا مفسد اس کی حال کی نماز کا ہے ولم یتم المؤتم فی غیر مکانہ اور بارہویں شرط یہ ہے کہ مقتدی نے اپنی جگہ کے سوا میں نماز کو پورا نہ کیا ہو شامی نے کہا کہ مقتدی امام کو بھی شامل ہے کیوں کہ اس وقت وہ بھی اپنے خلیفہ کا مقتدی ہے تو اگر مقتدی یا امام نے وضو کیا اور ان میں اور امام میں حائل مانع اقتدا ہے تو دونوں کو چاہیے کہ اسی جگہ آویں جہاں امام نماز پڑھتا ہو ورنہ نماز فاسد ہو جائے گی اور منفرد کو اختیار ہے چاہے پہلی جگہ آوے چاہے وضو کی جگہ تمام کرے ہدایہ میں ہے کہ یہی حال ہے مقتدی کا اگر اس میں اور امام میں کوئی آڑ نہ ہو یا امام نماز سے فارغ ہو چکا ہو ولم یستخلف الامام غیر صالح لہا اور تیرہویں شرط یہ ہے کہ امام نے ایسے شخص کو خلیفہ نہ کیا ہو جو لائق امامت نہ ہو مثلاً عورت کو یا لڑکے کو خلیفہ نہ کیا ہو ورنہ سب کی نماز فاسد ہوگی فسبق الامام حدث سماوی لا اختیار للعبد فیہ ولا فی سببہ کسفرجلۃ من شجرۃ وکحدثہ من نحو عطاس علی الصحیح پیش ہوا امام کو بے وضو ہونا آسمانی کہ نہیں اختیار ہے بندہ کو اس میں اور نہ اس کے سبب میں مثلاً ایک ہی درخت سے گری اور اس سے نمازی کے خون نکلا اور مثل بے وضو ہو جانے نمازی کے چھینک جیسی قول سے جو صحیح ہے م شامی نے کہا کہ یہ مثال منفی کی ہے تو اس پر بنا نہ کرے اور مسئلہ میں اختلاف ہے ابو یوسف اور طرفین میں ابو یوسف کے نزدیک بندہ سے مراد نمازی ہے تو جس فعل میں نمازی کا اختیار نہ ہوگا ان کے نزدیک وہ آسمانی ہوگا اور طرفین کے نزدیک جو فعل ایسا ہو کہ کسی بندہ کے اختیار میں نہ ہو وہ آسمانی ہوگا اور چھینک کے مانند کھانسنا ہے غرضیکہ طرفین کے نزدیک ان عذرات سے بے وضو ہونے میں بنا درست نہیں غیر مانع للبناء کما قدمنا ہ ولو بعد التشہد لیاتی بالسلام استخلف ای جاز لہ ذلک ولو فی جنازۃ باشارۃ

اوجرالمحراب ولوالمسبوق امام کوحدث آسمانی ہوا ہو جو مانع بنا کا نہ ہو چنانچہ ہم نے اس کو مقدم بیان کر دیا یعنی اس حدث میں وہ تیرہ شرطیں ہوں جو اوپر مذکور ہوئیں تو امام مذکور کسی مقتدی کو اپنا خلیفہ کرے اگرچہ بعد تشہد کے حدث ہو تب بھی خلیفہ کرے تاکہ خلیفہ سلام پھیر دے یعنی امام کو خلیفہ کرنا درست ہے گو نماز جنازہ میں ہو خلیفہ کرے مقتدی کو اشارہ سے یا محراب کی طرف کھینچنے سے اگرچہ مقتدی مسبوق ہو ولیشیر باصبع لبقاء رکعۃ وباصبعین لرکعتین ولیضع یدہ علی رکبتہ لترک رکوع وعلی جبہتہ لسجود وعلی فمہ لقرأۃ وعلی جبہتہ ولسانہ لسجود تلاوۃ وصدرہ لسہو اور امام اشارہ کرے خلیفہ کی طرف ایک انگلی سے ایک رکعت باقی رہنے کے لیے اور دو انگلیوں سے اشارہ کرے دو رکعتیں رہنے کا اور رکھے اپنا ہاتھ زانو پر رکوع کے چھوٹ جانے کے لیے اور پیشانی پر سجدہ کے رہ جانے کے لیے اور منہ پر قرارت کے رہ جانے کے لیے اور پیشانی اور زبان دونوں پر ہاتھ رکھے سجدہ تلاوت کے چھوٹ جانے کے لیے اور فقط سینہ پر ہاتھ رکھے سہو کے واسطے اگر امام کے ذمہ ہو مالم یجاوز الصفوف لو فی الصحراء او مالم یتقدم فحدہ السترۃ او موضع السجود علی المعتمد کالمنفرد خلیفہ کرے امام اس وقت تک کہ صفوں سے نہ نکل جاوے اگر جنگل میں ہو درصورتیکہ آگے نہ بڑھے کہ اس کی حد سترہ ہے یا سجدہ کی جگہ معتمد قول پر مثل منفرد کے ہم یعنی خلیفہ کر سکی مدت امام کو جنگل میں اس وقت تک ہے کہ صفوں سے تجاوز نہ کرے یہ صورت داہنے یا بائیں اور پیچھے کی جانب میں ہوئی اور آگے کی طرف میں حد سترہ سے بڑھنا ہے اور اگر سترہ نہ ہو تو سجدہ کی جگہ سے تجاوز کرنا اس کے بعد نماز جاتی رہے گی اور خلیفہ کرنا درست نہ ہوگا اور اسی طرح منفرد کے لیے سترہ حد ہے اور اگر سترہ نہ ہو تو سجدہ کی جگہ یعنی اگر منفرد کو شبہ ہوا بے وضو ہونے کا اور وہ سترہ سے یا سجدہ کی جگہ سے آگے بڑھ گیا پھر معلوم ہوا کہ وضو نہیں گیا تو اب بنا نہ کر سکے گا کہ نماز فاسد ہو گئی اور منفرد کے لیے ہر طرف اتنا ہی فاصلہ معتبر ہے جتنا آگے کی طرف کذا فی الطحطاوی ومالم یخرج من المسجد او الجبانۃ او الدار لو کان یصلی فیہ لانہ علی امامتہ مالم یجاوز ہذا الحد ولم یتقدم احد ولو بنفسہ مقاما ناویا الامامۃ وان لم یجاوزہ اور اس وقت تک کہ مسجد یا جبانہ یا مکان سے باہر نہ ہوا اگر امام ان میں سے کسی میں نماز پڑھتا ہو اس لیے کہ امام اپنی امامت پر باقی ہے جب تک اس حد سے تجاوز نہ کرے اور جب تک کہ اور کوئی امام کی جگہ پر بہ نیت امامت آگے نہ بڑھ گیا ہو گو خود ہی بڑھا ہو بدون اشارہ امام کے اگرچہ امام حد مذکور سے نہ بڑھا ہو یعنی امام کی جگہ اگر کوئی شخص مقتدیوں سے امامت کی نیت کر کے جا کھڑا ہو گا تو اس وقت اس کی امامت باقی نہ رہے گی اگرچہ امام صفوں سے یا مسجد سے نہ نکلا ہو وہ مقتدی امام ہو جائے گا ہم جبانہ بفتح جیم و تشدید موحدہ نماز کی جگہ عام[1] کو کہتے ہیں جو جنگل میں بنائی جاتے کذا فی المغرب طحطاوی نے کہا کہ بہتر یہ تھا کہ شارح ولم یتقدم کی جگہ او لم یتقدم کہتا اور اس تقدم کو استخلاف کہتے ہیں حتی لو تذکر فائتۃ او تکلم لم تفسد صلوۃ القوم لانہ صار مقتدیا یہاں تک کہ اگر بعد مقتدی کے کھڑا ہو جانے کے امام کی جگہ میں امام کسی فوت شدہ نماز کو یاد کرے گا یا کلام کرے گا تو قوم کی نماز فاسد نہ ہوگی اس لیے کہ امام مقتدی ہو گیا تھا خلیفہ کا تو قوم کی نماز اس کی نماز پر مبنی نہ رہی ولو کان الماء فی المسجد لم یحتج للاستخلاف اور اگر پانی مسجد کے اندر ہو تو حاجت خلیفہ کرنے کی نہیں کیونکہ خلیفہ کرنا جائز ہے نہ واجب اور امام جب تک مسجد میں رہے اپنی امامت پر قائم ہے تو ہو سکتا ہے کہ وضو کر کے پھر امام ہو جائے شامی نے کہا کہ بعض نسخوں میں اتنا مضمون زائد ہے کہ اگر اس صورت میں خلیفہ کر دے گا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی واستینافہ افضل تحرزا عن الخلاف اور از سر نو پڑھنا امام کا افضل ہے واسطے بچنے کے خلاف سے ہم امام شافعی کے نزدیک استخلاف جائز نہیں اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اس لیے کہا کہ نماز کو نئے سرے سے پڑھنا افضل ہے تاکہ سب کے نزدیک نماز ہو جائے پھر استیناف کی یہ صورت ہے کہ کوئی کام نماز کے مخالف کر کے پہلے نماز کو قطع کر دے اور وضو کے بعد نیت کرے کذا فی الشامی ویتعین الاستیناف ان لم یکن تشہد لجنون او حدث عمدا او خروجہ من مسجد بظن حدث او احتلام بنوم او تفکر او نظر او مس بشہوۃ او اغماء او قہقہۃ لندرتہا اور متعین ہے از سر نو پڑھنا اگر بقدر تشہد نہ بیٹھا بسبب جنون کے یا قصداً

[1] جیسے ہندوستان میں عید گاہ ہوتی ہے ۱۲

حدث کرنے کے یا حدث کے گمان پر مسجد سے باہر نکلنے کے یا بسبب احتلام ہو جانے کے سونے سے یا فکر سے یاد یکھنے یا شہوت کے ساتھ چھونے سے یا بسبب بے ہوشی کے یا کھکھلا کر ہنسنے کے کیوں کہ اس قسم کے واقعات نادر ہیں اور شرط استخلاف اور بنا کی عدم ندرت ہے چنانچہ مذکور ہوا **وکذا یجوز لہ ان یستخلف اذا حصر عن قراءۃ قدر المفروض** لحدیث ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فانہ لما احس بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم حصر عن القراءۃ فتاخر فتقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم واتم الصلوۃ فلو لم یکن جائزا لما فعلہ بدائع اور اسی طرح جائز ہے امام کو خلیفہ کرنا جب کہ بند ہو جاوے قدر فرض قرارت کے پڑھنے سے بسبب حدیث حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انھوں نے جب آہٹ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پائی تو قرارت سے بند ہوئے اور پیچھے ہٹ گئے پس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر نماز کو تمام کیا تو اگر یہ امر جائز نہ ہوتا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آں کو نہ کرتے کذا فی البدائع هم فرض کے مقدار کی قید اس لیے لگائی کہ اگر بعد پڑھنے مقدار فرض کے رکے گا تو خلیفہ کرنا بالاجماع ناجائز ہوگا کذا فی الہدایہ **وقالا تفسد** اور صاحبین نے فرمایا کہ قرارت فرض کے رک جانے کے باعث نماز فاسد ہو جائے گی تو از سر نو پڑھے خلیفہ نہ کرے هم وجہ فساد یہ ہے کہ یہ عذر نادر الوجود ہے اور شرط استخلاف یہ ہے کہ نادر نہ ہو کذا فی الشامی **وبعکس الخلاف لو حصر ببول او غائط** اور اس خلاف کے برعکس ہے اگر امام بباعث پیشاب یا پاخانہ کے نماز سے رک جائے یعنی صاحبین کے نزدیک استخلاف جائز ہے اور امام اعظم کے نزدیک ناجائز **ولو عجز عن رکوع وسجود ہل یستخلف کالقراءۃ لم ارہ** اور اگر امام عاجز ہو رکوع اور سجود سے تو کیا خلیفہ کر دے جیسے قرارت کے رکنے میں کرتا ہے اس مسئلہ کا حکم میں نے نہیں دیکھا هم شامی نے کہا کہ میں نے شارح کے ہاتھ کا لکھا خزائن الاسرار کے حاشیہ پر دیکھا کہ ظاہر کلام فقہاء سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں خلیفہ نہ کرے کیوں کہ استخلاف خلاف قیاس ثابت ہوا ہے یعنی بسبب عمل کثیر ہونے کے تو جہاں وارد ہے اسی جگہ جائز ہوگا نہ دوسری جگہ میں **لخجل** ای لاجل خجل او خوف اعتراہ قرارت سے رکنا بسبب خجالت کے ہو یا بسبب خوف کے کہ امام کو پیش آیا ہو **لا یستخلف اجماعا لو نسی القراءۃ اصلا لانہ صار امیا او اصابہ** عطف علی المنفی **بول کثیر** ای نجس مانع من غیر سبق حدثہ فلو منہ فقط بنی خلیفہ نہ کرے اجماعاً اگر بھول جائے قرارت کو سرے سے اس لیے کہ امام اس صورت میں امی ہو گیا اور قوم کی نماز باطل ہو گئی تو اگر منفرد کو یہ صورت پیش ہوگی تو بھی بنا نہ کر سکے گا کذا فی الشامی یا لگ جائے امام کو پیشاب بہت یعنی نجاست مانع نماز کی اس کے حدث سابق کے سوا میں سے تو اگر صرف حدث سابق ہی سے نجاست لگے تو بنا کرے شارح نے کہا کہ او اصابہ عطف ہے منفی پر یعنی لونسی پر هم صورت مسئلہ کی یہ ہے کہ امام کو مثلاً نکسیر پھوٹی اور زائد از قدر درم اس کے کپڑے کو لگ گئی تو اس نجاست سے نماز فاسد نہ ہوگی وضو کے ساتھ کپڑا دھو کر بنا کر سکتا ہے ہاں اگر خارج سے نجاست مانع لگے گی تو مفسد ہوگی **او کشف عورتہ فی الاستنجاء او المراۃ ذراعہا للوضوء اذا لم یضطر لہ فلو اضطر لم تفسد** یا کھولے اپنی برہنگی استنجا کرنے میں یا عورت کھولے اپنا ہاتھ وضو کے لیے تو نماز فاسد ہوگی اور استخلاف اور بنا درست نہ ہوگا بشرطیکہ کشف عورت کے لیے مضطر نہ ہو پس اگر ناچار کھولنا پڑے یعنی ڈھانپے ہوئے استنجا یا وضو ممکن نہ ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی **او قرأ فی حالۃ الذہاب او الرجوع** لاداءہ رکنا مع حدث او مشی یا پڑھے قرارت وضو کے لیے جانے کی حالت میں یا واپس آنے کی حالت میں تو نماز فاسد ہوگی بسبب ادا کرنے نمازی کے رکن نماز کو حدث کے ساتھ جانے کی صورت میں یا چلنے کے ساتھ واپس آنے کی صورت میں حالانکہ شرط بنا یہ تھی کہ ادائے رکن نہ حدث کے ساتھ ہو نہ چلنے کے ساتھ غرضیکہ اس صورت میں بھی استخلاف و بنا درست نہیں بخلاف تسبیح فی الاصح بخلاف سبحان اللہ کہنے کے صحیح تر قول میں کہ اس سے نماز فاسد نہ ہوگی هم شامی نے کہا کہ فی الاصح قرارت اور تسبیح دونوں سے متعلق ہے اور اصح کا مقابل قرارت میں زیلعی کا قول ہے کہ جانے میں قرارت پڑھے گا تو فاسد ہوگی اور رکوع کے وقت پڑھے گا تو فاسد نہ ہوگی **او طلب الماء بالاشارۃ او شراہ بالمعاطاۃ للمنافات** اور یا پانی مانگا اشارہ سے یا اس کو خریدا تعاطی سے تو نماز فاسد ہوگی بسبب مخالف ہونے ان دونوں باتوں کے نماز سے هم شرنبلالی نے پہلے مسئلہ میں یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر نمازی سلام کا جواب اشارہ سے دے دے تو کسی کے نزدیک اس کی نماز فاسد نہیں پھر کیا وجہ کہ پانی کو اشارہ سے مانگنے میں نماز فاسد ہو شیخ رحمتی محشی نے جواب دیا کہ پانی

کا مانگنا اور قبول کرنا بمنزلہ عقد ہبہ کے ہے اس لیے مفسد ہے بخلاف رد سلام کے اور تعاطی کے یہ معنی کہ دام سامنے بائع کے رکھ دینے اور مبیع کو اٹھا دیا زبان سے ایجاب و قبول کچھ نہ کرنا تو جب نماز تعاطی سے فاسد ہو گی تو ایجاب و قبول کے ساتھ خرید نے سے بطریق اولیٰ فاسد ہو گی غرضیکہ ان دونوں صورتوں میں بھی استخلاف و بنا جائز نہیں او جاوز ماءً الی آخر الا قدر صفین اولنسیان او زحمۃ او کونہ بئراً لان الاستسقاء یمنع البناء علی المختار یا بڑھ گیا قریب کے پانی سے دوسرے پانی کی طرف مگر مقدار دو صفوں کے تجاوز کرنا یا قریب کے پانی کو بھولنے کے سبب سے یا اس پر انبوہ کثیر ہونے کی جہت سے یا اس کے کنواں ہونے کی جہت سے دوسرے پانی پر جانا بنا کا مانع نہیں اس لیے کہ پانی کنوئیں سے نکالنا مانع بنا ہے مذہب مختار پر ہم یعنی جب قریب کا پانی کنواں ہو تو اس کو ترک کرے اور دور والے پر جاوے کیوں کہ کنوئیں سے پانی کھینچنا مانع بنا ہوتا ہے اور مختار کی قید اس لیے لگائی کہ بعضوں نے کہا ہے کہ اگر دوسرا پانی نہ ہو تو کنوئیں سے پانی نکالنا مانع بنا نہیں ہے یہ قول غیر مختار ہے او مکث قدر اداء رکن وان لم ینو الاداء بعد سبق الحدث الا لعذر کنوم ورعاف یا توقف کیا مقدار ادائے رکن کے اگرچہ قصد رکن کے ادا کا نہ کیا ہو بعد پیش ہونے حدث کے مگر عذر کی جہت سے توقف کرنا مانع بنا نہیں جیسے نیند یا نکسیر کے باعث مثلاً توقف کرنا لیکن بدون عذر بعد حدث کے مقدار ادائے رکن کے توقف کرنا مانع استخلاف اور بنا کا ہے واذا ساغ لہ البناء توضأ فوراً بکل سنۃ وبنی علی ما مضی بلا کراہۃ ویتم صلوتہ ثمہ وہو اولی تقلیلاً للمشی او یعود الی مکانہ لیتحد مکانہا کالمنفرد فانہ مخیر فی ہذا کلہ ان فرغ خلیفتہ والا عاد الی مکانہ حتماً لو بینہما ما یمنع الاقتداء کالمقتدی اذا سبقہ الحدث اور جب کہ درست ہو امام کو بنا کرنا بسبب نہ پائے جانے موانع بنا کے تو وضو کرے فوراً یعنی بلا توقف بقدر رکن ساتھ ہر سنت کے وضو کی سنتوں سے اور بنا کرے اس نماز پر جو پڑھ چکا ہے بدون کراہت کے اور تمام کرے اپنی نماز اسی جگہ جہاں وضو کیا اور وہاں تمام کرنا بہتر ہے بوجہ کم ہونے رفتار کے یا پھر آوے اپنی جگہ پر تاکہ جگہ کل نماز کی ایک ہو مثل منفرد کے کہ وہ بھی مختار ہے چاہے باقی نماز وضو کی جگہ پڑھے چاہے اس جگہ چلا آوے جہاں پڑھ رہا تھا اور یہ سب یعنی امام کو اختیار کا ہونا اس وقت ہے کہ امام کا خلیفہ اس اثنا میں نماز سے فارغ ہو چکا ہو اور اگر فارغ نہ ہوا ہو تو امام واپس آوے اپنی جگہ پر یعنی جس جگہ پڑھتا تھا اسی جگہ یا اس کے قریب جہاں سے اقتدا درست ہو چلا آوے وجوباً بشرطیکہ امام میں اور اس کے خلیفہ میں کوئی آڑ مانع اقتدا ہو جیسے مقتدی جس صورت میں کہ اس کو حدث پیش ہو تو وضو کر کے اس کو بھی اپنی جگہ چلا جانا واجب ہے بشرطیکہ مانع اقتدا اس میں اور امام میں ہو ورنہ وضو کی جگہ سے بھی اقتدا کر سکتا ہے واعلم انہ ان تعمد عملاً ینافیہا بعد جلوسہ قدر التشہد ولو بعد سبق حدثہ تمت لتمام فرائضہا نعم تعاد لترک واجب السلام اور جان کہ اگر نمازی دانستہ کوئی کام مخالف نماز کے کرے بعد اپنے بیٹھنے کے مقدار تشہد کے اگرچہ بعد بے وضو ہو جانے کے کرے تو نماز اس کی تمام یعنی درست ہو گی بسبب پورا ہونے فرضوں نماز کے ہاں یہ نماز اعادہ کی جائے گی بسبب چھوٹنے واجب سلام کے ہم طحطاوی نے کہا کہ تمت کے معنی صحت کے ہیں کیوں کہ تمام تو جب ہوتی کہ نقصان ترک واجب کا نہ رہتا ولو وجد المنافی بلا صنعہ قبل القعود بطلت اتفاقاً اور اگر عمل مخالف نماز بدون صنعت نمازی کے یعنی بے اختیاری سے بیٹھنے کے پیشتر پایا جاوے گا تو بالاتفاق امام اور صاحبین کے نماز باطل ہو گی ہم شامی نے کہا کہ منافی سے غرض وہ فعل ہے جو حدث آسمانی مذکور الصدر کے سوا ہو کیوں کہ ہر چند وہ بھی قیاس کی رو سے مخالف ہے مگر شرع نے اس کو مخالف نہیں اعتبار کیا ولو بعدہ بطلت فی المسائل الاثنی عشریۃ عند الامام وقالا صحت واختارہ الکمال وفی شرح بنلالیۃ والاظہر قولہما بالصحۃ فی الاثنی عشریۃ اور اگر فعل مخالف بے اختیار بعد بیٹھنے مقدار تشہد کے پایا جائے گا تو نماز باطل ہو گی مسائل دوازدہ گانہ میں امام کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ درست ہو گی اور ترجیح دی ہے کمال نے صاحبین کے قول کو اور شرنبلالیہ میں ہے کہ ظاہر تر قول صاحبین کا ہے نماز کی صحت کا مسائل دوازدہ گانہ میں ہم وجہ باطل ہونے نماز کی امام کے نزدیک یہ ہے کہ نماز سے باہر آنا باختیار خود امام کے نزدیک فرض ہے بموجب تخریج بردعی کے تو جب تک باختیار خود نماز سے باہر آنا نہ پایا جائے گا اس وقت تک جو فعل مخالف نمازی سے بے اختیار سرزد ہو گا وہ نماز کے اندر ہو گا اسی لیے نماز باطل

ہوگی اور صاحبین کے نزدیک خروج بصنعہ فرض نہیں تو قعدہ اخیرہ پر فرائض نماز تمام ہوجائیں گے اس لیے نماز صحیح ہوگی اور کرخی کے قول کے موجب امامؒ کے نزدیک بھی خروج بصنعہ فرض نہیں تو اس صورت میں وجہ بطلان نماز یہ ہے کہ فرض میں تغیر ہوتا ہے مثلاً تیمم والے نے بعد قعدہ اخیرہ کے پانی پر قدرت پائی تو اس کے حق میں پہلے فرض تیمم تھا اب متغیر ہوکر وضو ہوگیا کذا فی الشامی وہی ماذکرہ بقولہ کما تبطل لو فرع بالفاء کما فی الدرر کان اولٰے بقدرۃ المتیمم علی الماء اور وہ بارہ مسئلے یہ ہیں جو مصنف اپنے قول آیندہ میں مذکور کرتا ہے چناں چہ باطل ہوتی ہے نماز بہ سبب قادر ہونے تیمم کرنے والے کے پانی پر یعنی بباعث نہ ملنے پانی کے یا نہ استعمال کر سکنے کے تیمم کر کے نماز پڑھی قعدہ اخیرہ کے تشہد کے بعد پانی یکایک نظر آگیا یا اس کے استعمال پر قادر ہوگیا تو امام صاحب کے نزدیک نماز باطل ہوگی اور صاحبین کے نزدیک صحیح شارح نے کہا کہ اگر مصنف لفظاً کما کی ف کے ساتھ تفریع کرتا جیسا درر میں ہے تو اچھا ہوتا اس لیے کہ اسے یہ وہم ہوتا ہے کہ اوپر جو بطلان نماز کا مذکور ہے وہ ان مسائل کے سوا میں ہے حالاں کہ وہ انھیں مسائل میں مخصوص ہے ھم یہ پہلا مسئلہ ہے بارہ میں کا واما مسئلۃ رؤیۃ المتوضئ المؤتم بمتیمم الماء ففیہا خلاف زفر فقط وتنقلب نفلا اور مسئلہ پانی دیکھنے وضو والے مقتدی کا پیچھے تیمم والے کے اس میں صرف خلاف زفر کا ہے کہ ان کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی اور ائمہ ثلٰثہ کے نزدیک اس کا وصف باطل ہوجاتا ہے یعنی نفل ہوجاتی ہے ھم یہ جواب ہے زیلعی کے اعتراض کا کتر پر اعتراض زیلعی کا یہ تھا کہ اول مسئلہ میں جو قدرت تیمم کے خلاف ہے اس سے کچھ فائدہ نہیں اس لیے کہ اگر وضو کرنے والا تیمم والے کے پیچھے پڑھتا ہو اور وہ پانی دیکھ لے تب بھی نماز باطل ہوجاتی ہے کیوں کہ اس کے عقیدہ میں امام پانی پر قدرت رکھتا ہے تو تیمم سے امام کی نماز درست نہ ہوگی گو واقع میں امام کی نماز پوری ہو شارح نے جواب دیا کہ ذکر ان مسائل کا ہے جن میں اختلاف مابین امام اعظمؒ اور صاحبینؒ کے ہے اور اس مسئلہ میں تینوں میں کچھ اختلاف نہیں سب کے نزدیک فاسد ہوجاتی ہے البتہ خلاف زفر کا ہے کہ وہ فاسد نہیں کہتے کذا فی الشامی ومضی مدۃ مسحہ ان وجد ماءً ولم یخف تلف رجلہ من برد والا فیمضی علی الاصح کما مر فی بابہ دوسرا مسئلہ بارہ میں کا گذرنا مدت نمازی کے مسح کا ہے جس صورت میں کہ پانی پاوے اور اپنے پاؤں کے جاتے رہنے کا سردی کے سبب سے خوف نہ کرے اور اگر مدت مسح کے پورا ہونے پر پانی نہ پاوے یا پانی ہو مگر سردی کے مارے دھو نہ سکے تو نماز پڑھی جاوے صحیح تر قول کے بموجب جیساکہ باب المسح میں گذرا وتعلم امی آیۃ ای تذکرہ او حفظہ بلا صنع ولو کان الامی مقتدیا بقارئ علی ما علیہ الاکثر لکن فی الظہیریۃ صحح الصحۃ قال الفقیہ وبہ ناخذ تیسرا مسئلہ سیکھنا امی کا ہے آیت کو یعنی خود اس کو یاد آگئی یا دوسرے سے سن کر یاد ہوگئی بدون اختیار کے اگرچہ امی مقتدی ہو قاری کے پیچھے تو مقتدی کی نماز فاسد ہوگی امام کے نزدیک بنا بر اس قول کے جس پر اکثر فقہا ہیں لیکن ظہیریہ میں صحت نماز کی تصحیح کی ہے فقیہ ابو اللیث نے کہا کہ ہم اسی قول کو لیتے ہیں ھم بحر الرائق میں کہا کہ وجہ صحیح ہونے مقتدی کی نماز کی یہ ہے کہ امام کی قراءت اس کی قراءت ہے تو اس کی نماز کا شروع کامل طور پر تھا تو آخر میں آیت کے سیکھنے سے قوی کی بنا ضعیف پر لازم نہیں آتی اس سے معلوم ہوا کہ اگر نمازی منفرد ہوگا تو مسئلہ مختلف فیہ باقی رہے گا ووجود العاری ساترا تجوز بہ الصلوٰۃ چوتھا مسئلہ پانا برہنہ کا ایسے لباس کو جس سے نماز درست ہو یعنی پاک ہو اور ستر عورت کے لیے کافی ہو مثلہ لو صلی بنجاسۃ فوجد مایزیلہا او اعتقت الامۃ ولم تتقنع فوراً اور اس مسئلہ کے مانند ہے اگر نماز پڑھی نجاست کے ساتھ پھر بعد تشہد کے اس چیز کو پایا جو نجاست دور کرے تو اس صورت میں بھی امام اعظم کے نزدیک نماز باطل ہوگی یا لونڈی بعد تشہد کے آزاد ہوئی اور اس نے فوراً سر کو نہ چھپالیا تب بھی نماز جاتی رہے گی ھم یہ دو مسئلے شارح نے زائد کیے ہیں ونزع الماسح خفہ الواحد بعمل یسیر فلو بکثیر تمم اتفاقا پانچواں مسئلہ نکالنا مسح کرنے والے کا اپنے ایک موزہ کو تھوڑے سے عمل سے مثلاً موزہ ڈھیلا تھا ذرا سی حرکت سے پاؤں سے نکل گیا تو نماز باطل ہوجائے گی پس اگر عمل کثیر سے نکالے گا تو نماز پوری ہوجائے گی بالاتفاق امام اور صاحبین کے کیوں کہ عمل کثیر میں نماز سے اپنے اختیار سے باہر آنا پایا جاتا ہے وقدرۃ مؤم علی الارکان چھٹا مسئلہ قادر ہونا اشارہ سے

پڑھنے والے کا رکوع اور سجدہ پر مفسد نماز ہے امام صاحب کے نزدیک **وتذکر فائتۃ علیہ او علی امامہ وہو صاحب ترتیب والوقت تسع** ساتواں مسئلہ یاد ہونا قضا نماز کا اپنے ذمہ اگر منفرد یا امام ہو یا اپنے امام کے ذمہ اگر مقتدی ہو حالانکہ وہ یعنی جس کے ذمے قضا نماز ہے صاحب ترتیب ہے اور وقت وسیع ہے یعنی فائتہ اور وقتی دونوں پڑھ سکتا ہے تو اگر وقت تنگ ہوگا تو نماز بالاتفاق تمام ہو جائے گی ھم قضا نماز کے یاد ہونے سے امام کے نزدیک نماز قطعاً باطل نہیں ہوتی بلکہ اس کا فساد موقوف رہتا ہے اگر بعد اس کے پانچ نمازیں وقتی اور پڑھ لے گا باوجود قضا کے یاد ہونے کے تو یہ نماز بھی جائز ہو جائے گی اور اگر قضا شدہ کو ادا کرے گا تو باطل ہو جائے گی تو یہاں باطل کے ذیل میں مصنف کا اس کو ذکر کرنا اس اعتماد پر ہے کہ قضا نمازوں کے بیان میں اس کی تفصیل آوے گی کذا فی الحلبی **وتقدیم القاری امیا مطلقا وقیل لا فساد لو کان استخلافہ بعد التشہد بالاجماع وہو الاصح** کما فی الکافی لانہ عمل کثیر آٹھواں مسئلہ آگے کرنا قاری کا امی کو مطلقاً خواہ تشہد کے پہلے ہو یا پیچھے اور بعض فقہا نے کہا ہے کہ اگر خلیفہ کرنا امی کو بعد تشہد کے ہوگا تو بالاتفاق نماز فاسد نہ ہوگی اور یہی قول صحیح تر ہے چنانچہ کافی میں ہے اور وجہ عدم فساد کی یہ ہے کہ استخلاف امی کا بالاتفاق مفسد ہے نہ فقط امام صاحبؒ کے نزدیک اور یہاں منظور بیان کرنا ان صورتوں کا ہے جن میں امام اور صاحبین میں اختلاف ہے اور صرف بعد تشہد کے ہے اور جب اصح اس باب میں عدم فساد ہے تو معلوم ہوا کہ یہ صورت خلافی نہیں کذا فی الطحطاوی ملتقطا **وطلوع الشمس فی الفجر** نواں مسئلہ آفتاب کا نکل آنا فجر کی نماز میں بعد تشہد کے امام کے نزدیک مفسد ہے وزاد لہا فی العید ودخول وقت من الثلثۃ علی مصلی القضاء اور ڈھل جانا آفتاب کا عید کے تشہد کے بعد اور قضا پڑھنے والے پر تین وقتوں میں سے ایک کا آجانا یعنی طلوع خواہ استوا یا غروب کا وقت ہو جانا قضا نماز کے تشہد کے بعد ھم یہ صورتیں شارح نے زیادہ کی ہیں **ودخول وقت العصر** بان بقی فی قعدۃ الی ان صار الظل مثلیہ فی الجمعۃ بخلاف الظہر فانہا لا یبطل دسواں مسئلہ وقت عصر کا داخل ہونا جمعہ کی نماز میں اس طرح کہ امام قعدہ میں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ سایہ دو مثل ہو گیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک نماز فاسد ہوگی بخلاف ظہر کی نماز کے کہ وقت عصر کے آجانے سے وہ باطل نہیں ہوتی ھم کافی میں اس مسئلہ پر اعتراض کیا ہے کہ امام کے نزدیک وقت عصر دو مثل پر ہوتا ہے اور صاحبین کے نزدیک ایک مثل پر تو وقت عصر کی جمعہ میں داخل ہونے سے خلاف کی صورت کیسے بنے گی شارح نے اس کی صورت کو بیان کر دیا کہ یوں ہو سکتی ہے کہ امام قعدہ میں بیٹھا رہے کذا فی الطحطاوی **وزوال عذر المعذور** بان لم یعد فی الوقت الثانی گیارہواں مسئلہ دور ہونا عذر معذور کا اس طرح کہ دوسرے وقت میں پھر نہ عود کرے ھم معذور کا عذر اگر تشہد کے بعد دور ہو گیا تو دیکھنا چاہیئے اگر عذر معذور آیندہ نماز کے وقت کامل تک موقوف رہا تو امام اعظمؒ کے نزدیک وہ نماز جس کے تشہد کے بعد عذر موقوف ہو گیا فاسد ہو گئی اس کی قضا کرے اور اگر عذر مذکور نے دوسرے وقت میں عود کیا تو نماز صحیح ہے کذا فی البحر وکذا خروج وقتہ شارح نے یہ مسئلہ زیادہ کیا اور یہی حکم ہے معذور کے وقت نکلنے کا یعنی اگر بعد تشہد وقت نماز جاتا رہے گا تو معذور کی نماز فاسد ہوگی اس لیے کہ وقت کے نکل جانے سے معذور کی طہارت باطل ہو جاتی ہے **وسقوط جبیرۃ عن برء** بارہواں مسئلہ گر جانا جبیرہ کا اچھا ہونے کے بعد ھم جبیرہ وہ کھپاچیں ہیں جن سے ٹوٹے عضو کو باندھتے ہیں تو اگر نمازی نے وضو کرنے میں مثلاً جبیرہ پر مسح کر لیا تھا اور بعد تشہد جبیرہ گر گئی تو مسح جاتا رہے گا اور نماز بھی فاسد ہو جائے گی **واعلم انہ لا تنقلب الصلوٰۃ فی ہذہ المواضع العشرین نفلا اذا بطلت الا فی ثلث فیما اذا تذکر فائتۃ او طلعت الشمس او خرج وقت الظہر فی الجمعۃ** کما فی الجوہرۃ زاد فی الحاوی والموصی اذا قدر علی الارکان ویزاد مسئلۃ الموتم بمتیم کما قدمنا وا الظاہران زوالہا فی العید ودخول الاوقات المکروہۃ فی القضاء کذلک ولم ارہ جاننا چاہیئے کہ نماز ان بیس جگہوں میں جب باطل ہو جاتی ہے تو نفل نہیں ہو جاتی ہے بجز تین صورتوں کے ایک[۱] اس صورت میں کہ فوت شدہ نماز یاد کرے ۲ یا آفتاب فجر کی نماز میں نکل آوے ۳ یا وقت ظہر جمعہ میں جاتا رہے چنانچہ جوہرہ میں ہے حاوی قدسی میں چوتھی صورت زیادہ کی ہے کہ اشارہ سے پڑھنے والا جب قادر ہو رکوع اور سجدہ پر تو اس کی نماز بھی نفل ہو جائے گی

شارح کہتا ہے اور مسئلہ باوضو مقتدی کا پیچھے تیمم والے کے زیادہ کرنا چاہیے یعنی ان نمازوں میں جو نفل ہو جاتی ہیں گو اختلافی نہ ہو کذا فی الطحطاوی چنانچہ ہم نے پیشتر بیان کیا اور ظاہر یہ ہے کہ آفتاب کا ڈھلنا عید میں اور اوقات مکروہہ کا داخل ہونا قضا میں ایسا ہی ہو اور میں نے اس کو مصرح نہیں دیکھا ھم شارح نے بیس جگہ اس لیے کہا کہ بارہ مسئلے ماتن نے لکھے تھے آٹھ شارح نے زیادہ کیا اوّل پانا اس چیز کا جو نجاست کو دور کرے جب کہ نجس کپڑے سے نماز پڑھتا ہو دوم سر ڈھانکنا لونڈی کا سوم یاد کرنا مقتدی کا امام کی فوت شدہ نماز کو جب کہ امام صاحب ترتیب ہو چہارم آفتاب کا ڈھلنا عید میں پنجم وقت طلوع کا داخل ہونا قضا میں ششم ٹھیک دوپہر کا ہو جانا قضا میں ہفتم وقت غروب کا آجانا قضا میں ہشتم معذور کے وقت کا نکل جانا اور بحر الرائق میں ان سب صورتوں کو بھی بارہ میں داخل کر دیا ہے یعنی اول اور دوم کو برہنہ کے مسئلے میں اور چہارم اور پنجم اور ششم اور ہفتم کو مسئلہ طلوع میں اور آخیر صورت کو مدت مسح کے گذر جانے میں باقی رہی تیسری صورت اس کو محشی نے ساتویں مسئلہ میں داخل کیا ہے شامی نے کہا کہ اس داخل کرنے میں صریح تکلف ہے حلبی نے کہا کہ جن مسئلوں کو شارح نے ظاہر کہا ہے اس میں مصرح دیکھنے کی حاجت نہیں ان کا حکم وہی ہے جو شارح نے لکھا اس لیے کہ جب اوقات مکروہہ مخالف نفل کے مکروہ ہونے کی نہیں یعنی ابتداءً نفل ان میں جائز ہے تو بقائے نفل کے مخالف کیسے ہوں گے **ولو استخلف الا امام مسبوقاً او لاحقاً او مقیما وھو مسافر صح والمدرک اولی** اور اگر خلیفہ کرے امام کسی مسبوق یا لاحق کو یا خلیفہ کرے مقیم کو اور خود مسافر ہو تو درست ہو لیکن بوجہ شریک ہونے کے تحریمہ میں اور مدرک خلیفہ کرنے کے لیے بہتر ہے اس لیے کہ امام کی نماز کے تمام کرنے پر زیادہ قادر ہے ھم مسبوق کا حکم آگے مذکور ہوتا ہے مگر لاحق اور مقیم کا حکم لکھنا ضروری ہے پس اگر لاحق کو خلیفہ کیا جاوے تو اس کو چاہیے کہ لوگوں کو اشارہ سے منع کر دے کہ میری متابعت نہ کرنا جب تک کہ میں فوت شدہ نماز کو نہ پڑھ چکوں پھر اول فوت شدہ نماز کو پڑھے اس کے بعد جہاں سے امام کی نماز رہی ہو اس کو پڑھے اس میں مقتدی اس کی متابعت کریں فارغ ہونے تک اور اگر مقیم کو خلیفہ کیا مسافر نے اور مقتدی مسافر اور مقیم ملے جلے ہیں تو اس کو چاہیے کہ دو رکعتوں کے بعد کسی مسافر کو خلیفہ کر دے کہ وہ سلام پھیرے پھر مقیم مقتدی دو رکعتیں باقی اکیلے اکیلے بدون قراءت کے پڑھ لیں اور بہتر یہ ہے کہ جب امام مسبوق یا لاحق کو خلیفہ کرے تو وہ قبول نہ کریں اور امام کے حق میں بھی بہتر ہے کہ مدرک کے سوا دوسرے کو خلیفہ نہ کرے کذا فی الشامی **ولو جھل الکمیۃ قعد فی کل رکعۃ احتیاطاً** اور اگر مسبوق یہ نہ جانے کہ کتنی رکعتیں امام نے پڑھی ہیں تو ہر رکعت میں بیٹھے براہ احتیاط یعنی اس احتمال سے کہ شاید وہ رکعت امام کی آخر رکعت ہو ھم یہ مسئلہ شارح نے مجمل بیان کیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر مسبوق خلیفہ اور دوسرے مقتدی امام کی نماز کی مقدار نہ جانتے ہوں مثلاً سب مسبوق ہوں تو خلیفہ ایک رکعت پڑھ کر بیٹھے پھر کھڑا ہو کر اپنی باقی نماز پڑھ لے اور مقتدی اس کا ساتھ اس باقی میں نہ دیں بلکہ اس کے فارغ ہونے تک صبر کریں جب وہ سلام پھیر چکے اسوقت اپنی اپنی باقی نماز تنہا پڑھ لیں کذا فی النھر الفائق **ولو مسبوقاً برکعتین فرضنا القعدتین** اور اگر خلیفہ مسبوق ہے دو رکعتوں سے تو ہم دو قعدہ اس پر فرض کہیں گے یعنی ایک قعدہ امام کی نیابت کی وجہ سے اور دوسرا خود اس کا قعدہ اخیرہ **ولو اشار لہ انہ لم یقرأ فی الاولیین فرضنا القراءۃ فی الاربع** اور اگر امام نے اشارہ کیا مسبوق کو کہ میں نے پہلے دوگانہ میں قراءت نہیں پڑھی تو چاروں رکعتوں میں قراءت مسبوق پر فرض ہوگی یعنی دو میں بوجہ نیابت امام کے اور دو میں خود اس کی نماز میں ھم اس مسئلہ کی چیستان پوچھی جاتی ہے کہ کون سا نمازی ہے جس پر چاروں رکعتوں میں قراءت فرض ہے **فلو اتم المسبوق صلوٰۃ الامام قدم مدرکا للسلام** پھر جب مسبوق امام کی نماز تمام کر چکے تو کسی مدرک کو آگے کر دے تاکہ وہ سلام پھیر دے **ثم لو اتی بما ینافیھا کضحک تفسد صلوتہ دون القوم المدرکین لتمام ارکانھا وکذا تفسد صلوٰۃ من حالہ کحالہ للمنافی فی خلالھا** پھر یعنی بعد تمام کرنے امام کی نماز کے اگرچہ مدرک کو خلیفہ کیا ہو یا نہیں اگر مسبوق وہ حرکت کرے جو مخالف نماز ہو مثلاً ہنسنا تو مسبوق کی نماز فاسد ہوگی نہ مدرک مقتدیوں

کی بوجہ پورا ہو جانے ارکان نماز مذکورہ کے اور اسی طرح فاسد ہوگی نماز اس شخص کی جس کا حال مثل حال مسبوق کے ہو بسبب پائے جانے حرکت مخالف
نماز کے درمیان مسبوقوں کی نماز کے **وکذا تفسد صلوٰۃ الامام الاول المحدث ان لم یفرغ فان فرغ بان توضأ ولم یفتہ شیئ لا تفسد فی الاصح**
لما مرانہ کمؤتم اور اسی طرح فاسد ہوگی نماز امام اول بے وضو کی اگر وہ نماز سے فارغ نہ ہوا ہو صحیح تر قول میں بسبب اس بیان کے کہ گذرا کہ امام مذکور
مثل مقتدی کے ہے جبتک خلیفہ فارغ نہ ہوا ہو ورنہ مثل منفرد کے ہے پس اگر امام اول فارغ ہو گیا ہو اس طرح کہ وضو کر کے خلیفہ کا شریک ہو گیا
ہو اور کوئی رکعت فوت نہ ہوئی ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی ھم شامی نے کہا کہ فی الاصح عدم فراغت کی صورت سے متعلق ہے اور اس کا مقابل روایت
ابی حفص کی ہے کہ اس صورت میں بھی امام مذکور کی نماز پوری ہے **وتفسد صلوٰۃ مسبوق عند الامام لقہقہۃ امامہ وحدثہ العمد فی ای قعودہ قدر**
التشہد الا اذا قید رکعۃ بسجدۃ لتاکد انفرادہ اور فاسد ہوتی ہے نماز مسبوق کی امام اعظمؒ کے نزدیک بسبب کھلکھلا کر ہنسنے اور دانستہ حدث
کرنے اس کے امام کے بعد بیٹھنے امام کے بقدر تشہد کے مگر جب کہ مقید کرے مسبوق اپنی رکعت کو سجدہ سے تو اب اس کی نماز فاسد نہ ہوگی بوجہ
مستحکم ہو جانے اس کے انفراد کے ھم یعنی اگر مسبوق متابعت امام کی ترک کر کے اپنی نماز پڑھنے میں مشغول ہوا اور ایک رکعت کا سجدہ کر چکا تو اس
وقت اگر امام بعد تشہد کے کوئی حرکت بے وضو ہونے کی دانستہ کرے گا تو مسبوق کی نماز فاسد نہ ہوگی کیوں کہ مسبوق بسبب ایک رکعت پڑھ لینے کے
منفرد ہو چکا امام کے پیچھے نہیں کہ حرکت امام کی اس کی نماز کے اثنا میں واقع ہو **ولو تکلم امامہ او خرج من مسجدہ لا تفسد اتفاقاً لانہما**
منہیان لا مفسدان ولذا یلزم المدرکین السلام ویقومون فی القہقہۃ بلا سلام اور اگر بعد تشہد کے مسبوق کا امام بول پڑا یا مسجد سے نکل گیا تو
مسبوق کی نماز باتفاق امام اور صاحبین کے فاسد نہ ہوگی اس لیے کہ بولنا اور مسجد سے باہر ہونا تمام کرنے والے ہیں نہ مفسد اور ان کے مفسد نہ
ہونے کی جہت سے مدرکین پر سلام لازم ہے یعنی اگر امام بول پڑے یا مسجد سے تجاوز کر جائے تو مدرک مقتدیوں پر واجب ہے کہ سلام پھیریں اور
قہقہہ اور حدث عمد میں بدون سلام اٹھ کھڑے ہوں کیوں کہ یہ دونوں مفسد ہیں ھم عنایہ میں ہے کہ منہی اس کو کہتے ہیں جس کو شارح نے تحریمہ کا اٹھا
دینے والا اعتبار کیا ہو نماز سے فارغ ہونے کے وقت جیسے سلام پھیرنا اور خروج لبصنعہ ہے اور قہقہہ اور حدث عمد مفسد ہیں کیوں کہ ان سے شرط
نماز کی یعنی طہارت دور ہو جاتی ہے تو نماز امام کی جس جز سے یہ ملیں گے اس کو فاسد کر دیں گے اور اسی قدر مسبوق کی نماز کا جز فاسد ہو جائے
گا اب جو وہ اپنی نماز پڑھے گا تو جز و فاسد پر بنا ہو گی اور فاسد پر بنا فاسد ہوئی ہے لہذا مسبوق کی نماز فاسد ہوئی کذا فی الشامی۔ **بخلاف**
المدرک۔ فانہ کالامام اتفاقا بخلاف مدرک کے کہ وہ مثل امام کے ہے بالاتفاق یعنی امام کے قہقہہ اور حدث عمد سے اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ **ولو لاحقاً ففی فساد صلوتہ**
تصحیحان صحح فی السراج الفساد وفی الظہیریۃ عدمہ وظاہر البحر والنہر تائید الاول اور اگر مقتدی لاحق ہوا اور امام بعد تشہد کے قہقہہ یا حدث عمد کرے تو لاحق کی نماز
کے فاسد ہونے میں دو تصحیحیں ہیں سراج میں فساد کو صحیح کہا ہے اور ظہیریہ میں عدم فساد کو اور ظاہر بحر الرائق اور نہر الفائق کا قول اول یعنی فساد نماز کی تائید
کرتا ہے ھم مضمون بحر الرائق کا اس مسئلہ میں یہ ہے کہ امام کی نماز فاسد نہ ہوگی کیوں کہ اس کے ذمہ کچھ نماز باقی نہیں بخلاف لاحق کے تو اس سے ظاہر یہی
مفہوم ہوتا ہے کہ لاحق کی نماز فاسد ہو **ولو احدث الامام** لا خصوصیۃ لہ فی ہذا المقام **فی رکوعہ او سجودہ توضأ وبنی واعادہما** فی البناء علی سبیل الفرض
مالم یرفع راسہ منہما مریداً للاداء اما اذا رفع راسہ مریداً بہ اداء رکن فلا یبنی بل تفسد ولو لم یرد الاداء ففیہ روایتان کما فی الکافی وفی المجتبی ویتاخر محدوداً ولا
یرفع مستویا فتفسد اور اگر امام بے وضو ہو گیا اپنے رکوع یا سجدہ میں شارح نے کہا کہ اس مقام میں امام کی کچھ خصوصیت نہیں اگر مقتدی یا منفرد ہو اس کا بھی یہی
حکم ہے یعنی وضو کر کے نماز سابق پر بنا کرے اور بنا میں اس رکوع یا سجدہ کو بطور فرض پھر کرے جس میں حدث ہوا بنا کرے جب تک کہ اپنا سر رکوع
اور سجدہ سے بارادہ ادا نہ اٹھایا ہو اور جس صورت میں کہ سر اٹھایا ہو یا ارادہ کر کے کہ سر اٹھانے سے رکن ادا کرے تو اب بنا نہ کرے بلکہ نماز فاسد ہو جائیگی
از سر نو پڑھے اور اگر سر اٹھانے سے ادا کا ارادہ نہیں کیا تو دو روایتیں ہیں چنانچہ کافی میں ہے یعنی ایک کے بموجب بنا کرے اور دوسری روایت کے بموجب نماز

فاسد ہوگی اور مجتبی میں ہے کہ جب رکوع میں بے وضو ہو تو کھڑا اور جھکا ہوا پیچھے ہٹے اور سر اونچا نہ کرے خوب سیدھا ہو کر ورنہ نماز فاسد ہو جائے گی طحاوی نے ابو السعود سے نقل کیا کہ مجتبی کی مراد یہ ہے کہ خاص اس جگہ سر اونچا نہ کرے یعنی اگر وہاں سے ہٹ کر سیدھا ہو جائے گا تو نماز فاسد نہ ہوگی **ولو تذکر المصلی فی رکوعہ او سجودہ انہ ترک سجدۃ صلبیۃ او تلاویۃ فانحط من رکوعہ بلا رفع او رفع من سجودہ فسجدہا عقب التذکر اعادہما** ای الرکوع والسجود ندبا لسقوطہ بالنسیان وسجد للسہو ولو اخرہا الی آخر صلوتہ قضاہا فقط اور اگر یاد کیا نمازی نے اپنے رکوع یا سجدہ میں کہ ایک سجدہ نماز کا یا تلاوت کا چھوڑ دیا اور رکوع سے بدون سر اٹھانے کے جھک پڑا یا سجدہ سے سر اٹھایا اور چھوٹے ہوئے سجدہ کو یاد کرنے کے بعد کر لیا تو مستحب ہے کہ اس رکوع کے سجدہ کو دوبارہ کرے جس میں چھوٹا ہوا سجدہ یاد کیا بسبب ساقط ہونے وجوب اعادہ کے بھولنے کے باعث اور سجدہ سہو کرے اور اگر چھوٹے ہوئے سجدہ کو تاخیر کرے آخر نماز تک تو صرف اسی کو قضا کرے یعنی اس صورت میں اعادہ رکوع اور سجدہ کا نہ واجب ہے نہ مستحب ہاں سجدہ سہو اس صورت میں بھی واجب ہوگا بسبب چھوٹنے ترتیب کے دو سجدوں میں حلبی نے کہا کہ سقوط بالنسیان جواب ہے اعتراض کا اس کی تقریر یہ ہے کہ اعادہ رکوع یا سجدہ کا واجب ہونا چاہیے کیوں کہ ترتیب واجب تھی وہ ترک ہوئی شارح نے جواب دیا کہ بھولنے سے واجب ساقط ہو جاتا ہے اور سجدہ سہو سے اس کا نقصان پورا ہو جاتا ہے اور ضمیر سقوط کی وجوب اعادہ کی طرف ہے جو مذکور نہیں **ولو ام واحدا فقط فاحدث الامام** ای وخرج من المسجد والا فہو علی امامتہ کما مر **تعین المأموم للامامۃ لو صلح لہا** ای لامامۃ الامام **بلا نیۃ** لعدم المزاحم **ولا یصلح کصبی فسدت صلوۃ المقتدی اتفاقا دون الامام علی الاصح** لبقاء الامام اماما لو تم بلا امام ہذا اذا لم یستخلف فان استخلفہ فصلوۃ الامام والمستخلف کلیہما باطلۃ اتفاقا اور اگر ایک شخص صرف ایک مقتدی کا امام ہو پھر امام بے وضو ہو گیا یعنی بے وضو ہو کر مسجد سے باہر ہوا متعین ہوگا مقتدی بدون نیت کے واسطے امامت کے اگر صلاحیت امام کی امامت کی رکھتا ہوگا بسبب نہ پائے جانے مزاحم کے شارح نے کہا کہ مسجد سے خارج ہونے کی قید اس لیے لگائی کہ اگر امام مذکور مسجد سے خارج نہ ہوگا تو اپنی امامت پر قائم رہے گا مقتدی امام نہیں ہو جائے گا اور اگر مقتدی میں صلاحیت امام کی امامت کی نہ ہوگی مثلاً لڑکا مقتدی ہو تو اس مقتدی لڑکے کی نماز فاسد ہوگی بالاتفاق نہ نماز امام کی صحیح تر قول کے بموجب بسبب باقی رہنے امام کے امام اور مقتدی کے بلا امام یہ فاسد ہونا نماز مقتدی کا اور نہ فاسد ہونا امام کی نماز کا اس صورت میں ہے کہ امام نے اس کو خلیفہ نہ کیا ہو اور اگر نابالغ مذکور کو خلیفہ کر دے گا تو امام اور خلیفہ دونوں کی نماز بالاتفاق باطل ہوگی ھم اصح کا قول مقابل یہ ہے کہ بعض کے نزدیک صرف امام کی نماز فاسد ہوگی اور بعض کے نزدیک دونوں کی اور خلیفہ کرتے ہیں یہ قول ہے کہ تشہد اخیر کے پہلے ہو اور اگر بعد قدر تشہد کے قعدہ کے خلیفہ کرے گا تو امام کی نماز فاسد نہ ہوگی بسبب خارج ہونے امام کے اپنے فعل اختیاری سے کذا فی الشامی **ولو ام رجل رجلا فاحدثا وخرجا من المسجد تمت صلوۃ الامام وبنی علی صلوتہ و فسدت صلوۃ المقتدی** لما مر اور اگر ایک شخص دوسرے کا امام ہو اور دونوں بے وضو ہو گئے اور مسجد سے باہر نکل گئے تو امام کی نماز پوری ہے اور اپنی نماز پر بنا کرے اور مقتدی کی نماز فاسد ہوگئی بسبب اس وجہ کے کہ گذری یعنی امام کی امامت قائم ہے اور مقتدی بلا امام رہ گیا کذا فی الطحاوی **واخذہ رعاف یمکث الی انقطاعہ ثم یتوضا ویبنی** لما مر واللہ اعلم نمازی کی نکسیر پھوٹی اس کے بند ہونے تک توقف کرے پھر وضو کر کے بنا کرے اس وجہ کے سبب سے کہ پیشتر ہوئی یعنی توقف کرنا عذر کے لیے مانع بنا نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب ما یفسد الصلوۃ وما یکرہ فیہا

یہ باب ہے ان امور کے بیان میں جو نماز کو فاسد کرتے ہیں اور جو اس کے مانند مکروہ تحریمی یا تنزیہی ہیں عقب العارض الاضطراری بالاختیاری مصنف نے عارض اضطراری کے بعد اختیاری کو ذکر کیا ھم یعنی عوارض دو قسم ہیں ایک بے اختیار جس کا بیان باب سابق میں گزرا دوسرے اختیاری جس کو مصنف اس باب میں

ذکر کرتا ہے یفسد التکلم ہو النطق بحرفین اوبحرف مفہم کع وق امرا ولو استعطف کلبا اوہرة اوساق حمارا الا تفسد لانہ صوت لاہجاء لہ فاسد کرتا ہے نماز کو کلام کرنا کلام بولنا ہے دو حرفوں کا یا ایک حرف مطلب سمجھانے والے کا مثلاً عَ اور قِ امر کے صیغے کہ اول کے معنی ہیں حفاظت کر اور دوسرے کے ہیں بچا تو اس سے یہ نکلا کہ ایک حرف بے معنی کا بولنا کلام میں داخل نہ ہو گا کذا فی الشامی اور اگر کتے یا بلی کو بلانا چاہا یا گدھے کو ہانکا تو نماز فاسد نہ ہو گی اس لیے کہ یہ آوازیں ہیں جن کے ہجے نہیں اور کلام میں حرفوں کا ہونا چاہیے ہر چند یہ آوازیں مفسد نہیں مگر مکروہ ہیں کذا فی الطحطاوی عمدہ وسہوہ قبل قعودہ قدر التشہد سیان کلام کا دانستہ کرنا ۔ اور سہو سے کرنا پہلے بیٹھے نمازی کے مقدار تشہد کی یکساں ہے ہم قبل قعود کے اس لیے قید لگائی کہ بعد قعود کے کلام عمداً ہو یا سہواً مفسد نہیں وسواء کان ناسیا اونائما اوجاہلا اومخطیا اومکرہا ہو المختار اور برابر ہے کہ کلام صادر ہو نسیان سے یعنی بھول گیا کہ نماز پڑھتا ہے یا سوتے میں کلام کیا یا نہ جاننے کی صورت میں یعنی اس کو معلوم نہ تھا کہ کلام مفسد نماز ہے یا چوک کر کلام کیا کہ قصد قرات خواہ ذکر کا تھا اس کی جگہ کلام صادر ہوا یا حالت اکراہ میں کلام کیا اس طرح کہ کسی نے زبردستی اس سے کلام کرایا تو ان سب قسموں کے کلام سے نماز فاسد ہو گی یہی مختار ہے ہم جاننا چاہیے کہ فقہا اور اصولیوں اور اہل لغت کے نزدیک سہو اور نسیان میں کچھ فرق نہیں مگر حکماء یہ فرق بیان کرتے ہیں کہ سہو اس کو کہتے ہیں کہ کوئی چیز قوت مدرکہ سے جاتی رہی لیکن حافظہ میں باقی رہے اور نسیان یہ ہے کہ مدرکہ اور حافظہ دونوں سے جاتی رہے اس کے معلوم کرنے کو پھر سبب جدید کی احتیاج پڑے اور سہو اور خطا میں یہ فرق ہے کہ سہو والا آگاہ کرتے ہی خبردار ہو جاتا ہے اور خطا والا متنبہ نہیں ہوتا اور اگر ہوتا ہے تو مشقت کے بعد شامی نے کہا کہ ہو المختار صرف سونے کی حالت کے کلام کی طرف راجع ہے اس لیے کہ اسی میں اختلاف فقہا مذہب مذکور ہے چنانچہ فخر الاسلام نے عدم فساد کو اختیار کیا ہے اور بقیہ صورتوں میں حنفیوں کا خلاف نہیں بلکہ اور مذہب والوں کا ہے وحدیث رفع عن امتی الخطاء محمول علی رفع الاثم اور یہ حدیث کہ اٹھا لیا گیا میری امت سے چوکنا محمول ہے گناہ کے اٹھا لینے پر ہم حلبی نے کہا کہ یہ حدیث ان الفاظ سے کسی کتاب حدیث میں نہیں پائی گئی بلکہ ابن ماجہ اور ابن حبان اور حاکم نے ان الفاظ سے روایت کی ہے (ان اللہ وضع عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرہوا علیہ) یعنی اللہ تعالیٰ نے اٹھا رکھا میری امت سے چوکنا اور بھولنا اور جس پر وہ زبردستی کیے جائیں غرضیکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام کرنا بھولنے یا چوکنے یا زبردستی سے مفسد نماز نہ ہو اس لیے شارح نے کہا کہ اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ بھول اور چوک اور زبردستی سے اخروی حکم مراد ہے یعنی گناہ کا دور ہونا تو فساد نماز جو دنیوی حکم ہے مراد نہ ہو گا ورنہ تعمیم لازم آوے گی کذا فی فتح القدیر وحدیث ذی الیدین منسوخ بحدیث مسلم ان صلوتنا ہذہ لا یصلح فیہا شیئ من کلام الناس اور حدیث ذی الیدین کی منسوخ ہے مسلم کی اس حدیث سے کہ ہماری اس نماز میں آدمیوں کا کوئی کلام مناسب نہیں ہم ذی الیدین کے دونوں ہاتھ یا ایک لمبا تھا اس جہت سے ذی الیدین کہلائے ان کا نام عمیر اور لقب خرباق اور کنیت ابو محمد ہے ان کی حدیث سے مراد وہ حدیث ہے جو صحیحین میں بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مغرب یا عشاء کی پڑھی اور دو رکعتوں پر سلام پھیر کر اٹھے اور مسجد میں ایک لکڑی پر تکیہ لگا لیا اس کے آخر میں مذکور ہے کہ ذوالیدین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ نماز کم ہوئی یا آپ بھول گئے آپ نے فرمایا کہ نہ بھولا نہ نماز کم ہوئی اس نے عرض کیا کہ کوئی بات تو ہوئی آپ نے حاضرین سے دریافت کیا کہ ذوالیدین جس طرح کہتا ہے ایسا ہی ہوا لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں آپ آگے بڑھے اور جس قدر نماز رہ گئی تھی اس کو پڑھا اور سجدہ سہو کیا تو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام مفسد نماز نہ ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود کلام فرمانے کے پہلی ہی نماز پر بنا کی شارح جواب دیتا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اس حدیث سے جو مسلم نے معاویہ بن الحکم سلمی سے روایت کی ہے کہ اس اثنا میں کہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتا تھا کہ ایک

شخص نے لوگوں میں سے چھینک لی میں نے یرحمک اللہ کہا لوگوں نے مجھ کو گھورنا شروع کیا میں نے کہا کہ تم کو کیا ہوا مجھے کیوں دیکھتے ہو انھوں نے
اپنے ہاتھ رانوں پر مارے میں نے جب جانا کہ مجھ کو چپ کراتے ہیں میں خاموش ہو رہا جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے مجھ کو بلایا پس
فدا ہوں آپ پر میرے والدین میں نے آپ سے بہتر تعلیم کرنے والا نہ پیش تر دیکھا تھا نہ آپ کے بعد بخدا نہ مجھ کو ڈانٹا نہ مارا نہ برا کہا بلکہ یہ ارشاد فرمایا
کہ اس نماز میں کوئی کلام آدمیوں کا مناسب نہیں ہے یہ تو صرف تکبیر اور تسبیح اور قراءت قرآن ہے الحدیث الا السلام ساہیاً للتحلیل ای للخروج
من الصلوٰۃ قبل اتمامہا علی ظن اکمالہا فلا یفسد مگر سلام پھیرنا بھول کر تحلیل کے لیے یعنی نماز سے باہر آنے کو پیش تر اس کے پورا پڑھنے کے بخیال
اس کے کامل ادا کرنے کے کہ یہ سلام مفسد نماز نہیں بخلاف السلام علی انسان للتحیۃ او علی ظن انہا ترویحۃ مثلاً او سلم قائماً فی غیر جنازۃ فانہ یفسد ہا
مطلقاً وان لم یقل علیکم ولو ساہیاً فسلام التحیۃ مفسد مطلقاً وسلام التحلیل ان عمداً بخلاف سلام کے کسی آدمی پر تعظیم کے لیے یا سلام اس خیال سے
کہ نماز تراویح ہے مثلاً یا سلام کیا حالت قیام میں سوائے جنازہ کی نماز کے کہ یہ تینوں سلام مفسد نماز ہیں مطلقاً اگرچہ لفظ علیکم نہ کہا ہو اور اگرچہ بھول کر
سلام کہا ہو پس سلام تحیت کا مفسد ہے مطلقاً خواہ دانستہ ہو یا بھول کر اور سلام نماز سے باہر آنے کا مفسد ہے اگر دانستہ ہو ہم فساد نماز سلام
تحیت سے اس لیے ہے کہ وہ کلام میں داخل ہے اور بگمان تراویح اس لیے مفسد ہے کہ نمازی نے قطع نماز کی نیت کی اور حالت قیام کا سلام اس لیے
مفسد ہے کہ قیام اس کا محل نہیں اور چوں کہ جنازہ میں سلام کھڑے ہونے کی حالت میں ہوتا ہے اس لیے جنازہ میں سلام سہواً کرنا معاف ہے
جیسے سلام تحلیل قعدہ میں سہواً معاف ہے ورد السلام ولو سہواً بلسانہ لا بیدہ بل یکرہ علی المعتمد نعم لو صافح بنیۃ السلام قالوا تفسد لانہ عمل کثیر اور فاسد
کرتا ہے نماز کو جواب دینا سلام کا زبان سے اگرچہ بھول کر ہو نہیں . فاسد کرتا ہاتھ سے جواب دینا بلکہ مکروہ ہے معتمد مذہب پر ہاں اگر مصافحہ کرے
سلام کی نیت سے تو فقہا نے کہا کہ نماز فاسد ہوتی ہے غالباً اس وجہ سے کہ مصافحہ کرنا عمل کثیر ہے وفی النہر عن صدر الدین الغزی انہ قال اور نہر الفائق
میں صدر الدین غزی سے یہ نظم نقل کی ہے جس میں ان لوگوں کو جمع کیا ہے جن پر سلام کرنا مکروہ ہے صدر الدین نے کہا ؎ سلامک مکروہ علی من
ستسمع ٭ ومن بعد ما ابدی یسن ویشرع ٭ سلام کرنا تیرا اے مخاطب مکروہ ہے ان لوگوں پر جن کو تو سنے گا اور بعد اس چیز کے کہ ظاہر کرتا ہوں
میں مسنون اور مشروع ہے یعنی جن کو میں نے اس جا ذکر کیا ہے ان کے سوا اور لوگوں پر سلام کرنا مسنون ہے ؎ مصل وتال ذاکر ومحدث ٭
خطیب ومن یصغی الیہم ویسمع ٭ نماز پڑھنے والا اور تلاوت قرآن کرنے والا اور واعظ یا ذکر الٰہی میں مشغول اور حدیث بیان کرنے والا اور خطبہ
پڑھنے والا اور جو شخص ان پانچوں کی طرف کان لگا دے اور سنے ان سب پر سلام کرنا مکروہ ہے ؎ مکرر فقہ جالس لقضائہ ٭ ومن
بحثوا فی العلم دعہم لینفعوا ٭ تکرار کرنے والا فقہ کا اس کے یاد کرنے یا سمجھنے کے لیے اور قاضی بیٹھنے والا اپنے حکم دینے کے لیے کہ مدعی اور مدعا
علیہ اس پر سلام نہ کریں کیوں کہ سلام تحفہ ملاقات کا ہے اور یہ لوگ ملاقات کو نہیں جاتے کذا فی الشامی اور جو لوگ بحث کریں علم شرعی
میں چھوڑ ان کو تاکہ فائدہ اٹھاویں یعنی ان پر سلام مت کر ؎ مؤذن ایضاً او مقیم مدرس ٭ کذا الاجنبیات الفتیات امنع ٭ اذان دینے والا یا تکبیر
کہنے والا اور علم شرعی کا سکھانے والا اسی طرح اجنبی عورتیں جوان سلام کے حق میں ممنوع تر ہیں ہم اس سے یہ نکلا کہ بوڑھی عورتوں کو سلام
کرنا بدون کراہت جائز ہے ؎ ولعاب شطرنج وشبہ بخلقہم ٭ ومن ہو مع اہل لہ یتمتع ٭ اور شطرنج کھیلنے والا اور جو لوگ ان کی عادت کے مشابہ
ہوں یعنی جو فسق اور معصیت میں ان کے مثل یا بڑھ کر ہوں جیسے جواری اور شراب خوار اور غیبت کرنے والا اور کبوتر اڑانے والا اور گانے والا
وغیرہم اور جو شخص کہ اپنی بی بی کے ساتھ بوس وکنار میں مصروف ہو ؎ ودع کافراً ایضاً ومکشوف عورۃ ٭ ومن ہو فی حال التغوط اشنع ٭ اور چھوڑ کافر
کو بھی یعنی بدون حاجت ابتدا بالسلام مت کر اور چھوڑ کھلے ہوئے شرمگاہ کو اور اس شخص کو جو حالت براز یا بول میں ہو کہ اس پر سلام کرنا

ت کانہ ف جن لوگوں پر سلام کرنا مکروہ ہے ۱۲

اوروں سے زیادہ برا ہے ٭ ودع آکل الا اذا کنت جائعًا ٭ وتعلم منہ انہ لیس یمنع ٭ اور چھوڑ کھانے والے کو مگر جس صورت میں کہ تو بھوکا ہو اور اس کا حال جانتا ہو کہ وہ کھانے سے منع نہ کرے گا تو ان دو قیدوں کے ساتھ اس پر سلام مکروہ نہیں ورنہ مکروہ ہے وقد زدت علیہ التفقہ علی استاذہ کما فی القنیۃ والمغنی ومطیر الحمام والحقتہ فقلت ٭ کذلک استاذ مغن مطیر ٭ فہذا اختتام والزیادۃ تنفع ٭ صاحب نہر کہتا ہے کہ میں نے شمار مذکور پر تین شخص اور زیادہ کیے اوّل شاگرد کا سلام استاذ پر یعنی جب استاذ مشغول پڑھانے میں ہو دوم گانے والا سوم کبوتر اڑانے والا اور میں نے ان کو ایک شعر بڑھا کر تعداد مذکورہ سابقہ میں ملا دیا تو یوں کہا کہ یہی حکم ہے استاد اور مغنی اور کبوتر اڑانے والے کا اور یہ خاتمہ ہے ان لوگوں کا جن پر سلام مکروہ ہے اور یہ میرا زیادہ کرنا مفید ہے اور بعضوں نے ان لوگوں کو بھی بڑھایا ہے بوڑھا آدمی ٹھٹھا کرنے والا اور لغو گو اور جھوٹ بولنے والا اور جو بازار میں قصدًا لوگوں کی برائیوں پر نظر ڈالے اور جو لوگوں کو گالیاں دے اور جو لبیک کہتا ہو کذا فی العالمگیریۃ وصرح فی الضیاء بوجوب الرد فی بعضہا وبعدمہ فی قولہ سلام علیکم بجزم المیم اور ضیاء معنوی میں تصریح کی ہے واجب ہونے جواب سلام کی بعض ان صورتوں میں اور نہ واجب ہونے جواب کے سلام علیکم کہنے میں میم سلام کے جزم کے ساتھ ہم شامی نے ظہیریہ سے نقل کیا کہ لفظ سلام یا اس طرح ہے کہ السلام علیکم یا یوں ہے کہ سلام علیکم ان دونوں کے سوا اور طرح پر کہنا جیسے عوام کہتے ہیں سلام نہ ہوگا اور نہ اس کا جواب واجب ہے شارح نے خزائن الاسرار میں جلال الدین سیوطی کی نظم لکھی ہے جن میں وہ لوگ ضبط کیے ہیں جن پر[ف] جواب سلام واجب نہیں چنانچہ کہا کہ سلام کا جواب دینا ان لوگوں پر واجب نہیں جو نماز میں مصروف ہو جو کھانے میں یا پینے میں یا قراءت یا دعا یا ذکر یا خطبہ یا لبیک کہنے میں یا قضاء حاجت یا تکبیر یا اذان میں مشغول ہو یا سلام کرنے والا لڑکا یا متوالہ یا عورت جوان یا فاسق یا سوتا ہوا یا اونگھنے والا یا جماع کی حالت میں ہو یا حکم کا خواہاں ہو یا حمام میں ہو یا دیوانہ ہو کذا فی الشامی والتنحنح بحرفین بلا عذر اما بہ بان نشأ من طبعہ فلا او بلا غرض صحیح فلو لتحسین صوتہ او لیہتدی امامہ او للاعلام انہ فی الصلوٰۃ فلا فساد علی الصحیح اور فاسد کرتا ہے نماز کو کھنکارنا دو حرفوں سے بدون عذر کے یعنی اح اح کرنا بلا عذر مفسد نماز ہے اور اگر زیادہ حرف نکلیں تو بطریق اولیٰ مفسد ہے اور بدون حروف کے کھنکارنا بلا عذر مفسد نہیں بلکہ مکروہ ہے کذا فی الشامی اور کھنکارنا عذر کے ساتھ اس طرح کہ نمازی کی طبیعت سے خود بخود بدون تکلف پیدا ہو وہ مفسد نہیں یا مفسد نماز ہے کھنکارنا بدون کسی غرض صحیح کے پس اگر اپنی آواز کی درستی کے لیے کھنکارے یا اس لیے کہ امام کو ہدایت ہو جائے کہ غلطی کو چھوڑ کر صواب اختیار کرے یا کھنکارنے سے یہ بتلانا منظور ہو کہ میں نماز میں ہوں تو ان صورتوں میں نہ فساد ہے نہ کراہت مذہب صحیح پر ہم قیاس اس کا مقتضی ہے کہ کھنکارنا مفسد ہو کیوں کہ وہ کلام ہے اور کلام مفسد ہے مگر غرض صحیح میں کھنکارنے کا مفسد نہ ہونا نص کے سبب سے اختیار کیا گیا یعنی سنن ابن ماجہ میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو بار حاضر ہوتا تھا ایک بار دن میں اور ایک بار رات میں تو جس وقت میں آتا اور آپ نماز پڑھتے ہوتے تو میرے لیے کھنکار دیتے اس سے معلوم ہوا کہ غرض صحیح کے باعث کھنکارنا مفسد نہیں کذا فی الشامی والدعاء بما یشبہ کلامنا خلافًا للشافعی اور فاسد کرتا ہے نماز کو دعا مانگنا ان الفاظ سے جو مشابہ ہوں آدمیوں کی گفتگو سے برخلاف امام شافعی کے ہم دعا مشابہ لوگوں کی گفتگو کے وہ ہے جو نہ قرآن میں ہو نہ حدیث میں اور اس کا مانگنا بندوں سے محال نہ ہو جیسے الٰہی مجھ کو نمک دے تیل دے وغیرہ تو اگر ایسی دعا ہو جو قرآن یا حدیث میں ہو یا اس کا طلب کرنا بندوں سے محال ہو تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی کذا فی البحر والانین ہو قولہ آہ بالقصر والتاوہ ہو قولہ آہ بالمد ... والتافیف اف او تف والبکاء بصوت یحصل بہ حروف

ف جن لوگوں پر سلام کا جواب واجب نہیں ۱۲

وجع او مصیبۃ قید للاربعۃ الا المریض لایملک نفسہ عن انین وتاوہ لانہ حینئذ کعطاس وسعال وجشاء وتثاؤب وان حصل حروف للضرورۃ اور فاسد کرتا ہے نماز کو انین یعنی اہ کہنا نمازی کا الف کے قصر سے اور تاوّہ یعنی مد الف سے آہ کرنا اور مفسد نماز ہے تأفیف یعنی اف کرنا یا تف کرنا اور مفسد ہے رونا ایسی آواز سے کہ اس سے حروف پیدا ہوں بسبب درد یا مصیبت کے شارح نے کہا کہ درد یا مصیبت چاروں کی قید ہے یعنی انین یا اہ کرنا اور اف کرنا اور حروف آمیز آواز سے رونا درد یا مصیبت کے باعث مفسد ہے مگر اس مریض کے لیے مفسد نہیں جو اپنے نفس کو آہ کرنے سے نہیں روک سکتا اس لیے کہ اس کا آہ کرنا اس وقت ایسا ہے جیسا چھینکنا اور کھانسنا اور ڈکار لینا اور جمائی لینا اگرچہ حروف پیدا ہوں کہ یہ امور مفسد نہیں ضرورت کی جہت سے ہم اف اسم فعل ہے مبنی ہے یعنی تنگ مت کر اور اس میں بہت سے لغت ہے یعنی ضمہ ہمزہ کے ساتھ ف کی تینوں حرکتیں مخفف اور مشدد اور تنوین سے اور بلا تنوین جائز ہیں نہر الفائق میں کہا کہ رونا آنسوؤں سے بلا آواز یا آواز کے ساتھ جس میں حروف نہ ہوں مفسد نماز نہیں کذا فی الشامی لا لذکر الجنۃ او النار فلو اعجبتہ قراۃ الامام فجعل یبکی ویقول بلی او نعم او آری لاتفسد سراجیۃ لدلالتہ علی الخشوع نہیں مفسد ہے آہ وغیرہ کرنا بسبب ذکر جنت یا دوزخ کے پس اگر اچھی معلوم ہوئی مقتدی کو امام کی قرارت اور رو کر کہنے لگا کیوں نہیں یا ہاں یا البتہ تو نماز فاسد نہ ہوگی کذا فی السراجیۃ بسبب دلالت کرنے ان الفاظ کے خشوع پر جو نماز میں مطلوب ہے ہم یعنی ذکر جنت یا دوزخ سے رونا اور آہ کرنا گویا یوں کہنا ہے کہ الٰہی تجھ سے جنت مانگتا ہوں اور مجھ کو دوزخ سے بچا تو چونکہ اس طرح کی دعا مفسد نہیں اس لیے آہ وغیرہ کرنا بھی مفسد نہ ہوگا خشوع پر دلالت کرنے سے معلوم ہوا کہ اگر صرف خوش لہجہ ہونے کی جہت سے مزہ لے کر رو دے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور درد اور مصیبت کے لیے آہ کرنا اظہار افسوس ہے تو لوگوں کے کلام سے مشابہ ہوا اس لیے مفسد ٹھہرا کذا فی الشامی ولیفسدہا تشمیت عاطس لغیرہ بیرحمک اللہ ولو من العاطس لنفسہ لا اور فاسد کرتا ہے نماز کو جواب دینا نمازی کا چھینکنے والے کو یعنی اپنے سوا دوسرے کو لفظ یرحمک اللہ سے یعنی خدا تجھ پر رحم کرے اور اگر جواب چھینکنے والے نمازی سے ہو خود اپنے نفس کے لیے تو مفسد نہیں ہم شامی نے کہا کہ لغیرہ بدل ہے عاطس سے اس لیے کہ تشمیت عاطس میں اضافت بمعنی لام ہے اور یہ لفظ شارح نے حرف لنفسہ کے مقابلہ کو بڑھا دیا ورنہ بہتر یہ ہے کہ عبارت سے ساقط کیا جائے کیونکہ تشمیت کا فاعل نمازی ہے اور مفعول عاطس پھر لغیرہ کی کیا حاجت ہے اور معنی تشمیت کے دعا رخیر کرنے کے ہیں اور وجہ فساد کی یہ ہے کہ غیر کی طرف خطاب کی جہت سے یہ جملہ لوگوں کے کلام میں داخل ہو گیا اس لیے اگر اپنے نفس کو خطاب کر کے یرحمک اللہ کہے گا تو غیر کو خطاب نہ ہونے کی جہت سے نہ کلام ہوگا نہ مفسد وبعکسہ التامین بعد التشمیت اور اس کا الٹا ہے آمین کہنا بعد جواب چھینک کے یعنی خود اپنے لیے آمین کہے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور غیر کے لیے کہنے سے فاسد نہ ہوگی ہم صورت اس مسئلہ کی ظہیریہ میں یوں ہے کہ مثلاً حامد اور محمود نماز پڑھتے ہیں اور حامد نے چھینک لی تو خالد نے جو خارج نماز تھا کہا یرحمک اللہ یہ سن کر حامد اور محمود دونوں نے کہا آمین تو اس صورت میں نماز حامد کی فاسد ہوگی کہ اس نے خود اپنے حق میں دعا کا جواب دیا اور محمود کی نماز فاسد نہ ہوگی کہ غیر کے لیے آمین کہا کذا فی الطحطاوی وجواب خبر سوء بالاسترجاع علی المذہب لانہ بقصد الجواب صار ککلام الناس اور مفسد نماز ہے جواب خبر بد کا دینا انا للہ وانا الیہ راجعون[سا] پڑھ کر موجب قوی مذہب کے اس لیے کہ یہ جملہ پڑھنا جواب کے ارادہ سے مثل لوگوں کے کلام کے ہو گیا ہم علی المذہب کی قید سے ظہیریہ کے قول کا رد ہوا کہ اس میں عدم فساد کی تصحیح کی ہے اور یہ تصحیح مخالف متون اور شروح کے ہے کذا فی الحلیۃ والبحر وکذا یفسدہا کل ما قصد بہ الجواب کان قیل امع اللہ الٰہ فقال لا اٰلہ الا اللہ او مامالک فقال الخیل والبغال والحمیر او من این جئت فقال وبئر معطلۃ وقصر مشید اور اسی طرح فاسد کرتا ہے نماز کو ہر ایک جملہ جس سے نمازی نے قصد کیا ہو جواب دینے سائل کا اگرچہ وہ جملہ قرآن

[سا] ہم اللہ کے ہیں اور ہم اسی کی طرف پھر جانے والے ہیں ۱۲

کا ہو مثلاً کہا گیا کہ کیا ہے خدا کے ساتھ کوئی معبود تو نمازی نے جواب میں کہا لا الہ الا اللہ یعنی کوئی معبود نہیں سوا خدائے تعالیٰ کے یا کسی نے کہا کہ تیرا مال کیا ہے؟ تو نمازی نے کہا کہ گھوڑے اور خچر اور گدھے یا کسی نے کہا تو کہاں سے آیا؟ تو نمازی نے کہا اور کنویں بیکار اور محل گچ گیری کے تو ان صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی ہم نماز کا فاسد ہونا استرجاع یا ان قرآن کے جملوں سے طرفین کے نزدیک ہے نہ ابو یوسف کے امام ابی یوسف کے نزدیک جو جملہ متضمن ثنا ہو یا قرآن میں کا ہو وہ نیت سے نہیں بدلتا یعنی ثنا یا قرآن ہی رہتا ہے اور طرفین کے نزدیک بدل جاتا ہے یعنی کلام ہو جاتا ہے اور قصد جواب کی قید کا فائدہ شارح آگے بیان کرے گا **والخطاب كقوله لمن اسمه يحيي او موسى يا يحيى خذ الكتاب بقوة او ما ملك بيمينك يا موسى مخاطبا لمن اسمه ذلك اولمن بالباب ومن دخله كان آمنا** یا قصد کیا جائے اس جملے سے خطاب تب بھی مفسد ہوگا جیسے نمازی کا کہنا اس شخص سے جس کا نام یحیٰی ہے یہ آیت (یا یحیٰی خذ الکتاب بقوة) یعنی اے یحیٰی پکڑ کتاب کو زور سے یا جس کا نام موسیٰ ہے اس کو یہ کہنا (وما تلک بیمینک یا موسیٰ) یعنی اور کیا ہے تیرے داہنے ہاتھ میں اے موسیٰ یہ آیتیں کہے مخاطب ہو کر ان سے جن کا نام یہ ہے یعنی یحیٰی یا موسیٰ یا دروازے پر والے شخص سے یہ کہنا کہ جو کوئی اس میں داخل ہوگا وہ بے خوف ہوگا ہم خطاب کی صورت میں سب کے نزدیک نماز فاسد ہوتی ہے امام ابو یوسف بھی خطاب کی صورت میں قرآن کو لوگوں کے کلام میں تصور کرتے ہیں کیوں کہ قرآن اس شخص کے خطاب کے لیے موضوع نہیں جس کے لیے نمازی خطاب کرتا ہے کذا فی الشامی فروع مسائل لغو **شارح کے سمع اسم اللہ تعالیٰ فقال جل جلاله او النبي صلى الله عليه وسلم فصلى عليه او قراءة الامام فقال صدق الله ورسوله تفسد ان قصد جوابه** نمازی نے خدائے تعالیٰ کا نام سن کر کہا جل جلالہ یعنی بڑی ہے بزرگی اس کی یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنا اور آپ پر درود پڑھا یا امام کی قرارت سنی اور کہا سچ کہا اللہ نے اور اس کے رسول نے تو ان کلمات سے نماز فاسد ہوگی اگر متکلم کے جواب کا قصد کیا ہوگا ہم یعنی اگر بقصد تعظیم اور ثنا کے کہے گا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور کہنا اس قدر معتبر ہے کہ اپنے آپ سن لے اور اگر ایسی طرح کہا کہ خود بھی نہ سنا تو نماز فاسد نہ ہوگی کذا فی الشامی والطحطاوی **ولو سمع ذكر الشيطان فلعنه تفسد وقيل لا** اور اگر نمازی نے ذکر شیطان کا سنا اور اس کو لعنت کیا تو نماز فاسد ہوگی اور قول ضعیف یہ ہے کہ فاسد نہ ہوگی **ولو حوقل لدفع الوسوسة ان لامور الدنيا تفسد لا لامور الآخرة** اور اگر نمازی نے لاحول پڑھی وسوسہ کے دور ہونے کے لیے تو اگر امور دنیا کیلیے دفع وسوسہ ہے تو فاسد ہوگی نہ امور آخرت کے لیے **ولو سقط شيء من السطح فبسمل او دعا لاحد او عليه فقال آمين تفسد** اور اگر چھت میں سے کوئی چیز گری سو نمازی نے کہا بسم اللہ یا کسی کے لیے دعا خیر یا دعائے بد ہوئی اور نمازی نے کہا آمین تو نماز فاسد ہوگی **ولا تفسد في الكل عند الثاني والصحيح قولهما عملا بقصد المتكلم** اور نہیں فاسد ہوتی ہے نماز کل صورتوں میں امام ابو یوسف کے نزدیک اور صحیح قول طرفین کا ہے بسبب عمل کرنے کے متکلم کے قصد پر ہم چوں کہ الفاظ گذشتہ یا قرآن ہیں یا ثنا اور یہ دونوں بجز خطاب کی صورت میں امام ابو یوسف کے نزدیک قصد متکلم سے متغیر نہیں ہوتے اس لیے نماز فاسد نہیں ہوتی لیکن شیطان کو لعنت کرنے میں اگر ان الفاظ کو ذکر کیا جو قرآن میں ہیں تب تو شارح کا قول بجا ہے اور اگر دوسرے الفاظ سے لعنت کیا تو وہ جملہ نہ ثنا ہوگا نہ قرآن تو ظاہر امام ابو یوسف کے نزدیک بھی فاسد ہوگی مگر کوئی محشی اس کے درپے نہیں ہوا **حتى لو امتثل امر غيره فقيل له تقدم فتقدم او دخل فرجة الصف احد فوسع له فسدت بل يمكث ساعة ثم يتقدم برايه قهستاني معزيا للزاهدي ومر في باب الامامة** یہاں تک کہ اگر نمازی اپنے غیر کا امر ملنے گا مثلاً اس سے کسی نے کہا کہ آگے بڑھ اور وہ آگے بڑھ گیا یا جماعت کے فرجہ میں کوئی گھسا اور نمازی نے اس کو جگہ دی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی بلکہ ایک ساعت توقف کرے پھر اپنی تجویز سے آگے بڑھے کذا فی القہستانی منسوب بزاہدی اور یہ مسئلہ باب امامت میں گذر گیا اور آگے آوے گا تو خبردار رہنا **وقيد بقصد الجواب لانه لو لم يرد جوابه بل اراد اعلامه بانه في الصلوة لا تفسد اتفاقا ابن ملك وملتقى** اور ماتن نے فساد نماز میں ان جملوں سے قید جواب کے قصد کی لگائی اس لیے کہ اگر نمازی جواب متکلم کا ارادہ نہ کرے گا بلکہ یہ جتانا چاہے گا کہ میں نماز کے اندر ہوں تو نماز

بالاتفاق فاسد نہ ہوگی بیان کیا ہے اس کو ابن ملک نے اور مصرح ہے ملتقی میں وفتحہ علی غیر امامہ الا اذا اراد التلاوۃ اور مفسد نماز ہے نمازی کا لقمہ دینا
اپنے امام کے سوا دوسرے شخص کو یعنی قرأت میں رکنے والے کو بتانا مگر جس صورت میں کہ ارادہ کرے تلاوت کا نہ تعلیم کا تو مفسد نہ ہوگا ھم یہ صورت شامل
ہے مقتدی کے ایک دوسرے کے بتانے کو یا یہ کہ مقتدی منفرد کو بتا دے یا بالعکس یا یہ کہ نمازی اس شخص کو بتا دے جو نماز نہیں پڑھتا ہے تو بہرصورت
بتانے والے کی نماز فاسد ہوگی کیوں کہ بتانا تعلیم ہے بدون حاجت کے جو نماز کے منافی ہے وکذا الاخذ الا اذا تذکر فتلا قبل تمام الفتح اور اسی طرح مفسد نماز ہے
لقمہ کا لینا نمازی کا مگر جب کہ نمازی خود یاد کر کے پڑھے پہلے پورا ہونے لقمہ دینے کے تو مفسد نماز نہ ہوگا یعنی اگر نمازی کو دوسرا شخص بتا دے تو اگر وہ اس کا
بتایا ہوا پڑھے گا تو نماز فاسد ہوگی اور اگر ہنوز بتانے والا بتا نہ چکا تھا کہ خود یاد آگیا اور پڑھا تو فاسد نہ ہوگی بخلاف فتحہ علی امامہ فانہ لا یفسد مطلقا لفاتح واخذ
بکل حال الا اذا اسمعہ المؤتم من غیر مصل ففتح بہ تفسد صلوٰۃ الکل بخلاف لقمہ دینے نمازی کے اپنے امام کو کہ وہ مفسد نماز نہیں مطلقا یعنی نہ لقمہ دینے والے کی نماز کا
مفسد ہے نہ لینے والے کی نماز کا ہر حال میں یعنی برابر ہے کہ امام اس قدر پڑھ چکا ہو جس سے نماز درست ہو جاتی ہے یا نہ پڑھ چکا ہو ایک آیت سے دوسری کی
طرف چلا گیا ہو یا نہیں لقمہ دینا پہلے ہی بار ہو یا دوسری تیسری بار کسی طرح مفسد نماز نہیں ہاں اگر مقتدی نے کسی نماز نہ پڑھنے والے سے لقمہ کو سن کر اپنے امام
کو بتایا اور امام نے لے لیا تو سب کی نماز فاسد ہوگی ھم اس لیے کہ جب مقتدی نے خارج آدمی کا بتایا ہوا لیا تو اس کی نماز فاسد ہوگئی اب اگر امام کو بتا دیگا
اور وہ لے گا تو امام کی نماز فاسد ہوگی اور اس کے فساد کی جہت سے سب کی نماز باطل ہوگی کذا فی الشامی حلبی نے کہا کہ غیر مصل سے یہ مراد ہے کہ مقتدی
جس نماز کو پڑھتا ہے اس میں اس کا شریک نہ ہو خواہ دوسری پڑھتا ہو یا بالکل کوئی نہ پڑھتا ہو وینوی الفتح لا القراءۃ اور لقمہ دینے والا مقتدی نیت
بتانے کی کرے نہ قرأت کی کیوں کہ قرأت پیچھے امام کے مکروہ ہے نہ لقمہ دینا مقتدی کے حق میں) فوراً لقمہ دینا مکروہ ہے بلکہ توقف کرے تاکہ امام دوبارہ
پڑھ کر خود نکال لے اسی طرح امام کے حق میں مکروہ ہے کہ قرأت میں نماز کی اور لیجے کہ مقتدی کو بتانا ہی پڑے بلکہ اس کو چاہیے کہ متشابہ کو چھوڑ کر دوسری
آیت پڑھنے لگے جس کے ملانے سے معنی نہ بگڑتے ہوں یا دوسری سورۃ شروع کر دے یا اگر قرأت بقدر واجب پڑھ چکا ہو تو رکوع کر دے کذا فی الشامی
ولو جری علی لسانہ نعم او آری ان کان یعتادہا فی کلامہ تفسد لانہ من کلامہ والا لا لانہ قرآن اور اگر نمازی کی زبان سے نعم یا آری نکل گیا تو اگر اس کلمہ کا
عادی ہو اپنی گفتگو میں یعنی اس کا تکیہ کلام ہو تو نماز فاسد ہوگی اس لیے کہ یہ الفاظ منجملہ اس کے کلام کے متصور ہوں گے اور اگر تکیہ کلام نہیں تو نماز فاسد نہ
ہوگی کیوں کہ لفظ قرآن ہے شامی نے کہا کہ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن نظم الفاظ و معانی دونوں کا نام ہے ان کے قول کے بموجب آری قرآن
نہیں ہو سکتا واکلہ وشربہ مطلقا ولو سمسمۃ ناسیا الا اذا کان بین اسنانہ ماکول دون الحمصۃ کما فی الصوم ہو الصحیح قالہ الباقانی فابتلعہ اور مفسد نماز
ہے کھانا نمازی کا اور پینا اس کا مطلقا یعنی تھوڑا یا بہت دانستہ ہو یا بھول کر اگرچہ ایک تل ہی کھائے بھول کر یا ایک قطرہ پانی کا بھول کر پی جائے
تب بھی مفسد نماز ہے مگر اس صورت میں کہ نمازی کے دانتوں کے درمیان کوئی کھانے کی چیز ہو اور اس کو نگل جاوے تو نماز فاسد نہ ہوگی شارح
نے کہا کہ دانتوں کے اندر چیز چنے سے کم ہو جیسا کہ روزہ میں ہے کہ اگر اس قدر دانتوں کے درمیان سے نگل جائے گا تو روزہ نہ جائے گا یہی قول صحیح
ہے کہا ہے اس کو باقانی نے شرح ملتقی میں اما المضغ فمفسد کسکر فی فیہ یبتلع ذوبہ اور چابنا تو مفسد ہے جیسے شکر نمازی کے منہ میں کہ پگھل ہوئی کو نگلتا
ہو ھم شامی نے کہا کہ چابنے سے مراد یہ ہے کہ زیادہ چابے یعنی تین بار یا اکثر اور اس عبارت سے شارح نے یہ فائدہ ظاہر کیا کہ مفسد نماز یا تو چابنا ہے
یا خود ماکول کا پیٹ میں پہنچنا یعنی صرف مزہ کسی چیز کا مفسد نماز نہیں مثلاً اگر کسی نے شکر کی ڈلی نگل کر نماز کی نیت کی اور اس کی مٹھائی منہ میں باقی ہے تو اس
کے نگلنے سے نماز فاسد نہ ہوگی ویفسدہا انتقالہ من صلوٰۃ الی مغایرتہا ولو من وجہ حتی لو کان منفردا فکبر ینوی الاقتداء او عکسہ صار مستانفا بخلاف نیۃ الظہر
بعد رکعۃ الظہر الا اذا تلفظ بالنیۃ فیصیر مستانفا مطلقا اور فاسد کرتا ہے نماز کو جانا نمازی کا ایک نماز سے اس کی غیر میں اگرچہ غیر ہونا کسی اعتبار سے ہو

یہاں تک کہ اگر اکیلا نماز پڑھتا ہو پھر اللہ اکبر کہہ کر نیت اقتدا کرے یا اس کا عکس ہو یعنی مقتدی ہو اور تکبیر سے نیت تنہا پڑھنے کی کر لے تو از سر نو پڑھنے والا ہو جائے گا یعنی جس نماز کو اول شروع کیا تھا وہ فاسد ہو جائے گی مثلاً فجر کی نماز پڑھتا تھا ایک رکعت کے بعد جو اللہ اکبر کہا اس سے نیت عصر کی کر لی تو فجر کی نماز فاسد ہو جائے گی بخلاف نیت ظہر کے بعد ایک یا دو رکعت ظہر کے یعنی اگر ایک ہی نماز کی نیت دوبارہ کی تو پہلی نماز فاسد نہ ہوگی مثلاً ظہر کی نماز پڑھتا تھا ایک رکعت کے بعد پھر اسی ظہر کی نیت کی تو اول رکعت باطل نہ ہوگی مگر اس صورت میں کہ نیت کے الفاظ منہ سے کہے تو اس صورت میں از سر نو پڑھنے والا ہو جائے گا مطلقاً یعنی خواہ غیر نماز کی نیت کرے خواہ اسی کی کرے تلفظ نیت سے پہلی نماز فاسد ہوگی کیوں کہ نیت کا تلفظ کلام ہے اور کلام نماز کا مفسد ہے کذا فی الشامی وقراءتہ من مصحف ای ما فیہ قرآن مطلقاً لانہ تعلم اور مفسد نماز ہے نمازی کا پڑھنا مصحف کو دیکھ کر یعنی جس میں قرآن لکھا ہو خواہ مصحف ہو یا محراب ہو اس میں سے دیکھ کر پڑھنا مفسد ہے مطلقاً خواہ تھوڑا پڑھے یا بہت امام ہو یا منفرد بدون دیکھے اس کو پڑھنا ممکن ہو یا نہیں ہر صورت میں مفسد ہے اس لیے کہ یہ پڑھنا تعلم ہے امام اعظم کے نزدیک دیکھ کر پڑھنے میں وجہ فساد کی دو طرح سے ذکر کی گئی اول جو ضعیف ہے وہ یہ ہے کہ اس میں قرآن کا اٹھانا اور اس کو دیکھنا اور ورق لوٹنا پڑتا ہے یہ عمل کثیر ہے اور دوسری وجہ جو کافی نے بہ تبعیت سرخسی تصحیح کی ہے یہ ہے کہ اس طرح پڑھنا تعلم ہے یعنی گویا قرآن سکھاتا جاتا ہے اور نمازی سیکھتا ہے اور تعلم و تعلیم نماز کی مفسد ہے کذا فی الشامی الا اذا کان حافظاً لما قرأہ وقرأ بلا حمل ہاں اگر حافظ ہو اس کا جس کو دیکھ کر پڑھا اور بدون قرآن اٹھانے کے پڑھا تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی کیوں کہ دونوں وجہیں فساد کی اس صورت میں مفقود ہیں وقیل لا تفسد الا بآیۃ استظہرہ الحلبی اور ایک قول یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی مگر ایک آیت سے اور ظاہر کہا ہے اس کو حلبی نے یعنی اس وجہ سے کہ ایک آیت سے امام کے نزدیک نماز جائز ہوتی ہے وجوزہ الشافعی بلا کراہۃ وہما بہا للتشبہ باہل الکتاب ای ان قصدہ فان التشبہ بہم لا یکرہ فی کل شیء بل فی المذموم وفیما یقصد بہ التشبہ کما فی البحر اور جائز رکھا ہے دیکھ کر پڑھنا امام شافعیؒ نے بدون کراہت کے اور صاحبین نے اس کو جائز رکھا ہے کراہت کے ساتھ بسبب مشابہت اہل کتاب کے کہ وہ بھی نماز میں توریت و انجیل دیکھ کر پڑھتے ہیں یعنی اگر نمازی قصد تشبہ کا کرے گا تو کراہت ہوگی کیوں کہ مشابہ ہونا اہل کتاب سے ہر چیز میں مکروہ نہیں مثلاً کھانا پینا اور دوسری ضروریات بدنی مسلمانوں اور اہل کتاب میں یکساں ہیں تو مشابہت سے کچھ حرج نہیں بلکہ بری بات میں مشابہت مکروہ ہے اور اس چیز میں مکروہ ہے جس سے قصد مشابہ ہونے کا کیا جائے چنانچہ بحرالرائق میں ہے ویفسدہا کل عمل کثیر لیس من اعمالہا ولا لاصلاحہا اور فاسد کرتا ہے نماز کو ہر عمل کثیر جو نماز کے اعمال میں سے نہ ہو اور نہ نماز کی اصلاح کے لیے ہو جو نماز کے اعمال میں سے نہ ہو یعنی اگر مثلاً رکوع یا سجدہ زیادہ کر لیا تو یہ مفسد نہ ہوگا اگرچہ عمل کثیر ہے مگر نماز کے اعمال میں سے ہے اسی طرح اصلاح کے لیے عمل کثیر مفسد نہیں جیسے بے وضو ہو جانے سے وضو کو جانا کذا فی الشامی وفیہ اقوال خمسۃ اصحہا مالا یشک بسببہ الناظر من بعید فاعلہ انہ لیس فیہا اور عمل کثیر کی تعریف میں پانچ قول ہیں ان میں سے صحیح تر یہ ہے کہ عمل کثیر وہ ہے کہ جس کے سبب سے دور کا دیکھنے والا اس کے کرنے والے کو اس بات میں تردد نہ کرے کہ وہ نماز کے اندر نہیں ہم دور سے دیکھنے والے سے یہ مراد ہے کہ جس کے سامنے نماز شروع نہ کی ہو حاصل یہ ہے کہ عمل کثیر وہ ہے کہ اس کا کرنے والا دیکھنے والے کی نظر میں بظن غالب معلوم ہو کہ نماز نہیں پڑھتا یہ ایک قول ہوا اور دوسرا قول یہ ہے کہ جو کام عادت میں دو ہاتھوں سے کیا جاتا ہو وہ کثیر ہے اگرچہ نمازی اس کو ایک ہاتھ سے کرے جیسے پگڑی یا پاجامہ کا باندھنا اور جو ایک ہاتھ سے کیا جاتا ہو وہ قلیل ہے اگرچہ نمازی دو ہاتھوں سے کرے جیسے ٹوپی کا پہننا یا اتارنا تیسرا قول یہ کہ تین حرکتیں متصل بہم کثیر ہیں ورنہ قلیل چوتھا قول یہ ہے کہ عمل کثیر وہ ہے کہ کرنے والے کا مقصود ہو یعنی جس کے لیے جداگانہ مجلس کرتا ہو پانچواں قول یہ ہے کہ عمل کثیر وہ ہے جس کو نمازی خود بہت سمجھے کذا فی الشامی متغیراً وان تشک انہ فیہا ام لا فقلیل لکنہ یشکل بمسئلۃ المس او التقبیل فتامل

اور اگر دیکھنے والا تردد کرے کہ کام کرنے والا نماز میں ہے یا نہیں تو وہ عمل قلیل ہے لیکن مشکل پڑتی ہے مسئلہ چھونے اور بوسہ لینے سے سو اس کو سوچ لے م صورت مس اور تقبیل کی یہ ہے کہ ایک عورت نماز پڑھتی ہے اس کے شوہر نے اس کو شہوت سے چھو دیا خواہ بدون شہوت کے اس کا بوسہ لیا تو نماز عورت کی فاسد ہو جاتی ہے حالانکہ عورت سے اس صورت میں کوئی فعل سرزد نہیں ہوا چنانچہ یہ مسئلہ مع اس کے جواب کے شارح فروع میں ذکر کرے گا فلا تفسد برفع یدیہ فی تکبیرات الزوائد علی المذہب و ماروی من الفساد فشاذ پس نہیں فاسد ہوتی ہے نماز نمازی کے اٹھانے سے دونوں ہاتھوں کو رکوع کرنے کے وقت اور اس سے سر اٹھانے کے وقت مذہب قوی کے بموجب اور جو فساد کہ روایت کیا گیا ہے وہ مخالف ہے روایت اور درایت کے م طحطاوی نے کہا کہ تکبیرات زوائد سے مراد رکوع کرنے کا اور اس سے سر اٹھانے کا وقت ہے اور ان کو تکبیرات زوائد کہنا خلاف اصطلاح فقہاء ہے اس لیے کہ فقہا کی اصطلاح میں تکبیرات عیدین کو زوائد کہتے ہیں اور روایت فساد وہ ہے جو مکحول نے امام اعظمؒ سے کی ہے کہ رکوع کے وقت اور اس سے سر اٹھانے کے وقت ہاتھوں کا اٹھانا مفسد ہے اور وجہ اس کے شاذ ہونے کی یہ ہے کہ عمل کثیر اصح قول کے بموجب وہ ہے جو دیکھنے والے کی نظر میں معلوم ہو کہ اس کا کرنے والا نماز میں نہیں نہ وہ کہ دونوں سے کیا جائے کذا فی الشامی ولیفسد ہا سجودہ علی نجس دان اعادہ علی طاہر بخلاف یدیہ ورکبتیہ علی الظاہر اور فاسد کرتا ہے نماز کو سجدہ کرنا نمازی کا ناپاک چیز پر اگرچہ اس کو پاک چیز پر دہرا لیا ہو بخلاف دونوں ہاتھوں اور گھٹنوں کے کہ اگر ان کو نجس پر رکھا ہوگا تو نماز فاسد نہ ہوگی ظاہر روایت پر م فساد نماز سجدہ کی صورت میں قول طرفین کا ہے اور ابویوسف کے نزدیک صرف سجدہ فاسد ہوتا ہے نہ نماز اس لیے اگر طاہر چیز پر مکرر سجدہ کرے گا تو ابویوسف کے نزدیک نماز صحیح ہو جائے گی اور طرفین کے نزدیک جب بھی صحیح نہیں کیوں کہ ان کے نزدیک نماز قابل قسمت نہیں جب اس کا ایک جز فاسد ہوا کل فاسد ہو گئی اور ہاتھوں اور گھٹنوں کے مسئلہ میں عدم فساد اس جہت سے ہے کہ ان کا زمین پر رکھنا نماز میں شرط نہیں کذا فی الشامی ولیفسد ہا اداء رکن حقیقۃ اتفاقا او تمکنہ منہ بسنتہ وہو قدر ثلث تسبیحات مع کشف عورۃ او نجاسۃ مانعۃ او وقوع زحمۃ فی صف نساء او امام امام عند الثانی وہو المختار فی الکل لانہ احوط قالہ الحلبی اور فاسد کرتا ہے نماز کو حقیقت میں ادا کرنا ایک رکن کا بالاتفاق امام ابویوسف کے اور محمدؒ کے یا قادر ہونا نمازی کا ادائے رکن پر موافق سنت کے یعنی بقدر تین دفعہ سبحان اللہ کہنے کے توقف کرنا فاسد کرتا ہے امام ابویوسف کے نزدیک برہنگی کے کھلے رہنے کے ساتھ یا نجاست نماز کی مانع کے لگ جانے کی صورت میں یا بھیڑ کے باعث عورتوں کی صف میں جا پڑنے یا امام سے آگے ہو جانے کی صورت میں اور یہی قول مختار ہے ان مسئلوں میں کیوں کہ زیادہ احتیاط والا ہے بیان کیا ہے اس کو حلبی نے م حاصل یہ کہ اگر نمازی کی برہنگی بقدر ربع عضو کہ مانع نماز ہے کھل گئی پس اگر حقیقت میں اس نے کوئی رکن ادا کر لیا تب تو ابویوسف کے اور امام محمد دونوں کے نزدیک نماز فاسد ہوگی اور اگر واقع میں ادا نہیں کیا مگر اتنا عرصہ لگا کہ ادا کر سکتا تھا یعنی تین بار سبحان اللہ کہنے کے موافق دیر لگی تو ابویوسف کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اس سے معلوم ہوا کہ اگر اس قدر سے کم و بیش تک برہنگی کھلے گی تو نماز کسی کے نزدیک فاسد نہ ہوگی اور یہی حال ہے اگر نجاست بدن پر لگ گئی یا اتفاقاً نجاست پر کھڑا ہو گیا یا عورتوں کی صف میں کسی طرح سے جا پڑا یا امام سے آگے نکل گیا تو اگر ان صورتوں میں کوئی رکن ادا کرے گا تو بالاتفاق نماز فاسد ہوگی اور اگر اتنا ٹھہرا کہ رکن ادا کر سکتا تھا تو ابویوسف کے نزدیک فاسد ہوگی طحطاوی نے کہا کہ زحمت کی قید اتفاقی ہے وصلوتہ علی مصلی مضرب نجس البطانۃ بخلاف غیر مضرب ومبسوط علی نجس ان لم یظہر لون اوریح اور فاسد کرتا ہے نماز کو نماز پڑھنا نمازی کا سی ہوئی جانماز پر جس کا استر ناپاک ہے بخلاف بدون سی ہوئی کے اور بخلاف بچھی ہوئی کے ناپاک پر اگر رنگ یا بو نجاست کا ظاہر نہ ہو کہ اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی م یعنی اگر ناپاک زمین یا فرش وغیرہ پر کوئی پاک کپڑا بچھایا تو اگر کپڑا ایسا باریک ہے کہ اس میں سے رنگ یا بو نجاست کی معلوم ہوتی ہے تو نماز درست نہ ہوگی اور اگر گاڑھا ہے تو درست ہوگی شامی نے کہا کہ باریک کپڑا اس جگہ حائل شمار نہ ہوگا جہاں

نجاست سجدہ یا قدم کی جگہ ہوگی کیوں کہ اس صورت میں سجدہ یا قیام نجاست پر ہوگا ورنہ مطلق لوکا آنا مفسد نماز نہیں نجاست قریب ہو یا بعید وتحویل
صدرہ عن القبلۃ اتفاقا لبغیر عذر اور فاسد کرتا ہے نماز کو پھیر لینا نمازی کا اپنے سینہ کو قبلہ کی جانب سے بالاتفاق بدون عذر کے ہم شامی نے
کہا کہ منہ کا پھیرنا مکروہ ہے نہ مفسد خواہ سارا منہ پھیرے یا تھوڑا فلوظن حدثہ فاستدبر القبلۃ ثم علم عدمہ ان قبل خروج من المسجد لا تفسد وبعدہ فسدت
پس اگر نمازی نے اپنا بے وضو ہونا گمان کیا اور قبلہ سے پشت پھیری بسبب عذر مذکور کے پھر جانا کہ حدث نہیں ہے تو اگر یہ علم مسجد سے نکلنے
کے پیشتر ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی اور بعد نکلنے کے ہوگا تو فاسد ہوگی بسبب مختلف ہوجانے مکان نماز کے فروع مسائل ملحقہ شارح کے مشی مستقبل القبلۃ
ہل تفسد ان قدر صف ثم وقف قدر رکن ثم مشی ووقف کذلک وہکذا لا تفسد وان کثر مالم یختلف المکان وقیل لا تفسد حالۃ العذر مالم یستدبر القبلۃ استحسانا ذکرہ الحلبی
نمازی چلا قبلہ کو منہ کیے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں جواب اگر بقدر ایک صف کے چلا پھر ٹھہرا بقدر ایک رکن کے پھر چلا اور ٹھہرا اسی طرح یعنی ایک صف
اور ایک رکن کی مقدار اور اسی طرح چلا گیا تو فاسد نہ ہوگی اگرچہ بہت دفعہ چلا اور ٹھہرا ہو جب تک کہ مکان مختلف نہ ہوگا یعنی اگر مسجد میں ہے تو جب
تک مسجد سے باہر نہ ہوا ہوگا اور جنگل میں ہے تو جب تک صفوں سے باہر نہ ہوا ہوگا فاسد نہ ہوگی ورنہ فاسد ہوجائے گی جیسے ایک ہی دفعہ میں دو
صفوں کی مقدار چلنے سے فاسد ہوتی ہے کذا فی الشامی اور بعض فقہا نے کہا کہ حالت عذر میں چلنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی اگرچہ بہت چلے اور جگہ
مختلف ہوجائے جب تک کہ قبلہ کی طرف پشت نہ کرے بوجہ استحسان کے ذکر کیا ہے اس کو قہستانی نے طحطاوی نے کہا کہ قہستانی میں حالت
غزوہ یعنی جہاد ہے نہ حالت عذر وہل یشترط فی المفسد الاختیار فی الخبازیۃ نعم وقال الحلبی لا اور کیا شرط ہے عمل مفسد میں نمازی کا قابو ہونا خبازیہ
میں ہے کہ ہاں شرط ہے اور حلبی نے کہا کہ عمل مذکور میں اختیار کا ہونا شرط نہیں ہم طحطاوی نے کہا کہ ظاہر انہ مشروط ہونا معتمد ہے اس لیے کہ
شارح اسی پر اگلا قول متفرع کرتا ہے فان من دفع او جذبتہ الدابۃ خطوات او وضع علیہا او اخرج من مکان الصلوٰۃ او مص ثدیہا ثلاثا او مرۃ ونزل
لبنہا او مسہا بشہوۃ او قبلہا بدونہا فسدت کیوں کہ جس نمازی کو دھکا لگا یا اس کو سواری کے جانور نے کھینچا اور اس دھکے یا گھسیٹنے سے دو
چند قدم چلا یا اپنی جگہ سے اٹھا کر سواری پر رکھ دیا گیا یا نماز کی جگہ سے ہٹا دیا گیا یا نمازی عورت کی پستان تین بار چوسی گئی یا ایک بار چوسی گئی
اور اس کا دودھ اترا یا مرد نے نمازی عورت کو شہوت سے چھوا یا بدون شہوت کے اس کا بوسہ لیا تو سب صورتوں میں نماز فاسد ہوگی حالانکہ
عمل اختیاری کسی میں نہیں پایا جاتا شامی نے کہا کہ شارح کو مناسب تھا کہ مستہا اور قبلہا کی جگہ مست اور قبلت بصیغہ مجہول کہتا جیسے اس سے
اوپر کے افعال ہیں لا لو قبلتہ ولم یشتہہا والفرق ان فی تقبیلہ معنی الجماع نہیں فاسد ہوگی نماز مرد کی اگر عورت نے اس کا بوسہ لیا اور مرد کو اس کی خواہش
نہ تھی اور فرق دونوں مسئلوں میں یہ ہے کہ مرد کے بوسہ لینے میں جماع کے معنی ہیں ہم یعنی اگر عورت نماز پڑھتی تھی اور شوہر نے بوسہ لیا تو عورت کی نماز اس
لیے فاسد ہوگی کہ فاعل جماع کا مرد ہوتا ہے تو جب دواعی جماع میں سے کوئی عورت کے ساتھ کرے گا تو اس کی نماز فاسد ہوگی اور اگر مرد نماز پڑھتا
ہے اور عورت نے بوسہ لیا تو عورت فاعل جماع کی نہیں اس لیے اس کی طرف سے دواعی کا پایا جانا داخل جماع نہیں جب تک کہ مرد کو شہوت نہ ہو
کذا فی الشامی معہ حجر فرمی بہ طائرا لم تفسد ولو انسانا تفسد کضرب ولو مرۃ لانہ مخاصمۃ او تادیب او ملاعبۃ وہو عمل کثیر ذکرہ الحلبی نمازی کے پاس ایک پتھر ہے
اس نے اس کو ایک پرندہ پر پھینکا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر کسی انسان پر پھینکا تو فاسد ہوگی جیسے کسی کو مارنا اگرچہ ایک دفعہ ہی مارے اس لیے
کہ مارنا یا پتھر پھینکنا انسان پر یا باہم خصومت ہے یا ادب دینا یا چہل کرنا بہر حال عمل کثیر ہے ذکر کیا ہے اس کو حلبی یعنی شارح منیہ نے ہم
طحطاوی نے کہا کہ منیہ میں ہے کہ اگر پتھر زمین سے اٹھا کر پھینکا تو نماز فاسد ہوگی اور اگر اپنے پاس سے پھینکا تو فاسد نہ ہوگی تو اس سے ظاہر پرند
و انسان میں فرق نہیں معلوم ہوتا اور اگر پاس سے پھینکنے کو عمل کثیر قرار دیجیے تو پرند پر پھینکنے سے بھی نماز فاسد ہوجائیگی بقی من المفسدات ارتداد بقلبہ باقی ہے

مفسدات نماز سے استیاء آئندہ اول مرتد ہونا نمازی کا اپنے دل میں یعنی نیت یا اعتقاد کفر کرنے سے نماز جاتی ہے وموت دوسرا مفسد نماز کا مرجانا ہے نمازی کا شامی نے کہا کہ اس کا ثمرہ اس مسئلہ میں معلوم ہوتا ہے کہ اگر بعد قعدہ اخیرہ کے امام مرگیا تو نماز مقتدیوں کی باطل ہوگئی نئے سر سے ان کو پڑھنی چاہیے وجنون واغماء اور مفسد نماز ہے جنون اور بے ہوشی اور ان کا حکم مفصل صلوۃ مریض کے آخر میں آوے گا وکل موجب لوضوء او غسل اور مفسد نماز ہے ہر فعل موجب وضو کا یا غسل کا ام شامی نے کہا کہ شارح نے بہ تبعیت صاحب نہر الفائق موجب وضو کو مفسد لکھ دیا حالاں کہ ہر موجب وضو مفسد نماز نہیں چناں چہ استخلاف اور بنا کے بیان میں مذکور ہو چکا کہ حدث اتفاقی سے نماز فاسد نہیں ہوتی تو بہتر تھا کہ شارح یوں کہتا کہ ہر حدث عمد مفسد ہوتا ہے وترک رکن بلا قضاء اور مفسد نماز ہے چھوڑنا کسی رکن کا بدون ادا کے مثلاً ایک سجدہ چھوڑ دیا اور سلام پھیرنے تک اس کو ادا نہ کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی او شرط بلا عذر ویا مفسد نماز ہے چھوڑنا کسی شرط کا بدون عذر کے مثلاً وضو یا ستر عورت یا استقبال قبلہ بلا عذر نہ کیا تو فاسد ہوگی اور عذر کے ساتھ ان باتوں کا نہ کرنا مفسد نہیں ومسابقۃ المؤتم برکن لم یشارکہ فیہ امامہ کان رکع ورفع راسہ قبل امامہ ولم یعدہ معہ او بعدہ وسلم مع الامام اور مفسد نماز ہے پہلے کر لینا مقتدی کا کسی رکن کو جس میں اس کا امام اس کا شریک نہ ہوا ہو مثلاً مقتدی نے رکوع امام سے پیشتر کیا اور امام کے رکوع سے پیشتر اپنا سر اٹھا لیا اور پھر اس رکوع کو امام کے ساتھ یا اس کے بعد دوبارہ نہ کیا اور امام کے ساتھ سلام پھیر دیا تو مقتدی کی نماز نہ ہوگی ام طحطاوی نے کہا کہ امام کے ساتھ سلام پھیرنے کی قید کی کچھ حاجت نہیں ومتابعۃ المسبوق امامہ فی سجود السہو بعد تاکد انفرادہ اما قبلہ فیجب متابعتہ اور مفسد نماز ہے پیروی کرنا مسبوق کا اپنے امام کو سجدہ سہو میں بعد مستحکم ہونے انفراد مسبوق کے اور پیشتر مستحکم ہونے انفراد کے تو متابعت واجب ہے ام صورت مسئلہ کی یہ ہے کہ مسبوق امام کے سلام پھیرنے سے پیشتر یا بعد مثلاً اٹھ کھڑا ہوا اور ایک رکعت پڑھ چکا یعنی سجدہ رکعت مذکور کا کر لیا اس وقت امام نے سجدہ سہو کیا تو اب مسبوق اگر اس سجدہ میں امام کا شریک ہوگا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کیوں کہ محل انفراد میں اقتدا کرنا مفسد ہے ہاں جب تک اس نے رکعت جداگانہ کا سجدہ نہیں کیا تب تک انفراد پختہ نہیں ہوا اس وقت اگر امام سجدہ سہو کرے تو مسبوق پر متابعت واجب ہے وعدم اعادۃ الجلوس الاخیر بعد اداء سجدۃ صلبیۃ او تلاویۃ تذکرہا بعد الجلوس اور مفسد نماز ہے دوبارہ نہ کرنا نمازی کا قعدہ اخیرہ کو بعد ادا کرنے سجدہ نماز یا سجدہ تلاوت کے جو یاد آیا ہو بعد قعدہ کے ام اس لیے کہ سجدہ صلبی اور سجدہ تلاوت سے قعدہ باطل ہو جاتا ہے تو اگر دوبارہ نہ کرے گا تو ایک رکن نماز کا یعنی قعدہ اخیرہ چھوٹ جاوے گا اور نماز فاسد ہو جائے گی طحطاوی نے کہا کہ یہ صورت ترک رکن میں داخل ہے اس کو جدا لکھنا ضرور نہ تھا وعدم اعادۃ رکن اداہ نائما اور مفسد نماز ہے دوبارہ نہ کرنا نمازی کا اس رکن کو جس کو سونے کی حالت میں ادا کیا ہو ام طحطاوی نے کہا کہ یہ صورت ترک شرط میں داخل ہے یعنی نمازی کا ادا کرنا حالت اختیار میں شرط نماز ہے اور سونے کی حالت میں یہ شرط چھوٹ جاتی ہے لیکن مترجم کے نزدیک ترک شرط میں بلا عذر کی قید تھی وہ یہاں متحقق نہیں اس لیے یہ صورت جدا ہے وقہقہۃ امام المسبوق بعد الجلوس الاخیر اور مفسد نماز ہے کھلکھلا کر ہنسنا مسبوق کے امام کا بعد قعدہ اخیرہ کے یعنی اگر امام قدر تشہد کے بعد قعدہ اخیرہ میں زور سے ہنس پڑے گا تو اس کی نماز اور مدرکوں کی نماز پوری ہو جائے گی مگر مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی کہ یہ فعل امام کا اس کی نماز کے درمیان میں واقع ہوگا چنانچہ اس کی تفصیل پہلے باب میں گذر گئی ومنہا مد الہمزۃ فی التکبیر کما مر اور ایک مفسد نماز کا ہمزہ کا کھینچنا ہے اللہ اکبر کہنے میں چنانچہ پیشتر گذرا ام یعنی اللہ اکبر رکوع و سجدہ کے لیے بدہمزہ اگر کہے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور تکبیر تحریمہ میں تو سرے سے نماز کا شروع ہی صحیح نہیں فساد تو شروع کے بعد ہوا کرتا ہے کذا فی الشامی ومنہا القراءۃ بالالحان ان غیر المعنی والا لا الا فی حرف مد ولین اذا فحش والا لا بزازیۃ اور ایک مفسد نماز ہے قراءت کا پڑھنا الحان سے یعنی زیر و زبر کو نغموں کی رعایت سے بڑھا کر پڑھنا کذا فی فتح القدیر الحان سے پڑھنا مفسد ہے اگر معنی کو بدل دے مثلاً رب العالمین کو راب العالمین

پڑھے اور اگر معنی نہ بدلیں تو مفسد نہیں مگر حروف مد اور لین میں اگر حد سے زیادہ الحان کرے گا تو باوجود معنی نہ بدلنے کے نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر حد سے زیادہ نہ ہوگا تو نماز فاسد نہ ہوگی کذا فی البزازیہ ہم واَیْ تین حرف علت کے حروف کہلاتے ہیں ان کے پہلے کی حرکت اگر ان کے موافق ہوتی رہی یعنی واو کے پہلے پیش اور الف کے پہلے زبر اور یَ کے پہلے زیر ہو تو ان کو حروف مد کہتے ہیں اور اگر نا موافق حرکت ہو یعنی واَو کے پیش تر یا یَ کے پہلے زبر ہو مثلاً تو حرف لین کہلاتے ہیں تو حروف لین صرف دو ہیں کیوں کہ الف سے پہلے سوائے زبر کے اور کچھ نہیں ہوتا غرضیکہ حروف علت میں اشباع زائد از حد مفسد نماز ہے ومنہا زلۃ القاری اور ایک نماز کا مفسد قاری کی لغزش یعنی غلط پڑھنا ہے ہم جاننا چاہیے کہ قراءت میں غلطی سے نماز فاسد ہونے کے چند قاعدے ہیں کہ اگر ان کو جان لیا جائے تو حکم ہر غلطی کا معلوم ہو سکتا ہے کہ اس سے نماز فاسد ہوئی یا نہیں تو ان قواعد کے ضبط کرنے کے لیے ہم کہتے ہیں کہ غلطی یا تو اعراب میں ہوگی یعنی زیر زبر پیش سکون میں اور اسی میں داخل ہے مشدد کو تخفیف سے پڑھنا اور اس کا عکس اور مد والے کو قصر سے پڑھنا اور اس کا عکس یا غلطی حروف میں ہوگی یعنی ایک حرف کی جگہ دوسرے کو ادا کرنا یا کسی حرف کا زیادہ کرنا یا کم کرنا یا مقدم ومؤخر کرنا یا غلطی کلمات میں ہوگی کہ ایک کلمہ کی جگہ دوسرے کو پڑھنا یا زیادہ کم کرنا یا مقدم مؤخر کرنا یا غلطی جملوں میں ہو اسی طرح یا غلطی وقف میں ہو کہ وصل کی جگہ وقف کیا جائے اور وقف کی جگہ وصل اب متقدمین کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جس غلطی سے معنی ایسے بگڑ جائیں کہ ان کا اعتقاد کرنا کفر ہوتا ہو تو اس غلطی سے نماز فاسد ہو جائیگی خواہ کسی قسم کی غلطی ہو اور اگر غلطی سے معنی ایسے نہیں بگڑتے جن کا اعتقاد کفر ہو لیکن بہت کی تبدیل معنوں میں آجاتی ہے جیسے ہذا الغراب کی جگہ ہذا الغبار پڑھنا یا بالکل بے معنی لفظ ہو جاتا ہے جیسے سرائر پڑھنا سرائر کی جگہ تو اس صورت میں بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اگر غلطی سے معنوں میں بہت تبدیل نہیں ہوتی مگر مطلب سے دور پڑ جاتے ہیں تو اس صورت میں دیکھنا چاہیے کہ ویسا لفظ قرآن میں ہے یا نہیں اگر نہیں ہے تب بھی نماز فاسد ہوگی اور اگر قرآن میں وہ لفظ ہے تو طرفین کے نزدیک فاسد ہوگی اور یہی قول احوط ہے اور ابو یوسف کے نزدیک فاسد نہ ہوگی اور اگر غلطی سے معنی نہ بگڑیں اور ویسا لفظ قرآن میں نہ ہو تو نماز طرفین کے نزدیک فاسد نہ ہوگی جیسے قوامین کی جگہ قیامین پڑھنا کہ دونوں کے معنی ایک ہیں حالاں کہ قیامین قرآن میں نہیں اور ابو یوسف کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی یہ قاعدے متقدمین کے ہیں اور ابن مقاتل اور ابن سلام اور اسماعیل زاہد اور ابو بکر بلخی اور ہندوانی اور حلوانی وغیرہ متاخرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اعراب میں غلطی کرنی کسی طرح کی ہو نماز کی مفسد نہیں اور اگرچہ اس کا اعتقاد کفر ہو کیوں کہ اکثر آدمی اعراب کی تمیز نہیں کر سکتے اور اگر غلطی حرف کی تبدیل میں ہو تو اگر دونوں حرفوں میں فرق بآسانی معلوم ہو سکتا ہو مثلاً صَ کی جگہ طَ پڑھنا تو متاخرین کا اتفاق ہے کہ نماز کا مفسد ہے اور اگر فرق مشکل سے معلوم ہوتا ہو جیسے صَ کی جگہ سَ پڑھنا تو اکثر کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی لیکن متاخرین کے قواعد منضبط نہیں اس لیے نماز کے باب میں متقدمین کا قول اختیار کرنے میں زیادہ احتیاط ہے کہ ان کے قواعد بھی درست ہیں اور اکثر فروع فتاووں میں انھیں کے قول پر محمول ہیں کذا فی الشامی عن شرح المنیۃ

فلو فی اعراب او تخفیف مشدد وعکسہ او بزیادۃ حرف فاکثر نحو الصراط الذین او بوصل حرف بکلمۃ نحو ایاکنعبد او بوقف وابتداء لم تفسد وان غیر المعنی بہ یفتی بزازیہ پس اگر غلطی اعراب میں ہو جیسے نعبد کی بَ کو زبر پڑھنا یا تخفیف سے پڑھنے میں مشدد کے جیسے قتلوا کی جگہ قتلوا پڑھنا اور مشدد پڑھنے میں مخفف کے جیسے اَفَعَیِینا کو اَفَعَیَّنا پڑھنا یا غلطی ہو ایک حرف یا زیادہ کے بڑھا دینے کی جیسے الصراط الذین بجائے صراط الذین کے یعنی الف اور لام کی زیادتی سے پڑھنا یا غلطی ہو ایک حرف کے ملانے کی دوسرے کلمہ میں جیسے ایاک نعبد میں ایا جدا پڑھ کر ٹھہرنا اور کَ کو نعبد میں وصل کرنا یا غلطی ہو وقف کرنے اور ابتدا کرنے کی جیسے لا الہ پر مثلاً وقف کرنا اور الا اللہ سے ابتدا کرنا تو ان صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی اگرچہ معنی بدل جائیں اسی کا فتوی دیا جاتا ہے کذا فی البزازیہ ہم شامی نے کہا کہ شارح کی ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے

کہ سب مسائل میں عدم فساد پر فتوی بزازیہ میں منقول ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ بزازیہ میں صرف اعراب کی غلطی میں اگرچہ معنی بھی بگڑ جائیں فتوی عدم فساد کا مذکور ہے اور باقی صورتوں میں در صورت بگڑ جانے معنی کے تو اکثر مشائخ کے نزدیک فساد مذکور ہے جیسا کہ متقدمین کا قول ہے اور احتیاط اسی میں ہے الا تشدید رب العلمین وایاک نعبد فبترکہ تفسد مگر تشدید رب العلمین کی ب اور ایاک نعبد کی ی کی کہ اس کے ترک سے نماز فاسد ہو جاتی ہے ولو زاد کلمۃ او نقص کلمۃ او نقص حرفا او قدمہ او بدلہ باخر نحو من ثمرہ اذا اثمر واستحصد تعال جد ربنا انفرجت ایاب بدل انفجرت ایاب بدل اواب لم تفسد مالم یتغیر المعنی اور اگر زیادہ کیا ایک کلمہ کو مثلاً من ثمرہ اذا اثمر میں کلمہ واستحصد زیادہ کر دیا یا ناقص کیا کلمہ کو اس کی مثال شارح نے نہیں لکھی شامی نے کہا جیسے جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا میں جزاء سیئۃ مثلھا پڑھا دوسری سیئۃ کو چھوڑ کر یا کم کیا ایک حرف کو جیسے تعال جد ربنا بدون ی کے آخر میں یا مقدم کیا حرف کو دوسرے سے جیسے انفرجت عوض میں انفجرت کے یا بدلا کسی حرف کو دوسرے سے جیسے ایاب جگہ اواب کے تو نماز فاسد نہ ہوگی جب تک کہ معنی نہ بدلیں[17] ھم شارح کے کلام میں لف ونشر مرتب ہے اس لیے مترجم نے تسہیل کے واسطے ہر مثال کو اس کے موقع پر ترجمہ کر دیا اور واضح ہو کہ تغیر معنی کی صورت میں نماز طرفین کے نزدیک فاسد ہوتی ہے اور ابو یوسف کے نزدیک اس صورت میں کہ لفظ مقروء قرآن میں نہ ہو فاسد ہوگی ورنہ فاسد نہ ہوگی الا ما یشق تمیزہ کالضاد والظاء فاکثرھم لم یفسدہا حرف کے بدلنے سے در صورت بدل جانے معنی کے نماز فاسد ہوتی ہے مگر ایسے حروف کے مبادلہ سے جن میں تمیز دشوار ہے مثلاً ضاد اور ظا کے بدلنے سے کہ اکثر فقہا نماز کو فاسد نہیں کہتے ھم شامی میں حلیہ سے منقول ہے کہ اگر ایسی تبدیلی دانستہ کرے گا تو نماز فاسد ہوگی اور اگر بے اختیار زبان سے نکل گیا یا تمیز حروف کو نہیں جانتا تو فاسد نہ ہوگی بزازیہ میں کہا کہ یہ قول سب اقوال سے درست تر ہے اور یہی مختار ہے وکذا لو کرر کلمۃ وصحح الباقانی الفساد ان غیر المعنی نحو رب رب العلمین للاضافۃ کما لو بدل کلمۃ بکلمۃ وغیر المعنی نحو ان الفجار لفی جنات وتمامہ فی المطولات اور اسی طرح فاسد نہیں ہوتی نماز اگر مکرر کرے کسی کلمہ کو اور تصحیح کی ہے باقانی نے فساد نماز کی اگر معنی بدل جائیں جیسے رب رب العلمین بسبب اضافت جیسے فاسد ہوتی ہے نماز اگر بدل دے ایک کلمہ کو دوسرے سے اور معنی بگڑ جائیں جیسے ان الفجار لفی جنات پڑھنا لفی جحیم کی جگہ اور پورا بیان اس کا بڑی کتابوں میں ہے ھم شامی نے کہا کہ ظاہر کلام ظہیریہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکرر پڑھنا ایک کلمہ کا اس صورت میں مفسد ہے کہ پڑھنے والا مضاف ومضاف الیہ کو جانتا ہو اور اگر نہ جانتا ہو یا قصداً اضافت نہ کیا ہو بلکہ تصحیح مخارج کے لیے کلمہ کو دوبارہ کہا ہو یا زبان سے بے ساختہ نکل گیا ہو تو چاہیے کہ نماز فاسد نہ ہو اور مفسدات نماز سے وہ صورتیں بھی ہیں جو اس باب سے پیشتر ہو چکیں مثلاً عورت کا محاذی ہونا اور خلیفہ ایسے کو بنانا جو قابل امامت نہ ہو اور امام کا مسجد سے باہر چلا جانا بدون خلیفہ کرنے کے اور حدث کے بعد نمازی کا ایک رکن کی مقدار ٹھہرنا یا حالت حدث اور رفتار میں ایک رکن کو ادا کرنا یا اثناء نماز میں کسی فعل مخالف نماز کا صادر ہونا وغیرہ تو غالباً ماتن وشارح نے ان کو اس لیے یہاں ذکر نہیں کیا کہ پیشتر بیان ہو چکا ہے ولا یفسد نظرہ الی مکتوب وفھمہ ولو مستفھما وان کرہ اور نہیں فاسد کرتا نماز کو دیکھنا نمازی کا لکھی چیز کو اور سمجھ جانا اس کا اگرچہ دانستہ سمجھا ہو ہر چند دانستہ سمجھنا مکروہ ہے اس لیے کہ لکھے کو سمجھنا نماز کے اعمال میں سے نہیں اس سے یہ نکلا کہ اگر اتفاقاً نظر لکھے پر پڑ گئی اور سمجھ میں بدون قصد کے آ گیا تو مکروہ بھی نہیں کذا فی الطحاوی ومرور مار فی الصحراء او فی مسجد کبیر بموضع سجودہ فی الاصح اور نہیں فاسد کرتا نماز کو گذرنا کسی گذرنے والے کا جنگل میں یا بڑی مسجد میں نمازی کے سجدہ کی جگہ میں گو صحیح تر قول میں ھم یعنی نمازی کے قدموں سے سجدہ کی جگہ تک میں سے کسی کا گذر جانا مفسد نماز نہیں اور اس کا مقابل قول تمرتاشی کا ہے کہ قدموں سے لے کر اس جگہ تک گذرنا مفسد نہیں جہاں تک نمازی کی نظر پڑے جب تک وہ سجدہ کے مقام کو تاکتا ہو غرضیکہ فساد نماز تو دونوں صورتوں میں نہیں لیکن گذرنے والے پر گناہ کا ہونا اصح قول میں قدموں سے لے کر سجدہ تک کی جگہ میں گذرنے سے ہوگا اور تمرتاشی کے قول پر اس جگہ میں بھی گذرنے سے ہوگا جہاں نمازی کی نظر پڑے سجدہ گاہ کو تاکنے کی حالت میں کذا فی الشامی او مرورہ بین یدیہ الی حائط القبلۃ فی بیت ومسجد صغیر فانہ کبقعۃ واحدۃ مطلقا ولو امرأۃ او کلبا یا مفسد نماز نہیں گذرنا گذرنے والے کے سامنے نمازی کے اس کے قدموں سے لیکر دیوار قبلہ تک گھر میں اور چھوٹی مسجد میں کہ گھر اور چھوٹی مسجد

مثل ایک مکان کے ہیں یعنی مقدار دو صفوں کے فاصلہ ہونا ان دونوں میں مانع اقتدا نہیں جیسے جنگل اور بڑی مسجد میں مانع ہوتا ہے مفسد نماز نہیں گذرنا کسی کا مطلق خواہ وہ عورت ہو یا کتا ھم شامی نے کہا کہ اس میں رد ہے ظاہر یہ کے قول پر جو کہتے ہیں کہ گذرنا عورت یا کتے یا گدھے کا مفسد ہے اور اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ اس باب میں جو کچھ مروی ہے وہ منسوخ ہے چنانچہ حلیہ میں اس کو ثابت کیا ہے اومرورہ اسفل من الدکان امام المصلی لوکان یصلی علیہا ای الدکان بشرط محاذات بعض اعضاء المار ھو وکذا سطح وسریر وکل مرتفع دون قامۃ المار وقیل دون السترۃ کما فی غرر الاذکار یا مفسد نماز نہیں گذرنا گذرنے والے کا مکان کے نیچے نمازی کے سامنے کو جب کہ وہ دوکان پر نماز پڑھتا ہو بشرط برابر آجانے بعض اعضا گذرنے والے کے بعض اعضاء نمازی کو اور یہی حکم فساد کا ہے چھت اور تخت اور ہر اونچی چیز کا جس کی بلندی گذرنے والے کے قد سے کم ہو اور قول ضعیف یہ ہے کہ مقدار سترہ یعنی ایک ہاتھ سے کم ہو جیسا کہ غرر الاذکار میں ہے ھم بحر الرائق میں اس قول ضعیف کو غلط کہا ہے اس وجہ سے کہ اگر مقدار سترہ کا اعتبار ہوتا تو سوار کا نکلنا نمازی کے سامنے کو مکروہ نہ ہوتا کہ وہ تو غالباً ہاتھ سے اونچا ہی ہوتا ہے کذا فی الشامی وان اثم المار لحدیث البزار لو یعلم المار ماذا علیہ من الوزر لوقف اربعین خریفا فی ذلک المرور لو بلا حائل ولو ستارۃ ترتفع اذا سجد وتعود اذا قام اگرچہ اس گذرنے میں گذرنے والا گناہ گار ہوتا ہے بسبب حدیث بزار کے کہ اگر گذرنے والا جانے کہ اس پر کیا گناہ ہے تو ٹھہرا رہے چالیس برس اور گناہ اس وقت ہے کہ گذرنا بدون آڑ کے ہو اگرچہ آڑ ایسا سترہ ہو کہ سجدہ کرنے کے وقت دور ہو جاتا ہو اور قیام کے وقت پھر سترہ ہو جاتا ہو ھم حلبہ میں کہا کہ اس مسئلہ میں چار صورتیں ہیں اول یہ کہ گذرنے والے کو گنجائش ہے کہ نمازی کے سامنے کو نہ گذرے اور نمازی نے راستہ روکا نہیں تو اس صورت میں اگر گذرے گا تو گناہ خاص کرنے والے پر ہوگا دوم یہ کہ اور طرف کو راستہ نہیں اور نمازی نے راستہ روک لیا ہے تو اس صورت میں گناہ نمازی پر ہوگا سوم یہ کہ نمازی نے راستہ روکا ہے مگر گذرنے والا اور طرف کو بھی نکل سکتا ہے تو اب گذرنے سے دونوں گنہگار ہوں گے چہارم یہ کہ نمازی نے راستہ نہیں روکا اور گذرنے والے کو اور طرف راہ نہیں تو اس میں کسی پر گناہ نہیں اور صورت سترہ کی یہ ہے کہ مثلاً ایک انگشت کے برابر موٹی رسی یا اور کوئی چیز چھت میں لٹکتی ہے جب نمازی سجدہ کرتا ہے تو وہ سر کی حرکت سے اس کی گردن یا کمر پر ہو جاتی ہے اور جب کھڑا ہوتا ہے پھر بدستور ہو جاتی ہے تو اس طرح کی آڑ سے بھی گذرنے والے پر کچھ گناہ نہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعتبار سترہ کا قیام کی حالت میں ہے کذا فی الشامی والطحطاوی ولو کان فرجۃ فللداخل ان یمر علی رقبۃ من لم یسدہا لانہ اسقط حرمۃ نفسہ فتنبہ اور اگر صف میں کوئی جگہ خالی ہو تو نماز میں آنے والے کو جائز ہے کہ جس شخص نے اس جگہ کو بند نہیں کیا اس کی گردن کو پھلانگ کر چلا جائے کیوں کہ اس نے اپنی عزت آپ کھو دی تو خبردار ہو جا یعنی اس کے سامنے سے گذرنا گناہ نہیں ھم شامی نے کہا کہ اگر ایک شخص نمازی کے سامنے گذرا چاہتا ہے اور اس کے ساتھ کوئی چیز قابل سترہ کر دینے کے ہے تو اس کو نمازی کے سامنے رکھ دے اور دوسری طرف جا کر اس کو اٹھا لے اور اگر دو شخص ہوں تو ایک نمازی کے سامنے کھڑا ہو جائے دوسرا اس کی آڑ سے نکل جائے پھر دوسرا کھڑا ہو جائے تا کہ اول شخص اس کی آڑ سے گذر جائے انتہی ان دونوں مسئلوں سے معلوم ہوا کہ ایک طرف سے سامنے نمازی کے کھڑا ہو جانا یا ہاتھ بڑھا کر اس کے سامنے سے چیز کا اٹھا لینا موجب گناہ کا نہیں ویغرز ندباً بدائع الامام وکذا المنفرد فی الصحراء ونحوہا سترۃ بقدر ذراع طولا وغلظ اصبع لتبدو للناظر بقربہ دون ثلثۃ اذرع علی حذاء احد حاجبیہ لا بین عینیہ والایمن افضل اور کھڑا کر لے امام بطور استحباب کذا فی البدائع اور اسی طرح تنہا پڑھنے والا جنگل میں اور مثل جنگل میں یعنی بڑی مسجد میں کھڑا کر لے ایک سترہ مقدار ایک ہاتھ کی لمبائی میں اور ایک انگلی کی موٹائی میں تا کہ دیکھنے والے کو یعنی گذرنے والے کو سوجھے قریب اپنے تین ہاتھ کے فاصلہ کے اندر مقابل ایک ابرو کے نہ دونوں آنکھوں کے بیچ کے سامنے اور داہنی ابرو کے مقابل کھڑا کرنا بہتر ہے کہ مطابق سنت ہے ھم طحطاوی نے کہا کہ شارح کو مناسب تھا کہ دون ثلثۃ اذرع کی جگہ قدر ثلثۃ اذرع کہتا کیوں کہ حلبی میں ہے کہ سنت یہ ہے کہ فاصلہ درمیان نمازی اور سترہ کے تین ہاتھ سے زیادہ نہ ہو اور ایک ہاتھ کا طول اور انگل کی موٹائی بیان اتقل

مقدار کا ہے کہ اس سے کم نہ ہو اور بحر الرائق میں کہا کہ مذہب قوی کے بموجب موٹائی کا کچھ اعتبار نہیں ولا یکفی الوضع ولا لخط وقیل یکفی فیخط طولا وقیل کالمحراب اور کفایت نہیں کرتا رکھ دینا سترہ کا یعنی زمین پر لٹا دینا مثل لاٹھی وغیرہ کا اور نہ کافی ہے خط کھینچنا اور بعض فقہا نے کہا کہ اگر سترہ پاس نہ ہو تو خط کھینچنا کافی ہے تو خط کھینچے نمازی طول میں یعنی سیدھا اور بعض نے کہا کہ مثل محراب کے یعنی بشکل کمان کھینچے ھم فتح القدیر میں درصورت نہ ہونے سترہ کے خط کھینچنے پر یقین کیا ہے اور کہا ہے کہ اتباع سنت بہرحال بہتر ہے علاوہ اس کے خط کچھ نہ کچھ نظر آتا ہے تو کافی ہو گا اور یہ قول امام محمد سے مروی ہے اس سے یہ نکلتا ہے کہ اگر کتاب یا کپڑا اپنے سامنے رکھ لے گا تب بھی سترہ ہو جائے گا ویدفعہ ہو رخصۃ فترکہ افضل بدائع قال الباقانی فلو ضربہ فمات لاشیٔ علیہ عند الشافعی رضی اللہ عنہ خلافا لما علی ما یفہم من کتبنا بتسبیح او جہرہ بقراءۃ او اشارۃ ولا یزاد علیہا عندنا قہستانی لا بہما فانہ یکرہ اور ہٹا دے نمازی گذرنے والے کو یعنی جب کہ سترہ نہ ہو یا سترہ ہو لیکن وہ سترہ کے اندر کو گذرتا ہو تو ہٹا دے سبحان اللہ کہنے یا پکار کر پڑھنے سے اگرچہ نماز سری ہو یا اشارہ سے ہاتھ یا آنکھ یا سر کے شارح نے کہا کہ ہٹانا رخصت ہے عزیمت نہیں پس ترک دفع بہتر ہے اس لیے کہ دفع کرنا نماز کے اعمال سے نہیں کذا فی البدائع باقانی نے کہا کہ اگر نمازی نے گذرنے والے کو مارا اور وہ مر گیا تو اس پر کچھ نہیں نہ دیت نہ قصاص امام شافعیؒ کے نزدیک بخلاف ہمارے مذہب کے نزدیک جیسا کہ سمجھا جاتا ہے ہماری کتابوں سے یعنی رخصت فقط اشارہ ہے نہ جنگ و محاربہ اور نہ زیادہ کیا جائے ان باتوں پر ہمارے نزدیک یعنی کپڑا پکڑ لینا یا مارنا ہمارے نزدیک درست نہیں کذا فی القہستانی نہ دفع کرے سبحان اللہ کہنے اور اشارہ دونوں سے کہ دونوں باتوں کا جمع کرنا مکروہ ہے اس لیے کہ مقصود ایک سے حاصل ہے ھم یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ گذرنے والے سے جنگ کرے کہ وہ شیطان ہے تو یہ منسوخ ہے چنانچہ زیلعی نے سرخسی سے نقل کیا ہے کہ یہ ابتدائے اسلام میں تھا جب نماز کے اندر کام کرنا مباح تھا اب اس کی اجازت نہیں کذا فی الشامی منقرا والمراد بالتصفیق لا ببطن علی بطن اور عورت گذرنے والے کو ہٹانے کے لیے تالی بجاوے نہ اس طرح کہ ہتیلی ہتیلی پر لگے بلکہ کیفیت تالی بجانے کی بحر الرائق میں یوں منقول ہے کہ پشت داہنے ہاتھ کے انگلیوں کی بائیں ہاتھ کے اندر طرف یعنی ہتیلی میں مارے شامی اور طحطاوی نے کہا کہ اس طرح تالی بجانے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ دونوں ہاتھ اپنی جگہ سے ٹل جاتے ہیں اس سے تو یہی بہتر ہے کہ بائیں ہاتھ کو اپنی جگہ رہنے دے اور داہنے ہاتھ کی انگلیوں کے اندر کی طرف کو بائیں کی پشت پر مارے کہ اس میں عمل تھوڑا ہے ولو صفق او سبحت لم تفسد وقد ترکا السنۃ تاتارخانیہ اور اگر ہٹانے کے لیے مرد نے تالی بجائی یا عورت نے سبحان اللہ کہدیا تو نماز فاسد نہ ہو گی لیکن دونوں نے طریق مسنون کو ترک کیا کذا فی تاتارخانیہ وکفت سترۃ الامام للکل اور کافی ہے سترہ امام کا کل مقتدیوں کے لیے یعنی اگر امام کے سامنے سترہ ہو گا تو جو کوئی مقتدیوں کی صف کے سامنے کو گذرے گا اس پر کچھ گناہ نہ ہو گا ولو عدم المرور والطریق جاز ترکہا وفعلہا اولی اور اگر گذر اور راستہ نہ ہو یعنی ایسی جگہ نماز پڑھے جہاں کوئی گذرتا نہ ہو اور منہ راستہ کی طرف نہ ہو تو ترک کرنا سترہ کا جائز ہے اور کرنا سترہ کا ایسی جگہ بھی بہتر ہے ھم راستہ کی طرف منہ نہ کرنے کی قید اس لیے لگائی کہ راستہ کی طرف کو نماز پڑھنا سترہ کے ساتھ اور بدون سترہ کے دونوں طرح مکروہ ہے کیوں کہ راستہ چلنے کے لیے بنا ہے تو اس میں ایسی چیز نہ ہونی چاہیے جو اس کے مناسب نہ ہو کذا فی البحر وکرہ ہذہ تعم التنزیہیۃ التی مرجعہا خلاف الاولی فالفارق الدلیل فان نہیا ظنی الثبوت ولا صارف فتحریمیۃ والا فتنزیہیۃ اور مکروہ ہے لٹکانا کپڑے کا شارح کہتا ہے کہ کراہت شامل ہے تنزیہی کو جس کا مآل ترک اولی ہے پس فرق کرنے والی چیز کراہت تحریمی اور تنزیہی میں دلیل ہے یعنی اگر دلیل کراہت وہ ممانعت شرعی ہو جس کا ثبوت ظنی ہے اور کوئی پھیرنے والا تحریم سے استحباب کی طرف نہ ہو تب تو کراہت تحریمی ہے ورنہ کراہت تنزیہی ہے ھم بحر الرائق میں کہا کہ مکروہ دو قسم ہے ایک مکروہ تحریمی جو واجب کے رتبہ میں ہے یعنی جس طرح ثبوت واجب کا دلیل ظنی سے ہوتا ہے اسی طرح ثبوت مکروہ تحریمی کا دلیل ظنی سے ہوتا ہے دوم مکروہ تنزیہی جو ایسا نہ ہو تو جب فقہا کی عبارت میں مکروہ پایا جائے تو اس کی دلیل کو دیکھنا چاہیے اگر دلیل مذکور نہی ظنی ہو

تو تحریمی ہے ورنہ تنزیہی شامی نے کہا کہ بدون دلیل کے بھی اس کا حال معلوم ہو سکتا ہے اس طرح کہ اگر مکروہ ترک واجب کو متضمن ہو تو تحریمی ہے اور اگر ترک سنت کو متضمن ہو تو تنزیہی ہوگا **سدل تحریماً للنھی ثوبہ ای ارسالہ بلا لبس معتاد وکذا القباء بکم الی وراء ذکرہ الحلبی** مکروہ تحریمی ہے لٹکانا نمازی کا اپنے کپڑے کو بسبب ممانعت کے یعنی چھوڑ دینا کپڑے کا بدون پہننے معمول کے اور اسی میں داخل ہے قبا[۱] کا پہننا ایسی طرح کہ آستین پشت کی جانب ہو یعنی اس کی کشادہ بغلوں میں سے ہاتھ نکال کر آستین کو پیچھے ڈال بھی سدل میں داخل اور مکروہ ہے ذکر کیا ہے اس کو حلبی نے ہم طحاوی نے کہا کہ شارح کو مناسب تھا کہ تحریماً للنھی کو بعد ثوبہ کے لکھتا تاکہ لفظ سدل جو مضاف ہے اور ثوبہ جو مضاف الیہ ہے ان دونوں میں فاصلہ نہ پڑتا اور سدل کی صورت کرخی نے یہ بیان کی ہے کہ مثلاً چادر یا دوسرا کپڑا سر خواہ شانہ پر رکھ کر اس کے کنارے چھوڑ دے تو کرتہ کے دامنوں کا لٹکنا اور عمامہ کے شملہ کا لٹکنا اس میں داخل نہیں کذا فی الشامی **کشدو مندیل یرسلہ من کتفیہ فلو من احدھما لم یکرہ کحالۃ عذر وخارج صلوٰۃ فی الاصح** مثل دوپٹہ اور رومال کے کہ اس کو اپنے دونوں مونڈھوں سے لٹکا دے تو مکروہ ہوگا پس اگر ایک مونڈھے سے لٹکا لے گا تو مکروہ نہ ہوگا جیسے عذر کی حالت میں اور نماز سے باہر صحیح تر قول میں سدل مکروہ نہیں ہم شد بفتح شین معجمہ دال مشدد ایک کپڑا ہے جس کو مونڈھوں پر ڈال لیتے ہیں اور خارج نماز سدل مکروہ تحریمی نہیں بشرطیکہ تکبر کے لیے نہ ہو کذا فی الشامی عن النہر **وفی الخلاصۃ اذا لم یدخل یدہ فی کم الفرجی المختار انہ لا یکرہ وہل یرسل الکم او یمسک خلاف والاحوط الثانی** قہستانی اور خلاصہ میں ہے کہ جب نمازی اپنا ہاتھ فرجیہ[۱] کی آستین میں نہ ڈالے تو مختار یہ ہے کہ مکروہ نہیں اور کیا اس صورت میں آستین کو لٹکا رہنے دے یا پکڑ لے اس میں اختلاف ہے زیادہ احتیاط کی بات آستین کا پکڑ لینا ہے کذا فی القہستانی ہم شامی نے کہا کہ خلاصہ میں عدم کراہت کو مختار کہا ہے اس پر کسی نے سوائے بزازی کے اس کی موافقت نہیں کی بلکہ صحیح قول وہ ہے جو قاضی خان اور جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ فرجیہ کو بدون آستین میں ہاتھ ڈالنے کے پہننا مکروہ ہے کیوں کہ سدل اس صورت میں بھی موجود ہے **وکرہ کفہ ای رفعہ ولو لتراب کمشمر کم او ذیل و عبثہ بہ ای بثوبہ وبجسدہ للنھی الا لحاجۃ ولا بأس بہ خارج صلوٰۃ** اور مکروہ تحریمی ہے کپڑے کا اوپر اٹھانا اگرچہ مٹی میں بھرنے کے سبب سے ہو جیسے مکروہ ہے داخل ہونا نماز میں آستینیں یا دامن چڑھائے اور مکروہ تحریمی ہے کھیلنا نمازی کا اپنے کپڑے سے اور بدن سے بسبب ممانعت کے مگر حاجت کے لیے مکروہ نہیں مثلاً بدن کو خارش کے سبب سے کھجلایا یا پسینہ تکلیف دیتا ہے اس کو پونچھ ڈالا تو عمل قلیل سے یہ امور مکروہ نہ ہوں گے اور کچھ مضایقہ نہیں کھیلنے کا کپڑے اور بدن سے نماز کے باہر ہم شافعی نے کہا کہ آستین چڑھائی نماز شروع کرنے میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ آستین اور کام کے لیے چڑھائی تھی یا وضو کے لیے چڑھائی تھی اور رکعت ملنے کے لیے جلدی میں آستین نہ اتاری شریک جماعت ہو گیا تو ایسی صورت میں افضل یہ ہے کہ عمل قلیل سے آستین نماز کے اندر اتار لے اور عبث کے باب میں یہی وہ حدیث ہے جس کو قضاعہ نے روایت کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تین چیزیں مکروہ کیں نماز کے اندر عبث کرنا اور روزہ میں فحش باتیں کرنی اور قبرستان میں ہنسنا **وصلوٰۃ فی ثیاب بذلۃ یلبسھا فی بیتہ ومھنۃ ای خدمۃ ان لہ غیرھا والا لا** اور مکروہ تنزیہی ہے کذا فی البحر نماز پڑھنا نمازی کا میلے کچیلے کپڑوں میں جن کو گھر میں پہنتا ہے اور کام کرنے کے کپڑوں میں بشرطیکہ اس کے ساتھ اور کپڑے ہوں ورنہ مکروہ نہ ہوگا ہم بذلہ باء موحدہ مکسور اور سکون ذال معجمہ سے بمعنی خدمت اور ابتذال ہے اور مھنۃ بفتح میم وسکون ہا عطف تفسیر ہے یعنی وہ کپڑے جن کو پہن کر دوسرے کے پاس نہ جاوے کذا فی الشامی **واخذ درھم ونحوہ فی فیہ لم یمنعہ من القراءۃ فلو منعہ تفسد** اور مکروہ ہے درہم اس جیسی چیز کا منہ میں لینا جو نمازی کو قرارت سے مانع نہ ہو اور اگر قرارت کی مانع ہو یعنی اس طرح کہ بالکل نہ پڑھ سکے یا ایسے الفاظ نکلیں جو قرآن کے الفاظ نہ ہوں تو نماز فاسد ہو جائے گی ہم شامی نے قاضی خان سے نقل کیا کہ کسی چیز کا منہ میں لینا جو مانع قرارت نہ ہو مکروہ تنزیہی ہے **وصلوٰۃ حاسرا ای کاشفا راسہ للتکاسل ولا بأس بہ للتذلل واما للاھانۃ بھا فکفر** اور مکروہ ہے

---

[۱] ایک کپڑا ہوتا ہے قبا کی طرح کا جو قمیص کے اوپر پہنا جاتا ہے ۱۲

نماز پڑھنا نمازی کا سر کھول کر سستی کی وجہ سے اور کچھ مضائقہ نہیں سر کھولنے کا انکسار کے لیے اور نماز کی اہانت کے لیے تو سر کھولنا کفر ہے ھم شامی نے
بعض علماء سے نقل کیا کہ گرمی کی وجہ سے بھی ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے ولو سقطت قلنسوتہ فاعادتہا افضل الا اذا احتاجت لتکویر او عمل کثیر اور اگر گر جائے
نمازی کی ٹوپی تو اس کا دوبارہ سر پر رکھ لینا افضل ہے مگر جس صورت میں کہ محتاج ہو لپیٹنے کی یا عمل کثیر کی تو اعادہ افضل نہیں وصلوتہ مع مدافعۃ
الاخبثین او احدہما او الریح للنہی اور مکروہ تحریمی ہے نماز پڑھنا نمازی کا بول و براز کے دباؤ کے ساتھ یا دونوں میں سے ایک کے دباؤ کے ساتھ یا
ہوا کے روک رکھنے کے ساتھ اور یہ کراہت بباعث ممانعت کے سبب ہے یعنی ابوداؤد کی حدیث کے باعث کہ نہیں حلال ہے کسی کو جو ایمان رکھتا ہو اللہ تعالٰے
اور روز آخرت پر کہ نماز پڑھے اس حال میں کہ پیشاب کو دبائے ہو یہاں تک کہ اس سے ہلکا ہو جائے اور اسی جیسا ہے پاخانہ کا ضبط کرنے والا کذا فی الشامی
وعقص شعرہ للنہی عن کفہ ولو بجعلہ او ادخال اطرافہ فی اصولہ قبل الصلوٰۃ اما فیہا فیفسد اور مکروہ ہے بالوں کا جوڑہ کرنا بسبب منع کے ان کے اوپر اٹھانے
سے اگرچہ جوڑا کرنا ان کے اکٹھا کرنے سے ہو یا ان کے سروں کو جڑوں میں کر لینے سے ہو نماز کے پیشتر اور نماز میں جوڑہ کرنا نماز کا مفسد ہے ھم عقص بفتح
اول بالوں کے گوندھنے کو کہتے ہیں یہاں یہ مراد ہے کہ بالوں کو سر پر جمع کر کے گوند سے چپکا لے یا ڈورے سے باندھ لے خواہ مینڈھیاں گوندھ کر سر
کے گرد لپیٹ لے خواہ گدی پر سب کو باندھے کہ سجدہ میں زمین پر نہ گریں تو یہ سب باتیں مکروہ ہیں کیوں کہ طبرانی کی حدیث میں اس سے ممانعت وارد ہے
اور حلیہ میں نقل کیا کہ ہرچند بموجب مضمون احادیث کے کراہت تحریمی ہونی چاہیے مگر اجماع اس پر ہے کہ یہ فعل مکروہ تنزیہی ہے اور نماز کے اندر اس کے
مفسد ہونے کی یہ وجہ ہے کہ بالاجماع عمل کثیر ہے کذا فی الشامی وقلب الحصا للنہی الا للسجود التام فیرخص مرۃ وترکہا اولی اور مکروہ ہے کنکروں کا
ہٹانا بسبب نہی کے مگر واسطے پورا سجدہ کرنے نمازی کے مکروہ نہیں سو ایک دفعہ ہٹانے کی اجازت ہے اور ترک ایک دفعہ کا بھی بہتر ہے ھم صحاح ستہ
میں معیقیب سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کنکروں کو مت ہٹا جب کہ تو نماز پڑھتا ہو اگر بالضرور ہٹانا ہی ہو تو ایک بار ہٹا لے
اور پورا سجدہ کرنے کی قید اس لیے لگائی کہ اگر بالکل سجدہ نہ ہو سکے بدون ہٹائے تو پھر کنکروں کو ہٹا دے گو ایک دفعہ سے زیادہ ہٹانے پڑیں کذافی
الشامی وفرقعۃ الاصابع وتشبیکہا ولو منتظر الصلوٰۃ او ماشیا الیہا للنہی ولا یکرہ خارجہا لحاجۃ اور مکروہ تحریمی ہے انگلیاں چٹکانی اور ایک ہاتھ کی انگلیوں
کو دوسرے کی انگلیوں میں ڈالنا اگرچہ نمازی ہو منتظر نماز کا یا جانے والا نماز کی طرف تب بھی مکروہ ہے بباعث نہی کے اور مکروہ نہیں نماز کے باہر بسبب کسی حاجت
کے ھم ابن ماجہ نے مرفوعاً روایت کیا کہ اپنی انگلیاں مت چٹکا جب کہ تو نماز پڑھتا ہو اور مجتبٰی میں حدیث نقل کی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا
اس سے کہ آدمی اپنی انگلیاں چٹکائے جس وقت کہ مسجد میں نماز کا منتظر بیٹھا ہو اور ایک روایت میں ہے کہ جس وقت کہ نماز کے لیے جاتا ہو اور احمد اور ابوداؤد
وغیرہما نے تشبیک کی ممانعت کی حدیث نقل کی ہے اور خارج نماز سے یہ مراد ہے کہ نماز کو نہ جاتا ہو اور نہ مسجد میں اس کا منتظر ہو اور حاجت یہ کہ جوڑوں کا آرام
دینا ہو مثلاً اس سے معلوم ہوا کہ بدون حاجت کھیل کے طور پر انگلیوں کا چٹکانا یا ایک پنجہ کا دوسرے میں ڈالنا مکروہ تنزیہی ہے کذا فی الشامی والتخصر وضع
الید علی الخاصرۃ للنہی ویکرہ خارجہا تنزیہا اور مکروہ تحریمی ہے تخصر یعنی ہاتھ کا کولے پر رکھنا بسبب نہی کے اور باہر نماز کے مکروہ تنزیہی ہے ھم صحیحین وغیرہما
میں مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کولے پر ہاتھ رکھنے سے ممانعت فرمائی اور خارج نماز کی کراہت بحث ہے صاحب بحر الرائق کی
کذا فی الشامی والطحاوی والالتفات بوجہہ کلہ او بعضہ للنہی اور مکروہ تحریمی ہے سارا چہرہ یا تھوڑا پھیر کر نماز میں دیکھنا بسبب نہی کے ھم ترمذی نے
انس رض سے روایت کیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچ نماز میں التفات سے کیوں کہ التفات نماز میں موجب ہلاکی ہے کذا فی الشامی
وببصرہ یکرہ تنزیہا وبصدرہ تفسد کما مر اور بدون منہ پھیرنے کے آنکھ سے ادھر ادھر دیکھنا مکروہ تنزیہی ہے اور سینہ کو پھیر کر دیکھنا بدون عذر کے مفسد نماز
ہے چنانچہ مفسدات نماز میں بیان ہوا وقیل قائلہ قاضی خان تفسد بتحویلہ والمعتمد لا اور قاضی خان نے کہا ہے کہ نماز فاسد ہوتی ہے منہ کے پھیرنے

ہے اور معتمد یہ ہے کہ فاسد نہیں ہوتی بلکہ مکروہ تحریمی ہے **اقعاؤہ** کالکلب للنہی اور مکروہ تحریمی ہے نمازی کا بیٹھنا مثل کتے کے بسبب نہی کے ہم اقعاء کی
تفسیر طحطاوی نے بیان کی ہے کہ دونوں سرین پر بیٹھے اور رانوں کو کھڑا کرکے دونوں گھٹنوں کو چھاتی سے لگالے اور دونوں ہاتھ زمین پر رکھے اور چونکہ یہ
نشست کتے کی نشست کے مشابہ ہے اس لیے یہی صحیح تر ہے اور حدیث میں اسی نشست کی ممانعت ہے اور کرخی نے یہ تفسیر کی ہے کہ دونوں پاؤں
کو کھڑا کرکے ان کی ایڑیوں پر بیٹھے اور دونوں ہاتھ زمین پر رکھے زیلعی نے کہا کہ یہ نشست مکروہ تحریمی نہیں بلکہ چونکہ مخالف نشست مسنون کی ہے اس
لیے مکروہ تنزیہی ہے کذا فی الطحطاوی **وافتراش** ارجل ذراعیہ للنہی اور مکروہ تحریمی ہے بچھانا مرد کا اپنے دونوں ہاتھوں کو واسطے نہی کے یعنی حدیث مسلم میں
ممانعت وارد ہے **وصلوتہ الی وجہ انسان** لکراہۃ استقبالہ فالاستقبال لو من المصلی فالکراہۃ علیہ والا فعلی المستقبل ولو بعیدا ولا حائل اور مکروہ تحریمی ہے نماز
پڑھنا نمازی کا کسی آدمی کے منہ کی طرف جیسے مکروہ ہے منہ کرنا نمازی کی طرف پس اگر منہ کرنا نمازی کی طرف سے ہوگا تو کراہت اس پر ہوگی ورنہ دوسرے شخص
پر جو نمازی کی طرف منہ کرے گا اگرچہ منہ کرنے والا دور ہو اور نمازی ہیں اور اس میں کوئی آڑ نہ ہو ہم طحطاوی نے کہا کہ استقبالہ کی ضمیر نمازی کی طرف ہے اور
استقبال ضمیر مفعول کی طرف مضاف ہے اور آڑ نہ ہونے کی قید اس لیے لگائی کہ آڑ کی صورت میں کراہت نہیں ہوتی مثلاً نمازی کا منہ دوسرے کے منہ کی
طرف ہے مگر دونوں کے بیچ میں ایک اور شخص ہے جس کی پشت نمازی کی طرف ہے تو مکروہ نہ ہوگا **ورد السلام بیدہ او براسہ** کما مر اور مکروہ تنزیہی ہے
جواب سلام کا دینا اپنے ہاتھ سے یا اپنے سر سے جیسا کہ پیشتر مفسدات میں گذرا **فرع** مسئلہ ملحقہ شارح کا لا باس بتکلم المصلی او اجابتہ براسہ کما لو طلب منہ
شئ او اری درہما وقیل اجید فاوما بنعم او لا او قیل کم صلیتم فاشار بیدہ انہم صلوا رکعتین کچھ مضائقہ نہیں نمازی کے بولنے یا جواب دینے میں اپنے سر سے
جیسے کسی نے نمازی سے کوئی چیز مانگی یا روپیہ دکھلایا اور پوچھا کہ کھرا ہے . . . . پس نمازی نے اشارہ سے ہاں یا نہیں کیا یا نمازی سے پوچھا
گیا کہ تم نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں اور اس نے ہاتھ سے اشارہ کر دیا کہ ہم نے دو رکعتیں پڑھی ہیں ہم لفظ لا باس سے اشارہ ہوا کہ بہتر یہی ہے کہ سر یا ہاتھ سے
اشارہ نہ کرے کذا فی الطحطاوی اما لو قیل لہ تقدم فتقدم او دخل احد الصف فوسع لہ فورا فسدت ذکرہ الحلبی وغیرہ خلافا لما مر عن البحر اور اگر نمازی سے کسی نے
کہا کہ آگے بڑھ جا پس وہ آگے بڑھا یا کوئی شخص صفوں میں داخل ہوا اور نمازی نے فوراً اس کو جگہ دے دی تو نماز فاسد ہو جائے گی ذکر کیا ہے اس کو حلبی
نے برخلاف اس قول کے جو گذرا بحرالرائق سے ہم بحرالرائق میں کہا کہ اس صورت میں نماز فاسد نہیں ہوتی اور طحطاوی نے کہا کہ یہی قول عدم فساد کا معتمد ہے
اور قول نماز کے فاسد ہونے کا ضعیف ہے چنانچہ پیشتر شرنبلالی سے اس کی تضعیف گذر چکی **وکرہ التربع تنزیہا** لترک الجلسۃ المسنونۃ بغیر عذر ولا
یکرہ خارجہا لانہ علیہ الصلوۃ والسلام کان جل جلوسہ مع اصحابہ التربع وکذا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مکروہ تنزیہی ہے چار زانو بیٹھنا نماز کے اندر بدون عذر
کے بسبب ترک کرنے جلسہ مسنون کے اور مکروہ نہیں پالتی مار کر بیٹھنا نماز سے باہر اس لیے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست اصحاب کبار
کے ساتھ اکثر چار زانو ہوتی تھی اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نشست بھی نقل کیا ہے اس حدیث کو شرح منیہ میں ابن ہمام سے اور اس میں
رد ہے ان لوگوں کے قول کا جو کہتے ہیں کہ چار زانو بیٹھنا نماز کے باہر مکروہ ہے اس وجہ سے کہ جابر لوگوں کی نشست ہے کذا فی الشامی **والتثاؤب**
ولو خارجہا ذکرہ مسکین لانہ من الشیطان والانبیاء محفوظون منہ اور مکروہ ہے جمائی لینا اگرچہ نماز کے باہر ہو ذکر کیا ہے اس کو مسکین نے اس لیے کہ جمائی
لینا شیطان کی طرف سے ہے اور انبیا علیہم السلام اس سے محفوظ ہیں ہم صحیحین میں مروی ہے کہ جمائی لینا شیطان کی طرف سے ہے تو جب کوئی تم میں
سے جمائی لے تو چاہیے کہ اس کو حتی الوسع رد کرے شامی نے کہا کہ جمائی کی کراہت کو کسی نے یہ نہیں لکھا کہ تحریمی ہے یا تنزیہی مگر ظاہر ایسا معلوم ہوتا
ہے کہ اگر اپنے آپ آوے تو مکروہ تنزیہی ہے اور اگر دانستہ جمائی لے تو مکروہ تحریمی ہو کیوں کہ یہ فعل عبث ہے اور عبث مکروہ تحریمی ہوتا ہے **وتغمیض عینیہ**
للنہی الا لکمال الخشوع اور مکروہ تنزیہی ہے کذا فی البحر بند کرنا اپنی آنکھوں کا بسبب نہی کے مگر کمال خشوع کے لیے بند کرنا مکروہ نہیں ہم نہی کی حدیث کو

ابن عدی نے بسند ضعیف روایت کیا ہے اور بدائع میں وجہ کراہت یہ مذکور کی ہے کہ سجدہ گاہ کا تاکنا مسنون ہے اور آنکھوں کے بند کرنے سے یہ سنت متروک ہوجاتی ہے تو اس لیے حلیہ اور بحرالرائق میں کراہت کو تنزیہی کہا کذا فی الشامی بتصرف وقیام الامام فی المحراب لاسجودہ فیہ وقدماہ خارجہ لان العبرۃ للقدم مطلقا وان لم یشتبہ حال الامام ان علل بالتشبہ وان بالاشتباہ ولا اشتباہ فلا اشتباہ فی نفی الکراہۃ اور مکروہ ہے کھڑا ہونا امام کا محراب میں نہ سجدہ کرنا امام کا محراب میں حالانکہ دونوں پاؤں اس کے محراب کے باہر ہوں اس لیے کہ اندر اور باہر ہونے میں اعتبار قدم کا ہے امام کا کھڑا ہونا محراب میں مطلقاً مکروہ ہے اگرچہ حال امام کا مقتدیوں پر مشتبہ نہ ہو خواہ محراب مسجد میں سے ہو یا نہ ہو اگر علت مکروہ ہونے کی اہل کتاب کی مشابہت کو ٹھہرایا جائے اور اگر علت کراہت امام کے مشتبہ ہونے کو کہا جائے اور محراب میں کھڑے ہونے سے کچھ اشتباہ نہ ہوتا ہو تو مکروہ نہ ہونے میں کچھ شبہ نہیں حاصل یہ ہے کہ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں امام کے محراب میں کھڑے ہونے کو مکروہ لکھا ہے اور کچھ تفصیل نہیں کی اس لیے اس کراہت کے سبب میں مشائخ نے اختلاف کیا بعض نے تو یہ کہا کہ محراب ایک جداگانہ حجرے کی طرح ہے تو اس میں کھڑا ہونا اہل کتاب کے مشابہ ہوتا ہے کہ وہ بھی اپنے امام کا مکان جداگانہ بناتے ہیں اور ہدایہ میں اسی پر اکتفا کیا ہے اور مختار امام سرخسی بھی یہی ہے اور بعض فقہا نے کراہت کا سبب یہ بیان کیا کہ امام کا حال داہنے اور بائیں کے مقتدیوں پر مشتبہ رہے گا اس لیے مکروہ ہے شارح کہتا ہے کہ اگر وجہ کراہت اہل کتاب کی مشابہت ہے تو ہر صورت میں مکروہ ہے مقتدیوں پر اشتباہ ہو یا نہ ہو اور اگر وجہ کراہت اشتباہ حال امام ہے تو جس صورت میں اشتباہ نہ ہو گا مکروہ بھی نہ رہے گا کذا فی الشامی وانفرادالامام علی الدکان للنھی وقدر الارتفاع بذراع ولا باس بمادونہ وقیل مایقع بہ الامتیاز وھو الاوجہ ذکرہ الکمال وغیرہ اور مکروہ ہے کھڑا ہونا امام کا تنہا چبوترہ پر بسبب نہی کے یعنی حدیث حاکم کے کہ منع فرمایا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہ امام کھڑا ہو اونچے مکان پر اور لوگ اسکے پیچھے ویسے ہی رہیں کذا فی الطحطاوی اور اندازہ کی گئی ہے بلندی ایک ہاتھ کی اور کچھ مضائقہ نہیں ایک ہاتھ سے کم تر بلندی کا اور بعض کا قول مقدار ارتفاع میں یہ ہے کہ جس سے امتیاز ہو جائے اور یہی قول موجہ زیادہ ہے ذکر کیا ہے اس کو کمال الدین محقق وغیرہ نے ھم بدائع میں کہا کہ ظاہر الروایۃ بھی دوسرا قول ہے اور حدیث کے اطلاق کے مناسب ہے طحطاوی نے کہا کہ دکۃ بفتح دال وتشدید کاف وہ اونچی جگہ جو بیٹھنے کے لیے بنائی جاوے اور مقتضائے حدیث یہ ہے کہ کراہت تحریمی ہو کذا فی الشامی وکرہ عکسہ فی الاصح اور مکروہ ہے اس کا عکس صحیح تر قول میں یعنی کھڑا ہونا مقتدیوں کا ۰۰۰ اونچے مکان پر اور صرف امام کا پستی میں ہونا ھم طحطاوی نے کہا غالباً کراہت تنزیہی ہے اس لیے کہ نہی تو خاص پہلی ہی صورت میں وارد ہے اور وجہ کراہت یہ ہے کہ اس میں امام کی حقارت ہے اور اصح قول ظاہر الروایۃ ہے اور اس کا مقابل قول طحطاوی کا ہے کہ یہ صورت مکروہ نہیں کذا فی الشامی وھذا کلہ عند عدم العذر کجمعۃ وعید فلو قاموا علی الرفوف والامام علی الارض او فی المحراب لضیق المکان لم یکرہ کما لو کان معہ بعض القوم فی الاصح وبہ جرت العادۃ فی جوامع المسلمین اور یہ کراہت تینوں مسئلوں میں وقت نہ ہونے عذر کے ہے مثل انبوہ جمعہ اور عید کے دن کے تو اگر بھیڑ اور کثرت کے باعث مقتدی بالاخانوں میں کھڑے ہوں اور امام زمین پر یا محراب میں کھڑا ہو بسبب تنگی جگہ کے تو مکروہ نہ ہو گا جیسے اس صورت میں مکروہ نہیں کہ امام کے ساتھ مقتدیوں میں سے بعض ہوں صحیح تر قول میں یعنی اگر امام چبوترہ پر ہو اور اس کے ساتھ کچھ مقتدی بھی ہوں تو مکروہ نہ ہو گا اور اسی بات کی عادت ہو گئی ہے جامع مسجدوں میں اہل اسلام کی یعنی اگر تنگی کے باعث امام کو محراب میں یا بلندی پر کھڑا ہونا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ دو ایک مقتدی بھی کھڑے ہو جاتے ہیں ومن العذر ارادۃ التعلیم او التبلیغ کما بسط فی البحر اور عذر میں سے ہے ارادہ کرنا امام کا تعلیم کو یا مقتدی کا قصد کرنا امام کی آواز پہنچانے کو دوسرے مقتدیوں تک چنانچہ مفصل بیان کیا ہے اس کو بحرالرائق میں ھم یعنی اگر امام تنہا بلندی پر اس لیے کھڑا ہو کہ مقتدی اس کے افعال دیکھ کر سیکھیں یا مقتدی اس لیے کھڑا ہو کہ اللہ اکبر پکار کر کہے تو مکروہ نہ ہو گا اس سے معلوم ہوا کہ بدون عذر کے تنہا کھڑا ہونا ایک مقتدی کا اونچی جگہ پر مکروہ ہے کذا فی الشامی وقدمنا کراہۃ القیام فی صف خلف صف فیہ فرجۃ للنھی وکذا القیام منفردا وان لم یجد فرجۃ بل یجذب واحدا من الصف

ذکرہ ابن الکمال لکن قالوا فی زماننا ترکہ اولی فلذا قال فی البحر یکرہ وحدہ الا اذا لم یجد فرجۃ اور ہم پیش تر باب الامامۃ میں لکھ آئے ہیں مکروہ ہونا قیام کا ایک صف میں پیچھے ایسی صف کے جس میں فرجہ ہو بسبب نہی کے اور اسی طرح مکروہ ہونا قیام کا تنہا اگرچہ صف میں جگہ نہ پاوے بلکہ ایک نمازی کو صف میں سے اپنے برابر کھینچ لے ذکر کیا ہے اس کو ابن کمال نے لیکن کہا ہے صاحب قنیہ وغیرہ نے کہ ہمارے زمانے میں نہ کھینچنا بہتر ہے یعنی لوگوں میں جہل زیادہ ہے اکثر لوگ ناواقفی کی جہت سے لڑ پڑتے ہیں اور ہمیں وجہ بحر الرائق میں کہا کہ مکروہ ہے تنہا کھڑا ہونا مگر اس صورت میں کہ صف میں جگہ نہ پاوے تو تنہا کھڑا ہونا مکروہ نہیں یعنی دوسرے نمازی کے کھینچنے کو صاحب بحر نے ذکر نہیں کیا **ولبس ثوب فیہ تماثیل** ذی روح **وان یکون فوق** راسہ **او بین یدیہ او بحذائہ** یمنۃ او یسرۃ **او محل** سجودہ **تمثال** ولو فی وسادۃ منصوبۃ لا مفروشۃ اور مکروہ ہے نمازی کو پہننا اس کپڑے کا جس میں تصویریں جان دار کی ہوں اور مکروہ ہے کہ ہووے نماز کا کے سر پر یعنی چھت میں یا سامنے یا برابر داہنے خواہ بائیں یا سجدے کی جگہ میں کوئی تصویر اگرچہ کھڑے گدّے میں ہو جس پر نہ چلتے ہوں نہ تکیہ کرتے ہوں نہیں مکروہ ہے اگر بچھے ہوئے گدے پر تصویر ہو ھم تمثال صرف جان دار کی صورت کو کہتے ہیں اور تصویر عام ہے جان دار کی ہو یا بے جان کی اور جان دار کی تصویر کا گھر میں رکھنا مکروہ تحریمی ہے کیوں کہ حدیث میں وارد ہے کہ فرشتے داخل نہیں ہوتے اس گھر میں جس میں کتا یا تصویر ہو کذا فی البحر برابر ہے کہ تصویر کپڑے میں ہو یا برتن میں یا دیوار میں **واختلف فیما اذا کان التمثال خلفہ والاظہر الکراہۃ** اور اختلاف ہے اس صورت میں کہ تصویر نمازی کے پیچھے ہو اور ظاہر تر کراہت ہے اس لیے کہ جامع صغیر میں امام محمدؒ نے اس کی کراہت کی تصریح کی ہے اور یہ کتاب ان کی آخری تالیف ہے تو غالباً اس میں ان امور کو لکھا ہوگا جو متفق ہو چکے ہوں گے کذا فی الطحطاوی **ولا یکرہ لو کانت تحت قدمیہ** او محل جلوسہ لانہا مہانۃ **او فی یدہ** عبارۃ الشمنی بدنہ لانہا مستورۃ بثیابہ اور مکروہ نہیں اگر تصویر نمازی کے دونوں پاؤں کے نیچے یا بیٹھنے کی جگہ میں دبی ہو کیوں کہ اس صورت میں تصویر ذلیل ہے یا تصویر ہاتھ کے اندر ہو تب بھی مکروہ نہیں کہ وہ نمازی کے کپڑوں میں پوشیدہ ہے شارح نے کہا کہ شمنی کی عبارت میں فی یدہ کی جگہ فی بدنہ ہے یعنی اس کے بدن میں تصویر کا ہونا مکروہ نہیں ھم یعنی متن کی عبارت میں یہ اشکال ہے کہ اگر ہاتھ میں تصویر ہوگی تو ایک ہاتھ کو دوسرے پر رکھنے کی سنت ادا نہ ہوسکے گی حالاں کہ ترک سنت مکروہ ہے پھر عدم کراہت کا قول کیسے درست ہوگا ہاں اگر تصویر ہاتھ میں لٹکی ہو یا گدی ہوئی ہو تو ہو سکتا ہے کذا فی شرح المنیہ **او علی خاتمہ** بنقش غیر مستبین قال فی البحر ومفادہ کراہۃ المستبین لا المستتر بکیس او صرۃ او ثوب آخر واقرہ المصنف **او کانت صغیرۃ** لا تتبین تفاصیل اعضائہا للناظر قائما وہی علی الارض ذکرہ الحلبی یا تصویر نمازی کے انگوٹھا پر ہو غیر ظاہر نقش سے تب بھی مکروہ نہ ہوگی بحر الرائق میں کہا کہ اس کا مفاد یہ ہے کہ جس تصویر کا نقش ظاہر ہو وہ مکروہ ہو نہ وہ کہ تھیلی یا بدرہ یا دوسرے کپڑے میں چھپی ہو اور ثابت رکھا ہے اس کو مصنف نے یا تصویر اتنی چھوٹی ہو کہ اس کے اعضا کی تفصیل دیکھنے والے کو نہ سوجھتی ہو جب وہ کھڑا ہو اور تصویر زمین پر ہو یعنی اگر اتنے فاصلہ سے اس کے اعضاء جدا جدا نہ معلوم ہوتے ہوں تب بھی مکروہ نہ ہوگی ذکر کیا ہے اس کو حلبی نے **او مقطوعۃ الراس او الوجہ** او ممحوۃ عضو لا تعیش بدونہ **او لغیر ذی روح لا یکرہ** لانہا لا تعبد یا تصویر سر کٹی ہو یا چہرہ کٹا ہوا ہو یا اس کا ایسا عضو مٹا دیا ہو جس کے بدون اس صورت کا جان دار زندہ نہ رہے یا تصویر بے جان چیز کی ہو تو مکروہ نہ ہوگی کیوں کہ یہ سب مذکور چیزیں عبادت نہیں کی جاتیں ھم شامی نے کہا کہ سر کا کاٹنا عام ہے اس سے کہ اس کو مٹا دیا ہو یا بنایا ہی نہ ہو یا بنا کر لکیروں سے کاٹ دیا ہو یا کھرچ ڈالا ہو یا سیاہی یا سرخی پھیر دی ہو سب صورتوں سے کراہت نہ ہوگی وخبر جبرئیل مخصوص بغیر المہانۃ کما بسطہ ابن الکمال اور حدیث جبرائیل علیہ السلام کی مخصوص ہے اس تصویر کے باب میں جو ذلیل نہ ہو چنانچہ مشرح بیان کیا ہے اس کو ابن کمال نے ھم یہ جواب ہے ایک سوال مقدر کا اس کی تقریر یہ ہے کہ اگر تصویر کی کراہت اس وجہ سے ہے کہ جس جگہ نماز ہوتی ہے وہاں فرشتے بسبب تصویر کے نہ آئیں گے چناںچہ حدیث جبرئیل میں جس کو مسلم نے روایت کیا ہے مذکور ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا کہ فلاں ساعت میں حاضر خدمت ہوں گا جب وہ ساعت آئی تو جبرئیل نہ آئے آپ نے فرمایا کہ اللہ

تعالیٰ اور اس کا رسول اپنا وعدہ خلاف نہیں کرتا اور عصا جو آپ کے ہاتھ میں تھا اس کو زمین پر ڈالا پھر دیکھا تو ایک کتے کا بچہ چارپائی کے نیچے تھا آپ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ یہ کب آگیا انھوں نے عرض کیا کہ مجھ کو خبر نہیں پھر وہ بچہ نکالا گیا اس وقت جبریل تشریف لائے آپ نے فرمایا کہ میں تمھارے وعدہ کا منتظر تھا تم وعدہ پر نہ آئے انھوں نے عرض کیا کہ میرے اندر آنے کا یہ بچہ مانع ہوا جو آپ کے گھر میں تھا ہم ایسے گھر میں نہیں جاتے جس میں کتا یا تصویر ہو تب تو تصویر ذلیل ہو یا غیر ذلیل دونوں صورتوں میں کراہت ہونی چاہیے کیوں کہ حدیث میں لفظ صورت عام مذکور ہے اور اگر وجہ کراہت مشابہت عبادت ہے تو جس صورت میں تصویر سامنے یا سر کے اوپر ہو اسی وقت مکروہ ہونی چاہیے نہ داہنے بائیں ہونے میں شارح جواب دیتا ہے کہ کراہت کی وجہ یہی ہے کہ نماز کی جگہ میں فرشتوں کا گذر نہیں ہوتا اور حدیث جبریل میں ہرچند لفظ تصویر عام ہے مگر وہ اسی تصویر سے مخصوص ہے جو ذلیل نہ ہو اس کی خصوصیت دوسری حدیث سے ہے جس کو نسائی اور ابن حبان نے روایت کیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی آپ نے فرمایا کہ اندر آؤ انھوں نے عرض کیا کہ میں اندر کیسے آؤں آپ کے گھر میں تو ایک پردہ ہے جس میں تصویریں ہیں اگر آپ کو ان کا رکھنا منظور ہے تو ان کے سر کاٹ ڈالیے یا ان کے گدے اور بچھونے بنوا لیجیے انتہی کذا فی الشامی واختلف المحدثون فی امتناع ملائکۃ الرحمۃ بما علی النقدین فنفاہ عیاض واثبتہ النووی اور اختلاف کیا ہے اہل حدیث نے رحمت کے فرشتے نہ آنے میں بسبب ان تصویروں کے جو روپیہ اشرفی پر ہوتی ہیں تو قاضی عیاض مالکی نے امتناع کی نفی کی ہے اور نووی شافعی نے اس کو ثابت رکھا ہے ھم شامی نے کہا کہ قول قاضی عیاض کے موافق علامہ حلبی نے بھی تصریح کی ہے چنانچہ فتح القدیر میں کہا کہ چھوٹی تصویر کا گھر میں رکھنا مکروہ نہیں یعنی جو تصویر اتنی چھوٹی ہو کہ اس سے نماز مکروہ نہ ہوتی ہو تو اس کا رکھنا گھر میں مکروہ نہیں اور جو نماز میں کراہت پیدا کرتی ہو اس کا رکھنا بھی مکروہ ہے **فائدہ** یہ حکم تصویر کے رکھنے کا ہے لیکن بنانا تصویر جان دار کا چھوٹی ہو یا بڑی ہر طرح سے حرام ہے کہ اس میں مشابہت اللہ تعالیٰ کی پیدا کرنے سے ہے چنانچہ نووی نے شرح مسلم میں اس پر اجماع نقل کیا ہے وکرہ تنزیہا عدالآی والسور والتسبیح بالید فی الصلوٰۃ مطلقا ولو نفلا اما خارجہا فلا یکرہ کعدہ بقلبہ او بغمزہ اناملہ وعلیہ یحمل ماجاء من صلوٰۃ التسبیح اور مکروہ تنزیہی ہے شمار کرنا آیتوں اور سورتوں اور سبحان اللہ کہنے کا ہاتھ سے یعنی انگلیوں پر یا تسبیح ہاتھ میں لے کر کذا فی البحر مطلق نماز میں اگرچہ نفل نماز ہو اور مکروہ نہیں ہے شمار کرنا باہر نماز سے جیسے مکروہ نہیں شمار کرنا نمازی کا اپنے دل میں یا پوروں کے دبانے سے اور اسی پر محمول ہے صلوٰۃ التسبیح جو حدیث میں مذکور ہے یعنی اس میں بھی شمار دل سے کرے یا ایک ایک پور کو دباتا جائے **فرع** مسئلہ ملحقہ شارح کا لا باس باتخاذ المسبحۃ بغیر ریاء کما بسط فی البحر کچھ مضائقہ نہیں تسبیح رکھنے کا بدون ریا کے جیسا کہ شرح بیان کیا ہے بحر الرائق میں ھم مسبحہ بکسر میم صیغہ آلہ کا ہے اور بحر الرائق اور حلیہ وغیرہ میں سبحہ بضم سین ہے جس کو اصطلاح عوام میں تسبیح کہتے ہیں یعنی کچھ دانے ایک ڈورے میں پروئے ہوئے اور دلیل جواز تسبیح رکھنے کی وہ حدیث ہے جو ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی وغیرہم نے سعد بن ابی وقاص سے روایت کی ہے کہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک عورت کے پاس گیا جس کے سامنے کچھ گٹھلیاں یا کنکریاں تھیں جن پر وہ وظیفہ پڑھتی تھی آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں تجھ کو اس سے آسان تر اور افضل بتائے دیتا ہوں اس طرح پڑھ (سبحان اللہ عدد ما خلق فی السماء[ف] وسبحان اللہ عدد ما خلق فی الارض وسبحان اللہ عدد ما بین ذلک وسبحان اللہ عدد ما ھو خالق والحمد للہ مثل ذلک واللہ اکبر مثل ذلک ولا الہ الا اللہ مثل ذلک ولا حول ولا قوۃ الا باللہ مثل ذلک)

ف یعنی پاک ہے اللہ موافق شمار ان چیزوں کے جن کو اس نے آسمان میں پیدا کیا اور پاک ہے اللہ موافق تعداد ان اشیاء کے جن کو اس نے زمین میں پیدا کیا اور پاک ہے اللہ بقدر عدد ان اشیاء کے جو آسمان اور زمین کے درمیان ہیں اور پاک ہے اللہ موافق گنتی ان چیزوں کے جن کا وہ پالنے والا ہے اور الحمد للہ مثل اس کے یعنی الحمد للہ عدد ما خلق فی السماء اور الحمد للہ عدد ما خلق فی الارض الخ اور اللہ اکبر مثل اس کے اور لا الہ الا اللہ مثل اس کے اور لا حول ولا قوۃ الا باللہ مثل اس کے یعنی ان میں سے ہر ایک کے بعد وہی چاروں جملے ملا جو سبحان اللہ کے بعد ملائے تھے ۱۲

تو اس حدیث میں اس کو کنکریوں یا گٹھلیوں پر شمار کرنے سے منع نہ فرمایا بلکہ طریق آسان اور افضل ارشاد کر دیا اگر کسی چیز پر شمار کرنا مکروہ ہوتا تو بیان فرما دیتے اور تسبیح میں اس حدیث کے مضمون سے اتنی ہی زیادتی ہوتی ہے کہ گٹھلی وغیرہ کو ایک دھاگے میں پرو لیتے ہیں اس طرح کی زیادتی منع میں کچھ اثر نہیں کرتی علاوہ ازیں تسبیح کا رکھنا صوفیہ اخیار سے منقول ہے ہاں اگر نمود اور شہرت کے لیے رکھے تو البتہ مکروہ ہے کذا فی الشامی **لا یکرہ قتل حیۃ او عقرب ان خاف الاذی اذ الامر للاباحۃ** لانہ منفعۃ لنا فالاولی ترک الحیۃ البیضاء لخوف الاذی مکروہ نہیں نمازی کو مار ڈالنا سانپ یا بچھو کا اگر نمازی ایذا سے ڈرے کیوں کہ امر قتل کے مباح کرنے کیلیے ہے اس لیے کہ ہمارے فائدہ کے واسطے ہے تو بہتر ہے چھوڑ دینا سفید سانپ کا ایذا کے ڈر سے م صحیحین میں ہے کہ نماز کے اندر دو سیاہ چیزوں کو قتل کرو یعنی سانپ اور بچھو کو تو یہاں اعتراض ہوتا تھا کہ جب حکم ان کے مارنے کا ہے تو چاہیے تھا کہ ان کا مارنا مستحب ہوتا اور ماتن نے صرف عدم کراہت پر اکتفا کیا شارح اس کا جواب دیتا ہے کہ یہ امر حدیث میں اباحت کے لیے ہے کہ اس میں ہمارا ہی نفع ہے اور سفید سانپ کو نہ مارنے کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں اس کو جن فرمایا ہے تو جنات کے آسیب سے محفوظ رہنے کے لیے اس کا نہ مارنا اولیٰ ہے کہ اس کے مارنے میں ہمارا ضرر ہے اور نہایہ میں ہے کہ بدون خوف ایذا کے مارنا سانپ اور بچھو کا نماز کے اندر مکروہ ہے کذا فی الشامی **مطلقاً** مطلقا ولو بعمل کثیر علی الاظہر لکن صحح الحلبی الفساد سانپ اور بچھو کا مار ڈالنا نماز میں مطلقاً مکروہ نہیں اگرچہ عمل کثیر سے مارے اور یہ قول ظاہر تر ہے لیکن حلبی نے تصحیح نماز کے فاسد ہونے کی ہے در صورت عمل کثیر کے **ولا یکرہ صلوۃ الی ظہر قاعد او قائم ولو یتحدث** الا اذا خیف الغلط بحدیثہ اور مکروہ نہیں نماز پڑھنا بیٹھے ہوئے شخص یا کھڑے ہوئے کی پشت کی طرف اگرچہ وہ باتیں کرتا ہو مگر جس صورت میں کہ خوف بہک جانے کا ہو اس کی باتوں سے تو البتہ مکروہ ہے **ولا الی مصحف او سیف مطلقا او شمع او سراج او نار توقد** لان المجوس انما تعبد الجمر لا النار الموقدۃ قنیہ اور مکروہ نہیں نماز قرآن کی طرف یا تلوار کی طرف کو مطلقاً یعنی لٹکی ہوئی ہو یا رکھی ہوئی ہو یا نماز پڑھنا موم کی بتی کی طرف یا چراغ کی طرف یا آگ کی طرف جو روشن ہو اس لیے کہ آتش پرست عبادت چنگاری کی کرتے ہیں نہ جلتی آگ کی کذا فی القنیہ م طحطاوی نے کہا کہ یہ جملہ بتی اور چراغ اور آگ تینوں کی علت ہے اور آگ سے مراد وہ ہے جس میں صرف شعلہ ہو اور بندھی آگ نہ ہو تا اگر کوئلہ یا چنگاری بھی ہو گی تو خالی کراہت سے نہیں کذا فی العنایہ **او علی بساط فیہ تماثیل ان لم یسجد علیہا** لما مر یا مکروہ نہیں نماز اس فرش پر جس میں تصویریں ہوں بشرطیکہ تصویروں پر سجدہ نہ کرے مکروہ نہیں بسبب اس وجہ کے کہ پیشتر گذری یعنی فرش پر تصویر کا ہونا اس کی ذلت کا باعث ہے **فروع** مسائل ملحقہ شارح کے یکرہ اشتمال الصماء والاعتجار والتلثم والتنخم مکروہ ہے اشتمال صما یعنی چادر کو بدن میں سر سے پاؤں تک ایسی طرح لپیٹنا کہ کہیں سے ہاتھ باہر نہ نکلے اور مکروہ ہے اعتجار یعنی دوپٹہ یا پگڑی کو سر سے باندھنا اس طرح کہ بیچ میں سے سر کھلا رہے اور وجہ کراہت ان دونوں امر کی یہ ہے کہ حدیث میں ان سے نہی وارد ہے اس لیے کراہت تحریمی معلوم ہوتی ہے کذا فی الشامی اور مکروہ ہے ڈھاٹا باندھنا اس طرح کہ ناک اور منہ ڈھک جائے کیوں کہ آتش پرست آگ کی عبادت کے وقت ایسا ہی کرتے ہیں اور مکروہ ہے زور کی سانس کے ساتھ رینٹھ نکالنا م تنخم بتائے فوقانیہ دونوں وخائے معجمہ ہے اور بعض نسخوں میں تختم ہے یعنی انگوٹھی کا پہننا نماز میں عمل قلیل کے ساتھ مکروہ ہے طحطاوی نے ابو السعود سے نقل کیا کہ ڈھاٹے کا باندھنا مکروہ تحریمی ہے اور خر خر کر کے رینٹھ نکالنے کا حکم مثل کھنکارنے کے ہے چنانچہ اس کی تفصیل گذر چکی کذا فی الشامی وکل عمل قلیل بلا عذر کتعرض لقملۃ قبل الاذی اور مکروہ تنزیہی ہے ہر عمل قلیل بدون عذر کے مثلاً جوں کا مار ڈالنا پہلے کاٹنے کے وترک کل سنۃ ومستحب اور مکروہ تنزیہی ہے چھوڑنا ہر سنت اور مستحب کا شامی نے کہا کہ اگر سنت زیادہ مؤکد ہو گی تو عجب نہیں کہ اس کا ترک مکروہ تحریمی ہو وحمل الطفل وما ورد نسخ بحدیث ان فی الصلوۃ لشغلا اور مکروہ ہے بدون حاجت اٹھا لینا بچہ کا نماز میں اور جو قصہ کہ حدیث میں وارد ہے وہ منسوخ ہے اس حدیث سے کہ ان فی الصلوۃ لشغلا یعنی نماز میں ایک شغل ہے جو اور باتوں کا مانع ہے م یہ جواب ہے سوال مقدر کا کہ بچہ کا اٹھانا مکروہ کیسے ہو سکتا ہے یہ امر تو صحیحین میں بروایت ابو قتادہ ثابت ہے کہ آں حضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنی نواسی بی بی امامہ کو اٹھا لیتے تھے جب سجدہ کرتے تھے تو ان کو اتار دیتے تھے اور کھڑے ہونے کے وقت پھر اٹھا لیتے تھے اس سوال کا جواب ایک تو یہی ہے جو شارح نے دیا کہ یہ حکم منسوخ ہے مگر یہ جواب کام کا نہیں اس لیے کہ حدیث (ان فی الصلوٰۃ لشغلا) ہجرت سے پیش تر کی ہے اور قصہ بی بی امامہ کا ہجرت کے بعد ہے تو وہ حدیث اس کی ناسخ کیسے ہو سکتی ہے اور ایک جواب بدائع میں مذکور ہے کہ یہ فعل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس لیے تھا کہ آپ کو اس کی ضرورت تھی کیوں کہ ایسا شخص کوئی نہ تھا جو بی بی امامہ کی حفاظت کرتا تو اگر اب بھی کوئی شخص اسی طرح کی ضرورت میں مبتلا ہو تو اس کو بچہ کا اٹھانا مکروہ نہیں البتہ بدون حاجت مکروہ ہوگا کذا فی الشامی ویباح قطعہا لنحو قتل حیۃ وند دابۃ وفور قدر وضیاع ماقیمتہ درہم لہ او لغیرہ اور مباح ہے نماز کا توڑ دینا اگرچہ نماز فرض ہو ان جیسے عذروں سے مثلاً سانپ کا مارنا اور سواری کا بھاگ جانا اور ہانڈی کا ابلنا اور تلف ہونا ایسی چیز کا جس کی قیمت ایک درہم یعنی پانچ آنہ ہوں خواہ نمازی کی ہو یا کسی دوسرے کی ھم اسی طرح اگر خوف ہو کہ بھیڑیا کوئی بکری اٹھا لے جائے گا تو جائز ہے کہ نماز توڑ کر بھیڑیے کو دفع کرے کذا فی نور الایضاح ویستحب لمدافعۃ الاخبثین وللخروج من الخلاف ان لم یخف فوت وقت وجماعۃ اور مستحب ہے نماز کا توڑ دینا پاخانہ اور پیشاب کے دباؤ کے وقت اور خلاف سے نکلنے کے واسطے اگر خوف نہ ہو وقت کے جانے کا یا جماعت کے نہ ملنے کا ھم شامی نے کہا کہ بول و براز کے دباؤ کے ساتھ نماز پڑھنی مکروہ تحریمی ہے تو اس کے توڑنے کو واجب کہنا چاہیے تھا نہ مستحب اگرچہ جماعت فوت ہو جائے اور خلاف سے نکلنے کی یہ صورت ہے کہ نماز پڑھنے میں کسی عورت اجنبی نے مثلاً ہاتھ لگا دیا تو مستحب ہے کہ نماز توڑ دے کیوں کہ اس صورت میں امام شافعی کے نزدیک نماز نہ ہوگی ویجب لاغاثۃ ملہوف وغریق و حریق اور واجب ہے نماز توڑ دینا واسطے فریاد رسی فریاد خواہ اور ڈوبتے اور جلتے آدمی کے ھم طحطاوی نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ ایسے امور کے لیے نماز کا توڑ دینا فرض ہو اور مثل اس کے ہے اندھے کو کنویں میں گرتے دیکھنا لا لندا احد ابویہ بلا استغاثۃ الا فی النفل فان علم انہ یصلی لا باس ۰۰۰۰۰ ان لا یجیبہ وان لم یعلم اجابہ نہیں جائز ہے نماز فرض کا توڑنا واسطے پکارنے ماں یا باپ کے بدون فریاد خواہی کے مگر نفل نماز میں اگر ماں یا باپ پکارے تو جواب دینا واجب ہے گو فریاد خواہی کے واسطے نہ پکارا ہو کذا فی الشامی پھر اگر ماں یا باپ کو معلوم ہو کہ وہ نماز پڑھتا ہے تو کچھ مضائقہ نہیں جواب نہ دینے کا اور اگر معلوم نہ ہو تو جواب دے ھم ماں باپ سے مراد اصول ہیں گو اوپر کے ہوں یعنی دادا یا نانا یا نانی یا دادی ہو تب بھی یہی حکم ہے یہاں تک بیان نماز کے اندر کے مکروہات کا تھا اب مصنف وہ مکروہات بیان کرتا ہے جو نماز کے باہر ہوں مگر نماز کے توابع میں سے ہوں وکرہ تحریما استقبال القبلۃ بالفرج ولو فی الخلاء بالمد بیت التغوط وکذا استدبارہا فی الاصح اور مکروہ تحریمی ہے بول و براز کے وقت شرمگاہ کا منہ کرنا قبلہ کو اگرچہ پاخانہ کے اندر ہو اور اسی طرح مکروہ تحریمی ہے پشت پھیرنا قبلہ کی طرف کو صحیح تر قول میں شارح نے کہا کہ لفظ خلا الف ممدودہ کے ساتھ پاخانہ کے مکان کو کہتے ہیں ھم وجہ کراہت کی یہ ہے کہ صحاح ستہ میں مروی ہے کہ جب تم پاخانہ پھرو تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرو نہ پشت بلکہ اس کو داہنی طرف کر لو یا بائیں اور یہ حکم مرد و عورت دونوں کو یکساں ہے اور کراہت بول و براز کے وقت ہے پانی سے استنجا کرنے کے وقت نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ اور استقبال فرج کی قید سے یہ نکلا کہ اگر سینہ قبلہ کی جانب ہو اور شرم گاہ کو جانب قبلہ سے پھیر کر پیشاب کرے گا تو مکروہ نہ ہوگا کذا فی الشامی کما کرہ لبالغ امساک صبی لیبول نحوہا جیسے مکروہ تحریمی ہے بالغ شخص کو بیشاب کرانا بچہ کا قبلہ کی طرف کو اس لیے کہ بالغ کو بچہ کے ساتھ ایسا فعل کرنا حرام ہے جو بچہ پر بالغ ہونے کے بعد حرام ہو مثلاً حریر یا زیور پہنانا لڑکے کو حرام ہے کذا فی الشامی وکما کرہ مد رجلیہ فی نوم او غیرہ الیہا ای عمدا لانہ اساءۃ ادب قالہ منلا باکیر اور جیسے مکروہ ہے دونوں پاؤں کا پھیلانا سونے میں یا سوائے سونے کی حالت کے قبلہ کی طرف یعنی پاؤں پھیلانا دانستہ مکروہ ہے اس لیے کہ یہ بے ادبی ہے کہا ہے اس کو منلا باکیر نے ھم طحطاوی نے کہا کہ عمدا سے یہ معنی کہ بدون عذر اور سہو کے پھیلاوے تو اگر عذر سے یا بھول کر پھیلا دے گا تو مکروہ نہ ہوگا اور دونوں پاؤں کے مانند ہے حکم ایک پاؤں کے پھیلانے کا اور بالغ اور لڑکا اس حکم میں برابر ہیں شامی نے کہا کہ وجہ کراہت کو بے ادبی قرار دینے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کراہت تنزیہی

ہو مگر آگے آرہے گا کہ قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانے سے آدمی کی گواہی مقبول نہیں ہوتی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کراہت تحریمی ہے **اوالی مصحف اوشیٔ من الکتب الشرعیۃ الاان یکون علی موضع مرتفع عن المحاذاۃ** فلایکرہ قالہ الکمال یا مکروہ ہے پاؤں پھیلانا قرآن مجید کے یا کسی کتاب شرعی کیطرف یعنی تفسیر وحدیث وفقہ اور ان کے اصول کی کتاب کی طرف مگر یہ کہ کتاب موصوف کسی اونچی جگہ پر ہو پاؤں کی سیدھ سے تو پاؤں پھیلانا مکروہ نہ ہوگا کہا ہے اس کو کمال الدین محقق نے شامی نے کہا کہ اگر ظاہر اکتاب بہت دور رکھی ہو تب بھی کراہت نہ ہوگی **وکما کرہ غلق باب المسجد الالخوف علی متاعہ بہ یفتٰی** اور جیسے مکروہ ہے قفل لگانا مسجد کے دروازے کو مگر اپنے اسباب کے ڈر سے اگر قفل لگادے تو مکروہ نہیں اسی پر فتویٰ ہے **ھ** شامی نے کہا کہ غلق کی جگہ اغلاق کہنا چاہیے کیوں کہ قاموس میں ہے کہ غلق باب لغت خراب ہے اغلاق باب فصیح ہے اور وجہ کراہت یہ ہے کہ دروازے بند کرنے سے نمازیوں کو نماز سے روکنا پایا جائے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ[1]) اور خوف متاع کی صورت میں بھی اوقات نماز میں بند کرنا مکروہ ہوگا کذا فی البحر **وکرہ تحریماً الوطی فوقہ والبول والتغوط** لانہ مسجد الی عنان السماء **واتخاذہ طریقاً بغیر عذر** وصرح فی القنیۃ بفسقہ باعتیادہ اور مکروہ تحریمی ہے صحبت کرنا مسجد کی چھت پر اور بول وبراز کرنا اس لیے کہ وہ مسجد ہے تحت الثریٰ سے لے کر آسمان کی سطح تک اور مکروہ ہے ٹھہرادینا مسجد کو راستہ بدون عذر کے اور قنیہ میں تصریح کی ہے آدمی کے فاسق ہوجانے کی مسجد کو راستہ بنالینے کی عادت کرنے سے یعنی اگر عادت کرلیگا کہ راستہ مسجد ہی میں ہوکر چلے تو فاسق ہوجائے گا **وادخال نجاستہٖ فیہ وعلیہ فلایجوز الاستصباح بدھن نجس فیہ** ولاتطیینہ بنجس ولاالبول والفصد فیہ ولوفی اناء مکروہ ہے اندر لے جانا نجاست کا مسجد میں اور اس بنا پر متفرع ہوا کہ جائز نہیں چراغ جلانا ناپاک تیل سے مسجد کے اندر اور نہ استرکاری کرنا مسجد کا ناپاک گارے سے اور نہ پیشاب کرنا اور فصد کھلوانا اگرچہ برتن کے اندر پیشاب اور خون لیا جائے **ھ** فتاوی عالمگیری میں ہے کہ جس آدمی کے بدن پر نجاست لگی ہو وہ مسجد کے اندر نہ جاوے اور جس گارے میں ناپاک پانی پڑا ہو اس سے مسجد کا لیسنا مکروہ ہے ویحرم ادخال صبیان ومجانین حیث غلب تنجیسھم والافیکرہ اور حرام ہے داخل کرنا لڑکوں اور مجنونوں کا مسجد میں جب کہ گمان غالب ہو کہ مسجد کو ناپاک کردیں گے اور اگر ایسا نہ ہو تو اندر لے جانا ان کا مکروہ ہے **ھ** شامی نے کہا کہ مراد حرام ہونے سے مکروہ تحریمی ہے اور وجہ اندر نہ لے جانے لڑکوں اور دیوانوں کی یہ ہے کہ حدیث مرفوع میں آچکا ہے کہ اپنے مساجد کو لڑکوں اور دیوانوں اور بیع اور شرا اور شور وغل اور شمشیر کشی اور اقامت حدود سے علیحدہ رکھو اور جمعوں میں ان کو خوشبو سلگا کر معطر کرو کذا فی البحر اس سے معلوم ہوا کہ در صورت گمان نجس نہ ہونے کے لڑکوں کا لے جانا مکروہ تنزیہی ہے وینبغی لداخلہ تعاہد نعلہ وخفہ وصلوتہ فیہما افضل اور مسجد میں جانے والے کو چاہیے دیکھ بھال لینا اپنے جوتے اور موزہ کو کہ آلودہ نجاست نہ ہوں اور نماز پڑھنا نمازی کا جوتوں اور موزوں کو پہن کر بشرطیکہ طاہر ہوں افضل ہے **ھ** وجہ افضلیت یہ ہے کہ طبرانی نے حدیث روایت کی ہے کہ نماز پڑھو جوتوں کو پہن کر اور یہود کے مشابہت مت کرو شامی نے کہا کہ عمدۃ المفتی میں ہے کہ جوتا پہن کر مسجد میں جانا اس زمانے کے عرف میں داخل بے ادبی ہے اور خوف مسجد کی فرش کے آلودگی کا بھی ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ خوف نہ تھا کیوں کہ مسجد شریف میں اس وقت کنکریں بچھی ہوئی تھیں **لایکرہ ماذکر فوق بیت جعل فیہ مسجد بل ولافیہ** لانہ لیس بمسجد شرعاً مکروہ نہیں اشیاء مذکورہ یعنی جماع اور بول اور براز اس گھر کی چھت پر جس میں نماز پڑھنے کی جگہ بنائی گئی ہے بلکہ خود اس جگہ میں یہ چیزیں مکروہ نہیں اس لیے کہ وہ مسجد شرعی نہیں **ھ** یعنی مسجد شرعی وقف اور اذن عام سے ہوتی ہے اور گھر میں ایک جگہ لیپ پوت کر نماز کے لیے کرلینے سے مسجد نہیں ہوجاتی **واما المتخذ لصلوۃ جنازۃ اوعید فھو مسجد فی حق جواز الاقتداء** وان انفصل الصفوف رفقاً بالناس لافی حق غیرہ بہ یفتی نہایۃ اور وہ مکان جو نماز جنازہ یا عید کے لیے مقرر کیا جائے سو وہ مسجد ہے اقتداء کے درست ہونے کے حق میں اگرچہ صفوں میں انفصال ہو جواز اقتدا میں اس کو مسجد اس لیے قرار دیا گیا کہ لوگوں پر آسانی ہو مکان مذکور

---

[1] اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے کہ منع کرے اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام لیا جانے سے ۱۲

مسجد نہیں جواز اقتداء کے سوا دوسری چیزوں کے حق میں کذا فی النہایہ ھم بحرالرائق میں کہا کہ ظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب عیدگاہ اور نماز جنازہ کا مکان مسجد نہیں تو اس میں بول و براز و جماع جائز ہو حالانکہ بانی نے اس لیے نہیں بنوایا تو لائق یہ ہے کہ یہ امور درست نہ ہوں اگرچہ ہم اس کو مسجد نہ کہیں اور مقابل قول مفتی بہ کا وہ قول ہے جس کی تصحیح محیط میں کی ہے کہ مکان نماز جنازہ کے لیے کسی بات میں حکم مسجد میں نہیں اور جس کی تصحیح تاج الشریعہ نے کی ہے کہ عیدگاہ ہر بات میں حکم مسجد کا رکھتی ہے کذا فی الشامی فحل دخولہ لجنب وحائض کفناء للمسجد رباط و مدرستہ و مساجد حیاض و اسواق لا قوارع بس حلال ہے داخل ہونا عیدگاہ اور مکان جنازہ میں جنب اور حائضہ کو جیسے حلال ہے ان کو داخل ہونا مسجد کے فنا میں اور خانقاہ اور مدرسہ میں اور حوضوں کی مسجدوں اور بازاروں کی مسجدوں میں نہ شارع عام کے مساجد میں ھم فناء مسجد وہ مکان ہے جس کے اور مسجد کے بیچ میں راستہ نہ ہو اور حوض کی مسجد سے وہ چبوترہ مراد ہے جو حوض کے پاس بنا دیتے ہیں تاکہ جو کوئی وضو کرے اس پر تحیۃ الوضو یا اور نماز پڑھ لے اور بازار کی مسجد سے وہ چبوترہ مراد ہے جو غیر نافذ بازار میں نماز کے لیے بنا دیتے ہیں جیسے سوداگروں کی سرائے میں ہوا کرتے ہیں غرضیکہ ان مکانوں کو حکم مسجد کا نہیں اور شارع عام کی مسجدیں جن میں جماعت معین نہیں وہ در حکم مسجد نہیں مگر ان میں اعتکاف نہ کیا جائے کذا فی الشامی ولا باس بنقشہ خلا محرابہ فانہ یکرہ لانہ یلھی المصلے ویکرہ التکلف بدقائق النقوش ونحوہ خصوصاً فی جدار القبلۃ قالہ الحلبی وفی حظر المجتبی وقیل یکرہ فی المحراب دون السقف والموخر انتہی وظاہرہ ان المراد بالمحراب جدار القبلۃ فلیحفظ اور کچھ مضائقہ نہیں مسجد کے نقش کرنے کا سوا محراب کے کہ محراب کا نقش کرنا مکروہ ہے اس لیے کہ نمازی کو لہو میں ڈالتا ہے یعنی خشوع کو مخل ہے اور مکروہ ہے تکلف کرنا باریک نقش و نگار اور اس کے مثل سے خصوصاً قبلہ کی دیوار میں کہا ہے اس کو حلبی نے اور مجتبی کے باب الحظر میں ہے کہ بعض فقہا نے کہا کہ نقش و نگار محراب میں مکروہ ہے نہ چھت اور پچھلی دیوار میں تمام ہوا قول مجتبی کا اور ظاہر اس قول کا یہ ہے کہ محراب سے مراد قبلہ کی دیوار ہے تو اس کو یاد کر لینا چاہیے ھم یعنی پچھلی دیوار اور چھت کو کراہت سے مستثنیٰ کرنے سے اور نیز علت کراہت کو عدم خشوع قرار دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ محراب سے غرض مصلی کے سامنے کی دیوار ہے اس لیے کہ خشوع کا جاتا رہنا جیسا امام کو برا ہے ویسا ہی صف اول کے مقتدیوں کو بھی برا ہے کیوں کہ خشوع سب کے لیے مستحب ہے اور لہو کو علت کراہت قرار دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں غرض کراہت سے تنزیہی ہے کذا فی الشامی بجص وماء ذہب لو بمالہ الحلال لا من مال الوقف فانہ حرام وضمن متولیہ لو فعل النقش او البیاض الا اذا خیف طمع الظلمۃ فلا باس بہ کافی والا اذا کان لاحکام البناء او الواقف فعل مثلہ لقولھم یعمر الوقف کما کان وتمامہ فی البحر مضائقہ نہیں نقش کرنا مسجد کا چونہ اور سونے کے پانی سے اگر نقش کرنے والا اپنے مال حلال سے کرے نہ مال وقف سے اس لیے کہ مال وقف سے نقش کرنا حرام ہے اور ضامن ہوگا مسجد کا متولی اگر نقش و نگار یا سفیدی مال وقف سے کرے گا مگر جب کہ خوف ہو لالچ ظالموں کا یعنی مال وقف بہت سا جمع ہو اور ڈر ہے کہ چھین لیں گے ظالم تو اس وقت نقش کرنے کا مضائقہ نہیں کذا فی الکافی اور مگر اس صورت میں ضمان نہ دے گا کہ نقش وغیرہ عمارت کی مضبوطی کے لیے ہوں یا خود وقف کرنے والے نے اس طرح کے نقش بنوائے ہوں تو اس صورت میں بھی ضمان نہ دے گا بسبب قول فقہا کے کہ وقف کی تعمیر ایسی کی جائے جیسے پہلے تھی اور اس کا پورا بیان بحرالرائق میں ہے ھم مال حلال کی قید اس لیے لگائی کہ مال حرام سے مسجد کا نقش و نگار مکروہ تحریمی ہے اور مسجد سے غرض اندرون مسجد ہے اس سے معلوم ہوا کہ خارج مسجد کی زینت کرنی مکروہ ہے کذا فی الشامی عن البحر فروع مسائل ملحقہ شارح کے مساجد کے احکام میں افضل المساجد مکۃ ثم المدینۃ ثم القدس ثم قباء ثم الاقدم ثم الاعظم ثم الاقرب سب مسجدوں میں افضل مسجد مکہ معظمہ ہے کیوں کہ اس میں کعبہ ہے جس کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (اول بیت وضع للناس)[1] پھر مدینہ منورہ ہے جس کی شان میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک نماز میری اس مسجد میں برابر ہے ہزار نمازوں کے اس کے سوا دوسری مسجد میں بجز مسجد حرام کے پھر مسجد قدس یعنی بیت المقدس ہے

---

[1] پہلا گھر جو ٹھہرا لوگوں کے واسطے یہی ہے جو مکہ میں ہے ۱۲

کہ تصریح ثواب کی زیادتی کی اس کے اندر حدیث میں موجود ہے پھر مسجد قبا بالضم قاف والف مقصورہ یا ممدودہ ہے جس کی شان میں آیت (اسس[۵۱] علی التقوٰی من اول یوم) الآیہ ہے ان چاروں مسجدوں کے بعد افضل وہ مسجد ہے جو قدیم تر ہو پھر وہ جو زیادہ بڑی ہو پھر وہ جو قریب تر ہو ھم یہ ترتیب حلیہ میں اجناس سے نقل کی ہے اور بحر الرائق میں بعد بیت المقدس کے جامع مسجدوں کو اور ان کے بعد شارع عام کی مسجدوں کو لکھا ہے اور شارع عام کی مسجدوں سے وہ مسجدیں مراد ہیں جن کا امام اور مؤذن معین نہیں اور جامع مسجدوں سے یہ غرض ہے کہ جن میں وسعت زیادہ اور جماعت بہت ہوتی ہو اور ان میں سے افضل وہ ہے جو زیادہ قدیم ہو جیسے مسجد قبا ہے پھر وہ جس میں جماعت زیادہ ہوتی ہو پھر وہ جو قریب تر ہو کذا فی الشامی ومسجد استاذہ لدرسہ اولسماع الاخبار افضل اتفاقا اور مسجد اپنے استاذ کی اس سے پڑھنے کے لیے یا حدیث سننے کے واسطے افضل ہے یعنی قدیم تر اور اعظم اور اقرب سے بالاتفاق اس لیے کہ اس میں دو ثواب ہیں ایک جماعت دوسرے تحصیل علم ومسجد حیہ افضل من الجامع اور مسجد نمازی کے محلہ کی افضل ہے مسجد جامع سے ھم شامی نے کہا کہ مسجد جامع سے مراد یہ ہے کہ جس کی نماز بہ نسبت محلہ کی مسجد کے زیادہ ہوتی ہو بلکہ خانیہ میں ہے کہ اگر محلہ کی مسجد میں کوئی مؤذن نہ ہو تو نمازی اس میں جا کر اذان کہے اور نماز پڑھے اگرچہ تنہا ہو اس لیے کہ محلہ کی مسجد کا اس کے ذمہ حق ہے اور اگر محلہ میں دو مسجدیں ہوں تو جو پیشتر بنی ہو اس میں جائے اگر فاصلہ برابر ہو ورنہ قریب کی مسجد میں جائے والصحیح ان ما الحق بمسجد المدینۃ ملحق بہ فی الفضیلۃ نعم تحری الاول اولی وہو مائۃ فی مائۃ ذراع ذکرہ ملا علی فی شرح لباب المناسک اور صحیح یہ ہے کہ مسجد مدینہ منورہ میں جس قدر لاحق کی گئی ہے وہ ثواب میں اصل مسجد کے ساتھ ملحق ہے یعنی مقدار لاحق میں بھی ایک نماز کا ثواب ہزار کی برابر ہے ہاں اول مسجد کی اٹکل کرنی بہتر ہے اور اصل مسجد سو ہاتھ کا طول اور اتنا ہی عرض ہے ذکر کیا ہے اس کو ملا علی قاری نے لباب المناسک کی شرح میں ھم ان دنوں میں اصل مسجد کی شناخت کے لیے سلطان روم مرحوم نے ستونوں پر لکھوا دیا ہے تاکہ ہر شخص سہولت سے تمیز کر لے کہ مسجد مبارک اس قدر تھی اور اس مسئلہ کا ذکر شروط صلوٰۃ میں قبلہ کی بحث سے پیشتر گذر چکا وہاں دیکھنا چاہیے ویحرم فیہ السوال ویکرہ الاعطاء مطلقا وقیل ان تخطی اور حرام ہے مسجد میں سوال کرنا اور مکروہ ہے سائل کو مسجد میں دینا ہر حال میں اور بعض نے کہا کہ اگر سائل گردنوں پر لوگوں کی پھلانگے تو مکروہ ہے ورنہ مکروہ نہیں ھم شارح نے باب الحظر والاباحۃ میں اسی پچھلے قول پر اکتفا کی ہے چنانچہ کہا ہے کہ مکروہ ہے سائل مسجد کو دینا مگر جس وقت کہ وہ لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے قول مختار میں اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی انگوٹھی نماز کے اندر دی اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کی اس آیت میں (ویؤتون الزکوٰۃ وہم راکعون) یعنی دیتے ہیں خیرات اس وقت میں کہ وہ رکوع کرتے ہوں کذا فی الطحطاوی والنشاد ضالۃ اوشعر الا مافیہ ذکر اور مکروہ ہے کھوئی چیز کا تلاش کرنا مسجد میں اور مکروہ ہے شعر پڑھنا مسجد میں مگر جن اشعار میں ذکر ہو ان کا پڑھنا مکروہ نہیں ھم گم ہوئی چیز کا مسجد میں تلاش کرنا اس لیے مکروہ ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ مسجد میں گم ہوئی چیز ڈھونڈتا ہے تو کہو کہ خدا تعالیٰ اس کو تجھ پر واپس نہ کرے یعنی خدا کرے کہ تجھ کو وہ چیز نہ ملے اور ابو اللیث سمرقندی نے شعر میں یہ تفصیل کی کہ اگر اشعار میں وعظ اور خدا تعالیٰ کی نعمتوں اور حکمتوں کا ذکر اور متقیوں کی صفت کا بیان ہو تو ان کا پڑھنا بہتر ہے اور اگر ان میں ذکر زمانوں اور امتوں کا ہو تو مباح ہے اور اگر کسی مسلمان کی ہجو یا بے وقوفی کی باتیں ہوں تو حرام ہے اور اگر خط و خال کا وصف ہو تو پڑھنا مکروہ ہے اور ابو داؤد اور ترمذی کی حدیث مسجد میں شعر خوانی کی ممانعت کی برے اشعار پر محمول ہے کذا فی الشامی ورفع صوت بذکر الا للمتفقہۃ اور مکروہ ہے مسجد میں بلند کرنا آواز کا ذکر سے مگر فقہ سیکھنے سکھانے والوں کو آواز کا بلند کرنا مکروہ نہیں ھم ذکر جہری میں قید اس بات کی ہونی چاہیے کہ جس میں خوف ریا یا نمازیوں کی ایذا کا ہو اور اگر ان سے خالی ہو تو بعض علماء کے نزدیک ذکر جہری ہی افضل ہے اس لیے کہ اس کا فائدہ سننے والوں کو بھی ہوتا ہے اور خود ذکر کرنے والا بیدار دل رہتا ہے اور نشاط زیادہ پاتا ہے اور اکثر علماء ذکر خفی کو ترجیح دیتے ہیں اس وجہ

[۵۱] بنیاد ڈالی پرہیزگاری پر پہلے دن سے ۱۲

سے کہ حدیث میں وارد ہے خیر الذکر الخفی یعنی ذکر آہستہ ذکر کرنا ہے کذا فی الطحطاوی والشامی تبصرف والوضوء الا فیما اعد لذالک اور مکروہ ہے مسجد کے اندر وضو
کرنا اس لیے کہ اس کے پانی سے گھن آتی ہے کہ اکثر تھوک اور رینٹ سے خالی نہیں ہوتا کذا فی الشامی مگر وضو کرنا اس مقام میں جو وضو کے لیے بنا یا
گیا ہو مکروہ نہیں طحطاوی نے کہا کہ یہی حکم بدون جنابت کے نہانے کا ہے وغرس الاشجار الا لنفع کتقلیل نز وتکون للمسجد اور مکروہ ہے درختوں کا لگانا مگر کسی
نفع کے لیے مکروہ نہیں جیسے کم کرنا رطوبت کا اور وہ درخت یعنی ان کی لکڑی اور پھل مسجد کا ہوگا ھم نز بفتح نون وتشدید زا معجمہ زمین کی رطوبت کو کہتے
ہیں خلاصہ میں کہا کہ جب مسجد کے ستون بباعث رطوبت کے نہ ٹھہرتے ہوں تو اس رطوبت کے کم کرنے کو درختوں کے لگانے کا مضائقہ نہیں اور بدون
نفع کے لگانا ناجائز ہے اور فتاوی عالمگیری میں ہے کہ اگر لوگوں کو درخت کے سایہ سے آرام ہوتا ہے اور ان سے مسجد تنگ نہ ہو اور نہ جماعت میں خلل پڑے
تو کچھ مضائقہ نہیں اور کوئی خاص اپنے نفع کے لیے لگا دے کہ ان کے پھل اور لکڑی آپ لیا کرے یا صفوں میں خلل ہوتا ہو یا درختوں کے باعث کفار کے
معابد سے مشابہت ہوتی ہو تو مکروہ ہے واکل ونوم الا لمعتکف وغریب اور مکروہ ہے مسجد کے اندر کھانا اور سونا مگر اعتکاف والے اور مسافر کو مکروہ نہیں
ودخول آکل نحو ثوم ویمنع منه وكذا آكل موذ ولو بلسانه اور مکروہ ہے مسجد میں آنا کھانے والے لہسن جیسی چیز کا یعنی کچا پیاز اور مولی وغیرہ جن میں بدبو آتی ہے اور
منع کیا جائے ایسا شخص مسجد میں گھسنے سے اور اسی طرح ہر شخص ایذا دینے والا اگرچہ زبان ہی سے ایذا دے مسجد سے منع کیا جائے ھم آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس بدبو میں سے کھائے وہ ہماری مسجد کے پاس نہ پھٹکے اس لیے کہ جس چیز سے انسانوں کو ایذا ہوتی ہے اس سے فرشتوں کو
ایذا ہوتی ہے انتہی اور ایذا دینے والے سے مراد گندہ دہن اور گندہ بغل ہیں یا جس کے پسینے سے یا کپڑے کی بدبو سے تکلیف ہوتی ہو اور زبانی ایذا سے
غرض غیبت اور چغلی وغیرہ ہے کذا فی الطحطاوی وکل عقد الا لمعتکف بشرطه اور مکروہ ہے مسجد میں ہر معاملہ یعنی معاوضہ مثل بیع وشرا کے کذا فی الشامی مگر اعتکاف
والے کو بیع وشرا درست ہے بموجب اس کی شرط کے ھم شرط یہ ہے کہ اس چیز کے حاجت اسکو یا اس کے عیال کو ہو اور ایک یہ کہ متاع کو مسجد میں نہ منگائے
کذا فی الطحطاوی والکلام المباح وقیدہ فی الظہیریۃ بان یجلس لاجلہ لکن فی النہر الاطلاق اوجہ اور مکروہ ہے مسجد میں کلام مباح کرنا اور ظہیریہ میں قید لگائی ہے
کہ کلام ہی کی خاطر مسجد میں بیٹھے یعنی اگر مسجد میں عبادت کے لیے بیٹھا اور اس کے بعد کلام دنیا کا کیا تو مکروہ نہ ہوگا لیکن نہر الفائق میں ہے کہ کراہت کو مطلق
رکھنا موجہ تر ہے یعنی کلام کے لیے بیٹھا ہو یا عبادت کے لیے دونوں صورتوں میں کلام مباح مکروہ ہے ھم شامی نے کہا کہ صاحب نہر کی بحث مخالف منقول
ہے اور اس میں حرج بھی بہت ہے وتخصیص مکان لنفسه ولیس له ازعاج غیره منه ولو مدرسا واذا ضاق فللمصلی ازعاج القاعد ولو مشتغلا بقراءة او درس بل و
لاهل المحلة منع من ليس منهم عن الصلوة فيه اور مکروہ ہے خاص کرنا کسی جگہ کا اپنے لیے اور نہیں جائز ہے اس کو ہٹا دینا غیر شخص کا اس جگہ سے اگرچہ غیر مدرس
ہی ہو اور اگر جگہ تنگ ہو تو نمازی کو جائز ہے ہٹا دینا بیٹھنے والے کا گو بیٹھنے والا قراءت یا درس میں مشغول ہو بلکہ تنگی کی صورت میں اہل محلہ کو اختیار ہے کہ جو
شخص اس محلہ والوں سے نہ ہو اس کو مسجد میں نماز سے منع کریں ھم شامی نے کہا کہ اگر کسی کے بیٹھنے سے صف میں خلل پڑتا ہو تو اس کا اٹھا دینا بھی نمازی
کو جائز ہے ولهم نصب متول وجعل المسجدین واحدا وعکسه لصلوۃ لا لدرس او ذکر اور جائز ہے محلہ والوں کو مقرر کرنا متولی کا مسجد کے کاموں کے لیے اگرچہ قاضی
مقرر نہ کرے اور جائز ہے دو مسجدوں کا ایک کر لینا اور ایک مسجد کا دو کر لینا نماز کے لیے نہ درس اور ذکر کے لیے کیوں کہ مسجدیں درس اور ذکر کے لیے
نہیں بنائی گئیں اگرچہ درس اور ذکر ان میں جائز ہے کذا فی القنیہ وفی المسجد عظة وقرآن فاستماع العظة اولی مسجد میں وعظ اور تلاوت قرآن ہے تو سننا
وعظ کا بہتر ہے ھم شامی نے کہا کہ یہ حکم عوام کے لیے ہے اور جو لوگ آیات قرآنی کے معانی اور نکات اور احکام شرعی سمجھ سکتے ہوں ان کے حق میں قرآن
کا سننا بہتر بلکہ ضرور ہے ولا ینبغی الکتابة علی جدرانه اور مناسب نہیں لکھنا قرآن اور اشیاء قابل التعظیم کا مسجد کی دیواروں پر ھم یعنی اس لیے کہ گر کر پامال
نہ ہوں کذا فی البحر اور مثل اس کے ہے ورقوں پر کچھ لکھ کر دروازوں پر چسپاں کرنا کذا فی الطحطاوی ولا باس برمی عش خفاش وحمام لتنقیة اور کچھ مضائقہ نہیں چمگادڑ

اور کبوتر کے گھونسلے کا پھینک دینا واسطے مسجد کی صفائی کے ہم طحطاوی نے کہا کہ لتنقیۃ جواب سوال ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رہنے دو پرندوں کو ان کے گھروں میں تو دور کرنا گھونسلوں کا مخالف ہے اس امر کے شارح نے جواب دیا کہ دور کرنا صفائی کے لیے ہے جو شرعاً مطلوب ہے اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کا حکم غیر مسجد کے لیے مخصوص ہے۔

باب الوتر والنوافل

یہ باب ہے وتر اور نوافل کے بیان میں ہم وتر بفتحہ اور کسرہ واو لغت میں طاق عدد کو کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں تین رکعتوں کا نام ہے چنانچہ آگے آوے گا اور نفل کے معنی لغت میں زیادتی کے ہیں اور شرعاً نفل اس عبادت کو کہتے ہیں جس کے کرنے سے ثواب ہو اور نہ کرنے سے عذاب نہ ہو کل سنۃ نافلۃ ولاعکس ہر سنت نفل ہے اور اس کا الٹ نہیں یعنی ہر نفل سنت نہیں ہوتی یہ جملہ شارح نے اس لیے بیان کیا کہ اس باب میں ذکر سنتوں کا بھی ہے حالاں کہ عنوان میں صرف وتر اور نوافل مذکور ہیں سنتوں کی تصریح نہیں کی تو تصریح نہ کرنے کا عذر کر دیا کہ سنتیں نفل ہوتی ہیں ہو فرض عملا و واجب اعتقادا وسنۃ ثبوتاً بہذا وفقوا بین الروایات وتر فرض ہے عمل کے لحاظ سے اور واجب ہے اعتقاد کے اعتبار سے اور سنت ہے ثبوت کی راہ سے اس طرح سے توفیق کی ہے فقہانے روایتوں میں ہم عملاً فرض ہے اس کے یہ معنی کہ عمل میں اس کا حال فرائض کا سا ہوتا ہے کہ چھوڑنے سے گناہ گار ہونا اور اس کے قضا اور ترتیب کا واجب ہونا جیسے فرض میں ہے ویسے ہی وتر میں ہے اور اعتقاداً واجب ہونے کے یہ معنی کہ اس کے واجب ہونے کا اعتقاد پر ضرور ہے اور ثبوتاً سنت ہونے سے یہ غرض کہ ثبوت اس کا حدیث سے ہے نہ قرآن سے چنانچہ مسلم نے روایت کی کہ اوتروا قبل ان تصبحوا یعنی وتر پڑھو پہلے اس سے کہ صبح کرو اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے تو اس حدیث سے وجوب وتر کا ثابت ہوا اور توفیق بین الروایات سے یہ مراد کہ امام اعظم سے وتر کے باب میں تین روائتیں مروی ہیں ایک فرض ہونے کی دوسری واجب ہونے کی تیسری سنت ہونے کی تو ان کی تطبیق اس طرح ہوئی کہ فرض عمل کی راہ سے ہے اور واجب اعتقاد کی راہ سے اور سنت ثبوت کی راہ سے کذا فی الشامی ملتقطاً وعلیہ فلا یکفر بضم فسیکون ای لاینسب الی الکفر جاحدہ اور اس توفیق پر یہ متفرع ہوا کہ کافر نہ کہا جائے گا منکر وتر کا شارح نے کہا کہ لا یکفر بضم تحتانی اور سکون کاف ہے یعنی منسوب بکفر نہیں ہوتا ہم ضمیر علیہ کی محشیوں نے توفیق کی طرف پھیری ہے اور ماتن نے شرح منح الغفار میں فلا یکفر کو تفریع وتر کے فرض عملی ہونے کی قرار دیا ہے وتذکرہ فی الفجر مفسد لہ کعکسہ بشرطہ خلافا لہما ولکنہ یقضی ولا یصح قاعدا ولا راکبا اتفاقا اور دوسری تفریع وتر کے فرض عملی ہونے پر یہ ہے کہ فجر کے فرضوں میں اس کا یاد آنا صاحب ترتیب کی فجر کا مفسد ہے مثل اس کے عکس کے یعنی اگر وتر میں یاد ہو گا کہ کوئی نماز ذمہ پر ہے تو وتر فاسد ہوں گے بموجب شرط فساد کے یعنی جب کہ وقت تنگ نہ ہو اور نمازیں چھ نہ ہوں گی کہ ان صورتوں میں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے اور نماز فاسد نہیں ہوتی بخلاف صاحبین کے کہ ان کے نزدیک وتروں کے یاد ہونے سے فجر کی نماز فاسد نہیں ہوتی کیونکہ وتر ان کے نزدیک سنت ہیں لیکن وتر قضا کیے جاتے ہیں اور بیٹھ کر اور سوار ہو کر درست نہیں ہوتے بالاتفاق یعنی ہر چند سنتوں کی قضا نہیں اور بیٹھ کر اور سواری پر جائز ہیں مگر صاحبین کے نزدیک وتر باوجود سنت ہونے کے ان باتوں میں سنت سے علیحدہ ہیں وہو ثلث رکعات بتسلیمۃ کالمغرب حتی لو نسی القعود لا یعود ولو عاد ینبغی الفساد کما سیجئ وتر تین رکعتیں ہیں ایک سلام سے مثل نماز مغرب کے یہاں تک کہ اگر بیچ کے قعدہ کو بھول گیا اور کھڑا ہو گیا تو پھر نہ بیٹھے اور اگر پھر بیٹھ جائے گا تو چاہیے کہ نماز فاسد ہو جائے چنانچہ آگے آوے گا ہم مثل مغرب سے یہ معلوم ہوا کہ بیچ کا قاعدہ واجب ہے اس میں درود نہ پڑھے اور نماز کے فاسد ہونے کی یہ وجہ ہے کہ قیام فرض کو چھوڑ کر واجب کے لیے بیٹھنا نہیں چاہیے اور نماز نفل میں چوں کہ ہر دوگانہ علیحدہ نماز ہے اس لیے اگر کھڑا بھی ہو جائے تب بھی بیٹھ جائے کذا فی الطحطاوی ولکنہ یقرأ فی کل رکعۃ منہ فاتحۃ الکتاب وسورۃ احتیاطا وتر مثل مغرب کے ہیں لیکن نمازی اس کی ہر رکعت میں الحمد اور ایک سورۃ یا تین آیتیں احتیاطا پڑھے

ھم وجہ احتیاط کی یہ ہے کہ صاحبین وتر کے سنت ہونے کے قائل ہیں تو اس لحاظ سے احتیاط اس کی مقتضی ہے کہ سب رکعتوں میں قرأت پڑھی جاوے والسنۃ السور الثلث وزیادۃ المعوذتین لم یختر ہا الجمہور اور مسنون تین سورتیں ہیں یعنی اول میں سورہ اعلیٰ اور دوسری میں سورہ کافرون اور تیسری میں اخلاص اور زیادتی موذتین کو جمہور فقہانے پسند نہیں کیا یعنی تیسری رکعت میں بعد سورہ اخلاص کے سورہ فلق اور ناس پڑھنا مختار نہیں وکبر قبل رکوع ثالثۃ رافعا یدیہ کما مر ثم یعتمد وقیل کالداعی وقنت فیہ اللہ اکبر کہے پہلے تیسری رکعت کے رکوع کرنے کے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر جیسا کہ گذرا یعنی تکبیر تحریمہ کی طرح کانوں تک اٹھاوے پھر ہاتھ باندھ لے اور بعض نے کہا کہ کھلے رکھے دعا مانگنے والے کی طرح یعنی چھاتی تک اٹھاوے اور ہتھیلیاں آسمان کی طرف رکھے یہ قول امام ابو یوسف کا ہے اور ضعیف ہے اور دعا کرے اس میں ھم شامی نے کہا کہ ضمیر فیہ کی وتر کی طرف ہے یا ماقبل رکوع کے ولیسن الدعاء المشہور ویصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ یفتی اور مسنون ہے دعا مشہور اور درود پڑھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی پر فتویٰ ہے ھم دعا قنوت مشہور یہ ہے (اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ وَنَسْتَغْفِرُکَ وَنُؤْمِنُ بِکَ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْکَ وَنُثْنِیْ عَلَیْکَ الْخَیْرَ وَنَشْکُرُکَ وَلَا نَکْفُرُکَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُکُ مَنْ یَّفْجُرُکَ اَللّٰھُمَّ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَلَکَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ وَاِلَیْکَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْ رَحْمَتَکَ وَنَخْشٰی عَذَابَکَ اِنَّ عَذَابَکَ الْجِدَّ بِالْکُفَّارِ مُلْحِقٌ) اور حضرت امام حسن بن علی مرتضیٰؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت کے لیے مجھ کو یہ دعا سکھائی (اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ اِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ وَاِنَّہٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ نَسْتَغْفِرُکَ وَنَتُوْبُ اِلَیْکَ) طحطاوی اور شارح منیہ نے کہا کہ بہتر یہ ہے ان دعاؤں کو قنوت میں ملا لیا کرے اور صیغہ درود کا بعد دعا قنوت کے بحر الرائق میں کہا کہ مثل التحیات کے درود ہے اور نووی اور حلبی نے کہا کہ مستحب یہ ہے کہ یوں کہے (وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد النبی وآلہ وسلم) اور نسائی کی روایت میں ان الفاظ سے وارد ہے (وصلی اللہ علی النبی) بہر حال درود پڑھنا ضرور ہے کیوں کہ طبرانی میں حضرت علی مرتضیٰ سے مروی ہے کہ ہر دعا رکی رہتی ہے جب تک کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھا جاوے شامی نے کہا کہ جو شخص دعا قنوت پڑھنا نہ جانتا ہو تو وہ اس کی جگہ یہ آیت پڑھے (رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ) یا تین بار (اللّٰھم اغفرلی) کہہ لے یا تین بار (یارب) کہہ لے وصحح الجد بالکسر بمعنی الحق وملحق بمعنی لاحق ونحفد بدال مہملۃ بمعنی نسرع فان قراہ بذال معجمۃ فسدت خانیۃ لانہ کلمۃ مہملۃ اور صحیح ہوا ہے یعنی ابوداؤد کی حدیث مرسل میں وارد ہے الجد بکسر جیم وتشدید دال بمعنی حق کے بعد لفظ عذابک کے دو جگہ اور ملحق بمعنی لاحق ہے یعنی ملنے والا اور نحفد بفتح نون اور کسرۂ فا اور ضمہ دال مہملہ ہے اس کے معنی میں ہم جلدی کرتے ہیں پس اگر نمازی اس کلمہ کو دال معجمہ سے پڑھے گا تو نماز فاسد ہو جاوے گی کذا فی الخانیۃ شاید فساد نماز اس لیے ہے کہ یہ کلمہ بے معنی ہے ھم طحطاوی نے کہا کہ یہ کلمہ بے معنی نہیں اس لیے کہ براق کی صفت میں حدیث میں مذکور ہے یحفد بہا یعنی استعانت لیتا تھا چلنے پر اپنے دونوں بازوؤں سے مخافتا علی الاصح مطلقا ولو اماما لحدیث خیر الدعاء الخفی دعا قنوت پڑھے آہستہ صحیح تر قول کے بموجب مطلقا اگرچہ امام ہو ھم

ف۱ یا اللہ ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں اور تجھ سے بخشش چاہتے ہیں اور تجھ پر ایمان لاتے ہیں اور تجھ پر بھروسہ کرتے ہیں اور تیری تعریف کرتے ہیں بھلائی سے اور تیرا شکر کرتے ہیں اور تیری ناشکری نہیں کرتے اور دل سے بیزار ہیں ۱۲

ف۲ اور چھوڑتے ہیں اس کو جو تیرا حکم نہ مانے الٰہی ہم تجھی کو عبادت کرتے ہیں اور تیرے ہی واسطے نماز پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں اور تیری طرف چلتے ہیں اور سرعت کرتے ہیں اور توقع کرتے ہیں تیری رحمت کی اور ڈرتے ہیں تیرے سچے عذاب سے بے شک تیرا سچا عذاب کافروں سے ملنے والا ہے ۱۲ **ف۳** یا اللہ راہ دکھا مجھ کو ان کے ساتھ جن کو تو نے راہ دکھائی اور عافیت سے مجھ کو ان میں جن کو تو نے عافیت دی اور دوست رکھ مجھ کو ان میں جن کو تو نے دوست رکھا اور برکت دے اس میں جو تو نے عطا کیا اور بچا مجھ کو اس بات کی برائی سے جو تو مقدر کی البتہ تو حکم کرتا ہے اور تجھ پر حکم نہیں ہوتا اور نہیں ذلیل ہوتا جس کو تو دوست رکھے اور نہیں عزت پاتا جس کو تو عداوت رکھے برکت والا ہے تو اے رب اور بزرگ ہے ہم تجھ سے بخشش چاہتے ہیں اور تیرے سامنے توبہ کرتے ہیں ۱۲

اس حدیث کے کہ بہتر دعا آہستہ ہے ھ اس علت کے بیان کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ آہستہ پڑھنا واجب نہیں اور مطلقاً سے یہ غرض ہے کہ امام ہو یا مقتدی یا اکیلا ادا پڑھتا ہو یا قضا رمضان کے وتر ہوں یا غیر رمضان کے سب صورتوں میں آہستہ پڑھے کذا فی الشامی **وصح الاقتداء فیہ ففی غیرہ اولی ان لم یتحقق منہ ما یفسدہا فی اعتقادہ فی الاصح کما بسط فی البحر بشافعی مثلاً لم یفصلہ بسلام** لا ان فصلہ علی الاصح فیہما للاتحاد وان اختلف الاعتقاد اور درست ہے وتر میں اقتدا حنفی کا پیچھے شافعی کے مثلاً جو وتر کو سلام سے جدا نہ کرے یعنی دو رکعت پر سلام نہ پھیرے تو وتر کے غیر میں اقتدا بطریق اولی درست ہے بشرطیکہ امام سے کوئی ایسا امر متحقق نہ ہو جو نماز کا مفسد ہو مقتدی کے اعتقاد میں صحیح تر قول میں چنانچہ شرح بیان کیا ہے اس کو بحر الرائق میں نہیں درست ہے اقتدا اگر جدا کیا امام نے وتر کو دوگانہ کے بعد سلام پھیرنے سے صحیح تر قول کے بموجب دونوں کے یعنی اقتدا میں اور فاصلہ سلام نہ ہونے میں اقتدا درست ہے بسبب اتحاد نیت کے اگرچہ اعتقاد امام اور مقتدی کا مختلف ہو امام سنت ہونے کا معتقد ہے اور مقتدی واجب ہونے کا مگر نیت دونوں کی وتر ہی پڑھنے کی ہے ھ غیر وتر میں وجہ اولویت کی یہ ہے کہ نفل اور فرض میں نیت دونوں کی ایک ہوگی بخلاف وتر کے کہ امام سنت کی نیت کرے گا اور مقتدی وتر کی تو جب اختلاف کے ساتھ اقتدا درست ہوا تو اتحاد میں بطریق اولی درست ہونا چاہیے اور مثل شافعی سے یہ غرض ہے کہ جو وتر کے مسنون ہونے کا معتقد ہو اور قول اصح کے مقابل اقتدا میں یہ ہے کہ اقتدا درست نہیں اس لیے کہ نفل والے کے پیچھے اقتدا واجب پڑھنے والے کا درست نہیں اور سلام سے فاصلہ کرنے میں قول اصح کا مقابل یہ ہے کہ باوجود فاصلہ کے اقتدا جائز ہے کذا فی الشامی **ولذا ینوی الوتر لا الوتر الواجب کما فی العیدین** للاختلاف اور اسی وجہ سے یعنی بوجہ اختلاف کے مقتدی نیت وتر کی کرے نہ نیت وتر واجب کی جیسے عیدین میں بسبب اختلاف واجب اور مسنون ہونے کے نیت واجب کی نہ کرے ھ یعنی نیت واجب کی اگر نہ کرے گا تو امام اور مقتدی کی نیت متحد ہو جائے گی **ویاتی المؤتم بقنوت الوتر ولو بشافعی یقنت بعد الرکوع** لانہ مجتہد فیہ **لا الفجر** لانہ منسوخ **بل یقف ساکتا علی الاظہر** مرسلا یدیہ اور مقتدی دعا قنوت پڑھے اگرچہ پیچھے شافعی کے مقتدی ہو جو رکوع کے بعد دعا پڑھتا ہے اس لیے کہ مقام قنوت پڑھنے کا مختلف فیہ ہے اور مختلف فیہ مسئلہ میں متابعت امام غیر حنفی کی درست ہے نہ قنوت پڑھے نماز فجر میں اس لیے کہ فجر میں قنوت کا پڑھنا منسوخ ہے اور منسوخ چیز میں اقتدا درست نہیں بلکہ خاموش کھڑا رہے ظاہر تر قول کے بموجب ہاتھوں کو لٹکائے ہوئے ھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں عرب کے چند قبیلوں پر جنھوں نے ستر یا اسی قاریوں کو مار ڈالا تھا رکوع کے بعد دعا بد فرماتے تھے جب آپ نے ان پر فتح پائی تو دعا کو ترک فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ منسوخ ہو گئی کذا فی الامداد طحطاوی نے کہا کہ مصیبت کے وقت میں اب بھی فجر کی نماز میں اگر کوئی دعا پڑھے تو کچھ مضائقہ نہیں **ولو نسیہ** ای القنوت **ثم تذکرہ فی الرکوع لا یقنت** لفوات محلہ **ولا یعود الی القیام** فی الاصح لان فیہ رفض الفرض للواجب اور اگر نمازی قنوت کو بھول گیا پھر رکوع میں اس کو یاد کیا تو رکوع میں اس کو نہ پڑھے بسبب جاتے رہنے اس کے محل کے یعنی اس کا پڑھنا محض قیام میں مقرر ہو چکا تھا اور نہ رجوع کرے قیام کی طرف صحیح تر قول میں یعنی رکوع کو چھوڑ کر قنوت پڑھنے کے لیے پھر نہ کھڑا ہو اس لیے کہ اس میں قنوت واجب کے لیے فرض رکوع کو چھوڑنا ہے ھ دوسری روایت امام سے یہ ہے کہ پھر قیام کرکے قنوت پڑھے اور دوبارہ رکوع کرے مگر صحیح تر پہلی روایت ہے **فان عاد الیہ وقنت ولم یعد الرکوع لم تفسد صلوتہ** لکون رکوعہ بعد قراءۃ تامۃ وسجد للسہو قنت اولا لزوالہ عن محلہ پس اگر نمازی نے قیام کی طرف عود کیا اور قنوت پڑھ کر دوبارہ رکوع نہ کیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی بسبب ہونے اس کے رکوع سابق کے پوری قراءت کے بعد اور سجدہ کرے سہو کا قنوت پڑھا ہو یا نہ پڑھا ہو بسبب ٹل جانے قنوت کے اپنی جگہ سے ھ اس مسئلہ کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ رکوع میں قنوت پڑھا دوسری یہ کہ رکوع سے سر اٹھا کر پڑھا اور رکوع پھر سے کیا تیسری یہ کہ سر اٹھا کر پڑھا اور رکوع دوبارہ نہ کیا چوتھی یہ کہ بالکل قنوت نہ پڑھا نہ رکوع میں نہ اس سے کھڑا ہو کر تو چاروں صورتوں میں سجدہ سہو اس وجہ سے ہے کہ

قنوت اپنی جگہ پر نہ رہا کذا فی الحلبی **رکع الامام قبل فراغ المقتدی** من القنوت **قطعہ وتابعہ** ولو لم یقرأ منہ شیئا ترکہ ان خاف فوت الرکوع معہ بخلاف التشہد لان المخالفۃ فیما ہو من الارکان او الشرائط مفسد لا فی غیرہا۔ اور امام نے رکوع کیا بیشتر مقتدی کے فارغ ہونے کے قنوت سے تو مقتدی باقی قنوت کو ترک کرے اور امام کی پیروی کرے اور اگر مقتدی نے قنوت میں سے کچھ نہ پڑھا ہو تو قنوت کو ترک کرے اگر ڈرے کہ امام کے ساتھ رکوع نہ ملے گا بخلاف تشہد کے یعنی اگر تشہد کچھ باقی رہ گیا ہو تو اس کو پورا کرکے امام کی متابعت کرے قنوت کو ترک کرے اس لیے کہ امام کی مخالفت ان امور میں کہ ارکان میں یا شرائط نماز کی مفسد ہے نہ غیر ارکان و شرائط میں مخالفت کرنی کذا فی الدرر۔ شامی نے کہا کہ یہ تعلیل رکیک ہے کیوں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ متابعت مذکورہ فرض ہے چنانچہ متابعت بدون تاخیر ان فرائض و واجبات میں واجب ہے جہاں کوئی دوسرا واجب پیش نہ ہو تو وجہ فرق تشہد اور قنوت میں یہ کہنی چاہیے کہ قنوت کا پڑھنا سنت ہے اور رکوع میں امام کی متابعت واجب تو جب ادائے سنت میں خوف ترک واجب کا ہو تو سنت کو ترک کرنا چاہیے اور تشہد کا پورا کرنا واجب ہے اور امام کی متابعت بھی واجب تو ایک واجب کے لیے دوسرے کو چھوڑنا ضرور نہیں **قنت فی اولی الوتر او ثانیتہ سہوا لم یقنت فی ثالثتہ** اما لو شک انہ فی ثانیتہ او ثالثتہ کررہ مع القعود فی الاصح والفرق ان الساہی قنت علی انہ موضع القنوت فلا یکرر بخلاف الشاک ورجح الحلبی تکرارہ لہما۔ نمازی نے وتر کی پہلی رکعت یا دوسری میں بھول کر قنوت پڑھ لیا تو وہ تیسری رکعت میں قنوت نہ پڑھے اور اگر اس نے شک کیا کہ وہ وتر کی دوسری رکعت پڑھتا ہے یا تیسری میں ہے تو قنوت کو مکرر کرے بیٹھنے کے ساتھ صحیح تر قول میں یعنی قنوت پڑھ کر قعدہ کرے پھر کھڑا ہو کر ایک رکعت اور پڑھے اور اس میں قنوت پڑھے کیوں کہ دونوں رکعتوں پر احتمال ہے کہ تیسری ہو اور فرق یہ ہے کہ بھولنے والے نے قنوت پڑھا اس خیال سے کہ مقام قنوت کا وہی ہے اس لیے اب قنوت مکرر نہ ہوگا بخلاف شک کرنے والے کے اور حلبی نے ترجیح دی ہے مکرر قنوت پڑھنے کی دونوں کو یعنی بھولنے اور شک کرنے والے کو۔ ہم شامی نے کہا کہ حلیہ اور بحرالرائق میں بھی موافق حلبی کے قول کے ہے **واما المسبوق فیقنت مع امامہ فقط ویصیر مدرکا بادراک رکوع الثالثۃ** اور مسبوق صرف قنوت پڑھے اپنے امام کے ساتھ کیوں کہ اس کی آخر نماز وہی ہے اور جب ایک بار امام کے ساتھ پڑھ چکا تو دوبارہ پڑھنا مشروع نہیں اور ہو جاوے گا پانے والا قنوت کا تیسری رکعت وتر کی رکوع پانے سے یعنی جب مسبوق نے تیسری رکعت کا رکوع پایا تو کل رکعت اس کو مل گئی اب باقی دو رکعتوں میں اگر قنوت پڑھے گا تو بے جگہ ٹھہرے گا اس لیے کہ اس کی جگہ تیسری رکعت ہے جو ہو چکی کذا فی الطحطاوی **ولا یقنت لغیرہ الا لنازلۃ فیقنت الامام فی الجہریۃ** وقیل فی الکل اور قنوت نہ پڑھے وتر کے سوا دوسری نماز میں مگر کسی مصیبت کے وقت کہ امام قنوت پڑھے جہری نمازوں میں اور بعض فقہا کا قول یہ ہے کہ سب نمازوں میں پڑھے جہری ہوں یا سری ہم جاز جہری میں قنوت پڑھنا بحرالرائق میں شرح نقایہ سے مذکور ہے مگر اشباہ میں غایت سے منقول ہے کہ مصیبت کے وقت امام نماز فجر میں قنوت پڑھے اور عبارت شارح علیہ سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حنفیوں کے نزدیک قنوت مصیبت کا خاص فجر کی نماز میں ہے نہ اور کسی نماز جہری یا سری میں بلکہ سری نمازوں میں تو بجز امام شافعی کے اور کوئی قائل قنوت پڑھنے کا نہیں اور بحرالرائق میں اس کو محدثین کا مذہب لکھا ہے تو شارح کو مناسب تھا کہ اس پر آگاہ کر دیتا تاکہ سری نماز کے قنوت کو کوئی روایت مذہب نہ سمجھے پھر قنوت کا موقع نماز فجر میں دوسری رکعت کے رکوع کے بعد ہے شرنبلالی نے اس کی تصریح کی ہے کذا فی الشامی مختصرا **فائدۃ** یہ ایک کام کی بات ہے خمستہ تتبع فیہا الامام قنوت وقعود اول وتکبیر عید وسجدۃ تلاوۃ وسہو واربعۃ لا تتبع فیہا زیادۃ تکبیر عید وجنازۃ ورکن وقیام لخامسۃ پانچ باتیں ہیں جن میں امام کی متابعت کی جائے یعنی اگر امام ان کو کرے تو مقتدی بھی کرے اور اگر نہ کرے تو وہ بھی نہ کرے کذا فی الحلبی اول قنوت پڑھنا دوم قعدہ اولی سوم تکبیر عید چہارم سجدہ تلاوت پنجم سجدہ سہو کہ اگر امام ان چیزوں کو کرے تو مقتدی بھی کرے اور اگر سہوا اس سے رہ جائیں تو مقتدی بھی چھوڑ دے اور امام کی متابعت کرے اور چار چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں متابعت

امام کی نہ کی جائے یعنی اگر امام ان کو کرے تو مقتدی نہ کرے اول زیادہ کرنا تکبیر عید کا مثلاً امام اگر چوتھی تکبیر کہے تو مقتدی اس کا ساتھ نہ دے دوم زیادہ کرنا تکبیر جنازہ کا کہ اگر امام چار تکبیروں سے زیادہ کرے تو مقتدی متابعت نہ کرے سوم زیادہ کرنا کسی رکن کا مثلاً دوبار رکوع کرنا یا تین بار سجدہ کرنا چہارم کھڑا ہو جانا امام کا پانچویں رکعت کے لیے هم شامی نے کہا کہ چوتھی صورت رکن کے زیادہ کرنے میں داخل ہے تو اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی وثمانیۃ تفعل مطلقاً الرفع لتحریمۃ والثناء وتکبیر انتقالٍ وتسمیع وتسبیح وتشہد وسلام وتکبیر تشریق اور آٹھ باتیں ہیں کہ مطلقاً کی جائیں یعنی امام ان کو کرے یا نہ کرے مقتدی ان کو کرے اول ہاتھ اٹھانا تکبیر تحریمہ کے لیے دوم سبحانک اللھم الخ سوم تکبیر انتقال یعنی ایک رکن سے دوسرے میں جانے کو اللہ اکبر کہنا چہارم سمع اللہ لمن حمدہ کہنا کہ اگر امام نہ کہے تو مقتدی ربنا لک الحمد کہہ لے پنجم تسبیح رکوع اور سجدہ کی ششم تشہد یعنی التحیات اس صورت میں کہ امام بیٹھ جاوے لیکن اگر قعدہ اولی میں نہ بیٹھے امام تو مقتدی کو اس کی متابعت چاہیے جیسا پہلے گذرا ہفتم سلام پھیرنا یعنی اگر امام بول پڑے یا مسجد سے نکل جاوے تو مقتدی سلام پھیر لیں کذا فی الطحطاوی ہشتم تکبیر تشریق وسُنَّ مؤکداً اربع قبل الظہر واربع قبل الجمعۃ واربع بعدھا بتسلیمۃ وبتسلیمتین لم تنب عن السنۃ ولذا لو نذرھا لا یخرج عنہ بتسلیمتین وبعکسہ یخرج اور سنت مؤکدہ ہیں چار رکعتیں پہلے ظہر کے اور چار پہلے جمعہ کے اور چار بعد جمعہ کے ایک سلام سے اور اگر دو سلام سے پڑھے گا تو سنت کے قائم مقام نہ ہوں گی اور اسی لیے اگر چار رکعتوں کی نذر ایک سلام سے کرے گا تو نذر سے باہر نہ ہوگا دو سلاموں کے ساتھ پڑھنے سے اور اس کے عکس میں یعنی نذر کی دو سلاموں سے پڑھنے کی اور ایک سلام سے چاروں کو پڑھا تو نذر سے باہر ہو جائے گا ورکعتان قبل الصبح وبعد الظہر والمغرب والعشاء اور سنت مؤکدہ ہیں دو رکعتیں صبح کے پیشتر اور دو ظہر کے بعد اور دو مغرب کے بعد اور دو عشاء کے بعد شرعت البعدیۃ لجبر النقصان والقبلیۃ لقطع طمع الشیطان مشروع ہوئی ہیں بعد کی سنتیں واسطے پورا کرنے نقصان کے یعنی فرائض میں کسی عذر مثلاً نسیان وغیرہ سے اگر کمی ہوئی ہوگی تو آخرت میں بعد کی سنتیں اس کی کمی کو پورا کر دیں گی اور مشروع ہوئی ہیں پہلے کی سنتیں واسطے قطع کرنے شیطان کی طمع کے یعنی جب آدمی سنتوں کو پڑھے گا تو شیطان کہے گا کہ جو چیز اس پر فرض نہ تھی اس کو اس نے ترک نہ کیا تو فرض کو کیسے ترک کرے گا هم ان سنتوں کے مؤکد ہونے کی یہ وجہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان پر مواظبت فرماتے تھے چنانچہ مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ظہر سے پیشتر چار رکعتیں اور بعد ظہر دو رکعتیں اور بعد مغرب دو اور بعد عشاء دو اور قبل فجر سے دو پڑھا کرتے تھے اور بحر الرائق میں ہے کہ سنت مؤکدہ مثل واجب کے ہے کہ اس کے ترک کرنے سے گناہ ہوتا ہے اور تارک مستحق ملامت ٹھہرتا ہے بشرطیکہ بلا عذر ترک کرے کذا فی الشامی ویستحب اربع قبل العصر وقبل العشاء وبعدھا بتسلیمۃ وان شاء رکعتین وکذا بعد الظہر لحدیث الترمذی من حافظ علی اربع قبل الظہر واربع بعدھا حرمہ اللہ علی النار اور مستحب ہیں چار رکعتیں پہلے عصر اور پہلے عشاء کے اور چار بعد عشاء کے ایک سلام سے اور اگر چاہے تو دو رکعتیں پڑھے اور اسی طرح ظہر کے بعد چاہے چار ایک سلام سے پڑھے چاہے دو رکعتیں پڑھے بسبب حدیث ترمذی کے کہ جو کوئی محافظت کرے چار رکعتوں پر ظہر سے پہلے اور چار بعد نماز ظہر کے تو اللہ تعالیٰ اس پر آگ کو حرام کر دیتا ہے یعنی اس کو دوزخ میں نہ ڈالے گا وست بعد المغرب لیکتب من الاوابین بتسلیمۃ او ثنتین او ثلاث والاول ادوم واشق اور مستحب ہیں چھ رکعتیں مغرب کے بعد تاکہ نمازی اوابین سے لکھا جائے یعنی رجوع کرنے والوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف چھ رکعتیں ایک سلام سے مستحب ہیں یا دو سے یا تین سے اور اول صورت یعنی ایک سلام سے پڑھنا زیادہ دیرپا اور بہت مشکل کا ہوتا ہے هم وجہ اس کے مشکل ہونے کی یہ ہے کہ نفس کو ایک ہی تحریمہ پر بہت دیر تک روکنا پڑتا ہے شامی نے خیر الدین رملی سے نقل کیا کہ افضل یہ ہے کہ ہر شفعہ پر سلام پھیرتا جائے وہل تحسب المؤکدۃ من المستحب ویؤدی الکل بتسلیمۃ واحدۃ اختار الکمال نعم اور کیا شمار کی جاوے گی سنت مؤکدہ مستحب سے اور ادا کی جاوے گی دونوں ایک سلام سے کمال نے پسند کیا ہے کہ ہاں هم کمال الدین نے فتح القدیر

میں ذکر کیا ہے کہ چار رکعتیں جو بعد ظہر یا عشاء کے مستحب ہیں اس میں اختلاف ہے کہ وہ چاروں جداگانہ مستحب ہیں سوا دو رکعت سنت موکدہ کے یا انکے ساتھ شمار کی جاتی ہیں پھر اگر مع سنت موکدہ کے مل کر چار شمار ہوتی ہیں تو ان کے ساتھ ایک ہی سلام میں ادا ہو جاتی ہیں یا نہیں تو اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ ایک سلام سے دونوں ادا نہ ہونگی اور خود کمال الدین نے یہ اختیار کیا ہے کہ جب نمازی چار رکعتیں ایک سلام خواہ دو سے پڑھے گا تو وہ سنت موکدہ اور مستحب دونوں سے کافی ہوں گی کذا فی الشامی وعرابا حۃ رکعتین خفیفتین قبل المغرب واقرہ فی البحر والمصنف اور کمال الدین نے نہایت عمدہ تنقیح کے ساتھ ثابت کیا ہے مباح ہونا دو ہلکی سی رکعتوں کا مغرب سے پیش تر اور ثابت رکھا ہے اس کو بحرالرائق میں اور مصنف نے ہم حاصل تقریر کمال کا یہ ہے کہ قبل مغرب کے دو رکعتیں نہ مستحب ہیں نہ مکروہ بلکہ اختصار کے ساتھ اگر پڑھی جائیں تو مباح ہیں کذا فی الشامی ملتقطا والسنن آکدہا سنۃ الفجر اتفاقا ثم الاربع قبل الظہر فی الاصح لحدیث من ترکہا لم تنلہ شفاعتی ثم الکل سواء اور سنتوں میں موکد زیادہ فجر کی سنتیں ہیں بالاتفاق پھر چار ظہر کے پہلے کی صحیح تر قول میں بسبب اس حدیث کے کہ جو کوئی ظہر کی سنتوں کو چھوڑے گا نہیں پہنچے گی اس کو میری شفاعت پھر سب سنتیں برابر ہیں ہم فجر کی سنتیں زیادہ موکد اس لیے ہوئیں کہ صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی نفل نماز کی اتنی خبر گیری نہ فرماتے جتنی فجر کی دو رکعتوں کی فرماتے کذا فی الشامی طحطاوی نے کہا کہ عدم شفاعت سے مراد غالباً شفاعت خاص ہے جو زیادتی درجات کے لیے ہوگی ورنہ شفاعت عظمیٰ تو سب کے لیے عام ہوگی وقیل لوجوبہا فلا تجوز صلوٰتہا قاعدًا ولا راکبا اتفاقا بلا عذر علی الاصح اور بعض فقہا نے سنت فجر کے واجب ہونے کو کہا ہے تو نہیں جائز ہے پڑھنا اس کا بیٹھ کر اور سواری کی حالت میں بالاتفاق بدون عذر کے صحیح تر قول کے موجب ہم واجب ہونے کی صورت میں بیٹھ کر اور سواری پر ناجائز ہونا ظاہر ہے اور سنت موکدہ کہنے کی صورت میں اس لیے ناجائز ہے کہ یہ سنتیں ہم پلہ واجب کے ہیں کذا فی الطحطاوی ولا یجوز ترکہا لعالم صار مرجعا فی الفتاوی بخلاف باقی السنن فلہ ترکہا لحاجۃ الناس الی فتواہ اور نہیں جائز ہے چھوڑنا فجر کی سنتوں کا اس عالم کو جس کے پاس سب لوگ فتوی پوچھنے آتے ہیں بخلاف باقی سنتوں کے کہ اس کو ان کا ترک کرنا درست ہے بسبب حاجت لوگوں کے اس کے فتوی کی طرف ہم شامی نے کہا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ فتوی دینے کی حالت میں لوگوں کے ہجوم کے باعث اور سنتوں کو ترک کر دے اور بعد فراغت پانے کے پڑھ لے جیسے جماعت کے فوت ہونے کے خوف سے ترک درست ہے ویخشی الکفر علی منکرہا اور خوف کفر ہے سنت فجر کے منکر پر یعنی جو اس کی مشروعیت کا منکر ہو بوجہ کسی شبہہ یا تاویل کے ورنہ قطعاً کافر ہو گا کہ جس چیز پر اجماع ہے اس کا منکر ہونا کفر ہے کذا فی الشامی وتقضی اذا فاتت معہ بخلاف الباقی اور سنت فجر قضا پڑھی جائے جب کہ فوت ہو گئی ہوں فرض کے ساتھ بخلاف باقی سنتوں کے کہ ان کی قضا نہیں ہم شامی نے کہا کہ وقت قضا ان سنتوں کا زوال سے پیش تر ہے تو بعد زوال قضا نہ پڑھی جائیں اگرچہ فرض کے ساتھ ہوں اور اگر تنہا فوت ہوئی ہوں تو طلوع آفتاب سے پیش تر ان کی قضا نہ چاہیے ولو صلی رکعتین مقطوعا مع ظن ان الفجر لم یطلع فاذا ہو طالع او صلی اربعا فوقع رکعتان بعد طلوعہ لا تجزیہ عن رکعتیہا علی الاصح تجنیس لان السنۃ ما واظب علیہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم بتحریمۃ مبتدءۃ اور اگر نماز پڑھی دو رکعتیں نفل اس گمان سے کہ فجر نہیں طلوع ہوئی پھر دیکھا تو صبح ہو گئی یا نماز پڑھی چار رکعتیں اور دو رکعتیں بعد آفتاب نکلنے کے ہوئیں تو اس کو دو رکعتوں سے فجر کی سنتوں کی کافی نہ ہوں گی قول اصح پر کذا فی التجنیس اس لیے کہ سنت وہ ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جدا تحریمہ سے مواظبت فرمائی ہے ہم حوالہ تجنیس کا صرف متعلق دوسرے مسئلہ سے ہے اور مسئلہ اول خلاصہ میں مذکور ہے اور علت شارح نے دوسرے مسئلہ کی بیان کی ہے اور تجنیس میں پہلے مسئلہ میں سنت فجر سے کافی ہونا لکھا ہے اور نہر الفائق میں اسی کو وجہ بیان کیا ہے کذا فی الشامی وتکرہ الزیادۃ علی اربع فی نفل النہار وعلی ثمان لیلا بتسلیمۃ لانہ لم یرد والافضل فیہما الرباع بتسلیمۃ وقالا فی اللیل المثنی افضل قیل وبہ یفتی اور مکروہ ہے زیادہ پڑھنا چار رکعتوں سے ایک سلام میں دن کی نفلوں کو اور آٹھ سے زیادہ رات کی نفلوں کو اس لیے کہ اس قدر سے زائد حدیث میں وارد نہیں اور افضل رات دن دونوں میں چار چار

رکعتوں کا پڑھنا ہے ایک سلام سے اور صاحبین نے فرمایا کہ دو دو کا پڑھنا افضل ہے کہتے ہیں کہ فتوی صاحبین کے ہی قول پر ہے ہم اس فتوے کو معراج میں عیون کی طرف منسوب کیا ہے اور نہر الفائق میں علامہ قاسم کے قول سے امام کے قول کو ترجیح دی ہے کذا فی الشامی مختصراً ولا یصلی علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی القعدۃ الاولی فی الاربع قبل الظھر والجمعۃ وبعدھا ولو صلی ناسیا فعلیہ السھو وقیل لاشمنی اور درود نہ پڑھے آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم پر قعدہ اولی میں ظہر اور جمعہ کی پیش تر کی چار سنتوں میں اور جمعہ کے بعد کی چار میں اور اگر بھولے سے درود پڑھ لیا تو اس پر سجدہ سہو لازم ہے اور قول ضعیف یہ ہے کہ سجدہ سہو نہیں کذا فی الشمنی ہم شامی نے کہا کہ جمعہ کے بعد چار رکعتوں میں درود پڑھنے سے سجدہ سہو کا لازم آنا مسلم نہیں کیوں کہ ان کا حکم اور سنتوں کا سا نہیں اس لیے ان کو دو سلاموں سے پڑھنا درست ہے ولا یستفتح اذا قام الی الثالثۃ منھا لانھا لما اشبھت الفریضۃ اوجب تیسری رکعت کے لیے ان سنتوں مذکورہ سے کھڑا ہو تو دعائے استفتاح یعنی سبحانک اللھم الخ نہ پڑھے اس لیے کہ یہ سنتیں بوجہ اپنے مؤکد ہونے کے فرض کے مشابہ ہو گئی ہیں وفی البواقی من ذوات الاربع یصلی علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ویستفتح ویتعوذ ولو نذرا لان کل شفع صلوٰۃ وقیل لا یأتی فی الکل وصححہ فی القنیۃ اور باقی نوافل چار رکعت والوں میں درود پڑھے قعدہ اولی میں نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم پر اور تیسری رکعت میں دعائے استفتاح اور اعوذ پڑھے اگرچہ وہ نماز نذر ہو اس لیے کہ ہر دوگانہ نوافل کا نماز جداگانہ ہے اور بعض فقہا کہتے ہیں کہ سب سنتوں میں دعا اور درود نہ پڑھے اور صحیح کہا ہے اس قول کو قنیہ میں ہم نماز نذر کو اس لیے شامل کیا کہ اس کا وجوب عارضی ہو درحقیقت وہ بھی نفل ہے کذا فی الطحطاوی وکثرۃ الرکوع والسجود احب من طول القیام کما فی المجتبی ورجحہ فی البحر لکن نظر فیہ فی النھر من ثلاثۃ اوجہ اور دیر تک رکوع اور دیر تک سجدہ کرنا زیادہ اچھا ہے بہ نسبت بہت قیام کرنے کے چناں چہ مجتبی میں ہے اور ترجیح دیا ہے اس کو بحر الرائق میں مگر اعتراض کیا ہے اس میں نہر الفائق کے اندر تین وجہوں سے ہم وجہ اول یہ ہے کہ قیام ہر چند وسیلہ ہے مگر اس کے طول کی خوبی اس باعث سے ہے کہ اس میں قراءت بہت ہو گی اور قراءت اگرچہ تمام قرآن کو پہنچ جائے سب فرض ہو گی بخلاف رکوع اور سجدہ کی تسبیحوں کے دوسری وجہ یہ ہے کہ قراءت کے رکن زائد ہونے کو فضیلت میں کچھ تاثیر نہیں تیسری وجہ یہ ہے کہ موضوع مسئلہ کا نماز نفل ہے اور اس کی سب رکعتوں میں قراءت واجب ہے کذا فی الشامی ونقل عن المعراج ان ھذا قول محمد وان مذھب الامام افضلیۃ القیام وصححہ فی البدائع قلت وھکذا رایتہ بنسختی المجتبی معزیا لمحمد فقط فتنبہ اور صاحب نہر الفائق نے معراج سے نقل کیا کہ کثرت رکوع وسجود کا افضل ہونا قول ہے امام محمد کا اور یہ کہ قول امام کا افضل ہونا قیام کا ہے اور تصحیح کی ہے اس کی بدائع میں میں کہتا ہوں اور ایسا ہی میں نے دیکھا ہے مجتبی کے اپنے نسخہ میں منسوب امام محمد کی طرف فقط پس تو خبردار ہو جا ہم حلبی نے کہا کہ نسخہ مضاف ہے یا متکلم کی طرف اور مجتبی اس سے بدل واقع ہوا ہے وھل طول قیام الاخرس افضل کالقاری لم ارہ اور کیا گونگے کا زیادہ قیام کرنا افضل ہے مثل قاری کے اس کا حکم میں نے نہیں دیکھا ہم شیخ رحمتی محشی نے کہا کہ گونگا چوں کہ حکما قاری ہے تو اس کا قیام بلاشبہ افضل ہے ویسن تحیۃ رب المسجد وھی رکعتان واداء الفرض اوغیرہ وکذا دخولہ بنیۃ فرض او اقتداء ینوب عنھا بلانیۃ اور مسنون ہے تحیۃ المسجد یعنی تحفہ رب مسجد کے لیے اور وہ دو رکعتیں ہیں اور پڑھنا نماز فرض کا یا غیر فرض کا اور اسی طرح داخل ہونا نمازی کا مسجد میں فرض کی نیت سے یا اقتدا کی نیت سے قائم مقام ہو جاتا ہے تحیۃ المسجد کے بدون نیت کے ہم رب کی قید اس لیے لگائی کہ تحفہ دینے کے قابل صاحب خانہ ہوتا ہے نہ مکان تو معلوم ہوا کہ تحیۃ المسجد بحذف مضاف ہے کذا فی الحلیۃ وتکفیہ لکل یوم مرۃ ولا تسقط بالجلوس عندنا بحر اور کافی ہے آدمی کو ہر روز کے لیے ایک بار تحیۃ المسجد پڑھنا یعنی جب کسی عذر سے مسجد میں چند بار جائے تو تحیۃ المسجد ایک بار اول مرتبہ میں یا اور کسی مرتبہ میں پڑھ لے اور ساقط نہیں ہوتا تحیۃ المسجد مسجد میں بیٹھنے سے ہمارے نزدیک کذا فی البحر ہم اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ جب تم سے کوئی مسجد میں آوے تو نہ بیٹھے یہاں تک کہ دو رکعتیں پڑھے تو یہ بیان امر بہتر کا ہے کیوں کہ ابن حبان کی حدیث میں وارد ہے کہ آپ نے ابوذرؓ کو فرمایا کہ تحیۃ المسجد دو رکعتیں ہیں ساتھ اور ان کو پڑھ لے کذا فی الشامی

الشامی قلت وفی الضیاء عن القوت من لم یتمکن منہا لحدث او غیرہ لیقول ندبا کلمات التسبیح الاربع اربعا میں کہتا ہوں اور ضیاء معنوی میں قوت القلوب
سے منقول ہے کہ جو شخص قادر نہ ہو تحیۃ المسجد پر بسبب بے وضو ہونے یا کسی اور عذر کے وہ کہے مستحب طور پر چار تسبیحوں کے الفاظ چار بار یعنی (سبحان اللہ
والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر) کو چار بار کہنا مستحب ہے اگر کسی وجہ سے تحیۃ المسجد نہ پڑھ سکے **ولو تکلم بین السنۃ والفرض لا یسقطہا ولکن**
ینقص ثوابہا وقیل یسقط وکذا کل عمل ینافی التحریمۃ علی الاصح قنیۃ اور اگر کلام کیا درمیان سنت اور فرض کے خواہ سنتیں فرضوں سے پہلے کی ہیں
یا پیچھے کی تو یوں ساقط نہیں کرتا سنت کو مگر سنتوں کا ثواب کم کر دیتا ہے اور بعض فقہانے کہا کہ سنتیں ساقط ہو جاتی ہیں یعنی ان کو پھر سے پڑھے اگر
پہلے کی سنتیں ہوں کذا فی البحر اور اسی طرح ہر عمل جو تحریمہ کے مخالف ہو صحیح تر قول کے بموجب ساقط نہیں کرتا سنتوں کو بلکہ ثواب کم کر دیتا ہے
کذا فی القنیہ وفی الخلاصۃ لو اشتغل ببیع او شراء او اکل اعادہا وبلقمۃ او شربۃ لا تبطل اور خلاصہ میں ہے کہ اگر مشغول ہوا بیع یا شرا یا کھانے میں تو سنتوں کو پھر
سے پڑھے اور اگر مشغول ہوا ایک لقمہ یا ایک گھونٹ میں تو سنتیں باطل نہ ہوں گی ولو جیٔ بطعام ان خاف ذہاب حلاوتہ او بعضہا تناولہ ثم السنن الا اذا خاف فوت الو قت
اور اگر کھانا لایا گیا تو اگر نمازی خوف کرے دور ہونے اس کے مزہ کا یا تھوڑی لذت جاتی رہنے کا تو اس کو کھالے پھر سنتیں پڑھے مگر جب کہ ڈرے
وقت کے جاتے رہنے سے تو اول سنتیں پڑھے پھر کھانا کھاوے ھم یعنی عمل مخالف عذر کی جہت سے سنتوں کو ساقط نہیں کرتا چنانچہ کھانے کا بے
مزہ ہو جانا بھی عذر ہے تو اس کے لیے سنتوں کو تاخیر کر سکتا ہے ولو اخرہا لآخر الوقت لا تکون سنۃ وقیل تکون اور اگر سنتوں کو مؤخر کیا آخر وقت تک
تو وہ سنتیں نہ ہوں گی اور ایک قول یہ ہے کہ سنتیں ہو جائیں گی ھم شامی نے کہا کہ قول آخر ہی صحیح تر ہے اس لیے کہ پہلا قول مبنی ہے اس پر کہ عمل
مخالف کرنے سے سنتیں ساقط ہو جاتی ہیں اور اصح یہی ہے کہ ساقط نہیں ہوتیں فروع مسائل ملحقہ شارح کے الاسفار بسنۃ الفجر افضل وقیل لا خوب
چاندنی میں پڑھنا سنت فجر کا افضل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ خوب روشنی میں پڑھنا افضل نہیں بلکہ اول وقت پڑھنا افضل ہے ھم شامی نے کہا
کہ مؤید قول ثانی کا بحر الرائق کا قول ہے خلاصہ سے منقول ہے کہ فجر کی سنتیں تین امر میں مخصوص ہیں اول سورہ کافرون اور اخلاص کا پڑھنا دوم ان کو
اول وقت میں پڑھنا سوم اپنے گھر پر یا مسجد کے دروازہ پر پڑھنا اور حدیث سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ سے مروی
ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب آپ کو فجر معلوم ہوتی تھی تو اٹھ کر دو رکعتیں ہلکی سے پڑھتے پھر داہنی کروٹ پر لیٹے رہتے
یہاں تک کہ مؤذن تکبیر کیلئے آپ کی خدمت میں آتا اس وقت آپ باہر نکلتے رواہ الشیخان نذر السنن واتی بالمنذور فہو السنۃ وقیل لا نذر کیا سنتوں کو پھر
ادا کی نذر کی نماز کو تو وہ سنت ہی ہوگی اور بعض فقہانے کہا کہ سنت نہ ہوگی ھم نہر الفائق میں کہا کہ نذر کے سبب سے اس کا سنت ہونا جاتا نہ رہے
گا جیسے کوئی مثلاً ظہر کی سنتوں کی نیت کرکے توڑ دے پھر ان کو دوبارہ پڑھے تو وہ سنت ہی رہیں گی گو توڑنے سے وجوب کا وصف زائد ہو جائے گا
اسی طرح یہاں وجوب نذر کے سبب سے ہوا ہے اصل واجب نہیں کہ سنت نہ رہیں اراد النوافل بنذرہا ثم یصلیہا وقیل لا اراوہ کیا نوافل کا تو ان کو نذر کر
لے پھر پڑھ لے اور ایک قول یہ ہے کہ نذر نہ کرے ھم نفل کی قید سے معلوم ہوا کہ سنتوں کو نذر نہ کرے اور وجہ نذر کرنے کی . . . .
یہ ہے کہ نفلیں جب نذر کی نماز ہو جائیں گی تو ان کے پڑھنے سے واجب کا ثواب ملے گا اور قول راجح یہ ہے کہ نذر نہ کرے اس لیے کہ نذر کے سبب
سے عبادت میں ثقل اور نفس پر شاق ہونا پائے گا علاوہ اس کے مسلم کی حدیث میں نذر سے نہی وارد ہے کذا فی الشامی مختصرا ترک السنن ان رآہا
حقا اثم والا کفر ترک کیا سنتوں کو کہ اگر ان کو حق سمجھتا ہے تب تو ترک سے گناہ گار ہوگا ورنہ کافر ہو جائے گا یعنی حقارت کی وجہ سے والافضل
فی النفل غیر التراویح المنزل الا لخوف شغل عنہا والاصح افضلیۃ ما کان اخشع واخلص اور نماز نفل میں سوا تراویح کے بہتر ہے مکان پر پڑھنا اگر بوجہ
مشغول ہو جانے کے ان سے اور صحیح تر قول افضل ہونا اس صورت کا جس میں خشوع اور اخلاص زیادہ ہو ھم وجہ مکان پر بہتر ہونے کی یہ ہے کہ

صحیحین میں مروی ہے کہ بہتر نماز آدمی کی اس کے گھر میں ہے سوا فرض نماز کے تو اس کی رعایت پہ ضرور ہے ہاں جس وقت خوف ہو کہ گھر پر اور کاموں میں لگ جائے گا اور سنتیں یا نفل چھوٹ جائیں گی تو اس صورت میں بہتر ہے کہ مسجد میں پڑھے اور اصح یہ ہے کہ خشوع و اخلاص اگر مسجد میں زیادہ ہوتا ہو تو وہاں پڑھے ورنہ گھر پر پڑھے اور تراویح کو اس لیے استثنا کیا کہ وہ جماعت سے پڑھی جاتی ہیں اور جماعت مسجد میں ہے اسی طرح تحیۃ المسجد اور نماز سورج گہن کی اور نوافل اعتکاف والے کی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں کذا فی الشامی **وندب رکعتان بعد الوضوء** یعنی قبل الجفاف کما فی الشرنبلالی عن المواہب اور مستحب ہیں دو رکعتیں بعد وضو کے یعنی قبل اعضاء کے خشک ہونے کے چنانچہ شرنبلالیہ میں ہے مواہب سے هم اور مثل وضو کے غسل کے بعد بھی دوگانہ مستحب ہے کذا فی الطحطاوی اور تحیۃ الوضو میں بھی سورہ کافرون اور اخلاص مستحب ہے کذا فی الشامی **وندب اربع فصاعدا فی الضحیٰ** علی الصحیح من بعد الطلوع

الی الزوال ووقتہا المختار بعد ربع النہار وفی المنیۃ اقلہا رکعتان واکثرہا اثنا عشر واوسطہا ثمان وہو افضلہا کما فی الذخائر الاشرفیۃ لثبوتہ بفعلہ وقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام واما اکثرہ فبقولہ فقط اور منیہ میں ہے کہ کمتر نماز چاشت دو رکعتیں ہیں چنانچہ بخاری میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کو ان دو رکعتوں کی وصیت کی کذا فی الشامی اور زیادہ رکعتیں چاشت کی بارہ ہیں چنانچہ ترمذی اور نسائی میں بسند ضعیف مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بارہ رکعتیں پڑھے گا اس کے لیے اللہ تعالیٰ جنت میں سونے کا محل تیار کرے گا کذا فی الشامی اور اوسط رکعتیں چاشت کی آٹھ ہیں اور وہی افضل ہیں جیسا کہ ابن الشحنہ کے ذخائر اشرفیہ میں ہے بسبب آٹھ رکعتوں کے ثابت ہونے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور فعل دونوں سے اور اکثر رکعتوں یعنی بارہ کا ثبوت تو صرف آپ کے قول سے ہے لفظاً یعنی جو دونوں سے ثابت ہو وہ اولیٰ ہے بہ نسبت اس کے جو ایک سے ثابت ہو کذا فی الطحطاوی و ہذا لوصلی الاکثر بسلام واحد اما لو فصل فکل ما زاد افضل کما افادہ ابن حجر فی شرح البخاری اور یہ آٹھ رکعتوں کا افضل ہونا اس صورت میں ہے کہ بارہ رکعتوں کو ایک سلام سے پڑھے گا اور اگر جدا پڑھے گا تو جتنی زیادہ پڑھے گا وہی افضل ہوں گی چنانچہ ابن حجر مکی نے بخاری کی شرح میں افادہ کیا ہے هم ابن حجر نے کہا ہے کہ اکثر اور افضل میں فرق اسی صورت میں ہوگا کہ اکثر ایک سلام سے پڑھے اور اگر جدا جدا پڑھے گا تو آٹھ رکعتیں مستحب ٹھہریں گی اور باقی نفلیں ہو جائیں گی تو ظاہر ہے کہ مستحب مع نفل صرف مستحب سے افضل ہوگا طحطاوی نے کہا کہ ابن حجر کا کلام ہمارے مذہب کے موافق نہیں کیونکہ چار رکعتوں سے زیادہ دن کی نفلوں کو ایک سلام سے پڑھنا مکروہ ہے ومن المندوبات رکعتا السفر والقدوم منہ اور مستحبات میں سے ہیں دو رکعتیں سفر کرنے کی اور سفر سے آنے کی هم طبرانی نے روایت کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی نے اپنے گھر والوں میں دو رکعتوں سے بہتر نائب نہیں چھوڑا جن کو وہ سفر کے ارادہ کے وقت اپنے گھر والوں میں پڑھتا ہے اور مسلم میں کعب بن مالکؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ سفر سے دن ہی میں چاشت کے وقت تشریف لاتے تھے نہ رات میں اور آتے ہی مسجد میں قدم رنجہ فرماتے اور دو رکعتیں پڑھ کر اس میں بیٹھ جاتے کذا فی الشامی وصلوٰۃ اللیل واقلہا علی ما فی الجوہرۃ ثمان ولو جعلہ اثلاثا فالاوسط افضل ولو انصافا فالاخیر افضل اور مستحب ہے نماز تہجد اور اس کی کمتر رکعتیں بموجب بیان جوہرہ کے آٹھ ہیں اور اگر رات کے تین حصہ کرے تو بیچ کا حصہ تہجد کے لیے افضل ہے اور اگر آدھوں آدھ کرے تو اخیر کی آدھی شب افضل ہے هم جاننا چاہیے کہ نماز تہجد دن کی نوافل سے افضل ہے اور اس کی فضیلت شریعت میں بہت کچھ وارد ہے چنانچہ مسلم میں مروی ہے کہ افضل نماز بعد فرض کے نماز تہجد ہے پھر اس میں اختلاف ہے کہ نماز مذکور مستحب ہے یا سنت کیونکہ قولی دلیلوں سے تو مستحب عام ہوتی ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس پر مواظبت فرمائی اس کی رو سے سنت معلوم ہوتی ہے شامی نے بڑی گفتگو کے بعد کہا کہ تہجد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرض تھا اور ہمارے حق میں سنت معلوم ہوتا ہے اور اسی وجہ سے حلیہ میں کہا کہ اشبہ یہ ہے کہ تہجد سنت ہے پھر اس کی رکعتوں کی تعداد میں اختلاف ہے نسائی اور ابن ماجہ کی حدیث میں مروی ہے کہ جو کوئی رات سے جاگے اور اپنی گھر

والں کو جگا دے پھر دونوں دو رکعتیں پڑھیں تو وہ دونوں اللہ کے بہت ذکر کرنے والوں میں لکھے جائیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقل تہجد دو رکعتیں ہیں اور ابو داؤد کی حدیث میں معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اقل تہجد چار رکعتیں تھیں اور حاوی قدسی میں ہے کہ اکیلا اقل تہجد دو رکعتیں تھیں اور زیادہ آٹھ رکعتیں شامی نے کہا کہ اس صورت میں یوں کہنا چاہیے کہ کم تر تعداد تہجد کی دو رکعتیں ہیں اور اوسط چار ہیں اور اکثر آٹھ ہیں پھر اگر نمازی یہ چاہے کہ ایک تہائی شب کی جاگے اور دو تہائی سو وے تو چاہیے کہ بیچ کی تہائی میں جاگے اور اگر نصف شب جاگے تو آخر نصف میں جاگے اور بہتر یہ ہے کہ رات کے چھ حصہ کرکے تین حصہ میں سووے اور چوتھے اور پانچویں میں جاگے اور چھٹے میں سووے کیوں کہ صحیحین میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب نمازوں سے محبوب حضرت داؤد کی نماز ہے کہ وہ آدھی رات سوتے پھر تہائی رات جاگتے پھر چھٹا حصہ سوتے کذا فی الحلیہ
واحیاء لیلتی العیدین والنصف من شعبان والعشر الاخیر من رمضان والاول من ذی الحجۃ وتکون بکل عبادۃ تعم اللیل او اکثرہ اور مستحب ہے جاگنا عید فطر اور عید قربان کی دو راتوں کا اور مستحب ہے جاگنا پندرھویں شب ماہ شعبان کا اور مستحب ہے جاگنا دس راتوں اخیر رمضان المبارک کا اور دس راتوں پہلی ماہ ذی الحجہ کا اور ہووے ہر رات میں عبادت کہ عام ہو تمام رات کو یا اکثر شب کو ھم یعنی جاگنا وہ معتبر ہے جس میں تمام شب یا اکثر شب عبادت ہو عام ہے کہ نفل نماز پڑھے یا تلاوت قرآن کرے یا ذکر یا تسبیح یا درود کا ورد کرے یا حدیث پڑھے یا سنے اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جو کوئی نماز عشاء پڑھے اور اس کی نیت یہ ہو کہ صبح کی نماز جماعت سے پڑھوں گا تو اس کو شب بیداری کا ثواب ملے گا کذا فی الشامی ومنہا رکعتا الاستخارۃ اور مستحبات سے ہیں دو رکعتیں استخارہ کی ھم یعنی جب کوئی امر مہم پیش آوے اور اس کے کرنے اور نہ کرنے میں تردّد ہو تو چاہیے کہ دو رکعتیں نفل پڑھے اور پھر دعا استخارہ پڑھے اللہم انی استخیرک آہ) چنانچہ دعا مذکور کتاب الحج کے حاشیہ پر ہم نے لکھ دی ہے اور مستحب ہے اس دعا کے اول و آخر میں حمد صلوۃ کا پڑھنا اور بہتر ہے کہ اول رکعت میں سورہ کافرون پڑھے اور دوسری میں اخلاص اور ایک بزرگ سے منقول ہے کہ پہلی رکعت میں یہ بھی پڑھے (وربک یخلق مایشاء ویختار یعلنون[ل]) تک اور دوسری میں (وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ[ل]) آخر آیت تک اور چاہیے کہ سات بار عمل کو کرے پھر بعد اس کے جو بات اس کے دل میں آوے اسی پر کاربند ہو کہ خیر اسی میں ہے اور شرح شرعہ میں ہے کہ دعا استخارہ کے بعد با طہارت قبلہ رخ سو رہے پس اگر خواب میں سفیدی یا سبزی دیکھے تو اس کام کو کرے کہ اچھا ہے اور اگر سیاہی یا سرخی دیکھے تو نہ کرے کہ برا ہے کذا فی الشامی واربع صلوۃ التسبیح بثلثمائۃ تسبیحۃ وفضلہا عظیم اور مستحب ہیں چار رکعتیں صلوۃ التسبیح کی تین سو تسبیح کے ساتھ اور ثواب اس کا بہت ہے ھم صلوۃ التسبیح کے پڑھنے کے دو طور احادیث سے ثابت ہیں جو ترمذی میں بروایت عبد اللہ بن مبارک مروی ہے یہ ہے کہ قبل الحمد کے پندرہ بار سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر اور بعد سورہ ملانے کے دس بار پھر رکوع میں دس بار پھر قومہ میں دس بار پھر سجدہ میں دس بار پھر جلسہ میں دس بار پھر دوسرے سجدہ میں دس بار اسی طرح چاروں رکعتوں میں پچھتر پچھتر بار پڑھے کل تین سو دفعہ ہو جائیں گے اور حضرت ابن عباس سے اس طرح مروی ہے کہ الحمد و سورہ کے بعد پندرہ بار رکوع میں دس بار قومہ میں دس بار سجدہ اول اور جلسہ اور سجدہ دوم میں دس دس بار بعد سجدہ دوم کے دس بار کہہ کر دوسری رکعت کو اٹھے پس دونوں طور میں اتنا فرق ہے کہ اول میں صرف قیام میں پچیس بار کہنا ہوتا ہے پندرہ بار قراءت سے پیشتر اور دس بار قراءت کے بعد اور دوسرے میں قیام میں پندرہ بار بعد قراءت کے ہے اور دس بار بعد سجدہ دوم کے اور چوں کہ حنفی بعد سجدہ دوم کے بیٹھنا مکروہ کہتے ہیں اس لیے شرح منیہ اور قنیہ میں اول ہی روایت کو اختیار کیا ہے کہ اس میں حاجت دوسرے سجدہ کے بعد جلسہ کی نہیں پڑتی مگر جب معلوم ہو گیا کہ دونوں طور حدیث سے ثابت ہیں تو مناسب یہ ہے کہ کبھی اس طرح پڑھے کبھی اس طرح اب کئی باتیں اور قابل سننے کے ہیں اول یہ کہ حضرت ابن عباس سے سوال ہوا کہ

[ل] یعنی سورہ قصص کے ساتویں رکوع کی آٹھویں اور نویں آیت ۱۲ [ل] یعنی بائیسویں پارہ مَن یَّقنُت کے دوسرے رکوع کی دوسری آیت ۱۲

اس نماز کے لیے کچھ سورتیں معین نہیں آپ کو معلوم ہیں تو فرمایا کہ اول میں الھاکم التکاثر اور دوسری میں سورہ عصر اور تیسری میں کافرون اور چوتھی میں اخلاص دوم یہ کہ اس کا وقت کوئی نہیں سوائے اوقات مکروہہ کے جب چاہے پڑھے لیکن فتاوی عالمگیری میں مضمرات سے نقل کیا ہے کہ ظہر سے پیشتر پڑھے سوم اس نماز میں اگر سہو ہو جائے تو سجدہ سہو کے بعد پھر تسبیح کا پڑھنا ضرور نہیں ہاں اگر کسی جگہ خود تسبیح کو بھول جائے تو دوسرے ہی رکن میں اس کو پڑھ لے مثلاً رکوع میں بھول جائے تو قومہ میں نہ پڑھے کہ چھوٹا رکن ہے بلکہ سجدہ اول ہی میں بیس بار پڑھ لے تاکہ شمار ہر رکعت میں پچھتر ہو جائے چہارم یہ کہ رکوع اور سجدہ میں اول سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلی کہے اس کے بعد اس کی تسبیح پڑھے پنجم یہ کہ شمار تسبیحات کا انگلیوں پر نہ کرے بلکہ دل میں گنتا جائے یا انگلی کی پوروں کو دباتا جائے ششم اس نماز کی التحیات کے بعد قبل سلام کے یہ دعا پڑھے (اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ تَوْفِیْقَ اَھْلِ الْھُدٰی وَاَعْمَالَ اَھْلِ الْیَقِیْنِ وَمُنَاصَحَۃَ اَھْلِ التَّوْبَۃِ وَعَزْمَ اَھْلِ الصَّبْرِ وَجِدَّ اَھْلِ الْخَشْیَۃِ وَطَلَبَ اَھْلِ الرَّغْبَۃِ وَتَعَبُّدَ اَھْلِ الْوَرَعِ وَعِرْفَانَ اَھْلِ الْعِلْمِ حَتّٰی اَخَافَکَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مَخَافَۃً تَحْجُزُنِیْ عَنْ مَعَاصِیْکَ حَتّٰی اَعْمَلَ بِطَاعَتِکَ عَمَلاً اَسْتَحِقُّ بِہٖ رِضَاکَ وَحَتّٰی اُنَاصِحَکَ بِالتَّوْبَۃِ خَوْفًا مِّنْکَ وَحَتّٰی اُخْلِصَ لَکَ النَّصِیْحَۃَ حُبًّا لَّکَ وَحَتّٰی اَتَوَکَّلَ عَلَیْکَ فِی الْاُمُوْرِ حُسْنَ ظَنٍّ بِکَ سُبْحَانَ خَالِقِ النُّوْرِ) ہفتم اس کی تسبیح میں (ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم) بھی ملا لینا چاہیے کہ اس سے ثواب بہت ہوتا ہے ہشتم اس کی حدیث میں اگرچہ بعض طرق ضعیف ہیں مگر کثرت طرق سے درجہ حسن کو پہنچ گئی ہے اور بہت صحابہ نے اس کو روایت کیا ہے پس شارح نے جو کہا کہ اس کا ثواب بہت ہے یہ اس وجہ سے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس کو فرمایا کہ تم اسے پڑھو گے تو اللہ تعالیٰ تمھارے گناہ پہلے اور پچھلے اور پرانے اور نئے اور دانستہ اور نادانستہ چھوٹے اور بڑے پوشیدہ اور ظاہر سب بخش دیگا اور آخر کو فرمایا کہ اگر تمھارے گناہ کف سمندر کے برابر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا کذا فی الشامی بتصرف واربع صلوۃ الحاجۃ وقیل رکعتان وفی الحاوی اثنا عشر بسلام واحد وبسطناہ فی الخزائن اور مستحب ہیں چار رکعتیں نماز حاجت کی اور ایک قول یہ ہے کہ دو رکعتیں ہیں اور حاوی میں ہے کہ وہ بارہ رکعتیں ہیں ایک سلام سے اور مشرح بیان کیا ہے ہم نے اس کو خزائن الاسرار میں ہم تجنیس اور ملتقط اور خزانۃ الفتاوی وغیرہ میں نماز حاجت کی چار رکعتیں لکھی ہیں بلکہ تجنیس میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ ان کو بعد عشاء کے پڑھے اور اول رکعت میں بعد الحمد کے آیۃ الکرسی تین بار اور باقی رکعتوں میں الحمد اور اخلاص اور معوذتین ایک ایک بار پڑھے اور اس باب میں ایک حدیث مرفوع نقل کی ہے اور شرح منیہ میں مذکور ہے کہ نماز حاجت کی دو رکعتیں ہیں چنانچہ ترمذی میں عبداللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو کوئی حاجت خدا تعالیٰ یا کسی بندہ سے ہو تو چاہیے کہ اچھی طرح وضو کرے پھر دوگانہ نماز پڑھے پھر اللہ تعالیٰ کی ثنا کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے پھر یہ دعا کرے (لا الٰہ الا اللہ الحلیم الکریم سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ الحمد للہ رب العالمین اَسْئَلُکَ موجبات رَحْمَتِکَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِکَ وَالْغَنِیْمَۃَ مِنْ کُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَۃَ مِنْ کُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِیْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَہٗ وَلَا ھَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَہٗ وَلَا حَاجَۃً ھِیَ لَکَ رِضًا اِلَّا قَضَیْتَھَا یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ) انشاء اللہ حاجت روا ہوگی طحطاوی نے کہا کہ اگر کوئی کہے کہ

ف ۱ الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں توفیق ہدایت والوں کی اور اعمال یقین والوں کے اور اخلاص توبہ والوں کا اور حوصلہ صبر والوں کا اور کوشش خوف والوں کی اور طلب رغبت والوں کی اور عبادت پرہیزگاروں کی اور معرفت اہل علم کی تاکہ میں تجھ سے ڈروں الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ایسا خوف جو مجھ کو میری نافرمانیوں سے روک دے تاکہ میں عمل کروں تیری اطاعت کے بموجب وہ کام جس سے میں مستحق ہوں تیری خوشنودی کا اور تاکہ میں خلوص کروں تجھ سے توبہ میں تجھ سے ڈر کر اور تاکہ میں خالص تیری خیر خواہی کروں تیری محبت کی وجہ سے اور تاکہ میں تجھ پر بھروسہ کروں کاموں میں تیرے ساتھ حسن ظن کے سبب سے پاک ہے پیدا کرنے والا نور کا ۱۲ ف ۲ نہیں ہے کوئی معبود سوا اللہ تعالیٰ بردبار کرم والے کے میں پاک بیان کرتا ہوں اللہ تعالیٰ مالک عرش بزرگ کی سب تعریفیں ہیں اللہ پروردگار عالم کو میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں وہ باتیں جو موجب ہیں تیری رحمت کی اور وہ کام جن سے ضروری ہو تیری مغفرت اور چاہتا ہوں غنیمت ہر نیکی سے اور سلامتی ہر گناہ سے نہ چھوڑ تو میرا کوئی گناہ کہ نہ بخشے تو اس کو اور نہ کوئی غم کہ نہ دفع کرے تو اس کو اور نہ کوئی حاجت جو تیری رضا کی ہو کہ نہ پورا کرے تو اس کو اے ارحم الراحمین ۱۲

تا دا ستخارہ بھی تو حاجت ہی کے لیے ہے پھر اس میں اور اس میں کیا فرق ہے تو اس کا جواب نہر الفائق میں یہ لکھا ہے کہ استخارہ حاجت آیندہ کے لیے ہے اور یہ نماز حاجت موجود کے لیے شامی نے کہا کہ بارہ رکعتوں کی روایت میں کلام ہے **وتفرض القراءة عملا فی رکعتی الفرض مطلقا اما تعیین الاولیین فواجب علی المشہور** اور فرض عملی ہے قراءت فرض کی دو رکعتوں میں کوئی سی دو ہوں اول کی یا آخر کی اور معین کرنا دو اول کی رکعتوں کا واجب ہے مذہب مشہور کے بموجب ہم فرض عملی ہے یعنی اعتقادی نہیں کہ اس کا منکر کافر ہو بلکہ شدت سے گناہ گار ہوتا ہے کیوں کہ فرض عملی واجب کی اعلےٰ قسم ہے کذا فی النہر اور مشہور کی قید اس لیے لگائی کہ وہ قول نکل جائے جس میں اول دوگانہ میں فرض کہا ہے یا بعضوں نے افضل بیان کیا ہے کذا فی الشامی **وکل النفل للمنفرد لان کل شفع صلوۃ لکنہ لا یعم الرباعیۃ المؤکدۃ فتامل** اور فرض عملی ہے قرارت نماز نفل کی ہر رکعت میں منفرد یعنی غیر مقتدی کے حق میں اس لیے کہ نفل کا ہر شفعہ علیحدہ نماز ہے لیکن یہ تعلیل شامل نہیں چار رکعت والی سنتوں مؤکدہ کو بس تامل کر ہم نہ شامل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پہلے بیان ہو چکا کہ ان کے قعدہ اولیٰ میں درود نہ پڑھے اور تیسری رکعت میں دعا استفتاح نہ پڑھے اور تامل سے اشارہ ہے جواب کا جو شارح نے پہلے لکھا ہے کہ سنن مؤکدہ بسبب مؤکد ہونے کے مشابہ فرض ہیں تو ان میں دونوں رعایتیں کی گئیں قرارت کا فرض ہونا ہر رکعت میں نفل ہونے کے سبب سے اور درود کا نہ پڑھنا اور دعا کا نہ پڑھنا بسبب مشابہت فرض کے ہے کذا فی الشامی **وکل الوتر احتیاطا** اور فرض عملی ہے قرارت وتر کی ہر رکعت میں احتیاط کی رو سے چنانچہ پیشتر گذرا **ولزم نفل شرع فیہ بتکبیرۃ الاحرام او بقیام لثالثۃ شروعا صحیحا قصدا** اور لازم ہو جاتی ہے وہ نفل جس کو شروع کیا ہو تکبیر تحریمہ سے یا ایک دوگانہ پورا کر کے تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہونے سے شروع کیا ہو صحیح طور پر قصداً ہم صحیح شروع سے وہ صورت نکل گئی جس میں شروع فاسد ہو جیسے امی اور عورت کے پیچھے شروع کرنا اور قصداً سے وہ صورت نکل گئی کہ شروع گمان سے کیا ہو مثلاً اس گمان سے کہ میرے ذمہ فرض ظہر ہیں نیت فرض کی کی پھر یاد آیا کہ پڑھ چکا ہوں تو یہ نماز نفل ہو جائے گی جو قصداً شروع نہیں ہوئی کذا فی الشامی حاصل یہ کہ شروع صحیح قصداً کے بعد اگر نماز فاسد ہو جائے گی تو اس کی قضا لازم ہوگی **الا اذا شرع متنفلا خلف مفترض ثم قطعہ واقتدی ناویا ذلک الفرض بعد تذکرہ او تطوعا آخر** لیکن قضا لازم نہ ہوگی جبکہ شروع کیا نفل پڑھنے کو پیچھے فرض پڑھنے والے کے پھر نفل کو توڑ کر اسی فرض کی نیت سے اقتدا کیا بعد اس فرض کے یاد آنے کے یا دوسری نفل کی نیت سے اقتدا کیا ہم پہلے مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے اس خیال سے کہ مثلاً فرض ظہر پڑھ چکا ہوں امام کا اقتدا بہ نیت نفل کیا پھر یاد آیا کہ ظہر میں نے نہیں پڑھا تو نفل کو توڑ کر فرض ظہر کی نیت سے اقتدا کیا تو اس نفل کی قضا لازم نہ ہوگی اسی طرح اگر بدون فرض کے یاد آئے نفل کو توڑ کر دوسری نفل سے اقتدا کرے گا تب بھی قضا لازم نہ ہوگی اس لیے کہ اس کی نیت ادا نماز کی امام کے ساتھ ہے سو دونوں صورتوں میں حاصل ہے کذا فی الشامی **او فی صلوۃ ظان** یا قضا لازم نہ ہوگی جب کہ اقتدا کرے نماز کا گمان کرنے والے کے پیچھے ہم صورت اس کی یہ ہے کہ ایک شخص نے مثلاً عشاء کی فرض پڑھنی چاہی اس گمان سے کہ میں نے نہیں پڑھی اور اس کے پیچھے ایک اور شخص نے اقتدا بہ نیت نفل کیا پھر امام کو یاد آیا کہ عشاء اس کے ذمہ نہیں اور نماز کو توڑ دیا تو نہ اس پر قضا ہے نہ اس کے مقتدی پر شامی نے کہا کہ بحر الرائق میں مقتدی پر اس صورت میں قضا مذکور ہے تو شاید اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں **او امی او امرأۃ او محدث** یا قضا لازم نہ ہوگی امی یا عورت یا بے وضو کے اقتدا کرنے میں اس لیے کہ شروع نماز کا صحیح نہیں ہم مفتی ابو السعود نے کہا کہ امی کے پیچھے اقتدا میں وجوب قضا مناسب ہے اس لیے کہ اس میں شروع صحیح ہوتا ہے اور قرارت کا وقت آنے پر نماز فاسد ہوتی ہے کذا فی الطحطاوی **یعنی وتفسد فی الحال اما لو افسدہ لزمہ القضاء** مراد یہ ہے کہ مقتدی نماز نفل کو بعذر امام کے ترک کرنے سے فاسد کر دے تب قضا لازم نہ ہوگی اور اگر مقتدی نے نماز کا پڑھے جانا پسند کیا پھر کچھ دیر کے بعد اس کو فاسد کیا تو اس کو قضا لازم ہوگی ہم یہ صورت خاص اس صورت سے متعلق ہے جس میں اقتدا گمان والے کے پیچھے مذکور ہے اور عورت اور امی وغیرہ کے پیچھے اقتدا سے متعلق نہیں کذا فی الشامی

ولو عند غروب وطلوع واستواء على الظاهر نفل شروع سے لازم ہوجاتی ہے اگرچہ شروع غروب اور طلوع آفتاب اور ٹھیک دوپہر ہونے کے نزدیک ہو بموجب ظاہر روایت کے امام اعظم سے فان افسدہ حرم لقولہ تعالیٰ ولا تبطلوا اعمالکم الا بالعذر ووجب قضاءہ ولو فسادہ لغیر فعلہ کمتیمم رأى ماء ومصلیۃ اوصائمۃ حاضت پس اگر نمازی نفل کو فاسد کرے گا تو حرام ہوگا بسبب ارشاد خداوندی کے کہ باطل نہ کرو اپنے اعمال کو مگر کسی عذر کی جہت سے فاسد کرنا حرام نہیں جیسے اوقات مکروہہ میں شروع کرنا کہ اس صورت میں فاسد کرنا اچھا ہے اور واجب ہے قضا نفل کی اگرچہ فاسد نمازی کے اختیار سے نہ ہوا ہو جیسے تیمم والا کہ نماز میں پانی کو دیکھے اور نماز پڑھنے والی عورت یا روزہ رکھنے والی حیض سے ہوجاوے کہ فساد عمل میں ان کا اختیار نہیں مگر قضا نماز و روزہ کی لازم ہے اسی طرح اگر عذر کے باعث خود فاسد کرے گا تب بھی قضا واجب ہوگی کذا فی الشامی واعلم ان یجب علی العبد بالتزامہ نوعان مایجب بالقول وهو النذر ويجئ وما يجب بالفعل وهو الشروع في النوافل دیکھنا اور جاننا چاہیے کہ بندہ پہ جو چیز اس کے لازم پکڑنے سے واجب ہوجاتی ہے وہ دو قسم ہے ایک وہ کہ قول سے واجب ہو تو وہ نذر ہے اس کا حکم آگے آوے گا اور ایک وہ ہے کہ نعل سے واجب ہو اور وہ شروع کرنا ہے نفلوں میں اور شاعر کا قول ان نوافل کو جمع کرتا ہے جو شروع کرنے سے واجب ہوجاتی ہیں ۔ من النوافل سبع یلزم الشارع ؛ اخذا لذلک مما قالہ الشارع ؛ صوم صلوۃ طواف حجۃ رابع ؛ عکوفہ عمرۃ احرامہ السابع ؛ نفلوں میں سے سات ہیں جو شروع کرنے والے کو لازم ہوجاتی ہیں یہ حاصل ہوا ہے اس قول سے کہ فرمایا ہے اس کو شریعت مقرر کرنے والے علیہ الصلوۃ والسلام نے اول نماز نفل دوم روزہ نفل سوم طواف نفل چہارم حج نفل پنجم اعتکاف کرنا معتکف کا ششم عمرہ نفل ہفتم احرام نفل ہم طواف شروع کرنے سے سات پھیرے پورے کرنے لازم ہوں گے اور اعتکاف کی صورت اس وقت ہوسکتی ہے جب اس کی میعاد اقل ایک دن ہو یعنی جن لوگوں کے نزدیک اعتکاف میں روزہ شرط ہے ان کے نزدیک تمام دن اقل مدت ہوگا اور قول راجح یہ ہے کہ اعتکاف میں روزہ شرط نہیں تو اقل اعتکاف ایک ساعت کا ہوگا اس صورت میں قضا لازم نہ ہوگی کیوں کہ شروع اعتکاف میں جس قدر دیر لگے گی اس قدر سے اعتکاف ہوجاوے گا ہاں فتح القدیر میں ہے کہ عشرہ رمضان کا اعتکاف شروع کرنے سے لازم ہوجاتا ہے تو اس مسئلہ کو اس پر محمول کرسکتے ہیں اور احرام کی صورت یہ ہے کہ بدون تعیین حج یا عمرہ کے احرام شروع کرے تو صحیح ہوگا اور لازم ہوجائے گا پھر اس کو اختیار ہے کہ حج یا عمرہ میں سے جس کے لیے چاہے اس کو کرلے کذا فی الشامی وقضی رکعتین لو نوی اربعا غیر مؤکدۃ علی اختیار الحلبی وغیرہ ونقض فی خلال الشفع الاول او الثانی ای وتشہد للاول والا یفسد الکل اتفاقا اور قضا کرے دو رکعتیں اگر بہ نیت چار رکعتوں غیر مؤکدہ کی کی ہو بموجب اختیار حلبی وغیرہ کے اور توڑ دے نماز کو اول دوگانہ کے درمیان یا دوسرے کے شارح نے کہا کہ دوسرے میں توڑنے کی یہ شرط ہے کہ دوگانہ اول کا تشہد پڑھ لیا ہو یعنی مقدار تشہد بیٹھ گیا ہو ورنہ دونوں دوگانے فاسد ہوجائیں گے بالاتفاق اس لیے کہ دوگانہ اول اس وقت صحیح ہوتا کہ اس کا قعدہ پایا جاتا کذا فی الشامی حلبی نے کہا کہ یہ حکم غیر مؤکدہ نفلوں کا ہے اور اگر مؤکدہ سنتوں میں سے چار رکعت والی کی نیت کرکے اول یا دوم دوگانہ کو توڑ دے گا تو بالاتفاق چار رکعتیں قضا کرے کیوں کہ وہ ایک ہی سلام سے مشروع ہیں اور ان کے دونوں دوگانوں کا حکم ایک ہی نماز کا ہے اور درمیان کی بنا اس لیے لگائی کہ آخر قعدہ پر اگر توڑے تو کچھ لازم نہ ہوگا والاصل ان کل شفع صلوۃ الا بعارض اقتداء او ترک قعود اول اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہر دوگانہ نفل کا نماز علیحدہ ہے مگر بسبب عارضہ اقتدا یا نذر یا چھوڑنے قعدہ اول کے ہم یعنی ان تین صورتوں میں ہر دوگانہ جدا نہیں چاروں کا ایک حکم ہے اقتدا کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ظہر کے پڑھنے والے کے پیچھے بہ نیت نفل کی کرکے توڑ دے تو چار رکعتیں قضا کرنی چاہئیں کذا فی الشامی کما یقضی رکعتین لو ترک القراءۃ فی شفعیہ او ترکہا فی الاول فقط او الثانی او احدی رکعتی الثانی او الاول واحدی الثانی لا غیر لان الاول لما بطل لم یصح بناء الثانی علیہ لہذہ تسع صور للزوم رکعتین جیسے دو رکعتیں قضا کرے اگر قراءت ترک کرے نفل کے دونوں دوگانوں

میں یا قرأت ترک کرے صرف اول کے دوگانہ میں یا دوسرے دوگانہ میں یا دوسرے کی ایک رکعت میں یا پہلے کی ایک رکعت میں یا پہلے دوگانہ میں اور دوسرے کی ایک رکعت میں نہ ان کے سوا اور صورتوں میں ان صورتوں میں قضا رکعتیں اس لیے ہوئی کہ اول دوگانہ جب باطل ہوگیا تو دوسرے دوگانہ کا بنا کرنا اس پر درست نہ ہوا تو یہ نو صورتیں ہیں دو رکعتوں کے لازم ہونے کی **وقضی اربعا فی ست صور لو ترک القراءۃ فی احدی کل شفع او فی الثانی واحدی الاول** وبصورۃ القراءۃ فی الکل تبلغ ستۃ عشر اور قضا کرے چار رکعتیں چھ صورتوں میں اگر ترک کرے قرأت کو ہر دوگانہ کی ایک ایک رکعت میں یا دوسرے دوگانہ میں مع ایک رکعت اول میں اور ہر رکعت میں قرأت کی صورت ملانے سے سولہ صورتیں ہوجاتی ہیں ہم ان صورتوں کا نام مسائل ثمانیہ ہے جن میں سے چھ میں قضا دو رکعتوں کی لازم آتی ہے اور دو میں قضا چار کی چنانچہ ماتن نے انھیں آٹھ کو ذکر کیا ہے مگر چھ صورتیں حقیقت میں بموجب تقسیم عقلی کے نو ہیں اور دو صورتیں چھ کو حاوی ہیں اس حساب سے کل صورتیں پندرہ ہوئیں اور اگر چار رکعتوں میں قرأت پڑھنے کی صورت بھی ملالی جاوے تو سولہ ہوں گی مگر اس صورت اخیر میں قضا لازم نہیں قضا لازم ہونے کی پندرہ ہی صورتیں ہیں اور مزید توضیح کے لیے ہم اس کا نقشہ لکھ دیتے ہیں چار رکعتوں کے لیے چار خانے مقرر کرکے قرأت کی جگہ قؔ اور ترک قرأت کی جگہ صفر دیں گے اور یہی ترتیب رکھتے ہیں جو شارح اور ماتن نے اختیار کی ہے اور ایک خانہ کیفیت کا لکھتے ہیں کہ قضا دو کی چاہیے یا چار کی اور اس کی تفصیل

رکعت اول	دوم	سوم	چہارم	کیفیت
۰	۰	۰	۰	دو رکعتیں لازم ہوں گی
۰	۰	ق	ق	″

مشرح شامی میں ہے جو چاہے اس کو ملاحظہ کرے لکن بقی ما اذا لم یقعد لیکن وہ صورت باقی رہی جس میں نمازی نے قعدہ نہ کیا ہم اس کی صورت یہ ہے کہ اول دوگانہ کی دونوں رکعتوں میں قرأت نہ پڑھی اور پہلا قعدہ بھی نہ کیا اور دوسرے دوگانہ کو فاسد کردیا اس کا حکم یہ ہے کہ چار رکعتیں قضا کرے اجماعا کذا فی النہر او قعد ولم یقم لثالثۃ یا بیٹھا اور تیسری رکعت کے لیے نہ اٹھا ہم اس کی صورت یہ ہے کہ دوگانہ اول میں قرأت ترک کی اور قعدہ اول کے لیے بیٹھا اور تیسری کے لیے نہ اٹھا تو اس میں صرف دو رکعتیں قضا کرے کذا فی النہر او قام ولم یقیدہا بسجدۃ او قیدہا فتبنہ ومیز المتداخل یا تیسری کے لیے اٹھا اور اس کو سجدہ سے مقید نہ کیا . . . . . پس خبردار ہو اور متداخل صورتوں کو تمیز کرو ہم یعنی پہلے دوگانہ قرأت ترک کرکے تیسری رکعت پہلے سجدہ کرنے سے فاسد کردی یا بعد سجدہ کرنے کے فاسد کی تو اس کا حکم یہ ہے کہ طرفین کے نزدیک دو رکعتیں قضا کرے اور امام ابو یوسف کے نزدیک چار کذا فی النہر متداخل سے مراد وہ صورتیں ہیں جو ظاہر میں مختلف ہیں اور ان کا حکم متحد ہے چنانچہ ماتن نے متداخل کو ملا کر آٹھ صورتیں لکھی ہیں حالانکہ واقع میں پندرہ ہیں وحکم مؤتم ولو فی تشہد کامام اور حکم مقتدی کا اگرچہ تشہد میں اقتدا کیا ہو مثل امام کے ہے یعنی اگر امام چار رکعت والی نفل پڑھتا ہے اور اس کا اقتدا

رکعت اول	دوم	سوم	چہارم	کیفیت
ق	ق	۰	۰	دو رکعتیں لازم ہوں گی
ق	ق	ق	۰	″
ق	ق	۰	ق	″
ق	۰	ق	ق	″
۰	ق	ق	ق	″
۰	۰	ق	۰	″
۰	۰	۰	ق	″
ق	۰	ق	۰	چار کی قضا لازم ہوگی
۰	ق	۰	ق	″
ق	۰	۰	ق	″
۰	ق	ق	۰	″
ق	۰	۰	۰	″
۰	ق	۰	۰	″
ق	ق	ق	ق	چاروں صحیح ہوں گی

کسی نے کیا تو جن صورتوں میں امام کو چار کی قضا لازم آوے گی مقتدی کو بھی چار کی لازم ہوگی گو اس نے اقتدا تشہد میں کیا ہو **ولا قضاء لو نوی اربعا وقعد قدر التشہد ثم نقض** لانہ لم یشرع فی الثانی اور نہیں قضا اگر نیت کی چار رکعتوں کی اور بیٹھا مقدار تشہد کے پھر توڑ دیا نماز کو اس لیے کہ اس نے شروع نہیں کیا دوسرے دوگانہ کو اور پہلا تمام ہو چکا **او شرع فی فرض ظانا انہ علیہ** فذکرا داءہ انقلب نفلا غیر مضمون لانہ شرع مسقطا لا ملتزما یا قضا نہیں اگر شروع کیا فرض کو اس گمان سے کہ فرض مذکور اس کے ذمہ ہے پھر یاد آیا اس کا ادا کرنا تو یہ فرض نفل ہو جائے گا بدون قضا لازم آنے کے درصورت فاسد کرنے کے اس لیے کہ اس نے نماز کو شروع کیا تھا اپنے اوپر سے فرض ساقط کرنے کو نہ دوسری نماز اپنے ذمہ لینے کو **او صلی اربعا فاکثر ولم یقعد بینہما** استحسانا لانہ بقیامہ جعلہا صلوۃ واحدۃ فتبقی واجبۃ والخاتمۃ ہی الفریضۃ یا قضا نہیں اگر پڑھیں چار رکعتیں یا زیادہ یعنی چھ یا آٹھ اور بیچ میں نہ بیٹھا قضا نہیں استحسان کی وجہ سے اس لیے کہ نمازی نے کھڑے ہو جانے سے ہر دوگانہ کو جدا نہ رکھا بلکہ ایک نماز کر دیا تو قعدۂ اول واجب ہو گیا اور آخر کا قعدہ فرض ٹھہرا ھم یعنی قیاس کی رو سے شفع اول فاسد ہونا چاہیے کیوں کہ ہر دوگانہ نماز جدا ہے تو دوگانہ کے بعد کا قعدہ فرض ہے اور فرض کے ترک سے نماز نہیں ہوتی مگر جب یہ دوگانہ کے بعد پھر کھڑا ہو گیا تو اس نے سب نماز کو ایک کر دیا اس لیے بیچ کا قعدہ استحسانا فرضوں کے قعدہ کی طرح واجب ہو گیا اور اخیر قعدہ فرض ٹھہرا وفی الترشیح صلی الف رکعۃ ولم یقعد الا فی آخرہا صح خلافا لمحمد ویسجد للسہو ولا یثنی ولا یتعوذ فلیحفظ اور ترشیح میں ہے کہ نماز پڑھی ہزار رکعتیں اور نہ بیٹھا مگر سب سے آخر میں تو صحیح ہوں گی بخلاف امام محمد کے کہ ان کے نزدیک قعدہ ترک کرنے سے شفع باطل ہو جاتا ہے اور سجدہ سہو کرے بسبب ترک واجب یعنی بیچ کے قعدوں کے اور دعا استفتاح اور اعوذ نہ پڑھے کسی دوگانہ کے شروع میں کیوں کہ یہ دونوں ابتداء نماز میں ہوتی ہیں تو اس کو یاد رکھنا چاہیے ھم ایک نسخہ میں بجائے ترشیح کے تشریح بتقدیم شین لکھا ہے اور ایک نسخہ میں توشیح ہوا ہے شامی نے کہا کہ واو کے ساتھ زیادہ مشہور ہے یہ کتاب شرح ہدایہ کی ہے تالیف سراج ہندی کی **ویتنفل مع قدرتہ علی القیام قاعدا لا مضطجعا الا بعذر ابتداء** وکذا بناء بعد الشروع بلا کراہۃ فی الاصح کعکسہ بحر وفیہ اجر غیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی النصف الا لعذر اور نفل پڑھے بیٹھ کر باوجود قدرت اپنے قیام پر نہ نفل پڑھے لیٹ کر مگر عذر سے لیٹ کر بھی نفل پڑھنے بیٹھ کر پڑھے وقت ابتدا کرنے کے اور اسی طرح وقت بنا کرنے کے بعد شروع کے یعنی شروع دوگانہ کھڑا ہو کر کرے اور تمام بیٹھ کر کرے بدون کراہت کے صحیح تر قول میں مثل اس کے عکس کے یعنی بیٹھ کر دوگانہ نفل کو شروع کرنا اور کھڑا ہو کر تمام کرنا جائز ہے بلا کراہت کذا فی البحر اور بیٹھ کر نفل پڑھنے میں ثواب اور لوگوں کا سوائے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آدھا ہوتا ہے مگر عذر کی جہت سے آدھا نہیں ہوتا بلکہ پورا ثواب ہوتا ہے ھم فی الاصح راجع ہے بلا کراہت کی طرف اور اس کا مقابل قول درر اور وقایہ وغیرہ کا قول ہے کہ انھوں نے کراہت پر یقین کیا ہے بنا کی صورت میں بسبب خلاف صاحبین کے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے استثنا کیا کہ آپ کا ثواب قیام اور قعود میں یکساں ہے بہ سبب آپ کی شرافت کے کذا فی الطحطاوی **ولا یصلی بعد صلوٰۃ مفروضۃ مثلہا فی القراءۃ او فی الجماعۃ** اور نماز ہی نہ پڑھے بعد فرض نماز کے ایسی نماز کہ مثل ہو نماز سابق کی قرارت میں یا جماعت میں ھم ابن ابی شیبہ نے حضرت عمرؓ سے یہ الفاظ روایت کیے ہیں لا یصلی بعد صلوۃ مثلہا یعنی نہ پڑھی جاوے بعد نماز کے کوئی نماز مثل اس کے اور ظاہر کلام امام محمد کا یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے اور چوں کہ ظاہر حدیث اجماعا مراد نہیں کیوں کہ صبح کی اور ظہر کی نماز اسی طرح پڑھی جاتی ہے کہ ان کے پیش تر ویسی ہی سنتیں ہیں اس لیے ضرور ہوا کہ اس حدیث کو کسی خاص صورت پر عمل کیا جاوے یعنی مثل ہونا مطلقا مراد نہیں بلکہ قرارت یا جماعت میں مثل ہونا مراد ہے تو اگر ظہر کے بعد چار سنتیں اس طرح پڑھے کہ اول کی دو میں قرارت پڑھے اور دوسرے دوگانہ کو خالی مثل فرض کے تو یہ نماز مکروہ ہوگی اسی طرح دوسری بار جماعت سے پڑھنا ایک ہی نماز کا مکروہ ہے کذا فی الشامی مختصرا ولا تعاد عند توہم الفساد للنہی

اور نہ دہرائی جائے نماز وقت وہمی ہونے فساد کے بسبب ممانعت کے ھ یعنی اگر ایک بار نماز پڑھ لی پھر وسوسہ کے باعث شبہ ہوگیا کہ یہ نماز فاسد ہوئی تو اس نماز کا اعادہ کرنا مکروہ ہے ہاں اگر خلل نماز کا ثابت ہو مثلاً کوئی واجب چھوٹ گیا تو اس صورت میں اعادہ واجب ہے اور نہی سے مراد وہی حدیث ہے جو اوپر گذری کذا فی الشامی وما نقل ان الامام قضی صلوۃ عمرہ فان صح نقول کان یصلی المغرب والوتر اربعا بثلاث قعدات اور یہ جو نقل کیا گیا ہے کہ امام اعظمؒ نے اپنی عمر کی نماز قضا کی تو اگر یہ نقل صحیح ہے تو ہم کہتے ہیں کہ امام صاحب مغرب اور وتر کو چار رکعتیں تین قعدوں سے پڑھا کرتے تھے ھ یہ جواب ہے ایک سوال کا تقریر سوال یہ ہے کہ امام اعظم کا نماز عمر کو قضا کرنا حدیث مذکور کے مخالف ہے اس لیے کہ ایسا تو ہوا نہ ہوگا کہ امام صاحب نے اپنی سب پیشتر کی نمازوں میں کوئی واجب چھوڑ دیا ہو یا کسی مکروہ کے مرتکب ہوئے ہوں تاکہ اعادہ ان کا واجب ہو جائے بلکہ غالبا ان کی قضا بنظر احتیاط اور توہم فساد تھی تو یہ قضا حدیث مذکور کے مخالف ٹھہری اور اگر یہ کہیے کہ قضا کی سب رکعتوں میں آپ نے قرارت پڑھی تاکہ نفل ہو جائیں تو مغرب اور وتر کی تین رکعتیں نفل ٹھہریں گی حالاں کہ نفل تین رکعت موضوع نہیں تو اس کا جواب شارح نے یہ دیا کہ اول تو نقل عمر کی نماز قضا کرنے کی امام کی صحیح نہیں اور اگر صحیح ہو تو وتر اور مغرب کو آپ چار رکعتیں تین قعدوں سے پڑھتے تھے یعنی تیسری رکعت پر بھی بیٹھ کر تشہد پڑھ لیتے تھے تاکہ اول کی نماز اگر صحیح ہو تو یہ نماز نفل ہو جائے اور قعدہ کا زیادہ ہو جانا نفل کو باطل نہیں کرتا اور اگر پہلے کی نماز نہ ہوئی ہو تو یہ نماز فرض ہو گی اور ایک رکعت کی زیادتی فرض کو باطل نہیں کرتی شامی نے کہا کہ جواب اول ہی درست ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں **ویقعد فی کل نفلہ کما فی التشہد علی المختار** اور بیٹھے نمازی تمام نفل میں جیسے تشہد میں بیٹھتا ہے قول مختار پر ھ فقیہ ابو اللیث نے کہا کہ اسی پر فتویٰ ہے اور بعضوں نے کہا کہ چار زانو بیٹھ کر نفل پڑھے اور بعضوں نے کہا کہ گوٹ مار کر اور یہ اختلاف افضلیت میں ہے نہ جواز میں یعنی مختار یہ ہے کہ تشہد کی صورت پر بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے گو اور طرح پر پڑھنے سے بھی ادا ہو جائے گی مگر تشہد میں کسی کا اختلاف نہیں سب کے نزدیک نفل میں بھی التحیات کے لیے اسی طرح بیٹھے جیسے فرضوں میں بیٹھتے ہیں کذا فی الشامی **ویتنفل المقیم راکبا خارج المصر** محل القصر **مؤمیا** فلو سجد اعتبر ایماء لانہا انما شرعت بالایماء **الی ای جہۃ توجہت دابتہ ولو ابتداء** عندنا **او علی سرجہ نجس** کثیر **عند الاکثر** اور نفل پڑھے مقیم حالت سواری میں شہر کے باہر یعنی ایسی جگہ کہ وہاں مسافر کو قصر کرنا پڑے اشارہ سے پس اگر وہ کسی چیز یا زین پر سجدہ کرے گا تو سجدہ کرنا بھی اشارہ میں متصور ہوگا کیوں کہ سواری پر نماز صرف اشارہ سے مشروع ہوئی ہے نفل پڑھے جس طرف کو اس کی سواری کا جانور جاتا ہو اگرچہ نفل کے شروع کرنے کے وقت ہو ہمارے نزدیک یعنی سواری پر نماز پڑھنے میں استقبال قبلہ شرط نہیں نہ نیت کے وقت نہ درمیان میں بخلاف امام شافعی کے کہ ان کے نزدیک نیت کے وقت قبلہ رخ ہونا ضروری ہے کذا فی الشامی یا اگرچہ اس کے زین پر نجاست بہت ہو تب بھی نفل درست ہو گی اکثر کے نزدیک ھ شامی نے کہا کہ یہی ظاہر مذہب ہے اور یہی اصح ہے اور اگر جانور یا رکاب پر نجاست ہو تب بھی یہی حکم ہے بسبب ضرورت کے اور مقیم کی قید سے معلوم ہوا کہ مسافر کو بطریق اولی سواری پر نفل نماز درست ہے **ولو سیرہا بعمل قلیل لا باس بہ** اور اگر سواری کے جانور کو تھوڑے سے عمل سے ہانکا تو اس کا مضائقہ نہیں یعنی اس سے نماز فاسد نہ ہوگی **ولو افتتح النفل راکبا ثم نزل بنی وفی عکسہ لا** لان الاول ادی اکمل مما وجب والثانی بعکسہ اور اگر شروع کیا نفل کو حالت سواری میں پھر اتر پڑا تو اسی پہلی نماز کو پورا کر لے یعنی باقی ہو اور اس کے عکس میں یعنی شروع کیا زمین پر پھر سوار ہو گیا بنا نہ کرے اس لیے کہ اول ادا کی گئی زیادہ کامل بہ نسبت نماز واجب کے اور دوسری اس کی عکس ہے ھ یعنی پہلی صورت میں نیت ایسی نماز کی ہوئی جس میں رکوع اور سجدہ اشارہ سے تھا اور جب ارکان کو ادا کیا تو شروع کی نسبت زیادہ کامل پر پا یا گیا اور دوسری صورت میں تکبیر تحریمہ اس نماز کی ہے جس کا پڑھنا رکوع وسجدہ کے ساتھ واجب ہے تو بدون عذر کے اس واجب کو چھوڑ نہیں سکتا کذا فی البحر **ولو افتتحہا خارج المصر ثم دخل المصر اتم علی الدابۃ بایماء وقیل لا بل ینزل وعلیہ الاکثر**

قال الحلبی وقیل یتم راکبا مالم یبلغ منزلہ قہستانی اور اگر نماز نفل کو شہر کے باہر شروع کیا پھر شہر میں داخل ہوا تو سواری ہی پر اشارہ سے پورا کرے اور ایک قول یہ ہے کہ سواری پر تمام نہ کرے بلکہ باقی کو اتر کر تمام کرے اور اسی قول پر ہیں اکثر فقہا کہا ہے اس کو حلبی نے اور قول ضعیف یہ ہے کہ سواری پر تمام کرے جب تک اپنے مکان کو نہ پہنچا ہو اور مکان پر پہنچنے سے اتر کر تمام کرے کذا فی القہستانی وبنی قائما الی القبلۃ او قاعدًا اور بنا کرے قبلہ کی طرف کو کھڑا ہو کر یا بیٹھ کر م یعنی جب نفل کو سواری پر شروع کیا پھر اتر پڑا تو اب باقی نماز کو قبلہ رخ ہو کر کھڑا ہو کر پڑھے یا بیٹھ کر ولو رکب تفسد لانہ عمل کثیر بخلاف النزول اور اگر نفل کو زمین پر شروع کیا پھر سوار ہوا تو فاسد ہو جائیگی اس لیے کہ سوار ہونا عمل کثیر ہے بخلاف اترنے کے سواری سے کہ عمل قلیل سے ممکن ہے اس طرح کہ دونوں پاؤں ایک طرف کو کر کے کھسک پڑے م یہ مسئلہ شارح نے مکرر اس لیے بیان کیا کہ پہلے علت فساد یہ لکھی تھی کہ کامل طور پر ادا کر کے ضعیف طور پر ادا درست نہ ہوگا اور یہاں علت فساد عمل کثیر کو ٹھہرایا ہے کذا فی الشامی ولو صلی علی دابۃ فی شق محمل وہو یقدر علی النزول بنفسہ لا تجوز صلوتہ علیہا اذا کانت واقفۃ الا ان تکون عیدان المحمل علی الارض بان رکز تحتہ خشبۃ اور اگر نماز پڑھی اونٹ پر محمل کے ایک طرف میں حالاں کہ وہ اپنے آپ اس پر سے اتر سکتا ہے تو اس کی نماز اونٹ پر درست نہ ہوگی جب کہ اونٹ ٹھہرا ہوا ہو مگر یہ کہ پائے محمل کے زمین پر ہوں مثلاً محمل کے نیچے لکڑی گاڑی ہو جس سے زمین محمل پر ٹھہر جائے اونٹ کی پشت پر نہ رہے م یہاں سے نماز فرض اور واجب کا بیان ہے سواری پر سو جاننا چاہیے کہ فرض واجب سواری پر بدون ضرورت جائز نہیں اور ضرورتیں یہ ہیں کہ خوف ہو چور کا یا درندہ کا اترنے کی صورت میں یا زمین پر گارا وغیرہ ہو چنانچہ آگے آتا ہے اور محمل میں نماز کا حال ایسا ہے جیسا خود سواری پر تو ٹھہری ہوئی سواری پر تو نماز اشارہ سے پڑھے بشرطیکہ اس کے ٹھہرانے کے قبلہ کی طرف کو اگر ممکن ہو ورنہ حتی الوسع قبلہ جانب رکھنا چاہیے اور چلتی سواری کو اگر ٹھہرانے پر قادر ہو تو نماز درست نہیں اور اگر خوف وغیرہ عذروں کے باعث ٹھہرا نہ سکے تو جس طرح پڑھ سکے پڑھ لے اور قدرت کے وقت اس نماز کا اعادہ اس کے ذمہ نہیں جیسے بیمار کے ذمہ اعادہ نہیں کذا فی الشامی واما الصلوۃ علی العجلۃ ان کان طرف العجلۃ علی الدابۃ وہی تسیر او لا تسیر فہی صلوۃ علی الدابۃ فتجوز فی حالۃ العذر المذکور فی التیمم لا فی غیرہا اور گاڑی پر نماز کا یہ حال ہے کہ اگر گاڑی کا جا جانور پر ہو اور گاڑی چلتی ہو یا نہ تو وہ نماز سواری ہی پر ہے یعنی جائز ہوگی حالت عذر میں جس کا ذکر تیمم میں ہوا نہ دوسری حالت میں م عجلہ بفتحتین بوجھ لادنے کی گاڑی کو کہتے ہیں جو کہ ایکی کی طرح ہوتی ہے کذا فی المغرب اور عذر جس کا ذکر تیمم میں ہوا خوف مال اور نفس یا عورت کو کسی بدکار کا ومن العذر المطر وطین یغیب فیہ الوجہ وذہاب الرفقاء ودابۃ لا ترکب الا بعناء او بمعین ولو محرما لان قدرۃ الغیر لا تعتبر اور عذر میں داخل ہے مینہ کا برسنا اور گارا جس میں منہ غائب ہو جاوے یعنی لتھڑ جاوے اور چلا جانا رفیقوں کا اور جانور کا ایسا ہونا جس پر بدون مشقت سوار نہ ہو سکے یا بدون مددگار کے سوار نہ ہو سکے اگرچہ مددگار محرم ہو اس لیے کہ غیر کی قدرت معتبر نہیں م شامی نے کہا کہ اگر کسی شخص کے پاس سواری نہیں اور زمین سب گارا ہو رہی ہے کہ سجدہ نہیں کر سکتا تو وہ شخص کھڑا ہو کر اشارہ سے نماز پڑھے حتی لو کان مع امہ مثلا فی شق محمل واذا نزل لم تقدر ترکب وحدہا جاز لہ ایضا کما افادہ فی البحر للیمفظ یہاں تک کہ اگر ہووے مرد اپنی ماں کے ساتھ محمل کے ایک طرف میں اور جب وہ اترتا ہے تو اس کی ماں اکیلی سوار نہیں رہ سکتی تو اس مرد کو بھی نماز پڑھنا محمل میں درست ہے چنانچہ بیان کیا ہے اس کو بحر الرائق میں تو اس کو یاد رکھنا چاہیے م یعنی محمل کے دو سواروں میں سے ایک کا ایسا ہونا کہ تنہا نہ تھم سکے دوسرے کے حق میں عذر ہے وان لم یکن طرف العجلۃ علی الدابۃ جاز لو واقفۃ لتعلیلہم بانہا کالسریر اور اگر گاڑی کا سر ابیل وغیرہ پر نہ ہو تو نماز اس میں جائز ہے اگر وہ کھڑی ہو چلتی نہ ہو بسبب علت بیان کرنے فقہا کے کہ زمین پر کھڑی ہوئی گاڑی مثل تخت کے ہے م یہاں ریل کے اندر نماز پڑھنے کا حکم بیان کرنا ضروری ہے کہ اس میں علماء ہند

مختلف ہیں بعض کہتے ہیں کہ چلتی ریل میں نماز فرض وواجب درست نہیں اور بعض درست کہتے ہیں جو درست نہیں کہتے ان کی تقریر یہ ہے کہ ریل ہر جگہ برا تنی دیر ٹھہرتی ہے کہ اس میں آدمی نماز چھوٹی سورتوں سے مسافروں کی طرح پڑھ سکتا ہے اور نماز کے ہر ایک وقت میں اتنی وسعت ہے کہ اس قدر عرصہ میں ریل کسی جگہ ضرور ٹھہرتی ہے تو ریل کے سوار کو کوئی عذر نہیں کہ ریل پر پڑھے اور بدون عذر کے سواری پر نماز جائز نہیں اور جو درست کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ نمازی کا عذر وقت ارادہ نماز اور اس کے شروع کرنے کے معتبر ہے گو قبل خروج وقت کے اس کا عذر جاتا رہنا متوقع ہو پس چلتی ریل پر سے اترنے سے عاجز ہونا عذر صریح ہے پھر کیا وجہ کہ نماز جائز نہ ہو حالاں کہ اگر نمازی تیمم سے اول وقت نماز پڑھ لے اور جانے کہ وقت کے باقی رہتے پانی مل جائے گا تو اس کی نماز ہو جائے گی کوئی اس کے عدم جواز کا قائل نہیں کیوں کہ جس وقت نماز ادا کی اس وقت پانی پر قادر نہ تھا یہ دونوں طرف کی دلیلیں ہیں پھر جو مترجم نے کتب فقہ کی طرف رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ قول نماز کے جواز کہنے والوں کا درست ہے چنانچہ شامی نے اس کی ایک نظیر لکھی ہے کہ مسافر قافلہ حجاج میں جو عذر کے سبب اتر سکتا نہیں اور توقع زوال عذر کی قبل خروج وقت رکھتا ہے کیا اس کو درست ہے کہ مثلاً عشاء کی نماز اونٹ پر یا محمل میں اول وقت پڑھ لے یا اس وقت تک توقف کرے کہ سب قافلہ عشاء کے لیے اترے پس میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ اول وقت پڑھ لے جیسے تیمم سے اول وقت نماز درست ہے گو توقع ہو کہ وقت کے زوال سے پیشتر پانی مل جائے گا انتہی مختصراً تو معلوم ہوا کہ نماز کے جواز میں کچھ تردد نہیں ہاں اگر وقت کے باقی رہنے تک توقف کرے اور ریل کے ٹھہرنے پر نماز پڑھے تو یہ صورت احتیاط کی ہے چنانچہ حلیہ کے باب التیمم میں مجتبیٰ سے منقول ہے کہ اولیٰ یہ کہ تیمم سے اول وقت نماز نہ پڑھے اور تاخیر کرے یہاں تک کہ جب وقت جاتا دیکھے اس وقت پڑھ لے **ہذا کلہ فی الفرض** والواجب بانواعہ وسنۃ الفجر بشرط ایقافہا للقبلۃ ان امکنہ والا فبقدر الامکان لئلا یختلف بسیرہا المکان یہ سب یعنی نہ قادر ہونا اترنے پر اور محمل کے نیچے پایہ کا رکھنا یا گاڑی کا جوا بیلوں پر نہ ہونا فرض اور واجب کی اقسام اور فجر کی سنتوں کے لیے ہے بشرط کھڑا کرنے سواری کے قبلہ کی جانب اگر سوار کو ممکن ہو اور اگر جانب قبلہ کھڑا کرنا ممکن نہ ہو تو جتنا ہو سکے کھڑا کرنا اس لیے شرط ہوا کہ مکان نماز سواری کے چلنے سے مختلف نہ ہو حاصل یہ ہے کہ مکان کا متحد ہونا اور قبلہ رخ ہونا سوائے نفل کے اور نمازوں میں شرط ہے اگر ممکن ہو تو بدون عذر کے دونوں امر ساقط نہ ہوں گے پس اگر قبلہ رخ سواری کو کھڑا کر سکے تو کرے باقی رہا یہ کہ اگر کھڑا کر سکتا ہے قبلہ رخ نہیں کر سکتا تو کھڑا کرنا لازم ہے تاکہ اتحاد مکان سب نماز میں حاصل ہو اور اگر قبلہ رخ کر سکتا ہے اور کھڑا نہیں کر سکتا تو حلیہ میں مذکور ہے کہ قبلہ رخ کرنا لازم ہے اور شارح کے قول بقدر امکان سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور واجب کے اقسام سے مراد وتر اور نماز نذر اور اس نماز نفل کی قضا جس کو شروع کر کے توڑ دیا ہو کذا فی الشامی **واما فی النفل فیجوز علی المحمل والعجلۃ مطلقا** فرادی لا بجماعۃ الا علی دابۃ واحدۃ اور نفل کا حال یہ ہے کہ درست ہے نماز نفل محمل پر اور گاڑی پر مطلقاً خواہ کھڑی ہو یا چلتی قبلہ رخ ہو یا نہ ہو اترنے پر قادر ہو یا نہ ہو لیکن تنہا پڑھنا نفل کا درست ہے نہ جماعت سے مگر ایک سواری کے جانور پر جماعت سے بھی درست ہے خواہ مقتدی پیچھے بیٹھا ہو یا محمل میں برابر ہو کذا فی الشامی **ولو جمع بین نیۃ فرض ونفل** ولو تحیۃ **رجح الفرض** لقوتہ وابطلہا محمد والائمۃ الثلثۃ اور اگر جمع کیا نمازی نے نیت فرض اور نفل کو اگرچہ نفل تحیۃ المسجد ہو یا تحیۃ الوضو تو ترجیح دیا جائے گا فرض بسبب اس کے قوی ہونے کے اور باطل کیا ہے اس نیت کو امام محمد اور ائمہ ثلثہ یعنی مالک واحمد وشافعیؒ نے ہم یعنی فرض ونفل کی نیت ایک ساتھ کرنے سے فرض ہو جائے گا اور نفل کا ثواب نہ ملے گا بخلاف اس صورت کے کہ کئی نفلوں کی ایک ساتھ نیت کرے مثلاً تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضو اور نماز چاشت اور کسوف کی نیت ایک ہی دوگانہ میں کرے تو سب کا ثواب ملے گا کذا فی الطحطاوی ولو نذر رکعتین بغیر طہر لزماہ بہ عندہ ای ابی یوسف کما لو نذر بغیرہ قراءۃ او عریانا او رکعۃ وکذا نصف رکعۃ عند ابی یوسفؒ وہو المختار اور اگر نذر کی دو رکعتیں بدون طہارت کے تو لازم ہوں گی اس پر طہارت کے ساتھ امام ابی یوسف کے

نزدیک چنانچہ اگر نذر کی بغیر قراءۃ کے یا حالت برہنگی میں تو قراءت اور سترعورت کے ساتھ لازم ہوں گی یا نذر کی ایک رکعت اور اسی طرح آدھی رکعت اگر نذر کی تو دو رکعتیں لازم ہوں گی امام ابویوسف کے نزدیک اور یہی مختار ہے ہم طحطاوی نے کہا کہ ماتن نے ضمیر عندہ کی بے موقع بیان کی کیوں کہ اصطلاح یہ ٹھہری ہوئی ہے کہ عندہ کی ضمیر امام کی طرف ہو جب کہ کوئی قرینہ نہ ہو **واہدرہ الثالث** اسے محمد اور باطل کیا ہے اس نذر کو امام سوم یعنی امام محمدؒ نے تو ان کے نزدیک اس نذر سے اس پر کچھ لازم نہ ہوگا کیوں کہ نذر معصیت کی ہے اور ابویوسف کی دلیل یہ ہے کہ نماز کا لازم کرنا اک چیز کا لازم کرنا ہے جس کے بدون نماز صحیح نہ ہوتی ہو اور چوں کہ عذر والے کے حق میں نماز بدون طہارت کے اور امی کے حق میں بدون قراءت کے عبادت ہے تو نذر معصیت نہ ہوئی کذا فی الشامی **او نذر عبادۃ فی مکان کذا فاداہا فی اقل** من شرفہ جاز لان المقصود القربۃ خلافا لزفر والثلاثۃ یا نذر کی عبادت کی کسی مکان معین میں پھر اس کو ادا کیا ایسے مکان میں جس کا شرف بہ نسبت مکان نذر کے کم تھا تو ادائے نذر درست ہوگا اس لیے کہ مقصود قربت ہے اور ہر جگہ کی نماز سے حاصل ہے بخلاف زفر اور تینوں اماموں کے **ولو نذرت عبادۃ** کصوم وصلوٰۃ **فی غد فحاضت فیہ یلزمہا قضاءہا** لانہ یمنع الاداء لا الوجوب اور اگر کسی عورت نے کسی عبادت کی مثل نماز اور روزہ کے نذر کی کل کے روز میں پھر اس روز میں وہ حائضہ ہوگئی تو لازم ہوگی اس عورت کو قضا اس عبادت کی اس لیے کہ حائضہ ہونا اداء عبادت کا مانع ہے نہ وجوب عبادت کا ہم شامی نے کہا کہ ضمیر لانہ کی حیض کی طرف ہے جو فعل حاضت سے مفہوم ہوتا ہے **ولو نذرتہا یوم حیضہا لا** لانہ نذر بمعصیۃ اور اگر عورت نے عبادت کی نذر کی اپنے حیض کے دن میں کی یعنی یوں کہا مثلاً کہ جس دن میں حائضہ ہوں اس روز اتنی نفلیں پڑھوں یا روزہ رکھوں تو اس پر قضا لازم نہ ہوگی اس لیے کہ یہ نذر ہے معصیت کی یعنی یوم حیض نماز و روزہ کا منافی ہے تو یہ نذر ہی درست نہ ہوئی **التراویح سنۃ** موکدۃ لمواظبۃ الخلفاء الراشدین **للرجال والنساء** اجماعاً تراویح سنت مؤکدہ ہے بسبب مواظبت خلفاء راشدین کے مردوں اور عورتوں کے حق میں بالاجماع ہم خلفائے راشدین سے اکثر مراد ہیں کیوں کہ تراویح کی مداومت عہد مبارک حضرت عمرؓ کے درمیان ہوئی اور اس کے بعد سے آج تک صحابہ اور علماء سب اس پر متفق چلے آئے کسی نے انکار نہیں کیا اور شرح منیہ میں ہے کہ اکثر علماء نے اس کے مسنون ہونے پر اجماع نقل کیا ہے اور اس کے سنت مؤکدہ ہونے کی تصحیح ہدایہ وغیرہا میں کی ہے اور اجماع کی قید اس لیے لگائی کہ روافض کا قول قابل اعتبار نہیں جو صرف مردوں کے حق میں سنت بتاتے ہیں یا سرے سے سنت ہی نہیں کہتے اور سعید بن منصور نے بروایت عروہ روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابی بن کعبؓ کو امام مردوں کا کیا تھا اور تمیم داری عورتوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے کذا فی الشامی **ووقتہا بعد صلوٰۃ العشاء الی الفجر قبل الوتر وبعدہ فی الاصح** اور وقت تراویح کا نماز عشاء کے بعد ہے فجر تک وتر سے پہلے اور وتر کے بعد صحیح تر قول میں ہم وقت تراویح میں تین قول ہیں اوّل یہ کہ تمام شب اس کا وقت ہے تو اس صورت میں آفتاب کے غروب سے صبح صادق تک وقت ہوگا دوسرا قول یہ ہے کہ تراویح کا وقت عشاء اور وتر کے درمیان ہے یعنی عشاء کے بعد اور وتر سے پیشتر اور تیسرا قول وہی جو ماتن نے ذکر کیا بحرالرائق میں کہا کہ پہلے قول کی تصحیح کسی نے نہیں کی اور دوسرے کو خلاصہ میں صحیح کہا ہے اور غایۃ البیان میں کہا کہ متوارث اور ماثور یہی ہے اور تیسرے قول کو ہدایہ اور خانیہ اور محیط میں صحیح کہا ہے اور کافی میں اسی کو جمہور کی طرف نسبت کیا ہے کذا فی الشامی فلوفاتہ بعضہا وقام الامام الی الوتر اوتر معہ ثم صلی مافاتہ پس اگر نمازی کو کچھ تراویح نہ ملی ہوں اور امام وتروں کے لیے کھڑا ہو جائے تو وہ شخص امام کے ساتھ وتر پڑھ لے پھر وہ تراویح پڑھ لے جو فوت ہوگئی ہو ہم یہ تفریع تیسرے قول پہ ہے اور دوسرے قول کے بموجب وتر امام کے ساتھ پڑھنے سے وقت تراویح کا تمام ہو جائے گا اور دونوں قولوں پر یہ مسئلہ متفرع ہے کہ جس شخص نے فرض عشاء نہ پڑھے ہوں تو وہ بدون فرض پڑھے جماعت تراویح میں شریک نہ ہو **ویستحب تاخیرہا الی ثلث اللیل** او نصفہ ولا تکرہ بعدہ فی الاصح اور مستحب ہے دیر کرنا تراویح کا رات کی ایک تہائی تک یا اس کے نصف تک اور نہیں مکروہ ہے تراویح بعد نصف شب کے صحیح تر قول میں ہم اور قول منبع

ہے کہ بعد نصف شب کے تراویح مکروہ ہے کیوں کہ تراویح تابع عشاء کی ہے تو جب اصل عشاء مکروہ ہے تو تابع بھی مکروہ ہونی چاہیے اور وجہ مکروہ نہ ہونے کی یہ ہے کہ تراویح نماز شب ہے اور افضل نماز شب میں یہی ہے کہ آخر شب میں ہو کذا فی الشامی مختصرا **ولا تقضے اذا فاتت اصلا ولا وحدہ فی الاصح فان قضاھا کانت نفلا مستحبا ولیس بتراویح** کسنۃ مغرب وعشاء اور تراویح جب فوت ہو جائے تو قضا نہ کی جائے اصلا یعنی نہ جماعت میں اور نہ تنہا صحیح تر قول میں پس اگر تراویح کو قضا پڑھے گا تو نفلیں مستحب ہو جائیں گی اور تراویح نہ ہوں گی جیسے مغرب اور عشاء کی سنتیں فوت ہو جانے سے قضا نہیں کی جاتیں ھم طحطاوی نے کہا کہ ولا وحدہ بیان ہے اصلا کا یعنی نہ جماعت میں اور نہ تنہا اور اصح قول کا مقابل یہ ہے کہ دوسری تراویح کے وقت آنے تک تنہا قضا پڑھ سکتا ہے **والجماعۃ سنۃ علی الکفایۃ فی الاصح فلو ترکھا اھل مسجد اثموا الا لو ترک بعضھم** اور جماعت تراویح میں سنت کفایہ ہے اصح قول میں اس سے یہ نکلا کہ اگر کسی مسجد والے جماعت تراویح کو ترک کریں گے تو سب گناہ گار ہوں گے نہ جب کہ جماعت کو ان میں سے بعض نے چھوڑا ہو ھم جماعت کو سنت کفایہ کہنے سے یہ اشارہ کیا کہ مطلق تراویح سب کے حق میں جداگانہ سنت ہے اگر کوئی تراویح کو چھوڑے گا تو گنہگار ہوگا اور سنت کفایہ سے مراد یہ کہ بعض کے کرنے سے بقیہ کے ذمہ سے ساقط ہو جائے **وکل ماشرع بجماعۃ فالمسجد فیہ افضل قالہ الحلبی** اور جو نمازیں کہ جماعت سے مشروع ہیں ان میں مسجد افضل ہے کہا ہے اس کو حلبی نے ھم یعنی کسوف اور تراویح وغیرہ کو مسجد میں پڑھنا افضل ہے بہ نسبت گھر پڑھنے کے **وھی عشرون رکعۃ حکمۃ مساواۃ المکمل للمکمل** اور تراویح بیس رکعت ہیں حکمت ان کے بیس ہونے کی برابر ہونا مکمل بالکسر کا مکمل بالفتح سے ہے ھم یعنی نوافل فرائض کی تکمیل کے لیے ہوتی ہیں اور چوں کہ شمار فرائض پنجگانہ کا مع وتر کے بیس ہے اس لیے تراویح بھی بیس رکعت ہوئیں تو تکمیل کرنے والی تراویح ہیں اور تکمیل کیے گئے فرائض اور وتر یہ دلیل عقلی ہوئی اور دلیل نقلی یہ ہے کہ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباسؓ سے بسند ضعیف روایت کیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعتیں اور وتر پڑھتے تھے **بعشر تسلیمات فلو فعلھا بتسلیمۃ فان قعد لکل شفع صحت بکراھۃ والا نابت عن شفع واحد** یعنی تراویح بیس رکعتیں ہیں دس سلاموں سے تو اگر ان کو ایک سلام سے پڑھا اور ہر دوگانہ پر بیٹھا تب تو کراہت کے ساتھ درست ہو جائیں گی ورنہ ایک دوگانہ کی قائم مقام ہوں گی اسی پر فتوی ہے ھم یعنی سلف سے ان کا پڑھنا دس سلاموں سے مروی ہے اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ رات کی نفلیں آٹھ سے زیادہ ایک سلام میں پڑھنا مکروہ ہیں اس لیے بیسوں کو ایک سلام سے پڑھنا مکروہ ہے **یجلس ندبا بین کل اربعۃ بقدرھا وکذا بین الخامسۃ والوتر ویخیرون بین تسبیح وقراءۃ وسکوت وصلاۃ فرادی نعم تکرہ صلوۃ رکعتین بعد کل رکعتین** بیٹھے بطور استحباب کے درمیان چار رکعتوں کے بمقدار چار رکعتوں کے اور اسی طرح درمیان پانچویں ترویحہ اور وتر کے اور آدمی مختار ہیں چاہیں اس توقف میں تسبیح پڑھیں چاہیں قرآن چاہیں خاموش رہیں چاہیں نفلیں تنہا پڑھیں ہاں مکروہ ہے ہر دوگانہ کے بعد دو رکعتیں پڑھنی اس لیے کہ توقف ہر ترویحہ کے بعد مشروع ہے نہ ہر دوگانہ کے بعد ھم قہستانی نے کہا کہ ترویحہ کے بعد تین بار کہے (سبحانؓ ذی الملک والملکوت سبحان ذی العزۃ والعظمۃ والقدرۃ والکبریاء والجبروت سبحان الملک الحی الذی لایموت سبوح قدوس رب الملئکۃ والروح لا الہ الا اللہ نستغفر اللہ نسالک الجنۃ ونعوذ بک من النار) کذا فی الطحطاوی **والختم مرۃ سنۃ ومرتین فضیلۃ وثلاثا افضل ولا یترک الختم لکسل القوم** اور تراویح میں پڑھنا تمام قرآن کا ایک بار سنت ہے اور دو بار فضیلت ہے اور تین بار افضل ہے اور نہ چھوڑا جائے تمام قرآن کا پڑھنا لوگوں کی سستی کی جہت سے ھم قرآن مجید کی آیتیں کچھ اوپر چھ ہزار ہیں اور شمار تراویح کی رکعتوں کی چھ سو ہے اگر مہینہ تیس دن کا ہو اس حساب سے اگر ہر رکعت میں دس آیتیں پڑھے گا تو مہینے میں ایک ختم ہو جائے گا کذا فی الطحطاوی لکن فی الاحیاء

ؓ میں پاکی بیان کرتا ہوں ملک و سلطنت والے کی پاک ہے عزت اور بزرگی اور قدرت اور بڑائی اور جبروت والا پاک ہے بادشاہ زندہ جو نہیں مرے گا نہایت پاک اور پورا منزہ ہے مالک فرشتوں اور جبرئیل کا کوئی معبود نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے ہم مغفرت چاہتے ہیں اللہ سے یا اللہ تجھ سے سوال کرتے ہیں جنت کا اور پناہ مانگتے ہیں آگ سے ١٢

الافضل فی زماننا قدر مالا یثقل علیھم واقرہ المصنف وغیرہ لیکن اختیار میں ہے کہ افضل ہمارے زمانہ میں اس قدر کا پڑھنا ہے کہ لوگوں پر گران نہ ہو اور ثابت رکھا ہے اس کو مصنف وغیرہ نے وفی المجتبی عن الامام لو قرأ ثلاثا قصارا او آیۃ طویلۃ فی الفرض فقد احسن ولم یسیٔ فما ظنک فی التراویح اور مجتبی میں ہے امام اعظم سے کہ اگر فرض میں تین آیتیں چھوٹی یا ایک آیت بڑی پڑھی تو اچھا کیا اور برا نہیں کیا تو کیا گمان ہے تیرا تراویح میں ھم یعنے جب فرض میں تین آیتیں پڑھنی بہتر ہیں تو تراویح میں بطریق اولی احسن ہوں گی وفی فضائل رمضان للزاہدی افتی ابو الفضل الکرمانی والوبری انہ اذا قرأ فی التراویح الفاتحۃ وآیۃ او آیتین لایکرہ ومن لم یکن عالما باہل زمانہ فھو جاہل اور زاہدی کی فضائل رمضان میں ہے کہ فتوی دیا ابو الفضل کرمانی اور وبری نے کہ جب تراویح کی ہر رکعت میں الحمد اور ایک آیت خواہ دو آیتیں پڑھیں تو مکروہ نہ ہوں گی اور جو شخص اپنے زمانہ والوں سے واقف نہ ہو وہ جاہل ہے ھم ایک آیت سے مراد بڑی آیت ہے جو تین چھوٹی آیتوں کے برابر ہو اسی طرح دو آیتیں برابر تین آیتوں کے ہونی چاہییں ورنہ مکروہ تحریمی ہوگا کذا فی الشامی حاصل شارح کی تقریر کا یہ ہے کہ اگر لوگ اس طرح کے سست اور بیدل ہوں کہ تمام قرآن سننے کی تاب نہ رکھتے ہوں تو اس صورت میں اس قدر پر اقتصار کرنا چاہیے تاکہ مسجد جماعت سے خالی نہ رہیں ورنہ ایک ختم سے کم نہ کرے کہ سنت وہی ہے **ویأتی الامام والقوم بالثناء فی کل شفع ویزید الامام علی التشھد الا ان یمل القوم فیأتی بالصلوۃ ویکتفی باللھم صل علی محمد لانہ الفرض عند الشافعی ویترک الدعوات** اور پڑھے امام اور قوم سبحانک اللھم ہر دوگانہ میں اور امام تشہد پر بڑھا دے درود اور دعا کو مگر یہ کہ قوم تھک جائے تو صرف درود پڑھے اور اس میں سے بھی اللھم صل علی محمد پر اکتفا کرے اس لیے کہ درود فرض ہے امام شافعی کے نزدیک تو اس کا پڑھنا ضروری ہے اور چھوڑ دے دعاؤں کو ویجتنب المنکرات ھذرمۃ القراءۃ وترک تعوذ وتسمیۃ وطمانینۃ وتسبیح واستراحۃ اور احتراز کرے غیر مشروع باتوں سے یعنی قراءت کے جلد پڑھنے اور اعوذ اور بسم اللہ کے چھوڑنے اور اطمینان اور رکوع اور سجدہ کی تسبیح اور تسبیحوں کے بعد توقف کے چھوڑنے سے ھم ھذرمہ بروزن زلزلہ بمعنی جلد پڑھنے کے ہے اور وہ بدل ہے منکرات سے کذا فی الطحطاوی **وتکرہ قاعدا لزیادۃ تاکدھا حتی قیل لا تصح مع قدرۃ القیام** اور مکروہ ہے تراویح کا پڑھنا بیٹھ کر بسبب زیادہ تاکید ہونے تراویح کے یہاں تک کہ بعض فقہا نے کہا ہے کہ بیٹھ کر درست نہیں باوجود قادر ہونے کے کھڑا ہونے سے ھم یعنی اگر کھڑا ہو کر پڑھنے کی طاقت نہ ہو تو بیٹھنا مکروہ نہیں اور بیٹھ کر پڑھنا بلا عذر مکروہ تنزیہی ہے اس لیے کہ خلاف سلف کے فعل کے ہے کذا فی الشامی کما یکرہ تاخیر القیام الی رکوع الامام للتشبہ بالمنافقین جیسے مکروہ ہے دیر کرنا قیام میں امام کے رکوع تک واسطے مشابہت کے منافقوں سے ھم یعنی مقتدی کا بیٹھا رہنا اور امام کے رکوع کے وقت نماز کا شروع کرنا مکروہ ہے اس لیے کہ علامت کسل کی ہے چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے منافقوں کے حال میں (واذا قاموا الی الصلوۃ قاموا کسالی) یعنی جب نماز کو کھڑے ہوں تو کھڑے ہوں سست اسی تشبیہ کی جہت سے یہ حرکت مکروہ ہے **ولو ترکوا الجماعۃ فی الفرض لم یصلوا التراویح جماعۃ لانھا تبع فمصلیہ وحدہ یصلیھا معہ** اور اگر لوگوں نے جماعت فرض میں نہ کی ہو تو تراویح کو جماعت سے نہ پڑھیں اس لیے کہ جماعت تراویح کی تابع ہے جماعت فرض کی تو جس شخص نے فرض تنہا پڑھی ہوں وہ تراویح کو امام کے ساتھ پڑھے ولو لم یصلھا ای التراویح بالامام او صلاھا مع غیرہ لہ **ان یصلی الوتر معہ** اور اگر نہ پڑھا تراویح کو امام کے ساتھ یا تراویح کو دوسرے امام کے ساتھ پڑھا تو نمازی کو جائز ہے کہ وتر کو امام کے ساتھ پڑھے ھم مراد اس سے یہ ہے کہ فرض کو جماعت کے ساتھ پڑھا اور تراویح کو جماعت سے نہیں پڑھا تو وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے لیکن اگر فرض تنہا پڑھے ہوں تو وتر کو جماعت سے نہ پڑھے کذا فی الشامی بقی لو ترکھا الکل ھل یصلون الوتر بجماعۃ فلیراجع باقی رہا یہ مسئلہ کہ اگر تراویح کی جماعت سب نے نہ کی ہو تو کیا سب لوگ وتر کو جماعت سے پڑھیں اس کا حکم تلاش کرنا چاہیے ھم شامی نے کہا کہ ظاہر اوتر کو جماعت سے نہ پڑھے اس لیے کہ وتر میں جماعت کا مسنون ہونا تراویح کی جماعت کے بعد سلف سے منقول ہے تو وتر کی جماعت تابع ہوئی تراویح کی جماعت کے ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعۃ خارج رمضان ای یکرہ ذلک علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ بواحد کما فی الدرر ولا خلاف فی صحۃ الاقتداء

اذا لا مانع بتر اور نہ پڑھا جاوے وتر اور نہ نفل جماعت سے رمضان کے سوا اور دنوں میں .... یعنی جماعت وتر اور نفل کی اور دنوں میں مکروہ ہے بشرط کثرت کے اس طرح کہ چار شخص ایک کے پیچھے پڑھیں چنانچہ درر میں ہے اور خلاف نہیں اقتدا کے صحیح ہونے میں کیوں کہ کوئی مانع اقتدار کا نہیں کذا فی النہر ھم چار مقتدیوں کی قید اس لیے لگائی کہ اگر ایک شخص یا دو مقتدی ہوئے تو بلا کراہت درست ہے شامی نے کہا کہ ہر چند اقتدا و نفل میں درست ہے مگر ثواب جماعت کا نہیں ملتا و فی الاشباہ عن البزازیۃ یکرہ الاقتداء فی صلوۃ رغائب وبراءۃ وقدر الا اذا قال نذرت کذا رکعۃ بہذا الامام جماعۃ انتہی قلت وتمۃ عبارۃ البزازیۃ من الامامۃ ولا ینبغی ان یتکلف کل ہذا التکلف لامر مکروہ اور اشباہ میں بزازیہ سے ہے کہ مکروہ ہے اقتدا کرنا صلوۃ رغائب میں اور صلوۃ براۃ اور صلوۃ قدر میں مگر جب مقتدی یوں کہے کہ میں نے اتنی رکعتیں اس امام کے پیچھے جماعت سے نذر کی تمام ہوا قول اشباہ کا میں کہتا ہوں کہ باقی عبارت بزازیہ کی باب الامامۃ سے یہ ہے کہ نہیں چاہیے یہ کل تکلف ایک امر مکروہ کے لیے ھم رجب کے پہلے جمعہ کی شب میں نماز نفل صلوۃ رغائب کہلاتی ہے یہ نماز سنہ ۴۸۰ھ میں ایجاد ہوئی اور علماء نے اس کی برائی اور اس کے پڑھنے والوں کی حماقت میں کتابیں تالیف کیں اور منیہ کے شارحوں نے تصریح کی کہ جو کچھ اس باب میں مروی ہے سب باطل اور موضوع ہے اس کی جماعت کے لیے اہل روم یہ حیلہ کرتے ہیں کہ رکعتوں کو نذر کر لیتے ہیں تاکہ جماعت نفل کی نہ رہے واجب کی ہو جائے اور صلوۃ براءت سے مراد شب پندرھویں شعبان کی نفلیں ہیں اور صلوۃ قدر سے ستائیسویں شب رمضان کی نفلیں ہیں ان میں بھی جماعت مکروہ ہے تو جماعت سے نفل ادا کرنے کے لیے نذر کا تکلف نہ کرنا چاہیے کذا فی الشامی و فی التتارخانیۃ لو لم ینوی الامامۃ لا کراہۃ علی الامام فلیحفظ اور تاتارخانیہ میں ہے کہ اگر امام امامت کی نیت نہ کرے گا تو اس کے حق میں کراہت نہ ہوگی تو اس کو یاد رکھنا چاہیے وفیہ ای رمضان یصلی الوتر وقیامہ بہا اور رمضان میں پڑھا جائے وتر اور قیام رمضان جماعت سے ھم قیام رمضان سے مراد تراویح ہے یعنی وتر اور تراویح کو جماعت سے پڑھے وہل الافضل فی الوتر الجماعۃ ام المنزل تصیحان لکن نقل شارح الوہبانیۃ ما یقتضی ان المذہب الثانی واقرہ المصنف وغیرہ اور کیا افضل میں وتر جماعت سے ہے یا گھر پر پڑھنا دونوں قولوں کی تصحیح ہوئی ہے لیکن شارح وہبانیہ نے وہ عبارت نقل کی ہے جس کا مقتضا یہ ہے کہ گھر پر پڑھنے کا افضل ہونا مذہب ہے اور اس کو ثابت رکھا ہے مصنف وغیرہ نے ھم حلبی نے کہا کہ شارح نے جو اوپر قاعدہ لکھا تھا کہ جو نمازیں جماعت سے مشروع ہیں ان کو مسجد میں پڑھنا افضل ہے اس کے رو سے معلوم ہوتا ہے کہ قول اول ہی راجح ہے۔

باب ادراک الفریضۃ

یہ باب ہے حاصل کرنے جماعت فرض کا ھم طحطاوی نے کہا کہ مناسب یہ تھا کہ اس باب کا عنوان مسائل شتی ہوتا اس لیے کہ سوائے کیفیت جماعت میں ملنے کے اور مسائل بھی اس میں مذکور ہیں شرع فیہا اداء اخرج النافلۃ والمنذورۃ والقضاء فانہ لا یقطعہا[1] ثم اقیمت ای شرع فی الفریضۃ فی مصلاہ لا اقامۃ المؤذن ولا الشروع فی مکان وہو فی غیرہا یقطعہا لعذر احراز الجماعۃ شروع کیا نمازی نے فرض کو ادا کے طور پر پھر اسی فرض کی جماعت شروع ہوگئی اس کی نماز پڑھنے کی جگہ میں تو وہ اپنے فرض کو توڑے بسبب عذر حاصل کرنے جماعت کے شارح نے کہا کہ فرض کی قید سے نماز نفل اور نذر کی نماز اور ادا کی قید سے نماز قضا نکل گئی کہ اگر ان کو پڑھتا ہو اور جماعت شروع ہو جائے تو ان کو قطع نہ کرے اور اقامت سے غرض اس جگہ میں شروع فرض ہے نہ مؤذن کی اقامت اور نہ شروع ایسے مکان میں کہ نمازی اس کے غیر میں ہو ھم یعنی مؤذن کی تکبیر سے توڑنا نماز کا درست نہیں بلکہ امام کی تکبیر تحریمہ پر توڑے اسی طرح اگر نمازی گھر پر پڑھتا ہو اور جماعت مسجد میں شروع ہو تب بھی نہ توڑے طحطاوی نے کہا شرع فی الفریضۃ بصیغہ مجہول ہے اور اقامۃ المؤذن مرفوع ہے عطف ہے شرع کے حاصل پر یعنی مراد اقامت سے شروع ہے نہ اقامت مؤذن کما لو ندت دابۃ او فار قدرہا او خاف ضیاع درہم من مال او کان فی النفل فجئی بجنازۃ

[1] ایک نسخہ میں یقطعہا کے بعد منفردا متن ہے مگر چوں کہ اکثر نسخ سے ساقط تھا اس لیے مترجم نے اس کو داخل کتاب نہیں کیا ۱۲

وخاف فوتہا قطعہ لامکان قضائہ چنانچہ قطع کرے اگر بھاگ جائے اس کی سواری کا جانور یا ابلی ہانڈی عورت کی یا خوف کرے تلف ہونے ایک درہم
کا مال سے یا ہووے نفل نماز میں اور جنازہ لایا جاوے اور ڈرے فوت ہونے نماز جنازہ کو تو قطع کرے نفل کو بسبب قضا کر سکنے نفل کے هم یعنی
اگر فرض نماز پڑھنے میں جنازہ کی نماز نہ ملنے کا خوف ہو تو فرض کو قطع نہ کرے کہ وہ قوی تر ہے نماز جنازہ سے کذا فی الطحطاوی ویجب القطع لنحو انجاء
غریق او حریق اور واجب یعنی فرض ہے توڑنا نماز کا واسطے بچانے ڈوبتے ہوئے یا جلتے ہوئے اور ان کے مثل کے ولو دعاہ احد ابویہ فی الفرض لا
یجیبہ الا ان یستغیث بہ وفی النفل ان علم انہ فی الصلوۃ فدعاہ لا یجیبہ والا اجابہ اور اگر پکارے نمازی کو اس کی ماں یا باپ فرض میں تو جواب نہ دے
مگر یہ کہ فریاد چاہے اس سے یعنی فریاد خواہی کے وقت اور اس میں ماں باپ اور غیر برابر ہیں کذا فی الطحطاوی اور نفل نماز میں اگر ماں باپ کو علم ہو کہ بیٹا
نماز پڑھتا ہے پھر اس کو پکارا تو جواب نہ دے ورنہ جواب دے هم صاحب بحر الرائق نے کہا کہ نماز کا توڑنا کبھی حرام ہوتا ہے اور کبھی مستحب اور گاہے مباح
اور گاہے واجب تو حرام بدون عذر کے توڑ دینا ہے اور مستحب حصول جماعت یا اور کسی وجہ سے کامل کرنے کے لیے اور مباح فوت مال کے خوف
سے اور واجب واسطے جان بچانے کے کذا فی الشامی قائما لان القعود مشروط للتحلل وہذا قطع لا تحلل ویکتفی بتسلیمۃ واحدۃ ہو الاصح غایۃ ویقتدی
بالامام نماز کو قطع کرے کھڑا ہوا اس لیے کہ بیٹھنا شرط ہوا ہے واسطے حلال ہونے کے اور یہ توڑنا ہے نہ حلال ہونا اور کفایت کرے نماز توڑنے
میں ایک سلام پر یہی صحیح تر ہے کذا فی الغایۃ اور اقتدا کرے امام کے پیچھے هم یعنی اپنی نماز کو حالت قیام میں ایک سلام سے توڑ کر امام کا اقتدا کرے
وہذا ان لم یقید الرکعۃ الاولی بسجدۃ او قیدہا بہا فی غیر رباعیۃ او فیہا ولکن ضم الیہا رکعۃ اخری وجوبا لم یاثم احرازا للنفل والجماعۃ اور یہ نماز کا
توڑنا اور امام کا اقتدا اس صورت میں ہے کہ پہلی رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو یا سجدہ کیا ہو غیر رباعی نماز میں یعنی فجر اور مغرب کی نماز میں یا چار رکعتوں والی
میں سجدہ کیا ہو لیکن اس رکعت میں دوسری رکعت ملاوے بطور وجوب کے پھر اقتدا کرے واسطے حاصل کرنے نفل اور جماعت کے هم حاصل
اس مسئلہ کا یہ ہے کہ جب ایک شخص نے فرض پڑھنے شروع کیے پھر اس کی جماعت شروع ہو گئی اور اگر ہنوز اول رکعت کا سجدہ نہیں کیا تو نماز
کو توڑ کر اقتدا کرے اور اگر رکعت اول کا سجدہ کر چکا ہے اور نماز فجر یا مغرب پڑھتا ہے تب بھی توڑ کر اقتدا کرے اور اگر ظہر یا عصر یا عشاء کی نماز
ہے تو ایک رکعت اس میں اور ملا کر توڑے اور اقتدا کرے تاکہ دو رکعت نفل ہو جائیں اور جماعت بھی ملے اور اگر نماز فجر و مغرب میں اس رکعت
کا سجدہ بھی کر چکا ہے تو اب اسی کو پورا کر لے اور اقتدا نہ کرے کذا فی الشامی وان صلی ثلثا منہا ای الرباعیۃ اتم منفردا ثم اقتدی بالامام
متنفلا ویدرک بذلک فضیلۃ الجماعۃ حاوی الا فی العصر فلا یقتدی لکراہۃ النفل بعدہ اور اگر چار رکعتوں والی نماز سے تین پڑھ چکا ہے تو ان کو
اکیلا تمام کرے پھر اقتدا کرے امام کے پیچھے نفل پڑھنے والا اور حاصل کرے گا اس اقتدا سے ثواب جماعت کا کذا فی الحاوی مگر عصر میں اقتدا نہ کرے واسطے
مکروہ تحریمی ہونے نفل کے بعد عصر کے هم یعنی چار میں سے تیسری کا سجدہ کر چکا ہے تو اکیلا تمام کرے اور جب تک سجدہ نہ کیا ہو تب تک توڑ کر اقتدا کرے
کذا فی الشامی والشارع فی نفل لا یقطع مطلقا ویتمہ رکعتین وکذا سنۃ الظہر وسنۃ الجمعۃ اذا اقیمت او خطب الامام یتمہا اربعا علی
القول الراجح لانہا صلوۃ واحدۃ ولیس القطع للاکمال بل للابطال خلافا لما رجحہ الکمال اور شروع کرنے والا نفل میں قطع کرے کسی حال میں یعنی اول رکعت
کا سجدہ کیا ہو یا نہ کیا ہو اور پورا کرے نفل کو دو رکعتیں اور اسی طرح سنت ظہر کی اور سنت جمعہ جب جماعت ظہر شروع ہو جائے یا امام خطبہ پڑھنے لگے تو ان کو
چار رکعتیں پڑھے قول غالب کے بموجب اس لیے کہ وہ سنتیں ایک نماز ہیں اور ان کا قطع کرنا ان کا کامل کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ باطل کرنے
کے لیے بخلاف اس قول کے کہ ترجیح دی ہے اس کو کمال نے هم قطع کرنا کمال کے لیے نہیں اس کے یہ معنی کہ اگر قطع کرے گا اور پھر پڑھے گا تو پہلی
ہی طرح پڑھے گا بخلاف فرض کے قطع کرنے کے کہ اس کو دوبارہ جماعت میں پڑھتا ہے تو اس کا توڑنا کامل کرنے کے لیے ہے اور کمال الدین نے

اس کو ترجیح دی ہے کہ سنت کو دو رکعتوں پر قطع کر دے اور ہدایہ میں بظاہر اسی کو اختیار کیا ہے کذا فی الشامی **وکرہ تحریما للنھی خروج من لم یصل من مسجد اذن فیہ** جری علی الغالب والمراد دخول الوقت اذن فیہ اولا اور مکروہ تحریمی ہے بسبب ممانعت کے نکلنا اس شخص کا جس نے نماز نہیں پڑھی اس مسجد سے جس میں اذان ہوگئی ہو شارح نے کہا کہ ماتن چلا ہے اکثر پر یعنی اکثر یہی ہوتا ہے کہ وقت نماز ہو جانے پر اذان ہو جاتی ہے اور مراد اذان ہونے سے وقت نماز کا آجانا ہے خواہ مسجد میں اذان ہوئی ہو یا نہ ہو یعنی اگر کسی شخص کو مسجد میں نماز کا وقت ہو جائے تو بدون نماز پڑھے اس میں سے نکلنا مکروہ تحریمی ہے طحطاوی نے کہا کہ دخول وقت مراد لینا بحث ہے صاحب بحر الرائق کی اور ممانعت کی حدیث ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ جس نے مسجد میں اذان کو پایا پھر نکل گیا اور کسی کام کو نہیں نکلا اور پھر آنے کا ارادہ نہیں رکھتا تو وہ منافق ہے **الا لمن ینتظم بہ امر جماعۃ اخری** اوکان الخروج لمسجد حیہ ولم یصلوا فیہ اولاستاذہ لدرسہ اولسماع الوعظ اولحاجۃ ومن عزمہ ان یعود نہر مگر نکلنا اس شخص کو مکروہ نہیں جس سے دوسری جماعت کا انتظام ہو یعنی وہ دوسری مسجد کا امام یا موذن ہو یا یہ کہ نکلنا اپنے محلہ کی مسجد کے لیے ہو اور اس میں لوگوں نے نماز نہ پڑھی ہو یا نکلنا اپنے استاد کی مسجد کے لیے ہو اپنے پڑھنے کے لیے یا نکلتا ہو وعظ کے سننے کے لیے یا کسی حاجت کے لیے ہو اور اس کا ارادہ ہو کہ پھر آوے گا تو مکروہ نہیں کذا فی النہر **الا لمن صلی الظھر والعشاء** وحدہ **مرۃ فلا یکرہ لہ الخروج** بل ترکہ للجماعۃ **الا عند الشروع فی الاقامۃ** فیکرہ لمخالفۃ الجماعۃ بلا عذر بل یقتدی متنفلا لما مر اور مگر اس شخص کے لیے جس نے ظہر اور عشاء کی نماز تنہا ایک مرتبہ پڑھ لی ہے تو اس کو مکروہ نہیں بلکہ چھوڑنا جماعت کا یعنی یہ فعل مکروہ ہوا کہ نماز کو تنہا پڑھ لیا اور جماعت کا انتظار نہ کیا مگر وقت شروع ہونے تکبیر کے کہ مکروہ ہے اس شخص کو نکلنا بسبب اس کی مخالفت کرنے کے جماعت کو بدون عذر کے بلکہ وہ اقتدا کرے نفل پڑھنے والا بسبب اس وجہ کے کہ گذری یعنی نفل اور جماعت دونوں حاصل کرنے کے لیے کذا فی الطحطاوی **والا لمن صلی الفجر والعصر والمغرب مرۃ فیخرج مطلقا وان اقیمت** لکراہۃ النفل بعد الاولین وفی المغرب احد المحظورین البتیراء ومخالفۃ الامام بالاتمام اور مگر اس شخص کو مکروہ نہیں جو فجر اور عصر اور مغرب کی نماز ایک بار پڑھ چکا ہو تو وہ نکلے ہر حال میں اگرچہ تکبیر ہو جائے بسبب مکروہ ہونے نفل کے بعد فجر اور عصر کی نماز کے یعنی اگر ان دونوں نمازوں کو پڑھ کر امام کا شریک بہ نیت نفل ہوگا تو نفل کا پڑھنا ان دونوں کے بعد مکروہ تحریمی ہے اور مغرب کی نماز میں اقتدا کی نیت سے دو ممنوع باتوں میں ایک ہوگی یا ایک رکعت نفل کی یا امام کی مخالفت پورا کرنے سے ہم بیتراء الصغیر سے بتراء کی اور بترا اس ایک رکعت کو کہتے ہیں جس کے ساتھ دوسری نہ ہو یعنی اگر مغرب میں اقتدا بہ نیت نفل کرے گا تو اس سے یہ لازم آوے گا کہ تیسری رکعت تنہا رہ جائے اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ مقتدی امام کے ساتھ تین رکعتیں پڑھ کر ان میں چوتھی اور ملالے تو امام کی مخالفت لازم آتی ہے وفی النہر ینبغی ان یجب خروجہ لان کراہۃ مکثہ بلا صلوۃ اشد اور نہر الفائق میں ہے کہ مناسب یہ ہے کہ جماعت ہونے کے وقت اس کا نکلنا واجب ہو اس لیے کہ ٹھہرنا اس کا مسجد میں بدون نماز کے زیادہ مکروہ ہے بہ نسبت پڑھنے کے ہم یعنی محیط میں کہا ہے کہ مخالفت جماعت کا گناہ بہت بڑا ہے کذا فی الطحطاوی قلت افاد القھستانی ان کراہۃ التنفل بالثلاث تنزیہیۃ وفی المضمرات لو اقتدی فیہ لا سار میں کہتا ہوں کہ قہستانی نے بیان کیا ہے کہ تین رکعتیں نفل پڑھنے کی کراہت تنزیہی ہے اور مضمرات میں ہے کہ اگر اقتدا کرے گا مغرب میں تو برا کرے گا ہم قہستانی نے اپنے قول کی تائید میں مضمرات کا یہ قول نقل کیا ہے حالانکہ قول قہستانی کا مردود ہے اس لیے کہ صاحب ہدایہ نے تصریح کراہت کی کردی ہے اور غایۃ البیان میں کہا ہے کہ تین رکعتیں نفل کا پڑھنا بدعت ہے اور قاضیخان نے شرح جامع صغیر میں کہا کہ ان کا پڑھنا حرام ہے اور صاحب بحر الرائق نے کہا کہ حدیث میں بیترا سے ممانعت وارد ہے تو معلوم ہوا کہ ان کا پڑھنا مکروہ تحریمی ہے کذا فی الطحطاوی **واذا خاف فوت رکعتی الفجر لاشتغالہ بسنتھا** ترکھا لکون الجماعۃ اکمل اور جب نمازی ڈرے فوت ہونے جماعت دوگانہ فرض فجر سے بسبب اپنے مشغول ہونے کے اس کی

سنتوں میں تو سنتوں کو ترک کرے واسطے ہونے جماعت کے کامل تر ہم یعنی جماعت کی نماز کا ثواب منفرد کی نماز سے پچیس یا ستائیس گنا ہے
اس کے سوا وعید ترک جماعت کا زیادہ ہے بہ نسبت وعید ترک سنت فجر کے کذا فی الشامی والا بان رجا ادراک رکعۃ فی ظاہر المذہب وقیل التشہد
واعتمدہ المصنف والشرنبلالی تبعا للبحر لکن ضعفہ فی النہر لا یترکہا بل یصلیہا عند باب المسجد ان وجد مکانا والا ترکہا لان ترک المکروہ مقدم علی فعل السنۃ
اور اگر خوف جماعت کے فوت ہونے کا نہ ہو اس طرح کہ توقع کرے ایک رکعت کے ملنے کا ظاہر مذہب میں اور ایک قول یہ ہے کہ توقع کرے التحیات
ملنے کا اور اسی قول ثانی پر اعتماد کیا ہے مصنف اور شرنبلالی نے بہ تبعیت بحر الرائق کے لیکن اس قول کو ضعیف کہا ہے نہر الفائق میں تو اس صورت
میں سنتوں کو ترک نہ کرے بلکہ ان کو مسجد کے دروازہ کے پاس پڑھے اگر جگہ پاوے اور اگر جگہ نہ پاوے تو سنتوں کو ترک کرے اس لیے کہ مکروہ
کا نہ کرنا سنت کے کرنے پر مقدم ہے یعنی سنتوں کو جماعت کے بیچ میں پڑھنا مکروہ ہے اور ادا سنت مسنون تو مقدم یہ ہے کہ فعل مکروہ کو نہ
کرے ہم شامی نے کہا کہ تضعیف صاحب نہر کی ضعیف ہے فتح القدیر میں اسی کو قوی کہا ہے کہ اگر جماعت کی التحیات بھی ملے تو سنت کو ترک نہ
کرے اور شارح نے بھی نماز کے اوقات کے بیان میں اسی پر یقین کیا ہے اور شرح منیہ میں بھی یہی ہے اور دروازہ مسجد سے یہ غرض ہے کہ
مسجد کے باہر پڑھے اگر جگہ ہو اور اگر باہر جگہ نہ ہو تو اندر مسجد کے کسی ستون کی آڑ میں پڑھے اور سب سے زیادہ مکروہ یہ ہے کہ فرضوں کی صف
کے برابر کھڑا ہو کر پڑھے اور اس سے کم کراہت اس میں ہے کہ صف کے پیچھے بدون آڑ کے پڑھے اور اگر سنتیں امام کے فرض شروع کرنے سے پہلے شروع
کر چکا ہو تو جہاں چاہے پڑھے کچھ کراہت نہیں ثم ما قیل یشرع فیہا ثم یکبر للفریضۃ او ثم لفظہا ویقضیہا مردود بان درء المفسدۃ مقدم علی جلب المصلحۃ پھر
جو یہ کہا گیا ہے کہ سنتوں کو شروع کرکے پھر فرضوں کے لیے اللہ اکبر کہہ لے یا اول سنتوں کو شروع کرے پھر انکو توڑ کر بعد میں قضاء کرے تو یہ دونوں قول
رد کیے گئے ہیں اس دلیل سے کہ دفع کرنا خرابی کا مقدم ہے بہتری کے کھینچنے سے ہم فقیہ اسمٰعیل زاہدی نے یہ کہا ہے کہ فجر کی سنتوں کو شروع
کرکے توڑ دے تاکہ ان کی قضا واجب ہو جائے پھر فرض کے بعد قبل طلوع آفتاب ان کو پڑھ لے کیوں کہ وہ اب واجب ہیں نہ سنت . . .
. . . . کہ قبل طلوع ان کا پڑھنا مکروہ ہو تو اس قول کو امام سرخسی نے رد کیا ہے کہ یہ واجب کچھ نذر کی
نماز سے بڑھ کر نہیں حالاں کہ نماز نذر کا ادا بھی بعد فجر کے قبل طلوع ممنوع ہے چنانچہ امام محمد نے تصریح کی ہے علاوہ اس کے عبادت کو
بقصد فاسد کرنے کے پڑھنا اور عمل کا باطل کرنا شرعاً ممنوع ہے تو اس خرابی کو دور کرنا اور سنت کی مصلحت سے مقدم ہے کذا فی الطحاوی
ولا یقضیہا الا بطریق التبعیۃ لقضاء فرضہا قبل الزوال لا بعدہ فی الاصح لورود الخبر بقضائہا فی الوقت المہمل بخلاف القیاس فغیرہ علیہ لا یقاس
اور فجر کی سنتوں کو قضا نہ پڑھے مگر بہ تبعیت اس کے فرضوں کی قضا کے زوال سے پیشتر نہ اس کے بعد صحیح تر قول میں اس لیے کہ حدیث میں
ان کا قضا کرنا مہمل وقت میں خلاف قیاس وارد ہوا ہے تو غیر اس وقت کا وقت مذکور پر قیاس نہ کیا جائے گا ہم وقت مہمل اس کو کہتے ہیں
جو کسی فرض کا وقت نہ ہو اور یہ وقت طلوع سے لے کر زوال تک ہے اور حنفیوں کے نزدیک رات دن میں اس کے سوا دوسرا وقت مہمل
نہیں اور حدیث سے مراد قصہ لیلۃ التعریس کا ہے جو مسلم میں مفصل مروی ہے مجملاً یہ ہے کہ آخر شب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے استراحت فرمائی اور حضرت بلال کو ارشاد فرمایا کہ پہرہ دینا وہ بھی سو گئے یہاں تک کہ صبح کی نماز قضا ہو گئی آپ نے اس جگہ سے جلد سفر
کیا اور آفتاب کے اونچا ہونے کے بعد فجر کی سنتیں پڑھ کر فرض جماعت سے پڑھی تو شارح کہتا ہے کہ یہ قضا صرف اسی وقت پر منحصر رہیگی
اور وقت کو اس پر قیاس نہ کیا جائے گا اور صحیح تر قول کا مقابل یہ ہے کہ بعد زوال کے بھی تبعاً قضا درست ہے اور کافی میں ہے کہ بدون تبعیت
فرض اجماعاً قضا نہیں بخلاف سنۃ الظہر وکذا الجمعۃ فانہ ان خاف فوت رکعۃ یترکہا ویقتدی ثم یاتی بہا علی انہا سنۃ فی وقتہ ای الظہر قبل شفعہ

محمد وبہ یفتی جوہرہ واما ماقبل العشاء فمندوب لایقضی اصلا بخلاف سنت ظہر اور اسی طرح جمعہ کی سنتوں کے کہ اگر نمازی کو خوف ہو ایک رکعت کے نہ ملنے کا تو سنتوں کو ترک کرکے امام کا اقتدا کرے پھر ان کو پڑھ لے وقت ظہر میں اور وہ سنتیں ہیں بالاتفاق ان کو پڑھے بعد کی دو سنتوں سے پیشتر امام محمد کے نزدیک اور اسی کا فتویٰ ہے کذا فی الجوہرۃ اور جو رکعتیں کہ عشاء کے پیشتر ہیں وہ مستحب ہیں ان کو قضا نہ پڑھے ہرگز ولا یکون مصلیا بجماعۃ اتفاقاً من ادرک رکعۃ من ذوات الاربع لانہ منفرد ببعضہا لکنہ ادرک فضلہا ولو بادراک التشہد اتفاقاً لکن ثوابہ دون المدرک لفوات التکبیرۃ الاولی واللاحق کالمدرک لکونہ مؤتماً حکما اور نہیں ہوگا نماز پڑھنے والا جماعت سے بالاتفاق جس شخص نے کہ پائی ایک رکعت چار رکعتوں والی نماز سے اس لیے کہ وہ شخص منفرد ہے بعض نماز میں لیکن وہ پائے گا ثواب جماعت کا اگرچہ جماعت میں التحیات ہی پاوے بالاتفاق مگر ثواب اس شخص کا مدرک یعنی شروع نماز سے اقتدا کرنے والے کی نسبت کم ہوگا بسبب نہ ملنے تکبیر اولیٰ کے اور لاحق یعنی جس کی بیچ کی نماز امام کے ساتھ نہیں ہوئی مثل مدرک کے ہے ثواب پانے میں بسبب ہونے لاحق کے مقتدی حکم کی راہ سے حاصل یہ کہ ثواب جماعت سب سے زیادہ مدرک کو ملتا ہے جو تکبیر تحریمہ امام کے ساتھ کرے اور لاحق مدرک برابر ہے اور مسبوق کو ان دونو سے کم ہوگا شامی نے کہا کہ ایک رکعت ملنے کی قید رباعی نماز میں کی یہ اگلے قول وکذا مدرک الثلاث کے لیے ہے ورنہ حکم دو اور تین رکعتوں والی نماز کا بھی یہی ہے کہ ایک رکعت ملنے سے جماعت نہیں ملے گی وکذا مدرک الثلاث لایکون مصلیا بجماعۃ علی الاظہر وقال السرخسی للاکثر حکم الکل وضعفہ فی البحر اور اسی طرح تین رکعتوں کا پانے والا چار میں سے جماعت کے ساتھ نماز کا پڑھنے والا نہ ہوگا بموجب ظاہرتر قول کے اور امام سرخسی نے کہا ہے کہ اکثر کو حکم کل کا ہے یعنی تین رکعتوں کو پانے سے جماعت کا پانے والا ٹھہرے گا اور ضعیف کہا اس کو بحر الرائق میں ہم صاحب بحر الرائق نے کہا ہے کہ اگر ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں روٹی نہ کھاؤں گا تو بالاتفاق اس کی قسم جب ہی ٹوٹے گی جب کہ وہ کل روٹی کھالے اکثر کے کھانے سے نہ ٹوٹے گی اس سے معلوم ہوا کہ اکثر قائم مقام کل کے نہیں کیا جاتا کذا فی الشامی واذا امن فوت الوقت تطوع ماشاء قبل الفرض والا لا بل یحرم التطوع لتفویتہ الفرض اور جب نمازی بے خوف ہو وقت کے جانے سے تو نفل پڑھے جس قدر چاہے فرض سے پہلے اور اگر وقت کے جانے کا خوف ہو تو نفل نہ پڑھے بلکہ نفل پڑھنا حرام ہے واسطے فوت کرنے فرض کے ویاتی بالسنۃ مطلقا ولو صلی منفردا علی الاصح لکونہا مکملات واما فی حقہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فلزیادۃ الدرجات اور پڑھے سنتوں کو ہر حال میں اگرچہ فرض تنہا پڑھے صحیح تر قول کے بموجب اس لیے کہ سنتیں فرضوں کی تکمیل کرنے والی ہیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں زیادتی درجات کے لیے ہیں ہم جاننا چاہیے کہ نفل دو طرح ہے ایک سنت موکدہ جو بارہ رکعتیں ہیں پانچوں نمازوں میں اور ایک غیر موکدہ جیسے عصر سے پیشتر کی رکعتیں یا اور نوافل پھر نمازی دو حال سے خالی نہیں یا فرض جماعت سے پڑھے گا یا تنہا اگر جماعت سے پڑھے تو سنت موکدہ قطعاً پڑھے یعنی بلا عذر ان کو ترک کرنے کا اختیار نہیں اور اگر تنہا پڑھنا چاہتا ہے تب بھی ایک روایت میں یہی حکم ہے اور ایک روایت میں اس کو اختیار ہے اس لیے ماتن نے کہا کہ اگرچہ منفرد ہی پڑھے تاہم سنتیں پڑھے صحیح تر قول کے بموجب شامی نے کہا کہ نقل شرعی میں جب تفریق منفرد اور جماعت کی نہیں تو احوط یہی ہے کہ اختیار ترک کا مطلقاً نہ ہو ہاں اگر وقت کے جانے کا خوف ہو تو ان کو ترک کرسکتا ہے ثم قول الدرر وان فاتتہ الجماعۃ مشکل بما مر فتدبر پھر قول درر کا اگرچہ فوت ہو جائے نمازی کو جماعت مشکل ہے اس مسئلہ سے کہ گذرا سو اس کو خوب سوچ لے ہم یعنی پہلی تر بیان ہوا کہ جس کو ایک رکعت فجر یا ظہر کے نہ ملنے کا خوف ہو وہ سنتیں فجر یا ظہر کی ترک کرے تو اب یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ سنتوں کو پڑھے اگرچہ اس کو جماعت نہ ملے جیسا صاحب درر نے کہا ہے ہم یہ اعتراض ماتن نے اپنی شرح منح الغفار میں کیا ہے اور واقع میں اعتراض نہیں بلکہ درر کی عبارت کا مطلب غلط سمجھ لیا ہے اس کے شروع کو خیال نہیں کیا اس میں مسئلہ یوں لکھا ہے کہ ایک شخص کو جماعت فوت ہوگئی اس نے فرض تنہا پڑھنے چاہے تو یہ شخص سنتیں پڑھے یا نہیں بعض مشائخ نے کہا کہ نہ پڑھے اس لیے کہ سنتیں اسی وقت پڑھی جاتی ہیں کہ

فرض جماعت سے پڑھی جائیں مگر اصح یہ ہے کہ سنتیں پڑھے اگرچہ جماعت اس کو نہ ملے پس مصنف اور صاحب نہر الفائق نے اس کا مطلب یہ سمجھ لیا کہ سنتیں ادا کرے اگرچہ ادا کرنے سے آگے کو جماعت نہ ملے حالانکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ گو جماعت اس سے فوت ہوگئی ہے مگر تاہم سنتیں پڑھے کذا فی الشامی تصرف **ولو اقتدی بامام راکع فوقف حتی رفع الامام رأسہ لم یدرک المؤتم الرکعۃ** لان المشارکۃ فی جزء من الرکن شرط ولم توجد فیکون مسبوقا فیأتی بہا بعد فراغ الامام بخلاف ما لو ادرکہ فی القیام ولم یرکع معہ فانہ یصیر مدرکا لہا فیکون لاحقا فیاتی بہا قبل الفراغ اور اگر اقتدا کیا نمازی نے پیچھے امام رکوع کرنے والے کے اور توقف کیا یہاں تک کہ اٹھالیا امام نے اپنا سر تو مقتدی مذکور نے اس رکعت کو نہیں پایا اس لیے کہ شرکت ایک جز میں کسی رکن کے اقتدا کی شرط ہے اور وہ نہیں پائی گئی تو مقتدی اس صورت میں مسبوق ہوگا یعنی اس رکعت کو امام کے فارغ ہونے کے بعد پڑھے بخلاف اس صورت کے کہ اگر امام کو قیام میں پایا اور توقف کیا اور اس کے ساتھ رکوع نہ کیا تو وہ اس رکعت کا پانے والا ہوگا یعنی مقتدی مذکور اس رکعت کے حق میں لاحق ہوگا تو اس کو پڑھے امام کے فراغ سے پیش تر ھم یعنی پہلے اس کو ادا کرے پھر متابعت امام کی بقیہ نماز میں کرے اور چونکہ مسبوق کے مسئلہ میں بعد الفراغ کہا تھا اس کی مناسبت سے یہاں بھی قبل الفراغ کہدیا حاصل یہ کہ اقتدا رکعت ملنے کے حق میں ابتداءً اسی وقت ثابت ہوتا ہے جب کوئی حصہ قیام کا ملے یا رکوع کا تو پہلی صورت میں نہ جزو قیام میں مشارکت ہوئی نہ رکوع میں اس لیے مسبوق ہوا اور دوسری صورت میں اقتداء تو ثابت ہوگیا مگر رکوع میں ساتھ نہ دینے سے لاحق ہوگیا کذا فی الشامی مختصراً **ومتی لم یدرک الرکوع معہ تجب المتابعۃ فی السجدتین وان لم تحتسبا لہ ولا تفسد بترکہما** اور جب اوپر کے مسئلہ متن میں مقتدی نے رکوع امام کے ساتھ نہ پایا تو واجب ہے امام کی متابعت دونوں سجدوں میں اگرچہ یہ دونوں سجدہ اس کے حق میں شمار نہ ہوں گے یعنی آخر کو پوری رکعت مع دونوں سجدوں کے پڑھنی پڑھے گی اور فاسد نہ ہوگی نماز ان دونوں سجدوں کے ترک سے ھم بعض ناواقف جب رکوع نہیں ملتا تو نیت توڑ دیتے ہیں کہ دوسری رکعت سے شریک ہوں گے اس لیے ماتن نے آگاہ کردیا کہ اگر رکوع نہ ملے تو اقتداء صحیح ہوگیا امام کی متابعت سجدوں میں واجب ہے گو ان کے نہ کرنے سے نماز فاسد نہ ہوگی **فلو لم یدرک الرکعۃ ولم یتابعہ** لکنہ اذا سلم الامام قام واتی برکعۃ فصلوتہ تامۃ وقد ترک واجبا نہر عن التجنیس پھر اگر رکوع مقتدی نے نہ پایا اور امام کی متابعت سجدوں میں نہ کی مگر جب امام نے سلام پھیرا تو اس نے ایک رکعت اٹھ کر پڑھ لی تو نماز اس کی پوری ہوگی اور اس نے ترک واجب کیا یعنی شروع اقتداء میں متابعت امام کی سجدوں کے اندر واجب تھی اس کا تارک ہوا کذا فی النہر عن التجنیس **ولو رکع قبل الامام فلحقہ امامہ فیہ صح رکوعہ وکرہ تحریما ان قرأ الامام قدر الفرض** اور مقتدی نے رکوع کیا امام سے پیش تر پھر امام نے اس کو رکوع میں جا لیا تو مقتدی کا رکوع درست ہوگا اور مکروہ تحریمی ہے پہلے رکوع کرنا اگر امام مقدار فرض پڑھ چکا ہو ھم مکروہ تحریمی اس وجہ سے ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رکوع اور سجدے مجھ سے پہلے مت کرو اور ایک حدیث میں فرمایا کہ جو شخص امام سے پہلے رکوع کرتا ہے یا اپنا سر اٹھاتا ہے اس کو یہ خوف نہیں کہ خدا تعالیٰ اس کا سر کہیں گدھے کے سر سے نہ بدل دے اور مقدار فرض سے مراد قرارت واجب ہے یعنی امام تین آیتیں پڑھ چکا ہو اس وقت مقتدی اس سے پہلے رکوع کرے کذا فی الطحطاوی والا لا یجزیہ اور اگر امام نے مقتدی کو سجدہ میں نہ جا لیا یعنی مقتدی نے جب اپنا سر اٹھا لیا تب امام نے رکوع کیا یا مقتدی نے اس وقت رکوع کیا کہ ہنوز امام قرارت واجب نہ پڑھ چکا تھا تو رکوع مذکور اس کو کافی نہ ہوگا دوبارہ رکوع کرنا چاہیے ورنہ نماز باطل ہو جائے گی کذا فی الشامی **ولو سجد المؤتم مرتین والامام فی الاولی لم تجزہ سجدتہ عن الثانیۃ** وتمامہ فی الخلاصۃ اور اگر مقتدی نے سجدہ کیا دوبار اور امام پہلے ہی سجدہ میں ہے تو مقتدی کو اس کا سجدہ دوسرے سجدہ سے کافی نہ ہوگا اور پورا بیان اس کا خلاصہ میں ہے ھم یعنی اگر مقتدی نے دو سجدے کیے اور امام نے ابھی ایک ہی کیا ہے تو مقتدی کا دوسرا سجدہ معتبر نہیں اس کو سجدہ دوم کا اعادہ واجب ہے ورنہ نماز فاسد ہو جائے گی کذا فی البحر ؎

باب قضاء الفوائت

یہ باب ہے احکام قضا پڑھنے فوت شدہ نمازوں کا لم یقل المتروکات ظنا بالمسلمین خیرا اذ التاخیر بلا عذر کبیرۃ لا تزول بالقضاء بل بالتوبۃ والحج مصنف نے فوائت کو متروکات نہ کہا واسطے بہتری گمان کرنے کے مسلمانوں پر کیوں کہ نماز پر بدون عذر تاخیر کرنا گناہ کبیرہ ہے کہ دور نہیں ہوتا قضا پڑھنے سے بلکہ دور ہوتا ہے توبہ کرنے سے یا حج کرنے سے هم یعنی اگر متروکات کہتا تو چھوڑی ہوئی نمازیں مراد ہوتیں جن کو نمازی نے چھوڑ دیا جان بوجھ کر اور چوں کہ جان بوجھ کر نہ پڑھنا گناہ کبیرہ تھا اس لیے فوائت کہا یعنی جو نمازیں مسلمان سے رہ گئیں خود اس نے نہیں چھوڑیں اور حج سے گناہ کبیرہ کا دور ہونا اس قول کے بموجب ہے کہ حج مقبول سے گناہ کبیرہ دور ہوجاتا ہے چنانچہ کتاب الحج میں آوے گا کذا فی الطحطاوی ومن العذر العدو وخوف القابلۃ موت الولد لانہ علیہ الصلوۃ والسلام اخرہا یوم الخندق اور عذر میں سے ہے دشمن کا ہونا اور ڈرنا دائی جنائی کا بچہ کے مرنے سے اس لیے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کے عذر سے تاخیر نماز کی فرمائی جنگ خندق کے دن هم یعنی جس روز خندق کھودی اس روز چار نمازیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اوقات معینہ پر نہ ہوئیں یہاں تک کہ کچھ رات گذرے آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا انھوں نے اذان کہی پھر تکبیر کہی آپ نے ظہر کی نماز پڑھی پھر تکبیر کہی پھر عصر پڑھی پھر تکبیر کہلوا کر مغرب پڑھی پھر تکبیر کہی اور عشاء پڑھی اس سے معلوم ہوا کہ دشمن کے محاصرہ کرنے سے نماز میں تاخیر درست ہے کذا فی الطحطاوی اب شارح قبل شروع ہونے مسائل کے چند اصطلاحیں فقہی بیان کرتا ہے ثم الاداء فعل الواجب فی وقتہ وبالتحریمۃ فقط بالوقت یکون اداء عندنا وبرکعۃ عند الشافعی پھر ادا کے یہ معنی ہیں کہ واجب کو اس کے وقت میں کرنا اور بسبب صرف تحریمہ کرنے کے وقت کے اندر ادا ہوگی ہمارے نزدیک اور ایک رکعت وقت میں ہونے سے ادا ہوگی امام شافعی کے نزدیک یعنی یہ ضرور نہیں کہ ادا میں سب نماز یا تمام واجب وقت کے اندر ہو بلکہ حنفیوں کے نزدیک نماز کی تحریمہ اگر وقت میں ہوگی تو وہ نماز ادا ہی ہوگی اور امام شافعی کے نزدیک ایک رکعت وقت میں ہوجانے سے ادا کہلائے گی والاعادۃ فعل مثلہ فی وقتہ لخلل غیر الفساد لقولہم کل صلوۃ ادیت مع کراہۃ التحریم تعاد ای وجوبا فی الوقت واما بعدہ فندبا اور اعادہ کے یہ معنی ہیں کہ مثل واجب کو وقت واجب میں کرنا بسبب کسی خلل کے سوائے فاسد ہونے کے یہ تعریف اس لیے کی کہ فقہا کا قول ہے کہ جو نماز ادا کی جائے کراہت تحریمی کے ساتھ وہ اعادہ کی جائے یعنی اس کا اعادہ واجب ہے وقت کے اندر اور بعد وقت کے تو اعادہ مستحب ہے هم شامی نے کہا کہ یہ تعلیل شارح کی علیل ہے اس لیے کہ اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ جو نماز فاسد ہو اس کا اعادہ نہ کیا جائے حالانکہ تعریف میں غیر فاسد مذکور ہے اور نہ یہ کہ اعادہ خاص ہے وقت کے اندر بلکہ خود تصریح کر دی کہ بعد وقت کے بھی اعادہ ہوتا ہے دوسرے یہ کہ تفصیل اعادہ کے واجب ہونے کی وقت میں اور مستحب ہونے کی بعد وقت کے صرف بے دلیل ہے بحر الرائق کی تبعیت سے شارح نے ذکر کی ہے حالانکہ خیر الدین رملی نے علامہ مقدسی سے نقل کیا ہے کہ واجب ہے کہ بحر الرائق کے اس قول پر اعتماد نہ کیا جائے کیوں کہ فقہا کا قول ہے کہ جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی جاوے اس کا اعادہ لازم ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعادہ خواہ وقت کے اندر ہو یا بعد دونوں صورتوں میں واجب ہے اور یہی قول راجح ہے والقضاء فعل الواجب بعد وقتہ واطلاقہ علی غیر الواجب کالتی قبل الظہر مجاز اور قضا کے یہ معنی ہیں کہ واجب کو اس کے وقت کے بعد کرنا اور غیر واجب پر قضا کا بولنا جیسے ظہر کے پیش تر کی سنتوں پر قضا کا کہنا مجاز ہے یعنی قضا صرف فرض و واجب کی ہوتی ہے اور سنت پر قضا کا بولنا مجازا ہے نہ حقیقۃ **الترتیب بین الفروض الخمسۃ والوتر اداءً وقضاءً لازم یفوت** الجواز بفوتہ للخبر المشہور من نام عن صلوۃ وبہ یثبت الفرض العملی ترتیب درمیان پانچوں فرض اور وتر کے ادا میں اور قضا میں لازم ہے فوت ہوتا ہے صحیح ہونا فرض و وتر کا ترتیب کے فوت سے بسبب خبر مشہور من نام عن صلوۃ کے اور اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے ترتیب کا فرض عملی ہونا هم ترتیب کو صدر الشریعۃ نے فرض کہا ہے اور محیط میں شرط اور معراج میں واجب اور چوں کہ فرض اکثر اعتقادی کو بولا کرتے ہیں اور ترتیب فرض

عمل ہے اور شرط حقیقی بھولنے سے ساقط نہیں ہوتی اور ترتیب ساقط ہو جاتی ہے اور واجب کے فوت سے صحت فوت نہیں ہوتی بخلاف ترتیب
کے اس لیے مصنف نے لازم کہا تاکہ سب الفاظ کو عام ہو شارح نے لزوم کی دلیل اس کو بتایا کہ پوری اس طرح ہے جو کوئی سو جاوے
کسی نماز سے یا بھول جائے اور اس کو یاد نہ آئے مگر اس وقت کہ امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہو تو چاہیے کہ اس جماعت کی نماز کو پڑھ لے اور اس
کے بعد اس کو پڑھے جس کو یاد کیا تھا پھر اس کا اعادہ کرے جس کو امام کے ساتھ پڑھتا تھا انتہی فتح القدیر میں کہا کہ دعویٰ اس کے مشہور ہونے کا
نامقبول ہے کیوں کہ اس کے مرفوع ہونے میں بھی اختلاف ہے کہ بعض موقوف کہتے ہیں چہ جائے کہ مشہور ہو کذا فی الشامی **وقضاء الفرض
والواجب والسنۃ فرض وواجب وسنۃ** لف ونشر مرتب اور قضا کرنا فرض اور واجب اور سنت کا فرض اور واجب اور سنت ہے
شارح نے کہا کہ اس عبارت میں لف ونشر مرتب ہے یعنی فرض کا قضا کرنا فرض ہے اور واجب نماز فوت شدہ کی قضا واجب ہے اور سنت کا
قضا پڑھنا سنت ہے اور واجب نماز جیسے نذر کی یا جس نفل کو شروع کرکے توڑ دیا ہو یا وتر امام کے قول پر کذا فی الطحطاوی بتصرف **وجمیع اوقات
العمر وقت للقضاء الا الثلثۃ المنھیۃ** کما مر اور سب اوقات عمر کے وقت ہیں قضا پڑھنے کے لیے بجز تین وقتوں منع کیے ہوئے کے جیسا کہ گذرا یعنی اوقات
نماز میں بیان ہو چکا ہے کہ طلوع اور غروب اور استواء کے وقت میں نماز مکروہ تحریمی ہے اور سوا ان تین وقتوں کے اور وقتوں میں قضا نماز صحیح ہے اگرچہ
بعد صبح اور عصر کے ہو **فلم یجز** تفریع علی اللزوم **فجر من تذکر انہ لم یوتر لوجوبہ عندہ الا استثناء من اللزوم فلا یلزم الترتیب اذا ضاق الوقت
المستحب حقیقۃ اذ لیس من الحکمۃ تفویت الوقتیۃ لتدارک الفائتۃ** پس نہیں جائز ہے فجر اس شخص کی جس کو یاد ہوا کہ اس نے وتر نہیں پڑھی بسبب واجب
ہونے وتر کے امام کے نزدیک شارح نے کہا کہ یہ تفریع ہے لزوم ترتیب پر درمیان فرض اور واجب کے مگر جب کہ تنگ ہو جائے وقت مستحب
واقع میں نہ نمازی کے گمان میں یعنی یہ صورت لزوم ترتیب سے خارج ہے اس میں ترتیب لازم ہو گی کیوں کہ حکمت کی بات نہیں وقتی نماز کا فوت
کر دینا واسطے تدارک فوت شدہ کے ہم نہ جائز ہونے کے یہ معنی کہ نماز فجر کا فاسد ہونا ملتوی رہے گا چنانچہ آگے آوے گا اور وقت کے تنگ ہو جانے
سے یہ غرض کہ اگر فوت شدہ نماز کو پڑھتا ہے تو وقت مستحب وقتی کے لیے نہیں رہتا مثلاً عصر میں آفتاب زرد ہو جاتا ہے تو اس صورت میں ترتیب
ساقط ہو جاتی ہے کیوں کہ وقتی کو فائتہ کر دینا اور فائتہ کو ادا کرنے میں کچھ حکمت نہیں **ولو لم یسع الوقت کل الفوائت فالاصح جواز الوقتیۃ** مجتبیٰ اور اگر وقت
گنجائش نہ رکھتا ہو سب فائتہ نمازوں کے لیے تو صحیح تر جائز ہونا وقتیہ کا ہے کذا فی المجتبیٰ ھم صورت اس کی یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کے ذمہ نماز عشا
مع وتر ہے اور صبح کا وقت اتنا ہے کہ اس میں وتر اور نماز صبح ہو سکتی ہے تو فقہا نے اس کو ترجیح دی ہے کہ جب تک وتر نہ پڑھ لے گا صبح
کی نماز درست نہ ہو گی اور مجتبیٰ میں اصح اس کو ٹھہرایا ہے کہ صبح کی نماز جائز ہو گی کذا فی الحلبی **فیہ ظن من علیہ العشاء ضیق وقت الفجر فصلاھا وفیہ سعۃ یکررھا الی
الطلوع** وقدمنا الاخیر اور مجتبیٰ میں ہے کہ جس شخص کے ذمہ عشا ہے اس نے گمان کیا وقت فجر کی تنگی کا پس پڑھا فجر کی نماز کو اور وقت میں وسعت
ہے تو نماز فجر کو مکرر پڑھے طلوع آفتاب تک اور فرض اس کا سب سے پچھلا ہو گا ھم صورت اس کی یہ ہے کہ نمازی نے یہ خیال کیا کہ وقت میں
اتنی گنجائش نہیں کہ عشا اور فجر دونوں ہو جائیں اس لیے اس نے صرف فجر کی نماز پڑھی پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ وقت اور باقی ہے اور اس میں
بھی یہی خیال کیا کہ دونوں نمازیں نہ ہوں گی تو فجر کی نماز پھر پڑھے اسی طرح جتنی بار گنجائش ہو فجر کو پڑھے تو جو دوگانہ طلوع کے قریب ہو گا وہ فرض ہو گا
اور باقی نفلیں ہوں گی اور جب یہ خیال ہو کہ وقت میں گنجائش دونوں نمازوں کی ہے تو اول عشا پڑھے پھر فجر کذا فی الشامی **اونسیت
الفائتۃ لانہ عذر** یا بھول جائے نماز فوت شدہ تب بھی ترتیب لازم نہیں اس لیے کہ بھولنا عذر ہے یعنی عذر آسمانی ہے کہ اس میں بندہ کو اختیار
نہیں اور فائتہ کا وقت یاد پڑنے سے ہوتا ہے جب تک یاد نہ آوے گی اس کا وقت نہ ہو گا کذا فی البحر **اوفاتت ست اعتقادیۃ لدخولھا**

في حد التكرار المفضي للحرج یا فوت ہوجائیں چھ نمازیں فرض اعتقادی تب بھی ترتیب ساقط ہے واسطے داخل ہونے چھ کے اس شمار میں کہ چاہتی ہے مکرر ہونے کو اور پہنچانے والی ہے تنگی کی طرف ھم یعنی چھ سے کم تر نمازوں میں ہو سکتا ہے کہ کوئی نماز مکرر نہ ہو جیسے ایک دن رات کی پانچ نمازیں اور اگر فائتہ نمازیں چھ ہوں گی تو بالضرور ایک نماز مکرر ہوگی اور تکرار کی صورت میں ترتیب کا واجب کرنا موجب حرج تھا اس لیے چھ نمازوں کو جن میں قطعاً تکرار ہے ترتیب کے ساقط کرنے کا سبب ٹھہرایا اور اعتقادی کی قید اس لیے لگائی کہ فرض عملی یعنی وتر نکل جائے ہر چند ترتیب اس میں اور دوسری نمازوں میں فرض ہے مگر وتر کا شمار فوائت میں جداگانہ نہیں اور شاید اس لیے نہیں کہ اس کا کوئی وقت مستقل نہیں پھر ترتیب کا سقوط اس سبب سے فائتہ اور وقتی میں یا دو فوت شدہ نمازوں میں ہوتا ہے مگر دو وقتی نمازوں میں ترتیب ساقط نہیں ہوتی مثلاً جس کی چھ نمازیں فوت ہوگئی ہیں تو عشاء اور وتر کی ترتیب اس کو لازم ہے کذا فی الشامی بخروج وقت السادسة على الاصح ولو متفرقة او قديمة على المعتمد لانه متى اختلف الترجيح رجح اطلاق المتون بحر چھ نمازوں کے فوت ہونے سے ترتیب ساقط ہوگی ساتھ نکلنے چھٹی نماز کے وقت کے صحیح تر قول کے بموجب اگرچہ نمازیں متفرق ہوں یا قدیم ہوں مذہب معتمد پر اس لیے کہ جب ترجیح مختلف ہوتی ہے تو متون کے اطلاق کو ترجیح دی جاتی ہے کذا فی البحر ھم قول اصح کا مقابل یہ ہے کہ وقت چھٹی نماز کے داخل ہونے کا معتبر ہے امام محمد کے نزدیک اور متفرق کی مثال یہ کہ مثلاً چھ نمازیں صبح ہی کی فوت ہوگئیں اور ان کے بیچ کی نمازیں بدون یاد آئے فوائت کے پڑھ لیں اور قدیم کی مثال یہ کہ ایک شخص نے مثلاً ایک مہینہ برابر نماز نہ پڑھی پھر اس نے کوئی نماز قضا نہ کی اب اگر کوئی نماز نئی قضا ہوگی او باوجود اس کی یاد کے دوسری نماز پڑھے گا تو دوسری درست ہو جائے گی کیوں کہ یہ فائتہ پہلے کی نمازوں فوت شدہ میں مل جائے گی اور بعضوں نے کہا ہے کہ چھ نمازیں حال کی فوت ہو جانے سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے پہلے فوائت کا اعتبار نہیں اور تجنیس میں اسی پر فتویٰ لکھا ہے اور مجتبی میں قول اول کو اصح کہا ہے اور معراج میں اس پر فتوی بیان کیا ہے تو معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں فتوی اور تصحیح مختلف ہیں مگر چوں کہ متون فقہ میں مطلق چھ نمازوں فوت شدہ کا اعتبار ہے خواہ نئی ہوں یا پرانی اس لیے شارح نے کہا کہ ترجیح متون کے اطلاق کو دینا چاہیے یعنی قول اول ہی معتمد ہے کذا فی البحر او ظن ظنا معتبرا اي يسقط لزوم الترتيب ايضا بالظن المعتبر كمن صلى الظهر ذاكرا لتركه الفجر فسد ظهره فان قضى الفجر ثم صلى العصر ذاكرا للظهر جاز العصر اذ لا فائتة عليه في ظنه حال اداء العصر وهو ظن معتبر لانه مجتهد فيه یا گمان کیا گمان معتبر یعنی ساقط ہوتا ہے لزوم ترتیب گمان معتبر سے بھی مثلاً ایک شخص نے ظہر کی نماز پڑھی یاد کر کے کہ میں نے فجر نہیں پڑھی تو اس کی نماز ظہر فاسد ہو گئی پھر جب اس نے فجر کو قضا پڑھ لیا اور اس کے بعد عصر کو پڑھا حالانکہ ظہر اس کو یاد ہے تو اس کی نماز عصر کی درست ہوگی اس لیے کہ اس کے گمان میں عصر کے ادا کرنے کے وقت اس پر کوئی قضا نماز نہیں اور وہ گمان معتبر ہے اس لیے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے ھم یعنی اگر اپنے گمان میں ترتیب کو واجب نہیں جانتا اور بعد اس طرح نماز ظہر پڑھنے کے جانا کہ ترتیب واجب ہے تو عصر کے فاسد ہونے کا حکم نہ دیا جائے گا کیوں کہ آخر امام شافعی ترتیب کو مستحب کہتے ہیں تو اس کا گمان غیر معتبر نہ ٹھہرا اس لیے ترتیب ساقط ہوئی اور اس مسئلہ کا پورا بیان شامی میں ہے وفي المجتبى من جهل فرضية الترتيب يلحق بالناسي واختاره جماعة من ائمة بخارى وعليه يخرج ما في القنية صبي بلغ وقت الفجر وصلى الظهر مع تذكره جاز ولا يلزم الترتيب بهذا العذر اور مجتبی میں ہے کہ جو شخص جاہل ہو فرض ہونے ترتیب سے وہ لاحق کیا جائے گا بھول جانے والے سے یعنی عذر جہالت سے بھی ترتیب ساقط ہو جاتی ہے اور اختیار کیا ہے اس کو ایک جماعت نے بخارا کے اماموں سے اور اسی قول پر متفرع ہے وہ مسئلہ جو قنیہ میں ہے کہ ایک لڑکا فجر کے وقت بالغ ہوا اور اس نے ظہر کی نماز پڑھی باوجود فجر کے یاد ہونے کے تو ظہر کی نماز درست ہوگی اور اس عذر سے اس پر ترتیب لازم نہ ہوگی یعنی ترتیب کے فرض ہونے کا علم غالباً اس عمر میں نہیں ہوتا تو جہالت کے عذر سے اس پر سے ترتیب ساقط ہوئی کذا فی النہر ھم ظن معتبر اور جہالت کو جداگانہ سبب ترتیب کے

ساقط ہونیکا تصور نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ جب جہالت مجھول میں داخل ہے اور ظن معتبر بھی جہالت کی قسم ہے تو یہ بھی نسیان میں داخل ہوا چنانچہ صاحب بحرالرائق نے اس کو نسیان سے ملحق کیا ہے پس سبب سقوط ترتیب کے وہی تین رہے جو متن والوں نے لکھے ہیں یعنی وقت کا تنگ ہونا اور بھولنا اور فوائت کا چھ یا زیادہ ہونا کذا فی الشامی **ولا یعود لزوم الترتیب بعد سقوطہ بکثرتہا ای الفوائت بعود الفوائت الی القلۃ** بسبب القضاء لبعضہا علی المعتمد لان الساقط لا یعود اور عود نہیں کرتا لزوم ترتیب کا بعد ساقط ہوجانے کے فوائت کی کثرت کی وجہ سے بہ سبب ہوجانے فوائت کے مائل بہ کمی بباعث قضا پڑھ لینے بعض فوائت کے مذہب معتمد پہ وجہ عود نہ کرنے کی یہ ہے کہ ساقط چیز دوبارہ نہیں آتی ھم صورت اس کی یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کے ذمہ سال بھر کی نمازیں قضا ہیں تو ظاہر ہے کہ لزوم ترتیب ان فوائت کی وجہ سے ساقط ہوگیا اب اس شخص نے ان نمازوں کو قضا پڑھتے پڑھتے چھ نمازوں سے کم کردیا یہاں تک کہ مثلاً ایک ہی فائتہ اس کے ذمہ رہ گئی تب بھی لزوم ترتیب عود نہ کرے گا یعنی اس نماز باقی کو یاد کرکے اگر کوئی نماز پڑھے گا تو نماز وقتی جائز ہوگی اور معتمد کی قید اس لیے لگائی کہ غیر معتمد قول یہ ہے کہ جب فوائت چھ سے کم ہوجائیں تو ترتیب عود کرآتی ہے اور اسی قول کو ہدایہ میں پسند کیا ہے اور کافی میں اس کو رد کیا ہے اور محیط اور معراج اور کافی میں فتوی اول قول پر ہے اور بعض کے قضا پڑھنے کی قید اس لیے کی کہ اگر کل کی قضا کرے گا اور ایک نماز بھی اس کے ذمہ نہ رہے گی تو سب کے نزدیک صاحب ترتیب ہوجائیگا چنانچہ قہستانی نے اس کو نقل کیا ہے کذا فی الشامی **وکذا لا یعود الترتیب بعد سقوطہ بعض المسقطات** السابقۃ من النسیان والضیق حتی لو خرج الوقت فی خلال الوقتیۃ لا تفسد وہو مؤد وہو الاصح مجتبے اور اسی طرح عود نہیں کرتی ترتیب بعد اس کے ساقط ہونے کے کسی گذشتہ ساقط کرنے والی چیزوں کی وجہ سے یعنی بھولنے اور تنگی وقت کے سبب اگر ترتیب ساقط ہوجائے گی تب بھی عود نہ کرے گی یہاں تک کہ اگر وقت جاتا رہے گا درمیان وقتی کے تو نماز وقتی فاسد نہ ہوگی اور نمازی ادا پڑھنے والا ہوگا یہی صحیح تر ہے کذا فی المجتبی ھم یعنی تنگی وقت کے باعث ترتیب ساقط ہو کر اگر وقت جاتا رہا تو ترتیب عود نہ کرے گی یہاں تک کہ اگر وقتی کے پڑھنے کے درمیان وقت جائے گا تو فاسد نہ ہوگی کیوں کہ ترتیب ساقط ہوگئی اور یہ نماز وقتی ادا ہوگی نہ قضا ایسا ہی نسیان سے ساقط ہوکر پھر عود نہ کرے گا اور بعض فقہا کے نزدیک جتنی نماز وقت میں ہوگی اس قدر ادا ہوگی اور جتنی وقت سے خارج ہوگی وہ قضا ہوگی اور ایک قول یہ ہے کہ سب قضا ہوگی مگر اصح یہ ہے کہ ادا ہوگی کذا فی الطحطاوی مختصراً لکن فی النہر والسراج عن الدرایۃ لو سقط للنسیان والضیق ثم تذکر واتسع الوقت یعود اتفاقاً وزاد فی الاشباہ فی بیان الساقط لا یعود فلیحرر لیکن نہر الفائق اور سراج میں درایہ سے ہے کہ اگر ترتیب نسیان اور وقت کی تنگی سے ساقط ہوگئی پھر اس کو نماز فائتہ یاد ہوئی اور وقت میں گنجائش ہے تو ترتیب عود کریگی بالاتفاق اور مثل اسکے ہے اشباہ میں اس قاعدہ کے بیان میں کہ ساقط چیز عود نہیں کرتی تو اس کی تنقیح کرنی چاہیے ھم تنقیح یہ ہے کہ وقت کی تنگی میں خلاف لفظی ہے کیونکہ مجتبی میں عدم عود کی تصریح اس صورت میں ہے کہ وقت نکل گیا ہو اور درایہ میں عود کی تصریح اس صورت میں ہے . . . . . کہ وقت میں گنجائش ہو دونوں کو جمع کرنے کی تو دونوں قولوں میں کچھ منافات نہیں اور اسی طرح بھولنے کے بعد یاد کرنے کی صورت مجتبی میں اس پر محمول ہے کہ نماز پڑھنے کے بعد فائتہ یاد ہوئی ہو اور درایہ میں اس پر محمول ہے کہ نماز وقتی سے فارغ ہونے سے پیشتر یاد ہوتی ہو کذا فی الحلبی **وفساد اصل الصلوۃ بترک الترتیب موقوف** عند ابی حنیفۃ سواء ظن وجوب الترتیب اولا **فان کثرت وصارت الفواسد مع الفائتۃ ستا ظہر صحتہا** بخروج وقت الخامسۃ التی ہی سادستہ الفوائت لان دخول وقت السادسۃ غیر شرط لانہ لو ترک فجر یوم وادی باقی صلواتہ انقلبت صحیحۃ بطلوع الشمس اور فاسد ہونا وصف نماز کا بسبب چھوڑنے ترتیب کے ملتوی ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک برابر ہے کہ نمازی نے واجب ہونے ترتیب کا ظن کیا ہو یا نہیں پس اگر بہت ہوجائیں اور سب نمازیں جن کا فساد موقوف ہے فائتہ کے ساتھ مل کر چھ ہوجائیں تو ظاہر ہوگی صحت ان پانچوں کی پانچویں نماز کے نکلنے کے وقت پر جو شمار میں چھٹی ہے نمازوں سے اس لیے کہ داخل ہونا چھٹی نماز کے وقت کا شرط نہیں کیوں کہ اگر

ایک شخص نے کسی روز کی فجر نہ پڑھی اور باقی نمازیں اس دن کی ادا کیں فجر کو یاد کر کے تو یہ نمازیں دوسرے دن کے آفتاب طلوع ہونے پر صحیح ہو جائیں گی ھ یعنی اگر دخول وقت چھٹی نماز کا شرط ہوتا تو دوسرے دن کے زوال پر صحیح ہوتیں شامی نے کہا کہ شارح نے بہ تبعیت نہر الفائق فساد اصل کہا حالانکہ امام کے نزدیک اصل نماز فاسد نہیں ہوتی بلکہ وصف فاسد ہو جاتا ہے یعنی نماز فرض نہیں رہتی نفل ہو جاتی ہے تو بہتر تھا کہ شارح اصل کی جگہ وصف کہتا چنانچہ مترجم نے ترجمہ وصف کا کیا ہے اور صاحبین کے نزدیک فساد موقوف نہیں رہتا بلکہ امام محمدؒ کے نزدیک اصل و وصف دونوں قطعاً فاسد ہو جاتے ہیں اور امام ابو یوسف کے نزدیک فقط وصف قطعاً فاسد ہو جاتا ہے دوسرے یہ کہ سادستہ الفوائت کہنا مناسب نہیں بلکہ سادستہ الصلوٰۃ درست ہے اس لیے کہ کل پانچوں فوت نہیں ہوئی کذا فی الطحطاوی والا بان لم تصر ستا الظہر صحتہا بل تصیر نفلا وفیہا یقال صلوٰۃ تصحح خمسا واخری تفسد خمسا اور اگر فاسد نمازیں بہت نہ ہوں یعنی چھ نہ ہو جائیں تو ان نمازوں پنجگانہ کی فرضیت ظاہر نہ ہوگی بلکہ نفلیں ہو جائیں گی یعنی اگر نماز متروکہ فجر کو دوسرے فجر کے وقت میں بعد نماز یا قبل نماز طلوع سے پیشتر پڑھے گا تو جو نمازیں موقوف الفساد تھیں وہ فاسد ہو جائیں گی یعنی نفلیں ہو جائیں گی اور اگر نماز متروکہ کو طلوع شمس تک نہ پڑھے گا تو سب درست ہو جائیں گی اور اسی چھٹی نماز میں یہ بھی معما کہا جاتا ہے کہ ایک نماز پانچ نمازوں کو درست کر دیتی ہے اور دوسری نماز پانچ فرض کو فاسد کرتی ہے ھ جواب اس معما کا یہ ہے کہ وہی نماز فائتہ ہے تو اگر اس کو پانچویں نماز پڑھنے کے بعد اس کے وقت نکلنے سے پیشتر قضا کرے گا تو پانچوں نمازیں فاسد ہو جائیں گی اور اگر وقت نکلنے کے بعد پڑھے گا تو پانچوں نمازیں صحیح ہو جائیں گی اور دوسرے نماز اس لیے کہا کہ وقت نکلنے کے بعد پڑھی گئی ورنہ حقیقت میں ایک ہی ہے اور چونکہ صحت کا مدار وقت کے نکلنے پر ہے تو نماز کو صحیح کہنے میں شارح سے مسامحت ہوئی کذا فی الشامی **ولو مات وعلیہ صلوات فائتۃ واوصی بالکفارۃ یعطی لکل صلوٰۃ نصف صاع من بر کالفطرۃ** اور اگر ایک شخص مرا اور اس کے ذمہ نمازیں فوت شدہ ہیں اور وصیت کی کفارہ دینے کی دیا جائے ہر نماز کے لیے آدھا صاع گیہوں مانند صدقہ فطر کے ھ یعنی آدھا صاع گیہوں یا آٹا یا ستو یا ایک صاع جو خواہ چھوارا یا ان کی قیمت دیوے اور وصیت کرنی اس شخص کو لازم ہوگی اگر وہ قادر ہو فوائت کے اوپر ادا نہ کی اور صاع کا بیان فطرہ کے ذکر میں لکھا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ **وکذا حکم الوتر والصوم وانما یعطی من ثلث مالہ** ولو لم یترک مالا یستقرض وارثہ نصف صاع مثلاً ویدفعہ لفقیر ثم یدفعہ الفقیر للوارث ثم وثم حتی یتم اور ایسا ہی حکم ہے وتر اور روزہ کا یعنی ان میں سے ہر ایک کے عوض صدقہ فطر کے مانند دینا چاہیے اور یہ کفارہ میت کے مال کی تہائی سے دیا جائے اور اگر میت نے کچھ مال نہ چھوڑا ہو یا اتنا نہ ہو کہ سب نمازوں کے کفارہ کو کافی ہو تو میت کا وارث یہ تدبیر کرے کہ نصف صاع گیہوں مثلاً قرض لے اور اسکو فقیر کے حوالہ کرے پھر فقیر وہ گیہوں وارث کو ہبہ کر دے اور وارث پھر فقیر کو دے دے اسی طرح اتنی بار داود[1] ہو کہ کفارہ تمام ہو جائے ھ یہ حیلہ اس امر کا ہے جو اس زمانہ میں اسقاط کے نام سے مشہور ہو رہا ہے اور اہل ہند اس باب میں بالفعل یہ حیلہ استعمال کرتے ہیں کہ عمر بھر کے نماز و روزہ کا حساب کر کے کفارہ کا نقد دام ٹھہرایا یا اناج معلوم کر لیا پھر فقیر کو وہ نقد یا غلہ زبانی دے کر اپنے ذمہ قرض لیا بعد اس کے اس قرض کی عوض ایک قرآن مجید فقیر کے حوالہ کرتے ہیں اور یہ اسقاط وارث کے ذمہ واجب نہیں تبرع ہے مگر اس طرح کا تبرع خالی تکلف سے نہیں **ولو قضاہا ورثتہ بامرہ لم تجز** لانہا عبادۃ بدنیۃ **بخلاف الحج** لانہ یقبل النیابۃ اور اگر نمازوں فوت شدہ کو میت کے وارثوں نے اس کے حکم سے قضا پڑھا تو اس کی طرف سے درست نہ ہوں گی اس لیے کہ نماز عبادت بدنی ہے ہر مکلف کو حکم ہے کہ اپنے بدن سے اس کو بجالائے دوسرے کے ادا کرانے سے ادا نہ ہوگی بخلاف حج کے اس لیے کہ وہ نیابت کو قبول کرتا ہے یعنی وارث کے حج کرنے سے فرض میت کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے اگرچہ میت نے اس کی وصیت نہ کی ہو کیونکہ حدیث میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو اس کے مردہ باپ کی طرف سے حج کرنے کی اجازت فرمائی تھی کذا فی الطحطاوی ولو ادی للفقیر اقل من نصف صاع لم تجز ولو اعطاہ الکل جاز اور اگر دیا وارث نے فقیر کو کمتر صاع سے تو جائز نہ ہوگا اور اگر سب غلہ

---

[1] لینا دینا ۱۲۔

اسی کو دے دیا تو درست ہے ھم یعنی صدقہ فطر سے اس کفارہ میں اتنا فرق ہے کہ نصف صاع سے کم ایک فقیر کو فطرہ درست ہے اور کفارہ نماز روزہ کا درست نہیں اور کفارہ یمین اور ظہار اور افطار میں عدد شرط ہے ایک کو سب دینا درست نہیں کذا فی الشامی ولو فدی عن صلوٰۃ فی مرضہ لا یصح بخلاف الصوم اور اگر فدیہ دیا میت نے اپنی نماز سے اپنے مرض موت میں تو صحیح نہ ہوگا یعنی اس پر واجب ہے کہ وصیت کر جائے بخلاف روزہ کے کہ اگر مرض موت میں روزہ کا فدیہ دیوے تو درست ہے لیکن اس کی صحت بعد موت کے ثابت ہوگی کذا فی الطحطاوی ویجوز تاخیر الفوائت وان وجبت علی الفور لعذر السعی علی العیال وفی الحوائج علی الاصح اور جائز ہے تاخیر کرنا فوت شدہ نمازوں کا اگرچہ واجب اسی وقت ہوتی ہیں بسبب عذر کمائی کے عیال کے لیے اور سعی کرنے کے اپنی حاجتوں میں صحیح تر قول کے بموجب یعنی بہت سے فائتہ جن سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے ان کو اگر زن و فرزند کے لیے کمائی کی وجہ سے یا اور کسی حاجت کے باعث تاخیر کرے تو جائز ہے تو جب اپنے کام سے جس قدر فرصت ملے اسی قدر قضا پڑھ لے ان کو چھوڑنا نہ چاہیے کذا فی الطحطاوی وسجدۃ التلاوۃ والنذر المطلق وقضاء رمضان موسع وضیق الحلوانی کذا فی المجتبیٰ اور سجدہ تلاوت یعنی نماز سے خارج تلاوت کا اور نذر مطلق اور رمضان کی قضا وسعت دے گئی ہے یعنی ان تینوں کو جب چاہے ادا کرے اور تنگ کیا حلوانی نے کذا فی المجتبیٰ ھم یعنی حلوانی کا قول ہے کہ واجب علی الفور ہیں اور نذر میں مطلق کی قید اس لیے لگائی کہ نذر معین کا اس کے وقت میں ادا کرنا واجب ہے کذا فی الشامی ولیعذر بالجھل حربی اسلم ثم مکث مدۃ فلا قضاء علیہ لان الخطاب انما یلزم بالعلم او بدلیلہ ولم یوجد اور معذور رکھا جائے گا جہالت سے وہ حربی کہ مسلمان ہوا دار الحرب میں اور ٹھہرا رہا کچھ مدت تو اس پر قضا نہ ہوگی اس لیے کہ خطاب شریعت کا صرف لازم ہوتا ہے علم سے یا دلیل علم سے اور وہ دونوں پائے نہیں گئے ھم دلیل علم سے مراد دار الاسلام میں ہونا ہے کہ دار الاسلام میں اسلام کے فرض ہر کوئی جانتا ہے تو یہاں رہنے سے عذر جہالت مسموع نہ ہوگا اور جس قدر نمازیں فوت ہوئی ہوں گی ان کو قضا پڑھے گا کذا فی الشامی کما لا یقضی مرتد ما فاتہ زمنھا ولا ما قبلھا الا الحج لانہ بالردۃ یصیر کالکافر الاصلی جیسے نہ قضا پڑھے مرتد ان نمازوں کو کہ فوت ہوئی ہوں زمانہ ردت میں اور نہ ان کو کہ ردت سے پیشتر فوت ہوئی ہوں بجز حج کے کہ اس کا اعادہ کرنا پڑے گا کیوں کہ وہ مرتد ہونے سے مثل کافر اصلی کے ہو جاتا ہے تو جیسے کافر پر قضا کفر کے وقت کی نمازوں کی نہیں ہے اور حج اسلام بشرط قدرت فرض ہے اسی طرح مرتد کو تصور کرنا چاہیے ولذا یلزم باعادۃ فرض اداہ ثم ارتد عقبہ وتاب ای اسلم فی الوقت لانہ حبط بالردۃ قال اللہ تعالیٰ ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ اور اسی سبب یعنی مرتد کے کافر اصلی کی مانند ہونے سے لازم کیا جائے گا مرتد کو دوبارہ پڑھنا فرض کا جس کو مرتد نے ادا کیا پھر اس کے پیچھے مرتد ہو گیا اور توبہ کی یعنی مسلمان ہوا اسی فرض کے وقت میں کیوں کہ فرض مذکور باطل ہو گیا مرتد ہونے کی جہت سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور جو شخص نہ مانے ایمان کو تو اس کے عمل باطل ہو جاتے ہیں وخالف الشافعیؒ بدلیل فیمت وھو کافر قلنا افادت عملین وجزائین احباط العمل والخلود فی النار فالاحباط بالردۃ والخلود بالموت علیھا فلیحفظ اور خلاف کیا ہے امام شافعیؒ نے دلیل فیمت وھو کافر سے ہم کہتے ہیں کہ آیت میں دو کاموں اور دو جزاؤں کا افادہ فرمایا ہے عمل کا باطل ہونا اور دوزخ میں ہمیشہ رہنا دو جزائیں ہیں سو اول جزا ردت کی ہے اور دوسری ردت پر مرنے کی تو اس کو یاد رکھنا چاہیے ھم امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ اس شخص پر اعادہ فرض لازم نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَیَمُتْ وَھُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ) تو اس آیت میں عمل کے باطل ہونے کو معلق کیا ہے ردت پر مرنے سے پس جب کہ وہ شخص اسی وقت مسلمان ہو گیا اور ردت پر نہیں مرا تو اس کا فرض نہیں باطل ہوا ہم جواب دیتے ہیں کہ اس آیت میں دو شرطیں اور دو جزائیں بطریق لف ونشر مرتب کے ہیں اول شرط مرتد ہونے کی ہے اس کی جزا عمل کا باطل ہونا ہے اور دوسری شرط کفر پر مرنے کی ہے جس کی جزا دوزخ میں ہمیشہ رہنا ہے کیونکہ

ﻻ اور جو شخص پھرے تم میں سے اپنے دین سے اور مر جائے اس حال میں کہ وہ کافر ہے تو ان لوگوں کے عمل باطل ہوئے دنیا اور آخرت میں اور یہی لوگ ہیں دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۱۲

پہلی آیت ومن یکفر الآیۃ میں عمل کے باطل ہونے کو صرف کفر پر مشروط کیا ہے تو اس میں بھی یہی جانا چاہیے کذا فی الشامی مختصراً فروع مسائل ملحقہ شارح
کے صبی احتلم بعد صلوٰۃ العشاء واستیقظ بعد الفجر لزمہ قضاؤ ہا ایک لڑکے کو احتلام ہوا بعد اس کے عشاء کی نماز پڑھ لینے کے اور وہ جاگا فجر کے بعد تو اس کو
لازم ہے عشاء کا قضا پڑھنا کیوں کہ جو اس نے پڑھی تھی وہ نفل ہوئی تھی اور مکلف بعد اس کے ہوا وقت کے ہوتے اور سونا مانع خطاب شرعی کا نہیں
کذا فی الشامی صلی فی مرضہ بالتیمم والایماء ما فاتہ فی صحتہ صح ولا یعید لو صح پڑھی نمازی نے اپنے مرض میں تیمم اور اشارہ سے وہ نمازیں کہ اس کو فوت ہوئی تھیں
اس کی صحت میں تو درست ہوں گی اور ان کو دوبارہ نہ پڑھے جب تندرست ہو جاسے کثرت الفوائت نوی اول ظہر علیہ او آخرہ وکذا الصوم لو من رمضانین ہو
لازم بہت ہو گئیں فوائت نیت کرے اول ظہر کی اپنے ذمہ یا آخر ظہر کی اور اسی طرح کا حال ہے اگر دو رمضانوں سے ہو یہی صحیح تر ہے ھم مثال بہت سے
فوائت کی یہ ہے کہ مثلاً ہفتہ بھر کی نمازیں قضا پڑھنی ہیں تو تعیین قضا میں ضروری ہے کہ مثلاً کون سے دن کی ظہر پڑھتا ہے اس لیے شارح نے کہا کہ
نیت سب سے اول ظہر کی کرے تو سب سے پہلے دن کی نماز ذمہ سے ساقط ہو گی بعد اس کے دوسرے روز کے ظہر اول ہو جائے گی اسی طرح سب ادا
ہو جائیں گی او آخر ظہر کی نیت سے بھی یہی فائدہ ہے اور دو رمضانوں کے روزے میں بھی اول رمضان یا آخر رمضان کی نیت سے تعیین ہو جائے گی اور
اگر ایک رمضان کے کئی روزے ہوں تو تعیین کی کچھ حاجت نہیں کذا فی الشامی وینبغی ان لا یطلع غیرہ علی قضاءہ لان التاخیر معصیۃ فلا یظہرہا واللہ اعلم اور
چاہیے یہ کہ اپنی قضا پڑھنے پر دوسرے شخص کو اطلاع نہ کرے یعنی قضا نماز چھپا کر پڑھے کیوں کہ نماز کو وقت سے ٹالنا گناہ ہے تو اس کو ظاہر نہ کرے
واللہ اعلم ھم شامی نے کہا کہ ظاہراً قضا نماز کا اعلان کرکے پڑھنا مکروہ تحریمی ہے

باب سجود السہو

یہ باب ہے سہو کے سجدوں کے بیان میں من اضافۃ الحکم الی سببہ سجود السہو کی اضافت از قبیل اضافت حکم
کے ہے طرف اس کے سبب کے ھم اس پر یہ اشکال ہے کہ حکم تو وجوب ہے نہ سجدہ کرنا تو اس کا جواب یہ ہے
کہ اضافت بتقدیر مضاف ہے یعنی اصل میں وجوب سجود السہو کذا فی الشامی وولاہ بالفوائت لانہ لاصلاح مافات اور سہو کو فوائت کے متصل اس لیے
بیان کیا کہ سجدہ سہو واسطے درستی اس امر کے ہے جو نماز میں فوت ہو گیا جیسے قضا پڑھنا نماز کا اس نماز کی اصلاح ہے جس کا وقت جاتا رہا ہو والنسیان
والشک واحد عند الفقہاء والظن الطرف الراجح والوہم الطرف المرجوح اور سہو اور نسیان اور شک ایک چیز ہیں فقہا کے نزدیک اور ظن طرف غالب ہے اور
وہم طرف مغلوب کا نام ہے ھم یعنی حکم کے اعتبار سے تینوں میں فرق نہیں بحر الرائق میں کہا کہ لغت کی راہ سے نسیان اور سہو میں کچھ فرق نہیں دونوں
کے معنی یہ ہیں کہ نہ یاد آنا چیز کا حاجت کے وقت اور شک کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کے ہونے یا نہ ہونے میں تردد کرنا بدون ترجیح کسی جانب کے
اور اگر کسی جانب کو ان دونوں میں ترجیح ہو تو اس کو ظن کہیں گے اور دوسرے کو وہم اور جمع الجوامع میں ہے کہ سہو اس کو کہتے ہیں کہ معلوم چیز سے
غفلت ہو جائے یعنی ادنیٰ تنبیہ سے اس پر آگاہ ہو جائے اور نسیان معلوم بات کے بالکل بھول جانے کو کہتے ہیں کذا فی الشامی یجب لہ بعد سلام
واحد عن یمینہ فقط لانہ . . . . السہو وبہ یحصل التحلیل وہو الاصح بحر عن المجتبیٰ واجب ہیں نمازی پر دو سجدے واسطے سہو کے فقط ایک سلام کے بعد اپنے
داہنی طرف سے اس لیے کہ داہنی طرف کو سلام پھیرنا سہو کے لیے پہلے سے چلا آتا ہے اور نماز کا حلال ہونا ایک سلام سے حاصل ہو جاتا ہے
اور یہی صحیح تر ہے کذا فی البحر عن المجتبیٰ ھم یجب کا فاعل قول ماتن کا سجدتان مع اپنے معطوف کے ہے اور ایک سلام کے بعد سجدہ سہو کرنا قول
اکثر فقہا کا ہے اور شمس الائمہ اور صدر الاسلام نے کہا ہے کہ دونوں سلاموں کے بعد سجدہ سہو کرے اور ہدایہ میں اس کی تصریح کی ہے اور فخر الاسلام
نے ایک سلام کو اختیار کیا ہے مگر سامنے کی طرف نہ داہنے کو اس لیے شارح نے ایک سلام داہنے کو پھیرنا صحیح کہا کذا فی الشامی مختصراً طحطاوی
نے کہا کہ لفظ فقط تاکید ہے واحد کی اور وجہ وجوب سجدہ سہو حدیث ثوبان کی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سہو کرے

نمازیں اس کو چاہیے کہ دو سجدے کرے وعلیہ لواتی بتسلیمتین سقط عنہ السجود اور ایک سلام کے بعد سجدہ سہو کرنے پہ یہ متفرع ہوتا ہے کہ اگر دونوں سلام پھیر دے گا تو اس پر سے سجدہ سہو ساقط ہو جائے گا ھ یعنی سلام اول دو چیزوں کے لیے ہے اول حلال ہونا نماز سے دوم تحیت واسطے قوم کے اور دوسرا سلام صرف تحیت کے لیے ہے تو مشابہ کلام کے ہوا اسی وجہ سے اگر دوسرا سلام بھی پھیر دے تو سجدہ سہو نہ کرے کذا فی الشامی یعنی اس صورت میں تدارک سجدہ سہو سے نہیں ہو سکتا نماز کے اعادہ سے ہوگا ولو سجد قبل السلام جاز وکرہ تنزیہا وعند مالک قبلہ فی النقصان وبعدہ فی الزیادۃ فیعتبر القاف بالقاف والدال بالدال اور اگر سجدہ سہو کیا سلام سے پہلے تو جائز ہے اور مکروہ تنزیہی ہے اور امام مالک کے نزدیک پہلے سلام سے ہے نقصان کی صورت میں اور بعد سلام کے ہے زیادت کی صورت میں تو معتبر ہے ان کے نزدیک قاف قبلیت کا نقصان کے قاف کے ساتھ اور دال بعد کی زیادتی کی دال کے ساتھ ھ یعنی اگر نماز میں واجب کی کمی ہو تو سلام سے پیشتر سجدہ چاہیے اور اگر زیادتی ہو تو بعد سلام کے کہتے ہیں کہ ہارون رشید کی مجلس میں امام ابو یوسفؒ نے امام مالک سے کہا کہ اگر واجب کی نماز میں کمی زیادتی دونوں ہوئی ہوں تو سجدہ سلام کے بعد کرے یا پہلے امام مالک اس کے جواب میں حیران رہ گئے کذا فی الطحطاوی

سجدتان ویجب ایضا تشہد وسلام لان سجود السہو یرفع التشہد دون القعدۃ لقوتہا بخلاف الصلبیۃ فانہا ترفعہما وکذا التلاوتیۃ علی المختار واجب ہیں دو سجدے اور نیز واجب ہے التحیات پڑھنا اور سلام پھیرنا اس لیے کہ سجدہ سہو دور کرتا ہے التحیات کے پڑھنے اور سلام کو نہ قعدہ کو بسبب قوی ہونے قعدہ کے یعنی قعدہ اخیرہ فرض ہے اور سجدہ سہو واجب تو واجب فرض کو نہیں اٹھا سکتا بخلاف سجدہ نماز کے کہ وہ التحیات اور قعدہ دونوں کو بیکار کر دیتا ہے اور اسی طرح سجدہ تلاوت ہے قول مختار پر ھ اور ایک قول یہ ہے کہ سجدہ تلاوت مثل سجدہ سہو ہے کیوں کہ دونوں واجب ہیں اور وجہ قول مختار کی یہ ہے کہ ہر چند سجدہ تلاوت واجب ہے مگر چوں کہ قرادت کا تابع ہے اور قراءت رکن ہے اس لیے اس کو بھی اسی کا حکم ہو گیا کذا فی البحر شامی نے کہا کہ اس کے معنی یہ کہ بعد سجدہ کرتے کے حکم قرادت حاصل کرتا ہے اور قبل سجدہ کرنے کے واجب ہی رہتا ہے ویاتی بالصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والدعاء فی القعود الاخیر فی المختار وقیل فیہما احتیاطا اور پڑھے درود نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور دعا قعدہ اخیر یعنی سجدہ سہو کے بعد کے قعدہ میں قول مختار میں اور قول غیر مختار یہ ہے کہ دونوں قعدوں میں پڑھے احتیاط کی رو سے اذا کان الوقت صالحا فلو طلعت الشمس فی الفجر او احمرت فی القضاء او وجد منہ ما یقطع البناء بعد السلام سقط عنہ پس سجدہ سہو کرے جب کہ وقت نماز کی صلاحیت رکھتا ہو تو اگر آفتاب نکل آوے نماز فجر میں بعد سلام کے یا آفتاب سرخ ہو جائے بعد سلام کے نماز قضا میں یا پائی جاوے نمازی سے وہ حرکت جو قطع کر دے بنا نماز کو یعنی کوئی عمل منافی نماز کا بعد سلام کے نمازی سے ظاہر ہو تو سجدہ سہو اس پر سے ساقط ہو جائے گا کذا فی الفتح ھ آفتاب کی سرخی میں قضا نماز کی قید اس لیے لگائی کہ اگر اسی روز کے عصر میں یہ کیفیت واقع ہو تو سجدہ سہو ساقط نہ ہوگا کذا فی الطحطاوی وفی القنیۃ لو بنی النفل علی فرض سہا فیہ لم یسجد اور قنیہ میں ہے کہ اگر بنا کیا نفل کو اس فرض پر جس میں سہو کیا تو سجدہ سہو نہ کرے یعنی فرض کے بعد سجدہ سہو نہ کرے بلکہ نفل کے آخر میں کرے کذا فی الطحطاوی ھ **بترک** متعلق بیجب **واجب** مما مر فی صفۃ الصلوۃ **سہوا** فلا سجود فی العمد واجب ہیں دو سجدے بسبب بھول کر چھوڑنے کسی واجب کے ان واجبوں میں سے کہ صفت صلوۃ میں گذرے یعنی سجدہ سہو نہیں دانستہ واجب کو چھوڑنے میں بلکہ اعادہ نماز کا لازم ہے شارح نے کہا کہ ماتن کا قول بترک واجب متعلق ہے بیجب سے قیل الا فی اربع ترک القعدۃ الاولی وصلوتہ فیہ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتفکرہ عمدا حتی شغلہ عن رکن وتاخیر سجدۃ الرکعۃ الاولی الی آخر الصلوۃ نہر عمدا ترک واجب میں سجدہ نہیں بجز چار صورتوں کے قول ضعیف میں اول عمدا چھوڑنا قعدہ اولی کا دوم عمدا درود پڑھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قعدہ اولی میں سوم عمدا اتنا تفکر کرنا نماز میں کہ ایک رکن سے مشغول کر دے چہارم سجدہ رکعت اولی کو آخر نماز تک تاخیر کرنا کذا فی النہر ھ علامہ قاسم نے کہا کہ ان صورتوں کی اصل نہ روایت میں ہے نہ درایت میں اور طرفہ یہ ہے کہ تاخیر سجدہ میں رکعت اولی اور آخر نماز تک کی قید لگائی اگر دوسری رکعت کا سجدہ ہو یا پہلی کے سجدہ کو دوسری یا تیسری تک

تاخیر عمداً کی تب یہ حکم کیوں نہیں کذا فی الشامی والطحطاوی وان تکرر لان تکرارہ غیر مشروع اگرچہ ترک واجب مکرر ہو تب بھی سجدہ سہو دو ہی واجب ہوں
گی اس لیے کہ تکرار سجدہ سہو کا مشروع نہیں ہم بحرالرائق میں کہا کہ اگر نماز کے سب واجب سہو سے چھوٹ جائیں تب بھی اس کو دو ہی سجدے لازم ہوں
گے کذا فی الشامی کرکوع متعلق بترک واجب قبل قراءۃ الواجب لوجوب تقدیمہا جیسے رکوع کرنا قرارت واجب سے پہلے شارح نے کہا یہ مثال ہے
ترک واجب کی اس لیے کہ مقدم کرنا قرارت کا واجب ہے ثم انما یتحقق الترک بالسجود فلو تذکر ولو بعد الرفع من الرکوع عاد ثم اعاد الرکوع الا انہ فی تذکر الفاتحۃ یعید السورۃ
ایضًا پھر نہیں ثابت ہوتا چھوڑنا قرارت کا مگر سجدہ کرنے کے بعد پس اگر یاد رہے قرارت کو اگرچہ بعد سر اٹھانے کے ہو رکوع سے یعنی قومہ میں تو قرارت کی طرف
عود کرے یعنی قرارت پڑھے اور رکوع کو دوبارہ کرے مگر الحمد کے یاد کرنے کی صورت میں سورہ کا اعادہ بھی کرے یعنی اگر رکوع میں یا قومہ میں یاد آوے کہ سورۃ
پڑھی ہے الحمد نہیں پڑھی تو الحمد پڑھے اور اس کے ساتھ سورہ دوبارہ ملا دے تاکہ الحمد اور سورہ ترتیب وار ہو جائیں اور خلاصہ میں ہے کہ قرارت کی طرف عود کرے
یا نہ کرے ہر صورت میں سجدہ سہو کرے کذا فی الطحطاوی وتاخیر قیام الی الثالثۃ بزیادۃ علی التشہد بقدر رکن وقیل بحرف وفی الزیلعی الاصح وجوبہ باللّٰھم
صل علی محمد اور جیسے دیر کرنا اٹھنے میں تیسری رکعت کے لیے مقدار ایک رکن کی بسبب بڑھا دینے کے التحیات پر اور قول ضعیف یہ ہے کہ بڑھانا ایک حرف
کا موجب سجدہ سہو ہے اور زیلعی میں ہے کہ صحیح تر واجب ہونا سجدہ کا ہے اللّٰھم صل علی محمد سے ہم اس مسئلہ کا بیان پہلے ہو چکا ہے کہ جب تک
وعلی آل محمد نہ کہے گا سجدہ واجب نہ ہو گا شامی نے کہا کہ سجدہ کے واجب ہونے کے لیے خصوصیت درود شریف کی نہیں اگر التحیات کے بعد قعدہ اولیٰ
میں مقدار ایک رکن کی ساکت رہے گا یا قرآن پڑھے گا تب بھی سجدہ سہو واجب ہو گا اور مناقب میں ہے کہ امام اعظم نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
خواب میں دیکھا کہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم نے سجدہ سہو مجھ پر درود پڑھنے والے پر کیسے واجب کیا آپ نے عرض کیا کہ اس جہت سے کہ اس نے بھولے
سے آپ پر درود پڑھا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب کو پسند فرمایا والجہر فیما یخافت فیہ للامام وعکسہ لکل مصل فی الاصح اور جیسے پکار کر پڑھنا
ان نمازوں میں جن میں آہستہ پڑھا جاتا ہے امام کے لیے موجب سجدہ ہے اور اس کے عکس میں یعنی آہستہ پڑھنے میں ان نمازوں کے اندر جن میں پکار کر پڑھا
جاتا ہے سجدہ سہو ہے ہر نمازی کے لیے صحیح تر قول میں ہم طحطاوی نے کہا کہ شارح نے مطلب الٹ دیا صواب یہ ہے کہ قرارت خفیہ کے مقام میں
جہر کرنے سے ہر نمازی پر سجدہ ہے اور اس کے عکس میں امام پر کیوں کہ جہری نماز میں منفرد پر جہر واجب نہیں تاکہ اس کے ترک سے اس پر سجدہ آوے والاصح
تقدیرہ بقدر ما تجوز بہ الصلوٰۃ فی الفصلین وقیل قائلہ قاضیخان یجب السہو بھما ای بالجہر والمخافتۃ مطلقًا ای قل او کثر وھو ظاہر الروایۃ واعتمدہ الحلوانی اور صحیح
تر تعین کرنا جہر و اخفا کا ہے اس قدر کہ جائز ہو اس سے نماز دونوں مسئلوں جہر اور اخفا میں کیونکہ کم تر جہر و اخفا سے تو بچنا ممکن نہیں اور ایک قول یہ ہے جس کا
قائل قاضیخان ہے کہ واجب ہے سجدہ سہو جہر اور اخفا دونوں سے مطلق یعنی خواہ کم ہو یا زیادہ اور یہی ظاہر الروایت ہے اور اسی پر اعتماد کیا ہے حلوانی نے ہم
صحیحین میں ابو قتادہ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کے پہلے دو رکعتوں میں فاتحہ اور دو سورتیں پڑھا کرتے تھے اور پچھلی دو میں صرف الحمد
پڑھتے تھے اور کبھی ہم کو آیت سنا دیتے تھے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اخفا کی جگہ میں کسی قدر کلمات کا جہر کرنا درست ہے اور موجب سہو نہیں اس
لیے شارح نے قول اول کو اصح کہا کذا فی الشامی تبصرف علی منفرد متعلق بیجب ومقتد بسہو امامہ ان سجد امامہ لوجوب المتابعۃ لا بسہوہ اصلا سجدہ
سہو ترک واجب سے واجب ہے منفرد پر اور مقتدی پر واجب ہے اس کے امام کے سہو سے بشرطیکہ امام سجدہ کرے بسبب واجب ہونے متابعت امام
کے تو اگر امام پر سے سجدہ سہو کسی سبب سے ساقط ہو جائے تو اس صورت میں مقتدی پر سجدہ نہ ہو گا کذا فی الطحطاوی نہیں واجب ہے سجدہ مقتدی
پر خود اس کے سہو سے کسی طرح یعنی نہ سلام سے پہلے نہ سلام کے بعد کیوں کہ سلام پہلے سے اگر سجدہ کرے گا تو امام کی مخالفت لازم آوے گی
اور امام کے سلام کے بعد نماز سے خارج ہو جائے گا کذا فی البحر والمسبوق یسجد مع امامہ مطلقًا سواء کان السہو قبل الاقتداء او بعدہ ثم

لیقضی مافاتہ ولو سہا فیہ سجد ثانیا اور مسبوق سجدہ کرے اپنے امام کے ساتھ ہر حال میں یعنی خواہ امام کو سہو مسبوق کی اقتدا سے پہلے ہوا ہو یا بعد اقتدا کے پھر مسبوق سجدہ سہو کے بعد اپنی باقی نماز پڑھے اور اگر اس باقی میں سہو ہو جائے تو دوبارہ سجدہ کرے اس لیے کہ خود اس کی نماز منفرد کی نماز کا حکم رکھتی ہے تو گویا دوسری نماز ہوئی اور اگر امام کے ساتھ سجدہ نہ کیا اور اپنی نماز کے آخر میں کر لیا گو اس کی باقی نماز میں سہو ہوا ہو یا نہیں تو کافی ہو گا کذا فی البحر وکذا اللاحق لکنہ یسجد فی آخر صلوتہ ولو سجد مع امامہ اعادہ اور اسی طرح لاحق پر سجدہ واجب ہے اس کے امام کے سہو سے مگر وہ سجدہ کرے اپنی نماز کے آخر میں اور اگر سجدہ کیا لاحق نے اپنے امام کے ساتھ تو دوبارہ سجدہ کرے اس لیے کہ اس نے التزام کیا تھا متابعت امام کا ساری نماز میں اور امام نے اپنی نماز کے آخر میں سجدہ کیا ہے تو وہ بھی ایسا ہی کرے کذا فی الطحطاوی والمقیم خلف المسافر کالمسبوق وقیل کاللاحق اور مقیم پیچھے مسافر کے مثل مسبوق کے ہے یعنی امام کے ساتھ سجدہ کرے اور ایک قول کرخی کا یہ ہے کہ مقیم مثل لاحق کے ہے یعنی آخر نماز میں سجدہ کرے ھ صورت اس کی یہ ہے کہ مسافر امام ہو اور اس کو سہو ہو تو مقتدی مقیم بھی سجدہ میں اس کا ساتھ دے اور کرخی نے کہا کہ وہ سجدہ میں متابعت نہ کرے بلکہ دو رکعتیں باقی پڑھ کر آخر میں سجدہ کرے سہا عن القعود الاول من الفرض ولو عملیا واما النفل فیعود مالم یقیدہ بالسجدۃ ثم تذکرہ عاد الیہ وتشہد ولا سہو علیہ فی الاصح مالم یستقم قائما فی ظاہر المذہب وہو الاصح فتح بھول گیا نمازی قعدہ اولی فرض کا اور اٹھنے لگا پھر بیٹھنے کو یاد کیا تو عود کرے بیٹھنے کی طرف یعنی وجوبا بیٹھ جائے اور التحیات پڑھے اور صحیح تر قول میں اس پر سہو نہیں بیٹھ جائے جب تک کہ پورا کھڑا نہیں ہوا ظاہر مذہب میں اور یہی صحیح تر ہے کذا فی الفتح شارح نے کہا کہ فرض عام ہے خواہ اعتقادی ہو جیسے نماز پنجگانہ خواہ فرض عملی ہو جیسے وتر ہے اور اگر نفل ہو تو عود کرے قعدہ کے لیے جب تک کہ قیام کو سجدہ سے مقید نہ کیا ہو والا ای وان استقام قائما لا یعود لاشتغالہ بفرض القیام وسجد للسہو لترک الواجب فلو عاد الی القعود بعد ذلک تفسد صلوتہ لرفض الفرض لما لیس بفرض وصححہ الزیلعی اور اگر یہ صورت نہ ہو یعنی پورا کھڑا ہو گیا ہو تو اب قعدہ کے لیے عود نہ کرے بہ سبب اس کے مشغول ہو جانے کے قیام کے فرض میں اور سجدہ سہو کرے واسطے چھوڑنے واجب یعنی قعدہ اولی کے پس اگر عود کرے گا قعدہ کے واسطے بعد کھڑا ہو جانے کے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی بسبب چھوڑ دینے فرض کے اس چیز کے لیے جو فرض نہیں یعنی قیام کو قعدہ کی خاطر چھوڑنے کی وجہ سے فاسد ہو جائے گی اور تصحیح کی ہے اس قول کی زیلعی نے وقیل لا تفسد لکنہ یکون مسیئا ویسجد لتاخیر الواجب وہو الاشبہ کما حققہ الکمال وہو الحق بحر اور ایک قول یہ ہے کہ کھڑا ہو کر بیٹھ جانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی مگر نمازی برا کرنے والا ہوتا ہے یعنی گنہ گار ہوتا ہے کذا فی الفتح اور سجدہ کرے تاخیر واجب کے لیے یعنی قعدہ واجب میں بیٹھنے کی تاخیر کرنے سے اور یہ قول مشابہ بحق زیادہ ہے چنانچہ تحقیق کیا ہے اس کو کمال الدین نے اور یہی حق ہے کذا فی البحر ھ کمال الدین محقق نے کہا ہے کہ قعدہ کی طرف رجوع کرنے سے صرف قیام کی زیادتی لازم آتی ہے جو نماز کی مخل نہیں کیوں کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ایک رکعت سے کم کی زیادتی مفسد نماز نہیں باقی رہا یہ کہ بیٹھ جانے سے فرض کو واجب کے لیے چھوڑنا لازم آتا ہے یہ بات بھی نہیں کیوں کہ یہ ترک نہیں ہے بلکہ تاخیر ہے تو جیسے کسی کو رکوع میں یاد پڑے کہ سورت نہیں پڑھی اور وہ کھڑا ہو کر سورہ پڑھے تو نماز فاسد نہیں ہوتی ایسا ہی اس صورت میں بھی فاسد نہیں ہو گی کذا فی الشامی ملخصا بتصرف وہذا فی غیر المؤتم اما المؤتم فیعود حتما وان خاف فوت الرکعۃ لان القعود فرض علیہ بحکم التابعیۃ سراج اور یہ تفصیل کہ اگر سیدھا نہ کھڑا ہوا ہو تو بیٹھ جاوے ورنہ عود نہ کرے غیر مقتدی کے لیے ہے یعنی امام و منفرد کے لیے اور مقتدی وجوبا بیٹھ جائے اگرچہ خوف ہو نہ ملنے تیسری رکعت کا امام کے ساتھ اس لیے کہ بیٹھنا اس پر فرض ہے بسبب متابعت کے کذا فی السراج ھ صورت اس کی یہ ہے کہ امام بعد دو رکعتوں کے بیٹھ گیا اور ایک مقتدی بھول کر سیدھا کھڑا ہو گیا امام کے ساتھ قعدہ نہ کیا تو مقتدی پر واجب ہے کہ بیٹھ کر التحیات پڑھے اگرچہ یہ ڈر ہو کہ التحیات پڑھنے سے تیسری رکعت امام کے ساتھ نہ ملے گی کذا فی الشامی وظاہرہ انہ لو لم یعد بطلت بحر قلت وفیہ کلام والظاہر انہا واجبۃ فی الواجب وفرض فی الفرض نعم لنا فیہا رسالۃ جامعۃ فراجعہا اور ظاہر تعلیل سراج کا یعنی قعدہ کی متابعت کو فرض کہنے کا یہ ہے کہ اگر مقتدی عود نہ کرے گا تو نماز باطل ہو جائے گی کذا فی البحر میں کہتا ہوں کہ تعلیل میں کلام ہے اور ظاہر یہ ہے

کہ متابعت واجب ہے واجب نماز میں اور فرض ہے فرض نماز میں کذا فی النہر اور متابعت کے باب میں ہمارا ایک رسالہ جامع سب احکام کا ہے اس کو دیکھو ط طحاوی نے کہا کہ فرض نماز میں متابعت کے فرض ہونے کے یہ معنی کہ فرض کو ادا کرے اگرچہ بعد ادا کرنے امام کے ہو نہ امام سے پہلے اور یہ معنی نہیں کہ کسی جزمیں قعدہ کی شرکت بھی ضرور ہو **ولو سہا عن القعود الاخیر کلہ او بعضہ عاد ویکفی کون کلا الجلستین قدر التشہد مالم یقید ہا بسجدۃ لان مادون الرکعۃ محل الرفض وسجد للسہو لتاخیر القعود** اور اگر بھول گیا نمازی قعدہ اخیرہ سے کل کو یا تھوڑے کو اور کھڑا ہو گیا زائد رکعت کے لیے تو عود کرے جب تک کہ رکعت زائد کو مقید بہ سجدہ نہ کیا ہو اس لیے کہ رکعت سے کم مقام ترک کا ہے اور سجدہ سہو کرے واسطے دیر کر بیٹھنے کے شارح نے کہا کہ کافی ہے دونوں جلسوں کا ہونا مقدار التحیات کے یعنی نمازی قعدہ اخیرہ میں تھوڑا سا بیٹھ کر اٹھ کھڑا ہوا پھر بیٹھ گیا اور تھوڑا سا بیٹھنے کے بعد مثلاً کلام کیا تو اگر دونوں دفعہ کا بیٹھنا مقدار التحیات کے ہو گیا ہے تب تو نماز درست ہو گی ورنہ فاسد ہو جائے گی کذا فی الشامی **وان قیدہا بسجدۃ عامدًا او ناسیًا تحول فرضہ نفلا برفع الجبہۃ عند محمد بہ یفتی لان تمام الشیئ باٰخرہ** اور اگر مقید کیا رکعت زائد کو سجدہ سے جان بوجھ کر یا بھول کر ہو جائیں گے فرض اس کے نفل وقت اس کے اٹھانے کے پیشانی کو امام محمد کے نزدیک اور اسی پر فتویٰ ہے اس لیے کہ تمام ہونا چیز کا اس کے آخر پر ہوتا ہے یعنی امام ابو یوسف کے نزدیک سر کے زمین پر رکھنے سے سجدہ ثابت ہو جاتا ہے اور امام محمد کے نزدیک سر اٹھانے سے تو یہ دلیل امام محمد کی ہوئی کہ سجدہ پورا جب ہو گا جب اس کا آخر ہو چکے گا میہاں شارح نے غلط کر دیا کیوں کہ ظاہر کلام شارح سے معلوم ہوتا ہے خلاف کہ امام محمد بھی اس کے قائل ہیں کہ فرض نفل ہو جاتے ہیں بعد پانچویں رکعت کے سجدہ کے حالانکہ ایسا نہیں ان کے نزدیک جب فرض نہ رہے تو اصل تحریمہ باطل ہو جاتی ہے اور مسئلہ مذکورہ میں اختیار شیخین کا ہے تو عند محمد صرف اس قدر سے متعلق ہے کہ سجدہ بدون سر اٹھانے کے کامل نہیں ہوتا تو مطلب یہ ہے کہ فرض اصل سے باطل ہو جاتے ہیں وقت سر اٹھانے کے سجدہ سے امام محمد کے نزدیک اور نفل ہو جاتے ہیں شیخین کے نزدیک **فلو سبقہ الحدث قبل رفعہ توضأ وبنی خلافا لابی یوسف حتی قال زہ صلوۃ فسدت اصلحہا الحدث** پس اگر پیش ہوا نمازی کو حدث پہلے سر اٹھانے کے تو وضو کرے اور بنا کرے برخلاف ابو یوسف یہاں تک کہ انھوں نے فرمایا کہ عجب نماز ہے کہ فاسد ہو گئی اور حدث نے اس کی اصلاح کر دی ھ صورت اس کی یہ ہے کہ ایک شخص قعدہ اخیرہ کو ترک کر کے پانچویں رکعت کو اٹھا اور اس کے سجدہ میں تھا کہ بے وضو ہو گیا تو چوں کہ امام محمد کے نزدیک بطلان فرض کے لیے سجدہ سے سر اٹھانا شرط ہے اس لیے اس کے فرض ہنوز باطل نہیں ہوئے تو وہ شخص وضو کر کے قعدہ اخیرہ کرے اور سجدہ سہو کر کے سلام پھیرے فرض پورے ہو جائیں گے اور امام ابو یوسف کے نزدیک سجدہ کے لیے زمین پر سر رکھتے ہی فرض نفل ہو گئے تو اب بنا فرض پر نہیں کر سکتا اور آپ کا قول زہ بکسر زا معجمہ وسکون ہا کلمہ فارسی ہے بمعنی عجب کے یہ آپ نے اس وقت فرمایا کہ اس مسئلہ میں آپ کے سامنے امام محمد کا قول نقل کیا گیا اور نماز کو فاسد یا تو اس لیے فرمایا کہ عنقریب امام محمد کے نزدیک بھی باطل ہو جاتی اگر نمازی سجدہ سے سر اٹھا لیتا یا اس لیے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک وہ نماز فاسد ہو چکی اس اعتبار سے فاسد کہا کذا فی الشامی تمصرف **والعبرۃ للامام حتی لو عاد ولم یعلم بہ القوم حتی سجدوا لم تفسد صلوتہم مالم یتعمدوا السجود وفیہ یلغز ای مصل ترک القعود الاخیر وقیدالخامسۃ بسجدۃ ولم یبطل فرضہ** اور اعتبار قعدہ کی طرف عود کرنے میں قبل پانچویں رکعت کے سجدہ کے امام کا ہے یہاں تک کہ اگر امام بیٹھ گیا اور مقتدیوں نے اس کا بیٹھنا نہ جانا تا آں کہ انھوں نے سجدہ کیا تو ان کی نماز فاسد نہ ہو گی یعنی ان کے فرض نفل نہ ہوں گے جب تک سجدہ کا قصد نہ کیا ہو گا اور اسی صورت میں یہ چیستان پوچھی جاتی ہے کہ کون سا نمازی ہے جس نے قعدہ آخر کا ترک کیا اور پانچویں رکعت کو سجدہ سے مقید بھی کر دیا مگر اس کے فرض باطل نہ ہوئے ھ ط طحاوی نے کہا کہ یہ اس صورت میں ہے کہ امام رکوع کے بعد بیٹھا ہو کیوں کہ اس صورت میں بیٹھنے سے امام کا رکوع جاتا رہے گا تو مقتدیوں کا رکوع بھی اس کی متابعت کی جہت سے جاتا رہے گا تو فقط مقتدیوں کا سجدہ امام سے زائد رہے گا اور سجدہ کی زیادتی سے نماز فاسد نہیں ہوتی پس اگر امام رکوع سے پہلے ہی بیٹھ جائے گا اور

مقتدی رکوع اور سجدہ دونوں کریں گے تو نماز مقتدیوں کی فاسد ہوجائے گی **وضم سادستہ ولو فی العصر والفجر ان شاء لاختصاص الکراہۃ والاتمام بالقصد ولا یسجد للسہو علی الاصح** لان النقصان بالفساد لا ینجبر اور ملادے چھٹی رکعت اگرچہ عصر اور فجر میں ہو اگر چاہے بسبب خاص ہونے کراہت اور پورا کرنیکے قصد سے اور نہ سجدہ کرے سہو کا صحیح تر قول کے بموجب اس کے کہ نقصان فساد کا یعنی ترک قعدہ سے جو فساد ہوا اور فرض باطل ہوگئے وہ سجدہ سے پورا نہیں ہوتا ہم مراد چھٹی رکعت سے رکعت زائد ہے تو فجر میں وہ چوتھی ہوگی اور یہ جو کہا کہ کراہت و اتمام قصد سے مخصوص ہیں یہ جواب ہے اس سوال کا کہ عصر کے اور فجر کے بعد نفل مکروہ ہے تو تم نے کیسے کہہ دیا کہ اگرچہ عصر اور فجر میں ہو تب بھی رکعت ملائے دوسرے یہ کہ ملانا رکعت کا ظہر اور عشاء میں واجب ہونا چاہیے کیونکہ نفل کا شروع کرکے پورا کرنا واجب ہے تو پھر کیسے کہا کہ اگر چاہے تو ملادے شارح نے دونوں کا جواب دیا کہ خاص ہونا کراہت کا اور پورا کرنا اس نفل میں ہے جو قصداً شروع کی ہو اور یہاں نفل بلا قصد شروع ہوئی ہے اور عصر کے اعتراض کا جواب نہر الفائق میں یوں بھی دیا ہے کہ جب نمازی کے فرض باطل ہوگئے تو نفل بعد عصر کہاں ہوئی قبل عصر ہوئی جو مکروہ نہیں ہاں اگر عصر کے بعد کوئی قضا نماز پڑھتا ہو اور اس میں یہ صورت پیش آوے تو ہوسکتا ہے اور شارح نے مغرب کا ذکر نہ کیا تو حلیہ میں مذکور ہے کہ اس میں پانچویں رکعت نہ ملادے کیوں کہ اول تو قبل مغرب نفلیں مکروہ ہیں دوسرے طاق نفلیں مطلقاً مکروہ ہیں کذا فی الشامی **وان قعد فی الرابعۃ** مثلا قدر التشہد **ثم قام عاد وسلم** ولو سلم قائما صح ثم الاصح ان القوم ینتظرونہ فان عاد تبعوہ **وان سجد للخامسۃ سلموا** لانہ **تم فرضہ** اذ لم یبق علیہ الا السلام **وضم الیہا سادستہ ولو فی العصر** وخامستہ فی المغرب ورابعۃ فی الفجر بہ یفتی **لتصیر الرکعتان لہ نفلا** والضم ہنا اکد اور اگر نمازی بیٹھا چوتھی رکعت میں مثلاً یعنی آخر رکعت میں خواہ وہ تیسری ہو یا دوسری مقدار التحیات کے پھر کھڑا ہوگیا تو بیٹھ جائے اور سلام پھیرے کیوں کہ بیٹھ کر سلام پھیرنا مسنون ہے اور اگر کھڑا ہوا سلام پھیر دے گا تب بھی صحیح ہے پھر صحیح تر قول یہ ہے کہ مقتدی امام کا انتظار کریں پس اگر عود کرے وہ بیٹھنے کی طرف تو اس کی متابعت کریں اور اگر امام سجدہ کرے پانچویں کے لیے یعنی رکعت زائد کے لیے تو مقتدی سلام پھیر دیں اس لیے کہ اس کا فرض تمام ہوگیا کیوں کہ سلام کے سوا اور کچھ اس پر باقی نہیں اور ملادے اسی رکعت میں چھٹی اگرچہ نماز عصر میں ہو اور پانچویں مغرب میں اور چوتھی فجر میں اسی کا فتویٰ ہے اور ایک رکعت اس لیے ملادے تاکہ دو رکعتیں اس کی نفل ہو جائیں اور ملانا یہاں مؤکد زیادہ ہے ولا عہدۃ لو قطع ولا باس باتمامہ فی وقت کراہۃ علی المعتمد اور ضمان نہیں اگر توڑ دے یعنی اگر دوسری رکعت ایک رکعت زائد میں نہ ملادے ایک ہی رکعت پر نماز قطع کر دے تو اس پر قضا لازم نہ ہوگی کیونکہ اس نفل کو اس نے قصداً شروع نہیں کیا اور کچھ مضائقہ نہیں اس کے پورا کرانے کا کراہت کے وقت قول معتمد پر ہم یعنی رکعت زائد پر دوسری کا ملانا گو عصر و فجر کے بعد ہو مضائقہ نہیں کیوں کہ یہ نفل قصداً شروع نہیں ہوئی علاوہ اس کے نہ ملانے سے یا تو سجدہ سہو چھوٹ جائے گا جو واجب ہے یا اگر سجدہ سہو ایک ہی رکعت پر کرے گا تو مسنون طور پر ادا نہ ہوگا اس لیے اس صورت میں ملانے کی زیادہ تاکید ہے چنانچہ بیان ہوا **وسجد للسہو فی الصورتین لنقصان فرضہ بتاخیر السلام فی الاولی وترکہ فی الثانیۃ** اور سجدہ سہو کرے دونوں صورتوں میں یعنی رکعت زائد کا سجدہ نہ کیا ہو اور ویسے ہی بیٹھ گیا ہو یا سجدہ کرلیا ہو اور دوسری رکعت ملائی ہو سجدہ کرے بسبب ناقص ہوتے اس کے فرض کے سلام کی تاخیر سے پہلی صورت میں اور ترک کرنے سلام کے دوسری صورت میں ہم یعنی دوسری صورت میں ہرچند سلام نماز کے آخر میں پھیرا مگر چوں کہ فرضوں کا سلام خاص نہیں پھیرا اس لیے اس کو یہ سلام مخصوص فوت ہوگیا کذا فی الحلبی **والرکعتان لا ینوبان عن السنۃ الراتبۃ** بعد الفرض فی الاصح لان المواظبۃ علیہا انما کانت بتحریمۃ مبتدأۃ اور یہ دونوں رکعتیں زائد قائم مقام سنت مؤکدہ فرضوں کے بعد کے نہ ہوں گی صحیح تر قول میں اس لیے کہ مؤکدہ سنتوں پر مداومت جدا تحریمہ سے ثابت ہوئی ہے نہ بلا قصد کے تحریمہ سے اور نہ ضمن میں دوسری نماز کے ولو اقتدی بہ فیہما صلاہما ایضا اور اگر نمازی اقتدا کرے پیچھے امام کے ان دونوں رکعتوں زائد میں تو ان کو بھی پڑھے یعنی

اگر امام چوتھی رکعت پڑھ کر اٹھا اور دو رکعتیں اور پڑھیں تو ان دو میں اگر کوئی اس کا مقتدی ہو تو وہ بھی چھ رکعتیں پڑھے وان افسد قضا ہما یعنی نقایہ اور اگر مقتدی ان دونوں
رکعتوں کو فاسد کر دے تو صرف ان دونوں کی قضا کرے اسی پر فتویٰ ہے کذا فی النقایہ شامی نے کہا کہ یہ پچھلی ہی صورت میں ہے یعنی اگر امام قعدہ اخیرہ میں بیٹھا ہو تو اس صورت
میں فاسد کرنے سے چھ رکعتیں قضا کرے ولو ترک القعود الاول فی النفل سھوا سجد ولم تفسد استحسانا لانہ کما شرع رکعتین شرع اربعا ایضا وقد منا انہ یعود مالم یقید الثالثۃ
بسجدۃ وقیل لا اور اگر چھوڑا قعدہ اولیٰ کو نفل میں سہو سے تو سجدہ کرے اور یہ نماز فاسد نہ ہو گی بوجہ استحسان اس لیے کہ اس نے جب دو رکعتیں شروع کی ہیں اسی وقت چار کو بھی شروع
کیا ہے اور ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ نمازی عود کرے قعود کی طرف جب تک کہ تیسری رکعت نفل کو سجدہ سے مقید نہ کیا ہو اور ایک قول یہ ہے کہ سیدھا کھڑے ہو جانے کے بعد عود
نہ کرے اس لیے کہ اب نفلیں مثل فرض کے ہو گئی ہیں م یعنی قیاس کے رو سے یہ نفلیں فاسد ہونی چاہئیں کیونکہ ہر دوگانہ نماز علیحدہ ہے تو قعدہ اخیرہ جو فرض ہے اول دوگانہ
میں نہ پایا گیا مگر استحسانا فاسد نہیں ہوتیں ولو صلی رکعتین فرضا او نفلا سھا فیھما فسجد لہ بعد السلام ثم اراد بناء شفع علیہ لم یکن لہ ذلک البناء ای یکرہ لہ
تحریما لانہ یبطل سجودہ بلا ضرورۃ اور جب پڑھیں دو رکعتیں فرض یا نفل کی اور ان میں سہو اور بعد سلام کے اس سہو کا سجدہ کر لیا پھر چاہا کہ اس دوگانہ پر دوسرا دوگانہ
بنا کرے تو اس کو یہ بنا کرنا نہیں پہنچا یعنی یہ بنا اس کے لیے مکروہ تحریمی ہے تاکہ اس کا سجدہ سہو کرنا بدون ضرورت بے کار نہ ہو جاوے م سجدۂ سہو واجب ہے اور
واجب کا باطل کرنا بدون ضرورت کے جائز نہیں ہاں اگر اس کے تمام رکھنے سے کوئی چیز واجب سے بڑھ کر ٹوٹی جاتی ہو تو اس وقت باطل کیا جائے گا جیسے اگلے مسئلہ میں
ہے بخلاف المسافر اذا نوی الاقامۃ لانہ لو لم یبن بطلت بخلاف مسافر کے کہ اگر اس نے دو رکعتیں پڑھیں اور ان میں سہو کا سجدہ کیا پھر نیت اقامت کی کی اور انہیں
دو کو چار کرنا چاہا تو اس کو اختیار ہے اس لیے کہ اگر وہ بنا نہ کرے اور پورا پڑھنا اس کو اقامت کی جہت سے لازم ہو گیا ہے تو اس کی دو رکعتیں پڑھی ہوئی باطل ہو جائیں
گی اور اگر بنا کرے گا تو سجدہ سہو جو واجب ہے وہ باطل ہو گا اور چونکہ واجب کا باطل ہونا نسبت بطلان فرض کے خفیف ہے تو اسی کو اختیار کیا گیا کذا فی البحر ولو فعل
مالیس لہ من البناء صح بناء لبقاء التحریمۃ ویعید سجود السہو و المسافر سجود السہو علی المختار لبطلانہ بوقوعہ فی خلال الصلوٰۃ اور اگر نمازی نے کیا وہ فعل جس کا اس کو اختیار
نہ تھا یعنی بنا کر لیا تو اس کی بنا صحیح ہو گی بہ سبب تحریمہ کے باقی رہنے کے اور دوبارہ کرے نمازی مذکور اور مسافر سجدۂ سہو کو مذہب مختار پر واسطے باطل ہو جانے
سجدہ سہو کے بسبب پڑ جانے کے نماز کے درمیان م قول مختار کا مقابل یہ کہ سجدہ سہو کو دوبارہ نہ کرے کیونکہ وہ جس جگہ ہوا ہے جبر نقصان کے لیے ہوا ہے
تو اب اس کی کیا حاجت رہی کذا فی الحلبی سلام من علیہ سجود سہو یخرجہ من الصلوٰۃ خروجا موقوفا فان سجد عاد الیہا والا لا اور اس نمازی کا سلام پھیر دینا جس پر سجدہ سہو
ہے اس کو نماز سے باہر کر دیتا ہے مگر ملتوی طور پر یعنی اگر اب سجدہ کرے گا تو نماز میں پھر عود کر آئے گا اور اگر سجدہ نہیں کرے گا تو عود کرے گا م یہ نکلنا نماز سے
قول ہے شیخین کا اور امام محمد کے نزدیک نماز سے خارج نہیں ہوتا کذا فی الشامی علی ہذا فیصح الاقتداء بہ ویبطل وضوءہ بالقہقہۃ ویتغیر فرضہ بالنیۃ الاقامۃ ان سجد للسہو فی المسائل
الثلاث والا یسجد لا تثبت الاحکام المذکورۃ کذا فی غایۃ البیان اور اس بنا پر یعنی سلام کے سبب سے نماز سے باہر ہو جانے پر بشرطیکہ سجدہ نہ کرے صحیح ہے اقتدا کرنا
پیچھے اس کے اور باطل ہو جائے گا وضو اس کے قہقہہ سے اور ہو جائیں گے فرض اس کے چار بسبب نیت اقامت کے اگر سجدہ کرے گا سہو کا مسائل سہ گانہ میں اور اگر
سجدہ سہو نہ کرے گا تو احکام مذکورہ ثابت نہ ہوں گے ایسا ہی ہے غایۃ البیان میں م صورت مسئلہ کی یہ ہے کہ ایک شخص نے قعدہ اخیرہ کے بعد سلام پھیرا اور اس پر سجدہ
سہو ہے تو اب اگر کوئی شخص اس کے پیچھے اقتدا کرے گا تو اس کا اقتدا صحیح ہو گا بشرطیکہ بعد اقتدا کے امام سجدہ سہو کرے اور اگر سجدہ سہو نہ کرے گا تو اقتدا درست نہ ہو
گا اسی طرح اگر بعد سلام کے سجدہ سہو سے پیشتر نمازی نے قہقہہ کیا یا مسافر نے اس وقت اقامت کی نیت کی اور پھر سجدۂ سہو کیا تو اول شخص کا وضو جاتا رہے گا اور مسافر
کے فرض دو کی جگہ چار ہو گئے اور اگر بعد قہقہہ اور نیت کے سجدہ نہ کیا تو وضو نہ جائے گا اور فرض چار نہ ہوں گے شامی نے کہا کہ بعض نسخوں میں مانہ الکتب ہے غایۃ البیان
کی جگہ اور وہ غلط ہے کیونکہ جو تفصیل ان تینوں مسئلوں میں مصنف نے لکھی ہے وہ عام کتب کے مخالف ہے البتہ غایۃ البیان میں اسی طرح ہے جیسا مصنف نے لکھا ہے وہو
غلط فی الاخیرتین والصواب انہ لا یبطل وضوءہ ولا یتغیر فرضہ بعد ادا لسقوط السجود بالقہقہۃ وکذا بالنیۃ لئلا یقع فی خلال الصلوٰۃ وتمامہ فی البحر والنہر اور یہ حکم غلط ہے دو اخیر کی

صورتوں میں اور صحیح یہ ہے کہ نمازی کا وضو باطل نہیں ہوتا اور اس کے فرض نہیں بدلتے سجدۂ سہو بعد کو کرے یا نہیں بسبب ساقط ہونے سجدہ کے قہقہہ سے اور
اسی طرح اقامت کی نیت سے تاکہ سجدہ کرنا واقع نہ ہو نماز کے درمیان میں اور اس کا پورا بیان بحرالرائق اور نہرالفائق میں ہے م یعنی تفصیل اس بات کی کہ اگر سجدۂ سہو
کرے گا تو وضو باطل ہو جائے گا قہقہہ کی صورت میں اور فرض دو کی جگہ چار ہو جائیں گے نیت اقامت کی صورت میں اگر سجدہ سہو نہ کرے گا تو دونوں باتیں نہ ہوں گی اتن
کی غلطی ہے کہ سہو سے ایسا لکھ دیا بلکہ صحیح یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں سجدہ کرے یا نہ کرے حکم مسئلہ کا ایک ہی رہتا ہے یعنی نہ وضو باطل ہو نہ فرض بدلیں اس لیے کہ بعد سلام
کے جب قہقہہ ہوا تو شیخین کے نزدیک سلام کے سبب نماز سے خارج ہوا اگر خروج موقوف تواب چونکہ قہقہہ فعل مخالف نماز کے ہے اس لیے بالکل خارج ہو گیا اور سجدہ
اس پر سے ساقط ہو گیا پس وضو باطل نہ ہوا اور نیت اقامت کی صورت میں اگر فرض سجدہ سے پیشتر بدل جائیں اس کے یہ معنی کہ نیت سجدہ سے پیشتر درست ہوئی اور
اگر نیت کو درست کہو تو سجدہ سہو نماز کے درمیان میں واقع ہو گا جس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے حاصل یہ کہ شیخین کے نزدیک سلام سے خارج از نماز ہو گیا اب بدون سجدہ سہو
نماز میں داخل نہیں ہو سکتا تو اگر سجدۂ سہو بعد نیت اقامت کے کرتا ہے تو سجدہ بیچ میں نماز کے واقع ہوتا ہے جو باطل اور بے اصل ہے اس لیے یہی کہا گیا کہ اب
نماز سے بالکل خارج ہو گیا اور سجدہ اس پر سے ساقط ہو گیا کذا فی الشامی مختصراً **ویسجد للسہو ولو مع سلامہ ناویاً للقطع لان نیۃ تغییر المشروع لغو مالم یتحول عن القبلۃ**
او یتکلم لبطلان التحریمۃ اور سجدہ سہو کرے اگرچہ اپنے سلام سے نیت قطع نماز کی کرے جب تک کہ قبلہ سے نہ پھرے یا جب تک بات نہ کرے کیونکہ قبلہ کی طرف پھر جانے اور
بات کرنے سے تحریمہ باطل ہو جائے گی اور سجدہ سہو نہ کر سکے گا شارح نے کہا کہ نیت قطع نماز کی اس لیے معتبر نہ ہوئی کہ مشروع چیز کے متغیر کرنے کی نیت باطل ہوتی ہے
یعنی مشروع یہ تھا کہ سجدہ سہو سے نماز کو پورا کرتا اب بیچ میں نیت اس کے قطع کی کرنی لغو ٹھہرے گی **ولو نسی السہو او سجدۃ صلبیۃ او تلاویۃ یلزمہ ذلک مادام فی المسجد** اور
اگر نمازی سجدہ سہو کو بھول گیا یا سجدۂ نماز کو یا سجدہ تلاوت کو تو لازم ہو گا اس پر یہ سجدہ کرنا جب تک کہ مسجد کے اندر رہو م شامی نے کہا کہ شارح کے کلام میں مانعۃ الخلو ہے
تو ہو سکتا ہے کہ اس کے ذمہ ایک ہی ان میں سے ہو یا دو ہوں یا تینوں ہوں غرض بھولنے کے بعد جب یاد آئیں اور مسجد کے اندر ہو تو اس پر اس کا کرنا لازم ہے **سلم**
مصلی الظہر مثلاً علی رأس الرکعتین توہماً اتمامہا اتمہا اربعاً وسجد للسہو لان السلام ساہیاً لایبطل لانہ دعاء من وجہ سلام پھیرا ظہر کے پڑھنے والے نے مثلاً دو رکعتوں پر نماز
کے پورا ہونے کے وہم سے تو ان کو چار پورا کرے اور سجدہ سہو کرے اس لیے کہ سلام پھیرنا بھولے سے نماز کو باطل نہیں کرتا کیونکہ سلام ایک وجہ سے دعا ہے یعنی اس
وجہ سے کہ اس سے مومنین کے لیے دعائے امن مطلوب ہے اور دعا قاطع نماز نہیں **بخلاف مالو سلم علی ظن ان فرض الظہر رکعتان بان ظن انہ مسافر او انہا الجمعۃ او کان قریب**
عہد بالاسلام فظن ان فرض الظہر رکعتان او کان فی صلوۃ العشاء فظن انہا الترادیح فسلم او سلم ذاکراً ان علیہ رکناً حیث تبطل لانہ سلام عمداً بخلاف اس صورت کے
کہ سلام پھیرا اس گمان پر کہ ظہر کے فرض دو ہیں اس طرح کہ خیال کر لیا کہ میں مسافر ہوں یا یہ نماز جمعہ ہے یا اس کو مسلمان ہوئے تھوڑا عرصہ ہوا تھا اس نے گمان کیا کہ ظہر کے
فرض دو ہی ہیں یا یہ کہ نماز عشا میں مشغول تھا اس کو تراویح گمان کر کے سلام پھیر دیا یا سلام پھیرا اس حال میں کہ اسکو یاد ہے کہ مجھ پر ایک رکن باقی ہے کہ ان سب صورتوں
میں نماز باطل ہو جاتی ہے کیونکہ یہ سلام عمداً ہے سہو سے نہیں م فرق پہلے مسئلہ میں اور اس مسئلہ میں یہ ہے کہ وہاں نماز کو پورا گمان کیا تھا اس لیے سلام سہواً قرار دیا گیا
اور یہاں قصداً دو پڑھنا جان کر سلام پھیرا اس لیے عمداً ہوا اور نہ سلام دونوں صورتوں میں عمداً سہو سے نہیں کذا فی الشامی **وقیل لاتبطل حتی یقصد بہ خطاب آدمی** اور ایک قول
یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوتی جب تک سلام سے کسی آدمی کا خطاب مقصود نہ ہو م یہ قول دوسرا بحث ہے صاحب بحر کی اور قول اول پر معتمد کتابوں میں یقین کیا ہے کذا فی الشامی
والسہو فی صلوۃ العید والجمعۃ والمکتوبۃ والتطوع سواء والمختار عند المتأخرین عدمہ فی الاولیین لدفع الفتنۃ کما فی جمعۃ البحر واقرہ المصنف وبہ جزم فی الدرر اور سہو نماز
عید اور جمعہ اور فرض اور نفل میں برابر ہے یعنی ہر ایک کے لیے سجدہ سہو کرنا چاہیے اور مختار متأخرین کے نزدیک نہ ہونا سجدۂ سہو کا ہے عید اور جمعہ میں واسطے دور
کرنے فتنہ کے چنانچہ باب الجمعہ بحرالرائق میں ہے اور ثابت رکھا ہے اس کو مصنف نے اور اسی پر یقین کیا ہے درر البحار میں م فتنہ سے مراد لوگوں کا تردد ہے یعنی عید و جمعہ
میں چونکہ مجمع بہت ہوتا ہے تو عجب نہیں کہ سجدہ سہو کرنے سے لوگ تشویش میں پڑ جائیں اس لیے متأخرین نے اختیار کیا ہے کہ نہ کرنا سجدہ کا ایسے مجمعوں میں اولیٰ ہے

کذا فی الطحاوی **واذا شک فی صلوٰتہ من لم یکن ذلک** ای الشک **عادۃ لہ** وقیل من لم یشک فی صلوٰۃ قط بعد بلوغہ وعلیہ اکثر المشائخ بحر عن الخلاصۃ **کم صلی استانف** بعمل مناف وبالسلام قاعدًا اولیٰ لانہ المحلل اور جب شک کرے اپنی نماز میں وہ نمازی کہ شک کرنا اس کی عادت نہ ہو اور بعض فقہا نے کہا ہے کہ اس نے کسی نماز میں کبھی شک نہ کیا ہو بعد بالغ ہونے کے یعنی یہ شک اول ہی مرتبہ کا ہو اور اسی قول پر ہیں اکثر مشائخ کذا فی البحر عن الخلاصہ شک اس بات میں کرے کہ نماز کتنی رکعتیں پڑھیں تو وہ نماز کو از سر نو پڑھے اور اس نماز کو قطع کر دے کسی عمل مخالف نماز سے اور سلام سے قطع کرنا بیٹھ کر اولیٰ ہے اس لیے کہ سلام حلال کرنے والا ہے یعنی نمازی کی تحریمہ کے اٹھانے کے لیے ہے **وان کثر شکہ عمل بغالب الظن ان کان لہ ظن للحرج والا اخذ بالاقل لتیقنہ وقعد فی کل موضع توہمہ موضع قعود ولو واجبا** لئلا یصیر تارکا فرض القعود او واجبہ اور اگر بہت ہو شک کرنا نمازی کا یعنی نمازی کو رکعتوں میں اکثر شک ہو جایا کرتا ہو تو عمل کرے اپنے گمان غالب پر اگر اس کو گمان ہو واسطے دور کرنے خفگی کے اگر یقین کامل کے موجب عمل کرنے کا حکم دیا جائے تو اس میں حرج ہوگا اس لیے گمان غالب پر عمل کرے اور اگر گمان غالب اس کو نہ ہو تو تھوڑی رکعتوں کو اختیار کرے بسبب یقینی ہونے کم کے یعنی مثلاً تین اور چار میں اگر شک ہے تو تین یقینی ہیں شبہ چوتھی میں ہوگا اور بیٹھے ہر جگہ میں کہ خیال کرے اس جگہ کو بیٹھنے کا مقام اگرچہ بیٹھنا واجب ہو اس لیے قعدہ کرے تاکہ تارک قعدہ فرض یا واجب کا نہ ہو مثلاً اول رکعت میں شک ہوا کہ یہ دوسری ہے یا اول اور گمان غالب اول ہونے کا ہے تو اول سمجھے اور اس کے آخر میں قعدہ کرے کیونکہ اس کے وہم کے موجب یہ دوسری بھی ہے تو محل قعدہ ہے اسی طرح دوسری رکعت کے آخر میں قعدہ کرے کہ وہ باعتبار ظن غالب کے دوسری ہے اسی طرح اگر غلبہ ظن اول ہونے کا نہ ہو تو اقل پر بنا کرنے میں یہی صورت کرے ہر چند ہر رکعت پر بیٹھنا بدعت ہے مگر ترک واجب یا فرض کی ضرورت سے اس کو اختیار کیا گیا کذا فی الشامی واعلم انہ **اذا شغلہ ذلک الشک فتفکر قدر اداء رکن ولم یشتغل حالۃ الشک بقراءۃ ولا تسبیح ذکرہ فی الذخیرۃ وجب علیہ سجود السہو فی جمیع صور الشک** سواء عمل بالتحری او بنی علی الاقل فتح لتاخیر الرکن اور جان رکھ کہ جب نمازی کو وہ شک روک دے اور بقدر ادا کرنے ایک رکن کے سوچے اور شک کی حالت میں قرأت اور تسبیح میں مشغول نہ ہو ذکر کیا ہے اس کو ذخیرہ میں واجب ہے اس پر سجدہ سہو کرنا سب صورتوں میں شک کی یعنی خواہ اس نے عمل غالب پر ظن کیا ہو یا کم پر بنا کی ہو کذا فی الفتح سجدہ سہو کرے بسبب تاخیر رکن کے م یعنی غلبہ ظن کی صورت میں اور امر یقینی کے اعتبار کرنے کی صورت میں اگر شک کرنے سے بقدر رکن تاخیر ہوئی ہو تو سجدہ کرے اور اس سے کم فکر کرنے میں سجدہ سہو نہیں کذا فی الطحاوی ولکن فی السراج انہ یسجد للسہو فی اخذ الاقل مطلقا وفی غلبۃ الظن ان تفکر قدر رکن لیکن سراج میں ہے کہ وہ سجدہ سہو کرے اقل کے اختیار کرنے میں مطلق خواہ مقدار رکن کی تامل کرے یا نہ کرے اور غلبہ ظن میں اگر فکر بقدر رکن کرے تو سجدہ کرے ورنہ نہ کرے **فروع** مسائل ملتقط شارح کے اخبرہ عدل بانہ ما صلی اربعا وشک فی صدقہ وکذبہ اعاد احتیاطا خبر دی اس کو ایک عادل یعنی سچے آدمی نے کہ اس نے چار رکعتیں نہیں پڑھیں اور اس نے شک کیا مخبر کے سچے اور جھوٹے ہونے میں تو اس نماز کو پھر سے پڑھے براہ احتیاط م اور اگر نمازی کو یقین ہو کہ میں نے پوری چار پڑھی ہیں تو مخبر کے قول پر لحاظ نہ کرے کذا فی الطحاوی ولو اختلف الامام والقوم فلو الامام علی الیقین لم یعد والا اعاد بقولہم اور اگر اختلاف کیا امام نے اور مقتدیوں نے پس اگر امام کو یقین ہو اپنے ٹھیک پڑھنے کا تو اعادہ نہ کرے اور اگر یقین نہ ہو تو مقتدیوں کے کہنے کے موجب نماز کا اعادہ کرے طحاوی نے کہا کہ پہلی صورت میں قوم اعادہ کرے کیونکہ ان کے ظن میں ان کی نماز فاسد ہے شک انہا ثانیۃ الوتر ام ثالثۃ قنت وقعد ثم صلی اخری وقنت ایضا فی الاصح شک کیا نمازی نے اس باب میں یہ کہ رکعت وتر کی دوسری ہے یا تیسری تو دعاء قنوت پڑھے اور قعدہ کرے پھر اور رکعت پڑھے اور اس میں بھی قنوت پڑھے صحیح تر قول میں م قول اصح کا مقابل یہ ہے کہ دوبارہ قنوت نہ پڑھے کہ بدعت ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ ترک واجب کی ضرورت سے احتیاطاً قنوت پڑھنے میں ہے کذا فی الشامی شک ہل کبر للافتتاح اولا او احدث اولا او اصابہ نجاسۃ اولا او مسح راسہ اولا استقبل ان کان اول مرۃ والا لا شک کیا کہ شروع کی تکبیر کہی یا نہیں خواہ یہ شک کیا کہ حدث ہوا یا نہیں خواہ یہ کہ کپڑے پر نجاست لگی یا نہیں خواہ یہ کہ مسح اپنے سر کا کیا یا نہیں تو اگر یہ شک اول مرتبہ ہے تو از سر نو کرے ورنہ نہیں م یعنی اول صورت میں نماز از سر نو پڑھے اور دوسری میں وضو کرے اور تیسری میں نجاست کو دھو کر پاک کرے اور چوتھی میں مسح کرے اور اگر شک اول دفعہ نہ ہو تو اس شک کا کچھ اعتبار نہیں طحاوی نے کہا کہ

یہ حکم اثناء وضو یا نماز میں شک ہونے کا ہے اور بعد فراغ کے شک کا اعتبار نہیں واختلف لو شک فی ارکان الحج فظاہر الروایۃ البناء علی الاقل وعلیک بالاشباہ فی قاعدۃ الیقین لایزول بالشک اور اختلاف کیا گیا ہے اس صورت میں کہ شک کیا حج کے ارکان میں اور ظاہر روایت ہے بنا کرنا کمتر پر یعنی اگر شک کیا کہ طواف زیارت مثلاً چار پھیرے پھرا ہے یا تین تو تین پر بنا کرے اور تجھ کو چاہیے کہ اشباہ کو دیکھے اس قاعدہ کے ذکر میں کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا مگر ظاہر روایت کا مقابل یہ ہے کہ غلبہ ظن پر عمل کرے کیونکہ رکن کا مکرر ہونا اور اس پر زیادتی کا ہونا حج کا مفسد نہیں اور بحر الرائق میں اس قول کو اکثر فقہا کی طرف منسوب کیا ہے کذا فی الطحاوی

باب صلوٰۃ المریض

یہ باب ہے بیمار کی نماز کے احکام میں من اضافۃ الفعل لفاعلہ او محلہ ومناسبتہ کون عارضا سماویا فتاخر بجود التلاوۃ ضرورۃ لفاقت صلوٰۃ کی مریض کی طرف از قبیل اضافت فعل کی ہے طرف فاعل کے یا اضافت فعل کی ہے طرف محل کے یعنی مریض یا فاعل نماز کا ہے یا محل نماز کا اور مناسبت اس باب کی سجدۂ سہو سے ہونا مرض کا ہے عذر آسمانی یعنی اس لحاظ سے سہو اور مرض دونوں یکساں ہیں اس لیے اس باب کو متصل سجدۂ سہو کے بیان کیا پھر پیچھے رہ گیا سجدۂ تلاوت ضرورت کی وجہ سے یعنی چاہیے تھا کہ سجدۂ سہو اور تلاوت پاس پاس بیان ہوتے کیونکہ دونوں جزو نماز ہوتے ہیں مگر صلوٰۃ مریض میں اس مناسبت کی رعایت کے سبب سے سجدۂ تلاوت پیچھے بیان ہوا کذا فی الطحطاوی من تعذر علیہ القیام ای کلہ لمرض حقیقی وحدہ ان یلحقہ بالقیام ضرر بہ یفتی قبلہا او فیہا ای الفریضۃ او حکمی بان خاف زیادۃ او بطوء برئہ بقیام او دوران رأسہ او وجد لقیامہ الما شدیدا او کان لو صلی قائما سلس بولہ او تعذر علیہ الصوم کما مر صلی قاعدا ولو مستندا الی وسادۃ او انسان فانہ یلزمہ ذلک علی المختار کیف شاء علی المذہب لان المرض اسقط عنہ الارکان فالہیئات اولی جس شخص پر کھڑا ہونا دشوار ہو یعنی سب قیام نہ کر سکتا ہو بسبب کسی مرض یعنی عذر حقیقی کے اس کی تعریف اس عذر کی جس سے نماز بیٹھ کر درست ہو یہ ہے کہ نمازی کو قیام سے ضرر پہنچے اسی پر فتوی ہے یہ دشواری قیام کی پہلے فرضوں سے ہو یا خود فرضوں کے اندر خواہ قیام نہ ہو سکے بسبب عذر حکمی کے اس طرح کہ خوف کرے بیماری کے بڑھ جانے کا یا اس کے دیر کر اچھا ہونے کا کھڑا ہونے کے باعث یا گھومنا اپنے سر کا یا پاوے اپنے قیام سے بہت سا درد یا ایسا ہو وے کہ اگر نماز کھڑا ہو کر پڑھے گا تو پیشاب جاری ہو جاوے گا یا روزہ رکھنا دشوار ہو جائے گا چنانچہ باب صفۃ الصلوٰۃ میں گذر چکا تو وہ شخص بیٹھ کر نماز پڑھے اگرچہ تکیہ پر یا کسی آدمی پر سہارا دے کر بیٹھے کیونکہ یہ بیٹھنا اس پر لازم ہے قول مختار کے بموجب اور بیٹھے جس طرح چاہے بموجب روایت مذہب کے اس لیے کہ مرض نے مریض سے ارکان کو ساقط کر دیا تو ہیئتوں کو بطریق اولی ساقط کر دے گا یعنی کسی خاص صورت پر بیٹھنا اس پر ضرور نہیں م شارح نے حقیقی اور حکمی کو صفت مرض کی ٹھہرایا حالانکہ مرض دونوں صورتوں میں حقیقی ہے اور یہ دونوں لفظ صفتیں عذر کی ہیں جیسا کہ مترجم نے ترجمہ کیا اور ضمیر حدہ کی اگر مرض حقیقی کی طرف پھیری جائے تو ہو نہیں سکتی کیونکہ مرض کی تعریف تو یہ ہے کہ جس کے بدن میں آنے سے اعتدال مزاج کا جاتا رہے اور اگر عذر حقیقی کی طرف پھیریں تب بھی نہیں بن سکتی کیونکہ عذر حقیقی قیام میں یہ ہے کہ کھڑا ہو تو گر پڑے ہاں جس عذر سے نماز بیٹھ کر مباح ہے اس کی طرف پھیر سکتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ شارح کی عبارت میں تسامح ہے کذا فی الشامی مختصرا وقال زفر کالتشہد قیل وبہ یفتی اور امام زفر نے فرمایا کہ بیٹھے مثل التحیات کے بیٹھنے کے کہتے ہیں کہ اسی پر فتوی ہے م تجنیس اور خلاصہ میں اس پر فتوی مذکور ہے اس وجہ سے کہ مریض پر ایسا بیٹھنا آسان ہے شامی نے کہا کہ یہ علت ناتمام ہے بلکہ آسانی تو اس میں ہے کہ کسی ہیئت خاص کا مقید نہ ہو جیسا کہ قول اول ہے حاصل یہ کہ اگر التحیات کی وضع آسان یا برابر ہو تو بہتر ہے کہ التحیات کی طرح بیٹھے ورنہ جونسی وضع اس کو سہل معلوم ہو اس طرح بیٹھے اور تشہد میں التحیات کی وضع ہو جائے بر کوع وسجود نماز پڑھے بیٹھ کر رکوع اور سجدہ سے یعنی اشارہ سے نہ پڑھے اس لیے کہ جن ارکان کو کامل ادا کر سکتا ہے ان کو ناقص کرنا نہیں چاہیے بدون ضرورت کے وان قدر علی بعض القیام ولو متکئا علی عصا او حائط قام لزوما بقدر ما یقدر ولو قدر آیۃ او تکبیرۃ علی المذہب لان البعض معتبر بالکل اور اگر قادر ہو نمازی تھوڑے قیام پر اگرچہ لاٹھی یا دیوار کے سہارے سے کھڑا ہو سکے تو کھڑا ہو بطور وجوب کے جس قدر کہ قیام پر قادر ہو اگرچہ ایک آیت یا اللہ اکبر کی قدر ہو بموجب روایت مذہب کے کیونکہ بعض کا حکم مثل کل کے ہے یعنی جیسے کل قیام پر قادر ہونے سے سارا قیام لازم ہے اسی طرح بعض پر قادر ہونے سے بعض لازم ہو گا م شامی نے ہندوانی سے نقل کیا کہ جس

شخص کو تھوڑے سے قیام پر قدرت ہو تو اس کو حکم کیا جائے کہ تکبیر تحریمہ کھڑا ہو کر کرے اور جس قدر قرأت کھڑا ہو کر پڑھ سکے اتنی پڑھے پھر بیٹھ جائے اگر کھڑا نہ رہ سکے اور یہی مذہب ترجیح ہے اس کے خلاف ہمارے ائمہ سے مروی نہیں اور اگر کوئی شخص اس طرح نہ کرے گا تو مجھے ڈر ہے کہ اس کی نماز درست نہ ہو اور اگر بے سہارے کھڑا ہونے سے عاجز ہو تو سہارے سے کھڑا ہو ورنہ اس کی نماز کافی نہ ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ذرا سے عذر میں بیٹھ کر نماز پڑھنے لگتے ہیں اور یقینا بقدر دو چار آیتوں کے کھڑا ہونے سے ان کو کچھ ضرر نہیں ہوتا ان کی نماز نہیں ہوتی اور طرفہ یہ کہ گھر سے اپنے پاؤں چل کر آتے ہیں اور فرض نماز میں بیٹھ کر نیت باندھتے ہیں پس اس کا یاد کرنا ضرور ہے کہ لوگ اس سے غافل ہیں وان تعذر لیس تعذرہما شرطا بل تعذر السجود کاف لا القیام اوما بالہمزۃ قاعدا وہو افضل من الایماء قائما لقربہ من الارض ویجعل سجودہ اخفض من رکوعہ لزوما ولا یرفع الی وجہہ شیئا یسجد علیہ فانہ یکرہ تحریما اور اگر رکوع اور سجدہ دونوں نہ ہو سکیں تو اشارہ کرے بیٹھ کر اور بیٹھ کر اشارہ سے پڑھنا افضل ہے کھڑے ہو کر اشارہ کرنے سے بسبب قریب ہونے بیٹھے ہوئے کے اشارہ کی زمین سے یعنی مشابہت سجدہ کی اس صورت میں زیادہ ہے اور کرے اپنے سجدہ کو زیادہ پست بہ نسبت رکوع کے بطور لزوم کے یعنی بدون اس کے سجدہ جائز نہ ہوگا اور نہ اٹھائے کوئی چیز اپنے چہرہ کی طرف تاکہ اس پر سجدہ کرے کہ یہ فعل مکروہ تحریمی ہے شارح نے کہا کہ رکوع اور سجدہ دونوں کا متعذر ہونا شرط نہیں بلکہ سجدہ کا نہ ہو سکنا اشارہ کے لیے کافی ہے نہ قیام کا متعذر ہونا اور اوما ہمزہ سے ہے یعنی مہموز اللام ہے م شامی نے کہا کہ لا القیام عطف ہے ضمیر متصل وان تعذر پر اور سجدہ کے لیے کوئی چیز اٹھانے ورنہ مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر وہ چیز زمین پر رکھی ہو تو مکروہ نہیں اس لیے کہ ثابت ہوا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے بیماری کی جہت سے ایک تکیہ پر سجدہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع نہیں فرمایا فان فعل بالبناء للمجہول ذکرہ العینی وہو یخفض براسہ لسجودہ اکثر من رکوعہ صح علی انہ ایماء لا سجود الا ان یجد قوۃ الارض والا یخفض لا یصح لعدم الایماء پس اگر کوئی چیز اٹھائی جاوے اور نمازی اپنا سر زیادہ پست کرتا ہو بہ نسبت رکوع کے تو سجدہ کرنا درست ہوگا اور یہ اشارہ ہی متصور ہوگا نہ سجدہ مگر اس صورت میں کہ پاوے زمین کی سختی تو سجدہ ہی ہوگا اور اگر سر کو پست نہ کرتا ہو تو صحیح نہ ہوگا بسبب نہ ہونے اشارہ کے شارح نے کہا فعل بصیغہ مجہول ہے ذکر کیا ہے اس کو عینی نے م حلبی نے کہا کہ مجہول ہونا کچھ ضرور نہیں بلکہ ماتن کا قول ولا یرفع ظاہرا اسی کا مقتضی ہے کہ بصیغہ معروف ہو اور اشارہ ہی متصور ہوگا اس کے یہ معنی کہ اگر کوئی رکوع سجدہ کرنے والا اس کا اقتدا کرے گا تو جائز نہ ہوگا اور سر کو پست نہ کرنے کی یہ صورت کہ کوئی چیز اٹھا کر سجدہ کے لیے سر کو لگائے بالکل نہ جھکے یا جھکے مگر رکوع سے کم یا برابر تو سجدہ جائز نہ ہوگا کذا فی الشامی وان تعذر القعود ولو حکما اوما مستلقیا علی ظہرہ ورجلاہ نحو القبلۃ غیر انہ ینصب رکبتیہ لکراہۃ مد الرجل الی القبلۃ ویرفع راسہ یسیرا لیصیر وجہہ الیہا او علی جنبہ الایمن او الایسر ووجہہ الیہا والاول افضل علی المعتمد اور اگر دشوار ہو نمازی کو بیٹھنا اگرچہ حکمی تعذر ہو تو وہ چت لیٹ کر اشارہ کرے اور دونوں پاؤں قبلہ کی جانب کرے لیکن گھٹنوں کو کھڑا کرے بسبب مکروہ ہونے پاؤں پھیلانے کے قبلہ کی طرف اور ابھارے سر اپنا تھوڑا سا تاکہ ہو جاوے اس کا چہرہ قبلہ کی طرف یا لیٹے داہنے یا بائیں کروٹ پر اور منہ کرے قبلہ کی طرف اور چت لیٹنا افضل ہے قول معتمد کے بموجب م حکمانہ بیٹھ سکنے کی مثال یہ ہے کہ مثلاً طبیب نے کہہ دیا ہو کہ ایک یا دو دن لیٹے رہنا اٹھنا بیٹھنا ترک کر دینا اور لیٹ کر ابھارنا اس لیے تاکہ مشابہ بیٹھنے والے کے ہو جاوے ورنہ اشارہ رکوع اور سجدہ کا لیٹے ہوئے تندرستوں سے ہو سکتا ہے پھر جائے کہ مریض سے اور قول معتمد کا مقابل یہ ہے کہ کروٹ پر لیٹنا درست نہیں مگر اس صورت میں کہ چت لیٹنا ممکن نہ ہو کذا فی الطحطاوی وان تعذر الایماء براسہ وکثرت الفوائت بان زادت علی یوم ولیلۃ سقط القضاء عنہ وان کان یفہم فی ظاہر الروایۃ وعلیہ الفتوی کما فی الظہیریۃ لان مجرد العقل لا یکفی لتوجہ الخطاب اور اگر اشارہ سر سے بھی دشوار ہو جائے اور فوائت بہت ہو جائیں اس طرح کہ بڑھ جاویں ایک دن اور رات پر تو ساقط ہو جاتی ہے اس مریض پر سے قضا اگرچہ سمجھتا ہے قضا ظاہر روایت میں اور قضا کے ساقط ہونے پر فتوی ہے جیسا کہ ظہیریہ میں ہے اس لیے کہ صرف عقل کا ہونا خطاب شرعی کے متوجہ ہونے کو کافی نہیں م یہ مسئلہ چار طرح پر ہے اول یہ کہ مرض دن رات سے زیادہ رہا اور اس کو ہوش نہ رہا تو اس صورت میں بالاتفاق حالت مرض کی نماز کی قضا نہیں دوسرے

ف باوجود قدرت تھوڑے سے قیام کے نماز بیٹھ کر پڑھنی نہ چاہیے "

یہ کہ مرض بے ہوشی کے ساتھ دن رات سے کم رہا یا یہ کہ دن رات رہا مگر عقل قائم رہی تو اس صورت میں نماز قضا پڑھے اجماعاً تیسرے یہ کہ دن رات سے زیادہ مرض رہا اور عقل بنی رہی چوتھے یہ کہ دن رات سے کم رہا اور عقل نہ رہی تو یہ دونوں صورتیں محل اختلاف ہیں ظاہر الروایۃ میں قضا پڑھنا معلوم ہوتا ہے اور ہدایہ میں اسی کی تصحیح کی ہے مگر صاحب ہدایہ نے اپنی کتاب تجنیس میں ترجیح عدم قضا کو دی ہے اور قاضی خان وغیرہ محققین نے بھی عدم قضا کو ترجیح دی ہے کذافی الطحطاوی ولااداء بسقوط الارکان سقوط الشرائط عند العجز بالاولی ولا یعید فی ظاہر الروایۃ بدائع اور ارکان کے ساقط ہونے سے عاجزی کے وقت ساقط ہونا شرائط کا بطریق اولیٰ اور اعادہ نہ کرے ان نمازوں کا جو ارکان یا شرائط کے ساقط ہونے سے پڑھے ظاہر الروایت میں کذافی البدائع یعنی جیسے ارکان عاجزی کے باعث ساقط ہوجاتے ہیں تو شرائط بطریق اولیٰ ساقط ہوجائیں گے مثلاً استقبال قبلہ اور ستر عورت اور طہارت نجاست حقیقی سے عاجزی کے وقت ساقط ہوجاتی ہیں، ہاں وقت ساقط نہیں ہوتا شارح کو مناسب تھا کہ اس مسئلہ کو وان تعذر الایماء سے پیشتر بیان کرتا کیونکہ ایماء کے متعذر ہونے سے تو نماز ہی ساقط ہوجاتی ہے اور اس سے پیشتر ذکر سقوط ارکان کا تھا تو انھیں کی ذیل میں اس مسئلہ کا ہونا بہتر تھا کذافی الشامی ولو اشتبہ علی مریض اعداد الرکعات والسجدات لنعاس یلحقہ لا یلزمہ الاداء ولو اداہا بتلقین غیرہ ینبغی ان یجزیہ کذافی القنیۃ اور اگر مریض کو یاد نہ رہتا ہو رکعتوں اور سجدوں کا شمار بسبب اونگھ کے کہ اس کو لاحق ہوتی ہے تو اس پر ادائے نماز لازم نہیں اور اگر ادا کرے گا نماز کو دوسرے شخص کے سکھلانے سے تو چاہیے کہ کافی ہو اس کو کذافی القنیۃ م اس میں یہ اعتراض ہے کہ دوسرے کا بتلانا تعلیم و تعلم ہے اور وہ مفسد نماز ہے تو کافی کیسے ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تعلیم و تعلم نہیں بلکہ یاد دہانی اور خبردار کرنا ہے جیسے بیچ کا شخص بڑے مجمع میں امام کی آواز اللہ اکبر کی دوسروں کو پہنچاتا ہے کذافی الشامی ولم یوم بعینہ وقلبہ وحاجبہ خلافا لزفر رحمہ اللہ اور اشارہ نہ کرے اپنی آنکھ اور دل اور ابرو سے بخلاف امام زفرؒ کے کہ ان کے نزدیک سر سے اشارہ نہ کرسکے تو ابرو سے کرے اور اس سے عاجز ہو تو آنکھ سے کرے اور اس سے بھی عاجز ہو تو دل سے کرے اور ہماری دلیل حدیث عمران اور ابن عمر کی ہے کہ اگر اشارہ سر سے نہ کرسکے تو اللہ تعالیٰ اس کے عذر کو زیادہ تر قبول فرمانے کا مستحق ہے کذافی البحر ولو عرض لہ مرض فی صلوتہ یتم بما قدر علی المعتمد اور اگر لاحق ہوا نمازی کو مرض اس کی نماز میں تو تمام کرے نماز کو ان افعال سے جس پر قادر ہو قول معتمد کے بموجب یعنی خواہ بیٹھ کر رکوع اور سجدہ سے یا اشارہ سے خواہ لیٹ کر اس لیے کہ بقیہ نماز ادنیٰ ہے تو ادنیٰ کی بنا اعلیٰ پر درست ہے کذافی البحر اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ از سر نو پڑھے کذافی الحلبی ولو صلی قاعدا برکوع وسجود فصح بنی ولو کان یصلی بالایماء فصح لا یبنی الا اذا صح قبل ان یومی بالرکوع والسجود اور اگر نمازی پڑھے بیٹھ کر رکوع اور سجدہ سے پھر اچھا ہوگیا یعنی قادر ہوگیا کھڑا ہونے پر تو باقی نماز پہلی پر بنا کرے یعنی کھڑا ہو کر پوری کرے اور اگر اشارہ سے پڑھتا ہو اور تندرست ہوجائے یعنی رکوع اور سجدہ پر قادر ہوجائے تو بنا کرے مگر اس صورت میں کہ رکوع اور سجدہ کے لیے اشارہ کرنے سے پیشتر ہی تندرست ہوگیا ہو عدم بنا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ رکوع و سجدہ والی نماز کی بنا اشارہ والی پر جائز نہیں اقتدا پر قیاس کرنے سے کما لو کان یومی مضطجعا ثم قدر علی القعود ولم یقدر علی الرکوع والسجود فانہ یستانف علی المختار لان حالۃ القعود اقوی فلم یجز بناؤہ علی الضعیف جیسے اگر اشارہ کرتا ہو لیٹا ہوا پھر قادر ہوجائے بیٹھنے پر اور نہ قادر ہو رکوع اور سجدہ پر کہ وہ نماز از سر نو پڑھے قول مختار کے بموجب کیونکہ بیٹھنے کی حالت قوی تر ہے بہ نسبت لیٹنے کے اس لیے قوی کی بنا ضعیف پر جائز نہ ہوئی وللمتطوع الاتکاء علی شئ کعصا وجدار مع الاعیاء ای التعب بلا کراہۃ وبدونہ یکرہ وللقعود بلا کراہۃ مطلقا ہو الاصح ذکرہ الکمال وغیرہ اور نفل پڑھنے والے کو جائز ہے سہارا دینا کسی چیز پر مثل لاٹھی یا دیوار کے ساتھ تھکنے کے بدون کراہت کے اور بدون تھکنے کے سہارا دینا مکروہ تنزیہی ہے کہ ایک طرح کی بے ادبی ہے اور نفل پڑھنے والے کو جائز ہے بیٹھ جانا بدون کراہت کے ہر حال میں یعنی عذر سے ہو یا بے عذر یہی صحیح تر ہے ذکر کیا ہے اس کو کمال وغیرہ نے اور ہدایہ میں ہے کہ بدون عذر مکروہ ہے اور قول اصح یہ ہے کہ مکروہ نہیں کیونکہ جب ابتداءً اس کو بیٹھ کر پڑھنے کا اختیار تھا تو تمام کرنے کے لیے بیٹھ جانے کا اختیار کیوں نہ ہوگا کذافی الشامی صلی الفرض فی فلک جاریۃ قاعدا بلا عذر صح لغلبۃ العذر واساء وقالا لا یصح الا بعذر

وہو الاظہر برہان پڑھا نمازی نے فرضوں کو چلتی کشتی میں بیٹھ کر بدون عذر کے تو صحیح ہے بسبب اکثر ہونے عذر کے یعنی دوران سر کھڑے ہونے سے اکثر ہوا
کرتا ہے کذا فی الطحطاوی اور برا کیا کہ بیٹھ کر پڑھا اگر کھڑا ہونا ممکن تھا اور صاحبین نے فرمایا کہ فرض درست نہ ہوں گے بدون عذر کے اور یہی ظاہر تر ہے
کذا فی البرہان م شامی نے حاوی قدسی سے نقل کیا کہ صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے والمربوطۃ فی الشط کالشط فی الاصح اور بندھی ہوئی کشتی کنارہ میں مثل کنارہ
کے ہے صحیح تر قول میں م یعنی اس میں فرض بیٹھ کر جائز نہیں بالاتفاق پھر ظاہر ہدایہ اور نہایہ وغیرہ کا یہ ہے کہ کنارہ پر بندھی کشتی میں فرض کھڑے ہو کر درست
ہیں خواہ زمین پر ٹھہری ہو یا نہیں اور ایضاح میں ہے کہ اگر کشتی زمین پر ٹھہری ہو تب تو فرض درست ہوں گے کہ اس کا حکم زمین کا سا ہے اور اگر ٹھہری نہ ہو
گی تو اگر نمازی اس پر سے کنارہ پر اتر سکتا ہے تو فرض درست نہ ہوں گے نیچے اتر کر پڑھے کیونکہ اس وقت میں اس کا حکم سواری کے جانور کا سا ہے اور
اگر اترنا ممکن نہ ہو تو کھڑے ہو کر پڑھنا درست ہے کذا فی الطحطاوی والمربوطۃ بلجۃ البحر ان کان الریح یحرکہا شدیدا فکالسائرۃ والا فکالواقفۃ اور بندھی
ہوئی موج دریا میں اگر ہوا اس کو سخت حرکت دیتی ہو تو وہ مثل جاری کے ہے اور اگر ہوا نہ ہلاتی ہو تو مثل کھڑی ہوئی کے ہے یعنی پہلی صورت میں نماز فرض بیٹھ
کر جائز ہے اور دوسری میں جائز نہیں کذا فی الطحطاوی ویلزم استقبال القبلۃ عند الافتتاح وکلما دارت اور لازم ہے قبلہ رخ ہونا تکبیر تحریمہ کے وقت اور جب کہ
کشتی گھوم جائے م یعنی اس پر سب کا اتفاق ہے کہ قبلہ رخ رہے گو کشتی گھومتی جاوے اور اگر قبلہ رخ ہونا ممکن نہ ہو تو نماز میں تاخیر کرے جب تک کہ خوف
وقت کے جانے کا نہ ہو اور اگر خوف ہو تو ظاہر ہے کہ قبلہ عاجز شخص کے حق میں وہی ہوتا ہے جس طرف کہ وہ قادر ہو کذا فی الشامی ولو ام قوما فی فلکین مربوطتین
صح والا لا اور اگر امام ہوا ایک قوم کا دو کشتیوں بندھی ہوئی میں تو صحیح ہے ورنہ صحیح نہیں م بندھی ہوئی سے یہ غرض ہے کہ پاس پاس ہوں فاصلے نہ ہوں کیونکہ
پاس ہونے میں دونوں کا حکم ایک مکان کا سا ہے کذا فی الشامی ومن جن او اغمی علیہ ولو بفزع من سبع او آدمی یوما ولیلۃ قضی الخمس وان زاد وقت
صلوٰۃ سادسۃ لا للحرج ولو افاق فی المدۃ فان لافاقتہ وقت معلوم قضی والا لا اور جو شخص مجنون ہوا یا بے ہوش ہوا اگرچہ کسی درندہ یا آدمی کے خوف سے بے ہوش
ہوا ہو ایک دن رات تو وہ پانچ نمازیں قضا پڑھے اور اگر بڑھ جاوے بے ہوشی پر وقت چھٹے نماز کا تو قضا نہ پڑھے بسبب حرج کے اور اگر دن رات میں
اس کو افاقہ ہوتا ہو تو اگر افاقہ کا وقت معین ہو تب تو قضا پڑھے ورنہ قضا نہ پڑھے م مثلاً دن رات بے ہوش رہتا ہے مگر صبح کو ہوش میں آتا ہے تو اول کی بے
ہوشی بے کار ہوگی اور قضا پڑھنی پڑے گی اور اگر وقت ہوش کا معین نہیں یکایک ہوش میں ہو جاتا ہے تو اس ہوش کا اعتبار نہیں کذا فی الطحطاوی زال
عقلہ ببنج او خمر او دواء لزمہ القضاء وان طالت لانہ بصنع العباد کالنوم زائل ہوئی عقل نمازی کی بوٹی یا شراب یا کسی دوا سے تو اس کو قضا پڑھنا بے عقلی
کے وقت کی نمازوں کا لازم ہے اگرچہ مدت بے ہوشی بہت ہو اس لیے کہ یہ بے ہوشی خود بندوں کے کرنے سے ہے مثل سو رہنے کے تو جیسا سونے سے قضا
ساقط نہیں ہوتی اسی طرح کچھ کھا کر بے ہوش ہونے سے ساقط نہ ہوگی م بنج بفتح موحدہ نام ایک بوٹی کا ہے جو بہندالانی ہے سوائے بھنگ کے کذا فی الطحطاوی
اور بعضوں نے کہا کہ اجوائن خراسانی ہے ولو قطعت یداہ ورجلاہ من المرفق والکعب وبوجہہ جراحۃ صلی بغیر طہارۃ ولا یتیمم ولا یعید ہو الاصح وقدم
فی التیمم وقیل لا صلوٰۃ علیہ وقیل یلزمہ غسل موضع القطع اور اگر کٹے ہوں دونوں ہاتھ نمازی کے کہنی سے اور دونوں پاؤں ٹخنے سے اور اس کے چہرہ میں زخم ہے
تو وہ نماز پڑھے بدون وضو اور تیمم کے اور ان کا اعادہ نہ کرے یہی صحیح تر ہے اور یہ مسئلہ گذر گیا تیمم میں اور بعضوں نے کہا کہ اس شخص پر نماز نہیں اور بعضوں
نے کہا کہ اس پر لازم ہے دھونا کٹی جگہ کا م یہ دونوں قول مقابل قول اصح کے ہیں اور لزوم غسل اس صورت میں ہے کہ اس کو وضو کرانے والا موجود ہو کذا فی الطحطاوی
فروع مسائل ملحقہ شارح کے امکن الغریق الصلوٰۃ بالایماء بلا عمل کثیر لزمہ الاداء والا لا قادر ہوا ڈوبتا آدمی نماز پڑھنے پر اشارہ سے بدون عمل کثیر کے تو اس کو
ادا پڑھنا لازم ہے اور اگر بدون عمل کثیر کے نہ پڑھ سکے تو ادا لازم نہیں قضا لازم ہے م بدون عمل کثیر کے اس طرح کہ کوئی چیز سہارے کو مل گئی ہو یا تیرنا خوب
جانتا ہو کذا فی البحر امرہ الطبیب بالاستلقاء لنزع الماء من عینہ صلی بالایماء لان حرمۃ الاعضاء کحرمۃ النفس حکم کیا نمازی کو طبیب حاذق مسلمان نے چت لیٹے رہنے کا

بسبب پانی نکال ڈالنے کے اس کی آنکھ سے تو وہ نماز اشارہ سے پڑھے اس لیے کہ حرمت اعضا کی مثل حرمت نفس کے ہے یعنی جیسے جان کا بچانا فرض ہے ویسے ہی اعضا کا بچانا فرض ہے م نزع بفتح نون وسکون زاء معجمہ وعین بمعنی نکالنا اور بعض نسخوں میں بزغ ہے بفتح موحدہ وسکون زاء معجمہ وغین معجمہ بمعنی پچھنے لگانے کے کذا فی الطحطاوی مریض تحتہ ثیاب نجسۃ وکلما بسط شیئ تنجس من ساعتہ صلی علی حالہ وکذا لولم یتنجس الا انہ یلحقہ مشقۃ بتحریکہ ایک بیمار ہے جس کے نیچے نجس کپڑے ہیں اور جب کوئی چیز بچھائی جاتی ہے فوراً ناپاک ہو جاتی ہے تو وہ بیمار اسی حال پر نماز پڑھے اور اسی طرح اگر ناپاک فوراً نہ ہوتے ہوں مگر ان کے دور کرنے سے بیمار کو حرکت کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہو تب بھی نماز انھیں ناپاک کپڑوں میں پڑھے کہ اس کے حق میں پاک ہیں واللہ اعلم

باب سجود التلاوۃ

یہ باب ہے سجدۂ تلاوت کے احکام میں من اضافۃ الحکم الی سببہ سجدہ کی اضافت طرف تلاوت کے اضافت حکم کی ہے طرف اپنے سبب کے م طحطاوی نے کہا کہ حکم تو وجوب سجدہ ہے نہ خود سجدہ تو اگر شارح حکم کی جگہ فعل کہتا تو مناسب تھا یا یہ کہ حکم بمعنی محکوم بہ یعنی فعل کے لیا جائے تجب بسبب تلاوۃ آیۃ ای اکثرہا مع حرف السجدۃ من اربع عشر آیۃ . . . . اربع فی النصف الاول وعشر فی النصف الثانی واجب ہے ایک سجدہ بسبب پڑھنے ایک آیت کے چودہ آیتوں سجدہ سے شارح نے کہا ایک آیت سے غرض اکثر آیت ہے لفظ سجدہ کے ساتھ اور چودہ سجدوں میں سے چار قرآن مجید کے نصف اول میں ہیں اور دس نصف دوم میں م پس اگر آیت سجدہ کو لکھے یا ہجے کرے تو سجدہ واجب نہ ہوگا اسی طرح ساری آیت میں سے اگر کلمہ سجدہ کو پڑھے یا اکثر آیت پڑھے مگر کلمہ سجدہ کو چھوڑ دے تو سجدہ واجب نہ ہوگا کذا فی الطحطاوی شامی نے کہا کہ وجوب عام ہے خواہ تلاوت آیت نماز میں ہو یا نماز سے خارج اور یہ بات قابل یاد رکھنے کے ہے کہ سجدہ سورۂ نمل میں رب العرش العظیم پر اور سورۂ ص میں حسن مآب پر اور حم سجدہ میں لایسئمون پر ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک تعبدون پر ہے مگر چونکہ وائل بن حجر اور ابن عباس سے لایسئمون پر مروی ہے اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ لایسئمون پر سجدہ کیا جاوے کیونکہ سجدہ میں ایک آیت کی تاخیر مضر نماز نہیں اور ایک آیت کی تقدیم سے نماز فاسد ہوتی ہے اور یہی دلیل سورۂ ص میں بھی ہے گو زیلعی نے اناب پر سجدہ لکھا ہے منہا اولی الحج اما ثانیۃ فصلوتیۃ لاقترانہا بالرکوع وص خلافاً للشافعی واحمدؒ ولنفی مالکؒ سجود المفصل ان چودہ سجدوں میں سے پہلا سجدہ سورۂ حج کا ہے اور دوسرا سجدہ سورہ مذکور کا وہ تلاوت کا نہیں بلکہ مراد اس سے نماز کا سجدہ ہے بسبب متصل ہونے اس سجدہ کے رکوع سے اور ایک سجدہ سورۂ ص کا ہے بخلاف امام شافعی اور احمدؒ کے کہ ان کے نزدیک سورۂ ص میں سجدہ نہیں اور حج میں دو سجدہ ہیں غرض کہ شمار سجدہ کا ان کے نزدیک بھی چودہ ہے اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ مفصل صورتوں میں سجدہ نہیں یعنی سورۂ نجم اور اذا السماء انشقت اور اقرأ میں ان کے نزدیک سجدہ نہیں تو ان کے نزدیک تعداد گیارہ ہے م اگر شافعی کے پیچھے حنفی نے نماز پڑھی اور اس نے سورۂ حج کے دوسرے سجدہ پر سجدہ کیا تو متابعت واجب ہے اور خارج نماز اگر سنے گا تو اس پر سجدہ نہیں کذا فی الطحطاوی بشرط سماعہا فالسبب التلاوۃ وان لم یوجد السماع کتلاوۃ الاصم والسماع شرط فی حق غیر التالی ولو بالفارسیۃ اذا اخبر واجب ہے سجدۂ تلاوت بشرط سننے آیت سجدہ کے یعنی سبب سجدہ کے تین ہیں اوّل تلاوت اگرچہ سماع نہ پایا جائے جیسے پڑھنا بہرے آدمی کا دوم سننا آیت سجدہ کا یہ شرط ہے پڑھنے والے کے سوا دوسرے شخص کے حق میں اگرچہ فارسی میں ہو جب کہ خبر دیا جاوے اور اگر اس کو خبر نہ ہو کہ آیت سجدہ ہے تو معذور رہے تیسرے سبب کو ماتن آگے بیان کرتا ہے او بشرط الائتمام م طحطاوی نے کہا کہ شارح کو مناسب تھا کہ غیر التالی والمؤتم کہتا کیونکہ مقتدی کو سننا شرط نہیں حالانکہ غیر تالی میں وہ بھی داخل ہے او بشرط الائتمام ای الاقتداء بمن تلاہا فانہ سبب لوجوبہا ایضا وان لم یسمعہا ولم یحضرہا للمتابعۃ یا سجدۂ تلاوت واجب ہے بشرط مقتدی ہونے کے اس شخص کے پیچھے جو آیت سجدہ کو پڑھے کہ اقتدا کرنا بھی سبب ہے سجدہ کے واجب ہونے کا اگرچہ مقتدی آیت سجدہ کو نہ سنے اور نہ موجود ہو آیت سجدہ کے پڑھنے کے وقت یعنی گو امام نے اقتدا سے پہلے سجدہ کی آیت پڑھ لی ہو تب بھی سجدہ واجب ہے بسبب واجب ہونے متابعت امام کے م اقتدا سے واجب ہونے میں یہ بھی شرط ہے کہ امام سجدہ کرے اور اگر امام سجدہ نہ کرے تو مقتدی پر واجب

نہیں اگرچہ آیت کو سنا ہو کذا فی شرح المنیۃ شامی نے کہا کہ شارح کو مناسب تھا کہ فانہ سبب کی جگہ فانہ شرط کہتا تاکہ لشرط الاقتداء کے موافق ہوتا ولو تلاہا المؤتم
لم یسجد المصلی اصلا لا فی الصلوٰۃ ولا بعدہا اور اگر پڑھے آیت سجدہ کو مقتدی تو نہ سجدہ کرے نماز پڑھنے والا ہرگز نہ نماز میں نہ بعد نماز کے م یعنی نہ تو وہ پڑھنے والا سجدہ
کرے اور نہ امام اور نہ دوسرے مقتدی اس کے ساتھ والے بخلاف الخارج لان الحجر ثبت لمعنیین فلا یعدوہم حتی لو دخل معہم سقطت بخلاف خارج کے کہ وہ سجدہ
کرے اس لیے کہ روک یعنی قرأت کی ممانعت ثابت ہوئی ہے معین شخصوں کے لیے تو ان سے تجاوز نہ کرے گی یہاں تک کہ اگر خارج نماز میں داخل ہوگا ان کے
ساتھ تو اس پر بھی سجدہ ساقط ہو جائے گا م خارج سے مراد وہ شخص ہے کہ بالکل نماز نہ پڑھتا ہو یا وہ کہ دوسری نماز پڑھتا ہو خواہ اکیلا خواہ دوسرا امام ہو کذا فی الحلبی
شامی نے کہا کہ علت مسئلہ کی جو شارح نے بیان کی اس میں امام داخل نہیں اس لیے کہ اس کو ممانعت قرأت کی نہیں تو تعلیل وہ خوب ہے جو شرح منیہ میں
ہے کہ اگر مقتدی کے پڑھنے سے امام سجدہ کرے تو متبوع تابع ہو جاوے گا ولا تجب علی من تلاہا رکوعہا او سجودہا او تشہدہا للحجر فیہا عن القراءۃ اور نہیں واجب
ہے سجدہ اس شخص پر کہ پڑھے آیت سجدہ کو اپنے رکوع یا سجدہ میں یا التحیات میں واسطے ممانعت کے ان ارکان میں قرأت سے م اور مرغینانی نے کہا کہ سجدہ واجب
ہے اور نماز کے اندر اس کو ادا کرے اور فرق اس مسئلہ میں اور مقتدی کے مسئلہ میں یہ بیان کیا ہے کہ مقتدی کو امام کی جہت سے قرأت کی روک ہے اور امام
کا تصرف اس پر جاری ہے اس لیے اس کے تصرف کا اعتبار نہیں بخلاف اس مسئلہ کے کہ یہاں رکوع کرنے والا قرأت سے ممنوع ہے مثل جنب کے تو جیسے جنب کے
پڑھنے سے سجدہ اس پر واجب ہوتا ہے ویسا ہی یہاں بھی واجب ہونا چاہیے اور شامی نے وجوب ہی کو ترجیح دی ہے بشروط الصلوٰۃ المتقدمۃ خلا التحریمۃ ونیۃ
التعیین سجدہ واجب ہے ساتھ شرطوں نماز کے جو پہلے گذریں یعنی طہارت اور ستر عورت اور قبلہ رخ ہونے کے ساتھ سوا تحریمہ اور نیت تعیین کے یعنی سجدہ
کے لیے جدا تحریمہ کرنا اور یہ کہ فلاں آیت کا سجدہ ہے شرط نہیں مگر یہ نیت کہ یہ سجدہ تلاوت ہے اس کے مشروط ہونے میں کلام نہیں ویفسدہا ما یفسدہا ورکنہا
السجود وبدلہا کرکوع مصل وایماء مریض وراکب اور فاسد کرتی ہے سجدہ تلاوت کو وہ چیز جو نماز کی مفسد ہے یعنی دانستہ حدث اور قہقہہ اور کلام سے فاسد ہو جاتا
اور اس پر اعادہ اس کا واجب ہے شامی نے کہا کہ عورت کی محاذات سے فاسد نہیں ہوتا اور سجدۂ تلاوت کے اندر قہقہہ سے وضو نہیں جاتا اور رکن اس کا سجدہ
کرنا ہے یا بدل سجدہ کا جیسے رکوع کرنا نماز پڑھنے والے کا اور اشارہ بیمار کا اور اشارہ سوار کا م رکوع میں نمازی کی قید اس لیے لگائی کہ خارج نماز اگر سجدہ کی جگہ
رکوع کرے گا تو کافی نہ ہوگا اور بیمار اگرچہ آیت سجدہ حالت صحت میں پڑھے اور بیماری میں اشارہ سے ادا کرے جائز ہوگا اور سوار پر سجدہ اگر حالت سواری
میں شہر کے باہر واجب ہوا ہو تب تو سواری پر اشارہ سے ادا ہو جائے گا گو بیچ میں اتر پڑا ہو اور اگر سجدہ واجب زمین پر ہوا ہو تو اس کا ادا کرنا سواری پر کافی
نہ ہوگا کذا فی الشامی وہی سجدۃ بین تکبیرتین مسنونتین جہرا وبین قیامین مستحبین بلا رفع ید وتشہد وسلام اور سجدہ تلاوت ایک سجدہ ہے درمیان دو
تکبیروں مسنون کے پکار کر یعنی ایک بار اللہ اکبر کہے سر رکھنے کو اور دوسری بار اٹھانے کو اور اکیلا اتنا جہر کرے کہ اپنے آپ سنے اور امام اتنا کرے کہ اوروں
کو آواز جاوے اور درمیان دو مستحب قیام کے یعنی کھڑا ہو کر سجدہ میں جانا اور بعد سجدہ کے کھڑا ہو جانا مستحب ہے بدون ہاتھ اٹھانے کے اللہ اکبر کہنے کے وقت
اور بدون التحیات اور سلام کے وفیہا تسبیح السجود فی الاصح اور سجدۂ تلاوت میں تسبیح سجدہ کی ہے صحیح تر قول میں یعنی سبحان ربی الاعلیٰ تین بار کہے م فتح القدیر
میں کہا کہ اگر نماز فرض کے اندر ہو تب یہ حکم ہے اور اگر نفل نماز ہو یا خارج نماز تو چاہے سبحان ربی الاعلیٰ کہے یا یہ دعا پڑھے جو احادیث میں وارد ہے سجد وجہی
للذی خلقہ الخ چنانچہ ہم نے باب صفۃ الصلوٰۃ میں لکھا ہے علی من کان اہلا لوجوب الصلوٰۃ لانہا من اجزائہا اداء او قضاء کالاصم اذا تلاہا والجنب
والسکران والنائم واجب ہے سجدۂ تلاوت اس شخص پر کہ ہووے اہل نماز کے واجب ہونے کا ادا کرنے کے اعتبار سے یعنی اسی وقت اہل ہو جیسے بہرا آدمی
اگر آیت سجدہ پڑھے یا قضا کے اعتبار سے اہل ہو یعنی اس وقت اہل نہ ہو دوسرے وقت ہو جیسے جنب اور متوالا اور سونے والا شارح نے کہا کہ علی من
متعلق ہے تجب سے اور وجوب سجدہ کے لیے نماز کے وجوب کی اہلیت اس لیے معتبر ہوئی کہ سجدۂ تلاوت نماز کے اجزا میں سے ہے یعنی جس صورت

ہیں کہ آیت نماز کے اندر پڑھی جاوے تو یہ سجدہ جزء نماز ہو جاتا ہے متولے پر سجدہ کے وجوب کے لیے اس کی عقل قائم رکھی گئی تاکہ اس کو تنبیہ ہو اور سونے والا اگر آیت سجدہ پڑھے اور بعد جاگنے کے اس کو کوئی خبر کر دے تو اس پر لزوم سجدہ میں اختلاف ہے اصح یہ ہے کہ سجدہ لازم ہے اور قول صحیح میں لازم نہیں اگر سوتے اور مدہوش سے سجدہ کی آیت کوئی شخص نے تو اس کا حکم عنقریب آدے گا **فلا تجب علی کافر وصبی ومجنون وحائض ونفساء قرءا اوسمعوا لانہم لیسوا اہلا لہا** پس نہیں واجب ہے سجدہ کافر پر اور نابالغ اور دیوانہ اور حیض و نفاس والی عورت پر خواہ وہ آیت سجدہ کو پڑھیں یا سنیں اس لیے کہ یہ سب نماز کے اہل نہیں نہ اس وقت پر اور نہ اس کے بعد اور ایک نسخہ میں لکھا ہے یعنی ادا اور قضا دونوں کے اہل نہیں **وتجب بتلاوتہم یعنی المذکورین خلا المجنون المطبق فلا تجب بتلاوتہ لعدم اہلیتہ** اور واجب ہے سجدہ تلاوت ان سب مذکورین کے پڑھنے سے سوا اس مجنون کے جس کو افاقہ نہ ہوتا ہو کہ اس کے پڑھنے سے سننے والوں پر سجدہ واجب نہ ہوگا بسبب اہل نہ ہونے مجنوں کے م طحطاوی نے کہا کہ شارح کی تعلیل میں لڑکا بھی داخل ہے یعنی اس کے پڑھنے سے سننے والے پر سجدہ واجب ہوتا ہے حالانکہ وہ خود اہل نہیں ہے اور مطبق بکسر باء موحدہ سے یہاں وہ مجنون مراد ہے جس کو چھ نمازوں یا زیادہ تک جنون رہے **ولو قصر جنونہ یکان یوما ولیلۃ او اقل تلزمہ تلا او سمع وان اکثر لا تلزمہ بل تلزم من سمعہ علی ما حررہ ملا خسرو لکن جزم الشرنبلالی باختلاف الروایۃ ونقل الوجوب بالسماع من المجنون عن الفتاوی الصغری والجوہرۃ قلت وبہ جزم القہستانی** اور اگر کم ہوا جنون مجنوں کا یعنی ایک دن اور رات ہوا یا اس سے کمتر تو اس پر سجدہ لازم ہے خواہ وہ خود پڑھے یا دوسرے سے سنے اور اگر جنون ایک دن رات سے زیادہ ہو جائے تو سجدہ خود اس پر لازم نہیں بلکہ اس شخص پر لازم ہے جو اس سے آیت سجدہ کو سنے بموجب اس بیان کے کہ منقح بیان کیا ہے اس کو ملا خسرو نے لیکن یقین کیا ہے شرنبلالی نے اختلاف روایت پر دربارہ مجنون کے اور نقل کیا ہے وجوب سجدہ کو مجنون سے سنکر فتاوی صغری اور جوہرہ سے میں کہتا ہوں اور اسی وجوب پر یقین کیا ہے قہستانی نے م شرنبلالی نے کہا ہے کہ مجنون سے آیت سجدہ سننے پر سجدہ تلاوت کے واجب ہونے میں دو روایتیں ہیں اور دونوں کی تصحیح ہوئی ہے اور جوہرہ میں کہا کہ اصح یہ ہے کہ سجدہ واجب نہیں کذا فی الشامی **لا تجب بسماعہ من الصدی والطیر ومن کل نائم ونائم او تہجی اشباہ ولا من المؤتم ولو کان السامع فی صلوتہ ای صلوۃ المؤتم بخلاف الخارج** کما مر نہیں واجب ہے سجدہ بسبب سننے سجدہ کی صدا یعنی گونج کی آواز سے جو پہاڑوں اور جنگلوں وغیرہ میں پلٹ کر ویسے ہی سنائی دیتی ہے اور نہیں واجب ہے پرندے سے سننے کے سبب یعنی طوطا یا مینا وغیرہ اگر آیت سجدہ پڑھے تو سننے والے پر اصح قول میں سجدہ واجب نہیں اور واجب نہیں سننے سے ایک کلمہ پڑھنے والے کے اور نہ ہجے کے ساتھ پڑھنے والے کے سننے سے کذا فی الاشباہ طحطاوی نے کہا کہ ایک کلمہ کے سننے سے عدم وجوب کا مسئلہ متن میں آگے مذکور ہے تو شاید شارح نے یہاں مکرر اس لیے ذکر کیا تاکہ تنبیہ ہو اس بات پر کہ اس مسئلہ کا اسی جا ذکر کرنا مناسب تھا اور نہیں واجب ہے بسبب سننے کے مقتدی سے اگر سننے والا مقتدی کی نماز میں ہو یعنی وہی نماز پڑھتا ہو خواہ امام ہو یا دوسرا مقتدی اس کے ساتھ والا بخلاف خارج کے نماز مقتدی سے کہ اس پر واجب ہوگا چنانچہ پیشتر گذرا **وہی علی التراخی علی المختار ویکرہ تاخیرہا تنزیہا ویکفیہ ان یسجد عدد ما علیہ بلا تعیین ویکون مؤدیا وتسقط بالحیض والردۃ ان لم تکن صلویۃ فعلی الفور لصیرورتہا جزءا منہا ویاثم بتاخیرہا ویقضیہا ما دام فی حرمۃ الصلوۃ ولو بعد السلام فتح** اور سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے تراخی کے طور پر مختار قول کے بموجب یعنی امام محمد کے نزدیک تمام عمر اس کا وقت ہے اور یہی قول مختار ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فوراً واجب ہے یعنی تاخیر سے گناہ گار ہوگا بشرطیکہ سجدہ مذکورہ نماز کے اندر کا نہ ہو کہ وہ اتفاقاً واجب ہے فوراً بسبب ہو جانے اس سجدہ کے جزو نماز کا اور گناہ گار ہوگا سجدۂ تلاوت نماز کی تاخیر سے اور اس کی قضا بجالاوے جب تک کہ نماز کی حرمت میں باقی رہے اگرچہ بعد سلام کے ہو یعنی جب تک کوئی فعل مخالف نماز کے نہ کیا ہو کذا فی الفتح شارح نے کہا اور مکروہ تنزیہی ہے تاخیر کرنا سجدۂ تلاوت کا جو نماز کے اندر نہ ہو اور کافی ہے قرآن پڑھنے والے

کو کہ جس قدر سجدے اس پر ہوں اس قدر سجدے بلا تعیین کرے اور ہو دے گا ادا کرنے والا یعنی تاخیر سے کراہت تنزیہی ہو گی یہ نہ ہوگا کہ قضا ہو جائیں اور ساقط ہو جاتا ہے سجدۂ تلاوت حیض سے اور مرتد ہونے سے یعنی اگر عورت نے سجدہ کی آیت پڑھی اور سجدہ نہ کیا یہاں تک کہ حائضہ ہوئی تو اس پر سے سجدہ ساقط ہو جائے گا اور اسی طرح مرتد ہونے سے کذا فی التجنیس ثم ہذہ النسبۃ ہی الصواب وقولہم صلوتیۃ خطاء قالہ المصنف لکن فی الغایۃ انہ خطاء مستعمل وہو عند الفقہاء خیر من صواب نادر پھر یہ نسبت یعنی مصنف کا صَلَوِیَّۃ کہنا درست ہے اور اس کی جگہ فقہا کا قول صلوتیۃ کہنا غلط ہے کہا ہے اس کو مصنف نے مگر غنایہ میں ہے کہ صلوتیۃ کہنا غلط ہے لیکن مروج ہے اور یہ غلط مروج فقہا کے نزدیک بہتر ہے صحیح کم رائج سے کیونکہ ان کی غرض صرف احکام کا بتلانا ہے ان الفاظ میں جو عوام میں مشہور ہے مروجہ غلطی کی یہ ہے کہ قاعدہ نسبت کا یوں ہے کہ تاء تانیث کو حذف کر دیتے ہیں پھر اگر الف آخر میں ہو تو اس کو واو سے بدل کرتے ہیں تو اس لحاظ سے صلوتیہ کہنا بموجب قاعدہ کے درست ہوا بخلاف صلوتیۃ کے کہ اس میں نہ ت کو حذف کیا ہے نہ الف کو بدلا کذا فی الطحطاوی مختصرًا ومن سمعہا من امام ولو باقتدائہ فائتم بہ قبل ان یسجد الامام لہا سجد معہ فلو ائتم بعدہ لا یسجد اصلا کذا اطلق فی الکنز تبعا للاصل وان لم یقتد بہ اصلا وکذا لو اقتدی بہ فی رکعۃ اخری علی ما اختارہ البزدوی وغیرہ وہو ظاہر الہدایۃ اور جو شخص نے آیت سجدہ کو امام سے اگرچہ وہ امام اسی مقتدی کی اقتدا سے ہو گیا ہو یعنی اول اکیلا پڑھتا تھا پھر اس شخص نے اس کے پیچھے اقتدا کیا اور اس وجہ سے امام ہو گیا پھر اقتدا کرے امام کے پیچھے پہلے اس سے کہ امام سجدۂ تلاوت کرے تو وہ شخص امام کے ساتھ سجدہ کرے اور اگر اس کا اقتدا بعد سجدہ کرنے کے اسی رکعت میں کرے تو سجدہ نہ کرے نہ اندر نماز کے نہ بعد نماز کے ایسا ہی مطلق بیان کیا ہے کنز میں اصل کی تبعیت سے یعنی اقتدا کرنے سے وہ سجدہ نماز کا ہو گیا تو خارج نماز ادا نہیں ہو سکتا اور نماز کے اندر امام کی مخالفت نہیں ہو سکتی اور اگر اقتدا امام کے پیچھے نہ کیا نہ اس رکعت میں نہ دوسری میں تو سجدۂ تلاوت کرے اور اسی طرح اگر اقتدا کرے دوسری رکعت میں تو سجدہ کرے مگر بعد نماز کے فارغ ہونے کے بموجب اس قول کے کہ اختیار کیا ہے اس کو بزدوی وغیرہ نے اور یہی ہے ظاہر ہدایہ کا م حاصل یہ کہ جب آیت سجدہ امام سے سنے تو اگر اس کا اقتدا نہ کرے خارج رہے تو سجدۂ تلاوت کرے اور اگر اقتدا کرے اسی رکعت میں جس میں امام نے آیت سجدہ پڑھی تو اگر سجدہ امام سے پیشتر اقتدا کیا تو اس کے ساتھ سجدہ کرے ورنہ اس پر سے ساقط ہو گا اور اگر دوسری رکعت میں اقتدا کرے تو بعد نماز سے فارغ ہونے کے سجدہ کرے کذا فی الشامی ملتقطا ولو تلاہا فی الصلوۃ سجدہا فیہا لا خارجہا لما مر اور اگر پڑھے آیت سجدہ کو نماز کے اندر تو سجدۂ تلاوت نماز کے اندر کرے نہ خارج نماز سے بسبب اس وجہ کے کہ پیشتر بیان ہوئی یعنی نماز کے اندر کا سجدۂ تلاوت نماز کا جزو ہو جاتا ہے وفی البدائع واذا لم یسجد اثم فتلزمہ التوبۃ اور بدائع میں ہے کہ اگر نماز کے اندر سجدۂ تلاوت نہ کرے گا تو گناہ گار ہو گا پس لازم ہو گی اس کو توبہ اس لیے کہ ترک واجب کیا جس کی قضا ممکن نہیں تو گناہ ثابت ہو گیا اور اس سے خلاص کی صورت بجز توبہ کے اور کچھ نہیں کذا فی الطحطاوی الا اذا فسدت الصلوۃ بغیر الحیض فلو بہ تسقط عنہا السجدۃ ذکرہ فی الخلاصۃ فیسجد ہا خارجہا لانہا لما فسدت لم یبق الا مجرد تلاوۃ فلم تکن صلوتیۃ مگر جب کہ فاسد ہو جائے نماز سوائے حیض سے تو سجدۂ تلاوت کرے خارج نماز سے اس لیے کہ جب نماز فاسد ہو گئی تو صرف تلاوت ہی رہ گئی اس سے سجدہ مذکور نماز کے اندر کا نہ رہا اسی لیے خارج نماز سجدہ کرنے کا حکم ہوا اور سوا حیض اس لیے کہا کہ اگر حیض سے نماز فاسد ہو گی تو عورت پر سے سجدۂ تلاوت ساقط ہو جائے گا ذکر کیا ہے اس کو خلاصہ میں ولو بعد ما سجدہا لم یعد لہا ذکرہ فی القنیۃ ویخالفہ ما فی الخانیۃ تلاہا فی نفل فافسدہ قضاہ دون السجدۃ الا ان یحمل علی ما اذا کان بعد سجودہا اور اگر فاسد ہوئی نماز بعد سجدہ کرنے کے تو اعادہ سجدہ کا نہ کرے ذکر کیا ہے اس کو قنیہ میں اور اس کے مخالف ہے وہ جو خانیہ میں ہے کہ آیت سجدہ پڑھی نماز نفل میں پھر نفل کو فاسد کر دیا تو نفل کی قضا کرے نہ سجدہ کی یعنی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فساد نماز کی صورت میں سجدہ خارج نماز نہ کرے اور متن کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ کرے مگر یہ کہ محمول کیا جائے مسئلہ خانیہ کا اس صورت پر کہ فساد نفل کا بعد سجدہ تلاوت ہو تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ سجدہ کا

اعادہ نہ ہوگا چنانچہ شارح نے قنیہ سے نقل کیا ہے وتؤدی برکوع وسجود غیر رکوع الصلوٰۃ وسجودہا فی الصلوٰۃ وکذا فی خارجہا ینوب عنہا الرکوع فی
ظاہر المروی بزازیۃ لہا ای للتلاوۃ اور ادا ہو جاتا ہے سجدۂ تلاوت رکوع کرنے سے یا سجدہ کرنے سے واسطے تلاوت کے سوائے رکوع نماز کے اور
اس کے سجدہ کے نماز کے اندر اور اسی طرح خارج نماز میں قائم مقام سجدہ کا ہو جاتا ہے رکوع ظاہر قول روایت کیے گئے ہیں کذا فی البزازیہ صورت مسئلہ
کی یہ ہے کہ ایک شخص نے نماز کے اندر آیت سجدہ پڑھی اور اس کے لیے رکوع کیا سوائے نماز کے رکوع کے یا سجدہ کیا سوائے نماز کے سجدہ کے تو
سجدہ تلاوت ادا ہو جائے گا اسی طرح خارج نماز میں رکوع یا سجدہ سے ادا ہو گا مگر رکوع میں یہ شرط ہے کہ فوراً ہو بلا تاخیر اور اگر تاخیر کرے گا تو پھر سجدہ
تلاوت کے واسطے سجدہ خاص چاہیے خواہ نماز کے اندر ہو یا نہ ہو کذا فی الشامی وتؤدی برکوع صلوٰۃ اذا کان الرکوع علی الفور من قراءۃ آیۃ او آیتین وکذا
الثلث علی الظاہر کما فی البحر ان نواہ ای کون الرکوع لسجود التلاوۃ علی الراجح اور ادا ہو جاتا ہے سجدۂ تلاوت نماز کے رکوع سے جب کہ رکوع ہوئے ایک آیت کے
پڑھنے سے پیشتر یا دو آیتوں سے اور اسی طرح تین آیتوں سے ظاہر قول کے بموجب چنانچہ بحر الرائق میں ہے اگر نیت کرے سجدہ کی یعنی نیت کرے رکوع
کے ہونے کی سجدۂ تلاوت کے لیے قول راجح پر یعنی اگر آیت نماز میں پڑھی اور اس کے بعد تین آیتوں سے زائد نہیں پڑھا اور رکوع کیا اور نیت کی کہ
یہ رکوع سجدۂ تلاوت کے لیے کرتا ہوں تو سجدہ ادا ہو جائے گا طحطاوی نے کہا کہ اس رکوع میں نیت نماز کے رکوع کی بھی کرے ورنہ صرف تلاوت
کا رکوع ہو گا نہ نماز کا وتؤدی بسجودہا کذلک ای علی الفور وان لم ینو بالاجماع اور ادا ہوتا ہے سجدۂ تلاوت نماز کے سجدہ سے اسی طرح یعنی فوراً سجدہ
کرنے سے اگرچہ نیت نہ کی ہو کہ یہ سجدہ تلاوت کا ہے بالاتفاق م آیت سجدہ کے بعد فوراً سجدہ نماز کرنے کی صورت محشیوں نے نہیں لکھی غالباً اس سے
مراد یہ ہے کہ رکوع مختصر کے بعد سجدہ کیا ورنہ ظاہر ہے کہ رکوع مع قومہ کے تین آیتوں کی مقدار سے کم نہیں پھر فوراً کیسے ہو سکتا ہے ولو نواہا فی رکوعہ ولم ینوہا
المؤتم لم تجزہ ویسجد اذا سلم الامام ویعید القعدۃ ولو ترکہا فسدت صلوٰتہ کذا فی القنیۃ وینبغی حملہ علی الجہریۃ اور اگر نیت کی سجدۂ تلاوت کی امام نے اپنے رکوع میں
اور نہ نیت کی اس کے مقتدی نے تو مقتدی کو امام کی نیت کافی نہ ہوگی اور سجدہ کرے مقتدی جبکہ امام سلام پھیرے اور اعادہ کرے قعدہ کو اور اگر
قعدہ چھوڑ دے گا تو اس کی نماز فاسد ہوگی اس لیے کہ سجدۂ تلاوت سے قعدہ اخیرہ لغو ہو جاتا ہے اگر اعادہ نہ کرے گا تو فرض نماز کا رہ جائے گا کذا فی القنیہ
اور محمول کرنا چاہیے اس صورت کو نماز جہری پر اس لیے کہ نماز سری میں مقتدی کو کیسے معلوم ہوگا کہ امام نے آیت سجدہ پڑھی نعم لو رکع وسجد لہا فوراً ناب ملاحظۃ
ہاں اگر رکوع کیا اور سجدہ کیا واسطے نماز کے فوراً تو یہ سجدہ کرنا مقتدی کا قائم مقام سجدۂ تلاوت کے ہو جائے گا بدون نیت کے بسبب متابعت امام کے م
یعنی امام نے رکوع میں نیت سجدۂ تلاوت کی نہ کی بلکہ سجدہ میں کی یا بالکل کہیں نہ کی تو اس صورت میں مقتدی پر کچھ نہیں خواہ مقتدی نیت کرے یا نہ کرے
کذا فی الطحطاوی ولو سجد ہا فظن القوم انہ رکع فمن رکع رفعہ وسجد لہا ومن رکع وسجد سجدۃ اجزأتہ عنہا ومن رکع وسجد سجدتین فسدت صلوٰتہ لانہ انفرد برکعۃ
تامۃ اور اگر سجدۂ تلاوت کیا امام نے اور مقتدیوں نے خیال کیا کہ امام نے رکوع کیا تو جو شخص رکوع میں ہو وہ رکوع کو ترک کرکے سجدۂ تلاوت
کرے اور جس نے رکوع کیا اور ایک سجدہ کیا تو اس کو یہ سجدۂ تلاوت کے سجدہ سے کافی ہوگا اور جس نے رکوع کیا اور دو سجدے کیے تو اس کی نماز
فاسد ہو گئی اس لیے کہ اس نے ایک رکعت پوری تنہا پڑھ لی اور زیادتی ایک رکعت کی مفسد نماز ہے ولو سمع المصلی السجدۃ من غیرہ لم یسجد فیہا لانہا غیر
صلوٰتیۃ بل یسجد بعدہا لسماعہا من غیر محجور اور اگر نماز پڑھنے والے نے آیت سجدہ کو اپنے غیر سے سنا تو نماز کے اندر سجدہ نہ کرے اس لیے کہ وہ تلاوت
نماز کے اندر نہیں بلکہ سجدہ کرے بعد نماز کے بسبب سننے آیت سجدہ کے اس شخص سے جس پر روک نہیں یعنی اگر روک والے سے سنا مثلاً مقتدی سے
تو اس کے سننے سے نہ بعد نماز کے سجدہ کرے نہ نماز کے اندر چنانچہ پہلے گذرا ولو سجد فیہا لم یجزہ لانہا ناقصۃ للنہی فلا یتادی بہا الکامل واعادہ ای السجود
لا مرالا اذا تلاہا المصلی غیر المؤتم ولو بعد سماعہا سراج اور اگر نماز پڑھنے والے نے غیر سے سن کر نماز کے اندر سجدہ کیا تو یہ سجدہ اس کو کافی نہ ہوگا اس لیے کہ

یہ سجدہ اس کا ناقص ہے بسبب نہی کے تو اس ناقص سے کامل ادا نہ ہوگا یعنی سننے کی حالت میں جس رکن کو ادا کرتا ہے اس کو پورا کرنا اور اس کے بعد دوسرا رکن ادا کرنا اس کو لازم ہے اور اس بات کا مقتضی ہے کہ جو چیز اس پر اس نماز سے خارج سبب سے واجب ہوئی ہے اس کے ادا کرنے میں مشغول نہ ہو تو نہی ضمنا پائی گئی پس اگر سجدہ جس کا سبب اس نماز سے خارج ہے نماز کے اندر ادا کرے گا تو ناقص ہوگا بسبب نہی ضمنی کے کذا فی الشامی اور اس سجدہ کا اعادہ کرے بسبب اس وجہ کے کہ گذری یعنی بسبب اس کے ناقص ہونے کے مگر جب کہ پڑھا ہو اس کو نمازی نے سوائے مقتدی کے اگرچہ بعد اس کے سننے کے ہو تو وہ اعادہ سجدہ مذکور کا نہ کرے کذا فی السراج م صورت اس کی یہ ہے کہ ایک شخص نماز پڑھتا ہے اس نے آیت سجدہ پڑھی خواہ پیشتر دوسرے سے سننے کے یا بعد سننے کے پھر اس کے لیے سجدہ نماز کے اندر کیا تو اس صورت میں اس سجدہ کا اعادہ نہ کرے اور غیر مقتدی کی قید اس لیے لگائی کہ مقتدی کا آیت سجدہ کو پڑھنا معتبر نہیں تو وہ بعد نماز کے سجدہ کرے سنی ہوئی آیت کے لیے کذا فی الشامی ولو سمع المصلی السجدۃ من غیر امامہ فسجد فیہا ای الصلوۃ لان زیادۃ مادون الرکعۃ لا یفسد الا اذا تابع المصلی التالی فتفسد لمتابعۃ غیر امامہ ولا یجزیہ عما سمع تجنیس وغیرہ نہ اعادہ کرے نماز کا اس لیے کہ زیادہ ہونا ایک رکعت سے کم کا مفسد نماز نہیں تو صرف ایک سجدہ کی زیادتی مفسدہ ہوگی ہاں اگر پیروی کرے نماز پڑھنے والا تلاوت کرنے والے کی یعنی جب تلاوت کرنے والے نے سجدہ کیا اسی وقت نمازی نے اس کے ساتھ کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی بسبب متابعت کرنے نمازی کے اس شخص کی جو اس کا امام نہیں اور یہ سجدہ نمازی کا اس کو سنے ہوئے سجدہ کی طرف سے کافی نہ ہوگا کذا فی التجنیس وغیرہ وان تلاہا فی غیر الصلوۃ فسجد ثم دخل فی الصلوۃ فتلاہا فیہا سجد اخری ولو لم یسجد اولا کفتہ واحدۃ لان الصلوتیۃ اقوی من غیرہا فتستتبع غیرہا وان اختلف المجلس اور اگر آیت سجدہ کو نماز سے خارج پڑھ کر سجدہ کر لیا پھر نماز میں داخل ہوا اور اسی آیت کو نماز میں پڑھا تو دوسرا سجدہ کرے اور اگر اول سجدہ نہ کیا ہو تو یہ نماز کے اندر کا ایک سجدہ اس کو کافی ہے اس لیے کہ نماز کے اندر کا سجدہ قوی تر ہے تو اپنے غیر کو اپنا تابع کرے گا اگرچہ مجلس بدل جائے م طحطاوی نے کہا کہ شارح اس مسئلہ میں صاحب نہر الفائق کا تابع ہوا اور بحر الرائق میں مجلس کا ایک ہونا شرط کیا ہے ایک سجدہ کافی ہونے کے لیے تو اگر آیت سجدہ دوسری جگہ میں پڑھی اور نماز میں پھر اس آیت کو دوہرایا تو اب نماز کے اندر سجدہ تلاوت کرنے سے پہلے کا سجدہ ساقط نہ ہوگا اس کے لیے دوسرا سجدہ بعد نماز کے کرنا چاہیے ولو لم یسجد فی الصلوۃ سقطتا فی الاصح واثم کما مر اور اگر سجدہ نہ کیا نماز کے اندر تو دونوں سجدے ساقط ہوں گے صحیح تر قول میں اور گناہ گار ہوگا چنانچہ گذرا اسی باب میں م اور ایک قول یہ ہے کہ سجدہ خارج نماز کا ساقط نہ ہوگا مگر اصح یہی ہے کہ دونوں ساقط ہیں اس لیے کہ خارجی سجدہ تابع ہے داخلی کا کذا فی الحلبی ولو کررہا فی مجلسین تکررت وفی مجلس واحد لا تتکرر بل کفتہ واحدۃ وفعلہا بعد الاولی اولی قنیۃ وفی البحر التاخیر احوط اور اگر مکرر پڑھا آیت سجدہ کو دو مجلسوں میں تو سجدہ مکرر ہو جائے گا اور ایک مجلس میں مکرر نہ ہوگا بلکہ ایک سجدہ کافی ہے اور کرنا سجدہ کا بعد اول آیت کے بہتر ہے بسبب جلد بجا لانے عبادت کے کذا فی القنیہ اور بحر الرائق میں ہے کہ تاخیر میں زیادہ احتیاط ہے م قاعدہ یہ ہے کہ وجوب سجدہ کا تین باتوں میں سے ایک کے باعث مکرر ہو جاتا ہے اول اختلاف تلاوت کا دوم اختلاف سننے کا سوم اختلاف مجلس کا پہلے دو سے غرض بدلنا آیتوں کا ہے یعنی اگر ایک ہی مجلس میں مختلف آیتیں سجدہ کی پڑھے گا یا سنے گا تو تعداد آیات کے برابر سجدے واجب ہوں گے اور اختلاف مجلس دو قسم ہے ایک حقیقی کہ ایک مجلس سے دوسری میں حد قدم سے زیادہ چل کر پہنچے اس میں یہ شرط ہے کہ دونوں مکانوں کا ایک حکم نہ ہوگا مثلاً چھوٹی مسجد یا گھر کی مختلف جگہ نہ ہوں کہ ان کا حکم ایک ہی مکان کا ہے پس اگر ایک ہی آیت سجدہ کو مسجد یا گھر کے کئی کونوں میں پڑھے گا تو سجدہ ایک ہی واجب ہوگا اور ایک قسم اختلاف مجلس کی حکمی ہے وہ یہ ہے کہ دونوں دفعہ کے پڑھنے کے درمیان میں عمل کثیر کیا ہو مثلاً خرید و فروخت یا عقد نکاح یا کھانا کھایا یا تین قدم چلنا وغیرہ کیا ہو تو اس صورت میں بھی سجدہ مکرر ہو جائے گا اور اگر عمل قلیل کیا ہو مثلاً آیت سجدہ پڑھ کر ایک گھونٹ پانی پیا یا ایک لقمہ کھایا یا ایک دو قدم چلا پھر اس آیت کو پڑھا تو سجدہ تلاوت ایک ہی کافی ہوگا اور مستحب نہیں دوسرا سجدہ کرنا اس جگہ جہاں ایک کافی ہو کذا فی الشامی والاصل ان مبناہا علی التداخل دفعا للحرج بشرط اتحاد الآیۃ والمجلس اور اصل یہ ہے

کر بنا سجدہ کی تداخل پر ہے یعنی ایک سجدہ دوسرے کا تابع ہو جاتا ہے واسطے دور کرنے حرج کے یعنی ہر تلاوت پر سجدہ کرنے میں سکھانے والوں اور سیکھنے
والوں پر دقت ہو گی بنا تداخل پر اس شرط سے ہے کہ آیت اور مجلس متحد ہوں یعنی ایک ہی آیت کو ایک ہی مجلس میں مکرر پڑھنے سے ایک سجدہ سب کے
بدلے کافی ہو گا اسی طرح اگر ایک آیت کو خود پڑھا اور اسی کو اسی مجلس میں دوسرے سے سنا تب بھی ایک ہی سجدہ واجب ہو گا فهو تداخل فی السبب بان
یجعل الكل كتلاوة واحدة فتكون الواحدة سببا والباقی تبعا لها وهو الیق بالعبادة لان تركها مع وجود سببها شنيع اور وہ یعنی مکرر سجدہ کا نہ کرنا تداخل ہے
سبب میں اس طرح کہ کیا جاوے سب دفعہ کا پڑھنا مثل ایک تلاوت کے پس ایک بار کی تلاوت سبب سجدہ کی ہو گی اور باقی تلاوتیں اس کے
تابع ہوں گی اور سبب میں تداخل کرنا لائق تر ہے عبادت کے لیے اس لیے کہ چھوڑنا عبادت کا باوجود پائے جانے اس کے سبب کے برا ہے
ماحصل یہ کہ عبادت کے معاملہ میں ہم تداخل حکم میں نہیں کر سکتے کیونکہ اس کے کہنے سے یہ خرابی لازم آتی ہے کہ سبب عبادت موجود ہو اور
عبادت متروک حالانکہ عبادت کی کثرت مطلوب ہے اس لیے ہم نے سب سببوں کو ایک کر لیا تاکہ یہ خرابی نہ ہو کذا فی الشامی طحطاوی نے کہا کہ ضمیر ہو
کی راجع ہے عدم تکرار کی طرف جو مصنف کے قول لا تتكرر سے سمجھا جاتا ہے لا تداخل فی الحكم بان يجعل كل تلاوة سببا لسجدة فتداخلت السجدات فاكتفى بواحدة
لانه الیق بالعقوبة لانها للزجر وهو ینزجر بواحدة فیحصل المقصود والكريم يعفو مع قيام سبب العقوبة نہیں تداخل ہے حکم میں اس طرح کہ کی جاوے ہر تلاوت
سبب ایک جدا سجدہ کا پھر سجدے ایک دوسرے میں آجائیں اور اکتفا کی جائے ایک سجدہ پر اس لیے کہ حکم میں تداخل ہونا زیادہ لائق ہے سزا کے لیے کیونکہ سزا
زجر کے لیے ہوتی ہے اور آدمی ایک سزا سے زجر پا جاتا ہے اور مقصود حاصل ہو جاتا ہے اور کریم متعال عفو کرے گا باوجود قائم ہونے سبب سزا کے
م یعنی سزاؤں کا معاملہ عبادت سے جدا ہے ان کی بنا دفع اور عفو پر ہے تو ان کے ترک سے باوجود سبب کے کچھ خرابی نہیں اور دنیا میں زجر کا مقصود
ایک سزا سے حاصل ہے اور آخرت میں کریم متعال سے توقع ہے کہ معاف کر دے اس لیے ان میں تداخل حکم میں مناسب معلوم ہوا مثلاً ایک شخص نے
شراب پی دو بار تو ہر چند سبب دو ہیں مگر سزا ایک ہی دی جاوے گی اور دوسری بار کی سزا اسی میں داخل ہو جائے گی وافاد الفرق بقوله فتنوب الواحدة فی تداخل
السبب عما قبلها وما بعدها والا تنوب فی تداخل الحكم الا عما قبلها حتى لو زنى فحد ثم زنى فی المجلس حد ثانيا اور مصنف نے بتا دیا فرق درمیان تداخل سبب اور
تداخل حکم کے اپنے اس قول سے قائم مقام ہو گا ایک سجدہ تلاوت سبب کے تداخل میں اپنے پیشتر کے اور بعد کے سجدوں کے یعنی اگر کسی شخص نے ایک
مجلس میں ایک آیت سجدہ کی مثلاً پانچ بار پڑھی اس طرح کہ تین بار پڑھ کر سجدہ تلاوت کر لیا پھر دو بار پڑھی تو ایک ہی سجدہ جو کیا ہے سب کی طرف سے
کافی ہو گیا کیونکہ جب اول تلاوت کو ہم نے سبب قرار دیا تو چاروں اس کے بعد کی اس کی تابع ٹھہریں تو جہاں سجدہ کرے گا وہ سبب کے بعد ہی ہو گا
اور نہیں قائم مقام ہو گا سجدہ تداخل حکم کی صورت میں مگر اپنے پیشتر کے سجدوں کے مثلاً پہلی صورت میں اگر پانچوں تلاوتوں کو جدا جدا سبب قرار دو
اور حکم کو متداخل کہو تو تین بار کی تلاوت کے بعد جو سجدہ کیا اور ان تینوں کا ہو گیا اب جو دو بار پچھے سجدہ کی آیت کو پڑھا تو سبب جدید پیدا ہوا اس کے
لیے دوسرا سجدہ چاہیے جیسا سزاؤں میں ہوتا ہے کہ اگر زنا کیا پھر حد مارا گیا پھر اسی مجلس میں زنا کیا تو دوبارہ حد مارا جائے گا کیونکہ دوسری حد کا سبب پایا گیا
اور ظاہر ہوا کہ پہلی حد سے زجر حاصل نہیں ہوا کذا فی الشامی واسداء الثوب ذاهبا وآئبا وانتقاله من غصن شجرة الى آخر وسبحه فی نهر او حوض تبديل المجلس
او الاية فتجب سجدة او سجدات اخرى بخلاف زوايا مسجد وبيت وسفينة سائرة وفعل قليل كاكل لقمتين وقيام ورد سلام وكذا دابة يصلی عليها لان الصلوة تجمع
الاماكن ولو لم تصل تتكرر اور تانا تننا کپڑے کا جاتے اور آتے اور چلا جانا پڑھنے والے کا درخت کی ایک شاخ سے دوسری پر اور تیرنا اس کا نہر میں یا
حوض میں بدلنا ہے مجلس کا یا آیت کا پس واجب ہو گا ایک اور سجدہ یا کئی سجدے یعنی مثلاً تانا تننے میں ایک ہی آیت جانے میں پڑھے اور پھر لوٹنے
کے وقت تو ایسا ہو گا کہ گویا دو مجلسوں میں پڑھی اور آیت کا بدلنا ہو گا سننے والے کے حق میں یعنی مثلاً سننے والے نے اسی آیت کو ایک شاخ پر سنا

اور اسی کو دوسری پر تو ایسا ہو گا کہ گویا دو آیتوں کو سنا بخلاف کونوں مسجد اور گھر اور کشتی چلنے والے کی اور نفل نفیل کے جیسے دو لقموں کا کھانا بیچ میں دوبار
کی تلاوت کے اور کھڑا ہو جانا اور سلام کا جواب دینا کہ اس سے مجلس نہیں بدلتی اور اسی طرح سواری کے چلتے جانور پر اگر نماز پڑھتا ہو تو مجلس دو
نہ ہوں گی کیونکہ نماز ان مجالس کو ایک کر دیتی ہے اس لیے کہ اختلاف مکان کی صورت میں نماز فاسد ہو جاتی ہے تو ضرورت کی وجہ سے سب مکان
ایک کیے جاتے ہیں اور اگر سواری پر نماز نہ پڑھتا ہو تو سجدہ مکرر ہو جائے گا کیونکہ سواری کا چلنا منسوب سوار کی طرف ہے تو ایسا ہو گا گویا خود
چلتا ہے اور پڑھتا ہے کذا فی الشامی **کما تکرر لو تبدل مجلس سامع دون تال** حتی لو کرر راکب یصلی و غلامہ یمشی تتکرر علی الغلام لا الراکب جیسے
مکرر ہوتا ہے سجدہ سننے والے پر اگر بدل جائے مجلس سننے والے کی یہاں تک کہ اگر مکرر پڑھا آیت سجدہ کو سواری پر نماز پڑھتے ہوئے اور اس
کا غلام پیادہ چلتا ہے تو سجدہ مکرر ہو گا غلام پر نہ سوار پر لا تکرر فی عکسہ و ہو تبدل مجلس التالی دون السامع علی المفتی بہ و بہا القید ترجیح سببیۃ السماع نہیں
مکرر ہوتا ہے سجدہ سننے والے پر اس کے عکس میں یعنی تلاوت کرنے والے کی مجلس کے بدلنے اور سننے والے کی مجلس کے نہ بدلنے میں قول مفتی بہ
پر مثلاً تلاوت کنندہ پڑھتا جاتا ہے اور سننے والا ایک جگہ بیٹھا ہے تو سننے والے پر بشرط اتحاد آیت کے سجدہ مکرر نہ ہو گا اور یہ یعنی مکرر ہونا سجدہ
کا سامع پر اس کی مجلس کے بدلنے سے پہلی صورت میں اور مکرر نہ ہونا اس کی مجلس کے متحد رہنے سے دوسری صورت میں اس بات کا مفید ہے کہ
سننے کے سبب ہونے کو ترجیح ہے یعنی اگر تلاوت سبب سجدہ کا ہوتی تو اس صورت میں حکم سننے والے پر برعکس ہوتا تو وہ بھی تلاوت کنندہ کی طرح ہو جاتا
اور جب ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ سننا بھی سبب ہے نہ شرط جیسا کہ بعض فقہا نے کہا ہے کذا فی الطحطاوی و اما الصلوۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فکذلک عند المتقدمین و قال المتاخرون تتکرر اذ لا تداخل فی حقوق العباد اور درود پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا ہی ہے متقدمین کے نزدیک
اور متاخرین نے کہا ہے کہ مکرر ہوتا ہے اس لیے کہ بندوں کے حقوق میں تداخل نہیں ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم شریف پر درود
کا حال مثل سجدہ تلاوت کے ہے جیسے اتحاد مجلس کی صورت میں سجدہ مکرر نہیں ہوتا ویسا ہی ایک مجلس میں مکرر نام پاک کے مذکور ہونے سے درود
مکرر نہیں ہوتا اور متاخرین کے نزدیک مکرر ہوتا ہے اور یہ مسئلہ پہلے گذر چکا ہے کذا فی الشامی و اما العاطس فلا مع انہ ان زاد علی الثلاث لا تشمیتہ الخلاصۃ
اور چھینک کا حال یہ ہے کہ اگر تین بار سے زیادہ ہو تو اس کا جواب نہ دے کذا فی الخلاصۃ ہو الاصح کا مقابل یہ ہے کہ صرف ایک بار یرحمک اللہ کہے
اور ایک قول یہ کہ دس بار کہے اور ایک یہ ہے کہ جتنی بار چھینکے اسی قدر یرحمک اللہ کہے بشرطیکہ چھینکنے والا ہر دفعہ الحمد للہ کہے کذا فی الشامی **وکرہ ترک**
آیۃ سجدۃ و قراءۃ باقی السورۃ لان فیہ قطع نظم القرآن و تغییر تالیفہ و اتباع النظم و التالیف مامور بہ بدائع و مفادہ ان الکراہۃ تحریمیۃ اور مکروہ ہے
چھوڑ دینا آیت سجدہ کا اور پڑھنا باقی سورۃ کا اس لیے کہ اس طرح پڑھنے میں عبارت قرآن مجید کے انتظام کا قطع کرنا اور اس کی ترکیب
کا بگاڑنا ہے اور اس کی عبارت و ترکیب کے اتباع کا حکم ہے کذا فی البدائع اور اس سے معلوم ہوا کہ صرف آیت سجدہ کا چھوڑ دینا مکروہ تحریمی
ہے ہم اتباع نظم کا ارشاد اس آیت میں مذکور ہے (فاذا قراناہ فاتبع قرآنہ) یعنی جب ہم اس کو پڑھیں تو پیروی کر اس کے تالیف کی کذا فی البحر لا یکرہ عکسہ
بل ندب ضم آیۃ او آیتین الیہا قبلہا او بعدہا لدفع وہم التفضیل اذ الکل من حیث انہ کلام اللہ فی رتبۃ و ان کان لبعضہا فضیلۃ باشتمالہ علی صفات
اللہ تعالیٰ نہیں مکروہ ہے اس کا عکس یعنی صرف آیت سجدہ کو پڑھنا اور باقی سورہ کو نہ پڑھنا لیکن مستحب ہے ملانا ایک آیت یا دو آیتوں کا اس کے ساتھ
اس سے پہلے یا بعد کو واسطے دور کرنے وہم تفضیل کے یعنی تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ اس آیت کو فضیلت ہے اوروں پر کیونکہ کل آیتیں اس لحاظ سے
کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے ایک مرتبہ میں ہیں اگرچہ بعض آیتوں کو فضیلت ہے بسبب ان کے شامل ہونے کے اللہ تعالیٰ کی صفات پر واستحسن
اخفاؤہا عن سامع غیر متہیئ للسجود اور مناسب ہے نہ سنانا آیت سجدہ کا اس سننے والے کو جو سجدہ کے لیے آمادہ نہ ہو یعنی اگر سننے والا بے وضو

ہو یا اس پر سجدہ کرنا شاق ہو تو قاری آیت سجدہ کو آہستہ پڑھے ایسا ہی اس صورت میں کہ سننے والے کا حال معلوم نہ ہو کذا فی الطحطاوی واختلف التصحیح
فی وجوبہا علی تشاغل بعمل ولم یسمعہا والراجح الوجوب زجرا لہ عن تشاغلہ عن کلام اللہ تعالیٰ فنزل سامعا لانہ بعرضیۃ ان یسمع اور مختلف ہوئی ہے تصحیح سجدہ کے
واجب ہونے میں اس شخص پر کہ کام میں مشغول ہو اور آیت کو نہ سنے اور راجح ہے سجدہ کا واجب ہونا اس کے زجر کے لیے کلام خدا کو چھوڑ کر کام میں
مشغول رہنے کے باعث تو قائم مقام سننے والے کے ٹھہرایا گیا کیونکہ وہ سننے کے موقع پر ہے ہم منح الغفار میں ہے کہ اس مسئلہ میں امر عدم وجوب
ہے اس لیے کہ سننا جو شرط ہے وجوب کے ایک قول پر اور سبب ہے دوسرے پر وہ پایا نہیں گیا کذا فی الطحطاوی ولو سمع آیۃ سجدۃ من قوم
من کل واحد منہم حرفا لم یسجد لانہ لم یسمعہا من تال خانیۃ فقد افاد ان اتحاد التالی شرط اور اگر سنا آیت سجدہ کو ایک قوم سے یعنی ان میں سے ہر ایک شخص
سے ایک حرف آیت کا سنا تو سننے والا سجدہ نہ کرے اس لیے کہ اس نے ایک پڑھنے والے سے اس کو نہیں سنا کذا فی الخانیہ تو صاحب خانیہ نے بتلا دیا
کہ پڑھنے والے کا ایک ہونا شرط ہے مہمۃ لکل مہمۃ یہ ایک مفید بات ہے ہر مہم اور امر ضروری کے لیے فی الکافی قیل من قرأ آی السجدۃ کلہا فی مجلس
وسجد لکل منہا کفاہ اللہ تعالیٰ ما اہمہ وظاہرہ انہ یقرأہا ولا ثم یسجد وتحتمل ان یسجد لکل بعد قرأتہا وہو غیر مکروہ کافی میں ہے کہتے ہیں کہ جو شخص سب سجدہ کی
آیتوں کو ایک مجلس میں پڑھے اور ہر ایک کے لیے ان میں سے سجدہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے حادثہ سے بچا دے گا اور ظاہر اس قول کا
یہ ہے کہ چودہ آیتوں کو پہلے پڑھ لے پھر سجدے کرے اور ہو سکتا ہے کہ سجدہ کرے ہر آیت کے لیے بعد اس کے پڑھنے کے اور یہ چودہ آیتوں کا پڑھنا
مکروہ نہیں ہم پہلے گذر چکا ہے کہ آیت سجدہ کے ساتھ ایک دو آیت پہلے یا پیچھے کی ملا لے تو اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ صرف آیات سجدہ کا پڑھنا اولیٰ نہ ہو
مکروہ تنزیہی ہو اس لیے شارح نے آگاہ کر دیا کہ مکروہ نہیں اور ان کا ملا کر پڑھنا ایسا ہوا جیسا چند سورتیں ملا کر پڑھ لے مختلف جگہوں سے کذا فی
الطحطاوی وسجدۃ الشکر مستحبۃ بہ یفتی لکنہا تکرہ بعد الصلوۃ لان الجہلۃ یعتقدونہا سنۃ او واجبۃ وکل مباح یؤدی الیہ فمکروہ اور سجدہ شکر کا مستحب ہے اسی
پر فتویٰ ہے مگر وہ مکروہ ہے نماز کے بعد اس لیے کہ جاہل سجدہ کو سنت یا واجب اعتقاد کرنے لگتے ہیں اور جو مباح کہ نوبت پہنچا دے اس کے سنت
یا واجب اعتقاد کرنے کی وہ مکروہ ہے ہم سجدہ شکر کی یہ صورت ہے کہ آدمی کسی نعمت کے بعد اس کے شکر کے لیے سجدہ کرے تو یہ سجدہ صاحبین کے
نزدیک مستحب ہے اور امامؒ کے نزدیک مکروہ ہے مگر فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے اور بعضوں نے کہا کہ امام صاحب کے نزدیک مشروع نہیں اور
اشباہ میں ذکر کیا کہ معتمد یہ ہے کہ خلاف اس سجدہ کے مسنون ہونے میں ہے نہ جائز ہونے میں کذا فی الطحطاوی شامی نے کہا کہ ضمیر لکنہا کی مطلق سجدہ کی طرف
ہے نہ سجدہ شکر کی طرف یعنی یہ مسئلہ جدا گانہ ہے کہ نماز کے بعد سجدہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ جاہل اس کو سنت یا واجب سمجھ لیتے ہیں غرض کہ جو سجدہ بدون سبب
ہو وہ نہ تو ثواب ہے نہ مکروہ مگر نماز کے بعد اس لیے مکروہ کہا گیا کہ جاہل اس کو سنت یا واجب اعتقاد کر لیں طحطاوی نے کہا کہ شارح کو مناسب تھا
کہ سجدہ شکر کو بعد تمام ہونے سجدہ تلاوت کے احکام کے بیان کرتا ذکرہ للامام ان یقرأہا فی مخافتۃ ونحو جمعۃ وعید الا ان یکون بحیث تؤدی برکوع الصلوۃ
وسجودہا اور مکروہ ہے امام کو کہ آیت سجدہ کو آہستہ پڑھے یا جمعہ اور عید جیسے مجمع میں آیت سجدہ کی پڑھے مگر اس طرح پڑھنا کہ سجدہ ادا ہو جاوے نماز کے
رکوع یا سجدہ سے مکروہ نہیں ہم امام کو خفیہ پڑھنا اس لیے مکروہ ہے کہ اگر آیت پڑھنے کے بعد سجدہ نہ کرے گا تو واجب کا تارک ہو گا اور اگر
سجدہ کرے گا تو مقتدیوں کو اشتباہ پڑے گا اور یہی اشتباہ مجمع عظیم میں نہ پڑھنے کا سبب ہے اور اگر سجدہ آخر سورت میں ہو یا آیت سجدہ کے بعد دو یا
تین آیتوں کے نہ پڑھے اور رکوع کر دے تو اس صورت میں مجمع میں یا خفیہ پڑھنے کا مضائقہ نہیں مگر امام کو چاہیے کہ رکوع میں نیت سجدہ تلاوت
کی نہ کرے ورنہ مقتدیوں کو بھی کرنی پڑے گی اور جو کوئی نہ کرے گا اس کو سلام کے بعد سجدہ کر کے قعدہ اخیرہ کا اعادہ کرنا پڑے گا کذا فی الحلبی وتلاہا
علی المنبر سجد وسجد السامعون اور اگر آیت سجدہ کو منبر پر پڑھا تو سجدہ کرے اور سننے والے بھی کریں ہم حلبی کہا کہ اگر منبر پر سجدہ ممکن ہو تو اسی جگہ کرے

ورنہ منبر سے اُتر کر سجدہ کرے اور سننے والوں کی قید اس لیے لگائی کہ جس نے نہ سنا ہو وہ سجدہ نہ کرے حالانکہ نماز میں مقتدی کے لیے سننا شرط نہیں کذا فی الخانیۃ

باب صلوٰۃ المسافر

یہ باب ہے نماز مسافر کے حکم میں من اضافۃ الشئ الی شرطہ او محلہ اضافت صلوٰۃ کی مسافر کی طرف از قبیل اضافت چیز کے ہے طرف اس کی شرط کے یا اس کے محل کے م یعنی سفر یا شرط ہے نماز مخصوص یعنی قصری نماز کی یا اس کا محل ہے ابو سعود نے کہا شرط نماز کی سفر ہے نہ مسافر کذا فی الطحطاوی ولا یخفی ان التلاوۃ عارض ہو عبادۃ والسفر عارض مباح الا لعارض فلذا اخر الدیہ امر مخفی نہیں کہ تلاوت ایک پیش آنے والی چیز ہے جو عبادت ہے مگر کسی مانع کی جہت سے اور سفر ایک امر عارضی مباح ہے مگر کسی مانع کے سبب سے اس لیے سفر کا حکم پیچھے بیان کیا گیا م یعنی اس باب میں اور سجدہ تلاوت میں مناسبت تو یہ ہے کہ دونوں عارضی ہیں اور وجہ تقدیم سجدۂ تلاوت کی یہ ہے کہ تلاوت میں اصل یہ ہے کہ عبادت ہو مگر کسی وجہ سے مثلاً نمود اور شہرت کے لیے پڑھنا یا حالت جنابت میں پڑھنا کہ عبادت نہیں بلکہ معصیت ہے اور سفر اصل میں مباح ہے مگر کسی وجہ سے عبادت بھی ہو سکتا ہے جیسے حج کا سفر یا حرام ہو سکتا ہے جیسے رہزنی کے لیے سفر کرنا تو جو چیز اصل میں عبادت ہے وہ مقدم ہے اس پر جو اصل میں مباح ہے اور الا لعارض استثناء ہے عبادت اور مباح دونوں سے کذا فی الشامی وسمی بہ لانہ یسفر عن اخلاق الرجال اور سفر اس لیے نام رکھا گیا کہ وہ ظاہر کرتا ہے مردوں کے اخلاق کو م یعنی سفر کے لغوی معنی ظاہر کرنے کے ہیں اور چونکہ سفر اصطلاحی میں آدمی کے اخلاق ظاہر ہو جاتے ہیں اس لیے سفر کہا گیا یا یہ کہ روئے زمین کا حال اس سے ظاہر ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ لفظ مسافر کے معنی میں سے مشارکت کے لیے مستعمل نہیں اور ہو سکتا ہے کہ مشارکت بھی ملحوظ ہو کیونکہ سفر اکثر رفاقت ہی کے ساتھ ہوتا ہے اور ایک رفیق کو دوسرے کی عادتیں ظاہر ہوتی ہیں کذا فی الشامی من خرج من عمارۃ موضع اقامتہ من جانب خروجہ وان لم یجاوز من الجانب الآخر جو شخص نکلے اپنی اقامت کی جگہ کے گھروں سے یعنی اپنے نکلنے کی طرف سے آبادی کے باہر ہو جاوے اگرچہ دوسری طرف سے آبادی سے تجاوز نہ کیا ہو اس طرح کہ کوئی محلہ مثلاً سیدھے سے پڑتا ہو م خبر من کی آگے آتی ہے یعنی وہ دو پڑھے چار رکعتوں والے فرض کو شامی نے کہا کہ عمارت سے غرض گھر ہیں تاکہ خیمہ میں رہنے والے بھی شامل رہیں اور آبادی سے باہر ہونے میں اس طرف کا اعتبار ہے جدھر سے مسافر نکلے تو اگر کوئی محلہ ایسا ہو کہ پہلے شہر میں ملا ہوا تھا اب جدا ہو گیا تو جب تک اس سے باہر نہ ہو جاوے قصر نہ کرے اور باغ داخل آبادی نہیں اگرچہ ان میں بعض اوقات لوگ آکر بستے ہوں یا رکھوالوں کی جھونپڑیاں ہوں کذا فی الخانیۃ ان کان بین الفناء والمصر اقل من غلوۃ ولیس بینہما مزرعۃ یشترط مجاوزتہ والا فلا اور خانیہ میں ہے کہ اگر فنا اور شہر کے درمیان دو سو گز سے کم فاصلہ ہو اور دونوں کے درمیان کھیت نہ ہو تو اس سے باہر نکلنا قصر کے لیے شرط ہے ورنہ شرط نہیں م فناء شہر اس میدان کو کہتے ہیں جو شہر کے نفع کے لیے ہو مثلاً گھوڑوں کے پھیرنے اور مردوں کے دفن کرنے اور مٹی ڈالنے وغیرہ کے لیے تو اس طرح کا مکان اگر شہر سے متصل ہو اور بیچ میں کھیت نہ ہو تو قصر کے لیے واجب ہے کہ اس سے بھی تجاوز کر جائے ورنہ اس سے تجاوز کرنا شرط نہیں غلوہ بفتح معجمہ ۳۰۰ ہاتھ سے ۴۰۰ ہاتھ تک کے فاصلہ کو کہتے ہیں کذا فی الطحطاوی قاصداً ولو کافرا ومن طاف الدنیا بلا قصد لم یقصر مسیرۃ ثلثۃ ایام ولیالیہا من اقصر ایام السنۃ ولا یشترط سفر کل یوم الی اللیل بل الی الزوال اپنی اقامت کی جگہ سے چلے قصد کرنے والا سفر کا اگرچہ حالت کفر میں قصد کیا پھر مسلمان ہو گیا تو اب وہ قصر سے پڑھے اور جو شخص دنیا کے گرد پھرے بدون قصد سفر کے وہ قصر نہ کرے یعنی اگر مثلاً دو منزل کی نیت کی اور جب دوسری منزل پر پہنچا تو پھر آگے کی نیت کی اسی طرح تمام دنیا میں پھرا تو قصر نہ کرے قصد کرے سفر تین دن کا اور ان کی راتوں کا برس کے سب سے چھوٹے دنوں میں سے اور نہیں شرط ہے سفر تمام دن کا رات تک بلکہ شرط ہے زوال تک م شامی نے کہا لیالیہا کا ذکر کرنا مناسب ہے کیونکہ چلنا دن کا مع رات کے معتبر نہیں ہاں اگر وہ دن کی جگہ اور کہتا تو بہتر ہوتا یعنی نیت سفر تین دن کی ہو یا تین راتوں کی دونوں

صورتوں میں قصر کرے اور سال کے سب سے چھوٹے دنوں سے مراد ان ملکوں کے دن ہیں جو معتدل ہوں یعنی جن میں دن بہت چھوٹے نہ ہوتے ہوں جیسے بلغار میں دن چھوٹے سے چھوٹا ایک گھنٹہ کا ہو جاتا ہے تو مصر میں سب سے چھوٹے دنوں میں صبح صادق سے زوال تک پونے سات گھنٹہ ہوتے ہیں تو تین دن کا سفر سوا بیس گھنٹہ کا ہوا انتہی اور بریلی اور سہارنپور میں صبح صادق سے زوال تک ساڑھے چھ گھنٹے سے کچھ زائد چھوٹے دنوں میں ہوتے ہیں اور ہر ایک شہر میں جیسا عرض بلد ہو گا اس کے موافق بقدار کم و بیش ہو گی اور زوال تک سفر کی قید اس لیے لگائی کہ مسافر کو کھانا اور آرام اور نماز بھی ضرور ہے تو اگر پورے روز کے چلنے میں یہ باتیں کرے گا تو نصف روز بلا شبہ صرف ہو گا اس لیے زوال تک کا چلنا معتبر ہوا کذا فی الشامی تبصرف ولا اعتبار علی الفراخ علی المذہب اور اعتبار نہیں فرسخوں کا مذہب کے بموجب ہر فرسخ سو میل کا ہوتا ہے اور ایک میل چار ہزار قدم کا تو اس حساب سے فرسخ بارہ ہزار قدم کا ہوا تو جن لوگوں نے مدت سفر کو ۲۱ یا ۱۸ یا ۱۵ فرسنگ کہا ہے اس کا اعتبار نہیں اس لیے کہ ظاہر الروایت میں اعتبار تین دن کی مسافت کا ہے اور ہدایہ میں اس کو صحیح کہا ہے **بالسیر الوسط مع الاستراحات المعتادة** تین دن کا فاصلہ ہو درمیانی چال سے ساتھ آراموں معتادہ کے ہم یعنی درمیان راہ میں معمولی استراحت کرتا چلے اور درمیانی چال سے مراد پیادہ پا اور اونٹ کی چال ہے نہ چھکڑے اور گھوڑے کی کیونکہ چھکڑے چال بہت سست ہے اور گھوڑے کی تیز غرض کہ عادت اور معمول کے موافق تین ہلکی منزلیں مدت سفر کی ہیں کذا فی الشامی بدائع میں کہا کہ منزلوں کا حال لوگوں کو معلوم ہوتا ہے شبہ کی صورت میں انہیں کی طرف رجوع کرنا چاہیے[۱] **حتی لو اسرع فوصل فی یومین قصر** یہاں تک کہ اگر جلد چلا اور دو روز میں پہنچ گیا تو نماز قصر کرے یعنی تین دن کی راہ دو روز میں قطع کیا تو قصر کرنا چاہیے **ولو لموضع طریقان احدہما مدة السفر والآخر اقل قصر فی الاول دون الثانی** اور اگر کسی جگہ کے دو راستے ہوں ایک مدت سفر ہو اور دوسرا کم تو نماز قصر کرے اول میں نہ دوسرے میں **صلی الفرض الرباعی رکعتین وجوبا لقول ابن عباس ان اللہ فرض علی لسان نبیکم صلوة المقیم اربعا والمسافر رکعتین ولذا عدل المصنف عن قولہم قصر لان الرکعتین لیستا قصرا حقیقة عندنا بل ہما تمام فرضہ والاکمال لیس رخصة فی حقہ بل اساءة** جو شخص اپنی بستی سے باارادہ تین دن کے سفر کے باہر نکلے وہ چار رکعتوں والے فرضوں کو دو رکعتیں پڑھے فرض ہونے کی راہ سے بسبب فرمانے حضرت ابن عباس کے کہ اللہ تعالیٰ نے فرض کی تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی مقیم کی نماز چار رکعتیں اور مسافر کی دو رکعتیں اور اسی لیے مصنف نے عدول کیا فقہا کے قول قصر سے یعنی یہ نہ کہا کہ نماز کو قصر کرے بلکہ یہ کہا کہ دو رکعتیں پڑھے اس لیے کہ دو رکعتیں واقع میں قصر نہیں ہمارے نزدیک بلکہ دونوں رکعتیں مسافر کا پورا فرض ہے اور پوری نماز پڑھنی مسافر کے حق میں اجازت شرعی نہیں بلکہ برائی اور مخالفت سنت کی ہے ہم رخصت کے معنی یہ ہیں کہ حکم اصلی کسی وجہ سے بدل کر صورت تخفیف اور آسانی کی پیدا کرے تو یہ بات مسافر کی نماز میں نہیں کیونکہ اصل میں اس کے لیے دو ہی رکعتیں فرض ہوئی ہیں نہ یہ کہ چار کی دو رہ گئی ہوں بلکہ اول دو ہی رکعتیں سب کے لیے فرض ہوئی تھیں پھر مقیم کے حق میں چار ہو گئیں جیسا کہ صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کذا فی الشامی تبصرف **قلت وفی شروح البخاری ان الصلوات فرضت لیلة الاسراء رکعتین سفرا وحضرا الا المغرب فلما ہاجر علیہ الصلوة والسلام اطمان بالمدینة زیدت الا الفجر لطول القراة فیہا والمغرب لانہا وتر النہار فلما استقر فرض الرباعیة خفف فیہا فی السفر عند نزول قولہ تعالیٰ فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوة وکان قصرہا فی السنة الرابعة من الہجرة وبہذا تجتمع الادلة** انتہی کلامہم فلیحفظ میں کہتا ہوں اور بخاری کی شرحوں میں ہے کہ نمازیں شب معراج میں دو رکعتیں سفر اور اقامت کے لیے فرض ہوئیں سوائے مغرب کے پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی اور مدینہ منورہ میں مطمئن ہوئے دو رکعتیں زائد کی گئیں بجز فجر کی نماز کے کہ وہ دو ہی رہیں بسبب بڑی ہونے قرأت کے نماز فجر میں اور بجز نماز مغرب کے کہ وہ بھی تین ہی رکعتیں رہیں اس لیے کہ وہ وتر ہیں دن کی یعنی دن سے قریب اور اس کے متصل ہیں اس لیے دن کا وتر کہا پھر جب فرض چار رکعت کے ثابت ہو گئے تو سفر میں ان میں تخفیف کی گئی وقت اترنے اس ارشاد خداوندی کے کہ نہیں ہے تم پر گناہ اس سے کہ قصر کرو تم

[۱] یعنی اگر شبہ ہو کہ فلاں مقام تین منزل ہے یا نہیں تو وہاں کے لوگوں سے دریافت کرنا چاہیے اگر دو منزل کہیں تو دو جاننی چاہئیں اور اگر تین کہیں تو تین سمجھنی چاہئیں ۱۲

نماز کو اور نماز کا قصر سنہ چار ہجری میں ہوا اور اس تقریر شارحین سے مطابق ہو جاتی ہیں دلیلیں تمام ہوا کلام بخاری کے شارحوں کا تو اس کو یاد رکھنا چاہیے م یعنی ہماری دلیل جو قول ابن عباسؓ کا ہے کہ مسافر کے لیے دو رکعتیں ہیں یہ بلحاظ اس صورت کے ہے جس پر آخر کو نماز ٹھہری اور امام شافعی جو مسافر کو پورا پڑھنا جائز بتاتے ہیں وہ اس لحاظ سے کہ بعد ہجرت کے رکعتوں میں زیادتی ہوئی کذا فی الطحطاوی شامی نے کہا کہ یہ دلیل امام شافعی کے مذہب پر مبنی ہے اس لیے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض چار رکعت سفر اور حضر دونوں میں ہو گئے پھر سفر میں تخفیف ہو گئی حالانکہ یہ بات ہمارے مذہب کے خلاف ہے اور نیز اس حدیث کے خلاف ہے جو حضرت عائشہؓ سے صحیحین میں مروی ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز سفر کی ہرگز زیادہ نہیں ہوئی اور آیت ان تقصروا سے مراد نماز کی صورت کا قصر کرنا اور خوف کے وقت قصر کی طرح ادا کرنا ہے چنانچہ شرح نہر میں مفصل مذکور ہے انتہی حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ سب سے پہلے قصر نماز عصر میں ہوا جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ انمار میں مقام عسفان پر قصر سے پڑھا کذا فی الطحطاوی **ولو کان عاصیا بسفرہ لان القبح المجاور لا یعدم المشروعیۃ** مسافر چار رکعتوں والے فرض کو دو پڑھے اگرچہ اپنے سفر کے سبب سے معصیت کرنے والا ہو مثلاً سفر اس لیے کرتا ہو کہ رہزنی کرے تب بھی قصر کرے اس لیے کہ برائی ساتھ ہو جانے والی نہیں معدوم کرتی ہے مشروع ہونے کو م یعنی جو برائی سے یہ غرض کہ جدا ہو سکنے کے قابل ہو مثلاً سفر معصیت میں برائی جدا ہے اس لیے کہ معصیت بدون سفر کے بھی ممکن ہے تو اس قسم کی برائی قصر کے مشروع ہونے کو مسافر کے لیے مضر نہیں کذا فی الطحطاوی

حتی یدخل موضع مقامہ ان سار مدۃ السفر والا فیتم بمجرد نیۃ العود لعدم استحکام السفر مسافر نماز میں قصر کرتا ہے جب تک کہ داخل ہو اپنی اقامت کی جگہ میں بشرطیکہ مدت سفر کی چل چکا ہو اور اگر مدت سفر نہ گیا ہو تو بمجرد نیت گھر کو پھرنے کے پوری نماز پڑھے بسبب نہ مستحکم ہونے سفر کے م صورت مسئلہ کی یہ کہ ایک شخص بارادۂ سفر چار منزل کے اپنے شہر سے نکلا اور دو منزل جا کر پھرنے کی نیت کی تو اس صورت میں اسی وقت سے پوری نماز پڑھے اور اگر تین منزل جا کر پھرے تو اپنے شہر میں آنے تک قصر کرے شامی نے کہا کہ جیسے ابتداء قصر کے لیے شہر سے نکلنا شرط ہے ویسے ہی بقاء قصر کے لیے مدت سفر کا پورا ہو جانا ضروری ہے **او ینوی ولو فی الصلوۃ اذا لم یخرج وقتہا ولم یک لاحقا اقامۃ نصف شہر حقیقۃ او حکما لما فی البزازیۃ وغیرہا ولو دخل الحاج الشام وعلم انہ لا یخرج الا مع القافلۃ فی نصف شوال اتم لانہ کناوی الاقامۃ بموضع واحد صالح لہا من مصر او قریۃ او صحراء دارنا وہو من اہل الاخبیۃ** یا قصر کیے جائے مسافر جب تک کہ نیت اقامت کی کرے پندرہ دن ایک جگہ میں جو لائق اقامت کے ہو یعنی شہر یا گاؤں میں یا دار الاسلام کے صحرا میں حالانکہ مسافر خیمہ والوں میں سے ہو تو اگر مسافر خیمہ کے باشندوں میں سے نہ ہو اور نیت اقامت کی صحرا میں کرے تو اس کی نیت معتبر نہ ہو گی شارح نے کہا کہ اگرچہ نیت اقامت کی نماز کے اندر کرے بشرطیکہ نماز کا وقت نہ نکلا ہو اور مسافر لاحق نہ ہو یعنی اس صورت میں فرض دو کی جگہ چار پڑھنے ہوں گے اور اگر نماز پڑھنے میں وقت نکل گیا اور اقامت کی نیت کی تو اس نماز کی چار رکعتیں پڑھنی نہ پڑیں گی اسی طرح مسافر نے اگر مسافر کے پیچھے اقتدا کیا اور لاحق ہو گیا تو اس وقت نیت اقامت معتبر نہ ہو گی پھر نیت اقامت پندرہ دن کی حقیقت میں ہو یا حکماً دونوں معتبر ہیں حکماً کی مثال بزازیہ وغیرہا میں ہے کہ اگر حاجی شام میں داخل ہوا اور جانا کہ بدون قافلہ کی ہمراہی کے جو پندرھویں شوال کو چلے گا روانہ ہو گا تو وہ پوری نماز پڑھے اس لیے کہ وہ مثل اقامت کی نیت کرنے والے کے ہے یعنی گو حقیقت میں نیت اقامت کی نہیں کی مگر چونکہ عزم روانگی کا قافلہ کے ساتھ کیا اس لیے ضمناً اور حکماً اقامت کی نیت ہو گئی کذا فی الشامی

فیصلی رکعتین ان نوی الاقامۃ فی اقل منہ ای من نصف شہر او نوی فیہ لکن فی غیر صالح کبحر او جزیرۃ او نوی فیہ بموضعین مستقلین کمکۃ ومنی پس نماز پڑھے دو رکعتیں یعنی قصر کے ساتھ اگر نیت اقامت کی کرے کم پندرہ دن سے یا پندرہ دن کی اقامت کی نیت کرے اگر ایسی جگہ میں ہو جو قابل اقامت نہ ہو جیسے دریا میں یا جزیرہ میں آبادی نہ ہو یا اقامت کی نیت کرے قابل اقامت جگہ میں لیکن دو مستقل جگہ میں پندرہ دن رہنے کی نیت کرے جیسے مکہ اور منیٰ میں مثلاً یعنی خواہ وہ دونوں شہر ہوں یا گاؤں یا ایک شہر ہو اور ایک گاؤں غرض کہ ان سب صورتوں میں مقیم نہ ہو گا

فلو دخل الحاج مکۃ ایام العشر لم تصح نیتہ لانہ یخرج الی منیٰ وعرفۃ فصار کنیۃ الاقامۃ فی غیر موضعہا پھر اگر داخل ہو حاجی مکہ میں دس دنوں میں ذی الحجہ کے
تو ان تاریخوں میں نیت اقامت درست نہ ہوگی اس لیے کہ وہ منیٰ اور عرفات کو جائے گا تو ایسا ہوا جیسے نیت اقامت موضع اقامت کے سوا میں
کرنا یعنی جب عزم نکلنے کا منیٰ اور عرفات میں ہے تو نیت اقامت بے محل ہوگی وبعد عودہ من منیٰ تصح کما لو نوی مبیتہ باحدہما او کان احدہما تبعا
للآخر بحیث یجب الجمعۃ علی ساکنہ للاتحاد حکما اور بعد رجوع کرنے کے منیٰ سے نیت اقامت کی درست ہے جیسے درست ہے نیت اگر نیت کی رات
کے رہنے کی دونوں جگہ میں سے ایک میں مثلاً یہ نیت کی کہ دن کو مکہ میں رہوں گا اور رات کو منیٰ میں تو درست ہے اس لیے کہ اقامت میں
رات کے رہنے کا اعتبار ہے تو جب منیٰ میں داخل ہوگا مقیم ہو جائے گا یا دونوں جگہ میں سے ایک تابع ہو دوسرے کی اس طرح کہ واجب ہو جمعہ
اس کے رہنے والے پر بسبب اتحاد حکمی کے یعنی اگر ایک گاؤں شہر کے اس قدر پاس ہو کہ اس میں اذان جمعہ کی آواز آتی ہو تو دونوں میں اقامت
کی نیت کرنی مثلاً یوں نیت کرنی کہ شہر میں دس روز اور گاؤں میں پانچ روز رہوں گا درست ہے اس لیے کہ دونوں حکم کی راہ سے ایک ہیں او لم یکن
مستقلا برایہ کعبد وامرأۃ یا نماز قصر پڑھے وہ شخص جو اپنی رائے میں مستقل نہ ہو جیسے غلام اور عورت یعنی اگر کوئی شخص دوسرے کا تابع ہو تو نیت اقامت میں
آقا کا اعتبار ہے نہ تابع کا مثلاً غلام یا عورت نے نیت اقامت کی اور آقا یا شوہر نے نہ کی یا ان کا حال معلوم نہ ہوا کہ کی یا نہیں تو غلام یا عورت قصر سے
نماز پڑھے کذا فی الشامی او دخل بلدۃ ولم ینوہا ای مدۃ الاقامۃ بل ترقب السفر غدا او بعدہ ولو بقی علی ذلک سنین الا ان یعلم تاخر القافلۃ
نصف شہر کما مر یا دہ شخص قصر کیے جائے جو کسی شہر میں داخل ہو کسی کام کو یا انتظار رفقا کے لیے اور مدت اقامت کی نیت نہ کرے بلکہ متوقع سفر کا ہو
کل یا پرسوں اگرچہ اس توقع پر برسوں رہے تب بھی قصر کرتا رہے مگر یہ کہ جانے دیر کر چلنا قافلہ کا پندرہ روز چنانچہ بزازیہ کے مسئلہ میں گذرا میں یعنی
اگر نیت میں تردد رہا اور ہر روز یہی جانا کہ کل جاؤں گا تو ایسی نیت سے اقامت نہ ہوگی جب تک پختہ ارادہ پندرہ دن کی اقامت کا نہ کرے وکذا
رکعتین عسکر دخل ارض حرب او حاصر حصنا فیہا بخلاف من دخلہا بامان فانہ یتم او حاصر اہل البغی فی دارنا فی غیر مصر مع نیۃ الاقامۃ
مدتہا للتردد بین القرار والفرار اور اسی طرح دو رکعتیں پڑھے وہ لشکر کہ داخل ہو زمین حرب میں یا محاصرہ کرے کسی قلعہ کا دار الحرب میں بخلاف
اس شخص کے کہ دار الحرب میں امن لے کر داخل ہو کہ وہ پوری نماز پڑھے کیونکہ امن کے باعث کوئی اس کا مزاحم نہ ہوگا اس کو تردد ہو یا وہ لشکر قصر کرے
جو محاصرہ کرے باغیوں کا دار الاسلام میں غیر شہر میں باوجود نیت اقامت کے مدت تک واسطے تردد کے درمیان ٹھہرنے اور کوچ کے مراد باغی اس
کو کہتے ہیں جو امام کی اطاعت نہ کریں کذا فی النہر شامی نے کہا کہ غیر مصر قید نہیں ہے اگر شہر میں محاصرہ کے لیے فروکش ہوں تب بھی نیت اقامت
درست نہ ہوگی چنانچہ معراج میں مصرح ہے اور علت مسئلہ جو شارح نے ذکر کی وہ بھی اسی کی مقتضی ہے انتہی بخلاف اہل الاخبیۃ کعرب وترکمان
نووہا فی المفازۃ فانہا تصح فی الاصح وبہ یفتی اذا کان عندہم من الماء والکلاء ما یکفیہم مدتہا لان الاقامۃ اصل بخلاف خیموں کے باشندوں کے مثل
بدوؤں اور ترکمانوں کے کہ نیت کریں اقامت کی جنگل میں کہ ان کی نیت درست ہے صحیح تر قول میں اور اسی پر فتویٰ ہے بشرطیکہ ان کے پاس پانی
اور چارہ اتنا ہو کہ مدت اقامت کے لیے کافی ہو اس لیے نیت درست ہے کہ اقامت اصل ہے یعنی ایک چراگاہ سے دوسرے میں جانے کے سبب سے
اقامت جاتی نہ رہے گی اور قول اصح کا مقابل قول ضعیف یہ ہے کہ وہ قصر کریں کیونکہ جنگل محل اقامت نہیں کذا فی الطحاوی الا اذا قصدوا موضعا بینہما مدۃ
السفر فیقصرون ان نووا سفرا ثلاثا مگر جب خیموں والے جائیں ایسی جگہ کو کہ دونوں جگہوں میں فاصلہ مدت سفر کا ہو تو اس صورت میں قصر کریں بشرطیکہ
سفر کی نیت کریں اور اگر نیت سفر نہ کریں تو قصر بھی نہ کریں ولو نوی غیرہم الاقامۃ معہم لم یصح فی الاصح اور اگر نیت اقامت کرے غیر خیمہ والوں کا ان کے
ساتھ تو درست نہ ہوگی یہ صحیح قول میں والحاصل ان شرط الاتمام ستۃ النیۃ والمدۃ واستقلال الرائے وترک السیر واتحاد الموضع وصلاحیتہ قہستانی اور

حاصل یہ ہے کہ شرطیں پوری نماز پڑھنے کی مسافر کے لیے چھ ہیں اوّل نیت اقامت کی دوّم مدت اقامت پندرہ روز کی سوّم رائے کا مستقل ہونا یعنی کسی
کا تابع نہ ہونا چہارم سیر کا ترک کرنا یعنی اگر جنگل میں ہو اور کسی شہر یا گاؤں کو دیکھ کر اقامت کی نیت کرے تو چلنا موقوف کرنے سے نیت صحیح ہوگی
پنجم اقامت کی جگہ کا ایک ہونا ششم جگہ کا لائق اقامت ہونا کذا فی القہستانی فلو اتم مسافر ان قعد فی القعدۃ الاولی تم فرضہ ولکنہ اساء لو عامدًا
لتاخیر السلام وترک واجب القصر وواجب تکبیرۃ افتتاح النفل وخلط النفل بالفرض وہذا لا یحل کما حررہ القہستانی بعد ان فسر اساء باثم واستحق النار وما زاد نفل
کمصلی الفجر اربعا پس اگر چار رکعتیں پڑھیں کسی مسافر نے تو اگر وہ قعدہ اولیٰ میں بیٹھا ہے تب تو اس کے فرض پورے ہو جائیں گے مگر اس نے برا
کیا کہ دو کی جگہ چار پڑھیں اور دو رکعتیں زائد نفل ہونگی جیسے فجر کی نماز کو کوئی چار پڑھے تو اس صورت میں بھی دو فرض اور دو نفلیں ہوں گے شارح نے
کہا کہ برائی اس صورت میں ہے کہ دانستہ ایسا کیا ہو کیونکہ چار پڑھنے میں اتنی خرابیاں ہوئیں اوّل سلام میں دیر کرنا دوّم قصر واجب کو ترک کرنا
سوّم نفل کی تکبیر تحریمہ واجب کو چھوڑنا چہارم نفل کو فرض میں ملا دینا حالانکہ یہ چاروں باتیں حلال نہیں چنانچہ قہستانی نے اس کو شرح بیان کیا ہے
اور پہلے یوں ذکر کیا ہے کہ معنی اساء کے یہ ہیں کہ وہ شخص گناہ گار اور مستحق آگ کا ہوا شامی نے کہا تو اس سے معلوم ہوا کہ مسافر کو نماز کا پورا پڑھنا مکروہ تحریمی ہے
وان لم یقعد بطل فرضہ وصار الکل نفلا لترک القعدۃ المفروضۃ الا اذا نوی الاقامۃ قبل ان یقید الثالثۃ بسجدۃ لکنہ یعید القیام والرکوع لوقوعہ نفلا فلا ینوب عن الفرض
ولو نوی فی السجدۃ صار نفلا اور اگر قعدہ اولیٰ میں مسافر نہ بیٹھا تو اس کے فرض باطل ہوگئے اور کل رکعتیں نفل ہو گئیں فرض باطل ہوئے بسبب چھوٹنے قعدہ
فرض کے مگر فرض باطل نہ ہوں گے اگر نیت کرے اقامت کی پہلے اس سے کہ تیسری رکعت کا سجدہ کرے لیکن وہ اعادہ کرے قیام اور رکوع تیسری رکعت کا
بسبب واقع ہونے اس قیام و رکوع کے نفل تو وہ قیام و رکوع فرض کا قائم مقام نہ ہوگا اور اگر تیسری رکعت کے سجدہ میں نیت اقامت کرے گا تو سب نفل
ہو جائیں گے م شامی نے کہا کہ الا اذا نوی استثنا دونوں صورتوں سے ہے یعنی اگر قعدہ اولیٰ میں بیٹھا یا نہیں مگر تیسری رکعت میں قبل سجدہ نیت اقامت کرلی تو
فرض باطل نہ ہوں گے اور سجدہ کے اندر نیت کرنے سے نفل ہو جانا مذہب امام ابو یوسفؒ کا ہے اور یہ خاص پچھلی صورتوں میں ہے کہ قعدہ اولیٰ میں نہ بیٹھا ہو
انتہی وصح اقتداء المقیم بالمسافر فی الوقت وبعدہ فاذا قام المقیم الی الاتمام لا یقرا ولا یسجد للسہو فی الاصح لانہ کاللاحق والقعدتان فرض علیہ وقیل
لا قنیۃ اور درست ہے اقتدا مقیم کا پیچھے مسافر کے وقت کے اندر اور بعد وقت کے یعنی مثلاً دونوں ایک ہی نماز کو قضا پڑھیں تو جب مقیم اپنی نماز کے پورا
کرنے کو کھڑا ہو بعد امام کے سلام پھیرنے کے تو باقی کی دو رکعتوں میں قرات نہ پڑھے بلکہ مقدار الحمد کے چپ کھڑا ہو کر رکوع و سجدہ کرے اور مقیم سجدہ
سہو بھی نہ کرے صحیح تر قول میں قرات نہ پڑھے اس لیے کہ مقیم مثل لاحق کے ہے اور دونوں قعدے فرض ہیں مقیم مذکور پر یعنی ایک امام کی تبعیت سے اور دوسرا
اخیر ہونے کی جہت سے اور بعضوں نے کہا کہ پہلا قعدہ اس پر فرض نہیں کذا فی القنیہ وندب للامام ہذا یخالف الخانیۃ وغیرہا ان العلم بحال الامام شرط لکن فی
حاشیۃ الہدایۃ للہندی الشرط العلم بحالہ فی الجملۃ لا فی حال الابتداء وفی شرح الارشاد ینبغی ان یخبرہم قبل شروعہ والا فبعد سلامہ وان یقول بعد التسلیمتین فی
الاصح اتموا صلوتکم فانی مسافر لدفع توہم انہ سہا اور مستحب ہے امام مسافر کو یہ کہہ دینا مقتدیوں سے بعد دونوں سلام کے صحیح تر قول میں کہ اپنی نماز کو
پورا کرلو کہ میں مسافر ہوں یہ قول اس وہم کے دور کرنے کے لیے مستحب ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ امام نے سہو کیا شارح نے کہا کہ یہ قول ماتن کا کہ امام کو مستحب ہے
خبردار کر دینا اپنے حال سے مخالف ہے قول خانیہ وغیرہا کے کہ ان میں اقتدا کے لیے جاننا امام کے حال کا شرط ہے یعنی قول ماتن سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدیوں کو
امام کا حال معلوم نہیں کہ مسافر ہے یا مقیم اور خانیہ وغیرہا میں مذکور ہے کہ اقتدا کی شرط ہے معلوم ہونا امام کے حال کا تو دونوں میں اختلاف ہوا لیکن ہندی کے حاشیہ ہدایہ
میں ہے کہ شرط اقتدا امام کے حال کا معلوم ہونا ہے فی الجملہ خواہ ابتدا میں معلوم ہو خواہ انتہا میں یہ نہیں کہ شروع ہی میں معلوم ہو تو اس تقریر سے شارح نے
اختلاف ماتن اور خانیہ کے قولوں کا دفع کر دیا اور شرح ارشاد میں ہے کہ امام کو چاہیے یعنی مستحب ہے کہ مقتدیوں سے قبل اپنے شروع کرنے کے کہہ دے

کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی مقتدی اس کا حال نہ جانتا ہو اور اگر شروع نماز سے پیشتر نہ کہے تو بعد سلام کے آگاہ کر دے ولو نوی الاقامۃ لاتحقیقہا بل لیتم صلوٰۃ المقیمین لم یصر مقیما اور اگر امام مسافر نیت اقامت کی کرے نہ حقیقت میں اقامت کے لیے بلکہ اس غرض سے کہ مقیم مقتدیوں کی نماز پوری پڑھا دے تو ایسی نیت سے مقیم نہ ہوگا یعنی اس صورت میں اس کے فرض چار نہ ہوں گے دو فرض اور دو نفلیں ہوں گی اور اگر مقتدی اس کے پیچھے اپنی نماز پوری کریں گے تو ان کی نماز فاسد ہوگی کیونکہ نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھیں گے کذا فی الشامی وان اقتدی المسافر بالمقیم فیصح فی الوقت ویتم لا بعدہ فیما یتغیر لانہ اقتداء المفترض بالمتنفل فی حق القعدۃ لو اقتدی فی الاولیین او القراءۃ لو فی الاخریین اور اقتدا کرنا مسافر کا پیچھے مقیم کے درست ہے وقت کے اندر اور مسافر اس صورت میں چار رکعتیں پڑھے یعنی امام کی تبعیت کی جہت سے اس کے فرض بھی چار ہو جائیں گے نہیں درست ہے اقتدا مسافر کا پیچھے مقیم کے بعد وقت کے ان نمازوں میں کہ بدل جاتی ہے یعنی ظہر و عصر و عشا میں اس لیے کہ اگر مسافر اول دوگانہ میں اقتدا مقیم کا کرے گا تو فرض پڑھنے والے کا اقتدا ہوگا پیچھے نفل والے یعنی غیر فرض پڑھنے والے کے قعدۂ اولیٰ کے حق میں کہ وہ مقیم کے حق میں واجب ہے اور مسافر کے حق میں فرض اور اگر پچھلے دوگانہ میں اقتدا کرے گا تو قرأت کے حق میں اقتدا مفترض کا متنفل کے پیچھے ہوگا کیونکہ قرأت مقیم کے حق میں سنت ہے پچھلے دوگانہ میں اور مسافر کے حق میں فرض غرض کہ قضا نماز میں اقتدا مسافر کا مقیم کے پیچھے درست نہیں چار رکعت والی نمازوں میں اور فجر و مغرب کی نمازوں میں درست ہے خواہ ادا ہوں یا قضا فیہما وفی المسافر بالسنن ان کان فی حال امن وقرار والا بان کان فی خوف وفرار لا یاتی بہا ہو المختار لانہ ترک لعذر تجنیس قیل الا سنۃ الفجر اور مسافر تو کد سنتوں کو پڑھے اگر امن اور چین کی حالت میں ہو یعنی حالت قرار کشتی اور اطمینان میں اور اگر امن وقرار نہ ہو اس طرح کہ خوف یا جلدی میں ہو تو سنتیں نہ پڑھے یہی مختار ہے اس لیے کہ یہ چھوڑنا ہے عذر کے باعث کذا فی التجنیس ایک قول یہ ہے کہ فجر کی سنتیں نہ چھوڑے یعنی اس وجہ سے کہ وہ مثل واجب کے ہیں والمعتبر فی تغییر الفرض آخر الوقت وہو قدر ما یسع التحریمۃ فان کان المکلف فی آخرہ مسافرا وجب رکعتان والا فاربع لانہ المعتبر فی السببیۃ عند عدم الاداء قبلہ اور معتبر فرضوں کے بدلنے میں آخر وقت ہے یعنی اس قدر کہ گنجائش تحریمہ کی رکھتا ہو تو اگر مسلمان عاقل بالغ آخر وقت میں مسافر ہوگا تو دو رکعتیں واجب ہوں گی اور اگر اس وقت میں مسافر نہ ہوگا تو چار پڑھنی واجب ہوں گی اس لیے کہ آخر وقت ہی معتبر ہے سبب ہونے میں وقت نہ ادا کرنے کے پہلے اس وقت سے مراد یعنی سبب وجوب نماز کا وقت کا آخر حصہ ہوتا ہے اگر اس سے پیشتر ادا نہ کر چکا ہو مثلاً اگر آخر وقت میں لڑکا بالغ ہوا یا کافر مسلمان ہوا یا مجنون ہوش میں آیا یا حائضہ پاک ہوئی تو اس وقت کی نماز ان کو لازم ہوگی اسی طرح اقامت و سفر میں آخر وقت کا اعتبار کیا گیا کذا فی الشامی الوطن الاصلی ہو موضع ولادتہ او تاہلہ او توطنہ یبطل بمثلہ اذا لم یبق لہ بالاول اہل فلو بقی لم یبطل بل یتم فیہما لا غیر وطن اصلی باطل ہو جاتا ہے اپنے جیسے وطن اصلی سے جب کہ اول وطن میں آدمی کے گھر والے نہ رہے ہوں اور اگر رہے ہوں تو باطل نہ ہوگا بلکہ وہ شخص نماز پوری پڑھے دونوں میں خواہ نیت اقامت کرے یا نہیں نہیں باطل ہوتا وطن اصلی دوسرے وطنوں سے شارح نے کہا کہ وطن اصلی آدمی کے پیدا ہونے کی جگہ ہے یا شادی کرنے کا مقام یا وطن بنانے کا مکان مع وطن کی تین قسمیں ہیں ایک وطن اصلی جس کی تعریف شارح نے بیان کی اس کو وطن اہلی اور وطن الفطرۃ بھی کہتے ہیں دوم وطن اقامت یعنی وہ مکان جس میں پندرہ روز یا زیادہ کے ٹھہرنے کی نیت کرے اس کو وطن مستعار اور وطن حادث بھی کہتے ہیں تیسرا وطن سکنی جس میں پندرہ روز سے کم رہنے کی نیت ہو تو وطن اصلی میں آدمی مقیم کا حکم رکھتا ہے اگرچہ ایک ہی شب رہے مثلاً اثنا سفر میں وطن اصلی آ گیا اور وہاں منزل کی تو نماز پوری پڑھے اور اگر دوسرے مقام کو وطن اصلی بنائے گا تب اول وطن اصلی نہ رہے گا بشرطیکہ گھر والے بھی اول وطن سے اٹھ گئے ہوں اور اگر گھر والے ایک جگہ بستے ہوں اور خود دوسری جگہ رہنے کا قصد کر لیا ہے تو دونوں مقام وطن اصلی متصور ہوں گے دونوں میں نماز پوری پڑھے ویبطل وطن الاقامۃ بمثلہ وبالوطن الاصلی وبانشاء السفر اور باطل ہو جاتا ہے وطن اقامت اس

جیسے وطن اقامت سے اور وطن اصلی سے اور سفر کر جانے سے م یعنی اگر ایک جگہ میں نیت پندرہ دن یا زیادہ کے رہنے کی ہے تو اگر اس کو چھوڑ کر دوسرے مقام میں نیت کرے گا تو پہلا مقام وطن نہ رہے گا اسی طرح اگر وطن اصلی کو چلا جاوے گا تب بھی وہ وطن نہ رہے گا اور یہی حال وطن اقامت سے سفر کر جانے کا ہے تو اگر ان حالتوں میں وطن اقامت پر گذر ہو اور نیت اقامت کی نہ کرے تو نماز قصر سے پڑھے کذا فی الشامی والاصل ان الشئی یبطل بمثلہ وبما فوقہ لا بما دونہ اور قاعدہ یہ ہے کہ چیز اپنے مثل اور اپنے اوپر کی چیز سے باطل ہوتی ہے نہ اپنے سے کمتر سے یعنی سب میں قوی وطن اصلی ہے اس سے وطن اقامت وغیرہ باطل ہو جاتے ہیں اور وطن اقامت سے وطن اصلی باطل نہیں ہوتا ولم یذکر وطن السکنی وہو ما نوی فیہ اقل من نصف شہر لعدم فائدتہ اور مصنف نے ذکر نہ کیا وطن سکنی کو یعنی اس مقام کو جس میں نیت پندرہ دن سے کم رہنے کی ہو بسبب اس کے فائدہ مند ہونے کے یعنی وطن سکنی میں تغیر نہ مقیم کے لیے ہے نہ مسافر کے لیے اس لیے ذکر سے کچھ فائدہ نہیں وما صورہ الزیلعی رده فی البحر اور زیلعی نے جو صورت مسئلہ کی وطن سکنی کے لیے بنائی ہے اس کو بحر الرائق میں رد کیا ہے م زیلعی نے یہ صورت فرض کی ہے کہ ایک شخص اپنے شہر سے کسی گاؤں بدون ارادہ سفر کے اپنے کام کو گیا اور اس گاؤں میں پندرہ دن سے کم رہنے کی نیت کی تو وہ پوری نماز پڑھے گا کیونکہ مقیم ہے پھر فرض کرو کہ وہ گاؤں سے بقصد سفر کے باہر نکلا اور بستی سے باہر ہو کر ابھی نہ اپنے شہر میں گیا تھا اور نہ کسی جگہ رات کو رہا تھا کہ اس کو یہ سوجھا کہ سفر نہ کیجیے تو وہ قصر سے نماز پڑھے گا کہ مسافر ہو گیا اور اگر اتفاقاً سفر کے بعد اسی گاؤں میں کو گذرے تو وہ اس گاؤں میں کہ اس کا وطن سکنی ہے پوری نماز پڑھے اس لیے کہ اس سے کوئی ایسا فعل نہیں پایا گیا جس سے وطن سکنی باطل ہو جاتا یعنی نہ تو اس نے دوسری جگہ اقامت کی ہے کہ وہ وطن سکنی ہوتا اور اپنے مثل پہلے وطن سکنی کو باطل کر دیتا اور نہ اپنے گھر گیا ہے کہ وطن اصلی کے سبب سے وطن سکنی باطل ہوتا اور نہ اس گاؤں سے سفر کیا بلکہ سفر اس سے باہر نکل کر کیا ہے تو جب کوئی مبطل وطن سکنی نہ پایا گیا اس لیے نماز پوری پڑھی صاحب بحر الرائق نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جب بعد نیت سفر وہ گاؤں میں آیا تو ہنوز اس کا سفر باقی ہے کیونکہ اقامت کی نیت نہیں کی حالانکہ سفر سے وطن اقامت باطل ہو جاتا ہے جو وطن سکنی سے قوی ہے تو وطن سکنی کیسے باطل نہ ہو گا پس یہ کہنا کہ وطن سکنی کا کوئی مبطل نہیں پایا گیا غلط ہے اس لیے کہ یہاں تو اس کا مبطل سفر موجود ہے اور پورا بیان اس مسئلہ کا شامی میں ہے والمعتبر نیۃ المتبوع لانہ الاصل لا التابع کامرأۃ وفاہا مہرہا المعجل وعبد غیر مکاتب وجندی اذا کان یرتزق من الامیر او بیت المال واجیر واسیر وغریم وتلمیذ مع زوج ومولی وامیر ومستاجر لف ونشر مرتب اور معتبر نیت متبوع کی ہے اس لیے کہ وہ اصل ہے یعنی اقامت اور سفر پر قادر ہے نہیں معتبر ہے نیت تابع کی مثلاً زوجہ کی نیت معتبر نہیں شوہر کے ساتھ بشرطیکہ شوہر نے اس کو مہر معجل دے دیا ہو اور اگر نہ دیا ہو تو وہ تابع شوہر کی نہ ہو گی کیونکہ بدون ادائے مہر معجل شوہر اس کو سفر میں لے جانے پر قادر نہیں اور زوجہ کو اختیار ہے کہ اس وجہ سے شوہر کے پاس نہ جائے اور مثلاً غلام کی نیت معتبر نہیں آقا کے ساتھ بجز مکاتب کے اس لیے کہ مکاتب کو بدون اذن آقا کے سفر کا اختیار ہے تو اس پر اطاعت آقا کی ضروری نہیں اور لشکری کی نیت معتبر نہیں امیر کے ساتھ جب کہ لشکری کا کھانا امیر سے ملتا ہو یا بیت المال سے اور اگر اپنے پاس سے کھاتا ہو تو اسی کی نیت معتبر ہو گی اور مزدور کی نیت معتبر نہیں مستاجر کے ساتھ شامی نے کہا کہ یہ اس صورت میں ہے کہ ماہیہ یا سالانہ ملتا ہو اور اگر یومیہ پاتا ہو تو شام کے وقت اجرت فسخ کر سکتا ہے اسی لیے اعتبار اس کی نیت کا ہو گا نہ مستاجر کی اور قیدی کی نیت معتبر نہیں قید کرنے والے کے ساتھ اور قرضدار کی نیت معتبر نہیں قرض خواہ کے ساتھ بشرطیکہ قرضدار مفلس نہ ہو اور شاگرد کی نیت معتبر نہیں استاد کے ساتھ جب کہ استاد کے ذمہ کھانا ہو شارح نے کہا کہ عبارت ماتن میں لف ونشر مرتب ہے اسی لیے مترجم نے الفاظ نشر کو مناسب جگہ پر ترجمہ کیا شامی نے کہا کہ بیٹا بالغ اگر باپ کی خدمت کرتا جاتا ہو تو اس کی نیت کا بھی اعتبار نہ ہونا چاہیے قلت فتقید المعیۃ ملاحظ فی تحقق التبعیۃ مع ملاحظۃ شرط آخر محقق لذلک وہو الارتزاق

فی مسئلۃ الجندی و وفاء المہر فی المرأۃ وعدم کتابۃ العبد میں کہتا ہوں کہ قید ساتھ ہونے کی ملحوظ ہے تبعیت کے ثابت ہونے میں مع ایک دوسری
شرط کے لحاظ کے جو تبعیت کو ثابت کرتی ہے وہ دوسری شرط لشکری کے مسئلہ میں کھانا ملنا ہے اور عورت کے مسئلہ میں مہر معجل کا دینا اور غلام کا مکاتب
نہ ہونا شامی نے کہا کہ تابع جب متبوع کے ساتھ ہو تو اپنے متبوع سے حال اقامت و سفر کا دریافت کرے اگر وہ بتا دے تو اس کے بموجب کاربند
ہو ورنہ جس حال پر ہو اسی پر عمل کرے یعنی سفر کی صورت میں قصر کرے اور اقامت میں پوری نماز پڑھے وبہ بان جواب حادثۃ جزیرۃ کرید سنۃ ثمانین
والف اور اس دوسری شرط کے لحاظ سے ظاہر ہوا جواب حادثہ جزیرہ کرید کا سنہ ایک ہزار اسی ۱۰۸۰ میں م کرید بکسر کاف فارسی نام ایک جزیرہ کا ہے اور
حادثہ یہ تھا کہ ہزیمت اور شکست کے بعد لشکری تتر بتر ہو گئے یعنی نہ امیر کے ساتھ رہے نہ اس کی طرف سے ان کو کھانا ملا تو ہر ایک تابع در رہا مستقل ہو گیا
قالہ المحشی طحطاوی نے کہا کہ شاید یہ جواب حادثہ کا شارح نے کتاب کی تالیف کے بعد ملحق کیا ہے کیونکہ تالیف کتاب سے تو ۱۰۷۱ھ میں فراغت پائی تھی
چنانچہ آخر کتاب میں جو لکھا ہے یا کسی شاگرد نے بڑھا دیا ہو ولا بد من علم التابع بنیۃ المتبوع فلو نوی المتبوع الاقامۃ ولم یعلم التابع فہو مسافر
حتی یعلم علی الاصح وفی الفیض وبہ یفتی کما فی المحیط وغیرہ دفعا للضرر عنہ اور ضرور ہے جاننا تابع کا متبوع کی نیت کو پس اگر متبوع اقامت کی نیت
کرے اور تابع کو معلوم نہ ہو تو تابع مسافر رہے گا جب تک کہ اس کو علم ہو صحیح تر قول کے بموجب اور فیض میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے چنانچہ محیط وغیرہ
میں ہے واسطے دور کرنے ضرر کے تابع سے یعنی اس کی بے علمی میں اگر اس کو دو کی جگہ چار رکعتیں لازم کی جائیں تو اس کا ضرر ہو گا فما فی الخلاصۃ عبد ام
مولاہ فنوی المولی الاقامۃ ان اتم صحت صلاتہما والا لا مبنی علی خلاف الاصح پس جو مسئلہ خلاصہ میں ہے کہ ایک غلام اپنے آقا کا امام ہو اور آقا نے اقامت
کی نیت کر لی تو اگر غلام چار رکعتیں پڑھے گا تب تو دونوں کی نماز صحیح ہو گی اور اگر پوری نہ پڑھے گا تو نماز دونوں کی درست نہ ہو گی غلام کی اس وجہ سے
کہ اس کو چار پڑھنی چاہئیں تھیں دو پڑھیں اور آقا کی اس وجہ سے کہ غلام کی نماز پر اس کی بنا ہے تو یہ مسئلہ اصح قول کے خلاف پر مبنی ہے یعنی جس قول میں
کہ نیت متبوع کا علم تابع کو ضرور نہیں والقضاء یحکی ای یشابہ الاداء سفرا وحضرا لانہ بعد ما تقرر لا یتغیر اور قضا نماز مشابہ ادا کے ہے سفر میں اور اقامت
میں اس لیے کہ قضا بعد ثابت ہونے کے متغیر نہیں ہوتی م یعنی اگر سفر کی نماز قضا ہو گئی اور اقامت میں اس کو پڑھنا چاہیے تو قصر سے پڑھے
اور اقامت کی قضا کو سفر میں پوری پڑھے جیسے کہ ان کو ادا پڑھتا کیونکہ جب وقت کے نکلنے سے نماز ثابت ہو گئی تو جیسے واجب ہوئی تھی ویسے
ہی رہے گی تو تغیر نہ پاوے گا ہاں وقت کے اندر بدل سکتی ہے نیت اقامت کرنے سے یا سفر کر دینے سے یا مقیم کے پیچھے مسافر کے پڑھنے سے
کذا فی الشامی بخلاف المریض یقضی فائتۃ الصحۃ فی مرضہ بما قدر مگر مریض حالت صحت کی قضا کو اپنے مرض میں جیسی ہو سکے ویسی پڑھ لے م یعنی مریض اگر صحت
کی نماز مرض میں بیٹھ کر پڑھے گا تو درست ہو گی بباعث عذر کے اور مرض کی قضا کو تندرستی میں اگر بیٹھ کر پڑھے گا تو درست نہ ہو گی کیونکہ عذر
جاتا رہا کذا فی الطحطاوی فروع مسائل ملحقہ شارح کے سافر السلطان قصر بادشاہ نے سفر کیا تو قصر سے پڑھے م یعنی نیت سفر کے ساتھ سفر
شرعی کرنے سے وہ بھی مسافر ہو جاتا ہے یہ نہیں کہ ممالک محروسہ اس کے لیے برابر ایک شہر کے ہوں کذا فی الشامی تزوج المسافر ببلد
صار مقیما علی الاوجہ مسافر نے کسی شہر میں شادی کر لی تو وہ مقیم ہو گیا قول موجہ کے بموجب م یعنی گو اس شہر کو وطن نہ بنا دے نہ نیت اقامت
کرے صرف شادی سے مقیم ہو جائے گا بحر الرائق میں وجہ یہ لکھی ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی شہر میں شادی کر لے وہ اسی شہر کا
شمار ہوتا ہے اور بعض فقہا نے کہا کہ اگر پندرہ روز کے اندر چلے جانے کا ارادہ ہو گا تو مسافر رہے گا اور یہ اختلاف مرد مسافر کے باب میں ہے
عورت اگر مسافر ہو تو صرف شادی سے مقیم ہو جائے گی بالاتفاق طہرت الحائض وبقی لمقصدہا یومان تتم فی الصحیح وکذا صبی بلغ بخلاف کافر اسلم پاک
ہوئی حائضہ سفر میں جب کہ منزل مقصود دو دن کی مسافت پر رہی تو وہ نماز پوری پڑھے صحیح قول میں اسی طرح اگر لڑکا دو منزل پہلے بالغ ہو تو وہ

بھی پوری پڑھے بخلاف کافر کے کہ مسلمان ہو جب کہ منزل مقصود تک تین دن سے کم کی راہ رہی ہو تو وہ نماز قصر سے پڑھے ہم حائضہ اس لیے پوری پڑھے کہ وقت سفر کے وہ اہل ادا نہ تھی اس لیے حکم سفر کا اس میں معتبر ہوا اور لڑکا پہلے سے مکلف ہی نہ تھا اور کافر کا عذر اختیاری تھا کہ ہر وقت مسلمان ہو سکتا تھا اس لیے اس کے حق میں حکم سفر کا ابتدا سے معتبر ہوا اور حائضہ کا عذر آسمانی تھا اس کا دور کرنا اس کے قابو میں نہ تھا کذا فی الشامی

عبد مشترک بین مقیم ومسافران تہایا تقرنی نوبۃ المسافر والا یفرض علیہ القعود الاول ویتم احتیاطا ولا یاتم بمقیم اصلا وہو مما یلغز ایک غلام مشترک ہے مقیم اور مسافر میں اگر دونوں نے اس کی خدمت کی باری مقرر کر لی ہو تو وہ قصر سے نماز پڑھے مسافر کی باری میں اور اگر باری نہ ٹھہرائی ہو تو اس غلام پر قعدہ اولیٰ فرض ہوگا اور پوری نماز پڑھے احتیاط کی راہ سے کیونکہ جب مالک اس کے دو ہیں تو وہ ایک کے لحاظ سے مقیم ہے اور دوسرے کے اعتبار سے مسافر اور وہ غلام کسی مقیم کے پیچھے اقتدا نہ کرے مطلقاً یعنی نہ وقت کے اندر نہ بعد وقت کے نہ اول دوگانہ میں نہ دوسرے میں اور یہ غلام کا حکم ان مسائل سے ہے جو معما کے طور پر پوچھے جاتے ہیں م یعنی اس مسئلہ میں یہ سوال ہو سکتے ہیں کون شخص ہے کہ نماز فرض کی چار رکعتیں پڑھے اور درمیانی قعدہ اس پر فرض ہو اور کون سا شخص ہے کہ اس کو اقتدا مقیم کے پیچھے درست نہیں اور کون سا شخص ہے کہ نہ مسافر ہے نہ مقیم اور کون سا شخص [1] ہے کہ ایک روز قصری نماز پڑھے اور ایک روز پوری کذا فی الطحطاوی شامی نے کہا کہ حکم اس مسئلہ کا بحث ہے شارح نبہ کی نہ روایت مذہب قال

لنسائہ من لم تدر منکن کم رکعۃ فرض یوم ولیلۃ فہی طالق فقالت احدٰہن عشرون والثانیۃ سبعۃ عشر والثالثۃ خمسۃ عشر والرابعۃ احد عشر لم یطلقن لان الاولیٰ ضمت الوتر والثانیۃ ترکتہ والثالثۃ لیوم الجمعۃ والرابعۃ للمسافر واللّٰہ اعلم ایک شخص نے اپنی چار بیبیوں سے کہا کہ جو کوئی تم سے یہ نہ جانے کہ ایک دن رات میں کتنی رکعتیں فرض ہیں تو اس کو طلاق ہے تو ان میں سے ایک نے کہا کہ بیس رکعتیں دن رات میں فرض ہیں اور دوسری نے کہا سترہ اور تیسری نے پندرہ اور چوتھی نے گیارہ تو ان کو طلاق نہ ہوگی کیونکہ اول عورت کا جواب درست ہے کہ اس نے وتروں کو بباعث فرض عملی ہونے کے شامل کر لیا اور دوسری نے وتروں کو چھوڑ کر سترہ کہا اور تیسری نے جمعہ کی روز کی رکعتیں بتائیں اور چوتھی نے مسافر کی رکعتیں بتائیں اور وتر کو ان دونوں نے بھی شامل نہیں کیا واللّٰہ اعلم

باب الجمعۃ

یہ باب ہے جمعہ کے احکام میں م جمعہ اس لیے نام رکھا گیا کہ یہ دن لوگوں کے اجتماع کا ہے اور اکثر کا قول یہ ہے کہ جمعہ مدینہ میں فرض ہوا کہ اس کی آیت مدنی ہے اور مناسبت نماز جمعہ کی صلوٰۃ مسافر سے یہ ہے کہ دونوں نمازیں آدھی ہیں یعنی جمعہ کی نماز ظہر کی نماز سے نسبت نصف رکھتی ہے اور مسافر کی نماز مقیم کی نماز سے کذا فی الطحطاوی مختصراً بتثلیث

المیم والسکون ہی فرض عین یکفر جاحدہا لثبوتہا بالدلیل القطعی کما حققہ الکمال وہی فرض مستقل آکد من الظہر ولیست بدلا منہ کما حررہ الباقانی معزیا لسری الدین ابن الشحنۃ لفظ جمعہ بضم جیم اور تینوں حرکتوں میم سے اور سکون میم سے ہے وہ فرض عین ہے کہ اس کا منکر کافر ہے بسبب اس کے ثابت ہونے کے دلیل قطعی سے یعنی آیۃ (یاایہا الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا) سے اور حدیث اور اجماع سے چنانچہ ثابت کیا ہے اس کو کمال الدین محقق نے اور وہ فرض مستقل ہے زیادہ مؤکد بہ نسبت ظہر کے اور نہیں ہے عوض ظہر کا جیسا کہ تنقیح کی ہے اس امر کی باقانی نے سری الدین ابن شحنہ کی طرف نسبت کر کے م جمعہ زیادہ مؤکد ہے بہ نسبت ظہر کے یعنی جمعہ میں جو تہدید آئی ہے وہ ظہر میں نہیں چنانچہ احمد وحاکم نے ایک حدیث صحیح روایت کی کہ جو کوئی جمعہ کو تین بار بدون ضرورت کے ترک کرے اللّٰہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر کر دیتا ہے اور ایک وجہ یہ ہے کہ جمعہ میں جو شرطیں ہیں وہ ظہر میں نہیں اور یہ جو کہا کہ جمعہ ظہر کا عوض نہیں یہ مخالف ہے اس قول کے جو شارح نے باب

[1] یہ سوال اس صورت سے متعلق ہے کہ مالکوں نے غلام کی خدمت کی باری مقرر کر لی ہو ۱۲ [2] اے ایمان والو جب اذان دی جاوے نماز جمعہ کی تو دوڑو ۱۲

شروط الصلوۃ کے اندر نیت کی بحث میں لکھا ہے کہ جمعہ عوض ہے ظہر کا اور تحقیق حنفیوں کے نزدیک یہی ہے کہ فرض وقت ظہر ہی ہے نہ جمعہ مگر حکم جمعہ کا اس لیے ہوا کہ ظہر ساقط ہو جائے اور اسی وجہ سے اگر کوئی آدمی پیشتر فوت ہونے جمعہ کے نماز ظہر پڑھ لے گا تو ہمارے نزدیک کراہت تحریمی کے ساتھ درست ہوگی اگرچہ اکتفا کرنا ظہر پر حرام ہے اور ظہر کے فرض وقت ہونے کی تصریح فتح القدیر وغیرہ میں مذکور ہے حتیٰ کہ باقانی نے بھی شرح ملتقی میں اسی کو اختیار کیا تو شارح نے جو تیسیر تنقیح باقانی سے نقل کی شاید شرح نقایہ میں اس نے ایسا کہا ہو مگر ہماری تقریر سے معلوم ہو گیا کہ تنقیح مذکور ضعیف ہے وفی البحر وقد افتیت مراراً لعدم صلوۃ الاربع بعدہا بنیۃ اخر ظہر خوف اعتقاد عدم فرضیۃ الجمعۃ وہو الاحتیاط فی زماننا واما من لایخاف علیہ مفسدۃ منہا فالاولی ان تکون فی بیتہ خفیۃ اور بحر الرائق میں ہے کہ میں نے چند بار فتویٰ دیا نہ پڑھنے چار رکعتوں کا جمعہ کے بعد آخر ظہر کی نیت سے بسبب خوف معتقد ہونے جاہلوں کے نہ فرض ہونے جمعہ کو اور یہی احتیاط ہے ہمارے زمانہ میں اور جس شخص کو کہ خوف خرابی عقیدہ کا جمعہ کی طرف سے نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ یہ چاروں رکعتیں اپنے گھر پر پوشیدہ پڑھے م طحطاوی نے کہا کہ یہ کلام متعلق ہے کمال الدین کے کلام سے جس نے یہ کہا ہے کہ ہم نے جمعہ کے باب میں کسی قدر بیان کو اس لیے طول دیا کہ بعض جاہل کہتے ہیں کہ امام اعظم کے نزدیک جمعہ . . . فرض نہیں صاحب بحر الرائق نے کہا کہ یہ بلا ہمارے زمانہ میں بھی پھیلی ہے یہاں تک کہ بعض جاہل جمعہ کے بعد چار رکعتیں اس نیت سے پڑھتے ہیں کہ جو سب سے پچھلا ظہر میرے ذمہ ہوا ہو اور میں نے اس کو ابھی نہ پڑھا ہو اس کو پڑھتا ہوں تو چونکہ اس میں یہ خوف ہے کہ جاہل اس کے معتقد نہ ہو جائیں کہ جمعہ فرض نہیں اس لیے میں نے اس نماز کے نہ پڑھنے کا فتویٰ دیا وشرط لصحتہا سبعۃ اشیاء اور شرط ہیں واسطے صحیح ہونے جمعہ کے سات چیزیں م نہر الفائق میں بیان کیا کہ جمعہ کے لیے کچھ شرطیں واجب ہونے کی ہیں یعنی جن سے جمعہ آدمی پر واجب ہو جاتا ہے اور کچھ شرطیں ادا کی ہیں اور فرق ادا اور وجوب کی شرطوں میں یہ ہے کہ ادا کی شرطوں کے نہ ہونے سے ادا صحیح نہیں ہوتا اور وجوب کی شرطیں نہ ہونے سے ادا درست ہے پھر صاحب نہر الفائق نے ایک قطعہ عربی کا جامع شرائط وجوب ادا کا نقل کیا ہے جس کا ترجمہ مترجم نے فارسی میں کر دیا اور وہ یہ ہے قطعہ شرط وجوب عقل واقامت بلوغ دان ۔ بے عذری است مردی وآزادی بعد ازاں ۔ سلطان ووقت وخطبہ جماعت ہم اذن وشہر ۔ یادش پے ادا کن وگذار لا گمان ۔ اس قطعہ میں چھ شرطیں ادا کی مذکور ہیں اور شارح نے خطبہ کا پیشتر نماز کے ہونا ایک شرط جدا قرار دیا ہے اس لیے تعداد سات ہوئی الاول المصر وہو ما لایسع اکبر مساجدہ اہلہ المکلفین بہا وعلیہ فتویٰ اکثر الفقہاء مجتبیٰ لظہور التوانی فی الاحکام پہلی شرط صحت کی شہر ہے یعنی وہ بستی جس کی سب سے بڑی مسجد میں ان کے باشندے جن کو جمعہ کے ادا کرنے کا حکم ہے نہ سما ویں یعنی عورتوں اور لڑکوں اور مسافروں کے سوا اس قدر مسلمان ہوں کہ بڑی سی بڑی مسجد میں نہ آسکیں اور شہر کی اسی تعریف پر فتویٰ ہے اکثر فقہا کا کذا فی المجتبیٰ اس تعریف پر فتویٰ ہے بسبب ظاہر ہونے سستی کے احکام میں م یعنی ظاہر مذہب کی تعریف میں حدود کا قائم کرنا شہر ہونے کی شرط ہے اور چونکہ حاکم سزاؤں کے قائم کرنے میں کوتاہی اور سستی کرتے ہیں لہٰذا فتویٰ اس تعریف مذکورہ بالا پر ہوا کذا فی الطحطاوی وظاہر المذہب انہ کل موضع لہ امیر وقاض یقدر علی اقامۃ الحدود کما حررناہ فیما علقناہ علی الملتقیٰ اور ظاہر مذہب یہ ہے کہ شہر وہ بستی ہے جس میں ایک حاکم اور ایک قاضی ہو کہ سزاؤں کے قائم کرنے پر قادر ہو چنانچہ ہم نے اس کو منقح بیان کیا ہے ملتقی الابحر کی شرح میں م امیر وقاضی سے مراد یہ ہے کہ اسی شہر میں رہتے ہوں یہ نہیں کہ کبھی دورہ کو چلے آتے ہوں اور قاضی اقامت حدود پر قادر ہو اس کے یہ معنی کہ گویا بالفعل قائم نہ کرتا ہو مگر اقامت پر قدرت ہو اور شارح نے نے اسی تعریف کو صحیح کہا ہے کذا فی الشامی وفی القہستانی اذن الحاکم ببناء الجامع فی الرستاق اذن بالجمعۃ اتفاقاً علی ما قالہ السرخسی واذا اتصل بہ الحکم صار مجمعاً علیہ فلیحفظ اور قہستانی میں ہے کہ اذن دینا حاکم کا واسطے بنانے جامع مسجد کے گاؤں میں اذن ہے جمعہ کے لیے بالاتفاق اوپر اس بیان کے کہ کہا ہے اس کو سرخسی نے اور جب مل جاوے اس اذن سے حکم تو ہو جائے گا اذن جمعہ کا بالاجماع تو اس کو یاد رکھنا چاہیے م قہستانی میں مذکور ہے

کہ جمعہ پڑھنا قصبات اور بڑے گاؤں میں جن میں بازار ہوں فرض واقع ہوتا ہے بلا خلاف جب کہ مسجد جامع کے بنانے کا اذن حاکم یا قاضی نے دیا ہو یا جمعہ کے ادا کرنے کا حکم دیا ہو کیونکہ ادا جمعہ مختلف فیہ ہے قصبات اور بڑے گاؤں میں تو جب مختلف فیہ پر حکم حاکم ہو گیا وہ مجمع علیہ ہو گیا کذا فی الشامی مختصراً او فناؤہ بکسر الفاء وہو ما حولہ اتصل بہ او لا کما حررہ ابن الکمال وغیرہ لاجل مصالحہ کدفن الموتی ورکض الخیل المختار للفتوی تقدیرہ بفرسخ ذکرہ الولوالجی یا شرط صحت جمعہ کی فناء مصر ہے بکسر فا اور فناء وہ جگہ ہے گرد شہر کے جو اس کے منافع کے لیے مثل دفن کرنے مردوں اور دوڑانے گھوڑوں کے ہو خواہ شہر سے متصل ہو یا نہیں چنانچہ تنقیح بیان کیا ہے اس کو ابن کمال وغیرہ نے اور مختار فتوی کے لیے اندازہ کرنا اس کا ہے ایک فرسنگ یعنی تین میل ذکر کیا ہے اس کو ولوالجی نے تم شامی نے کہا کہ بعض محققین نے تو صرف فنا کی تعریف پر اکتفا کر کے مطلق چھوڑ دیا ہے اس کی کچھ حد مقرر نہیں کی یعنی جس جگہ شہر کی کاروائیاں ہوتی ہوں وہ فنا ہے جیسے گھوڑوں کا پھیرنا اور دوڑانا اور مردوں کا دفن کرنا اور فوج کا جمع ہونا اور چاند ماری وغیرہ ہوتی ہو اور بعضوں نے اس کی مسافت بھی مقرر کر دی ہے اور مسافت کے باب میں تو قول ہیں کسی نے کہا کہ شہر کی آواز اس میں آتی ہو کسی نے کہا اذان سنائی دیتی ہو کسی نے کہا چار سو ہاتھ کا فاصلہ ہو کسی نے میل کا کسی نے دو کا کسی نے تین کا یعنی فرسنگ کا کسی نے دو فرسنگ کا کسی نے تین کا کہا اور چونکہ ہر شہر کے حوائج کے لیے مسافت مختلف ہوتی ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ صرف تعریف پر اکتفا کی جائے والثانی السلطان ولو متغلبا او امرأة فیجوز امرہا باقامتہا اور دوسری شرط صحت جمعہ کی بادشاہ ہے اگرچہ متغلب ہو یا عورت پس درست ہے حکم کرنا عورت کا جمعہ کے قائم کرنے کو اور درست نہیں ہے قائم کرنا عورت کا جمعہ کو متغلب اس کو کہتے ہیں جس میں امامت کی شرطیں نہ ہوں اگرچہ قوم اس سے راضی ہو جاوے یا جس کے پاس فرمان نہ ہو اور اقامت جمعہ سے مراد خطبہ پڑھنا اور نماز پڑھانا ہے تو عورت کے حکم سے دوسرا شخص اگر یہ دونوں باتیں کرے گا تو درست ہے اور اگر عورت خود خطبہ پڑھے یا نماز پڑھا دے تو درست نہ ہوگا کیونکہ وہ اقامت کی اہل نہیں شامی نے کہا کہ عورت جو بادشاہ ہوتی ہے تو تغلب ہی سے ہوتی ہے اس لیے کہ امامت کبریٰ میں مرد ہونا شرط ہے تو شارح کو چاہیے تھا کہ او کی جگہ ولو کہتا یعنی اگرچہ متغلب عورت ہی ہو او مامورہ باقامتہا ولو عبدا ولی عمل ناحیۃ وان لم تجز انکحتہ واقضیتہ یا وہ شخص ہو جس کو بادشاہ وقت نے جمعہ کی اقامت کی اجازت دی ہو اگرچہ وہ غلام ہو کہ کسی طرف کا عامل مقرر ہوا ہو گو اس غلام کے نکاح کیے ہوئے اور مقدمات کے فیصلے جائز نہ ہوں گے کیونکہ یہ دونوں امر اس شخص کی طرف سے نافذ ہوتے ہیں جس کو ولایت ہو غیر پر اور غلام کو تو اپنے نفس پر بھی ولایت نہیں غیر پر کیسے ہوگی کذا فی الطحطاوی واختلفوا فی الخطیب المقرر من جہۃ الامام الاعظم او من جہۃ نائبہ ہل یملک الاستنابۃ فی الخطبۃ فقیل لا مطلقا ای لضرورۃ او لا الا ان یفوض الیہ ذلک وقیل ان لضرورۃ جاز والا لا وقیل نعم یجوز مطلقا بلا ضرورۃ لانہ علی شرف الفوات لتوقتہ فکان الامر بہ اذنا بالاستخلاف دلالۃ ولا کذلک القضاء اور اختلاف ہے علمائے کا اس خطیب میں جو سلطان یا اس کے نائب یعنی بادشاہ اور قاضی القضاۃ کی طرف سے مقرر ہو کہ اس کو خطبہ پڑھنے کے لیے دوسرے شخص کو نائب کرنا درست ہے یا نہیں یعنی بدون اجازت حاکم کے اپنا نائب کر سکتا ہے یا نہیں تو بعض نے کہا کہ درست نہیں مطلقاً یعنی ضرورت نائب کرنے کی ہو یا نہ ہو مگر اس صورت میں کہ خطیب مذکور کو یہ امر حاکم کی طرف سے تفویض کر دیا گیا ہو تو خلیفہ کرنا درست ہوگا اور بعض نے کہا کہ اگر کسی ضرورت کی وجہ سے یعنی خطیب خود کسی مرض یا ضرورت سے وقت پر خطبہ نہیں پڑھ سکتا تو دوسرے کو نائب کرنا درست ہے اور اگر ضرورت نہیں تو نائب کرنا بھی درست نہیں اور بعض نے کہا کہ ہاں درست ہے مطلقاً یعنی اگرچہ بلا ضرورت ہو اس لیے کہ ادائے جمعہ ایک وقت مقرر پر موقوف ہونے کے سبب سے فوت ہو جانے کے کنارہ پر ہے تو اجازت ادائے جمعہ کی اذن ہے خلیفہ کر لینے کا بطور دلالت کے اور نہیں ہے ایسی قضا یعنی جمعہ کے ادا کے لیے ایک وقت معین ہے کہ وہ گذر جائے تو جمعہ جاتا رہے ایسا یہ سبب حاکم نے ادائے جمعہ کی خطیب کو اجازت دی تو دلالۃً خلیفہ کرنے کی بھی اجازت ہوئی کیونکہ یہ تو حاکم جانتا ہی ہے کہ اقامت جمعہ میں مرض

اور حدث بھی خطیب پر آسکتے ہیں تو بدون خلیفہ کرنے کے جمعہ کیسے ادا ہوگا اور فقہا کے لیے کوئی وقت خاص نہیں کہ اس کے گذر جانے سے خوف اس کے فوت کا ہو تو حکم دینا فقہا کا اجازت خلیفہ کرنے کی نہ ہوگی کذا فی الشامی و ہو الظاہر من عباراتہم ففی البدائع کل من ملک اقامۃ الجمعۃ ملک اقامۃ غیرہ اور خطیب کو مطلقاً دوسرے کا خلیفہ کردینا ہی ظاہر ہے فقہا کی عبارتوں سے چنانچہ بدائع میں ہے کہ جو شخص مالک ہے جمعہ کا وہ اختیار رکھتا ہے اپنے غیر کے قائم کرنے کا یعنی جو خود اقامت کرسکتا ہے وہ دوسرے کو نائب کرسکتا ہے وفی التحفۃ فی تعداد الجمعۃ لابن جرباش انما یشترط الاذن لاقامتہا عند بناء المسجد ثم لایشترط بعد ذلک بل الاذن مستصحب لکل خطیب وتمامہ فی البحر اور کتاب نجعہ فی تعداد الجمعۃ میں جو تالیف ابن جرباش کی ہے مرقوم ہے کہ اقامت جمعہ کا اذن صرف مسجد کے بنانے کے وقت شرط ہے پھر اس کے بعد شرط نہیں بلکہ اذن ہر خطیب کو بدستور سابق رہتا ہے اور پورا بیان اس کا بحر الرائق میں ہے م نجعہ بضم نون و سکون جیم نام کتاب کا ہے اور ابن جرباش بضم جیم و راء مہملہ صاحب بحر الرائق کے اساتذہ میں سے ہے حاصل مسئلہ کا یہ ہے کہ جب بادشاہ اول بار اقامت جمعہ کی اجازت ایک شخص کو دیدے تو اس شخص کو اختیار ہے کہ غیر کو اجازت دیدے اور وہ غیر دوسرے کو اجازت دے اسی طرح اجازت در اجازت چلی جائے یہ غرض نہیں کہ بادشاہ جب اقامت جمعہ کا اذن کسی مسجد میں دے تو ہر شخص یا ہر خطیب کو اس مسجد میں اجازت اقامت جمعہ کی ہو گئی اب ضرورت اجازت کی سلطان سے یا جس کو اس نے اجازت دی ہے اس سے نہیں رہی جیسا کہ ظاہر عبارت شارح سے سمجھا جاتا ہے کذا فی الشامی وما قیدہ الزیلعی لادلیل علیہ اور زیلعی نے جو قید لگائی ہے کہ خطیب کو خلیفہ کرنا درست نہیں مگر جب کہ بے وضو ہو جائے تو اس پر کوئی دلیل نہیں فقہا کی عبارتوں سے تو مطلق خلیفہ کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے دوسرے یہ کہ یہ صورت خاص نماز میں خلیفہ کرنے کی ہے خطبہ تو بے وضو بھی درست ہے حالانکہ ذکر یہ تھا کہ خطیب خطبہ کے لیے نائب کرسکتا ہے یا نہیں کذا فی الشامی م اقامت جمعہ سے مراد خطبہ اور نماز دونوں ہیں اور اجازت پر صرف خطبہ موقوف ہے نہ نماز تو اقامت جمعہ کے لیے خلیفہ کرنے سے مراد خطبہ کے واسطے کرنا ہے نہ نماز کے لیے جیسا کہ بعض فقہا کو وہم ہوا ہے کذا فی المنح وما ذکرہ ملا خسرو وغیرہ ردہ ابن الکمال فی رسالۃ خاصۃ بہ بین فیہا علی الجواز بلا شرط واطنب فیہا وابدع واکثر من الفوائد واودع اور جس بات کو ملا خسرو وغیرہ نے ذکر کیا ہے اس کو ابن کمال نے ایک خاص رسالہ میں رد کیا ہے جس میں خلیفہ کرنے کا جواز بدون شرط اذن سلطانی کے مدلل کیا ہے اور اس رسالہ میں لمبی تقریر نئے ڈھنگ پر بیان کیا ہے اور بہت فوائد مندرج کیے ہیں م ملا خسرو نے بیان کیا ہے کہ خطیب کو نائب کرنا نہیں پہنچتا جب تک کہ بادشاہ کی طرف سے اس کو نائب کرنے کا اختیار نہ دیا گیا ہو وفی مجمع الانہر انہ جائز مطلقاً فی زماننا لانہ وقع فی تاریخ خمس واربعین وتسعمائۃ اذن عام وعلیہ الفتوی اور مجمع الانہر میں ہے کہ خلیفہ کرنا جائز ہے مطلق ہمارے زمانہ میں یعنی خواہ ضرورت ہو یا نہ ہو اس لیے کہ ۹۴۵ھ میں سلطان کی طرف سے اجازت عام ہو گئی ہے کہ ہر خطیب کو اختیار ہے کہ دوسرے شخص کو اپنا خلیفہ کردے اور اسی پر فتوی ہے شامی نے کہا کہ شاید شارح کے زمانہ کے علما کا فتوی مراد ہے تو یہ توجیہ ناتمام ہے کیونکہ اس زمانہ کے علما اہل ترجیح نہیں بلکہ ترجیح والے پیشتر کے لوگ ہیں وفی السراجیۃ لو صلی احد بغیر اذن الخطیب لایجوز الا اذا اقتدی بہ من لہ ولایۃ الجمعۃ ویؤیدہ ذلک انہ یلزم اداء النفل بجماعۃ واقرہ شیخ الاسلام اور سراجیہ میں ہے کہ اگر کسی نے نماز پڑھائی بدون اذن خطیب کے تو درست نہ ہوگی مگر جب کہ اقتدا کرے اس کے پیچھے وہ شخص جس کو اختیار جمعہ کا ہے کیونکہ اقتدا کرنے سے دلالۃً اجازت ہو جائے گی اور اگر والی آیا اور اقتدا نہ کیا تو امامت اس شخص کی ناجائز ہوگی اور تائید کرتا ہے عدم جواز کی یہ امر کہ لازم آتا ہے نفل کا ادا کرنا جماعت سے اور ثابت رکھا ہے اس کو شیخ الاسلام نے م یعنی جب جمعہ بدون اذن کے ناجائز ہوا تو یہ نماز نفل ہوگی اور نفل جماعت سے پڑھنی مکروہ تحریمی ہے حلبی نے کہا کہ مکروہ تحریمی جب ہو کہ نیت نفل سے شروع کیا ہو یہاں تو نیت فرض سے شروع کیا ہے تو مکروہ کیسے ہوگی کذا فی الطحطاوی مات والی مصر فجمع خلیفتہ او صاحب الشرط المسمین حاکم السیاسۃ او القاضی الماذون لہ فی ذلک جاز لان تفویض

امرالعامۃ الیھم اذن بذلک دلالۃ مرگیا حاکم کسی شہر کا یا جمعہ میں کسی فساد کے خوف سے نہ آیا کذا فی البدائع پس جمعہ پڑھوایا اس کے خلیفہ نے یعنی
ولی عہد نے یا حاکم فوجداری نے یا قاضی نے جس کو اقامت جمعہ کی اجازت ہے تو درست ہے اس لیے کہ سپرد کرنا عوام کے امور کا ان کو دلالۃ اجازت ہے
اقامت جمعہ کی شارح نے کہا کہ صاحب الشرط بفتح شین معجمہ دراء مہملہ حاکم سیاست ہے یعنی جمع ہے شرطی کی م شامی نے کہا کہ جمع بتشدید میم ہے یعنی صیغہ قاضی
باب تفعیل سے فقاضی القضاۃ بالشام ان تقیمھا دان یولی الخطباء بلا اذن صریح ولا التقریر الباشا سو درست ہے شام کے قاضی القضاۃ کو جمعہ کا قائم
کرنا اور خطیبوں کو اختیار دینا بدون اجازت صریح اور بدون مقرر کرنے پاشا کے م شامی نے کہا کہ یہ اختیار اس قاضی القضاۃ کو ہے جس کو قاضی
المشرق والمغرب کہتے ہیں تو قاضی شام اور مصر بدون اجازت اور دل کو اختیار نہیں دے سکتے اگر ان کو بھی اذن عام خطیبوں کے تقرر کا ہو تو مضائقہ
نہیں وقالوا یقیمھا امیر البلد ثم الشرطی ثم القاضی ثم من ولاہ قاضی القضاۃ اور فقہا نے ترتیب اقامت جمعہ کی اس طرح بیان کی ہے کہ جمعہ کو حاکم
شہر قائم کرے پھر حاکم سیاست پھر قاضی پھر وہ شخص جس کو قاضی القضاۃ نے مقرر کیا ہو م شامی نے کہا کہ حاکم سیاست کا مقدم کرنا قاضی پر
مخالف ہے فقہا کی تصریح کے نماز جنازہ میں کہ قاضی مقدم ہے حاکم سیاست پر ونصب العامۃ الامام غیر معتبر مع وجود من ذکر
اما مع عدمھم فیجوز للضرورۃ اور مقرر کرنا عوام کا خطیب کو اشخاص مذکورین کے ہوتے ہوئے معتبر نہیں یعنی بدون اذن قاضی یا سلطان یا
کے نائب کے اگر رعیت کسی کو خطیب کرے گی تو اس کا اعتبار نہ ہوگا اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں مقرر کرنا درست ہوگا بسبب ضرورت کے
م معراج الدرایہ میں بسوط سے منقول ہے کہ اگر حاکم کفار ہوں تو مسلمانوں کو قائم کرنا جمعہ کا درست ہے اور مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی بھی
قاضی ہو جائے گا اور ان کو لازم ہے کہ مسلمان حاکم کے لیے درخواست کریں کذا فی الشامی وجازت الجمعۃ بمنی فی الموسم فقط لوجود الخلیفۃ او امیر
الحجاز او العراق او مکۃ ووجود الاسواق والسکک وکذا کل ابنیۃ نزل بھا الخلیفۃ اور جائز ہے جمعہ منیٰ میں صرف ایام حج میں بسبب موجود ہونے سلطان یا امیر
حجاز یا امیر عراق یا حاکم مکہ کے اور موجود ہونے بازاروں اور کوچوں کے اور اسی طرح ان مقامات میں کہ سلطان فروکش ہو م یعنی حج کے دنوں میں منیٰ حکم
شہر کا رکھتا ہے کہ بازار اور گلیاں بھی ہوتی ہیں اور سلطان یا حاکم عرب یا عراق کا یا شریف مکہ کا موجود ہوتا ہے اور بدون حاجیوں کے اترنے کے
منیٰ گاؤں کا حکم رکھتا ہے اور سلطان اگر اپنی سلطنت میں دورہ کرے تو اگرچہ مسافر ہو مگر جس شہر میں فروکش ہو اس کو قائم کرنا جمعہ کا درست ہے کذا فی الطحاوی
وعدم التعیید بمنی للتخفیف اور عید نہ پڑھنا منیٰ میں تخفیف کے لیے ہے م یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اگر منیٰ شہر ہے تو جن لوگوں پر نماز عید واجب ہے مثلاً اہل
مکہ تو وہ اس میں نماز عید کیوں نہیں پڑھتے حاصل جواب یہ ہے کہ عید کا نہ پڑھنا اس لیے نہیں کہ منیٰ شہر نہ ہو بلکہ اس لیے ہے کہ حاجی افعال حج کے ادا کرنے
میں مشغول رہتے ہیں عید پڑھنا ان پر سے تخفیف کی جہت سے ساقط ہو گیا کذا فی الطحاوی لا تجوز لامیر الموسم لقصور ولایتہ علی امور الحج حتی لو اذن لہ
جاز نہیں جائز ہے جمعہ امیر موسم کے موجود ہونے کے وقت بسبب منحصر ہونے اس کی ولایت کے حج کے کاموں پر یہاں تک کہ اگر اس کو اجازت ہو اقامت
جمعہ کی تو درست ہے م امیر موسم کو امیر الحاج بھی کہتے ہیں پہلے یہ دستور تھا کہ سلطان روم حج کے ایام میں ایک شخص کو اختیار معاملات حج کا سپرد
کرکے روانہ فرمایا تھا اسی لیے اس کی ولایت قاصر تھی جمعہ اس کے باعث سے درست نہ تھا مگر اب یہ دستور ہے کہ حاکم شام کو امیر حج مقرر کیا جاتا ہے
اور چونکہ امیر شام کو ولایت عام ہوتی ہے تو اس میں اور امیر عراق میں کچھ فرق نہیں وہ بھی اقامت جمعہ کر سکتا ہے کذا فی الشامی ملتقطاً والعرفات
لانھا مفازۃ اور نہیں جائز ہے جمعہ عرفات میں اس لیے کہ وہ جنگل ہے یعنی اس میں عمارت نہیں صرف میدان ہے وتؤدی فی مصر واحد بمواضع
کثیرۃ مطلقاً علی المذہب وعلیہ الفتوی شرح المجمع للعینی وامامۃ فتح القدیر دفعاً للحرج اور ادا ہو جاتا ہے جمعہ ایک شہر میں بہت سی جگہوں میں مطلقاً یعنی
شہر بڑا ہو یا چھوٹا اور اس کے بیچ میں نہر فاصل ہو یا نہ ہو اور جمعہ دو مسجدوں میں ہو یا زیادہ میں مذہب صحیح پر اور اسی پر فتویٰ ہے چنانچہ عینی کی شرح

مجمع اور فتح القدیر کے باب الامامۃ میں مذکور ہے واسطے دور کرنے حرج کے م یعنی ایک جگہ پر جمعہ پڑھنے کو لازم کرنے میں بڑی دقت ہے کہ جو لوگ مسجد سے بہت فاصلہ پر ہوں گے ان کو بہت مسافت طے کرنی ہوگی امام سرخسی نے ذکر کیا ہے کہ مذہب صحیح امام اعظمؒ کا یہی ہے کہ ایک شہر میں دو جگہ یا زیادہ جمعہ درست ہے اور اسی کو ہم لیتے ہیں کیونکہ حدیث (لاجمعۃ[1] الا فی مصر) مطلق ہے فقط شہر کو شرط جمعہ فرمایا ہے کذا فی الشامی وعلی المرجوح فالجمعۃ لمن سبق تحریمۃ ولفسد بالمعیۃ والاشتباہ فیصلی بعدہا آخر ظہر وکل ذلک خلاف المذہب فلا یعول علیہ کما حررہ فی البحر اور قول ضعیف کے بموجب یعنی دو جگہ سے زیادہ میں جمعہ کے ناجائز ہونے کے بموجب جمعہ اس شخص کا ہوگا جس کی تحریمہ اول ہوگی اور فاسد ہو جائے گا جمعہ تحریمہ کے ایک ساتھ ہونے اور اشتباہ پڑنے سے تو پڑھے بعد سنتوں جمعہ کے چار رکعتیں آخر ظہر کی نیت سے اور یہ سب خلاف مذہب قوی کے ہے تو اس پر اعتماد نہ کیا جائے چنانچہ منقح بیان کیا ہے اس کو بحر الرائق میں م ہر چند صاحب بحر نے فتویٰ ان چار رکعتوں کے نہ پڑھنے کا دیا ہے اس خوف سے کہ کہیں جاہل جمعہ کی عدم فرضیت کے معتقد نہ ہو جائیں مگر احتیاط ان رکعتوں کے پڑھنے میں ہے تاکہ فرض ذمہ سے یقیناً ساقط ہو جائے اس لیے کہ جمعہ اگرچہ قول قوی کے رو سے چند جگہ جائز ہے لیکن اس میں شبہ قوی ہے اس لیے کہ ناجائز ہونا چند جگہوں میں بھی امام اعظمؒ سے مروی ہے اور طحاوی اور تمرتاشی اور صاحب مختار نے اس کو اختیار کیا ہے کیونکہ کسی صحابی یا تابعی سے جمعہ کے چند جا پڑھنے کا جواز ثابت نہیں اور شرح منیہ میں عدم جواز کو امامؒ سے ظاہر تر روایت بیان کیا ہے اور نہر الفائق میں حاوی قدسی سے فتویٰ اسی قول پر نقل کیا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ قول مذہب میں معتمد ہے نہ قول ضعیف اسی جہت سے شرح منیہ میں چار رکعتوں کے پڑھنے کو احتیاط کہا ہے کیونکہ خلاف چند جگہ جمعہ کے جائز اور ناجائز ہونے میں قوی ہے اور اگر بالفرض عدم جواز ضعیف ہو تب بھی خلاف سے باہر ہونا بہتر ہوتا ہے چہ جائے کہ قول مخالف ائمہ مذہب کا ہو کذا فی الشامی مختصرا وفی مجمع الانہر معزیا للمطلب والاحوط نیۃ آخر ظہر ادرکت وقتہ لان وجوبہ علیہ بآخر الوقت قنیہ اور مجمع الانہر میں مطلب کی طرف منسوب یہ ہے کہ زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ نیت یوں کرے کہ سب سے پچھلا ظہر جس کا میں نے وقت پایا ہو اور ابھی ادا نہ کیا ہو اس لیے کہ وجوب ظہر کا اس پر آخر وقت سے ہے پس آگاہ ہو جا کہ اس تعلیل میں خلل ہے کیونکہ وجوب ظہر اول وقت سے ہے اور اس لیے اس جملہ کو نہر الفائق میں ذکر نہیں کیا شارح اس میں بحر الرائق کا تابع ہو گیا ہے کذا فی الطحطاوی اور فائدہ اس نیت کا یہ ہے کہ اگر جمعہ نہ ہوا ہوگا تو پچھلا ظہر جمعہ کے روز کا ہوگا وہ اس نیت سے ادا ہو جائے گا اور اگر جمعہ درست ہوا ہوگا تو سب سے پچھلا ظہر قضا نمازوں کا اس سے ادا ہو جائے گا ورنہ نفل ہوگی اور ترتیب شرح منیہ میں اس طرح مذکور ہے کہ اول چار سنتیں ظہر کی پڑھے پھر چار رکعتیں احتیاطی پڑھے پھر دو سنتیں پڑھے اور چاہیے کہ چاروں رکعتوں میں سورۃ ملا دے اگر قضا نماز اس کے ذمہ نہ ہو اور اگر قضا ہو تو پچھلی دو رکعتوں میں سورۃ نہ ملا دے بعض نسخوں میں فتنیہ کی جگہ قنیہ ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ عبارت قنیہ کی ہے کذا فی الشامی و

الثالث وقت الظہر فتبطل الجمعۃ بخروجہ مطلقا ولو لاحقا بعذر نوم او زحمۃ علی المذہب لان الوقت شرط الاداء لا شرط الافتتاح اور تیسری شرط ادا کے لئے وقت ظہر کا ہے پس باطل ہوگا جمعہ وقت کے نکلنے سے مطلقاً یعنی اگرچہ بعد بیٹھنے کے بمقدار تشہد کے وقت جاتا رہے تب بھی جمعہ باطل ہو جائے گا گو مقتدی لاحق ہو گیا ہو بسبب عذر سو جانے یا بھیڑ کے مذہب معتمد پر اس لیے کہ وقت شرط ہے ادا کی نہ شرط شروع کرنے کی م نوادر میں ہے کہ مقتدی بھیڑ کے سبب سے رکوع یا سجدہ پر قادر نہ ہوا یہاں تک کہ امام نے سلام پھیر دیا پھر وقت عصر کا ہو گیا تو وہ جمعہ کی نماز پوری کرے اس لیے شارح نے اس قول کو رد کیا کہ مذہب معتمد یہ ہے لاحق خواہ بھیڑ کی جہت سے ہو یا سو جانے سے اگر وقت ظہر کا نہ رہے تو جمعہ پورا نہ کرے کہ باطل ہو گیا بلکہ ظہر قضا پڑھے اس لیے کہ وقت ظہر ادا کی شرط ہے تو سب نماز وقت کے اندر ہونی چاہیے شروع کی شرط نہیں کہ صرف وقت میں شروع کرنے سے جائز ہو جائے کذا فی الطحطاوی والرابع الخطبۃ فیہ فلو خطب قبلہ وصلی فیہ لم تصح اور چوتھی شرط صحت جمعہ کی خطبہ ہے وقت کے اندر پس اگر خطبہ وقت سے پہلے پڑھ لیا اور نماز وقت میں پڑھی تو جمعہ درست نہ ہوگا م خطبہ بضم خا معجمہ بمعنی مفعول ہے مشتق ہے خطب سے جس کے معنی دو شخصوں میں گفتگو ہونے کے ہیں کذا فی الطحطاوی

[1] جمعہ نہیں ہے مگر شہر میں ۱۲

والخامس کونہا قبلہا لان شرط الشئ سابق علیہ بحضرۃ جماعۃ تنعقد بہم ولو کانوا صما او نیاما فلو خطب وحدہ لم یجز علی الاصح کما فی البحر عن الظہیریۃ لان الامر بالسعی للذکر لیس الا لاستماعہ والمامور جمع وجزم فی الخلاصۃ بانہ یکفی حضور واحد اور پانچویں شرط صحت جمعہ کی ہونا خطبہ کا ہے پہلے نماز جمعہ سے اس لیے کہ شرط چیز کی اس سے پیشتر ہوا کرتی ہے خطبہ ہووے سامنے ایسے لوگوں کے جن سے جمعہ ہو جائے یعنی مرد بالغ اور عاقل ہوں اگرچہ بہرے یا سوتے ہوئے ہوں سو اگر خطبہ پڑھے گا اکیلا بدون کسی مقتدی کے حاضر ہونے کے تو درست نہ ہوگا صحیح تر قول کے بموجب چنانچہ بحرالرائق میں ہے ظہیریہ سے اس واسطے کہ حکم چلنے کا ذکر کی طرف نہیں ہے مگر اس ذکر کے سننے کے لیے اور مامور لفظ جمع ہے اور یقین کیا ہے خلاصہ میں اس پر کہ کافی ہے حاضر ہونا ایک مقتدی کا م یعنی آیت (فاسعوا الی ذکر اللہ) میں حکم سعی کا بصیغہ جمع وارد ہے تو ایک کا حاضر ہونا کافی نہ ہوگا اور بہروں اور سوتے ہوؤں کے حاضر ہونے میں ہر چند سننا پایا نہیں جاتا مگر بجا آوری سعی کے حکم کی موجود ہے اس لیے خطبہ کا پڑھنا ان کے سامنے درست ہوا اور قول خلاصہ کا صحیح نہیں اس لیے کہ حضور جماعت شرط ہے پھر ایک کا حاضر ہونا کیسے کافی ہوگا کذا فی الشامی وکفت تحمیدۃ او تہلیلۃ او تسبیحۃ للخطبۃ المفروضۃ مع الکراہۃ وقالا لابد من ذکر طویل اقلہ قدر التشہد الواجب اور کافی ہے خطبہ فرض کے لیے ایک بار الحمد للہ کہنا یا لا الہ الا اللہ کہنا یا سبحان اللہ کہنا ساتھ کراہت کے امام صاحب کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ ضرور ہے ذکر طویل کا ہونا اور کمتر مقدار اس کی التحیات واجب کے برابر ہے م دلیل امام صاحب کی یہ ہے کہ آیت میں مطلق لفظ ذکر ہے جو شامل ہے تھوڑے اور بہت کو اور وجہ کراہت مخالفت سنت ہے پھر یہ کراہت بعضوں کے نزدیک تحریمی ہے اور قہستانی کی ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تنزیہی ہے کذا فی الطحاوی بنیتہا فلو حمد لعطاسہ او تعجبا لم ینب عنہا علی المذہب کما فی التسمیۃ علی الذبیحۃ لکنہ ذکر فی الذبائح انہ ینوب فتأمل کفایت کرتا ہے ایک بار الحمد للہ کہنا خطبہ کی نیت سے تو اگر الحمد للہ کہا اپنی چھینک کے لیے یا تعجب کی راہ سے تو یہ کہنا خطبہ کے قائم مقام نہ ہوگا مذہب قوی پر جیسے نہیں کافی ہے الحمد للہ کہنا ذبیحہ پر وقت ذبح کے لیکن مصنف نے کتاب الذبائح میں ذکر کیا ہے کہ الحمد للہ کہنا چھینکنے والے کا خطبہ کا قائم مقام ہو جاتا ہے سو اس اختلاف کو سوچ لے م مصنف نے کتاب الذبائح میں کہا ہے اور اگر چھینک لی ذبح کرنے کے وقت اور الحمد للہ کہا تو جانور حلال نہ ہوگا صحیح تر قول میں بخلاف خطبہ کے تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر چھینک کے لیے الحمد للہ کہے گا تو خطبہ کے لیے کافی ہوگا اور یہاں بیان کیا ہے کہ خطبہ کا قائم مقام نہ ہوگا شامی نے کہا کہ تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ کتاب الذبائح میں اس روایت کے بموجب ہو جو مقابل مذہب قوی ہے یعنی ایک روایت امام سے ہے کہ الحمد للہ کہنا چھینک والے کا کافی ہے خطبہ کے لیے وسن خطبتان خفیفتان وکرہ زیادتہما علی قدر سورۃ من طوال المفصل بجلسۃ بینہما بقدر ثلث آیات علی المذہب وتارکہا مسئ علی الاصح کترکہ قراءۃ قدر ثلث آیات اور مسنون ہیں دو خطبے ہلکے مع ایک جلسہ کے ان دونوں کے درمیان میں مقدار تین آیتوں کے مذہب معتمد پر اور چھوڑنے والا اس جلسہ درمیانی کا برا کرنے والا ہے صحیح تر قول کے بموجب شارح نے کہا کہ دونوں خطبوں کو اتنا لمبا کرنا کہ برابر ایک سورۃ کے طوال مفصل سے ہو جائیں مکروہ ہے جیسے بقدر تین آیتوں کے پڑھنے کا ترک کرنا خطیب کو مکروہ ہے یعنی نہ اتنا طول دے کہ خطبہ طوال مفصل کے برابر ہو جائے اور نہ اتنا چھوٹا پڑھے کہ تین آیتوں کی مقدار سے کم ہو م شامی نے کہا کہ بعض خطیب جو دوسرے خطبہ میں درود پڑھنے کے وقت اپنا منہ دہنے اور بائیں کو پھیرتے ہیں تو ابن حجر نے شرح منہاج میں لکھا ہے کہ یہ بدعت ہے یعنی اس کو ترک کرنا چاہیے تنبیہ آج کل یہ دستور ہو رہا ہے کہ جب خطیب خطبہ اول کو پڑھ کر بیٹھتا ہے تو لوگ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے لگتے ہیں اس لیے اس مسئلہ کی تحقیق اس جگہ مناسب معلوم ہوتی ہے ابوداؤد میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے پڑھا کرتے تھے اس طرح کہ منبر پر چڑھ کر بیٹھتے جب تک کہ موذن فارغ ہوتا پھر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے پھر بیٹھتے اور کلام نہ کرتے پھر

کھڑے ہوتے اور خطبہ پڑھتے طحطاوی نے کہا کہ اس جلوس میں کوئی دعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہوئی اور شمس الائمہ سرخسی نے شرح ہدایہ میں فرمایا کہ خطیب کو درمیان دو خطبوں کے جدائی کے لیے جلسہ اتنا کرنا چاہیے کہ تمام اعضا اس کے قرار پا جائیں اور اس جلسہ میں دعا کرنا بدعت ہے اور سغناقی نے لکھا ہے کہ ہاتھ اٹھانا دعا کے لیے دو خطبوں کے درمیان میں غیر مشروع ہے اور جامع الخطیب میں ہے کہ ہاتھ اٹھانا دعا کے لیے دو خطبوں کے بیچ میں حرام ہے اور شیخ عبدالحق نے شرح مشکوۃ میں حدیث مذکورہ بالا کے ذیل میں لکھا ہے کہ کلام نہ کرتے اس کے یہ معنی کہ نہ دعا مانگتے نہ دعا کے سوا اور کوئی بات کرتے اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ جمعہ میں ساعت دعا کے قبول ہونے کی امام کے منبر پر چڑھنے کے وقت سے نماز کے پورا ہونے تک ہے تو ملا علی قاری نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہی وقت ہے کہ غیر امام کو کلام اس وقت میں حرام ہے اور دعا سے مراد وہ دعا ہے جو امام سب مسلمانوں کے لیے پڑھتا ہے خطبہ اور نماز کے اندر پس اس سے یہ نہیں ثابت ہو سکتا کہ امام یا سننے والے جلسہ کے اندر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگیں اور اس امر میں ۱۲۸۲ ہجری میں ایک استفتا ہوا تھا تمام علمائے دہلی و رامپور و بریلی نے یہی لکھا کہ دونوں خطبوں کے بیچ میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست نہیں اگر کوئی بدون ہاتھ اٹھائے اور بدون زبان ہلائے دل میں دعا مانگے تو اس کا مضائقہ نہیں چنانچہ بحرالرائق اور فتح الباری میں مصرح ہے اور عمارۃ بن رویبہؓ نے جب بشر بن مروان کو خطبہ میں ہاتھ اٹھائے دعا مانگتے دیکھا تھا تو بد دعا دی تھی چنانچہ ترمذی میں مروی ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ بدعت خلفاء مروانیہ کے زمانہ میں پیدا ہوئی اللہ تعالیٰ اتباع شریعت ہم کو اور سب دینداروں کو نصیب کرے اور سب اہل بدعتوں سے محفوظ رکھے اور دین خالص پر ہمارا خاتمہ کرے آمین ویجہر بالثانیۃ لا کالاولی ویبدأ بالتعوذ سرًا اور پکار کر پڑھے دوسرے خطبہ کو مگر نہ مثل اول کے یعنی اول کو زیادہ بلند آواز سے پڑھے اور دوسرے کو اس سے کم اور شروع کرے اول خطبہ کو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم آہستہ کہہ کر یعنی اول اعوذ پڑھے پھر حمد و ثنائے الٰہی پھر شہادتین پھر درود شریف پھر وعظ و نصیحت اور قرآن مجید کی آیت اور تجنیس میں کہا کہ دوسرا خطبہ مثل اول کے ہے مگر اس میں وعظ کی جگہ مسلمانوں کے لیے دعا مانگے بحرالرائق میں کہا کہ دوسرے خطبہ میں ایک آیت کا پڑھنا مسنون ہے کذا فی الشامی ویندب ذکر الخلفاء والراشدین والعمین لا الدعاء للسلطان وجوزہ القہستانی اور مستحب ہے ذکر کرنا خلفاء راشدین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو عم بزرگوار یعنی حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم اجمعین کا نہیں مستحب ہے دعا مانگنا خطبہ میں بادشاہ کے لیے اور جائز رکھا ہے اس کو قہستانی نے مم شامی نے کہا کہ جائز ہونے سے یہ اشارہ ہوا کہ مستحب نہیں اور باب الامامۃ میں جو شارح نے لکھا ہے کہ دعا امام کی نیک بختی کے لیے واجب ہے وہ اس قول کے مخالف نہیں کیونکہ یہاں خاص خطبہ کا ذکر ہے ویکرہ تحریما وصفہ بما لیس فیہ اور مکروہ تحریمی ہے صفت بیان کرنی بادشاہ کی ایسے امور سے کہ اس میں نہ ہوں مثلاً عادل کہنا جس صورت میں کہ وہ ظالم ہو کیونکہ یہ وصف بیان کرنا خطیب کا جھوٹ ہوگا ویکرہ تکلمہ فیہا الا لامر بمعروف لانہ منہا اور مکروہ ہے کلام کرنا خطیب کا خطبہ کے اندر مگر امر بالمعروف کرنے کے لیے کلام مکروہ نہیں کیونکہ یہ کلام تو خطبہ ہی ہے یعنی اچھی بات کا حکم کرنا جزو ہے خطبہ کا طحطاوی نے کہا کہ کلام کی کراہت کو مطلق بیان کیا تو ظاہر اکراہۃ تحریمی ہے ومن السنۃ جلوسہ فی مخدعہ عن یمین المنبر ولبس السواد وترک السلام من خروجہ الی دخولہ فی الصلوۃ وقال الشافعی اذا استوی علی المنبر سلم مجتبیٰ اور سنت ہے بیٹھنا امام کا اپنے حجرہ میں منبر کے داہنے طرف اور پہننا سیاہ لباس کا اور نہ سلام کرنا خطبہ کے لیے نکلنے کے وقت سے نماز میں داخل ہونے تک اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جب منبر پر بیٹھے تو سلام کرے کذا فی المجتبیٰ مم مخدع بروزن منبر قاموس میں لکھا ہے اور سیوطی نے بروزن مکتب اور معظم بیان کیا ہے وہ خلوت خانہ ہے جو مسجد کے اندر بنا ہو تو جن مسجدوں میں ایسا مکان منبر کے داہنے طرف نہ ہو وہاں امام دہنی طرف بیٹھے اور قبل خطبہ کے محراب کے اندر خطیب کو نماز پڑھنا مکروہ ہے کذا فی الشامی وطہارۃ وستر عورۃ قائما اور مسنون ہے دونوں خطبوں کا پڑھنا طہارت اور ستر عورت کے ساتھ کھڑا ہو کر یعنی یہ تینوں باتیں مسنون ہیں شرط نہیں پس اگر خطبہ بے وضو پڑھے گا یا ہوا وغیرہ سے برہنگی کھل جائے گی یا بیٹھ کر پڑھے گا تو جائز ہوگا کراہت کے ساتھ اور اس کا اعادہ واجب

نہ ہوگا کذا فی الطحطاوی وھل ھی قائمۃ مقام رکعتین الاصح لا ذکرہ الزیلعی بل کشطرھا فی الثواب اور کیا خطبہ قائم مقام دو رکعتوں کے ہے صحیح تر یہ ہے کہ نہیں ذکر کیا ہے اس کو زیلعی نے بلکہ ثواب میں نصف نماز جمعہ کے مانند ہے م یعنی یہ جو اثر میں وارد ہے کہ خطبہ نصف صلوٰۃ ہے اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظہر کی دو رکعتوں کے قائم مقام خطبہ ہے جیسے جمعہ کا دوگانہ قائم مقام اس کی دو رکعتوں کے ہے تو اس سے یہ نکلتا ہے کہ نماز کی شرطیں خطبہ میں بھی ہونی چاہئیں شارح اس اثر کی تاویل بیان کرتا ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ خطبہ کا ثواب جمعہ کی نماز سے آدھا ہوتا ہے نہ یہ کہ ظہر کی دو رکعتوں کے قائم مقام ہو اور نماز کی شرطیں اس میں لازم آویں کذا فی الشامی ولو خطب جنبا ثم اغتسل وصلی جاز اور اگر خطبہ پڑھا حالت جنابت میں پھر نہایا اور نماز پڑھائی جائز ہے یعنی نہانا فاصل متصور نہ ہوگا کیونکہ نماز کے اعمال میں سے ہے لیکن بہتر ہے اعادہ کرنا خطبہ کا کذا فی البحر ولو فصل باجنبی فان طال بان رجع لبیتہ فتغدی او جامع واغتسل استقبل خلاصۃ ای لزوما لبطلان الخطبۃ سراج لکن یکفی انہ لا یشترط اتحاد الامام والخطیب اور اگر خطبہ اور نماز میں فعل اجنبی کا فاصلہ کیا تو اگر فاصلہ بہت ہوا اس طرح کہ امام اپنے گھر پر چلا آیا اور کھانا کھایا یا صحبت کی اور نہایا تو خطبہ از سر نو پڑھے کذا فی الخلاصۃ یعنی واجب ہے از سر نو پڑھنا بسبب باطل ہو جانے خطبہ کے کذا فی السراج لیکن آگے آوے گا کہ شرط نہیں ہے ایک ہونا نماز پڑھانے والے اور خطبہ پڑھنے والے کا م یعنی بعض صورتوں میں اعادہ ضرور نہ ہوگا مثلاً خطیب خطبہ پڑھ کر کسی کو نماز پڑھانے کے لیے نائب کر کے گھر جاوے تو اس صورت میں اعادہ خطبہ کا نہیں کذا فی الشامی

والسادس الجماعۃ واقلھا ثلثۃ رجال ولو غیر الثلثۃ الذین حضروا الخطبۃ سوی الامام بالنص لانہ لا بد من الذاکر وھو الخطیب وثلاثۃ سواہ بنص فاسعوا الی ذکر اللہ اور چھٹی شرط صحت جمعہ کی جماعت ہے اور کمتر عدد جماعت کا تین مرد ہیں سوائے امام کے نص کے سبب سے اگرچہ سوا ان تین شخصوں کے ہوں جو خطبہ میں موجود ہوں اس لیے کہ آیت فاسعوا الی ذکر اللہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ذکر کرنے والا ہو وہ تو خطیب ہے اور تین اس کے سوا ہوں تا کہ صیغہ جمع ان پر صادق ہو م تین مردوں کو مطلق رکھنے سے معلوم ہوا کہ اگر غلام یا مسافر یا بیمار یا امی یا گونگے ہوں گے تب بھی جمعہ درست ہوگا اور مرد کی قید سے لڑکے اور عورتیں نکل گئیں کہ وہ کسی حال میں امام ہونے کی لیاقت نہیں رکھتے اور امام ابو یوسف کے نزدیک مع امام کے تین مرد شرط جماعت کے ہیں کذا فی الطحطاوی فان نفروا قبل سجودہ وقالا قبل التحریمۃ بطلت پس اگر جماعت کے لوگ چلے جائیں پہلے سجدہ کرنے امام کے تو جمعہ باطل ہو جاوے گا یعنی اب ظہر کی نماز از سر نو پڑھے اور صاحبین نے فرمایا کہ اگر تحریمہ سے بیشتر چلے جائیں تب جمعہ باطل ہوگا تو صاحبین کے نزدیک بعد تحریمہ کے اگر جائیں گے تو جمعہ باطل نہ ہوگا امام اس کو پورا کرے وان بقی ثلثۃ رجال ولو عبیدا او مرضی اتموھا بالنساء او نفروا بعد سجودہ وعادوا او رکوعہ وکذا او نفروا بعد الخطبۃ وصلی بالآخرین لا تبطل ویتمھا جمعۃ اور اگر جماعت میں تین مرد رہ گئے یا بعد سجدہ کرنے امام کے سب چلے گئے یا بعد تحریمہ یا خطبہ کے چلے گئے لیکن پھر چلے آئے امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو گئے یا خطبہ کے بعد چلے گئے اور امام نے دوسرے مقتدیوں کے ساتھ نماز پڑھی جو خطبہ میں نہ تھے تو ان صورتوں میں جمعہ باطل نہ ہوگا اور امام اس نماز کو جمعہ ہی پورا کرے شارح نے کہا کہ ثلثۃ سے مرد مراد ہیں اسی لیے ماتن نے اس لفظ کو تاء کے ساتھ ذکر کیا کہ اعداد میں کے کے ساتھ مذکر کے لیے تاء کے ساتھ آتے ہیں طحطاوی نے کہا کہ یہ کیا ضرور ہے کہ مذکر پورے مرد ہوں لڑکے بھی تو اسی طرح ثلثۃ بولے جاتے ہیں اور بعد سجدہ کے آدمیوں کے چلے جانے سے اس لیے جمعہ پڑھے کہ جماعت شرط بقا کی نہیں اور نفروا بعد الخطبۃ کے ذکر کی حاجت نہیں کیونکہ اس کو شارح پہلے کہہ چکا ہے کہ اگرچہ تین مرد خطبہ سننے والوں کے سوا ہوں والسابع الاذن العام من الامام وھو یحصل بفتح ابواب الجامع للواردین کافی فلا یضر غلق باب القلعۃ لعدو او لعادۃ قدیمۃ لان الاذن العام مقرر لاھلہ وغلقہ لمنع العدو لا المصلی نعم لو لم یغلق لکان احسن کما فی مجمع الانھر معزیا لشرح عیون المذاہب قال وھذا اولی مما فی البحر والمنح فلیحفظ اور ساتویں شرط صحت جمعہ کی اذن عام ہے امام کی طرف سے یا اس کے نائب کی طرف سے جو جمعہ کے قائم کرنے کا اختیار رکھتا ہے اور اذن عام حاصل ہوتا ہے مسجد جامع کے دروازوں کے کھلے رکھنے سے واردوں کے لیے یعنی جن پر ادائے جمعہ چاہیے ان کی روک نہ ہو کذا فی الکافی اس سے معلوم ہوا

کہ مرنع اذن مشروط نہیں دروازوں کا کھلا رہنا اور سکینین جمعہ کا روکا نہ جانا کافی ہے تو نہیں ضرر کرتا بند کرنا دروازہ قلعہ کا دشمن کے سبب سے یا عادت قدیم کی جہت سے اس لیے کہ اذن عام ثابت ہے شہر کے باشندوں کو اور بند کرنا دشمن کی روک کے لیے ہے نہ نمازی کے منع کرنے کو ہاں اگر بند کیا جاوے یعنی جب کہ خوف دشمن کا نہ ہو تو بہتر ہے چنانچہ مجمع الانہر میں ہے منسوب شرح عیون المذاہب کی طرف صاحب مجمع الانہر نے کہا کہ فرمانا کہ نقل دروازہ قلعہ کا بہتر ہے اس قول سے جو بحر الرائق اور منح الغفار میں ہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے م بحر الرائق میں مذکور ہے کہ جب حاکم قلعہ کے دروازے مقفل کرے اور اس میں اپنے لشکر اور باشندگان قلعہ کے ساتھ جمعہ پڑھے تو جمعہ جائز نہ ہوگا چنانچہ ماتن آگے بیان کرتا ہے **فلو دخل امیر حصنا او قصرو اغلق بابہ فصلی باصحابہ لم تنعقد ولو فتحہ واذن للناس بالدخول جاز وکرہ** پس اگر داخل ہوا کوئی حاکم قلعہ میں یا اپنے محل میں اور بند کر دیا دروازہ قلعہ یا محل کا اور نماز پڑھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ تو جمعہ منعقد نہ ہوگا کیونکہ اذن بظاہر نماز کے وقت چاہیے تو یہ اس صورت میں حاصل نہ ہوگا اور اگر دروازہ کو کھول دیا اور لوگوں کو اندر آنے کی اجازت دی تو جمعہ درست ہوگا اور مکروہ ہوگا وجہ کراہت کی یہ کہ جامع مسجد کو ترک کیا کذا فی الطحاوی **فالامام فی دینہ ودنیاہ الی العامۃ محتاج فسبحان من تنزہ عن الاحتیاج** پس امام اپنے دین اور دنیا میں عوام کا محتاج ہے تو پاک ہے وہ ذات جو احتیاج سے پاک ہے یعنی دنیا میں امام کو عوام کی حاجت ہے واسطے حفاظت سلطنت اور کار وبار ملکی اور فوج کشی وغیرہ کے اور دین کے امور مثل جمعہ اور عیدین کے کہ بدون عوام کے میسر نہیں تو دونوں میں محتاج عوام کا ہوا **وشرط لافتراضھا تسعۃ تختص بہا** اور مشروط ہیں جمعہ کی فرضیت کے لیے نو شرطیں جو خاص ہیں جمعہ کے لیے م ماتن نے شرائط فرضیت کی گیارہ لکھی ہیں مگر چونکہ عقل و بلوغ خاص جمعہ کے لیے نہیں بلکہ ہر نماز فرض کے واسطے ہیں اس لیے شارح نے نو کو خاص جمعہ کے لیے کہا **اقامۃ بمصر واما المنفصل عنہ فان کان یسمع النداء تجب علیہ عند محمد وبہ یفتی کذا فی الملتقی وقدمنا عن الولوالجیۃ تقدیرہ بفرسخ ورجح فی البحر اعتبار عودہ لبیتہ بلا کلفۃ** شرط اول فرضیت جمعہ کی مقیم ہونا ہے شہر میں یعنی مسافر پر واجب نہیں نہ اس پر جو شہر بالفصل شہر کے مقیم نہ ہو اور شہر سے علیحدہ رہنے والا اگر اذان کی آواز سنتا ہو تو جمعہ اس پر واجب ہے امام محمد کے نزدیک اور اسی پر فتویٰ ہے ایسا مذکور ہے ملتقیٰ میں اور پہلے ہم نے ولوالجیہ سے نقل کیا ہے کہ گرد شہر کا اندازہ ایک فرسنگ ہے یعنی تین میل اور ترجیح دی ہے بحر الرائق میں اعتبار کرنے نمازی کے لوٹ آنے کو اپنے گھر بدون مشقت کے م پہلے بیان ہو چکا ہے کہ میل و فرسنگ وغیرہ کے فاصلہ کا کچھ اعتبار نہیں بلکہ گرد شہر وہی ہے جس میں اس کے منافع کی چیزیں ہوتی ہوں **وصحۃ والحق بالمریض الممرض والشیخ الفانی** اور دوسری شرط فرضیت جمعہ کی تندرستی ہے یعنی بیمار پر جمعہ واجب نہیں اور لاحق کیا گیا ہے بیمار سے بیمار دار یعنی جو بیمار کی خبرگیری کرتا ہو اس طرح کہ اگر مثلاً وہ چلا جائے تو بیمار کی کوئی خبر نہ لے کذا فی الحلبیہ اور شامل کیا گیا ہے بیمار سے شیخ فانی یعنی بہت بوڑھا جو چلنے پھرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو **وحریۃ والاصح وجوبہا علی مکاتب ومبعض واجیر ویسقط من الاجر بحسابہ ولو بعیدا والا لا** اور تیسری شرط وجوب جمعہ کی آزاد ہونا ہے کہ غلام پر جمعہ واجب نہیں اور صحیح تر قول یہ ہے کہ جمعہ واجب ہے مکاتب پر اور اس غلام پر جس کا ایک حصہ آزاد ہو گیا اور بقیہ کے لیے کمائی کرتا ہو اور واجب ہے مزدور پر اور ساقط ہو جائے گی مزدوری اجرت کے حساب سے اگر مزدور مسجد جامع سے دور ہو اور اگر پاس ہو گا تو مزدوری ساقط نہ ہوگی م یعنی مثلاً اتنا دور ہے کہ نماز کو جانے اور آنے میں چوتھائی دن یعنی ایک پہر لگتا ہے تو اس روز کی اجرت میں سے چہارم وضع ہو جائے گا اس کا مطالبہ مالک سے نہیں کر سکتا کذا فی الشامی **ولو اذن لہ مولاہ وجبت وقیل یخیر جوہرہ ورجح فی البحر التخییر** اور اگر غلام کو آقا نے نماز کی اجازت دی تو جمعہ واجب ہے اور بعض فقہا نے کہا ہے کہ غلام کو اختیار ہے چاہے جمعہ پڑھے چاہے ظہر پڑھے اپنے مقام پر اور ترجیح دی ہے بحر الرائق میں اختیار دینے کو **وذکورۃ محققۃ** اور چوتھی شرط جمعہ کے واجب ہونے کی مرد ہونا ہے یقیناً یعنی عورتوں اور خنثیٰ مشکل پر جمعہ واجب نہیں **وبلوغ وعقل ذکرہ الزیلعی وغیرہ ولیسا خاصین** اور پانچویں شرط جمعہ کے واجب ہونے کی بالغ

ہونا ہے اور چھٹی شرط عاقل ہونا یعنی لڑکے نابالغ اور مجنون پر واجب نہیں ذکر کیا ہے اس کو زیلعی وغیرہ نے اور یہ دونوں باتیں جمعہ کے لیے خاص
نہیں بلکہ ہر ایک فرض کی فرضیت کے لیے شرط ہیں **ووجود بصیر فتجب علی الاعور** اور ساتویں شرط ہے موجود ہونا بینائی کا اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ
واجب ہے کانے پر شامی نے کہا اسی طرح واجب ہے چندھے پر مگر اندھے پر واجب نہیں اگرچہ اس کو پہنچانے والا میسر ہو **وقدرتہ علی المشی وجزم فی البحر**
بان سلامۃ احدی رجلیہ کاف فی الوجوب لکن قال الشمنی وغیرہ ولاتجب علی مفلوج الرجل ولا مقطوعھا اور آٹھویں شرط فرضیت جمعہ کی قادر ہونا نمازی کا ہے
چلنے پر یقین کیا ہے بحر الرائق میں کہ درست ہونا ایک پاؤں کا نمازی کے لیے کافی ہے واجب ہونے میں لیکن شمنی وغیرہ نے کہا ہے کہ واجب
نہیں اس شخص پر جس کی ٹانگ فالج زدہ ہو یا کٹی ہو۔م شامی نے ابو سعود سے ان دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح نقل کیا ہے کہ مراد بحر الرائق کی
ایک پاؤں کی سلامتی سے یہ ہے کہ لنگڑا پن مانع مسجد کے جانے کا نہ ہو اور غرض شمنی وغیرہ کی یہ ہے کہ مسجد تک نہ جا سکتا ہو اور شارح کو مناسب تھا کہ بجائے
احدہما کے احدلہما کہتا اس لیے کہ رجل مونث ہے **وعدم حبس وعدم خوف وعدم مطر شدید ۃ ووحل وثلج** نحوہما اور نویں شرط فرضیت جمعہ کی محبوس
نہ ہونا ہے اور دسویں شرط خوف کا نہ ہونا مثلاً حاکم یا چوروں وغیرہ سے اور گیارھویں شرط نہ ہونا سخت بارش اور کیچڑ اور برف اور ان کے مثل کا جیسے شدت
کا جاڑہ یا آندھی۔م ماتن نے شرائط وجوب کے گیارہ بیان کیے اور ہم نے جو پیشتر قطعہ لکھا تھا اس میں چھ شرطیں مذکور نہیں یعنی پانچ شرطیں آخر کی ان گیارہ
میں سے صحت کے قطعہ کی ایک شرط بے عذر ہونے میں داخل ہیں **وفاقدہا ای ہذہ الشروط او بعضہا ان اختار العزیمۃ وصلاہا وہو مکلف**
بالغ عاقل وقعت فرضا عن الوقت لئلا یعود علی موضوعہ بالنقض وفی البحر ہی افضل الا للمرأۃ اور جس شخص میں یہ سب شرطیں وجوب کی نہ ہوں یا
بعض نہ ہوں اگر وہ عزیمت اختیار کرے اور جمعہ پڑھے حالانکہ وہ مکلف یعنی بالغ اور عاقل ہو تو اس کا جمعہ فرض واقع ہوگا ظہر کے عوض میں تا کہ اس کے
حق میں جو چیز شریعت نے وضع کی ہے وہ معوز نہ پڑے اور بحر الرائق میں ہے کہ جمعہ سب عذر والوں کے حق میں افضل ہے ظہر سے مگر عورت کے لیے ظہر افضل ہے اس لیے
کہ اس کی نماز گھر کے اندر افضل ہے۔م عزیمت حکم شرعی ہے مقابل رخصت کے یعنی رخصت میں شارع کی طرف سے تخفیف ہوتی ہے اور عزیمت میں مشقت تو چونکہ مسافر
و مریض وغیرہ کو حکم ہوا جمعہ کے ترک کرنے کا اور ظہر کے پڑھنے کا تو ان کے حق میں ظہر کا پڑھنا سہولت کی وجہ سے رخصت ہے اور جمعہ کا ادا کرنا مشقت کے لحاظ
سے عزیمت تو جب اس نے مشقت گوارا کر کے جمعہ کو ادا کیا پس اگر اب ہم اس کے جمعہ کو صحیح نہ رکھیں اور اس پر ظہر لازم کریں تو اس پر اور مشقت رکھی جائے گی
اور اس کے حق میں جو سہولت موضوع تھی وہ مشقت ہو جائے گی کذا فی الشامی **ویصلح للامامۃ فیہا من صلح لغیرہا فجازت لمسافر وعبد ومریض وتنعقد**
الجمعۃ بہم ای بحضورہم بالطریق الاولی اور لیاقت امامت کی رکھتا ہے جمعہ میں وہ شخص کہ امام ہونے کے لائق ہو غیر جمعہ میں پس جائز ہے امام ہونا مسافر
اور غلام اور بیمار کا اور منعقد ہو جاتا ہے جمعہ ان کے حاضر ہونے سے بطریق اولی۔م امام شافعی نے فرمایا ہے کہ ان لوگوں کی امامت تو صحیح ہے مگر ان کے سوا
اگر کوئی مقتدی نہ ہو تو جمعہ نہ ہوگا اس لیے ماتن نے کہا کہ جمعہ ان سے ہو جاتا ہے کیونکہ جب ان میں لیاقت امام ہونے کی ہے تو لیاقت مقتدی ہونے کی
بطریق اولی ہوگی کذا فی العنایہ **وحرم لمن لا عذر لہ صلوۃ الظہر قبلہا اما بعدہا فلا یکرہ غایۃ فی یومہا بمصر لکونہ سببا لتفویت الجمعۃ وہو حرام** اور
حرام ہے اس شخص کو کہ معذور نہ ہو ظہر کا پڑھنا جمعہ سے پیشتر جمعہ ہی کے دن میں شہر کے اندر لیکن بعد جمعہ کے ظہر کا پڑھنا مکروہ نہیں کذا فی غایۃ البیان
شارح نے کہا کہ پیشتر جمعہ کے ظہر پڑھنا اس لیے حرام ہے کہ ظہر سبب ہوتا ہے واسطے فوت ہونے جمعہ کے اور جمعہ کو فوت کرنا حرام ہے تو جو چیز حرام کا سبب ہوگی
وہ بھی حرام ہے۔م شامی نے کہا فی یومہا متعلق ہے واقعا محذوف سے جو حال ہے ظہر کا یعنی اسی روز کا ظہر حرام ہے نہ اس سے پیشتر کا اور شہر کی قید اس لیے لگائی کہ اگر
گاؤں میں قبل جمعہ ظہر پڑھے گا تو مکروہ نہ ہوگا قدوری وغیرہ کتب فقہیہ میں نماز ظہر کو قبل ادا جمعہ مکروہ لکھا ہے لہذا ماتن نے حرام اور صاحب بحر الرائق نے
کراہت ہی ثابت کی ہے **فان فعل ثم ندم وسعی جبرہا تباما لا یۃ ولو کان فی المسجد لم تبطل الا بالشروع قید لقولہ الیہا لانہ لو خرج لحاجۃ او مع فراغ**

الامام اولم یقتہا الصلام تبطل فی الاصح فالبطلان بہ مقید بامکان ادراکہا بان انفصل عن باب دارہ والامام فیہا ولولم یدرکہا لبعد المسافۃ فالاصح انہ لا تبطل سراج یبطل ظہرہ لااصل الصلوٰۃ ولاظہر من اقتدی بہ ولم یسع اور کہا اولا بلافرق بین معذور وغیرہ علی المذہب پس اگر غیر معذور نے جمعہ سے پیشتر ظہر پڑھ لیا پھر نادم ہوا اور جمعہ کی طرف سعی کی یعنی جمعہ پڑھنے کو چلا اس طرح کہ اپنے مکان کے دروازہ سے باہر ہوا تو اس کا ظہر باطل ہوگا یعنی فرضیت باطل ہوگی نہ اصل نماز بلکہ نماز نفل ہو جائے گی اور نہ باطل ہوگا ظہر اس شخص کا جس نے غیر معذور مذکور کے پیچھے نماز پڑھی ہوگی اور جمعہ کے لیے سعی نہ کی ہوگی خواہ ظہر کے پڑھنے والے کو سعی کے بعد جمعہ ملے یا نہ ملے دونوں صورت میں فرض ظہر باطل ہوں گے بدون فرق کے درمیان معذور اور غیر معذور کے مذہب صحیح کے بموجب شارح نے کہا کہ ماتن نے چلنے کو سعی سے تعبیر کیا بسبب اتباع آیت کے یعنی آیت میں فاسعوا الی ذکر اللہ ہے اس لیے ماتن نے سعی کہا اور ماتن نے قید جمعہ کی طرف سعی کی اس لیے لگائی کہ اگر ظہر پڑھنے والا اپنے کام کو نکلے یا اس وقت نکلے کہ امام کا فارغ ہونا اور اس کا نکلنا ایک ساتھ ہو یا امام نے جمعہ کو سرے سے قائم ہی نہ کیا ہو تو ظہر باطل نہ ہوگا صحیح تر قول میں کیونکہ ان صورتوں میں اس کی سعی جمعہ کی طرف نہ ہوگی پس باطل ہونا ظہر کا سعی سے مقید ہے جمعہ کے پاسکنے کے ساتھ تو اگر بعد مسافت کے سبب سے جمعہ کو نہ پایا تو صحیح تر یہ ہے کہ ظہر باطل نہ ہوگا کذا فی السراج م شامی نے کہا کہ امکان جمعہ کے ملنے کی قید جو شارح نے لگائی سو صحیح نہیں اور سراج کے مسئلہ میں جو لا تبطل نقل کیا ہے اس میں لا غلط ہے کیونکہ بحر الرائق میں کہا ہے کہ بطلان مطلق رکھنے سے وہ صورت بھی شامل ہوگئی کہ جمعہ کو نہ پایا ہو دوری فاصلہ کی جہت سے حالانکہ سعی کے وقت امام جمعہ پڑھتا تھا یا شروع ہی نہیں کیا تھا اور یہ قول بلخیوں کا ہے اور سراج میں کہا کہ یہی صحیح ہے اس لیے کہ نمازی جمعہ کی طرف چلا اس وقت کہ جمعہ اس کو ابھی تک فوت نہیں ہوا انتہی اور معذور کو ہر چند حکم سعی کا نہیں تو چاہیے تھا کہ اس کا ظہر باطل ہوتا مگر سعی کو اپنے اوپر لازم کر لینے سے وہ بھی غیر معذور کے حکم میں شامل ہو گیا **وکرہ تحریما لمعذور ومسجون ومسافر اداء ظہر بجماعۃ فی مصر قبل الجمعۃ** وبعدہا لتقلیل الجماعۃ وصورۃ المعارضۃ اور مکروہ تحریمی ہے معذور اور محبوس اور مسافر کو ادا پڑھنا ظہر کا جماعت سے شہر کے اندر جمعہ سے پہلے اور پیچھے بسبب کم ہو جانے جماعت کے اور صورت مقابلہ کے م اداکی قید سے معلوم ہوا کہ ظہر قضا کی جماعت ان لوگوں کو مکروہ نہیں اسی طرح گاؤں والوں کو جماعت ظہر مکروہ نہیں اور شہر میں وجہ کراہت یہ ہے کہ جمعہ کی جماعت کم ہو جائے گی یعنی معذوروں کو پڑھتے دیکھ کر اگر کوئی غیر معذور شریک ہو جائے گا تو جماعت اسی قدر کم ہو جائے گی اور دوسری وجہ معارضہ ہے یعنی حکم اقامت جمعہ کا ہے تو دوسری جماعت کی اقامت مقابلہ اور معدول حکمی ہے کذا فی الطحطاوی وافاد ان المساجد تغلق یوم الجمعۃ الا الجامع اور مصنف نے ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنے کو مکروہ تحریمی بنا کر یہ افادہ کیا کہ تمام مسجدیں جمعہ کے روز بند کی جائیں سوائے جامع مسجد کے یعنی اس لیے کہ مسجدیں اجتماع کی جگہ ہیں تو ان کے بند رکھنے سے اجتماع کی نوبت ہی نہ پہنچے گی **وکذا اہل مصر فاتتہم الجمعۃ فانہم** یصلون الظہر بغیر اذان ولا اقامۃ ولا جماعۃ اور اسی طرح مکروہ ہے جماعت سے ظہر پڑھنا شہر والوں کو جن کو جمعہ نہ ملا ہو بلکہ وہ ظہر پڑھیں بدون اذان و تکبیر اور جماعت کے ویستحب للمریض تاخیرہا الی فراغ الامام وکرہ ان لم یؤخر ہو الصحیح اور مستحب ہے بیمار کو دیر کر کے پڑھنا نماز ظہر کا امام کے فارغ ہونے تک جمعہ سے اور مکروہ تنزیہی ہے اگر تاخیر نہ کرے یہی صحیح ہے **ومن ادرکہا فی تشہد او سجود سہو** او تشہد علی القول بہ فیہا **یتمہا جمعۃ** خلافا لمحمد کما یتم فی العید اتفاقا کما فی عید الفتح اور جو شخص جمعہ میں ملے التحیات کے اندر یا سجدہ سہو کے اندر یا سجدہ سہو کے تشہد میں وہ تمام کرے جمعہ یعنی دوگانہ پڑھے شارح نے کہا کہ یہ ان لوگوں کے قول کے بموجب ہے جو سجدہ سہو جمعہ میں کرنے کو کہتے ہیں یعنی متاخرین کے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ کثرت ازدحام کے باعث جمعہ وغیرہ میں سجدہ سہو نہ کرے تو اس قول کے بموجب سجدہ سہو یا اس کے تشہد میں نہ مل سکے گا دوگانہ تمام کرے شیخین کے نزدیک بخلاف امام محمد کے ان کے نزدیک اگر ایک رکعت پاسکتا ملے تو جمعہ نہ تمام کرے بلکہ ظہر ادا کرے جیسے تمام کرے دوگانہ عید کا بالاتفاق چنانچہ فتح القدیر کے باب العید میں ہے یعنی اگر عید کے تشہد یا سجدہ سہو میں ملے تو بالاتفاق دو رکعتیں پوری کرے لکن فی السراج انہ عند محمد لم یصر مدرکا لیکن سراج میں ہے کہ نمازی امام محمد کے نزدیک عید کا پانے والا نہ ہوگا یعنی

تشہد میں ملنے کی صورت میں عید کی نماز امام محمد کے نزدیک نہ ہوگی بلکہ نفل پوری کرے اور عید کی طرح نہ پڑھے بلکہ بلا زائد تکبیروں کے پورا کرے شامی نے کہا کہ قول اول صحیح ہے یعنی بالاتفاق عید کا دوگانہ پورا کرے **ویَنوی جمعۃ لا ظہرا** بالاتفاق فلو نوی الظہر لم یصح اقتداؤہ اور نیت کرے تشہد میں ملنے والا جمعہ کی نہ ظہر کی بالاتفاق تو اگر ظہر کی نیت کرے گا تو اس کا اقتدا درست نہ ہوگا بالاتفاق[ل] ثم الظاہر انہ لا فرق بین المسافر وغیرہ نہر بحثا پھر ظاہر یہ ہے کہ نہیں فرق ہے مسافر اور غیر مسافر میں کذا فی النہر بحثا م ظہیریہ میں ذکر کیا ہے کہ اگر مسافر تشہد میں جمعہ کے ملے تو وہ چار رکعتیں پڑھے اس لیے شارح نے ذکر کیا کہ مسافر اور غیر مسافر اس میں برابر ہیں شیخین کے نزدیک جمعہ ہی پورا کریں **واذا خرج الامام** من الحجرۃ ان کان والا فقیامہ للصعود شرح المجمع **فلا صلوٰۃ ولا کلام الی تمامہا** وان کان فیہا ذکر الظلمۃ علی الاصح اور جب امام حجرہ سے نکلے اگر حجرہ ہو ورنہ امام کا کھڑا ہونا منبر پر چڑھنے کے لیے معتبر ہے کذا فی شرح المجمع تو اس وقت سے نہ کوئی نماز ہے نہ کلام خطبہ کی تمامی تک اگرچہ خطبہ میں ذکر ظالموں کا ہو صحیح تر قول کے بموجب م مقابل قول اصح کا یہ ہے کہ جب ظالموں کا ذکر خطبہ میں ہو اس وقت کلام درست ہے اور کان کو مذکر لانا باعتبار مکان کے ہے کذا فی الطحطاوی **خلا قضاء فائتۃ لم یسقط الترتیب بینہا وبین الوقتیۃ** فانہا لا تکرہ سراج وغیرہ لضرورۃ صحۃ الجمعۃ والا لا کوئی نماز خطبہ کے وقت جائز نہیں سوا قضا پڑھنے اس فائتہ کے جس میں اور وقتی نماز یعنی جمعہ کے درمیان میں ترتیب ساقط نہ ہوئی ہو کہ فائتہ کا پڑھنا مکروہ نہیں کذا فی السراج وغیرہ بلکہ اس کا پڑھنا واجب ہے بسبب ضرورت درست ہونے جمعہ کے یعنی صاحب ترتیب اگر فائتہ نماز نہ پڑھے گا تو اس کا جمعہ صحیح نہ ہوگا اس سے اس کے پڑھنے کا مضائقہ نہیں اور اگر ترتیب نہ رہی ہو تو قضا کا پڑھنا بھی خطبہ کے وقت مکروہ ہے ولو خرج وہو فی السنۃ او بعد قیامہ لثالثۃ النفل یتم فی الاصح ویخفف القراءۃ اور اگر امام خطبہ کے لیے نکلا اور نمازی سنتیں پڑھتا ہے یا نفل کی تیسری رکعت کو کھڑا ہونے کے بعد امام نکلا تو وہ شخص سنتیں اور نفل جو کچھ پڑھتا ہے تمام کرے صحیح تر قول میں اور قرأت چھوٹی پڑھے یعنی بقدر واجب پر اکتفا کرے کذا فی الطحطاوی **وکل ما حرم فی الصلوٰۃ حرم فیہا** ای فی الخطبۃ خلاصۃ وغیرہا فیحرم اکل وشرب وکلام ولو تسبیحا اورد سلام وامر بالمعروف بل یجب علیہ ان یستمع ویسکت **بلا فرق بین قریب وبعید** فی الاصح محیط اور جو امور کہ حرام ہیں نماز میں وہ حرام ہیں خطبہ کے اندر کذا فی الخلاصۃ وغیرہا پس حرام ہے خطبہ کے وقت کھانا اور پینا اور کلام کرنا اگرچہ سبحان اللہ کہنا ہو یا سلام کا جواب دینا یا اچھی بات کا حکم کرنا ہو بلکہ واجب ہے آدمی پر کہ خطبہ سنے اور چپ رہے بدون فرق کے درمیان نزدیک اور دور کے شخصوں کے صحیح تر قول میں کذا فی المحیط م اور قول ضعیف یہ ہے کہ خطیب سے دور ہو تو کلام کا مضائقہ نہیں شامی نے کہا کہ تسبیح کو ماتن کے قول پر متفرع کرنے میں کلام ہے اس لیے کہ تسبیح نماز میں حرام نہیں اور امر بالمعروف سے خطیب مستثنیٰ ہے چنانچہ پہلے بیان ہوا ولا یرد تحذیر من خیف ہلاکہ لانہ یجب لحق آدمی وہو محتاج الیہ والانصات لحق اللہ تعالیٰ ومبناہ علی المسامحۃ اور اعتراض نہیں وارد ہوتا ڈرانا اس شخص کا جس کے ہلاک کا خوف ہو یعنی اگر کسی آدمی کو خطبہ کے وقت کنوئیں کے پاس دیکھے مثلاً اور خوف ہو کہ کنوئیں میں گر جائے گا تو لازم ہے کہ اس شخص کو ہوشیار کر دے کیونکہ ہوشیار کرنا واجب ہے آدمی کے حق کی جہت سے اور آدمی اپنے حق کا محتاج ہے اور سکوت خطبہ کے وقت اللہ تعالیٰ کے حق کے لیے ہے اور بنا اس حق کی درگذر پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ غنی ہے اس سے درگذر فرما سکتا ہے وکان ابو یوسف ینظر فی کتابہ ویصححہ امام ابو یوسف جب خطبہ سے دور ہوتے تو خطبہ کے وقت اپنی کتاب دیکھا کرتے اور قلم سے اس کو صحیح کیا کرتے م شامی نے کہا کہ یہ مبنی ہے قول ضعیف پر کہ اگر دور ہو تو کلام کرنا اور کتاب کا دیکھنا جائز ہے والاصح انہ لا باس بان یشیر برأسہ او یدہ عند رؤیۃ منکر اور صحیح تر یہ ہے کہ کچھ مضائقہ نہیں اپنے سر یا ہاتھ سے اشارہ کرنے کا وقت دیکھنے بری بات کے یعنی زبان سے منع کرنا حرام ہے کذا فی الطحطاوی والصواب

ل اس لیے کہ اتحاد نماز امام اور مقتدی کا شرط ہے صحت اقتدا کی اور وہ اس صورت میں پایا نہ جائے گا ۱۲

ان یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند سماع اسمہ فی نفسہ اور صواب یہ ہے کہ درود پڑھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وقت سننے آپ کے اسم مبارک کے اپنے جی میں م یعنی آہستہ درود پڑھے کہ اپنے آپ سنے دوسرے کو آواز نہ جاوے اور امام ابویوسفؒ سے روایت ہے کہ درود دل میں پڑھے کذا فی الشامی ولا یجب تشمیت عاطس ولارد سلام بہ یفتی اور واجب نہیں جواب دینا چھینکنے والے کا اور نہ جواب دینا سلام کا اسی پر فتویٰ ہے طحطاوی نے کہا کہ اگر چھینکنے والا الحمد للہ کہے تو آہستہ کہے کہ دوسرا نہ سنے وکذا یجب الاستماع لسائر الخطب کخطبۃ نکاح وختم وعید علی المعتمد اور اسی طرح واجب ہے سننا سب خطبوں کا مثل خطبہ نکاح اور خطبہ ختم قرآن اور خطبہ عید کے قول معتمد پر وقالا لاباس بالکلام قبل الخطبۃ وبعدہا واذا جلس عند الثانی اور صاحبین نے کہا نہیں مضائقہ کلام کا خطبہ کے پیشتر اور بعد خطبہ کے یعنی جب امام حجرہ سے نکلے تو جب تک خطبہ شروع نہ کرے اس وقت تک کلام کا مضائقہ نہیں اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک جب امام بیٹھے اس وقت بھی کلام کا مضائقہ نہیں والخلاف فی کلام یتعلق بالآخرۃ اما غیرہ فیکرہ اجماعا اور خلاف امام صاحب اور صاحبین کا اس کلام میں ہے کہ آخرت سے متعلق ہو اور غیر کلام آخرت یعنی دنیاوی کلام مکروہ ہے بالاتفاق وعلی ہذا فالترقیۃ المتعارفۃ فی زماننا تکرہ عندہ لا عندہما اور اس خلاف پر ترقیہ جو ہمارے زمانہ میں مروج ہے مکروہ ہوگا امام صاحب کے نزدیک نہ صاحبین کے نزدیک م ترقیہ اس کو کہتے ہیں کہ مکبر امام کے سامنے کھڑا ہو کر اول یہ آیت پڑھتا ہے اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ آخر تک پھر حدیث صحیحین کی پڑھتا ہے کہ جب تو نے اپنے ساتھی سے جمعہ کے روز کہا کہ خاموش ہو اس وقت کہ امام خطبہ پڑھتا ہے تو تو نے لغو کیا تو ہر چند یہ پڑھنا کلام آخرت ہے مگر امام صاحب کے نزدیک مکروہ ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز کذا فی الشامی مختصراً واما یفعلہ المؤذنون حال الخطبۃ من الترضی ونحوہ فمکروہ اتفاقا وتمامہ فی البحر اور جو رضی اللہ عنہ اور مثل اس کے موذن خطبہ کے وقت کرتے ہیں سو یہ تو مکروہ ہے بالاتفاق اور اس کا پورا بیان بحر الرائق میں ہے م موذنوں کا دستور بعض عرب کے شہروں میں ہے کہ جب امام نام خلفاء و اصحاب کا لیتا ہے تو وہ باواز بلند رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اور جب سلطان کا نام لیتا ہے تو خلد اللہ ملکہ یا اور کلمہ دعا کو پکار کر کہتے ہیں تو یہ حرکت ان کی مکروہ ہے طحطاوی نے کہا کہ بحر الرائق میں سوائے عجب کے جس کو شارح بیان کرتا ہے اور کچھ بیان نہیں والعجب من المرقی ینہی عن الامر بالمعروف بمقتضی حدیثہ ثم یقول انصتوا رحمکم اللہ قلت الا ان یحمل علی قولہما فتنبہ اور تعجب ہے ترقیہ پڑھنے والے سے کہ منع کرتا ہے امر معروف سے اپنی حدیث کی مقتضا کے اعتبار سے پھر کہتا ہے چپ ہو خدا تعالیٰ تم پر رحم کرے میں کہتا ہوں مگر یہ کہ اس کا یہ کہنا محمول ہو صاحبین کے قول پر آگاہ رہنا م یعنی جب مرقی نے حدیث بیان کی تو اس کا مضمون اس بات کو مقتضی ہے کہ امر بالمعروف سے بھی زبان بند کرنی چاہیے تو پھر آپ ہی اس پر عمل نہ کرنا اور لوگوں کو خاموشی کا امر کرنا تعجب کی بات ہے ہاں اس کا امر صاحبین کے قول کے موافق درست ہو سکتا ہے کیونکہ وہ قبل خطبہ کے ترقیہ وغیرہ کرتا ہے اور صاحبین کے نزدیک قبل خطبہ امر بالمعروف کا مضائقہ نہیں ووجب السعی الیہا وترک البیع ولو مع السعی وفی المسجد اعظم وزرا بالاذان الاول فی الاصح وان لم یکن زمن الرسول بل فی زمن عثمانؓ اور واجب ہے جمعہ کی طرف چلنا اور بیع کو ترک کرنا اگرچہ بیع چلتے چلتے کرتا ہو اذان اول کے ہونے پر صحیح تر قول میں اگرچہ یہ اذان عہد مبارک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ تھی بلکہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ہوئی اور مسجد کے اندر یا اس کے دروازہ پر بیع میں مشغول رہنا بڑا گناہ ہے م بیع سے مراد وہ امر ہے جو نماز جمعہ سے باز رکھے تو اگر سوا بیع کے کسی اور کام میں مشغول رہے گا اور سعی نہ کرے گا تو مکروہ تحریمی ہوگا اور سعی کی حالت میں بیع کرنا اگر خارج سعی نہ ہو تو سراج میں کہا ہے کہ مکروہ نہیں چنانچہ شارح نے بھی آخر باب البیع الفاسد میں لاباس بہ لکھا ہے پھر اس میں اختلاف ہے کہ اذان اول کون سی ہے تو بعض نے کہا کہ اذان اول وہ ہے جو منبر کے سامنے خطبہ سے پہلے ہوتی ہے اس لیے کہ باعتبار مشروع ہونے کے وہی اول ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ

ف اس سے معلوم ہوا کہ یہ جو بعض لوگ اللھم انصر من نصر دین محمد سنتے وقت درود پڑھتے ہیں ناجائز ہے ۱۲

علیہ وسلم کے عہد مبارک اور خلافت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ میں بھی ایک اذان ہوتی تھی جب حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں آدمی بہت ہوئے تو
آپ نے زوراء پر ایک اذان اور بڑھادی اور صحیح تر قول یہ ہے کہ اذان اول وہی ہے جو وقت میں اول ہو یعنی جو اذان زوال کے بعد منارہ پر ہوتی ہے
کذافی الشامی وافاد فی البحر صحۃ اطلاق الحرمۃ علی المکروہ تحریما اور بحرالرائق میں حرمت کا بولنا مکروہ تحریمی پر صحیح بتایا ہے مترجم اذان کے وقت بیع کو صاحب
ہدایہ نے حرام کہا ہے حالانکہ وہ مکروہ تحریمی ہے شارح صاحب ہدایہ کی طرف سے عذر بیان کرتا ہے کہ مکروہ تحریمی کو حرام کہنا صحیح ہے چنانچہ بحرالرائق
میں افادہ کیا کذافی الشامی ویؤذن ثانیا بین یدیہ ای الخطیب افاد بصیغۃ الفعل ان المؤذن اذا کان اکثر من واحد اذنوا واحدا بعد واحد
ولا یجتمعون کما فی الجلالی والتمرتاشی ذکرہ القہستانی اذا جلس علی المنبر اور مؤذن اذان دے دوسری بار سامنے خطیب کے جب وہ منبر پر
بیٹھے یعنی خطبہ پڑھنے کے لیے شارح نے کہا کہ ماتن نے فعل یؤذن کو بصیغۂ واحد لانے سے افادہ کیا کہ مؤذن جب ایک سے زیادہ ہوں
تو اذان ایک بعد دوسرے کے کہیں سب مل کر نہ کہیں چنانچہ جلالی اور تمرتاشی میں ہے ذکر کیا ہے اس کو قہستانی نے مترجم طحطاوی نے کہا کہ یہ
افادہ اس وقت ہے کہ یؤذن کو بصیغۂ معروف پڑھیں اور جس صورت میں مجہول پڑھیں تو افادہ مذکور ظاہر نہ ہوگا فاذا اتم اقیمت ویکرہ الفصل بامر الدنیا
ذکرہ العینی جب امام خطبہ تمام کرلے تو تکبیر کہی جائے اور مکروہ ہے فاصلہ کرنا خطبہ اور تکبیر میں کسی دنیا کے امر کو ذکر کیا ہے اس کو عینی نے مترجم
یعنی اگر خطبہ کا متصل ہو تکبیر کے شروع سے اور امر دنیا کی قید اس لیے لگائی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فاصلہ مکروہ نہیں اور یہ جو دوسرے خطبہ میں خطیب
منبر سے ایک سیڑھی اترتے ہیں پھر چڑھتے ہیں یہ بدعت شنیع ہے کذافی الشامی طحطاوی نے بحرالرائق سے نقل کیا کہ مسنون ہے منبر کا ہونا قبلہ کے بائیں
طرف[1] اور امام کا سورہ جمعہ اور منافقون پڑھنا اور زاہدی نے ذکر کیا ہے سورۂ اعلیٰ اور غاشیہ کا پڑھنا لاینبغی ان یصلی بالقوم غیر الخطیب لانہما
کشئ واحد مناسب نہیں کہ سوائے خطبہ پڑھنے والے کے دوسرا شخص لوگوں کو نماز پڑھادے اس لیے کہ خطبہ اور نماز دونوں ایک ہی چیز ہیں کیونکہ شرط اور مشروط ایسے
اور مشروط بدون شرط کے پایا نہیں جاتا تو اس لیے دونوں کا فاعل ایک ہونا مناسب ہے کذافی الشامی فان فعل بان خطب صبی باذن السلطان
وصلی بالغ جاز ہو المختار پس اگر ایسا کیا جائے کہ امام جدا ہو اور خطیب جدا اس طرح کہ خطبہ پڑھے ایک لڑکا نابالغ سلطان کی اجازت سے اور نماز کوئی بالغ پڑھا دے
تو درست ہے یہی مختار ہے مترجم لڑکے کی قید اس لیے لگادی کہ یہ وہم نہ ہو کہ لڑکے کا خطبہ پڑھنا جائز نہیں اور اذن سلطان کی قید خطبہ میں لگائی نہ نماز میں
تاکہ معلوم ہو کہ خطبہ میں اذن شرط ہے نہ نماز میں کذافی الطحطاوی لاباس بالسفر یوم الجمعۃ اذا خرج من عمران المصر قبل خروج وقت الظہر کذافی الخانیۃ
لکن عبارۃ الظہیریۃ وغیرہا بلفظ دخول بدل خروج نہیں مضائقہ ہے سفر کا دن جمعہ کے جب کہ نکل جائے شہر کی آبادی سے پہلے نکل جانے وقت ظہر کے کذافی الخانیہ
مگر عبارت ظہیریہ اور اس کے سوا دوسری کتابوں کی بلفظ دخول ہے عوض خروج کے یعنی آبادی سے نکل جائے پیشتر داخل ہونے وقت ظہر کے مترجم سفر سے
مراد ہے ایسی جگہ جانا جس کے باشندوں پر جمعہ واجب نہ ہو کذافی الشامی وقال فی شرح المنیۃ والصحیح انہ یکرہ والسفر بعد الزوال قبل ان یصلیہا ولا یکرہ قبل الزوال
اور شرح منیہ میں کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ سفر کرنا بعد زوال کے جمعہ پڑھنے سے پہلے مکروہ ہے اور زوال سے پیشتر مکروہ نہیں کیونکہ زوال سے
پیشتر اس پر جمعہ واجب نہیں مترجم اس قول کو شارح نے ظہیریہ کی تائید کے لیے بیان کیا اس غرض سے کہ معلوم ہو جائے کہ خانیہ کا قول ضعیف ہے کذا
فی الطحطاوی القروی اذا دخل المصر یومہا ان نوی المکث ثمہ ذلک الیوم لزمہ الجمعۃ وان نوی الخروج من ذلک الیوم قبل دخول وقتہا
او بعدہ لا تلزمہ لکن فی النہر ان نوی الخروج بعدہ لزمتہ والا لا وفی شرح المنیۃ ان نوی المکث الی وقتہا لزمتہ وقیل لا گاؤں کا رہنے والا جب شہر
میں جمعہ کے روز داخل ہوا اگر شہر میں اس نے اس روز نیت ٹھہرنے کی کی تب تو اس پر جمعہ لازم ہوگا اور اگر اسی روز چلے جانے کی جمعہ کے وقت

[1] یعنی امام جب قبلہ رخ ہو تو اس کی داہنی طرف منبر پڑے ۱۲

سے پہلے یا پیچھے تو جمعہ لازم نہ ہوگا لیکن نہرالفائق میں ہے کہ اگر جانے کی نیت بعد جمعہ کے وقت کے کرے گا تو اس پر جمعہ لازم ہوگا اور نہیں تو لازم نہ ہوگا اھ
شرح منیہ میں ہے کہ اگر ٹھہرنے کی نیت وقت جمعہ تک کرے گا تو جمعہ لازم ہوگا اور ایک قول یہ ہے کہ لازم نہ ہوگا م شامی نے کہا کہ قروی بفتح قاف وسکون را نسبت
ہے قریہ کی طرف کما لا تلزم لو قدم مسافر یوم ہا ولم ینو الاقامۃ نصف شہر جیسے جمعہ لازم نہیں اگر مسافر آیا جمعہ کے دن
شہر میں اس ارادہ سے کہ اس روز روانہ نہ ہوگا اور پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ کی یعنی اگر نیت اقامت کرے گا تو جمعہ واجب ہو جائے گا یخطب
الامام بسیف فی بلدۃ فتحت بہ کمکۃ والا لا کالمدینۃ امام خطبہ پڑھے تلوار حمائل کرکے اس شہر میں کہ تلوار سے فتح ہوا ہو جیسے مکہ معظمہ ہے اور اگر
تلوار سے فتح نہ ہوا ہو تو وہاں تلوار سے کر خطبہ نہ پڑھے جیسے مدینہ منورہ ہے فی الحادی القدسی اذا فرغ المؤذنون قام الامام والسیف فی یسارہ وہو
متکئ علیہ حاوی قدسی میں ہے کہ جب موذن فارغ ہو جائیں خطیب کے سامنے اذان دینے سے تو خطیب کھڑا ہو اور تلوار اپنے بائیں ہاتھ میں لے کر اس
پر سہارا کرے م طحطاوی نے کہا یہ قول مخالف ہے تحقیق بحرالرائق کے کیونکہ اس میں تلوار کا حمائل کرنا لکھا ہے لیکن صاحب نہرالفائق نے یہ توجیہ کی کہ
تلوار کو حمائل کرے پھر اس کی نوک زمین پر ٹھہرا کر اس پر ہاتھ کا سہارا دے تاکہ دونوں باتیں حاصل ہو جائیں وفی الخلاصۃ یکرہ ان یتکئ علی قوس او عصا
اور خلاصہ میں ہے کہ مکروہ ہے خطیب کو سہارا لگانا کمان پر یا لاٹھی پر م حلیہ میں خلاصہ پر اعتراض کیا ہے کہ ابوداؤد کی حدیث سے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کا خطبہ میں لاٹھی یا عصا پر سہارا دے کر کھڑا ہونا ثابت ہے پھر مکروہ کیسے ہوگا بلکہ محیط میں ہے کہ جیسے کھڑا ہونا خطبہ میں سنت ہے اسی طرح
عصا کا لینا بھی مسنون ہے کذا فی الشامی **فروع** مسائل ملتقطہ شارح کے سمع النداء وہو یاکل ترکہ ان خاف فوت جمعۃ او مکتوبۃ لا جماعۃ
ایک شخص نے اذان سنی اور وہ کھانا کھاتا ہے تو کھانا ترک کرے اگر خوف ہو جمعہ کے نہ ملنے یا فرض نماز کے فوت ہونے کا نہ ترک کرے کھانا اگر خوف ہو جماعت
کے فوت ہونے کا کیونکہ ایسا کھانا جو رکھنے سے بگڑ جائے یا جس کی طرف آدمی کا دل مشتاق ہے وہ عذر ہے جماعت کے ترک کرنے کا چنانچہ گذرا رستاقی سعی الیہ
الجمعۃ والخ ہوا کہ ان معظم مقصودہ الجمعۃ قال ثواب السعی الیہا وبہذا العلم من شرک فی عبادۃ فالعبرۃ للاغلب ایک گاؤں والا شہر کو چلا جمعہ کے قصد سے اور اپنی دیگر
حاجات کے لیے اگر زیادہ تر مقصود اس کا جمعہ کا پڑھنا ہے تو اس کو جمعہ کی طرف چلنے کا ثواب ملے گا اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص عبادت میں شرک
کرے یعنی دوسرا کوئی مطلب اس میں ملائے خالص اللہ تعالیٰ کے لیے نہ رکھے تو اعتبار غالب تر کا ہوگا مثلاً حج میں ارادہ تجارت کا کرے تو ثواب عبادت
اسی وقت ہوگا کہ مقصود غالب حج ہو کذا فی الشامی الافضل حلق الشعر وقلم الظفر بعدہا بہتر ہے بالوں کا منڈوانا اور ناخن کا ترشوانا بعد نماز جمعہ کے م تاتار
خانیہ میں لکھا ہے کہ نماز جمعہ سے پیشتر بالوں اور ناخنوں کا بنوانا اچھا نہیں کیونکہ جمعہ میں کیفیت حج کی سی ہے تو جیسے حج میں بعد فراغت حج کے ان کا بنوانا
چاہیے ایسے ہی جمعہ میں بعد نماز افضل ہے باقی بیان اس مسئلہ کا کتاب الحظر والاباحۃ جلد چہارم میں دیکھنا چاہیے لاباس بالتخطی مالم یاخذ الامام فی الخطبۃ
ولم یوذ احدا الا ان لایجد الا فرجۃ امامہ فیتخطی الیہا للضرورۃ مضائقہ نہیں گردنوں پر کو پھاندنا بشرطیکہ امام نے خطبہ شروع نہ کیا ہو اور بشرطیکہ کسی کو ایذا نہ دے
مگر یہ کہ اس کو سوائے خالی جگہ کے اپنے سامنے کوئی جگہ نہ ہو تو اس خالی جگہ کے بھرنے کو پھاند جاوے ضرورت کی وجہ سے م یعنی لوگوں پر سے پھاندنا ایک
عمل ہے تو خطبہ کی حالت میں جائز نہیں اسی طرح اوروں کو ایذا دینا درست نہیں کہ پھاندنے میں کسی کا کپڑا دبا دے کسی کے بدن پہ پاؤں رکھ دے ہاں اگر
اگلی صف میں فرجہ چھوٹا ہو اور اس کے بھرنے کے لیے کسی کو اس قسم کی ایذا دے تو ضرورت کی وجہ سے درست ہے بشرطیکہ اور کوئی جگہ نہ ہو کذا فی الشامی
ویکرہ التخطی للسوال بکل حال اور مکروہ ہے گردنوں پر سے پھاندنا سوال کے لیے ہر حال میں یعنی خواہ ایذا کسی کو ہو یا نہ ہو م مسجد میں سوال کرنے اور
سائل کے دینے میں اختلاف ہے کہ درست ہے یا نہیں نہرالفائق میں کہا کہ اگر سائل نمازیوں کے سامنے کو نہ گذرے اور گردنوں کو پھاندے اور نہ اصرار
کے ساتھ طلب کرے تب تو مانگنا اور اس کو دینا درست ہے ورنہ مکروہ ہے کذا فی البزازیہ وسئل عنہ علیہ السلام عن ساعۃ الاجابۃ فقال ما بین جلوس الامام

الی ان تتم الصلوٰۃ وہو الصحیح وقیل وقت العصر والیہ ذہب المشائخ کما فی التاتارخانیۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا حال دعا کے قبول ہونے کی ساعت کا تو آپ نے فرمایا کہ وہ ساعت امام کے خطبہ کے لیے بیٹھنے سے لے کر اس وقت تک ہے کہ نماز کو پورا کرے اور یہی صحیح ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ساعت عصر کا وقت ہے اور اسی قول کی طرف گئے ہیں مشائخ چنانچہ تاتارخانیہ میں ہے صحیحین میں ہے کہ جمعہ کے اندر ایک ساعت ہے کہ جو مسلمان بندہ اس میں کھڑا ہوا نماز پڑھے پھر اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگے تو اس کو اللہ تعالیٰ وہ چیز عنایت ہی کرتا ہے اس ساعت میں اختلاف ہے کہ کون سی ہے اور سب اقوال بیالیس ہیں جن میں سے دو قول صحیح ہیں ایک تو یہ کہ وہ ساعت خطبہ کے لیے بیٹھنے کے وقت سے ہے نماز کے پورا ہونے تک چنانچہ مسلم اور ابوداؤد نے حضرت ابوموسیٰؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے تو اس قول کے بموجب دعا اپنے دل میں مانگے اس لیے کہ خطبہ میں سکوت کا حکم ہے اور دوسرا قول یہ کہ ساعت مذکور جمعہ کی پچھلی ساعت ہے اس کو مالک اور احمد اور ابوداؤد اور نسائی اور ترمذی نے جابر اور ابن جریر اور ابوہریرہ سے روایت کیا ہے اور غالباً مشائخ کی مراد یہی ساعت ہے جس کو شارح نے وقت عصر سے تعبیر کیا ہے کذا فی الشامی وفیہا سئل بعض المشائخ الیلۃ الجمعۃ افضل ام یومہا فقال یومہا اور تاتارخانیہ میں ہے کہ بعض فقہا سے سوال ہوا کہ جمعہ کی رات بہتر ہے یا جمعہ کا دن انھوں نے فرمایا کہ جمعہ کا دن افضل ہے اس لیے کہ رات کو فضیلت صرف نماز جمعہ کے باعث سے ہے اور نماز دن کو ہوتی ہے وذکر فی احکامات الاشباہ مما اختص بہ یومہا قراءۃ الکہف فیہ ومن فہم عطفہ علیٰ قولہ وکرہ افراد لیلتہ بالقیام نقد وہم وفیہ تجتمع الارواح وتزار القبور ویامن المیت من عذاب القبر ومن مات فیہ اوفی لیلتہ امن من عذاب القبر ولا تسجر فیہ جہنم وفیہ یزور اہل الجنۃ ربہم تعالیٰ اور اشباہ کے احکام جمعہ میں مذکور ہے کہ منجملہ ان امور کے جو جمعہ کے روز مخصوص ہیں ایک سورہ کہف کا پڑھنا ہے جمعہ کے دن یا رات میں کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ جو کوئی سورہ کہف جمعہ کو پڑھے تو ایک جمعہ سے دوسرے تک محفوظ رہتا ہے مع تین دن زیادہ کے اور جس شخص نے قراءت کہف کا عطف اشباہ والے کے اس قول پر سمجھا ہے کہ مکروہ ہے تنہا روز جمعہ کا روزہ رکھنا اور تنہا اس کی رات کا جاگنا تو اس نے غلطی کی یعنی اس لیے کہ مسنون چیز کو مکروہ میں شامل کر دیا اور جمعہ کے دن روحیں اکٹھی ہوتی ہیں اور اسی دن میں قبروں کی زیارت ہوتی ہے اور مردہ عذاب قبر سے مامون رہتا ہے اور جو شخص جمعہ کے دن یا رات میں مرتا ہے وہ عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے اور اس روز میں دوزخ گرم نہیں کی جاتی اور جمعہ کے روز جنت والے اپنے پروردگار جل شانہ کے دیدار سے مشرف ہوتے ہیں ہم اشباہ کے احکام جمعہ میں مذکور ہے کہ جمعہ بہت سی باتوں سے مخصوص ہے نماز جمعہ کا لازم ہونا اور اس کے لیے جماعت کا شرط ہونا اور سوائے امام کے تین مردوں کا ہونا اور نماز سے پیشتر خطبہ کا ہونا اور خاص سورتوں کا پڑھنا اور نماز سے پیشتر سفر کا حرام ہونا موافق اس کی شرط کے اور مسنون ہونا اس کے غسل کا اور خوشبو لگانا اور اچھا لباس پہننا اور بال اور ناخن بنوانے لیکن بعد جمعہ کے افضل ہیں اور مسجد کو خوشبو سے بسانا اور جمعہ کی نماز کو سویرے جانا اور جب تک خطیب نکلے عبادت میں مشغول رہنا اور نہ مسنون ہونا دیر کرنے کا نماز جمعہ میں اور مکروہ ہونا تنہا اس کے روزہ کا اور تنہا اس کی رات میں جاگنے کا اور اس میں سورہ کہف کا پڑھنا اور نہ مکروہ ہونا نفل کا اس کے ٹھیک دوپہر میں بموجب قول امام ابویوسف کے جو صحیح اور معتمد ہے اور ہفتہ کے دنوں میں اس کا بہتر ہونا اور اس کا روز عید ہونا اور اس میں دعا قبول ہونے کی ساعت کا ہونا اور ارواح کا اس روز اکٹھا ہونا اور قبروں کی زیارت کرنی اور مردہ کا اس روز عذاب قبر سے محفوظ رہنا اور جو شخص اس کے دن یا رات میں مر جائے فتنہ قبر سے اس کا بچا رہنا اور اس روز دوزخ کا گرم نہ ہونا اور اسی روز آدم علیہ السلام کا پیدا ہونا اور ان کا جنت سے نکلنا اور جنت والوں کو اس روز دیدار اللہ تعالیٰ کا ہونا تمام ہوا قول اشباہ کا مترجم ان امور میں سے اکثر متن اور شارح کے اقوال میں گذر گئے تھے مگر ایک جا جمع ہونے کے لحاظ سے سب کا ترجمہ کر دیا گیا اور دیدار کا جمعہ کو ہونا بعض اشخاص کے لیے ہے اور بعض کو اس سے کم مدت میں اور بعض کو اس سے زیادہ میں ہوا کرے گا یہاں تک کہ عورتوں کو صرف تجلی عام کے وقت ہوا کرے گا کذا فی الطحاوی

باب العیدین

یہ باب ہے دونوں عیدوں کے احکام میں مناسبت عید کی جمعہ سے یہ ہے کہ دونوں جماعت سے پڑھی جاتی ہیں اور قرأت دونوں میں باآواز بلند ہوتی ہے اور نماز عید اسی پر واجب ہے جس پر جمعہ واجب ہے اور سوائے خطبہ کے اور شرطیں بھی دونوں کی یکساں ہیں اور جمعہ مقدم اس لیے ہوا کہ اس کا ثبوت کتاب اللہ سے ہے اور سال میں بہت ہوتا ہے کذا فی الشامی سمی بہ لان للہ فیہ عوائد الاحسان ولعودہ بالسرور غالبا او تفاولا اس روز کا نام اس لیے عید رکھا گیا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے انعام بندوں پر عائد یعنی مکرر ہوتے ہیں اور اس لیے کہ یہ روز اکثر خوشی کے ساتھ رجوع کرتا ہے یا فال کے لحاظ سے کہ جس کو عید آوے خوشی کے ساتھ آوے م لفظ عید کا اصل عود تھا واو کے ساتھ تو واو بسبب کسرہ ماقبل کے ی سے بدل گئی اب چونکہ عود کے معنی رجوع کے ہیں اس لیے عید کے دن کو عید کہنا یا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کھانے پینے سے رمضان میں منع کر دیا تھا عید کے باعث اس کے انعام یعنی افطار نے بندوں پر رجوع کیا یا اس لیے کہ غالبا اس دن میں خوشی کی عادت ہوا کرتی ہے یا بہ فال سمجھ کر کہ خوشی کے ساتھ پھر آوے اس کا نام عید ہوا ویستعمل فی کل یوم فیہ مسرۃ ولذا قیل ؎ عید و عید و عید صرن مجتمعۃ ؛ وجہ الحبیب ویوم العید والجمعۃ ؛ اور مستعمل ہوتا ہے لفظ عید اس روز کے لیے جس میں خوشی ہو اور اسی استعمال کے اعتبار سے یہ شعر کسی نے کہا ہے کہ تین عیدیں متفق ہو گئی ہیں دن حبیب کے دیکھنے کا اور روز عید اور جمعہ کا دن یعنی چونکہ یہ تینوں اوقات خوشی کے ہیں اس لیے شاعر نے ان کو عید کہا فلو اجتمعا لم یلزم الا صلوۃ احدہما وقیل الاولی صلوۃ الجمعۃ وقیل صلوۃ العید کذا فی القہستانی عن التمرتاشی قلت قد راجعت التمرتاشی فرأیتہ حکاہ عن مذہب الغیر وبصیغۃ التمریض فتنبہ پس اگر جمعہ اور عید ایک روز پڑیں تو لازم نہیں مگر ایک کی نماز اور بعض نے کہا کہ نماز جمعہ کی بہتر ہے اور بعض نے کہا کہ نماز عید کی ایسا ذکر ہے قہستانی میں تمرتاشی سے میں کہتا ہوں کہ میں نے تمرتاشی کو دیکھا تو معلوم کیا کہ اس نے مسئلہ کو حنفی مذہب کے سوا کسی اور کا قول نقل کیا ہے اور وہ بھی ضعیف کر کے سو آگاہ ہو جا قہستانی کے اس مجمل بیان کرنے کی غلطی پر م جامع صغیر میں ہے کہ اگر عید اور جمعہ ایک روز میں جمع ہوں تو عید سنت ہے اور جمعہ فرض اور دونوں میں سے کوئی ترک نہ کیا جائے تو یہ دونوں قول جو قہستانی میں ہیں کہ جمعہ پڑھ لے یا عید پڑھے یہ حنفیوں کا مذہب نہیں اور دوسرے مذہب والوں کا بھی قول ضعیف ہے کذا فی الشامی ملتقطا وشرع فی الاولی من الہجرۃ اور مشروع ہوئی عید اول سال ہجری میں م ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ دو دن سال میں کھیلا کرتے ہیں آپ نے پوچھا کہ یہ کیسے دن ہیں انھوں نے عرض کیا کہ ہم ان میں حالت کفر میں کھیلا کرتے تھے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے عوض تم کو دو روز ان سے بہتر بدل دیئے اول عید اضحیٰ دوم عید فطر کذا فی الطحطاوی تجب صلوتہما فی الاصح علی من تجب علیہ الجمعۃ بشرائطہا المتقدمۃ سوی الخطبۃ فانہا سنۃ بعدہا واجب ہے نماز دونوں عیدوں کی صحیح تر قول میں اس شخص پر جس پر جمعہ واجب ہے مع ان شرطوں جمعہ کے جو پہلے گذریں سوائے خطبہ کے کہ وہ سنت ہے بعد نماز عید کے م اصح قول کا مقابل یہ ہے کہ نماز عید سنت ہے اور بظاہر دونوں قولوں میں مخالفت نہیں اس لیے کہ سنت سے مراد سنت مؤکدہ ہے جو بمنزلہ واجب ہے یا یہ کہ سنت سے یہ غرض کہ ثبوت اس کا سنت سے ہے اور خطبہ عید کی نماز کے بعد سنت ہے یعنی اگر پیش تر پڑھے گا یا بالکل ترک کرے گا تو نماز کا اعادہ نہ ہوگا اور برا کرے گا کذا فی الطحطاوی وفی القنیۃ صلوۃ العید فی القری تکرہ تحریما ای لانہ اشتغال بما لا یصح لان المصر شرط الصحۃ اور قنیہ میں ہے کہ عید کی نماز گاؤں میں مکروہ تحریمی ہے یعنی اس لیے کہ عید پڑھنا گاؤں میں ایسی چیز میں مشغول ہونا ہے جو درست نہیں اس لیے کہ صحت عید کی شرط شہر ہے جو گاؤں میں مفقود ہے م یعنی گاؤں میں عید صحیح نہیں اگر پڑھیں گے تو عید نہ ہوگی نماز نفل جماعت سے ہوگی اور وہ مکروہ ہے جماعت کے ساتھ کذا فی الحلبی وتقدم صلوتہا علی صلوۃ الجنازۃ اذا اجتمعتا لانہ واجب عینا والجنازۃ کفایۃ اور مقدم کی جاوے نماز عید کی جنازہ کی نماز پر جبکہ دونوں نمازیں جمع ہو جائیں اس لیے کہ عید واجب عین ہے یعنی ہر شخص پر اور جنازہ فرض کفایہ ہے کہ دوسروں کے پڑھنے سے ادا ہو جاتا ہے

م واجب سے مراد یہاں وہ ہے کہ جس کا کرنا لازم ہو خواہ وجوب اصطلاحی کے طور پر ہو جیسا عید میں ہے یا فرضیت کے طور پر چنانچہ جنازہ میں کذا فی الطحطاوی وتقدم صلوۃ الجنازۃ علی الخطبۃ وعلی سنۃ المغرب وغیرہا والعید علی الکسوف اور مقدم کی جاوے جنازہ کی نماز خطبہ عید پر اور مغرب وغیرہ کی سنتوں پر کیونکہ جنازہ کی نماز فرض ہے اور خطبہ عید اور سنتیں مسنون ہیں اور مقدم کی جاوے نماز عید نماز سورج گہن سے م یہ مسئلہ فرضی ہے ورنہ سورج گہن اور عید ایک روز نہیں پڑ سکتی کیونکہ سورج گہن مہینے کی تمامی پر ہوتا ہے اور عید پہلی یا دسویں کو ہوتی ہے لکن فی البحر قبیل الاذان عن الحلبی الفتوی علی تاخیر الجنازۃ عن السنۃ واقرہ المصنف کانہ الحاقالھا بالصلوۃ لیکن بحر الرائق میں کچھ پیشتر اذان سے حلبی سے منقول ہے کہ فتوی جنازہ کو موخر کرنے پر ہے سنت سے اور ثابت رکھا ہے اس کو مصنف نے شاید اس وجہ سے کہ سنتیں نماز فرض میں لاحق ہیں یعنی فرضوں کے تابع ہیں لکن فی آخر احکام دین الاشباہ ینبغی تقدیم الجنازۃ والکسوف حتی علی الفرض ان لم یضق وقتہ فتامل لیکن اشباہ کے احکام دین کے آخر میں ہے کہ مناسب ہے مقدم کرنا جنازہ اور سورج گہن کا حتی کہ فرض پر بھی اگر فرض کا وقت تنگ نہ ہو سو اس کو تامل کرلے م یعنی جنازہ کی تاخیر میں مردہ کے بگڑنے کا خوف ہے اور کسوف کی تاخیر میں آفتاب کے روشن اور صاف ہو جانے اور نماز کسوف کے نہ ملنے کا اندیشہ ہے اس لیے ان کی تقدیم کو مناسب کہا مگر یہ بحث ہے صاحب اشباہ کی تو قول مفتی بہ کے سامنے معتبر نہیں ہو سکتی **وندب یوم الفطر اکلہ حلوا وترا ولو قرویا قبل خروجہ الی صلوتہا واستیاکہ واغتسالہ وتطیبہ بمالہ ریح لا لون ولبسہ احسن ثیابہ ولو غیر ابیض** اور مستحب ہے عید فطر کے دن کھا لینا نمازی کا کوئی شیرینی گنتی میں طاق مثلا ایک یا تین یا پانچ خرما اگرچہ نمازی گاؤں کا رہنے والا ہو پیشتر اپنے جانے کے نماز عید کے لیے اور مستحب ہے مسواک کرنا اور غسل کرنا اور خوشبو لگانا اس کا ایسی چیز سے جس میں خوشبو ہو اور رنگ نہ ہو اور مستحب ہے اچھا لباس پہننا اگرچہ سفید نہ ہو م ماتن نے مستحب کہا حالانکہ غسل کو پہلے سنت لکھا ہے اور صحیح یہ ہے کہ کل باتیں سنت ہیں اور ان کو مستحب اس لیے کہا کہ سنت مستحب کو بھی شامل ہے اور بولنا مستحب کا سنت پر اور اس کا عکس درست ہے کذا فی الشامی مختصرا **واداء فطرتہ** صح عطفہ علی اکلہ لان الکلام کلہ قبل الخروج ومن ثم اتی بکلمۃ ثم **ثم خروجہ** لیفید تراخیہ عن جمیع ما مر **ماشیا الی الجبانۃ** وہی المصلی العام اور مستحب ہے ادا کرنا اپنے فطرہ کا پھر پیادہ جانا جبانہ کی طرف یعنی عیدگاہ کو جہاں سب نماز پڑھتے ہیں شارح نے کہا کہ ادائے فطرانہ کا عطف اکلہ پر درست ہے اس لیے کہ تمام گفتگو روانگی عید سے پیشتر کی باتوں میں ہے اور اسی وجہ سے ماتن لفظ ثم باہر جانے کے پیشتر لایا تاکہ سب اشیاء گذشتہ سے عیدگاہ کو جانا موخر معلوم ہو م یہ جواب ہے سوال مقدر کا اس کی تقریر یہ ہے کہ ادائے فطرہ کا عطف مستحب چیزوں پر کیسے ہو سکتا ہے تو وہ واجب ہے شارح نے جواب دیا کہ یہاں کلام خروج سے پیشتر کی چیزوں میں ہے تو فطرہ کا ادا کرنا پہلے نماز کو جانے سے مستحب ہے گو مطلق ادا کرنا واجب ہے کذا فی الحلبی والواجب مطلق التوجہ والخروج الیہا ای الجبانۃ لصلوۃ العید سنۃ وان وسعہم المسجد الجامع ہو الصحیح اور واجب مطلق جانا ہے اور نکلنا جبانہ کی طرف عید کی نماز کے لئے سنت ہے اگرچہ مسجد جامع سب لوگوں کی گنجائش رکھتی ہو یہی صحیح ہے م یہی جواب ہے سوال کا یعنی نماز کے لئے نکلنا تو واجب ہے گو مذکورہ گذشتہ کے بعد نکلنا یا پیادہ پا نکلنا یا خاص ماتن سنت کیسے کہتا ہے شارح نے جواب دیا کہ مطلق باہر نکلنا واجب ہے عیدگاہ کو جانا واجب نہیں بلکہ یہ سنت ہے کذا فی الشامی **ولا باس باخراج منبر الیہا** لکن فی الخلاصۃ لا باس ببنائہ دون اخراجہ اور نہیں مضائقہ منبر کے لے جانے کا عیدگاہ میں لیکن خلاصہ یہ ہے کہ مضائقہ نہیں منبر کے بنانے کا عیدگاہ میں نہ اس کے باہر لے جانے کا یعنی منبر عیدگاہ میں لیجانا نہ چاہیے م خلاصہ اور ظہیریہ میں کہا کہ مشائخ کا اختلاف ہے عیدگاہ میں منبر بنانے کا بعضوں نے کہا کہ مکروہ ہے . . . . اور بعضوں نے کہا کہ مکروہ نہیں اس سے معلوم ہوا کہ باہر لے جانا منبر کا سب کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے جو لفظ لا باس سے سمجھا جاتا ہے اور خلاصہ میں خواہر زادہ سے نقل کیا کہ

۱؎ جبانہ بفتح جیم وتشدید موحدہ وہ نماز کی جگہ ہے جو جنگل میں بنائی جائے کذا فی المغرب ۱۲

ہمارے زمانہ میں منبر کا بنا دینا عیدگاہ میں بہتر ہے کذا فی الشامی ولا باس بعودہ راکبا وندب کونہ من طریق آخر اور مضائقہ نہیں نمازی کے لوٹتے میں سوار ہو کر اور مستحب ہے کہ واپس آنا دوسری راہ سے ہو بہ سبب حدیث بخاری کے کہ جب عید کا دن ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم راہ بدل دیتے تھے کذا فی الشامی واظہار البشاشۃ واکثار الصدقۃ والتختم والتہنیۃ بتقبل اللہ منا ومنکم لا تنکر اور مستحب ہے ظاہر کرنا خوشی کا اور زیادہ خیرات کا اور انگوٹھی پہننا اور مبارکباد دینا اس لفظ سے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے اور تم سے قبول کرے انکار نہیں کیا جاتا یعنی اس طرح کی مبارکبادی جائز ہے م شامی نے کہا کہ مبارکباد دینے میں امام ابوحنیفہؒ سے کچھ ثابت نہیں ہوا مگر صاحب حلیہ نے بہت سے آثار صحیح سندوں کے ساتھ صحابہؓ سے اس کے کرنے میں روایت کیے ہیں پھر بیان کیا کہ یہ امر جائز اور مستحب ہے اور محیط میں ہے کہ مصافحہ کرنا بعد نماز عید[1] کے ہر حال میں مکروہ ہے کیونکہ صحابہ نے اس کو نہیں کیا اور وہ طریق رافضیوں کا ہے اس سے معلوم ہوا کہ معانقہ جو ہندوستان میں رائج ہے وہ بھی بے اصل اور مکروہ ہے ولا یکبر فی طریقہا ولا یتنفل قبلہا مطلقا یتعلق بالتکبیر والتنفل کذا حررہ المصنف تبعا للبحر لکن تعقبہ فی النہر ورجح تقییدہ اور نہ تکبیر پڑھے عید فطر کے راستہ میں اور نہ نفل پڑھے پیشتر نماز عید سے مطلق شارح نے کہا کہ مطلق کی قید تکبیر کہنے اور نفل پڑھنے دونوں سے علاقہ رکھتی ہے یعنی تکبیر کے مطلق نہ کہنے سے یہ غرض کہ نہ آہستہ کہے نہ پکار کر اور نفل کے مطلق نہ پڑھنے سے یہ مراد کہ نہ عیدگاہ میں پڑھے نہ گھر پر البتہ تنقیح کیا ہے اس کو مصنف نے بہ تبعیت بحر الرائق کے لیکن اعتراض کیا ہے اس پر نہر الفائق میں اور ترجیح دی ہے قید لگانے تکبیر کی آواز سے م جاننا چاہیے کہ امام اور صاحبین کا خلاف اس مقام دو طرح سے منقول ہے ایک قول یہ ہے کہ راہ میں تکبیر نہ کہے امام کے نزدیک اور آہستہ کہے صاحبین کے نزدیک اس قول کو صاحب خلاصہ نے اختیار کیا ہے اور صاحب بحر الرائق نے اس کی تبعیت کی ہے اور اسی قول کو مصنف نے لیا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ خلاف تکبیر کی صفت میں ہے یعنی امام کے نزدیک آہستہ پڑھے اور صاحبین کے نزدیک پکار کر اور اس خلاف کو بدائع اور سراج اور ملتقی اور نہایہ وغیرہ کتب مذہب میں اسی طرح نقل کیا ہے صاحب نہر الفائق نے بحر الرائق پر صریح اعتراض کوئی نہیں کیا بلکہ اس کے قول کو مسلم رکھا ہے ہاں پیشتر اس سے یہ لکھا ہے کہ خلاف تکبیر کے آہستہ اور پکار کر کہنے میں ہے علامہ شامی نے حلیہ وغیرہ سے ثابت کیا ہے کہ خلاصہ کا قول غریب اور کتب مشہور کے خلاف ہے اصح یہ ہے کہ صاحبین کے نزدیک تکبیر پکار کر کہے اور امام صاحب کے نزدیک آہستہ یہ نہیں کہ امام کے نزدیک بالکل نہ کہے زاد فی البرہان وقالا الجہر بہ سنۃ کالاضحی وہو روایۃ عنہ ووجہہا ظاہر قولہ تعالیٰ ولتکملوا العدۃ ولتکبروا اللہ علی ما ہداکم ووجہ الاول ان رفع الصوت بالذکر بدعۃ فیقتصر علی مورد الشرع انتہی زیادہ کیا ہے برہان میں اس قدر کہ جہر سے کہنا تکبیر کا سنت ہے بقول صاحبین مثل عید اضحی کے اور جہر ایک روایت ہے امام اعظم سے اور وجہ اس روایت جہر سے کہنے کی ظاہر اس ارشاد الٰہی کا ہے اور تاکہ پورا کرو تم گنتی اور بزرگی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی . . . . . اس پر کہ تم کو اس نے ہدایت کی یعنی اس آیت میں اس روز نعمتوں کا اظہار مقصود ہے اور جہر سے تکبیر کہنا بھی اظہار نعمت میں داخل ہے اور وجہ روایت اول کی یعنی جہر سے تکبیر نہ کہنے کی یہ ہے کہ بلند کرنا آواز کا ذکر میں بدعت ہے پس اکتفا کیا جائے گا مشروع ہونے کے مقام پر م بحر الرائق میں ذکر کیا ہے کہ جہر سے تکبیر مسنون نہیں مگر دشمن کے سامنے اور چوروں کے خوف سے اور اسی پر قیاس کیا ہے بعض فقہا نے آگ لگنے اور دوسرے خوف کے مقامات کو شامی نے کہا کہ نہر الفائق پر برہان کے قول کی کچھ زیادتی نہیں بجز اس کے کہ صاحب برہان نے یہ تصریح کی کہ تکبیر جہر سے سنت ہے نہ مستحب وکذا لا یتنفل بعدہا فی مصلاہا فانہ مکروہ عند العامۃ اور اسی طرح نہ نفل پڑھے بعد نماز عید کے عیدگاہ میں کہ نفل مکروہ ہے اکثر فقہا کے نزدیک یعنی مکروہ تحریمی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا پڑھنا ثابت نہیں ہوا کذا فی الطحطاوی وان تنفل بعدہا فی البیت جاز بل یندب التنفل باربع اور اگر نفل پڑھے بعد نماز عید کے گھر میں تو جائز ہے بلکہ مستحب ہے چار رکعتیں نفل پڑھنا

[1] اور ملتقط میں ہے کہ مصافحہ ہر نماز کے بعد مکروہ ہے کیونکہ صحابہ سے ثابت نہیں اور رافضیوں کی سنت ہے ۱۲

گھر پر م فتح القدیر میں کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر پر واپس تشریف لاکر دو رکعتیں پڑھتے تھے اور قہستانی نے چار کو افضل کہا ہے وہذا للخواص اما العوام فلا یمنعون من تکبیر ولا تنفل اصلا لقلۃ رغبتھم فی الخیرات بحر اور یہ حکم یعنی تکبیر نہ کہنے اور نفل نہ پڑھنے کا خواص کے لیے ہے یعنی جو کسل عبادت میں نہ کریں اور عوام کو تکبیر کہنے اور نفل پڑھنے سے کسی حال میں منع نہ کیا جاوے بسبب کم ہونے ان کی رغبت کے اچھی باتوں میں کذا فی البحر یعنی خواہ تکبیر آہستہ کہیں یا پکار کر اور نفل عیدگاہ میں پڑھیں پہلے نماز سے خواہ بعد نماز کے کذا فی الطحطاوی م　　عوام کو منع نہ کرنا بحث ہے صاحب بحر کی نہ روایت مذہب یعنی اس وجہ سے منع نہ کیا جائے کہ اس وقت روک دیا جاتا ہے تو پھر خیرات کے گرد نہیں پھرتے سرے سے ترک کر دیتے ہیں کذا فی الشامی وفی حاشیۃ بخط ثقۃ وکذا صلوۃ رغائب وبراۃ وقدر اور بحر الرائق کے حاشیہ میں ایک معتبر کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے اور اسی طرح نہ منع کیا جائے عوام کو صلوٰۃ رغائب اور نماز شب برأت اور نماز شب قدر سے م صلوۃ الرغائب کا حال ہم آخر باب النوافل میں لکھ چکے ہیں کہ جو اس کے باب میں منقول ہے سب موضوع و باطل ہے پھر شارح نے جو یہ حکم حاشیہ سے نقل کیا ہے شیخ رحمتی محشی نے کہا کہ اس پر اعتماد نہیں ہو سکتا اس لیے کہ فقہا کا اتفاق ہے کہ حدیث موضوع پر عمل کرنا حرام ہے اور ان نمازوں کی حدیث کے موضوع ہونے کی تصریح کر دی ہے اور احکام فقہ گمنام حاشیوں سے بیان نہیں کیے جاتے خصوص وہ حواشی جن کا فساد ظاہر ہو کذا فی الشامی لان علیا رضی اللہ عنہ رای رجلا یصلی بعد العید فقیل اما تمنعہ یا امیر المومنین فقال اخاف ان ادخل تحت الوعید قال اللہ تعالی ارأیت الذی ینھی عبدا اذا صلی اس لیے کہ حضرت علیؓ نے ایک شخص کو بعد عید کے نماز پڑھتے دیکھا تو کسی نے آپ سے کہا کہ اے امیر المومنین آپ اس شخص کو منع نہیں کرتے آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں وعید میں نہ داخل ہو جاؤں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے کیا دیکھا تو نے اس کو جو منع کرتا ہے بندہ کو جب وہ نماز پڑھے م یہ علت ہے اس قول کی جو شارح نے بحر الرائق سے اوپر نقل کیا تھا[1] کذا فی الشامی ووقتھا من الارتفاع قدر رمح فلا تصح قبلہ بل تکون نفلا محرما الی الزوال باسقاط الغایۃ اور وقت نماز عید کا آفتاب کے ایک نیزہ اونچا ہونے سے ہے زوال تک شارح نے کہا کہ اگر ایک نیزہ کی مقدار بلند ہونے سے پیشتر پڑھی جائے گی تو درست نہ ہو گی بلکہ نفل حرام ہو گی اور زوال سے حد ساقط ہے یعنی زوال کا وقت نماز عید کا وقت نہیں م ایک نیزہ کی مقدار بارہ بالشت یعنی تین گز ہے کذا فی الشامی فلو زالت الشمس وھو فی اثنائھا فسدت کما فی الجمعۃ کذا فی السراج قدمناہ فی الاثنی عشریۃ پس اگر ڈھل جاوے آفتاب اور نمازی عید کی نماز میں تھا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی جیسے جمعہ میں عصر کا وقت آجانے سے فاسد ہو جاتا ہے ایسا مذکور ہے سراج میں اور ہم نے اس کو پیشتر بیان کیا ہے بارہ مسائل اختلافی میں یعنی خلیفہ کرنے کے باب میں م فاسد ہونے سے یہ غرض ہے کہ وصف فاسد ہو جائے گا اور نماز نفل ہو جائے گی کذا فی الشامی ویصلی الامام بھم رکعتین مثنیا قبل الزوائد وھی ثلاث تکبیرات فی کل رکعۃ ولو زاد تابعہ الی ستۃ عشر لانہ ماثور الا ان یسمع من المکبرین فیاتی بالکل اور نماز پڑھاوے لوگوں کو امام دو رکعتیں دعا سبحانک اللھم زائد تکبیروں سے پیشتر پڑھ کر امام تین سے زائد کہے تو مقتدی اس کی متابعت کرے سولہ تکبیروں تک کیونکہ یہ تعداد بھی حدیث میں منقول ہے مگر یہ کہ سنے مکبروں سے تو کل تکبیریں کہے م یعنی اول نیت کر کے دعا پڑھے پھر تکبیریں کہے پھر اعوذ پڑھے کہ وہ تابع قرأت کے ہے اور امام تین سے زائد تکبیریں کہے تو دونوں رکعتوں کو ملا کر سولہ تک متابعت کرے اور اگر مکبر کی آواز پر کہتا ہو تو سولہ

[1] مگر یہ روایت مخالف ہے اس کے جس کو مروزی نے کتاب العید میں اور صاغانی نے شرح مجمع میں روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے عید کے دن نماز سے پہلے نفل پڑھنے کا ارادہ کیا حضرت علیؓ نے اس کو منع فرمایا اس نے عرض کیا کہ یا امیر المومنین میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالے نماز پر عذاب نہ دے گا حضرت نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالی کسی فعل پر ثواب نہ دے گا یہاں تک کہ اس کو رسول خدا صلعم نہ کرلیں یا ان پر ترغیب دلویں تو تیری نماز عبث ہو گی اور عبث حرام ہے تو غالبا تجھ کو خدا تعالی مخالفت آنحضرت صلعم کے سبب سے عذاب دیگا ۱۲ مجالس ابرار

سے زائد بھی کہے کہ شاید تکبیر نے غلطی کی ہو اور عید کی جماعت کے لیے ایک شخص سوا امام کے کافی ہے کذا فی الطحطاوی ویوالی ندبا بین القرائتین ویقرأ کالجمعۃ اور مستحب ہے کہ دونوں قرأت کو پیاپے کرے اور پڑھے مثل جمعہ کے یعنی سورۂ اعلی اور غاشیہ م قرأتوں کے پیاپے کرنے سے یہ غرض کہ دوسری رکعت میں زائد تکبیریں بعد قرأت کے کہے تاکہ دونوں رکعتوں کی قرأت میں فاصلہ تکبیروں کا نہ ہو پھر اگر پہلی رکعت میں بھول کر قرأت شروع کر دے تو اگر الحمد اور سورہ پڑھ چکا ہے تب تو نماز کو تمام کرے اور اگر صرف الحمد پڑھی ہے تو زائد تکبیریں کہے اور قرأت پھر سے پڑھے کذا فی الطحطاوی ولو ادرک الموتم الامام فی القیام بعد ما کبر کبّر فی الحال برای نفسہ لانہ مسبوق اور اگر مقتدی نے امام کو قیام میں پایا بعد تکبیر کہنے کے تو مقتدی اسی وقت تکبیر کہے موافق اپنے مذہب کے اس لیے کہ وہ مسبوق ہے یعنی مسبوق اپنی نماز میں تابع امام کا نہیں تو حنفی تین تکبیریں کہہ کر شامل ہو جاوے کذا فی الطحطاوی ولو سبق برکعۃ یقرأ ثم یکبر لئلا یتوالی التکبیر اور اگر ایک رکعت میں مسبوق ہوا ہو تو جب اس کو ادا کرے اول قرأت پڑھے پھر تکبیر کہے تاکہ تکبیریں پیاپے نہ ہو جائیں یعنی دوسری رکعت میں امام کے ساتھ بعد قرأت کے تکبیر کہی تھی تو اگر اپنی رکعت میں اول تکبیریں کہے گا تو تکبیریں پیاپے ہو جاویں گی اور یہ امر صحابہ سے منقول نہیں کذا فی الطحطاوی فلو لم یکبر حتی رکع الامام قبل ان یکبر الموتم لایکبر فی القیام ولکن یرکع ویکبر فی الرکوع فی الصحیح لان للرکوع حکم القیام فالاتیان بالواجب اولی من المسنون پس اگر مقتدی نے تکبیر کہی یہاں تک کہ امام نے رکوع کیا پہلے مقتدی کی تکبیر سے تو مقتدی قیام میں تکبیر نہ کہے بلکہ رکوع کرے اور رکوع میں تکبیر کہے صحیح قول پر اس لیے کہ رکوع کے لیے قیام کا حکم ہے تو واجب چیز کا ادا کرنا بہتر ہے مسنون سے یعنی تکبیر واجب کا کہنا رکوع کی تسبیح مسنون سے اولی ہے م اور بحر الرائق میں کہا کہ اصح یہ ہے کہ رکوع میں تکبیر نہ کہے ہاں اگر یہ خوف ہو کہ قیام میں تکبیر کہوں گا تو امام رکوع سے سر اٹھالے گا تو اس وقت رکوع میں کہے کذا فی الطحطاوی کما لو رکع الامام قبل ان یکبر فان الامام یکبر فی الرکوع ولا یعود الی القیام لیکبر فی ظاہر الروایۃ فلو عاد ینبغی الفساد نہر جیسے اگر رکوع کرے امام پہلے تکبیر کہنے سے تو امام تکبیر کہے رکوع میں اور نہ عود کرے قیام کی طرف تکبیر کہنے کو ظاہر روایت میں پس اگر عود کرے تو چاہیے کہ نماز فاسد ہو کذا فی النہر م حلبی نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوتی اس لیے کہ انتہا یہ ہے کہ اس صورت میں ترک فرض ہوا واجب کے لیے اور وہ مخل صحت نماز کا نہیں ویرفع یدیہ فی الزوائد وان لم یرا امامہ ذلک الا اذا کبر راکعا کما مر فلا یرفع یدیہ علی المختار لان اخذ الرکبتین سنۃ فی محلہ اور اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے زائد تکبیروں میں اگرچہ اس کا امام رفع یدین کا معتقد نہ ہو مگر جب کہ زائد تکبیریں رکوع کی حالت میں کہے تو ہاتھ نہ اٹھائے مذہب مختار پر چنانچہ اوپر گذرا اس لیے کہ پکڑنا دونوں زانوؤں کا سنت ہے اپنے محل میں اور رفع یدین بھی سنت ہے مگر اس کا یہ محل نہیں تو جس کا محل ہے اسی کا اختیار کرنا اولی ہے کذا فی الطحطاوی ولیس بین تکبیراتہ ذکر مسنون ولذا یرسل یدیہ ویسکت بین کل تکبیرتین مقدار ثلث تسبیحات وہذا یختلف بکثرۃ الزحام وقلتہ اور نہیں ہے عید کی تکبیرات کے درمیان میں کوئی ذکر مسنون اور اسی لیے ان تکبیروں میں ہاتھ لٹکائے رکھے کیونکہ ہاتھ باندھنا اس قیام میں مسنون ہے جس میں کوئی ذکر مسنون ہو اور چپ رہے ہر دو تکبیروں کے درمیان میں مقدار تین بار سبحان اللہ کہنے کے شارح نے کہا کہ مقدار سکوت مختلف ہے کثرت انبوہ اور اس کی قلت کے لحاظ سے یعنی اگر انبوہ کثیر ہو تو وقفہ زیادہ کرے اور کم ہو تو کم اس لیے کہ مقصود یہ ہے کہ اشتباہ دور ہو جائے کذا فی البحر ویخطب بعدہا خطبتین وہما سنۃ فلو خطب قبلہا صح واساء لترک السنۃ وما یسن فی الجمعۃ ویکرہ یسن فیہا ویکرہ اور خطبہ پڑھے بعد نماز عید کے دو خطبے اور وہ دونوں سنت ہیں پس اگر خطبہ پڑھا پہلے نماز کے تو درست ہے اور برا کیا بسبب ترک کرنے سنت کے اور جو چیز کہ جمعہ میں مسنون اور مکروہ ہے وہی نماز عید میں مسنون اور مکروہ ہے م طحطاوی نے کہا کہ دو باتوں کا فرق ہے ایک یہ کہ تکبیر کہنا قبل خطبہ کے عید میں مسنون ہے اور جمعہ میں نہیں دوم یہ کہ بیٹھنا خطبہ سے پیشتر جمعہ میں مسنون ہے اور عید میں نہیں والخطب ثمان بل عشرۃ

یبدأ بالتحمید فی ثلث خطبۃ جمعۃ واستسقاء ونکاح وینبغی ان تکون خطبۃ الکسوف وختم القرآن کذلک ولم اره اور خطبے آٹھ ہیں بلکہ دس ان میں سے تین کو الحمد للہ کہنے سے شروع کرے اول خطبہ جمعہ کو دوم طلب باران کے خطبہ کو سوم خطبہ نکاح کو اور چاہیے کہ خطبہ کسوف کا اور خطبہ ختم قرآن کا ایسا ہی ہو یعنی الحمد سے شروع ہو اور میں نے اس کا حکم مصرح نہیں دیکھا میں شامی نے کہا طلب باران میں صاحبین کے نزدیک خطبہ ہے اور کسوف میں بموجب ایک قول کے خطبہ ہے اس لیے شارح نے دس خطبے بیان کیے **ویبدأ بالتکبیر فی خمس خطبۃ العیدین وثلث خطب الحج الا التی بمکۃ وعرفۃ یبدأ فیہا بالتکبیر ثم بالتلبیۃ ثم بالخطبۃ کذا فی خزانۃ ابی اللیث** اور شروع کرے اللہ اکبر کہنے سے پانچ خطبوں کو دونوں عیدوں کے خطبوں کو اور حج کے تین خطبوں کو مگر یہ کہ جو خطبہ مکہ اور عرفہ میں ہو اس میں اول تکبیر کہے پھر لبیک کہے پھر خطبہ شروع کرے ایسا مذکور ہے خزانہ ابو اللیث میں یعنی جو خطبہ منیٰ میں گیارہویں ذی الحجہ کو ہوتا ہے اس میں لبیک نہ کہے **کذا فی الطحطاوی ویستحب ان یستفتح الاولی بتسع تکبیرات تترا ای متتابعا والثانیۃ بسبع ہو السنۃ وان یکبر قبل نزولہ من المنبر اربع عشرۃ** اور مستحب یہ ہے کہ شروع کرے پہلے خطبہ کو نو بار اللہ اکبر پیہم کہنے کے بعد اور دوسرے خطبہ کو سات بار کے بعد یہ سنت ہے اور مستحب ہے کہ منبر سے اترنے کے بیشتر چودہ بار تکبیر کہے **واذا صعد علیہ لا یجلس عندنا معراج** اور جب منبر پر چڑھے تو خطبہ سے پیشتر نہ بیٹھے ہمارے نزدیک کذا فی المعراج اس لیے کہ بیٹھنا اذان کے ختم کے انتظار کے لیے ہے اور چونکہ عید میں اذان نہیں اس لیے بیٹھنے کی حاجت نہیں **کذا فی الشامی ویعلم الناس فیہا احکام صدقۃ الفطر لیودیہا من لم یودہا وینبغی تعلیمہم فی الجمعۃ التی قبلہا لیخرجوہا فی محلہا ولم اره** اور تعلیم کرے لوگوں کو عید کے خطبہ میں صدقہ فطر کے احکام تاکہ صدقہ ادا کرے جس نے ادا نہ کیا ہو اور چاہیے کہ لوگوں کو عید سے پیشتر کے جمعہ میں یہ احکام بتادے تاکہ لوگ صدقہ فطر اس کے موقع پر دے ڈالیں اور میں نے اس بات کو کہیں مصرح نہیں دیکھا میں شامی نے کہا کہ شارح نے اس مضمون کی حدیث باب صدقۃ الفطر میں بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عید فطر سے دو روز پیشتر ایک خطبہ پڑھتے اور اس میں صدقہ فطر کے دینے کو ارشاد فرماتے **وہکذا کل حکم احتیج الیہ لان الخطبۃ شرعت للتعلیم** اور اسی طرح جس حکم کی حاجت ہو امام خطبہ جمعہ میں اس کی تعلیم کردے اس لیے کہ خطبہ تعلیم ہی کے لیے مشروع ہوا ہے **ولا یصلیہا وحدہ ان فاتتہ مع الامام ولو بالافساد اتفاقا فی الاصح کما فی تیمم البحر وفیہا یلغز ای رجل افسد صلوۃ واجبۃ علیہ ولا قضاء علیہ** اور نہ نماز پڑھے عید کی تنہا اگر عید فوت ہو امام کے ساتھ اگرچہ فوت ہونا فاسد کردینے سے ہو بالاتفاق صحیح تر قول میں جیسا کہ مذکور ہے بحر الرائق کے باب التیمم میں اور اسی مسئلہ میں چیستان پوچھی جاتی ہے کہ کونسا شخص ہے جو اپنے ذمہ کی نماز واجب کو فاسد کردے اور اس پر قضا نہ ہو ہم اگر بلا عذر امام کے ساتھ نہ پڑھے گا تو گنہگار ہوگا بسبب ترک واجب کے اور قول اصح کا مقابل قول امام ابو یوسف کا ہے کہ فاسد کردینے سے قضا لازم ہے **کذا فی الطحطاوی ولو امکنہ الذہاب الی امام آخر فعل لانہا تودی بمصر واحد بمواضع کثیرۃ اتفاقا فان عجز صلی اربعا کالضحی** اور اگر ممکن ہو اس کو جانا دوسرے امام کے پاس تو چلا جائے اور دوسرے کے ساتھ نماز عید پڑھ لے اس لیے کہ نماز عید ایک شہر میں چند جگہ ادا کی جاتی ہے بالاتفاق پس اگر عاجز ہو یعنی دوسری جگہ جانے سے تو چار رکعتیں پڑھے مثل نماز چاشت کے یعنی یہ رکعتیں عید کی قضا نہیں بلکہ چاشت ہی ہیں اور مثل اس لیے کہا کہ تکبیریں زائد ان میں نہ کہے جیسے عید میں کہا کرتے ہیں **کذا فی الشامی وتوخر بعذر کمطر الی الزوال من الغد فقط فوقتہا من الثانی کالاول وتکون قضاء لا اداء کما سیجئ فی الاضحیۃ وحکی القہستانی قولین** اور تاخیر کی جائے نماز عید کسی عذر سے مثلاً بارش وغیرہ سے دوسرے روز کے زوال تک فقط طحطاوی نے کہا کہ فقط عذر اور زوال اور روز آئندہ تینوں سے متعلق ہے یعنی صرف عذر سے تاخیر کی جائے نہ بلا عذر اور صرف زوال تک تاخیر ہو نہ بعد زوال اور صرف دوسرے روز تک تاخیر درست ہے نہ اس کے بعد پس وقت نماز عید کا دوسرے دن بھی مثل اول روز کے ہے اور دوسرے روز نماز عید قضا ہوگی نہ ادا چنانچہ اضحیہ میں مذکور ہوگا اور قہستانی نے دو قول نقل کیے ہیں ایک یہ کہ نماز دوسرے دن کی قضا

ہوگی دوم یہ کہ ادا ہوگی اور شاید منشا اس کا اختلاف ہے روایتوں کا کذا فی الطحطاوی واحکامہا احکام الاضحی لکن ہنا یجوز تاخیرہا الی ثالث یوم النحر بلا عذر مع الکراہۃ وبہ اے بالعذر بدونہا فالعذر ہنا لنفی الکراہۃ وفی الفطر للصحۃ اور احکام عید فطر کے مثل احکام عید قربان کے ہیں یعنی وقت اور صفت اور شرط میں دونوں یکساں ہیں لیکن عید قربان کا تاخیر کرنا قربانی کے تیسرے دن تک یعنی بارہویں تاریخ کے زوال تک بدون عذر کراہت کے ساتھ درست ہے اور عذر کے ساتھ بلا کراہت تاخیر جائز ہے تو عذر عید قربان میں کراہت کے دور کرنے کو مشروط ہے اور عید فطر میں نماز کی صحت کے لیے شرط ہے یعنی بدون عذر کے عید فطر کو دوسرے روز پڑھنا درست نہیں ویکبر جہرا اتفاقا فی الطریق قیل وفی المصلے وعلیہ عمل الناس الیوم لا فی البیت اور تکبیر کہے بلند آواز سے بالاتفاق راستہ میں اور ایک قول یہ ہے کہ عید گاہ میں بھی تکبیر جہر سے کہے اور اسی قول پر عمل ہے لوگوں کا آج یعنی عید گاہ میں تکبیر کہتے ہیں اور ایک روایت یہ ہے کہ عید گاہ میں تکبیر نہ کہے جب تک امام نماز نہ پڑھ چکے بعد نماز کے تکبیر پکار کر کہے نہ تکبیر کہے گھر کے اندر یعنی مسنون راستہ میں ہے نہ گھر میں اور بحر الرائق میں جو مکروہ لکھا ہے تو کراہت کی وجہ کوئی معلوم نہیں ہوتی کذا فی الطحطاوی ویندب تاخیر اکلہ عنہا وان لم یضح فی الاصح ولو اکل لم یکرہ اے تحریما اور مستحب ہے کھانا نمازی کا نماز عید اضحی کے پیچھے اگرچہ قربانی نہ کرے صحیح تر قول میں اور اگر کھالے گا تو مکروہ تحریمی نہ ہوگا م یعنی جن چیزوں سے روزہ کا افطار ہوتا ہے ان سے نماز کے بعد تک رکنا چاہیے کیونکہ صحابہؓ سے اخبار متواتر ہیں کہ عید قربان کی صبح کو لڑکوں کو کھانا کھانے سے اور شیر خواروں کو دودھ سے روک دیتے تھے کذا فی الطحطاوی اور تحریما کی قید جو شارح نے لگائی تو اس کی مقتضی ہے کہ شاید کھانے میں کراہت تنزیہی ہے حالانکہ ایسا نہیں اس لیے کہ بدائع میں کہا ہے کہ اگر چاہے کھائے یا نہ کھائے مگر مستحب یہ ہے کہ نماز ہو چکنے تک نہ کھائے تاکہ قربانی سے کھانا ملے کذا فی الشامی ویعلم الاضحیۃ وتکبیر التشریق فی الخطبۃ اور تعلیم کرے خطیب قربانی اور تکبیر ایام تشریق کو خطبہ میں م اضحیہ بضم ہمزہ اور کسر ہمزہ قربانی کو کہتے ہیں اور تشریق کے معنی گوشت کو دھوپ میں ڈالنے کے ہیں چونکہ ایام حج میں قربانی کا گوشت بہت سکھایا جاتا ہے اس لیے دسویں تاریخ کے بعد تین دن ایام تشریق کہلاتے ہیں طحطاوی نے کہا چونکہ تکبیر عرفہ کی فجر سے شروع ہوتی ہے اس لیے عرفہ سے پہلے جمعہ میں اس کے احکام بیان کرنے مناسب ہیں ووقوف الناس یوم عرفۃ فی غیرہا تشبیہا فی الواقفین لیس بشیئ ہو نکرۃ فی موضع النفی فتعم انواع العبادۃ من فرض وواجب ومستحب فیفید الاباحۃ وقیل یستحب ذلک کذا فی مسکین وقال الباقانی لو اجتمعوا لشرف ذلک الیوم ولسماع وعظ بلا وقوف وکشف راس جاز بلا کراہۃ اتفاقا اور ٹھہرانا لوگوں کا عرفہ کے روز سوائے عرفات کے واسطے مشابہت عرفات میں ٹھہرنے والوں کے کوئی عبادت نہیں شارح نے کہا کہ شیئ نکرہ ہے نفی کے نیچے تو عام ہوگا سب قسموں عبادت یعنی فرض اور واجب اور مستحب کو یعنی یہ ٹھہرانا نہ فرض ہے نہ واجب نہ مستحب تو فائدہ دے گا مباح ہونے کا اور قول ضعیف یہ ہے کہ یہ وقوف مستحب ہے ایسا ذکر کیا ہے ملا مسکین نے اور باقانی نے کہا ہے کہ اگر لوگ جمع ہوں اس دن کی بزرگی اور وعظ سننے کے لیے بدون ٹھہرنے اور سر کھولنے کے تو درست ہے بلا کراہت بالاتفاق م شرح منیہ میں کہا کہ عرفہ کی شام کو جو لوگ جامع مسجدوں میں یا شہر کے باہر کسی مکان میں جمع ہوتے ہیں اہل عرفات کی مشابہت پیدا کرنے کو تو یہ اجتماع مکروہ ہے ہاں اگر اس لیے طلب باران یا اور کسی مطلب کے لیے جمع ہوں تو مکروہ نہیں اور فتح القدیر میں کہا کہ اولی یہ ہے کہ یہ اجتماع اگرچہ بدون وقوف اور سر کھولنے کے ہو تب بھی مکروہ ہو تاکہ عوام کے عقیدہ میں کوئی خرابی پیدا نہ ہو اور درر بحار میں اس کو مکروہ لکھا ہے اور بحر الرائق میں کہا کہ ظاہر عبارت غایۃ البیان یہ ہے کہ یہ فعل مکروہ تحریمی ہے اور نہر الفائق میں ہے کہ عبارتیں فقہاء کی ناطق ہیں کہ کراہت کو ترجیح ہے اور دوسرے اقوال شاذ ہیں کذا فی الشامی ویجب تکبیر التشریق فی الاصح للامر بہ مرۃ وان زاد علیہا یکون فضلا قالہ العینی اور واجب ہے تکبیر تشریق صحیح تر قول میں ایک بار بسبب اس کے مامور ہونے کے اور اگر زیادہ کہے ایک بار سے تو ہوگا ثواب کہا ہے اس کو عینی نے م اصح کا مقابل یہ ہے

کہ تکبیر سنت ہے اور امر تکبیر کا اس آیت میں ہے واذکروا اللہ فی ایام معدودات یعنی ذکر کرو اللہ کا گنتی کے دنوں میں ایام معدودات سے مراد ایام تشریق ہیں کذا فی الشامی صفتہ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد ہو الماثور عن الخلیل تکبیر کی صفت یوں کہنا ہے کہ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد یہ کلمات منقول ہیں حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام سے م فقہا اس کا قصہ یوں بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام جنت سے فدیہ حضرت اسماعیل کا لائے اور ڈرے کہ کہیں حضرت ابراہیمؑ جلدی کر کے لڑکے کو ذبح نہ کر دیں تو یہ کہا اللہ اکبر اللہ اکبر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت جبرئیل کو دیکھا تو فرمایا لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اور جب حضرت اسماعیل کو خبر ہوئی فدیہ آنے کی تو فرمایا اللہ اکبر وللہ الحمد کذا فی الطحطاوی والمختار ان الذبیح اسمٰعیل وفی القاموس انہ الاصح قال ومعناہ مطیع اللہ اور قول مختار یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں اور قاموس میں ہے کہ یہی قول صحیح تر ہے اور لفظ اسمٰعیل کے معنی عراق میں مطیع اللہ ہیں یعنی اطاعت کرنے والا اللہ تعالیٰ کا م اس میں اختلاف ہے کہ حکم ذبح کا حضرت اسحٰق علیہ السلام کی نسبت ہوا تھا یا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسبت ففقیہ ابو اللیث نے بستان میں ذکر کیا کہ قرآن و حدیث کے زیادہ مطابق یہی پڑتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل ذبیح تھے کیونکہ قرآن مجید میں بعد قصہ ذبح کے ارشاد فرمایا وبشرناہ باسحٰق اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جن ذبح کا حکم ہوا وہ اور حضرت اسحٰق جدا جدا ہوں اور حدیث میں وارد ہے کہ انا ابن الذبیحین یعنی میں بیٹا ہوں دو ذبیحوں کا کہ ایک آپ کے باپ عبداللہ ہیں اور دوسرے جد امجد حضرت اسمٰعیل اور بالاتفاق ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں کذا فی الطحطاوی عقب کل فرض عینی بلا فصل یمنع البناء ادی بجماعۃ او قضی فیہا منہا من عامہ لقیام وقتہ کالاضحیۃ مستحبۃ تخرج جماعۃ النساء والعراۃ لا العبید فی الاصح جوہرہ اور واجب ہے تکبیر تشریق ہر فرض عین کے پیچھے کہ ادا کیا جائے جماعت مستحب سے بدون ایسے فاصلہ کے جو مانع ہو بناء نماز کا یعنی اگر فاصلہ ہو جائے گا اس طرح کہ بعد نماز مثلاً بول پڑا یا مسجد سے باہر چلا گیا یا کچھ کھا لیا تو تکبیر ساقط ہو جائے گی شارح نے کہا کہ یا فرض قضا پڑھا جائے ایام تکبیر میں ایام تکبیری کا اسی برس سے تب بھی تکبیر واجب ہے بسبب قائم ہونے تکبیر کے وقت کے مثل قربانی کے کہ اگر اول روز نہ کرے دوسرے یا تیسرے روز کر لے کہ وقت اس روز تک باقی ہے اور جماعت مستحب کی قید سے عورتوں کی جماعت اور ننگوں کی نکل گئی کہ وہ مستحب نہیں اور غلاموں کی جماعت خارج نہیں صحیح تر قول میں تو اس کے بعد تکبیر واجب ہے کذا فی الجوہرہ اس لیے کہ آزاد ہونا جماعت میں شرط نہیں م فرض عین کی قید سے فرض کفایہ کی جماعت یعنی جنازہ کی نکل گئی کہ اس کے بعد تکبیر واجب نہیں اور فرض قضا کی جماعت میں تکبیر واجب ہونے کی تین شرطیں ہیں اول یہ کہ قضا نماز تکبیر کے ایام کی ہو جس کو شارح نے من عامہ سے تعبیر کیا دوم یہ کہ قضا ایام تکبیر میں پڑھے جس کو فیہا سے بیان کیا سوم یہ کہ اسی برس کی قضا ہو پہلے کی نہ ہو جس کے لیے من عامہ کہا غرض کہ اس مسئلہ کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں اول یہ کہ غیر ایام تکبیر کی قضا ایام تکبیر میں پڑھے دوسرے یہ کہ ایام تکبیر کی قضا غیر ایام تکبیر میں پڑھے تیسرے یہ کہ ایک سال کے ایام تکبیر کی قضا دوسرے سال کے ایام تکبیر میں پڑھے چوتھے یہ کہ اسی سال کے ایام تکبیر کی قضا انھیں دنوں میں پڑھے تو تکبیر صرف اخیر صورت میں واجب ہے نہ اور دن میں کذا فی الحلبی اولہ من فجر عرفۃ وآخرہ الی عصر العید بادخال الغایۃ فہی ثمان صلوات، ابتدا تکبیر کی عرفہ کی فجر سے ہے اور آخر اس کا عید کے عصر تک حد کے شامل کرنے سے یعنی عصر میں بھی واجب ہے تو یہ آٹھ نمازیں ہوئیں پانچ عرفہ کی اور تین عید کے دن کی ووجوبہ علی امام مقیم بمصر وعلی مقتد مسافر او قروی او امرأۃ بالتبعیۃ لکن المرأۃ تخافت وتجب علی مقیم اقتدی بمسافر اور واجب ہونا تکبیر کا امام پر ہے جو شہر میں مقیم ہو اور مقتدی مسافر پر یا گاؤں کے رہنے والے مقتدی پر یا مقتدی عورت پر ہے بسبب تبعیت امام کے لیکن عورت آہستہ تکبیر کہے یعنی اوروں کو پکار کر کہنا واجب ہے اور ایک قول میں سنت ہے کذا فی الشامی

اور واجب ہے اس مقیم پر کہ اقتدا کرے مسافر کا **وقالا بوجوبہ فور کل فرض مطلقا ولو منفردا او مسافرا او امرأۃ لانہ تبع للمکتوبۃ الی عصر الیوم الخامس آخر ایام التشریق وعلیہ الاعتماد والعمل والفتوی فی عامۃ الامصار وکافۃ الاعصار** اور صاحبین نے وجوب تکبیر کو فرمایا ہے بجرد پڑھنے ہر فرض کے مطلقا اگرچہ تنہا ہو یا مسافر یا عورت اس لیے کہ تکبیر تابع فرض کی ہے تو جن لوگوں پر نماز فرض ہے ان پر تکبیر واجب ہونی چاہیے اور واجب ہے فجر عرفہ سے پانچویں دن کے عصر تک یعنی آخر ایام تشریق کے عصر تک جو تیرھویں تاریخ ہے تو صاحبین کے نزدیک ۲۳ نمازیں ہوئیں جن کے بعد تکبیر واجب ہے اور صاحبین کے قول پر اعتماد اور عمل ہے اور اسی پر فتوی ہے سب شہروں اور کل زمانوں میں یعنی اس وجہ سے کہ صاحبین کی دلیل قوی ہے کذا فی الطحطاوی **ولا باس بہ عقب العید لان المسلمین توارثوہ فوجب اتباعھم وعلیہ البلخیون** اور کچھ مضائقہ نہیں تکبیر کا بعد نماز عید کے اس لیے کہ مسلمان ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں تو ضرور ہے ان کی پیروی کرنی اور اسی پر ہیں بلخ کے علماء کلمہ لاباس کبھی مستحب کے لیے بولا جاتا ہے چنانچہ بحرالرائق میں بیان کیا ہے تو یہاں بھی مستحب کی جگہ مستعمل ہوا ہے اس لیے کہا کہ اتباع ضروری ہے طحطاوی نے کہا کہ واجب سے غرض یہاں معنی اصطلاحی نہیں بلکہ یہ معنی کہ اتباع ثابت ہے اور بحرالرائق کے قول سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واجب سے مراد اصطلاحی معنی ہیں **ولا یمنع العامۃ من التکبیر فی الاسواق فی الایام العشر وبہ ناخذ** بحر و مجتبی وغیرہ اور منع نہ کیے جاویں عوام تکبیر کہنے سے بازاروں میں عشرہ ذی الحجہ میں اور اسی کو ہم لیتے ہیں کذا فی البحر والمجتبی وغیرہ طحطاوی نے کہا کہ بہتر یہ تھا کہ شارح بحر عن المجتبی کہتا اس لیے کہ بحرالرائق میں اس مسئلہ کو مجتبی سے نقل کیا ہے **ویاتی المؤتم بہ وجوبا وان ترکہ امامہ لادائہ بعد الصلوۃ قال ابو یوسفؒ صلیت بھم المغرب یوم عرفۃ فسھوت ان اکبر فکبر بھم ابو حنیفۃ** اور مقتدی تکبیر کہے بطور وجوب اگرچہ اس کے امام نے تکبیر نہ کہی ہو واسطے ادا ہونے تکبیر کے بعد نماز کے یعنی نماز کے بعد امام کی مخالفت معتبر نہیں تاکہ امام کے چھوڑنے سے مقتدی بھی چھوڑ دے امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو نماز مغرب عرفہ کے روز پڑھائی تو تکبیر کہنا بھول گیا پس امام ابو حنیفہ نے لوگوں کو تکبیر کہلائی ہم اس حکایت سے کئی فائدے معلوم ہوئے اول یہ کہ امام اگر بھول جاوے تو مقتدی یاد دلاوے دوسرے یہ کہ تعظیم استاد کی اس کے امر کی بجا آوری میں ہے چنانچہ امام ابو یوسف امام اعظمؒ کے فرمانے سے پیش امام ہوئے تیسرے یہ کہ جب استاد کو کسی شاگرد کی نیک بختی اور فضیلت معلوم ہو تو لوگوں کے سامنے اس کی تعظیم کرے تاکہ اور لوگ اس کی توقیر کریں چوتھے یہ کہ اگر استاد شاگرد کی تعظیم کرے تو شاگرد اس کی حرمت فراموش نہ کرے کذا فی الطحطاوی **والمسبوق یکبر وجوبا کاللاحق لکن عقب القضاء لما فاتہ ولو کبر مع الامام لا تفسد ولو لبی فسدت** اور مسبوق تکبیر کہے وجوبا مثل لاحق کے لیکن پیچھے ادا کرنے اس نماز کے جو اس سے رہ گئی ہے اور اگر مسبوق یا لاحق امام کے ساتھ تکبیر کہے گا تو نماز فاسد نہ ہوگی مگر دوبارہ تکبیر کہے کہ امام کے ساتھ کی تکبیر اپنے موقع پر نہیں ہوئی اور اگر لبیک کہے گا امام کے ساتھ تو نماز فاسد ہو جاوے گی کیونکہ لبیک آدمیوں کے کلام کے مشابہ ہے کذا فی الشامی **ویبدأ الامام بسجود السھو لوجوبہ فی تحریمتھا ثم بالتکبیر لوجوبہ فی حرمتھا ثم بالتلبیۃ لوقوعھا بعدھما خلاصہ** اور شروع کرے امام سجدہ سہو کو بسبب واجب ہونے سجدہ کے حالت بقاء تحریمہ نماز میں یعنی سجدہ سہو ایسے وقت میں واجب ہے کہ اس وقت تک نماز کی تحریمہ باقی رہتی ہے اسی لیے سجدہ سہو میں اقتدا امام کا درست ہے پھر تکبیر کہے بسبب واجب ہونے تکبیر کے نماز کی حرمت میں یعنی نماز کے بعد بلا فاصلہ پھر اگر امام احرام باندھے ہو تو لبیک کہے بسبب نہ واجب ہونے لبیک کے نماز کی تحریمہ اور حرمت میں کذا فی الخلاصہ وفی الولوالجیۃ لو بدأ بالتلبیۃ سقط السجود والتکبیر واللہ اعلم اور ولوالجیہ میں ہے کہ اگر شروع کرے گا لبیک کہنا تو ساقط ہوگا سجدہ سہو اور تکبیر کہنا اس لیے کہ لبیک کہنا لوگوں کے کلام کے مشابہ ہے اور کلام نماز کو قطع کر دیتا ہے تو اس سے نماز قطع ہو جائے گی تو نہ تحریمہ باقی رہے گی جو شرط سجدہ سہو ہے اور نہ اتصال باقی رہے گا جو تکبیر کے لیے چاہیے اسی لیے دونوں ساقط ہوں گے کذا فی الشامی واللہ اعلم۔

باب الکسوف

یہ باب ہے سورج گہن کی نماز کے ذکر میں مناسبۃ اما من حیث الاتحاد او التضاد مناسبت صلوۃ کسوف کی نماز عید سے یا باعتبار اتحاد کے ہے یا باعتبار ایک دوسرے کی ضد ہونے کے م اتحاد سے یہ غرض کہ عید اور کسوف دونوں کی نمازیں جماعت سے دن کو بلا اذان اور تکبیر کے ہوتی ہیں اور تضاد سے یہ مراد کہ انسان کے دو حال ہیں ایک سرور اور امن کا اور دوسرا اندوہ اور خوف کا تو عید اکثر ان وسرور کا وقت ہے اور سورج گہن خوف واندوہ کا یا یہ کہ جماعت عید میں شرط ہے اور جہر سے پڑھنا واجب بخلاف کسوف کے کذا فی الشامی ثم الجمہور انہ بالکاف والخاء للشمس والقمر پھر اکثر فقہا کہتے ہیں کہ کسوف کاف سے سورج گہن ہے اور خسوف خ سے چاند گہن م اور بعض کا قول یہ ہے کہ کسوف اور خسوف دونوں کا استعمال چاند اور سورج گہن میں برابر ہے مگر جوہری نے افصح قول اول کو کہا ہے پھر معلوم کرنا چاہیے کہ نماز کسوف قرآن وحدیث واجماع سے ثابت ہے قرآن سے اس طرح کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما نرسل بالایات الا تخویفا یعنی ہم نشانیاں نہیں بھیجتے مگر ڈرانے کو یعنی تاکہ بندے ڈر کر اس کی اطاعت بجا لاویں اور اس کی طرف رجوع کریں اور رب کی طرف رجوع سب سے زیادہ نماز کی حالت میں ہے اور بخاری کی حدیث میں ہے کہ سورج اور چاند کسی آدمی کی موت کے سبب سے نہیں گہنتے بلکہ یہ دونوں گہن خدا تعالیٰ کی نشانیاں ہیں جب تم ان کو دیکھو تو اٹھ کر نماز پڑھو اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پڑھا ہے اور اس نماز پر امت کا اجماع بھی ہے کذا فی الطحطاوی یصلی بالناس من یملک اقامۃ الجمعۃ بیان للمستحب وما فی السراج لابد من شرائط الجمعۃ الا الخطبۃ ردہ فی البحر عند الکسوف رکعتین بیان لاقلہا وان شاء اربعا او اکثر کل رکعتین بتسلیمۃ او کل اربع مجتبی نماز پڑھاوے لوگوں کو جو شخص کہ مالک ہو قائم کرنے جمعہ کا یعنی سلطان یا قاضی سورج گہن کے وقت دو رکعتیں شارح نے کہا کہ سلطان یا نائب کی قید مستحب کا بیان ہے یعنی مستحب ہے کہ قاضی یا سلطان امام ہو ان کا ہونا نماز کی شرط نہیں اور سراج میں جو یہ ہے کہ نماز کسوف میں شرائط جمعہ کا ہونا ضرور ہے سوائے خطبہ کے تو اس کو بحر الرائق میں رد کیا ہے یہ کہہ کر اسبیجابی نے تصریح کر دی ہے کہ سلطان کا ہونا مستحب ہے شرط نہیں اور ماتن کا رکعتین کہنا بیان ہے اقل درجہ نماز کا اگر نمازی چاہے تو چار پڑھے یا زیادہ ہر دوگانہ پر سلام پھیرے یا چار چار پر کذا فی المجتبی وصفتہا کالنفل اے برکوع واحد فی غیر وقت مکروہ بلا اذان ولا اقامۃ ولا جہر ولا خطبۃ اور نماز کسوف کا حال مثل نفل کے ہے یعنی ایک رکوع سے وقت مکروہ کے سوا دوسرے وقتوں میں بدون اذان اور تکبیر اور بدون پکار کر پڑھنے اور خطبہ کے پڑھے م ایک رکوع کی قید اس لیے لگائی کہ امام شافعی کے نزدیک دو رکوع سے پڑھتے ہیں اور اگر سورج گہن وقت مکروہ میں ہو مثلاً عصر کے بعد تو لوگ دعا میں مشغول ہوں نماز نہ پڑھیں اور عدم جہر کی قید اس لیے کی کہ صاحبین اس نماز میں جہر کرنے کو فرماتے ہیں اور خطبہ اس نماز میں نہیں کیونکہ کسی اثر میں خطبہ منقول نہیں اور جو کسوف کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ابراہیم کی وفات کے دن ہوا اور اس میں آپ نے خطبہ پڑھا تو وہ اس لیے تھا کہ جو لوگ یہ وہم کرتے تھے کہ یہ گہن آپ کے لخت جگر کی موت کے باعث ہوا ہے ان کا وہم دور فرمائیں کسوف کی خصوصیت سے نہ تھا کذا فی الطحطاوی وینادی الصلوۃ جامعۃ لیجتمعوا اور پکار دیا جائے یہ لفظ الصلوۃ جامعۃ تاکہ لوگ اکٹھے ہو جاویں م یعنی بجائے اذان ان لفظوں سے اعلام کر دینا چاہیے طحطاوی نے کہا کہ الصلوۃ مبتدا ہے اور جامعۃ خبر اور یہ جملہ بمعنی انشائیہ ہے ویطیل فیہا الرکوع والسجود والقراءۃ والادعیۃ والاذکار الذی ہو من خصائص النافلۃ ثم یدعو بعدہا جالسا مستقبل القبلۃ او قائما مستقبل الناس والقوم یؤمنون حتی ینجلی الشمس کلہا اور طول دے اس نماز میں رکوع اور سجدہ اور قرأت اور دعاؤں اور ذکروں کو ایسا طول جو نفل نماز کے خواص سے ہے پھر دعا مانگے بعد اس نماز کے بیٹھا ہوا قبلہ رخ یا کھڑا ہو کر لوگوں کی طرف منہ کر کے اور سب لوگ آمین کہیں دعا اس وقت تک مانگے کہ آفتاب بالکل صاف اور روشن ہو جائے م قرأت طویل اس قدر کہ پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ اور دوسری میں آل عمران پڑھے اور اگر یہ یاد نہ ہوں تو ان کے برابر دوسری سورتیں پڑھے

طحطاوی نے کہا کہ مسنون یہ ہے کہ دعا اور نماز میں سارا وقت گہن کا پورا ہو جائے تو اگر نماز کو خفیف پڑھے تو دعا کو طول دے اور دعا مختصر کرے تو قرأت طویل کرے اور رکوع اور سجدہ اگر چاہے چھوٹا کرے چاہے بڑا تو شارح نے جو بطیل کہا اس سے یہ غرض کہ اگر اس کا دل چاہے تو طول دے اور دعا مانگنا کھڑے ہو کر اور لوگوں کی طرف منہ کر کے اچھا ہے اور کھڑے ہونے میں اگر لاٹھی یا کمان پر سہارا دے لے تو بہتر ہے اور دعا کے لیے منبر پر نہ چڑھے کذا فی النہر **وان لم یحضر الامام للجمعۃ صلی الناس فرادی فی منازلہم تحرزا عن الفتنۃ کالخسوف للقمر** اور اگر امام جمعہ حاضر نہ ہو یعنی جس کو اختیار جمعہ پڑھانے کا ہے وہ موجود نہ ہو تو لوگ تنہا اپنے گھروں میں نماز پڑھیں واسطے بچنے کے جھگڑے سے یعنی بڑے مجمع میں پیش امام ہونے کا جھگڑا ہوا کرتا ہے اس لیے گھروں پر تنہا پڑھ لینا بہتر ہے مثل چاند گہن کی نماز کے کہ اس کو بھی تنہا گھروں پر پڑھیں خواہ امام موجود ہو یا نہیں کیونکہ یہ نماز رات کو ہوتی ہے اس وقت جمع ہونا لوگوں کا خالی حرج سے نہیں م ظہیریہ میں یہ ہے کہ اپنے اپنے محلہ کی مسجدوں میں تنہا پڑھ لیں اور اگر جمعہ کا امام اجازت دیدے تو محلہ کا امام جماعت سے پڑھا دے کذا فی الطحطاوی **والریح الشدیدۃ مطلقا والظلمۃ القویۃ نہارا والضوء القوی لیلا والفزع الغالب ونحو ذلک من الآیات المخوفۃ کالزلازل والصواعق والثلج والمطر الدائمین وعموم الامراض ومنہ الدعاء برفع الطاعون** قول ابن حجر بدعۃ ای حسنۃ وکل طاعون وباء ولا عکس وتمامہ فی الاشباہ اور جیسے نماز پڑھیں تنہا وقت سخت آندھی کے مطلق یعنی دن کو ہو یا رات کو اور وقت سخت تاریکی کے دن کو اور سخت روشنی ہو جانے کے رات کو اور وقت خوف غالب کے دشمن وغیرہ سے اور مثل ان کے خوفناک حوادث کے وقت مثلاً زلزلوں اور کڑک بجلیوں کے وقت اور متواتر برف اور مینہ کے برسنے کے وقت اور بیماریوں کی کثرت کے وقت اور اسی میں داخل ہے دعا کرنا بعد دوگانہ نماز کے واسطے دور ہونے طاعون کے اور ابن حجر کا یہ کہنا کہ یہ نماز بدعت ہے اس سے مراد بدعت حسنہ ہے اور جو طاعون ہے وہ وبا ہے اور اس کا عکس نہیں یعنی یہ نہیں کہ ہر وبا طاعون ہو اور اس کا پورا بیان اشباہ میں ہے م طاعون ایک خاص مرض وبائی کا نام ہے اس لیے وبا عام ہے اور طاعون خاص اور مینہ اور برف میں دوام کی قید اس لیے لگائی کہ ان کا دوام بلا ہے نہ رحمت وفی العینی صلوۃ الکسوف سنۃ واختار فی الاسرار وجوبہا وصلوۃ الخسوف حسنۃ وکذا البقیۃ اور عینی میں ہے کہ کسوف کی نماز سنت ہے اور اسرار میں اختیار کیا ہے اس کے واجب ہونے کو اور چاند گہن کی نماز حسن ہے یعنی اہل اسلام کے نزدیک مستحسن ہے کذا فی الطحطاوی اور اسی طرح باقی نمازیں آندھی وغیرہ کے اوقات میں حسن ہیں م نماز کسوف کے واجب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بصیغہ امر ارشاد فرمایا کہ جب تم کوئی چیز ان حوادث میں سے دیکھو تو نماز کی طرف التجا لے جاؤ اور فتح القدیر میں کہا کہ امر اس حدیث میں استحباب کے لیے ہے کذا فی الطحطاوی وفی الفتح واختلف فی استنان صلوۃ الاستسقاء فلذا اخرہا واللہ تعالی اعلم اور فتح القدیر میں ہے کہ اختلاف کیا گیا ہے نماز استسقا کے مسنون ہونے میں تو اسی لیے مصنف نے اس کو پیچھے بیان کیا واللہ تعالی اعلم۔

باب الاستسقاء

یہ باب ہے طلب باران کے ذکر میں م مناسبت اس کی نماز کسوف سے یہ ہے کہ دونوں میں اجتماع لوگوں کا ہوتا ہے پھر استسقا کے معنے لغت میں دوسرے سے پانی دینے کی درخواست ہے اور شریعت میں خشک سالی کے وقت خدا تعالے سے مینہ کے طلب کرنے کو کہتے ہیں ایک خاص صورت پر اور وہ ایسے مقام میں مشروع ہے جہاں جھیلیں اور نہریں کھیتوں کے سینچنے اور چوپایوں کے پانی پلانے کو نہ ہوں یا ہوں مگر کافی نہ ہوں اور اگر کافی ہوں تو دعا کے لیے باہر نہ جائیں کذا فی الطحطاوی **ہو دعاء واستغفار لانہ السبب لارسال الامطار** استسقا دعا ہے اور مغفرت چاہنی گناہوں سے اس لیے کہ درخواست مغفرت سبب ہے مینہ کے برسنے کا م یعنی امام کھڑا ہو کر قبلہ رخ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے اور آدمی قبلہ کو منہ کر کے بیٹھے ہوئے آمین کہتے جائیں اور وہ ان الفاظ سے دعا

کرے اللّٰھم اسقنا غیثا مغیثا ھنیئا مریئا مریعا غدقا عاجلا غیر رائث مجللا سحا طبقا دائما اور جو الفاظ ان کے مانند ہوں اور دعا آہستہ بھی کرے اور پکار کر بھی اور استغفار سبب ہے مینہ برسنے کا یعنی قرآن مجید میں ارشاد فرمایا فاستغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا یعنی مغفرت چاہو اپنے رب سے کہ وہ ہے بہت بخشنے والا بھیجے گا تم پر مینہ کثرت سے برسنے والا تو اس آیت میں استغفار کو سبب مینہ برسانے کا فرمایا کذا فی الطحطاوی بلا جماعۃ مسنونۃ بل ہی جائزۃ وبلا خطبۃ وقالا تفعل کالعید وہل یکبر للزوائد خلاف طلب کرنا مینہ کا دعا ہے بدون جماعت مسنون کے بلکہ جماعت جائز ہے نہ مکروہ اور بدون خطبہ کے امام اعظم کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ دعا کی جائے مثل عید کے یعنی امام دوگانہ نماز جہر سے بدون اذان اور تکبیر کے پڑھا دے پھر زمین پر کھڑا ہو کر تلوار یا عصا پر سہارا دے کر خطبہ پڑھے اور اکثر خطبہ استغفار ہو اور کیا تکبیر زائد اس دوگانہ میں کہے اس میں خلاف ہے یعنی امام محمد سے مروی ہے کہ زائد تکبیریں بھی کہے اور مشہور روایت صاحبین سے یہ ہے کہ تکبیریں نہ کہے کذا فی الشامی وبلا قلب رداء خلافا لمحمد اور دعا ہے بدون چادر بدلنے کے بخلاف امام محمد کے یعنی امام کے نزدیک اور دعاؤں کی طرح اس دعا میں بھی چادر نہ بدلے اور امام محمد کے نزدیک چادر بدلے یعنی تھوڑا سا خطبہ پڑھ کر چادر پلٹ لے اس طرح کہ داہنی طرف بائیں آجائے اور نیچے کا رخ اوپر ہو جائے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا شامی نے کہا کہ فتوی امام محمد کے قول پر ہے اور چادر صرف امام پلٹے نہ مقتدی وبلا حضور ذمی وان کان الراجح ان دعاء الکافر قد یستجاب استدراجا واما قولہ تعالٰی وما دعاء الکافرین الا فی ضلال ففی الآخرۃ شروح مجمع اور دعا ہے بدون ساتھ ہونے کافر ذمی کے اگرچہ قول راجح یہ ہے کہ دعا کافر کی بھی قبول ہوتی ہے خلاف عادت اور یہ جو ارشاد خداوندی ہے کہ نہیں ہے دعا کافروں کی مگر بھکنا تو یہ آخرت میں کذا فی شروح مجمع اس امر میں اختلاف ہے کہ دعا کافر کی مقبول ہوتی ہے یا نہیں تو بعض فقہا نے کہا کہ مقبول نہیں ہوتی آیت مذکورہ صدر کی دلیل سے اور نیز اس وجہ سے کہ کافر دعا خدا تعالٰی سے نہیں مانگتا کیونکہ وہ اللہ تعالٰی کو پہچانتا ہی نہیں اور بعض فقہا نے کہا کہ دعا مقبول ہوتی ہے چنانچہ شیطان نے مہلت مانگی اور اس کی دعا مقبول ہوئی حالانکہ سب میں بڑا کافر وہ ہے اور صدر شہید نے کہا کہ فتوی اسی پر ہے کہ دعا کافر کی مقبول ہوتی ہے خصوص جبکہ مظلوم ہو چنانچہ حدیث میں ہے کہ مظلوم کی دعا مقبول ہے اگرچہ کافر ہو اور آیت کا جواب شارح نے دیا کہ وہ آخرت کی دعا ہے اس لیے کہ اس سے پہلے دوزخ والوں کا ذکر ہے کہ جب فرشتوں سے کہیں گے کہ اللہ تعالٰی سے دعا مانگو کہ ہم پر ایک دن کا عذاب ہلکا کر دے تو وہ کہیں گے کہ تمہارے پاس کیا پیغامبر بینات نہ لائے تھے وہ کہیں گے کیوں نہیں فرشتے کہیں گے کہ تو تم دعا مانگو اور نہیں ہے کافروں کی دعا مگر بھکنا کذا فی الطحطاوی وان صلوا فرادی جاز فہی مشروعۃ للمنفرد وقول التحفۃ وغیرہا ظاہر الروایۃ لا صلوۃ اے بجماعۃ اور اگر سب لوگ تنہا نماز پڑھیں تو درست ہے کیونکہ نماز تنہا کے لیے مشروع ہے اور تحفہ وغیرہ کا یہ کہنا کہ ظاہر روایت یہ ہے کہ استسقا میں نماز نہیں اس کے یہ معنی کہ جماعت کے ساتھ نماز نہیں ویخرجون ثلثۃ ایام لانہ لم ینقل اکثر منہا متتابعات ویستحب للامام ان یامرہم بصیام ثلثۃ ایام قبل الخروج بالتوبۃ ثم یخرج بہم فی الرابع مشاۃ فی ثیاب غسیلۃ او مرقعۃ متذللین متواضعین خاشعین للہ ناکسین رؤسہم اور جنگل کو جائیں دعا کے لیے تین روز برابر اس لیے کہ زیادہ تین روز سے مینہ کی دعا کے لیے باہر جانا منقول نہیں ہوا اور مستحب ہے امام کو کہ باہر نکلنے سے پیشتر لوگوں کو تین دن روزہ رکھنے کا اور گناہوں سے خالص توبہ کرنے کا حکم کرے پھر چوتھے روز ان کے ساتھ نکلے اس طرح کہ سب پیادہ پا دھوئے ہوئے کپڑے پہنے یعنی پرانے یا پیوند لگے ذلیلوں کی صورت

لہ الٰہی دے ہم کو مینہ فریاد پہنچنے والا یعنی سیراب کرنے والا جس میں مضرت نہ ہو جس کا انجام اچھا ہو جو بہار کر دے جس میں خیریت بہت ہو جلد برسنے والا نہ دیر کرنے والا جو زمین کو ڈھانپ لے جو اوپر زمین کے رواں ہو جو ساری زمین کو عام ہو جو ہمیشہ کو نافع ہو ۱۲

بنائے فروتنی اور عاجزی کرتے ہوئے گردن جھکائے ہوئے ہوں ہم جنگل میں جانے کا حکم ان لوگوں کو ہے جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ اور بیت المقدس کے باشندے نہ ہوں کہ ان کے لیے حکم وہاں کی افضل مساجد میں جانے کا ہے اور توبہ خالص سے یہ غرض کہ حقوق حقداروں کے بھی ادا کر دیں کہ توبہ میں یہ شرط لگی ہوئی ہے کہ کسی کا حق ذمہ پر نہ رہے کذا فی الطحطاوی **ولیقدمون الصدقۃ فی کل یوم قبل خروجہم ویجددون التوبۃ ویستغفرون للمسلمین ویستسقون بالضعفاء والشیوخ والعجائز والصبیان ویبعدون الاطفال عن امہاتہم** اور ہر روز اپنے نکلنے سے پیشتر صدقہ دیویں اور نئی توبہ کریں اور مسلمانوں کے لیے دعاء مغفرت کریں اور ضعیفوں اور بوڑھوں اور بڑھیوں اور لڑکوں کے ذریعہ سے مینہ کی دعا کریں اور بچوں کو ان کی ماؤں سے علیحدہ کریں ہم ان لوگوں کے ذریعہ کرنے کے یہ معنی کہ ان کو آگے کر دیں تاکہ وہ دعا مانگیں اور جوان آمین کہیں کہ ان کی دعا جلد مقبول ہوتی ہے چنانچہ بخاری کی حدیث میں ہے کہ تم کو رزق اور فتح جو ملتی ہے تو تمہارے ضعیفوں کی بدولت ہی ملتی ہے اور بچوں کو ماں سے جدا رکھنے میں یہ حکمت ہے کہ رونا اور فریاد زیادہ ہو تاکہ لوگوں کو رقت ہو اور اس کے سبب سے دریائے رحمت ایزدی جوش میں آوے کذا فی الشامی والطحطاوی **ویستحب اخراج الدواب** اور مستحب ہے باہر نکالنا جانوروں کا اس لیے کہ کبھی مینہ انہیں کے سبب سے عنایت ہوتا ہے چنانچہ احمد نے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام لوگوں کے ساتھ مینہ کی دعا کو نکلے دیکھا تو ایک چیونٹی اپنی ٹانگیں آسمان کی طرف اٹھائے ہے آپ نے فرمایا کہ لوٹ چلو کہ تمہاری دعا اس چیونٹی کی جہت سے مقبول ہوئی کذا فی الطحطاوی **والاولی خروج الامام معہم وان خرجوا باذنہ او بغیر اذنہ جاز** اور بہتر ہے نکلنا امام کا لوگوں کے ساتھ اور اگر لوگ نکلیں امام کی اجازت سے یا بدون اس کی اجازت کے تب بھی درست ہے **ویجتمعون فی المسجد بمکۃ و بیت المقدس ولم یذکر المدینۃ کانہ لضیقہ** اور جمع ہو ویں مسجد الحرام میں مکہ معظمہ میں اور بیت المقدس میں اور ماتن نے مدینہ منورہ کو ذکر نہ کیا کہ وہاں کے لوگ مسجد شریف میں جمع ہوں شاید اس مسجد کے تنگ ہونے کی جہت سے ذکر نہ کیا ہو گا ہم شامی نے کہا کہ یہ وجہ کافی نہیں اس لیے کہ باشندے مدینہ منورہ کے ایام حج کے قافلوں سے زیادہ نہیں کہ ان کی گنجائش تو ہو جائے اور باشندوں کی نہ ہو اس لیے ضرور ہے کہ دعاء باران مسجد مبارک میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کی جائے جیسا کہ ہر حادثہ کے لیے دعا آپ کے مشاہدہ میں کی جاتی ہے اور چوپایوں کو ان مساجد کے دروازوں پر کھڑا کیا جائے **وان دام المطر حتی اضر فلا باس بالدعاء بحبسہ وصرفہ حیث ینفع** اور اگر مینہ کی جھڑی لگے یہاں تک کہ نقصان کرے تو مضائقہ نہیں دعا کرنے کا اس کے بند ہونے اور ایسی جگہ مصروف ہونے کے واسطے جہاں مفید ہو ہم یعنی یوں دعا کرے کہ الٰہی اب جہاں مینہ کا برسنا مفید ہو وہاں برسا اور یہاں سے اس کو ہٹا لے **وان سقوا قبل خروجہم ندب ان یخرجوا شکر اللہ تعالیٰ** اور اگر باہر جانے سے پیشتر لوگوں کو مینہ عنایت ہو تو مستحب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے شکریہ کے لیے باہر نکلیں یعنی جب قبل سوال کے مطلب پورا ہو گیا تو اب اس انعام کا شکریہ ہے کہ باہر نکل کر دعا کریں تاکہ مینہ خاطر خواہ برسے کذا فی الشامی ملتقطاً۔

باب صلوۃ الخوف

یہ باب ہے نماز خوف کے بیان میں ہم اس کی مناسبت نماز استسقاء سے یہ ہے کہ دونوں خوف کے وقت ہوتے ہیں **من اضافۃ الشیٔ لشرطہ** اضافت صلوۃ کی خوف کی طرف چیز کی اضافت ہے شرط کی طرف یعنی خوف شرط ہے اس نماز کی ہم بعضوں نے خوف کو سبب قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اضافت سبب کی ہے طرف مسبب کے شامی نے کہا کہ بظاہر خوف نماز کا سبب ہے اور دشمن کا موجود ہونا شرط ہے تو اگر خوف سے مراد دشمن کا ہونا ہو تو یہ اضافت شرط کی طرف ہے اور اگر خوف کے حقیقی معنی مراد ہوں تو اضافت سبب کی طرف ہے **ہی جائزۃ بعدہ علیہ السلام عندہما ای عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ خلافا للثانی بشرط حضور عدو یقینا فلو صلوا علی ظنہ فبان خلافہ اعادوا او سبع او حیۃ عظیمۃ ونحوہا وحان خروج الوقت کما فی مجمع الانہر ولم ارہ لغیرہ فلیحفظ قلت ثم رأیت فی شرح البخاری**

للعینی انہ لیس بشرط الا عند البعض عند التحام الحرب نماز خوف کی جائز ہے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرفین کے نزدیک یعنی امام اعظمؒ اور محمدؒ کے بخلاف امام ابو یوسف کے کہ ان کے نزدیک جائز نہیں اس وجہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھنے کے ثواب حاصل کرنے کو یہ نماز مشروع ہوئی تھی بعد آپ کے یہ بات جاتی رہی تو اب اس کا ادا کرنا جائز نہ ہوگا اور طرفین فرماتے ہیں کہ صحابہؓ نے آپ کے بعد اس نماز کو پڑھا ہے اس لیے جائز ہے بشرط موجود ہونے دشمن کے یقینا یا موجود ہونے درندہ یا اژدہا اور اس کے مثل اور چیزوں کے مثلاً آتش زدگی وغیرہ کے شارح نے کہا کہ یقینا کی قید ہم نے اس لیے لگائی کہ اگر لوگ دشمن کا موجود ہونا خیال کر کے پڑھیں گے پھر اس کے خلاف ظاہر ہوگا یعنی دشمن موجود نہ نکلے گا تو نماز از سر نو پڑھیں اور درست ہے یہ نماز جب کہ وقت جانے کو ہو چنانچہ مجمع الانہر میں ہے اور یہ قید میں نے اوروں کے کلام میں نہیں دیکھی تو اس قید کو یاد رکھنا چاہیے پھر میں نے عینی کی شرح بخاری میں دیکھا کہ وقت نکلنے کے قریب ہونا اس نماز کی شرط نہیں مگر بعض کے نزدیک جب کہ لڑائی اور قتال ہو رہا ہو تو شارح نے عینی کا قول نقل کر کے بیان کر دیا کہ مجمع الانہر کی روایت پر عمل نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ وہ بعض کا قول ہے کذا فی الشامی فیجعل الامام طائفۃ بازاء العدو وار ہابا لہ ویصلی باخری رکعۃ فی الثنائی ومنہ الجمعۃ والعید ورکعتین فی غیرہ لزوما وذہبت الیہ وجاءت الاخری فصلے بہم مابقی وسلم وحدہ وذہبت الیہ ندبا وجاءت الطائفۃ الاولی واتموا صلوتہم بلا قرأۃ لانہم لاحقون وسلموا ثم جاءت الطائفۃ الاخری واتموا صلوتہم بقراءۃ لانہم مسبوقون تو کہے امام ایک ٹولی مثلاً آ دشمن کے مقابل اس کے ڈرانے کے لیے اور نماز پڑھاوے دوسری ٹولی کو مثلاً ب کو ایک رکعت دو رکعت والی نمازوں میں اور اسی میں داخل ہے جمعہ اور عید اور دو رکعتیں پڑھاوے غیر ثنائی میں بطور وجوب کے یعنی اگر ایک پڑھاوے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور چلی جاوے یہ ب ٹولی دشمن کے سامنے یعنی بعد دوسرے سجدہ کے ایک رکعت پڑھنے کی صورت میں اور بعد التحیات کے دو رکعتوں کے پڑھنے میں اور آوے آ ٹولی پس ان کو امام پڑھاوے باقی نماز یعنی جتنی نماز اس کو باقی ہے وہ اس ٹولی کے ساتھ پڑھ کر امام اکیلا سلام پھیر دے بعد قعدہ اخیرہ کے پھر یہ آ ٹولی دشمن کے سامنے جائے براہ استحباب یعنی اگر نہ جائیں اور اسی جگہ بقیہ نماز تمام کریں تو درست ہے اور آوے ب ٹولی اور اپنی نماز پوری کریں بدون قرأت کے اس لیے کہ وہ لاحق ہیں اور لاحق کا حکم مقتدی کا سا ہے اور سلام پھیریں پھر وہ ٹولی آوے اور اپنی بقیہ نماز پوری کریں بدون قرأت کے ساتھ اس لیے کہ وہ مسبوق ہیں اور مسبوق اور منفرد کا ایک حال ہے م صلوٰۃ خوف کی کیفیت میں علماء کا اختلاف ہے اور مستصفیٰ میں ہے کہ جائز ہر کیفیت سے ہے مگر اختلاف اس میں ہے کہ بہتر کونسی ہے اور قرآن مجید میں جو کیفیت مذکور ہے اس سے زیادہ تر قریب یہ صورت ہے جو ماتن نے مذکور کی اور دو رکعتوں کی نماز میں سفر کی نماز بھی داخل ہے اور عید کی قید سے شارح نے آگاہ کیا کہ صلوٰۃ خوف صرف فرضوں میں منحصر نہیں واجب میں بھی ہوتی ہے کذا فی الشامی طحطاوی نے کہا کہ اگر دشمن بالفرض قبلہ کی طرف ہو تب بھی اس نماز میں کچھ فرق نہ ہوگا اسی طرح دشمن کے مقابل کی ٹولی اگر قبلہ کی طرف پشت کیے ہو تو کچھ حرج نہ ہوگا اور دشمن کے مقابل جانا پیادہ معتبر ہے اگر سوار ہو کر جائیں گے تو نماز باطل ہو جائے گی وہذا ان تنازعوا فی الصلوۃ خلف واحد والا فالافضل ان یصلے بکل طائفۃ امام اور یہ نماز اس کیفیت پر اس صورت میں ہے کہ مقتدی ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنے میں جھگڑا کریں ورنہ افضل یہ ہے کہ ہر ٹولی علیحدہ امام کے پیچھے نماز پڑھے م یعنی ایک ٹولی دشمن کے مقابل رہے اور ایک امام کے ساتھ نماز پڑھے جب امام فارغ ہولے تو یہ ٹولی دشمن کے سامنے چلی جائے اور دوسری ٹولی کے لیے امام کسی کو اجازت نماز پڑھانے کی دے کہ وہ ان کو پڑھاوے اور اگر وقت اتنا نہ ہو تو وہی صورت ہے جو اوپر مذکور ہوئی کذا فی الشامی وان اشتد خوفہم وعجزوا عن النزول صلوا رکبانا فرادی الا اذا کان ردیفا للامام فیصح الاقتداء بالایماء الی جہۃ قدرتہم للضرورۃ اور اگر زیادہ ہو خوف لوگوں کو اور عاجز ہوں اترنے سے تو نماز پڑھیں حالت سواری میں

تنہا رکوع اور سجدہ کے لیے اشارہ کر کے جس طرف کو ان سے ہو سکے بسبب ضرورت کے شارح نے کہا مگر وہ شخص کہ امام کے پیچھے سوار ہو
ایک سواری پر تو اس کا اقتدا امام کے پیچھے صحیح ہوگا بسبب اتحاد مکان کے فسدت بمشی بغیر اصطفاف وسبق حدث ورکوب مطلقاً وقتال
کثیر لا بقلیل کرمیہ سہم اور یہ نماز فاسد ہو جائے گی پیادہ چلنے سے جو دشمن کے سامنے صف باندھنے کے لیے نہ ہو اور نہ بے وضو ہو جانے کے سبب
سے ہو اور فاسد ہو گی سوار ہونے سے مطلق یعنی خواہ صف باندھنے کے لیے ہو یا دوسرے مطلب کے لیے اور فاسد ہو گی بہت کشت و خون
کرنے سے نہ تھوڑا لڑنے سے مثلاً ایک تیر چلانے سے فاسد نہ ہو گی کیونکہ عمل قلیل ہے اور گھوڑے پر چڑھنا اور بہت لڑنا عمل کثیر ہیں ان سے
فاسد ہو جائے گی م طحطاوی نے کہا کہ تیر چلانے کا عمل قلیل ہونا مسلم نہیں کیونکہ جو کوئی اس کو دیکھے گا یہی جانے گا کہ نماز نہیں پڑھتا والسابح
فی البحران امکنہ ان یرسل اعضاءہ ساعۃ صلی بایماء والا لا تصح کصلوٰۃ الماشی والسائف وہو یضرب بالسیف اور تیر نے والا دریا میں
اگر اس کو ممکن ہو کہ اپنے اعضاء ڈھیلے کر دے ساعت بھر تو نماز پڑھے اشارہ سے ورنہ نماز صحیح نہ ہو گی جیسے نماز پیادہ چلنے والے کی اور تلوار
والے کی جب کہ تلوار سے مارتا ہو کہ ان کی نماز بھی صحیح نہیں فروع مسائل ملحقہ شارح کے الراکب ان کان مطلوبا تصح صلوٰتہ وان کان طالبا
لا لعدم خوفہ سوار اگر مطلوب ہو یعنی اس کے پیچھے کوئی پکڑنے کو آتا ہو تو اس کی نماز درست ہے سواری پر اور اگر طالب ہو یعنی دوسرے کو
پکڑنے جاتا ہو تو اس کی نماز درست نہیں اس لیے کہ اس کو کچھ خوف نہیں شرعوا ثم ذہب العدو لم یجز انحرافہم وبعکسہ جاز لوگوں نے نماز خوف شروع
کی پھر دشمن چلا گیا تو ان کا اپنی جگہ سے ٹلنا درست نہیں یعنی ہر ٹولی جہاں کی تہاں نماز پڑھ لے کذا فی الشامی اور اس کا عکس ہو تو درست ہے
یعنی شروع کے وقت خوف نہ تھا پھر ہو گیا تو اس صورت میں اگر کچھ لوگ دشمن کے مقابل چلے جائیں گے تو یہ جانا نماز کا مخل نہ ہو گا بسبب ضرورت
کے کذا فی الطحطاوی لا تشرع صلوٰۃ الخوف للعاصی فی سفرہ کما فی الظہیریۃ وعلیہ فلا تصح من البغاۃ اور مشروع نہیں نماز خوف اس شخص کے لیے جو
اپنے سفر کی جہت سے گنہگار ہو چنانچہ ظہیریہ میں ہے اور اس بنا پر نماز خوف باغیوں سے درست نہ ہو گی م یعنی جس شخص کا نفس سفر معصیت
ہو جیسے رہزنی اور بغاوت کے لیے سفر کرنا تو اس کی صلوٰۃ خوف جائز نہیں کذا فی الشامی صح انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام صلاہا فی اربع ذات
الرقاع وبطن نخل وعسفان وذی قرد ثابت ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خوف چار مقام پر پڑھی اول غزوہ ذات الرقاع میں
دوم بطن نخل میں سوم غزوہ عسفان میں چہارم غزوہ ذی قرد میں م ذات الرقاع کے معنی پیوندوں والا اس غزوہ کا نام ذات الرقاع اس لیے ہوا
کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے بخاری میں روایت ہے کہ اس غزوہ میں ہمارے پاؤں زخمی ہو گئے تھے اور ناخن گر گئے تھے تو ہم پاؤں پر چیتھڑے
لپیٹے تھے اس سبب سے اس کو ذات الرقاع کہا یہ غزوہ تیسرے سال ہجری میں غزوۂ خندق سے پہلے ہوا تھا اور بطن نخل ایک جگہ کا نام ہے اور
عُسفان بروزن عثمان مکہ سے دو منزل ایک مقام ہے اور ذو قرد بفتح قاف و رائے مہملہ ایک مقام ہے مدینہ کے قریب اس غزوہ کو غزوہ غابہ
بھی کہتے ہیں یہ غزوہ ۶ھ ہجری میں ہوا طحطاوی نے کہا کہ امداد الفتاح میں حاوی سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خوف
چوبیس مرتبہ پڑھی اور شارح چار مقام لکھتا ہے تو یا یہ مراد ہے کہ چار بار غزووں میں اتفاق ہوا اور بیس بار دوسرے مقاموں میں یا یہ کہ ان
مقاموں میں چوبیس نمازیں خوف کی پڑھیں واللہ اعلم ۔

باب صلوٰۃ الجنازۃ

یہ باب ہے جنازہ کی نماز اور اس کے لواحق کے ذکر میں م مناسبت اس کی ماقبل سے یہ ہے کہ خوف و
قتال نوبت موت کی پہنچاتے ہیں اور اس کو پیچھے اس لیے بیان کیا کہ یہ نماز ہر صورت سے نماز نہیں کیونکہ
بلا رکوع اور سجدہ اور اذان و تکبیر کے ہوتی ہے دوسرے یہ کہ یہ نماز آدمی کے آخر حال سے متعلق ہے کذا فی الطحطاوی من اضافۃ الشیٔ

الی سببہ نماز کی اضافت جنازہ کی طرف چیز کی اضافت ہے اپنے سبب کی طرف یعنی میت سبب ہے اس نماز کا وہی بالفتح المیت وبالکسر السریر وقیل لغتان اور جنازہ بفتح جیم مردہ کو کہتے ہیں اور بکسر جیم چارپائی یا تابوت ہے جس پر مردہ ہوتا ہے اور جس کو نعش کہتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ بفتح اور کسر دونوں مردہ کو کہتے ہیں کذافی الشامی والموت صفۃ وجودیۃ خلقت لضد الحیوۃ وقیل عدمیۃ اور موت ایک کیفیت وجودی ہے پیدا ہوئی ہے زندگی کے مقابل اور ایک قول یہ ہے کہ کیفیت عدمی ہے م موت میں اختلاف ہے کہ وجودی چیز ہے یا عدمی جو وجودی کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ارشاد خداوندی ہے خلق الموت والحیوۃ یعنی پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے موت اور حیات کو تو چونکہ پیدا کرنا ایک چیز کا موجود کرنا ہے اس سے معلوم ہوا کہ موت وجودی چیز ہے اور اس میں اور حیات میں مقابلہ ضدین کا ہے کہ دونوں جمع نہیں ہو سکتیں اور جو لوگ عدمی کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ زندہ چیز سے مواد حیات کو نیست کرنے کا نام موت ہے تو عدمی ہوئے اور ان میں مقابلہ عدم اور ملکہ کا ہے، اور اکثر محققین نے دوسرے قول کو یعنی عدمی ہونے کو اختیار کیا ہے اور آیت کے معنی یہ کہے ہیں کہ مقدر کیا موت اور حیات کو کذافی الشامی یوجہ المحتضر وعلامتہ استرخاء قدمیہ واعوجاج منخرہ وانخساف صدغیہ القبلۃ علی یمینہ وہو السنۃ منہ پھیرا جاوے وہ شخص جو مرنے کو ہو قبلہ کی طرف داہنی کروٹ پر اور یہ منہ پھیرنا سنت ہے شارح نے کہا کہ علامت موت کے قریب ہونے کی یہ ہے کہ پاؤں اس کے ڈھیلے ہو جائیں اور ناک کا بانسا ٹیڑھا ہو اور کنپٹیاں اندر کو دھس جائیں م طحطاوی نے کہا کہ محتضر بصیغہ اسم مفعول ہے یعنی جس پر موت حاضر ہوئی یا فرشتے موت کے آموجود ہوئے وجاز الاستلقاء علی ظہرہ وقدماہ الیہا ہو المعتاد فی زماننا ولکن یرفع راسہ قلیلا لیتوجہ للقبلۃ وقیل یوضع کما تیسر علی الاصح صحح فی المبتغے وان شق علیہ ترک علی حالہ والمرجوم لا یوجہ معراج اور جائز ہے چت لٹانا پشت پر اس صورت میں کہ دونوں پاؤں اس کے قبلہ کی جانب ہوں اور یہی صورت رائج ہے ہمارے زمانہ میں لیکن اس کا سر تھوڑا سا ابھار دیا جاوے تاکہ جانب قبلہ اس کا منہ ہو جاوے آسمان کی طرف نہ رہے اور ایک قول یہ کہ منہ قبلہ کی طرف کر دیا جائے جس طرح بن سکے صحیح تر قول کے بموجب یعنی داہنی کروٹ پر ہو یا بائیں پر یا چت لٹانے سے اسی طرح منہ قبلہ کی طرف کر دینا چاہیے تصحیح کی ہے اس قول کی مبتغی میں اور اگر قبلہ رخ کرنے میں اس کو تکلیف ہو تو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اور جو شخص زنا کے سبب سے سنگسار ہو اس کا منہ قبلہ کی طرف نہ کیا جائے اس کے زجر کے باعث سے کذافی الطحطاوی ویلقن ندبا وقیل وجوبا بذکر الشہادتین لان الاولی لا تقبل بدون الثانیۃ عندہ قبل الغرغرۃ اور کیا جاوے بطور استحباب اور ایک قول میں بطور وجوب ذکر شہادتین کا اس کے پاس غرغرہ سے پیشتر اس لیے کہ اول شہادت بدون دوسرے کے مقبول نہیں م تلقین کے معنی فہمائش کے ہیں اور یہاں یہ مراد ہے کہ مرنے والے کے پاس اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ ایسی طرح پڑھا جائے کہ وہ بھی آواز سن کر انھیں کلمات طیبات سے رطب اللسان ہو یا اس کو یوں کہا جائے کہ ان کلمات کو دھیان کر یا اور کسی طرح یاد دلایا جائے اور یہ یاد دہانی اس وقت تک ہے کہ جان حلق میں نہ آئی ہو ورنہ اس وقت شہادتین کو نہ بول سکے گا شامی نے نہر الفائق سے نقل کیا کہ تلقین بالاتفاق مستحب ہے اور جس کسی نے واجب کہا وہ مجازاً کہہ دیا ہے اور بعض فقہا نے لکھا ہے کہ صرف لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کافی ہے اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جس کا آخر کلام لا الٰہ الا اللہ ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا اس لیے شارح نے کہا محمد رسول اللہ کی تلقین بھی چاہیے کہ صرف توحید کا اقرار بدون اقرار رسالت کے مقبول نہیں طحطاوی نے کہا کہ یہ تعلیل کافر کے حق میں ہے مسلمان کے لیے اقرار توحید کافی ہے واختلف فی قبول توبۃ الیاس والمختار قبول توبتہ لا ایمانہ والفرق فی البزازیۃ وغیرہا اور جان کندنی کے وقت کی توبہ مقبول ہونے میں اختلاف ہے اور مختار یہ ہے کہ اس کی توبہ مقبول ہوتی ہے اور ایمان قبول نہیں ہوتا اور فرق بزازیہ

وغیرہا میں مرقوم ہے ہم جان کندنی کی حالت میں ایمان تو بالاتفاق مقبول نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلم یک[1] ینفعھم ایمانھم لما راوا باسنا اور توبہ کے قبول اور عدم قبول میں اختلاف ہے مختار یہی ہے کہ توبہ مقبول ہوتی ہے اس لیے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے ہو[2] الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ اس آیت میں قبول توبہ کو مطلق فرمایا اور ابو داؤد کی حدیث میں بھی مطلق مذکور ہے چنانچہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک کہ جان اس کی حلق میں غرغرہ نہ بولے کذا فی الشامی مختصرا من غیر امرہ بھما لئلا یضجر واذا قالھا مرۃ کفاہ ولا یکرر علیہ مالم یتکلم لیکون آخر کلامہ لاالہ الا اللہ تلقین کیا جائے بدوں حکم کرنے کے اس کو شہادتین کا تاکہ دق ہو کر انکار نہ کرے یعنی تلقین میں اس کو امر نہ کریں کہ یوں کہہ تاکہ وہ انکار نہ کر بیٹھے اور جب وہ ایک مرتبہ کہہ چکے تو کافی ہے اور دوبارہ تلقین نہ کیا جائے جب تک کہ اور کلام نہ بولے تاکہ آخر کلام اس کا لاالہ الا اللہ ہو یعنی اگر دوسرا کلام بعد کلمہ کے کرے تو پھر تلقین چاہیے تاکہ آخر کلام کلمہ ہو نہ دوسری بات ویندب قرأۃ یٰسٓ والرعد اور مستحب ہے مرنے والے کے پاس سورہ یٰس اور رعد کا پڑھنا امام یعنی اس لیے کہ یٰس کے پڑھنے کا حکم حدیث میں آیا ہے اور سورہ رعد اس وجہ سے کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ اس سے جان کا نکلنا آسان ہوتا ہے کذا فی الشامی ولا یلقن بعد تلحیدہ وان فعل لا ینھی عنہ اور تلقین نہ کیا جاوے بعد دفن کرنے کے اور اگر کوئی تلقین کرے تو منع نہ کیا جاوے ہم چونکہ حدیث میں آیا ہے کہ لقنوا موتاکم یعنی تلقین کرو اپنے مردوں کو تو بعض محققین نے اس حدیث میں موت حقیقی مراد لے کر تلقین بعد موت کے جائز رکھی ہے اور بعض نے بمقتضائے ظاہر آیت انک لا تسمع الموتی یعنی تو نہیں سناتا مردوں کو تلقین کو ناجائز کہا فتح القدیر میں بعد کلام طویل کے کہا کہ تلقین بعد دفن سے کچھ ضرر نہیں بلکہ اس سے فائدہ ہے کہ مردہ کو ذکر سے انس ہوتا ہے چنانچہ آثار میں وارد ہے طحطاوی نے کہا کہ ظاہر روایت یہ ہے کہ تلقین نہ کی جاوے وفی الجوھرۃ انہ مشروع عند اہل السنۃ اور جوہرہ میں ہے کہ تلقین مشروع ہے اہل سنت کے نزدیک . . . . . . کیونکہ اللہ تعالیٰ مردہ کو قبر میں زندہ کرتا ہے چنانچہ احادیث میں وارد ہے کذا فی الطحطاوی ویکفی قولہ یا فلان ابن فلان اذکر ماکنت علیہ وقل رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا قیل یا رسول اللہ فان لم یعرف اسمہ قال ینسب الی آدم وحوا اور کافی ہے کہنا تلقین کرنے والے کا اس طرح کہ اے فلاں فلاں کے بیٹے یاد کر ان باتوں کو جن پر تو تھا یعنی اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان کو یاد کر اور جب فرشتے سوال کریں تو یوں کہنا کہ میں راضی ہوا اس سے کہ اللہ میرا رب اور اسلام میرا دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر مردہ کا نام معلوم نہ ہو آپ نے فرمایا کہ منسوب کیا جاوے آدم اور حوا علیہما السلام کی طرف یعنی مرد ہو تو یوں کہنا چاہیے اے آدم کے بیٹے اور عورت ہو تو یوں کہے کہ اے حوا کی بیٹی ومن لا یسال ینبغی ان لا یلقن والاصح ان الانبیاء علیہم السلام لا یسالون ولا اطفال المؤمنین وتوقف الامام فی اطفال المشرکین وقیل ہم خدم اہل الجنۃ اور جو شخص کہ قبر میں سوال نہ کیا جائے مناسب ہے کہ اس کو تلقین بھی نہ کی جائے اور صحیح تر یہ ہے کہ انبیا علیہم السلام سے سوال نہیں ہوتا اور نہ مومنوں کے بچوں سے اور توقف فرمایا ہے امام اعظمؒ نے مشرکین کے بچوں کے باب میں کہ ان سے سوال ہوتا ہے یا نہیں اور وہ دوزخ میں رہیں گے یا جنت میں اور کہتے ہیں کہ وہ جنت والوں کے خادم ہوں گے م جن لوگوں سے سوال نہ ہوگا وہ یہ ہیں انبیاء اور شہید اور غازی اور صدیق اور بچے اور جو شخص روز جمعہ یا اس کی شب میں مرے اور جو شخص ہر شب کو سورۂ ملک پڑھے اور اطفال مشرکین میں اخبار کے تعارض کے باعث قول اصح یہی ہے کہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر سپرد کرنا چاہیے کیونکہ حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے جو کچھ اطفال مشرکین عمل کرتے ہیں کذا فی الشامی ویکرہ تمنی الموت وتمامہ فی النہر ویجیٔ فی الحظر اور مکروہ ہے تمنا کرنی موت کی یعنی صدمات وغیرہ سے تنگ ہو کر یہ تمنا کرے کہ میں مرجاؤں اور اس کا پورا بیان نہر الفائق میں ہے اور کتاب الحظر والاباحۃ میں آگے آوے گا م نہر الفائق میں کہا ہے

یعنی جن لوگوں سے سوال نہ ہوگا ۱۲

[1] یعنی نہ کام آیا ان کے ان کا ایمان جب انھوں نے دیکھ لیا ہمارے عذاب کو ۱۲ [2] وہ یعنی اللہ تعالیٰ وہ ہے کہ قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں کی ۱۲

کہ اگر بمجبوری موت مانگے تو یوں دعا کرے الٰہی مجھ کو زندہ رکھ جب تک کہ زندگی میرے حق میں بہتر ہو اور مجھ کو موت دے جس وقت کہ موت میرے حق میں بہتر ہو کذا فی الطحطاوی لفظ فی الخطر اکثر نسخوں میں نہیں **وماظہر منہ من کلمات کفریۃ یستغفر فی حقہ ویعامل معاملۃ موتی المسلمین حملا علی انہ فی حال زوال عقلہ ولذا اختار بعضہم زوال عقلہ قبل موتہ ذکرہ الکمال** اور جو الفاظ کفر کے میت سے جان کنی میں سرزد ہوں ان کے لیے اس کے حق میں مغفرت مانگنی چاہیے اور اس کے ساتھ مسلمانوں کے مردوں کا سا معاملہ کرنا چاہیے یعنی اس وقت کے کفریہ الفاظ کہنے سے اس کو کافر نہ کہا جائے گا اس خیال سے کہ وہ اپنی عقل کے زائل ہونے کی حالت میں ہے اور اسی جہت سے بعض فقہا نے اختیار کیا ہے میت کی عقل جاتا رہنا اس کی موت سے پیشتر ذکر کیا ہے اس کو کمال الدین محقق نے م یعنی اس جہت سے عقل کا زائل ہونا پسند کیا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ مرنے کے درد سے یا شیطان کے دھوکے سے کلمات کفر قصداً بکنے لگے اور خاتمہ کفر پر ہو تو اگر اس وقت میں عقل نہ ہونے کا حکم کیا جائے گا تو ان کلمات سے کافر نہ ہوگا کذا فی الشامی **فاذا مات تشد لحیاہ وتغمض عیناہ تحسینا لہ ویقول مغمضہ بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ اللہم یسر علیہ امرہ وسہل علیہ ما بعدہ واسعدہ بلقائک واجعل ما خرج الیہ خیرا مما خرج عنہ ثم تمد اعضاءہ ویوضع علی بطنہ سیف او حدید لئلا ینتفخ ویحضر عندہ الطیب ویخرج من عندہ الحائض والنفساء والجنب** پس جب وہ شخص مر جاوے تو اس کے جبڑے باندھ دیئے جائیں اور اس کی آنکھیں بند کی جائیں اس کے اچھا معلوم ہونے کو یعنی اگر منہ اور آنکھیں کھلی رہیں گی تو صورت خوفناک معلوم ہوگی اور کہے آنکھوں کا بند کرنے والا بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ الٰہی تو اس مردہ پر اس کا معاملہ تجہیز و تکفین وغیرہ کا آسان کر اور سہل کر اس پر وہ حال جو اس کو آگے کو درپیش ہو یعنی سوال قبر اور احوال قیامت اس پر سہل کر اور اس کو مشرف کر اپنے دیدار سے اور جس چیز کی طرف وہ نکلا ہے اس کو بہتر کر بہ نسبت اس کے جس سے وہ نکلا ہے یعنی آخرت کو اس کے حق میں دنیا سے بہتر کر پھر اس کے اعضا پھیلا دیئے جائیں اور اس کے پیٹ پر تلوار یا لوہا رکھ دیا جاوے تاکہ پیٹ نہ پھولے شامی نے کہا کہ لوہا یا آئینہ بالخاصیت پیٹ کو پھولنے نہیں دیتا اور اگر لوہا یا آئینہ نہ ملے تو بھاری چیز رکھ دی جائے اور اس کے پاس خوشبو حاضر کی جائے اور اس کے پاس سے حیض و نفاس والی عورتیں اور ناپاک آدمی چلے جائیں **ویعلم بہ جیرانہ واقاربہ ویسرع فی جہازہ** اور اطلاع کی جائے اس کے مرنے کی اس کے ہمسایوں اور رشتہ داروں کو اور جلدی کی جائے اس کے سامان کفن و دفن میں کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ مسلمان کے مردہ کو اس کے گھر والوں میں روکنا نہ چاہیے کذا فی الشامی **ولا یقرأ عندہ القرآن الی ان یرفع الی الغسل کما فی القہستانی معزیا للنتف** اور نہ پڑھا جاوے میت کے پاس قرآن یہاں تک کہ اٹھایا جائے نہلانے کو جیسا کہ قہستانی میں ہے نتف کی طرف منسوب م طحطاوی نے کہا کہ نتف میں و یقرء ہے بصیغۂ اثبات اور شامی نے کہا کہ میں نے بھی قہستانی کے دونسخوں میں دیکھا لا نفی دونوں میں نہیں پایا علاوہ اس کے اگر لا ہو تو نتف اور زیلعی کے قول میں اختلاف نہیں رہتا اور نہ بحرالرائق کی توجیہ کی کچھ حاجت رہی جو شارح آگے بیان کرتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ کلمہ لا غلطی کاتب سے زیادہ ہو گیا ہے **قلت ولیس فی النتف الی الغسل بل ان یرفع فقط وفسرہ فی البحر برفع روحہ وعبارۃ الزیلعی وغیرہ تکرہ القراءۃ عندہ حتی یغسل وعلۃ الشرنبلالی فی امداد الفتاح تنزیہا للقرآن من نجاسۃ المیت لتنجسہ بالموت** میں کہتا ہوں کہ نتف میں نہانے تک کی قید نہیں بلکہ اس میں صرف اتنا ہے کہ پڑھا جاوے قرآن میت کے پاس اٹھائے جانے تک اور بحرالرائق میں اٹھائے جانے کی تفسیر میت کی روح کے اٹھائے جانے سے کی ہے یعنی صرف جان نکلنے تک قرآن پڑھے بعد اس کے نہ پڑھے اور زیلعی وغیرہ کی عبارت یہ ہے کہ مکروہ تحریمی ہے قرأت قرآن مردہ کے پاس یہاں تک کہ نہلایا جائے اور شرنبلالی نے امداد الفتاح میں اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ اس صورت میں قرآن کا علیحدہ رکھنا ہے میت کی نجاست سے کیونکہ میت موت کے سبب سے نجس ہو جاتا ہے **قیل نجاسۃ خبث وقیل حدث** بعض فقہا نے کہا کہ میت کی نجاست حقیقی ہے اور بعض نے کہا

کہ حکمی ہے م اول قول کی دلیل یہ ہے کہ آدمی خون کا پتلا ہے مثل دوسرے حیوانوں کے تو جیسے دوسرے مردار نجس حقیقی ہیں ویسے ہی آدمی بھی ہو جاتا ہے اور یہی قول ہے اکثر فقہا کا اور یہی ظاہر تر ہے اور اسی کو کافی میں صحیح کہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگر مردہ مسلمان نہلانے سے پیشتر کنوئیں میں گر جائے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے اور نہلانے سے جو پاک ہو جاتا ہے تو یہ مسلمان کی تعظیم کے جہت سے ہے اور دوسرے قول کی دلیل یہ ہے کہ موت کے باعث سے وضو جاتا رہتا ہے بسبب ڈھیلے ہو جانے مفاصل کے جیسے سونے سے جاتا رہتا ہے اور زندگی میں بے وضو ہونے سے جو صرف تھوڑے سے اعضا دھوتے ہیں اس کی وجہ یہ کہ وضو ہر روز پانچ بار کرنی پڑتی ہے اگر تمام بدن دھویا کرتے تو بڑا حرج ہوتا اس لیے چند اعضا پر اقتصار کیا گیا اور مرنے اور جنابت میں وہ حرج نہیں اس لیے تمام بدن کا دھونا مشروع ہوا دوسرے یہ کہ حاکم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے مردوں کو نجس مت جانو کہ مسلمان نہ زندہ نجس ہوتا ہے نہ مردہ شامی نے کہا کہ اس حدیث سے نہیں معلوم ہوتا کہ مردہ کی نجاست حکمی ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ مسلمان مردہ نہلانے سے پاک ہو جاتا ہے اس کی نجاست دائمی نہیں بخلاف کافر کے کہ وہ بعد نہلانے کے بھی پلید رہتا ہے غرضکہ مختار اکثر فقہا کا قول اول ہی ہے **وعلیہ فینبغی جواز کقراءۃ المحدث** اور مردہ کی نجاست حکمی ہونے پر چاہیے کہ اس کے پاس قرأت درست ہو جیسے بے وضو کو قرآن کا پڑھنا درست ہے م حاصل یہ کہ مردہ اگر ایسا کہا جائے جیسا بے وضو آدمی ہوتا ہے تو اس کے پاس قرآن کا پڑھنا مکروہ نہیں اور نتف کا قول اسی پر محمول ہے اور اگر مردہ جانوروں کی طرح نجس ٹھہرایا جائے تو مکروہ ہے اور زیلعی وغیرہ کا قول اس روایت پر محمول ہوگا طحطاوی نے کہا کہ مکروہ اس وقت ہے کہ مردہ کے قریب پڑھا جاوے اور اگر دور پڑھا جاوے تو مکروہ نہیں شامی نے کہا کراہت میں یہ قید بھی ہونی چاہیے کہ مردہ پاک چادر سے چھپا ہوا نہ ہو اور اگر چھپا ہوا ہو گا تب بھی قرأت مکروہ نہ ہو گی **ویوضع کما مات کما تیسر فی الاصح علی سریر مجمر وترا الی سبع فقط فتح ککفنہ وعند موتہ فہی ثلث لا خلفہ ولا فی القبر** اور جبھی کہ مر جائے رکھائے جس طرح بن سکے صحیح تر قول میں تخت پر جس کو طاق مرتبہ بسایا ہو سات دفعہ تک **فقط کذا فی الفتح** یعنی اس سے زیادہ نہ بسائیں مثل اس کے کفن کے کہ وہ بھی طاق دفعہ بسایا جاوے اور اس کی موت کے وقت خوشبو بسانی چاہیے تو یہ تین وقت کا بسانا ہوا اور نہ پیچھے اس کے اور نہ قبر میں م بسانے سے مراد یہ کہ کسی برتن میں آگ رکھ کر اس پر خوشبو جلادیں اور اس کو مردہ یا کفن کے گرد پھرادیں تو یہ بسانا تین وقت چاہیے ایک جس وقت اس کی جان نکلے دوم غسل کے وقت سوم کفنانے کے وقت اور جنازہ کے پیچھے ایسی خوشبو نہ لے جائیں کہ احادیث میں منع وارد ہے کہ جنازہ کے پیچھے آگ مت لے چلو اور نہ قبر کو بسائیں کہ قبر میں آگ لے جانی بدفالی ہے اور یہ جو کہا کہ بعد مرنے کے تختہ پر رکھیں یہ اس صورت میں ہے کہ جان اس کی زمین پر نکلی ہو بایں لحاظ کہ زمین کی تری سے اس کا بدن بگڑ نہ جاوے پھر تختہ پر رکھنا ایک قول یہ ہے کہ شمالاً جنوباً رکھیں قبر کی طرح اور ایک قول یہ ہے کہ پاؤں قبلہ کی طرف کریں اور اصح یہ ہے کہ جیسے ممکن ہو ویسے رکھیں **کذا فی الشامی** تصرف **وکرہ قراءۃ القرآن عندہ الی تمام غسلہ عبارۃ الزیلعی حتی لیغسل وعبارۃ النہر قبل غسلہ** اور مکروہ تحریمی ہے قرآن کا پڑھنا میت کے پاس اس کے غسل کے پورا ہونے تک زیلعی کی عبارت یوں ہے کہ جب تک میت کو غسل دیا جاوے اور نہر الفائق میں یہ ہے کہ اس کے غسل سے پیشتر مکروہ ہے م اختلاف الفاظ کسی فائدے کے لیے نہیں مراد سب کی یہی ہے کہ غسل ہو چکنے تک قرأت مکروہ ہے **کذا فی الطحطاوی وتستر عورتہ الغلیظۃ فقط علی الظاہر من الروایۃ وقیل مطلقا الغلیظۃ والخفیفۃ وصحح صححہ الزیلعی وغیرہ** اور پوشیدہ کی جاوے مردہ کی صرف شرمگاہ غلیظ ظاہر روایت کے موجب اور ایک قول یہ ہے کہ مطلق برہنگی چھپائی جائے خواہ خفیف ہو یا غلیظ اور اس قول کی تصحیح ہوئی ہے یعنی زیلعی وغیرہ نے اس کو صحیح کہا ہے م عورت غلیظ مقام پاخانہ اور پیشاب اور ان کے آس پاس کو کہتے ہیں اور عورت خفیفہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے تو

قول صحیح یہ ہے کہ نہلانے میں ناف سے لے کر گھٹنوں تک تہمد ڈالیں اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو فرمایا کہ زندہ اور مردہ کی
ران پر نظر مت ڈالو اس سے معلوم ہوا کہ مردہ کی ران کا دیکھنا حرام ہے کذا فی الطحطاوی ولیغسلہا تحت خرقۃ السترۃ لعدلف خرقۃ
مثلہا علی یدیہ لحرمۃ اللمس کالنظر اور دھوئے برہنگی کو تہمد کے نیچے بعد لپیٹنے ایک کپڑے مثل تہمد کے اپنے ہاتھوں پر لبسبب حرام ہونے ہاتھ
لگانے کے مثل دیکھنے کے مم شامی نے کہا کہ کیسہ کا مثل تہمد کے ہونا شرط نہیں بلکہ ایسا ہونا چاہیے جو چھونے کا مانع ہو کیونکہ بدون آڑ کے
ہاتھ لگانا شرم گاہ کو حرام ہے جیسے دیکھنا حرام ہے اس سے معلوم ہوا کہ بچوں کے لیے تہمد اور کیسہ ضرور نہیں ویجرد من ثیابہ کما مات وغسلہ
علیہ السلام فی قمیصہ من خواصہ اور ننگا کیا جاوے اپنے کپڑوں سے بفور مرنے کے اور نہلایا جانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کی قمیص میں
آپ کے خواص سے ہے مم بفور مرنے کے اس لیے ننگا کیا جائے کہ کپڑوں کی گرمی سے بدن میں تغیر نہ آوے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا
نہلایا جانا قمیص میں اس لیے خواص سے ہوا کہ ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ بعد وفات شریف کے لوگوں کو تردد ہوا کہ آپ کو ننگا کریں جیسے
اپنے مردوں کو کرتے ہیں یا معہ کپڑوں کے نہلا دیں تو گھر کے گوشہ سے آواز سنی کہ آپ کو معہ کپڑوں کے نہلاؤ کذا فی الشامی ویوضأ من یؤمر
بالصلوۃ بلا مضمضۃ واستنشاق للحرج وقیل یفعلان بخرقۃ وعلیہ العمل ولو کان جنبا او حائضا او نفساء فعلا اتفاقا تتمیما للطہارۃ
کما فی امداد الفتاح مستمدا من شرح المقدسی اور وضو کرایا جائے وہ مردہ کہ حکم کیا جائے نماز کا بدون کلی اور ناک میں پانی دینے کے لبسبب حرج
کے یعنی پانی منہ یا ناک میں ڈال کر اس کا نکالنا دقت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ کلی اور ناک میں پانی دینا کپڑے سے کرائی جائے یعنی نہلانے والا
اپنی انگلی پر کپڑا لپیٹ کر دانتوں اور مسوڑھوں اور ناک کے نتھنوں میں پھیرے اور اسی پر عمل ہے اس زمانہ میں اور اگر میت جنب یا حائض
یا نفاس والی ہو تو دونوں باتیں کی جائیں بالاتفاق واسطے پورا کرنے طہارت کے جیسا کہ امداد الفتاح میں ہے شرح مقدسی سے مدد لے کر
مم نماز کا حکم کیا جائے اس سے یہ غرض کہ جو بچہ بے عقل ہو اس کو وضو نہ کرنا چاہیے شامی نے کہا کہ یہ قید اچھی نہیں اس لیے کہ اس سے معلوم ہوتا
کہ دیوانہ شخص کو بھی وضو نہ کرایا جائے حالانکہ مجنون بالاتفاق وضو کرایا جاتا ہے اسی طرح بچہ کو بھی وضو کرایا جائے کیونکہ یہ وضو غسل میت کی
سنت ہے اور جنب کے لیے جو کلی اور ناک میں پانی دینے کو بالاتفاق لکھا ہے تو شامی نے کہا کہ میں نے بالاتفاق نہ امداد الفتاح میں پایا نہ
شرح مقدسی میں ویبدأ بوجہہ ویمسح رأسہ اور شروع کیا جائے اس کے چہرہ سے یعنی جنب کی طرح اول دونوں ہاتھ پہونچوں تک نہ دھوئے
جائیں بلکہ کپڑے سے منہ اور نتھنوں کو پونچھ کر منہ دھویا جائے اور مسح کیا جائے اس کے سر پر یعنی وضو میں مم شارح نے استنجا کو ذکر نہ کیا
کیونکہ اس میں اختلاف ہے طرفین کے نزدیک استنجا کیا جائے اور امام ابو یوسف کے نزدیک استنجا نہ کیا جائے اور اس کی صورت یہ ہے کہ نہلانے
والا ہاتھ پر کیسہ لپیٹ کر شرمگاہ کو دھوئے کذا فی الشامی ویصب علیہ ماء مغلی بسدر ورق النبق او حرض بضم فسکون الاشنان ان
تیسر والا فماء خالص مغلی اور اس پر وہ پانی ڈالا جائے جس میں بیری کے پتے جوش دیے گئے ہوں یا اشنان پڑا ہو اگر یہ چیزیں ملیں ورنہ
پانی خالص جوش دیا ہوا ڈالا جاوے شارح نے کہا کہ سدر سے مراد بیر کے پتے ہیں اور حرض بضم حاء مہملہ اور سکون راء مہملہ اشنان ہے جو
چھوٹی چھوٹی جھڑیں ہوتی ہیں اس سے کپڑے دھوتے ہیں جیسے صابون سے صاف کرتے ہیں ویغسل رأسہ ولحیتہ بالخطمی نبت بالعراق
ان وجد والا فبالصابون ونحوہ ہذا لو کان بہما شعر حتی لو کان امرد او اجرد لا یفعل اور دھویا جائے سر اس کا اور داڑھی اس کی گل خیرو
سے اگر میسر ہو ورنہ صابون سے اور اس کے مثل یعنی ملتانی مٹی وغیرہ سے یہ حکم اس صورت میں ہے کہ چہرہ اور سر پر بال ہوں یہاں تک کہ اگر وہ
شخص بے ریش ہو یا سر پر بال نہ رکھتا ہو تو پھر نہ دھویا جاوے شارح نے کہا کہ خطمی ایک گھاس ہے عراق میں اور ہندوستان میں گل خیرو

کھلاتا ہے **ویضجع علی یسارہ لیبدأ بیمینہ فیغسل حتی یصل الماء الی مایلی التخت منہ ثم علی یمینہ کذلک ثم یجلس مسندا** بالبناء للمفعول **الیہ ویمسح بطنہ رفیقاً وما خرج منہ یغسلہ ثم** بعد اقعادہ **یضجعہ علی شقہ الایسر ویغسلہ** وہذہ غسلۃ ثالثۃ **لیحصل المسنون ویصب علیہ الماء عند کل اضجاع ثلاث مرات** لما مر **وان زاد علیہا او نقص جاز** اذ الواجب مرۃ اور لٹایا جاوے مردہ اپنی بائیں کروٹ پر تاکہ پانی اول اس کے داہنے جانب پر پڑے پھر نہلایا جاوے یہاں تک کہ پانی بدن کے اس حصہ پر پہنچے جو تختہ سے ملا ہے پھر داہنی کروٹ پر لٹا کر اسی طرح پانی ڈال جاوے کہ دوسری طرف پہنچ جاوے پھر مردہ کو بٹھلا دے یعنی نہلانے والا اپنا سہارا دے کر اور سونتے اس کے پیٹ کو نرمی سے اور جو کچھ مردہ سے خارج ہو نہلانے والا اس کو دھو ڈالے پھر بٹھانے کے بعد اس کو بائیں کروٹ پر لٹا کر غسل دے اور یہ تیسری بار کا غسل ہے تاکہ عدد مسنون حاصل ہو جاوے یعنی تین بار نہلانا سنت ہے وہ اس مرتبہ ہو جائے گا اور پھر لٹانے کے وقت مردہ پر تین بار پانی ڈالا جائے اسی وجہ سے کہ گذری یعنی مسنون تین بار دھونا ہے اگر تین بار سے زیادہ ہر دفعہ میں پانی ڈالے گا یا کم تب بھی غسل درست ہوگا اس لیے کہ واجب تو ایک بار کا دھونا ہے شارح نے کہا کہ مسنداً بصیغہ مجہول ہے[۱] م شارح نے پہلے لکھا تھا کہ اس پر جوش دیا ہوا پانی ڈالنا چاہیے بعد اس کے کہا کہ اول بائیں کروٹ پر لٹا کر پانی ڈالنا چاہیے تو پہلا بیان مجمل تھا اس کی تفصیل بیان کر دی کہ اس طرح ڈالا جاوے یعنی ترتیب وار اس طرح ہے کہ وضو سے فراغت ہو تو سر اور داڑھی دھوئی جائے اور اس کے بعد بائیں کروٹ لٹا کر وہ پانی جس میں بیری کے پتے جوش دیے ہوں ڈالا جائے کذا فی الشامی مختصرا **ولا یعاد غسلہ ولا وضوءہ بالخارج منہ** لان غسلہ ما وجب لرفع الحدث لبقائہ بالموت بل لتنجسہ بالموت کسائر الحیوانات الدمویۃ الا ان المسلم یطہر بالغسل کرامۃ لہ وقد حصل بحر وشروح مجمع اور اس کے غسل اور وضو کا اعادہ نہ کیا جاوے بسبب خارج کے اس کے بدن سے یعنی اگر پیٹ دبانے سے کوئی نجاست خارج ہو تو اس سے غسل یا وضو دوبارہ ضرور نہیں اس لیے کہ نہلانا میت کا حدث کو دور کرنے کے لیے واجب نہیں ہوا کیونکہ وہ تو موت کے باعث قائم ہے بلکہ اس سبب سے نہلانا واجب ہوا ہے کہ میت ناپاک ہو گیا ہے مثل دوسرے حیوانوں دموی کے مگر یہ کہ مسلمان پاک ہو جاتا ہے نہلانے سے اس کی تعظیم کی جہت سے اور یہ طہارت تو نہلانے سے ہو چکی کذا فی البحر و شروح مجمع م یعنی مردہ کا نہلانا اس غرض سے ہے کہ مرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے تو جب نہلا دیا اس کی نجاست دور ہو گئی اب جو کوئی نجاست اس کے بدن سے نکلے گی تو صرف وہی مقام دھو ڈالا جائے گا سارے غسل کا اعادہ ضرور نہیں اور مردہ کا نہلانا حدث کے دور کرنے کے لیے نہیں کیونکہ موت خود ایک حدث ہے جو دور نہیں ہو سکتا **وینشف فی ثوب ویجعل الحنوط** وہو بفتح الحاء العطر المرکب من الاشیاء الطیبۃ غیر زعفران وورس لکراہتہما للرجال وجعلہما فی الکفن جہل **علی راسہ ولحیتہ** ندبا **والکافور علی مساجدہ** کرامۃ لہا اور نہلانے کے بعد خشک کیا جاوے کسی پاک کپڑے سے اور حنوط ملا جائے اس کے سر اور داڑھی پر براہ استحباب اور کافور ملا جائے اس کے سجدہ کی جگہوں میں یعنی جو مقام سجدہ میں زمین پر ٹکتے ہیں اور وہ ماتھا اور ناک اور ہتھیلیاں اور گھٹنے اور پاؤں ہیں ان پر کافور ملا جائے ان کی تعظیم کے لیے تاکہ بلد طعمہ ناک نہ ہوں شارح نے کہا کہ حنوط بلفظ حاء مہملہ و ضم نون عطر مرکب ہے خوشبودار چیزوں سے سوائے زعفران اور ورس کے بسبب مکروہ ہونے ان دونوں چیزوں کے مردوں کو اور زعفران اور ورس کو کفن میں رکھنا جہالت ہے **ولا یسرح شعرہ** ای یکرہ تحریما **ولا یقص ظفرہ** الا المکسور **ولا شعرہ ولا یختن** اور مردہ کے بالوں میں کنگھی نہ کی جاوے یعنی کنگھی کرنا مکروہ تحریمی ہے اور نہ کترے ناخن اس کے سوائے ٹوٹے ہوئے ناخن کے کہ وہ کتر کر پھینک دیا جاوے[۲] اور نہ بال کترے جائیں اور نہ ختنہ کی جائے م نہر الفائق میں ہے کہ بعد موت کے تزئین جائز نہیں اور اگر بال یا ناخن کاٹے جائیں تو کفن میں مردہ کے رکھ دیے جائیں کذا فی القہستانی ولا باس بجعل القطن علی وجہہ فی مخارقہ کدبر و قبل واذن و فم اور مضائقہ نہیں روئی رکھنے کا مردہ کے چہرہ پر

---

[۱] بصیغہ اسم مفعول مناسب ہے ۱۲ مصحح۔ [۲] قولہ پھینک دیا جاوے محل نظر ہے جیسے کہ اگلی سطر میں ہے کہ کفن میں رکھ دیے جائیں۔ ملا مصحح۔

اور اس کے سوراخوں میں مثلاً مقام پاخانہ اور پیشاب اور کان اور منہ میں م شرمگاہوں میں روئی رکھنے کو بعض علماء نے پسند نہیں کیا اور شارح نے لاباس کہہ کر اشارہ کیا کہ روئی کا نہ رکھنا بہتر ہے کذافی الشامی ویوضع یداہ فی جانبیہ لا علی صدرہ لانہ من عمل الکفار ابن ملک اور رکھے جائیں دونوں ہاتھ مردہ کے اس کے دونوں پہلوؤں میں نہ اس کی چھاتی پر اس لیے کہ چھاتی پر ہاتھ رکھنا کفار کا طریقہ ہے یعنی مجوس وغیرہم کا ذکر کیا ہے اس کو ابن ملک نے ویمنع زوجہا من غسلہا ومسہا لا من النظر الیہا علی الاصح منیۃ وقالت الائمۃ الثلثۃ یجوز لان علیا غسل فاطمۃ رضی اللہ عنہا قلنا ہذا محمول علی بقاء الزوجیۃ لقولہ علیہ السلام کل سبب ونسب ینقطع بالموت الا سببی ونسبی مع ان بعض الصحابۃ انکر علیہ شرح المجمع للعینی اور منع کیا جائے شوہر مردہ عورت کا عورت کے نہلانے اور ہاتھ لگانے سے نہ اس کی طرف نگاہ کرنے سے صحیح تر قول کے بموجب کذافی المنیہ اور تینوں اماموں نے فرمایا کہ نہلانا جائز ہے اس لیے کہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کو غسل دیا ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ نہلانا حضرت مرتضی کا محمول ہے زوجیت کے قائم رہنے پر بسبب فرمانے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ ہر سبب اور نسب جاتا رہتا ہے موت سے مگر میرا سبب اور نسب کہ وہ نہیں جاتا علاوہ اس کے بعض صحابہ نے اس نہلانے کا حضرت مرتضی پر انکار کیا ایسا مذکور ہے عینی کی شرح مجمع میں م خانیہ میں ہے کہ اگر عورت کا محرم ہو تو وہ اس کو اپنے ہاتھ سے تیمم کرا دے اور اگر اجنبی ہو تو اپنے ہاتھ پر ہتھیلی چڑھا کر تیمم کرا دے اور اس کے ہاتھ نہ دیکھے لیکن اگر اجنبی خاوند ہو تو اس کو جائز ہے کہ ہاتھ دیکھے اور یہ غالباً اس نظر سے ہے کہ دیکھنا بہ نسبت ہاتھ لگانے کے خفیف تر ہے اور حضرت فاطمہؓ کے غسل کو شرح مجمع میں جو خود مصنف مجمع کی ہے یوں لکھا ہے کہ آپ کو حضرت ام ایمن نے غسل دیا تھا اور حضرت مرتضی کی طرف جو منسوب ہوا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے تمام سامان کے آپ متکفل ہوئے تھے اور اگر بالفرض آپ کا نہلانا ثابت ہو تو یہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ فاطمہ تمہاری زوجہ ہیں دنیا و آخرت میں اور حدیث شارح نے بیان کی وہ بھی دلیل خصوص ہے سبب سے مراد اس میں قرابت سببی ہے جیسے زوجیت اور دامادی ہے اور نسب سے قرابت نسبی ہے کذافی الشامی مختصرا وہی لا تمنع من ذلک ولو ذمیۃ بشرط بقاء الزوجیۃ بخلاف ام الولد والمدبرۃ والمکاتبۃ فلا یغسلونہ ولا یغسلہن علی المشہور مجتبی اور عورت نہ منع کی جائے اپنے خاوند کے نہلانے سے اگرچہ ذمیہ یعنی کتابیہ ہو بشرط باقی رہنے نکاح کے بخلاف ام ولد اور مدبرہ اور مکاتبہ کے کہ یہ تینوں آقا کو نہلاویں اور نہ آقا ان کو نہلائے روایت مشہور کے بموجب کذافی المجتبی م یعنی ام ولد اور مدبرہ میں مرنے کے بعد ملک باقی نہیں رہتی جو موجب حلت وطی تھی اور اسی طرح مکاتبہ بعد ادا کرنے زر کتابت کے آزاد ہو جاتی ہے شامی نے کہا کہ یغسلونہ بصیغہ جمع مذکر غلط ہے صحیح یغسلنہ بصیغہ جمع مونث چاہیے والمعتبر فی الزوجیۃ صلاحیتہا حالۃ الغسل لا حالۃ الموت فتمنع من غسلہ لو بانت قبل موتہ او ارتدت بعدہ ثم اسلمت او مست ابنہ بشہوۃ لزوال النکاح اور معتبر زوجہ میں قابل ہونا اس کا ہے غسل کے وقت نہ موت کے وقت تو منع کی جاوے گی وہ عورت شوہر کے نہلانے سے جو بائن ہوئی ہو شوہر کی موت سے پیشتر یا مرتد ہوئی اس کی موت کے بعد پھر مسلمان ہو گئی یا چھو لیا شوہر کے بیٹے کو شہوت سے بسبب جاتے رہنے ان عورتوں کے نکاح کے م یعنی پہلی صورتوں میں زوجیت وقت موت کے باقی نہ رہی اور پچھلی صورتوں میں موت کے وقت نکاح تھا پھر جاتا رہا طحطاوی نے کہا کہ شارح نے فی الزوجیۃ بیاء نسبت کہا مناسب یہ تھا کہ فی الزوجۃ بدون یائے کہتا وجاز لہا غسلہ لو اسلم زوج المجوسیۃ فمات فاسلمت بعدہ لحل مسہا حینئذ اعتبارا بحالۃ الحیوۃ اور جائز ہے مجوسی عورت کو نہلانا اپنے شوہر کا اگر وہ مسلمان ہو کر مر گیا پھر وہ مسلمان ہوئی بعد اس کے بسبب حلال ہونے اس کے ہاتھ لگانے کے اس صورت میں حالت زندگی کا لحاظ کر کے م یعنی اگر شوہر مسلمان ہو کر زندہ رہتا اور اس کے مسلمان ہونے کے بعد اس کی زوجہ مسلمان

ہوتی تو نکاح قائم رہتا اور مرد کو ہاتھ لگانا درست ہوتا اسی طرح جب وہ اس کے مرنے کے بعد مسلمان ہوئی تو اس صورت میں بھی ہاتھ لگانا درست
ہوا کذا فی الحلبی وجد رأس آدمی او احد شقیہ لا یغسل ولا یصلی علیہ بل یدفن الا ان یوجد اکثر من نصفہ ولو بلا رأس پایا گیا سر آدمی کا یا ایک
نصف اس کے دو آدھوں میں سے تو نہ غسل دیا جاوے اور نہ اس پر نماز پڑھی جائے بلکہ دفن کر دیا جاوے مگر جس صورت میں کہ نصف سے
زائد پایا جائے اگرچہ بدون سر کے ہو تو غسل دیا جاوے بحر الرائق میں کہا کہ نصف دھڑ معہ سر پایا جاوے تب بھی غسل دیا جاوے والافضل
ان یغسل المیت مجانا فان ابتغی الغاسل الاجر جاز ان کان ثمہ غیرہ والا لا لتعینہ علیہ وینبغی ان یکون حکم الحمال والحفار کذالک سراج
اور افضل یہ ہے کہ نہلایا جائے مردہ مفت پس اگر نہلانے والا اجرت مانگے تو درست ہے اگر کوئی نہلانے والا وہاں اس کے سوا بھی ہو اور
اگر کوئی اور نہ ہو تو اجرت درست نہیں پس بسبب واجب عین ہو جانے نہلانے کے اس پر اور چاہیے کہ حکم جنازہ کے اٹھانے والے اور گورکن
کا بھی یہی ہو کہ اگر اور بھی ہوں تو اجرت درست ہو ورنہ ناجائز کیونکہ اس صورت میں اٹھانا اور قبر کھودنا ان پر واجب ہوگا اور طاعت پر
اجرت لینی درست نہیں کذا فی السراج لو غسل المیت بغیر نیۃ اجزاہ ای لطہارتہ لا لاسقاط الفرض عن ذمۃ المکلفین ولذا قال لو وجد
میت فی الماء فلا بد من غسلہ ثلثا لانا امرنا بالغسل فیحرکہ فی الماء بنیۃ الغسل ثلثا فتح وتعلیلہ یفید انہم لو صلوا علیہ بلا اعادۃ غسلہ صح وان لم
یسقط وجوبہ عنہم فتدبرہ اور اگر میت کو نہلایا بدون نیت کے تو کافی ہوگا اس کے پاک ہو جانے کو نہ واسطے ساقط کرنے فرض کے مکلف
شخصوں کے ذمہ سے اور اسی جہت سے کہ نیت شرط طہارت نہیں بلکہ شرط فرض کے ساقط کرنے کی ہے مصنف نے کہا کہ اگر کوئی مردہ بہت سے
پانی میں پایا گیا تو اس کو تین بار نہلانا ضرور ہے اس لیے کہ ہم کو حکم ہے میت کے نہلانے کا پس اس مردہ کو غسل کی نیت سے تین بار پانی
میں حرکت دے کذا فی الفتح اور فتح القدیر کا علت بیان کرنا اس بات کا مفید ہے کہ اگر لوگ اس پر نماز پڑھیں بدون تازہ غسل دینے کے تو
درست ہوگا اگرچہ غسل کا وجوب ان سے ساقط نہ ہوگا تو اس کو سمجھ لینا چاہیے م طحطاوی نے کہا کہ قول معتمد یہ ہے کہ نہلانے میں نیت شرط
نہیں چنانچہ خانیہ میں مذکور ہے کہ اگر مردہ کو نہلایا تو فرض ان کے ذمہ سے ساقط ہوگا اگرچہ ان کو نیت نہ ہو اور پانی میں مردہ کا ملنا دوسری
صورت ہے اس میں بدون نہلائے فرض ساقط نہ ہوگا انتہی وفی الاختیار الاصل فیہ تغسیل الملائکۃ لآدم علیہ السلام وقالوا لولدہ ہذہ سنۃ موتاکم
اور اختیار میں ہے کہ اصل غسل میت کے باب میں نہلانا فرشتوں کا ہے حضرت آدم علیہ السلام کو اور ان کی اولاد سے یہ کہنا کہ یہ طریق ہے تمہارے
مردوں کا م طحطاوی نے کہا کہ اس سے معلوم ہوا کہ یہ شریعت قدیم ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نہلانے والے کا مکلف ہونا شرط نہیں اور اسی وجہ
سے اولاد آدم علیہ السلام نے آپ کو غسل کا اعادہ نہ کیا اور فرشتوں کے غسل پر اکتفا کیا فرع مسائل ملحقہ شارح کے لو لم یدر امسلم
ام کافر ولا علامۃ فان فی دارنا غسل وصلی علیہ والا لا اور اگر مردہ کا حال معلوم نہ ہو کہ مسلمان ہے یا کافر اور کوئی نشانی پہچان کی نہیں تو اگر
اس طرح کا مردہ دار الاسلام میں ہو تو اس کو نہلا کر نماز پڑھی جائے اور اگر یہ علامت دار الاسلام میں نہ پایا جائے بلکہ دار الحرب میں ملے
تو نہ نہلایا جائے . . . . . نہ نماز پڑھی جائے م بدائع میں ہے کہ مسلمانوں کی علامتیں چار ہیں اول خضاب دوم ختنہ
سوم سیاہ لباس چہارم زیرناف کے بالوں کا مونڈنا لیکن اس زمانہ میں سیاہ لباس اور خضاب علامت اسلام نہیں رہی اور ملک ہندوستان میں
موچھوں کا کترانا اور بغل کے بالوں کا مونڈنا اور بائیں طرف پردہ کا ہونا بھی علامت مسلمان ہونے کی ہے فلو اختلط موتانا بکفار ولا علامۃ اعتبر
الاکثر فان استووا غسلوا واختلف فی الصلوۃ علیہم ومحل الدفن اور مسلمانوں کے مردے کافروں میں مل گئے اور کوئی پہچان نہیں تو اعتبار اکثر

کا ہوگا یعنی اگر مسلمان زیادہ ہیں تو مسلمان قرار دیے جائیں گے نماز کے حق میں یعنی ان پر نماز پڑھی جاوے اور دعا میں مسلمانوں کی نیت کی جاوے
اور اگر کافر زیادہ ہوں تو نماز کسی پر نہ پڑھی جاوے نہلا کر اور کفن دے کر کفار کے قبرستان میں دفن کیے جاویں کذا فی شرح الطحطاوی پھر اگر شمار میں
برابر ہوں تو سب کو غسل دیا جاوے گا اور ان پر نماز پڑھنی اور ان کے دفن کرنے کی جگہ میں اختلاف ہے ہم بعض فقہا نے کہا کہ ان پر نماز پڑھی
جاوے کیونکہ آخر بعض مسلمانوں پر نماز نہیں پڑھی جاتی جیسے راہزن اور باغی ہیں اور کافر پر نماز کسی صورت سے جائز نہیں بدلیل ارشاد
خداوندی ولا تصل علی احد منہم مات ابدا یعنی ان میں سے جو مرگیا ہو اس پر کبھی نماز مت پڑھ اور بعض فقہا نے کہا کہ نماز پڑھی جاوے
کیونکہ یہاں اگر تعیین نہیں ہوسکتی تو قصد سے تو عاجز نہیں مسلمانوں کا قصد کر کے نماز پڑھ لے شامی نے کہا کہ مذہب باقی تین اماموں کا
یہی ہے اور یہی بہتر معلوم ہوتا ہے اور محل دفن میں بھی اختلاف ہے بعض نے کہا کہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہوں اور ہندوانی نے کہا کہ ان
کے لیے قبرستان علیحدہ بنا دیا جاوے کہ زیادہ احتیاط اسی میں ہے کذا فی الحموی کدفن ذمیۃ حبلی من مسلم قالوا والاحوط دفنہا علحدۃ ویجعل
ظہرہا الی القبلۃ لان وجہ الولد لظہرہا اختلاف ہے دفن میں اس ذمی کتابیہ کے جو کسی مسلمان سے حاملہ ہو فقہا نے فرمایا کہ زیادہ احتیاط ہے اس
کا دفن کرنا علیحدہ اور کی جاوے اس کی پشت قبلہ کی طرف اس وجہ سے کہ بچہ کا منہ ماں کی پشت کی جانب ہے ہم یعنی بچہ بسبب تبعیت
اپنے باپ کے مسلمان ہے تو دفن میں اس کا لحاظ ہوگا کہ ایسی طرح دفن ہو کہ بچہ کا منہ قبلہ کی طرف رہے شامی نے کہا کہ اختلاف اس
صورت میں ہے کہ بچہ میں جان پڑگئی ہو اور اگر جان نہ پڑی ہو یعنی حمل چار مہینے سے کم کا ہو تو بالاتفاق . . . . کفار کے قبرستان میں
دفن کی جاوے ماتت بین رجال او ہو بین نساء یممہ المحرم فان لم یکن فالاجنبی بخرقۃ ایک عورت مرگئی درمیان مردوں کے یا مرد عورتوں میں
تو مردہ کو محرم تیمم کرادے یعنی مردہ عورت کو مرد محرم تیمم کرادے اور مرد میت کو عورت محرم تیمم کرادے اور اگر محرم نہ ہو تو اجنبی ہتھیلی سے تیمم
کرادے یعنی اگر مردوں میں عورت کا محرم نہ ہو یا عورتوں میں مرد کی کوئی محرم نہ ہو تو اجنبی مرد یا عورت ہاتھ کو کپڑا لپیٹ کر مردہ کو تیمم کرادے
ویمم الخنثی المشکل لو مراہقا والا فکغیرہ فیغسلہ الرجال والنساء اور تیمم کرایا جاوے خنثی مشکل اگر قریب بالغ ہونے کے ہو اور اگر قریب البلوغ
نہ ہو تو وہ مثل اور بچوں کے ہے اس کو مرد خواہ عورتیں غسل دلویں یعنی بچہ ہونے کی صورت میں اس کے اعضا کو حکم برہنگی کا نہیں یمم لفقد
ماء وصلی علیہ ثم وجدوہ غسلوہ وصلوا ثانیا وقیل لا مردہ کو تیمم کرایا گیا بسبب نہ ہونے پانی کے اور اس پر نماز پڑھی گئی پھر لوگوں کو پانی ملا تو مردہ
کو نہلاویں اور نماز دوبارہ پڑھیں اور ایک قول یہ ہے کہ غسل نہ دیں اور نہ نماز کا اعادہ کریں ہم بعد تیمم و نماز کے پانی ملنے میں امام ابو یوسف کے
نزدیک غسل و نماز دونوں چاہییں اور امام صاحب کے نزدیک صرف غسل دیا جائے اور شرح منیہ میں ہے کہ زندہ کے لحاظ سے نہ غسل چاہیے نہ نماز
یعنی جیسے زندہ آدمی پانی نہ ملنے سے تیمم کر کے نماز پڑھ لے پھر پانی پاوے تو وہ نماز کا اعادہ نہیں کرتا ایسا ہی یہاں بھی چاہیے شامی نے کہا
کہ قول راجح موافق اصول کے یہی ہے ویسن فی الکفن لہ ازار وقمیص ولفافۃ وتکرہ العمامۃ للمیت فی الاصح مجتبی واستحسنہا
المتاخرون للعلماء والاشراف اور مسنون ہے کفن میں مرد کے واسطے تین کپڑے ایک ازار یعنی چادر سر سے لے کر پاؤں تک اور ایک قمیص
یعنی کفنی گردن سے لے کر پاؤں تک بدون آستین کے اور ایک پوٹ کی چادر اور مکروہ ہے پگڑی میت کے لیے صحیح تر قول میں کذا فی المجتبی
اور اچھا جانا ہے اس کو پچھلے فقہا نے علما اور سادات کے واسطے ہم اصل کفن دینا فرض کفایہ ہے اور تین کپڑوں کا کفن دینا مسنون ہے
اور محیط میں ہے کہ پگڑی کسی حال میں باندھی نہ جائے خواہ عالم ہو یا سید اور زاہدی نے کہا کہ اصح یہی ہے کہ عمامہ ہر حال میں مکروہ ہے
کذا فی الشامی ولا باس بالزیادۃ علی الثلثۃ اور کچھ مضائقہ نہیں تین کپڑوں سے زیادہ کرنے کا ہم یہ مسئلہ غایۃ البیان میں مرقوم ہے مگر مجتبی میں

ہے کہ زائد کرنا تین سے مکروہ ہے کذا فی الطحطاوی ویحسن الکفن لحدیث حسنوا اکفان الموتی فانہم تیزاورون فیما بینہم ویتفاخرون بحسن اکفانہم ظہیریۃ
اور اچھا کیا جاوے کفن بسبب اس حدیث کے کہ اچھا کرو مردوں کے کفنوں کو کہ وہ آپس میں ملاقات کرتے ہیں اور اپنے کفنوں کے اچھا ہونے
سے فخر کرتے ہیں یعنی خوش ہوتے ہیں اس وجہ سے کہ کفن موافق سنت کے ملا کذا فی الظہیریہ م اچھے کفن دینے سے مراد کفن مثل ہے یعنی جیسے
کپڑے جمعہ اور عیدین پہنتا تھا ویسے کا کفن سفید اور ستھرا دینا چاہیے یہ مراد نہیں کہ بھاری دام کا ہو کیونکہ اس سے ابوداؤد کی حدیث میں
ممانعت آئی ہے کذا فی الشامی ولہا درع ای قمیص وازار وخمار ولفافۃ وخرقۃ تربط بہا ثدیاہا وبطنہا اور عورت کے واسطے کفن
میں مسنون پانچ کپڑے ہیں ایک درع یعنی قمیص اور ایک ازار اور ایک اوڑھنی اور ایک پوٹ کی چادر اور ایک سینہ بند جس سے عورت
کی چھاتیاں اور پیٹ باندھا جاوے م قہستانی میں درع اور قمیص میں یہ فرق لکھا ہے کہ درع یعنی عورت کی کفنی کا گریبان چھاتی کی طرف ہوتا
ہے اور مرد کی کفنی کا گریبان مونڈھوں کی طرف اور اوڑھنی کی مقدار تین ذراع ہے اور سینہ بند چھاتی سے رانوں تک کذا فی الشامی وکفایۃ
لہ ازار ولفافۃ فی الاصح ولہا ثوبان وخمار ویکرہ اقل من ذلک اور کفن کفایہ مرد کے واسطے دو چادریں ہیں صحیح تر قول میں اور عورت
کے واسطے دو کپڑے اور ایک اوڑھنی اور اس قدر سے کمتر کفن دینا باوجود قدرت کے مکروہ ہے م مرد کو دو کپڑے اس لیے کفایت ہوئے کہ
حالت حیات میں ادنی لباس مرد کا دو ہی کپڑے ہوتے ہیں اور اسی لیے اگر دو کپڑوں میں نماز پڑھے گا تو بلا کراہت درست ہوگی بحرالرائق میں
کہا کہ مناسب یہ ہے کہ تعیین دو کپڑوں کی نہ کی جائے یعنی خواہ دو چادریں ہوں خواہ کفنی اور چادر ہو کفن کفایہ میں کافی ہونی چاہیے اور عورت
کے دو کپڑوں کا نام نہ لیا کہ کفنی اور چادر ہو یا دو چادریں ہوں اس سے معلوم ہوا کہ عدم تعیین ہی مناسب ہے شامی نے کہا چونکہ مدار عورت کا
ستر پر ہے اس لیے سوائے اوڑھنی کے دو چادریں ہوں تو بہتر ہے کہ ان سے سر اور گردن چھپی رہے گی وکفن الضرورۃ لہما مایوجد واقلہ
مایعم البدن وعند الشافعی مایستر العورۃ کالحی اور کفن ضرورت مرد اور عورت کے لیے وہ ہے جو میسر ہو اور اس کی کمتر مقدار وہ ہے جو سارے
بدن پر آجاوے اور امام شافعی کے نزدیک اس کی مقدار اتنی ہے کہ برہنگی کو چھپاوے مثل زندہ کے م کل بدن کے چھپانے کی دلیل مصعب
بن عمیرؓ کا حال ہے کہ جب وہ احد کی لڑائی میں شہید ہوئے تو ان کے پاس بجز ایک چادر کے اور کچھ نہ تھا اور وہ اتنی تھی کہ اگر اس سے ان کا سر
ڈھانکتے تھے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں ڈھانکتے تو سر کھل جاتا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر ڈھانکنے کا حکم فرمایا اور
پاؤں کو گھاس سے چھپوا دیا تو اگر ستر عورت کافی ہوتا تو پاؤں پر گھاس ڈالنے کا حکم نہ ہوتا کذا فی الطحطاوی تبسط اللفافۃ اولا ثم یبسط
الازار علیہا ویقمص ویوضع علی الازار ویلف یسارہ ثم یمینہ ثم اللفافۃ کذلک لیکون الایمن علی الایسر کفن دینے کی صورت یہ ہے کہ بچھائی
جائے اول پوٹ کی چادر پھر اس پر دوسری چادر اور مردہ کو قمیص پہنا کر دوسری چادر پر رکھا جائے اور اس کا بایاں پلہ لپیٹ کر داہنا پلہ
لپیٹیں پھر پوٹ کی چادر اسی طرح کہ اول بائیں طرف مردہ پر لپیٹیں تاکہ داہنے جانب بائیں کے اوپر رہے وہی تلبس الدرع وتجعل شعرہا ضفیرتین علی
صدرہا فوقہ ای الدرع والخمار فوقہ ای الشعر تحت اللفافۃ ثم یفعل کما مر اور عورت کو کفنی پہنا کر اسکے بال دو حصہ کر کے سینہ پر کفنی کے اوپر رکھ دیئے جائیں اور بالوں کے

اوپر اور چادروں کے نیچے اوڑھنی کی جاوے پھر کیا جاوے جیسا گذرا یعنی ہر ایک چادر جدا جدا اس پر لپیٹی جائے اس طرح کہ بائیں جانب نیچے ہو اور داہنی اوپر
م شارح نے سینہ بند کو ذکر نہیں کیا کہ کہاں ہونا چاہیے سو بحرالرائق میں تو یہ لکھا ہے کہ پوٹ کی چادر کے اوپر چاہیے تاکہ کفن کھلنے نہ پائے
اور جوہرہ میں یہ ہے کہ اول ازار لپیٹیں اس کے اوپر سینہ بند باندھیں اس کے اوپر پوٹ کی چادر لپیٹیں اور یہی ظاہر ہے کذا فی الطحطاوی
ویعقد الکفن ان خیف انتشارہ اور کفن باندھ دیا جاوے اگر خوف ہو اس کے کھل جانے کا وخنثی مشکل کامراۃ فیہ ای الکفن

اور خنثیٰ مشکل کفن کے باب میں مثل عورت کے ہے یعنی احتیاطاً اس کو پانچ کپڑے کا کفن دیا جاوے کہ اگر بالفرض مرد ہی ہو تب بھی زیادتی کا کچھ مضائقہ نہیں مگر حریر کا اور کسم اور زعفران کا رنگا ہوا کفن اس کو نہ دیا جاوے کذا فی الشامی والمحرم کالحلال والمراہق کالبالغ اور احرام والا مردہ مثل بے احرام کے ہے یعنی اس کا سر ڈھانکا جاوے اور اس کے کفن کو لبایا جاوے اور قریب البلوغ مثل بالغ کے یعنی مرد قریب البلوغ کو بالغ مرد کی طرح تین کپڑوں کا کفن دیا جاوے اور عورت کو پانچ کا ومن لم یراہق اذا کفن فی واحد جاز اور جو شخص کہ قریب البلوغ نہ ہو اگر کفن دیا جاوے ایک کپڑے میں تو درست ہے م حلیہ میں ہے کہ جو بچہ حد شہوت کو نہ پہنچا ہو اس کے لیے سب سے بہتر یہ ہے کہ بالغ کی طرح کفن دیا جائے اور اگر فقط دو کپڑوں کا دیا جائے تب بھی اچھا ہے اور ایک کا دیا جائے تو درست ہے کذا فی الشامی والسقط یلف ولا یکفن کالعضو من المیت اور پیٹ کا گرا بچہ ایک کپڑے میں لپیٹا جاوے اور کفن مسنون اس کو نہ دیا جاوے جیسے میت کا عضو اگر پڑا ملے تو اس کو بھی کپڑے میں لپیٹنا چاہیے اور کفن مسنون کی رعایت نہ کی جائے اور یہی حال اس بچے کا ہے جو مردہ پیدا ہو کذا فی الشامی وآدمی منبوش طری لم یتفسخ یکفن کالذی لم یدفن مرۃ بعد اخری اور جس آدمی مردہ کا کفن اتار لیا گیا ہو اور وہ تازہ مرا ہو یعنی پھٹا نہ ہو اس کو کفن دیا جائے مثل اس شخص کے کہ دفن نہ کیا گیا ہو یعنی تین کپڑوں کا کفن اس کو دینا چاہیے ہر دفعہ میں م اگر ایک بار کا کفن کسی نے چرا لیا تو دوبارہ دیں اور اگر دوبارہ بھی چوری ہو جائے تو سہ بارہ دیں علی ہذا القیاس جب تک وہ مردہ پھٹے نہیں تب تک کفن دیتے جائیں اس کے خاص مال سے اور اگر اس کا مال وارثوں میں بٹ گیا ہو تو ان سے مقدار کفن واپس لیا جائے کذا فی الشامی وان تفسخ کفن فی ثوب واحد اور اگر مردہ پھٹ گیا ہو تو اس کو ایک کپڑے میں کفن دیا جائے م اور یہی حال کافر مردہ کا ہے اگر اس کا کوئی محرم مسلمان ہو تو اس کو نہلا کر ایک کپڑے کا کفن دے کذا فی البدائع والی ہنا صار المکفنون احد عشر والثانی عشر الشہید ذکرہا فی المجتبیٰ اور یہاں تک کہ کفن والے شخص گیارہ ہوئے اور بارھواں شہید ہے ذکر کیا ہے ان کو مجتبیٰ میں م یعنی پانچ متن میں مذکور کیے اول مرد بالغ دوم عورت بالغ سوم خنثیٰ مشکل چہارم جس کا کفن چوری ہو گیا ہو اور تازہ مرا ہو پنجم جو مردہ پھٹ گیا ہو اور شارح نے چھ بیان کیے اول احرام والا دوم مراہق مرد سوم مراہق عورت چہارم بچہ غیر بالغ ششم پیٹ کا گرا بچہ یہ گیارہ ہوئے اور شامی نے دو اور زیادہ کیے یعنی جو بچہ مردہ پیدا ہوا اور کافر مردہ تو ان کو ملا کر تیرہ ہوئے اور شہید کے ساتھ چودہ ہوتے ہیں ولا باس فی الکفن ببرود وکتان وفی النساء بحریر ومزعفر ومعصفر لجوازہ بکل ما یجوز لبسہ حال الحیوۃ واحبہ البیاض او ما کان یصلی فیہ اور مضائقہ نہیں کفن میں یمنی چادروں اور کتان کے کپڑے کا اور عورتوں کے کفن میں ریشمی کپڑے اور زعفران اور کسم کے رنگے ہوئے کا بسبب درست ہونے کفن کے اس کپڑے سے جس کا پہننا حالت حیات میں جائز ہے اور سب سے بہتر کفن سفید ہے یا وہ رنگ جس میں مردہ نماز پڑھا کرتا تھا وکفن من لا مال لہ علی من یجب علیہ نفقتہ وان تعددوا فعلی قدر میراثہم اور جس مردے کا مال نہ ہو اس کا کفن اس شخص پر واجب ہے جس پر اس مردے کا نفقہ واجب ہے اور اگر ایسے شخص کئی ہوں تو کفن ان پر حصہ رسد موافق ان کی میراث کے ہوگا یعنی جس طرح ان پر نفقہ واجب ہے اسی حساب سے کفن واجب ہوگا چنانچہ تفصیل نفقہ کی باب النفقہ میں مذکور ہوگی کذا فی الشامی واختلف فی الزوج والفتوی علی وجوب کفنہا علیہ عند الثانی وان ترکت مالا خانیۃ ورجحہ فی البحر بانہ الظاہر لانہ ککسوتہا اور اس میں اختلاف ہے کہ شوہر پر اس کی زوجہ کا کفن واجب ہے یا نہیں اور فتویٰ شوہر پر زوجہ کے کفن کے واجب ہونے کا ہے امام ابو یوسف کے نزدیک اگرچہ عورت نے مال چھوڑا ہو کذا فی الخانیہ اور ترجیح دی ہے بحر الرائق میں کہ یہی ظاہر ہے اس لیے کہ کفن مثل زوجہ کے لباس کے ہے م اس باب میں فتویٰ مختلف ہے تجنیس اور شرح مجمع میں ہے کہ اگر عورت کا مال نہ ہو تو کفن زوج پر ہے

اور اسی پر فتویٰ ہے اور شرح مجمع جو خود مصنف مجمع کی ہے اس میں یہ ہے کہ اگر عورت کے پاس مال نہ ہو اور شوہر مالدار ہو تو اسی پر اس کا کفن واجب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور خانیہ میں بلا قید فتویٰ مذکور ہے یعنی عورت کے پاس مال ہو یا نہ ہو اور شوہر مفلس ہو یا مالدار ہر صورت میں اس کا کفن شوہر پر واجب ہے اور اصل اس میں یہ ہے کہ جس شخص پر مردہ کے نفقہ کیلئے حالت حیات میں جبر کیا جاتا ہے اس پر وفات کے بعد کفن کے لئے جبر ہوگا کذا فی الشامی مختصراً **وان لم یکن ثمہ من تجب علیہ نفقتہ ففی بیت المال فان لم یکن بیت المال معموراً او منتظماً فعلی المسلمین تکفینہ فان لم یقدروا سألوا الناس لہ ثوباً فان فضل شیء رد للمتصدق ان علم والا کفن بہ مثلہ والا تصدق بہ مجتبی ظاہرہ انہ لا یجب علیہم الا سوال کفن الضرورۃ لا الکفایۃ** اور اگر وہاں ایسا شخص نہ ہو جس پر مردہ کا نفقہ واجب ہو تو مردہ کا کفن بیت المال میں ہوگا اور اگر بیت المال میں روپیہ یا جنس نہ ہو یا ہو مگر انتظام کے ساتھ نہ ہو یعنی جن مصارف میں اس کا صرف ہونا چاہیے ان میں صرف نہ ہوا ہو تو کفن مسلمانوں پر واجب ہوگا یعنی جن کو مردہ کا حال معلوم ہوگا ان پر کفن دینا اس کا واجب ہوگا اور اگر ان سے بسبب مفلسی کے نہ ہو سکے تو وہ مالدار آدمیوں سے اس کے لیے کپڑا مانگیں پھر اگر اس کپڑے سے کچھ باقی بچے تو صدقہ دینے والے کو واپس کر دیں اگر معلوم ہو کہ فلاں شخص نے یہ کپڑا دیا تھا اور اگر معلوم نہ ہو یا وہ واپس نہ لے تو اس باقی کپڑے سے اس مردہ کی طرح اور مفلس کو کفن دیں اور اگر کوئی اور مردہ اس طرح کا نہ ملے تو اس کپڑے کو خیرات کر دیں کذا فی المجتبی اور ثوباً کہنے سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقف کاروں پر صرف کفن ضرورت کا مانگنا واجب ہے نہ کفن کفایت کا طحطاوی نے کہا کہ کفن دینا فرض کفایہ ہے اگر واقف کار نہ دیں گے تو سب گنہگار ہوں گے **ولو کان فی مکان لیس فیہ الا واحد وذلک الواحد لیس لہ الا ثوب لا یلزمہ تکفینہ بہ** اور اگر مردہ ایسی جگہ ہو جس میں صرف ایک شخص ہو اور اس ایک کے پاس بھی سوا ایک کپڑے کے دوسرا نہ ہو تو اس پر لازم نہیں کفن دینا اس مردہ کا اس کپڑے سے کیونکہ زندہ زیادہ حاجتمند ہے **ولا یخرج الکفن عن ملک المتبرع** اور کفن احسان کرنے والے کی ملک سے خارج نہیں ہوتا تو اگر مردہ کو مثلاً کوئی درندہ کھا جاوے تو اس کا کفن اصل مالک کو پہنچے گا مردہ کا وارث نہیں پا سکتا کذا فی الشامی **والصلوۃ علیہ صفتہا فرض کفایۃ بالاجماع فیکفر منکرہا لانہ انکر الاجماع فتنبیہ کدفنہ وغسلہ وتجہیزہ فانہا فرض کفایۃ** اور جنازہ کی نماز کا حال یہ ہے کہ وہ فرض کفایہ ہے بسبب اجماع کے تو کافر ہوگا اس کا انکار کرنے والا اس لیے کہ اس نے انکار کیا اس امر کا جو اجماع سے ثابت ہے تو آگاہ رہنا جیسے مردہ کا دفن کرنا اور اس کا نہلانا اور سامان دینا کہ یہ چیزیں بھی فرض کفایہ ہیں م شارح و ماتن نے نماز کی صفت اور شرطیں اور رکن اور سنتیں اور اس کی کیفیت اور اس کے لیے زیادہ مستحق شخص کا بیان کیا مگر سبب وجوب اور وقت اور مفسد کا ذکر نہیں کیا پس سبب نماز جنازہ کے واجب ہونے کا مسلمان مردہ ہے اور وقت اور نماز کا حاضر ہونا جنازہ کا ہے اور جو چیز اور نمازوں کی مفسد ہے وہی اس نماز کی مفسد ہے بجز عورت کی برابری کے کہ وہ نماز جنازہ کی مفسد نہیں اور مکروہ وقتوں میں نماز مکروہ ہے اگر امام اس میں بے وضو ہو جاوے تو اس کو خلیفہ کرنا درست ہے کذا فی الشامی **وشرطہا ستۃ اسلام المیت وطہارتہ مالم یہل علیہ التراب فیصلی علی قبرہ بلا غسل وان صلی علیہ اولا استحسانا** اور شرطیں نماز جنازہ کی چھ ہیں اول مسلمان ہونا مردہ کا دوم اس کا پاک ہونا یعنی اس کے بدن اور کپڑے اور مکان کا پاک ہونا اور طہارت اس وقت تک شرط ہے کہ اس کو مٹی نہ دی جائے اور مٹی دینے کے بعد اس کی قبر پہ نماز پڑھی جائے بدون غسل کے اگرچہ پیشتر نماز پڑھی گئی ہو قبر پہ نماز پڑھنا بوجہ استحسان کے ہے م وجہ استحسان کی یہ ہے کہ اول نماز چونکہ بدون طہارت ہوئی تھی باوجود قدرت کے اس لیے جائز نہ ہوئی اور اب دفن کر دینے کے سبب سے طہارت متعذر ہے اس لیے قبر پر نماز درست ہوگی کذا فی الطحطاوی **وفی القنیۃ الطہارۃ من النجاسۃ فی ثوب وبدن ومکان وستر العورۃ تشترط فی حق المیت والامام جمیعا فلو ام بلا طہارۃ والقوم بہا اعیدت وبعکسہ لا** اور قنیہ میں ہے

کو طہارت نجاست سے کپڑے اور بدن اور مکان کی اور چھپانا برہنگی کا شرط ہے میت اور امام دونوں کے حق میں پس اگر امام ہوا بدون
طہارت کے اور مقتدی طہارت کے ساتھ ہوں تو نماز پھر پڑھی جاوے اور اس کے عکس میں یعنی مقتدی بے وضو ہوں اور امام وضو
سے اعادہ نہ کیا جائے اس لیے کہ صرف امام کی نماز سے سب کے ذمہ سے فرض ساقط ہو جائے گا اور پہلی صورت میں امام کی نماز پر
اوروں کی نماز مبنی تھی جب اس کی نہ ہوئی تو کسی کی نہ ہوئی م طہارت مکان سے غرض چارپائی کا پاک ہونا ہے اگر مردہ چارپائی پر ہو اور
اگر زمین پر ہو تو زمین کا پاک ہونا مراد ہے اور کپڑے اور بدن ابتدا میں پاک ہونا شرط ہے تو اگر بعد کفن کے مردہ سے نجاست نکل کر کفن
ناپاک ہو جائے یا بدن مردہ کا نجس ہو جائے تو دفع حرج کے لیے یہ نجاست مانع نماز نہیں ہاں اگر پہلے سے ناپاک کپڑے کا کفن دیا جائے
گا تو نماز درست نہ ہوگی کذا فی الطحطاوی کما لو امت امراۃ ولو امۃ لسقوط فرضہا بواحد جیسے اگر امام ہوئی عورت نماز جنازہ میں اگرچہ
لونڈی ہو تو نماز کا اعادہ نہ کیا جائے بسبب ساقط ہونے فرض نماز کے ایک شخص سے یعنی نماز جنازہ ایک مرد یا عورت کے پڑھنے سے
فرض ساقط ہو جاتا ہے تو اگر عورت امام ہوگی مرد کی تو مرد کی نماز نہ ہوگی اور عورت کی نماز سے فرض ساقط ہو جائے گا ولقی من الشروط بلوغ
الامام تامل وشرطہا حضورہ ووضعہ وکونہ ہو او اکثرہ امام المصلی وکونہ للقبلۃ اور باقی رہا شرطوں میں سے بالغ ہونا امام کا اس کو سوچ لے
یعنی یہ تیسری شرط ہے اور چوتھی شرط موجود ہونا مردہ کا ہے اور پانچویں شرط مردہ کا رکھا جانا ہے زمین پر خواہ ہاتھوں پر زمین سے قریب کذا فی
الطحطاوی اور چھٹی شرط یہ ہے کہ مردہ بالکل یا اکثر نمازی کے سامنے ہو قبلہ کی جانب م اگر مردہ کی ستر عورت اور قبلہ کی طرف ہونے کو جدا شرط ٹھہرایا
جائے تو شرطیں آٹھ ہو جائیں گی اور امام کی ستر عورت اور طہارت کو اگر زیادہ کرو تو دس ہوں گی پھر سامنے ہونا مردہ کا امام کے حق میں شرط ہے
جب کہ مردہ ایک ہو اور اگر زیادہ ہوں تو سب کا سامنے ہونا شرط نہیں ایک کا ہونا کافی ہے کذا فی الشامی فلا تصح علی غائب ومحمول علی نحو
دابۃ وموضوع خلفہ لانہ کالامام من وجہ دون وجہ لصحتہا علی الصبی پس نہیں درست ہے نماز اوپر مردہ غائب کے بسبب نہ پائے جانے شرط
موجودگی کے اور نہ اس پر جو اٹھایا ہو مثل سواری پر یعنی کسی گاڑی یا جانور یا لوگوں کے مونڈھوں پر ہو بسبب نہ پائے جانے شرط رکھے جانے
کے زمین پر اور نہ اس پر جو رکھا ہوا ہو نمازی کے پیچھے کیونکہ مردہ مثل امام کے ہے ایک طرح سے نہ دوسری سے بسبب صحیح ہونے نماز کے لڑکے پر
م یعنی اس لحاظ سے کہ مردہ کا پاک ہونا اور مسلمان ہونا اور قبلہ کی طرف ہونا اور ستر عورت شرط ہے مردہ مثل امام کے ہے اور ہر وجہ سے امام نہیں کیونکہ
اگر ہر وجہ سے امام ہوتا تو لڑکے پر نماز درست نہ ہوتی اس لیے کہ لڑکا قابل امام ہونے کے نہیں طحطاوی نے کہا کہ شرط اسلام سے معلوم ہوا کہ کافر پر
نماز درست نہیں اور طہارت کی شرط سے معلوم ہوا کہ غیر طاہر پر درست نہیں اور ستر عورت کی شرط سے معلوم ہوا کہ ننگے مردہ پر درست نہیں
اور بلوغ امام کی شرط سے پایا گیا کہ لڑکے کی امامت درست نہیں وصلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی النجاشی لغویۃ او خصوصیۃ اور نماز پڑھنا آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا نجاشی پر لغوی ہے یا خاص ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے م یعنی یا تو صلوۃ کے معنی صرف دعا کے لیے جائیں یا یہ نماز
غائب پر آپ کے خواص سے ہے نجاشی بکسر نون وفتح جیم بلا تشدید ویاء مخففہ حبشہ کا بادشاہ جس کا نام اصحمہ تھا اس کی خبر مرگ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے معلوم ہوئی آپ نے اصحاب کو خبر دی اور ان کے ساتھ اس پر نماز پڑھی شامی نے کہا کہ لغوی معنی لینے بعید ہیں بلکہ
یا تو اس نماز کو آپ کے خواص سے کہا جائے یا یہ کہ جنازہ آپ کے سامنے کر دیا گیا ہو کہ آپ دیکھتے ہوں اور دوسروں کو نظر نہ آتا ہو وصحت
لو وضعوا الرأس موضع الرجلین واساؤا ان تعمدوا اور نماز جنازہ درست ہے اگر لوگوں نے سر کو ٹانگوں کی جگہ رکھ دیا ہو اور انھوں نے برا کیا
اگر دانستہ جنازہ کو الٹا رکھا یعنی سر جنازہ کا امام کے داہنے ہاتھ چاہیے اگر بائیں ہاتھ رکھ کر پڑھیں گے تو مکروہ تنزیہی ہے کذا فی الطحطاوی ولو

اخطاؤا القبلۃ صحت ان تحروا والا لا مفتاح السعادۃ اور اگر چوک گئے قبلہ کو یعنی اور طرف کو نماز جنازہ پڑھی تو درست ہوگی اگر قبلہ کی اٹکل کی ہوگی اور اگر بلا اٹکل پڑھی ہوگی تو درست نہ ہوگی کیونکہ اشتباہ قبلہ کی صورت میں اٹکل کرنا فرض ہے ورکنہا شیئان التکبیرات الاربع فالاولی رکن ایضا لا شرط فلذا لم یجز بناء اخری علیہا والقیام فلم تجز قاعدا بلا عذر اور نماز جنازہ کے رکن دو چیزیں ہیں اول چاروں تکبیریں دوم کھڑا ہونا شارح نے کہا کہ اس سے معلوم ہوا کہ پہلی بار اللہ اکبر کہنا بھی رکن ہے شرط نہیں اور اسی وجہ سے جائز نہیں دوسرے تکبیر کی بنا اول اللہ اکبر کہنے پر اور جب کھڑا ہونا رکن ہوا تو نماز جنازہ بیٹھ کر بدون عذر کے صحیح نہ ہوگی م پہلے مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ امام نے اول اللہ اکبر کہا پھر اس تکبیر سے نیت دوسرے اللہ اکبر کی بھی کر لی تو نماز صحیح نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں صرف تین دفعہ اللہ اکبر کہے گا اور یہ جائز نہیں کذا فی الطحطاوی وسنتہا ثلثۃ التحمید والثناء والدعاء فیہا ذکرہ الزاہدی وغیرہ وما فہمہ الکمال من ان الدعاء رکن والتکبیرۃ الاولی شرط ردہ فی البحر بتصریحہم بخلافہ اور سنتیں اس نماز کی تین ہیں حمد و ثنا کرنا اور نماز میں دعا کرنا ذکر کیا ہے اس کو زاہدی وغیرہ نے اور جو کچھ کمال الدین محقق نے سمجھا ہے کہ دعا رکن ہے اور تکبیر اولی شرط ہے اس کو بحر الرائق میں رد کیا ہے بسبب تصریح کرنے فقہا کے اس کے خلاف پر م شارح کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ ثنا اور چیز ہے اور تحمید دوسری چیز حالانکہ تفسیر ثنا کی خود آگے کرے گا کہ سبحانک اللہم وبحمدک کہے اس سے معلوم ہوا کہ دونوں سے مراد ایک ہی چیز ہے تو مناسب تھا کہ یوں ذکر کرتا کہ تیسری سنت درود ہے اور چونکہ نماز جنازہ کی حقیقت اور مقصود دعا ہے اس لیے کمال نے دعا کو رکن کہا اور تکبیر اولی کو تحریمہ کے واسطے ہونے کی وجہ سے شرط کہا بحر الرائق میں کہا کہ یہ قول فقہا کی تصریح کے خلاف ہے چنانچہ محیط میں مصرح ہے کہ دعا سنت ہے اور سب فقہا کہتے ہیں کہ نماز جنازہ میں مسبوق لگاتار تکبیریں کہہ لے درود و دعا کو ترک کر کے اگر دعا رکن ہوتی تو مسبوق اس کو کس طرح ترک کرتا اور تکبیر اولی اگر شرط ہوتی تو دوسری تکبیر کی بنا اس پر نا جائز کیوں ہوتی شامی نے کہا کہ شارح باب شروط الصلوٰۃ میں میت کے لیے دعا کرنا نمازی پر واجب کہہ چکا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ کمال کا قول دعا کے باب میں درست ہے اور تکبیر اولی کے باب میں قول فیصل یہ ہے کہ من وجہ شرط ہے اور من وجہ رکن انتہی وہی فرض علی کل مسلم مات خلا اربعۃ بغاۃ وقطاع طریق فلا یغسلون ولا یصلی علیہم اذا قتلوا فی الحرب ولو بعدہ صلی علیہم لانہ حد او قصاص وکذا اہل عصبۃ ومکابر فی مصر لیلا بسلاح وخناق خنق غیر مرۃ فحکمہم کالبغاۃ اور نماز جنازہ فرض ہے ہر مسلمان پر جو مر جاوے سوا چار شخصوں کے اول قوم باغی جو امام کی اطاعت سے خارج ہو جائیں دوم راہزن کہ نہ نہلائے جائیں اور نہ ان پر نماز پڑھی جاوے جبکہ لڑائی میں مارے جاویں اور اگر بعد وقت جنگ کے مارے جائیں تو ان پر نماز پڑھی جائے اس لیے کہ یہ قتل یا حد ہے یا قصاص[1] اور جو شخص حد یا قصاص میں مارا جاتا ہے تو نہلایا جاتا ہے اور نماز پڑھی جاتی ہے شامی نے کہا کہ اگر یہ لوگ اپنی موت سے مریں گرفتار ہونے سے پیشتر یا بعد تب بھی نماز پڑھی جائے گی اور مثل باغیوں کے ہیں اہل عصبہ جو اپنی قوم کی حمایت اور اعانت ظلم پر کریں اور تیسرا شخص مکابر ہے شہر میں رات کو ہتھیار سے اور چوتھا گلا گھونٹنے والا جس نے کئی بار گلا گھونٹا ہو تو اگر اہل عصبہ اعانت کرتے میں اور مکابر اور گلا گھونٹنے والا مقابلے میں مارا جائے تو ان کا حکم مثل باغیوں کے ہے ان پر نماز نہ پڑھی جائے م مکابر وہ شخص ہے کہ کسی جگہ میں کھڑا ہو جائے اور جو اس طرف کو نکلے اس کا مال چھین لے کذا فی الشامی من قتل نفسہ ولو عمدا یغسل ویصلی علیہ بہ یفتی وان کان اعظم وزرا من قاتل غیرہ ورجح الکمال قول الثانی بما فی مسلم انہ علیہ السلام اتی برجل قتل نفسہ فلم یصل علیہ جو شخص کہ اپنے آپ کو قتل کرے اگرچہ

لہ بعض نسخوں میں فلا یغسلوا بدون نون کے ہے طحطاوی نے کہا کہ صحیح نون کے ساتھ ہے ۱۲ [1] قصاص اس صورت میں ہوگا کہ حد ساقط ہو مثلاً کوئی شخص رہزنی اپنے محرم پر کرے ۱۲

جان بوجھ کر ہو تو وہ نہلایا جاوے اور اس پر نماز پڑھی جاوے اسی پر فتوی ہے اگرچہ قاتل اپنے نفس کا زیادہ گنہگار ہے بہ نسبت غیر کے قاتل کے اور ترجیح دی کمال نے امام ابو یوسف کے قول کو اس روایت سے جو صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا جس نے خودکشی کی تھی تو آپ نے اس پر نماز نہ پڑھی م امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ اپنے نفس کے قاتل کو نہلایا جاوے اور نماز نہ پڑھی جاوے اور اسی کو کمال الدین نے راجح کہا ہے بسبب حدیث کے شامی نے کہا کہ اس حدیث میں کوئی دلالت اس بات کی نہیں کہ اس پر کسی نے نماز نہ پڑھی ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نہ پڑھی تو شاید زجر و توبیخ کے لیے ہو جیسے مقروض پر نہیں پڑھی تھی غرضکہ اس مسئلہ میں تصحیح مختلف ہے لا یصلی علی قاتل احد ابویہ اہانۃ لہ والحقہ فی النہر بالبغاۃ اور جس نے اپنے والدین میں سے ایک کو مار ڈالا ہو اس پر نماز نہ پڑھی جاوے اس کی اہانت کے واسطے اور لاحق کیا ہے اس کو نہر الفائق میں باغیوں کے ساتھ یہ قاتل پانچواں شخص نہیں انھیں چاروں میں داخل ہے جو اوپر مذکور ہوئے کذا فی الطحطاوی وہی اربع تکبیرات کل تکبیرۃ قائمۃ مقام رکعۃ یرفع یدیہ فی الاولی فقط وقال ائمۃ بلخ فی کلھا ویثنی بعدہا وہو سبحانک اللہم وبحمدک ویصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما فی التشہد بعد الثانیہ لان تقدیمہا سنۃ الدعاء ویدعو بعد الثالثۃ بامور الاٰخرۃ والماثور اولی اور نماز جنازہ چار تکبیریں ہیں ہر تکبیر قائم مقام ایک رکعت کے ہے اٹھاوے دونوں ہاتھ اپنے فقط پہلے بار اللہ اکبر کہنے میں اور بلخ کے فقہا نے کہا کہ سب تکبیروں میں ہاتھ کانوں تک اٹھاوے اور ائمہ ثلٰثہ کا یہی قول ہے اور ایک روایت امام اعظم سے بھی ہے مگر قول اول ظاہر الروایت ہے کذا فی الشامی اور بعد پہلی تکبیر کے ثنا پڑھے اور ثنا یہ ہے سبحانک اللہم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک وجل ثناء ک ولا الہ غیرک پھر دوسری تکبیر کہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے دوسری تکبیر کے بعد جیسے التحیات میں یعنی وہ درود پڑھنا چاہیے جو التحیات میں پڑھتے ہیں اس لیے کہ مقدم کرنا درود کا دعا کی سنت ہے اور دعا مانگے بعد تیسری تکبیر کے امور آخرت کی اور وہ دعا جو حدیث میں ہے بہتر ہے م دعا حدیث کی یہ ہے (اللہم اغفر لحینا ومیتنا وشاہدنا وغائبنا وصغیرنا وکبیرنا وذکرنا وانثانا اللہم من احییتہ منا فاحیہ علی الاسلام ومن توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان اور عوف بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازے پر یہ دعا پڑھی اللہم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم منزلہ ووسع مدخلہ واغسلہ بالماء والثلج والبرد ونقہ من الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس وابدلہ دارا خیرا من دارہ واہلا خیرا من اہلہ وزوجا خیرا من زوجہ وادخلہ الجنۃ واعذہ من عذاب القبر وعذاب النار کذا فی الطحطاوی تو اگر نمازی ان دونوں کو پڑھ لے تو بہت اچھا ہو اور جس کو دعائے حدیث یاد نہ ہو وہ یوں کہے اللہم اغفر لنا ولوالدینا ولہ وللمومنین والمومنات کذا فی المنح وقدم فیہ الاسلام مع انہ الایمان لانہ منبئ عن الانقیاد فکانہ دعاء فی حال الحیوۃ بالایمان والانقیاد واما فی حال الوفاۃ فالانقیاد وہو العمل غیر موجود اور مقدم کیا گیا دعائے حدیث میں اسلام ایمان پر باوجودیکہ اسلام ایمان ہے اس لیے کہ اسلام خبر دیتا ہے فرمانبرداری سے تو گویا حالت حیات میں دعا ایمان اور انقیاد دونوں کی ہے اور حالت موت میں فرمانبرداری موجود نہیں م اسلام کے معنی ایک شرعی ہیں اور ایک لغوی شرعی معنے اسلام کے اور ایمان کے ایک ہیں اور لغت میں اسلام فرمانبرداری کو کہتے ہیں تو شارح حکمت اسلام کے مقدم کرنے کی بیان کرتا ہے کہ زندگی میں اسلام کی دعا اس لیے ہوئی کہ

لہ یا اللہ بخش دے اس کو اور رحم کر اس پر اور معاف کر اس کو اور درگذر کر اس سے اور بزرگ کر اس کے اترنے کی جگہ اور وسیع کر اس کے داخل ہونے کی جگہ اور دھو اس کو پانی اور برف اور اولے سے اور صاف کر اس کو گناہوں سے جیسا صاف ہوتا ہے سفید کپڑا میل سے اور بدل دے اس کو گھر بہتر اس کے گھر سے اور اہل بہتر اس کے اہل سے اور جوڑا بہتر اس کے جوڑے سے اور داخل کر اس کو جنت میں اور پناہ دے اس کو قبر کے عذاب اور دوزخ کے عذاب سے ۱۲

لہ یا اللہ بخش دے ہم کو اور ہمارے ماں باپوں کو اور اس کو اور سب مومن مردوں اور عورتوں کو ۱۲

حالت حیات کو دونوں معنی سے مناسبت ہے اور حالت موت میں چونکہ بجز تصدیق قلبی کے عمل ممکن نہیں اس لیے اس وقت میں ایمان کی درخواست
مناسب ہوئی کذا فی الشامی مختصرا ویسلم بلا دعاء بعد الرابعۃ بتسلیمتین ناویا المیت مع القوم اور سلام پھیرے بعد چوتھی تکبیر کے بدوں دعا
کے دو سلام یعنی داہنی اور بائیں طرف نیت کرنے والا مردہ کو مع مقتدیوں کے م خانیہ میں کہا کہ سلام میں مردہ کی نیت نہ کرے کیونکہ مردہ
مخاطب سلام کا نہیں ہو سکتا لیکن خیر الدین رملی نے کہا کہ نیت کرے اس لیے کہ آخر قبرستان میں السلام علیکم کہتے ہی ہیں پھر کیا وجہ کہ
مردہ مخاطب سلام کا نہ ہو کذا فی الشامی ویسر الکل الا التکبیر زیلعی وغیرہ لکن فی البدائع العمل فی زماننا علی الجہر بالتسلیم وفی جواہر الفتاوی
یجہر بواحدۃ اور ان سب باتوں کو آہستہ پڑھے سوا اللہ اکبر کہنے کے ایسا ہے زیلعی وغیرہ میں لیکن بدائع میں ہے کہ عمل ہمارے زمانے میں
اس پر ہے کہ سلام پکار کر کہتے ہیں اور جواہر الفتاوی میں ہے کہ ایک سلام کو پکار کر کہے یعنی دوسرے کو آہستہ کہے ولا قرأۃ ولا تشہد فیہا
وعین الشافعیؒ الفاتحۃ فی الاولی ویجوز عندنا بنیۃ الدعاء وکرہ بنیۃ القرأۃ لعدم ثبوتہا فیہا عنہ علیہ السلام اور نماز جنازہ میں نہ قرأت قرآن ہے
نہ التحیات اور معین کیا ہے امام شافعیؒ نے الحمد کو بعد تکبیر اولی کے اور جائز ہے ہمارے نزدیک الحمد پڑھنا دعا کی نیت سے بعد تکبیر اولی کے اور اس
صورت میں قائم مقام ثنا کے ہو جائے گی اور مکروہ تحریمی ہے قرأت کی نیت سے الحمد کا پڑھنا بسبب نہ ثابت ہونے قرائت الحمد کے نماز جنازہ میں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وافضل صفوفہا آخرہا اظہارا للتواضع اور نماز جنازہ کی سب صفوں میں بہتر پچھلی صف ہے بسبب ظاہر کرنے تواضع
کے م یعنی پچھلی صف میں انکسار زیادہ پایا جاتا ہے تو عجب نہیں کہ مردہ کے باب میں قبول شفاعت کا سبب زیادہ ہو جائے کذا فی الطحطاوی ولو کبر امامہ
خمسا لم یتبع لانہ منسوخ فیمکث المؤتم حتی یسلم معہ اذا سلم بہ یفتی ہذا اذا سمع من الامام ولو من المبلغ تابعہ وینوی الافتتاح بکل تکبیرۃ وکذا فی
العید اور اگر نمازی کا امام پانچ تکبیریں نماز جنازہ میں کہے تو وہ امام کی متابعت نہ کرے اس لیے کہ پانچویں بار اللہ اکبر کہنا منسوخ ہے تو مقتدی ٹھہر جائے
یہاں تک کہ امام کے ساتھ سلام پھیرے جب امام سلام پھیرے اسی پر فتوی ہے یہ حکم اس صورت میں ہے کہ مقتدی تکبیر امام کی سنے اور اگر مکبر سے
سنے تو اس کی متابعت کرے اور ہر تکبیر سے شروع کی نیت کرے اور یہی حال عید میں ہے کہ اگر امام سے تکبیریں سنے تو بعد چھ تکبیروں کے امام کی متابعت
نہ کرے اور اگر مکبر سے سنے تو اس قدر آپ کہے م یعنی ممکن ہے کہ مکبر سے غلطی ہوئی ہو اور امام نے مکبر کی دو ایک تکبیر کے بعد اللہ اکبر کہا ہو اس لیے ہر تکبیر
پر نیت شروع کی کرے تاکہ امام سے پہلے تکبیر نہ واقع ہو اور یہ جو شارح نے کہا کہ پانچ بار تکبیر کہنا منسوخ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ زیلعی نے کہا ہے کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی پر چار تکبیریں کہیں اور پھر وفات شریف تک چار ہی کہتے رہے تو معلوم ہوا کہ جن احادیث میں پانچ یا سات
یا نو تکبیریں ہیں وہ آپ کے آخر فعل سے منسوخ ہیں کذا فی الطحطاوی ولا یستغفر فیہا لصبی ومجنون ومعتوہ لعدم تکلیفہم اور نہ مغفرت
کی درخواست کی جائے نماز جنازہ میں لڑکے اور دیوانہ اور بے عقل کے لیے بسبب نہ مکلف ہونے ان لوگوں کے م شامی نے کہا کہ مجنون اور معتوہ
سے وہ مراد ہیں جو اصلی ہوں یعنی موت تک ان کے ہوش وعقل درست نہ ہوئی ہو اور جو شخص کہ بعد بالغ ہونے کے دیوانہ یا بے عقل ہوا ہو اس کے
گناہ دیوانگی یا بے عقلی سے ساقط نہیں ہوں گے ان کے لیے مغفرت مانگی جائے بل یقول بعد دعاء البالغین اللہم اجعلہ لنا فرطا بفتحتین
ای سابقا الی الحوض لیہیئ الماء وہو دعاء لہ ایضا بتقدمہ فی الخیر لا سیما وقد قالوا حسنات الصبی لہ لا لابویہ بل لہما ثواب التعلیم واجعلہ ذخرا بضم
الذال المعجمۃ ذخیرۃ شافعا مشفعا مقبول الشفاعۃ بلکہ کہے عوض دعا بالغوں کے الٰہی کر اس کو ہمارا فرط اور کر اس کو ذخیرہ اور سفارش
کرنے والا سفارش قبول کیا ہوا شارح نے کہا کہ فرط فتحہ فا اور فتحہ را مہملہ سے معنی آگے بڑھنے والا حوض کوثر پر تاکہ پانی تیار کرے اور ذخر
بذال معجمہ مضموم بمعنی ذخیرہ ہے اور مشفع بصیغہ مفعول باب تفعیل بمعنی مقبول الشفاعت ہے اور یہ دعا لڑکے کے لیے بھی ہے واسطے

آگے بڑھ جانے لڑکے کے خیر کی طرف خصوص اس صورت میں کہ فقہا نے کہا ہے کہ لڑکے کی نیکیاں لڑکے ہی کو ملتی ہیں نہ اس کے ماں باپ کو بلکہ ماں باپ کو ثواب تعلیم کا ہوتا ہے ہم یہ جواب ہے اس سوال کا کہ دعا تو میت کے لیے ہوتی ہے اس دعا میں میت کا نفع کچھ نہیں بلکہ نفع ماں باپ یا نمازیوں کا ہے حاصل جواب یہ ہے کہ پانی کا تیار کرنا جب ہی ہوگا کہ جب اول وہ حوض پر پہنچے گا تو اس میں اس کے لیے دعا ہے آگے بڑھنے کی دوسرے یہ کہ ثواب حسنات کا فقہا کے قول کے بموجب لڑکے کو ملتا ہے تو اس صورت میں بھی دعا اس کے لیے مفید ہوگی اور یہ جو شارح نے بعد دعاء البالغین کے کہا سو صحیح نہیں بلکہ بدل دعاء البالغین صحیح ہے جو کسی کسی نسخے میں پایا جاتا ہے یعنی بجائے دعاء بالغین کے یہ دعا پڑھے چنانچہ مترجم نے ترجمہ صحیح لفظ کا کیا ہے اور شیخ اسمٰعیل نے ذکر کیا کہ مقتضائے متون اور فتوی کا اور صریح عبارت غرر الاذکار کی یہ ہے کہ صغیر پہ دعا بالغین نہ پڑھی جائے بلکہ اسی دعا پر اکتفا کی جاوے پھر یہ دعا ہدایہ اور کنز میں اس طرح ہے اللھم اجعلہ لنا فرطا واجعلہ لنا اجرا وذخرا واجعلہ لنا شافعا ومشفعا اور اگر لڑکی ہو تو ضمیر بدل دے یعنی اجعلہ کی جگہ اجعلھا چاروں جگہ کے اور آخر میں شافعۃ ومشفعۃ کہے کذافی الشامی بتصرف ولیقوم الامام ندبا بحذاء الصدر مطلقا للرجل والمرأۃ لانہ محل الایمان والشفاعۃ لاجلہ اور کھڑا ہوئے امام براہ استحباب مقابل سینہ میت کے ہر حال میں مرد اور عورت کے لیے اس لیے کہ سینہ . . . جگہ ہے ایمان کی اور شفاعت نمازیوں کی مردے کے لیے اس کے ایمان ہی کے سبب سے ہے والمسبوق ببعض التکبیرات لایکبر فی الحال بل ینتظر تکبیر الامام لیکبر معہ للافتتاح لما مر ان کل تکبیرۃ کرکعۃ والمسبوق لایبدأ بما فاتہ اور جس کو کچھ تکبیریں امام کے ساتھ نہ ملی ہوں یعنی اگر پیچھے شریک ہوا ہو وہ اسی وقت تکبیر نہ کہے بلکہ امام کے اللہ اکبر کہنے کا منتظر رہے تاکہ اس کی تکبیر کے ساتھ شروع کی تکبیر کہے کیونکہ پیشتر گذر چکا ہے کہ ہر تکبیر مثل ایک رکعت کے ہے اور مسبوق اپنی فوت شدہ رکعتوں سے شروع نہیں کیا کرتا ہم یعنی اگر مسبوق کو ایک دو رکعت رہ جاتی ہیں تو وہ بعد فارغ ہونے امام کے ادا کرتا ہے اسی طرح نماز جنازہ کی مسبوق کو تکبیریں پیشتر نہ کہنی چاہییں امام کے سلام کے بعد کہنی چاہییں اور اگر مسبوق بدون انتظار امام کی تکبیر کے اللہ اکبر کہہ کر شریک ہو گیا تو شروع درست ہوگا مگر یہ تکبیر معتبر نہ ہوگی بعد سلام کے اس کو پھر سے کہے کذافی الطحطاوی وقال ابو یوسفؒ یکبر حین یحضر اور امام ابو یوسف نے فرمایا ہے کہ جب مقتدی حاضر ہو اسی وقت تکبیر کہے ہم صورت مسئلہ کی یہ ہے کہ امام تکبیر تحریمہ کہہ چکا تھا کہ ایک شخص آیا تو طرفین کے نزدیک وہ تکبیر تحریمہ نہ کہے بلکہ جب امام دوسری تکبیر کہے اس وقت اللہ اکبر کہہ کر شریک ہو اور ایک تکبیر اس کو فوت ہوگئی بعد سلام امام کے اس کو کہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک جس وقت یہ شخص آیا اسی وقت تکبیر تحریمہ کہہ کر شریک ہو جائے اور دوسری تکبیر امام کے ساتھ کہے اس صورت میں مسبوق نہ ہوگا کذافی الشامی کما لاینتظر الحاضر فی حال التحریمۃ بل یکبر اتفاقا للتحریمۃ لانہ کالمدرک جیسے انتظار نہ کرے وہ شخص جو موجود ہو تحریمہ امام کے وقت بلکہ تکبیر تحریمہ کہے باتفاق طرفین اور ابو یوسفؒ کے اس لیے کہ وہ شخص مثل مدرک کے ہے یعنی ایک شخص امام کے تحریمہ کے وقت موجود ہے مگر اس کے ساتھ تکبیر تحریمہ نہیں کہی تو وہ دوسری تکبیر کا انتظار نہ کرے . . . . . اسی وقت تحریمہ کہہ کر شریک ہو جائے اس لیے کہ تحریمہ کے وقت موجود ہونے کے باعث وہ مدرک کے مانند ہو گیا کہ گویا امام کے ساتھ ہی اللہ اکبر کہا ثم یکبر ان ما فاتہما بعد الفراغ نسقا بلا دعاء ان خشیا رفع المیت علی الاعناق پھر مسبوق اور موجود شخص تکبیر کہیں جس قدر ان کو فوت ہو جائیں بعد فارغ ہونے امام کے پیہم بدون دعا کے اگر خوف کریں میت کے اٹھائے جانے کا گردنوں پر ہم موجود شخص سے فوت ہونے کی صورت یہ ہے کہ مثلاً امام نے دو تکبیریں کہہ لیں اور یہ شخص شریک نہ ہوا تیسری میں شریک ہوا تو دو تکبیریں باقی بعد سلام کے کہے اور اوپر بیان ہو چکا کہ موجود شخص اگر تکبیر اول امام کے ساتھ نہ کہے اس کے پیچھے کہے تو اس سے کچھ فوت نہ ہوگا کذافی الشامی وما فی المجتبی من ان المدرک یکبر الکل للحال فشاذ نہر اور مجتبیٰ میں جو یہ ہے کہ مدرک یعنی

موجود وقت تحریمہ کے کل تکبیریں فوت شدہ اسی وقت کہے تو یہ خلاف قیاس ہے کذا فی النہر مجتبی میں ہے کہ اگر امام نے تکبیر کہی اور ایک شخص
موجود تھا شریک نہ ہوا یہاں تک کہ دوسری تکبیر کہی تو یہ شخص تکبیر دوم میں امام کا شریک ہو جائے اور پہلی تکبیر کو اسی وقت کہہ لے اسی طرح اگر دوسری اور
تیسری میں شریک نہ ہو تو چوتھی میں شریک ہو کر فوت شدہ کو اسی وقت کہہ لے شارح نے کہا کہ یہ قول مخالف تصریح فقہا کے ہے اکثر نے یہی کہا
ہے کہ بعد سلام کے کہے کذا فی الشامی فلو جاء المسبوق بعد تکبیرۃ الامام الرابعۃ فاتتہ الصلوۃ لتعذر الدخول فی تکبیرۃ الامام وعند ابی یوسف
یدخل لبقاء التحریمۃ فاذا سلم الامام کبر ثلاثا کما فی الحاضر وعلیہ الفتوی ذکرہ الحلبی وغیرہ پس اگر مسبوق بعد امام کے چوتھی تکبیر کے آیا تو طرفین کے نزدیک
اس کی نماز فوت ہو گئی بسبب متعذر ہونے شرکت کے امام کی تکبیر میں اور ابو یوسف کے نزدیک نماز میں داخل ہو جائے بسبب باقی رہنے تحریمہ کے
اور جب امام سلام پھیرے تو تین تکبیریں کہہ لے جیسے موجود شخص کہ چوتھی تکبیر تک امام کا شریک نہ ہو اور بعد چوتھی کے شریک ہو جاوے تو وہ سلام کے
بعد تین تکبیریں کہتا ہے بالاتفاق اور اسی قول امام ابو یوسف پر فتوی ہے ذکر کیا ہے اس کو حلبی وغیرہ نے ہم یعنی طرفین کے نزدیک مسبوق کو انتظار
امام کی تکبیر کا کرنا چاہیے تب شریک ہو سکتا ہے اور چونکہ چوتھی تکبیر کے بعد کوئی تکبیر باقی نہیں اس لیے اس کی شرکت نہیں ہو سکتی اور امام ابو یوسف
رحمہ اللہ کے نزدیک چونکہ قبل سلام تحریمہ باقی ہے اس لیے شریک ہو سکتا ہے کذا فی الشامی واذا اجتمعت الجنائز فافراد الصلوۃ علی
کل واحدۃ اولی من الجمع وتقدیم الافضل افضل وان جمع جاز اور جب کہ کئی جنازے مجتمع ہو جائیں تو ہر ایک پر جدا جدا نماز پڑھنا بہتر ہے
بہ نسبت سب پر ایک ساتھ نماز پڑھنے کے اور مقدم کرنا افضل شخص کا افضل ہے یعنی اول سب سے افضل پر نماز پڑھے پھر اس سے کم فضیلت
والے پر اور علی ہذا القیاس اور اگر جمع کرے یعنی سب پر ایک ہی نماز پڑھے تو درست ہے ثم ان شاء جعل الجنائز صفا واحدا وقام عند افضلھم
وان شاء جعلھا صفا مما یلی القبلۃ واحدا خلف واحد بحیث یکون صدر کل جنازۃ مما یلی الامام لیقوم بحذاء صدر الکل وان جعلھا
درجا فحسن لحصول المقصود پھر اگر چاہے تو ایک ساتھ نماز پڑھنے کی صورت میں سب جنازوں کو ایک صف میں کر دے اس طرح کہ ایک کا سر دوسرے
کے پاؤں کی طرف ہو اور امام کھڑا ہو اس شخص کے سینے کے مقابل جو ان سب میں افضل ہو اور اگر چاہے تو ان کو قبلہ کی جانب ایک دوسرے کے
پیچھے رکھ کر صف بنا دے اس طرح کہ ہر جنازے کا سینہ امام کے مقابل رہے تاکہ امام سب کے سینے کے مقابل کھڑا ہو اور اگر اس صورت میں زینے
کی طرح صف کرے یعنی ایک کا سر دوسرے سے کچھ نیچے کرے اس طرح کہ ہر جنازہ بہ نسبت پہلے کے تھوڑا سا بائیں طرف کو رہے تو بہتر ہے
بسبب حاصل ہونے مقصود کے ہم طحطاوی نے کہا کہ حصول مقصود تینوں کیفیتوں کی علت ہے کہ جس طرح چاہے پڑھے مطلب سب میں حاصل
ہے وراعی الترتیب المعہود خلفہ حالۃ الحیوۃ فیقرب منہ الافضل فالافضل الرجل مما یلیہ فالصبی فالخنثی فالبالغۃ فالمراھقۃ والصبی الحر یقدم
علی العبد والعبد علی المرأۃ واما ترتیبھم فی قبر واحد لضرورۃ فبعکس ہذا فیجعل الافضل مما یلی القبلۃ فتح اور لحاظ رکھے ترتیب معمولی کا اپنے پیچھے زندگی
کی حالت میں یعنی اپنے پاس سب سے افضل شخص کا جنازہ کرے پھر اس کا جو اس سے کم ہو مثلا عالم فاضل کا جنازہ اپنے متصل کرے پھر اوروں کا
اور اگر علم و فضل میں برابر ہوں تو بڑی عمر والے کو مقدم کرے کذا فی الشامی مرد کو اپنے پاس کرے پھر لڑکے کو پھر خنثی کو پھر عورت بالغہ کو پھر قریب
البلوغ عورت کو اور آزاد لڑکا مقدم کیا جائے بالغ غلام پر اور غلام مقدم کیا جائے عورت پر اور ان کی ترتیب ضرورت کی وجہ سے ایک قبر
میں اس کی الٹی ہے یعنی اگر کسی ضرورت سے ایک قبر میں کئی مردے دفنائے جائیں تو افضل شخص جانب قبلہ رہے کذا فی الفتح ہم ضرورت کی قید
اس لیے لگائی کہ دو شخصوں کا ایک قبر میں دفن کرنا درست نہیں جب تک کہ اول مٹی نہ ہو جائے اور اگر دو کو ایک قبر میں ضرورت کی وجہ سے دفن
کریں تو دونوں کے درمیان میں مٹی کی آڑ یا کچی اینٹیں رکھ دیں تاکہ دو قبروں کی صورت ہو جائے اور بعد مٹی ہو جانے مردہ کے قبر پر عمارت بنانا

اور مجتبیٰ درست ہے کذا فی الطحطاوی ویقدم فی الصلوۃ علیہ السلطان ان حضر او نائبہ وھو امیر المصر ثم القاضی ثم صاحب الشرط ثم خلیفتہ ثم خلیفۃ القاضی ثم امام الحی فیہ ابہام وذلک ان تقدیم الولاۃ واجب وتقدیم امام الحی مندوب فقط بشرط ان یکون افضل من الولی والا فالولی افضل کما فی المجتبیٰ وشرح المجمع لمصنفہ اور مقدم کیا جاوے مردے پر نماز پڑھنے کے لیے بادشاہ اگر موجود ہو یعنی اگر بادشاہ ہو تو نماز وہ پڑھاوے یا نائب اس کا یعنی حاکم شہر کا پھر قاضی پھر حاکم سیاست پھر اس کا نائب پھر قاضی کا خلیفہ پھر امام محلہ کا شارح نے کہا کہ مصنف کے کلام میں ابہام ہے یعنی یہ وہم ہوتا ہے کہ امام ہونا حکام کا اور محلہ کی مسجد کے امام کا حکم یکساں ہے حالانکہ حکم دونوں کا مختلف ہے اور وہ اس طرح ہے کہ مقدم ہونا حاکموں کا واجب ہے اور محلہ کی مسجد کے امام کی تقدیم صرف مستحب ہے اس شرط سے کہ ولی سے بہتر ہو اور اگر ولی بہتر ہو تو ولی ہی اولیٰ ہے چنانچہ مجتبیٰ اور مجمع کی شرح میں جو مصنف مجمع کی تالیف ہے ایسا ہی مذکور ہے وفی الدرایۃ امام المسجد الجامع اولیٰ من امام الحی اے مسجد محلتہ نہر اور درایہ میں ہے کہ امام مسجد جامع کا بہتر ہے محلہ کی مسجد یعنی میت کے محلہ کی مسجد کے امام سے کذا فی النہر ثم الولی بترتیب عصوبۃ الانکاح الا الاب فیقدم علی الابن اتفاقا الا ان یکون عالما والاب جاہلا فالابن اولیٰ پھر ولی موافق ترتیب عصبہ نکاح کرنے کے مستحق ہے نماز پڑھنے کا بجز باپ کے کہ وہ مقدم ہے میت کے بیٹے پر بالاتفاق مگر یہ کہ بیٹا عالم ہو اور باپ میت کا جاہل تو اس صورت میں بیٹا اولیٰ ہے م ایک نسخے میں فالابن کی جگہ والاسن ہے یعنی اگر قرابت میں دو ولی برابر ہوں تو بڑا عمر میں بہتر ہے کذا فی الشامی فان لم یکن لہ ولی فالزوج ثم الجیران پس اگر مردہ کا ولی کوئی نہ ہو تو عورت پر نماز پڑھنے میں شوہر اولیٰ ہے پھر ہمسایہ کے لوگ احق ہیں اجنبی شخصوں میں ومولی العبد اولیٰ من ابنہ الحر لبقاء ملکہ اور غلام کا آقا بہتر ہے بہ نسبت اس کے آزاد بیٹے کے بسبب باقی رہنے ملک آقا کے م بیٹے کی قید اتفاقی ہے آقا میت کے سب اقارب سے بہتر ہے اور ملک سے مراد حکمی ملک ہے ورنہ موت سے ملک منقطع ہو جاتی ہے کذا فی الشامی والفتوی علی بطلان الوصیۃ بغسلہ والصلوۃ علیہ اور فتویٰ اوپر باطل ہونے وصیت کے ہے واسطے اپنے نہلانے اور نماز پڑھنے کے م یعنی مردہ نے وصیت کی کہ مجھ کو فلاں شخص نہلاوے یا مجھ پر فلاں شخص نماز پڑھے تو یہ وصیت باطل ہے اسی طرح اگر وصیت کی کہ فلاں کپڑے کا کفن دیا جاوے یا فلاں جگہ دفن کیا جائے تو یہ بھی باطل ہے کذا فی الشامی ولہ اے المولی ومثلہ کل من یقدم علیہ من باب اولیٰ الاذن لغیرہ فیہا لانہ حقہ فیملک ابطالہ الا انہ اذا کان ہناک من یساویہ فلہ اے لذلک المساوی ولو اصغر سنا المنع لمشارکتہ فی الحق اما البعید فلیس لہ المنع اور ولی کو اختیار ہے اذن دینے کا دوسرے شخص کو نماز جنازہ پڑھانے کے لیے اس لیے کہ امام ہونا اس کا حق ہے تو اس کو اختیار ہے اس حق کے باطل کرنے کا مگر جب وہاں کوئی دوسرا ولی اس کے برابر ہو تو اس دوسرے مساوی کو اگرچہ عمر میں چھوٹا ہو اختیار روک دینے غیر شخص کا ہے بسبب اس کے شریک ہونے کے حق میں مگر بعید ولی کو روکنے کا اختیار نہیں شارح نے کہا کہ مثل ولی کے دوسرے کو اجازت دینے میں وہ لوگ بطریق اولیٰ مختار ہیں جو ولی پر مقدم ہیں مثل سلطان اور قاضی وغیرہ کے م صورت مسئلہ کی یہ ہے کہ میت کے دو بیٹے ہیں بڑے بیٹے نے زید کو اجازت نماز پڑھنے کی دی تو چھوٹا بیٹا زید کو روک سکتا ہے مگر دور کا رشتہ دار نہیں روک سکتا فان صلی غیرہ اے الولی ممن لیس لہ حق التقدم علی الولی ولم یتابعہ الولی اعاد الولی ولو علی قبرہ ان شاء لاجل حقہ لا لاسقاط الفرض ولذا قلنا لیس لمن صلی علیہا ان یعید مع الولی لان تکرارہا غیر مشروع پس اگر ولی کے سوا کسی اور شخص نے نماز پڑھی جس کو ولی پر مقدم ہونے کا حق نہ تھا اور ولی نے اس کی متابعت نہ کی تو ولی اگر چاہے تو نماز دوبارہ پڑھے اگرچہ اس کی قبر پر ہو بسبب اپنے حق کے نہ واسطے ساقط ہونے فرض کے یعنی فرض تو غیر کی نماز سے بھی ساقط ہو گیا اگر بالفرض ولی نماز نہ پڑھے تو کوئی گنہگار نہ ہوگا مگر ولی کو اجازت نماز کی اس کے حق کی جہت سے ہے کذا فی الطحطاوی

اور اسی وجہ سے کہ یہ اعادہ حق ولی کی جہت سے ہے نہ فرض ساقط ہونے کو ہم کہتے ہیں کہ جو شخص نماز جنازہ پڑھ چکا ہو اس کو جائز نہیں کہ ولی کے ساتھ نماز کو پھر سے پڑھے اس لیے کہ مکرر پڑھنا اس نماز کا مشروع نہیں ہم طحطاوی نے کہا کہ بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز پیشتر پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو مکرر پڑھنا جائز نہیں اور یہ جو مروی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مکرر پڑھی تو مفتی ابو السعود نے کہا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے والا ای وان صلی من لہ حق التقدم کقاض او نائبہ او امام حی او من لیس لہ حق التقدم وتابعہ الولی لا یعید لانہم اولی بالصلوۃ منہ اور اگر صورت مذکورہ بالا نہ ہو یعنی نماز ایسے شخص نے پڑھی جس کو ولی سے مقدم ہونے کا حق ہے مثلاً قاضی یا اس کے نائب یا مسجد محلہ کے امام نے نماز پڑھی خواہ اس شخص نے پڑھی جس کو حق تقدم ولی پر نہیں مگر ولی نے اس کے پیچھے پڑھ لی تو اس صورت میں ولی نماز دوبارہ نہ پڑھے اس لیے کہ جن کو حق التقدم حاصل ہے وہ ولی کی نسبت نماز پڑھنے کے لیے بہتر ہیں م یہ تعلیل صرف اول صورت کی ہوئی اور دوسری صورت میں عدم اعادہ کی وجہ یہ ہے کہ ولی کا پڑھنا پیچھے غیر شخص کے گویا اس کو اجازت دینا ہے نماز پڑھانے کی وان صلی ہو ای الولی بحق بان لم یحضر من یقدم علیہ لا یصلی غیرہ بعدہ وان حضر من لہ التقدم لکونہا بحق اور اگر ولی نے نماز اپنے استحقاق کے بموجب پڑھی اس طرح کہ جو شخص اس پر مقدم تھا وہ نہ آیا تو اب دوسرا شخص بعد ولی کی نماز کے اس پر نماز نہ پڑھے اگرچہ وہی آجاوے جس کو ولی پر تقدیم ہے کیونکہ ولی کی نماز بموجب استحقاق کے ہوگئی اما لو صلی الولی بحضرۃ السلطان مثلاً اعاد السلطان کما فی المجتبی وغیرہ اور اگر نماز پڑھی ولی نے سلطان کی موجودگی میں مثلاً تو اعادہ کرے سلطان چنانچہ مجتبی وغیرہ میں ہے وفیہ حکم صلوۃ من لا ولایۃ لہ کعدم الصلوۃ اصلا فیصلے علی قبرہ ان شاء مالم تیمزق اور مجتبی میں ہے کہ حکم نماز اس شخص کا جس کو ولایت نہیں مانند نہ پڑھنے کے ہے سرے سے تو ولی اس کی قبر پر نماز پڑھے اگر چاہے جب تک مردہ پھٹا نہ ہو م حلبی نے کہا اس کے معنی یہ ہیں کہ جب ایسے شخص نے نماز پڑھی جس کو ولایت نہیں تو بلحاظ ولایت والے کے گویا نماز سرے سے نہیں ہوئی اس سے اس کو اختیار ہے کہ مردہ اگر دفن ہوگیا ہو تو قبر پر نماز پڑھ لے شامی نے کہا کہ میں نے مجتبی میں یہ مسئلہ نہیں پایا وان دفن واہیل علیہ التراب بغیر صلوۃ او بہا بلا غسل او ممن لا ولایۃ لہ صلی علی قبرہ استحسانا مالم یغلب علی الظن تفسخہ من غیر تقدیر ہو الاصح وظاہرہ انہ لو شک فی تفسخہ صلی علیہ لکن فی النہر عن محمد کانہ تقدیما للمانع اور اگر مردہ بدون نماز کے دفن کیا گیا اور اس پر مٹی دیدی گئی یا نماز پڑھی مگر بدون غسل کے یا ایسے شخص نے پڑھی جس کو ولایت نہ تھی تو نماز پڑھی جائے اس کی قبر پر بدلیل استحسان جب تک کہ گمان غالب اس کے پھٹنے کا نہ ہو بدون مقرر کرنے کسی مدت کے یہی صحیح تر قول ہے اور بظاہر گمان غالب کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مردے کے پھٹنے میں شک ہو تو اس پر نماز پڑھی جاوے لیکن نہر الفائق میں امام محمد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ شک کی صورت میں نماز نہ پڑھی جاوے تو غالباً یہ اس لیے کہا کہ مانع کو ترجیح دی م شامی نے کہا کہ من لا ولایۃ لہ متعلق ہے محذوف کے جو حال واقع ہے ضمیر بہا سے اور یہ مسئلہ مجتبی کے مسئلہ کے ساتھ دوبارہ ہوگیا اور قبر پر نماز پڑھنا پہلی دونوں صورتوں میں یعنی جب بے نماز دفن کیا ہو یا نماز بدون غسل پڑھی ہو واجب ہے اور تیسری صورت میں صرف ولی کو جائز ہے بسبب حق کے اور قول اصح کا مقابل مدت تین روز کی ہے بعض کے نزدیک اور بعض نے دس دن اور بعض نے ایک مہینہ کہا ہے اور وجہ اصح کی یہ ہے کہ پھٹنا متفاوت مدت میں ہوتا ہے بلحاظ موسم اور جگہ کے اس لیے مدت مقرر کرنی مناسب نہیں اور کانہ کی خبر محذوف ہے یعنی قال ذلک اور ترجیح مانع کا یہ مطلب کہ شک کے باعث دو صورتیں مساوی پیدا ہوئیں ایک پھٹنا مردہ کا جو مقتضی ہے نماز کے منع کا دوم نہ پھٹنا جو موجب ہے نماز پڑھنے کا تو پھٹنا جو مانع تھا اسی کو ترجیح دی گئی ولم تجز الصلوۃ علیہا راکبا ولا قاعدا بغیر عذر استحسانا اور نہیں جائز ہے نماز جنازے پر سوار ہو کر اور نہ بیٹھے ہوئے

بدون عذر کے بدلیل استحسان م یعنی اگر عذر کے باعث سوار ہو کر پڑھیں مثلاً گارے یا مینہ کے باعث نہ اتر سکیں یا بیٹھ کر پڑھیں کہ کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو تو نماز درست ہو گی وکرہت تحریما وقیل تنزیہا فی جماعۃ ہو اے المیت فیہ وحدہ او مع القوم واختلف فی الخارج عن المسجد وحدہ او مع بعض القوم والمختار الکراہۃ مطلقا خلاصہ بناء علی ان المسجد انما بنی للمکتوبۃ وتوابعہا کنافلۃ وذکر وتدریس عالم وہو الموافق لاطلاق حدیث ابی داؤد من صلی علی میت فی المسجد فلا صلوٰۃ لہ اور مکروہ تحریمی ہے اور بعض کے نزدیک تنزیہی نماز جنازہ کی مسجد جماعت یعنی جامع مسجد یا محلہ کی مسجد میں کہ مردہ اس کے اندر ہو تنہا یا کل یا بعض نمازیوں کے ساتھ اور اختلاف ہے مسجد سے باہر ہونے کی صورت میں تنہا مردہ باہر ہو یا کچھ نمازیوں کے ساتھ باہر ہو اور قول مختار ہر صورت میں مکروہ ہوتا ہے کذا فی الخلاصہ اس وجہ سے کہ مسجد صرف نماز فرض وقتی اور اس کے توابع کے لیے بنی ہے جیسے نماز نفل اور یاد الٰہی اور عالم کا پڑھانا ہے اور یہی قول کراہت کا موافق ہے واسطے اطلاق حدیث ابوداؤد کے کہ جس نے نماز پڑھی مردے پر مسجد کے اندر تو اس کے لیے نماز نہیں م شامی نے کہا کہ ابی داؤد کی روایت میں فلا شئی لہ ہے یعنی اس کو کچھ ثواب نہیں اور ایک روایت میں فلا اجر لہ ہے اور ابن ابی شیبہ نے فلا صلوٰۃ لہ روایت کیا ہے اور شارح نے جو علت کراہت کی بیان کی ہے کہ مسجد نماز فرض وقت اور اس کے توابع کے لیے ہے تو یہ ظاہر نہیں اس لیے کہ نماز جنازہ بھی ذکر اور دعا ہے اور مسجد بیشک ذکر اور دعا کے لیے ہوتی ہے ورنہ چاہیے کہ طلب باران اور کسوف کی دعا سے بھی مسجد میں منع کیا جائے اور اگر علت مسجد کے آلودہ ہونے کو ٹھہرایا جاوے تو جس صورت میں مردہ باہر مسجد کے ہو نماز مکروہ نہ ہونی چاہیے باقی رہا حال حدیث کا تو اس میں تین احتمال ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ فی المسجد ظرف نمازی کا ہو دوم یہ کہ ظرف میت کا ہو سوم یہ کہ دونوں کا ہو اگر نمازی کا ظرف کہو تو چاہیے کہ جس صورت میں نمازی باہر مسجد کے ہو اور میت اندر اس نماز میں کراہت نہ ہو اور اگر میت کا ظرف کہو تو جب میت باہر اور نمازی اندر ہو تب کراہت نہ ہو گی اور اگر دونوں کا ظرف کہو تو کراہت دونوں کے اندر ہونے میں منحصر ہو گی اگر ایک باہر ہو گا اور ایک اندر تو کراہت نہ ہو گی پھر قول مختار جو ہر صورت میں کراہت کا ہوتا ہے وہ کہاں رہا لیکن میرے نزدیک اس حدیث سے مطلق کراہت معلوم ہوتی ہے کہ فعل کا اثر کبھی ظاہر میں مفعول پر نہیں ہوتا جیسے علم اور ذکر اور کبھی ہوتا ہے جیسے ضرب وقتل ہے تو اگر ظرف پہلی قسم میں بولا جائے گا تو وہ فاعل کا ظرف ہو گا خواہ مفعول اس میں ہو یا نہ ہو مثلاً کہیں کہ میں نے زید کو مسجد کے اندر ذکر کیا تو مسجد ظرف متکلم کا ہو گی خواہ زید اس کے اندر ہو یا نہیں اور دوسری قسم میں ظرف متعلق بمفعول ہو گا گو فاعل اس میں ہو یا نہیں مثلاً اگر کہیں کہ میں نے زید کو مسجد میں مارا تو مسجد زید کا ظرف ہو گی خواہ متکلم مسجد میں ہو یا نہ ہو جیسے حرم کے اندر کوئی شخص شکار کے تیر مارے تو وہ قاتل صید حرم کہلائے گا گو خود باہر حرم سے ہو اب جو نماز جنازہ کو دیکھتے ہیں تو اس کو اول قسم سے پاتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ مسجد نمازی کا ظرف ہے خواہ میت اس میں ہو یا نہ ہو اور اسی کی مؤید ہے یہ روایت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اصحاب کو خبر مرگ نجاشی کی سنائی تو مسجد سے نکل کر مصلے میں تشریف لے گئے وہاں اس پر نماز پڑھی اگر مسجد میں جائز ہوتی تو پھر باہر نکلنے کے کیا معنی جنازہ تو مسجد کے اندر نہ تھا ہاں یہ صورت رہ گئی کہ مردہ مسجد کے اندر ہو اور نمازی باہر تو اس کی کراہت دلالۃ النص سے پائی جاتی ہے کیونکہ جب باوجود نماز جنازہ کے ذکر و دعا ہونے کے خود نماز مسجد میں مکروہ ہوئی تو مردہ کا اس میں داخل کرنا بطریق اولیٰ مکروہ ہو گا کہ ایک فعل لغو ہے اور کھٹکا مسجد کی آلودگی کا جدا ہے پس معلوم ہوا کہ حدیث مذکورہ مؤید قول مختار کے ہے کہ نماز مسجد کے اندر ہر صورت میں مکروہ ہے پھر یہ کراہت اس صورت میں ہے کہ بدون عذر کے مسجد میں نماز پڑھی جاوے اور اگر کسی عذر سے ہو تو مکروہ نہیں اسی طرح مکروہ ہے نماز جنازہ شارع عام میں تمام ہوا قول شامی کا مختصراً ومن ولد فمات یغسل ویصلے علیہ ویرث ویورث ویسمی ان استہل بالبناء للفاعل اے وجد منہ مایدل علی حیٰوتہ بعد خروج اکثرہ حتی لو خرج راسہ وہو یصیح فذبحہ رجل فعلیہ الغرۃ وان قطع اذنہ فخرج حیا فمات فعلیہ الدیۃ اور جو بچہ پیدا ہو کر مر جاوے اگر وہ آواز کرے تو نہلایا جاوے

اور اس پر نماز پڑھی جاوے اور وہ وارث ہوگا دوسرے کا اور اس کی میراث اوروں کو ملے گی اور نام رکھا جائے گا شارح نے کہا کہ استہل بصیغہ
معروف ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ بچے سے وہ بات پائی جائے جس سے اس کا زندہ ہونا معلوم ہو بعد اکثر بچے کے نکلنے کے یہاں تک کہ اگر بچے کا
سر نکلا اور وہ چیختا ہے اور اسی وقت اس کو کسی نے ذبح کر دیا تو اس پر غرہ لازم ہوگا اور اگر سر نکلنے کے بعد اس کا کان کاٹ لیا پھر وہ زندہ نکلا اور
مر گیا تو اس پر خونبہا لازم ہوگا م نماز و غسل کا ذکر ماتن نے کیا اور کفن کو بباعث ظاہر ہونے کے چھوڑ دیا یعنی کفن بھی دیا جائے اور نام اس لیے
رکھا جائے کہ آدم زاد ہے نام رکھنے میں اس کی تعظیم ہے اور استہلال مطلق آواز کرنے کو چاند دیکھنے کے وقت کہتے ہیں پھر پیدائش کے وقت بچے کے
رونے کو بھی کہنے لگے اس لیے شارح نے کہہ دیا کہ رونا شرط نہیں بلکہ زندگی کی علامت مثلاً حرکت کرنا اعضا کا بھی کافی ہے اور چونکہ شریعت میں ایسے
بچے کا حکم زندہ کا ہے اس لیے وہ وارث اور مورث ہو سکتا ہے غرہ بضم غین معجمہ و تشدید رائے مہملہ خونبہا مرد کے بیسویں حصہ کو کہتے ہیں اور مرد کا
خونبہا دس ہزار درم یا ہزار دینار ہوتے ہیں تو غرہ پانسو درم یا ۵۰ دینار کا ہوا اور وجہ غرہ کی یہ ہے کہ جب تک بچہ اکثر نہیں نکلا اس کو حکم پیٹ
کے بچے کا ہے اور پیٹ کے بچے کو تلف کرنے میں غرہ ہوتا ہے اور کان کاٹنے میں خونبہا اس لیے لازم ہوا کہ سبب موت کا وہی ہوا اور قصاص شبہہ
کی وجہ سے لازم نہ ہوا کذا فی الشامی والا یستہل غسل وسمی عند الثانی وہو الاصح فیفتی بہ علی خلاف ظاہر الروایۃ اکراما لبنی آدم کما فی ملتقی البحار واذا
کوئی علامت زندگی کی بعد اکثر پیدائش کے نہ پائی جاوے تو نہلایا جاوے اور نام رکھا جاوے امام ابو یوسف کے نزدیک اور یہی قول صحیح تر ہے
تو اس پر فتویٰ دیا جائے برخلاف ظاہر الروایت کے بسبب تعظیم بنی آدم کے چنانچہ ملتقی البحار میں ہے م اکراما علت متن کی ہے یا بہ یفتی کی
اور یہ اس بچے کا حکم ہے جس کی پیدائش پوری ہوا اور جسکی خلقت پوری نہ ہوا سکے نہلانے میں اختلاف ہے چنانچہ شارح بیان کرتا ہے وفی النہر عن الظہیریۃ واذا
استبان بعض خلقہ غسل وحشر ہو المختار اور نہر الفائق میں ظہیریہ سے منقول ہے کہ جب ظاہر ہو جائے بعض پیدائش بچہ کی تو اس کو غسل دیا جائے
یہی قول مختار ہے اور اس کا حشر ہوگا م شامی نے کہا کہ ہو المختار کے بعد وحشر کہنا مناسب تھا اس لیے کہ ظہیریہ میں اسی طرح ہے غرضکہ حشر
میں اختلاف ہے بعض فقہا نے کہا کہ اگر روح پڑ گئی ہوگی تو حشر ہوگا اور بعض نے کہا کہ اگر بعض خلقت ظاہر ہو گئی ہوگی تو حشر ہوگا وادرج
فی خرقۃ ودفن ولم یصل علیہ وکذا لا یرث ان انفصل بنفسہ کصبی سبی مع احد ابویہ لا یصلی علیہ لانہ تبع لہ اے فی احکام الدنیا لا العقبی
لما مرانہم خدم اہل الجنۃ اور جس پر علامت زندگی بعد نکلنے کے ظاہر نہ ہو غسل و نام رکھنے کے بعد لپیٹا جاوے ایک کپڑے میں اور دفن کر دیا
جاوے اور اس پر نماز نہ پڑھی جاوے اور اسی طرح وہ بچہ وارث نہ ہوگا اگر علیحدہ ہوا ہو گا خود بخود جیسے وہ بچہ کہ قید کیا جائے مع ایک کے ماں
باپ میں سے کہ اگر مر جائے تو اس پر نماز نہ پڑھی جاوے اس لیے کہ وہ تابع ہے احد الابوین کا یعنی احکام دنیا میں اس کا تابع ہے نہ احکام آخرت
میں بسبب اس قول کے کہ پیشتر گذرا کہ مشرکین کے بچے اہل جنت کے خادم ہوں گے م خود بخود کی قید اس لیے لگائی کہ اگر کسی نے مثلاً عورت کے
پیٹ پر مارا اور بچہ مردہ نکل پڑا تو وہ وارث اور مورث ہوگا کیونکہ شارع نے جب غرہ اس کے قاتل سے دلوایا تو معلوم ہوا کہ اس کی زندگی کا حکم کیا
کذا فی الشامی ولو سبی بدونہ فہو مسلم تبعا للدار او السابی او بہ فاسلم ہو او اسلم الصبی وہو عاقل اے ابن سبع سنین صلی علیہ بصیرورتہ مسلما
اور اگر بچہ بدون ماں یا باپ کے گرفتار آیا تو وہ مسلمان ہے بہ تبعیت دارالاسلام جب کہ گرفتار کنندہ ذمی ہو یا بہ تبعیت گرفتار کنندہ کے
جب کہ وہ مسلمان ہو خواہ وہ بچہ پکڑا گیا ماں باپ کے ساتھ پھر ماں یا باپ مسلمان ہوا یا خود وہ لڑکا مسلمان ہو گیا حالانکہ وہ عاقل ہے یعنی سات
برس کا ہے تو اس پر نماز پڑھی جائے بسبب ہو جانے اس بچہ کے مسلمان یعنی بہ تبعیت ماں یا باپ کے خواہ اپنے مسلمان ہو جانے سے م سات برس
کے لڑکے کے مسلمان ہونے کی صحت قاری ہدایہ کی طرف منسوب ہے اور عنایہ میں عاقل بچہ اس کو لکھا ہے کہ نفع نقصان کو سمجھے اور یہ کہ

اسلام ہدایت ہے اور اس کا اتباع بہتر ہے اور فتح القدیر میں ہے کہ صفت اسلام کی سمجھتا ہو یعنی ایمان اللہ تعالی اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور قیامت اور تقدیر پر رکھتا ہو شامی نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر اس کے سامنے ان امور کی تفصیل کی جاوے اور اس سے ان پر ایمان کا سوال ہو تو کہہ دے کہ میں ایمان لایا قالوا ولا ینبغی ان یسال العامی عن الاسلام بل یذکر عندہ حقیقتہ وما یجب الایمان بہ ثم یقال لہ ہل انت مصدق بہذا فاذا قال نعم اکتفی بہ ولا یفر توقفہ فی جواب ما الایمان ما الاسلام فتح فقہا نے کہا ہے کہ عامی آدمی سے اسلام کا حال نہ پوچھنا چاہیے بلکہ اس کے سامنے اسلام کی حقیقت اور جس چیز پر ایمان واجب ہے اس کو ذکر کرنا چاہیے پھر اس سے کہا جائے کہ کیا تو اس کی تصدیق کرتا ہے اگر وہ ہاں کہہ دے تو اس کے مسلمان ہونے کے لیے اسی پر اکتفا کیا جائے اور اس کو مضر نہیں سکوت کرنا جواب میں ان سوالات کے کہ ایمان کیا چیز ہے اور اسلام کیا ہے کذا فی الفتح کیونکہ عوام اکثر ان تفصیلوں سے ناواقف ہوتے ہیں حالانکہ اقرار توحید ورسالت کا کرتے ہیں ویغسل المسلم ویکفن ویدفن قریبہ کخالہ الکافر الاصلی اما المرتد فیلقی فی حفرۃ کالکلب عند الاحتیاج فلولہ قریب فالاولی ترکہ لہم من غیر مراعاۃ السنۃ فیغسلہ غسل الثوب النجس ویلفہ فی خرقۃ ویلقیہ فی حفرۃ ولیس للکافر غسل قریبہ المسلم اور نہلاوے مسلمان اور کفن دیوے اور دفن کرے اپنے رشتہ دار کافر اصلی کو مثلاً اپنے ماموں کو حاجت کے وقت تو اگر اس کافر کے اور رشتہ دار ہوں تو بہتر ہے کہ مسلمان اس کافر مردے کو ان رشتہ داروں کے حوالہ کرے اپنے آپ متکفل غسل وغیرہ کا نہ ہو حاجت کے وقت نہلاوے بدون رعایت طریق سنت کے یعنی وضو نہ کراوے اور داہنے طرف سے شروع نہ کرے بلکہ ایسے غسل دے جیسے نجس کپڑا دھوتے ہیں اور اس کو ایک کپڑے میں لپیٹے اور ایک گڑھے میں ڈال دے یعنی رعایت کفن مسنون اور لحد کی نہ کرے شارح نے کہا کہ کافر اصلی کی قید اس لیے لگائی کہ مرتد کو کتے کی طرح گڑھے میں ڈال دے غسل وکفن کچھ نہ کرے اور نہیں جائز ہے کافر کو نہلانا اپنے رشتہ دار مسلمان کا ام شامی نے کہا کہ مکروہ ہے کافر کا مسلمان کی قبر میں اترنا اس کے دفن کرنے کو واذا حمل الجنازۃ وضع ندبا مقدمہا بکسر الدال وتفتح وکذا الموخر علی یمینہ عشر خطوات لحدیث من حمل جنازۃ اربعین خطوۃ کفرت عنہ اربعین کبیرۃ ثم وضع موخرہا علی یمینہ کذلک ثم مقدمہا علی یسارہ ثم موخرہا کذلک فیقع الفراغ خلف الجنازۃ فیمشی خلفہا اور جب کوئی شخص جنازہ اٹھاوے تو مستحب یہ ہے کہ جنازے کی اگلی جانب یعنی سرہانا اپنے داہنے مونڈھے پر دس قدم رکھے پھر پچھلی جانب یعنی پیتیانا دس قدم داہنے مونڈھے پر رکھے پھر اگلی جانب بائیں مونڈھے پر دس قدم رکھے پھر پچھلی جانب بائیں مونڈھے پر اسی طرح رکھے تو پچھلی جانب پر ہم قدم سے فراغت ہو جائے گی اس وقت جنازے کے پیچھے چلے اور اس طرح اٹھانا اس لیے مستحب ہوا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی جنازہ کو ہم قدم اٹھاوے تو اس کا اٹھانا بھی ہم گناہ کبیرہ کو دور کرتا ہے شارح نے کہا کہ لفظ مقدم بکسر دال ہے اور کبھی بفتح بھی بولتے ہیں اور یہی حال موخر کا ہے کہ بکسر خا معجمہ ہے اور فتح بھی بولتے ہیں ہم گناہ کبیرہ سے مراد یا وہ صغیرہ ہیں جو دوسروں کی نسبت سے بڑے ہوں یا خود کبیرہ مراد ہو سکتے ہیں اور کفرت بصیغہ معروف ہے فاعل اس کا جنازہ ہے بتقدیر مضاف طحطاوی نے کہا کہ شارح کو مناسب تھا کہ حدیث کو بعد تمام کرنے کیفیت حمل جنازہ کے بیان کرتا اس لیے مترجم نے موقع پر اس کا ترجمہ کیا وصح انہ علیہ السلام حمل جنازۃ سعد بن معاذ اور ثابت ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ سعد بن معاذؓ کا اٹھایا ہے ہم یہ صحابی بڑے جلیل القدر ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی شان میں فرمایا کہ ان کی موت سے عرش خداوندی ہل گیا ویکرہ عندنا حملہ بین عمودی السریر بل یرفع کل رجل قائمۃ بالید لا علی العنق کالامتعۃ ولذا کرہ حملہ علی ظہر ودابۃ اور مکروہ ہے ہمارے نزدیک اٹھانا مردے کا چارپائی کی دو پٹی یا سرودں کے بیچ میں سے پکڑ کر خواہ دو شخص اٹھاویں یا چار بلکہ ہر شخص ایک ایک پایہ چارپائی کا ہاتھ سے پکڑ کر اٹھاوے شروع سے گردن پر نہ رکھ لے جیسے اسباب اٹھایا کرتے

ہیں اور اسی وجہ سے مکروہ ہے لادنا مردے کا پشت پر اور سواری کے جانور پر کیونکہ یہ طریق اسباب کے اٹھانے کا ہے جنازے میں مسنون یہ ہے کہ چار شخص ایک ایک پایہ اٹھا کر بیٹی کو مونڈھے پر رکھیں **والصبی الرضیع اوالفطیم اوفوق ذلک قلیلا یحملہ واحد علٰی یدیہ ولوراکبا وان کان کبیرا حمل علی جنازۃ** بچہ شیر خوار یا دودھ چھوٹا ہوا یا اس سے کچھ زیادہ عمر کا اس کو ایک شخص اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھا دے اگرچہ اٹھانے والا سوار ہو اور اگر لڑکا بڑا ہو تو کھٹولے یا چارپائی پر اٹھایا جاوے **ویسرع بہا بلا خبب** اے عدوسریع **ولو بہ کرہ** اور جلدی چلیں جنازے کو بدون تیز جھپٹنے کے اور تیز جھپٹنے کے ساتھ چلنا مکروہ ہے بوجہ ایذائے مردہ اور ساتھ والوں کے کم جنازے میں اس قدر جھپٹنا مسنون ہے کہ میت چارپائی پر ادھر ادھر حرکت نہ کرے کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ جنازہ کو جلدی لے جاؤ اگر صالح ہے تو جلد اس کو بھی جگہ پہنچاؤ گے اور اگر برا ہے تو جلد اپنی گردنوں سے برائی کو دور کروگے کذا فی الشامی **وکرہ تاخیر صلوتہ ودفنہ لیصلی علیہ جمع عظیم بعد صلوۃ الجمعۃ الا اذا خیف فوتہا بسبب دفنہ** قنیۃ اور مکروہ ہے مردے کی نماز اور دفن میں اس لیے دیر کرنا کہ جمعہ کے بعد بہت سے آدمی اس پر نماز پڑھیں ہاں جب یہ خوف ہو کہ اس کے دفن کی جہت سے جمعہ فوت ہو جائے گا تو اس صورت میں دفن میں تاخیر مکروہ نہ ہوگی کذا فی القنیۃ **کما کرہ لمتبعہا جلوس قبل وضعہا وقیام بعدہ** جیسے مکروہ ہے پیچھے چلنے والے کو بیٹھنا پہلے جنازہ کے رکھنے کے اور کھڑا رہنا بعد جنازہ کے رکھنے کے کم عبادہ بن صامت سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک نہ بیٹھتے کہ جنازہ لحد میں نہ اتارا جاتا ایک قبر پر آپ کھڑے تھے کہ ایک یہودی نے عرض کیا کہ ہم اپنے مردوں کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں آپ بیٹھ گئے اور صحابہ سے فرمایا کہ ان کے خلاف کرو کذا فی الطحطاوی تو اس سے معلوم ہوا کہ کھڑا رہنا مکروہ تحریمی ہے **ولا یقوم من فی المصلی لہا اذا رآہا** قبل وضعہا **ولا من مرت علیہ ہو المختار وما ورد فیہ منسوخ** زیلعی اور نہ کھڑا ہو جو شخص نماز پڑھنے کی جگہ میں ہو جب کہ جنازے کو دیکھے پیشتر اس کے رکھنے کے اور وہ شخص کھڑا ہو جس کے پاس جنازہ ہو کر گذرے یہی قول مختار ہے اور جو کچھ کھڑا ہونے کے باب میں وارد ہے وہ منسوخ ہے کذا فی الزیلعی م یعنی یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ جب تم جنازہ کو دیکھو تو اس کے لیے کھڑے ہو جاؤ یہاں تک کہ تمہاری نظر سے غائب ہو یا زمین پر رکھا جاوے یہ حدیث منسوخ ہے اس حدیث سے کہ احمد نے حضرت علیؓ سے روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو جنازے کے لیے کھڑا ہونے کا حکم کیا تھا پھر آپ اس کے بعد بیٹھے رہے اور ہم کو حکم بیٹھے رہنے کا کیا اور مسلم نے بھی اس مضمون کو روایت کیا اور کہا کہ کھڑا ہونے کا حکم پہلے تھا پھر منسوخ ہو گیا کذا فی الشامی **وندب المشی خلفہا لانہا متبوعۃ الا ان یکون خلفہا نساء فالمشی امامہا احسن** اختیار اور مستحب ہے پیچھے چلنا جنازے کے اس لیے کہ جنازہ متبوع ہے اور متبوع تابع کے آگے ہوا کرتا ہے مگر یہ کہ ہوویں جنازے کے پیچھے عورتیں تو اس صورت میں جنازے کے آگے چلنا بہتر ہے کذا فی الاختیار م جنازے کو متبوع اس لیے کہا کہ حدیث میں حکم ہے اتباع جنازہ کا اور لفظ اتباع پیچھے چلنے والے پر بولا جاتا ہے نہ آگے چلنے والے پر کذا فی الشامی **ویکرہ خروجہن تحریما وتزجر النائحۃ ولا یترک اتباعہا لاجلہا** اور مکروہ تحریمی ہے نکلنا عورتوں کا جنازے کے ساتھ اور زجر کی جائے نوحہ کرنے والی اور اسی طرح چیخنے والی اور جنازے کے ساتھ چلنا نہ چھوڑا جائے بسبب نوحہ کرنے والی کے م حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو جنازے کے ساتھ دیکھ کر پوچھا کہ تم اٹھانے والوں کے ساتھ جنازے کو اٹھاؤگی یا قبر میں اتارنے والوں کے ساتھ مردے کو اتاروگی پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھوگی انہوں نے عرض کیا کہ ان باتوں میں سے کوئی نہ کریں گی آپ نے فرمایا کہ ہٹ جاؤ گناہ کے ساتھ نہ ثواب کے ساتھ انتہی کو نوحہ والے کے سبب جنازے کا ساتھ اس لیے نہ چھوڑا جائے کہ نوحہ بدعت ہے اور اتباع جنازہ سنت تو اگر بدعت کی جہت سے اس سنت چھوڑ دیا جائے تو جنازہ کے

امور کا تکفل موقوف ہو جائے کذا فی الطحطاوی ولا یمشی عن یمینھا ویسارھا ولو مشی امامھا جاز وفیہ فضیلۃ ایضا ولکن ان تباعد عنھا او تقدم الکل ورکب امامھا کرہ کما کرہ فیھا رفع صوت بذکر او قراءۃ فتح اور نہ چلے جنازے سے داہنے اور بائیں یعنی داہنے بائیں چلنا اولی نہیں اور اگر جنازہ کے آگے چلے تب بھی درست ہے اور اس میں بھی فضیلت ہے لیکن اگر جنازہ سے دور ہو گیا یا سب لوگ آگے بڑھ گئے یا جنازے کے آگے سوار ہو لیا تو مکروہ ہے جیسے مکروہ ہے جنازے کے ساتھ بلند کرنا آواز کا ذکر یا قراءت قرآن میں کذا فی الفتح م آگے چلنے میں فضیلت اس قول سے نکالی کہ پیچھے چلنا افضل ہے یعنی افضل صیغہ افعل التفضیل ہے تو مطلق فضیلت آگے چلنے میں بھی ہوئی اور اتنا دور ہونا مکروہ ہے کہ لوگ یہ سمجھیں کہ اکیلا جاتا ہے اور ذکر اور قراءت پکار کر نہ پڑھے اگر منظور ہو تو اپنے دل میں پڑھے کذا فی الشامی ویحفر قبرہ فی غیر دارہ مقدار نصف قامۃ فان زاد فحسن ویلحد ولا یشق الا فی ارض رخوۃ اور کھودی جائے قبر مردے کی اس کے مکان کے سوا دوسری جگہ میں بقدر نصف قد آدم عمق کے اور اگر زیادہ ہو تو بہتر ہے یعنی اس قدر گہرائی ادنی مرتبہ اور چھاتی تک اوسط درجہ اور قد آدم سب میں افضل ہے اور لحد بنائی جاوے یعنی جانب قبلہ قبر کے گڑھا کھود اجائے پٹے ہوئے مکان کی صورت اور شق نہ کی جائے یعنی قبر کے بیچ میں گڑھا نہ کیا جائے مگر زمین نرم میں اگر لحد نہ ٹھہرے تو شق بنائی جاوے م غیر دار کی قید کی ضرورت نہ تھی کہ خود ماتن آگے بیان کرتا ہے اور طول قبر برابر قد مردہ کے ہونا چاہیے اور عرض آدھا طول سے لحد بالفتح وضم لام ہے اور شق اس لیے منع کیا کہ حدیث میں آیا ہے کہ لحد ہمارے لیے ہے اور شق غیروں کے لیے پس بدون ضرورت شق بنانا نہ چاہیے ولا یجوز ان یوضع فیہ مضربۃ[1] وما روی عن علی غیر مشہور ولا یوخذ بہ ظہیریۃ اور نہیں جائز ہے کہ قبر کے اندر گدا رکھا جائے اور جو کچھ حضرت علی سے مروی ہے وہ مشہور نہیں اور اس پر عمل نہیں کذا فی الظہیریہ م ظہیریہ میں بجائے علیؓ کے ذکر حضرت عائشہؓ کا ہے کہ انھوں نے گدا رکھوایا اور یہ مشہور نہیں یعنی ثابت نہیں ہوا بلکہ اور حدیثوں سے اس کا خلاف ثابت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ مکروہ جانتے تھے کہ مردے کے نیچے کوئی چیز ڈالی جائے اور حضرت ابو موسی نے فرمایا کہ میرے اور زمین کے درمیان کوئی چیز مت کرنا غرضکہ گدا اور تکیہ اور چٹائی سب کا حکم ایک ہے کسی کا رکھنا نہ چاہیے کذا فی الشامی ولا باس باتخاذ تابوت ولو من حجر او حدید لہ عند الحاجۃ کرخاوۃ الارض ویسن ان یفرش فیہ التراب اور کچھ مضائقہ نہیں حاجت کے وقت مردے کے لیے تابوت بنانے کا اگرچہ پتھر یا لوہے کا ہو مثلاً زمین کی نرمی کی جہت سے اور مسنون ہے کہ صندوق یا لحد میں مٹی بچھا دی جاوے م شامی نے کہا کہ اگر حاجت کے سبب صندوق بنایا جاوے تو چاہیے کہ اس کے نیچے مٹی بچھاویں اور داہنے اور بائیں پکی اینٹیں بھی رکھیں اور ڈھکنے کے اندر کی جانب پر مٹی لیس دیں تاکہ لحد کی صورت بن جائے اور بدون حاجت صندوق بنانا مکروہ ہے مات فی سفینۃ وکفن وصلی علیہ والقی فی البحر ان لم یکن قریبا من البر فتح ایک شخص کشتی میں مر گیا تو غسل دیا جائے اور کفنایا جائے اور نماز پڑھ کر دریا میں ڈال دیا جائے اگر کشتی خشکی سے نزدیک نہ ہو کذا فی الفتح ولا ینبغی ان یدفن المیت فی الدار ولو کان صغیرا لاختصاص ہذہ السنۃ بالانبیاء علیہم السلام واقعات اور نہیں چاہیے کہ مردہ مکان میں دفن کیا جائے اگرچہ بچہ ہو واسطے خاص ہونے اس طریق کے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کذا فی الواقعات م یعنی جس مکان میں مرے اسی میں دفن ہو یہ طریق مخصوص انبیاء علیہم السلام ہے اوروں کے لیے نہیں چاہیے ویستحب ان یدخل من قبل القبلۃ بان یوضع من جہتھا ثم یحمل فیلحد وان یقول واضعہ بسم اللہ وباللہ وعلی ملۃ رسول اللہ[2] ولو جہ الیھا وجوبا اور مستحب ہے کہ مردہ قبلہ کی جانب سے قبر میں اتارا جائے کہ وہ سمت معظم ہے اس طرح

[1] ایک نسخے میں مضربۃ کے بعد و مخدۃ بھی ہے یعنی تکیہ بھی نہ رکھا جائے ۱۲ [2] یعنی شروع ہے اللہ کے نام سے اور اللہ کی برکت سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق پر یعنی خدا کے نام سے ہم نے تجھ کو اتارا اور نبی کریمؐ کی ملت پر تجھ کو سپرد کیا ۱۲

کہ جنازہ اسی طرف رکھا جائے پھر اٹھا کر لحد میں اتارا جائے اور مستحب ہے کہ لحد میں اتارنے والا مردے کا یوں کہے بسم اللہ و باللہ و علی ملۃ رسول اللہ اور قبلہ کی طرف اس کا منہ کر دیا جائے بطور وجوب شامی نے کہا کہ تحفہ میں مصرح ہے کہ قبلہ رخ کرنا مردہ کا سنت ہے **وینبغی کونہ علی شقہ الایمن ولا ینبش لیوجہ الیہا وتحل العقدۃ للاستغناء عنہا ویسوی اللبن علیہ والقصب لا الاجر المطبوخ والخشب لو حول المیت اما فوقہ فلا یکرہ ذکرہ ابن الملک** اور مناسب ہے ہونا مردہ کا داہنی کروٹ پر اور قبر نہ ادھیڑی جاوے مردہ کے قبلہ رخ کرنے کے بیے یعنی بعد مٹی دینے کے اگر معلوم ہو کہ مردہ قبلہ رخ نہیں ہے تو قبر نہ ادھیڑی جائے اور لحد میں مردہ کے کفن کی گرہ کھول دی جائے بسبب بے پرواہ ہونے کے اس سے یعنی کفن کے کھلنے کے خوف سے گرہ تھی وہ خوف جاتا رہا اور رکھی جاویں اس پر کچی اینٹیں اور نرکل اور نہ پکی اینٹیں اور تختہ اگر گرد میت کے ہو لیکن اس کے اوپر تختہ رکھنا مکروہ نہیں ذکر کیا ہے اس کو ابن ملک نے ہم کچی اینٹیں اول لحد کے منہ پر کھڑی کی جائیں اور ان کی درزوں پر نرکل یا ڈھیلے رکھ دئے جائیں تختہ نہ رکھیں اور اگر اٹانے پر تختہ رکھا جاوے تو مکروہ نہیں **فائدہ** یہ ایک کام کی بات ہے عدد لبنات لحد النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسع بہنسی شمار کچی اینٹوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لحد شریف کا ۹ ہے ذکر کیا ہے اس کو بہنسی نے طحطاوی نے کہا کہ کچی اینٹوں کے ساتھ نرکل کے سینٹے تھے **وجاز ذلک حولہ بارض رخوۃ کالتابوت** اور جائز ہے پکی اینٹ اور تختہ گرد میت کے نرم زمین میں جیسے صندوق درست ہے **ویسجی ای یغطی قبرہا ولو خنثی لا قبرہ الا لعذر کمطر** اور ڈھانپی جائے قبر عورت کی قبر میں اتارنے کے وقت یہاں تک کہ لحد کا منہ بند کیا جائے اگرچہ مردہ خنثی ہو نہ ڈھانپی جائے قبر مرد کی مگر کسی عذر سے مثلاً بارش کی جہت سے **ویہال التراب علیہ ویکرہ الزیادۃ علی ما خرج منہ من التراب لانہ بمنزلۃ البناء ویستحب حثیہ من قبل راسہ ثلثا وجلوس ساعۃ بعد دفنہ لدعاء وقراءۃ بقدر ما ینحر الجزور ویفرق لحمہ** اور بعد لحد بند کرنے کے اس پر مٹی ڈالی جاوے اور مکروہ ہے زائد کرنا مٹی کا اس مقدار سے جو قبر میں سے نکلی ہو اس لیے کہ زائد مٹی بجائے عمارت کے ہے اور مستحب ہے مٹی دینا اس کے سر کی جانب سے تین بار یعنی دونوں ہاتھوں سے تین دفعہ مٹی دے اول دفعہ میں کہے منہا خلقناکم[1] اور دوسرے میں کہے وفیہا نعیدکم اور تیسری میں کہے ومنہا نخرجکم تارۃ اخری چنانچہ ابن ماجہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اسی طرح مروی ہے اور مستحب ہے بعد دفن مردہ کے ایک ساعت توقف کرنا دعا اور قرأت کے لیے اس قدر کہ قربانی اونٹ کی ہو کر اس کا گوشت بٹ جاوے ہم قبر کی مٹی سے زائد مٹی ڈالنی اس لیے مکروہ ہوئی کہ ابوداؤد کی حدیث میں اس سے ممانعت وارد ہے اور دفن کے بعد توقف کرنا بھی ابوداؤد میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مردہ دفن ہو چکتا تو اس کی قبر پر کھڑے ہوتے اور فرماتے کہ اپنے بھائی کے لیے مغفرت کی درخواست کرو اور ثابت رہنے کی دعا اس کے لیے کرو کہ اس سے اب سوال ہوگا اور حضرت ابن عمرؓ بعد دفن کے قبر پر شروع سورۂ بقر اور اس کے خاتمے کا پڑھنا مستحب جانتے تھے کذا فی الشامی **ولا باس برش الماء علیہ حفظا لترابہ عن الاندراس** اور کچھ مضائقہ نہیں پانی چھڑکنے کا قبر پر واسطے حفاظت مٹی کے اڑنے کے ہم بلکہ پانی چھڑکنے کو مستحب کہنا مناسب ہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعید اور اپنے فرزند ابراہیم کی قبر پر چھڑکوایا تھا چنانچہ ابن ماجہ میں اور ابوداؤد کے مراسیل میں مروی ہے **ولا یربع للنہی عنہ ویسنم ندبا وفی الظہیریۃ وجوبا قدر شبر ولا یجصص للنہی عنہ** اور قبر چورس نہ بنائی جائے بسبب ممانعت چورس کرنے کے اور اونچی کی جائے مثل اونٹ کے کوہان کے براہ استحباب اور ظہیریہ میں ہے کہ اونچا کرنا واجب ہے بقدر ایک بالشت کے اور گچ نہ کی جائے قبر بسبب نہی کے گچ کرنے سے ہم چورس سے مراد یہ ہے کہ مٹی کو پھیلا کر چبوترے کی شکل نہ کیا جائے بلکہ بیچ میں سے اونچی مثل کوہان کے کی جائے امام محمد رحمہ اللہ نے آثار میں روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کے چورس کرنے سے منع فرمایا اور مسلم میں مروی ہے کہ آپ نے

[1] یعنی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو دوبارہ داخل کریں گے اور اسی میں سے تم کو دوسری بار نکالیں گے ۱۲

قبر پر گچ کرنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا کذا فی الشامی **ولا یطین ولا یرفع علیہ بناء وقیل لا باس بہ وہو المختار** فی کراہۃ السراجیۃ اور نہ کہگل کی جائے قبر پر اور نہ اس پر کوئی عمارت بنائی جائے اور ایک قول یہ ہے کہ کہگل کا کچھ مضائقہ نہیں اور یہی قول مختار ہے چنانچہ سراجیہ کے باب الکراہۃ میں ہے ہم شامی نے کہا کہ مصنف کو مناسب تھا کہ وقیل لا باس الخ کو بعد ولا یطین کے بیان کرتا کیونکہ عبارت سراجیہ میں کہگل کرنے کو مختار کہا ہے چنانچہ اس کی عبارت یہ ہے ذکر فی تجرید ابی الفضل ان تطیین القبور مکروہ والمختار انہ لا یکرہ یعنی ابوالفضل کی تجرید میں مذکور ہے کہ قبروں کا کہگل کرنا مکروہ ہے اور مختار یہ ہے کہ مکروہ نہیں اور اسی عبارت مصنف کو منح الغفار میں سراجیہ کی طرف منسوب کیا ہے مگر قبر پر عمارت سے مفہوم ہوتا ہے اور طحطاوی نے کہا کہ شرنبلالیہ میں برہان سے منقول ہے کہ عمارت بنانا قبر پر زینت کے واسطے حرام ہے اور مضبوطی کے لیے بعد دفن کے مکروہ ہے لیکن بنی ہوئی عمارت میں دفن کرنا مکروہ نہیں وفی جنائز ہا ولا باس بالکتابۃ ان احتیج الیہا حتی لا یذہب الاثر ولا یمتہن اور سراجیہ کے باب الجنائز میں ہے کہ کچھ مضائقہ نہیں لکھنے کا قبر پر اگر اس کی ضرورت ہو اس غرض سے کہ اس قبر کا نشان نہ جاتا رہے اور پامال نہ ہو مسلم نے جابر سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا قبروں کے گچ کرنے اور ان پر لکھنے اور عمارت بنانے سے تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ ممانعت اس وقت ہے کہ حاجت نہ ہو اور لا باس کہنے سے اشارہ ہوا کہ باوجود حاجت کے نہ لکھنا بہتر ہے اور فتاوی محب میں ہے کہ قرآن کا لکھنا قبروں پر مکروہ ہے اس وجہ سے کہ بوسیدہ ہو کر کلمات پامال نہ ہوں اور یہی حال ہے دوسرے کلمات واجب التعظیم کا **ولا یخرج منہ بعد اہالۃ التراب الا لحق آدمی کان تکون الارض مغصوبۃ او اخذت بشفعۃ ویخیر المالک بین اخراجہ ومساواتہ بالارض کما جاز زرعہ والبناء علیہ اذا بلی وصار ترابا** زیلعی اور بعد مٹی دینے کے مردہ قبر سے باہر نہ نکالا جائے مگر کسی آدمی کے حق کے لیے مثلاً زمین غصب کی ہوئی ہو اور مالک مردے کا رہنا پسند نہ کرے یا جس زمین میں دفن کیا وہ شفعہ کے باعث دوسرے نے لے لی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس زمین میں مردہ رہے اور اختیار دیا جائے گا مالک کو مردہ کے نکالنے اور قبر کو زمین سے برابر کرنے میں یعنی مالک زمین کے ظاہر و باطن دونوں پر حق رکھتا ہے مردے کو اندر رہنے دے اور صرف اوپر سے ہموار کردے اور چاہے اندر بھی نہ رہنے دے جیسے جائز ہے جوتنا قبر کا اور اس پر عمارت بنانی جب کہ مردہ پرانا ہو کر مٹی ہو گیا ہو کذا فی الزیلعی **حامل ماتت وولدہا حی یضطرب شق بطنہا من الایسر ویخرج ولدہا ولو بالعکس وخیف علی الام قطع واخرج لو میتا والا لا** کما فی کراہۃ الاختیار ایک عورت حاملہ مر گئی اور اس کا بچہ پیٹ میں زندہ حرکت کرتا ہے تو عورت کا پیٹ بائیں طرف سے چیر کر اس کے بچہ کو نکال لیا جائے اور اگر معاملہ برعکس ہو یعنی بچہ مر گیا اور عورت زندہ ہے اور خوف ہے ماں کے مر جانے کا تو اس بچے کو کاٹ کر نکالا جائے اور اگر بچہ زندہ ہو تو کاٹ کر نہ نکالا جائے کیونکہ ماں کا مر جانا وہمی بات ہے تو زندہ بچہ کو قتل کرنا وہمی امر کے لیے جائز نہیں کذا فی الشامی طحطاوی نے کہا کہ شارح کا لو میتا کہنا زائد ہے اس لیے کہ لو بالعکس سے اس کا مردہ ہونا صاف ظاہر ہے **ولو بلع مال غیرہ ومات ہل یشق قولان والاول نعم** فتح اور اگر کوئی شخص پرایا مال نگل کر مر گیا تو اس کا پیٹ چیرا جائے یا نہیں اس باب میں دو قول ہیں اور بہتر یہ ہے کہ ہاں چیرا جائے کیونکہ اس کی حرمت اس کی تعدی کے سبب سے جاتی رہی اس سے معلوم ہوا کہ اگر بلا تعدی اس کے پیٹ میں مال چلا گیا ہوگا تو پیٹ نہ چیرا جائے گا کذا فی الشامی فروع مسائل ملحقہ شارح کے **الاتباع افضل من النوافل لو قرابۃ او جوارا او فیہ صلاح معروف** جنازہ کے ساتھ چلنا افضل ہے بہ نسبت نفلوں کے اگر میت کے ساتھ قرابت یا ہمسائیگی ہو یا مردہ نیکبخت مشہور ہو وجہ افضل ہونے کی یہ ہے کہ جنازہ کے ساتھ جانے میں سلوک زندہ اور مردہ دونوں کے ساتھ ہے اس لیے اس کا ثواب زیادہ ہے کذا فی الطحطاوی **یندب دفنہ فی جہۃ موتہ وتعجیلہ وستر موضع غسلہ فلا یراہ الا غاسلہ او من یعینہ وان رای بہ ما یکرہ لم یجز ذکرہ لحدیث اذکروا**

محاسن موتاکم وکفوا عن مساویہم مستحب ہے دفن کرنا میت کا اس کی موت کی جہت میں یعنی جس جگہ مرا ہو وہاں کے قبرستان میں دفن کرنا مستحب ہے وہاں سے دوسری جگہ نہ لیجانا چاہیے اور مستحب ہے جلدی کرنا دفن میں اور مستحب ہے نہلانے کی جگہ چھپانا اس طرح کہ نہلانے والے یا اس کے مددگار کے سوا اور کوئی نہ دیکھے اگر مردے سے کوئی امر ایسا دیکھے جو برا معلوم ہو مثلاً صورت کا برا ہونا یا رنگ سیاہ پڑ نا تو اس کا بیان کرنا درست نہیں لبسبب اس حدیث کے کہ بیان کرو خوبیاں اپنے مردوں کی اور باز رہو ان کی برائیوں سے شامی نے کہا کہ اگر میت بدعتی ہو تو اس کے حال کے کہہ دینے کا مضائقہ نہیں تاکہ اور لوگ بدعت سے باز رہیں ولا باس بنقلہ قبل دفنہ اور کچھ مضائقہ نہیں مردے کو دوسری جگہ لے جانے کا پیشتر اس کے دفن ہونے کے یعنی دفن کرنے کے بعد بالاتفاق نقل درست نہیں اور قبل دفن نقل کرنا بعض فقہا کے نزدیک تو درست ہے کتنا ہی فاصلہ ہو اور بعض نے کہا کہ اگر مدت سفر دونوں جگہ میں نہ ہو تو نقل درست ہے اور امام محمد نے ایک یا دو میل کے فاصلے کی قید لگادی ہے کہ اس قدر دوری تک نقل درست ہے اور اس سے زیادہ فاصلہ پر لیجانا مکروہ ہے کذا فی الشامی و بالاعلام بموتہ اور کچھ مضائقہ نہیں میت کی مرنے کی خبر آپس میں ایک دوسرے سے کہہ دینی تاکہ لوگ اس کا حق ادا کریں اور تجہیز و تکفین میں شریک ہوں و بارثائہ بشعر او غیرہ لکن یکرہ الافراط فی مدحہ لاسیما عند جنازتہ لحدیث من تعزی بعزاء الجاہلیۃ اور کچھ مضائقہ نہیں مردے پر رونے کا شعر سے یا غیر شعر سے مگر مکروہ ہے زیادتی کرنی اس کی تعریف میں خصوص اس کے جنازے کے پاس لبسبب اس حدیث کے کہ جو کوئی واویلا کرے ایام جاہلیت کے رونے سے یعنی وہ ہم سے نہیں م جاہلیت کے رونے سے مراد چیخنا اور نوحہ کرنا اور پیٹنا اور کپڑا پھاڑنا ہے کہ یہ سب امور ناجائز ہیں اور شعر سے رونے سے یہ غرض کہ ایسا شعر پڑھ کر رونا جس سے اپنے غم کا اظہار یا مردے کے محاسن کا شمار بدون مبالغہ ہو شامی نے کہا کہ شارح نے ارثاء باب افعال سے لکھا حالانکہ مزید مستعمل نہیں رونے کے معنی میں مجرد ہی آتا ہے مصدر اس کا مرثیہ ہے و بتعزیۃ اہلہ و ترغیبہم فی الصبر اور کچھ مضائقہ نہیں میت والوں کی تسلی کرنے اور ان کو صبر میں رغبت دلانے کی م شرح منیہ میں کہا کہ ماتم پرسی مستحب ہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے صبر دلایا اپنے بھائی کو کسی مصیبت میں اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن کرامت کا لباس پہناوے گا کذا فی الشامی و باتخاذ طعام لہم اور کچھ مضائقہ نہیں میت کے گھر والوں کے لیے کھانا پکوانے کا م فتح القدیر میں کہا کہ میت کے ہمسایوں اور دور کے رشتہ داروں کو مستحب ہے کہ میت کے گھر والوں کے . . . . . واسطے اتنا پکوائیں جو ان کو اس دن اور رات میں شکم سیر کردے اور اس باب میں اصل وہ حدیث ہے کہ حضرت جعفرؓ کی خبر مرگ جب آئی تھی تو آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جعفر کے متعلقوں کے لیے کھانا تیار کرو وہ اپنے دھندے میں لگے ہیں و بالجلوس لہا فی غیر مسجد ثلثۃ ایام و اولہا افضلہا و تکرہ بعدہا الا لغائب اور کچھ مضائقہ نہیں سوگ کے واسطے تین دن بیٹھنے کا مسجد کے سوا دوسرے مکان میں اور اول روز یعنی جس روز مردہ دفن ہوا ماتم پرسی کے واسطے اور دنوں سے بہتر ہے کیونکہ پہلے روز میں وحشت فراق زیادہ ہوتی ہے تو تسلی ایسے ہی وقت میں مناسب ہے اور مکروہ ہے تعزیت بعد تین دن کے مگر غائب کے لیے مکروہ نہیں یعنی اگر کسی شخص نے تین دن کے بعد موت کی خبر سنی اور اس وقت پسماندوں کی تعزیت کو آیا تو مکروہ نہیں اسی طرح اگر میت کا رشتہ دار موت کے وقت نہ ہوا اور بعد مدت کے آوے تب بھی اس کے پاس تعزیت کو جانا مکروہ نہ ہوگا کذا فی الشامی و تکرہ التعزیۃ ثانیا و عند القبر و عند باب الدار و یقول اعظم اللہ اجرک و احسن عزاءک و غفر لمیتک اور مکروہ ہے تعزیت دوبارہ یعنی ایک بار تعزیت کرلی ہو تو دوسری بار نہ جائے اور مکروہ ہے تعزیت قبر کے پاس یعنی دفن کے پاس میت کے لیے دعا کا مقام ہے نہ تعزیت کا اور مکروہ ہے تعزیت گھر کے دروازے کے پاس اور تعزیت میں یوں کہے

کہ اللہ تعالیٰ تیرا ثواب زیادہ کرے اور تیرا صبر اچھا کرے اور تیرے میت کو بخشے وبزیارۃ القبور ولو للنساء لحدیث کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا اور کچھ مضائقہ نہیں قبروں کی زیارت کا اگرچہ عورتیں زیارت کریں بسبب اس حدیث کے کہ میں نے تم کو منع کیا تھا قبروں کی زیارت سے اب آگاہ رہو کہ ان کی زیارت کیا کرو ہم بعض نے کہا کہ عورتوں کو قبروں کی زیارت کرنی حرام ہے اور شارح نے لا بأس یہ کہا خیر الدین رملی نے اس کی تفصیل خوب کی ہے یعنی اگر عورتیں اس وجہ سے جائیں کہ غم تازہ ہو جائے اور رونا پیٹنا اپنے معمول کے موافق قبروں پر کریں تو ہرگز جائز نہیں اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے قبروں کی زیارت کرنے والیوں کو تو اس میں وہی عورتیں مراد ہیں جو قبروں پر امور نامشروع کریں اور اگر اس وجہ سے جائیں کہ عبرت حاصل کریں یا تبرک چاہیں کر صلحا کی قبروں پر جائیں تو اس صورت میں اگر عورتیں بوڑھی ہوں تو مضائقہ نہیں اگر جوان ہوں تو ان کے حق میں زیارت مذکور مکروہ ہے اور مردوں کے حق میں بموجب حدیث بالا زیارت قبور مستحب ہے ۔۔۔

اور افضل یہ ہے کہ جمعہ کو زیارت کرے یا اس سے ایک روز پہلے یا ایک روز پیچھے کذا فی الشامی السلام علیکم دار قوم مومنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون ولیقرأ یٰسٓ وفی الحدیث من قرأ الاخلاص احد عشر مرۃ ثم وھب اجرہا للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات۔ اور زیارت کرنیوالا قبرستان میں یہ الفاظ کہے السلام علیکم سے لاحقون تک یعنی سلام ہو تم پر اے ایمان دار قوم کے گھر والو! بیشک ہم اگر خدا نے چاہا تو تم سے ملیں گے اور سورہ یٰسین پڑھے اور حدیث میں ہے کہ جو شخص سورۂ اخلاص گیارہ بار پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخش دے تو مردوں کے شمار کے موافق اس کو ثواب دیا جائے گا حلبی نے کہا کہ احد عشر کی جگہ احدی عشرۃ صواب ہے ویحفر قبرا لنفسہ وقیل یکرہ والذی ینبغی ان لا یکرہ تہیئۃ نحو الکفن بخلاف القبر اور کچھ مضائقہ نہیں اپنے لیے قبر کھود رکھنے کا اور بعض نے کہا کہ مکروہ ہے اور مناسب بقواعد یہ ہے کہ کفن جیسے چیز کا تیار کر لینا مکروہ نہیں بخلاف قبر کے ہم وجہ قبر کے کھود رکھنے کی یہ ہے کہ پہلے سے سفر آخرت کی تیاری ہے اور حضرت عمر بن عبد العزیز اور ربیع بن خثیم وغیرہما نے ایسا کیا بھی ہے اور جن لوگوں نے مکروہ کہا اس کی علت یہ بیان کی کہ آدمی کو یہ معلوم نہیں کہ میں کہاں مروں گا چنانچہ قرآن مجید میں مصرح ہے پھر خاص جگہ قبر بنوانا نص کے خلاف ٹھہرتا ہے طحطاوی نے کہا قبر کھدوانا قرآن کی نص کے مخالف نہیں اس لیے کہ اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ ہوتا ہی ہے یعنی اگر خود وہاں نہ مرے گا تو دوسرے کے کام آویگی یکرہ المشی فی طریق ظن انہ محدث حتی اذا لم یصل الی قبرہ الا بوطی قبر ترکہ مکروہ ہے چلنا قبرستان کے اس راستے میں جس کا گمان کرے کہ یہ نیا راستہ ہے یہاں تک کہ اگر میت کی قبر تک بدون کسی قبر کے روندنے کے نہ پہنچے تو اس کے پاس جانا ترک کرے ولا یکرہ الدفن لیلا اور مکروہ نہیں دفن کرنا رات کو ہم شرح منیہ میں کہا کہ دن کو دفن کرنا مستحب ہے کذا فی الشامی ولا اجلاس القارئین عند القبر وہو المختار اور نہیں مکروہ ہے قرآن خوانوں کو بٹھلانا قبر کے پاس اور یہی مختار ہے ہم نور الایضاح کی عبارت ہے کہ قرأت قرآن کے لیے قبر کے پاس بیٹھنا اس غرض سے کہ تلاوت اچھی طرح ہو اور خوب سمجھ میں آوے اور باعث عبرت ہو قول مختار میں مکروہ نہیں کذا فی الشامی اس نقل سے شامی کی غرض شاید یہ ہے کہ قاریوں کو بٹھلانا جو شارح نے مختار لکھا ہے کہیں مصرح نہیں عظم الذمی محترم ذمی کی ہڈی حرمت رکھتی ہے یعنی اگر قبر میں کسی کافر ذمی کی ہڈی پائی جائے تو اس کو توڑا نہ جائے گا نہ اور کسی قسم کا ہتک کیا جائے گا انما یعذب المیت ببکاء اہلہ اذا اوصی بذلک میت پر عذاب ہوتا ہے اس کے گھر والوں کے رونے سے بشرطیکہ میت نے رونے کی وصیت کی ہو ہم اس مسئلہ میں اختلاف ہے کچھ لوگوں کا قول یہ ہے کہ گھر والوں کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے اس وجہ سے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ میت کو گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے اور اکثر علما کا قول یہ ہے کہ عذاب نہیں ہوتا کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے[1] ولا تزر وازرۃ وزر اخری اور حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اس زمانے کے لوگ

[1] اور نہیں اٹھاتا ہے کوئی اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا ۱۲

نوحہ کرنے کی وصیت کیا کرتے تھے اس لیے آپ نے ایسا فرمایا کذا فی البحر اور شامی نے کہا کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپ نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا تھا کہ آپ ایک یہودی کی قوم پر گذرے جو اس یہودی کو رو رہے تھے آپ نے فرمایا کہ اس کو تو عذاب ہوتا ہے اور یہ لوگ اس پر روتے ہیں کتب علی جبھۃ المیت او عمامتہ او کفنہ عہد نامہ یرجی ان یغفر اللّٰہ للمیت مردہ کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا گیا تو توقع ہے کہ میت کو اللہ تعالیٰ بخش دے م عہد نامہ کی دعا یہ ہے اللّٰھم فاطر السموات والارض عالم الغیب والشہادۃ الرحمن الرحیم انی اعھد الیک فی ہذہ الحیوۃ الدنیا انی اشہد انک انت اللّٰہ لاالٰہ الا انت وحدک لاشریک لک وان محمدا عبدک ورسولک فلاتکلنی الی نفسی فانک ان تکلنی الی نفسی تقربنی من الشر وتباعدنی من الخیر وانی لااثق الا برحمتک فاجعل لی عہدا عندک توفینیہ یوم القیامۃ انک لاتخلف المیعاد اور اس کے الفاظ اور طرح بھی لوگوں نے لکھے ہیں باقی رہا اس دعا کا لکھنا مردہ کی پیشانی وغیرہ پر سو اس کو بعض فقہا نے بقصد تبرک جائز لکھا ہے مگر ابن صلاح نے فتویٰ دیا ہے کہ قرآن اور اسماء معظم میں سے کچھ نہ لکھا جائے کیونکہ کفن وغیرہ پر ان کلمات محترمہ کو لکھنا جائز نہیں بوجہ کہ مردہ کی نجاستوں میں انکو آلودہ کرنا ہے اور فتح القدیر میں ہے کہ قرآن اور اسماء الٰہی کا لکھنا روپیوں اور دیواروں پر مکروہ ہے اس لیے کہ خوف ان کے پاؤں تلے آنے اور اہانت کا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مردہ کے بدن یا کفن پر لکھنا بطریق اولیٰ مکروہ ہوگا جب تک کہ مجتہد سے ثابت نہ ہو یا کسی حدیث صحیح میں اس کی صراحت نہ ہو کذا فی الشامی مختصرًا اوصی بعضھم ان یکتب فی جبھتہ وصدرہ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ثم رئی فی المنام فسئل فقال لما وضعت فی القبر جاءتنی ملائکۃ العذاب فلما رأوا مکتوبا علی جبھتی بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم قالوا امنت من عذاب اللّٰہ کسی شخص نے وصیت کی کہ میری پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھ دینا سو لکھ دی گئی بعد اس کے کسی نے اس کو خواب میں دیکھ کر اس کا حال پوچھا اس نے کہا کہ جب میں قبر میں رکھا گیا تو میرے پاس عذاب کے فرشتے آئے سو جب انھوں نے میری پیشانی پر بسم اللہ لکھی دیکھی انھوں نے کہا کہ تو خدا کے عذاب سے مامون ہوا م چونکہ اوپر کے بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ لکھنا کلمات متبرکہ کا بخوف نجاست اور پامالی کے مکروہ ہے تو یہ واقعہ شاید اس طرح ہوا ہو کہ صرف انگشت شہادت سے بدون کسی سیاہی و قلم کے پیشانی پر بسم اللہ لکھ دی ہو چنانچہ بعض فقہا اس طرح انگلی ہی سے لکھنا بسم اللہ کا پیشانی پر اور کلمہ طیبہ کا چھاتی پر بعد نہلانے کے کفن دینے سے پیشتر تجویز کرتے ہیں مگر بہر حال کسی طرح ہوا ہو شرعی احکام کا مدار خواب پر نہیں ہو سکتا واللّٰہ اعلم

باب الشہید

یہ باب ہے شہید کے احکام میں م ہر چند شہید بھی مردہ ہے مگر اس کو نماز جنازہ سے جدا باب کر کے اس لیے بیان کیا کہ جو فضیلت شہید کو ہے وہ دوسرے مردے کو نہیں کذا فی النہر فعیل بمعنی مفعول لانہ مشہود لہ بالجنۃ او فاعل لانہ حی عند ربہ فہو شاہد شہید بروزن فعیل ہے بمعنی مفعول اس وجہ سے کہ اس کے لیے جنت سامنے کی گئی یا بمعنی فاعل ہے کیونکہ وہ زندہ ہے اپنے پروردگار کے پاس م شہید مشتق شہود سے ہے یا شہادت سے تو مشہود بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتے اس کی تعظیم کو آتے ہیں اور جنت اس کے سامنے پیش کی جاتی ہے اور شاہد بھی ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے پاس حاضر ہوتا ہے یا یہ کہ اس کا خون اور زخم اس کے شاہد موجود ہیں ہو کل مکلف طاہر شہید جس کا حکم آگے مذکور ہے وہ ہر عاقل بالغ مسلمان پاک شخص ہے م یہ تعریف شہید کی باعتبار حکم آئندہ کے ہے مطلق شہید کی نہیں چنانچہ آگے بیان ہوگا کہ شہید اور بھی

اے اللہ پیدا کرنے والے آسمانوں اور زمین کے جاننے والے پوشیدہ اور ظاہر کے بہت رحم والے رحیم میں اقرار کرتا ہوں تیرے سامنے اس دنیا کی زندگی میں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو معبود ہے کوئی معبود نہیں سوا تیرے تو اکیلا ہے کوئی تیرا شریک نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے اور رسول ہیں پس تو مجھ کو میرے نفس کے حوالہ کرے گا تو وہ مجھ کو بدی سے نزدیک اور نیکی سے دور کرے گا اور میں نہیں اعتماد رکھتا ہوں مگر تیری رحمت پر پس کر دے میرے لیے اپنے پاس ایک عہد کہ پورا کرے تو اس کو مجھ سے قیامت کے دن بیشک تو وعدہ کو خلاف نہیں کرتا ۱۲

ہوتے ہیں عاقل بالغ کی قید سے معلوم ہوا کہ لڑکا اور دیوانہ نہلائے جاویں گے اور مسلم کی قید سے کافر نکل گیا کہ گو ظلماً مارا گیا ہو مگر شہید نہ ہوگا
اور پاک کی قید سے جنب اور حائضہ اور نفسا نکل گئی کہ یہ اگر شہید ہوں گے تو ان کو غسل دیا جاوے گا فالحائض اذا رأت ثلثۃ ایام غسلت والا
لاالعدم کونہا حائضا پس حیض والی عورت اگر تین روز خون دیکھے تو نہلائی جاوے ورنہ وہ غسل نہ دی جائے بسبب نہ ہونے اس عورت کے حائضہ
م یعنی ایک عورت نے مثلاً تین دن خون دیکھا پھر وہ ظلم سے ماری گئی تو چونکہ اقل مدت حیض کی گذرنے سے وہ قطعاً ناپاک ہو گئی تھی اس لیے اسکو
غسل دینا چاہیے اور اگر خون دیکھنے کے دو روز کے بعد ماری گئی تو غسل نہ دی جائے گی کیونکہ بسبب کمتر مدت ہونے کے وہ ابھی حائضہ
نہیں ہو سکتی کہ شاید یہ خون استحاضہ کا ہو ولم یعد علیہ السلام غسل حنظلۃ لحصولہ بفعل الملائکۃ بدلیل قصۃ آدم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے حضرت حنظلہ کو دوبارہ غسل نہ دیا بسبب ہو جانے غسل کے فرشتوں کے فعل سے حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ کی دلیل سے م حنظلہ رض
بن ابی عامر ثقفی جب شہید ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے یار حنظلہ کو فرشتے نہلا رہے ہیں صحابہؓ نے ان کی بی بی سے
پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ ناپاکی کی حالت میں نکلے تھے آپ نے فرمایا کہ یہی وجہ ہے کہ فرشتوں نے ان کو نہلایا تو اس میں صاحبین یہ فرماتے
ہیں کہ اگر ناپاک شہید کا نہلانا بنی آدم پر واجب ہوتا تو چاہیے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حنظلہؓ کو دوسری بار نہلاتے تو شارح
امام اعظم کی طرف سے جواب دیتا ہے کہ غسل بلاشبہ واجب ہے مگر نہلانے والے کچھ ضرور نہیں کہ آدمی ہوں چنانچہ حضرت آدم کے نہلانے کا
قصہ باب الجنائز میں گذرا کہ ان کو فرشتوں نے نہلایا تھا اسی طرح یہاں بھی جب غرض غسل یعنی طہارت فرشتوں کے نہلانے سے حاصل
ہو گئی تو پھر بنی آدم کے غسل دینے کی کیا حاجت رہی کذا فی الشامی مختصراً قتل ظلما بغیر حق بجارحۃ ای بما یوجب القصاص ولم یجب بنفس
القتل دیۃ بل قصاص شہید وہ پاک مسلمان مکلف ہے کہ ظلم سے ناحق قتل کیا جاتا ہے زخم کرنے والی چیز سے یعنی ایسی چیز سے مارا جائے
جو قصاص کی موجب ہو مثلاً تلوار اور چھری اور تیر وغیرہ سے نہ لاٹھی اور غلہ کے مانند سے کہ ان دونوں سے مارنے کی صورت میں قصاص لازم
نہیں آتا اس لیے ان کے کشتہ کو غسل دیا جائے گا اور نہ واجب ہووے خود اس قتل کے سبب مال سے بلکہ واجب ہو قصاص حتی لو وجب المال
لعارض کالصلح او قتل الاب ابنہ لا تسقط الشہادۃ یہاں تک کہ اگر مال واجب ہو کسی عارض کی جہت سے اور نہ قتل کی وجہ سے جیسے قتل
سے صلح کرنے میں کہ ہرچند قتل موجب قصاص ہے مگر قصاص ساقط ہو جاتا ہے صلح سے جو امر عارضی ہے یا قتل کرے باپ اپنے بیٹے کو کہ
یہاں بھی نفس قتل سے قصاص ہی واجب ہے مگر باپ ہونے کی جہت سے قصاص نہیں لیا جاتا تو ان دونوں صورتوں میں شہادت ساقط
نہ ہوگی یعنی اس کو غسل نہ دیا جاوے گا ولم یرتث فلو ارتث غسل کما سیجئ اور ایک شرط غسل نہ دینے کی یہ ہے کہ زخمی ہونے کے بعد
زندہ نہ رہا ہو - - - - پس اگر زندہ رہا ہوگا تو غسل دیا جائے گا چنانچہ آگے مذکور ہوگا م ارتثاث میدان جنگ سے
اٹھالانے کو کہتے ہیں جب کہ زخمی میں جان باقی ہو اور یہ فعل مجہول مستعمل ہوتا ہے کذا فی القاموس اور شرع میں جو کیفیت ارتثاث
کی ہے وہ آگے مذکور ہوگی وکذا یکون شہیدا لو قتلہ باغ او حربی او قاطع طریق ولو تسببا او بغیر الۃ جارحۃ فان مقتولہم شہید
بای آلۃ قتلوہ لان الاصل فیہ شہداء احد ولم یکن کلہم قتیل سلاح اور اسی طرح یعنی بشرط زندہ نہ پائے جانے کے شہید ہوگا اگر قتل کیا ہو
اس کو باغی یا کافر حربی یا راہزن نے اگرچہ قتل سبب سے ہو یا بدون اوزار زخم کرنے والے کے ہو تب بھی شہید ہوگا کیونکہ ان لوگوں کا مارا
ہوا شخص شہید ہوتا ہے گو کسی ہی اوزار سے اس کو ماریں اس لیے کہ اصل اس باب میں جنگ احد کے شہید ہیں اور وہ سب ہتھیار سے نہیں مقتول
ہوئے تھے م قتل سبب کی مثال یہ ہے کہ مثلاً کسی کافر یا راہزن یا باغی سوار کے پاؤں تلے دب کر مسلمان مر گیا یا انھوں نے کسی

مسلمان سوار کے گھوڑے کو بھڑکایا یہاں تک کہ وہ گر کر مر گیا یا مسلمان کے رہنے کی جگہ میں آگ لگا دی اس سے مر گیا تو ان صورتوں میں شہید ہوگا کذا فی الشامی بتصرف او وجد جریحا میتا فی معرکتھم المراد بالجراحۃ علامۃ القتل کخروج الدم من عینہ واذنہ او حلقہ صافیا لا من انفہ او ذکرہ او دبرہ او حلقہ جامدا یا شہید ہوگا وہ شخص کہ پایا جائے زخمی مردہ ان لوگوں کے میدان جنگ میں شارح نے کہا کہ مراد زخم سے قتل کا نشان ہے خواہ ظاہر میں زخم ہو یا نہ ہو مثلاً نکلنا خون کا اس کی آنکھ سے یا کان سے یا حلق سے خون صاف کا نکلنا نہ نکلنا خون کا اس کی ناک سے یا پیشاب کی جگہ یا مقام پاخانہ سے یا حلق سے خون بستہ کا نکلنا م یعنی خون جس مقام سے نکلتا ہے دیکھنا چاہیے کہ اس مقام سے بدون کسی مرض باطنی کے بھی نکلا کرتا ہے اگر نکلتا ہے جیسے نکسیر تو اس صورت میں شہید نہ ہوگا اور اگر بدون مرض باطن نہیں نکلتا جیسے آنکھ یا کان سے تو یہ خون علامت قتل ہے اس سے شہید ہوگا اور اگر خون منہ سے نکلتا ہے تو اگر سر سے اترتا ہے تب تو شہید نہ ہوگا اور اگر پیٹ سے چڑھتا ہے تو شہید ہوگا کیونکہ بدون زخم باطن کے پیٹ کی طرف سے خون منہ کو نہیں آتا اور پہچان سر اور پیٹ کے خون کی یہ ہے کہ سر کا خون صاف ہوتا ہے اور پیٹ کا خون بستہ ہوتا ہے کذا فی الجوہرہ والفتح شامی نے کہا کہ شارح کی عبارت میں قلب ہو گیا صواب یہ ہے کہ جامدا اول ذکر کرنا چاہیے اور صافیا آخر میں فینزع عنہ مالا یصلح للکفن ویزاد ان نقص ما علیہ عن کفن السنۃ وینقص ان زاد لاجل ان یتم کفنہ المسنون پس اتارا جائے شہید پر سے وہ چیز جو کفن کی لیاقت نہیں رکھتی اور زیادہ کیا جائے بشرطیکہ جو کپڑے اس کے بدن پر ہوں وہ کفن سنت سے کم ہوں اور کم کیا جائے اگر اس کا لباس زیادہ ہو تا کہ اس کا کفن مسنون پورا ہو جائے م جو چیزیں کفن کی لیاقت نہیں رکھتیں وہ پوستین اور ٹوپی اور موزہ اور زرہ اور ہتھیار اور روئی دار کپڑے ہیں لیکن اگر سوا پوستین اور روئی دار کے اور کپڑا نہ ہو تو اس کو نہ اتارا جائے اور اس کے سب کپڑے اتار لینے اور نیا کفن دینا مکروہ ہے کذا فی الشامی ویصلی علیہ بلا غسل ویدفن بدمہ وثیابہ لحدیث زملوھم بکلومھم اور نماز پڑھی جائے شہید پر بدون غسل کے اور دفن کیا جائے مع اپنے خون اور کپڑوں کے بسبب اس حدیث کے کہ ان کو کپڑوں میں لپیٹو مع ان کے زخموں کے م یہ ارشاد آپ نے شہداء احد کے باب میں فرمایا تھا روایت کیا ہے اس کو احمد نے اور نیز اصحاب سنن نے روایت کیا ہے کہ شہداء احد کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے بدن سے لوہا اور پوستین اتار لو اور ان کو مع ان کے خون اور کپڑوں کے دفن کرو وکذا فی الطحطاوی ویغسل من وجد قتیلا فی مصر او قریۃ فیما ای فی موضع تجب فیہ الدیۃ ولو فی بیت المال کالمقتول فی جامع وشارع ولم یعلم قاتلہ او علم ولم یجب القصاص فان وجب کان شہیدا کمن قتلہ اللصوص لیلا فی المصر فانہ لا قسامۃ ولا دیۃ فیہ للعلم بان قاتلہ اللصوص غایۃ الامر انہ لم تعلم فلیحفظ فان الناس عنہ غافلون اور غسل دیا جائے وہ شخص کہ پایا جائے مقتول شہر یا گاؤں میں اس جگہ میں کہ خونبہا واجب ہو اگرچہ بیت المال میں واجب ہو جیسے وہ شخص کہ مسجد جامع اور شارع عام میں مقتول ہو کہ اس کی دیت بیت المال میں ہوتی ہے اور اس کا قاتل معلوم نہ ہو یا قاتل معلوم ہو مگر قصاص واجب نہ ہو پس اگر قصاص واجب ہوگا تو وہ مقتول شہید ہوگا مثلاً وہ شخص جس کو چوروں نے رات کو شہر کے اندر مار ڈالا ہو کہ اس میں نہ تو محلہ والوں پر قسم ہے نہ خونبہا بسبب معلوم ہونے اس امر کے کہ اس کے قاتل چور ہیں غایت امر یہ کہ قاتل معین معلوم نہیں تو اس کو یاد رکھنا چاہیے کہ لوگ اس سے غافل ہیں م یعنی قسامت اور دیت اسی صورت میں واجب ہوتے ہیں کہ قاتل معلوم نہ ہو اور جب چوروں نے مارا تو قاتل معلوم ہیں مگر خون ان پر ثابت نہیں ہو سکتا بھاگ جانے کے باعث سے اس لیے ان کا مقتول شہید ہوگا او قتل بحد او قصاص ای یغسل وکذا تعزیرا او افتراس سبع او جرح وارتث وذلک بان اکل او شرب او نام او تداوی ولو قلیلا او آوی خیمۃ او مضی علیہ وقت صلوۃ وھو یعقل ویقدر علی ادائھا او نقل من المعرکۃ وھو یعقل سواء وصل حیا او مات علی الایدی وکذا لو قام من مکانہ الی مکان آخر بدائع یا قتل کیا جائے حد میں یا قصاص میں

. . . میں یعنی وہ بھی غسل دیا جائے اور اسی طرح جو شخص تعزیر میں مقتول ہو کیونکہ ان کا قتل ہونا ظلم سے نہیں یا درندہ کے پھاڑنے سے
مرجائے یا زخمی ہو اور زندہ رہے اور ارتثاث شرعی یہ ہے کہ کھاوے یا پیوے یا سووے یا دوا کرے اگرچہ یہ باتیں تھوڑی ہی ہوں یعنی ذرا سا
کھایا یا ذرا سا علاج کیا وغیرہ یا خیمے میں جگہ لی یا گذرا اس پر ایک نماز کا وقت اس حال میں کہ وہ ہوش رکھتا تھا اور نماز کے ادا کرنے پر قادر تھا
یا میدان جنگ سے حالت ہوش میں اٹھایا گیا خواہ زندہ پہنچا ہو یا ہاتھوں پر مرگیا ہو اور اسی طرح اگر اپنی جگہ سے اٹھ کر دوسری جگہ چلا گیا کذا
فی البدائع م خیمہ میں جگہ لینے سے مراد یہ ہے کہ اس پر خیمہ اسی جگہ تان دیا گیا ہو ورنہ اگر وہ اٹھ کر جاوے گا تو یہ مسئلا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانیکا ۱۲م
ایک ہوگا اور میدان جنگ سے ہوش کے ساتھ اٹھائے جانے کی قید اس لیے لگائی کہ بیہوشی میں اٹھایا جائے گا تو گو دن رات گذر جائے غسل نہ دیا
جائے گا اور زخمی ہونے کی جگہ سے اٹھائے جانے کا حکم ایسا ہی ہے جیسا میدان جنگ سے اٹھایا جانے کا کذا فی الشامی لالخوف وطی الخیل
میدان جنگ سے اٹھایا گیا ہو نہ گھوڑوں کے روندنے کے خوف سے یعنی اگر گھوڑوں کے تلے پس جانے کے خوف سے اٹھایا جائے گا تو شہید
ہی رہے گا اور غسل نہ دیا جائے گا **او اوصی باموراالدنیا وان باموراالآخرۃ لایصیر مرتثا عند محمد وہوالاصح جوہرہ لانہ من احکام الاموات**
او باع او اشتری او تکلم بکلام کثیر والا فلا یا وصیت کی دنیا کے امور کی تو ارتثاث شرعی پایا جائے گا اور غسل دیا جائے گا اور اگر امور
آخرت کی وصیت کرے گا تو مرتث یعنی زندگی سے منتفع نہ ہوگا امام محمد کے نزدیک اور یہی صحیح تر ہے کذافی الجوہرہ اس لیے کہ وصیت امور
اخروی کے باب میں اموات کے احکام سے ہے یا بیچا یا مول لیا یا بہت سا کلام کیا تو مرتث ہوگا اور اگر بہت کلام نہ کرے گا تو مرتث نہ ہوگا
م غرضیکہ مردے کا غسل نہ دینا ایک امر خلاف قیاس ثابت ہوا ہے اور اصل اس باب میں شہدائے احد کا حال ہے تو اگر شہادت انھیں کی طرح
کی ہوگی تب تو غسل نہ دیا جائے گا اور اگر امور مذکورہ میں سے کسی سے فائدہ لینا بعد زخمی ہونے کے پایا جائے گا تو شہادت کامل نہ رہے گی جس سے
غسل دینا ترک کیا جاوے **وہذا کلہ اذا کان بعد انقضاء الحرب ولو فیہا** ای فی الحرب **لایصیر مرتثا بشئ مما ذکر** اور یہ سب باتیں جن سے شہادت
ناقص ہوتی ہے اس صورت میں ہیں کہ لڑائی ہو چکی ہو اور اگر لڑائی کے اندر یہ امور ہوں تو ان مذکور چیزوں میں سے کسی سے مرتث نہ ہوگا ہر صورت
میں شہید کامل ہوگا **وکل ذلک فی الشہید الکامل والا فالمرتث شہید الآخرۃ وکذا الجنب ونحوہ** اور یہ سب شرطیں شہید کامل کے باب میں ہیں جو
دنیا اور آخرت دونوں میں شہید ہو ورنہ مرتث شہید آخرت تو ہوتا ہی ہے اور اسی طرح شہید آخرت ہے جنابت والا اور مثل اس کے یعنی مجنون اور
لڑکا اور وہ مقتول جو ظلم سے مارا جائے اور اس کے مارے جانے سے مال واجب ہو یہ بھی شہید آخرت ہیں م شرطیں شہید کامل کی چھ مذکور ہوئی
ہیں اوّل عقل دوّم بلوغ سوّم طہارت جنابت جیسی چیز سے چہارم قتل ہونا براہ ظلم یا جہاد میں پنجم نہ واجب ہونا عوض مالی کا ششم بعد زخمی ہونے
کے منتفع نہ ہونا امور . . مذکورۂ بالا سے اور شہید دنیا سے یہ غرض کہ غسل نہ دیا جائے گا مگر اس صورت میں کہ جنب ہو یا نجاست خارجی سوا
اس کے خون کے لگی ہو اور شہید آخرت سے یہ مراد کہ جو ثواب شہداء کے لیے وعدہ ہوا ہے اس کو حاصل ہوگا کذافی البحر **ومن قصد العدو فاصاب
نفسہ والغریق والحریق والغریب والمہدوم علیہ والمبطون والمطعون والنفساء والمیت لیلۃ الجمعۃ وصاحب ذات الجنب ومن مات وہو طالب العلم
وقد عدہم السیوطی نحو الثلاثین واللہ تعالیٰ اعلم** اور شہید آخرت ہے جو شخص کہ دشمن کا قصد کرے ہتھیار اپنے ہی مارلے اور پانی میں ڈوبا ہوا اور جل کر
مرنے والا اور سفر میں مرنے والا اور جس پر مکان گر گیا ہو اور پیٹ کی بیماری یعنی دستوں یا استسقا سے مرنے والا اور وبا سے مرنے والا شامی
نے کہا کہ جو شخص ایام وبا میں اپنے شہر میں صابر بہ نیت حصول ثواب ٹھہرا رہے وہ اگر اسی عرصہ میں کسی اور مرض سے مر جائے گا وہ بھی شہید
ہوگا اور نفاس والی عورت خواہ جننے کے وقت مرے یا مدت نفاس میں اور جو شخص جمعہ کی شب کو وفات پاوے اور ذات الجنب والا اور

جو شخص اس حال میں مرے کہ علم کا طالب ہو یعنی علم میں مشغول ہو خواہ تالیف کرتا ہو یا پڑھتا ہو یا پڑھاتا ہو یا سنتا ہو اور شہداء آخرت کو سیوطی نے بقدر تیس کے شمار کیا ہے واللہ اعلم جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب تثبیت میں تعداد مذکور کو اس طرح بیان کی ہے پیٹ کی بیماری والا غرق دب کر مرنے والا ذات الجنب والا جو عورت کہ اپنے حمل وغیرہ پیٹ کے اندر کی چیز سے مرجائے سل والا سفر میں مرنے والا مرگی والا تپ والا اپنے گھر والوں کی حفاظت یا اپنے مال کی حفاظت یا اپنی جان کے بچانے میں مرنے والا ظلم سے مرنے والا عشق میں مرنے والا بشرطیکہ پارسائی اور پوشیدگی کے ساتھ ہو جس شخص کے گلے میں پانی وغیرہ کا پھندا لگ کر اچھو ہوا ہو جس کو درندے نے پھاڑا ہو جس کو بادشاہ نے ظلماً قید کیا ہو یا زبردستی پٹوایا ہو یا بادشاہ کے خوف سے چھپا پھرتا ہو اور مرگیا ہو اور جس کو سانپ بچھو وغیرہ نے کاٹا ہو جو علم شرعی کی طلب میں مرا ہو جو بہ نیت ثواب اذان دیتا ہو جو سوداگر سچ بولتا ہو جو شخص اپنے زن و فرزند اور مملوکوں میں اللہ تعالیٰ کا حکم جاری کرتا ہو اور حلال کی کمائی سے ان کو کھلاتا ہو جس کو جہاز میں متلی اور قے سے وفات ہو جو عورت غیرت پر صبر کر کے مرے جو شخص . . . ہر روز ۲۵ بار یہ کلمات کہہ لیا کرے اللہم بارک لی فی الموت وفی ما بعد الموت[1] جو شخص نماز چاشت پڑھے اور ہر مہینے میں تین روزے رکھے اور وتر کو ترک نہ کرے نہ سفر میں نہ مقام میں جو شخص امت کے فساد کے وقت سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر مضبوط رہے جو شخص اپنے مرض موت میں ۴۰ بار کہے لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین[2] کذا فی الطحطاوی شامی نے کہا کہ اس تعداد پر بعض علماء مالکیہ نے اتنے اور زیادہ کیے ہیں جو جل کر مرجائے جو گھوڑا کس کر منتظر جہاد کا رہے جو ہر شب سورہ یٰسین پڑھے جو شخص سواری کے جانور پر سے گر کر مرے جو رات کو طہارت کے ساتھ سووے اور مرجاوے جو شخص زندگی بھر لوگوں کی مدارات کرتا رہے جو شخص ہر روز سو بار درود پڑھے جو شخص سچے دل سے اللہ کی راہ میں قتل ہونے کی دعا مانگا کرے جو شخص حاجت کے وقت مسلمانوں کے کسی شہر میں غلہ لے جائے جو شخص روز جمعہ کو وفات پاوے جو شخص صبح کو تین بار کہے اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم اور تین بار آیتیں سورۂ حشر کے آخر کی پڑھے اور اس روز وفات پاوے اور ان سب اشخاص کے لیے ثواب شہادت احادیث میں ہے اور پورا بیان اس کا شامی میں ہے۔

باب الصلوۃ فی الکعبۃ

یہ باب ہے کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کی کیفیت میں فی الباب زیادۃ علی الترجمۃ و ہو حسن اس باب میں مضمون بہ نسبت عنوان کے زیادہ ہے یعنی عنوان میں صرف کعبہ کے اندر نماز کا ذکر ہے اور عبارت میں ذکر کعبہ کے گرد اور اوپر نماز پڑھنے کا بھی ہے اور یہ اچھی بات ہے کہ عنوان سے زائد بیان کیا جائے اور معیوب یہ ہے کہ جس بات کا ذکر عنوان میں ہو اس کا حال نہ بیان کیا جائے یصح فرض ونفل فیہا وفوقہا ولو بلا سترۃ لان القبلۃ عندنا ہی العرصۃ والھواء الی عنان السماء درست ہے فرض اور نفل کعبہ کے اندر اور کعبہ کے اوپر اگرچہ بدون سترہ کے ہو اس لیے کہ قبلہ ہمارے نزدیک میدان اور ہوا ہے آسمان کی سطح تک امام مالک کے نزدیک کعبہ کے اندر فرض نماز درست نہیں اس لیے کہ جب ایک طرف کو منہ کرے تو دوسری جانب کو پشت ہوگی حالانکہ وہ بھی قبلہ ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ واجب یہ ہے کہ کعبہ کے ایک جزو معین کی طرف منہ کیا جاوے اور یہ بات جس جزو کی طرف منہ کر کے نماز شروع کرے گا حاصل ہو جائے گی وہی جزو معین قبلہ ٹھہرے گا اس کے غیر کی طرف پشت کرنا مفسد نماز نہ ہوگا اور عرصہ اور ہوا سے مراد یہ کہ عمارت کعبہ قبلہ نہیں بلکہ خالی جگہ اور اس کے اوپر کی ہوا . . . . آسمان تک قبلہ ہے کذا فی الشامی وان کرہ الثانی للنہی وترک التعظیم اگرچہ مکروہ ہے دوسری صورت یعنی نماز پڑھنا اوپر خانہ کعبہ کے بسبب ممانعت کے اور بسبب

---

[1] الٰہی برکت کر میرے لیے موت میں اور اس حال میں کہ موت کے بعد ہو ۱۲ [2] نہیں ہے کوئی معبود سوائے تیرے تو پاک ہے بیشک میں ہوں خطاواروں میں ۱۲

نہ ہونے تعظیم کے ہم شرح ملتقی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سات جگہ نماز پڑھنے سے منع فرمایا اوّل اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ دوم قبرستان سوم نجاست ڈالنے کی جگہ چہارم شارع عام پنجم کمیلہ یعنی جانوروں کے ذبح کرنے کی جگہ ششم خانہ کعبہ کے اوپر ہفتم حمام کے اندر **منفردا او بجماعۃ وان وسیلۃ اختلف وجوہہم فی التوجہ الی الکعبۃ الا اذا جعل قفاہ الی وجہ امامہ فلا تصح اقتداء ہ لتقدمہ علیہ** صحیح ہے نماز کعبہ کے اندر تنہا یا جماعت سے اگرچہ کعبہ کی طرف منہ کرنے میں جماعت والوں کے منہ جدا طرف کو ہوں مگر جب کہ مقتدی اپنی پشت امام کے چہرہ کی طرف کرے گا تو اس کا اقتداء درست نہ ہوگا بسبب آگے بڑھ جانے مقتدی کے امام سے یعنی جس صورت میں کہ مقتدی کی پشت امام کی طرف ہے تو دونوں کا منہ ایک ہی طرف ہوگا اور مقتدی کعبہ سے قریب ہے شارح نے کہا کہ ان متصلہ ہے شرطیہ نہیں **ویکرہ جعل وجہہ لوجہہ بلا حائل ولو بجنبہ لم یکرہ فہی اربع** اور مکروہ ہے کرنا اپنے چہرہ کا مقابل چہرہ امام کے بدون آڑ کے اس لیے کہ مشابہ صورت پرستی کے ہے اور اگر امام کے پہلو کی طرف منہ کرے گا تو مکروہ نہ ہوگا تو یہ چار صورتیں ہوئیں ہم یعنی صورت اول یہ ہے کہ مقتدی کا منہ امام کے منہ کی طرف ہو یہ صورت مکروہ ہے دوم یہ کہ مقتدی کا منہ امام کے پہلو کی طرف ہو یہ بدون کراہت جائز ہے سوم یہ کہ مقتدی کا منہ امام کی پشت کی جانب ہو یہ بھی بلا کراہت درست ہے چہارم یہ کہ مقتدی کی پشت امام کے منہ کی طرف ہو یہ صورت ناجائز ہے کذا فی الطحطاوی **وصح لو تحلقوا حولہا ولو کان بعضہم اقرب الیہا من امامہ ان لم یکن فی جانبہ لتاخرہ حکما** اور درست ہے نماز اگر حلقہ کریں گرد کعبہ کے اگرچہ بعض مقتدی کعبہ سے زیادہ قریب ہوں بنسبت اپنے امام کے بشرطیکہ امام کی طرف میں زیادہ قریب نہ ہوں اور کعبہ سے قریب شخصوں کی نماز اس لیے درست ہے کہ وہ حکما امام سے پیچھے ہیں ہم یہاں سے حکم کعبہ کے باہر یعنی مسجد الحرام میں پڑھنے کا ذکر ہے کہ جماعت اس میں گرد کعبہ کے حلقہ کی صورت درست ہے کہ عہد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک اسی طرح نماز ہوتی آئی ہے پھر اس حلقہ کی جماعت میں سے اگر کوئی شخص امام کی نسبت کعبہ سے قریب ہو تو دیکھنا چاہیے کہ اگر شخص مذکور اسی طرف ہے جس طرف امام ہے تب تو اس کی نماز نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں وہ امام سے آگے بڑھا ہوا ہوگا اس لیے اس کا تابع نہ ٹھہرا اور اگر دوسری جانب میں کعبہ سے قریب ہو گیا ہے تو اقتداء درست ہے اس لیے کہ آگے بڑھنا امام سے اس وقت ہوتا ہے کہ دونوں کی جہت متحد ہو جب جہت متحد نہ ہوئی تو امام سے آگے بڑھنا بھی ثابت نہ ہوا اسی وجہ سے اقتدا صحیح ٹھہرا کذا فی الشامی

امام ۔۔۔ ماموم

ولو وقف مسامتا لرکن فی جانب الامام وکان اقرب لم ارہ وینبغی الفساد احتیاطا لترجیح الامام وہذہ صورتہ اور اگر کوئی مقتدی اس کونے کی سیدھ میں کھڑا ہوا جو امام کی جانب میں ہے اور کعبہ سے بنسبت امام کے زیادہ قریب ہے تو میں نے اس مسئلے کا حکم نہیں دیکھا اور احتیاط کی رو سے فاسد ہونا نماز مقتدی کا شایان ہے بسبب غالب ہونے امام کی جہت کے اور یہ صورت ہے اس کی ہم اس مسئلے کے سمجھانے کے لیے ہم صورت مذکورہ بالا کو حروف سے نشان کرتے ہیں فرض کرو کہ ش ع ی ح خانہ کعبہ

ی ۔۔۔ ع

ح ماموم ۔۔۔ امام ۔۔۔ ش

اور رکن حجر گوشہ ح ہے اور فرض کرو کہ امام دروازہ ب کے سامنے کھڑا ہے اور مقتدی نے رکن حجر کی طرف منہ کر کے نیت کی تو اس صورت میں چونکہ گوشہ حد مشترک دو طرفوں کا ہوتا ہے مقتدی کی جہت قبلہ دیوار ح ش اور ح ی دونوں ہیں لیکن اگر امام کی نسبت کعبہ سے قریب ہو جائے گا تو اس کی نماز درست نہ ہوگی اس لیے کہ ہرچند جانب ح ی بھی اس کی جہت ہے مگر چونکہ ح ش کی طرف امام ہے تو احتیاط اس میں ہے کہ اسی جہت کو مقتدی کی جہت ٹھہرائی جائے گو مقتدی کا کعبہ سے قریب ہونا ایسا ہوا کہ اتحاد جہت کی صورت میں اپنے امام سے آگے بڑھ گیا اور حلقہ لفظوں کا پہلے مسئلہ
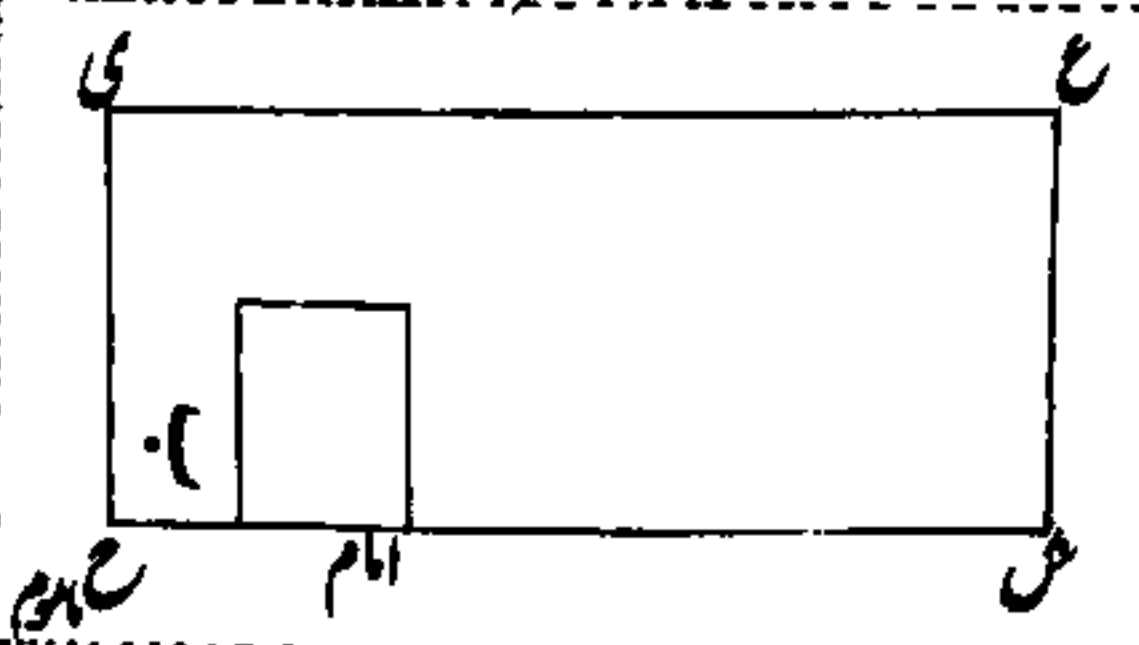
کی صورت بتاتا ہے کہ امام کی طرف کے نقطے مقام مقتدیوں کے ہیں جو امام کی نسبت کعبے سے دور ہیں اور باقی تین طرفوں میں کعبہ سے قریب ہیں وکذا لواقتدوا من خارجھا بامام فیھا والباب مفتوح مع لانہ کقیامہ فی المحراب اور اسی طرح درست ہے اگر مقتدی کعبہ کے باہر سے اقتدا کریں اس امام کے پیچھے جو کعبہ کے اندر ہو اور دروازہ کعبہ کا کھلا ہو اس لیے کہ امام کا کعبہ کے اندر ہونا ایسا ہے جیسا محراب میں کھڑا ہونا مع امام کا کعبہ کے اندر ہونا عام ہے اس سے کہ مقتدیوں میں سے کوئی اس کے ساتھ ہو یا نہیں اور یہ اقتدا گو درست ہے مگر کراہت کے ساتھ اس لیے کہ امام کا قد آدم اونچا کھڑا ہونا مکروہ ہے اور دروازہ کے کھلے ہونے کی قید اس واسطے لگائی کہ امام کے رکوع سجدہ کا حال مقتدی دیکھ کر معلوم کرلیں پس اگر دروازہ بند ہو اور کوئی مکبر امام کے اللہ اکبر کی آواز پہنچاتا جائے تو اقتدا جائز ہونا چاہیے کذا فی الطحطاوی واللہ اعلم واستغفر اللہ الحلیم الکریم ؕ
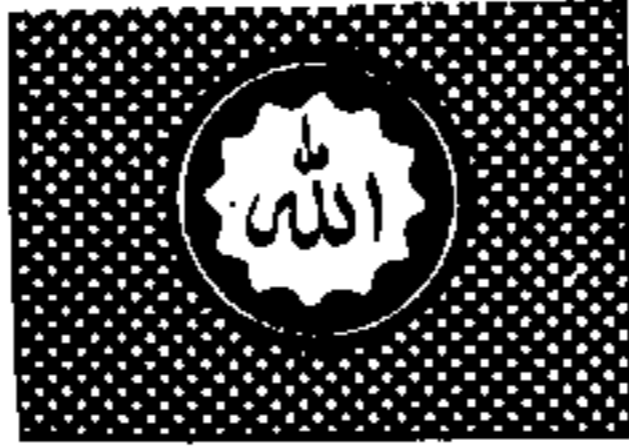
کتاب الزکوٰۃ

یہ کتاب ہے احکام زکوٰۃ کے بیان میں قرنہا بالصلوٰۃ فی اثنین وثمانین موضعًا فی التنزیل دلیل علی کمال الاتصال بینہما وفرضت فی السنۃ الثانیۃ قبل فرض رمضان متصل بیان کرنا زکوٰۃ کا نماز سے ۸۲ جگہ قرآن شریف میں دلیل ہے دونوں میں کمال درجے کے اتصال کی اور زکوٰۃ دوسرے برس فرض ہوئی رمضان کے فرض ہونے سے پیشتر م یہ بیان مناسبت کا شارح نے کر دیا کہ چند روزہ اور نماز عبادت بدنی ہیں دونوں پاس پاس ذکر ہونی چاہئیں مگر چونکہ نماز و زکوٰۃ میں اتصال شدت سے ہے اس وجہ سے زکوٰۃ کو روزے پر مقدم کیا گیا طحطاوی نے کہا کہ شارح نے ۸۲ جگہ بہ تبعیت صاحب نہر الفائق اور بحر الرائق کے لکھ دیا جنھوں نے اس شمار کو مناقب بزازیہ کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ یہ شمار غلط ہے صحیح یہ ہے کہ ۳۲ جگہ ایک ساتھ دونوں کا ذکر قرآن مجید میں ہے چنانچہ ہمارے استاد نے اس کو شمار کیا ہے ولا تجب علی الانبیاء اجماعًا اور زکوٰۃ واجب نہیں انبیاء علیہم السلام پر بالاتفاق م محقق ابو السعود نے وجہ انبیاء علیہم السلام پر زکوٰۃ واجب نہ ہونے کی یہ لکھی ہے کہ یہ بزرگوار اپنے پاس کی چیز کو ودیعت جانتے تھے خرچ کے موقع پر اس کو صرف کر ڈالتے تھے اور بے موقع صرف کرنے سے اس کو روکتے تھے دوسرے یہ کہ زکوٰۃ طہارت ہے اس شخص کے حق میں جو آلودہ گناہ ہو اور انبیاء علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہیں کذا فی الطحطاوی ہی لغۃ الطہارۃ والنماء وشرعًا تملیک خرج الاباحۃ فلو اطعم یتیمًا ناویا الزکوٰۃ لا تجزیہ الا اذا دفع الیہ المطعوم کما لو کساہ بشرط ان یعقل القبض الا اذا حکم علیہ بنفقتہم معفرات خلافًا للثانی بزازیہ زکوٰۃ لغت میں پاک ہونے اور بڑھنے کو کہتے ہیں اور شرعًا مالک کرنا ہے فقیر کو اس حصہ مالی کا جس کو شارع نے معین کیا ہے شارح نے کہا کہ تملیک کی قید سے اباحت یعنی چیز کا مباح کر دینا نکل گیا تو اگر کسی یتیم کو بہ نیت ادائے زکوٰۃ کوئی شخص کھانا کھلا دیوے تو کافی نہ ہوگا بسبب نہ ہونے تملیک کے مگر جب کہ کھانے کی چیز یتیم کو دے ڈالے تو کافی ہوگا جیسے کافی ہے ادائے زکوٰۃ کے لیے اگر کپڑا پہنا دے یتیم کو بشرطیکہ وہ قبض کو سمجھتا ہو یعنی چیز کو پھینک نہ دیتا ہو لیکن جس صورت میں کہ اس شخص پر یتیموں کے نفقہ کا حکم ہو گیا تو اب ان کو کپڑا پہنانا ادائے زکوٰۃ میں کافی نہ ہوگا کذا فی المفرات بخلاف ابو یوسف کے کذا فی البزازیہ م چیز کے لینے کو سمجھنا کھانے اور لباس دونوں سے متعلق ہے اور مسئلہ حکم نفقہ کی یہ صورت ہے کہ مثلاً قاضی نے یتیموں کا نفقہ کسی وجہ سے اس شخص کے ذمہ کیا اب اگر یہ شخص نفقہ کی چیز کو زکوٰۃ میں شمار کرے گا تو زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی اس لیے کہ حکم قاضی کی تعمیل تو خود واجب ہے پس ایک واجب سے دوسرا واجب کیسے ادا ہوگا اور ضمیر جمع کی نفقتہم میں مناسب نہیں ضمیر مفرد چاہیے اس لیے کہ اس کا مرجع یتیم بصیغۂ مفرد مذکور ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک اباحت سے بھی ادائے زکوٰۃ درست ہے کذا فی الشامی اور فرق اباحت اور تملیک میں یہ ہے کہ اباحت سے چیز کا کام میں لانا مباح ہو جاتا ہے یہ نہیں کہ اس میں جو تصرف چاہے وہ کر سکے اور تملیک سے سب طرح کے تصرف کا اختیار ہوتا ہے مثلاً اگر کھانا یتیم کو مباح کیا تو اس کو اختیار اس کے کھا لینے کا ہے نہ اور تصرف کا اور اگر مالک کیا تو چاہے خود کھائے چاہے دوسرے کو دے ڈالے یا بیچ دے جزء مال خرج النفقۃ فلو اسکن فقیرا دارہ سنۃ ناویًا لا یجزیہ عینہ الشارع وہو ربع عشر نصاب[1] حولی خرج النافلۃ والفطرۃ زکوٰۃ مالک کرنا ہے مال کے ایک ٹکڑے کا کہ شارح نے اس کو ٹھہرا دیا ہے اور وہ چالیسواں حصہ اس مال نقد کا ہے جس پر ایک سال گزر گیا ہو شارح نے کہا کہ مال کا حصہ کہنے سے نفع خارج ہوا یعنی وہ زکوٰۃ میں محسوب نہیں ہو سکتا مثلاً اگر کسی

---

[1] نصاب لغت میں اصل کو کہتے ہیں اور شریعت میں اس مال کو کہتے ہیں جس سے کم پر زکوٰۃ واجب نہ ہو ۱۲

فقیر کو اپنے گھر میں ایک سال بہ نیت ادائے زکوٰۃ رکھا تو کافی نہ ہوگا کیونکہ اس کو نفع کا مالک کیا نہ مال کا اور چالیسویں حصہ کی قید سے صدقہ نفل نکل گیا کہ اس کے باب میں کچھ تعیین نہیں اور صدقہ فطر بھی نکل گیا اس لیے کہ وہ چالیسواں حصہ نہیں ہوتا م طحطاوی نے کہا کہ چالیسواں حصہ شارح نے بیان کیا اور زکوٰۃ جانوروں اور غلہ کی بھی اس میں شامل ہے کیونکہ وہ قائم مقام چالیسویں حصہ کے ہے من مسلم فقیر ولو معتوہا غیر ہاشمی ولا مولاہ اے معتقہ ہذا معنی قول الکنز تملیک المال ای المعہود اخراجہ شرعا مالک کرنا ہے مسلمان فقیر کو اگرچہ ناقص العقل ہو نہ اولاد ہاشم کو اور نہ ان کے مولی یعنی آزاد کیے ہوئے غلام کو اور یہی ہے مراد کنز کے قول تملیک المال کی یعنی وہ مال جس کا نکالنا شرعا معلوم ہے م مصنف نے زکوٰۃ کی تعریف میں تملیک جزء مال عینہ الشارع کہا ہے اور صاحب کنز نے تملیک المال کہا ہے تو شارح کہتا ہے کہ مآل دونوں تعریفوں کا ایک ہے کیونکہ کنز میں المال سے مال معہود[1] مراد ہے اور الف لام عہد کا ہے یعنی وہی مال جو شارع نے مقرر کیا ہے مع قطع المنفعۃ عن الملک من کل وجہ فلا یدفع الی اصلہ وفرعہ مالک کرنا ہے اس طرح کہ منفعت مالک کرنے والے کی ہر وجہ سے منقطع ہو جاوے اس سے یہ نکلا کہ زکوٰۃ کا دینے والا اپنی اصل یعنی ماں باپ دادا دادی نانا نانی وغیرہ اور اپنی فرع یعنی بیٹا بیٹی پوتا پوتی نواسا نواسی وغیرہ کو نہ دے کیونکہ ان کو دینے میں من وجہ اس کی منفعت باقی ہے اللہ تعالی بیان لاشتراط النیۃ مالک کرنا ہے خدائے تعالی کے حکم کی تعمیل کے لیے شارح نے کہا کہ یہ بیان ہے نیت مشروط ہونے کا یعنی جب یہ کہا کہ فقیر کو دینا خدائے تعالی کی امر کی بجا آوری کے لیے ہو تو معلوم ہوا کہ زکوٰۃ میں نیت شرط ہے جیسے اور عبادات مقصودہ میں شرط ہے بالاجماع کذا فی البحر وشرط افتراضہا عقل وبلوغ واسلام وحریۃ والعلم بہ ولو حکما لکونہ فی دارنا اور زکوٰۃ کے فرض ہونے کی شرط عاقل ہونا اور بالغ ہونا اور مسلمان ہونا اور آزاد ہونا اور فرض ہونے کا جاننا ہے اگرچہ فرض ہونے کا علم حکم کی رو سے ہو جیسے مال دار دارالاسلام میں ہو کہ یہاں بے علمی عذر نہیں ہو سکتی ہاں اگر کوئی کافر مال دار دارالحرب میں مسلمان ہوا اور چند سال وہاں رہا اور اس کو زکوٰۃ کا حال معلوم نہ ہوا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی کذا فی الشامی م فرض ہونے میں اتنی قیدوں کے لگانے سے معلوم ہوا کہ لڑکے اور مجنون اور کافر اور غلام کے مال پر زکوٰۃ نہیں وسببہا ای سبب افتراضہا ملک نصاب حولی نسبۃ للحول لحولانہ علیہ تام بالرفع صفۃ ملک خرج مال المکاتب اور سبب اس کا یعنی زکوٰۃ کے فرض ہونے کا پوری ملکیت نصاب حولی کی ہے شارح نے کہا کہ حولی نسبت ہے حول کی طرف بمعنی سال اس مال کو حولی اس لیے کہا کہ اس پر سال گذر گیا ہے اور لفظ تام رفع کے ساتھ صفت ہے ملک کی اس قید سے مکاتب کا مال نکل گیا کہ اس پر ملک کامل مکاتب کو نہیں ہوتی اسی وجہ سے اس کے مال پر زکوٰۃ نہیں م سال سے مراد چاند کے بارہ مہینے ہیں نہ سال شمسی کذا فی الشامی اقول انہ خرج باشتراط الحریۃ علی ان المطلق ینصرف للکامل میں کہتا ہوں کہ مکاتب تو نکل چکا ہے حریت کی شرط ہونے سے علاوہ اس کے مطلق ملک سے فرد کامل یعنی ملک تام ہی مراد ہوگی م اس بیان سے شارح کی غرض یہ ہے کہ لفظ تام مصنف کی عبارت میں زائد ہے شامی نے کہا کہ شارح کے قول میں کلام ہے کیونکہ مصنف سبب وجوب کی تعریف کرتا ہے جو جامع ومانع ہونی چاہیے تو اگر ملک مطلق بیان کی جاوے اور تام کی قید نہ لگائی جائے تو بلاشبہ ملک مکاتب تعریف میں داخل ہوگی اور ذکر حریت کا شرط بیان میں سبب کی تعریف کا نقصان دور نہیں کرتا اور مطلق کا محمول ہونا فرد کامل پر ایسی جگہ ہوا کرتا ہے کہ کسی وجہ سے قید مذکور نہ ہوتی ہو تو دفع اعتراض کے لیے یہ توجیہ کر دیتے ہیں نہ یہ کہ جو قید مفید ہو اس کو زائد سمجھا جاوے خصوص سمجھانے کے مقام میں انتہی ودخل ما ملک بسبب خبیث کمغصوب خلطہ اذا کان لہ غیرہ منفصل عنہ یوفی دینہ اور داخل ہوا یعنی اس نصاب میں جس پر زکوٰۃ واجب ہو وہ مال جس کا مالک ہوا خبیث سبب سے

[1] کیونکہ مال نام خاص ہے معین کے لیے [2] ان چیزوں کو مال کہتے ہیں جن کو حاجت کے لیے رکھ چھوڑتے ہیں ۱۲ ؎

جیسے چھینی ہوئی چیز کو اپنے مال میں ملا دیا بشرطیکہ اس کے پاس اور مال ہو اس مال مخلوط سے جدا اس قدر کہ پورا کردے اس کا دین یعنی مال مغصوب کی بقدر اس جدا گانہ مال سے ادا ہو جائے م صورت مسئلہ کی یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی کا مال چھین کر اپنے مال میں ایسی طرح ملا دیا کہ دونوں جدا نہیں ہو سکتے تو امام صاحب کے نزدیک دوسرے کے مال کا خلط کر دینا ایسا ہے جیسے اس کو تلف کر ڈالنا یعنی اس شخص پر ضمان لازم ہے تو اس سب مال کی زکوٰۃ اس کو دینی ہوگی کیونکہ خلط سے جو سبب خبیث ہے وہ اس مال مغصوب کا مالک ہو گیا ہے مگر سب کی زکوٰۃ دینے میں یہ شرط ہے کہ اس کے اس مال مخلوط کے سوا علیحدہ اتنا مال ہو کہ اس سے ضمان ادا کر سکے اور اگر اور مال نہ ہوگا تو چونکہ اس کے مال میں غیر کا حق ملا ہوا ہے اس لیے کل پر مغصوب مال کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور صاحبین کے نزدیک خلط کرنا مثل تلف کر ڈالنے کے نہیں اسی لیے موجب ضمان بھی نہیں تو اس سے ملک ثابت نہ ہوگی اور نہ زکوٰۃ واجب ہوگی کذافی الشامی **بمصرف فارغ عن دین له مطالب من جهة العباد** سواء كان لله كزكوة وخراج اوللعبد ولو كفالة او موجلا ولو صداق زوجته الموجل للفراق او نفقة لزمته بقضاء او رضاء بخلاف دين نذر وكفارة وحج لعدم المطالب سبب وجوب زکوٰۃ ملکیت ایسی نصاب کی ہے جو زائد ہو اس قرض سے جس کا طلب کرنے والا کوئی بندوں کی طرف سے ہو برابر ہے کہ قرض مذکور اللہ تعالیٰ کا ہو جیسے زکوٰۃ اور خراج یا قرض بندہ کا ہو گو بطور کفالت کے یا قرض میعادی ہو اگرچہ مہر اس کی زوجہ کا ہو جس کی مدت وقت فراق ہو یا قرض بندے کا بطور نفقہ کے ہو کہ اس پر قاضی کے حکم سے یا آپ کی رضامندی سے لازم ہوا ہو بخلاف قرض نذر اور کفارہ[1] و حج کے بسبب نہ ہونے مطالب کے یعنی ان قرضوں کا طلب کرنے والا کوئی بندہ نہیں اگرچہ قیامت میں ان کا مطالبہ ہوگا م زکوٰۃ میں بندہ کی طرف سے طلب اس طرح ہے کہ شروع اسلام میں حضرت عثمان غنیؓ کے وقت تک زکوٰۃ امام لیا کرتا تھا پھر آپ نے نقدین کی زکوٰۃ کا نکالنا مالکوں کے سپرد کر دیا تاکہ حکام ظالم لوگوں کے مال پر طمع نہ کریں تو گویا ہر مالدار آپ کی طرف سے زکوٰۃ لینے کا اپنے مال سے وکیل ہو گیا اور قرض زکوٰۃ سے زکوٰۃ کے واجب ہونے کی یہ صورت ہے کہ مثلاً ایک شخص کے پاس مال بقدر نصاب ہے اور اس پر دو برس گذر گئے تو اس پر دوسرے برس کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اس لیے کہ پہلے برس کی زکوٰۃ اس کے ذمہ قرض ہے اس کو نکالنے کے بعد نصاب ناقص ہو جائے گی اور کفالت کے قرض کی یہ صورت ہے کہ کسی شخص نے ہزار روپیہ قرض لیا اور دس آدمی اس کے کفیل ہوئے اور ان سب کے پاس ہزار ہزار روپے ہیں تو ان میں سے کسی پر زکوٰۃ واجب نہیں اس لیے کہ قرض دینے والے کو اختیار ہے کہ جس سے چاہے اپنا قرض لے سکتا ہے اور مہر موجل بعض فقہا کے نزدیک مانع زکوٰۃ نہیں کیونکہ عادت یہ ہے کہ اس کو کوئی مانگتا نہیں اور قہستانی میں اسی کو صحیح کہا ہے کذافی الطحطاوی تو شارح کا قول مہر موجل کے باب میں ضعیف ہے شامی نے کہا کہ فارغ صفت نصاب کی ہے اور نفقہ نصب کے ساتھ عطف ہے کفالت پر ولا يمنع الدين وجوب عشر وخراج وکفارۃ اور قرض مانع نہیں ہے دہ یکی اور خراج اور کفارہ کے واجب ہونے کا یعنی اگر آدمی کے ذمہ قرض ہو تو یہ نہیں کہ زمین کی پیداوار سے دہ یکی یا خراج اس کے ذمہ واجب نہ ہو یا کفارہ کسی قصور کا اس پر واجب نہ ہو کیونکہ عشر و خراج متعلق پیداوار سے ہیں جو ہمیشہ نیا ہوتا رہتا ہے اور کفارہ متعلق ذمہ سے ہے اس میں مفلس اور تونگر برابر ہیں اتنا فرق ہے کہ مفلس کو دستری تک دی جائے گی طحطاوی نے کہا کہ یہ مسئلہ اس باب سے تعلق نہیں رکھتا شارح نے بڑھا دیا ہے **فارغ عن حاجة الاصلية** لان المشغول بها كالمعدوم وفسره ابن ملك بما يدفع عنه الهلاك تحقيقا كثيابه او تقديرا كدينه اور نصاب مذکور فارغ ہو اس شخص کی حاجت اصلی سے کیونکہ جو مال اصلی حاجتوں میں لگا ہوا ہے وہ نہ ہونے کے برابر ہے اور حاجت میں لگے ہوئے مال کو ابن ملک نے یوں بیان کیا ہے کہ جس سے آدمی اپنے اوپر سے ہلاک دفع کرے حقیقت میں جیسے اس کے کپڑے ہیں یا ہلاک تقدیری دفع کرے جیسے دین م حاجت اصلی کی چیزیں یہ ہیں خرچ روزمرہ مکان سکونت آلات حرب جاڑے گرمی کے کپڑے پیشہ وروں کے اوزار سامان خانہ داری سواری کے جانور اہل علم کے حق میں کتابیں اور قرض کو ہلاک تقدیری اس لیے کہا کہ اس

کی فکر میں آدمی شب و روز گھلتا ہے اور آگے کوئی قرض نہیں دیتا اور قرض خواہوں کے ہاتھ سے ذلت اٹھاتا ہے کذا فی الشامی **نام ولو تقدیرا بالقدرة علی الاستنماء ولو بنائبہ** نصاب مذکور بڑھنے والی ہو اگرچہ تقدیراً بڑھے اس طرح کہ مالک اس کے بڑھانے پر قادر ہو گو اپنے نائب کے وسیلے سے بڑھا سکتا ہو مال زکوٰۃ دو طرح ہے ایک خلقی یعنی جس کی پیدائش دفع حاجت کے لیے ہے وہ تو چاندی اور سونا ہے تو ان دونوں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے خواہ آدمی تجارت کی نیت کرے یا نہیں دوسرا فعلی کہ آدمی کی نیت سے زکوٰۃ کی لیاقت پیدا کرتا ہے اور وہ سوا نقدین کے اور چیزیں ہیں پھر مال کا بڑھانا دو طرح ہے ایک حقیقی تجارت اور جانوروں کے بچے لینے اور ایک تقدیری یعنی تجارت وغیرہ کی قدرت ہونی اس طرح کہ مال اپنے ہاتھ میں ہو یا اپنے نائب کے ہاتھ میں کذا فی الطحطاوی والشامی **ثم فرع علی سببہ بقولہ فلا زکوٰۃ علی مکاتب لعدم الملک التام ولا فی کسب ماذون ولا فی مرہون بعد قبضہ ولا فیما اشتراہ لتجارۃ قبل قبضہ** پھر مصنف نے سبب وجوب پر اپنے اس قول سے تفریع کی کہ زکوٰۃ نہیں مکاتب[1] پر بسبب نہ ہونے مکاتب کی ملک کامل کے یعنی جو مال مکاتب کے پاس ہے وہ مکاتب کی پوری ملکیت میں نہیں کیونکہ اس میں حق اس کے آقا کا لگا ہوا ہے جب تک مال کتابت اس کے ذمہ ہے اور نہ اس غلام کی کمائی میں زکوٰۃ ہے جس کو آقا نے اجازت تجارت کی دے دی ہے بشرطیکہ مال غلام کے قبضے میں ہو کذا فی الطحطاوی اور نہ گرو رکھی ہوئی چیز میں زکوٰۃ ہے مرتہن سے لے لینے کے بعد یعنی اگر راہن نے اپنا مال کچھ برسوں تک رہن رکھا تو بعد چھڑانے کے اس کی زکوٰۃ نہ راہن کی اس کے ذمہ نہیں بسبب نہ ہونے قبضے کے اور نہ مرتہن پر اس کی زکوٰۃ ہے کیونکہ اس کی ملک نہیں اور نہیں زکوٰۃ اس مال میں کہ اس کو تجارت کے لیے خریدا ہو پیشتر اس کے قبضہ کرنے کے یعنی اگر مشتری نے مال تجارت خریدا اور بعد برس روز کے مثلاً قبضہ کیا تو اس برس کی زکوٰۃ مشتری پر نہ ہوگی **ومدیون للعبد بقدر دینہ فیزکی الزائد ان بلغ نصابا** اور نہیں زکوٰۃ بندہ کے قرض دار پر بقدر اس کے قرض کے پس زکوٰۃ دے زائد از قرض کی اگر وہ نصاب زکوٰۃ ہو مثلاً ایک شخص کے ذمہ سو روپیہ قرض ہیں اور اس کے پاس مال زکوٰۃ دو سو روپیہ کا ہے تو سو کی زکوٰۃ دے کیونکہ قرض دے کر سو بچتے ہیں جو نصاب سے زیادہ ہیں اور اگر کم بچیں یا کچھ نہ بچے تو زکوٰۃ نہیں مثلاً ۱۲۰ کا مال ہو یا سو کا تو اول صورت میں قرضہ کے سو دے کر ۲۰ بچیں گے جو نصاب سے کم ہیں اور دوسری صورت میں کچھ نہ بچے گا تو ان دونوں صورتوں میں زکوٰۃ اس پر نہیں **وعروض الدین کالھلاک عند محمد ورجحہ فی البحر** اور سال کے درمیان میں قرض کا ہو جانا مثل مال کے جاتے رہنے کے ہے امام محمدؒ کے نزدیک اور ترجیح دی ہے اس کو بحر الرائق میں ہم صورت مسئلہ کی یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس دو سو روپیہ کا مال زکوٰۃ ہے آٹھ مہینے کے بعد مثلاً اس کے ذمہ دو سو یا ڈیڑھ سو قرض ہو گئے اور سال پورا ہونے کے بعد پھر دو سو ہو گئے تو امام محمدؒ کے نزدیک نئے سرے سے برس کا شمار کرے پچھلے برس کی زکوٰۃ اس پر نہیں اور امام ابو یوسف کے نزدیک قرض مذکور مانع زکوٰۃ نہیں اس سال کی بھی زکوٰۃ اس کے ذمہ ہوگی اور اگر قرض بعد تمام ہونے سال کے ہو جاوے تو اس سے زکوٰۃ بالاتفاق ساقط نہ ہوگی کذا فی الطحطاوی **ولو له نصب صرف الدین لایسر القضاء ولو اجناسا صرف لاقلها زکوٰۃ فان استویا کاربعین شاۃ وخمس ابل خیر** اور اگر مال دار کے پاس کئی مالوں کی نصابیں ہوں تو قرض اس نصاب کی طرف لگایا جاوے گا جس سے ادائے قرض زیادہ آسان ہو اور اگر ایک قسم کے مال کی کئی جنسیں ہوں تو قرض اس نصاب میں لگایا جائے گا جس کی زکوٰۃ کم تر ہو اور اگر زکوٰۃ میں جنسیں برابر ہوں مثلاً چالیس بکریاں اور پانچ اونٹ کہ دونوں کی زکوٰۃ ایک بکری ہے تو مال دار کو اختیار دیا جائے گا کہ جس جنس کو چاہے دین میں رکھ کر باقی جنس کی زکوٰۃ دے ہم کئی نصابوں کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس روپے اشرفیاں بھی بقدر نصاب ہیں اور اسباب تجارت بھی بقدر نصاب اور جانور بھی تو اس کے قرضہ میں اول روپیہ اشرفیاں محسوب ہوں گی پھر اسباب تجارت پھر مویشی اور مختلف جنسوں کی مثال یہ ہے کہ مثلاً جانوروں کی کئی جنس بقدر نصاب ہوں یعنی ۴۰ بکریاں اور ۳۰ گائیں اور پانچ اونٹ تو قرض میں بکریاں

[1] مکاتب وہ غلام جس کو آقا نے کہا ہو کہ اتنا روپیہ کما دے تو تو آزاد ہے ۱۲

خواہ اونٹ محسوب ہوں گے گائیں نہ ہوں گی کیونکہ ۳۰ گایوں کی زکوٰۃ ایک برس کا بچھڑا ہے اور بکریوں اور اونٹوں کی زکوٰۃ ایک بکری جو کم قیمت ہے بچھڑے سے اور یہ صورت اس وقت ہے کہ صدقہ لینے والا موجود ہو ورنہ صاحب مال کو اختیار ہے چاہے دین کو مویشی کی طرف لگا کر روپیوں اشرفیوں کی زکوٰۃ دے چاہے اس کا الٹا کرے کذا فی الشامی **ولا فی ثیاب البدن** المحتاج الیہا لدفع الحر والبرد ابن ملک **و اثاث المنزل ودور السکنی ونحوہا** اور نہیں زکوٰۃ ہے بدن کے کپڑوں میں جن کی حاجت گرمی سردی کے دور کرنے کو ہوتی ہے کذا قالہ ابن ملک اور نہیں زکوٰۃ ہے گھر کے اسباب اور رہنے کے گھروں اور ان کے مثل یعنی دکانوں اور سرایوں میں جن کا کرایہ ملتا ہو کذا فی الطحطاوی وکذا الکتب وان لم تکن لاہلہا اذا لم تنو للتجارۃ غیر ان الاہل لہ اخذ الزکوٰۃ وان ساوت نصبا الا ان تکون غیر فقہ وحدیث وتفسیر او یزید علی نسختین منہا ہو المختار اور اسی طرح زکوٰۃ نہیں کتابوں میں اگرچہ نہ ہوں اس کے پاس جو ان کا اہل ہو یعنی بے علم شخص کے پاس ہوں تب بھی ان میں زکوٰۃ نہیں بشرطیکہ تجارت کی نیت ان میں نہ ہو اور اس قدر ہے کہ علم والے کو زکوٰۃ لینا جائز ہے اگرچہ کتابیں کئی نصاب کے برابر ہوں یعنی کتابیں اس کے حق میں توانگری نہ ہوں گی بخلاف بے علم کے کہ اس کے پاس کتابیں بقدر نصاب ہوں تو اس کو زکوٰۃ کا لینا جائز نہ ہوگا کذا فی الطحطاوی مگر یہ کہ ہو دیں کتابیں فقہ اور حدیث اور تفسیر کے سوا اور علموں کی کہ بقدر نصاب ان کے ہونے سے عالم کو بھی زکوٰۃ کا لینا درست نہیں یا یہ کہ کتابیں علوم دینی کی ہوں مگر دو نسخوں سے زیادہ ہوں تب بھی زکوٰۃ کا لینا درست نہیں یہی قول مختار ہے م طحطاوی نے کہا کہ دو نسخوں سے زیادہ ہونے کا قول ضعیف ہے زکوٰۃ کے نہ لینے میں معتبر یہ ہے کہ ایک نسخہ سے زائد اگر ہوں گی تب بھی زکوٰۃ لینی درست نہ ہوگی اور فتح القدیر اور نہر الفائق میں اسی کو مختار کہا ہے وکذلک آلات المحترفین الا ما یبقی اثر عینہ کالعصفر لدبغ الجلد ففیہ الزکوٰۃ بخلاف ما لا یبقی کصابون یساوی نصبا وان حال الحول اور اسی طرح زکوٰۃ نہیں حرفہ والوں کے آلات میں مگر جس آلہ کا اثر باقی رہے جیسے کسم ہے کھال رنگنے کے لیے تو اس میں زکوٰۃ ہے بخلاف اس چیز کے کہ باقی نہ رہے جیسے صابن کہ برابر کئی نصاب کے ہو اگرچہ اس پر برس گذر جاوے مگر زکوٰۃ نہ ہوگی م حرفہ والوں کے آلات دو قسم کے ہیں ایک وہ کہ کام کے بعد خود موجود رہیں جیسے بسولہ اور سوہن وغیرہ دوسرے وہ کہ باقی نہ رہیں اور اس قسم کی دو نوع ہیں ایک وہ کہ ان کا اثر موجود رہتا ہے جیسے کسم اور زعفران کپڑا رنگنے میں اور کس اور تیل کھال رنگنے میں دوسرے وہ کہ اس کا کچھ اثر نہ رہے جیسے صابن تو پہلی قسم کے آلات میں زکوٰۃ نہیں اور دوسری کی پہلی نوع میں یعنی کسم وغیرہ میں زکوٰۃ ہے اور دوسری نوع میں نہیں اور بعض نسخوں میں عفص کی جگہ عصفر ہے وہ غلط ہے کیونکہ عصفر کسم کو کہتے ہیں جو کپڑا رنگنے میں کام آتا ہے نہ کھال رنگنے میں قالہ الشامی وفی الاشباہ الفقیہ لا یکون غنیا بکتبہ المحتاج الیہا الا فی دین العباد فتباع لہ اور اشباہ میں ہے کہ عالم اپنی حاجت کی کتابوں سے غنی نہیں ہوتا یعنی اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اور زکوٰۃ کا لینا درست ہے مگر بندوں کے قرض میں مالدار متصور ہوگا لوگوں کا قرض ادا کرنے کیلیے اس کی کتابیں فروخت کی جائیں گی **ولا فی مال مفقود وجدہ بعد سنین وساقط فی بحر استخرجہ بعدہا ومغصوب لا بینۃ علیہ** فلو لہ بینۃ تجب لما مضی الا فی غصب السائمۃ فلا یجب وان کان الغاصب مقرا کما فی الخانیۃ اور نہیں ہے زکوٰۃ گم شدہ مال میں جس کو کئی برس کے بعد پایا یعنی ایام گذشتہ کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور نہ اس مال پر جو دریا میں گر گیا اور بعد کئی برسوں کے نکالا اور نہ اس مال پر جو کسی نے چھین لیا اور اس پر گواہ نہیں پس اگر اس کے گواہ ہوں تو ایام گذشتہ کی زکوٰۃ واجب ہوگی بعد قبضے میں آنے مال کے مگر سائمہ جانوروں کے غصب میں کہ زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اگرچہ چھیننے والا غصب کا مقر ہو جیسا کہ خانیہ میں ہے م سائمہ ان جانوروں کو کہتے ہیں جن کو آدمی اکثر ایام سال میں مباح جنگل میں چرائے دودھ اور بچہ لینے کی غرض سے تو چونکہ بعد غصب ہونے کے یہ امر اس کو حاصل نہ ہوگا اس لیے ان ایام کی زکوٰۃ اس کو دینی نہ ہوگی کذا فی الطحطاوی **ومدفون ببریۃ نسی مکانہ** ثم تذکرہ وکذا الودیعۃ عند غیر معارفہ اور نہیں زکوٰۃ اس مال میں جو جنگل میں مدفون ہو اور مدفن کی جگہ بھول گیا ہو پھر اس کو یاد کیا ہو کیونکہ جگہ محفوظ نہ تھی اتفاق سے مال مل گیا اور اسی طرح

اس امانت میں زکوٰۃ نہیں جو نا آشنا لوگوں کے پاس ہو کیونکہ اس صورت میں احتمال نسیان کا غالب ہے اور اگر مال جان پہچان والوں کے پاس امانت ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی بخلاف المدفون فی حرز بخلاف اس مال کے کہ کسی محفوظ جگہ میں دفن ہو کہ اُس پر زکوٰۃ واجب ہے م طحطاوی نے کہا کہ حرز خواہ اپنا گھر ہو یا غیر کا اور وجہ وجوب یہ ہے کہ سب گھر کو کھود کر مال مل سکتا ہے لیکن اگر مکان بہت بڑا ہو تو اس میں دفن کیا ہوا مال ایسا ہے جیسا جنگل میں واختلف فی المدفون فی کرم وارض مملوکۃ اور اختلاف ہے اس مال کی زکوٰۃ میں جو کسی باغ میں یا زمین مملوک میں دفن ہو م جو لوگ اس پر زکوٰۃ واجب بتاتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ تمام زمین کا کھودنا ممکن ہے اور جو واجب نہیں کہتے وہ یہ کہتے ہیں کہ سب زمین کا کھودنا دشوار ہے یا خالی وقت سے نہیں کذا فی الطحطاوی ودین کان جحدہ المدیون سنین ولا بینۃ علیہ ثم صارت لہ بان اقر بعدہا عند قوم وقیدہ فی مصرف الخانیۃ بما اذا حلف علیہ عند القاضی اما قبلہ فتجب لما مضی اور نہیں زکوٰۃ اس قرض میں جس کے قرض دار نے برسوں انکار کیا تھا اور مالک کے پاس اس پر گواہ نہ تھے پھر اس کے پاس گواہ ہو گئے اس طرح کہ قرض دار نے برسوں کے بعد لوگوں کے سامنے قرض کا اقرار کر دیا اور زکوٰۃ کے واجب نہ ہونے کو مقید کیا ہے خانیہ کے باب المصرف میں اس امر سے کہ قرض دار منکر سے قسم لی گئی ہو قاضی کے محکمے میں اس سے یہ نکلا کہ قسم لینے سے پیشتر اگر منکر اقرار کر دے گا تو گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی وما اخذ مصادرۃ ای ظلما ثم وصل الیہ بعد سنین لعدم النمو اور نہیں زکوٰۃ اس مال میں کہ بطور ڈانڈ کے زبردستی لیا جائے پھر مالک کو بعد چند برس کے ملے بسبب نہ بڑھنے مال مذکور کے م طحطاوی نے کہا کہ لعدم النمو علت ہے مال مفقود سے لے کر مال مصادرہ تک کی یعنی ان مالوں میں وجہ زکوٰۃ کے واجب نہ ہونے کی یہ ہے کہ مالک کسی کو بڑھا نہیں سکتا والاصل فیہ حدیث علی لا زکوٰۃ فی مال الضمار وہو ما لا یمکن الانتفاع بہ مع بقاء الملک اور اصل ایسے اموال کی زکوٰۃ کے نہ ہونے میں حدیث حضرت علیؓ کی ہے کہ زکوٰۃ نہیں مال ضمار میں اور ضمار وہ مال ہے کہ ملک تو مالک کی رہے مگر اس سے فائدہ لینا اس کو ممکن نہ ہو ولو کان الدین علی مقر ملیٔ او علی معسر او مفلس ای محکوم بافلاسہ او علی جاحد علیہ بینۃ وعن محمد لا زکوٰۃ وہو الصحیح ذکرہ ابن ملک وغیرہ لان البینۃ قد لا تقبل او علم بہ قاض سیجیٔ ان المفتی بہ عدم القضاء بعلم القاضی فوصل الی ملکہ لزم زکوٰۃ ما مضی وتفصیل الدین فی زکوٰۃ المال اور اگر قرض ایک شخص کا کسی مقر تونگر نادہندہ پر ہو یا تنگ دست پر یا دیوالیے پر یعنی جس کے مفلس ہونے کا حکم مشتہر ہو چکا ہو یا ایسے منکر پر قرض ہو کہ اس پر گواہ ہوں یا اس قرض کو قاضی جانتا ہو پھر اس طرح کا قرض مالک کی ملک میں پہنچے تو اس پر گذشتہ برسوں کی زکوٰۃ لازم ہوگی شارح نے کہا کہ امام محمد سے یہ منقول ہے کہ منکر پر قرض ہو تو باوجود گواہ ہونے کے اس پر زکوٰۃ لازم نہ ہوگی اور یہی قول صحیح ہے ذکر کیا ہے اس کو ابن ملک اور دوسرے لوگوں نے کیونکہ گواہ بعض اوقات مقبول نہیں ہوتے تو ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہوا اور آگے آوے گا کہ مفتی بہ یہ ہے کہ اگر قاضی اپنے علم کے بموجب کسی معاملہ میں حکم کر دے گا تو اس کا حکم صحیح نہ ہوگا اور دین کی تفصیل ہم مال کی زکوٰۃ کے بیان میں عنقریب ذکر کریں گے یعنی دین تین قسم ہے قوی اوسط ضعیف تو جو قرض ضعیف ہو اس پر زکوٰۃ نہیں کذا فی الشامی وسبب لزوم ادائہا توجہ الخطاب یعنی قولہ تعالیٰ اتوا الزکوٰۃ اور زکوٰۃ کے ادا کرنے کے لازم ہونے کا سبب متوجہ ہونا خطاب یعنی ارشاد خداوندی کا یہ ہے کہ زکوٰۃ دو یعنی جب آیت میں خطاب مکلفوں پر بصیغۂ امر دینے کے لیے ہے تو ادا کرنا اس کا لازم ہے شامی نے کہا کہ یہ سبب حقیقی ہے اور پہلے جو ملک نصاب کو سبب کہا تھا وہ مجازی تھا وشرطہ ای شرط افتراضہا حولان الحول وہو فی ملکہ وثمنیۃ المال کالدراہم والدنانیر لتعینہما للتجارۃ باصل الخلقۃ فتلزم الزکوٰۃ کیفما امسکہما ولو للنفقۃ او السوم بقیدہا الآتی او نیۃ التجارۃ فی العروض اور شرط اس کی یعنی ادائے زکوٰۃ کے فرض ہونے کی گذر جانا برس کا ہے اس طرح کہ مال مالک کی ملک میں رہے اور نیز ثمن ہونا مال کا نقد کی زکوٰۃ میں جیسے روپے اشرفیاں ہیں بسبب متعین ہونے ان دونوں کے تجارت کے لیے اصل پیدائش میں تو لازم ہوگی ان دونوں پر زکوٰۃ جس طرح ان کو روک رکھے گا اگرچہ خرچ روزمرہ کے لیے روپیہ یا اشرفیاں

رکھ چھوڑے یا جنگل میں چرنا قید آیندہ کے ساتھ یعنی جانوروں کی زکوٰۃ کے ادا میں جیسے برس کا گذرنا شرط ہے ویسے ہی جنگل میں چرنا بھی شرط ہے یا شرط ہے نیت تجارت اسباب کی زکوٰۃ کے باب میں ہم پہلے جو شرطیں عقل وغیرہ کی مذکور ہوئیں وہ صاحب مال میں تھیں اور یہ شرطیں خود مال کی ہیں مگر کھیتوں اور پھلوں کی زکوٰۃ میں برس کا گذر جانا شرط نہیں کذا فی الشامی اما مرہا ولابد من مقارنتہا لعقد التجارۃ کما سیجیٔ او دلالۃ بان یشتری عینا بعرض التجارۃ او یؤاجر دارہ التی للتجارۃ بعرض فتصیر للتجارۃ بلا نیۃ صریحا اور اسباب میں نیت تجارت یا صراحۃً ہو اور ضرور ہے متصل ہونا اس نیت کا عقد تجارت سے چنانچہ آگے آوے گا یعنی عقد کے وقت نیت کرے کہ یہ چیز میری ملک میں آتی ہے وہ تجارت کی ہے تو اگر کوئی چیز گھر کے کام کو مول لے پھر نیت تجارت کی کرے تو تجارت کی نہ ہوگی چنانچہ آگے آتا ہے یا نیت تجارت دلالۃً ہو اس طرح کہ مول لے کوئی چیز معین اسباب تجارت کے بدلے یا کرایہ دے اپنا مکان تجارت کا عوض کسی اسباب کے تو ہو جائے گا یہ اسباب تجارت کے لیے بدون نیت صریح کے واستثنوا من اشتراط النیۃ ما یشتریہ المضارب فانہ یکون للتجارۃ مطلقا لانہ لا یملک بمالہا غیرہا اور استثنا کیا ہے علما نے نیت کے شرط ہونے سے اس مال کو کہ مضارب خرید کرے اس لیے کہ وہ ہر صورت میں تجارت کے لیے ہے خواہ مضارب نیت کرے یا نہ کرے اس لیے کہ مضارب مال مضاربت تجارت کے لیے خریدنے کے سوا اختیار نہیں رکھتا نہر الفائق میں کہا کہ اگر مضارب کی مول لی ہوئی چیز کو دلالت نیت میں شامل رکھیں تو استثنا کی حاجت نہیں کذا فی الطحاوی ولا تصح نیۃ التجارۃ فیما خرج من ارضہ العشریۃ او الخراجیۃ او المستاجرۃ او المستعارۃ لئلا یجتمع الحقان اور درست نہیں نیت تجارت کی اس پیداوار میں جو پیدا ہو اس کی زمین عشری میں یا خراجی یا اجارہ لی ہوئی یا مانگی ہوئی میں تاکہ نہ جمع ہوں دو حق ہم یہ علت سے چاروں صورتوں کی مگر کرایہ اور عاریت کی صورت میں اس وقت نیت درست نہ ہوگی کہ زمین عشری ہو کیونکہ کرایہ اور عاریت کی زمین کی دہ یکی ذمہ کرایہ دار اور مانگنے والے کے ہوتی ہے اس لیے اگر پیداوار میں زکوٰۃ بھی لازم ہو تو دو حق جمع ہو جائیں گے ہاں اگر زمین مذکور خراجی ہو تو خراج مالک زمین پر ہوتا ہے اب اگر کرایہ دار اور مانگنے والا نیت تجارت پیداوار میں کرینگے تو درست ہوگی کیونکہ اس صورت میں دو حق جمع نہ ہوں گے خراج اور شخص پر ہوگا اور زکوٰۃ دوسرے پر کذا فی الطحاوی وشرط صحۃ ادائہا نیۃ مقارنۃ لہ ای للاداء ولو کانت المقارنۃ حکما کما لو دفع بلا نیۃ ثم نوی والمال قائم فی ید الفقیر او نوی عند الدفع للوکیل ثم دفع الوکیل بلا نیۃ او دفعہا لذمی لیدفعہا للفقراء جاز لان المعتبر الامر ولذا لو قال ہذا تطوع او عن کفارتی ثم نواہ عن الزکوٰۃ قبل دفع الوکیل صح اور صحت ادائے زکوٰۃ کی شرط وہ نیت ہے جو ادا کے ساتھ متصل ہو اگرچہ متصل ہونا حکماً ہو مثلاً زکوٰۃ فقیر کو بلا نیت دی پھر نیت کی اس وقت کہ مال فقیر کے پاس سلامت ہے یا ایک شخص کو ادائے زکوٰۃ کا وکیل کیا اور وکیل مذکور نے روپیہ دینے کے وقت نیت ادائے زکوٰۃ کی کرلی پھر وکیل نے بلا نیت مستحقوں کو حوالہ کیا یا زکوٰۃ کسی ذمی کو دی اس غرض سے کہ وہ فقیروں کو دے ڈالے تو درست ہے اس لیے کہ معتبر نیت امر کرنے والے کی ہے اور اسی وجہ سے اگر وکیل سے کہا کہ یہ صدقہ نفل ہے یا میرے کفارہ کی عوض ہے پھر پیشتر اس سے کہ وکیل وہ مال کسی کو دے نیت کرلی کہ زکوٰۃ کی طرف سے ہے تو درست ہے ہم یعنی اگرچہ وکیل دینے کے وقت نیت صدقہ نفل یا کفارہ موکل کی کرے مگر جو کچھ موکل اس کے دینے سے پیشتر نیت کرے گا وہی معتبر ہوگی اور ذمی کے دینے کی مثال اس لیے لکھی تاکہ معلوم ہو کہ عبادت مالی میں کافر کی نیابت جائز ہے بخلاف حج کے کہ وہ مرکب ہے عبادت بدنی اور مالی سے اس میں کافر کو وکیل کرنا درست نہیں کذا فی الشامی ولو خلط زکوٰۃ موکلیہ ضمن وکان متبرعا الا اذا وکلہ الفقراء اور اگر وکیل نے اپنے موکلوں کی زکوٰتیں باہم خلط کردیں تو وکیل ضمان دے گا اور مال مخلوط اگر فقیروں کو دے ڈالے گا تو اپنی طرف سے احسان کرنے والا ہوگا موکلوں کی طرف سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی مگر اس صورت میں کہ وکیل مذکور کو فقیروں نے مال زکوٰۃ لینے کا اپنی طرف سے وکیل کیا ہو ہم ضمان وکیل پر اس صورت میں ہے کہ مالکوں نے اذن خلط کا نہ دیا ہو اور اگر اذن دیا ہو صراحۃً یا دلالۃً اذن ہو اس طرح کہ مالکوں کو علم خلط کا ہوا اور وکیل سے تعرض نہ کیا تو اس

صورت میں خلط جائز ہے کذانی الطحطاوی ولو کیل ان یدفع لولدہ الفقیر وزوجتہ لالنفسہ الا اذا قال ربہا ضعہا حیث شئت اور وکیل کو جائز ہے کہ زکوٰۃ دلوے اپنے لڑکے محتاج اور اپنی زوجہ محتاج کو نہیں جائز ہے رکھ لینا خود اپنے لیے مگر جس صورت میں کہ مالک نے کہہ دیا ہو کہ صرف کرنا زکوٰۃ کو جس موقع پر تو چاہے تو اس صورت میں اگر وکیل مصرف زکوٰۃ ہو اور اپنے لیے رکھ لے تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں کذانی الحلبی ولو تصدق بدراہم نفسہ اجزاء ان کان علی نیتہ الرجوع وکانت دراہم الموکل قائمۃ اور اگر وکیل نے خود اپنے روپے زکوٰۃ میں دے دیے تو کافی ہے بشرطیکہ وکیل کی نیت ہو کہ موکل کے روپیوں میں سے لے لوں گا اور موکل کے روپیہ بھی اس کے پاس موجود ہوں تو اگر موکل کے روپیہ اس کے پاس اٹھ گئے ہوں یا اس نے نیت اپنے روپیوں کا عوض لینے کی نہ کی ہو تو موکل کی طرف سے یہ دینا کافی نہ ہوگا کذانی الطحطاوی او مقارنۃ لعزل ما وجب کلہ او بعضہ ولا یخرج عن العہدۃ بالعزل بل بالاداء للفقراء یا نیت ادائے زکوٰۃ متصل ہو زکوٰۃ واجب کے علیحدہ کرنے سے خواہ کل واجب کے علیحدہ کرنے سے متصل ہو یا بعض کے اور مال دار بری الذمہ نہ ہوگا زکوٰۃ کو علیحدہ کر دینے سے بلکہ فقیروں کو دینے کی جہت سے ذمہ پاک ہوگا م یعنی اگر زکوٰۃ کا مال جو علیحدہ کیا تھا ضائع ہو جائے گا تو زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی او تصدق بکلہ الا اذا نوی نذرًا او واجبًا اٰخر فیصح ویضمن الزکوٰۃ یا ادائے زکوٰۃ کی صحت کے لیے شرط ہے کل مال کا خیرات کر دینا مگر جس صورت میں کہ اس خیرات سے نیت کرے کسی نذر کی یا کسی دوسرے واجب کی تو یہ خیرات اس کی نیت کے موافق درست ہو جائے گی اور زکوٰۃ کا ضمان دے م طحطاوی نے کہا کہ تصدق کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر مال کو بعد زکوٰۃ واجب ہونے کے کسی غنی کو ہبہ کر دے گا تب بھی زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی جیسے ندر میں اُٹھا ڈالنے سے ساقط نہیں ہوتی ولو تصدق ببعضہ لا تسقط حصتہ عند الثانی خلافًا للثالث اور اگر بعض مال صدقہ کر دیا تو اس صدقہ کیے ہوئے کی زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی امام ابو یوسف کے نزدیک بخلاف امام محمدؒ کے کہ ان کے نزدیک ساقط ہو جائے گی اور امام ابو حنیفہ اُس مسئلہ میں امام محمدؒ کے ساتھ ہیں تو یہی راجح معلوم ہوتا ہے کذانی الطحطاوی واطلقہ فیعم العین والدین حتی لو ابرأ الفقیر عن النصاب صح وتسقط عنہ اور ماتن نے تصدق کو مطلق رکھا تو وہ عام ہے موجود چیز اور دوسرے کے ذمے دین کو یہاں تک کہ اگر فقیر کو بری کر دیا نصاب سے تو صحیح ہوگا ابراء اور زکوٰۃ اس کے ذمہ سے ساقط ہوگی م یعنی مثلاً زید کا قرض ذمہ عمرو کے بقدر نصاب ہے اور عمرو مفلس ہے زید نے کہہ دیا کہ میں نے تجھ کو قرض معاف کیا تو یہ معاف کرنا بھی صحیح ہے اور زید کے ذمہ سے زکوٰۃ بھی اُس نصاب کی ساقط ہو گئی واعلم ان اداء الدین عن الدین والعین عن العین وعن الدین یجوز واداء الدین عن العین وعن دین سیقبض لا یجوز اور جاننا چاہیے کہ ادا کرنا دین کا بعوض دین کے اور ادا کرنا موجود چیز کا بدلہ موجود کے اور بدلہ دین کے درست ہے اور ادا کرنا دین کا بدلے موجود چیز کے اور بدلے اس دین کے جو عنقریب قبضے میں آوے گا درست نہیں م مراد دین سے وہ مال زکوٰۃ ہے جو دوسرے کے ذمہ ہو اور عین سے یہ مراد ہے کہ اس کی ملک میں قائم ہو نقد ہو یا اسباب تو اس مسئلہ کی چار صورتیں ہیں اس لیے کہ زکوٰۃ دو حال سے خالی نہیں یا دین ہوگی یا عین اور جس مال کی زکوٰۃ دینی منظور ہے وہ بھی یا دین ہوگا یا عین لیکن چونکہ مال دو طرح کا ہو سکتا ہے ایک وہ کہ قبضے میں نہ آوے ساقط ہو جائے اور ایک وہ کہ بعد زکوٰۃ اس کے قبضہ کرنے کا استحقاق رہے تو اب پانچ صورتیں ہو گئیں جن میں سے تین میں ادا درست ہے اور دو میں ناجائز پہلی صورت زکوٰۃ کا ادا کرنا اس مال دین سے کہ ساقط ہو جائے جس کی مثال اوپر گذری یعنی مدیون مفلس کو نصاب بالکل معاف کر دینا دوسرے ادا کرنا زکوٰۃ عین کا مال موجود سے مثلاً نقد یا اسباب بقدر نصاب ہے اس میں سے مقدار واجب کو دے ڈالا تو ادا درست ہے سوم ادائے زکوٰۃ عین مال دین کے عوض مثلاً ایک شخص دو سو روپیہ کا مالک ہے مگر کسی کو قرض دے رکھے ہیں تو ان کی زکوٰۃ میں پانچ روپیہ اپنے پاس سے دے دیے تو یہ ادا درست ہوا اور جن صورتوں میں ناجائز ہے ان میں سے اول یہ ہے کہ مال موجود کی زکوٰۃ میں دین کو دے دینا مثلاً ایک شخص کے پاس ٨٠ روپیہ موجود ہیں ان کی زکوٰۃ بیس روپیہ ہوئے اور اس کے بیس روپے کسی

مفلس پر آتے ہیں تو ان روپیوں کو اس مال موجود کی زکوٰۃ میں مجرا دینا جائز نہیں دوسری صورت یہ ہے کہ ادا کرے دین کو اس مال دین کے عوض جو عنقریب مقبوض ہوگا مثلاً حامد کے ڈیڑھ سو روپیہ محمود کے ذمے قرض ہیں حامد نے اس کو ۵۰ روپے معاف کر دیے تو ان ۵۰ کی زکوٰۃ بھی اس کے ذمے سے ساقط ہوئی لیکن اگر یہ نیت کرے گا کہ سو جو باقی رہے ان کی زکوٰۃ بھی انھیں پچاس میں آجاوے تو یہ درست نہ ہوگا کیونکہ جب سَو اس کے قبضہ میں آئیں گے تو عین ہو جائیں گے اور عین کی زکوٰۃ دین سے درست نہیں کذا فی الشامی تصرف وحیلۃ الجواز ان یعطی مدیونہ الفقیر زکوتہ ثم یاخذہا عن دینہ ولو امتنع المدیون مد یدہ واخذہا لکونہ ظفر بجنس حقہ فان مانعہ رفعہ للقاضی اور جواز کا حیلہ یعنی مال موجود کی زکوٰۃ کو دین سے ادا کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ اپنے قرض دار محتاج کو اپنی زکوٰۃ حوالے کرے پھر اس زکوٰۃ کو عوض اپنے قرض کے اس سے لے لے اور اگر وہ نہ دلیوے تو ہاتھ بڑھا کر چھین لے کیونکہ اس کو اس کے حق کی جنس مل گئی اور قرض خواہ جب قرض دار کی کوئی چیز اپنے حق کی جنس سے پاتا ہے تو زبردستی دبا سکتا ہے پھر اگر مزاحمت کرے تو اس کو قاضی کے پاس لے جاوے کہ وہ اس سے دلادے گا تو اس صورت میں قرض بھی اس قدر وصول ہو جاوے گا اور مال کی زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی وحیلۃ التکفین بہا التصدق علی فقیر ثم ہو یکفن فیکون الثواب لہما وکذا فی تعمیر المسجد وتمامہ فی حیل الاشباہ اور حیلہ زکوٰۃ سے کفن دینے کا یہ ہے کہ زکوٰۃ کو کسی محتاج کی ملک کر دے پھر وہ محتاج اس سے مردہ کو کفن دے تو اس صورت میں ثواب دونوں کو ہوگا ایسا ہی حیلہ ہے زکوٰۃ کو مسجد کی تعمیر میں لگانے کا یعنی کسی کو دے دے کہ وہ مسجد میں صرف کرے اور اس کا پورا بیان اشباہ کے حیلوں کے بیان میں ہے ہم یہی حیلہ ہے بنی ہاشم کو زکوٰۃ کے دینے کا بشرطیکہ درمیانی شخص امین ہو بیچ میں دبا نہ رکھے وافتراضہا عمری ای علی التراخی وصححہ الباقانی وغیرہ وقیل فوری ای واجب علی الفور وعلیہ الفتوی کما فی شرح الوہبانیہ اور فرض ہونا زکوٰۃ کا عمری ہے یعنی اگر عمر بھر میں کبھی ادا کرے گا تو گناہ گار نہ ہوگا اور اسی کو صحیح کہا ہے باقانی وغیرہ نے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا فرض ہونا فوری ہے یعنی اسی وقت ادا کرنا واجب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے چنانچہ شرح وہبانیہ میں ہے فیاثم بتاخیرہا بلا عذر وترد شہادتہ لان الامر بالصرف الی الفقیر معہ قرینۃ الفور وہی انہ لدفع حاجتہ وہی معجلۃ فتی لم تجب علی الفور لم یحصل المقصود من الایجاب علی وجہ التمام وتمامہ فی الفتح پس گناہ گار ہوگا ادائے زکوٰۃ میں بدون عذر تاخیر کرنے سے اور اس کی گواہی مقبول نہ ہوگی یعنی بسبب فاسق ہو جانے کے اس لیے کہ زکوٰۃ کو فقیر پر صرف کرنے کے امر کے ساتھ علی الفور ہونے کا قرینہ موجود ہے اور وہ قرینہ یہ ہے کہ امر فقیر کے دینے کا اس کی حاجت کے دور کرنے کو ہے اور اس کی یہ حاجت سردست موجود ہے تو اگر زکوٰۃ علی الفور واجب نہ ہو تو زکوٰۃ کے واجب کرنے سے مقصود کامل طور پر حاصل نہ ہوگا اور اس کا پورا بیان فتح القدیر میں ہے لایبقی للتجارۃ ما ای عبد مثلاً اشتراہ لہا فنوی بعد ذلک خدمتہ ثم مانواہ للخدمۃ لایصیر للتجارۃ وان نواہ لہا مالم یبعہ بجنس مافیہ الزکوۃ والفرق ان التجارۃ عمل لایتم بمجرد النیۃ بخلاف الاول فانہ ترک العمل فیتم بہا نہیں باقی رہتا تجارت کے لیے وہ مال یعنی مثلاً غلام کہ اس کو مول لیا ہو تجارت کے لیے اور بعد اس کے نیت کر لی اس سے خدمت لینے کی تو مجرد نیت خدمت کے تجارت کا نہ رہے گا پھر جس مال کو استعمال کے لیے نیت کی وہ تجارت کا نہ ہوگا اگرچہ مالک اس کو تجارت کے لیے نیت کرے جب تک کہ اس کو ایسے مال کے عوض نہ بیچ ڈالے جس میں زکوٰۃ ہوتی ہے یعنی مثلاً غلام خدمت کی نیت مول لے کر تجارت کی نیت کی تو صرف نیت سے تجارت کا نہ ہوگا جب تک اس کے عوض ایسا مال نہ لے جس میں زکوٰۃ ہے اور فرق دونوں صورتوں میں یہ ہے کہ تجارت ایک عمل ہے تو صرف نیت سے پورا عمل نہ ہوگا بخلاف اول صورت یعنی خدمت کے کہ وہ ترک عمل ہے اور ترک عمل نیت سے بھی کامل ہو جاتا ہے م جنس مافیہ الزکوۃ کی قید سے یہ صورت نکل گئی کہ مثلاً غلام مذکور کو بعد نیت تجارت اپنی زوجہ کے مہر میں دے دیا یا قصاص کی صلح میں دے دیا یا عورت کے خلع کے عوض میں حوالہ کیا تو ان صورتوں میں اس پر زکوٰۃ نہ آوے گی اور ترک عمل میں صرف نیت کافی ہے مثلاً مقیم اور روزہ دار اور کافر میں صرف نیت کافی ہے کیونکہ

اقامت ترک سفر کا نام ہے اور روزہ ترک افطار کا اور کفر ترک اسلام کا اور ان کے مقابل میں صرف نیت کافی نہیں مثلاً صرف نیت سے مسافر نہ ہوگا اور نہ افطار کرنے والا اور نہ مسلمان کذا فی الشامی **وما اشتراہ لہا ای للتجارۃ کان لہا لمقارنۃ النیۃ لعقد التجارۃ لا ما ورثہ ونواہ لہا لعدم العقد الا** اذا تصرف فیہ ای ناویا فتجب الزکوٰۃ لاقتران النیۃ بالعمل **الا الذہب والفضۃ والسائمۃ** لما فی الخانیۃ ولو ورث سائمۃ لزمہ زکوتہا بعد حول نواہ اولا اور جو مال کہ تجارت کے واسطے مول لیا وہ تجارت ہی کا ہوگا بسبب متصل ہونے نیت کے عقد تجارت سے نہیں ہوتا تجارت کا وہ مال کہ اس کا وارث ہوا اور نیت کی تجارت کی بسبب نہ ہونے عقد کے یعنی میراث کے ملنے میں کوئی عقد معاوضہ نہیں کہ اس کے باعث سے نیت کا اعتبار ہو مگر جب مال وراثت میں تصرف کرے بہ نیت تجارت یعنی بیع کے وقت مثلاً نیت کرے کہ جس کا عوض تجارت کے لیے ہے تو اب زکوٰۃ واجب ہوگی بدل پر بعد گذرنے برس کے بسبب متصل ہونے نیت کے عمل سے مگر سونا اور چاندی اور چرائی کا جانور اگر میراث میں ملے تو ان پر زکوٰۃ لازم ہے اس لیے کہ خانیہ میں ہے کہ اگر سائمہ کا وارث ہوا تو اس کی زکوٰۃ اس پر لازم ہے برس گذرنے کے بعد نیت سوم کی کرے یا نہ کرے م چاندی سونا چونکہ اصل خلقت کے لحاظ سے تجارت کے لیے متعین ہیں اس لیے میراث میں پانے سے ان پر زکوٰۃ ہوگی خواہ تجارت کی نیت کرے یا نہیں اور سائمہ میں چونکہ پہلے سے صفت سوم موجود تھی اس لیے اب وارث کی نیت کی حاجت نہیں غرض کہ برس گذرنے کے بعد اُن تینوں پر زکوٰۃ لازم ہوگی کذا فی الطحطاوی **وما ملکہ بصنعہ کہبۃ او وصیۃ او نکاح او خلع او صلح عن قود** قید بالقود لان العبد للتجارۃ اذا قتلہ عبد خطاء ودفع بہ کان المدفوع للتجارۃ خانیۃ وکذا کل ما قبض بہ مال التجارۃ فانہ یکون لہا بلا نیۃ کما مر **ونواہ لہا کان لہا عند الثانی والاصح انہ لا یکون** لہا بحر عن البدائع اور جس چیز کا مالک اپنے فعل سے ہو یعنی جو مال کہ قبول کرنے پر اس کا مالک ہونا موقوف ہو مال کا بدلہ مال سے نہ ہو جیسے ہبہ میں ملنا یا وصیت میں یا مہر نکاح میں یا خلع کے عوض میں یا صلح بعوض قصاص میں اور اس مال میں نیت تجارت کی کرے تو یہ مال امام ابو یوسف کے نزدیک تجارت کا ہو جائے گا اور صحیح تر یہ ہے کہ تجارت کے لیے نہ ہوگا کیونکہ تجارت مال کا حاصل ہونا ہے مال کے عوض اور ان معاملات میں مال بدون مال کے ہاتھ لگتا ہے تو تجارت کے لیے نہ ٹھہرا کذا فی البحر عن البدائع شارح نے کہا کہ ماتن نے صلح میں قود کی قید اس لیے لگائی کہ تجارت کے غلام کو اگر کوئی غلام براہ خطا مار ڈالے اور مقتول کے عوض غلام قاتل مقتول کے مالک کو حوالے کیا جائے تو یہ غلام تجارت کا ہوگا بدون نیت مالک کے کذا فی الخانیہ اور اسی طرح جو چیز مال تجارت کی عوض قبضے میں آوے تو وہ بھی تجارت کے لیے ہوگی بدون نیت کے چنانچہ اوپر گذرا کہ مال تجارت کے عوض دوسری چیز لینے میں نیت تجارت دلالۃً موجود ہے تو نیت جدید کی حاجت نہیں وفی اوائل الاشباہ ولو قارنت النیۃ ما لیس بدل مال بمال لا تصح علی الصحیح اور شروع اشباہ میں ہے کہ جب نیت متصل ہو اس چیز سے کہ مال کا مبادلہ مال سے نہیں تو یہ نیت درست نہ ہوگی مذہب صحیح کے بموجب م اس قول کو شارح نے اصح قول کی تائید کے لیے بیان کیا **لا زکوٰۃ فی اللآلی والجواہر وان ساوت الفا اتفاقا الا ان تکون للتجارۃ** نہیں ہے زکوٰۃ موتیوں اور جواہر میں اگرچہ ہزار کی قیمت کے ہوں بالاتفاق مگر اس صورت میں کہ موتی اور جواہر تجارت کے لیے ہوں تو ان پر زکوٰۃ ہوگی م جواہر سے مراد یاقوت و زمرد وغیرہ ہیں اور ان پر زکوٰۃ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اصل پیدائش میں یہ چیزیں ثمن نہیں کذا فی الطحطاوی والاصل ان ما عدا الحجرین والسوائم انما یزکی بنیۃ التجارۃ بشرط عدم المانع المودی الی الثنی وشرط مقارنتہا لعقد التجارۃ وہو کسب المال بالمال بعقد شراء او اجارۃ او استقراض اور قاعدہ کلیہ زکوٰۃ کے ہونے کا یہ ہے کہ جو مال سوائے چاندی اور سونے اور چرائی کے جانوروں کے ہے اس پر زکوٰۃ جبھی ہوگی جب تجارت کی نیت ہو بشرط نہ ہونے مانع کے جس سے دوبارہ زکوٰۃ کی نوبت پہنچے اور بشرط متصل ہونے نیت کے عقد تجارت سے اور عقد تجارت حاصل کرنا مال کا ہے عوض مال کے بذریعہ خرید کے عقد کے یا اجارہ کے یا قرض لینے کے م طحطاوی نے کہا کہ ثنی بکسر مثلثہ و نون مفتوح الف مقصورہ ایک برس میں دوبارہ صدقہ لینے کو کہتے ہیں تو اگر زمین عشری کو بہ نیت تجارت

مول لے تو اس میں زکوٰۃ نہ ہوگی کہ عشر اور زکوٰۃ دونوں جمع ہو جائیں گی فلو نوی التجارۃ بعد العقد او اشتری شیئاً للقنیۃ ناویاً ان وجد ربحاً باعہ لازکوٰۃ
علیہ کما لو نوی التجارۃ فیما خرج من ارضہ کما مر پس اگر نیت کی تجارت کی بعد عقد کے یا مول لی کوئی چیز گھر میں رکھنے کو اس نیت سے کہ اگر نفع ملے گا تو
بیچ دے گا تو اس پر زکوٰۃ نہیں بوجہ نہ متصل ہونے نیت کے عقد تجارت کے جیسے نیت کی اس پیداوار میں جو پیدا ہوا اس کی زمین عشری یا خراجی میں
تو اس پر بھی زکوٰۃ نہ ہوگی کیونکہ یہاں مانع موجود ہے یعنی عشر اور خراج مانع زکوٰۃ ہیں وکما لو شری ارضاً خراجیۃ ناویاً التجارۃ او عشریۃ وزرعہا او بذراً للتجارۃ
وزرعہ لایکون للتجارۃ لقیام المانع اور جیسا کہ اگر خرید کرے کوئی زمین خراجی بہ نیت تجارت کے خواہ اس کو بو دے یا نہیں یا زمین عشری مول لے اور
اس کو بو دے یا بیج مول لیا تجارت کے لیے پھر اس کو بو دیا تو ان صورتوں میں پیداوار تجارت کے لیے نہ ہوگا بسبب موجود ہونے مانع کے م یعنی اول صورت
میں خراج اس کے ذمے ہے بسبب مالک ہونے کے خواہ بو دے یا نہیں اور دوسری صورت میں عشر بونے والے پر ہے تو اگر زمین عشری کو بہ نیت
تجارت لے کر نہ بوئے گا تو اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور عشر نہ دینا پڑے گا بسبب نہ ہونے پیداوار کے اور تیسری صورت میں اس وقت مال تجارت کا نہ ہو
گا کہ بیج کو زمین خراجی یا عشری میں بو دے اور اگر اپنی زمین مملوک میں بو دے گا تو زکوٰۃ واجب ہوگی کذا فی الطحطاوی

باب السائمۃ

یہ باب ہے چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ کے بیان میں ہی الراعیۃ وشرعاً المکتفیۃ بالرعی المباح ذکرہ الشمنی فی الاکثر العام لقصد الدر والنسل ذکرہ الزیلعی وزاد فی المحیط والزیادۃ والسمن لیعم الذکور فقط لکن فی البدائع
لو اسامہا للحم فلازکوٰۃ فیہا کما لو اسامہا للحمل والرکوب ولو للتجارۃ ففیہا زکوٰۃ التجارۃ ولعلہم ترکوا ذلک تصریحاً بالحکمین سائمہ لغت میں چرنے والے جانور
کو کہتے ہیں اور شرعاً جو اکتفا کرے مباح چرائی پر یعنی جس میں مالک کو کچھ دینا نہ پڑے اس قید کو شمنی نے ذکر کیا ہے اکتفا کرے اکثر سال ہیں واسطے قصد
دودھ کے اور نسل یعنی بچہ لینے کے ذکر کیا ہے اس کو زیلعی نے اور محیط میں اتنا اور زیادہ کیا ہے اور زیادتی اور مٹاپے کے لیے تاکہ شامل ہو صرف نروں
کو بھی لیکن بدائع میں ہے کہ اگر چرایا سوائم کو گوشت کے لیے تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے ایسا ہی اگر چرایا لادنے یا سواری کے لیے اور اگر تجارت کے لیے چرایا
تو ان میں زکوٰۃ تجارت کی ہے اور شاید کہ اہل متون نے اس قید کو اس لیے نہیں ذکر کیا کہ دونوں حکموں کی تصریح کر چکے ہیں م یعنی بیان کر چکے ہیں کہ
جس مال کی نیت تجارت کی ہو اس میں زکوٰۃ ہے اور مال کا لفظ حیوانات کو بھی شامل ہے اور سوائم جو حمل اور رکوب کے لیے ہوں اس میں زکوٰۃ نہیں ہے
قالہ الشامی فلو علفہا نصفہ لاتکون سائمۃ فلازکوٰۃ فیہا للشک فی الموجب پس اگر گھاس کھلایا جانوروں کو آدھا برس یعنی گھر پر باندھ کر تو سائمہ نہ ہو
گی اور اس لیے زکوٰۃ بھی ان میں نہ ہوگی کیونکہ موجب زکوٰۃ یعنی سوم مشکوک ہے م یعنی جانوروں میں زکوٰۃ بشرط سوم ہوتی ہے تو جب نصف برس اپنی
گرہ سے گھاس کھلایا تو سوم میں شک پڑ گیا ویبطل حول زکوٰۃ التجارۃ بجعلہا للسوم لان زکوٰۃ السوائم وزکوٰۃ التجارۃ مختلفان قدراً و سبباً فلا
یبنی حول احدہما علی الآخر اور زکوٰۃ تجارت کا برس باطل ہو جاتا ہے ان کے سائمہ کرنے سے کیونکہ زکوٰۃ سوائم کی اور زکوٰۃ تجارت کی مختلف ہیں مقداراً
میں اور سبب میں تو ایک کا برس دوسرے کے برس پر مبنی نہیں ہو سکتا م اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس تجارت کے مواشی ہیں چند
روز بعد اس نے ان کو دودھ اور نسل کے لیے چرنے چھوڑ دیا تو اب سائمہ کی زکوٰۃ چرائی کے دن سے شروع ہوگا پہلے دن سال میں محسوب نہ ہوں گے کیونکہ زکوٰۃ تجارت
کی مقدار چالیسواں حصہ ہے اور سوائم کی زکوٰۃ جانور دینا پڑتا ہے اور دونوں زکوٰتوں کا سبب بھی مختلف ہے کہ تجارت میں نصاب مالی کا مالک ہونا سبب
ہے اور سوائم میں عدد معین کا مالک ہونا کذا فی الطحطاوی فلو اشتری لہا ای للتجارۃ ثم جعلہا سائمۃ اعتبر اول الحول من وقت الجعل للسوم
کما لو باع السائمۃ فی وسط الحول او قبلہ بیوم بجنسہا او بغیر جنسہا او بنقد والنقد عندہ او بعرض ونوی بہا التجارۃ فانہ یستقبل حولاً آخر جوہرہ ولیس فی سوائم
الوقف والخیل المسبلۃ زکوٰۃ لعدم المالک ولا فی المواشی العمی ولا مقطوعۃ القوائم لانہا لیست سائمۃ پس اگر خرید مواشی کو تجارت کے لیے پھر چھوڑ دیا چرنے

برتو معتبر ہوگا اول سال جس وقت سے چرائی پر کیا ایسا ہی اگر بیچ دیا سوائم کو برس کے اندر یا برس روز سے ایک دن پہلے بدلے ان کے جنس کے یا غیر جنس کے یا بدلے نقد کے یا نقد اس کے پاس موجود نہیں یا بیچا بدلے اسباب کے اور نیت کرلی اسباب میں تجارت کی تو ان سب صورتوں میں نئے سرے سے برس شروع ہوگا اور کذا فی الجوہرہ اور اس میں یہ بھی ہے کہ وقفی مواشی میں زکوٰۃ نہیں اور نہ گھوڑوں میں جو فی سبیل اللہ کیے گئے بسبب نہ ہونے مالک کے اور نہ اندھے مواشی میں اور نہ پاؤں کٹوں میں کیونکہ وہ سائمہ نہیں م نقد پاس نہ ہونے کی قید اس لیے لگائی کہ اگر اس کے پاس نقد نصاب ہوگی تو قیمت سوائم کی اس کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ دینی ہوگی نقد مال کے لیے نیا برس مقرر نہ کیا جائے گا اور بہتر یہ تھا کہ شارح لالنصاب عندہ کہتا کہ شامل ہوتا ہر طرح کے مبادلے یعنی جنسی اور غیر جنسی کو اور گھوڑوں پر صاحبین کے نزدیک بالکل زکوٰۃ نہیں اور ظہیریہ میں لکھا ہے کہ اندھے مواشی میں دو روایتیں ہیں اور صاحبین کے نزدیک واجب ہے اور بحرالرائق میں بھی لکھا ہے قالہ الشافعی

باب

یہ باب اونٹوں کی زکوٰۃ کے بیان میں م طحطاوی نے کہا کہ لفظ باب تنوین کے ساتھ ہے اور اس کی خبر محذوف ہے نصاب الابل بکسر الباء وتسکن مونثۃ لا واحد لہا من لفظہا والنسبۃ الیہا ابلی بفتح الباء سمیت بہ لانہا تبول علی افخاذہا نصاب اونٹوں کے پانچ ہیں شارح نے کہا ابل ب کے کسرہ کے ساتھ ہے اور کبھی ساکن بھی کی جاتی ہے مونث مستعمل ہے اس کا واحد اس لفظ سے نہیں آتا اور نسبت لگانے سے ب کو فتح ہوجاتا ہے اور اونٹ کو ابل اس لیے کہتے ہیں کہ رانوں پر پیشاب کرتا ہے م یعنی ابل اور بول میں اشتقاق کبیر ہے اور وہ یہ ہے کہ اکثر حروف میں اشتراک ہو اور معنوں میں مناسبت طحطاوی نے کہا کہ نصاب الابل مبتدا ہے اور خمس اس کی خبر خمس فیوخذ من کل خمس منہا الی خمس وعشرین بخت جمع بختی وہو الہ شامان منسوب الی بخت نصر لانہ اول من جمع بین العربی والعجمی فولد منہا ولد فسمی بختیا اوعراب شاۃ وما بین النصابین عفو نصاب اونٹوں کے پانچ ہیں بس. لی جاوے ہر ایک پانچ پانچ سے پچیس تک ایک بکری خواہ اونٹ بختی ہوں یا عربی شارح نے کہا کہ بخت جمع بختی کی ہے اور بختی دو کوہان والے اونٹ کو کہتے ہیں منسوب ہے بخت نصر کی طرف اس لیے کہ اول اس نے عربی اور عجمی اونٹوں کو جمع کر کے نسل حاصل کی تھی اس لیے وہ بختی نسل کہلائی اور ما بین ہر دو نصاب کے عفو ہے م یعنی جیسے پانچ پر ایک بکری ہے چھ سات پر بھی وہی ایک بکری ہے نو تک اور دس پر دو بکریاں تو پانچ سے زیادہ اور دس سے کم پر کچھ زکوٰۃ نہیں وہ معاف ہیں وفیہا ای الخمس وعشرین بنت مخاض وہی التی طعنت فی السنۃ الثانیۃ وسمیت بہ لان امہا غالبا تکون مخاضا ای حاملا باخری اور اس میں یعنی پچیس اونٹوں میں بنت مخاض ہے اور بنت مخاض وہ شتر مادہ ہے جس کو دوسرا برس لگا ہو یہ اس کا نام اس لیے ہوا کہ مخاض کے معنی حاملہ کے ہیں اور دوسرے برس اس کی ماں اکثر حاملہ ہوتی ہے دوسرے بچے کی وفی ست وثلثین الی خمس واربعین بنت لبون وہی التی طعنت فی الثالثۃ لان امہا تکون ذات لبن لاخری غالبا اور چھتیس میں پینتالیس تک بنت لبون ہے اور بنت لبون وہ اونٹنی ہے جس کو تیسرا برس لگا ہو اور اس کے لفظی معنی ہیں دودھ والی کا بچہ اس لیے کہ اس کی ماں اکثر اس مدت میں دوسرا بچہ جن کر دودھ والی ہوتی ہے وفی ست واربعین الی ستین حقۃ بالکسر وہی التی طعنت فی الرابعۃ وحق رکوبہا اور ۴۶ سے ساٹھ تک حقہ ہے حقہ بے حا کے ح کے سرہ سے اور حقہ وہ اونٹنی ہے جس کو چوتھا برس شروع ہوا ہو اور لائق ہوئی ہو سواری کے وفی احدی وستین الی خمس وسبعین جذعۃ بفتح الذال المعجمۃ وہی التی طعنت فی الخامسۃ لانہا تجذع ای تقلع اسنان اللبن اور اکسٹھ میں پچھتر تک جذعہ ہے ذال معجمہ کے فتح سے یعنی وہ اونٹنی جو پانچویں میں لگی ہو اور اس کے لفظی معنی ہیں توڑنے والی تو جذعہ اس لیے نام ہوا کہ دودھ کے دانت اس عمر میں توڑتی ہیں وفی ست وسبعین الی تسعین بنتا لبون وفی احدی وتسعین حقتان الی مائۃ وعشرین کذا کتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر رضی اللہ عنہ اور چھہتر میں نوے تک دو بنت لبون اور اکانوے میں دو حقہ ایک سو بیس تک

یہی ہے مکاتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا م لفظ کتب مصدر مضاف ہے اور بعض نسخوں میں الی ابی بکر ہے یعنی کتابت رسول اللہ کی جو پہنچی طرف ابی بکر کے کیونکہ زکوٰۃ کا نامہ حضرتؐ نے قریب وفات کے لکھوایا تھا اور جاری ہونے کی نوبت نہ آئی تھی کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا اس نامے کے موافق حضرت ابوبکرؓ نے تعمیل کی اور شارح نے اس جملے کو یہاں درج کیا آخر کلام میں مذہب لکھا اس واسطے کہ بعد اس کے روایات میں کچھ اختلاف ہے اور ایک سو بیس ۱۲۰ تک اتفاق ہے مگر وہ جو حضرت مرتضیٰ علیؓ سے منقول ہے کہ پچیس پر پانچ بکریاں بھی جائز ہیں کذا فی الشامی ثم تستانف الفریضۃ عندنا فیوخذ فی کل خمس شاۃ مع الحقتین ثم فی کل مائۃ وخمس واربعین بنت مخاض وحقتان ثم فی کل مائۃ وخمسین ثلث حقاق پھر از سر نو زکوٰۃ حساب کی جاوے ہمارے نزدیک کہ لی جاوے ہر پانچ پر ایک بکری مع دونوں حقوں کے پھر ایک سو پینتالیس میں بنت مخاض اور دو حقہ پھر ایک سو پچاس میں تین حقہ م امام شافعیؒ اور احمدؒ کے نزدیک جب ایک سو بیس پر ایک زیادہ ہو تو اس میں تین بنت لبون ایک سو بیس تک اور ایک سو تیس میں ایک حقہ اور دو بنت لبون پھر ہر چالیس میں بنت لبون اور ہر پچاس میں حقہ اور امام مالکؒ سے دو قول منقول ہیں ایک ہمارے مذہب کے موافق اور دوسرا امام شافعیؒ کے موافق کذا فی الشامی ثم تستانف الفریضۃ بعد المائۃ والخمسین ففی کل خمس شاۃ مع ثلث حقاق ثم فی کل خمس وعشرین بنت مخاض مع الحقاق ثم فی ست وثلثین بنت لبون معن ثم فی مائۃ وست وتسعین اربع حقاق الی مائتین پھر استیناف کی جاوے زکوٰۃ مقررہ بعد ڈیڑھ سو کے پس ہر پانچ میں ایک بکری مع تین حقوں کے پھر پچیس میں بنت مخاض مع تین حقوں کے پھر چھتیس میں بنت لبون مع حقوں مذکور پھر ایک سو چھیانوے میں چار حقہ دو سو تک م ماتن کے قول ثم فی کل خمس وعشرین سے لفظ کل حذف کرنا چاہیے کہ خلاف مقصود ہے کیونکہ تلفظ کل اس بات کا مقتضی ہے کہ اگر یہ عدد مکرر ہو دو بار یا تین بار تو بھی واجب لازم ہو حالانکہ یہ مراد نہیں ہے اور ایسے ہی ثم فی کل مائۃ وخمس واربعین ہے اور ان مواقع میں بجائے ثم کے واو مناسب ہے کیونکہ استیناف نہیں ہے بلکہ تتمہ پہلے استیناف کا ہے کذا فی الشامی اس لیے مترجم نے لفظ کل کا ترجمہ دونوں جگہ نہیں کیا ثم تستانف الفریضۃ بعد المائتین ابدا کما تستانف فی الخمسین التی بعد المائۃ والخمسین حتی تجب فی کل خمسین حقۃ پھر از سر نو زکوٰۃ کا حساب شروع کیا جاوے دو سو کے بعد ہمیشہ اس طرح جیسے ڈیڑھ سو کے بعد پچاس میں کیا جاتا ہے یہاں تک کہ واجب ہو ہر پچاس میں ایک حقہ م مراد یہ ہے کہ جب زیادہ ہوں دو سو پر پانچ اونٹ تو ان میں ایک بکری اور چار حقہ یا پانچ بنت لبون اور دو سو دس میں دو بکریاں چار حقے اور دو سو پندرہ میں تین بکریاں چار حقے اور دو سو بیس میں چار بکریاں چار حقے پھر جب دو سو پچیس ہوں تو ان میں ایک بنت مخاض اور چار حقے دو سو پینتیس تک اور دو سو چھتیس میں بنت لبون مع چار حقوں کے ہے دو سو پینتالیس تک پھر دو سو چھیالیس میں پانچ حقے دو سو پچاس تک پھر استیناف اسی طرح کیا جاوے یہاں تک کہ دو سو چھیانوے میں چھ حقے ہوں تین سو تک کذا فی الشامی ولا تجزی ذکور الابل الا بالقیمۃ للاناث بخلاف البقر والغنم فان المالک مخیر اور نہیں کافی نر اونٹ مگر بحسب قیمت مادہ کے یعنی مادہ کی قیمت زیادہ ہے اونٹوں میں بخلاف گائے بکری کے کہ ان دونوں میں مالک کو اختیار ہے چاہے نر دے چاہے مادہ

باب زکوٰۃ البقر

یہ باب ہے زکوٰۃ گائے بیل کا من البقر بالسکون ہو الشق سمی بہ لانہ یشق الارض کالثور یثیر الارض ومفردہ بقرۃ والتاء للوحدۃ بقر بفتحتین مشتق ہے بقر ساکن الاوسط سے جس کے معنی پھاڑنے کے ہیں اور وجہ تسمیہ یہ ہے کہ زمین کو پھاڑتا ہے جیسا اس کو ثور بھی کہتے ہیں اس لیے کہ زمین کو اٹھاتا ہے یعنی لائق زراعت کے کرتا ہے اور مفرد کا بقرہ ہے اور ت تانیث کی نہیں ہے بلکہ وحدت کی ہے نصاب البقر والجاموس ولو متولدا من وحش واہلیۃ بخلاف عکسہ ووحشی بقر وغنم وغیرہما فانہ لا یعد فی النصاب ثلثون سائمۃ

غیر مشترکہ گائے بھینس کی نصاب تیس عدد ہیں جنگل کے چرنے والے کہ مشترک نہ ہوں شارح نے کہا اگرچہ وحشی نر اور اہلی مادہ سے پیدا ہوئے ہوں بخلاف اس کے کہ مادہ جنگلی ہو اور نر اہلی اور بخلاف جنگلی گائے اور بکری کے کیونکہ یہ نصاب میں شمار نہیں کیے جاتے اس لیے کہ جانوروں میں اعتبار مادہ کا ہے نر کا اعتبار نہیں م غیر مشترک کی قید اس لیے لگائی کہ اگر تیس عدد مشترک ہوں گے تو ان پر زکوۃ نہ ہوگی کیونکہ ہر ایک کا حصہ نصاب سے کم ہوگا کذا فی الشامی وفیہا تبیع لانہ یتبع امہ ذو سنتہ کاملۃ او تبیعۃ انثیٰ اور تیس گائے میں پورے برس روز کا بچھڑا یا بچھڑی واجب ہے اس کو تبیع اس لیے کہتے ہیں کہ تبیع کے لفظی معنی ہیں ساتھ رہنے والا اور یہ بھی اپنی ماں کے ساتھ رہتا ہے م کاملۃ کی قید اس واسطے بڑھائی کہ بعض علما نے لکھا ہے کہ دوسری برس میں لگا ہو پس جب ایک برس کا پورا ہوگا تو دوسرا برس خواہی نخواہی شروع ہو جاوے گا کذا فی الشامی وفی اربعین مسن ذو سنتین او مسنۃ اور چالیس میں پورے دو برس کا نر یا مادہ م مسن کے معنی دانت والا اور اس کو مسن اس لیے کہتے ہیں کہ اس مدت میں دودھ کے دانت ٹوٹنے شروع ہو جاتے ہیں اور نئے دانت نکلتے ہیں وفیما زاد علی الاربعین بحسابہ فی ظاہر الروایۃ عن الامام وعنہ لاشئ فیما زاد الی ستین اور جو زیادہ ہو چالیس سے اسی حساب سے زکوۃ بھی لی جاوے گی ساٹھ تک یعنی اگر ایک زیادہ ہو تو چالیسواں حصہ ایک مسنہ کا اور دو میں بیسواں حصہ یہ مذہب ہے امام صاحب کا موافق ظاہر الروایت کے اور ایک روایت امام صاحب سے یہ ہے کہ زیادہ میں کچھ نہیں لازم آتا ساٹھ تک ففیہا ضعف ما فی ثلثین پس ساٹھ میں دوگنا اس کا ہے جو تیس میں لازم آتا ہے یعنی دو تبیع وہو قولہما والثلثۃ وعلیہ الفتوے بحر عن الینابیع وتصحیح القدوری اور یہی ہے قول صاحبین کا اور باقی تینوں اماموں کا اور اسی پر فتوی ہے کذا فی البحر ناقلا عن الینابیع وتصحیح القدوری ثم فی کل ثلثین تبیع وفی کل اربعین مسنۃ الا اذا تداخلا کمائۃ وعشرین فیخیر بین اربع اتبعۃ وثلث مسنات وہکذا پھر ہر تیس میں ایک تبیع اور ہر چالیس میں ایک مسنہ مگر اس صورت میں کہ دونوں یعنی تبیع اور مسنہ متداخل ہوں جیسے ایک سو بیس کہ مالک مختار ہے چاہے چار تبیعہ دیوے چاہے تین مسنہ وعلی ہذا القیاس یعنی دو سو چالیس میں آٹھ تبیعہ یا چھ مسنہ قالہ الشامی م متداخل سے یہ مراد ہے کہ ایسا عدد ہو جو تیس اور چالیس دونوں پر پورا تقسیم ہوتا ہو تو تیس کے حساب سے چاہے تبیع دے چاہے چالیس کے حساب سے مسنہ دے

باب زکوۃ الغنم

یہ باب ہے زکوۃ بھیڑ بکری کے بیان میں مشتق من الغنیمۃ لانہ لیس لہا آلۃ الدفاع فکانت غنیمۃ لکل طالب م الغنم مشتق ہے غنیمت سے اور وجہ تسمیہ یہ ہے کہ غنم کے پاس ایسا اوزار نہیں جس سے طالب کو ہٹا سکے پس گویا ہر طالب کے لیے غنیمت ہے اور سینگوں کا عدم وجود برابر ہے کیونکہ ان سے مدافعت نہیں کر سکتی نصاب الغنم ضانا او معزا فانہما سواء فی تکمیل النصاب والاضحیۃ والربوا لا فی اداء الواجب والایمان اربعون وفیہا شاۃ تعم الذکور والاناث نصاب غنم کی بھیڑ ہو یا بکری چالیس ہیں اور چالیس میں زکوۃ ایک بکری ہے نر ہو یا مادہ شارح نے کہا کہ غنم بھیڑ بکری دونوں کو شامل ہے اس لیے کہ دونوں برابر ہیں نصاب کے پورا کرنے اور قربانی اور سود میں نہ ادائے واجب میں اور قسموں میں م نصاب کا پورا کرنا یہ کہ اگر بھیڑ بکری مل کر چالیس ہوں تو زکوۃ لازم ہوگی اگرچہ اکیلے کی پوری نصاب نہ ہو اور سود میں اس طرح کہ اگر بھیڑی کا گوشت بدلے بکری کے گوشت کے زیادہ کم بیچے تو حرام ہے اور ادائے واجب اور قسم میں برابر نہیں یعنی اگر کسی کے پاس چالیس بھیڑیاں ہوں تو اس پر ایک بھیڑ واجب ہوگی اس سے بکری نہیں لے سکتے یا کسی نے قسم کھائی کہ بھیڑی کا گوشت نہ کھاؤں گا تو بکری کا گوشت کھانے سے حانث نہ ہوگا کذا فی الشامی وفی مائۃ واحدی وعشرین شاتان وفی مائتین وواحدۃ ثلث شیاہ وفی اربع مائۃ اربع شیاہ وما بینہما عفو اور ایک سو اکیس میں دو بکریاں اور دو سو ایک میں تین بکریاں اور چار سو میں چار بکریاں اور ایک نصاب سے دوسرے نصاب تک جو عدد ہیں وہ معاف ہیں م یعنی چالیس سے جو زائد ہو ایک سو بیس تک اس میں کچھ نہیں بشرطیکہ کہ مالک

ایک ہی ہو اور اگر تین مالک ہیں تو تین بکریاں لی جاویں گی ہر شخص سے ایک بکری بحر میں ہے کہ اگر ایک سو بیس بکریاں ایک شخص کی ہیں تو ساعی[1] کو نہیں پہنچتا کہ ان کو متفرق کر کے ہر چالیس پر ایک ایک بکری لے لے اور اگر چالیس بکریاں دو آدمی کی ہیں تو ان میں سے کسی پر زکوٰۃ نہیں ہے اور ساعی کو نہیں جائز کہ ان کو جمع کر کے ان پر زکوٰۃ لے لے اس لیے کہ ہر ایک کا حصہ نصاب سے کم ہے کذا فی الشامی ثم بعد بلوغها اربع مائة فی کل مائة شاة الی غیر النهایة پھر جب بکریاں چار سو ہو گئیں تو ہر سیکڑے پیچھے ایک بکری ہے بے انتہا تک ویؤخذ فی زکوتها ای الغنم الثنی من الضان المعز وهو ما تمت له سنة لا الجذع الا بالقیمة وهو ما اتی علیه اکثرها علی الظاهر وعنه جواز الجذع من الضان وهو قولهما والدلیل یرجحه ذکره الکمال والثنی من البقر ابن سنتین ومن الابل ابن خمس والجذع من البقر ابن سنة ومن الابل ابن اربع اور لیا جاوے بھیڑ بکری کی زکوٰۃ میں ثنے یعنی بنڈھا اور بکرا پورے برس ہونا کا مراد یہ ہے کہ دوسرے برس میں ہو جیسے ہدایہ اور کتب فقہ میں مسطور ہے نہ لیا جاوے جذع مگر قیمت کر کے اور جذع اس کو کہتے ہیں کہ جس پر اکثر سال گذر گیا ہو اور نہ لیا جانا جذع کا بنابر ظاہر روایت ہے اور ایک روایت امام صاحب سے یہ ہے کہ جذع بنڈھوں میں لیا جا سکتا ہے اور یہی قول ہے صاحبین کا اور دلیل اس کو ترجیح دیتی ہے ذکر کیا ہے اس کو کمال نے لیکن بحر وغیرہ نے ظاہر الروایت پر جزم کیا ہے اور اختیار میں ہے کہ یہی صحیح ہے اور ثنی بیلوں میں دو برس کا ہوتا ہے اور اونٹوں میں پانچ برس کا اور جذع بقر میں ایک برس کا ہے اور ابل میں چار برس کا ولا شیء فی خیل سائمة عندهما وعلیه الفتوی خانیة وغیرها ثم عند الامام هل لها نصاب مقدر الاصح لا لعدم النقل بالتقدیر اور زکوٰۃ نہیں ہے گھوڑوں جنگل کے چرنے والوں میں صاحبین کے نزدیک اور اسی پر فتویٰ ہے کذا فی الخانیة وغیرها اور طحطاوی نے کہا کہ یہی پسندیدہ ہے اور اسرار اور زیلعی اور ینابیع اور جواہر اور کافی میں اسی کو ترجیح دی ہے لیکن فتح القدیر میں قول امام کو ترجیح دی ہے اور صاحبین کی دلیل کا جواب تبعا للہدایہ اس طرح دیا ہے کہ عدم زکوٰۃ خیل سے مراد غازیوں کے گھوڑے ہیں اور یہ قول باعتبار حجت کے قوی ہے جیسا کہ تجرید اور مبسوط اس کے شاہد ہیں کذا فی الشامی پھر جب امام کے نزدیک ان میں زکوٰۃ ہوئی تو کوئی نصاب بھی ان کے لیے مقرر ہے یا نہیں تو بعضوں نے تین اور بعضوں نے پانچ کہے ہیں لیکن اصح یہ ہے کہ کوئی نصاب مقرر نہیں کیونکہ تقدیر اور اندازہ سلف سے منقول نہیں ولا فی بغال وحمیر سائمة اجماعا لیست للتجارة فلو لها فلا کلام لانها من العروض اور نہیں زکوٰۃ بالاتفاق خچروں اور گدھوں جنگل کے چرنے والوں میں کہ تجارت کے نہ ہوں پس اگر تجارت کے ہوں تو کچھ کلام نہیں زکوٰۃ کے واجب ہونے میں کیونکہ وہ مانند اور اسباب کے ہیں ولا فی عوامل وعلوفة مالم تکن العلوفة للتجارة اور نہیں زکوٰۃ کام کرنے والے جانوروں یعنی کھیتی کے بیل وغیرہ میں اور نہ گھر سے گھاس کھانے والوں میں زکوٰۃ ہے جب تک کہ گھر والے جانور تجارت کے نہ ہوں مصنف نے عوامل میں قید تجارت کی نہیں لگائی علوفہ میں لگائی کیونکہ عوامل تجارت کے لیے نہیں ہو سکتے اگرچہ نیت بھی کرے اس لیے کہ حاجت اصلی میں مشغول ہیں کذا فی الشامی ولا فی حمل بفتحتین ولد الشاة وفصیل ولد الناقة وعجول بوزن سنور ولد البقرة وصورته ان یموت کل الکبار ویتم الحول علی اولادها الصغار اور نہیں ہے زکوٰۃ بچوں میں خواہ بکری کے ہوں یا اونٹنی کے یا گائے کے اور مسئلہ کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ سب بڑے مر جاویں اور بچے باقی رہیں اور پھر برس گذر جاوے ان بچوں پر امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک زکوٰۃ نہیں واجب ہوتی اور امام ابو یوسف کے نزدیک انھیں میں سے ایک ادا کرے جاننا چاہیے کہ چھوٹے اونٹوں کی نصاب میں پچیس ہونا امام ابو یوسف کے نزدیک ضروری ہے اور پچیس سے کم میں بالاتفاق کچھ لازم نہیں ہوتا اور صحیح قول طرفین کا ہے کذا فی الشامی الا تبعا لکبیر ولو واحدا ویجب ذلک الواحد ولو ناقصا فلو جیدا لزم الوسط وهلاکه یسقطها یعنی بچوں میں زکوٰۃ نہیں مگر بہ تبعیت بڑوں کے اگرچہ ایک ہی ہو اور زکوٰۃ میں وہ بڑا ہی دینا واجب

[1] ساعی وہ شخص ہے کہ حاکم اسلام کی طرف سے سوائم کے صدقات جمع کر کے وصول کرتا ہے ۱۲

سے اگرچہ ناقص ہو پس اگر وُہ اول قسم کا ہے تو وسط لازم ہوگا اور اگر وُہ بڑا بعد برس گذر جانے کے ہلاک ہو جاوے تو زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے م یعنی طرفین کے نزدیک اور امام ابویوسف کے نزدیک ایک بچے کے ۳۹/۴۰ لازم ہوں گے کیونکہ بڑے کے مرنے سے ایک جز یعنی چالیسواں حصہ ساقط ہوگیا قالہ الشامی ولو تعدد الواجب وجب الکبار فقط ولا یکمل من الصغار خلافا للثانی اور اگر زکوٰۃ واجب متعدد ہو تو صرف بڑے ہی دیئے جاویں اور چھوٹوں سے ملا کر پورا کرنے کی حاجت نہیں بخلاف قول امام ابویوسف کے م بیان اس کا یہ ہے کہ جب کسی شخص کے پاس دو مسنہ اور ایک سو انیس بکری کے بچے ہوں تو اس صورت میں واجب دو مسنہ ہیں بالاتفاق اور اگر ایک مسنہ ہو اور ایک سو بیس بچے ہوں تو طرفین کے نزدیک ایک مسنہ لازم آتا ہے اور امام ابویوسف کے نزدیک ایک مسنہ اور ایک بچہ اور اسی طرح اگر ہو دیں انسٹھ گائے کے بچے اور ایک تبیع کذا فی الشامی ولا فی عفو وہو ما بین النصب فی کل الاموال اور نہیں زکوٰۃ اس عدد میں جو عفو ہو اور عفو وُہ عدد ہے کہ درمیان دو نصابوں کے ہو تمام قسم کے اموال میں م یہ شیخین کا قول ہے یعنی واجب بمقابلہ نصاب کے ہے نہ عفو کے اور امام محمدؒ اور زفرؒ کہتے ہیں کہ واجب بمقابلہ کل عدد کے ہے اور نتیجہ خلاف اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ ایک شخص کے پاس نو اونٹ ہیں اور چار ہلاک ہوگئے تو شیخینؒ کے نزدیک ایک بکری پوری لازم آدے گی اور امامؒ کے نزدیک ۵/۹ ایک بکری کے لازم آدے گی اور چار نویں حصہ ساقط ہو جاویں گے قالہ الشامی وخصاہ بالسوائم اور صاحبینؒ نے عفو کو خاص کیا ہے سوائم میں نہ نقود میں م اس واسطے کہ نقود میں جو دو سو درم سے زیادہ ہو صاحبین کے نزدیک معاف نہیں ہے بلکہ چالیسواں حصہ کل کا لازم ہوتا ہے بخلاف امام اعظم کے کہ اُن کے نزدیک بعد دو سو درم کے جو زیادہ ہو وُہ عفو ہے جب دو سو کے اوپر چالیس درم زیادہ ہوں تو ایک درم زیادہ لازم آدے گا یعنی چھ درم ہو جاویں گے الغرض درم کی کسر امام صاحب کے نزدیک معاف ہے کذا فی الشامی ولا فی ہالک بعد وجوبہا ومنع الساعی فی الاصح لتعلقہا بالعین لا بالذمۃ وان ہلک بعضہ سقط حظہ اور جو مال ہلاک ہوگیا ہو بعد وجوب زکوٰۃ کے اور منع کرنے ساعی کے اس میں زکوٰۃ نہیں اصح مذہب پر یعنی اگر برس گذر گیا اور ساعی نے طلب کیا اور مال والے نے انکار کیا یہاں تک کہ مال ہلاک ہوگیا تو صحیح یہ ہے کہ زکوٰۃ ساقط ہو گئی کیونکہ زکوٰۃ معین چیز سے علاقہ رکھتی ہے نہ ذمہ سے قالہ الشامی اور اگر بعض مال ہلاک ہوگیا تو اسی قدر کی زکوٰۃ ساقط ہوگئی ویصرف الہالک الی العفو اولا ثم الی نصاب یلیہ ثم وثم اور جو مال ہلاک ہوا وُہ پہلے عفو کی طرف لگایا جاوے گا پھر اس نصاب کی طرف جو اس کے متصل ہے پھر اسی طرح اس نصاب کی طرف جو اس سے پنچے ہے م یعنی اگر مثلاً کسی شخص کے پاس تین یا اور کچھ شے زاید ہو کر نصاب کو نہ پہنچی ہو پھر اس میں سے کچھ ہلاک ہو جاوے تو وہ اولا عفو میں سے سمجھا جاوے گا پھر جو زائد تھا اگر سب ہلاک ہوگیا تو وہی تین نصابوں کی زکوٰۃ اس کے ذمہ واجب ہوگی اور اگر زیادہ ہلاک ہوگیا تو یہ منصرف ہوگا اس نصاب کی طرف جو اس کے قریب ہے یعنی تیسری نصاب کے اور صرف دو نصابوں کی زکوٰۃ دے گا اور یہی حال ہے اگر نصاب اول تک ہلاک پہنچے کذا قالہ الشامی بخلاف المستہلک بعد الحول لوجود التعدی منہ ومنہ مالو حبسہا عن العلف او الماء حتی ہلکت فیضمن بدائع بخلاف اس صورت کے کہ قصدا ہلاک کر دے بعد برس گذرنے کے کیونکہ تعدی اس کی طرف سے پائی گئی اور تعدی میں شمار کیا جاوے گا اگر جانوروں کو گھاس یا پانی نہ دیا اور باندھ رکھا یہاں تک کہ ہلاک ہوگئے پس زکوٰۃ کا ضمان دے گا بدائع والتوی بعد القرض والاعارۃ واستبدال مال التجارۃ بمال التجارۃ ہلاک وبغیر مال التجارۃ والسائمۃ بالسائمۃ استہلاک اور کم ہونا مال کا بعد قرض دینے کے یا عاریت کے یا بدلنے مال کے بدلے مال کے ہلاک شمار کیا جاتا ہے اور بدلنا مال کا اور کسی چیز کے ساتھ سوائے مال تجارت کے یا سائمہ کا بدلے سائمہ کے بمنزلہ استہلاک کے ہے م حکم نقود کا حکم مال تجارت کا ہے یعنی مثلاً کسی شخص کے پاس ہزار درہم ہیں پھر اس کے بدلے ایک غلام تجارت کا مول لیا یا اور کچھ اسباب تجارت کا خریدا پھر وُہ ہلاک ہوگیا تو زکوٰۃ ساقط ہوگئی اور اگر غلام خدمت کا خریدا تو ساقط نہیں ہوتی

اور بہتر یہ ہے کہ لفظ بالسائمہ ساقط کر دیا جاوے تاکہ شامل ہو استبدال سائمہ کو غیر سائمہ سے درہم ہوں یا عروض کیونکہ زکوۃ متعلق ہوتی ہے عین کے ساتھ اولا و بالذات اور عین بدل گیا پس جب ہلاک ہو گیا عین یعنی سائمہ بدلا ہوا تو واجب ہوگی زکوۃ اور پوشیدہ نہ رہے کہ یہ اس وقت ہے کہ بعد برس کے استبدال کرتا ہو لیکن جب برس کے اندر استبدال کر لیا تو جب تک اس عوض پر برس نہ گذرے گا زکوۃ واجب نہ ہوگی یا یہ کہ اس کے پاس ان دراہم ثمن کے سوا اور دراہم ہوں تو ان کے ساتھ ملا کر سب کی زکوۃ دے کذا فی الشامی **وجاز دفع القیمۃ فی زکوۃ وعشر وخراج وفطرۃ ونذر وکفارۃ غیر الاعتاق وتعتبر القیمۃ یوم الوجوب وقالا یوم الاداء وفی السوائم یوم الاداء اجماعا ہو الاصح** اور جائز ہے دینا قیمت کا زکوۃ میں اور عشر میں اور خراج میں اور فطرہ میں اور نذر میں اور اس کفارہ میں جو سوائے آزاد کرنے کے ہو یعنی جائز ہے قیمت دینی اگرچہ شئے واجب ہی اس کے پاس موجود ہو مثلاً تین بکریاں موٹی جو چار بکریوں اوسط کی برابر ہوں ان چار کے عوض دے دلوے تو جائز ہے لیکن نصاب کیلی ہیں یا وزنی ہیں جب جنس کے بدلے جنس دلوے تو ان کی قیمت معتبر نہیں ہوتی مثلاً چار کیل اچھے گیہوں بدلے پانچ کیل ناقص گیہوں کے یا چار درم جید بدلے پانچ درم ہلکے کے دینے جائز نہیں اور اگر غیر جنس کے ساتھ قیمت کر کے دے تو جائز ہے قالہ الشامی اور قیمت وہ معتبر ہے کہ جو روز وجوب زکوۃ کے ہو اور صاحبین کے نزدیک اس دن کی جس روز ادا کرتا ہے اور سوائم میں بالاتفاق یوم الادا کی قیمت معتبر ہے یہی اصح ہے **ویقوم فی البلد الذی المال فیہ ولو فی مفازۃ ففی اقرب الامصار الیہ فتح** اور مال کی قیمت وہاں کی چاہیے جس شہر میں مال ہے اور اگر جنگل میں ہے تو جو شہر وہاں سے قریب ہو کذا فی الفتح اور اگر ایک غلام کو کسی شہر میں بھیجا تجارت کے لیے تو اس کی قیمت اس شہر کی معتبر ہوگی نہ مالک کے شہر کی **یجبر المصدق لا یاخذ الا الوسط وہو اعلی الادنی وادنی الاعلی ولو کلہ جیدا فجید** اور زکوۃ لینے والا نہ لیوے مگر اوسط اور اوسط وہ ہے کہ اعلیٰ سے کم درجہ کی ہو اور ادنیٰ سے زیادہ درجہ کی اور اگر سب اعلیٰ قسم کے ہوں تو اعلیٰ ہی لیوے م یعنی اگر بنت لبون مثلاً اس پر واجب ہوئی ہے تو سب بنت لبونوں سے اچھی چھانٹ کر نہ لیوے اور نہ سب سے بُری لیوے **وان لم یجد المصدق وکذا ان وجد فالقید اتفاقی ما وجب من ذات سن دفع المالک الادنی مع الفضل جبرا علی الساعی لانہ دفع بالقیمۃ او دفع الاعلی ورد الفضل بلا جبر لانہ شراء فیشترط فیہ الرضا ہو الصحیح سراج** اور اگر زکوۃ کے مال میں مصدق اُس عمر کا سائمہ نہ پاوے جو زکوۃ میں واجب ہوا ہے اور یہی حکم ہے اگر اس عمر کا یا اس صفت کا مال میں موجود ہو پس قید نہ پانے کی اتفاقی ہے تو مالک ادا کرے ادنیٰ درجہ کا مع زیادتی کے زور سے مصدق پر اس لیے کہ یہ ادائے قیمت ہے بیع نہیں ہے یا اعلیٰ درجہ کا ادا کرے اور زیادتی واپس کرے بغیر جبر کے اس لیے کہ اس صورت میں مصدق مشتری ہے پس اس کی رضامندی ضرور ہے یہی صحیح ہے کذا فی السراج **او دفع القیمۃ ولو دفع ثلث شیاہ سمان عن اربع وسط جاز** یا مالک قیمت دیوے اور اگر تین بکریاں فربہ بدلے چار اوسط بکریوں کے دے دیوے تب بھی جائز ہے **والمستفاد ولو بہبۃ او ارث وسط الحول یضم الی نصاب من جنسہ فیزکیہ بحول الاصل** اور جو مال درمیان برس کے حاصل ہو اگرچہ بذریعہ ہبہ کے ہو یا وراثت کے وہ ملایا جاوے اس کے جنس کی نصاب کے ساتھ پھر اس کی زکوۃ دی جاوے اصلی نصاب کے برس کی تمامی پر م سوائم میں بچوں کا بڑھنا درمیان سال کے اور تجارت کے مال میں نفع کا ہونا سب کا یہی حکم ہے جو مذکور ہوا بشرطیکہ اس کے پاس پہلی نصاب پوری ہو اور اگر پہلی نصاب پوری نہ ہو تو جس وقت سے مع بچوں یا مال مستفاد کے نصاب پوری ہو اس وقت سے برس روز کے بعد زکوۃ واجب ہوگی بخلاف اس صورت کے کہ شروع سال میں نصاب پوری ہو پھر بیچ میں ناقص ہو گئی پھر سال تمام پر پوری ہو گئی تو اس بیچ کے نقصان کا اعتبار نہیں ہمارے نزدیک اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اصل کی بقا ضرور ہے یہاں تک کہ اگر اصل نصاب ضائع ہو گئی تو مستفاد کا برس نئے سرے شمار کیا جاوے گا پھر اگر ایک روز پہلے بھی اصلی نصاب میں سے کچھ ہاتھ آوے تو کل کی زکوۃ مستفاد سمیت

ولیے ولوادی زکوٰۃ نقدہ ثم اشتری بہ سائمۃ لاتضم اور اگر اپنے نقد کی زکوٰۃ دے کر اس کے بدلے سوائم خرید کرے تو یہ سوائم ملائے نہ جاویں گے م صورت مسئلہ کی یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس کچھ سوائم اور کچھ نقد مال ہے اس نے بعد ادائے زکوٰۃ نقد کے اس کے بھی سوائم خرید لیے تو ان نوخرید سوائم کو پہلے سوائم میں نہ ملایا جاوے گا بلکہ ان کا برس جدا ہوگا امام صاحب کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک ملانا چاہیے اور ایسے ہی اگر سائمہ کی زکوٰۃ دے کر نقد کے بدلے بیچا برخلاف اس کے کہ اگر ادا کیا عشر غلہ یا زمین کا یا صدقہ فطر غلام کا پھر اس کو بیچ ڈالا تو قیمتیں بالاتفاق اصلی نصاب نقد کے ساتھ ملائی جاویں گی اور فرق امام صاحب کے نزدیک یہ ہے کہ ثمن سائمہ کا مال زکوٰۃ کا بدل ہے اور بدل کو حکم مبدل منہ کا ہوتا ہے پس اگر ملایا جائے گا تو تکرار زکوٰۃ کالازم آوے گا ولولہ نصابان مما لم یضم احدہما کثمن سائمۃ مزکاۃ والف درہم وورث الفاضمت الی اقربہما حولا ونح کل یضم الی اصلہ اور اگر اس کے پاس دو نصاب ایسی ہیں کہ نہیں ملائی جاتیں جیسے ثمن سائمہ زکوٰۃ دی ہوئی کا اور ہزار درہم اور وراثت میں ملے اس کو ایک ہزار تو ہزار وراثت کے اس کے ساتھ ملائے جائیں گے جس کا عنقریب برس پورا ہونے والا ہے اس لیے کہ ملانے میں تو دونوں برابر ہیں مگر قرب کی جہت سے قریب کو ترجیح ہے اور اس میں فقیروں کا فائدہ ہے کذا فی الشامی اور فائدہ ہر ایک کا اس کی اصل کے ساتھ ملایا جاوے یعنی اگرچہ اس کا برس پورا ہونے میں دیر ہو کیونکہ فائدہ اپنی اصل کے تابع ہے اور یہی حکم ہے بچے کا سوائم میں اخذ البغاۃ والسلاطین الجابرۃ زکوٰۃ الاموال الظاہرۃ کالسوائم والعشر والخراج لااعادۃ علی اربابہا ان صرف الماخوذ فی محلہ الآتی ذکرہ والا یصرف فیہ فعلیہم فیما بینہم وبین اللہ اعادۃ غیر الخراج لانہم مصارف اگر باغیوں نے اور ظالم بادشاہوں نے اموال ظاہری کی زکوٰۃ لی جیسے سوائم اور عشر اور خراج پس مالکوں کے ذمے دوبارہ دینا لازم نہ ہوگا بشرطیکہ انہوں نے اس کو صرف کیا ہو صرف کے موقع پر جس کا بیان باب المصرف میں آوے گا یعنی فقیروں وغیرہ کو دیا ہو اور اگر اپنے موقع پر صرف نہیں کیا تو مال والوں کے ذمے دیانت کی راہ سے پھر دینا لازم ہے سوائے خراج کے کہ اس کا اعادہ لازم نہیں اس لیے کہ وہ لوگ خراج کے مصرف ہیں کیونکہ خراج حق مقاتلین کا ہے اور اہل یعنی اہل حرب سے مقابلہ کرتے ہیں م مال ظاہری وہ کہلاتا ہے جس کی زکوٰۃ حاکم اہل اسلام لیتا ہے یا جو عشر دینے والے کے سامنے آوے واختلف فی الاموال الباطنۃ ففی الولوالجیۃ وشرح الوہبانیۃ المفتی بہ عدم الاجزاء اور اختلاف ہے اموال باطنیہ میں پس ولوالجیہ میں اور شرح وہبانیہ میں ہے کہ مفتی بہ عدم کفایت ہے م مال باطن نقد اور اسباب تجارت کو کہتے ہیں یعنی اگر مال باطن کی زکوٰۃ باغیوں نے لی تو فتویٰ اس پر ہے کہ مالک کی طرف سے کافی نہ ہوگی اس کو پھر سے ادا کرنی چاہیے مگر یہ شرط ہے کہ عاشر کے سامنے نہ لی گئی ہو ورنہ مال ظاہر کی زکوٰۃ کا حکم ہوگا اور شارح کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ اموال ظاہری میں اختلاف نہیں حالانکہ اس میں بھی اختلاف ہے اور تفصیل اس کی شامی میں ہے وفی المبسوط الاصح الصحۃ اذا نوی بالدفع لظلمۃ زماننا الصدقۃ علیہم لانہم بما علیہم من التبعات فقراء حتی افتی امیر بلخ بالصیام لکفارۃ عن یمینہ اور مبسوط میں ہے کہ اصح یہ ہے کہ درست ہے یعنی مالک پر دوبارہ دینا لازم نہیں جب کہ مال باطنی کی زکوٰۃ باغیوں اور ظالموں نے لی ہو بشرطیکہ نیت کرے ظالموں کے دینے سے ان کے اوپر صدقہ کرنے کی اس واسطے کہ وہ لوگ فقیر ہیں بسبب ان حقوق کے جو ان کے پیچھے لگے ہیں اور اسی واسطے فتویٰ دیا گیا امیر بلخ کا کفارہ یمین میں کہ روزے رکھے م امیر بلخ یعنی موسیٰ بن عیسیٰ بن ہامان خراسان کے والی نے محمد بن سلمہ سے سوال کیا اپنے قسم کے کفارہ دینے سے پس محمد بن سلمہ نے روزے رکھنے کا فتویٰ دیا حالانکہ کفارہ قسم دس مسکینوں کو کھانا یا کپڑا دینے کا یا بردہ آزاد کرنے کا ہے اور جب یہ امور میسر نہ ہوں تو روزے رکھنے کا حکم ہے مگر چونکہ امیر مذکور کے پاس مال موجود لوگوں کے حقوق سے زائد نہ تھا اس لیے اس کو فقیر بے دسترس تصور کیا گیا فتح القدیر میں ہے کہ اس تقدیر پر اگر کسی نے وصیت کی کہ ثلث مال اس کا فقرا کو دیا جائے پھر وہ دیا گیا سلطان ظالم کو تو اس کی وصیت ادا ہوگئی ولو اخذہا الساعی جبرا لم تقع زکوٰۃ لکونہا بلا اختیار ولکن یجبر بالحبس لیؤدی

بنفسہ لان الاکراہ لاینافی الاختیار اور اگر لے لیا مصدق نے زکوۃ کو بجبر تو زکوۃ نہ ہوگی کیونکہ اس میں اختیار نہ ہوا اور زکوۃ دینے میں نیت اور اختیار ضروری ہے لیکن مالک مال کا قید کیا جاوے تاکہ خود بذاتہ ادا کرے اس واسطے کہ دباؤ دینا اختیار کے منافی نہیں م مختصر کرخی میں ہے کہ اگر امام نے صدقہ بکرے کر مصرف میں صرف کیا تو کفایت کرتا ہے اس لیے کہ امام کو ولایت اخذ مال کی ہے تو اس کا لے لینا مالک کے دینے کے قائم مقام ہوگیا بحرالرائق میں ہے کہ مفتی بہ تفصیل ہے یعنی اگر اموال ظاہری میں سے لیا ہو تو فرض ساقط ہو جائے گا اس واسطے کہ سلطان کو اور اس کے نائب کو ولایت اخذ مال کی ہے اور اگر اموال باطنی میں سے بزور لے لیا ہو تو ساقط نہ ہوگا فی التجنیس المفتی بہ سقوطہا فی الاموال الظاہرۃ لا الباطنۃ اور تجنیس میں ہے کہ حاکم جابر کو دینے کی صورت میں مفتی بہ یہ ہے کہ زکوۃ ساقط ہو جاتی ہے اموال ظاہری ہوں نہ باطنی ہوں **ولو خلط السلطان المال المغصوب بمالہ ملکہ فتجب الزکوۃ فیہ ویورث عنہ** لان الخلط استہلاک اذا لم یمکن تمییزہ عند ابی حنیفۃ وقولہ ارفق اذ قلما یخلو مال عن غصب اور اگر ملایا بادشاہ نے چھینا ہوا مال اپنے مال میں تو اس کا مالک ہو جاوے گا پس زکوۃ واجب ہوگی اور مرنے کے بعد وراثت بھی جاری ہوگی اس لیے کہ خلط کرنا اس طرح کہ تمیز ممکن نہ ہو نزدیک امام صاحب کے بمنزلہ قصداً ضائع کرنے کے ہے یعنی جب استہلاک ثابت ہوا تو ضمان اس کا لازم آیا اور مغصوب کا مالک ہونا ضمان کے عوض لازم ہوا اور امام کے قول میں لوگوں کے لیے سہولت ہے اس واسطے کہ کم تر کوئی مال غصب سے خالی ہوتا ہے اور صاحبین کے نزدیک ضمان نہیں لازم ہوتا اور جب ضمان لازم نہ ہوا تو ملک بھی ثابت نہ ہوئی اور وراثت بھی جاری نہ ہوئی کیونکہ وہ مال مشترک ہے اور اس میں سے صرف حصہ میت کی میراث جاری ہوگی وہذا اذا کان لہ مال غیر ما استہلکہ بالخلط منفصل عنہ یوفی دینہ والا فلا زکوۃ کما لو کان الکل خبیثا کما فی النہر عن الحواشی السعدیۃ اور خلط کی جہت سے زکوۃ واجب ہونا اس صورت میں ہے کہ اس کے پاس جدا مال سوا اس کے جس کو خلط سے ہلاک کیا ہے اتنا ہو کہ اس کے دین کو کافی ہو ورنہ زکوۃ نہیں لازم آوے گی جیسا اس صورت میں کہ کل مال خبیث ہو کذا فی النہر عن الحواشی السعدیۃ م یعنی جب خبیث مال نصاب کو پہنچ جاوے تو زکوۃ لازم نہ ہوگی کیونکہ اس مال کو بتمامہ تصدق کرنا واجب ہے بعض کا صدقہ دینا کیا کام کرے گا کذا فی القنیۃ وفی شرح الوہبانیۃ عن البزازیۃ انما یکفر اذا تصدق بالحرام القطعی اما اذا اخذ من انسان مائۃ ومن آخر مائۃ وخلطہا ثم تصدق لا یکفر لانہ لیس بحرام قطعی لاستہلاکہ بالخلط اور وہبانیہ کی شرح میں نقلاً عن البزازیہ یہ ہے کہ آدمی اس صورت میں کافر ہوتا ہے کہ حرام قطعی کو صدقہ دیوے یعنی بہ نیت حصول ثواب کہ حلال جاننے پر مبنی ہے لیکن جب لیے ایک سے سو اور دوسرے سے سو پھر ان کو ملا دیا پھر سب کو تصدق کیا تو کافر نہ ہوگا کیونکہ یہ دو سو حرام قطعی نہیں اس لیے کہ خلط کی وجہ سے گویا اس نے اس کو ہلاک کر دیا اور بوجہ وجوب ضمان اس کا مالک بن گیا م شارح نے صرف عدم کفر پر اقتصار کیا اس میں اشارہ ہے کہ مال مخلوط میں تصرف کرنا بدون ادائے ضمان کے جائز نہیں اگرچہ خلط کی وجہ سے مالک ہو گیا ظہیریہ میں ہے کہ کسی شخص نے مال حرام میں سے کسی فقیر کو کچھ دیا ثواب کی توقع سے تو کافر ہوا اور اگر فقیر جانتا ہو اور دعا دی اور معطی نے آمین کہی تو دونوں کافر ہونگے اور شرح وہبانیہ میں ہے کہ اگر غیر شخص آمین کہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا حال بھی یہی ہے اور آدمی اس سے غافل ہیں اور جہال اس میں مبتلا پس شارح نے حرام قطعی کی قید لگا کر گویا ظہیریہ کے کلام کو مقید کر دیا اور ظاہر کر دیا کہ مراد حرام سے حرام قطعی ہے جس میں کافر ہوتا ہے کذا فی الشامی **ولو عجل ذو نصاب زکوتہ لسنین او لنصب صح لوجود السبب وکذا لو عجل عشر زرعہ او ثمرہ بعد الخروج قبل الادراک** اور اگر نصاب والا زکوۃ پیشگی چند سال کی ادا کرے یا چند نصابوں کی زکوۃ ادا کرے تو درست ہے کیونکہ سبب زکوۃ یعنی نصاب موجود ہے اور ایسا ہی اگر عشر کھیتی کا یا اثمار کا پیشگی ادا کر دے نکلنے کے بعد یا پکنے سے پہلے تو درست ہے م یعنی اگر کسی کے پاس تین سو درہم ہیں اور اس نے دو سو درم کی زکوۃ سو درم بیس برس کے لیے ادا کیے تو درست ہے یا یہ کہ سو درہم ادا کیے بہ نیت دو سو درم نصاب موجودہ ۱۹۰ نصاب غیر موجود کے پھر اس برس میں وے نصابیں اس کے پاس موجود ہو گئیں تو درست

ہے اور اگر اس برس میں موجود نہ ہوئیں تو زکوۃ علیحدہ ضرور ہے اور وہ سو درم زکوۃ نصاب موجود کی یعنی دو سو درم کی ہیں برس کے لیے ہو جاویں گے جیسا پہلے مسئلہ میں تھا کذا فی الشامی واختلف فیہ قبل النبات وخروج الثمرۃ والاظہر الجواز وکذا لو عجل خراج راسہ ونماہ فی النہر اور اختلاف ہے اس صورت میں کہ پیشگی دے پہلے کھیتی اگنے سے اور پھل نکلنے سے اور ظاہر یہ ہے کہ جائز ہے اور ایسے ہی اگر خراج جو سر اسم ذمیوں پر لگایا جاتا ہے اپنی طرف سے کئی برس کا پیشگی ادا کرے تو جائز ہے اور اس کا پورا بیان نہر الفائق میں ہے م قہستانی میں کہا کہ ایسے ہی تعجیل خراج زمین کی چند سال کے لیے جائز ہے قولہ وکذا لو عجل معطوف ہے ولو عجل ذو نصاب پر وان ایسر الفقیر قبل تمام الحول او مات او ارتد و ذلک لان المعتبر کونہ مصرفا وقت الصرف الیہ لا بعدہ یعنی نصاب کی پیشگی ادا کرنا جائز ہے اگرچہ فقیر قبل پورا کرنے برس کے توانگر ہو جاوے یا مر جاوے یا مرتد ہو جاوے اس لیے کہ فقیر کا مصرف ہونا اس وقت معتبر ہے جب زکوۃ اس کو دی جائے دینے کے بعد کا اعتبار نہیں ولو غرس فی ارض الخراج کرما فما لم تیم الکرم کان علیہ خراج الزرع مجمع الفتاوی اور اگر خراجی زمین میں انگور بوئے تو جب تک انگور پورے نہ ہوں اس کے ذمہ خراج کھیتی کا لازم ہوگا اس لیے کہ انگور بونے کی وجہ سے زمین زرعی کو گویا معطل کر دیا تو کھیتی کا خراج واجب ہوا یہاں تک کہ انگور پھل لاوے اس وقت خراج انگور کا اس کے ذمے ہوگا اور کھیتی کا خراج فی جریب ایک صاع اور ایک درم ہے اور انگور کا خراج دس درم ہیں اور یہ مسئلہ عشر و خراج کے مسائل میں چاہیے یہاں تبعاً ذکر کر دیا ہے کذا فی الشامی ولا شئی فی مال صبی تغلبی بفتح اللام وتکسر نسبۃ لبنی تغلب بکسرہا قوم من نصاری العرب وعلی المراۃ ما علی الرجل منہم لان الصلح وقع منہم کذلک اور نہیں ہے زکوۃ تغلبی لڑکوں کے مال میں تغلبی بفتح لام اور کسرہ بھی جائز ہے منسوب بنی تغلب کی طرف لام کے کسرہ سے کہ ایک قوم ہے عرب کے نصاری میں سے اور ان کی عورتوں پر بھی اسی قدر لازم ہے جس قدر ان کے مردوں پر یعنی نصف العشر اور ان کے لڑکوں کے مال میں زکوۃ نہیں مگر عشر لیا جاتا ہے دونا مسلمان کے لڑکوں کی نسبت اس واسطے کہ تغلبیوں سے اسی طرح صلح ٹھہری تھی ولیوخذ فی زکوۃ السائمۃ الوسط لا الہرم ولا الکرائم اور سوائم کی زکوۃ میں اوسط لیا جاوے نہ بڈھا نہ بہت بڑھا کا اور اس کا مذکور پہلے ہو چکا یعنی نہ دودھ پلاتی لی جاوے نہ گابھن نہ دانہ خوری کی نہ وہ کہ گلہ میں نسل کے لیے رہتا ہے ولا توخذ من ترکتہ بغیر وصیتہ لفقد شرطہا وہو النیۃ وان اوصی بہا اعتبرت من الثلث الا ان یجیز الورثۃ اور زکوۃ نہ لی جاوے ترکہ میت سے بدون اس کی وصیت کے کیونکہ شرط زکوۃ کی نیت ہے اور وہ معدوم ہے اور اگر میت وصیت کر کے مرا ہو تو تہائی سے معتبر ہوگی نہ کل مال سے مگر یہ کہ وارث کل مال سے دینا جائز رکھیں وحولہا ای الزکوۃ قمری بحر عن القنیۃ لا شمسی وسیجئ الفرق فی العنین اور ادائے زکوۃ میں جو سال معتبر ہے وہ قمری ہے نقل کیا ہے بحر میں قنیہ سے نہ سال شمسی اور ان میں فرق باب العنین میں آوے گا یعنی سال قمری ۳۵۴ روز کچھ اوپر ہے اور سال شمسی اسی سے گیارہ روز زیادہ ہے شک انہ ادی الزکوۃ ادا لا یؤدیہا لان وقتہا العمر اشباہ مال دار کو شک ہوا کہ زکوۃ ادا کی یا نہیں تو اس کو ادا کرے اس لیے کہ زکوۃ کا وقت تمام عمر ہے کوئی وقت مقرر نہیں کہ بعد اس کے قضا کہلا دے کذا فی الاشباہ م بحر میں واقعات سے منقول ہے کہ فرق ہے اس میں اور نماز کے شک میں وقت گزرنے کے بعد اور یہاں کے مسئلہ کی نظیر یہ ہے کہ نماز کا وقت موجود ہے اور مصلی کو شک ہوا کہ نماز پڑھی یا نہیں تو اس صورت میں یہ اعادہ لازم ہے

باب زکوۃ المال

یہ باب ہے زکوۃ مال کے بیان میں ال فیہ للعہد فی حدیث ہاتوا ربع عشر اموالکم فان المراد بہ غیر السائمۃ لان زکوتہا غیر مقدرۃ بہا الف لام زکوۃ المال میں عہد کا ہے یعنی اس مال کی طرف کہ حدیث شریف میں ہاتوا[1] ربع عشر اموالکم

[1] دو اپنے مالوں کا چالیسواں حصہ ۱۲

میں مذکور ہے اور وہاں مراد مال غیر سائمہ ہے اس واسطے کہ سائمہ کی زکوٰۃ تو چالیسواں حصہ مقرر نہیں ہے م یہ جواب ہے اس کا کہ کہتے ہیں مال وہ ہے
جس سے تونگری حاصل ہو پس شامل ہوگا سوائم کو بھی اور اس سوال کا جواب اس طرح بھی دیا گیا ہے کہ مراد مال سے مال عرفی ہے اور عرفاً نقد
اور اسباب کو مال کہتے ہیں نہ سوائم کو کذا فی الشامی **نصاب الذہب عشرون مثقالا والفضۃ مائتا درہم کل عشرۃ دراہم وزن سبعۃ**
مثاقیل الدینار عشرون قیراطا والدرہم اربعۃ عشر قیراطا والقیراط خمس شعیرات فیکون الدرہم الشرعی سبعین شعیرۃ والمثقال مائۃ
شعیرۃ فھو درہم وثلثۃ اسباع درہم سونے کی نصاب بیس مثقال ہے اور چاندی کی دو سو درہم ہر دس درہم بوزن سات مثقال کے اور دینار بیس
قیراط کا ہے اور درہم چودہ قیراط کا اور قیراط پانچ جو کا تو درہم شرعی اس حساب سے ستر جو کا ہوا اور مثقال سو جو کا پس مثقال مساوی ایک درہم اور
تین ساتویں حصہ درم کا ہوا م نصاب سونے کی بیس مثقال یعنی ۷½ تولہ وزن دہلی اور نصاب چاندی کی ۲۰۰ درہم یعنی ۱۴۰ مثقال ۵۲½ تولہ جس کے
۵۴ کم روپے بحساب فی روپیہ ۱۱¼ ماشہ اور ۵۱ روپیہ بحساب ۱۱¼ اور ۵۶½ روپیہ یعنی ۵۲ روپے ۲ آنے ۸ پائی تقریباً بحساب ۱۱½ ماشہ رتی زیادہ یعنی ۱۱ ماشہ
۳ رتی کم جو وزن چہرہ شاہی روپیہ کا ہے اور جاننا چاہیے کہ درم حضرت عمرؓ کے زمانے میں مختلف تھے بعضے دس مثقال کے دس درم بعضے چھ مثقال کے
دس درم بعضے پانچ کے دس درم حضرت عمرؓ نے سب کو جمع کر کے وزن[1] مساوی نکال لیا تو سات مثقال کے دس درم ٹھہرے اور شامی میں اس میں زیادہ
گفتگو کی ہے **وقیل یفتی فی کل بلد بوزنہم وتحققہ فی متفرقات البیوع** اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر شہر میں اُن کے وزن کے موافق فتویٰ دیا جاوے اور متفرقات
بیوع میں اس کی تحقیق آوے گی م شامی میں لکھا ہے اسی فتویٰ کو تسلیم کیا ہے ولوالجیہ میں اور اسی کو لیا ہے سرخسی نے اور پسند کیا ہے مجتبیٰ اور جمع
النوازل اور عیون اور معراج اور خانیہ اور فتح القدیر میں پھر اس کے بعد میں کہتا ہوں کہ درم رائج الوقت کم تر نہ ہونا چاہیے اس درم سے جو حضرت کے وقت
میں کم سے کم وزن کا رائج تھا یعنی وزن خمسہ کا لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ درم چودہ قیراط کا ہے اور اس پر کتب متقدمین و متاخرین ہیں اور بیوع میں جو درم
کی تحقیق کی ہے اس کو زکوٰۃ سے کچھ علاقہ نہیں بلکہ عقود سے متعلق ہے یعنی عرف میں کون سا درم مراد ہوتا ہے جب مطلق بولیں **والمعتبر وزنہما اداء**
ووجوبا لاقیمتہما اور زکوٰۃ کے نصاب میں معتبر وزن سونے چاندی کا ہے باعتبار ادا کے اور وجوب کے نہ قیمت ان دونوں کی م مثلاً اگر برتن چاندی کا
سو درم کے وزن کا کسی شخص کے پاس ہو اور خوبی ساخت کے اعتبار سے اس کی قیمت دو سو درم کی ہو تو اس پر زکوٰۃ نہ آوے گی جب تک وزن پورا دو سو درم
کا نہ ہو **واللازم مبتدا فی مضروب کل منہما ومعمولہ ولو تبرا او حلیا مطلقا مباح الاستعمال اولا ولو للتجمل والنفقۃ لانہما خلقا اثمانا فیزکیہما کیف کانا**
اللازم مبتدا ہے اس کی خبر آگے آتی ہے ربع عشر یعنی چالیسواں حصہ لازم ہے اس مال میں جو سونے چاندی کا سکہ ہو جیسے درم دینار روپیہ اشرفی یا اُن
سے کچھ بنا ہو جیسے برتن یا تلوار کی کوتھی یا لگام اگرچہ سونے یا چاندی کی ڈلی ہو یا زیور بنا لیا گیا ہو ہر حال میں یعنی اس کا استعمال مباح ہو یا نہ ہو
اگرچہ آرائش کے لیے یا نفقہ کے لیے رکھا ہو اس لیے کہ سونا چاندی بحسب خلقت ثمنیت کے لیے موضوع ہیں تو ان کے اوپر زکوٰۃ ہر صورت میں ہوگی
وفی عرض تجارۃ قیمتہ نصاب الجملۃ صفۃ عرض وہو ہنا مالیس بنقد واما عدم صحۃ النیۃ فی نحو الارض الخراجیۃ فلقیام المانع کما قدمنا لا لان الارض
لیست من العرض فتنبہ اور چالیسواں حصہ لازم ہے اسباب تجارت میں جس کی قیمت نصاب کو پہنچی ہو شارح نے کہا کہ یہ جملہ صفت ہے عرض کی اور
عرض سے مراد یہ ہے کہ نقد نہ ہو اور زمین خراجی میں جو نیت تجارت کی صحیح نہیں ہے وہ بسبب مانع کے ہے جیسا پہلے گذر چکا یعنی تکرار زکوٰۃ کا
لازم آتا ہے نہ اس جہت سے کہ زمین پر اطلاق عرض کا نہیں ہوتا اس بات کو سمجھو **من ذہب او ورق ای فضۃ مضروبۃ فافاد ان التقویم انما**
یکون بالمسکوک عملا بالعرف من ذہب او ورق بیان ہے نصاب کا یعنی اسباب تجارت کی قیمت نصاب ہو سونے مضروب یا چاندی سکہ لگائی ہوئی

[1] اس طرح کہ تینوں وزنوں کا مجموعہ اکیس ہوتا ہے اور اکیس کو ۳ پر تقسیم کرنے سے سات ہوتے ہیں ۱۲

سے تو اس سے معلوم ہوا کہ قیمت کرنا بجز سکہ کے دوسری چیز سے نہیں ہوتا کیونکہ یہی متعارف ہے **مقوما باحدہما ان استویا فلواحدہما اروج تعین التقویم بہ** قیمت کی گئی ہو نصاب مذکور ان میں سے کسی ایک سے اگر دونوں برابر ہوں یعنی چلن میں پس اگر ایک رواج میں زائد ہو تو قیمت کرنے کے لیے وہی متعین ہوگا **ولو بلغ باحدہما نصابا دون الآخر تعین ما یبلغ بہ** اور اگر پہنچے ایک کے ساتھ قیمت کرنے سے نصاب کو نہ دوسرے کے ساتھ تو جس کے اعتبار سے نصاب کو پہنچے وہی متعین ہے قیمت کے تقرر کے لیے م مثلاً مال تجارت کی قیمت اگر چاندی سے کی جاتی ہے تو ساڑھے باون تولہ کا ہوتا ہے اور سونے سے کرتے ہیں تو تین یا چار تولہ کا ہوتا ہے تو قیمت چاندی سے لگائی جائے گی **ولو بلغ باحدہما نصابا وخمسا وبالآخر اقل قوم بالانفع للفقیر سراج** اور اگر پہنچے سونے چاندی میں سے ایک کے ساتھ تقویم کرنے سے نصاب اور خمس نصاب کو اور دوسرے کے ساتھ قیمت کرنے سے کم تر کو تو ان کو تقویم کریں اس کے ساتھ جو فقیروں کے حق میں نافع ہو کذا فی السراج م یعنی اگر دراہم کے ساتھ قیمت کریں تو دو سو چالیس درہم ہوں اور دنانیر کے ساتھ تیئس دینار ہوں تو دراہم کے ساتھ تقویم کریں گے کیونکہ اس میں چھ درہم لازم ہوں گے بخلاف دنانیر کے کہ ان میں واجب نصف دینار ہے کہ مساوی ہے پانچ درہم کو اور اگر دیناروں سے ۲۴ کو پہنچے اور دراہم سے ایک سو چھتیس کو تو دیناروں کے ساتھ تقویم ہوگی[۲] ہدایہ میں ہے کہ شرع میں دینار دس درہم کا ہوتا ہے فتح القدیر میں کہا ہے کہ دینار کی قیمت جو دس درہم لگائے جاتے ہیں تو شرع میں ایسا ہی تھا **ربع عشر خبر قولہ اللازم وفی کل خمس بضم الخاء بحسابہ ففی کل اربعین درہما درہم وفی کل اربعۃ مثاقیل قیراطان وما بین الخمس الی الخمس عفو وقالا ما زاد بحسابہ وہی مسئلۃ الکسور** ربع عشر خبر ہے اللازم کی یعنی واجب سونے چاندی میں چالیسواں حصہ ہے اور ہر پانچویں حصہ نصاب میں اسی حساب سے واجب ہے یعنی ہر چالیس درہم پر ایک درم اور ہر چار مثقال پر دو قیراط اور ایک خمس سے دوسری تک معاف ہے اور صاحبین کہتے ہیں کہ جتنا نصاب سے زیادہ ہو سب کی اسی حساب سے زکوٰۃ لی جاوے یعنی خمس تک کے جو کسور امام صاحب کے نزدیک معاف تھیں وہ ان کے نزدیک نہیں اور یہ مسئلہ الکسور ہے ماخوذ ہے حدیث **لا ناخذ من الکسور شیا** یعنی ہم نہ لیں کسروں میں کچھ کذا فی الشامی **وغالب الفضۃ والذہب فضۃ وذہب وما غلب غشہ منہما یقوم کالعروض ویشترط فیہ النیۃ** اور سونا یا چاندی اگر کسی ملونی کے ساتھ مخلوط ہو اور ملونی پر سونا یا چاندی غالب ہو تو اس کا حکم سونے چاندی کا ہے اس میں لف ونشر مرتب ہے یعنی اگر سونا غالب ہو تو سونے کا حکم ہے اور اگر چاندی غالب ہو تو چاندی کا حکم ہے تو اس مخلوط میں زکوٰۃ سونے چاندی کی لازم ہے یہاں تک کہ اگر بہ نیت تجارت بھی رکھا ہوگا تو زکوٰۃ نقدین کی لازم ہوگی نہ عروض کی اور اگر ملونی نقدین پر غالب ہو تو اس کی قیمت کی جاوے گی مثل اور اسباب تجارت کے بشرطیکہ تجارت کی نیت ہو **الا اذا کان یخلص منہ ما یبلغ نصابا او اقل وعندہ ما یتم بہ او کانت اثمانا رائجۃ وبلغت نصابا من ادنی نقد تجب زکوٰتہ فتجب والا فلا** نیت شروط ہے مگر اس صورت میں کہ مخلوط میں اس قدر چاندی یا سونا جدا ہو سکتا ہے کہ نصاب کی مقدار کو پہنچے یا سونا چاندی اگرچہ نصاب سے کم ہے لیکن جس قدر نصاب میں کمی ہے اس کے پورا کرنے کو اس کے پاس کوئی تجارت کی چیز یا نقدین میں سے موجود ہے یا یہ کہ غالب الغش ثمن مروج ہوں اور قیمت میں اس ادنی نقد کے نصاب کے برابر ہوں جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں واجب ہوگی **واختلف فی الغش المساوی والمختار لزومہا احتیاطا خانیہ ولذا لا تباع الا وزنا** اور جو مال ایسا ہو کہ اس میں ملونی اور چاندی یا ملونی اور سونا دونوں برابر ہیں اس میں اختلاف ہے مختار یہ ہے کہ زکوٰۃ لازم ہے احتیاطاً کذا فی الخانیہ اور اسی جہت سے اس کی بیع بغیر وزن کے نہیں جائز ہے تاکہ ربوا لازم نہ آوے **واما الذہب المخلوط بالفضۃ فان غلب الذہب فذہب والا فان بلغ الذہب او الفضۃ نصابہ وجبت** اور سونا جو چاندی میں مخلوط ہو

---

[۱] یعنی اگر چاندی اور سونے کا سکہ برابر چلتا ہو تو دونوں میں سے ایک کے ساتھ دام لگانے سے اسباب کی قیمت نصاب میں ہونی چاہیے اور اگر سد پیہ مثلاً بہت مروج ہو اشرفی اس قدر نہ چلتی ہو تو سد پیہ سے دام لگایا جائے گا نصاب معلوم کرنے کے لیے ۱۲ [۲] کیونکہ دیناروں کے حساب سے چھ لازم ہوں گے اور درموں کے حساب سے پانچ ۱۲

پس اگر سونا غالب ہو تو حکم سونے کا ہے اور اگر سونا غالب نہ ہو پس اگر سونا یا چاندی نصاب کو پہنچے تو واجب ہے م شمنی میں اس طرح تقریر کی ہے کہ اگر پگھلا لیا سونا چاندی کے ساتھ پس اگر سونا نصاب کو پہنچے تو کل زکوۃ سونے کی دی جاوے گی سونا غالب ہو یا مغلوب اس لیے کہ وہ عزیز ہے اور اگر سونا نصاب کو نہ پہنچے پھر اگر چاندی نصاب کو پہنچ گئی تو کل کی زکوۃ چاندی کی ہوگی میں کہتا ہوں کہ صورت سونے چاندی کے مخلوط ہونے کی بارہ طرح ہوسکتی ہے یا یہ کہ سونا غالب ہو یا مغلوب یا برابر اور ہر صورت میں یا دونوں حد نصاب کو پہنچیں یا نہ پہنچیں سونا فقط نصاب ہو یا چاندی فقط نصاب ہو ان میں دو صورتیں ممتنع ہیں[1] ایک یہ کہ سونا غالب ہو اور چاندی فقط نصاب کو پہنچے دوسرے یہ کہ سونا چاندی دونوں برابر ہوں اور چاندی فقط نصاب کو پہنچے باقی دس صورتیں ممکن ہیں اور تاتارخانیہ میں ہے کہ جب فضہ غالب ہو اور سونا مغلوب یعنی دو ثلث چاندی اور ایک ثلث سونا یا زیادہ تو کل حکم چاندی کا نہ ہوگا کیونکہ سونا قیمتی چیز ہے اپنے سے کم نرخ کا تابع نہیں ہوسکتا بخلاف اس کے کہ سونا غالب ہو اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب چاندی نصاب کو پہنچے اور سونا نصاب سے کم ہو اس میں چاندی کی زکوۃ لازم آنا علی الاطلاق نہیں بلکہ مقید ہے خاص اس صورت میں کہ وہ سونا مخلوط قیمت میں کم ہو چاندی سے نہیں تو کل زکوۃ سونے کی ہوگی واللہ اعلم قالہ الشامی اور اس نقشہ سے حال ہر ایک کا معلوم ہوتا ہے مع اس کے حکم کے

نقشہ چاندی سونے کے احکام کا در صورت مخلوط ہونے کے کہ زکوۃ لازم ہے یا نہیں

سونا غالب اور ہر ایک بقدر نصاب حکم سونے کا ہوگا	چاندی غالب اور ہر ایک بقدر نصاب حکم سونے کا	دونوں برابر اور ہر ایک بقدر نصاب حکم سونے کا
سونا غالب اور فقط سونا بقدر نصاب حکم سونے کا	چاندی غالب اور فقط چاندی بقدر نصاب حکم سونے کا	دونوں برابر اور فقط سونا بقدر نصاب حکم سونے کا
سونا غالب اور فقط چاندی بقدر نصاب ناممکن ہے	چاندی غالب اور فقط چاندی بقدر نصاب حکم چاندی کا	دونوں برابر اور فقط چاندی بقدر نصاب ناممکن
سونا غالب اور دونوں میں کوئی نصاب نہیں اس میں زکوۃ نہ ہوگی	چاندی غالب اور دونوں میں سے کوئی نصاب نہیں اس میں زکوۃ نہیں	دونوں برابر اور کوئی بقدر نصاب نہیں زکوۃ نہیں

جاننا چاہیے کہ اس میں سے وہ صورت خارج ہے کہ سونا چاندی دونوں مل کر پوری نصاب ہو جاویں تو یہ خاص صورت متن میں آوے گی (وشرط کمال النصاب ولو سائمۃ فی طرفی الحول فی الابتداء للانعقاد وفی الانتہاء للوجوب فلا یضر نقصانہ بینہما فلو ہلک کلہ بطل الحول واما الدین

[1] وجہ ممتنع ہونے کی یہ ہے کہ جب چاندی کی نصاب ہوگی تو دو سو درم سے کم نہ ہوگی تو اس قدر وزن کا سونا نصاب سے کم ہونا ممکن نہیں۔

فلا ينقطع الحول ولو مستغرقا اور شرط کیا گیا ہے پورا ہونا نصاب کا سال کے اول و آخر میں شروع میں انعقاد کے لیے اور آخر میں وجوب کے لیے پس
نقصان نصاب کا اثنائے حول میں مانع وجوب زکوٰۃ کا نہیں پھر اگر کل نصاب ہلاک ہو گئی تو برس کا حساب باطل ہو گیا یہاں تک کہ اگر دوسرا مال اسی
برس میں اس کو ملا تو اس کے واسطے نیا برس شروع ہو گا کذا فی الشامی اور دین برس کو نہیں توڑتا اگرچہ دین مستغرق ہو م یہ قول امام ابو یوسف کا ہے
اور امام صاحب سے بھی ایسا منقول ہے جیسا مجمع میں ذکر کیا ہے مگر شارح نے شروع کتاب الزکوٰۃ میں بعد قول مصنف کے فلا زکوٰۃ علی مکاتب ومدیون
للعبد لنحو بیان کیا ہے کہ دین عارض ہو جانا مثل ہلاک نصاب کے شمار کیا جاتا ہے امام محمد کے نزدیک اور اسی کو بحر میں ترجیح دی ہے کذا فی الشامی وقیمۃ العرض
للتجارۃ تضم الی الثمنین لان الکل للتجارۃ وضعا وجعلا اور زکوٰۃ کے ادا میں اسباب تجارت کی قیمت نقدین کے ساتھ ملائی جاوے اس لیے کہ سب مال تجارت
کا ہے نقدین تو بحسب اصل وضع کے اور اسباب تجارت تاجر کی نیت کرنے سے ويضم الذهب الى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمة وقالا بالاجزاء
اور ملایا جاوے سونا چاندی کے ساتھ یا چاندی سونے کے ساتھ باعتبار قیمت کے کیونکہ دونوں میں ثمنیت پائی جاتی ہے اور صاحبین کہتے ہیں کہ ملائی جاوے
اجزا کے اعتبار سے جیسا کہ اس مثال میں ہے فلو له مائة درهم وعشرة دنانير قيمتها مائة واربعون تجب ستة عنده وخمسة عندهما فافهم پس اگر مزکی کے پاس سو
درہم اور دس دینار موجود ہوں کہ دیناروں کی قیمت ایک سو چالیس درہم ہو تو چھ درہم امام صاحب کے نزدیک واجب ہوں گے اور پانچ صاحبین
کے نزدیک م یعنی نصف نصاب چاندی کی جو سو درہم ہیں اس کی زکوٰۃ ڈھائی درہم ہوئی اور دس دینار جو نصف نصاب سونے کی ہے امام صاحب
کے نزدیک باعتبار قیمت کے ملائے جائیں گے اور قیمت ان کی ایک سو چالیس درہم مفروض ہیں جس کی زکوٰۃ ساڑھے تین درہم ہوئے پس کل زکوٰۃ
چھ درہم ہوئی اور صاحبین کے نزدیک اجزا کے اعتبار سے جمع ہو گی یعنی نصف نصاب چاندی کی ہے اور نصف سونے کی تو ایک نصاب ہو گئی اور چونکہ
ایک نصاب دو سو درہم کی ہوتی ہے تو دو سو کی زکوٰۃ یعنی پانچ درہم لازم ہوں گے شامی نے کہا کہ بہ تبعیت نہر الفائق شارح نے پانچ درہم کہے حالانکہ صورت
مفروضہ میں صاحبین کے نزدیک بھی چھ درہم ہوتے ہیں کیونکہ ہر نصف نصاب سے چالیسواں حصہ لازم ہے تو دس دینار کا چالیسواں حصہ دینار کی
چوتھائی ہے اور یہاں دینار چودہ درہم کا[1] مفروض ہے تو اس کی چوتھائی ساڑھے تین درہم ہوئے جس کو سو درہم کی زکوٰۃ میں ملانے سے چھ درہم ہوتے
ہیں اور شارح نے فافہم کہنے سے قول کافی کا رد کیا جو یہ کہتے ہیں کہ امام صاحب کے نزدیک وجوب اجزائے کے پورا ہونے سے ہے قیمت کا اعتبار نہیں
چنانچہ اگر کسی کے پاس سو درہم اور دس دیناریں جن کی قیمت سو درہم سے کم ہو تو زکوٰۃ واجب ہے حالانکہ قیمت کے اعتبار سے دو سو درہم نہیں مگر اجزا
کے اعتبار سے نصف سونے کی اور چاندی کی مل کر پوری نصاب ہے اور یہ قول کافی کا غلط ہے اس لیے کہ وجوب امام صاحب کے نزدیک قیمت ہی کی جہت سے
ہے اور مثال بالا میں ہر چند نصاب چاندی کی پوری نہیں مگر جب سو درہم کے دینار بنائے جائیں تو دس دینار ہو کر کچھ بچ رہے گا تو سونے کی نصاب
پوری ہو جائے گی غرض کہ امام صاحب کے نزدیک قیمت کے اعتبار سے یہ مراد نہیں کہ دونوں نصاب پوری ہو سکیں بلکہ یہ غرض ہے کہ دونوں میں سے
کسی کی پوری ہو جائے کذا فی الطحطاوی بتصرف ولا تجب الزکوٰۃ عندنا فی نصاب مشترک من سائمۃ ومال تجارۃ اور نہیں واجب ہوتی زکوٰۃ
ہمارے نزدیک نصاب مشترک میں خواہ سائمہ ہو یا مال تجارت م نصاب مشترک سے مراد یہ کہ جدا جدا ہر شخص کا مال زکوٰۃ کے لائق نہیں بلکہ جب دونوں
کا مال ملا دیں تو نصاب ہوتی ہے وان صحت الخلطۃ فیہ ای فی النصاب باتحاد اسباب الاسامۃ التسعۃ التی یجمعہا اوص من لشفع دریاء فی شرح
المجمع اگرچہ ملانا درست ہو گیا ہو نصاب میں بسبب متحد ہونے سببوں چرائی کے جو عدد میں نو ہیں جس کی طرف ایما کرتا ہے جملہ اوص من لشفع
کا اور اس کا بیان شروح مجمع میں ہے م عندنا کے لفظ سے اشارہ ہے طرف خلاف امام شافعی کے کہ ان کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہے اور

(زکوٰۃ دینی ہوگی)

[1] کیونکہ اس کی قیمت ۱۴ فرض کی گئی ہے ۱۲

اسباب تسمیہ کہا حقیقت ہیں شروط تسمیہ میں مجازاً شرط کو سبب کہا اور ادمی من یشفع میں ہمزہ اشارہ ہے طرف اہلیت کے یعنی دونوں شریک اہل ہوں وجوب زکوٰۃ کے اور واو اشارہ ہے وجود اختلاط کی طرف شروع سال میں اور صاد قصداً اختلاط کی طرف یعنی اختلاط اختیاری ہو اور میم اتحاد مسرح کی طرف یعنی جانا دونوں مواشی کا چراگاہ میں ایک جگہ سے اور نون اشارہ اناری واحد کی طرف یعنی دو بنی جس میں دودھ دوہا جاوے ایک ہو اور ی اتحاد راعی کی طرف کہ دونوں کا چرانے والا ایک ہو اور شین اتحاد مشرب کی طرف یعنی پانی پینے کا کنواں یا تالاب ایک ہو اور ف اتحاد فحل کی طرف یعنی ایک ہی نر دونوں پر پڑا ہو اور عین اتحاد مرعی کی طرف یہ شرطیں سوائم کے اختلاط کی ہیں اور شروط اختلاط کی مال تجارت میں کتب شافعیہ میں مذکور ہیں منجملہ ان کے یہ کہ دکان اور چوکیدار اور مکان حفاظت کا علیحدہ نہ ہو کذا فی الشامی **وان تعدد النصاب تجب اجماعاً ویتراجعان بالحصص وبیانہ فی الحاوی** اور اگر نصاب متعدد ہو تو بالاجماع زکوٰۃ واجب ہے یعنی اگر قبل ملانے کے ہر ایک کا حصہ جدا جدا نصاب ہے تو زکوٰۃ دونوں پر واجب ہے ہر ایک کے مال کی اور آپس میں ایک دوسرے پھیر لیویں بحساب حصہ اپنے مال کے اور اس کا بیان حاوی میں ہے تم قاضی خان نے حاوی سے زیادہ بیان کیا ہے اس کی صورت میں یہ ہے کہ ان دونوں کے پاس ایک سو تیئیس بکریاں ہیں ایک کی دو تہائی اور ایک کی ایک تہائی پس زکوٰۃ واجبہ دو بکریاں ہوئیں تو ہر ایک سے ایک ایک بکری مصدق لے لے پھر دو تہائی مال والا تہائی اس بکری کی جو ایک تہائی والے نے دی ہے پھیر لے اور ایک تہائی مال والا دو تہائی اس بکری کی کہ دو ثلث والے نے دی ہے واپس لے تو ثلث ثلث کے بدلے میں مجرا ہو گا باقی رہا ایک ثلث پس ایک تہائی مال والا اس کا مطالبہ دو تہائی والے سے کرے اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ تراجع جانبین سے ہے موافق اصل باب تفاعل کے کذا فی الشامی **فان بلغ نصیب احدہما نصاباً زکاہ دون الآخر** پس اگر پہنچے حصہ ایک کا ان دونوں میں سے مقدار نصاب کو تو وہ اپنے حصہ کی زکوٰۃ دیوے نہ دوسرا اس کی صورت یہ ہے کہ اسی بکریاں دو شخصوں کی مشترک ہیں ایک کی ایک تہائی ایک کی دو تہائی مصدق نے ان میں سے ایک بکری لی یعنی دو تہائی والے کی زکوٰۃ تو ایک ثلث والا دوسرے سے بکری کی تہائی قیمت پھیر لیوے کیونکہ تہائی والے پر زکوٰۃ نہیں کذا فی الشامی عن المحیط **ولو بینہ وبین ثمانین رجلاً ثمانون شاۃ لا شیٔ علیہ لانہ مما لا یقسم خلافاً للثانی** سراج اور اگر ایک شخص کے اور اسی آدمیوں کی شرکت میں اسی بکریاں ہوں یعنی نصف نصف تو اس شخص پر کچھ لازم نہیں آتا کیونکہ یہ مال مشترک اس قبیل سے ہے کہ تقسیم نہیں ہو سکتا یعنی ہر بکری کا آدھا نہیں ہو سکتا برخلاف قول امام ابو یوسف کے کذا فی السراج م تجنیس میں ہے کہ اسی بکریاں درمیان چالیس آدمیوں کے مشترک ہیں اس طرح کہ ایک شخص کی ہر بکری میں سے آدھی ہے اور دوسرا نصف باقی لوگوں میں ہے تو اس چالیس والے پر زکوٰۃ نہیں امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور یہی قول امام محمد کا ہے اور اگر دو ہی آدمی مشترک ہوتے دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی اس لیے کہ اس حالت میں تقسیم ہو سکتی ہے اور پہلی صورت میں تقسیم نہیں ہو سکتی یعنی چونکہ ہر بکری نصفا نصف ہے تو تقسیم نہیں ہو سکتی بدون اتلاف کے بخلاف اس کے کہ اسی کے دو آدمیوں میں دو ٹکڑے کریں کذا فی الشامی **واعلم ان الدیون عند الامام ثلثۃ قوی ومتوسط وضعیف فتجب زکوتہا اذا تم نصاباً وحال الحول لکن لا فوراً بل عند قبض اربعین درہماً من الدین القوی کقرض وبدل مال تجارۃ فکلما قبض اربعین درہماً یلزمہ درہم** اور جان لے کہ دیون امام صاحب کے نزدیک تین قسم کے ہیں ایک قوی دوسرا متوسط تیسرا ضعیف پس زکوٰۃ دیون واجب ہوتی ہے جب نصاب پوری ہو اور برس گذر جاوے لیکن علی الفور نہیں بلکہ چالیس درہم دین قوی سے قبضہ کرے اور دین قوی قرض یا مال تجارت کا بدل ہے ہر بار کہ چالیس درہم وصول کرے ایک درہم لازم آوے گا یعنی پہلے چالیس پر ایک درہم پھر جب چالیس اور وصول ہوں تو دوسرا درہم **وعلی ہذا القیاس** ہر چالیس پر ایک درہم ہو گا کیونکہ امام کے نزدیک کسور معاف ہیں عن الشامی **وعند قبض مائتین منہ لغیرہا ای من بدل مال لغیر تجارۃ وہو المتوسط کثمن سائمۃ وعبید خدمۃ ونحوہما مما ہو مشغول بحوائجہ الاصلیۃ کطعام وشراب واملاک** اور لازم ہے زکوٰۃ وقت قبضہ

دو سو درہم کے بدل مال سے جو تجارت کے لیے نہ ہو اور یہ دین متوسط ہے جیسے قیمت سائمہ کی یا خدمت کے غلام کی اور مثل ان کے ان چیزوں کی کہ حوائج اصلی میں مشغول ہیں جیسے کھانا پینا املاک وغیرہ کی م املاک جمع ملک کی ہے بمعنی مملوک مطلق یہ عطف عام کا ہے خاص پر اور عرف میں اراضی کو کہتے ہیں اس صورت میں یہ عطف مباین کا ہے عن الشامی ویعتبر ما مضی من الحول قبل القبض فی الاصح اور لگائے جاویں گے برس کے وہ ایام جو دین متوسط کے قبض سے پہلے گذر گئے اصح روایت میں م دین متوسط میں دو روایتیں ہیں روایت اصل یہ ہے کہ زکوٰۃ واجب ہے اور ادا لازم نہیں یہاں تک کہ قبض کرے دو سو درہم اس وقت زکوٰۃ ادا کرے اور ابن سماعہ کی روایت میں امام ابوحنیفہ سے یہ ہے کہ اس میں زکوٰۃ واجب نہیں یہاں تک کہ قبض کرے اور برس گذرے اس واسطے کہ یہ مال زکوٰۃ کے قابل بعد قبض کے ہوتا ہے تو بمنزلہ اس مال کے ہے جو ابھی پیدا ہوا اور وجہ ظاہر الروایت کی یہ ہے کہ جب اس نے حاجت کی چیز کی بیع پر اقدام کیا تو گویا مال تجارت کا بیع سے پہلے کر دیا حاصل یہ ہے کہ مبنی اختلاف کا دین متوسط میں اس بات پر ہے کہ وہ مال زکوٰۃ کا بعد قبض کے ہوتا ہے یا قبل اس کے پہلی صورت میں ضرور ہے گذرنا برس کا بعد قبض نصاب کے اور دوسری صورت میں ابتدائے سال وقت بیع سے ہے اور اصح یہی ہے اور بعض محشیوں سے اس جگہ خطا واقع ہوئی ہے اور دین قوی میں کچھ اختلاف روایات نہیں زکوٰۃ اس میں اصل مال کے برس سے واجب ہے مگر ادا اس وقت لازم ہے کہ چالیس وصول کرے کذا فی الشامی بتصرف ومثلہ مالو ورث دینا علی رجل اور دین متوسط کے مثل ہے اگر وارث ہوا اس دین کا جو کسی شخص کے ذمہ پر ہے م یعنی نصاب اس کی وقت وراثت سے معتبر ہے اور یہی ظاہر الروایت ہے تنبیہ پہلے جو مذکور ہوا کہ دین قوی اور متوسط میں ادائے زکوٰۃ واجب نہیں مگر بعد قبض کے اس سے معلوم ہوا کہ مورث اگر بعد چند سال کے مر گیا قبل قبض دین کے تو اس کو وصیت اخراج زکوٰۃ کی قبضہ ہونے پر لازم نہیں ہے کیونکہ ادا اس کے ذمے ابھی لازم ہی نہیں ہوا اور وارث کے ذمے زکوٰۃ لازم ہوگی کیونکہ اس کی ملکیت وراثت سے پہلے نہ تھی تو اس کا ابتدائے سال وقت موت سے ہوگا کذا فی الشامی وعند قبض مائتین مع حولان الحول بعدہ ای بعد القبض من دین ضعیف وہو بدل غیر مال کمہر ودیۃ وبدل کتابۃ وخلع اور زکوٰۃ لازم ہے وقت قبضہ دو سو درم کے دین ضعیف سے اور گذر جانے سال تمام کے بعد قبض کے اور دین ضعیف وہ ہے کہ بدل مال نہ ہو جیسا مہر اور دیت اور بدل کتابت اور بدل خلع ہے الا اذا کان عندہ ما یضم الی الدین الضعیف کما مر مگر جب کہ ہو اس کے پاس وہ مال کہ ملا دے دین ضعیف کے ساتھ جیسا پہلے گذر چکا م یہ استثناء ہے اشتراط حولان حول سے بعد قبض کے حاصل یہ کہ جب اس کو کچھ حاصل ہوا اور اس کے پاس پہلے سے نصاب ہے تو مقبوض کو نصاب کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ ادا کرے اور مقبوض کے واسطے جدا سال بعد قبض کے شرط نہیں وقولہ کما مر اشارہ ہے المستفاد فی اثناء الحول الخ کی طرف اور مراد یہ ہے کہ یہاں جو مذکور ہے وہ اسی قاعدے میں داخل ہے ورنہ کوئی تعرض پہلے بیان نہیں کی ولو ابرأ رب الدین المدیون بعد الحول فلا زکوٰۃ سواء کان الدین قویا اولا خانیہ اور اگر معاف کر دیا دین کے والی نے مدیون کو بعد برس گذرنے کے تو زکوٰۃ نہیں برابر ہے کہ دین قوی ہو یا نہ ہو کذا فی الخانیہ وقیدہ فی المحیط بالمعسر اما الموسر فہو استہلاک ذکرہ الحلبی اور محیط میں عدم زکوٰۃ کو ابراء دائن کی صورت میں مقید کیا ہے مدیون مفلس کے ساتھ اس صورت میں ابراء بمنزلہ ہلاک کے ہوا لیکن اگر مدیون مالدار ہے تو یہ بمنزلہ قصداً ہلاک کرنے کے ہے یعنی زکوٰۃ واجب ہوگی یاد رکھو کذا فی البحر قال فی النہر وہذا ظاہر فی انہ تقیید لا طلاق وہو غیر صحیح فی الضعیف کما لا یخفی نہر الفائق میں کہا اور یہ یعنی قول بحر کا وفیہ الخ ظاہر ہے اس باب میں کہ قول مذکور یعنی سواء کان الدین قویا اولا کہ دین کے اقسام ثلثہ کو شامل ہے عام نہیں ہے بلکہ مقید ہے مفلس کے ساتھ اور صحیح نہیں ہے دین ضعیف میں کیونکہ دین ضعیف میں زکوٰۃ نہیں واجب ہوتی مگر بعد قبض نصاب کے اور گذرنے برس کے بعد قبض کے اس صورت میں اس کا بری کرنا استہلاک ہوا وجوب سے پہلے پس زکوٰۃ کا ضامن نہ ہوگا اور یہی حال دین متوسط میں ہے کذا فی الشامی وتجب علیہا ای علی المرأۃ زکوٰۃ نصف مہر من نقد مردود بعد مضی الحول من الف کانت قبضتہ مہرا ثم ردت النصف لطلاق قبل الدخول فتزکی الکل لما تقرر ان النقود لا تتعین فی العقود والفسوخ اور واجب ہے

عورت پر زکوٰۃ نصف مہر نقد کی کہ ہٹایا گیا بعد برس روز کے اس ہزار میں سے کہ بعینہٖ مہر قبض کیا پھر ہٹایا آدھا بسبب طلاق قبل الدخول کے لیس زکوٰۃ
دیوے کل ہزار کی اس لیے کہ ٹھہرا ہوا قاعدہ ہے کہ نقد یعنی سونا چاندی عقود میں یعنی بیع اور اجارہ اور نکاح وغیرہ میں اور فسوخ میں یعنی اقالہ
اور خلع وغیرہ میں متعین نہیں ہیں م نقد کے لفظ سے احتراز ہے سائمہ سے اور شارح نے جو من نقد زیادہ کیا اس کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ من
الف مصنف نے کہا ہے وہ اس مطلب کے ادا کے لیے کافی ہے صورت مسئلہ کی یہ ہے کہ کسی عورت سے نکاح کیا ہزار درہم کے مہر پر اور ہزار یعنی کل
مہر اس کو دے دیا اور ایک برس گذر گیا پھر شوہر نے قبل الدخول طلاق دی عورت کو نصف مہر پھیرنا پڑا تو عورت پر اس نصف مردود کی زکوٰۃ ہے مرد
کے ذمے نہیں کیونکہ عقود میں نقد معین نہیں ہوتے اس نے جو قبض کیا تھا وہ اس کی ملک میں ہو گیا تھا اب جو ہٹانا پڑا تو بعینہ وہ پانچ سو ہٹانے
ضرور نہیں ہیں بلکہ اس کی جگہ اور پانچ سو اگر دیوے تو درست ہے اسی جہت سے زکوٰۃ اسی کے ذمے لازم ہوئی اور دین کے ذمے پر لازم ہونا بعد
سال گذرنے کے مانع زکوٰۃ نہیں کذا فی الشامی نقلا عن الولوالجیۃ **ولتسقط الزکوٰۃ عن موہوب لہ فی نصاب مرجوع فیہ مطلقا** سواء رجع بقضاء او
غیرہ **بعد الحول** لورود الاستحقاق علی عین الموہوب ولذا لا رجوع بعد ہلاکہ اور ساقط ہوتی ہے زکوٰۃ موہوب لہ کے ذمے سے اس صورت میں کہ واہب نے
بعد برس روز کے نصاب کو دے کر ہٹایا ہو بہرحال یعنی قاضی کے حکم سے ہٹایا ہو یا بغیر اس کے اس لیے کہ استحقاق سے معین موہوب پر واقع ہوا
اور اسی وجہ سے بعد ہلاک موہوب کے رجوع نہیں پہنچتا قید بہ لانہ لا زکوٰۃ علی الواہب اتفاقا لعدم الملک وہی من الحیل موہوب لہ کی قید زکوٰۃ کے
سقوط میں اس واسطے لگائی کہ واہب کے ذمہ بالاتفاق واجب نہیں ہے کیونکہ اس کی ملک منقطع ہو گئی تھی اور یہ سقوط زکوٰۃ کے لیے حیلہ ہے م اور
اتفاقا کے لفظ میں ایما ہے کہ موہوب لہ سے زکوٰۃ ساقط ہونے میں اختلاف ہے چنانچہ امام زفر وجوب کے قائل ہیں اگر بغیر حکم قاضی پھیر دے
اس لیے کہ اس نے اپنے اختیار سے اس کو دیا تو ہبہ جدید ہوا اور بمنزلہ مستہلک کے ہوا ہم کہتے ہیں کہ اس کو رد ہبہ میں اختیار نہیں ہے اگر یہ خود
نہ دیتا تو وہ قاضی کے یہاں نالش کر کے بجبر لے لیتا اس وجہ سے بمنزلہ ہالک کے ہوا نہ مستہلک کے کذا فی الشامی ومنہا ان یہبہ لطفلہ قبل التمام بیوم
اور ایک حیلہ سقوط زکوٰۃ کا یہ ہے کہ مال ہبہ کر دے اپنے لڑکے کو سال پورا ہونے سے ایک روز پہلے م اور اس قسم کا حیلہ دفع زکوٰۃ کے لیے امام
محمد کے نزدیک مکروہ ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ نہیں اور محیط میں ہے کہ یہی صحیح ہے اور اول کو شیخ حمید الدین نے اختیار کیا ہے اور
ایسا ہی اختلاف ہے دفع شفعہ کے حیلے میں اور کہا گیا ہے کہ فتویٰ شفعہ کے باب میں امام ابو یوسف کے قول پر ہے اور زکوٰۃ میں امام محمد کے قول
اور یہ تفصیل اچھی اور پسندیدہ ہے کذا فی شرح درر البحار اور کتاب الشفعہ میں مصنف اور شارح نے اس کو بیان کیا ہے

باب العاشر

یہ باب ہے عشر لینے والے کے بیان میں قیل ہذا من تسمیۃ الشئ باسم بعض احوالہ ولا حاجۃ الیہ بل العشر علم لما یاخذہ العاشر
مطلقا ذکرہ سعدی ای علم جنس کہا گیا ہے کہ یہ نام رکھا ہے کسی چیز کا اس کے بعض حالات کے اعتبار سے یعنی عاشر
کبھی عشر لیتا ہے اور کبھی نصف العشر اور کبھی ربع العشر پس چونکہ بعض حالتیں وہ ہیں کہ جن میں عشر لیتا ہے تو اسی اعتبار سے اس کا نام عاشر رکھا
گیا اور اس تکلف کی کچھ ضرورت نہیں بلکہ عشر نام ہے اس چیز کا جو عاشر مال والوں سے لیتا ہے خواہ عشر ہو یا نصف العشر ذکر کیا ہے اس کو
سعدی نے یعنی یہ علم جنس ہے م شامی نے کہا کہ مناسب یہ ہے کہ اسم جنس کہا جاوے کیونکہ علم جنس میں علمیت بضرورت مانا کرتے ہیں
جیسا اسامہ میں کہ معرفوں کا سا استعمال ہوتا ہے اور کوئی آلہ تعریف کا نہیں اور یہاں کوئی ضرورت علم ماننے کی نہیں ہو حر مسلم بہذا العلم
حرمۃ تولیۃ الیہود علی الاعمال عاشر آزاد ہے مسلمان یعنی نہ غلام ہو نہ کافر اس سے معلوم ہوا کہ یہود کو عامل بنانا حرام ہے غیر ہاشمی لما فیہ
من شبہۃ الزکوٰۃ اور عاشر ہاشمی نہ ہووے کیونکہ اس میں زکوٰۃ کا شبہہ ہے کہ ہاشمیوں کو جائز نہیں م غیر ہاشمی کی شرط عنایہ میں لگائی ہے

سلہ بیع کا اقالہ بائع اور مشتری کے حق میں فسخ ہوتا ہے ۱۲

اس کے سوا اور کسی کتاب میں نظر نہیں آئی اور یہ مخالف ہے اس کے جو نہایہ وغیرہ میں مذکور ہے کہ جب ہاشمی صدقات پر مقرر کیا جاوے تو اس کو اجرت لینا حلال نہیں اور اگر عامل مقرر کیا جاوے اور روزینہ کسی دوسری جگہ سے دیا جاوے یا وہ بلا اجرت تبرعاً کام کرے تو درست ہے کذا فی الشامی **قادر علی الحمایۃ** من اللصوص والقطاع لان الجبایۃ بالحمایۃ وہ عاشر قدرت رکھتا ہو تجارت کے بچاؤ کی چوروں اور رہزنوں سے اس لیے کہ لینا مال کا تجار سے بسبب حمایت کے ہے یعنی امام جو مال لیتا ہے تو اموال کی حفاظت کے لیے لیتا ہے **نصبہ الامام علی الطریق** للمسافرین خرج الساعی فانہ الذی یسعی فی القبائل لیاخذ صدقۃ المواشی فی اماکنہا مقرر کیا ہو عاشر کو امام نے راہ پر مسافروں کے لیے اس سے نکل گیا ساعی کیونکہ ساعی وہ ہے کہ جو قبائل میں جاوے تاکہ مواشی کا صدقہ مواشی کے مکانوں پر پہنچ کر وصول کرے **لیاخذ الصدقات** تغلیباً للعبادۃ علی غیرہا اس کو امام نے مقرر کیا ہو تاکہ وصول کرے صدقہ اور چونکہ عاشر مسلمانوں سے صدقہ وصول کرتا ہے اور کفار سے جزیہ تو تعریف میں صرف صدقہ کا ذکر کرنا ترجیح دینا ہے عبادت کو غیر عبادت پر **من التجار** بوزن فجار **المارین باموالہم** الظاہرۃ والباطنۃ علیہ لفظ تجار جمع تاجر کی جیسے فجار جمع فاجر کی یعنی عاشر وصول کرے صدقے ان تاجروں سے کہ اس پر گذریں اپنے مال سمیت خواہ مال ظاہر ہو یا باطن ہم مال کی دو قسمیں ہیں ظاہر اور باطن ظاہر مواشی اور جو عاشر کے پاس تاجر لے کر آوے اور باطن سونا چاندی اور مال تجارت اپنے موقع پر کذا فی البحر اور یہاں باطنہ سے مراد مواشی کے سوا ہیں بقرینہ المارین باموالہم کے ورنہ جو مال عاشر کے سامنے آیا تو وہ ایک قسم ظاہر کی ہے پس اس کو باطن کہنا مجاز ہے باعتبار پہلے حال کے کس واسطے کہ اموال باطنہ جو گھر میں ہیں اگر عاشر کو خبر بھی کرے تو ان میں سے نہیں لے سکتا جیسا بحر میں مصرح ہے اور باطنہ اور ظاہرہ کی تعمیم میں اشارہ عنایہ وغیرہ کی رد کی طرف ہے کہ مراد اموال باطنہ ہیں کیونکہ اموال ظاہرہ یعنی سوائم میں عاشر کے پاس آنے کی ضرورت نہیں بلکہ عاشر خود جاکر وصول کرتا ہے اور اشارہ اس طرح ہوا کہ یہ مبنی ہے عاشر اور ساعی میں فرق نہ کرنے پر حالانکہ ان دونوں میں فرق ہے جیسا گذر چکا[1] کذا فی الشامی وما ورد فی ذم العشار محمول علی الاخذ ظلماً اور وہ جو حدیث شریف میں عاشروں کی مذمت میں وارد ہوا ہے ولا یدخل صاحب مکس الجنۃ رواہ ابو داؤد وغیرہ، یعنی نہ داخل ہو گا عشر لینے والا جنت میں سو یہ محمول ہے ظلم سے لینے پر **فمن انکر تمام الحول او قال لم انو التجارۃ او علی دین** محیط او منقص للنصاب لان ما یاخذہ زکوٰۃ معراج وہو الحق بحر ولہذا اطلقہ المصنف پس جو شخص انکار کرے برس کی تمامی کا یا کہے کہ میں نے تجارت کی نیت نہیں کی یا کہے کہ میرے ذمہ دین محیط ہے یا اس قدر دین کہ بعد ادا کے مال بقدر نصاب نہیں رہتا شارح نے کہا کہ دین کی تعمیم اس واسطے ہے کہ عاشر جو لیتا ہے بصیغہ زکوٰۃ لیتا ہے کذا فی المعراج اور یہی حق ہے کذا فی البحر اور اسی لیے مصنف نے دین کو مطلق رکھا **او قال ادیت الی عاشر آخر** وکان عاشر آخر محققا یا کہا کہ میں دوسرے عاشر کو دے چکا اور دوسرا عاشر محقق ہوا **او قال ادیت** الی الفقراء فی المصر لا بعد الخروج لما یاتی یا کہا کہ میں ادا کر چکا فقروں کو شہر میں نہ شہر سے نکلنے کے بعد اس کی وجہ عنقریب آوے گی **وحلف صدق** فی الکل بلا اخراج براءۃ فی الاصح لاشتباہ الخط یعنی ان سب صورتوں مذکورہ میں اگر بیان کو بحلف موکد کرے تو مانا جاوے بدون پیش کرنے چٹھی دوسرے عاشر کے کہ واسطے کہ خطوط مشتبہ ہوتے ہیں اصح روایت میں اور یہی ظاہر الروایت ہے کذا فی البدائع حتی لو اتی بہا علی خلاف اسم ذلک العاشر وحلف صدق وعدت عدماً یہاں تک اگر چٹھی پیش کی برخلاف نام اس عاشر کے اور قسم کھائی تو مانا جاوے اور چٹھی کالعدم شمار کی جاوے ولو ظہر کذبہ بعد سنین اخذت منہ اور اگر ظاہر ہووے جھوٹ مال والے کا چند سال کے بعد تو زکوٰۃ لی جاوے اس سے **الا فی السوائم والاموال الباطنۃ بعد اخراجہا من البلد** یہ استثناء ہے صدق سے یعنی قول مانا جاوے لیکن سوائم میں اور اموال باطنہ میں بعد نکالنے کے شہر سے نہ مانا جاوے لانہا بالاخراج التحقت بالاموال الظاہرۃ فکان الاخذ فیہا للامام فیکون

---

[1] یعنی عاشر راستوں پر مامور ہوتا ہے اور ساعی صدقات سوائم خود جاکر وصول کرتا ہے ۱۲

ہوالزکوٰۃ والاول ینقلب نفلًا اس لیے کہ اموال مذکورہ نکالنے کی جہت سے اموال ظاہرہ کے ساتھ ملحق ہو گئے پس حق لینے زکوٰۃ کا ان میں
امام کو ہو گا پس یہ اخذ زکوٰۃ ہو گا اور پہلا دیا ہوا نفل ہو گا دیا خذ ہامنہ بقولہ لقول عمر لاتنبشوا علی الناس متاعہم لکنہ یحلفہ اذا اتہم اور لیوے زکوٰۃ
کو عاشر مال والے سے بموجب اس کے بیان کے کیونکہ حضرت عمر نے فرمایا کہ نہ تفتیش کرو لوگوں کی متاع کو لیکن مال والے کو عاشر قسم دلوے
اگر اس کو متہم جانے وکل ما صدق فیہ مسلم مما صدق فیہ ذمی لان لہم مالنا اور امور مذکورہ میں سے جو امر ایسے ہیں کہ ان میں مسلمان
قول مانا جاتا ہے کافر ذمی کا بھی قول ان میں مانا جاتا ہے کیونکہ ان کے لیے وہ رعایت ملحوظ ہے جو ہمارے لیے ہے الا فی قولہ ادیت انا
الی فقیر لعدم ولایۃ ذلک مگر ذمی کا یہ قول کہ میں نے فقیر کو دے دیا مقبول نہ ہو گا کیونکہ کافر کو اس کی ولایت نہیں ہے م اس واسطے کہ جو
کچھ اس سے لیا جاتا ہے وہ جزیہ ہے اور جزیہ میں جب ادا کا دعویٰ کرے تو نہیں مانا جاتا اس وجہ سے کہ اہل ذمہ کے فقرا اس کے مصرف نہیں اور
کافر کو مستحقوں پر یعنی مسلمان پر صرف کرنے کی ولایت نہیں کذا فی الشامی لا یصدق حربی فی شئی اور کافر حربی کا قول کسی امر میں نہیں مانا جاتا
یعنی اس کی طرف التفات نہیں اگرچہ گواہوں سے ثابت کرے افادہ الکمال الا فی ام ولدہ مگر اس کے ام ولد کے باب میں کہ اگر کسی باندی
کو ام ولد ہونے کا اقرار کرے تو مانا جائے گا بخلاف اقرار مدبر ہونے کے کہ وہ مقبول نہیں اس لیے کہ دارالحرب میں مدبر کرنا صحیح نہیں کذا فی البحر
وقولہ لغلام یولد مثلہ لمثلہ ہذا ولدی اور اگر اس صورت میں کہ کسی غلام کو کہے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور وہ غلام ایسا ہو کہ اس جیسا اس
جیسے کا بیٹا ہو سکتا ہے یعنی اور پہلے سے وہ ثابت النسب نہ ہوا ور نہ اس نے تکذیب کی ہو کذا فی الطحطاوی لفقد المالیۃ بسبب نہ ہونے مالیت
کے م یہ علت دونوں مسئلوں کی ہے یعنی دونوں صورتوں میں ام ولد اور غلام مال نہیں حالانکہ زکوٰۃ مال کی لی جاتی ہے کذا فی الطحطاوی فان لم
یولد عتق علیہ دعشر لانہ اقر بالعتق فلا یصدق فی حق غیرہ پس اگر وہ غلام ایسا ہو کہ اس جیسا اس کا بیٹا نہیں ہو سکتا تو اس قول سے وہ غلام
اس پر آزاد ہو جاوے گا اور عشر لیا جاوے گا اس لیے کہ حربی نے اقرار عتق کا کیا پس اس کے غیر پر یعنی عاشر پر ابطال عشر کے باب میں حجت
نہ ہو گا کذا فی الشامی والا فی قولہ ادیت الی عاشر آخر وثمہ عاشر آخر اور مگر اس صورت میں کہ کہے میں ادا کر چکا کسی دوسرے عاشر کو اور
وہاں کوئی دوسرا بھی ہو لئلا یودے الی استیصال المال جزم بہ ملا خسرو وذکرہ الزیلعی تبعا للسراجی بلفظ ینبغی کذا نقلہ المصنف عن البحر اس
کا قول اس لیے مانا جاوے کہ اس کا مال جڑ سے نہ اکھڑ جاوے یعنی ہر عاشر کو عشر دیتے دیتے اس کے پاس کچھ نہ رہے گا یقین کیا ہے ملا خسرو
نے اور ذکر کیا اس کو زیلعی نے بہ تبعیت سراجی بلفظ ینبغی یعنی سزاوار ہے کہ مانا جاوے یوں ہی نقل کیا مصنف نے بحر سے م قولہ ملا خسرو اسی طرح
ہے بعض نسخ بحر میں بزیادت لفظ فی شرح الدرر اور دوسرے نسخوں میں ملا شیخ فی شرح الدرر ہے اور یہی صواب ہے اس لیے کہ عبارت ملا خسرو
کی مانند عبارت کنز کے ہے اور وہ عبارت جس کو شارح نے ذکر کیا ہے وہ عبارت امام محمد بن محمد بن محمود بخاری مشہور ملا شیخ کی ہے. اس کی کتاب
غرر الافکار شرح درر البحار میں لکن جزم فی العنایۃ والغایۃ بعدم تصدیقہ ورجحہ فی النہر لیکن جزم کیا ہے عنایہ میں اور غایۃ البیان میں اس کے
قول نہ ماننے کا اور نہر میں اسی کو ترجیح دی ہے واخذ منا ربع عشر ومن الذمی سواء کان تغلبیا اولم یکن کما فی البرجندی عن الظہیریۃ
الی ضعفہ ومن الحربی عشر اور لیا جائے ہم سے یعنی مسلمانوں سے چالیسواں حصہ اور کافر ذمی سے بیسواں حصہ خواہ وہ تغلبی ہو یا نہ ہو جیسا
برجندی میں ہے منقول ظہیریہ سے اور حربی سے دسواں حصہ بذلک امر عمر اسی کا امر فرمایا حضرت عمرؓ نے م یعنی ان تینوں باتوں کا امر لینے ساعیوں
کو کیا بحر الرائق میں ہے کہ مسلمانوں سے جو لیا جاتا ہے وہ زکوٰۃ ہے اور ذمی سے دونا صدقہ اور کفار حربی سے بطور حفاظت دسواں حصہ اور یہ مال
جو کفار سے حاصل ہو جزیہ کے مصارف میں صرف کیا جاوے بشرط کون المال لکل واحد نصابا لان ما دونہ عفو بشرط ہونے مال ہر واحد

کے پوری نصاب اس لیے کہ نصاب سے کم معاف ہے ولبشرط جہلنا قدر ما اخذ وامنا اور بشرطیکہ ہم کو نہ معلوم ہو کہ وہ لوگ مسلمانوں سے کس قدر لیتے ہیں فان علم اخذ مثلہ مجازاۃ پس اگر معلوم ہو تو اسی قدر لیا جاوے جس قدر وہ مسلمانوں سے لیتے ہیں واسطے مکافات کے م یعنی لینا مقدار معین پر مجازاۃ ہے نہ اصل لینا کیونکہ ہم لوگ ان سے بر سبیل حق لیتے ہیں اور وہ لوگ ناحق حاصل یہ کہ چونکہ وہ لوگ حمایت اہل اسلام میں آ تو ان سے مال لیا گیا پھر اگر مقدار معلوم ہو کہ مسلمانوں سے کفار کتنا لیتے ہیں تو اسی قدر مسلمان لوگ بھی ان سے بطور مجازات کے لیویں گے مگر اس صورت میں کہ وہ کل لیتے ہوں اور اگر کمیت اور مقدار کفار کے لینے کی نہ معلوم ہو تو عشر یعنی دسواں حصہ لیا جاوے گا اس واسطے کہ حمایت کی جہت سے حق لینے کا تو ثابت ہو چکا اور اعتبار مجازاۃ کا متعذر ہے پس ذمی سے دونا تشخیص کیا گیا کیونکہ حربی بچاؤ اور حفاظت کا ذمی سے زیادہ محتاج ہے وتمامہ فی الفتح الا اذا اخذوا الکل فلا ناخذہ بل نترک لہ ما یبلغہ مامنہ ابقاء للامان مگر اس صورت میں کہ کفار مسلمانوں سے جو دارالحرب میں جاویں کل مال لیتے ہوں تو ہم لوگ کل مال نہ لیویں گے بلکہ اس قدر اس کے پاس چھوڑ دیں گے کہ اس کو اپنے مامن تک پہنچا دیوے واسطے ثبوت حق امان کے ولا ناخذ منہم شیئا اذا لم یبلغ مالہم نصابا وان اخذوا منا فی الاصح اور ہم نہ لیویں ان سے کچھ جب کہ مال نصاب کو نہ پہنچے اگرچہ وہ ہم سے لیتے ہوں اصح روایت میں لانہ ظلم ولا متابعۃ علیہ اس لیے کہ نصاب سے کم مال میں سے کچھ لینا ظلم ہے اور ظلم میں کسی کا اتباع نہیں م اس میں اتنی بات ہے کہ کفار جو کچھ ہم سے لیتے ہیں خواہ نصاب ہو یا نہ ہو سراسر ظلم ہے ہاں مگر یوں کہیں کہ قلیل مال سے لینا صریح ظلم ہے کہ جس کو سب عقل والے جانتے ہیں کیونکہ قلیل مال صرف نفقہ کے واسطے ہوتا ہے پھر اس میں لینا مقتضائے امان کے مخالف ہے جیسا کل کا لے لینا کذا فی الشامی او لم یاخذوا منا لیستمروا علیہ یا جب کہ وہ نہ لیتے ہوں ہم سے تو ہم پھر ان سے نہ لیویں تاکہ وہ نہ لینے پر ثابت رہیں ولانا احق بالمکارم اور اس لیے کہ اتمام مکارم اخلاق کے ہم زیادہ مستحق ہیں ولا یوخذ العشر من مال صبی حربی الا ان یکونوا یاخذون من اموال صبیاننا شیئا کما فی کافی الحاکم اور نہ لیا جاوے عشر حربی کے لڑکے کے مال سے مگر اس صورت میں کہ وہ لوگ ہمارے لڑکوں کے مال میں سے کچھ لیتے ہوں جیسا مذکور ہے حاکم کی کافی میں اخذ من الحربی مرۃ لا یوخذ منہ ثانیا فی تلک السنۃ الا اذا عاد الی دار الحرب حربی سے ایک بار عشر لیا گیا تو دوبارہ اس سے اس برس میں نہ لیا جاوے مگر یہ کہ دارالحرب کو لوٹ جاوے یعنی اور پھر دارالسلام میں آوے تو دوبارہ عشر لیا جاوے گا لعدم جواز الاخذ بلا تجدد حول او عہد کیونکہ لینا جائز نہیں جب تک نیا سال نہ ہو یا نیا عہد نہ ہو م حربی کو قدرت نہ دی جاوے دارالاسلام میں ٹھہرنے کی پورے برس بلکہ اس کو امام آتے وقت یہ کہہ دے کہ اگر تو یہاں اقامت کرے گا تو تجھ پر جزیہ لگایا جاوے گا پھر اگر وہ اقامت کرے تو جزیہ لگا دے پھر دارالحرب میں نہ جانے دے کذا فی الفتح ولو مر الحربی لعاشر ولم یعلم بہ العاشر حتی دخل دار الحرب ثم خرج ثانیا لم یعشرہ لما مضی لسقوطہ بانقطاع الولایۃ اور اگر حربی گذرا عاشر پر اور عاشر کو خبر نہ ہوئی یہاں تک کہ وہ دارالحرب کو چلا گیا پھر دوبارہ دارالحرب سے نکل آیا تو اس سے پچھلا عشر نہ لے کیونکہ وہ ساقط ہو گیا ولایت کے منقطع ہونے سے یعنی دارالحرب میں جانے سے حکومت اہل اسلام کی اس پر نہیں رہتی بخلاف المسلم والذمی لعدم المسقط ذکرہ الزیلعی بخلاف مسلمان اور ذمی کے کہ اگر بے خبری میں گذر جاویں پھر عاشر کو خبر ہو تو ان سے عشر لیا جاوے کیونکہ یہاں مسقط یعنی عشر کا ساقط کرنے والا مفقود ہے ذکر کیا ہے اس کو زیلعی نے ولیوخذ نصف عشر من قیمۃ خمر وجلود میتۃ کافر کذا اقر المصنف متنہ فی شرحہ لو للتجارۃ وبلغ نصابا اور لیا جاوے بیسواں حصہ کافر کی شراب کی قیمت سے اور اس کی مردار کی کھالوں کی قیمت سے اگر تجارت کے لیے ہوں اور نصاب کو پہنچیں شارح نے کہا کہ مصنف نے اسی طرح اپنے متن کو اپنی شرح میں ثابت رکھا ہے م خمر مضاف ہے اور جلود میتہ

سلہ اشارہ ہے آیت کریمہ وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مامنہ ۱۲ ز یعنی عدم ولایت ۱۲

دوسرا مضاف ہے اور کافر مضاف الیہ اس لیے خمر کو تنوین سے نہ پڑھنا چاہیے بلکہ ایک کسرہ ہے اور یہاں یہ اشکال ہے کہ کھالیں مثلی نہیں ہیں بلکہ قیمت کی چیزیں ہیں تو یہ سور کے مانند ہوئیں نہ شراب کی تو ان سے عشر نہ لینا چاہیے اور اس کا جواب یہ ہے کہ نجس عین کی قیمت میں جس سے بالکل انتفاع نہیں ہو سکتا اور اس چیز کی قیمت میں کہ جس سے انتفاع ہو سکتا ہے فرق ہے پس خنزیر سے کسی وجہ سے انتفاع درست نہیں اور جلود میتہ سے بعد دباغت کے انتفاع درست ہے اور اسی لیے ان کو علما نے شراب کے مشابہ رکھا خنزیر کے مانند نہیں رکھا کذا فی الدر ۱۲ باختصار (ویوخذ عشر القیمۃ من حربی بلانیۃ تجارۃ ولا یوخذ من المسلم شئی اتفاقاً) اور لیا جاوے دسواں حصہ قیمت شراب کا حربی سے بدون نیت تجارت کے اور نہ لیا جاوے مسلمان سے کچھ بالاتفاق م اس لیے کہ مسلمان شراب کے مالک ہونے سے منع کیا گیا ہے تو اگر اس سے عشر لیا جائے گا تو اس کا قبضہ اس پر اور مستحکم ہو جاوے گا کذا فی الطحطاوی (ولا یوخذ من خنزیرہ مطلقاً لانہ قیمی فاخذ قیمتہ کعینہ) نہ لیا جاوے عشر کافر کے سور سے بالکل اس لیے کہ وہ قیمت والی چیزوں میں سے ہے تو اس کی قیمت کا لینا گویا اس کا خود لینا ہے م اس واسطے کہ حیوان کی قیمت کا حکم حیوان ہی کا ہے اس لیے کہ اگر کسی نے ایک عورت سے نکاح کیا اور کوئی حیوان مہر ٹھہرایا جو ذمہ میں لازم آ دے تو چاہے قیمت ادا کرے چاہے حیوان اور شراب کی قیمت کا حکم عین شراب کا سا نہیں اس واسطے کہ اگر کسی ذمی نے شراب کے بدلے نکاح کیا پھر قیمت دینے لگا تو عورت اس کے لینے پر جبر نہ کی جاوے گی سو اس جہت سے عشر شراب کی قیمت سے لیا گیا نہ نفس شراب سے کیونکہ مسلم اس کے مالک ہونے سے منع کیا گیا ہے کذا فی شرح الباب لقاضی خان (بخلاف الشفعۃ لانہ لولم یاخذ الشفیع بقیمۃ الخنزیر یبطل حقہ اصلا فیتضرر وموا ضع الضرورۃ مستثناۃ ذکرہ السعدی) یہ جواب ہے سوال مقدر کا تقریر سوال کی یہ ہے کہ قیمت کا حکم عین کا حکم نہیں ہے کیونکہ اگر کسی ذمی نے اپنا گھر بدلہ خنزیر کے دوسرے ذمی کے ہاتھ بیچ دیا اور اس کا شفیع مسلمان ہے تو وہ قیمت خنزیر کے بدلے لے سکتا ہے شارح نے اس کا جواب یہ دیا کہ شفعہ کا حکم اس لیے خلاف ہے کہ اگر شفیع خنزیر کی قیمت کے عوض مکان کو نہ لیوے تو اس کا حق باطل ہو گا پس اس کا نقصان ہو گا اور مواضع ضرورت قواعد کلیہ سے مستثنی ہوتے ہیں ذکر کیا ہے اس کو سعدی نے حاصل یہ کہ یہاں جواز حق العبد کے لیے ہے کہ وہ حاجت مند ہے اور حق شرع میں ضرورت نہیں کہ شارع مستغنی ہے کذا بسطہ فی المعراج عن الکاکی (ولا یوخذ ایضا من مال فی بیتہ مطلقاً) اور نہ لیا جاوے اس مال سے جو گذرنے والے کے گھر میں ہے مطلقا یعنی خواہ مسلمان ہو یا ذمی ہو یا حربی ہو (ولا من مال بضاعۃ) اور نہ لیا جاوے مال بضاعت سے م بضاعت لغت میں ایک قطعہ مال کا ہے اور اصطلاح میں وہ مال جو مالک کسی کو تجارت کے لیے سپرد کرے اس طرح کہ نفع سب مالک کا ہے اور عامل کا کچھ نہیں کذا فی البحر اور اگر مصنف بضاعت کی جگہ امانۃ کہتا جیسا صدر الشریعت نے کہا تو کافی ہوتا اور جو بالعبد مذکور ہیں ان کی ضرورت نہ ہوتی (الا ان تکون للحربی) مگر یہ کہ جو مال بضاعت کسی حربی کا ہو عشر لیا جائے گا (ولا من مال مضاربۃ الا ان یربح المضارب فیعشر نصیبہ ان بلغ نصابا) اور کچھ نہ لیا جاوے مال مضاربت سے مگر اس صورت میں کہ مضارب کو نفع ہو پس مضارب کے حصہ کا عشر لیا جاوے گا اگر نصاب کی مقدار کو پہنچے (ولا من کسب ماذون مدیون بدین محیط بمالہ ورقبتہ) اور نہ لیا جاوے عبد ماذون[1] کی کمائی سے کہ مدیون ہو ایسے قرض کا کہ محیط ہو اس کے مال اور اس کی جان کو م یہ قید اس لیے بڑھائی کہ یہ مسئلہ محل خلاف ہے امام صاحب اور صاحبین میں امام صاحب کے نزدیک مولی غلام کی مقبوض چیز کا مالک نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک اس کی کمائی کا مالک ہے جیسے اس کی جان کا بالاتفاق مالک ہے پس اگر عبد ماذون کی کمائی میں کوئی غلام ہو اور اس کو مولی آزاد کرے تو امام صاحب کے نزدیک عتق جاری نہ ہو گا اور صاحبین کے نزدیک جاری ہو گا سو اس حالت کا عبد اگر عاشر پر گذرا تو اس سے کچھ نہ لیا جاوے

[1] وہ غلام جس کو مالک نے اذن تجارت کا دیا ہو ۱۲

گا مولیٰ اس کے ساتھ ہو یا نہ ہو امام صاحب کے نزدیک تو اس جہت سے کہ مولیٰ کی ملک میں نہیں اور صاحبین کے نزدیک اس جہت سے کہ دین سے فارغ نہیں او ماذون مدیون لکن لیس معہ مولاہ یا عبد ماذون قرض دار نہ ہو لیکن اس کے ساتھ اس کا آقا نہیں تب بھی نہ لیا جاوے حلبی نے کہا ایسا ہی ہے عبد مدیون کہ دین اس کا محیط نہ ہووے اور جس صورت میں کہ آقا اس کے ساتھ ہو اور اس پر دین نہیں یا ہے لیکن محیط نہیں اس کے کسب کو جو زیادہ دین سے ہے اگر بمقدار نصاب ہو تو اس کا عشر لیا جاوے کذافی المعراج علی الصحیح فی الثلثۃ لعدم ملکہم عشر نہ لیا جاوے بنابر روایت صحیح کے مسائل ثلثہ مذکورہ میں واسطے مفقود ہونے ملک ان تینوں کے یعنی مضارب اور بضاعت والے اور غلام کے م معراج میں ہے کہ ایضاح میں مذکور ہے کہ لینے میں شرط ہے حاضر ہونا ملک اور مالک دونوں کا پس اگر مالک بلا مال آوے تو نہ لیا جاوے اور اگر مال بلا مالک آوے تب بھی نہ لیا جاوے ولذا لا یوخذ العشر من الوصی اذا قال ہذا مال الیتیم ولا من عبد و مکاتب اور اسی لیے یعنی بوجہ نہ ہونے ملک کے نہیں لیا جاتا ہے عشر وصی سے جب بیان کرے کہ یہ مال یتیم کا ہے اور نہ غلام سے جیسا گذر چکا نہ مکاتب سے کیونکہ اس کی ملک تام نہیں مر علی عاشر الخوارج فعشروہ ثم مر علی عاشر اہل العدل اخذ منہ ثانیا لتقصیرہ بمرورہ بہم سوا اگر گذرا باغیوں کے عاشر پر پس انہوں نے اس سے عشر لے لیا پھر گذرا اہل حق کے عاشر کے پاس تو اس سے دوبارہ عشر لیا جاوے کیونکہ خوارج کے عاشر کے پاس جانا یہ قصور اسی کا ہے بخلاف ما لو غلبوا علی بلد بخلاف اس صورت کے کہ خوارج یعنی باغی تسلط کرلیں بزور کسی شہر پر یعنی اس صورت میں اگر وہ صدقات اگر وصول کرلیں گے تو دوبارہ لینے نہ آئیں گے کیونکہ اس صورت قصور امام کا ہے نہ مال دار کا کذافی الطحطاوی فرع مسئلہ ملحقہ شارح کا مر بنصاب رطاب للتجارۃ کبطیخ ونحوہ لا یعشرہ عند الامام الا اذا کان عند العاشر فقراء فیاخذ لیدفع لہم تاجر میوہ تر بقدر نصاب تجارت کے لے کر عاشر پر گذرا مثلاً تربوزہ وغیرہ تو امام صاحب کے نزدیک عاشر اس کا عشر نہ لیوے مگر اس صورت میں کہ عاشر کے پاس فقراء موجود ہوں تو مال والے سے عشر لے تاکہ ان کو دے دے م رطاب سے مراد جو چیزیں سال بھر باقی نہ رہیں شرنبلالیہ میں ہے کہ صورت مسئلہ کی یہ ہے کہ کسی شخص کے پاس مال تجارت تھا نماکی سال کے نزدیک اس کے بدلے بقولات میں سے کچھ خرید لیا پس امام صاحب کے نزدیک زکوٰۃ نہیں لیکن مالک کو کہہ دیا جاوے کہ بنفسہ زکوٰۃ ادا کرے اور صاحبین کے نزدیک مال میں سے اسی جنس کی زکوٰۃ لے لی جاوے کیونکہ آخر حمایت امام کی اس کو مشتمل ہے کذافی البرہان اور امام کے قول کی وجہ میں کمال نے ذکر کیا ہے کہ اگر رکھے گا تو یہ چیز بگڑ جاوے گی اور عامل کے ساتھ فقراء ہوں یا اپنے عملہ میں صرف کرنے کو لیتا ہے تو اس کو اجازت ہے کذافی الشامی نہر بحثاً یہ مذکور ہے نہر الفائق میں بطریق بحث کے م نہر کی عبارت میں کوئی بات نہیں کہ دلالت کرے بحث ہونے پر علاوہ بریں ذکر کیا ہے اس کو کمال نے جیسا گذر چکا اور کمال کے کلام میں بھی کوئی لفظ دال بحث پر نہیں ہے معہذا جو کچھ کمال نے ذکر کیا ہے وہ شرح منظومہ میں معہ زیادت مذکور ہے زیادتی یہ ہے کہ اگر مالک قیمت دینے پر راضی ہو تو قیمت لے لی جائے اور عنایہ میں باب العاشر میں یہ مذکور ہے کہ جب خضروات یعنی سبزی ترکاری لے کر عاشر پر گذرے اور عاشر فقراء کیلیے ان میں سے بعینہا عشر لینا چاہے درصورت انکار کرنے مالک کے اعطاء قیمت سے تو نہیں لے سکتا اور فقراء کے واسطے کی ہم نے اس پر قید لگائی کہ اگر اپنے عملہ کے لیے خضروات بعینہ لے لیوے تو جائز ہے اور مالک کے انکار کی قید اس لیے لگائی کہ اگر وہ قیمت دینے پر راضی ہو تو اس کے جواز میں کچھ کلام نہیں فافہم واللہ اعلم کذافی الشامی

باب الرکاز

یہ باب ہے دفینہ کے احکام میں الحقہ بالزکوٰۃ لکونہ من الوظائف المالیۃ فقہاء نے رکاز کو زکوٰۃ کے ساتھ لاحق کیا کیونکہ یہ بھی وظیفہ مالیہ ہے م یہ جواب ہے اس سوال کا کہ اس باب کو کتاب الجہاد میں ذکر کرنا چاہیے تھا

کیونکہ اس کے مصارف مصارف غنیمت کے ہیں اور اس میں سے جو لیا جاتا ہے وہ زکوۃ نہیں ہے کذا فی النہر اور اس کو عشر پر مقدم کیا اس لیے کہ
رکاز محض قربت ہے اور عشر ایک مشقت ہے جس میں معنی قربت کے ہیں کذا فی الطحطاوی ہو لغۃ من الرکز ای الاثبات بمعنی المرکوز رکاز باعتبار لغت
کے ماخوذ ہے رکز سے یعنی ثابت کرنا اور بمعنی مرکوز کے ہے م شامی نے کہا کہ بمعنی المرکوز خبر بعد خبر ہی ہوگی اور احتمال یہ ہے کہ حال ہو رکز سے
یعنی رکاز رکز سے ماخوذ ہے درحالیکہ رکز سے مراد اسم مفعول ہو یعنی مرکوز اور یہ اولیٰ ہے اس لیے کہ رکاز اسم جامد ہے مصدر نہیں ہے وشرعاً
مال مرکوز تحت ارض اور شرع میں رکاز وہ مال ہے کہ موجود ہے زمین کے نیچے م ظاہر عبارت دلالت کرتی ہے کہ یہ معنی لغوی نہیں ہیں اور
منح میں مغرب سے منقول ہے کہ وہ معدن ہے یا کنز یعنی کان یا دفینہ اس لیے کہ یہ دونوں مستقر ہیں زمین میں اگرچہ راکز مختلف ہے الخ اور
بظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ استعمال رکاز کا معدن اور دفینہ دونوں میں حقیقی ہے اور مشترک باشتراک معنوی اور دفینہ کے ساتھ خاص
نہیں نہر الفائق میں کہا کہ اس تقدیر پر کلی متواطی ہوگی اور یہی مصنف کے باب کے عنوان کے مناسب ہے کذا فی الطحطاوی اعم من کون راکزہ
الخالق او المخلوق مال عام ہے اس سے کہ زمین کے اندر رکھنے والا اس کا خالق ہو یا مخلوق فلذا قال معدن خلقی خلقہ اللہ تعالیٰ ولمن کنز ای مال
مدفون دفنہ الکفار لانہ الذی یخمس پس بسبب اسی عموم کے مصنف نے کہا کہ وہ عام ہے کان خلقی سے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں پیدا
کیا ہے اور عام ہے کنز سے یعنی مدفون کہ زمین میں رکھا ہو کفار نے اس لیے اسی کا خمس لیا جاتا ہے اگر مسلمان کا مال ہوگا تو اس کا حکم لقطہ
کا ہے وجد مسلم او ذمی ولو قنا صغیرا انثی پائی کسی مسلمان یا ذمی نے اگرچہ مملوک صغیر عورت ہو یعنی حکم عام ہے پانے والا آزاد ہو یا مملوک
کبیر ہو یا صغیر مرد ہو یا عورت مسلمان ہو یا نہ ہو کذا فی النہر معدن نقد و نحو حدید پائی کان سونے یا چاندی یا لوہے کی یا اس کے مثل کی
وہو کل جامد ینطبع بالنار ومنہ الزیبق اور لوہے کے مثل ہر چیز منجمد ہے کہ نرم ہو جاوے آگ سے اور اسی میں ہے پارہ م یہ قول امام محمد کا اور
امام صاحب کا آخر قول ہے اور قول اول یہ تھا کہ پارہ میں کچھ نہیں لازم آتا اور یہی قول آخر ہے امام ابو یوسف کا کیونکہ پارہ بمنزلہ رال وغیرہ کے ہے
اور ان میں خمس نہیں ہے امام محمد اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ پارہ چشمہ سے مع زادلت اور تدابیر سے نکالا جاتا ہے اور ڈھلتا ہے کسی
دوسری چیز کے ساتھ مل کر تو چاندی کے مانند ہوا یعنی چاندی جب تک کسی دوسری چیز کے ساتھ مخلوط نہ ہو نہیں ڈھلتی کذا فی الفتح اور معلوم ہے کہ خلاف
اس پارہ میں ہے جو معدن میں سے حاصل کریں لیکن جو موجود کفار کے خزائن وغیرہ میں ہے اس میں بالاتفاق خمس لازم ہے کذا فی الشامی فخرج
المائع کنفط وقار وغیر المنطبع کمعادن الاحجار پس نکل گئیں بہتی چیزیں یعنی جامد کی قید سے جیسے نفط اور رال اور نکل گئی ینطبع کے قید سے جو نرم
نہیں ہوتے جیسے کان پتھروں کی یعنی فیروزہ و زمرد وغیرہ کی م قہستانی میں ہے کہ کان تین قسم کی ہے ایک وہ سخت چیزیں کہ پگھل جاتی ہیں
جیسے سونا چاندی رانگ تانبا پیتل لوہا دوم وہ سخت چیزیں جو آگ سے نرم نہیں ہوتیں جیسے چونا ورہ سرمہ یاقوت وغیرہ سوم
وہ چیزیں کہ جامد نہیں جیسے پانی رال نفط وغیرہ کذا فی المبسوط والتحفہ نفط ایک روغن ہے کہ پانی پر آ جاتا ہے اور قار او قیر اور زفت
وہ جس سے کشتیوں کو روغن کرتے ہیں کذا فی الشامی فی ارض خراجیۃ او عشریۃ خرج الدار لا المفازۃ لدخولہا بالاولیٰ کان یا
دفینہ پاوے زمین خراجی سے یا عشری میں شارح نے کہا کہ زمین کی قید سے نکل گیا گھر اور نہیں خارج ہوا جنگل کیونکہ وہ بالاولیٰ داخل
ہے م مراد عشری اور خراجی سے یہ ہے کہ جس کا وظیفہ عشر ہو یا خراج ہو خواہ کسی کے قبضے میں ہو یا نہ ہو تو جب عشر و خراج کے ہونے
خمس لیا جائے گا تو جنگل جس میں نہ عشر ہو نہ خراج بطریق اولیٰ داخل خمس رہے گا کذا فی الطحطاوی خمس مخففا ای اخذ خمسہ الحدیث وفی الرکاز

۱؎ جو چیز پڑی ہوئی کسی کو ملے ۱۲

الخمس وہو یعم المعدن کہ امر مسلمان یا ذمی کی پائی ہوئی کان خواہ دفینہ سے پانچواں حصہ لیا جاوے بموجب اس حدیث کے فی الرکاز الخمس[1]
اور یہ شامل ہے معدن کو جیسے پہلے گذرا و باقیہ لما لکہا ان ملکت اور باقی رکاز یعنی چار خمس زمین کے مالک کے ہیں اگر وہ زمین کسی کی
مملوک ہو م حاشیہ ابو سعود میں کہا کہ مملوکہ سے مراد یہ ہے کہ غیر کی ملک ہو پانے والے کی نہ ہو کیونکہ پانے والے کی ملک ہوگی تو اس میں خمس نہ
ہوگا جیسا مصنف آگے بیان کرتا ہے ولا شیٔ فی ارضہ شامی نے کہا کہ اس کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ جب پانے والا مالک زمین نہ ہو تب
تو خمس واجب ہو اور خود مالک ہو تو واجب نہ ہو کیونکہ علت وجوب دونوں میں ایک ہے وہ یہ کہ معدن تمام اجزا سے مالک کی ملک ہے تو مصنف
کے کلام میں تعارض یقیناً ہے یہاں باقیہ لما لکہا کہا ہے اور آگے لاشیٔ فی ارضہ کہا ہے شیخ رحمتی نے اس تعارض کو یوں دفع کیا کہ زمین مملوکہ
کی معدن میں دو روایتیں ہیں روایت اصل یہ ہے کہ اس میں خمس نہیں کل مالک کی ہے اور جامع صغیر کی روایت یہ ہے کہ اس میں خمس ہے
اور چار خمس مالک کے ہیں پس یہاں کا قول مطابق روایت جامع صغیر کے ہے اور قول آئندہ موافق روایت اصل کے کذا فی الشامی ملتقطاً والا
کجبل ومفازۃ فللواجد اور اگر زمین رکاز کی کسی کی مملوک نہ ہو جیسے پہاڑ و جنگل پس وہ چیز پانے والے کی ہے والمعدن لاشیٔ فیہ ان وجد فی
دارہ وحانوتہ اور معدن میں کچھ لازم نہیں آتا اگر پاوے اس کو اپنے گھر میں اور اپنے دکان میں م معدن کے لفظ میں احتراز ہے دفینہ
سے اس لیے کہ اس کا خمس لیا جاتا ہے اگرچہ کسی کی مملوک زمین میں ہو یا اس کے گھر میں ہو اس لیے کہ وہ اجزائے زمین سے نہیں ہے جیسا
بدائع میں ہے اور گھر اور دکان کی معدن میں کچھ لازم آنا امام صاحب کے نزدیک ہے برخلاف قول صاحبین کے کذا فی الشامی وارضہ
فی روایۃ الاصل واختارہ فی الکنز اور کچھ لازم نہیں آتا اگر پاوے معدن اپنی اراضی میں اصل کی روایت کے بموجب اور اسی کو اختیار کیا ہے
کنز میں م غایۃ البیان میں کہا ہے کہ زمین مملوکہ میں امام صاحب سے دو روایتیں ہیں روایت اصل کے موافق ارض اور دار میں کچھ فرق نہیں
یعنی دونوں میں کچھ لازم نہیں آتا کیونکہ زمین جب اس کی طرف منتقل ہوئی تو بالکل مع اپنے تمام اجزا کے منتقل ہوئی اور معدن بھی اسی زمین
کی مٹی کی ہے تو خمس لازم نہ آیا جیسے غنیمت جب اس کو امام کسی کے ہاتھ فروخت کر دے تو اور لوگوں کا حق اس کے ساقط ہو جاتا ہے اس لیے
کہ وہ شخص اس کا مالک بمقابلہ عوض کے ہوا ہے یہی کہا ہے جصاص نے اور جامع صغیر کی روایت کے موافق ان میں فرق ہے اس کی وجہ
یہ ہے کہ دار میں کسی طرح کی مشقت اور بکھیڑا نہیں تو خمس بھی لازم نہ آیا اور سب کا سب پانے والے کا ہوا بخلاف ارض کے کہ اس میں مؤنت
خراج اور عشر کی لازم آتی ہے پس اس میں خمس لازم ہے اور کنز کے اختیار کرنے کو بیان کرنے سے ظاہراً شارح کو ترجیح روایت اصل کی مقصود ہے
لیکن ہدایہ میں امام سے دو روایتیں نقل کیں اور وجہ فرق کی جامع صغیر کی روایت کے بموجب بیان کی اور اصل کی روایت کی وجہ نہیں ذکر کی
اس سے استدلال ہو سکتا ہے کہ صاحب ہدایہ نے روایت جامع کی اختیار کی اور علامہ نوح نے ذکر کیا ہے کہ قیاس بھی ترجیح روایت جامع
صغیر کو چاہتا ہے دو وجہ سے اول یہ کہ جامع صغیر اوروں پر معارضہ کے وقت مقدم ہوتی ہے دوسرے یہ کہ یہی قول صاحبین کا ہے تو متفق علیہ
روایت اخذ کرنا اولیٰ ہے حاصل یہ ٹھہرا کہ امام نے فرق کیا ہے وجوب خمس میں درمیان معدن اور دفینہ کے اور درمیان جنگل اور گھر کے اور
درمیان زمین مباح اور مملوک کے اور صاحبین نے کچھ فرق نہیں کیا ان میں وجوب کے باب میں کذا فی الشامی ولاشیٔ فی یاقوت وزمرد
وفیروزج ونحوہا وجدت فی جبل ای فی معادنہا اور کچھ نہیں عشر وغیرہ یاقوت اور زمرد اور فیروزہ اور اس کی مثل میں یعنی پتھر کی قسم جو نرم
نہ ہو سکتی ہو اور پہاڑوں میں پائی جاویں مراد یہ ہے کہ اپنے معادن میں خواہ پہاڑ ہو یا نہ ہو ولو وجدت دفین الجاہلیۃ ای کنزا خمس
لکونہ غنیمۃ اور اگر پائے جاویں اشیائے مذکورہ یاقوت وغیرہ درحالیکہ مدفون جاہلیت کے ہوں یعنی کنز جس کا حکم آگے آوے گا تو خمس

---

[1] یعنی کان اور دفینہ میں خمس ہے ۱۲

لیا جاوے گا کیونکہ وہ بمنزلہ غنیمت کے ہے کہ کفار کے پاس تھی پھر ہمارے قبضہ میں آگئی کذا فی البحر والحاصل ان الکنز یخمس کیف کان والمعدن
ان کان ینطبع اور حاصل یہ ٹھہرا کہ دفینہ میں خمس لیا جاوے ہر حال میں اور معدنی جس صورت میں کہ آگ سے نرم ہو جاوے یعنی مائعات
میں خمس ہے مثل رال وغیرہ کے اور جو نرم نہ ہوں اُن میں خمس لازم نہیں ولا فی لولو ہو مطر الربیع اور کچھ نہیں لازم موتیوں میں کہ وہ بہار
کے مینہ سے پیدا ہوتا ہے یعنی سیپ میں کہتے ہیں کہ وہ ایک جانور ہے مچھلی کی قسم سے اللہ تعالیٰ اس میں موتی پیدا کرتا ہے کذا فی الکرمانی
وعنبر حشیش یطلع فی البحر او خثی دابۃ اور نہ عنبر میں کہ وہ ایک قسم کا گھاس ہے کہ دریا سے اُگتا ہے یا گوبر کسی چوپایہ کا ہے م شیخ داؤد انطاکی نے
اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ قعر دریا میں چشمے ہیں وہ دہنیت باہر کی طرف دفع کرتے ہیں وہ پانی پر جمتی ہے اس کو دریا کی موج
کنارے پر ڈالتی ہے وہ عنبر ہے کذا فی الشامی وکذا جمیع ما یستخرج من البحر من حلیۃ ولو ذہبا کان کنزا فی قعر البحر اور ایسے ہی سب چیزیں
جو دریا سے نکالی جاویں زیور وغیرہ کے لیے اگرچہ سونا ہو کہ دفینہ ہو قعر دریا میں یعنی کسی کا رکھا ہوا اور ظاہر یہ ہے کہ اس پر علامت اسلام
کی نہ ہو لیکن میں نے اس کو نہیں دیکھا قالہ الشامی لانہ لم یرد علیہ القہر فلم یکن غنیمۃ اس واسطے کہ اس پر غلبہ اور تسلط کسی کا نہیں وارد ہوا پس
غنیمت نہ ہوا م حاصل یہ کہ محل خمس غنیمت ہے اور غنیمت وُہ ہے کہ کفار کا مال ہو پھر مسلمانوں نے اس کو بزور لے لیا ہو اور قعر دریا پر کسی کا
زور اور غلبہ نہیں ہوا پس وہ مال غنیمت نہ ہوا کذا قالہ قاضی خان وما علیہ سمۃ الاسلام من الکنوز نقدا او غیرہ فلقطۃ سیجیٔ حکمہا اور جو دفینہ کہ
اس کی علامت اسلام کی ہو خواہ نقد ہو یا سوا اس کے پس وہ لقطہ ہے کہ اس کا حکم آگے آوے گا م غیر نقد میں شامل ہیں ہتھیار آلات اثاث
البیت کپڑا وغیرہا اور غنیمت اس واسطے نہیں ہوا کہ مسلمان کا مال غنیمت نہیں ہوتا اور لقطہ کا حکم جو آوے گا وہ یہ کہ مسجدوں کے دروازوں پر اور
بازاروں میں پکارا جاوے یہاں تک کہ گمان ہو کہ مالک ان کی طلب سے بیٹھ رہا ہو گا پھر اگر خود فقیر ہے تو اپنے آپ صرف میں لے نہیں تو کسی
فقیر کو دے دے بشرطیکہ جب طالب اس کا آوے تو ضمان دے کذا فی الشامی وما علیہ سمۃ الکفر خمس وباقیہ للمالک اول الفتح اور جو دفینہ
ایسا ہو کہ اس پر علامت کفار کی ہو تو اس میں سے خمس لیا جاوے اور باقی اس شخص کا ہے جو اول فتح اسلام میں اس کا مالک ہوا امام کی تملیک
سے م قاضی خان نے کہا کہ اس میں خمس لینا بالاتفاق ہے اس لیے کہ کنز اجزاء دار سے نہیں ہے تو خمس مقرر کرنا اس میں ہو سکتا ہے بخلاف معدن کے
ولوارثہ لو حیا والا فلبیت المال علی الاوجہ یا اصل مالک کے وارث کا ہے اگر وہ زندہ ہو اور نہیں تو بیت المال کا ہے اور یہ اوجہ ہے م نہر میں کہا
ہے اگر ورثہ مالک اول کے معلوم نہ ہوں تو اقصیٰ مالک زمین کا اس کا وارث ہے اور ابو الیسر نے کہا کہ بیت المال میں رکھا جاوے فتح القدیر
میں کہا ہے کہ یہ موجہ ہے تامل کے بعد الخ اس لیے کہ بحر میں مذکور ہے کہ کنز زمین میں امانت ہے پس جب مالک اول زمین کا مالک ہوا تو جو اس میں
رکھا ہے اس کا بھی مالک ہوا اور اگر زمین کو وہ بیچ دے تو فروخت سے جو چیز زمین کے اندر ودیعت ہے اس کی ملک نکل نہ جاوے گی جیسے مچھلی
کے پیٹ میں موتی وہذا ان ملکت ارضہ والا فللواجد یہ اس صورت میں ہے کہ زمین اس کی مملوک ہو اور اگر مملوک نہ ہو جیسے جنگل وغیرہ تو
تو پانے والے کا ہے م یعنی خمس نکال کر کما فی البحر ہذا اشارہ ہے باقیہ للمالک کی طرف اور یہ صاحبین کا قول ہے اور ہدایہ وغیرہ سے
اس کی ترجیح معلوم ہوتی ہے لیکن سراج میں مذکور ہے کہ امام ابو یوسف نے کہا کہ باقی پانے والے کا ہے جیسا حال غیر مملوکہ زمین کا
ہے اور اسی پر فتویٰ ہے شارح نے کہا کہ آج کل یہی مناسب ہے کیونکہ بیت المال کا انتظام نہیں ہے ولو ذمیا وقنا صغیرا وانثیٰ لانہم من اہل
الغنیمۃ اگرچہ پانے والا ذمی ہو غلام ہو صغیر ہو عورت ہو اس لیے کہ یہ سب اہل غنیمت ہیں یعنی امام غنیمت میں سے کچھ بطور عطا ان کو دیا کرتا ہے

[1] یعنی جتنے مالک گزرے ہوں تو جو سب سے اوّل مالک ہے اس کا ہو گا بعد مالک اول کے جو معلوم نہیں ہے واللہ اعلم ۱۲

شامی عن رحمتی خلا حربی مستامن فانہ یسترد منہ ما اخذ یعنی پانے والے کا ہے سوائے کافر حربی مستامن کے کہ لوٹایا جاوے اس سے جو اس نے لیا کیونکہ غنیمت میں اس کا کچھ حق نہیں الا اذا عمل فی المعادن باذن الامام علی شرط فلہ المشروط مگر جب کہ کام کرے جنگلوں میں امام کے اذن سے کسی شرط پر تو اس کو مشروط یعنی مقررہ ملے گا ولو عمل رجلان فی طلب الرکاز فھو للواجد اور اگر دو شخص مل کر کام کریں دفینہ کے طلب میں تو وہ اس کا ہو گا جس نے پایا یام ظاہر اس کا دلالت کرتا ہے کہ دوسرے کو کچھ نہ ملے گا اور یہ اس صورت میں ہے کہ ایک نے کھودا پھر دوسرا آیا اس نے باقی رہا ہو کھودا اور نکالا لیکن اگر وہ دونوں مشترک ہوں اس کی طلب میں سو باب الشرکۃ الفاسدۃ میں آوے گا کہ شرکت صحیح نہیں گھاس کھودنے اور شکار کرنے اور پانی بھرنے اور باقی مباحات میں جیسا پہاڑوں میں سے میوہ چننا اور طلب کرنا کان کا اور پکانا اینٹوں کا مباح مٹی سے اس لیے کہ یہ شرکت متضمن ہے وکالت کو اور وکیل کرنا مباح چیز کے لینے کے لیے جائز نہیں اور جو کچھ ان میں سے کسی نے حاصل کیا وہ اسی کا ہو گا اور جو دونوں نے حاصل کیا وہ نصفا نصف ہو گا اگر یہ نہ معلوم ہو کہ کتنا کس کا ہے اور جو کچھ ایک ہمراہی کی مدد سے ملے تو وہ اسی کا ہے اور ہمراہی کو اجر مثل ملے گا جس قدر ہو امام محمد کے نزدیک اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس قدر کہ اس شئی کی نصف ثمن سے زیادہ نہ ہو وان کانا اجیرین فھو للمستاجر اور اگر وہ دونوں مزدور ہوں تو مال اس کا ہو گا جس نے ان کو اجرت پر رکھا فان خلا عنہا ای العلامۃ او اشتبہ الضرب فھو جاہلی علی ظاہر المذہب ذکرہ الزیلعی لانہ الغالب وقیل کاللقطۃ اور اگر خالی ہو علامت سے یا مشتبہ ہو سکہ تو وہ جاہلی ہے یعنی اسلام سے پہلے کا ظاہر مذہب پر ذکر کیا ہے اس کو زیلعی نے کیونکہ غالب یہی ہے اس لیے کفار حریص ہوتے ہیں جمع اموال پر ..... کذا فی الطحطاوی اور ایک قول یہ ہے کہ مال مذکور لقطہ کے مانند ہے م ہدایہ میں ایک قول یہ کہا ہے کہ اس کو مال اسلامی تصور کریں کے بہت زمانہ گذرنے کی جہت سے یعنی ظاہر یہ ہے کہ آثار جاہلیت سے کچھ باقی نہیں رہا اور ظاہر ہی کا اعتبار ہے جب تک اس کا خلاف معلوم نہ ہو اور حق یہ ہے کہ اس ظاہر ہونے کو نہ مانیں بلکہ جاہلیت کے دفینے اب تک شہروں میں نکلتے رہتے ہیں کذا فی فتح القدیر شامی نے کہا کہ اکثر نقود جن میں علامت اہل حرب کی ہے اور اہل اسلام میں رائج ہے ظاہر یہ کہ وہ قسم مشتبہ سے ہیں لیکن میں نے شرح نقایہ میں جو ملا علی قاری کی ہے دیکھا اس میں لکھا ہے کہ کفار کے درم مسلمانوں کے درموں میں مخلوط ہونے کی صورت میں جیسا فی زماننا رواج سے اسلامی ہی ہونے چاہئیں ولا یخمس رکاز معدنا کان او کنزا وجد فی صحراء دار الحرب بل کلہ للواجد ولو مستامنا لانہ کالمتلصص اور نہ خمس لیا جاوے وہ رکاز کہ پایا جاوے دار الحرب کے جنگل میں خواہ معدن ہو یا دفینہ بلکہ کل پانے والے کا ہے اگرچہ وہ کہ دار الحرب میں امن لے کر گیا ہو اس لیے کہ وہ شخص چور کی طرح ہے ولذا لو دخلہ جماعۃ ذو منعۃ وظفروا بشیئ من کنوزہم ومعدنہم خمس لکونہ غنیمۃ اور اسی واسطے اگر دار الحرب میں ایک جماعت شوکت والی داخل ہو اور کچھ خزانہ یا معدن ان کو دستیاب ہو تو خمس لیا جاوے گا کیونکہ وہ غنیمت ہے یعنی غلبہ اور قہر سے حاصل ہوا ہے وان وجدہ ای الرکاز مستامن فی ارض مملوکۃ لبعضہم ردہ الی مالکہ تحرزا عن الغدر اور اگر معدن یا دفینہ کسی مستامن[1] نے حربیوں کی مملوکہ زمین میں سے پایا تو اس کو اس کے مالک کو پھیر دے غدر سے بچنے کے لیے م یعنی حربیوں کے مال اس شخص مستامن پر بدون ان کی رضامندی کے حرام ہیں تو بدون اجازت کے کسی مال کا رکھ لینا خیانت ہو گا فان لم یردہ واخرجہ منہا ملکہ ملکا خبیثا فسبیلہ التصدق بہ پس اگر نہ پھیرا اس کو اور دار الحرب سے نکال لایا تو اس کا مالک ہو جاوے گا خبیث ملک سے کہ اس کا تصدق کرنا واجب ہے فلو باعہ صح لقیام ملکہ لکن لا یطیب للمشتری پس اگر کسی

[1] یہاں مستامن سے وہ مسلمان مراد ہے جو دار الحرب میں امن پا کر جاوے ۱۲ ش خیانت ۱۲

دوسرے شخص کے ہاتھ بیچ دیا تو درست ہے کیونکہ اس کی ملک ثابت ہے لیکن مشتری تو اچھا نہیں م بخلاف اس صورت کے کہ کسی نے
ایک چیز بشراء فاسد خریدی پھر کسی کے ہاتھ بیچ دے تو مشتری ثانی کے واسطے کچھ خرابی نہیں ہے کیونکہ فسخ بیع اول کا اس صورت میں ممتنع ہو گیا
کذا فی الحلبی عن البحر **ولو وجدہ** ای الرکاز غیرہ ای غیر مستامن فیہا ای فی ارض مملوکۃ **لہم حل لہ فلا یرد** **ولا یخمس** لما مر بلا فرق بین متاع وغیرہ
اور اگر معدن یا دفینہ پایا غیر مستامن نے حربیوں کی زمین مملوکہ میں سے تو اس کو حلال ہے پس نہ ہٹا دے اور نہ اس میں خمس لیا جاوے
اسی وجہ سے کہ گذری یعنی وہ مثل خفیہ لی جانے والے کے ہے کذا فی الدرر بدون فرق کے درمیان متاع اور غیر متاع کے م متاع کے معنوں
میں فقہاء کا اختلاف ہے ترجیح یہ ہے کہ متاع وہ ہے جس سے نفع لیا جائے خواہ کپڑے ہوں یا گھر کا اسباب یا کھانا یا برتن کذا فی الطحطاوی وما فی
النقایۃ من ان رکاز متاع ارض لم تملک یخمس سہو اور جو کچھ نقایہ میں ہے کہ رکاز زمین غیر مملوکہ کا خمس لیا جاوے وہ سہو ہے م نقایہ کتاب
ہے صدر الشریعۃ کی اور یہی ہے وقایہ میں جو اس کے دادا تاج الشریعۃ کی کتاب ہے درر میں کہا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ شراح ہدایہ
نے اور علما نے تصریح کی ہے کہ خمس واجب ہوتا ہے اس چیز میں کہ غنیمت کے معنوں میں ہو یعنی اہل حرب کے ہاتھ میں ہو پھر مسلمانوں
کے پاس آوے قوت بازو سے اور وقایہ میں جو مذکور ہے وہ اس طرح کی صورت نہیں ہے کیونکہ مستامن مثل چور کے ہے اور زمین دار الحرب
کی مسلمانوں کے ہاتھ میں نہیں آئی طحطاوی نے کہا کہ اضافت رکاز کی متاع کی طرف بیانی ہے الا ان یحمل علی متاعہم الموجود فی ارضنا مگر یہ
کہ مراد لیا جاوے متاع سے جو حربیوں کا متاع دار الاسلام میں موجود ہو[1] فرع مسئلہ ملحقہ شارح کا **وللواجد صرف الخمس لنفسہ واصلہ وفرعہ
واجنبی** بشرط فقرہم پانے والے کو جائز ہے خمس کا صرف کرنا اپنے نفس پر اور اپنی اصل ماں باپ پر اور اپنی فرع یعنی اولاد پر اور اجنبی پر
بشرطیکہ محتاج ہوں م یعنی وہ خود اگر محتاج ہو اور چار خمس میں اس کا کام نہیں نکلتا تو خود سب کا سب رکھ لے اگر نصاب سے کم ہو اور اگر
نصاب کو پہنچے تو خمس کا نکال کر لینا اس کو جائز نہیں کذا فی البحر عن البدائع میں کہتا ہوں کہ اس میں گفتگو ہے کیونکہ بعض اوقات نصاب سے
زائد بھی کافی نہیں ہوتا مثلاً جب کہ پانے والا قرض دار ہو پس بہتر یہ ہے کہ حاجت ہی پر اقتصار کیا جاوے اور حاکم نے کافی
میں کہا ہے کہ جس کو رکاز کا مال ملے اس کو گنجائش ہے کہ صرف کرے خمس مساکین پر پھر اگر امام کو اطلاع ہو تو اس کے کیے ہوئے کو قبول کرے
اور اگر اس کو تمام مال کی ضرورت ہے تو گنجائش ہے کہ اپنے واسطے رہنے دے اور یہ بھی گنجائش ہے کہ حاجت مندوں کو دے اگرچہ اس کا باپ
دادا یا اولاد ہو اور یہ مال بمنزلہ اس عشر کے نہیں ہے کہ زمین پر لازم ہوتا ہے کذا افادہ الشامی

باب العشر

یہ باب ہے وہ بکی کے احکام میں م عشر کہتے ہیں دس میں کے ایک ٹکڑے کو اور یہاں مراد وہ ہے جو عشر کی طرف
منسوب ہوتا کہ شامل ہو نصف العشر اور ضعف العشر کو کذا فی الحموی اور اس کو زکوٰۃ میں اس لیے ذکر کیا کہ اس
کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا ہے **یجب العشر فی عسل وان قل** واجب ہے دسواں حصہ شہد میں اگرچہ قلیل ہو م شامی میں کہا کہ عسل میں
کسرہ ہے تنوین نہیں کیونکہ مضاف ہے ارض کی طرف اور لفظ وان قل کی ضرورت نہیں اس لیے مصنف کا قول بلا شرط نصاب اس سے مغنی ہے **ارض غیر
الخراج ولو غیر عشریۃ کجبل ومفازۃ** عشر واجب ہے اس شہد میں کہ غیر خراجی زمین کا ہو اگرچہ غیر عشری بھی ہو جیسے پہاڑ و جنگل **بخلاف الخراجیۃ
لئلا یجتمع العشر والخراج** بخلاف شہد زمین خراجی کے یعنی اس میں عشر نہیں تاکہ نہ جمع ہو جاویں عشر اور خراج م ارض غیر الخراج کے لفظ
میں اشارہ ہے کہ یہ شامل ہے زمین عشری کو اور اس زمین کو کہ نہ عشری ہو نہ خراجی جیسے پہاڑ اور جنگل لیکن خانیہ میں ہے کہ پہاڑ

[1] یعنی نقایہ کے مسئلہ کی صحت یہ ہو سکتی ہے کہ خمس اس صورت میں لیا جاوے کہ متاع حربی دار الاسلام کی زمین غیر مملوک میں ہو۔۱۲

عشری ہے یعنی اگر استعمال میں آوے تو عشری ہے کذا قالہ الشامی **وکذا یجب العشر فی ثمرۃ جبل او مفازۃ ان حماہ الامام** لانہ مال مقصود
اور ایسا ہی عشر واجب ہے پہاڑی یا جنگلی پھلوں میں اگر امام نے اس کی حفاظت کی ہو اس لیے کہ وہ مال مقصود ہے م امام کو اس کی حفاظت
اس لیے مقصود ہے کہ عشر واجب ہو کیونکہ اخذ مال حفاظت ہی کی جہت سے ہے تو یہ علت اشتراط کی ہے یا یہ کہ وہ اس جنس سے ہے کہ جس سے
غلہ حاصل کرنا زمین کا مطلوب ہوتا ہے تو یہ علت وجوب کی ہوئی کذا فی الشامی **لا ان لم یحمہ** لانہ کالصید عشر واجب نہ ہوگا اگر امام نے اس کی حفاظت
نہیں کی جیسا شکار کہ اس میں بھی عشر نہیں **ویجب فی مسقی سماء** ای مطر **او سیح** کنہر اور واجب ہے عشر اس زمین میں جو مینہ سے پانی دی گئی
ہو یا جاری پانی سے مثل نہر کے م سیح پانی کے جاری ہونے کو کہتے ہیں زمین پر یعنی نہر کا پانی یا نالوں کا کذا فی المغرب **بلا شرط نصاب**
راجع للکل بدون شرط نصاب کے یعنی کچھ ضرور نہیں کہ پیداوار بقدر نصاب ہو اگر کم تر ہو گا تب بھی عشر واجب ہوگا شارح نے کہا کہ نصاب کا
ہونا سب مذکورات کی طرف ہے یعنی شہد و پھل و غلہ **و بلا شرط بقاء و حولان حول** لان فیہ معنی المؤنۃ اور بدون شرط باقی رہنے تمام سال
کے اور گذرنے برس کے اس واسطے کہ عشر میں معنی مؤنۃ الارض کے ہیں یعنی اجرت زمین کی تو یہ عشر عبادت محض نہ ہوا م اگر پیداوار سال
بھر میں کئی بار ہو تو ہر بار عشر واجب ہوگا اور ایسا ہی خراج مقاسمہ[1] یعنی بٹائی کا لیکن خراج موظف جو فی جریب ایک ذراع یا مثل اس
کے سالانہ مقرر ہوا کرتا ہے تو وہ برس روز میں ایک بار واجب ہوا کرتا ہے مکرر نہیں ہوتا اگرچہ زمین کا پیداوار کئی بار ہو کذا فی الشامی
ولذا کان للامام اخذہ جبرا و یؤخذ من الترکۃ اور اس لیے امام کو گنجائش ہے کہ ان چیزوں کا عشر بزور لے اور ترکہ سے لیا جاسکتا ہے **ویجب
مع الدین وفی ارض صغیر او مجنون و مکاتب و ماذون و وقف** اور واجب ہوتا ہے یہ عشر باوجود قرضداری کے اور لڑکے کی زمین میں اور
مجنون کے اور مکاتب کی اور ماذون کی اور وقفی زمین میں م زمین کی ملک وجوب عشر کے لیے شرط نہیں بلکہ پیداوار کی ملک شرط ہے
اس لیے کہ عشر پیداوار میں ہے زمین میں نہیں تو زمین کا مالک ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہیں اور زمین وقفی میں عشر اس صورت
میں ہے کہ اہل وقف نے اس کو بویا ہو کذا فی الشامی مختصرا **وتسمیتہ زکوۃ مجاز** اور عشر کو زکوۃ کہنا مجاز ہے م ایسا ہی مفہوم ہوتا ہے
عنایہ سے اور نہر میں اسی کی تقویت کی ہے لیکن عنقریب اس باب میں کچھ گفتگو ہو چکی ہے **الا فی ما لا یقصد بہ استغلال الارض** مگر ان
چیزوں میں عشر نہیں کہ زمین کے حاصل میں مقصود نہ ہوں **نحو حطب و قصب فارسی** جیسے لکڑی اور نے م قصب لغت میں بنات
ساق دار گرہ والی کو کہتے ہیں اور فارسی کے لفظ سے احتراز ہو گیا گنے اور قصب الذریرہ سے جس کو قصب السنبل کہتے ہیں کیونکہ ان دونوں
میں عشر ہے کما فی الجوہرہ اور معراج میں ہے کہ گنے کے رس میں عشر ہے نہ خود گنے میں کذا فی الشرنبلالیہ **و حشیش و تبن** اور جیسے گھاس
ہرا اور سوکھا م فتح میں کہا مگر اتنی بات ہے کہ اگر اس کو کاٹ لیا دانہ کے انعقاد سے پہلے تو اس میں عشر واجب ہے کیونکہ وہی
مقصود ہو گیا اور ایک روایت امام محمد سے ہے کہ سوکھی گھاس میں عشر ہے کذا فی الشامی **وسعف و صمغ و قطران و خطمی و اشنان**
اور جیسے کھجور کے پٹھے اور جیسے گوند اور قطران جو ایک درخت کا عصارہ ہے اور خطمی اور اشنان **و شجر قطن و باذنجان** اور جیسے کپاس
کا درخت اور بینگن کا درخت م یعنی ان دونوں کے درختوں میں عشر نہیں بلکہ خود کپاس اور بینگنوں میں عشر ہے کذا قالہ الطحطاوی
و بذر بطیخ و قثاء و ادویۃ کحلبۃ و شونیز اور جیسے تربوز کے بیج اور ککڑی کے اور جیسے دوائیاں مثل میتھی اور کلونجی کے م کیونکہ تخم سے
مقصود ترکاریاں ہوتی ہیں اور ان میں عشر لازم آتا ہے خود تخم مقصود نہیں ہیں خانیہ میں ہے کہ دواؤں میں عشر نہیں ہے جیسے

[1] خراج کی دو قسمیں ہیں انقاسمہ اور ایک موظف مقاسمہ ایسے کو کہتے ہیں کہ پیداوار کا کوئی حصہ بانٹ کر کے لیا جائے اور موظف فی کوئی بیگھ مقرر کر دیا جائے ۱۲

کیلا اور بیلہ اور کندر میں کذا قال الشامی حتی لو اشغل ارضہ بہا یجب العشر یہاں تک کہ اگر زمین کو انھیں چیزوں میں لگا دیا تو عشر واجب ہوگا
م یعنی اگر کوئی شخص زمین کو نے اور گھاس وغیرہ کے واسطے رکھتا ہو محاصل کے لیے اور اسی کو کاٹتا ہو اور بیچتا ہو تو اس میں عشر ہوگا
کذا فی غایۃ البیان والبدائع اور شرنبلالی میں کہا کہ بیچنا کچھ شرط نہیں اسی لیے قاضی خان نے مطلق رکھا یعنی بیچنے کی قید نہیں لگائی کذا فی
الشامی ویجب نصفہ فی مسقی غرب ای دلو کبیر ودالیۃ ای دولاب لکثرۃ المؤنۃ اور نصف عشر یعنی بیسواں حصہ واجب ہے اس زمین
کی پیداوار میں جو چرخ سے پانی دی گئی ہو یا رہٹ سے بسبب زیادتی محنت کے م یہ وجہ ہے نصف العشر لازم آنے کی وفی کتب الشافعیۃ
ویقلہ بماء اشتراہ اور کتب شافعیہ میں مذکور ہے یا اس صورت میں کہ پانی مول لے کر دیا ہو اور یہ ہمارے قواعد کے مخالف نہیں ہے
یعنی اس صورت میں حنفیوں کے نزدیک بھی بیسواں حصہ لیا جاوے گا کذا فی الشامی ولو سقی سیحا وبآلۃ اعتبر الغالب اور اگر پانی دیا اس
کو نہر سے اور کسی آلہ سے یعنی چرخ وغیرہ سے تو اعتبار کیا جاوے گا اکثر م اگر اکثر چرخ سے پانی دیا ہوگا تو بیسواں حصہ لیا جاوے
گا اور اگر باران[1] یا نہر سے دیا ہوگا تو دسواں حصہ کذا فی الزیلعی ولو استویا فنصفہ اور اگر دونوں طرح پانی دینا برابر ہو تو نصف عشر ہے
کیونکہ زیادتی میں شک واقع ہوا اور شک سے لزوم نہیں ہوتا وقیل ثلثۃ ارباعہ اور ایک قول یہ ہے کہ تین ربع عشر کے اس صورت
میں لازم ہیں م غایۃ البیان میں کہا کہ یہی قول ہے ائمہ ثلثہ کا کہ نصف نصف دونوں وظیفوں کا لیا جاوے یعنی چونکہ آدھی زمین نہر کی تھی
تو دسواں حصہ کا آدھا لازم ہوا اور آدھی دولابی تو بیسواں حصہ کا آدھا لازم ہوا اس لیے تین ربع عشر کے ہوئے اور زیلعی نے روایت اول
یعنی لزوم نصف عشر کو ترجیح دی ہے سوائم پر قیاس کر کے جس صورت میں آدھے برس گھر سے گھاس دیا ہو کذا فی الشامی بلا رفع مؤن
ای کلف الزرع وبلا اخراج البذر لتصریحہم بالعشر فی کل الخارج عشر اور نصف عشر لیا جاوے بدون مجرا کرنے اخراجات کھیتی کے اور بغیر
نکالنے بیج کے اس لیے کہ علما نے تصریح کی ہے عشر کی کل پیداوار سے م یعنی عشر اول صورت میں اور نصف عشر دوسری صورت میں
جو لازم ہے تو کل میں سے لازم ہے بغیر جدا کرنے مزدوری کمیروں اور خرچ بیلوں کے اور نہروں کی کھدائی اور اجرت محافظ وغیرہ
کی کذا فی الدرر ویجب ضعفہ فی ارض عشریۃ لتغلبی مطلقاً واجب ہے دونا عشر کا یعنی پانچواں حصہ اس عشری زمین میں جو تغلبی کی ہو ہر
صورت میں م بنی تغلب قوم نصاری میں سے ہیں حضرت عمرؓ سے صلح اس بات پر ٹھہری تھی کہ مسلمانوں کا دونا ان سے لیا جاوے مطلق کی
نے کہا کہ علما نے فرق بیان نہیں کیا زمین کے دولاب سے پانی دینے یا نہر کے پانی دینے ہیں اور مقتضا صلح کا جو واقع ہوئی یہ ہے کہ
مسلمانوں کی نسبت ان سے دوچند لیا جاوے ہر صورت میں وان کان طفلا او انثی او اسلم او ابتاعہا من مسلم اگرچہ تغلبی لڑکا ہو یا
عورت یا اسلام لے آیا یا زمین خریدی ہو مسلمان سے م تغلبی اگرچہ مسلمان ہوا تو اس کے پاس جو زمین تضعیفی موجود ہے وہ طرفین
کے نزدیک تضعیفی رہتی ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک عشری ہو جاتی ہے اور یہی حال ہے جب خریدا ہو اس سے کسی مسلمان
نے اور اگر خریدا تغلبی نے عشری زمین کسی مسلم سے تو شیخین کے نزدیک تضعیفی ہو جاوے گی اور امام محمد کے نزدیک عشری باقی رہے
گی کذا فی الحلبی او ابتاعہا منہ مسلم او ذمی لان التضعیف کالخراج فلا یتبدل یا خریدا زمین کو تغلبی سے کسی مسلمان نے یا ذمی نے
اس جہت سے کہ تضعیف خراج کے مانند ہے پس تبدل نہ ہوگی م ذمی جب تضعیفی زمین تغلبی سے خریدے تو بالاتفاق تضعیفی رہتی
ہے کذا فی الحلبی اور ذمی کا ذکر بنا بر کثرت ہے ورنہ سب انتقالات میں یہی حکم ہے اسمٰعیل عن البرجندی اور عدم تبدل خراج
بالاتفاق اور تضعیف میں امام ابو یوسف کا اس صورت میں خلاف ہے کہ تغلبی مسلمان ہو جاوے یا اس سے کسی مسلمان نے خریدی

[1] یعنی جس سے دونا محصول لیا جاتا تھا ۱۲

ہو کیونکہ وہ عشری ہو جاتی جیسا پہلے بیان ہو چکا کذا فی الحلبی **واخذ الخراج من ذمی غیر تغلبی اشتری ارضا عشریۃ من مسلم وقبضہا منہ للتنافی** اور لیا جاوے گا خراج اس ذمی سے جو تغلبی نہ ہو اور خریدا ہو ارضِ عشری مسلمان سے اور قبض کیا اس کو کیونکہ عشر میں اور کفر میں منافاۃ ہے م ذمی سے خراج لینا اس صورت میں مذہب شیخین کا ہے اور امام محمد نے نزدیک عشری ہی رہے گی اور غیر تغلبی کی قید اس لیے لگائی کہ عشری اس پر مضاعف ہو جاتی ہے شیخین کے نزدیک اور قبضے کی قید اس لیے لگائی کہ خراج واجب نہیں ہوتا مگر زراعت کی قدرت سے اور زراعت پر قدرت نہیں حاصل ہو سکتی بدون قبض کے اور کفر منافی ہے عشر کا اس لیے کہ عشر میں معنی عبادت کے ہیں حاصل یہ ہے کہ زمین عشری ہوتی ہے یا خراجی یا تضعیفی اور مشتری یا مسلم ہوگا یا ذمی یا تغلبی پس جب مسلمان خریدے عشری یا خراجی کو تو بدستور اپنے حال پر رہتی ہے یا خریدے تضعیفی کو تب طرفین کے نزدیک بدستور رہتی ہے اور امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ عشری ہو جاوے گی اور جب تغلبی خریدے خراجی کو تو خراجی رہے گی اور تضعیفی خریدے تو تضعیفی رہے گی اور اگر عشری کو کسی مسلمان سے خریدے تو تضعیفی ہو جاوے گی شیخین کے نزدیک برخلاف قول امام محمد کے اور جب خریدے ذمی غیر تغلبی خراجی یا تضعیفی کو تو بدستور رہے گی اور اگر عشری خریدے تو خراجی ہو جاوے گی اگر ٹھہرے اس کی ملک میں امام اعظم کے نزدیک کذا قالہ الشامی **واخذ العشر من مسلم اخذہا منہ** ای من الذمی **بشفعۃ لتحول الصفقۃ الیہ** اور اگر لیا جاوے گا عشر مسلمان سے کہ لیا ہو زمین عشری کو ذمی سے شفعہ کی وجہ سے واسطے تبدل عقد کے ذمی سے طرف مسلمان کے م یعنی گویا کہ مسلمان نے مسلمان سے لیا ذمی کا واسطہ بیع میں سے اٹھ گیا کذا فی البحر وغیرہ **او ردت علیہ لفساد البیع** یا زمین رد کی گئی مسلمان پر بیع کے فساد کے سبب سے م اور ردت عطف ہے اخذہا پر یعنی جب کہ خریدا اس کو ذمی نے مسلمان سے بشراء فاسد پھر وہ زمین بجہت شراء فاسد ہونے کے رد کی گئی مسلمان پر تو وہ زمین عشری نہ ہوگی بدستور بحر میں کہا ہے کہ رد اور فسخ کی جہت سے بیع کان لم یکن ہو گئی اس لیے کہ حق مسلمان کا یعنی بائع کا اس طرح کی بیع سے منقطع نہیں ہوا تھا کہ ہنوز استحقاق پھیر لینے کا اس کو ثابت ہے **او بخیار شرط** یا رد کی گئی ہو خیار شرط کی جہت سے م یعنی جس صورت میں کہ بائع کو خیار تھا جیسا قاضی خاں نے جامع صغیر کی شرح میں قید لگائی ہے اس لیے کہ خیار بائع کا منع کرتا ہے زوال ملک کو قالہ الشامی **او رؤیۃ** مطلقاً یا رد کی گئی ہو بخیار رؤیت بہر حال یعنی رد بقضاء قاضی سے ہو یا بغیر اس کے کذا فی الشامی **او عیب بقضاء** یا رد کی گئی بجہت عیب کے قاضی کے حکم سے م تو ان پانچوں صورتوں میں مسلمان سے عشر لیا جائے گا **ولو بغیرہ بقیت خراجیۃ لانہ اقالۃ لا فسخ** اور اگر رد کی گئی بغیر حکم قاضی کے تو رہے گی خراجی اس واسطے کہ یہ اقالہ ہے نہ فسخ یعنی اقالہ بیع جدید ہوتا ہے غیر متعاقدین کے حق میں کذا فی الشامی **واخذ خراج من دار جعلت بستانا او مزرعۃ ان کانت لذمی مطلقا** اور لیا جاوے خراج گھر سے کہ بنا لیا ہو اس کو باغ یا کھیت اگر وہ گھر ذمی کا ہو ہر صورت میں م یعنی عشر کے پانی سے اس کو پانی دیا ہو یا خراج کے پانی سے اس لیے کہ ذمی خراج کے لائق ہے نہ عشر کے کذا فی البحر **او لمسلم و قد سقاہ بمائہ** یا وہ گھر مسلمان کا ہو لیکن مسلمان نے اس کو پانی دیا خراج کے پانی سے اس واسطے کہ مسلمان راضی ہوا خراج کے ادا پر اس وجہ سے کہ اس نے خراج کا پانی اپنے کھیت کو دیا م خراج کا پانی یعنی وہ نہریں کہ عجمیوں نے کھودیں جیسے گنگا اور جمنا کی نہریں اور اسی کے مانند ہے سیحون اور جیحون و دجلہ و فرات برخلاف قول امام محمد کے اور عشر کا پانی مینہ اور کنواں اور چشمہ اور وہ دریا جو کسی کے تحت میں نہ ہو کذا فی الملتقی و شرحہ عتابی نے اشکال کیا تھا کہ یہاں مسلمان پر خراج لگانا ابتداءً لازم آتا ہے شارح نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا کہ ممنوع ہے خراج بجبر لگانا ابتداءً مسلم پر اور یہاں مسلمان نے چونکہ خراجی زمین سے پانی دیا خود خراج اختیار کیا

جیسا زمین موات کو امام کی اجازت سے درست کرے اور پانی خراج کا دے تو خراج واجب ہوتا ہے کذا قال فی البحر واخذ عشر ان سقاہا المسلم بمائہ او بمالا نہ الیق اور لیا جاوے گا عشر اگر پانی دیا زمین کو مسلمان نے عشر کے پانی سے یا دونوں طرح کے پانی سے اس لیے کہ عشر لائق ہے مسلمان کو کیونکہ اس میں عبادت کے معنی پائے جاتے ہیں ولا شیٔ فی دار ومقبرۃ ولو لذمی اور کچھ نہیں لازم گھر میں اور مقبرہ میں اگرچہ ذمی کا ہو کیونکہ حضرت عمرؓ نے مساکن کو معاف کر دیا تھا اور اسی پر اجماع ہے صحابہ کا دوسری وجہ یہ ہے کہ رہنے میں نمو اور زیادتی نہیں اور خراج کا وجوب نمو کی جہت سے ہے اور اسی قیاس پر مقابر میں زیلعی اور اس بیان سے یہ ظاہر ہوا کہ پرانے اور نئے میں کچھ فرق نہیں لیکن علماء نے تصریح کی ہے کہ اگر کسی خراجی زمین کو معطل رکھے تو اس پر خراج لازم ہے خانیہ میں ہے اگر خراجی زمین کو خرید کر کے گھر بنایا یا عمارت بنائی تو اس پر اس زمین کا خراج لازم ہوگا جیسا اس صورت میں کہ اس کو معطل رکھے اور ایسا ہی ذخیرہ میں ہے پھر کہا کہ فتاوی ابواللیث میں ہے کہ جب کریں خراجی زمین کو مقبرہ یا کرایہ کے لیے یا گھر فقیروں کے لیے تو خراج ساقط ہو جاتا ہے انتہی اور یہ دوسری روایت شاید کہ مبنی ہے منفعت عامہ پر کذا قالہ الشامی ولا فی عین قیر ای زفت اور کچھ نہیں رال کے چشمے میں م اس لیے کہ رال زمین کا نما یعنی بڑھوتری نہیں ہے یعنی زمین سے نہیں پیدا ہوتی ہے بلکہ چشمہ ہے جوش مارتا جیسے پانی کا چشمہ تو اس میں عشر اور خراج نہیں کذا فی البحر ونفط دہن یعلو الماء مطلقاً ای فی ارض عشر او خراج اور کچھ نہیں نفط میں کہ ایک روغن ہے کہ جو پانی پر آجاتا ہے کسی صورت میں یعنی رال وغیرہ زمین عشری میں ہو یا خراجی میں ولکن فی حریمہا الصالح للزراعۃ من ارض الخراج لیکن خراجی زمین کے چشمہ کے گرد و نواح میں جو صلاحیت کھیتی کی رکھتا ہو خراج لازم ہے لا فیہا لتعلق الخراج بالتمکن من الزراعۃ خراج نہیں خود چشمہ میں اس لیے کہ خراج متعلق ہے کھیتی کی قدرت پر م یہ علت ہے الصالح للزراعۃ کی اور خراج موظف میں بن سکتی ہے اور خراج مقاسمہ کا حکم مانند حکم عشر کے کذا قالہ الشامی واما العشر فیجب فی حریمہا العشری ان زرعہ والا لا لتعلقہ بالخارج اور عشر واجب ہے عشری زمین کے چشمہ کے گرد و نواح میں بشرطیکہ بو دے اور نہیں تو نہیں لازم کیونکہ عشر پیداوار سے متعلق ہے ولو خذ العشر عند الامام عند ظہور الثمرۃ وبدو صلاحہا برہان وشرط فی النہر امن فساد ہا اور لیا جاوے عشر امام کے نزدیک وقت ظاہر ہونے پھل کے اور وقت ظاہر ہونے اسکی درستی کے یعنی گدرا ہو چکے کذا فی البرہان اور نہر میں شرط کیا ہے کہ فساد سے مامون ہو جاوے م جوہرہ میں کہا ہے کہ اختلاف ہے عشر کے وقت میں جو کھیتوں اور پھلوں میں سے لیا جاتا ہے پس امام ابوحنیفہؒ اور زفرؒ کہتے ہیں کہ اس وقت لیا جائے کہ جب پھل ظاہر ہو اور خرابی سے محفوظ ہو اگرچہ کٹنے کے لائق نہ ہو یعنی اس درجہ کو پہنچے کہ اس سے انتفاع ہو سکے اور امام ابویوسف کہتے ہیں کہ جب کٹنے کے لائق ہو اور امام محمدؒ کہتے ہیں کہ جب کٹ جاوے اور کھلیان لگایا جاوے کذا فی الشامی ولا یحل لصاحب ارض خراجیۃ اکل غلتہا قبل اداء خراجہا اور نہیں حلال خراجی زمین والے کو کہ کھاوے اس کی آمدنی خراج کے ادا سے پہلے م بعضوں نے کہا کہ یہ حکم خراج مقاسمہ کا ہے اس لیے کہ خراج موظف ذمہ پر لازم ہوتا ہے پیداوار سے اس کو علاقہ نہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ خراج وظیفہ بھی ایسا ہی ہے اس لیے کہ امام یعنی حاکم کو حبس کا حق ہے خراج کے ادا کے لیے پس اگر پیداوار کو مالک کھا جاوے تو امام خراج کہاں سے لے کذا فی الذخیرہ طحاوی نے کہا کہ واقعات میں ہے نقلاً عن البزازیۃ کہ پیداوار سے کھانا درست نہیں قبل ادا کرنے خراج کے اور ایسا ہی قبل ادا کرنے عشر کے مگر جب کہ مالک عزم اداء عشر کا رکھتا ہو اور یہ قید مستحسن ہے کذا فی الشامی ولا یاکل من طعام العشر

سلہ اور نمک میں بھی کچھ نہیں کذا فی الشامی والنہایۃ وغیرہ ۱۲

حتی یؤدی العشر وان اکل ضمن عشرہ مجمع الفتاوی اگر کھاوے ماکولات عشریہ سے یہاں تک کہ ادا کرے عشر اور اگر کھاوے گا تو اس کے عشر کا ضامن ہوگا کذافی مجمع الفتاوی م شرح ملتقی میں مضمرات سے منقول ہے کہ اگر دستور کے موافق تھوڑا سا کھالے تو اس پر کچھ نہیں فقیہ ابواللیث نے کہا کہ اسی قول کو ہم لیتے ہیں کذافی الطحطاوی وللامام حبس الخارج للخراج اور امام کو پہنچتا ہے کہ پیداوار کو روک دے واسطے وصول خراج کے ومن منع الخراج سنین لایوخذ لما مضی عندابی حنیفۃ خانیۃ اور جس شخص نے خراج چند سالہ نہ دیا ہو تو گذرے برسوں کا خراج نہ لیا جاوے گا امام صاحب کے نزدیک کذافی الخانیہ م اور یہ مسئلہ کتاب الجہاد کے باب الجزیہ میں مع شے زائد مذکور ہے اور خانیہ کا محمول ہے اس حالت پر کہ مالک زراعت سے عاجز ہو جیسا کہ دوسری عبارت سے خانیہ کی معلوم ہوتا ہے کذافی الشامی مختصراً وفیہامن علیہ عشر اوخراج اذامات اخذ من ترکتہ وفی روایۃ لابل یسقط بالموت والاول ظاہر الروایۃ اور خانیہ میں ہے جس پر عشر یا خراج ہو جب مرجاوے تو اس کے ترکہ سے لیا جاوے اور ایک روایت یہ ہے کہ نہ لیا جاوے بلکہ موت کی جہت سے ساقط ہو جاتا ہے اور اول ظاہر الروایۃ ہے م شامی نے کہا کہ ذخیرہ میں ہے کہ نہیں ساقط ہوتا عشر بسبب مرنے دوسرے شخص کے جس کے ذمہ ہے ظاہر الروایۃ میں اور ابن المبارک نے ابو حنیفہؒ سے روایت کیا ہے کہ ساقط ہو جاتا ہے پھر دو ورقوں کے بعد ہے کہ ساقط ہوتا ہے خراج اس شخص کے مرنے سے جس کے ذمہ خراج ہے جب کہ ہو خراج موظف ظاہر الروایۃ میں اور ابن المبارک نے کہا کہ ساقط ہو جاتا ہے پس معلوم ہوا کہ بنابر دونوں روایتوں کے فرق ہے درمیان عشر و خراج کے اور سقوط میں خراج موظف کی قید لگائی اس سے معلوم ہوا کہ خراج مقاسمہ ساقط نہیں ہوتا مانند عشر کے ظاہر الروایۃ میں انتہی فروع مسائل ملحقہ شارح کے لکن ولم یزرع وجب الخراج دون العشر قادر ہوا زمین کا قابض زراعت پر اور نہ بویا تو خراج واجب ہے نہ عشر م یعنی خراج موظف اور خراج مقاسمہ واجب نہیں ہوتا جیسا پہلے گذر چکا ہے اور مصنف بھی باب العشر والخراج میں ذکر کرے گا کذاقالہ الشامی ویسقطان بہلاک الخارج اور ساقط ہو جاتے ہیں دونوں یعنی عشر اور خراج مقاسمہ پیداوار کے ہلاک ہونے سے لیکن موظف اگر کھیتی کٹنے سے پہلے ہلاک ہو جاوے تو ساقط ہو جاتا ہے اور بعد کٹنے کے نہیں کذاقالہ الحلبی والخراج علی الغاصب ان زرعہا وکان جاحداً ولا بینۃ لربہا اور خراج غاصب کے ذمہ پر ہے اگر بویا ہو زمین مغصوبہ کو اور وہ غصب سے انکار کرتا ہو اور مالک کے پاس گواہ نہ ہوں م خانیہ میں ہے کہ وہ زمین کہ اس کا خراج مقرر ہے کسی شخص نے اس کو غصب کر لیا اور غصب سے منکر ہے اور مالک کے پاس گواہ نہیں اگر غاصب نے اس کو نہیں بویا تو خراج کسی پر نہیں اور اگر غاصب نے بویا اور زراعت سے زمین ناقص نہیں ہوئی تو خراج غاصب پر ہے اور اگر غاصب غصب کا مقر ہو گیا مالک کے پاس گواہ ہوں اور زراعت کی وجہ سے زمین میں کچھ نقصان نہیں آیا تو خراج مالک کے ذمہ ہے اور اگر زمین کو زراعت سے نقصان پہنچا ہو تو امام صاحب کے نزدیک زمین کے مالک پر ہے نقصان تھوڑا ہو یا بہت کیونکہ گویا اس شخص نے زمین کو اجارہ دیا بدلے ضمان نقصان کے غاصب کے ہاتھ اور یہی تفصیل ہے زمین عشری کے غصب میں کذاقالہ الشامی والخراج فی بیع الوفاء علی البائع ان بقی فی یدہ اور بیع بالوفا میں خراج بائع پر ہے اگر زمین اس کے قبضہ میں رہے م بیع بالوفا کا نام بیع الطاعت بھی ہے اس میں شرط ہوتی ہے کہ مبیع بائع کو پھیر دی جاتی ہے جب وہ ثمن مشتری کو پھیر دے اور اس کا بیان آخر کتاب البیوع میں آوے گا انشاء اللہ تعالیٰ ولو باع الزرع ان قبل ادراکہ فالعشر علی المشتری ولو بعدہ فعلی البائع اور اگر کھیتی کو بیچ دیا پس اگر پکنے سے پہلے بیچا تو عشر مشتری پر ہے اور اگر بعد پکنے کے تو بائع پر ہے م اور یہ شامل ہے اس صورت کو کہ کھیتی کو بیچ دیا اور مشتری نے مالک کی اجازت سے پکنے تک بدستور رہنے دیا تو طرفین کے نزدیک عشر مشتری پر ہے اور ابو یوسف کے نزدیک ہری کٹی ہوئی کھیتی کی قیمت کے برابر تو بائع

پر ہے اور باقی مشتری پر یہ حال کھیتی کی بیع کا ہے کذا فی الفتح اور اگر کھیت بدون کھیتی کے بیچا اور مشتری کے سپرد کر دیا اگر اس قدر مدت باقی رہی کہ اس میں کھیتی کر سکتا ہے تو عشر مشتری پر ہے نہیں تو بائع پر اور مدت کے اندازہ کے باب میں فتوی تین مہینے پر ہے اور اگر بیچ دیا مشتری دوسرے کے ہاتھ اس نے تیسرے کے ہاتھ یہاں تک کہ زراعت کا وقت جاتا رہا تو خراج کسی پر لازم نہ ہوگا یعنی کسی کے ہاتھ میں اس قدر مدت نہ رہی کہ زراعت کر سکے دوسرے برس کے آنے تک کذا قالہ الشامی والعشر علی الموجر کخراج موظف وقالا علی المستاجر اور عشر اوپر اجارہ دینے والے کے ہے امام صاحب کے نزدیک جیسا خراج موظف بالاتفاق موجر پر تھا اور کہا ہے صاحبین نے کہ اجارہ لینے والے پر ہے م یعنی اگر زمین کو اجارہ دیا تو عشر امام کے نزدیک موجر پر ہے اجرت میں سے جیسا تاتارخانیہ میں ہے اور صاحبین کے نزدیک مستاجر پر فتح القدیر میں ہے کہ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ عشر کا تعلق پیداوار کے ساتھ ہے اور وہ مستاجر کا ہے اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ زمین کا نماء جیسا زراعت سے ہوتا ہے ویسا ہی اجارہ سے بھی ہوتا ہے تو یہاں اجرت مقصود ہے جیسا پھل تو نما حقیقت میں موجر کے پاس ہے اور وہی مالک بھی ہے تو عشر کے واجب ہونے کے لیے بھی اولی ہے کمستعیر مسلم مانند عاریت لینے والے مسلم کے م یعنی جیسا عاریت کی صورت میں کہ اگر کسی مسلمان نے زمین عاریت لی تو مستعیر کے اوپر خراج ہے اور زفر کے نزدیک عاریت دینے والے پر ہے کیونکہ جب اس کے اپنی طرف سے مستعیر کو بخوشی اپنے قائم مقام کیا تو عشر اسی پر لازم ہوا جیسا موجر کا حال ہے ہم کہتے ہیں کہ موجر نے منفعت زمین کی حاصل کی تو قائم مقام پیداوار کے ہوئی بخلاف معیر کے اور مسلم کی قید اس لیے لگائی کہ اگر ذمی عاریت لے تو عشر معیر پر ہے بالاتفاق کیونکہ اس نے حق فقرا کا عاریت لینے کی وجہ سے کھو دیا کذا فی درر البحار یعنی اس وجہ سے کہ کافر عشر کا اہل نہیں ہے لیکن بدائع میں ہے کہ اگر کافر نے عاریت لی تو صاحبین کے نزدیک عشر اس کے ذمہ لازم ہوگا اور امام صاحب سے دو روایتیں ہیں ایک روایت میں تو ایسا ہی ہے اور ایک روایت میں مالک پر تامل کذا فی الشامی وفی الحاوی بقولہما ناخذ اور حاوی میں ہے کہ صاحبین کے قول کو ہم اخذ کرتے ہیں وفی المزارعۃ ان کان البذر من رب الارض فعلیہ ولو من العامل فعلیہما بالحصۃ اور جو زمین مزارعت پر دی جاوے پس اگر بیج مالک کی طرف سے ہو تو عشر اس پر ہے اور اگر مزارع کی طرف سے ہے تو دونوں پر حصہ رسد ہے م واضح ہو کہ عقد مزارعت اس کو کہتے ہیں کہ زمین اور بیج اور بیل اور کام میں سے کچھ ایک شخص کا ہو اور کچھ دوسرے کا امام اعظم کے نزدیک مزارعت کی سب قسمیں باطل ہیں مگر صاحبین کے نزدیک تین صورتیں جائز ہیں اول یہ کہ زمین اور بیج ایک کے ہوں اور بیل اور کام دوسرے کا دوسرے یہ کہ زمین ایک کی ہو باقی دوسرے کی تیسرے یہ کہ کام ایک کا ذمہ ہو باقی دوسرے کے باقی صورتیں صاحبین کے نزدیک باطل ہیں تو یہ تفصیل جو شارح نے بیان کی ہے نہ تو امام صاحب کے قول پر مبنی ہے نہ صاحبین کے اس لیے کہ امام صاحب کے نزدیک عشر مالک پر ہے خواہ بیج اس کا ہو یا نہ ہو اور صاحبین کے نزدیک دونوں پر ہے حصہ رسد اور یہی مذکور ہے اکثر کتب میں تو شارح کو مناسب تھا کہ اکثر کتب کی متابعت کرتا یہ حال عشر کا ہے اور خراج بالاتفاق مالک پر ہے کذا فی الطحطاوی والشامی ومن لہ حظ فی بیت المال وظفر بما ہو موجہ لہ اخذہ دیانۃ اور جس کا حق بیت المال میں ہو اور وہ خوش اسلوبی سے اس پر قابو پا گیا تو اس کا لے لینا اس کو دیانۃ جائز ہے م شارح کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المال کے حق دار کو پہنچتا ہے لے لینا جہاں سے پاوے اگرچہ اس خاص مد میں سے نہ ہو جو اس کے واسطے مقرر ہے اور یہ علما کے ظاہر کلام کے خلاف ہے ورنہ مدوں کی چار قسمیں کرنے کا کیا فائدہ ہاں امام کو البتہ پہنچتا ہے کہ وقت ضرورت ایک میں سے قرض لے کر دوسرے مصارف میں صرف کرے پھر جو قرض لیا اس کو اس کی جگہ رکھ دے تو یہ مسئلہ البتہ یوں چاہتا ہے کہ دوسری مدیں سے بھی امام کو دے دینا جائز ہے پس مسئلہ مذکورہ میں اگر حقدار کو اپنے حق پر پہنچنا ممکن ہو تو اس مد کے سوا جس میں اس کا حق ہے دوسرے سے لینا درست نہیں مگر ضرورت کے لیے جائز ہے اس لیے

کہ ضرورت میں اگر نہ جائز ہو تو لازم آتا ہے کہ کوئی حق دار فی زماننا اپنے حق کو نہ پہنچے کیونکہ بیت المال کی مدات جدی جدی نہیں ہوتی بلکہ سب مال کو اکٹھا کر دیتے ہیں کذا قالہ الشامی وللمودع صرف ودیعۃ مات ربہا ولا وارث لنفسہ اوغیرہ من المصارف اور جس شخص نے کسی کی ودیعت رکھی پھر مالک مرگیا اور کوئی وارث نہیں تو اس کو اپنے نفس پر یا اپنے سوا کسی اور پر صرف کرنا جائز ہے اگر مصرف ہوں م امام حلوانی نے کہا کہ جب کسی کے پاس ودیعت رکھی ہو اور جس نے ودیعت رکھوائی تھی یعنی مالک بلا وارث مرگیا ہو تو ودیعت رکھنے والے کو اپنی ذات پر خرچ کرنا فی زماننا جائز ہے اس لیے کہ اگر اس کو بیت المال میں دے دے گا تو ضائع ہوگی کہ بیت المال والے مصارف میں صرف نہیں کرتے پس اگر یہ شخص مصرف زکوۃ کا ہے تو اپنی ذات پر صرف کرے اور اگر مصارف صدقات سے نہیں تو اور کسی پر جو مصرف ہو صرف کرے کذا فی الشامی ودفع النائبۃ والظلم عن نفسہ اولی الا اذا تحمل حصتہ باقیہم دفع کرنا تاوان اور ظلم کا اپنے نفس سے بہتر ہے مگر اس صورت میں کہ اس کا حصہ باقی جماعت پر پڑے م نائبہ وہ جو بادشاہ کی طرف سے لازم ہو حق یا ناحق جیسا قنیہ میں ہے منقول عن البزدوی اور مراد یہاں وہ ہے جو ناحق ہو اس واسطے کہ ظلم کو بطور عطف تفسیری کے ذکر کیا اور اس میں یہ بھی ہے کہ شمس الائمہ سرخسی سے منقول ہے کہ اگر کسی جماعت پر کوئی چٹی ناحق لگائی جاوے تو بعض کو ان میں سے پہنچتا ہے کہ اپنی ذات پر سے اس کو دفع کرے جس صورت میں کہ اس کا حصہ باقیوں پر نہ لگایا جاوے ورنہ بہتر یہ ہے کہ اپنی ذات پر سے نہ دفع کرے کذا قالہ الشامی وتصح الکفالۃ بہا اور نائبہ کی کفالت جائز ہے م نائبہ کی دو قسمیں ہیں ایک حق ایک ناحق قسم اول جیسے نہر کھدوانا عوام کی منفعت کے لیے اور محلہ کے چوکیدار کی اجرت اور لشکر کو سامان دینے کے لیے امام جو مقرر کرتا ہے اور مسلمان قیدی جو کفار کے ہاتھ میں اسیر ہیں ان کا چھڑانا تو اگر ان اشیاء کی ضرورت ہو اور بیت المال میں کچھ نہ ہو اور لوگوں پر اس کو حصہ رسد بانٹ دیا جائے تو اس قسم کے نائبہ کی کفالت بالاتفاق جائز ہے دوسری قسم جو ناحق ہے جیسے اس زمانہ کے تاوان پس یہ بھی مطالبہ میں مانند اور دیون کے ہے اور صحت کفالت کے معنی نائبہ کے حق میں یہ ہیں کہ کفیل نے جب اس کے امر سے کفالت کی اور روپیہ دے دیا تو مطالبہ اپنے روپیہ کا اس سے کر سکتا ہے نہ یہ کہ ظالم کو حق مطالبہ کا کفیل سے ثابت ہو جائے کذا قالہ الشامی ویوجر من قام بتوزیعہا بالعدل وان کان الاخذ باطلا اور ثواب پاتا ہے وہ شخص جو نائبہ کی تقسیم کرے انصاف کی رو سے اگرچہ لینا باطل اور ناحق ہو م یعنی ہر ایک پر بقدر اس کی طاقت کے تقسیم کر دے اس لیے کہ اگر اس کی تقسیم ظالم کے حوالہ ہوگی تو بہتیرے غربا کے ذمہ بے طاقت سے زیادہ لگا دے گا تو یہ ظلم بر ظلم ہوگا اگر کوئی شخص انصاف سے اس کو تقسیم کر دے تو ظلم میں کمی ہو جاوے گی اسی واسطے اس کو اجر ہوگا اور ایسا آدمی فی زماننا مثل اکسیر کے ہے قالہ الشامی وہذا یعرف ولا یعرف کفا لمادۃ الظلم اور یہ مسئلہ سیکھا جاوے اور نہ بتلایا جاوے واسطے روکنے مادہ فساد کے م مشار الیہ کلام مبین مذکور نہیں اور اس کی اصل قنیہ میں ہے اس طرح کہ کہا ابو جعفر بلخی نے جو لگاتا ہے بادشاہ رعیت پر ان کی مصلحت کے لیے ہو جاتا ہے دین واجب اور حق مستحق مثل خراج کے اور ہمارے مشائخ نے کہا کہ جو کچھ امام مقرر کر دے لوگوں پر ان کی مصلحت کے لیے ان سب کا یہی حکم ہے یہاں تک کہ محافظوں کو رستوں پر معین کرنا اور چوری کی انسداد کے لیے چوکیدار مقرر کرنے اور در پھاٹک لگانے اور کوچہ بندی کرنے اور یہ امر اب معلوم کر لینا چاہیے اور بتلانا نہ چاہیے فتنہ کے خوف سے یعنی تاکہ حکام کو جرات زیادہ ستانی پر نہ ہو میں کہتا ہوں کہ اس میں اتنی قید اور چاہیے کہ یہ اس صورت میں ہے کہ بیت المال میں اس قدر روپیہ نہ ہو کہ اس کام کے لیے کافی ہو جیسا باب الجہاد میں آوے گا انشاء اللہ تعالی کذا قال الشامی ویجوز ترک الخراج للمالک لا العشر اور جائز ہے چھوڑ دینا خراج کا مالک کو نہ عشر کا م باب الجہاد میں متن اور شرح میں مذکور ہے کہ اگر بادشاہ یا نائب اس کا خراج چھوڑ دے زمین والے کو یا بخش دے اگرچہ سفارش ہی سے ہو تو جائز ہے ابو یوسف کے نزدیک اور مالک کو حلال ہے اگر مصرف ہو ورنہ اس کو تصدق کر دے اسی پر فتوی ہے اور حاوی

میں جو راجح کر کے بیان کیا ہے کہ اگر مصرف نہ ہو تب بھی حلال ہے مگر یہ مشہور کے خلاف ہے اور اگر عشر کو چھوڑ دے تو بالاجماع نہیں جائز ہے
اور خود اس کو فقیروں کو دے دے کذا فی السراج دیکھی تماما مع بیان بیوت المال ومصارفہا فی الجہاد ونظمہا ابن الشحنۃ فقال اور اس کا بیان
مع بیت المال کے اقسام اور مصارف کے کتاب الجہاد میں آوے گا اور اس کو محمد بن شحنہ نے نظم کیا ہے اور کہا ہے ؎ بیوت المال اربعۃ لکل
مصارف بینتہا العالمون ؛؛ بیت المال چار قسم ہے ہر ایک کے لیے مصرف جداگانہ ہے کہ ان کو علما نے بیان کیا ہے م شرنبلالی نے اپنے رسالہ میں
ذکر کیا ہے کہ علما نے کہا ہے کہ امام کو چاہیے کہ ہر قسم کا بیت المال جدا رکھے اور آپس میں ایک دوسرے کو نہ ملاوے اور جب امام کو کسی مصرف کی ضرورت
ہو اور اس مصرف کے خزانہ میں اس قدر نہ ہو جو اس کام کو پورا کر سکے تو دوسرے بیت المال سے قرض لے کر کارروائی کرے پھر جب اس مصرف کا مال
آجاوے تو جس جگہ سے وہ مال قرض لیا اس کو ادا کرے مگر جس صورت میں کہ مال صدقہ کا ہو یا غنیمت کا خمس اور اگر اس کو خراج والوں پر صرف کیا ہو اور
وہ فقیر ہوں تو کچھ پھیرنا نہ چاہیے کیونکہ فقیر ہونے کی جہت سے وہ مستحق صدقہ کے ہیں کذا قالہ الشامی ؎ فاولہا الغنائم والکنوز ؛؛ رکاز بعدہا المتصدقون
چار قسموں میں کا پہلا بیت المال الغنائم والکنوز والرکاز ہے اور اس کو بیت مال الخمس والمعادن والرکاز کہتے ہیں اور رکاز میں الف لام اور عاطف
ضرورت شعری کی جہت سے حذف کیا گیا اور بعد اس کے بیت مال المتصدقین ہے یہ دوسرا بیت المال ہے اور بہتر یہ تھا کہ بعدہ کہتا کیونکہ اول کی طرف
ضمیر پھرتی ہے مگر یوں کہا جاوے کہ اولہا کا مضاف الیہ مونث ہے اس جہت سے گویا اول نے تانیث کا اکتساب مضاف الیہ سے کیا یا یہ کہ ضمیر غنائم وغیرہ
کی طرف پھیری جاوے حاصل یہ کہ دوسرا بیت اموال المتصدقین ہے یعنی زکوٰۃ سوائم کی اور اراضی کا عشر اور جو عاشر مسلمان تاجروں سے لیتا ہے کذا فی
الشامی نقلا عن البدائع ؎ وثالثہا خراج مع عشور ؛؛ وجالیۃ یلیہا العاملون ؛؛ اور تیسرا خراج ہے مع عشر بنی تغلب وغیرہم کے اور جزیہ کہ متولی ہوتے
ہیں اس کے کارپرداز حاکم کے م بدائع میں کہا کہ تیسرا زمینوں کا خراج اور جزیہ جو فی کس مقرر کیا جاتا ہے اور جو بنی نجران سے کپڑوں پر صلح واقع ہوئی
تھی اور جو صدقہ مضاعف کہ بنی تغلب پر بصلح قرار پایا تھا اور وہ جو عاشر ذمی تاجروں سے لیتے ہیں یا حربی مستامن سے اور شرنبلالی نے اپنے رسالہ
میں زیلعی سے یہ زیادہ کیا ہے کہ ہدیہ حربیوں کا اور جو ان سے بغیر قتال کے لیا جاوے یا کچھ بسبب مصالحہ واسطے ترک قتال کے لیا جاوے پہلے
اس سے کہ لشکر کی ان پر چڑھائی ہو پس عشور سے مراد وہ ہے جو اہل ذمہ اور مستامنوں سے لیا جاتا ہے اس قرینہ سے کہ خراج کے ساتھ ذکر کیا ہے
اور وہ عشر جو مسلمانوں سے لیا جاتا ہے اس کا ذکر زکوٰۃ کے ساتھ میں آچکا دوسری قسم میں اور جالیہ اہل ذمہ ہیں کیونکہ حضرت عمرؓ نے ان کو عرب سے
جلاوطن کر دیا تھا پھر عرف میں جزیہ کو کہنے لگے ؎ ورابعہا الضوائع مثل مالا ؛؛ یکون لہ اناس وارثون ؛؛ اور چوتھا بیت المال ضوائع یعنی لقطوں کا ہے
مانند ان اشیا کے کہ نہ ہو اس کا کوئی وارث م ضوائع جمع ضالہ کی ہے لفظ وقولہ مثل مالا الخ یعنی مانند اس ترکہ کے جس کا کوئی وارث بالکل نہ ہو یا
ہو لیکن اس پر رد نہ ہو سکتا ہو جیسے زوجین میں سے کوئی سا ہو اور ظاہر یہ ہے کہ مالایکون بحذف حرف عطف معطوف کہیں ضوائع پر اس واسطے کہ
شرنبلالی نے دیت مقتول کی کہ اس کا کوئی ولی نہ ہو بھی اسی قسم میں شامل کی ہے اور دیت منجملہ ترکہ مقتول کے ہے اور اسی وجہ سے اس کا دین اس
میں سے ادا کیا جاتا ہے کذا قالہ الشامی ؎ فمصرف الاولین اتی بنص ؛؛ وثالثہا حواہ مقاتلون ؛؛ پس مصرف دونوں پہلی قسموں کا منصوص ہے
قرآن شریف مصرف الاولین میں حرکت ہمزہ کی نقل کر کے لام کو دی واسطے ضرورت وزن کے یعنی مصرف قسم اول کا کہ بیت الخمس ہے مذکور ہے
آیۂ واعلموا انما غنمتم من شئی میں اور اس کا بیان جہاد میں آوے گا اور مصرف دوسری قسم کا یعنی بیت الصدقات کا مذکور ہے آیہ انما الصدقات
للفقراء الخ میں اور اس کا بیان عنقریب آتا ہے اور تیسری قسم یعنی خراج الاراضی وغیرہ لیتے ہیں اس کو مقاتل ؎ ورابعہا فمصرفہ جہات ؛؛ تساوی النفع فیہا المسلمون

ا؎ اور جان لو کہ جو کچھ تم غنیمت میں پاؤ تو اللہ کے لیے ہے اس کا خمس اور رسول کے لیے الخ ۱۲

اور چوتھی قسم کا مصرف وُہ صورتیں ہیں جن میں نفع سب مسلمانوں کو پہنچتا ہے م یہ موافق ہے اس کے جو ابن ضیاء نے شرح غزنویہ میں بزدوی سے نقل کیا ہے یعنی یہ کہ صرف کیا جاوے مسلمانوں کے منافع میں مثل تعمیر پلوں اور رباط اور مساجد اور ثغور یعنی اعدا کے روکنے کے درہ اور قاضیوں اور علما کے روزینے اور مجاہدوں کی قوت اور ان سب کی اولاد کی قوت میں اور جو اس کے مشابہ ہوں لیکن مخالف ہے اس کے جو ہدایہ اور زیلعی میں ہے یعنی ہدایہ اور اکثر کتب میں یہ ہے کہ جو مصالح مسلمین میں صرف ہوتا ہے وُہ تیسری قسم کا ہے اور چوتھے کا مصرف جو مشہور ہے وُہ یہ ہے کہ لقیط جو فقیر ہو اور فقرا جن کا کوئی ولی نہ ہو اس قسم سے ان کا نفقہ اور دوا اور کفن اور جنایت کا عوض خرچ کیا جاوے جیسا زیلعی وغیرہ میں ہے حاصل یہ ہے کہ اس کا مصرف عاجز فقرا ہیں پس اگر ناظم رابع کو ثالث کی جگہ رکھتا یعنی ورابعها حواه عاجزون وثالثها مصرفه جهات کہتا تو اکثر کتابوں کے موافق ہوتا کذا قالہ الشامی

باب المصرف

ای مصرف الزکوٰۃ والعشر یہ باب ہے مصرف زکوۃ اور عشر کے خرچ کے مواقعوں کے بیان میں م سابق گذر چکا کہ عشر سے مراد منسوب الی العشر ہے یعنی عشر اور نصف عشر اور ربع العشر قہستانی میں ہے کہ جو مصرف عشر کا ہے وہی مصرف صدقہ فطر اور کفارہ اور نذر اور واجب صدقوں کا ہے واما خمس المعدن فمصرفه كالغنائم اور معدن کے خمس کا مصرف مانند غنیمت کے ہے م یہ جملہ اقتصار زکوۃ وعشر کی وجہ کی طرف اشارہ ہے یعنی خمس معدن کا ذکر کرنا اس جگہ مناسب نہیں اگرچہ عنایہ اور معراج میں ذکر کیا ہے اور اولی یہ تھا کہ شارح خمس الرکاز کہتا تاکہ کنز کو بھی شامل ہوتا کیونکہ مصرف میں کنز بھی مثل معدن کے ہے کذا فی الشامی ہو فقیر وهو من له ادنی شئی ایک مصرف زکوۃ وعشر کا فقیر ہے اور فقیر وُہ ہے جس کے پاس تھوڑا مال ہے م فقیر کو مقدم کیا آیت شریف کے اتباع سے اور اس لیے کہ فقیر شرط ہے جمیع اقسام میں سوائے عامل اور مکاتب اور مسافر کے اور شے سے مراد نصاب نامی ہے اور ادنی سے مراد اس سے کم اور ظاہر یہ تھا کہ کہتا لا یملک نصابا ناميا لیکن چونکہ تمیز فقیر اور مسکین میں مقصود ہے نہ غنی ہیں اور فقیر ہیں اور مسکین کے معنی یہ ہیں کہ اس کے پاس کچھ نہ ہو تو اس کے مقابلے کی جہت سے فقیر کے یہ معنی ہوئے کہ اس کے پاس کچھ مال ہو کذا فی الشامی مختصراً ای دون نصاب او قدر نصاب غير نام مستغرق فی الحاجۃ یعنی کم ہو نصاب نامی سے یا غیر نامی نصاب کے برابر ہو اور حاجت میں مشغول ہو م حاجت میں مشغول جیسے رہنے کا گھر اور خدمت کا غلام اور پہننے کے کپڑے اور اپنے پیشہ کے آلات اور کتابیں جس کو ان کی ضرورت ہو پڑھانے میں یا یاد کرنے میں یا تصحیح میں جیسا زکوۃ کے شروع میں بیان اس کا گذرا پس اگر یہ چیزیں مستغرق بالحاجۃ ہیں تو ملک کو مباح ہے زکوۃ کا لینا نہیں تو حرام ہے بلکہ اس شخص پر زکوۃ کے سوا اور حقوق لازم ہوں گے یعنی صدقۃ الفطر اور قربانی اور اپنے قریب محرم کا نفقہ کذا فی البحر وغیرہ ومسکين من لا شئی له على المذهب دوسرا مصرف زکوۃ وعشر کا مسکین ہے یعنی وُہ شخص جس کے پاس کچھ نہ ہو بنا بر مذہب صحیح م یعنی مذہب یہ ہے کہ مسکین زیادہ تنگ حال ہے فقیر سے اور بعض نے اس کے برعکس کہا ہے لیکن پہلا اصح ہے کذا فی البحر اور یہی قول ہے اکثر سلف کا اور عطف سے مفہوم ہوا کہ فقیر اور مسکین دو صنفیں ہیں مصارف کی اور یہی امام صاحب کا قول ہے اور امام ابو یوسف نے کہا کہ یہ دونوں ایک ہی صنف ہیں کذا فی الشامی عن النہر لقوله تعالى او مسكينا ذا متربۃ بدلیل قول حق سبحانہ تعالیٰ کے یا مسکین خاک میں ملا م یعنی اپنی جلد مٹی میں گڑھا کھود کر چھپا رکھی ہے کہ قائم مقام ازار کے ہو ازار نہ ہونے کی جہت سے یا اپنے پیٹ کو زمین سے لگا رکھا ہے بھوک کی شدت سے اور آیت شریف سے استدلال اس بات پر موقوف ہے کہ ذا متربہ صفت کاشفہ ہے احترازی نہیں ہے اور اکثر اس کے مخالف ہیں باقی فتح القدیر میں مذکور ہے وآیۃ السفینۃ للترحم اور آیۃ سفینہ میں مساکین کا اطلاق واسطے ترحم کے ہے م جو لوگ فقیر کو زیادہ تنگ حال کہتے ہیں ہے آیۃ اما السفينۃ فكانت

لہ یعنی انما الصدقات للفقراء الآیہ میں اول فقرا مذکور ہیں ۱۲ سلہ یعنی فقیر وہ ہے جو مالک نصاب نامی کا نہ ہو ۱۲ سلہ وہ کشتی مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کرتے تھے ۱۲

لمساکین یعملون فی البحر سے استدلال کرتے ہیں کہ ان کے پاس کشتی تھی پھر ان کو مساکین فرمایا اس کا جواب دیا کہ ان کو مساکین ترحماً کہا ہے اور دوسرا جواب بھی دیا گیا ہے کہ وہ کشتی ان کی ملک نہ تھی بلکہ وہ مزدور تھے یا بالعاریت تھی کذافی الفتح اس صورت میں لام واسطے اختصاص کے ہوا نہ واسطے ملک کے کذافی الشامی وعامل یعم الساعی والعاشر تیسری صنف مصرف کی عامل ہے یہ عام ہے ساعی اور عاشر کو ساعی وہ کہ قبائل میں سوائم کا صدقہ لینے کو جاوے اور عاشر وہ جو امام نے عشر وغیرہ لینے کو سڑک پر معین کیا ہو فیعطی ولو غنیا لاہاشمیا لانہ فرغ نفسہ لہذا العمل فیحتاج الی الکفایۃ والغنی لایمنع من تناولہا عندالحاجۃ کابن السبیل بحر عن البدائع سو عامل کو زکوۃ کے مال میں سے دیا جاوے اگرچہ غنی ہو لیکن ہاشمی نہ ہو اس لیئے کہ اس نے اپنی ذات کو اسی کام میں لگا دیا پس اس کو ضرورت ہے خرچ کی کہ اس کو کافی ہو اور غنی کو ضرورت کے وقت اس کی ممانعت نہیں ہے جیسے مسافر کذافی البحر نقلاً عن البدائع م یعنی عامل اپنے عمل کی اجرت لیتا ہے اس لیے اگر زکوۃ ادا کرنے والے امام کو خود ادا کریں تو عامل کو کچھ نہیں ملے گا اور اگر ہلاک ہو جاوے گا سب مال عامل کا جمع کیا ہوا تب بھی عامل کو کچھ نہ ملے گا لیکن اس میں شبہہ صدقہ ہونے کا ہے بدلیل ساقط ہونے زکوۃ کے مال والوں کے ذمہ سے سو اس جہت سے عامل ہاشمی کو لینا حلال نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کو میل کے شبہہ سے بھی بچانا چاہیے اور غنی کو حلال ہے کیونکہ غنی ہاشمی کے رتبے قرابت کو نہیں پہنچا تو اس کے حق میں شبہہ معتبر نہ ہوا زیلعی علاوہ بریں عامل ہاشمی کو لینے سے ممانعت صریح حدیث میں موجود ہے اور نہایہ میں ہے کہ اگر عامل ہاشمی صدقات کے لینے کے واسطے مقرر کیا جاوے اور اس کو اس میں سے روزینہ دلایا تو اس کو لینا نہیں چاہیے اور اگر وہ یہ کام کرے اور روزینہ دوسری جگہ سے دیا جاوے تو کچھ مضائقہ نہیں بحر میں کہا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ اس کو اس کام پر مقرر کرنا درست ہے اور اس کو اجرت صدقات سے لینا مکروہ ہے نہ حرام الخ مراد کراہت تحریم ہے کیونکہ علما اس کو لایحل سے تعبیر کرتے ہیں کذاقالہ الشامی وبہذا التعلیل لقوی مانسب للواقعات من ان طالب العلم یجوزلہ اخذ الزکوۃ ولو غنیا اذا فرغ نفسہ لافادۃ العلم واستفادتہ لعجزہ عن الکسب والحاجۃ داعیۃ الی مالابدمنہ کذا ذکرہ المصنف اور اس توجیہ کے بیان سے قوی ہوتی ہے وہ روایت جو منسوب ہے واقعات کی طرف کہ علم شرعی کے طالب کو زکوۃ لینا جائز ہے اگرچہ غنی ہو جب اپنے آپ کو لگا دے پڑھنے پڑھانے میں کیونکہ مشغولی کی جہت سے وہ کسب سے عاجز ہے اور حاجت ضروریات کی طرف ہوتی ہی ہے یہی ذکر کیا ہے مصنف نے م یعنی انسان کو بہت سی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اگر زکوۃ لینا اس کو جائز نہ ہو اور کسب کی فرصت نہیں تو جو اس کے پاس ہو وہ فنا ہو جائے گا پھر وہ محتاج ہو جائے گا اور تعلیم اور تعلم سے باز رہے گا پھر ذہن سست ہو جاویگا اور یہ خاص مسئلہ مخالف ہے اس کے جو علما نے غنی کو زکوۃ لینا مطلقاً حرام کہا ہے اور اس مسئلہ پر کسی نے اعتماد نہیں کیا ہے کذاقالہ الطحطاوی شامی نے کہا کہ قول طحطاوی کا ٹھیک ہے اور بہتر ہے کہ طالب علم کو فقیر کی قید کے ساتھ مقید کریں اور طالب علم فقیر کو مال زکوۃ وغیرہ کے سوال کے لیے اجازت و رخصت دی جاوے گرچہ وہ شخص کسب پر قادر ہو بقدر عملہ مایکفیہ واعوانہ بالوسط یعنی عامل کو اجرت دی جاوے اس کے عمل کے موافق اس قدر کہ اس کو اور اس کے عملہ کو کفایت کرے اوسط مرتبہ پر م اس لیے کہ خواہش نفسانی کا اتباع کھانے پینے میں حرام ہے کیونکہ اسراف ہے اور امام کے ذمہ ہے کہ ایسے آدمی کو بھیجے کہ جو اوسط پر راضی ہوئے لکن لایزاد علی نصف مایقبضہ لیکن زر مقبوضہ کے آدھے سے زیادہ نہ دیا جاوے م یعنی اگر قدر کفایت تمام مال زکوۃ کو مستغرق ہو تو نصف سے زیادہ نہ دلویں اس لیے کہ تنصیف عین انصاف ہے کذافی البحر ومکاتب لغیر ہاشمی چوتھا مصرف زکوۃ کا مکاتب ہے کہ ہاشمی کا مکاتب نہ ہو م کیونکہ جب ہاشمی کے آزاد کیے ہوئے غلام کو زکوۃ کا مال دینا درست نہیں تو مکاتب میں تو کچھ عبدیت باقی ہے اس کو بطریق اولیٰ دینا جائز نہیں اور مکاتب کو زکوۃ کا مال لینا جائز ہے اگرچہ غنی کا مکاتب ہو یا مکاتب کے پاس اس قدر مال جمع ہو گیا ہو کہ اس کی بدل کتابت کے سوا جو زائد ہو وہ نصاب کو پہنچے کذافی الشامی ولو عجز حل لمولاہ ولو غنیا اور اگر مکاتب عاجز ہو جاوے تو مال زکوۃ کا جو مکاتب کے پاس ہے اس کے مولیٰ کو حلال

ہے اگرچہ مولیٰ غنی ہو م اس لیے مولیٰ کی ملک میں جب آیا کہ پہلے مکاتب کی ملک میں آچکا ہو اس واسطے کہ مکاتب کو تصرف آزادانہ حاصل ہے اور ملک کے تبدیل سے احکام بدل جاتے ہیں حضرت نے فرمایا لہا[1] صدقۃ ولنا ہدیۃ کذا فی الشامی کفقیر استغنی وابن سبیل وصل لمالہ جس طرح حلال ہے فقیر کو کہ غنی ہو جاوے یا مسافر کو کہ اپنے مال تک پہنچ جاوے م یعنی اگر فقیر کے پاس مال زکوٰۃ کا باقی ہو اور پھر اس کو غنیٰ حاصل ہو تو جو مال اس کے پاس موجود ہو اس کو حلال ہے کیونکہ اعتبار فقر و غنا کا ادا کے وقت ہے اور وقت ادا کے وُہ فقیر تھا اور ایسا ہی مسافر کذا فی الشامی وسکت عن المؤلفۃ قلوبہم لسقوطہم اما بزوال العلۃ اور سکوت کیا مصنف نے مؤلفۃ القلوب کے حال سے کیونکہ وُہ ساقط ہو گئے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں بالجماع صحابہؓ یا تو اس جہت سے کہ وجہ ان کے دینے کی نہ رہی م مولفۃ القلوب وُہ لوگ ہیں ان کی خاطرداری سے مال صدقہ ان کو ملتا تھا اور وُہ تین قسم تھے ایک قسم کفار تھے حضرت ان کو اس وجہ سے عطا فرماتے تھے تاکہ ایمان لے آویں اور ایک قسم ایسے تھے کہ دفع ایذا کے لیے ان کو دیتے تھے اور ایک قسم اسلام لائے تھے لیکن ضعیف الایمان تھے حضرت ان کو اس لیے دیتے تھے کہ ایمان پر ثابت رہیں غرض کہ ان لوگوں کو دینا اسلام کی عزت و غلبہ کے لیے تھا تو جب ایمان رفتہ رفتہ زور پکڑ گیا تو ان کے دینے کی حاجت بھی نہ رہی کذا فی الشامی او نسخ بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لمعاذ فی آخر الامر خذہا من اغنیاءہم ورد ہا فی فقرائہم یا اس جہت سے کہ مؤلفۃ القلوب کو دینا منسوخ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے معاذ بن جبلؓ کو آخر امر میں کہ لے صدقہ ان کے اغنیا سے اور دے ان کے فقیروں کو م الفاظ اس حدیث شریف کے جیسا فتح میں صحاح ستہ سے منقول ہیں یہ ہیں فاعلمہم ان اللہ فرض علیہم صدقۃ تؤخذ من اغنیائہم فترد علی فقرائہم الخ اور جن لفظوں سے کہ شارح نے بہ تبعیت ہدایہ نقل کیا ہے سو حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ میں نے کسی مسند میں نہیں دیکھا الحاصل چونکہ ضمیر فقرائہم کی مسلمین کی طرف پھرتی ہے تو مؤلفۃ القلوب میں سے کفار کو یا اغنیا کو نہ دینا چاہیے اور یہ حدیث اجماع کی سند ہے پس نسخ حضرت کی حیات میں حدیث مذکور سے ہوا جس کو اہل اجماع نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تو اس کا ثبوت صحابہ کی نسبت قطعی ہوا کہ کتاب اللہ کے ناسخ ہو سکے اور بحر میں اجماع کی سند اس آیت کو لکھا ہے جس کو حضرت عمرؓ نے وقت انعقاد اجماع کے پیش کیا تھا قل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر اور اجماع کو ناسخ نہیں ٹھہرایا اس واسطے کہ بموجب صحیح مذہب کے نسخ نہیں ہوتا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اور اجماع نہیں ہوتا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جیسا مصنف نے اس کو منح میں ذکر کیا ہے قال الشامی ومدیون لا یملک نصابا فاضلا عن دینہ پانچواں مصرف زکوٰۃ کا مدیون ہے کہ اس کے پاس دین کی مقدار سے زیادہ اس قدر مال نہ ہو کہ نصاب کو پہنچے م شامی نے کہا کہ آیت شریف میں جو غارم کا ذکر ہے اس سے مراد مدیون ہے وفی الظہیریۃ الدفع للمدیون اولی من الفقیر اور ظہیریہ میں ہے کہ مدیون کو دینا فقیر کی نسبت زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس کو احتیاج زیادہ ہے وفی سبیل اللہ وہو منقطع الغزاۃ چھٹا مصرف زکوٰۃ کا خدا کی راہ میں صرف کرنا یعنی جو غازی لشکر اسلام سے نہیں مل سکتے فقر کی جہت سے یا نفقہ جاتے رہنے سے یا سواری وغیرہ کم ہونے سے تو ان کو صدقہ لینا حلال ہے اگرچہ وُہ کسب کر سکتے ہوں اس لیے کہ اگر کسب میں مشغول ہوں گے تو جہاد سے رہ جائیں گے کذا فی قہستانی وقیل الحاج اور ایک قول یہ ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد منقطع الحاج ہے یعنی جو لوگ کسی وجہ سے قافلہ میں نہیں مل سکے اور حاج اگرچہ مفرد ہے لیکن بمعنی حجاج ہے اور یہ قول امام محمد کا ہے اور پہلا قول امام ابو یوسف کا اور مصنف نے اس کو اختیار کیا ہے کنز کے اتباع سے غایۃ البیان میں ہے کہ یہی اظہر ہے اور اسبیجابی نے کہا کہ یہی صحیح ہے وقیل طلبۃ العلم اور کہا گیا ہے کہ مراد فی سبیل اللہ طالب علم ہیں کذا فی الظہیریۃ والمرغینانی وفسرہ فی البدائع بجمیع القرب

[1] یعنی بریرہؓ کے حق میں صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے یہ اس وقت فرمایا تھا کہ بریرہ نے صدقہ میں سے جو ملا تھا کچھ کھانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تھا ۱۲ [2] پھر ان کو خبردار کر دے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے کہ لیا جاوے ان کے تونگروں سے پھر دیا جاوے ان کے فقیروں کو الحدیث ۱۲ [3] کہہ کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے پس جو چاہے ایمان لائے

اور بدائع میں فی سبیل اللہ کی تفسیر کی ہے کل تقربات اور خیرات سے سو داخل ہے اس میں ہر شخص کہ خدائے تعالیٰ کی طاعت میں اور سبیل خیرات میں سعی کرے بشرطیکہ محتاج ہو کذا فی الشامی وثمرۃ الاختلاف فی نحو الاوقاف اور اختلاف کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے اوقاف وغیرہ میں م یعنی اختلاف حکم میں نہیں اس لیے کہ بشرط احتیاج ان سب کو دینا جائز ہے خواہ غازی ہو خواہ حاجی خواہ طالب علم مگر اختلاف لفظی ہے کہ اگر کوئی وقف کرے فی سبیل اللہ یا وصیت کرے یا نذر کرے تو کیا مراد ہونی چاہیے کذا فی الشامی بتصرف وابن السبیل وہو کل من لہ مال لا معہ ساتواں مصرف مسافر ہے یعنی وہ شخص کہ اس کی ملک میں مال ہے لیکن اس کے ساتھ نہیں م یعنی وہ شخص مسافر ہو یا اپنے وطن میں اس طرح ہو کہ اس کا قرضہ لوگوں کے ذمہ ہو اور اس کے لینے پر قادر نہ ہو کما فی النہر عن النقایہ اور فتح القدیر میں کہا ہے کہ ابن السبیل کو قدر حاجت سے زیادہ لینا جائز نہیں اور اولیٰ یہ ہے کہ قرض لے لے اگر قدرت ہو لیکن لازم نہیں اور نہ بیچے ہوئے کا صدقہ کرنا واجب ہے جب اس کو اپنے مال پر قدرت ہو بخلاف فقیر کے کہ اس کو حاجت سے زیادہ لینا بھی درست ہے قالہ الشامی ومنہ مالو کان مالہ مؤجلا او علی غائب او معسر او جاحد ولو لہ بینۃ فی الاصح اور اسی قسم میں شامل ہے اگر ہو اس کے پاس مال اُدھار یا کسی شخص غائب کے ذمہ یعنی اگرچہ نقد ہی ہو یا مفلس پر یا منکر پر اگرچہ اس کے پاس گواہ بھی ہوں اصح روایت پر م یعنی اگر مال موجل ہو اور اس کو نفقہ کی ضرورت ہو تو بقدر کفایت اس مدت مقررہ کے لیے زکوٰۃ کا لینا جائز ہے کذا فی النہر عن النہایۃ اور اگر مفلس پر اس کا دین آتا ہے تو اصح اقوال میں زکوٰۃ لینا جائز ہے کیونکہ بمنزلہ مسافر کے ہے اور اگر مدیون اقرار کرتا ہو لیکن انکار ہو تو نہیں جائز کما فی الخانیہ اور فتح القدیر میں ہے کہ اگر کوئی عورت فقیرہ کہ اس کا مہر اس کے خاوند کے ذمہ بقدر نصاب آتا ہے اور خاوند مالدار ہے اس طرح کہ اگر عورت مانگے تو دے دے تو عورت کو زکوٰۃ لینی جائز نہیں اور اگر جانے کہ مانگنے پر نہ دے گا تو جائز ہے بحر میں کہا کہ مہر سے مراد مہر معجل ہے اور اخذ زکوٰۃ سے مانع نہیں کذا قالہ الشامی والباقی فیصرف المزکی الی کلہم اوالی بعضہم ولو واحدا من ای صنف کان زکوٰۃ دینے والے کو اختیار ہے کہ زکوٰۃ ان سب اقسام میں صرف کرے یا بعض میں اگرچہ ایک ہی شخص ہو کسی قسم کا لان ال الجنسیۃ تبطل الجمعیۃ اس لیے کہ الف لام جنسی جمع کے معنوں کو کھو دیتا ہے م چلپی نے کہا کہ یہ علت ہے ایک فرد پر اقتصار کرنے کی اقسام سبعہ مذکورہ میں سے لیکن جمیع اقسام سے بعض اقسام پر اقتصار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مراد آیۃ شریف میں بیان ان اصناف کا ہے جن کو دینا جائز ہے نہ ان کی تعیین کذا فی البحر وشرط الشافعی ثلثۃ من کل صنف اور امام شافعی نے شرط کیا ہے کہ مزکی ہر قسم میں سے تین تین شخصوں کو دیوے ویشترط ان یکون الصرف تملیکا لا اباحۃ کما مر اور شرط ہے کہ دینا زکوٰۃ کا بطور تملیک کے ہو نہ بطور اباحت کے جیسا گذرا اول کتاب الزکوٰۃ میں اور فرق تملیک واباحت میں مترجم نے اس جگہ بیان کیا ہے لا یصرف الی بناء نحو مسجد خرچ نہ کرے زکوٰۃ مسجد وغیرہ کی بنا میں م مثل مسجد سے مراد پل اور سبیل اور سڑک اور سرا اور حج اور جہاد اور جو اس قسم کی چیزیں ہوں کہ جس میں تملیک وغیرہ نہ ہو کذا قالہ الشامی عن الزیلعی ولا الی کفن میت اور نہ خرچ کرے میت کے کفن میں م اس لیے کہ میت میں مضمون تملیک کا نہیں بن سکتا اسی واسطے اگر میت کو کوئی درندہ کھا جاوے تو کفن کفن دینے والے کا ہوگا نہ وارث کا کذا فی النہر وقضاء دینہ اور میت کے دین کے ادا کرنے میں نہ صرف کرے م اس واسطے کہ زندہ کا دین ادا کرنا مدیون کی تملیک کو مقتضی نہیں مثلاً اگر آپس میں داین اور مدیون مان لیویں کہ دین ذمہ پر نہیں تو ادا کرنے والا اپنے دیا ہوا دائن سے پھیر سکتا ہے اور مدیون اس کو نہیں لے سکتا جب زندہ کا دین ادا کرنا تملیک نہ ہوا تو مردہ کا بطریق اولیٰ نہ ہوگا کذا فی الشامی اما دین الحی الفقیر فیجوز لو بامرہ لیکن دین زندہ محتاج کی طرف سے ادا کرنا جائز ہے مال زکوٰۃ سے اگر اس کی اجازت ہو م یعنی اس وجہ سے کہ دینے والے نے فقیر کو مالک کر دیا اور دائن نے فقیر کی طرف نیابۃ قبض کر لیا پھر اپنے دین میں مجرا کر لیا کذا فی الفتح ولو اذن فمات فاطلاق الکتاب

لہ مثلاً ایک شخص کے ذمہ پر سو روپیہ اس کا واجب الادا ہے مگر اس کے ادا کی کچھ مدت ہے ۱۲

یفید عدم الجواز ذ ہوالاوجہ نہر اور اگر فقیر اجازت دے کر مر گیا تو اطلاق کتاب قدوری کا مفید ہے عدم جواز کو اور یہی وجیہ ہے کذا فی النہر م کتاب سے مراد ہدایہ یا قدوری ہے کیونکہ دونوں نے دین میت کو مطلق رکھا یعنی امر کی قید نہیں لگائی اور اصل بحث ابن ہمام کی ہے ہدایہ کی شرح میں کہ کہا ہے کہ اگر زکوٰۃ کے قصد سے کسی زندہ کا دین ادا کرے یا مردہ کا اس کے امر سے تو جائز ہے اور ظاہر خانیہ کا بھی اسی کے موافق ہے لیکن ظاہر اطلاق کتاب کا مفید ہے عدم جواز کو بنیت میں ہر حال میں اور خلاصہ سے بھی ظاہر ایسی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کہا ہے اگر ادا کریں دین زندہ کا یا مردہ کا بغیر اذن زندہ کے تو نہیں جائز ہے پس زندہ کو مقید رکھا اور مردہ کو مطلق اور ذ ہوالاوجہ سے یہ غرض کہ زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے اور صرف امر کرنے سے تملیک نہیں ہوتی کیونکہ جب مامور نے قبضہ کیا اس وقت مدیون مردہ ہے تملیک کے لائق نہیں حالانکہ مامور کے قبض کے وقت اس کا تملیک کے لائق ہونا چاہیے کذا ذکرہ الشامی ولا الیٰ ثمن ما ای قن یعتق اور نہیں جائز صرف کرنا زکوٰۃ کا قیمت میں اس غلام کی جو آزاد ہو گا م یعنی زکوٰۃ کے مال سے غلام خرید کر آزاد کرے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی یا اپنے باپ کو مثلاً زکوٰۃ کی نیت سے خریدے تب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی لعدم التملیک وہوالرکن بسبب نہ ہونے تملیک کے اور یہی جزو اعظم ہے یہ علت ہے سب مسائل مذکورہ کی قالہ الشامی وقدمنا ان الحیلۃ ان یتصدق علی الفقیر ثم یامرہ بفعل ہذہ الاشیاء اور ہم پہلے بیان کر چکے کہ حیلہ زکوٰۃ کی درستی کے لیے یہ ہے کہ کسی فقیر کو زکوٰۃ دے اور کہہ دے کہ امورات مذکورہ میں اپنی طرف سے صرف کر دے کہ اس شخص کو زکوٰۃ کا ثواب ہو گا اور فقیر کو ثواب اس خیرات میں صرف کرنے کا کذا فی البحر وہل لہ ان یخالف امرہ لم ارہ والظاہر نعم رہی یہ بات کہ فقیر کو زکوٰۃ دینے والے کے امر کی مخالفت جائز ہے یا نہیں میں نے اس مسئلہ کو کہیں نہیں دیکھا اور ظاہر یہ ہے کہ یہ مخالفت پہنچتی ہے اس لیے کہ فقیر مذکور جب مالک ہو گیا تو اپنی ملک میں جو چاہے سو کرے کذا فی النہر ولا الیٰ من بینہما ولاد اور نہ اس شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے کہ اس میں اور دینے والے میں قرابت توالد کی ہو م اس لیے کہ منافع املاک کے آپس میں ملے جلے ہیں تو تملیک پوری پوری نہ ہوگی کذا فی الہدایہ اور ولاد شامل ہے سب اصول کو یعنی ماں باپ دادا دادی نانا نانی وغیرہم اور شامل ہے سب فروع کو بیٹا بیٹی پوتا پوتی نواسا نواسی وغیرہم کو خواہ اولاد نکاح سے ہو یا زنا سے اور ایسا ہی ہر صدقہ واجبہ جیسے فطرہ نذر کفارہ لیکن صدقہ نفل جائز ہے بلکہ مستحسن ہے کذا فی البدائع ماں باپ کے لیے حیلہ کرنا اس طرح کہ زکوٰۃ کا مال کسی فقیر کو دے دے اور کہے کہ ان پر صرف کر دے مکروہ ہے کما فی القنیہ اور شرح وہبانیہ میں ہے کہ یہ مسئلہ مشہور ہے اور اکثر کتابوں میں مذکور ولو مملوکا لفقیر اگرچہ ولاد والا مملوک کسی فقیر کا ہو یعنی اس کو زکوٰۃ دینا تب بھی ناجائز ہے اور بینہما زوجیۃ ولو مبانۃ یا دینے والے اور لینے والے میں رشتہ زوجیت کا ہو اگرچہ زوجہ الگ کی ہوئی ہو یعنی عدت میں ہو اگرچہ تین طلاق کی عدت ہو کذا فی النہر عن معراج الدرایہ وقالا تدفع ہی لزوجہا اور صاحبین کہتے ہیں کہ عورت دے سکتی ہے اپنے خاوند کو بسبب فرمانے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن مسعود کی زوجہ کو جب انہوں نے اپنا زیور دینا چاہا کہ تیرا خاوند اور اولاد زیادہ مستحق ہیں کذا فی الطحاوی ولا الیٰ مملوک المزکی اور نہیں جائز زکوٰۃ دینا اپنے مملوک کو م یا ایسے ناتے والے مملوک کو جن میں قرابت ولاد یا زوجیت کی ہو کیونکہ بحر اور فتح میں کہا ہے کہ اپنے بیٹے کے مکاتب کو دینا جائز نہیں جیسا اپنے بیٹے کو نہیں جائز شرنبلالیہ ولو مکاتبا او مدبرا اگرچہ مملوک مکاتب ہو یا مدبر م یعنی اس وجہ سے کہ عبد اور مدبر میں تو تملیک نہ ہوگی کہ وہ لیاقت مالک ہونے کی نہیں رکھتے اور مکاتب کے کسب میں مولیٰ کا حق ہے کذا فی الزیلعی ولا الیٰ عبد اعتق المزکی لبعضہ اور نہیں جائز زکوٰۃ دینا اس غلام کو کہ مزکی نے اس کے بعض کو یعنی نصف یا چوتھائی وغیرہ کو آزاد کیا ہو سواء کان کلہ لہ او بینہ وبین ابنہ فاعتق الاب حظہ معسرا لایدفع لہ لانہ مکاتبہ او مکاتب ابنہ برابر ہے کہ ہو غلام تمام مزکی کا یا مشترک ہو اس میں اور اس کے بیٹے میں پھر آزاد کیا باپ نے اپنا حصہ بحالت تنگی سو مزکی ایسے غلام کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا اس لیے کہ وہ یا اس کا خود کا مکاتب ہے یا اس کے بیٹے کا م کیونکہ جب غلام تمامہ اس کا ہے یا اس میں اور اس کے بیٹے میں مشترک

ہے اور باپ توانگر ہے اور بیٹے نے اپنے حصہ کی قیمت کا ضمان باپ سے بھر لیا اور باپ نے غلام سے تو غلام باپ کا مکاتب ہوا کہ جب اس قدر ادا کر دے تو آزاد ہو اور اگر باپ مفلس ہے یا توانگر لیکن بیٹے نے غلام سے سعی کرانا اختیار کیا تو وہ مکاتب بیٹے کا ہوا اور بیٹے کے مکاتب کو بھی زکوٰۃ دینا درست نہیں اور ہم نے جو تقریر کی اس سے واضح ہوا کہ لفظ معسر کا قید احترازی نہیں ہے پھر شارح نے اس غلام کا نام مکاتب رکھا اس جہت سے کہ سعی کرنے میں مشابہ مکاتب کے ہے قالہ الشامی ولما المشترک بینہ وبین الاجنبی فحکمہ علم مما مر اور اگر غلام مشترک درمیان مزکی کے اور کسی اجنبی کے ہو تو اس کا حکم معلوم ہوا بیان گذشتہ سے ہم کہتے ہیں کہ اگر غلام مشترک دو شخصوں اجنبیوں میں ہو پس آزاد کیا ایک نے اپنا حصہ اور وہ مفلس ہے اور شریک ساکت نے سعی کرانی اختیار کی تو معتق اس کو زکوٰۃ دے سکتا ہے کیونکہ یہ مکاتب اس کے شریک کا ہوا اور ساکت کو نہیں پہنچتا کہ اس کو زکوٰۃ دے کیونکہ اس کا مکاتب ہے اور اگر معتق توانگر ہو اور ساکت نے معتق سے ضمان لینا اختیار کیا تو ساکت غلام کو زکوٰۃ دے سکتا ہے اس لیے کہ یہ اجنبی ہے اور معتق زکوٰۃ نہیں دے سکتا جب اختیار کرے ضمان دینے کے بعد غلام سے سعی کرانا کیونکہ اس صورت میں وہ اسی کا مکاتب ہے کذا قالہ الشامی لانہ اما مکاتب نفسہ او غیرہ اس واسطے کہ وہ غلام یا مکاتب اس کا خود کا ہے یا غیر کا ما اسکی توضیح بیان گذشتہ سے معلوم ہو سکتی ہے وقالا یجوز مطلقا اور صاحبین کہتے ہیں کہ جائز ہے ہر صورت میں م یعنی معتق مال دار ہو یا مفلس اور غلام بتمامہ اس کا ہو یا مشترک درمیان اس کے اور اس کے بیٹے کے یا اجنبی کے ہو کذا قالہ الشامی لانہ حر کلہ او حر مدیون فافہم اس لیے کہ وہ غلام آزاد ہے بتمامہ یا آزاد ہے اور قرض دار سو اس کو سمجھ لے م تمامہ آزاد ہے یعنی غیر مدیون جب کہ کل بعد معتق کا ہو یا البعض اس کا ہو مگر معتق توانگر ہو اور شریک اس سے ضمان لے چکا ہو اور حر مدیون اس صورت میں کہ معتق مفلس ہو اس لیے کہ غلام شریک کے واسطے روپیہ کما دے گا آزاد ہو کر واضح ہو کہ یہ مسئلے اس پر مبنی ہے کہ امام صاحب کے نزدیک شریک ساکت کو اختیار ہے چاہے اپنا حصہ آزاد کر دے چاہے مدبر یا مکاتب کرے چاہے غلام سے اپنے حصہ کا روپیہ کموا لے بشرطیکہ آزاد کرنے والا مفلس ہو اور اگر وہ مال دار ہو تو شریک مذکور اس سے تاوان بھی لے سکتا ہے اور صاحبین کے نزدیک مفلسی کی صورت میں بجز غلام سے کموانے کے اور مال داری کی صورت میں بجز آزاد کنندہ سے ضمان لینے کے اور کچھ اختیار نہیں رکھتا چنانچہ کتاب العتق میں آوے گا اور فافہم کا اشارہ اس طرف ہے کہ ہم نے تحریر مطلب کی اس طرح کی کہ جو اعتراض در ر میں ہدایہ کی عبارت پر وارد کیا ہے یہاں نہیں وارد ہوتا اگرچہ شراح نے تکلف کر کے تاویلیں کی ہیں جیسا ملاحظہ کتب ہدایہ و درر سے واضح ہے کذا فی الشامی ولا الی غنی یملک قدر نصاب فارغ عن حاجۃ الاصلیۃ من ای مال کان اور نہیں جائز زکوٰۃ دینا غنی کو کہ مالک ایسے نصاب کا ہو جو حاجت اصلی سے زائد ہو اگرچہ کسی مال کی ہو م واضح ہو کہ نصاب تین ہیں ایک نامی جو دیون سے زائد ہو اور حاجات سے فارغ وہ تو سب مالی چیزوں کی واجب کرنے والی ہے مثل زکوٰۃ اور کفارات وغیرہ کے دوسری نصاب غیر نامی کہ دین اور حاجتوں سے زائد ہو اس کی ملک قربانی اور فطرہ اور محتاج قریبوں کا نفقہ واجب ہوتا ہے اور زکوٰۃ کا لینا ایسے نصاب کے مالک کو بھی حرام ہے جیسے مال کی نصاب نامی کے مالک کو حرام ہے اور ایک نصاب وہ ہے جس کے ہوتے سوال کرنا حرام ہے وہ غذا ایک روز کی ہے اس کو نصاب کہنا مجاز شرعی ہے کذا فی الطحطاوی اور تتارخانیہ میں صغریٰ سے منقول ہے کہ ایک شخص کے پاس گھر ہے کہ اس میں رہتا ہے لیکن اس کی قدر حاجت سے زیادہ ہے کہ سب مکان رہنے میں مشغول نہیں تو اس کو لینا صدقہ کا صحیح روایت میں حلال ہے اور اسی میں یہ ہے کہ امام محمد نے فرمایا کہ جس کے پاس زمین ہے کہ اس کو بوتا ہے یا دکان کہ اس کا کرایہ کھاتا ہے یا مکان ہے کہ کرایہ اس کا تین ہزار ہیں اور اس کے عیال کے نفقہ کو برس دن کے لیے کفایت نہیں کرتا تو اس کو زکوٰۃ لینا حلال ہے اگرچہ اس کی قیمت نفقہ کو وفا کرتی ہو اور اسی پر فتویٰ ہے اور شیخین کے نزدیک نہیں حلال کذا قالہ الشامی لکن لہ نصاب سائمۃ لا تساوی مائتی درہم کما جزم بہ فی البحر والنہر واقرہ المصنف قائلا وبہ یظہر ضعف ما فی الوہبانیۃ و شرحہا من انہ تحل لہ الزکوٰۃ وتلزمہ الزکوٰۃ الخ جیسا زکوٰۃ دینا جائز نہیں

اس شخص کو کہ اس کے پاس سوائم کی نصاب ہو کہ دو سو درہم کی قیمت کو نہ پہنچتی ہو چنانچہ اسی پر بحر اور نہر میں جزم کیا ہے اور اسی کو مصنف نے ثابت رکھا یوں کہہ کر کہ اس سے ظاہر ہو گیا ضعف اس کا جو وہبانیہ اور اس کی شرح میں مذکور ہے یعنی اس کو زکوٰۃ لینا حلال ہے اور اس کے اوپر زکوٰۃ دینا لازم ہے الخ م بحر میں کہا ہے کہ نصاب نامی میں داخل ہے پانچ اونٹ پس اگر پانچ اونٹ کا مالک ہو یا کسی اور نصاب کا سوائم میں سے کسی مال میں سے ہو تو اس کو زکوٰۃ میں سے دینا جائز نہیں برابر ہے کہ دو سو درہم کو اس کی قیمت پہنچے یا نہ پہنچے اور ہدایہ کے شارحوں نے اس کی تصریح کی ہے کذا قالہ الشامی لکن اعتمد فی الشرنبلالیۃ ما فی الوہبانیۃ وحرر وجزم بان ما فی البحر وہم لیکن شرنبلالیہ میں وہبانیہ کے کلام پر اعتماد کیا ہے اور جزم کیا ہے کہ بحر میں جو مذکور ہے وہ وہم ہے م شرنبلالیہ میں کہا ہے کہ جو بحر میں اس کے خلاف مذکور ہے سو وہ وہم ہے پس اس سے متنبہ رہو حالانکہ صاحب بحر نے اس کے مخالف اشباہ والنظائر کے الغاز میں ذکر کیا ہے پس اپنے قول کا آپ ہی خلاف کیا اور میں نے کسی کو نہیں دیکھا ہدایہ کے شارحوں میں سے کہ بحر کے موافق تصریح کی ہو بلکہ اُن کی عبارت سے اس کے برخلاف معلوم ہوتا ہے اور اکثر کتابوں میں اس کی تصریح کی ہے کہ اعتبار سوائم کی قیمت کا ہے اشباہ اور سراج اور وہبانیہ اور اس کی دونوں شرحوں اور ذخائر اشرفیہ اور جوہرہ میں مذکور ہے کہ مرغینانی نے کہا کہ جب کسی شخص کے پاس پانچ اونٹ ہوں کہ ان کی قیمت دو سو درہم سے کم ہو تو اس کو زکوٰۃ لینا حلال ہے اور اس پر زکوٰۃ واجب بھی ہے اور اس سے ظاہر ہوا کہ معتبر نصاب نقد کی ہے کسی مال سے ہو وہ مال اپنی جنس کے اعتبار سے نصاب کو پہنچے یا نہ پہنچے انتہی ما قالہ المرغینانی یہ شرنبلالیہ کے کلام کا خلاصہ بیان کیا ہے شامی میں اس کو زیادہ بسط سے بیان کیا ہے اور بحر کے کلام میں اور اس میں تطبیق کی ہے جو چاہے وہاں ملاحظہ کرے ولا الی مملوکہ ای الغنی ولو مدبرا اور نہیں جائز زکوٰۃ دینا غنی کے مملوک کو اگرچہ مدبر ہو م اس سے معلوم ہوا کہ فقیر کے مملوک کو دینا جائز ہے کما فی ملتقی الملتقی اور مدبر کے حکم میں ام ولد ہے قالہ الشامی عن البحر اوزمنا لیس فی عیال مولاہ او کان مولاہ غائبا علی المذہب اگرچہ مملوک اپاہج اپنے مولی کی عیال میں نہ ہو یا مولی اس کا غائب ہو تب بھی اس کو زکوٰۃ دینا درست نہیں بنا بر مذہب صحیح کے م ذخیرہ میں کہا کہ روایت ہے ابو یوسف سے کہ اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے فتح القدیر میں کہا کہ اس میں نظر ہے کیونکہ وجہ امتناع کی یہ ہے کہ زکوٰۃ عبد کی ملک نہیں ہوتی بلکہ مولی کی ملک ہوتی ہے اور وہ غنی ہے اور اس کا جواب اس طرح دیا جا سکتا ہے کہ جس صورت میں کہ مولی غائب ہے اور مملوک کسب پر قادر نہیں تو ابن السبیل کے درجہ سے تو کم نہیں ہے کہ جس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے کذا فی الشامی لان المانع وقوع الملک لمولاہ اس واسطے کہ عدم جواز زکوٰۃ اس جہت سے ہے کہ جو عبد کو دیا جاتا ہے وہ اس کے مولی کی ملک ہو جاتا ہے غیر المکاتب والماذون المدیون بمحیط فیجوز غنی کے غلام کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں سوائے مکاتب کے اور ماذون لہ[1] کے جس پر دین اتنا ہو کہ اس کے رقبہ اور کسب کو محیط ہو سو ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے م مکاتب کی وجہ پہلے گذر چکی اور ماذون لہ اس جہت سے کہ اس کے کسب کا مالک امام صاحب کے نزدیک مولی نہیں ہوتا اس صورت میں بخلاف صاحبین کے قول کے قالہ فی البحر ولا الی طفلہ بخلاف ولدہ الکبیر اور زکوٰۃ دینا جائز نہیں غنی کے لڑکے نابالغ کو بخلاف بالغ کے م یعنی بالغ کو اگرچہ اپاہج ہو نفقہ کے مقرر ہونے سے پہلے زکوٰۃ کا دینا بالاجماع جائز ہے اور بعد تقرر کے امام محمد کے نزدیک جائز ہے برخلاف امام ابو یوسف کے اور اسی قیاس پر باقی اقارب ہیں اور غنی کی دختر بالغہ میں اختلاف ہے اور صحیح جواز ہے اور یہی قول طرفین کا ہے اور ایک روایت امام ابو یوسف سے کذا فی النہر وابیہ وامرأتہ الفقراء وطفل الغنیۃ فیجوز لانتفاء المانع اور بخلاف غنی کے باپ کے اور اس کی بی بی کے بشرط فقیر ہونے کے بخلاف مالدار عورت کے لڑکے کے یعنی اگر اس کا باپ نہ ہو کذا فی البحر سو ان سب کو زکوٰۃ دینا جائز ہے واسطے نہ ہونے مانع کے م یہ سب کی علت ہے یعنی چھوٹا لڑکا غنی گنا جاتا ہے اپنے باپ کے غنا سے

لہ جمع لفر بمعنی مسائل مشکلہ مثل چیستان ۱۲ سے[1] ماذون لہ وہ غلام جس کو اس کے آقا نے اجازت تجارت کی دی ہو ۱۲

بخلاف بڑے لڑکے کے اور باپ اور زوجہ کے اور اسی طرح لڑکا اپنی ماں کے مال دار ہونے سے غنی نہیں شمار کیا جاتا ہے حلبی عن البحر ولا الی بنی ہاشم اور نہیں جائز ہے زکوۃ دینا بنی ہاشم کو م جاننا چاہیے کہ عبد مناف جو چوتھی پشت کا دادا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اس کے چار بیٹے تھے ہاشم مطلب نوفل عبد شمس پھر ہاشم کے چار بیٹے ہوئے جن میں سے ایک عبد المطلب ہیں باقیوں کی نسل منقطع ہو گئی عبد المطلب کے بارہ بیٹے ہوئے سو زکوۃ ان سب کو دی جا سکتی ہے بشرطیکہ مسلمان اور حاجت مند ہوں مگر اولاد حضرت عباس کی اور حارث کی اور اولاد ابو طالب کی یعنی حضرت علی و جعفر و عقیل کذا فی القہستانی اور اس سے معلوم ہوا کہ بنی ہاشم کو بطور اطلاق بیان کرنا نہ چاہیے اس لیے کہ تمام بنی ہاشم پر زکوۃ حرام نہیں ہے کذا فی الشامی الا من ابطل النص قرابتہ وہم بنو لہب فتحل لمن اسلم منہم کما تحل لبنی المطلب مگر اس کو جائز ہے کہ جس کی قرابت نص رسول صلی اللہ علیہ وسلم منقطع ہو گئی اور وہ ابو لہب کی اولاد ہیں پس جو ان میں سے اسلام لے آیا اس کو زکوۃ جائز ہے جیسا حلال ہے مطلب یعنی ہاشم کے بھائی کی اولاد کو م نص سے مراد قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لا قرابۃ بینی و بین ابی لہب فانہ اثر علینا الافجرین اور بعض نسخ میں بجائے لہب ہے اور یہی درست ہے کذا قال الشامی ثم ظاہر المذہب اطلاق المنع و قول العینی یجوز لہ دفع زکوتہ لمثلہ صوابہ لا یجوز نہر پھر ظاہر مذہب یہ ہے کہ بنی ہاشم کو مطلقاً ممنوع ہے یعنی خواہ بنی ہاشم بنی ہاشم کو دے یا کوئی غیر دے اور ہر زمانہ میں ممنوع ہے اور عینی نے جو کہا ہے کہ جائز ہے ہاشمی کو کہ زکوۃ دے اپنے مثل یعنی ہاشمی کو تو صحیح عبارت یہ چاہیے کہ نہیں جائز ہے کذا فی النہر م ابو عصمہ نے امام سے روایت کی ہے کہ فی زماننا بنی ہاشم کو زکوۃ دینا جائز ہے اس لیے کہ زکوۃ کا عوض یعنی پانچویں حصہ کا خمس جو بنی ہاشم کا حق تھا وہ ان کو نہیں پہنچتا کیونکہ غنیمت کے باب میں اور اس کو مستحقین میں صرف کرنے میں لوگ تغافل کرتے ہیں اور جب عوض ان کو نہ پہنچا تو اصل کی طرف رجوع کیا کذا فی البحر اور نہر میں کہا ہے کہ امام ابو یوسف نے کہا ہے کہ ہاشمی ہاشمی کو دے دے اور یہ امام صاحب سے بھی منقول ہے اور عینی میں جو یہ کہا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک درست ہے کہ ایک ہاشمی دوسرے کو زکوۃ دے دے بخلاف امام ابو یوسف کے تو اس میں صحیح لفظ لا یجزی چاہیے یعنی امام صاحب کے نزدیک ہاشمی کا دوسرے ہاشمی کو دینا کافی نہ ہو گا کیونکہ امام ابو یوسف تو جواز کے قائل ہیں پھر درست ہونے کی صورت میں ان کے خلاف کے کیا معنی ہوں گے اور شارح کے اختصار میں ابہام ہے قالہ الشامی عن الحلبی ولا الی موالیہم ای عتقائہم فانہ مثلہم اولی اور نہیں جائز زکوۃ دینا بنی ہاشم کے آزاد کیے ہوئے غلاموں کو اور جب آزاد کیے ہوؤں کو نہیں جائز تو غلاموں کو بطریق اولیٰ نہیں جائز کیونکہ غلام کی ملک مولیٰ کی ہوتی ہے لحدیث مولی القوم منہم بنی ہاشم کے موالی کو زکوۃ دینا جائز نہیں بسبب اس حدیث شریف کے کہ آزاد کیا ہوا کسی قوم کا وہ انھیں میں سے ہوتا ہے م اس کو روایت کیا ہے ابو داود و ترمذی اور نسائی نے بلفظ مولی القوم من انفسہم وانا لا تحل لنا الصدقۃ ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور یہ حکم صدقہ کی حرمت و حلت کے باب میں ہے نہ جمیع وجوہ میں کیونکہ مولیٰ اپنے معتق کا کفو نہیں ہوتا اور جب آزاد کیا ہوا کسی مسلمان کا کافر ہو تو جزیہ لیا جاتا ہے اور تغلبی کے آزاد کیے ہوئے سے دو چند نہیں لیا جاتا کذا فی النہر قالہ الشامی وہل کانت تحل لسائر الانبیاء خلاف واختار فی النہر حلہا لاقربائہم لا لہم اور باقی انبیاء علی نبینا و علیہم الصلوۃ والسلام کے لیے صدقہ حلال تھا یا نہیں اس میں خلاف ہے اور نہر میں حلت کو مختار کہا ہے ان کے اقربا کے لیے نہ ان کے خود کے لیے وجازت التطوعات من الصدقات وغلۃ الاوقاف لہم ای لبنی ہاشم سواء سماہم الواقف اولا علی ما ہو الحق کما حققہ فی الفتح اور جائز ہے نفل صدقہ اور آمدنی اوقاف کے بنی ہاشم کو برابر ہے کہ وقف کرنے والے نے ان کا نام لیا ہو یا نہ لیا ہو یہی حق ہے جیسا فتح القدیر میں اس کو تحقیق کیا ہے م شامی نے کہا کہ بحر میں متعدد کتابوں سے نقل کیا ہے کہ نفل صدقہ ان کو جائز ہے بالاجماع اور ذکر کیا ہے کہ یہی مذہب ہے اور یہ کہ تطوع اور وقف میں فرق نہیں ہے جیسا محیط اور کافی میں

لہ نہیں ہے قرابت مجھ میں اور ابو لہب میں کہ اس نے اختیار کیا ہم پر بدبختوں کو۔ ۲ہ کسی قوم کا آزاد کیا ہوا انھیں میں سے ہوتا ہے اور ہم کو صدقہ حلال نہیں ۱۲

ہے لیکن زیلعی میں اس کے خلاف ہے یعنی صدقہ نفل ان کو بالکل حرام ہے اور فتح میں اسی کی تقویت کی ہے اور کہا ہے کہ حق یہ ہے کہ وقف کو بجائے نفل کے سمجھنا چاہیے اور حلبی نے اس کی عبارت طویل نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وقف بھی بنی ہاشم کو ممنوع ہے مثل نفل کے اور اس سے معلوم ہوتا ہے سقم کلام شارح کا کیونکہ شارح کے کلام کا مفاد یہ ہے کہ فتح القدیر کا کلام صرف وقف میں ہے اور وقف ان کو حلال ہے لیکن حلبی نے جس درالمختار سے لکھا ہے اس میں علی ما ہوالحق سے پہلے اس قدر زیادہ ہے وقیل لا اطلاقاً تو اس زیادتی سے البتہ عبارت درست ہو جاتی ہے اور بعض نسخوں میں یہ زیادتی مع مابعد کے ولا تدفع الی ذمی تک ساقط ہے انتھی ما قالہ الشامی لکن فی السراج وغیرہ ان سماہم جاز والا لاقلت وقد جعلہ محشی الاشباہ محمل القولین لیکن سراج وغیرہ میں ہے کہ اگر بنی ہاشم کا نام واقف نے لیا ہے تو جائز ہے نہیں تو نہیں جائز میں کہتا ہوں کہ اشباہ کے محشی یعنی صالح غزی معنف کے بیٹے شارح بری نے سراج کی عبارت کو دونوں قولوں کا محمل ٹھہرایا ہے م یعنی جس صورت میں نام لیا ہو تو جائز اور نہ نام لیا ہو تو نا جائز اور وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ جس صورت میں نام نہیں لیا تو اس وجہ سے صدقہ ہوا ہاشمیوں کو جائز نہ ہوا اور جب ان کا نام لے دیا تو تبرع اور صلہ ہوا صدقہ نہ ہوا جیسا کہ وقف کیا جماعت اغنیا پر پھر فقراء پر قال الشامی ثم نقل عن صاحب البحر عن المبسوط وہل تحل الصدقۃ لسائر الانبیاء قیل نعم وہذہ خصوصیۃ لنبینا صلی اللّٰہ علیہ وسلم وقیل لا بل تحل لقرابتہم فہی خصوصیۃ لقرابۃ نبینا اکراما واظہار الفضیلۃ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فلیحفظ پھر محشی مذکور نے بحرالرائق سے[1] اس نے مبسوط سے نقل کیا کہ آیا حلال ہے صدقہ باقی انبیا کے لیے تو ایک یہ قول ہے کہ ہاں جائز ہے اور یہ خصوصیت ہے ہمارے نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے لیے کہ ان کو نہیں جائز اور ایک قول یہ ہے کہ انبیا کو حلال نہیں بلکہ ان کے اقربا کو حلال ہے تو خصوصیت ہوئی ہمارے نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے اقربا کے لیے بجہت اکرام اور فضیلت حضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے یہ یاد رہے م یہ مسئلہ مکرر ہے سابق اس کا مذکور ہو چکا تو اس کا حذف کرنا مناسب ہے قال الشامی ولا تدفع الی ذمی لحدیث معاذ اور نہیں جائز دینا زکوٰۃ کا ذمی کو واسطے حدیث معاذ کے م یعنی وہ حدیث ہے جس کو شارح نے بلفظ خذہا من اغنیائہم الخ بیان کیا ہے اس لیے کہ اغنیائہم کی ضمیر مسلمانوں کی طرف پھرتی ہے تو فقرائہم کی ضمیر بھی اسی طرف پھرنی چاہیے اور کافر کو نہ دینی چاہیے کذا فی المعراج وجاز دفع غیرہا وغیر العشر والخراج الیہ ای الذمی اور جائز ہے صدقہ دینا سوائے زکوٰۃ کے اور سوائے عشر اور خراج کے ذمی کو م عشر زکوٰۃ کے ساتھ ملحق ہے لیکن خراج ان صدقات میں نہیں ہے جن کا ذکر ہے کیونکہ ان کا مصرف مصلحت عامہ مسلمین ہے جیسا پہلے بیان ہوا اور اسی لیے کنز اور ہدایہ میں اس کا استثنا نہیں کیا قال الشامی ولو واجبا کنذر وکفارۃ وفطرۃ خلافا للثانی اگرچہ صدقہ واجب ہو جیسے نذر اور کفارہ اور فطرہ بخلاف قول امام ابو یوسف کے م یعنی وہ کہتے ہیں کہ کسی صدقہ واجبہ کا دینا ذمی کو جائز نہیں اور ہدایہ وغیرہ میں تصریح کی ہے کہ یہ ایک روایت ہے ابو یوسف سے اور اس عبارت کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ قول مشہور امام ابو یوسف کا مثل طرفین کے ہے وبقولہ یفتی حاوی القدسی اور امام ابو یوسف کے قول پر فتوی ہے کذا فی حاوی القدسی م لیکن ہدایہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قول طرفین کا راجح ہے اور اسی پر متون منعقد ہیں کذا فی الشامی واما الحربی ولو مستامنا فجمیع الصدقات لا تجوز لہ اتفاقا بحر عن الغایۃ وغیرہا لیکن حربی اگرچہ مستامن ہو اس کو کوئی صدقہ دینا جائز نہیں بالاتفاق کذا فی البحر عن الغایۃ وغیرہما لکن جزم الزیلعی بجواز التطوع لہ لیکن زیلعی نے جزم کیا ہے کہ نفل صدقہ حربی کو دینا جائز ہے م یعنی مستامن کو جیسا نہر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے پھر شامی نے کہا کہ اس کو میں نے زیلعی میں نہیں دیکھا اور ایسا ہی ابو السعود وغیرہ نے کہا ہے معہذا اتفاق کے دعوی کے خلاف ہے لیکن محیط کی کتاب الکسب میں ہے کہ سیر کبیر میں امام محمد نے ذکر کیا ہے کچھ مضائقہ نہیں کہ مسلمان کافر حربی کو یا ذمی کو کچھ دے یا اس کا ہدیہ قبول کرے اس وجہ سے کہ حضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ پانچ سو دینار رخطا کے

[1] یعنی ایک قول یہ ہے کہ بنی ہاشم کو وقف مطلق نا جائز ہیں ۱۲

دنوں میں مکہ کو بھیجے اور حکم دیا کہ صفوان بن حرب اور ابو سفیان کو دیں کہ وہ فقرائے اہل مکہ پر تقسیم کر دیں اور اس وجہ سے کہ صلہ رحم ہر دین میں پسندیدہ ہے اور ہدیہ بھیجنا مکارم اخلاق سے ہے انتہی قالہ الشامی دفع بتحر لمن یظنہ مصرفا فبان انہ عبدہ او مکاتبہ او حربی ولو مستامنا اعادہا لما مر صدقہ دیا انکل کر کے ایسے شخص کو کہ اپنے گمان میں مصرف جانتا تھا پھر ظاہر ہوا کہ مزکی کا غلام ہے یا اس کا مکاتب ہے یا حربی ہے اگرچہ مستامن ہو تو پھر دوبارہ دے اس وجہ سے کہ سابق مذکور ہو چکی م یعنی عبد کی صورت میں تو اپنی ملک سے خارج نہیں ہوا اور مکاتب کی صورت میں اس لیے کہ اس کا حق مکاتب کی کمائی میں لگا ہے تو پوری تملیک نہ ہوئی اور حربی محل زکوٰۃ ہے نہیں لیکن حربی کے دینے میں ایک روایت یہ ہے کہ دوبارہ نہ دے کذا فی الشامی وان بان غناہ او کونہ ذمیا او انہ ابوہ او ابنہ او امراتہ او ہاشمی لا یعید اور اگر ظاہر ہوا کہ جس کو دیا تھا وہ غنی ہے یا ذمی ہے یا اس کی بی بی ہے یا اس کا خود باپ ہے یا بیٹا ہے یا ہاشمی ہے تو اعادہ لازم نہیں لانہ اتی بما فی وسعہ اس لیے کہ وہ کر چکا جس قدر اس سے ہو سکتا تھا م یعنی تملیک کر دی جو اس کی وسعت میں تھی رہی یہ بات کہ اندھیرے میں یہ پوچھے کہ تو کون ہے اور نسب اس کا دریافت کرے اس کا مکلف نہیں لیکن حربی کی طرف سے دلیل پر شبہہ پڑتا ہے کیونکہ حربی میں تملیک جو رکن تھی پوری ہو جاتی ہے پس اس تعلیل سے وہ روایت جو حربی کے دینے کے بعد اعادہ لازم نہیں آتا تائید پاتی ہے کذا فی الشامی حتی لو دفع بلا تحر لم یجز ان اخطا یہاں تک کہ اگر بدون تحری کے دیا تو نہیں جائز ہے اگر خطا ظاہر ہو وکرہ اعطاء فقیر نصابا او اکثر اور مکروہ ہے دینا ایک فقیر کو مقدار نصاب یا زیادہ م اور ایک روایت ابو یوسف سے ہے کہ قدر نصاب دینا مضائقہ نہیں لیکن زیادہ مکروہ ہے اس لیے کہ فقیر ہونے کی جہت سے فی الحال ایک جز و نصاب کا محتاج ہے اور باقی رہا ہوا نصاب سے کم ہے کذا فی الشامی الا اذا کان المدفوع الیہ مدیونا او کان صاحب عیال بحیث لو فرقہ علیہم لا یخص کلا او لا یفضل بعد دینہ نصاب فلا یکرہ درفتح مگر جب کہ ہو وہ شخص جس کو زکوٰۃ دی ہے مدیون یا عیالدار اس طرح کہ اگر تمام عیال پر زکوٰۃ تقسیم کی جاوے تو ہر ایک کے بانٹے نصاب نہ آوے یا دین کے ادا کے بعد قدر نصاب باقی نہ رہے تو مکروہ نہیں کذا فی الفتح م بحیث لو فرقہ صاحب عیال سے علاقہ رکھتا ہے اور لا یفضل مدیون سے پس اس میں لف ونشر غیر مرتب ہے اور وجہ تقسیم عیال یہ ہے کہ حقیقت میں وہ صدقہ عیال ہی پر ہے جن پر وہ خرچ کرے گا کذا فی الشامی عن المعراج وکرہ نقلہا الا الی قرابۃ اور مکروہ ہے زکوٰۃ کا نقل کرنا یعنی ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف لے جانا مگر اپنے اقربا کی طرف م کیونکہ اس میں رعایت پڑوس کی ہے تو یہی اولی ہے زیلعی اور اس سے متبادر یہ ہے کہ کراہت تنزیہی ہے پس اگر نقل کرے تو جائز ہے کذا فی الدرر اور زکوٰۃ میں معتبر وہ جگہ ہے جس جگہ مال ہو سب روایات میں کذا فی الشامی بل فی الظہیریۃ لا تقبل صدقۃ الرجل وقرابتہ محاویج حتی یبدا بہم بلکہ ظہیریہ میں ہے کہ نہیں مقبول ہوتا صدقہ اس شخص کا کہ قرابتی اس کے محتاج ہوں یہاں تک کہ شروع ان میں سے کرے م عدم قبولیت سے مراد نہ ملنا ثواب کا ہے اگرچہ فرض ساقط ہوتا ہے قہستانی میں ہے کہ افضل بھائی اور بہن ہیں پھر ان کی اولاد پھر مزکی کا چچا اور پھوپھی پھر ماموں اور خالہ پھر ذوی الارحام پھر پڑوسی پھر اس کے کوچہ والے پھر شہر والے او احوج او اصلح او اورع او انفع للمسلمین او من دار الحرب الی دار الاسلام اور نقل کرنا مکروہ نہیں طرف زیادہ احتیاج والے یا زیادہ نیک بخت یا زیادہ پرہیزگار کے یا اس شخص کے جو مسلمانوں کو نفع پہنچاوے یا دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف م کیونکہ دار الاسلام کے فقرائے مسلمان دار الحرب کے فقراء سے افضل ہیں کذا فی البحر میں کہتا ہوں کہ مسلمان قیدیوں کو استثنا کرنا چاہیے جب کہ ان لوگوں کے دینے میں اعانت ہو قید سے چھڑانے پر کذا قالہ الشامی او الی طالب علم وفی المعراج التصدق علی العالم الفقیر افضل او الی الزہاد او کانت معجلۃ قبل تمام الحول فلا یکرہ خلاصہ اور مکروہ نہیں نقل کرنا زکوٰۃ طرف طالب علم کے اور معراج میں ہے کہ صدقہ کرنا عالم فقیر پر افضل ہے جاہل فقیر سے اور مکروہ نہیں نقل طرف زاہدوں کے یا یہ کہ

زکوٰۃ ہیشگی ہو پہلے سال تمام ہونے کے تو نقل کرنا مکروہ نہیں کذا فی الخلاصہ **ولا یجوز صرفہا لاہل البدع** کالکرامیۃ اور نہیں جائز اس کا صرف کرنا اہل بدعت پر جیسے کرامیہ م عبارت بزازیہ کی یہ ہے کہ نہیں جائز صرف کرنا کرامیہ کی طرف پس مراد بدعت سے وہ ہے جو تکفیر تک نوبت پہنچا دے تامل اور کرامیہ ایک مشبہہ فرقہ ہے منسوب عبداللہ بن محمد بن کرام کی طرف وہ قائل ہے کہ حق تعالیٰ عرش پر مستقر ہے اور اسم جوہر کا اس پر اطلاق ہو سکتا ہے کذا فی المغرب لانہم مشبہۃ فی ذات اللہ تعالیٰ وکذا المشبہۃ فی الصفات فی المختار اس لیے کہ فرقہ کرامیہ تشبیہ کا قائل ہے خداوند تعالیٰ کی ذات میں اور یہی حکم ہے اس فرقہ کا جو صفات میں تشبیہ کے قائل ہیں مذہب مختار میں م یہ وہ فرقہ ہے کہ قیام حوادث کا خدا تعالیٰ کی ذات کے ساتھ جائز رکھتے ہیں تو بعض صفات کو حادث کہتے ہیں جیسے اور حوادث کے صفات ہیں کذا فی الطحاوی لان مفوت المعرفۃ من جہۃ الصفات ملحق بمفوت المعرفۃ من جہۃ الذات مجمع الفتاوی اس واسطے کہ فوت کرنے والا معرفت حق سبحانہ کا صفات میں یعنی نہ جاننے والا صفات کا لاحق کیا گیا ہے اس کے ساتھ جس نے فوت کر دی معرفت ذات کی یعنی تشبیہ ذات اور تشبیہ صفات ایک حکم رکھتے ہیں کذا فی مجمع الفتاوی کما **لایجوز دفع زکوٰۃ الزانی لولدہ منہ** ای من الزنا **وکذا الذی نفاہ** **اعتبارًا** جیسا نہیں جائز ہے زانی کو زکوٰۃ دینا اپنے بیٹے کو جو زنا سے ہے اور ایسے ہی اس کو جس کو نفی کر چکا ہے خواہ ام ولد کا لڑکا ہو جس کو نفی کیا یا ملاعنہ[1] کا لڑکا نفی کیا ہوا ہو اور یہ عدم جواز براہ احتیاط ہے **الا اذا کان الولد من ذات زوج معروف** فصولین مگر اس صورت میں کہ لڑکا ہو ایسی عورت کا جس کے خاوند کو لوگ جانتے ہیں کذا فی جامع الفصولین م عمادیہ میں اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ چونکہ نسب ناکح سے ثابت ہوتا ہے تو بہ شرعاً بیٹا ناکح کا ہوا اور ذمیرفیہ سے اس کے خلاف ایک روایت شامی نے نقل کی ہے والکل فی الاشباہ اور سب فروع لایجوز صرفہا لاہل البدع سے یہاں تک اشباہ میں مذکور ہیں **ولا یحل ان یسال شیئًا من القوت من لہ قوت یومہ بالفعل او بالقوۃ کالصحیح المکتسب** اور نہیں حلال کہ مانگے کچھ قوت وہ شخص کہ اس کے پاس اس روز کا قوت موجود ہو بالفعل یا بالقوہ موجود ہو مثلاً تندرست کہ کمائی پر قادر ہو **یوم شیئًا من القوت** اس لیے کہا کہ اگر حاجت کی چیز جیسے کپڑا وغیرہ سوال کرے تو جائز ہے قال الشامی **ویاثم معطیہ ان علم بحالہ لاعانتہ علی المحرم** اور گنہگار ہوگا اس کو دینے والا اگر اس کا حال جانتا ہے کیونکہ حرام چیز پر اعانت کرتا ہے م اکمل نے شرح مشارق میں کہا ہے کہ اس جیسے شخص کو دینا اگرچہ از روئے قیاس گناہ معلوم ہوتا ہے لیکن اگر اس کو ہبہ کہیں تو گنہگار نہ ہوگا مقدسی نے اپنی شرح میں کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ مراد علما کی اس سے یہ ہے کہ اس جیسے شخص کو دینا آمادہ کرتا ہے سوال پر اس ہیئت سے اور نہ دینے سے ہو سکتا ہے کہ ایسی باتوں سے توبہ کرے کذا فی الشامی **ولو سال للکسوۃ او لاشتغالہ عن الکسب بالجہاد او طلب العلم جاز لو محتاجًا** اور اگر سوال کیا کپڑے کے لیے یا قوت کا سوال کیا اس جہت سے کہ جہاد میں یا طلب علم میں مشغول ہونے سے کمائی نہیں کر سکتا تو جائز ہے اگر محتاج ہو م یعنی اگرچہ قوی اور کسب پر قادر ہو ذکرہ فی البحر فروع مسائل ملحقہ شارح کے **ینذب دفع ما یغنیہ یومہ عن السوال** مستحب ہے اس قدر دینا کہ اس روز اس کو سوال کی ضرورت نہ ہو **واعتبار حالہ من حاجۃ وعیال** اور معتبر ہے حال قدر کفایت کا حاجت سے اور عیال سے م مستحسن یہ ہے کہ فقیر کا حال معلوم کیا جاوے باعتبار عیال کے اور حاجات ضروریہ کے مثل دین اور تیل اور کپڑا اور گھر کا کرایہ وغیرہ کذا فی فتح القدیر **والمعتبر فی الزکوۃ فقراء مکان المال** اور معتبر زکوٰۃ میں وہاں کے فقیر ہیں جہاں مال ہو م یعنی اگر وہ مال والا دوسرے شہر میں ہو لیکن زکوٰۃ اس شہر کے فقیروں کو دی جاوے جہاں مال ہے قال ابن کمال یعنی جمیع روایات میں یہی ہے کذا فی البحر **وفی الوصیۃ مکان الموصی** اور وصیت میں معتبر ہے مکان وصیت کرنے والے کا م ایسا ہی جوہرہ میں منقول ہے فتاوی سے لیکن شرح

[1] یعنی جس عورت سے لعان کیا ہو اور اس کی صورت باب اللعان میں آوے گی ۱۲

وہبانیہ کے وصایا میں خلاصہ سے منقول ہے کہ وصیت کیا کہ میرا ثلث مال فقراء بلخ پر تصدق کیا جاوے تو افضل یہی ہے کہ انھیں پر صرف کریں اور اگر اور وں کو دے دیں تب بھی جائز ہے اور یہ قول ابو یوسف کا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور امام محمد کہتے ہیں کہ نہیں جائز ہے کذا فی الشامی وفی الفطرۃ مکان المؤدی عند محمد وہو الاصح لان رؤسہم تبع لراسہ اور فطرہ میں مکان ادا کرنے والے کا یعنی نہ مکان ان لوگوں کا جن کی طرف سے ادا کرتا ہے امام محمد کے نزدیک اور یہی اصح ہے اس لیے کہ جن لوگوں کی طرف سے دیتا ہے وہ ادا کرنے والے کے تابع ہیں م بلکہ نہایہ اور عنایہ میں کہا ہے کہ یہی ظاہر الروایۃ ہے جیسا شرنبلالیہ میں ہے کہ یہی مذہب ہے جیسا بحر میں ہے کذا فی الشامی دفع الزکوٰۃ الی صبیان اقاربہ برسم عید او الی مبشر او مہدی الباکورۃ جاز زکوٰۃ دی اپنے اقارب کے لڑکوں یعنی عقلا کو عید کی تقریب سے یا خوشخبری سنانے والے کو یا اس شخص کو جو نیا پھل ہدیہ لایا تو جائز ہے الا اذا نص علی التعویض مگر جب کہ تصریح کر دی معاوضہ کی تو جائز نہ ہوگی ولو دفعہا لاخت ولہا علی زوجہا مہر یبلغ نصابا وہو ملی مقر ولو طلبت لم یمنع عن الاداء لا یجوز والا جاز اور اگر دے زکوٰۃ اپنی بہن کو اور اس کے خاوند کے ذمہ مہر ہے جو نصاب کو پہنچتا ہے اور وہ شخص تو انگر ہے کہ عورت کے طلب کرنے پر انکار نہ کرے تو اس کا زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور جو ایسا مال نہ ہو تو جائز ہے اور یہ مسئلہ پہلے گذر چکا ہے ولو دفعہا المعلم لخلیفتہ ان کان بحیث یعمل لہ ولو لم یعطہ صح والا لا اور اگر دی زکوٰۃ معلم نے اپنے خلیفہ کو اگر وہ اس طرح کام کرتا ہے کہ اگر معلم نہ دیتا تب بھی اس کا کام کرتا تو درست ہے ورنہ نہیں درست م اس لیے کہ دیا ہوا بمنزلہ عوض کے ہو جاتا ہے اور اس میں یہ خدشہ ہے کہ انعام نئے پھل لانے والے کا ایسا ہے تو وہاں بھی نیت کا اعتبار چاہیے قالہ الشامی ولو وضعہا علی کفہ فانتہبہا الفقراء جاز اور اگر رکھا زکوٰۃ کو اپنے ہاتھ پر اور لوٹ لیا اس کو فقیروں نے تو جائز ہے م اور یہ فقرا کی تملیک ہوئی اور زکوٰۃ کی نیت پہلے سے نکالتے وقت ہو چکی تھی اور یہی حکم ہے جبکہ نیت پہلے سے نہ ہو اور لوٹنے کے بعد نیت کرے اور مال فقیروں کے پاس موجود ہو قالہ الشامی ولو سقط مال فرفعہ فقیر فرضی بہ جاز ان کان یعرفہ والمال قائم خلاصہ اور اگر مال ہاتھ سے گر گیا اور فقیر نے اس کو اٹھا لیا پھر مالک راضی ہو گیا تو جائز ہے اگر اس کو پہچانتا ہے اور مال بھی قائم ہے کذا فی الخلاصہ م پہچاننے کی قید اس واسطے لگائی تاکہ تملیک مجہول شخص کی نہ ہو کیونکہ جب اس کو نہ پہچانتا ہو تو اس طرح کہ مالک جب مال کے پاس آیا تو مال کو نہ پایا اور کسی شخص نے اس کو کہا کہ فقیر اس کو اٹھا لے گیا جس کو مالک نہیں جانتا تھا اور مالک راضی ہو گیا تو درست نہ ہوگا کیونکہ یہ اباحت ہوئی اور زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے اور مال کے قائم ہونے کی اس واسطے شرط لگائی کہ اگر مالک بعد ہلاک ہونے مال کے راضی ہوا تو نیت صحیح نہ ہوگی جان لو کہ صدقہ وہ مستحب ہے جو فاضل ہو اپنی قدر کفایت اور اپنے عیال کی قدر کفایت سے اور اگر اس طرح صدقہ دے کہ حق داروں کے حق میں کوتاہی ہو تو گناہ گار ہوگا اور جو شخص کہ تنگی پر صبر نہ کر سکے اس کو اپنا نفقہ قدر کفایت تامہ سے کم کرنا مکروہ ہے کذا فی شرح درر البحار اور تاتارخانیہ میں محیط سے منقول ہے کہ جو شخص نفل صدقہ دے تو افضل یہ ہے کہ جمیع مومنین و مومنات کی نیت کرے کیونکہ ان کو ثواب پہنچے اور اس کے اجر میں سے کچھ کم نہ ہوگا واللہ اعلم

باب صدقۃ الفطر

یہ باب ہے صدقہ فطر کے احکام میں اس کی مناسبت زکوٰۃ سے یہ ہے کہ دونوں وظیفہ مالیہ میں ہیں اور مبسوط میں بعد صوم کے بیان کیا ہے کیونکہ صوم کے بعد صدقہ فطر ہوتا ہے اور فطر سے مراد فطر کا دن ہے نہ لغوی معنی کیونکہ اس طرح تو ہر شام کو رمضان میں افطار ہوتا ہے اور اس کو صدقہ اس جہت سے کہتے ہیں کہ دینے والے کا صدق اور اخلاص ظاہر کرتا ہے کذا فی العراج من اضافۃ الحکم لشرطہ اضافت صدقہ کی فطر کی طرف اضافت حکم کی ہے شرط کی طرف م حکم سے مراد وجوب صدقہ ہے اس لیے کہ حکم شرعی وجوب ہے تو یہاں حذف مضاف کا ہے اور وجوب سے مراد وجوب الاداء ہے اس واسطے کہ وجوب الاداء کی شرط فطر ہے نہ نفس

ف رسم عید میں اقارب کو کچھ دینا زکوٰۃ کی نیت سے جائز ہے ۱۲

وجوب کی کیونکہ وجوب کا مدار سبب کے موجود ہونے پر ہے اور سبب[1] راس ہے قال الحلبی والفطر لفظ اسلامی والفطرۃ مولد بل قیل لحن اور فطر اصطلاح اسلام والوں کی ہے اور فطرہ ساختہ ہے بلکہ کہتے ہیں کہ غلط ہے ثم ظاہر یہ ہے کہ شارح کی مراد یہ ہے کہ لفظ فطر جو مضاف الیہ صدقہ ہے اور نام روز مخصوص کا ہے یہ لفظ شرعی ہے یعنی اطلاق اس کا اس خاص روز پر اصطلاح شرعی ہے کیونکہ فطر جو ضد صوم کی ہے لغوی ہے شرع سے پہلے مستعمل ہے یا مراد اس کی لفظ فطرہ کا ہے یعنی فطرہ کے جس سے صدقہ مراد ہو لغوی نہیں اس لیے کہ ان معنوں میں نہیں آیا اور وہ جو قاموس میں مذکور ہے کہ فطرہ بالکسر صدقۃ الفطر تو قاموس کے اغلاط میں شمار کیا گیا ہے اور نووی نے تحریر میں کہا ہے کہ اسم مولد ہے یعنی[2] اور غالباً ماخوذ ہے فطرہ سے جو بمعنی خلقت کے ہے یعنی گویا کہ یہ زکوٰۃ ہے بدن کی قال الشامی وامر بہا فی السنۃ التی فرض فیہا رمضان قبل الزکوٰۃ اور حکم کیا گیا ہے ادائے صدقہ فطر کا جس برس کہ رمضان فرض ہوا زکوٰۃ سے پہلے ثم روزے رمضان کے فرض ہوئے شعبان میں بعد تحویل قبلہ کے کعبہ کی طرف اور حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ فطر کے لیے عید سے دو روز پہلے ہوا اور یہ زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے ہے یہی صحیح ہے قال الشامی وکان علیہ السلام یخطب قبل الفطر بیومین یامر باخراجہا ذکرہ الشمنی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھتے تھے عید سے دو روز پہلے حکم فرماتے صدقہ نکالنے کا ذکر کیا اس کو شمنی نے ثم عبد الرزاق نے سند صحیح سے تخریج کیا ہے عبد اللہ بن ثعلبہ سے کہ خطبہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم الفطر سے ایک روز یا دو روز پہلے پھر فرمایا کہ ادا کرو ایک[3] صاع گیہوں دو آدمیوں میں یا ایک صاع کھجور یا جو ہر شخص کی طرف سے آزاد ہو یا غلام چھوٹا ہو یا بڑا کذا فی الفتح یجب وحدیث فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ الفطر معناہ قدر للاجماع علی ان منکر ہا لا یکفر واجب ہے صدقۃ الفطر اور وہ حدیث جس میں مذکور ہے کہ فرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ فطر کو اس کے معنی یہ ہیں کہ مقرر کیا اس وجہ سے کہ اجماع ہے اس بات پر کہ منکر اس کا کافر نہیں ہے ثم امام شافعی کے نزدیک صدقۃ الفطر فرض ہے ان کا استدلال حدیث مذکور سے ہے شارح نے استدلال کے جواب کی طرف اشارہ کیا موسعا فی العمر عند اصحابنا وہو الصحیح بحر عن البدائع معللا بان الامر بادائہا مطلق کالزکوٰۃ علی قول کالمر واجب ہے صدقۃ الفطر اس طرح کہ مدۃ العمر میں ادا کی گنجائش ہے ہمارے تینوں اماموں کے نزدیک یہی صحیح ہے ذکر کیا اس کو بحر میں بدائع سے اور وجہ یہ بیان کی کہ امر صدقۃ الفطر کی ادا میں مطلق ہے یعنی وقت کی قید نہیں سو مدۃ العمر میں جب ادا کرے گا تو ادا ہی ہو گا قضا نہ ہو گا ہاں البتہ عید گاہ میں جانے سے پہلے ادا کرنا مستحب ہے کذا فی البدائع مانند زکوٰۃ کے کہ اس کا وجوب بھی موسع ہے ایک قول پر جیسا پہلے گذر چکا ولو مات فاداہا وارثہ جاز اور اگر مر گیا پھر اس کے وارث نے صدقۃ الفطر اس کی طرف سے ادا کیا تو جائز ہے ثم جوہرہ میں ہے کہ جس شخص کے ذمہ زکوٰۃ یا صدقۃ الفطر یا کفارہ یا نذر ہووے اور وہ مر جاوے تو اس کے ترکہ سے نہ لیا جاوے مگر یہ کہ ورثہ تبرع کریں اور ورثہ اہل تبرع کے بھی ہوں اور وہ جبر نہ کیا جاوے ان پر اور اگر خود وصیت کر کے مرا تو ثلث میں وصیت جاری ہو گی قال الشامی وقیل مضیقا فی یوم الفطر عینا اور کہا گیا ہے کہ ادا اس کا مقید ہے خاص عید کے روز ثم یہ قول حسن بن زیاد کا ہے کہ ادا کرنا اس کا یوم الفطر میں ہے اول سے آخر تک اگر اس کو نہ ادا کیا کہ عید کا دن گذر گیا تو ساقط ہو جاوے گا مثل قربانی کے کذا فی البدائع وشروح الہدایہ وغیرہا اور ابن ہمام نے اپنی تحریر میں ترجیح دی ہے کہ یہ مطلق نہیں ہے[4] بلکہ مقید بالوقت ہے کیونکہ حضرت نے فرمایا اغنوہم فی ہذا الیوم عن المسالۃ تو بعد اس روز کے قضا ہو گا اور ابن نجیم نے بھی اسی کا اتباع کیا ہے لیکن ان نے اپنی شرح میں جو منار پر ہے کہا ہے کہ یہ ترجیح مقابل صحیح کے ہے میں کہتا ہوں کہ یہ تیسرا قول ہے مذہب سے خارج اس واسطے کہ عید کا دن گذرنے کے بعد صدقہ کا قضا واقع ہونا مغایر اس قول کے ہے کہ عید کا دن گذرنے سے ساقط ہو جاتا ہے اور علامہ مقدسی نے اس کو رد کیا ہے

[1] یعنی وجود فطرہ دینے والے کا ۱۲ [3] اس حدیث میں حجت ہے امام اعظم کے لیے کہ ایک آدمی کی طرف سے نصف صاع گیہوں چاہئیں ۱۲ [4] بے پروا کرو ان کو اس روز میں مانگنے سے ۱۲

کہ حضرت کے وقت میں صحابہ صدقۃ الفطر پیشگی دے دیا کرتے تھے اور یہ بات حضرت کی اجازت سے تھی جیسا خود ابن ہمام نے کہا ہے کہ اس سے
ظاہر ہے مقید بیوم الفطر نہ تھا اس واسطے کہ اگر خاص اس روز کے ساتھ مقید تھا تو اس سے پہلے ادا نہ ہوتا مثل قربانی اور نماز روزہ کے اور
امرا غنوہم الخ محمول ہے استحباب پر کذا فی الشامی فبعدہ یکون قضاء واختارہ الکمال فی تحریرہ ورجحہ فی تنویر البصائر پس بعد یوم العید کے ہووے
گا قضا اور اس کو اختیار کیا ہے کمال نے اپنی تحریر میں اور ترجیح دی اس کو تنویر البصائر میں م پہلے معلوم ہو چکا کہ معین کرنا عید کے دن کا
ایک تمیز اول ہے کہ سوائے ابن ہمام کے کسی اور نے نہیں کہا اور اس میں جو کچھ ہے وہ بھی واضح ہو چکا اس صورت میں اس تفریع میں نظر
ہے قال الشامی علی کل حر مسلم ولو صغیرا او مجنونا واجب ہے صدقۃ الفطر ہر آزاد مسلمان پر اگرچہ صغیر یا مجنون ہو م حر کے لفظ سے معلوم ہوا کہ غلام پر لازم
نہیں اور مسلمان کی قید سے معلوم ہوا کہ کافر کے ذمہ نہیں اگرچہ اس کا غلام یا بیٹا مسلمان ہو کذا فی البحر اور بعض نسخوں میں ومجنونا واو کے ساتھ
واقع ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ ان دونوں یعنی صغیر اور مجنون کے پاس مال ہو بدائع میں کہا ہے کہ عقل اور بلوغ وجوب کی شرائط میں نہیں
ہے امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک یہاں تک کہ اگر مجنون و صغیر کے پاس مال ہو تو ان کا ولی صدقہ نکالے ان کے مال میں سے اور
امام محمد اور امام زفر کہتے ہیں کہ نہیں واجب ہے پس اگر ولی صدقہ ان کے مال میں سے دے گا تو ضامن ہو گا قال الشامی حتی لو لم یخرجہا ولیہما
وجب الاداء بعد البلوغ یہاں تک کہ اگر نہ نکالے صدقۃ الفطر مجنون اور صغیر کا ولی تو بعد بلوغ کے اور بعد افاقہ کے ادا واجب ہو گا ذی نصاب
فاضل عن حاجتہ الاصلیۃ کدینہ وحوائج عیالہ وان لم ینم کما مر یعنی صدقۃ الفطر واجب ہے ہر آزاد مسلمان پر کہ نصاب والا ہو اور وہ نصاب
زیادہ ہو اس کی حاجت اصلی سے جیسا دین اور زیادہ ہو عیال کی حاجت سے اگرچہ نصاب نامی نہ ہو جیسا پہلے گذر چکا وبہ ای بہذا النصاب تحرم الصدقۃ
کما مر وتجب الاضحیۃ ونفقۃ المحارم علی الراجح اور اسی نصاب کی جہت سے حرام ہوتا ہے صدقہ واجبہ جیسا گذر چکا اور واجب ہوتی ہے قربانی اور
نفقہ محارم کا بنا بر قول راجح کے م یعنی ان کو جو فقیر ہوں اور جو کسب سے عاجز ہوں یا عورتیں فقیر ہوں اور محارم کی قید سے ماں باپ کے نکالنے
کو کیونکہ ماں باپ جب فقیر ہوں تو مختار یہ ہے کہ ان کو اپنے نفقہ میں شامل رکھے اگر کسب کرتا ہے وانما لم یشترط النمو لان وجوبہا بقدرۃ ممکنۃ فلا
یشترط بقاء البقاء الوجوب لانہا شرط محض قدرت ممکنہ کاف مشدد کے کسرہ سے وہ ہے جو واجب ہو بمجرد قدرت کے فعل پر پس نہیں شرط باقی رہنا اس قدرت کا وجوب کے باقی
رہنے کے واسطے اس لئے کہ وہ صرف شرط ہے م واضح ہو کہ قدرت جس سے آدمی مامور بہ ادا کر سکے دو قسم ہے ایک وہ کہ توانگری اس کے ساتھ معتبر نہ ہو اس کو قدرت مطلق اور قدرت ممکنہ یعنی
قادر کر دینے والی کہتے ہیں کیونکہ اسی جہت سے آدمی ادا کے قدرت ممکنہ کی جہت سے ہے ای یجب بمجرد التمکن من الفعل اور نمو کی شرط جو نہیں لگائی سو اسی جہت سے کہ وجوب صدقۃ الفطر کا
مامور بہ پر قادر ہو جاتا ہے جیسے نصاب صدقہ فطر کی قدرت ممکنہ ہے اور زاد اور راحلہ حج کی اور اگر قدرت کے ساتھ توانگری بھی معتبر ہو تو وہ
قدرت میسرہ یعنی آسان کرنے والی اور قدرت کامل کہلاتی ہے جیسے نصاب نامی ہے کذا فی الطحطاوی اس سے معلوم ہوا کہ شارح نے جو تعریف
کی ہے وہ خود قدرت کی نہیں بلکہ اس واجب کی ہے جو قدرت مذکور پر مشروط ہو اور بقائے قدرت ممکنہ کے مشروط نہ ہونے سے یہ نکلا کہ اگر
نصاب عید فطر کی صبح کے بعد جاتی رہے گی تو صدقہ فطر ساقط نہ ہو گا چنانچہ آگے آوے گا لا المیسرۃ وہی ما یجب بعد التمکن بصفۃ الیسر فغیرتہ من العسر
الی الیسر نہ قدرت میسرہ کے ساتھ سین مشدد کے کسرہ سے قدرت میسرہ وہ ہے کہ واجب ہو بعد قدرت کے سہولت کے وصف کے ساتھ ہو
بدل دیا ہو اس کو دشواری سے آسانی کی طرف م اس تعریف میں بھی وہی خلل ہے جو قدرت ممکنہ کی تعریف میں گذرا حاصل یہ کہ قدرت ممکنہ
ہر گاہ شرط ہے تمکن اور احداث فعل کی تو شرط محض ہوئی کہ اس میں معنی علت کے نہیں پس اس کا بقا بھی شرط نہیں بقاء واجب کے لیے کیونکہ بقا غیر
ہے وجود کا اور وجود کی شرط کو کچھ لازم نہیں کہ بقا کی شرط بھی ہو جیسے نکاح کے شاہد کہ شرط ہیں انعقاد نکاح میں نہ بقائے نکاح میں بخلاف

میسرہ کے اس واسطے کہ وہ ایسی شرط ہے کہ اس میں معنی علت کے ہیں کیونکہ اس نے فعل واجب کی صفت کو دشواری سے سہولت کے ساتھ بدل دیا یعنی ہو سکتا تھا کہ فعل واجب ہوتا بقدر وجود قدرت ممکنہ کے بصفت دشواری سو دشواری کو چھوڑ کر اس کو بصفت یسر واجب کیا پس اس طرح کی قدرت کا دوام شرط ہے باعتبار معنی علیت کے کیونکہ حکم نہیں باقی رہ سکتا بدون اس کے کذا فی الشامی مختصرا فیشترط بقاءہا لانہا شرط فی معنی العلۃ پس شرط کیا گیا ہے بقائے قدرت میسرہ کا کیونکہ یہ شرط ہے علت کے معنی میں م یعنی اور حکم اپنی علت کے ساتھ رہتا ہے وجود اور عدم میں کذا فی الطحطاوی وقد حررناہ فیما علقناہ علی المنار اور ہم نے اسکو منقح بیان کیا ہے منار کی تعلیقات میں ثم فرع علیہ فلا تسقط الفطرۃ وکذا الحج بہلاک المال بعد الوجوب پھر تفریع کیا مصنف نے اس پر جو سابق میں مذکور ہے یعنی قدرت ممکنہ اور میسرہ پر پس نہیں ساقط ہوتا فطرہ اور ایسا ہی حج مال کے ہلاک ہو جانے سے واجب ہونے کے بعد کیونکہ ان دونوں میں قدرت ممکنہ میسرہ ہے کذا قال الشامی کما لا یبطل النکاح بموت الشہود جیسا نہیں باطل ہوتا نکاح گواہوں کے مرنے سے بخلاف الزکوۃ والعشر والخراج لاشتراط بقاء الیسرۃ بخلاف زکوۃ اور عشر اور خراج کے یعنی خراج مقاسمہ اس واسطے کہ قدرت میسرہ کی بقا شرط ہے یعنی تمام یعنی اگر مال برس گذرنے کے بعد ہلاک ہو جاوے ادا کی قدرت اس کو ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو تو زکوۃ ساقط ہو جاتی ہے بخلاف استہلاک کے کیونکہ اس صورت میں تقدیراً قدرت باقی ہے کہ اس میں زجر ہے تعدی سے اور فقیر دل کا بھی لحاظ ہے عن نفسہ متعلق بیجب وان لم یصم لعذر عن نفسہ متعلق ہے یجب کے یعنی صدقۃ الفطر واجب ہے اپنے نفس کی طرف سے اگرچہ کسی عذر سے روزہ نہ رکھا ہو م یہ بیان فطرہ کے سبب کا اور اصل اس میں خود اس کا نفس ہے اور آدمی بے شک اپنا بوجھ آپ اٹھائے ہوئے ہے اور اپنے راس کا آپ متولی ہے تو اسی کے معنوں میں ہے وہ جو اس کے ساتھ ملحق ہے یعنی اس کے توابع جس کی مؤنت اس کے ذمہ ہے اور صوم میں عذر کی قید اتفاقی ہے اگر بلا عذر بھی کوئی شخص افطار کرے تب بھی یہی حکم ہے کیونکہ فطرہ کے ادا میں یہ شرط مذکور نہیں قال الشامی وطفلہ الفقیر والکبیر المجنون اور اپنے چھوٹے لڑکے محتاج کی طرف سے اور بڑے مجنوں کی طرف سے م یعنی جو کہ فقیر ہو کیونکہ غنی کا صدقہ اس کے مال میں سے ہوگا امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک جیسا پہلے گذر چکا اور طفل کے لفظ سے معلوم ہوا کہ جنین کی طرف سے صدقۃ الفطر لازم نہیں اور طفل لڑکے اور لڑکی دونوں کو شامل ہے کذا فی المغرب قال الشامی ولو تعدد الآباء فعلی کل فطرۃ اور اگر باپ متعدد ہوں تو ہر ایک پر فطرہ لازم ہوگا م اس کی صورت یہ ہے کہ کسی لقیط پر دو آدمی دعوی کریں کہ یہ میرا بیٹا ہے یا مشترک باندی کے بیٹے پر دونوں مالکوں نے دعوی کیا قال الشامی ولو زوج طفلتہ الصالحۃ لخدمۃ الزوج فلا فطرۃ اور اگر نکاح کر دیا اپنی لڑکی کا کہ زوج کی خدمت کر سکتی ہے پس فطرہ لازم نہیں آتا م نہ خاوند پر لازم آوے گا جیسا آگے مذکور ہوگا اور نہ باپ پر کہ زوج کو تسلیم کر چکا خلاصہ میں ہے صغیرہ اگر اپنے خاوند کے سپرد کی گئی ہو تو اس کے باپ پر فطرہ نہیں ہے کیونکہ اس کی مؤنت اس کے ذمہ نہیں رہی اس سے معلوم ہوا کہ مسئلہ میں دو قیدیں ہیں خدمت کی صلاحیت اور خاوند کی سپردگی قالہ الشامی والجد کالاب عند فقدہ کما اختارہ فی الاختیار اور دادا باپ کے مثل ہے باپ کے نہ ہونے جیسا اختیار میں اسی کو اختیار کیا ہے م یہ حسن کی روایت ہے اور ظاہر الروایت کے خلاف ہے کہ دادا باپ کے حکم میں ہے مگر چند مسائل میں ان میں سے ایک مسئلہ یہی ہے اور فتح القدیر میں بھی اسی کو اختیار کیا ہے کیونکہ سبب وجوب کا متحقق ہے یعنی راس اور اس کی مؤنت اور تولیت بولایت مطلق دادا کے ذمہ ہے اسی واسطے شارح نے بھی اسی روایت کو اختیار کیا کذا فی الشامی وعبدہ لخدمتہ ولو مدیونا او مستاجرا او مرہونا اذا کان عندہ وفاء بالدین اور فطرہ واجب ہے اپنے غلام خدمتی کی طرف سے اگرچہ مدیون ہو بدین مستغرق کذا فی البدائع اجارہ دیا ہوا ہو یا رہن رکھا ہوا ہو جب کہ راہن کے پاس دین کے دینے کی قدر ہو م یعنی دین سے زائد نصاب بھی ہو جیسا ہندیہ میں ہے اور مراد نصاب سے یہ ہے کہ غلام کے سوا ہو کیونکہ وہ حوائج اصلی میں ہے کذا فی شرح النقایہ واما الموصی بخدمتہ لامدبرفیتہ لا فطرۃ علی مالک رقبتہ

وُہ غلام جس کی خدمت کی وصیت ایک شخص کے لیے کی اور اس کی ملکیت کی دوسرے کے لیے تو فطرہ رقبہ کے مالک پر ہے کالعبد العاریۃ والودیعۃ والجانی جیسے عاریت کا غلام اور ودیعت کا اور وُہ غلام جس نے کسی کا بگاڑ کیا ہو کہ اُنکا صدقہ مالک کے ذمہ ہے جنایت کوئی سی ہو عمداً ہو یا خطاء کیونکہ مالک کی ملک غلام سے جب زائل ہوتی ہے جب جنایت کے بدلہ میں اس کو دے دے پہلے سے زائل نہیں ہوتی کذافی الخانیہ وقول الزیلعی لا تجب سبق قلم فتح اور زیلعی کا قول کہ صدقہ واجب نہیں ہے خطا ہے کہ قلم سے نکل گئی کذافی الفتح م زیلعی میں ہے کہ جس غلام کے رقبہ کی وصیت ہو تو اس کا فطرہ مالک پر نہیں لیکن شبلی محشی زیلعی نے اس کو محمول کیا ہے اس صورت پر کہ موصی مرگیا اور موصی لہ نے ابھی نہ قبول کیا نہ رد کیا قالہ الشامی ومدبرہ وام ولدہ ولو کان عبدہ کافرا لتحقق السبب وہو راس یمونہ ویلی علیہ اور صدقہ دے اپنی مدبر اور ام ولد کی طرف سے اگرچہ غلام کافر ہی ہو کیونکہ سبب وجوب متحقق ہے یعنی رائس جس کی مؤنت اس کے ذمہ ہے اور اس کا وُہ ولی ہے م یعنی مؤنت واجبہ کاملہ مطلقہ پہلی قید سے مؤنت اجنبی نکل گئی جو للہ اپنے ذمہ رکھے نہ واجبہ اور دوسری قید سے عبد مشترک نکل گیا کہ اس کی مؤنت کامل نہیں اور تیسری سے زوجہ نکل گئی کہ اس کی مؤنت مطلقہ نہیں بلکہ مؤنت ضروری ہے انتظام خانگی کے لیے اور اسی لیے بجز معمولی اخراجات کے کچھ لازم نہیں جیسے دوا کرنا کما فی الزیلعی لا عن زوجتہ وولدہ الکبیر العاقل نہیں واجب ہے صدقۃ الفطر اپنی بی بی کی طرف سے اور اپنے ولد کی طرف سے جو ہوشیار عاقل ہو م زوجہ کی طرف سے اس لیے نہیں واجب کہ اس پر ولایت تامہ نہیں کیونکہ سوائے حقوق زوجیت کے اور کسی طرح کی ولایت نہیں ہے اور ولد عاقل بالغ اگرچہ اپاہج ہو اور خورد ونوش میں اس کا شریک ہو مگر اس کا صدقہ باپ پر واجب نہیں کیونکہ ولایت نہیں کذافی الجوہرہ اور عاقل کی قید سے احتراز ہو گیا معتوہ اور مجنون سے کہ ان کا حکم مانند صغیر کے ہے ولو ادی عنہما بلا اذن اجزا استحسانا للاذن عادۃ ای لو فی عیالہ والا فلا قہستانی عن المحیط فلیحفظ اور اگر فطرہ بی بی کی طرف اور بالغ لڑکے کی طرف سے بدون اجازت دے دیا تو کافی ہے بدلیل استحسان اور اسی پر فتوی ہے کذافی الخانیہ کیونکہ عادۃ اذن موجود ہے یعنی اگر اس کے عیال میں ہو ورنہ نہیں کافی کذافی قہستانی عن المحیط اس کو یاد رکھو م للاذن عادۃ سے اشارہ ہے کہ نیت حکما موجود ہے ورنہ بدائع میں تصریح کی ہے کہ فطرہ بدون نیت کے ادا نہیں ہوتا بحر میں کہا ہے کہ ظہیریہ کی ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ادا کرے ان اشخاص کی طرف سے جو اس کے عیال میں ہیں یعنی جن کا خورد ونوش اس کے متعلق ہے بدون ان کی اجازت کے تو جائز ہے مطلقاً یعنی قید زوجہ اور ولد کی نہیں قالہ الشامی وعبدہ الآبق والمأسور والمغصوب المجحود ان لم تکن علیہ بینۃ خلاصہ نہ بھاگے ہوئے غلام کی طرف سے کیونکہ ولایت اس پر قائم نہیں اور نہ قیدی کی طرف سے کہ وُہ تصرف سے خارج ہے جیسا مکاتب اور نہ غصب کیے ہوئے کی طرف سے جس کا غاصب منکر ہو اگر غصب پر شاہد نہ ہوں کذافی الخلاصہ م مقتضی اس تصحیح کا جو کتاب الزکوٰۃ میں مذکور ہوئی یہ ہے کہ واجب نہ ہو اگرچہ گواہ بھی ہوں کیونکہ ہر قاضی عادل نہیں ہوتا اور نہ ہر گواہ مقبول کذافی الطحاوی الا بعد عودہ فیجب لما مضی مگر غلام کے پھر آنے کے بعد پس واجب ہوگا سالہائے گذشتہ کا فطرہ کذافی قہستانی یہ استثنا راجع ہے آبق کی طرف جیسا نہر میں اور منح میں ہے اور مغصوب کی طرف بھی جیسا بحر میں ہے حلبی نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ ماسور کا حکم بھی یہی حکم ہے کذافی الشامی ولا عن مکاتبہ ولا تجب علیہ لان ما فی یدہ المولاہ اور نہیں واجب ہے مکاتب کی طرف سے اور نہ واجب ہے اس مکاتب پر کیونکہ جو چیز مکاتب کے قبضہ میں ہے مولی کی ہے م اس لیے کہ مکاتب عبد ہی ہے جب تک اس پر ایک درہم بھی باقی ہے اور عبد خود مملوک ہے تو مالک نہیں ہو سکتا کذافی البدائع وعبید مشترکۃ اور نہ مشترک غلاموں کی طرف سے م کیونکہ ہر شریک کی ولایت اور مؤنت قاصر ہے اور یہ امام صاحب کا قول ہے اور صاحبین کہتے ہیں کہ ہر ایک کے ذمہ پورے غلاموں کا فطرہ ہوگا جتنے اس کے حصہ میں آویں ٹکڑوں کا نہ ہوگا جیسا ہدایہ میں ہے یعنی اگر چار غلام ہوں تو دونوں شریکوں کے ذمہ دو دو غلاموں کا فطرہ لازم ہوگا اور تین غلام ہوں تو ایک ایک کا

فطرہ دونوں پر لازم گا تیسرے کا۔ لازم نہ ہوگا اور محیط میں ابو یوسف کو ابو حنیفہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہی اصح ہے جیسا حقائق اور فتح میں ہے
الا اذا کان عبد بین اثنین و تہایاہ و وجد الوقت فی نوبۃ احدہما تجب فی قول مگر جب کہ غلام مشترک ہو دو شخصوں میں اور نوبت بنوبت اس سے
خدمت لیتے ہوں اور ایک کی نوبت میں وقت وجوب پایا جاوے یعنی طلوع فجر یوم الفطر تو ایک قول میں واجب ہے م یعنی قول ضعیف میں جیسا
بعض نسخوں میں موجود ہے اور وجہ اس قول کے ضعیف ہونے کی یہ ہے کہ سب متون و شروح کے اطلاق کے مخالف ہے قالہ الشامی و توقف
الوجوب لو کان مملوک مبیعا بخیار فاذا مر یوم الفطر والخیار باق تلزم علی من یصیر لہ اور صدقہ کا وجوب موقوف رہے گا اگر مملوک کو بشرط خیار بیچا
ہو پھر جب عید کا دن گذر جاوے اور اختیار باقی ہو فطرہ لازم اس شخص پر ہوگا جس کا وہ غلام قرار پاوے گا م بشرط خیار بیچا یعنی بائع کا خیار یا
مشتری کا یا دونوں کا اور موقوف اس واسطے رہے گا کہ ملک متزلزل ہے پس اگر خیار نہ ہو اور بعد یوم الفطر کے قبض کیا تو مشتری پر لازم ہوگا
اور اگر قبل القبض مر گیا تو کسی پر واجب نہ ہوگا اور اگر عیب کی جہت سے قبل القبض پھیر اگیا یا خیار رویت کی جہت سے تو بائع کے ذمہ لازم ہوگا اور
اگر بعد القبض پھیر اگیا تو مشتری پر کذا فی الخانیہ نصف صاع فاعل یجب من براو دقیقہ او سویقہ نصف صاع فاعل ہے یجب کا یعنی فطرہ کا مقدار
واجب آدھا صاع گیہوں کا یا اس کے آٹے کا یا اس کے ستو کا م اولی یہ ہے کہ آٹے اور ستو میں مقدار اور قیمت دونوں کی رعایت ملحوظ رہے لعدم
اگرچہ بعض اخبار میں آٹے کی تصریح آئی ہے کذا فی الہدایہ اس واسطے کہ اسناد میں سلیمان بن ارقم ہے جو متروک الحدیث ہے پس احتیاط واجب
ہے یعنی اس طرح کہ نصف صاع گیہوں کا آٹا یا ایک صاع جو کا آٹا دیوے کہ برابر ہو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو کو اور اس طرح نہ دیوے کہ
نصف صاع سے کم گیہوں کا آٹا ہو جو قیمت میں برابر ہو نصف صاع گیہوں کے یا ایک صاع سے کم جو کا آٹا جو کہ قیمت میں برابر ہو ایک صاع
جو کے اور نہ اس طرح کہ نصف صاع گیہوں کا آٹا کہ قیمت میں نصف صاع گیہوں کے برابر نہ ہو یا ایک صاع جو کا آٹا جو قیمت میں ایک صاع
جو کی برابر نہ ہو کذا فی الفتح لیکن ہدایہ میں لفظ اولی سے تعبیر کیا ہے اور فتح القدیر میں بلفظ واجب کذا فی الشامی او زبیب وجعلاہ کالتمر وہو روایۃ
عن الامام وصححہا البہنسی وغیرہ یا نصف صاع کشمش اور صاحبین نے کشمش کو کھجور کے حکم میں کہا ہے یعنی ایک صاع دینی چاہیے اور یہ ایک
روایت ہے امام صاحب سے بھی اور تصحیح کی ہے اس روایت کی بہنسی وغیرہ نے م یعنی اپنی شرح میں جو ملتقی پر ہے اور مراد یہ ہے کہ اس نے
تصحیح بیان کی ورنہ وہ اصحاب تصحیح سے نہیں ہے بحر میں کہا ہے کہ اس کی تصحیح کی ہے ابو الیسر نے اور ترجیح دی ہے ابن ہمام نے فتح القدیر میں دلیل
کی رو سے فی الحقائق والشرنبلالیۃ عن البرہان وبہ یفتی اور حقائق اور شرنبلالیہ میں برہان سے منقول ہے کہ اسی پر فتوی ہے او صاع من تمر
او شعیر دلو ردیئا یا ایک صاع کھجور یا جو اگرچہ ناقص ہوم بحر میں کہا ہے کہ نصف صاع یا صاع مطلق کہا ہے اور جید کی قید نہیں لگائی اس واسطے
کہ نصف صاع خراب بھی ادا کرے گا تو جائز ہے اور اگر ادا کیا بودار یا عیب دار تو اس کا نقصان بھی بھر دے اور اگر ردی کی قیمت دی تو جو زیادہ
باقی رہ گئی وہ بھی ادا کر دے کذا فی الظہیریہ اور اگر گیہوں جو میں مخلوط ہوں پس اگر جو غالب ہوں تو ایک صاع اور اگر گیہوں غالب ہوں تو نصف
صاع قالہ الشامی وما لم ینص علیہ کذرۃ وخبز یعتبر فیہ القیمۃ اور جو غلہ وغیرہ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس میں تصریح وارد نہیں ہوئی اس
میں معتبر قیمت ہے جیسے جوار اور روٹی م بدائع میں کہا ہے کہ منصوص علیہ میں بعض کو بعض کی جگہ قیمت کے اعتبار سے دینا جائز نہیں برابر
ہے کہ جس چیز کے بدلہ میں دیا ہے وہ اس کے جنس سے ہو یا خلاف جنس ہو مثلاً گیہوں دیا گیہوں کے بدلے قیمت کے اعتبار سے یعنی اس
طرح کہ نصف صاع اچھے گیہوں کے بدلے ایک صاع متوسط گیہوں دیئے تو جائز نہیں یا دوسرا غلہ گیہوں کے بدلے قیمت کے اعتبار سے
دیئے وہ بھی جائز نہیں جیسے نصف صاع کھجور جو قیمت میں نصف صاع گیہوں کے برابر ہو بدلے نصف صاع گیہوں کے ادا کرے بلکہ جائے

نصف صاع کھجور کے شمار کیا جائے گا اور اس کے ذمہ باقی کا پورا کرنا لازم ہوگا کیونکہ قیمت منصوص میں معتبر نہیں کذا قال الشامی ویعتبر نصف الصاع المعتبر ما یسع الفا واربعین درہما من ماش او عدس اور صاع جو شرعاً معتبر ہے وہ ظرف ہے جس میں ایک ہزار چالیس درم کے وزن کے ماش یا مسور سما دیں ہم صاع چار مد کا ہوتا ہے اور مد دو رطل کا اور رطل نصف من کا اور من درہموں سے دو سو ساٹھ درم کا اور استار سے چالیس استار کا اور استار بکسر ہمزہ دراہم کے وزن سے ساڑھے چار مثقال کا کذا فی شرح درر البحار پس مد اور من دونوں برابر ہیں یعنی ہر ایک دو رطل عراقی اور صاع کا چوتھائی اور رطل ایک سو تیس درم کا اور زیلعی اور فتح القدیر میں ہے کہ صاع میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ اور محمد نے کہا ہے کہ آٹھ رطل عراقی کا ہے اور امام ابویوسف نے کہا ہے کہ پانچ رطل کا اور تہائی رطل کا اور کہا گیا ہے کہ اختلاف نہیں ہے بلکہ تعبیر کا فرق ہے اس لیے کہ ابویوسف نے اندازہ مدینہ شریف کے رطل سے کیا ہے جو تیس استار کا ہے اور عراقی بیس استار کا ہے اور جب مقابلہ کیا جاوے آٹھ رطل عراق کا ۵⅓ رطل مدنی کے ساتھ تو دونوں برابر ہیں کیونکہ بیس استار کو آٹھ میں ضرب دینے سے ایک سو ساٹھ استار ہوتے ہیں اور پانچ کو تیس میں ضرب دینے سے ڈیڑھ سو ہوتے ہیں اور تہائی تیس کے دس ہوئے تو یہ بھی ایک سو ساٹھ استار ہو گئے اور یہی مشابہ بصواب ہے کیونکہ امام محمد نے خلاف ابویوسف کے نہیں ذکر کیا اگر ہوتا تو بے شک ذکر کرتے پھر جاننا چاہیے کہ درم شرعی چودہ قیراط کا ہوتا ہے اور جواب متعارف ہے وہ سولہ قیراط کا ہے جب صاع ایک ہزار چالیس درم شرعی کا ہوا تو متعارف دراہم کے وزن سے نو سو دس کے برابر ہوا کذا قال الشامی قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے لکھا ہے کہ رطل بیس استار کا ہوتا ہے ہر استار ۴½ مثقال کا پس وزن رطل کا برابر چھتیس روپے دہلی کے ہے یعنی جو روپیہ کہ ہو گیارہ ماشہ کا ہے حاصل یہ کہ صاع یعنی ۱۰۴۰ درم = ۲۸۸ تولہ دہلی = ۲۸۸ روپے چہرہ شاہی کچھ کم = ۲۳۴ یا دو دو روپے زائد دہلی کے سیر سے جو اسی روپے بھر کا ہے اور قریب ۳ ثار ۳ چھٹانک کے سہارنپور کے سیر سے ہے جو اٹھاسی روپے بھر کا ہے انما قدر بہما لتساویہما کیلا ووزنا ماش اور عدس کے ساتھ اندازہ اس لیے مقرر کیا کہ یہ کیل اور وزن میں برابر ہوتے ہیں یعنی بعضے بھوے اور بعضے ٹھوس نہیں ہوتے پس جب ایک برتن کو ایک قسم کے ماش یا عدس سے پر کریں کہ بمقدار ۱۰۴۰ درہم کے ہوں پھر ان کو نکال کر دوسرے ماش یا عدس اس میں بھریں تو ہلکے یا بھاری نہ ہوں گے بلکہ پہلے کے برابر ہوں گے بخلاف گیہوں اور جو کے کہ ان میں بعض بھاری اور بعض ہلکے ہوتے ہیں تو اس کے کیل اور وزن میں اختلاف ہو سکتا ہے پس عدس اور ماش سے پیمانہ اس واسطے مقرر کیا کہ جنیا ہو مختلف نہ ہو ودفع القیمۃ ای الدراہم افضل من دفع العین اور دینا قیمت صدقۃ الفطر کا یعنی درہم وغیرہ کا افضل ہے اس معین کے دینے سے کیونکہ فقیر کی حاجت کے دفع میں قیمت زیادہ معاون ہے کذا فی الشامی علی المذہب المفتی بہ جوہرہ وبحر عن الظہیریۃ بنا بر مذہب مفتی بہ کے کذا فی الجوہرہ والبحر نقلا عن الظہیریۃ م اور اس کے مقابل وہ قول ہے جو مضمرات میں ہے کہ گیہوں کا دینا افضل ہے سب احوال میں ایام شدت کے ہوں یا نہ ہوں اس لیے کہ یہ موافق سنت کے ہے اور اسی پر فتوی ہے کذا فی المنح پس فتوی میں اختلاف ہے کذا فی الطحطاوی وہذا فی السعۃ اما فی الشدۃ فدفع العین افضل کما لا یخفی اور یہ قیمت کا ادا کرنا افضل ہے ارزانی کے دنوں میں لیکن گرانی کے دنوں میں تو خود اس شے معین کا دینا یعنی غلہ وغیرہ کا افضل ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں م ظاہر اس عبارت کا دلالت کرتا ہے کہ یہ شارح کی طرف سے بحث ہے باوجود اس کے کہ تاتارخانیہ میں اس کو محمد بن سلمہ کی طرف نسبت کیا ہے اور نہر میں کہا ہے کہ یہ مستحسن ہے کذا قال الشامی لطلوع فجر الفطر متعلق بیجب یہ متعلق ہے یجب کے یعنی صدقۃ الفطر واجب ہے عید کی صبح صادق کے نمودار ہونے پر م اور امام شافعی کے نزدیک معلق کے آخر روزہ کے آفتاب غروب ہونے پر کذا فی البدائع فمن مات قبلہ ای الفجر او ولد بعدہ او اسلم لا تجب علیہ پس جو شخص مر گیا اس فجر سے پہلے یا پیدا ہوا اس کے بعد یا اسلام لایا تو اس پر واجب نہ ہوگا م کیونکہ یہ اشخاص وجوب کے وقت اہلیت سے خارج ہیں کذا فی النہر وغیرہ

حکم ہے جو فقیر ہو جاوے فجر سے پہلے یا تو انگر ہو جاوے فجر کے بعد کذا فی الہندیۃ ویستحب اخراجہا قبل الخروج الی المصلی بعد طلوع فجر الفطر
عملا بامرہ وفعلہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مستحب ہے فطرہ دینا عیدگاہ میں جانے سے پہلے بعد نمودار ہونے فجر عید کے واسطے تعمیل حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے اور واسطے اقتدا فعل حضرت کے م اس قول وفعل کو حاکم نے ابن عمر سے روایت کیا ہے اور فتح القدیر میں اس کو بیان کیا ہے قالہ الشامی
وصح اداءہا اذا قدمہ علی یوم الفطر او اخرہ اعتبارا بالزکوٰۃ اور درست ہے ادا کرنا فطرہ کا یوم الفطر سے پہلے اور پیچھے زکوٰۃ پر قیاس کر کے
والسبب موجود اذ ہو الراس اور سبب وجوب کا یعنی راس موجود ہے م اولی یہ ہے کہ بخاری کی حدیث سے استدلال کیا جاوے کہ صحابہؓ عید سے ایک
روز پہلے فطرہ دیا کرتے تھے فتح القدیر میں ہے کہ پہلے سے دینا صحابہؓ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مخفی نہ تھا بلکہ آپ کے اذن ہی سے ہوگا
کذا قالہ الشامی بشرط دخول رمضان فی الاول ای مسئلۃ التقدیم ہو الصحیح وبہ یفتی جوہرہ وبحر عن الظہیریۃ بشرط داخل ہونے رمضان کے تقدیم کے
مسئلہ میں بھی صحیح ہے اور اسی پر فتوی دیا جاتا ہے کذا فی الجوہرہ والبحر عن الظہیریۃ یعنی اگر رمضان سے پیشتر فطرہ دے گا تو صحیح نہ ہوگا لکن عامۃ
المتون والشروح علی صحۃ التقدیم مطلقا وصححہ غیر واحد ورجحہ فی النہر ونقل عن الولوالجیۃ انہ ظاہر الروایۃ قلت فکان ہو المذہب لیکن اکثر متن اور شرح
متفق ہیں تقدیم کی درستی پر ہر صورت میں یعنی اگرچہ رمضان سے پیشتر دیوے اور کچھ ایک نے نہیں بلکہ بہتوں نے اس کی تصحیح کی ہے اور نہر
میں اس کو ترجیح دیا ہے اور ولوالجیہ سے نقل کیا ہے کہ یہی ظاہر الروایۃ ہے میں کہتا ہوں بس یہی ہے مذہب م طحاوی نے کہا کہ جس روایت
پر فتوی ہوتا ہے وہ مقدم ہوتی ہے ظاہر الروایۃ پر وجاز دفع کل شخص فطرتہ الی مسکین او مساکین علی ما علیہ الاکثر اور جائز ہے دینا ہر شخص
کو اپنا فطرہ ایک مسکین یا جماعت کو اس بنا پر کہ اکثر مشائخ اسی پر ہیں وبہ جزم فی الولوالجیۃ والخانیۃ والبدائع والمحیط وتبعہم الزیلعی فی الظہار من
غیر ذکر خلاف وصححہ فی البرہان فکان ہو المذہب کتفریق الزکوٰۃ اسی پر جزم کیا ہے ولوالجیہ اور خانیہ اور بدائع اور محیط میں اور ان کا اتباع کیا ہے
زیلعی نے باب الظہار میں بدون ذکر اختلاف کے اور برہان میں اس کو صحیح کہا ہے پس یہی ہے مذہب جیسے زکوٰۃ کی تقسیم درست ہے ایک
مسکین کو دے یا چند کو والامر فی الحدیث اغنوہم للندب فیفید الاولویۃ ولذا قال فی الظہیریۃ لا یکرہ التاخیر ای تحریما اور امر حدیث شریف اغنوہم الخ
میں استحباب کے لیے ہے پس مفید ہے اولویت کو اور اسی واسطے ظہیریہ میں کہا ہے کہ تاخیر مکروہ نہیں ہے یعنی تحریما م یہ حدیث دار قطنی اور
ابن ابی عدی اور حاکم نے علوم الحدیث میں ابن عمر سے ان لفظوں سے روایت کی ہے اغنوہم[1] عن الطوف فی ہذا الیوم کذا قالہ نوح اس حدیث
سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اغنا حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ ایک فقیر کو پورا فطرہ نہ دیا جاوے پس چاہیے کہ ایک ہی کو پورا فطرہ دینا واجب ہو بمقتضائے
امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سو شارح نے جواب دیا کہ امر استحباب کے لیے ہے ورنہ تقدیم وتاخیر جائز نہ ہوتی اور تقدیم وتاخیر کے جواز پر
دلیل سابق میں مذکور ہو چکی تو جب امر استحباب کے لیے ہوا تو اس کا خلاف مکروہ تحریمی ہوگا بلکہ تنزیہی ہوگا اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک
کا فطرہ متعدد کو دینا مکروہ تنزیہی ہے جیسا یوم الفطر سے تاخیر کرنا ہاں مگر یہ کہ فرق اس طرح بیان کیا جاوے کہ اگر لوگ یوم العید سے تاخیر
کریں تو اغنا بالکل حاصل نہ ہوگا بخلاف اس کے کہ متفرق دیں کیونکہ مجموع سے اغنا حاصل ہو جاتا ہے جیسے کرخی نے یہ علت بیان کی ہے قالہ
الشامی کما جاز دفع صدقۃ جماعۃ الی مسکین واحد بلا خلاف یعتد بہ جیسا جائز ہے دینا متعدد شخصوں کا فطرہ ایک مسکین کو بغیر ایسے
اختلاف کے کہ لائق اعتبار کے ہو م یعتد بہ سے مصنف کے کلام کی تصحیح کی ہے یعنی مراد نفی خاص خلاف کے ہے کیونکہ مواہب الرحمن میں دونوں مسئلوں
میں خلاف کی تصریح کی ہے کہ جائز ہے لینا ایک شخص کا جماعت سے اور دینا ایک کا جماعت کو بنا بر قول صحیح تر کے اس سے معلوم ہوا کہ قول صحیح عدم

[1] بے پروا کرو فقیروں کو در بدر پھرنے سے اس دن میں ۱۲

جواز ہے میں کہتا ہوں کہ محل خلاف اس جگہ شاید وہ صورت ہو کہ چند آدمیوں نے اپنے فطرہ جمع کر کے ملا دیے اور ایک کو دے دیے لیکن جب کہ ہر شخص نے جدا جدا ایک ہی شخص کو دیا تو خلاف کا جاری ہونا جواز و عدم جواز میں بعید ہے قال الشامی خلطت امرأۃ امرہا زوجہا باداء فطرۃ حنطۃ بحنطتہا بغیر اذن الزوج ودفعت الی فقیر جاز عنہا لا عنہ کسی عورت کو اس کے خاوند نے فطرہ کے ادا کا حکم دیا اس نے بلا اجازت خاوند کے اس کے گیہوں اپنے گیہوں میں ملا لیے اور کسی فقیر کو دے دیے تو عورت کی طرف سے جائز ہے مرد کی طرف سے ناجائز م اس لیے کہ مرد نے اس کو اپنے مال میں سے دینے کی اجازت دی تھی جب عورت نے مرد کا فطرہ اپنے فطرہ میں ملایا تو امام صاحب کے نزدیک خلط کی جہت سے مستہلک ہو گیا تو اس کی مالک عورت ہو گئی اور عورت کے ذمہ اتنے اناج کا ضمان لازم آوے گا قال الشامی لما مران الاختلاط عند الامام استہلاک یقطع حق صاحبہ وعندہما لا یقطع فیجوز ان اجاز الزوج ظہیریۃ اس وجہ سے کہ سابق میں مذکور ہوئی یعنی مخلوط ہونا استہلاک ہے امام صاحب کے نزدیک کہ مالک کے حق کو اس معین سے قطع کر دیتا ہے اور صاحبین کے نزدیک نہیں قطع کرتا تو فطرہ جائز ہوگا اگر زوج نے اجازت دی کذا فی الظہیریۃ م یعنی زوج کی طرف سے بھی جائز ہوگا ولو بالعکس قال فی النہر لم ارہ اور اگر صورت مسئلہ کی بالعکس ہو (یعنی عورت نے مرد کو کہا کہ میرا فطرہ ادا کر دے اور مرد نے عورت کا غلہ اپنے غلہ میں ملا لیا اور فطرہ دیا) تو نہر میں کہا ہے کہ میں نے اس صورت کو نہیں دیکھا ومقتضی مامر جوازہ عنہا بلا اجازتہا اور جو سابق میں مذکور ہوا (یعنی ولو ادی عنہا بلا اذن اجزا) وہ مقتضی ہے کہ خاوند اور بی بی دونوں کی طرف سے جائز رہے بدون عورت کی اجازت کے بھی ولا یبعث الامام علی صدقۃ الفطر ساعیا لانہ علیہ السلام لم یفعلہ بدائع اور نہ بھیجے امام صدقۃ الفطر لینے کے لیے کسی ساعی کو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں کیا کذا فی البدائع م یعنی یہ ثابت نہیں ہوا کہ کسی کو آپ نے مقرر کیا ہو کہ وہ گشت کر کے صدقہ فطر وصول کرلا دے قال الشامی وصدقۃ الفطر کالزکوٰۃ فی المصارف فی کل حال اور فطرہ مصارف کے باب میں مانند زکوٰۃ کے ہے سب حالات میں م فی کل حال سے تعمیم احوال مطلقا اور ہر وجہ سے مراد نہیں ہے کیونکہ ہر ایک کے لیے جدی جدی شرطیں ہیں جو دوسرے کے لیے نہیں ہیں مثلاً زکوٰۃ میں شرط ہے سال اور نصاب نامی اور عقل اور بلوغ اور فطرہ میں ایک بھی شرط نہیں بلکہ یہاں مراد تعمیم احوال کی ہے مصارف میں خرچ کرنے کے لحاظ سے یعنی نیت شرط ہونا اور تملیک یہاں تک کہ صرف اباحت کافی نہ ہوگی کذا فی البدائع یہ توجیہ وہ ہے جو مجھے ظاہر ہوئی قال الشامی الا فی جواز الدفع الی الذمی وعدم سقوطہا بہلاک المال وقد مر مگر زکوٰۃ فطرہ میں اتنا فرق ہے کہ فطرہ ذمی کو دینا جائز ہے اور مال کے ہلاک ہونے سے ساقط نہیں ہوتا اور دونوں مسئلے سابق گذر چکے ایک باب المصرف میں دوسرا اسی باب میں خانیہ میں ہے کہ ذمی کو فطرہ دینا جائز ہے اور مکروہ ہے نزدیک امام شافعی کے اور ایک روایت میں امام ابو یوسف سے جائز نہیں اور حاوی میں ہے کہ فتوی امام ابو یوسف کے قول پر ہے قال الشامی ولو دفع صدقۃ الفطر الی زوجۃ عبدہ جاز وان کانت نفقتہا علیہ عمدۃ الفتاوی للشہید۔ اور اگر دیا اپنا فطرہ اپنے غلام کی بی بی کو تو جائز ہے اگرچہ اس کی بی بی کا نفقہ مولی ہی کے ذمہ ہو کذا فی عمدۃ الفتاوی للشہید م یعنی نفقہ عبد کی بی بی کا مالک کے ذمہ تبرعاً ہے کہ اس نے اپنے ذمہ کر رکھا ہے اور اس کو منجملہ عیال کے سمجھ لیا ہے ورنہ اس کا نفقہ عبد کے ذمہ ہے، اسی لیے نفقہ کے عوض بی بی اس کو بکوا سکتی ہے قال الشامی۔ **خاتمہ** واجبات الاسلام ۱ سبعۃ الفطرۃ ۲ ونفقۃ ذی رحم ۳ والوتر ۴ والاضحیۃ ۵ وعمرۃ ۶ وخدمۃ ابویہ ۷ والمرأۃ لزوجہا حدادی۔ خاتمہ اسلام کے واجبات سات ہیں ۱ فطرہ ۲ اور ذو رحم کا نفقہ ۳ اور وتر ۴ اور قربانی ۵ اور عمرہ ۶ اور ماں باپ کی خدمت ۷ اور عورت کے حق میں اپنے خاوند کی خدمت کذا فی الحدادی م صاحب جوہرہ نے اس کو امام محبوبی کی طرف نسبت کیا ہے اور اصول میں ثابت ہے، کہ اعداد کے لیے مفہوم مخالف نہیں ہے یا یوں کہا جاوے کہ واجبات خبر مقدم ہے اور سبعۃ مبتدا مؤخر اور معنی اس طرح کہ یہ سات جو مذکور ہوئے منجملہ واجبات اسلام ہیں اور شاید ان کو کوئی خصوصیت ہو کہ اس میں یہ شریک ہوں، سوا اور واجبات کے بس نہیں وارد ہوتا جو طحطاوی نے کہا ہے

کہ اگر واجبات مشہورہ مراد ہیں تو غیر مسلم ہے کیونکہ صلوٰۃ عیدین اور جماعت وغیرہ رہ گئیں اور اگر مطلق واجبات مراد ہیں تو نماز میں اور حج وغیرہما میں بہتیرے واجبات ہیں اور واجب سے مراد وہ ہے کہ شامل ہو واجب دیانۃ کو جیسے خدمت عورت کی اپنے خاوند کے واسطے اور شامل ہو فرض عملی کو جیسے وتر اور عمرہ کو واجبات میں گننا اس قول کے بموجب ہے جن کے نزدیک عمرہ واجب ہے، اور اختلاف تصحیح کا اُس باب میں آگے مذکور ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم قالہ الشامی۔

کتاب الصوم

یہ کتاب ہے روزہ کے بیان میں م ایضاح میں ہے کہ روزہ دین کا بڑا رکن ہے اور شرع متین کا مضبوط قانون ہے اسی سے نفس امارہ مغلوب ہوتا ہے اور یہ مرکب ہے دو چیزوں سے ایک عمل قلبی دوم کھانے پینے جماع سے باز رہنا تمام روز اور یہ بڑی اچھی خصلت ہے مگر نفس پر البتہ دشوار ہے پس حکمت الٰہی اس کو مقتضی ہوئی کہ مکلف کو پہلے خفیف تکلیف دی جاوے یعنی نماز پھر متوسط یعنی زکوٰۃ پھر جو زیادہ دشوار ہو یعنی روزہ اور اسی ترتیب کی طرف اشارہ فرمایا قرآن مجید میں والخاشعین والخاشعات والمتصدقین والمتصدقات والصائمین والصائمات اور مبانی اسلام کے پانچ بیان فرمائے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ وصوم شہر رمضان اس لیے ائمہ شریعت نے اپنی تصنیفات میں یہی ترتیب رکھی کذا فی شرح ابن الشلبی قیل لو قال الصیام لکان اولیٰ لما فی الظہیریۃ لو قال للہ علی صوم لزمہ یوم ولو قال صیام لزمہ ثلثۃ ایام کما فی قولہ تعالیٰ ففدیۃ من صیام کہا گیا ہے (یعنی صاحب بحر نے کہا) کہ اگر مصنف بجائے کتاب الصوم کے کتاب الصیام کہتا تو بہتر ہوتا کیونکہ ظہیریہ میں کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے کہا کہ اللہ کے واسطے مجھ پر صوم ہے تو اس صورت میں اس پر ایک روزہ لازم ہوگا اور اگر صیام کہا تو تین روزے لازم ہوں گے جیسا قرآن شریف میں وارد ہے ففدیۃ من صیام او صدقۃ او نسک یعنی بدلا دلوے روزے یا خیرات یا ذبح کرنا م وجہ استشہاد کی یہ ہے کہ یہ فرع جو ظہیریہ میں ہے دلالت کرتی ہے کہ لفظ صیام جمع ہے اور جمع کا اطلاق اقل درجہ تین پر ہے جیسا آیت شریف میں ہے پس لفظ صیام سے تعبیر کرنا بہتر تھا کہ فرض واجب نفل کو شامل ہوتا قالہ الشامی وتعقب بان الصوم لا انواع اور اس قول پر اعتراض کیا گیا ہے یعنی صاحب نہر نے کہا ہے کہ صوم کے انواع متعددہ ہیں م یعنی صوم اسم جنس ہے اور اسم جنس کا اطلاق اپنے انواع سہ گانہ مذکورہ پر ہے خواہ اس کو صوم سے تعبیر کرو یا صیام سے کیونکہ یہ دونوں مصدر ہیں صام صوما وصیاما اور صوم اور صیام میں ہرگز تعدد پر دلالت نہیں ہے اور اسی لیے قاضی بیضاوی نے آیۃ شریف کی تفسیر میں کہا ہے کہ یہ بیان ہے جنس فدیہ کا اور مقدار روزوں کی کعبؓ کی حدیث سے معلوم ہوتی ہے ہاں صیام البتہ جمع صائم کی مستعمل ہے لیکن وہ یہاں مراد نہیں ہو سکتی اور نہ آیۂ شریف میں یہ معنی مراد ہو سکتے ہیں علی ان ال تبطل معنی الجمع علاوہ بریں الف ولام جمع کے معنی کو باطل کر دیتا ہے م یعنی اگر تسلیم کیا جاوے کہ صیام افراد صوم کی جمع ہے پھر بھی اولویۃ الصیام کی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی کیونکہ جب الف لام سے جمعیت کے معنی جاتے رہے تو صوم وصیام برابر ہو گئے یہ تقریر کلام شارح کی ہے نہر کے موافق اس صورت میں ظہیریہ کے کلام کی توجیہ مشکل ہے اگرچہ نہر میں کہا ہے کہ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ لفظ صیام اگرچہ جمع نہیں لیکن چونکہ آیہ شریف میں اس کا اطلاق تین روزے پر ہوا تو نذر میں اسی کا اعتبار کیا گیا ہے احتیاطاً بخلاف لفظ صوم کے قالہ الشامی ولا مع انہ لا یکرہ قول رمضان اور راجح یہ ہے کہ لفظ رمضان بولنا یعنی بغیر ملانے لفظ شہر کے مکروہ نہیں

ؔ۱ اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں ۱۲ ؔ۲ پڑھنا نماز کا اور دینا زکوٰۃ کا اور روزہ رکھنا ماہ رمضان کا غرض کہ حدیث میں بھی اول نماز پھر زکوٰۃ پھر روزے مذکور ہیں ۱۲ ؔ۳ جاننا چاہیے کہ لفظ شہر تین مہینوں کے شروع میں علم میں داخل ہے باقی مہینوں میں نام میں داخل نہیں یعنی شہر رمضان وشہر ربیع الاول وشہر ربیع الآخر اگرچہ حذف کرنا لفظ شہر کا اوائل ان اسماء مذکورہ میں بھی جائز رکھتے ہیں لیکن یہ بمنزلہ حذف بعض کلمہ کے ہے حاصل یہ کہ ان تین مہینوں میں علم مجموع مضاف ومضاف الیہ ہے باقیوں میں صرف مضاف الیہ قالہ الشامی ۱۲

ہے م بعضوں نے کہا ہے کہ صحیح وہ ہے جو محمد نے مجاہد سے روایت کی ہے اور اس کا خلاف ذکر نہیں کیا کہ مکروہ ہے بولنا رمضان آیا رمضان گیا کیونکہ رمضان اسماء الٰہی سے ہے اور اکثر مشائخ اس بات پر ہیں کہ یہ قول مکروہ نہیں ہے کیونکہ احادیث میں صحیح وارد ہے جیسا فرمایا من صام رمضان[1] ایمانا واحتسابا غفرلہ ماتقدم من ذنبہ وماتاخر اور دوسری جا ارشاد ہے عمرۃ فی رمضان تعدل حجۃ[2] اور روایت مشہورہ میں رمضان کا اسمائے الٰہی سے ہونا ثابت نہیں ہوا اور اگر ثابت بھی ہو تو اسماء مشترکہ میں ہو گا جیسا حکیم کذا فی الشامی وفرض بعد صرف القبلۃ الی الکعبۃ لعشر فی شعبان بعد الہجرۃ لسنۃ ونصف اور رمضان فرض ہوا بعد بدلنے قبلہ کے کعبہ شریف کی طرف دسویں شعبان کو ہجرۃ کے ڈیڑھ برس کے بعد ہو لغۃ امساک مطلقا صوم لغت میں کسی چیز سے باز رہنا ہے مطلق م یعنی طعام سے یا کلام سے اور ظاہر یہ ہے کہ سب معنوں میں حقیقت لغویہ ہے اور صحاح کی عبارت اسی کو مفید ہے اور مغرب میں ہے کہ وہ باز رہنا ہے انسان کا کھانے پینے سے قالہ الشامی وشرعا امساک عن المفطرات الآتیۃ اور شرع میں باز رہنا افطار کرنے والی چیزوں سے جن کا ذکر آگے آوے گا حقیقۃ او حکما کمن اکل ناسیا فانہ ممسک حکما باز رہنا حقیقۃ ہو یا حکما جیسے کسی نے کھا لیا بھول کر کیونکہ اس کو امساک حکمی حاصل ہے م یعنی شارع نے اس کے افطار کو اعتبار نہیں کیا قالہ الشامی فی وقت مخصوص وہو الیوم امساک ہو وقت مخصوص میں کہ وہ روز شرعی ہے م یعنی اول طلوع صبح سے غروب آفتاب تک اور طلوع فجر سے مراد اول زمان طلوع ہے یا روشنی کا انتشار اس میں اختلاف ہے جیسا نماز صبح میں اختلاف ہے اور پہلے میں احتیاط ہے اور دوسرے میں وسعت جیسا حلوانی نے کہا ہے اور محیط میں ہے کذا فی الشامی من شخص مخصوص مسلم کائن فی دارنا او عالم بالوجوب طاہر عن حیض ونفاس مع النیۃ المعہودۃ امساک ہے نیت مقررہ کے ساتھ خاص شخص کا یعنی مسلمان کا جو دار الاسلام میں ہو یا روزہ کے وجوب کو جانتا ہو یعنی گو دار الحرب میں ہو اور طاہر ہو حیض ونفاس سے عورت ہونے کی صورت میں م پوشیدہ نہ رہے کہ کلام مطلق صوم میں ہے فرض ہو یا نفل اور علم بالوجوب یا دار الاسلام میں ہونا شرط صرف وجوب رمضان کی ہے جیسا عقل وبلوغ بھی شرط ہے صحت صوم کی شرط نہیں پس مناسب یہ ہے کہ اقتصار کیا جاوے مسلم طاہر پر کذا قالہ الشامی واما البلوغ والافاقۃ فلیسا من شرط الصحۃ لصحۃ صوم الصبی ومن جن او اغمی علیہ بعد النیۃ وانما لم یصح صومہما فی الیوم الثانی لعدم النیۃ لیکن بلوغ اور عقل صحت کی شرطیں نہیں کیونکہ لڑکے کا روزہ جو بعد نیت کے مجنون ہو جاوے یا بے ہوش ہو جاوے درست ہے اور دوسرے روز کا روزہ جو مجنون اور بے ہوش کا درست نہیں ہوتا تو نیت کے نہ ہونے سے درست نہیں ہوتا م یہ جواب ہے اس سوال سے کہ کوئی یوں کہے کہ شخص مخصوص کو مقید کرنا چاہیے بقید بلوغ اور عقل کے جنون اور بے ہوشی اور نیند سے جواب کا حاصل یہ ہے کہ کلام صوم شرعی کی تعریف میں ہے اور وہ اس کے رکن کے ذکر کرنے یعنی امساک مذکور اور صحت صوم کے موقوف علیہ کے بیان سے حاصل ہو سکتی ہے اور صحت کے موقوف علیہ تین ہیں اول مسلمان ہونا دوم طہارت حیض ونفاس سے سوم نیت کرنا اور بلوغ اور افاقہ شروط صحت سے نہیں ہیں البتہ وجوب رمضان کی ہیں پس مقید کرنا بے موقع ہے قالہ الشامی وحکمہ نیل الثواب ولو منہیا عنہ کما فی الصلوۃ فی ارض مغصوبۃ اور صوم کا حکم (یعنی اثر اخروی) ملنا ثواب کا ہے اگرچہ منہی عنہ[3] ہو مانند ثواب نماز کے زمین مغصوب میں م اس سے معلوم ہوا کہ صوم منہی عنہ ثواب ہے جیسا غصب کی زمین پر نماز میں نہر میں اس کو ذکر کیا ہے بحر کا قول رد کرنے کو کہ ایام منہیہ[4] کے روزہ میں ثواب نہیں ہے قالہ الشامی وسبب صوم المنذور النذر ولذا لو عین شہرا وصام شہرا قبلہ عنہ اجزاہ لوجود السبب ویلغو التعیین اور نذر کیے ہوئے روزہ کا سبب نذر ہے اور اسی لیے اگر معین مہینے کے روزہ نذر کیے اور اس کے بدلے اس سے پہلے مہینے کے روزے رکھے تو کافی ہے کیونکہ سبب یعنی نذر تو موجود ہے اور تعیین ایام کی لغو ہو گئی م اس سے نکلتا ہے کہ ہر ہفتہ کے دوشنبہ اور جمعرات کے روزہ کی

[1] جس نے روزہ رکھا رمضان کا ایمان کی راہ سے اور ثواب پانے کی نیت سے اس کے اگلے اور پچھلے گناہ بخشے جاتے ہیں ۱۲ [2] عمرہ کرنا رمضان کے اندر برابر ہے ایک حج کے ۱۲ [3] اور دنیاوی حکم یہ ہے کہ اگر صوم واجب ہے تو ذمہ سے ساقط ہو جاوے [4] یعنی اس روز میں روزہ رکھنا جس میں روزہ کی ممانعت ہو ۱۲

کسی نے نذر کی تو اس کے بدلے دوسرے دنوں میں بھی رکھ سکتا ہے لیکن یہ حکم اس نذر کا ہے جس کو کسی چیز پر مشروط نہ کیا ہو چنانچہ قبل اعتکاف کے
آوے گا قال الشامی والکفارات الحنث والقتل اور سبب کفارات کے روزہ ان کا قسم کا توڑنا اور قتل کرنا یعنی قتل کرنا کسی نفس کا خطاءً یا قتل کرنا عبد کا خطاءً
میں م شامی نے کہا کہ اولیٰ وہ عبارت ہے جو فتح میں ہے کہ کفاروں کے روزہ کا سبب ان کے اسباب ہیں قسم توڑنا اور قتل وغیرہ اس لیے کہ اسباب
میں یہ بھی تو ہیں عود پر عزم کرنا ظہار میں اور روزہ توڑنا رمضان میں اور سر مونڈنا احرام میں قال الشامی و رمضان شہود جزء من الشہر من لیل او نہار
علی المختار کما فی الخبازیہ اور سبب رمضان کے روزہ کا حاضر ہونا ایک جزو کا اس مہینے سے ہے خواہ رات ہو یا دن بنا بر مذہب مختار سرخسی کے جیسا خبازیہ
میں ہے واختار فخر الاسلام وغیرہ انہ الجزء الذی یمکن انشاء الصوم فیہ من کل یوم اور فخر الاسلام وغیرہ نے اختیار کیا ہے کہ ہر یوم کا وہ جزو سبب ہے جس
میں روزہ کی ابتدا ممکن ہو م یعنی صبح صادق کے شروع سے دوپہر سے کچھ پہلے تک کیونکہ رات میں اور خود دوپہر اور اس کے بعد میں انشاء صوم ممکن
نہیں اور رات میں تو صرف نیت ہی ہے نہ صوم لیکن بحر میں تصریح کی ہے کہ سبب وہ جزو ہے جس کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے ہر روز میں پس روزہ واجب
ہوتا ہے اسی جزو کے متصل اور یہ کلام بحر کا مقتضی ہے اس بات کو کہ سبب ہر دن کا جزو اول ہی ہے جیسا اور علما نے بھی اس کی تصریح کی ہے قال الشامی
حتی لو افاق المجنون فی لیلۃ او فی آخر ایامہ بعد الزوال لا قضاء علیہ وعلیہ الفتوی کما فی المجتبی والنہر عن الدرایۃ یہاں تک کہ اگر مجنون کو کسی رات میں افاقہ ہوا یا آخر
روز رمضان میں بعد زوال کے افاقہ ہوا تو اس پر قضا لازم نہیں اور اسی پر فتوی ہے جیسا مجتبی میں ہے اور نہر میں منقول ہے درایہ سے وصححہ غیر واحد
وہو الحق کما فی الغایۃ اور بہت لوگوں نے اسی کی تصحیح کی ہے اور یہی حق ہے جیسا غایہ میں ہے م یعنی نہایہ اور ظہیریہ اور قاضی خان اور عنایہ اور در
اسبیجابی اور حمید الدین وغیرہم نے تصحیح کی ہے میں کہتا ہوں کہ اسی کی تصحیح کو ذخیرہ میں نقل کیا ہے لیکن یہ بھی نقل کیا ہے کہ لزوم قضا صحیح ہے اور
اسی طرف فتح القدیر چلا ہے اور شرح ملتقی میں ہے کہ یہی ظاہر الروایت ہے اور بدائع میں اس کو ہمارے اصحاب کی طرف نسبت کیا ہے اور خلاف
نہیں نقل کیا اور ایسا ہی سراج میں ہے اور اسی پر جزم کیا زیلعی نے اور ظاہر قدوری اور کنز اور ہدایہ کا بھی اسی پر دلالت کرتا ہے حاصل یہ کہ دونوں
قولوں کی تصحیح کی گئی ہے اور معتمد دوسرا قول ہے کیونکہ وہ ظاہر الروایۃ ہے اور متون اسی پر منعقد ہیں قال الشامی وہو اقسام ثمانیۃ فرض وہو نوعان
معین کصوم رمضان اداء وغیر معین کصومہ قضاء وصوم الکفارات اور صوم کی آٹھ قسمیں ہیں ایک فرض ہے اس کی دو قسمیں ہیں معین جیسے
رمضان کے ادا روزے اور غیر معین جیسے رمضان کے قضا روزے اور کفاروں کے روزے لکنہ فرض عملا لا اعتقادا ولذا لا یکفر جاحدہ قالہ البہنسی
تبعا لابن کمال لیکن کفاروں کے روزے فرض عملی ہیں نہ اعتقادی اس لیے اس کے منکر کو کافر نہیں کہتے یہ بہنسی نے کہا ہے ابن کمال کی اتباع سے
م ایضاح الاصلاح میں کہا ہے کہ روزہ نذر اور کفارہ واجب ہے اس کی فرضیت پر اجماع نہیں منعقد ہوا بلکہ اس کے وجوب یعنی ثبوت پر عمل کے
اعتبار سے نہ اعتقاد کے اعتبار سے اسی واسطے اس کا منکر کافر نہیں حاصل یہ کہ اگرچہ لزوم ہر واحد کا کتاب اللہ اور اجماع سے ثابت ہے لیکن اس طرح نہیں
ہے کہ اس کا منکر کافر ہو جیسا حال فرض قطعی کا ہوتا ہے مثل رمضان وغیرہ کے اس تقدیر پر بات کو مناسب تھا کہ کفارات کو واجب کی قسم میں ذکر کیا جاتا
جیسا ابن کمال نے کیا ہے قال الشامی و واجب وہو نوعان معین وغیر معین کالنذر المعین والنذر المطلق اور ایک روزہ واجب ہے اس کی دو قسمیں
ہیں ایک معین جیسے نذر معین اور ایک غیر معین جیسے نذر مطلق م معین وہ جس کا وقت خاص ہو مثلاً جمعرات کا روزہ اور غیر معین جیسے ایک دن کا
روزہ مثلاً اور واجب کے اقسام میں ہیں نفل روزہ جو شروع کر کے توڑ دے یا نفل کی قضا کو لازم کرے اور اعتکاف کے روزے قال الشامی وما الحق به کقولہ تعالیٰ ولیوفوا نذورہم فدخلہ

---

[1] یعنی جیسے امام دبوسی وابوالیسر کذا فی البحر ۱۲ [2] فرض معین فرض غیر معین واجب معین واجب غیر معین نفل مسنون نفل مستحب مکروہ تحریمی مکروہ تنزیہی ۱۲ [3] اور چاہیے کہ پورا کریں اپنی نذروں کو ۱۲

الخصوص کالنذر بمعصیۃ فلم یبق قطعیا لیکن قول حق سبحانہ تعالیٰ کا ولیوفوا نذورہم اس پر خصوص وارد ہوا ہے یعنی گناہ کی نذر اس میں سے مخصوص ہے پس قطعی
نہ رہا کیونکہ مخصوص البعض قطعی الدلالۃ نہیں ہوتا وقیل قائلہ الاکمل وغیرہ واعتمدہ الشرنبلالی اور کہا گیا ہے کہ نذر فرض ہے شارح نے کہا کہ قائل اکمل
وغیرہ ہے اور شرنبلالی نے اس پر اعتماد کیا ہے م پس اس میں یہ شبہ ہے کہ اکمل نے عنایہ میں تو وجوب ثابت کیا ہے مگر یہ کہ اس موضع کے سوا اور
کہیں کہا ہو اور بحر وغیرہ میں مذکور ہے کہ اس کا قائل کمال ہے تو شاید یہ شارح کے قلم کی خطا ہے بسبب مشابہت دونوں لفظوں کے قالہ الحلبی اور
کمال کا کلام فتح القدیر میں یہ ہے کہ فرضیت اس سے مستفاد ہے کہ اجماع ہے اس کے لزوم پر نہ آیت شریف سے کیونکہ وہ مخصوص البعض ہے قالہ
الشامی لکن تعقبہ سعدی بالفرق بان المنذورۃ لاتودی بعد صلوۃ العصر بخلاف الفائتۃ لیکن سعدی نے نذر کے فرض ہونے پر اعتراض کیا ہے اس فرق سے
کہ صلوۃ منذورہ بعد عصر کے ادا نہیں کی جاتی بخلاف قضاء نمازوں کے تو اگر نذر فرض ہوتی تو بعد عصر اس کی نماز مکروہ نہ ہوتی ہو فرض علی الاظہر کالکفارات
یعنی عملا لان مطلق الاجماع لایفید الفرض القطعی اور کہا گیا ہے کہ نذر فرض ہے بنا بر اظہر اقوال کے جیسے کفارات یعنی فرض عملی ہے کیونکہ مطلق اجماع فرض
قطعی کو مفید نہیں ہوتا م فرض عملی کہہ کر شارح کا توجیہ کرنا ایسا ہے کہ خود بھی اس کو اچھا نہ جانے گا اس واسطے کہ جو شخص آیت شریف سے فرضیت پر استدلال
کرتا ہے وہ فرض قطعی کہتا ہے نہ ظنی جیسا درر میں تصریح کی ہے اور اسی لیے فتح میں اعتراض کیا ہے کہ آیت سے استدلال فرضیت پر نہیں ہو سکتا کہ وہ مخصوص
ہے اور صدر الشریعہ نے اس کو چھوڑ کر اجماع سے استدلال کیا ہے کذا فی الشامی کی البسط خسرو جیسا تفصیل بیان کیا ہے خسرو نے م یعنی درر میں
صدر الشریعۃ کا یہ قول ذکر کیا کہ منذور فرض ہے اس وجہ سے کہ لزوم اس کا بالاجماع ثابت ہے پس قطعی الثبوت ہوا پھر اس طرح جواب دیا کہ فرض
سے مراد یہاں فرض اعتقادی ہے جس کا منکر کافر ہوتا ہے چنانچہ عبارت ہدایہ کی اس پر دلالت کرتی ہے اور فرضیت ان معنوں سے مطلق اجماع سے ثابت
نہیں ہوتی بلکہ اس اجماع سے جو بتواتر منقول ہو فرضیت پر جیسا رمضان کے روزے اور جب منذور میں اجماع فرضیت پر بتواتر منقول نہ ہوا تو مرتبہ وجوب
میں رہا اس واسطے کہ اجماع جو منقول بطریق شہرت یا آحاد ہو وجوب کو مفید ہوتا ہے نہ فرضیت کو قالہ الشامی ونفل کغیرہا اور ایک روزہ نفل ہے چنانچہ
فرض واجب کے سوا دوسرے روزے م یہاں نفل کے معنی لغوی مراد ہیں یعنی زیادتی نہ معنی شرعی کیونکہ اس میں دونوں قسمیں مکروہ کی بھی داخل ہیں
اور کبھی کہا جاتا ہے کہ معنی شرعی ہی مراد ہیں اس وجہ سے کہ روزہ ایام منہیہ کا باعتبار اپنی ذات کے عبادت مستحسنہ ہے اور اس اعتبار سے کہ ضیافت خداوندی
سے روگردانی کو مستلزم ہے منع ہے پس اپنی اصل کے اعتبار سے مشروع ٹھہرا اور صفت کے اعتبار سے مکروہ قالہ الشامی یعم السنۃ کصوم عاشوراء مع التاسع
نفل شامل ہے سنت کو جیسے روزہ دسویں محرم مع نویں کے م جو فعل کہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت کی ہو یا خلفائے راشدین نے حضرتؐ
کے بعد وہ سنت ہے پھر وہ دو قسم ہے ایک سنۃ الہدی کہ اس کا ترک برائی اور کراہت کو موجب ہے جیسے جماعت اور اذان دوم سنت زوائد جیسے
عادات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس اور قیام وقعود میں اور اس کا ترک کراہت کو موجب نہیں اور ظاہر یہ ہے کہ صوم عاشورا قسم ثانی میں ہے بلکہ خانیہ
میں اس کو مستحب کہا ہے اور ایسا ہی بدائع میں ہے تامل قالہ الشامی والمندوب کایام البیض من کل شہر اور نفل شامل ہے مندوب کو جیسے ہر مہینے کے
ایام بیض کے روزے م بیض صفت ہے لیالی کی جو محذوف ہے یعنی تیرھویں چودھویں پندرھویں مستحب کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اصولیوں کے نزدیک
مستحب اور مندوب میں فرق نہیں یعنی وہ فعل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت نہ کی ہو اگرچہ کبھی نہ کیا ہو مگر رغبت اس کی طرف ثابت
ہو کذا فی التحریر اور فقہا کے نزدیک مستحب وہ ہے جو حضرتؐ نے کبھی کیا ہو اور کبھی ترک کیا ہو اور مندوب وہ کہ صرف ایک بار یا دو بار جواز کی تعلیم کے
لیے کیا ہو قالہ الشامی ویوم الجمعۃ ولو منفردا اور شامل ہے جمعہ کے دن کے روزہ کو اگرچہ اکیلا ہو م نہر میں اس کی تصریح کی ہے اور ایسے ہی بحر میں یعنی کہا
ہے کہ جمعہ کا روزہ اکیلا مستحب ہے اکثروں کے نزدیک جیسا دوشنبہ اور جمعرات کا اور بعضوں نے سب کو مکروہ کہا ہے اور اسی کی مثل محیط میں ہے

اور یہ سبب بیان کیا ہے کہ ان ایام کی فضیلت ہے اور ان کے روزہ میں غیر قبلہ والوں کے ساتھ تشبیہ نہیں ہے پس جو اشباہ میں کراہت اکیلے جمعہ کے روزہ کی نقل کی ہے سو وہ قول بعض کا ہے اور خانیہ میں ہے کہ کچھ مضائقہ نہیں جمعہ کے روزہ کا امام ابوحنیفہ اور محمد کے نزدیک کیونکہ عبداللہ بن عباس اس کا روزہ رکھتے اور افطار نہ کرتے تھے اور اس اثر سے استشہاد کرنا دلیل ہے اس بات پر کہ لا باس سے مراد استحباب ہے اور ابو یوسف نے کہا ہے کہ حدیث اس کی کراہت میں بھی وارد ہے پس احتیاط یہ ہے کہ ایک روز پہلے یا پیچھے ملاوے قال الشامی وعرفۃ ولو لحاج لم یضعفہ اور نفل میں ہے عرفہ کا روزہ اگرچہ حاجی رکھے جو روزے سے ضعیف نہ ہوم یعنی نویں ذیحجہ کا روزہ اگر کوئی حاجی رکھے کہ اس کو وقوف عرفات میں خلل انداز نہ ہو اور دعاؤں کا حارج نہ ہو تو مکروہ نہیں اور اگر ضعف طاری ہو تو مکروہ ہے کذا قال الشامی والمکروہ تحریما کالعیدین اور نفل شامل ہے مکروہ تحریمی کو جیسے عیدین کا روزہ م یعنی اور ایام تشریق کا کذا فی النہر اور المکروہ نصب کے علامت سے عطف ہے سنت پر یا مرفوع ہے اور کالعیدین خبر اور اس صورت میں جو تکلف نفل کے معنوں میں کیا گیا مکروہ کے شامل کرنے کو اس کی ضرورت نہیں قال الشامی وتنزیہا کعاشوراء وحدہ اور شامل ہے مکروہ تنزیہی کو جیسا عاشورا کا روزہ اکیلا م یعنی اس طرح کہ نویں یا گیارھویں کو اس کے ساتھ نہ ملایا جاوے قال امداد اس لیے کہ مشابہت ہے یہود کے ساتھ کذا فی المحیط قال الشامی وسبت وحدہ اور ہفتہ کے روزہ کا اکیلا م کیونکہ یہود کے ساتھ مشابہت ہے کذا فی البحر اور یہ علت کراہت تحریمی پر دلالت کرتی ہے مگر یہ کہ کہا جاوے کہ کراہت تحریمی تعمد مشابہت سے ہوتی ہے ونیروز ومہرجان ان تعمدہ اور روزہ نوروز اور مہرجان کا اگر قصداً رکھے اس کو م نیروز معرب ہے نوروز کا اس روز کا نام ہے کہ آفتاب برج حمل میں آتا ہے اور مہرجان معرب ہے مہرگان کا وہ دن کہ آفتاب میزان میں آتا ہے اور یہ دونوں فارسیوں کے عید کے دن ہیں قولہ ان تعمدہ کذا فی المحیط میں کہا ہے کہ مختار یہ ہے اگر پہلے سے روزہ رکھتا ہو تو افضل یہ ہے کہ روزہ رکھے ورنہ افضل یہ ہے کہ روزہ نہ رکھے کیونکہ اس روز کی تعظیم کی مشابہت ہو جاتی ہے اور یہ حرام ہے قال الشامی وصوم دہر وصوم صمت ووصال وان افطر الایام الخمسۃ اور شامل ہے نفل کراہت کے ساتھ عمر بھر کے روزے کو اور سکوت کے روزے کو یعنی یہ کہ روزہ میں کلام نہ کرے اور کلام نہ کرنے کی کراہت اس واسطے ہے کہ مجوس کے ساتھ مشابہت ہے کہ وہ روزے میں نہیں بولتے کذا فی المحیط اور شامل ہے وصال کے روزے کو یعنی کئی روزے پے در پے رکھے اور بیچ میں افطار نہ کرے اور عمر بھر روزہ رکھنا مکروہ ہے اگرچہ پانچ دن ممانعت کے یعنی دونوں عید کے دن اور تین ایام تشریق میں افطار کرے م خلاصہ میں ہے کہ جب ایام منہیہ میں افطار کرے تو مختار یہ ہے کہ کچھ مضائقہ نہیں قال الشامی وہذا عند ابی یوسف کما فی المحیط اور یہ امام ابویوسف کے نزدیک ہے جیسا محیط میں ہے م یعنی مکروہ ہونا عمر بھر کے روزہ رکھنے کا امام ابویوسف کے نزدیک اس جہت سے ہے کہ فرائض اور واجبات اور کسب ضروری میں ضعف طاری ہوگا یا روزہ رکھنا اس کی سرشت ہو جائے گی مشقت نہ رہے گی کذا فی الحلبی فی خمسۃ عشر یہ تفریع ہے لیعم السنۃ الخ پر یعنی جملہ مذکورات جو نفل میں داخل ہیں پندرہ ہیں م اس طرح کہ عیدین کو دو شمار کریں اور اتوار کا دن کہ بہت سے نسخوں میں موجود ہے اس میں شامل رکھیں لیکن مکروہ تحریمی سے ایام تشریق اور صوم یوم الشک باقی رہ گئے اور مکروہ تنزیہی سے عورت کا روزہ بدون اپنے خاوند کی اجازت کے اور غلام کا روزہ بدون مولیٰ کی اجازت کے اور اجیر کا روزہ بدون مستاجر کی اجازت کے باقی رہ گئی اور مندوبات میں سے دوشنبہ اور جمعرات کا روزہ اور صوم داؤد یعنی ایک روز صوم اور ایک روز افطار اور شش عید کے روزے باقی رہ گئے قال الشامی والذی یلزم سبعۃ عشر اور انواع صوم لازم سترہ ہیں سبعۃ متتابعۃ سات قسمیں بلافصل روزہ رکھے جاتے ہیں رمضان وکفارۃ ظہار وقتل ویمین وافطار رمضان ونذر معین واعتکاف واجب ایک تو رمضان کے روزے دوسرے کفارہ ظہار کے روزے تیسرے کفارہ قتل کے چوتھے کفارہ قسم کے پانچویں کفارہ افطار رمضان کا چھٹے نذر معین ساتویں اعتکاف واجب کے وستۃ یخیر فیہا الفل وقضاء رمضان وصوم متعۃ وفدیۃ حلق وجزاء صید ونذر مطلق اور چھ قسمیں وہ ہیں

ف مثلاً کوئی شخص جمعرات کو روزہ رکھتا ہے اتفاقاً جمعرات کو روز جمعہ ہو گیا تو یہ روزہ مکروہ نہیں ہے اگر جمعرات ہی کی نیت سے رکھے ۱۲

جن میں رکھنے والے کو اختیار ہے فصل کا ایک نفل دوسرے رمضان کی قضاء تیسرے حج تمتع (اور قران) کے روزے یعنی جب استطاعت ذبیحہ کی نہ ہو اور تین روزے ایام حج میں اور سات پھرنے کے بعد رکھے چوتھے سر منڈانے کے فدیہ کے روزے پانچویں جزاء صید کے روزے چھٹے نذر مطلق کے روزے یعنی جس میں معین مہینے یا پے درپے رکھنے کی قید نہیں لگائی اور نہ نیت کے اذا نقر ہذا فصح اداء صوم رمضان والنذر المعین النفل بنیۃ من اللیل جب ثابت ہو چکا پس صحیح ہے ادائے رمضان کے روزے اور نذر معین اور نفل کے رات سے نیت کرنے سے ص ادا کی قید اس واسطے لگائی کہ قضاء رمضان کے اور قضاء نذر معین اور نفل کی قضا کے لیے رات سے نیت کرنی اور تعیین مشروط ہے جیسا آوے گا اور نفل سے مراد سوائے فرض اور واجب کے یعنی سنت ہو یا مندوب یا مکروہ کذا فی البحر والنہر اختیار میں کہا ہے کہ نیت شرط ہے روزہ میں یعنی دل میں جانے کہ روزہ رکھوں گا اور رمضان شریف کی راتوں میں کوئی مسلمان اس سے خالی نہیں اور زبان سے نیت کا کہنا شرط نہیں اور بحر میں ظہیریہ سے نقل کیا ہے کہ سحر کھانا نیت ہے قال الشامی فلا تصح قبل الغروب ولا عندہ پس نیت نہیں صحیح غروب سے پہلے اور نہ غروب کے وقت ص یعنی اگر نیت کرے غروب سے پہلے یا غروب کے وقت کہ میں کل روزہ رکھوں گا پھر سو گیا یا بے ہوش ہو گیا یا غافل ہو گیا یہاں تک کہ اگلے دن آفتاب کے زوال کا وقت آگیا تو روزہ نہ ہوا اور اگر غروب کے بعد نیت کی تھی تو جائز ہے کذا فی الخانیہ قال الشامی الی الضحوۃ الکبری لا بعدہا ولا عندہا اعتبارا للاکثر الیوم صحیح ہے نیت رات سے لے کر ضحوہ کبریٰ تک نہ اس کے بعد اور نہ اس کے متصل بلحاظ اکثر یوم کے ص ضحوہ کبریٰ سے مراد نصف نہار شرعی ہے اور نہار شرعی شروع صبح صادق سے ہے غروب شمس تک اور اس کو زوال شمس سے تعبیر نہ کیا جیسا قدوری و مجمع وغیرہ میں تعبیر کیا ہے کیونکہ زوال کا وقت نصف روز ہے طلوع آفتاب سے حالانکہ وقت صوم کا طلوع فجر سے ہے کذا فی البحر عن المبسوط اور ہدایہ میں جامع صغیر سے منقول ہے کہ نصف النہار سے پہلے نیت ہو اور یہی اصح ہے کیونکہ وجود نیت کا اکثر روز میں ضروری ہے اور نصف روز طلوع فجر سے ضحوہ کبریٰ تک ہے نہ وقت زوال تک پس اس سے پہلے نیت شرط ہے تاکہ اکثر ہونا ثابت ہو قال الشامی وبمطلق النیۃ ای نیۃ الصوم فال بدل من المضاف الیہ اور درست ہیں صیام مذکورہ مطلق نیت سے یعنی روزے کی نیت سے پس الف لام بدلے مضاف الیہ کے ہے ص مطلق نیت یہ کہ اس میں (یعنی الف لام) فرضیت اور وجوب اور سنیت کی قید نہ ہو اس لیے کہ تمام رمضان اپنے فرض روزوں کے لیے پورا وقت ہے اس میں دوسرا صوم مشروع نہیں پس فرض ہی کے لیے متعین ہوا اور جو شارع کی طرف سے متعین ہے اس میں تعیین کی ضرورت نہیں اور نذر معین کو رمضان پر قیاس کیا کیونکہ رمضان شارع کی تعیین سے متعین ہے اور نذر ناذر کی طرف سے تو دونوں میں مطلق نیت کافی ہے اور چونکہ بعض لوگوں نے اعتراض کیا تھا کہ مطلق نیت سے درست ہونا مستلزم ہے کہ کسی عبادت کی نیت سے روزہ درست ہونا چاہیے شارح نے اس کا جواب دیا کہ الف لام عوض مضاف الیہ کے ہے یعنی نیت سے مراد نیت صوم کی ہے کذا فی الشامی وبنیۃ نفل لعدم المزاحم اور درست ہے صوم مذکور نفل کی نیت سے کیونکہ رمضان و نذر معین کا کوئی مزاحم نہیں جیسا مطلق نیت میں بیان ہو چکا وبخطاء فی وصف کینۃ واجب اخر فی اداء رمضان فقط لتعینہ بتعیین الشارع اور درست ہے باوجود خطا کے بیچ وصف مغایرت کے نیت کسی اور واجب کی لیکن یہ صحت صرف ادائے رمضان میں ہے (نفل اور نذر معین میں نہیں) کیونکہ رمضان شارع کی طرف سے معین ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب شعبان گذر جاوے تو کوئی روزہ نہیں سوائے رمضان کے بخلاف نذر کے کہ اس کا وجوب ناذر کے قول سے ہے جب اس نے دوسرے واجب کی نیت کی تو گویا پہلے کو باطل کیا الا اذا وقعت النیۃ من مریض او مسافر حیث یحتاج الی التعیین لعدم تعینہ فی حقہما یہ استثنا ہے بنیۃ نفل وبخطاء فی وصف سے یعنی مگر جب کہ واقع ہو نیت مریض یا مسافر سے تو روزہ وہی ہو گا جو مریض یا مسافر نیت کرے کیونکہ صوم محتاج تعیین کا ہے واسطے عدم تعیین صوم کے مریض اور مسافر کے حق میں ص یحتاج کی ضمیر مریض اور مسافر کی طرف پھرتی ہے بتاویل ہر واحد کے یا صوم کی طرف قال الشامی اور ہو سکتا ہے کہ یحتاج بصیغہ مجہول ہو اور جار مجرور مفعول مالم یسم فاعلہ

ف بعض مشائخ نے تصریحاً اس مسئلہ کی یوم الشک میں فرادی ہے تاکہ اس کا یہ گمان نہ ہو ورنہ جو شخص رمضان کی فرضیت کا اعتقاد نہیں رکھتا اس پر کفر کا خوف ہے ۱۲

ہو فلا یقع عن رمضان بل یقع عما نوی من نفل او واجب علی ما علیہ الاکثر بحر پس نہ واقع ہوگا روزہ رمضان سے بلکہ اس سے واقع ہوگا جس کی نیت کی یعنی نفل یا واجب بموجب اس قول کے جس پر اکثر مشائخ ہیں کذا فی البحر میں کتا ہوں بحر میں جو قول نسبت اکثر مشائخ کی طرف کیا ہے تو وہ مریض کے حق میں ہے اور مسافر کے حق میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کسی دوسرے واجب کی نیت کرے گا تو اسی واجب کی طرف سے واقع ہوگا امام صاحب کے نزدیک اور اگر نفل کی نیت کرے گا یا مطلق نیت ہوگی تو امام صاحب سے دو روایتیں ہیں اصح یہ ہے کہ رمضان سے واقع ہوگا اس واسطے نفل کا فائدہ ثواب ہے اور وہ فرض وقتی میں زیادہ ہے قال الشامی و ہو الاصح سراج وقیل بانہ ظاہر الروایۃ فلذا اختارہ المصنف تبعاللدر ر اور یہی اصح ہے کذا فی السراج اور کہا گیا ہے کہ یہ ظاہر الروایت ہے پس اس لیے مصنف نے اس کو اختیار کیا درر کے اتباع سے لکن فی اوائل الاشباہ الصحیح وقوع الکل عن رمضان سوا المسافر نوی واجبا آخر واختارہ ابن الکمال وفی الشرنبلالیۃ عن البرہان انہ الاصح لیکن اوائل اشباہ میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ سب صورتوں میں رمضان ہی سے واقع ہوگا سوائے اس صورت کے کہ مسافر نیت کرے کسی اور واجب کی اور اس کو ابن کمال نے اختیار کیا ہے اور شرنبلالیہ میں برہان سے منقول ہے کہ یہی اصح ہے م کل سے مراد یہ کہ مریض نیت کرے نفل کی یا مطلق نیت کرے یا کسی واجب کی نیت کرے یا مسافر اسی طرح نیت کرے مگر یہ نیت کرے کسی دوسرے واجب کی تو اسی واجب سے واقع ہوگا نہ رمضان سے کیونکہ مسافر کو رخصت ہے رمضان کے روزہ نہ رکھنے کی تو وہ اس وقت کو دوسرے واجب میں صرف کر سکتا ہے بخلاف مریض[1] کے تنبیہ کلام بحر مستفید ہے کہ مریض کے باب میں تین قول ہیں ایک وہ جو اشباہ میں یہاں مذکور ہے اس کو فخر الاسلام اور شمس الائمۃ اور جماعت نے اختیار کیا ہے اور مجمع میں تصحیح کیا ہے اور دوسرا وہ جو متن میں مذکور ہے کہ جس کی نیت کی اس سے واقع ہوگا اور ہدایہ میں اس کو اختیار کیا ہے اور اکثر مشائخ نے اور کہتے ہیں کہ یہی ظاہر الروایۃ ہے لیکن نفل کی صورت میں چاہیے کہ رمضان ہی سے واقع ہو جیسا کہ گذرا تیسرے قول میں تفصیل ہے یعنی اگر صوم اس کو ضرر کرتا ہے تو رخصت متعلق خوف زیادت کے ساتھ ہے تو اس کا حال مثل مسافر کے ہے پس جو نیت کرے گا اسی کے موافق واقع ہوگا اور اگر صوم اس کو ضرر نہیں کرتا جیسے سو ہضم میں تو رخصت متعلق حقیقی عجز کے ساتھ ہے پس واقع ہوگا فرض وقتی سے اور کشف اور تحریر میں اسی کو اختیار کیا ہے کذا فی الشامی والنذر المعین لا یصح بنیۃ واجب آخر بل یقع عن واجب نواہ مطلقا فرقا بین تعیین الشارع والعبد اور نذر معین نہیں درست ہوتی کسی دوسرے واجب کی نیت سے بلکہ واقع ہوگا روزہ اسی واجب سے جس کی نیت کی ہر صورت میں اس لیے کہ شارع کی تعیین میں (جیسے رمضان میں ہے) اور بندہ کی تعیین میں (جیسے نذر معین میں ہے) فرق ہے م مطلقا کے یہ معنی کہ صحیح ہو یا مریض مقیم ہو یا مسافر اور جاننا چاہیے کہ نذر معین کی صورت میں جب روزہ اس دوسرے واجب کی طرف سے واقع ہوا تو نذر معین کی قضا لازم ہوگی اصح قول پر جیسے بحر میں منقول ہے ظہیریہ سے ولو صام مقیم عن غیر رمضان ولو لجہلہ بہ ای برمضان فہو عنہ لا عما نوی لانہ اذا جاء رمضان فلا صوم الا عن رمضان اور اگر مقیم نے غیر رمضان کا روزہ رکھا اگرچہ رمضان کی ناواقفیت سے ہو تو وہ روزہ رمضان ہی کا ہوگا نہ اس کا جس کی نیت کی کیونکہ حدیث شریف میں ہے جب آگیا رمضان تو روزہ نہیں مگر رمضان ہی کا ویحتاج صوم کل یوم من رمضان الی نیۃ ولو صحیحا مقیما تمییزا للعبادۃ عن العادۃ اور رمضان کے روزوں میں ہر روز کی نیت کی احتیاج ہے اگرچہ روزہ دار تندرست مقیم ہو تاکہ عبادت عادت سے متمیز ہو یعنی کبھی پرہیز کی وجہ سے یا عذر سے امساک کی عادت کرتے ہیں وقال زفر و مالک تکفی نیۃ واحدۃ کالصلوۃ اور کہا ہے زفر اور مالک رحمہما اللہ نے ایک نیت تمام مہینے کے لیے کافی ہے جیسے نماز کی تحریمہ سب رکعتوں کے لیے کافی ہے م اور امام زفر سے روایت ہے کہ مقیم کو احتیاج نیت کی نہیں اور اگر مسافر ہے تو نہیں جائز یہاں تک کہ رات سے نیت کرے اور ہمارے علماء ثلثہ کے نزدیک ہر روز کے لیے جدید نیت چاہیے رات کو ہو یا قبل ضحوہ کبری مقیم ہو یا مسافر کذا فی السراج قلنا فساد البعض لا یوجب فساد الکل بخلاف الصلوۃ ہم کہتے ہیں امام زفر کے جواب میں کہ فاسد ہونا بعض روزوں کا نہیں موجب ہے

[1] فرق مسافر اور مریض میں یہ ہے کہ مسافر کو سفر کے باعث رخصت ہے وہ موجود ہے اور مریض کے لیے عجز حقیقی چاہیے جب روزہ دوسرے واجب کا رکھا تو عجز نہ رہا اسی لیے رخصت بھی نہ رہی ۱۲

سب کے فساد کا بخلاف صلوۃ کے یعنی قیاس روزوں کا نماز پر درست نہیں والشرط للباقی من الصیام قران النیۃ للفجر ولو حکما اور باقی صیام میں شرط
ہے نیت کا متصل ہونا فجر کے ساتھ اگرچہ حکما ہو م باقی سے مراد قضاء رمضان اور نذر مطلق اور قضاء نذر معین اور قضا نفل بعد توڑنے کے اور کفارات
اربعہ یعنی ظہار قتل یمین افطار اور ان کے ملحقات یعنی جزائے صید اور حلق اور تمتع کذا فی الشامی وھو تبییت النیۃ للضرورۃ اور مقارنت حکمیہ رات سے نیت
کرنا ہے ضرورت کی جہت سے م یعنی صبح کے وقت کی اٹکل شاق ہے اور حرج شرع میں مدفوع ہے اس لیے رات کو نیت درست ہوئی کذا قال الحلبی
وتعیینھا لعدم تعیین الوقت اور شرط ہے تعیین نیت کی کیونکہ ان اقسام کے روزوں میں وقت معین نہیں بخلاف ادائے رمضان اور نذر معین کے
کہ ان میں وقت معین ہے اور ایسا ہی نفل کیونکہ سوائے رمضان کے سب زمانہ نفل کا وقت ہے قال الشامی والشرط فیھا ان یعلم بقلبہ ای صوم یصومہ
اور شرط نیت معینہ میں نہ مطلق نیت میں یہ ہے کہ اپنے دل میں جانے کہ کون سا روزہ رکھتا ہے قال الحدادی والسنۃ ان یتلفظ بھا حدادی نے کہا کہ سنت
یہ ہے کہ نیت کا تلفظ کرے م سنت سے مراد مشائخ کی سنت ہے نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یعنی رات ہو تو یوں کہے کہ میں نیت کرتا ہوں کہ صبح کو روزہ
خدا کے واسطے رکھوں گا اور اگر دن کو نیت کرے تو یوں کہے کہ آج خدا کے واسطے روزہ فرض رمضان کا رکھتا ہوں قال الشامی ولا تبطل بالمشیۃ بل بالرجوع عنھا
بان یعزم لیلا علی الفطر اور نیت نہیں باطل ہوتی انشاء اللہ کہنے سے بلکہ نیت کے رجوع کرنے سے باطل ہو جاتی ہے اس طرح کہ رات سے عزم کرے افطار
کا م نہیں باطل ہوتی یعنی استحسانا یہی صحیح ہے اس واسطے کہ یہ حقیقت میں استثنا نہیں ہے بلکہ استعانت اور طلب توفیق کے واسطے ہے یہاں تک کہ اگر ارادہ
استثنا کا کرے یا تحقیق تو صائم نہ ہوگا جیسا تتارخانیہ میں ہے قال الشامی ونیۃ الصائم الفطر لغو اور روزہ دار کی نیت افطار کے باب میں لغو ہے یعنی دن
کو صرف نیت افطار سے روزہ نہ جائے گا ونیۃ الصوم فی الصلوۃ صحیحۃ ولا تفسد بلا تلفظ اور نیت روزہ کی نماز میں درست ہے اور بدون تلفظ کے نماز
کو فاسد نہیں کرتی ولو نوی القضاء نھارا صار نفلا فیقضیہ لو افسدہ لان الجھل فی دارنا غیر معتبر فلم یکن کالظنون بحر اور اگر دن کو نیت قضا روزہ کی کرے تو
وہ روزہ نفل ہوگا اگر اس کو توڑ دے تو قضا کرے اس واسطے کہ دارالاسلام میں جہل غیر معتبر ہے پس نہ ہوا مثل روزہ ظنی کے کذا فی البحر م فتح القدیر میں ایک
قول نقل کیا ہے کہ لزوم قضا اس صورت میں ہے کہ جانتا ہو کہ قضا کی نیت دن کو درست نہیں لیکن جب نہ جانتا ہو تو شروع کرنے سے لازم نہ ہوگا شیخ
نے اس کا جواب دیا کہ دارالاسلام میں جہل معتبر نہیں خصوص اس صورت میں کہ عدم جواز نیت قضا کا دن کو ظاہرا متفق علیہ ہے اور ظنی روزہ کی یہ صورت ہے
کہ ایک شخص نے اس گمان سے کہ میرے ذمہ روزہ ہے بشرائط مذکورہ روزہ شروع کیا پھر اس کو ظاہر ہوا کہ میرے ذمہ روزہ نہیں تو اس شخص کو اس روزہ کا اتمام
لازم نہیں ہے کیونکہ اس نے اپنا ذمہ بری کرنے کے لیے شروع کیا تھا نہ یہ کہ اپنے ذمہ التزام کیا ہو قال الشامی ولا یصام یوم الشک ھو یوم الثلثین من شعبان وان
لم یکن علۃ اور نہ رکھا جاوے روزہ یوم الشک کا یعنی تیسویں تاریخ شعبان کا اگرچہ ابر و غبار نہ ہو م شارح نے شرح ملتقی میں کہا ہے کہ اس سے رد ہو گیا
کلام قہستانی وغیرہ کا الخ یعنی اس نے مقید کیا ہے کہ یوم الشک اس صورت میں ہے کہ مشتبہ ہو ہلال رمضان کا اور معلوم نہ ہو کہ شعبان کی تیسویں ہے یا رمضان
کی پہلی یا ایک شخص نے یا دو فاسقوں نے ہلال دیکھا اور ان کی شہادت نامقبول ہوئی پس اگر آسمان صاف ہوا اور کسی نے نہ دیکھا ہو تو یوم الشک نہیں ہے اور
ایسا ہی معراج میں ہے کذا فی الشامی ای علی القول بعدم اعتبار اختلاف المطالع لجواز تحقق الرویۃ فی بلدۃ اخری واما علی مقابلہ فلیس بشک ولا یصام اصلا شرح المجمع
للعینی عن الزاہدی یعنی شک کا روزہ بنا بر اس قول کے ہے کہ اختلاف مطالع کا معتبر نہ ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کسی دوسرے شہر میں رویت ہوئی ہو لیکن بنا بر قول
اعتبار اختلاف مطالع کے یعنی ہر جگہ کا مطلع جدا جدا ہے ایک جگہ کا دیکھنا دوسرے کے لیے کافی نہیں تو اس صورت میں وہ روز روز شک نہیں ہے اور وہ
روزہ بالکل نہ رکھا جاوے کذا فی شرح المجمع للعینی عن الزاہدی م یعنی ابتداءً نہ فرض نہ نفل اس واسطے کہ اس روزہ رکھنے میں کچھ احتیاط نہیں بخلاف یوم الشک

۱؎ اس واسطے کہ جن روزوں میں تعیین شرط نہیں ان میں صرف اتنا کافی ہے کہ یہ جانے کہ روزہ رکھتا ہوں ۱۲

قال الشامی ولا لغلاء وغیرہ وغیرہ مگر یوم الشک میں نیت نفل روزہ کا مضائقہ نہیں اور نفل کے سوا دوسرا روزہ مکروہ ہے م فرض ہو یا واجب نیت معینہ سے ہو یا بے
متردد سے اور ایسی ہی مطلق نیت سے بھی مکروہ ہے کیونکہ مطلق اپنے افراد کو شامل ہے کذافی المعراج ولو صامہ لواجب آخر کرہ تنزیہا اور اگر یوم الشک
میں کسی دوسرے واجب[1] کا روزہ رکھا تو مکروہ تنزیہی ہے ولو جزم ان یکون عن رمضان کرہ تحریما اور اگر بالجزم رمضان کا کر کے رکھا تو مکروہ تحریمی ہے م
اس لیے کہ اہل کتاب کی مشابہت لازم آتی ہے کہ انہوں نے اپنے روزوں میں کچھ دن بڑھا لیے اور اسی پر حدیث شریف محمول ہے کہ رمضان سے ایک دو
روز پہلے روزے میں سبقت نہ کرو کذافی البحر ویقع عنہ فی الاصح ان لم یظہر رمضانیتہ اور واقع ہوگا واجب سے جس کی نیت کی تھی اصح روایت میں اگر نہ ظاہر
ہو کہ وہ رمضان کا دن ہے م سراج میں ہے کہ جب کسی نے اور واجب کی نیت سے اس روز روزہ رکھا تو اس کے ذمہ سے وہ واجب ساقط نہ ہوگا کیونکہ جائز
ہے کہ یہ دن رمضان کا ہو پس شک کی جہت سے واجب کا ادا ہو جانا ثابت نہ ہوا اس سے معلوم ہوا کہ اگر حال معلوم نہ ہو تو جس کی نیت کی تھی اس کے لیے بھی
کافی نہیں پس مصنف کو یوں کہنا مناسب تھا جیسا ہدایہ میں ہے کہ اگر ظاہر ہوا کہ وہ دن شعبان کا ہے تو جس کی نیت کی تھی اس کے لیے کافی ہے اصح روایت میں
اور اگر ظاہر ہوا کہ رمضان کا دن ہے تو رمضان میں مجزا ہوگا کیونکہ اصلی نیت موجود ہے قال الشامی والا بان ظہرت فعنہ لو مقیما اور اگر ایسا نہ ہو یعنی رمضانیت ظاہر
ہو جاوے تو وہ روزہ رمضان کا ہوگا اگر یہ شخص مقیم ہے م کیونکہ پہلے معلوم ہو چکا کہ مسافر اگر رمضان میں دوسرے واجب کی نیت کرے تو اسی واجب کا
ہوگا اس لیے کہ ادائے رمضان اس کے ذمہ واجب نہیں والتنفل فیہ احب ای افضل اتفاقا ان وافق صوما یعتادہ او صام من آخر شعبان ثلثۃ فاکثر
لا اقل اور نفل کی نیت سے روزہ رکھنا شک کے روز بالاتفاق افضل ہے اگر موافق اپنی عادت کے روزہ کے ہو یا آخر شعبان میں تین روزے یا زیادہ رکھے نہ کم
ترم یعنی مثلاً اس کی عادت دوشنبہ یا جمعرات کے روزہ کی ہے اور یوم الشک دوشنبہ کو پڑا یا جمعرات کو یا یہ کہ آخر شعبان میں پچیسویں یا چھبیسویں سے برابر
روزے رکھنے شروع کیے اس میں یوم الشک بھی آگیا تو ان صورتوں میں روزہ افضل ہے لحدیث لا تقدموا رمضان بصوم یوم او یومین کیونکہ حدیث شریف میں
وارد ہے کہ رمضان سے پیش دستی نہ کرو ایک دو روز کے روزہ کی م یہ حدیث صحاح ستہ میں ابوہریرہؓ سے مرفوعا روایت کی گئی ہے اس طرح کہ نہ سبقت
کرو رمضان سے ایک روز یا دو روز کے روزہ کی مگر وہ شخص کہ اس روز روزہ رکھتا ہو تو وہ اس کو رکھ لے اور اس سے مراد نفل روزہ کے سوا ہے اور
ہدایہ اور اس کی شروح وغیرہ میں تصریح کی ہے کہ ممنوع تقدم ایک دو دن کا رمضان پر بقصد صوم رمضان کے ہے اور وجہ تخصیص ایک دو روزہ کی
یہ ہے کہ اکثر نقصان کا احتمال ایک دو مہینے میں ہوتا ہے پس ایک دو روز زیادہ رمضان سے پیشتر رکھے اور اس کو احتیاط تصور کرے یہ مکروہ ہے کذافی الشامی
مختصراً اما حدیث من صام یوم الشک فقد عصی ابا القاسم فلا اصل لہ لیکن یہ حدیث کہ جس نے روزہ رکھا روز شک میں اس نے نافرمانی کی ابوالقاسم صلعم کی تو اس
ناچیز کی کچھ اصل نہیں م زیلعی نے بھی یوں کہا ہے پھر کہا ہے کہ موقوفا عمار بن یاسر سے یہ حدیث منقول ہے اور وہ اس جیسی صورت میں مرفوع کے مانند ہے میں
کہتا ہوں کہ لا اصل لہ کو مرفوع ہونے پر محمول کرنا چاہیے ورنہ یہ حدیث موقوفا وارد ہے مجاہد سے اور ابو عبیدہ سے اور اس کو بخاری نے تعلیقا بیان کیا ہے
اس طرح کہ قال صلۃ عن عمار من صام الخ قال الشامی وتمامہ فی الفتح والا یصومہ الخواص ویفطر غیرہم بعد الزوال بہ یفتی نفیا لتہمۃ النہی اور اگر نہ موافق ہو
عادت کے روزہ کو اور نہ آخر شعبان کے تین روزہ رکھے تو خواص اس دن کا روزہ رکھیں اور عوام بعد زوال کے افطار کریں اسی پر فتوی ہے تاکہ نہی
پر اقدام کی تہمت سے بری رہیں م فتح القدیر میں ہے کہ خواص اس طرح روزہ رکھیں کہ عوام کو خبر نہ ہو تاکہ جہال کو شبہ رمضان کی زیادتی کا نہ ہو کذافی الشامی
وکل من علم کیفیۃ صوم الشک فہو من الخواص والا فمن العوام اور جو شخص جانتا ہو کیفیت صوم الشک کی وہ خواص میں سے ہے نہیں تو عوام میں والنیۃ
المعتبرۃ ہنا ان ینوی التطوع علی سبیل الجزم من لا یعتاد صوم ذلک الیوم اما المعتاد فکما مر اور نیت معتبرہ کیفیت صوم الشک میں یہ ہے کہ نفل
کی نیت کرے بطور یقین جو اس دن کے روزہ کا عادی نہیں ہے اور جو عادی ہے اس کا حکم سابق میں گذر چکا کہ مکروہ نہیں ولا یخطر بالہ

[1] جیسے نذر کفارہ وقضا کذافی السراج ۱۲

انہ ان کان من رمضان فعنہ ذکرہ اخی زادہ اور اپنے دل میں اس بات کا خطرہ ہی نہ رکھے کہ اگر یہ دن رمضان کا ہے تو یہ روزہ رمضان کا ہے ذکر کیا اس کو اخی زادہ نے م حاصل یہ کہ نیت میں تردد نہ رکھے کہ اگر یہ دن شعبان کا ہے تو روزہ نفل ہے اور اگر رمضان کا ہے تو روزہ فرض ہے بلکہ نفل محض کی نیت کرے لقیناً اور رمضانیت کا خطرہ دل میں آنا بعد نیت نفل کے مضر نہیں کیونکہ آخراحتیاطاً روزہ رکھتا ہے کذا قالہ الشامی ولیس بصائم لو ردد بین اصل النیۃ بان نوی ان یصوم غدا ان کان من رمضان والا فلا صوم لعدم الجزم فی العزم اور اس شخص کا روزہ نہیں ہے جس نے اصل نیت میں تردد کیا یعنی اس طرح نیت کی کہ کل اگر رمضان ہوگا تو روزہ ہے نہیں تو نہیں کیونکہ لقینی نیت کا نہیں کی انہ لیس بصائم لو نوی ان لم یجد غداء فہو صائم والا فمفطر جیسا اس شخص کا بھی روزہ نہیں کہ نیت کی اگر صبح کو ناشتہ نہ ملا تو روزہ ہے نہیں تو افطار ویصیر صائما مع الکراہۃ لو ردد فی وصفھا بان نوی ان کان من رمضان فعنہ والا فعن واجب آخر اور ہو جاوے گا وہ شخص روزہ دار کراہت تنزیہی کے ساتھ اگر نیت کے وصف میں تردید کی یعنی اس طرح نیت کی کہ اگر دن رمضان کا ہے تو روزہ رمضان کا ہے نہیں تو کسی دوسرے واجب کا وکذا یکرہ لو قال انا صائم ان کان من رمضان والا فعن نفل اور ایسا ہی مکروہ ہے اگر کہا میں روزہ سے ہوں اگر دن رمضان کا ہے ورنہیں تو روزہ نفل ہے للتردد بین مکروہین او مکروہ وغیرہ مکروہ کیونکہ نیت میں تردد ہے درمیان دو مکروہوں کے لیعنی فرض واجب کے پہلے مسئلہ میں یا درمیان مکروہ اور غیر مکروہ کے لیعنی فرض اور نفل کے دوسرے مسئلہ میں فان ظہر رمضان فعنہ والا فنفل فیہما ای الواجب والنفل غیر مضمون بالقضاء لعدم التنفل قصداً پس اگر واضح ہوا کہ وہ دن رمضان کا ہے تو وہ روزہ رمضان ہی کا ہوگا نہیں تو نفل ہوگا دونوں صورتوں میں لیعنی واجب اور نفل میں ایسا کہ توڑنے سے قضاء لازم نہ آوے گی کیونکہ قصداً نفل نہیں تھا اس لیے کہ من وجہ اسقاط فرض کا قصد رکھتا تھا تو ظنی روزہ کے مانند ہوا اس وجہ سے کہ دونوں میں اسقاط مدنظر ہے نہ التزام قال الشامی اکل المتلوم ناسیا قبل النیۃ کا کلہ بعدہا ہو الصحیح شرح وہبانیۃ منتظر کا کھانا بھول کر نیت سے پہلے ایسا ہے جیسا بعد نیت کے بھول کر کھانا اور یہی ہے کذا فی شرح وہبانیہ م لیعنی یوم الشک میں ایک شخص نے نصف روزہ تک انتظار کیا اور بھولے سے اس عرصے میں کچھ کھالیا پھر معلوم ہوا کہ رمضان کا دن ہے تو اگر اب روزہ کی نیت کرے گا تو جائز ہوگی اس واسطے کہ بھول کر کھانے سے روزہ نہیں جاتا اور ایک قول یہ ہے کہ نہیں جائز ہے جیسا قنیہ میں ہے اور اسی کو جزم کیا ہے سراج اور شرنبلالیہ میں قالہ الشامی رای مکلف ہلال رمضان او الفطر ورد قولہ بدلیل شرعی صام مطلقا وجوبا وقیل ندبا کسی عاقل بالغ نے ہلال رمضان کا دیکھا یا عید کا اور اس کا قول حجت شرعیہ کی رو سے نہ مانا گیا لیعنی فاسق ہونیکی جہت سے یا غلطی کی وجہ سے تو وہ روزہ رکھے ہر صورت میں عید کا چاند ہو یا رمضان کا وجوباً اور کہا گیا ہے کہ روزہ رکھے ندباً م عاقل بالغ لیعنی اگرچہ فاسق ہو کذا فی البحر اور اگر لڑکا یا مجنون دیکھے تو واجب نہیں اور یہی حکم ہے اگر خود امام تنہا دیکھے اور لوگوں کو نہ روزے کا حکم کرے نہ افطار کا اور خیرالدین رملی نے کہا ہے کہ اگر دیکھنے والی جماعت ہو اور ان کی شہادت مسترد ہوگئی ہو جماعت عظیم نہ ہونے کی جہت سے تو اس صورت میں بھی یہی حکم ہے فان افطر قضاہ فقط فیہما للشبہۃ الرد پس اگر افطار کیا تو صرف قضا لازم ہے دونوں میں لیعنی کفارہ نہیں کہ واسطے شبہہ مسترد ہونے شہادت کے م اور مخفی نہ رہے کہ یہ علت سقوط کفارہ کی ہے ہلال رمضان میں لیکن عید کے چاند میں اس جہت سے کفارہ نہیں کہ اس کے نزدیک وہ عید کا دن ہے کذا فی النہر وغیرہ اور شاید اس کو ظہور کی جہت سے بیان نہیں کیا قالہ الشامی واختلف المشائخ لعدم الروایۃ عن المتقدمین فیما اذا افطر قبل رد الشہادۃ والراجح عدم وجوب الکفارۃ وصححہ غیر واحد لان ما راٰہ یحتمل ان یکون خیالا لا ہلالا اور مشائخ نے اختلاف کیا ہے اس وجہ سے کہ متقدمین سے کوئی روایت نہیں اس صورت میں کہ افطار کرے ردِّ شہادت سے پہلے اور راجح یہ ہے کہ کفارہ واجب نہیں اور اسی کی تصحیح کی ہے بہتوں نے کیونکہ جو اس نے دیکھا ہے شاید خیال ہو ہلال نہ ہو م حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ جس نے چاند دیکھا تھا اس کو کہا کہ اپنی بھووں کو دھو پانی سے پھر کہا کہ اب بتا چاند کہاں ہے اس نے کہا وہ تو گم ہو گیا جب فرمایا کہ بال

ل کیونکہ اصل نیت میں تردد نہیں ۱۲

بعودوں میں قائم ہو گیا تھا تو نے اس کو چاند جان لیا کذا فی المعراج اور جیسا پہلے مذکور ہوا یہ علت ہلال رمضان میں تو ہو سکتی ہے اور عید میں یہ کہ اس کے نزدیک
وہ عید کا دن ہے قال الحلبی واما بعد قبولہ فتجب الکفارۃ ولو فاسقا فی الاصح لیکن بعد قبول شہادت کے یعنی رمضان کے چاند میں پس کفارہ واجب ہے اگرچہ
فاسق ہو اصح روایت پر ہم کیونکہ وہ تو لوگوں کے روزہ رکھنے کا دن ہے پس اگر عدل ہے تو چاہیے کہ وجوب کفارہ میں خلاف نہ ہو کیونکہ عدم کفارہ کی وجہ یہ
ہے کہ فاسق کی شہادت پر حکم لگانا جائز نہیں اور وہ یہاں منتفی ہے کذا فی البحر عدم جواز سے مراد عدم حلت ہے کیونکہ قضا فاسق کی شہادت پر صحیح ہے
اگرچہ قاضی گناہ گار ہوتا ہے کذا قال الشامی وقبل بلا دعوی وبلا لفظ اشہد وبلا حکم ومجلس قضاء لانہ خبر لا شہادۃ للصوم مع علۃ کغیم وغبار اور قبول کی
جاوے روزہ رکھنے کے لیے خبر عادل کی آسمان میں روگ ہونے سے مثل ابر و غبار کے بغیر دعوی اور بغیر لفظ اشہد کے اور بدون حکم اور مجلس قضا کے
بوجہ اس کے کہ یہ خبر ہے شہادت نہیں خبر عدل او مستور علی ما صححہ البزازی علی خلاف ظاہر الروایۃ خبر عدل مفعول مالم یسم فاعلہ ہے قبل کا یعنی قبول
کی جاوے خبر ایک عدالت[1] والے یعنی پرہیزگار کی یا ایک مستور الحال کی سند بنا بر اس قول کے کہ بزازی نے اس کی تصحیح کی ہے ظاہر الروایت کے خلاف ہم اور
معراج اور تجنیس میں بھی اسی کی تصحیح کی ہے اور فتح القدیر میں کہا ہے کہ یہ روایت ہے حسن کی اور حلوانی نے اسی کو لیا ہے اور نور الایضاح والا بھی ادھر ہی
گیا ہے میں کہتا ہوں کہ یہ بھی ظاہر الروایت ہے کیونکہ حاکم شہید نے یعنی جس نے امام محمدؒ کے اقوال ان کی کتابوں سے جمع کیے ہیں جو ظاہر الروایت کہلاتے
ہیں کافی میں یہ کہا ہے کہ قبول کی جاوے شہادت مسلم اور مسلمہ کی خواہ عادل ہو یا غیر عادل اور غیر عادل سے مراد مستور ہے قال الشامی لا فاسق اتفاقا نہیں
مقبول روزے کے لیے قول فاسق کا بالاتفاق ہم اس واسطے کہ فاسق کا قول ایسے دینیات میں مقبول نہیں جن کا حاصل ہونا عادلوں سے میسر ہو سکتا ہو جیسے
روایت احادیث بخلاف پانی کی طہارت و نجاست وغیرہ کے اس کی خبر میں اٹکل کی جاتی ہے اس لیے کہ بعض اوقات ایسی چیزوں کا ملنا عادلوں سے میسر نہیں
ہوتا قال الشامی وہل لہ ان یشہد مع علمہ بفسقہ قال البزازی نعم لان القاضی ربما قبلہ اور آیا فاسق مجاز ہے اس کا کہ شہادت دیوے باوجودیکہ اپنا فسق جانتا
ہو بزازی نے کہا کہ ہاں اس واسطے کہ قاضی کبھی فاسق کی شہادت قبول بھی کر لیتا ہے ہم حلوانی نے کہا کہ عادل کو لازم ہے اگرچہ لونڈی یا پردہ نشین ہو
کہ اس رات شہادت ادا کرے کہ کہیں لوگ صبح کو افطار نہ کریں اور یہ شہادت فرض عین ہے لیکن فاسق اگر جانے کہ حاکم میرا قول مان لے گا تو اس پر ادائے
شہادت واجب ہے اور مستور میں دو روایتیں ہیں کذا فی المعراج ولو کان العدل قنا او انثی او محدودا فی قذف تاب بین کیفیۃ الرؤیۃ او لا علی المذہب
اگرچہ عادل مذکور غلام ہو یا عورت یا زنا کی تہمت میں پڑا ہو کہ توبہ کر لی ہو کیفیت رویت کی بیان کرے یا نہ کرے بنا بر مذہب درست کے ہم برخلاف امام
فضلی کے وہ کہتے ہیں کہ واحد عدل کی خبر جب مقبول ہوتی ہے کہ تفسیر کرے اور کہے کہ میں نے شہر کے باہر جنگل میں دیکھا ہے یا کہے کہ شہر میں ابر کے
ٹکڑوں میں دیکھا ہے اور بدون ایسی تفسیر کے مقبول نہیں کذا فی الظہیریہ قال الشامی وتقبل شہادۃ واحد علی آخر کعبد وانثی اور مقبول ہے گواہی ایک کی دوسرے
پر جیسے مقبول ہے شہادت غلام اور عورت کی ہم یعنی بخلاف شہادت علی الشہادت کے اور احکام میں کہ وہ مقبول نہیں جب تک ایک شخص کی گواہی پر دو
مرد یا ایک مرد دو عورتیں شاہد نہ ہوں کذا قال الحلبی ولو علی مثلہما اگرچہ شہادت غلام اور عورت کی اپنے مثل پر ہو ہم اس تعمیم سے یہ نکلا کہ ان دونوں کی
شہادت آزاد اور مرد کی شہادت پر مقبول ہے اور اس کو صاحب نہر نے بطریق بحث بیان کیا ہے اور کہا کہ میں نے نہیں دیکھا وتجب علی الجاریۃ المخدرۃ
ان تخرج فی لیلتہا بلا اذن مولاہا وتشہد کما فی الخانیۃ اور واجب ہے لونڈی پردہ نشین پر یعنی جو مردوں میں آمد و رفت نہیں رکھتی کہ نکلے اس رات بدون
اجازت اپنے مولی کے اور شہادت ادا کرے جیسا خانیہ میں ہے ہم اور یہی حکم آزاد عورت کا ہے کہ بے اجازت اپنے خاوند کے نکلے اور غیر مخدرہ یا بے
نکاح بطریق اولی نکلیں قال الطحطاوی اور ظاہر یہ کہ اس کا محل وہ ہے کہ اثبات رویت اس پر موقوف ہو ورنہ نکلنا لازم نہیں قال الشامی وشرط للفطر

[1] عدالت وہ ملکہ ہے کہ ہمیشہ تقوی اور مروت پر قائم کرے اور یہاں ادنی درجہ شرط ہے یعنی کبائر کا ترک اور عدم اصرار صغائر پر اور مروت کے خلاف سے بچنا اور لازم ہے کہ مسلمان عاقل بالغ ہو کذا فی البحر

مع العلۃ والعدالۃ نصاب الشہادۃ ولفظ اشہد وعدم الحد فی قذف لتعلق نفع العبد اور ہلال عید میں ابر وغیرہ کے ہوتے عادل ہونے کے ساتھ نصاب شہادت اموال یعنی دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں) شرط ہے اور لفظ اشہد اور محدود فی القذف نہ ہونا شرط ہے کیونکہ اس میں نفع بندہ کا متعلق ہے م یہ علت ہے اشتراط شہادت مذکورہ کی فطر میں نہ صوم میں یعنی چونکہ صوم امر دینی ہے اس میں یہ شرط نہیں اور فطر میں نفع دنیاوی ہے پس اور حقوق کے مشابہ ہوا پس جو چیزیں حقوق میں شرط ہیں وہ یہاں بھی شرط ہوں گی قالہ الشامی لکن لا تشترط الدعوی کما لا تشترط فی عتق الامۃ وطلاق الحرۃ ھ لیکن نہیں شرط ہے دعویٰ جیسا نہیں شرط ہے لونڈی کے عتق میں اور حرہ کی طلاق میں م لونڈی کی آزادی میں دعویٰ اس لیے شرط نہیں کہ اس میں حق العبد کے ساتھ حق اللہ تعالیٰ کا بھی ہے یعنی حفاظت اپنی فرج کی اسی طرح فطر اگرچہ حق عبد ہے لیکن اس میں بھی حق اللہ تعالیٰ کا ہے یعنی صوم اس روز کے روزہ کا حرام ہونا اور صلوۃ عید کا واجب ہونا اس لیے اس میں بھی دعوی شرط نہیں ہوا اور طلاق میں حرہ کی قید سے مفہوم ہوتا ہے کہ زوجہ مملوکہ میں دعویٰ شرط ہے اور جامع الفصولین سے اطلاق معلوم ہوتا ہے کذا فی الشامی ولو کانوا ببلدۃ لا حاکم فیہا صاموا بقول ثقۃ۔ اور اگر لوگ ہوویں ایسے شہر میں یا گاؤں میں کہ اس میں حاکم نہ ہو یعنی نہ قاضی نہ والی تو روزہ رکھیں ایک معتمد کے قول پر یعنی روزہ رکھنا فرض ہے ایسا معلوم ہوتا ہے مصنف کی شرح سے م میں کہتا ہوں کہ ظاہر یہ ہے کہ گاؤں والوں پر روزہ لازم ہو تو پاؤں کی آوازوں سے یا قندیلوں کی روشنی سے اس لیے کہ یہ ظاہر علامت ہے اور غلبہ ظن کو مفید ہے اور غلبہ ظن حجت ہے عمل کے واسطے جیسا علما نے تصریح کی ہے اور یہ احتمال کہ رمضان کے سوا کسی اور شے کے واسطے ہو بعید ہے کیونکہ یہ اور مثل لیلۃ الشک میں نہیں کیے جاتے مگر ثبوت رمضان کے لیے قالہ الشامی وافطروا باخبار عدلین مع العلۃ للضرورۃ اور افطار کریں دو عادل کے خبر دینے سے اگرچہ آسمان میں غبار وغیرہ ہو واسطے ضرورت کے م یعنی اس وجہ سے ضرورت ہے کہ کوئی حاکم موجود نہیں جس کے سامنے شہادت ادا کی جاوے اور مع العلۃ متعلق ہے صاموا اور افطروا دونوں کے ساتھ قالہ الشامی ولو راٰہ الحاکم وحدہ خیر فی الصوم بین نصب شاہد وبین امرہم بالصوم بخلاف العید کذا فی الجوہرۃ اور اگر اکیلے حاکم نے چاند دیکھا ہو تو روزہ کے چاند میں اس کو یہ اختیار ہے کہ کوئی شاہد اپنے قول پر مقرر کرے یا لوگوں کو روزے کا حکم دے بخلاف عید کے چاند کے کہ اس میں ایک آدمی کافی نہیں ہے کذا فی الجوہرہ م نصب شاہد سے یہ غرض کہ اپنی شہادت پر دوسرا شاہد معین کرے تاکہ دوسرا شخص شہادت پر شہادت ادا کرے افادہ الحلبی لیکن جوہرہ کی عبارت ان ینصب من یشہد عندہ الخ ہے اور اس کے معنی ظاہر یہ ہیں کہ حاکم اپنی طرف سے کوئی نائب مقرر کرے تاکہ اس نائب کے سامنے شہادت گذرے جیسا علما نے خصومت کے باب میں کہا ہے اگر حاکم کو کسی کے ساتھ خصومت واقع ہو تو ایک نائب مقرر کرے کہ اس کے روبرو مقدمہ پیش ہو کیونکہ حاکم کا حکم اپنے اوپر درست نہیں اور ہم نے جو یہ معنی کیے اس کی دلیل یہ ہے کہ بعض نسخوں در مختار میں نصب نائب ہے بدلہ نصب شاہد کے قالہ الشامی ولا عبرۃ لقول الموقتین ولو عدولا علی المذہب اور نہیں اعتبار نجومیوں کا اگرچہ عادل ہوں بنا بر مذہب صحیح م یعنی وجوب صوم کے باب میں معراج میں کہا ہے کہ ان لوگوں کا قول بالاجماع معتبر نہیں اور خود منجم کو نہیں جائز ہے کہ اپنے حساب پر عمل کرے اور نہر میں ہے کہ منجم کے قول پر کہ فلانی تاریخ چاند دکھائی دے گا روزہ لازم نہیں اگرچہ منجمین عدول ہوں صحیح روایت پر کذا فی الشامی قال فی الوہبانیۃ ؎

وقول اولی التوقیت لیس بموجب :: وقیل نعم والبعض ان کان یکثر وہبانیہ میں کہا ہے کہ قول اوقات ضبط کرنے والوں کا روزہ رکھنے کا موجب نہیں اور کہا گیا ہے کہ ہاں اور بعض کا قول بھی اگر کثیر ہوں م یہ عبارت یعنی قیل نعم موہم ہے اس کو کہ دوسرا قول یہ ہے کہ عمل کو موجب ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ خلاف صرف جواز اعتماد میں ہے اور قبہ میں تینوں قول نقل کیے ہیں پس پہلے قاضی عبدالجبار و صاحب جمع العلوم سے نقل کیا ہے کہ منجمون کے قول کے اعتبار کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں اور ابن مقاتل سے نقل کیا ہے کہ وہ ان سے پوچھا کرتے تھے اور ان کے قول کا اعتبار کرتے تھے بشرطیکہ ان کی جماعت متفق ہوتی تھی پھر شرح سرخسی سے نقل کیا کہ یہ بعید ہے اور شمس الائمہ حلوانی سے کہ وجوب صوم اور افطار کی شرط رویت ہی ہے

اور مجنوں کا قول ماخوذ نہیں پھر محمد الائمہ ترجمانی سے نقل کیا کہ اصحاب ابو حنیفہؒ سوائے شاذ و نادر کے اور شافعیہ سب متفق ہیں کہ مجنون کے قول کا اعتماد نہیں کذا قالہ الشامی وقبل بلا علۃ جمع عظیم لیقع العلم الشرعی وھو غلبۃ الظن بخبرہم اور قبول کیا جاوے جب آسمان صاف ہو قول جماعت عظیم کا کہ حاصل ہو علم شرعی یعنی غلبۂ ظن ان کی خبر سے م یعنی جب مطلع صاف ہو تو خبر ایک شخص کی معتبر نہ ہوگی کیونکہ ایک شخص کو نظر آنا اور ایک خلق کو نظر نہ آنا باوجودیکہ سب اسی کی طرف متوجہ ہیں اور کوئی مانع نہیں اور سب کی بینائی درست ہے اگرچہ بعض تیز نظر ہوں اس کی غلطی کی دلیل ہے کذا فی البحر حلبی نے کہا کہ جماعت میں اسلام اور عدالت شرط نہیں جیسا امداد الفتاح میں ہے اور نہ حریت اور نہ دعویٰ جیسا قہستانی میں ہے میں کہتا ہوں جو امداد کی طرف نسبت کیا ہے سو میں نے اس میں ملاحظہ کیا وہاں نہیں پایا اور اسلام شرط نہ ہونے میں نظر ہے کیونکہ جمع عظیم سے یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ حد تواتر کو پہنچے جس سے علم قطعی حاصل ہوتا ہے کہ اس میں اسلام شرط نہ ہو بلکہ مراد یہ ہے کہ غلبۂ ظن کو مفید ہو اور اس میں اسلام شرط نہ ہونا اس کے لیے کوئی صریح نقل چاہیے قالہ الشامی اور علم شرعی سے مراد اصطلاح اصولیوں کی ہے جو موجب عمل کا ہوتا ہے نہ وہ علم جو یقین کے معنوں میں ہے اس پر نص کی ہے منافع اور غایۃ البیان اور بحر میں نقلاً عن الفتح اور صدر الشریعۃ نے جو علم بمعنی یقین لیا ہے ابن کمال نے اس کو رد کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ خطا ہے صدر الشریعۃ سے قالہ الشامی وھو مفوض الی رای الامام من غیر تقدیر بعدد علی المذہب اور وہ امام کی رائے پر مفوض ہے بغیر تعیین عدد کے بنا بر مذہب صحیح کے م سراج میں کہا ہے اس جماعت کی تعداد ظاہر الروایت میں معین نہیں ہے اور ایک روایت میں ابو یوسف سے ۵۰ مرد ہیں اور بعض کے نزدیک اکثر اہل محلہ اور بعض کے نزدیک ہر مسجد میں سے ایک یا دو اور خلف بن ایوب نے کہا ہے کہ ۵۰۰ بلخ میں قلیل ہیں اور ان سب میں سے صحیح یہی ہے کہ امام کی رائے پر مفوض ہے اگر اپنے دل میں ان کی درستی اور صحت سمجھے تو صوم کا حکم دے اور مواہب میں اسی کو صحیح کہا ہے اور شرنبلالی نے اسی کا اتباع کیا ہے اور بحر میں فتح سے نقل کیا ہے کہ حق وہ ہے جو محمد و ابو یوسف سے روایت کیا گیا ہے کہ اعتبار خبر متواتر آنے کا ہے ہر طرف سے اور نہر میں کہا ہے کہ یہ تصحیح سراج کے موافق ہے قالہ الشامی وعن الامام انہ یکتفی بشاہدین واختارہ فی البحر اور ایک روایت امام صاحب سے یہ ہے کہ اکتفا کیا جاوے دو گواہوں پر اور بحر میں اسی کو اختیار کیا ہے م بحر میں کہا ہے کہ اس زمانہ میں چاہیے کہ عمل اسی روایت پر ہو اس واسطے کہ لوگ چاند دیکھنے ۔ کاہلی کرتے ہیں پس علما نے جو لکھا ہے کہ جم غفیر ہلال کے طالب ہیں یہ منتفی ہو گیا پس دیکھنے والے کی غلطی کا احتمال بہ ظاہر ہے پھر اسی کی تائید کی کہ ولوالجیہ ظہیریہ ظاہر دلالت کرتی ہے کہ ظاہر الروایت صرف اشتراط عدد ہے نہ جمع عظیم اور عدد تو دو پر بھی صادق آتا ہے اور اسی کو صادق رکھا ہے نہر میں اور منح میں قالہ الشامی وصحح فی الاقضیۃ الاکتفاء بواحد ان جاء من خارج البلد او کان علی مکان مرتفع واختارہ ظہیر الدین اور اقضیہ میں (جو ایک کتاب کا نام ہے) تصحیح کی ہے کہ ایک شخص کفایت کرتا ہے اگر شہر کے باہر سے آیا ہو یا کسی اونچے مکان پر ہو اور اسی کو ظہیر الدین نے اختیار کیا ہے م اور رشادی صغریٰ میں اسی پر اعتماد کیا ہے اور یہی قول طحاوی کا ہے اور امام محمد نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اصل کی کتاب الاستحسان میں مگر خلاصہ میں کہا ہے کہ ظاہر الروایت یہ ہے کہ شہر اور خارج شہر میں فرق نہیں ہے کذا فی المعراج وغیرہ میں کہتا ہوں کہ نہایہ میں کہا ہے کہ مبسوط میں ہے کہ امام اس کی شہادت رد کرے اگر آسمان صاف ہو اور وہ شخص شہر والا ہو پس اگر آسمان میں ابر ہو یا وہ باہر سے آوے یا اونچے مقام پر ہو تو ہمارے نزدیک مقبول ہوگی پس لفظ عندنا دلالت کرتا ہے کہ ہمارے ائمہ ثلثہ کا یہی قول ہے اور محیط میں اسی پر جزم کیا ہے اور اس کے مقابل کو لفظ قیل سے بیان کیا ہے پھر ذکر کیا ہے کہ وجہ ظاہر الروایت کی یہ ہے کہ رویت مختلف ہوتی ہے باعتبار ہوا کی صفائی و کدورت کے اور باعتبار مکان کے نیچے اور اونچے ہونے کے کیونکہ جنگل کی ہوا صاف ہوتی ہے شہر کی نسبت اور کبھی ہلال اونچے مکان سے نظر آتا ہے تو اس شخص کا تفرد خلاف ظاہر نہ ہوا بلکہ ظاہر کے موافق ہوا الخ سو اس کلام میں تصریح ہے کہ یہ ظاہر الروایت ہے اور حقیقت میں ایسا ہی ہے کیونکہ مبسوط بھی کتب ظاہر الروایت سے ہے پس معلوم ہوا کہ دونوں

فائدہ روایتیں ظاہر الروایت ہیں کذا فی الشامی وطریق اثبات رمضان والعیدان یدعی وکالۃ معلقۃ بدخولہ بقبض دین علی الحاضر فیقر بالدین والوکالۃ وینکر الدخول فیشہد الشہود برویۃ الہلال فیقضی علیہ بہ فیثبت دخول الشہر ضمنا لعدم دخولہ تحت الحکم اور رمضان اور عید کے اثبات کا طریق یہ ہے کہ کوئی شخص کسی حاضر پر کسی غائب کے دین کے قبضہ کرنے کی وکالت کا دعویٰ کرے جو مشروط ہے رمضان یا عید کے آنے پر پھر یہ شخص حاضر دین اور وکالت کا اقرار کرے اور رمضان یا عید کے آجانے سے انکار کرے پھر رویت ہلال پر گواہی دیں پس حکم لگایا جاوے ادائے دین کا شخص حاضر پر اور مہینے کا داخل ہونا ضمناً ثابت ہو جاوے گا کیونکہ مہینہ زیر حکم داخل نہیں ہم یدعی مجہول ہے یا معلوم ہے اور فاعل ضمیر یدعی کی جو سیاق عبارت سے مفہوم ہے یعنی مدعی دعویٰ کرے کسی شخص حاضر پر کہ فلانے شخص کے تیرے ذمہ اس قدر درہم ہیں اور مجھ کو اس نے کہہ دیا ہے کہ جب رمضان داخل ہو تو تو وکیل ہے دین کو قبض کرنے کے لیے اور مہینہ زیر حکم داخل نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کا روزہ بغیر ثبوت بھی واجب ہو سکتا ہے یعنی صرف خبر سے کیونکہ وہ دینیات میں سے ہے اور وجوب صوم سے ثبوت رمضان لازم نہیں آتا اور اس وقت میں فائدہ رمضان کے اثبات کا طریق مذکور یہ ہے کہ جماعت عظیم پر موقوف نہ رہے گا اگر آسمان صاف ہو کیونکہ شہادت ثبوت وکالت پر ہے بروقت دخول رمضان کے نہ رویت ہلال پر اور وکالت دو گواہوں سے ثابت ہو سکتی ہے حق عبد ہونے کی جہت سے اور وکالت ثابت نہیں ہوتی جب تک رمضان کا دخول نہ ہو اور جب دخول ضمناً ثابت ہوا تو روزہ واجب ہوا قالہ الشامی شہدوا انہ شہد عند قاضی مصر کذا شاہدان برویۃ الہلال فی لیلۃ کذا وقضی القاضی بہ ووجد استجماع شرائط الدعوی قضی ای جاز لہذا القاضی ان یحکم بشہادتہما بعض نسخوں میں شہدا بلفظ تثنیہ ہے اور جن نسخوں میں شہدوا بلفظ جمع ہے اس سے مراد مافوق الواحد ہے یعنی اگر دو گواہوں نے گواہی اس بات پر دی کہ مصر کے قاضی کے سامنے فلانے شاہدوں نے فلانی تاریخ کی رویت کی گواہی دی ہے اور وہاں کے قاضی نے اس پر حکم لگایا ہے اور شرائط دعویٰ کی سب پائی گئیں تو قاضی کو جائز ہے کہ ان کی گواہی پر حکم لگادے لان قضاء القاضی حجۃ وقد شہدوا بہ اس واسطے کہ وہاں کے قاضی کی قضا حجت ہے اور ان دو گواہوں نے اس کی شہادت دی لالو شہدوا برویۃ غیرہم لانہ حکایۃ نہ حکم دلیوے قاضی اگر شہادت دلویں غیر کی رویت پر اس واسطے کہ یہ حکایت ہے ہم یعنی نہ انھوں نے اپنی رویت بیان کی نہ غیر کی رویت کی شہادت دی صرف غیر کی رویت کی حکایت کی کذا فی فتح القدیر میں کہتا ہوں کہ ایسا ہی ہے اگر غیر کی رویت کی شہادت دی اور اس بات کی کہ اس شہر کے قاضی نے لوگوں کو روزہ کا حکم دیا اس واسطے کہ یہ فعل قاضی کا حکایت ہے اور وہ حجت نہیں بخلاف قضاء قاضی کے اور اسی واسطے مجموع شرائط کی قید لگائی نعم لو استفاض الخبر فی البلدۃ الاخری لزمہم علی الصحیح من المذہب مجتبی وغیرہ ہاں اگر کسی دوسرے شہر میں بکثرت خبر شائع ہو جاوے تو ان کو لازم ہوگا روزہ رکھنا بنا بر مذہب صحیح کذا فی المجتبی م ذخیرہ میں ہے کہ شمس الائمہ حلوانی نے کہا کہ مذہب صحیح ہمارے مذہب میں یہ ہے کہ خبر جب پھیل جاوے اور متحقق ہو جاوے دوسرے شہر میں تو ان کو بھی لازم ہوگا اس شہر کا حکم رحمتی نے کہا کہ استفاضہ کے معنی یہ ہیں کہ اس شہر سے جماعات متعددہ آکر بیان کریں وہاں کی خبر کہ انھوں نے روزہ رکھا چاند دیکھ کر نہ مجرد شیوع بے علمی سے کہ نہ معلوم ہو کہ کس نے خبر شائع کی چنانچہ بہتیری خبریں شہر میں شہرت پکڑ جاتی ہیں اور نہیں معلوم ہوتا کہ کس نے شائع کیں چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ آخر زمانہ میں شیطان مجمع میں بیٹھ کر ایک بات کہے گا اور لوگ اس کا مذکور کریں گے اور کہیں گے کہ ہم نہیں جانتے کس نے کہا ہے اس کو پس اس قسم کی بات لائق سماعت کے بھی نہیں چہ جائیکہ اس سے کوئی حکم ثابت ہو میں کہتا ہوں کہ یہ خوب کلام ہے اور اسی کی طرف قول ذخیرہ کا اشارہ کرتا ہے اذا استفاض وتحقق کذا قالہ الشامی وبعد صوم ثلثین بقول عدلین حل الفطر الباء متعلقۃ بصوم وبعد متعلقۃ بحل لوجوب نصاب الشہادۃ اور جب کہ دو عادل کے قول سے روزہ رکھا ہو تو بعد ۳۰ دن کے افطار حلال ہے بسبب موجود ہونے نصاب شہادت کے شارح نے کہا کہ ب متعلق ہے صوم سے اور لفظ بعد ظرف ہے فعل حل کا م یعنی اگر اکتیسویں رات کو ابر ہو تو بالاتفاق صحیح

زقالرالمراق ۔ ۱؎ جب شہرت پکڑے اور ثابت ہو سے اس وقت صوم لازم ہوگا ۔

کو افطار حلال ہے اور یہی حکم ہے اگر آسمان صاف ہو جیسا تصحیح کیا ہے درایہ اور خلاصہ اور بزازیہ میں اور اس کے برخلاف تصحیح کی ہے مجموع النوازل میں
اور سید ناصر الدین نے کذا فی الامداد اور علامہ نوح نے اتفاق نقل کیا ہے دوسری صورت میں بھی بدائع اور سراج اور جوہرہ سے اور کہا ہے کہ اتفاق سے
مراد ہمارے علمائے ثلثہ کا اتفاق ہے اور خلاف جو منقول ہے سو بعض مشائخ کا ہے اور قہستانی میں ہے کہ فتوی افطار کی حلت پر ہے کذا فی الشامی ولو صاموا
بقول عدل حیث یجوز وغم ہلال الفطر لا یحل علی المذہب خلافا لمحمد کذا ذکرہ المصنف اگر روزہ رکھا ہو ایک عدل کے قول سے جس طرح کہ جائز ہے اور
حال یہ ہے کہ عید کے چاند کے دن ابر ہے تو افطار حلال نہیں رحم مذہب پر برخلاف قول محمد کے یہی مصنف نے ذکر کیا ہے م حیث یجوز میں حیثیت
تقیید ہے یعنی اس طرح کہ قاضی نے شہادت ابر میں قبول کر لی ہو یا آسمان صاف ہو لیکن قاضی ان میں سے ہے جو ایک کی گواہی قبول کر لیتے ہیں کذا فی
النہر یعنی شافعی المذہب ہو یا قول طحاوی پر عمل کرتا ہو ایک شخص کی گواہی مان لینے میں جب آسمان صاف ہو بشرطیکہ جنگل سے آیا ہو یا شہر میں اونچے
مکان پر ہو اور سابق میں اس روایت کی ترجیح گذر چکی اور غم ہلال الفطر جملہ حالیہ ہے اس کی قید اس واسطے لگائی کہ محل خلاف ہے جیسا مصنف نے ذکر کیا
ہے قال الشامی لکن نقل ابن الکمال عن الذخیرۃ انہ ان غم ہلال الفطر حل اتفاقا لیکن ابن کمال نے ذخیرہ سے نقل کیا ہے کہ اگر ہلال عید کا نظر آنے کے روز ابر ہو تو
بالاتفاق افطار حلال ہے م یہ استدراک ہے اس پر جو مصنف نے ذکر کیا کہ خلاف امام محمدؒ کا اس وقت ہے کہ عید کے دن ابر ہو اس طرح کہ ذخیرہ میں اور
معراج میں مجتبی سے تصریح ہے کہ افطار کی حلت بالاتفاق ہے اور خلاف اس صورت میں ہے کہ ابر نہ ہو اور چاند نظر نہ آوے تو شیخین کے نزدیک افطار
نہیں حلال اور امام محمد کے نزدیک حلال ہے جیسا شمس الائمہ نے کہا ہے اور شرنبلالی نے امداد میں تحریر کیا ہے خزانۃ البیان میں کہا ہے کہ محمد کے قول
کی وجہ کہ وہی قول ارجح ہے یہ ہے کہ افطار ایک شخص کے قول سے ثابت نہیں ہوا ابتداءً بلکہ تبعاً ثابت ہوا ہے اور بہتیری چیزیں ضمناً ثابت ہو جاتی ہیں اور
قصداً نہیں ثابت ہوتیں اور امام محمدؒ سے پوچھا تو جواب میں یہ کہا کہ افطار قاضی کے حکم سے ثابت ہوا واحد کے قول سے نہیں یعنی جب قاضی نے رمضان کے
چاند میں ایک آدمی کے قول پر حکم لگایا تو اس بنا پر افطار بعد ۳۰ دن کے ثابت ہو گیا قالہ الشامی وفی الزیلعی الاشبہ ان غم حل والا لا اور زیلعی میں ہے کہ
مشابہ تر یہ ہے کہ اگر ابر ہو تو افطار حلال ہے ورنہ نہیں وہلال الاضحی وبقیۃ الاشہر التسعۃ کالفطر علی المذہب اور بقرعید کا چاند اور باقی نو مہینوں کا مانند عید
کے ہے صحیح مذہب پر م قولہ والاضحی کالفطر یعنی ذوالحجہ شوال کے مانند ہے پس ابر میں ثابت نہ ہو گا مگر دو مردوں سے یا ایک مرد دو عورتوں سے اور صفائی
کی حالت میں زیادتی عدد کی ضرورت ہے اور نوادر میں امام صاحب سے روایت نقل کی ہے کہ وہ مانند رمضان کے ہے اور تحفہ میں اسی کی تصحیح کی ہے لیکن
روایت اول ظاہر المذہب ہے اور اسی کی تصحیح ہدایہ اور اس کی شروح اور تبیین میں کی ہے پس تصحیح مختلف ہوئی اور پہلی کو ترجیح اس واسطے ہے کہ وہ مذہب
ہے کذا فی البحر اور باقی نو مہینے کا چاند مثل عید کے چاند کے ہے یعنی ان میں مقبول نہ ہو گی مگر گواہی دو مردوں کی یا ایک مرد دو عورتوں کی جو آزاد ہوں اور تہمت زنا میں
سزا یافتہ نہ ہوں جیسے اور احکام میں کذا فی البحر عن شرح مختصر الطحاوی اور امداد میں ذکر کیا ہے کہ ان مہینوں کا حکم صفائی کی حالت میں مانند رمضان اور
عید کے ہے یعنی جماعت عظیم چاہیے لیکن خیر الدین رملی نے کہا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ باقی مہینوں میں ابر اور غیر ابر میں کچھ فرق نہیں کیونکہ جماعت عظیم کی شرط نہیں
پائی جاتی یعنی سب لوگوں کا متوجہ ہونا چاند دیکھنے کو پس اگر دو مردوں نے گواہی دی صفائی کی صورت میں شعبان کے چاند کی اور شعبان
بہ ثبوت شرعی ثابت ہو گیا تو ۳۰ دن کے بعد رمضان ثابت ہو جاوے گا اگرچہ رمضان صفائی کی حالت میں دو شخصوں کی گواہی سے ثابت
نہیں ہوتا کیونکہ اس صورت میں اس کا ثبوت ضمنی ہے اور ضمنیات میں بہتیری باتوں میں درگذر ہوتی ہے جو قصدیات میں نہیں ہوتی قالہ
الشامی ورؤیتہ بالنہار للیلۃ الآتیۃ مطلقا علی المذہب ذکرہ الحدادی اور جو چاند دن کو نظر آوے وہ اگلی رات کا شمار کیا جاوے گا ہر صورت میں
صحیح مذہب پر ذکر کیا اس کو حدادی نے م یعنی قبل زوال کے نظر آوے یا بعد زوال کے اور مذہب کے معنی یہ کہ قول ابی حنیفہؒ و محمدؒ کا ہے

بدائع میں کہا ہے پس وہ دن رمضان کا نہ ہوگا طرفین کے نزدیک اور ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ اگر بعد زوال کے نظر آیا تو بے شک آیندہ شب کا ہے اور اگر قبل زوال کے نظر آیا تو پچھلی شب کا ہے اور وہ دن رمضان کا ہوگا اور اسی خلاف پر شوال کا چاند ہے کہ طرفین کے نزدیک آیندہ شب کا ہے ہر صورت میں اور وہ دن رمضان کا ہوگا اور ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر زوال سے پیشتر نظر آیا تو چاند شب گذشتہ کا ہے اور یہ دن عید کا ہے اس لیے کہ ہلال قبل زوال کے نظر نہیں آتا عادۃً مگر یہ کہ دو[1] رات کا ہو پس ہلال رمضان میں وہ دن رمضان کا ہونا ضروری ہوا اور شوال کے چاند میں عید کا دن اور طرفین کے نزدیک اصل یہ ہے کہ دن کی رویت کا اعتبار نہیں اعتبار رویت بعد الغروب کا ہے کیونکہ حضرتؐ نے امر فرمایا صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ پس امر صوم وافطار کا رویت کے بعد ہے اس صورت میں امام ابو یوسفؒ کا قول مخالف نص کے ہے انتہی ملخصاً فتح القدیر میں ہے کہ حدیث شریف موجب ہے رویت کی سبقت کو صوم اور افطار پر اور متبادر رویت سے ہر مہینے کے آخر وقت شام کی رویت ہے نزدیک صحابہ اور تابعین و من بعدہم کے بخلاف ماقبل الزوال کے تیسویں تاریخ اور مختار ابو حنیفہؒ و محمد کا قول ہے قالہ الشامی واختلاف المطالع رویتہ نہاراً قبل الزوال وبعدہ غیر معتبر علی ظاہر المذہب وعلیہ اکثر المشائخ وعلیہ الفتوی بحر عن الخلاصۃ اور اختلاف مطالع کا اور دن کو چاند دیکھنا[2] زوال سے پہلے یا بعد زوال کے غیر معتبر ہے ظاہر مذہب پر اور اسی پر اکثر مشائخ ہیں اور اسی پر فتوی ہے کذا فی البحر عن الخلاصۃ م جاننا چاہیے کہ نفس اختلاف مطالع میں نزاع نہیں ہے یعنی کبھی دو شہروں میں اتنا بعد ہوتا ہے کہ ایک میں ہلال ایک تاریخ نظر آوے دوسرے میں نظر نہ آوے کیونکہ انفصال ہلال کا شعاع شمس سے مختلف ہوتا ہے باعتبار اختلاف ملکوں کے اور یہی حال ہے اختلاف مطالع شمس کا کہ جب ایک ملک میں صبح ہوگی تو بعض میں سورج نکلے گا اور بعض میں غروب ہوگا اور بعض میں آدھی رات بلکہ مطالع کے اعتبار کرنے میں خلاف ہے کہ ہر قوم کو اپنے مطلع کا اعتبار لازم ہے اور غیر کے مطلع پر عمل کرنا لازم نہیں یا یہ کہ اختلاف کا بالکل اعتبار نہیں بلکہ جس جگہ چاند پہلے نظر آوے سب کو اسی پر عمل کرنا لازم ہے یہاں تک کہ اگر مشرق میں جمعہ کی رات کو چاند نظر آیا اور مغرب میں ہفتہ کو تو اہل مغرب پر لازم ہے کہ بموجب رویت اہل مشرق کے عمل کریں پس بعضے قول اول کے قائل ہوئے ہیں اور زیلعی اور فیض نے اسی پر اعتماد کیا ہے اور شافعیہ کے نزدیک بھی یہی صحیح ہے کیونکہ ہر قوم کو خطاب اللہ ان کے موافق ہے جیسا اوقات صلوۃ میں اور ظاہر الروایت قول ثانی ہے اور وہی ہمارے یہاں معتمد ہے اور مالکیوں اور حنبلیوں کے نزدیک بھی کیونکہ خطاب عام ہے مطلق رویت کے ساتھ حدیث صوموا لرؤیتہ میں بخلاف اوقات صلوۃ کے قالہ الشامی فیلزم اہل المشرق برؤیۃ اہل المغرب اذا ثبت عندہم رؤیۃ اولئک بطریق موجب کما مر پس اہل مشرق کو روزہ یا افطار لازم ہوگا اہل مغرب کی رویت سے جب کہ ثابت ہو مشرق والوں کو ان لوگوں کی رویت اس طریق سے کہ عمل کو موجب ہو جیسا سابق میں گذرا م یعنی دو آدمی شہادت پر شہادت دیں یا حکم قاضی پر شہادت پس یا خبر مستفیض ہو بخلاف اس صورت کے کہ دو آدمی شہادت دیویں کہ فلانے شہر والوں نے دیکھا ہے کذا ذکرہ الحلبی وقال الزیلعی الاشبہ انہ یعتبر اور زیلعی نے کہا کہ مشابہ بحق یہ ہے کہ اختلاف مطالع معتبر ہے قال الکمال الاخذ بظاہر الروایۃ احوط کمال نے کہا ہے کہ ظاہر الروایت کے اخذ میں احتیاط زیادہ ہے فرع مسئلہ ملحقہ شارح کا اذا رأوا الہلال یکرہ ان یشیروا الیہ لانہ من عمل الجاہلیۃ کما فی السراجیۃ وکراہۃ البزازیۃ جب چاند دیکھیں تو مکروہ ہے کہ اس کی طرف اشارہ کریں کیونکہ عمل جاہلیت کا ہے جیسا سراجیہ میں ہے اور بزازیہ کے باب الکراہۃ میں م یعنی اگرچہ بقصد دکھلانے دوسرے شخص کے ہو جس نے نہیں دیکھا ہے اور علت بظاہر دلالت کرتی ہے کہ کراہت تنزیہی ہو قالہ الشامی

[1] دن کو نظر آنا قائم مقام ایک رات کے ہے اس اعتبار سے دو رات کا کہا کیونکہ جب چاند پچھلی رات کا ہوا وہ اس دن نظر نہ آیا تو ایک رات یہ ہوئی پھر غروب کے بعد جب اگلے دن قبل الزوال نظر آیا تو باعتبار دوبارہ ظاہر ہونے کے دو رات کا کہا ہش [2] روزہ رکھو چاند کے دیکھنے پر اور افطار کرو اس کے دیکھنے پر ۱۲

باب مایفسد الصوم و مالا یفسد

یہ باب ہے ان چیزوں کے بیان میں جو روزہ کی مفسد ہیں اور جو مفسد نہیں م مفسد کی دو قسمیں ہیں ایک جس سے صرف قضا لازم ہو دوم جس سے قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں اور غیر مفسد کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کا کرنا مباح ہے دوم وہ جس کا کرنا مکروہ ہے الفساد والبطلان فی العبادات سیان فساد اور بطلان عبادات میں برابر ہیں م اور معاملات میں فرق ہے اگر معاملہ کا اثر کچھ مترتب نہ ہوئے تو بطلان ہے اور اگر اثر مترتب ہو پھر اگر شرعاً فسخ مطلوب ہے تو فساد ہے نہیں تو صحت ہے حلبی عن البحر بیان اس کا یہ ہے کہ اگر میتہ کو بیچا تو اثر معاملہ کا یعنی ملک اثر غیر مترتب ہے تو یہ بیع باطل ہوئی اور اگر غلام کو شرط فاسد سے بیچا اور مشتری کے حوالہ کر دیا تو مشتری اس کا مالک ہو جاتا ہے لیکن اس کا فسخ کرنا دونوں کے ذمہ واجب ہے تو یہ بیع فاسد ہوئی اور اگر غلام کو بدون شرط فاسد کے بیچا تو مشتری اس کا مالک صحیح ملک کے ساتھ ہو گا یہ بیع صحیح ہوئی قال الشامی اذا اکل الصائم او شرب او جامع حال کونہ ناسیا فی الفرض والنفل قبل النیۃ او بعدہا علی الصحیح بحر عن القنیۃ اذا اکل الخ شرط ہے اس کی جزا لم یفطر آگے آوے گی یعنی روزہ نہیں ٹوٹتا جب کھاوے روزہ دار یا پیوے یا جماع بھول کر کرے فرض میں یا نفل میں نیت سے پہلے یا بعد صحیح الروایت پر کذا فی البحر عن القنیۃ م علی الصحیح قبل النیۃ کے ساتھ متعلق ہے اور اس کی تصحیح تاتارخانیہ میں بھی نقل کی ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے رمضان ثابت ہونے کے انتظار میں غذا کی چیزوں سے توقف کیا اور بھول کر کچھ کھا لیا تو بعد بھی نیت روزہ کی کر سکتا ہے اور یہ مسئلہ پہلے گذر چکا بخلاف متنفل کے کیونکہ اگر وہ پہلے نیت کے کھائے تو اس کو ناسی نہیں کہتے اور ایسا ہی حکم ہے صوم قضا و کفارہ میں ہاں البتہ نسیان متصور ہو سکتا ہے ادائے رمضان میں اور نذر معین میں قال الشامی الاان یذکر فلم یتذکر مگر جب کہ یاد دلایا جاوے پر نہ یاد کرے م یعنی جب بھول کر کھاوے پھر کوئی شخص اس کو روزہ یاد دلا دے اور وہ نہ یاد کرے پھر کھائے تو روزہ فاسد ہو جاوے گا صحیح روایت میں برخلاف بعض کے کذا فی الظہیریۃ اس واسطے کہ خبر ایک شخص کی دیانات میں مقبول ہے پس اس پر واجب تھا کہ تامل کرتا اور ادھر التفات کرتا کذا فی البحر میں کہتا ہوں لیکن اس پر کفارہ نہیں مختار ہے جیسا تاتارخانیہ میں ہے منقول نصاب سے کذا فی الشامی و یذکرہ لو قویا والا ا اور یاد دلا دے روزہ دار کو روزہ اگر وہ قوی ہو یعنی روزہ کے اتمام کی طاقت رکھتا ہو بغیر ضعف کے اور اگر ایسا ہو کہ صوم کی جہت سے ضعف ہو لیکن کھا لیوے تو عبادات کو اچھی طرح ادا کرے تو گنجائش ہے کہ نہ یاد دلا دے کذا فی الفتح م بحر الرائق میں کہا کہ قوی آدمی کو بھولنے کی صورت میں یاد دلانا لازم ہے حتی کہ نہ یاد دلانا مکروہ ہے پس عذر انی حقوق العباد اور نسیان حقوق العباد میں عذر نہیں ہے یعنی اگر دولت کو بھول کر کھا جاوے تو اس کا ضمان لازم ہو گا گو آخرت کا مواخذہ نہیں ہے کذا فی الشامی او دخل حلقہ غبار او ذباب او دخان ولو ذاکرا استحسانا لعدم امکان التحرز عنہ اور روزہ نہیں ٹوٹتا اگر حلق میں غبار داخل ہو یا مکھی یا دھواں اگرچہ روزہ یاد ہو بدلیل استحسان کیونکہ اس سے بچاؤ نا ممکن ہے م اور قیاس میں فاسد ہو جاتا ہے یعنی مکھی کی صورت میں کیونکہ مفطر پیٹ میں پہنچا اگرچہ غذا نہیں جیسے کنکر اور مٹی سے ٹوٹتا ہے کذا فی الہدایہ ومفادہ انہ لو ادخل حلقہ الدخان افطر ای دخان کان ولو عودا او عنبرا لو ذاکرا لامکان التحرز عنہ فلیتنبہ لہ کما بسطہ الشرنبلالی اور مفاد اس کا یہ ہے کہ اگر بقصد دھواں حلق میں پہنچا دے تو روزہ ٹوٹ جاوے گا کوئی سا دھواں ہو اگرچہ عود یا عنبر ہو اگر روزہ یاد ہے کیونکہ اس سے احتراز ممکن ہے پس چاہیے کہ خبردار ہو اس سے چنانچہ شرنبلالی نے بسط کیا ہے م یعنی کسی صورت سے دھواں داخل کیا ہو یہاں تک کہ اگر بخور کیا اور بقصد اس کو سونگھا روزہ کی یادگاری کی حالت میں روزہ ٹوٹ جاوے گا کیونکہ اس سے بچاؤ ممکن ہے اور اس سے اکثر لوگ غافل ہیں اور اس کو پھول یا گلاب یا مشک کے سونگھنے کے مانند سمجھنا نہ چاہیے کیونکہ فرق ہے اس میں کہ ہوا خوشبودار ناک میں جاوے اور اس میں کہ خود دھواں اپنے فعل سے جوف میں پہنچا دے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حقہ پینے سے بھی روزہ جاتا رہتا ہے چنانچہ شرنبلالی نے شرح وہبانیہ میں اس کی تصریح کی ہے قال الشامی او ادہن او اکتحل او احتجم وان وجد طعمہ

روزہ نہیں جاتا اگر تیل لگایا یا سرمہ لگایا یا پچھنے لگوائے اگرچہ سرمہ یا تیل کا مزہ اپنے حلق میں پاوے م اور ایسا ہی اگر تھوک میں اس کا رنگ پاوے اصح روایت پر کذا فی البحر نہر میں کہا ہے اس واسطے کہ موجود حلق میں ایک اثر ہے جو مسام کی راہ سے داخل ہوا اور مفطر وہ ہے جو غذا کی راہ سے داخل ہو کیونکہ جو شخص غسل کرے پانی میں پھر اس کی برودت اپنے اندر پاوے تو بالاتفاق روزہ نہیں ٹوٹتا اور امام نے جو پانی میں داخل ہونے اور تر کپڑا اوڑھنے کو روزہ میں مکروہ کہا ہے سو وہ اس جہت سے کہ اس فعل سے عبادت کی بجاآوری میں تنگ دلی معلوم ہوتی ہے نہ یہ کہ موجب افطار کا ہے قال الشامی او قبل ولم ینزل او احتلم او انزل بنظر ولو الی فرجہا مرارا او بفکر وان طال مع یا بوسہ لیا اور انزال نہ ہوا یا احتلام ہوا یا انزال ہو گیا نظر سے اگرچہ عورت کی شرم گاہ کی طرف نظر مکرر ہو یا انزال ہوا فکر سے اگرچہ دراز ہو کذا فی المجمع یعنی ان صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹتا او بقی بلل فی فیہ بعد المضمضۃ وابتلعہ مع الریق یا منہ میں تری باقی رہ گئی کلی کرنے کے بعد اور اس کو تھوک کے ساتھ نگل گیا م فتح اور ہدایہ میں اس کو مثل دخول غبار و دخان کے کہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علت عدم امکان احتراز ہے لیکن یوں چاہیے کہ پانی منہ سے گرانے کے بعد تھوکنا شرط ہے کیونکہ پانی تھوک میں ملا رہتا ہے البتہ تھوکنے میں مبالغہ شرط نہ ہونا چاہیے قال الشامی کطعم ادویۃ ومص اہلیلج جیسے مزہ دوائیوں کا اور چوسنا ہڑ کا م یعنی دوائیوں کے کوٹنے سے ان کا مزہ اگر اپنے حلق میں پاوے تو روزہ نہیں جاتا جیسا محیط میں ہے اور اہلیلج دوسرے لام کے کسرہ سے ہے قال ابو عبید والفراء یعنی اگر ہڑ کو چباوے اور تھوک حلق میں اس کا جاوے لیکن اس کے اجزا میں سے کچھ نہ جاوے تو روزہ نہیں جاتا کذا فی التاتارخانیہ وغیرہا بخلاف نحو سکر بخلاف شکر جیسی چیز کے کہ اس کے چوسنے سے روزہ جاتا رہتا ہے او دخل الماء فی اذنہ وان کان بفعلہ علی المختار یا داخل ہو پانی اس کے کان میں اگرچہ اس کے فعل سے ہو تو روزہ نہیں جاتا مذہب مختار پر م ہدایہ اور تبیین میں اس کو اختیار کیا ہے اور محیط میں اس کی تصحیح کی ہے ولوالجیہ میں کہا ہے کہ یہی مختار ہے اور خانیہ میں یہ تفصیل کی ہے کہ اگر پانی کان میں چلا گیا تو نہیں جاتا اور اگر خود داخل کیا تو جاتا رہتا ہے صحیح روایت پر کیونکہ جب اس کے فعل سے جوف میں پہنچا تو اس میں صلاح بدن کا اعتبار نہیں ہے اور یہی بزازیہ میں ہے اور فتح اور برہان میں اسی کو قوت دی ہے کذا فی الشرنبلالیہ حاصل یہ کہ اگر تیل کان میں ڈالا تو بالاتفاق روزہ جاتا رہا اور اگر پانی کان میں چلا گیا تو بالاتفاق روزہ نہیں جاتا اور اگر بقصد پانی کان میں ڈالا تو اس میں اختلاف ہے اور تصحیح مختلف ہے قال الشامی کما لو حک اذنہ بعود ثم اخرجہ وعلیہ درن ثم ادخلہ ولو مرارا جیسا کہ روزہ نہیں جاتا اگر لکڑی سے کان کھجلایا پھر اس کو نکال لیا اور اس پر میل تھا پھر اس کو کان میں ڈالا اگرچہ چند بار ہو م اس مسئلہ کو مشبہ بہ ٹھہرایا اس واسطے کہ بزازیہ میں ہے کہ اس میں بالاجماع روزہ نہیں جاتا اور ظاہر یہ ہے کہ اجماع سے مراد اجماع اہل مذہب کا ہے ورنہ شافعیہ کے نزدیک مفسد ہے قال الشامی او ابتلع ما بین اسنانہ وہو دون الحمصۃ لانہ تبع لریقہ ولو قدرہا افطر کما سیجئ یا نگل گیا جو دانتوں میں ہے بشرطیکہ چنے سے کم ہو تو روزہ نہ جاوے گا کیونکہ چنے سے کم لعاب کے تابع ہے اور بحر میں کہا ہے کہ اتنی چیز قلیل ہے اس سے احتراز غیر ممکن ہے پس بمنزلہ لعاب کے ہوا اور اگر چنے کے برابر ہے تو روزہ ٹوٹ جاوے گا چنانچہ عنقریب آوے گا او خرج الدم من بین اسنانہ ودخل حلقہ یعنی ولم یصل الی جوفہ یا نکلا خون دانتوں سے اور چلا گیا حلق میں یعنی جوف تک نہیں پہنچا م متن کے اطلاق سے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ خون غالب ہو تب بھی روزہ نہیں جاتا اور وجیز میں اسی کی تصحیح کی ہے جیسا کہ معراج میں ہے اور کہا ہے کہ وجہ یہ ہے کہ عادۃً اس سے احتراز ناممکن ہے اور چونکہ یہ قول اکثر کے مخالف تھا اس لئے شارح نے مصنف کے کلام کو حمل کیا اس پر کہ جوف میں نہ پہنچے مصنف کی اتباع سے کہ اس نے اپنی شرح میں لکھا ہے اما اذا وصل فان غلب الدم او تساویا فسد والا لا الا اذا وجد طعمہ بزازیہ لیکن جب کہ پہنچے جوف میں پس اگر خون غالب ہو یا خون اور تھوک دونوں برابر ہوں تو روزہ فاسد ہوگا اور جو نہیں تو نہیں فاسد ہوگا مگر جبکہ پاوے اس کا مزہ کذا فی البزازیہ واستحسنہ المصنف وہو ما علیہ الاکثر دیکھی اور اس کو مصنف نے پسند کیا ہے اور یہ تفصیل جو مذکور ہوئی وہ ہے جس پر اکثر مشائخ ہیں اور قریب ہے کہ آوے گا لیکن مصنف کا پسند کرنا یعنی

اس کے قول الاان یجد الطعم فی حلقہ میں اور انتشار ضمائر کا اس جگہ مخفی نہیں ہے قال الشامی او طعن برمح فوصل الی جوفہ وان بقی فی جوفہ یا کوبہ دیا جاوے
نیزہ سے پھر پہنچ جاوے جوف تک اگرچہ اندر باقی رہ جاوے یعنی نیزہ کی نوک تو روزہ نہیں جاتا ام اس کی تصحیح قاضی خان اور ایک جماعت نے کی ہے اور
جامع صغیر کی شرح میں کہا ہے کہ اگر نوک اندر باقی رہ جاوے تو اس کو کتاب میں ذکر نہیں کیا اور اس میں اختلاف ہے بعضے کہتے ہیں کہ روزہ ٹوٹ
جاتا ہے جیسا لکڑی دبر میں چڑھانے سے اور بعضوں نے کہا ہے کہ نہیں ٹوٹتا اور یہی صحیح ہے کیونکہ اس کی طرف سے کوئی فعل نہیں پایا گیا اور نہ اس میں
اس کے بدن کی اصلاح ہے انتہی قال الشامی کالو القی حجر فی الجائفۃ او نفذ السہم من الجانب الآخر جیسے اگر ڈال جاوے کنکری اس زخم میں جو جوف تک پہنچا
ہوا ہے یعنی غیر شخص نے ڈال دی ہو تو روزہ نہیں جاتا کیونکہ اس کا فعل کچھ نہیں اور نہ اس کے بدن کی اصلاح ہے بخلاف اس کے کہ جائفہ کی دوا کی ہو
کہ اس سے روزہ جاتا رہے گا یا تیر اس طرف سے دوسری طرف نکل جاوے یعنی اس سے بھی روزہ نہیں جاتا ولو بقی النصل فی جوفہ فسد اور اگر پیکان اندر باقی
رہ گئی تو روزہ ٹوٹ گیا ام یہ ایک ہے دونوں قولوں مذکوروں میں کا اس واسطے کہ نیزہ کی نوک اور تیر کی بھال میں فرق نہیں ہے فتح القدیر میں تصریح کی
ہے کہ خلاف دونوں میں جاری ہے اور روزہ باقی رہنے کی ایک جماعت نے تصحیح کی ہے اور زیلعی نے جزم کیا ہے کہ دونوں میں عدم افطار صحیح ہے اور
اس سے معلوم ہوا کہ کلام شارح میں اضطراب ہے کہ پہلے میں صحیح قول نقل کیا اور دوسرے میں اس کا مقابل قال الشامی او ادخل عودا ونحوہ فی مقعدہ
وطرفہ خارج وان غیبہ فسد یا داخل کیا لکڑی وغیرہ کو دبر میں اس طرح کہ ایک کنارہ اس کا باہر ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا اور اگر سب اندر چڑھا لے تو
ٹوٹ جاوے گا وکذا لو ابتلع خشبۃ او خیطا ولو فیہ لقمۃ مربوطۃ الا ان ینفصل منہا شیء اور روزہ نہیں جاتا اگر نگل لی لکڑی یعنی اگر حلق میں غائب ہو جائے
گی تو جاتا رہے گا نہیں تو نہیں یا نگل لے دھاگہ اگرچہ اس میں لقمہ بندھا ہوا ہو مگر یہ کہ اس میں سے کچھ جدا ہو جاوے یعنی پیٹ میں رہ جاوے تو روزہ
جاتا رہے گا ومفادہ ان استقرار الداخل فی الجوف شرط للفساد بدائع اور حاصل اس کا یہ ہے کہ اندر داخل ہونے والی چیز کا ٹھہرنا پیٹ میں شرط ہے فساد
صوم کی کذا فی البدائع م یعنی جب فقہا نے تصریح کر دی کہ داخل ہونے والی چیز میں سے اگر کچھ جدا ہوگا تو روزہ جائے گا نہیں تو نہیں اس سے معلوم ہوا
کہ چیز کا پیٹ میں رہ جانا شرط ہے کذا فی الطحطاوی او ادخل اصبعہ الیابسۃ فیہ ای دبرہ او فرجہا ولو مبتلۃ فسد اور روزہ نہیں جاتا اگر سوکھی انگل دبر میں
دی یا عورت نے اپنی فرج میں اور اگر انگل تر ہو تو فاسد ہوگا م ادخل کی ضمیر شخص صائم کی طرف پھرتی ہے جو شامل ہے مذکر و مونث کو قال الشامی ولو ادخلت
قطنۃ ان غابت فسد وان بقی طرفہا فی فرجہا الخارج لا اور اگر عورت نے اپنے اندر روئی رکھی اگر غائب ہو گئی تو روزہ ٹوٹ گیا اور اگر ایک جانب فرج خارج
میں نکلی ہوئی رہی تو نہیں ٹوٹتا ولو بالغ فی الاستنجاء حتی بلغ موضع الحقنۃ فسد وہذا قلما یکون ولو کان فیورث داء عظیما اور اگر استنجا میں مبالغہ کیا یہاں تک
کہ پانی حقنہ[1] کی جگہ تک پہنچ گیا تو روزہ فاسد ہو گیا اور یہ بہت کم ہوتا ہے اور اگر واقع ہو تو بیماری سخت کا موجب ہوتا ہے م موضع حقنہ سے مراد وہ
جگہ ہے جہاں وہ آلہ کے وسیلہ سے امعا میں گرتی ہے او نزع المجامع حال کونہ ناسیا عند ذکرہ وکذا عند طلوع الفجر وان امنی بعد النزع لانہ کالاحتلام
یا جماع کرتا تھا بھول کر پھر نکال لیا یاد آتے ہی یعنی روزہ نہیں جاتا ایسا ہی روزہ نہیں ٹوٹتا اگر قبل الفجر عمداً جماع کیا پھر نکال لیا فجر ہوتے ہی اگرچہ
منی نکلی ہو نکال لینے کے بعد کیونکہ یہ بمنزلہ احتلام کے ہے ولو مکث حتی امنی ولم یتحرک قضی فقط وان حرک نفسہ قضی وکفر اور اگر ٹھہرا رہا یہاں تک کہ منی خارج
ہو گئی اور حرکت نہیں کی تو صرف قضا لازم ہے اور اگر اپنے نفس کو حرکت دی اور منی خارج ہوئی تو قضا اور کفارہ دونوں لازم ہیں م حتی امنی فساد کی شرط
نہیں صرف کفارہ کے حکم بیان کرنے کیلئے ذکر کیا ہے شارح نے یہاں صرف روایت وجوب کفارہ کا ذکر کیا ہے حالانکہ فتح القدیر وغیرہ میں دونوں
روایتیں ذکر کی ہیں بدون ترجیح کے اور بدائع میں ہے کہ عدم الفساد اس صورت میں ہے کہ نکال لے بعد یاد آنے کے یا طلوع فجر کے لیکن جب

[1] بعض نسخوں میں حقنہ لکھا ہے یعنی آلہ حقنہ کرنے کا مراد وہ نل ہے جو اس میں دوا پہنچانے کے واسطے لگی ہوتی ہے بقدر چار انگشت یا مثل اس کے ۱۲

نہ نکالا اور اسی حالت پر باقی رہا تو اس پر قضا ہے کفارہ نہیں ظاہر الروایت میں اور روایت ہے امام ابو یوسف سے کہ کفارہ صرف طلوع فجر میں واجب ہے نہ یاد آنے کی صورت میں اس واسطے کہ ابتداءً جماع قصداً تھی اور جماع ابتداءً و انتہاءً ایک ہی ہے تو جماع بالقصد سے کفارہ واجب ہوا اور وجہ ظاہر الروایت کی یہ ہے کہ کفارہ واجب ہوتا ہے روزہ کے توڑنے سے اور توڑنا ہوتا ہے بعد وجود کے اور اس کا جماع میں مشغول رہنا وجود صوم کو منع کرتا ہے پس چونکہ توڑنا صوم کا متحقق نہ ہوا اس لیے کفارہ بھی لازم نہ آیا انتہی پس یہ عبارت دلالت کرتی ہے کہ عدم وجوب کفارہ یاد آنے کی صورت میں متفق علیہ ہے کیونکہ ابتداءً جماع اس صورت میں عمداً نہ تھی اور جماع فعل واحد ہے پس اس وجہ سے شبہہ آگیا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں شبہہ ہے خلاف امام مالک کے یعنی اُن کے نزدیک بھول کر کھانے یا جماع سے بھی روزہ جاتا رہتا ہے اب اگر قصداً جماع کرے گا تو ان کے نزدیک کفارہ نہیں غرض کہ خلاف صرف طلوع فجر میں ہے نہ یاد آنے کی صورت میں اور ظاہر الروایت کی وجہ کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریک نفس اور عدم تحریک میں کچھ فرق نہیں ہے قال الشامی کما لو نزع ثم اولج جیسا کفارہ واجب ہے اگر نکال لیا پھر داخل کیا م یعنی دونوں مسئلوں میں کیونکہ خلاصہ میں ہے اگر یاد آنے پر نکال لیا پھر عود کیا تو کفارہ واجب ہے اور ایسا ہی مسئلہ صبح کا انتہی لیکن مسئلہ مذکور میں چاہیے کہ کفارہ نہ ہو جیسا معلوم ہو چکا کہ اس میں شبہہ خلاف امام مالک کا ہے اور شاید یہ دوسرے قول پر مبنی ہو جس میں اعتبار اس کا نہیں ہے اور رمی اللقمۃ من فیہ عند ذکرہ او طلوع الفجر ولو ابتلعہا ان قبل اخراجہا کفر ولبعدہ لا پھینک دیا لقمہ اپنے منہ میں سے روزہ یاد آتے ہی یا فجر ہونے ہی روزہ نہیں جاتا اور اگر نگل لیا اس طرح کہ منہ میں سے نہیں نکالا اور نگل گیا تو کفارہ لازم ہے اور اگر منہ سے نکال کر اگلے ہوئے کو کھا لیا تو کفارہ لازم نہیں م کیونکہ طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے اور یہی اصح ہے جیسا شرح وہبانیہ میں محیط سے منقول ہے قال الشامی او جامع فیما دون الفرج ولم ینزل یعنی فی غیر السبیلین کسرۃ و فخذ یا جماع کیا غیر فرج میں یعنی قبل اور دبر کے سوا یعنی دوسری جگہ میں مثل ناف اور ران کے اور انزال نہ ہوا تو روزہ نہ جاوے گا م یہاں مراد فرج سے قبل اور دبر دونوں ہیں اس واسطے کہ فرج اگرچہ دبر کو شامل نہیں لغۃً لیکن باعتبار حکم کے شامل ہے کیونکہ مغرب میں کہا ہے کہ فرج آگے کا عضو مخصوص مرد اور عورت کا ہے باتفاق اہل لغت کے پھر کہا ہے کہ قبل اور دبر دونوں فرج ہیں حکم میں قال الشامی وکذا الاستمناء بالکف وان کرہ تحریماً لحدیث ناکح الید ملعون اور ایسا ہی منی نکالنا ہاتھ سے غیر مفسد ہے اگرچہ مکروہ تحریمی ہے بموجب حدیث ناکح الید ملعون[1] کے م یہ حکم اس صورت میں ہے کہ انزال نہ ہو لیکن اگر انزال ہو تو قضا لازم ہو گی جیسا معظرات میں تصریح آوے گی اور یہی مختار ہے مگر شارح کے کلام سے متبادر انزال ہی ہے بقرینہ مابعد کے پس یہ مبنی ہے غیر مختار پر قال الشامی ولو خاف الزنی یرجی ان لا وبال علیہ اور اگر زنا کے خوف سے منی ہاتھ سے نکال لی ہو تو توقع ہے خدا سے کہ اس فعل کا اس پر کچھ وبال نہ ہو م سراج میں ہے کہ اگر اس فعل سے ارادہ تسکین شہوت مفرطہ کا ہے جو دل کو احاطہ کر رہی ہے اور یہ شخص بے نکاح ہے نہ بی بی ہے نہ باندی ہے لیکن اس تک پہنچنے کی قدرت نہیں تو ابو اللیث نے کہا ہے کہ میں توقع رکھتا ہوں کہ اس پر وبال نہ ہو لیکن جس صورت میں کہ مزہ لینے کے لیے کرے گا تو گناہ گار ہو گا کذا فی الشامی او ادخل ذکرہ فی بہیمۃ او میتۃ من غیر انزال یا اپنا عضو مخصوص کسی چوپایہ میں داخل کیا یا انسان مردہ میں بغیر انزال کے یعنی اس سے روزہ نہیں جاتا اگر انزال ہو گا تو قضا لازم ہو گی او مس فرج بہیمۃ او قبلہا فانزل یا کسی جانور کی پیشاب گاہ کو ہاتھ لگایا یا اس کا منہ چوم لیا پھر انزال ہوا م باوجود انزال کے اس صورت میں روزہ نہیں جاتا تو بغیر انزال بطریق اولیٰ نہ جاوے گا اور بحر اور زیلعی وغیرہ میں اجماع نقل کیا ہے کہ روزہ نہیں جاتا اس صورت میں اگرچہ انزال ہو جاوے قال الشامی او اقطر فی احلیلہ ماء او دہنا وان وصل الی المثانۃ علی المذہب یا ٹپکایا اپنے عضو کے سوراخ میں پانی یا تیل اگرچہ مثانہ تک پہنچ جاوے صحیح مذہب پر م یعنی اس سے بھی روزہ نہیں جاتا یہ قول ہے ابو حنیفہؒ کا اور محمدؒ بھی ان کے ساتھ ہیں اظہر روایت کے موافق اور ابو یوسف کہتے ہیں کہ روزہ جاتا رہتا ہے اور اختلاف مبنی ہے اس بات پر کہ مثانہ اور جوف میں منفذ ہے یا نہیں اور ظاہر یہ ہے کہ اس میں منفذ نہیں اور

---

[1] منقول ہے مارنے کا ملعون ہے

پیشاب اس میں براہ مسامات مثل عرق کے جمع ہوتا ہے اطباء ایسا ہی بیان کرتے ہیں زیلعی اس سے معلوم ہوا کہ پانی یا تیل اگر ذکر کی نلی میں رہ جاوے تو بالاتفاق روزہ فاسد نہ ہوگا قال الشامی واما فی قبلہا فمفسد اجماعا لانہ کالحقنۃ لیکن پانی یا تیل عورت کی شرم گاہ میں ڈالنا روزہ کا مفسد ہے بالاجماع کیونکہ وہ مانند حقنہ کے ہے او اصبح جنبا وان بقی کل الیوم او اغتاب من الغیبۃ یا حالت جنابت میں صبح ہوگئی اگرچہ تمام روز جنابت میں رہا یا غیبت کی تب بھی روزہ نہیں جاتا او دخل انفہ مخاط فاستشمہ فدخل حلقہ وان نزل لراس انفہ یا داخل ہوا اس کی ناک میں یعنی مغز سے اترا یا رینٹ پھر اوپر کو کھینچ لیا پس حلق چلا گیا اگرچہ ناک کی پھننگ تک آجاوے م یعنی ان سب سے روزہ فاسد نہیں ہوتا کما لو ترطب شفتاہ بالبزاق عند الکلام ونحوہ فابتلعہ اوسال ریقہ الی ذقنہ کالخیط ولم ینقطع فاستنشفہ جیسا اگر تر ہو جاویں ہونٹھ تھوک سے بات کرنے وغیرہ میں پھر اس کو نگل جاوے یا پہنچ جاوے لعاب اس کا تھوڑی تک مثل دھاگے کے اور تار نہ ٹوٹے پھر اس کو سانس سے چڑھا لیوے م بعض نسخ میں فاستنشقہ ہے استنشاق سے اور وہ مناسب نہیں کیونکہ استنشاق ناک سے ہوتا ہے ولو عمدا خلافا للشافعی فی القادر علی مج النخامۃ فینبغی الاحتیاط اگرچہ اوپر چڑھا لینا یا کھینچ لینا رینٹ اور تھوک کا بالقصد ہو یعنی ان سے روزہ نہیں جاتا برخلاف امام شافعی کے اس میں جو قدرت رکھتا ہے کھنکار کے پھینک دینے پر یعنی باوجود قدرت کے اگر نگل جاوے گا تو ان کے نزدیک روزہ فاسد ہو جاوے گا پس احتیاط چاہیے م کیونکہ اختلاف کی رعایت مندوب ہے اور یہ فائدہ ابن شحنہ نے بیان کیا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر بلغم نگل جاوے بعد اس کے کہ کھنکارنے کے باعث حلق سے منہ میں آگیا ہے تو ہمارے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوتا قال الشامی او ذاق شیئا بفمہ وان کرہ یا چکھی کوئی چیز منہ سے اگرچہ چکھنا مکروہ ہے لم یفطر جواب الشرط نہیں ٹوٹتا روزہ ان صورتوں مذکور میں شارح نے کہا کہ لم یفطر جواب ہے شرط کا جو شروع باب میں مذکور ہے یعنی اذا اکل الخ وکذا لو فتل الخیط ببزاقہ مرارا وان بقی فیہ عقد البزاق اور یہی حکم ہے اگر دھاگا بانٹا تھوک میں تر کرکے چند بار اگرچہ اس میں تھوک کی گرہ باقی رہ گئی ہو م یعنی جب دھاگا بانٹنے کا ارادہ کرے اور تھوک میں اس کو بھگو دے پھر اس کو منہ میں چند بار ڈالے اگرچہ تھوک مجتمع دھاگے میں لگا رہ جاوے تو روزہ نہ جاوے گا اور زندویسی کے نظم میں ہے کہ روزہ جاتا رہتا ہے کذا فی القنیۃ قال الشامی الا ان یکون مصبوغا وظہر لونہ فی ریقہ وابتلعہ ذاکرا مگر جب کہ ہو دھاگا رنگین اور اس کا رنگ تھوک میں ظاہر ہو پھر اس کو نگل جاوے اور روزہ یاد ہو تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ جاوے گا ونظمہ ابن الشحنۃ فقال ۔ ومکرر بل الخیط بالریق فاتلہ بادخالہ فی فیہ لا یتعذر ۔ اور اس کو ابن شحنہ نے نظم کیا ہے اور کہا کہ بار بار دھاگا بھگونے والا تھوک میں بانٹتے ہوئے نہیں نقصان اٹھاتا ہے دھاگا منہ میں داخل کرنے سے یعنی صوم فاسد نہیں ہوتا م مکرر مبتدا مضاف ہے اور بالریق متعلق بل کے اور بادخالہ متعلق خبر کے ہے ۔ وعن بعضہم ان یبلع الریق بعد ذا ۔ یفطر فصبغ لونہ فیہ یظہر ۔ اور بعض مشائخ سے مروی ہے کہ اگر تھوک نگل جاوے بعد تکرار ادخال کے تو روزہ کو نقصان کرتا ہے جیسا رنگ کہ اس کی رنگت تھوک میں ظاہر ہو م یعنی جیسا کہ رنگ کا روزہ توڑتا ہے اور اس میں خلاف نہیں ہے اور لونہ کی ضمیر صبغ کی طرف پھرتی ہے اور فیہ کی ضمیر ریق کی طرف اور یہ متعلق ہے یظہر کے کذا فی الطحاوی وان افطر خطا کان تمضمض فسبقہ الماء او شرب نائما او تسحر او جامع علی ظن عدم الفجر اور اگر افطار کیا خطا سے جیسے کلی کی اور منہ میں پانی چلا گیا یا پی لیا سوتے میں یا سحر کھائی یا جماع کیا اس گمان سے کہ صبح نہیں ہوئی م ان افطر الخ شرط ہے اس کی جزا آگے مذکور ہوگی یعنی قضی فقط اور یہاں سے شروع ہے قسم ثانی کا یعنی جس سے قضا لازم آوے نہ کفارہ اور خطا سے افطار کرنے کے یہ معنی کہ ایسا فعل منفرد کرے جس سے روزہ ٹوٹ جاوے لیکن قصد روزہ ٹوٹنے کا نہ ہو کذا فی النہر عن الفتح حاصل یہ کہ اگر کلی کرتے ہوئے پانی حلق میں چلا گیا پس اگر روزہ یاد ہے تو جاتا رہا نہیں تو نہیں جاتا اور سوتے کو مخطی ٹھہرانے میں یہ کلام ہے کہ نائم کا فعل قصدا نہیں ہاں نہر میں البتہ تصریح کی ہے کہ مکرہ اور نائم مخطی کے

[1] یعنی حلق میں نہ جاوے حاشیہ مگر جب کوئی عذر ہو تو جائز ہے ۱۲

مانند ہیں بھولنے والے کے حکم میں نہیں کیونکہ نائم اور مجنون کا ذبیحہ حلال نہیں اور بسم اللہ بھولنے والے کا ذبیحہ حلال ہے کذا فی البحر عن النہایہ رحمتی نے کہا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ نسیان عذر سمجھا گیا بسم اللہ نہ کرنے میں بخلاف نوم اور جنون کے سوا اسی طرح مفطرات میں نسیان عذر ہوا کیونکہ اکثر واقع ہوتا ہے اور ذبح کرنا اور مفطرات کا استعمال کرنا حالت نوم میں یا جنون میں نادر الوقوع ہے اس لیے نسیان کے ساتھ ملحق نہ ہوا قالہ الشامی (او جر مکرہا) یا اس کے حلق میں کوئی چیز ڈالی جاوے بزور مگر حلق میں ڈالنا شرط نہیں ہے بلکہ اگر کھایا یا پی لیا زبردستی سے تب بھی روزہ فاسد ہو جاوے گا میں لفظ وجر اگر ساقط کیا جاوے تو بہتر ہے تاکہ شامل ہو صور مذکور کو اور شامل ہو اس اکراہ کو کہ جماع پر کیا گیا ہو قالہ الشامی (او نائماً) یا حلق میں ڈالی جاوے کوئی چیز سونے کی حالت میں یعنی تب بھی قضا لازم ہوگی (واما حدیث رفع الخطاء فالمراد رفع الاثم) اور وہ حدیث جس میں خطا کے رفع کا ذکر ہے پس اس سے مراد رفع گناہ کا ہے (م) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے رُفِعَ[1] عَنْ اُمَّتِیَ الْخَطَاءُ وَالنِّسْیَانُ وَمَا اسْتُکْرِہُوْا عَلَیْہِ امام شافعی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ خطی اور مکرہ کا روزہ قائم رہتا ہے کیونکہ وہ مانند بھولنے والے کے (مرفوع القلم) ہیں اس کے جواب کی تقریر یہ ہے کہ حکم یہاں (تصحیح کلام) کے لیے مقدر ہے تو اقتضاء ثابت ہے اور مقتضی کے لیے عموم نہیں ہوتا یعنی جب رفع اثم مراد ہوا کہ حکم اخروی ہے تو دوسرے معنوں کا ارادہ یعنی حکم دنیاوی کا کہ فساد صوم ہے درست نہیں اور بھولنے والے کا روزہ جو سلامت رہتا ہے تو وہ دوسری حدیث کی جہت سے ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص بھول جاوے اور روزہ سے ہو پھر کھالے یا پانی لے تو چاہیے کہ اپنا روزہ پورا کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کھلا پلا دیا ورنہ قیاس اس میں بھی یہی رہتا تھا کہ روزہ فاسد ہوتا اور اس کی بحث مطولات اور اصول میں ہے (وفی التحریر المواخذۃ بالخطاء جائزۃ عندنا خلافا للمعتزلۃ) اور تحریر میں کہا ہے کہ خطا پر مواخذہ ہمارے نزدیک جائز ہے (یعنی عقلاً) کما فی شرح التحریر برخلاف معتزلہ کے (او اکل او جامع ناسیا او احتلم او انزل بنظر او ذرعہ القئ فظن انہ افطر فاکل عمداً للشبہۃ) یا کھایا یا جماع کیا بھول کر یا احتلام ہو گیا یا انزال ہو گیا نظر یا قے آگئی اور ان صور مذکورہ میں اس نے گمان کیا کہ روزہ ٹوٹ گیا پھر جان کر کھالیا یا جماع کیا تو قضا لازم ہوگی نہ کفارہ شبہہ کی جہت سے (م) یعنی کفارہ اس جہت سے لازم نہیں ہوا کہ گمان اشتباہ کی صورت میں ہوا اس لیے کہ کھانا پینا جماع کرنا سہو سے مشابہ ہے کھانے پینے جماع کرنے قصدی کے تو جیسے قصدی جماع سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اس نے جماع سہو کو اسی پر گمان کر لیا اور شبہہ اختلاف علما کا بھی ہے کیونکہ امام مالک کہتے ہیں کہ روزہ جاتا رہتا ہے بھول کر کھانے سے اور قے آنا مشابہ ہے قصداً قے کرنے کو اور ایسا ہی ہے احتلام کیونکہ آخر خروج منی کا ہے شہوت سے پس قضاء شہوت عمداً کے مشابہ ہے اور اگر وہ جانتا ہے کہ ان امور سے روزہ نہیں گیا پھر کھالیا تو بے شک کفارہ بھی لازم آوے گا کیونکہ نہ شبہہ اختلاف کا ہے نہ اشتباہ کا کذا فی الشامی (لشبہۃ خلاف مالک) (ولو علم عدم فطرہ لزمہ الکفارۃ الا فی مسئلۃ الدہن فلا کفارۃ مطلقا علی المذہب لشبہۃ خلاف لہا کما فی المجمع وشروحہ فتقیید الظن انما ہو لبیان الاتفاق) اور اگر جانتا ہے کہ روزہ نہیں ٹوٹا تو اس کو کفارہ لازم ہے مگر دہن کے مسئلہ میں یعنی جب بھول کر کھاوے یا جماع کرے پھر جانے کہ روزہ ٹوٹ گیا پھر کھالے قصداً کیونکہ اس میں کفارہ نہیں ہر صورت میں (م) صحیح مذہب ہے امام مالک کے خلاف کی علت سے یعنی افطار کا علم ہو یا نہ ہو بخلاف صاحبین کے کہ ان کے نزدیک دہن کے مسئلہ میں بھی کفارہ لازم ہے جب جانتا ہے کہ روزہ نہیں ٹوٹا جیسا مجمع اور اس کی شرح میں ہے پس ظن کی قید واسطے بیان مسئلہ متفق علیہ کے ہے نہ واسطے احتراز مسئلہ علم کے (او احتقن او استعط فی انفہ شیئا او اقطر فی اذنہ دہنا) یا حقنہ کرایا یا ناک کی راہ کوئی چیز چڑھالی یا ٹپکایا کان میں تیل (او داوی جائفۃ او آمۃ فوصل الدواء حقیقۃ الی جوفہ ودماغہ) جائفہ اس زخم کو کہتے ہیں جو جوف تک پہنچے یا پار ہو جاوے اور آمہ اس زخم کو کہتے ہیں جو ام الدماغ یعنی دماغ کی جھلی تک پہنچ جاوے ہڈی توڑ کر یعنی یا دوا کی جائفہ کی یا آمہ کی پھر پہنچی دوا حقیقت میں جوف تک جائفہ میں اور دماغ تک آمہ میں (م) بحر میں کہا ہے کہ تحقیق یہ ہے کہ درمیان جوف راس اور جوف معدہ کے منفذ اصلی ہے پس جو چیز سر میں پہنچی ہو وہ پیٹ تک پہنچ جاتی ہے (التحقیق)

[1] اٹھایا گیا میری امت سے چوکنا اور بھولنا اور جس پر زبردستی کیے جاویں ۱۲

میں دوا پہنچنے سے اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جو ظاہر الروایت میں واقع ہوا ہے کہ فساد دوائے تر کے ساتھ مقید ہے یہ عادت پر مبنی ہے کہ دوائے تر پہنچ جاتی ہے نہ خشک ورنہ فی الحقیقت وصول معتبر ہے یہاں تک کہ اگر جانے کہ خشک دوا پہنچ گئی تو فاسد ہوگا یا جانے کہ دوائے تر نہیں پہنچی تو فاسد نہ ہوگا اور خلاف اس صورت میں ہے کہ معلوم نہ ہو لیکن اگر تر کی صورت میں فاسد ہوگا امام کے نزدیک نظراً العادۃ اور صاحبین کے نزدیک نہیں کذا افادہ فی الفتح قالہ الشامی او ابتلع حصاۃ ونحوہا مما لا یاکلہ الانسان او یستقذرہ یا کنکری وغیرہ نگل گیا یعنی ایسی چیز جس کو انسان نہیں کھاتا ہے یا مکروہ جانتا ہے یا نفرت کرتا ہے م کنکر وغیرہ کے کھا لینے میں قضا واجب ہے کیونکہ صورۃً افطار موجود ہے اور کفارہ لازم نہیں آتا کیونکہ معنی افطار نہیں پایا گیا یعنی جوف میں پہنچنا ایسی چیز کا جس میں نفع بدن کا ہو غذا ہو یا دوا اس لیے کفارہ منتفی ہوا قالہ الشامی عن النہر ونظمہ ابن الشحنۃ فقال ؎ ومستقذر مع غیر ماکول مثلنا، ففی اکلہ التکفیر یلغی ویحجر، اور اس کو ابن شحنہ نے نظم کیا ہے اور کہا جو شئے کہ طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے اور غیر ماکول ہے نوع انسانی کا تو اس کے کھانے میں کفارہ لغو اور متروک ہے او لم ینو فی رمضان کلہ صوما ولا فطرا مع الامساک لشبہۃ خلاف زفر یا نیت نہ کی تمام رمضان میں نہ روزہ کی نہ افطار کی باوجود امساک کے کیونکہ اس میں خلاف زفر کا ہے م یعنی صرف قضا لازم ہے کفارہ اس واسطے نہیں کہ امام زفر کا اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک وہ صائم ہے کیونکہ ان کے نزدیک صحت واقامت وامساک چاہیے گو نیت نہ ہو اور تعلیل میں اولیٰ یہ ہے کہ بیان کیا جاوے کہ عدم نیت کی جہت سے صوم ہی متحقق نہ ہوا جس کے توڑنے سے کفارہ لازم آتا اور تمسک شبہ کے ساتھ تو اصل کے تحقق کے بعد ہوتا ہے جیسا مسئلہ آئندہ میں ہے قالہ الشامی او اصبح غیر ناو للصوم فاکل عمدا ولو بعد النیۃ قبل الزوال لشبہۃ خلاف الشافعی یا صبح کی اس حالت میں کہ نیت صوم کی نہیں کی پھر جان کر کھا لیا اگرچہ زوال سے پہلے نیت کرنے کے بعد کھایا ہو تو قضا لازم ہے نہ کفارہ بسبب شبہ خلاف شافعیؒ کے م کیونکہ صوم ان کے نزدیک نہیں صحیح دن کی نیت سے جیسا مطلق نیت سے بھی نہیں صحیح ہے تو ان کے نزدیک روزہ ہی نہیں جس کے توڑنے سے کفارہ لازم آوے قالہ الحلبی ومفادہ ان الصوم مطلق النیۃ کذلک اور اس سے یہ مستفاد ہوا کہ روزہ کا حکم مطلق نیت کے ساتھ بھی یہی ہے او دخل حلقہ مطر او ثلج بنفسہ لامکان التحرز عنہ بضم فمہ بخلاف نحو الغبار والقطرتین من دموعہ او عرقہ داخل ہو حلق میں مینہ یا برف از خود کہ اس میں بھی قضا لازم ہے کیونکہ اس سے احتراز ہو سکتا ہے منہ بند کرنے سے بخلاف مثل غبار کے اور بخلاف ایک دو قطرہ آنسو کے یا عرق کے کہ ان سے بچنا ممکن نہیں اس لیے قضا بھی نہیں واما الاکثر فان وجد الملوحۃ فی جمیع فمہ واجتمع شئ کثیر وابتلعہ افطر والا لا خلاصہ اور دو قطروں سے زیادہ میں اگر شوریت تمام منہ میں پاوے اور بہت سی جمع ہو جاویں اور ان کو نگل جاوے تو روزہ ٹوٹ جاوے گا ورنہ نہیں ٹوٹے گا کذا فی الخلاصہ م یعنی ایک دو قطرہ اگرچہ ان کا مزہ منہ کی کسی جانب میں پایا جاوے لیکن قلت کی جہت سے حلق تک نہیں پہنچ سکتے متفرق ہو جاتے ہیں قالہ الشامی او وطی امراۃ میتۃ یا وطی کی مردہ عورت کے ساتھ م اور اس میں اور اس کے مابعد میں کفارہ لازم نہ آیا اس جہت سے کہ کفارہ کے لزوم کے لیے محل پوری شہوت والا ضرور ہے کذا فی البحر او صغیرۃ لا تشتہی نہر یا وطی کی لڑکی غیر مشتہاۃ کے ساتھ کذا فی النہر او بہیمۃ او فخذا او بطنا او قبل ولو قبلۃ فاحشۃ بان یدغدغ او یمص شفتیہا یا وطی کی بہیمہ کے ساتھ یا ران میں یا پیٹ میں یا بوسہ لیا اگرچہ بوسہ فاحشہ ہو یعنی اس طرح کہ گدگداوے یا عورت کے ہونٹوں کو چوسے م مرد کے بوسہ کا ذکر کیا کیونکہ اگر عورت مرد کا بوسہ لے اور لذت انزال کی پاوے اور رطوبت ظاہر نہ پاوے تو عورت کا روزہ ٹوٹ جاوے گا ابو یوسف کے نزدیک برخلاف قول امام محمد کے اور یہی حکم غسل میں ہے کذا فی البحر عن المعراج اور دغدغہ سے مراد ہونٹوں کا کاٹنا ہو یا فرج کا بوسہ اور قاموس میں ہے کہ دغدغہ ایک حرکت اور گدگدانا ہے بغل اور تلوے وغیرہ میں قالہ الشامی او لمس ولو بحائل لا یمنع الحرارۃ یا چھوا آدمی کو اگرچہ ایسی چیز کی آڑ سے ہو جو وصول حرارت کو مانع نہ ہو م آدمی کی قید اس واسطے بڑھائی کہ اگر مس کیا فرج بہیمہ کو اور انزال ہو گیا تو روزہ فاسد نہیں ہوتا بالاتفاق اور آڑ میں قید مانع حرارت نہ ہونے کی اس لیے ہے کہ اگر عورت کو چھووے کپڑوں سمیت اور حرارت جلد کی محسوس نہ ہو تو روزہ نہ جاوے گا

او استمنی بکفہ او بمباشرۃ فاحشۃ ولو بین المرأتین یا منی نکالی اپنے ہاتھ سے یا اپنی بی بی کے ہاتھ سے کذا فی السراج یا مباشرت فاحشہ سے اگرچہ دو عورتوں میں ہو اور مباشرت فاحشہ یہ ہے کہ دونوں ننگی ہوں اور دونوں کی فرج ملی ہوں اور یہ قید احترازی نہیں ہے اور یہی حکم مقطوع الذکر کا ہے عورت کے ساتھ قالہ الحلبی کذا فی الشامی فانزل قید للکل حتی لو لم ینزل لم یفطر کما مر پھر انزال ہو گیا یہ قید ہے سب مسائل میں یعنی وطی امراۃ سے آخر تک یہاں تک کہ اگر انزال نہ ہوا تو روزہ فاسد نہیں ہوا جیسا سابق مذکور ہوا یعنی او جامع فیما دون الفرج ولم ینزل الخ او افسد غیر صوم رمضان اداء لاختصاصہا بہتک رمضان یا فاسد کر دیا کوئی روزہ سوائے رمضان کے روزہ ادا کے تو قضا لازم ہے نہ کفارہ کیونکہ کفارہ رمضان ہی کے ہتک کے واسطے مخصوص ہے یعنی رمضان میں روزہ نہ رکھنا یہ جنایت کاملہ ہے اور روزے وجوب کفارہ میں اس کے ساتھ ملحق نہیں ہو سکتے کیونکہ کفارہ اس میں وارد ہوا ہے خلاف قیاس قالہ الشامی او وطئت نائمۃ او مجنونۃ بان اصبحت صائمۃ فجنت یا جماع کی گئی عورت سوتی ہوئی یا در حالت جنون یعنی اس طرح کہ پہلے بحالت افاقت صبح کے وقت روزے سے تھی پھر مجنون ہو گئی م حلبی نے کہا یہی حکم ہے جب رات سے نیت کی تھی پھر مجنون ہو گئی رات ہی کو اور وطی واقع ہوئی دن کو یا قبل ضحوہ کبری کے روزہ کی نیت کی پھر مجنون ہو گئی پھر وطی واقع ہوئی او تسحر او افطر یظن الیوم ای الوقت الذی اکل فیہ لیلا والحال ان الفجر طالع والشمس لم تغرب لف ونشر یا سحر کھائی اس گمان سے کہ ابھی رات ہے حالانکہ صبح ہو گئی یا افطار کیا اس خیال سے کہ رات ہو گئی حالانکہ آفتاب نہیں ڈوبا تو قضا لازم ہے شارح نے کہا کہ ماتن کی عبارت میں لف ونشر مرتب ہے اس لیے مترجم نے ترجمہ اس کے مطابق کیا اور یوم سے مراد وہ وقت ہے جس میں روزہ دار نے کھایا ویکفی الشک فی الاول دون الثانی اور کافی ہے اسقاط کفارہ کے لیے شک اول صورت میں یعنی سحر کھانے کی صورت میں نہ دوسری صورت یعنی افطار میں اس لیے کہ اول صورت میں رات کا ہونا اصل ہے اور اس کے خروج میں شک ہے اور دوسری صورت میں دن کا ہونا اصل ہے اور غروب میں شک ہے تو غروب میں شک کا ہونا اسقاط کفارہ میں کافی نہ ہو گا چنانچہ شارح کہتا ہے عملا بالاصل فیہما یعنی دونوں صورتوں میں اصل پر عمل کرنے سے م اس لیے کہ اول صورت میں اصل بقائے شب ہے سو کفارہ واجب نہ ہوا اور ثانی میں اصل بقاء روزہ ہے پس اس میں ایک روایت پر کفارہ واجب ہوا قال الشامی ولو لم یتبین الحال لم یقض فی ظاہر الروایۃ اور اگر حال منکشف نہ ہو تو قضا لازم نہیں ظاہر الروایت میں م یعنی جس صورت میں کہ بقائے شب کا گمان ہو یا شک ہو یا سحر کھا وے اور یقین صبح ہونے کا نہ ہو تو قضا بھی لازم نہیں کیونکہ اصل یہ ہے کہ شب باقی ہے پس خروج شک سے ثابت نہ ہو گا کذا فی البحر والمسألۃ تتفرع علی ستۃ وثلثین محلہا المطولات اور مسئلہ نکل سکتا ہے ۳۶ طور پر اس کے ذکر کی جگہ بڑی کتابیں ہیں م نہر میں مذکور ہے کہ صور مذکورہ اس طرح نکلتی ہیں کہ یہاں دو چیزیں ہیں ایک مباح کرنے والی افطار کی چیزوں کی یعنی رات کا ہونا دوم حرام کرنے والی یعنی دن کا ہونا تو ان دونوں میں سے ہر ایک میں یا گمان غالب ہے یا صرف گمان ہے یا شک ہے تو یہ چھ ہوئیں پھر ان میں سے ہر ایک کی تین قسمیں ہیں یا یہ کہ جو کچھ اس نے سمجھا وہی بر صحیح نکلا یا غلط یا کچھ حال صحت و غلطی منکشف نہ ہوا اور ان اٹھارہ قسموں میں سے ہر ایک یا ابتداء صوم میں یعنی سحر کا وقت ہے یا انتہاء صوم میں یعنی افطار کے وقت سو یہ ۳۶ ہوئیں اور اس میں نظر ہے کیونکہ تقسیم اول میں فرق کیا ہے ظن میں اور غلبہ ظن میں اور اس میں کچھ فائدہ نہیں کیونکہ یہ دونوں احکام میں متحد ہیں اگرچہ مفہوم مختلف ہوں اس واسطے کہ ایک جانب کے راجح ہونے کو ظن کہتے ہیں پس اگر وہ ترجیح زیادہ ہو کر قریب یقین کے ہو وے تو اس کو غلبہ ظن اور اکبر رائے بولتے ہیں اسی جہت سے بحر میں ۲۴ قسمیں کی ہیں پھر نہر اور بحر دونوں پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ شک کو دوبارہ شمار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ مباح کرنے والی چیز میں بھی کیا جائے اور حرام کرنے والی میں بھی کیونکہ جب ایک میں شک ہوا تو دوسری میں شک یقیناً ہو گا اس جہت سے کہ شک میں دونوں طرفیں برابر ہوتی ہیں بخلاف ظن کے پس تقسیم صحیح اس طرح کرنی چاہیے کہ یا وجود مبیح کا ظن ہو یا وجود محرم کا ظن ہو یا شک ہوا اور ہر ایک ان میں سے یا ابتدائے صوم میں ہو یا انتہا میں اور یہ چھوں صورتیں یا یہ کہ منکشف ہو جاوے وجود مبیح کا یا وجود محرم کا یا نہ منکشف ہو پس یہ اٹھارہ ہوئے تو

ابتدائے صوم میں اور نو انتہا میں اسی واسطے زیلعی نے سوائے اٹھارہ کے اور نہیں ذکر کیں اور انہیں کے احکام بیان کیے یعنی اگر سحر کھائی رات کے گمان سے پس اگر رات ظاہر ہوئی یا کچھ ظاہر نہ ہوا تو اس کے ذمہ کچھ لازم نہیں اور اگر معلوم ہوا کہ فجر طلوع ہو گئی تو اس پر صرف قضا ہے اور یہی حال ہے جب رات میں شک ہو اور اگر سحر کھائی طلوع فجر کے گمان پر پس اگر واضح ہو کہ فجر ہو گئی تھی اس کے ذمہ صرف قضا ہی ہے اور اگر کچھ منکشف نہ ہوا تو اس کے ذمہ کچھ نہیں ظاہر الروایت میں اور کہا گیا ہے کہ قضا کرے احتیاطاً اور اگر واضح ہوا کہ ابھی رات ہے تو اس کے ذمہ کچھ نہیں پس یہ نو صورتیں ابتداء صوم میں ہوئیں اور اگر گمان کیا کہ سورج غروب ہو گیا پس اگر عدم غروب واضح ہوا تو اس پر صرف قضا ہے اور اگر غروب واضح ہوا　　یا کچھ واضح نہ ہوا تو اس کے ذمہ کچھ لازم نہیں اور اگر غروب میں شک ہوا پس اگر کچھ واضح نہ ہوا تو اس پر قضا ہے اور لزوم کفارہ میں دو روایتیں ہیں اور سوا اگر موجود ہونا شمس کا پایا گیا تو اس پر قضا اور کفارہ دونوں لازم ہیں اور اگر ظاہر ہوا کہ آفتاب غروب ہو گیا تو کچھ لازم نہیں اور اگر گمان کیا تھا عدم غروب کا پھر ظاہر ہوا عدم غروب یا کچھ ظاہر نہ ہوا تو اس پر قضا اور کفارہ دونوں ہیں اور اگر غروب منکشف ہوا تو کچھ لازم نہیں اور یہ نو انتہا میں ہوئیں حاصل یہ کہ اٹھارہ میں سے دس صورتوں میں کچھ لازم نہیں ہے یعنی نہ قضا لازم ہے نہ کفارہ اور چار صورتوں میں صرف قضا لازم ہے اور چار صورتوں میں قضا اور کفارہ دونوں لازم ہیں کذا فی الشامی عن الحلبی فقضی فی الصور کلہا فقط تمام صور مذکورہ میں صرف قضا کرے کفارہ لازم نہیں م صور کلہا سے مراد وہ ہیں جو مذکور ہوئیں وان افطر خطاء الخ نہ تفریع کی صورتیں جو ہم نے بیان کیں کذا فی الشامی کما لو شہدا علی الغروب وآخران علی عدمہ فافطر ثم ظہر عدمہ اسی طرح صرف قضا لازم ہے اگر شہادت دی دو شاہدوں نے غروب پر اور دو نے عدم غروب پر پھر افطار کیا پھر ظاہر ہوا عدم غروب م کفارہ اس لیے لازم نہ آیا کہ اس نے شہادت غروب پر اعتماد کیا کذا فی الطحاوی ولو کان ذلک فی طلوع الفجر قضی وکفر لان شہادۃ النفی لا تعارض شہادۃ الاثبات اور اگر یہ اختلاف شہود کا طلوع فجر میں ہو تو قضا اور کفارہ دونوں لازم ہیں کیونکہ شہادت نفی کی نہیں معارضہ کر سکتی شہادت اثبات کو م اس واسطے کہ گواہ اثبات کے واسطے ہوتے ہیں نہ نفی کے لیے تو مثبت کی شہادت مقبول ہوئی نہ نفی کرنے والے کی کذا فی البحر واعلم ان کل ما انتفی فیہ الکفارۃ محلہ ما اذا لم یقع منہ ذلک مرۃ بعد اخری لاجل قصد المعصیۃ فان فعلہ وجبت زجرا لہ بذلک افتی ائمۃ الامصار وعلیہ الفتوی قنیۃ وہذا حسن نہر اور جان تو کہ جس صورت میں کفارہ لازم نہیں سو مخصوص اس محل میں ہے کہ اس شخص سے وہ فعل بہ تکرار صادر نہ ہو گناہ کے قصد سے پس اگر اس کو مکرر کرے گا تو کفارہ واجب ہوگا اس کے زجر کے لیے یہی حکم دیا ہے شہروں کے اماموں نے اور اسی پر فتوی ہے کذا فی القنیۃ اور یہ خوب ہے کذا فی النہر والاخیران یمسکان بقیۃ یومہما وجوبا علی الاصح اور دونوں پچھلے یعنی جس نے سحر کھائی یا افطار کیا رات جان کر امساک کریں باقی روز بوجہ وجوب اصح روایت پر م اور قول ضعیف یہ ہے کہ امساک مستحب ہے کذا فی الفتح اور اجماع ہے اس پر کہ حائض اور نفسا اور مریض اور مسافر پر امساک واجب نہیں اور اس پر کہ جو براہ خطا افطار کرے یا عمداً یا یوم الشک میں پھر ظاہر ہو کہ رمضان کا دن ہے کہ اس پر امساک بقیہ یوم واجب ہے ذکرہ قاضی خان اور اخیرین کی تخصیص کی وجہ معلوم نہیں ہوتی جیسا شارح بھی اس کی طرف اشارہ کرے گا لان الفطر قبیح وترک القبیح شرعا واجب اس واسطے کہ افطار رمضان میں قبیح ہے اور قبیح کا ترک شرعاً واجب ہے م فطر سے مراد مفطر کے طور پر کھانا پینا ہے کیونکہ صوم تو پہلے ہی فاسد ہو چکا قالہ الشامی کمسافر اقام وحائض ونفساء طہرتا ومجنون افاق ومریض صح جیسا امساک واجب ہے مسافر پر کہ مقیم ہو گیا اور حائضہ اور نفسا پر کہ پاک ہوئی ہوں اور مجنون کہ ہوش میں آیا اور مریض جو اچھا ہو گیا م مسافر مقیم ہوا یعنی دوپہر کے بعد یا دوپہر سے پہلے مگر کھانا کھانے کے بعد اور اگر دوپہر اور کھانے سے پیشتر مقیم ہوگا تو روزہ لازم ہوگا اگرچہ نیت افطار کی کر چکا ہو جیسا اگلی فصل میں آوے گا اور ان مسائل میں قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص آخر روز ایسی حالت پر ہو جاوے کہ اگر اس حالت پر اول روز ہوتا تو روزہ لازم ہوتا پس اس کے ذمہ امساک لازم ہے کذا فی الخلاصۃ والنہایۃ والعنایۃ اور

ل اس میں تین صورتیں داخل ہیں یعنی رات میں شک تھا اور رات ہی نکلی دوم یہ کہ کچھ نہ معلوم ہوا سوم یہ کہ فجر نکلی ۱۲

چونکہ یہ قاعدہ جمیع افراد کو جامع نہیں ہے کیونکہ اس میں سے خارج ہے وہ شخص جو یوم الشک میں صبح کو مفطر ہوا اور وہ جو رات کے گمان سے سحر کھائے یا افطار کرے غروب کے گمان سے اسی واسطے قاعدہ مذکورہ کے بعد بدائع میں یہ کہا ہے اور اسی طرح حال ہے اس شخص کا کہ اس پر روزہ واجب ہوا ہو سبب کے موجود ہونے اور اہلیت کے متحقق ہونے سے مگر اس کا پورا کرنا متعذر ہو گیا ہو جیسے جان کر افطار کر ڈالے یا یوم الشک میں مفطر ہے پھر ظاہر ہوا کہ یہ روز رمضان کا ہے یا سحر کھالی اس خیال سے کہ ابھی صبح نہیں ہوئی پھر معلوم ہو گیا کہ صبح ہو گئی ان صورتوں میں بھی امساک واجب ہے صائمیں کی مشابہت سے انتہی پس بدائع میں وجوب امساک کے دو قاعدے رکھے قالہ الشامی اور حائض جو پاک ہوئی یعنی بعد فجر کے یا فجر کے ساتھ کذا فی الفتح اور مجنون ہوش میں آیا یعنی کھانے کے بعد یا جب نیت کا وقت جاتا رہا ورنہ وہ تو جب نیت کرے گا اس کا روزہ صحیح ہو گا اور ظاہر یہ ہے کہ امساک اس پر بھی واجب ہے جیسا مسافر پر قالہ الشامی ومفطر ولو مکرہا او خطاء اور جیسے امساک واجب ہے افطار کرنے والے پر اگرچہ کسی کے دباؤ سے افطار کیا ہو یا خطا سے م مفطر کے لفظ سے تعبیر کیا تاکہ معلوم ہو کہ مفطر سب برابر ہیں کسی میں کچھ فرق نہیں اس میں اشارہ ہے کہ مصنف کے قول یعنی والاخیر آن امکن الخ کی کوئی وجہ نہیں وصبی بلغ وکافر اسلم اور جیسے امساک واجب ہے لڑکے پر کہ بالغ ہوا یا کافر پر کہ مسلمان ہوا وکلہم یقضون ما فاتہم الا الاخرین اور یہ سب جو مذکور ہوئے قضا کریں جو ان سے فوت ہوا یعنی اس روز کا روزہ مگر دونوں پچھلے یعنی لڑکا جو بالغ ہوا یا کافر جو مسلمان ہوا وہ اس روز کے روزہ کی قضا نہ کریں وان افطر العدم اہلیتہما فی الجزء الاول من الیوم گو وہ دونوں پچھلے افطار کر لیں کیونکہ یہ دونوں اس روز کے اول جزء میں روزہ کے اہل نہ تھے م یعنی اصل وجوب ہی کے اہل نہیں بخلاف حائض ومسافر ومریض کے کہ ان کے اوپر روزہ واجب ہوتا ہے لیکن وجوب ادا ان سے ساقط ہے اس لیے قضا واجب ہوتی ہے وہو السبب فی الصوم اور وہی جزء اول سبب ہے صوم میں م یعنی سبب ہے ہر روز کے روزہ کا اور یہ خلاف ہے اس کے جو سرخسی نے اختیار کیا ہے اور مصنف نے بھی اس کتاب کے اول میں بیان کیا ہے کہ آجانا ماہ رمضان کے دن یا رات کے ایک جزء کا سبب روزہ کا ہے لکن لو نویا قبل الزوال کان نفلا فیقضی بالافساد کما فی الشرنبلالیۃ عن الثانیۃ لیکن اگر وہ دونوں پچھلے روزہ کی نیت کریں زوال سے پہلے تو روزہ نفل ہو گا توڑنے سے اس کے قضا لازم آوے گی کذا فی الشرنبلالیۃ عن الخانیۃ م یہ استدراک ہے اس سے جو امساک سے مفہوم ہوا کہ دونوں کا روزہ صحیح نہیں ہوا سو بیان کر دیا کہ فرض صحیح نہیں ہوا ظاہر الروایۃ میں برخلاف امام یوسفؒ کے اور نفل صحیح ہے اگر نیت کر لیں زوال سے پہلے یہاں تک کہ اگر اس کو توڑ دیں گے تو قضا واجب ہو گی قالہ الشامی ولو نوی المسافر او المجنون او المریض قبل الزوال صح عن الفرض اداءً اگر نیت کر لی مسافر یا مجنون یا مریض نے زوال سے پہلے تو درست ہے بجائے نفل کے م زوال سے مراد نصف النہار شرعی ہے اور یہ لفظ اسی طرح بہتیرے کتب میں متعدد جگہ واقع ہے تسامحا یا بنا بر قول ضعیف قالہ الشامی ولو نوی الحائض او النفساء لم یصح اصلا للمنافی اول الوقت وہو لا یتجزی اور اگر حائض نے یا نفسا نے نیت کر لی تو صحیح نہیں ہے بالکل یعنی نہ فرض نہ نفل کیونکہ اول وقت میں منافی صوم کا موجود ہے اور صوم عبادت واحد ہے متجزی نہیں ہوتا یعنی جب مفسد ایک جزء میں پایا گیا تو اس نے باقی کو بھی فاسد کر دیا کذا فی الطحطاوی ویومر الصبی بالصوم اذا اطاقہ ویضرب علیہ ابن عشر کالصلوۃ فی الاصح اور لڑکے کو روزے کا حکم کریں جب اس کی طاقت رکھتا ہو اور ماریں روزہ رکھنے پر دس برس کی عمر میں مثل صلوۃ کے اصح روایت پر م لڑکے کا ولی یا وصی حکم کرے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ امر واجب ہے اسی طرح منکرات سے منع کریں تاکہ خیر کی الفت حاصل ہو اور شر سے باز رہے اور اگر تمام مہینے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو جس قدر کی طاقت رکھتا ہو اس قدر کا امر کریں اور مارنے سے مراد ہاتھ کی مار ہے نہ لکڑی کی اور لڑکا اگر روزہ توڑ دے تو قضا لازم نہیں قالہ الشامی وان جامع المکلف آدمیا مشتہی فی رمضان اداءً اما مراد اگر جماع کیا مکلف یعنی عاقل بالغ نے آدمی مشتہی[1] کے ساتھ رمضان کے اداء میں ادا کی قید اس وجہ سے ہے کہ گذری یعنی کفارہ ہتک حرمت رمضان کے لیے لازم ہے اور قضا میں ہتک رمضان نہیں م یہ قسم ثالث قضا کا بیان

[1] شہوت ۱۲

شروع ہوا یعنی جن صورتوں میں قضا و کفارہ دونوں لازم ہیں اور مکلف کی قید سے نکل گیا صبی اور مجنون اور آدمی کی قید سے جنّا اور مشتہی سے مراد مشتہی علی الکمال ہے پس میتہ یا بہیمہ کے جماع سے کفارہ لازم نہیں گو انزال ہو جاوے کذا فی البحر اور جو مع دتوارت الحشفۃ فی احد السبیلین انزلا اولا یا جماع کیا گیا اسکے ساتھ اور غائب ہو گیا راس ذکر قبل یا دبر میں انزال ہو یا نہ ہو م جو مع شامل ہے اس کو کہ زوج صغیر جماع کرے عورت کے ساتھ کیونکہ قستانی میں ہے کہ جیسا مرد کے ذمے مشتہاۃ کے جماع سے کفارہ لازم ہے ایسا ہی عورت کے ذمہ ہے صبی یا مجنون کے جماع سے اور دونوں صورتوں میں شارح کا اختلاف ہے کما فی التمرتاشی اور حشفہ کا غائب ہونا اس واسطے کہا کہ بغیر اس کے جماع متحقق نہیں اور انزال اور عدم انزال اس واسطے برابر ہوا کہ عدم انزال کی صورت میں بھی قضاء شہوت متحقق ہے اس سے حد لازم ہوتی ہے جو عقوبت محضہ ہے پس کفارہ جس میں معنی عبادت کے بھی ہیں بطریق اولیٰ لازم ہو گا کذا فی البحر او اکل او شرب غذاء بکسر الغین وبالذال المعجمتین والمد ما یتغذی بہ او دواء ما یتداوی بہ یا کھاوے یا پیوے غذا یا دوا شارح نے کہا کہ غذا غین کے کسرہ اور ذال منقوطہ اور مد کے ساتھ یعنی جو صلاحیت غذائیت کی رکھے جیسے گیہوں کی روٹی گوشت اور پانی کو غذا میں اس واسطے شمار کیا کہ وہ غذا کی اعانت کرتا ہے گو غذا نہیں اور دوا وہ کہ جس سے شفا طلب کی جاوے والضابط وصول ما فیہ صلاح بدنہ لجوفہ ومنہ ریق حبیبہ فیکفر لوجود معنی صلاح البدن فیہ درایۃ وغیرہا اور قاعدہ کلیہ غذا اور دوا کی شناخت کا یہ ہے کہ پہنچنا ایسی شے کا پیٹ میں جس میں اس کے بدن کی اصلاح ہو غذا یا دوا کھلاتی ہے اور اس میں ہے لعاب دھن محبوب کا سو اگر نگل جاوے تو اس میں کفارہ لازم ہے کیونکہ صلاح بدن کی موجود ہے کذا فی الدرایۃ وغیرہا و ما نقلہ الشرنبلالی عن الحدادی ردہ فی النہر اور شرنبلالی نے حدادی سے نقل کیا اس کو نہر میں رد کیا ہے م شرنبلالیہ میں ہے کہ تغذی کے معنی میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے جس کے کھانے کو طبیعت چاہے اور پیٹ کی خواہش دفع ہو اور بعض نے کہا ہے کہ وہ چیز جس کا نفع صلاح بدن پر عائد ہو اور فرق اس طرح سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص نے لقمہ چبا کر منہ سے نکالا پھر اس کو کھا لیا تو دوسرے معنی کے لحاظ سے اس پر کفارہ لازم ہے نہ اول کے اور اس کے برعکس حکم بھنگ میں ہے کیونکہ اس میں بدن کا نفع کچھ نہیں ہے بلکہ عقل کم ہو جاتی ہے تو قول ثانی کے بموجب کفارہ نہ ہو گا لیکن طبیعت اس کی طرف میل کرتی ہے اور پیٹ کی خواہش دفع ہوتی ہے تو کفارہ واجب ہو گا بموجب قول اول کے اور نہر میں کہا ہے کہ یہ تحقیق سے بعید ہے اس واسطے کہ اس تقدیر پر فقہا کا قول او دواء لغو ہو جاوے گا اور نیز وہ قول جو محققوں نے ذکر کیا ہے کہ فطر کے معنی ہیں جوف میں پہنچنا ایسی چیز کا جس میں اصلاح بدن کی ہو خواہ غذا ہو یا دوا یہ بھی لغو ہو گا کیونکہ یہ قول مقابل ہے اول قول کے اور محل خلاف کی تحقیق میں یہی مناسب ہے انتہی میں کہتا ہوں کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ تغذی کے معنوں میں اختلاف نہیں ہے بلکہ فطر کے معنوں میں لیکن صاحب نہر نے جو محققین سے نقل کیا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تغذی میں اختلاف نہ ہوئے لیکن تحقیق یہ ہے کہ نہ تغذی کے معنی میں اختلاف ہے نہ فطر کے اس واسطے کہ علما نے ذکر کیا ہے کہ کفارہ واجب نہیں ہے مگر جس صورت میں کہ افطار صورۃً و معنیً ہو پس اکل یا افطار صورۃ موجود ہے یعنی نگلنا اور فطر معنوی یہ کہ اس سے بدن کی اصلاح ہو خواہ دوا ہو یا غذا تو اس سے یہ نکلتا ہے کہ کفارہ واجب نہ ہو گا کنکری کے نگلنے سے کیونکہ صرف صورت اکل کی ہے اور نہ حقنہ وغیرہ میں کیونکہ صرف اکل معنوی ہے چنانچہ ہدایہ وغیرہ میں اسی طرح معلل کیا ہے اور بدائع میں ذکر کیا ہے کہ کفارہ واجب ہوتا ہے اس چیز کے جوف میں پہنچانے سے جس سے قصد تغذی کا یا تداوی کا ہو منہ کی راہ سے بخلاف نیز اس صورت کے پس کفارہ واجب نہ ہو گا اگر بادام یا اخروٹ ثابت خشک حلق میں اتار لیا کیونکہ اکل صورۃ بے معنی نہیں اس واسطے کہ ان اشیاء کو اس طرح کھانے کی عادت نہیں تو مانند کنکری اور گٹھلی کے ہوئے اور سوکھا آٹا پھانکنے میں یا تر آٹا کھانے میں بھی نہ ہو گا کیونکہ اس سے مقصود تغذی اور تداوی نہیں ہے اور ایسا ہی درخت کے پتے اگر عادۃً ماکول ہیں تو کفارہ واجب ہے ورنہ صرف قضا لازم ہے اور ایسا ہی اگر تھوک منہ سے نکالا پھر نگل لیا یا کسی دوسرے کا تھوک چاٹ لیا کیونکہ اس کو طبیعت مکروہ جانتی ہے اور اگر کسی پیارے یا دوست کا لعاب ہے تو کفارہ واجب ہے کما ذکرہ الحلوانی کیونکہ طبیعت نفرت

ف قاموس میں ہے کہ غذاء وہ جس سے جسم کا نمو اور قوام ہے۔

نہیں کرتی ہے اور اس سے ظاہر ہوا کہ مراد ان کی ما یتغذی بہ سے وہی ہے کہ جس میں صلاح بدن کی ہو اس طرح کہ عادۃً ماکول ہو یا بالقصد تغذی یا تداوی یا تلذذ کذا فی الشامی مختصراً عمداً راجع للکل لفظ عمداً سب کے ساتھ تعلق رکھتا ہے یعنی اکل و شرب و جماع قصداً ہو م اس سے مخطی اور مکرہ نکل گئے کذا فی البحر میں کہتا ہوں کہ ناسی بھی نکل گیا کیونکہ مراد ان چیزوں کے عمداً کرنے سے قصد افطار کا ہے اور ناسی اگرچہ مفطر کا استعمال قصداً کرتا ہے لیکن افطار کا قصد نہیں کرتا قالہ الشامی اوا حتجم ای فعل مالا یظن الفطر بہ کفصد وکحل ولمس وجماع بہیمۃ بلا انزال او ادخال اصبع فی دبر ونحو ذلک یا پچھنے لگوائے یعنی ایسا کام کیا جس سے افطار کا گمان نہیں جیسا فصد اور سرمہ لگایا اور عورت کو ہاتھ لگایا اور بہیمہ کا جماع بلا انزال اور انگلی خشک مقعد میں دی وغیرہ م شارح نے ای فعل کہنے سے اشارہ کیا کہ یہ حکم خاص پچھنوں کا نہیں ہے اور اس سے احتراز ہو گیا ان اشیاء سے جن میں گمان افطار کا ہو سکتا ہے مثلاً اول بھول کر کھا لیا پھر روزہ ٹوٹ جانے کے گمان سے عمداً کھا لیا تو کفارہ لازم نہیں شبہہ کی جہت سے جیسا سابقاً مذکور ہوا قالہ الشامی فظن فطرہ بہ فاکل عمداً پھر گمان کیا کہ حجامت وغیرہ سے روزہ ٹوٹ گیا پھر جان کر کھا لیا قضی فی الصور کلہا وکفر قضا کرے اور کفارہ دے تمام صورتوں میں م یعنی وان جامع یہاں تک اور وقت وجوب قضا اور کفارہ کا بیان نہ کرنے سے جتلا دیا کہ وجوب علی التراخی ہے جیسا امام محمدؒ کہتے ہیں اور ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ علی الفور ہے اور ابو حنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں کذا فی التمر تاشی لانہ ظن فی غیر محلہ اس واسطے کہ یہ گمان بے موقع ہے یعنی پچھنے لگوانے کسی طرح مفطر نہیں تو ان کو مفطر سمجھنا بے موقع ہے حتی لو افتاہ مفت یعتمد علی قولہ او سمع حدیثا ولم یعلم تاویلہ لم یکفر لشبہۃ یہاں تک کہ اگر کسی مفتی معتمد علیہ نے اس پر فتوی دیا یا حدیث سنی اور اس کی تاویل نہیں جانتا تو کفارہ نہ دے واسطے شبہہ کے م غرض یہ ہے کہ اگر ظن اپنے موقع پر ہو تو کفارہ نہیں اور مفتی کا معتمد ہونا اس لیے کہا کہ نہایہ میں کہا ہے کہ شرط یہ ہے کہ مفتی وہ ہو جس سے فقہ اخذ کرتے ہوں اور شہر میں اس کے فتوی پر اعتماد ہو کیونکہ اس صورت میں اس کے فتوی سے شبہہ ہو گا اور اس کے غیر کے فتوی کا اعتبار نہیں اور اس سے معلوم ہوا کہ معتمد صیغہ مجہول کا ہے پس اکیلے سائل کا اعتماد کافی نہیں اور حدیث سے مراد یہ حدیث ہے کہ پچھنے لگانے والا اور جس نے لگوائے دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے امام محمد کے نزدیک اس حدیث پر عمل کرنے سے اگر کوئی شخص بعد پچھنے کے عمداً کھائے گا تو کفارہ لازم نہیں اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اقوی ہے مفتی کے قول سے پس اس میں شبہہ کی جہت سے کفارہ ساقط ہونا اولی ہے اور امام ابو یوسفؒ اس کے خلاف کہتے ہیں ان کا قول یہ ہے کہ عامی کو اقتدا فقہا کا چاہیے کیونکہ وہ احادیث کی معرفت پر نہیں پہنچ سکتا ہے تو کفارہ ساقط ہونے میں حدیث کا سننا اس کو کافی نہیں اور حدیث مذکور کی تاویل یہ ہے کہ وہ منسوخ ہے یا جن کی شان میں حدیث وارد ہوئی وہ غیبت کرتے تھے پس مراد یہ کہ ثواب روزہ کا جاتا رہا پس اگر اس تاویل کو جان کر کوئی عمداً بعد پچھنوں کے کھائے گا تو کفارہ واجب ہو گا اس لیے کہ شبہہ نہ رہا کذا فی الشامی ملتقطا وان اخطا المفتی ولم یثبت الاثر اگرچہ اس فتوی میں مفتی نے خطا کی اور اگرچہ اس باب میں اثر ثابت نہیں ہے م مراد یہ ہے کہ سوائے حدیث افطر الحاجم والمحجوم کے کوئی حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ تو صحیح و ثابت ہے قالہ الشامی الا فی الادہان یہ استثنا لم یکفر سے ہے یعنی اگر تیل لگایا پھر کھا لیا تو کفارہ دے کیونکہ اس نے عمداً یہ کام کیا بدون کسی دلیل شرعی کی سند کے اور کسی فقیہ کا فتوی اور حدیث کی تاویل یہاں کار آمد نہیں کیونکہ یہ صورت مشتبہ نہیں ایسے اشخاص پر جن کو ادنی دخل فقہ میں ہو اسی طرح کمال نے نقل کیا ہے بدائع سے لیکن اس کے مخالف ہے جو خانیہ میں ہے کہ جو شخص سرمہ لگا دے یا تیل لگا دے بدن کو یا مونچھوں کو پھر کھا لیوے قصداً تو اس پر کفارہ ہے مگر اس صورت میں کہ جاہل ہو اور کسی نے اس کو افطار کا فتوی دیا ہو اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راجح یہ ہے کہ استثنا نہ چاہیے پس شارح کو اولی یہ تھا کہ استثنا ترک کرتا قالہ الشامی وکذا الغیبۃ عند العامۃ زیلعی اور یہی حال غیبت کا ہے کہ اگر غیبت کر کے بعد لقصد روزہ توڑے تو اس میں بھی کفارہ لازم ہے اکثر علما کے نزدیک کذا فی الزیلعی م کیونکہ افطار غیبت سے مخالف قیاس کے ہے اور حدیث غیبت سے روزہ ٹوٹنے کی بالاجماع تاویل کی گئی ہے یعنی مراد یہ ہے کہ ثواب جاتا رہتا ہے بخلاف حدیث حجامت کے کہ بعض

علما نے اس کے ظاہر کو بھی اخذ کیا ہے جیسے امام احمدؒ اور اوزاعی کذا فی الامداد اور علمائے ظاہریہ کا خلاف غیبت میں معتبر نہیں کیونکہ یہ خلاف حادث ہوا ہے بعد اس کے کہ سلف تاویل مذکور کر چکے تھے کذا فی الفتح لکن جعلھا فی الملتقی کالحجامۃ ورجح فی البحر للشبھۃ لیکن غیبت کو ملتقی میں حجامت کے مانند کہا ہے اور اسی کو بحر میں ترجیح دیا ہے شبہ کی جہت سے م تم کو معلوم ہو چکا کہ جو مخالف اجماع کے ہو اس سے شبہہ نہیں ہوتا اور عمل اس پر ہے جس پر اکثر مشائخ ہیں واللہ اعلم قال الشامی ککفارۃ الظھار الثابتۃ بالکتاب واما ہذہ فبالسنۃ کفارہ روزہ کا دے مثل کفارہ ظہار کے لیکن کفارہ ظہار کتاب اللہ سے ثابت ہے اور کفارہ روزہ کا سنت سے م یعنی اس کی مثلؒ ہے ترتیب میں پس اول تو بردہ آزاد کرے اور اگر نہ پاوے تو دو مہینے کے پے در پے روزے رکھے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ۶۰ مسکینوں کو کھانا دے بموجب حدیث اعرابی کے جو صحاح ستہ میں مذکور ہے پس اگر بیچ روزہ رکھنے میں افطار کرے اگرچہ عذر سے ہو تو از سر نو رکھے مگر حیض کے عذر سے از سر نو نہ رکھے اور کفارہ قتل میں بھی تتابع شرط ہے اور ایسا ہی جو کفارہ کہ اس میں عتق مشروع ہے کذا فی النھر اور وجوب کفارہ میں مرد عورت میں غلام آزاد میں بادشاہ وغیرہ میں فرق نہیں قال الشامی ومن ثم شبھوھا بہا اور اسی جہت سے کفارۂ صوم کو کفارۂ ظہار کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں م یعنی چونکہ کفارۂ ظہار ثابت بالکتاب ہے تو اعلیٰ درجہ ہوا کفارۂ صوم سے کہ ثابت بالسنۃ ہے اس لیے ادنیٰ کو اعلیٰ کے ساتھ تشبیہ دیا اور یہ مقتضی ہے اس کو کہ کفارۂ ظہار کا منکر کافر ہو اور کفارۂ صیام کا منکر کافر نہ ہو تنبیہ تشبیہ میں اشارہ ہے کہ روزہ کے کفارہ کا ظہار کے کفارہ کی مثل ہونا ہر وجہ سے لازم نہیں اس واسطے کہ جماع اثناء کفارہ میں تتابع کو قطع کر دیتا ہے کفارہ ظہار میں مطلقاً عمداً ہو یا نسیاناً رات کو ہو یا دن کو بخلاف کفارۂ صوم وقتل کے کیونکہ جماع تتابع کو ان دونوں میں نہیں قطع کرتا مگر افطار خواہ بعذر ہو یا بے عذر اور غیر عذر سے مراد ماسوائے حیض کے ہے حاصل یہ ہے کہ اس جگہ تتابع کو وطی قطع نہیں کرتی رات کو قصداً یا دن کو نسیاناً بخلاف کفارہ ظہار کے قال الشامی ثم انما یکفر ان نوی لیلا ولم یکن مکرھا ولم یطرء مسقط کمرض وحیض پھر کفارہ اسی صورت میں لازم ہے کہ روزہ دار نے رات سے نیت کی ہو کیونکہ دن کی نیت میں شافعی کا خلاف ہے پس شبہہ سے کفارہ لازم نہ ہوگا اور اس پر کسی کی طرف سے اکراہ نہ ہو اور نہ حادث ہو بعد عمداً افطار کرنے کے کوئی عذر سماوی کہ کفارہ کو ساقط کر دے جیسا مرض جس میں افطار مباح ہو یا حیض کہ عذر ہو جاتے ہیں[وباو] اور اکراہ کی صورت میں بھی کفارہ لازم نہ آوے گا واختلف فیما لو مرض بجرح نفسہ او سوفر بہ مکرھا والمعتمد لزومھا اور اختلاف کیا ہے اس صورت میں کہ بیمار ہو جاوے اپنے آپ کو زخم لگا کر یا زبردستی کوئی اس کو سفر میں لے جاوے اور معتمد یہ ہے کہ کفارہ لازم ہے م سفر کو اکراہ کے ساتھ مقید کیا اس واسطے کہ اگر اپنی خوشی سفر کرے گا تو بالاتفاق کفارہ ساقط نہیں ہوگا لیکن اگر افطار کرے بعد اس کے کہ سفر کیا تو کفارہ واجب نہیں کذا فی النھر یعنی اگرچہ روزہ توڑنا اس پر حرام ہے اگر سفر مجر کے بعد کیا جیسا آگے مذکور ہوگا قال الشامی وفی المعتاد حمی وحیضا والمتیقن قتال عدو لو افطر ولم یحصل العذر والمعتمد سقوطھا اور اختلاف ہے اس میں جس کی عادت مقررہ ہے تپ کی حیض کی یا یقین کرتا ہے دشمن کے مقابلے کا اگر افطار کیا اور عذر مقرری نہ پایا گیا اور معتمد یہ ہے کہ کفارہ ساقط ہے م اسی کی تصحیح کی ہے بزازیہ میں اور قاضی خان نے شرح جامع صغیر میں اور شرنبلالی نے بھی یہی اختیار کیا ہے لیکن یہ مخالف ہے بحر کے کہ اس میں کہا ہے کہ اگر عورت نے افطار کیا اس خیال پر کہ اس کے حیض کا دن ہے اور اس کو حیض نہ آیا تو اظہر یہ ہے کہ کفارہ واجب ہے جیسا افطار کیا اس گمان سے کہ یہ یوم المرض ہے اور صحیح یہ ہے کہ کفارہ واجب ہے جیسا تاتارخانیہ میں منصوص ہے اور اس لیے سراج اور فیض میں وجوب کا جزم کیا ہے دونوں مسئلوں میں اور حاصل یہ ہے کہ تپ اور مرض کی عادت والوں میں تصحیح کا اختلاف ہے اور جو قتال دشمن کا یقین رکھتا ہو اس پر سے سقوط کفارہ میں میں نے کسی کا

لہ ابو نصر محمد بن سلام نے کہا ہے یعنی بادشاہ اور اس کے امثال کے بارہ میں کہ فتویٰ دیا جاوے دو مہینے کے روزوں کا کیونکہ مقصود کفارہ سے انزجر ہے اور اس پر سارے مہینے کے روزے افطار کرنے اور بردہ آزاد کرنا سہل ہے پس زجر حاصل نہ ہوا ۱۲ ش

خلاف نہیں دیکھا اور فرق یہ ہے کہ قتال دشمن کے لیے تقدیم افطار کی طرف احتیاج ہوتی ہے تاکہ قوت ہو بخلاف مریض کے جامع الفصولین میں یہ فرق لکھا ہے قال الشامی ولو تکرر فطرہ ولم یکفر للاول یکفیہ واحدۃ ولو فی رمضانین عند محمد وعلیہ الاعتماد بزازیہ ومجتبیٰ وغیرہما اور اگر اس نے مکرر روزے توڑے اور پہلے کا کفارہ ادا نہیں کیا تو اس کو ایک ہی کفارہ بس ہے گو دو رمضانوں میں کے روزے ہوں امام محمد کے نزدیک اور اسی پر اعتماد ہے کذافی البزازیہ ومجتبیٰ وغیرہما اور بحر میں اس کو اسرار سے نقل کیا ہے اور جوہرہ سے نقل کیا ہے کہ اگر دو رمضانوں میں کے ہوں تو دو کفارہ لازم ہیں اگرچہ پہلے کا کفارہ ادا نہ کیا ہو ظاہر الروایۃ میں اور یہی صحیح ہے میں کہتا ہوں کہ ترجیح مختلف ہوئی اور دوسرے کی تقویت اس جہت سے ہے کہ ظاہر الروایۃ ہے قال الشامی واختار بعضہم للفتوی ان افطر بغیر الجماع تداخل والالا اور بعض نے فتوی کے لیے یہ اختیار کیا ہے کہ اگر افطار کھانے پینے سے ہو تو کفارہ متداخل ہو گا یعنی ایک ہی ہو گا اور اگر افطار مکرر جماع سے ہو تو جدا جدا کفارہ ہو گا اگرچہ پہلے کا کفارہ ادا نہ کیا ہو م کیونکہ جماع بڑا قصور ہے اور اسی جہت سے امام شافعی کے نزدیک جماع ہی میں کفارہ ہے کھانے پینے میں نہیں قال الشامی ولو اکل عمداً شہرۃ بلا عذر یقتل وتمامہ فی شرح الوہبانیۃ اور اگر کھاوے قصداً علی الاعلان بے عذر رمضان میں تو قتل کیا جاوے اور شرح وہبانیہ میں اس کو پورا بیان کیا ہے م وہبانیہ میں کہا ہے ؎ ولو اکل الانسان عمداً وشہرۃ ، ولا عذر فیہ قیل بالقتل یومر ، شرنبلالی نے کہا ہے اسکی صورت یہ ہے کہ بقصد کھایا کسی شخص نے بے عذر سب کے سامنے تو قتل کیا جاوے کیونکہ دین کے ساتھ تمسخر کرتا ہے یا منکر اس کا جو دین میں بالضرورۃ ثابت ہے اور اس کے قتل کی حلت میں اور حکم دینے میں خلاف نہیں ہے پس قیل جو مولف وہبانیہ نے کہا ہے ضعف کے سبب سے نہیں ہے قال الحلبی وان ذرعہ القیٔ وخرج ولم یعد لایفطر مطلقا ملاء اولا اور اگر قے آگئی اور نکل گئی اور منہ میں یا گر پھر حلق میں نہیں گئی تو روزہ نہیں ٹوٹتا ہر صورت میں یعنی منہ بھر کے آوے یا نہیں م یہ مسئلہ ۲۴ طرح پر ہو سکتا ہے کیونکہ قے آپ سے آوے یا قصداً کرے اور دونوں صورتوں میں منہ بھر ہو یا کم اور چاروں صورتوں میں یا خارج ہو جاوے یا خود حلق میں عود کرے یا بقصد گلے میں اتارے اور ان بارہ صورتوں میں یا یہ کہ روزہ یاد ہے یا نہیں اور روزہ نہیں ٹوٹتا سب صورتوں میں بنا بر اصح روایت کے مگر اعادہ اور استقاء میں یعنی بقصد عود کرانے میں اور بقصد قے کرنے میں بشرطیکہ منہ بھر ہو اور روزہ یاد ہو کذافی شرح الملتقی فان عاد بلا صنعہ ولو ہو ملاء الفم مع تذکرہ للصوم لایفسد خلافا للثانی پس اگر از خود پٹ گئی گو منہ بھر کر ہو باوجودیکہ روزہ یاد ہے تو روزہ نہیں ٹوٹا بخلاف امام ابی یوسفؒ کے وان اعادہ او قدر حمصۃ منہ فاکثر حدادی افطر اجماعا ولا کفارۃ فیہ ان ملاء الفم والالا ہطلقاً اور اگر قصداً قے کو اندر ہٹا لیا یا اس میں سے ایک چنے کی مقدار یا زیادہ کو قال الحدادی تو بالاجماع روزہ جاتا رہا اگر قے منہ بھر کر آئی ہو اور کفارہ لازم نہیں ہے اور اگر قے ملاء الفم نہ ہو اور کل کو اعادہ کر لیا یا بعض کو تو روزہ فاسد نہ ہو گا اور یہی مختار ہے م اور خانیہ میں ہے کہ یہی صحیح ہے اور علماء کثیر نے اسکی تصحیح کی ہے کذافی الرملی اور قدر نخود میں اشارہ ہے کہ حکم میں فرق نہیں اعادہ کل کا کرے یا ایک چنے کی مقدار کا بشرطیکہ قے منہ بھر ہو حدادی نے سراج میں کہا ہے کہ مبنی خلاف کا یہ ہے کہ ابو یوسفؒ ملاء الفم کو اعتبار کرتے ہیں اور محمد اس شخص کے فعل کو پس ملاء الفم کو حکم خارج کا دیا گیا اور اس سے کم تر گویا خارج ہی نہیں کیونکہ اس کا ضبط ممکن ہے اور اس خلاف کا نتیجہ چار مسئلوں میں ظاہر ہوتا ہے ایک یہ کہ ملاء الفم نہ ہو اور از خود عود کر جاوے تو بالاجماع روزہ نہیں جاتا ابو یوسفؒ کے نزدیک اس جہت سے کہ اس کو حکم خارج کا نہیں اور امام محمدؒ کے نزدیک اس جہت سے کہ اس شخص کے فعل کو اس میں دخل نہیں دوسرا یہ کہ قے ملاء الفم ہو اور اس کو اعادہ کیا کل کو یا بعض کو چنے کی مقدار تب بالاجماع افطار پایا جاوے گا کیونکہ قے خارج کو جوف میں اعادہ کر لیا اپنے فعل سے تیسرا یہ کہ قے ملاء الفم نہیں ہے اور اس کو اعادہ کیا تو امام محمدؒ کے نزدیک چونکہ اس کی صنع پائی گئی روزہ ٹوٹ گیا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نہیں ٹوٹا کہ قے پری دہن نہیں ہے چوتھی صورت یہ کہ قے ملاء الفم ہو اور خود بقدر نخود عود کر جاوے تو ابو یوسفؒ کے نزدیک روزہ جاتا

سلہ اور اگر کھاوے انسان قصداً اور علی الاعلان اور اس کو کچھ عذر نہ ہو تو کہتے ہیں کہ اس کے قتل کا حکم کیا جاوے ۱۲

رہے گا اور امام محمد کے نزدیک نہیں اور یہی صحیح ہے کذا فی الشامی وان استقاء ای طلب القئ عامدا ای متذکرا لصومہ ان کان ملاء الفم فسد بالاجماع
مطلقا اور اگر قصداً قے کی اس طرح کہ روزہ یاد ہے اگر قے ملاء الفم ہے تو روزہ فاسد ہو گیا بالاجماع ہر صورت میں م یعنی خود عود کرے یا اعادہ کرے یا نہ عود
ہو نہ اعادہ فتح القدیر میں کہا ہے کہ اس میں تفریع عود اور اعادہ کی نہیں جاری ہو سکتی کیونکہ عود مجرد قے سے روزہ ٹوٹ گیا گو عود اور اعادہ دونوں ہوں قالہ
الشامی وان اقل لا عند الثانی وھو الصحیح اور اگر قے ملاء الفم سے کم ہو یعنی بشرطیکہ عود نہ کرے اور نہ اعادہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا امام ابو یوسف کے نزدیک اور
یہی صحیح ہے لکن ظاہر الروایۃ کقول محمد انہ یفسد کما فی الفتح عن الکافی لیکن ظاہر الروایت مثل قول محمد کے یہ ہے کہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے جیسا فتح میں نقل کیا
ہے کافی سے فان عاد بنفسہ لم یفطر وان اعادہ ففیہ روایتان اصحھما انہ لا یفسد محیط پس اگر عود کرے از خود تو روزہ نہیں ٹوٹتا اور اگر بقصد اعادہ کیا
تو اس میں دو روایتیں ہیں ان میں اصح یہ ہے کہ نہیں ٹوٹتا کذا فی المحیط م یعنی ابو یوسفؒ سے دو روایتیں منقول ہیں کیونکہ محمد کے نزدیک تو تفریع نہیں
چل سکتی قال الشامی وھذا کلہ فی قئ طعام او ماء او مرۃ او دم اور یہ تفصیل مذکور کھانے کی قے میں ہے یا پانی کی یا صفرا کی یا خون کی م ظاہر یہ ہے کہ خون
سے مراد خون بستہ ہے اور نہیں تو کیا فرق ہے اس خون میں اور جو دانتوں میں سے نکلے پھر اس کو نگل جاوے کہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے بشرطیکہ تھوک پر غالب
ہو یا برابر ہو یا مزہ معلوم ہو جیسا اول باب میں مذکور ہوا فان کان بلغما فغیر مفسد مطلقا خلافا للثانی پس اگر بلغم ہے تو غیر مفسد ہے مطلقا یعنی خود نکلے
یا آپ آجاوے ملاء الفم ہو یا نہ ہو عود ہو یا اعادہ یا کچھ نہ ہو بخلاف ابو یوسفؒ کے کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر قے عمداً ملاء الفم ہو تو فاسد ہو جاتا ہے واستحسنہ الکمال وغیرہ
اور مستحسن جانا ہے اس کو کمال نے اور غیر اس کے نے م کمال نے کہا ہے کہ قول ابو یوسف کا یہاں احسن ہے اور ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کا قول نقض وضو میں
احسن ہے کیونکہ افطار میں یہ قید ہے کہ کوئی چیز پیٹ میں جاوے یا عمداً قے کرے بغیر ملاحظہ اس کی پاکی یا ناپاکی کے پس اس باب میں بلغم وغیر بلغم میں فرق
نہیں بخلاف نقض وضو کے اور بحر اور نہر میں اسی کو مقرر رکھا ہے اور یہی مراد ہے شارح کی استحسنہ وغیرہ سے کیونکہ جب ثابت رکھا تو درحقیقت مستحسن جانا
کذا قالہ الشامی ولو اکل لحما بین اسنانہ ان مثل حمصۃ فاکثر قضی فقط وفی اقل منھا لا یفطر اور اگر کھا لیا گوشت جو دانتوں میں ہے اگر مقدار
ایک چنے کی یا زیادہ ہے تو صرف قضا کرے اور چنے سے کم میں روزہ نہیں جاتا م چنے کی مقدار کو صدر شہید نے اختیار کیا ہے اور دبوسی نے یہ اختیار کیا
ہے کہ جس کا نگلنا ممکن ہو بدون استعانت لعاب دہن کے اور کمال نے اسی کو پسند کیا ہے اس لیے کہ مانع افطار سے وہ چیز ہے جس سے بچاؤ مشکل ہو
اور یہ اسی صورت میں ہے کہ خود تھوک کے ساتھ جوف میں جاوے نہ وہ جو بقصد جوف میں لے جاوے الا اذا اخرجہ من فمہ فاکلہ مگر جب کہ منہ سے
نکال لے پھر کھا جاوے یعنی اس صورت میں روزہ ٹوٹ جاوے گا ولا کفارۃ لان النفس تعافہ اور کفارہ لازم نہیں آتا کیونکہ نفس اس کو مکروہ سمجھتا ہے
واکل مثل سمسمۃ من خارج یفطر ویکفر فی الاصح اور کھا لینا مقدار ایک تل کے بھی خارج سے روزہ توڑتا ہے اور کفارہ بھی لازم ہے اصح روایت پر الا اذا
مضغ بحیث تلاشت فی فمہ مگر جب کہ چباوے اس طرح کہ اس کے اجزا متفرق ہو جاویں منہ میں م یعنی اس واسطے کہ دانتوں سے چمٹ جانے گا اور جوف
میں کچھ نہ پہنچے گا اور تھوک کے تابع ہو گا کذا فی المعراج پس روزہ سلامت رہے گا الا ان یجد الطعم فی حلقہ کما مر مگر یہ کہ مزہ پاوے اپنی حلق کے اندر تو روزہ
ٹوٹ جاوے گا جیسا سابق مذکور ہوا واستحسنہ الکمال قائلا وھو الاصل فی کل قلیل مضغہ اور اسی کو کمال نے پسند کیا ہے اور کہا ہے کہ یہی قاعدہ کلیہ ہے ہر
قلیل شے میں جس کو چباوے کہ اگر مزہ حلق کے اندر پاوے گا تو روزہ جاتا رہے گا ورنہ نہ جائے گا وکرہ لہ ذوق شئ وکذا مضغہ بلا عذر قید فیھما
قالہ العینی اور مکروہ ہے صائم کو چکھنا کسی چیز کا اور ایسے ہی چبانا بے عذر یہ قید دونوں میں ہے قالہ العینی م ظاہر یہ ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے قال الحلبی لکون

[1] جواب ہے اس کا کہ عامدا کی قید زائد ہے کیونکہ استقاء سے عمد سمجھا جاتا ہے جواب یہ ہے کہ استقاء سے تعمد قے کا مراد ہے اور عامد سے متذکر صوم کا اور اس سے نکل گیا وہ کہ جب قے عمداً کرے اور روزہ
یاد نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا افادہ فی البحر ۱۲

زوجہا او سید ہا سیء الخلق فذاقت مثل اس کے کہ عورت کا خاوند یا مالک بدخلق ہو اور وہ نمک چکھ لے م یہ مثال چکھنے کی ہے اور چبانے کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص بچے کے منہ میں کچھ چبا کر دیدے جب کوئی شخص چبانے والا یعنی حائض یا لڑکا وغیرہ موجود نہ ہو ولی کراہۃ الذوق عند الشراء قولان اور چیز کے مول لینے کے وقت چکھنے میں دو قول ہیں ووفق فی النہر بانہ ان وجد بدا ولم یخف غبنا کرہ والا لا اور نہر میں دونوں قولوں میں توفیق کی ہے اس طرح کہ اگر بدون چکھنے کے کسی اور طرح لے سکتا ہے اور غبن کا خوف نہیں تو چکھنا مکروہ ہے اور اگر بدون چکھے چارہ نہیں اور غبن کا خوف ہے تو مکروہ نہیں م نہر میں کراہت کو اسی قید کے ساتھ مقید کیا ہے کہ چکھنے کے سوا کوئی تدبیر ہو شراء کے لیے یعنی غبن کا خوف ہو یا نہ ہو پس شارح کا قول ولم یخف غبنا نہر کے مخالف ہے البتہ والا لا نہر کے موافق ہے قالہ الشامی وہذا فی الفرض لا النفل کذا قالوا وفیہ کلام لحرمۃ الفطر فیہ بلا عذر علی المذہب فیبقی الکراہۃ اور چکھنا فرض میں مکروہ ہے نہ نفل میں اسی طرح علماء نے کہا ہے لیکن اس میں کلام ہے کیونکہ نفل میں بھی افطار بے عذر مکروہ ہے صحیح مذہب پر پس کراہت باقی رہی م رملی نے کہا ہے کہ فرض میں مکروہ ہے اس کی قوت کی جہت سے کہ اس کی حفاظت رکھنی چاہیے اور ایسا فعل نہ کرنا چاہیے جس سے افطار کا خوف ہو اور نفل میں مکروہ نہیں اس واسطے کہ نفل روزہ اصل میں جائز الطرفین تھا گو اس وقت شروع کے بعد توڑنا درست نہ ہو پس نفل کا مرتبہ فرض سے پیچھے رکھا کہ جو چیز اکثر افطار کی نوبت نہیں پہنچاتی اس کو نفل میں جائز رکھا نہ فرض میں قالہ الشامی وکرہ مضغ علک ابیض ممضوغ ملتئم والا فیفطر اور مکروہ ہے چبانا گوند کا جو سفید ہوتا ہے چبانے کا ڈلی بندھا ہوا اور نہ روزہ ٹوٹ جاوے گا م علک کو جدا بیان کیا اس لیے کہ عورتیں اس کو بجائے مسواک چبایا کرتی ہیں تو اس سے شبہ ہوتا تھا کہ شاید جائز ہو حاصل یہ کہ اس قسم کا گوند جوف میں عادۃً نہیں پہنچتا اور سیاہ گوند اور جس کو نہیں چباتے اور ایسا ہوا جوف میں چلا جاتا ہے پس اگر یہ بھی جوف میں پہنچ جاوے گا تو روزہ ٹوٹ جاوے گا اور اگر ویسا گوند بھی جوف میں نہ پہنچے گا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا وکرہ للمفطرین الا فی الخلوۃ بعذر اور مکروہ ہے استعمال علک کا مفطر مردوں کو مگر خلوت میں عذر سے اس واسطے کہ دلیل یعنی عورت کی مشابہت مقتضی ہے کراہت کو مردوں کے حق میں اور کوئی اس کا معارض نہیں اور ظاہر یہ ہے کہ کراہت تحریمی ہے کذا فی الطحاوی وقیل یباح اور ایک قول یہ ہے کہ گوند کا چبانا مباح ہے م فخر الاسلام نے کہا کہ امام محمد کے کلام میں اشارہ ہے کہ غیر صائم کے لیے مکروہ نہیں ہے لیکن مردوں کو اس کا ترک مستحب ہے مگر عذر کی جہت سے مثلاً منہ میں بدبو ہو ویستحب للنساء لانہ سواکہن فتح اور مستحب ہے عورتوں کے لیے کیونکہ وہ عورتوں کی مسواک ہے م یعنی بہ سبب اس کے کہ عورتیں ضعیف الجسم ہیں تو مسواک شاید مسوڑھوں کو نقصان کرے یا دانتوں کو کذا فی الفتح وکرہ قبلۃ ومس[1] ومعانقۃ ومباشرۃ فاحشۃ ان لم یامن المفسدۃ وان امن لاباس اور مکروہ ہے بوسہ لینا اور چھونا اور معانقہ اور مباشرت فاحشہ اگر خوف ہو جماع یا انزال کا اور اگر اس کا خوف نہیں تو کچھ مضائقہ نہیں م سراج میں جزم کیا ہے کہ قبلہ فاحشہ یعنی اس کے ہونٹوں کو اپنے منہ میں لے کر دبانا مطلقاً مکروہ ہے خوف ہو یا نہ ہو لا یکرہ دہن[2] شارب ولا کحل اذا لم یقصد الزینۃ او تطویل اللحیۃ اذا کانت بقدر المسنون وہو القبضۃ نہیں مکروہ ہے تیل لگانا مونچھوں کو اور نہ سرمہ لگانا بشرطیکہ بقصد زینت کے نہ ہو یا تیل لگانے سے مقصود داڑھی کی درازی نہ ہو جب کہ بقدر مسنون یعنی ایک مشت موجود ہے م واضح ہو کہ قصد زینت اور چیز ہے اور قصد جمال دوسری چیز کیونکہ قصد جمال سے عیب کا دور کرنا اور وقار کا قائم رکھنا اور نعمت کا اظہار بطور شکر مقصود ہوتا ہے نہ فخر کے طور پر اور یہ بات نفس کی دلاوری کا اثر ہے اور قصد زینت نفس کے ضعف کا اثر ہوتا ہے اس میں فخر تکبر کا لحاظ ہوا کرتا ہے کذا فی الفتح ملخصا وصرح فی النہایۃ بوجوب قطع ما زاد علی القبضۃ بالضم ومقتضاہ الاثم بترکہ اور نہایہ میں تصریح کی ہے کہ جو زیادہ ایک مشت سے ہو اس کا کاٹنا واجب ہے اور یہ اس بات کو چاہتا ہے کہ زائد کے نہ تراشنے سے گناہ گار ہو م کیونکہ نہایہ میں کہا ہے وما وراء ذلک یجب قطعہ ہکذا عن رسول اللہ

فرق جمال اور زینت میں

[1] قولہ ومس ظاہر اس سے مراد مس بشہوت ہے یا فرج کا چھونا ۱۲ [2] محدد سے یعنی تیل لگانا اور سرمہ لگانا اور رضم سے اسم ہے اور یہاں دونوں درست ہیں لیکن اول اولیٰ ہے ۱۲ [3] اور اس کے سوا کا قطع ہونا واجب ہے اور اسی طرح مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ اپنی ریش کو طول اور عرض میں سے تراشتے تھے روایت کیا ہے اس کو ترمذی نے ۱۲

صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یاخذ من طولہا وعرضہا رواہ ابوعیسی یعنی الترمذی فی جامعہ اور ایسا ہی معراج میں ہے اور فتح القدیر میں اس کو نقل کیا ہے اور برقرار رکھا ہے نہر میں کہا ہے کہ بعض لوگوں سے میں نے سنا ہے کہ نہایہ میں یجب بجائے یحل ہے تو اس صورت میں زائد کو نہ کاٹنے کا مضائقہ نہیں شیخ اسمعیل نے کہا ہے کہ یہ خلاف ظاہر ہے کیونکہ ایسے مواقع میں یستحب استعمال کرتے ہیں قال الشامی الاان یحمل الوجوب علی الثبوت مگر یہ کہ وجوب کے معنی ثبوت کے لیے جاویں م اس کی موید یہ ہے کہ استدلال صاحب نہایہ کا وجوب پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ لفظ کان یفعل تکرار و دوام پر دلالت نہیں کرتا اس لیے زیلعی نے لفظ یجب کو حذف کیا اور کہا کہ وما زاد یقص اور اسی طرح شرح شیخ اسمعیل میں اور ینبوع میں ہے اور یہ سنت ہے جیسے مبتغی میں ہے اور مجتبیٰ اور ینابیع وغیرہما میں مذکور ہے کہ کچھ مضائقہ نہیں ڈاڑھی کترلانے میں اطراف سے جب دراز ہو اور نہ بڑھے بال اکھاڑنے میں مگر بوجہ زینت کے اور نہ بھووں کے بال لینے میں اور منہ کے بالوں میں جب تک کہ مخنث کی مشابہت نہ ہو اور حلق کے بال نہ منڈادے اور ایک روایت ابویوسف سے ہے کہ کچھ مضائقہ نہیں ہے واما الاخذ منہا وہی دون ذلک کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال فلم یبحہا احد واخذ کلہا فعل یہود الہند ومجوس الاعاجم فتح اور ڈاڑھی میں سے لینا اس حال میں کہ وہ مشت سے کم ہو جیسا بعض مغربی اور مخنث کرتے ہیں پس اس کو کسی نے نہیں مباح کیا اور کل کا منڈانا ہند کے کفار کا فعل ہے اور عجم کے مجوسیوں کا کذافی الفتح وحدیث التوسعۃ علی العیال یوم عاشوراء صحیح واحادیث الاکتحال فیہ ضعیفۃ لاموضوعۃ کما زعم ابن عبدالعزیز اور حدیث وسعت طعام کی عیال پر عاشوراکے روز صحیح ہے اور حدیثیں سرمہ لگانے کی اس روز میں ضعیف ہیں نہ موضوع جیسا ابن عبدالعزیز نے گمان کیا ہے م حدیث توسعہ کی یہ ہے کہ جو شخص دسویں محرم کو اپنی عیال پر وسعت کرے یعنی بہت سا کھانا پکوادے تو اللہ تعالیٰ تمام سال اس پر وسعت کرے حضرت جابرؓ نے کہا کہ میں نے اس کو ۴۰ برس تجربہ کیا خلاف نہیں ہوا اور اکتحال کی حدیث وہ ہے جو بیہقی نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ ضعیف ہے جو کوئی عاشورا کے دن اثمد کا سرمہ لگادے اس کی آنکھ کبھی نہ دکھے گی کذافی الفتح میں کہتا ہوں کہ مناسبت اس کے ذکر کی یہاں یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے استدلال کیا ہے اس پر کہ سرمہ لگانا روزہ دار کو مکروہ نہیں ہے اس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رغبت دلائی سرمہ لگانے پر عاشورا کے روز اور اس روز کے روزہ کی طرف بھی نہر میں کہا ہے کہ ابن عبدالعزیز نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ آنحضرت سے اس روز بجز روزہ کے اور کچھ ثابت نہیں ہوا چونکہ روافض نے بدعات ماتم وغیرہ کے قائم کیے اس کے جواب میں جاہل سنیوں نے اظہار سرور وطعام واکتحال نکال کھڑے کیے اور احادیث موضوعہ اکتحال اور توسعہ میں روایت کیں اور قول ابن عبدالعزیز کا مردود ہے اس طرح کہ احادیث اکتحال کی ضعیف ہیں موضوع نہیں اور اس سے معلوم ہوا کہ قائل ابن عبدالعزیز ہے جیسا نہر اور حواشی سعدیہ سے واضح ہوتا ہے اور ابن عبدالعزیز وہ شخص ہے جس نے مشکلات ہدایہ پر نکات لکھی ہے

ولا سواک ولو عشیا اورطبا بالماء علی المذہب اور نہیں مکروہ ہے مسواک اگرچہ بعد زوال کے ہو یا تر ہو پانی میں بنابر مذہب صحیح کے م ابویوسف پانی میں تر مسواک کو مکروہ کہتے ہیں اس واسطے کہ بے ضرورت تری منہ میں جاتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آخر کلی کرنے سے زیادہ تو نہیں ہے اور تازہ مسواک کسی کے نزدیک مکروہ نہیں ہے وکرہہ الشافعی بعد الزوال اور شافعی نے مکروہ کہا ہے مسواک کو بعد زوال کے **وکذالایکرہ حجامۃ وتلفف ثوب مبتل ومضمضۃ واستنشاق واغتسال للتبرد عندالثانی وبہ یفتی شرنبلالیہ عن البرہان** ایسا ہی مکروہ نہیں پچھنے لگوانے اور تر کپڑا لپیٹنا اور کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا اور نہانا ٹھنڈک کے لیے ابویوسف کے نزدیک اور اسی پر فتوی ہے کذافی الشرنبلالیہ عن البرہان م اس واسطے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک پر پانی ڈالا اور حضرت روزے سے تھے پیاس کی جہت سے اور گرمی سے اور ابن عمرؓ کپڑا تر کرکے اپنے اوپر لپیٹ لیتے تھے روزے کی حالت میں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان امور میں اعانت ہے عبادت پر اور دل تنگی کا دفع ہے اور امام ابوحنیفہؒ نے مکروہ کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت

سلہ جو زائد ہو وہ تراشی جاوے ۱۲

میں ملالت کا اظہار ہے کذافی البرہان ویستحب السحور وتاخیرہ وتعجیل الفطر لحدیث ثلث من اخلاق المرسلین تعجیل الافطار وتاخیر السحور والسواک اور مستحب ہے سحر کھانا اور سحر میں تاخیر کرنا اور افطار میں جلدی کرنا کہ حدیث شریف میں وارد ہے تین چیزیں رسولوں کی عادت میں سے ہیں افطار میں جلدی کرنا سحر کھانے میں تاخیر کرنا اور مسواک کرنا م بحر میں کہا ہے کہ میں نے فقہائے کلام میں تصریح نہیں دیکھا کہ اکیلے پانی سے بھی سنت سحر ادا ہوتی ہے کہ نہیں لیکن ظاہر حدیث جو احمد نے روایت کی ہے اس پر دلالت کرتی ہے کہ سنت ادا ہو جاتی ہے چنانچہ فرمایا کہ سحر کھانا بالکل برکت ہے تو تم اس کو ترک نہ کرو اگرچہ کوئی تم میں سے ایک گھونٹ پانی ہی پی لے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں سحر کھانے والوں پر اور تاخیر اس مقام تک مستحب ہے کہ رات باقی رہنے میں شک نہ ہو پس اگر شک ہوگا تو کھانا مکروہ ہے یہ صحیح روایت پر اور تعجیل افطار مستحب ہے مگر ابر کے دن جب تک کہ ظن غالب غروب شمس کا نہ ہو تاخیر کرے اگرچہ موذن اذان دیوے اور تعجیل مستحب یہ ہے کہ تاروں کے جھلکنے سے پہلے ہو کذافی الشامی تنبیہ فیض میں کہا ہے کہ جو شخص بلند مکان پر ہو جیسا اسکندریہ کا منارہ تو وہ افطار نہ کرے جب تک اس کے نزدیک شمس غروب نہ ہو جاوے اور شہر والے اس سے پہلے افطار کر سکتے ہیں اگر ان کے نزدیک غروب ہو جاوے اس سے پہلے اور یہی حال ہے طلوع کا فجر میں یا سحر میں فروع مسائل ملحقہ شارح کے لایجوز ان یعمل عملا یصل بہ الی الضعف فیخبز نصف النہار ویستریح الباقی نہیں جائز ہے کہ کوئی ایسا کام کرے جس سے ضعف ہو جاوے کہ مانع روزہ کا ہو تو نانبائی مثلاً یوں کرے کہ آدھے روز پکاوے اور باقی آرام کرے فان قال لایکفینی کذب باقصر ایام الشتاء پس اگر وہ شخص کہے کہ اس قدر عمل مجھ کو کفاف کے لیے بس نہیں ہے تو تکذیب کیا جاوے جاڑے کے سب سے چھوٹے دن سے کہ قریب نصف روز کے ہوتا ہے م ملی نے کہا ہے کہ جامع الفتاوی میں ہے کہ اگر معیشت میں اشتغال کی جہت سے روزے سے ضعیف ہو جاوے تو اس کو افطار جائز ہے اور ہر روز کے بدلے نصف صاع کھانا دے یعنی اس صورت میں کہ اور دونوں میں گنجائش روزہ رکھنے کی نہ ملے ورنہ قضا واجب ہوگی اور علی ہذا القیاس اگر کھیتی کاٹنے پر روزے میں تعاون نہ ہو اور تاخیر میں کھیتی ہلاک ہوتی ہو تو جواز افطار وقضا میں کچھ شک نہیں اور یہی حال نانبائی کا ہے مگر جھوٹھلانے کا ذکر جو شارح نے کیا اس میں نظر ہے اس واسطے کہ دن کی زیادتی کمی کو کفایت میں دخل نہیں پس اسی کی رائے پر مفوض ہوگا کہ اس کے حال کو صلاح پر محمول کرنا چاہیے انتہی لیکن نور الایضاح میں جامع الفتاوی کے مسئلہ کی صورت اس شخص کے لیے بیان کی ہے جس نے ہمیشہ کے روزے نہ رکھے ہوں اور ہمارا کلام روزہ رمضان میں ہے پس حرفہ والے کے باب میں یوں کہنا چاہیے کہ جب اس کے پاس اس کے اور اس کے عیال کی کفایت موجود ہو تو اس کو افطار حلال نہیں ہے کیونکہ اس کو سوال حرام ہے تو افطار بالاولیٰ حرام ہوگا اور جو کفایت موجود نہ ہو تو اس کو عمل کرنا اس مقدار کہ کفایت کرے . . . جائز ہے اور بغیر افطار کیے اگر عمل نہ ہو سکتا ہو تو افطار جائز نہ ہوگا بشرطیکہ دوسرا کام نہیں کر سکتا جس میں روزہ بھی رکھ سکے ایسا ہی اگر خوف ہو کھیتی کے ہلاک ہونے کا یا چوری جانے کا اور کوئی آدمی ایسا نہ ملے جو اجرت رائج پر کام کر دے اور یہ خود اس کام کو کر سکتا ہے تو افطار جائز ہے اس واسطے کہ اس سے کم تر پر نماز کا توڑنا جائز ہے قال الشامی فان جہد الحر نفسہ بالعمل حتی مرض فافطر ففی کفارتہ قولان قنیہ پس اگر عمل کے جہت سے کسی آزاد نے مشقت اٹھائی یہاں تک کہ مریض ہو گیا پھر افطار کیا تو اس کے کفارہ میں دو قول ہیں کذافی القنیۃ م بعض نے کہا کہ کفارہ لازم ہے اور بعض نے کہا نہیں اور بقائی نے اسی پر فتوی دیا ہے اور آزاد کی قید اس لیے لگائی کہ لونڈی غلام اگر کام کی مشقت سے مریض ہو کر افطار کریں تو ان پر بالاتفاق کفارہ نہیں کیوں کہ وہ معذور ہیں اور مولیٰ کے حکم سے مجبور ہاں ان کو پہنچتا ہے کہ ایسے کام سے باز رہیں تو اس تعلیل سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آزاد پر کفارہ واجب ہے چنانچہ شرنبلالیہ میں اس کی ترجیح بیان کی ہے کذافی الشامی وفی البزازیۃ لو صام عجز من القیام صام وصلی قاعدا جمعا بین العبادتین اور بزازیہ میں ہے کہ اگر کسی شخص کو روزہ رکھنے سے اس قدر ضعف ہو کہ نماز میں کھڑا نہ ہو سکے تو وہ شخص روزہ رکھے اور نماز بیٹھ کر پڑھے تاکہ دونوں عبادتیں ادا ہوں م اللہ اعلم

---

[1] تسحروا فان فی السحور برکۃ رواہ الجماعۃ الا ابوداؤد ۱۲

فصل فی العوارض المبیحۃ لعدم الصوم

یہ فصل ہے ان عوارض میں جن میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے وقد ذکر المصنف منہا خمسۃ اور مصنف نے عوارض میں سے پانچ ذکر کیے یعنی سفر اور حمل اور دودھ پلانا اور مرض اور بڑھاپا اور حقیقت میں نو ہیں چنانچہ شامی نے چار یہ بیان کیے اکراہ یعنی دوسرے کے دباؤ سے روزہ توڑنا جہاد شدت گرسنگی پیاس کی زیادتی اس لیے شارح نے کہا وبقی الاکراہ خوف ہلاک او نقصان عقل ولو بعطش او جوع شدید ولسعۃ حیۃ باقی رہ گئے اکراہ اور خوف ہلاک کا یا خوف نقصان عقل کا یہ خوف اگرچہ پیاس سے ہو یا سخت بھوک سے یا سانپ کے کاٹنے سے م لسعۃ حیۃ معطوف ہے عطش پر جو متعلق ہے خوف ہلاک سے قال الحلبی یعنی جب کسی کو سانپ کاٹ لے اور وہ دوا پینے کے لیے افطار کرے اور اکراہ سے مراد ایسی چیز سے زبردستی کرنی جو معتبر کرتی ہو جیسے قتل کرنا اور عضو کاٹنا اور سخت مار دینا ہے اور خوف کی مثال جیسے بادشاہی عامل کسی شخص کو گرمی کے دنوں میں عمارت کے کام پر پکڑے جائیں اور کام میں جلدی ہو اور روزہ رکھنے سے جان کا خوف ہو یا بھوک اور پیاس سے عقل کے جاتے رہنے کا خوف ہو تو افطار درست ہے اور خلاصہ میں ہے کہ جب غازی یقیناً جانتا ہو کہ دشمن سے قتال ہو گا رمضان میں اور در صورت عدم افطار کے ضعف کا خوف ہو تو افطار کرے کذا فی الشامی مختصراً المسافر سفراً شرعیاً ولو بمعصیۃ للمسافر خبر مقدم ہے اور الفطر جو آگے آتا ہے مبتدا موخر ہے اور لام سے اشارہ اس طرف ہے کہ افطار جائز ہے لیکن روزہ رکھنا افضل ہے اگر نقصان نہ کرے یعنی افطار جائز ہے مسافر کو کہ سفر شرعی رکھتا ہو یعنی تین دن رات کی مدت کا اگرچہ کسی گناہ میں سفر ہے وحامل او مرضع اماکانت اوظراً علی الظاہر اور افطار جائز ہے جس کو حمل ہو یا دودھ پلاتی ہو خواہ ماں ہو یا دایہ بنا بر ظاہر الروایت کے م دایہ تو اس جہت سے کہ عقد کی جہت سے اس پر دودھ پلانا واجب ہے ماں اس جہت سے کہ اس کو دودھ پلانا دیانۃً ہر حالت میں واجب ہے اور قضاءً جب کہ لڑکے کا باپ مفلس ہو یا بچہ غیر کا دودھ نہ پیتا ہو اور ابوالسعود نے کہا ہے کہ دایہ کو افطار جائز ہے اگرچہ عقد رمضان ہی میں واقع ہو برخلاف صدر الشریعۃ کے کہ حلت کو مقید کیا ہے اور کہا ہے کہ جب رمضان سے پہلے عقد ہو چکا ہو تو حلال ہے خافت بغلبۃ الظن علی نفسہا او ولدہا دودھ پلانے والی کو افطار جائز ہے اگر خوف کرتی ہو موضع ظن غالب کی رو سے اپنی جان پر یا بچہ پر وقیدہ البھنسی تبعا لابن الکمال بما اذا تعینت للارضاع اور مقید کیا ہے اس کو بھنسی نے ابن کمال کے اتباع سے ساتھ اس حالت کے کہ وہی متعین ہو دودھ دینے پر یعنی بچہ دوسرے کا دودھ نہ پیتا ہو یا باپ مفلس ہو او مریض خاف الزیادۃ لمرضہ یا جائز ہے افطار بیمار کو کہ روزہ رکھنے سے زیادت مرض کا خوف رکھتا ہو م یا دیر میں اچھا ہونے کا یا عضو کے بگڑنے کا کذافی البحر یا آنکھ کے درد کا یا زخم یا سر درد کا یا اور سوائے اس کے اور یہی حکم ہے اگر بیمارداری کرتا ہے بیماروں کی یعنی اگر روزہ رکھے گا تو بیماروں کی خبرداری نہ کر سکے گا اپنے ضعف کی جہت سے اور بیمار تباہ ہو جاویں گے تو اس کو بھی افطار جائز ہے قالہ الشامی او صحیح خاف المرض یا تندرست کہ خوف رکھتا ہو بیماری کا یعنی بغلبہ ظن وخادمۃ خافت الضعف بغلبۃ الظن[1] بامارۃ او تجربۃ یا خادمہ کہ خوف کرتی ہو ضعف کا بغلبۂ ظن کسی علامت سے یا تجربہ سے او باخبار طبیب حاذق مسلم مستور یا غلبہ ظن ہو خبر دینے سے طبیب ماہر مسلمان مستور الحال کے م حاذق اس واسطے کہا کہ جس کو دخل تھوڑا سا طب میں ہو اس کے قول کی تقلید جائز نہیں اور مسلم اس واسطے کہا کہ کافر کے قول کا اعتماد نہیں شاید اس کی غرض عبادت کا خراب کرنا ہی ہو جیسا مسلمان نے نماز تیمم سے شروع کی اور اس کو کافر نے پانی دینے کا وعدہ کیا تو وہ نماز قطع نہ کرے اسی وجہ سے جو مذکور ہوئی کذا فی البحر اور مستور سے یہ غرض کہ فاسق نہ ہو میں کہتا ہوں کہ جب ایسے طبیب کے قول سے افطار کرے جس میں یہ شروط موجود نہ ہوویں تو ظاہر اکفارہ لازم ہو گا جیسا افطار کرے بدون علامت و تجربہ کے کیونکہ غلبۂ ظن نہ ہوا اور لوگ اس سے غافل ہیں قال الشامی وافاد فی النہر تبعا للبحر جواز التطبب بالکافر فیما لیس فیہ ابطال عبادۃ اور نہر میں تبعاً للبحر کہا ہے کہ علاج میں کافر کا قول ماننا جس جگہ ابطال عبادت کا نہیں ہے جائز ہے قلت وفیہ کلام لان عندہم نفع المسلم کفر فانی یتطبب بہم میں کہتا ہوں کہ اس میں کلام ہے کیونکہ کفار کے نزدیک مسلمان کی خیرخواہی کفر ہے پھر ان سے کہاں علاج کرایا جا سکتا ہے وفی البحر عن الظہیریۃ لا لامۃ ان تمتنع عن امتثال

---

[1] بغلبۃ الظن متعلق ہے خاف کے جو متن میں ہے اور خافت کے جو شرح میں ہے بر سبیل تنازع ۱۲ش

امر المولی اذا کان یعجزہا عن اقامۃ الفرائض لانہا مبقاۃ علی اصل الحریۃ فی الفرائض اور بحر میں نقل کیا ہے ظہیریہ سے کہ لونڈی کو پہنچتا ہے کہ مولی کے فرمان کو نہ مانے جب کہ امر مذکور اس کو عاجز کرے فرائض کے ادا سے کیونکہ فرائض کے باب میں اس کو اصل حریت پر باقی رکھا گیا ہے م مثلاً اگر نماز کا وقت تنگ ہو جاوے تو طاعت خداوندی مولی کے حکم پر مقدم ہوگی اور اس سے معلوم ہوا کہ اگر مولی کی اطاعت کی یہاں تک کہ روزہ افطار کر لیا تو باندی پر کفارہ لازم ہوگا کذا فی الشامی الفطر یوم العذر الا السفر کما سیجی یعنی مسافر وغیرہ کو افطار جائز ہے جس روز عذر حادث ہو مگر سفر جیسا متن میں مذکور ہوگا یعنی جس روز سفر کرے اس روز کا اتمام واجب ہے کذا فی الحلبی وقضوا لزوما ما قدروا بلا فدیۃ اور قضا کریں مسافر و حامل وغیرہما جس قدر روزے افطار کریں بدون فدیہ کے م اس میں اشارہ ہے امام شافعی کے خلاف کا کہ ان کے نزدیک قضا اور فدیہ واجب ہے ہر روزہ کے لیے نصف صاع گیہوں کذا فی البدائع وبلا ولاء علی التراخی ولذا جاز التطوع قبلہ بخلاف قضاء الصلوۃ اور قضا کریں بدون شرط پے درپے ہونے کے اس واسطے کہ قضاء صوم فوراً واجب نہیں اسی جہت سے قضا سے پہلے نفل روزہ جائز ہے اور اگر علی الفور وجوب ہوتا تو نفل روزہ مکروہ ہوتا کیونکہ تاخیر واجب کی ہے اس کے تنگ وقت سے کذا فی البحر بخلاف قضاء نماز کے کہ وہ علی الفور ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص کسی نماز سے سو جاوے یا اس کو بھول جاوے تو چاہیے کہ اس کو پڑھے جب یاد کرے تو یاد کرنا شرط ہے قضا پڑھنے کی اور جزا شرط سے پیچھے نہیں ہوا کرتی اس سے معلوم ہوا کہ نماز فوت شدہ کو فوراً یاد آتے ہی پڑھے اور ظاہر یہ ہے کہ جس کے ذمہ فوائت ہوں اس کو نفلیں مکروہ ہوں لیکن میں نے مصرح نہیں دیکھا کذا فی النہر میں کہتا ہوں کہ قضائے فوائت میں ہم بیان کر چکے کہ ایسے شخص کو نوافل مکروہ ہیں مگر مؤکد سنتیں مکروہ نہیں کذا فی الطحطاوی ولو جاء رمضان الثانی قدم الاداء علی القضاء ولا فدیۃ لما مر خلافا للشافعی اور اگر دوسرا رمضان آگیا تو ادا کو قضا پر مقدم کرے اور فدیہ لازم نہیں کیونکہ قضا کا وجوب علی الفور نہیں ہے برخلاف امام شافعیؒ کے کہ وہ قضا کے ساتھ ایک مسکین کو کھانا دینا بھی ہر روزہ کے لیے کہتے ہیں قالہ الحلبی ویندب للمسافر الصوم لآیۃ وان تصوموا خیر لکم والخیر بمعنی البر لا افعل التفضیل ان لم یضرہ اور مستحب ہے مسافر کو روزہ بمقتضائے آیۂ شریف (وان تصوموا خیر لکم) کے یعنی تمہارا روزہ رکھنا اچھا ہے تمہارے لیے اگر نقصان نہ کرے یعنی خوف ہلاک کا نہ ہو ورنہ افطار واجب ہوگا کذا فی البحر اور خیر بمعنی نیک کے ہے نہ افعل التفضیل کیونکہ افعل التفضیل کہنے سے یہ معنی ہوں گے کہ روزہ رکھنا بہت بہتر ہے اور افطار بھی بہتر حالانکہ افطار مباح ہے نہ بہتر کذا فی الطحطاوی فان شق علیہ او علی رفیقہ فالفطر افضل لموافقۃ الجماعۃ پس اگر دشوار ہو روزہ اس پر یا اس کے رفیقوں پر تو افطار افضل ہے بسبب موافقت اپنے گروہ کے م رفیق اسم جنس ہے شامل ہے واحد اور جمع کو اور بعض نسخوں میں رفقتہ ہے یعنی جب اس کے سب رفیق یا اکثر مفطر ہوں اور نفقہ مشترک ہے تو افطار افضل ہے جیسا خلاصہ وغیرہا میں ہے اور جماعت کی موافقت یعنی ان پر نفقہ کے حصہ کی تقسیم دشوار ہے یا اس کا ساتھ نہ دینا شاق ہے قالہ الشامی فان ماتوا فیہ ای فی ذلک العذر فلا یجب علیہم الوصیۃ بالفدیۃ لعدم ادراکہم عدۃ من ایام اخر پس اگر مر جاویں معذور مذکور اسی عذر میں تو ان پر وصیت فدیہ کی واجب نہیں ہے کیونکہ ان کو نہیں ملی فرصت شمار دوسرے ایام کی جو آیت قرآنی میں منصوص ہے م یعنی چونکہ نہ قضا واجب ہوئی نہ فدیہ تو وصیت واجب نہ ہوئی کہ وصیت وجوب کی فرع ہے اور معلوم ہے کہ وصیت جب واجب ہوتی ہے جب اس کے پاس مال ہو کذا فی شرح الملتقی ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت الوصیۃ بقدر ادراکہم عدۃ من ایام اخر اور اگر مریں زوال عذر کے بعد تو وصیت واجب ہے بقدر شمار ان ایام کے جو ان کو ملے واما من افطر عمدا فوجوبہا علیہ بالاولی لیکن جس شخص نے بلا عذر افطار کیا ہو پس وجوب وصیت اس کے ذمہ بطریق اولیٰ ہے م رحمتی نے کہا کہ اس شخص کے لیے فرصت ادراک زمانہ قضا کی شرط نہیں کیونکہ ادا وقت پر رکھ سکتا تھا اس نے وقت کو بے عذر کھو دیا وفدی لزوما عنہ ای عن المیت ولیہ الذی یتصرف فی مالہ کالفطرۃ قدرا اور فدیہ دیوے وجوبا میت کی طرف سے اس کا ولی جو اس کے مال میں تصرف کرتا ہے مانند فطرہ کی مقدار کے م یعنی ولی کو فدیہ

لہ جیسا رمضان کے ادا روزے جس بالاتفاق تتابع واجب ہے ایسا ہی بالاتفاق تتابع مندوب ہے جن مواقع میں تتابع شرط نہیں کذا فی النہر

ادا کرنا ثلث مال سے لازم ہے جب وصیت کی ہو اور نہیں تو لازم نہیں بلکہ جائز ہے سراج میں کہا ہے کہ اسی طرح زکوٰۃ وارث کے ذمہ اس کا اخراج لازم نہیں مگر وصیت پر مگر یہ کہ وارث تبرعًا ادا کرے اور الذی یتصرف سے اشارہ ہے کہ لفظ ولی وصی کو بھی شامل ہے کذا فی البحر اور تشبیہ فطرہ کے ساتھ صرف مقدار اور ادائے قیمت کے جواز میں ہے یہاں تک کہ تملیک یہاں شرط نہیں بلکہ اباحت کافی ہے بخلاف فطرہ کے اور قہستانی نے کہا ہے اطلاق کلام کا دلالت کرتا ہے کہ اگر ایک فقیر کو سب فدیہ دلیے تو جائز ہے نہ عدد شرط ہے نہ مقدار لیکن اگر نصف صاع سے کم دے گا تو وہ شمار میں نہیں اسی پر فتویٰ ہے یعنی بخلاف فطرہ کے ایک قول پر جیسا گذر چکا قال الشامی لبعد قدرتہ علیہ اے علی قضاء الصوم وفوتہ ای فوت القضاء بالموت لبعد اس کے کہ میت کو قدرت قضاء صوم پر حاصل ہوئی پھر موت کی جہت سے قضا فوت ہوئی ظرف یعنی لبعد الخ متعلق فدی کے ہے اور فوتہ کا عطف قدرتہ پر ہے فلو فاتہ عشرۃ ایام فقدر علی خمسۃ فداہا فقط پس اگر دس روزے میت سے فوت ہوئے پھر اس کو پانچ روز کی قدرت ملی تو پانچ ہی کا فدیہ دے م اس تفریع میں اشارہ ہے کہ طحطاوی نے جو کہا ہے کہ یہ قول محمد کا ہے اور شیخین کے نزدیک وصیت اور فدیہ تمام روزوں کا واجب ہے اگر ایک روز کی بھی قدرت ملے سو یہ قول طحطاوی کا مردود ہے اس واسطے کہ یہ خلاف صرف نذر میں ہے نہ رمضان میں کیونکہ وجوب لبقدر قدرت کے ہوتا ہے جیسا ہدایہ وغیرہ میں تنبیہ کی ہے لوصیتہ من الثلث متعلق لبفدی وہذا لولہ وارث والا فمن الکل قہستانی میت کی وصیت کی جہت سے ولی فدیہ دے ثلث مال سے اور یہ اس صورت میں ہے کہ میت کا کوئی وارث ہو اور اگر وارث نہ ہو تو کل مال سے دلیے کذا فی قہستانی م اس لیے کہ زیادتی کی ممانعت وارث کے حق کے سبب ہے پھر جب وارث نہ ہو تو منع نہیں ہے جیسا اس صورت میں کہ وارث ہو اور اجازت دے اور یہی حکم ہے اگر وارث ایسا ہو جس پر رد نہیں ہوتا یعنی زوجین میں سے کوئی ہو تو وارث کے حصہ کے لبعد زیادت علی الثلث کی گنجائش ہے قالہ الشامی وان لم یوص وتبرع ولیہ جاز ان شاء اللہ ویکون الثواب للولی اختیار اور اگر میت نے وصیت نہیں کی اور ولی نے بطور احسان فدیہ دیا تو جائز ہے ان شاء اللہ[1] تعالیٰ اور ثواب واسطے ولی کے ہوگا کذا فی الاختیار م اختیار کی عبارت میں نے اس طرح دیکھی ہے وان[1] لم یوص لایجب علی الورثۃ الاطعام لانہا عبادۃ فلا تودی الا بامرہ وان فعلوا ذلک جاز ویکون لہ ثواب انتہی اور کچھ شبہ نہیں کہ ضمیر لہ کی میت کی طرف ہے اور یہی ظاہر ہے کیونکہ وصی نے میت ہی کی طرف سے صدقہ دیا ہے نہ اپنی طرف سے پس ثواب میت کو ہوگا جیسا ہدایہ میں تصریح کی ہے کہ انسان کو پہنچ سکتا ہے کہ اپنے عمل کا ثواب کسی غیر کو دے صلوٰۃ ہو یا صوم یا صدقہ وغیرہ ہاں غیر کی طرف سے صدقہ دے گا تو اس کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی قالہ الشامی وان صام او صلی عنہ الولی لا لحدیث النسائی لایصوم احد عن احد ولایصلی احد عن احد لکن یطعم عنہ ولیہ اور اگر روزہ رکھے یا نماز پڑھے میت کی طرف سے اس کا ولی تو نہیں جائز ہے واسطے حدیث نسائی کے کہ نہ روزہ رکھے کوئی کسی کی طرف سے اور نہ نماز پڑھے کوئی کسی کی طرف سے لیکن کھانا دلیوے اس کی طرف سے اس کا ولی وکذا یجوز لو تبرع عنہ ولیہ بکفارۃ یمین او قتل بالطعام او کسوۃ لبغیر اعتاق اور اسی طرح جائز ہے اگر تبرع کیا اس کی طرف سے اس کے ولی نے کفارہ یمین یا قتل میں ساتھ کھانا کھلانے یا کپڑا پہنانے کے سوائے آزاد کرنے کے م اسی طرح زیلعی اور درر اور بحر اور نہر میں لیکن شرنبلالیہ میں کہا ہے کہ تبرع وارث کا کفارہ قتل میں کسی چیز کے ساتھ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں واجب اعتاق رقبہ کا ہے اور وارث کا اعتاق اس کی طرف سے صحیح نہیں جیسا ذکر کیا ہے اور اعتاق کا بدل صوم ہے اس میں فدیہ صحیح نہیں اور اطعام اور کسوۃ اس کفارہ میں ہوتا ہے نہیں تو کفارہ قتل کو کفارہ یمین کے شریک کرنا سہو ہے انتہی ما فی الشرنبلالیہ وکذا فی العرفیہ اور علامہ اقصرائی نے اس کا جواب دیا ہے چنانچہ ابوالسعود نے اس کو نقل کیا ہے کہ قتل سے مراد قتل الصید ہے نہ قتل النفس میں کہتا ہوں کہ اس پر بھی وارد ہوتا ہے کہ صوم قتل الصید میں اصل نہیں ہے بلکہ

[1] ان شاء اللہ تعالیٰ اس واسطے کہا کہ اس باب میں نص نہیں وارد ہوا ہے پس وارث کی تبرع سے اصل میت سے ساقط ہو جانے کو بالجزم نہیں کہہ سکتے ۱۲ [2] اور اگر وصیت نہیں کی تو وارثوں پر کھانا دینا واجب نہیں اس لیے کہ فدیہ عبادت ہے تو بدون میت کے امر کے ادا نہ ہوگا اور اگر وارث کھانا دیں گے تو جائز ہے اور میت کو ثواب ہوگا ۱۲

بدل ہے اس واسطے کہ واجب اس میں یہ ہے کہ اس کی قیمت سے بدی خریدی جاوے جو حرم میں ذبح ہو یا طعام کہ صدقہ دیا جاوے ہر فقیر کو نصف صاع یا ہر نصف کے بدلے ایک روز کا روزہ اور کافی کا ملخص یہ ہے کہ جو شخص ایسے روزے سے عاجز ہو کہ بدل ہے غیر کا جیسا کفارہ یمین اور قتل پس اگر فدیہ دیوے اپنی طرف سے اپنی حیات میں اس طرح کہ شیخ فانی ہو تو نہیں صحیح ہے دونوں کفاروں میں اور اگر وصیت کی فدیہ کی تو صحیح ہے دونوں میں اور اگر اس کی طرف سے اس کے ولی نے تبرع کیا تو کفارہ قتل میں صحیح نہیں کیونکہ اس میں واجب عتق ہے اور تبرع اس کا درست نہیں اور کفارہ یمین میں صحیح ہے لیکن کسوت اور طعام میں نہ اعتاق میں جیسا ہم نے بیان کیا یہ مقام اسی طرح سمجھنا چاہیے غنیمت جان کر کہ یہاں بہت سے افہام کے قدم لغزش کھا گئے ہیں قال الشامی و لبسط لما فیہ من الزام الولاء للمیت بلا رضاہ یعنی اعتاق کے ساتھ تبرع ولی کا اس لیے جائز نہیں کہ اس میں میت کے ذمہ ولاء کا لازم کرنا ہے بدون اس کی رضا کے یعنی اگر اعتاق میت کی طرف سے صحیح کہا جائے تو ولاء یعنی ترکہ غلام آزاد مذکور کا در صورت نہ ہونے اس کے کسی وارث نسبی کے میت کو پہنچے گا اس واسطے کہ ولاء ایک علاقہ ہے مانند علاقہ نسب کے علاوہ بریں ولاء نفع خالص نہیں کیونکہ آقا اپنے غلام آزاد کا عاقلہ بھی ہے کہ اس کی طرف سے خون بہا دیتا ہے اور ایسے ہی اس کے عصبات بعد اس کی موت کے اور یہاں نہیں وارد ہوتا ہے جو ہدایہ میں مذکور ہے کہ انسان کو جائز ہے کہ عمل کا ثواب غیر کو دے دے اور یہ اعتاق کو بھی شامل ہے کیونکہ یہاں مراد اعتاق بطور نیابت کے ہے میت سے روزے کے بدلے بخلاف اس صورت کے کہ اپنے غلام کو آزاد کرے اور اس کا ثواب میت کے لیے کر دے اس واسطے کہ اعتاق معتق کی طرف سے اصالۃً ہوا اور ولاء اسی کی رہی صرف ثواب میت کو ہوا اور بخلاف تبرع کسوۃ و الطعام کے کہ نیابۃً ہو سکتا ہے واسطے نہ ہونے الزام کے قال الشامی و فدیۃ کل صلوۃ و لو وترا کما مر فی قضاء الفوائت کصوم یوم علی المذہب اور فدیہ ہر نماز کا اگرچہ وتر ہو جیسا قضائے فوائت میں مذکور ہوا مثل فدیہ ایک روز کے روزہ کے ہے صحیح مذہب پر م اور جو محمد بن مقاتل نے امام محمد سے اولاً روایت کیا ہے کہ ہر روز کی پانچوں نمازوں کے لیے نصف صاع ہے پس انھوں نے اس سے رجوع کیا ہے اور کہا ہے کہ ہر نماز فرض ہے جیسا ہر روز کا روزہ فرض ہے اور یہی صحیح ہے کذا فی السراج و کذا الفطرۃ اور اسی طرح فطرہ م یعنی عید کا فطرہ مانند فدیہ ایک دن کے روزہ کے ہے چنانچہ پہلے معلوم ہو چکا اور ممکن ہے کہ یہ تشبیہ مسئلہ تبرع کی ہو اور حلبی نے کہا ہے کذا الفطرۃ کے معنی یہ کہ ولی فطرہ نکالے میت کی وصیت سے قال الشامی و الاعتکاف الواجب یطعم عنہ لکل یوم کالفطرۃ و لوالجیہ اور اعتکاف واجب میں کھانا کھلایا جاوے میت کی طرف سے ہر روز کے لیے مانند فطرہ کے یعنی مقدار میں کذا فی الولوالجیۃ م اگر میت نے وصیت کی ہے تو لزوماً ثلث سے دیا جاوے گا ورنہ جوازاً والاصل ان ما کان عبادۃ بدنیۃ فان الوصی یطعم عنہ بعد موتہ عن کل واجب کالفطرۃ و المالیۃ کالزکوۃ یخرج عنہ القدر الواجب و المرکب کالحج یحج عنہ رجلا من مال المیت بحر اور حاصل یہ ہے کہ جو عبادت بدنی ہو جیسے نماز تو وصی میت کی طرف سے کھانا دے اس کے مرنے کے بعد بدلے ہر واجب کے مثل فطرہ کے اور جو عبادت مالیہ ہے جیسے زکوۃ پس نکالے میت کی طرف سے بقدر واجب اور جو عبادت مرکب ہے بدنی اور مالی سے یعنی حج تو حج کرا دے میت کی طرف سے ایک شخص کو یعنی حج کرے میت کے مال سے کذا فی البحر و للشیخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر و یفدی وجوبا و لو فی اول الشہر اور شیخ فانی کو جو روزہ سے عاجز ہے افطار جائز ہے اور فدیہ دیوے وجوباً اگرچہ مہینے کے شروع میں دے دے م فدیہ اس واسطے واجب ہوا کہ یہ عذر جانے والا نہیں ہے کہ قضا لازم آوے کذا فی النہر اور فدیہ دینے میں رمضان کا اول و آخر برابر ہے کذا فی البحر و بلا تعدد فقیر کالفطرۃ لو موسرا و الا فیستغفر اللہ اور فدیہ میں تعدد فقیروں کا شرط نہیں ہے اور فدیہ مثل فطرہ کے دے اگر تو انگر ہو ورنہ اللہ تعالی سے استغفار کرے م استغفار کا ذکر فتح القدیر اور بحر میں مسئلہ نذر دوامی کے بعد بیان کیا ہے جب کہ نذر کرنے والا روزہ نہ رکھ سکے اور معیشت میں مشغول ہو جاوے پس ظاہر یہ ہے کہ یہ اسی کے ساتھ متعلق ہے نہ شیخ فانی کے مسئلہ کے ساتھ جو اس سے پہلے ہے کیونکہ شیخ فانی سے کسی وجہ سے تقصیر نہیں پائی گئی بخلاف ناذر کے اس واسطے کہ روزہ چھوڑ کر جب معیشت میں مشغول ہوا تو ایک قسم کی تقصیر ہوئی اگرچہ معیشت کی مشغولی واجب ہو اس لیے

کہ اس میں حظ النفس کی ترجیح ہے قال الشامی ہذا اذا کان الصوم اصلا بنفسہ وخوطب باداۂ وجوب فدیہ شیخ فانی وغیرہ پر اس صورت میں ہے کہ صوم بذات خود اصل ہو اور بندہ اس کی ذات کا مخاطب ہو صوم جیسے رمضان ولو لکن قضاء اور نذر کے روزے شلاکسی نےصوم ابدی کی نذر کی یا صوم معین کی نذر کی اور وہ دن معین گذر گیا تو فدیہ جائز ہے کذا فی البحر حتی لو لزمہ الصوم لکفارۃ یمین او قتل ثم عجز لم تجز الفدیۃ لان الصوم ہنا بدل عن غیرہ یہاں تک کہ اگر لازم ہوا صوم کفارہ یمین یا قتل کا پھر عاجز ہو گیا تو فدیہ جائز نہیں[1] ہے کیونکہ صوم یہاں غیر کا بدل ہے م یہ تفریع ہے اصلا بنفسہ کے مفہوم پر اور کفارہ یمین اور قتل کے ذکر کرنے سے احتراز ہے کفارہ ظہار اور افطار سے جب اعتاق سے عاجز ہو تنگدستی کے سبب اور روزہ سے زیادت عمر کے سبب تو اس کو بالنص جائز ہے کہ ۶۰ مسکینوں کو کھانا دیوے اور اطعام کفارہ یمین میں صیام کا بدل نہیں بلکہ صیام بدل ہے اطعام کا کذا فی السراج اور بحر میں غایۃ البیان اور خانیہ سے نقل کیا ہے کہ اسی طرح اگر منڈا یا سر حالت احرام میں تکلیف کی جہت سے اور ذبح کی مقدور نہیں اور نہ تین صاع طعام کی کہ چھ مسکینوں پر تقسیم کرے اور وہ شخص شیخ فانی ہے روزہ کی طاقت نہیں رکھتا پھر روزہ کے بدلے کھانا دیا تو جائز نہ ہوا کیونکہ صوم بدل ہے قال الشامی ولو کان مسافرا فمات قبل الاقامۃ لم یجب الایصاء اور اگر مسافر ہو پھر مر جاوے اقامت سے پہلے تو فدیہ کی وصیت اس کو واجب نہیں م یہ تفریع ہے خوطب باداۂ پر اور ضمیر کان کی عائد ہے عاجز کی طرف یعنی وصیت اس پر اس جہت سے واجب نہیں کہ اس کو اس قدر فرصت نہیں ملی کہ ایام صیام کی قضا کرتا ومتی قدر قضی لان استمرار العجز شرط الخلیفۃ اور جب قدرت ہو دیعنی شیخ فانی کو جو فدیہ ادا کر چکا ہے، تو قضا کرے اس واسطے کہ دوام عجز کا شرط ہے خلیفہ ہونے فدیہ کا صوم میں م بحر میں کہا ہے کہ صوم کی قید اس واسطے لگائی کہ تیمم خارج ہو جاوے کہ جب پانی پر قدرت ہو تو نماز نہیں باطل ہوئی اس واسطے کہ تیمم کا خلیفہ ہونا مشروط ہے صرف عجز پر پانی سے نہ دوام عجز پر قال الشامی وہل تکفی الاباحۃ قولان المشہور نعم لما عمدۃ الکمال اور اباحت فدیہ میں کافی ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں مشہور یہ ہے کہ کافی ہے اور اسی پر کمال نے اعتماد کیا ہے م جس میں لفظ اطعام وارد ہوا ہے اس میں اباحت اور تملیک دونوں جائز ہیں بخلاف اس کے جس میں لفظ ایتاء یا اداء کا ہے اس لیے کہ وہ صرف تملیک کے واسطے ہے قہستانی عن المضمرات وغیرہ ولزم نفل شرع فیہ قصداً کما مر فی الصلوٰۃ اور لازم ہے وہ روزہ نفل کہ شروع کیا ہے اس کو قصداً جیسا صلوٰۃ میں مذکور ہوا فلو شرع ظنا فافطر ای فورا فلا قضاء پس اگر شروع کیا واجب کے گمان پر پھر معلوم ہوا کہ واجب ذمہ پر نہیں ہے پھر افطار کیا اسی وقت یعنی بمجرد معلوم ہونے کے تو قضا اس کے ذمہ لازم نہیں ہے اما لو مضی ساعۃ لزمہ القضاء لانہ بمضیہا صار کانہ نوی المضی علیہ فی ہذہ الساعۃ تجنیس ومجتبیٰ لیکن اگر بعد علم کے ساعت گذر گئی پھر افطار کیا تو اس پر روزہ قضا لازم ہوا کیونکہ جب ساعت گذری تو گویا اس نے نیت روزہ کے بقا کی اس ساعت میں کی کذا فی التجنیس والمجتبیٰ اداء وقضاء ای یجب اتمامہ فان فسد ولو بعروض حیض فی الاصح وجب القضاء لازم ہے نفل ادا ہو یا قضا یعنی واجب ہے پورا کرنا ادا کی صورت میں پھر اگر فاسد ہو جاوے اگرچہ فساد حیض آنے کی جہت سے ہوا تو اصح روایت میں قضا واجب ہے الا فی العیدین وایام التشریق فلا یلزم لصیرورتہ صائما بنفس الشروع فیصیر مرتکبا للنہی مگر عیدین اور ایام تشریق میں کہ ان میں اتمام لازم نہیں نہ اداءً نہ قضاءً اس واسطے کہ روزہ کے شروع ہوتے ہی صائم ہو گیا پس مرتکب ہوا نہی کا م پس اس کی حفاظت واجب نہ ہوئی بلکہ ابطال واجب ہوا اور وجوب قضا مبنی وجوب حفاظت پر ہے پس جیسے اتمام واجب نہ ہوا قضا بھی واجب نہ ہوئی بخلاف اس کے کہ ان ایام کے صوم کی نذر کی اس واسطے کہ نذر لازم ہو جاتی ہے اس طرح کہ ایام غیر منہیہ میں ان کی قضا کرے کیونکہ نفس نذر میں ارتکاب معصیت کا نہیں ہے بلکہ شروع صوم معصیت ہے پس نذر منعقد ہوئی اور قضا لازم ہوئی اور دونوں میں کذا فی الطحاوی واما الصلوٰۃ فلا یکون مصلیا مالم یسجد بدلیل مسئلۃ الیمین اور نماز میں تو مصلی نہیں شمار کیا جاتا ہے جب تک سجدہ نہ کر چکے بدلیل مسئلہ یمین کے م یہ جواب ہے ایک سوال کا سوال کا حاصل یہ ہے

[1] یعنی حالت حیات میں کفارہ یمین کی صورت میں فدیہ کی وصیت کرے جیسا سابق مذکور ہوا ۱۲

کہ اوقات منہیہ میں چاہیے تھا کہ نماز بھی واجب نہ ہوتی شروع کرنے سے جیسا روزہ ایام منہیہ میں شروع کرنے سے نہیں واجب ہوتا جواب کا حاصل یہ ہے کہ نماز میں معصیت کا مباشر صرف شروع سے نہیں ہوتا جب تک کہ سجدہ نہ کرے کیونکہ اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ نماز نہ پڑھے گا تو بغیر سجدہ کیے حانث نہیں ہوتا بخلاف صوم کے ایام منہیہ میں کہ صرف شروع سے معصیت کا مباشر ہو گیا کذا فی المنح و لا یفطر الشارع فی نفل بلا عذر فی روایۃ وہی الصحیحۃ اور نہ افطار کرے شروع کرنے والا نفل میں یعنی روزہ نہ توڑے بے عذر ایک روایت میں یہی روایت صحیحہ ہے م یہی ظاہر الروایۃ ہے کذا فی المنح وغیرہا پس اس کو تنکیر کے ساتھ بیان کرنا نہ چاہیے تھا قالہ الشامی و فی اخری یحل بشرط ان یکون نیۃ القضاء واختارہا الکمال و تاج الشریعۃ و صدرہا فی الوقایۃ و شرحہا[1] اور دوسری روایت میں توڑنا حلال ہے بشرطیکہ نیت قضا کی ہو اور اسی کو کمال نے اختیار کیا ہے اور تاج الشریعہ نے وقایہ میں اور اس کی شرح میں م شارح نے صاحب نہر کا اتباع کیا ہے اس عبارت میں حالانکہ تصریح اختیار کی وقایہ اور شرح وقایہ میں نہیں والضیافۃ عذر للضیف والمضیف ان کان صاحبہا لا یرضی بمجرد حضورہ و یتاذی بترک الافطار فیفطر والا لا ہو الصحیح من المذہب ظہیریۃ اور ضیافت عذر ہے مہمان کے لیے اور دعوت کرنے والے کے لیے یعنی نفل روزہ توڑنے میں نہ فرض و واجب میں بشرطیکہ صاحب ضیافت صرف حاضر ہونے سے راضی نہ ہو اور ترک افطار سے اس کو ایذا ہو تو افطار کرے ورنہ افطار نہ کرے یہی صحیح مذہب ہے کذا فی الظہیریہ م اور ایک قول یہ ہے کہ قبل الزوال عذر ہے بعد الزوال نہیں اور دوسرا قول یہ کہا گیا ہے کہ اگر بھروسا اپنے اوپر اس کا ہو کہ قضا رکھ دوں گا تو توڑے ورنہ نہیں شمس الائمہ نے کہا کہ یہ قید سب سے بہتر ہے میں کہتا ہوں کہ قول صحیح میں یہ پہلی تقیید ضروری ہے کیونکہ جب وثوق قضا کا نہیں حاصل ہے تو اپنے آپ کو گناہ سے بچانا بہتر ہے غیر کی رعایت سے شارح نے جو مقید کیا قبل الزوال کے ساتھ جیسا آگے آتا ہے تو اس سے سب اقوال کا جمع حاصل ہو گیا و لو حلف رجل علی الصائم بطلاق امرأتہ ان لم یفطر افطر و لو کان صائما قضاء و لا یحنثہ علی المعتمد بزازیہ اور اگر کسی شخص نے روزہ دار کو قسم دی اپنی بی بی کی طلاق کی درصورتیکہ نہ افطار کرے تو روزہ دار افطار کرے یعنی بطریق مذہب کے اگرچہ روزہ قضائے رمضان ہو اور اس کو قسم میں حانث نہ کرے معتمد روایت پر کذا فی البزازیہ و فی النہر عن الذخیرۃ وغیرہا ہذا اذا کان قبل الزوال اما بعدہ فلا الا لاحد ابویہ الی العصر لا بعدہ اور نہر میں ذخیرہ وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ افطار قبل الزوال[2] ہو لیکن زوال کے بعد افطار جائز نہیں مگر ماں باپ کے لیے عصر تک افطار جائز ہے نہ بعد عصر کے و فی الاشباہ دعاہ احد اخوانہ لا یکرہ فطرہ لو صائما غیر قضاء رمضان اور اشباہ میں ہے کہ کسی بھائی نے دعوت کی تو افطار مکروہ نہیں ہے اگر روزہ ہو سوائے قضائے رمضان کے م اور قضائے رمضان کا افطار مکروہ ہے کہ اس کو رمضان کا حکم ہے کذا فی الظہیریہ اور قضائے رمضان پر اقتصار کرنا ظاہرا دلالت کرتا ہے کہ صوم کفارہ اور نذر میں بعد ضیافت افطار مکروہ نہیں ہے اور یہ روایت ہے ابویوسف سے لیکن ان کے نزدیک قضاء رمضان میں بھی استثنا نہیں جیسا کہ محیط میں ہے کہ امام ابویوسف سے روایت ہے کہ صوم قضا اور کفارہ اور نذر میں افطار کرے تو ظاہر یہ ہے کہ مصنف اسی روایت پر چلا ہے اس صورت میں قضائے رمضان کا استثنا نہ چاہیے تھا قالہ الشامی عن الحموی و لا تصوم المرأۃ نفلا الا باذن الزوج الا عند عدم الضرر بہ اور نفل روزہ نہ رکھے عورت مگر خاوند کی اجازت[3] سے لیکن جب خاوند کو کچھ ضرر نہ ہو تو جائز ہے م یعنی اس طرح پر کہ محرم ہو یا مریض ہو یا مسافر ہو تو اس کو منع نہیں پہنچتا اور عورت روزہ رکھ سکتی ہے گو وہ منع کرے کیونکہ خاوند کا منع کرنا اپنے حق کی جہت سے ہے یعنی وطی کے سبب تو ان حالات میں روزہ سے اس کا کچھ حرج نہیں کذا فی السراج اور ظہیریہ میں منع کو مطلق رکھا ہے اور صاحب بحر نے اسی کی تقویت کی ہے کہ روزہ عورت کو دبلا کرتا ہے اگرچہ بالفعل وہ وطی نہ کرے نہر میں کہا ہے کہ میرے نزدیک منع کا ضرر پر مقصور رہنا اولی ہے

[1] اس میں لف و نشر مرتب ہے ۱۲ [2] زوال سے مراد ضحوہ کبری ہے یا بروایت ضعیف زوال ہے ۱۲ [3] یعنی عورت کو نفل روزہ بدون اجازت خاوند کے مکروہ ہے کذا فی السراج اور ظاہر یہ ہے کہ اس کو افطار بعد الشروع جائز ہے تو یہ عذر ہوا اور اس سے مناسبت ان مسائل مذکورہ کی معلوم ہو گئی اور نفل کو بلا قید ذکر کیا تو شامل ہوا اس کو کہ اصل میں نفل ہو لیکن کسی عارض سے واجب ہو گیا ہو اور اسی واسطے بحر میں کہا ہے کہ زوج منع کر سکتا ہے نذر کو ان اشیاء سے کہ ان کا واجب کرنا مکلف کی طرف سے ہے جیسا تطوع اور نذر اور یمین نہ وہ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کا ایجاب ہے جیسا قضائے رمضان ۱۲

کیونکہ ایک روز کا روزہ دبلا ہونے کا باعث نہیں ہے پس نہ باقی رہا مگر حق وطی تو اگر یہ ضرر نہ ہو یعنی خاوند مریض ہو یا مسافر تو جائز ہے قالہ الشامی ولو افطر وجب القضاء باذنہ او بعد البینونۃ اور اگر افطار کرادیا مرد نے عورت کا روزہ تو قضا واجب ہے مرد کی اجازت سے یا بعد جدائی کے م اس سے معلوم ہوا کہ مرد کو افطار کرادینا جائز ہے اور اسی طرح غلام کا حال ہے اور بحر میں خانیہ سے نقل کیا ہے کہ اگر عورت نے بلا اجازت نفل حج کا احرام باندھا تو مرد کو اس کا کھلوانا جائز ہے اور یہی حال نمازوں کا ہے کذا فی الشامی ولصام العبد و مافی حکمہ بلا اذن المولی لم یجز وان افطر قضی باذنہ او بعد العتق اور اگر غلام نے روزہ رکھا یا اس نے جو اس کے حکم میں ہے یعنی باندی اور مدبر اور ام ولد نے بغیر اجازت مولی کے تو نہیں جائز ہے اور اگر افطار کرادیا تو قضا کریں مولی کی اجازت سے ورنہ بعد آزادی کے م نہیں جائز یعنی مکروہ ہے خانیہ میں کہا ہے مگر اس صورت میں کہ مولی غائب ہو اور اس کا کچھ ضرر نہ ہو یعنی اس کا حال مانند عورت کے ہے لیکن محیط وغیرہ میں ذکر کیا ہے غلام کو روزہ مکروہ ہے اگرچہ آقا کو کچھ نقصان نہ پہنچاوے کیونکہ اس کے منافع ملک میں مولی کے ہیں بخلاف عورت کے کہ اس کے منافع زوج کے مملوک نہیں ہیں صرف اپنے حق یعنی وطی کا مالک ہے اور بحر میں اسی کی تقویت کی ہے اور جاننا چاہیے کہ اجیر کا حال بیان نہیں کیا سو سراج میں ہے کہ اگر اس کا روزہ مستاجر کو نقصان کرتا ہے تو نفل روزہ رکھنا نہ چاہیے بدون اجازت اور اگر نقصان نہیں کرتا تو اس کو جائز ہے ولو نوی مسافر الفطر او لم ینو فاقام ونوی الصوم فی وقتہا قبل الزوال صح مطلقا اور اگر نیت کی مسافر نے افطار کی یا نہ نیت کی پھر مقیم ہوگیا اور نیت کرلی روزہ کی نیت کے وقت میں زوال سے پہلے یعنی نصف النہار شرعی سے پہلے اور کھانے سے پہلے تو صحیح ہے ہر صورت میں م یعنی نفل ہو یا نذر معین یا ادائے رمضان اس سے معلوم ہوا کہ اس کا محل وہ روزہ ہے جس میں رات سے نیت کرنی شرط نہیں پس اگر اس روزہ کی نیت کی جس میں رات سے نیت ضرور ہے تو نفل ہوگا کذا فی الطحطاوی قالہ الشامی ویجب علیہ الصوم لو کان فی رمضان لزوال المرخص اور واجب ہے روزہ اس پر اگر یہ واقعہ رمضان میں ہو بسبب زائل ہونے مرخص کے یعنی رخصت سفر کی جبکہ تھی جب سفر زائل ہوگیا اور نیت اقامت کی کرلی روزہ واجب ہوگیا کما یجب علی مقیم اتمام صوم یوم منہ ای رمضان سافر فیہ ای فی ذلک الیوم جیسا واجب ہے مقیم پر تمام کرنا اس روزہ رمضان کا جس میں سفر واقع ہوا ہے م اس واسطے کہ سفر روزہ شروع نہ کرنے کو مباح کرتا ہے نہ روزہ توڑنے کو پس اگر فجر کے بعد سفر کیا تو افطار حلال نہیں ہے بحر میں کہا ہے کہ یہی حکم ہے اگر مسافر نے نیت کی رات کو اور صبح ہونے تک اس نیت کو نہیں توڑا پھر روزہ رکھا تو اس روز افطار حلال نہیں اور اگر افطار کرے تو کفارہ لازم نہیں ولکن لا کفارۃ علیہ لو افطر فیہما للشبہۃ فی اولہ و آخرہ اور لیکن کفارہ نہیں لازم اگر افطار کیا دونوں مسئلوں میں یعنی مسافر کہ مقیم ہوا اور مقیم جس نے سفر کیا واسطے وقوع شبہ کے اس کے اول و آخر میں م یعنی اول مسئلہ میں شبہ اول وقت میں ہے اور دوسرے مسئلہ میں آخر میں یہ لف ونشر مرتب ہے قالہ الشامی الا اذا دخل مصرہ لشیٔ نسیہ فافطر فانہ یکفر مگر اس صورت میں کہ اپنے شہر میں داخل ہوا کسی چیز کے لینے کو کہ بھول آیا تھا پھر افطار کرلیا تو اس صورت میں کفارہ دے م اس واسطے کہ کھانے کے وقت وہ مقیم ہے کہ گھر آنے کی جہت سے سفر کو چھوڑ دیا اور یہاں قیاس پر عمل ہے نہ استحسان پر اور پہلے مذکور ہوچکا کہ اگر کسی شخص نے کھالیا پھر سفر کیا یا باکراہ سفر کرایا گیا تو کفارہ نہیں ساقط ہوتا کذا فی الشامی ولو نوی الصائم الفطر لم یفطر لکن مفطرا کما لو نوی التکلم فی صلوۃ ولم یتکلم شرح الوہبانیۃ قال وفیہ خلاف الشافعی اور اگر روزہ دار نے نیت افطار کی کی تو مفطر نہ ہوجاوے گا جیسا مذکور ہوا یعنی لا یصام یوم الشک سے پہلے جس طرح نماز میں نیت کی بولنے کی اور نہ بولا کذا فی شرح الوہبانیۃ ابن شحنہ نے کہا کہ اس میں خلاف ہے شافعی کا م طحطاوی نے کہا کہ معتمد مذہب امام شافعی کا بھی یہ ہے کہ اس سے نماز نہیں فاسد ہوتی ویقضی ایام اغمائہ ولو کان الاغماء مستغرقا للشہر لندرۃ امتدادہ اور قضا کرے صیام ایام بیہوشی کے اگرچہ تمام ماہ رمضان بیہوش رہا ہو کیونکہ بیہوشی کا کھنچ جانا نادر ہے م یعنی بغیر کھانے پینے کے اس قدر مدت جینا ہے یہ نادر ہے اور نادر واقعات میں حرج

۱؎ م ہونے کا اشارہ اس طرف ہے کہ پہلے سے نیت افطار کی ہو یا نہ ہو دونوں برابر ہیں کیونکہ جب پہلے سے نیت افطار کی کی ہو تو صحت صوم کو مانع نہیں تو جب نیت نہ کی ہو تو بالاولی مانع نہیں ہے۔

۲؎ یعنی دفع حرج کے لیے حکم لگایا جاتا ہے جب تحقق نہ ہو حکم نہ بدلا ۱۲

نہیں ہے کذافی الزیلعی سوی یوم حدث الاغماء فیہ او فی لیلتہ فلا یقضیہ الا اذا علم انہ لم ینوہ سوائے اس روز کے جس میں بے ہوشی طاری ہوئی یا اس کی رات میں سو اس کو قضا نہ کرے مگر جب جانے کہ اس کی نیت نہیں کی تو قضا کرے اس واسطے کہ ظاہر حال مقتضی ہے کہ رات سے نیت کی ہوگی اور اگر جنون دن کو حادث ہوا ہے تو بطریق اولی اس پر حمل کر سکتے ہیں یہاں تک کہ اگر وہ شخص بیباک ہو رمضان کھانے کی عادت رکھتا ہو یا مسافر ہو تو کل کو قضا کرے کذا قالوا کذافی الشامی وفی الجنون ان لم یستوعب الشہر قضی مامضی اور جنون میں اگر تمام ماہ نہ رہا ہو جس قدر ایام گزرے ہوں ان کی قضا کرے اور اگر تمام ماہ رہا ہو تو مطلقا قضا لازم نہیں بلا خلاف قالہ الشامی وان یستوعب جمیع ما یمکنہ انشاء الصوم فیہ علی ما مرلا یقضی مطلقا للحرج اور اگر جنون جملہ اوقات کو احاطہ کرے جن میں صوم شروع ہو سکتا ہے جیسا اول کتاب الصوم میں گزرا تو نہ قضا کرے بالکل واسطے دفع حرج کے اور انشاء صوم جس میں ہو سکتا ہے وہ مدت طلوع فجر سے نصف النہار تک ہے ہر دن میں پس حصول افاقہ کا بعد زوال کے اور تمام شب کا معتبر نہیں ہے یعنی اگرچہ نیت اس میں ہو سکتی ہے لیکن انشاء صوم بالفعل رات کو نہیں ہو سکتا اور نہ بعد نصف النہار کے لیکن یہ مخالف ہے مصنف کی مراد کو کہ اس نے استیعاب کو مطلق کہا ہے یعنی وہ مقتضی ہے کہ اگر ایک ساعت کا بھی افاقہ ہوا اگرچہ رات کو ہو یا بعد نصف النہار کے تو قضا کرے ورنہ نہیں اور ہم نے اول کتاب الصوم میں اختلاف کا بیان کیا ہے اور یہ کہ دونوں قول مصحح ہیں اور معتمد دوسرا ہے کیونکہ وہ ظاہر الروایت ہے اور متنوں میں مذکور ہے اور مطلقا سے مراد یہ ہے کہ جنون اصلی ہو یا بعد بلوغ کے عارض ہو گیا ہو اور یہ ظاہر الروایت ہے اور امام محمدؒ سے ایک روایت ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے اس لیے کہ جب بالغ ہوا حالت جنون میں تو صبی کے ساتھ ملحق ہوا پس خطاب اس کی طرف متوجہ نہ ہوا بخلاف اس صورت کے کہ بالغ ہوا حالت عقل میں پھر مجنون ہو گیا اور یہی مختار ہے بعض متاخرین کا کذافی الہدایہ اور شرنبلالیہ میں برہان سے اس نے مبسوط سے نقل کیا ہے کہ مجنون اصلی پر پچھلے ایام کی قضا نہیں ہے اصح روایت میں یعنی ان ایام کی کہ افاقہ سے پہلے گذرے قالہ الشامی ولو نذر صوم الایام المنہیۃ او صوم ہذہ السنۃ صح مطلقا علی المختار اور اگر نذر کیے روزے ایام منہیہ کے یا اس برس کے تو نذر صحیح ہے مطلقا مذہب مختار پر ہم یہاں سے شروع ہے ان صیام کا جو بندہ اپنے قول سے اپنے اوپر لازم کرلے اور سابق میں ان روزوں کا مذکور تھا جو خداتعالی کی طرف سے لازم ہوئے ملتقی کی شرح میں کہا ہے کہ نذر عمل زبان کا ہے اور اس کی صحت کی شرط یہ ہے کہ معصیت نہ ہو جیسے شراب پینا اور نہ اس پر فی الحال واجب ہو جیسا نماز روزہ جو واجب ہو چکے ہیں نہ آئندہ کو واجب ہو جیسے وہ نماز روزہ جو آگے کو واجب ہوں گے اور یہ شرط ہے کہ اس کی جنس کا کوئی واجب بعینہ مقصود موجود ہو اور اس میں قضائے قاضی کو دخل نہیں ہے اور مطلقا کے یہ معنی کہ منہی عنہ کا ذکر صریحا ہو یا نہ ہو جیسا بحر میں ہے اور جو زبان سے بولا ہے وہ مقصود ہو یا نہ ہو یعنی اگر چوک کر کچھ کا کچھ کہہ دیا تب بھی نذر منعقد ہو جاوے گی چنانچہ ولوالجیہ میں کہا ہے کہ کسی شخص نے کہنا چاہا للہ علی صوم یوم اور اس کی زبان سے نکل گیا صوم شہر تو اس پر ایک مہینے کے روزے لازم ہوں گے کذافی البحر اور اسی طرح اگر کوئی اور کلام بولنا چاہتا تھا اور اس کے منہ سے نذر کا کلمہ نکل گیا تو نذر لازم ہوگی کیونکہ نذر میں ہزل بمنزلہ جد کے ہے مثل طلاق کے کذافی الفتح اور علی المختار اس واسطے کہا کہ ابو یوسفؒ نے امام صاحب سے روایت کی ہے کہ یہ نذر نہیں صحیح ہے اور یہی قول زفرؒ کا ہے اور حسن نے امام صاحب سے روایت کی ہے کہ اگر معین کیا تو صحیح نہیں اور اگر کل کے روزے کی نذر کی اور اتفاقا وہ دن یوم النحر کا ہے تو صحیح ہے کذافی الشامی وفرقوا بین النذر والشروع فیہا بان نفس الشروع معصیۃ ونفس النذر طاعۃ فصح اور نذر کرنے اور اس میں شروع کرنے میں فقہا نے اس طرح فرق بیان کیا ہے کہ شروع کرنا گناہ ہے اور نذر بنفسہ عبادت ہے پس نذر درست ہوئی یعنی لازم ہوئی ولکنہ افطر الایام المنہیۃ وجوبا تحامیا عن المعصیۃ وقضاہا اسقاطا للواجب لیکن ناذر ایام منہیہ میں افطار کرے وجوبا تاکہ گناہ سے بچے پھر اس کی قضا کرے اپنے ذمہ سے واجب ساقط کرنے کو وان صامہا خرج عن العہدۃ مع الحرمۃ اور اگر انہیں دنوں میں روزہ رکھ لیا تو عہدہ سے بری ہو گیا مگر یہ فعل حرام ہے وہذا اذا نذر قبل الایام المنہیۃ فلو بعدہا لم یقض شیئا وانما یلزمہ باقی السنۃ علی ما ہو

اللہ کے واسطے مجھ پر روزہ ایک دن کا ہے ۱۲

الصواب اور یہ اس وقت ہے کہ نذر ایام منہیہ سے پہلے واقع ہوئی ہو پس اگر بعد ایام منہیہ کے نذر کی مثلاً چودھویں کو تو کچھ نہ قضا کرے اور اس کو صرف باقی سال کے روزے یعنی ذی الحجہ تمامی کے لازم ہوں گے اور یہی صواب ہے م ہذا کا مشار الیہ وہ مسئلہ ہے کہ اگر سال معین کے روزے نذر کیے تو قضا ایام منہیہ کی لازم ہوتی ہے اور بقیہ ایام سال کے روزوں کا لازم ہونا صواب اس واسطے ہے کہ سال معین عربی ایک مدت معین ہے محرم سے ذی الحجہ تک تو ہذہ السنۃ کا اشارہ دلالت کرتا ہے کہ وہی مدت معینہ مراد ہے جس میں وہ شخص ہے پس نذر حقیقت میں زمان ماضی اور زمان مستقبل پر واقع ہوئی پس جس قدر زمان ماضی کے مقابلہ میں ہوئی اس قدر لغو ہوگی اور زمان مستقبل کی لازم ہوئی چنانچہ اگر کہے لِلّٰہ علی صوم امس تو لغو ہوتا ہے کذا فی الشامی وکذا الحکم لو نکر السنۃ او شرط التتابع یفطر اور یہی حکم ہے یعنی جو معین سال میں مذکور ہوا اگر سنۃ کو نکرہ کہا یا پے در پے رکھنا شرط کیا پس افطار کرے ایام منہیہ کو م اور اگر انھیں ایام میں روزہ رکھ لے تو عہدہ سے خارج ہو جاوے گا کیونکہ جیسا التزام کیا تھا ویسا ادا کیا لکنہ یقضیہا متتابعۃ لیکن یہاں ایام منہیہ کی قضا کرے پے در پے م یعنی آخر برس کی تالی سے مل ہووے بغیر فصل کے تاکہ تتابع بقدر الامکان متحقق ہو ویعید لو افطر یوما بخلاف المعینۃ اور اعادہ کرے یعنی جتنے ایام کے روزے افطار سے پہلے رکھ چکا ہے اگر ایک روز کا روزہ بھی توڑے اگرچہ سارے رکھ چکا ہو صرف ایک ہی رہا ہو بخلاف سال معین کے کہ اس میں قضا ایام منہیہ کی پے در پے واجب نہیں ہے اور ان میں تتابع صرف بضرورت وقت کے لازم آگیا ہے اسی واسطے اگر ایک دن افطار کرے تو صرف اسی دن کی قضا لازم ہوگی کذا فی الطحاوی ولو لم یشترط التتابع یقضی خمسۃ وثلثین ولا یجزیہ صوم ہذہ الخمسۃ فی ہذہ الصورۃ اور اگر تتابع شرط نہ کیا ہو تو ۳۵ روز کی قضا کرے اور اس صورت میں صرف پانچ روز کے روزے نہیں کافی ہیں م پانچ یوم بدلے ایام منہیہ کے اور ۳۰ دن رمضان کے اور پچھلے روزوں سے متصل رکھنے چاہییں اور اگر وصل نہ کرے تب بھی عہدہ سے خارج ہوگا صحیح روایت پر کذا فی البحر واعلم ان صیغۃ النذر تحتمل الیمین فلذا کانت ست صور ذکرہا بقولہ اور جان کہ صیغہ نذر کا احتمال رکھتا ہے قسم کا بھی پس اس لیے چھ صورتیں ہوئیں ان کو مصنف نے ذکر کیا اپنے اس قول سے فان لم ینو بنذرہ الصوم شیئا او نوی النذر فقط دون الیمین او نوی النذر ونوی ان لا یکون یمینا کان فی ہذہ الثلث الصور نذرا فقط اجماعا عملا بالصیغۃ پس اگر نذر کے صیغہ سے کچھ نیت نہیں کی یا نذر ہی کی نیت کی نہ قسم کی یا نیت کی نذر کی اور نیت کی قسم نہ ہونے کی تو ان تینوں صورتوں میں نذر ہی ہوگی فقط بالاجماع واسطے عمل کرنے کے موافق صیغہ کے م یعنی وجہ اوّل میں اور اسی طرح دوسرے اور تیسرے میں بطریق اولیٰ وان نوی الیمین وان لا یکون نذرا کان فی ہذہ الصورۃ یمینا فقط اجماعا عملا بتعیینہ وعلیہ کفارۃ یمین ان افطر لحنثہ اور اگر نیت کی قسم کی اور اس کی کہ نذر نہ ہو تو اس صورت میں صرف قسم ہوگی بالاجماع بسبب معین کرنے اس شخص کے اور اس کے ذمہ کفارہ قسم کا لازم ہوگا اگر افطار کرے کیونکہ حانث ہوگیا م یعنی قول ناذر کا علی صوم دلالت کرتا ہے التزام پر اور یہ صریح ہے نذر میں پس محمول ہوگا نذر پر بدون نیت کے اور نیت کے ساتھ بطریق اولیٰ لیکن جب نیت کرے کہ نذر نہ ہو تو یمین ہوگی کیونکہ لازم ہوا اور ملزوم مراد لیا اس واسطے کہ مباح کو لازم کرنے سے اس کے ترک کی تحریم لازم آتی ہے اور مباح کا حرام کرنا بھی یمین ہے قالہ الشامی وان نواہما او نوی الیمین بلا نفی النذر کان فی الصورتین نذرا ویمینا حتی لو افطر یجب القضاء للنذر والکفارۃ للیمین عملا بعموم المجاز خلافا للثانی اور اگر نیت کی دونوں کی یا نیت کی قسم کی بدون نفی کرنے نذر کے تو دونوں صورتوں میں نذر اور قسم ہوگی یہاں تک کہ اگر افطار کرے تو واجب ہوگی قضا بسبب نذر کے اور واجب ہوگا کفارہ قسم کا واسطے عمل کرنے کے عموم مجاز پر برخلاف قول ابویوسفؒ کے م امام ابویوسفؒ کے نزدیک اوّل صورت میں نذر ہوگی اور دوسری میں قسم اس لیے کہ استعمال صیغہ کا نذر میں حقیقی ہے اور قسم میں مجازی اوّل صورت میں حقیقت کو ترجیح ہے اور دوسری میں نیت کے باعث مجاز متعین ہے اور چونکہ نذر و قسم کا ہونا بظاہر جمع ہو جانا حقیقت و مجاز کا ہے ایک لفظ میں اور یہ ہو نہیں سکتا اس لیے شارح نے کہا کہ عموم مجاز پر عمل کرنے سے یہ معنی لیے گئے یعنی نذر اور یمین میں منافات نہیں ہے کیونکہ دونوں وجوب کو تقاضا کرتے ہیں مگر نذر بنفسہ وجوب کو چاہتی ہے اور یمین لغیرہ یعنی بواسطہ صیانت اسم خدا تعالیٰ کے پس ہم نے دونوں میں جمع کر دیا تاکہ دونوں دلیلوں پر عمل

لے نذر کے واسطے مجوز روزہ ہے کل گذشتہ کا۔

ہو باقی کتب اصول میں مذکور ہے قالہ الشامی والطحاوی **وندب تفریق صوم الست من شوال ولایکرہ التتابع علی المختار خلافاً للثانی حاوی** اور مندوب
ہے کہ متفرق چھ روزہ رکھے شوال میں اور اس کا پیہم رکھنا مکروہ نہیں ہے مذہب مختار پر بخلاف قول ابو یوسفؒ کے کذا فی الحاوی والاتباع المکروہ ان یصوم الفطر
وخمسۃ بعدہ فلو افطر الفطر لایکرہ بل یستحب ویسن ابن کمال اور رمضان کے پیچھے روزے رکھنے وہ مکروہ ہیں کہ عید کے دن ایک روزہ رکھے اور پانچ عید کے بعد
پس اگر عید کو افطار کرے تو مکروہ نہیں ہے بلکہ مستحب و مسنون ہے قالہ ابن کمال چنانچہ جامع ترمذی میں وارد ہے کہ جو شخص روزے رمضان کے رکھے پھر
چھ روزے شوال کے ان کے ساتھ ملا دے تو یہ تمام سال کے روزے ہوئے **ولو نذر صوم شہر غیر معین متتابعاً فافطر یوماً ولو من الایام المنہیۃ استقبل**
لانہ اخل بالوصف مع خلو شہر من ایام نہی نہر بخلاف السنۃ اور اگر نذر کی کہ ایک مہینے غیر معین کے روزے پے در پے رکھوں گا پھر ایک روز افطار کر لیا اگرچہ
افطار کا دن ایام خمسہ میں کا ہو تو پھر نئے سرے سے روزہ رکھے کیونکہ اس نے کھو دیا وصف تتابع کو باوجودیکہ ایسا مہینہ مل سکتا تھا جس میں ایام نہی واقع
نہ ہوویں کذا فی النہر بخلاف برس کے پیہم روزوں کی نذر کے خواہ برس معین ہو یا غیر معین کہ اس میں ایام منہیہ بلاشک واقع ہوں گے م یہ جواب ہے
اس کا کہ جیسا سال بھر کی نذر میں ایام منہیہ کے بدلے کی قضا آتی تھی ایسا ہی یہاں بھی صرف اس روز کی قضا لازم آتی جو مہینے کے بیچ میں واقع ہوا **لایستقبل
فی نذر شہر معین** لئلا یقع کلہ فی غیر الوقت نہ استیناف کرے جس صورت میں کہ معین مہینے کے روزے کی نذر کی ہو تاکہ روزے تماماً غیر وقت میں واقع نہ
ہوں م کلہ کی تقیید اسی صورت میں ظاہر ہوتی ہے کہ مہینے کے آخر کا روزہ افطار کیا ہو لیکن اگر دسویں دن افطار کرے مثلاً تو نہیں ظاہر ہوتی کیونکہ اگر گیارہویں
سے استیناف کرے اور پورا مہینہ روزے رکھے تو بعض روزے وقت میں ہوں گے اور بعض غیر وقت میں قالہ الشامی **والنذر من اعتکاف او حج او صلوٰۃ او
صیام او غیرہا غیر المعلق ولو معیناً لایختص بزمان ومکان ودرہم وفقیر** اور نذر غیر معین خواہ اعتکاف ہو یا حج یا نماز یا روزہ یا سوائے ان کے اگرچہ
معین ہو (یعنی تعیینات آئندہ) نہیں خصوصیت رکھتی کسی زمانہ کے ساتھ نہ مکان کے نہ درم کے نہ فقیر کے **فلو نذر التصدق یوم الجمعۃ بمکۃ بہذا الدرہم علی فلان
فخالف جاز** پس اگر نذر کی کہ صدقہ کرے گا جمعہ کے دن مکہ میں یہ درہم فلانے شخص پر پھر اس کے مخالف کیا تو جائز ہے م یعنی بعض میں مخالفت کی یا کل میں
اس طرح کہ کسی روز میں سوائے جمعہ کے غیر مکہ میں کوئی اور درہم کسی دوسرے شخص پر صدقہ کیا اور یہ اس لیے جائز ہے کہ نذر میں وہ چیز داخل ہے جو
عبادت ہے اور اصل تصدق ہے نہ تعیین پس تعیین باطل ہو گئی اور قربت لازم ہوئی کذا فی الدرر اور معراج میں ہے کہ اگر نذر کیا کہ کل روزہ رکھوں گا
پھر اس کو پرسوں رکھا تو جائز ہے اور چاہیے کہ کچھ برائی اس میں نہ ہو جیسا کسی نے نذر کی کہ ابھی ایک درم صدقہ دوں گا پھر تھوڑی دیر میں دیا تنبیہ ابن نجیم
نے کہا ہے کہ خانیہ میں ذکر کیا ہے کہ اگر کسی معین درم کی تصدیق کی نذر کی پھر وہ درہم جاتا رہا تو نذر ساقط ہو جاتی ہے اور یہ دلالت کرتا ہے کہ قول فقہا کا کہ دینار
ودرہم کی خصوصیت لغو ہے عام نہیں بلکہ یہ صورت اس میں ہی مخصوص ہے کیونکہ اگر خصوصیت کا اعتبار لغو ہوتا تو چاہیے تھا کہ واجب اس کے ذمہ پر
رہتا اور معین کے ہلاک ہونے سے واجب ساقط نہ ہوتا اور اسی طرح یہ قول کہ تعیین فقیر کی لغو ہے یہ بھی مطلق نہیں ہے کیونکہ بدائع میں کہا ہے کہ اگر نذر
کی کہ معین اس فقیر کو کچھ کھلاؤں گا یعنی مسکین کا نام لیا اور چیز کو معین نہیں کیا تو ضرور ہے کہ وہ چیز اسی فقیر کو دے کیونکہ جب شی منذور کو معین نہیں کیا
تو تعیین فقیر کی مقصود ہو گئی تو دوسرے کو دینا جائز نہیں قالہ الشامی **وکذا لو عجل قبلہ فلو عین شہراً للاعتکاف او للصوم فعجل قبلہ عنہ صح** اور اسی طرح جائز ہے
اگر وقت سے پہلے ادا کرے پس اگر کوئی مہینہ معین کیا اعتکاف کے لیے یا صوم کے لیے پھر اس سے پہلے اسی کے بدلے ادا کیا تو درست ہے م بخلاف
قول محمدؒ و زفرؒ کے اتنا فرق ہے کہ محمدؒ تعجیل کو بالکل جائز نہیں رکھتے اور زفرؒ اس صورت میں کہ زمان معجل میں فضیلت کم ہو کذا فی الفتح شامی نے کہا
کہ اگر کسی شخص نے رجب کے روزوں کی نذر کی پھر اس سے پہلے ۲۹ روزے رکھے اور رجب بھی ۲۹ روز کا ہوا تو قضا لازم نہ ہونا چاہیے یہی اصح ہے جیسا

؎ نذر کے مسائل میں اس مسئلہ کا ذکر مناسب ہے گو صاحب درر کے اتباع سے یہاں ذکر کیا ہے ۱۲ ش

سراج میں ہے اور اگر رجب ۳۰ دن کا ہوا تو ایک روزہ قضا کرے وكذا لو نذر ان يحج سنة كذا فحج سنة قبلها صح او صلوٰة يوم كذا فصلاها قبله لانه تعجيل بعد وجود
السبب وهو النذر فيلغو التعيين شرنبلاليه ملخصا اور اسی طرح اگر نذر کی کہ فلانے سن میں حج کرے گا پھر اس برس سے پہلے حج کر لیا تو درست ہے یا نذر
کی نماز کی فلانے روز پھر نماز پڑھی اس روز سے پہلے کیونکہ یہ تعجیل ہے بعد موجود ہونے سبب کے اور وہ ناذر کا نذر کرنا ہے پس تعیین لغو ہو جاوے
گی کذا فی الشرنبلالیہ اس کو یاد رکھو ملخصا یعنی چونکہ تعیین قربت مقصودہ بھی نہ تھی تو لغو ہو گئی اور اس مسئلہ میں بھی خلاف محمد و زفر کا ہے کذا فی الشامی بخلاف النذر
المعلق فانه لا يجوز تعجيله قبل وجود الشرط كما يجئ في الايمان بخلاف نذر مشروط کے کیونکہ اس میں تعجیل شرط کے موجود ہونے سے پہلے جائز نہیں ہے جیسا ایمان میں
مذکور ہوگا برابر ہے کہ تعلیق کرے ایسی شرط پر جس کا ہونا اچھا ہو جیسا اگر میرا فلانا غائب آجاوے تو روزہ رکھوں یا شرط کا نہ ہونا اچھا ہو مثلاً اگر زنا کرے
تو میرے ذمہ اس قدر لازم ہے اتنا فرق ہے کہ پہلی صورت میں اگر شرط پائی جاوے تو نذر کا ایفا لازم ہے اور دوسری صورت میں اختیار ہے نذر کے
پورے کرنے میں اور کفارہ یمین میں اور نذر معلق میں تعجیل اس لیے جائز نہیں کہ جو کام معلق کسی شرط پر ہے وہ بالفعل سبب نہیں ہے بلکہ شرط کے
موجود ہونے پر سبب ہوگا جیسا اصول میں مقرر ہو چکا ہے پس اگر اس کی تعجیل جائز ہو تو لازم آتا ہے کہ اس کا وقوع سبب کے موجود ہونے سے پہلے ہو اور
یہ ناجائز ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معلق کا زمانہ باعتبار تعجیل کے معین ہے لیکن تاخیر صحیح ہے واسطے موجود ہونے سبب کے پہلے اس سے اور یہی معلوم
ہوتا ہے کہ اس میں مکان اور درم اور فقیر متعین نہیں ہیں کیونکہ تعلیق کی جہت سے صرف زمانہ انعقاد سبب کا مؤخر ہو گیا سو تعجیل ناجائز ہوئی لیکن مکان
اور درم اور فقیر اپنی اصل پر ہے اس واسطے کہ تعلیق ان میں اثر نہیں کرتی قاله الشامي **ولو قال مريض لله على ان اصوم شهرا فمات قبل ان يصح**
لا شئ عليه اور اگر کسی مریض نے کہا اللہ کے واسطے میرے ذمہ ہے کہ ایک مہینے کے روزے رکھوں پھر مر گیا اچھا ہونے سے پہلے تو اس کے ذمہ کچھ لازم
نہیں ہے **وان صح ولو يوما ولم يصم لزمه الوصية بجميعه على الصحيح** اور اگر تندرست ہو گیا اگرچہ ایک ہی روز ہو اور اس روز روزہ نہ رکھا تو اس کو وصیت
جمیع صیام کی لازم ہے صحیح مذہب پر اور یہ شیخین کا قول ہے اور محمدؒ کہتے ہیں کہ جس قدر فوت ہووے اسی قدر کی وصیت لازم ہے جیسا قضائے رمضان
میں وقد بسط الشامي كالصحيح اذا نذر ذلك ومات قبل تمام الشهر لزمه الوصية بالجميع بالاجماع كما في الخبازية بخلاف القضاء فان سببه ادراك العدة فانه بقدر
کے کہ تندرست مہینے کی اور مہینے کے تمام ہونے سے پہلے مر گیا اور اس اثنا میں روزہ نہیں رکھا تو اس کو وصیت جمیع مہینے کی لازم ہے بالاجماع جیسا خبازیہ
میں ہے بخلاف قضائے رمضان کے کیونکہ سبب قضا کا ادراک اس قدر مدت کا ہے یعنی جس صورت میں کہ رمضان فوت ہو جاوے کسی عذر
سے پھر بعض مدت تک اس کو گنجائش ملی اور روزہ نہ رکھا تو اس کو وصیت کرنی اس مقدار کی کہ فوت کی ہے بالاتفاق لازم ہے صحیح مذہب پر بخلاف طحاوی
کے کہ اس نے کہا ہے کہ خلاف اس مسئلہ میں بھی جاری ہے کذا فی الحلبی فروع مسائل جزئیہ جو شارح نے ملحق کیے قال والله اصوم لا صوم عليه بل ان صام
حنث كما يجئ في الايمان یہ لفظ کہا واللہ اصوم تو روزہ اس کے ذمہ لازم نہیں بلکہ اگر روزہ رکھے گا تو حانث ہوگا جیسا کتاب الایمان میں آوے گا اس
جہت سے کہ مضارع مثبت جواب قسم میں نہیں واقع ہوتا مگر نون تاکید کے ساتھ اور نون تاکید مثال مذکور میں نہیں تو لا نفی کا حذف ماننا ضرور ہوا یعنی
گویا اس نے والله لا اصوم کہا قاله الحلبی لیکن علامہ مقدسی نے کہا کہ یہ حکم سابق میں تھا قبل تغیر لغت کے اور اب تو حکم اثبات اور نفی میں صرف لا کے ہونے اور نہ ہونے سے فرق کرتے ہیں لیکن
تمثیل اصطلاحی فارسی وغیرہ کے سبب ہے قسم کے باب میں قاله الشامی نذر صوم رجب فدخل وهو مريض افطر وقضى کہ رمضان نذر کی رجب کے روزہ کی پھر رجب آگیا اور وہ مریض ہے تو افطار کرے اور قضا کرے مثل رمضان کے یعنی متصل یا
منفصل کذا فی الدرر لصوم الابد فضعف لاشتغاله بالمعيشة افطر وكفر كما لو نذر کی ہمیشہ روزہ کی پھر ضعیف ہو گیا معیشت میں مشغولی کی جہت سے تو افطار کرے اور فدیہ دے جیسا کہ مذکور ہوا یعنی شیخ فانی کے حکم میں کہ
مثل فطرہ کے .... كما لو نذر صوم يوم يقدم فلان فقدم بعد الاكل او الزوال او حيضا قضى عند الثاني خلافا للثالث یا نذر کی کہ روزہ رکھوں گا جس

سلہ صلوٰۃ پر تحریمہ ہے اور یوم منصوب علی الظرفیہ اور اگر رمضان کیا جاوے تو اس پر اس سنت کی صلوٰۃ کی مثل مغرب اور وتر کی جگہ چار چار رکعتیں پڑھے۔

دن فلانا شخص آدے گا سو آیا وہ کھانے کے بعد یا ضحوہ کبریٰ کے یا حیض آنے کے بعد تو قضا کرے ابویوسف کے نزدیک بخلاف قول محمدؒ کے م فتح القدیر اور نہر میں کہا کہ بعد زوال کے آیا تو محمدؒ کہتے ہیں کہ اس پر کچھ لازم نہیں اور سوائے محمدؒ کے اور کسی سے روایت نہیں ہے سرخسی نے کہا کہ اظہر یہ ہے کہ دونوں برابر ہیں یعنی آنا بعد الاکل اور آنا بعد الزوال پس شارح فرع ثانی ہیں اسی پر چلا ہے ولو قدم فی رمضان فلا قضاء اتفاقا اور اگر فلانا آیا ماہ رمضان میں تو قضا لازم نہیں بالاتفاق کیونکہ انجام کار نذر اس کی رمضان پر واقع ہوئی اور جو شخص رمضان کی نذر کرے تو اس پر کچھ لازم نہیں ہوتا قالہ الشامی ولو عنی بہ الیمین کفر فقط الا اذا قدم قبل نیتہ فنواہ عنہ برّ بالنیۃ ووقع عن رمضان اور اگر نیت کی الفاظ نذر سے یمین کی تو قسم کا کفارہ دیوے فقط مگر جب کہ وہ شخص آگیا نیت کرنے سے پہلے پس ادائے نذر کی نیت کرلی تو نیت کی جہت سے نذر ادا ہوگئی اور روزہ رمضان کا واقع ہوا م اس مسئلہ کے بیان میں اختصار مخل واقع ہوا ہے نہر کے تعلیق سے اور اصل مسئلہ فتح وغیرہ میں اس طرح مذکور ہے اگر کہا کہ مجھ پر خدا کے واسطے روزہ اس روز کا لازم ہے جس روز فلان شخص آوے اللہ تعالیٰ کے شکر کے لیے اور اس قول سے یمین کا ارادہ کیا پھر وہ شخص رمضان کے دن میں آیا تو اس پر کفارہ یمین ہوگا اور قضا نہ ہوگی کیونکہ قسم پوری ہونے کی شرط نہ پائی گئی یعنی روزہ بہ نیت شکر اور اگر آیا نیت کرنے سے پہلے پھر اس روزے میں صوم شکر کی نیت کی نہ رمضان کی تو قسم پوری ہوئی نیت کی جہت سے اور یہ روزہ رمضان کے واسطے بھی کافی ہے قضا لازم نہیں اور اس سے مصنف کا کلام واضح ہو جاتا ہے قالہ الشامی ولو نذر شہر الزمہ کاملا اور اگر نذر کی ایک مہینے کی تو لازم ہوں گے پورے مہینے کے روزے م اور جس روز چاہے شروع کرے عدد کے اعتبار سے نہ ہلال سے اور اگر معین مہینے کی نذر کی تو چاند کے اعتبار سے متصور ہوگا کذا فی الفتح او الشہر فبقیتہ یا نذر کی اس معین مہینے کی تو باقی رہا ہوا لازم ہوگا م اس واسطے کہ اس کو معرف باللام ذکر کیا ہے تو جو حاضر ہونے کی جہت سے معہود ہے وہی مراد ہوگا اور اگر تمام مہینے کی نیت کرے تو اس کی نیت پر رہے گا کیونکہ کلام اس کو بھی محتمل ہے فتح عن التجنیس او جمعۃ فالاسبوع الا ان ینوی الیوم یا نذر کی جمعہ کی تو پورا ہفتہ لازم ہوگا مگر یہ کہ نیت کرے خاص روز جمعہ کی ولو نذر صوم یوم السبت ثمانیۃ ایام صام سبتین ولو قال سبعۃ فسبعۃ اسبات والفرق ان السبت لا یتکرر فی السبت فحمل علی العدد بخلاف الاول اور اگر نذر کی آٹھ ایام کی شنبہ کے روزہ کی تو دو روزے رکھے شنبہ کے دن اور اگر نذر کی سات دن کی شنبہ کے روزہ کی تو روزہ رکھے سات شنبہ اور دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ شنبہ کا روزہ سات روز میں دوبارہ نہیں آتا اس لیے دوسری صورت میں سات پر محمول ہوا بخلاف اول صورت کے م یعنی آٹھ روز میں دو شنبہ مکرر ہو سکتا ہے تو عدد مذکور میں جو مکرر ہو سکتا ہے وہی مراد ہوا گویا یوں کہا السبت الکائن فی ثمانیۃ ایام یعنی وہ روز شنبہ کہ آٹھ روز میں واقع ہے اور وہ دو ہیں کذا فی الفتح اور مخفی نہیں ہے کہ یہ اس وقت ہے کہ نذر والے کی نیت معلوم نہ ہو نہیں تو جیسی نیت ہوگی وہی لازم ہوگا کذا فی الطحطاوی واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یوخذ من الدراہم والشمع والزیت ونحوہا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیہم فہو بالاجماع باطل وحرام اور جان تو کہ نذر جو عوام کی طرف سے مردوں کے لیے واقع ہوتی ہے اور جو کچھ لیا جاتا ہے پیسہ اور موم اور تیل وغیرہ اولیائے کرام کی قبروں پر تاکہ اولیا کا تقرب حاصل ہو سو یہ سب بالاتفاق باطل اور حرام ہے م اس کا بطلان کئی وجہ سے ہے منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ یہ نذر ہے مخلوق کے واسطے اور نذر مخلوق کے لیے جائز نہیں کیونکہ یہ عبادت ہے اور عبادت مخلوق کی نہیں ہوتی دوسری وجہ یہ کہ جس کی نذر کی ہے وہ مردہ ہے اور مردہ مالک نہیں ہوتا تیسری یہ کہ نذر والا گمان کرتا ہے کہ مردہ امور میں تصرف کرتا ہے سوائے خدائے تعالیٰ کے اور اس کا یہ اعتقاد کفر ہے ہاں اگر یوں کہے کہ یا اللہ میں تیرے لیے نذر کرتا ہوں کہ اگر تو میرے مریض کو شفا دے یا میرے غائب کو میری طرف پھیر دے یا میری حاجت کو روا کر دے تو میں ان فقیروں کو کھانا کھلاؤں جو دروازے پر فلانے سید یا امام کے ہیں یا ان کی مسجد کے لیے فرش یا تیل خریدوں یا ان کی مسجد کے خدمت گذاروں کو اتنا روپیہ دوں یا اور سوائے اس کے جس میں نفع فقیروں کا ہو اور نذر خالص خدائے تعالیٰ کے لیے ہو اور ذکر اس بزرگ کا صرف اس لیے ہو کہ رباط میں یا مسجد میں جو لوگ مستحق مقیم ہیں وہ مصرف نذر کے ہیں پس

اس اعتبار سے نذر جائز ہوگی اور اس کا صرف جائز کسی منصب والے یا سید یا ذی نسب یا عالم پر جائز نہیں ہے جب تک کہ محتاج نہ ہو اور شرح میں ثابت نہیں کہ اغنیا کو نذر کا دینا جائز ہو کیونکہ مخلوق کے لیے نذر کرنی بالاجماع حرام ہے یہ نذر نہ منعقد ہوتی ہے اور نہ ذمہ پر لازم ہوتی ہے اور اس وجہ سے کہ وہ حرام محض ہے اس بزرگ کے خادم کو اس کا لینا جائز نہیں مگر یہ کہ خود فقیر ہو اور اس کے عیال فقرا عاجز ہوں تو اس کو نذر کو بطور صدقہ ابتدائی کے لے سکتا ہے اور اس کا لینا بھی مکروہ ہے جب تک نذر کرنے والے کا قصد تقرب الی اللہ اور صرف فقرا کی طرف نہ ہو اور اس بزرگ سے بالکل قطع نظر نہ کرے کذا فی البحر ملخصا عن شرح العلامۃ قاسم مالم یقصد وا صرفہا لفقراء الانام وقد ابتلی الناس بذلک ولا سیما فی ہذہ الاعصار وقد بسطہ العلامۃ قاسم فی شرح درر البحار یعنی نذر مذکور جو عوام سے واقع ہوتی ہے اور جو دراہم وغیرہ لیے جاتے ہیں حرام ہیں جب تک کہ قصد نہ کریں ان کے صرف کا فقرا کے لیے اور اس میں لوگ مبتلا ہیں خاص کر ان ایام میں اور اس کو علامہ قاسم نے شرح درر البحار میں بسط سے بیان کیا ہے م یعنی اس طرح نذر ہو سکتی ہے کہ صیغہ نذر کا خدائے تعالیٰ کے لیے ہو واسطے تقرب کے اور شیخ کے ذکر سے اس کے فقرا مراد ہوں اور نہیں مخفی ہیں کہ اس شخص کو اس کا صرف غیر کی طرف بھی جائز ہے جیسا پہلے مذکور ہو چکا اور یہ بھی ضرور ہے کہ نذر اس قسم کی ہو جس کا نذر کرنا صحیح ہے جیسے دراہم صدقہ کے لیے یا مثل اس کے لیکن جب نذر کرے تیل کے چراغوں کے لیے قبر پر یا میناروں پر جیسے عورتیں حضرت سید عبدالقادر جیلانی کے لیے تیل نذر کیا کرتی ہیں اور شرقی میناروں میں اس کو روشن کرتی ہیں سو یہ باطل ہے اور اس سے زیادہ قبیح ہے نذر کرنا مولود کے پڑھنے کا مناروں میں کہ اس میں راگ اور لعب ہوتا ہے اور اس کا ثواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بخشا جاتا ہے قالہ الشامی ولقد قال الامام محمدؒ لو کان العوام عبیدی لاعتقتہم واسقطت ولائی وذلک لانہم لا یہتدون فالکل بہم یتعیرون اور امام محمدؒ نے کہا ہے کہ اگر عوام میرے غلام ہوتے تو میں ان کو آزاد کر دیتا اور اپنی ولا ساقط کر دیتا اور یہ اس وجہ سے کہ عوام ہدایت پر نہیں ہوتے پس سب لوگوں کو ان سے عار ہے م ولا کے ساقط کرنے سے یہ مراد کہ ان سے مواخذہ بالکل نہ کرتا ورنہ ولا ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتی جیسے نسب نہیں ساقط ہوتا کذا فی الطحطاوی

باب الاعتکاف

یہ باب ہے اعتکاف کے احکام میں وجہ المناسبۃ لہ والتاخیر اشتراط الصوم فی بعضہ والطلب الاکد فی العشر الاخیر وجہ مناسبت اعتکاف کی رمضان کے ساتھ اور وجہ تاخیر اعتکاف کی شرط ہونا صوم کا ہے بعض اقسام اعتکاف میں اور طلب مؤکدہ عشرہ اخیرہ میں م یعنی اعتکاف واجب میں صوم شرط ہے اور شرط مشروط سے مقدم ہوتی ہے اس لیے رمضان کو مقدم کیا اور اخیر عشرہ رمضان میں اعتکاف کی تاکید ہے اور روزہ اس پر ختم ہے تو مناسب ہوا کہ کتاب الصوم کے ختم میں مسائل اعتکاف مذکور ہوں قالہ الشامی ہو لغۃ اللبث وشرعا لبث بفتح اللام وضمہ الکث ذکر ولو ممیزا فی مسجد جماعۃ لغت میں اعتکاف کے معنی ٹھہرنا (یعنی کسی مقام میں ہو اور اپنے نفس کو حبس کرنا) اور لبث بفتح لام اور ضمہ بھی جائز ہے اور شرع میں ٹھہرنا مذکر کا ہے گو لڑکا عاقل ہی ہو مسجد جماعت میں م بلوغ اس میں شرط نہیں ہے جیسا بحر میں ہے اور یہ حکم غلام کو بھی شامل ہے کہ اس کا اعتکاف بھی مولیٰ کی اجازت سے صحیح ہے اور ذکر کی قید لگائی گو اعتکاف عورت کا بھی مسجد میں متحقق ہے اس لحاظ سے کہ یہاں تعریف اعتکاف مطلوب کی مقصود ہے اور اعتکاف عورت کا مسجد میں مکروہ ہے جیسا آگے مذکور ہوگا قالہ الشامی وہو مالہ امام ومؤذن ادیت فیہا الخمس اولا مسجد جماعت وہ ہے کہ اس کے لیے امام اور مؤذن ہوں خواہ نماز پنجگانہ لوگ اس میں پڑھتے ہوں یا نہیں وعن الامام اشتراط اداء الخمس فیہ وصححہ بعضہم اور ایک روایت امام صاحب سے یہ ہے کہ نماز پنجگانہ کا ادا ہونا مسجد اعتکاف میں شرط ہے اور بعض فقہا نے اس کی تصحیح کی ہے م بحر میں ابن ہمام سے اس کی تصحیح نقل کی ہے وقالا یصح فی کل مسجد وصححہ السروجی اور صاحبین نے کہا ہے کہ اعتکاف صحیح ہے ہر مسجد میں اور اسی کی تصحیح کی ہے سروجی نے اور یہی اختیار کیا ہے طحاوی نے واما الجامع فیصح فیہ مطلقا اتفاقا اور جامع مسجد میں تو صحیح ہے مطلقا یعنی نماز پنجگانہ ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو بالاتفاق م یہ مذکور ہوا بیان صحت کا ہے نہر میں

لہ اس اطلاق کی تصریح کی ہے عنایہ میں اور نہر میں اور شیخ اسمٰعیل نے نسبت کی ہے طرف فیض اور بزازیہ اور خزانۃ الفتاوی اور علامہ وغیرہا کے ۱۲

اور فتح القدیر میں کہا ہے کہ اعتکاف مسجد الحرام میں افضل ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں پھر بیت المقدس میں پھر جامع مسجد میں بشرطیکہ اس میں جماعت ہوتی ہو اور اگر جماعت نہ ہوتی ہو تو اپنے محلے کی مسجد افضل ہے تاکہ اس کو نکلنے کی حاجت نہ ہو پھر جس میں نمازی زیادہ ہوں قال الشامی او لبث امرأۃ فی مسجد بیتہا یا ٹھہرنا عورت کا ہے اپنے گھر کی مسجد میں م مسجد البیت سے مراد وہ ہو عورت کو اور سب کو گھر کے اندر ایک جگہ نماز کے لیے بنا لینی مندوب ہے جیسا بزازیہ میں ہے کذافی النہر اور اس سے معلوم ہوا کہ مردوں کو بھی تخصیص کسی موضع کی گھر میں نوافل کے لیے مستحب ہے اور فرض اور اعتکاف تو مسجدوں میں ہوتا ہے چنانچہ ظاہر ہے قال الشامی ویکرہ فی المسجد اور اعتکاف عورت کو مسجد میں مکروہ ہے م یعنی تنزیہی جیسا نہایہ میں ظاہراً معلوم ہوتا ہے کذافی النہر اور بدائع میں تصریح کی ہے کہ افضل نہیں ولا یصح فی غیر موضع صلاتہا من بیتہا کما اذا لم یکن فیہ مسجد اور نہیں صحیح عورت کا اعتکاف سوائے موضع مقرر نماز کے گھر کے اندر جیسا نہیں صحیح ہے جب گھر میں مسجد نہ ہو م اور وقت اعتکاف کے کسی موضع کو اس کام کے واسطے مقرر کرلے تو چاہیے کہ جائز ہو قال الشامی وہل یصح من الخنثی فی بیتہ لم ارہ والظاہر لا لاحتمال ذکورتہ اعتکاف خنثی کا صحیح ہے اس کے گھر میں میں نے اس مسئلہ کو نہیں دیکھا اور ظاہر یہ ہے کہ نہیں صحیح ہے کیونکہ خنثی میں احتمال مذکر ہونے کا ہے م نفی خنثی باعتبار مونث ہونے کے مقتضی ہے کہ اس کا اعتکاف گھر میں مع الکراہت جائز ہو اور باعتبار مذکر ہونے کے اس بات کو چاہتا ہے کہ کسی وجہ سے درست نہ ہو قال الحلبی بنیتہ فاللبث ہو الرکن[1] والکون فی المسجد والنیۃ من مسلم[2] عاقل طاہر من جنابۃ وحیض ونفاس شرطان یعنی اعتکاف ٹھہرنا ہے بشرط نیت کے تو ٹھہرنا رکن ہے اور مسجد میں ہونا اور نیت مسلمان عاقل کی کہ طاہر ہو جنابت اور حیض اور نفاس سے یہ دونوں شرطیں ہیں م بدائع میں طہارت جنابت اور حیض اور نفاس سے شرط اعتکاف کی ٹھہرائی ہے نہر میں کہا ہے کہ یوں چاہیے کہ اشتراط طہارت کا حیض ونفاس سے اعتکاف میں مبنی ہو اشتراط صوم پر نفلی اعتکاف میں اور جس روایت میں صوم شرط نہیں تو یہ چاہیے کہ صرف حلت کی شرط ہو جیسے طہارت جنابت سے اور میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے اس کا تعرض کیا ہو اور حاصل یہ ہے کہ طہارت ان تینوں سے شرط ہے حلت کی اور طہارت حیض ونفاس سے شرط صحت کی بھی ہے اعتکاف منذور میں اور ایسے ہی نفل میں بنا بر اس روایت کے جس میں صوم شرط ہے بخلاف جنابت کے کہ جنابت کے ساتھ صوم ممکن ہے قال الشامی وہو ثلثۃ اقسام واجب بالنذر بلسانہ وبالشروع وبالتعلیق ذکرہ ابن الکمال اور اعتکاف تین قسم ہے ایک واجب ہے بسبب نذر کرنے کے اپنی زبان سے اور بسبب شروع کرنے کے اور بہ سبب شرط کرنے کے ذکر کیا ہے اس کو ابن کمال نے م زبان کی قید اس لیے لگائی کہ واجب کرنے میں صرف نیت کافی نہیں کذافی المنح اور شروع کرنے سے واجب ہونا قول ضعیف پر متفرع ہے یعنی جس میں نفل اعتکاف کیلیے روزہ شرط ہے اور مذہب صحیح یہ ہے کہ اعتکاف نفل کے لیے کم تر زمانہ ایک ساعت ہے نہ تمام دن تو اس کے بموجب شروع کرنے سے واجب نہ ہوگا اور بالتعلیق عطف ہے بالنذر پر اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نذر اور چیز ہے اور تعلیق دوسری چیز کیونکہ معطوف اور معطوف علیہ ایک دوسرے کے غیر ہوتے ہیں حالانکہ تعلیق بھی نذر ہی ہے تو شارح کو مناسب تھا کہ یوں کہتا واجب بالنذر منجزا او معلقا یعنی واجب ہوتا ہے نذر سے خواہ نذر بدون شرط کے ہو یا کسی شرط پر مشروط ہو جیسا بحر میں اور امداد میں ہے قال الطحاوی وسنۃ مؤکدۃ فی العشر الاخیر من رمضان قسم دوم سنت مؤکدہ ہے رمضان کے اخیر عشرہ میں ای سنۃ کفایۃ کما فی البرہان یعنی سنت کفایہ ہے کہ بعض کے کرنے سے اور لوگوں کے ذمہ سے ساقط ہوگا جیسا برہان میں ہے م اس کی نظیر جماعت سے نماز تراویح کا پڑھنا ہے کہ اگر بعض لوگ ان کو پڑھیں کہ باقیوں سے ساقط ہو جاتی ہیں پس اگر باقی اشخاص بے عذر ترک پر مواظبت کریں تو گناہ گار نہ ہوں گے اور اگر سنت ہر ایک شخص پر ہوتیں تو ترک کرنا سنت مؤکدہ کا گناہ ہوتا جو ترک واجب کی نسبت کم ہے کذافی الشامی لاخرانہا بعدم

---

[1] قولہ ہو الرکن اس پر یہ وارد ہوتا ہے کہ مطلق لبث تو حقیقت لغویہ ہے اور حقیقت شرعیہ تو وہ لبث مخصوص ہے یعنی مسجد میں تامل ۱۲ ش [2] قولہ من مسلم عاقل اس واسطے کہ نیت نہیں صحیح ہوتی بدون اسلام اور عقل کے پس یہ دونوں نیت کی شرطیں ہیں ۱۲ ش

الا انکار علی من لم یفعلہ من الصحابۃ؂ کیونکہ صحابہؓ میں سے جس شخص نے ان کو ادا نہیں کیا تو حضرت نے ان پر انکار نہیں کیا اور نہیں ٹوکا میں یہ جواب ہے
اس کا جو ہدایہ کے قول پر کسی نے اعتراض کیا ہے ہدایہ کا قول یہ ہے کہ اعتکاف سنت موکدہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اخیر عشرہ رمضان
میں مواظبت کی ہے اور مواظبت دلیل ہے سنت ہونے کی اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ مواظبت بغیر ترک کے دلیل ہے وجوب کی تو واجب کہنا چاہیے نہ سنت
موکدہ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت نے تارک پر انکار نہیں کیا اگر واجب ہوتا تو ضرور ٹوکتے کذا فی الشامی ومستحب فی غیرہ من الازمنۃ ہو بمعنی غیر الموکدۃ
تیسری قسم اعتکاف مستحب ہے جو اس کے سوا اور زمانوں میں ہے اور مستحب بمعنی سنت غیر موکدہ کے ہے وشرط الصوم لصحۃ الاول اتفاقا فقط علی المذہب
اور شرط کیا گیا ہے روزہ واسطے صحت قسم اول یعنی واجب کے فقط بالاتفاق بنا بر مذہب صحیح کے م علی المذہب فقط کے ساتھ علاقہ رکھتا ہے اور یہی روایت
ہے اصل کی اور اس کے مقابل روایت حسن کی ہے کہ نفل اعتکاف میں بھی شرط ہے اور یہ مبنی ہے اختلاف پر اس بات میں کہ نفل میں تقیید وتقدیر یوم کی ہے
یا نہیں پس اصل کی روایت پر یوم کی قید وتقدیر نہیں ہے اس لیے روزہ بھی شرط نہیں اور جس روایت میں یوم کی قید ہے یعنی حسن کی روایت میں تو اس
میں صوم شرط ہے جیسا بدائع وغیرہ میں ہے میں کہتا ہوں کہ اس کا مقتضا یہ ہے کہ اعتکاف مسنون میں بھی صوم شرط ہے کیونکہ وہ رمضان کے عشرہ اخیرہ میں
ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر اعتکاف کرے بلا صوم کسی مرض یا سفر کی جہت سے تو چاہیے کہ سنت نہ شمار کیا جاوے بلکہ نفل ہو اور اس سے سنت کفایہ کی بجا آوری
حاصل نہ ہو قالہ الشامی وبسط فلو نذر اعتکاف لیلۃ لم یصح وان نوی معہا الیوم لعدم محلیتہا للصوم اما لو نوی بہا الیوم صح والفرق لا یخفی پس اگر رات کے
اعتکاف کی نذر کی تو صحیح نہیں ہے اگرچہ اس کے ساتھ دن کی نیت بھی کرے کیونکہ رات محل صوم کا نہیں ہے لیکن اگر رات بولے اور یوم ارادہ کرے تو
درست ہے اور فرق مخفی نہیں ہے م فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں یوم کو تابع رات کے کیا ہے اور جب متبوع میں نذر نادرست ہوئی تو تابع میں بھی نادرست
ہوئی اور دوسری صورت میں لیلہ بولا اور یوم مراد لیا یعنی مجاز مثل دو مرتبہ کا اس طرح کہ پہلے مقید کو یعنی لیلہ کو مطلق زمانہ میں استعمال کیا پھر اس مطلق
کو مقید میں استعمال کیا پس یوم مقصود ہوا قالہ الحلبی میں کہتا ہوں کہ یہ نرم مشکل ہے کیونکہ اطلاق نہار کا مطلق زمانہ پر جائز ہے نہ لیل کا اطلاق اور اگر
اس طرح بولنا اطلاق وتقیید کے ملاحظے سے جائز رکھا جاوے تو چاہیے کہ اطلاق آسمان کا زمین پر یا درخت خرما کا کسی غیر طویل پر انسان کے سوا جائز ہو حالانکہ
کتب اصول میں اس کے خلاف کی تصریح کی ہے قال الشامی بخلاف ما لو قال فی نذرہ لیلا ونہارا فانہ یصح وان لم یکن اللیل محلا للصوم لانہ یدخل
اللیل تبعا بخلاف اس کے کہ کہے اپنی نذر میں رات اور دن کہ یہ نذر درست ہے اگرچہ رات محل صوم کا نہیں ہے کیونکہ رات بالتبع داخل ہے واعلم ان الشرط
فی الصوم مراعاۃ وجودہ لا ایجادہ للشروط قصدا اور واضح ہو کہ صوم میں شرط ہے لحاظ روزہ کے موجود ہونے کا نہ قصداً رکھنا معتکف کا صوم کو واسطے اعتکاف
مشروط کے م یعنی اعتکاف میں روزہ کا وجود ضروری ہے نہ ایجاد بہ نیت اعتکاف جیسا وضو وجود زمانہ کے لیے شرط ہے نہ یہ کہ قصداً نماز کے لیے وضو کیا
ہو فلو نذر اعتکاف شہر رمضان لزمہ واجزاہ صوم رمضان عن صوم الاعتکاف پس اگر ماہ رمضان کے اعتکاف کی نذر کی تو اعتکاف لازم ہوگا
اور روزہ رمضان کا صوم اعتکاف کی جگہ کافی ہوگا لکن قالوا لو صام تطوعا ثم نذر اعتکاف ذلک الیوم لم یصح لانتفاۃ من اولہ تطوعا فتعذر جعلہ واجبا لیکن فقہا
نے کہا ہے کہ اگر نفل روزہ رکھا پھر اس روز کے اعتکاف کی نذر کی تو صحیح نہ ہوگی کیونکہ روزہ شروع میں نفل تھا پھر اس کو واجب کرنا متعذر ہے اور یہ
بھی وجہ ہے کہ دن بھر کا اعتکاف پورا نہ ہوا اور اعتکاف واجب کی اقل مقدار مقررہ ہے کذا فی الشامی وان لم یعتکف رمضان المعین قضی شہرا غیرہ بصوم
مقصود اور اگر رمضان کا اعتکاف نہ کیا تو قضا کرے کسی دوسرے مہینے میں ساتھ صوم مقصود کے م یعنی پیہم کیونکہ اس نے التزام کیا تھا اعتکاف
معین مہینے میں اور وہ فوت ہو گیا تو اس کی قضا بھی پیاپے ہوگی جیسا اگر واجب کیا اپنے ذمہ اعتکاف رجب کا اور اس میں اعتکاف نہ کیا کذا فی

؂ قولہ وان نوی معہا الیوم لیکن اگر یوم کے اعتکاف کی نذر کی اور اس کے ساتھ رات کی بھی نیت کی تو دونوں لازم ہوں گے کذا فی البحر ۱۲

البدائع لعود شرطہ الی الکمال الاصلی واسطے رجوع کرنے شرط اعتکاف یعنی صوم کے طرف کمال اصلی کے م یعنی نذر کی جہت سے صوم مقصوداً لازم ہوا تھا
لیکن بسبب شرف رمضان کے ساقط ہو گیا تھا جب رمضان گذر گیا اور اس نے اعتکاف نہ کیا تو وہ نذر بمنزلہ اس نذر کے ہوئی جس میں وقت کی قید نہ ہو
تو اس کی شرط نے کمال کی طرف رجوع کیا کہ اعتکاف واجب ہوا ساتھ صوم مقصود علیحدہ کے بسبب زائل ہونے مانع کے یعنی رمضان کے قالہ الشامی فلم یجز فی
رمضان آخر ولانی واجب سوی قضاء رمضان الاول لانہ خلف عنہ وتحقیقہ فی الاصول فی بحث الامر پس جائز نہ ہوگا اعتکاف دوسرے رمضان میں نہ کسی اور
واجب صوم میں سوائے قضائے رمضان اول کے کیونکہ قضائے رمضان خلیفہ ہے اول کا یعنی اولے رمضان کا اور تحقیق اس مسئلہ کی اصول فقہ میں ہے
امر کی بحث میں واقلہ نفلا ساعۃ من لیل او نہار عند محمد وہو ظاہر الروایۃ عن الامام لبناء النفل علی المسامحۃ وبہ یفتی اور اقل مدت اعتکاف نفل کی ایک ساعت
ہے رات کی یا دن کی نزدیک امام محمد کے اور یہی ظاہر الروایت ہے امام صاحب سے واسطے مبنی ہونے نفل کے سہولت پر اور اسی پر فتویٰ ہے یعنی نفل میں
آسانی کی جہت سے وہ باتیں جائز ہیں کہ فرض و واجب میں نہیں ہوتیں مثلاً نماز نفل بیٹھ کر پڑھنا باوجود قدرت قیام کے کذافی الطحطاوی والساعۃ فی عرف
الفقہاء جزء من الزمان لاجزء من اربعۃ وعشرین کما یقولہ المنجمون کذافی عزرالافکار وغیرہ اور ساعت فقہا کی اصطلاح میں ایک ادنیٰ جزو ہے زمانہ کا نہ چوبیسواں
حصہ شب و روز کا جو منجموں کی اصطلاح ہے چنانچہ عزرالافکار وغیرہ میں مذکور ہے فلو شرع فی نفلہ ثم قطعہ لایلزمہ قضاءہ لانہ لایشترط لہ الصوم علی الظاہر
من المذہب پس اگر شروع کیا نفل اعتکاف میں پھر توڑ دیا تو نہیں لازم ہے قضا اس کی کیونکہ صوم شرط نہیں ہے اعتکاف نفل کے لیے بنا بر ظاہر مذہب کے
وما فی بعض المعتبرات انہ یلزم بالشروع مفرع علی الضعیف قالہ المصنف وغیرہ اور وہ جو بعض معتبر کتابوں میں ہے جیسے بدائع کہ اعتکاف شروع کرنے سے
لازم ہوتا ہے سو متفرع ہے ضعیف روایت پر ذکر کیا اس کو مصنف نے اور اس کے غیر نے م یعنی حسن کی روایت پر متفرع ہے جس میں یہ ہے کہ اعتکاف کی اقل
مدت ایک یوم ہے قالہ الشامی وحرم علیہ ای علی المعتکف اعتکافا واجبا اما النفل فلہ الخروج لانہ منہ لا مبطل کما مر اور حرام ہے مسجد سے نکلنا اس معتکف کو کہ اعتکاف
واجب کر رہا ہے لیکن نفل میں اس کو خروج جائز ہے اس واسطے کہ خروج اعتکاف کو ختم کرنے والا ہے نفل والے کے حق میں نہ باطل کرنے والا جیسا کہ گذر
ہوا کہ نفل اعتکاف کی کم تر مدت ایک ساعت ہے م اعتکاف واجب میں نکلنا حرام اس واسطے ہوا کہ یہ ابطال ہے عمل کا اور ابطال عمل کا جائز نہیں ہے
قال اللہ تعالیٰ ولا تبطلوا اعمالکم یعنی اور نہ باطل کر دو اپنے عملوں کو الخروج الا لحاجۃ الانسان طبیعیۃ[1] کبول وغائط وغسل لو احتلم ولا یمکنہ الاغتسال فی المسجد
کذافی النہر حرام ہے معتکف کو خروج مسجد سے مگر واسطے حاجت انسانی کے حاجت یا طبعی ہو جیسے بول براز اور غسل اگر احتلام ہو جاوے اور مسجد میں غسل
کرنا ممکن نہ ہو کذافی النہر م پس اگر ممکن ہو اس طرح کہ مسجد ملوث نہ ہو تو مضائقہ نہیں اور اگر مستعمل پانی سے مسجد ملوث ہو تو غسل سے منع کیا جاوے کیونکہ
نظافت اور صفائی مسجد کی واجب ہے کذافی البدائع او شرعیۃ کعید واذان لو موذنا وباب المنارۃ خارج المسجد والجمعۃ وقت الزوال یا حاجت شرعی ہو
جیسے عید اور اذان اگر معتکف موذن ہو اور منارہ کا دروازہ مسجد سے باہر ہو اور واسطے جمعہ کے وقت زوال کے م اذان کے لیے موذن کی قید قول ضعیف
ہے اور صحیح یہ کہ موذن اور غیر موذن میں فرق نہیں جیسا بحر اور امداد میں ہے اور بحر میں کہا ہے کہ چڑھنا اس جگہ پر جہاں اذان دی جاتی ہے مفسد نہیں
ہے اگر دروازہ اس کا مسجد میں ہے اور جو مسجد سے باہر ہے تب بھی یہی حکم ہے ظاہر الروایت میں انتہی میں کہتا ہوں کہ بدائع سے ظاہر معلوم ہوتا
ہے کہ اذان بھی شرط نہیں ہے کیونکہ اس نے کہا ہے کہ اگر منارہ پر چڑھا تو اعتکاف فاسد نہ ہوا بلا خلاف اگرچہ دروازہ منارہ کا مسجد سے باہر ہو کیونکہ
منارہ مسجد میں ہے اس واسطے کہ جو چیز مسجد میں ممنوع وہ منارہ میں بھی ممنوع ہے مثل بول وغیرہ کے پس مشابہ ہوا مسجد کے گوشہ کا انتہی لیکن جس صورت
میں کہ دروازہ خارج ہو اس کو مقید کرنا چاہیے کہ نکلے اذان کے لیے کیونکہ منارہ گو داخل مسجد ہے لیکن مسجد سے نکل کر جو دروازہ منارہ تک جاوے گا

---

[1] طبیعیۃ حال ہے یا خبر کان محذوف کی اور شرعیہ اس پر معطوف اور لفظ اذ متن کا ہے اور والجمعہ کا واو شرح کا ہے ۱۲ ش

وہ نکلنا بے عذر ہے اور اس تقدیر پر کلام شارح کا ضعیف مذہب پر متفرع نہیں اور جملہ و باب المنارۃ الخ حال ہے موذن سے جس کا مفہوم مخالف معتبر ہے قالہ الشامی **ومن بعد منزلہ ای معتکفہ خرج فی وقت یدرکہا** مع سنتہا یحکم فی ذلک رایہ اور جو شخص کہ مسجد اعتکاف اس کی دور ہو یعنی جامع مسجد سے تو نکلے ایسے وقت کہ جمعہ مع اس کی سنتوں کے پاوے اس بات میں اپنی رائے کو حکم کرے م یعنی مع خطبہ کے پاوے جیسا بدائع میں ہے مگر اس کو ذکر نہیں کیا کیونکہ سنتیں پہلے خطبہ کی ہوتی ہیں قالہ الشامی **ویستن بعدہا اربعا او ستا علی الخلاف** اور سنتیں پڑھے بعد جمعہ کے چار یا چھ بنا بر خلاف امام صاحب کے اور صاحبین کے یعنی امام کے نزدیک چار اور صاحبین کے نزدیک چھ کذا فی البدائع **ولو مکث اکثر لا یفسد لانہ محل لہ وکرہ تنزیہا لمخالفۃ ما التزم بلا ضرورۃ** اگر جامع مسجد میں زیادہ ٹھہرا یعنی جیسے ایک رات دن یا اعتکاف وہاں ہی تمام کیا کذا فی السراج تو فاسد نہ ہوگا کیونکہ جامع مسجد محل اعتکاف ہے لیکن ٹھہرنا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ جو التزام کیا تھا اس کی مخالفت کی بے ضرورت م اور اس میں اشارہ ہے کہ جامع مسجد میں ٹھہرنا اور گھر میں ٹھہرنا جب حاجت کے لیے جاوے ان دونوں میں فرق ہے کہ گھر میں ٹھہرنے سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے اور بدائع میں مذکور ہے کہ جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے یعنی رخصت عیادت مریض اور صلوۃ جنازہ کے باب میں پس ابو یوسفؒ نے کہا ہے کہ محمول ہے اعتکاف نفل پر اور ممکن ہے کہ رخصت محمول ہو اس صورت پر کہ نکلے کسی حاجت کے لیے یا جمعہ کے لیے اور راہ میں مریض کی عیادت کرے اور جنازہ کی نماز پڑھ لے بغیر اس کے کہ قصداً اس کے واسطے نکلے اور یہ جائز ہے انتہی اور اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی ضرورت کے واسطے نکل آیا تو ٹھہرنا اسی صورت میں مضر ہے کہ مسجد میں نہ ہو اور عیادت کے واسطے نہ ہو قالہ الشامی **فلو خرج ولو ناسیا ساعۃ زمانیۃ لا رملیۃ کما مر بلا عذر فسد فیقضیہ** پس اگر نکلا معتکف گو بھولے سے ایک ساعت یعنی جزو زمانہ کا نہ ساعت رملی جیسا پہلے مذکور ہوا بغیر عذر کے تو اعتکاف فاسد ہو گیا پس اس کی قضا کرے م یعنی اگر اعتکاف واجب بالنذر ہو اور تطوع کو اگر یوم کے تمام ہونے سے پہلے قطع کیا تو نہیں قضا ہے مگر موافق روایت حسن کے چنانچہ مذکور ہو چکا اور قضا کرے اعتکاف منذور کو مع صوم کے اتنی بات ہے کہ اگر مہینہ معین ہے تو قضا بقدر فساد کے ہوگی ورنہ استیناف کرے کیونکہ اعتکاف لازم ہوا تھا پیاپے اور فرق نہیں ہے اگر فساد صنع عبد سے بدون عذر کے جیسے جماع یا عذر سے ہو جیسا مرض کی وجہ سے نکل آنا یا بغیر صنع عبد کے ہو جیسے حیض ونفاس وجنون وبہت سی بیہوشی اور اس کا حکم یہ ہے کہ جب اپنے وقت سے فوت ہو جاوے تو اگر بعض فوت ہوا ہے تو اسی قدر قضا کرے فقط اور استیناف واجب نہیں اور اگر کل فوت ہو وے تو کل کی قضا کرے پیہم پس اگر قادر ہوا اور قضا نہ کی یہاں تک کہ مر گیا تو وصیت کرے ہر روز کے لیے مسکین کا طعام اور اگر بعض پر قادر ہوا تب بھی یہی حکم ہے اور اگر وقت نذر کے صحیح وسالم ہے اور اگر نذر کے وقت تندرست نہیں تھا پھر اس روز بھی تندرست ہو گیا تو وہ اسی خلاف پر ہے جو روزہ کے باب میں مذکور ہوا اور اگر ایک روز کو بھی تندرست نہیں ہوا تو اس پر کچھ لازم نہیں کذا فی البدائع ملخصاً **الا اذا افسدہ بالردۃ** مگر جب کہ فاسد کر دیا اعتکاف مرتد ہو کر م اس واسطے کہ ارتداد ساقط کرتا ہے اس کو جو پہلے واجب ہوا تھا خواہ خدائے تعالیٰ کے ایجاب سے ہوا بندہ کے اور نذر بندہ کے واجب کرنے سے ہے قالہ الشامی **واعتبرا اکثر النہار قالوا وہو الاستحسان** اور خروج میں صاحبین نے اکثر روز کا اعتبار کیا ہے علما نے کہا ہے کہ یہی استحسان ہے م اس واسطے کہ خروج قلیل میں ضرورت ہے کذا فی الہدایہ اور شارح نے اس کو بلفظ قالوا بیان کیا جس سے خلاف اور ضعف کی طرف اشعار ہے اس وجہ سے کہ کمال نے اس میں بحث کی ہے قالہ الشامی **وبحث فیہ الکمال** اور اس میں کمال نے بحث کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مدار تخفیف کا ضرورت ہوتی ہے اور بے عذر نکلنے میں ضرورت نہیں ہے پس اس کا استحسان ہونا مسلم نہیں **وان خرج لعذر یغلب وقوعہ وہو ما مر لا غیر لا یفسد وان ما لا یغلب کانجاء غریق وانہدام مسجد فمسقط للاثم لا للبطلان والا لکان النسیان اولی بعدم الفساد کما حققہ الکمال** اور اگر نکلا کسی

ف۱ شاید مسجد اول اعتکاف کے لیے اس واسطے متعین نہ ہوئی کہ زمان اور مکان نذر میں متعین نہیں ہوتا اور عدم جواز خروج بلا عذر اس کی تعیین کی جہت سے نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے کہ خروج حقیقت اعتکاف کے خلاف ہے کہ وہ لبث واقامت ہے ۱۲ ش ف۲ مدایت اس میں مستثنیٰ ہے ۱۲

عذر سے جو غالب الوقوع ہے اور وہ سابقاً مذکور ہو چکا یعنی طبعی یا شرعی نہ سوا اس کے تو نہیں فاسد ہوتا اور جو عذر غالب الوقوع نہیں ہے جیسا ڈوبنے کا بچانا
یا مسجد کا گرنا سو گناہ کو ساقط کرتا ہے نہ بطلان کو ورنہ نسیان کی صورت میں بطریق اولیٰ فاسد نہ ہوتا جیسا کمال نے تحقیق کیا ہے خلافاً لما فصلہ الزیلعی وغیرہ
برخلاف اس کے جو زیلعی وغیرہ نے تفصیل کی ہے م زیلعی نے مفسدات میں شمار کیا ہے نکلنا مریض کی عیادت کو اور جنازہ کی نماز کو اور غریق کے بچانے کو اور
آگ بجھانے کو اور جہاد کو جب نفیر عام ہو اور ادائے شہادت کو بخلاف اس کے کہ مسجد کے انہدام کی جہت سے کسی دوسری مسجد میں چلا گیا یا مسجد والے متفرق
ہو گئے کہ اس صورت میں صلوات خمسہ کی جماعت نہ ملے گی یا ظالم نے بزور نکال دیا یا اپنی جان کا یا مال کا خوف ہو لکن فی النہر وغیرہ جعل عدم الفساد لانہدامہ
او بطلان جماعتہ او اخراجہ کرہاً استحساناً لیکن نہر وغیرہ میں ہے کہ اگر مسجد گر جاوے یا جماعت باطل ہو جاوے یا کوئی شخص بزور نکال دے تو اعتکاف فاسد
نہیں ہوتا بدلیل استحسان م حاصل یہ ہے کہ امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ اعتکاف خروج سے فاسد ہو جاتا ہے مگر بول و غائط اور جمعہ کی نماز کے لیے اور بعض
مشائخ نے بعض مسائل میں عدم فساد کو مستحسن جانا ہے اور شامی نے اس جگہ بسط کیا ہے وفی التتارخانیۃ عن الحجۃ ولو شرط وقت النذر ان یخرج لعیادۃ
مریض وصلوۃ جنازۃ وحضور مجلس علم جاز ذلک فلیحفظ اور تاتارخانیہ میں حجہ سے نقل کیا ہے کہ اگر شرط کیا وقت نذر کے کہ نکلے گا مریض کی عیادت کے لیے
اور نماز جنازہ کے لیے اور مجلس علم میں حاضر ہونے کے لیے تو جائز ہے یہ یاد رہے م لفظ شرط سے ایماء ہے کہ صرف نیت پر اکتفا نہیں حاصل یہ کہ اسباب غالب
الوقوع حکماً مستثنیٰ ہیں اگرچہ شرط نہ کی ہو اور جو غالب الوقوع نہیں ہیں تو وہ مستثنیٰ نہیں ہیں مگر جب کہ نیت کر لی قالہ الشامی وخص المعتکف باکل وشرب
ونوم وعقد احتاج الیہ لنفسہ او عیالہ اور مخصوص ہے معتکف ساتھ کھانے اور پینے اور سونے کے اور عقد کے جس کی ضرورت ہو خواہ اپنے لیے یا اپنے عیال
کے لیے یعنی مسجد میں م ب داخل ہے مقصور علیہ پر یعنی معتکف مقصور ہے کھانے وغیرہ پر مسجد میں اس کو یہ چیزیں حلال نہیں سوا مسجد کے یہ معنی نہیں کہ کھانا
اور عقد وغیرہ معتکف کے سوا دوسرا مسجد میں نہ کرے کیونکہ عقد نکاح و رجعت غیر معتکف کو بھی مسجد میں مکروہ نہیں قالہ الشامی تبعرف فلو لتجارۃ کرہ پس
اگر عقد تجارت کے لیے ہے تو مکروہ ہے م یعنی اگرچہ اسباب تجارت کو مسجد میں حاضر نہ کیا جاوے اور اسی کو قاضی نے اختیار کیا ہے اور زیلعی نے ترجیح
دی ہے کیونکہ وہ خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ ہے دنیا سے منقطع ہے اس کو ان امور دنیاوی کی طرف اشتغال نہ چاہیے کذا فی البحر قالہ الشامی کبیع ونکاح
ورجعۃ فلو خرج لاجلہا فسد لعدم الضرورۃ مانند بیع اور نکاح اور رجعت کے (رجعت کا عطف اکل پر ہے کیونکہ بیع پر عطف نہیں ہو سکتا جب تک عقد
میں ایسی تاویل نہ کریں کہ جس سے رجعت کو بھی شامل ہو کذا فی الشامی) پس اگر نکلا ان امور کے لیے تو اعتکاف فاسد ہو گیا کیونکہ ضرورت خروج کی نہ تھی م ظہیریہ
میں ہے کہ نکلے بعد غروب کے کھانے پینے کے لیے الخ اور یہ محمول ہونا چاہیے اس صورت پر کہ اس کے پاس کوئی آدمی ایسا نہ ہو کہ کھانا پہنچا وے اس لیے کہ
اس وقت یہ نکلنا حوائج ضروریہ میں ہو گا مثل بول کے کذا فی البحر وکرہ ای تحریماً لانہا محل اطلاقہم بحر احضار مبیع فیہ اور مکروہ ہے حاضر کرنا بیع کا مسجد میں
یعنی مکروہ تحریمی کیونکہ کراہت تحریمی محل ہے فقہا کے مطلق رکھنے کا کذا فی البحر یعنی جس جگہ مطلق مکروہ بولتے ہیں وہاں ان کی مراد مکروہ تحریمی ہوتی ہے کما
کرہ فیہ مبایعۃ غیر المعتکف مطلقاً للنہی جیسا مکروہ ہے مسجد میں بیع و شرا غیر معتکف کے لیے مطلقاً یعنی اپنے نفس کے واسطے ہو یا عیال کے یا تجارت کے لیے
مبیع حاضر ہو یا نہ ہو بسبب نہی کے جو اس باب میں وارد ہے اور ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا بیع و شراء
سے مسجد میں اور گم شدہ کی تلاش سے مسجد میں اور شعر پڑھنے سے اور منع فرمایا حلقہ باندھ کر بیٹھنا نماز سے پہلے جمعہ کے روز کذا فی الفتح وکذا اکلہ ونومہ الا
لغریب اشباہ اور اسی طرح مکروہ ہے غیر معتکف کو کھانا اور سونا مسجد میں مگر مسافر کو کذا فی الاشباہ وقد قدمنا قبیل الوتر اور ہم اس کو بیان کر چکے ہیں وتر
سے کچھ پہلے لکن قال ابن کمال لا یکرہ الاکل والشرب والنوم فیہ مطلقاً ونحوہ فی المجتبیٰ لیکن ابن کمال نے کہا ہے کہ نہیں مکروہ ہے کھانا پینا سونا مسجد میں بالکل
مثل اس کے مجتبیٰ میں ہے م ابن کمال نے اسبیجابی سے نقل کیا ہے کہ غیر معتکف کو جائز ہے سونا مسجد میں مقیم ہو یا مسافر لیٹ کر یا تکیہ لگا کر پاؤں جا

قبلہ کے ہوں یا کسی اور طرف پس معتکف کو بالاولی جائز ہے انتہی اور معراج میں بھی اس کو نقل کیا ہے اور اس سے مطلقا کی تفسیر واضح ہو جاتی ہے طحطاوی نے کہا کہ یہ قول کہ پاؤں قبلہ کی طرف ہوں غیر مسلم ہے کیونکہ علما نے اس کی کراہت پر تصریح کی ہے اور شارح کے کلام کا مفاد ترجیح اس استدراک کی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ کھانا پینا بھی مثل نوم کے ہے جب کہ مسجد کو نہ روکے اور نہ ملوث کرے کیونکہ مسجد کی صفائی اور تنظیف واجب ہے لیکن در تا ہی میں کہا ہے کہ معتکف کھاوے پیوے سووے بیع و شرا کرے مسجد میں نہ غیر معتکف اور ملا علی نے اس کی شرح میں کہا ہے کہ غیر معتکف کچھ نہ کرے ان اشیائے مذکورہ میں سے مسجد میں اور اسی کے مانند قہستانی میں ہے پھر مجتبیٰ کی عبارت نقل کی ہے قالہ الشامی و یکرہ تحریما صمت ان اعتقدہ قربۃ ولالا لحدیث من صمت نجا اور مکروہ تحریمی ہے اعتکاف میں چپ رہنا اگر اس کو عبادت جانتا ہے ورنہ مکروہ نہیں کہ حدیث میں آیا ہے جو شخص چپ رہا نجات پائی امام ابوحنیفہؒ نے ابوہریرہؓ سے مسنداً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے صوم وصال[1] سے اور صوم صمت سے کذافی الفتح قالہ الشامی و یجب ای الصمت کما فی عزر الاذکار عن شر لحدیث رحم اللہ امرأ تکلم فغنم او سکت فسلم اور چپ رہنا واجب ہے برے کلام سے کذافی عزر الاذکار واسطے مضمون اس حدیث کے خدا رحم کرے اس شخص کو کہ بولے تو غنیمت حاصل کرے اور چپ رہے تو سلامت رہے م یجب کہا بالفرض نہیں کہا تاکہ شامل ہو واجب کو بھی کیونکہ کلام کبھی حرام ہوتا ہے جیسے غیبت مثلاً اور کبھی مکروہ ہوتا ہے جیسے برے شعر پڑھنا یا ذکر اللہ کرنا چیز کی بکری کے واسطے پس چپکا رہنا اول قسم سے فرض ہے اور دوسری قسم سے واجب قالہ الشامی و تکلم الا بخیر وہو مالا اثم فیہ اور مکروہ ہے اعتکاف میں بولنا مگر بھلی بات اور خیر وہ ہے کہ جس میں گناہ نہ ہو ومنہ المباح عندالحاجۃ الیہ لاعند عدمہا وہو محمل مافی الفتح انہ مکروہ فی المسجد یاکل الحسنات کما یاکل النار الحطب کما حققہ فی النہر اور جس کلام میں گناہ نہیں اس میں داخل ہے کلام مباح جب اس کی طرف حاجت ہو نہ وقت عدم حاجت کے یعنی امور دنیاوی میں کلام کرنا جس وقت اس میں قصد تقرب کا نہ ہو ورنہ اس میں ثواب ہے کذافی الشامی اور یہی یعنی بے ضرورت کلام کرنا محمل ہے فتح القدیر کی عبارت کا کہ کلام کرنا مسجد میں مکروہ ہے حسنات کو اس طرح کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو چنانچہ نہر میں اس کو محقق کیا ہے م مسجد میں کلام مکروہ اس وقت ہے کہ کلام کے لیے مسجد میں بیٹھے جیسا ظہیریہ میں قید لگائی ہے ذکرہ فی البحر اور معراج میں شرح شاہ سے نقل کیا ہے کہ مسجد میں بات کرنے کا کچھ مضائقہ نہیں ہے اگر قلیل ہو پس اگر مسجد کا قصد باتوں کے لیے کرے تو مکروہ ہے اور وعید سے ظاہر کراہت تحریمی معلوم ہوتی ہے قالہ الشامی کقرأۃ قرآن وحدیث وعلم وتدریس فی سیر الرسول علیہ السلام وقصص الانبیاء علیہم السلام وحکایات الصالحین وکتابۃ امور الدین اور کلام خیر یہ چیزیں ہیں جیسے قرآن پڑھنا اور حدیث اور علم دین اور پڑھنا سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور قصص انبیاء علیہم السلام کے اور حکایتیں صلحا کی اور لکھنا دینی باتوں کا وبطل بوطی فی فرج انزل ام لا اور باطل ہوتا ہے اعتکاف وطی سے فرج میں یعنی اگلے مقام میں یا پچھلے میں انزال ہو یا نہ ہو ولو کان وطیہ خارج المسجد لیلا او نہارا عامدا او ناسیا فی الاصح لان حالتہ مذکرۃ اگرچہ وطی کرنا مسجد سے باہر ہو رات کو ہو یا دن کو قصداً ہو یا بھول کر اصح روایت میں اس واسطے کہ حالت اعتکاف کی یاد دلاتی ہے م درر کے اتباع سے یہ تعمیم کی ہے اس میں اشارہ ہے کہ عنایہ وغیرہ میں جو مذکور ہے وہ مردود ہے یعنی معتکف تو مسجد میں رہتا ہے اس کو وطی کہاں میسر ہے پھر کہا کہ اس کی تاویل علما نے یہ کی ہے کہ جب اپنی حاجت کے لیے نکلے تو اس وقت وطی کرنا حرام ہے اور شرح تاویلات میں ذکر کیا ہے کہ صحابہ نکلا کرتے تھے اور اپنی قضائے حاجت یعنی جماع کر کے غسل کر کے پھر اعتکاف کے مقام میں چلے جاتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی ولا تباشروہن وانتم عاکفون فی المساجد یعنی ان سے صحبت نہ کرو جس وقت کہ تم مسجدوں میں معتکف ہو شیخ اسمعیل نے کہا کہ اس میں نظر ہے کیونکہ مسجد میں وطی ممکن ہے اگرچہ اس میں حرمت دوسری جہت سے ہو یعنی مسجد میں بحالت جنابت رہنا علاوہ بریں یہ ہو سکتا ہے کہ زوجہ معتکف ہو اپنے گھر کی مسجد میں اور اس کا خاوند اس سے مباشرت کرے تو عورت کا اعتکاف باطل ہو جاوے گا اور

[1] صوم وصال کا بیان پہلے ہو چکا کہ پے در پے روزہ رکھنا بدون کچھ کھانے کے اور صوم صمت یہ ہے کہ روزہ رکھے اور بات نہ کرے ۱۲

اصح کا مقابل ابن سماعہ کا قول ہے کہ بھول کر وطی سے اعتکاف نہیں جاتا صوم پر قیاس کر کے کذافی البرہان اور راصح مذہب کی علت یہ ہے کہ اعتکاف اور صوم میں فرق ہے کیونکہ اعتکاف میں حالت یاد دلانے والی موجود ہے یعنی مسجد میں ہونا بخلاف صائم کے قالہ الشامی وبطل بانزال بقبلۃ اولمس او تفخیذ اور باطل ہوتا ہے اعتکاف انزال سے بسبب بوسہ لینے کے یا ہاتھ لگانے یا ران میں دینے کے کہ یہ فعل انزال سے بمنزلہ جماع سے ہو گئے ولو لم ینزل لم یبطل وان حرم الکل لعدم الحرج اور اگر انزال نہ ہو تو نہیں باطل ہوتا اگرچہ دواعی وطی کی تمام حرام ہیں واسطے نہ ہونے حرج کے اور عدم بطلان سے حلت لازم نہیں آتی ولا یبطل بانزال بفکر او نظر ولا بسکر لیلا اور نہیں باطل ہوتا اعتکاف انزال سے ساتھ فکر یا نظر کے اور نہ نشے سے رات کو ولا باکل ناسیا لبقاء الصوم بخلاف اکلہ عمدا اور ردۃ اور نہیں باطل ہوتا کھانے سے بھول کر کیونکہ روزہ باقی رہتا ہے برخلاف اس کے کہ عمداً کھالے یا مرتد ہو جاوے کہ ان سے باطل ہوتا ہے مع قاعدہ یہ ہے کہ جو ممنوعات اعتکاف کے ہیں یعنی اعتکاف کی جہت سے تو ان میں سہو اور عمد اور دن اور رات برابر ہیں جیسے جماع اور خروج مسجد سے اور جو محظورات صوم کے ہیں یعنی روزہ کی جہت سے اعتکاف میں ممنوع ہوئے ہیں تو ان میں سہو[1] اور عمد[2] اور رات اور دن میں فرق ہے جیسے کھانا پینا کذافی البدائع وکذا اغماء وجنونہ ان دام ایاما فان دام جنونہ سنۃ قضی استحسانا اور اسی طرح باطل نہیں ہوتا بیہوشی اور جنون سے اگرچہ چند روز ہیں دایام سے مراد یہ کہ صوم فوت ہو جاوے بسبب عدم امکان نیت کے، پس اگر ٹھہر گیا جنون برس روز تو اعتکاف قضا کرے استحساناً اور قیاس یہ ہے کہ قضا نہ کرے جیسا صوم رمضان میں وجہ استحسان کی یہ ہے کہ رمضان کے روزوں میں جو قضا ساقط ہوئی تو دفع حرج کی جہت سے ساقط ہوئی کیونکہ جنون جب لاحق ہوتا ہے تو کم ٹھہر جاتا ہے کیونکہ رمضان ہر سال آتا ہے تو روزوں کی قضا میں تنگ ہو گا اور اعتکاف میں یہ بات متحقق نہیں کذافی الفتح قالہ الشامی ولزمہ اللیالی بنذرہ بلسانہ اعتکاف ایام ولاء ای متتابعۃ وان لم یشترط التتابع اور لازم ہوں گی اس کو بہم راتیں یعنی ان میں اعتکاف بسبب نذر کرنے کے زبان سے اعتکاف ایام کا مثلاً دس دن کا اگرچہ پے درپے ہونے کی شرط نہ کی ہو صوم ولاء حال ہے لیالی سے اور اصل یہ ہے کہ جب رات اور دن اعتکاف میں داخل ہوں گے تو دونوں پے درپے لازم ہوں گے اگر متفرق اعتکاف کرے گا تو کافی نہ ہو گا کذافی البحر اسی طرح اگر مہینے غیر معین کے اعتکاف کی نذر کی تو لازم ہو گا اعتکاف ایک مہینے کا کوئی سا ہو پے درپے رات دن بخلاف روزہ کے کہ جب نذر کرے مہینے غیر معین کے روزوں کی اور بہم کا ذکر نہ کرے اور نہ نیت کرے تو اس کو اختیار ہے کہ متفرق رکھ لے اس واسطے کہ اعتکاف عبادت دائمہ ہے اس کی بنا اتصال پر ہے کعکسہ لان ذکر احد العددین بلفظ الجمع التثنیۃ یتناول الآخر جیسا اس کے برعکس اور وہ یہ کہ نذر کرے راتوں کے اعتکاف کی تو ایام لازم ہوں گے اس واسطے کہ ذکر ایک کا دونوں عددوں میں سے لفظ جمع کے ساتھ اور اسی طرح تثنیہ کے ساتھ شامل ہے دوسرے کو بھی مع یعنی بحکم عرف اور عادت کے مثلاً عرف میں کہتے ہیں کہ ہم وہاں تین روز رہے یعنی تین دن مع راتوں کے اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا ثلث لیال سویا اور ثلثۃ ایام الا رمزا ایک جگہ لیال سے تعبیر کیا دوسری جگہ ایام سے اور قصہ ایک ہی ہے پس مراد دونوں جگہ رات اور دن دونوں ہیں اور جمع عام ہے خواہ صریح ہو جیسے ایام اور لیالی کہنا خواہ ضمنا ہو جیسے ثلثین یوما کہنا اور تثنیہ کی صورت میں اعتکاف دو روز کا مع دو راتوں کے طرفین کے نزدیک لازم ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک پہلی رات اس میں داخل نہیں قالہ الشامی فلو نوی فی نذر الایام النہار خاصۃ صحت نیتہ لنیتہ الحقیقۃ پس اگر نذر کے ایام اور نیت کی خاص نہار کی یعنی نہ رات کی تو اس کی نیت درست صحیح ہے کیونکہ اس نے حقیقت لغوی کی نیت کی گو عرف میں یوم آٹھ پہر کو یعنی مجموعہ شب و روز کو کہتے ہیں اور جب کسی لفظ کے واسطے حقیقت لغوی ہو اور حقیقت عرفی بھی ہو تو اطلاق کے وقت حقیقت عرفی

[1] شرح لباب میں کہا ہے کہ اگر کہا جاوے کیوں نہیں حرام ہوئے دواعی صوم میں اور حیض میں جیسے وطی حرام ہے تو میں کہتا ہوں کہ صوم اور حیض کثیر الوجود ہیں اگر ان میں دواعی حرام ہوتے تو لوگ حرج میں پڑتے اور حرج شرع میں مدفوع ہے ۱۲ [2] یعنی نہ کلام کرو لوگوں سے تین رات برابر ۱۲ [3] نہ کلام کرو لوگوں سے تین دن مگر اشارہ سے ۱۲

کی طرف مصروف ہوتا ہے اس جہت سے یہاں نیت کی ضرورت ہوئی اور جب اس کی نیت صرف نہار میں درست ہوئی تو اس کو اعتکاف ایام کا لازم ہوگا بغیر رات کے اور قبل طلوع فجر کے مسجد میں داخل ہوا کرے اور بعد غروب شمس کے نکلے قال الشامی وان نوی بہا ای بالایام اللیالی لا بل یلزمہ کلاہما اور اگر نیت کی ایام سے لیالی کی تو یہ نیت صحیح نہیں ہے بلکہ لازم ہوں گے رات اور دن دونوں م کیونکہ ایسی نیت کی جو کلام کی محتمل نہیں ہے کذا فی البحر اور حاصل یہ کہ یا لفظ مفرد ہے یا تثنیہ یا جمع اور ہر ایک ان میں سے یا یوم ہو یا لیل اور ہر ایک میں ان چھوؤں میں سے یا حقیقت کی نیت ہو یا مجاز کی یا دونوں کی یا بالکل نیت نہ ہو یہ ہو ہیں صورتیں ہوئیں اور مثنی اور مجموع کا حکم مع ان کی اقسام کے مذکور ہو چکا مفرد باقی رہا پس اگر ایک یوم کے اعتکاف کی نذر کی تو فقط یوم ہی ہوگا نیت اس کی کرے یا نہ کرے اور اگر اس کے ساتھ رات کی بھی نیت کی ہے تو دونوں لازم ہوں گے اور اگر اعتکاف لیل کی نیت کی ہے تو دن لازم نہ ہوگا جب تک اس میں نیت یوم کی نہ ہو کذا فی البحر قال الشامی کما لو نذر اعتکاف شہر ونوی النہار خاصۃ اونوی عکسہ ای اللیل خاصۃ فانہ لا تصح نیتہ لان الشہر اسم لمقدار یشمل الایام واللیالی فلا یحتمل ما دونہ جیسے اگر نذر کیا اعتکاف ایک مہینے کا اور نیت کی دنوں کی خاص کر یا نیت کی اس کے عکس یعنی راتوں کی صرف تو اس کی نیت صحیح نہ ہوگی کیونکہ شہر یعنی مہینہ نام ہے ایک مقدار معین کا جو مشتمل ہے ایام ولیالی کو پس اس میں کم تر پر اطلاق کا احتمال نہیں ہے م یہ جب ہے کہ بلفظ شہر تعبیر کرے اور اگر ثلثین یوما کہے گا تو اس کا حال سابق مرقوم ہو چکا قال الشامی الا ان یستثنی اللیالی فیختص بالنہر مگر اس صورت میں کہ استثنیٰ کرے راتوں کا پس خاص ہو جاوے گا اعتکاف دنوں ہی کا م نہر بالضم جمع ہے نہار کا ولو استثنی الایام صح ولا شئی علیہ لما مر اور اگر دنوں کو استثنی کیا تو استثنی صحیح ہے اور اس پر کچھ لازم نہ ہوگا چنانچہ مذکور ہو چکا م یعنی باب اول میں کہ رات محل صوم نہیں حاصل یہ کہ جب ایام کا یعنی دنوں کا استثنی کر لیا تو باقی صرف راتیں رہ گئیں ان میں اعتکاف منذور صحیح نہیں ہے کیونکہ رات کو اعتکاف کی شرط یعنی صوم کے منافات ہے قال الشامی واعلم ان اللیالی تابعۃ للایام الا لیلۃ عرفۃ ولیالی النحر فتبع للنہار الماضیۃ رفقا بالناس کما فی الحجۃ الولوالجیۃ بذا در جان لو کہ راتیں تابع ہیں ایام کے مگر عرفہ کی رات اور قربانی کی راتیں سو یہ تابع ہیں گذشتہ روز کی لوگوں کی سہولت کے لیے جیسا ولوالجیہ کی الحجۃ میں مذکور ہے اس کو یاد کر لو م یعنی ہر شب تابع ہے اس کی روز کی جو اس کے بعد ہے چنانچہ تراویح رمضان کی اول شب میں پڑھی جاتی ہیں نہ شوال کی اول شب میں تو اس تقدیر پر جب ذکر کرے نذر میں تثنیہ یا جمع کو تو مسجد میں داخل ہو قبل غروب کے اور نکلے نذر پوری ہونے کے دن بعد غروب کے چنانچہ خانیہ میں اس کی تصریح کی ہے اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ جب ایاما بولے تو دن سے شروع کرے پس داخل ہو مسجد میں طلوع فجر سے پہلے م سو اس تقدیر پر لیل داخل نہ ہوگی ایام کی نذر میں مگر جب کہ ایام کے عدد معین ذکر کرے کذا فی البحر اور عرفہ کی رات تابع ہے یوم الترویہ کے اور نحر کی رات تابع ہے عرفہ[1] کے یہاں تک کہ دسویں رات کو وقوف عرفات جائز ہے ولیلۃ القدر دائرۃ فی رمضان اتفاقا الا انہا تتقدم وتتاخر خلافا لہما اور شب قدر رمضان میں دائر ہے بالاتفاق مگر امام صاحب کے نزدیک رمضان کی تاریخوں میں مقدم موخر ہوتی رہتی ہے بخلاف صاحبین کے کہ ان کے نزدیک تاریخ معین ہے مقدم موخر نہیں ہوتی وثمرتہ فیمن قال بعد لیلۃ منہ انت حر او انت طالق لیلۃ القدر فعندہ لا یقع حتی ینسلخ شہر رمضان الآتی لجواز کونہا فی الاول فی الاولی وفی الآتی فی الاخیرۃ وقالا یقع اذا مضی مثل تلک اللیلۃ فی الآتی ولا خلاف انہ لو قال قبل دخول رمضان وقع بمضیہ اور نتیجہ اس اختلاف کا ظاہر ہوتا ہے اس صورت میں کہ کسی شخص نے رمضان کی پہلی تاریخ کے بعد اپنے غلام کو کہا کہ تو آزاد ہے یا بی بی کو کہا کہ تجھ کو طلاق ہے شب قدر میں تو امام اعظم کے نزدیک عتق وطلاق واقع نہ ہوں گے جب تک کہ دوسرا رمضان بتمامہ نہ گذر جاوے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس رمضان کی شب قدر پہلی تاریخ ہو چکی اور دوسرے کی شب قدر آخری تاریخ میں ہو اور صاحبین کہتے ہیں کہ اس رمضان کی جس تاریخ یہ قول کہا ہے تو بالاتفاق اسی رمضان کے گذرنے پر عتق وطلاق واقع ہوں گے قال فی المحیط والفتوی علی قول الامام لکن قیدہ بکون الحالف فقیہا یعرف الاختلاف والا فہی لیلۃ السابع

[1] لیکن ذی الحجہ کی بارھویں تاریخ کے بعد کی رات ماقبل کے تابع نہیں اسی واسطے تیرھویں شب امام کے نزدیک قربانی جائز نہیں بخلاف شافعی کے اور گیارھویں یا بارھویں رات میں قربانی جائز ہے

والعشرین واللہ اعلم محیط میں کہا ہے کہ فتوی امام صاحب کے قول پر ہے لیکن صاحب محیط نے قول امام پر فتوی کو مقید کیا ہے اس بات سے کہ جس نے عتق وطلاق کو شب قدر پر معلق کیا ہے وہ فقیہ ہو اور اختلاف کو جانتا ہو اور اگر شخص مذکور عوام میں سے ہے تو شب قدر ستائیسویں ہے م کیونکہ اول تو عوام اسی کو شب قدر کہتے ہیں دوسرے ایک قول اقوال میں سے یہ بھی منقول ہے کہ ستائیسویں رات کو شب قدر ہوتی ہے اور احادیث کثیرہ اس پر دلالت کرتی ہیں امام صاحب نے یہ جواب دیا ہے کہ اس برس میں اسی تاریخ میں تھی[1] اور یہ جو شارح نے ذکر کیا کہ شب قدر رمضان میں دائر ہے آگے پیچھے ہوتی رہتی ہے یہ ایک قول ہے امام کا اور بحر میں خانیہ سے منقول ہے کہ مشہور قول امام صاحب کا یہ ہے کہ تمام سال میں دائر ہے کبھی رمضان میں ہوتی ہے کبھی غیر مہینے میں میں کہتا ہوں کہ اسی کا مؤید ہے وہ قول جو شیخ محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ میں ذکر کیا ہے کہ لوگوں نے لیلۃ القدر کی تاریخ میں اختلاف کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ تمام سال میں دائر ہے اور میں بھی یہی کہتا ہوں کیونکہ میں نے اس کو کبھی شعبان میں دیکھا اور کبھی ماہ ربیع الاول میں اور اکثر رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں اور ایک بار عشرۂ اوسط میں اور کبھی جفت راتوں میں کبھی طاق میں سو مجھ کو یقین ہے کہ وہ سال بھر میں دائر ہے مہینے کی جفت رات ہو یا طاق انتہی اور اس باب میں علما کے اور اقوال بھی ہیں جو شمار میں چھیالیس کو پہنچتے ہیں

خاتمہ

واضح ہو کہ لیلۃ القدر بڑے مرتبہ کی رات ہے اس کی طلب مستحب ہے اور وہ برس میں افضل شب ہے قرآن مجید میں اس کو ہزار مہینے سے افضل فرمایا ہر عمل خیر اس میں ہزار عمل کے برابر ہے بہ نسبت دوسرے اوقات میں کرنے کے مسلمانوں میں سے جس کو خدائے تعالی چاہے یہ دولت نصیب کرتا ہے اور جو شخص شب قدر کو دیکھے چاہیے کہ چھپاوے اور اخلاص سے یہ دعا کرے اللھم انا نسالک الاخلاص فی القول والعمل وحسن الختام عند انتھاء الاجل واللہ اعلم قال الشامی والحمد للہ اولا و آخرا والصلوۃ والسلام علی سیدنا و مولانا محمد و آلہ و صحبہ اجمعین یہاں تک ترجمہ مترجم ثانی کا تمام ہوا وللہ الحمد ؛

[1] یعنی جن احادیث میں ستائیسویں شب لیلۃ القدر کی مذکور ہے تو جس سال میں آپ نے فرمایا ہے اس میں لیلۃ القدر ستائیسویں کو ہوئی تھی۔ ۱۲ ؛

کتاب الحج

اس کتاب میں احکام حج کا بیان ہے حج کو بعد صلوٰۃ اور صوم کے اس واسطے مذکور کیا کہ یہ رابع ہے عبادات کا اور مرکب ہے عبادت مالی اور بدنی سے ہو بفتح الحاء وکسرہا لغۃ القصد الی معظم لا مطلق القصد کما ظنہ بعضہم حج بفتح وکسر اول لغت عرب میں عظیم الشان چیز کی طرف قصد کرنے کو کہتے ہیں نہ مطلق ہر قصد کو چنانچہ بعضے علما نے گمان کیا ہے م یہ تحقیق ہے صاحب فتح القدیر کی لیکن قاموس وغیرہ کتب لغت سے معلوم ہوتا ہے کہ حج عبارت ہے مطلق قصد سے اور قصد خاص سے بھی یعنی مکہ معظمہ کا قصد کرنا واسطے ادائے عبادت کے وشرعا زیارۃ ای طواف ووقوف فی مکان مخصوص ای الکعبۃ وعرفۃ فی زمن مخصوص فی الطواف من طلوع فجر النحر الی آخر العمر وفی الوقوف من زوال شمس عرفۃ الی فجر النحر بفعل مخصوص بان یکون محرما بنیۃ الحج سابقا کما یجئ لم یقل لاداء رکن من ارکان الدین لتتم حج النفل اور اصطلاح شرع میں حج عبارت ہے زیارت سے مکان خاص میں زمانہ مخصوص میں مخصوص فعل سے زیارت سے مراد طواف اور وقوف ہے اور مکان خاص سے کعبہ معظمہ اور عرفات مراد ہے یعنی بیت اللہ کے گرد گھومنا عید قربانی کی فجر سے آخر عمر تک اور عرفات میں ٹھہرنا عرفے کے دن دوپہر ڈھلے سے عید قربانی کی فجر تک حج کی نیت سے احرام باندھ کر طواف اور وقوف سے پہلے خلاصہ یہ ہے کہ حج کی نیت سے اول احرام باندھ کر طواف اور وقوف کو اوقات مخصوصہ میں ادا کرنا اس کا نام حج ہے چنانچہ تفصیل اس اجمال کی آگے آوے گی مصنف نے حج کی تعریف میں یوں نہ کہا کہ حج عبارت ہے زیارت مکان خاص سے زمانہ مخصوص میں واسطے ادا کرنے ایک رکن کے ارکان دین سے تاکہ حج نفل کو بھی تعریف شامل رہے اور اگر ادائے رکن کی قید لگاتا تو حج نفل تعریف حج سے نکل جاتا اس واسطے کہ رکن فرض کو کہتے ہیں نہ نفل کو م ارکان دین پانچ ہیں کلمہ شہادت اور نماز اور زکوٰۃ اور صوم اور حج بیت اللہ فرض سنۃ تسع وانما اخرہ علیہ السلام لسنۃ عشر لعذر مع علمہ ببقاء حیاتہ لیکمل التبلیغ حج مفروض ہوا ہجرت کے نویں سال اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادائے حج میں دسویں برس تک تاخیر فرمائی بسبب عذر کے اس کے ساتھ یہ بھی تھا کہ حضرت کو اپنی بقائے حیات کا علم تھا تاکہ تبلیغ رسالت کامل ہو جاوے م نویں سال یہ آیت نازل ہوئی وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا یعنی خدا کے واسطے لوگوں پر لازم ہے حج بیت اللہ کا جس کو استطاعت راہ ہو اس کی طرف اس آیت سے فرضیت حج کی ثابت ہوئی اور حضرت نے جو نویں سال حج نہ کیا تو عذر سے نہ کیا عذر یہ کہ یہ آیت بعد گذر جانے ایام حج کے اتری یا خوف تھا کہ اگر مدینہ خالی ہوگا تو مشرکین اس پر ہجوم کریں گے یا مشرکین کے ساتھ حج کرنا مکروہ جانا جب نویں سال صدیق اکبرؓ اور علی مرتضیٰؑ کو بھیج کر کافروں کو بیت اللہ میں آنے سے منع کر دیا تب دسویں سال حج ادا کیا اور عذر پر دلیل یہ ہے کہ تقدیم افضل ہے بالاجماع تو اگر حضرت کو عذر نہ ہوتا تو تاخیر کرنا متصور نہ تھا کذا فی حاشیۃ الحلبی عن النہ علی مرۃ لان سببہ البیت وہو واحد والزیادۃ تطوع تمام عمر میں ایک بار حج فرض ہے اس واسطے کہ سبب حج کا بیت اللہ ہے اور وہ ایک ہے لہذا مسبب بھی واحد ہوا اور ایک بار سے زیادہ حج کرنا نفل ہے م عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اقرع بن حابس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ کیا حج کرنا ہر سال فرض ہے یا ایک بار فرمایا بلکہ ایک بار سو جو کہ ایک بار سے زیادہ حج کرے تو وہ نفل ہے اخرجہ ابوداؤد چونکہ فرضیت حج کی قرآن مجید اور احادیث کثیرہ اور اجماع امت سے ثابت ہے لہذا اس کا منکر کافر ہے اور باوجود قدرت کے اس کا تارک فاسق ہے وفیہ یجب کما اذا جاوز المیقات بلا

[1] یہاں سے پھر ابتدائے ترجمہ مترجم اول کی ہے آخر کتاب تک ۔

احرام فانہ کما فی یجب علیہ احد النسکین فان اختار الحج اتصف بالوجوب اور کبھی واجب ہو جاتا ہے چنانچہ جب احرام باندھنے کے مقام کو بلا احرام طے کر جاوے تو اس پر حج یا عمرہ واجب ہو جاتا ہے چنانچہ ذکر اس کا آوے گا سو اگر وہ شخص حج کرنا اختیار کرے گا تو وہ حج واجب کہلاوے گا وقد یتصف بالحرمۃ کالحج بمال حرام اور گاہے حج حرام کہلاتا ہے چنانچہ مال حرام سے حج کرنا جیسے رشوت یا چوری یا غصب یا سود لینے کے مال سے حج کرنا اس طرح کا حج کرنا حرام ہے جس کو حج کا شوق ہو اس کو اول حلال پیدا کرنا لازم ہے طبرانی نے معجم اوسط میں ابو ہریرہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حاجی حج کو نکلتا ہے مال حلال لے کر اور رکاب میں پاؤں رکھ کر لبیک کہتا ہے تو آسمان سے منادی ندا کرتا ہے لبیک[1] وسعدیک تیرا زاد حلال ہے اور حج تیرا مقبول ہے اور جب نفقہ خبیثہ لے کر نکلتا ہے اور رکاب میں پاؤں ڈال کر لبیک کہتا ہے تو آسمان سے پکارنے والا پکارتا ہے لا لبیک[2] ولا سعدیک تیرا نفقہ حرام ہے اور تیرا حج مقبول نہیں ہے کذا فی الترغیب والترہیب لابن حجر وبالکراہۃ کالحج بلا اذن من یجب استیذانہ اور گاہے حج مکروہ کہلاتا ہے چنانچہ حج کرنا بلا اجازت اس شخص کے جس سے اذن لینا واجب ہے چنانچہ بلا اجازت محتاج والدین کے جانا اور اسی طرح زوجہ اور جمیع اقارب جن کا نفقہ اس شخص پر فرض ہے تو شارح کے بیان سے معلوم ہوا کہ حج فرض بھی ہوتا ہے اور واجب اور نفل اور حرام اور مکروہ بھی اور ظاہر ا حج مباح نہیں ہو سکتا اس واسطے کہ اصلی عبادت ہے کذا فی حاشیۃ الطحطاوی وفی النوازل لو کان الابن صبیحا فللاب منعہ حتی یلتحی اور نوازل میں ہے کہ اگر لڑکا گورا خوبصورت ہو تو اس کے باپ کو جائز ہے کہ اس کو سفر حج سے منع کرے ڈاڑھی نکلنے تک بلکہ گھر کے نکلنے سے بھی روک سکتا ہے کذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی الفور فی العام الاول عند الثانی واصح الروایتین عن الامام ومالک واحمد حج ایک بار فی الفور فرض ہے پہلے سال میں نزدیک ابی یوسفؒ اور امام مالک اور امام محمدؒ کے اور امام اعظم کی اصح روایت میں اس واسطے کہ احتیاط بھی ہے کہ اول سال امکان میں ادائے حج ہو کیونکہ سال بھر میں حج کا ایک وقت معین ہے اور موت کا کوئی وقت معین نہیں تو باوجود قدرت کے تاخیر کرنا گویا معدوم کرنا ہے ابو یوسف کی وہ حدیث دلیل ہے جو امام احمدؒ اور ابن ماجہ اور بیہقی نے روایت کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو حج کا ارادہ کرے اس کو جلدی کرنا لازم ہے اس واسطے کہ گاہے آدمی بیمار ہوتا ہے اور راحلہ گم ہو جاتا ہے اور کوئی حاجت ضروری پیش آجاتی ہے کذا فی العینی شرح الکنز اور محمد اور شافعی کے نزدیک حج علی الفور فرض نہیں بلکہ علی التراخی فرض ہے بشرط عدم فوت فیفسق وترد شہادتہ بتاخیرہ ای سنین لان تاخیرہ صغیرۃ وبارتکابہ مرۃ لا یفسق الا بالاصرار بحر ووجہہ ان الفوریۃ ظنیۃ لان دلیل الاحتیاط ظنی ولذا اجمعوا انہ لو تراخی کان اداء وان اثم بموتہ قبلہ پھر جب حج فی الفور فرض ہوا تو فاسق ہوگا اور اس کی گواہی مردود ہوگی حج میں تاخیر کرنے سے یعنی چند سال کی تاخیر سے فسق ثابت ہوگا اس واسطے کہ تاخیر حج کی صغیرہ گناہ ہے اور ایک بار صغیرہ کرنے سے مسلمان فاسق نہیں ہوتا مگر اصرار سے البتہ فاسق ہوتا ہے کذا فی البحر اور دلیل اس امر کی کہ تاخیر صغیرہ ہے نہ کبیرہ یہ ہے کہ فی الفور کی فرضیت ظنی ہے اس واسطے کہ دلیل احتیاط کی چنانچہ قول سابق کے بیان میں مذکور ہو چکی ظنی ہے نہ قطعی اور گناہ کبیرہ ہونا ثابت نہیں ہوتا مگر قطعی دلیل سے لہذا فقہا کا اجماع ہے اس پر کہ باوجود قدرت کے اگر چند سال تاخیر کی اور پھر حج کیا تو یہ حج ادا ہوگا نہ قضا اگر قبل حج کے مرجانے سے گناہ گار ہوگا وقالوا لو لم یحج حتی تلف مالہ وسعہ ان یستقرض ویحج ولو غیر قادر علی وفائہ ویرجی ان لا یؤاخذہ اللہ تعالی بذلک ای لو ناویا وفاءہ ان قدر کما قیدہ فی الظہیریۃ اور فقہا نے کہا ہے کہ اگر مقدور والے نے حج نہ کیا یہاں تک کہ اس کا مال تلف ہو گیا تو اس کو جائز ہے کہ قرض لے اور حج کرے اگرچہ اس کو قدرت نہ ہو ادائے قرض کی اور امید ہے کہ حق تعالی اس کا مواخذہ نہ کرے گا اگر بدون ادا کرکے مرگیا بشرطیکہ اس کو ادا کرنے کی نیت ہو در صورت قدرت چنانچہ یہی قید لگائی ہے عدم مواخذہ کی ظہیریہ میں مم طحطاوی نے کہا کہ تمرتاشی میں ابو یوسف سے منقول ہے کہ ایسی صورت میں قرض لینا حج کے واسطے لازم ہے علی مسلم لان الکافر غیر مخاطب بفروع الایمان فی حق الاداء وقد حققناہ فیما علقناہ علی المنار حج فرض ہے مسلمان پر نہ کافر پر اس لیے کہ کافر مخاطب نہیں فرعی احکام کے ادا کرنے کے حق میں ہاں در حج

[1] یعنی ہم تیری خبرگیری اور مدد کو حاضر ہیں ۱۲　[2] یعنی نہ ہم تیری خبرگیری کو حاضر ہیں اور نہ تیری مدد کو ہیں ۱۲

اعتقاد احکام البتہ مخاطب ہے اور البتہ ہم نے اس مسئلہ اصولی کو شرح منار میں محقق کیا ہے ہم یہاں سے تفصیل شرائط حج کی شروع ہوئی تو اجمالاً دریافت کرنا
چاہیے کہ شرائط حج کی تین قسم ہیں ایک شرائط وجوب حج کی اور دوسری شرائط وجوب ادائے حج کی اور تیسری شرائط صحت حج کی سو شرائط وجوب کی آٹھ ہیں بنا بر
قول اصح کے اسلام عقل بلوغ حریت وقت قدرت زاد قدرت راحلہ فرضیت حج کا علم اور شرائط وجوب ادا کی پانچ ہیں بقول اصح صحت بدن کی قدرت زوال
موانع جیسے امن راہ عدم قیام عدت عورت کے حق میں خروج زوج یا محرم عورت کے ساتھ اور شرائط صحت حج کی چار ہیں احرام حج زمانہ خاص مکان
خاص اسلام کذا فی منح الغفار ثم مکلف عالم لفرضیۃ اما بالکون بدارنا او باخبار عدل او مستورین حج فرض ہے ہر مکلف پر جو حج کے فرض ہونے کو جانتا
ہے یا دار الاسلام کے رہنے سے یا دار الحرب میں ایک متقی کے خبر دینے سے یا ان دو شخصوں کے خبر دینے سے جن کا تقوی اور فسق پوشیدہ ہے تو معلوم ہوا کہ
غلام اور لونڈی پر اور صغیر اور مجنون اور بے ہوش پر بقول فخر الاسلام اور اس مسلمان پر جو دار الحرب میں فرضیت حج سے مطلع نہیں حج فرض نہیں ہے صحیح البدن
حج فرض ہے تندرست تو جا بند اور لولے اور فالج والے اور جس کے دونوں پاؤں کٹے ہوں اور بیمار اور ایسے بڈھے پر جو اونٹ پر نہیں تھم سکتا ہے حج کرنے
کو جانا فرض نہیں بصیر غیر محبوس وخائف من سلطان یمنع منہ حج فرض ہے بصارت والے پر جو قید نہیں اور حاکم سے ڈرتا نہیں جو اس کو حج کرنے سے روکتا ہے
تو قیدی اور خائف مذکور اور اندھے پر حج فرض نہیں اگرچہ اندھے کو ہاتھ پکڑ کے لے چلنے والا ملے تو بھی اس پر حج فرض نہیں بنا بر قول مشہور کے امام سے اس
واسطے کہ غیر کی قدرت سے آدمی کو قادر نہیں کہتے کذا فی حاشیۃ الطحطاوی ذی زاد یصح بہ بدنہ فالمعتاد للحم ونحوہ اذا قدر علی خبز وجبن لا یعد قادرا حج فرض ہے صاحب
زاد پر ایسا توشہ جس سے اس کا بدن صحیح سالم رہے تو جس کو گوشت وغیرہ نفیس خوراک کھانے کی عادت ہو جب کہ اس کو روٹی اور پنیر پر قدرت ہو بدون
گوشت کے تو وہ قادر نہیں گنا جاتا اس واسطے کہ خلاف عادت سے صحت بدن دشوار ہے وراحلۃ مختصۃ بہ وہو المسمی بالمقتب ان قدر والا فشرط القدرۃ علی
المحارۃ اور حج فرض ہے صاحب راحلہ پر جو اسی کے واسطے مخصوص ہو یعنی اس کو نوبت بنوبت اترنا چڑھنا نہ پڑے اور راحلہ کو مقتب کہتے ہیں یعنی چھوٹی کاٹھی
والا اونٹ سواری کے واسطے کافی ہے اگر اس پر سوار ہو سکے اور اگر کاٹھی پر سوار نہ ہو سکے بسبب مرفہ الحالی کے اور نازک مزاجی کے تو فرضیت حج کی شرط
یہ ہے کہ محمل پر قادر ہو اس واسطے کہ مرفہ الحالی سے کاٹھی پر سفر نہیں ہو سکتا بلکہ اس طرح اس کی ہلاکی کا خوف ہے تو ہر شخص کے واسطے وہ راحلہ معتبر ہے
جس پر وہ پہنچ جاوے کذا فی النہر ابن ماجہ نے عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا کہ حج کس چیز سے فرض ہوتا ہے
فرمایا زاد اور راحلہ سے اور ابن عباسؓ سے روایت کی کہ حضرتؐ نے استطاعت سبیل کی زاد راحلہ تفسیر فرمائی راحلہ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو کجاوہ باندھنے کے لائق ہو
اور بعضے مطلق مرکب شتر کو راحلہ بولتے ہیں نر ہو یا مادہ کذا فی المعراج للآفاقی بالزاد والراحلۃ لا للمکی لیستطیع المشی لشبہہ بالسعی للجمعۃ راحلہ شرط ہے آفاقی کے
واسطے جو کہ مکہ معظمہ سے دور رہتا ہے نہ مکی کے واسطے جو عرفات تک پیدل چل سکتا ہے اس واسطے کہ مکہ سے عرفات تک چلنا نماز جمعہ کے واسطے اس جانے
کے مشابہ ہے اور اگر بسبب شدت نقاہت کے نہ چل سکے تو اس کے واسطے بھی راحلہ شرط ہے کذا فی النہر وافاد انہ لو قدر علی غیر الراحلۃ من بغل او حمار
لم یجب قال فی البحر ولم ارہ صریحا وانما صرحوا بالکراہۃ اور اشتراط راحلہ سے مصنف نے اشارہ کیا کہ اگر راحلہ کے سوا اور سواری پر قدرت ہو جیسے خچر یا گدھے
تو حج واجب نہ ہو گا بحر الرائق میں کہا کہ میں نے اس مسئلہ کو کتب فقہ میں صریح نہیں دیکھا اور فقہا نے تو گدھے اور خچر کی سواری کی کراہت حج کے واسطے صاف
صاف بیان کی ہے یعنی کراہت تحریمی کذا فی حاشیۃ الطحطاوی تحفۃ الاخیار میں حلبی نے کہا کہ سوائے اونٹ کے اور سواری سے حج کو نہ واجب کہنا مسلم نہیں
اس واسطے کہ ہر چند اصل لغت میں راحلہ اونٹ کو کہتے ہیں لیکن راحلہ سے مراد وہ ہے جس پر سواری ہووے قہستانی نے تصریح کی ہے کہ راحلہ سے مراد وہ ہے
جس پر انسان سوار ہو اور ضروریات سفر مثل کھانے اور پینے اور لباس وغیرہ کے اس پر لادے جاتے اور آتے ہوں انتہی اور شرح منسک متوسط میں ہے
کہ شرط وجوب حج یہ ہے کہ مسلمان قادر ہو اونٹ پر یا خچر پر لیکن گدھے کی سواری مسافت بعیدہ میں مکروہ ہے تکلیف کشی کے سبب سے وفی السراجیۃ الحج

راکبا افضل منہ ماشیا بخفی والمقتب افضل من المحارۃ اور سراجیہ میں ہے کہ سوار ہو کر حج کرنا بہتر ہے پیادہ چل کر حج کرنے سے اس واسطے کہ پیدل چلنے والا مشقت راہ سے نازک مزاج ہو جاتا ہے اور رفیقوں سے سخت کلامی کرتا ہے اور اگر بدمزاج نہ ہو تو افضل ہے سواری سے اور کاٹھی والے اونٹ پر سوار ہونا محل سے افضل ہے کہ اس میں ریا اور فخر کا خوف نہیں کذافی الطحطاوی وفی اجارۃ الخلاصۃ حمل الجمل مائتان واربعون منا وحمار مائۃ وخمسون والظاہر ان البغل کالحمار اور خلاصہ کے کتاب الاجارہ میں ہے کہ اونٹ کا بوجھ ۲۴۰ من ہے اور گدھے کا بوجھ ۱۵۰ من ہے اور ظاہر خچر بوجھ میں گدھے کے برابر ہے م شرعی من ۴۰ استار کا ہے اور استار ساڑھے چھ درم کا ہوتا ہے[1] کذافی الطحطاوی ولو وہب الاب لابنہ مالا یحج بہ لم یجب قبولہ لان شرائط الوجوب لا یجب تحصیلہا وہذا منہا باتفاق الفقہاء خلافاً للاصولیین اور اگر باپ اپنے بیٹے کو مال دے حج کرنے کے واسطے تو اس پر مال کا قبول کرنا واجب نہیں اس واسطے کہ وجوب کی شرائط کو حاصل کرنا واجب نہیں اور یہ یعنی قدرت زاد اور راحلہ کی شرائط وجوب سے ہے باتفاق فقہا بخلاف اہل اصول کے کہ ان کے نزدیک وجوب ادا کی شرائط سے ہے فضلاً عما لا بد منہ کما مر فی الزکوۃ جب کہ زاد راحلہ فاضل ہو ضروریات شخص سے چنانچہ اس کی تصریح کتاب الزکوۃ میں ہو چکی منح الغفار میں ہے کہ ضروریات انسانی جیسے رہنے کا گھر اور خدمت کا غلام اور استعمال کا لباس اور اسباب خانگی تو ان اشیا کے ہونے سے استطاعت ثابت نہیں ہوتی ومنہ المسکن ومرمتہ ولو کبیرا یمکنہ الاستغناء ببعضہ والحج بالفاضل فانہ لا یلزمہ بیع الزائد نعم ہو افضل وعلم بہ عدم لزوم بیع الکل والاکتفاء بسکنی الاجارۃ بالاولی اور ضروریات میں داخل ہے گھر اور اس کی مرمت اگرچہ ایسا بڑا گھر ہو کہ اس میں سے تھوڑا مکان رہنے کو کفایت کرے اور باقی کو بیچ کر حج کر سکے تو بھی زائد از حاجت کا بیچنا حج کے واسطے اس پر لازم نہیں ہاں زائد مکان کا بیچ ڈالنا ادائے حج کے واسطے افضل ہے اور اس تقریر سے معلوم ہوا کہ سب مکان کا بیچنا اور کرایہ کے مکان میں رہنا بطریق اولیٰ لازم نہیں وکذا لو کان عندہ مالو اشتری بہ مسکنا وخادما لایبقی عندہ مایکفی الحج لایلزمہ خلاصہ اور اسی طرح اگر ایک شخص کے پاس اتنا مال ہو کہ اگر اس مال سے گھر اور خادم کو مول لیوے تو اس کے پاس اتنا مال باقی نہ رہے جو حج کو کفایت کرے تو اس پر لازم نہیں کہ حج ہی کرے اور گھر نہ لے کذافی الخلاصۃ اس واسطے کہ یہ مال حاجت اصلی سے زائد نہیں اور حج فرض نہیں ہوتا مگر اس مال سے جو حاجت اصلی سے زیادہ ہو وحرر فی النہر انہ یشترط بقاء راس المال لحرفۃ ان احتاجت لذلک والا لا اور تحریر کی ہے نہر الفائق میں وجوب حج میں باقی رہنا راس المال کا ہے جو اپنے پیشے کے واسطے مشروط ہے اگر اس کے پیشے میں مال کی حاجت ہو اور اگر حاجت نہ ہو تو بقائے مال شرط نہیں خلاصہ یہ ہے کہ اہل حرفہ کے واسطے بعد حج کے بقائے مال شرط نہیں چنانچہ درزی کہ اس کے پیشے میں مال کی حاجت نہیں بخلاف کاشتکار کے کہ وہ آلات کاشتکاری کا محتاج ہے اور سوداگر کے کہ بدون مال کے تجارت متصور نہیں وفی الاشباہ معہ الف وخاف العزوبۃ ان کان قبل خروج اہل بلدہ فلہ التزوج ولو وقتہ لزمہ الحج اور اشباہ میں ہے کہ ایک شخص کے پاس ہزار درم ہیں اور وہ مجرد رہنے سے ڈرتا ہے تو اگر حج کے قافلہ چلنے سے پہلے وہ ہزار کا مالک ہوا تو اس کو نکاح کر لینا جائز ہے اور اگر شہر سے قافلہ چلنے کے وقت مالک ہوا تو اس پر حج لازم ہے وفضلا عن نفقۃ عیالہ ممن یلزمہ نفقتہ لتقدم حق العبد اور زاد و راحلہ زیادہ ہو اس کے اہل وعیال کے خرچ سے اہل وعیال سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا نفقہ اس پر لازم ہے بسبب مقدم ہونے حق العبد کے یعنی عبد کا حق خدا کے حق پر مقدم ہے بحکم شرع اس واسطے کہ خدا بے نیاز ہے اور بندے محتاج الی حین عودہ وقیل بعدہ بیوم وقیل بشہر توشہ زائد ہو عیال کے خرچ سے حج سے پھرنے تک اور بعض علما نے کہا کہ بعد پھرنے کے ایک دن کا نفقہ ہو اور بعضوں نے کہا کہ مہینے کا نفقہ زیادہ ہو ایک دن کی روایت امام سے ہے اور مہینے کی روایت ابو یوسف سے ہے اور نفقہ سے متوسط نفقہ مراد ہے نہ تنگی کا نہ اسراف کا کذافی حاشیۃ الطحطاوی مع امن الطریق بغلبۃ السلامۃ ساتھ امن راہ کے بسبب غلبہ کے یعنی امن راہ شرط ہے وجوب حج کے لیے اس واسطے کہ بدون امن کے حصول حج متعسر ہے اور امن قافلہ جانے کے وقت چاہیے اگرچہ پھر وقت میں امن نہ ہو اور امن راہ سے مراد یہ ہے کہ لوگ اکثر باسلامت آتے جاتے ہوں اور خوف قلیل الوجود معتبر نہیں اور یہی قول فقیہ ابو اللیث کا مختار ہے اور یہی مذہب ہے اس

[1] گندم سنالی تین ماشہ کا ہوا اور روپیہ رتی کم ساڑھے گیارہ ماشہ کا تو استار کا وزن ۱۱ روپیہ بھر یعنی پا سیر ہوتا ہے انگریزی پا سیر کے برابر ہوا

کے سوائے اور اقوال لائق اعتماد کے نہیں اور جس ملک سے بدون سواری جہاز کے حج نہ ہو سکتا ہو چنانچہ ہندستان سے تو ایسے ملک کے سقوط حج میں اختلاف ہے کرمانی نے کہا کہ اگر سمندر میں سلامتی غالب ہو اور اس بندر سے سواری جہاز کی مروج ہو تو حج واجب ہے اور اگر غلبہ سلامتی کا نہیں تو حج بھی واجب نہیں اور یہی قول اصح ہے کذا فی منح الغفار م بالفعل ہندوستان میں امن راہ خشکی اور تری میں بخوبی حاصل ہے اور مشق جہازرانی کی بسبب اختلاط نصاری کے جواب حاصل ہے کبھی نہ تھی سو اب اہل ہند پر وجوب حج میں ہرگز تردد نہیں ہزاروں شخص ہر سال ہند سے جاتے ہیں اور حج کر کے باسلامت پھر آتے ہیں ولو بالرشوۃ علی ما حققہ الکمال اگرچہ امن راہ رشوت دے کر حاصل ہو بنا بر تحقیق کمال الدین محقق کے یعنی اگر قطاع الطریق کو رشوت دے کر امن حاصل ہو تو رشوت دینا واسطے دفع ظلم ظالم کے جائز ہے اور حرام رشوت وہ ہے جو کسی کی حق تلفی کے واسطے ہو و فی آخر الکتاب ان قتل بعض الحجاج عذر اور آخر کتاب میں آوے گا کہ مقتول ہونا بعضے حاجیوں کا عذر ہے یعنی اگر ہر سال یا اکثر کچھ حاج مارے جاتے ہوں تو سقوط حج میں عذر صریح ہے اس واسطے کہ غلبہ سلامتی کا نہیں و ہل ما یؤخذ فی الطریق من المکس والخفارۃ عذر قولان والمعتمد لا کما فی القنیۃ والمجتبیٰ وعلیہ الفتوی فیحتسب فی الفاضل عما لا بد منہ القدرۃ علی المکس ونحوہ کما فی مناسک الطرابلسی اور کیا وہ مال جو بطریق محصول و چونگی اور راہداری کے لیا جاتا ہے راہ میں عذر ہو سکتا ہے سقوط حج کا اس میں دو قول ہیں اور قول معتمد یہ ہے کہ اس طرح دینا عذر نہیں کذا فی القنیۃ والمجتبیٰ اور اسی قول پر فتوی ہے تو اس صورت میں ایسے مال دینے کی قدرت کو بھی زائد از ضروریات میں حساب کرنا چاہیے اسی طرح مذکور ہے طرابلسی کے مناسک میں و مع زوج او محرم ولو عبدا او ذمیا او برضاع اور شرط ہے ساتھ ہونا زوج یا محرم کا اگرچہ زوج اور محرم غلام ہو یا ذمی محرم ہو یا رضاعی محرم عورت کا وہ ہے جس کا ہمیشہ نکاح اس عورت سے درست نہ ہو خواہ نسب سے یا رضاعت یا مصاہرت سے کذا فی النہر مسلم اور ابو داؤد میں حدیث مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت مومنہ کو حلال نہیں تین منزل یا زیادہ سفر کرنا بدون اپنے باپ یا بھائی یا بیٹے یا زوج یا محرم کے کذا فی العینی شرح الکنز بالغ قید لہما کما فی النہر بحثا بالغ زوج اور محرم دونوں کی قید ہے کما فی النہر بحثا تو اگر زوج یا محرم صغیر ہو تو عورت پر حج واجب نہ ہوگا عاقل ہمراہی زوج یا محرم ہوشیار کی شرط ہے تو مجنون زوج یا محرم سے وجوب نہیں المراہق کبالغ جوہرہ اور قریب البلوغ بالغ کے مانند ہے کذا فی الجوہرۃ غیر مجوسی ولا فاسق لعدم حفظہما بشرطیکہ محرم مجوسی نہ ہو اور مسلم فاسق نہ ہو بسبب عدم حفاظت دونوں کے اس واسطے کہ مجوسی کے دین میں ماں بہن حلال ہے اور فاسق بھی لائق اعتماد کے نہیں مع وجوب النفقۃ لمحرمہا علیہا لانہ محبوس علیہا بناء علیہ واجب ہونے نفقہ محرم کے عورت پر یعنی جب محرم ساتھ ہوا تو اس کا نفقہ عورت پر واجب ہے اس واسطے کہ وہ اس کے کام میں بند ہو گیا لامراۃ حرۃ ولو عجوزا فی سفر سفر حج میں حرہ عورت کے واسطے زوج یا محرم مشروط ہے اگرچہ عورت بڈھی ہو و ہل یلزمہا التزوج قولان اور کیا لازم ہے عورت کو نکاح کر لینا اس میں دو قول ہیں یعنی اگر عورت مالدار ہو اور اس کا کوئی محرم نہ ہو تو وہ حج کے واسطے نکاح کرے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس پر نکاح لازم نہیں ولیس عبدہا بمحرم لہا اور عورت کا غلام عورت کا محرم نہیں اگرچہ وہ خصی ہو تو غلام کے ساتھ سفر کرنا حرام ہے کذا فی حاشیۃ الطحاوی عن البزازیۃ ولیس لزوجہا منعہا عن حجۃ الاسلام اور زوج کو جائز نہیں کہ عورت کو حج اسلام سے منع کرے یعنی حج فرض سے بشرط محرم اور حج نفل سے روکنا درست ہے کذا فی منح الغفار ولو حجت بلا محرم جاز مع الکراہۃ اور اگر عورت نے بدون محرم کے حج کیا تو جائز ہو گا کراہت کے ساتھ کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے کذا فی الطحاوی و مع عدم عدۃ علیہا مطلقا ای عدۃ کانت ابن ملک اور بشرطیکہ عورت پر مطلقا عدت نہ ہو کوئی عدت کیوں نہ ہو خواہ عدت وفات کی خواہ طلاق بائن یا رجعی کی کذا مرح ابن ملک والعبرۃ لوجوبہا ای العدۃ المانعۃ من سفرہا وقت خروج اہل بلدہا وکذا سائر الشروط اور اعتبار اس عدت کے واجب ہونے کا جو عورت کو سفر سے مانع ہے اس کے شہر والوں کے نکلنے کے وقت کا ہے یعنی جب اہل شہر حج کے واسطے نکلیں اگر عورت عدت میں ہوگی تو سفر حج نہ کر سکے گی کہ عدت میں سفر کرنا جائز نہیں اور اگر بعد سفر کرنے کے عدت واجب ہوئی تو اس کی تفصیل کتاب العدۃ میں مذکور ہے اور چنانچہ اعتبار وجوب عدت کا خروج کے وقت معتبر ہے اسی طرح سب شروط سابقہ کا اعتبار خروج ہی کے وقت ہے

یعنی اسلام اور حریت اور عقل اور بلوغ اور صحت بدن اور بینائی اور قدرت زاد اور راحلہ خروج کے وقت معتبر ہے نہ قبل خروج کے نہ بعد خروج کے مثلاً قبل
خروج قافلہ مقدور زاد کا تھا اور خروج کے وقت مفلس ہو گیا یا خروج کے وقت مفلس تھا اور بعد قافلہ چلے جانے کے مقدور والا ہو گیا تو اس سال کا حج
اس پر لازم نہیں **فلو احرم صبی عاقل** او احرم ابوہ صار محرما ینبغی ان یجردہ قبلہ ویلبسہ ازارا ورداء مبسوط وظاہرہ ان احرامہ عنہ مع عقلہ صحیح فمع عدمہ اولیٰ سو
اگر احرام باندھا صغیر ہوشیار نے یا اس کی طرف سے اس کے باپ نے اس کا احرام باندھا تو دونوں طرح سے صغیر محرم ہو گا اور باپ کو چاہیے کہ صغیر کو لباس سے برہنہ
کرے اور اس کو تہمد اور چادر پہنا دے بکذا فی المبسوط اور مبسوط کا ظاہر کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ احرام کرنا باپ کا صغیر کی طرف سے باوجود اس کی عقل اور ہوش
کے صحیح ہے تو اس کی بے ہوشی اور نافہمی میں باپ کا احرام باندھ دینا بطریق اولیٰ صحیح ہو گا **فبلغ او عبد فعتق قبل الوقوف فمضی کل علی احرامہ لم یسقط فرضہما لانعقادہ**
نفلا پھر صغیر احرام باندھنے کے بعد بالغ ہو گیا یا غلام احرام باندھ کر آزاد ہو گیا قبل ٹھہرنے عرفات کے پھر اسی اگلے احرام پر ہر ایک چلا گیا یعنی دوسرا احرام نہ باندھا تو
دونوں کا فرض حج ساقط نہ ہو گا اس لیے کہ شروع سے نفل تھا پھر نفل کی نیت سے فرض کیونکر ادا ہو تو بعد بلوغ اور آزادی کے حج فرض صغیر اور عبد پر لازم ہے
گا **فلو جدد الصبی الاحرام قبل الوقوف بعرفۃ ونوی حجۃ الاسلام اجزاہ** پھر اگر صغیر نے بعد بلوغ کے نیا احرام باندھا قبل وقوف عرفات کے اور اس احرام جدید
سے فرض حج کی نیت کی تو کافی ہے یعنی فرضیت ادا ہو گی مگر احرام جدید اس طرح کرنا چاہیے کہ میقات تک پلٹ جاوے اور وہاں دوسرا احرام باندھ کر حج کی نیت سے
لبیک کہے **ولو فعل العبد المعتق ذلک التجدید المذکور لم یجز لانعقادہ لازما بخلاف الصبی والکافر والمجنون** اور اگر آزاد غلام اس طرح سے نیا احرام باندھے گا تو
اس کو کفایت نہ کرے گا یعنی اس پر سے فرض حج ساقط نہ ہو گا اس واسطے کہ غلام پر نفل حج شروع کرنے سے لازم ہو گیا تو اس کو توڑ نہیں سکتا بخلاف صغیر اور کافر
اور مجنون کے اس واسطے کہ صغیر کا احرام لازم نہیں تو اس کو احرام توڑنا جائز ہے اور کافر کا احرام سرے سے صحیح نہیں ہے بسبب عدم اہلیت کے **والحج فرضہ**
ثلثۃ الاحرام اور حج میں تین کام فرض ہیں اول احرام باندھنا فرض وہ ہے جس کے ترک سے حج باطل ہو جاوے اور سال آئندہ میں اس کی قضا لازم آئے
وہو شرط ابتداء ولہ حکم الرکن انتہاء حتی لم یجز لفائت الحج استدامتہ لیقضی بہ من قابل اور احرام شرط ہے باعتبار ابتدا کے لہذا اس کی تقدیم حج کے مہینوں پر جائز
ہے جیسے وضو قبل وقت نماز کے جائز ہے اور احرام کو رکن کا حکم ہے باعتبار انتہا کے تا اینکہ جس کا احرام باندھ کر حج فوت ہو گیا ہو اس کو احرام کا باقی رکھنا تاکہ سال آئندہ
اس سے حج کی قضا کرے جائز نہیں اور اگر شرط ہوتا ہر طرح سے تو اس کا باقی رہنا جائز ہوتا **والوقوف بعرفۃ** فی اوانہ سمیت بہا لان آدم علیہ السلام وحواء تعارفا
فیہا اور دوسرا فرض عرفات کا ٹھہرنا ہے اس کے خاص وقت میں عرفات کا نام عرفات اس واسطے رکھا گیا کہ آدم و حوا علیہما السلام میں وہیں تعارف ہوا یعنی بہشت
سے زمین پر متفرق اترے پھر بعد مدت عرفات میں یکجا ہوئے اور ایک نے دوسرے کو پہچانا **ومعظم طواف الزیارۃ** وہما رکنان اور تیسرا فرض اکثر طواف
زیارت ہے اور یہ دونوں یعنی وقوف عرفات اور طواف الزیارۃ رکن ہیں حج کے لیکن وقوف عرفات قوی تر ہے طواف سے اس واسطے کہ جماع قبل وقوف سے حج فاسد
ہو جاتا ہے اور جماع قبل طواف سے فاسد نہیں ہوتا کذا فی العالمگیریہ **وواجبہ نیف وعشرون** اور واجبات حج کے بیس اور کئی ہیں یعنی پچیس کام ہیں چنانچہ
شمار واجبات کا رقم ہندسہ سے معلوم ہو گا واجب وہ ہے جس کے ترک سے حج باطل نہیں ہوتا بلکہ ذبح کرنا لازم آتا ہے **وقوف جمع** وہو المزدلفۃ سمیت بذلک
لان آدم اجتمع بحواء فیہا وازدلف الیہا ای دنا منہا ٹھہرنا جمع کا یعنی مزدلفہ کا اس کا مزدلفہ اس واسطے نام ہوا کہ آدم حوا کے ساتھ وہاں جمع ہوئے اور ان سے قریب
ہو گئے **والسعی** وعند الائمۃ الثلثۃ ہو رکن **بین الصفا** بہ لانہ جلس علیہ آدم صفوۃ اللہ **والمروۃ** لانہ جلست علیہا امرأۃ وہی حواء ولذا انثت ۲ اور چلنا صفا اور مروہ
کے درمیان اور تینوں اماموں کے نزدیک سعی کرنا رکن ہے صفا اور مروہ دو پہاڑیاں ہیں مسجد الحرام کے پاس صفا اس واسطے اس کا نام ہوا کہ آدم صفی اللہ اس
پر بیٹھے اور مروہ اس واسطے نام ہوا کہ امرأۃ یعنی عورت اس پر بیٹھی عورت سے حوا مراد ہیں اور اسی واسطے مروہ مؤنث ہے مگر بعض علما نے وجہ تسمیہ یوں بیان کی ہے کہ
صفا ایک مرد کا نام تھا اور مروہ ایک عورت کا نام تھا سو دونوں نے بیت اللہ میں حرام کاری کی حق تعالیٰ نے ان کو پتھر کر ڈالا دونوں صورتوں کو وہاں

پہاڑیوں پر لوگوں کی عبرت کے واسطے رکھ دیا کذا فی حاشیۃ الطحاوی واللہ اعلم ورمی الجمار لکل من حج ۳ ۱۳ اور کنکریاں مارنا جمرات ثلثہ پر ہر حج کرنے والے کو خواہ قارن ہو خواہ متمتع خواہ مفرد وطواف الصدر ای الوداع للآفاقی غیر الحائض ۴ ۱۴ اور طواف الصدر یعنی رخصت کا طواف آفاقی کو سوائے حائض کے ترکی اور بستانی اور حائضہ پر طواف الصدر واجب نہیں والحلق او التقصیر ۵ ۱ اور سر منڈانا یا بال کترانا والنشاء الاحرام من المیقات ۶ ۱ اور احرام کا شروع کرنا میقات سے یعنی احرام کے مقام سے ومد الوقوف بعرفۃ الی الغروب ان وقف نہارا ۷ اور دراز کرنا وقوف عرفات کا غروب آفتاب تک اگر دن میں وقوف کیا ہو یعنی کچھ دن اور رات کے وقت کو جمع کرنا واجب ہے والبدائۃ بالطواف من الحجر الاسود علی الاشبہ لمواظبتہ علیہ السلام وقیل فرض وقیل سنۃ اور واجب ہے حجر اسود سے طواف کا شروع کرنا بنا بر اشبہ قول کے اس واسطے کہ رسول اللہ صلعم ہمیشہ ابتدائے طواف حجر اسود سے کرتے تھے اور بعضوں کے نزدیک سنت ہے والتیامن فیہ ای فی الطواف فی الاصح ۹ ۱ اور طواف کو اپنے داہنی طرف سے کرنا بنا بر قول اصح کے یعنی جب حجر اسود کے مقابل کھڑا ہو تو اپنی داہنی طرف سے طواف کرے جدھر ملتزم اور دروازہ ہے بیت اللہ کا والمشی فیہ لمن لیس لہ عذر یمنعہ منہ ولو نذر طوافا زحفا لزمہ ماشیا ولو شرع متنفلا زحفا فمشیہ افضل ۱۰ ۱ اور واجب ہے طواف میں اپنے پاؤں چلنا جس کو ایسا عذر نہیں جو چلنے کا مانع ہو اور جس نے نذر مانی طواف کی زمین پر گھسل کر تو اس پر پیدل طواف کرنا لازم ہے اور اگر نفل طواف زمین پر گھسل کر شروع کیا تو اس کو طواف میں پاؤں سے چلنا افضل ہے والطہارۃ فیہ من النجاسۃ الحکمیۃ علی المذہب وقیل والحقیقیۃ من ثوب وبدن ومکان طواف والاکثر علی انہ سنۃ مؤکدۃ کما فی شرح باب المناسک ۱۱ ۱ اور طواف میں طہارت نجاست حکمی سے واجب ہے بنا بر قول مذہب کے اور قول ضعیف یہ ہے کہ طہارت نجاست حقیقی کی کپڑے اور بدن اور طواف کے مکان سے واجب ہے اور اکثر علما کا یہ قول ہے کہ نجاست حقیقی کی طہارت سنت مؤکدہ ہے نہ واجب چنانچہ باب المناسک کی شرح میں مذکور ہے وستر العورۃ فیہ وبکشف ربع العضو فاکثر کما فی الصلوۃ یجب الدم ۱۲ ۱ اور شرمگاہ کا ڈھکنا طواف میں اور چوتھائی عضو یا زیادہ کھلنے سے طواف میں ذبح کرنا واجب ہوتا ہے چنانچہ کشف[1] عضو کا بیان کتاب الصلوۃ میں گذرا والبدایۃ بالسعی بین الصفا والمروۃ من الصفا ولو بدأ بالمروۃ لا یعتد بالشوط الاول فی الاصح ۱۳ ۱ اور صفا اور مروہ کے درمیان کی سعی کو صفا سے شروع کرنا اور اگر مروہ سے شروع کرے گا تو شوط اول میں اس کا شمار نہ ہوگا قول اصح میں یعنی اول مروہ سے چلنا صفا تک یہ شوط اول میں داخل نہیں بسبب ترک واجب کے بلکہ شوط اول عبارت ہے ابتدائے صفا سے مروہ تک والمشی فیہ فی السعی لمن لیس لہ عذر کما مر ۱۴ ۱ اور چلنا سعی میں جس کو چلنے میں کچھ عذر مانع نہیں چنانچہ طواف میں مذکور ہوا وذبح الشاۃ للقارن او المتمتع ۱۵ ۱ اور ذبح کرنا بھیڑ بکری کا قارن یا متمتع کو وصلوۃ رکعتین لکل اسبوع من ای طواف کان فلو ترکہا ہل علیہ دم قیل نعم فیوصی بہ ۱۶ ۱ اور دو رکعت نماز پڑھنا واجب ہے سات بار بیت اللہ کے گرد گھومنے کے بعد کوئی طواف کیوں نہ ہو یہاں تک کہ طواف نفل میں بھی وہ رکعتیں واجب ہیں سو اگر دو رکعت کو طواف کرنے والے نے ترک کیا تو اس پر ذبح کرنا کیا واجب ہے بعضے علما نے کہا کہ ہاں واجب ہے تو اگر قبل ذبح کے موت اس کو آوے تو ذبح کرنے کی وصیت کر جاوے والترتیب الآتی بیانہ بین الرمی والحلق والذبح یوم النحر ۱۷ ۱ اور ترتیب کرنا درمیان کنکریاں مارنے اور سر منڈانے اور ذبح کرنے کے قربانی کے دن چنانچہ بیان اس ترتیب کا آوے گا واما الترتیب بین الطواف وبین الرمی والحلق فسنۃ فلو طاف قبل الرمی والحلق لا شئ علیہ ویکرہ لباب اور وہ ترتیب جو طواف کے درمیان اور کنکریاں مارنے اور سر منڈانے کے درمیان میں ہے سو تو سنت ہے واجب نہیں تو اگر طواف کیا قبل رمی اور حلق کے تو کوئی چیز اس پر لازم نہیں لیکن مکروہ تنزیہی ہے بسبب ترک سنت کے کذا فی اللباب المناسک وفی ان المفرد لا ذبح علیہ وتحقیقہ اور آگے آوے گا کہ مفرد پر یعنی جو فقط حج کی نیت کرے بلا قران اور بلا تمتع اس پر ذبح واجب نہیں اور عنقریب باب الجنایات میں ہم اس کی تحقیق کریں گے وفعل طواف الافاضۃ ای الزیارۃ فی یوم من ایام النحر ۱۸ ۱ اور طواف افاضہ یعنی طواف الزیارہ کو کرنا کسی دن میں قربانی کے دنوں سے ومن الواجبات کون الطواف وراء الحطیم ۱۹ ۱ اور واجبات سے ہے طواف کرنا بیت اللہ کا حطیم کے ساتھ حطیم اس جگہ کا نام ہے

[1] مناسب یہ تھا کہ مترجم بدل ترجمہ یوں کرتا چنانچہ کھلا رکھنا ربع چھوٹے عضو کا مفسد نماز ہے ۱۲

جو بیت اللہ کے جانب مغرب اور شمال واقع ہے اس کے گرد چھوٹی دیوار ہے کمان کے مانند حدیث صحیح میں ثابت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں حطیم بیت اللہ کے اندر داخل تھی قریش نے ایام جاہلیت میں جب کعبہ بنایا تو بسبب قلت معارف کے حطیم کو کعبہ سے جدا کر دیا پھر جب حطیم بیت اللہ میں داخل ٹھہری لہٰذا طواف میں اس کا داخل کرنا واجب ہوا اور فرض اس واسطے نہ ہوا کہ دخول اس کا بیت اللہ میں بدلیل قطعی ثابت نہیں واللہ اعلم وکون السعی بعد طواف معتد بہ ۲۰ ۔ اور سعی کا ہونا بعد طواف کے جو شمار کے لائق ہو یعنی چار شوط یا زیادہ کے بعد اس واسطے کہ دو تین شوط سے طواف معتبر نہیں وتوقیت الحلق بالمکان والزمان ۲۱ ۔ اور سر منڈانے کی تعیین مکان خاص اور زمانہ مخصوص میں یعنی حلق کرنا حرم کے اندر ایام نحر میں واجب ہے وترک المحظور کالجماع بعد الوقوف ۲۲ ۔ اور ممنوعات غیر مفسدہ کا ترک کرنا بعد وقوف عرفات کے واجب ہے چنانچہ جماع اور قبل وقوف کے جماع مفسد ہے حج کا ولبس المخیط ۲۳ ۔ اور جیسے سیے لباس کے پہننے کو ترک کرنا وتغطیۃ الرأس والوجہ ۲۴ ۔ اور سر کو ڈھکنا ۱؎ ۲۵ ۔ اور چہرے کو ڈھکنا والضابط ان کل ما یجب بترکہ دم فہو واجب مرح بہ فی الملتقی وسیتضح فی الجنایات اور قاعدہ کلیہ واجبات حج کے دریافت کرنے کا یہ ہے کہ جس فعل کے ترک کرنے سے ذبح کرنا واجب ہو سو وہ فعل واجب ہے یہی تصریح ہے ملتقی میں اور جن افعال سے ذبح کرنا لازم ہوتا ہے اس کا بیان باب الجنایات میں واضح ہوگا شارح نے بعد شمار واجبات کے قاعدہ دریافت واجبات کا اس واسطے بیان کیا کہ واجبات حج ان ۲۵ امور میں منحصر نہیں اس واسطے کہ کوچ کرنا عرفات سے امام کے ساتھ واجبات سے ہے اور حالانکہ اس کو نہ مصنف نے ذکر کیا نہ شارح نے کذا فی حاشیۃ الطحطاوی شرح وقایہ اور درر میں پانچ چیزوں کو واجب کہا یعنی وقوف مزدلفہ اور سعی بین الصفا والمروہ اور رمی جمار اور طواف الصدر اور حلق راس کو اور کہا ہے کہ سوائے فرائض اور ان واجبات کے باقی افعال سنت ہیں یا مستحب حالانکہ یہ صحیح نہیں اس واسطے کہ واجبات پانچ میں منحصر نہیں اور ایسے مقام میں شمار کرنا حصر کا مفید ہوتا ہے کذا فی منح الغفار فائدہ جلیلہ اکثر کتب میں افعال خمسہ مذکورہ کو واجبات میں شمار کیا ہے اور بعضی کتابوں میں دریافت واجبات کا ضابطہ مذکورہ مندرج ہے چنانچہ ملتقی الابحر سے شارح نے نقل کیا اور کسی نے انحصار کرنا واجبات کو ضرور نہیں جانا بخیال تکرار کے اس واسطے کہ جنایات میں اس کی خود تصریح موجود ہے لیکن ماتن اور شارح نے ۲۵ واجبات شمار کیے واسطے مزید بصیرت کے رحمۃ اللہ علیہما وغیرہا سنن وآداب کالتوسع فی النفقۃ والمحافظۃ علی الطہارۃ وعلی صون لسانہ اور سوائے فرائض اور واجبات کے سوا باقی افعال سنت ہیں اور مستحب چنانچہ کشایش اور فراغت سے خرچ کرنا اپنے اوپر اور سواری کے اوپر اس لیے کہ حج میں خرچ کرنا ثواب میں جہاد کے خرچ کے برابر ہے کذا فی حاشیۃ الطحطاوی اور ہمیشہ باطہارت رہنا اور زبان کو غیبت اور سخت گوئی اور دشنام سے بچانا ہرچند زبان کا روکنا ہمیشہ بہتر ہے علی الخصوص حج میں زیادہ تر اس کا اہتمام لازم ہے قال اللہ تعالیٰ فمن ۲؎ فرض فیہن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج) ویستأذن ابویہ ودائنہ وکفیلہ اور مستحب ہے حج کی اجازت لینا اپنی ماں اور باپ سے اور قرض خواہ سے اور قرض کے ضامن سے اگر اس کے کہنے سے اس نے ضمانت کی ہو اور اگر اس کے بدون امر کے وہ ضامن ہوا ہو تو اجازت کی کچھ حاجت نہیں کذا فی حاشیۃ الطحطاوی ویودع المسجد برکعتین ومعارفہ ویستحلم ویلتمس دعاءہم اور مستحب ہے محلہ کی مسجد سے دو رکعت نماز پڑھ کر رخصت ہونا اور اپنے دوستوں سے رخصت ہونا تاکہ وہ دعائے خیر کریں اور مستحب ہے دوستوں اور آشناؤں سے اپنے قصور معاف کرانا اور ان سے دعا کی درخواست کرنا اور فتح القدیر میں ہے کہ سفر کے وقت خود رخصت ہونے کو جاوے اور جب حج کر کے آوے تو دوستوں کو اس کے پاس آنا چاہیے ویتصدق بشیء عند خروجہ ویخرج یوم الخمیس فعلیہ خروجہ علیہ السلام فی حجۃ الوداع او الاثنین او الجمعۃ بعد التوجہ والاستخارۃ ای فی انہ ہل یشتری او یکتری وہل یسافر برا او بحرا وہل یرافق فلانا او لا لان الاستخارۃ فی الواجب والمکروہ لا محل لہا وتمامہ فی النہر اور مستحب ہے کچھ خیرات کرنا سفر کے وقت اس واسطے کہ صدقہ دافع ہے بلا کا اور سنت ہے سفر کرنا پنجشنبہ کے دن اس واسطے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اسی دن سفر کیا تھا یا دوشنبہ یا جمعہ کے دن سفر کرنا مستحب ہے بعد توبہ اور استخارہ کرنے کے یعنی اس میں استخارہ کرے کہ سواری کو مول لے یا کرایہ کرے اور سفر خشکی میں کرے یا دریا میں اور فلانے شخص کو اپنا رفیق سفر کا کرے یا نہ کرے اور لوٹ

۱؎ مناسب یوں تھا کہ مترجم اول یوں کہتا سر کے ڈھکنے اور چہرہ ڈھکنے کو ترک کرنا ۱۲ ۲؎ سو جس نے لازم کر لیا ان مہینوں میں حج تو نہیں ہے جماع اور گناہ کرنا اور جھگڑا کرنا حج میں ۱۲

استخارہ کرے کہ میں حج کروں یا نہ کروں اس واسطے کہ واجب اور مکروہ میں استخارہ بے موقع ہے ع در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست و اور پورا بیان اس کا نہر الفائق میں ہے م اور باقی مضمون نہر الفائق کا یوں ہے کہ استخارہ کا طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت نماز ادا کرے پہلی رکعت میں قل یا ایہا الکافرون اور دوسری رکعت میں قل ہو اللّٰہ احد پڑھے پھر استخارہ کی دعا جو احادیث میں ثابت ہے پڑھے پھر توبہ کرے شرائط توبہ کی مراعات کر کے یعنی جن کی حق تلفی کی ہو ان سے معاف کروائے اور جس کا مال چوری یا دغابازی یا غصب یا رشوت سے لیا ہو اس کو پھیر دے حتی الامکان اور جن عبادات میں قصور ہوا ہو ان کو قضا کرے اور اپنے گناہوں سے نہایت شرمندہ ہو اور مصمم ارادہ کرے کہ پھر ان گناہوں کو نہ کرے گا اس واسطے کہ اس شاہنشاہ کے دربار میں ان نجاسات کو لے جانا کمال بے ادبی ہے اور نفقہ حلال کی طلب میں نہایت کوشش کرے اور اس سفر میں ضرور ہے رفیق صالح کی صحبت کہ غفلت کے وقت میں ہوشیار کر دے اور بے صبری اور ناشکیبائی کی حالت میں صبر کی تعلیم کرے اور جب یہ عاجز ہو تو وہ اعانت کرے اور حج کرنے والے کو مناسب ہے کہ کرایہ والے کو اپنا اسباب دکھلا دیوے اور بدوں اس کی اجازت کے زیادہ سواری پر نہ لادے اور بعد اجازت کے بھی جانور کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ رکھے اور سفر حج میں بہتر یہ ہے کہ تجارت کی نیت نہ کرے اگرچہ تجارت سے ثواب کم نہیں ہوتا مثل غازی کے اور لازم ہے کہ اس سفر میں ریا اور سمعہ اور تفاخر سے آپ کو بچاوے و لہٰذا محمل کو بعضے علما نے مکروہ جانا ہے انتہی ما فی النہر الفائق اور فتح القدیر میں ہے کہ تحصیل نفقہ حلال میں کوشش بلیغ لازم ہے اس واسطے کہ حرام نفقہ سے حج مقبول نہیں ہوتا اگرچہ فرض ساقط ہو جاتا ہے اور سقوط حج اور عدم قبول حج میں کچھ مخالفت نہیں عدم قبول کے یہ معنی کہ ثواب حاصل نہیں ہوتا اور سقوط کا یہ مطلب کہ آخرت میں عذاب نہیں جیسا کہ تارکین حج کو ہو گا اور فتاوی قاضی خان میں ہے کہ جب آدمی کے پاس حلال مال ہو اور اس میں کچھ شبہہ ہو حرمت کا تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ نفقہ حج کے واسطے قرض لے اور اپنے اس مال سے قرض کو ادا کرے اور بنایہ میں ہے کہ عیال کا خرچ دے جاوے اور خوش خرم سفر کرے اور راہ میں تقوی اختیار کرے اور ذکر اللّٰہ کی کثرت کرے اور بدخلقی اور غضب سے پرہیز کرتا رہے اور لوگوں کی بدخلقی اور غصہ سہا کرے حلم اور بردباری کرتا رہے کذا فی العالمگیریۃ اور سفر کی دعا میں حصن حصین وغیرہ کتب احادیث سے یاد کر لے یا لکھ لے تا کہ ان کو اپنے موقع پر پڑھا کرے م یہ مستحبات اور آداب سفر تھے جو بقدر ضرورت مذکور ہوئے اب سنن اور ممنوعات حج کو دریافت کرنا چاہیے طواف القدوم اور طواف میں رمل کرنا یعنی اکڑنا اور صفا مروہ کے اندر دو سبز میناروں کے درمیان شتاب چلنا اور ایام نحر کی راتوں میں منی میں رہنا اور عرفہ کے دن بعد طلوع آفتاب کے منی سے عرفات کو جانا اور مزدلفہ سے منی کی طرف چلنا قبل طلوع آفتاب کے سنت ہے کذا فی فتح القدیر اور مزدلفہ میں رات کو رہنا سنت ہے اور جمرات ثلثہ کی رمی میں ترتیب سنت ہے کذا فی العالمگیریۃ عن البحر اور ممنوعات حج دو قسم ہیں ایک وہ جو انسان اپنی ذات پر کرے وہ چھ طرح پر ہے جماع کرنا اور سر منڈانا اور ناخن کاٹنا اور خوشبو لگانا اور سر اور چہرے کو ڈھکنا اور سِیا کپڑا پہننا اور دوسری قسم وہ ہے جو آدمی اپنی ذات کے سوا غیر میں کرے جیسے شکار کرنا حل اور حرم کے درخت کو کاٹنا کذا فی العالمگیریۃ و اشہرہ شوال و ذو القعدۃ بفتح القاف و تکسر و عشر ذی الحجۃ بکسر الحاء و تفتح و عند الشافعی لیس منہا یوم النحر و عند مالک ذو الحجۃ کلا عملا بالآیۃ قلنا اسم الجمع یشترک فیہ ما وراء الواحد اور حج کے مہینے شوال اور ذیقعدہ اور دس دن ذی الحجہ کے ہیں اور امام شافعی اور ابو یوسف کے نزدیک قربانی کا دن حج کے مہینوں میں نہیں اور امام مالک کے نزدیک تمام ذی الحجہ حج کے مہینوں میں داخل ہے بدلیل آیت قرآنی کہ حق تعالی نے فرمایا (الحج اشہر معلومات) یعنی حج کے مہینے معلوم اور مشہور ہیں لفظ اشہر جمع ہے اور اقل جمع تین ہے شارح کہتا ہے ہم جواب دیتے ہیں امام مالک کے استدلال کا کہ صیغہ جمع میں ما ورائے واحد بھی مشترک ہے یعنی دو اور دو سے زیادہ پر بھی اطلاق جمع کا قرآن مجید میں ثابت ہے

سلہ یہ بخاری وغیرہ میں جابر رضی اللّٰہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ہم کو سب کاموں میں استخارہ تعلیم کرتے تھے جیسے قرآن کے سورہ سکھاتے تھے فرماتے تھے جب کوئی مطلب کا ارادہ کرے تو دو رکعت نفل پڑھے پھر دعا کرے اللہم انی استخیرک بعلمک واستقدرک بقدرتک واسئلک من فضلک العظیم فانک تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب اللہم ان کنت تعلم ان ہذا الامر خیر لی فی دینی ومعاشی وعاقبۃ امری فاقدرہ لی ویسرہ لی ثم بارک لی فیہ اللہم ان کنت تعلم ان ہذا الامر شر لی فی دینی ومعاشی وعاقبۃ امری فاصرفہ عنی واصرفنی عنہ واقدر لی الخیر حیث کان ثم ارضنی بہ

حق تعالیٰ نے فرمایا (فقد صغت قلوبکما) یعنی تم دونوں کے دل مائل ہو گئے قلوب جمع ہے اور مراد تثنیہ ہے یعنی دو چنانچہ زمخشری نے اس کو مصرح کیا ہے تو
جب جمع کا اطلاق دو پر ہوا تو اشہر کا اطلاق دو مہینے اور بعض ثالث پر بطریق اولیٰ صحیح ہو گا کذا فی حاشیۃ الطحطاوی اگر کوئی کہے کہ ثمرہ ائمہ ثلثہ کے اختلاف کا کیا ہے
شارح نے اس کا جواب قول آئندہ میں دیا وفائدۃ التوقیت انہ لو فعل شیئا من افعال الحج خارجہا لا یجزیہ اور فائدہ اس توقیت اور تعیین کا یہ ہے کہ اگر افعال
حج میں سے کوئی فعل اس مدت سے باہر کرے تو کفایت نہ کرے گا یعنی مثلاً اگر متمتع اور قارن تین روزے رکھیں شوال سے تو جائز نہیں یا کوئی سعی کرے
بعد طواف القدوم کے اشہر حج سے پہلے تو صحیح نہیں اور احرام باندھنا اشہر حج میں مکروہ نہیں اور اس سے قبل جائز ہے مع الکراہت جب کہ یہ معلوم ہوا
تو دریافت کرنا چاہیے کہ شارح کو لازم تھا کہ بجائے لا یجزیہ کے لا یحل کہتا تاکہ احرام قبل اشہر الحج کا شامل رہتا اس واسطے کہ احرام قبل اشہر حج کے کفایت کرتا
ہے مگر حلال نہیں قہستانی نے کہا کہ رمی اور حلق اور طواف الزیارۃ بعد اشہر حج کے کفایت کرتے ہیں لیکن حلال نہیں بلکہ حرام ہے کذا فی تحفۃ الاخیار حاشیۃ
الحلبی (وانہ یکرہ الاحرام لہ قبلہا وان امن علی نفسہ من المحظورات لشبہۃ بالرکن کما مر واطلاقہا یفید التحریم) اور البتہ مکروہ ہے احرام باندھنا قبل ان مہینوں کے اگرچہ
انسان کو اپنی ذات پر ارتکاب ممنوعات کا خوف نہ ہو بسبب مشابہ ہونے احرام کے ساتھ رکن کے چنانچہ اس کا بیان فرائض حج میں گذرا اور مطلق بولنا کراہت
کا تحریم کا مفید ہوا یعنی قبل کا احرام مکروہ تحریمی ہے والعمرۃ فی العمر مرۃ سنۃ موکدۃ علی المذہب اور عمرہ کرنا تمام عمر میں ایک بار سنت موکدہ ہے بنا بر قوی مذہب
کے اور بعضے علما حنفیہ کے نزدیک فرض کفایہ ہے کذا فی حاشیۃ الطحطاوی وصحح فی الجوہرۃ وجوبہا اور جوہرہ میں وجوب میں عمرہ کی تصحیح کی اگر کوئی کہے کلام مجید
میں ارشاد ہوا (اتموا الحج والعمرۃ للّٰہ) یعنی تمام کرو حج اور عمرے کو اللہ کے واسطے اس آیت میں اتمام بصیغہ امر ارشاد ہوا اور امر مفید ہے وجوب کا اس کا جواب
شارح نے آئندہ قول میں دیا وقلنا المامور بہ فی الآیۃ الاتمام وذلک بعد الشروع وبہ نقول ہم جواب میں کہتے ہیں کہ آیت میں امر ہے اتمام کا اور اتمام نہیں ہوتا
مگر بعد شروع کرنے فعل کے اور اس کے تو ہم قائل ہیں کہ سنت بلکہ نفل بعد شروع کے واجب ہو جاتی ہے ثم عمرہ مشتق ہے اعتمار سے اور اعتمار لغت میں
آباد مکان کی طرف جانے کو کہتے ہیں کذا فی حاشیۃ الطحطاوی عن المغرب وہی احرام وطواف وسعی وحلق او تقصیر اور شرع میں عمرہ عبارت ہے احرام اور
طواف اور سعی بین الصفا والمروہ اور بال منڈانے یا کترانے سے فالاحرام شرط ومعظم الطواف رکن وغیرہما واجب ہو المختار سو احرام باندھنا عمرہ میں شرط ہے اور اکثر
طواف یعنی چار بار یا زیادہ گھومنا گرد بیت اللہ کے فرض ہے اور باقی واجب ہے اور یہی قول مختار ہے یعنی سعی اور حلق کا عمرے میں واجب ہونا ویفعل
فیہا کفعل الحاج اور عمرے کے احرام اور طواف اور سعی میں ویسا کرے جیسا کہ حج کرنے والا کرتا ہے اور جب حجر اسود کا بوسہ لے تو لبیک کہنا قطع کرے
اور جب سر منڈا دے تو احرام سے باہر ہو کذا فی الطحطاوی عن القہستانی وجازت فی کل السنۃ وندبت فی رمضان اور جائز ہے عمرہ کرنا تمام سال میں
سوائے ایام منہیہ کے اور مستحب ہے رمضان شریف میں م سنن ابی داؤد میں عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے اور نسائی میں عبداللہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حج اور عمرہ گناہوں
کو دور کرتے ہیں جیسے لوہار کی بھٹی لوہے کے میل کو صاف کرتی ہے وکرہت تحریما یوم عرفۃ واربعۃ بعدہا ای کرہ انشاؤہا بالاحرام حتی یلزمہ دم وان رفضہا الا ادائ
ہا فیہا باحرام سابق کقارن فاتہ الحج فاعتمر فیہا لم یکرہ سراج وعلیہ فاستثناء الخانیۃ القارن منقطع فلا یحقق یوم عرفۃ کما توہمہ فی البحر اور مکروہ تحریمی ہے عمرہ کرنا عرفے
کے دن اور اس کے بعد چار دن اور یعنی احرام باندھ کر عمرہ شروع کرنا ان دنوں میں مکروہ ہے یہاں تک کہ اس پر ذبح کرنا لازم آوے گا عمرہ شروع کرنے
سے اگرچہ بعد احرام کے اس کو ترک بھی کرے اور احرام سابق سے عمرہ ادا کرنا ان دنوں میں مکروہ نہیں چنانچہ قران کرنے والے کو حج نہ ملا سو اس نے ان
دنوں میں عمرہ کیا تو مکروہ نہیں کذا فی السراج اور بنا بر روایت سراج کے استثنا خانیہ کا قارن کو استثنائے منقطع میں داخل ہے یعنی خانیہ میں جو یوں کہا
ہے کہ عمرہ ان دنوں میں مکروہ ہے مگر قارن کو مکروہ نہیں تو یہ استثنا متصل نہیں بلکہ منقطع ہے اس واسطے کہ احرام قارن کا سابق سے ہے اور مکروہ ان

دنوں کا احرام ہے تو مستثنیٰ داخل نہیں مستثنیٰ منہ میں اسی کا نام منقطع ہے پھر حسب سراج کی روایت سے معلوم ہوا کہ پانچ دن عمرہ مکروہ ہے تو کراہت
فقط عرفے کے دن کو مخصوص نہ رہی جیسا کہ صاحب بحرالرائق نے توہم کیا ہے والمواقیت ای المواضع التی لا یجاوزہا مرید مکۃ الا محرما خمسۃ اور مواقیت یعنی وہ
مکان جن سے بدون احرام کے گذرنا مکے کے جانے والے کو درست نہیں پانچ ہیں م مواقیت جمع ہے میقات کی لفظ میقات مشترک ہے درمیان وقت
معین اور مکان معین کے اور مراد یہاں مکان ہے کذا فی المنح تبعا للبحر اور نہر الفائق میں ہے کہ میقات عبارت ہے وقت معین سے اور مکان احرام
کے واسطے مستعار ہے اور جوہری کا صحاح میں یوں کہنا کہ میقات موضع احرام ہے وہ ہمارے قول کے مخالف نہیں اس واسطے کہ جوہری کی عادت نہیں
تفرقہ کرنا حقیقت اور مجاز میں اور شاید کہ صاحب بحر نے ظاہر کلام جوہری سے دھوکا کھایا کہ اشتراک کا قائل ہوا انتہی کلامہ معلوم کرنا چاہیے کہ شاہنشاہ علی
الاطلاق نے کعبہ معظمہ کو بزرگی دی اس کو بارگاہ قدسی قرار دیا اور مسجد الحرام کو اس کا جلوخانہ بنایا اور شہر مکہ کو مسجد الحرام کا احاطہ کیا اور حرم کو شہر کا پیش گاہ ٹھہرایا
اور مواقیت کو حرم کا مجرا گاہ قرار دیا اور وہاں سے احرام باندھنا واجب کیا اس بقعہ مبارکہ کے اظہار شرف کے واسطے تو اس میں سب قاصدین مکہ داخل ہیں
خواہ بہ نیت حج یا عمرہ جاویں خواہ بہ نیت سکونت ہجرت خواہ بہ نیت تجارت بہر صورت احرام واجب ہے ذوالحلیفۃ بضم ففتح مکان علی ستۃ امیال من المدینۃ
وعشر مراحل من مکۃ تسمیہا العوام ابار علی رضی اللہ عنہ یزعمون انہ قاتل الجن فی بعضہا وہو کذب ایک میقات ذوالحلیفہ ہے بضم حا و فتح لام وہ مکان چھ کوس پر ہے
مدینہ طیبہ سے اور دس منزل ہے مکہ معظمہ سے وہاں کے کنوئیں کو عوام عرب آبار علی کہتے ہیں ان کا گمان یہ ہے کہ علی مرتضیٰ نے جنوں سے قتال کیا وہاں کے
کسی کنوئیں میں اور حالانکہ یہ جھوٹ ہے کہیں ثابت نہیں یہ میقات ہے اہل مدینہ کا سب مواقیت سے یہ میقات دور ہے مکہ معظمہ سے وذات عرق بکسر فسکون
علی مرحلتین من مکۃ اور ذات عرق بکسر عین و سکون ثانی یہ میقات مکہ معظمہ سے دو منزل پر ہے جانب مشرق کے وجحفۃ علی ثلث مراحل بقرب رابغ اور جحفہ بضم
جیم و سکون حا مکہ سے تین منزل پر ہے قریب رابغ کے اور بالفعل عوام اس کو رابغ کہتے ہیں کذا فی النہر اور یہ قریہ ہے مکہ سے مغرب اور شمال کے درمیان
شام کی راہ پر اور یہ میقات ہے اہل مصر اور مغرب اور شام کا کذا فی المنح جحفہ کا بالفعل نشان باقی نہیں رہا لہذا اب رابغ سے احرام کرتے ہیں کذا فی حاشیۃ
الطحطاوی وقرن علی مرحلتین من مکۃ وفتح الراء خطاء ونسبۃ اویس الیہ خطاء آخر اور قرن بفتح قاف و سکون ثانی پہاڑ کا نام ہے عرفات سے نظر آتا ہے مکہ سے دو
منزل پر ہے اور قرن کو بفتح را کہنا خطا ہے جوہری کی اور اویس کی نسبت کرنا اس کی طرف دوسری خطا ہے اس واسطے کہ اویس قرنی اس قبیلہ کی طرف منسوب
ہیں جس کو بنو قرن کہتے ہیں کذا فی المنح ویلملم جبل علی مرحلتین ایضا اور یلملم بفتح مثناۃ تحتانی و دو لام ملک تہامہ کا پہاڑ ہے یہ بھی دو منزل پر ہے مکہ معظمہ سے
جانب جنوب للمدنی والعراقی ذوالحلیفہ میقات ہے اہل مدینہ کا اور ذات عرق میقات ہے اہل عراق کا عراق اس ملک کا نام ہے جس میں بغداد اور کوفہ
اور بصرہ اور نجف اور کربلا ہے اور اہل خراسان اور ماوراء النہر کا بھی یہی میقات ہے والشامی الغیر المار بالمدینۃ بقرینۃ ما یاتی اور جحفہ میقات ہے اس شامی
کا جو مدینہ میں ہو کر مکہ میں نہیں آیا یہ قید شارح نے بقرینہ آئندہ لگائی والنجدی والیمنی لف ونشر مرتب اور قرن میقات ہے اہل نجد کا اور یلملم میقات
ہے اہل یمن اور اہل ہند کا مصنف نے مواقیت اور بلاد کو بطور لف ونشر مرتب کے مذکور کیا واسطے اختصار کے ویجمعہا قولہ ؎ عرق العراق یلملم الیمنی : وبذی
الحلیفۃ یحرم المدنی : للشام جحفۃ ان مررت بہا : ولاہل نجد قرن فاستبنی اور جمع کیا ہے مواقیت اور اہل مواقیت کو شاعر نے اپنے قول میں تاکہ حفظ آسان
ہو یعنی ذات عرق عراق کا میقات ہے اور یلملم یمنی کا اور ذوالحلیفہ سے مدنی احرام باندھتا ہے اور واسطے شام کے جحفہ ہے اگر گذرے تو اے شامی جحفہ
کی طرف سے اور اہل نجد کے واسطے قرن میقات ہے سو ظاہر سمجھ لے وکذا ہی لمن مر بہا من غیر اہلہا کالشامی یمر بمیقات اہل المدینۃ فہو میقاتہ قالہ النووی
الشافعی وغیرہ اور اسی طرح یہ مکانات اس کے واسطے بھی میقات ہیں جو ان مکانات کی طرف ہو کر نکلے دوسری طرف والا چنانچہ شام کا رہنے والا مدینہ کی میقات
پر ہو کر نکلے تو وہی اس کا میقات ہو جاوے گا یعنی شامی کا میقات جحفہ تھا سو وہ ادھر نہ گیا ذوالحلیفہ میں ہو کر نکلا تو اب یہیں سے اس کو احرام باندھنا چاہیے

جحفہ کی طرف جانا اس پر ضرور نہیں امام نووی شافعی وغیرہ نے اس طرح ذکر کیا ہے مم شارح نے اشارہ کیا کہ یہ مسئلہ اتفاقی ہے حنفی شافعی مالکی حنبلی کا اس میں اختلاف نہیں وقالوا لو مر بمیقاتین فاحرامہ من الابعد افضل ولو اخرہ الی الثانی لاشئ علیہ علی المذہب اور علما نے کہا ہے کہ اگر کوئی آدمی دو میقات پر گذرا تو اس کا احرام باندھنا اس میقات سے افضل ہے جو مکہ معظمہ سے دور تر ہو اور اگر تاخیر کرے گا احرام باندھنے میں دوسرے میقات تک تو اس پر کچھ گناہ اور کفارہ نہیں بنا بر قوی مذہب کے وعبارۃ اللباب سقط عنہ الدم اور لباب کی عبارت یہ ہے کہ ساقط ہو گیا اس پر سے ذبح کرنا یعنی میقات اول سے بے احرام گذرنے سے ذبح کرنا اس پر لازم ہو گیا تھا جب دوسرے میقات پر اس نے احرام باندھا تو اس پر سے ذبح کرنا ساقط ہو گیا ولو لم یمر بہا تحری واحرم اذا حاذی احدہما والابعد افضل فان لم یکن بحیث یحاذی فعلی مرحلتین اور اگر ایسی راہ سے مکہ کو جاوے کہ کوئی میقات نہ ملے تو وہاں سوچے اور اٹکل کرے اور وہاں سے احرام باندھے جو مقابل اور برابر پڑے کسی میقات کے اور اگر کسی مکان میں دو میقات سے مقابلہ ہوتا ہو تو جو زیادہ تر دور ہو وہ افضل ہے اور اگر ایسی راہ پیش آوے کہ وہاں سے کسی میقات کا سامنا ہوتا ہو یا اٹکل میں نہ آتا ہو تو جب مکہ معظمہ دو منزل پر رہے تو وہاں سے احرام باندھے اس واسطے کہ کوئی میقات دو منزل سے کم تر نہیں وحرم تاخیر الاحرام عنہا کلہا لمن ای الآفاقی قصد دخول مکۃ یعنی الحرم ولو لحاجۃ غیر الحج اور حرام ہے احرام کی تاخیر کرنا ان سب مواقیت سے اس باہر والے کے واسطے جس نے دخول مکہ یعنی دخول حرم کا قصد کیا اگرچہ کسی اور حاجت کے واسطے وہاں گیا سوائے حج اور عمرے کے اس واسطے کہ احرام اس مکان پاک کی تعظیم کے واسطے ہے تو اس میں ہر طرح کے جانے والے برابر ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جو فتح مکہ میں بلا احرام تشریف لے گئے تھے تو یہ امر حضرت کو مخصوص تھا چنانچہ احادیث صحیحہ میں اس کی تصریح موجود ہے کذا فی المنح اما لو قصد موضعا من الحل کخلیص وجدۃ حل لہ مجاوزتہ بلا احرام فاذا حل بہ التحق باہلہ فلہ دخول مکۃ بلا احرام وہو حیلۃ لمن یرید ذلک الا لمامور بالحج لمخالفتہ لیکن اگر آفاقی یعنی باہر والا حرم کے سواحل میں کسی مکان کے جانے کا ارادہ کرے جو اندر رہے میقات کے چنانچہ فقط خلیص اور جدۃ کا ارادہ کرے تو اس کو میقات سے بلا احرام گذرنا حلال ہے پھر جب وہاں گیا تو وہاں کے لوگوں میں مل گیا اور وہاں کے لوگوں کو مکہ میں جانا بلا احرام درست ہے تو اس کو بھی بلا احرام جانا جائز ہے اور یہ حیلہ ہے اس شخص کے واسطے جو دخول مکہ کا بلا احرام قصد کرے مگر مامور بالحج کو یہ حیلہ کرنا جائز نہیں بسبب اس کی مخالفت کے اس واسطے کہ اس کا سفر حج کے واسطے مخصوص نہ رہا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ حج آفاقی کا مامور تھا پھر جب وہ مکہ میں بلا احرام داخل ہوا تو اس کا حج مکی ہو گیا نہ آفاقی اور یہ مسئلہ دریائے شور کے مسافرین کو اکثر واقع ہوتا ہے مثلاً ایک شخص مامور بالحج ہے اور سال کے درمیان کنارے پہنچا تو اس کو جائز نہیں کہ بندر جدہ کا کہ وہ حرم سے باہر ہے قصد کرے تاکہ مکہ میں بلا احرام داخل ہو کہ مدت تک احرام باندھے رہنا نہ پڑے اور اگر مامور نے احرام حج کا باندھا تو اس کو عمرہ کرکے احرام چھوڑنا درست نہیں بسبب مخالفت امر کے کذا فی البحر اور ظاہراً اگر مامور بالحج بندر جدہ کا قصد کرے پھر جب ایام حج کے قریب ہوں تو کسی نزدیک میقات پر جاکر وہاں سے احرام باندھ آوے تو جائز ہو کذا فی حاشیۃ الطحاوی لا یحرم التقدیم للاحرام علیہا بل ہو الافضل ان فی اشہر الحج وامن علی نفسہ حرام نہیں تقدیم احرام کی ان مواقیت پر بلکہ مقدم کرنا احرام کا میقات سے افضل ہے بشرطیکہ حج کے مہینوں میں ہو اور اپنی ذات پر اعتماد ہو ممنوعات کے نہ کرنے کا اور اگر اعتماد نہ ہو تو میقات ہی سے احرام باندھنا افضل ہے کذا فی الجوہرۃ اور شوال سے پہلے احرام باندھنا بالاتفاق مکروہ ہے اعتماد ہو یا نہ ہو کذا فی نہر الفقار وحل لاہل داخلہا یعنی لکل من وجد فی داخل المواقیت دخول مکۃ غیر محرم مالم یرد نسکا للحرج کما لو جاوز ہا حطابوا مکۃ اور ان لوگوں کے واسطے جو مواقیت کے اندر رہتے ہیں خواہ عین میقات میں ہوں یا علیحدہ حرم کی طرف حلال ہے داخل ہونا مکہ کا بدون احرام کے بواسطہ تکلیف کے کثرت آمد ورفت سے تاوقتیکہ حج یا عمرے کا قصد نہ کیا ہو اور اگر حج یا عمرے کا ارادہ ہوگا تو بدون احرام کے ان کو بھی دخول جائز نہ ہوگا جیسے حلال ہے بلا احرام داخل ہونا مکہ والوں کو جو لکڑیوں کے واسطے مکہ سے باہر نکل گئے بشرطیکہ مواقیت آفاقی سے تجاوز نہ ہوا ہو اور اگر مکی وہاں سے بھی باہر نکلے گا تو وہ آفاقی ہو جاوے گا اب اس کو بدون احرام کے مکہ میں داخل ہونا جائز نہیں کذا فی حاشیۃ الطحاوی فہذا میقاتہ الحل الذی بین المواقیت والحرم سو اس کا میقات حل ہے یعنی جو

میقات کے اندر سے وہ حج یا عمرے کے واسطے حل سے احرام باندھے حل بکسر اول وتشدید لام اس موضع کو کہتے ہیں جو مواقیت اور حرم کے درمیان ہے والمیقات لمن بمکۃ یعنی من بداخل الحرم للحج الحرم وللعمرۃ الحل اور مکہ والوں کا یعنی جو حرم کے اندر رہیں ان کا میقات حج کے واسطے حرم ہے جاہیں اپنے گھروں کے اندر سے احرام باندھیں اور عمرے کے واسطے حل میقات ہے لتحقق نوع سفر اہل حرم کے واسطے میقات حج اور عمرے کا اس واسطے مختلف ہوا تاکہ کچھ سفر کرنا ثابت ہو اس لیے کہ حج ہوتا ہے عرفات میں اور وہ حل میں واقع ہے تو جب اہل مکہ نے حرم میں احرام باندھا تو عرفات تک احرام باندھے جانا پڑا اور عمرہ ہوتا ہے بیت اللہ میں اور وہ حرم میں ہے تو جب عمرے کا احرام حل میں باندھا تو بیت اللہ تک احرام باندھے آنا پڑا دونوں صورتوں میں سفر کا مضمون پایا گیا والتنعیم افضل اور عمرے کا احرام تنعیم سے باندھنا افضل ہے م تنعیم ایک مکان کا نام ہے مکہ سے تین کوس تنعیم کا احرام اس واسطے افضل ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ صدیقہؓ کو فرمایا کہ عمرے کے واسطے وہیں سے احرام باندھیں ونظم حدود الحرم ابن الملقن فقال ؎ وللحرم التحدید من ارض طیبۃ ؛ ثلثۃ امیال اذا رمت اتقانہ ؛ وسبعۃ امیال عراق وطائف ؛ وجدۃ عشر ثم تسع جعرانہ ؛ ومن یمن سبع بتقدیم سینہا ؛ وقد کملت فاشکر لرب احسانہ ✢ اور ابن ملقن نے حرم کی حدوں کو یوں نظم کیا ہے کہ حرم کی حد مدینہ طیبہ کی جانب سے تین کوس ہے جب کہ اے مخاطب تو اس کے حفظ کا قصد کرے اور سات کوس عراق اور طائف کی طرف سے اور جدہ کی طرف سے دس کوس ہے پھر جعرانہ کی طرف سے نو کوس ہے اور یمن کی طرف سے سات کوس ہے اور البتہ ہر طرف سے حدود حرم کی پوری ہو گئی سو اپنے رب کے احسان کا شکر ادا کر ناظم نے کہا کہ بیت اخیر میں لفظ سبع کا بتقدیم سین سے ہے تاکہ تسعہ کے لفظ سے مشتبہ نہ ہو

فصل فی الاحرام

وصفۃ المفرد بالحج اس فصل میں مسائل احرام اور حج مفرد کا بیان ہے مفرد بالحج اس کو کہتے ہیں جو خالص حج کے واسطے احرام باندھے عمرے کی شرکت احرام میں نہ کرے من شاء الاحرام جو احرام کا ارادہ کرے م احرام لغت عرب میں دخول فی الحرمۃ کو کہتے ہیں یعنی بے حرمتی نہ کرنا اور شرع میں احرام عبارت ہے حرمات مخصوصہ کے دخول سے بشرط نیت مع الذکر یا سوق ہدی کذا فی فتح القدیر والنہر الفائق وہو شرط صحۃ النسک کتکبیرۃ الافتتاح للصلوۃ فالصلوۃ والحج لہما تحریم وتحلیل بخلاف الصوم والزکوۃ اور احرام شرط ہے حج یا عمرے کے صحیح ہونے کی جیسے تکبیر افتتاح یعنی اول بار اللہ اکبر کہنا صحت نماز کی شرط ہے تو نماز اور حج کے واسطے تحریم اور تحلیل ہے بخلاف صوم اور زکوۃ کے کہ ان کے لیے تحریم اور تحلیل نہیں م نسک بمعنی مطلق عبادت کے ہے لیکن حج اور عمرہ میں کثیر الاستعمال ہے ثم الحج اقوی من وجہین الاول ان یقضی مطلقا ولو مظنونا بخلاف الصلوۃ پھر حج قوی تر ہے نماز سے دو وجہ سے اول وجہ یہ ہے کہ حج کا قضا کرنا ہر صورت لازم ہے اگرچہ حج مظنون ہو بخلاف نماز کے یعنی اگر آدمی کو گمان ہوا کہ مجھ پر حج واجب ہے اور اس نے احرام باندھا پھر ظاہر ہوا کہ حج واجب نہیں تو اس کو ادا کرنا لازم ہے اور اگر ترک کرے گا تو اس پر قضا کرنا واجب ہوگا بخلاف نماز مظنون کے کہ اس کے فاسد کرنے سے قضا لازم نہیں کذا فی الطحاوی عن البحر الثانی انہ اذا اتم الاحرام بحج او عمرۃ لا یخرج عنہ الا بعمل ما احرم بہ وان افسدہ الا فی الفوات فبعمل العمرۃ والاحصار فبذبح الہدی دوسری وجہ یہ ہے کہ جب احرام کو پورا کرے یعنی شروع کرے حج یا عمرہ کے واسطے تو احرام سے نہ نکلے اس کے بدون عمل کے جس کے واسطے احرام باندھا اگرچہ اس کو فاسد کر ڈالے مگر حج کے فوت ہو جانے میں البتہ احرام سے نکلے عمرہ کر کے اور احصار میں احرام سے نکلے بعد ذبح کرنے ہدی کے یعنی جب احرام مثلاً حج کے واسطے باندھا تو بدون حج کے ترک کرنا احرام جائز نہیں مگر دو صورت میں ایک یہ ہے کہ حج فوت ہو جاوے بسبب گذر جانے موسم کے تو بعد عمرہ کے احرام ترک کرے دوسری صورت یہ ہے کہ بسبب احصار کے حج کے واسطے نہ جا سکے تو بعد ذبح کرنے ہدی کے احرام کو چھوڑے بخلاف نماز کے کہ اس میں گاہے بعض منوی کے عمل سے نکلنا جائز ہو جاتا ہے مثلاً ایک شخص نے چار رکعت کی نیت کی اور دو رکعت پر سلام پھیرا تو جائز ہے اور کوئی چیز اس پر لازم نہیں کذا فی حاشیۃ الطحاوی توضأ وغسلہ احب وہو للنظافۃ لا للطہارۃ فیجب بحاء مہملۃ فی حق حائض ونفساء وصبی جو احرام باندھنا چاہے وہ وضو کرے اور غسل کرنا اس کا مستحب ہے اور یہ غسل صفائی اور ستھرائی کے واسطے ہے نہ کہ واسطے طہارت اور دفع نجاست کے تو حیض اور نفاس والی عورت اور صغیر کے حق میں بھی غسل کرنا مستحب ہے

والتیمم له عند العجز عن الماء لیس بمشروع لانه ملوث بخلاف جمعة وعید ذکره الزیلعی وغیره لکن سوی فی الکافی بینهما وبین الاحرام ورجحه فی النهر اور تیمم کرنا احرام کے واسطے پانی نہ ملنے کے وقت مشروع نہیں اس واسطے کہ تیمم سے خاک آلودگی ہوتی ہے نہ صفائی کہ مقصود حاصل ہو بخلاف جمعہ اور عید کے کہ ان میں تیمم مشروع ہے اگر غسل کے واسطے پانی نہ ملے چنانچہ زیلعی وغیرہ نے اس کو ذکر کیا ہے اور کافی میں جمعہ عیدین کو اور احرام کو عدم مشروعیت تیمم میں برابر کہا ہے اور کافی کی روایت کی ترجیح دی ہے نہر میں اس دلیل سے کہ مٹی کو تحصیل نظافت میں کچھ اثر نہیں اس واسطے کہ مٹی ملوث اور مغیر ہے کذا فی النهر وشرط لنیل السنة ان یحرم وہو علی طهارته اور شرط غسل کے واسطے حاصل ہونے ثواب سنت کے یہ ہے کہ احرام باندھے غسل کی طہارت پر تو اگر غسل کے بعد وضو ٹوٹے گا پھر احرام باندھے گا اور پھر وضو کرے گا تو اس فضیلت سے محروم رہے گا کذا فی النهر عن النهایة وکذا یستحب لمرید الاحرام ازالة ظفره وشاربه وعانته وحلق راسه ان اعتاده والا فیمشطه اور غسل کی طرح مستحب ہے احرام کرنے والے کو اپنے ناخن کا دور کرنا اور مونچھوں کا کترانا اور زیر ناف کے بالوں کا صاف کرنا اور اپنا سر منڈانا اگر منڈانے کی عادت ہو اور اگر سر پر بال ہوں تو ان میں کنگھی کرے ہم بدن اور بالوں کا گرد وغبار اور میل چھڑانا خطمی اور اشنان وغیرہ سے مستحب ہے کذا فی حاشیة الطحطاوی وجماع زوجته او جاریته لو معه ولا مانع منه کحیض اور مستحب بلکہ سنت ہے اپنی زوجہ یا اپنی لونڈی سے جماع کر لینا قبل احرام کے اگر اس کے ہمراہ ہو اور کوئی جماع کا مانع نہ ہو چنانچہ ولبس ازار من السرة الی الرکبة اور ازار پہنے یعنی تہ بند باندھے ناف سے زانو تک ورداء علی ظهره ویس ان یدخله تحت یمینه ویلقیه علی کتفه الایسر فان زره او خلله او عقده اساء ولا دم علیه اور چادر کو اپنی پیٹھ پر ڈالے اور مسنون یہ ہے کہ چادر کو پیٹھ پر ڈال کر داہنے ہاتھ کی طرف بغل کے نیچے کر کے اپنے بائیں مونڈھے پر ڈالے سو اگر چادر میں گھنڈی لگائی یا اس کو کانٹے سے اٹکایا یا گرہ لگائی تو برا کیا لیکن یہ قصور نہیں کہ ذبح کرنا اس پر لازم آوے جدیدین او غسیلین طاهرین ابیضین ککفن الکفایة وهذا بیان السنة والا فستر العورة کاف نہ بند اور چادر نئے ہوں یا دونوں پرانی دھوئی پاک سفید ہوں جیسا کفن کفایت کا ہوتا ہے اور یہ جو مذکور ہوا تہ بند اور چادر کا سو بیان ہے سنت کا والا احرام کے واسطے ستر عورت کافی ہے وطیب بدنه ان کان عنده لانه یبقی علیه هو الاصح اور بعد غسل اور لباس مذکور کے اور قبل احرام کے اپنے بدن میں خوشبو لگا دے اگر اس کے پاس ہو اور نہ ہو تو کسی سے طلب نہ کرے اور اپنے کپڑے میں ایسی خوشبو نہ لگا دے جس کا نشان باقی رہے اور نظر آوے یہی قول صحیح تر ہے دوسرے قول سے ہم بدن میں خوشبو لگانا ہر طرح سے درست ہے ظاہر الروایت میں خواہ اس کی ذات باقی رہے جیسے مشک اور غالیہ یا نہ باقی رہے صحیح مسلم میں عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ احرام کے وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر میں نے مشک لگایا اور اس کی چمک نظر آتی تھی لیکن بقول اصح کپڑے میں ایسی خوشبو لگانا درست نہیں جو نمودار ہو وصلی ندبا بعد ذلک شفعا یعنی رکعتین فی غیر وقت مکروه وتجزیه المکتوبة اور بعد اس کے نماز دوگانہ مستحب پڑھے اس وقت میں جو مکروہ نہیں اور کافی ہے اس کو نماز فرض مانند تحیة المسجد کے وقال المفرد بالحج بلسانه مطابقا لجنانه اللهم انی ارید الحج فیسره لی لمشقته وطول مدته وتقبله منی لقول ابراهیم واسمعیل علیهما السلام ربنا تقبل منا اور مفرد حج کا کرنے والا اپنی زبان سے موافق اپنے دل کے یہ دعا کرے واللهم انی ارید الحج فیسره لی وتقبله منی) یعنی خداوندا میں حج کا ارادہ کرتا ہوں سو اس کو میرے واسطے آسان کر دے اور اس کو قبول کر میری جانب سے آسانی کی دعا اس واسطے ہے کہ حج میں مشقت زیادہ ہے اور مدت دراز اس کے ادا کرنے میں لگتی ہے تو اس میں درخواست آسانی کی مناسب ہے اور قبول ہونے کی خواہش کی قید باقتداء دعائے ابراہیم اور اسمعیل علیہما السلام کے کہ دونوں حضرات نے فرمایا کہ اے ہمارے رب قبول کر حج کو ہماری جانب سے بلاشک تو سمیع اور علیم ہے وکذا المعتمر والقارن بخلاف الصلوٰة لان مدتها یسیرة کذا فی الهدایة اور اسی طرح سے عمرہ کرنے والا اور قران کرنے والا آسانی مانگے بخیال مشقت کے بخلاف نماز کے کہ اس میں آسانی کی دعا ضرور نہیں اس واسطے کہ نماز پڑھنے کی مدت قلیل ہوتی ہے بلا مشقت کذا فی الهدایة وقیل یقول کذلک فی الصلوٰة وعممه الزیلعی فی کل عبادة وهو ما فی الهدایة اولی اور بعضے علما نے یعنی صاحب تحفہ اور قنیہ نے محمد سے روایت کی کہ نماز میں بھی بطور حج کے آسانی کی درخواست کرے اور زیلعی نے ہر عبادت میں اس کو عام کہا ہے اور جو ہدایہ میں ہے وہی بہتر ہے

ثم لبی دبر صلوتہ ناویا بھا بالتلبیۃ الحج بیان للاکمل والا فیصح الحج بمطلق النیۃ ولو بقلبہ لکن بشرط مقارنتہا بذکر یقصد بہ التعظیم کتسبیح وتہلیل ولو بالفارسیۃ وان احسن العربیۃ
پھر دوگانہ احرام کے بعد تلبیہ کرے یعنی لبیک کہے اور لبیک کہنے سے حج کی نیت کرے یہ بیان ہے شروع حج کا بطریق کامل ورنہ حج تو مطلق نیت سے بھی صحیح ہے
اگرچہ دل ہی میں نیت حج کی کرکے زبان سے نہ نکالے لیکن بشرط متصل کرنے نیت کے ساتھ ایسے ذکر کے جس سے تعظیم رب العالمین مقصود ہو چنانچہ بعد نیت کے
سبحان اللہ کہنا اور لا الٰہ الا اللہ کہنا اگرچہ ذکر فارسی زبان میں کرے اگرچہ زبان عربی کا خوب ماہر ہو مع لبیک کہنے سے نیت حاصل نہیں ہوتی اس واسطے کہ زبان سے
بولنا دوسرا امر ہے ارادہ کے سوا اور معلوم ہوا کہ نیت کا کہنا زبان سے شرط نہیں بلکہ مستحب ہے واتباعا للمذہب وھی لبیک اللھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک
ان الحمد بکسر الھمزۃ وتفتح والنعمۃ لک بالفتح او مبتدا وخبر والملک لاشریک لک اور تلبیہ بنابر مذہب درست کے یہ ہے جو ماتن نے مذکور کیا یعنی حاضر ہوں تیری خدمت
میں خداوندا تیری ندا اور تیرے حکم میں بار بار حاضر ہوں کوئی تیرا شریک نہیں حاضر ہوں تیری حضور میں بلاشک سب تعریفیں اور سب نعمتیں تیرے واسطے ہیں اور بادشاہی
تجھ کو مخصوص ہے کوئی تیرا ساجھی نہیں لفظ ان کا ہمزہ مکسور ہے لغت فصیح میں اور فتح بھی جائز ہے اور نعمت کی ت کو فتحہ ہے بالنعمت لک مبتدا اور خبر ہیں تو اس صورت
میں ت کو ضمہ ہوگا م یہ تلبیہ صحاح ستہ میں عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح احرام کے وقت فرماتے تھے وزاد ندبا فیھا ای
علیھا لا فی خلالھا اور زیادہ کرے بنابر استحباب کے اس تلبیہ میں یعنی اس تلبیہ کے بعد اور الفاظ کا بڑھانا مستحب ہے اور اس تلبیہ کے الفاظ کے اندر اور الفاظ کا بڑھانا
کرنا نہیں م جلبی کی مناسک میں ہے کہ بعد تلبیہ ماثورہ کے یوں کہے (لبیک والخیر بیدیک والرغباء الیک والعمل لبیک الٰہ الخلق غفار الذنوب لبیک) کذا فی النہر ولا تنقص
منھا فانہ مکروہ ای تحریما لقولھم انھا مرۃ شرط والزیادۃ سنۃ ویکون مسیئا بترکھا وبترک رفع الصوت بھا اور اس تلبیہ مسنونہ سے کوئی لفظ کم نہ کرے اس واسطے کہ کم کرنا
مکروہ تحریمی ہے بدلیل قول فقہا کہ تلبیہ مذکورہ ایک بار کہنا شرط ہے اور ایک بار سے زیادہ کہنا سنت ہے اور محرم تلبیہ کے ترک کرنے سے اور تلبیہ میں آواز بلند
کرنے سے بدکار ہوتا ہے واذا لبی ناویا نسکا او ساق الھدی او قلد ای ربط قلادۃ علی عنق بدنۃ نفل او جزاء صید قتلہ فی الحرم او فی احرام سابق ونحوہ
کجنایۃ ونذر ومتعۃ وقران اور جب لبیک کہا حج کی نیت کرکے یا ہدی کو ہانک لے چلا یا نفل کے اونٹ یا گائے کی گردن میں پٹا ڈالا یا جس شکار کو حرم میں یا احرام
سابق میں قتل کیا تھا اس کے ہدی کے اونٹ یا گائے کی گردن میں پٹا ڈالا اور مانند اس کے کسی قصور اور نذر اور تمتع اور قران کے اونٹ یا گائے کی گردن میں
پٹا ڈالا وتوجہ معھا والحال انہ یرید الحج اور خود بھی چلا اس اونٹ یا گائے کو حج کے قصد پر وھل العمرۃ کذلک ینبغی نعم اور کیا عمرہ بھی امر مذکورہ میں حج کے
مانند ہے یوں لائق ہے جواب دینا کہ ہاں عمرہ بھی حج کے مانند ہے یعنی ایسے افعال سے عمرے کا احرام بھی ثابت ہوتا ہے او بعثھا ثم توجہ ولحقھا قبل المیقات فلو بعدہ
لزمہ الاحرام بالتلبیۃ من المیقات یا اونٹ یا گائے کو پٹا ڈال کر اول روانہ کر دیا پھر خود متوجہ ہوا اور اس کو مل گیا میقات سے پہلے سو اگر بعد میقات کے ملے گا تو
اس کو احرام کرنا میقات سے لبیک کہہ کر لازم ہوگا یعنی اس صورت میں پٹا ڈال کر اونٹ کا بھیجنا قائم مقام تلبیہ کے نہ ہوگا او بعثھا لمتعۃ او قران وکان التقلید والتوجہ
فی اشھرہ والا لا یصیر محرما حتی یلحقھا وتوجہ بنیۃ الاحرام وان لم یلحقھا استحسانا فقد احرم لان الاجابۃ کما تکون بکل ذکر تعظیمی یکون بکل فعل مختص بالاحرام یا اونٹ یا گائے
کو تمتع یا قران کے واسطے روانہ کیا اور حالانکہ پٹا ڈالنا اور متوجہ ہونا حج کے مہینوں میں واقع ہوا اور اگر دونوں کام موسم حج میں نہ ہوئے تو یہ شخص محرم نہ ہوئے گا جب تک
کہ اونٹ یا گائے کو نہ مل جاوے سو اگر تمتع یا قران کے اونٹ یا گائے کو روانہ کیا اور خود متوجہ ہوا احرام کی نیت سے اگرچہ اس کو قبل میقات کے نہ ملا بنابر استحسان
کے تو البتہ وہ شخص محرم ہوگیا ان سب صورتوں میں اس واسطے کہ اجابت حج کی جس طرح ہر تعظیمی ذکر سے ہوتی ہے اسی طرح ہر ایک اس فعل سے ہوتی ہے جو فعل کہ احرام
کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ افعال مذکورہ احرام ہی سے خصوصیت رکھتے ہیں م فقد احرم جزا ہے اذا لبی کی خلاصہ یہ ہے کہ احرام کا ثبوت دو طرح سے ہے ایک یہ
کہ حج کی نیت سے لبیک کہے یا کوئی اور ذکر تعظیمی کرے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ حج کی نیت کرکے یہ افعال مذکورہ بشرط متصل عمل میں لاوے ثم ممنوعۃ الاحرام

لـه میں حاضر ہوں تیری خدمت میں اور بہتری تیرے ہاتھوں میں ہے اور خواہش اور عمل تیری طرف پھرتے ہیں حاضر ہوں تیری خدمت میں اے معبود خلق اور بخشنے والے گناہوں کے میں حاضر ہوں

لا یتوقف علی نیۃ النسک لانہ لو ابہم الاحرام حتی طاف شوطا ابعد اصرف للعمرۃ شارح کہتا ہے پھر ہم کہتے ہیں کہ صحیح ہونا احرام کا موقوف نہیں مخصوص حج یا عمرے کی نیت پر اس واسطے کہ اگر محرم نے مبہم احرام کیا یعنی احرام باندھنے کے وقت بالخصوص حج یا عمرے کا خیال دل پر نہ آیا یہاں تک کہ بیت اللہ کے گرد ایک بار گھوما تو اس احرام کو عمرے کی طرف پھیرے یعنی عمرہ ادا کرے اور قبل شروع افعال کے اس کو اختیار ہے تعیین کا چاہے اس احرام کو حج کے واسطے ٹھہرا دے چاہے عمرے کے واسطے کذا فی حاشیۃ الطحطاوی ولو اطلق نیۃ الحج صرف للفرض ولو عین نفلا فنفل وان لم یکن حج الفرض شرنبلالیہ عن الفتح اور اگر نیت حج کی مطلق کی یعنی حج فرض یا حج نفل کی تعیین نہ کی تو فرض حج کی طرف پھیرے یعنی فرض حج اس احرام سے ادا کرے اور اگر اس نے نفل حج کو معین کر لیا تو نفل حج صحیح ہوگا اگرچہ اس نے ہنوز فرض حج نہ کیا ہو کذا فی شرنبلالیہ عن فتح القدیر ولو اشعرہا بجرح سنامہا الایسر او جللہا بوضع الجل او بعثہا لا لمتعۃ وقران ولم یلحقہا کما مر او قلد شاۃ لا یکون محرما لعدم اختصاصہ بالنسک اور اگر اونٹ میں اشعار کیا یعنی کوہان کی بائیں طرف ہلکا سا زخم کر دیا کہ ہدی کا نشان ہو جاوے یا اس کی پیٹھ پر جھول ڈالی یا اس کو روانہ کیا بہ نیت تمتع یا قران کے اور اس کو جا کر نہ مل گیا چنانچہ مل جانے کا مسئلہ مذکور ہو چکا یا بھیڑ بکری کی گردن میں پٹا ڈالا تو ایسے افعال سے محرم نہ ہوگا اس واسطے کہ یہ کام حج یا عمرے کے واسطے مخصوص نہیں م اشعار یعنی قربانی کے اونٹ کا کوہان چیرنا امام اعظم کے نزدیک مکروہ ہے اس واسطے کہ حیوان کی تعذیب ہے اور صاحبین کے نزدیک خوب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک سنت ہے اس واسطے کہ رسول علیہ السلام اور صحابہ کا فعل ہے ابوجعفر طحاوی نے کہا کہ اصل اشعار ابوحنیفہ کے نزدیک مکروہ نہیں اور کیونکر مکروہ ہو اور حالانکہ احادیث مشہورہ سے ثابت ہے اور امامؒ نے مکروہ نہیں کہا مگر اس اشعار کو جو امام کے اہل زمانہ کرتے تھے اس واسطے کہ امامؒ نے ان کو دیکھا کہ نہایت زخم کاری لگاتے تھے جس سے ہلاکی کا خوف تھا تو سد باب کے واسطے ان کے اس فعل کو مکروہ کہا اور اگر اسی طرح زخم لگاوے کہ کھال کٹے نہ گوشت تو جائز ہے اور بعضے علما نے کہا کہ تقدیم اشعار کی تقلید پر امام کے نزدیک مکروہ ہے جیسے تقدیم نکاح کتابیہ کی نکاح مسلمہ پر مکروہ ہے کذا فی العینی شرح الکنز ولیعدہ ای الاحرام بلا مہلۃ یتقی الرفث ای جماع النساء او ذکرہ بحضرۃ النساء والفسوق ای الخروج عن طاعۃ اللہ والجدال فانہ من المحرم اشنع اور بعد احرام باندھنے کے فوراً اجتناب کرے اور دور بھاگے عورتوں کے جماع سے یا عورتوں کے سامنے جماع کی بات چیت سے اور پرہیز کرے فسوق سے یعنی نافرمانی اور طاعت الٰہی کے چھوٹنے سے اور لڑائی جھگڑے سے اس واسطے کہ محرم کے حق میں یہ زیادہ تر قبیح ہے یعنی خادموں اور رفیقوں اور کرایہ داروں سے تُرش نہ کرے بلکہ ان کی سخت گوئی اور زبان درازی کا تحمل کرے کہ یہ امور نص قرآنی سے ممنوع ہیں فرمایا فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج وقتل صید البر لا البحر والاشارۃ الیہ فی الحاضر والدلالۃ علیہ فی الغائب ومحل تحریمہا اذا لم یعلم المحرم اما اذا علم فلا فی الاصح اور پرہیز کرے محرم خشکی کے شکار سے نہ دریا کے شکار سے اس واسطے کہ دریا کا شکار محرم کو درست ہے بموجب آیت قرآنی کے اور پرہیز کرے موجود شکار کی طرف اشارہ کرنے سے اور غائب شکار کے بتا دینے سے اور اشارہ کرنا اور بتا دینا شکار کا وہاں حرام ہے جب دوسرا محرم شکار کے جانور کو نہ جانتا ہو اور اگر جانتا ہو تو اشارہ کرنے والے بتانے والے محرم پر کچھ جرم نہیں قول اصح میں والتطیب وان لم یقصدہ یکرہ شمہ اور بعد احرام کے بچے خوش بو لگانے سے اگرچہ بلا قصد ہو نہ بدن میں خوش بو لگاوے نہ کپڑے میں اور مکروہ ہے سونگھنا خوشبو کا اور اسی طرح پھول اور میوے کا سونگھنا مکروہ ہے کذا فی حاشیۃ الطحطاوی وقلم الظفر وستر الوجہ کلہ او بعضہ کفمہ وذقنہ نعم فی الخانیۃ لا باس بوضع یدہ علی انفہ اور پرہیز کرے محرم ناخن کاٹنے اور چہرہ ڈھکنے سے نہ سب چہرہ چھپا دے نہ تھوڑا چنانچہ اپنا منہ اور ٹھوڑی بھی کپڑے سے نہ چھپا دے ہاں خانیہ میں ہے کہ کچھ مضائقہ نہیں اپنی ناک پر ہاتھ رکھنے سے والراس بخلاف المیت ولفیۃ البدن اور پرہیز کرے سر ڈھکنے سے بخلاف میت کے اور باقی بدن کے یعنی محرم اگر مر جاوے تو اس کا سر اور چہرہ ڈھکنا ممنوع نہیں اور اسی طرح سر کے سوا زندہ محرم کو باقی بدن کا کپڑے سے لپیٹنا اگرچہ بے حاجت ہو ممنوع نہیں لیکن اس حالت میں مکروہ ہے کذا فی النہر ولو حمل علی راسہ ثیابا کان تغطیۃ لا حمل عدل وطبق ما لم یستدیم یوما ولیلۃ فتلزم صدقۃ اور اگر محرم نے اپنے سر پر کپڑوں کو اٹھایا تو سر کا ڈھکنا ثابت ہوا اور گٹھری اور طبق اٹھانے سے ڈھکنا ثابت نہ ہوگا جہاں تک کہ ایک دن یا ایک رات سر پر نہ لیے رہے اور اگر اس قدر لیے رہے گا تو اس پر صدقہ دینا

لازم ہوگا م خانیہ میں ہے کہ جس چیز کو آدمی پہنتے ہیں بطور عادت کے اس کو سر پر رکھنے سے محرم لابس قرار دیا جاوے گا اور جس چیز کے لباس کرنے کی عادت نہیں چنانچہ تغار اور طاس تو اس کے رکھنے سے لابس نہ ہو کذا فی الطحطاوی وقالوا لو دخل تحت ستر الکعبۃ فاصاب رأسہ او وجہہ کرہ والا فلا باس بہ اور فقہا نے کہا ہے کہ اگر محرم داخل ہوا کعبہ کے غلاف کے نیچے سو اس کے سر یا چہرے کو غلاف لگ گیا تو مکروہ ہے اور اگر نہ لگا تو کچھ مضائقہ نہیں وغسل رأسہ ولحیتہ بخطمی لانہ طیب او یقتل الہوام اور محرم بچاوے اپنے سر اور ڈاڑھی کو خطمی کے دھونے سے اس واسطے کہ خطمی امام کے نزدیک خوشبودار چیزوں میں داخل ہے تو ذبح کرنا محرم پر لازم ہوگا یا کہ خطمی کیڑوں کو مارتی ہے اور بالوں کو نرم کرتی ہے صاحبین کے نزدیک تو صدقہ واجب ہوگا بخلاف صابون ودلوک واشنان اتفاقا بخلاف صابون اور مسور کے آٹے اور اشنان کے کہ اگر ان چیزوں سے بالوں کو دھووے گا تو باتفاق امام اور صاحبین کے اس پر کچھ لازم نہ ہوگا م ودلوک بفتح دال مسور کے آٹے کو کہتے ہیں جس سے ہاتھ دھوتے ہیں اور اشنان ایک گھاس ہے کہ میل کو صاف کرتی ہے کذا فی حاشیۃ الطحطاوی زاد فی الجوہرۃ وسدر وہو مشکل زیادہ کیا ہے جوہرہ میں کہ بیر کے پتوں سے بال دھونے میں باتفاق امام اور صاحبین کے کچھ لازم نہیں آتا اور یہ تو مشکل ہے وجہ اشکال کی یہ ہے کہ خطمی اور بیر دونوں سے کیڑے مرتے ہیں اور بال نرم ہوتے ہیں تو لائق یوں تھا کہ صاحبین کے نزدیک بیر کے استعمال سے بھی صدقہ واجب ہوتا کذا فی منح الغفار طحطاوی محشی نے کہا کہ یہ امر تو صابون میں زیادہ تر قوی ہے باوجود خوشبو کے واللہ اعلم وقصہا ای اللحیۃ وحلق رأسہ وازالۃ شعر بدنہ الا الشعر النابت فی العین فلا شیئ فیہ عندنا اور بچے محرم ڈاڑھی کترانے سے اور اپنے سر کے منڈانے سے اور اپنے بدن کے بال دور کرنے سے مگر وہ بال جو آنکھ کے اندر جمے جس کو پڑبال کہتے ہیں تو اس کے دور کرنے میں کچھ نہیں ہمارے نزدیک م محرم کو بالوں کا دور کرنا کسی طرح جائز نہیں نہ کترانے سے نہ منڈانے سے نہ اکھاڑ ڈالنے سے نہ نورہ لگانے سے کذا فی المنح ولبس قمیص وسراویل ای کل معمول علی قدر بدنہ او بعضہ کزردۃ وبرنس اور پرہیز کرے محرم کرتے اور پاجامے کے لباس سے یعنی اس لباس سے پرہیز کرے جو انسان کے تمام قد کے موافق یا بعض بدن کے موافق بنایا جاتا ہے اس طرح پر کہ خود بدن پر ٹھہر جاوے دوخت کے سبب سے یا چپکانے سے یا کسی اور طرح پر جیسے لوہے کی زرہ اور بارانی کے مانند دامن ورد او ثوب کذا فی النہر والطحطاوی وقباء ولو لم یدخل یدیہ فی کمیہ جاز الا ان یزرہ او یخللہ اور بچے قبا کے پہننے سے اور اگر قبا کی دونوں آستینوں میں اپنے ہاتھ نہ ڈالے تو اس طرح کا پہننا جائز ہے مگر یہ کہ اس کو گھنڈی سے یا کانٹے سے اٹکا دے تو جائز نہیں طحطاوی نے کہا کہ اگر ایسا کرے گا تو ظاہر اس پر ذبح کرنا لازم ہوگا اس واسطے کہ یہ از قبیل لباس معتاد کے ہے ویجوز ان یرتدی بالقمیص ویتشح بہ ای یلتحف بہ فی نوم وغیرہ اتفاقا اور باتفاق یہ جائز ہے کہ قمیص اور جبہ کو بطور چادر کے استعمال کرے اور اس کو سونے وغیرہ میں بدن پر لپیٹے بطور لحاف کے بشرطیکہ سر اور چہرہ کو نہ ڈھکے وعمامۃ وقلنسوۃ وخفین الا ان لا یجد نعلین فیقطعہما اسفل من الکعبین عند معقد الشراک فیجوز لبس السرموزۃ لا الجوربین اور بچے پگڑی اور ٹوپی اور موزوں کے پہننے سے مگر یہ کہ نعلین کو نہ پاوے تو دونوں موزوں کو دونوں کعب کے نیچے سے کاٹے کعب سے یہاں قدم کا درمیان والا جوڑ مراد ہے جہاں نعل کا تسمہ اٹکا جاتا ہے کعب سے یہاں ٹخنہ مراد نہیں تو سرموزوں کا پہننا محرم کو جائز ہے نہ جراب کا اس واسطے کہ سرموزہ میں قدم کی پشت کی ہڈی نہیں بند ہوتی اور جراب میں بند ہو جاتی ہے م نعل کو چپل کہتے ہیں چمڑے کے تلے پر پٹا اور تسمہ سیا ہوتا ہے ہندوستان میں کہا اور بعضے محترز پہنتے ہیں اور سرموزہ ان جوتیوں کو کہتے ہیں جن کو موزوں کے اوپر پہنتے ہیں ولبس ثوب صبغ بما لہ طیب کورس وہو الکرکم وعصفر وہو زہر القرطم الا بعد زوالہ بحیث لا یفوح فی الاصح اور پرہیز کرے ایسے کپڑے کے پہننے سے جو خوشبودار سے رنگا ہو جیسے ورس اور کسم کے پھول سے مگر بعد دور ہونے رنگ کے اس طرح پر کہ اس سے خوشبو نہ آوے پھر اس کا پہننا درست ہے قول اصح میں ورس ایک خوشبودار گھاس ہوتی ہے یمن میں جس کو کرکم کہتے ہیں اس کا رنگ زرد ہوتا ہے م یہ مسائل اس حدیث سے ماخوذ ہیں جو صحاح ستہ میں عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یلبس[1] المحرم القمیص ولا العمامۃ ولا البرنس ولا السراویل ولا ثوبا مسہ ورس ولا زعفران

[1] نہ پہنے محرم قمیص اور نہ عمامہ اور نہ ٹوپی نہ پاجامہ نہ کپڑا جس کو ورس لگا ہو نہ وہ جس کو زعفران لگا ہو نہ موزے مگر یہ کہ نہ پاوے جوتے تو چاہیے کہ موزوں کو قطع کرے نیچے کعب سے ۱۲

ولا الخفین الا ان لا یجد نعلین فلیقطعهما حتی یکونا اسفل من الکعبین لاتقی الاتحمام لحدیث البیهقی انه علیه الصلوٰة والسلام دخل الحمام فی الجحفة محرم پرہیز نہ کرے غسل کرنے سے اور حمام کے نہانے سے بدلیل بیہقی کی حدیث کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جحفہ کے حمام میں تشریف لے گئے اور یہ حدیث مصنف ابن ابی شیبہ میں عبداللہ بن عباسؓ سے بھی مروی ہے کذا فی البرہان اور مسلم کی حدیث میں ثابت ہے کہ حضرت نے حالت احرام میں غسل فرمایا طحطاوی نے کہا کہ غسل جائز ہے لیکن میل چھڑانا مکروہ ہے والاستظلال ببیت ومحمل لم یصب رأسه ووجهه فلو اصاب احدهما کره کما مر اور پرہیز نہ کرے گھر اور عماری کے سایہ میں ہونے سے بشرطیکہ عماری کی چھت اور پردہ اس کے سر اور چہرے کو نہ لگے سو اگر سر یا چہرے کو لگے گا تو مکروہ ہے چنانچہ عنقریب مذکور ہو چکا کہ کپڑوں کا سر پر اٹھانا سر ڈھکنے میں داخل ہے اور کعبہ کا غلاف سر پر لگنا محرم کے واسطے مکروہ ہے وشد همیان بکسر الهاء فی وسطه اور نہ پرہیز کرے اپنی کمر پر ہمیانی کے باندھنے سے خواہ اس میں اپنا نقد مال ہو یا غیر کا کذا فی المنح ومنطقة وسیف وسلاح وتختم زیلعی لعدم التغطیة واللبس اور نہ پرہیز کرے کمربند اور تلوار اور ہتھیار کے باندھنے سے اور انگوٹھی کے پہننے سے کذا فی شرح الزیلعی اس واسطے کہ گھر اور محمل کا استظلال تغطیہ نہیں اور ہمیانی وغیرہ کا باندھنا لباس میں داخل نہیں واکتحال بغیر مطیب فلو اکتحل بمطیب مرة او مرتین فعلیه صدقة ولو کثیرا فعلیه دم سراجیه اور نہ پرہیز کرے سرمہ لگانے سے بشرطیکہ خوشبو دار سرمہ نہ ہو سو اگر خوشبودار سرمہ ایک دو بار لگاوے گا تو اس پر صدقہ دینا لازم ہو گا اور اگر تین بار یا زیادہ لگاوے گا اس پر ذبح کرنا جانور کا واجب ہو گا کذا فی السراجیه ولا یتقی ختانا وفصدا وحجامة وقلع ضرسه وجبر کسر وحک رأسه وبدنه لکن برفق ان خاف سقوط شعره او قملة فان فی الواحدة یتصدق بشیء وفی الثلث کفا من طعام عزر الاذکار اور محرم پرہیز نہ کرے ختنہ کرنے اور فصد اور پچھنوں سے اور اپنی داڑھ اکھاڑنے سے اور ٹوٹی ہڈی کے باندھنے سے اور اپنے سر اور بدن کے کھجلانے سے لیکن آہستہ کھجلاوے اگر بال یا جوں جھڑنے کا خوف ہو اور اگر اس کا خوف نہ ہو تو زور سے کھجلاوے کذا فی المنح ایک جوں میں کچھ صدقہ دے اور تین جوں میں مٹھی بھر گیہوں خیرات کرے کذا فی عزر الاذکار اور باقی اس کا بیان آگے آوے گا واکثر المحرم التلبیة ندبا متی صلی ولو نفلا او علا شرفا او هبط وادیا او لقی رکبا جمع راکب او جمعا[1] رکبان او مشاة وکذا لو لقی بعضهم بعضا اور محرم اکثر لبیک کہا کرے بنا بر استحباب کے جب کہ نماز پڑھے اگرچہ نفل نماز ہو یا جب بلندی پر چڑھے یا جب نالی میں اترے یا جب شتر سواروں یا پیدلوں سے ملے اور اسی طرح اگر اپنے قافلہ میں سے جب ایک دوسرے کو ملے تو لبیک کہے شارح کہتا ہے رکب بسکون ثانی جمع ہے راکب کی جیسے صحب جمع صاحب کی اور ان دونوں کی جمع رکبان ہے او اسحر ای دخل فی السحر یا جب سحر کے وقت میں داخل ہو تو لبیک کہے ہم سحر کہتے ہیں رات کے پچھلے چھٹے کو قبول ہونے دعا کا وہ وقت ہے کذا فی حاشیة الطحطاوی اذ التلبیة فی الاحرام کالتکبیر فی الصلوٰة حالات اور اوقات مذکورہ میں لبیک کہنا اس واسطے مستحب ہوا کہ لبیک کہنا احرام میں ایسا ہے جیسے اللہ اکبر کہنا نماز میں تو جیسے نماز میں ایک حال سے دوسرے حال کے انتقال کے وقت اللہ اکبر کہتے ہیں ویسے ہی احرام میں انتقال حالات میں لبیک کہنا چاہیے رافعا استنانا صوته بها بلا جهر کما یفعله العوام لبیک اکثر کہا کرے اپنی آواز کو بلند کر کے سنت جان کر نہ چلا کر جیسے عوام لوگ کرتے ہیں واذا دخل مکة بدأ بالمسجد الحرام بعد ما یأمن علی امتعته داخلا من باب السلام نهارا ندبا ملبیا متواضعا خاشعا ملاحظا جلالة البقعة اور جب کہ مکہ میں داخل ہو تو اول مسجد الحرام میں جاوے بعد اس کے کہ اپنے اسباب اور سامان سے خاطر جمع ہو یعنی اول اسباب سفر کو مکان محفوظ میں رکھ کر مسجد الحرام داخل ہو دن کو بنا بر استحباب کے اس دروازہ سے جس کو باب السلام کہتے ہیں اور سابق میں اس کو باب بنی شیبہ کہتے تھے لبیک کہتا خاکسارانہ گڑگڑاتا عظمت اور جلال اس مکان اقدس کا دھیان کرتے ہوئے اندر جاوے اور شہر مکہ کی زمین ایک جانب کو اونچی ہے اور دوسری جانب نیچی تو مسنون یہ ہے کہ داخل ہو بلندی کی طرف سے جدھر قبرستان ہے جس کو جنت المعلا اور کدا الفتح کاف کہتے ہیں اور رخصت کے وقت نیچی جانب سے نکلے جس کو کدا الضم کاف بولتے ہیں اور داخل ہونا ہر وقت جائز ہے اور دن کو مستحب ہے لیکن اہل ہند کا قافلہ اکثر سحر کے وقت داخل ہوتا ہے اور مستحب ہے کہ مکہ میں داخل ہو

[1] بعض نسخوں میں احتمال بدون نصب کے ہے اسی طرح تختم چونکہ ان دونوں کا عبرنا تکلف سے نہیں اس لیے نسخہ منصوب کو صحیح سمجھا گیا ہے [2] ایک نسخہ میں بجائے وجمعا رکبان او مشاة کے یوں ہے

یہ دعا کرے اللھم[1] ہذا حرمک وامنک فلت وقولک الحق ومن دخلہ کان آمنا اللھم فحرم لحمی ودمی علی النار وقنی عذابک یوم تبعث عبادک) کذافی شرح المختار والبرا
ولیس الغسل لہ غرلہا وہو للنظافۃ فیجب لحائض ونفساء اور مسنون ہے غسل کرنا داخل ہونے کے واسطے اور یہ غسل صفائی کے واسطے ہے نہ طہارت کے واسطے تو حیض
اور نفاس والی عورت کو بھی غسل کرنا مستحب ہے وحین شاہد البیت کبر ثلثا ومعناہ اللہ اکبر من الکعبۃ وہلل لئلا یقع نوع شرک اور جس وقت کہ بیت اللہ
کو دیکھے تو تین بار اللہ اکبر کہے اور معنی اللہ اکبر کے یہ کہ اللہ بزرگتر ہے کعبہ سے یعنی ہر چیز سے بڑا تو کعبہ بھی اس میں داخل ہو گیا اور بیت اللہ دیکھ کر لا الہ الا اللہ کہے
تاکہ اس عبادت میں کسی طرح شرک نہ واقع ہو یعنی سوائے خدا کے کوئی لائق عبادت کے نہیں تو بیت اللہ کی عبادت کی بھی نفی ہو گئی کذافی حاشیۃ الطحطاوی جابرؓ کی
حدیث میں ثابت ہے کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کو دیکھ کر تین بار تکبیر فرمائی اور فرمایا (لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد
وہو علی کل شیٔ قدیر) کذافی المنح اور عطا سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کو دیکھ کر یہ دعا فرمائی (اعوذ برب البیت من الکفر والفقر ومن
ضیق الصدر) اور رفع الیدین کرتے تھے اور سب ادعیہ سے یہ دعا ضرور تر ہے کہ طلب جنت بلا حساب کرے اس واسطے کہ بیت اللہ کے نظر پڑنے کے وقت دعا
قبول ہوتی ہے اور امام شافعی نے بسند ابن جریج نقل کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت اللہ کو دیکھتے تھے تو رفع الیدین کرتے تھے اور فرماتے تھے
(اللھم[2] زد ہذا البیت تشریفا وتعظیما وتکریما ومہابۃ وزد من شرفہ وکرمہ ممن حجہ او اعتمرہ تشریفا وتعظیما وتکریما وبرا) اور بیہقی میں مروی ہے کہ عمر فاروقؓ جب بیت اللہ
دیکھتے تھے کہتے تھے (اللھم[3] انت السلام ومنک السلام حینا ربنا بالسلام وادخلنا دار السلام) کذافی فتح القدیر ثم ابتداء الطواف لانہ تحیۃ البیت مالم یخف فوت المکتوبۃ
او جماعتہا او الوتر او سنۃ راتبۃ پھر طواف شروع کرے اس واسطے کہ طواف بیت اللہ کا تحیہ ہے جب تک کہ فرض نماز کا یا فرض کی جماعت کا یا وتر کا یا سنت مؤکدہ کا
خوف نہ ہو فوت ہو جانے کا اور اگر خوف ہو تو نماز کے بعد طواف کرے سنت مؤکدہ جانے کی صورت یہ ہے کہ مثلاً بعد طلوع فجر کے ایسے وقت پہنچا کہ اگر طواف
کرے تو دو رکعت فرض کا وقت باقی رہے نہ سنت کا تو اس صورت میں اول سنت اور فرض سے فراغت کرے پھر طواف میں مشغول ہو کذافی حاشیۃ الطحطاوی
فاستقبل الحجر مکبرا مہللا رافعا یدیہ کالصلوۃ ثم استلمہ بکفیہ وقبلہ بلا صوت پھر سامنے جاوے حجر اسود کے تکبیر کہتا اور کلمہ توحید پڑھتا رفع الیدین کرتا مانند نماز کے
اور چھوے حجر اسود کو اپنی دونوں ہتھیلیوں سے اور اس کو چومے بدون آواز کے یعنی لبوں کے لگانے میں آواز نہ نکالے استلام حجر یہ کہ دونوں ہاتھ اس پر رکھے
اور اس کو چومے سنن ابن ماجہ میں عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کا استقبال کیا اور دونوں لبوں کو اس پر رکھا اور دیر تک
روئے کیا پھر جو التفات کیا تو عمرؓ کو روتے دیکھا تو فرمایا اے عمرؓ یہاں آنسوؤں کو بہانا چاہیے اور صحاح ستہ میں مروی ہے کہ عمر فاروقؓ نے حجر اسود کو چوما اور کہا
کہ میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چومتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھ کو نہ چومتا کذافی الفتح اور مستحب ہے کہ استلام کے وقت یہ دعا کرے
(اللھم[4] استلمت ایمانا بک وتصدیقا بکتابک ووفاء بعہدک واتباعا لنبیک اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ آمنت باللہ وکفرت
بالطاغوت) کذافی شرح المختار وہل یسجد علیہ قیل نعم اور کیا سجدہ کرے حجر اسود پر بعضے علما نے کہا کہ ہاں سجدہ کرنا جائز ہے ابن منذر اور حاکم نے روایت کی کہ
عبد اللہ بن عباسؓ حجر اسود پر سجدہ کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل کرتے تھے اور امام مالک نے اس کو بدعت کہا کذافی النہر بلا ایذاء لانہ
سنۃ وترک الاذی واجب فان لم یقدر یضعہما ثم یقبلہما او احدہما استلام حجر اسود کا کرے بدون ایذا رسانی کے یعنی وہاں کے لوگوں کو نہ ڈھکیلے اس واسطے کہ استلام

---

[1] الٰہی یہ تیرا حرم ہے اور تیری جگہ امن کی ہے تو نے فرمایا اور تیرا ارشاد حق ہے کہ جو کوئی اس میں داخل ہوا وہ بے خوف ہوا الٰہی تو حرام کر میرے گوشت اور خون کو آگ پر اور بچا مجھ کو اپنے عذاب سے
جس دن تو اٹھاوے اپنے بندوں کو ۱۲ [2] کوئی معبود نہیں سوا خدا کے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا ہے ملک اور اسی کو ہے تعریف اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ۱۲ [3] میں پناہ مانگتا ہوں
رب کعبہ سے کفر اور مفلسی اور سینہ کی تنگی سے ۱۲ [4] الٰہی زیادہ کر اس گھر کی بزرگی اور عظمت اور کرامت اور مقبولیت اور ہیبت اور زیادہ کر اس شخص کے لیے جو اس کی بزرگی اور تعظیم کرے ان لوگوں میں سے
جو اس کا حج کریں یا عمرہ کریں بزرگی اور عظمت اور کرامت اور مقبولیت ۱۲ [5] الٰہی تو سلامت ہے اور سلامتی تیری ہی طرف سے ہے ہم کو اے رب ہمارے تحفہ دے اسلام کا اور داخل کر ہم کو سلامتی کے گھر یعنی ۱۲ [6] الٰہی ہم نے
چھوا اور بوسہ دیا بجہت تجھ پر ایمان رکھنے اور تیری کتاب کو سچا جاننے اور تیرے عہد کو پورا رکھنے اور تیرے نبی کی پیروی کرنے کی گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں سوا خدا کے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ

سنت ہے اور تکلیف رسانی کا ترک کرنا واجب ہے تو سنت کے واسطے واجب کو ترک کرنا جائز نہیں سو اگر بسبب ہجوم خلق کے حجر اسود کو نہ چوم سکے تو دونوں
ہاتھوں کو اس پر رکھے پھر ہاتھوں کو چومے یا ایک کو اس پر رکھے اور اس کو چومے وان لایمکنہ ذلک یمس بالحجر شیئا فی یدہ ولو عصا ثم قبلہ ای الشئ اور اگر ہاتھ لگانا
بھی نہ ہو سکے تو اپنے ہاتھ کی کسی چیز کو حجر اسود میں لگا دے اگرچہ ہاتھ میں عصا ہو تو اس کو لگا دے پھر اس شے کو چوم لے وان عجز عنہما ای الاستلام والمساس استقبلہ
مشیرا الیہ بباطن کفیہ کانہ واضعہما علیہ اور اگر بسبب کثرت ہجوم کے استلام اور کسی چیز کے لگانے سے عاجز ہو تو حجر اسود کے سامنے کھڑا ہو اپنی دونوں ہتھیلیوں کے
اندر کی جانب سے اس کی طرف اشارہ کر کے اس تصور سے کہ گویا ہتھیلیوں کو حجر اسود پر رکھے ہے وکبر وہلل وحمد اللہ تعالٰی وصلی علی النبی صلی اللہ
علیہ وسلم ثم یقبل کفیہ اور اللہ اکبر کہے اور کلمہ توحید پڑھے اور حق تعالٰی کی حمد کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے پھر اپنی دونوں ہتھیلیوں کو چومے وبقیۃ الرفع
فی الحج یجعل کفیہ للسماء الا عند الجمرتین فللکعبۃ اور حجر اسود کے سوا حج کے باقی مکانات میں رفع الیدین کے وقت ہتھیلیوں کے اندر جانب آسمان کی طرف کرے بطور
دعا کے مگر جمرتین کے پاس سو وہاں کعبہ معظمہ کی طرف کرے ظاہر الروایت میں کذا فی النہر عن الخانیۃ وطاف بالبیت طواف القدوم ویسن ہذا الطواف للآفاقی
لانہ القادم اور بعد استلام کے بیت اللہ کا طواف کرے اس سے پہلے طواف کو طواف القدوم کہتے ہیں یعنی داخل ہونے اور آنے کا طواف اور یہ طواف کرنا آفاقی کو مسنون
ہے اس واسطے کہ آنا اور داخل ہونا آفاقی پر صادق آتا ہے نہ اہل مکہ پر چنانچہ تحیۃ المسجد آنے والے پر سنت ہے نہ مسجد کے بیٹھنے والے واخذ الطائف عن یمینہ
مما یلی الباب نفس الکعبۃ عن یسارہ لان الطائف کالموتم بہا والواحد یقف عن یمین الامام اور طواف کرنے والا طواف کو اپنے داہنے سے شروع کرے جدھر
بیت اللہ کا دروازہ ہے تو اسی صورت میں کعبہ طائف کے بائیں طرف کو واقع ہو گا اور وجہ داہنے سے شروع کرنے کی یہ ہے کہ طواف کرنے والا بجائے مقتدی کے
ہے اور کعبہ بجائے امام کے اور حالانکہ ایک مقتدی امام کی داہنی طرف کھڑا ہوتا ہے طواف میں جب ملتزم کے سامنے ہو تو یہ دعا کرے واللہم[1] الیک مددت یدی
ولدیک عظمت رغبتی فاقبل دعوتی واقلنی عثرتی وارحم تضرعی وجدلی بمغفرتک واعذنی من مضلات الفتن اللہم ان لک علی حقوقا فتصدق بہا علی اور بیت اللہ کے
دروازے کے سامنے کہے واللہم[2] ہذا البیت بیتک وہذا الحرم حرمک وہذا الامن امنک وہذا مقام العائذ بک من النار اعوذ بک من النار فاعذنی منہا) اور جب
رکن عراقی کے پاس آوے تو کہے (اللہم[3] انی اعوذ بک من الشک والشرک والنفاق والشقاق ومساوی الاخلاق وسوء المنقلب فی المال والاہل والولد) اور جب
میزاب رحمت کے مقابل ہو تو کہے واللہم[4] انی اسالک ایمانا لا یزول ویقینا لا ینفد ومرافقۃ نبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہم اظلنی تحت ظل عرشک یوم لا ظل الا ظلک
واسقنی بکاس محمد صلی اللہ علیہ وسلم شربۃ لا اظما بعدہا ابدا) اور جب رکن شامی کے سامنے ہو تو کہے واللہم[5] اجعلہ حجا مبرورا وسعیا مشکورا وذنبا مغفورا وتجارۃ
لن تبور یا عزیز یا غفور) اور جب رکن یمانی کے پاس آوے تو کہے (اللہم[6] انی اعوذ بک من الکفر واعوذ بک من الفقر ومن عذاب القبر ومن فتنۃ المحیا والممات
واعوذ بک من الخزی فی الدنیا والآخرۃ) اور واقدی نے کتاب المغازی میں بسند حدیث مرفوع نقل کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم رکن اور
حجر اسود کے درمیان میں یوں فرماتے تھے (ربنا[7] آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار) اور معلوم کرنا چاہیے کہ یہ ادعیہ اس وقت ہو سکیں گی جب

---

[1] الٰہی میں نے پھیلایا اپنا ہاتھ تیرے سامنے اور تیرے پاس کی چیز میں زیادہ ہوئی رغبت میری تو قبول کر میری دعا اور معاف کر مجھ کو میری خطا اور رحم کر میری بے کسی پر اور عطا کر مجھ کو اپنی مغفرت اور
پناہ دے مجھ کو گمراہ کرنے والے فتنوں سے الٰہی تیرے مجھ پر بہت حق ہیں تو ان کو مجھ پر خیرات کر دے ۱۲ [2] الٰہی یہ گھر تیرا گھر ہے اور یہ حرم تیرا حرم ہے اور یہ امن تیرا امن ہے اور یہ جگہ اس کی ہے جو
تجھ سے پناہ مانگے دوزخ سے میں پناہ مانگتا ہوں تیری آگ سے تو پناہ دے مجھ کو اس سے ۱۲ [3] الٰہی میں پناہ مانگتا ہوں تیرے شک سے اور شرک سے اور نفاق اور خلاف اور برے اخلاق سے اور برا
حال ہو جانے سے مال میں اور گھر والوں اور اولاد میں ۱۲ [4] الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ایمان جو دور نہ ہو اور یقین کا جو تمام نہ ہو اور ساتھ ہونا تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا الٰہی مجھ کو سایہ دے اپنے
عرش کے سایہ کے تلے جس روز کہ سایہ نہ ہو گا سوا تیرے سایہ کے اور پلا مجھ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالے سے ایسا گھونٹ کہ اس کے بعد میں کبھی پیاسا نہ ہوں ۱۲ [5] الٰہی کر اس کو حج مقبول اور سعی مشکور اور گناہ بخشا
ہوا اور ایسی تجارت کہ تباہ نہ ہو اے عزت والے اے بخشنے والے ۱۲ [6] الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں کفر سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں مفلسی سے اور قبر کے عذاب سے اور زندگی اور مرنے کے فتنہ سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں رسوائی سے

[7] اے ہمارے پروردگار دے ہم کو دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے ۱۲

طواف میں ٹھہرنا ہو تو جس طواف میں رمل سنت ہے اس میں استیعاب ان کا نہیں ہو سکتا اور یہ ادعیہ صحابہ اور تابعین سے متفرق منقول ہیں علمائے متاخرین
نے ان کو یکجا جمع کر لیا ہے کذا فی فتح القدیر ولو عکس اعاد مادام بمکۃ فلو رجع فعلیہ دم وکذا لو ابتدا من غیر الحجر یعنی مراد اگر اس کے بالعکس کرے یعنی اپنے بائیں جانب
سے طواف شروع کرے تو طواف القدوم کو دوبارہ کرے جب تک کہ مکہ میں مقیم ہے اور اگر وہاں سے چلا آیا تو اس پر جانور کا ذبح کرنا لازم ہوا اور اسی طرح اگر حجر اسود
کے سوا اور طرف سے بیت اللہ کا طواف شروع کرے گا تو اس پر ذبح کرنا واجب ہو گا چنانچہ واجبات حج میں مذکور ہو چکا کہ ابتدائے طواف حجر اسود سے واجب ہے
قالوا ویمر بجمیع بدنہ علی جمیع الحجر فقہا نے کہا ہے کہ شروع طواف میں اپنے تمام بدن کو سارے حجر اسود کے سامنے کر کے چلے یعنی رکن یمانی کی جانب سے مقابل حجر اسود
کے ہو کر طواف کرے اس طرح کل بدن کا کل حجر سے سامنا ہو جاوے گا جاعلا قبل شروعہ رداءہ تحت ابطہ الیمنی ملقیا طرفہ علی کتفہ الایسر استنانا وراء الحطیم
وجوبا لان منہ ستۃ اذرع من البیت فلو طاف من الفرجۃ لم یجز کاستقبالہ احتیاطا قبل شروع طواف کے اپنی چادر کو داہنی بغل سے نکال کر بائیں مونڈھے پر ڈال کر
حطیم سمیت بیت اللہ کا طواف کرے لغت عرب میں اس طرح چادر اوڑھنے کو اضطباع کہتے ہیں سو یہ سنت ہے اور حطیم کو ملا کر طواف کرنا واجب ہے اس واسطے کہ حطیم
میں چھ ہاتھ بیت اللہ کی زمین داخل ہے سو اگر طواف کرے اس کشادگی اور رنا کے بیچ گھس کر جو حطیم اور بیت اللہ کے درمیان میں ہے تو یہ طواف جائز نہ ہو گا جیسے نماز کے
وقت فقط استقبال کرنا حطیم کا جائز نہیں بنا بر احتیاط کے یعنی استقبال کعبہ کا نص قرآنی سے فرض ہے اور حطیم کا بیت اللہ میں داخل ہونا خبر واحد سے ثابت ہے نہ دلیل
قطعی سے تو احتیاط اس کو مقتضی ہے کہ طواف میں تو حطیم کو داخل کیجیے اور نماز میں خارج وہ قبر اسمعیل وہاجر اور حطیم میں حضرت اسمعیل اور ہاجر علیہما السلام کی قبر ہے
سبعۃ اشواط فقط بیت اللہ کے گرد فقط سات بار گھومے م اشواط جمع ہے شوط کی شوط ایک بار گھومنے کو کہتے ہیں یعنی حجر اسود سے حجر اسود تک گھوم کر پہنچنا یہ ایک شوط
ہے اور سات بار گھومنے سے ایک طواف ہوتا ہے فلو طاف ثامنا مع علمہ بہ فالصحیح انہ یلزمہ اتمام الاسبوع للشروع ای لانہ شرع فیہ ملتزما بخلاف ما لو ظن
انہ سبع لشروعہ مسقطا لا ملتزما بخلاف الحج سو اگر آٹھواں شوط گھوما آٹھواں جان کر تو مذہب صحیح یہ ہے کہ اس پر لازم ہو گیا پورا کرنا سات شوط کا یعنی دوسرا طواف سات شوط
والا لازم ہوا بسبب شروع کر دینے کے یعنی اس واسطے کہ اس نے دوسرا طواف شروع کر دیا التزام کر کے بخلاف اس کے کہ اگر آٹھواں شوط کو ساتواں گمان کر کے شروع
کرے گا تو دوسرا طواف اس پر لازم نہ ہو گا اس واسطے کہ اس کا شروع کرنا بنا بر اسقاط کے ہے نہ بنا بر التزام کے بخلاف حج کے اس لیے کہ بطور اسقاط شروع کرنے
سے بھی اتمام حج کا لازم ہو جاتا ہے بخلاف بقیہ عبادات کے کذا فی المنح من البحر واعلم ان مکان الطواف داخل المسجد ولو وراء زمزم لا خارجہ لصیرورتہ طائفا بالمسجد
لا بالبیت اور معلوم کر کہ طواف کرنے کا مکان تمام مسجد الحرام ہے اندر کی طرف سے اگرچہ زمزم کو بھی طواف میں داخل کرے اور باہر مسجد الحرام کے طواف کا مکان
نہیں اس واسطے کہ اگر باہر مسجد الحرام کے طواف کرے گا تو وہ شخص مسجد الحرام کا طائف ہو گا نہ بیت اللہ کا م ہر چند تمام مسجد الحرام میں طواف جائز ہے لیکن بیت اللہ کے
گرد چند ستون قائم ہیں اس کے اندر طواف ہوتا ہے اس کو مطاف کہتے ہیں اور نقشہ بیت اللہ کا مجملاً یوں ہے کہ درمیان میں بطور کوٹھری کے بیت اللہ ہے
اس کے گرد مطاف کے ستون ہیں پھر چاروں طرف بڑا صحن ہے جس میں زمزم کا کنواں اور مقام ابراہیم اور چاروں اماموں کے مصلے ہیں پھر چاروں طرف مسجد الحرام
کی عمارت ہے یک منزلہ تین در بہ کی پھر پشت کی دیوار ہے اور مسجد الحرام کی پشت پر ایک طرف صفا کی پہاڑی اور دوسری جانب مروہ کی پہاڑی ہے اور مروہ کے درمیان
مسجد الحرام کی دیوار سے متصل دو سبز منارہ ہیں جن میں سعی کرتے ہیں اور بیت اللہ کے چار کونے ہیں جن کو ارکان کہتے ہیں ایک کونے پر تخمینا تین ہاتھ کی بلندی
پر حجر اسود منصوب ہے جب حجر اسود سے طواف کیجیے بیت اللہ کے دروازے کی جانب سے تو دوسرا کونا ملتا ہے اس کو رکن عراقی کہتے ہیں پھر اس کے بعد تیسرا کونا
ہے جس کو رکن شامی بولتے ہیں پھر چوتھے کونے کو رکن یمانی کہتے ہیں اور حجر اسود سے تا در کعبہ اس مکان کا ملتزم نام ہے اور بیت اللہ سے جانب مشرق تین کوس پر
منیٰ ہے جہاں قربانی ہوتی ہے اس کے آگے تین کوس پر مزدلفہ ہے جہاں مغرب اور عشاء کی نماز ملا کر پڑھتے ہیں اس کے آگے تین کوس پر عرفات کا میدان اور پہاڑ
ہے جہاں حج ہوتا ہے اس قدر جان لینے سے مسائل حج کا دریافت کرنا آسانی سے ہوتا ہے ولو خرج منہ او من السعی الی جنازۃ او مکتوبۃ او تجدید وضوء ثم عاد بنی ولو بدل

سات شوط کے طواف سے نکلے یا سعی کرنے سے نکلے نماز جنازہ کے واسطے یا فرض نماز کے واسطے یا نیا وضو کرنے کے واسطے پھر وہیں آوے جہاں سے طواف اور سعی کو قطع کیا تھا وہیں سے جوڑے دیباز فیہما اکل وبیع وافتاء وقراءۃ لکن الذکر افضل منہا اور طواف اور سعی میں جائز ہے کھانا اور بیچنا لیکن بلا ضرورت مکروہ ہے کذافی النہر اور جائز ہے فتویٰ دینا اور قرآن پڑھنا بلا رفع صوت کذافی النہر لیکن ذکر کرنا افضل ہے قرآن کے پڑھنے سے اس واسطے کہ ابن ماجہ نے حدیث روایت کی ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ جو بیت اللہ کا سات بار طواف کرے اور سبحان اللہ اور الحمد للہ اور لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ کے سوا کوئی بات نہ کرے تو اس کے دس گناہ مٹائے جاتے ہیں اور دس درجے اس کے سبب سے بلند کیے جاتے ہیں کذا فی النہر وفی منسک النووی الذکر الماثور افضل واما غیر الماثور فالقرآن افضل علی الاصح اور نووی شافعی کی منسک میں یوں ہے کہ ذکر منقول افضل ہے اور غیر منقول سے تو قرآن افضل ہے طواف میں تو اس کی تلاش کرنا چاہیے ابن ہمام محقق نے فتح القدیر میں کہا ہے کہ طواف میں تو مجرد ذکر اللہ معروف ہے اور مجھ کو کوئی حدیث ایسی معلوم نہیں جس میں قراءۃ قرآن طواف میں مروی ہو ابن ماجہ کی حدیث مرفوع میں طواف کے اندر تسبیح اور تہلیل اور تحمید اور تکبیر اور حوقلہ مروی ہے واللہ اعلم ورمل ای مشی بسرعۃ مع تقارب الخطی وہز کتفیہ فی الثلثۃ الاول استنانا فقط اور رمل کرے یعنی جلد چلے نزدیک نزدیک قدم رکھ کر اور دونوں مونڈوں کو ہلا کر جیسے جوانمرد پہلوان صف جنگ میں اکڑتے ہیں اس طرح اکڑنا فقط پہلے تین شوطوں میں مسنون ہے کتب احادیث میں ثابت ہے کہ اکڑنے کا طوف میں یہ سبب ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ اصحاب کے مدینہ سے عمرہ کرنے کو آئے تو مشرکین نے کہا کہ مدینہ کی تپ نے مسلمانوں کو توڑ دیا اور دبلا بے طاقت کر ڈالا حضرتؐ نے فرمایا مسلمانوں کو کہ اکڑ کے طواف کریں تاکہ کافروں پر رعب پڑے پھر جب مکہ فتح ہوا تو دسویں سال ہجرت کے حجۃ الوداع کے واسطے تشریف لائے اور بطور سابق رمل کیا نعمت الٰہی کے یاد کرنے کو کہ بعد خوف کے امن عطا کیا پھر ہمیشہ یہ عمل صحابہ اور تابعین میں جاری رہا صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ امیر المومنین عمر فاروقؓ نے کہا کہ ہم کو اس اکڑنے سے کیا حاصل یہ اکڑنا تو ہم نے مشرکوں کو دکھلایا تھا اور اب تو خدا نے ان کو ہلاک کر ڈالا پھر فرمایا کہ اس فعل کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا سو ہم نہیں چاہتے ہیں کہ اس کو چھوڑ دیں اور ابوداؤد نے یوں روایت کی عمر فاروقؓ سے کہ یہ اکڑنا اور مونڈوں کا کھولنا کس واسطے ہے اور حالانکہ حق تعالیٰ نے اسلام کو غالب کیا اور کفر کو مٹایا لیکن باوجود اس کے ہم نہ چھوڑیں گے اس چیز کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم کرتے رہے فلو ترکہ او نسیہ ولو فی الثلثۃ لم یرمل فی الباقی اور اگر رمل کو شوط اول میں ترک کیا یا بھول گیا تو رمل نہ کرے مگر انھیں دونوں شوطوں میں جو اول کے بعد ہیں اور اگر تینوں شوط میں رمل کو ترک کیا یا بھول گیا تو باقی چار شوطوں میں رمل نہ کرے کذافی الفتح والنہر والعالمگیریۃ عن البحر شارح کے کلام میں ظاہرا شرط اول کی جزا ساقط ہو گئی ہے یعنی حق عبارت تینوں کتابوں کے موافق یوں ہے فلو ترکہ او نسیہ فی الشوط الاول لم یرمل الا فی الشوطین بعدہ ولو فی الثلثۃ لم یرمل فی الباقی لہذا مترجم نے موافق کتب مذکورہ کے پوری عبارت کا ترجمہ کیا غالب ہے کہ یہ اسقاط کاتبوں کی جہت سے ہو مترجم نے دو نسخوں میں اسی طرح پایا واللہ اعلم ولو زحمہ الناس وقف حتی یجد فرجۃ فیرمل بخلاف الاستلام لان لہ بدلا اور اگر ہجوم ہو لوگوں کا اور رمل کرنے کی جگہ نہ ملے تو ٹھہر جاوے یہاں تک کہ کشادگی پاوے پھر تب رمل کرے بخلاف استلام کے کہ اس کے واسطے بسبب ہجوم کے توقف کرنا نہ چاہیے اس واسطے کہ استلام کا بدلا موجود ہے یعنی استقبال اور رمل کے واسطے کوئی عوض نہیں من الحجر الی الحجر فی کل شوط رمل کرے حجر اسود سے حجر اسود تک تین بار ہر شوط میں وکلما مر بالحجر فعل ما ذکر من الاستلام اور ہر شوط میں جب حجر اسود کے پاس ہو کر نکلے تو استلام کرے اور اگر وہاں تک بسبب ہجوم کے نہ جا سکے تو عصا یا تلوار اس میں لگا دے اور اس کو چومے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو بطور سابق استقبال کرے واستلم الرکن الیمانی وہو مندوب لکن بلا تقبیل وقال محمد ہو سنۃ ویقبلہ والدلائل تؤیدہ ویکرہ استلام غیرہما اور رکن یمانی کا استلام کرے اور یہ مستحب ہے امام اعظمؒ کے نزدیک بلا تقبیل یعنی فقط اس پر ہاتھ رکھے لیکن اس کو نہ چومے اور محمدؒ نے کہا کہ رکن یمانی کا استلام مستحب نہیں بلکہ سنت ہے اور اس کو چومے بھی اور دلائل احادیث کی محمد کے قول کی تائید کرتے ہیں اور سوائے حجر اسود اور رکن یمانی کے استلام کرنا مکروہ ہے بسبب عدم ثبوت روایت کے چنانچہ صحیحین وغیرہما میں عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ میں نے نہیں دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ ہاتھ لگاتے ہوں بیت اللہ کو سوائے

دو رکن یمانی کے کذا فی البرہان اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم رکن یمانی کو چومتے تھے کذا فی حاشیۃ الطحاوی وختم الطواف باستلام الحجر استنانا ثم صلی شفعًا فی وقت مباح یجب بالجیم علی الاصح لبعد کل اسبوع عند المقام حجارۃ ظہر فیہا اثر قدمی الخلیل اور تمام کرے طواف کو حجر اسود کے استلام پر بنابر مسنون ہونے کے پھر مباح وقت میں دو رکعتیں نماز پڑھے جو واجب ہیں بنابر قول اصح کے ہر سات بار گھومنے کے بعد مقام ابراہیم کے پاس مقام ابراہیم ایک پتھر ہے جس میں ابراہیم علیہ السلام کے دونوں قدموں کے نقش ظاہر ہیں جب اسمعیل اور ہاجرہ کے دیکھنے کو تشریف لاتے تو سواری پر سے اترتے اور چڑھتے اسی پتھر پر قدم مبارک رکھتے تھے اور ایک روایت یہ ہے کہ جب بحکم الٰہی حج کے واسطے سب خلق کو پکارا تو اسی پتھر پر قدم رکھے ہوئے تھے کذا فی الطحاوی طبرانی اور ابن عساکر نے بریدہ سے روایت کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدم کو حق تعالیٰ نے زمین پر اتارا تو آدم نے بیت اللہ کا سات بار طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی پھر دعا کی (اللہم[1] انک تعلم سری وعلانیتی فاقبل معذرتی وتعلم حاجتی فاعطنی سؤالی وتعلم ما عندی فاغفرلی) (اللہم انی اسألک ایمانا یباشر قلبی ویقینا صادقا حتی اعلم انہ لن یصیبنی الا ما کتبت علی ورضنی بقضائک) تو حق تعالیٰ نے آدم پر وحی اتاری اور فرمایا اے آدم تو نے ایسی دعا مجھ سے مانگی کہ میں نے قبول کی اور تیرے گناہ بخشے اور تیرے غموم اور ہموم کو دفع کیا اور جو تیری اولاد سے یہ دعا کرے گا تو اس کے ساتھ بھی ایسا ہی کروں گا اور اس کی محتاجی کو دور کروں گا کذا فی کنز العمال لعلی المتقی وفتح القدیر اور غیرہ من المسجد یا مقام ابراہیم کے سوا اور کہیں مسجد الحرام میں دوگانہ طواف کا پڑھے اگر وہاں جگہ نہ پاوے کذا فی البرہان وہل یتعین المسجد قولان اور کیا اس نماز کے واسطے مسجد الحرام ہی متعین ہے اس میں دو قول ہیں طحاوی نے کہا قول معتمد یہ ہے کہ تعیین مسجد الحرام کی فضیلت کے واسطے ہے ثم التزم الملتزم وشرب من ماء زمزم پھر بعد دوگانہ طواف کے ملتزم کو چمٹے اس طرح پر کہ اپنا سینہ اور پیٹ اور داہنا رخسارہ اس میں لگاوے اور دونوں ہاتھوں کو سر کے اوپر کھڑا کر کے دیوار میں پھیلادے اور زمزم کا پانی پیے اور یہ دعا پڑھے اللہم[2] انی اسئلک رزقا واسعا وعلما نافعا وشفاء من کل داء کذا فی فتح القدیر وعاد ان اراد السعی اور پھر آوے حجر اسود کی طرف اگر صفا اور مروہ کی سعی کا ارادہ ہو اور اگر سعی کا ارادہ نہ ہو تو بعد دوگانہ طواف کے حجر اسود کی طرف نہ آوے ہم طواف القدوم کے بعد سعی کرنا اس واسطے جائز ہوا کہ قربانی کے دن فرض اور ذبح اور رمی جمار کے اشتغال درپیش ہیں اور افضل یہ ہے کہ صفا اور مروہ کی سعی کو تاخیر کرے طواف فرض کے بعد ادا کرے اس واسطے کہ سعی واجب ہے تو بہتر یہ ہے کہ فرض کے تابع ہو کذا فی النہر عن التحفہ واستلم الحجر وکبر وہلل وخرج من باب الصفا ندبا اور حجر اسود کا استلام کرے اور اللہ اکبر کہے اور کلمہ توحید پڑھے اور مستحب ہے کہ باب الصفا سے نکلے بایاں قدم آگے بڑھا کر اور یہ دعا پڑھے[3] بسم اللہ والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک وادخلنی فیہا واعذنی من الشیطان) کذا فی فتح القدیر فصعد الصفا بحیث یری الکعبۃ من الباب واستقبل البیت وکبر وہلل وصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بصوت مرتفع پھر صفا پر اتنا چڑھے کہ باب الصفا سے کعبہ نظر آوے اور بیت اللہ کے سامنے ہو اور اتنا چڑھے کہ بیت اللہ نظر آیا پھر حق تعالیٰ کی توحید اور تکبیر کی اور یہ فرمایا (لا الٰہ[4] الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وہو علی کل شئ قدیر لا الٰہ الا اللہ وحدہ انجز وعدہ ونصر عبدہ وہزم الاحزاب وحدہ) پھر اس کے درمیان میں دعا کی اور اسی طرح تین بار فرمایا ودعا رافعا یدیہ نحو السماء ودعا لتخم العبادۃ بما شاء لان محمدا لم یعین شیئا لانہ یذہب برقۃ القلب وان تبرک بالماثور فحسن اور دونوں ہاتھ اٹھاوے آسمان کی طرف ہتھیلیاں کر کے چنانچہ پنجگانہ نماز کے بعد معمول ہے اور چونکہ تمامی عبادت کا یہ وقت ہے تو جو چاہے سو دعا کرے اس واسطے کہ امام محمدؒ نے مناسک حج میں کوئی دعائے خاص معین نہیں کی اس لیے کہ معین

[1] الٰہی تو جانتا ہے میرے ظاہر اور باطن کو سو قبول کر میرے عذر کو اور تو جانتا ہے میری حاجت کو سو دے مجھ کو میری مانگ اور تو جانتا ہے جو میرے پاس ہے سو بخش دے مجھ کو میرے گناہ الٰہی میں سوال کرتا ہوں تجھ سے ایمان کے ساتھ جو میرے دل سے اور یقین سچا جس سے میں جانوں کہ مجھ کو نہیں پہنچے گا مگر جو تو نے مجھ پر لکھا اور سوال کرتا ہوں تجھ سے راضی ہونا تیرے حکم پر [2] الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں رزق فراخ اور علم مفید اور شفا ہر مرض سے [3] شروع اللہ کے نام سے اور سلام اوپر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے الٰہی بخش دے میرے گناہ اور کھول میرے لیے دروازے اپنی رحمت کے اور داخل کر مجھ کو ان میں اور پناہ دے مجھ کو شیطان سے [4] نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اکیلا نہیں ہے اس کا کوئی شریک اسی کا ملک ہے اور اسی کی تعریف ہے زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ تنہا پورا کیا ہے

کرنا دعا کا رقت قلب کا مانع ہے دعا وہی بہتر ہے جو اپنے جوش دل سے ہو اور اگر ادعیہ ماثورہ سے برکت چاہے تو بھی خوب ہے بلکہ اکثر لوگوں کے حق میں ادعیہ منقولہ بہتر ہیں چنانچہ مترجم نے کچھ دعائیں ذکر کی ہیں اور کچھ آئندہ ذکر کرے گا مجد الدین فیروز آبادی نے سفر السعادت میں نقل کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پر یہ دعا کی (اللھم[1] انا نسئلک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والغنیمۃ من کل بر والسلامۃ من کل اثم لا تدع لی ذنبا الا غفرتہ ولا ہما الا فرجتہ ولا کربا الا کشفتہ ولا حاجۃ الا قضیتھا) اور شیخ عبد الحق کی شرح سفر السعادۃ میں موطا سے منقول ہے بروایت ابن عمر کہ صفا پر یہ دعا کرے (اللھم[2] انک قلت ادعونی استجب لکم وانک لا تخلف المیعاد وانا اسالک کما ہدیتنی للاسلام ان لا تنزعہ منی حتی تتوفانی وانا مسلم) ثم مشیٰ نحو المروۃ ساعیا بین المیلین الاخضرین المتخذین فی جدار المسجد پھر صفا سے اترکے مروہ کی طرف چلے ان دونوں سبز میناروں کے درمیان جھپٹ کر جو مسجد الحرام کی پشت کی دیوار میں تراشے ہوئے ہیں م جب صفا سے اترے تو یہ دعا پڑھے اللھم[3] استعملنی بسنۃ نبیک وتوفنی علی ملتہ واعذنی من مضلات الفتن برحمتک یا ارحم الراحمین اور جب دو سبز میناروں میں سعی کرے تو یہ دعا پڑھے رب[4] اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم انک انت الاعز الاکرم) یہ دعا عبد اللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کذا فی الفتح اور سفر السعادت میں دعائے مذکور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے بروایت صفیہ بنت شیبہ وصعد علیہا وفعل ما فعلہ علی الصفا یفعل ہکذا یبدأ بالصفا ویختم الشوط السابع بالمروۃ اور چڑھے مروہ پر اور اس پر وہ کرے جو صفا پر کر چکا اسی طرح سات بار کرے صفا سے شروع کرے اور ساتویں شوط کو مروہ پر ختم کرے یعنی صفا سے مروہ تک آنا یہ ایک شوط ہوا پھر مروہ سے صفا تک جانا یہ دوسرا شوط ہوا اسی طرح ساتواں شوط مروہ پر تمام ہو گا فلو بدأ بالمروۃ لم یعتد بالاول ہو الاصح پھر اگر مروہ سے ابتدا کرے گا تو صفا تک شوط شوط اول میں نہ معتبر ہو گا یہی قول اصح ہے اس واسطے کہ حدیث قولی اور فعلی کے موافق ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا صفا سے کی اور فرمایا کہ ابتدا کرو اس سے جس سے حق تعالیٰ نے ابتدا کی یعنی فرمایا (ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ) کذا فی حاشیۃ الطحطاوی وندب ختمہ برکعتین فی المسجد کختم الطواف اور مستحب ہے ختم کرنا سعی کا دو رکعتوں پر جن کو مسجد الحرام میں جا کر پڑھے مانند ختم طواف کے اس واسطے کہ مسند احمد میں حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد سعی کے دو رکعتیں مسجد الحرام میں جا کر پڑھیں سامنے حجر اسود کے اور ابن ماجہ اور حاکم نے بھی اس کو روایت کیا مطلب بن وداعہ سے کذا فی فتح القدیر ثم سکن بمکۃ محرما بالحج ولا یجوز فسخ الحج بالعمرۃ عندنا پھر ٹھہرا رہے مکہ معظمہ میں حج کا احرام باندھے ہوئے اور عمرہ کر کے حج کا احرام توڑنا ہمارے نزدیک یعنی حنفیوں کے جائز نہیں یعنی جب میقات سے حج کا احرام باندھا تو اب عمرہ کر کے احرام حج کا چھوڑنا درست نہیں اور وہ جو صحیحین میں حدیث ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اصحاب سے عمرہ کروا کر حج کو فسخ کر دیا تھا تو یہ حکم فقط اصحاب ہی کو مخصوص تھا اس واسطے کہ صحیح مسلم میں ابو ذر سے حدیث مروی ہے کہ حج کو فسخ کرنا عمرہ سے یہ اصحاب کبار کو مخصوص تھا وطاف بالبیت نفلا ما شاء بلا رمل وسعی وہو افضل من الصلوٰۃ نافلۃ للآفاقی وقلبہ للمکی اور نفل طواف کیا کرے بیت اللہ کا جتنا چاہے بدون رمل اور سعی کے اور طواف کرنا افضل ہے نفل نماز پڑھنے سے مسافر کے حق میں اور اہل مکہ کے واسطے نماز افضل ہے طواف سے وفی البحر ینبغی تقییدہ بزمن الموسم والا فالطواف افضل من الصلوٰۃ مطلقا اور بحر الرائق میں ہے کہ افضلیت صلوٰۃ میں موسم حج کی قید لگانا لائق ہے یعنی مکیوں کے واسطے ایام حج میں طواف سے نماز افضل ہے تاکہ بسبب ہجوم کے مسافر طواف سے نہ محروم رہیں اور بعد موسم حج کے تو طواف ہی افضل ہے نفل نماز سے ہر طرح طحاوی اور ابن حبان نے روایت کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیت اللہ

---

[1] الٰہی ہم سوال کرتے ہیں تجھ سے خصلتیں کہ واجب کریں تیری رحمت کو اور وہ کام جو لازم کریں تیری بخشش کو اور غنیمت ہر نیکی سے اور سلامتی ہر گناہ سے نہ چھوڑ میرے لیے کوئی گناہ بجز اس کے کہ بخشے تو اس کو اور نہ غم بجز اس کے کو دور کرے تو اس کو اور نہ کوئی سختی بجز اس کے کہ تو زائل کرے اس کو اور نہ کوئی حاجت بجز اس کے کہ پوری کرے تو اس کو ۱۲ [2] الٰہی تو نے فرمایا کہ مجھ سے دعا مانگو میں قبول کروں گا اور تو وعدہ خلاف نہیں کرتا اور میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ جیسے تو نے مجھ کو ہدایت کی اسلام کی دیے ہی اس کو مجھ سے مت چھین لینا یہاں تک کہ تو مجھ کو وفات دے حالانکہ میں مسلمان ہوں ۱۲ [3] الٰہی تو کام لے مجھ سے موافق طریق اپنے نبی کے اور موت دے مجھ کو اس کے مذہب پر اور پناہ دے مجھ کو گمراہ کرنے والے فتنوں سے اپنی رحمت سے اے زیادہ رحم کرنے والے سب رحم والوں سے ۱۲ [4] اے پروردگار میرے رحم کر اور بخش اور درگذر ان خطاؤں سے جن کو تو جانتا ہے بے شک تو زیادہ عزت والا اور زیادہ کرم والا ہے ۱۲

کا طواف نماز ہے مگر یہ کہ خدا نے طواف میں کلام کرنا حلال کر دیا ہے تو جو کلام کرے تو سوائے خیر کے نہ بولے کذا فی المنح والبرہان اور ترمذی اور نسائی میں یوں مروی ہے کہ طواف مثل نماز کے ہے اور ابن ماجہ میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے بیت اللہ کا طواف کیا اور دو رکعتیں پڑھیں گویا اس نے ایک گردن کو آزاد کیا اور اسی کتاب میں ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رکن یمانی پر ستر فرشتے مقرر ہیں سو جو شخص کہ یہ دعا پڑھے (اللھم[1] انی اسئلک العفو والعافیۃ فی الدنیا والآخرۃ ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار) تو وہ فرشتے آمین کہتے ہیں ترمذی میں عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بیت اللہ کا ۵۰ بار طواف کرے گا تو وہ اپنے گناہوں سے ایسا نکل جاوے گا جیسا اس دن بے گناہ تھا جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا کذا فی تیسیر جامع الاصول وخطب الامام اولی خطب الحج الثلث سابع ذی الحجۃ بعد الزوال وبعد صلوۃ الظہر وکرہ قبلہ وعلم فیہا المناسک اور حج کے تین خطبوں میں سے پہلا خطبہ ساتویں تاریخ ذی الحج کے امام پڑھے دوپہر ڈھلے نماز ظہر کے بعد اور قبل نماز کے مکروہ ہے اور اس خطبہ میں حج کے احکام تعلیم کرے یعنی احرام باندھنا اور منی اور عرفات کا جانا اور وہاں کی نماز اور عرفات کا ٹھہرنا اور وہاں سے پھرنا لوگوں کو سکھاوے حج کے تین خطبہ ہیں ایک ساتویں تاریخ مکہ میں اور دوسرا عرفات میں اور تیسرا گیارہویں کو منی میں اور سب خطبے بعد زوال اور بعد نماز ظہر کے پڑھے جاتے ہیں مگر عرفات کا خطبہ بعد زوال قبل نماز ظہر کے ہوتا ہے اور سب خطبوں میں اول تکبیر پھر تلبیہ پھر تحمید واجب ہے مانند خطبہ عیدین کے اور خطبہ جمعہ اور خطبہ استسقا اور خطبۂ نکاح میں تحمید سے ابتدا کرنا لازم ہے کذا فی المنح والطحطاوی فاذا صلی بمکۃ الفجر یوم الترویۃ ثامن الشہر خرج الی منی قریۃ من الحرم علی فرسخ من مکۃ ومکث بہا الی فجر عرفۃ پھر جب ذی الحج کی آٹھویں تاریخ فجر کی نماز مکہ میں پڑھ چکے تو منی کی طرف چلے اور عرفے کی فجر تک وہاں رہے آٹھویں تاریخ کو یوم الترویہ کہتے ہیں اور منی ایک گاؤں ہے حرم کی حد میں مکہ سے تین کوس ہم اقامت مکہ میں جمیع حالات میں لبیک کہتا رہے سوائے طواف کے اور منی کی طرف چلتے لبیک کہے اور یہ دعا کہے (اللھم[2] ایاک ارجو وایاک ادعو والیک ارغب اللھم بلغنی صالح عملی واصلح لی ذریتی) پھر جب منی میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے (اللھم[3] ہذا منی وہذا مادللتنا علیہ من المناسک فمن علینا بجوامع الخیرات وبما مننت بہ علی ابراہیم خلیلک ومحمد حبیبک وبما مننت بہ علی اہل طاعتک فانی عبدک وناصیتی بیدک جئت طالبا مرضاتک) اور منی میں مستحب یہ ہے کہ مسجد الخیف کے پاس اترے کذا فی فتح القدیر ثم بعد طلوع الشمس راح الی عرفات علی طریق ضب پھر آفتاب کے نکلنے کے بعد منی سے عرفات کو جاوے ضب کی راہ پر کہ یہی سنت ہے اور عرفات کے چلنے کے وقت یہ دعا پڑھے (اللھم[4] الیک توجہت وعلیک توکلت ووجہک اردت فاجعل ذنبی مغفورا وحجی مبرورا وارحمنی ولا تخیبنی واقض بعرفات حاجتی انک علی کل شئی قدیر) اور لبیک کہے اور کلمہ توحید پڑھے پھر جب عرفات کے قریب پہنچے اور جبل رحمت نظر آوے تو کہے (سبحان[5] اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر) پھر لبیک کہتا رہے یہاں تک کہ عرفات میں داخل ہو کذا فی الفتح وعرفات کلہا موقف الا بطن عرنۃ بفتح الراء وضمہا وادمن الحرم غربی مسجد عرفۃ اور تمام عرفات ٹھہرنے کا مکان ہے مگر بطن عرنہ میں ٹھہرنا جائز نہیں عرنہ بضم اول وفتح ثانی اور ضمہ بھی اس کو جائز ہے نام جنگل ہے حرم میں مسجد عرفہ کی مغرب کی طرف اور عرفات حل میں ہے فبعد الزوال قبل صلوۃ الظہر خطب الامام فی المسجد خطبتین کالجمعۃ پھر دوپہر ڈھلنے کے بعد ظہر کی نماز سے پہلے امام مسجد

---

[1] الٰہی میں سوال کرتا ہوں درگذر اور تندرستی کا دنیا و آخرت میں اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں نیکی اور آخرت میں نیکی اور بچا ہم کو عذاب دوزخ سے ۱۲ [2] الٰہی تجھی سے تو قع رکھتا ہوں اور تجھی کو پکارتا ہوں اور تیری ہی طرف رغبت کرتا ہوں الٰہی تو پہنچا دے مجھ کو میرے نیک کام اور بہتری کر میری اولاد میں ۱۲ [3] الٰہی یہ منا ہے اور یہ وہ ہے کہ تو نے ہم کو مناسک سے بتلایا ہے سو احسان کر ہم پر سب طرح کی خوبیوں کا اور اس چیز کا جو تو نے احسان کیا اس سے اپنے خلیل ابراہیم اور اپنے حبیب محمد پر اور اس چیز سے کہ تو نے احسان کیا اس سے اپنی اطاعت والوں پر کہ میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے اختیار میں ہوں تیرے سامنے آیا ہوں طالب تیری خوشنودی کا ۱۲ [4] الٰہی میں نے تیرے ہی طرف توجہ کی اور تجھی پر بھروسا کیا تیری رضا کو ارادہ کیا پس کر دے میرے گناہ کو بخشا ہوا اور میرے حج کو مقبول اور رحم کر مجھ پر اور مجھ کو نا امید مت کر اور عرفات میں میری حاجت کو پورا کر بے شک تو ہر چیز پہ قادر ہے ۱۲ [5] میں پاکی سے یاد کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کو اور سب تعریفیں ہیں اللہ تعالیٰ کو کوئی معبود نہیں مگر اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ بزرگ تر ہے ۱۲

میں دو خطبے پڑھے مانند جمعہ کے یعنی جیسے خطبۂ جمعہ میں درمیان دو خطبوں کے منبر پر بیٹھتا ہے ویسے ہی اس میں بھی بیٹھے اور جیسے جمعہ میں امام کے سامنے موذن اذان کہتا ہے ویسا ہی یہاں بھی اذان کہے کذا فی حاشیۃ الطحطاوی **ویعلم فیہا المناسک فی بعد الخطبۃ صلی بہم الظہر والعصر باذان واقامتین وقراءۃ سریۃ ولم یصل بینہما شیئا علی المذہب ولا بعد اداء العصر فی وقت الظہر** اور امام اس خطبہ میں احکام حج کے تعلیم کرے یعنی وقوف عرفات اور مزدلفہ اور وہاں سے پھرنا اور رمی اور ذبح اور حلق اور طواف زیارت کرنا سکھاوے اور بعد خطبہ کے لوگوں کو ظہر اور عصر کی نماز پڑھاوے ایک اذان اور دو اقامت سے ایک اقامت ظہر کے واسطے اور دوسری عصر کے واسطے اس لیے کہ عصر خلاف عادت ظہر کے وقت پڑھی جاتی ہے تو اعلام اور اطلاع کرنا ضرور ہوا اور امام قراءت کو آہستہ پڑھے اور ظہر اور عصر کے درمیان میں کوئی نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ سنت موکدہ بھی نہ پڑھے بنا بر مذہب صحیح کے اور نہ بعد ادا کرنے عصر کے کوئی نماز پڑھے ظہر کے وقت میں اس واسطے کہ نفل پڑھنا بعد عصر کے مکروہ ہے **وشرط لصحۃ ہذا الجمع الامام الاعظم او نائبہ والا صلوا وحدانا والاحرام بالحج فیہما ای الصلوتین** اور اس واسطے صحت اس جمع بین الصلوتین کے دو امر شرط ہیں امام اعظم کے نزدیک ایک شرط یہ ہے کہ بادشاہ ہو یا اس کا نائب چنانچہ قاضی اور اگر بادشاہ یا اس کا نائب نہ ہو تو لوگ علیحدہ علیحدہ نماز پڑھیں بلا جماعت اور دوسری شرط یہ ہے کہ حج کا احرام ہو دونوں نمازوں میں تو اگر ظہر کی نماز عمرہ کے احرام سے پڑھے اور عصر کی حج کے احرام سے تو جمع بین الصلوتین جائز نہیں اس واسطے کہ دونوں نمازوں میں حج کا احرام شرط ہے اور اسی طرح اگر بدون احرام کے دونوں نمازوں کو جمع کرے گا تو بھی جائز نہیں کذا فی حاشیۃ الطحطاوی **فلا یجوز العصر للمنفرد فی احدہما فلو صلی الظہر وحدہ لم یصل العصر مع الامام** تو جائز نہیں عصر کی نماز ظہر کے وقت پڑھنا اس شخص کو جس نے ظہر یا عصر کی نماز تنہا پڑھی سو اگر اس نے ظہر کی نماز تنہا پڑھی تو امام کے ساتھ عصر نہ پڑھے بلکہ عصر کے وقت پڑھے **ولا یجوز العصر لمن صلی الظہر بجماعۃ قبل احرام الحج ثم احرم الا فی وقتہ** اور جس نے قبل احرام حج کے ظہر کی نماز جماعت سے پڑھی پھر اس نے حج کا احرام باندھا تو اس کو عصر کا پڑھنا جائز نہیں مگر عصر کے وقت میں نہ امام کے ساتھ ظہر کے وقت میں اس واسطے کہ شرط ثانی مفقود ہے **وقالا لا یشترط لصحۃ العصر الا الاحرام وبہ قالت الثلثۃ وہو الاظہر شرنبلالیۃ عن البرہان** اور صاحبین نے کہا کہ شرط نہیں صحت عصر کے واسطے مگر احرام یعنی جمع بین الصلوتین کے واسطے فقط احرام حج کافی ہے امام کا ہونا شرط نہیں اور یہی مذہب ہے تینوں اماموں کا اور یہی قول ظاہر تر ہے باعتبار دلیل کے کذا فی شرنبلالی عن البرہان م برہان میں کہا کہ یہ قول اس واسطے اظہر ہے کہ عرفات میں جمع بین الصلوتین اس واسطے ہے کہ امتداد وقوف غروب تک واجب ہے اور موقف کی زمین نہایت اونچی نیچی ہے صفوں کا وہاں برابر ہونا ممکن نہیں تو اگر عصر اپنے وقت پر ہوتی تو وہاں سے نکلنا پڑتا اور وقوف منقطع ہوتا اس ضرورت سے جمع بین الظہر والعصر جائز ہوا تو اس حاجت میں منفرد اور جس نے کہ امام کے ساتھ نماز پڑھی دونوں برابر ہیں **ثم ذہب الی الموقف بغسل سن ووقف الامام علی ناقتہ بقرب جبل الرحمۃ عند الصخرات الکبار مستقبلا القبلۃ** پھر نماز کے بعد جاوے طرف موقف کے یعنی ٹھہرنے کے مکان میں جاوے غسل کر کے کہ مسنون ہے اور امام وقوف کرے اپنے اونٹ پر سوار ہو کر جبل رحمت کے قریب بڑے بڑے کالے پتھروں کے پاس قبلہ رو ہو کر م یہیں کھڑا ہونا سنت ہے اور یہ جو عوام کی عادت ہے کہ پہاڑ پر چڑھ کر کھڑے ہوتے ہیں سو بے اصل ہے **والقیام والنیۃ فیہ ای الوقوف لیست بشرط ولا واجب فلو کان جالسا جاز حجہ وذلک لان الشرط الکینونۃ فیہ فصح وقوف مجتاز وہارب وطالب غریم ونائم ومجنون وسکران** اور کھڑا ہونا اور وہاں کے ٹھہرنے میں نیت وقوف کی کرنا نہ شرط ہے نہ واجب سو اگر موقف میں بیٹھا رہے گا حج اس کا جائز ہوگا اور یہ جواز اس واسطے ہے کہ وہاں کا ہونا شرط ہے حج کی کسی طرح سے ہو تو صحیح ہے وقوف راہ چلتے اور بھاگتے کا اور مدیوں کی تلاش کرنے والے کا اور دیوانے اور مست کا اور اسی طرح حائض اور جنب کا وقوف اور جس نے جمع بین الصلوتین نہیں کی اس کا وقوف بھی صحیح ہے کذا فی النہر **ودعا جہرا بجہد وعلم المناسک ووقف الناس خلفہ بقربہ مستقبلین القبلۃ سامعین لقولہ خاشعین باکین** اور آواز بلند کر کے دعا کرے نہایت اجتہاد اور کوشش سے اور امام مناسک کی تعلیم کرے اپنے اونٹ پر سے اور لوگ امام کے پیچھے ٹھہریں متصل اس کے رو بقبلہ ہو کر امام کے قول پر کان لگائے گڑگڑاتے روتے ہوئے م امام مالک نے موطا میں حدیث صحیح مرفوع نقل کی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افضل دعا یوم عرفہ کی دعا ہے اور جو افضل دعا کہ میں نے کی اور مجھ سے پہلے پیغمبروں نے کی

وُہ یہ ہے (لاالٰہ الااللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وہو حی لایموت بیدہ الخیر وہو علی کل شیء قدیر) توحید اور ثنا کو دعا فرمایا اس واسطے کہ کریم کی تعریف کرنا درحقیقت دعا ہے مثل مشہور ہے کہ فقیر کی صورت سوال ہے علی الخصوص جب تعریف بھی کرنے لگے اور امام احمد بن حنبل نے حدیث صحیح نقل کی عبداللہ بن عباس سے کہ فلانا شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار تھا سو وہ شخص عورتوں کی طرف دیکھنے لگا تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے میرے بھتیجے اس دن میں جو اپنے کان اور آنکھ اور زبان کو محفوظ رکھے تو اس کی مغفرت ہوتی ہے اور بزار وغیرہ نے عبداللہ بن عباس سے روایت کی کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ عرفہ کے دن دونوں ہاتھ پھیلا کے دعا کرتے تھے جیسے کھانا مانگنے والا محتاج ہاتھ پھیلا کر مانگتا ہے کذا فی فتح القدیر اور ثابت ہوا ہے کہ موقف میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی (اللّٰھم لک الحمد کالذی نقول وخیرا مما نقول اللھم لک صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی والیک مآبی ولک رب تراثی اللھم انی اعوذ بک من عذاب القبر ووسوسۃ الصدر وشتات الامر اللھم انی اعوذ بک من شر ما تجیٔ بہ الریح اللھم انک تسمع کلامی وتری مکانی وتعلم سری وعلانیتی ولا یخفی علیک شیٔ من امری انا البائس الفقیر المستغیث المستجیر الوجل المشفق المقر المعترف بذنوبہ اسالک مسالۃ المساکین وابتہل الیک ابتہال المذنب الذلیل وادعوک دعاء الخائف الضریر من خضعت لک رقبتہ وفاضت لک عیناہ وذل جسدہ ورغم انفہ اللھم لاتجعلنی بدعائک شقیا وکن لی رؤفا رحیما یا خیر المسئولین ویا خیر المعطین) اخرجہ الطبرانی فی المعجم اور سنن بیہقی میں مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشتر میری دعا اور باقی پیغمبروں کی دُعا عرفات میں یہ ہے (لاالٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وہو علی کل شیٔ قدیر اللھم اجعل فی قلبی نورا وفی سمعی نورا وفی بصری نورا اللھم اشرح لی صدری ویسر لی امری واعوذ بک من وساوس الصدر وشتات الامر وفتنۃ القبر اللھم انی اعوذ بک من شر ما یلج فی اللیل وشر ما یلج فی النہار وشر ما تہب بہ الریاح ومن شر بوائق الدہر کذا فی سفر السعادت للفیروز آبادی) اور اختیار شرح مختار میں ہے کہ روز عرفہ کی فضیلت اور مقبول ہونے دعا میں کثرت سے احادیث ثابت ہیں تو لائق یہ ہے کہ دعا میں بہت کوشش کرے اور جو دعا کہ یاد ہو کرے اور اگر حفظ پر قادر نہ ہو تو کاغذ میں لکھ کر پڑھے اور مستحب ہے کہ اس دن بعد نماز عصر کے سورۂ فاتحہ اور اخلاص دس بار پڑھ کر یہ دعا کرے (لاالٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت بیدہ الخیر وہو علی کل شیٔ قدیر سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم یا رفیع الدرجات یا منزل البرکات یا فاطر

سلہ اس کا ترجمہ پیشتر گذرا صرف اس میں وہو حی لایموت بیدہ الخیر زیادہ ہے یعنی وہ زندہ ہے کہ نہیں مرے گا اس کے ہاتھ ہے بہتری ۱۲ سلہ الٰہی تیرے لیے تعریف ہے جیسا ہم کہتے ہیں اور بہتر اس سے کہ ہم کہتے ہیں تیرے لیے میری نماز ہے اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا اور تیری طرف ہے رجوع میری اور تیرے ہی لیے ہے سب میری میراث الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے اور سینہ کے وسوسے اور پراگندگی حال سے الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں برائی سے اس کی کہ لاتی ہے اس کو ہوا الٰہی تو سنتا ہے میری گفتگو اور دیکھتا ہے میری جگہ کو اور جانتا ہے میرا باطن اور ظاہر نہیں پوشیدہ ہے تجھ پر کوئی چیز میرے حال سے میں سختی زدہ محتاج فریادی پناہ چاہنے والا خائف و ترساں اقرار اعتراف کرنے والا ہوں اپنے گناہوں کا تجھ سے سوال کرتا ہوں مسکینوں کی طرح اور گڑگڑاتا ہوں گناہ گار ذلیل کے مانند اور تجھ سے دعا مانگتا ہوں دعا خوف زدہ مصیبت رسیدہ کا سا جس کی گردن تیرے لیے جھکی ہے اور جس کی آنکھیں تیرے لیے روتی ہیں اور جس کا جسم ذلیل ہے اور ناک خاک آلودہ ہے الٰہی مت کر مجھ کو اپنی دعا میں محروم اور مجھ پر مہربان اور رحم کرنے والا ہو اے بہتر ان کے جن سے مانگا جاتا ہے اے بہتر دینے والوں کے ۱۲ سلہ یا اللہ دے دل میں میرے روشنی اور میرے کان میں روشنی اور میری آنکھوں میں روشنی یا اللہ کھول دے میرا سینہ اور آسان کر میرے لیے کام میرا اور پناہ مانگتا ہوں تیری سینہ کے وسوسوں اور حال کی پراگندگی اور قبر کے فتنہ سے یا اللہ میں تیری پناہ پکڑتا ہوں برائی سے اس چیز کی جو داخل ہوتی ہے رات میں اور برائی سے اس چیز کی جو داخل ہوتی ہے دن میں اور برائی سے اس کی کہ ہوائیں اس کو اڑا لاویں یعنی شیاطین وغیرہ اور برائی سے زمانہ کے صدمات کی ۱۲ سلہ اور پہلے کلمات کا ترجمہ اوپر گذر چکا ہے باقی کا لکھا جاتا ہے نہیں طاقت ہے طاعت کی اور نہیں قدرت ہے گناہ سے بچنے کی مگر اللہ کی مدد سے جو برتر ہے عظمت والا ہے درجوں کے بلند کرنے والے برکتوں اور آسمانوں کے اتارنے والے ... تیرے لیے دعائیں طرح طرح کی زبانوں سے تجھ سے وہ اپنی مرادیں مانگتے ہیں اور میری حاجت ہے کہ تو مجھ پر رحم کرے تنگی نہ کرے ... جب کہ تم کو دنیا والے بھول جائیں میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھ کو توفیق دے اس کام میں جو تو نے مجھ پر فرض کیا اور میری مدد کر اپنی طاعت پر اور اپنے حق کے ادا کرنے پر اور ان اعمال کے پورا کرنے پر جن کو تو نے اپنے خلیل ابراہیم اور اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلایا الٰہی تیرے سامنے گڑگڑانے والے کے لیے مقبولیت ہے اور مسکین کے لیے تیرے پاس ضیافت ہے اور میں تیرے سامنے گڑگڑاتا ہوں اور تیرے پاس مسکین ہو کر آتا ہوں سو تو میری حاجت پوری کر اور میرے گناہ بخش دے اور مجھ کو ان میں سے مت کر جو تیرے پاس آن کر محروم ہوں گے، تو نے کہا ہے اور بے شک تو وعدے کے خلاف نہیں کرتا مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا اور تحقیق میں پکارتا ہوں تجھے گڑگڑانے والا سائل ہو کر پس میری دعا قبول فرما اور مجھے آگ سے بچا اور مجھے بخش اور میرے ماں باپ اور سب

الارضین والسموات ضجت لک الاصوات بصنوف اللغات نسألک الحاجات وحاجتی ان ترحمنی فی دار البلی اذا نسینا اہل الدنیا اسألک ان توفقنی لما افترضت تعیننی علی طاعتک واداء حقک وقضاء مناسک التی اریتہا ابراہیم خلیلک ودللت محمدا حبیبک اللھم لکل متضرع الیک اجابۃ ولکل مسکین لدیک رافۃ وقد جئتک متضرعا الیک مسکینا لدیک فاقض حاجتی واغفرلی ذنبی ولاتجعلنی ممن خیب عندک فقد قلت وانک لاتخلف المیعاد ادعونی استجب لکم وقد دعوتک متضرعا سائلا فاجب دعائی واعتقنی من النار واغفرلی ولوالدی ولجمیع المومنین والمومنات برحمتک یاارحم الراحمین الغرض اس دن اور اس مکان مقدس میں کریم مطلق کی رحمت اور مغفرت کا جوش ہے صدق دل سے جو یہاں مانگے سو پاوے قسمت والوں کو یہ دولت نصیب ہوتی ہے الٰہی اس عاجز مسکین کو بھی اپنے در دولت پر کمال ذوق اور شوق سے حاضر کر اور اپنے کرم سے حج مبرور عنایت فرما آمین وہو من مواضع الاجابۃ وہی بمکۃ خمسۃ عشر نظمہا صاحب النہر فقال ؎ دعاء البرایا یستجاب بکعبۃ ؛ وملتزم والموقفین کذا الحجر ؛ طواف وسعی مروتین وزمزم ؛ مقام ومیزاب جمارک تعتبر ؛ اور موقف عرفات ان مکانات سے ہے جہاں دعا قبول ہوتی ہے اور مواضع اجابت دعا کے مکہ معظمہ میں پندرہ ہیں جن کو نہر الفائق کے مصنف نے دو بیتوں میں نظم کیا ہے سو یوں کہا ہے کہ دعا خلق کی مقبول ہوتی ہے کعبہ میں یعنی بیت اللہ کے اندر اور ملتزم میں اور موقف عرفات میں اور موقف مزدلفہ میں اور حجر اسود کے پاس اور طواف میں اور سعی کرنے میں اور صفا اور مروہ پر اور زمزم کے پاس اور مقام ابراہیم کے پیچھے اور میزاب یعنی کعبہ کے پرنالہ کے نیچے اور تینوں جمار کے پاس م صاحب نہر الفائق نے نظم میں یہ نہیں مذکور کیا کہ ان مواضع میں کون سے وقت دعا مقبول ہوتی ہے لیکن حاشیہ دلائل الاسرار میں مناسک حسن نقاش سے ساعات مذکورہ کی یوں تصریح ہے کہ بیت اللہ کے اندر عصر کے وقت دونوں ستون کے آگے دعا مقبول ہوتی ہے اور ملتزم میں آدھی رات کو اور موقف عرفات میں آفتاب غروب ہونے کے وقت اور موقف مزدلفہ میں آفتاب طلوع ہونے کے وقت اور طواف میں ہر وقت بلا قید دعا قبول ہوتی ہے اور سعی میں اور صفا اور مروہ پر عصر کے وقت اور زمزم کے پاس آفتاب ڈوبنے کے وقت اور مقام ابراہیم کے پیچھے اور میزاب رحمت کے نیچے سحر کے وقت اور جمار کے پاس طلوع آفتاب کے وقت دعا مقبول ہے اور اجابت ان مکانات کی حسن بصری کے اس مکتوب سے ثابت ہے جو اہل مکہ کو لکھ بھیجا تھا کذا فی المغ زاد فی اللباب وعند رویۃ الکعبۃ وعند السدرۃ والرکن الیمانی وفی الحجر وفی منی فی نصف لیلۃ البدر اور طرابلسی نے باب المناسک میں چھ مواضع اجابت کے اور زیادہ بیان کیے ہیں یعنی کعبہ نظر آنے کے وقت اور بیری کے درخت کے پاس اور رکن یمانی کے پاس اور حطیم میں اور منیٰ میں اور ذی الحجہ کی چودھویں رات کے نصف میں کے اندر طحطاوی نے کہا کہ میں نے کسی کتاب میں اس درخت کا محل نہیں دیکھا کہ وہ کس مقام پر ہے واذا غربت الشمس اتی علی طریق المازمین مزدلفۃ وحدہا من مازمی عرفۃ الی مازمی محسر اور جب عرفات میں آفتاب غروب ہو تو وہاں سے مزدلفہ میں آوے مازمین کی راہ سے اور مزدلفہ کی حد عرفات کی مازمیں سے ہے محسر کی مازمین تک م مازمین بصیغہ تثنیہ تنگ راہ ہے مزدلفہ اور عرفات کے درمیان میں اور دوسرا مازمین اور مکہ کے درمیان میں ہے کذا فی القاموس اور حاشیہ دلائل الاسرار میں احکام ماوردی سے منقول ہے کہ مازمین ایک پہاڑ ہے عرفات اور مزدلفہ کے درمیان بالجملہ سنت یہ ہے کہ منیٰ سے عرفات کو ضب کی راہ سے جاوے اور عرفات سے مزدلفہ کو مازمین کی راہ سے آوے ویستحب ان یاتیہا ماشیا وان یکبر ویہلل ویحمد ویلبی ساعۃ فساعۃ اور مستحب یہ ہے کہ مزدلفہ میں پیدل آوے اور تکبیر اور تہلیل اور تحمید اور لبیک کہتا رہے دمبدم اور اختیار شرح مختار میں ہے کہ اس راہ میں کثرت استغفار کی لائق ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ثم افیضوا من افاض الناس واستغفروا اللہ ان اللہ غفور رحیم یعنی رجوع کرو جہاں سے لوگ رجوع کرتے ہیں اور مغفرت مانگو اللہ سے البتہ اللہ غفور اور رحیم ہے والمزدلفۃ کلہا موقف الا وادی محسر وہو واد بین منی ومزدلفۃ فلو وقف بہ او ببطن عرنۃ لم یجز علی المشہور اور مزدلفہ تمام ٹھہرنے کا مقام ہے سوائے محسر کے اور محسر ایک نالہ ہے منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان میں سو اگر کوئی محسر یا بطن عرنہ میں ٹھہرے گا تو جائز نہ ہوگا بقول مشہور م صحیح بخاری وغیرہ کتب حدیث میں مصرح ہے کہ عرفات میں بطن عرنہ سے اور مزدلفہ میں محسر سے منع فرمایا کہ وہاں کوئی نہ ٹھہرے محسر بضم میم وتشدید سین مکسور اس وادی کا نام ہے جہاں اصحاب الفیل غارت ہوئے محسر کے معنی تھکا دینے والا اور عاجز کر دینے والا چونکہ اصحاب الفیل وہاں عاجز ہوئے لہٰذا اس کا نام محسر ہوا کذا فی الطحطاوی ونزل عند جبل قزح بضم ففتح غیر منصرف

للعلمیۃ والعدل من قازح بمعنی مرتفع اور قزح کے پہاڑ پاس اترے قزح بضم اول و فتح ثانی لفظ غیر منصرف ہے بسبب علمیت اور عدل کے یعنی معدول ہے قازح سے جس کے معنی اونچا والا مع انہ المشعر الحرام وعلیہ میقدۃ قیل کانون آدم اور قول صحیح تر یہ ہے کہ مشعر الحرام ہی جبل قزح ہے کذا فی الکشاف اور اس پہاڑ پر آگ جلنے کا ایک مکان ہے بعضوں نے کہا کہ وہ آدم علیہ السلام کی بھٹی ہے م قرآن مجید میں فرمایا کہ جب تم عرفات سے رجوع کرو تو مشعر الحرام کے پاس حق تعالیٰ کو یاد کرو لہذا شارح نے تصریح کردی کہ مشعر الحرام سے مراد قزح کا پہاڑ ہے **صلی العشا ئین باذان واقامۃ** لان العشاء فی وقتہا فلم یحتج الی الاعلام کما لا احتیاج ہنا للامام اور مغرب اور عشا کی وہاں نماز پڑھے ایک اذان اور ایک اقامت سے اس واسطے کہ عشا کی نماز اپنے وقت پر ہے تو اعلام کی حاجت نہیں چنانچہ یہاں جمع بین الصلوتین میں امام کی حاجت نہیں م یہاں سوال وارد ہوتا ہے کہ یہاں جمع بین الصلوتین میں کیوں دو بار اقامت نہ ہوئی جیسے کہ عرفات کی جمع بین الصلوتین میں ہوئی تھی شارح نے جواب دیا کہ یہاں دوسری نماز یعنی عشاء اپنے اصلی وقت پر ہے اور لوگ سب مجتمع ہیں تو اعلام کی کچھ حاجت نہیں کہ دوسری بار اقامت ہو بخلاف عرفات کے کہ وہاں دوسری نماز اپنے وقت پر نہیں لہذا اعلام کی حاجت ہے اور امام اعظم کے نزدیک اس جمع بین الصلوتین میں امام اور جماعت مشروط نہیں جیسے عرفات میں مشروط ہے حالانکہ احادیث سے دونوں میں جماعت ثابت ہے اس واسطے کہ مغرب یہاں اپنے وقت سے متاخر ہے اور نماز کو پڑھنا وقت گذرنے کے بعد امر معقول ہے بخلاف عرفات کے کہ وہاں عصر اپنے وقت سے متقدم ہے اور تقدم نماز کی اپنے وقت پر مخالف قیاس ہے ہر طرح سے لہذا اس میں مورد کی جمیع شروط وارد ہ واجب السعایت ہیں کذا فی دلائل الاسرار عن ابن مالک اور دونوں نمازوں کے بیچ میں سنت اور نفل نہ پڑھے بلکہ مغرب اور عشا کی سنت کو اور وتر کو بعد مغرب اور عشا پڑھے کذا فی المنسک المتوسط لملا رحمہ اللہ **ولو صلی المغرب** او العشاء **فی الطریق** **او فی عرفات اعادہ** لحدیث الصلوۃ امامک اور اگر مغرب کی نماز یا عشاء کی نماز راہ میں یا عرفات میں پڑھے تو مزدلفہ میں دوسری بار پڑھے بدلیل اس حدیث کے کہ نماز تیرے آگے ہے م صحیحین میں اسامہ بن زید سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب عرفات سے روانہ ہوئے تو راہ میں اترے اور پیشاب کیا پھر ناتمام وضو کیا سو میں نے عرض کیا کہ نماز پڑھیے فرمایا نماز تیرے آگے ہے پھر حضرت سوار ہوئے تو جب مزدلفہ میں آئے تو پورا وضو کیا پھر مغرب کی نماز اور عشا کی نماز پڑھی تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بجز مزدلفہ کے عرفات اور راہ میں نماز جائز نہیں تو واجب الاعادہ ہوگی فوقتنا بالزمان والمکان والوقت فالزمان لیلۃ النحر والمکان مزدلفۃ والوقت وقت العشاء حتی لو وصل مزدلفۃ قبل العشاء لم یصل المغرب حتی یدخل وقت العشاء فتفطن لغزامن وجوہ تو بمقتضائے حدیث مذکور کے نماز مغرب کی تاخیر کے واسطے ہم نے زمان اور مکان اور وقت کو مقرر اور معین[1] کر لیا سو زمانہ تو یوم النحر کی رات ہے اور مکان خاص مزدلفہ ہے اور وقت مخصوص عشاء کا وقت ہے یعنی مغرب کی نماز کو مؤخر کرنا مزدلفہ میں لیلۃ النحر عشاء کے وقت مخصوص ہے یہاں تک کہ اگر کوئی مزدلفہ میں پہنچے قبل عشاء کے تو مغرب کی نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ عشاء کا وقت آوے تو یہ مسئلہ چیستان اور پہیلی کے لائق ہے چند وجوہ سے یعنی یہاں ایسے سوال متصور ہیں جن کے جواب میں فقیہ کو حیرانی ہو چنانچہ مترجم چند سوال اور جواب کو مذکور کرتا ہے طحطاوی سے نقل کر کے **سوال** کون فرض نماز ہے جس میں نہ اذان ہو نہ اقامت **جواب** عشاء کی نماز ہے مزدلفہ میں بشرطیکہ مغرب اور عشاء میں فاصلہ نہ ہو **سوال** کون نماز ہے جو بے وقت پڑھی جاوے اور قضا نہ ہو بلکہ ادا ہو **جواب** مزدلفہ کی مغرب ہے **سوال** کون نماز ہے جو اپنے وقت پر پڑھی جاوے اور واجب الاعادہ ہو **جواب** مزدلفہ کی مغرب ہے اور اسی طرح عشا کی نماز جب کہ راہ یا عرفات میں پڑھی جاوے **سوال** کون عشا ہے جس کو صاحب ترتیب قبل مغرب کے پڑھے اور صحیح ہو **جواب** مزدلفہ کی عشا ہے جو اپنے وقت پر پڑھی گئی پھر صبح صادق ہو گئی **سوال** کون نماز ہے جس کا پڑھنا ایک خاص مکان میں واجب ہے **جواب** مزدلفہ کی مغرب اور عشا ہے مالم یطلع الفجر فیعود الی الجواز وہذا اذا لم یخف طلوع الفجر فی الطریق فان خافہ صلاہما راہ کی نماز کا اعادہ اس وقت تک ہے جب تک صبح صادق نمود نہیں ہوئی اور بعد صبح کے وہ نماز جائز ہو جاوے گی خواہ مغرب ہو خواہ عشا اس واسطے کہ اعادہ واسطے جمع بین الصلوتین کے تھا عشا کے وقت میں سو اب باقی نہ رہا اور یہ یعنی مغرب اور عشا کا راہ میں نہ پڑھنا

---

[1] مناسب یہ تھا کہ مترجم اول ترجمہ یوں کرتا کہ نماز مغرب اور عشا کی معین ہو گئی زمان اور مکان اور وقت کے اعتبار سے یعنی توقتنا بصیغہ متکلم کسی نسخہ میں ہے اور نہ باب تفعل متعدی مستعمل لہذا بصیغہ تثنیہ مونث [illegible]

اس وقت تک ہے جب تک طلوع فجر کا خوف نہ ہو راہ میں سو اگر خوف ہو طلوع کا تو دونوں نماز کو راہ میں پڑھ اس واسطے کہ اگر راہ میں نہ پڑھے گا تو قضا ہو جاویں گی کذافی منح الغفار **ولو صلی العشاء قبل المغرب بمزدلفۃ صلی المغرب ثم اعاد العشاء فان لم یعد ہا حتی ظہر الفجر عاد العشاء الی الجواز** اور اگر عشا کی نماز اپنے وقت پر پڑھی قبل مغرب کی نماز کے مزدلفہ میں تو پھر مغرب پڑھے اور عشاء کا اعادہ کرے سو اگر عشاء کا اعادہ نہ کیا یہاں تک کہ فجر ظاہر ہوگئی تو وہ عشا اب جائز ہو جاوے گی چنانچہ امام اعظم کے نزدیک ایک شخص نے ظہر کی نماز ترک کی پھر اس کے بعد پانچ وقت کی نماز پڑھی حالانکہ ظہر متروک اس کو یاد ہے تو پانچوں نمازیں جائز نہیں پھر اگر اس نے چھٹی نماز پڑھی تو اب سب نمازیں صحیح ہوگئیں کذافی المنح عن الجرعن الظہیریہ **وینوی المغرب اداء ویترک سنتہا** اور مزدلفہ میں عشا کے وقت ادائے مغرب کی نیت کرے نہ قضا کی اور مغرب کی سنتوں کو ترک کرے بنا بر قول صحیح کے کذافی الطحاوی **ویحییہا فانہا اشرف من لیلۃ القدر** کما افتی بہ صاحب النہر وغیرہ اور یوم النحر کی رات کو بیدار رہے اس واسطے کہ وہ رات لیلۃ القدر سے شریف تر ہے چنانچہ صاحب نہر وغیرہ نے اس کا فتویٰ دیا ہے م نہر الفائق کا یہ مضمون ہے کہ کسی نے سوال کیا کہ لیلۃ النحر لیلۃ الجمعہ سے اشرف ہے یا نہیں اور میرا میلان خاطر اسی طرف تھا پھر میں نے جوہرہ میں دیکھا کہ لیلۃ النحر سارے سال کی راتوں سے افضل ہے طحطاوی نے کہا اس قدر کلام سے فتویٰ ثابت نہیں ہوتا بالجملہ یہ شب شرف مکانی اور زمانی کی جامع ہے تو مناسب ہے کہ نماز اور تلاوت قرآن اور تضرع میں بسر کرے اور فضیلت لیلۃ النحر کی فقط مزدلفہ میں منحصر نہیں بلکہ اشرفیت اس کی اس وجہ سے ہے کہ اس کی عبادت کا ثواب لیلۃ القدر سے زیادہ ہے کذافی حاشیۃ الطحطاوی وجزم شراح البخاری سیما القسطلانی بان عشر ذی الحجۃ افضل من العشر الاخیر من رمضان اور یقین کیا ہے صحیح بخاری کے شارحوں نے خصوصاً قسطلانی نے اس پر کہ دس روز ذی الحجہ کے افضل ہیں رمضان کے عشرہ اخیرہ سے م صحیح بخاری وغیرہ میں عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی دن ایسا نہیں جس میں عمل صالح خدا کے نزدیک محبوب تر ہوں ان دنوں سے یعنی عشرہ ذی الحج سے اور طبرانی میں یوں ہے کہ ان دنوں میں عمل کرنا خدا کے نزدیک عظیم تر اور محبوب تر ہے سو ان دنوں میں تسبیح اور تہلیل اور تحمید اور تکبیر کثرت سے کیا کرو کذافی الترغیب والترہیب لابن حجر **وصلی الفجر بغلس لاجل الوقوف** اور فجر کی نماز پڑھے اندھیرے میں یعنی بعد طلوع صبح صادق کے اول وقت نماز پڑھے واسطے وقوف مزدلفہ کے **ثم وقف بمزدلفۃ ووقتہ من طلوع الفجر الی طلوع الشمس ولو مارا کما فی عرفۃ لکن لو ترکہ بعذر کزحمۃ لاشئ علیہ** پھر وقوف کرے مزدلفہ میں اور مزدلفہ کے ٹھہرنے کا وقت طلوع صبح صادق سے ہے طلوع آفتاب تک اگرچہ وہاں گذران چلا جاوے مانند عرفات کے لیکن اگر وقوف مزدلفہ کا بسبب عذر کے ترک کرے جیسے کہ ہجوم کے سبب سے تو اس پر کوئی چیز لازم نہیں **وکبر وہلل ولبی وصلی علی المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ودعا** اور وہاں حالت وقوف میں تکبیر اور تہلیل کرے اور لبیک کہے اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا رہے اور دعا کرے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر م یہی سنت ہے چنانچہ حدیث جابر میں مصرح ہے اور اختیار شرح مختار میں ہے کہ یوں دعا کرے (اللھم انت خیر مطلوب وخیر مرغوب الیہ الٰہی لکل وفد جائزۃ وقری فاجعل جائزتی وقریٰ فی ہذا المقام ان تتقبل توبتی وتتجاوز عن خطیئتی تجمع علی الھدی امری وتجعل الیقین من الدنیا ہمی اللھم ارحمنی واجرنی من النار واوسع علی الرزق الحلال اللھم لاتجعلہ آخر العہد بہذا الموقف وارزقنی ابدا ما احییتنی برحمتک یا ارحم الراحمین) **واذا اسفر جدا اتی منیٰ مہللا مصلیا فاذا بلغ بطن محسر اسرع قدر رمیۃ حجر لانہ موقف النصاریٰ** اور جب خوب روز روشن ہو جاوے تو منیٰ کی طرف چلے تہلیل کرتا اور درود پڑھتا اور اسفار کی یہ حد ہے کہ جب طلوع شمس تک دو رکعت پڑھنے کی مقدار باقی رہے کذافی المنح عن المحیط والظہیریہ پھر جب محسر کے اندر پہنچے تو شتاب چلے بمقدار پھینک مارنے تیر کے اس واسطے کہ موقف نصاریٰ ہے یعنی اصحاب الفیل کی ہلاکی کا مقام ہے غضب الٰہی وہاں نازل ہوا تھا تو وہاں سے بھاگنا چاہیے اگر پیدل ہو تو خود شتابی کرے اور اگر سوار ہو تو مرکب کو تیز کرے یہی مسنون ہے طحطاوی نے کہا کہ مسافت وادی محسر کی ۵۴۵ ہاتھ ہے اور یہ جو شارح نے سرعت کی مقدار بیان کی سو تحدید نہیں بلکہ تقریب ہے

لے ترجمہ خداوند تو بہتر مطلوب ہے اور بہتر ان میں کا جن کی طرف رغبت ہوا کی ہر آنے والے کے لیے ایک صلہ اور ایک دعوت ہے سو اگر میرا انعام اور دعوت اس مقام میں یہ کر قبول کر تو میری دعا اور در گذر کر میری خطا سے اور جمع کر تو ہدایت پر میرے سب کاموں کو اور کر تو یقین کو دنیا سے میری ہمت الٰہی مجھ کو رحم کر اور پناہ دے مجھ کو آگ سے اور زیادہ کر مجھ پہ روزی حلال الٰہی مت کر اس ٹھہرنے کو اس جگہ میں آخر دورہ اور ٹھہرا ہمیشہ نصیب کر جب تک

ورمی جمرۃ العقبۃ من بطن الوادی دیکرہ من فوقہا سبعًا خذفا بحجتین ای برؤس الاصابع جب منی میں آوے تو جمرۃ العقبۃ کو نالے کے اندر سے سات کنکریاں انگلیوں کے سرے سے مارے اور نالے کے اوپر سے مارنا مکروہ تنزیہی ہے کہ خلاف سنت ہے م جمرہ مفرد ہے اور جمع اس کی جمار ہے اور جمار چھوٹی چھوٹی پتھریوں کو کہتے ہیں اور منیٰ میں جمار ان تین مکانوں کا نام ہے جن پر کنکریاں اور پتھریاں پھینکتے ہیں ایک کو جمرہ اولیٰ کہتے ہیں جو مسجد الخیف کے پاس ہے اور دوسرا جمرہ وسطیٰ اور تیسرا جمرۃ العقبہ اور خذف بخاء معجمہ و ذال منقوطہ ٹھیکرے وغیرہ کے پھینکنے کو کہتے ہیں کلمہ کی دونوں انگلیوں سے کذافی القاموس اور مغرب میں کہا کہ خذف یہ ہے کہ ابہام کے سرے کو سبابہ کے سرے پر رکھ کر مارے اور ولوالجی نے قول ثانی کی تصحیح کی ہے اس واسطے کہ اس طریق میں شیطان کی زیادہ تر اہانت ہے اور اس طرح پھینکنا اور مارنا سنت کا بیان ہے ورنہ جس طرح سے ماریگا جائز ہے کذافی المنح صحیح ابن خزیمہ میں عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ابراہیم خلیل اللہ مناسک کے ادا کرنے کو گئے تو شیطان سامنے آیا جمرۃ العقبۃ کے پاس حضرت خلیل نے اس کو سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ زمین کے اندر دھس گیا پھر جمرۃ ثانیہ کے پاس سامنے آیا پھر حضرت نے اس کو سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ وہ زمین میں گھس گیا جمرہ ثالثہ کے پاس سامنے آیا پھر حضرت نے اس کو سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ وہ زمین کے اندر دھس گیا ابن عباس نے کہا تم شیطان کو مارتے ہو اور اپنے باپ ابراہیم کے دین پر چلتے ہو کذافی الترغیب والترہیب لابن حجر ویکون بینہما خمسۃ اذرع اور مارنے والے اور جمرہ میں پانچ ہاتھ کا فاصلہ ہو کذافی الہدایہ اور بحرالرائق میں ظہیریہ سے منقول ہے کہ اتنا فاصلہ ہونا واجب ہے کذافی المنح ولو وقعت علی ظہر رجل او جمل ان وقعت بنفسہا بقرب الجمرۃ جاز والا لا وثلثۃ اذرع بعید وما دونہ قریب جو جمرہ اور اگر ایک شخص نے کنکری ماری اور کسی مرد یا اونٹ کی پیٹھ پر گری تو اگر وہ خود گر پڑے جمرہ کے نزدیک تو جائز ہے اور اگر اس کے قریب نہیں گری تو جائز نہیں یعنی اس کو حساب میں نہ لاوے دوسری مارے اور جمرہ سے تین ہاتھ پر گرنا بعید میں داخل ہے اور اس سے کم ترمیں گرنا قریب میں داخل ہے کذافی الجوہرۃ وکبر بکل حصاۃ ای مع کل منہا اور اللہ اکبر کہے ہر کنکری کے ساتھ اور اختیار شرح مختار میں ہے کہ مارنے کے وقت یوں کہے (بسم اللہ واللہ اکبر رغمًا للشیطان وحزبہ[1]) فتح القدیر میں ہے کہ حسن بن زیاد کی روایت ہے وقطع التلبیۃ باولہا لبیک کہنا موقوف کرے پہلی کنکری کے ساتھ اس واسطے کہ صحیحین کی حدیث میں ثابت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ لبیک کہتے رہے یہاں تک کہ جمرۃ العقبۃ کی رمی کی اور قطع تلبیہ میں مفرد اور متمتع اور قارن سب برابر ہیں فلو رمی باکثر منہا ای السبع جاز لا لو رمی بالاقل فالتقیید بالسبع لمنع النقصان لا الزیادۃ سو اگر سات کنکریوں سے زیادہ مارے تو جائز ہے اور اگر سات سے کم مارے گا تو جائز نہیں سات کی قید لگانا کمی کے منع کرنے کے واسطے ہے نہ زیادتی کے روکنے کو وجاز الرمی بکل ما کان من جنس الارض کالحجر والمدر والطین والمغرۃ وکل ما یجوز التیمم بہ ولو کفا من تراب فیقوم مقام حصاۃ واحدۃ اور جائز ہے مارنا ہر ایک اس چیز سے جو زمین کی جنس سے ہے جیسے پتھر اور ڈھیلا اور مٹی اور گیرو اور اسی طرح چونا اور ہڑتال اور نمک سنگ اور جس چیز سے کہ تیمم کرنا درست ہے اگرچہ مٹھی بھر خاک ہو کہ ایک کنکری کے قائم مقام ہے لا یجوز بخشب وعنبر ولؤلؤ کبار وجواہر لانہ اعزاز لا اہانۃ وقیل یجوز جائز نہیں مارنا حجرات کا لکڑی اور عنبر اور بڑے موتیوں اور جواہرات سے اس واسطے کہ موتی اور جواہرات سے مارنے میں عزت دینا ہے نہ ذلیل کرنا اور حالانکہ مارنے سے یہاں شیطان رجیم کی تذلیل مقصود ہے کذافی مناسک الطرابلسی اور قول ضعیف یہ ہے کہ جواہرات سے مارنا جائز ہے مناسک طرابلسی میں ہے کہ یاقوت سے مارنا جائز ہے کذافی المنح وذہب وفضۃ لانہ یسمی نثارا لا رمیا وبعر لانہ لیس من جنس الارض وما فی فروق الاشباہ من جوازہ بالبعر خلاف المذہب اور جائز نہیں مارنا سونے اور چاندی سے اس واسطے کہ سونے اور چاندی کے پھینکنے کو نثار کرنا کہتے ہیں نہ مارنا اور مینگنی سے مارنا بھی جائز نہیں اس واسطے کہ وہ زمین کی جنس سے نہیں اور اشباہ کے فروق کے فن میں جو مینگنی کے مارنے کا جواز مذکور ہے سو مذہب کے مخالف ہے کہ اگرچہ اس میں اہانت ہے لیکن جنس ارض سے نہیں دیکرہ اخذہا من عند الجمرۃ لانہا مردودۃ لحدیث من قبلت حجتہ رفعت جمرتہ اور مکروہ ہے کنکریاں لینا جمرات کے پاس سے اس واسطے کہ جو کنکریاں وہاں پڑی رہتی ہیں وہ مردود ہیں مقبول نہیں اس حدیث کی دلیل سے کہ جس کا حج مقبول ہوتا ہے اس کی کنکریاں اٹھوائی جاتی ہیں م یہ جو بعضے کتب اور

[1] شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے اور اللہ بہت بڑا ہے شیطان کے ذلیل کرنے کو اور اس کے گروہ کی ذلت کو مارتا ہوں ۱۲ ترجمہ

مناسک میں مذکور ہے کہ کنکریاں مزدلفہ سے لاوے یا اس پہاڑ سے لادے جو مزدلفہ اور منٰی کے درمیان ہے سو یہ سنت نہیں بلکہ جہاں سے چاہے اٹھائے مگر جمرات کے پاس سے نہ لے اس واسطے کہ سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ میں نے ابن عباسؓ سے سوال کیا کہ کیا سبب ہے اس کا کہ خلیل علیہ السلام کے وقت سے جمرات پر کنکریاں پھینکتے ہیں سو جمرات ایسے بڑے پہاڑ کیوں نہ ہو گئے جو آسمان کے کنارے کو بند کر لیتے تو ابن عباسؓ نے جواب میں کہا کہ تجھ کو معلوم نہیں کہ جس کا حج قبول ہوتا ہے اس کی کنکریاں مرفوع ہوتی ہیں اور جس کا حج مقبول نہیں ہوتا اس کی پڑی رہتی ہیں راوی نے کہا جب میں نے ابن عباسؓ سے سنا تو اپنی کنکریوں پر نشان بنایا اور جمرہ کی ہر طرف سے مارا پھر میں نے ان کو تلاش کیا تو ان کو نہ پایا کذا فی فتح القدیر وکرہ ان یلتقط حجرا واحداً فیکسرہ سبعین حجرا صغیراً او ان یرمی متنجسۃ بیقین اور یہ مکروہ ہے کہ ایک پتھر کو اٹھا دے پھر اس کو توڑ کر ستر چھوٹی پتھریاں بنا دے چنانچہ اکثر عوام کرتے ہیں اور جو کنکری بالیقین معلوم ہو کہ نجس ہے اس سے مارنا بھی مکروہ ہے م کنکری کی مقدار میں اختلاف ہے اور مختار یہ ہے کہ بقدر باقلا ہو اور اگر اس سے بڑی یا چھوٹی سے مارے تو بھی جائز ہے اور سب جمرات کی کنکریوں کا شمار ستر ہے سات جمرۃ العقبہ کے یوم النحر میں اور منا کے تین دنوں میں ہر دن تینوں جمرات کو سات سات کنکریاں مارتے ہیں تو سب ملا کر ستر ہوئیں اور بعضے علما نے کنکریوں کا دھونا مستحب کہا ہے تاکہ بالیقین طہارت معلوم ہو جائے کذا فی الاختیار ووقتہ من الفجر الی الفجر ویسن من طلوع ذکاء لزوالہا ویباح لغروبہا ویکرہ للفجر اور جمرۃ العقبہ کے رمی کا وقت دسویں تاریخ کی فجر سے ہے گیارھویں فجر تک اور مسنون وقت طلوع آفتاب سے ہے دوپہر ڈھلنے تک اور مباح وقت ہے زوال سے غروب تک اور مکروہ وقت ہے غروب سے فجر تک اور اسی طرح قبل طلوع آفتاب دسویں تاریخ بھی مکروہ ہے کذا فی الطحاوی ثم بعد الرمی ذبح ان شاء لانہ مفرد پھر رمی کے بعد ذبح کرے اگر چاہے اس واسطے کہ فقط حج کرنے والے اور مسافر پر ذبح کرنا واجب نہیں افضل ہے قارن اور متمتع پر البتہ واجب ہے ثم قصر بان یاخذ من کل شعرۃ قدر الانملۃ وجوباً وتقصیر الکل مندوب والربع واجب پھر سر کے بالوں کو کترے اس طرح پر کہ ہر بال سے انگلی کے پور کی برابر بنا بر وجوب کے اور اسی طرح کترنا سارے سر کے بالوں کا مستحب ہے اور چوتھائی سر کے بالوں کو کترنا واجب ہے ویجب اجراء الموسی علی راس الاقرع ان امکن والا سقط اور استرہ پھرنا اس کے سر پر واجب ہے جس کے سر پر بال نہ ہوں اگر ممکن ہو اور اگر سر پر زخم ہوں اور استرہ نہ پھیر سکے تو اس صورت میں استرہ پھیرنا ساقط ہے ومتی تعذر احدہما لعارض تعین الآخر فلو لبدہ بصمغ بحیث تعذر التقصیر تعین الحلق اور جب کہ کترانے یا منڈانے سے ایک متعذر ہو تو دوسرا متعین ہو جاتا ہے سو اگر بالوں کو گوند سے ایسا چپکایا کہ کترنا متعذر ہوا تو مونڈنا مقرر ہو گیا یعنی کترانے اور منڈانے میں اس وقت تک اختیار ہے جب تک دونوں ممکن ہوں اور جب ایک نہ ہو سکے گا تو دوسرے کا کرنا لازم اور متعین ہو جاوے گا کذا فی النہر م یہ عبارت بعضے نسخوں میں نہیں ہے وحلقہ الکل افضل اور منڈانا تمام سر کا افضل ہے اس واسطے کہ سنت ہے اور چوتھائی سر کا منڈانا واجب ہے اور کترانے سے منڈانا افضل ہے اس واسطے کہ صحیحین میں ثابت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار دعا کی کہ الٰہی سر منڈانے والوں پر رحم کر اور ہر بار اصحاب عرض کرتے تھے کہ کتروانے والوں کے واسطے بھی دعا کیجیے پھر چوتھی بار فرمایا کہ الٰہی کتروانے والوں پر رحم کر ولو ازالہ بنحو نورۃ جاز اور اگر بالوں کو چونہ لگا کر دور کرے یا اکھاڑ ڈالے تو جائز ہے م سر منڈانے کے وقت یہ دعا مستحب ہے الحمد للہ علی ما ہدانا وانعم علینا اللہم ہذہ ناصیتی بیدک فتقبل منی واغفرلی ذنوبی اللہم اکتب لی بکل شعرۃ حسنۃ وامح بہا عنی سیئۃ وارفع لی بہا درجۃ اللہم اغفرلی وللمحلقین والمقصرین یا واسع المغفرۃ امین[1] اور جب سر منڈانے سے فراغت ہو تو اللہ اکبر کہے اور یہ دعا کرے الحمد للہ الذی قضی عنا نسکنا اللہم زدنا ایماناً ویقیناً واغفرلنا ولوالدینا ولجمیع المسلمین اور مستحب ہے کہ بالوں کو دفن کر دے اور سر کا منڈانا اپنے داہنی طرف سے شروع کرے یہی مسنون ہے کذا فی

[1] سب تعریفیں ہیں اللہ کو اس بات پر کہ ہم کو ہدایت کیا اور ہم پر انعام کیا الٰہی یہ میری پیشانی ہے تیرے ہاتھ میں سو تو قبول کر مجھ سے اور بخش دے مجھ کو میرے گناہ الٰہی لکھ میرے لیے ہر بال کے عوض ایک نیکی اور دور کر اس کے بدلے مجھ سے ایک برائی اور بلند کر بسبب اس کے ایک درجہ میرا یا اللہ تو مغفرت کر میری اور سر منڈانے والوں اور کترانے والوں کی اے بہت بخشنے والے قبول کر اس دعا کو ۱۲ ؎ سب تعریفیں اللہ کو ہیں جس نے پورا کیا ہمارے حج کو زیادہ کر ہم کو ایمان اور یقین میں اور مغفرت کر ہماری اور ہمارے والدین اور سب مسلمانوں کی ۱۲

فتح القدیر وحل لہ کل شیٔ الا النساء وقیل والطیب والصید اور بعد کترانے یا منڈانے کے جو چیزیں کہ احرام باندھنے سے ممنوع ہو گئی تھیں سو حلال ہو گئیں مگر عورتیں ہنوز حلال نہیں اور قول ضعیف یہ ہے کہ خوشبو اور شکار بھی ابھی حلال نہیں م عدم حلت خوشبو خانیہ میں مذکور ہے صاحب بحر نے اس کو ضعیف کہا ہے اور ابوالیث فقیہ کے نزدیک شکار حلال نہیں صاحب نہر نے اس کی تضعیف کی ہے امام اعظم کا مذہب مشہور یہی ہے کہ رمی محلل نہیں بلکہ حلق محلل ہے طحاوی اور دارقطنی کی اس حدیث سے عن عائشۃؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رمیتم وحلقتم وذبحتم فقد حل لکم الا النساء یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم نے رمی اور حلق اور ذبح کیا تو ہر چیز تم کو حلال ہو گئی سوائے عورتوں کے اور امام شافعی کے نزدیک رمی محلل ہے بدلیل حدیث ابوداؤد وابن ماجہ کذا فی البرہان ثم طاف للزیارۃ یوما من ایام النحر الثلثۃ بیان لوقتہ الواجب پھر طواف الزیارۃ کرے ایام نحر کے تینوں دنوں میں جس دن چاہے ایام نحر میں طواف کرنا یہ طواف کے واجب وقت کا بیان ہے سبعۃ بیان للاکمل والا فالرکن اربعۃ طواف کرے سات شوط یہ طریق اکمل کا بیان ہے ورنہ طواف میں رکن تو چار ہی شوط ہیں م طواف الزیارۃ کو طواف النحر اور طواف الرکن اور طواف الافاضہ بھی کہتے ہیں بلا رمل ولا سعی ان کان سعی قبل ہذا الطواف والا فعلہما لان تکرارہما لم یشرع طواف الزیارۃ کرے بدون رمل اور بلا سعی کے اگر اس طواف سے پہلے سعی کر چکا ہو اور اگر نہ کر چکا ہو تو اب دونوں کو کرے اس واسطے کہ رمل اور سعی کو مکرر کرنا مشروع نہیں وطواف الزیارۃ اول وقتہ بعد طلوع الفجر یوم النحر وہو فیہ ای الطواف فی یوم النحر الاول افضل وتمید وقتہ الی آخر العمر اور طواف الزیارۃ کا شروع وقت بعد طلوع فجر کے ہے قربانی کے دن اور طواف کرنا قربانی کے پہلے دن میں افضل ہے اس واسطے کہ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر کو طواف الافاضہ کیا پھر منا کو پلٹ گئے کذا فی البرہان اور طواف الزیارۃ کا وقت ممتد ہے آخر عمر تک یعنی تمام عمر میں جب طواف کرے گا فرض ادا ہو گا وحل لہ النساء بالحلق السابق حتی لو طاف قبل الحلق لم یحل لہ شیٔ فلو قلم ظفرہ مثلا کان جنایۃ لانہ لا یخرج من الاحرام الا بالحلق اور بعد طواف الزیارۃ کے اس پر عورتیں حلال ہوں گی بسبب حلق سابق کے نہ بسبب اس طواف کے یہاں تک کہ اگر طواف کرے قبل حلق کے تو کوئی چیز اس پر حلال نہ ہو گی اور اگر اپنا ناخن مثلاً کاٹے گا تو گناہ ثابت ہو گا اس واسطے کہ احرام سے محرم نہیں نکلتا بدون حلق کے م درحقیقت محلل حلق ہی ہے نہ طواف لیکن حلق کا عمل حلت نساء میں ظاہر نہیں ہوتا مگر بعد طواف کے جیسے طلاق رجعی کا عمل انقضائے مدت کے بعد ظاہر ہوتا ہے کذا فی المنح فان اخرہ عنہا ای ایام النحر ولیالیہا منہا کرہ تحریما ووجب دم لترک الواجب پھر اگر طواف الزیارۃ کو ایام نحر سے تاخیر کرے گا تو مکروہ تحریمی ہے اور ایام نحر کی راتیں بھی دنوں کے حکم میں داخل ہیں اور تاخیر سے ذبح کرنا واجب ہو گا بسبب ترک کرنے واجب کے وہذا عند الامکان فلو طہرت الحائض ان قدرت علی اربعۃ اشواط ولم تفعل لزم دم والا لا اور یہی تاخیر سے ذبح لازم ہونا اس وقت ہے جب کہ طواف کرنا ممکن ہو بلا عذر شرعی سو اگر عورت حائضہ پاک ہوئی یوم ثالث میں قریب غروب آفتاب کے سو اگر طواف الزیارۃ کے چار شوط پر قادر تھی اور اس نے نہ کیا تو اس پر ذبح کرنا لازم ہو گا اور اگر چار شوط کا زمانہ باقی نہیں بعد طہارت کے یا مطلقاً طاہر نہ ہوئی تو اس پر ذبح لازم نہیں بسبب عدم امکان کے ثم اتی منی فیبیت بہا للرمی پھر طواف الزیارۃ کے بعد منا میں آوے اور وہیں رات کو رہے رمی جمار کے واسطے یہی سنت ہے منا کے سوا اور کہیں رہنا ان دنوں میں مکروہ ہے کذا فی الطحاوی وبعد زوال ثانی النحر رمی الجمار الثلث یبدأ استنانا بما یلی مسجد الخیف اور یوم النحر کے دوسرے دن یعنی گیارھویں تاریخ دوپہر ڈھلنے کے بعد تینوں جمار کی رمی کرے شروع اس جمرہ سے کرے جو مسجد الخیف کے پاس ہے یہی مسنون ہے اور اس کو جمرہ اولیٰ کہتے ہیں خیف بفتح اول وسکون ثانی اونچے مکان کو کہتے ہیں چونکہ وہ مسجد اونچے مکان پہ ہے لہذا اس کو مسجد الخیف کہتے ہیں ثم بما یلیہ الوسطی پھر اس جمرہ کو رمی کرے جو جمرہ اولیٰ کے قریب ہے جس کو جمرۃ الوسطی کہتے ہیں جمرۃ الاولی اور جمرۃ الوسطی میں ۳۵۰ ہاتھ کا فرق ہے کذا فی الطحاوی ثم بالعقبۃ سبعا سبعا ویکبر لکل حصاۃ پھر جمرۃ العقبۃ کو رمی کرے تینوں جمار کو سات سات کنکریاں مارے اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہے جمرۃ العقبہ میں اور ان دونوں کے درمیان میں ۴۸ ہاتھ کا فاصلہ ہے اور جو شخص بیمار یا بے ہوش ہو اور رمی نہ کر سکے تو اس کی طرف سے دوسرا آدمی رمی کرے کذا فی الطحاوی اور رمی جمار میں یہ ترتیب مسنون ہے واجب نہیں کذا فی النہر ووقف حامدا مصلیا مکبرا مصلیا قدر قراءۃ البقرۃ بعد تمام کل رمی بعدہ رمی فلا یقف بعد الثالث لا بعد رمی یوم النحر لانہ لیس بعدہ رمی اور

ٹھہرا رہے تحمید اور تہلیل اور تکبیر کہتے ہوئے اور درود پڑھتے ہوئے بقدر پڑھنے سورہ بقر کے اور قہستانی میں مضمرات سے مروی ہے کہ بقدر ۲۰ آیت پڑھنے کے توقف کرے اور یہی زیادہ تر آسان ہے کذافی الطحطاوی توقف کرنا اس رمی کے بعد چاہیے جس کے بعد دوسری رمی ہو یعنی جمرۃ الاولی اور جمرۃ الوسطی کے بعد تو تیسرے جمرے کے بعد یعنی جمرۃ العقبہ کے ٹھہرنا نہ چاہیے تینوں دنوں میں اس واسطے کہ اس کے بعد رمی نہیں اور نہ یوم النحر کے رمی کے بعد ٹھہرنا چاہیے اس لیے کہ اس کے بعد بھی رمی نہیں شارح نے توقف میں تمامی رمی کی قید لگائی یعنی سات کنکریوں کے مارنے کے بعد ٹھہرے نہ ہر دن اس کے ودعا لنفسہ وغیرہ رافعا کفیہ نحو السماء او القبلۃ اور دعا کرے اپنے واسطے اور غیروں کے واسطے دونوں ہتھیلیاں آسمان کی طرف اٹھا کر چنانچہ بعد نماز کے معمول ہے یہ قول ہے ابویوسف کا یا دعا کے وقت کعبہ معظمہ کی طرف ہتھیلیاں کرے اور یہی ظاہر الروایت ہے کذافی النہر ثم رمی غدا کذلک ثم بعدہ کذلک ان مکث وہو احب پھر جمرات ثلثہ کی رمی کرے اسی طرح بارھویں کو پھر تیرھویں تاریخ کو بھی اسی طرح سے رمی کرے اگر وہاں رہے اور تیرھویں تاریخ کا رہنا منا میں مستحب ہے وان قدم الرمی فیہ ای فی الیوم الرابع علی الزوال جاز فان وقت الرمی فیہ من الفجر الی الغروب واما فی الثانی والثالث فمن الزوال الی طلوع ذکاء اور اگر یوم النحر کے چوتھے دن یعنی تیرھویں تاریخ رمی کو دوپہر ڈھلنے سے مقدم کرے تو جائز ہے کراہت کے ساتھ امام اعظمؒ کے نزدیک اس واسطے کہ اس دن میں رمی کا وقت فجر سے ہے غروب تک اور دوسرے اور تیسرے دن یعنی گیارھویں اور بارھویں کو رمی کا وقت زوال آفتاب سے ہے آفتاب کے طلوع ہونے تک لیکن زوال سے غروب تک مسنون ہے اور باقی مکروہ کذافی الطحطاوی ولہ النفر من منی قبل طلوع فجر الرابع لا بعدہ لدخول وقت الرمی اور جائز ہے کوچ کرنا منا سے قبل طلوع ہونے تیرھویں تاریخ کی فجر کے نہ بعد طلوع ہونے فجر کے اس واسطے کہ رمی کا وقت آگیا تو بعد فجر کے بدون رمی کے کوچ کرنا جائز نہیں وجاز الرمی راکبا ولکنہ فی الاولیین الاولی والوسطی ماشیا افضل لانہ یقف لا فی الاخیرۃ ای العقبۃ لانہ ینصرف والراکب اقدر علیہ واطلق افضلیۃ المشی فی الظہیریۃ ورجحہ الکمال وغیرہ اور کل رمی سوار ہو کر درست ہے لیکن جمرۃ الاولی اور جمرۃ الوسطی میں پیدل افضل ہے اس واسطے کہ دونوں کے بعد ٹھہرنا ہوتا ہے تو اگر وہاں سوار ہوگا تو اور ٹھہرنے والوں کو تکلیف ہوگی نہ جمرہ اخیرہ میں یعنی جمرۃ العقبہ میں سوار ہو کر رمی کرنا افضل ہے اس واسطے کہ انسان اس کے پاس نہیں ٹھہرتا بلکہ اس کی رمی کرنے کے بعد پھرتا ہے اور سوار پھرنے پر زیادہ تر قادر ہے اور یہ تفصیل ابویوسفؒ سے منقول ہے اور ظہیریہ میں افضلیت پیدل ہونے کی مطلقا بیان کی ہے یعنی تینوں مقام میں پیدل رمی کرنا افضل ہے اور کمال الدین وغیرہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اس دلیل سے کہ پیدل رمی کرنا تواضع اور خشوع سے قریب تر ہے علی الخصوص اس زمانہ میں کہ اکثر مسلمان پیدل ہوتے ہیں جمار ثلثہ کے رمی میں تو سوار ہونے میں ان کو تکلیف رسانی ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سوار ہو کر رمی کی تھی تو تعلیم کے واسطے تھی تاکہ لوگ رمی کرنے کا طریقہ سیکھیں اور اقتدا کریں چنانچہ حضرت کا طواف کرنا تھا سوار ہو کر کذافی النہر ولو قدم ثقلہ بالتحتین متاعہ وخدمہ الی مکۃ واقام بمنی اوذہب بعرفۃ کرہ ان لم یامن لا ان امن وکذا یکرہ للمصلی جعل نحو ثقلہ خلفہ لشغل قلبہ اور اگر اپنے اسباب اور خادموں کو مکہ کی طرف آگے روانہ کیا اور خود منا میں رہا یا مکہ میں اسباب چھوڑ کر عرفات کو گیا تو مکروہ ہے اگر اطمینان نہ ہو اسباب کی حفاظت پر اور اگر اسباب محفوظ رکھا ہو کچھ تردد نہ ہو تو منا سے مکہ میں اسباب کا روانہ کرنا یا عرفات کو آتے مکہ میں چھوڑ آنا مکروہ نہیں اور اسی طرح نماز پڑھنے والے کو اپنے اسباب کو پیچھے رکھنا مکروہ ہے بسبب تعلق خاطر کے کذافی النہر عن الجوہرۃ یعنی عبادت میں تسکین خاطر چاہیے ایسا کام نہ کرے جس میں دل کو کھٹکا رہے کہ اس میں عبادت کا لطف نہیں رہتا واذا نفر الی مکۃ نزل استنانا ولو ساعۃ بالمحصب بضم ففتحتین الابطح ولیست المقبرۃ منہ جب جائے منا سے مکہ کی طرف چلے تو یہ مسنون ہے کہ اول محصب میں اترے اگرچہ ایک ہی ساعت وہاں ٹھہرے محصب بضم اول وفتح ثانی وثالث وتشدید اس مکان کا نام ہے جو مکہ اور منا کے درمیان میں ہے اس میں پتھریاں کثرت سے ہیں اس کو ابطح وبطحا اور حصا بھی کہتے ہیں اور مکہ کا قبرستان جس کا حجون نام ہے محصب میں داخل نہیں م محصب میں اترنا سنت ہے ادنی رتبہ یہ ہے کہ ساعت بھر ٹھہرے اور اعلی رتبہ یہ ہے کہ ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء وہیں پڑھے اور ایک نیند لے کر مکہ معظمہ میں آوے کذافی الفتح والنہر صحیح بخاری میں انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء پڑھی اور محصب میں ایک نیند لی

پھر سوار ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا امام شافعیؒ نے کہا کہ نزول محصب کا اتفاقی تھا سنت موکدہ نہیں اور امام اعظمؒ کے نزدیک سنت موکدہ ہے اس واسطے کہ نزول قصدی تھا نہ اتفاقی اس لیے کہ صحیح بخاری اور مسلم میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب ہم منا میں تھے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کل ہم بنی کنانہ کی خیف میں اتریں گے یعنی محصب میں کذا فی البرہان ثم اذا اراد السفر طاف للصدر ای للوداع سبعۃ اشواط بلا رمل وسعی وھو واجب الا علی اہل مکۃ ومن فی حکمہ فلا یجب بل یندب کمن مکث بعدہ پھر جب مکہ معظمہ سے سفر کا ارادہ کرے تو طواف الصدر یعنی طواف الوداع یعنی پھرنے اور رخصت ہونے کا طواف کرے سات شوط بدون رمل اور بدون سعی کے اور یہ طواف الوداع واجب ہے مگر اہل مکہ پر اور جو اہل مکہ کے برابر ہیں حکم میں یعنی مواقیت کے اندر والے لوگ سو ان پر طواف الوداع واجب نہیں بلکہ مستحب ہے چنانچہ اس مسافر آفاقی پر مستحب ہے جو حج کے بعد وہاں رہے گا م امام مالک کے نزدیک طواف الوداع سنت ہے مثل طواف القدوم کے اور ہماری دلیل صحیحین کی حدیث ہے ابن عباس نے کہا کہ لوگوں کو حکم ہوا کہ اپنے آخر حال میں بیت اللہ کا طواف کریں اور مسلم میں یوں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی کوچ نہ کرے بدون طواف کے کذا فی البرہان ثم النیۃ للطواف شرط فلو طاف ہاربا او طالبا لم یجز پھر دریافت کرنا چاہیے کہ طواف کے واسطے نیت شرط ہے سو اگر کوئی شخص بدون نیت طواف کے بیت اللہ کے گرد گھومے کسی شخص سے بھاگ کر یا کسی کے پکڑنے کو تو جائز نہ ہوگا لکن یکفی اصلہا فلو طاف بعد ارادۃ السفر ونوی التطوع اجزاہ عن الصدر کما لو طاف بنیۃ التطوع فی ایام النحر وقع عن الفرض یعنی طواف میں اصل نیت کفایت کرتی ہے یعنی طواف کی نیت میں وصف فرضیت اور وجوب معتبر نہیں سو اگر ایک شخص نے طواف کیا بعد ارادہ سفر کے اور نیت کی نفل طواف کی تو طواف الوداع ادا ہو جائے گا چنانچہ اگر طواف کیا نفل کی نیت سے ایام النحر میں تو طواف فرض ادا ہو جاوے گا یعنی طواف الزیارۃ ثم بعد رکعتیہ شرب من ماء زمزم پھر طواف الوداع کے دوگانہ نماز کے بعد زمزم کا پانی پیے دارقطنی نے حدیث مرفوع روایت کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمزم کا پانی جس نیت سے پیے حاصل ہو اگر تو نے شفا کی نیت سے پیا تو اللہ تجھ کو شفا دے گا اور اگر تو نے آسودگی کے واسطے پیا تو اللہ تجھ کو آسودہ کرے گا اور اگر قطع تشنگی کے واسطے پیا تو حق تعالیٰ تسکین دے گا اور یہ زمزم جبرئیل علیہ السلام کا نکالا ہوا ہے اسمٰعیل علیہ السلام کے پینے کے واسطے کذا فی البرہان اور طریقہ زمزم کے پانی پینے کا بحر الرائق میں یوں ہے کہ زمزم کے پاس آوے اور خود پانی نکالے اور رو بقبلہ کھڑے ہو کر خوب پیٹ بھر تین بار میں پیے اور ہر بار آنکھ اٹھا کر بیت اللہ کی طرف دیکھتا جاوے اور منہ اور سر اور بدن کو اس کا پانی چپڑے اور اگر ممکن ہو تو ایک ڈول اپنے اوپر ڈالے عمق زمزم کا ۶۹ ہاتھ ہے اور اوپر کا عرض چار ہاتھ ہے کذا فی حاشیۃ الطحطاوی اور حاکم نے مستدرک میں روایت کی کہ عبد اللہ بن عباس زمزم کا پانی پی کر یہ دعا کرتے تھے (اللہم[١] انی اسألک علما نافعا ورزقا واسعا وشفاء من کل داء) کذا فی فتح القدیر وقبل العتبۃ تعظیما للکعبۃ ووضع صدرہ ووجہہ علی الملتزم والتشبث بالاستار ساعۃ کالمستشفع بہا اور بیت اللہ کے آستانہ فیض آشیانہ کو چومے کعبہ مقدسہ کی تعظیم کے واسطے اور اپنا سینہ اور منہ ملتزم پر رکھے اور بیت اللہ کے غلاف کو ایک ساعت پکڑے رہے بطور درخواست کنندہ شفاعت کے کعبہ معظمہ سے اس واسطے کہ جو کسی انسان کی طرف ملتجی ہوتا ہے تو اس کا کپڑا پکڑتا ہے ملتزم اس مکان کا نام ہے جو حجر اسود اور دروازہ بیت اللہ کے درمیان ہے چار ہاتھ اس کی مسافت ہے جب ملتزم کو لپٹے تو داہنا ہاتھ آستانہ کعبہ پر رکھ کر یہ کہے (السائل[٢] ببابک یسألک من فضلک ومغفرتک ویرجو رحمتک) اور ایک ساعت لپٹا رہے روتا ہوا کذا فی حاشیۃ الطحطاوی ولو لم ینلہا یضع یدیہ علی رأسہ مبسوطتین علی الجدار قائمتین والتصق بالجدار ودعا مجتہدا ویبکی او یتباکی اور اگر غلاف کعبہ کو نہ پاوے تو دونوں ہاتھ اپنے سر پر کھڑے کر کے دیوار پر لگادے اور اپنے بدن کو دیوار کعبہ سے چمٹا دے اور خوب کوشش کر کے دعا کرے اور روے یا رونے کی صورت بنادے م کافی میں ہے کہ اپنا رخسار دیوار سے لگادے اور فتاوی قاضی خان میں ہے کہ تکبیر اور تہلیل اور تحمید کرے اور درود پڑھے اور دعا کرے اور محیط میں ہے کہ حجر اسود کا استلام کرے اور اللہ اکبر کہے کذا فی العالمگیریہ ویرجع القہقری ای الی خلف حتی یخرج من المسجد وبصرہ ملاحظ للبیت اور پھرے الٹے

---

[١] الٰہی میں سوال کرتا ہوں تجھ سے علم مفید اور رزق فراخ اور شفا ہر مرض سے ١٢ [٢] سائل تیرے دروازہ پر تجھ سے سوال کرتا ہے تیرے فضل اور مغفرت کو اور توقع کرتا ہے تیری رحمت کو ١٢

پاؤں رونا فراق بیت اللہ پر افسوس کرتا بیت اللہ کو دیکھتا ہوا یہاں تک کہ مسجد الحرام سے باہر نکلے م رخصت کے وقت یہ دعا کرنا مستحب ہے (اللہم ہذا بیتک الذی جعلتہ مبارکا وہدی للعلمین فیہ آیات بینات مقام ابراہیم ومن دخلہ کان آمنا الحمد للہ الذی ہدانا لہذا وما کنا لنہتدی لولا ان ہدانا اللہ اللہم فکما ہدیتنا لذلک فتقبلہ منا ولا تجعلہ آخر العہد من بیتک الحرام وارزقنی العود الیہ حتی ترضی برحمتک یا ارحم الراحمین) کذا فی الاختیار شرح المختار **ویسقط طواف القدوم عمن وقف بعرفۃ ساعۃ** عرفیۃ وہو الیسیر من الزمن وہو المحمل عند اطلاق الفقہاء **قبل دخول مکۃ ولا شئ علیہ بترکہ** اور ساقط ہے طواف القدوم اس شخص سے جس نے عرفات میں وقوف کیا ایک ساعت قبل آنے مکہ کے اور کوئی چیز اس پر لازم نہیں طواف القدوم کے ترک کرنے سے ساعت سے مراد عرفی ساعت ہے یعنی اندک زمانہ اور یہی ساعت عرفی مراد ہوتی ہے فقہا کے کلام میں نہ ساعت نجومی **ومن وقف بعرفۃ ساعۃ من زوال یومہا** ای عرفۃ **الی طلوع فجر یوم النحر او اجتاز مسرعا او نائما او مغمی علیہ وکذا لو اہل عنہ رفیقہ وکذا غیر رفیقہ فتح** بہ ای بالحج مع احرامہ عن نفسہ فاذا انتبہ او افاق وادی بافعال الحج جاز اور جو ٹھہرا عرفات میں یوم عرفہ کی دوپہر ڈھلنے سے یوم النحر کے طلوع فجر تک یا وہاں ہو کر نکل گیا جلد یا سونے کی حالت میں یا بے ہوشی کے حال میں اور اسی طرح اگر بے ہوش کی طرف سے اس کے رفیق یا غیر رفیق نے کذا فی الفتح حج کا نام لے کر لبیک کو بلند کر کے کہا بشرط اس کے احرام باندھ چکنے کے یعنی ایک شخص نے اپنا احرام باندھا پھر بدون لبیک کہنے کے وہ بے ہوش ہو گیا اور کسی شخص نے اس کی طرف سے لبیک کہا حج کا نام لے کر پھر جب سونے والا جاگا یا بے ہوش ہوش میں آیا اور اس نے حج کے افعال ادا کیے تو اس کا حج جائز ہو گیا اس واسطے کہ ظاہر ہو گیا کہ اس کی عاجزی فقط احرام میں تھی تو نیابت صحیح ہو گی اور صاحبین کے نزدیک بدون اس کے امر کے نیابت صحیح نہیں کذا فی الطحطاوی ولو بقی الاغماء بعد احرامہ طیف بہ المناسک وان احرموا عنہ اکتفی بمباشرتہم اور اگر بیہوشی باقی رہی ایام حج کے آخر تک تو اگر بعد احرام باندھنے کے بیہوشی ہوئی تو اس کو کھڑا کرنا چاہیے مکانات حج میں یعنی عرفات اور مزدلفہ اور منی اور مکہ میں اس واسطے کہ وہ نیت حج کی کر چکا ہے تو تمام افعال حج کا وہی فاعل ٹھہرے گا اور اگر احرام کے وقت بیہوش تھا اور اس کے رفیقوں نے اس کی طرف سے احرام کی نیت کی تو رفیقوں کی مباشرت افعال حج کافی ہے بیہوش کا مناسک حج میں لے جانا ضرور نہیں ولم ار مالو جن فاحرموا عنہ وطافوا بہ المناسک وکلام الفتح یفید الجواز شارح کہتا ہے میں نے نہیں دیکھا کسی کتاب فقہ میں حکم اس شخص کا جو قبل احرام باندھنے کے مجنون ہو گیا پھر رفیقوں نے اس طرف سے احرام باندھا اور اس کو مناسک حج میں گھمایا اور کلام فتح القدیر اس کا مفید ہے کہ اس طرح کا حج بھی جائز ہو اس واسطے کہ بیہوش اور مجنون قصد حج اور زوال عقل میں برابر ہیں م شارح نے صریحاً نہ کہا کہ یہ حج جائز ہے اس واسطے کہ فتح القدیر میں مسئلہ بیہوش کا مذکور ہے نہ مجنون کا **او جہل انہا عرفۃ صح حجہ** لان الشرط الکینونۃ لا النیۃ یا ایک شخص عرفات میں ٹھہرا اور یہ نہ جانا کہ عرفات یہی ہے تو حج اس کا صحیح ہے اس واسطے کہ وقوف عرفات کی شرط ہے وہاں کا ہونا نیت وقوف کی کرنا شرط نہیں سو وہاں کا ہونا چلنے والے اور سونے والے اور بیہوش اور جاہل پر صادق ہے **ومن لم یقف فیہا فات حجہ** لحدیث الحج عرفۃ اور جو شخص عرفات میں نہ ٹھہرا کسی طرح اس کا حج فوت ہوا اس حدیث کی دلیل سے کہ حج عرفات کے وقوف کا نام ہے م (قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحج عرفۃ فمن وقف بعرفۃ ساعۃ من لیل او نہار فقد تم حجہ) یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حج عرفات ہے جو شخص کہ عرفات میں ایک ساعت ٹھہرا رات کو یا دن کو تو اس کا حج پورا ہوا اس حدیث کو ابو داؤد وغیرہ نے روایت بالمعنی کہا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے کذا فی العینی شرح الکنز **فطاف وسعی وتحلل** ای بافعال العمرۃ **وقضی ولو حجہ نذرا او تطوعا من قابل ولا دم علیہ** اس کا حج بعد احرام کے فوت ہوا وہ طواف اور سعی کرے اور احرام توڑے یعنی عمرہ کے افعال کرے اور اپنے حج کو سال آئندہ میں قضا کرے اگرچہ نذر کا حج ہو یا نفل کا

ل۵ الٰہی یہ تیرا وہ گھر ہے جس کو تو نے برکت والا اور لوگوں کے لیے ہدایت بنایا اس میں نشانیاں ظاہر ہیں مقام ابراہیم ہے اور جو اس گھر میں داخل ہوا وہ بے خوف ہوتا ہے سب تعریفیں اللہ کو ہیں جس نے ہم کو ہدایت کیا اس کے لیے ہم راہ نہ پاتے اگر اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت نہ کرتا الٰہی تو جیسا تو نے ہم کو اس کے لیے راہ بتایا ویسا ہی اس کو ہم سے قبول کر اور مت کر ہمارے اس طواف کو آخر دور اس سے مت کر ہم کو پھر نا طرف اس گھر کے یہاں تک کہ راضی ہو تو اپنی رحمت سے اے ارحم الراحمین ۱۲

اور اس فوت ہونے سے اس پر ذبح کرنا واجب نہیں **والمرأۃ فیما مر کالرجل لعموم الخطاب مالم یقم دلیل الخصوص** اور عورت مرد کے مانند ہے احکام حج میں جو مذکور ہو چکے بسبب عموم خطاب کے یعنی عورت اور مرد کو بسبب مکلف ہونے کے حکم شرع برابر ہے جب تک کہ دلیل خصوصیت کی نہ ثابت ہو چنانچہ جہاد اور جمعہ میں عورتیں مردوں کے شامل نہیں **لکنہا تکشف وجہہا لا رأسہا ولو سدلت شیئا علیہ وجافتہ عنہ جاز بل یندب** لیکن عورت بعد احرام کے اپنا چہرہ کھولے رہے اس واسطے کہ عورت کا احرام اس کے چہرہ میں ہے نہ اس کے سر میں تو سر کو نہ کھولے اور اگر چہرہ کے اوپر کوئی چیز ڈالے اور چہرہ سے اس کو جدا رکھے تو جائز ہے بلکہ مستحب ہے کذا فی فتح القدیر اس واسطے کہ کشف وجہ سے مراد یہ ہے کہ کوئی چیز چہرہ سے نہ لگی رہے ولہذا برقع ڈالنا مکروہ ہے کہ وہ چہرہ کو لگا رہتا ہے معمول ہے کہ ایک چیز مانند قبہ لکڑیوں سے بناتے ہیں عورت اس کو اپنے چہرہ پر رکھتی ہے اور کپڑا اس پر ڈال لیتی ہے تو چہرہ بھی نظر نہیں آتا اور کپڑا بھی چہرہ کو نہیں لگتا کذا فی النہر سنن ابوداؤد اور ابن ماجہ میں عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ شتر سوار ہمارے سامنے گذرتے تھے اور ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محرم تھے جب سوار ہمارے برابر آتے تھے تو ہم چادر اپنے چہرے پر سر پر سے ڈال لیتے تھے پھر جب وہ ہم سے آگے نکل جاتے تھے تو ہم چہرہ کھول دیتے تھے کذا فی البرہان **ولا تلبی جہرا بل تسمع نفسہا دفعا للفتنۃ وما قیل ان صوتہا عورۃ ضعیف** اور عورت پکار کے لبیک نہ کہے دفع فساد کے واسطے بلکہ اس طرح کہے کہ آپ سنے اور جو بعضوں نے کہا ہے کہ عورت کی آواز عورت ہے یعنی چھپانے کی چیز ہے سو قول ضعیف ہے **ولا ترمل ولا تضطبع ولا تسعی بین المیلین ولا تحلق بل تقصر من ربع شعرہا کما مر** اور عورت طواف میں رمل نہ کرے اور چادر سے داہنا ہاتھ باہر نہ نکالے جیسا مرد نکالتا ہے اور دونوں میناروں کے درمیان جھپٹ کر نہ چلے اور سر نہ منڈاوے اس واسطے کہ عورت کو سر منڈانا ایسا ہے جیسا مرد کو داڑھی منڈانا بلکہ چوتھائی سر کے بال پور کی برابر کترا دے چنانچہ اس کا ذکر مفصل ہو چکا **وتلبس المخیط والخفین والحلی** اور سیا کپڑا اور موزے اور زیور پہنے بشرطیکہ کپڑا ورس اور زعفران سے رنگین نہ ہو اور ریشمی کپڑا بھی عورت کو احرام میں پہننا درست ہے کذا فی الطحطاوی **ولا تقرب الحجر فی الزحام لمنعہا من مماسۃ الرجال** اور حجر اسود کے قریب نہ جاوے ہجوم کے وقت اس واسطے کہ عورت کو مردوں سے بدن ملانا ممنوع ہے **والخنثی المشکل کالمرأۃ فیما ذکر احتیاطا** اور خنثی مشکل عورت کے مانند ہے جمیع امور مذکورہ میں بنابر احتیاط کے **وحیضہا لا یمنع نسکا الا الطواف** اور عورت کا حیض حج کی کسی عبادت کا مانع نہیں سوائے طواف کے اس واسطے کہ طواف مسجد الحرام میں ہوتا ہے اور حائضہ کو مسجد میں جانا جائز نہیں **ولا شیٔ علیہا بتاخیرہ اذا لم تطہر الا بعد ایام النحر فلو طہرت فیہا بقدر اکثر الطواف لزمہا الدم بتاخیرہ لباب** اور عورت پر کوئی چیز لازم نہیں نہ صدقہ نہ ذبح کرنا طواف کی تاخیر سے جب کہ وہ حیض سے پاک ہوئی مگر ایام نحر کے بعد سو اگر وہ ایام نحر میں بقدر اکثر طواف کے پاک ہوئی اور طواف کیا تو اب ذبح کرنا اس پر لازم ہوگا بسبب تاخیر طواف کے کذا فی لباب المناسک **وہو بعد حصول رکنیہ یسقط طواف الصدر ومثلہ النفاس** اور حیض دو رکن کے بعد یعنی وقوف عرفات اور طواف الزیارۃ کے بعد طواف الوداع کو ساقط کر دیتا ہے اس واسطے کہ واجبات عذر سے ساقط ہو جاتے ہیں کذا فی الطحطاوی اور نفاس حیض کے مانند ہے جمیع احکام مذکورہ میں **والبدن جمع بدنۃ من الابل والبقر** اور بدنہ لغت شرع میں اونٹ کو بھی کہتے ہیں اور گائے کو بھی کہتے ہیں تو جس پر شرع میں بدنہ واجب ہو اور وہ گائے ذبح کرے تو واجب ادا ہو جاوے گا اور امام شافعیؒ گائے کو بدنہ نہیں کہتے **والہدی منہا ومن الغنم کما یجیء** اور ہدی اونٹ اور گائے کی ہوتی ہے اور بھیڑ بکری کی بھی ہوتی ہے چنانچہ اس کا ذکر آگے آوے گا اور ہدی وہ جانور ہے جو مکہ معظمہ میں جا کر ذبح ہو

باب القران

یہ باب ہے قران کے احکام میں قران کے معنی لغوی اور شرعی عنقریب مذکور ہوں گے **ہو افضل لحدیث اتانی آت من ربی وانا بالعقیق فقال یا آل محمد اہلوا بحجۃ وعمرۃ معا ولانہ اشق** امام اور صاحبین کے نزدیک قران افضل ہے تمتع اور افراد اور عمرہ سے اس حدیث کی دلیل سے کہ میرے پاس ایک آنے والا میرے رب کے پاس سے آیا اور میں عقیق میں تھا سو اس نے کہا کہ لے آل محمد حج اور عمرہ کا ساتھ ہی احرام باندھو اور اس واسطے کہ قران زیادہ مشقت والا ہے تمتع وغیرہ سے م لفظ وانا بالعقیق اور معا حدیث میں داخل نہیں طحطاوی نے ام سلمہؓ

سے یوں روایت کی (سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اہلوا یا آل محمد بعمرۃ فی حجۃ) یعنی میں نے سنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے اے آل محمدؐ احرام باندھو عمرہ کا حج میں ملا کر یعنی دونوں کا ایک ساتھ احرام کرو اور صحیح بخاری میں عمر فاروقؓ سے یوں روایت ہے (سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول وہو بالعقیق اتانی اللیلۃ آت من ربی فقال صل فی ہذا الوادی المبارک وقل عمرۃ فی حجۃ[1]) اور صحیحین میں انسؓ سے روایت ہے (سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یلبی بالحج والعمرۃ یقول لبیک حجۃ وعمرۃ[2]) کذا فی البرہان عقیق ایک جگہ کا نام ہے مدینہ کے پاس والصواب انہ علیہ الصلوۃ والسلام احرم بالحج ثم ادخل علیہ العمرۃ لبیان الجواز فصار قارنا اور قول فیصل یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اول احرام حج کا کیا پھر عمرہ کو حج میں داخل کر لیا واسطے بیان جواز کے تو آپ قارن ہو گئے ایام کفار عرب عمرہ کرنے کو موسم حج میں بڑا گناہ جانتے تھے لہذا نبی علیہ السلام مامور ہوئے کہ حج کے ساتھ عمرہ بھی ملا دیں تاکہ ان کا گمان غلط ہو جاوے مجد الدین فیروز آبادی نے اس مقام کو سفر السعادت میں خوب تحقیق بیان کیا ہے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام میں اختلاف ہے بیشتر احادیث صحیحین میں کہ شمار میں ۲۰ سے زیادہ ہیں یوں مصرح ہے کہ احرام حج اور عمرے کا معًا تھا یعنی قران تھا اور اکثر احادیث میں یوں ہے کہ فقط حج کا احرام تھا اور بعضے احادیث میں تمتع بھی ثابت ہے تو ان احادیث مختلفہ کا طریق توفیق یہ ہے کہ اول فقط حج کا احرام باندھا تھا بعد اس کے عمرے کو بھی اس میں داخل کر لیا تو قران ہو گیا اور تمتع سے تمتع اصطلاحی مراد نہیں بلکہ تمتع لغوی مراد ہے یعنی فائدہ لینا اس واسطے کہ قران کی انتفاع میں شک نہیں کہ ایک احرام میں دو عبادتیں ادا ہو گئیں حج بھی اور عمرہ بھی اور اصحاب رضی اللہ عنہم تین قسم تھے بعضے قارن تھے اور بعضوں نے فقط احرام حج کا کیا تھا لیکن ان کے ساتھ ہدی تھی تو یہ دونوں قسم کے لوگ اپنے احرام پر قائم رہے یوم النحر تک اور بعضوں نے فقط حج کا احرام باندھا تھا لیکن ان کے ساتھ ہدی نہ تھی ان کو حکم ہوا کہ حج کو عمرہ کر ڈالیں یعنی عمرہ کرکے احرام اتاریں پھر مکہ سے حج کے واسطے دوسرا احرام باندھیں فسخ کرنا حج کا عمرہ سے اسی کو کہتے ہیں ثم التمتع ثم الافراد پھر قران کے بعد تمتع افضل ہے پھر تنہا حج تنہا عمرے سے افضل ہے والقران لغۃ الجمع بین الشیئین وشرعا ان یہل ای یرفع صوتہ بالتلبیۃ بحجۃ وعمرۃ معا حقیقۃ او حکما بان یحرم بالعمرۃ اولا ثم بالحج قبل ان یطوف اربعۃ اشواط او عکسہ بان یدخل احرام العمرۃ علی الحج قبل ان یطوف للقدوم وان اساء ولغیرہ وان لزمہ دم اور قران لغت عرب میں دو چیز ملانے کو کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں قران یہ ہے کہ محرم لبیک پکار کے بلفظ حج اور عمرہ ساتھ ہی حقیقی معیت ہو اس طرح کہ دونوں کے احرام کا زمانہ ایک ہی ہو یعنی یوں کہے لبیک بحجۃ وعمرۃ یا حکمی معیت ہو اس طرح کہ اول عمرے کا احرام کرے بعد اس کے حج کا احرام کرے عمرے کے چار شوط طواف کرنے سے پہلے یا اس کے بالعکس کرے اس طرح کہ عمرے کا احرام حج کے احرام پر داخل کرے طواف القدوم کرنے سے پہلے اگرچہ اس نے برا کیا کہ حج کا احرام عمرہ پر مقدم کیا یا بعد طواف القدوم کے احرام عمرے کا حج پر داخل کیا اگرچہ اس صورت میں ذبح کرنا اس پر لازم ہو گا بسبب مخالفت سنت کے اور اگر عمرے کے چار شوط کے بعد حج کا احرام کرے گا تو تمتع ہو جاوے گا قران نہ باقی رہے گا کذا فی حاشیۃ الطحطاوی من المیقات اذ القارن لا یکون الا آفاقیا او قبلہ فی اشہر الحج او قبلہا حج اور عمرے کا معًا احرام کرے میقات سے اس واسطے کہ قارن نہیں ہوتا مگر آفاقی نہ مکی یا قبل میقات کے حج کے مہینوں میں دونوں کا احرام باندھے یا حج کے مہینوں سے پہلے احرام کرے اگرچہ احرام قبل اشہر حج کے مکروہ ہے ویقول اما بالنصب والمراد بالنیۃ او مستانف والمراد بیان السنۃ اذ النیۃ بقلبہ تکفی کالصلوۃ مجتبی لعقب الصلوۃ اللہم انی ارید الحج والعمرۃ فیسرہما لی وتقبلہما منی اور قران کرنے والا احرام کی نماز کے بعد یہ دعا کرے اللہم سے اخر تک یعنی خداوندا میں حج اور عمرے کا ارادہ کرتا ہوں سو ان کو مجھ پر آسان کر دے اور ان کو قبول کر میری طرف سے شارح کہتا ہے لفظ یقول ماتن کے کلام میں یا تو منصوب ہے یہل پر عطف ہو کر اس صورت میں تعریف قران کا تتمہ ہو گا اور قول سے نیت مراد ہو گی یا لفظ یقول کا مرفوع ہے اور جدا کلام ہے اور زبان سے قران کا اظہار کرنا اس سے مقصود بیان سنت ہے نہ فرض اس واسطے کہ نیت دل سے کرنا کافی ہے مانند نماز کے کذا فی المجتبی ویستحب تقدیم العمرۃ فی الذکر لتقدمہا فی الفعل ویتبعہ

[1] ہم نے سنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے جب آپ عقیق میں تھے میرے پاس آج رات ایک آنے والا میرے رب کی طرف سے آیا اور کہا کہ اس وادی مبارک میں نماز پڑھ اور کہہ کہ عمرہ ہے حج میں ملا ہوا ۱۲ [2] میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ لبیک کہتے تھے حج اور عمرہ کے لیے یعنی فرماتے تھے لبیک حجۃ وعمرۃ یعنی میں حاضر ہوں اور یہ حج اور عمرہ ہے ۱۲

عمرے کا اول کہنا ذکر میں بسبب مقدم ہونے عمرے کے فعل میں یعنی قران میں اول عمرہ ادا کرتے ہیں پھر حج تو اسی طرح مناسب ہے کہ ذکر میں بھی عمرے کو حج پر مقدم
کریں صاحب کنز اور صاحب مجمع نے بنظر استحباب عمرے کو حج پر مقدم ذکر کیا اور اکثر متنوں میں حج مقدم ہے وطاف للعمرة اولا وجوبا حتی لو نواه للحج لا یقع الالها
اور قران کرنے والا پہلے عمرے کا طواف کرے یہاں تک کہ اگر حج کی نیت سے طواف کرے گا تو وہ طواف فقط عمرے کا ہوگا اور اس کی نیت لغو ہو جاوے گی لیکن اس
نیت سے ذبح کرنا لازم نہ ہوگا اس واسطے کہ تقدیم اور تاخیر مناسک کی ذبح کو واجب نہیں کرتی کذا فی الطحطاوی سبعة اشواط یرمل فی الثلثة الاول ویسعی
بلا حلق عمرے کا طواف سات شوط کرے اور پہلے تین شوطوں میں رمل کرے اور صفا مروہ کے درمیان سعی کرے بدون سر منڈانے کے فلو حلق لم یحل من عمرته ولزمه
دمان سو اگر قارن نے بعد عمرے کے سر منڈایا تو اس کے عمرے کا احرام نہ ٹوٹے گا اس واسطے کہ قارن کے عمرے کا احرام یوم النحر کو ٹوٹتا ہے اور اس پر دو جانور ذبح کرنا
لازم ہوگا اس واسطے کہ دو احرام میں بسبب حلق کے بے ادبی ہوئی کذا فی النہر والطحطاوی ثم یحج کما مر فیطوف للقدوم ویسعی بعدہ ان شاء پھر حج کرے چنانچہ تفصیل حج
کی مذکور ہو چکی تو طواف القدوم کرے اور اس کے بعد سعی کرے اگر چاہے اور چاہے تو طواف الافاضة کے بعد سعی کرے اور یہی افضل ہے چنانچہ مذکور ہو چکا فان اتی
بطوافین متوالیین ثم سعیین لہما جاز واساء ولا دم علیہ سو عمرہ اور حج کے واسطے اگر دو طواف متصل کیے یعنی چودہ شوط بلا فاصلہ کیے پھر دو بار سعی کی یعنی ہر سعی
میں سات شوط کیے تو جائز ہے اور اس نے برا کیا کہ طواف القدوم کو عمرے کی سعی پر مقدم کیا لیکن اس پر اس تقدیم اور تاخیر سے ذبح کرنا واجب نہیں وذبح للقران
وہو دم شکر فیاکل منہ بعد رمی یوم النحر لوجوب الترتیب اور بعد رمی یوم النحر کے یعنی جمرة العقبہ کے رمی کے بعد بکری یا گائے کو ذبح کرے بسبب قران کرنے کے اور
یہ قربانی ادائے شکر کی ہے کہ ایک احرام میں دو عبادتیں ادا ہوئیں تو قارن اس قربانی سے کھاوے ماتن نے قربانی کو بعد رمی کے ذکر کیا اس واسطے کہ ذبح کرنا قبل
رمی کے جائز نہیں بسبب وجوب ترتیب کے م قرآن مجید میں ارشاد ہوا فمن تمتع بالعمرة الی الحج فما استیسر من الهدی فمن لم یجد فصیام ثلثة ایام فی الحج وسبعة اذا رجعتم تلک
عشرة کاملة یعنی جو فائدہ لے عمرے سے حج تک سو جو ہدی میسر آوے یعنی ذبح کرے اور جو نہ پاوے تو تین روزے رکھے حج میں اور سات جب کہ تم رجوع کرو یہ
پورے دس روزے ہیں تمتع سے مراد تمتع عرفی ہے جو قران کو بھی شامل ہے تو قارن پر ذبح کرنا اور درصورت عدم قدرت دس روزے رکھنا اس آیت سے واجب
ہوا وان عجز صام ثلثة ایام ولو متفرقة آخرہا یوم عرفة ندبا رجاء القدرة علی الاصل اور اگر قربانی کرنے سے عاجز ہو بسبب محتاجی کے تو تین روزے رکھے اگرچہ
متفرق کر کے رکھے بعد احرام کے مگر تیسرا روزہ عرفہ کے دن رکھنا مستحب ہے بامید قادر ہونے کے اصل پر یعنی شاید عرفہ کے دن تک قربانی خرید کرنے کا مقدور
ہو جاوے وسبعة بعد تمام ایام حجه فرضا او واجبا ہو بمعنی ایام التشریق این شاء لکن ایام التشریق لا یجزیہ لقولہ تعالی وسبعة اذا رجعتم ای فرغتم من افعال الحج
فعم من وطنہ متی اوا تخذہا موطنا اور سات روزے بعد تمام ہونے حج کے رکھے خواہ فرض حج ہو خواہ واجب اور تمامی حج کی بعد گذرنے ایام تشریق کے ہے اور یہ
سات روزے جہاں چاہے رکھے خواہ منا میں خواہ مکہ میں خواہ اپنے وطن میں لیکن ایام تشریق کا روزہ کفایت نہیں کرتا اس واسطے کہ حق تعالی نے فرمایا کہ صوم
سات دن کا جب کہ تم رجوع کرو یعنی جب کہ تم افعال حج سے فراغت پاؤ تو فراغت پانا عام ہے اس کو بھی شامل ہے جس کا منا وطن ہے یا جس نے منا کو بعد
حج کے وطن ٹھہرایا یا جس کا کہیں وطن مقرر نہیں خلاصہ یہ کہ رجوع اس آیت میں بمعنی فراغ ہے مجازا اس علاقہ سے کہ فراغ سبب ہے رجوع کرنے کا طرف وطن
کے اور امام شافعی نے رجوع کو حقیقی معنی پر رکھا لہذا ان کے نزدیک مکہ میں سات روزے رکھنا جائز نہیں کذا فی النہر فان فاتت الثلثة تعین الدم سو اگر
تین روزے فوت ہوئے یعنی ایام حج میں یوم النحر تک نہ رکھے تو اب ذبح کرنا لازم ہو گیا اس واسطے کہ روزے عوض قربانی کے قران میں مخصوص بوقت حج
تھے سو وہ وقت جاتا رہا اب روزہ رکھنا کافی نہیں اور اصل قربانی بھی اب وہی متعین ہو گئی فلو لم یقدر تحلل وعلیہ دمان سو اگر بعد فوت ہونے صوم کے قربانی پر
قادر نہ ہو تو احرام اتارے اور اس پر دو قربانیاں واجب ہیں ایک قران کی دوسری احرام اتارنے کی کذا فی الطحطاوی ولو قدر علیہ فی ایام النحر قبل الحلق بطل صومہ اور
اگر قارن قادر ہوا قربانی پر ایام نحر میں قبل حلق کے تو اس کا صوم باطل ہو گیا اس واسطے کہ تین دن کا صوم درصورت عدم قدرت تھا سو قدرت حاصل ہوئی

تو قربانی اس پر لازم ہو گئی اور اگر بعد حلق کے قادر ہوا تو صوم صحیح ہے اب قربانی اس پر واجب نہیں کذا فی الطحاوی عن البحر فان وقف القارن بعرفۃ قبل اکثر طواف العمرۃ بطلت عمرتہ سو اگر قارن نے عرفات میں وقوف کیا طواف عمرے کے چار شوط کرنے سے پہلے تو عمرہ اس کا باطل ہو گیا اس واسطے کہ اب ادا کرنا عمرے کا متعذر ہے کیونکہ افعال حج پر عمرے کے افعال کرنا خلاف مشروع ہے اور وقوف عرفات کی قید سے معلوم ہوا کہ بمجرد توجہ عرفات سے عمرہ باطل نہیں ہوتا قول صحیح میں کذا فی النہر فلو اتی باربعۃ اشواط ولو بقصد القدوم او التطوع لم یبطل ویتمہا یوم النحر والاصل ان ما اتی بہ من جنس ما ہو متلبس بہ فی وقت یصلح یصرف للمتلبس سو اگر قبل وقوف عرفات کے طواف کے چار شوط کیے اگرچہ طواف القدوم یا طواف نفل کے قصد سے کیے تو عمرہ قارن کا باطل نہ ہو گا اور عمرے کو پورا کر لے یوم النحر میں یعنی باقی تین شوط اور سعی کرے اور اصل اس مسئلہ کی یہ ہے کہ جو چیز لائی جاوے اسم جنس اس کی جس سے مکلف مختلط اور شاغل ہو رہا ہے ایسے وقت میں کہ اس کے لائق ہو سکے تو وہ چیز اسی امر کی طرف پھر جاوے گی جس کا وہ شاغل ہے ہم جنس مشغولی کے فعل سے یہاں چار شوط مراد ہیں جو قبل وقوف عرفات کے حاصل ہوئے لہذا قارن کی عمرہ میں بسبب مجالست اور صلاحیت وقت کے شمار ہو گئی وقضیت لشروعہ فیہا اور جو عمرہ کہ باطل ہو گیا قضا کیا جاوے بسبب شروع کے اس واسطے کہ شروع لازم کر دیتا ہے عبادت کو مانند نذر کے ووجب دم الرفض للعمرۃ اور واجب ہو گا ذبح کرنا بسبب چھوڑ دینے عمرے کے وسقط دم القران لانہ لم یوفق للنسکین اور قران کا ذبح ساقط ہو جاوے گا اس واسطے کہ دو عبادتوں کے جمع کرنے سے فائز نہیں ہوا

باب التمتع

ہو لغۃ من التمتع او المتعۃ یہ باب ہے تمتع کے احکام میں تمتع باعتبار لغت یا متاع سے ہے یا متعہ سے اور وہ بمعنی نفع لینے کے ہے یا نفع پہنچانے کے وشرعا ان یفعل العمرۃ او اکثر اشواطہا فی اشہر الحج اور اصطلاح شرع میں تمتع یہ ہے کہ عمرہ کیا جاوے عمرے کے اکثر شوط کیے جاویں حج کے مہینوں میں سو اگر قبل اشہر حج طواف کرے گا تو تمتع نہ ثابت ہو گا فلو طاف الاقل فی رمضان مثلا ثم طاف الباقی فی شوال ثم حج من عامہ کان متمتعا فتح قال المصنف فلیتغیر النسخ الی ہذا التعریف سو اگر عمرے کا اقل طواف کیا مثلا رمضان میں یعنی قبل اشہر حج کے پھر باقی اکثر طواف شوال میں کیا پھر اسی سال حج کیا تو یہ شخص متمتع ہو گا کذا فی فتح القدیر اس واسطے کہ اکثر طواف اشہر حج میں ہوا مصنف نے کہا تو تعریف کتب فقہ کو اس تعریف کی طرف بدلنا چاہیے مصنف نے اپنی شرح منح الغفار میں تصریح کی ہے کہ ہدایہ اور وقایہ اور درر اور مجمع سے معلوم ہوتا ہے کہ تمتع میں احرام عمرے کا اشہر حج میں کرنا شرط ہے حالانکہ فتح القدیر میں مصرح ہے کہ اشہر حج کا احرام شرط نہیں اور اختیار شرح مختار میں صریحا موجود ہے کہ قبل اشہر حج کے احرام کیا اور عمرہ اشہر حج میں ادا کیا تو تمتع ثابت ہوا لہذا صاحب کنز نے اشہر حج کے احرام کی قید نہیں لگائی تو اب یہ منقح ہوا کہ تمتع اس سے عبارت ہے کہ عمرہ یا اکثر طواف اشہر حج میں واقع ہو خواہ قبل اشہر حج کے احرام کیا ہو یا بیچ اشہر حج میں لہذا ہم نے یہی تعریف اختیار کی ولیطوف ولیسعی کی مراد یہ طواف اور سعی کرے چنانچہ مذکور ہو چکا امام طحطاوی نے کہا کہ اس عبارت کی کچھ حاجت نہ تھی اس واسطے کہ عمرہ طواف اور سعی سے عبارت ہے پھر جب عمرہ تمتع کی تعریف میں مذکور ہو چکا تو اس کی کیا حاجت ہے ویحلق او یقصر ان شاء اور سر کے بال منڈا دے یا کترا دے اگر چاہے مع منڈانا یا کترانا تمتع میں شرط نہیں متمتع کو اختیار ہے چاہے محرم بنا رہے چاہے سر منڈا دے اور مصنف نے حلق کو اس واسطے ذکر کیا تا معلوم ہو جاوے کہ عمرہ تمام ہو گیا کذا فی النہر ویقطع التلبیۃ فی اول طوافہ للعمرۃ واقام بمکۃ حلالا اور لبیک کہنا قطع کرے عمرے کے اول طواف میں اور بدون احرام کے مکہ میں رہے مع متمتع کو مکہ کا رہنا لازم نہیں خواہ مکہ میں رہے خواہ داخل مواقیت خواہ خارج مواقیت ثم یحرم بالحج فی سفر واحد حقیقۃ او حکما بان لم یلم باہلہ الماما صحیحا پھر حج کا احرام کرے ایک ہی سفر میں وحدت سفر کی حقیقی ہو یا حکمی وحدت حقیقی یہ کہ عمرہ کر کے اصلا اپنے گھر کو نہ آئے اور وحدت حکمی یہ ہے کہ اپنے اہل میں آوے الام غیر صحیح کے الام غیر صحیح اس کو کہتے ہیں کہ مکہ کی طرف پھر جانے کا ارادہ لگا ہو یا ہدی لے جا کر یا قبل حلق کے وطن میں آیا ہو اس واسطے کہ جو ہدی لے جاتا ہے وہ احرام نہیں اتار سکتا ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ سے پہلے اور جو بدون حلق کے آیا اس کو حرم میں پھر جانا حلق کے واسطے واجب ہے امام اعظم اور محمد کے نزدیک اور ابو یوسف کے نزدیک حرم میں جانا مستحب ہے اور الام صحیح یہ ہے

کہ حرم میں سر منڈا کر اپنے گھر کو آوے اور ہدی نہ لے گیا ہو کذا فی الطحاوی یوم الترویۃ وقبلہ افضل وحج کالمفرد لکنہ یرمل فی طواف الزیارۃ ویسعی بعدہ ان لم یکن قدمہا بعد الاحرام وذبح کالقارن حج کا احرام باندھے ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو اور مسجد الحرام سے احرام باندھنا اور آٹھویں تاریخ کے پہلے احرام باندھنا افضل اور بہتر ہے اور حج کو ادا کرے مانند تنہا حج کرنے والے کے لیکن متمتع طواف الزیارۃ میں رمل کرے اور صفا مروہ کی سعی طواف الزیارۃ کے بعد کرے اگر احرام حج کے بعد پہلے سعی نہ کر چکا ہو اور ذبح کرے متمتع مثل قارن کے یعنی جیسے قارن پر ذبح واجب ہے ویسے ہی متمتع پر بھی واجب ہے ولم تنب الاضحیۃ عنہ اور قربانی اس ذبح کے قائم مقام نہیں ہو سکتی اس واسطے کہ مسافر پر قربانی واجب نہیں اور یہ ذبح واجب ہے فان عجز عنہ صام کالقارن پس اگر متمتع عاجز ہو ذبح کرنے سے بسبب محتاجی کے تو قران کی طرح روزے رکھے یعنی تین روزے ایام حج میں اور سات بعد فراغت کے وجاز صوم الثلثۃ بعد احرامہا ای العمرۃ لکن فی اشہر الحج لاقبلہ ای الاحرام وتاخیرہ افضل رجاء وجود الہدی کی مراد جائز ہے تین روزے رکھنا عمرے کے احرام کے بعد لیکن حج کے مہینوں میں اور قبل احرام کے تین روزے رکھنا جائز نہیں اور تاخیر کرنا صوم میں عرفہ کے دن تک افضل ہے ہدی کے پا جانے کی امید پر چنانچہ قران میں گذرا وان اراد المتمتع السوق للہدی فہو افضل احرم ثم ساق ہدیہ معہ اور اگر متمتع ارادہ کرے ہدی کے ہانک لے چلنے کا اور یہ افضل ہے اس متمتع سے جس میں ہدی ساتھ نہ ہو اس واسطے کہ سنت نبوی کے موافق ہے تو پہلے احرام باندھے یعنی احرام کی نیت سے لبیک کہے پھر ہدی کو ہانک لے چلے اپنے ساتھ اور بدون لبیک کہنے کے فقط ہدی کے ہانکنے سے بھی احرام جائز ہے لیکن افضل نہیں وہو اولی من قودہا الا اذا کانت لا تنساق فیقودہا اور ہدی کا ہانک لے چلنا بہتر ہے اس کے کھینچ لے چلنے سے مگر جب کہ ہانکنا مشکل ہو جانور کی تکلیف سے یا اس کی وحشت سے تو کھینچ لے جاوے وقلد بدنتہ وہو اولی من التجلیل اور پٹا گلے میں ڈالے اپنے اونٹ یا گائے کے اور پٹا ڈالنا افضل ہے جھول ڈالنے سے اس واسطے کہ جھول کبھی آرائش کے واسطے بھی ہوتی ہے بخلاف تقلید کے کہ وہ ہدی ہی کے واسطے مخصوص ہے تقلید یہ کہ جانور کے گلے میں پٹا ڈالے یا جوتی اس میں باندھے یا ٹکڑا چمڑے کا یا کھجور کی چھال تا معلوم ہو کہ یہ جانور سواری کا نہیں بلکہ حرم کو جاتا ہے وکرہ الاشعار وہو شق سنامہا من الایسر او الایمن لان کل واحد لا یحسنہ واما من احسنہ بان قطع الجلد فلا باس بہ اور اشعار مکروہ ہے اشعار یہ کہ اونٹ کے کوہان کو بائیں یا داہنے طرف سے چیرے اشعار اس واسطے مکروہ ہے ہر شخص اس کو خوب نہیں کر جانتا گوشت اور ہڈی تک صدمہ پہنچتا ہے سو جو شخص کہ اشعار خوب کرے یعنی فقط کھال کو کاٹ دے نہ گوشت اور ہڈی کو تو کچھ مضائقہ نہیں بلکہ ایسا اشعار مستحب ہے کذا فی الطحاوی اور بحث احرام میں مفصل مذکور ہو چکا کہ امام اعظم کے نزدیک اپنے اہل زمانہ کا اشعار مکروہ تھا جو بہت زخم کر دیتے تھے اور یہ نہیں کہ مطلقاً اشعار مکروہ ہے[1] واعتمر ولا یتحلل منہا حتی یحرم ثم احرم بالحج کما مر فی من لم یسق اور عمرہ ادا کرے اور سر منڈانے سے احرام نہ اتارے اس واسطے کہ ہدی کا ہانکنا مانع ہے احرام اتارنے سے نحر تک پھر آٹھویں تاریخ حج کا احرام کرے چنانچہ مذکور ہو چکا اس متمتع کے بیان میں جس نے ہدی کو نہیں ہانکا وحلق یوم النحر واذا حلق حل من احرامیہ علی الظاہر اور سر منڈاوے یوم النحر میں اور جب کہ اس نے سر منڈایا تو حلال ہو گیا اپنے دونوں احرام سے یعنی حج اور عمرے کے دونوں احرام حلق کے بعد وقوف کھولے بنا بر ظاہر کلام علما کے تو معلوم ہوا کہ عمرے کا احرام بعد وقوف عرفات باقی تھا سر منڈانے تک والمکی ومن فی حکمہ یفرد فقط اور مکہ کا رہنے والا اور جو اس کے حکم میں ہے یعنی جو مواقیت کے اندر رہتا ہے وہ افراد حج کرے فقط یعنی قران اور تمتع نہ کرے اس واسطے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ذلک لمن لم یکن اہلہ حاضری المسجد الحرام یعنی یہ متعہ اس شخص کے واسطے ہے جس کے اہل و عیال مسجد الحرام میں حاضر نہیں ولو قرن او تمتع جاز واساء وعلیہ دم جبر ولا یجزیہ الصوم لو معسرا اور مکی نے اگر قران یا تمتع کیا تو جائز ہے لیکن اس نے برا کیا اور اس پر بعوض اس قصور کے ذبح کرنا واجب ہے اور اس کو روزے رکھنا واجب نہ ہوگا اگر وہ محتاج ہے ذبح نہ کر سکے ہم ماتن نے اپنی شرح میں کہا کہ کتب فقہ میں جو یہ مذکور ہے کہ مکی قران اور تمتع نہ کرے تو نفی سے مراد حلت کی نفی ہے نہ صحت کی نفی لکن

---

[1] لیکن یہ آسانی ہے جیسا کہ احادیث مگر اس پر ناطق ہیں ۱۲

التمتع بلا سوق ہدی ثم بعد عمرتہ عاد الی بلدہ وحلق فقد الم الماما صحیحا فبطل تمتعہ اور جس متمتع نے عمرہ کیا بدون ہدی کے ہانکنے کے پھر بعد عمرے کے پھر گیا اپنے شہر کو اور سر منڈایا تو اس نے المام صحیح کیا تمتع اس کا باطل ہو گیا ومع سوقہ تمتع کالقارن اور اگر متمتع ہدی لے گیا اور عمرہ کر کے اپنے گھر چلا آیا تو وہ تمتع کرے یعنی تمتع کرنے میں اس کو اختیار ہے اور اگر بعد اس عمرے کے اس سال حج نہ کرے تو اس پر کچھ مواخذہ نہیں اس واسطے کہ حج ہنوز شروع نہیں کیا اور چونکہ ہدی کے سبب سے المام صحیح نہیں تو تمتع اس کا باطل نہیں مانند قارن کے یعنی جیسے قارن کے عود سے قران باطل نہیں ہوتا کذا فی الطحاوی وان طاف لہا اقل من اربعۃ قبل اشہر الحج واتمہا فیہا وحج فقد تمتع ولو طاف اربعۃ قبلہا لا اعتبار للاکثر اور اگر عمرے کے واسطے چار شوط سے کم طواف کیا حج کے مہینوں سے پہلے اور طواف کو باقی چار شوط سے پورا کر دیا حج کے مہینوں میں تو اس کا تمتع صحیح ہے اس واسطے کہ اکثر طواف اشہر حج میں واقع ہوا اور اگر چار شوط کا طواف کیا قبل اشہر حج کے اور تین شوط اشہر حج میں کیے تو تمتع صحیح نہیں بنا بر اعتبار اکثر طواف کے کوفی ای آفاقی حل من عمرتہ فیہا ای الاشہر وسکن بمکۃ ای داخل المواقیت او بصرۃ ای غیر بلدہ وحج من عامہ متمتع لبقاء سفرہ کوفی یعنی آفاقی نے اشہر حج میں عمرہ کر کے احرام اتارا اور مکہ میں رہا مراد یہ کہ داخل مواقیت رہا یا بصرہ میں رہا بصرہ سے مراد یہ کہ اپنے شہر کے سوا کہیں رہا اور اسی سال اس نے حج کیا تو یہ شخص متمتع ہے اس واسطے کہ اس کا سفر ہنوز باقی ہے ولو افسدہ ای رجع من البصرۃ الی مکۃ وقضاہا وحج لا یکون متمتعا لانہ کالمکی اور اگر اشہر حج میں عمرے کو فاسد کر ڈالا بسبب جماع کے یا پھر آیا بصرہ سے مکہ کی طرف اور قضا کیا عمرے کو اور حج کیا تو متمتع نہ ہوگا نزدیک امامؒ کے اس واسطے کہ کوفی بسبب افساد عمرے کے مانند مکی کے ہو گیا یعنی اس کو مکہ میں رہنا واجب ہو گیا عمرہ قضا کرنے کے واسطے پھر جب وہ اہل مکہ میں مل گیا تو متمتع نہ رہا اس واسطے کہ عمرہ اس کا مکی ہوگا نہ آفاقی کذا فی الطحاوی الا اذا الم باہلہ ثم رجع واتی بہما لانہ سفر آخر والعبرۃ کون العمرۃ قضاء عما افسدہ مگر جب کہ بعد فاسد کر ڈالنے عمرے کے اپنے گھر چلا گیا پھر گھر سے مکہ میں احرام باندھ کر پلٹ آیا اور عمرے اور حج کو عمل میں لایا تو البتہ متمتع ہوگا اس واسطے کہ جب اپنے وطن میں پہنچا تو سفر اول ہو چکا پھر جب وہ بارہ مکہ میں آیا تو یہ دوسرا سفر ہوا تو اب عمرہ اس کا آفاقی ہوگا اور حج مکی اور یہ امر تمتع کو مضر نہیں کہ یہ عمرہ قضا ہے اس عمرے کی جس کو فاسد کر چکا وای النسکین افسدہ المتمتع اتمہ بلا دم للتمتع بل للفساد اور دو عبادتوں میں سے جس عبادت کو متمتع فاسد کرے خواہ عمرے کو خواہ حج کو تو اس کو تمام کرے اس واسطے کہ احرام سے نکلنا بدون افعال مخصوصہ کے نہیں ہو سکتا اور تمتع کا ذبح کرنا اس پر واجب نہیں اس واسطے کہ دونوں عبادتوں کے ادا کرنے سے سفر واحد میں وہ متمتع نہیں ہوا بلکہ فاسد کرنے سے ذبح کرنا اس پر البتہ لازم ہوگا کذا فی منح الغفار

باب الجنایات

الجنایۃ ہنا ما یکون حرمتہ بسبب الاحرام او الحرم یہ باب ہے جنایات حج کا جنایات جمع ہے جنایت کی اور جنایت لغت میں عبارت ہے احداث امر بد سے اور اصطلاح شرع میں جنایت حرام فعل کا نام ہے اور یہاں یعنی کتاب الحج میں جنایت اس فعل کو کہتے ہیں جس کی حرمت ثابت ہو بسبب احرام باندھنے کے یا حرم میں داخل ہونے کے وقد یجب بہا دمان او دم او صوم او صدقۃ ففصلہا بقولہ اور جنایت سے کبھی دو خون واجب ہوتے ہیں یا ایک خون یا صوم یا صدقہ سو انھیں امور کی تفصیل کی ہے ماتن نے اپنے آئندہ قول سے الواجب دم علی محرم بالغ فلا شئ علی الصبی خلافا للشافعی ولو ناسیا او جاہلا او مکرہا فیجب علی نائم غطی رأسہ خون واجب ہے محرم بالغ پر تو صغیر محرم پر واجب نہیں بخلاف امام شافعی کے اگر بالغ محرم بھول کر جنایت کرے یا جاہل ہو یا اس کی بے اختیاری میں جنایت ہوئی ہو تو خون واجب ہوگا اس سونے والے پر جس کا سر کسی انسان نے ڈھک دیا اور عدم اختیار میں گناہ ساقط ہے نہ جزا کذا فی النہر ان طیب عضوا کاملا ولو فما باکل طیب کثیر او ما یبلغ عضوا لو جمع یعنی ذبح کرنا واجب ہے اگر محرم نے خوشبودار چیز لگائی کسی پورے عضو میں جیسے سر اور پنڈلی اور ران میں اگرچہ منہ خوشبودار ہو گیا ہے بہت خوشبودار چیز کھانے سے یا اندک اندک متفرق خوشبو لگائی اس قدر کہ اگر سب کو جمع کیجیے تو بقدر ایک عضو کے ہو جاوے والبدن کلہ کعضو واحد ان اتحد المجلس والا فلکل طیب کفارۃ اور تمام بدن ایک عضو کے برابر ہے اگر مجلس متحد ہو اور نہیں تو ہر خوشبو کا کفارہ جدا ہے یعنی اگر ایک مجلس میں

خوشبو لگائی تو ایک ہی کفارہ لازم ہے اور اگر چند مجالس میں خوشبو لگائی تو ہر بار خوشبو لگانے کا جدا کفارہ ہے کذا فی النہر ولو ذبح دما بنزلہ لزمہ دم آخر
ترکہ اور اگر خوشبو لگا کر جانور کو ذبح کیا اور خوشبو کو بدن سے نہ چھڑایا تو دوسرا جانور ذبح کرنا اس پر لازم ہوا بسبب باقی رکھنے خوشبو کے داما الثوب المطیب
اکثرہ فیشترط للزوم الدم دوام لبسہ یوما او ہو کپڑا اکثر خوشبودار ہو تو خون کے واجب ہونے میں یہ شرط ہے کہ دن بھر اس کو پہنے رہے او خضب راسہ بحناء وغیق
المتلبد ففیہ دمان یا محرم نے اپنے سر یا ڈاڑھی میں تیل مہندی کا خضاب لگایا اور اگر گاڑھی مہندی سر پر لگا دیا تو اس میں دو خون واجب ہوں گے ایک خوشبو
لگانے کا اور دوسرا سر ڈھکنے کا بشرطیکہ ایک دن یا ایک رات مہندی لگی رہے یا تمام سر کو مہندی سے تھوپے کذا فی الطحاوی عن البحر بیہقی میں حدیث مرفوع ہے
کہ الحناء طیب یعنی مہندی خوشبو ہے چونکہ مہندی کا خوشبودار ہونا خوب ظاہر نہ تھا لہذا بعد ذکر مطلق خوشبو کے اس کو بھی ذکر کر دیا کذا فی النہر او دہن بزیت
او حل بفتح المہملۃ الشیرج ولو کانا خالصین لانہما اصل الطیب بخلاف بقیۃ الادہان یا روغن زیتون یا میٹھا تیل بدن میں ملا اگرچہ دونوں خالص ہوں خوشبو
سے اس واسطے کہ دونوں تیل اصل میں خوشبو کی امام اعظم کے نزدیک اس راہ سے کہ خوشبودار پھول مثل گلاب بیلا اور چمیلی کے ان میں ڈالے جاتے ہیں تو
دونوں خوب خوشبودار ہو جاتے ہیں بخلاف اور تیلوں کے کہ ان کے لگانے سے ذبح کرنا لازم نہیں ہوتا اور حل بفتح حائے مہملہ وتشدید لام میٹھا تیل ہے یعنی تلوں
کا تیل جس کو عرب شیرج اور دہن السمسم بھی کہتے ہیں اور صاحبین کے نزدیک روغن زیتون اور میٹھے تیل کے لگانے میں صدقہ واجب ہے نہ ذبح اور خوشبو
دار تیل میں بالاتفاق ذبح واجب ہے فلو اکلہ او استسعط او داوی بہ جرحہ او شقوق رجلیہ او اقطر فی اذنیہ لا یجب دم ولا صدقۃ اتفاقا تو اگر محرم
نے روغن زیتون یا میٹھے تیل کو کھایا یا ناک میں ڈالا یا اس سے زخم کی دوا کی یا دونوں پاؤں کی بوائی میں لگایا یا اپنے دونوں کانوں میں ٹپکایا تو اس پر نہ ذبح
کرنا واجب ہے نہ صدقہ بخلاف المسک والعنبر والغالیۃ والکافور ونحوہا مما ہو طیب بنفسہ فانہ یلزمہ الجزاء بالاستعمال ولو علی وجہ التداوی
بخلاف مشک اور عنبر اور غالیہ اور کافور اور اسی طرح کی چیزوں کے جن میں ذاتی خوشبو ہے اس واسطے کہ ان کے استعمال سے جزا لازم آتی ہے اگرچہ بطریق
دوا ان کو استعمال کرے لیکن محرم کو ان کی جزا میں اختیار ہے چاہے ذبح کرے چاہے روزہ رکھے چاہے کھانا کھلاوے کذا فی الطحاوی ولو جعلہ فی طعام قد طبخ فلا شیئ
فیہ وان لم یطبخ وکان مغلوبا کرہ اکلہ کشم طیب وتفاح اور اگر مشک وغیرہ کو کھانے میں ڈال کر پکایا تو محرم پر اس میں کوئی چیز لازم نہیں خواہ کھانے میں خوشبو
باقی رہے یا نہ رہے اور اگر خوشبو کو نہ پکایا بلکہ کھانے میں اوپر سے ڈالا اور خوشبودار مغلوب ہے یعنی کھانے سے کم تر ہے تو اس کا کھانا مکروہ ہے اگر خوشبو
معلوم ہوتی ہو جیسے خوشبو اور سیب کا سونگھنا مکروہ ہے محرم جن خوشبودار چیز کا کھانا معمولی ہے جیسے گرم مصالح مانند لونگ اور الائچی اور دارچینی کے جب کہ وہ
کھانے میں مخلوط ہو جاوے تو اس کا کھانا جائز ہے کذا فی منح الغفار او لبس مخیطا لبسا معتادا فلو اتزر بہ او وضعہ علی کتفیہ لا شیئ علیہ یا محرم نے سیا کپڑا پہنا اس
طرح پر جس طرح پہننے کی عادت ہے تو اگر مثلاً قمیص یا قبا کو خلاف عادت بطور تہبند کے باندھا یا پاجامہ اپنے دونوں مونڈھوں پر رکھا تو کوئی چیز اس پر واجب
نہیں نہ ذبح نہ صدقہ او ستر راسہ بمعتاد ولو حمل اجانۃ او عدل فلا شیئ علیہ یا اپنا سر چھپایا معمولی لباس سے جیسے ٹوپی یا پگڑی سے اور اگر سر چھپایا لگن یا گٹھڑی
اٹھانے سے تو کوئی جزا اس پر واجب نہیں یوما کاملا او لیلۃ کاملۃ وفی الاقل صدقۃ پورا دن یا پوری رات سیا کپڑا پہنے رہا یا سر چھپائے رہا تو ذبح کرنا اس
پر واجب ہے اور اس سے کم میں یعنی دو تین پہر کے پہننے میں یا ساعت بھر میں صدقہ واجب ہے نہ ذبح والزائد علی الیوم کالیوم ولو نزعہ لیلا واعادہ نہارا
ولو جمیع ما یلبس اور ایک دن سے زیادہ پہننا دن کے برابر ہے یعنی جیسے ایک دن کے لباس میں ذبح واجب ہے ویسے دس دن میں اگرچہ محرم رات میں
لباس کو اتار ڈالتا ہو اور دن میں پھر اس کو پہنتا ہو اگرچہ یہ تمام پوشاک اس نے پہنی ہو یعنی ٹوپی اور قبا اور پاجامہ ہر صورت ایک ہی خون واجب ہے
ما لم یعزم علی الترک للبسہ عند النزع فان عزم علیہ ای الترک ثم لبس تعدد الجزاء کفر للاول اولا ایک روز اور چند روز کا لباس اس وقت تک
برابر ہے جب تک محرم نے لباس اتارنے کے وقت ترک لباس کا ارادہ نہیں کیا سو اگر اتارنے کے وقت ترک لباس پر عزم کر چکا بعد پھر اس نے سیا

کپڑا پہنا تو اب جزا متعدد ہوگی یعنی بے بار ترک کا ارادہ کرے گا اتنی بار ذبح کرنا اس پر واجب ہوگا خواہ اول قصور کا اس نے کفارہ دیا ہو یا نہ دیا ہو۔ وکذا یتعدد الجزاء لو لبس یوماً فاراق دماً للبسہ ثم دام علی لبسہ یوماً آخر لتعلیہ الجزاء ای ایضاً لانہ مخطور فکان لدوامہ حکم الابتداء اور اسی طرح متعدد ہوگی جزا اگر اس نے سیا کپڑا ایک دن پہنا سو اس نے پہننے کی جزا میں ذبح کیا پھر اس کو ایک دن اور پہنے رہا تو دوسری جزا بھی اس پر واجب ہوگی اس واسطے کہ لباس محرم کو ممنوع ہے تو دوام لباس کو بعد ذبح کرنے کے حکم ابتدائے لباس کا ہوا یعنی جیسے ابتدائی لباس میں جزا واجب ہوگئی تھی ویسی ہی بعد ذبح کے دوام لباس سے دوسری جزا واجب ہوئی ودوام اللبس بعد ما احرم وہو لابسہ کالانشاء بعدہ ولو مکرہا اوناسیا اور قائم رکھنا اس لباس کا جس کو احرام کے وقت پہنے ہوئے تھا ویسا ہے گویا اس نے بعد احرام کے اس کو پہنا تو اگر مثلاً اس قمیص کو جو احرام کے وقت پہنے تھا بعد احرام کے بھی دن بھر پہنے رہے گا تو اس پر ذبح کرنا واجب ہے اگرچہ پہننے والے پر کسی نے زبردستی کی ہو یا وہ سوتا ہو کذا فی النہر الفائق ولو تعدد سبب اللبس تعدد الجزاء اور اگر لباس پہننے کا سبب متعدد ہو تو اس کی جزا بھی متعدد ہوگی چنانچہ محرم کو تپ آئی اور اس نے قمیص پہنا پھر اس کو صحت ہوگئی بعد اس کے دوسری بیماری ہوئی یا دوسری قسم کی تپ آئی پھر اس نے قمیص پہنا تو اس پر دو کفارے لازم ہونگے، کذا فی فتح القدیر۔ ولو اضطر الی قمیص فلبس قمیصین اوالی قلنسوۃ فلبسہا مع عمامۃ لزمہ دم واثم اور اگر محرم کو ایک قمیص کی حاجت ہوئی سو اس نے دو قمیص پہنے یا ایک ٹوپی کی حاجت ہوئی سو اس نے ٹوپی کو پگڑی کے ساتھ پہنا تو اس پر ایک خون واجب ہوگا اس واسطے کہ سبب واحد ہے کذا فی النہر اور گناہ گار ہوگا کہ حاجت سے زیادہ اس نے پہنا کذا فی الطحاوی ولو تیقن زوال الضرورۃ فاستمر کفر اخری اور اگر محرم کو یقین ہوگیا کہ لباس کی حاجت نہ رہی پھر بھی پہنے رہا ایک دن یا دو دن تو دوسرا کفارہ دے اور اگر زوال حاجت میں شک ہو تو اس پر ایک ہی کفارہ لازم ہے کذا فی النہر وتغطیۃ ربع الراس اوالوجہ کالکل اور چوتھائی سر کا یا چہرے کا ڈھکنا تمام سر اور چہرہ کے برابر ہے کفارہ میں ولا باس بتغطیۃ اذنیہ وقفاہ ووضع یدہ علی انفہ بلا ثوب اور کچھ مضائقہ نہیں محرم کے دونوں کان اور گدی کے ڈھکنے میں اور ناک پر بدون کپڑے کے ہاتھ رکھنے میں او حلق ای ازال ربع راسہ او ربع لحیتہ یا محرم اپنے چوتھائی سر یا چوتھائی داڑھی کو مونڈے یعنی بالوں کو دور کرے کسی طرح خواہ مونڈ کر یا اکھاڑ کر یا نورہ لگا کر او حلق محاجمہ یعنی المحجم والا فصدقۃ کما فی البحر عن الفتح یا محرم اپنے سر کے پیچھے اس جگہ کو مونڈے جہاں پچھنے لگاتے ہیں ماتن کی مراد یہ ہے کہ وہاں مونڈے اور پچھنے بھی لگا دے تب اس پر ذبح کرنا لازم ہوگا اور اگر دونوں فعل جمع نہ کرے یعنی فقط مونڈے بدون پچھنوں کے یا پچھنے لگا دے بدون مونڈنے کے تو اس پر صدقہ لازم ہوگا نہ ذبح یہ تصریح بحر الرائق میں منقول ہے فتح القدیر سے اس واسطے کہ اس قدر حلق چہارم حصہ سے قلیل ہے تو ذبح کرنے کو نہ واجب کرے گا کذا فی الفتح او حلق احدی الابطین او عانتہ او رقبتہ کلہا او قص اظفار یدیہ او رجلیہ اوالکل فی مجلس واحد فلو تعدد المجلس تعدد الدم الا اذا اتحد المحل کحلق الابطین فی مجلسین او رأسہ فی اربعۃ یا محرم نے اپنی ایک بغل ساری مونڈی یا تمام موئے زہار مونڈے یا سب گردن کے بال مونڈے یا اپنے دونوں ہاتھوں کے ناخن یا دونوں پاؤں کے ناخن کاٹے یا دونوں ہاتھ پاؤں کے ساتھ ہی ناخن کاٹے ایک مجلس میں یعنی سب صورتوں میں ایک ہی خون واجب ہوگا اور اگر مجلس متعدد ہوگی تو خون بھی متعدد ہوں گے یعنی ایک مجلس میں ایک ہاتھ کے ناخن کاٹے اور دوسری مجلس میں دوسرے ہاتھ کے اور تیسری مجلس میں ایک پاؤں کے اور چوتھی مجلس میں دوسرے پاؤں کے تو چار بکریاں ذبح کرنا واجب ہوگا بسبب تعدد مجالس کے مگر جب محل متحد ہوگا تو تعدد مجالس سے تعدد خون کا نہ ہوگا چنانچہ محرم نے اپنی ایک بغل کو دو مجلس میں مونڈا یا اپنے سر کو چار مجلس میں مونڈا تو ایک ہی بکری ذبح کرنا واجب ہوگا اس واسطے کہ محل جنایت متحد ہے اگرچہ مجالس متعدد ہوئے کذا فی الطحاوی او یدا او رجلا اذ الربع کالکل یا محرم نے ایک ہاتھ کے ناخن یا ایک پاؤں کے ناخن کاٹے تو ایک بکری ذبح کرنا لازم ہوگا اس واسطے کہ چوتھائی کل کی برابر ہے یعنی کل دو ہاتھ اور دو پاؤں میں ذبح واجب تھا تو ایک ہاتھ یا ایک پاؤں میں بھی ذبح واجب ہوگا اس واسطے کہ ایک ہاتھ چوتھائی ہے کل کی اور چوتھائی کل کی قائم مقام ہوتی ہے چنانچہ حلق سر میں معلوم ہوچکا کذا فی الدر او طاف للقدوم لوجوبہ بالشروع او للصدر جنبا او حائضا یا محرم نے

طواف القدوم اور طواف الصدر کو جنابت یا حیض کی حالت میں کیا بسبب واجب ہو جانے طواف القدوم کے شروع کرنے سے یعنی ہر چند طواف القدوم سنت ہے اور طواف الصدر واجب لیکن جب طواف القدوم کو شروع کیا تو اب اس کا ادا کرنا واجب ہو گیا تو وجوب ذبح میں دونوں طواف برابر ہو گئے او للفرض محدثا یا فرض طواف یعنی طواف الزیارۃ کو بے وضو کیا تو ذبح کرنا بکری کا واجب ہے اور اگر کپڑے پر نجاست ہو گی درم سے زیادہ حالت طواف میں تو ذبح یا صدقہ واجب نہیں لیکن ادخال نجاست کا مسجد الحرام میں مکروہ ہے کذا فی الطحطاوی ولو جنبا فبدنۃ ان لم یعدہ اور اگر جنابت میں طواف الزیارۃ کیا تو اونٹ یا گائے کا ذبح کرنا واجب ہے بشرطیکہ طواف کو دوبارہ نہیں کر لیا اور اگر طواف القدوم اور طواف الصدر اور طواف الزیارۃ کو بعد غسل اور وضو کے اعادہ کیا تو اب کوئی چیز اس پر واجب نہیں نہ ذبح نہ صدقہ کذا فی الطحطاوی والاصح وجوبہا فی الجنابۃ وندبہا فی الحدث وان المعتبر الاول والثانی جابر لہ فلا تجب اعادۃ السعی جوہرۃ اور قول اصح یہ ہے کہ طواف کا اعادہ واجب ہے اگر جنابت میں کیا ہو اور مستحب ہے اعادہ اگر بے وضو کیا ہو اور یہ قول اصح ہے کہ درصورت اعادہ معتبر پہلا ہی طواف ہے اور دوسرا طواف پہلے طواف کے نقصان کا جبر کرنیوالا ہے تو جب پہلا طواف معتبر ٹھہرا، تو صفا اور مروہ کی سعی کا اعادہ کرنا طواف ثانی میں واجب نہیں کذا فی الجوہرۃ وفی الفتح لو طاف للعمرۃ جنبا او محدثا فعلیہ دم وکذا لو ترک من طوافہا شوطا لانہ لا مدخل للصدقۃ فی العمرۃ اور فتح القدیر میں ہے کہ اگر جنابت یا وضو نہ ہونے میں عمرے کا طواف کیا تو اس پر خون واجب ہے اور اسی طرح خون واجب ہے اگر عمرے کے طواف سے ایک شوط کو ترک کیا اس واسطے کہ عمرے کی جنایات میں صدقہ کو دخل نہیں او افاض من عرفۃ ولو بند بعیرہ قبل الامام والغروب یا محرم چلا آیا عرفات سے امام کے آنے سے پہلے اور قبل غروب آفتاب کے اگرچہ وہاں سے آنا اس کے اونٹ کے بھاگنے سے ہو یعنی وجوب ذبح میں اختیاری آنا اور بے اختیاری دونوں برابر ہیں ویسقط الدم بالعود ولو بعدہ فی الاصح غایۃ اور قول اصح میں ساقط ہوتا ہے خون عرفات میں پھر جانے سے اگرچہ بعد غروب کے وہاں پھر گیا ہو کذا فی الغایۃ او ترک اقل من سبع الفرض یعنی ولم یطف غیرہ حتی لو طاف للصدر انتقل الی الفرض ما یکملہ ثم ان بقی اقل الصدر فصدقۃ والا فدم یا طواف فرض کے سات شوطوں میں سے کم ترکو ترک کیا یعنی طواف الزیارۃ سے تین شوط یا اس سے کم ترک کیے یعنی اس قدر کے ترک کرنے سے اس وقت واجب ہو گا جب کہ اس نے طواف الزیارۃ کے سوا اور کوئی طواف نہ کیا ہو یہاں تک کہ اگر اس نے طواف الصدر کیا ہو تو طواف الصدر کے شوط طواف الزیارۃ کی طرف منتقل ہو جاویں گے جتنے میں کہ وہ پورا ہو جاوے خواہ ایک یا دو یا تین پھر بعد اس تکمیل کے اگر اس کے ذمہ پر طواف الصدر کے اقل شوط باقی رہے تو صدقہ واجب ہے اور اکثر شوط رہے تو خون واجب ہے مثلاً طواف الزیارۃ کے تین شوط کم تھے اور طواف الصدر کے پورے سات شوط تھے سو طواف الصدر کے تین شوط سے طواف الزیارۃ کی تکمیل ہو گئی باقی رہے چار شوط کل ہوئی تین شوط کی اور تین اقل طواف ہیں تو اس میں صدقہ واجب ہو گا اور اگر طواف الصدر کے چھ شوط ہوں تو چار شوط کی کمی پوری ہو گی بعد تکمیل کے اور یہ چار شوط اکثر طواف ہیں تو اس میں ذبح کرنا واجب ہو گا وبترک اکثرہ بقی محرما ابدا فی حق النساء حتی یطوف فکلما جامع لزمہ دم اذا تعدد المجلس الا ان یقصد الرفض فتح اور طواف الزیارۃ کے اکثر کے ترک کرنے سے ہمیشہ وہ محرم بنا رہے گا عورتوں کے حق میں یہاں تک کہ طواف الزیارۃ کو ادا کرے تو جب بار کے وہ جماع کرے گا اتنی بار اس پر ذبح کرنا لازم ہو گا بشرطیکہ مجالس جماع کی متعدد ہوں مگر یہ کہ جماع ثانی سے ترک حج قصد کرے تو ایک ہی بار ذبح کرنا اس پر لازم ہو گا کذا فی فتح القدیر خواہ ایک مجلس ہو خواہ چند مجالس اور یہ جو کہا کہ اکثر طواف کے ترک سے محرم بنا رہے گا اس واسطے کہ اکثر بجائے کل ہے تو گویا اس نے اصلاً طواف نہیں کیا کذا فی الطحطاوی او ترک طواف الصدر او اربعۃ منہ ولا یتحقق الترک الا بالخروج من مکۃ یا محرم طواف الصدر کے سب شوط یا چار شوط کو ترک کرے اور ترک کرنا ثابت نہ ہو گا مکہ سے بدون نکلنے کے اس واسطے کہ طواف الصدر کا کوئی وقت مقرر نہیں ۔۔۔ موقوف ہے او ترک السعی او اکثرہ او رکب فیہ بلا عذر یا سب شوط سعی کے یا اکثر کو بدون عذر کے ترک کرے یا سعی سوار ہو کر بلا عذر کرے اور اگر سعی کو عذر سے ترک کرے یا سوار ہو کر سعی کرے بسبب عذر کے تو اس پر کچھ لازم نہیں کذا فی الطحطاوی او الوقوف بجمع یعنی مزدلفۃ

اوالرمی کلہ اوفی یوم واحد اوالرمی الاول اواکثرہ ای اکثر رمی یوم یا مزدلفہ کا ٹھہرنا ترک کرے یا جمرات ثلثہ کے کل رمی کو یا ایک دن کے رمی کو یا
پہلی رمی یعنی جمرۃ العقبہ کے رمی کو یا ایک دن کے اکثر رمی کو ترک کرے م کل رمی کا ترک کرنا یہ ہے کہ یوم النحر سے تیرھویں تک رمی نہ کرے کسی دن اور
جب تک کہ یہ دن باقی ہیں تو اعادہ رمی کا ممکن ہے بترتیب لیکن تاخیر سے امام کے نزدیک ذبح کرنا واجب ہوگا اور اکثر رمی کا ترک کرنا یہ کہ یوم النحر میں جمرۃ العقبہ
کو تین ہی کنکریاں مارے تو چار ترک ہوئیں یا ایام ثلثہ میں کسی دن گیارہ[1] کنکریاں مارنا ترک کرے اور سب ایام کے رمی اور ایک دن کی رمی ترک کرنے میں
ایک ہی بار ذبح کرنا اس واسطے واجب ہوا کہ متحد الجنس ہیں کذا فی حاشیۃ الطحاوی اوحلق فی حل بحج فی ایام النحر فلو بعدہا فدمان اوعمرۃ لاختصاص الحلق بالحرم
یا حج کے محرم نے سر منڈایا حل میں ایام نحر کے اندر تو ایک خون واجب ہے سو اگر بعد ایام نحر کے منڈا دے گا تو دو خون واجب ہوں گے یا عمرے کے محرم نے حل میں
سر منڈایا تو ایک خون واجب ہے بسبب مخصوص ہونے حلق کے حرم میں لادم علی معتمر خرج ثم رجع من حل الی الحرام ثم قصر وکذا الحاج ان رجع فی ایام النحر والافدم
التاخیر خون واجب نہیں اس عمرہ کرنے والے پر جو حرم سے باہر نکلا پھر حل سے حرم کی طرف پلٹ آیا پھر اس نے بال کترائے یا منڈا لئے اور ایسا ہی حکم حاجی کا ہے اگر
ایام نحر کے اندر حرم میں پلٹ آوے اور اگر بعد ایام نحر کے حرم میں بال کترادے یا منڈا دے تو اس پر ذبح کرنا واجب ہوگا بسبب تاخیر کے اوقبل عطف علی حلق
یا محرم نے عورت کا بوسہ لیا تو ایک خون واجب ہے لفظ قبل کا حلق کے لفظ پر عطف ہے اولمس بشہوۃ انزل اولا فی الاصح اواستمنی بکفہ اوجامع بہیمۃ وانزل یا عورت
کا بشہوت مساس کیا انزال ہو یا نہ ہو خون اس پر واجب ہے قول اصح میں یا اپنا کف دست آلہ تناسل میں لگا کر منی نکالی یا جانور سے جماع کیا اور انزال بھی ہوا
خون واجب ہوگا اور بدون انزال کے خون واجب نہیں کذا فی الطحاوی عن النحراو اخرالحاج الحلق اوطواف الفرض عن ایام النحر لتوقتہما بہا یا حاجی نے سر
منڈانے یا طواف الزیارۃ میں ایام النحر سے تاخیر کی اس واسطے کہ حلق اور طواف الزیارۃ ایام نحر میں متعین ہیں بنابر وجوب کے اور صاحبین کے نزدیک مناسک
کی تاخیر میں خون واجب نہیں اوقدم نسکا علی آخر فیجب فی یوم النحر اربعۃ اشیاء الرمی ثم الذبح لغیر المفرد ثم الحلق ثم الطواف یا مقدم کیا ایک عبادت کو دوسری عبادت
پر سو یوم النحر میں چار عبادتیں علی الترتیب واجب ہیں اول جمرۃ العقبہ کے رمی پھر ذبح کرنا قارن اور متمتع کے حق میں نہ تنہا حج کرنے والے کو پھر ذبح کے بعد سر منڈانا
پھر طواف الزیارۃ کرنا ان مناسک کی تقدیم اور تاخیر سے امام اعظمؒ کے نزدیک ذبح کرنا واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک تقدیم تاخیر سے کچھ واجب نہیں
اس دلیل سے کہ بخاری اور مسلم میں حدیث صحیح ثابت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں منا کے اندر تھے اور لوگ مسائل دریافت کرتے تھے سو
ایک مرد آیا اور اس نے کہا کہ مجھ کو معلوم نہ تھا سو میں نے سر منڈایا ذبح کرنے سے پہلے حضرت نے فرمایا کہ ذبح کر اور کچھ حرج نہیں اور دوسرا شخص آیا اس نے کہا کہ
یا رسول اللہ مجھ کو معلوم نہ تھا میں نے نحر کیا قبل رمی کے حضرتؐ نے فرمایا کہ رمی کر اور کچھ حرج نہیں سو حضرت سے کسی چیز کی تقدیم اور تاخیر سے سوال نہ ہوا مگر حضرتؐ
نے یہی فرمایا کہ کر یعنی اب اس کو کرلے اور کچھ حرج نہیں امام اعظم رحمہ اللہ کی طرف سے یہ جواب ہے کہ نفی حرج سے نفی گناہ اور نفی فساد حج البتہ متحقق ہے لیکن نفی جزا
کی ثابت نہیں اور صاف ظاہر ہے کہ تقدیم اور تاخیر ممنوع تھی لہذا سائل نے اپنی نادانستگی کو عذر قرار دیا اور اگر ممنوع نہ ہوتا تو سوال اور عذر بے علمی کی کیا حاجت
تھی اور حق یہ ہے کہ یہ حدیث ترتیب کے مسنون ہونے اور واجب ہونے دونوں کی محتمل ہے اور چونکہ ابتدائے اسلام تھی لہذا حضرت نے بسبب جہل کے
ان کو معذور رکھا اور جزا کا حکم نہ دیا تو مقام اضطراب میں بنابر احتیاط کے وجوب کا اعتبار کرنا واجب ہے علاوہ اس کے ابن ابی شیبہ نے عبداللہ بن مسعودؓ
سے روایت کی کہ جو ایک نسک کو دوسرے نسک پر مقدم کرے اس پر خون واجب ہے اور بعضے نسخوں میں بجائے ابن مسعودؓ کے ابن عباسؓ مذکور ہیں
ہر چند اس کی سند میں ابراہیم بن مہاجر داخل ہے اور وہ ضعیف ہے لیکن طحاوی میں اس قول کو عبداللہ بن عباسؓ سے دوسری سند سے ذکر کیا ہے
جس میں ابراہیم بن مہاجر مذکور نہیں تو استدلال پورا ہو گیا کذا فی فتح القدیر لکن لا شیء علی من طاف قبل الرمی والحلق نعم یکرہ ولباب وقد تقدم کما لا شیء علی المفرد الا اذا

[1] یعنی ایک سند میں اکیس کنکریاں تینوں جمرہ پر پہنچی ہیں تو گیارہ نصف سے زائد ہوئیں ۱۲

حلق قبل الرمی لان ذبحہ لا یجب لیکن کچھ واجب نہیں نہ صدقہ نہ خون اس شخص پر جو طواف کرے پہلے رمی اور سر منڈانے کے ہاں یہ تقدیم مکروہ ہے کذا فی
اللباب اور یہ پیشتر گذر چکا جیسا کچھ صدقہ یا خون واجب نہیں تمتع کرنے والے پر مگر اس صورت میں کہ سر منڈا دے پہلے رمی کے کیونکہ اس پر ذبح کرنا
واجب نہیں یعنی ذبح کی تقدیم و تاخیر بسبب عدم وجوب کے اس کو کچھ مضر نہ کرے گی کذا فی الطحطاوی ابتدائے باب سے یہاں تک وہ مسائل مصنف نے مذکور
کیے جن میں ایک خون واجب ہے ویجب دمان علی قارن حلق قبل ذبحہ دم للتاخیر و دم للقران علی المذہب کما حررہ المصنف قال و بہ اندفع ما توہمہ
بعضھم من جعل الدمین للجنایۃ اور واجب ہیں دو خون اس قارن پر جس نے سر منڈایا قبل اپنے ذبح کرنے کے ایک خون جنایت کا بسبب تاخیر ذبح کے
واجب ہے اور دوسرا قران کا بنا بر مذہب درست کے چنانچہ اس کو منقح کر کے بیان کیا ہے مصنف نے اپنی شرح منح الغفار میں اور کہا ہے کہ اس تقریر سے دفع
ہو گیا وہ وہم جو بعضے علما کو پیش آیا یہ تصور کر کے کہ یہ دونوں خون جنایت کے ہیں م مصنف نے منح الغفار میں بیان کیا ہے کہ محمد بن الحسن نے جامع صغیر میں
تصریح کی ہے کہ ایک خون قران کا ہے اور دوسرا تاخیر نسک کا تو اس تقریر سے صاحب ہدایہ کا اشتباہ دفع ہو گیا کہ دونوں خونوں کو جنایت کا سمجھا ہے وان طیب
جوابہ قولہ الاتی تصدق اقل من عضو او ستر راسہ او لبس اقل من یوم اور اگر خوشبو لگائی عضو سے کم تر میں یعنی تمام عضو میں نہ لگائی یا اپنے سر کو ڈھک لیا
یا سیا کپڑا پہنا ایک دن سے کم تو صدقہ دے بقدر نصف صاع کے شارح کہتا ہے ماتن کی عبارت میں ان طیب کا جواب اس کا قول ہے یعنی تصدق فی الخزانۃ فی
الساعۃ نصف صاع و فیما دونہا بقبضۃ و ظاہرہ ان الساعۃ فلکیۃ خزانہ میں ہے کہ ایک ساعت کے لباس پہننے میں نصف صاع کا صدقہ ہے اور اس سے کم میں مٹھی
بھر کا صدقہ ہے شارح کہتا ہے اور ظاہر کلام خزانہ کا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ساعت سے مراد ساعت آسمانی ہے یعنی اڑھائی گھڑی جس کو بالفعل گھنٹہ کہتے
ہیں اس واسطے کہ ساعت لغوی اور عرفی کی کچھ حد نہیں طحطاوی نے کہا کہ صاحب بحر الرائق نے خزانہ کی روایت کی تضعیف کی ہے کہ بہتر یہ تھا کہ شارح اس کو
ذکر نہ کرتا او حلق شاربہ او اقل من ربع راسہ او لحیتہ او بعض رقبتہ یا محرم نے اپنی مونچھ کو مونڈا یا اپنے سر یا داڑھی کو چوتھائی سے کم مونڈا یا اپنی گردن
کے تھوڑے بال مونڈے او قص اقل من خمسۃ اظافیر او خمسۃ الی ستۃ عشر متفرقۃ من کل عضو اربعۃ و قد استقر ان لکل ظفر نصف صاع الا ان یبلغ دما
فینقص ما شاء یا پانچ ناخن سے کم کاٹے یا پانچ ناخن سے سولہ تک متفرق ہر عضو سے چار چار کاٹے یعنی ایک ہاتھ سے چار اور دوسرے ہاتھ سے چار اور ایک
پاؤں سے چار اور دوسرے پاؤں سے چار سب سولہ ناخن ہوئے اور یہ ثابت ہو چکا کہ ہر ناخن کاٹنے کی جزا میں نصف صاع کا صدقہ ہے تو سولہ ناخن کا صدقہ
آٹھ صاع ہوئے جس کے تخمینا کچھ اوپر ۲۴ سیر گیہوں ہوتے ہیں تو اتنا دینا چاہیے مگر اس صورت میں جب کہ یہ صدقہ ایک بکری کی قیمت کے برابر ہو جاوے تو جتنا چاہے
کم کر ڈالے تاکہ اقل عضو کی جزا عضو کامل کی جزا کے برابر نہ ہو اس واسطے کہ سابق مذکور ہو چکا کہ عضو کامل کی جزا خون ہے یعنی بکری کا ذبح کرنا طحطاوی نے کہا کتب
معتمدہ میں مثل ہدایہ اور اس کی شروح میں یہی مذکور ہے کہ ہر ناخن کی جزا نصف صاع ہے بخلاف وقایہ اور درر کے کہ ان میں ایک ہی صدقہ پر اکتفا کی ہے او طاف
للقدوم او للصدر محدثا او ترک ثلثۃ من سبع الصدر ویجب لکل شوط منہ و من السعی نصف صاع او احدی الجمار الثلث فیجب لکل حصاۃ صدقۃ
الا ان یبلغ دما فکما مر و افاد الحدادی انہ ینقص نصف صاع یا طواف القدوم یا طواف الصدر کو بے وضو طواف کیا یا طواف الصدر کے سات شوطوں سے تین شوط
کم کر ڈالے اور طواف کے ہر شوط اور سعی کے ہر شوط کے ترک کرنے سے نصف صاع کا صدقہ واجب ہے یا جمرات ثلثہ سے کسی جمرہ کی رمی ترک کی اور ہر کنکری کے ترک
کرنے سے صدقہ واجب ہے یعنی نصف صاع کا مگر یہ کہ صدقہ بکری کی قیمت کے برابر ہو جاوے تو کچھ کم کر ڈالے چنانچہ ابھی مذکور ہو چکا اور حدادی نے کم کرنے کی حد
بیان کی ہے کہ نصف صاع کم کر ڈالے م طحطاوی نے کہا کہ حدادی کا قول ضعیف ہے معتمد وہی ہے جو متنوں میں مذکور ہے یعنی جتنا چاہے کم کر ڈالے او حلق راس
محرم او حلال غیرہ او رقبتہ او قلم ظفرہ بخلاف الو طیب عضو غیرہ او البسہ مخیطا فانہ لا شئی علیہ اجماعا ظہیریہ یا محرم نے کسی غیر شخص کا سر مونڈے وہ شخص محرم ہو یا غیر محرم یا
غیر کی گردن کے بال مونڈے یا اس کے ناخن کاٹے بخلاف اس کے کہ اگر غیر کے کسی عضو میں خوشبو لگا دے یا اس کو سیا کپڑا پہنا دے تو اس پر کچھ لازم نہیں

بالاتفاق نہ خون نہ صدقہ کذافی الظہیریہ تصدق بنصف صاع من بر کالفطرۃ تو نصف صاع گیہوں کا صدقہ دے مانند صدقہ عید الفطر کے م یہ جواب ہے
اس طیب کا یعنی اگر ایک عضو سے کم تر میں خوشبو لگا دے یا ایک دن سے کم سر کو ڈھکے یا سیا کپڑا پہنے یا مونچھ یا ربع سر سے کم مونڈے یا ہر عضو سے چار ناخن کاٹے
یا طواف القدوم یا طواف الصدر کو بے وضو کرے یا تین شوط طواف الصدر کے کم کرے یا کسی جمرہ کی رمی ترک کرے یا غیر کا سر مونڈے تو نصف صاع گیہوں کا
صدقہ دے طحطاوی نے کہا گیہوں کی قید اتفاقی ہے چاہے نصف صاع گیہوں دے چاہے ایک صاع کھجور یا جو دے لہذا شارح نے صدقہ فطر کی تمثیل دی وان طیب
او حلق او لبس لعذر خیر ان شاء ذبح فی الحرم او تصدق بثلثۃ اصوع علی ستۃ مساکین این شاء او صام ثلثۃ ایام ولو متفرقۃ اور اگر خوشبو لگائی یا بال مونڈے
یا کترے یا سیا کپڑا پہنا کسی عذر سے تو اس کو اختیار ہے اگر اس کا جی چاہے تو حرم میں ایک بکری ذبح کرے یا تین صاع گیہوں چھ محتاجوں کو صدقہ دے جہاں
چاہے حرم میں یا غیر حرم میں یا تین روزے رکھے جہاں چاہے اگرچہ روزے متفرق ہوں طحطاوی نے کہا عذر یہ ہے کہ خوف ہلاکی کا ہو بسبب شدت سرما کے یا بیماری
ہو یا بسبب قتال کے سلاح پہننا پڑے اور ظاہراً خوف سے مراد یہ ہے کہ گمان غالب ہو ہلاکی کا نہ وہم لیکن اس شرط سے کہ موضع ضرورت سے زیادتی نہ کرے یعنی
اگر فقط ٹوپی پہننے سے ضرورت دفع ہوتی ہے تو پگڑی نہ باندھے اور اگر بے ضرورت باندھے گا تو حرام ہے لیکن ذبح کرنا اس زیادتی سے نہ لازم آوے گا جیسا کہ صاحب
بحرالرائق نے گمان کیا ہے چنانچہ شرنبلالی نے اس کی تصریح کی ہے م صحاح ستہ میں کعب بن عجرہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے
اور میں اپنی ہانڈی کے نیچے آگ جلاتا تھا اور جوں میرے منہ پر چڑھ رہی تھی سو حضرت نے فرمایا کہ کیا تجھ کو تکلیف دیتے ہیں تیرے سر کے کیڑے میں نے کہا ہاں فرمایا
کہ مونڈ ڈال اور تین روزے رکھ یا چھ محتاجوں کو کھانا دے ہر محتاج کو نصف صاع یا ذبح کر مجھ کو معلوم نہیں کہ ان تین چیزوں میں سے کون چیز پہلے بتلائی پھر آیت
اتری (فمن کان منکم مریضا او بہ اذی من راسہ ففدیۃ من صیام او صدقۃ او نسک) یعنی جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اس کو تکلیف ہو اس کے سر سے تو فدیہ ہے صوم
سے یا صدقہ یا ذبح کرنے سے کذافی تیسیر الوصول الی جامع الاصول اور صحیحین کی ایک روایت یوں ہے کہ حضرت نے کعب بن عجرہ سے فرمایا کہ تجھ کو بکری میسر ہے اس نے
کہا نہیں فرمایا تین روزے رکھ یا چھ مسکین کو کھانا دے ہر مسکین کو نصف صاع چونکہ صدقہ اور صوم قرآن میں مجمل تھا حضرت نے اس کی تفصیل بیان فرمائی و وطیہ
فی احدی السبیلین من آدمی ولو ناسیا او مکرہا او نائمۃ او صبیا او مجنونا ذکرہ الحدادی لکن لا دم ولا قضاء علیہ قبل وقوف فرض یفسد حجہ اور محرم کا جماع کرنا
انسان سے قبل وقوف عرفات کے اس کے حج کو فاسد کرتا ہے خواہ قبل میں جماع کیا ہو خواہ دبر میں محرم نے عمداً جماع کیا یا بھول کر اپنی خوشی کیا یا زبردستی جاگتی
عورت سے یا سوتی سے محرم صغیر ہو یا جوان ہوشیار ہو یا دیوانہ صغیر اور مجنون کی حدادی نے تصریح کی ہے لیکن صغیر اور مجنون پر اس جماع سے ذبح اور قضائے
حج لازم نہیں طحطاوی نے کہا وطی انسان کی بہر صورت مفسد ہے حج کی انزال ہو یا نہ ہو اور جانور کی وطی مطلقاً مفسد نہیں لہذا شارح نے آدمی کی قید لگائی
اور یہ جو فتح القدیر میں ہے کہ وطی صغیر کی مفسد حج نہیں سو یہ قول ضعیف ہے ولو الجیہ اور مناسک ابن ضیا کے مخالف ہے کذافی النہر وکذا لو استدخلت ذکر حمار او ذکراً
مقطوعا فسد حجہا اجماعا اور اسی طرح عورت نے ذکر حمار کو یا ذکر مقطوع کو اپنی شرم گاہ میں داخل کر لیا تو اس کا حج فاسد ہو گیا بالاتفاق ویمضی وجوبا فی فاسدہ کما تمرہ
ویذبح ویقضی ولو نفلا اور واجب ہے کہ اپنے فاسد حج کو کیے جائے جیسے حج جائز کو کرتے ہیں یعنی فاسد جان کر اس کو بالکل ترک نہ کر دے بلکہ جس قدر مناسک
باقی رہ گئے ہوں ان کو پورا کرے اور ذبح کرے اور اگلے سال اس حج کو قضا کرے اگرچہ یہ حج فاسد فرض نہ ہو بلکہ نفل ہو تو بھی قضا واجب ہے م اصل اس مسئلہ
کی وہ حدیث ہے کہ ابو داؤد کے مراسیل میں مروی ہے کہ ایک مرد نے اپنی عورت سے صحبت کی اور دونوں محرم تھے سو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مسئلہ
پوچھا حضرت نے فرمایا کہ تم دونوں اپنے حج کو قضا کرنا اور ہدی لانا اور بیہقی نے بھی اس کو روایت کیا ہے اگرچہ یہ حدیث مرسل ہے لیکن مرسل امام اعظم کے نزدیک
حجت ہے علاوہ اس کے دارقطنی نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ جماع سے حج باطل ہوتا ہے سائل نے پوچھا جب حج باطل ہوا تو بیٹھ رہے کہا نہیں بلکہ
لوگوں کے ساتھ جاوے جو لوگ کرتے ہیں سو وہ بھی کرے یعنی مناسک کو عمل میں لاوے اور سال آئندہ قضا کرے اور ہدی لاوے اور عبداللہ بن عباس اور

عبداللہ بن عمرو بن العاص کا فتویٰ اسی کے موافق ہے بیہقی نے کہا کہ ان آثار کی اسناد صحیح ہیں اور امام مالک کے موطا میں علی مرتضیٰؓ اور عمر فاروقؓ اور ابو ہریرہؓ سے اسی قسم کا فتویٰ ثابت ہے کذا فی فتح القدیر ولو افسد القضاء ہل یجب قضاؤہ لم ارہ والذی یظہر ان المراد بالقضاء الاعادۃ اور اگر سال آئندہ میں قضائے حج کو بھی فاسد کرے تو کیا قضا کی بھی قضا کرنا واجب ہے یا نہیں شارح کہتا ہے میں نے یہ مسئلہ کسی کتاب فقہ میں نہیں دیکھا اور ظاہراً قضا سے مراد یہاں اعادہ ہے حج کا یعنی لغوی معنی مراد ہیں م یہ تقریر صاحب نہر کی ہے جو مصر کے جامع ازہر میں کسی طالب علم کے سوال کے جواب میں مذکور ہوئی تھی کذا فی النہر ولم یفترقا وجوبا بل ندبا ان خاف الوقوع اور جب زوجین قضائے حج کو دوسرے سال میں آویں تو ان پر جدا رہنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اگر وقوع جماع کا خوف ہے اس واسطے کہ شفقت قضائے حج کی ترک جماع میں کافی ہے ووطیہ بعد وقوفہ لم یفسد حجہ وتجب بدنۃ لو بعد الحلق قبل الطواف شاۃ لخفۃ الجنایۃ اور جماع محرم کا بعد وقوف عرفات کے حج کو فاسد نہیں کرتا اس واسطے کہ حدیث میں ثابت ہو چکا کہ جو عرفات میں ٹھہرا اس کا حج تمام ہوا یعنی فساد سے محفوظ رہا اور اس جماع سے ایک اونٹ یا گائے کا ذبح کرنا واجب ہے چنانچہ ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے کذا فی منح الغفار اور بعد سر منڈانے طواف الزیارۃ کے قبل جماع کرنے سے ایک بکری کا ذبح کرنا واجب ہے اس واسطے کہ ہلکا قصور ہے کیونکہ بعد حلق کے سوائے عورتوں کے سب اشیا محرم کو حلال ہو جاتے ہیں تمام متون فقہ میں یہی روایت ہے ابن ہمامؒ نے کہا کہ اس میں بھی اونٹ یا گائے کا ذبح کرنا لازم ہے اور بحر الرائق میں اس کو رد کیا ہے کذا فی الطحطاوی ووطیہ فی عمرتہ قبل طوافہ اربعۃ مفسد لہا فمضی وذبح وقضی وجوبا ووطیہ بعد اربعۃ ذبح ولم تفسد خلافا للشافعی اور وطی محرم کی اپنے عمرہ میں قبل طواف کرنے چار شوط کے مفسد ہے عمرے کی تو بعد فاسد ہونے کے عمرے کے افعال کو کیے جاوے اور ایک بکری ذبح کرے اور عمرے کو قضا کرے بنا بر وجوب کے اور وطی کرنا محرم کا عمرے میں بعد چار شوط کے مفسد عمرے کا نہیں لیکن اس قصور کی جزا میں ایک بکری ذبح کرے بخلاف امام شافعیؒ کے کہ ان کے نزدیک چار شوط کے بعد وطی سے عمرہ فاسد ہوتا ہے اس واسطے کہ عمرہ ان کے نزدیک فرض ہے کذا فی الطحطاوی فان قتل محرم صیدا ای حیوانا بریا متوحشا باصل خلقتہ اگر قتل کرے محرم صید یعنی شکار کو تو اس پر جزا واجب ہے صید کہتے ہیں خشکی کے جانور کو جو اپنی اصل پیدائش سے وحشی ہو م خشکی کا جانور وہ ہے جس کا توالد اور تناسل خشکی میں ہو اگرچہ پانی میں رہا کرتا ہو اور دریائی جانور وہ ہے جس کا توالد اور تناسل پانی میں ہو اگرچہ وہ خشکی میں رہا کرتا ہو چنانچہ مچھلی اور مینڈک اور کیکڑا اور دریائی کتا اور کچھوا اور گھڑیال اور مگر تو ان کے قتل میں محرم پر جزا واجب نہیں اور خشکی کے جانوروں میں دوسری قید یہ ہے کہ اپنی اصل خلقت میں وحشی ہو وحشی سے یہ مراد ہے کہ جو اس کو پکڑا چاہے تو بھاگ جاوے خواہ پاؤں سے خواہ پروں سے تو پلا ہوا ہرن صید میں داخل ہے اس واسطے کہ اصل وحشی ہے اور وحشی اونٹ اور گائے صید میں داخل نہیں اس واسطے کہ ان کی اصل خلقت میں وحشت نہیں اور صید جانور ماکول اور غیر ماکول دونوں کو شامل ہے تو سب کا قتل محرم کو حرام ہے حل اور حرم دونوں میں سوائے ان جانوروں کے جو مستثنیٰ ہیں اور مصنف ان کو بیان کرے گا کذا فی الفتح والطحطاوی او دل علیہ قاتلہ مصدقا غیر عالم واتصل القتل بالدلالۃ او الاشارۃ والدال والمشیر باق علی احرامہ واخذہ قبل ان یتفلت عن مکانہ یا محرم نے صید پر اس کے قاتل کو دلالت کی یعنی قاتل کو شکار بتا دیا کہ فلانے مکان میں ہے دلالت کی پانچ شرطیں ہیں ایک یہ کہ قاتل دلالت کرنے والے کی تصدیق کرے تصدیق کا یہ مطلب نہیں کہ محرم سے یوں کہے کہ تو اس دلالت میں سچا ہے بلکہ تصدیق سے یہ مراد ہے کہ اس کی تکذیب نہ کرے تو اگر قاتل نے ایک محرم کی تکذیب کی بعد دوسرے محرم کی دلالت کی تصدیق کر کے صید کو مارا تو اول محرم پر جزا واجب نہ ہوگی اور دوسری شرط یہ ہے کہ قاتل صید سے واقف نہ ہو اور اگر وہ جانتا ہو تو محرم کی دلالت سے جزا لازم نہ ہوگی تیسری شرط یہ ہے کہ قتل کرنا صید کا دلالت اور اشارت کے متصل واقع ہو چوتھی شرط یہ ہے کہ محرم دلالت کرنے والا اور اشارہ کرنے والا اپنے احرام پر باقی رہے صید کے قتل ہونے تک تو اگر بتانے کے وقت احرام ہو اور قتل کے وقت احرام اتار چکا ہو تو اس پر جزا لازم نہ ہوگی پانچویں شرط یہ ہے کہ قاتل نے صید کو لیا ہو قبل اس کے کہ وہ اپنی جگہ سے بھاگے یعنی جہاں محرم نے قاتل کو صید بتایا تھا وہیں اس نے اس کو گرفتار کیا اور اگر صید وہاں سے اٹھ گیا اور دوسرے مکان میں گرفتار ہوا تو محرم پر جزا لازم ہوگی دلالت اور اشارہ میں یہ فرق ہے کہ دلالت غیبت

میں ہوتی ہے اور اشارہ سامنے ہوتا ہے بدأ او عوداً سہواً او عمداً مباحا او مملوکا محرم کا قتل کرنا صید کو یا اس کا بتانا اور اشارہ کرنا اول حج میں ہو یا
دوسرے یا تیسرے حج میں اول بار قتل یا دلالت واقع ہوئی ہو یا دوبارہ بھول کر ہو یا جان کر صید مباح ہو یعنی جنگلی یا کسی کا مملوک لیکن صید مملوک میں دو
قیمتیں محرم پر واجب ہوں گی ایک قیمت مالک کے واسطے اور دوسری قیمت احرام کی جزا میں کذا فی حاشیۃ الطحطاوی فعلیہ جزاؤہ ولو سبعا غیر صائل او مستانسا
او حماما ولو مسرولا بفتح الواو ما فی رجلیہ ریش کالسراویل یعنی اگر محرم صید کو قتل کرے یا دلالت کرے تو اس پر اس کی جزا واجب ہے اگرچہ صید ایسا درندہ جانور ہو
جس نے حملہ نہ کیا یا صید مانوس اور مالوف ہو جیسے پلا ہرن یا کبوتر ہو اگرچہ مسرول کبوتر ہو مسرول بضم میم و فتح سین وسکون را وفتح واو اس کبوتر کو کہتے ہیں جس کے
پاؤں میں پر ہوں مثل پاجامہ کے امام مالکؒ کے نزدیک مسرول کبوتر صید نہیں اس واسطے کہ وہ مانوس ہے وحشی نہیں تو اس کا حکم بط کے برابر ہے ہم کہتے ہیں
کہ وہ باعتبار اپنی اصل خلقت کے وحشی ہے لیکن وہ اپنے بھاری پن سے اڑ نہیں سکتا کذا فی المنح او ہو مضطر الی اکلہ کما یلزمہ القصاص لو قتل انسانا واکل لحمہ
یا محرم بسبب گرسنگی دیرینہ کے صید کے کھانے میں مجبور اور مضطر ہو تو بھی اس پر جزا واجب ہے چنانچہ محرم پر قصاص لازم ہے اگر وہ کسی انسان کو قتل کرے اور
اس کا گوشت کھاوے اضطرار میں یعنی اضطرار سے صید کی جزا اور انسان مقتول کا قصاص ساقط نہیں ویقدم المیتۃ علی الصید والصید علی مال الغیر ولحم الانسان قیل والحم خنزیر
اور حالت اضطرار میں مردہ جانور کھانا مقدم ہے صید پر اور صید مقدم ہے مال غیر پر اور انسان کے گوشت پر اور قول ضعیف میں صید مقدم ہے سور پر اور تقدیم
مردار کی صید پر اس میں اختلاف روایت ہے فتاوی قاضی خان میں مردار کو تقدیم ہے صید پر اور مبسوط میں صید کو تقدیم ہے مردار پر واللہ اعلم کذا فی فتح القدیر
ولو المیت نبیا لم یحل بحال کما لا یوکل طعام مضطر آخر اور اگر میت پیغمبر ہو تو کسی حال میں حلال نہیں جیسے ایک مضطر کو دوسرے مضطر کا طعام کھانا جائز نہیں وفی البزازیۃ
الصید المذبوح اولی اتفاقا[1] اور بزازیہ میں ہے کہ ذبح کیا ہوا شکار کا کھانا بہتر ہے مردار کھانے سے بالاتفاق اس واسطے کہ مردار میں حرمت ذاتی ہے اور شکار میں
عارضی کذا فی الطحطاوی عن الزیلعی والجزاء ہو ما قومہ عدلان وقیل الواحد ولو القاتل یکفی فی مقتلہ او فی اقرب مکان منہ ان لم یکن لہ فی مقتلہ قیمۃ فاو للتنویع
لا للتخییر اور صید کی جزا وہ قیمت ہے جس کو دو عادل مسلمان مقرر کر دیں جس مکان میں کہ صید مقتول ہوا یا اس مکان میں جو مقتل کے نزدیک تر ہو اگر اس
کے مقتل میں قیمت نہ ہو بسبب جنگل ہونے کے تو کلمہ او کا مصنف کی عبارت میں تقسیم کے واسطے ہے نہ واسطے اختیار دینے کے اور قول ضعیف میں ایک عادل
کا قیمت مقرر کر دینا کافی ہے اگرچہ قاتل ہی قیمت ٹھہرا دے مگر ایک عادل کا قیمت ٹھہرانا اس واسطے ضعیف ہے کہ ظاہر نص قرآنی کے مخالف ہے اور نص میں ظاہراً
دو عادل کا ہونا واجب معلوم ہوتا ہے نہ مستحب کذا فی فتح القدیر امام اعظم اور ابو یوسف کے نزدیک جزائے صید میں قیمت لازم ہے اور امام شافعی اور محمد کے
نزدیک ہم شکل ہونا صید کا جزا میں ضرور ہے چنانچہ ہرن میں بکری اور خرگوش میں بکری کا بچہ اور شتر مرغ میں اور گور خر کے قتل میں گائے ان کے نزدیک
لازم ہے حق تعالیٰ نے فرمایا ولا تقتلوا الصید وانتم حرم ومن قتلہ منکم متعمدا فجزاء مثل ما قتل من النعم یحکم بہ ذوا عدل منکم ہدیا بالغ الکعبۃ او کفارۃ طعام مساکین
او عدل ذلک صیاما یعنی صید کو نہ مارو محرم ہو کر اور جو تم میں سے قصداً مارے تو جزا ہے مثل اس کی جس کو مارا جانوروں میں سے وہ جزا جس کو دو عادل شخص
تم میں سے حکم کریں نیاز پہنچا دے کعبہ کو یا کفارہ طعام مساکین کا یا برابر اس کے صیام تو امام شافعی کے نزدیک مماثلت ظاہری لازم ہے اور امام اعظم کے نزدیک
مماثلت معنوی واجب ہے یعنی باعتبار قیمت کے اس واسطے کہ مماثلت مطلقہ تو وہ ہے جو صورۃ اور معنیً دونوں ہو چنانچہ مشترک النوع میں سو مماثلت مطلقہ تو
یہاں بالاتفاق مراد نہیں لہذا مماثلت معنوی مراد ہوئی اس واسطے کہ شرع میں مماثلت معنوی ہی متعین ہے چنانچہ حقوق العباد میں کذا فی الہدایہ وشروحہا
والجزاء فی سبع ای حیوان لا یوکل ولو خنزیرا او فیلا لا یزاد علی قیمۃ شاۃ وان کان السبع اکبر منہا لان الفساد فی جزاء الماکول لیس الا باراقۃ الدم فلا یجب
فیہ الا الدم وکذا لو قتل معلما ضمنہ لحق اللہ تعالیٰ غیر معلم ولمالکہ معلما اور درندہ جانور کا بدلا زیادہ نہ کیا جائے بکری کی قیمت سے درندہ جانور سے یہاں وہ جانور

[1] ایک نسخہ میں اتفاقا کے بعد یہ ہے۔ اشباہ ولیزم ایضا اکلہ لو ادی الجزاء ۱۲

مراد ہے جو حلال نہیں اگرچہ سور ہو یا ہاتھی یا بندر تو غیر ماکول اللحم اگرچہ بکری سے جسم میں بڑا ہو بکری سے اس کی قیمت زیادہ نہ کی جاوے گی اس لیے کہ غیر ماکول
اللحم کے قتل میں سوائے خونریزی کے کوئی فساد نہیں کیونکہ اس کا گوشت لائق کھانے کے نہیں تو اس میں واجب نہیں مگر خونریزی سو بکری میں حاصل
ہے اور اسی طرح اگر محرم نے معلم درندے کو قتل کیا مثلاً شکاری چیتا مار ڈالا تو حق اللہ میں غیر معلم کی جزا دیوے اور اس کے مالک کو معلم کی قیمت دے اس واسطے
کہ ضمان مالک کا باعتبار اس کے انتفاع کے ہے اور حق شرع باعتبار اس کی ذات کے ہے قطع نظر تعلیم سے کذا فی البحر ثم له ای للقاتل ان یشتری به ہدیا وذبحه
بمکۃ او طعاما ویتصدق این شاء علی کل مسکین ولو ذمیا نصف صاع من بر او صاعا من تمر او شعیر کالفطرۃ پھر دیانت کیا چاہیے کہ جب مقتول صید
کی وہ عادل قیمت ٹھہرا دیویں تو قاتل کو اختیار ہے کہ اس قیمت سے ہدی مول لے اور اس کو مکہ میں جاکر ذبح کرے یا اس قدر قیمت کا طعام مول لے اور
جہاں چاہے تصدق کرے ہر محتاج کو نصف صاع گیہوں یا پورا صاع کھجور یا جو مانند صدقہ عید الفطر کے اگرچہ محتاج ذمی ہو مگر طحاوی نے کہا کہ ذمی کو دینا
مفتی بہ کے مخالف ہے اس واسطے کہ صدقات واجبہ کا ذمی کو دینا جائز نہیں چنانچہ کتاب الزکوۃ میں مذکور ہو چکا لا یجزیہ اقل او اکثر منہ بل یکون تطوعا کفایت
نہیں کرتا اس سے کم دینا یا اکثر دینا بلکہ اکثر دینا نفل صدقہ ہوگا نہ واجب او صام عن طعام کل مسکین یوما یا ہر مسکین کے طعام کی عوض ایک ایک دن
روزہ رکھے خلاصہ یہ ہے کہ قاتل کو تین امر میں اختیار ہے کہ صید کی قیمت سے گائے یا بکری خرید کر کے حرم میں لے جاکر ذبح کرے یا اس قیمت سے مثلاً گیہوں
مول لیوے اور ہر مسکین کو نصف نصف صاع دلیوے یا بجائے نصف صاع کے ایک روزہ رکھے یعنی اگر پانچ فقیروں کو نصف نصف صاع گیہوں پہنچتے ہوں تو پانچ
روزے رکھے اور اگر دس کو پہنچتے ہوں تو دس روزے رکھے وان فضل عن طعام مسکین او کان الواجب ابتداء اقل منہ تصدق بہ او صام یوما بدلہ اور
ایک مسکین کے حصے سے اگر اناج بڑھے یا سرے سے نصف صاع سے تھوڑا ہی واجب ہوا ہو مثلاً گنجشک خانگی کے قتل سے ربع صاع گیہوں واجب ہوئے ہوں تو
اتنا ہی مسکین کو دلیوے یعنی نصف صاع سے کم نہ یا اس کے عوض ایک دن روزہ رکھے ولا یجوز ان یفرق نصف صاع علی مساکین قال المصنف تبعا
للبحر ہذا ذکرہ ہنا وقدم فی الفطرۃ الجواز فینبغی کذلک ہنا اور یہاں جائز نہیں نصف صاع کو چند مساکین پر بانٹنا مصنف نے اپنی شرح منح الغفار میں بحر الرائق کی پیروی
کرکے کہا کہ اسی طرح فقہا نے یہاں یعنی جزائے صید میں ذکر کیا ہے اور صدقہ فطر میں اس کا جواز مقدم ہو چکا ہے تو یہاں بھی اسی طرح لائق ہے علی المنصوص نص
قرآنی یہاں مطلق ہے تو اپنے اطلاق پر جاری رہے گی کذا فی البحر وتکفی الاباحۃ ہنا کدفع القیمۃ اور یہاں اباحت طعام کافی ہے مانند قیمت دینے کے یعنی طعام کی دو
صورتیں ہیں ایک یہ کہ مساکین کو طعام کا مالک کر دیوے دوسری صورت یہ ہے کہ کھانا پکا کر دونوں وقت ان کو پیٹ بھر کے کھلا دے جتنا وہ کھا دیں یا نصف
نصف صاع کی قیمت ہر مسکین کو دے ولا ان یدفع کل الطعام الی مسکین واحد ہنا بخلاف الفطرۃ لان العدد منصوص علیہ اور جائز نہیں دینا سب طعام
کا ایک مسکین کو یہاں بخلاف صدقہ فطر کے اس واسطے کہ جزائے صید میں تعدد مساکین مصرح ہے قرآن میں بلفظ جمع کما لا یجوز دفعہ ای الجزاء الی من لا تقبل شہادتہ
لہ کاصلہ وان علا وفرعہ وان سفل وزوجتہ وزوجہا وہذا ہو الحکم فی کل صدقۃ واجبۃ کما مر فی المصرف جیسا کہ جائز نہیں دینا اس جزا کا ان لوگوں کو جن کی
گواہی اس کے حق میں مقبول نہیں چنانچہ اصل محرم کی اگرچہ اونچی ہو اور شاخ محرم کی اگرچہ نیچی ہو یعنی اپنے اصول اور فروع کو قریب ہوں یا بعید دینا جائز نہیں اور
زوج کو اپنی زوجہ کا دینا اور زوجہ کا اپنے زوج کا دینا جائز نہیں اور یہی حکم ہے جمیع صدقات واجب میں کہ اصول اور فروع اور زوجین کو دینا جائز نہیں چنانچہ
اس کی تفصیل مصرف زکوۃ میں مذکور ہو چکی ووجب بجرحہ ونتف شعرہ وقطع عضوہ ما نقص ان لم یقصد الاصلاح فان قصدہ کتخلیص حمامۃ من سنور او شبکۃ
فلا شئ علیہ وان ماتت اور شکار کے زخمی کرنے اور بال اکھاڑنے سے اور عضو کاٹنے سے واجب ہوتی ہے جزا بقدر نقصان کے بشرطیکہ یہ امور محرم سے بقصد اصلاح
نہ واقع ہوئے ہوں سو اگر بقصد اصلاح ہوئے ہوں چنانچہ کبوتر کے چھڑانے میں بلی سے یا جال سے کچھ پر اور اکھڑ گئے تو اس صورت میں محرم پر کوئی چیز واجب نہیں
اگرچہ وہ اس حال میں مر بھی جاوے م جزا بقدر نقصان کا یہ مطلب ہے کہ صحیح سالم جانور کی قیمت کی جاوے پھر ناقص کی قیمت ٹھہرائی جاوے تو جس قدر دونوں

قیمتوں میں تفاوت ہو اتنا محرم پر واجب ہے مثلاً صحیح سالم جانور کی ۳۰ درم قیمت ہو اور بعد زخمی ہونے یا عضو کاٹنے کے ۲۰ درم قیمت ہو جاوے تو دس درم محرم پر واجب ہوں گے اس دس درم سے خواہ ہدی مول لے کر حرم میں ذبح کرے یا اناج لے کر مساکین کو صدقہ دے یا بقدر اس کے روزے رکھے **ووجب بنتف ریشہ وقطع قوائمہ** حتی تخرج من حیز الامتناع اور شکار کے پر اکھاڑنے اور پاؤں کاٹنے سے کل قیمت اس کی واجب ہے اس واسطے کہ وہ نکل گیا حیز امتناع سے یعنی اگر جانور کو کوئی پکڑنا چاہے تو پرندہ اپنے پروں کے سبب سے اڑ جاتا ہے اور چوپایہ اپنے پاؤں سے بھاگ جاتا ہے پھر جب پرندے کے پر اکھاڑے یا چوپایہ کے پاؤں کاٹے تو وہ اب آپ کو بچا نہیں سکتا تو گویا اس کو جان سے مارا لہذا کل قیمت اس کی واجب ہوئی کذا فی المنح والطحطاوی **وکسر بیضہ** غیر المذر اور اس کے انڈے توڑنے سے کل قیمت انڈے کی واجب ہے بشرطیکہ گندا نہ ہو اور اگر انڈا گندہ ہو گا تو محرم پر کچھ واجب نہیں **وخروج فرخ میت بہ** ای بالکسر او قیمتہ واجب ہے مردہ بچہ نکلنے سے بسبب توڑنے انڈے کے یعنی جو زندہ بچہ کی قیمت ہو سو واجب ہے اور اگر توڑنے سے پہلے معلوم ہو کہ انڈے میں بچہ مردہ ہے تو کچھ واجب نہیں اور اگر معلوم نہ ہو کہ توڑنے سے پہلے بچہ زندہ تھا یا مردہ تو احتیاطاً قیمت واجب ہے کذا فی الدرر **وذبح حلال صید الحرم** اور صید حرم کے ذبح کرنے سے غیر محرم پر قیمت واجب ہے یعنی جو شخص کہ احرام نہیں باندھے وہ حرم کے شکار کو ذبح کرے تو اس پر واجب ہے کہ اس کی قیمت کو تصدق کرے یا ہدی مول لے کر حرم میں ذبح کرے لیکن غیر محرم کو صدقہ کے عوض روزہ رکھنا جائز نہیں اور اگر غیر محرم خود صید کو ذبح نہ کرے اور دوسرا شخص اس کی دلالت سے ذبح کرے تو اس پر کچھ لازم نہیں کذا فی الطحطاوی **وحلبہ لبنہ** اور قیمت دودھ کی واجب ہے صید حرم کے دودھ دوہنے سے **وقطع حشیشہ وشجرہ حال کونہ غیر مملوک** یعنی النابت بنفسہ سواء کان مملوکاً او لا حتی قالوا نبت فی ملکہ ام غیلان فقطعہا انسان فعلیہ قیمۃ لمالکہا واخری لحق الشرع بناء علی قولہما المفتی بہ من تملک ارض الحرم اور قیمت واجب ہے حرم کی گھاس اور حرم کے درخت کاٹنے سے بشرطیکہ درخت غیر مملوک ہو یعنی خود جم اٹھا ہو بدون بونے انسان کے خواہ کسی کا مملوک ہو یا نہ ہو یہاں تک فقہا نے تصریح کی ہے کہ اگر ببول کا درخت جس کو کیکر بھی کہتے ہیں حرم میں کسی شخص کی مملوک زمین کے اندر جم اٹھے اور کوئی شخص اس کو کاٹ ڈالے تو کاٹنے والے پر دو قیمتیں واجب ہیں ایک قیمت اس کی مالک کے واسطے اور دوسری قیمت حق شرع کے واسطے اس مسئلہ کی بنا ہے صاحبین کے مفتی بہ قول پر کہ زمین حرم کی مملوک ہے اور امام اعظم کے نزدیک زمین حرم وقف ہے تو مملوک نہیں ہو سکتی **ولا منبت** ای لیس من جنس ما ینبتہ الناس فلو من جنسہ فلا شئ علیہ اور دوسری شرط وجوب قیمت کی یہ ہے کہ وہ جمانے کا درخت نہ ہو یعنی اس قسم کا درخت نہ ہو جس کو لوگ باعتبار اپنی عادت کے بوتے اور جماتے ہیں تو اگر اس کے ہم جنس ہو یعنی ایسا خودرو درخت ہو جس کو لوگ بوتے اور جماتے ہوں تو اس کے کاٹنے سے اس شخص پر شرعاً مواخذہ نہیں ہاں اگر کسی کی مملوک زمین پر ہو گا تو مالک کو البتہ قیمت دینا لازم ہو گا کذا فی حاشیۃ الطحطاوی ہم کتب فقہ علی الخصوص شروح ہدایہ میں مصرح ہے کہ حرم کی گھاس اور حرم کا درخت دو قسم ہیں ایک قسم تو وہ درخت ہے جس کو لوگوں نے بویا اور دوسری قسم وہ ہے جو خودرو ہو جیسے اکثر جنگلی درخت تو جو انسان کا بویا ہے اس کی دو قسمیں ہیں یا ایسا درخت ہے جس کو لوگ بوتے ہیں بطور عادت کے یا ایسا ہو جس کے بونے کی عادت نہیں ان دونوں قسموں کے کاٹنے میں جزا واجب نہیں اور جو خودرو درخت ہے اس کی بھی دو قسم ہیں یا اس جنس سے ہے جس کو لوگ بوتے ہیں تو اس کے کاٹنے میں بھی جزا واجب نہیں یا ایسا خودرو درخت ہے جس کو انسان نہیں بوتا تو فقط اسی چوتھی قسم کی گھاس اور درخت کاٹنے میں جزا واجب ہے کذا فی المسدد اور اس امر میں اصل وہ حدیث ہے جو صحاح ستہ میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر حمد الٰہی کی بعد اس کے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مکہ سے ہاتھی کو یعنی اصحاب الفیل کو ہلاک کیا اور اپنے رسولؐ اور مومنین کو مکہ پر مسلط کیا اور میرے واسطے ساعت بھر مکہ حلال ہو گیا پھر اس کی حرمت باقی رہی قیامت تک نہ کاٹا جائے اس کا درخت اور نہ ستایا جاوے یہاں کا شکار اور نہ کاٹی جاوے یہاں کی گیلی گھاس اور حلال نہیں یہاں کی گری چیز تو عباسؓ نے کہا مگر اذخر کے کاٹنے کی اجازت ہو ہماری قبروں اور گھروں کے واسطے تو حضرت صلعم نے فرمایا مگر اذخر یعنی اس کا کاٹنا حرام نہیں ہر چند ظاہر حدیث میں سوائے اذخر کے کوئی گھاس اور درخت مستثنیٰ نہیں لیکن فقہا نے بدلیل

اجماع ہے کہ اقسام ثلثہ مذکورہ کو مستثنیٰ کیا ہے اس واسطے کہ حضرت صلعم کے وقت سے اب تک وہاں زراعت کرنے اور کاٹنے کی عادت جاری ہے بلاانکار
علاوہ اس کے ممنوع تو حرم کا درخت اور گھاس ہے تو حرم کی طرف اسی درخت اور گھاس کی نسبت کاملہ ہوگی جو خود رو ہے اور انسان کی طرف منسوب نہیں اور
جس کو انسان نے بویا خواہ اس کے بونے کی عادت ہو یا نہ ہو وہ انسان کی طرف منسوب ہو گیا کذا فی الہدایۃ والاختیار شرح المختار کمقطوع وورق لم یضر بالشجرۃ ولذا حل
قطع الشجر المثمر لان اثمارہ اقیم مقام الانبات چنانچہ حرم کے مقطوع درخت اور پتوں میں مواخذہ شرع کا نہیں بشرطیکہ پتوں کا توڑنا درخت کو ضرر نہ کرے اور چونکہ اس
گھاس اور درخت کے کاٹنے میں کچھ جزا نہیں جو مجانس ہو انسان کے بونے کا لہذا حلال ہے کاٹنا اس درخت کا جو پھلتا ہو اس واسطے کہ اس کا پھلنا قائم مقام ہے
اس کے بونے اور جمانے کے فقیمتہ فی کل ما ذکر الا ما جف او انکسر لعدم النماء او ذہب بحفر کانون او ضرب فسطاط لعدم امکان الاحتراز عنہ لانہ تبع واجب ہے قیمت
اس چیز کی جس سے پیدا کھالے گئے یا مقطوع یا مکسور یا مذبوح ہوئے جمیع مسائل مذکورہ میں چنانچہ تفصیل ان کی ترجمہ میں مفصل مذکور ہو چکی مگر جو گھاس یا درخت
خشک ہو گیا یا ٹوٹ گیا تو اس کے قطع کرنے میں قیمت واجب نہیں بسبب عدم نمو کے اس واسطے کہ جب درخت میں نمو نہ رہا تو وہ درخت نہ رہا حطب (ایندھن) ہو گیا یا درخت
ضائع ہو گیا بسبب بھٹی کھودنے یا خیمہ گاڑنے کے اس واسطے کہ ایسے امور سے بچنا ممکن نہیں اور دوسری علت یہ ہے کہ اس طرح سے ضائع ہونا بالتبع ہے نہ بالاصالت
والعبرۃ للاصل لا للغصن اور اعتبار درخت کی جڑ کا ہے نہ شاخ کا پس اگر ایک درخت کی جڑ حرم میں ہے اور شاخیں اس کی حل میں تو وہ درخت حرم کا ہے اس کے
کاٹنے سے قیمت دینا واجب ہوگا اور اگر جڑ اس کی حل میں ہے اور شاخیں حرم میں تو وہ حل کا درخت ہے نہ حرم کا ولبعضہ ای الاصل کلہ ترجیحا للحرمۃ اور تھوڑی
جڑ کا ہونا حرم میں تمام جڑ کے برابر ہے بنا بر ترجیح حرمت کے والعبرۃ لمکان الطیر فان کان علی غصن بحیث لو وقع الصید وقع فی الحرم فھو صید الحرم والا لا
اور اعتبار اڑنے والے کے مکان کا ہے سو اگر پرندہ شاخ پر ہو اس طرح کہ اگر شکار گرے تو حرم کی زمین میں گرے تو وہ حرم کا شکار ہے اور اگر حرم میں نہ گرے
تو وہ حرم کا شکار نہیں ولو کان قوائم الصید القائم فی الحرم ورأسہ فی الحل فالعبرۃ للقوائم لبعضہا لکلہا لا الراس وہذا فی القائم فلو نائما فالعبرۃ لرأسہ لسقوط اعتبار
قوائمہ فاجتمع المبیح والمحرم اور اگر کھڑے صید کے پاؤں حرم میں ہوں اور اس کا سر حل میں تو اعتبار اس کے پاؤں کا ہے یعنی وہ شکار حرم کا گنا جاوے گا اور بعضے
پاؤں کا حرم میں ہونا سب پاؤں کے برابر ہے یعنی اگر ایک پاؤں بھی حرم کی زمین میں ہوگا تو وہ حرم کا شکار ہے نہیں اعتبار ہے شکار کے سر کا یعنی اگر اس کے
پاؤں حل میں ہوں اور سر حرم میں تو وہ شکار حل کا ہے نہ حرم کا اور یہ حکم کھڑے شکار کا ہے سو اگر صید سوتا ہو یعنی لیٹا ہو تو اس کے سر کا اعتبار ہے اس واسطے کہ
اس حال میں اس کے پاؤں کا اعتبار ساقط ہے تو یہاں دو امر جمع ہوئے ایک اباحت کا اور دوسرا تحریم کا تو تحریم کا غلبہ ہوگا سو اگر صید لیٹا ہو اور اس کا سر حرم
میں ہو اور پاؤں حل میں تو وہ حرم کا صید ہے اور اگر سر اس کا حل میں ہو تو وہ حل کا صید ہے والعبرۃ لحالۃ الرمی الا اذا رماہ من الحل ومر السہم فی الحرم یجب الجزاء
استحسانا بدائع اور اعتبار پھینک مارنے کی حالت کا ہے یعنی اگر غیر محرم نے حل سے بندوق یا تیر مارا شکار کو تو اس پر جزا نہیں لیکن اگر حل سے مارا اور حرم میں تیر
گذرا اور شکار کو لگا تو بنا بر استحسان کے اس پر جزا واجب ہے کذا فی البدائع ہم فتاوی عالمگیری میں ہے کہ اگر رامی اور رمی دونوں حرم میں ہوں یا ایک حرم
میں ہو تو جزا واجب ہے اور اگر دونوں حل ہی میں ہوں تو جزا واجب نہیں بشرطیکہ تیر حرم میں ہو کر نہ نکلا ہو اور یہی حکم ہے باز اور شکاری کتا چھوٹنے کا ولو
شوی بیضا او جرادا او حلب لبن صید فضمنہ لم یحرم اکلہ وجاز بیعہ وکرہ ویجعل ثمنہ فی الفداء ان فعل لعدم الذکاۃ بخلاف ذبح المحرم او صید الحرم فانہ میتۃ
اور اگر محرم کا انڈا یا ٹڈی بھونے یا شکار کا دودھ دوہے اور اس کی قیمت کا ضمان دیا تو اس کا کھانا حرام نہیں اور اس کا بیچنا جائز ہے اور مکروہ ہے اور اگر
بیچے تو اس کی قیمت جزا میں دے انڈے اور ٹڈی کا کھانا اور بیچنا اس واسطے جائز ہوا کہ ان میں ذبح کرنا شرط نہیں بخلاف ذبح محرم کے اور
شکار حرم کے کہ وہ مردار ہے یعنی اگر محرم نے شکار ذبح کیا خواہ حل میں خواہ حرم میں یا غیر محرم نے حرم میں شکار ذبح کیا تو وہ مردار ہو گیا اس واسطے کہ
ذبح کرنا فعل مشروع ہے سو محرم پر اور حرم کے صید پر حرام ہے تو اس کا کھانا اور بیچنا جائز نہیں کذا فی المنح عن السراجیہ اور محرم کو صید کا زندہ بیچنا بھی

جائز نہیں اس واسطے حق تعالیٰ نے فرمایا محرمین کو تم پر حرام ہے صید خشکی کا تو شکار اس کے حق میں ایسا ہو گیا جیسے شراب کذا فی فتح القدیر ولا یرعیٰ حشیشہ ہدایہ ولا یقطع بمنجل الا الاذخر اور نہ چرائی جاوے گھاس حرم کی امام اعظمؒ اور محمدؒ کے نزدیک کذا فی الہدایہ اور نہ کاٹی جاوے ہنسیے سے سوائے اذخر کے مگر اذخر کا کاٹنا درست ہو گیا بالتماس عباسؓ کے چنانچہ صحاح ستہ کی حدیث میں مذکور ہو چکا اذخر بکسر اول وثالث ایک خوشبودار گھاس ہے جس کو ہندی میں گندھیس اور گندھیل اور بہرائچ کی گھاس کہتے ہیں فلا باس باخذ کماۃ لانہا کالنبات کچھ مضائقہ نہیں حرم کی کھمبی لینے میں اس واسطے کہ وہ خشک سی چیز ہے گھاس نہیں ہے ولقتل قملۃ من بدنہ اوالقائہا اوالقاء ثوبہ فی الشمس لتموت تصدق بما شاء کجرادۃ اور اپنے بدن کی جوں مارنے سے یا اس کے ڈالنے سے یا اپنے کپڑے کو دھوپ میں ڈالنے سے تاکہ وہ مر جاوے صدقہ دے جتنا چاہے جیسے ٹڈی کے مارنے میں صدقہ واجب ہے یعنی ٹکڑا روٹی یا کھجور یا مٹھی بھر اناج ہم اپنے بدن کی جوں مارنا اس واسطے منع ہوا کہ وہ بدن کے میل سے پیدا ہوتی ہے اور میل کا چھڑانا بدن سے محرم کو جائز نہیں مانند بال کے ولہذا دوسرے شخص کے بدن کی جوں کا مارنا یا زمین کی گری جوں کو مارنا جائز ہے اور اگر کپڑا دھوپ میں ڈالے اور جوں مارنے کی نیت نہ ہو تو اس پر جزا واجب نہیں کذا فی المنح ابوداؤد اور ترمذی میں ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹڈی کو کھاؤ کہ وہ دریا کا صید ہے تو بموجب اس حدیث کے ٹڈی کے قتل میں کچھ مضائقہ نہیں لیکن امام مالکؒ کے موطا میں عمر فاروقؓ سے ثابت ہے کہ محرم کے ٹڈی مارنے میں فرمایا تمرۃ خیر من جرادۃ یعنی ایک کھجور صدقہ دے اس واسطے کہ کھجور بہتر ہے ٹڈی سے اور ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے بھی اسی طرح روایت کی ہے اور تمام اصحاب مذاہب حقہ اس میں فاروق اعظمؓ کے تابع ہیں واللہ اعلم کذا فی فتح القدیر ویجب الجزاء فیہما ای القملۃ بالدلالۃ کما فی الصید اور واجب ہے جزا جوں میں بتانے سے بھی چنانچہ صید میں بتانے سے بھی واجب ہے یعنی اگر محرم نے اپنے بدن کی جوں کسی کو دکھائی یا اشارہ کیا اور اس نے مار ڈالی تو محرم پر جزا واجب ہوگی ویجب فی الکثیر منہ نصف صاع والکثیر ہو الزائد علی ثلثۃ والجراد کالقمل بحر اور کثرت سے جوں مارنے میں نصف صاع کا صدقہ واجب ہے اور کثیر وہ ہے جو تین سے زائد ہے اور ٹڈی جوں کے برابر ہے قلیل اور کثیر کی وجوب جزا میں کذا فی البحر اور فتاوی قاضی خان میں ہے کہ دس یا زیادہ کثیر ہیں اور اس سے کم قلیل کذا فی الطحطاوی ولا شئ بقتل غراب الا العقعق علی الظاہر ظہیریہ وتعمیم البحر ردہ فی النہر اور کچھ جزا نہیں نہ محرم پر نہ غیر محرم پر کوے کے قتل کرنے میں سوائے عقعق کے بنا بر قول ظاہر کے کذا فی الظہیریہ اور بحر الرائق کی تعمیم کو رد کیا ہے نہر الفائق میں بحر الرائق میں کہا کہ تینوں قسم کے کوے کو مارنا درست ہے تو اس میں عقعق بھی آ گیا کہ موذی ہے ہمیشہ جانور کی مبرز[۱] کو چونچ سے کھودتا ہے نہر الفائق میں کہا کہ بدائع میں ابویوسفؒ سے مصرح روایت ہے کہ حدیث میں اس کوے کے قتل کرنے کا حکم ہے جو نجاست کھاتا ہے یا دانہ اور نجاست دونوں کھاتا ہے اور یہی قسم موذی ہے اور معراج الدرایہ میں ہے کہ عقعق جانور کو اکثر نہیں ستاتا ہے تو دوام ایذا رسانی کا دعویٰ مندفع ہو گیا اور ظہیریہ میں ہے کہ عقعق میں دو روایتیں ہیں ظاہر روایت یہ ہے کہ وہ صید میں داخل ہے طحاوی نے کہا کہ عقعق ایک پرندہ ہے اس کا رنگ سیاہ اور سفید ہوتا ہے اس کی آواز عین اور قاف کے مشابہ ہے وحداۃ بکسر ففتحتین وجوز البرجندی فتح الحاء اور چیل کے قتل میں کچھ نہیں شارح کہتا ہے حداۃ بکسر حا وفتح دال ہمزہ اور برجندی سنے سے کہ فتحہ بھی تجویز کیا ہے ہم حداۃ بفتح اول وہ لوک کے تیر کو کہتے ہیں اور ظاہر تو بکسر اول ہے کذا فی القاموس و ذئب وحیۃ وعقرب وفارۃ بالہمزۃ وجوز البرجندی التسہیل وکلب عقور ای وحشی اما غیرہ فلیس بصید اصلا اور بھیڑیے اور سانپ اور بچھو اور چوہے کلب اور عقور یعنی وحشی کتے کے قتل میں کچھ جزا نہیں اور وحشی کتے کے سوا یعنی اہلی کتا ہرگز صید نہیں شارح کہتا ہے کہ فارہ کا لفظ ہمزہ ساکنہ ہے اور برجندی نے اس میں تسہیل بھی جائز رکھی ہے یعنی ہمزہ اور الف کے بین بین میں پڑھنا وحشی کتا ہر چند صید ہے لیکن بسبب اس کی ایذا رسانی کے جزا اس کے قتل کی ساقط ہو گئی صاحب نہر الفائق نے اپنی کتاب میں سقوط جزا میں علت اسی طرح بیان کی ہے اور بخاری اور مسلم میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ موذی جانور ہیں کہ حل اور حرم میں مارے جاتے ہیں کوا اور چیل اور بچھو اور چوہا اور کلب عقور اور مسلم کی دوسری روایت میں سانپ مذکور ہے بچھو کے عوض اور تمیمی کی دوسری

[۱] بفتح میم وسکون با و موحدہ وراء مہملہ مفتوحہ وزا معجمہ دارالفراغ کان پاخانہ ۱۲

روایت عبداللہ بن عمرؓ سے یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے مارنے میں محرم پر کچھ گناہ نہیں اور دارقطنی اور طحاوی کی حدیث مرفوع میں محرم کو بھیڑیے کے قتل کی اجازت ہے اور سنن ابی داؤد کی حدیث مرفوع میں سبع عادی کے قتل کرنے کی محرم کو اجازت ہے یعنی وہ درندہ جو حملہ کرے کذانی فتح القدیر والبعوض والنمل لکن لایحل قتل مالایؤذی ولذا قالوا لم یحل قتل الکلب الاہلی اذا لم یؤذ والامر بقتل الکلاب منسوخ کما فی الفتح ای اذا لم تقفز اور مچھر اور چیونٹی کے قتل میں کچھ نہیں خواہ بڑی قسم کا مچھر ہو یا چھوٹا اور چھوٹی چیونٹی ہو یا بڑی مارنا سب کا جائز ہے لیکن اگر ایذا نہ دے تو مارنا حلال نہیں کذانی النہر ولہذا فقہا نے کہا ہے کہ کلب اہلی یعنی پلا ہوا کتا جب کہ موذی نہ ہو تو اس کا مارنا حلال نہیں اور کتوں کے قتل کرنے کا حکم جس حدیث میں ہے سو وہ منسوخ ہے کذانی الفتح یعنی اس صورت میں ہے جب کہ کتے ضرر نہ کرتے ہوں اس واسطے کہ ملتقط میں مصرح ہے کہ جب کتے ایک گاؤں میں زیادہ ہو جاویں اور وہاں کے لوگوں کو ضرر پہنچاتے ہوں تو وہاں کے لوگ کتوں کو قتل کر ڈالیں کذانی النہر وبرغوث وقراد وسلحفاۃ بضم ففتح فسکون وفراش وذباب ووزغ وزنبور وقنفذ وصرصر وصباح لیل وابن عرس وام حبین وام اربعۃ واربعین) وکذا جمیع ہوام الارض لانہا لیست بصید ولا متولدۃ من البدن اور پسو اور چچڑی اور کچھوا اور پتنگا اور مکھی اور گرگٹ[1] اور بھڑ اور سیہی اور صرصر اور جھینگا اور نیولا اور ام حبین اور کنکھجورا اور ایسے جمیع حشرات الارض کے قتل کرنے میں محرم پر کوئی چیز لازم نہیں اس واسطے کہ یہ جانور اور کیڑے صید نہیں ہیں اور نہ انسان کے بدن میں سے پیدا ہوتے ہیں جن کے قتل سے جزا لازم آوے صرصر اور ام حبین دو چھوٹے جانور ہیں کذانی القاموس وسبع ای حیوان ما صائل لا یمکن دفعہ الا بالقتل فلو امکن بغیرہ فقتلہ لزمہ الجزاء کما لو لم یصل ولزم قیمتہ لو مملوکہ اور درندہ یعنی ایسے کسی جانور حملہ کرنیوالے کے قتل سے جزا لازم نہیں جس کا ہٹانا بدون قتل کے دفع کرنا ممکن نہ ہو تو اگر بدون قتل کے دفع کرنا ممکن ہو اور پھر بھی اس کو قتل کرے گا تو اس پر جزا لازم ہوگی جیسے کہ قاتل پر قیمت لازم ہوگی اگر حملہ کرنے والا جانور کسی کا مملوک ہو کذانی النہر طحطاوی نے کہا کہ شارح کی تشبیہ دینے سے معلوم ہوا کہ سبع مملوک میں دو قیمتیں لازم ہوں گی ایک حق شرع کی قیمت جو بکری کی قیمت سے زیادہ نہ ہوگی اور دوسری حق مالک کی قیمت جس قدر کہ ہو وله ذبح شاۃ ولو ابوہا ظبیا لان الام ہی الاصل ولقر وبعیر ودجاج وبط اہلی اور جائز ہے محرم کو ذبح کرنا بھیڑ بکری کا اگرچہ اس کا باپ ہرن ہو اس واسطے کہ اس میں ماں اصل ہے نہ باپ اور جائز ہے ذبح کرنا گائے اور اونٹ اور مرغی اور بط اہلی کا اس واسطے کہ یہ جانور اصل خلقت میں وحشی نہیں تو یہ صید میں داخل نہیں کہ محرم پر ان کا ذبح کرنا حرام ہو بط اہلی سے وہ بط مراد ہے جو گھروں میں اور حوضوں میں رہتی ہوں اس واسطے کہ وہ بنا بر اصل خلقت کے مالوف اور مانوس ہوتی ہیں بخلاف وحشی بطوں کے جو جنگل میں اڑتی پھرتی ہیں کہ ان کے ذبح کرنے میں محرم پر قیمت واجب ہوگی کذانی الطحطاوی واکل ما صادہ حلال ولو لمحرم وذبحہ فی الحل بلا دلالۃ محرم ولا امرہ بہ ولا اعانۃ فلو وجد احدہا حل للحلال لا للمحرم علی المختار اور جائز ہے محرم کو کھانا اس شکار کا جس کو غیر محرم نے شکار کیا ہو اور حل میں ذبح کیا ہو اگرچہ محرم ہی کے واسطے شکار کیا ہو تو بھی جائز ہے بشرطیکہ محرم نے شکار کو نہ بتایا ہو اور نہ اجازت دی ہو شکار کرنے کی اور نہ اس پر اعانت کی ہو سو اگر ان امور ثلثہ سے ایک امر بھی پایا جاوے گا تو وہ شکار غیر محرم کو تو حلال ہوگا اور محرم پر حلال نہ ہوگا بنا بر قول مختار کے جس کو طحطاوی نے روایت کیا امام مالکؒ اور شافعیؒ کے نزدیک اگر غیر محرم شکار کرے گا محرم کے واسطے تو اس کا کھانا محرم کو حلال نہیں بدلیل ترمذی اور ابوداؤد کی حدیث کے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم نے فرمایا کہ صید تم پر حلال ہے جب تک کہ تم نہ شکار کرو یا تمہارے واسطے شکار کیا جاوے اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی یحییٰ بن معین نے تضعیف کی ہے اور اگر صحیح بھی ہو تو یہ مطلب ہے کہ جب محرم کے امر سے شکار ہوا ہو تو حلال نہیں اور امام اعظمؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جو صحاح ستہ میں ابوقتادہؓ سے مروی ہے کہ حضرت صلعم کے اصحاب بعضے محرم تھے اور بعضے غیر محرم سو میں نے ایک گورخر کو دیکھا اور اس کو شکار کیا اور اصحابؓ نے اس کو کھایا اور اس کا سوال حضرت صلعم سے کیا فرمایا کہ کسی نے تم میں امر کیا تھا شکار کا یا اس کی طرف اشارہ کیا تھا اصحابؓ نے کہا کہ نہیں حضرت صلعم نے فرمایا تو کھاؤ گوشت کو اور مسلم کی روایت یوں ہے کہ کیا تم نے اشارہ کیا تھا یا اعانت کی تھی اصحاب نے کہا نہیں فرمایا کہ کھاؤ طحطاوی نے کہا کہ ابوقتادہ نے

[1] صراح اور دوسرے لغات سے معلوم ہوتا ہے کہ وزغ ایک قسم چھپکلی کی ہے جو جنگلوں یا باغوں میں پائی جاتی ہے ۲

فقط اپنے واسطے شکار نہ کیا تھا بلکہ محرم اصحابؓ کے واسطے بھی کیا تھا پھر بھی حضرت صلعم نے اس کو مباح فرمایا کذا فی العینی شرح الکنز **وتجب قیمتہ بذبح حلال صید الحرم وتصدق بہا ولا یجزیہ الصوم لانہا غرامۃ لا کفارۃ حتی لو کان الذابح محرما اجزاہ الصوم وقید بالذبح لانہ لا شئی فی دلالتہ الا الاثم** صید حرم کے ذبح کرنے سے غیر محرم پر قیمت اس کی واجب ہے تو اس قیمت کو تصدق کرے یا اس سے ہدی مول لے کر مکہ میں ذبح کرے کذا فی الطحطاوی اور کفایت نہیں کرتا اس کو روزہ رکھنا اس واسطے کہ یہ جزا غیر محرم پر ڈانڈ ہے نہ کفارہ یہاں تک کہ اگر ذبح کرنے والا صید حرم کا محرم ہوگا تو اس کو روزہ رکھنا کافی ہوگا اور مصنف نے ذبح کی قید لگائی اس واسطے کہ اگر غیر محرم شکار حرم پر دلالت کرے گا تو اس پر کچھ جزا واجب نہیں سوائے گناہ کے **ومن دخل الحرم ولو حلالا او احرم ولو فی الحل وفی یدہ حقیقۃ یعنی الجارحۃ صید وجب ارسالہ ای اطارتہ او ارسالہ للحل ودیعۃ قہستانی علی وجہ غیر مضیع لہ لان تسییب الدابۃ حرام** اور جو شخص کہ حرم میں داخل ہوا اگرچہ احرام نہ باندھے ہو یا جس نے کہ احرام باندھا اگرچہ حل کے اندر احرام باندھا ہو اور اس کے حقیقی ہاتھ میں صید حقیقی ہاتھ سے جسمی ہاتھ مراد ہے جس کو جارحہ کہتے ہیں تو اس شخص پر واجب ہے صید کا چھوڑ دینا یعنی اڑا دینا طائر کا یا حل میں اس کو کسی کے پاس بھیج دینا بطور امانت کے کذا فی القہستانی حل میں جانور کو اس طرح روانہ کرے کہ وہ ضائع نہ ہو یعنی چوپائے کو مطلق العنان نہ کر دے اس واسطے کہ چوپائے کا چھوڑ دینا بطور سانڈ کے حرام ہے کذا فی البحر **م** حرم میں جانور کا چھوڑ دینا اس لیے واجب ہوا کہ جب حرم میں داخل ہوا تو وہ حرم کا صید ہو گیا کذا فی النہر **وفی کراہیۃ جامع الفتاوی شری عصافیر من الصیاد واعتقہا جاز ان قال من اخذہا فہی لہ ولا یخرج عن ملکہ باعتاقہ وقیل لا لانہ تضییع للمال انتہی قلت وحینئذ فتقید الاطارۃ بالاباحۃ قبل** اور جامع الفتاوی کی کتاب الکراہیۃ میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے شکاری سے چڑے مول لیے اور ان کو چھوڑ دیا تو جائز ہے اگر چھوڑتے وقت یہ کہا کہ جو ان کو پکڑلے وہ ان کا مالک ہے اور اس کے چھوڑ دینے سے اس کی ملک سے وہ باہر نہیں ہوتے خواہ کلام مذکور کہے یا نہ کہے کذا فی الطحطاوی اور بعضوں نے کہا کہ چھوڑنا جائز نہیں کہ مال کا ضائع کرنا ہے انتہی کلام الفتاوی شارح کہتا ہے جب کہ جامع الفتاوی سے اعتاق طیر کا مفصل حکم معلوم ہوا تو طائر کے اڑانے کو اباحت سے مقید کرنا چاہیے قبل اڑانے کے یعنی اڑانے سے پہلے یوں کہنا چاہیے کہ جو اس کو پکڑلے وہ اس کا مالک ہے کذا فی الطحطاوی **وفی کراہیۃ مختارات النوازل سیب دابۃ فاخذہا آخر واصلحہا فلا سبیل للمالک علیہا ان قال عند تسییبہا ہی لمن اخذہا وان قال لا حاجۃ لی بہا فلہ اخذہا والقول قولہ بیمینہ** انتہی اور مختارات النوازل کی کتاب الکراہیۃ میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے چوپایا چھوڑ دیا سو دوسرے شخص نے اس کو پکڑ لیا اور اس کو آراستہ کیا تو مالک اول کو اس پر اختیار نہیں بشرطیکہ چھوڑتے وقت اس نے یہ کہا ہو کہ یہ اس کا ہے جو اس کو لیوے اور اگر چھوڑتے وقت یوں کہا ہو کہ مجھ کو اس کی کچھ حاجت نہیں تو مالک اول کو اس کا لینا جائز ہے اور مالک ہی کا قول اس میں قسم کے ساتھ معتبر ہوگا انتہی **کلامہ لا یجب ان کان الصید فی بیتہ لجریان العادۃ الفاشیۃ بذلک وہی من احدی الحجج** چھوڑنا واجب نہیں اگر صید محرم کے گھر میں ہو بسبب جاری رہنے عادت ظاہرہ کے اس میں اور جریان عادت دلائل شرعیہ میں سے ایک دلیل ہے یعنی صحابہ کبار احرام باندھتے تھے اور ان کے گھروں میں صید اور داجن موجود رہتے تھے اور ان سے منقول نہیں کہ وہ چھوڑ دیتے ہوں تو یہ اجماع فعلی ہوا اور اجماع حجت شرعی ہے داجن اس جانور کو کہتے ہیں کہ جو مکان سے مالوف ہوا اصل اس کی وحشی ہو یا مانوس چنانچہ ہرن اور کبوتر اور بکری کذا فی النہر **م** جریان عادت قرون ثلثہ یعنی صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کی البتہ حجت ہے کہ ان کے حق میں خیر القرون وارد ہے اور یہ مطلب نہیں کہ ہر قرن کی جریان عادت حجت شرعی ہے واللہ اعلم **او قفصہ ولو القفص فی یدہ بدلیل اخذ المصحف بغلافہ للمحدث** یا صید پنجرے میں ہو تو بھی اس کا چھوڑ دینا واجب نہیں اگرچہ پنجرا محرم کے ہاتھ میں ہو بدلیل لینے مصحف کے ساتھ غلاف کے محدث کو یعنی جیسے بے وضو کو مصحف کا ہاتھ میں لینا جائز نہیں لیکن اگر جزدان میں ہو تو لینا اس کا درست ہے اسی طرح محرم کو صید کا ہاتھ میں لینا جائز نہیں لیکن اگر وہ پنجرے میں ہو تو پنجرے کا لینا درست ہے اس واسطے کہ صید پنجرے میں ہے نہ ہاتھ میں اور بعضوں نے کہا کہ پنجرے میں لینا ہاتھ میں لینے کے برابر ہے اس دلیل سے کہ جو پنجرے کو غصب کرے وہ

صید کا غاصب شمار ہو گا کذا فی النہر ولا یخرج الصید عن ملکہ بہذا الارسال فلہ امساکہ فی الحل ولہ اخذہ من انسان اخذہ منہ لانہ لم یرسلہ عن
اختیار اور صید اس چھوڑ دینے سے محرم یا حلال کی ملک سے نہ نکل جاوے گا تو اس کو بعد فراغت احرام کے صید کا پکڑ رکھنا حل میں جائز ہے اور اس کو لینا صید
کا اس آدمی سے جائز ہے جس نے صید کو اس سے لے لیا تھا اس واسطے کہ اس کا چھوڑ دینا اختیار سے نہ تھا بلکہ مجبوری احرام بالضرورت دخول حرم تھا فلو کان
جارحا کبازفقتل حمام الحرم فلاشئی علیہ لفعلہ ما وجب علیہ پھر اگر صید پھاڑنے والا ہو چنانچہ باز سودہ حرم کبوتر کو مارے تو چھوڑ دینے والے پر کچھ جزا لازم نہیں
اس واسطے کہ اس نے وہ کیا جو اس پر واجب تھا یعنی محرم پر صید کا چھوڑ دینا واجب تھا سو اس نے چھوڑ دیا اب اگر وہ کسی جانور کو مارے تو اس کا کیا قصور
فلو باعہ رد البیع ان بقی والا فعلیہ الجزاء لان حرمۃ الحرم والاحرام تمنع بیع الصید سو اگر صید کو بیچا تو بیع کو پھیرے اگر صید باقی ہو اس واسطے کہ بیع فاسد ہے اور
اگر صید مرگیا ہو یا مشتری نہ ملتا ہو تو بائع پر جزا واجب ہے اس واسطے حرمت حرم اور احرام باندھنے کی صید کے بیچنے کی مانع ہے اور اگر بائع اور مشتری حرم میں
ہوں اور صید حل میں ہو تو شیخین کے نزدیک بیع جائز ہے کذا فی المنح ولو اخذ حلال صیدا فاحرم ضمن مرسلہ من یدہ الحکمیۃ اتفاقا ومن الحقیقیۃ عندہ خلافا لھما ذلھما
استحسان کما فی البرہان اور اگر غیر محرم نے حرم کا صید پکڑا پھر احرام باندھا تو ضمان دے گا اس کا چھوڑ دینے والا اس کے حکمی ہاتھ سے باتفاق امام اور صاحبین کے یعنی اگر
گھر میں سے یا پنجرے سے کوئی شخص اس صید کو چھوڑ دے گا تو اس کو بالاتفاق ضمان دینا ہوگا اور اگر اس کے حقیقی ہاتھ سے کوئی چھوڑ دے گا تو امام اعظمؒ کے نزدیک
اس پر ضمان لازم ہوگا نہ صاحبین کے نزدیک اور صاحبین کا قول ثابت ہے بدلیل استحسان کے کما فی البرہان استحسان یہ ہے کہ چھوڑنے والے نے امر بالمعروف
اور نہی عن المنکر کیا وما علی المحسنین من سبیل جیسے خلاف شرع باجوں کے توڑنے میں ضمان نہیں صاحب بحر نے کہا کہ صاحبین کا قول لائق فتوی　　ہے چنانچہ
آلات لہو کے توڑنے میں انہیں کا قول مفتی بہ ہے کذا فی المنح ولو اخذہ محرم لا یضمن مرسلہ اتفاقا لان المحرم لا یملکہ وحینئذ فلا یاخذہ ممن اخذہ اور اگر حرم کا صید
محرم نے پکڑا تو اس کے چھوڑ دینے والے پر ضمان لازم نہ ہوگا بالاتفاق اس واسطے کہ محرم اس کا مالک ہی نہیں ہوتا مانند خمر اور خنزیر کے اور اس وقت میں یعنی
جب کہ محرم مالک ہی نہ ہوا تو محرم نہ لے گا صید کو اس شخص سے جس نے اس سے لے لیا اگرچہ حل میں ہو کذا فی الطحاوی والصید لا یملکہ المحرم بسبب اختیاری
کشراء وہبۃ بل بسبب جبری والسبب الجبری فی احدی عشر مسئلۃ مبسوطۃ فی الاشباہ فلذا قال تبعا للبحر عن المحیط کالارث وجعلہ فی الاشباہ بالاتفاق لکن فی النہر
عن السراج انہ لا یملک بالمیراث وہو الظاہر اور صید کا مالک نہیں ہوتا محرم اختیاری سبب سے مانند بیع اور ہبہ اور صدقہ اور وصیت کے بلکہ جبری یعنی بے اختیاری سبب
سے مالک ہوتا ہے اور جبری سبب سے ملک حاصل ہوتی ہے گیارہ مسئلوں میں جو اشباہ میں مشرح مذکور ہیں سو اسی واسطے باتباع بحر الرائق عن المحیط مصنف
نے جبری سبب کی مثال دی کہ جیسے وراثت یعنی محرم صید کو بوراثت البتہ مالک ہوتا ہے اور اس کو اشباہ میں صاحب بحر نے اتفاقی قول قرار دیا ہے لیکن نہر الفائق میں
سراج سے منقول ہے کہ محرم صید کو میراث سے بھی مالک نہیں ہوتا اور یہی قول ظاہر ہے اس واسطے کہ محرم کے حق میں صید محرم العین ہے مطلقا لقولہ تعالی وحرم علیکم
صید البر ما دمتم حرما) شارح نے اشارہ کیا کہ ماتن کا قول خلاف ظاہر ہے تو متن میں داخل کرنا اس کا مناسب نہ تھا فان قتلہ محرم آخر بالغ مسلم ضمنا جزائین
ای کل واحد جزاء ورجع الآخذ علی القاتل بالقتل پھر اگر محرم کے پکڑے صید کو دوسرے بالغ مسلم محرم نے قتل کیا تو دونوں محرم دو جزا کا ضمان دیں پکڑنے والا محرم تو پکڑنے تک جزا دے اور
قاتل قتل کرنے کی محرم قاتل ہیں جیسے بالغ اور مسلم کی قید شارح نے لگائی ویسا ہی عاقل کی بھی قید لگانا تھا کہ مجنون نکل جاتا جیسے صغیر اور نصرانی دونوں قید دل
سے نکل گیا کذا فی حاشیۃ الطحاوی ورجع آخذہ علی قاتلہ لانہ قرر علیہ ما کان بمعرض السقوط اور پکڑنے والا محرم قاتل محرم سے پھیرے جس قدر کہ اس نے ضمان
دیا اس واسطے کہ قاتل نے پکڑنے والے پر اس کو ثابت کر دیا جو معرض سقوط میں تھا یعنی اگر قاتل اس کو قتل نہ کرتا اور پکڑنے والا صید کو چھوڑ دیتا تو جزا
ساقط ہو جاتی اور جب کہ قاتل نے اس کو قتل کر ڈالا تو اب جزا پکڑنے پر متعین ہو گئی وہذا ان کفر بمال وان بالصوم فلا ملی ما اختارہ الکمال لانہ لم یغرم شیئا
اور یہ پھیر لینا قاتل سے اس شرط پر ہے جب کہ پکڑنے والے نے مال کا کفارہ دیا ہو اور اگر اس نے اس کی جزا میں روزے رکھے ہوں تو پھیر لینا نہیں پہنچتا

بنا بر اس قول کے جس کو کمال الدین بن الہمام صاحب فتح القدیر نے پسند کیا ہے اس واسطے کہ اس نے کچھ ڈانٹا نہیں دیا جس کو پھیرے اور زیلعی نے بھی اس قول پر یقین کیا ہے اور محیط میں منتقی سے یہی قول مصرح ہے کذا فی النہر **ولو کان القاتل** بہیمۃ لا یرجع علی رب ہا **ولو صبیا او نصرانیا فلا جزاء علیہ** اللہ تعالیٰ **ولکن رجح الاخذ علیہ بالقیمۃ** لانہ یلزمہ حقوق العباد دون حقوق اللہ تعالیٰ اور اگر صید حرم کا مار ڈالنے والا جانور ہو تو اس کے مالک سے نہ پھیرے اور اگر اس کا قاتل لڑکا ہو یا نصرانی سے مراد نصرانی سے کافر ہے تو اس پر جزا واجب نہیں بنا بر حق اللہ کے لیکن محرم صید کا پکڑنے والا کافر ہے اس کی قیمت بھرے اس واسطے کہ کافر پر حقوق العباد لازم ہیں نہ حقوق اللہ **وکل ما علی المفرد** بہ **دم** **بسبب جنایتہ علی احرامہ** یعنی بفعل شیء من محظوراتہ لا مطلقا اذ لو ترک واجبا من واجبات الحج او قطع نبات الحرم لم یتعدد الجزاء لانہ لیس جنایۃ علی الاحرام **فعلی القارن** ومثلہ متمتع ساق الہدی **دمان** اور جس قصور میں تنہا حج کرنے والے پر ایک خون واجب ہوتا ہے بسبب اس کے احرام کے جنایت کے تو اس فعل میں قارن پر دو خون واجب ہوتے ہیں ایک حج کا خون اور دوسرا عمرے کا خون اس واسطے کہ قارن دو احرام کا محرم ہے اور جنایت احرام سے اس چیز کا کرنا مراد ہے جو احرام کے ممنوعات سے ہے نہ ہر طرح کی جنایت اس واسطے کہ اگر تنہا حج کرنے والا کوئی واجب فعل حج کے واجبات سے ترک کرے یا حرم کی گھاس کاٹے تو اس پر ایک خون واجب ہوگا اور جب کہ قارن اس واجب کو ترک کرے گا تو اس پر جزا متعدد نہ ہوگی یعنی وہ خون لازم نہ آویں گے اس لیے کہ یہ جنایت احرام پر نہیں اور قارن کے مانند تعدد جزا میں وہ متمتع ہے جو ہدی کو ہانک لے چلا اس واسطے کہ وہ بعد رے کے احرام نہیں اتار سکتا بدون حلق یوم النحر کے **وکذا الحکم فی الصدقۃ** فتثنی ایضا لجنایتہ علی احرامہ اور ایسا ہی حکم ہے وجوب صدقہ میں تو صدقہ بھی دوہرا واجب ہوگا قارن پر بسبب اس کے قصور کے کرنے کے اپنے دو احرام پر **الا بمجاوزۃ المیقات بغیر محرم** استثناء منقطع **فعلیہ دم** واحد لانہ حینئذ لیس بقارن مگر آگے بڑھنے میں میقات سے بدون احرام کے تو اس پر ایک خون لازم ہے اس واسطے کہ اس وقت میں وہ قارن نہیں کیونکہ ہنوز اس نے احرام نہیں باندھا تو یہ استثنا منقطع ہے کہ صدر کلام میں داخل نہیں **ولو قتل محرمان صیدا تعدد الجزاء** لتعدد الفعل اور اگر دو محرم نے ایک صید کو قتل کیا تو جزا متعدد ہوگی بسبب تعدد فعل کے یعنی احرام دو ہیں تو جزا بھی دو لازم ہوں گی **ولو حلالان صید الحرم** لا لاتحاد المحل اور اگر دو غیر محرموں نے صید حرم کو قتل کیا تو جزا متعدد نہ ہوگی یعنی ایک ہی جزا لازم ہوگی بسبب اتحاد محل کے یعنی صید ایک ہے تو جزا بھی ایک ہی ہوگی **وبطل بیع محرم صیدا** وکذا کل تصرف **وشراؤہ** ان اصطادہ وہو محرم والا فالبیع فاسد اور بیچنا محرم کا صید کو باطل ہے اور اسی طرح جمیع تصرفات مانند ہبہ اور وصیت کے باطل ہیں اور محرم کو اس کا خرید کرنا بھی باطل ہے اگر اس کو حالت احرام میں پکڑا ہو اور اگر احرام کی حالت میں نہ گرفتار کیا ہو تو بیع فاسد ہے **فلو قبض المشتری فعطب فی یدہ فعلیہ وعلی البائع الجزاء** سو اگر قبضہ کیا مشتری نے صید پر پھر وہ اس کے ہاتھ میں ہلاک ہوگیا تو مشتری پر اور بائع پر جزا واجب ہے اگر دونوں محرم ہوں اور اگر ایک محرم ہوگا تو فقط محرم پر جزا لازم ہوگی کذا فی النہر **وفی الفاسد** یضمن قیمتہ ایضا کما مر اور بیع فاسد میں مشتری قیمت کا بھی ضامن ہوگا وجوب جزا کے ساتھ چنانچہ مذکور ہو چکا یعنی ایک شخص نے قبل احرام کے صید حرم کو گرفتار کیا اور بعد احرام کے بیچا اور مشتری کے پاس صید مرگیا تو مشتری پر جزا بھی واجب ہوگی اور بائع کو قیمت کا بھی دینا پڑے گا اس واسطے کہ بائع اس کا مالک تھا بخلاف بیع باطل کے اس میں بائع مالک نہیں ہوتا لہذا اس میں مشتری پر ضمان قیمت کا نہیں یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ مشتری محرم ہو اور اگر محرم نہ ہوگا تو اس پر فقط قیمت دینی لازم ہوگی نہ جزا کذا فی النہر والطحاوی **ولدت ظبیۃ بعد ما اخرجت من الحرم** وماتا **غرمہما** ہرنی جنی حرم سے نکالنے کے بعد اور ماں اور بچہ اس کا دونوں مر گئے تو نکالنے والا دونوں کا ضمان دے اس واسطے کہ صید حرم کا بعد اخراج کے بھی مستحق ہے امن کا شرعا لہذا اس کا حرم میں پہنچانا واجب ہے تو یہ صفت شرعی امن کی اس کے بچہ میں بھی سرایت کرگئی تو دونوں کا ضمان برابر لازم ہوگیا **وان ادی جزاءہا** ای الام **ثم ولدت لم یجزہ** ای الولد لعدم سرایۃ الامن حینئذ وہل یجب ردہا بعد الاداء الظاہر نعم اور اگر ہرنی کی جزا اس نے ادا کی پھر وہ جنی تو بچے کی جزا نہ دے بہ سبب نہ سرایت کرنے امن کے اس وقت یعنی جب کہ ماں کا بدلا ادا کیا تو وہ مستحق امن نہ رہی تو بچے میں کاہے کو امن سرایت کرے گا اور بعد ادا کرنے ہرنی کی جزا کے کیا واجب ہے اس کا

پہنچا دینا احرام میں ظاہر جواب یہ ہے کہ ہاں واجب ہے کذا فی النہر آفاقی مسلم بالغ یرید الحج ولو نفلا او العمرۃ فلو لم یرد واحدا منہما لا یجب علیہ دم بمجاوزۃ المیقات
وان وجب حج او عمرۃ اذا اراد دخول مکۃ او الحرم علی ما سیاتی فی المتن ثم جاوز وقتہ ظاہر ما فی النہر عن البدائع اعتبار الارادۃ عند المجاوزۃ ثم احرم لزمہ دم کما اذا لم یحرم
آفاقی مسلم بالغ نے حج کا ارادہ کیا اگرچہ نفل حج کا یا عمرے کا قصد کیا اور میقات سے آگے بڑھ گیا پھر اس نے احرام باندھا تو اس پر ذبح کرنا لازم ہوا جیسا کہ احرام
نہ باندھنے میں لازم ہے اور اگر حج یا عمرے کا ارادہ نہ کیا تو بلا احرام میقات سے آگے بڑھنے میں ذبح کرنا واجب نہ ہوگا اگرچہ حج یا عمرہ واجب ہوگا جب کہ دخول
مکہ یا حرم کا ارادہ کرے گا چنانچہ متن میں یہ مسئلہ عنقریب مذکور ہوگا اور نہر الفائق میں جو بدائع سے منقول ہے اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ میقات سے بڑھنے کے
وقت ارادہ کا اعتبار ہے یعنی بعد مجاوزت میقات کے ارادہ معتبر نہیں فان عاد الی المیقات ثم احرم او عاد الیہ حال کونہ محرما لم یشرع فی نسک صفۃ لمحرما
کطواف ولو شوطا وانما قال ولبی لان الشرط عند الامام تجدید التلبیۃ عند المیقات بعد العود الیہ خلافا لہما سقط دمہ پھر اگر پلٹ آیا کسی میقات کی طرف پھر اس نے
وہاں احرام باندھا یا ایسا محرم ہو کہ میقات کی طرف پلٹ آیا جس نے کوئی عبادت ہنوز نہیں شروع کی مثلاً طواف کا ایک شوط بھی نہیں کیا اور میقات پر لبیک
بولا تو ذبح کرنا اس پر سے ساقط ہو گیا ماتن نے لبیک کہنے کو اس واسطے کہا کہ امام اعظم کے نزدیک دوبارہ لبیک کہنا میقات کے پاس بعد پھر آنے کے شرط ہے
کہ بدون اس کے ذبح کرنا ساقط نہیں ہوتا بخلاف صاحبین کے کہ ان کے نزدیک تجدید تلبیہ سقوط دم میں شرط نہیں میقات کی طرف پلٹ آنا کافی ہے والافضل
عودہ الا اذا خاف فوت الحج اور افضل ہے پلٹ آنا میقات کی طرف سے مگر جب کہ خوف ہو حج کے فوت ہونے کا تو نہ پھرے والا ای وان لم یعد اصلا او عاد بعد شروعہ لا یسقط
الدم اور اگر میقات کی طرف نہ پلٹ آیا یا پھر آیا بعد شروع کرنے طواف وغیرہ کے تو ذبح کرنا ساقط نہ ہوگا لمکی یرید الحج ومتمتع فرغ من عمرتہ وصار مکیا
وخرجا من الحرم واحرما بالحج من الحل فان علیہما دما لمجاوزۃ میقات المکی بلا احرام وکذا لو احرم بالعمرۃ من الحرم وبالعود کما مر یسقط الدم چنانچہ مکی حج کا ارادہ کرنے
والا اور متمتع جو اپنے عمرے سے فراغت ہو اور مکی ہو گیا اور دونوں نکلے حرم سے اور دونوں نے حج کا احرام باندھا حل سے تو دونوں پر خون واجب ہے بسبب بلا
احرام بڑھنے کے میقات اہل مکہ سے اس واسطے کہ اہل مکہ کا میقات حج کے واسطے حرم ہے نہ حل اور اسی طرح اگر مکی اور متمتع نے احرام باندھا عمرہ کا حرم سے
تو ذبح کرنا ان پر واجب ہے اس واسطے کہ میقات عمرے کا حل ہے اور میقات کی طرف پلٹ آنے سے جس طرح کہ مذکور ہو چکا ذبح کرنا ساقط ہو جاتا ہے دخل
کوفی ای آفاقی البستان ای مکانا من الحل داخل المیقات لحاجۃ قصدہا ولو عند المجاوزۃ علی ما مر ونیۃ مدۃ الاقامۃ لیست بشرط علی المذہب لہ دخول مکۃ غیر
محرم کوفی داخل ہوا بستان میں یعنی آفاقی اندر میقات کے زمین حل میں سے کسی مکان میں کسی حاجت کے واسطے بالقصد آیا اگرچہ مجاوزت میقات کے نزدیک
ارادہ اس حاجت کا کیا ہو چنانچہ یہ مضمون نہر الفائق سے مذکور ہو گیا تو اس آفاقی کو جائز ہے داخل ہونا مکہ کا بدون احرام باندھے اور مدت اقامت کی نیت شرط
نہیں بنا بر مذہب صحیح کے یعنی پندرہ روز یا زیادہ رہنا بستان میں شرط نہیں احرام کے عدم وجوب میں ہم بستان بنی عامر ایک بستی ہے داخل میقات خارج
حرم کے اور بالفعل اس کا نام نخلہ محمود ہے وہاں سے مکہ معظمہ چوبیس کوس ہے کذا فی الطحطاوی وحقیقۃ البستان ولا شیء علیہ لانہ التحق باہلہ کما مر اور
میقات اس آفاقی کا جو بستان میں کسی کام کو گیا بستان ہے یعنی حل میقات ہے حج اور عمرے کا اور اس پر مجاوزت میقات سے بلا احرام کوئی چیز واجب نہیں
اس واسطے کہ آفاقی بستان میں آنے سے اہل بستان میں مل گیا تو جیسے بستانی کو دخول مکہ بلا احرام جائز ہے ویسے ہی اس کو بھی جائز ہے اور جیسے بستانی کا میقات
حج اور عمرے کا حل ہے ویسے ہی آفاقی کا بھی حل ہے چنانچہ اس کی تفصیل بیان مواقیت میں گذر گئی وہذہ حیلۃ لآفاقی یرید دخول مکۃ بلا احرام اور یہ حیلہ ہے آفاقی
کے حق میں جو مکہ میں جانا چاہے بدون احرام کے ویجب علی من دخل مکۃ بلا احرام لکل مرۃ حجۃ او عمرۃ اور جو مکہ میں داخل ہو بدون احرام باندھے تو ہر
بار بلا احرام جانے میں اس پر ایک حج یا ایک عمرہ واجب ہے اس مکان اقدس کی تعظیم کے واسطے فلو عاد فاحرم بنسک اجزاہ عن آخر دخولہ وتمامہ فی الفتح
سو اگر مکہ میں بلا احرام جا کر پھر میقات کی طرف پلٹ آیا سو حج یا عمرے کا احرام باندھا تو اس کو کافی ہوگا پچھلے بار کے دخول سے اور پورا بیان اس کا فتح القدیر میں ہے

یعنی مثلاً دو بارہ بلا احرام داخل ہوا تھا تو اس احرام سے دوسری بار داخل ہونے سے جو حج یا عمرہ واجب ہوا تھا وہ ادا ہوگا اس واسطے کہ اول بار کا حج یا عمرہ اس پر دین ہوگیا سو وہ بدون تعیین نیت کے ساقط نہ ہوگا کذا فی الفتح **وصح منہ ای اجزاء عما لزمہ بالدخول لو احرم عما علیہ من حجۃ الاسلام او نذر او عمرۃ منذ لکن فی عامہ ذلک لتدارکہ المتروک فی وقتہ لا بعدہ لصیرورتہ دینا بتحول السنۃ** اور صحیح ہوگا اس سے یعنی کفایت کر جائے گا اس حج یا عمرہ سے جو اس پر بلا احرام داخل ہونے سے لازم ہوگیا اگر اس نے احرام باندھا ہو اس عبادت کے واسطے جو اس پر واجب تھی بمنزلہ حجۃ الاسلام کے یا حج نذر کے یا عمرہ نذر کے لیکن یہ اس صورت میں ہے جب اسی سال حج یا عمرہ کرے اس واسطے کہ جو متروک ہوگیا تھا اس کو اپنے وقت میں تدارک کرلیا نہ کافی ہوگا دخول بلا احرام سے بعد اس سال کے اس واسطے کہ متروک دین ہوگیا سال پلٹنے سے **جاوز المیقات بلا احرام فاحرم لعمرۃ ثم افسد ہا مضی وقضی ولا دم علیہ لترک الوقت لجبرہ بالاحرام منہ فی قضا** ایک شخص بڑھ گیا میقات سے بلا احرام پھر اس نے عمرہ کا احرام باندھا پھر عمرے کو فاسد کر ڈالا جماع قبل طواف سے تو عمرے کو پورا کرے اور اس کو قضا کرے اور اس پر خون نہیں میقات کے ترک احرام سے اس واسطے کہ قضا کرنے میں میقات سے احرام باندھتے ہیں اس کا تدارک ہو جاوے گا **مکی ومن فی حکمہ طاف لعمرۃ ولو شوطا ای اقل اشواطہا فاحرم بالحج رفضہ وجوبا بالحلق لنہی المکی عن الجمع بینہما** مکی نے اور اندر میقات کے رہنے والے نے اپنے عمرے کا طواف ایک شوط کیا ایک شوط سے مراد یہ کہ تین شوط یا اس سے کم کیا پھر حج کا احرام کیا تو حج کو ترک کرے سر منڈا کر بنا بر وجوب کے اس واسطے کہ اہل مکہ کو جمع کرنا حج اور عمرے کا ممنوع ہے **وعلیہ دم لاجل الرفض وحج وعمرۃ لانہ کفائت الحج حتی لو حج فی سنتہ سقطت العمرۃ ولو رفضہا قضاہا فقط** اور اس پر ذبح کرنا واجب ہے بسبب ترک کرنے کے اور حج اور عمرہ واجب ہے اس واسطے کہ مکی مذکور اس کے مانند ہے جس کا حج فوت ہوگیا اور فائت الحج عمرہ کر کے احرام اتارتا ہے اور دوسرے سال حج قضا کرتا ہے تا اینکہ اگر مکی مذکور اسی سال حج کرے گا بعد عمرہ کرنے کے تو دوسرا عمرہ اس پر سے ساقط ہو جاوے گا اور اگر عمرے کو ترک کرے گا نہ حج کو تو فقط عمرے کی قضا کرے کذا فی المنح **فلو اتمہما صح واساء وذبح وہو دم جبر وفی الآفاقی دم شکر** سو اگر مکی مذکور نے حج یا عمرہ ترک نہ کیا بلکہ دونوں کو ادا کیا تو یہ صحیح ہے اس واسطے کہ جس کا التزام کیا تھا اس کو ادا کیا لیکن برا کیا کہ ممنوع کام کیا اور ذبح کرے اور یہ ذبح کرنا جبر نقصان کے واسطے ہے تو خود نہ کھاوے اور آفاقی کے حج اور عمرہ کو جمع کرنے میں ذبح کرنا واسطے شکر کے ہے تو خود اس کا کھانا جائز ہے کذا فی المنح **ومن احرم لحج وحج ثم احرم یوم النحر باخر فان کان قد حلق للاول لزمہ الآخر فی العام القابل بلا دم لانتہاء الاول** اور جس نے حج کا احرام باندھا اور حج کو ادا کیا پھر یوم النحر میں دوسرے حج کا احرام کیا تو اگر سر منڈا چکا ہو اول حج کے واسطے تو دوسرا حج اس پر لازم ہوگیا دوسرے سال میں بلا وجوب ذبح اس واسطے کہ پہلا حج تمام ہو چکا تو یہ شخص باعتبار ادا کرنے کے جامع بین الاحرامین نہ ٹھہرا کہ ذبح کرنا اس پر واجب ہوتا کذا فی المنح **والا یحلق للاول فمع دم قصر عبر بہ لیعم المراۃ اولا لجنایتہ علی احرامہ بالتقصیر او التاخیر** اور اگر حج اول کے واسطے سر نہ منڈایا تو دوسرے سال اس پر دوسرا حج لازم ہوگا ساتھ ذبح کرنے کے بالوں کو کترا ہو یا نہ کترا ہو ماتن نے بلفظ تقصیر اس واسطے تعبیر کی تاکہ یہ مسئلہ عورت کو بھی شامل رہے ذبح کرنا اس واسطے واجب ہوا کہ اس نے جنایت کی بال کترانے سے اپنے دوسرے حج کے احرام پر یا واسطے تاخیر کے واجب ہوا جب یوم النحر میں قبل حلق کے دوسرے حج کا احرام کیا تو ہر طرح سے اس پر ذبح کرنا لازم ہوگیا اس واسطے کہ دو حال سے خالی نہیں کہ اول حج کے احرام اتارنے کو اس نے سر منڈایا یا نہیں منڈایا اگر منڈایا تو حج ثانی کے احرام پر جنایت واقع ہوئی اس واسطے ذبح کرنا لازم ہوا اور اگر سر نہیں منڈایا تو اول حج کی عبادت میں یعنی یوم النحر کے سر منڈانے میں تاخیر واقع ہوئی تو بھی ذبح کرنا لازم ہوگیا کذا فی المنح **ومن اتی لعمرۃ الا الحلق فاحرم باخری ذبح الاصل ان الجمع بین الاحرامین لعمرتین مکروہ تحریما فیلزم الدم ولو لحجتین فی ظاہر الروایۃ فلا یلزم** اور جس نے کہ عمرہ ادا کیا سوائے سر منڈانے کے پھر دوسرے عمرہ کا احرام کیا تو وہ ذبح کرے اصل یہ ہے کہ دو عمروں کے دو احراموں کو جمع کرنا مکروہ تحریمی ہے اس واسطے ذبح کرنا لازم ہے اور دو حج کے احراموں کو جمع کرنا ظاہر الروایت میں مکروہ نہیں کذا فی البحر عن المحیط لہذا اس میں ذبح کرنا واجب نہیں اور غایۃ البیان میں جو دو حج کے احراموں کو حرام اور بدعت کہا ہے صاحب بحر الرائق نے کہا وہ سہو ہے کذا فی المنح

آفاقی احرم بالحج ثم احرم بالعمرۃ لزماہ وصار قارنا مسیئا کما مر ولذا بطلت عمرتہ بالوقوف قبل افعالہا لانہا لم تترتب مرتبۃ علی الحج لا بالتوجہ الی عرفۃ آفاقی نے حج کا احرام کیا پھر عمرے کا احرام کیا تو دونوں اس پر لازم ہوئے اور یہ شخص قارن بدکار ہوگیا چنانچہ گذرا اور اسی واسطے باطل ہوگا عمرہ اس کا بسبب وقوف عرفات کے قبل افعال عمرے کے اس واسطے کہ عمرہ مشروع نہیں حج پر مرتب ہوکر نہ باطل ہوگا عمرہ عرفات کی طرف متوجہ ہونے سے سو اگر بدون وقوف کے عرفات کی طرف سے پھر آوے اور عمرہ اول کر کے حج کرے تو ممکن ہے کذا فی الطحطاوی فان طاف لہ طواف القدوم ثم احرم لہا فمضی علیہما ذبح وجوبا وہو دم جبر وندب رفضہا لتاکدہ بطوافہ فان رفض قضی لصحۃ الشروع فیہا واراق دما لرفضہا پھر اگر آفاقی نے حج کا طواف القدوم کیا پھر عمرے کا احرام کیا پھر دونوں کو ادا کیا تو ذبح کرے اور یہ ذبح کرنا واسطے جبر نقصان کے ہے کہ حج کے افعال میں عمرہ داخل کر دیا اور مستحب ہے ترک کرنا عمرے کا اس واسطے کہ طواف القدوم کرنے سے حج متاکد ہوگیا سو اگر اس نے عمرہ ترک کیا تو اس کی قضا کرے بعد حج کے بواسطہ صحیح ہونے شروع کے اور ذبح کرے بہ سبب ترک کرنے عمرے کے حج فاہل لعمرۃ یوم النحر او فی ثلثۃ ایام بعدہ لزمتہ بالشروع لکن مع کراہۃ التحریم ورفضت وجوبا تخلصا من الاثم وقضیت مع دم للرفض وان مضی علیہا صح وعلیہ دم لارتکابہ الکراہۃ فہو دم جبر ایک شخص نے حج کیا پھر عمرے کا احرام کیا یوم النحر میں یا اس کے بعد کے تین دن میں تو عمرہ کرنا اس کو لازم ہوگیا بہ سبب شروع کے لیکن کراہت تحریمی کے ساتھ اس واسطے کہ افعال حج سے ہنوز فراغت نہیں ولہذا عمرے کا ترک کرنا واجب ہے تاکہ اس گناہ سے نجات ہو اور عمرے کی قضا کی جاوے ساتھ ذبح کرنے کے ذبح واجب ہے بہ سبب ترک کے اور اگر عمرے کو ترک نہ کرے ادا کرے تو صحیح ہوگا اور اس پر ذبح کرنا واجب ہوگا بہ سبب مرتکب ہونے کراہت کے تو یہ ذبح جبر نقصان کے واسطے ہے فائت الحج اذا احرم بہ او بہا وجب الرفض لان الجمع بین احرامین لحجتین او لعمرتین غیر مشروع فائت الحج نے جب کہ دوسرے حج یا عمرے کا احرام کیا تو اس پر احرام ثانی کا ترک کرنا واجب ہے اس واسطے کہ دو حج کے احراموں کو اور دو عمرے کے احراموں کو جمع کرنا مشروع نہیں ہم دو حج کے احرام تو اس طرح ہیں ایک احرام اس حج کا جو فوت ہوگیا اور دوسرا احرام حج ثانی کا اور دو عمرے کے دو احرام یوں ہوئے کہ ایک احرام تو یہ ہے جو بعد فوت حج کے کیا اور دوسرا احرام اس طرح کہ فائت الحج عمرہ کر کے احرام سے باہر آتا ہے چنانچہ بعد اس کے مذکور ہوتا ہے ولان فائت الحج لیس فی احرامہ فیلزمہ ان یتحلل من احرام الحج بافعال العمرۃ ثم بعدہ فیقضی ما احرم بہ لصحۃ الشروع ویذبح للتحلل قبل اوانہ بالرفض اور جب کہ اس کا حج فوت ہوا تو احرام اس کا باقی رہا تو اس پر لازم ہے حج کا احرام اتار نا عمرے کے افعال کر کے پھر بعد اس کے قضا کرے اس کی جس کا احرام کیا اس واسطے کہ شروع کرنا اس کا صحیح تھا اور ذبح کرے اس واسطے کہ بسبب ترک کرنے احرام ثانی کے وہ حلال ہوگیا اس کے وقت سے پہلے یعنی واجب تو یہ تھا کہ بعد افعال حج ثانی کے یا عمرہ کے احرام ثانی سے باہر آتا لیکن بسبب عدم مشروعیت جمع بین الاحرامین کے احرام ثانی کا ترک واجب ہوگیا لہذا ذبح کرنا لازم ہوا واللہ اعلم کذا فی حاشیۃ الطحطاوی

باب الاحصار

ہو لغۃ المنع وشرعا منع عن رکن یہ باب ہے احصار کے احکام میں احصار لغت میں بمعنی منع اور حبس کے ہے اور اصطلاح شرع میں احصار عبارت ہے منع رکن سے خواہ حج کا رکن ہو خواہ عمرے کا اکثر کتب فقہ میں منع وقوف اور طواف کو احصار قرار دیا ہے لیکن اس میں عمرہ داخل نہیں رہا حالانکہ عمرہ میں بھی احصار ہوتا ہے لہذا شارح نے احصار کی تعریف منع رکن سے کی تاکہ عمرہ بھی داخل رہے اذا احصر بعدو او مرض او موت محرم او ہلاک نفقۃ حل لہ التحلل جب کہ محرم بند ہو جاوے بہ سبب دشمن یا بیماری کے یا محرم یا زوج کے مرجانے سے عورت محرمہ بند ہو جاوے یا خرچ کے ہلاک ہو جانے سے تو حلال ہے اس کو تحلل یعنی احرام اتارنا شامل دشمن عام ہے کافر ہو یا غیر اس کے اور وہ بیماری مانع ہے جو جانے اور سوار ہونے سے زیادہ ہوتی ہو اور ہلاک نفقہ راہ میں اس شرط سے مانع ہے کہ پیدل چلنے کی قدرت نہ ہو بعد شروع کے اور اگر پیدل چلنے پر قادر ہو تو مانع نہیں اگرچہ گھر سے پیدل جانا حج کے واسطے لازم نہیں جیسے حج نفل ابتداءً لازم نہیں لیکن بعد شروع کے لازم ہے اور یہ قول محمد کا ہے کذا فی المحیط اور ابو یوسف نے کہا کہ اگر بالفعل پیدل چلنے پر قادر ہو اور آئندہ خوف ہو عاجزی اور تھک جانے کا تو اس پر حج لازم نہیں کذا فی النہر فحینئذ لبعث المفرد دما

او قیمتہ فان لم یجد بقی محرما حتی یجد او یتحلل بطواف وعن الثانی انہ یقوم الدم بالطعام ویتصدق بہ فان لم یجد صام عن کل نصف صاع یوما جب عذرات مذکورہ سے محرم
حج کو نہ جا سکے تو اس وقت میں تنہا حج کا کرنے والا ایک خون یعنی ایک بکری یا بھیڑ حرم میں بھیجے یا اس کی قیمت روانہ کرے تاکہ خرید کرکے حرم میں ذبح کی جاوے
سو اگر بکری یا اس کی قیمت نہ پاوے تو محرم بنا رہے یہاں تک کہ پاوے یا عمرہ کا طواف اور سعی صفا مروہ کی کرکے احرام اتارے اور ابو یوسفؒ سے منقول ہے
کہ بکری کی قیمت اناج سے کی جاوے اور اس کا صدقہ دیا جاوے ہر مسکین کو نصف صاع سو اگر اناج بھی نہ پاوے تو ہر نصف صاع کی عوض ایک ایک دن روزہ
رکھے م طحطاوی نے کہا کہ یہ روایت ابو یوسفؒ کی ضعیف ہے بہتر یہ تھا کہ شارح اس کو مذکور نہ کرتا والقارن دمین اور قارن دو بکریاں روانہ کرے حرم
کو ایک بکری حج کے بدلے اور دوسری عمرے کے احرام کے عوض فلو بعث واحدا لم یتحلل عنہ سو اگر قارن ایک بکری بھیجے ایک احرام کے واسطے تو اس احرام سے
باہر نہ ہوگا اس واسطے کہ مشروع یہ ہے کہ دونوں احراموں سے یکبارگی خارج ہو تو ایک احرام کو قائم رکھنا اور دوسرے کو اتارنا خلاف مشروع ہے کذا فی الطحطاوی ویعین
یوم الذبح لیعلم متی یتحلل اور معین کر دے ذبح کا دن کہ فلانی تاریخ ہدی کو ذبح کرے تا معلوم رہے کہ کب احرام اتارے اس واسطے کہ تحلل قبل ذبح کے جائز
نہیں ویذبح فی الحرم ولو قبل یوم النحر خلافا لہما اور ذبح کرے ہدی کو حرم میں اگرچہ ذبح یوم النحر سے پہلے ہو بخلاف صاحبینؒ کے کہ ان کے نزدیک احصار حج
میں یوم النحر سے پہلے ذبح کرنا جائز نہیں لیکن عمرہ کے احصار میں جائز ہے ولو لم یفعل ورجع الی اہلہ بغیر تحلل او صبر محرما حتی زال الخوف جاز فان
ادرک الحج فبہا ونعمت والا تحلل بالعمرۃ لان التحلل بالذبح انما ہو للضرورۃ حتی لا یمتد احرامہ فیشق علیہ زیلعی اور اگر محرم محصر نے ہدی کو نہ روانہ کیا اور اپنے گھر پلٹ
آیا احرام باندھے یا احرام باندھے ہوئے وہیں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ خوف زائل ہوگیا اور مانع مرتفع ہوا تو جائز ہے پھر بعد زوال خوف اور مانع کے اگر حج کو پایا تو کیا
خوب بات ہے اور اگر موسم حج کا جاتا رہا تو عمرہ کرکے احرام اتارے اس واسطے کہ ذبح کرنے سے احرام کا اتارنا بسبب ضرورت کے تھا تاکہ احرام کی مدت
نہ دراز ہو جاوے کہ اس پر مشکل پڑ جاوے کذا فی الزیلعی ویذبحہ یحل ولو بلا حلق وتقصیر اور ہدی کے ذبح کرنے سے احرام سے خارج ہو جاتا ہے اگرچہ سر نہ
منڈایا ہو اور بال نہ کترائے ہوں لیکن حلق افضل ہے کذا فی النہر فلو ظن ذبحہ ففعل کالحلال فظہر انہ لم یذبح او ذبح فی حل لزمہ جزاء ما جنی پھر اگر محرم محصر نے ہدی کے
ذبح ہو جانے کا گمان کیا ہو ممنوعات احرام سے کوئی فعل کیا جیسے غیر محرم کرتا ہے پھر ظاہر ہوا کہ ہدی ذبح نہ ہوئی تھی یا حل میں ذبح ہوئی تھی نہ حرم میں تو اس
پر اپنی جنایت کرنے کی سزا لازم ہوگی ویجب علیہ ان حل من حجہ ولو نفلا حجۃ بالشروع وعمرۃ للتحلل ان لم یحج من عامہ اور اگر حج کا احرام اتارا ہے اگرچہ نفل ہی
حج ہو تو اس پر حج واجب ہے بسبب شروع کرنے کے اور عمرہ واجب ہے بسبب تحلل کے بشرطیکہ اس سال حج نہ کیا ہو اور اگر بعد زوال مانع کے اسی سال حج
ادا کیا تو فقط حج لازم ہوگا نہ عمرہ کذا فی الطحطاوی وعلی المعتمر عمرۃ اور عمرے کا احرام باندھنے والا اگر روکا جائے تو اس پر فقط ایک عمرہ واجب ہے وعلی
القارن حجۃ وعمرتان احدہما للتحلل اور قارن پر ایک حج اور دو عمرے واجب ہیں ایک عمرہ بسبب تحلل کے اور دوسرا قران کا م قضا میں اس کو اختیار ہے
چاہے قران کرے چاہے تینوں کو علیحدہ علیحدہ قضا کرے کذا فی الطحطاوی فان بعث ثم زال الاحصار وقدر علی ادراک الہدی والحج مضا توجہ وجوبا
پھر اگر محصر نے ہدی کو روانہ کیا بعد اس کے احصار زائل ہوگیا اور وہ قادر رہے ہدی اور حج کے پانے پر ساتھ ہی تو اس پہ واجب ہے کہ حج کرنے کو روانہ ہو
اور اس وقت میں ہرگز جائز نہیں احرام سے خارج ہونا ہدی بھیج کر اس واسطے کہ ہدی بھیجنا بدلا تھا حج کا اور حالا کہ اب خود اصل پہ قادر ہوگیا تو عوض کا
کچھ اعتبار نہ رہا کذا فی النہر والا یقدر علیہما لا یلزمہ التوجہ وہی رباعیۃ اور اگر ہدی اور حج کے پانے پر ساتھ ہی قادر نہ ہوا تو اس پر روانہ ہونا لازم نہیں اور یہ
مسئلہ رباعی ہے یعنی چار صورتوں کا محتمل ہے پہلی صورت یہ ہے کہ ہدی اور حج دونوں کو پاوے دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں کو نہ پاوے تیسری صورت
یہ کہ فقط ہدی کو پاوے نہ حج کو چوتھی صورت یہ کہ فقط حج کو پاوے نہ ہدی کو پہلی صورت میں تو جانا لازم ہے اور باقی تین صورتوں میں لازم نہیں لیکن اگر تحلیل
کے واسطے جاوے اور عمرہ کرے تو جائز ہے کذا فی النہر اور چونکہ امام کے نزدیک ذبح کرنا قبل یوم النحر کے جائز ہے تو ادراک ہر حج کا بدون ہدی کے ممکن ہے

اور صاحبین کے نزدیک اور اک حج کو ہدی لازم ہے اس واسطے کہ ان کے نزدیک قبل یوم النحر کے ذبح کرنا جائز نہیں کذا فی شرح الوقایہ ولا احصار بعد ماوقف بعرفۃ للامن من الفوات اور احصار نہیں بعد وقوف عرفات کے اس واسطے کہ بعد وقوف عرفات کے فوت ہوجانا حج کا متصور نہیں تو امن حاصل ہوگیا پھر اگر بعد وقوف عرفات کے احصار قائم رہا تو ترک واجبات سے یعنی وقوف مزدلفہ اور رمی جمار کے ترک سے ذبح کرنا لازم ہوگا اور اسی طرح تاخیر حلق اور طواف الزیارۃ سے ذبح لازم ہوگا کذا فی الطحاوی والممنوع ولو بمکۃ من الرکنین محصر علی الاصح اور جو شخص کہ دو رکن یعنی وقوف عرفات اور طواف الزیارۃ سے روکا جاوے اگرچہ وہ مکہ میں ہو وہ محصر ہے بقول اصح والقادر علی احدہما لا اما علی الوقوف فلتمام حجہ واما علی الطواف فلتحللہ بہ کما مر اور جو کہ قادر ہو ایک رکن پر وہ محصر نہیں جو وقوف عرفات پر قادر ہو وہ اس واسطے محصر نہیں کہ وقوف سے حج تمام ہوگیا اور جو طواف پر قادر ہو وہ اس واسطے محصر نہیں کہ وہ طواف کرنے سے احرام سے خارج ہوگیا چنانچہ مذکور ہوچکا کہ طواف اصل ہے تحلل میں اور ذبح کرنا ہدی کا اس کا بدلہ ہے اصل کے ہوتے بدلہ کی کچھ حاجت نہیں

باب الحج عن الغیر

یہ باب ہے غیر شخص کی طرف سے حج کرنے کا یعنی بطور نیابت کے دوسرے کی طرف سے حج کرنا الاصل ان کل من اتی بعبادۃ مالیۃ جعل ثوابہا لغیرہ وان نواہا عند الفعل لنفسہ لظاہر الادلۃ اصل یہ ہے کہ جو شخص کوئی عبادت کرے نماز یا روزہ یا خیرات یا قرأت قرآن یا ذکر یا حج یا عمرہ یا طواف یا اور نیکیاں تو اس کو جائز ہے کہ اس کا ثواب غیر شخص کے واسطے کردے اگرچہ عبادت کرنے کے وقت اپنی ذات کے واسطے نیت کی ہو یہ اصل ثابت ہے دلائل قرآن اور احادیث کی ظاہر دلالت سے بلا ارتکاب تاویل م قرآن مجید میں ولد کو ارشاد ہوا کہ والدین کے واسطے یوں دعا کرے رب ارحمہما کما ربیانی صغیرا یعنی اے میرے رب میرے والدین پر رحم کر جیسا کہ انھوں نے مجھ کو لڑکپن میں پالا تو اگر انسان کا عمل دوسرے کو نہ مفید ہوتا تو ولد کی دعا والدین کے حق میں بیفائدہ ہوتی حالانکہ یہ غلط ہے اور حق تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ فرشتے مومنین کے واسطے دعائے مغفرت کرتے ہیں تو ثابت ہوا کہ ایک کا عمل دوسرے کو مفید ہوتا ہے اور احادیث تو نیابت اور ثواب رسانی میں بکثرت ہیں از انجملہ بخاری اور مسلم میں یہ حدیث متفق علیہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے دو مینڈھوں کو قربانی کیا ایک مینڈھا اپنی طرف سے اور دوسرا اپنی امت کی طرف سے اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ عبادت مالی میں نیابت صحیح ہے اس حدیث کے مضمون کو ابن ماجہ اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ اور حاکم اور طبرانی اور ابن ابی شیبہ اور اسحٰق اور ابو یعلی اور بزار اور دار قطنی نے چند صحابہؓ سے روایت کیا ہے تو معلوم ہوا کہ قدر مشترک یہ حدیث مشہور ہے اور دارقطنی نے روایت کی کہ ایک مرد نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرے ماں باپ تھے جن سے میں ان کی زندگی میں نیکی کرتا تھا سو اب کیوں کر میں ان کے ساتھ نیکی کروں تو حضرت صلعم نے فرمایا کہ بعد موت کے نیکی یہ ہے کہ نماز پڑھا کر ان کے واسطے اپنی نماز کے ساتھ اور روزہ رکھا کر ان کے واسطے اپنے صوم کے ساتھ اور یہ بھی اسی نے علی مرتضیٰؓ سے روایت کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قبرستان پر گذرے اور گیارہ بار قل ہو اللہ احد پڑھے اور اس کا ثواب مردوں کو بخشے تو اس کو ثواب دیا جاوے گا بقدر اموات کے اور ابوحفص عسکری نے روایت کی کہ انسؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یارسول اللہ ہم خیرات کرتے ہیں اپنے مردوں کی طرف سے اور حج کرتے ہیں ان کی طرف سے اور دعا کرتے ہیں ان کے واسطے کیا ان کو یہ پہنچتا ہے فرمایا کہ ہاں البتہ ان کو پہنچتا ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں اس سے جیسے کوئی تم میں سے خوش ہوتا ہے طبق سے جب کوئی اس کو تحفہ بھیجے اور سنن ابوداؤد میں مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مردوں پر یٰسٓ پڑھا کرو تو ان احادیث کثیرہ سے ثابت ہوا کہ اعمال صالحہ کا ثواب غیر کو نافع ہوتا ہے کذا فی فتح القدیر واما قولہ تعالیٰ وان لیس للانسان الا ما سعی ای الا اذا وہبہ لہ کما حققہ الکمال او اللام بمعنی علی کما فی لم اللغۃ[1] اور جو قول ہے حق تعالیٰ کا کہ انسان کو کوئی چیز نافع نہیں مگر جو کہ اس نے خود کیا تو مراد یہ ہے کہ انسان کو غیر کے عمل سے کچھ حاصل نہیں مگر جب کہ غیر بخشے اس کو تو البتہ مفید ہوگا چنانچہ اس مطلب کو ثابت کیا ہے کمال الدین بن ہمام نے فتح القدیر میں یا لام اس آیت میں بمعنی علیٰ کے ہے چنانچہ لم اللغۃ میں بمعنی علی ہے تو اس صورت میں یہ مطلب آیت کا ہوگا کہ انسان کو کوئی چیز مضر نہیں سوائے

[1] یعنی لم اللغۃ کے معنی علیم اللغۃ کے ہیں تعیناں پر لعنت ہے ۱۲

اپنے عمل کے تو نفع مضرت کی ہوئی نہ منفعت کی ہم معتزلہ کا یہ مذہب ہے کہ عبادات کا ثواب سوائے فاعل کے غیر کو نہیں پہنچتا خواہ عبادت مالی ہو یا بدنی خواہ مرکب مال اور بدن سے اور امام مالک اور شافعیؒ کے نزدیک صدقات اور عبادات مالی اور حج میں وصول ثواب جائز ہے اور عبادت بدنی مانند صوم اور صلوٰۃ اور قرأت قرآن وغیرہ میں وصول جائز نہیں معتزلہ آیت مذکورہ سے استدلال کرتے ہیں اپنے مذہب پر کہ انسان کو غیر کا عمل مفید نہیں اہل سنت نے اس استدلال کے کئی طرح سے جواب دیئے ہیں جوابؔ اول یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے بقول ابن عباسؓ اس آیت سے (والذین[1] امنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم) جواب ثانی یہ ہے کہ یہ آیت ابراہیم اور موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کی قوم کو مخصوص ہے جوابؔ ثالث یہ ہے کہ انسان سے مراد اس آیت میں کافر ہے تو مومن کے حق میں نفی نہیں جوابؔ رابع یہ ہے کہ بطریق عدل غیر کو ثواب نہیں لیکن بطریق فضل البتہ ثابت ہے جوابؔ خامس یہ ہے کہ لام بمعنی علی ہے کذا فی العینی شرح الکنز لیکن محقق نے فتح القدیر میں کہا کہ ہرچند ظاہر آیت اسی پر دلالت کرتا ہے کہ ایک کا عمل دوسرے کو مفید نہیں لیکن حکم دعاء والدین اور استغفار ملائکہ مومنین کے حق میں اور حدیث قربانی کی امت کی طرف سے اس کے سوا اور احادیث ایصال ثواب کی ظاہر آیت کے مخالف ہیں تو بالقطع ہم کو ثابت ہوا کہ ظاہر آیت اپنی صراحت اور اطلاق پر باقی نہیں بلکہ مقید ہے بقید عدم ہبہ عامل چنانچہ اس کی توضیح ترجمہ آیت میں مذکور ہوگی اور تقیید آیت بہتر ہے نسخ آیت کے قائل ہونے سے اس واسطے کہ آیت مذکورہ از قبیل اخبار ہے حالانکہ خبر میں نسخ جاری نہیں اور ابطال معتزلہ کے ضمن میں مالکؒ اور شافعیؒ کے قول کی بھی نفی ہوگئی یعنی احادیث اور اخبار سالفہ سے عبادات بدنیہ کا بھی ایصال ثواب ثابت ہوگیا اللہ سبحانہ ہو الموفق انتہی کلام المحقق ولقد افصح الزاہدی عن اعتزالہ ہنا واللہ لموافق اور البتہ زاہدی نے اپنا اعتزال یہاں کھول دیا اور توفیق خیر کی دینے والا اللہ تعالیٰ ہے یعنی زاہدی باوجودیکہ بڑا عالم ہے مجتبیٰ کی کتاب الحج میں اموات کے ایصال ثواب کا منکر ہوگیا ہے اور اس کو مذہب اہل حق اور اہل عدل کا ٹھہرایا ہے اور آیات اور احادیث ثواب رسانی کو تاویلات بعیدہ کرکے ظاہر سے پھیرا ہے کذا فی الطحاوی الٰہی بہ محمدؐ وآلہٖ ہم کو صراط مستقیم پر ثابت رکھنا اور تعصب اور کج فہمی سے بچانا اور مرنے کے وقت اس عاجز مسکین کی دست گیری کرنا آمین العبادۃ المالیۃ کزکوٰۃ وکفارۃ تقبل النیابۃ عن المکلف مطلقا عند القدرۃ والعجز ولو النائب ذمیا لان العبرۃ لنیۃ الموکل ولو عند دفع الوکیل عبادت مالی جیسے زکوٰۃ اور صدقہ فطر اور عشر اور نفقات اور کفارہ اعتاق اور اطعام اور کسوۃ نیابت کو قبول کرتی ہے مکلف کی طرف سے ہر طرح کی قدرت کے وقت بھی اور عاجز ہونے کے وقت بھی اگرچہ نائب کافر ذمی ہو اس واسطے کہ موکل کی نیت کا اعتبار ہے اگرچہ موکل نے وکیل کے دینے کے وقت نیت کی ہو تو بھی یہ صحیح ہے م عبادات مالی میں نیابت اس واسطے جائز ہے کہ عبادات مالیہ میں آزمائش مالدار اور دفع حاجت محتاج مقصود اصلی ہے سو یہ امر نائب کے فعل میں بھی حاصل ہے اور ہرچند عبادت بدون نیت کے صحیح نہیں اور کافر ذمی اہل نیت کا نہیں لیکن جب نیت منیب معتبر ٹھہری نہ نائب کی تو مسلم اور ذمی نیابت میں دونوں برابر ہوگئے اور منیب کو اختیار ہے نائب کے دینے کے وقت نیت کرے یا جب نائب محتاج کو دینے لگے اس وقت نیت کرے یا درمیان میں اسی عبادت کے نیت کرے کذا فی المنح والطحاوی والنہر والبدنیۃ کصلوٰۃ وصوم لا تقبلہا مطلقا اور عبادت بدنی جیسے نماز اور روزہ اور اعتکاف اور قرأۃ قرآن اور اذکار نیابت کو نہیں قبول کرتے ہر طرح سے نہ قدرت میں نہ عجز میں اس واسطے کہ عبادات بدنیہ میں غرض اصلی یہ ہے کہ افعال مخصوصہ سے روح اور بدن پر محنت اور مشقت پڑے تاکہ روح کو صفائی اور قرب الٰہی حاصل ہو تو یہ امر حاصل نہیں ہوسکتا نائب کے فعل سے جب تک کہ خود نہ کرے لہٰذا اس میں مطلقاً نیابت جائز نہ ہوئی نہ قدرت میں نہ عجز میں اور یہی مطلب ہے اس حدیث کا کہ (لا یصوم احد عن احد ولا یصلی احد عن احد) اخرجہ النسائی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی کوئی روزہ نہ رکھے کسی کی طرف سے اور نماز نہ پڑھے کوئی کسی کی طرف سے یعنی نیابت صوم وصلوٰۃ سے فرض ساقط نہیں ہوتا غیر سے ہاں نفل کا ثواب منتفع ہے چنانچہ اس حدیث میں مصرح ہے کہ ولد اپنے والدین کے واسطے نماز پڑھے اور روزہ رکھے والمرکبۃ منہما کحج الفرض تقبل النیابۃ عند العجز

[1] اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی پیروی کی ان کی اولاد نے ایمان میں ملا دیا ہم نے ان سے ان کی اولاد کو یعنی اولاد کے اعمال کو اس آیت میں ان کے آباء کے اعمال میں شامل کیا ہے ۱۲

فقط اور یہ عبادت کہ مال اور بدن سے مرکب ہے جیسے فرض حج سو نیابت کو قبول کرتی ہے عاجز ہونے کے وقت فقط اھ ہر چند کہ حج کی حقیقت میں مال کو دخل نہیں
اس واسطے کہ حج عبارت ہے وقوف اور طواف سے لیکن چونکہ یہ امر بدون زاد اور راحلہ کے حاصل نہیں تھا تو گویا مال حج کا جز ہو گیا کذا فی الطحطاوی حج میں عجز
کے وقت نیابت جائز ہوئی مال کی جہت سے اور مقدرت میں نیابت جائز نہ ہوئی بدن کی جہت سے کذا فی النہر لکن بشرط دوام العجز الی الموت لانہ فرض العمر
حتی تلزم الاعادۃ بزوال العذر عاجزی میں نیابت حج کی جائز ہے بشرطیکہ موت تک عجز ہمیشہ برابر رہے اور اگر عجز دائمی نہیں تو نیابت صحیح نہیں اس واسطے کہ حج
تمام عمر میں ایک بار فرض ہے یہاں تک کہ اعادہ لازم ہے زوال عذر سے یعنی ایک شخص حج کرنے سے عاجز ہے سو اس نے مال دے کر نائب سے اپنے واسطے
حج کروا دیا پھر بعد اس کے عاجزی کا عذر جاتا رہا تو اس پر واجب ہے کہ خود دوبارہ حج کرے اس واسطے کہ موت تک عجز دائم نہ رہا وبشرط نیتہ الحج عنہ ای عن الآمر
فیقول احرمت عن فلان ولبیت عن فلان ولو نسی اسمہ فنوی عن الآمر صح وتکفی نیۃ القلب اور اس شرط سے نیابت جائز ہے کہ نائب اپنے منیب آمر کی طرف سے
حج کرے سو یوں کہے احرام کے وقت کہ میں نے احرام باندھا فلانے شخص کی طرف سے اور میں نے لبیک کہا فلانے کی طرف سے اور اگر منیب کا نام بھول جاوے
اور امر کرنے والے کی طرف سے نیت کرے تو صحیح ہے اور دل کی نیت کافی ہے تو تصریح بلفظ ضرور نہیں ہذا ای اشتراط دوام العجز الی الموت اذا کان العجز کالحبس
والمرض یرجی زوالہ ای یمکن وان لم یمکن کذلک کالعمی والزمانۃ سقط الفرض بحج الغیر عنہ فلا اعادۃ مطلقا سواء استمر ذلک العذر بہ ام لا یعنی شرط
ہونا دوام عجز کا موت تک اس وقت تک ہے کہ عجز مانند قید اور بیماری کے زوال پذیر ہو اور اگر ایسی نہ ہو یعنی ایسا عجز ہو کہ اس کے زوال کی امید نہ ہو جیسے اندھا
ہونا اور لولا ہونا تو اس کی طرف سے غیر کے حج کرنے سے فرض ساقط ہو جاوے گا تو اس حالت میں اعادہ حج کا مطلقاً لازم نہیں خواہ یہ عذر عدم بصارت وغیرہ
کا ہمیشہ بنا رہے یا نہ رہے اس واسطے کہ عجز لازمی بجائے موت ہے کذا فی النہر کنز وغیرہ متون میں مرض زوال پذیر کا کچھ فرق مذکور نہیں لیکن ماتن اور شارح
نے باقتدائے صاحب بحر تفصیل محیط اور فتاویٰ قاضی خاں اور مبسوط سے نقل کی اور کہا ہے کہ یہی حق ہے واللہ اعلم کذا فی النہر ولو احج عنہ وہو صحیح ثم عجز واستمر لم یجزہ
لفقد شرطہ اور اگر ایک شخص نے حج کروایا اپنی طرف سے حالت صحت میں پھر وہ بعد فراغت ہونے نائب کے حج سے عاجز ہو گیا اور ہمیشہ عاجز بنا رہا موت تک
تو وہ حج سقوط فرض میں کافی نہ ہوگا بسبب نہ پائے جانے شرط کے یعنی نائب کے حج کرنے کے وقت منیب عاجز نہ تھا تو حج نفل کا ثواب نائب کو حاصل ہوگا
کذا فی الطحطاوی وبشرط الامر بہ ای بالحج عنہ فلا یجوز حج الغیر بغیر اذنہ الا اذا حج او احج الوارث عن مورثہ لوجود الامر دلالۃ اور جائز ہے نیابت
بشرطیکہ امر کرے منیب نائب کو اپنی طرف سے فرض حج کرنے کا تو جائز نہیں حج فرزند کا باپ کے واسطے بدون اجازت باپ کے مگر جب کہ وارث خود
حج کرے یا غیر سے حج کروائے مورث کی طرف سے تو البتہ جائز ہے بسبب پائے جانے امر مورث کے بنا بر دلالت حال کے یعنی جب وارث مورث کے
مال پر متصرف ہوا تو گویا مورث نے اس سے کہا کہ میرے اوپر سے فرض ادا کر کذا فی الطحطاوی وبقی من الشرائط النفقۃ من مال الآمر کلہا او اکثرہا وحج المامور
بنفسہ وتعیینہ ان عینہ فلو قال یحج عنی فلان لا غیر لم یجز حج غیرہ ولو لم یقل لا غیرہ جاز اور شرائط نیابت حج سے باقی رہا نفقہ یعنی شرط ہے کہ کل نفقہ نائب کا منیب
کے ذمہ سے ہو یا اکثر نفقہ اس کے مال سے ہو تو اگر نائب منیب کا مال نہ لے اپنے مال سے حج کرے بطور احسان کے تو منیب کی طرف سے حج نہ ادا ہوگا کذا
فی العالمگیریۃ عن البدائع اور حج کرنا مامور کا بذات خود اور اس کا متعین ہونا مشروط ہے اگر اس کو متعین کر دیا ہو سو اگر آمر نے یوں کہا ہو کہ مثلاً زید میری
طرف سے حج کرے نہ غیر اس کا تو غیر زید کا حج کرنا جائز نہیں اور اگر غیر کی نفی نہ کی ہو تو غیر زید کا حج کرنا جائز ہے واوصلہا فی اللباب الی عشرین شرطاً منہا عدم
اشتراط الاجرۃ فلو استاجر رجلا بان قال استاجرتک علی ان تحج عنی بکذا لم یجز حجہ وانما یقول امرتک ان تحج عنی بلا ذکر اجارۃ لباب المناسک میں شرائط نیابت
کو بیس تک پہنچایا ہے ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ نیابت میں اجرت مشروط نہ ہو تو اگر بطور اجارہ ٹھہرایا ایک مرد سے اس طرح پر کہ اس نے کہا کہ میں نے
تجھ سے ٹھہرایا اپنی طرف سے حج کرنے کا اتنے مال کے عوض تو اس کا حج جائز نہیں بلکہ یوں کہے کہ میں نے تجھ کو امر کیا اپنی طرف سے حج کرنے کا بلا ذکر اجارہ

م شارح کا کلام اس کو مقتضی ہوا کہ اجیر کو اجرت نہ ملے اور حج اجیر کا ہو نہ مستاجر کا اور خانیہ میں مصرح ہے کہ ظاہر الروایت میں حج مستاجر کے واسطے واقع ہوگا اور اجیر کو اجرت مثل ملے گی تو عبارت خانیہ اس کو مقتضی ہے کہ یہ اجارہ فاسدہ ہے کذا فی حاشیۃ الطحطاوی ولو انفق من مال نفسہ او خلط النفقۃ بمالہ و انفق کلہ او اکثرہ جاز و بری من الضمان اور اگر مامور نے کچھ ذاتی مال سے خرچ کیا اور حالانکہ منیب کے نفقہ میں وضع کر لینے کی گنجائش ہے یا مامور نے منیب کے نفقہ میں اپنا مال ملا دیا اور سب مال خرچ کر ڈالا یا اکثر یعنی بمقدار کل مال آمر کے یا اکثر مال آمر کے صرف کیا تو جائز ہے اور مامور ضمانت سے بری ہو گیا کذا فی الطحطاوی وشرط العجز المذکور للحج الفرض لا للنفل لا تساع بابہ اور شرط عاجزی کی جو مذکور ہوئی تو حج فرض کے واسطے ہے نہ نفل حج کے واسطے اس لیے کہ نفل میں وسعت ہے تو قادر کو نائب سے حج نفل کروانا صحیح ہے ویقع الحج المفروض عن الآمر علی الظاہر من المذہب وقیل عن المامور نفلا وللآمر ثواب النفقۃ کحج النفل اور حج فرض آمر کی طرف سے واقع ہوتا ہے بنا بر ظاہر مذہب کے اور قول ضعیف یہ ہے کہ مامور کی طرف سے حج نفل واقع ہوتا ہے اور آمر کو نفقہ دینے کا ثواب ہے جیسے نفل حج میں اور یہ قول اخیر محمدؒ کا قول ہے لیکن اس اختلاف کا کچھ ثمرہ نہیں اس واسطے کہ سب متفق ہیں اس بات پر کہ آمر سے فرض ساقط ہو جاتا ہے اور مامور سے ساقط نہیں ہوتا کذا فی المنح اور ظاہر مذہب کی وہ حدیث دلیل ہے جو صحاح ستہ میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حجۃ الوداع میں ایک عورت خثعم کی قوم کی آئی اس نے کہا یا رسول اللہ صلعم میرے باپ پر حج فرض ہوا اور وہ بہت بڈھا ہے اس کو طاقت نہیں کہ اونٹ پر ثابت رہ سکے کیا میں اس کی طرف سے حج کروں حضرت صلعم نے فرمایا ہاں اور بخاری اور مسلم میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے پاس آیا سو اس نے کہا کہ میری بہن نے حج کی نذر مانی تھی سو وہ مر گئی حضرت صلعم نے فرمایا کہ اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا تو ادا کرتا اس نے کہا ہاں میں ادا کرتا۔ فرمایا تو خدا کا قرض ادا کر کہ وہ احق بالقضا ہے کذا فی التیسیر تو اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ آمر کی طرف سے حج واقع ہوتا ہے نہ مامور کی طرف سے لکنہ تشترط لصحۃ النیابۃ اہلیۃ المامور لصحۃ الافعال ثم فرع علیہ بقولہ فجاز حج الصرورۃ بمہملۃ من لم یحج والمرأۃ ولوامۃ والعبد وغیرہ کالمراہق وغیرہم اولی لعدم الخلاف لیکن صحت نیابت کے واسطے شرط ہے اہلیت مامور کی یعنی اسلام اور عقل مامور میں لازم ہے تاکہ اس کے افعال حج صحیح ہوں پھر ماتن نے اشتراط اہلیت پر اگلا قول متفرع کر کے کہا تو جائز ہے حج کرنا اس کا جس نے خود حج نہیں کیا اور عورت کا حج جائز ہے اگرچہ وہ لونڈی ہو اور عبد ماذون دیوے کا جیسے صغیر قریب البلوغ کا حج کرنا جائز ہے اور ان اشخاص کے سوا اور شخص بہتر ہے نیابت کے واسطے تا خلاف شافعیؒ نہ ہو صرورہ بصاد مہملہ مفتوحہ اس کو کہتے ہیں جس نے ہنوز حج نہیں کیا کذا فی القاموس ہر چند نیابت عورت اور غلام اور جس نے گاہے حج نہیں کیا اور مراہق کی جائز ہے بسبب اہلیت صحت افعال کے لیکن چونکہ کراہت سے خالی نہیں اور امام شافعی کے بھی خلاف ہے تو ان کے سوا اور کسی کو نائب کرنا بہتر ہے مناسک طرابلسی میں مذکور ہے کہ جو غیر کی طرف سے حج کرے تو افضل یہ ہے کہ وہ حر عاقل بالغ ہو اور افعال حج اور طریق حج کا عالم ہو اور فرض حج اپنی طرف سے کر چکا ہو کذا فی المنح ولو امر ذمیا او مجنونا لا یصح اور اگر ذمی یا مجنوں کو اپنی طرف سے حج کرنے کو مامور کیا تو صحیح نہیں بسبب عدم اہلیت کے واذا مرض المامور بالحج فی الطریق لیس لہ دفع المال الی غیرہ لیحج ذلک الغیر عن المیت الا اذا اذن لہ بذلک بان قیل لہ وقت الدفع اصنع ما شئت فیجوز لہ ذلک مرض اولا لانہ صار وکیلا مطلقا اور جب کہ حج کا مامور راہ میں بیمار ہو گیا تو اس کو جائز نہیں غیر کو مال دینا تاکہ یہ شخص غیر میت کی طرف سے حج کرے مگر اس صورت میں جب کہ اس کو غیر کے مال دینے اور حج کروانے کی اجازت دی گئی ہو اس طرح پر کہ اس سے کہا گیا ہو مال دینے کے وقت کہ جو تیرا جی چاہے تو اب اس کو غیر سے حج کروانا جائز ہے خواہ وہ بیمار ہو یا نہ بیمار ہو اس واسطے کہ اس اجازت مطلقہ سے وہ وکیل مطلق ہو گیا خواہ آمر زندہ ہو یا میت کذا فی الطحطاوی خرج مکلف الی الحج ومات فی الطریق واوصی بالحج عنہ انما تجب الوصیۃ بہ اذا اخرہ بعد وجوبہ اما لو حج من عامہ فلا ایک مرد عاقل بالغ نکلا حج کے واسطے اور راہ میں مر گیا اور اس نے اپنی طرف سے حج کرنے کی وصیت کی تو شارح کہتا ہے وصیت کرنا حج کا اس وقت واجب ہے جب اس نے بعد وجوب حج کے ادائے حج میں تاخیر کی ہو اور اگر اسی سال حج کو چلا جس سال حج فرض ہوا تو اس پر حج کی وصیت کرنا واجب نہیں فان فسر المال

اور الکسان قال امر علیہ ای علی مامنرہ ولا یحج عنہ من بلدہ قیاسا لا استحسانا فلیحفظ پھر اگر میت نے وصیت میں مال یا مکان کی تفصیل کر دی ہو کہ اس قدر مال سے یا یہاں
سے حج کیا جاوے تو اسی کی بموجب ہوگا اور اگر مال یا مکان کو اس نے متعین نہ کر دیا ہو تو اس کی طرف سے حج کیا جاوے اس کے شہر سے بنا بر قیاس کے نہ بنا بر
استحسان کے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے م دلیل ظاہر کو قیاس کہتے ہیں اور دلیل خفی کو استحسان کہتے ہیں اور جہاں قیاس اور استحسان مجتمع ہوں وہاں استحسان مقدم
ہوتا ہے لیکن یہ مسئلہ ان مواضع سے ہے جہاں قیاس مقدم ہوتا ہے استحسان پر لہذا شارح نے آگاہ کر دیا کہ اس کو یاد رکھنا چاہیے کذا فی الطحطاوی قیاس قول
ہے امام کا اور استحسان قول ہے صاحبین کا وجہ قیاس کی یہ ہے کہ جس قدر میت نے سفر کیا وہ باطل ہوگیا احکام دنیا کے حق میں اگرچہ آخرت کا ثواب قائم ہے اس
واسطے کہ مسلم کی حدیث میں ثابت ہے کہ جب ابن آدم مر گیا تو اس کا عمل منقطع ہوگیا اور وصیت کا جاری کرنا بھی دنیا کے احکام سے ہے تو میت کے وطن سے
وصیت باقی رہے گی اور جب کہ حج نہ حاصل ہوا تو سفر میت کا کالعدم ہوگیا اور وجہ استحسان یہ ہے کہ قرآن مجید میں ثابت ہے کہ جو اپنے گھر سے نکلے اللہ اور رسول صلعم
کی طرف ہجرت کر کے اور راہ میں مرے تو اس کا ثواب عند اللہ ثابت ہے اور طبرانی ابو یعلی اور بیہقی نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ جو حج کے واسطے نکلا اور مر گیا تو اس کو حج کرنے والے کا ثواب قیامت تک لکھا جاوے گا تو اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر اس کا موت سے باطل
نہیں ہوا تو وصیت مکان سے جاری ہوگی نہ وطن سے کذا فی الہدایہ و فتح القدیر فلو احج عنہ الوصی من غیرہ ولم یبلغ پھر اگر میت کی طرف سے وصی حج کروا دے اپنے سوا
غیر سے تو جائز نہیں ان وفی بہ ای بالحج من بلدہ ثلثہ وان لم یف فمن حیث یبلغ استحسانا میت کے شہر سے حج کیا جاوے اگر میت کا ثلث مال اس کو کفایت کرے
اور اگر کفایت نہ کرے تو جہاں سے پہنچ سکے وہاں سے حج کیا جاوے بدلیل استحسان مذکور ولوصی المیت ووارثہ ان یسترد المال من المامور مالم یحرم اور میت
کے وصی یا اس کے وارث کو جائز ہے مال کا پھیر لینا مامور سے جب تک کہ اس نے احرام نہ باندھا ہو اور بعد احرام کے پھیر لینا کسی کو جائز نہیں ثم ان ردہ لخیانۃ
منہ فنفقۃ الرجوع من مالہ والا فمن مال المیت پھر اگر مال کو پھیر لیا مامور کی خیانت کی جہت سے تو پھرنے کا خرچ مامور کے مال سے ہوگا اور اگر پھیر لینا خیانت
کے سبب سے نہیں تو پھرنے کا خرچ میت کے مال میں ہوگا اوصی بحج فتطوع عنہ رجل لم یجز وان امرہ المیت لانہ لم یحصل مقصودہ وہو ثواب الانفاق
وصیت کی ایک شخص نے حج کرنے کی اپنی طرف سے سو ایک مرد نے اس کی طرف سے حج کیا بطور احسان کے اور اس کا مال نہ لیا تو حج کفایت نہ کرے گا یعنی میت
کے ذمہ سے فرض ساقط نہ ہوگا اگر میت نے اس کو حج کرنے کا امر بھی کیا ہو اس واسطے کہ اس کا مقصود نہ حاصل ہوا یعنی مال خرچنے کا ثواب نہ ملا لکن لو حج عنہ ابنہ
لیرجع فی الترکۃ جاز ان لم یقل من مالی وکذا الوارث لا لیرجع کالدین اذا قضاہ من مال نفسہ لیکن اگر باپ نے حج کی وصیت کی اور اس کے بیٹے نے اس کی طرف سے
حج کیا اپنا مال خرچ کر کے اس نیت سے کہ متروکہ سے بھر لے گا تو جائز ہے بشرطیکہ باپ نے وصیت میں یوں نہ کہا ہو کہ میرے مال سے حج کیا جاوے اور
اسی طرح کا حکم ہے اگر وارث کسی سے حج کروا دے اور جائز نہیں حج فرزند کا عدم رجوع کی نیت سے چنانچہ میت کے قرض کو اگر وارث ادا کرے اپنے مال سے
تو متروکہ سے رجوع کر لینا درست ہے لیکن قرض ادا کرنا بلا نیت عدم رجوع بھی جائز ہے بخلاف حج کے اس واسطے کہ عاجز کی طرف سے حج کرنا بدون اس
کے امر کے جائز نہیں اور قرض ادا کرنا بلا امر بھی جائز ہے کذا فی المنح عن التجنیس ومن حج عن کل من امریہ وقع عنہ وضمن مالہما لانہ خالفہما ولا یقدر
علی جعلہ عن احدہما لعدم الاولویۃ اور جس نے حج کیا دو امر کرنے والوں کے واسطے یعنی ایک حج میں دو شخصوں کو شریک کیا تو وہ حج مامور کی طرف سے
نفل واقع ہوگا اور اگر ان کا مال خرچ کیا ہو تو دونوں کے مال کی ضمانت دے گا اس واسطے کہ ان کی مخالفت کی کہ ہر ایک کو بلا شرکت حج مقصود تھا اور یہ مامور
قادر نہیں کہ حج کو ایک کے واسطے ٹھہرا دے بسبب عدم ترجیح کے وینبغی صحۃ التعیین لو اطلق الاحرام اور لائق یوں ہے کہ تعیین صحیح ہو اگر احرام کو مطلق کیا یعنی
امر کا ذکر نہ کیا ہو احرام کے وقت نہ بطور تعیین و بطور ابہام ولو ابہم فان عین احدہما قبل الطواف والوقوف جاز اور اگر آمر کو مبہم ذکر کیا یعنی یوں کہا
کہ میں لبیک کہتا ہوں ایک آمر کی طرف سے پھر بعد اس کے اگر دو میں سے ایک کو معین کرے گا قبل طواف اور وقوف کے تو جائز ہے طرفین کے نزدیک

کذا فی الطحطاوی بخلاف مالو اہل بحج عن ابویہ او غیرہما من الاجانب حال کونہ متبرعا فعین بعد ذلک جاز لانہ متبرع بالثواب فلہ جعلہ لاحدہما اولہما وفی الحدیث من حج عن ابویہ فقد قضی عنہ حجتہ وکان لہ فضل عشر حجج وبعث من الابرار بخلاف سابق یہ مسئلہ ہے اگر ایک شخص نے حج کیا اپنے والدین کی طرف سے یا علاوہ ان کے سوا اور اجنبی شخصوں کے واسطے حج کیا بطور احسان کے یعنی بلا وصیت اور بدون ان کے مال کے حج کیا پھر بعد اس کے معین کر لیا ایک کو تو جائز ہے اس واسطے کہ یہ شخص ثواب کا دینے والا ہے بلا عوض اور حج تو فقط فاعل کی طرف سے واقع ہوگا تو اس کو اختیار ہے چاہے ایک کو ثواب دے چاہے دونوں کو دے اور حدیث میں وارد ہے کہ جو حج کرے اپنے والدین کی طرف سے تو اس نے اپنا حج ادا کیا اور ہوگی اس کے واسطے زیادتی دس حج کی اور یہ شخص قیامت میں نیکوں میں مبعوث ہوگا موم جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے باپ اور اپنی ماں کی طرف سے حج کرے تو اس نے اپنا حج ادا کیا اور اس کے لیے دس حج کی زیادتی ہوگی اور زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مرد نے اپنے والدین کی طرف سے حج کیا تو قبول ہوگا اس کی طرف سے اور اس کے والدین کی طرف سے اور ان دونوں کی روحیں خوش ہوں گی اور خدا کے نزدیک یہ شخص نیکوکار لکھا جائے گا اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنے والدین کی طرف سے حج کرے یا ان کا قرض ادا کرے تو قیامت کے دن نیکوں کے ساتھ وہ شخص اٹھایا جائے گا ان احادیث ثلثہ کو دارقطنی نے مذکور کیا ہے یہ جو ماتن اور شارح نے مذکور کیا تو نفل حج کا ذکر تھا اور اگر والدین میں سے کسی پر فرض حج ہو اس کی دو صورتیں ہیں کہ حج کی وصیت اس نے کی یا نہیں اگر وصیت کی اور وارث نے اپنے مال سے حج کیا مورث کی طرف سے بطور احسان کے تو مورث کے ذمہ سے حج ساقط نہ ہوگا اور اگر اس نے وصیت نہیں کی حج کی اور وارث نے اپنی خوشی اس کی طرف سے حج کیا یا غیر سے کرا دیا تو امام اعظمؒ نے کہا کہ اگر خدا نے چاہا تو فرض ساقط ہو جاوے گا کذا فی فتح القدیر ودم الاحصار لا غیر علی الآمر فی مالہ ولو میتا قیل من الثلث قیل من الکل ثم ان فاتہ لتقصیرہ ضمن وان بآفۃ سماویۃ لا اور احصار کا خون آمر پر واجب ہے اس کے مال میں اس واسطے کہ آمر نے مامور کو اس میں پھانسا تو اسی پر چھڑانا بھی لازم ہے اگرچہ آمر میت ہو آمر سے مراد وہ ہے جس کی طرف سے حج کیا جاوے تو اس میں میت بھی داخل ہے کذا فی النہر بعضوں نے کہا کہ میت کے ثلث مال سے ذبح کرنا چاہیے اور بعضوں نے کہا کہ کل مال سے اور احصار کے سوا کوئی خون آمر پر لازم نہیں پھر اگر حج فوت ہو گیا مامور کی تقصیر سے یعنی اپنے کسی کام میں ایسا مشغول ہو گیا کہ موسم حج کا گذر گیا تو مال کا ضامن ہوگا اور اگر آسمانی آفت سے جیسے مرض یا حبس سے یا سواری کے مر جانے سے یا کرایہ دار کے بھاگ جانے سے حج فوت ہو گیا تو مامور پر ضمان لازم نہیں کذا فی الطحطاوی ودم القران والتمتع والجنایات علی الحاج الا اذا اذن لہ الآمر بالقران والتمتع والا فیصیر مخالفا فیضمن اور قران اور تمتع اور جنایات کا خون حج کرنے والے پر واجب ہے نہ آمر پر لیکن جب آمر نے مامور کو قران اور تمتع کرنے کا اذن دیا ہو تو آمر پر واجب ہوگا اور اگر قران اور تمتع کا آمر نے اذن نہیں دیا تو قران کرنے سے مامور مخالف ہوا آمر کا تو مامور ہی ضامن ہوگا وضمن النفقۃ ان جامع قبل وقوفہ فیعیدہ بمال نفسہ وان بعدہ فلا لحصول المقصود اور مامور ضامن ہوگا نفقہ کا اگر اس نے جماع کیا قبل وقوف عرفات کے اس واسطے کہ حج فاسد ہو گیا تو دوسرے سال مامور حج کو دوبارہ کرے اپنی ذات کے مال سے اور اگر بعد وقوف عرفات کے جماع کیا تو ضمان نہیں بسبب حصول مقصود کے اس واسطے کہ حج تمام ہو گیا وان مات المامور او سرق نفقتہ فی الطریق قبل وقوفہ حج من منزل آمرہ بثلث ما بقی من مالہ ان لم یف فمن حیث یبلغ فان مات او سرق ثانیا حج من ثلث الباقی بعدہا ہکذا الی ان لا یبقی من ثلثہ ما یبلغ الحج فیبطل الوصیۃ اور اگر مامور راہ میں مر گیا یا اس کا نفقہ چوری ہو گیا راہ میں قبل وقوف عرفات کے تو حج کیا جاوے آمر کے وطن سے اس کی تہائی باقی مال سے یعنی باقی متروکہ میت کے ثلث سے سو اگر ثلث ابقی کفایت نہ کرے وطن سے تو جس مکان سے پہنچ سکے وہاں سے حج کیا جاوے پھر اگر دوسری بار بھی مامور مر جاوے یا نفقہ چوری جاوے تو اس کے بعد پھر میت کے باقی مال کے ثلث سے حج کیا جاوے اسی طرح تیسری بار اور چوتھی بار حج کرا دیا جاوے گا یہاں تک کہ متروکہ میت سے اتنا نہ باقی رہے جس کے ثلث سے

ف افضلیت حج از طرف والدین

حج ہو سکے پھر جب بقدر حج باقی نہ رہے تو وصیت حج کی باطل ہو جاوے گی یہ قول امام اعظمؒ کا ہے اور ابو یوسفؒ کے نزدیک کل مال کے ثلث سے حج کیا جاوے نہ باقی متروکہ سے اور محمدؒ کے نزدیک اگر اس مال سے جو مامور کو دیا کچھ باقی ہے بقدر کفایت تو حج کیا جاوے اور نہیں تو وصیت باطل ہے کذا فی فتح القدیر والنہر قلت وظاہرہ وانہ لا یرجع فی ترکۃ المامور فلیراجع شارح کہتا ہے ظاہر قول ماتن یعنی ثلث ما بقی سے حج کروانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ترکہ مامور سے مصرف حج کا پھیر لینا جائز ہو تو اس کی تصریح کو کتب فقہ میں تلاش کرنا چاہیے طحطاوی نے کہا میں نے مراجعت کی کتب فقہ کی طرف تو اس کو دیکھا کہ ترکہ مامور سے پھیر لینا جائز ہے م لیکن طحطاوی نے کسی کتاب کا نام مذکور نہ کیا واللہ اعلم لا من حیث مات خلافا لہما وقولہما استحسان یعنی اگر مامور راہ میں مرجاوے تو پھر آمر کے وطن سے حج کیا جاوے نہ وہاں سے جہاں مامور مرگیا بخلاف صاحبینؒ کے اور قول صاحبینؒ کا استحسان ہے اور قول امامؒ کا قیاس ہے لیکن یہاں استحسان بمقابلہ قیاس کے متروک ہے چنانچہ عنقریب مذکور ہو چکا فروع مسائل ملحقہ شارح کے لیصیر مخالفا بالقران او التمتع کما مر لا بالتاخیر عن السنۃ الاولی وان عینت لانہ للاستعجال لا للتقیید مامور مخالف ہوگا آمر کے قران یا تمتع کرنے سے چنانچہ مذکور ہو چکا نہ مخالف ہوگا سال اول کے تاخیر کرنے سے اگر آمر نے سال اول کا حج مقرر کر دیا ہو اس واسطے کہ یہ تعیین جلدی کے واسطے ہے نہ تقیید کے واسطے اس واسطے کہ سب سال برابر ہیں ادائے فرض میں لیکن اول سال افضل ہے کہ شاید نفقہ باقی نہ رہے کذا فی الطحطاوی والافضل ان یعود الیہ اور افضل یہ ہے کہ مامور بعد حج کے آمر کے وطن کی طرف پھر آوے اور مکہ میں اقامت نہ کرے تا کہ آنے جانے کے نفقات کا ثواب آمر کو ملے وعلیہ رد ما فضل من النفقۃ وان شرط لہ فالشرط باطل الا ان یوکلہ بہبۃ الفضل من نفسہ او یوصی المیت بہ لمعین اور مامور پر واجب ہے کہ جو خرچ آنے جانے سے زیادہ بچے اس کو پھیر دے وارث یا وصی کو اور اگر مامور نے فاضل مال کی اپنے واسطے شرط کر لی ہو تو یہ شرط باطل ہے مگر اس طرح فاضل مال کا پھیر دینا درست نہیں کہ مامور کو اپنی طرف سے فاضل مال کے ہبہ کر دینے کا وکیل کر دیا ہو یعنی یوں کہا ہو کہ جو فاضل مال بچے اس کے ہبہ کا میں نے تجھ کو وکیل کیا تو اس مال پر اپنی ذات کے واسطے قبضہ کرے کذا فی الفتح یا میت نے مال زائد کی وصیت کی ہو شخص معین کے واسطے اور شخص معین خواہ مامور ہو یا غیر اس کا کذا فی الطحطاوی یا وارث فاضل مال کو اپنی خوشی مامور کو دیوے پھیر دینا اس واسطے لازم ہوا کہ نفقہ مامور کا مملوک نہیں ہو گیا حج کروانے سے آنے جانے میں وغیرہ ضروریات کے صرف کرنے میں اس کو اختیار ہے بلکہ وہ مال میت کا مملوک ہے اس واسطے کہ اگر مامور مالک ہوتا تو بطور اجارہ مالک ہوتا حالانکہ طاعات پر اجارہ جائز نہیں کذا فی فتح القدیر ولہذا مامور کو اپنے ساتھ کسی کو کھلانا اور حمام کی اجرت دینا اور چراغ کا تیل مول لینا اور حجام کو اجرت دینا اور دوا خرید کرنا اس مال سے جائز نہیں الا باجازت میت یا وارث کذا فی النہر والفتح ولوارثہ ان یسترد المال من المامور مالم یحرم اور میت کے وارث کو جائز ہے کہ مال پھیرے مامور سے جب تک اس نے احرام نہ باندھا ہو وکذا ان احرم وقد دفع الیہ لیحج عنہ بلا وصیۃ فاحرم ثم مات الآمر اور اسی طرح اگر احرام باندھا اور حالانکہ اس کو مال دیا تھا میت کی طرف سے حج کرنے کو بلا وصیت پھر اس نے احرام باندھا پھر آمر مرگیا تو اس کے وارث کو مال لینا بعد احرام کے بھی درست ہے ولو وصی ان یحج بنفسہ الا ان یامرہ بالدفع او یکون وارثا ولم تجز البقیۃ اور وصی کو جائز ہے کہ خود میت کی طرف سے حج کرے مگر اس صورت میں اس کو حج کرنا جائز نہیں کہ میت نے اس کو حکم کیا ہو مال دینے کا یعنی یوں کہا ہو کہ اس قدر مال دینا اس کو جو میری طرف سے حج کرے کذا فی الفتح یا وصی وارث ہو اور باقی وارث اس کے حج کرنے کو جائز نہ رکھیں تو بھی اس کو بذات خود حج کرنا جائز نہیں ولو قال منعت وکذبوہ لم یصدق الا ان یکون امرا ظاہرا اور اگر مامور نے کہا کہ میں حج کرنے سے روکا گیا فلانے روز سے اور وارثوں نے اس کی تکذیب کی تو مامور کی تصدیق نہ کی جاوے گی اور اگر مال خرچ کیا ہوگا تو اس کو دینا پڑے گا مگر یہ کہ کوئی ظاہر امر اس کے صدق کا شاہد ہو مثلاً راہ میں حاجیوں کا قافلہ لٹا ہو یا مدت تک مینہ کی جھڑی لگ گئی تو البتہ اس کی تصدیق ہوگی کذا فی الطحطاوی ولو قال حججت وکذبوہ صدق بیمینہ الا اذا کان مدیون المیت وقد اقر بالاتفاق اور اگر مامور نے کہا کہ میں حج کر چکا ہوں میت کی طرف سے اور وارثوں نے اس کی تکذیب کی تو مامور کی تصدیق ہو جاوے گی قسم کے ساتھ مگر اس وقت تصدیق نہ ہوگی جب کہ مامور قرض دار

میت کا اور اس کو قرض میں سے راہ خرچ کرنے کا امر ہوا ہو و لا تقبل بینتہم انہ کان یوم النحر بالبلد الا اذا برہنوا علی اقرارہ انہ لم یحج اور مقبول نہ ہوں گے وارثوں کے گواہ اس بات پر کہ مامور یوم النحر کو اس شہر میں تھا کیونکہ نفی پر گواہی مقبول نہیں اس واسطے کہ مقصود اس قول سے وارثوں کو یہ ہے کہ حج کی نفی ہو جاوے تو اگرچہ وہ قول ظاہر میں اثبات ہے لیکن در پردہ نفی ہے مگر جب وارث گواہ گذرانیں مامور کے اس اقرار پر کہ میں نے حج نہیں کیا تو البتہ گواہی مقبول ہوگی اس واسطے کہ تلفظ کرنا مامور کا ان الفاظ کو اثبات ہے نہ نفی کذا فی الطحطاوی

باب الہدی

ہو فی اللغۃ والشرع ما یہدی الی الحرم من النعم لیتقرب بہ فیہ یہ باب ہے ہدی کے احکام میں ہدی لغت اور شرع میں اس کو کہتے ہیں جو حرم محترم میں چوپائے حلال جانور کا تحفہ گذرانا جاوے تاکہ اس کے ذبح کرنے سے حرم میں حق تعالیٰ کا قرب اور رضامندی حاصل ہو ادناہ شاۃ ہدی کا ادنیٰ رتبہ بھیڑ بکری ہے واعلاہ ابل ابن خمس سنین ثم بقر ابن سنتین ثم غنم ابن سنۃ اور ہدی کی اعلیٰ قسم پانچ برس کا اونٹ ہے اور اوسط قسم دو برس کی گائے بیل ہے اور ادنیٰ قسم ایک برس کی بھیڑ بکری دنبہ ہے و لا یجب تعریفہ بل یندب فی دم الشکر اور واجب نہیں ہدی کو عرفات میں لے جانا یا پٹہ گردن میں ڈال کر یا کوہان کی کھال چیر کر مشہور کرنا بلکہ شکر کے خون میں اشتہار مستحب ہے یعنی قران اور تمتع اور نفل کے ہدی میں اشتہار بہتر ہے اور جنایات ہدی میں اخفا مناسب ہے جیسے قضا کی نماز کو چھپانا افضل ہے کذا فی النہر و لا یجوز فی الہدایا الا ما جاز فی الضحایا کما یجیئ فصح اشتراک ستۃ فی بدنۃ شریت لقربۃ و ان اختلف اجناسہا اور جائز نہیں ہدی میں مگر جو جانور کہ صحیح سالم جائز ہے قربانیوں میں چنانچہ اس کی تفصیل کتاب الاضحیہ میں آوے گی تو صحیح ہے شریک کر لینا ایک شخص کا چھ شخصوں کو اس اونٹ اور گائے میں جو بہ نیت قربت کے خرید ہوئی ہو اگرچہ اجناس قربت کے مختلف ہوں چنانچہ قران اور تمتع اور احصار اور جزائے صید وغیرہ ذلک لیکن قربت کا متحد الجنس ہونا مستحب ہے کذا فی النہر و یجوز الشاۃ فی الحج فی کل شیئ الا فی طواف الرکن جنبا او حائضا و وطی بعد الوقوف قبل الحلق کا مراد ہے جائز ہے بھیڑ بکری کا ذبح کرنا حج کی ہر شے میں مگر طواف الزیارۃ کو جنابت یا حیض یا نفاس کی حالت میں کرنے سے اور بعد وقوف عرفات قبل حلق کے وطی کرنے میں بھیڑ بکری کافی نہیں بلکہ اونٹ یا گائے کا ذبح کرنا یہاں واجب ہے چنانچہ باب الجنایات میں مذکور ہو چکا و یجوز اکلہ بل یندب کالاضحیۃ من ہدی التطوع اذا بلغ الحرم والمتعۃ والقران فقط و لو اکل من غیرہا ضمن ما اکل اور جائز ہے کھانا ہدی کا بلکہ قربانی کے مانند مستحب ہے کھانا نفل کے ہدی کا جب کہ وہ حرم تک پہنچ جاوے اور تمتع اور قران کے ہدی کو کھانا جائز ہے فقط اور سوائے نفل اور تمتع اور قران کے اور ہدی کو اگر کھاوے گا تو بقدر کھانے کے قیمت دینا لازم ہوگا ام اگر نفل کے ہدی کو قبل حرم کے بھیجنے کے ذبح کیا تو اس کا کھانا جائز نہیں کہ وہ صدقہ ہے ہدی نہیں تو اس کا کھانا بھی جائز نہیں کذا فی النہر و تعیین یوم النحر ای وقتہ و ہو الایام الثلثۃ لذبح المتعۃ والقران فقط فلم یجز قبلہ بل بعدہ و علیہ دم اور فقط تمتع اور قران کے ہدی کو ذبح کرنے کے واسطے یوم النحر متعین ہے لفظ یوم کا یہاں بمعنی مطلق وقت ہے تو جمیع اوقات نحر کو شامل ہوگا اور وہ تین دن ہیں یعنی دسویں گیارھویں بارھویں تو تمتع اور قران کے ہدی کو ذبح کرنا قبل یوم النحر کے بالاجماع جائز نہیں بلکہ بعد بارھویں کے البتہ کافی ہے لیکن ترک واجب ہوا کہ ایام نحر سے تاخیر ہوئی لہذا اس پر دوسرا خون واجب ہے امام کے نزدیک نہ صاحبین کے نزدیک اور سوائے تمتع اور قران کے جنایات اور نذر اور احصار اور نفل کے ہدی کا ذبح کرنا ایام نحر میں مخصوص نہیں کذا فی الطحطاوی و تعیین الحرم و منی للکل لا للفقیر و لکنہ افضل اور سب قسم کے ہدی کے ذبح کرنے کے واسطے حرم متعین ہے منا کی کچھ خصوصیت نہیں بقول صحیح اور تصدق ہدی کے گوشت کا حرم کے محتاج کے واسطے مخصوص نہیں بنا بر وجوب کے لیکن حرم کا محتاج افضل ہے غیر سے و یتصدق بجلالہ و خطامہ ای زمامہ اور ہدی کی جھول اور نکیل کو خیرات کر دے اس واسطے کہ صحاح ستہ میں علی مرتضیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے مجھ کو حکم کیا اونٹوں کے گوشت اور جھولوں اور کھالوں کے تصدق کرنے کا محتاجوں پر اور فرمایا کہ قصاب کی مزدوری اس میں نہ دی جاوے کذا فی الفتح و لم یعط اجر الجزار ای الذابح منہ فان اعطاہ ضمن الا لو تصدق علیہ جاز اور قصاب

کی مزدوری ہدی وغیرہ کے گوشت سے نہ دی جاوے سو اگر دے گا تو ضمان دینا لازم آوے گا لیکن اگر بطور خود صدقہ دے نہ بطور اجرت تو جائز ہے ولا یرکبہ مطلقاً بلا ضرورۃ اور نہ سوار ہو ہدی پر بلا ضرورت صحیحین میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو فرمایا کہ سوار ہو لے ہدی پر تو مراد اس حدیث سے یہ ہے کہ اس شخص کو حاجت ہوگی سواری کی اس واسطے کہ صحیح مسلم میں جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوار ہو ہدی پر دستور کے موافق جس وقت کہ تجھ کو حاجت ہو تو معلوم ہوا کہ بلا ضرورت چڑھنا جائز نہیں کذا فی فتح القدیر فان اضطرالی الرکوب ضمن بالنقص برکوبہ وحمل متاعہ وتصدق بہ علی الفقراء شرنبلالیہ فان اطعم منہ غنیا ضمن قیمتہ مبسوط پھر اگر مضطر ہو سواری کی طرف تو ضمان دے جس قدر نقصان ہوا ہو ہدی میں سوار ہونے اور اسباب لادنے سے اور ضمان نقصان کو فقیروں پر خیرات کرے کذا فی الشرنبلالیہ سو اگر ضمان میں سے مالدار کو کھانا دے گا تو جتنا مالدار کو دیا اس کی قیمت کا ضمان دینا لازم ہوگا کذا فی المبسوط ولا یحلبہ وینضح ضرعہ بالماء البارد ولو المذبح قریبا والا حلبہ وتصدق بہ اور ہدی کا دودھ نہ دوہے اور اس کے تھن کو ٹھنڈے پانی کا چھینٹا مارے تاکہ دودھ کا ٹپکنا بند ہو جاوے بشرطیکہ ذبح کرنے کا مکان قریب ہو اور اگر دور ہو تو دودھ کو دوہے تاکہ جانور کو تھنوں کے تناؤ سے تکلیف نہ ہو اور اس دودھ کو خیرات کر دے ویقیم بدل ہدی واجب عطب او تعیب بما یمنع الاضحیۃ وصنع بالمعیب ما شاء اور قائم کرے دوسری ہدی عوض اس ہدی واجب کے جو ہلاک ہو گئی یا ایسا عیب ہو گیا جو قربانی کا مانع ہے یعنی لنگڑی ہو گئی یا اندھی اور جب بدلا دیا تو عیب دار کو جو چاہے سو کرے چاہے بیچے چاہے ذبح کرکے کھا جاوے ولو کان المعیب تطوعاً نحرہ وصبغ قلادتہ بدمہ وضرب بہ صفحۃ سنامہ لیعلم انہ ہدی للفقراء ولا یطعم منہ غنیا لعدم بلوغہ محلہ اور اگر نفل کی ہدی میں عیب ہو گیا یا قریب الہلاک ہو تو اس کو نحر کرے اور اس کا پٹہ اس کے خون میں رنگین کرے اور اس کے کوہان کی ایک جانب پر رکھ دے اس فعل سے غرض یہ ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ ہدی محتاجوں کے واسطے ہے اور اس میں سے غنی کو نہ دے کھانے کے واسطے اس لیے کہ وہ ہنوز حرم کو نہیں پہنچی کہ مالداروں کو اس کا کھانا جائز ہوتا صحیح مسلم اور مسند احمد میں قبیصہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم میرے ساتھ ہدی کو بھیجا کرتے تھے اور فرماتے کہ اگر ہدی ہلاک ہونے لگے تو اس کو نحر کرنا اور نعل کو اس کے خون میں ڈبونا اور اس کے ایک جانب کو رکھ دینا اور تو اس میں سے نہ کھانا اور نہ کوئی تیرا ساتھی کھاوے کذا فی العینی شرح الکنز ویقلد بدنۃ التطوع ومنہ النذر والمتعۃ والقران فقط لان الاشہار بالعبادۃ الیق والستر بغیرہا احق اور فقط نفل اور تمتع اور قران کے اونٹ یا گائے کی گردن میں پٹہ ڈالنا چاہیے اور نفل میں نذر کی ہدی بھی داخل ہے اس واسطے کہ شہرت دینا عبادت کے ساتھ لائق تر ہے اور غیر عبادات میں یعنی جنایات وغیرہ میں چھپانا سزاوار تر ہے شہدوا بعد الوقوف بوقوفہم بعد وقتہ لا تقبل شہادتہم والوقوف صحیح استحسانا حتی الشہود للحرج الشدید گواہوں نے گواہی دی بعد وقوف عرفات کے اس امر کی کہ حاجیوں کا وقوف بعد اس کے وقت کے ہوا یعنی عرفے کے دن نہ ہوا بلکہ دسویں تاریخ واقع ہوا تو ان کی گواہی مقبول نہ ہوگی اور وقوف حاجیوں کا صحیح ہے بنابر استحسان کے یہاں تک کہ گواہوں کا وقوف بھی صحیح ہے بسبب حرج کے یعنی اس قسم کا اشتباہ اکثر ہو جاتا ہے کہ اس سے بچنا ممکن نہیں تو اگر جواز اور صحت کا حکم نہ دیا جاوے بعد اجتہاد اور کوشش کرنے کے تو سخت حرج پیش آوے اور حالانکہ غنی مطلق نے دین میں سے حرج کو نفی کر دیا قال اللہ تعالیٰ (وما جعل علیکم فی الدین من حرج) اور اسی طرف اشارہ ہے اس حدیث میں کہ حضرت صلعم نے فرمایا تمہارا صوم اسی دن ہے جس میں تم روزہ رکھتے ہو اور روزہ کھولنے کا وہی دن ہے جس میں تم روزہ کھولتے ہو اور عرفہ تمہارا وہی دن ہے جس دن تم عرفات میں ہوتے ہو اور قربانی کا دن وہ ہے جس دن تم قربانی کرتے ہو یعنی وقوف عرفات کا وقت عند اللہ وہی دن ہے جس کو اہل اسلام اپنے اجتہاد اور رائے سے عرفہ کا دن جانتے ہیں اور اس میں وقوف کرتے ہیں اور جب اس گواہی پر عدم صحت مترتب نہ ہوئی تو اس کی سماعت میں کچھ فائدہ نہیں تو حاکم کو لازم ہے کہ اس کو نہ سنے اس واسطے کہ حاکم کی سماعت مشہور ہو جاوے گی تمام اہل موقف میں تو قیل قال زیادہ ہوگا اور فتنہ برانگیختہ ہوگا اور قلوب مسلمین کے شک واقع ہونے سے کہ حج صحیح ہوا یا نہیں ہوا سخت مکدر ہوں گے کہ کس محنت اور مشقت سے

مسائل متفرقہ

قطع منازل بعیدہ کر کے اور زر خطیر اٹھا کر وہاں پہنچے ہیں لہذا جب گواہ گواہی کے واسطے آویں تو حاکم ان سے کہے کہ تم ہٹ جاؤ ہم تمہاری گواہی نہیں سنتے لوگوں کا حج پورا ہو گیا کذا فی فتح القدیر وقبلہ ای قبل وقتہ قبلت ان امکن التدارک لیلا مع اکثرہم والا لا اور قبل وقوف عرفات کے گواہی مقبول ہو گی یعنی اگر گواہوں نے گواہی دی کہ یوم الترویہ یعنی آٹھویں تاریخ میں لوگوں نے عرفات کا وقوف کیا تو حاکم ان کی گواہی قبول کرے بشرطیکہ تدارک وقوف عرفات کا ممکن ہو رات کو اکثر لوگوں کے ساتھ اور اگر تدارک نہ ہو سکے تو گواہی مقبول نہیں ہم اگر آٹھویں تاریخ گواہوں نے گواہی دی کہ یہ دن عرفہ کا ہے تو غور کرنا چاہیے اگر امام کو سب لوگوں کے ساتھ یا اکثر لوگوں کے ساتھ وقوف عرفات ممکن ہو تو گواہی مقبول ہو گی قیاس میں بھی اور استحسان میں بھی اس واسطے کہ وقوف عرفات کی ہنوز قدرت حاصل ہے تو اگر اس دن دوپہر ڈھلے وقوف نہ ہو گا تو ان کا حج فوت ہو گا اور اگر رات کو امام کل یا اکثر لوگوں کے ساتھ وقوف کر سکے تو بھی گواہی مقبول ہو گی لیکن استحسان میں نہ قیاس میں اور اگر رات کو بھی اکثر لوگوں کے ساتھ وقوف نہ ہو سکے تو گواہی مقبول نہ ہو گی اور امام ان کو حکم کرے کہ دوسرے دن دوپہر ڈھلنے کے بعد وقوف کریں کذا فی المنح وغیرہ رمی فی الیوم الثانی او الثالث او الرابع الوسطی والثالثۃ ولم یرم الاولی فعند القضاء ان رمی الکل بالترتیب فحسن وان قضا الاولی جاز لسنیۃ الترتیب ایک شخص نے ذی الحج کی گیارھویں بارھویں یا تیرھویں تاریخ جمرۂ ثانیہ اور ثالثہ کی رمی کی اور جمرۂ اولی کی رمی نہ کی تو قضا کے وقت اگر جمرات ثلثہ کی ترتیب رمی کی تو خوب ہے اور اگر فقط جمرۂ اولی کی رمی کی قضا کی اور جمرۂ ثانیہ اور ثالثہ کی رمی نہ کی تو جائز ہے اس واسطے کہ رمی جمرات کی ترتیب مسنون ہے نہ واجب اس واسطے کہ ہر جمرہ قربت مستقلہ ہے ایک دوسرے کا تابع نہیں کذا فی المنح نذر المکلف حجا ماشیا مشی من منزلہ وجوبا فی الاصح حتی یطوف الفرض لانتہاء الارکان نذر کی عاقل بالغ نے حج کی پیدل تو پیادہ پا چلے اپنے گھر سے بنابر وجوب قول اصح میں یہاں تک کہ طواف الزیارۃ سے فراغت کرے اس واسطے کہ طواف الزیارۃ تک سب ارکان حج آخر ہو گئے ولو رکب فی کلہ او اکثرہ لزمہ دم وفی اقلہ بحسابہ اور اگر پیدل حج کا نذر کرنے والا تمام راہ یا اکثر راہ سوار ہو گا تو اس پر ذبح کرنا لازم ہو گا اور کم تر راہ کی سواری میں موافق اس کے تصدق لازم ہو گا یعنی اگر چہارم راہ سوار ہوا تو چہارم حصہ بکری کی قیمت کا تصدق کرے اور اگر نصف راہ سوار ہوا ہے تو نصف قیمت خیرات کرے ولو نذر المشی الی المسجد الحرام او مسجد المدینۃ او غیرہما لا شیء علیہ اور اگر نذر کی پیدل چلنے کی مسجد الحرام تک یا مسجد مدینہ تک یا سوائے ان کے اور مساجد کی طرف پیدل جانے کی تو اس پر کچھ واجب نہیں اور اسی کے مانند ہے حرم اور صفا اور مروہ اور مقام ابراہیم اور استار کعبہ اور باب کعبہ اور میزاب رحمت اور مزدلفہ اور بیت المقدس اس واسطے کہ التزام نسک ان الفاظ و مکانات سے معروف نہیں کذا فی الطحطاوی اشتری محرمۃ ولو بالاذن لہ ان یحللہا بلا کراہۃ لعدم خلف وعدہ بقص شعرہا او بقلم ظفرہا او بمس طیب ثم یجامع وہو اولی من التحلیل بجماع ایک شخص نے خرید کیا محرمہ لونڈی کو اگرچہ اس نے بائع کے اذن سے احرام باندھا تو مشتری کو جائز ہے لونڈی کو احرام سے خارج کرنا اس کے بال کتر کر یا ناخن کاٹ کے یا خوشبو لگا کر پھر بعد اس تحلیل کے قربت کرے یہی اولی ہے جماع کر کے تحلیل کرنے سے بلحاظ تعظیم امر حج اور مشتری کو تحلیل لونڈی کی بلا کراہت جائز ہے کیونکہ مشتری کی طرف سے خلاف وعدگی نہیں اس واسطے کہ اس نے بائع کے اذن سے احرام باندھا تھا نہ مشتری کے اذن سے وکذا الو نکح حرۃ محرمۃ بنفل بخلاف الفرض ان لہا محرم والا فہی محصرۃ فلا تحلل الا بالہدی اور اسیطرح اگر ایک مرد نے اس عورت سے نکاح کیا جو نفل حج کا احرام باندھے تھی تو زوج کو اس کی تحلیل جائز ہے بخلاف فرض حج کے اگر عورت کے ساتھ اس کا کوئی محرم ہو اور اس نے نکاح کیا ہو تو زوج کو اس کی تحلیل کا اختیار نہیں اور حج کے جانے سے اس کو روک بھی نہیں سکتا در صورت اجتماع شرائط اور اگر منکوحہ محرمہ کے ساتھ اس کا محرم نہ ہو تو وہ محصرہ ہے یعنی شرعا وہ بند ہو گئی بدون محرم یا زوج کے حج کو نہیں جا سکتی اور زوج پر واجب نہیں کہ اس کے ساتھ سفر میں جاوے پس جب وہ محصرہ ہوئی اور زوج اس کی تحلیل چاہے تو وہ حلال نہ ہو گی بدون ہدی بھیجنے کے اور بعد ہدی بھیجنے کے فورا تحلیل جائز ہے ذبح ہدی پر موقوف نہیں کذا فی الفتح والمنح ولو اذن للمراۃ بنفل لیس للزوج تحلیلہا منعہا وکذا المکاتبۃ بخلاف الامۃ الا اذا اذن لانہ فلیس لزوجہا منعہا اور اگر اجازت دی زوج نے اپنی زوجہ کو نفل حج کی تو اس کو اس میں پھرنا جائز نہیں

اس واسطے کہ وہ اپنے منافع کی مالک ہے اور اسی طرح لونڈی مکاتبہ کا حکم ہے بخلاف خالص لونڈی کے کہ بعد اذن دینے کے بھی مالک کو پھر جانا درست
ہے اس واسطے کہ اس کے منافع مالک کے مملوک ہیں مگر جب کہ مالک نے لونڈی کو اذن دیا ہو حج کا تو لونڈی کے زوج کو اس کا روکنا جائز نہیں فروع
مسائل ملحقہ شارح کے حج الغنی افضل من حج الفقیر مال دار کا حج افضل ہے محتاج کے حج سے اس واسطے کہ محتاج پر حج فرض نہیں مگر بعد پہنچنے مکہ کے اور
گھر سے وہاں تک جانا اس پر فرض نہیں بلکہ نفل ہے اور مال دار کو وطن سے فرضیت شروع ہوئی حالانکہ فضیلت فرض کی افضل ہے فضیلت نفل سے اور اگر
دونوں کا نفل حج ہے تو افضلیت نہیں کذا فی الطحطاوی حج الفرض اولیٰ من طاعۃ الوالدین بخلاف النفل فرض حج بہتر ہے ماں باپ کی فرمانبرداری سے اس واسطے
کہ مخلوق کی طاعت جائز نہیں خالق کی معصیت میں بخلاف نفل حج کے اس واسطے کہ والدین کی طاعت افضل ہے نفل حج سے علی الخصوص کہ والدین اس کی
خدمت کے محتاج ہوں بناء الرباط افضل من حج النفل بنانا خانقاہ اور مسافر خانہ کا افضل ہے نفل حج سے اس واسطے کہ اس کی منفعت عام ہے اہل اسلام
کو اور حج کی منفعت فقط اسی کو خاص ہے واختلف فی الصدقۃ ورجح فی البزازیۃ افضلیۃ الحج لمشقتہ فی المال والبدن جمیعا قال وبہ افتی ابوحنیفۃ حین حج وعرف
المشقۃ اور اختلاف ہے علما میں کہ خیرات افضل ہے یا نفل حج اور فتاوی بزازیہ میں ترجیح دی ہے حج کے افضل ہونے کو اس واسطے کہ حج میں مال و بدن
دونوں پہ مشقت اور محنت ہے اور خیرات میں فقط مال کا صرف ہے نہ بدن کا کہا بزازیہ کے مصنف نے اور اسی کا فتوی دیا امام ابوحنیفہؒ نے جب حج کیا اور اس
کی مشقت کو پہچانا تمام فتاوی بزازیہ میں پورا بیان یوں ہے کہ امام اعظمؒ سے مروی ہے کہ صدقہ افضل ہے نفل حج سے لیکن جب امام نے حج کیا اور مشقت کو
دریافت کیا تو اس کا فتوی دیا کہ حج افضل ہے اور مراد امامؒ کی یہ ہے کہ نفل کرے اور ہزار درم صرف کرے تو اگر اس ہزار سے محتاجوں کو خیرات کرے گا تو
وہ افضل ہے اور یہ مراد نہیں کہ حج بدون خیرات کے افضل ہے فی سبیل اللہ ہزار درم کے دینے سے اور چونکہ حج میں مال اور بدن دونوں پر مشقت ہے
لہذا حج افضل ہے خیرات سے قول مختار میں انتہی کلامہ لوقفۃ الجمعۃ مزیۃ سبعین حجۃ ویغفر فیہا لکل فرد بلا واسطۃ جمعہ کے وقوف عرفات کو فضیلت ہے ستر حج سے اور
مغفرت ہوتی ہے اس میں ہر شخص کی بلا واسطہ یعنی جب جمعہ کے دن عرفہ ہو تو اس کی یہ فضیلت ہے اسی کو عرف میں حج اکبر کہتے ہیں اور عرفہ جمعہ کے دن نہ
ہو تو اس میں مغفرت بلا واسطہ نہیں بلکہ عوام مومنین کی مغفرت بواسطہ صالحین کے ہوتی ہے کذا فی الطحطاوی عن البحر ضاق وقت العشاء والوقوف یدع
الصلوۃ ویذہب لعرفۃ للحرج تنگ ہوا نماز عشاء اور وقوف عرفات کا وقت تو نماز کو چھوڑ دے اور عرفات جاوے بلحاظ مشقت شدیدہ یعنی دسویں رات
ذی الحجہ کی اتنی کم باقی رہی کہ اگر عشا پڑھے تو وقوف عرفات فوت ہوتا ہے اور اگر وقوف عرفات کرتا ہے تو عشاء کا وقت جاتا ہے تو یہاں وقوف عرفات
مقدم ہے اس واسطے کہ اگر عشا پڑھے گا تو حج دوسرے سال پر موقوف رہے گا پھر واللہ اعلم حرج باقی رہے دوسرے سال تک یا نہ رہے پھر آنے کا اتفاق
ہو یا نہ ہو بخلاف نماز عشا کے کہ اس کا قضا کرنا ہر وقت ممکن ہے ہل الحج یکفر الکبائر قیل نعم کحربی اسلم کیا حج مٹا ڈالتا ہے کبیرہ گناہوں کو بعضے علما نے کہا
کہ ہاں حج کبیرہ گناہوں کو مٹا ڈالتا ہے اگرچہ مظالم اور حقوق العباد ہوں جیسے کافر حربی کے گناہ اسلام سے مٹ جاتے ہیں یعنی اگر کافر حربی نے کسی کو قتل
کیا ہو یا کسی کا مال چھین کر دارالحرب میں چلا گیا ہو پھر مسلمان ہو تو اس پر خون اور مال کا مواخذہ نہیں دلیل اس قول کی صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ البتہ اسلام گراتا ہے اگلے گناہوں کو اور ہجرت گراتی ہے اگلے گناہوں کو اور حج گراتا ہے اگلے گناہوں کو وقیل غیر المتعلقۃ
بالآدمی کذمی اسلم اور بعضے علما نے کہا کہ حج مٹاتا ہے ان کبیرہ گناہوں کو جو آدمی سے متعلق نہیں یعنی حقوق اللہ معاف ہو جاتے ہیں نہ حقوق العباد جیسا کہ
کافر ذمی کے مسلمان ہونے سے ترک صوم وصلوۃ کا مواخذہ نہیں لیکن قتل اور غصب کا مواخذہ ہے قال عیاض اجمع اہل السنۃ ان الکبائر لا یکفرہا الا
التوبۃ اور قاضی عیاض مالکی نے کہا کہ اہل سنت اور جماعت کا اجماع ہے اس بات پر کہ کبیرہ گناہوں کو سوائے توبہ کے کوئی عمل صالح نہیں مٹاتا یعنی
جو کبائر کہ منجملہ حقوق اللہ ہیں مانند زنا اور شراب خمر کے بدون توبہ کے معاف نہیں ہوتے کذا فی الطحطاوی ولا قائل بسقوط الدین ولو حقا للہ تعالی کدین

لہ چنانچہ یہ مضمون حدیثوں میں وارد ہے ۱۲ لہ لیکن حدیث میں حج اکبر کا اسلام پر بولا گیا ہے تو حج اکبر کا اسلام ہی ہوگا کذا فی الحلبی ۱۲

صلوۃ و زکوۃ نعم اثم المطل و تاخیر الصلوۃ و نحوہا یسقط و ہذا معنی التکفیر علی القول بہ اور کوئی قائل نہیں سقوط دین واجب الادا کا اگرچہ وہ حق اللہ ہو جیسے صلوۃ اور زکوۃ کا دین ہاں یہ البتہ ہے کہ ادائے دین میں دیر لگانے کا گناہ اور تاخیر صلوۃ اور اسی طرح تاخیر زکوۃ اور تاخیر حج کا گناہ ساقط ہو جاتا ہے حج کرنے سے اور یہی مطلب ہے حج کے مکفر سیئات ہونے کا بموجب اس قول کے جو حج کو واجب علی الفور کہتے ہیں م خلاصہ یہ ہے کہ مسئلہ تکفیر سیئات کا ظنی ہے نہ قطعی اس واسطے کہ حج میں تکفیر کبائر کی منجملہ حقوق اللہ سے بالیقین ثابت نہیں چہ جائے حقوق العباد اور اگر حقوق اللہ اور حقوق العباد کل کی تکفیر کے قائل ہو جیے تو بھی اس کا وہ مطلب نہیں جو اکثر لوگ غلط سمجھتے ہیں کہ حج سے لوگوں کا قرض دام ساقط ہو جاتا ہے اور اسی طرح صلوۃ اور صوم اور زکوۃ کی قضا ساقط ہو جاتی ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ ادائے حقوق کی تاخیر کا گناہ ساقط ہو جاتا ہے بالجملہ حج میں جو احادیث تکفیر سیئات کی وارد ہیں ان کے عموم اور اطلاق کا کوئی قائل نہیں کذا فی المنح عن البحر و حدیث ابن ماجۃ انہ علیہ الصلوۃ والسلام استجیب لہ حتی فی الدماء والمظالم ضعیف اور یہ حدیث ابن ماجہ کی ضعیف ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہوئی یہاں تک خونریزیوں اور مظالم میں م پوری روایت ابن ماجہ کی عباس بن مرداس سلمی سے یوں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی مغفرت کے واسطے عرفات میں دعا کی سوائے مظالم کے اور گناہوں کی مغفرت ہوئی اور ارشاد ہوا کہ میں مظلوم کے واسطے مواخذہ کروں گا حضرت صلعم نے عرض کیا کہ اے رب اگر تو چاہے تو مظلوم کو جنت عطا کرے اور ظالم کو بخش دے سو اس دن دعا قبول نہ ہوئی پھر حضرت صلعم نے صبح کو مزدلفہ میں وہی دعا کی سو جو حضرت صلعم مانگتے تھے اس کی اجابت ہوئی علما حدیث نے کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس واسطے کہ عباس بن مرداس اس کا راوی منکر الحدیث ساقط الاحتجاج ہے ہرچند یہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس کے شواہد احادیث صحیحہ بکثرت ہیں از انجملہ چند احادیث مذکور ہوتے ہیں حافظ منذری نے کہا عبداللہ بن مبارک نے روایت کی سفیان ثوری سے اور انھوں نے زبیر بن عدی سے اور انھوں نے انس بن مالک سے کہا انس نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے عرفات میں وقوف کیا اور قریب تھا کہ آفتاب ڈوبے سو حضرت صلعم نے فرمایا کہ اے بلال لوگوں کو خاموش کر سو بلال نے کھڑے ہو کر لوگوں کو خاموش کیا پھر فرمایا اے لوگو جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور میرے رب کا مجھ کو سلام پہنچایا اور کہا کہ اللہ عزوجل نے اہل عرفات اور اہل مشعر کو بخشا اور ان کے تبعات یعنی مظالم کا ضامن ہوا تو عمر بن خطاب کھڑے ہوئے اور کہا یا رسول اللہ یہ مغفرت ہم لوگوں کو مخصوص ہے حضرت صلعم نے فرمایا یہ تمہارے واسطے ہے اور جو لوگ کہ تمہارے بعد آویں گے قیامت تک ان کے واسطے بھی تو عمر بن خطاب نے کہا کہ ہمارے رب کی خیر کثیر اور طیب ہے اور امام مالک کی موطا میں طلحہ بن عبیداللہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا کہ کسی دن عرفے سے زیادہ تر ذلیل اور خوار اور مغضبناک شیطان نہیں ہوتا اور اس کا سبب کچھ نہیں مگر یہ کہ دیکھتا ہے کہ نزول رحمت کو اور ذنوب عظام کی مغفرت کو کذا فی فتح القدیر اور صحیح بخاری میں حدیث مرفوع ہے کہ جس نے حج کیا سو عورت کی طرف مخاطب نہ ہوا اور گناہوں سے بچا تو گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا شیخ الاسلام ذکریا سے اس حدیث بخاری کا سوال ہوا کہ اس حدیث میں صغائر اور کبائر کی مغفرت مراد ہے یا فقط صغائر کی جواب دیا کہ ظاہر حدیث سے صغائر اور کبائر دونوں کی مغفرت معلوم ہوتی ہے اور بعض احادیث میں اس کی تصریح بھی ہے لیکن حقوق العباد کے سوا اور معاصی پر محمول کرنا اقرب بدلیل ہے اور شیخ شہاب الدین رملی شافعی سے اس کا سوال ہوا تو جواب دیا کہ صغائر اور کبائر حتی کہ مظالم کی بھی مغفرت مراد ہے اس واسطے کہ طبرانی اور بزار اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن عمر سے روایت کی کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ عرفے کے دن دوپہر ڈھلے حق تعالی فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرے بندے پریشان غبار آلودہ ہر طرف سے آئے ہیں میری رحمت کے امیدوار ہو کر تو اگر ان کے گناہ مانند شمار ریگ کے یا مثل قطرات باران یا سمندر کے کف کے برابر ہوں تو البتہ میں بخشوں گا جاؤ میرے بندو مغفور ہو کر واللہ اعلم کذا فی منح الغفار اور ملا رحمت اللہ کی منسک متوسط جس کا لباب المناسک نام ہے اس میں مذکور ہے کہ حج اگلے صغیرہ گناہوں کو جو منجملہ حقوق اللہ ہیں بالاتفاق قطعاً ہدم کر دیتا ہے اور کبائر متعلقہ حق اللہ اور مطلقاً مظالم میں اختلاف ہے

طیبی قائل ہے کہ حج مظالم اور کبائر کو ہدم کرتا ہے لیکن قول معتمد یہ ہے کہ مظالم اور کبائر تحت مشیت حاکم علی الاطلاق ہیں تمام اہل سنت اور جماعت کے نزدیک چنانچہ شیخ توربشتی وغیرہ ائمہ کبار نے اس کو مصرح مذکور کیا ہے اور احادیث مغفرت حج میں اور جمہور اہل سنت کے قول میں کچھ منافات نہیں اس واسطے کہ احادیث مذکورہ وعدہ مغفرت پر محمول ہیں در صورت مشیت حق یا ان لوگوں کی مغفرت مظالم مراد ہے جن کا حج مقبول ہے چنانچہ روایت میں ثابت ہوا کہ جس کا حج مقبول ہوگا اس کے مظالم معاف ہو جاویں گے اس طرح کہ حق تعالی اہل حقوق کو ایسا کچھ عطا کرے گا کہ وہ راضی ہو جاویں گے واللہ اعلم یندب دخول البیت اذالم یشتمل علی ایذاء نفسہ او غیرہ مستحب ہے داخل ہونا اندر بیت اللہ کے بشرطیکہ اپنی ذات کو یا غیر کو تکلیف نہ ہو ہجوم میں تکلیف نہ ہونا قلیل الوجود ہے اور اندر جانے والے کو مستحب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلے پر نماز پڑھے اور عبداللہ ابن عمرؓ جب داخل ہوتے تھے تو دروازۂ کعبہ کو پس پشت ڈال کر سیدھے چلے جاتے تھے یہاں تک کہ سامنے کی دیوار سے تین ہاتھ کا فاصلہ رہتا تھا پھر وہاں نماز پڑھتے تھے اور لائق ہے کہ جتنا ہو سکے ظاہر اور باطن سے وہاں باادب رہے اور اپنا رخسارہ اس دیوار پر رکھے جدھر حضرت صلعم نے نماز پڑھی ہے اور حق تعالی سے مغفرت مانگے اور حمد الٰہی بجا لاوے پھر چاروں کونوں کی طرف آوے اور تہلیل اور تسبیح اور تکبیر کہے اور جو چاہے سو دعا مانگے اور آنکھ کو چھت کی طرف نہ اٹھاوے کہ ادب کے خلاف ہے کذا فی الشمنی صحیحین میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ میں حضرت بیت اللہ میں داخل ہوئے اور اسامہ اور بلال اور عثمان بن ابی طلحہؓ نے اندر سے دروازہ بند کر لیا پھر دیر کے بعد کھولا عبداللہ بن عمرؓ نے کہا میں سب سے پہلے وہاں پہنچا تو بلالؓ کو دروازہ پر پایا میں نے پوچھا کہ حضرت صلعم نے کہاں نماز پڑھی بلالؓ نے کہا دونوں مقدم ستونوں کے اندر اور دوسری روایت یوں ہے کہ اس وقت بیت اللہ میں چھ ستون تھے سو حضرت صلعم نے تین ستونوں کو پس پشت کیا اور ایک ستون بائیں طرف اور دو ستونوں کو داہنی طرف کر کے نماز پڑھی اور تاریخ مکہ میں مذکور ہے کہ معاویہ بن ابی سفیان نے عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ حضرت صلعم نے کہاں نماز پڑھی تھی کہا کہ دیوار سے دو تین ہاتھ ہٹ کر نماز پڑھنا چاہیے کذا فی شرح سفر السعادۃ وما یقولہ العوام من العروۃ الوثقی والمسمار الذی فی وسط انہ سرۃ الدنیا لااصل لہ اور یہ جو عوام وہاں کے حلقہ کو عروۃ الوثقی کہتے ہیں اور اس کیل کو جو اس کے درمیان میں ہے ناف دنیا کہتے ہیں سو بے اصل ہے ولا یجوز شراء الکسوۃ من بنی شیبۃ بل من الامام او نائبہ اور جائز نہیں خرید کرنا کعبہ کا غلاف بنی شیبہ سے جن کے پاس کعبہ کی کنجی رہتی ہے بلکہ بادشاہ یا اس کے نائب سے خرید کرنا جائز ہے م بالفعل یوں واقع ہوا ہے کہ بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ جب غلاف کعبہ نیا بدلا جاوے تو پرانا غلاف بنی شیبہ کو دیا جاوے اور بادشاہ کو اس کا اختیار ہے اور ہمارے علما نے اس واسطے اس کی بیع سے منع کیا تھا کہ وہ بیت المال کا مال ہے اور بلاشبہ بیت المال میں بادشاہ کا تصرف ہے پھر جب بادشاہ نے کسی کو دے ڈالا تو اس سے خرید کرنا جائز ہے اور اسی قول کو امام نووی شافعیؒ نے شرح مہذب میں پسند کیا ہے اور کہا ہے کہ بادشاہ کو اختیار ہے کہ غلاف کو مصارف بیت المال میں صرف کرے خواہ بیع سے خواہ عطا سے اس واسطے کہ ازرقی نے روایت کیا کہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہر سال غلاف کو بدلتے تھے اور پرانا حاجیوں کو تقسیم کر دیتے تھے اور اگر اس میں تصرف نہ جائز ہو تو بعد مدت دراز تلف ہو جاوے کذا فی الحلبیۃ الطحاوی ولہ لبسہ ولو جنبا او حائضا اور جو غلاف کو خرید کرے اس کو پہننا جائز ہے جنابت اور حیض کی حالت میں بھی لایقتل فی الحرم الا اذا قتل فیہ ولو قتل ثابت لایقتل فیہ خون کا بدلا نہ لیا جاوے حرم میں مگر اس وقت بدلا لینا جائز ہے جب کسی نے حرم میں خون کیا ہو اور بیت اللہ کے اندر خون کیا تو اس کا قصاص اندر نہ ہوگا م اگر کسی نے باہر حرم کے خون کیا اور حرم میں جا چھپا تو اس کا قصاص حرم میں نہ ہوگا بلکہ خرید و فروخت اس سے موقوف کی جاوے اور کھانا اس کو نہ دیا جاوے تاکہ وہ مضطر ہو کر حرم سے نکلے جب باہر نکلے تو قصاص لیا جاوے اور اگر جان سے نہ مارا بلکہ آنکھ پھوڑی یا ہاتھ کاٹا تو اس کا بدلا حرم کے اندر لیا جاوے گا اور یہی قول ہے امامؒ اور صاحبینؒ کا اور امام مالک اور شافعی کے نزدیک حرم میں قصاص لینا ہر طرح درست ہے اور امامؒ کے نزدیک سارق کا ہاتھ حرم میں نہ کاٹا جاوے بخلاف صاحبینؒ کے اور اگر کافر حربی حرم میں داخل ہو تو اس سے تعرض کرنا نہ چاہیے بلکہ اس کا کھانا اور پانی بند کرنا

چاہیے تاکہ نکل بھاگے کذا فی النہر عن مناسک الطرابلسی یکرہ الاستنجاء بماء زمزم لا الاغتسال مکروہ ہے استنجا کرنا زمزم کے پانی سے اور غسل کرنا مکروہ نہیں اور وضو کرنا بھی جائز ہے اور حرم کی کنکریاں اور مٹی اور اسی طرح بیت اللہ کی مٹی بہ نیت تبرک حل میں لانا جائز ہے بشرطیکہ قدر قلیل ہو اور تخریب عمارت کا موجب نہ ہو جیسے زمزم کا پانی باہر لے جانا جائز ہے اور زمین حرم کا بیچنا جائز نہیں لیکن عمارت کا اور گھاس کا بیچنا جائز ہے کذا فی النہر لاحرم للمدینۃ عندنا مدینہ کے واسطے حرم نہیں ہے ہمارے نزدیک یعنی جیسے حرم مکہ میں شکار کرنا اور درخت کاٹنا حرام ہے ویسا مدینہ میں حرام نہیں اور اگر مدینہ کا حرم مکہ کے مانند ہوتا تو بدون احرام باندھے وہاں کا جانا جائز نہ ہوتا حالانکہ حضرت صلعم سے اور اصحابؓ سے احرام باندھنا دخول مدینہ کے واسطے ثابت نہیں باقی تفصیل اس مسئلہ کی کتب مبسوط میں ہے واللہ اعلم ومکۃ افضل منہا علی الراجح الا ماضم اعضائہ الشریفۃ صلی اللہ علیہ وسلم فانہ افضل مطلقاً حتی من الکعبۃ والعرش والکرسی اور مکہ معظمہ افضل ہے مدینہ طیبہ سے بقول راجح مگر جس قدر زمین پاک بسید کائنات صلعم کے اعضاء شریفہ مقدسہ سے ملی ہوئی ہے قاضی عیاض نے نقل کیا ہے کہ موضع قبر سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم افضل بقاع ارض ہے بلکہ مطلقاً افضل ہے یہاں تک کہ کعبہ اور عرش اور کرسی سے بھی افضل ہے امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمد کے نزدیک کعبہ افضل ہے مدینہ سے اور امام مالک کے نزدیک مدینہ افضل ہے کذا فی المنح وزیارۃ قبرہ الشریف مندوبۃ بل قیل واجبۃ لمن لہ سعۃ اور زیارت کرنا قبر شریف مصطفوی کا مستحب ہے بلکہ بعضے علما نے اس کو واجب کہا ہے جس کو مقدور اور طاقت ہو م انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب طریق زیارت کا بہ تفصیل تمام خاتمہ حج میں مذکور کیا جاوے گا واسطے انتفاع مسلمین مشتاقین کے ویبداء بالحج لو فرضًا ویخیر لو نفلا مالم یمر بہ علیہ الصلوۃ والسلام فیبداء بزیارتہ لا محالۃ ولینو معہ زیارۃ مسجدہ الشریف فقد اخبران الصلوۃ فیہ خیر من الف صلوۃ فی غیرہ الا المسجد الحرام وکذا البقیۃ القرب اور پہلے حج ادا کرے اگر فرض حج ہو اور اگر نفل ہو تو اس میں مختار ہے چاہے پہلے زیارت کرے یا حج لیکن نفل حج میں اختیار اس وقت تک ہے جب تک مدینہ میں ہو کر نہیں نکلا اور اگر حج کے واسطے مدینہ میں ہو کر چلا تو زیارت کرنا مقدم ہے خواہ حج فرض ہو یا نفل اور قبر شریف کی زیارت کے ساتھ چاہیے کہ حضرت صلعم کی مسجد شریف کی زیارت کی بھی نیت کرے اس واسطے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اس کی ایک نماز ہزار نماز سے افضل ہے اس کی غیر مسجدیں سوائے مسجد الحرام کے اور اسی طرح باقی عبادات مانند اعتکاف اور جاروب کشی کے کہ اس کا ثواب سوائے مسجد الحرام کے اور مساجد سے زیادہ تر ہے م مسند احمد اور صحیح ابن خزیمہ اور ابن حبان میں عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک نماز میری اس مسجد میں اور مساجد کی ہزار نماز سے افضل ہے سوائے مسجد الحرام کے اور ایک نماز مسجد الحرام میں افضل ہے اس کی سو نمازوں سے یعنی مسجد مدینہ سے ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں کہا کہ عبد ضعیف کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ سفر مدینہ میں فقط قبر شریف کی زیارت کے واسطے نیت کو خالص کرے مزید اجلال اور تعظیم سید العالمینؐ اسی کو مقتضی ہے اور تاکہ ظاہر حدیث دارقطنی کی موافق ہو جاوے کہ جس کو کوئی حاجت نہ ہو سوائے میری زیارت کے اس کا میں شفیع ہوں گا قیامت کے دن ولا تکرہ المجاورۃ بالمدینۃ وکذا بمکۃ لمن یثق بنفسہ اور مکروہ نہیں رہنا مدینہ کا اور اسی طرح مکہ کا اس شخص کو جس کو اپنے نفس پر اعتماد ہو حفظ ادب حرمین شریفین کا م مجاورت مکہ معظمہ میں اختلاف ہے علما کا بعض شافعیہؒ نے مذکور کیا کہ مجاورت مکہ مستحب ہے مگر جب وقوع امر ممنوع کا ظن غالب ہو اور یہی مذہب ہے صاحبینؒ کا اور امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مکروہ ہے اس واسطے کہ انسان کی غالب عادت یہ ہے کہ معیشت میں خلاف خواہش نفسانی سے تنگ دل اور افسردہ خاطر ہو جاتا ہے اور کثرت مشاہدات سے جیسی تعظیم اور توقیر چاہیے ویسی باقی نہیں رہتی غالبًا اور یہ بھی ہے کہ انسان خطا سے محفوظ نہیں اور حرم میں تضاعف معاصی کا خوف ہے چنانچہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے اگر بروایت صحیح ہو ورنہ اس میں تو شک نہیں کہ وقوع معاصی حرم میں زیادہ تر قبیح اور خوف ناک تر ہے ولہذا عبداللہ بن عباسؓ نے طائف کا رہنا اختیار کیا تھا اور فرماتے تھے کہ اگر میں پچاس گناہ طائف میں کروں تو میرے نزدیک محبوب تر ہیں مکہ میں ایک گناہ کرنے سے اور ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ کسی شہر میں سوائے مکہ کے ہمت پر قبل عمل کے مواخذہ نہیں اس واسطے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا (ومن یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم) یعنی جو حرم میں کجروی ظلم کا ارادہ کرے گا اس کو عذاب دردناک

پچھاویں گے اور عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ اگر مجھ سے ایک گناہ مکہ میں ہو جاوے وہ غالب تر ہے اور شہر کے ستر گناہوں سے ہاں بعض خاص بندے اللہ تعالیٰ کے جو کشاکش مقتضائے طبیعت انسانی سے پاک ہیں وہ اہل ہیں اس سعادت عظمیٰ کے کہ وہ تضاعف حسنات نصیب اہل مکہ ہے ابن ماجہ نے عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مکہ میں رمضان پایا سو روزہ رکھا اور قیام شب کیا جتنا کہ ہو سکا تو اس کے واسطے لاکھ رمضان لکھے جاویں گے اور حق تعالیٰ ہر دن میں ایک گردن آزاد کرنے کا اور ہر رات میں ایک گردن آزاد کرنے کا ثواب لکھے گا اور ہر دن فی سبیل اللہ گھوڑا دینے کا ثواب ہوگا اور ہر چند مدینہ میں تضاعف سیئات کا خوف نہیں لیکن افسردگی اور قلت ادب کا خوف ہے کہ وہ مخالف ہے احترام اور توقیر کے تو وہاں کی مجاورت کراہت سے خالی نہیں مگر اہل بصر اور اہل ادب کے واسطے وہاں کا رہنا اور وہاں کا مرنا عمدہ وسیلہ ہے نجات کا صحیح مسلم میں حدیث مرفوع ہے کہ جو تکلیف اور شدت مدینہ پر صبر کرے گا میری امت میں سے ہوگا میں اس کا شفیع ہوں گا قیامت کے دن یا شاہد ہوں گا اور ترمذی وغیرہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس سے ہو سکے مدینہ کا مرنا وہ وہاں مرے کہ میں مقرر شفاعت کروں گا وہاں کے مرنے والے کی کذا فی فتح القدیر اور مناسک طرابلسی میں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور جماعت محتاطین بخلاف ملال اور قلت ادب اور حرمت قلب بجھنے سے مجاورت مکہ کی کراہت کے قائل ہیں اور ابو یوسفؒ اور محمدؒ کے نزدیک کچھ مضائقہ نہیں اور یہی افضل اور مستحب ہے اور اسی پر بالفعل لوگوں کا عمل ہے کذا فی المنح خاتمہ مشتمل ہے دو فصل پر

فصل اول کیفیت حج مصطفےٰ میں مترجم نے چاہا کہ بقصد تبرک رسول کریم کے حج کا طریقہ بروایت صحیح بیان کرے تاکہ موجب اطمینان اور باعث مزید شوق مشتاقین کا ہو اور چونکہ کتب حدیث میں مثل حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے کوئی حدیث جامع اکثر مسائل کی ابتدائے سفر حج سے آخر تک نہیں لہذا اسی کا ترجمہ کرنا مع اختصار کے ساتھ مقدم جانا سنن ابی داؤد میں امام جعفر صادقؒ سے مروی ہے کہ امام محمد باقرؒ نے جابر بن عبداللہ سے کہا کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کرنے کا طریقہ بتلائیے تو جابرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نو برس تک حج نہیں کیا پھر دسویں برس اعلام کیا اپنے حج کرنے کا تو بہت لوگ مدینہ میں آئے ہر شخص چاہتا تھا کہ حضرتؐ کی پیروی کرے اور آپ کے عمل کے مانند عمل کرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے یعنی مدینہ سے اور ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ ذوالحلیفہ میں پہنچے تو وہاں اسماء بنت عمیس محمد بن ابی بکر کو جنی سو اسماء نے حضرت صلعم کے پاس کسی کو بھیجا کہ اب میں کیا کروں فرمایا غسل کر اور کپڑے کا لنگوٹ باندھ کر احرام باندھ پھر حضرت صلعم نے مسجد میں احرام کی نماز پڑھی پھر اس اونٹنی پر سوار ہوئے جس کا قصوا نام تھا یہاں تک کہ اونٹنی حضرت صلعم کو لے کر کھڑی ہو گئی میدان میں جابرؓ نے کہا کہ میں نے جو اپنے آگے مدنظر تک دیکھا تو سوار اور پیدل تھے اور داہنی طرف بھی اسی قدر اور بائیں طرف بھی اسی قدر اور پیچھے بھی اسی قدر اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے تھے اور ان پر قرآن اترتا تھا اور وہ اس کے مقصود کو جانتے تھے تو جو کچھ حضرت صلعم نے عمل کیا ہم نے بھی اسی پر عمل کیا سو حضرت صلعم نے توحید کو پکار کے اسی طرح فرمایا لبیک[1] اللھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لاشریک لک اور لوگوں نے بھی اسی طرح لبیک کہا جیسے تم کہتے ہو حضرت صلعم نے اس میں لوگوں پر کچھ رد و انکار نہ کیا اور حضرت صلعم نے لبیک کہنا لازم کر لیا جابرؓ نے کہا کہ حج کے سوا ہم کچھ نیت نہ تھی ہم عمرے کو نہ جانتے تھے یعنی اشہر حج میں عمرہ کرنا معروف نہ تھا یہاں تک کہ ہم حضرت صلعم کے ساتھ بیت اللہ میں پہنچے تو حضرت صلعم نے رکن کا استلام کیا یعنی حجر اسود کو چوما پھر تین بار رمل کیا اور چار بار آہستہ چلے یعنی طواف میں پھر حضرت صلعم مقام ابراہیم کے پاس آئے سو یہ آیت پڑھی (واتخذوا[2] من مقام ابراہیم مصلی) اور مقام ابراہیم کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان یعنی مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھی دو رکعت قل ہو اللہ احد اور قل یا ایہا الکافرون کی قرات سے پھر حضرتؐ بیت اللہ کی طرف پھر گئے اور حجر اسود کا استلام کیا پھر دروازہ سے صفا کی طرف نکلے جب صفا سے قریب ہوئے تو یہ پڑھا ان الصفا[3] والمروۃ من شعائر اللہ ہم بھی اسی سے ابتدا کرتے ہیں جس سے اللہ نے ابتدا کی تو صفا سے ابتدا کی سو اس پر چڑھ گئے یہاں تک کہ بیت اللہ نظر آیا تو اللہ کی تکبیر اور توحید کی اور فرمایا

---

[1] اس کا ترجمہ اوپر گذرا ۱۲ [2] اور بناؤ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ [3] البتہ صفا اور مروہ نشانیاں ہیں اللہ کی ۱۲

لاالٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وہو علی کل شئی قدیر لاالٰہ الا اللہ وحدہ انجز وعدہ ونصر عبدہ وہزم الاحزاب وحدہ پھر بابین ان کے دعا کی اور اسی طرح تین بار فرمایا پھر اترے مروہ کی طرف تا اینکہ آپ کے قدم نیچے آگئے تو بین بار نالہ کے اندر رمل کیا یہاں تک کہ جب چڑھ گئے تو آہستہ چلے یہاں تک کہ مروہ پر پہنچے تو مروہ پر اس کے مانند کیا جو صفا پر کیا تھا یہاں تک کہ آخر طواف مروہ پر ہوا فرمایا کہ اگر مجھ کو آگے سے معلوم ہوتا جو پیچھے معلوم ہوا تو میں ہدی کو نہ ہانک لے جاتا اور اس عبادت کو میں عمرہ کر ڈالتا سو تم لوگوں میں سے جس کے ساتھ ہدی نہ ہو وہ حلال ہو جاوے اور اس کو عمرہ کر ڈالے تو تمام لوگ حلال ہو گئے اور بال کترائے مگر نبیؐ اور جن کے ساتھ ہدی تھی وہ محرم بنے رہے پھر سراقہ بن جعشم کھڑے ہوئے سو کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنا اشہر حج میں اسی سال کو مخصوص ہے یا ہمیشہ کو ہے تو دونوں ہاتھ کی انگلیوں کو قینچی کیا پھر فرمایا کہ داخل ہو گیا عمرہ حج میں اس طرح اس کو دو بار فرمایا اور تین بار فرمایا کہ ہمیشہ کو ہمیشہ کو جابرؓ نے کہا اور علی مرتضیٰؓ رضی اللہ عنہ یمن سے آئے حضرت صلعم کے ہدی کے اونٹ لے کر تو پایا فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو کہ احرام نہیں باندھے ہیں اور رنگین کپڑے ہیں اور سرمہ لگائے ہیں تو علی مرتضیٰ ناخوش ہوئے ان پر اور کہا کس نے تم کو اس کا حکم دیا ہے تو فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ میرے باپ نے حکم دیا ہے تو جابرؓ نے کہا کہ علی مرتضیٰؓ عراق کے ملک میں کہتے تھے میں گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فاطمہ زہراؓ پر خفگی کروانے کو بسبب اس امر کے جو انھوں نے کیا تھا اور حضرتؐ کی اجازت کو دریافت کرنے گیا جو فاطمہ زہراؓ نے مذکور کی سو میں نے کہا کہ میں جو ان پر ناخوش ہوا تھا سو انھوں نے کہا کہ میرے باپ نے حکم دیا تو حضرت صلعم نے فرمایا سچ کہا حضرت صلعم نے فرمایا تو نے کیا کہا تھا جب حج کی نیت کی تھی علی مرتضیٰؓ بولے میں نے یوں کہا تھا کہ الٰہی میں وہ نیت کرتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیت کی حضرت صلعم نے فرمایا کہ میرے ساتھ تو ہدی ہے سو تو حلال ہو جیو جابرؓ نے کہا کہ جو ہدی کہ علی مرتضیٰ یمن سے لائے تھے اور جو ہدی حضرت صلعم کے ساتھ تھی سو سب ملا کر سو اونٹ تھے پھر جب یوم الترویہ یعنی آٹھویں تاریخ منیٰ کو چلے تو حج کا احرام کیا اور حضرت صلعم سوار ہوئے اور [illegible] میں جا کر ظہر اور عصر اور مغرب اور عشا اور صبح کی نماز پڑھی پھر تھوڑا ٹھہرے کہ آفتاب نکلا اور حضرت صلعم کے حکم سے کمل کا خیمہ نمرہ[1] میں کھڑا کیا گیا پھر حضرت صلعم روانہ ہوئے اور اس میں گمان نہ تھا قریش کو کہ حضرت صلعم وقوف کریں گے مزدلفہ میں مشعر الحرام کے نزدیک جیسے کفر میں قریش وہاں وقوف کیا کرتے تھے سو حضرت صلعم وہاں سے بڑھے چلے گئے یہاں تک کہ عرفات میں پہنچے تو خیمہ کو استادہ پایا نمرہ میں سو اس میں اترے یہاں تک کہ آفتاب ڈھلا پھر موجب حکم کے قصوا اونٹنی پر کجاوہ باندھا گیا سو حضرت صلعم سوار ہوئے یہاں تک کہ نالے کے اندر آئے پھر خطبہ پڑھا لوگوں کے واسطے سو فرمایا کہ تمھارے خون اور تمھارے مال تم پر حرام ہیں جیسے یہ تمھارا دن اس تمھارے شہر میں اس تمھارے مہینے میں حرام ہے خبردار ہو کہ ہر چیز رسوم جاہلیت سے میرے پاؤں کے نیچے دبائی گئی یعنی باطل ہو گئی اور جاہلیت کی خونریزیاں دبائی گئیں یعنی ان کا دعوی کرنا اب جائز نہیں اور پہلا خون جو میں دباتا ہوں اپنے خاندان کے خونوں سے ابن ربیعہ یا ربیعہ بن عبدالمطلب کا خون ہے جو شیر خوار تھا بنی سعید میں جس کو ہذیل کی قوم نے قتل کیا تھا اور جاہلیت کا بیاج دبایا گیا اور پہلا بیاج جس کو میں دباتا ہوں اپنے خاندان سے عباس بن عبدالمطلب کا بیاج ہے سو وہ سب کا سب دبا ڈالا گیا پھر ڈرو اللہ سے عورتوں کے مقدمہ میں تم نے ان کو لیا ہے اللہ کی امانت سے اور ان کی شرمگاہوں کو حلال کیا تم نے اللہ کے کلمے یعنی حکم سے اور تمھارا عورتوں پر یہ حق ہے کہ تمھارے بستروں کو نہ روندا دیں اس شخص سے جس کو تم نہیں پسند کرتے یعنی زنانہ کے بلاوے بغیر کو اندر نہ آنے دیں سو اگر ایسا کریں تو ان کو مارو ایسی مار جو سخت اور مزیل اعضا نہ ہو اور عورتوں کا حق تم پر کھانا اور کپڑا ہے دستور کے موافق اور میں نے تم میں ایسی چیز چھوڑی ہے کہ تم کبھی گمراہ نہ ہو گے بعد اس کے اگر تم اس کو مضبوط پکڑے رہو گے وہ چیز کتاب اللہ ہے اور تم سے سوال کیا جاوے گا میری پیام رسانی کا سو تم کیا کہو گے لوگوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے تبلیغ احکام کی اور پیام ادا کیا اور خیر خواہی کی پھر حضرت صلعم نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور لوگوں کی طرف جھکائی اور فرمایا خداوندا گواہ رہنا خداوندا گواہ رہنا خداوندا گواہ رہنا پھر بلالؓ نے بعد اس خطبے کے اذان دی اور اقامت کہی سو حضرت صلعم

---

[1] اس کا ترجمہ بھی اوپر ہو چکا ۱۲ [2] ایک جگہ کا نام ہے متصل عرفات کے ۱۲

نے ظہر کی نماز پڑھی پھر دوسری بار اقامت کہی سو حضرت صلعم نے عصر کی نماز پڑھی اور دونوں فرضوں کے درمیان میں کچھ نماز نہیں پڑھی یعنی سنت اور نفل کچھ نہ پڑھی سو حضرت صلعم قصوا اونٹنی پر سوار ہوئے یہاں تک کہ موقف میں یعنی ٹھہرنے کے مقام میں آئے سو اپنی اونٹنی قصوا کا پیٹ پتھروں کی طرف کو کیا اور جبل المشاۃ[1] کو اپنے سامنے کیا پھر حضرت صلعم قبلہ کی طرف متوجہ ہوئے اور برابر واقف رہے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا اور تھوڑی زردی بھی جاتی رہی یہاں تک کہ گردا آفتاب کا غائب ہو گیا اور اونٹنی پر اپنے پیچھے اسامہ کو بٹھلایا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے روانہ ہوئے اور اونٹنی کی نکیل کی رسی حضرت صلعم تانے ہوئے تھے یہاں تک کہ اس کا سر کجاوہ کو لگ جاتا تھا اور حضرت صلعم داہنے ہاتھ سے اشارہ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے لوگو آہستہ چلو اے لوگو آہستہ چلو تسکین سے چلو یعنی جلد بازی نیکوکاری نہیں اور جب کوئی ٹیلا یا پہاڑی آتی تھی تو حضرت صلعم باگ کو تھوڑا ڈھیلا کر دیتے تھے تاکہ چڑھ جاوے یہاں تک کہ مزدلفہ میں پہنچے تو مغرب اور عشاء کو جمع کیا ایک اذان اور دو اقامت سے اور درمیان میں نوافل کو نہ پڑھا پھر استراحت فرمائی یہاں تک کہ فجر نمودار ہوئی پھر فجر کی نماز پڑھی جب فجر ظاہر ہو گئی اذان اور اقامت سے پھر حضرت صلعم قصوا پر سوار ہوئے یہاں تک کہ مشعر الحرام میں آئے اور اس پر چڑھ گئے اور متوجہ بقبلہ ہوئے سو حق تعالیٰ کی تحمید اور تکبیر اور توحید کرتے فرماتے رہے یہاں تک کہ خوب روز روشن ہو گیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم وہاں سے روانہ ہوئے آفتاب نکلنے سے پہلے اور فضل بن عباسؓ کو پیچھے بٹھلایا یہاں تک کہ محسر میں آئے تو اونٹنی کو تھوڑا سا چلایا پھر حضرت صلعم وہ درمیان والی راہ چلے جو جمرۃ الکبری یعنی جمرۃ العقبہ تک پہنچی ہے یہاں تک کہ جمرۃ العقبہ تک پہنچے جو درخت کے پاس ہے سو اس کو سات کنکریاں ماریں مانند سنگ ریزہ کے ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے تھے اور نالہ کے اندر سے رمی کی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے پھرے اور نحر کرنے کے مقام میں آئے سو اپنے دست مبارک سے تریسٹھ اونٹ نحر کیے اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم کیا سو باقی سو اونٹ کو نحر کیا اور اپنی ہدی میں ان کو شریک کیا پھر حکم کیا کہ ہر اونٹ سے گوشت کا ٹکڑا لیا جاوے سو دیگ میں گوشت ڈالا گیا اور حضرت صلعم نے اور علی مرتضیٰؓ نے اس میں سے گوشت کھایا اور اس کا دونوں نے شوربا پیا پھر حضرت صلعم سوار ہوئے اور بیت اللہ میں آئے پھر مکہ میں ظہر کی نماز پڑھی پھر عبد المطلب کی اولاد کے پاس آئے اور وہ زمزم پر پانی پلاتے تھے اور فرمایا پانی نکالو اے عبد المطلب کی اولاد سو اگر اس کا خیال نہ ہوتا کہ لوگ تمہارے پانی پلانے پر غلبہ اور ہجوم کریں گے[2] تو میں بھی تمہارے ساتھ پانی کھینچتا پس عبد المطلب کی اولاد نے حضرت صلعم کو ایک ڈول پانی دیا تو حضرت صلعم نے اس میں سے پیا انتہی صاحب فتح القدیر نے کہا کہ اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں اور ابن ابی شیبہ اور نسائی اور عبد بن حمید اور بزاز اور دارمی نے اپنی مسانید میں بھی روایت کیا ہے

فصل ثانی قبر شریف کے آداب زیارت میں

سنن ابی داؤد میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ایسا نہیں جو سلام کرے مجھ کو مگر حق تعالیٰ میری روح کو پھیرتا ہے تا اینکہ میں اس کو سلام کا جواب دیتا ہوں روح کا پھیرنے سے مراد یہ ہے کہ بجز وسلام کرنے کے حضرت صلعم اس عالم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں سلام کے جواب دینے کے واسطے اور ابو بکر بن ابی شیبہؒ وغیرہ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو درود پڑھے گا میری قبر کے پاس میں اس کو سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھتا ہے دور تو مجھ کو پہنچتا ہے یعنی فرشتے پہنچاتے ہیں دار قطنی اور ابو بکر بزاز نے عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری قبر کی زیارت کرے گا میری شفاعت اس کے واسطے واجب ہو گی یعنی بالضرور ثابت ہو گی مخبر صادق کے وعدہ صادقہ سے اور دار قطنی نے امالی میں اور ابو بکر مقری نے اپنے معجم میں اور طبرانی نے معجم کبیر اور اوسط میں بسند معتمد عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میری زیارت کرنے کو آوے گا اس طرح کہ اس کا کچھ مطلب اور حاجت نہ ہو سوا میری زیارت کے تو مجھ پر یہ لازم ہو گیا کہ میں اس کا شفیع ہوں گا قیامت کے دن اور حضرت کی زیارت عام ہے حیات میں ہو یا بعد ممات کے چنانچہ اگلی حدیث میں مصرح ہے دار قطنی اور طبرانی نے عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

---

[1] جبل المشاۃ بفتح حائے حطی وسکون موحدہ عرفات میں ایک جگہ کا نام ہے اور بعضے اس کو بفتح جیم و موحدہ کہتے ہیں پیادوں کا پہاڑ ۱۲ ؁ ایک پہاڑ کا نام ہے جس کو جبل قزح کہتے ہیں ۱۲

[2] یعنی اگر میں پانی کھینچنے میں تمہارا شریک ہوں تو لوگ اس کو سنت جان کر ایسا ہی کریں گے پھر ہجوم کے سبب سے تم کو پانی پلانا دشوار ہو گا ۱۲

کہ جس نے حج کیا اور میری قبر کی زیارت کی میری وفات کے بعد تو گویا اس نے میری زیارت کی میری حیات میں اور دارقطنی اور ابن عدی نے روایت کی عبداللہ بن عمرؓ سے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے مجھ پر ستم کیا اور حافظ ابن عساکر نے یہ مضمون انس بن مالکؓ سے روایت کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا کچھ عذر نہیں جس کو وسعت اور مقدور ہو میری امت سے اور میری زیارت نہ کرے کذافی الخ وتاریخ المدینۃ للسید السمہودی اور حافظ منذری نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم میرا بعد وفات کے ویسا ہے جیسا علم میرا حیات میں ہے اور ابن عدی اور ابویعلی نے بروایت ثقات روایت کیا انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیا زندہ ہیں اپنی قبور میں نماز پڑھتے اور بیہقی نے اس حدیث کی تصریح کی ہے قاضی عیاض نے شفا میں کہا ہے کہ زیارت قبر سید المرسلینؐ اجماعی سنت مسلمین ہے اور تاج الدین سبکی نے زیارت پر اجماع نقل کیا ہے قولاً وفعلاً کذافی تاریخ المدینۃ جب اندک فضائل زیارت قبر مقدس سید المرسلین کے معلوم ہوئے تو دریافت کرنا چاہیے کہ علماء حنفیہ کے نزدیک زیارت قبر شریف کی افضل مستحبات اور اعظم وسائل نجات ہے بلکہ قریب ہے درجہ واجبات سے مقدور والے کو اس واسطے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بمزید شفقت ہماری بہتری کے واسطے کیسی کچھ ترغیب دلائی اور کیا کچھ مبالغہ اس میں فرمایا چنانچہ احادیث سابقہ سے معلوم ہو چکا کذافی شرح المنار ومنسک الطرابلسی اور مذہب محبت میں زیارت محبوب رب العالمین کی فرض عین ہے علی الخصوص کہ معشوق عاشق نواز مزید کرم سے اپنے مشتاقوں کو بلا دے اور سرفرازی کا مژدہ سنا دے اور نہ حاضر ہونے پر عتاب فرما دے ونعم ماقیل ع از دوست یک اشارت دز ما بسود بدن + بالجملہ جب بعد ادائے حج کے در دولت مصطفوی کا ارادہ کرے تو بعد نماز استخارہ کچھ خیرات کرے پھر مزید شوق اور ادب سے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو اور راہ میں کثرت درود کرے اور فراغت کے اوقات کو درود خوانی سے مستغرق کرے تاکہ قبل پہنچنے کے تحفہ درود کے پہنچنے سے حضرت صلعم کو اس کے حاضر ہونے کی اطلاع ہو رہے پھر جب مدینہ منورہ کی آبادی اور درخت نظر پڑیں تو کمال خشوع اور خضوع سے درود کی کثرت کرے اور یہ دعا پڑھے (اللھم[1] ہذا حرم رسولک فاجعلہ وقایۃ لی من النار وامنا من العذاب وسوء الحساب اللھم افتح لی ابواب رحمتک وارزقنی من زیارۃ قبر رسولک صلی اللہ علیہ وسلم ما رزقتہ اولیاءک واہل طاعتک واغفرلی وارحمنی یاخیر مسئول مستحب ہے کہ قبل داخل ہونے کے غسل کرے اور نہ ہو سکے تو وضو پر کفایت کرے چنانچہ دخول مکہ میں مذکور ہو چکا اور پاک صاف کپڑے پہنے اور خوشبو لگا دے کہ یہ اقرب ہے تعظیم سے اور نئے کپڑے پہننا افضل ہے اور یہ جو بعضے لوگ مدینہ مشرفہ کو دیکھ کر سواریوں سے اتر پڑتے ہیں اور پیدل چلتے ہیں تو اس کا کچھ مضائقہ نہیں اس واسطے کہ قوم عبدالقیس جب مدینہ میں داخل ہوئے تو حضرت صلعم کو دیکھ کر اتر پڑے تھے اور حضرت صلعم نے اس پر کچھ انکار نہیں فرمایا تھا اگرچہ ان کے سردار کی جو بعد غسل کرنے اور پوشاک بدلنے کے بہ تسکین تمام خدمت میں حاضر ہوا تھا تعریف فرمائی کرمانی نے کہا کہ اگر باہر شہر کے غسل نہ ہو سکا ہو تو اندر شہر کے غسل کرے اور اس سے پرہیز کرے جو بعضے جاہل سیا کپڑا نہیں پہنتے ہیں بمشابہت احرام پھر جب قبہ شریفہ نظر آوے تو اس کی عظمت اور فضیلت کو دھیان کرے کہ یہ وہ مکان پاک ہے جس کو حق تعالی نے اپنے حبیب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے پسند فرمایا سو کمال شوق اور تعظیم سے درود پڑھے پھر جب مدینہ شریفہ میں داخل ہو تو یوں کہے (بسم اللہ[2] رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد واغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک وفضلک) اور لازم ہے کہ کمال فروتنی اور عاجزی سے اس شہر معظم کی عزت کو دھیان کرتے ہوئے درود پڑھتا داخل ہو اور یہ تصور کرے کہ اس شہر کو کس ذات پاک کے رہنے سے شرف مجالات حاصل ہے یہ وہ مقام ہے کہ حق تعالی نے اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ہجرت گاہ ٹھہرایا اور یہ مکان مظہر مہبط وحی اور احکام

[1] یا اللہ یہ حرم ہے تیرے رسول کا پس کر اس کو میرے لیے اس آگ سے اور امن عذاب اور برے حساب سے الٰہی کھول دے میرے لیے دروازے اپنی رحمت کے اور روزی کر مجھ کو زیارت اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے جو تو نے روزی کیا اپنے دوستوں اور اپنے اطاعت والوں کو اور رحم کر مجھ پر اے بہتر ان کے جن سے مانگا جاوے ۱۲
[2] شروع کرتا ہوں میں نام خدا سے اے رب میرے داخل کر مجھ کو سچا داخل کرنا اور نکال مجھ کو سچا نکالنا اور بنا دے میرے لیے حکومت مددوالی یا اللہ درود بھیج محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلعم پر اور بخش دے گناہ ۱۲

اور بیخ اسلام اور منبع ایمان اور چشمہ عرفان ہے فتح القدیر میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ تمام بلاد تلوار سے فتح ہوئے مگر مدینہ قرآن سے فتح ہوا ہے اور چاہیے کہ اپنے دل کو ہیبت اور عظمت مصطفوی سے بھر لیوے اور وہاں چلتے ہوئے یہ تصور کرے کہ یہ گذرگاہ جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہے شاید میرا قدم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موضع قدم مبارک پر پڑ جاوے ولہذا امام مالک رح مدینہ میں سوار نہ ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھ کو حیا آتی ہے کہ میں وہاں سوار ہوں جہاں خود بدولت موجود ہوں پھر جب مسجد شریف میں داخل ہو تو وہ کرے جو دخول مساجد میں کرتے ہیں یعنی داہنا پاؤں پہلے رکھے اور یوں کہے اللّٰھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک) اور روضہ شریفہ کا اول قصد کرے مسجد شریف میں روضہ اس مکان کا نام ہے جو منبر اور قبر شریف کے درمیان میں ہے حدیث صحیح میں ثابت ہے کہ میری قبر اور منبر کے درمیان میں روضہ ہے ریاض جنت سے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے پھر دو رکعت تحیۃ المسجد اُس ستون کے آگے جس کے نیچے صندوق ہے پڑھے اس طرح کہ منبر کا عمود داہنے مونڈھے کے مقابل ہو اور جو مقوس لکڑی کہ قبلہ مسجد میں ہے وہ دونوں آنکھوں کے سامنے ہو کہ یہی مقام ہے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے کھڑے ہونے کا کذا فی فتح القدیر کرمانی اور صاحب اختیار نے کہا پھر بعد نماز کے سجدہ شکر کا کرے کہ یہ دولت نصیب ہوئی اور اُس کی تمامی اور مقبولیت کی دعا کرے اور حق تعالیٰ سے اُس کی مدد چاہے کہ حضور مصطفوی کی رعایت آداب میں کوئی ادب مجھ سے فوت نہ ہو پھر قبر شریف کی طرف کمال عجز و انکسار سے آنکھیں جھکائے متوجہ ہو اور وہاں کی آرائش اور زینت کی طرف نظر نہ ڈالے کہ ادب سے بعید ہے اور مسمار فضہ کے سامنے کھڑے ہو کر زیارت کرے اس واسطے کہ حجرہ شریفہ کے گرد شباک نحاسی یعنی تانبے کی جالیاں بن گئی ہیں مدت سے اور سابق میں موقف سلف جالیوں کے اندر حجرہ شریفہ کی دیوار کے قریب تھا ولہذا مناسک قدیمہ میں مذکور ہے کہ دیوار سے چار ہاتھ یا تین ہاتھ ہٹ کر کھڑا ہو کذا فی تاریخ المدینۃ للسید السمہودی بالجملہ قبر شریف کے سامنے قبلہ کو پشت دے کر زیارت کے واسطے کھڑا ہو اور اکثر کتب فقہ میں مذکور ہے کہ زیارت کے وقت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے قریب قبلہ رو کھڑا ہو ابن ہمامؒ محقق نے فتح القدیر میں کہا کہ استقبال قبلہ میں فقیہ ابواللیثؒ کی روایت لائق اعتماد نہیں اس واسطے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اپنی مسند میں ابن عمرؓ سے روایت کی کہ سنت یہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی طرف قبلہ کی سمت سے آوے اور پشت اپنی قبلہ کی طرف کرے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی طرف منہ کرے پھر کہے السّلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ انتہی کلامہ اور یہی مذہب ہے ائمہ ثلثہ رحمہم اللہ کا الحاصل زیارت کے وقت مؤدب بطور نماز کھڑے ہو کر صورت مقدسہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تصور کرے گویا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم لحد مبارک میں آرام فرماتے ہیں اور میرے حاضر ہونے کو جانتے ہیں اور میرا کلام سنتے ہیں اس واسطے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور سماعت حدیث میں منصوص ہے پھر کمال حیا اور ادب سے یوں عرض کرے۔

السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تین بار السّلام علیک یا رسول رب العالمین

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَيْرَ الْخَلَائِقِ اَجْمَعِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدَ الْمُرْسَلِيْنَ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اِمَامَ الْمُتَّقِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ

سلام تم پر اے بہترین سب خلق کے سلام تم پر اے سردار پیغمبروں کے اور ختم کرنے والے نبیوں کے سلام تم پر اے پیشوا پرہیزگاروں کے سلام تم پر

يَا قَائِدَ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا شَفِيْعَ الْمُذْنِبِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ

اے پیشوا منہ اور ہاتھ چمکنے والوں کے سلام تم پر اے بھیجے ہوئے واسطے رحمت عالم کے لوگوں کے سلام تم پر اے سفارشی گناہ گاروں کے سلام تم پر

يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خِيَرَةَ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا صَفْوَةَ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَيُّهَا الْهَادِيْ اِلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ

اے حبیب اللہ کے سلام تم پر اے پسند کیے ہوئے اللہ کے سلام تم پر اے برگزیدہ اللہ کے سلام تم پر اے راہ بتانے والے سیدھی راہ کے

---

[1] بخش دے واسطے میرے گناہ میرے اور کھول دے میرے لیے دروازے اپنی رحمت کے ۱۲ [2] سلام تم پر اے نبی اور رحمت اللہ کی اور اُس کی برکتیں ۱۲ [3] سلام تم پر اے رسول پروردگار عالم کے ۱۲

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا مَنْ وَصَفَهُ اللّٰهُ بِقَوْلِهٖ وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ وَبِقَوْلِهٖ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ. اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ

سلام تم پر اے وہ کہ اُن کا وصف کیا اللہ نے اپنے اس قول سے کہ تم پیدا ہوئے بڑے خلق پر اور اس قول سے کہ ایمان والوں پر شفقت کرنے والے ہو سلام تم پر

یَا مَنْ سَبَّحَ الْحَصٰی فِیْ یَدَیْهِ وَحَنَّ الْجِذْعُ اِلَیْهِ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا مَنْ اَمَرَنَا اللّٰهُ بِطَاعَتِهٖ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْهِ

اے وہ کہ تسبیح پڑھی کنکروں نے ان کے ہاتھوں میں اور مشتاق ہوا ستون چوبین انکی طرف سلام تم پر اے وہ کہ ہم کو حکم کیا خداوند تعالیٰ نے اُن کی طاعت کا اور درود و سلام پڑھنے کا اُن پر

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ وَعَلٰی سَائِرِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی ذُرِّیَّتِكَ الطَّیِّبِیْنَ وَاَزْوَاجِكَ الطَّاهِرَاتِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ

سلام تم پر اور تمام انبیاء اور مرسلین پر اور آپ کی اولاد پاک پر اور آپ کی بیبیوں پاک مسلمانوں کی ماؤں پر اور

اَصْحَابِكَ اَجْمَعِیْنَ كَثِیْرًا دَائِمًا اَبَدًا كَمَا یُحِبُّ رَبُّنَا وَیَرْضٰی جَزَاكَ اللّٰهُ عَنَّا اَفْضَلَ مَا جَزٰی بِهٖ رَسُوْلًا عَنْ

آپ کے سارے ساتھیوں پر بہت سا سلام ہمیشہ مدام کو جیسا کہ پسند کرے رب ہمارا اور خوش ہو آپ کو خدا جزائے خیر دے ہماری طرف سے بڑھ کر اس سے کہ جزا دی ہو کسی رسول کو

اُمَّتِهٖ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَخِیَرَتُهٗ مِنْ

اُس کی امت کی طرف سے میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں سوا اللہ کے وہ اکیلا ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اُس کے بندے اور رسول اور بہترین اُس کے

خَلْقِهٖ اَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَاَدَّیْتَ الْاَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَكَشَفْتَ الْغُمَّةَ وَاَقَمْتَ

خلق کے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے رسالت کو پہنچایا اور امانت کو ادا کیا اور امت کی خیر خواہی کی اور پوشیدہ بات کو واضح کیا اور حجت کو

الْحُجَّةَ وَاَوْضَحْتَ الْمَحَجَّةَ وَجَاهَدْتَ فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ وَقَاتَلْتَ عَنْ دِیْنِ اللّٰهِ حَتّٰی اَتَاكَ الْیَقِیْنُ

قائم کیا اور راہ کو واضح کیا اور مجاہدہ کیا آپ نے اللہ کے باب میں حق اُس کے مجاہدہ کا اور آپ لڑے اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف سے یہاں تک کہ آپ کو موت آئی

فَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی رُوْحِكَ وَجَسَدِكَ وَقَبْرِكَ اَفْضَلَ وَاَكْمَلَ وَاَزْكٰی وَاَنْمٰی صَلٰوةً دَائِمَةً اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ.

پس رحمت کرے اللہ آپ کی روح اور آپ کے بدن اور آپ کی قبر پر افضل اور کامل تر اور زیادہ ستھری اور بہت بڑھیا ہمیشہ کو قیامت تک

یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَحْنُ وَفْدُكَ وَزُوَّارُ قَبْرِكَ جِئْنَاكَ مِنْ بِلَادٍ شَاسِعَةٍ وَنَوَاحٍ بَعِیْدَةٍ قَاصِدِیْنَ قَضَاءَ

اے رسول اللہ کے ہم آپ کے پاس آئے ہیں اور آپ کی قبر کی زیارت کرنے والے ہیں آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں بہت مسافت کے شہروں اور دور کے ملکوں سے قصد کر کے آپ کے حق

حَقِّكَ وَالنَّظَرِ اِلٰی مَآثِرِكَ وَالتَّیَمُّنِ بِزِیَارَتِكَ وَالْاِسْتِشْفَاعِ بِكَ اِلٰی رَبِّنَا فَاِنَّ الْخَطَایَا قَدْ قَصَمَتْ

پورا کرنے کو اور دیکھنے کو آپ کے نشانات اور برکت لینے کو آپ کی زیارت سے اور سفارش چاہنے کو تم سے طرف رب اپنے کے کہ خطاؤں نے ہماری کمریں توڑ دی ہیں

ظُهُوْرَنَا وَالْاَوْزَارَ قَدْ اَثْقَلَتْ كَوَاهِلَنَا وَاَنْتَ الشَّافِعُ الْمُشَفَّعُ الْمَوْعُوْدُ بِالشَّفَاعَةِ وَالْمَقَامِ الْمَحْمُوْدِ

اور گناہ ہمارے مونڈھوں پر بھاری پڑ گئے ہیں اور تم سفارش کرنے والے شفاعت قبول کیے ہوئے ہو تم سے وعدہ ہوا ہے سفارش کرنے اور مقام محمود کا

وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ

اور اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے کہ اگر وہ لوگ جب برا کیا تھا اپنے اوپر آتے تیرے پاس اور بخشواتے اللہ سے اور بخشواتا ان کو رسول

لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا. وَقَدْ جِئْنَاكَ ظَالِمِیْنَ لِاَنْفُسِنَا مُسْتَغْفِرِیْنَ لِذُنُوْبِنَا فَاشْفَعْ لَنَا اِلٰی

تو پاتے اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان اور ہم آئے ہیں برا کر کے اپنی جانوں پر بخشوانے والے اپنے گناہوں کو پس سفارش کیجیے ہماری اپنے رب

رَبِّكَ وَاسْاَلْهُ اَنْ یُّمِیْتَنَا عَلٰی سُنَّتِكَ وَاَنْ یَّحْشُرَنَا فِیْ زُمْرَتِكَ وَاَنْ یُّوْرِدَنَا حَوْضَكَ وَاَنْ یَّسْقِیَنَا

کے پاس اور اُس سے سوال کیجیے کہ ہم کو آپ کے طریق پر مارے اور یہ کہ آپ کے گروہ میں ہم کو اٹھادے اور یہ کہ ہم کو آپ کے حوض پر پہنچا دے اور آپ کے پیالے سے

بِبَابِكَ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَادِمِيْنَ الشَّفَاعَةَ الشَّفَاعَةَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا

پانی پلادے نہ ہم رسوا ہوں اور نہ شرمندہ سفارش کیجیے سفارش کیجیے اے رسول اللہ کے اے رب ہمارے مت ٹیڑھے کر دل ہمارے بعد اس کے کر تو نے ہم کو ہدایت کی اور ہم کو

مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ه رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا

اپنے پاس سے رحمت بے شک تو بہت دینے والا رب ہمارے بخش دے ہم کو اور ہمارے اُن بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ہوئے ہیں ایمان میں اور مت کر ہمارے دلوں میں کینہ

لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ پھر سلام پہنچاوے اس کا جس نے حضرت کو سلام کہہ دیا ہو اس طرح اَلسَّلَامُ

اُن لوگوں کا جو ایمان لائے اے رب ہمارے بیشک تو بے شفقت کرنے والا مہربان سلام

عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ يَسْتَشْفِعُ بِكَ اِلٰى رَبِّكَ فَاشْفَعْ لَهٗ وَلِجَمِيْعِ الْمُسْلِمِيْنَ پھر درود پڑھے جتنا ہو سکے

تم پر اے رسول اللہ کے فلاں پسر فلاں کی طرف سے وہ سفارش چاہتا ہے آپ سے آپ کے رب کے پاس تو آپ اُس کی سفارش فرمائیے اور سب مسلمانوں کی

پھر داہنی طرف بقدر ایک ہاتھ کے بڑھے تا صدیق اکبرؓ کے سامنے ہو اور یوں کہے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِيْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ

سلام تم پر اے نائب رسول خدا کے

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِي الْغَارِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَفِيْقَهٗ فِي الْاَسْفَارِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَمِيْنَهٗ عَلٰى

سلام تم پر اے ساتھی رسول خدا کے اندر غار کے سلام تم پر اے اُن کے رفیق سفروں میں سلام تم پر اے اُن کے امین

الْاَسْرَارِ جَزَاكَ اللّٰهُ اَفْضَلَ مَا جَزٰى اِمَامًا عَنْ اُمَّةِ نَبِيِّهٖ فَلَقَدْ خَلَفْتَهٗ بِاَحْسَنِ خَلَفٍ وَسَلَكْتَ طَرِيْقَهٗ وَمِنْهَاجَهٗ

بھیدوں پر تم کو خدائے تعالیٰ جزا دے بڑھ کر اُس سے کہ جزا دی ہو کسی پیشوا کو اپنے نبی کی امت سے کہ تم اُنکی نیابت کی بہتر نائب ہو کر اور تم چلے اُن کے طریق اور راستہ پر

خَيْرَ مَسْلَكٍ فَقَاتَلْتَ اَهْلَ الرِّدَّةِ وَالْبِدَعِ وَمَهَّدْتَ الْاِسْلَامَ وَوَصَلْتَ الْاَرْحَامَ لَمْ تَزَلْ قَائِمًا لِلْحَقِّ

اچھا چلن تم لڑے مرتدوں اور بدعت والوں سے اور تم نے درستی کی اسلام کی اور ملایا قرابتوں کو تم ہمیشہ رہے قائم حق کے لیے

نَاصِرًا لِاَهْلِهٖ حَتّٰى اَتَاكَ الْيَقِيْنُ فَالسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَللّٰهُمَّ اَمِتْنَا عَلٰى حُبِّهٖ وَ

اور مددگار رہے اہل حق کے یہاں تک کہ آئی آپ کو موت پس سلام آپ پر اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اُس کی برکتیں الٰہی ہم کو موت دے اُن کی محبت پر اور

لَا تُخَيِّبْ سَعْيَنَا فِيْ زِيَارَتِهٖ بِرَحْمَتِكَ يَا كَرِيْمُ پھر ایک ہاتھ پھر داہنی طرف کو بڑھے تو عمر فاروق رضؓ کی قبر کے سامنے ہو تو

بیکار مت کر ہماری کوشش اُن کی زیارت میں اپنی رحمت سے اے کریم

یوں کہے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُظْهِرَ الْاِسْلَامِ يَا مُكَسِّرَ الْاَصْنَامِ جَزَاكَ اللّٰهُ عَنَّا

سلام تم پر اے سردار ایمان والوں کے سلام تم پر اے ظاہر کرنے والے اسلام کے اے توڑنے والے بتوں کے تم کو جزا دے اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے

اَفْضَلَ الْجَزَاءِ وَرَضِيَ عَمَّنِ اسْتَخْلَفَكَ فَلَقَدْ كَفَلْتَ الْاَيْتَامَ وَوَصَلْتَ الْاَرْحَامَ وَقَوِيَ بِكَ الْاِسْلَامُ وَكُنْتَ

بہتر جزا اور راضی ہوا ہے جس نے تم کو اپنا نائب کیا کہ تم نے ذمہ داری کی یتیموں کی اور ملایا ناتوں کو اور قوی ہوا تم سے اسلام اور تم تھے

لِلْمُسْلِمِيْنَ اِمَامًا مَرْضِيًّا وَهَادِيًا مَهْدِيًّا جَمَعْتَ شَمْلَهُمْ وَاَغْنَيْتَ فَقِيْرَهُمْ وَجَبَرْتَ كَسْرَهُمْ فَالسَّلَامُ

مسلمانوں کے پیشوا پسندیدہ اور راہ بتانے والے راہ یاب جمع کیا تم نے اُن کے تفرق کو اور غنی کیا اُن کی احتیاج کو اور باندھا اُن کی شکستگی کو پس سلام

عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ پھر بقدر بالشت پیچھے ہٹے اور شیخین کی خدمت میں یوں عرض کرے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمَا يَا ضَجِيْعَيْ

سلام تم دونوں پر اے دو ہم خواب

تم پر اور رحمت اللہ کی اور اُس کی برکتیں

رَسُولِ اللّٰہِ وَرَفِیْقَیْہِ وَوَزِیْرَیْہِ وَمُشِیْرَیْہِ وَالْمُعَاوِنَیْنِ لَہٗ عَلَی الْقِیَامِ فِی الدِّیْنِ وَالْقَائِمَیْنِ بَعْدَہٗ بِمَصَالِحِ
رسول خدا کے اور اُن کے دو رفیق اور دو وزیر اور دو مشورہ دینے والے اور دو مددگار دین میں قائم رہنے کے اور بجالانے والے اُن کے بعد مسلمانوں کی
الْمُسْلِمِیْنَ جَزَاکُمَا اللّٰہُ اَحْسَنَ جَزَاءٍ جِئْنَا کُمَا نَتَوَسَّلُ بِکُمَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِیَشْفَعَ لَنَا وَیَسْئَلُ رَبَّنَا اَنْ یَتَقَبَّلَ
مصلحتیں جزا دے تم دونوں کو اللہ بہتر جزا ہم آئے ہیں تم دونوں کے پاس وسیلہ پکڑتے ہیں تم کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تاکہ وہ سفارش کریں ہماری اور سوال کریں ہمارے رب سے کہ قبول کرے

سعینا واحینا علی ملتہ وامتنا علیہا واحشرنا فی زمرتہ[1]) پھر اپنے واسطے اور والدین کے واسطے اور جس نے دعا کو کہا ہو اور جمیع مسلمین کے واسطے دعا کرے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بطور اول کھڑا ہو اور یوں کہے (اللھم انک قلت وقولک الحق ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما وقد جئناک سامعین قولک طائعین امرک مستشفعین الیک بنبیک اللھم ربنا اغفرلنا ولآبائنا ولامھاتنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین اٰمنوا ربنا انک رؤف رحیم ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین[2]) اور ان الفاظ زیارت میں اختیار رہے چاہے بڑھاوے چاہے گھٹاوے اور جس شخص کو اس قدر یاد نہ رہے تو اتنا کہنا کفایت ہے (السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وعلی صاحبیک ابی بکر الصدیق وعمر الفاروق) اور بقدر توفیق جو دعا یاد ہو سو کرے پھر ابولبابہ کے ستون کے پاس آوے جس میں انھوں نے آپ کو باندھا تھا یہاں تک کہ اُن کی توبہ قبول ہوئی تھی اور وہ ستون منبر اور قبر شریف کے درمیان میں ہے سو وہاں دو رکعت نماز پڑھے اور توبہ کرے اور دعا مانگے پھر روضہ میں آوے جہاں بالفعل امام نماز پڑھاتا ہے سو جتنا ہو سکے وہاں نفل نماز پڑھے اور دعا کرے اور تسبیح اور تہلیل اور استغفار کرے پھر منبر کے پاس آوے بہ نیت برکت اس چیز پر ہاتھ رکھے جس کو زمانہ کہتے ہیں جس چیز پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھنے کے وقت دست مبارک رکھتے تھے پھر ستون حنانہ کے مقام کی زیارت کرے جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں رویا تھا اور قصہ اُس کا احادیث صحیحہ میں مشہور ہے اور اس امر کی کوشش کرے کہ ایک رات مسجد نبوی میں بیدار رہے اور منبر اور قبر شریف کے پاس اور اُس کے پائین میں اور قراءت قرآن مجید اور ذکر اللہ اور دعا میں بسر کرے کذا فی الاختیار شرح المختار اور بعض الفاظ زیارت تاریخ مدینہ سے منقول ہیں اور جب تک مدینہ طیبہ میں رہے اس پر مستعد رہے کہ جماعت کی نماز مسجد نبوی میں نہ فوت ہو کہ سوائے مسجد الحرام کے اور مساجد سے ہزار مرتبہ وہاں کی نماز افضل ہے پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے بعد قبرستان مدینہ کی زیارت مستحب ہے جس کو بقیع الغرقد کہتے ہیں حدیث میں ثابت ہوا ہے کہ اس مقبرہ سے ستر ہزار بصورت قمر لیلۃ البدر اٹھیں گے اور جنت میں بلا حساب داخل ہوں گے اور تاریخ مدینہ میں مذکور ہے کہ دس ہزار صحابی بقیع میں مدفون ہیں پھر جب بقیع میں داخل ہو تو یہ دعا کرے (السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون اللھم اغفر لاھل بقیع الغرقد اللھم اغفر لنا ولھم[3]) اور بقیع کی قبور مشہورہ کی زیارت کرے چنانچہ قبہ اہل بیت میں غربی قبر ہے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اور شرقی قبر ہے سبط اکبر امام حسن اور امام زین العابدین اور امام محمد باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنھم اور امیر المؤمنین عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کرے اور صفیہ رضی اللہ عنہا عمۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اور فاطمہ بنت اسد علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی ماں کی قبر اور

[1] ہماری کوشش اور زندہ رکھے ہم کو ان کی ملت پر اور مارے ہم کو اس پر اور اٹھاوے اُن کے گروہ میں ۱۲

[2] الٰہی تو نے فرمایا اور تیرا قول درست ہے اور اگر وہ لوگ جب برا کیا اپنی جانوں پر آتے تیرے پاس اور بخشش چاہتے اللہ تعالیٰ سے اور بخشواتا ان کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم تو پاتے اللہ کو توبہ قبول کرنیوالا مہربان اور ہم آئے ہیں تیرے حضور میں سننے والے تیرے قول کو ماننے والے تیرے حکم کو سفارش چاہنے والے تجھ سے بواسطے تیرے نبی صلعم کے کہ اے اللہ اے رب ہمارے بخش دے ہم کو باپوں اور ماؤں کو اور ہمارے اُن بھائیوں کو جو پہلے گئے ہم سے ایمان میں اور مت کر ہمارے دلوں میں کینہ اُن کا جو ایمان لائے اے رب ہمارے بیشک تو ہے شفقت کرنے والا مہربان اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی بچا ہم کو آگ کے عذاب سے پاک ہے رب تیرا عزت والا اُس سے کہ لوگ بیان کرتے ہیں اور سلام ہے رسولوں پر اور سب تعریفیں ثابت ہیں پروردگار

[3] [illegible]

[illegible]

سیدنا ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اور رقیہ ازواج مطہرات کی زیارت کرے اور عثمان بن مظعون اور عبدالرحمن بن عوف کی زیارت کرے اور امام مالک کی قبر کی زیارت کرے کہ یہ قبور مشہور ہیں اور بقیع میں فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی مسجد کی زیارت کرے جس کو بیت الاحزان کہتے ہیں اور وہاں نماز پڑھے اور ایک روایت یوں ہے کہ اُن کی قبر بھی وہیں ہے اور مستحب ہے کہ پنجشنبہ کو مشہد ہائے احد کی زیارت کرے لیکن صبح کی نماز پڑھ کے جاوے تاکہ ظہر کی نماز مسجد شریف میں ملے فوت نہ ہو اور ابتدائے زیارت سید الشہدا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کرے اور یوں کہے (سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار سلام علیکم دار قوم مومنین انا ان شاء اللہ بکم لاحقون اور آیۃ الکرسی اور سورۃ اخلاص پڑھے کذا فی الاختیار شرح المختار اور خود جبل احد کی زیارت کرے کہ حدیث میں آیا ہے کہ احد پہاڑ ہم کو چاہتا ہے اور ہم اُس کو چاہتے ہیں اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم مصعب بن عمیر کی قبر پر گذرے یعنی شہدائے احد میں پھر وہاں کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم خدا کے نزدیک زندہ ہو سوائے لوگو زیارت کیا کرو اور اُن کو سلام کیا کرو پس قسم ہے اُس ذات پاک کی کہ جس کے قابو میں میری جان ہے کہ جو ان کو سلام کرے گا اُس کو جواب دیں گے قیامت کے دن تک کذا فی فتح القدیر اور مستحب یہ ہے کہ شنبہ کے روز مسجد قبا کو جاوے اس واسطے کہ صحیحین میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم مسجد قبا کی زیارت کرتے تھے ہر شنبہ کے دن سوار اور پیدل اور اُس میں دو رکعت نماز پڑھتے تھے اور نسائی میں سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسجد قبا کو گیا پھر وہاں دو رکعت نماز پڑھی تو اُس کو عمرہ کے برابر ثواب ملے گا مسجد قبا اول مسجد ہے جو اسلام میں تعمیر ہوئی اور اول اس میں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے پتھر رکھا پھر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور مستحب ہے کہ قبل دخول مسجد قبا کے یہ دعا کرے یا صریخ المستصرخین[۲] و یا غیاث المستغیثین و یا مفرج الکرب عن المکروبین و یا مجیب دعوۃ المضطرین صل علی محمد وآلہ اجمعین واکشف عنی کربی وحزنی کما کشفت عن رسولک کربہ وحزنہ فی ہذا المقام یا حنان یا منان یا کثیر المعروف یا دائم الاحسان) پھر اُس کنوئیں پر آوے جس کو بیر اریس کہتے ہیں جس میں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے لعاب دہن مبارک ڈالا اور دوسرا کنواں ہے مسجد کے قریب وہاں وضو کرے اور اُس کا پانی پیے پھر مسجد الفتح میں آوے جو خندق کے اوپر ہے اور اس دعا کو پڑھے جو ابھی مذکور ہوئی اسی طرح جمیع مشاہید متبرکہ اور مساجد معظمہ میں جاوے جو شمار میں تیس ہیں جن کو اہل مدینہ جانتے ہیں اور وہاں سات کنوئیں مشہور ہیں تلاش کر کے وہاں جاوے اور اُن کا پانی پیے باتباع سنت اور بہ نیت شفا کے کذا فی مناسک الکرمانی و فتح القدیر اور جب رجوع وطن کا قصد کرے تو مستحب ہے کہ رخصت ہونے کو قبر شریف مصطفوی کے پاس آوے اور جو ادعیہ کہ اول زیارت میں مذکور ہو چکی ہیں اُن کو اعادہ کرے پھر یوں کہے[۳] (ودعناک یا رسول اللہ غیر مودعین ولا ساعین بفرقتک ونحن نسالک ان تسال اللہ تعالیٰ ان لا یقطع آثارنا من زیارتک وان یبارک لنا فیما وہب لنا من الولد دخول من النعم وان یرزقنا الشکر علی ذلک بمنہ اللہم لا تجعل ہذا اخر العہد من زیارۃ قبر نبیک اللہم فان توفیتنی قبل ذلک فانی اشہد فی مماتی مثل ما شہدت علیہ فی حیاتی

[۱] سلام تم پر اس سے کہ تم نے صبر کیا سو کیا اچھا ٹھکانا گھر کا اور باقی ترجمہ اوپر گذرا ۱۲۔ [۲] اے فریاد رس فریاد خواہوں کے اور اے داد رس دادخواہوں کے اور اے کھولنے والے سختیوں کے سختی زدوں سے اور اے قبول کرنے والے دعا ناچاروں کے درود بھیج محمد صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم پر اور اُن کی سب اولاد پر اور کھول دے مجھ سے میرا اندوہ اور غم کو جیسے تو نے کھولا اپنے رسول سے اُن کا اندوہ اور غم کو اس مقام میں اے شفقت کرنیوالے اے احسان کرنے والے اے بہت احسان والے اے ہمیشہ کے احسان کرنیوالے ۱۲۔ [۳] رخصت کیا ہم نے آپ کو اے رسول اللہ کے نہ یہ کہ ہم نے آپ کو چھوڑا ہو اور نہ ہم راضی ہیں آپ کی جدائی سے اور ہم آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ اللہ سے درخواست کریں کہ وہ قطع نہ کرے ہمارے آثار آپ کی زیارت سے اور یہ کہ برکت کرے ہمارے لیے اُس چیز میں کہ اُس نے ہم کو دی اولاد سے اور عطا کی نعمتوں سے اور یہ کہ ہم کو روزی کرے شکر نعمت پر اپنے احسان سے الٰہی مت کر اس زیارت کو آخر دورہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت سے الٰہی سو اگر تو وفات دے مجھ کو اس سے پیشتر تو گواہی دیتا ہوں میں اپنی موت میں جیسے میں نے گواہی دی اس پر اپنی زندگی میں کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے الخ باقی ترجمہ اوپر گذرا ۱۲

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمداً عبدہ ورسولہ ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین۔ والحمد للہ رب العالمین) پھر مسجد کے اندر روضہ شریف میں آوے اور دو رکعت نماز پڑھے اور دعاے عافیت کرے اور مسجد سے نکلنے کے وقت پہلے بایاں پاؤں بڑھاوے اور مفارقت مسجد شریف اور قبر مبارک سے کمال غمناک اور متاسف اور چند قطرات آنسو نکالے اس واسطے کہ فراق قبر سید المرسلین میں رونا علامت ہے قبول کی پھر یوں کہے (اللّٰھم صل علی محمد وعلی آل محمد اللّٰھم لاتجعل ہذا آخر العہد بنبیک وحط اوزاری بزیارتہ واصحبنی فی سفری ہذا بالبر والتقوی ویسر رجوعی الی اہلی یا ارحم الراحمین)[1] پھر ہمسائگان مصطفوی یعنی اہل مدینہ پر کچھ خیرات کرے جو ہوسکے کہ اس خیرات کو مقبولیت اور سلامتی راہ میں اثر ہے پھر روانہ ہو سوا گر مدینہ سے مکہ کی طرف آوے چنانچہ اہل ہند کو اتفاق ہوتا ہے تو ذی الحلیفہ سے احرام باندھے یا حج کا یا عمرہ کا اور حرمین کے درمیان میں مساجد متبرکہ بہت ہیں ان کو تفحص اور تحقیق کرکے اُن میں نماز پڑھے کذا فی مناسک الکرمانی پھر جب کہ اپنے وطن کے قریب پہنچے تو آگے سے اپنے لوگوں کو اطلاع کرے اور دفعۃً کرکے علی الخصوص رات کو گھر میں نہ جاوے کہ حدیث میں ممنوع ہے پھر جب اپنے شہر میں پہنچے تو مسجد میں دو رکعت نماز پڑھے پھر جب گھر میں جاوے تو وہاں بھی دو رکعت نماز پڑھے اور حمد شکر بجا لاوے کہ یہ دولت نصیب ہوئی اور عافیت اور سلامت سے اپنے اہل و عیال کو ملا اور اور بعد حج کے لازم ہے کہ آخرت کو نہ بھولے اور معاصی سے پرہیز کرے اس واسطے نکس اشد ہے مرض سے یعنی بعد شفا اور صحت کے پلٹا کھانا بیماری سے بدتر ہے اور اپنے مولی کی عبادت پر سابق سے زیادہ مستعد ہوجاوے کہ حج مقبول کی یہی علامت ہے کہ آگے سے بہتر ہوجاوے کذا فی فتح القدیر والکرمانی حق تعالی ہم کو اور ہمارے اخوان مسلمین کو حج مبرور اور زیارت مقبول اپنے کرم سے عنایت کرے اور ہماری دستگیری فرماوے آمین ثم آمین **فائدہ جلیلہ** بعضے آداب زیارت کے واسطے انتفاع مسلمین کے خلاصۃ الوفا تاریخ مدینہ منورہ سے مذکور ہوتے ہیں منجملہ آداب زیارت کے یہ ہے کہ قبر شریف کی دیوار کو ہاتھ سے نہ چھوئے نہ چومے نہ وہاں طواف کرے کہ مکروہ ہے اس لیے کہ طواف بیت اللہ کے لیے مخصوص ہے اور پیٹ اور پیٹھ کو دیوار سے لگانا بھی مکروہ ہے بلکہ مقتضائے ادب یہ ہے کہ دور رہے جس قدر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اگر حاضر ہوتا تو دور رہتا یہی حق ہے اور اسی پر علما کا اجماع ہے اور جو یہ سمجھے کہ چھونے اور چومنے میں محبت اور برکت زیادہ ہے تو یہ اُس کی جہالت اور غفلت ہے اس واسطے کہ برکت اور محبت پسندیدہ اسی میں ہے جو شرع شریف کے موافق اور قول علما کے مطابق ہے احیاء العلوم میں مصرح ہے کہ قبور کا چھونا اور چومنا یہود و نصاریٰ کی عادت ہے انس بن مالک صحابی نے ایک مرد کو دیکھا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی قبر شریف پر ہاتھ رکھے ہے تو اُس کو منع کیا اور کہا کہ یہ امر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں معروف نہ تھا اور آداب سے یہ ہے کہ قبر شریف کے پاس جھک کر سلام نہ کرے کہ بدعت ہے اور اُس سے برا زیادہ یہ ہے کہ زمین کو چومے جاہل لوگ جانتے ہیں کہ یہ تعظیم کا کام ہے حالانکہ یہ غلط ہے علامہ عز الدین بن جماعۃ نے کہا کہ مجھ کو جہلاؤں سے تعجب نہیں آتا بلکہ بعضے علما سے مجھ کو تعجب آتا ہے جو اُس کی خوبی کا فتوی دیتے ہیں جان بوجھ کر اور آداب سے یہ ہے کہ قبر مقدس کو پیٹھ نہ دے نہ نماز میں نہ غیر نماز میں اور نہ قبر کے سامنے نماز پڑھے ابن عبد السلام نے کہا کہ جب نماز کا ارادہ کرے تو حجرہ شریفہ کو پیٹھ دے کر نہ کھڑا ہو اور نہ نماز کے آگے کرے اور لازم ہے کہ قبر شریف کے ادب سے آنکھ نیچی کیے رہے اور بیہودہ گفتگو نہ کرے اور چلا کر نہ بولے اس واسطے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب بعد وفات کے اسی طرح واجب ہے جیسا کہ حیات میں اس واسطے کہ حیات بعد ممات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں مصرح ہے اور جب قبر شریف کی طرف ہو کر نکلے اگر یہ خارج مسجد کی طرف سے نکلے تو لائق ہے کہ کھڑا ہوجاوے اور سلام عرض کرے امام مالک کا یہ مذہب ہے کہ اہل مدینہ کو لازم نہیں کہ جب مسجد میں آویں تو سلام کریں لیکن مسافروں کو لازم ہے اور باقی مذاہب ثلثہ

[1] الٰہی رحمت بھیج محمد اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یا اللہ مت کر اس زیارت کو آخر ورہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور گھٹا دے میرے گناہ اُس کی زیارت سے اور ساتھ کر میرے اندر میرے اس سفر کے نیکی اور پرہیزگاری کو اور آسان کر میرا لوٹنا اپنے گھر کو اے ارحم الراحمین آمین ثم آمین ۱۲

آداب زیارت

میں ہر شخص کو سلام کرنا لازم ہے ہر بار بطور استحباب کے اس واسطے کہ خیر کی کثرت بھی خیر ہے مجدالدین صاحب قاموس نے کہا کہ حجرۂ شریفہ کا دیکھنا عبادت ہے بقیاس رویت کعبہ کے اور مسجد سے باہر قبہ شریف کو نہایت تعظیم اور محبت سے دیکھتا رہے اور آداب سے یہ ہے کہ قیام کی مدت میں درود کی کثرت کرے اور روزے رکھے اور مسجد شریف کی نماز جماعت پر حریص رہے اور اعتکاف کرے اور ایک رات مسجد میں رہے اور قرآن ختم کرے اور مستحب ہے کہ بعد سلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر روز بقیع میں جایا کرے امام نووی رحمہ نے کہا علی الخصوص جمعہ کے دن اور آداب سے یہ ہے کہ مدینہ کے رہنے والوں سے محبت رکھے خصوصًا علما اور صالحین اور سادات اور مسجد کے خادمین سے علی حسب المراتب یہاں تک کہ عوام اور وہاں کے غلام جن میں کوئی فضیلت نہیں وہ بھی واجب الاحترام ہیں بہ سبب ہمسائگی خیر الانام کے علیہ الصلوۃ والسلام اگرچہ وہاں کے عوام تارک السنت اور مرتکب بدعت ہوں لیکن شرف سکونت مدینہ اور ہمسائگی حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلا شبہ اُن کو ثابت ہے بہرصورت ہمارے حق میں واجب التعظیم ہیں امید ہے کہ خاتمہ اُن کا بخیر ہو اور قرب ظاہری قرب باطنی میں تاثیر کرے ۵ فیا ساکنی اکناف طیبۃ کلکم ٭ الی القلب من اجل الحبیب حبیب[1] کذا فی تاریخ السید السمہودی ھم جیسے اہل مدینہ واجب التعظیم ہیں ویسے ہی اہل مکہ لازم التکریم ہیں اس واسطے کہ اہل مدینہ ہمسایہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اہل مکہ ہمسایہ بیت اللہ ہیں تو محبت اور تعظیم اہل حرمین شریفین انسان ایمانی کی نور العین ہے ٭

---

[1] پس اے رہنے والو مدینہ منورہ کے اطراف کے تم سب دل کو محبوب ہو بوجہ حبیب رب العالمین محبوب دلہائے مومنین کے ۱۲

تمت بالخیر